

ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ
وہ عظیم ترین کتاب جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے، ایسا پرہیزگاروں کیلئے ہے
(البقرہ: ۲)

تفسیر مدارک المتنبیل

وحقائق المتساویل

مع ترجمہ قرآن امی بہ

برکات القرآن

جلد سوم
(الرؤم تا التائیس)
تصنیف

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی ہمتوفی ۱۰۷۰ھ
مترجم

علامہ مولانا حافظ محمد واحدش غوثوی مہاروی
(سابق مدرس جامعہ نعیمیہ لاہور)

ناشر

فریدی پبلشنگز
۳۸- اردو بازار لاہور

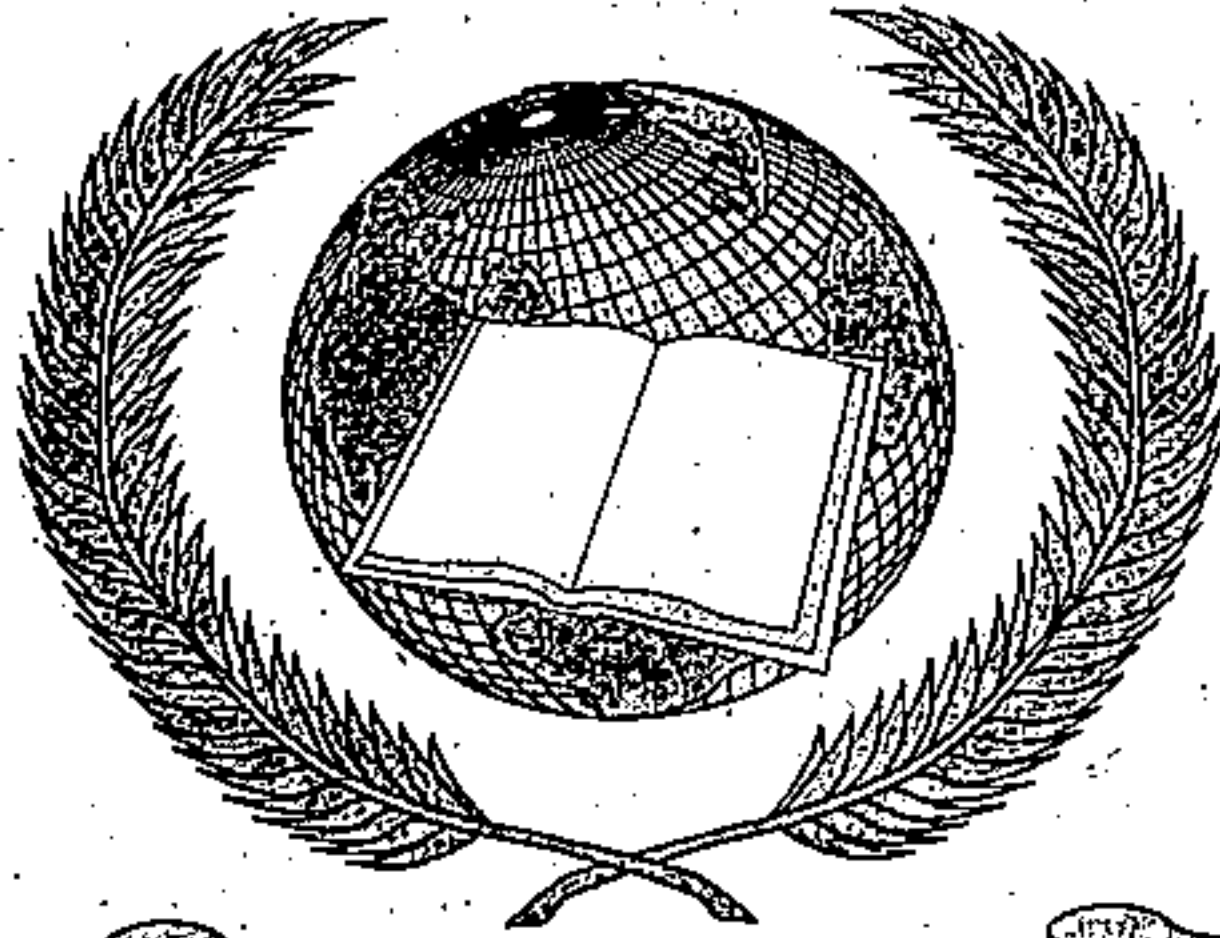
Copyright ©

All Rights reserved

This book is registered under the copyright act. Reproduction of any part, line, paragraph or material from it is a crime under the above act.

جملہ حقوق محفوظ ہیں

یہ کتاب کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہے، جس کا کوئی جملہ، پیرا، لائن یا کسی قسم کے مواد کی نقل یا کاپی کرنا قانونی طور پر جرم ہے۔



تصحیح: حافظ محمد اکرم ساجد، محمد اشتیاق احمد
مطبع: رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور
الطبع الاول: رمضان 1434ھ / جون 2013ء

Farid Book Stall

Phone No: 092-42-7312173-7123435

Fax No. 092-42-7224899

Email: info@faridbookstall.com

Visit us at: www.faridbookstall.com

فرید بک اسٹال 38۔ اردو بازار لاہور

فون نمبر: 092-42-7312173-7123435

فیکس نمبر: 092-42-7224899

ای۔میل: info@faridbookstall.com

ویب سائٹ: www.faridbookstall.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفسیر مدارک التزیل (جلد سوّم)

صفحہ	عنوان	باب	صفحہ	عنوان	باب
66	علوم خمسہ کا بیان	6	17	۳۰ - سورة الروم	
70	۳۲ - سورة السجدة			روم کے غلبہ کی خبر سے نبوت و قرآن کی حقانیت اور کفار کی مذمت	1
70	قرآن اور صاحب قرآن کی شان	1	17		
75	مجرموں کے انجام کا بیان	2		اللہ تعالیٰ کی قدرت و تسبیح اور مسلم و کافر کے انجام کا بیان	2
76	نیوکار مسلمانوں کے انجام کا بیان	3	22		
78	نافرمان کفار کا انجام	4	25	قدرت الہی کے مظاہر و انعامات کا بیان	3
79	حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کا تذکرہ	5		دین حنیف کو اپنانے کی تاکید اور کفار کی مذمت کا بیان	4
	اہل مکہ کو غفلت سے بیدار کرنے اور خوف دلانے کا بیان	6	30		
80				صدقہ و زکوٰۃ دینے سے بچنے اور کفار کی مذمت کا بیان	5
82	۳۳ - سورة الاحزاب		34		
	حضور سید عالم ﷺ کو چار اہم ترین احکام کی تلقین	1	36	گناہوں کے وبال اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان	6
82				انسان کی زندگی کے تین مدارج اور قیامت میں کفار کی رسوائی کا بیان	7
	کسی آدمی کے دودل ہونے بیوی کو ماں کہنے اور کسی کے بیٹے کو اپنا بیٹا قرار دینے کی ممانعت	2	45		
84			47	قرآن مجید کی فضیلت، کفار کی مذمت اور صبر کا حکم	8
	حضور سید عالم ﷺ کی فضیلت اور تمام انبیائے کرام سے بیٹاق	3	48	۳۱ - سورة لقمان	
87				نیک مسلمانوں کے لیے جنت کی بشارت اور قرآن سے تکبر کرنے والے موسیقاروں کے لیے ذلت ناک عذاب کا بیان	1
90	انعام الہی	4	48		
93	منافقین کی حالت نفاق کا بیان	5	52	اللہ تعالیٰ کی قدرت تخلیقی کا بیان	2
	رسول خدا کے اسوۂ حسنہ اور مسلمانوں کے جذبہ ایمانی کا بیان	6	53	حضرت لقمان کا تذکرہ	3
98				اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر ناشکروں اور شکر گزاروں کا بیان	4
100	کفار و غیرہ کی ناکامی کا بیان	7	58		
	آیات تنخیر کے جواب میں ازواج مصطفیٰ کے حسن	8	61	اللہ تعالیٰ کی قدرت و شان کا بیان	5

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
137	مسلمانوں کو ایذا دینے کا گناہ	28	102	انتخاب کا بیان	
	مسلم خواتین کو اپنے چہروں اور جسموں کو چھپانے کا حکم	29	105	ازواج مطہرات کو احکام و آداب کی تلقین	9
137			108	مردوں اور عورتوں کی قابل اعزاز خوبیاں	10
139	منافقین کو قتل کی دھمکی	30		رسول خدا کے فیصلے پر کسی مسلمان کو رد عمل کا اختیار نہیں	11
140	قیامت کا علم اور کفار کا انجام	31	110		
	ایذا رسائی کی ممانعت اور کامیابی کی ضمانت کا بیان	32		منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کے جواز کا	12
143			111		
144	امانت الہی کا بیان	33		حبیب خدا امت کے روحانی باپ اور آخری نبی ہیں	13
146	۳۴ - سورہ سبا		115		
147	اللہ تعالیٰ کی شان اور مسلم و کافر کے انجام کا بیان	1	116	ختم نبوت کے متعلق احادیث مبارکہ	14
149	اہل علم مسلمانوں کی شان اور کفار مکہ کی مذمت	2	118	اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تسبیح بیان کرنے کا حکم	15
	حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے خصوصی فضائل کا بیان	3	118	ختم نبوت کے متعلق مفسرین کے چند اقوال	16
152			119	ختم نبوت کے متعلق فقہاء اسلام کے چند اقوال	17
157	اہل سبا کے عروج و زوال کا بیان	4	120	مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بیان	18
	معبودان باطلہ کے عجز اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان	5	121	شان مصطفیٰ کا بیان	19
161				حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حاضر و ناظر ہونے کی توضیح	20
	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت عامہ اور قیامت کا بیان	6	122		
164			124	غیر مدخولہ مطلقہ عورت کے لیے کوئی عدت نہیں	21
167	منکرین اسلام کی ذلت و رسوائی کا بیان	7		حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے نکاح کی خصوصی اجازت	22
	پیغمبروں کے ساتھ سرکش مال داروں کے رویے کا بیان	8	125		
169				حضور ﷺ کے گھر بے اجازت جانے اور آپ کی بیویوں سے نکاح کرنے کی حرمت کا بیان	23
171	کفار مکہ کی سرکشیوں کا انجام	9	130		
173	کفار مکہ کو سابق کفار کے انجام کے تذکرہ سے احتیاط	10		حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود و سلام پڑھنے کے فضائل	24
	حضور سید عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں غور و فکر کرنے کی نصیحت	11	133		
174			134	صلوٰۃ و سلام کی فضیلت میں چند احادیث کا بیان	25
175	تبلیغ پر طلب اجرت کی نفی کا بیان	12	135	صلوٰۃ و سلام نہ پڑھنے کی مذمت و سزا	26
176	حق و باطل کا بیان	13		اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذا دینے کی سزا کا بیان	27
	گمراہی کے الزام پر کفار کو حضور ﷺ کا متواضعانہ	14	136		

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
228	روزِ محشر کے برپا ہونے اور اہل جنت کا بیان	7	177	جواب	
230	مشرکین مکہ کی شامت، عہد کی یاد دہانی اور اعضاء کی گواہی	8	178	کفار کی ندامت و گھبراہٹ کا بیان	15
232	عمر کی درازی سے مرنے کے بعد اٹھنے پر استدلال	9	180	۳۵ - سورۃ فاطر	
232	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شعر نہ کہنے کی حکمت	10	183	اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور کفار کے تکذیبی رویہ کا بیان	1
232	اور قرآن کی عظمت کا بیان		185	شیطان کی فریب کاری پر انسانوں کو تنبیہ	2
234	انعامات پر شکر کرنے کی ترغیب اور بت پرستی کی مذمت	11	191	اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور بتوں کی بے بسی کا بیان	3
234	انسان کی پہلی تخلیق سے مرنے کے بعد دوبارہ تخلیق کرنے پر استدلال	12	192	تمام مخلوق کی محتاجی اور اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا ذکر	4
236	سورۃ یسین کے فضائل	13	194	کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا	5
238	۳۷ - سورۃ الصّٰفٰت		194	سماع موتی کا بیان اور رسولوں کی تکذیب کا انجام	6
239	صفاتِ الہیہ سے اس کی توحید پر استدلال	1	196	سماع موتی کے ثبوت میں احادیث مبارکہ کا بیان	7
239	کفار مکہ کے احمقانہ رویوں کا بیان	2	198	علماء کے اقوال	8
242	روزِ محشر کے قیام اور مسلم و کافر کے اعمال و انجام کا بیان	3	200	اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا بیان	9
245	حضرت نوح علیہ السلام کی شان اور ان کی قوم کے انجام کا بیان	4	204	حاملین قرآن کا بیان	10
253	حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کے احوال کا بیان	5	206	حاملین قرآن کے انعام اور منکرین کے انجام بد کا بیان	11
255	حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کی خوش خبری اور انہیں ذبح کرنے کا حکم	6	208	اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت کی شان اور کفر و شرک کے نقصان کا بیان	12
259	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق کی بشارت	7	210	کفار مکہ کو جھوٹی قسم کھانے اور بُری سازش کرنے پر اغباء	13
263	حضرات موسیٰ و ہارون اور الیاس کا تذکرہ	8	211	۳۶ - سورۃ یس	
266	حضرت لوط اور حضرت یونس علیہما السلام کا تذکرہ	9	215	سورتِ یسین کی ابتدائی آیات کی تفسیر	1
269	کفار مکہ کے باطل نظریات کی تردید	10	218	پچھمبروں کو اپنے جیسا کہنے والے اٹا کیہ شہر کے کفار کا قصہ	2
273	مُرسَلین کے غلبہ اور مشرکین کے انجام کا بیان	11	220	حضرت حبیب نجار کے ایمان و شہادت اور اس کی قوم میں سے کفار کے انجام کا بیان	3
			222	کفار کی سرکشیوں پر اظہارِ افسوس	4
			226	دلائل قدرت سے محشر برپا کرنے پر استدلال	5
				کفار مکہ کی سرکشیوں اور بخل کا بیان	6

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
326	قرآن مجید کی فضیلت و تاثیر کا بیان	8	276	۳۸ - سورہ ص	
327	جنتی اور دوزخی برابر نہیں	9	276	ص اور قرآن مجید کی حکمتیں	1
328	قرآن مجید کی مثالوں کا مقصد نصیحت ہے	10	277	کفار مکہ کے تکبر و مخالفت کا بیان	2
329	اسلام دشمنی پر کفار کی مذمت	11	280	تکذیب کے سبب گزشتہ قوموں کی ہلاکت کا بیان	3
331	اسلام دوستی پر صحابہ کرام کی فضیلت	12	281	کفار مکہ کی حماقت کا بیان	4
333	کفار مکہ کے لیے تنبیہات	13	282	حضرت داؤد علیہ السلام کی شان	5
335	اللہ تعالیٰ کی قدرت و حفاظت اور بتوں کی بے بسی کا بیان	14	284	حضرت داؤد علیہ السلام کے خلاف من گھڑت روایت کی تردید	6
339	مظالم کی وجہ سے ظالموں کے انجام کا بیان	15	291	زمین و آسمان و دیگر مخلوق کی تخلیق بے مقصد نہیں	7
342	مشرکین کے سوا تمام مسلمانوں کے لیے مغفرت و رحمت کا اعلان	16	291	نیک و بد ہرگز برابر نہیں ہو سکتے	8
349	اللہ تعالیٰ کی توحید و عبادت کا حکم اور شرک کی ممانعت	17	292	نزول قرآن کا مقصد	9
350	کفار کی مذمت اور قیام قیامت کا تذکرہ	18	293	حضرت سلیمان کا تذکرہ	10
353	کافروں اور پرہیزگار مسلمانوں کے انجام کا بیان	19	297	حضرت ایوب علیہ السلام کا تذکرہ	11
356	۴۰ - سورۃ المؤمن			حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی نسل میں سے انبیائے کرام کا ذکر خیر	12
356	اللہ تعالیٰ کی قدرت و شان اور کفار کی تکذیب و انجام کا بیان	1	300	پرہیزگاروں اور سرکشوں کے انجام کا بیان	13
359	مسلمانوں کے لیے فرشتوں کا دعائے مغفرت کرنا	2	302	منصب نبوت عذاب سے ڈرانا اور توحید سمجھانا ہے	14
361	کفار پر اللہ تعالیٰ کے غضب ناک ہونے کے سبب کا بیان	3	306	حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ	15
364	اللہ تعالیٰ کی قدرت و شان اور اس کی خالص عبادت کا بیان	4	308	رسول عربی ﷺ کا اعلان حق	16
367	رسولوں کی تکذیب پر کفار کی ہلاکت کا بیان	5	313	۳۹ - سورۃ الزمر	
370	فرعون کی فریب کاری اور آل فرعون کے مسلمان کی حق گوئی	6	313	قرآن کی حقیقت اور شرک کی مذمت	1
377	آل فرعون کے مرد مؤمن کی ایمان افروز تبلیغ	7	314	اللہ تعالیٰ کی بے نیازی اور انسان کی ناشکری کا بیان	2
	آل فرعون کے مؤمن کی حفاظت اور فرعونیوں کے	8	317	ایمان اور احسان کی فضیلت	3
			320	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے عبادت کا حکم	4
			320	آخرت کا خسارہ کفار کے لیے ہے	5
			322	شیطان کی بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں کی شان	6
			323	مسلم و کافر برابر نہیں ہو سکتے	7
			325		

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
423	۴۲ - سورة الشوری		379	لیے عذاب کا بیان	
	اللہ تعالیٰ کی شان، قرآن کے نزول کی حکمت اور	1	380	عالم برزخ میں عذاب و ثواب کا ثبوت	9
423	کفار کی مذمت		383	اللہ تعالیٰ کی مدد کا بیان	10
	اختلافی مسائل اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے اور اللہ	2	384	کفار کی تکلیفوں پر صبر کرنے کا حکم	11
427	تعالیٰ کی قدرت کا بیان		387	اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر کا بیان	12
429	انبیائے کرام کے متحدہ دین کو قائم رکھنے کا حکم	3	390	کتاب الہی کے منکروں کی سزا کا بیان	13
430	فرقہ بندی اختیار کرنے پر اہل کتاب کی مذمت	4		اللہ تعالیٰ کے انعامات اور منکروں کے انجام بد کا	14
	کفار کی مذمت، مسلمانوں کے لیے خوش خبری اور	5	393	بیان	
434	آل رسول کی محبت		396	۴۱ - سورة حم السجدة	
439	توبہ قبول کرنے اور دیگر انعامات کا بیان	6		قرآن مجید کے نزول کی حکمت اور کفار کے عناد و	1
442	مصیبتوں کا نزول بڑے اعمال کے سبب ہوتا ہے	7	396	انکار کا بیان	
443	اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں	8		قدرت الہی کے مناظر اور عاد و ثمود کے بد انجام	2
445	شان ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ	9	400	کے ذریعے کفر و شرک کی مذمت	
446	مدنی صحابہ کرام کی شان	10	404	کفر و شرک کے سبب عاد و ثمود پر عذاب	3
448	ظالموں کی رسوائی کا بیان	11		دشمنان خدا کے خلاف ان کے اعضاء کی گواہی اور	4
	کفار کو دعوت اسلام دینے اور ان کی روگردانی کا	12	407	عذاب کا بیان	
449	بیان		409	کفار کے بڑے اعمال کی وجہ سے بُرا انجام	5
	اللہ تعالیٰ کی قدرت اور انسان کے ساتھ کلام کرنے	13		دین پر استقامت اختیار کرنے پر مسلمانوں کا نیک	6
451	کے طریقہ کا بیان		411	انجام	
455	۴۳ - سورة الزخرف		412	نیکی کی دعوت دینے والے کی شان کا بیان	7
455	قرآن کی شان اور کفار کو انتباہ کرنے کا بیان	1		اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادت کے لیے قدرت کی	8
	اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور کفار کے شرک و ناشکری کا	2	414	نشانوں کا بیان	
457	بیان			منکربین قرآن کی مذمت اور قرآن کی عظمت کا	9
460	اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنے کی تردید	3	416	بیان	
464	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اعلان حق	4		حضرت موسیٰ کی کتاب میں بنی اسرائیل کے	10
	آخر الزمان رسول ﷺ اور قرآن کے انکار پر	5	418	اختلاف کا بیان	
464	کفار مکہ کی مذمت		419	اللہ تعالیٰ کی علمی شان اور بت پرستی کی مذمت	11
	دنیا کی حقارت اور اس کی زیب و زینت کا کفار کے	6	421	انسان کا حرم کبھی ختم نہیں ہوتا	12

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
507	کی مذمت کا بیان		466	لیے ہونے کا بیان	
509	اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کفار کی گمراہیوں کا بیان	5	467	ذکر الہی سے اعراض کے سبب شیطان کا تسلط	7
511	قیامت کے احوال اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کا بیان	6		اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی اور نصیحت	8
514	۴۶ - سورۃ الاحقاف		469		
	اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت اور کفار اور ان کے	1	471	حضرت موسیٰ کی تبلیغ پر فرعون کی مخالفت کا انجام	9
515	بتوں کی مذمت کا بیان		474	کفار مکہ کے ایک اعتراض اور جھگڑے کا بیان	10
517	قرآن مجید کی حقانیت اور کفار کی مذمت کا بیان	2	475	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان	11
	تورات و قرآن اور ثابت قدم رہنے والوں کی	3	479	نیکیوں کی جزاء اور بُروں کی سزا کا بیان	12
522	شان			اللہ تعالیٰ سے اولاد کی نفی اور تقدس و قدرت کا ثبوت	13
523	والدین کی شان اور نیک اولاد کی اہمیت و فضیلت	4	482	اور کفار کی مذمت	
526	نافرمان اور بد عقیدہ اولاد کی مذمت کا بیان	5	485	۴۴ - سورۃ الدخان	
	حضرت ہود علیہ السلام کی تبلیغ کے منکر قوم عاد کا	6		نزول قرآن اور شب براءت کی برکت و فضیلت کا	1
529	انجام		486	بیان	
	گزشتہ قوموں کی ہلاکت اور جنوں کے ایمان لانے	7		مشرکین مکہ کا عذاب کو دیکھ کر ایمان لانے کا وعدہ	2
532	کا بیان		489	کرنا	
	مردوں کو زندہ کرنے کی دلیل اور حضور ﷺ کو	8	491	حضرت موسیٰ کی آمد اور فرعون کی آزمائش	3
535	صبر کرنے کی تلقین کا بیان		494	بنی اسرائیل کی نجات اور مشرکین کی مذمت کا بیان	4
537	۴۷ - سورۃ محمد ﷺ		497	کفار کے لیے عذاب آخرت کی وعید	5
	باطل کی پیروی کے نقصان اور حق کی پیروی کے	1		پرہیزگاروں کے لیے آخرت کے اجر و ثواب کی	6
537	انعام کا بیان		498	بشارت	
	جہاد کے سبب مسلمانوں کے لیے انعام و اکرام اور	2	500	۴۵ - سورۃ الجاثیہ	
539	کفار کے لیے ذلت و ہلاکت			قدرت الہی کی نشانیوں اور ان کے منکروں کی	1
543	نیک مسلمانوں کی جزاء اور کفار کی سزا کا بیان	3	500	مذمت کا بیان	
	پرہیزگاروں کے لیے جنت کی اقسام اور منافقین	4		اللہ تعالیٰ کی تسخیر اور مسلمانوں کو درگزر کرنے کی	2
544	کے نفاق کا بیان		504	تلقین کا بیان	
	مسلمانوں کی خواہش پر جہاد کی فرضیت سے	5		اللہ تعالیٰ کے انعامات پر بنی اسرائیل کی ناشکری کا	3
548	منافقوں کی پریشانی کا بیان		506	بیان	
550	منافقوں کے ارتداد اور اس کے سبب و انجام کا بیان	6		حضور ﷺ کے دین کی پیروی کرنے اور ظالموں	4

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
601	انسانی قبائل و خاندان اور تقویٰ کی اہمیت کا بیان	7		منافقوں کے قلبی بغض اور ان کی پہچان و امتحان کا بیان	7
	قبیلہ بنو اسد کے دیہاتیوں کی مذمت اور مخلص	8	551		
604	مؤمنوں کی شان		556	۴۸ - سورة الفتح	
607	۵۰ - سورة ق		557	محبوب خدا کے لیے انعاماتِ خمسہ کا بیان	1
607	بعثتِ نبوی اور حشر و نشر پر کفار کے تعجب کا بیان	1		صحابہ کے لیے انعامات اور کفار و منافقین کے لیے عذاب کا بیان	2
610	حشر و نشر پر قدرتِ الہی کے دلائل کا بیان	2	561		
611	پہلی قوموں کی تکذیب اور ان کے انجام کا بیان	3	562	اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کی عظمت و شان کا بیان	3
	انسان کی تخلیق، شانِ الہی اور دو محافظ فرشتوں کا بیان	4	565	منافقین کی جھوٹی معذرت اور بدگمانی کا بیان	4
613			567	منافقین کے حرص اور کم عقلی کا بیان	5
	موت کی سختی، قیامت کے وقوع اور کفار کی سزا کا بیان	5		دعوتِ جہاد کی اطاعت پر ثواب اور روگردانی کرنے پر عذاب کا بیان	6
615			568		
	پرہیزگاروں کے لیے جنت اور اس کے انعامات کا بیان	6		معذوروں کی رخصت اور اللہ و رسول کی اطاعت پر انعام اور نافرمانی پر عذاب کا بیان	7
618			569		
619	کفار مکہ کے لیے اغتباہ اور یہود کی تردید	7	570	بیعتِ رضوان اور دیگر انعامات کا بیان	8
	حضور ﷺ کو کفار کی دل آزار باتوں پر صبر کرنے اور تسبیح بیان کرنے کی تلقین	8		حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خواب کی سچائی اور دین اسلام کے غلبہ کا بیان	9
620			576		
	قیامت کے برپا ہونے اور مردوں کو زندہ کرنے کا بیان	9		حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام پاک کے فضائل و برکات اور صحابہ کرام کی شان کا بیان	10
621			578		
622	۵۱ - سورة الذریت		578	کلمہ محمد کی تشریح	11
	قیامت کے وقوع کی قسمیں اور منکرین کے بُرے انجام کا بیان	1	582	۴۹ - سورة الحجرات	
623			583	مسلمانوں کے لیے آدابِ نبوی کا بیان	1
625	پرہیزگاروں کے انعامات و اوصاف کا بیان	2		بوقتِ ضرورت آپ کے سامنے بلند آواز سے بولنا اور آپ کی نعت پڑھنا جائز ہے	2
629	حضرت ابراہیم کو بیٹے کی ولادت سے پہلے بشارت	3	586		
	حضرت لوط علیہ السلام کی مجرم قوم کی ہلاکت اور مسلمانوں کی نجات کا بیان	4	591	فاسق کی خبر کی تحقیق کا حکم	3
631			593	رسول خدا کی اہمیت اور صحابہ کرام کی شان کا بیان	4
632	فرعون، عاد، ثمود اور قوم نوح کی ہلاکت کا بیان	5		دو مسلمان گروہوں کے درمیان صلح کرانے کی اہمیت کا بیان	5
	قدرتِ الہی، توحید کی دعوت اور رسولوں پر کفار کی الزام تراشی	6	594		
635			596	معاشرتی بُرائیوں کی ممانعت کا بیان	6

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
680	قوم لوط کی تکذیب اور ان کی ہلاکت کا بیان	5	637	جن وانس کی تخلیق کا مقصد اور کفار کی سزا کا بیان	7
681	فرعونیوں کی تکذیب و ہلاکت اور کفار مکہ کی مذمت	6	638	۵۲ - سورة الطور	
685	۵۵ - سورة الرحمن			قیامت برپا ہونے کی قسموں اور منکرین کے لیے	1
686	”عَلَّمَ الْقُرْآنَ“ اور ”عَلَّمَهُ الْبَيَانَ“ کی تشریح	1	639	عذاب کا بیان	
	چاند و سورج، نباتات، زمین و آسمان اور میزان	2		پرہیزگار مسلمانوں کے لیے آخرت کے انعامات کا	2
688	عدل کے فوائد کا بیان		642	بیان	
	جن وانس کی تخلیق اور سمندروں اور دریاؤں کے	3		مسلمان والدین کی مسلمان اولاد کو جنت میں ان	3
691	فوائد کا بیان		643	کے ساتھ رکھا جائے گا	
693	تمام مخلوق کے فنا اور محتاج ہونے کا بیان	4		کفار کے فاسد نظریات اور ان کی الزام تراشیوں	4
	عبرت آموز خطاب الہی اور جن وانس کی بے بسی کا	5	646	کی تردید	
695	بیان			حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفار کی فریب کاریوں پر	5
697	قیامت کی ہولناکی اور گناہ گاروں کی ذلت کا بیان	6	649	صبر کرنے کا حکم	
	اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے انعامات کا	7	651	۵۳ - سورة النجم	
698	بیان		651	سورة النجم کی ابتدائی آیات کی تفسیر	1
704	سورة الرحمن کی فضیلت	8		بتوں کی مذمت اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و توحید کا	2
704	۵۶ - سورة الواقعة		657	بیان	
705	قیامت کے وقوع اور انسان کی تقسیم کا بیان	1		کفر و شرک کی نحوست و مذمت اور نیک و بد کے	3
	سبقت لے جانے والوں کا تعارف اور ان کے	2	659	مختلف انجام کا بیان	
707	لیے انعامات کا بیان			کفار کی مذمت اور کلیم و خلیل کی شریعت کے چند	4
709	اصحاب یمین کے لیے انعامات کا بیان	3	662	مسائل کا بیان	
	توحید و قیامت کے انکار کی وجہ سے ”اصحاب	4		اللہ تعالیٰ کی قدرت و گرفت اور کفار مکہ کی حماقت کا	5
711	شمال“ کی سزاؤں کا بیان		667	بیان	
	انسان، کھیتی باڑی اور آگ کی تخلیق کے ذریعے	5	669	۵۴ - سورة القمر	
714	تصدیق حق کی دعوت		670	معجزہ شق قمر کے انکار پر کفار مکہ کی مذمت	1
	ستاروں کے غروب ہونے کے وقت کی عظمت اور	6		حضرت نوح علیہ السلام کی نافرمان قوم کی ہلاکت کا	2
718	قرآن مجید کی فضیلت کا بیان		673	بیان	
720	جان کنی کے وقت کفار کی بے بسی کا بیان	7	675	قوم عاد کی تکذیب و ہلاکت کا بیان	3
	نیکیوں کے لیے انعام اور گمراہوں کے لیے سزا کا	8	677	قوم ثمود کی تکذیب اور ان کی ہلاکت کا بیان	4

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
	حضور ﷺ سے سرگوشی کی بات کرنے سے پہلے	5	721	بیان	
753	صدقہ دینے کا حکم		722	۵۷ - سورة الحديد	
755	منافقین کی مذمت اور رسوا کن انجام کا بیان	6	723	اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت و اختیار کا بیان	1
757	اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے غلبہ کا اعلان	7	724	آپ کے "اولیٰ" ہونے کی وجوہات کا بیان	2
	اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی نہ	8	725	آپ کی شانِ آخر کی وجوہات	3
757	کرنے والوں کی شان		725	آپ کے ظاہر و باطن ہونے کا بیان	4
759	۵۹ - سورة الحشر		725	آپ کے عظیم ہونے کی شان کا بیان	5
760	غزوہ بنو نضیر اور ان کی جلا وطنی کا بیان	1		کفار مکہ کو ایمان لانے اور اس کی راہ میں خرچ	6
763	مالِ فتنے کا بیان	2	727	کرنے کی دعوت و ترغیب	
	مالِ فتنے مہاجرین و انصار اور ان کے بعد آنے	3	730	قرضِ حسنہ کے انعام کا بیان	7
765	والے مسلمانوں کے لیے ہے		730	مؤمنوں کے انعام اور منافقوں کی محرومی کا بیان	8
768	منافقین کی منافقانہ چالوں کا بیان	4	733	کاہل مسلمانوں کے لیے انتباہ	9
772	خوفِ خدا، فکرِ آخرت اور عظمتِ قرآن کا بیان	5		صدقہ دینے والوں اور ایمان لانے والوں کے	10
774	شُرک کی تردید اور چند صفاتی ناموں کا بیان	6	734	انعام اور کفار کی سزا کا بیان	
775	۶۰ - سورة الممتحنة			دنیا کے حقیر کاموں اور مغفرت و جنت کی ترغیب کا	11
	کفار سے دوستی اور خفیہ پیغامِ رسائی کی ممانعت کا	1	735	بیان	
775	بیان		737	قضاء و قدر کی حکمت کا بیان	12
	کفار سے دوستی کی ممانعت میں حضرت ابراہیم علیہ	2	739	نزولِ وحی کی اہمیت اور لوہے کے فوائد کا بیان	13
779	السلام کا بہترین نمونہ			حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد کا	14
782	کفار سے مشروط دوستی کی اجازت	3	740	تذکرہ	
	کفرستان سے ہجرت کر کے آنے والی عورتوں اور	4	741	حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے تبعین کا تذکرہ	15
783	ان کے شوہروں کے مسائل		742	اہل کتاب کو دعوتِ اسلام قبول کرنے پر خوش خبری	16
	عورتوں سے بیعت لینے کا جواز اور اس کی شرائط کا	5	743	۵۸ - سورة المجادلة	
785	بیان		743	ظہار کے احکام	1
789	۶۱ - سورة الصف			دشمنانِ خدا اور رسول کی مذمت اور اللہ تعالیٰ کے علم کی	2
	مسلمانوں کو قول و فعل کے تضاد سے روکنے اور جہاد	1	747	وسعت	
789	کرنے کی ترغیب کا بیان		749	مجرمانہ سرگوشی کی ممانعت اور مجلس میں کشادگی کا حکم	3
	یہود و نصاریٰ اور کفار مکہ کی مذمت اور حضور کی آمد کا	2	752	علمائے دین کی فضیلت	4

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
	کفار کا برا انجام نیک مسلمانوں کا نیک انجام اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق و قدرت کا بیان	4	791	اعلان جہاد کی اہمیت و فضیلت اور دین حق کی مدد کرنے کا بیان	3
826					
828	۶۶ - سورة التحريم		794		
	شہد نہ کھانے کی قسم کا کفارہ ادا کرنے اور بعض ازواج کو تنبیہ کرنے کا بیان	1	797	۶۲ - سورة الجمعة	
829				اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کا بیان	1
	مسلمانوں کو اپنے اہل و عیال سمیت اپنے آپ کو دوزخ سے بچانے کا حکم	2	797		
834			800	یہودیوں کی بد عقیدگی اور بد عملی پر مذمت	2
835	مسلمانوں کو توبہ کرنے کا حکم اور اس کے فوائد کا بیان	3	801	نماز جمعہ المبارک کی فرضیت و اہمیت کا بیان	3
	کفار و منافقین سے جہاد اور دو عبرت آموز مثالوں کا بیان	4	804	۶۳ - سورة المنفقون	
837			805	منافقوں کی منافقانہ چالوں اور ان کی دشمنی کا بیان	1
839	۶۷ - سورة الملک			عبداللہ بن ابی کاتبہ سے انکار اور حضور ﷺ کی شان میں گستاخی	2
	اللہ تعالیٰ کی قدرت موت و حیات کی حکمت اور شیاطین کی ذلت کا بیان	1	807		
840				ذکر الہی سے غفلت کی ممانعت اور موت سے پہلے صدقہ خیرات کرنے کا حکم	3
	کفار کے کفر پر سزا اور مسلمانوں کے لیے خوف خدا پر انعام کا بیان	2	810		
843			811	۶۴ - سورة التغابن	
	اللہ تعالیٰ کے لیے علم اور قدرت کی وسعت اور کفار کی مذمت کا بیان	3	811	اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تخلیق اور وسعت علم کا بیان	1
845				کفار مکہ کو تنبیہ کے ساتھ ایمان کی دعوت اور حشر برپا کرنے کی حکمت کا بیان	2
850	۶۸ - سورة القلم		813		
851	حضور ﷺ سے جنون کی نفی اور کفار کی مذمت	1	815	مصیبت پر مومن کی مدد اور اطاعت و توکل کا حکم	3
853	ولید بن مغیرہ وغیرہ کی مذمت کا بیان	2		بیوی بچوں کی دشمنی سے ہوشیار رہنے اور اولاد کی آزمائش میں پورا اترنے کا بیان	4
855	ضردان کے باغ والوں کا عبرتناک قصہ	3	816		
	نیک مسلمانوں کے انعام اور کفار کے خیالات کی تردید اور ان کی آخری ذلت کا بیان	4		خوف و اطاعت کا حکم اور راہ خدا میں خرچ کرنے اور قرض حسد دینے کی ترغیب	5
859			817		
	حضور ﷺ کو حضرت یونس علیہ السلام کی طرح جلد بازی نہ کرنے کا حکم اور کفار کی مذمت	5	818	۶۵ - سورة الطلاق	
862			819	طلاق رجعی اور تقویٰ کی فضیلت کا بیان	1
864	۶۹ - سورة الحاقة		822	غیر حیض والی اور حاملہ خواتین کی عدت کا بیان	2
	قیامت کے ہولناک منظر اور منکرین کے انجام بد کا بیان	1		مطلقہ عورتوں کے مسکن و نفقہ اور رضاعت کے مسائل کا بیان	3
864			824		

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
914	۷۴ - سورۃ المدثر			حساب و کتاب کے لیے حاضری اور جنت اور	2
	حضور ﷺ کو چند ہدایات کا حکم اور قیامت کے	1	868	دوزخ والوں کے انجام کا بیان	
915	دن کی شدت کا بیان			قرآن و رسول ﷺ کی عظمت اور کفار کی مذمت	3
917	ولید بن مغیرہ کی مذمت اور دوزخ کی سختی کا بیان	2	872	کا بیان	
920	دوزخ پر انیس فرشتوں کے تقرر کی حکمتوں کا بیان	3	874	۷۰ - سورۃ المعارج	
923	دوزخ کی اہمیت اور کفار کے اعمال بد کا بیان	4		قیامت کا منظر، کفار کی تمنا اور ان کی حالت زار کا	1
927	۷۵ - سورۃ القیمة		874	بیان	
928	قیامت کے دن کی اہمیت اور کافر کی مذمت کا بیان	1		انسان کے تخلیقی و طبعی نقص اور معیاری نمازیوں کی	2
	قرآن کو محفوظ کرنے اور نیک و بد کی پہچان اور	2	878	پہچان کا بیان	
932	موت کی سختی کا بیان			کفار کے باطل گمان کی تردید اور حشر کے دن ان	3
	انسان کی تکذیب و ہلاکت اور تخلیق کے بعد حشر کا	3	881	کی ذلت کا بیان	
936	بیان		883	۷۱ - سورۃ نوح	
937	۷۶ - سورۃ الدھر			حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت و تبلیغ پر قوم کی	1
	انسان کی تخلیق اور ہدایت کا راستہ دیکھنے کے بعد	1	884	سرکشی کا بیان	
937	مؤمن و کافر ہونے کا بیان			قوم کی سرکشی پر حضرت نوح علیہ السلام کی شکایت	2
939	نیک لوگوں کے اوصاف و انعامات کا بیان	2	889	دعاے ضرر اور مؤمنوں کے لیے دعاے مغفرت	
	نزول قرآن اور کفار کی اطاعت نہ کرنے اور ذکر	3	892	۷۲ - سورۃ الجن	
946	الہی کرنے کی تاکید		893	جنات کے ایمان لانے کا بیان	1
948	۷۷ - سورۃ المرسلات			جنات کے آسمان پر جانے کی ممانعت اور ان کے	2
	فرشتوں کی قسمیں اٹھا کر قیامت کے ہولناک منظر	1	896	مختلف فرقوں کا بیان	
949	اور مجرموں کی ہلاکت کا بیان			اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مقابلہ میں حضور کا اظہارِ عجز	3
	انسان کی تخلیق، زمین کے فوائد اور قیامت کی	2	900	اور علم غیب کا بیان	
951	تکذیب کے انجام کا بیان		905	۷۲ - سورۃ المزمل	
	نیکوکاروں کے نیک اور بدکاروں کے بُرے انجام	3		حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رات کے وقت عبادت	1
954	کا بیان		906	کرنے کا حکم اور اس کی حکمت کا بیان	
956	۷۸ - سورۃ النبا			حضور ﷺ کو کفار مکہ کی تکالیف پر صبر کی تلقین اور	2
	قیامت کے متعلق شکوک کی تردید اور تکوینی دلائل	1	909	کفار کے لیے تنبیہات	
956	بیان		912	نماز تہجد کی فرضیت کے منسوخ ہونے کا بیان	3

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
994	۸۴ - سورة الانشقاق		959	قیامت کے ہولناک منظر اور کفار کی سزاؤں کا بیان	2
	زمین و آسمان کے فنا و مطیع ہونے اور مسلم و کافر کے	1		پرہیز گاروں کے انعام رب تعالیٰ کی شان اور	3
994	حساب و انجام کا بیان		961	کافروں کی حسرت کا بیان	
998	۸۵ - سورة البروج		964	۷۹ - سورة النّزعت	
	اصحابِ اخدود کی مذمت و سزا اور نیک مسلمانوں کی	1	964	مختلف تاکیدی قسموں کے ساتھ روزِ محشر کا بیان	1
998	کامیابی کا بیان			حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ اور فرعون کی سرکشی و	2
	اللہ تعالیٰ کی قدرت و گرفت اور قرآن مجید کی	2	967	انجام کا بیان	
1002	عظمت کا بیان		969	قدرتِ الہی نیک و بد کا انجام اور قیامت کا تذکرہ	3
1004	۸۶ - سورة الطارق		973	۸۰ - سورة عبس	
	مؤکد بہ قسم انسان کی حفاظت و تخلیق اور قرآن کی	1		فقیر و نابینا صحابی کی فضیلت اور کافر مال دار کی	1
1004	عظمت اور کفار کی سازش کا بیان		973	مذمت	
1007	۸۷ - سورة الاعلیٰ			انسان کی ناشکری و تخلیق اور اللہ تعالیٰ کے انعامات	2
	حضور کے لیے تسبیح پڑھنے قرآن نہ بھولنے اور	1	976	کا بیان	
1007	نصیحت کرنے کا بیان			قیامت کے دن کفار کی ذلت اور نیک مسلمانوں کی	3
1010	کامیابی کے اوصاف کا بیان	2	978	عزت کا بیان	
1011	۸۸ - سورة الغاشیة		979	۸۱ - سورة التکویر	
	آخرت میں کافروں کے لیے سزاؤں اور نیک	1		قیامت کے دن ہر انسان اپنا اچھا یا برا عمل دیکھ لے	1
1011	مسلمانوں کے لیے انعامات کا بیان		979	گا	
	قدرتِ الہی کے عجائبات اور نصیحت کے لیے	3		قسموں سے مؤکد قرآن مجید اور حامل قرآن مجید	2
1014	منکرین کے عذاب و حساب کا بیان		982	کی عظمت و شان کا بیان	
1016	۸۹ - سورة الفجر		984	۸۲ - سورة الانفطار	
	قسموں کے ساتھ مؤکد عاد و ثمود اور فرعونوں کی	1		قیامت کی علامات اور انسان کی ناشکری نیز نیک و	1
1016	سرکشی و ہلاکت کا بیان		984	بد کے انجام کا بیان	
1019	مال و دولت عزت کا معیار نہیں	2	987	۸۳ - سورة المطففین	
	قیامت کا منظر اور کفار کے لیے سخت ترین عذاب کا	3		ناپ تول کم کرنے اور قیامت کو جھٹلانے والوں کی	1
1021	بیان		987	مذمت اور برے انجام کا بیان	
1022	مؤمن کی شانِ آخرت کا بیان	4		نیک مسلمانوں کے لیے انعامات اور ان کا مذاق	2
1023	۹۰ - سورة البلد		991	اڑانے پر کفار کی سزا کا بیان	

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
1061	کابیان			قسموں کے ساتھ مؤکذ نیک بختی اور بد بختی کے	1
1061	۹۹ - سورة الزلزال		1024	اسباب کابیان	
	قیامت کے زلزلہ اور حشر برپا کر کے جزاء و سزا کا	1	1028	۹۱ - سورة الشمس	
1062	بیان			قسموں کے ذریعے انسان کے لیے ترغیب و ترہیب	1
1063	۱۰۰ - سورة العديت		1028	کابیان	
	جہادی گھوڑوں کی قسم کے ساتھ انسان کی ناشکری	1	1030	قوم شمود کی تکذیب و سرکشی اور ہلاکت کابیان	2
1064	اور مال سے محبت کابیان		1031	۹۲ - سورة الليل	
1065	۱۰۱ - سورة القارعة			قسموں کے ساتھ مؤکذ انسانوں کے مختلف اعمال	1
1066	قیامت کے خوف ناک منظر اور جزاء و سزا کابیان	1	1031	کی بناء پر مختلف انجاموں کابیان	
1067	۱۰۲ - سورة التكاثر			حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت	2
	دین کو چھوڑ کر دنیا میں مشغول ہونے پر انسان کی	1	1033	اور ابو جہل کی مذمت کابیان	
1067	مذمت		1034	۹۳ - سورة الضحی	
1069	۱۰۳ - سورة العصر			سورة الضحیٰ میں حضور سید عالم پر اللہ تعالیٰ کے احسانات	1
	انسان کی کامیابی کے لیے چار اہم ترین خوبیوں کا	1	1035	کابیان	
1069	بیان		1043	۹۴ - سورة الم نشرح	
1071	۱۰۴ - سورة الهمزة			حضور سید عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مزید احسانات	1
	طعنہ دینے والے چغل خوروں اور ذخیرہ اندوزی	1	1044	الہیہ کابیان	
1072	کرنے والوں کی مذمت		1046	۹۵ - سورة التين	
1074	۱۰۵ - سورة الفيل			اہم قسموں کے ساتھ انسان کی حسین تخلیق اور اس	1
	کعبہ شریف کی عظمت اور حملہ آور ہاتھی والوں کی	1	1047	کے اشرف و اسفل ہونے کابیان	
1074	ہلاکت کابیان		1050	۹۶ - سورة العلق	
1077	۱۰۶ - سورة قريش		1050	انسان کی تخلیق و تعلیم اور ابو جہل کی مذمت کابیان	1
	قریش کی فضیلت اور عظیم ترین احسان کے سبب	1	1056	۹۷ - سورة القدر	
1077	انہیں عبادت کا حکم		1056	شب قدر کی اہمیت و فضیلت کابیان	1
1079	۱۰۷ - سورة الماعون		1059	۹۸ - سورة البينة	
1080	کافروں اور منافقوں کی مذمت کابیان	1		اہل کتاب و مشرکین کے عناد و ہٹ دھرمی اور بُرے	1
1081	۱۰۸ - سورة الكوثر		1059	انجام کابیان	
	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت و فضیلت اور	1		نیک اہل ایمان کی فضیلت و برتری اور اچھے انجام	2

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
			1082	آپ کے دشمن کی مذمت کا بیان	
			1084	۱۰۹ - سورة الكفرون	
				کافروں اور ان کے معبودانِ باطلہ سے بیزاری کا اعلان	1
			1084		
			1086	۱۱۰ - سورة النصر	
			1086	دین اسلام کے غلبہ کی بشارت	1
			1087	۱۱۱ - سورة الہب	
			1087	ابولہب اور اس کی بیوی کی مذمت کا بیان	1
			1090	۱۱۲ - سورة الاخلاص	
			1090	اللہ تعالیٰ کی خالص توحید کا بیان	1
			1096	سورة الاخلاص کی تلاوت کے فضائل	2
			1096	۱۱۳ - سورة الفلق	
			1096	سرکشوں کی شرارت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا	1
				حضرت ابن مسعود پر انکارِ معوذتین کے الزام کی تحقیق	1
			1097		
			1100	۱۱۴ - سورة الناس	
			1100	سرکشوں کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا	1
			1106	ختم قرآن کے وقت مستحب اعمال کا بیان	2



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ الروم کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی ساٹھ آیات چھ رکوع ہیں

۱ ۰ غَلَبَتِ الرُّومُ ۲ ۰ فِيْ اَدْنٰی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلِبِهِمْ
سَيَغْلِبُوْنَ ۳ ۰ فِيْ بَضْعِ سِنِيْنَ ۴ ۰ بِنَصْرِ اللّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدِ ط
يَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۵ ۰ بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَن يَّشَاءُ ط وَهُوَ الْعَزِيزُ
الرَّحِيْمُ ۶ ۰ وَعَدَا اللّٰهُ لَا يَخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَا ۷ ۰ وَلٰكِن اَكْثَرَ النَّاسِ لَا
يَعْلَمُوْنَ ۸ ۰

الم ۰ رومی مغلوب ہو گئے ۰ نہایت قریب کی زمین (شام) میں اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہوں گے ۰ چند سالوں میں حکم تو اول و آخر صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور اس دن مسلمان خوش ہوں گے ۰ اللہ تعالیٰ کی مدد پر وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ بہت غالب بے حد مہربان ہے ۰ (یہ) اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے (اور) اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا اور لیکن بہت لوگ نہیں جانتے ۰

روم کے غلبہ کی خبر سے نبوت و قرآن کی حقانیت اور کفار کی مذمت

۲۱- ﴿غَلَبَتِ الرُّومُ﴾ رومی مغلوب ہو گئے یعنی فارس (ایران) نے روم پر غلبہ پا کر فتح حاصل کر لی۔

۳- ﴿فِيْ اَدْنٰی الْاَرْضِ﴾ قریب ترین زمین میں یعنی سرزمین عرب کے قریب ترین زمین میں کیونکہ عرب کے نزدیک مشہور سرزمین انہیں کی زمین ہے اور معنی یہ ہے کہ وہ عرب کی سرزمین کے قریب ترین علاقہ میں مغلوب ہو گئے اور وہ ملک شام کے گرد و نواح کا علاقہ ہے یا ان کی اپنی زمین مراد ہے اس بناء پر ”الارض“ کا لام مضاف الیہ کے قائم مقام ہے ”ای فی ادنی ارضہم الی عدوہم“ یعنی دشمن کی طرف اپنی زمین کے قریب ترین علاقہ میں مغلوب ہو گئے ﴿وَهُمْ﴾ اور وہ یعنی اہل روم ﴿مِّنْ بَعْدِ غَلِبِهِمْ﴾ مغلوب ہونے کے بعد یعنی فارس سے مغلوب ہونے کے بعد [اور یہ لام کے سکون کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور ”غَلَبُ“ (منفوح لام) اور ”غَلَبُ“ (لام ساکن ہے) دونوں مصدر ہیں اور مصدر کو مفعول کی طرف مضاف کیا گیا ہے] ﴿سَيَغْلِبُوْنَ﴾ عنقریب وہ فارس پر غالب آ جائیں گے [اور اس پر وقت نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس کا (فی بضع سنین) کے ساتھ تعلق ہے]۔

۴- ﴿فِيْ بَضْعِ سِنِيْنَ ۴﴾ چند سالوں میں اور یہ (بضع) تین سال سے لے کر دس سال تک کے عرصہ پر بولا جاتا ہے روم اور فارس کی از روغات اور بصری کے درمیان جنگ ہو گئی جس میں فارس روم پر غالب آ گئے اور اس وقت فارس کا بادشاہ کسریٰ پرویز تھا اور یہ خبر مکہ مکرمہ میں پہنچی تو رسول اللہ ﷺ اور مسلمان مغموم ہو گئے کیونکہ فارس کے باشندے مجوسی (آتش پرست) تھے اور روم کے باشندے اہل کتاب تھے جب کہ مشرکین مکہ خوش و خرم ہو گئے اور انہوں نے (مسلمانوں سے) کہا کہ تم اور نصرانی دونوں اہل کتاب ہو جب کہ ہم اور اہل فارس ان پڑھ لوگ ہیں اور ہمارے بھائی تمہارے بھائیوں پر غالب

آگے اور ہم بھی تم پر ضرور غالب آجائیں گے تو یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں اور اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشرکین سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! چند سال بعد رومی فارسیوں پر ضرور غالب آئیں گے یہ بات سن کر ابی بن خلف نے کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو پھر اس نے حضرت ابو بکر صدیق سے ایک شرط لگالی کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اس بات کا پابند ہوگا کہ ہارنے کی صورت میں دس اونٹنیاں دے گا اور تین سال تک مدت مقرر کر لی پھر حضرت ابو بکر صدیق نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم معاہدہ میں اضافہ کرو اور اس سے زیادہ دور کی مدت مقرر کرو چنانچہ دونوں نے باہمی رضامندی سے ایک سو اونٹنیوں پر نو سال تک شرط مقرر کر لی اور ابی بن خلف رسول اللہ ﷺ کے تیر لگنے سے زخمی ہو گیا تھا اور اس زخم کی وجہ سے مر گیا اور حدیبیہ کے دن یا بدر کے دن روم فارس پر غالب آ گیا تو حضرت ابو بکر صدیق نے ابی بن خلف کی اولاد سے شرط کی اونٹنیاں لے لیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم ان کو صدقہ کر دو۔

یہ ایک روشن ترین دلیل ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت صحیح اور برحق ہے اور یہ کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے کیونکہ یہ علم غیب کی خبروں میں سے ایک خبر ہے۔ اور یہ واقعہ جوئے کی حرمت سے پہلے پیش آیا تھا حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اس بیان سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے علم غیب کا عقیدہ شرک نہیں بلکہ علم غیب حضور کی نبوت کی حقانیت کی دلیل ہے کیونکہ آپ کو علم غیب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعہ عطا کیا جاتا ہے۔

(۱) چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”من احب ان یسأل عن شیء فلیسأل عنہ فواللہ لا تسئلونی عن شیء الا اخبرتکم بہ ما دمت فی مقامی هذا“ (بخاری شریف ج ۲ ص ۱۰۸۲) ”جو شخص کسی چیز کے بارے میں سوال کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کے بارے میں سوال کرے سو اللہ تعالیٰ کی قسم! تم مجھ سے کسی چیز کے متعلق سوال نہیں کرو گے مگر میں تمہیں اس کے بارے میں بتا دوں گا جب تک میں اس جگہ میں ہوں۔“

(۲) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”ان اللہ زوی لی الارض حتی زایت مشارقها ومغاربها“ (مسلم شریف ج ۲ ص ۳۱۰) ”بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا یہاں تک کہ میں نے اس کے تمام مشرقوں کو اور اس کے تمام مغربوں کو دیکھ لیا ہے۔“

(۳) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز فجر پڑھائی اور منبر پر چڑھ گئے اور ہمیں خطبہ دیا یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا پھر آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی پھر منبر پر چڑھے اور ہمیں خطبہ دیا یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا پھر آپ اترے اور نماز پڑھائی پھر منبر پر چڑھے اور ہمیں خطبہ دیا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا ”فاخبرنا بما کان وبما ہو کائن فاعلمنا احفظنا“ (مسلم شریف ج ۲ ص ۳۹۰) ”سو آپ نے جو کچھ پہلے ہو چکا تھا اور جو کچھ آئندہ ہونے والا تھا سب کچھ ہمیں بیان فرما دیا سو ہم میں سے زیادہ علم والا وہ ہے جو ہم میں سے زیادہ یاد رکھنے والا ہے۔“

(۴) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ ہماری مجلس میں کھڑے ہوئے ”فاخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اهل الجنة منازلهم واهل النار منازلهم“ (مشکوٰۃ شریف ص ۷۷) ”سو آپ نے خلقت کی ابتداء سے لے کر جنتیوں کے جنتی منزلوں میں داخل ہونے تک اور دوزخیوں کے دوزخ کی منزلوں میں داخل ہونے تک سب کچھ بتا دیا اسے جس نے یاد رکھا اسے یاد رہا اور جس نے اسے بھلا دیا اس سے وہ بھول گیا۔“

بے شمار احادیث پیش کی جاسکتی ہیں مگر اختصار کے پیش نظر انہی چند احادیث پر اکتفاء کیا گیا ہے کیونکہ عقل مند کو اشارہ کافی ہوتا ہے۔

سے یہی مقول ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کے مذہب میں فاسد سودے (عقود فاسدہ) سود وغیرہ کی طرح دارالحرب (غیر مسلم ملک) میں مسلمانوں اور کفار کے درمیان جائز ہوتے ہیں اور ان دونوں حضرات نے اس مسئلہ کی صحت پر اس واقعہ سے استدلال کیا ہے ﴿لِلّٰهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے ہی حکم ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی یعنی ہر چیز سے پہلے بھی اور ہر چیز کے بعد بھی حکم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے یا یہ کہ جب وہ مغلوب ہوئے اور جب وہ غالب ہوئے گویا کہا گیا کہ رومیوں کے غالب ہونے سے پہلے اور وہ ان کے مغلوب ہونے کا وقت ہے اور ان کے مغلوب ہونے کے بعد اور وہ ان کے غالب ہونے کا وقت ہے یعنی رومیوں کا پہلے مغلوب ہونا اور بعد میں ان کا غالب آ جانا صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور اس کے فیصلے سے ہوا چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نَدَاوُلُهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾ (آل عمران: ۱۳۰) ”اور یہ دن ہیں جن میں ہم نے لوگوں کے لیے باریاں رکھی ہیں“ ﴿وَيَوْمَئِذٍ﴾ اور اس دن (یعنی) جس دن رومی فارس پر غالب آ جائیں اور اللہ تعالیٰ ان کے غلبہ کا وعدہ پورا فرمائے گا ﴿يَغْرَابُ الْمُؤْمِنُونَ﴾ مسلمان خوش ہوں گے۔

۵- ﴿بِنَصْرِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی مدد پر کہ اس نے اہل کتاب (رومیوں) کو ان لوگوں پر فتح و نصرت اور غلبہ عطا فرمایا جن کے پاس کتاب نہیں تھی تاکہ کفار مکہ غیظ و غضب میں جلیں کیونکہ انہوں نے رومیوں کے مغلوب ہونے پر خوشیاں منائی تھیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کی صداقت کا اظہار کیا اس لیے کہ مسلمانوں نے مشرکین مکہ کو رومیوں کے غالب آنے کی خبر دی تھی [اور ”بنا“، ”يفرح“ کے متعلق ہے سو اس لیے ”بِنَصْرِ اللّٰهِ“ پر وقف کیا جائے گا البتہ ”الْمُؤْمِنُونَ“ پر وقف نہیں کیا جائے گا] ﴿يَنْصُرُوا مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ اپنے دشمنوں پر بہت غالب ہے ﴿الَّذِي هُوَ﴾ وہ اپنے اولیاء (یعنی) دوستوں پر بے حد مہربان ہے۔

۶- ﴿وَعَدَا اللّٰهُ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ یہ مصدر مؤکد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ”وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَلَيْهِمْ سَيِّغَلِبُونَ“ ”اور یہ رومی مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آئیں گے“ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے وعدہ ہے پس یہ ارشاد باری تعالیٰ (وَعَدَا اللّٰهُ) ”وَعَدَا اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ وَعَدَا“ کے قائم مقام ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے پکا وعدہ فرمایا ہے ﴿لَا يَخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدًا﴾ اللہ تعالیٰ فارس کے خلاف روم کی مدد کرنے کے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرے گا ﴿وَلٰكِن اَكْثَر النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ اور لیکن اکثر لوگ اس کو نہیں جانتے۔

يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غٰفِلُونَ ﴿٦﴾
 اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا
 اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسْتَقِيْمٍ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِبِلِقَائِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ﴿٧﴾

وہ تو صرف دنیا کی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور وہ آخرت سے غافل ہی ہیں ○ اور کیا انہوں نے اپنے دلوں میں غور و فکر نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کو پیدا نہیں کیا مگر حق کے ساتھ اور مقررہ مدت تک کے لیے ہے اور بے شک بہت سے لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات کا انکار کرتے ہیں ○

۷- ﴿يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ وہ صرف دنیا کی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں۔ یہ ”يعلمون“ ”لا يعلمون“ سے بدل ہے اور اس میں اس بات کا بیان ہے کہ عدم علم جو سراسر جہل ہے کے درمیان اور جو علم جو تحصیل

دنیا سے تجاوز نہیں کرتا، کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور ”ظاہراً من الحیوة الدنیا“ سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ دنیا کے لیے ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے سو اس کا ظاہر تو وہی ہے جسے جاہل لوگ جانتے ہیں کہ دنیا کے نقش و نگار اور اس کی خوش نمازیب وزینت اور آرائش سے لطف اندوز ہونا اور اس کا باطن یہ ہے کہ یہ دنیا آخرت کی جزا کا ذریعہ ہے اور اس دنیا سے آخرت کی طرف نیک اعمال کا زاویہ تیار کیا جاتا ہے اور ظاہر کے نگرہ ہونے سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ وہ دنیا کی تمام ظاہری چیزوں میں سے صرف ایک ظاہر کو جانتے ہیں ﴿وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَفْلُونَ﴾ اور وہ آخرت سے غافل ہیں اور اس میں اس بات کا بیان ہے کہ بے شک وہ لوگ آخرت سے غفلت کے مخزن و منبع اور سرچشمہ ہیں [اس میں دوسرا ”ہم“ مبتدا ہے اور ”غافلون“ اس کی خبر ہے اور مبتدا و خبر مل کر جملہ ہوا اور یہ جملہ پہلے ”ہم“ کی خبر ہے۔]

۸- ﴿أَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِمْ﴾ اور کیا انہوں نے اپنے دلوں میں غور و فکر نہیں کیا [ایک احتمال یہ ہے کہ ”فسی انفسہم“ ظرف ہے] گویا فرمایا گیا: اور کیا انہوں نے اپنے نفسوں میں تفکر کو ثابت نہیں کیا یعنی اپنے دلوں میں جو غور و فکر سے خالی ہیں اور تفکر تو صرف دلوں میں ہوتا ہے لیکن وہ متفکرین (غور و فکر کرنے والوں) کے حال کی تصویر زیادہ پیش کرتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: ”اعتقده فی قلبک“ اسے اپنے دل میں پختہ کر لو [اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ”فسی انفسہم“ ”تفکر“ کا صلہ ہے] جیسے ”تفکر فی الامر واجال فیہ فکرہ“ کہ اس نے اپنے معاملہ میں غور و فکر کیا اور اس نے اس میں اپنی فکر کو خوب گھمایا اور اس بناء پر اس کا معنی یہ ہے کہ کیا انہوں نے اپنے دلوں میں غور و فکر نہیں کیا جو دیگر مخلوقات سے ان کے سب سے زیادہ قریب ہیں اور وہ دوسروں کے احوال سے بڑھ کر اپنے دلوں کے احوال کو خوب جانتے ہیں پس وہ لوگ ان عجیب و غریب حکمتوں میں غور و فکر اور تدبر کریں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں ظاہری اور باطنی حکمتیں عطا کی ہیں وہ چھوڑنے کے لائق نہیں بلکہ غور و فکر کے قابل ہیں اور ان کے لیے ضروری ہے کہ ان کی انتہاء ایک وقت کی طرف ہو جس میں نیکی کرنے پر نیک اور اچھی جزا دی جائے اور بُرائی کرنے پر اسی کی مثل بُری سزا دی جائے تاکہ یہ لوگ اس وقت جان لیں کہ بے شک باقی تمام مخلوقات بھی اسی طرح ہے اس کا معاملہ بھی حکمت و تدبیر پر جاری ہے اور سب کی انتہاء اسی وقت کی طرف ہے ﴿مَا خَلَقَ اللَّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان سب کو بے کار و بے فائدہ پیدا نہیں کیا [یہ محذوف قول کے متعلق ہے اس کا معنی یہ ہے: (اولم يتفكروا) ”فيقولوا هذا القول“ اور کیا انہوں نے غور و فکر نہیں کیا تاکہ وہ بھی یہی بات کہتے (کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اور دیگر مخلوقات کو بے کار پیدا نہیں کیا) اور بعض نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ یہ بات جان لیتے (یعنی اس قول سے پہلے ”فيعلموا“ ہے) کیونکہ یہ کلام اس پر دلالت کرتا ہے ﴿إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسْتَقَرٍّ﴾ مگر حق کے ساتھ اور ایک مقررہ مدت تک یعنی اللہ تعالیٰ نے ان تمام زمین و آسمان و دیگر تمام مخلوقات کو بغیر زبردست حکمت کے محض باطل و بے کار پیدا نہیں فرمایا اور نہ یہ کہ یہ تمام چیزیں ہمیشہ رہیں گی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو برحق و مبنی بر حکمت اور مقررہ مدت تک کے لیے پیدا فرمایا ہے اور ان کے لیے ایک مدت ضروری ہے جہاں یہ اختتام پذیر ہوں گی اور وہ قیامت کا قیام ہے اور وہ حساب و کتاب اور جزاء و سزا کا وقت ہے کیا تم نے یہ ارشاد نہیں دیکھا: ”أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ“ تو کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ بے شک ہم نے تمہیں محض عبث و بے کار پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف واپس نہیں لوٹائے جاؤ گے ○ ان کے ترک کا نام کیسا رکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف عبث و بے کار نہیں لوٹیں گے؟ ﴿وَأَن كَذِبًا أَقْرَبُ إِلَيْنَا أَوْلَىٰ﴾ اور بے شک بہت سے لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات (یعنی) مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے اور جزاء و سزا کا ﴿لَا تُكْفِرُونَ﴾ البتہ انکار کرتے ہیں اور علامہ

زجاج رحمہ اللہ نے فرمایا کہ البتہ کفار اپنے رب تعالیٰ کی ملاقات کا انکار کرتے ہیں۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط
 كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا وَ
 جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ ط فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ
 يَظْلِمُونَ ۙ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ آسَاءُ وَالشُّوْأَىٰ أَنْ كَذَّبُوا بِآيَاتِ
 اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِءُونَ ۙ

اور کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ وہ دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا، وہ ان سے بہت زیادہ طاقتور تھے اور انہوں نے زمین کو جو تباہ کیا تھا اور انہوں نے اس کو زیادہ آباد کیا تھا جتنا انہوں نے اس کو آباد کیا ہے اور ان کے رسول ان کے پاس روشن دلائل لائے، سو اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں تھی کہ ان پر ظلم و ستم کرتا اور لیکن وہ خود اپنے آپ پر ظلم و ستم کرتے تھے ۙ پھر جن لوگوں نے حد سے بڑھ کر برائیاں کی تھیں ان کا انجام بہت بُرا ہوا، اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا اور وہ ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے ۙ

۹ - ﴿أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ اور کیا انہوں نے زمین میں سیر و سیاحت نہیں کی، سو وہ غور سے دیکھتے کہ ان سے پہلے جو لوگ گزر چکے ان کا انجام کیسا ہوا۔ یہ آیت مبارکہ کفار مکہ کی زمین میں سیر و سیاحت اور سفر کرنے اور نافرمان و سرکش امتوں میں سے عاد و ثمود وغیر ہم جیسی تباہ شدہ قوموں کے آثار و نشانیوں کی طرف دیکھنے کی تقریر ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کا وصف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ﴾ وہ لوگ ان سے زیادہ سخت طاقتور تھے اور انہوں نے بیلوں کو جوت کر زمین کو تیار کیا اور اس میں کھیتی باڑی کی ﴿وَعَمَرُوهَا﴾ اور انہوں نے اس کو آباد کیا یعنی ہلاک کردہ اور تباہ شدہ قوموں نے اس زمین کو آباد کیا تھا ﴿أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا﴾ اس سے زیادہ جتنا اہل مکہ نے آباد کیا تھا یعنی ان لوگوں نے اہل مکہ کی آباد کاری سے زیادہ آباد کاری کی تھی [”اکثر“ محذوف مصدر کی صفت ہے اور ”مِمَّا“ میں ”مَا“ مصدر یہ ہے] ﴿وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ﴾ اور ان کے پاس ان کے رسول واضح معجزات لے کر آئے تھے [اس پر وقف کیا جائے گا محذوف کے حق کی وجہ سے ”ای فلم يؤمنوا فاسهلكوا“ یعنی جب وہ ایمان نہ لائے تو ہلاک کر دیے گئے] ﴿فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ﴾ سو اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں تھی کہ ان پر ظلم کرتا (یعنی) اللہ تعالیٰ کا ان کو ہلاک کرنا ان پر ظلم کرنے کے لیے نہیں تھا ﴿وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ اور لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم و ستم کرتے تھے (یعنی) لیکن انہوں نے اپنی جانوں پر خود ظلم کیا کہ انہوں نے ایسے عمل کیے جنہوں نے ان کی ہلاکت کو واجب کر دیا۔

۱۰ - ﴿ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ آسَاءُ وَالشُّوْأَىٰ﴾ پھر جن لوگوں نے بُرے عمل کیے ان کا انجام بہت بُرا ہوا اور معنی یہ ہے کہ بے شک انہیں دنیا میں ہلاکت و بربادی کی سزا دی گئی، پھر ان کی آخرت کی سزا بہت بُری ہوگی، مگر یہاں مضمحل کی جگہ

مظہر کو رکھا گیا ہے اور وہ "الذین اساءوا" ہے یعنی وہ سزا جو تمام سزاؤں سے بدترین سزا ہے وہ آخرت میں ملے گی اور وہ دوزخ کی آگ ہے جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے ﴿أَنْ كَذَّبُوا﴾ اصل میں "لَاَنْ كَذَّبُوا" ہے یا "بَانَ كَذَّبُوا" ہے (یعنی) اس لیے کہ انہوں نے تکذیب کی اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ "اساءوا" بہ معنی "كَفَرُوا" ہے ﴿بِآيَاتِ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا ﴿وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِءُونَ﴾ اور وہ لوگ ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے یعنی پھر کافروں کا انجام دوزخ ہوئی اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تکذیب کی اور ان کا مذاق اڑایا۔

اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿١١﴾ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ

يُيْلِسُ الْمُجْرِمُونَ ﴿١٢﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ مِنْ شُرَكَائِهِمْ شُفَعَاءٌ وَكَانُوا

بِشُرَكَائِهِمْ كَافِرِينَ ﴿١٣﴾ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُومِئِدُ بِتَفْرَقُونَ ﴿١٤﴾ فَمَا

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ ﴿١٥﴾

اللہ تعالیٰ ہی مخلوق کی ابتداء کرتا ہے پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرم مایوس ہو جائیں گے اور ان کے شریکوں میں سے ان کی سفارش کرنے والے نہیں ہوں گے اور وہ اپنے شریکوں کے منکر ہو جائیں گے اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن وہ (ایک دوسرے سے) جدا ہو جائیں گے سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو وہ جنت کے باغ میں خوش ہوں گے اور

اللہ تعالیٰ کی قدرت و تسبیح اور مسلم و کافر کے انجام کا بیان

۱۱ - ﴿اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ﴾ اللہ تعالیٰ ہی مخلوق کی ابتداء کرتا ہے (یعنی) پہلے بھی اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کرتا ہے ﴿ثُمَّ يُعِيدُهُ﴾ پھر دوبارہ بھی وہی پیدا کرے گا (یعنی) وہی ان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا ﴿ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ پھر تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے [ابو عمر و اور سہل کی قراءت میں "یا" کے ساتھ "يُوجَعُونَ" پڑھا جاتا ہے]۔

۱۲ - ﴿وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُيْلِسُ الْمُجْرِمُونَ﴾ اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو اس وقت مجرم لوگ (یعنی) مشرکین مایوس و ناامید ہو جائیں گے۔ "ییلِس" بہ معنی "يَيْئَسُ وَيَتَحَيَّرُ" ہے یعنی ناامید و حیران ہو جائے گا جیسے کہا جاتا ہے: "ناظرته فابلِس" میں نے اس سے مناظرہ کیا تو وہ ناامید و حیران ہو کر ساکت و خاموش ہو گیا یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص دلائل پیش کرنے سے عاجز و لاجواب ہو کر مایوس و حیران ہو جاتا ہے۔

۱۳ - ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ مِنْ شُرَكَائِهِمْ شُفَعَاءٌ﴾ اور ان کے شریکوں میں سے جن کی وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے ان کی سفارش نہیں کریں گے [مصحف عثمانی میں "شَفَعُوا" لکھا گیا ہے کہ الف سے پہلے واو ہے جیسے سورت شعراء میں "عَلِّمُوا بَنِي إِسْرَائِيلَ" لکھا گیا ہے اور اسی طرح "السَّوَايَ" لکھا جاتا ہے یعنی "یا" سے پہلے ہمزہ کو ثابت کرنے کے لیے الف کو اس حرف کی صورت پر لکھا جاتا ہے جس سے اس کی حرکت پیدا ہوتی ہے] ﴿وَكَانُوا بِشُرَكَائِهِمْ كَافِرِينَ﴾ اور وہ اپنے شریکوں کا انکار کر دیں گے یعنی مشرکین اپنے معبودوں کے ساتھ کفر کریں گے اور وہ ان کا انکار کر دیں گے یا یہ معنی ہے کہ وہ لوگ دنیا میں انہی معبودوں کی وجہ سے کافر ہو گئے تھے۔

۱۴۔ ﴿وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُومِنُونَ﴾ اور جس دن قیامت قائم ہوگی، اس دن مسلم و کافر ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے۔ ”یتفرقون“ میں ”ہم“ ضمیر مسلمانوں اور کافروں سب کے لیے ہے کیونکہ اس آیت کریمہ کے بعد کلام اس پر رہنمائی کر رہا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا:

۱۵۔ ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ﴾ سو لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو وہ باغ میں رہیں گے یعنی وہ جنت کا باغ ہے [اور ”رَوْضَةٌ“ کو نگرہ لانے کی وجہ سے ایک تو اس کی تعظیم و تہنیم اور دوسرا اس کے معاملہ کو مبہم رکھنا مقصود ہے] ﴿يُحْبَدُّونَ﴾ وہ خوش و خرم رہیں گے ”حبرہ“ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی کو اس قدر خوشی و مسرت حاصل ہو کہ اس خوشی کے لیے اس کا چہرہ چاند کی طرح چمک اٹھے اور اس کے چہرے میں خوشی کے آثار ظاہر ہو جائیں پھر خوشی کی کئی وجوہات کے احتمال کی وجہ سے اس میں اختلاف کیا گیا ہے چنانچہ بعض حضرات نے فرمایا کہ جنت میں ان کی تعظیم و تکریم کی جائے گی (جس سے ان کی خوشی دو بالا ہو جائے گی) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ انہیں جنت میں جنتی جوڑے اور تاج پہنائے جائیں گے (جن سے وہ خوش ہوں گے) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جنت میں انہیں سماع سے خوش کیا جائے گا (جو باکرہ حوریں تسبیحات الہی پر مشتمل کلام مترنم آواز میں گا کر سنائیں گی)۔

وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ فَأُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ

مُحْضَرُونَ ﴿۱۶﴾ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُمْبِرُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ

وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ﴿۱۹﴾ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُونَ ﴿۲۰﴾

اور لیکن جن لوگوں نے کفر کیا اور انہوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا، سو یہی لوگ عذاب میں حاضر کیے جائیں گے ۱۶ سو تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح کیا کرو جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو ۱۷ اور سب تعریفیں اسی کے لیے ہیں آسمانوں میں اور زمین میں اور دن کے آخری وقت اور جب تم ظہر کرتے ہو ۱۸ وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے اور اسی طرح تم بھی (قبروں سے) نکالے جاؤ گے ۱۹

۱۶۔ ﴿وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے کو جھٹلایا ﴿فَأُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ﴾ سو انہیں لوگوں کو عذاب میں حاضر رکھا جائے گا (یعنی) انہیں عذاب ہی میں ٹھہرایا جائے گا اس سے غائب نہیں ہونے دیا جائے گا اور نہ ان سے عذاب کم کیا جائے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا“ (المائدہ: ۳) اور ان کو وہاں سے نہیں نکالا جائے گا۔

۱۷۔ جب اللہ تعالیٰ نے (جنت کے) وعدہ اور (عذابِ جہنم) کی وعید (دھمکی) کا ذکر کیا تو اس کے بعد ان چیزوں کا ذکر کیا جو وعدہ تک پہنچاتی ہیں اور وعید سے نجات دلاتی ہیں چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو اور تسبیح سے اس کا ظاہر مراد ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کا ہر برائی اور عیب سے پاک ہونا اور ان اوقات میں خیر و بھلائی

کے ساتھ اس کی حمد و ثناء اور تعریف بیان کرنا جن میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں نئے سرے سے نمودار ہوتی رہتی ہیں یا نمازیں ادا کرنا مراد ہے چنانچہ جب حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عرض کیا گیا کہ کیا آپ قرآن مجید میں پانچوں نمازوں کا ذکر پاتے ہیں؟ تو فرمایا: ہاں! اور یہی آیت مبارکہ تلاوت کی [”سبحان“ مصدر کی بناء پر منصوب ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی ان تمام چیزوں اور عیبوں سے پاکیزگی بیان کرو جو اس کی شان کے لائق نہیں یا یہ معنی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے لیے نمازیں پڑھا کرو ﴿حِينَ تُمْسُونَ﴾ جب تم شام کرتے ہو تو مغرب اور عشاء کی نماز پڑھا کرو ﴿وَحِينَ تَضِيحُونَ﴾ اور جب صبح کرتے ہو تو فجر کی نماز پڑھا کرو۔

۱۸ - ﴿وَلَهُ الْمَعْدِنِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ اور تمام تعریفیں آسمانوں اور زمین میں صرف اسی کے لیے ہے [یہ جملہ معترضہ ہے اور ”فی السموات“، ”الحمد“ سے حال ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں رہنے والے تمام اہل تمیز حضرات پر واجب و لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کیا کریں ﴿وَعَشِيًّا﴾ اور دن کے آخری وقت نماز عصر پڑھا کرو [اور یہ ”حین تمسون“ پر معطوف ہے] ﴿وَحِينَ تَطْهَرُونَ﴾ اور جب ظہر کرتے ہو تو نماز ظہر پڑھا کرو۔ ”اظہر“ یعنی وہ ظہر کے وقت میں داخل ہوا اور اکثر اہل علم حضرات کا قول یہ ہے کہ بخجگانہ نمازیں مکہ مکرمہ میں فرض کی گئیں۔

۱۹ - ﴿يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے (یعنی) پرندے کو انڈے یا انسان کو نطفہ سے یا مومن کو کافر سے نکالتا ہے ﴿وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ﴾ اور وہ مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے (یعنی) انڈے پرندے سے یا نطفہ کو انسان سے یا کافر کو مومن سے [ابن کثیر کی ابن عامر شامی ابو عمرو ابو بکر کوفی اور حماد کی قراءت میں ”المیت“ کو دونوں جگہ تخفیف کے ساتھ (”یا“ کو ساکن) پڑھا گیا ہے ان کے علاوہ کی قراءت میں ”المیت“ کی ”یا“ کو تشدید کے ساتھ پڑھا گیا ہے] ﴿وَيُحْيِي الْأَرْضَ﴾ اور وہ زمین کو درختوں پودوں اور سبزہ جات کے ذریعے زندہ کر دیتا ہے ﴿بَعْدَ قَوْتِهَا﴾ اس کے مرنے کے بعد (یعنی) اس کے خشک اور بخر ہونے کے بعد ﴿وَكَذَلِكَ نُخْرِجُ جُودُونَ﴾ اور اسی طرح تمہیں نکالا جائے گا یعنی ان مذکورہ بالا چیزوں کے نکالنے کی طرح تمہیں قبروں سے نکالا جائے گا [حزہ علی کسائی اور خلف کی قراءت میں ”تَخْرُجُونَ“ (”تَا“ مفتوح اور ”رَا“ مضموم فعل مضارع معروف باب ”نصر ينصر“ سے) ہے اور ”وَكَذَلِكَ“ میں کاف تشبیہ ”تخروجون“ کے ساتھ محلاً منصوب ہے] اور معنی یہ ہے کہ ابتداء میں تخلیق کرنا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا اس ذات اقدس کی قدرت میں برابر ہیں جو مردے کو زندہ سے اور زندہ کو مردے سے نکالتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ہر نماز کے بعد ”سبحان اللہ“ حین تمسون“ سے لے کر ”وَكَذَلِكَ تَخْرُجُونَ“ تک اور سورۃ الصافات کی آخری تین آیات پڑھے گا تو اس کے لیے آسمان کے ستاروں اور بارش کے قطروں اور درختوں کے پتوں اور زمین کی مٹی کے ذروں کی تعداد کے برابر نیکیاں لکھی جائیں گی پھر جب وہ شخص انتقال کر جائے گا تو اس کو قبر میں ہر حرف کے بدلے دس نیکیوں کا اجر و ثواب دیا جائے گا اور حضور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ جو شخص صبح کے وقت ”سبحان اللہ حین تمسون و حین تصبحون“ سے لے کر ”وَكَذَلِكَ تَخْرُجُونَ“ تک پڑھ لیا کرے گا تو اس دن اس کے جو اُوراد و وظائف پڑھنے سے رہ گئے ہوں گے ان کا اجر و ثواب پالے گا اور جو اسے شام کے وقت پڑھ لیا کرے گا تو جو وظائف اور اُوراد اس رات اس کے ترک ہو گئے ہوں گے ان کا اجر و ثواب پالے گا۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ ﴿۲۰﴾

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ

مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۱﴾

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر تب ہی تو تم انسان ہو کر پھلتے جا رہے ہو اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے تسکین حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت قائم کر دی بے شک اس میں البتہ اس قوم کے لیے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں ○

قدرتِ الہی کے مظاہر و انعامات کا بیان

۲۰۔ ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے (یعنی) اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی ربوبیت و پرورش کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ ﴿أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ﴾ اس نے تمہیں یعنی تمہارے باپ (حضرت آدم علیہ السلام) کو مٹی سے پیدا کیا ﴿ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ﴾ پھر جب ہی تو تم انسان ہو یعنی حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد ﴿تَنْتَشِرُونَ﴾ تم ہر طرف پھلتے جا رہے ہو اور تم اپنی ضروریات زندگی میں تصرف کرتے پھرتے ہو [اور "إِذَا" مفاعلات کے لیے ہے اور اس کی تھذیر عبارت اس طرح ہے: "ثم فاجاتم وقت كونكم بشرًا منتشرين في الارض" پھر تم اچانک بروقت انسان ہو کر زمین میں پھیلنے لگ گئے ہو]۔

۲۱۔ ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا﴾ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے لیے بیویاں پیدا کیں یعنی حضرت حواء کو حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا گیا اور اس کے بعد دوسری عورتوں کو مردوں کی پشتوں سے پیدا کیا گیا یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہاری ہم شکل و ہم جنس عورتیں پیدا کیں کسی دوسری جنس سے نہیں اور یہ اس لیے کہ ایک جنس کے دو افراد کے درمیان محبت و الفت اور سکون و آرام پایا جاتا ہے اور جب کہ دو مختلف جنسوں کے دو افراد کے درمیان منافرت و اجنبیت پائی جاتی ہے "سکن الیہ" اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص اس کی طرف مائل ہوتا ہے ﴿وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾ اور اس نے تمہارے درمیان محبت و رحمت قائم کر دی یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان میان بیوی کے رشتہ کے ذریعے ایک دوسرے سے محبت کرنے اور ایک دوسرے پر رحم و کرم اور مہربانی کرنے کے عمل کو جاری فرما دیا اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "مودۃ" سے جماع (ہم بستری) کی طرف اشارہ ہے اور "رحمۃ" سے اولاد کی طرف اشارہ ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مودت و محبت نو جوان بیوی کے لیے اور رحمت سن رسیدہ بیوی کے لیے ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ مودت و رحمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے (والفرك من الشيطان) اور فرک شیطان کی طرف سے ہوتی ہے یعنی بیوی کا خاوند سے بغض و عناد رکھنا اور خاوند کا بیوی سے بغض و عناد رکھنا شیطان کی طرف سے ہوتا ہے ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾ بے شک اس میں اس قوم کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتی ہے سو وہ جانتے ہیں کہ دنیا کا قیام نسل در نسل کی افزائش کے پائے جانے سے ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَالْوَاوِيكُمْ
 إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالَمِينَ ﴿۲۲﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ
 وَابْتِغَاؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُسْمِعُونَ ﴿۲۳﴾

اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا مختلف ہونا ہے بے شک اس میں علم والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O اور اس کی نشانیوں میں سے ہی ہے تمہارا رات اور دن کو سونا اور تمہارا اس کے فضل کو تلاش کرنا بے شک اس میں اس قوم کے لیے جو غور سے سنتے ہیں ضرور نشانیاں ہیں O

۲۲- ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ﴾ اور آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں کا مختلف ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان قدرت کی نشانیوں میں سے ہے یعنی لغات و بولیوں کا ایک دوسرے سے مختلف اور الگ الگ ہونا یا یہ کہ بولنے کی مختلف قسموں کا ہونا اور اس کی مختلف شکلوں کا ہونا ﴿وَالْوَاوِيكُمْ﴾ اور تمہاری رنگتوں کا مختلف ہونا جیسے سیاہ اور سفید اور سرخ اور گندمی وغیرہ اور ان رنگتوں کا مختلف ہونا باہمی تعارف و پہچان کے لیے ضروری ہے ورنہ اگر سب کی شکلیں ایک دوسرے سے ملتی ہوئیں اور سب کے سب ہم شکل ہوتے اور سب ایک رنگ و شکل پر متفق ہوتے تو آپس میں تجاہل و التباس اور اشتباہ واقع ہوتا اور ایک دوسرے کی پہچان ناممکن ہو جاتی اور باہمی مصلحتیں معطل و ختم ہو جاتیں اور اس میں قدرت الہی کی روشن ترین دلیل ہے کیونکہ تمام انسان ایک باپ سے پیدا ہوئے اور وہ اب اس قدر کثرت سے دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں کہ ان کی کثرت کو اللہ تعالیٰ کے ماسوا پوری طرح کوئی نہیں جانتا لیکن اس کے باوجود تمام انسان ایک دوسرے سے شکل و صورت میں بولیوں میں اور لب و لہجہ میں مختلف ہیں ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالَمِينَ﴾ بے شک اس میں عالموں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں [”عالم“ (لام پر زبر کے ساتھ) کی جمع ہے اور امام جفص کی قراءت میں لام کے نیچے زیر ہے اور یہ ”عالم“ کی جمع ہے اور لام کے نیچے زیر کی شہادت درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ دے رہا ہے: ”وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ O“ (العنکبوت: ۴۳) اور اس کو نہیں سمجھتے مگر علم والے (یعنی جاننے والے) O]۔

۲۳- ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهِ﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے تمہارا رات اور دن کو سونا اور اس کے فضل (یعنی رزق) کو تلاش کرنا۔ یہ لف و نشر کے باب سے ہے (یعنی) اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے تمہارا رات کو سونا اور دن کو اس کا فضل (رزق) تلاش کرنا، مگر پہلے دو قرینوں اور دوسرے دو قرینوں کے درمیان فاصلہ رکھا گیا ہے یا اس سے یہ مراد ہے کہ تمہارا دونوں زمانوں (رات اور دن) میں سونا اور ان دونوں زمانوں میں تمہارا رزق تلاش کرنا اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے اور جمہور اہل اسلام اول پر متفق ہیں کیونکہ اس کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا ہے اور سب سے زیادہ درست معانی وہی ہوتے ہیں جن پر قرآن مجید کی دلالت ہو ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُسْمِعُونَ﴾ بے شک اس میں اس قوم کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو غور سے سنتے ہیں یعنی جو غور و فکر اور بڑے تدبر کی سماعت کے ساتھ اور یاد رکھنے والے کانوں کے ساتھ سنتے ہیں۔

وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمْ الْبَرِّقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُحْيِي

بِءِ الْأَرْضِ بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۲۴﴾
 وَإِنَّ آيَةَ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ ۖ ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ
 الْأَرْضِ إِذَا أَنْتُمْ تَخْرُجُونَ ﴿۲۵﴾ وَلَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلٌّ لَّهُ
 قِنْتُونَ ﴿۲۶﴾

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تمہیں خوف و امید دلانے کے لیے بجلی دکھاتا ہے اور وہ آسمان سے (بارش کا) پانی نازل کرتا ہے پھر اس کے ذریعے زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے بے شک اس میں اس قوم کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو عقل رکھتی ہے اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں پھر جب وہ پکار کر تمہیں زمین سے بلائے گا تو تم اسی وقت نکل پڑو گے اور اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اسی کے حکم کے تابع ہیں ۰

۲۴- ﴿وَمِن آيَاتِهِ يُرِيكُمُ الْبَرْقَ﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تمہیں بجلی دکھاتا ہے [”یریکم“ میں دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ حرف ”ان“ پوشیدہ ہے اصل میں ”ان یریکم“ ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت میں ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس فعل کو مصدر کے قائم مقام کیا گیا ہے اور انہیں دو وجہوں کے ساتھ (درج ذیل) مثال کی تفسیر کی گئی ہے ”تسمع بالمعیندی خیر من ان تراہ“ معیدی کا کلام سننا تمہارے لیے اس کے دیکھنے سے بہتر ہے ”ای ان تسمع“ یعنی اصل میں ”ان تسمع“ ہے یا پھر (مصدر کے قائم مقام) ”سماعک“ ہے [﴿خَوْفًا﴾ بجلی کی کڑک سے ڈراتا ہے یا بارش نہ برسنے سے ڈراتا ہے ﴿وَطَمَعًا﴾ اور بارش کے برسنے کی امید بھی دلاتا ہے یا مسافر کو ڈراتا ہے اور حاضر و مقیم کو امید دلاتا ہے [اور یہ دونوں مفعول لہ کی بناء پر منصوب ہیں مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کیا گیا ہے یعنی ”ارادة خوف و ارادة طمع“ ہے یا دونوں حال کی بناء پر منصوب ہیں یعنی خائفین و طامعین ہے] ﴿وَيُنزِلُ مِنَ السَّمَاءِ﴾ اور وہ آسمان سے نازل کرتا ہے [ابن کثیر کی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ ہے] ﴿مَاءً﴾ پانی یعنی بارش ﴿فَيُنزِلُ بِهَا الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ پھر وہ اس کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ بے شک اس میں اس قوم کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو عقل رکھتی ہے (یعنی) وہ اپنی عقلوں سے سوچتے اور غور و فکر کرتے ہیں۔

۲۵- ﴿وَمِن آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں یعنی تمام زمین و آسمان محض اس کے قائم رکھنے کی وجہ سے یا اس کی تدبیر و حکمت کی وجہ سے بغیر ستون کے باقی و ثابت ہیں ﴿ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْأَرْضِ إِذَا أَنْتُمْ تَخْرُجُونَ﴾ پھر جب وہ تمہیں پکار کر زمین میں سے اٹھانے کے لیے بلائے گا تو تم اچانک اسی وقت اپنی قبروں سے نکل پڑو گے۔ یہ ”یریکم“ کی طرح مفرد معنی پر جملہ واقع ہے گویا فرمایا: اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی آسمانوں اور زمین کا بغیر ستون کے قائم رہنا اور رُکار رہنا ہے پھر مردوں کا قبروں سے نکلنا ہے جب انہیں ایک دفعہ پکارا جائے گا کہ ”يَا أَهْلَ الْقُبُورِ اخْرُجُوا“ اے قبروں والو! تم اپنی

قبروں سے باہر نکل آؤ اور مقصد و مراد یہ ہے کہ بغیر توقف کے فوراً نکل پڑو اور اس کو ”ثم“ کے ساتھ آسمانوں اور زمین کے قیام پر اس لیے عطف کیا گیا ہے تاکہ قبروں سے نکلنے کے معاملے کی بڑائی کو اور اس طرح کی چیزوں پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کو بیان کیا جائے اور وہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے قبروں والو! کھڑے ہو جاؤ تو اولین و آخرین میں سے کوئی شخص باقی نہیں رہے گا، مگر سب کے سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے جیسا کہ فرمایا: ”ثُمَّ نُفِخُ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ“ (الزمر: ۶۸) ”پھر اس میں دوبارہ پھونکا جائے گا تو فوراً وہ لوگ کھڑے ہو کر دیکھ رہے ہوں گے“ [اور پہلا ”إِذَا“ شرط کے لیے ہے اور دوسرا مفاعلات کے لیے ہے اور یہ شرط کے جواب میں ”فَا“ کے قائم مقام ہے اور ”مِنَ الْأَرْضِ“ فعل کے متعلق ہے مصدر کے نہیں جیسے کہا جاتا ہے: ”دَعْوَتُهُ مِنْ مَكَانٍ كَذَا“ میں نے اس کو اس طرح کے مکان سے بلایا، ممکن ہے کہ ”مَكَانَكَ“ ہو اور یہ بھی ممکن ہے ”مَكَانَ صَاحِبِكَ“ ہو۔]

۲۶۔ ﴿وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلٌّ لَّهُ قَنِينٌ﴾ اور اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے سب اسی کے فرماں بردار ہیں وہ اپنے اندر اس کے افعال کے وجود کے لیے ہمہ وقت فرماں بردار رہتے ہیں اس کے لیے رکاوٹ نہیں بنتے یا وہ عبودیت کا اقرار کرنے والے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ وَلَهُ الْمَثَلُ
الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۲۶﴾ ضَرْبٌ لَكُمْ مَثَلًا
مِّنْ أَنْفُسِكُمْ ۖ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاءَ فِي مَا
رَزَقْنَاكُمْ فَأَنْتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ ۚ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ
الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۲۷﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ أَهْوَاءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ
فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ ۖ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّاصِرِينَ ﴿۲۸﴾

اور وہی ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور وہ اس پر بہت آسان ہے اور آسمانوں اور زمین میں سب سے اعلیٰ اسی کی شان ہے اور وہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے ۰ اس نے خود تمہاری جانوں میں سے ایک مثال تمہارے لیے بیان فرمائی کہ کیا تمہارے غلاموں میں سے کوئی اس رزق میں تمہارا شریک ہے جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے کہ تم سب اس (رزق) میں برابر ہو تم ان سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح تم اپنوں سے ڈرتے ہو اسی طرح ہم اس قوم کے لیے اپنی آیتیں تفصیل سے بیان کرتے ہیں جو عقل رکھتی ہے ۰ بلکہ ظالموں نے بغیر علم کے اپنی خواہشات کی پیروی کی سوا سے کون ہدایت دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے گمراہی پر ڈال دیا اور ان کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے ۰

۲۷۔ ﴿وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ﴾ اور وہی ہے جو مخلوق کی ابتداء کرتا ہے پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا کرے گا یعنی پہلی بار بھی وہی اللہ تعالیٰ مخلوق پیدا کرتا ہے پھر وہی قبروں میں سے اٹھانے کے لیے دوبارہ پیدا کر کے زندہ کرے گا ﴿وَهُوَ﴾ اور وہ یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا ﴿أَهْوَنُ عَلَيْهِ﴾ تمہارے نزدیک اس پر بہت آسان ہے

کیونکہ پہلی بار پیدا کرنے سے دوبارہ اس کا اعادہ کرنا تمہارے نزدیک آسان ہے، سو اب تم اعادہ (دوبارہ اٹھانے) کا انکار کیوں کرتے ہو۔ ”اھون“ بہ معنی ”آیسو“ آسان ترین ہے [”وہو اھون علیہ“ میں صلہ کو موخر کیا گیا ہے جب کہ سورہ مریم: ۹ میں ”هُوَ عَلٰی هٰئِن“ میں صلہ کو مقدم کیا گیا ہے اس لیے کہ وہاں اختصاص کا قصد کیا گیا ہے لیکن یہاں اختصاص کے لیے کوئی معنی نہیں ہے] اور علامہ ابو عبیدہ اور علامہ زجاج وغیرہ نے کہا کہ ”اھون“ اور ”ھین“ ہم معنی ہیں اس لیے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو موصوف کیا جاسکتا ہے جیسے ارشاد ہے: ”وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلٰی اللّٰهِ يَسِيْرًا“ (الاحزاب: ۳۰) ”اور یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے“ جیسا کہ کہتے ہیں: ”اللّٰهُ اَكْبَرُ اٰی كَبِيْر“ یعنی اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اور اعادہ فی نفسہ بہت بڑا کارنامہ ہے اگرچہ پہلی بار پیدا کرنے کی نسبت سے آسان ہے یا یہ معنی ہے کہ پیدا کرنے کی نسبت سے اعادہ کرنا مخلوق کے لیے آسان ہے کیونکہ ان کا ایک حالت پر قائم ہونا زیادہ آسان ہے اس سے کہ وہ پہلے نطفہ ہوں پھر لوتھڑا ہوں پھر گوشت ہوں پھر ان کی تخلیق کی تکمیل ہو ﴿وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور تمام آسمانوں اور تمام زمین میں اسی (اللہ تعالیٰ) کی شان بلند و بالا ہے یعنی اعلیٰ وصف صرف اسی اللہ تعالیٰ کا ہے اس کے سوا کسی کا نہیں ہے اور وہی اس کے ساتھ مشہور و معروف ہے اور آسمانوں اور زمین میں اس کا وصف جو تمام مخلوقات کی زبان پر اور تمام دلائل کی زبان پر جاری و ساری ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مقدرات پر پوری طرح قادر ہے وہ پہلی بار پیدا کرنے اور اس کو دوبارہ پیدا کرنے وغیرہ مقدرات میں سے کسی چیز سے عاجز نہیں ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد رہنمائی کرتا ہے ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ﴾ اور وہ سب پر غالب ہے یعنی وہ ہر مقدر پر غالب ہے ﴿الْحَكِيْمُ﴾ بڑا دانائے وہی ہے جس کے علم و حکمت سے پر فیصلہ جات پر ہر فعل جاری و ساری ہوتا ہے۔ اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ ”المثل الاعلیٰ“ سے ”لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ“ (الشوریٰ: ۱۱) مراد ہے (یعنی) ”اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سب کچھ سننے دیکھنے والا ہے“۔ اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“ کہنا مراد ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ سب سے بلند و بالا وصف اسی کا ہے اور وہ وحدانیت کا وصف ہے جس کی تائید و توثیق درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ کر رہا ہے۔

۲۸ - ﴿ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے خود تمہاری جانوں میں سے ایک مثال بیان فرمائی، سو اللہ تعالیٰ نے یہ مثال اس شخص کے لیے بیان فرمائی ہے جس نے اس کے ساتھ اس کی مخلوق میں سے شریک ٹھہرا لیے [”من“ ابتداء کے لیے ہے] گویا فرمایا کہ اس نے ایک مثال لی ہے اور اسے تمہاری قریب ترین چیز میں سے لیا ہے اور وہ تمہاری اپنی جانیں ہیں ﴿هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ اے آزادوں کی جماعتو! کیا تمہارے لیے تمہارے غلاموں میں سے کوئی ہے [”من“ تبیض کا ہے] ﴿مِّنْ شُرَكَآءِ﴾ تمہارا شریک [”من“ استفہام کی تاکید کے لیے زائد ہے یہ استفہام نفی کے قائم مقام ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ چونکہ ایک انسان دوسرے انسان کی طرح ہوتا ہے اور ایک غلام دوسرے غلام کی طرح ہوتا ہے اس بناء پر کیا تم اپنے لیے اور اپنے غلاموں کے لیے ایسی مثالیں پسند کرتے ہو کہ ان میں سے بعض تمہارے ساتھ شریک ہوں ﴿فِي مَّا رَزَقْنٰكُمْ﴾ تمہارے ان مالوں اور جائیدادوں میں جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں ﴿فَاَنْتُمْ﴾ سو تم آزادوں اور غلاموں کی تمام جماعتیں ﴿فِيْهِ﴾ اس رزق میں ﴿سَوَآءٌ﴾ آزاد اور غلام کے درمیان بغیر کسی تفریق کے تم سب برابر ہو کہ تمہارے غلام تمہارے مالوں میں اسی طرح تصرف و خرچ کریں جس طرح تم خود اپنے مالوں میں تصرف و خرچ کرتے ہو ﴿مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ﴾ تم ان سے ڈرتے ہو یعنی اے آقاؤں کی جماعت! تم اپنے مالوں میں

اپنے غلاموں کی برابری کی شرکت سے ڈرتے ہو کہ تم اس صورت میں ان کی اجازت کے بغیر اپنے اموال میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکو گے، محض ملامت کرنے والے کے خوف کی وجہ سے جو تمہیں ان کی طرف سے لاحق ہوگا [یہ "سواء" کی ضمیر قائل سے حال ہے] ﴿كَخِيفَتِكُمْ﴾ "ای خيفة كخيفتكم" یعنی ایسا ڈر جیسے تم ڈرتے ہو ﴿أَنْفُسِكُمْ﴾ اپنے لوگوں سے یعنی جس طرح آزاد لوگ مشترکہ امور میں ایک دوسرے سے ڈرتے ہیں سو جب تم اپنوں کے لیے یہ شرکت پسند نہیں کرتے تو تم تمام آزادوں اور غلاموں کے بادشاہ اور رب الارباب کے لیے اس کے بعض بندوں کو اس کا شریک کیوں کر ٹھہراتے ہو؟ ﴿كَذَلِكَ﴾ [کاف تشبیہ محلاً منصوب ہے] یعنی اس تفصیل کی طرح ﴿تَقْتُلُ الْآيَاتِ﴾ ہم آیات کی تفصیل کرتے ہیں یعنی ہم ان کو تفصیل کے ساتھ واضح کر کے بیان کرتے ہیں کیونکہ مثالوں کے ذریعے معانی کو کھول کر بیان کیا جاتا ہے اور ان کی وضاحت کی جاتی ہے ﴿لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ ایسی قوم کے لیے جو مثالوں کے بیان میں غور و فکر کرتے ہیں اور ان کو سمجھتے ہیں۔

۲۹- پھر جب کفار مکہ کفر و شرک سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے اعراض فرمایا اور ارشاد فرمایا: ﴿بَلِ اتَّبَعَ

الَّذِينَ ظَلَمُوا﴾ بلکہ جب لوگوں نے اپنی جانوں پر شرک کر کے ظلم کیا جیسا کہ ارشاد ہے: "إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ" (لقمان: ۱۳) "بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے"۔ انہوں نے پیروی اختیار کر لی ﴿أَهْوَأُ لَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ اپنی خواہشات کی علم کے بغیر یعنی انہوں نے جہالت کی وجہ سے اپنی خواہشات کی پیروی کی ﴿فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ﴾ سوائے کون ہدایت دے سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا ہو یعنی اصل میں "اضلہ اللہ" ہے ﴿وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ﴾ اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

فَأَقْمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا

تَبْدِيلَ يَخْلُقُ اللَّهُ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَا لَكِنَّا أَكْثَرُ النَّاسِ لَا

يَعْلَمُونَ ﴿٣٠﴾ مَنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ

الْمُشْرِكِينَ ﴿٣١﴾ مِنَ الدِّينِ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا ﴿٣٢﴾ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا

لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿٣٣﴾

سو آپ اپنا رخ زیبا دین حنیف پر قائم رکھیے اللہ تعالیٰ کی خلقت وہی ہے جس پر اس نے تمام انسانوں کو پیدا کیا اللہ تعالیٰ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں یہی سیدھا دین ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O اسی کی طرف رجوع کرنے والے ہو جاؤ اور اس سے ڈرو اور نماز قائم کرو اور تم مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ O ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ کئی گروہ ہو گئے ہر گروہ اس پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے O

دین حنیف کو اپنانے کی تاکید اور کفار کی مذمت کا بیان

۳۰- ﴿فَأَقْمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ﴾ سو (اے محبوب!) آپ اپنا چہرہ انور دین حق پر قائم رکھیں (یعنی) سو آپ اپنا چہرہ

مبارک اس دین کی طرف سیدھا رکھیں اور برابر اسی کی طرف اپنی توجہ مبذول رکھیں اس سے ادھر ادھر دائیں اور بائیں

اطراف توجہ مت کیجئے اور یہ حکم دراصل ایک تمثیل ہے دین حق پر توجہ رکھنے کی اور اس پر پوری طرح قائم و دائم رہنے کی اور اس کی تبلیغ کے اسباب کے لیے اہتمام کرنے کی، کیونکہ جو شخص کسی چیز کا اہتمام کرتا ہے تو وہ اپنی نگاہ اسی پر مرکوز رکھتا ہے اور اپنی نظر اسی کی طرف سیدھی کر لیتا اور اپنا چہرہ اسی کی طرف سیدھا رکھتا ہے ﴿حَنِيفًا﴾ تمام باطل ادیان سے منہ موڑ کر دین حق پر قائم رہنے والا [یہ مامور اور دین سے حال ہے] ﴿فَطَرَتِ اللّٰهُ﴾ ”ای الزموا فطرة الله“ یعنی اللہ تعالیٰ کی فطرت کو لازم پکڑو اور ”فطرة“ بہ معنی ”خلق“ ہے کیا تم نے ارشاد باری تعالیٰ ”لَا تَبْدِيلَ لِمَخْلُوقِ اللّٰهِ“ کی طرف نہیں دیکھا اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو توحید اور دین اسلام قبول کرنے والے اس سے روگردانی نہ کرنے والے اور اس کا انکار نہ کرنے والے بنا کر پیدا کیا ہے اس لیے کہ یہ دین عقل کے لیے جاذب ہے اور صحیح نظر کے لیے قائد و رہنما ہے یہاں تک کہ اگر لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ دین اسلام کے مقابلے میں کسی دوسرے دین و مذہب کو اختیار نہیں کریں گے اور ان میں سے جو لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں وہ صرف جن وانس کے شیطانوں کے اُکسانے کی وجہ سے ہوتے ہیں اور حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد اس کی تائید کرتا ہے چنانچہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان فرمایا کہ ”كُلُّ عِبَادِيْ خَلَقْتُ حُنَفَاً فَاجْتَالَتْهُمُ الشَّيَاطِيْنُ عَنْ دِيْنِهِمْ وَاَمْرُوهُمْ اَنْ يُّشْرِكُوْا بِيْ غَيْرِيْ“ میں نے اپنے تمام بندوں کو توحید پرست پیدا کیا، پھر شیطانوں نے انہیں ان کے دین سے گمراہ کر دیا اور انہوں نے انہیں حکم دیا کہ وہ میرے ساتھ میرے غیر کو شریک ٹھہرائیں۔ اور حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُّوْلَدُ عَلٰى الْفِطْرَةِ حَتّٰى يَكُوْنَ اَبَاؤُهٗ هُمَا اللّٰذِنِ يَهُودًا اَوْ يَنْصَرَانِ“ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کے ماں باپ ہی وہ لوگ ہیں جو اس کو یہودی بنا دیتے ہیں یا اس کو نصرانی بنا دیتے ہیں۔ اور علامہ زجاج نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو ایمان باللہ پر پیدا کیا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بے شک اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے اس کی تمام پیدا ہونے والی اولاد کو چیونٹیوں کی طرح نکالا اور ان کو ان کی اپنی جانوں پر گواہ بنایا کہ بے شک وہ ان کا خالق و مالک ہے اور ارشاد فرمایا: ”وَ اِذَا اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا“ (الاعراف: ۱۷۲) ”اور جب آپ کے پروردگار نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی نسل کو نکالا اور انہیں خود ان پر گواہ بنایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں سب نے کہا: کیوں نہیں! ہم نے گواہی دی۔“ پس ہر بچہ اس اولاد میں سے ہے جس نے گواہی دی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کا خالق و مالک ہے سو اللہ تعالیٰ کی ”فطرة“ اللہ تعالیٰ کا دین ہے ﴿الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ وہی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو پیدا کیا، یعنی ”فطر“ بہ معنی ”خلق“ ہے ﴿لَا تَبْدِيْلَ لِمَخْلُوقِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تبدیلی نہیں، یعنی یہ مناسب و لائق نہیں کہ اس فطرت کو تبدیل کر دیا جائے یا متغیر کیا جائے اور زجاج نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین تبدیل نہیں ہوگا اور اس معنی پر اس کے بعد آنے والا یہ کلام رہنمائی کرتا ہے کہ ﴿ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾ یہ دین بڑا پکا اور مضبوط ہے یعنی یہ سیدھا دین ہے ﴿وَلٰكِنْ اَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

۳۱- ﴿مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ﴾ اس کی طرف رجوع کرنے والے [یہ ”الزموا“ کی ضمیر سے حال ہے اور یہ ارشاد ”واتقوه“،

۱۔ رواہ مسلم فی کتاب الحجۃ حدیث: ۶۳، واحمد فی مسندہ ج ۲ ص ۱۶۲

۲۔ رواہ البخاری فی کتاب الجنائز باب: ۹۲، ابوداؤد فی کتاب السنۃ باب: ۱۷۱، الترمذی فی کتاب القدر باب: ۵، الموطأ فی کتاب الجنائز

حدیث: ۵۲، احمد فی مسندہ ج ۲ ص ۲۳۳-۱۷۵

”واقیموا“، ”ولا تکونوا“ اس مضمیر پر معطوف ہیں یا ارشاد باری تعالیٰ ”فاقم وجهک“ سے حال ہیں [کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے حکم حقیقت میں آپ کی امت کے لیے حکم ہے تو گویا فرمایا: ”فاقیموا وجوهکم منیبین الیہ“ سو تم اپنے چہروں کو اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے سیدھا رکھو۔ یا تقدیر عبارت یوں ہے: ”کونوا منیبین الیہ“ کہ تم اس کی طرف رجوع کرنے والے بن جاؤ اور اس کی دلیل یہ ارشاد ہے کہ ”ولا تکونوا من المشرکین“ ﴿وَاتَّقُوا وَاقِيمُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور تم اس سے ڈرتے رہو اور نماز کو قائم رکھو یعنی نماز کو اس کے اوقات میں صحیح طریقے پر ادا کیا کرو ﴿وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ اور تم شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے غیر کو عبادت میں شریک کرتے ہیں۔

۳۲- ﴿وَمِنَ الَّذِينَ﴾ [یہ ”المشرکین“ سے حرف جارہ کے اعادہ کے ساتھ بدل ہے] ان لوگوں میں سے ﴿فَدَعَوْا دِيْنَهُمْ﴾ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور انہوں نے اپنی مختلف خواہشات کے سبب مختلف دین بنالیے [حزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ”فارقوا“ ہے اور یہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت ہے] یعنی انہوں نے دین اسلام کو چھوڑ دیا ﴿وَكَانُوا شِيْعًا﴾ اور وہ کئی گروہ بن گئے ہر ایک گروہ اپنے پیشوا کی پیروی کرتا ہے جس نے اسے گمراہ کیا ﴿كُلٌّ حِزْبٌ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ﴾ ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی پر خوش ہے (یعنی) ہر گروہ اپنے مذہب پر سرور و خوش ہے اور وہ اپنے باطل مذہب کو حق گمان کرتا ہے۔

وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا آذَاهُمْ مِنْهُ رَحْمَةً إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ فَتَسْتَعِزُّوا وَقْتَهُ ﴿٣٤﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿٣٥﴾ أَمْ أَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ ﴿٣٥﴾

اور جب لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے پروردگار کی طرف رجوع کر کے اس سے دعا مانگتے ہیں پھر جب وہ اپنی طرف سے ان کو رحمت کا مزہ چکھاتا ہے تو ان میں سے ایک گروہ اسی وقت اپنے رب کے ساتھ شریک ٹھہرانے لگ جاتا ہے تاکہ وہ ان تمام نعمتوں کی ناشکری کریں جو ہم نے ان کو عطا کی ہیں سو تم زندگی کا لطف اٹھا لو پس عنقریب تم جان لو گے یا ہم نے ان پر کوئی دلیل نازل کی ہے کہ وہ ان کے شریکوں کی گواہی دیتی ہے

۳۳- ﴿وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ﴾ اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے جیسے سخت کمزوری کا لاحق ہو جانا یا کوئی بیماری یا قحط یا اس کے علاوہ کوئی اور تکلیف ﴿دَعَوْا رَبَّهُمْ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا آذَاهُمْ مِنْهُ رَحْمَةً﴾ تو وہ اپنے رب تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اس سے دعا مانگتے ہیں پھر جب اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے انہیں رحمت کا مزہ چکھاتا ہے اور تکلیف سے نجات عطا کرتا ہے ﴿وَإِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ﴾ تو ان میں سے ایک گروہ اسی وقت اپنے پروردگار کے ساتھ عبادت میں شریک ٹھہرانے لگ جاتا ہے۔

۳۴- ﴿لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ﴾ تاکہ وہ ان نعمتوں کی ناشکری کریں جو ہم نے انہیں عطا کی ہیں [”لیکفروا“ میں یہ لام ”کفی“ کا ہے یا پھر وعید کے لیے لام امر ہے] ﴿فَتَسْتَعِزُّوا﴾ سو تم اپنے کفر و شرک کے ساتھ تھوڑا سا فائدہ اٹھا لو [یہ امر وعید کا ہے] ﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ﴾ سو تم عنقریب اپنے فائدہ اٹھانے کا وبال جان لو گے۔

۳۵- ﴿أَمْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فَهُمْ يُكْفَرُونَ﴾ کیا ہم نے ان پر کوئی حجت و دلیل نازل کی ہے سو وہ (انہیں) بتلاتی ہے اور اس حجت کا کلام کرنا اور بولنا مجاز ہے جیسا کہ کہتے ہیں: ”کتابہ ناطق بکذا“ کہ اس کی کتاب اس طرح بولتی ہے ”وہذا مما نطق به القرآن“ اور یہ ان چیزوں میں سے ہے جس کے ساتھ قرآن مجید کلام کرتا ہے اور اس کا معنی ہے: گواہی دینا گویا فرمایا: سو وہ ان کے شرک اور اس کی صحت کی گواہی دیتی ہے ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ﴾ جس کے ساتھ شرک کرتے تھے [”مَا“ مصدر یہ ہے یعنی ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا یا ”مَا“ موصولہ ہے اور ضمیر اسی کی طرف لوٹتی ہے یعنی پس وہ حجت اس امر کے ساتھ کلام کرتی اور گواہی دیتی ہے جس کے سبب وہ شرک کرتے ہیں] یا اس آیت مبارکہ کا یہ معنی ہے کہ کیا ہم نے ان پر گواہ نازل کیا ہے یعنی فرشتہ نازل کیا ہے جس کے ساتھ برہان و دلیل ہے سو وہ فرشتہ اس برہان کے ساتھ شرک کی صحت کی گواہی دیتا ہے جس کی وجہ سے یہ مشرکین مکہ شرک کرتے ہیں۔

وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا وَإِنْ تُصِيبُكُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيَكُمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ﴿٣٦﴾ أَوْلَمْ يَدْرُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٣٧﴾

اور جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پر خوش ہوتے ہیں اور اگر ان کے ہاتھوں نے جو کچھ آگے بھیجا ہے اس کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اسی وقت ناامید ہو جاتے ہیں O اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ رزق کشادہ کرتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور وہ تنگ بھی کر دیتا ہے بے شک اس میں اس قوم کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو ایمان دار ہے O

۳۶- ﴿وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً﴾ اور جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں یعنی کوئی نعمت عطا کرتے ہیں جیسے بارش کا بروقت برسنا یا خوش حالی و فراخ روزی کا حاصل ہو جانا یا صحت و تندرستی کا ہونا ﴿فَرِحُوا بِهَا﴾ تو وہ لوگ اس پر خوش ہو کر اترتے اور اکڑتے ہیں ﴿وَإِنْ تُصِيبُكُمْ سَيِّئَةٌ﴾ اور اگر ان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے یعنی کوئی مصیبت جیسے خشک سالی و قحط سالی یا غربت و تنگ دستی یا کوئی بیماری لاحق ہو جاتی ہے ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ﴾ ان کو تو توں کے سبب جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں (یعنی) ان کے گناہوں کی بدبختی کے سبب ﴿إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ﴾ تو وہ لوگ فوراً اسی وقت رحمت سے ناامید ہو جاتے ہیں [پس ”إِذَا“ مفاعلات کے لیے ہے اور شرط کا جواب ہے اور ”مَا“ کا نائب ہے کیونکہ یہ دونوں تعقیب (تاخیر) کے معنی میں مشترک ہیں۔]

۳۷- ﴿أَوْلَمْ يَدْرُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ﴾ ان فی ذلک لآیات لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اس کا رزق وسیع و فراخ کر دیتا ہے اور وہ جس کا چاہتا ہے اس کا رزق تنگ کر دیتا ہے بے شک اس میں اس قوم کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو ایمان دار ہے اللہ تعالیٰ نے (سوالیہ جملہ سے) ان پر انکار کیا ہے کہ بے شک وہ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی روزی فراخ کرنے والا ہے اور وہی روزی تنگ کرنے والا ہے تو اب انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہو جاتے ہیں اور انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ گناہوں سے توبہ کر کے اس کی طرف رجوع نہیں کرتے جن کی وجہ سے انہیں سختی کے ساتھ سزا دی جاتی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی

رحمت کے ساتھ ان کی طرف رجوع فرمائے۔

قَاتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ
 يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ وَأَوْلِيكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۳۸﴾ وَمَا آتَيْتُمْ مِّنْ رَّبًّا لِّيرْبُوا
 فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوا عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَمَا آتَيْتُمْ مِّنْ زَكَاةٍ تُرِيدُونَ
 وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ ﴿۳۹﴾ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ
 يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۗ هَلْ مِنْ شَرِكٍ لِّكَ مَن يَفْعَلُ مِمَّنْ ذِكْرُكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۗ
 سُبْحٰنَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۴۰﴾

سو آپ قرابت دار کو اس کا حق عطا کر دیں اور مسکین اور مسافر کو یہ ان لوگوں کے لیے بہت بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور تم جو مال سود لینے کے لیے دیتے ہو کہ وہ لوگوں کے مالوں میں بڑھتا رہے سو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور تم جو زکوٰۃ کا مال اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہوئے دیتے ہو سو یہی لوگ اپنا مال بڑھانے والے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر اس نے تمہیں رزق عطا کیا پھر وہ تمہیں موت دے گا پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا کیا تمہارے شریکوں میں بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ کر سکتا ہو اس کی ذات ان تمام چیزوں سے پاک و برتر ہے جن کو وہ لوگ شریک ٹھہراتے ہیں

صدقہ و زکوٰۃ دینے، سود سے بچنے اور کفار کی مذمت کا بیان

۳۸- اور جب اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ ذکر فرمایا کہ کفار مکہ کو جتنی مصیبتیں اور تکلیفیں پہنچتی ہیں وہ ان کے ان گناہوں کی وجہ سے پہنچتی ہیں جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں تو اس کے بعد اب بعض ان چیزوں کا ذکر فرمایا جن کا ادا کرنا واجب ہے اور بعض ان چیزوں کا ذکر فرمایا جن کو ترک کرنا واجب و لازم ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿قَاتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ﴾ (سو اے محبوب!) رشتہ دار کو اس کا حق عطا کیجئے اس کے ساتھ صلہ رحمی، صدقہ و خیرات اور نیکی کیجئے ﴿وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ﴾ اور مسکین و نادار اور مسافر کو بھی صدقہ و خیرات میں سے ان کا وہ حصہ عطا کیجئے جو ان کے لیے مقرر و فرض کر دیا گیا ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ محارم کا نان و نفقہ واجب ہے (یعنی قریبی رشتہ داروں کو بوقت ضرورت کھانا کھلانا اور ان پر حسب استطاعت خرچ کرنا لازم ہے) جیسا کہ یہی ہمارا مذہب ہے ﴿ذَٰلِكَ﴾ یعنی مذکورہ بالا افراد کے حقوق ادا کرنا یہ ﴿خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ﴾ ان لوگوں کے لیے بہت بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی چاہتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کی رضا چاہتے ہیں (”وجہ“ کا معنی ذات ہے چہرہ نہیں) یعنی وہ لوگ اپنی نیکیوں میں خالص اس کی رضا چاہتے ہیں ﴿وَأَوْلِيكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

۳۹- ﴿وَمَا آتَيْتُمْ مِّنْ رَّبًّا لِّيرْبُوا﴾ اور تم جو مال سود لینے کے لیے جو مال لوگوں کو دیتے ہو تاکہ وہ لوگوں کے مال میں شامل ہو کر بڑھتا رہے مطلب یہ ہے کہ تم جو مال سود کھانے کے لیے لوگوں کو سود کی شرح پر دیتے ہو تاکہ وہ

لوگوں کے مال میں بڑھتا رہے اور تاکہ زیادہ ہوتا رہے اور ان کے مال میں اضافہ کرے ﴿فَلَا يَرْبُوا عِنْدَ اللَّهِ﴾ تو ایسا مال اللہ تعالیٰ کے پاس نہیں بڑھتا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس میں اضافہ نہیں ہوتا اور نہ اس میں برکت عطا کی جاتی ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ”ربا“ سے یہاں حلال مال مراد ہے یعنی اور تم جو کچھ تحفے تحائف اپنے دوست احباب کو دیتے ہو تاکہ تم ان کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ مال حاصل کرو اور تاکہ لوگ تمہارے تحائف سے بڑھ کر تمہیں تحائف دیں سو یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیقت میں نہیں بڑھتے کیونکہ تم ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا ارادہ نہیں کرتے ﴿وَمَا آتَيْتُمْ مِّنْ زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ﴾ اور تم زکوٰۃ میں سے (یعنی) صدقہ و خیرات میں سے جو کچھ دیتے ہو جب کہ تم اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہو (یعنی) تم اس کے ذریعے خالص اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہو اس کے ذریعے بدلہ اور معاوضہ نہیں چاہتے اور نہ ریا اور دکھاوا چاہتے ہو ﴿فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ﴾ تو یہی لوگ بڑھانے والے ہیں (یعنی) یہی لوگ اپنی نیکیاں کئی گنا بڑھانے والے ہیں اور ”مضعف“ کی نظیر ”مقوی“ اور ”موسر“ اور ”یسار“ ہے جن کا معنی ہے: قوت والے (مال دار) [ابن کثیر کی قراءت میں بغیر مد کے ”آتیتم“ ہے (جب کہ جمہور قراء کے نزدیک مد کے ساتھ ”آتیتم“ ہے) یعنی اور جو کچھ تم سود دینے کے لیے چھپاتے ہو۔ نافع مدنی کی قراءت میں ”لیربوا“ کی بجائے ”لیربوا“ (”تأ“ مضموم اور واو ساکن باب افعال سے) ہے یعنی تاکہ تم ان کے مالوں میں اضافہ کرو اور ارشاد باری تعالیٰ ﴿فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ﴾ میں بہترین التفات ہے کیونکہ یہ عموم کا فائدہ دیتا ہے گویا فرمایا گیا کہ جس نے یہ کام کیا تو اس کا طریقہ مخاطبین کا طریقہ ہے اور اصل میں ”المضعفون بہ“ ہے کیونکہ اس کے لیے ضمیر کا ہونا ضروری ہے جو موصولہ کی طرف لوٹی ہو اور علامہ زجاج نے کہا کہ اصل میں ”فاھلھا ہم المضعفون“ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر صدقہ و خیرات کرنے والوں کا اجر و ثواب کئی گنا بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا کیونکہ انہیں ایک نیکی پر دس گنا ثواب عطا کیا جائے گا۔

۴۰۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے معبودوں اور ان کے خداؤں کے عجز و بے بسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا [یہ مبتدا خبر ہیں] ﴿ثُمَّ رَمَىٰ أَكْبَامَهُمْ ثُمَّ بَدَّلَكُمْ آيَاتِكُمْ﴾ پھر اس نے تمہیں رزق عطا کیا پھر وہ تمہیں موت دے گا پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا یعنی پیدا کرنے اور روزی دینے اور مارنے اور زندہ کرنے کے ساتھ صرف وہی مختص ہے ﴿هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ﴾ کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ہے یعنی کیا تمہارے بتوں میں جن کو تم گمان کرتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں ان میں کوئی ایسا ہے ﴿مَنْ يَفْعَلْ مِنْ دَلِيقِكُمْ مِنْ شَيْءٍ﴾ جو ان کاموں میں سے یعنی پیدا کرنے اور روزی دینے اور مارنے اور زندہ کرنے میں سے کچھ کر سکے یعنی ان کاموں میں سے کچھ کر سکے سو جب انہوں نے عاجز آ کر کوئی جواب نہیں دیا تو اللہ تعالیٰ نے شرک کو محال و ناممکن قرار دے کر ارشاد فرمایا: ﴿سُبْحٰنَہٗ وَتَعَالٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ مشرکین کے من گھڑت شریکوں سے پاک و برتر ہے [اور ”من“ پہلا اور دوسرا اور تیسرا ان میں سے ہر ایک مشرکین کے شریکوں (بتوں) کے عجز و بے بسی کی تاکید اور اپنے پرستاروں سے ان کی جہالت کی تاکید کرنے کے لیے مستقل ہے]۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ
الَّذِي عَمِلُوا عَلَيْهِمْ يَزْجَعُونَ ﴿۵۱﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ

عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴿۳۲﴾ فَأَقِمَّ وَجْهَكَ لِلدِّينِ
الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمًا لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ يُصَدَّعُونَ ﴿۳۳﴾

خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہو گیا ان گناہوں کے سبب جو لوگوں نے کمائے تاکہ وہ انہیں بعض اعمال کا مزہ چکھائے جو انہوں نے کیے تھے تاکہ وہ باز آ جائیں۔ فرمادیتے تھے کہ تم زمین میں چلو پھرو پھر غور سے دیکھو کہ پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا؟ ان میں اکثر لوگ مشرک تھے۔ سو آپ اپنا چہرہ مبارک دین مستقیم کی طرف سیدھا رکھیں اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ٹالا نہیں جائے گا اس دن لوگ الگ الگ ہو جائیں گے۔

گناہوں کے وبال اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان

۴۱- ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَحْرِ﴾ خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہو گیا، جیسے قحط سالی و خشک سالی اور بارشوں کی قلت و بندش اور کھیتوں میں کیڑے وغیرہ پڑنا اور تجارت میں منافع کی کمی اور انسانوں اور جانوروں میں اموات کی کثرت اور سیلابوں کی کثرت اور غرقابی کی تباہی اور ہر چیز سے برکات کا ختم ہو جانا۔ ﴿يَمَا كَسَبَتْ آيَاتِي النَّاسِ﴾ ان گناہوں کے سبب جو ان کے ہاتھوں نے کمائے (یعنی) ان کے گناہوں اور ان کے کفر و شرک کے سبب (دنیا میں فتنہ و فساد برپا ہو گیا) جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ آيَاتِكُمْ“ (الشوریٰ: ۳۰) ”اور تمہیں جو کچھ مصیبت و تکلیف پہنچتی ہے تو اس کا سبب وہ جرائم ہیں جن کا تمہارے ہاتھوں نے ارتکاب کیا ہے“ ﴿لِيَذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا﴾

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں علامہ اسماعیل حقی حنفی نے دنیا میں فتنہ و فساد پھیلنے کے اسباب کی نشاندہی کرتے ہوئے چند احادیث نبوی بیان کی ہیں، عبرت و سبق کے حصول اور اصلاح معاشرہ کے پیش نظر یہاں ان کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

- (۱) کسی قوم میں فحاشی و بے حیائی کا اعلانیہ ظاہر ہو جانا، اس قوم میں طاعون وغیرہ اور درروں کی بیماریوں کا سبب بنتا ہے۔
- (۲) جب معاشرہ میں ناپ تول میں کمی اور لین دین میں بددیانتی عام ہو جاتی ہے تو گھریلو اور ملکی پریشانیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اور ظالم بادشاہ کا تسلط ہو جاتا ہے اور قحط و خشک سالی مسلط ہو جاتی ہے۔
- (۳) زکوٰۃ ادا نہ کرنا بارش کے بند ہونے کا سبب بن جاتا ہے اور اگر جانور نہ ہوتے تو بارش کبھی نہ ہوتی۔
- (۴) جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم کی عہد شکنی کر کے بے وفا ہو جاتی ہے تو پھر اس سبب سے ان پر دشمنان دین کو مسلط کر دیا جاتا ہے۔

- (۵) جب کسی قوم میں لوگوں کے اموال و جائیدادوں کو ناحق لوٹا جاتا ہے اور حکمران قرآن و سنت کو پاس پشت ڈال کر ان پر عمل کرنا ترک کر دیتے ہیں تو یہ جرائم ان میں باہمی جنگ و جدال، قتل و غارت اور خون ریزی کا سبب بن جاتے ہیں۔
- (۶) جب کسی ملک و قوم میں سودی کاروبار کی لعنت عام ہو جاتی ہے تو وہاں زلزلے اور زمین میں دھنسانے کے واقعات رونما ہو جاتے ہیں اور بعض بدکردار لوگوں کی برائیوں کی وجہ سے پوری قوم پر تکلیف دہ اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

لہذا ان احادیث مبارکہ کے پیش نظر ہر انسان پر لازم ہے کہ دنیا میں امن و سکون قائم رکھے اور آخرت میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور سچے دل سے توبہ کرے اور اپنی اصلاح کرے اور قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزارے یہی بڑی کامیابی ہے۔ (تفسیر روح البیان، الجزء الحادی والعشرون، سورۃ الروم: ۳۱)

تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھا دے جو انہوں نے خود کیے ہیں یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے بعض اعمال کی سزا کا مزہ اسی دنیا میں چکھا دے اس سے پہلے کہ آخرت میں انہیں تمام اعمال پر سزا دی جائے [قبل کی قراءت میں نون (جمع متکلم) کے ساتھ "لِنُذِيقَهُمْ" ہے] ﴿لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ تاکہ وہ لوگ ان گناہوں سے باز آجائیں جن کے ارتکاب پر گامزن ہیں پھر اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی عبرت ناک سزا کے لیے گناہوں کو سبب قرار دینے کی درج ذیل ارشاد کے ساتھ تاکید کی گئی ہے۔

۴۲- ﴿قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظروا كيف كان عاقبة الذين من قبل من كان أكثرهم مشركين﴾ (اے محبوب!) فرمادیتے کہ تم زمین میں چلو پھرو اور غور سے دیکھو کہ پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا ان میں اکثر لوگ مشرک تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ زمین میں سیر و سیاحت کریں اور چل پھر کر غور سے دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ امتوں کو کیسے ہلاک کیا اور ان کو ان کے گناہوں کے سبب کیسی بدترین سزا کا مزہ چکھایا۔

۴۳- ﴿فَأَعْرَضْنَا عَنْ قَوْمِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ سو آپ اپنا چہرہ مبارک دین مستقیم کی طرف سیدھا رکھیے۔ "قیم" کا معنی ہے: بہت سیدھا راستہ جس میں بالکل ٹیڑھا پن نہ ہو ﴿مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمًا لَا مَرَدَّ لَهُ﴾ اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس کو کسی صورت میں ٹالنا نہیں جاسکتا۔ "مرود" یہ مصدر ہے بمعنی رد کرنا اور واپس کرنا ﴿مِنْ اللَّهِ﴾ [یہ "یاتی" کے متعلق ہے] اور معنی یہ ہے کہ اس سے پہلے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ دن آجائے جس کو کوئی نہیں ٹال سکتا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا" (الانبیاء: ۴۰) "سو وہ لوگ اس کو ٹال نہیں سکیں گے" [یا یہ "مرود" کے متعلق ہے] اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے کبھی نہیں ٹالے گا اس کے بعد کہ اس کے لانے کا فیصلہ کر چکا ہے اور نہ اس کی طرف سے اسے کبھی ٹالا جاسکے گا ﴿يَوْمَئِذٍ يَقْدَعُونَ﴾ اس دن لوگ الگ الگ ہو جائیں گے اصل میں "یتصدعون" ہے یعنی قیامت کے دن لوگ نیک و بد ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے (نیک جنت میں اور بدکار دوزخ میں جائیں گے)۔

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا نُفْسِيْمُ يَهْدُونَ ﴿٣٣﴾
لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهِ ۗ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ
الْكَافِرِينَ ﴿٣٤﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيحَ مُبَشِّرَاتٍ وَلِيُذِيقَكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ
وَلِتَجْرِيَ الْفُلُكُ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَلِعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٣٥﴾

جس نے کفر کیا تو اس کے کفر کا وبال اسی پر ہوگا اور جس نے نیک عمل کیا تو وہ اپنی ہی جانوں کے لیے تیاری کر رہے ہیں ﴿تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان لوگوں کو نیک جزا دے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا﴾ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ خوش خبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے اور تاکہ وہ اپنی رحمت کا مزہ چکھائے اور تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو ﴿

۴۴- پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بے نیاز اور بے پرواہ ہونے کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: ﴿مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ﴾

جس نے کفر اختیار کر لیا تو اس کا کفر اسی پر پڑے گا یعنی اس کے کفر کا وبال اسی پر پڑے گا ﴿وَمَنْ عَمِلْ صَالِحًا فَلَا نَفْسٍ يَمُهَذُّهُ﴾ اور جن لوگوں نے نیک عمل کیے تو وہ اپنی جانوں کے لیے تیاری کر رہے ہیں یعنی وہ اپنی ہی جانوں کے فائدے کے لیے نیک عمل کرتے ہیں جو بھی اپنی جان کے لیے تیاری کرتا ہے وہ اپنا بستر تیار کرتا ہے اور اسے سنوارتا ہے تاکہ اس کے لیٹنے کی جگہ میں کوئی ایسی چیز نہ پہنچے جو اس کی قبر کو مکدر و بدمزہ کر دے جیسے سو جنا اور شکل و صورت تبدیل ہونا وغیرہ اور معنی یہ ہے کہ ان کے نیک اعمال کے سبب ان کے لیے جنت تیار کی جا رہی ہے سو اس لیے ان کی طرف نسبت کی گئی اور طرف کی تقدیم دونوں جگہ میں اس پر رہنمائی کرنے کے لیے کی گئی ہے کہ کفر کا ضرر اور اس کا نقصان صرف کافر کی طرف لوٹے گا صرف اسی کو کفر کا نقصان پہنچے گا کسی اور کو نہیں اور ایمان اور نیک عمل کا نفع صرف مومن کی طرف لوٹے گا اس کے سوا کسی اور کو یہ نفع اور فائدہ نہیں پہنچے گا۔

۴۵- ﴿لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهِ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اپنے فضل یعنی اپنی عطا سے جزا دے [”لیجزی“ ”یمہدون“ کے متعلق ہے اور اس کی تعلیل ہے جب کہ ضمیر کی بجائے ”الذین امنوا و عملوا الصالحات“ کی تصریح اس بات کی تقریر کے لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف مومن فلاح اور نجات حاصل کرے گا ﴿إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ﴾ بے شک وہ (اللہ تعالیٰ) کافروں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ کافروں کو دھتکارنے اور ان کے ساتھ برعکس معاملہ کرنے کے لیے ایک تقریر کے بعد دوسری تقریر ہے (کہ مومن کو جنت اور کافر کو دوزخ میں جانا ہوگا)۔

۴۶- ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے یعنی اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ ﴿أَنْ يُرْسِلَ الرِّيحَ﴾ کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے یہ جنوب اور شمال اور صباء (مشرق سے چلنے والی) کی ہوائیں ہیں اور یہ رحمت کی ہوائیں ہیں اور لیکن دبور (پچھوئی) کی ہوا عذاب کی ہوا ہے اور اسی سے حضور سید عالم ﷺ کا یہ ارشاد ہے: ”اللَّهُمَّ اجْعَلْهَا رِيحًا وَلَا تَجْعَلْهَا رِيحًا“ اے اللہ! اس کو ریح (رحمت کی ہوا) بنا اور اس کو ریح (عذاب کی ہوا) نہ بنا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بھیجنے کے کئی فائدے گنوائے ہیں چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿مُبَشِّرَاتٍ﴾ خوش خبری دینے والی یعنی اللہ تعالیٰ نے ان ہواؤں کو بارش کی خوش خبری دینے کے لیے بھیجا ہے ﴿وَالْيَدْيَقُكُّم مِّن رَّحْمَتِهِ﴾ اور تاکہ وہ تمہیں اپنی رحمت کا مزہ چکھائے یعنی وہ اپنی رحمت کا مزہ چکھانے کے لیے ہوائیں بھیجتا ہے اور وہ بارش کا برسنا مراد ہے اور اس زر خیزی کا حصول مراد ہے جو بارش کے بعد ہے اور اس راحت و سکون کا حصول مراد ہے جو ہوا کے چلنے کے ساتھ حاصل ہوتی ہے نیز زمین وغیرہ کا تروتازہ ہو جانا [”وليديقكم“ ”مبشرات“ پر معطوف ہے اس معنی کی بناء پر کہ گویا فرمایا گیا: تاکہ وہ تمہیں خوش خبری دے اور تاکہ وہ تمہیں اپنی رحمت کا مزہ چکھائے] ﴿وَلِتَجِدِيَ الْفُلْكَ﴾ اور تاکہ ہواؤں کے چلنے کے وقت سمندر میں کشتیاں چلیں ﴿يَأْمُرُهُ﴾ اس کے حکم سے یعنی اس کی تدبیر اور اس کی تکوین سے جیسے ارشاد ہے: ”إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ“ (یسین: ۸۲) ”بے شک اس کا کام صرف یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو چاہتا ہے تو اس سے فرماتا ہے: ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتی ہے“ ﴿وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ﴾ اور تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔ فضل سے بحری تجارت مراد ہے ﴿وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ اور تاکہ تم اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرو۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ فَجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ
فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا ۗ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۷﴾
اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيْحَ فَتُنِيرُ سَحَابًا فَيُبْسِطُهَا فِي السَّمَاءِ كَيْفَ
يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كِسْفًا فَتَدْرِي الْوُدُقُ يُخْرِجُ مِنْ خَلِيلِهِ ۗ فَإِذَا أَصَابَ بِهِ
مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۴۸﴾

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو وہ ان کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے پھر ہم نے ان لوگوں سے جنہوں نے جرم کیا تھا انتقام لیا اور مسلمانوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ کرم پر لازم ہے O اللہ تعالیٰ وہ ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے سو وہ بادل کو اٹھاتی ہیں پھر وہ اس کو آسمان میں پھیلا دیتا ہے جیسے وہ چاہتا ہے اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے سو آپ اس کے اندر سے مینہ نکلتا ہوا دیکھتے ہیں پھر جب وہ اپنے بندوں میں سے جن پر وہ چاہتا ہے اسے پہنچاتا ہے تو وہ اس وقت خوشیاں مناتے ہیں O

۴۷۔ ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ فَجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ﴾ اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو ان کی قوم کے پاس بھیجا سو وہ ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے یعنی پس ایک گروہ ان پر ایمان لے آیا اور ایک گروہ نے ان کے ساتھ کفر کیا اور اس مضمرا اور اضافی کلام پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد رہنمائی کرتا ہے کہ ﴿فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا ۗ﴾ پھر ہم نے ان لوگوں سے جنہوں نے جرم کیا تھا انتقام و بدلہ لے لیا یعنی جن لوگوں نے کفر اختیار کیا تھا ان کو دنیا میں ہلاک کر کے ہم نے بدلہ لے لیا ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ اور ہمارے ذمہ کرم پر مسلمانوں کی مدد کرنا واجب و لازم ہے یعنی مسلمانوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ کرم پر واجب و لازم ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان کو رسولوں کے ساتھ نجات دی جائے اور کبھی ”حَقًّا“ پر وقف کیا جاتا ہے اور اس کا اب معنی یہ ہوگا: اور اس کی طرف سے بدلہ لینا واجب و لازم ہے پھر آغاز کیا جائے گا کہ ”علینا نصر المؤمنین“ ہم پر مسلمانوں کی مدد کرنا لازم ہے اور پہلا زیادہ صحیح ہے۔

۴۸۔ ﴿اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيْحَ﴾ اللہ تعالیٰ وہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے [ابن کثیر کی قراءت میں ”الریح“ ہے] ﴿فَتُنِيرُ سَحَابًا﴾ سو وہ بادل کو اٹھاتی ہیں ﴿فَيُبْسِطُهَا فِي السَّمَاءِ﴾ پھر اللہ تعالیٰ اس کو آسمان میں پھیلا دیتا ہے یعنی پھر اللہ تعالیٰ اس بادل کو آسمان کی سمت میں پھیلا دیتا ہے اور اس کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ”وَقَرَعَهَا فِي السَّمَاءِ“ (ابراہیم: ۲۳) ”اور اس کی شاخیں آسمان میں ہوتی ہیں“ ﴿كَيْفَ يَشَاءُ﴾ وہ جس طرح چاہتا ہے شمال کی جانب سے یا جنوب کی جانب سے یا دبور کی جانب سے یا صبا کی جانب سے ﴿وَيَجْعَلُهُ كِسْفًا﴾ اور وہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے [”كِسْفًا“، ”كِسْفَةً“ کی جمع ہے بہ معنی بادل کا ٹکڑا] یعنی اللہ تعالیٰ اس کو پھیلا دیتا ہے کبھی آسمان کی طرف سے لیتا ہے اور کبھی بغیر پھیلائے ٹکڑوں میں تقسیم کر کے جدا جدا کر دیتا ہے [یزید اور ابن ذکوان کی قراءت میں سین

ساکن کے ساتھ ”کسفا“ ہے [﴿فَتَذِي الْوَدْقِ يَخْرُجُ مِنْ خَلِيلِهِ﴾ سو آپ بارش کو دیکھیں گے کہ وہ تمام حالتوں میں اس کے اندر یعنی اس کے درمیان میں سے نکلتی ہے ﴿فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مِنْ يَسَاءٍ مِنْ عِبَادِنَا﴾ پھر جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے بارش کو پہنچا دیتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ان کے شہروں اور ان کی زمینوں پر پہنچا دیتا ہے ﴿وَإِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ﴾ تو وہ اسی وقت فوراً خوشیاں مناتے ہیں (یعنی) وہ خوش ہو جاتے ہیں۔

وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ يُنْزَلَ عَلَيْهِمْ مِنَ قَبْلِهِ لَسِيلِينَ ﴿۴۹﴾ فَانظُرْ إِلَىٰ

أَثَارِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۗ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ أَعْمَارِهِ

وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۵۰﴾ وَلَئِنْ أَرْسَلْنَا رِيحًا فَرَأَوْهُ مُصْفَرًّا ۗ لَظَلُّوا مِنْ

بَعْدِهِ يَكْفُرُونَ ﴿۵۱﴾ فَإِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْكَلِمَةَ الْكَلِيمَةَ إِذَا دَعَاؤُا

مُدِيرِينَ ﴿۵۲﴾ وَمَا أَنْتَ بِهَادِي الْعُنَىٰ عَنْ صَلَاتِهِمْ ۗ إِنَّ تُسَبِّحُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ

بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۵۳﴾

اور اگرچہ ان پر اس کے اتارے جانے سے پہلے ہی وہ ناامید ہو چکے تھے ○ سو تم اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نشانیوں کی طرف دیکھو کہ وہ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد کس طرح زندہ کرتا ہے بے شک وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ○ اور اگر ہم نقصان دہ ہوا بھیج دیں اور وہ کھیتی کو زرد دیکھ لیں تو وہ ضرور اس کے بعد بھی کفر کریں گے ○ سو آپ (دلوں کے) مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ آپ بہروں کو آواز سنا سکتے ہیں جب وہ پیٹھ پھیر کر چل پڑیں ○ اور آپ (دل کے) اندھوں کو گمراہی سے ہدایت پر نہیں لاسکتے آپ نہیں سنا سکتے مگر انہیں کو جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں سو وہ تو فرماں بردار ہیں ○

۴۹- ﴿وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ يُنْزَلَ عَلَيْهِمْ﴾ اور اگرچہ ان پر بارش کے اتارنے اور برسانے سے پہلے وہ ﴿وَقَبْلِ قَبْلِهِ﴾ اس سے پہلے تاکید کے لیے دوبارہ لایا گیا ہے جیسے ارشاد ہے: ﴿فَكَانَ عَاقِبَتُهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا﴾

(الحشر: ۱۷) ”سوان دونوں کا انجام یہ ہوا کہ بے شک وہ دونوں دوزخ کی آگ میں ہوں گے وہ دونوں اس میں ہمیشہ رہیں گے“ اور تاکید کا معنی اس میں یہ ہے کہ اس بات پر دلالت کرنا کہ بارش نہ برسنے کا زمانہ ان پر لہا ہو گیا ہے پس اس لیے ان کی مایوسی مستحکم ہو گئی سو اس بارش کی خوشی ان کے غم کی مقدار پر ہوگی ﴿لَسِيلِينَ﴾ البتہ مایوس ہو گئے۔

۵۰- ﴿فَانظُرْ إِلَىٰ أَثَارِ رَحْمَتِ اللَّهِ﴾ سو آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت یعنی بارش کی نشانیوں کی طرف دیکھئے [ابو بکر کوفی کے

علاوہ باقی کوفیوں اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ”اثر“ (جمع) ہے جب کہ ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں ”اثر“ (مفرد) ہے] ﴿كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ کہ اللہ تعالیٰ زمین کو مردہ ہونے کے بعد پودوں، درختوں، سبزہ جات اور مختلف اقسام کے پھلوں کے ساتھ کس طرح زندہ کر دیتا ہے ﴿إِنَّ ذَلِكَ﴾ بے شک وہ یعنی اللہ تعالیٰ ﴿لَمِنْ أَعْمَارِهِ﴾ ضرور مردوں کو زندہ کرے گا یعنی بے شک وہ قادر خدا جو زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ کر دیتا ہے وہی انسانوں کو ان کے

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا پس یہ بے جان وغیر آباد اور بنجر چیزوں کے زندہ کرنے کے ذریعے مردوں کے زندہ کرنے پر استدلال ہے ﴿وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے یعنی اور وہ مقدمات میں سے ہر چیز پر قادر ہے اور یہ مردوں کو زندہ کرنا مقدمات میں سے ہے دلیل یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے۔

۵۱- ﴿وَلَيْنَ أُرْسِلْنَا رِيحًا﴾ اور اگر ہم ہوا کو بھیج دیتے یعنی دبور (عذاب کی ہوا) ﴿فَرَأَوْهُ﴾ اور وہ (کفار) اسے دیکھ لیتے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نشانی کو دیکھ لیتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مراد بارش ہے اور اس کی نشانی ہرے بھرے پودے درخت اور سبزہ جات ہیں اور جس نے جمع کے ساتھ ﴿فَرَأَوْهُمْ﴾ پڑھا ہے اس نے ضمیر کو اس کے معنی کی طرف لوٹایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا معنی "نبات" ہے اور "نبات" کا اسم قلیل اور کثیر دونوں پر بولا جاتا ہے اس لیے کہ یہ مصدر ہے جب کہ زمین سے اگنے والی ہر چیز کو "نبات" کہا جاتا ہے ﴿مُصْفَرًّا﴾ (یعنی اگر کفار مکہ اپنی اپنی کھیتی کو) اس کے سبز ہونے کے بعد زرد دیکھ لیتے (تو ناامید ہو کر کفر کرتے) اور "مُصْفَرًّا" اس لیے فرمایا کہ یہ زرد رنگ حادثاتی طور پر پیدا ہوا اور بعض مفسرین نے فرمایا (کہ اس کا معنی یہ ہے) کفار مکہ بادل کو زرد دیکھ لیتے کیونکہ زرد بادل بارش نہیں برساتا [اور "وَلَيْنَ" میں لام قسم کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے اور اسے حرف شرط پر داخل کیا گیا ہے اور قسم اور شرط دونوں کے جواب کے قائم مقام "لَظَلُّوا" ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ "لَيَظْلُنَّ" ﴿لَظَلُّوا مِنْ بَعْدِهِ يَكْفُرُونَ﴾ البتہ وہ اس کے بعد ضرور کافر ہو جائیں گے یعنی کھیتی کے زرد ہو جانے کے بعد یا خوشی کے بعد اللہ تعالیٰ نے (اس آیت مبارکہ میں) ان کی مذمت بیان فرمائی ہے کہ جب ان پر بارش برسنارک جاتی ہے تو وہ اس کی رحمت سے مایوس ہو جاتے ہیں اور وہ ناامید ہو کر اپنی ٹھوڑیاں اپنے سینوں پر ڈال دیتے ہیں پھر جب اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت (بادل) پہنچاتا ہے اور انہیں بارش عطا کرتا ہے تو وہ بہت خوش ہو کر اترتے ہیں پھر جب وہ ہلاکت خیز ہوا بھیجتا ہے اور ان کے ہرے بھرے لہلہاتے سبز کھیتوں کو زرد و پیلا کر دیتا ہے تو وہ تنگ دل ہو جاتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کر دیتے ہیں پس ان تمام حالات میں بری صفت پر گامزن رہتے ہیں حالانکہ ان پر لازم تھا کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے فضل و کرم پر بھروسہ رکھتے مگر وہ مایوس ہو جاتے ہیں اور ان پر لازم تھا کہ بارش کی نعمت پر شکر ادا کرتے اور اس پر اس کی حمد و ثناء کرتے اور مسرت و خوشی کا اظہار کرتے اور اس کی مصیبت پر صبر کرتے لیکن وہ کفر کرتے تھے۔

۵۲- ﴿فَأَنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ﴾ سو آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے "ای موتی القلوب" یعنی آپ دلوں کے مردوں (کفار) کو نہیں سنا سکتے یا یہ (کفار مکہ) مردوں کے حکم میں ہیں سو آپ یہ امید نہ رکھیں کہ وہ آپ کی دعوت کو قبول کر لیں گے۔

واضح ہو کہ سماع موتی کے منکرین اس آیت مبارکہ سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ جب انسان مر جاتا ہے تو وہ زندوں کی پکار نہیں سن سکتے حالانکہ یہ استدلال چند وجوہ سے غلط ہے: (۱) ایک وجہ یہ ہے کہ یہاں اور سورۃ النمل کی آیت مبارکہ: ۸۰ میں موتی سے وہ مردے مراد نہیں جن کی روح جسم سے خارج ہو جانے کی وجہ سے مردہ کہلاتے ہیں بلکہ یہاں موتی سے کفار مکہ مراد ہیں جن کی روحمیں ان کے جسموں میں موجود تھیں اور عربی معنی میں زندہ تھے مگر چونکہ انہوں نے مقصد زندگی کو نہیں پایا یعنی وہ دین اسلام قبول نہ کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی معرفت حاصل نہیں کر سکے اس لیے وہ دل کے مردہ ہیں چنانچہ مفسرین کرام نے موتی سے یہی معنی مراد لیا ہے چند حوالے ملاحظہ ہوں: تفسیر مدارک التنزیل الجزء الثالث ص ۳۶۷، مطبوعہ دارالکتب العربیۃ الکبریٰ، مصر ج ۲ ص ۷۰۶، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور ج ۲ ص ۳۱۳، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، تفسیر معالم التنزیل الجزء الثالث (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

﴿وَلَا تَسْمِعُ الصُّمَّ الدَّعَاءَ إِذَا وَلَوْ أَمْذَبَرْتَهُنَّ﴾ اور آپ بہروں کو آواز نہیں سنا سکتے جب وہ پیٹھ پھیر کر چل پڑیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بہر تو سامنے کی طرف متوجہ ہو یا پشت پھیر کر مخالف سمت متوجہ ہو، ہر حال میں آواز اور پکار نہیں سن سکتا تو اس تخصیص کا کیا فائدہ ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب بہرا آدمی سامنے متوجہ ہو اس وقت وہ اشارہ اور کنایہ سے سمجھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سورۃ النمل ص ۲۲۸، تفسیر خازن الجزء الثالث ص ۳۱۹، سورۃ النمل، مطبوعہ دارالکتب العربیۃ الکبریٰ، مصر، تفسیر مظہری ج ۷ ص ۱۳۱، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی، تفسیر صاوی الجزء الثالث ص ۲۳۶، مطبوعہ شرکتہ مکتبہ و مطبعہ مصطفیٰ البانی، مصر، تفسیر ابن عباس ص ۲۳۸، مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان، تفسیر ابن کثیر سورۃ النمل، پارہ: ۲۰، ص ۱۰، اور سورۃ الروم پارہ ۲۱، ص ۳۷، مترجم مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی، بلکہ خود قرآن مجید اس کی تفسیر کر رہا ہے کہ ”أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونْ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ“ (الحج: ۳۶) ”سو کیا انہوں نے (یعنی کفار مکہ نے) زمین میں سیر و سیاحت نہیں کی پس ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے وہ سمجھتے یا ان کے کان ایسے ہو جاتے جن سے وہ سنتے سو بے شک آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، لیکن دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں“۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں اسماع سے اسماع مقبول اور اسماع نافع و مفید کی نفی مراد ہے چنانچہ کفار اگرچہ کانوں سے سن لیتے ہیں لیکن چونکہ ان کے دل مردہ ہو چکے ہیں اس لیے وہ نہ حق کو قبول کرتے ہیں اور نہ وہ دین حق سے فائدہ و نفع حاصل کرتے ہیں چنانچہ علامہ نسفی لکھتے ہیں: ”أَوْ هَلْ وُلَاةٌ فِي حُكْمِ الْمَوْتِ فَلَا تَطْمَعُ أَنْ يَقْبَلُوا مِنْكَ“ یا یہ (کفار مکہ) مردوں کے حکم میں ہیں، سو اس لیے آپ یہ امید نہ رکھیں کہ وہ لوگ آپ کی دعوت حق کو قبول کر لیں گے۔ (مدارک التنزیل الجزء الثالث ص ۳۶، حاشیہ علی الخازن، مطبوعہ دارالکتب العربیۃ الکبریٰ، مصر) علامہ مظہری لکھتے ہیں: ”شبههم بالموتى لعدم الانتفاع لهم“ اللہ تعالیٰ نے کفار کو مردوں کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی ہے کہ انہیں جو کچھ پڑھ کر سنایا جاتا ہے اس سے یہ لوگ نفع حاصل نہیں کرتے۔ (تفسیر مظہری ج ۷، سورۃ النمل ص ۱۳۱، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: ”ای موتی القلوب او شبهوا بالموتى لانهم لا ينتفعون بما يتلى عليهم“ یعنی کفار مکہ دلوں کے مردہ ہیں یا انہیں مردوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ انہیں جو کچھ پڑھ کر سنایا جاتا ہے وہ اس سے نفع حاصل نہیں کرتے۔ (روح المعانی الجزء العشرون ص ۱۹، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور) علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: تو مردوں کو نفع دینے والا کلام نہیں سنا سکتا۔ اسی طرح کفار ہیں کہ ان کے دلوں پر پردے ہیں، ان کے کانوں میں بوجھ ہیں، یہ بھی قبولیت کا سننا نہیں سنیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر بیسواں پارہ، ص ۱۰، ج ۲، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی) علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں: یعنی جس طرح ایک مردہ کو خطاب کرنا یا کسی بہرے کو پکارنا خصوصاً جب کہ وہ پیٹھ پھیرے چلا جا رہا ہو اور پکارنے والے کی طرف قطعاً ملتفت نہ ہو ان کے حق میں سود مند نہیں، یہی حال ان مکذبین کا ہے، جن کے قلوب مرچکے ہیں اور دل کے کان بہرے ہو گئے اور سننے کا ارادہ بھی نہیں رکھتے کہ ان کے حق میں کوئی نصیحت نافع اور کارگر نہیں۔ (تفسیر عثمانی حاشیہ قرآن مجید، ص ۳۹، مطبوعہ دارالتصنیف، کراچی) تیسری وجہ یہ ہے کہ یہاں اسماع کی یعنی سنانے کی نفی ہے، اسماع موتی یعنی مردوں کے سننے کی نفی نہیں ہے، چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی اس آیت مبارکہ کے تحت اسماع موتی کی بحث کے آخر میں لکھتے ہیں: بہر حال آیت میں اسماع کی نفی سے مطلقاً اسماع کی نفی نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی حاشیہ قرآن مجید ص ۵۳۱، مطبوعہ دارالتصنیف، کراچی) سید انور شاہ صاحب، فیض الباری شرح بخاری میں رقم طراز ہیں: ”وله جواب آخر وهو ان المنفى فى الاية هو الاسماع دون السماع“ اور اس کا ایک اور جواب ہے اور وہ یہ کہ آیت میں سنانے کی نفی کی گئی ہے، سننے کی نہیں۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۵۸، بحوالہ فیض الباری ج ۲ ص ۳۷) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سکتا ہے لیکن جب وہ پشت پھیر لے تو وہ نہ سن سکتا ہے اور نہ اشارے سے سمجھ سکتا ہے [ابن کثیر کی قراءت میں "وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاءَ" ہے یعنی خود بہر آدمی پکار کو نہیں سن سکتا (یعنی "لَا يَسْمَعُ" باب افعال کی بجائے باب "سَمِعَ" سے ہے نیز مخاطب کی بجائے غائب ہے اور "الصُّمُّ" مفتوح کی بجائے مضموم ہے)۔]

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کیونکہ مردوں کے سننے کا ثبوت تو خود قرآن مجید میں مل جاتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِيَنَّكَ سَعْيًا" (البقرہ: ۲۶۰) "(اے ابراہیم!) پھر تم ان (ذبح شدہ پرندوں) کو بلاؤ وہ تمہارے پاس تیزی سے چل کر آئیں گے" اس آیت مبارکہ کے اس مذکورہ حصہ سے تین مسائل ثابت ہو رہے ہیں: ایک مردوں کو پکارنے کا جواز دوسرا مردوں کے سننے کا جواز تیسرا پکارنے والے کے پاس آنے کا جواز۔ "وَاسْئَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَانِ إِلَهًا يُعْبَدُونَ" (الزخرف: ۲۵) "اور ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھیجے ہیں ان سے پوچھ لیجئے کہ کیا ہم نے رحمان کے سوا معبود بنائے ہیں جن کی عبادت کی جائے؟"۔ یہاں اس آیت کریمہ کے تحت ایک یہ قول بیان کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اہل کتاب سے پوچھنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن یہ قول ایک تو اس لیے درست نہیں ہے کہ یہ سورت نازل ہوئی تھی جب کہ اہل کتاب مدینہ منورہ میں رہتے تھے دوسرا یہ کہ اس آیت مبارکہ میں "مِنْ رُسُلِنَا" کے الفاظ اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو براہ راست رسولوں سے پوچھنے کا حکم دیا گیا چنانچہ علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی لکھتے ہیں کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر ہے کہ آپ کو براہ راست رسولوں سے پوچھنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ حضرت ابن عباس، ابن جبیر زہری اور ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے (جس کا خلاصہ یہ ہے) کہ شب معراج تمام انبیاء و رسل کو بیت المقدس میں جمع کیا گیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امامت فرمائی پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پیغام دیا کہ آپ اپنے سے پہلے انبیائے کرام سے دریافت کیجئے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا کسی کی عبادت کی اجازت دی ہے۔ حضور نے فرمایا: مجھے تعلیمات الہی کافی ہیں اور مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام انبیائے کرام توحید کی دعوت دیتے رہے اور غیر اللہ کی عبادت سے منع کرتے رہے۔ (روح المعانی الجزء الخامس والعشرون ص ۸۶، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور، معالم التزیل ج ۳ ص ۱۴۱، تفسیر مظہری ج ۸ ص ۵۳، مدارک التزیل ج ۲ ص ۵۲۶، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۳۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، تفسیر صاوی الجزء الرابع ص ۵۰، مطبوعہ شرکتہ مکتبہ مصطفیٰ البانی، مصر)

تشبیہ: لہذا دیگر احتمالات مراد لینے میں ایک تو ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی دوسرا ظاہر کلام سے عدول لازم آئے گا تیسرا حدیث کے مقابلے میں رائے لازم آئے گی۔

"فَاتَّخَذَتْهُمْ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ" فتولی عنہم وقال يا قوم لقد أبلغتكم رسالة ربِّي ونصحت لكم ولكن لا تحبون الناصحين" "سوان کو زلزلہ نے پکڑ لیا پس وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے" پھر حضرت صالح نے ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا: اے میرے قوم! بے شک میں نے تمہیں اپنے رب تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا اور میں نے تمہیں نصیحت کر دی لیکن تم نے نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کیا" اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ مردے سنتے ہیں کیونکہ حضرت صالح علیہ السلام نے ان کی موت کے بعد یہ کلام اور خطاب فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے خاص بندے تو بعد وفات دور سے بھی سن لیتے ہیں اسی لیے ہر نمازی حضور ﷺ کو التحیات میں سلام کرتا ہے حالانکہ جو سلام نہ سن سکے اسے سلام کرنا منع ہے جیسے سویا ہوا یا بے ہوش ایسے ہی جو سلام کا جواب نہ دے سکے اسے بھی سلام کرنا منع ہے جیسے نماز میں یا قضائے حاجت میں مشغول۔ (تفسیر نور العرفان ج ۲ ص ۲۵۵، حاشیہ قرآن، مطبوعہ پیر بھائی کمپنی لاہور) امام فخر الدین رازی نے لکھا ہے کہ یہاں دو قول ہیں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۵۳۔ ﴿وَمَا أَنْتَ بِهَادِي الْعُمَى﴾ اور آپ اندھوں کو ہدایت نہیں دے سکتے یعنی دلوں کے اندھوں کو آپ ہدایت نہیں دے سکتے [حزہ کی قراءت میں (فعل مضارع معروف مخاطب کے ساتھ) ”وَمَا تَهْدِي الْعُمَى“ ہے] ﴿عَنْ ضَلَالِهِمْ﴾ ان کی گمراہی سے یعنی آپ کے لیے ممکن نہیں کہ آپ اندھوں کو ایسے راہ راست کی طرف ہدایت دیں جس سے وہ گمراہ ہو چکے ہیں، اپنی طرف سے ان کو اس راہ حق کی طرف اشارہ کر کے ﴿إِنْ تَسْبِعَ الْأَمْنُ يَوْمِنُ بِأَيَّتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ﴾ آپ نہیں سنا سکتے مگر ان کو (سنا سکتے ہیں) جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ فرماں بردار ہیں (یعنی) وہ اللہ تعالیٰ کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) پہلا قول یہ ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کے بعد ان سے خطاب و کلام فرمایا ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس واقعہ کے بیان کی ترتیب میں قوم کی ہلاکت کا ذکر پہلے ہے اور حضرت صالح علیہ السلام کے خطاب اور گفتگو کا ذکر بعد میں ہے جس سے معلوم ہوا کہ ہلاکت کے بعد مردوں سے نداء اور گفتگو کی گئی دوسری وجہ یہ ہے کہ ”فَتَوَلَّى عَنْهُمْ“ میں حرف ”فَا“ ہے: ”وَإِنَّ الْفَاءَ مِمَّا تَدُلُّ عَلَى التَّعْقِيبِ“ اور بے شک حرف ”فَا“ ان حروف میں سے ہے جو تاخیر (التعقيب مع الوصل) پر دلالت کرتے ہیں جس سے واضح ہو گیا کہ قوم کی ہلاکت مقدم اور پہلے ہے اور خطاب و کلام مؤخر اور بعد میں ہوا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ خطاب اور کلام قوم کی ہلاکت سے پہلے ہوا ہے لیکن اس صورت میں اس واقعہ کی ترتیب قائم نہیں رہے گی بلکہ تقدیم و تاخیر لازم آئے گی اور حرف ”فَا“ کا معنی اپنی جگہ صحیح نہیں رہے گا بلکہ غلط ہو جائے گا۔ (ماخوذ از تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۵۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، تفسیر خازن ج ۲ ص ۱۱۳، مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ مصر)

اعتراض: قوم کی ہلاکت کے بعد حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے خطاب کیسے فرمایا؟ جواب: جیسے حضور نبی کریم ﷺ نے بدر کے مقتولوں سے خطاب و کلام فرمایا۔ (تفسیر روح المعانی الجزء الثامن ص ۱۶۶-۱۶۵، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور، تفسیر مظہری ج ۳ ص ۳۷۶، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی، تفسیر معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۷۵، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت) شیخ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: کہتے ہیں کہ حضرت صالح اپنی قوم کی ہلاکت کے بعد مکہ معظمہ یا ملک شام کی طرف چلے گئے اور جاتے ہوئے ان کی لاشوں کے انبار دیکھ کر یہ خطاب فرمایا: یا تو اسی طرح جیسے آنحضرت ﷺ نے مقتولین بدر کو فرمایا تھا یا محض بطور تحسر فرضی خطاب تھا جیسے شعراء دیار وطلال (کھنڈرات) وغیرہ کو خطاب کرتے ہیں اور بعض نے کہا کہ یہ خطاب ہلاکت سے پہلے تھا۔ اس صورت میں بیان میں ترتیب واقعات کی مرعی (رعایت) نہ ہوگی۔ (تفسیر عثمانی حاشیہ قرآن مجید ص ۲۰۷، مطبوعہ دارالتصنیف، کراچی)

”فَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ آسَىٰ عَلَىٰ قَوْمٍ كَافِرِينَ“ (الاعراف: ۹۳) ”پھر حضرت شعیب علیہ السلام ان سے منہ پھیر کر روانہ ہوئے اور فرمایا: اے میری قوم! بے شک میں نے اپنے رب تعالیٰ کے پیغامات تمہیں پہنچا دیئے ہیں اور میں نے تمہیں نصیحت کر دی، سواب میں کافروں پر غم کیسے کروں؟“۔ یعنی جب حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر عذاب آچکا تو پھر آپ نے وہاں سے روانگی کے وقت ان سے یہ خطاب فرمایا۔

(مدارک التنزیل ج ۱ ص ۴۳، قدیمی کتب خانہ کراچی، تفسیر معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۱۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، تفسیر مظہری ج ۳ ص ۳۸۶، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی لکھتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کی نظیر حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت میں پہلے گزر چکی ہے۔ (تفسیر روح المعانی الجزء التاسع ص ۸-۷، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

نوٹ: سماع موتی کے ثبوت کی احادیث مبارکہ وغیرہ ان شاء اللہ العزیز سورۃ الفاطر: ۲۲ کے تحت پیش کی جائیں گی، وہیں مطالعہ فرمائیں۔

احکام و اوامر کے مطیع و فرماں بردار ہیں۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ
 مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ ﴿٥٢﴾
 وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ كَذَلِكَ
 كَانُوا يُفَكُّونَ ﴿٥٣﴾ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ لَقَدْ لَبِثْنَا فِي
 كِتَابِ اللَّهِ إِلَى يَوْمِ الْبَعْثِ فَمَهَذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلَكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٥٤﴾
 فَيَوْمَئِذٍ لَا يُنْفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مُعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٥٥﴾

فوق حصص بنام الضاد وضمہ
 فی التلاوتہ لکن الضمہ محذوف ہے

اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہیں کمزوری سے پیدا کیا پھر اس نے کمزوری کے بعد قوت عطا کی پھر اس نے قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ سب کچھ جاننے والا بہت قدرت رکھنے والا ہے اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرم قسمیں کھائیں گے کہ وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے مگر ایک گھڑی وہ اسی طرح پھر جایا کرتے تھے اور جن لوگوں کو علم اور ایمان دیا گیا وہ کہیں گے: بے شک تم اللہ تعالیٰ کی کتاب میں حشر کے دن تک رہے ہو سو یہ حشر کا دن ہے لیکن تم نہیں جانتے تھے سو اس دن ظالموں کو ان کی معذرت نفع نہیں دے گی اور ان سے راضی نامہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

انسان کی زندگی کے تین مدارج اور قیامت میں کفار کی رسوائی کا بیان

۵۴۔ ﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ﴾ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہیں کمزوری سے (یعنی) نطفہ سے پیدا فرمایا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ" ﴿فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَكِينٍ﴾ (المرسلات: ۲۱-۲۰) کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا سو ہم نے اسے محفوظ جگہ میں رکھا۔

﴿ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے کمزوری کے بعد قوت دی یعنی (بچپن کی کمزوری کے بعد) جوانی کا حال اور سخت و مضبوط بالغ کیا ﴿ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا یعنی جوانی کے بعد بڑھاپا دیا اور بہت بڑی عمر کا بنایا ﴿يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ﴾ وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے (یعنی) کمزور اور طاقتور اور جوان اور بوڑھا ﴿وَهُوَ الْعَلِيمُ﴾ اور وہ ان کے احوال کو خوب جاننے والا ہے ﴿الْقَدِيرُ﴾ وہ ان کو تبدیل کرنے پر پوری طرح قدرت و اختیار رکھتا ہے اور احوال میں یہ تبدیلی خوب واضح دلیل ہے صالح علیہم و قدیر ذات پر اس آیت کریمہ میں تمام جگہ عاصم اور حمزہ کی قراءت میں "ضعف" میں ضاد پر فتح (زبر) ہے اور ان دو کے علاوہ کی قراءت میں ضمہ (پیش) ہے اور حضرت حفص نے اسی قراءت کو اختیار کیا اور یہ دونوں لغتیں درست ہیں لیکن ضمہ کی قراءت زیادہ سنی ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے "مِنْ ضَعْفٍ" (ضاد پر زبر) پڑھا تو آپ نے مجھے "مِنْ ضَعْفٍ" (ضاد پر پیش) پڑھایا۔

۵۵- ﴿وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ﴾ اور جس دن ساعت یعنی قیامت قائم ہوگی اور قیامت کو ساعت اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ دنیا کی ساعتوں اور گھڑیوں میں سے آخری گھڑی ہوگی یا اس لیے کہ یہ اچانک واقع ہوگی جیسے تم جس سے جلدی کام کرانا چاہتے ہو تو کہتے ہو: ”فِي سَاعَةٍ“ کہ جلدی اور اسی وقت کرو اور اب ”ساعة“، ”قیام“ کا اسم علم (ذاتی نام) ہو گیا ہے جیسے ”النجم“ ہر ستارے کی بجائے صرف ثریا کا اسم علم (ذاتی نام) ہو گیا ہے ﴿يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ﴾ مجرم و گناہ گار لوگ قسمیں کھائیں گے (یعنی) کفار لوگ قسمیں کھائیں گے کہ وہ قبروں میں یا پھر دنیا میں ایک گھنٹہ سے زیادہ نہیں ٹھہرے اور وہ لوگ قبروں میں یا دنیا میں اپنی ٹھہرنے کی مدت کو قیامت کی ہولناکی کی وجہ سے اور قیامت کی سختیوں میں اس دن طویل و دراز قیام کی وجہ سے اسے بہت ہی تھوڑا خیال کریں گے یا وہ بھول جائیں گے یا پھر وہ جھوٹ بولیں گے [”يقسم المجرمون“ پر وقف کرنا جائز نہیں کیونکہ ”ما لبثوا غیر ساعة“ قسم کا جواب ہے] ﴿كَذَلِكَ كَانُوا أَيُّوْفًا كُونَ﴾ اسی طرح وہ پھر جایا کرتے تھے یعنی جس طرح آج قیامت میں قسمیں کھا کر جھوٹ بول رہے ہیں اسی طرح یہ کافر دنیا میں بھی سچ سے جھوٹ کی طرف پھر جایا کرتے تھے اور زندگی کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ تو نہیں مگر یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے اور بس اور ہم آخرت میں دوبارہ زندہ کر کے ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے۔

۵۶- ﴿وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ﴾ اور جن لوگوں کو علم دین اور ایمان عطا کیا گیا وہ کہیں گے اور وہ فرشتے ہوں گے یا انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور مؤمنین ہوں گے ﴿لَقَدْ لَبِثْتُ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِلَى يَوْمِ الْبَعْثِ﴾ بے شک تم اللہ تعالیٰ کی کتاب (یعنی) اللہ تعالیٰ کے علم میں جو لوح محفوظ میں ثبت ہو چکا ہے یا اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے فیصلہ میں قیامت کے دن تک ٹھہرے رہے ہو۔ کفار نے جو کچھ کہا اور اس پر قسمیں کھائیں، مسلمانوں نے ان کی تردید کر دی اور انہوں نے انہیں حقیقت سے آگاہ کر دیا، پھر مسلمانوں نے اٹھنے کے دن سے انکار کرنے پر کفار کو ڈانٹتے ہوئے اس کو اپنے (درج ذیل) قول سے ملا دیا: ﴿فَهَذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلَكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ سو یہ ہے اٹھنے کا دن (یعنی قیامت کا دن) لیکن تم دنیا میں نہیں جانتے تھے کہ یہ حق ہے کیونکہ تم نے حق کی طلب اور اس کی پیروی کرنے میں بہت کوتاہی کی تھی [یہ ”فا“ شرط کے جواب کے لیے ہے جس پر یہ کلام دلالت کر رہا ہے اور اس کی مقدر عبارت یوں ہے: ”ان كنتم منكرين البعث فهذا يوم البعث الذي انكرتموه“ (یعنی) اگر تم مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کرتے تھے تو یہ ہے اٹھنے کا وہ دن جس کا تم نے انکار کیا تھا۔

۵۷- ﴿فَيَوْمَئِذٍ لَا يُنْفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعَادِرَتُهُمْ﴾ سو اس دن ظالموں (یعنی) کافروں کو ان کی معذرت و عذر نفع نہیں دے گی [اہل کوفہ کی قراءت میں ”یا“ کے ساتھ ”لا ینفع“ ہے] ﴿وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ﴾ اور ان سے رضا مندی طلب نہیں کی جائے گی یعنی ان سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ تم توبہ کر کے اپنے رب تعالیٰ کو راضی کر لو جیسے کہا جاتا ہے: ”استعتبني فلان فاعتبته“ یعنی فلاں آدمی نے مجھ سے رضا مندی طلب کی تو میں نے اسے راضی کیا۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَلَئِنْ جِئْتُمْ بِآيَةٍ
لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مُبْطِلُونَ ﴿٥٨﴾ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى
قُلُوبِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٩﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفُّكَ

الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ﴿۶۰﴾

اور بے شک ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال بیان کی ہے اور اگر آپ ان کے پاس کوئی آیت لائیں تو کافر لوگ ضرور کہیں گے کہ تم تو نہیں ہو مگر باطل پر ○ اسی طرح اللہ تعالیٰ جاہلوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے ○ سو آپ صبر کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور وہ لوگ آپ کو سبک نہ کریں جو یقین نہیں رکھتے ○

قرآن مجید کی فضیلت، کفار کی مذمت اور صبر کا حکم

۵۸۔ ﴿وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَلَئِنْ جِئْتُمْ بِآيَةٍ يُقْبَلُونَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مُبْطِلُونَ﴾

اور بے شک ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن مجید میں ہر قسم کی مثال بیان کی ہے اور اگر آپ ان کے سامنے کوئی آیت پیش کریں گے تو وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا ہوا ہے وہ ضرور کہیں گے کہ تم تو نہیں ہو مگر باطل پر یعنی اور البتہ بے شک ہم نے ان لوگوں کے لیے اس قرآن مجید میں ہر مضمون اور ہر ایک مسئلہ کو اس قدر خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ گویا وہ اپنے عجیب و غریب اور اپنے انوکھا و نرالہ ہونے میں ایک معیاری مثال ہے اور ہم نے ان پر ہر ایک واقعہ کو عجیب شان کے ساتھ بیان کیا ہے جیسے قیامت کے دن اٹھائے جانے والوں کی صفت و کیفیت اور ان کے قصے کا بیان اور وہ جو کچھ وہاں کہیں گے اور جو کچھ ان سے کہا جائے گا اور ان کی جو معذرت نفع نہیں دے گی اور ان سے جو ان کی رضامندی طلب نہیں کی جائے گی اور نہ اس وقت توبہ کے ذریعے ان کا راضی نامہ قبول کیا جائے گا اور لیکن ان کے دل اس قدر سخت ہو چکے ہیں کہ جب بھی آپ ان کے سامنے قرآن مجید کی آیات میں سے کوئی آیت مبارکہ پیش کرنے کے لیے لائیں گے تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ آپ جھوٹ اور باطل چیز ہمارے پاس لے کر آئے ہیں۔

۵۹۔ ﴿كَذَلِكَ يُطَعِّمُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے جو بے علم ہیں کچھ نہیں جانتے یعنی اس چھاپ کی طرح اور وہ مہر لگانا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان میں سے صرف ان جاہلوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے جن کے بارے میں اپنے اختیار سے گمراہی پر چلنا اس کے علم میں آچکا ہے یہاں تک کہ وہ لوگ حق پرستوں کو باطل پرست اور اہل حق کو اہل باطل قرار دے دیتے ہیں اور وہ لوگ اس صفت میں اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں ذلیل ترین ہوتے ہیں۔

۶۰۔ ﴿فَاصْبِرْ﴾ سو آپ ان کی اذیتوں اور تکلیفوں یا ان کی عداوت و دشمنی پر صبر کیجئے ﴿إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ وہ آپ کے دشمنوں کے خلاف آپ کی مدد فرمائے گا اور دین اسلام کو ہر ایک دین پر غلبہ عطا کرے گا سچا اور برحق ہے وہ ہر حال میں اپنے وقت آنے پر ضرور پورا ہوگا اور اس وعدہ کا وفا ہونا لازم ہے ﴿وَلَا يَسْتَعْجِلُكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ﴾ اور جو لوگ یقین نہیں رکھتے وہ آپ کو سبک نہ کر دیں یعنی جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ آپ کو خفت و ہلکے پن اور ان کے خلاف عذاب کی دعائے ضرر کرنے کی جلد بازی پر برا بیچختہ نہ کر دیں یا وہ جو کچھ کہتے اور کرتے ہیں اس کی وجہ سے آپ کو خفت و ہلکے پن اور بے چینی و گھبراہٹ پر برا بیچختہ نہ کر دیں کیونکہ وہ لوگ یقیناً گمراہ ہو چکے ہیں حق میں بہت شک کرنے والے ہیں ان سے یہ بات بعید نہیں [قاری یعقوب کی قراءت میں نون ساکن کے ساتھ "وَلَا يَسْتَعْجِلُكَ" ہے]۔

سورہ لقمن
۱۰۰ آیتیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورہ لقمن
۱۰۰ آیتیں

سورہ لقمان کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی چونتیس آیات چار رکوع ہیں

الَّذِي تِلْكَ آيَاتِ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ ۱ هُدًى وَرَحْمَةً لِلَّحِينَينِ ۳ الَّذِينَ يَقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۴ أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۵ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۶ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۷

الم ۰ یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں ۰ نیکی کرنے والے لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہیں ۰ جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں اور وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں ۰ یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں ۰ اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو بے ہودہ باتیں خریدتے ہیں تاکہ وہ اپنی بے علمی کی وجہ سے (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کے راستے سے بہکا دیں اور اسے ہنسی مذاق بنا لیں، انہیں لوگوں کے لیے ذلت ناک عذاب ہے ۰

نیک مسلمانوں کے لیے جنت کی بشارت اور قرآن سے تکبر کرنے والے موسیقاروں کے لیے ذلت ناک عذاب کا بیان

۲۱- ﴿الَّذِي تِلْكَ آيَاتِ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ﴾ یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔ ”حکیم“ بہ معنی ”ذی الحکمة“

یعنی حکمت والی کتاب ہے یا پھر کتاب کو اسناد مجازی کے طور پر اللہ تعالیٰ کی صفت کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے۔

۳- ﴿هُدًى وَرَحْمَةً﴾ ہدایت اور رحمت ہیں [یہ دونوں آیات سے حال ہیں اوان کا عامل ”تلك“ میں اشارہ کا معنی ہے۔

حزہ کی قراءت میں یہ دونوں اس بناء پر مرفوع ہیں کہ ”تلك“ مبتدا ہے اور ”آیات الكتاب“ اس کی خبر ہے اور ”هدی ورحمة“ خبر کے بعد خبر ہیں یا پھر مبتدا محذوف کی خبر ہیں [ای هو اوہی ہدی ورحمة“ ﴿لِلَّحِينَينِ﴾ یعنی وہ کتاب یا وہ آیتیں جو نیکی کرنے والے لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہیں (یعنی) ان لوگوں کے لیے جو (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ میں مذکورہ نیکیوں پر عمل کرتے ہیں:

۴- ﴿الَّذِينَ يَقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ﴾ جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں اور وہ زکوٰۃ ادا

کرتے ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کی نظیر اس کا یہ قول ہے کہ ”المعی“ وہی شخص ہے جو تجھے یقین سے جانتا ہے جیسا کہ اس نے دیکھا اور سنا ہے یا یہ معنی ہے کہ یہ کتاب ان لوگوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے جو ان تمام کاموں پر عمل کرتے ہیں جو اچھے اور نیک کام ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ان تین صفات کی فضیلت کی بناء پر ان پر قائم رہنے والوں کو مخصوص کر لیا۔

۵۔ ﴿اُولَئِكَ عَلَىٰ هُدًى﴾ یہی لوگ ہدایت پر ہیں [یہ مبتدا اور خبر ہیں] ﴿قِنْ تَمِيمٌ﴾ اپنے پروردگار کی طرف سے [یہ "ہدی" کی صفت ہے] ﴿وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُطَّلِحُونَ﴾ اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں [یہ اس پر معطوف ہے]۔

۶۔ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ﴾ اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو بے ہودہ باتیں خریدتے ہیں۔

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ نصر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ شخص ایران کے بادشاہوں کے قصے کہانیوں کی کتابیں خریدتا اور قریش مکہ کو پڑھ کر سناتا اور کہتا کہ بے شک (سید عالم حضرت) محمد (ﷺ) تمہیں عاد و ثمود کے کچھ قصے کہانیاں سناتے ہیں سو میں تمہیں بادشاہوں کے قصے کہانیاں سناتا ہوں چنانچہ لوگ اس کی باتیں سننے کے لیے اس کی طرف راغب و مائل ہو جاتے اور قرآن مجید کو سننا چھوڑ دیتے اور "لہو" ہر وہ باطل و لغو اور بے ہودہ چیز ہے جو نیکی اور بھلائی سے غافل و اندھا کر دے نیز اس سے غافل کر دے جو آدمی چاہتا ہے اور "لہو الحدیث" رات کو لوگوں کے سامنے بے اصل قصے کہانیاں بیان کرنا اور گانے گانا ہے اور حضرت ابن عباس اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم دونوں قسم کھا کر فرماتے تھے کہ "لہو الحدیث" سے گانے گانا مراد ہے اور بعض مفسرین علمائے اسلام نے فرمایا کہ گانا گانا دل کو فاسد کر دیتا ہے اور مال و دولت کو ضائع کر دیتا ہے اور رب تعالیٰ کو ناراض کر دیتا ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کوئی آدمی ایسا نہیں جو گانے کے لیے اپنی آواز بلند کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اس پر دو شیطان مسلط کر دیتا ہے ان میں سے ایک اس کندھے پر اور دوسرا اس کندھے پر سو وہ دونوں اس کو اپنے پاؤں مارتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ آدمی خاموش ہو جاتا ہے۔

۱۔ رواہ الظہری کما فی مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۱۹

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب میری امت پندرہ عادتیں اپنالے گی تو اس پر بلاؤں اور مصیبتوں کا نزول شروع ہو جائے گا آپ سے عرض کیا گیا کہ وہ کون سی عادتیں ہیں؟ یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: (۱) جب مال غنیمت کو ذاتی دولت بنا لیا جائے گا (۲) اور امانت کو لوٹ کا مال بنا لیا جائے گا (۳) اور زکوٰۃ کو تاوان و جرمانہ قرار دیا جائے گا (۴) اور آدمی اپنی بیوی کی اطاعت کرے گا (۵) اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے گا (۶) اور اپنے دوست کے ساتھ نیکی کرنے کا (۷) اور اپنے باپ کے ساتھ بے وفائی کرے گا (۸) اور مساجد میں آوازیں بلند کی جائیں گی (۹) اور سب سے زیادہ رذیل (کینے) شخص کو قوم کا سردار بنایا جائے گا (۱۰) شریرا آدمی کے شر سے بچنے کے لیے اس کی عزت کی جائے گی (۱۱) اور شرابیں پی جائیں گی (۱۲) ریشم پہنا جائے گا (۱۳) اور گانے والیوں کو (۱۴) اور موسیقی کے آلات کو اپنایا جائے گا (۱۵) اور اس امت کے بعد میں آنے والے اپنے سے پہلے لوگوں کو بُرا کہیں گے اس وقت تم سرخ آنکھوں اور زمین میں دھنسنے (زلزلوں) کا اور مسخ (شکلیں بگڑنے) کا انتظار کرو۔ اس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۷ ص ۲۳۸، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گانے والی لونڈیوں کو نہ خریدو اور نہ انہیں فروخت کرو اور نہ انہیں گانے کی تعلیم دو اور نہ ان کی تجارت میں کوئی بھلائی ہے اور ان کی قیمت وصول کرنا حرام ہے۔ حضرت کحول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: جس شخص نے ناچنے گانے والی لونڈی اس لیے خریدی کہ وہ اسے اپنے پاس رکھ کر اس سے گانا سنے گا اور اس کا تاج وغیرہ دیکھے گا یہ شخص جب مر جائے گا تو میں اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھوں گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے آلات موسیقی کی کمانی اور کتے کی قیمت وصول کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۷ ص ۲۳۸-۲۳۷، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی، تفسیر معالم التنزیل ج ۳ ص ۳۹۰-۳۸۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، تفسیر خازن ج ۳ ص ۲۶۸، مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ، مصر) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور ”اشترَاء“، ”شراء“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: خریدنا جیسا کہ نصر بن حارث کے بارے میں روایت بیان کی گئی ہے یا اس ارشاد باری تعالیٰ سے ماخوذ ہے کہ ”اِشْتَرَوْا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ“ (آل عمران: ۱۷۷) ”انہوں نے ایمان کے عوض میں کفر خرید لیا“ یعنی انہوں نے ایمان کو کفر میں تبدیل کر لیا اور انہوں نے کفر کو ایمان پر پسند کر لیا یعنی انہوں نے باطل بات کو حق بات پر اختیار کر لیا [اور ”لہو“ کی اضافت ”الحديث“ کی طرف بیانیہ بہ معنی ”ہن“ ہے] کیونکہ ”لہو“ ”حدیث“ (بات) بھی ہوتی ہے اور اس کے علاوہ کوئی عمل بھی ”لہو“ ہوتا ہے (جیسے کرکٹ وغیرہ مختلف کھیل) ”سو لہو“ کو ”حدیث“ کے ساتھ بیان کر دیا اور یہاں ”لہو الحديث“ سے بڑی بات مراد ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گانا دل میں منافقت پیدا کرتا ہے جس طرح پانی سبزہ اگا تا ہے۔

(تفسیر روح المعانی الجزء الحادی والعشرون ص ۶۸، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

علامہ قاضی محمد ثناء اللہ مظہری نقشبندی پانی پتی لکھتے ہیں کہ گانے گانے کا نا حرام ہے ایک تو اس آیت مبارکہ کی وجہ سے کیونکہ یہ ”لہو الحديث“ (بے ہودہ کلام) ہیں دوسرا ان احادیث مبارکہ کی وجہ سے جن کا ہم نے پہلے ذکر کر دیا ہے (جن سے گانے کا نا حرام قرار دیا گیا ہے) اور صوفیائے کرام نے فرمایا کہ (۱) جس شخص کا دل ذکر الہی سے مطمئن ہو اور اسی کی یاد میں اس قدر منہمک ہو کہ اس کا دل غیر اللہ کی یاد سے خالی ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے باسوا کسی کی طرف متوجہ نہ ہوتا ہو (۲) اور صوفیانہ کلام گانے والا شخص محل شہوت نہ ہو (یعنی عورت اور نابالغ لڑکانہ ہو) (۳) اور محفل سماع اغیار (نا اہل اللہ) سے خالی ہو (۴) نماز وغیرہ کا وقت بھی نہ ہو تو اس کے لیے سماع جائز ہے بلکہ مستحب ہے کیونکہ صوفیانہ کلام کے سماع کی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے دل میں پوشیدہ جامد وساکن محبت کی آگ متحرک و مشتعل ہو جاتی ہے (اور اللہ تعالیٰ اور اہل اللہ سے عقیدت و محبت دو چند ہو جاتی ہے) اور یہی محبت عوام کے حق میں حرمت سماع کا سبب بن جاتی ہے کیونکہ عوام کے دل عورتوں اور لڑکوں کی محبت میں مشغول ہوتے ہیں سو اس لیے سماع کے وقت ان کی یہ محبت مشتعل ہو جاتی ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کر دیتی ہے اور لیکن جن کے دل اللہ تعالیٰ کی محبت میں (بقیہ حاشیہ صفحہ

سابقہ) اور اس کے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں اور اس کے غیر سے خالی ہوتے ہیں ان کے حق میں سماع محبت الہی کی ترقی کا باعث بن جاتی ہے سو اس لیے ان کے حق میں سماع مستحب ہے اور وہ نصوص جن سے غنا کی حرمت ثابت ہوتی ہے ان کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت مبارکہ اس غنا کو حرام قرار دیتی ہے جو ”لہو الحديث“ (یعنی بے ہودہ کلام جیسے مرد و عورت کے باہمی عشق و محبت کے عربی گانوں پر مشتمل) ہو اور صوفیائے کرام کے سماع کا اس غنا سے کوئی تعلق نہیں ہے (کیونکہ سماع میں صرف حمدیہ اور نعتیہ اشعار کو مترنم آواز میں سنایا جاتا ہے) اور اسی طرح جن احادیث مبارکہ سے غنا کی حرمت ثابت ہوتی ہے وہ بھی مخصوص بالبعض ہیں کیونکہ دوسری ایسی احادیث مبارکہ بھی ہیں جو (مہذب کلام پر مشتمل) غنا کے مباح و جائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں سو ہم حرمت غنا کی احادیث مبارکہ کو لہو و لعب اور بے ہودہ گانوں پر محمول کرتے ہیں جو فسق و فجور اور بدکاری کا محرک و باعث بنتے ہیں۔ علامہ مظہری نے مباح غنا کے ثبوت میں بہت سی احادیث مبارکہ نقل کی ہیں مگر یہاں اختصار کی وجہ سے بطور نمونہ صرف تین احادیث مبارکہ پیش کی جاتی ہیں:

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس آئے اور ان کے پاس ایام مٹی میں دو بچیاں تھیں جو دف بجار ہی تھیں اور جنگ بعات کے گیت گار ہی تھیں اور رسول اللہ ﷺ ایک کپڑا اوڑھے ہوئے تھے حضرت ابو بکر نے ان بچیوں کو ڈانٹا تو حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے چہرہ مبارک کو کھولا اور فرمایا: اے ابو بکر! ان کو چھوڑ دو کیونکہ یہ عید کے دن ہیں اسے امام بخاری نے روایت کیا اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی کسی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[ابن کثیر کی اور ابو عمرو کی قراءت میں "لِيُضِلَّ" ("يَا" مفتوح کے ساتھ) ہے] یعنی تاکہ وہ اپنی اسی گمراہی پر ثابت قدم رہے جس پر پہلے قائم تھا اور اس میں مزید ترقی کرے ﴿عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی راہ سے (یعنی) دین اسلام اور قرآن مجید سے ﴿بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ بے علمی کے سبب یعنی اس گناہ سے اپنی جہالت کے سبب جس پر وہ قائم ہیں ﴿وَيَتَّخِذَهَا﴾ کہ مسجد میں باتیں کرنا نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح جانور گھاس کھا جاتا ہے [لہو الحدیث کی اضافت تبعض کی ہے] گویا فرمایا گیا: اور لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو بعض ایسی باتیں خرید کر لاتے ہیں جو لوہو اور لعب ہوتی ہیں ﴿لِيُضِلَّ﴾ تاکہ وہ بہکا دے یعنی تاکہ وہ لوگوں کو دین اسلام میں داخل ہونے اور قرآن مجید کی تلاوت سننے سے روک دے [ابو بکر کوفی کے علاوہ باقی اہل کوفہ کی قراءت میں منصوب (یعنی ذال پر زبر) ہے کہ "لِيُضِلَّ" پر معطوف ہے اور جس نے اسے مرفوع پڑھا ہے اس نے اسے "یشتری" پر معطوف قرار دیا ہے] اور تاکہ وہ اسے یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ کو ﴿هَزُوا﴾ تمسخر بنا لیں [حزہ کی قراءت میں "زَا" اور ہمزہ کے سکون کے ساتھ ہے (هزوا) اور امام حفص کی قراءت میں بغیر ہمزہ "زَا" مضموم ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں "زَا" اور ہمزہ دونوں مضموم (هزوا) ہیں] ﴿أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ انہیں لوگوں کے لیے ذلت ناک عذاب ہے یعنی وہ عذاب انہیں ذلیل و خوار کر دے گا [اور "مَنْ" اپنے ابہام کی وجہ سے واحد اور جمع دونوں پر بولا جاتا ہے] یعنی نصر بن حارث اور اس کے ساتھیوں کے لیے۔

وَإِذَا تَلَّىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلَّىٰ مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا كَأَن فِي أذُنِهِ قُورًا
فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي
خِلَالِهَا فِيهَا نَهَارٌ وَعَدَدًا لِلَّهِ حَقًّا ۝ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

اور جب اس پر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ تکبر کرتا ہوا منہ پھیر لیتا ہے گویا اس نے انہیں سنا ہی نہیں گویا اس کے دونوں کانوں میں بوجھ ہے سو آپ اسے دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیں ۝ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے نعمتوں والے چین کے باغات ہیں ۝ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور وہ سب پر غالب بہت بڑی حکمت والا ہے ۝

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) رشتہ دار لڑکی کی شادی کسی انصاری لڑکے سے کی۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: تم نے لڑکی کو رخصت کر دیا لوگوں نے عرض کیا: جی ہاں! آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے اس کے ساتھ کسی گانے والی کو بھیجا ہے، حضرت عائشہ صدیقہ نے عرض کیا: نہیں! تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انصاری ایک ایسی قوم ہے جن میں گانے کا شوق ہے سو کاش! تم اس کے ساتھ اس کو بھیجتے جو یہ کہتا: "اتیناکم اتیناکم، فحیانا و حیاکم" (ترجمہ) "ہم تمہارے پاس آئے ہیں ہم تمہارے پاس آئے ہیں" سو اللہ تعالیٰ ہمیں بھی زندہ رکھے اور تمہیں بھی زندہ رکھے۔ اس کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

(۳) حضرت عامر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں ایک دعوتِ دلیمہ میں حضرت قرظ بن کعب اور ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس آیا اور اس وقت بچیاں گارہی تھیں تو میں نے کہا: اے رسول اللہ کے صحابو! اور اے غزوہ بدر میں شرکت کرنے والو! تمہارے پاس یہ کام کیا جا رہا ہے، سو ان دونوں نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو بیٹھ جاؤ اور ہمارے ساتھ تم بھی سناؤ اور اگر تم چاہو تو چلے جاؤ کیونکہ ولیمہ کے وقت گانے کی ہمیں رخصت دی گئی ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۷ ص ۲۵۰-۲۴۸ مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی)

۷- ﴿وَإِذَا نُتِلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَتِلَاوَتِي مُسْتَكْبِرًا﴾ اور جب اس پر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ تکبر کرتا ہوا منہ پھیر لیتا ہے، وہ تکبر کرنے اور اپنے آپ کو بہت بڑا شخص خیال کرنے کی وجہ سے آیات الہی میں تدبر اور غور و فکر کرنے سے اور قرآن مجید کی طرف کان لگا کر توجہ کرنے سے اعراض و روگردانی کر لیتا ہے ﴿كَأَن لَّهُمْ سَمْعًا﴾ گویا اس نے اس کو سنا ہی نہیں اور اس شخص کے حال کو اس میں اس شخص کے حال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس نے اسے سنا ہی نہیں [اور یہ ”مستکبراً“ سے حال واقع ہو رہا ہے اور اصل میں ”کمانہ“ ہے اور اس کی ضمیر شان کی ضمیر ہے] ﴿كَأَن فِي آذُنَيْهِ وَقْرًا﴾ گویا اس کے دونوں کانوں میں بوجھ اور ثقل ہے [اور یہ ”لَمْ يَسْمَعَهَا“ سے حال ہے اور نافع مدنی کی قراءت میں ”أذنیہ“ (ذال ساکن) ہے] ﴿فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ سو (اے محبوب!) آپ اسے دردناک عذاب کی بشارت سنا دیں۔

۸- ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ فِيهَا مِنْ ثَمَرَاتٍ كَثِيرَةٍ مَنَافِعٌ لَهُمْ وَأُولَٰئِكَ فِيهَا مُقَدَّمُونَ﴾ اور ان کے لیے جین کے باغات ہیں [اور اس پر وقف نہیں کرنا کیونکہ ﴿خَلِيدِينَ فِيهَا﴾ ”لہم“ میں ضمیر سے حال ہے (یعنی) ان کے لیے جین کے باغات ہیں جب کہ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے] ﴿وَعَدَا اللَّهُ حَقًّا﴾ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے [یہ دونوں تاکید کرنے والے مصدر ہیں پہلا اپنی ذات کی تاکید کر رہا ہے اور دوسرا اپنے غیر کی تاکید کر رہا ہے کیونکہ ”لہم جنات النعیم“ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جین کے باغات کا وعدہ کر لیا پس وعدہ کے معنی کو ”وعد“ کے لفظ سے مؤکد و پختہ کیا گیا ہے اور ”حقاً“ ثبات پر دلالت کرتا ہے سو اس لیے وعدہ کے معنی کی اس کے ساتھ تاکید کی گئی ہے اور یہ دونوں ”لہم جنات النعیم“ کی تاکید ہیں] ﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ اور وہ سب پر غالب ہے (یعنی) وہ ذات جس پر کوئی چیز غالب نہ آسکے سو اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو دردناک عذاب کے ساتھ ذلیل و رسوا کرے گا ﴿الْحَكِيمُ﴾ وہ جو کچھ کرتا ہے اس میں بڑا حکمت والا ہے سو اس لیے وہ اپنے دوستوں کو ہمیشہ قائم رہنے والی نعمتوں کا ثواب عنایت فرمائے گا۔

خَلَقَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَآلْفِي فِي الْأَرْضِ رَوَاسِي أَنْ تُبِيدَ بِكُمْ
وَبِتَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ ط وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ
شَوْجٍ كَرِيمٍ ۝ هَذَا خَلْقُ اللَّهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ ط بَلِ
الظَّالِمُونَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے پیدا کیا جنہیں تم دیکھتے ہو اور اس نے زمین میں مضبوط پہاڑوں کو نصب کر دیا تاکہ وہ تمہارے ساتھ کانپ نہ سکے اور اس نے اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس میں ہر قسم کے نفیس جوڑے اگائے ۝ یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے سو تم مجھے دکھاؤ کہ جو اس کے سوا ہیں انہوں نے کیا کچھ پیدا کیا ہے بلکہ ظالم لوگ کھلی گمراہی میں ہیں ۝

اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تخلیق کا بیان

۱۰- ﴿خَلَقَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ﴾ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے پیدا کیا [”عمد“ جمع ہے اس کا واحد

”عماد“ ہے] ﴿تَرَوْنَهَا﴾ جنہیں تم دیکھتے ہو اور لوگوں کا آسمانوں کو بغیر ستونوں کے دیکھنا یہ ارشاد باری تعالیٰ ”بغیر

عمدہ کی دلیل ہے جیسے تم اپنے ساتھی سے یہ کہو کہ ”انا بلا سیف ولا رمح تو انی“ میں بغیر تلوار اور بغیر نیزے کے ہوں کہ تم مجھے دیکھے رہے ہو ”ترونها“ کی ضمیر ”سموات“ کی طرف لوٹتی ہے اور اس کے لیے اعراب کا کوئی محل نہیں ہے کیونکہ یہ مستانفہ (الگ مستقل کلام) ہے یا ”عمدہ“ کی صفت ہونے کی بناء پر جر کے محل میں ہے [یعنی بغیر ستونوں کے دیکھے جاتے ہیں یعنی بے شک آسمانوں کے ستون ایسے ستون ہیں جو دیکھے نہیں جاسکتے اور وہ ہیں قدرت الہی سے ان کا رکنا ہوا ہونا ﴿وَالْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَايَا﴾ اور اس نے زمین میں ثابت وقائم رہنے والے مضبوط پہاڑوں کو نصب کر دیا ﴿أَنْ تَبِيدَ بِكُمْ﴾ ”لئلا تضرب بكم“ تاکہ وہ تمہارے ساتھ کانپ نہ سکے ﴿وَيَتَّخِذُ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ حَرِيبٍ﴾ اور اس نے زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے اور ہم نے آسمان سے (بارش کا) پانی برسایا پھر ہم نے اس میں ہر قسم کے حسین و جمیل اور بہترین غلہ جات و میوہ جات کے جوڑے پیدا کیے ہیں۔

۱۱۔ ﴿هَذَا﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی اس مخلوقات کی طرف اشارہ ہے جس کا پہلے ذکر کیا گیا ہے ﴿خَلَقَ اللَّهُ﴾ اللہ تعالیٰ کی خلق یعنی اس کی مخلوق ﴿فَأَرَادَنِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ﴾ سو تم مجھے دکھاؤ کہ جو اس کے سوا ہیں انہوں نے کیا کچھ پیدا کیا ہے یعنی ان کے معبود۔ اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کو ڈانٹا اور جھڑکا ہے کہ یہ تمام بڑی بڑی چیزیں اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ہیں سو تم مجھے دکھاؤ کہ تمہارے معبودوں نے کون سی مخلوق پیدا کی ہے یہاں تک کہ وہ تمہارے نزدیک عبادت کے مستحق قرار پائے ﴿بَلِ الظَّالِمُونَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ بلکہ ظلم و ستم کرنے والے لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ڈانٹنے اور ان کو جھڑکنے سے عدول کر کے ایسی گمراہی میں ان کی ہلاکت پر مہر ثبت فرمائی جس کے بعد کوئی گمراہی نہیں۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنْ اشْكُرْ لِلَّهِ وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝۱۲ وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۝۱۳ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَسَنَةً إِنَّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصْلَةٌ فِي عَامِينَ أَنْ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَىٰ الْمَصِيدِ ۝۱۴

اور البتہ بے شک ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور جو شخص شکر کرتا ہے تو وہ صرف اپنی ذات کے لیے شکر کرتا ہے اور جو شخص ناشکری کرتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز قابل ستائش ہے اور جب لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا اور وہ اسے نصیحت کر رہا تھا کہ اے میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرنا، بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں وصیت فرمائی اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کر کے اسے اپنے پیٹ میں اٹھائے رکھا اور اس کی دودھ چھڑائی دو سال میں ہے (وہ وصیت یہ تھی) کہ میرا اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کر میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے ۝

حضرت لقمان کا تذکرہ

۱۲۔ ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے لقمان کو حکمت و دانائی عطا فرمائی۔ یہ حضرت لقمان بن باعوراء تھے جو حضرت ایوب علیہ السلام کے بھانجے یا خالہ زاد بھائی تھے اور بعض نے کہا کہ وہ آزر کی اولاد میں سے تھے اور انہوں

نے ایک ہزار سال زندگی پائی تھی اور انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا اور ان سے علم حاصل کیا اور وہ حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے فتویٰ دیا کرتے تھے پھر جب حضرت داؤد علیہ السلام مبعوث کیے گئے تو انہوں نے فتویٰ دینا چھوڑ دیا اور فرمایا کہ اب میں حضرت داؤد علیہ السلام کے علمی فتاویٰ پر اکتفاء کیوں نہ کروں جب کہ انہیں نبی مبعوث کر کے میری کفایت کر دی گئی ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ حضرت لقمان درزی تھے اور بعض حضرات نے کہا کہ وہ بڑھی تھے اور بعض حضرات نے کہا کہ وہ چرواہا تھے اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت لقمان بنی اسرائیل کے قاضی تھے جو ان کے مقدمات کے فیصلے کیا کرتے تھے اور حضرت عکرمہ اور حضرت شعبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت لقمان نبی تھے مگر جمہور علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت لقمان صرف حکیم تھے نبی نہیں تھے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ حضرت لقمان کو نبوت و حکمت کے درمیان اختیار دیا گیا تھا تو انہوں نے حکمت کو اختیار کر لیا اور حکمت کا معنی یہ ہے کہ قول و فعل میں حق پر قائم رہ کر صحیح راستے پر چلنا اور بعض حضرات نے کہا کہ حضرت لقمان نے ایک ہزار انبیائے کرام علیہم السلام سے علمی استفادہ کیا اور ایک ہزار انبیائے کرام علیہم السلام نے ان سے علمی فوائد حاصل کیے ﴿ اِنْ اَشْكُرْ لَكُمْ ﴾ کہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو [ان“ مفسرہ ہے] اور معنی یہ ہے کہ یعنی تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کیونکہ حکمت کا عطا کرنا قول کے معنی میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ اصل حکمت اور حقیقی علم یہی ہے کہ ان دونوں پر عمل کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کا شکر ادا کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکمت عطا کرنے کی تفسیر شکر ادا کرنے کی ترغیب کے ساتھ کی ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ کوئی آدمی اس وقت تک حکیم (صاحب حکمت) نہیں ہو سکتا جب تک اپنے قول اپنے فعل اور اپنی معاشرتی زندگی اور اپنی صحبت میں حکیم نہیں ہو جاتا اور حضرت ابوالحسن سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ شکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اس کی نعمتوں کی وجہ سے نہ کی جائے اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: شکر یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ سمجھو اور بعض حضرات نے کہا کہ شکر کی کما حقہ ادائیگی سے عجز کا اقرار شکر ہے خلاصہ یہ ہے کہ دل کا شکر معرفت الہی اور زبان کا شکر حمد الہی اور اعضاء کا شکر اطاعت و فرماں برداری ہے اور سب میں عجز کا نظریہ سب کے قبول ہونے کی دلیل ہے ﴿ وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ﴾ اور جو شخص شکر ادا کرتا ہے تو وہ بلاشبہ اپنی ذات کے لیے شکر کرتا ہے کیونکہ شکر کا نفع اور فائدہ اسی طرف لوٹتا ہے کیونکہ وہ ادائیگی شکر سے مزید نعمت کا ارادہ کرتا ہے ﴿ وَمَنْ كَفَرَ ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتا ہے ﴿ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے وہ کسی کے شکر کا محتاج نہیں ہے ﴿ حَمِيدٌ ﴾ وہ اپنی ذات میں محمود و قابل تعریف ہے وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی حمد و ثناء بیان کی جائے اور اگرچہ اس کی کوئی تعریف نہ بھی کرے۔

۱۳- ﴿ وَاذْكُرْ اِذْ ﴾ یعنی اور یاد کیجئے جب ﴿ قَالَ لَقَمْنُ لَا اِنَّهٗ ﴾ حضرت لقمان نے اپنے انعم یا انعم نامی بیٹے سے فرمایا ﴿ وَهُوَ يَعْظُمُ لِنَفْسِهِ لَا تَشْكُرْ بِاللَّهِ ﴾ اور وہ اس کو نصیحت کرتا تھا کہ اے میرے بیٹے! تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہرگز نہ کرنا [ابن کثیر کی قراءت میں ”یا بنی“ میں ”یا“ ساکن ہے اور حفص کی قراءت میں ”یا“ مفتوح ہے] ﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ﴾ بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے کیونکہ اس میں بے نعمت ذات جس کے پاس کسی قسم کی نعمت نہیں کے درمیان اور صاحب نعمت خدا جس سے ہر قسم کی نعمت ملتی ہے کے درمیان برابری کی جاتی ہے۔

۱۴- ﴿ وَوَضَعْنَا لِلْاِنْسَانِ بِوَالِدَيْهِ حَكْمَةً اِنَّهٗ وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ ﴾ اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں وصیت کی اس کی ماں نے اس کو پیٹ میں اٹھائے رکھا یعنی وہ کمزوری پر کمزوری برداشت کر کے مزید کمزور ہو گئی یعنی صنفی کمزوری پر حمل کے بوجھ کی کمزوری کی وجہ سے مزید کمزوری ہو گئی یعنی اس کی کمزوری زیادہ ہو گئی اور اس میں اضافہ ہو گیا

کیونکہ حمل (پیٹ میں بچہ یا بچی) جب بڑھتا جاتا ہے اور بڑا ہوتا جاتا ہے تو اس کا بوجھ اور ضعف و کمزوری بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے ﴿وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ﴾ اور اس کی دودھ چھڑائی دو سال میں ہے یعنی دودھ پیتے بچے کی دودھ چھڑائی دو سال پورے ہو جانے پر ہے ﴿أَنْ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ﴾ یہ کہ تو میرا شکر ادا کر اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کر [یہ ”وصینا“ کی تفسیر ہے یعنی ہم نے انسان کو وصیت کی کہ وہ ہمارا شکر ادا کرے اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کرے اور ارشاد باری تعالیٰ ”حَمَلْتَهُ امَةً وَهَنَا عَلَيَّ وَهَنٌ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ“ مفسر (سین مفتوح مشدد) اور مفسر (سین مکسور مشدد) کے درمیان جملہ معترضہ ہے] کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ نیکی کرنے کی وصیت فرمائی تو جو مشقتیں اور تکلیفیں ماں نے برداشت کیں اور بچے کے بوجھ کو اٹھانے اور دودھ پلانے پھر دودھ چھڑانے کی طویل مدت میں جو مشقتیں دیکھتی رہی ان کو الگ ذکر کر کے ماں کا عظیم ترین حق بیان کیا اور حضرت ابن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جس شخص نے پانچوں نمازیں ادا کیں اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور جس نے پانچوں نمازوں کے بعد والدین کے لیے دعائے مغفرت کی تو اس نے ان دونوں کا شکر ادا کیا۔ ﴿إِلَى الْمَصِيدِ﴾ میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

وَإِنْ جُهِدَكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّتُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾

اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور دیں کہ میرے ساتھ تو اس کو شریک ٹھہرا جس کا تجھے علم نہیں سو تو ان کی اطاعت نہ کر اور دنیا میں تو ان دونوں کا اچھا ساتھ دے اور تو اس کے راستے کی پیروی کر جس نے میری طرف رجوع کر لیا ہے پھر تم سب نے میری طرف لوٹ آنا ہے سو میں تمہیں بتا دوں گا جو کچھ تم کرتے تھے ۰

۱۵۔ ﴿وَإِنْ جُهِدَكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾ اور اگر وہ دونوں تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ اس کو شریک ٹھہرا جس کا تجھے کوئی علم نہیں۔ معبود کے علم کی نفی سے خود معبود کی نفی مراد ہے یعنی تو میرے ساتھ اس کو شریک نہ ٹھہرا جو کچھ بھی نہیں اس سے بت مراد ہیں ﴿فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ سو تو مشرک کے معاملہ میں ان دونوں کی اطاعت نہ کر اور ان کا کہنا نہ مان ﴿وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾ اور دنیا میں تو ان دونوں کا اچھی طرح ساتھ دے [”معروفاً“ مصدر محذوف کی صفت ہے ”ای صحابا معروفاً“] یعنی اچھا ساتھ دے کہ ان کے ساتھ اچھے اخلاق، حلم و بردباری برداشت، نیکی اور صلہ رحمی کے ساتھ پیش آؤ ﴿وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ﴾ اور ان لوگوں کی راہ پر چل اور پیروی کر جو میری طرف رجوع لائے یعنی اپنے دین کے بارے میں صرف مؤمنوں کی راہ پر چل اور اس کے معاملے میں اپنے والدین کی راہ پر نہ چل اور اگر چہ دنیا میں ان کے ساتھ بھلائی کرنے کا تجھے حکم دیا گیا ہے اور حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا: اس کا مطلب ہے کہ تو ہر اس شخص کی صحبت اختیار کر جس پر تجھے میری خدمت و عبادت اور اطاعت کے انوار نظر آئیں ﴿ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ﴾ پھر تم نے میری طرف لوٹ آنا ہے یعنی تیرا اور تیرے ماں باپ کا انجام کار میری بارگاہ میں لوٹ آنا ہے ﴿فَأُنَبِّتُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ سو میں تمہیں وہ سب کچھ بتا دوں گا جو کچھ تم کرتے تھے پس میں تمہیں تمہارے ایمان پر جزائے خیر عطا کروں گا اور میں تمہیں تمہارے کفر پر سزا دوں گا اور ان دونوں آیتوں کو جملہ معترضہ کے طور پر بالتبع شرک کی ممانعت کے

بارے میں حضرت لقمان کی وصیت کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے، یعنی بے شک ہم نے انسان کو وصیت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے اور ہم نے اس کو حکم دیا کہ شرک میں ان کی اطاعت نہ کرنا اگرچہ وہ پوری کوشش کر کے تجھ پر دباؤ ڈالیں کیونکہ شرک قبیح ترین و بدترین عمل ہے۔

يُنَبِّئُ اِنَّهَا اِنْ تَكَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ اَوْ فِي
السَّمَوَاتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ﴿۱۶﴾ يُنَبِّئُ اَقِمِ
الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْعُرْوَةِ وَاِنَّهُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاَصْبِرْ عَلٰى مَا اَصَابَكَ
اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ اَلْمُؤْمِنٰتِ ﴿۱۷﴾

اے میرے بیٹے! بے شک وہ اگر رائی کے ایک دانہ کے برابر ہو پھر وہ پتھر کی چٹان میں ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو اللہ تعالیٰ اسے ضرور لائے گا بے شک اللہ تعالیٰ بہت باریک بین ہے خوب خبر رکھنے والا ہے O اے میرے بیٹے! نماز قائم کیا کر اور نیکی کا حکم دیا کر اور بُرائی سے منع کیا کر اور جو مصیبت تجھ پر آن پڑے اس پر صبر کیا کر بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے O

۱۶ - ﴿يُنَبِّئُ اِنَّهَا اِنْ تَكَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ﴾ اے میرے بیٹے! بے شک یہ اگر رائی کے ایک دانہ کے برابر ہو [نافع مدنی کی قراءت میں پیش کے ساتھ "مِثْقَالُ" ہے اور ضمیر قصہ کی ہے اور "مِثْقَالُ" کو مؤنث اس لیے لایا گیا ہے کہ یہ "حَبَّةٌ" کی طرف مضاف ہے جیسا کہ (میمون بن قیس شاعر نے) کہا: "كَمَا شَرِقَتْ صَدْرُ الْقَنَاةِ مِنَ الدَّمِّ" جیسا کہ نیزہ کا سینہ خون سے رنگین و روشن ہو گیا اور "سكان" (تَكَ) تامہ ہے باقی قراءت کی قراءت میں زبر (مِثْقَالُ) ہے اور ضمیر بُرائی اور نیکی کی ہیئت کے لیے ہے [یعنی کوئی نیکی یا بُرائی چھوٹا ہونے میں اگر چہ رائی کے ایک دانہ کے برابر ہو ﴿فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمَوَاتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ﴾ پھر وہ پتھر کی چٹان میں ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو یعنی پھر وہ اپنے چھوٹے ہونے کے باوجود کسی پوشیدہ ترین اور محفوظ ترین جگہ میں ہو جیسے پتھر کی چٹان کا پیٹ یا عالم بالا میں ہو یا عالم سفلی (زمین کی تہ) میں ہو اور اکثر مفسرین اس پر متفق ہیں کہ پتھر کی وہ چٹان مراد ہے جو زمین کے اوپر ہوتی ہے اور یہی "سجین" ہے جس میں کفار کے اعمال لکھے جاتے ہیں اور وہ زمین کی جنس سے نہیں ﴿يَأْتِ بِهَا اللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے ضرور لائے گا اور اس کے ساتھ اس کے عامل سے حساب لے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت باریک بین ہے اس کا علم ہر پوشیدہ چیز تک پہنچ جاتا ہے ﴿خَبِيرٌ﴾ بڑا خبردار ہے اس کی حقیقت کو خوب جاننے والا ہے یا وہ ہر پوشیدہ چیز کے نکالنے میں بہت باریک بین ہے اس کے ٹھکانا سے خوب خبردار ہے۔

۱۷ - ﴿يُنَبِّئُ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْعُرْوَةِ وَاِنَّهُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاَصْبِرْ عَلٰى مَا اَصَابَكَ﴾ اے میرے بیٹے! نماز قائم کر اور نیکی کا حکم دے اور بُرائی سے منع کر اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں جو مشقت و مصیبت تجھے پہنچے اس پر صبر کر جب تو نیکی کا حکم دے اور بُرائی سے منع کرے یا یہ کہ جو محنت و مشقت تجھے پہنچے اس پر صبر کر کیونکہ یہ صبر انعام و بخشش کا وارث کر دیتا ہے ﴿اِنَّ ذٰلِكَ﴾ بے شک وہ عمل جس کی میں تمہیں وصیت کرتا ہوں یہ ﴿مِنْ اَلْمُؤْمِنٰتِ﴾ ہمت کے کاموں سے

ہے اللہ تعالیٰ نے تمام کاموں میں سے اس کو ضروری اور یقینی قرار دیا ہے یعنی اس کو بہ طور وجوب اور لزوم کے قطعی قرار دیا ہے یعنی اس کو حتمی و لازم حکم قرار دیا [اور یہ مصدر مفعول کے معنی میں ہے اور یہ اصل میں "من معزومات الامور" سے ہے] یعنی یہ کام حتمی و لازمی اور یقینی و فرض کاموں میں سے ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عبادات باقی امتوں پر فرض تھیں اور ان کے معمولات میں فرض کے طور پر شامل تھیں۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرْحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ
كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝۱۸ وَأَقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ
الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ۝۱۹

اور تو (تکبر کی وجہ سے) لوگوں سے اپنے رخسار نہ پھیر اور تو زمین پر اکڑتا ہوا نہ چل بے شک اللہ تعالیٰ ہر متکبر اکڑنے والے کو پسند نہیں کرتا اور تو اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز پست رکھ بے شک سب سے بڑی آواز گدھے کی آواز ہے ۝

۱۸ - ﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ﴾ اور تو لوگوں سے اپنا چہرہ نہ پھیر، یعنی تو تکبر و غرور کی وجہ سے لوگوں سے روگردانی اور اعراض نہ کر [ابو عمر و نافع مدنی، حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "تصاعر" ہے اور یہ "تصعر" کے ہم معنی ہے اور "صعر" ایک بیماری بھی ہے جو اونٹ کو لگتی ہے جس سے اس کی گردن جھک جاتی ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب تم لوگوں سے بات چیت کرو تو عاجزی کے ساتھ اپنا پورا چہرہ لوگوں کی طرف متوجہ کر کے بات کیا کرو اور ان سے اپنے چہرے کا ایک حصہ اور ایک جانب نہ پھیرنا جیسے متکبر لوگ کرتے ہیں ﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرْحًا﴾ اور تو زمین پر اکڑتا ہوا نہ چل ["مرحاً" مفعول مطلق ہے، فعل محذوف کا "ای تمروح مرحاً" یعنی تو اترا کر اکڑتا ہوا چلتا ہے یا یہ مصدر ہے اور حال کے موقع پر واقع ہے یا مفعول لہ ہے یعنی تو اترانے اور اکڑنے کی وجہ سے نہ چل] ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر متکبر اکڑنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ "مختال" بہ معنی متکبر ہے اور "فخور" اس شخص کو کہا جاتا ہے جو تکبر و فخر کے طور پر اپنے مناقب و فضائل شمار کرتا ہو۔

۱۹ - ﴿وَأَقْصِدْ فِي مَشْيِكَ﴾ اور تو اپنے چلنے میں میانہ روی اختیار کر "قصد" کا معنی ہے: بلندی اور پستی یا لمبائی اور کوتاہی کا درمیان یعنی اس میں اعتدال کی راہ پر چل، یہاں تک کہ دو چالوں کی درمیانی چال چل کہ کمزور چیونٹیوں کی چال کی طرح بالکل آہستہ بھی نہ چل اور ہوشیار و چالاک و ڈرنے والے کی طرح تیز دوڑ بھی نہ چل۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تیز رفتار چلنا مؤمن کے وقار کو ختم کرتا ہے اور لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ ارشاد کہ جب آپ چلتے تو تیز رفتار چلتے، تو اس کا مقصد یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق سست رفتار نہیں چلتے تھے بلکہ اس سے قدرے تیز درمیانہ رفتار چلتے اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ صحابہ کرام یہود کی طرح دوڑتے ہوئے چلنے سے اور نصرانیوں کی طرح سست رفتار چلنے سے منع کرتے تھے، لیکن اس کے درمیان چال چلنے کا کہتے تھے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ چلتے وقت عاجزی اور تواضع کرتے ہوئے اپنی نگاہیں اپنے قدموں پر رکھو ﴿وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ﴾ اور اپنی آواز کو پست کر اور اسے کم کر یعنی اپنی آواز پست

﴿إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ﴾ بے شک تمام آوازوں میں سے بدترین و قبیح ترین آواز ﴿لَصَوْتُ الْحَمِيرِ﴾ البتہ گدھے کی آواز ہے کیونکہ پہلے اس کی باریک آواز ہوتی ہے اور آخر میں بھاری ہو جاتی ہے جیسے دوزخیوں کی آواز ہوگی اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ہر چیز کی آواز تسبیح الہی ہوتی ہے ماسوا گدھے کی آواز کے کیونکہ گدھا شیطان کو دیکھ کر چیختا ہے اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کی آواز کو بدترین فرمایا اور بلند آواز میں بات کرنے والوں کو گدھے کے ساتھ تشبیہ دینے میں اور ان کی آواز کی گدھے کی چیخ کے ساتھ تمثیل بیان کرنے میں اس بات پر تشبیہ ہے کہ آواز بلند کرنا انتہائی مکروہ کام ہے اور اس کی وہ روایت تائید کرتی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ بات بہت پسند تھی کہ آدمی آہستہ بولے اور یہ بات ناپسند فرماتے کہ کوئی آدمی بلند آواز میں بولے [”صوت الحمیر“ واحد لایا گیا اور جمع کر کے ”اصوات“ نہیں لایا گیا کیونکہ ہر ایک گدھے کی علیحدہ علیحدہ آواز کا اظہار مراد نہیں اس لیے جمع نہیں لایا گیا بلکہ حیوان کی جنس ”صوت“ مراد ہے اور تمام اجناس اصوات میں بدترین آواز اس جنس کی صوت ہے پس اس کا واحد لانا واجب ہے۔]

الْمُتَرَدِّاتِ إِنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ

نِعْمَةً ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً ۗ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا

هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴿۲۰﴾ وَإِذْ قِيلَ لِمُتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ

مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۖ وَإِذْ لَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿۲۱﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اس نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دیں اور لوگوں میں سے ایک ایسا شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم اور بغیر ہدایت اور بغیر روشن کرنے والی کتاب کے جھگڑتا ہے ۰ اور جب ان سے کہا گیا کہ تم اس کتاب کی پیروی کرو جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے تو انہوں نے کہا کہ بلکہ ہم اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا اور کیا اگر چہ شیطان ان کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو ۰

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر ناشکروں اور شکر گزاروں کا بیان

۲۰۔ ﴿الْمُتَرَدِّاتِ إِنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ فِي السَّمَوَاتِ﴾ کیا تم نے غور سے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے

لیے مسخر کر دیا جو کچھ آسمانوں میں ہے یعنی سورج اور چاند اور ستاروں اور بادلوں وغیرہ کو ﴿وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ اور جو کچھ زمین میں ہے یعنی سمندروں، دریاؤں، نہروں، وادیوں، چشموں اور معدنیات اور جانوروں وغیرہ کو تمہارے کام میں لگا دیا ﴿وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعْمَةً﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنی نعمتیں تمام و پوری کر دیں [”أَسْبَغَ“ بہ معنی ”أَتَمَّ“ ہے۔ نافع مدنی ابو عمرو سہل اور حفص کی قراءت میں ”نِعْمَةً“ (جمع) ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں ”نِعْمَةً“ (واحد) ہے] اور نعمت ہر وہ نفع اور فائدہ ہے جس کے ساتھ کسی پر احسان کیا جائے ﴿ظَاهِرَةً﴾ ظاہری نعمتیں وہ جو مشاہدہ اور معائنہ سے معلوم کی جائیں ﴿وَبَاطِنَةً﴾ اور باطنی نعمتیں وہ جو صرف دلیل سے معلوم کی جائیں پھر بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ ظاہری نعمتیں

آنکھیں، کان، زبان اور جسم کے دیگر ظاہری اعضاء وغیرہ ہیں اور باطنی نعمتیں دل، عقل، فہم و فراست اور جو اس کے مشابہ ہیں (جیسے روح، معرفت، بصیرت اور تدبیر و فکر) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا میں روایت بیان کی گئی ہے: اے اللہ! تو مجھے اپنے بندوں پر سب سے پوشیدہ نعمت کے بارے میں بتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندوں پر میری سب سے پوشیدہ نعمت نفس ہے اور بعض نے فرمایا کہ احکام شریعت کا آسان ہونا اور وسائل کا زیادہ ہونا مراد ہے اور خلق (حسن صورت، قد و قامت جسمانی ساخت) اور خلق (اخلاق حسنہ میں مروت، نیک سیرتی، مہذب گفتگو، شفقت و محبت) اور عطایا (رزق، مال و اولاد، خدام، صحت و عافیت اور امن) کا پانا اور بلایا (غربت و ذلت، بیماری، دشمن کا خوف وغیرہ) کا دور ہونا اور مخلوق میں مقبولیت اور اللہ تعالیٰ کی رضا مراد ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ تیری تخلیق کا موزوں و مناسب اور مساوی ہونا ظاہری نعمت ہے اور تیرے عیبوں کی پردہ پوشی کرنا باطنی نعمت ہے۔

شان نزول: اس آیت مبارکہ کا درج ذیل حصہ نصر بن حارت کے بارے میں نازل ہوا تھا اور بے شک اس کا ذکر سورۃ الحج: ۸ میں گزر چکا ہے ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾ اور لوگوں میں سے ایک شخص (نصر بن حارت) وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم اور بغیر ہدایت اور بغیر روشن کرنے والی کتاب کے جھگڑتا ہے۔

۲۱ - ﴿إِذْ قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوْ لَوْ كَانِ الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ﴾ اور جب ان سے کہا گیا کہ تم اس کی پیروی کرو جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے تو انہوں نے کہا: بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور کیا اگرچہ شیطان ان کو دوزخ کی آگ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو۔ اس کا معنی یہ ہے کہ کیا یہ کفار مکہ اسلام کو چھوڑ کر اپنے باپ دادا کی پیروی کریں گے، اگرچہ شیطان ان کو بلاتا ہو یعنی اس حال میں کہ شیطان ان کو دوزخ کی بڑھکتی ہوئی آگ کے عذاب کی طرف بلاتا ہے۔

وَمَنْ يُسَلِّمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ

وَالِ اللَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿۲۲﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزَنُكَ كُفْرُهُ ۖ إِنَّا مَرْجِعُهُمْ

فَنُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۲۳﴾ نُنَبِّئُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ

(۱) مقاتل نے کہا: ظاہری نعمت سے مراد اسلام ہے اور باطنی نعمت سے مراد اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ کا پردہ رکھنا ہے۔ (۲) مجاہد اور کعب نے کہا: ظاہری نعمت سے مراد زبان ہے اور باطنی نعمت سے مراد دل ہے۔ (۳) نقاش نے کہا: ظاہری نعمت سے مراد لباس ہے اور باطنی نعمت گھر کا ساز و سامان ہے۔ (۴) ظاہری نعمت اولاد ہے اور باطنی نعمت لذت جماع ہے۔ (۵) ظاہری نعمت دنیا کی زیب و زینت ہے اور باطنی نعمت آخرت میں جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا دیدار ہے۔ (۶) ظاہری نعمت مال و دولت اور صحت و عافیت اور باطنی عبادت اور ریاضت کی توفیق ہے۔ (۷) ظاہری نعمت حسن صورت ہے اور باطنی نعمت اچھے اخلاق اور نیک سیرت ہے۔ (۸) ظاہری نعمت تقویٰ اور پرہیزگاری ہے اور باطنی نعمت اس کی عبادت کو اللہ تعالیٰ کا قبول کرنا ہے۔ (۹) ظاہری نعمت علماء کی تبلیغ اور تصنیف و تالیف ہے اور باطنی نعمت وہ علم اور حکمت ہے جس کے نتیجے میں یہ کام انجام پائے (۱۰) ظاہری نعمت ماں باپ ہیں اور باطنی نعمت اساتذہ اور مشائخ ہیں (۱۱) ظاہری نعمت حکام اور سلاطین کی حکومت ہے اور باطنی نعمت اولیاء اور اتقیاء کی ولایت ہے۔ یہ چند نعمتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تو غیر متناہی (بے شمار) ہیں وہ فرماتا ہے: "وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا" (ابراہیم: ۳۲) "اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے"۔ (تفسیر بیان القرآن ج ۹ ص ۲۷۲)

نَضَطُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿۳۲﴾

اور جو شخص اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے اور وہ نیکو کار بھی ہو تو بے شک اس نے مستحکم رسی کو مضبوطی سے تھام لیا اور تمام کاموں کی انتہاء اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور جس شخص نے کفر اختیار کر لیا ہے سو اس کا کفر آپ کو غم میں نہ ڈال دے ان سب نے ہماری طرف لوٹ آنا ہے پھر ہم انہیں بتادیں گے جو کچھ انہوں نے عمل کئے بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کی باتیں خوب جاننے والا ہے اور ہم انہیں تھوڑا نفع پہنچائیں گے پھر ہم انہیں سخت عذاب کی طرف مجبور کر دیں گے اور

۲۲- ﴿وَمَنْ يُسَلِّحْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ﴾ اور جو شخص اپنے چہرے کو اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دیتا ہے [یہاں ”إِلَى“ کی طرف متعدی کیا گیا ہے جب کہ ”بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ“ (البقرہ: ۱۱۲) میں لام کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے] سو لام کے ساتھ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک اس نے اپنا چہرہ اور (وجہہ) اپنے چہرے سے اس کی ذات اور اس کا نفس مراد ہے اللہ تعالیٰ کے لیے جھکا دیا یعنی اسی کے لیے خالص کر لیا اور ”إِلَى“ کے ساتھ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک اس نے اپنے آپ اور اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کر دیا جیسا کہ سامان آدمی کے سپرد کیا جاتا ہے جب اس کی طرف دیا جاتا ہے اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل اور بھروسہ کرنا ہے اور اپنے آپ کو اس کی طرف سپرد کر دینا ہے ﴿وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ اور وہ اپنے اعمال و کردار اور معاملات میں نیکو کار بھی ہو ﴿فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ﴾ تو بے شک اس نے پختہ رسی کو مضبوطی سے تھام لیا اور ”عروہ“ ہر وہ چیز ہے جس کو اپنی حفاظت کے لیے مضبوط باندھ لیا جائے اور ”وُثْقَىٰ“، ”اَوْثَقُ“ کی تانیث ہے (جیسے ”صغریٰ“، ”اصغر“ کی تانیث ہے) اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل اور بھروسہ کرنے والے شخص کے حال کو اس آدمی کے حال سے تشبیہ دی گئی ہے جو کسی بلند و بالا پہاڑ کی چوٹی سے نیچے اترنا چاہتا ہے اور وہ اپنی حفاظت کے لیے مضبوط و پختہ رسی کو مضبوطی سے باندھ لیتا ہے جس کے ٹوٹنے کا خطرہ نہیں ہے پھر بے خوف ہو کر اس کو پکڑ کر نیچے اترتا ہے ﴿وَالَى اللَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾ اور تمام کاموں کی انتہاء اللہ تعالیٰ کی طرف ہے یعنی تمام کام اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں سو وہی ان پر جزا اور سزا دے گا۔

۲۳- ﴿وَمَنْ كَفَرَ﴾ اور جس شخص نے کفر کیا اور اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد نہیں کیا اور اسلام قبول نہیں کیا ﴿فَلَا يَحْزَنُكَ كُفْرُكَ﴾ سو آپ کو اس کا کفر غم میں نہ ڈال دے [یہ ”حَزَنٌ“ (باب ”نصر ينصر“) سے ہے اور نافع مدنی کی قراءت میں ”يَحْزَنُكَ“ (یا پریش اور زاکا کے نیچے زیر) ”أَحْزَنُ“ (باب افعال) سے ہے] یعنی جس نے کفر اختیار کر لیا ہے اس کا کفر آپ کو غمگین نہ کر دے کیونکہ ﴿إِنِّي أَنزَلْنَاهُ فَنُتِبَهُمْ بِمَا عَمِلُوا﴾ ان سب نے ہماری طرف لوٹ آنا ہے پھر ہم بتادیں گے ان کو جو کچھ انہوں نے کیا سو ہم ان کو ان کے اعمال پر سخت سزا دیں گے ﴿إِنَّ اللَّهَ عَلَيْهِ بَدَاتِ الصُّدُورِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے (یعنی) بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں میں جو کچھ ہے خوب جانتا ہے سو ان کے ساتھ اسی کے مطابق سزا کا معاملہ فرمائے گا۔

۲۴- ﴿نَمِتْنَاهُمْ قَلِيلًا﴾ ہم ان کو دنیا میں تھوڑے عرصہ تک دنیوی فوائد و منافع دیتے رہیں گے ﴿ثُمَّ نَضَطُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ﴾ پھر ہم ان کو سخت ترین عذاب کی طرف لے جانے پر مجبور کر دیں گے۔ کفار کو لازمی عذاب پہنچانے اور ان کو عذاب میں داخل کرنے کو اس مجبور شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس کو کسی چیز کی طرف اس کی مرضی کے خلاف مجبور کر کے لے جایا جائے اور ”غليظ“ اجسام غلیظہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے پھر اس کو معانی میں بہ طور مستعار استعمال کیا جاتا ہے اور

یہاں بھی اسے مستعار کے طور پر استعمال کیا گیا ہے اور اس سے شدت و سختی اور ثقل و بوجھ مراد ہے کہ ان کو سخت ترین عذاب دیا جائے گا۔

وَلَیِّنُ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ إِنَّ اللَّهَ قُلِّ الْحَمْدُ لِلَّهِ ط
 بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۵﴾ إِنَّ اللَّهَ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ
 الْحَمِيدُ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرِ يَمْدًا مِنْ بَعْدِهِ
 سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۷﴾ مَا خَلَقَكُمْ وَلَا
 بَعَثَكُمْ إِلَّا كُنْفُسًا وَّاحِدَةً ط إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿۲۸﴾

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ نے آپ فرمائیں کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں، بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے O اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز تعریف کیا ہوا ہے O اور بے شک اگر روئے زمین پر جتنے درخت ہیں سب قلمیں بن جائیں اور تمام سمندر اس کے بعد مزید سات سمندر سیاہی بن جائیں تو بھی اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے بے شک اللہ تعالیٰ بہت غالب بڑا حکمت والا ہے O تمہیں پیدا کرنا اور تمہیں دوبارہ زندہ کرنا نہیں ہے مگر ایک جان کی مثل بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کی قدرت و شان کا بیان

۲۵- ﴿وَلَیِّنُ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ إِنَّ اللَّهَ قُلِّ الْحَمْدُ لِلَّهِ ط﴾ اور البتہ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ نے (پیدا کیا ہے) فرمائیے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ کفار کے اس اقرار پر کہ بے شک تمام آسمانوں اور زمینوں کو اکیلے اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے ان پر لازم دیا گیا ہے کہ پھر واجب و ضروری ہے کہ تمام تعریفیں بھی اسی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہوں اور شکر بھی اسی کا ادا کیا جائے اور اس کے ساتھ اس کے کسی غیر کی عبادت نہ کی جائے پھر ارشاد فرمایا کہ ﴿بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ بلکہ ان میں سے بہت سے لوگ بے علم ہیں کچھ نہیں جانتے کہ یہ ان پر لازم ہے اور جب اس پر انہیں تنبیہ کی جاتی ہے تو باز نہیں آتے اور اپنی ضد پر اڑے رہتے ہیں۔

۲۶- ﴿إِنَّ اللَّهَ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ﴾ اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب سے بے نیاز ہے وہ حمد و ثناء بیان کرنے والوں کی حمد و ثناء سے بے پرواہ ہے ﴿الْحَمِيدُ﴾ وہی تمام محامد اور تمام تعریفوں کا مستحق ہے اگرچہ وہ لوگ اس کی تعریف بیان نہ بھی کریں۔

۲۷- مشرکین مکہ نے ایک دفعہ کہا: بے شک یہ وحی ایسا کلام ہے جو عنقریب ختم ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں بتلایا کہ بے شک اس کا کلام کبھی ختم نہیں ہوگا چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ﴾

﴿وَالْبَحْرُ يَمُدُّكَ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفَدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ﴾ اور اگر بے شک تمام روئے زمین پر جس قدر درخت ہیں سب قلمیں بن جائیں اور تمام سمندر اس کے بعد مزید سات سمندر سیاہی بن جائیں تو تب بھی اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے [ابو عمرو اور یعقوب کی قراءت میں حرف ”اَنْ“ کے اسم کو لفظ ”مَا“ پر عطف کر کے ”وَالْبَحْرُ“ (کو منصوب) پڑھا گیا ہے اور ”اَنْ“ کے محل اور اس کے معمول پر عطف کر کے مرفوع ”وَالْبَحْرُ“ پڑھا گیا ہے] یعنی اور اگر درختوں کا قلمیں ہونا ثابت ہو جائے اور تمام سمندروں کا مزید سات سمندروں کے ساتھ سیاہی ہونا ثابت ہو جائے (اور کلمات الہی لکھنے شروع کر دیئے جائیں تب بھی قلمیں سیاہیاں ختم ہونے کے باوجود کلمات الہی ختم نہیں ہوں گے) [یا ”وَالْبَحْرُ“ مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور واو حال کے معنی کے لیے ہے اس معنی پر کہ اگر تمام درخت قلمیں ہو جائے اس حال میں کہ تمام سمندر سیاہی ہو جائے اور ایک قراءت میں ”يُمُدُّهُ“ (باب افعال سے ”يَا“ مضموم کے ساتھ) پڑھا گیا ہے اور کلام کا مقتضی یہ ہے کہ یوں فرمایا جاتا: ”ولو ان الشجر اقلام والبحر مداد“ لیکن ”يُمُدُّهُ“ نے ”مداد“ کے ذکر سے بے نیاز کر دیا اور تمہارے قول ”مَدَّ الدَّوَاةَ وَاَمَدَّهَا“ سے ماخوذ ہے سو یہ دوات ایسی ہے کہ اس میں ہمیشہ سیاہی ڈالی جاتی رہے تو ختم نہیں ہوگی [اور اس آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ اگر تمام روئے زمین کے درخت قلمیں بن جائیں اور تمام روئے زمین کے سمندر اس کے بعد مزید سات سمندر سیاہیاں بن جائیں اور ان قلموں اور ان سیاہیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے کلمات کو لکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے لیکن قلمیں اور سیاہی ختم ہو جائے گی جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي“ (الکہف: ۱۹) ”اے محبوب! فرما دیجئے کہ اگر تمام سمندر میرے رب تعالیٰ کے کلمات لکھنے کے لیے سیاہی بن جائیں تو میرے رب تعالیٰ کے کلمات ختم ہونے سے پہلے تمام سمندر ختم ہو جائیں گے“ [اگر یہ کہا جائے کہ ”وَالْبَحْرُ يُمُدُّهُ“ رفع کی دو وجہوں میں سے ایک وجہ میں حال ہے حالانکہ اس میں کوئی ایسی ضمیر نہیں ہے جو ذوالحال کی طرف لوٹتی ہو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تمہارے اس قول کی طرح ہے: ”جنت والجيش مصطف“ میں آگیا ہوں جب کہ حال یہ ہے کہ لشکر صرف بستہ کھڑا ہے اور جو احوال اس کے مشابہ ہیں جن کا حکم ظروف کے حکم کی طرح ہے اور ”شجر“ کا واحد کی بناء پر اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ ہر درخت الگ الگ اور علیحدہ علیحدہ مراد ہے یہاں تک کہ جنس شجر میں کوئی درخت باقی نہ رہے اور کوئی ایک درخت بھی باقی نہ رہے مگر اس کی قلمیں بن جائیں اور ”الكلم“ کی بجائے ”الكلمات“ کو ترجیح دی گئی ہے حالانکہ یہ جمع قلت ہے اور وہ ”الكلم“ جمع کثرت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کلمات جمع قلت کے باوجود ختم نہیں ہوں گے تو ”الكلم“ جمع کثرت کیسے ختم ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں [﴿إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی ﴿حَكِيمٌ﴾ بہت بڑا حکمت والا ہے کوئی چیز اس کے علم سے اور اس کی حکمت سے خارج نہیں ہے سو اس کے کلمات اور اس کی حکمتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی۔

۲۸ - ﴿مَا خَلَقَكُمْ وَلَا يَعْثُبُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةً﴾ تمہاری پیدائش اور مرنے کے بعد تمہارا زندہ ہو کر اٹھنا نہیں ہے مگر ایک جان کی مانند یعنی مگر ایک جان کی پیدائش اور ایک جان کے دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کی مثل ہے سو ”کن خلق نفس واحدة“ میں ”خلق“ کو معلوم ہونے پر حذف کر دیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت میں قلیل و کثیر سب برابر ہیں پس اللہ تعالیٰ کو ایک کام کی قدرت دوسرے کام کی قدرت سے دور نہیں کرتی (وہ امر ”مکن“ سے سارے کام بہ یک وقت کر سکتا ہے) ﴿إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ خوب سننے والا ہے اس نے مشرکین کی یہ بات سن لی ہے کہ مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا ﴿بَصِيرٌ﴾ وہ ان کے اعمال کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے سو ان کو ضرور سزا دے گا۔

الْحَدْرَانَ اللَّهُ يُؤَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ

وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَأَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۲۹﴾ ذَلِكَ بِأَنَّ

اللَّهُ هُوَ الْحَيُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿۳۰﴾

۲۹
۳۰

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے ہر ایک مقرر مدت تک چل رہا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے جو کچھ تم کر رہے ہو O یہ اس لیے ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور بے شک وہ لوگ اس کے سوا جو کچھ پوجتے ہیں سب باطل ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی بلند مرتبہ سب سے بڑا بزرگ ہے O

۲۹- ﴿الْحَدْرَانَ اللَّهُ يُؤَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ﴾ (اے محبوب!) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے یعنی جب رات آتی ہے تو اللہ تعالیٰ رات کی تاریکی کو دن کی روشنی میں داخل کر دیتا ہے ﴿وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ﴾ اور وہ دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو بندوں کے منافع اور فوائد کے لیے کام میں لگا رکھا ہے ﴿كُلٌّ يَجْرِي إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ہر ایک مقررہ مدت تک چل رہا ہے یعنی سورج اور چاند میں سے ہر ایک اپنے اپنے فلک (مدار) میں چل رہا ہے اور اپنی اپنی منازل کو مقررہ مدت تک (یعنی) قیامت تک یا معین و مقرر وقت تک طے کر رہا ہے سورج سال کے آخر تک اپنی منازل کو طے کر لیتا ہے اور چاند اپنی منازل کو مہینے کے آخر تک طے کر لیتا ہے ﴿ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح خبردار ہے جو کچھ تم اعمال کرتے ہو [عیاش کی قراءت میں ”یا“ کے ساتھ ”يعملون“ ہے]۔

نیز یہ آیت مبارکہ رات دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے اور کم اور زیادہ ہونے پر اور سورج اور چاند کے اپنے اپنے مدار میں ایک اندازے اور حساب پر چلتے رہنے پر اور اللہ تعالیٰ کا مخلوق کے تمام اعمال پر محیط ہونا اس کی قدرت کی عظمت اور اس کی حکمت کے کمال کی دلیل ہے۔

۳۰- ﴿ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَيُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الْبَاطِلُ﴾ یہ اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور بے شک وہ لوگ اس کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہیں وہ باطل ہیں [ابوبکر کوفی کے علاوہ باقی عراقیوں کی قراءت میں ”یا“ کے ساتھ ”يدعون“ ہے] ﴿وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ سب سے بلند مرتبہ سب سے بڑا بزرگ ہے یعنی یہ وہ وصف ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور اپنی حکمت کے ان عجائب کی وجہ سے موصوف ہے جن سے تمام زندہ قدرت و اختیار رکھنے والے اور علم رکھنے والے عاجز ہیں سو بھلا وہ بے جان پتھر وغیرہ جن کی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کی جاتی ہے کیسے قدرت و اختیار رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو بلاشبہ صرف اس سبب سے معبود ہے کہ وہ یقیناً حق ہے اس کی الوہیت و معبودیت ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کی الوہیت باطل ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ کی شان بہت بلند ہے اور وہی سب سے بڑا بادشاہ ہے۔

لَمَّا تَرَ أَنَ الْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللَّهِ لِيُرِيكُمْ مِنْ آيَاتِهِ إِنَِّّي قَدْ

ذٰلِكَ لَايَتِي لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا غَشِيْتُمْ مَوْجًا كَالظَّلِيْلِ دَعَا اللّٰهَ

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۗ فَلَمَّا نَجَّهٖمُ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمَا يَجْحَدُ

بِآيٰتِنَا اِلَّا كَلًّا خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک کشتی دریا میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے چلتی ہے تاکہ وہ تمہیں اپنی بعض نشانیاں دکھائے بے شک اس میں ہر بڑے صبر کرنے والے بہت شکر کرنے والے کے لیے ضرور نشانیاں ہیں اور جب انہیں کوئی موج پہاڑوں کی طرح ڈھانپ لیتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں اپنے عقیدہ کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو ان میں سے بعض معتدل رہتے ہیں اور ہماری آیتوں کا انکار نہیں کرتا مگر ہر وہ شخص جو بہت غدار سخت ناشکرا ہوتا ہے O

۳۱- ﴿الْمُتَرَانُ الْفُلُكُ بَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ﴾ (اے محبوب!) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک کشتی دریا میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے چلتی ہے (یعنی) اس کے احسان اور اس کی رحمت سے یا ہوا سے کیونکہ ہوا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے [”الفلک“ (لام پر پیش) بھی پڑھا گیا ہے اور ہر ”فُلُكُ“ (لام ساکن) میں ”فُلُكُ“ (لام پر پیش) پڑھنا جائز ہوتا ہے جیسا کہ ہر ”فُلُكُ“ (لام مضموم) میں ”فُلُكُ“ (لام ساکن) پڑھنا جائز ہوتا ہے] ﴿لِيُذِيْكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ﴾ تاکہ وہ تمہیں اپنی بعض نشانیاں دکھا دے (یعنی) دریا میں اپنی قدرت کے عجائبات دکھائے جب تم اس میں کشتی پر سوار ہو کر سفر کرنے لگو ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ﴾ بے شک اس میں ہر اس شخص کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو اپنی مصیبتوں اور تکلیفوں پر بہت زیادہ صبر کرنے والا ہے ﴿شَكُوْرٍ﴾ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر بہت بڑا شکر کرنے والا ہے اور یہ دونوں مؤمن کی صفتیں ہیں سو ایمان کے دو نصف ہیں ایک نصف شکر ہے اور دوسرا نصف صبر ہے پس گویا ارشاد فرمایا کہ بے شک اس میں ہر مؤمن کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔

۳۲- ﴿وَاِذَا غَشِيْتُمْ مَوْجًا﴾ اور جب انہیں کفار کو کوئی موج ڈھانپ لیتی ہے ﴿كَالظَّلِيْلِ﴾ پہاڑوں کی طرح (یعنی) جب موج بلند ہوتی ہے تو پھر پہاڑوں کی طرح بہت اونچائی پر پہنچ کر نیچے لوٹ آتی ہے اور ”ظلمة“ سے ہر وہ چیز مراد ہے جو تجھ پر سایا بن جائے پہاڑ ہوں خواہ بادل ہوں یا ان دونوں کے علاوہ کوئی اور چیز ہو ﴿دَعَا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۗ﴾ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اپنے عقیدہ کو (یا اپنی اطاعت کو یا اپنی عبادت کو) اسی کے لیے دل سے خالص کرتے ہوئے ﴿فَلَمَّا نَجَّهٖمُ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ﴾ پھر جب اللہ تعالیٰ انہیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو ان میں سے بعض معتدل رہتے ہیں یعنی ایمان اور اخلاص پر باقی رہتے ہیں جو ان سے ظاہر ہوا تھا اور وہ کفر کی طرف نہیں لوٹتے یا وہ کفر و ظلم میں میانہ اور متوسط رویہ اختیار کر لیتے ہیں بعض دفعہ ڈانٹ و دھتکار سے متاثر ہو جاتے ہیں اور کفر میں غلو اور شدت نہیں کرتے یا وہ اس اخلاص پر معتدل رہتے ہیں جس پر وہ دریا میں تھے یعنی بے شک وہ اخلاص جو خوف کے وقت پیدا ہوتا ہے وہ کسی کے لیے باقی نہیں رہتا اور مقصد قلیل و نادر ہوتا ہے ﴿وَمَا يَجْحَدُ بِآيٰتِنَا﴾ اور ہماری آیتوں کا یعنی ان کی حقیقت کا انکار نہیں کرے گا ﴿اِلَّا كَلًّا خَتَّارٍ كَفُوْرٍ﴾ مگر بہت غدار و دھوکے باز اور اپنے رب تعالیٰ کا بہت ناشکرا اور ”ختار“ ”ختر“ سے ماخوذ ہے اور ”ختر“ کا معنی ہے بدترین غدار۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ وَأَخْشَوْا يَوْمًا لَا يَجْزِي وَالِدًا عَنْ وَّلَدِهِ وَلَا

مَوْلُودٌ هُوَ جَارٍ عَنِ وَالِدِهِ شَيْئًا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ

الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغُرُورُ ﴿۳۳﴾

اے لوگو! تم اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے بدلہ نہیں دے سکے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کی طرف سے کوئی بدلہ دے سکے گا بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے سو تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں شیطان مکار دھوکے میں نہ ڈال دے O

۳۳ - ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ وَأَخْشَوْا يَوْمًا لَا يَجْزِي وَالِدًا عَنْ وَّلَدِهِ﴾ اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس دن سے جس میں کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے بدلہ نہیں دے سکے گا [اصل میں "لا يجزي فيه" ہے پھر اسے حذف کر دیا گیا ہے] یعنی باپ بیٹے کی طرف سے کچھ ادا نہیں کر سکے گا ﴿وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَارٍ عَنِ وَالِدِهِ شَيْئًا﴾ اور نہ بیٹا اپنے باپ کی طرف سے کچھ بدلہ دے سکے گا [یہ تاکید کے طریقہ پر وارد ہوا ہے اس پر وارد نہیں ہوا وہ جو معطوف علیہ ہے کیونکہ جملہ اسمیہ جملہ فعلیہ سے زیادہ مؤکد ہوتا ہے جب کہ اس کے ساتھ "هو" اور "مولود" بھی متصل ہیں] اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ان مسلمانوں سے خطاب کیا گیا ہے جن کے بڑے بزرگ آباء و اجداد کفر کی حالت میں فوت ہو گئے تھے سو اس خطاب سے ان کی اس امید کے خاتمہ کا ارادہ کیا گیا ہے کہ ان کے آباء و اجداد آخرت میں شفاعت کر کے انہیں فائدہ پہنچائیں گے اور "مولود" کے لفظ میں اس معنی کی تاکید ہے کہ بے شک ان بیٹوں میں سے اگر کوئی ایک بیٹا اپنے قریبی باپ جس کی صلب سے پیدا ہوا کی شفاعت کرے گا تو اس کی شفاعت اس کے (کافر) باپ کے حق میں قبول نہیں کی جائے گی تو بھلا دور کے اجداد کے حق میں کیسے سفارش قبول کی جائے گی کیونکہ ولد بیٹے اور بیٹے کے بیٹے پر بھی بولا جاتا ہے نہ خلاف مولود کے کیونکہ یہ حقیقی صلبی بیٹے پر بولا جاتا ہے اور بس تفسیر کشاف میں اسی طرح ہے ﴿إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ مرنے کے بعد زندہ کر کے قبور سے اٹھایا جائے گا اور حساب و کتاب ہوگا اور اعمال کے مطابق جزا ملے گی برحق اور سچا ہے ﴿فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا﴾ سو تمہیں دنیوی زندگی اور اس کی زیب و زینت دھوکے میں نہ ڈال دے کیونکہ اس کی نعمتیں حقیر ہیں اور اس کی لذتیں فانی اور عارضی ہیں ﴿وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغُرُورُ﴾ اور شیطان مکار تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے یا دنیا یا آرزوئیں تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دیں۔

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنزِلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا

تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ

اللَّهُ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۳۴﴾

بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس ہے قیامت کا علم اور وہی بارش نازل کرتا ہے اور وہی جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے اور کوئی جان نہیں جانتی کہ وہ کل کیا کرے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ وہ کس زمین میں مرے گی بے شک اللہ تعالیٰ خوب

جاننے والا بتانے والا ہے O

علوم خمسہ کا بیان

۳۴۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ بے شک قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یعنی قیامت کے قائم ہونے کے وقت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ﴿وَيُنزِلُ الْغَيْثَ﴾ اور وہی بارش کو نازل کرتا ہے [ابن عامر شامی نافع مدنی اور عاصم کی قراءت میں ”زا“ کی تشدید کے ساتھ (باب تفعیل سے) ہے اور یہ اس فعل پر معطوف ہے جس کا ظرف تقاضا کرتا ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ”(ان اللہ یشبت عنده علم الساعة وينزل الغيث) فی ابانہ من غیر تقدیم ولا تاخیر“ بے شک قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ثابت ہے اور وہی بارش کو اس کے وقت میں بغیر کسی تقدیم و تاخیر کے نازل کرتا ہے] ﴿وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ﴾ اور وہی جانتا ہے جو ماں کے پیٹوں میں ہوتا ہے لڑکا ہے یا لڑکی اور مکمل ہے

واضح رہے کہ اس آیت مبارکہ اور چند احادیث مبارکہ میں علوم خمسہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے جس کی وجہ سے بعض علماء نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا ان پانچ چیزوں کا علم کسی کو بھی نہیں ہے جب کہ محققین علماء نے قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے ثابت کیا کہ ان پانچ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے عطا کرنے سے انبیاء اور متعلقہ ملائکہ اور خصوصاً حضور سید عالم ﷺ کے لیے ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان علوم خمسہ کی تخصیص کی وجہ نجومیوں کا ہونے اور دیگر سائنسی ذرائع سے یقینی جاننے کی نفی مقصود ہے چنانچہ علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ یہ پانچ چیزیں وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا حتیٰ کہ کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی نبی مرسل بھی انہیں خود بہ خود نہیں جان سکتا جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ ان چیزوں میں سے کوئی چیز خود بہ خود جانتا ہے اس نے قرآن کریم کا انکار کیا کیونکہ اس نے قرآن کریم کی مخالفت کی۔ انبیاء ان امور غیبیہ میں سے بہت کچھ جانتے ہیں۔ ان کا یہ جاننا اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور سکھانے سے ہے اس آیت سے مراد (انبیاء کے علوم کی نفی نہیں بلکہ) کاہنوں، نجومیوں اور جو لوگ بارش کے نزول کو مخصوص ستاروں کے طلوع و غروب سے وابستہ سمجھتے ہیں ان کی تردید ہے۔ علامہ ابن کثیر نے ایک ہی فقرے میں ساری الجھنوں کا خاتمہ کر دیا، لکھتے ہیں: ”هذه مفاتيح الغيب التي استأثر الله تعالى بعلمها ولا يعلمها احد الا بعدا علامه تعالى بها“ یعنی یہ امور خمسہ مفاتيح الغيب (غیب کی کنجیاں) ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ مختص کر لیا پس انہیں کوئی نہیں جان سکتا سوائے اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ اس کا علم سکھادے۔

(ماخوذ از تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۲۲۰-۲۱۹)

نوٹ: اس آیت مبارکہ کے مفہوم کی مختصر وضاحت کے بعد قرآنی ترتیب کے مطابق انبیاء و ملائکہ اور خاص کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے ان امور خمسہ کے علم کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) حبیب خدا کے لیے قیامت کے علم کا ثبوت: حضور نبی کریم ﷺ نے قیامت کی علامات بتائیں کہ قریب قیامت میں حضرت امام مہدی کا ظہور ہوگا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۹۰) اور فرمایا: قیامت سے پہلے دھواں نکلے گا، دجال کا خروج ہوگا، آتہ الارض کا ظہور ہوگا، سورج مغرب سے طلوع ہوگا، حضرت عیسیٰ کا نزول ہوگا، یاجوج ماجوج کا ظہور ہوگا، ایک بار مشرق کی زمین دھسنے لگی، ایک بار مغرب کی زمین دھسنے لگی اور ایک بار جزیرۃ العرب کی زمین دھسنے لگی اور آخر میں یمن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو ہانک کر مشرق کی طرف لے جائے گی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۰۱) اور آپ نے فرمایا: محرم کی دس تاریخ کو قیامت واقع ہوگی (فضائل الاوقات للبیہقی ص ۴۲۱) اور یہ بھی فرمایا کہ جمعۃ المبارک کے دن قیامت آئے گی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۳) اور یہ بھی بتا دیا کہ جمعۃ المبارک کے دن عصر اور مغرب کے درمیان قیامت آئے گی۔ (الاسماء والصفات للبیہقی ص ۳۸۳) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یا ناقص ہے ﴿وَمَا تَذَكَّرِي نَفْسٌ قَدَّازًا تَكْسِبُ غَدًا﴾ اور کوئی جان نہیں جانتی وہ نیک ہو خواہ بد ہو کہ وہ کل کیا کرے گی، اچھایا بُرا اور بسا اوقات انسان نیک کام کرنے کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے پھر اس سے بُرا کام ہو جاتا ہے اور بسا اوقات انسان بُرا کام کرنے کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے لیکن اس سے نیک کام ہو جاتا ہے ﴿وَمَا تَذَكَّرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ﴾ اور کوئی جان نہیں جانتی کہ وہ کس زمین میں مرے گی یعنی اسے نہیں معلوم کہ وہ کہاں مرے گی اور بسا اوقات آدمی ایک سرزمین پر قیام پذیر ہو جاتا ہے اور وہیں مکان بنا لیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اس جگہ کو نہیں چھوڑوں گا مگر تقدیر کا تیرا سے ایسی جگہ پھینک دیتا ہے جس کا خیال بھی اس کے دل میں کبھی نہیں آیا تھا یہاں تک کہ وہیں موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ روایت میں ہے کہ ملک الموت حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس سے گزرے اور ان کی مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص کو غور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آپ نے قیامت کے وقت کے بارے میں سب کچھ بتا دیا، صرف سن نہیں بتایا کیونکہ اگر آپ سن بھی بتا دیتے تو ہمیں آج معلوم ہوتا کہ قیامت کے آنے میں اتنے سال رہ گئے ہیں اور قیامت کا آنا اچانک نہ رہتا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً" (الاعراف: ۱۸۷) "قیامت تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی۔" "فَيَأْتِيهِمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ" (الشعراء: ۲۰۲) "اور ان پر قیامت اچانک آئے گی اور ان کو اس کا شعور بھی نہیں ہوگا۔"

اگر حضور نبی کریم ﷺ قیامت کا سن بھی بتا دیتے تو قیامت کا آنا اچانک نہ رہتا اور قرآن مجید جھوٹا ہو جاتا اور نبی کریم ﷺ قرآن کے مصدق بن کر آئے تھے اس کے مکتب بن کر نہیں آئے تھے سو آپ نے قرآن کی تصدیق کے لیے قیامت کا سن نہیں بتایا اور اپنے علم کے اظہار کے لیے وقوع قیامت کی تمام نشانیاں، مہینہ، تاریخ، دن اور دن کا مخصوص وقت سب کچھ بتا دیا۔

(۲) بارش کے نزول کا علم: اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بارش کب ہوگی اس کا علم بھی صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اس کا بھی یہی معنی ہے کہ اس کا کل علم (یا ذاتی علم) اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے ورنہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی بارش کے نزول کی خبر دی ہے: "ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصُرُونَ" (یوسف: ۴۹) "اس کے بعد جو سال آئے گا اس میں لوگوں پر بارش نازل کی جائے گی اور اس سال وہ انگور کارس بھی خوب نچوڑیں گے"۔ اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ نے بھی بارش کے نزول کی خبریں دی ہیں چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: رات اور دن کی ہر ساعت میں بارش نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہے اس بارش کو لے جاتا ہے۔ (مسند شافعی، بیروت ص ۸۲، الدر المنثور ج ۱ ص ۷۹، دار احیاء التراث العربی، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۵۹۰) حضرت سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: کوئی سال دوسرے سال سے زیادہ بارش والا نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ اس بارش کو جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے اور بارش کے ساتھ فلاں فلاں فرشتے نازل ہوتے ہیں اور وہ لکھتے ہیں کہ کہاں بارش ہو رہی ہے اور کس کو برزق مل رہا ہے اور اس کے قطروں سے کیا نکل رہا ہے (یہ حدیث ہر چند کہ صراحۃ موقوف ہے، لیکن حکما مرفوع ہے)۔

(المستدرک ج ۲ ص ۳۰۳، الدر المنثور ج ۱ ص ۷۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۶۱۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس وقت تک قیامت واقع نہیں ہوگی جب تک اتنی زبردست بارش نہ ہو جس سے کوئی پختہ بنا ہوا گھر محفوظ رہے گا نہ خیمہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۲۶۲ طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۵۵۳، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۳۱)

(۳) ماؤں کے رحموں کا علم: قرآن مجید میں ہے کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت سارہ کے پیٹ سے حضرت اسحاق کی ولادت کی بشارت دی: "قَالُوا لَا تَخَفْ وَبَشِّرُوهُ بِنِعْمَةٍ عَلِيمٍ" (الذاریات: ۲۸) "فرشتوں نے کہا: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے دیکھنے لگے اس شخص نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کی کہ یہ شخص کون ہے؟ حضرت سلیمان نے فرمایا کہ یہ ملک الموت ہے اس نے عرض کیا کہ گویا یہ میری روح قبض کرنا چاہتا ہے اور اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ ہوا کو حکم دیں کہ وہ مجھے اٹھا کر لے جائے اور ہندوستان کے کسی شہر میں پہنچا دے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایسا ہی کیا پھر ملک الموت نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا کہ میں جو اس شخص کو مسلسل غور سے دیکھ رہا تھا اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ مجھے اس پر تعجب آ رہا تھا کیونکہ مجھے حکم دیا گیا تھا کہ میں ہندوستان میں جا کر اس کی روح قبض کروں حالانکہ وہ یہاں آپ کے پاس موجود تھا اور اس آیت مبارکہ میں علم اللہ تعالیٰ کے لیے درایت بندوں کے لیے قرار دی گئی ہے کیونکہ درایت میں ظن و گمان اور حیلہ و بہانہ کا معنی پایا جاتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ کوئی جان نہیں جان سکتی اگرچہ وہ اپنے مخصوص ظن و قیاس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آپ مت ڈریں اور انہوں نے اسے علم والے لڑکے (اسحاق) کی بشارت دی ۵۔ اسی طرح فرشتوں نے حضرت زکریا کو حضرت یحییٰ کی بشارت دی قرآن مجید میں ہے: "فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ" (آل عمران: ۳۹) "پس فرشتوں نے زکریا کو آواز دی جب کہ وہ حجرے میں نماز پڑھ رہے تھے کہ بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو یحییٰ کی بشارت دیتا ہے۔ اور حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم کو پاکیزہ لڑکے کی بشارت دی قرآن مجید میں ہے: "قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا" (مریم: ۱۹) "جبریل نے کہا: میں صرف آپ کے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ میں آپ کو پاکیزہ لڑکا دوں ۵۔"

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے رحم میں ایک فرشتہ مقرر کیا ہے وہ کہتا ہے: اے رب! یہ نطفہ ہے اے رب! یہ جما ہوا خون ہے اے رب! یہ گوشت کا پوٹھرا ہے پھر جب اللہ تعالیٰ اس کی تخلیق کا ارادہ فرماتا ہے تو فرشتہ پوچھتا ہے: یہ مذکر ہے یا مؤنث ہے؟ یہ بد بخت ہے یا نیک بخت؟ اس کا رزق کتنا ہے؟ اس کی مدت حیات کتنی ہے؟ پھر وہ ماں کے پیٹ میں لکھ دیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۲۶)

حضرت ام الفضل بنت حارث سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میں نے آج رات بہت خطرناک خواب دیکھا ہے حضور نے فرمایا: وہ کیا ہے؟ عرض کیا: وہ بہت سخت خواب ہے آپ نے فرمایا: بتاؤ! وہ کیا ہے؟ تو عرض کیا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کے جسم مبارک سے ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھ دیا گیا ہے سو حضور نے فرمایا: تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے میری بیٹی فاطمہ ان شاء اللہ بیٹا بنے گی جو تمہاری گود میں آئے گا چنانچہ حضرت فاطمہ نے حضرت حسین کو جنم دیا اور حضور کے ارشاد کے مطابق وہ میری گود میں دیئے گئے۔

(مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۶۱۸۰۔ ص ۵۷۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۲۳)

(۴) کل اور آئندہ آنے والے واقعات کا علم: حضرت یوسف علیہ السلام نے آئندہ پیش آنے والے واقعات کے سلسلے میں بتایا کہ مصر والے پہلے سات سال کاشت کاری کر کے غلہ جمع کریں پھر اس کے بعد سات سال قحط کے آئیں گے ان میں جمع شدہ غلہ کام میں لائیں گے قرآن مجید میں ہے: "قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرَوْهُ فِي سُنْبُلَةٍ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَأْكُلُونَ" (یوسف: ۴۷) "یوسف نے کہا: تم لگاتار سات سال معمول کے مطابق کاشت کاری کرنا اور فصل کاٹ کر اس کو خوشوں میں رہنے دینا سو اپنے کھانے کی تھوڑی سی چیزوں کے ۵ پھر اس کے بعد سات سال سخت قحط کے آئیں گے وہ تمہارے ذخیرہ کیے ہوئے غلہ کو کھا جائیں گے مگر اس تھوڑے سے غلے کے جس کی تم حفاظت کرو گے ۵۔" حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے دیئے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ)

اور جیلہ کو عمل میں لائے اور انسان کے لیے اس کے کسب اور اس کے انجام سے زیادہ کوئی چیز مخصوص نہیں ہے جب اسے ان دونوں کی معرفت کا کوئی ذریعہ اور طریقہ حاصل نہیں ہے تو ان دو کے ماسوا کو جاننا کس قدر زیادہ بعید ہے اور لیکن وہ نجومی جو بارش برسنے اور موت کے آنے کے وقت کی خبر دے دیتے ہیں تو وہ صرف ظن و قیاس سے کام لے کر اور ستاروں میں غور و فکر اور نظر کر کے بتاتے ہیں اور جو دلیل سے معلوم ہو وہ غیب نہیں ہوتا اس بناء پر کہ وہ محض گمان ہوتا ہے اور گمان علم نہیں اور حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”مفاتیح الغیب خمس“ غیب کی کنجیاں پانچ ہیں اور آپ نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت فرمائی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے ان پانچ چیزوں کو (ذاتی طور پر) جاننے کا دعویٰ کیا تو بے شک اس نے جھوٹ بولا اور خلیفہ منصور نے خواب میں ملک الموت کو دیکھا اور اس سے اپنی عمر کی مدت پوچھی تو اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ہوئے علم سے صرف کل کی نہیں چودہ سال کی پہلے سے خبر دے دی تھی۔ اسی طرح حضرت یوسف نے قید خانے کے دو ساتھیوں کو ان کے انجام کے متعلق بتایا: ”يَا صَاحِبِي السَّجْنِ اَمَا اَحَدُكُمْ مَّا فَيَسْقِي رَبُّهُ خَمْرًا وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصَلَّبُ فَيَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَاسِهِ قُبِضِيَ الْاَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِيَانِ O“ (یوسف: ۳۱) ”اے میرے قیدیجانہ کے ساتھیو! تم دونوں میں سے ایک تو اپنے بادشاہ کو شراب پلانے پر مقرر ہو جائے گا اور دوسرا تو اس کو سولی دی جائے گی اور پرندے اس کا سر نوچ نوچ کر کھائیں گے تم دونوں جس چیز کے متعلق سوال کر رہے تھے اس کا فیصلہ کیا جا چکا ہے O“ اس آیت میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام نے ان دونوں کے مستقبل کی خبر دے دی اور ہمارے نبی کریم سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے تو قیامت تک بلکہ دخول جنت اور دخول دوزخ تک کے واقعات کی خبر دے دی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک مقام پر کھڑے ہوئے اور ہم کو ابتداءً آفرینش سے خبریں دینی شروع کیں حتیٰ کہ اہل جنت اپنی منازل میں داخل ہو گئے اور اہل نار اپنی منازل میں داخل ہو گئے جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۹۲) اور بالخصوص کل کی خبر دیتے ہوئے آپ نے فرمایا: ”لا عطین الراية غدا يفتح الله على يديه“ میں کل جھنڈا اس کو عطا کروں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ خیر کو فتح کرے گا (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۰۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۰۶، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۰۱۵)۔

آپ نے فرمایا: ”منزلنا غدا ان شاء الله بنخيف بنى كنانه“ کل ان شاء اللہ ہماری منزل خیف بنی کنانہ میں ہوگی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۸۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۱۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۱۱)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دس صحابہ کو جنت کی بشارت دی جنہیں عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے۔ (رواہ الترمذی مشکوٰۃ ص ۵۶۶، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ دہلی) اسی طرح آپ نے اپنی بیٹی خاتون جنت حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جنت کی خواتین کی ملکہ اور سردار قرار دیا۔ (متفق علیہ مشکوٰۃ ص ۵۶۸) نیز آپ نے اپنے دونوں نواسوں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جنتی نوجوانوں کا سردار قرار دیا۔ (رواہ الترمذی مشکوٰۃ ص ۵۷۰)

(۵) مرنے کی جگہ کا علم: حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے قید کے ایک ساتھی سے فرمایا تھا کہ تمہیں سولی دی جائے گی۔ (یوسف: ۳۱) اس کا معنی یہ ہے کہ آپ نے بتا دیا کہ تمہیں پھانسی کے تختہ پر موت آئے گی اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کے مرنے کی جگہ کا علم تھا، نیز حضرت عزرائیل علیہ السلام انسانوں کی روح قبض کرتے ہیں سوان کو علم ہوتا ہے کہ انہوں نے کس شخص کی روح کس جگہ قبض کرنی ہے جیسا کہ خود علامہ نسفی نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں ملک الموت اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی مجلس میں بیٹھے ہوئے آدمی کی سر زمین ہند میں روح قبض کرنے کی روایت بیان کی ہے اور ہمارے نبی کریم سیدنا محمد ﷺ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

موت کے فرشتے نے اپنی انگلیوں سے پانچ کا اشارہ کیا، سو اس کی تعبیر بتانے والوں نے یہ تعبیر بتلائی کہ اس سے پانچ سال اور پانچ مہینے اور پانچ دن مراد ہیں، لیکن حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ان پانچ علوم کو اللہ تعالیٰ کے ماسواذاتی طور پر کوئی نہیں جانتا ﴿إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمام غیب کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے ﴿خَبِيرٌ﴾ جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا وہ سب سے خبردار ہے اور حضرت امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ سورہ لقمان کی تلاوت کثرت سے کیا کرو کیونکہ اس میں بہت سی عجیب باتیں ہیں۔

سورة السجدة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورة السجدة

سورة السجدة کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی تیس آیات تین رکوع ہیں

الَّذِي تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ اَمْ يَقُولُونَ
اَفْتَرَاهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا اَتَهُمْ مِنْ نَّذِيرٍ مِّنْ
قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝

الم ۰ یہ کتاب پروردگار عالم کی طرف سے نازل کی گئی ہے جس میں شک و شبہہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے ۰ کیا وہ کہتے ہیں کہ آپ نے اسے از خود گھڑ لیا ہے بلکہ وہ آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ ہدایت پائیں ۰

قرآن اور صاحب قرآن کی شان

۲۰۱۔ ﴿الَّذِي تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ یہ کتاب (قرآن مجید) تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی ہے اس میں کسی قسم کے شک و شبہہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے [اس سورت کے نام ہونے کی بناء پر "الم" مبتدا ہے اور "تنزیل الكتاب" اس کی خبر ہے اور اگر ان کو حروف کے لیے تعدید قرار دیا جائے تو پھر "تنزیل" اس بناء پر مرفوع ہوگا کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یا یہ کہ یہ مبتدا ہے اور "لا ريب فيه" اس کی خبر ہے یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر (بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نے مقتولین بدر کے متعلق فرمایا کہ یہ کل فلاں شخص کے گرنے کی جگہ ہے اور یہ کل فلاں شخص کے گرنے کی جگہ ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۷۳) خلاصہ یہ ہے کہ ان پانچ چیزوں کا بالذات بلا واسطہ اور از خود علم تو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور ان پانچ چیزوں کا کلی علم بھی اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور اس کے بتانے سے ان کی جزئیات کا علم فرشتوں کو بھی ہے اور نبیوں اور رسولوں کو بھی ہے اور اولیاء کو بھی ہے اور جس کا جتنا مرتبہ زیادہ ہے اس کو اتنا زیادہ علم ہے اور سب سے زیادہ ان کی جزئیات کا علم ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کو ہے۔ (ماخوذ از تفسیر تبيان القرآن ج ۹ ص ۲۹۱۔ ۲۸۶) نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے ساتھ قتل گاہ کربلا کی مٹی کے بارے میں بھی بتا دیا کہ وہ سرخ ہے اور اپنی وفات کے پچاس سال بعد مدینہ منورہ سے کربلا تشریف لے گئے اور حضرت امام حسین اور ان کے رفقاء کی شہادت کے دن ان کے خون کو ایک شیشی میں جمع کر لیا جیسا کہ حضرت ام سلمہ اور حضرت ابن عباس کی خواب کی روایات سے ثابت ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۷۲-۵۷۳، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ دہلی)

”من رب العالمین“ ہے اور ”لاریب فیہ“ جملہ معترضہ ہے اور اس کا محل اعراب کوئی نہیں اور اس میں ضمیر مضمون جملہ کی طرف لوٹی ہے [گویا فرمایا گیا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں یعنی اس کتاب کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کیونکہ یہ کتاب تمام بنی نوع انسان کو عاجز کرنے والی ہے اور اس جیسی کتاب شک و شبہ سے بہت دور ہوتی ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے درج ذیل ارشاد کی طرف اعراض فرمایا:

۳- ﴿أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ﴾ کیا وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے یعنی کفار مکہ کہتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ نے اس کتاب قرآن مجید کو اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے [کیونکہ ”ام“ منقطعہ بہ معنی ”بسل“ اور ہمزہ ہے] اس کا معنی یہ ہے: (بل ایقولون افتراه) بلکہ کیا وہ کفار مکہ یہ کہتے ہیں کہ رسول کریم نے اس کو اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے۔ اس ارشاد میں ان کے قول کا انکار ہے اور اس سے تعجب کا اظہار ہے کیونکہ قرآن مجید کا معاملہ ظاہر اور واضح ہو چکا ہے اس بناء پر کہ عرب کے بڑے ماہر بلغاء اس قرآن مجید کی صرف تین آیات کی مثل پیش کرنے سے عاجز ہو چکے ہیں ﴿بَلْ هُوَ الْحَقُّ﴾ بلکہ وہ حق ہے پھر اللہ تعالیٰ نے انکار سے اثبات کی طرف اعراض فرمایا کہ بے شک یہ کتاب برحق ہے ﴿مِنْ رَبِّكَ﴾ آپ کے پروردگار کی طرف سے (نازل کی گئی ہے) اور اس کو (حضور سید عالم حضرت) محمد ﷺ نے اپنی طرف سے گھڑ کے پیش نہیں فرمایا جیسا کہ کفار نے تعصب و عناد اور جہالت کی وجہ سے کہا ﴿لَتُنذِرَ قَوْمًا﴾ تاکہ آپ ایسی قوم کو یعنی اہل عرب کو ڈر سنا لیں ﴿مَا آتَاهُمْ مِنْ نَّذِيرٍ مِنْ قَبْلِكَ﴾ جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈر سنانے والا نہیں آیا [اس میں ”ما“ نافیہ ہے اور یہ جملہ ”قَوْمًا“ کی صفت ہے] ﴿لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ﴾ شاید وہ ہدایت پالیں۔ یہ ترحی (امید رکھنا) رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہے (کیونکہ آپ ہی نے ڈر سنا یا) جیسا کہ یہ ارشاد ہے کہ ”لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى“ (طہ: ۴۴) ”شاید وہ (فرعون) نصیحت حاصل کر لے یا ڈر جائے“ اس میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے لیے ترحی ہے۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ
عَلَى الْعَرْشِ ط مَا لَكُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ ذَلِي وَلَا شَفِيعٍ ط أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿۴۴﴾
يُنَادِي الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ
أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ ﴿۴۵﴾

اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا کیا پھر وہ عرش پر مستوی ہوا تمہارے لیے اس کے سوانہ کوئی جماعتی ہے اور نہ سفارشی تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ○ وہ آسمان سے زمین تک کام کی تدبیر کرتا ہے پھر وہ کام اس کی طرف چڑھتا ہے اس دن کو جس کی مقدار ایک ہزار برس ہے جسے تم گنتے ہو ○

۴- ﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ط﴾ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا کیا پھر وہ عرش پر مستوی ہوا (یعنی) اس نے عرش کو پیدا کر کے اس پر غالب ہوا ﴿مَا لَكُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ ذَلِي وَلَا شَفِيعٍ﴾ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے ماسوانہ کوئی

حمایتی ہے اور نہ کوئی سفارشی ہے یعنی جب تم رضائے الہی کی حدود سے بڑھ جاؤ گے تو تم اپنے لیے کوئی حمایتی نہیں پاؤ گے یعنی تم کوئی ایسا مددگار اپنے لیے نہیں پاؤ گے جو تمہاری مدد کر سکے اور نہ کوئی ایسا سفارشی پاؤ گے جو تمہارے لیے سفارش کر سکے ﴿أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ﴾ تو کیا تم اللہ تعالیٰ کے مواعظِ حسنہ سے نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

۵- ﴿يُدَبِّرُ الْأَمْرَ﴾ وہی کام کی تدبیر کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہی دنیا کے ہر کام کی تدبیر کرتا ہے ﴿بِمَنْ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ﴾ آسمان سے زمین کی طرف قیامت کے قائم ہونے تک ﴿ثُمَّ يَعْرِجُ إِلَيْهِ﴾ پھر وہ اسی کی طرف چڑھتا ہے یعنی پھر وہ ہر کام اسی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تاکہ وہ اس میں اپنا حکم نافذ کرے ﴿فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ﴾ اس دن میں جس کی مقدار ایک ہزار برس ہے اور وہ قیامت کا دن ہے ﴿فَمَا تَعُدُّونَ﴾ دنیا کے دنوں میں جنہیں تم شمار کرتے ہو اور مشتبہ (یعنی اللہ تعالیٰ کو انسان کی جسمانی ساخت کے مشابہ ماننے والا فرقہ) ”إِلَيْهِ“ کے ارشاد سے جہت و سمت کے اثبات کے لیے استدلال نہیں کر سکتا کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اسے جس طرف لے جانا چاہتا ہے لے جاتا ہے یا (جب دنیا کے فنا ہونے کے بعد حکام کے احکام و تدابیر ختم ہو جائیں گی تو) اس کی تدبیر اور اس کا حکم اسی کی طرف جائے گا جیسا کہ وہ درج ذیل ارشادات سے استدلال نہیں کر سکتے: ”إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي“ (الصافات: ۹۹) ”بے شک میں اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں“ ”إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي“ (النکبوت: ۲۶) ”بے شک میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کر جانے والا ہوں“ ”وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ“ (النساء: ۱۰۰) ”اور جو شخص اپنے گھر سے ہجرت کرتا ہو اللہ تعالیٰ کی طرف نکلتا ہے“۔

ذٰلِكَ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝ الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۝ خَلْقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّاءٍ ۝ مَّهِينٍ ۝ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ ۝ وَالْأَفْئِدَةَ ۝ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝

وہی پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا بہت غالب ہے ۵ اسی نے ہر چیز کو اچھا پیدا کیا اور اس نے انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا ۵ پھر اس نے اس کی نسل کو حقیر پانی کے خلاصہ سے بنایا ۵ پھر اس کو ہموار کیا اور اس میں اپنی روح پھونکی اور اس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تم بہت تھوڑا شکر ادا کرتے ہو ۵

۶- ﴿ذٰلِكَ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ وہی پوشیدہ و چھپی ہوئی اور ظاہر و عیاں سب کو خوب جاننے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کا رنامہ ہائے مذکورہ کے ساتھ متصف ہے جن کا اوپر ذکر کر چکا ہے اور جو کچھ مخلوقات سے مخفی و پوشیدہ ہے اور جو کچھ مخلوقات مشاہدہ کرتی ہے سب کو وہ خوب جاننے والا ہے ﴿الْعَزِيزُ﴾ اس کا حکم اور اس کی تدبیر سب پر غالب ہے ﴿الرَّحِيمُ﴾ بے حد مہربان ہے اس کا لطف و کرم اور آسانیاں سب کو پہنچ رہی ہیں [اور بعض اہل علم نے کہا کہ اس پر وقت نہیں کیونکہ (درج ذیل آیت مبارکہ میں) ”الَّذِي“ اس کی صفت ہے۔]

۷- ﴿الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ اسی نے ہر چیز کو خوب بنایا یعنی اس نے ہر چیز کو حسین بنایا کیونکہ ہر چیز اسی ترتیب پر

مرتب ہے جس کا حکمت و دانائی تقاضا کرتی ہے ﴿خَلَقَهُ﴾ [کوئی نافع اور سہل کی قراءت میں "شَسِيءٌ" کی صفت ہونے کی بناء پر (لام پر فتح فعل ماضی واحد مذکر) "خَلَقَهُ" ہے یعنی ہر وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو اسے بلاشبہ حسین بنایا ہے اور ان کے علاوہ (ابن کثیر کی اور ابن عامر شامی) کی قراءت میں بدل ہونے کی بناء پر (لام ساکن مصدر) "خَلَقَهُ" ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی بہترین تخلیق فرمائی ﴿وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا۔

۸- ﴿ثُمَّ جَعَلْنَا مِنْهُ سُلَاطَةً﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی نسل (یعنی) اس کی اولاد کو پانی کے نچوڑ (نطفہ) سے بنایا ﴿مِنْ مَاءٍ قَهِينٍ﴾ ضعیف و حقیر پانی یعنی مٹی سے (پیدا فرمایا) [اور یہ "سلالة" سے بدل ہے]۔

۹- ﴿تَشَوُّهُ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو ہموار بنایا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے انسان کے قالب کی شکل و صورت کو معتدل اور اس کے اعضاء کو ہموار بنایا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ" (التین: ۴) "بے شک ہم نے انسان کو بہترین شکل و صورت میں پیدا فرمایا" ﴿وَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنی طرف سے روح داخل کی ["نَفَخَ" بہ معنی "أَدْخَلَ" ہے اور "مِنْ رُوحِنَا" میں اختصاص کی اضافت ہے] گویا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ایسی زندگی بخش چیز داخل کی جو اس کی ذات اقدس اور اس کے علم کے ساتھ مخصوص ہے ﴿وَجَعَلْنَا لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ﴾ اور اس نے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم اپنے کانوں سے سناؤ اور اپنی آنکھوں سے دیکھو اور اپنے دل سے سمجھو ﴿قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ﴾ تم بہت تھوڑا شکر ادا کرتے ہو "ای تشكرون قليلا" یعنی تم تھوڑا سا شکر ادا کرتے ہو۔

وَقَالُوا إِذَا أَضَلُّنَا فِي الْأَرْضِ وَإِنَّا لَنَعْلَمُ خَلْقَ جَدِيدِهِمْ بَلْ هُمْ

بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ كَفِرُونَ ﴿۱۰﴾ قُلْ يَتَوَقَّعُ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي ذُكِّرَ

بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ﴿۱۱﴾

اور انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم زمین میں گم ہو جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا ہوں گے بلکہ وہ اپنے پروردگار کی ملاقات کے منکر ہیں ﴿اے محبوب!﴾ فرمادیتے ہیں کہ موت کا فرشتہ تمہیں وفات دیتا ہے جو تم پر مقرر کیا گیا ہے پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿

۱۰- ﴿وَقَالُوا﴾ اور انہوں نے کہا کہنے والا صرف اکیلا ابی بن خلف تھا اور تمام کفار اس کی اس بات پر راضی تھے اس لیے اس ایک کی بات کو ان سب کی طرف نسبت کر کے "قالوا" کہا گیا ہے ﴿إِذَا أَضَلُّنَا فِي الْأَرْضِ﴾ کیا جب ہم زمین میں گم ہو جائیں گے یعنی ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہم زمین کی مٹی میں گھل جائیں گے جس سے ہم جدا اور ممتاز نہیں ہو سکیں گے جیسا کہ پانی دودھ میں گم ہو جاتا ہے یا ہم زمین میں دفن ہو کر غائب ہو جائیں گے [علی کسائی کی قراءت میں "ضَلُّنَا" لام مکسور کے ساتھ ہے "ضَلَّ يَضِلُّ" (باب "سمع يسمع") اور "ضَلَّ يَضِلُّ" (باب "ضرب يضرب") دونوں طرح پڑھا جاتا ہے اور "إِذَا أَضَلُّنَا" میں ظرف محل منصوب ہے اور عامل "بعث" ہے جس پر ذریعہ زمین ارشاد دلالت کرتا ہے: ﴿إِنَّا لَنَعْلَمُ خَلْقَ جَدِيدِهِمْ﴾ کیا ہم یقیناً نئے سرے سے پیدا ہوں گے ﴿بَلْ هُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ كَفِرُونَ﴾

مَرَّتْ بِهِمْ كَفْرًا ۝ ﴿﴾ بلکہ وہ اپنے پروردگار کی ملاقات سے انکار کرنے والے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے کفار کی طرف سے دوبارہ زندہ ہونے کے انکار کا ذکر کیا تو اب اس سے زیادہ بلیغ کی طرف اعراض فرمایا اور وہ یہ کہ کفار ان تمام چیزوں کے منکر ہیں جو آخرت میں واقع ہوں گی، صرف دوبارہ زندہ ہونے کے منکر نہیں۔

۱۱۔ ﴿قُلْ يَتَوَفَّاكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي ذُكِّرْتُمْ ۖ وَكُلُّ يَوْمًا تَكُونُونَ﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ تمہیں موت کا فرشتہ وفات دیتا ہے جو تم پر مقرر کیا گیا ہے پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے یعنی تمہیں موت کا وہ فرشتہ وفات دیتا ہے جو تمہاری روحیں قبض کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے پھر اس کے بعد تم اپنے پروردگار کی طرف حساب و کتاب اور جزاء و سزا کے لیے دوبارہ زندہ کر کے پیش کیے جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا یہی معنی ہے اور ”توفی“ کا معنی ہے: نفس کو پورا لے لینا اور وہ روح ہے یعنی تم سب کی روحیں اکیلا موت کا فرشتہ حضرت عزرائیل علیہ السلام قبض کر لیتا ہے اور یہ تمہارے اس قول سے ہے کہ ”توفیت حقّی من فلان“ میں نے فلاں آدمی سے اپنا حق پورا پورا لے لیا۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تم نے اپنا حق بغیر کسی نقصان کے پورا اور مکمل لے لیا ہو اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ ملک الموت کے لیے زمین کو لپیٹ دیا گیا ہے اور اس کو اس کے لیے طشت کی طرح کر دیا گیا ہے وہ جہاں سے چاہتا ہے لے لیتا ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ ملک الموت ارواح کو بلاتا ہے تو وہ اس کی دعوت قبول کر لیتی ہیں پھر وہ اپنے معاونین کو حکم دیتا ہے وہ اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ان سب کا آمر یعنی حکم دینے والا ہے اور وہی تمام مخلوقات کے افعال کا خالق ہے سو درج ذیل آیات اور اس آیت مبارکہ کے درمیان موافقت و جمع کی یہی ایک وجہ ہے: ”تَوَفَّيْتَهُ رُسُلُنَا“ (الانعام: ۶۱) ”ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کرتے ہیں“ اور ”اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا“ (الزمر: ۴۲) ”اللہ تعالیٰ جانوں کی موت کے وقت ان کی روحوں کو وفات دے دیتا ہے۔“

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمَجْرِمُونَ نَاكِسَوٰرَءُ وَسِيْرَمُ عِنْدَارِیْمُ ط رَبَّنَا ابْصِرْنَا وَاَسْمِعْنَا
فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صٰلِحًا اِنَّا مُوقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَ لَوْ شِئْنَا لَا تَتٰنَا كُلَّ نَفْسٍ هٰدِیٰهَا
وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلِكَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّٰسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۳﴾
فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِیْتُمْ لِقَاءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا اِنَّا نَسِیْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور اگر آپ دیکھتے جب مجرم لوگ اپنے پروردگار کے پاس اپنے سروں کو نیچے جھکائے ہوئے ہوں گے (اور کہیں گے): اے ہمارے پروردگار! ہم نے دیکھ لیا ہے اور ہم نے سن لیا ہے سو آپ ہمیں واپس (دنیا میں) بھیج دیں ہم نیک عمل کریں گے بے شک اب ہم یقین کرنے والے ہیں O اور اگر ہم چاہتے تو البتہ ہم ہر جان کو اس کی ہدایت دے دیتے اور لیکن میری طرف سے یہ قول سچا ثابت ہوا کہ میں ضرور با ضرور دوزخ کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا O سو تم عذاب کا مزہ چکھو اس کے بدلے میں جو تم آج اپنے اس دن کی ملاقات کو بھول گئے تھے بے شک ہم نے تمہیں بھولے بسرے کی

طرح چھوڑ دیا ہے اور اب تم ہمیشہ کے عذاب کا مزہ چکھو اس کے بدلے میں جو عمل تم کرتے تھے ○

مجرموں کے انجام کا بیان

۱۲- ﴿وَلَوْ تَرَىٰ﴾ اور اگر آپ دیکھ لیتے یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے یا ہر ایک انسان کے لیے ہے [اور "لو" امتناعیہ اور جواب محذوف ہے یعنی "لَرَأَيْتَ أَمْرًا عَظِيمًا" البتہ آپ بہت بڑا معاملہ دیکھتے] ﴿إِذَا الْمُجْرِمُونَ﴾ اور یہ مجرم لوگ وہی مشرکین و کفار ہیں جو قیامت کے دن کہیں گے کہ "إِذَا أَضَلَّلْنَا فِي الْأَرْضِ ءَ إِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ" (السجدة: ۱۰) "کیا جب ہم زمین میں (دفن ہو کر) غائب ہو جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا ہو کر اٹھیں گے" [اور "لو" اور "إِذَا" ماضی کے لیے ہیں اور یہاں یہ صرف اس لیے جائز ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے متوقع موجود و ثابت کے قائم مقام ہے اور "تسری" کا مفعول مقدر نہیں جس پر یہ مشتمل ہو جاتا اور "إِذَا" طرف ہے اس کا] گویا فرمایا گیا ہے کہ اگر آپ دیکھتے جب مجرم و گناہ گار لوگ ﴿نَاكِسُو أَعْنَاقَهُمْ﴾ ذلت و رسوائی اور شرم و حیا اور ندامت و پشیمانی کی وجہ سے اپنے سروں کو نیچے جھکائے ہوئے ہوں گے ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ اپنے پروردگار کے پاس حساب دینے کے لیے [یہاں حذف کے حق کی وجہ سے وقف کیا جائے گا کیونکہ اس کے بعد عبارت یوں مقدر ہے: "يَقُولُونَ" ﴿رَبَّنَا أَبْصَرْنَا﴾ وہ لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم نے آپ کے وعدے اور وعید (دھمکی) کی سچائی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ﴿وَسَمِعْنَا﴾ اور آپ سے آپ کے رسولوں کی تصدیق ہم نے سن لی ہے یا یہ کہ ہم دنیا میں اندھے اور بہرے بنے رہے لیکن اب ہم نے سن لیا اور دیکھ لیا ہے ﴿فَارْجِعْنَا﴾ سواب ہمیں دنیا کی طرف واپس بھیج دے ﴿نَعْمَلْ صَالِحًا﴾ ہم نیک عمل کریں گے یعنی ہم ایمان و اطاعت اختیار کر لیں گے ﴿إِنَّا مُؤْمِنُونَ﴾ بے شک اب ہم حساب و کتاب اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر یقین کرتے ہیں۔

۱۳- ﴿وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدًى﴾ اور اگر ہم چاہتے تو دنیا میں ہر شخص کو اس کی ہدایت دے دیتے یعنی اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو اپنے پاس سے وہ لطف و کرم عطا کر دیتے جس کی وجہ سے اگر وہ اسے اختیار کر لیتے تو ضرور ہدایت حاصل کر لیتے لیکن ہم نے ان کو وہ لطف و کرم عطا نہیں کیا کیونکہ ہمیں ازل سے معلوم ہے کہ وہ کفر کو اختیار کریں گے اور اسی کو ترجیح دیں گے اور یہ معتزلہ (گمراہ فرقہ) کے خلاف حجت ہے سوان کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے چاہا تھا کہ وہ ہر شخص کو وہ لطف عطا کرے گا جس کے سبب وہ ہدایت حاصل کرنے کا اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو لطف و ہدایت عطا کر دی لیکن اس نے ہدایت حاصل نہیں کی اور انہوں نے اس آیت مبارکہ کی جبری مشیت کے ساتھ تاویل کی ہے اور یہ تاویل فاسد و غلط ہے کیونکہ دلائل میں غور و فکر کرنے سے اس کا فساد معلوم ہو چکا ہے ﴿وَلَكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ﴾ اور لیکن میرا قول برحق ہے کہ میں ضرور بہ ضرور دوزخ کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا (یعنی) اور لیکن میرا قول واجب و ثابت ہو گیا کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ بے شک ان میں سے ایسے بھی ہوں گے جو دوزخ کے مستحق ٹھہریں گے اور یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے بارے میں علم ہو چکا ہے کہ وہ دنیا میں آ کر انکار و تکذیب کو اختیار کریں گے اور جن و انس کی تخصیص میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ایسے اعمال سے معصوم و محفوظ رہیں گے جن کے سبب وہ دوزخ کے مستحق بنتے۔

۱۴- ﴿فَذُوقُوا﴾ "العذاب" سوئم عذاب کا مزہ چکھو ﴿بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا﴾ اس عمل کی وجہ سے جس کے سبب تم نے آج کے دن کی ملاقات کے عمل کو ترک کر دیا تھا اور وہ ہے اس دن کی ملاقات پر ایمان لانا ﴿إِنَّا نَسِينَاكُمْ﴾

بے شک ہم نے تمہیں بھولے بسرے شخص کی طرح عذاب میں چھوڑ دیا ہے ”نسینا“ بہ معنی ”ترکنا“ ہے ﴿وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ﴾ اور تم ہمیشہ کا عذاب چکھو یعنی ایسے دائمی عذاب کا مزہ چکھو جو کبھی ختم نہیں ہوگا ﴿بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ ان اعمال کے سبب جو تم کفر و شرک اور معصیت و نافرمانی کی صورت میں کرتے تھے۔

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ

وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿١٥﴾ تَتَجَافَى جُنُوبَهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ مَاءَهُمْ

خَوْفًا وَطَمَعًا وَيَتَذَكَّرُونَ ﴿١٦﴾

بے شک ہماری آیتوں پر صرف وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو وہ یاد دلائی جائیں تو وہ سجدے میں گر جاتے ہیں اور وہ اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے O ان کے پہلو خواب گاہوں سے جدا ہوتے ہیں وہ اپنے پروردگار سے خوف اور امید کے ساتھ دعا کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو رزق عطا کیا ہے اس میں سے وہ (خدا کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں O

نیوکوار مسلمانوں کے انجام کا بیان

۱۵۔ ﴿إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِرُوا بِهَا﴾ بے شک ہماری آیتوں پر صرف وہ لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب انہیں ان کی یاد دلائی جائے یعنی انہیں ان آیات کے ذریعے نصیحت کی جائے تو ﴿خَرُّوا سُجَّدًا﴾ وہ سجدے میں گر جاتے ہیں (یعنی) وہ اللہ تعالیٰ کے لیے فروتنی اور عاجزی کا اظہار کرنے کے لیے اس کے حضور میں سجدے میں گر جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام قبول کرنے کی جو توفیق عطا فرمائی اس نعمت اسلام پر شکر ادا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرتے ہیں ﴿وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ اور وہ اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی ان چیزوں سے پاکیزگی بیان کرتے ہیں جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہوئے اس کی تعریف کرتے ہیں ﴿وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ﴾ اور وہ ایمان لانے اور اسے سجدہ کرنے سے تکبر نہیں کرتے۔

۱۶۔ ﴿تَتَجَافَى جُنُوبَهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ﴾ ان کے پہلو بستروں اور سونے کی جگہوں سے بلند اور دور والگ رہتے ہیں۔ حضرت اہل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قوم کو عطیہ بخشا اور وہ یہ کہ انہیں اپنے ساتھ مناجات کی اجازت عطا فرمادی اور انہیں اپنا قرب رکھنے والوں میں سے بنا دیا پھر اس پر ان کی مدح و تعریف بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ”تَتَجَافَى جُنُوبَهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ“ ان کے پہلو بستروں سے دور رہتے ہیں اور ﴿يَدْعُونَ﴾ ”داعین“ ﴿مَاءَهُمْ﴾ ”عابدین لہ“ وہ اپنے پروردگار سے دعا کرتے ہیں اس کو پکار پکار کر (اور) وہ اسی کی عبادت کرنے والے ہیں ﴿خَوْفًا وَطَمَعًا﴾ [دونوں مفعول لہ ہیں] یعنی وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرنے اور اس کی رحمت کی امید رکھنے کی وجہ سے اس کی عبادت کرتے ہیں اور یہ تہجد گزار ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ اس سے رات کو اٹھ کر بندے کا عبادت کرنا مراد ہے اور حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ان کے پہلوؤں نے غفلت کے بستر پر آرام کرنے سے انکار کر دیا ہے اور قربت کا بستر طلب کر لیا ہے یعنی رات کی نماز اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے بیان فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے کچھ حضرات مغرب کی نماز پڑھ کر عشاءِ اخیرہ کی نماز تک نوافل کی نماز (نمازِ اذانین) پڑھتے رہتے تو ان کے حق میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو عشاء کی نماز پڑھ کر سوتے اس سے پہلے نہیں سوتے تھے ﴿وَمَا تَزَنُّهُمْ يَنْفِقُونَ﴾ اور ہم نے انہیں جو رزق عطا کیا ہے وہ اس میں سے کچھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کرتے ہیں۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۷﴾

أَمْ مَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۗ لَا يَسْتَوُونَ ﴿۱۸﴾ أَمْ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْوَىٰ نُزُلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۹﴾

سو کوئی شخص نہیں جانتا جو ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے چھپا کر رکھا گیا ہے (یہ) ان کے اعمال کا صلہ ہے جو کرتے تھے ۰ تو کیا وہ شخص جو مؤمن ہے وہ اس طرح ہو سکتا ہے جو فاسق ہے وہ ہرگز برابر نہیں ہو سکتے ۰ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کی مہمانی کے لیے بسنے کے باغات ہوں گے ان اعمال کے عوض میں جو وہ کرتے تھے ۰

۱۷۔ ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم﴾ سو کوئی شخص نہیں جانتا جو ان کے لیے چھپا کر رکھا گیا ہے [”مَا“ بہ معنی ”الذی“ ہے حمزہ اور یعقوب کی قراءت میں ”يَا“ ساکن کے ساتھ حکایت نفس (فعل مضارع متکلم) ہے] ﴿مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾ آنکھوں کی ٹھنڈک سے یعنی کوئی نہیں جانتا جو ان کے لیے عزت و کرامت تیار کی گئی ہے ﴿جَزَاءً﴾ بدلہ [یہ مصدر ہے] یعنی انہیں جزائے خیر دی جائے گی ﴿بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ اس کے عوض میں جو وہ اعمال کرتے تھے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ عبادت گزار قوم نے دنیا میں چھپا کر اعمال (نماز تہجد وغیرہ) ادا کیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسی نعمتیں چھپا کر رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سنا ہے اور اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ آدھی رات میں نماز پڑھنا مراد ہے تاکہ جزا عمل کے مطابق ہو جائے۔

۱۸۔ پھر اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل آیات میں) بیان فرمایا کہ جو شخص اطاعت و فرمان برداری اور عبادت و ریاضت اور ایمان و اسلام کے نور میں مشغول ہے وہ اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جو کفر و شرک اور معصیت و نافرمانی اور گناہوں کی ظلمت و تاریکی میں مبتلا ہو چکا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿أَمْ مَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا﴾ تو کیا جو شخص مؤمن ہے وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو فاسق یعنی کافر ہے ﴿لَا يَسْتَوُونَ﴾ وہ لوگ ہرگز برابر نہیں ہو سکتے [اور ”کان مؤمنا“ اور ”کان فاسقا“ دونوں ”مَنْ“ کے لفظ پر محمول ہونے کی بناء پر (واحد ہیں کیونکہ ”مَنْ لفظاً“ مفرد اور معنایاً جمع ہے) اور ”لا يستون“ ”مَنْ“ کے معنی پر محمول ہے جس کی دلیل درج ذیل ارشاد ہے:]

۱۹۔ ﴿أَمْ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْوَىٰ﴾ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے تو ان کے لیے بسنے کے باغات ہیں۔ یہ بہشتوں میں سے ایک قسم ہے جس میں شہداء کی روئیں پناہ حاصل کرتی ہیں اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہ عرش کے دائیں جانب ہے ﴿نُزُلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ مہمانی ہے ان کے عوض میں جو اعمال وہ کرتے تھے (یعنی) ان کے اعمال پر عطیہ ہے اور ”نزل“ آنے والے مہمان کے لیے تیار کیا جانے والا عطیہ ہے

(خواہ وہ کھانا پینا ہو یا رہائش وغیرہ ہو) پھر عام ہو گیا۔

وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا

فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ دُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿۲۰﴾ وَلَنْذِيْقَهُمْ

مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ

أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ

مُنْتَقِبُونَ ﴿۲۲﴾

۲۱
۱۵

اور لیکن جن لوگوں نے نافرمانی کی تو ان کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے جب بھی وہ اس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے انہیں دوبارہ اسی میں لوٹا دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ تم (دوزخ کی) آگ کے عذاب کا مزہ چکھو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اور ہم ضرور با ضرور انہیں بڑے عذاب سے پہلے چھوٹا عذاب چکھائیں گے تاکہ وہ لوٹ آئیں اور اس سے بڑھ کر کون زیادہ ظالم ہے جس کو اس کے پروردگار کی آیات کے ساتھ نصیحت کی گئی پھر اس نے ان سے منہ پھیر لیا بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں

نا فرمان کفار کا انجام

۲۰۔ ﴿وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ﴾ اور لیکن جن لوگوں نے نافرمانی کی تو ان کا ماویٰ یعنی ان کا ٹھکانا اور ان کی منزل دوزخ کی آگ ہے ﴿كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ﴾ وہ جب بھی اس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو انہیں اس میں واپس لوٹا دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا یعنی دوزخ کے دربان ان سے کہیں گے: ﴿دُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ﴾ تم دوزخ کی آگ کے عذاب کا مزہ چکھو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اور یہ دلیل ہے اس بات پر کہ یہاں فاسق سے کافر مراد ہے کیونکہ تکذیب (جھٹلانا اور انکار کرنا) ایمان کا مقابل ہے۔

۲۱۔ ﴿وَلَنْذِيْقَهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ﴾ اور بے شک ہم ان (اہل مکہ) کو چھوٹے یا قریب ترین عذاب کا مزہ چکھائیں گے یعنی دنیا کے عذاب قید و بند اور قتل و غارت میں گرفتار کریں گے اور (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعائے ضرر کی وجہ سے) سات سال قحط میں مبتلا کر کے محنت و مشقت اور فقر و فاقہ کے عذاب میں گرفتار کریں گے ﴿دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ﴾ بہت بڑے عذاب سے پہلے (یعنی) آخرت کے عذاب سے پہلے ہم انہیں دنیا کے عذاب میں مبتلا کر کے اس کا مزہ چکھائیں گے پھر انہیں آخرت کے عذاب میں پہنچایا جائے گا اور دارانی سے منقول ہے کہ ادنیٰ عذاب سے دنیا کی ذلت و رسوائی مراد ہے اور عذاب اکبر سے دوزخ کا دائمی عذاب مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ”العذاب الادنی“ سے قبر کا عذاب مراد ہے (اور عذاب اکبر سے آخرت کا عذاب مراد ہے) ﴿لَعَلَّهُمْ﴾ تاکہ عذاب ادنیٰ میں مبتلا ہو کر عذاب دیئے جانے والے کفار مکہ ﴿يَرْجِعُونَ﴾ کفر و شرک سے (توحید و ایمان کی طرف) رجوع کر کے توبہ کر لیں۔

۲۲۔ ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ﴾ اور اس سے بڑھ کر زیادہ ظالم کون ہے جس کو اس کے پروردگار کی آیات یعنی قرآن مجید کے ساتھ نصیحت کی گئی ﴿ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا﴾ پھر اس نے ان سے منہ موڑ لیا یعنی وہ ان سے پھر گیا اور ان میں تدبر اور غور و فکر نہیں کیا اور ”ثم“ استبعاد کے لیے ہے یعنی بے شک اس قسم کی واضح ترین اور روشن ترین اور سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرنے والی اور سعادت عظمیٰ سے کامیاب کرنے والی آیات مبارکہ سے نصیحت حاصل کرنے کے بعد منہ پھیر لینا عقل کے نزدیک بہت بعید ہے جیسے تم اپنے ساتھی کو فرصت کے ترک کرنے کو بہت بعید خیال کرتے ہوئے کہو کہ کیا تم نے اس طرح کی فرصت کا وقت پایا پھر اس کو غنیمت نہیں سمجھا ﴿إِنَّا مِنَ الْجُؤْرِمِينَ مُنتَقِمُونَ﴾ بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں اور ”من الجورمین“ کی بجائے ”منہ“ نہیں فرمایا گیا کیونکہ اسے جب ہر ظالم سے زیادہ بڑا ظالم قرار دیا گیا پھر عام مجرموں کو انتقام لینے سے ڈرایا گیا تو بے شک یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سب سے زیادہ بڑے ظالم کو انتقام کا حصہ سب سے زیادہ پہنچے گا اور اگر ضمیر لائی جاتی تو پھر یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَائِهِ وَ
 جَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿٢٣﴾ وَجَعَلْنَا مَثَلَهُ لِيَهْدُونَ
 بِأَمْرِنَا لِمَا صَبَرُوا ط وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ ﴿٢٤﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ
 بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٢٥﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی سو آپ اس سے ملاقات میں شک نہ کریں اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنا دیا اور ہم نے ان میں سے امام بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے جب انہوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے ○ بے شک آپ کا پروردگار ہی قیامت کے دن ان کے درمیان ان امور میں فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے ○

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کا تذکرہ

۲۳۔ ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب یعنی تورات شریف عطا فرمائی ﴿فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَائِهِ﴾ سو آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب کے ملنے میں شک نہ کریں یا آپ شب معراج حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اپنی ملاقات میں شک نہ کرنا یا قیامت کے دن میں شک نہ کرنا یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنے رب تعالیٰ سے آخرت میں ملاقات کرنے میں شک نہ کرنا حضور نبی کریم ﷺ سے اسی طرح منقول ہے ﴿وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنا دیا (یعنی) اور ہم نے جو کتاب (حضرت) موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی تھی اسے ان کی قوم کے لیے ہدایت بنا دیا تھا۔

۲۴۔ ﴿وَجَعَلْنَا مَثَلَهُ لِيَهْدُونَ﴾ اور ہم نے ان میں سے بعض کو امام و پیشوا بنا دیا تھا [عاصم کوئی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں دو ہمزوں کے ساتھ ”الْأَمَّةُ“ ہے] ﴿يَهْدُونَ﴾ وہ لوگوں کو ہدایت دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے احکام کی جو باتیں تورات شریف میں تحریر تھیں ان کی طرف وہ لوگوں کو دعوت دیتے تھے ﴿بِأَمْرِنَا﴾ ان کو ہمارے حکم سے اس کی

دعوت دیتے تھے جب کہ انہوں نے حق پر اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی پر صبر کیا یا انہوں نے گناہوں سے پرہیز کرنے پر صبر کیا ﴿لَمَّا صَبَرُوا﴾ جب انہوں نے صبر کیا (تو ہم نے انہیں قوم کا امام بنا دیا) [حزہ کوئی اور علی کسائی کی قراءت میں "لَمَّا صَبَرُوا" (لام مکسور اور "مَا" موصول غیر مشدود) ہے یعنی دنیا سے ان کے صبر کرنے کی وجہ سے] اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ صبر کرنے کا ثمرہ یعنی پھل اور نتیجہ لوگوں کی امامت و پیشوائی کا ملنا ہے ﴿وَكَانُوا بِالْبَيِّنَاتِ يُوقِنُونَ﴾ اور وہ لوگ ہماری آیتوں یعنی تورات شریف پر یقین رکھتے تھے وہ ایسا علم جانتے تھے جس سے انہیں شک و شبہہ پریشان نہیں کرتا تھا۔

۲۵- ﴿إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُم يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ بے شک آپ کا رب تعالیٰ قیامت کے روز انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں کے درمیان یا مؤمنوں اور مشرکوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا ﴿فِيْمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ﴾ جن امور میں وہ اختلاف کرتے تھے پس حق پرست اور باطل پرست ظاہر ہو جائیں گے۔

أَوَّلُهُمْ يَهْدِيهِمْ كَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسْكِينَهُمْ
 إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ أَفَلَا يَسْمَعُونَ ﴿۲۶﴾ أَوَّلُهُمْ يَهْدِيهِمْ كَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسْكِينَهُمْ
 الْجُرُزِ فَتُخْرِجُ بِهِ زُرْعًا تَأْكُلُ مِنْهَا أَنْعَامُهُمْ وَأَنْفُسُهُمْ أَفَلَا يُبْصِرُونَ ﴿۲۷﴾

اور کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت نہیں دی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا جن کے مکانوں میں یہ چلتے پھرتے ہیں بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں تو کیا وہ سنتے نہیں O اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم (بارش کے) پانی کو بنجر زمین کی طرف لے جاتے ہیں پھر ہم اس کے ذریعہ سے کھیتی نکالتے ہیں جس سے ان کے چوپائے اور وہ خود کھاتے ہیں تو کیا وہ دیکھتے نہیں O

اہل مکہ کو غفلت سے بیدار کرنے اور خوف دلانے کا بیان

۲۶- ﴿أَوَّلُهُمْ يَهْدِيهِمْ﴾ اور کیا اللہ تعالیٰ نے (اہل مکہ کو) ہدایت نہیں دی [حرف واو معطوف علیہ منوی پر عطف کے لیے ہے جو معطوف کی جنس سے ہے یعنی "اولم یدع" اور "یہدی" بہ معنی "یسببن" ہے اور اس کا فاعل "اللہ" ہے جس کی دلیل زید کی قراءت ہے جو یعقوب سے روایت کی گئی ہے اور وہ ہے "نہد" ﴿لَهُمْ﴾ ان کے لیے (یعنی) اہل مکہ کے لیے ﴿كَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْقُرُونِ﴾ ہم نے ان سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کر دیں جیسے عاد اور ثمود اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم۔] "کم" کو "یهد" کا فاعل بنانا جائز نہیں کیونکہ حرف "کم" استفہام کے لیے ہے اس لیے وہ اپنے ما قبل میں عمل نہیں کرتا اور خود "أهْلَكْنَا" کی وجہ سے محلاً منصوب ہے ﴿يَمْشُونَ فِي مَسْكِينَهُمْ﴾ وہ ان کے گھروں میں چلتے پھرتے ہیں یعنی اہل مکہ اپنے تجارتی کاروبار کے سلسلے میں دوران سفر ان کے گھروں اور ان کے ملکوں اور شہروں کے پاس سے گزرتے ہیں ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ أَفَلَا يَسْمَعُونَ﴾ بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں تو کیا وہ لوگ وعظ و نصیحت کی باتیں غور سے نہیں سنتے تاکہ وہ عبرت و نصیحت حاصل کرتے۔

۲۷- ﴿أَوَّلُهُمْ يَهْدِيهِمْ كَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسْكِينَهُمْ﴾ اور کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ بے شک ہم پانی کو چلاتے ہیں (یعنی) ہم بارش اور نہروں و ادویوں کے پانی کو چلا کر لے جاتے ہیں ﴿إِلَى الْأَرْضِ الْجُرُزِ﴾ بنجر اور ویران زمین کی طرف یعنی ایسی زمین کی

طرف جس کا سبزہ ختم ہو چکا ہو یعنی منقطع ہو چکا ہو خواہ پانی کے نہ ملنے کی وجہ سے یا جانوروں کے چرا جانے کی وجہ سے اس کا سبزہ ختم ہو چکا ہو اور اس زمین کو "جوز" نہیں کہا جاتا جس میں سبزہ نہیں اگتا جیسے شور و ابلی زمین جس کی دلیل (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَنُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا﴾ سو ہم اس کے ذریعے (یعنی پانی کے ذریعے کھیتی نکالتے ہیں) یعنی پیدا کر کے اگاتے ہیں ﴿تَأْكُلُ مِنْهُ أَنْعَامُهُمْ وَأَنْفُسُهُمْ﴾ اس کھیتی میں سے ان کے چوپائے اس کی گھاس چارہ پتے اور بھوسہ وغیرہ کھاتے ہیں اور وہ خود اس کے دانے اور پھل کھاتے ہیں ﴿أَفَلَا يَتَّبِعُونَ﴾ تو کیا وہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھتے نہیں کہ وہ مردوں کے زندہ کیے جانے پر دلیل حاصل کرتے (کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ویران زمین کو پانی سے زرخیز اور ہرا بھرا بنا دیتا ہے اسی طرح وہ اپنی قدرتِ کاملہ سے مردوں کو زندہ فرمائے گا)۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْفَتْحِ ۖ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٨﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ

الَّذِينَ كَفَرُوا وَإِيمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يَنْظُرُونَ ﴿٢٩﴾ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ

إِنَّهُمْ مُنْتَضِرُونَ ﴿٣٠﴾

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ فتح کب ہوگی اگر تم سچے ہو O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ فتح کے دن کافروں کو ان کا ایمان لانا نفع نہیں دے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی O سو آپ ان سے منہ پھیر لیں اور انتظار کریں بے شک وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں O

۲۸- ﴿وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْفَتْحِ﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ فتح و نصرت یا یہ فیصلہ کب واقع ہوگا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ O" (الاعراف: ۸۹) "اے ہمارے پروردگار! ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان برحق فیصلہ فرما دے اور تو سب سے بہترین فیصلہ کرنے والا ہے O"۔ اور مسلمان کہنے لگے کہ بے شک اللہ تعالیٰ عنقریب ہمیں مشرکین پر فتح عطا فرمائے گا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان اور ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا چنانچہ جب مشرکین نے یہ بات سنی تو انہوں نے کہا: "متی هذا الفتح" یہ فتح کب ہوگی یعنی کس وقت ہو گی ﴿إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ بے شک یہ فتح تمہیں حاصل ہوگی۔

۲۹- ﴿قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ فتح کا دن یعنی قیامت کا دن اور یہ مسلمانوں اور ان کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ کا دن ہوگا یا وہ دن مراد ہے جس میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان (مشرکین) پر فتح و نصرت عطا فرمائے گا یا بدر کا دن یا فتح مکہ کا دن مراد ہے ﴿لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يَنْظُرُونَ﴾ اس دن کافروں کو ان کا ایمان لانا نفع نہیں دے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی اور یہ کلام بہ ظاہر ان کے سوال کے جواب کے مطابق نہیں لیکن جب ان کی غرض فتح کے وقت کے متعلق سوال کرنے سے تکذیب و استہزاء کے طور پر جلد از جلد مطالبہ کرنا ہے تو انہیں ایسے طریقے پر جواب دیا گیا جس سے ان کے سوال کی غرض معلوم ہو جائے پس ان سے کہا گیا کہ تم جلدی طلب نہ کرو اور نہ مذاق اڑاؤ پس گویا میں تمہارے پاس ہوں اور تم نے وہ حاصل کر لیا ہے اور اس دن میں پہنچ چکے ہو اور تم ایمان بھی لا چکے ہو لیکن ایمان نے تمہیں کوئی فائدہ اور نفع نہیں دیا اور تم نے عذاب پانے کی صورت میں مہلت بھی طلب کر لی لیکن تمہیں مہلت نہیں دی گئی اور جس نے فتح مکہ یا بدر کے دن کے ساتھ اس کی تفسیر کی تو پھر مشرکین میں سے صرف مقتولین مراد ہوں گے کیونکہ حالتِ قتل

میں ان کے ایمان نے انہیں نفع نہیں دیا جیسا کہ فرعون کو غرق ہونے کے وقت اس کے ایمان لانے نے کوئی فائدہ اور نفع نہیں دیا تھا۔

۳۰۔ ﴿فَاعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ﴾ سو آپ ان سے اعراض فرمائیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی فتح و نصرت کا اور ان کی ہلاکت کا انتظار کیجئے ﴿إِنَّهُمْ مُنْتَضِرُونَ﴾ بے شک وہ تم پر غلبہ پانے کا اور تمہاری ہلاکت کا انتظار کرنے والے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رات کو اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک پہلے ”الم تنزیل“ سورۃ السجدہ اور ”تبارک الذی بیدہ الملک“ سورۃ ملک نہیں پڑھ لیتے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص ”الم تنزیل“ ایک دفعہ اپنے گھر میں پڑھ لیتا ہے تو تین دن تک شیطان اس کے گھر میں داخل نہیں ہوتا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”سورۃ الم تنزیل“ کا نام مانعہ ہے کیونکہ یہ عذاب قبر کو روکتی ہے۔

ان آیات نور کو

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ الاحزاب مدنی ہے

سورۃ الاحزاب مدنی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی تہتر آیات نور کو ہیں

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا
حَكِيمًا ۗ وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ
خَبِيرًا ۗ ۲ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۳

اے (غیب کی خبریں بتانے والے) پیغمبر! اللہ تعالیٰ کے تقویٰ پر قائم رہیے اور کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کیجئے، بے شک اللہ تعالیٰ بہت جاننے والا بڑا حکمت والا ہے ۰ اور آپ صرف اس کی پیروی کیجئے جو آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر وحی کی جاتی ہے بے شک اللہ تعالیٰ ان کاموں سے جو تم کرتے ہو خوب خبردار ہے ۰ اور آپ صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیے اور اللہ تعالیٰ ہی کافی کارساز ہے ۰

حضور سید عالم ﷺ کو چار اہم ترین احکام کی تلقین

نوٹ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زبیر بن حبیش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم سورت احزاب کی آیات کی تعداد کتنی بیان کرتے ہو؟ حضرت زبیر بن حبیش نے فرمایا کہ سورت احزاب کی تہتر آیات ہیں، حضرت ابی بن کعب نے فرمایا: پس قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کی ابی قحیس اٹھایا کرتا ہے! بے شک یہ سورت احزاب سورت بقرہ کے برابر یا اس سے زیادہ لمبی تھی (لیکن بعد میں بہت سی آیات منسوخ کر دی گئیں) اور بے شک ہم نے اس سورت میں رجم کی یہ آیت کریمہ بھی پڑھی تھی کہ ”الشیخ والشیخۃ اذا زلیا فارجموہما البتۃ نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم“ جب بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت زنا کاری کریں تو تم ضرور سنگسار کرو، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت غالب بڑا حکمت والا ہے۔ حضرت ابی کی مراد یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ بھی اسی مجموعہ میں سے ہے جو قرآن مجید میں سے (خصوصاً اس سورت میں سے جو بہت سی آیات کو) منسوخ قرار دیا گیا ہے اور لیکن جو حکایت بیان کی جاتی ہے کہ یہ اضافی آیات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں موجود صحیفہ میں تھیں، پھر انہیں گھریلو بکری کھا گئی تھی، سو یہ لحدوں اور

رافضیوں کی من گھڑت تالیفات و تحریرات میں سے ہے۔

۱۔ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ [نافع مدنی کی قراءت میں ہمزہ کے ساتھ "النَّبِيُّ" ("نبا" سے ماخوذ ہے)] یعنی اے ہماری وحی سے خبریں پہنچانے والے ہمارے اسرار و رموز کے محافظ و معتمد ہمارے خطاب کو ہمارے دوستوں تک پہنچانے والے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیائے کرام کو پکارتے ہوئے نام لے کر فرمایا: "یا ادم، یا موسیٰ" ("یا عیسیٰ بن مریم، یا داؤد، یا زکریا، یا یحییٰ" اور "یا ابراہیم" وغیرہم) اس طرح "یا محمد" کہہ کر نہیں پکارا (بلکہ اوصاف جمیلہ کے ساتھ "یا ایہا النبی، یا ایہا الرسول، یا ایہا المزمّل" اور "یا ایہا المدثر" کہہ کر پکارا) یہ محض حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم و تکریم اور آپ کی فضیلت و بزرگی کے اظہار کے لیے کیا اور "مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ" (الف: ۲۹) جیسے ارشاد میں اسم مبارک کی تصریح صرف لوگوں کو یہ تعلیم دینے کے لیے ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں (نیز اس میں نداء نہیں ہے) ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں (یعنی) اللہ تعالیٰ کے تقویٰ پر ثابت قدم اور اس پر ہمیشہ قائم رہیں اور اس میں بڑھتے جائیں کیونکہ یہ تقویٰ ایک ایسا باب ہے جس کے درجات کی انتہاء معلوم نہیں کی جاسکتی ﴿وَلَا تَطْعَمُ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ﴾ اور آپ کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کیجئے اور کسی چیز پر نہ ان کی مدد کیجئے اور نہ ان سے مدد لیجئے اور ان سے ہوشیار رہیے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔

شان نزول: ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ابوسفیان، عکرمہ بن ابی جہل اور ابوالاعور سلمیٰ جنگ احد کے بعد مدینہ منورہ میں آئے اور منافقوں کے سردار عبد اللہ بن ابی کے پاس آ کر ٹھہرے اور انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے گفتگو کرنے کے لیے امان طلب کی تو آپ نے اس شرط پر انہیں امان دے دی کہ وہ آپ کے پاس آ کر گفتگو کر لیں، چنانچہ انہوں نے آ کر کہا: آپ ہمارے معبودوں کا مذمت کے ساتھ ذکر کرنا چھوڑ دیں اور آپ (لوگوں سے) یہ فرمائیں کہ ہمارے یہ بت قیامت میں شفاعت کریں گے اور پجاریوں کو فائدہ اور نفع پہنچائیں گے اور منافقین نے اس بات پر ان کی تائید کی (جس سے آپ کو دکھ ہوا اور آپ کو ناگوار گزرا) جس پر مسلمانوں نے ان کو قتل کرنا چاہا (تو آپ نے امان کی وجہ سے انہیں منع کر دیا) اور یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی یعنی امان دینے کے عہد کو توڑنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور اہل مکہ میں سے کافروں کی اور اہل مدینہ میں سے منافقوں کی اطاعت نہ کریں جو کچھ وہ طلب کرتے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کی خباثت کو خوب جاننے والا ہے ﴿حٰكِمًا﴾ (اور) ان کے قتل کرنے کے معاملہ کو مؤخر کرنے میں بڑا حکمت والا ہے۔

۲۔ ﴿وَاتَّبِعْ مَا يُوحٰى اِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾ اور آپ صرف اس کی پیروی کیجئے جو آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے وحی کے ذریعے نازل کیا جاتا ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جو آپ کی طرف وحی بھیجتا ہے ﴿كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾ وہ اس سے خوب خبردار ہے جو کچھ تم کرتے ہو وہ ان کے اعمال کو بھی اور تمہارے اعمال کو بھی ہمیشہ سے خوب جانتا ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ "بما تعملون" میں فعل کو جمع اس لیے لایا گیا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ "اتبع" سے مراد خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے صحابہ کرام دونوں ہیں [اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں "یا" کے ساتھ "يعملون" ہے]

علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی لکھتے ہیں کہ حق بات یہ ہے کہ ہر وہ روایت جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ قرآن مجید کا کچھ حصہ ضائع ہو گیا ہے تو کچھ وہ روایت یا تو موضوع (یعنی من گھڑت) ہے یا پھر مؤول ہے (کہ کوئی حصہ ضائع نہیں ہوا بلکہ منسوخ ہو گیا ہے)۔

(تفسیر روح المعانی الجزء الحادی والعشرون ص ۱۳۲، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

یعنی کفار و منافقین جو کچھ تمہارے خلاف مکر و فریب اور سازشیں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے سب اعمال سے خوب خبردار ہے۔

۳- ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾ اور آپ صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں اور آپ اپنا ہر کام اسی کی طرف منسوب کر دیں اور اپنا ہر معاملہ اسی کی تدبیر کی طرف سپرد کر دیں ﴿وَكُفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے، وہی حفاظت فرمانے والا ہے اور ہر کام و معاملہ اسی کی طرف سپرد کر دیا گیا ہے اور علامہ زجاج نے فرمایا کہ یہ جملہ لفظ کے اعتبار سے اگرچہ خبر ہے لیکن اس کا معنی یہ ہے: (اے محبوب!) آپ اللہ تعالیٰ کے وکیل و کارساز ہونے پر اکتفاء کریں۔

مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهِۦٓ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمْ اِلَيْهِ تَطْهَرُوْنَ
مِنْهُنَّ اُمَّهَاتِكُمْ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَاءَكُمْ اَبْنَاءَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَاللّٰهُ
يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝۱۴۱ اَدْعُوهُمْ لِاَبَائِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ
فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْا اَبَاءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيكُمْ ۗ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ
فِيْهَا اَخْطَاؤُكُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی کے لیے اس کے پیٹ میں دو دل نہیں بنائے اور نہ اس نے تمہاری بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری مائیں بنایا اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے (حقیقی) بیٹے بنایا یہ تمہارے اپنے منہوں کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ حق فرماتا ہے اور وہی حق کی راہ دکھاتا ہے ۝ تم انہیں ان کے باپوں کے نام سے پکارو یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ انصاف کی بات ہے پھر اگر تم ان کے باپوں کو نہیں جانتے تو دین میں وہ تمہارے بھائی اور تمہارے دوست ہیں اور تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو تم نے غلطی سے کہا اور لیکن جو تمہارے دلوں نے قصداً کہا (اس پر گناہ ہوگا) اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے ۝

کسی آدمی کے دو دل ہونے، بیوی کو ماں کہنے اور کسی کے بیٹے کو اپنا بیٹا قرار دینے کی ممانعت

۴- ﴿مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهِۦٓ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمْ اِلَيْهِ تَطْهَرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهَاتِكُمْ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَاءَكُمْ اَبْنَاءَكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی کے لیے اس کے پیٹ میں دو دل نہیں بنائے اور تمہاری بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو (یعنی ماں کہتے ہو) تمہاری مائیں نہیں بنایا اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے (حقیقی) بیٹے بنایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی کے پیٹ میں دو دل جمع نہیں کیے اور نہ ہی ایک عورت میں بیوی اور ماں کا رشتہ جمع کیا ہے اور نہ ایک آدمی میں حقیقی بیٹے اور لے پالک بیٹے کو (یکساں) جمع کیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے جس طرح ایک انسان کے لیے دو دل نہیں بنائے کیونکہ اس صورت میں ایسا انسان دو حال سے خالی نہیں ہوگا یا وہ افعال قلوب میں سے جو فعل اور کام دو دلوں میں سے ایک کے ساتھ کرے گا وہی فعل اور کام دوسرے دل کے ساتھ بھی کرے گا تو ایسی حالت میں ان دو دلوں میں سے کوئی ایک دل فضول و زائد ہوگا اس کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی اور یا پھر ایک دل کے ساتھ ایک کام کرے گا تو دوسرے دل کے ساتھ

کوئی اور کام کرے گا تو اس طرح وہ ایک حالت میں دو متضاد کاموں کے ساتھ متصف ہو جائے گا پس وہ بیک وقت چاہنے والا بھی ہوگا اور نہ چاہنے والا ونا پسند کرنے والا بھی ہوگا، علم والا بھی ہوگا اور ظن و گمان کرنے والا بھی ہوگا، یقین کرنے والا بھی ہوگا اور شک کرنے والا بھی ہوگا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ بھی نہیں کیا کہ ایک عورت کسی آدمی کی ماں بھی ہو اور اس کی بیوی بھی ہو کیونکہ ماں مخدومہ ہوتی ہے اور بیوی خادمہ ہوتی ہے (ماں کی خدمت کی جاتی ہے اور بیوی سے خدمت لی جاتی ہے) اور ان دونوں میں منافات ہے (کہ ایک دوسرے کے منافی اور متضاد ہے) اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ بھی جائز قرار نہیں دیا کہ ایک شخص کسی آدمی کا لے پالک بیٹا بھی ہو اور اسی کا حقیقی بیٹا بھی ہو کیونکہ حقیقی بیٹا نسب کے ثبوت میں اصل ہے جب کہ لے پالک بیٹے کا نام کی حد تک عارضی تعلق ہوتا ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں تاکہ ایک شخص میں اصل ہونا اور غیر اصل (فرع) ہونا جمع نہ ہو جائے۔

شان نزول: اور یہ منہ بولے بیٹے کی مثال اللہ تعالیٰ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بیان فرمائی ہے اور یہ قبیلہ کلب کے ایک آدمی تھے جنہیں بچپن میں قید کر کے غلام بنا لیا گیا تھا، پھر انہیں حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے خرید لیا تھا، پھر جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ سے شادی کی تو انہوں نے حضرت زید آپ کو بہہ کر دیئے، پھر حضرت زید کے باپ حارثہ بن شراحیل اور چچا دونوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت زید کی واپسی کا مطالبہ کیا تو حضرت زید کو اختیار دیا گیا کہ چاہیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس رہیں اور چاہیں تو اپنے والد اور چچا کے ساتھ گھر چلے جائیں، چنانچہ حضرت زید نے اپنے ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں کی بجائے رسول اللہ ﷺ کو اختیار کر لیا تو آپ نے حضرت زید کو آزاد کر دیا اور انہیں اپنا بیٹا بنا لیا اور اسی بناء پر لوگ انہیں زید بن محمد (ﷺ) کہتے تھے، پھر جب حضرت زید کی مطلقہ بیوی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور نبی کریم ﷺ نے شادی کر لی تو منافقوں نے کہا کہ (حضور سید عالم حضرت) محمد (ﷺ) نے اپنے بیٹے کی بیوی (بہو) سے شادی کر لی ہے حالانکہ خود آپ اس سے منع کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی اور بعض حضرات نے کہا کہ منافقین کہتے تھے کہ (حضرت) محمد (ﷺ) کے لیے دو دل ہیں، ایک دل تمہارے ساتھ ہے اور دوسرا دل اپنے صحابہ کرام کے ساتھ ہے اور بعض مفسرین نے بیان کیا کہ ایک شخص ابو معمر عرب میں سب سے زیادہ تیز حافظہ والا شخص تھا جسے عرب کے لوگ ذوالقلبین (دو دلوں والا) کہتے تھے، سو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کی تکذیب فرمائی اور اس کو ظہار اور متبہی کے بیان میں بیان کیا [اور "رَجُلٌ" کو نکرہ اور "قلبین" پر حرف "مِن" اور "جوف" کا ذکر محض تاکید کے لیے ہے اور "اللاثمی" ہمزہ کے بعد "یا" کے ساتھ ہوتی ہے جہاں بھی ہو یہ عاصم کوئی اور ابن عامر شامی کی قراءت ہے اور نافع مدنی، یعقوب اور سہل کی قراءت میں "اللاء" بغیر "یا" کے ہے اور یہ "اللاثمی" کی جمع ہے اور عاصم کی قراءت میں "تَظَاهَرُونَ" ہے "ظاہر" سے ماخوذ (باب مفاعله) ہے] اور ظہار اس وقت منعقد ہوتا ہے جب خاوند اپنی بیوی سے یہ کہہ دے کہ تو مجھ پر اس طرح (حرام) ہے جس طرح میری ماں کی پشت (یا پیٹ مجھ پر حرام) ہے [علی کسائی، حمزہ کوئی اور خلف کی قراءت میں "تَظَاهَرُونَ" (باب تفاعل سے) ہے اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "تَظَاهَرُونَ" (ظاء مشدود) ہے اور یہ "اِظْهَرُ" سے بہ معنی "تَظَاهَرُ" ہے باقی قراءت کے نزدیک "تَظْهَرُ" (ظاء اور ہاء مشدود) ہے یہ "اِظْهَرُ" سے بہ معنی "تَظْهَرُ" ہے اور اس کو "مِن" کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے اس لیے کہ یہ "بَعْدَ" کے معنی کو متضمن ہے [کیونکہ زمانہ جاہلیت میں ظہار کو طلاق شمار کیا جاتا تھا اور اس کی نظیر: "الی من امراته" کہ فلاں شخص اپنی بیوی سے ایلاء کر کے اس سے

دور ہو گیا اور علیحدگی اختیار کر لی [چونکہ یہ بھی "تساعد" کے معنی کو متضمن ہے اس لیے حرف "من" کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے ورنہ "الی" اصل میں "الذی" ہے جس کا معنی ہے کہ اس نے قسم اٹھائی] اور اب اس کا یہ حکم نہیں ہے (بلکہ ظہار کی صورت میں طلاق نہیں حرمت لازم آئے گی جو کفارہ ادا کرنے پر ختم ہو جائے گی) ["دعی" فاعیل کے وزن پر بہ معنی مفعول ہے اور یہ وہ ہے جسے منہ بولا بیٹا پکارا جائے اور "ادعیاء" افعلاء کے وزن پر جمع ہے مگر یہ شاذ ہے اس لیے کہ اس کا باب بہ معنی فاعل آتا ہے جیسے "نقی" واحد اور "انقیاء" جمع ہے اور "شقی" واحد اور "اشقیاء" جمع ہے اور یہ جمع "رمی" اور "سمی" کی مثل میں نہیں آتی، محض لفظی تشبیہ کی بناء پر ﴿ذَلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ﴾ یہ تمہارے مونہوں کی بات ہے یعنی تمہارا بیوی کو یہ کہنا کہ وہ ماں ہے اور لے پالک کو یہ کہنا کہ یہ بیٹا ہے یہ صرف تمہاری زبانی باتیں ہیں ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ "ابن" (بیٹے) اور اسی طرح "ام" (ماں) کا رشتہ ولادت سے متعلق ہے (جس کی ولادت ہوئی وہ بیٹا یا بیٹی اور جس سے ولادت ہوئی وہ ماں ہے) ﴿وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ﴾ اور اللہ تعالیٰ حق ارشاد فرماتا ہے یعنی وہ جس کا ظاہر بھی حق ہو اور باطن بھی حق ہو ﴿وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ﴾ اور وہ سیدھی راہ دکھاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ حق کی راہ دکھاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ حق اور ہدایت کیا ہے اور حق کی راہ کیا ہے اور وہ (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۵- ﴿ادْعُوهُمْ لِابْنَائِهِمْ هُوَ اقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ﴾ ان کو ان کے باپوں کے نام سے پکارو یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ انصاف کی بات ہے اور اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ لے پالک بیٹوں کو ان کے اصل باپوں کی طرف منسوب کر کے بلانا یہ دو امور میں سے عدل و انصاف میں زیادہ داخل ہے اور بعض مفسرین نے بیان فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں جب کسی آدمی کو کوئی لڑکا پسند آتا تو وہ اسے اپنا بیٹا بنا کر اپنے ساتھ ملا لیتا اور اپنی میراث میں اپنی اولاد میں سے اپنے لڑکے کے حصہ کے برابر کا اسے وارث بنا دیتا تھا پھر اس لڑکے کو اس آدمی کا بیٹا کہہ کر فلاں بن فلاں کہا جاتا [پھر اس کلام الہی کی فصاحت و بلاغت اور ترتیب میں غور سے دیکھئے کہ انشائیہ جملوں کو جمع کیا پھر ان سے جملہ خبریہ الگ کیا اور ان کے درمیان میں رکھا پھر ان سے جملہ اسمیہ الگ کر لیا اور اسے ان کے درمیان رکھا پھر جملہ انشائیہ الگ کیا] ﴿فَإِنْ لَّمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ﴾ پھر اگر تم ان کے باپوں کو نہیں جانتے جن کی طرف تم ان کو منسوب کر سکو ﴿فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ﴾ تو دین میں تمہارے بھائی اور تمہارے دوست ہیں "ای فہم اخوانکم فی الدین واولیاءکم فی الدین" یعنی پس وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں اور دین میں تمہارے دوست ہیں (یعنی وہ تمہارے اسلامی بھائی اور اسلامی دوست ہیں) سو تم کہو کہ یہ میرا بھائی ہے اور یہ میرا دوست ہے اور اے میرے بھائی اور اے میرے دوست! مقصد یہ کہ وہ دینی بھائی اور دینی دوست ہیں ﴿وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ﴾ اور تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو تم نے غلطی سے کہا یعنی ممانعت سے پہلے نادانی میں غلطی سے تم نے جو کچھ کیا ہے اس پر تمہیں کوئی گناہ نہیں ﴿وَلَكِنْ تَاتَعْتَمِدَاتٌ غُلُوبِكُمْ﴾ اور لیکن جو تمہارے دلوں نے قصداً کیا (یعنی) لیکن گناہ اس صورت میں ہوگا کہ ممانعت اور نہی کے وارد ہونے کے بعد جو تم نے اپنے دلی ارادہ کے ساتھ برائی کی یا تم پر اس وقت گناہ نہیں ہوگا جب تم نے کسی غیر کے بیٹے کو غلطی کے طور پر اور زبان کی سبقت کرنے پر کہا: اے میرے بیٹے! اور لیکن جب تم جان بوجھ کر دل کے ارادہ کے ساتھ کسی غیر کے بیٹے کو اپنا بیٹا قرار دینے کے لیے اے بیٹا کہو گے تو پھر تم پر گناہ ہوگا اور یہ بھی جائز ہے کہ عموم کے طور پر معافی صرف غلطی پر ہوگی اور جان بوجھ کر برائی کرنے پر معافی نہیں ہوگی پھر یہ حکم اپنے عموم کی وجہ سے غلطی سے لے پالک بیٹا بنانے کو اور جان بوجھ کر لے پالک بیٹا بنانے کو دونوں کو شامل ہوگا اور پھر جب لے پالک بیٹا مجہول النسب ہو اور بیٹا بنانے والے سے چھوٹا ہو تو اس کا اسی سے نسب ثابت ہو جائے گا اور اگر یہ

منہ بولا بیٹا اس کا غلام ہوا تو آزاد ہو جائے گا اور اگر منہ بولا بیٹا اس سے بڑی عمر کا ہوا تو پھر نسب ثابت نہیں ہوگا اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا غلام آزاد ہو جائے گا اور لیکن معلوم النسب ہونے کی صورت میں منہ بولا بیٹا بنانے سے نسب ثابت نہیں ہوگا البتہ اگر وہ اس کا غلام ہوا تو آزاد ہو جائے گا [”مَا“ محلاً مجرور ہے کیونکہ پہلے ”مَا“ پر معطوف ہے] ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا رَحِيمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے وہ غلطی کرنے پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا اور جان بوجھ کر بُرائی کرنے پر توبہ قبول کر لیتا ہے۔

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ وَأُولُو الْأَرْحَامِ
بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ إِلَّا أَنْ
تَفْعَلُوا إِلَىٰ أَوْلِيَٰكُمْ مَعْرُوفًا كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ﴿۶﴾

نبی کریم مومنوں کی جانوں سے زیادہ ان کے مالک ہیں اور ان کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں اور رشتہ دار اللہ تعالیٰ کی کتاب میں دوسرے مسلمانوں اور مہاجرین سے زیادہ ایک دوسرے کے حق دار ہیں مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے نیک برتاؤ کرو یہ کتاب الہی میں لکھا ہوا ہے O

حضور سید عالم ﷺ کی فضیلت اور تمام انبیائے کرام سے میثاق

۶۔ ﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ﴾ حضور نبی کریم ﷺ مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے مالک ہیں یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دین و دنیا کے معاملات میں سے ہر معاملہ میں ان سے زیادہ حق رکھتے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم ان کی اپنی جانوں کے حکم سے زیادہ ان پر نافذ و جاری ہے سوان پر واجب و لازم ہے کہ وہ حضور کے سامنے اپنی جانیں قربان کریں اور وہ اپنی جانیں حضور پر فدا کریں یا یہ معنی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی جانوں سے بڑھ کر ان پر مشفق و مہربان ہیں اور آپ ان کی جانوں سے بڑھ کر ان کے لیے مفید و نافع ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿بِالنَّبِيِّ أَوْلَىٰ رَحِيمًا﴾ (التوبہ: ۱۲۸) ”آپ مسلمانوں پر بہت شفقت فرمانے والے بے حد مہربان ہیں O“۔ اور

اس آیت مبارکہ کا تیسرا معنی یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مومنوں کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہیں کیونکہ ”أَوْلَىٰ“ بہ معنی ”أَقْرَبُ“ ہے جیسا کہ علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”(النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ) أَيْ أَحَقُّ وَأَقْرَبُ إِلَيْهِمْ (مِنْ أَنفُسِهِمْ)“ یعنی نبی کریم ﷺ مومنوں کی جانوں سے زیادہ ان پر حق رکھتے ہیں اور ان کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہیں۔ (تفسیر روح المعانی الجزء الحادی والعشرون ص ۱۵۱ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور) نیز دارالعلوم دیوبند کے بانی شیخ محمد قاسم نانوتوی اپنی ایک کتاب ”تحدیر الناس“ میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی امت کے ساتھ وہ قرب حاصل ہے کہ ان کی جانوں کو بھی ان کے ساتھ حاصل نہیں کیونکہ ”أَوْلَىٰ“ بہ معنی ”أَقْرَبُ“ ہے اور اگر بہ معنی ”أَحَبُّ“ یا ”أَوْلَىٰ بِالتَّصَرُّفِ“ ہو تب بھی یہی بات لازم آئے گی۔ (تحدیر الناس ص ۱۴ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی) اور اس معنی سے واضح ہو گیا کہ حضور نبی کریم ﷺ آفتاب کی طرح اپنے اصل جسم اقدس کے ساتھ اپنے مقام (یعنی قبر انور) میں قیام پذیر رہ کر بھی اپنی نورانیت کی وجہ سے مومنوں کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہیں نیز نانوتوی صاحب نے اسی کتاب کے ص ۱۶ پر لکھا ہے کہ جو جیسے طلوع آفتاب وجود نور پر مقدم ہے ایسے ہی تحقیق اولویت بہ معنی اقریبیت تحقیق اولویت بالتصرف اور اولویت بہ معنی احبیت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت میں ہے کہ ”النبیُّ اُولیٰ بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ“ نبی کریم ﷺ مؤمنوں کی جانوں سے زیادہ ان کے مالک و مختار ہیں اور آپ ان کے (روحانی و اسلامی) باپ ہیں اور حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہر نبی اپنی امت کا (دینی) باپ ہوتا ہے اور اسی لیے تمام مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہوئے کیونکہ نبی کریم ﷺ دین میں ان کے باپ ہیں ﴿وَاَزْوَاجُهُ اَقْرَبُھُمْ﴾ اور ان (یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی بیویاں ان (مسلمانوں) کی مائیں ہیں (یعنی) ان سے نکاح کی حرمت و ممانعت میں اور ان کی تعظیم و تکریم اور ادب و عزت میں مسلمانوں کے لیے مائیں ہیں اور وہ اس کے علاوہ میراث میں (نیز پردہ کرنے میں خلوت نشینی میں اور مسلمانوں کے ساتھ سہر کرنے میں) اجنبی عورتوں کی طرح ہیں اور یہی وجہ ہے کہ یہ حرمت و ممانعت ان کی بیٹیوں کی طرف نہیں پہنچتی ﴿وَاُولُو الْاَرْحَامِ﴾ اور قرابت دار و رشتہ دار ﴿بَعْضُھُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ﴾ وراثت میں وارث بننے کے لیے ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں اور اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمان دینی رشتہ داری (مواخات و بھائی چارے) اور ہجرت کی بناء پر ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے لیکن قرابت داری اور نسبی رشتہ کی بناء پر وارث نہیں بنتے تھے پھر بعد ازاں یہ حکم منسوخ کر دیا گیا اور قرابت داری اور رشتہ داری کے حق پر میراث میں ایک دوسرے کا وارث قرار دیا گیا ﴿فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ﴾ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں (یعنی) اس کے حکم اور اس کے فیصلہ میں یا لوح محفوظ میں یا جس میں اللہ تعالیٰ نے قانون وراثت فرض فرمایا ہے (یعنی قرآن مجید) ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُھٰجِرِیْنَ﴾ مہاجرین اور مسلمانوں میں سے ممکن ہے کہ یہ عبارت ”اولو الارحام“ کا بیان ہو یعنی مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ مسلمانوں میں سے قرابت دار و رشتہ دار ایک دوسرے کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) پر مقدم ہوگی۔ (تحدیر الناس ص ۱۶)

اور اس آیت مبارکہ کا چوتھا معنی یہ ہے کہ حضور سید عالم ﷺ مؤمنوں کی جانوں سے زیادہ ان کے محبوب ہیں یعنی ”اُولیٰ“ یہ معنی ”اَحَبُّ“ ہے جیسا کہ متفق علیہ اور صحیح حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب و پیارا ہو جاؤں چنانچہ علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مؤمنوں کے حق میں اس مقام و مرتبہ پر فائز ہیں تو ان پر واجب و لازم ہے کہ آپ انہیں ان کی جانوں سے زیادہ محبوب ہوں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم ان پر ان کی جانوں کے حکم سے زیادہ نافذ و جاری ہو اور آپ کا حق ان کے نزدیک ان کی جانوں کے حقوق سے زیادہ قابل ترجیح ہو اور مؤمنوں کا اپنی جانوں پر شفقت کرنے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر شفقت کرنا مقدم ہو۔

اور اس آیت مبارکہ کا پانچواں معنی یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مؤمنوں کے لیے اولیٰ بالتصرف ہیں یعنی دین و دنیا کے تمام معاملات میں آپ کو ان پر ان کی جانوں سے زیادہ تصرف و اختیار حاصل ہے کیونکہ آپ ان کے حق میں وہی فیصلے کریں گے جن میں ان کی مصلحت و بھلائی اور فلاح و نجات اور کامیابی و کامرانی ہوگی۔

شان نزول: چنانچہ اس آیت مبارکہ کا شان نزول بیان کرتے ہوئے مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غزوہ تبوک کا ارادہ فرمایا تو لوگوں کو اس میں جانے کا حکم دیا تو ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم پہلے اپنے ماں باپ سے اجازت لے لیں تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مؤمنوں کی جانوں سے زیادہ ان پر تصرف و فیصلہ جات کا اختیار رکھتے ہیں اور جب آپ مؤمنوں کی جانوں سے زیادہ اختیار رکھتے ہیں تو آپ کو ان کے ماں باپ کے اختیار سے بہ طریق اولیٰ زیادہ اختیار حاصل ہو گیا۔ (تفسیر روح المعانی الجزء الحادی والعشرون ص ۱۵۱، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

وراثت میں زیادہ حق دار ہیں اجنبیوں کے مقابلے میں اور ممکن ہے کہ حرف ”من“ ابتدائے غایت کے لیے ہو یعنی رشتہ دار حق قرابت نسبی کی وجہ سے میراث میں ان مسلمانوں سے ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں جو صرف قرابت دینی (مواخات کا رشتہ) کا حق رکھتے ہیں یعنی انصارِ مدینہ اور جو صرف حق ہجرت رکھنے والے مسلمان ہیں ﴿إِلَّا أَنْ تَفْعَلُوا إِلَىٰ أَوْلِيَٰكُمْ مَعْرُوفًا﴾ مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں پر احسان کرو [یہ استثناء منقطع ہے] یعنی لیکن تمہارا اپنے دوستوں کے ساتھ نیکی کرنا جائز ہے اور وہ یہ کہ تم اپنے ان دوستوں میں سے جسے پسند کرو اس کے لیے کچھ وصیت کر دو پس یہ تر کہ وصیت کی بناء پر ملے گا وراثت کی بناء پر نہیں [اور ”تفعلوا“ کو ”الی“ کے ساتھ اس لیے متعدی کیا گیا ہے کہ یہ بھلائی کرؤ کے معنی میں ہے] اور ”اولیاء“ سے وہ مسلمان مہاجر مراد ہیں جو ولایت دینی (مواخات کا تعلق) رکھتے ہیں ﴿كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا﴾ یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے یعنی رشتہ داروں کا باہمی ایک دوسرے کا وارث ہونا لوح محفوظ میں لکھا جا چکا ہے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ
وَعِيسَىٰ ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ۗ لِيَسْئَلَ الصَّادِقِينَ عَنْ
صِدْقِهِمْ وَأَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۙ

اور (اے محبوب!) اس وقت کو یاد کیجئے جب ہم نے تمام نبیوں سے پختہ عہد لیا تھا اور آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ ابن مریم سے اور ہم نے ان سب سے بڑا پکا عہد لیا تھا ۞ تاکہ وہ بچوں سے ان کی سچائی کے متعلق سوال کرے اور اس نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ۞

۷- ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ﴾ اور جب ہم نے تمام پیغمبروں سے پختہ عہد لیا (یعنی مجھے محبوب!) اس وقت کو یاد کیجئے جب ہم نے تمام پیغمبروں سے تبلیغ رسالت اور دین حق کی دعوت دینے کا پکا عہد لیا تھا ﴿وَمِنْكَ﴾ اور خاص کر آپ سے اور رسول اللہ ﷺ کا ذکر مبارک حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بعد والوں سے اس لیے پہلے کیا گیا ہے کہ یہ عطف ان حضرات کی فضیلت و بزرگی کو بیان کرنے کے لیے کیا گیا ہے کیونکہ یہ اولوالعزم پیغمبر ہیں اور تمام صاحب شریعت ہیں سو جب (سید عالم حضرت) محمد ﷺ ان حضرات انبیائے کرام سے افضل و اعلیٰ ہیں تو اس لیے آپ کا ذکر مبارک ان سب سے پہلے کیا گیا اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو البتہ اسی کا سب سے پہلے ذکر کیا جاتا جس کا زمانہ مقدم ہوتا ﴿وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا﴾ اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ مریم کے بیٹے سے اور ہم نے ان سے پکا عہد لیا اور ميثاق کے ذکر کا اعادہ صرف اتصال وصف کی وجہ سے کیا گیا ہے۔

۸- ﴿لِيَسْئَلَ الصَّادِقِينَ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ بچوں سے یعنی انبیائے کرام علیہم السلام سے سوال کرے اور پوچھے ﴿عَنْ صِدْقِهِمْ﴾ ان کے سچ کے بارے میں جو کچھ انہوں نے اپنی قوم کے لیے فرمایا تھا یا یہ معنی ہے: تاکہ اللہ تعالیٰ نبیوں کی تصدیق کرنے والے مسلمانوں سے ان کی تصدیق کے بارے میں پوچھے اس لیے کہ جو شخص کسی سچ بولنے والے سے یہ کہے کہ تم نے سچ بولا ہے تو وہ اپنے قول میں سچا ہوگا یا یہ معنی ہے: تاکہ اللہ تعالیٰ انبیائے کرام سے پوچھے کہ ان کی امتوں نے انہیں کیا جواب دیا تھا اور یہ (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے: ”يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمْ“

(المائدہ: ۱۰۹) ”جس دن اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو جمع فرمائے گا اور ان سے فرمائے گا کہ تمہیں (اپنی قوموں کی طرف سے) کیا جواب دیا گیا“ ﴿وَأَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے رسولوں کے انکار کرنے والے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اور یہ ”أَخَذْنَا“ پر معطوف ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو اپنے دین کی دعوت دینے کے لیے تاکید فرمائی تاکہ وہ ایمان لانے والوں کو اجر و ثواب عطا فرمائے اور اس نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے یا یہ اس کلام پر معطوف ہے جس پر ”لیسنل الصادقین“ دلالت کرتا ہے گویا فرمایا: سو وہ مومنوں کو اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور اس نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ كُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ

رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۙ ⑨ إِذْ جَاءَ وَكُم مِّنْ

فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ ۖ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ

وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونًا ۗ ⑩ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا

شَدِيدًا ۗ ⑪

اے ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسان کو یاد کرو جب (کفار عرب کے) لشکر تم پر آن پہنچے تو ہم نے ان پر تیز آندھی بھیج دی اور ایسے لشکر (بھیجے) جو تمہیں نظر نہیں آئے اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے ۙ جب تم پر بلندی کی جانب سے اور پستی کی جانب سے وہ لشکر آن پہنچے اور اس وقت آنکھیں حیرت زدہ ہو کر پھرا گئیں اور دل (ڈر کے مارے) زخروں تک پہنچ گئے اور تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح گمان کرنے لگے ۙ وہاں مسلمانوں کو خوب آزمایا گیا اور انہیں سختی سے جھنجھوڑا گیا ۙ

مسلمانوں کی سخت آزمائش میں ثابت قدمی پر انعام الہی

۹- ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ كُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ﴾ اے ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسان کو یاد کرو یعنی تم اس احسان کو یاد کرو جو اللہ تعالیٰ نے غزوہ احزاب کے دن تم پر انعام کیا تھا اور وہ غزوہ خندق کا دن مراد ہے اور یہ غزوہ احد کے ایک سال بعد واقع ہوا تھا ﴿إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ﴾ جب تمہارے پاس (جنگ کرنے کے لیے) بہت سے لشکر پہنچ گئے یعنی بہت سے مختلف گروہ بہت بڑے لشکر کی صورت میں آگئے اور یہ قریش مکہ اور قبیلہ غطفان اور قبیلہ بنو قریظہ اور قبیلہ بنو نضیر (اور دیگر کا ذکر آگے آ رہا ہے) پر مشتمل مختلف گروہ آئے تھے ﴿فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا﴾ سو ہم نے ان پر تیز آندھی بھیج دی یعنی بادِ صبا (مشرق سے مغرب کی طرف چلنے والی آندھی) حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری بادِ صبا کے ذریعے مدد کی گئی ہے اور قوم عاد کو بادِ بؤر (مغرب سے مشرق کی طرف چلنے والی آندھی) کے ذریعے ہلاک کیا گیا تھا ﴿وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا﴾ اور (ہم نے ان پر) ایسے لشکر بھیجے جن کو تم نہیں دیکھ سکے تھے اور وہ فرشتوں کے لشکر تھے اور وہ ایک ہزار تھے اللہ تعالیٰ نے ان

۱۔ رواہ البخاری فی کتاب الاستقواء باب: ۲۶، مسلم فی کتاب الاستقواء حدیث: ۱۷۰ احمد فی مسندہ ج ۱ ص ۲۲۲-۲۲۳

تمام کفار پر موسم سرما کی سرد ترین رات کو بخ ٹھنڈی مشرق سے چلنے والی آندھی کو بھیج دیا، جس نے ان کے اجسام کو گردوغبار سے آلودہ کر کے ان کے اندر سردی کی سختی کو داخل کر دیا اور ان کے چہرے مٹی سے بھر دیئے اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا تو انہوں نے خیموں کی میخیں اکھیڑ دیں اور ان کی طنابیں اور رسیاں کاٹ دیں اور آگ بجھا دی اور ہانڈیاں الٹ گئیں اور ان کے گھوڑے خوف کے مارے ایک دوسرے کے ساتھ بدک کر بھاگ پڑے اور کفار کے دلوں میں رعب و خوف ڈال دیا گیا تھا اور فرشتوں نے ان کے لشکر کے چاروں اطراف سے بہ آواز بلند نعرہ تکبیر بلند کیا تو تمام کفار سہم گئے اور بغیر لڑائی کے شکست کھا گئے اور جس وقت رسول اللہ ﷺ نے کفار کی آمد کی خبر سنی تو آپ نے اسی وقت صحابہ کرام کو بلا کر حضرت سلمان فارسی کے مشورہ پر مدینہ منورہ کے ارد گرد بہت بڑی لمبی چوڑی خندق کھدوائی، پھر آپ نے تین ہزار مہاجرین و انصار صحابہ کرام کو جنگ کے لیے تیار فرمایا اور آپ نے اپنے لشکر کے ٹھہرنے کی جگہ اس طرح متعین فرمائی (کہ سلع نامی پہاڑ پشت کی طرف رہا اور) خندق اسلامی لشکر اور کفار قوم کے درمیان حائل ہو گئی اور آپ نے حکم دیا کہ بچوں اور عورتوں کو محفوظ قلعوں میں بھیج دیا جائے اور خوف و ڈر شدت اختیار کر گیا تھا کیونکہ قریش مکہ مختلف قبائل کے ساتھ دس ہزار کا جنگ جو لشکر لے کر آئے تھے اور نہ نوکنانہ اور اہل تہامہ کو ابوسفیان لے کر آیا تھا اور یہی ان کا قائد ولید ز تھا اور بنو عطفان ایک ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے تھے اور ان کے ساتھ اہل نجد بھی شامل تھے اور ان کا قائد عیینہ بن حصن تھا اور عامر بن طفیل ہوازن کے لوگوں کو لے کر آیا تھا اور ان کے ساتھ یہودیوں میں سے بنو قریظہ اور بنو نضیر بھی شامل ہو گئے تھے اور ان دونوں فریقوں (مسلمانوں اور کفار) کے درمیان تقریباً ایک مہینہ گزر گیا اور ماسواتیر اندازی اور پتھر پھینکنے کے ان کے درمیان کوئی اور جنگ نہ ہوئی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت و مدد نازل فرمائی ﴿وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا﴾ اور تم جو کچھ عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے خوب دیکھتا ہے، یعنی اے مومنو! خندق کھود کر اس میں محفوظ ہو جانے اور حضور نبی کریم ﷺ کی معاونت پر ثابت قدم رہنے کے تمہارے اعمال کو اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے [ابو عمر و بصری کی قراءت میں ”یا“ کے ساتھ ”یعملون“ ہے] یعنی کفار کی بغاوت و سرکشی اور اللہ تعالیٰ کے نور (دین اسلام) کے مٹانے میں ان کی کوششوں کو اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے۔

۱۰۔ ﴿إِذْ جَاءُوكُم مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ﴾ جب تمہاری مشرق کی جانب سے وادی کی بلندی سے بنو عطفان اور تمہاری مغرب کی جانب سے وادی کی پستی سے قریش مکہ تم پر آن پہنچے [یہ ”اذ جاء تکم“ سے بدل ہے] ﴿وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ﴾ اور جب آنکھیں جھک گئیں اور اپنی جگہ سے ہٹ گئیں اور ان کی نظر برابر و یکساں نہ رہی، حیرت کے سبب یا ان کی آنکھیں ہر چیز سے ہٹ گئیں اور خوف کے مارے صرف اپنے دشمن کی طرف متوجہ رہیں ﴿وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ﴾ اور دل زخروں تک پہنچ گئے ”حنجرة“ کا معنی ہے: سر اور گردن کے درمیان کا گوشت اور اس سے انتہائے حلقوم مراد ہے اور حلقوم گلے کی وہ جگہ ہے جہاں سے کھانا پینا اندر داخل ہوتا ہے، مفسرین کرام نے فرمایا کہ جب غم و گھبراہٹ کی شدت سے یا غیظ و غضب کی وجہ سے پھیپھڑے پھولتے ہیں تو اوپر کی طرف بڑھ جاتے اور گلے کے سر کی طرف ان کے اٹھنے کے سبب دل بھی اوپر کی طرف بلند ہو جاتے ہیں اور بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ یہ دلوں کے مضطرب و بے قرار اور بے چین ہونے کی مثال بیان کی گئی ہے، اگرچہ حقیقت میں وہ گلوں تک نہیں پہنچتے تھے۔ ایک روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس موقع پر مسلمانوں نے رسول اکرم نبی ﷺ سے عرض کی کہ کیا کوئی ایسی چیز ہے جسے ہم پڑھیں (تو ہمارا خوف جاتا رہے) کیونکہ دلوں کا حال تو یہ ہے کہ وہ خوف کے مارے گلوں تک پہنچ گئے ہیں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ہاں! وہ

یہ ہے کہ تم یوں کہو: "اللَّهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَآمِنْ رَوْعَاتِنَا" اے اللہ! ہماری شرم گاہوں کو چھپالے (یعنی ہماری عزتوں کی حفاظت فرما) اور ہمیں خوف و ڈر سے امن عطا فرما ﴿وَتُظَنُّونَ بِاللهِ الظُّنُونًا﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے یہ خطاب مسلمانوں کے لیے ہے ان مسلمانوں میں سے جو مخلص حضرات (یعنی صحابہ کرام) تھے وہ ثابت قدم رہے اور ان کے دل مضبوط رہے لیکن ان میں سے کمزور دل اور منافقین ایک طرف علیحدہ ہو کر کنارہ کش ہو گئے پھر پہلے مخلص حضرات نے اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں امتحان میں مبتلا کر کے آزارہا ہے سو انہیں یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ کہیں ان کے قدم ڈمگنا نہ جائیں اور اس امتحان کو برداشت کرنے سے کمزور و عاجز نہ ہو جائیں اور لیکن رہے دوسرے لوگ (یعنی منافقین اور کمزور و مریض دل) تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہی گمان کیا جو ان کی طرف سے (آیت: ۱۲ میں) بیان کیا گیا ہے [ابو عمر و بصری اور حمزہ کوفی کی قراءت میں "الظنون" وقف اور وصل دونوں حالتوں میں بغیر الف کے ہے اور یہی قیاس کے مطابق ہے اور نافع مدنی اور ابن عامر شامی اور ابو بکر کوفی کی قراءت میں وقف و وصل دونوں حالتوں میں الف کے ساتھ "الظنون" ہے وصل کو وقف کی جگہ جاری کیا گیا ہے اور ابن کثیر کی اور علی کسائی اور حفص کی قراءت میں وقف کی حالت میں الف کے ساتھ ہے اور اس کی مثال سورۃ الاحزاب: ۶۶ میں "الرسول" اور سورۃ الاحزاب: ۶۷ میں "السبیل" ہے فصل کی حالت میں الف زیادہ کیا جاتا ہے جیسا کہ قافیہ میں الف زیادہ کر دیا جاتا ہے:

"اقلی اللوم عاذل و العتابا" اے ملامت کرنے والے ملامت کم کرنا۔

اور یہ سارے اسماء مصحف عثمانی میں الف کے ساتھ ہیں۔]

۱۱۔ ﴿هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ﴾ یہاں (اس جنگ میں) مسلمانوں کو آزمایا گیا تھا اور انہیں ایمان پر صبر کرانے کے لیے امتحان میں مبتلا کیا گیا تھا ﴿وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا﴾ اور انہیں بہت سخت جھنجھوڑا گیا اور انہیں خوف و ڈر کے ذریعے بہت سخت ہلایا گیا۔

وَاذْ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللهُ وَرَسُولُهُ
الْآخِرُ وَرَاءَ ۱۲ ﴿وَاذْ قَالَتْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا
وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ
إِنَّ يُرِيدُونَ الْإِفْرَارَ ۱۳﴾

اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ نہیں کیا مگر فریب کا O اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا: اے یثرب (مدینہ منورہ) کے رہنے والو! یہاں تمہارے ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے سو تم واپس لوٹ چلو اور ان میں سے ایک گروہ نبی سے اجازت مانگنے لگا وہ کہنے لگے: بے شک ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں تھے وہ نہیں چاہتے مگر بھاگنا O

۱۔ رواہ احمد ج ۲ ص ۲۵، ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۷۳، وابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸

منافقین کی حالت نفاق کا بیان

۱۲- ﴿وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ﴾ اور جب منافقین کہنے لگے [یہ پہلے جملے ”واذ زاغت الابصار“ پر معطوف ہے] ﴿وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ﴾ اور وہ لوگ کہنے لگے جن کے دلوں میں بیماری ہے، بعض اہل علم نے فرمایا کہ واؤ کے ساتھ منافقین کا وصف بیان کیا گیا ہے جیسے شاعر کا قول ہے:

الی الملك القرم وابن الهمام
وليث الكتبية في المزدحم

”سردار و بادشاہ اور ابن ہمام اور لشکر کے شیر و قائد کی طرف بھیڑ میں۔“

اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں دین اسلام کی سمجھ بوجھ نہیں ہے گویا منافقین انہیں کی طرف مائل ہیں کہ ان میں بھی وہی شک و شبہ داخل ہو چکا ہے ﴿مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا﴾ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ہم سے جو دشمنوں پر غلبہ اور فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا ہے وہ صرف دھوکا ہے۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ متعب بن قیس نے جب کفار کے مختلف حملہ آور لشکر دیکھے تو کہنے لگا کہ (حضور سید عالم) محمد (ﷺ) ہم سے فارس و روم کے فتح ہونے کا وعدہ کرتے ہیں جب کہ ہمارا حال یہ ہے کہ آج ہم میں سے کوئی شخص خوف کے مارے بول و براز کے لیے باہر نہیں جاسکتا یہ وعدہ تو صرف دھوکا ہے۔

۱۳- ﴿وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ﴾ اور جس وقت ان منافقین میں سے ایک گروہ نے کہا اور یہ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھی تھے جنہوں نے یہ کہا تھا کہ ﴿يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ﴾ اے مدینہ منورہ کے رہنے والو! تمہارے لیے یہاں ٹھہرنے کی کوئی جگہ نہیں ہے یعنی تمہارے لیے یہاں کوئی جائے قرار نہیں رہی اور نہ کوئی مکان ہے جس میں تم ٹھہر سکو یا تم اس میں رہائش رکھ سکو یثرب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد سے پہلے مدینہ منورہ کا پرانا نام ہے [روایت حفص میں ”لَا مُقَامَ“ میں پہلا میم مضموم ہے] ﴿فَارْجِعُوا﴾ سو تم کفر کی طرف یا رسول اللہ (ﷺ) کے لشکر سے نکل کر مدینہ منورہ کی طرف واپس لوٹ چلو ﴿وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ﴾ اور ان میں سے ایک گروہ یعنی بنو حارث نبی سے اجازت مانگنے لگا ﴿يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْدَةٌ﴾ اور وہ کہنے لگے: بے شک ہمارے گھر غیر محفوظ اور خطرے میں ہیں ﴿وَمَا هِيَ بِعَوْدَةٍ إِنْ يُرِيدُوا إِلَّا فِرَارًا﴾ اور وہ بالکل غیر محفوظ نہیں تھے وہ تو صرف بھاگنا چاہتے تھے [”العورة“ بہ معنی

علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی لکھتے ہیں کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”من سَمِيَ الْمَدِينَةَ يَثْرِبَ فَلْيَسْتَغْفِرِ اللَّهُ تَعَالَى هِيَ طَابَةٌ هِيَ طَابَةٌ“ جو شخص مدینہ منورہ کا یثرب نام لے تو اس پر لازم ہے کہ وہ استغفار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے یہ تو طابہ ہے طابہ ہے طابہ ہے (عمدہ خوشبودار شہر) اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم مدینہ منورہ کو یثرب نہ کہا کرو کیونکہ یہ طیبہ (پاک و خوشبودار شہر) ہے۔ ”ومن قال يثرب فليستغفر الله تعالى ثلاث مرات هي طيبة هي طيبة هي طيبة“ اور جو شخص اسے یثرب کہے دے تو اسے چاہیے کہ وہ تین مرتبہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کر کے معافی مانگے یہ طیبہ ہے یہ طیبہ ہے یہ طیبہ ہے۔ اور خفاجی کے حواشی میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ کو یثرب کہنا اب کراہت تنزیہ کے ساتھ مکروہ ہے کہ یہ نام ملامت و عار کی نشاندہی کرتا ہے (کیونکہ یثرب کا معنی ملامت و عار اور فساد و مرض گاہ ہے)۔ (تفسیر روح المعانی ص ۱۵۹، الجزء الحادى والعشرون، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور نیز تفسیر معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۱۶، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، تفسیر مظہری ج ۷ ص ۳۰۶، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی، تفسیر خازن ج ۳ ص ۲۹۰، مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ بمصر)

خلل کے ہے اور ”العورة“ بہ معنی ”ذات العورة“ خلل و نقصان والا اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت ہے جیسا کہ ”عَوْرَ الْمَكَانِ عَوْرًا“ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی مکان میں خلل ظاہر ہو جائے اور اس میں چوروں اور دشمنوں کا خطرہ ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ”عَوْرَةَ“ ہو اور ”عَوْرَةَ“ کا مخفف ہو انہوں نے معذرت پیش کی کہ ان کے گھر غیر محفوظ ہیں ان میں دشمنوں اور چوروں کے نقصان پہنچانے کا خطرہ ہے کیونکہ وہ غیر محفوظ ہیں سو انہوں نے آپ سے اجازت مانگی تاکہ وہ اپنے گھروں کی حفاظت کر کے پھر آپ کی طرف واپس لوٹ آئیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب فرمائی اور انہیں جھوٹا قرار دیا کیونکہ انہیں اپنے گھروں کے غیر محفوظ ہونے کا کوئی خطرہ نہیں تھا وہ صرف جنگ سے بھاگنا چاہتے تھے۔

وَلَوْ دَخَلَتْ عَلَيْهِمْ مِنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سَبَلُوا الْفِتْنَةَ لَا تَوَهَا وَمَا تَلَبَّتْ تَوَاهِبًا

إِلَّا يَسِيرًا ۱۴) وَلَقَدْ كَانُوا عَاهِدُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلِ لَا يُؤْتُونَ الْأَدْبَارَ وَكَانَ

عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا ۱۵) قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ

وَإِذَا لَا تَمْتَعُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۱۶)

اور اگر ان پر مدینہ کے اطراف سے فوجیں آجائیں پھر ان سے فتنہ و فساد برپا کرنے کو کہا جاتا تو وہ اس میں ضرور شامل ہو جاتے اور اس میں دیر نہ کرتے مگر تھوڑی سی O اور بے شک وہ اللہ تعالیٰ سے پہلے ہی وعدہ کر چکے تھے کہ وہ پیٹھ پھیر کر ہرگز نہیں بھاگیں گے اور اللہ تعالیٰ کے عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اگر تم موت سے یا قتل سے بھاگ بھی جاؤ تو تمہیں یہ بھاگنا ہرگز نفع نہیں دے گا اور اس وقت تمہیں فائدہ نہیں دیا جائے گا مگر تھوڑا O

۱۴ - ﴿وَلَوْ دَخَلَتْ عَلَيْهِمْ﴾ اور ان پر مدینہ منورہ میں یا ان کے گھروں میں فوجیں داخل ہو جائیں [یہ ”دخلت علی فلان دارہ“ سے ماخوذ ہے (کہ ”دخلت“ کا اسناد ان کے ”بیوت“ کی طرف ہے یعنی ان کے گھروں میں فوجیں داخل ہو جائیں)] ﴿مِنْ أَقْطَارِهَا﴾ مدینہ کے تمام اطراف سے اور تمام سمتوں سے یعنی اگر یہ مختلف گروہوں پر مشتمل کفار کا لشکر جس کے خوف و ڈر سے مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنے گھروں کی طرف بھاگ رہے ہیں ان کے شہر مدینہ منورہ میں یا چاروں اطراف سے خود ان کے گھروں میں داخل ہو جائے اور ان کے بیوی بچوں پر حملہ آور ہو ان کو لوٹنے اور قیدی بنانے لگ جائے ﴿ثُمَّ سَبَلُوا الْفِتْنَةَ﴾ پھر اس گھبراہٹ و پریشانی کے وقت انہیں فتنہ کی طرف یعنی انہیں اسلام سے پھر کر کفر کی طرف لوٹنے اور مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کرنے کی طرف بلایا جائے ﴿لَا تَوَهَا﴾ تو وہ ضرور اس سوال و بلاوے کا جواب دیں گے (اور مرتد ہو کر مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے) [اہل حجاز کی قراءت میں بغیر مد کے ”لَا تَوَهَا“ ہے] بعض وہ لوگ اس بلاوے پر ضرور آئیں گے اور فتنہ و فساد کا کام کرنے لگ جائیں گے ﴿وَمَا تَلَبَّتْ تَوَاهِبًا إِلَّا يَسِيرًا﴾ اور وہ فتنہ کا جواب دینے کے لیے دیر نہیں لگائیں گے مگر تھوڑی سی جتنی دیر میں سوال و جواب ہو (یعنی بغیر وقفہ کے فتنہ و فساد میں کود پڑیں گے) یا یہ معنی ہے کہ منافقین مرتد ہو جانے کے بعد مدینہ منورہ میں نہیں ٹھہر سکیں گے مگر چند روز کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے گا اور معنی یہ ہے کہ بے شک یہ لوگ اب اپنے گھروں کے غیر محفوظ ہونے کے بہانے اور عذر تراش رہے ہیں

تاکہ مسلمانوں اور رسول اللہ ﷺ کی امداد کرنے سے اور کفار کے لشکروں کے ساتھ مقابلہ کرنے سے بھاگ جائیں جنہوں نے ان پر خوف و ڈر اور رعب و دہشت طاری کر رکھی ہے اور یہی کفار کے لشکر اگر ان پر حملہ آور ہو کر ان کے کھیتوں اور ان کے گھروں کو لوٹنے لگ جائیں اور ان پر کفر پیش کیا جائے اور ان سے کہا جائے کہ تم مسلمانوں پر حملہ آور ہو کر ٹوٹ پڑو تو یہ منافقین فوراً اس دعوت کی طرف دوڑ پڑیں گے اور کوئی بہانہ وغیرہ نہیں بنائیں گے اور یہ صرف اس لیے کہ ان کو اسلام سے نفرت اور کفر سے محبت ہے۔

۱۵۔ ﴿وَلَقَدْ كَانُوا عَاهِدُوا لَنَا مِنْ قَبْلُ﴾ اور بے شک یہ لوگ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سے عہد کر چکے ہیں یعنی بنو حارثہ غزوہ خندق سے پہلے یا کفار کے لشکروں کو دیکھنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے پکا عہد کر چکے ہیں کہ ﴿لَا يُؤْتُونَ الْأَدْبَارَ﴾ یہ پیٹھ پھیر کر اور شکست کھا کر نہیں بھاگیں گے ﴿وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کے عہد کے متعلق باز پرس ہوگی جس کا تقاضا یہ ہے کہ اسے پورا کیا جائے ورنہ اس کا مطالبہ کیا جائے۔

۱۶۔ ﴿قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْقِرَارُ إِن قَدَرْتُمْ مَنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذْ لَا تَمْتَعُونَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (اے محبوب!) فرمائیے کہ اگر تم موت سے یا لڑائی سے بھاگو گے تو تمہیں یہ بھاگنا ہرگز نفع نہیں دے گا اور اس وقت تم نفع نہیں پاؤ گے مگر تھوڑا سا یعنی اگر تمہاری اجل (آخری وقت) آچکی ہے تو تمہیں بھاگنا ہرگز نفع نہیں دے گا اور اگر تمہاری اجل ابھی نہیں آئی اور تم بھاگ گئے تو تم دنیا میں تھوڑا عرصہ نفع اٹھا سکو گے اور وہ تمہاری زندگی کا عرصہ ہے اور وہ بہت تھوڑا ہے اور ایک مروانی شخص کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ایک جھکی ہوئی دیوار کے پاس سے جب گزرنے لگے تو ڈر کے مارے جلدی گزرنے تو یہی آیت مبارکہ تلاوت کر کے انہیں سنائی گئی پس انہوں نے جواب میں کہا کہ میں بھی اسی قلیل زندگی کی طلب میں جلدی سے گزرا ہوں۔

قُلْ مَن ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُم مِّنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً وَلَا يَجِدُونَ لَكُم مِّنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝۱۶ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمَعْوِقِينَ مِّنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا ۝۱۷ أَسْحَبَةٌ عَلَيْكُمْ ۝۱۸ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدَاوْرًا عَيْنِهِمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِالسِّنَةِ جِدَادٍ أَسْحَبَةٌ عَلَى الْخَيْرِ ۝۱۹ أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ ۝۲۰ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝۲۱

فرمادیجئے کہ وہ کون ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ سے بچالے گا اگر وہ تمہیں دکھ دینا چاہے یا وہ تم پر اپنی رحمت کرنا چاہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا حمایتی نہیں پائیں گے اور نہ کوئی مددگار ۱۶ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تم میں سے جہاد سے روکنے والوں کو اور اپنے بھائیوں سے یہ کہنے والوں کو کہ ہماری طرف چلے آؤ اور وہ (کفار کے خلاف) جنگ میں نہیں آتے مگر بہت کم ۱۷ وہ تم پر بہت بخیل ہیں پھر جب خوف آتا ہے تو آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف یوں دیکھتے ہیں کہ

ان کی آنکھیں اس شخص کی طرح گھومتی ہیں جس پر موت کی غشی چھا جاتی ہے پھر جب خوف چلا جاتا ہے تو وہ تمہیں تیز و طرار زبانوں سے ایذا پہنچاتے ہیں وہ نیکی پر بہت بخیل ہیں یہی لوگ دل سے ایمان نہیں لائے سو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال برباد کر دیئے اور یہ اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے O

۱۷- ﴿قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُمْ مِنَ اللَّهِ﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ وہ کون ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ سے بچالے گا یعنی اس عذاب وغیرہ سے جس کو تم پر اللہ تعالیٰ نازل کرنے کا ارادہ فرمالے ﴿إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا﴾ اگر وہ تمہیں تکلیف و دکھ دینے کا ارادہ کر لے (یعنی) تمہارے اجسام میں قتل و غارت یا اس کے علاوہ کسی صورت میں وہ تمہیں عذاب دینا چاہے ﴿أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً﴾ یا وہ تمہارے ساتھ رحمت کا ارادہ فرمالے یعنی خیر و عافیت اور صحت و سلامتی کے ساتھ تمہاری عمر دراز کر دے یعنی اللہ تعالیٰ کو تم پر رحمت و کرم کرنے سے کون روک سکتا ہے اگر وہ تمہارے ساتھ رحمت و مہربانی کا ارادہ فرمالے کیونکہ عصمت میں منع کا معنی پایا جاتا ہے ﴿وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا﴾ اور وہ لوگ اپنے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حمایتی اور مددگار نہیں پائیں گے [نصیر "بہ معنی" ناصر" ہے]۔

۱۸- ﴿قَدْ يَحْلَهُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ بِكُمْ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تم میں سے منع کرنے والوں کو خوب جانتا ہے یعنی جو رسول اللہ ﷺ کی نصرت و امداد سے لوگوں کو منع کرتے ہیں یعنی روکتے ہیں اور وہ روکنے والے منافقین ہیں ﴿وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ﴾ اور وہ اپنے ان بھائیوں سے کہتے ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں ﴿هَلْهَلَّ إِلَيْنَا﴾ تم ہماری طرف چلے آؤ یعنی تم اپنے آپ کو ہمارے پاس قریب لے آؤ اور محمد (ﷺ) کو چھوڑ دو [اور یہ اہل حجاز کی لغت ہے سو وہ واحد اور جمع کے درمیان مساوات و برابری کے قائل ہیں اور لیکن قبیلہ بنو تمیم تو وہ واحد کے لیے "ہلم" یا "رجل" اور جمع کے لیے "ہلموا" یا "رجال" کہتے ہیں اور یہ وہ آواز ہے جس کے ساتھ فعل متعدی نام رکھا جاتا ہے جیسے "احضر وقرب" حاضر کر اور نزدیک کر] ﴿وَلَا يَأْتُونَ الْبَنَاتِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ اور وہ جنگ میں نہیں آتے مگر بہت کم یعنی وہ صرف ریا کاری اور دکھاوا کرنے کی خاطر تھوڑی دیر کے لیے آجاتے ہیں اور حاضری لگوا لیتے ہیں اور وہ مسلمانوں کے ساتھ بہت تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرتے ہیں جتنی دیر میں ان کی آمد و حاضری کو دیکھ لیا جائے پھر وہ واپس پھر جاتے ہیں۔

۱۹- ﴿أَشِحَّةً﴾ [یہ "شجیح" کی جمع ہے اور اس کا معنی بخیل ہے اور "یاتون" کی ضمیر سے حال واقع ہونے کی بناء پر منصوب ہے] یعنی وہ لوگ جنگ میں شرکت کرنے کے لیے آنے میں بہت بخیل ہیں ﴿عَلَيْكُمْ﴾ وہ تم پر بہت بخیل ہیں وہ تمہارے لیے فتح و نصرت، کامیابی و کامرانی اور مال غنیمت کا حصول ہرگز نہیں چاہتے ﴿فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ﴾ پھر جب دشمن کی طرف سے یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے خوف و ڈر کا وقت آجاتا ہے تو ﴿رَأَيْتُمْ حُرَيْبًا إِذْ تَدَاوَمَا عَلَيْهِنَّ﴾ آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ اس حالتِ خوف میں آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں جب کہ ان کی آنکھیں دائیں اور بائیں پھرتی رہتی ہیں ﴿كَأَنَّهُنَّ يَغْشَىٰ عَلَيْهِنَّ مِنَ الْمَوْتِ﴾ اس شخص کی طرح جس کو موت ڈھانپ لیتی ہے (یعنی) جس طرح وہ شخص جس پر موت کی سکرات چھا جاتی ہے تو وہ آنکھیں پھاڑ کر گھماتا ہے اسی طرح یہ منافق لوگ خوف و ڈر و ذلت و رسوائی اور آپ کی پناہ حاصل کرنے کے لیے اپنی آنکھیں دائیں بائیں گھما کر دیکھتے ہیں ﴿فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ﴾ پھر جب وہ خوف و ڈر ختم ہو جاتا ہے اور انہیں امن و سکون حاصل ہو جاتا ہے اور اموال غنیمت جمع کیے جاتے ہیں تو ﴿سَلَفُوا كَمَا أُنْسُوا﴾ جدا جدا وہ تمہیں تیز و طرار زبانوں سے ایذا اور دکھ پہنچاتے ہیں (یعنی) وہ تمہیں سختی کے ساتھ مخاطب کرتے ہیں اور وہ تم سے گفتگو کرتے ہوئے زبان درازی کر کے تمہیں ایذا و تکلیف اور دکھ پہنچاتے ہیں۔ فصاحت سے بولنے والے خطیب کو

”خطیب مسلح“ اور گفتگو میں مبالغہ آمیزی کرنے والے کو ”رجل مسلح“ کہا جاتا ہے یعنی یہ منافقین کہتے ہیں کہ ہمیں ہمارے حصہ سے بڑھ کر زیادہ مال غنیمت دیا جائے کیونکہ ہم تمہارے ساتھ جنگ میں موجود تھے اور ہم نے تمہارے ساتھ مل کر جنگ کی ہے اور تم ہماری وجہ سے اپنے دشمن پر غالب و کامیاب ہو سکے ہو ﴿أَشْحَاةٌ عَلَى الْغَيْظِ﴾ وہ نیکی کے کاموں میں بہت بخیل ہیں یعنی وہ مال غنیمت پر بخیل ہونے کا طعنہ دیتے ہوئے تمہیں مخاطب کرتے ہیں جب کہ وہ خود نیکی کے کاموں پر بہت بخیل ہیں [”اشحہ“، ”سلقو کم“ سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿أُولَٰئِكَ لَمْ يَزِدْهُمْ مِّنْ حَقِّكَ إِلَّا كَيْدًا مَّكْرًا﴾ میں ایمان نہیں لائے بلکہ صرف زبانوں سے ایمان کا اظہار کیا ﴿فَأَحْبَبَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو برباد کر دیا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے ان کے قلبی اور مخفی و پوشیدہ کفر کی وجہ سے ان کے ظاہری اعمال کو باطل و نامقبول قرار دے دیا ﴿وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا﴾ اور ان کے اعمال کو برباد کرنے کا یہ کام اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے۔

يَحْسِبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَدْهَبُوا وَإِن يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّ وَالْوَأْنَهُمْ بَادُونَ

فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنِ أَنْبَاءِكُمْ ط لَوْ كَانُوا فِيكُمْ مَا قَاتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا ٢٠

وہ لشکر کفار کے بارے میں یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ نہیں گئے اور اگر وہ لشکر دوبارہ آجائیں تو یہ لوگ یہی خواہش کریں گے کہ کاش وہ جنگل میں دیہاتیوں کے پاس ہوتے وہاں وہ تمہاری خبریں پوچھا کرتے اور اگر وہ تمہارے درمیان میں ہوتے تو وہ (کفار سے) جنگ نہ کرتے مگر بہت کم ۰

۲۰- ﴿يَحْسِبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَدْهَبُوا﴾ وہ منافقین اپنی بزدلی کی وجہ سے یہ گمان کرتے ہیں کہ کفار کے لشکر مغلوب نہیں ہوئے اور نہ وہ چلے گئے حالانکہ وہ واپس جا چکے ہیں ﴿وَإِن يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّ وَالْوَأْنَهُمْ بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ﴾ اور اگر کفار کے لشکر دوبارہ مدینہ منورہ حملہ کرنے آجائیں تو یہ منافقین خواہش کریں گے کہ کاش! یہ جنگل میں دیہاتیوں کے پاس ہوتے [”البادون“، ”البادی“ کی جمع ہے بہ معنی دیہاتی] یعنی منافقین اپنی بزدلی کی وجہ سے یہ تمنا اور آرزو کریں گے کہ کاش! یہ مدینہ منورہ سے باہر کسی گاؤں میں نکل جاتے اور دیہاتیوں کے درمیان موجود رہتے تاکہ انہیں اپنے بارے میں امن و اطمینان حاصل ہو جاتا اور وہ مسلمانوں کی لڑائی اور جنگ کی مصیبت سے الگ اور دور رہتے ﴿يَسْأَلُونَ عَنِ أَنْبَاءِكُمْ﴾ وہ مدینہ منورہ کی جانب سے ہر آنے والے آدمی سے تمہاری خبریں دریافت کرتے اور تم پر آنے والے حالات کے بارے میں پوچھتے ﴿لَوْ كَانُوا فِيكُمْ﴾ اور اگر وہ تم میں موجود رہتے اور بہانے بنا کر مدینہ منورہ کی طرف اپنے گھر کو لوٹ کر نہ جاتے اور جنگ چھڑ جاتی تو ﴿مَا قَاتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا﴾ وہ تمہارے ساتھ مل کر دشمن سے نہ لڑتے مگر بہت کم محض دکھاوے اور عار کے خوف سے شہرت کے لیے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ

الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ٣١ وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَٰذَا مَا وَعَدَنَا

اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ٣٢

بے شک رسول اللہ کی زندگی تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتا ہے اور جب مسلمانوں نے (کفار کے) لشکروں کو دیکھا تو انہوں نے کہا کہ یہ وہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا اور اس (فوجوں کی آمد) نے ان میں اضافہ نہیں کیا مگر ایمان میں اور رضائے الہی پر راضی ہونے میں O

رسول خدا کے اسوۂ حسنہ اور مسلمانوں کے جذبہ ایمانی کا بیان

۲۱- ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ بے شک رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے [”اسوۂ“ ہمزہ مضموم کے ساتھ ہے جیسا کہ حضرت عاصم کی قراءت میں ہے] یعنی نمونہ اور یہ وہ نمونہ ہے جس کی اتباع کی جاتی ہے یعنی اس کی اقتداء و پیروی کی جاتی ہے جیسا کہ تم کہتے ہو: ”فِي الْبَيْضَةِ عَشْرُونَ مَنًّا حَدِيدًا“ خود وزن میں بیس سیر لوہا ہے یعنی بذات خود خود کا بیس سیر لوہا ہے یہ اس کی اپنی مقدار ہے (مقصد یہ کہ ”فنی“ کا حرف تحسین کلام کے لیے ہے لیکن معنی میں یہ زائد ہے اور بذات خود رسول اللہ کی زندگی بہترین نمونہ ہے) یا رسول اللہ کی ہستی میں اچھی اور عمدہ خصلت و عادت ہے جس کا حق یہ ہے کہ اس کی اتباع و پیروی کی جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خود بنفس نفیس کفار سے جہاد و مقاتلہ کیا ﴿لَمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ﴾ ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور آخرت کے دن سے ڈرتا ہے یا وہ اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی اور آخرت کی نعمتوں کی امید رکھتا ہے [بعض نے کہا کہ ”لمن“، ”لکم“ سے بدل ہے لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ ضمیر مخاطب سے بدل جائز نہیں ہے اور بعض اہل علم نے کہا کہ ”لمن“، ”حسنۃ“ کے متعلق ہے ”ای (اسوۂ حسنۃ) کائنتہ (لمن کان)“ یعنی آپ کی زندگی ہر اس شخص کے لیے بہترین نمونہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہے ﴿وَذَكَرَ اللَّهُ كَثِيرًا﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتا ہے یعنی خوف و ڈر میں اور امید میں نیز تنگی اور خوش حالی میں ہر حال میں وہ اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتا ہو۔

۲۲- ﴿وَلَتَنَادَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ﴾ اور جب مسلمانوں نے کفار کے لشکر دیکھے اللہ تعالیٰ نے درج ذیل ارشاد میں مسلمانوں سے وعدہ لیا تھا کہ امتحان کی مصیبت میں بتلا کر کے نہیں جھنجھوڑا جائے گا یہاں تک کہ وہ اسی سے فریاد کریں گے اور اسی سے امداد مانگیں گے چنانچہ فرمایا: ”أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخَلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصُرَ اللَّهُ إِنْ نَصَرَ اللَّهُ فَرِيقًا“ (البقرہ: ۲۱۳) ”کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ تم یوں ہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم پر ان لوگوں جیسی حالت نہیں آئی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں ان کو بہت زیادہ سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور انہیں بہت جھنجھوڑا گیا یہاں تک کہ (اس زمانہ کے) رسول اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی؟ سن لو! بے شک اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہے O“۔ پھر جب کفار کے مختلف قبائل پر مشتمل لشکر آگئے اور مسلمان بھاری لشکر دیکھ کر مضطرب و بے چین ہو گئے اور سخت رعب کی وجہ سے مرعوب ہو گئے تو اس وقت ان مسلمانوں نے ﴿قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ﴾ کہا کہ یہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ لیا تھا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے سچا وعدہ فرمایا تھا اور مسلمانوں نے جان لیا کہ بے شک جنت اور فتح و نصرت ان کے لیے واجب ہو گئی ہے اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے (غزوہ خندق سے پہلے) ایک دن صحابہ

کرام علیہم الرضوان سے فرمایا کہ بے شک بہت بڑے لشکر نو یا دس دن بعد تم پر حملہ کرنے کے لیے تمہارے پاس آنے والے ہیں پھر جب صحابہ کرام نے کفار کے ان لشکروں کو دیکھا کہ حسب ارشاد نبوی مقررہ مدت پر آگئے ہیں تو اس وقت صحابہ کرام نے یہ کہا تھا اور ”ہذا“ سے اسی لشکر کی طرف اشارہ ہے یا آزمائش کی طرف اشارہ ہے ﴿وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا﴾ اور کفار کے حملہ آور لشکروں کے اجتماع اور ان کی آمد کو دیکھنے کے باوجود مسلمانوں کے دلوں میں کسی چیز کا اضافہ نہیں ہوا، اس کے کہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے وعدوں پر ایمان رکھنے میں اور اس کی قضاء و قدر کو تسلیم کرنے اور اس پر راضی رہنے میں اضافہ ہوا۔

فِي الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَجْبَهُ

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ﴿۲۳﴾ لِيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ

وَيُعَذِّبَ الْمُنْفِقِينَ إِن شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِن شَاءَ اللَّهُ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿۲۴﴾

مؤمنوں میں سے بعض ایسے باہمت مرد ہیں جنہوں نے وہ وعدہ سچا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا، سوان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اپنی نذر پوری کر دی اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے (اپنا وعدہ) ذرا بھی نہیں بدلا، تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں کو ان کی سچائی پر صلہ عطا فرمائے اور منافقوں کو اگر چاہے تو عذاب دے یا ان کی توبہ قبول فرمائے، بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O

۲۳- ﴿فِي الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ﴾ مسلمانوں میں سے بعض باہمت مخلص مردوں نے وہ وعدہ سچا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا ”ای فیما عاہدوہ علیہ“ یعنی وہ اس میں سچے ثابت ہوئے جس پر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا [پھر حرف جار کو حذف کر دیا گیا جیسا کہ اس مثال میں ہے کہ ”صدقنی سن بکرہ ای صدقنی فی سن بکرہ“ یعنی اس نے اپنے نوجوان اونٹ کی عمر بتانے میں مجھ سے سچ بولا ہے سو اس میں بھی حرف جار حذف کر دیا گیا اور فعل کو براہ راست اس کی طرف متعدی کر دیا گیا]۔

در اصل صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے بعض آدمیوں نے نذر (مشت) مان لی کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نل کر دشمنان دین سے جنگ کریں گے تو ثابت قدم رہیں گے اور کفار سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ شہید کر دیئے جائیں اور یہ حضرات حضرت عثمان بن عفان، حضرت طلحہ، حضرت سعد بن زید، حضرت امیر حمزہ اور حضرت مصعب بن عمیر وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَجْبَهُ﴾ سوان میں سے بعض نے اپنی نذر کو پورا کیا یعنی وہ شہید و فوت ہوئے جیسے حضرت امیر حمزہ سید الشہداء اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور نذر پوری کرنا موت سے عبارت ہے کیونکہ مخلوقات میں سے ہر جان دار کے لیے موت ضروری ہے پس موت کو نذر سے تعبیر کیا جو ہر زندہ کی گردن میں اس کے ذمہ لازم ہے پس جب کوئی زندہ مر جاتا ہے تو اس کی مشت یعنی اس کی نذر پوری ہو جاتی ہے ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ﴾ اور ان میں سے بعض انتظار کرتے ہیں یعنی شہادت کی موت کا انتظار کر رہے ہیں جیسے حضرت عثمان غنی اور حضرت طلحہ وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں ﴿وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا﴾ اور انہوں نے اپنے عہد کو بالکل تبدیل نہیں کیا اور نہ انہوں نے اس میں کسی قسم کا تغیر کیا اور نہ وہ شہید ہوئے بلکہ وہ شہادت کا انتظار کر رہے ہیں اور اس کلام میں اہل نفاق اور بیمار دلوں میں سے جنہوں نے اپنے

عہد کو تبدیل کر دیا تھا ان بد بختوں پر طنز کیا گیا ہے جیسا کہ (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ میں اس کا ذکر گزر چکا ہے: "وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُولُونَ الْآذِبَارَ" (الاحزاب: ۱۵) "اور البتہ بے شک انہوں نے اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سے پکا عہد کیا تھا کہ وہ پیٹھ پھیر کر ہرگز نہیں بھاگیں گے۔"

۲۴۔ ﴿لِيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں کو ان کی سچائی پر (یعنی) ان کے عہد پورا کرنے پر جزائے خیر عطا فرمائے ﴿وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ إِنِ شَاءَ﴾ اور اللہ تعالیٰ منافقوں کو عذاب دے گا اگر چاہے گا جب وہ توبہ نہیں کریں گے ﴿أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ﴾ یا اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا اگر وہ توبہ کریں گے ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کر کے بہت بخشنے والا ہے ﴿رَحِيمًا﴾ گناہوں کو مٹا کر بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ منافقوں کے بارے میں یہ قرار دیا گیا کہ گویا انہوں نے اپنا برا انجام خود چاہا کیونکہ انہوں نے عہد شکنی کر کے برا انجام اختیار کر لیا جیسا کہ سچوں نے اپنا عہد پورا کر کے سچے اور نیک انجام کا ارادہ کیا تھا اس لیے کہ دونوں فریق اجر و ثواب اور عذاب میں سے اپنے اپنے انجام کی طرف چلائے گئے تو گویا وہ دونوں گروہ اپنی اپنی طلب میں یکساں اور برابر ہیں اور اپنے اپنے انجام کی تحصیل میں کوشاں ہیں۔

وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَحْمِنَا لُوَاحِدًا وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ
وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا ﴿۲۵﴾ وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ
صِيَابِهِمْ وَقَدَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرَّعْبَ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا ﴿۲۶﴾
وَأُورَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا لَمْ تَطَّوُّهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيرًا ﴿۲۷﴾

اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان کے دلوں کی جلن کے ساتھ ناکام واپس لوٹا دیا انہوں نے کوئی بھلائی حاصل نہیں کی اور اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں مسلمانوں کی کفایت فرمادی اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا بہت غلبہ والا ہے اور اہل کتاب میں سے جنہوں نے ان کی مدد کی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں رعب و خوف ڈال دیا (چنانچہ) تم ایک گروہ کو قتل کرتے ہو اور ایک گروہ کو تم قید کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کی زمین کا اور ان کے گھروں کا اور ان کے مالوں کا اور ایسی سرزمین کا وارث بنا دیا جس پر تم نے قدم نہیں رکھے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر بہت قدرت رکھنے والا ہے ۰

کفار وغیرہ کی ناکامی کا بیان

۲۵۔ ﴿وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر اختیار کیا ہوا تھا (یعنی) حملہ آور مختلف قبائل کے کفار لشکروں کو ناکام و ناسرمد کر کے ان کے دلوں کی جلن کے ساتھ واپس لوٹا دیا "بغیظہم" حال ہے "ای مَغِیْظِينَ" [یعنی وہ اپنے دلوں کی جلن اور قلبی غیظ و غضب سے بھرے ہوئے (ناکام واپس لوٹ گئے) جیسے ارشاد باری تعالیٰ

ہے: "تَنْبَتْ بِالذَّهْنِ" (المؤمنون: ۲۰) "زیتون کا درخت تیل لے کر اگتا ہے" ﴿لَحْرِيْنَا لَوْ اَخِيْرًا﴾ انہوں نے کوئی بھلائی نہیں پائی (یعنی) فتح و کامیابی یعنی انہوں نے مسلمانوں پر فتح و کامیابی حاصل نہیں کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے گمان کے مطابق فتح و کامیابی کو "خیر" کا نام دیا ہے [اور یہ "خیراً" حال ہے یعنی کامیاب نہ ہونے والے] ﴿وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں تیز آندھی اور فرشتوں کے ذریعے مسلمانوں کی کفایت فرمائی ﴿وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا﴾ اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا بہت غالب ہے (یعنی) زبردست قدرت رکھنے والا غالب ہے۔

۲۶- ﴿وَانزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو نیچے اتار لیا جنہوں نے ان کی مدد کی تھی (یعنی) جنہوں نے کفار کے لشکر کی مدد کی تھی ﴿فَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ اہل کتاب میں سے یعنی بنی قریظہ ﴿مِنْ صِيْءٍ صِيْءٍ﴾ ان کے قلعوں سے [صیاصی جمع ہے اور اس کا واحد "صیصہ" ہے جس کا معنی ہے: وہ چیز جس سے پناہ اور حفاظت حاصل کی جائے] ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ بے شک حضرت جبریل علیہ السلام اس رات کی صبح سویرے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے جس رات میں کفار کے لشکر شکست کھا کر بھاگ گئے تھے اور مسلمان خندق سے نکل کر واپس مدینہ منورہ کے شہر میں اپنے گھروں میں واپس آ چکے تھے اور انہوں نے اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دیئے تھے اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام اپنے حیزوم نامی گھوڑے پر سوار تھے اور گھوڑے کے چہرے اور زین پر گردوغبار پڑی ہوئی تھی چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ حالت دیکھ کر فرمایا: اے جبریل! یہ کیسے ہوا، حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں کفار کے لشکروں کو بھگانے کے لیے ان کا پیچھا کرتا رہا ہوں، رسول اللہ ﷺ گھوڑے کے چہرے اور اس کی زین سے گردوغبار جھاڑنے لگ گئے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بے شک ابھی تک فرشتوں نے اپنے ہتھیار نہیں اتارنے بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ بنی قریظہ کی سرکوبی کے لیے ان کی طرف سفر اختیار فرمائیں اور میں بھی انہیں کی طرف جانے کا قصد کر رہا ہوں، کیونکہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح توڑ پھوڑ کر ہلاک کرنا ہے جس طرح انڈا صفا پہاڑ کے پتھر پر توڑا جاتا ہے اور بے شک وہ تمہاری ہلاکت کے لیے امید و آرزو رکھتے ہیں، سو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں میں اعلان کر دیا کہ بے شک جس قدر فرماں بردار سننے والے ہیں وہ سب تیار ہو جائیں آج نماز عصر بنی قریظہ میں جا کر پڑھنی ہے چنانچہ حضور نے اپنے لشکر کے ساتھ پچیس راتوں تک ان کا محاصرہ کیے رکھا، پھر رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم میرے حکم پر اپنے قلعوں سے نیچے اترو تو انہوں نے انکار کر دیا، آپ نے پھر فرمایا کہ تم حضرت سعد بن معاذ کی ثالثی اور ان کے حکم پر نیچے اتر آؤ تو وہ لوگ اس پر راضی ہو گئے چنانچہ حضرت سعد بن معاذ نے فرمایا: میرا ثالثی فیصلہ ان کے بارے میں یہ ہے کہ ان میں سے جنگ جو مردوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا جائے تو اس پر حضور نبی کریم ﷺ نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور فرمایا کہ بے شک تم نے وہی فیصلہ کیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر فیصلہ کیا ہے، پھر ان سب کو اتار لیا اور مدینہ منورہ کے بازار میں ایک خندق (گڑھا) کھودی گئی اور ان کو وہاں لا کر ان کی گردنیں اڑائی گئیں (اور ان کی لاشوں کو خندق میں دبا دیا گیا) اور یہ لوگ تقریباً آٹھ سو سے لے کر نو سو تک تھے اور بعض نے کہا کہ چھ سو جنگ جو تھے اور سات سو قیدی تھے ﴿وَقَتَلْنَا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب یعنی خوف ڈال دیا [ابن عامر شامی اور علی کسنائی کی قراءت میں "الرعب" میں عین پر ضمہ (پیش) ہے] ﴿قَدِيْقًا تَقْتُلُوْنَ﴾ ایک گروہ کو تم قتل کرتے ہو اور وہ مرد تھے [قَدِيْقًا "قَدِيْقًا" ارشاد باری تعالیٰ "تقتلون" کی وجہ سے منصوب ہے]

انظر سیرت ابن ہشام (ج ۲ ص ۲۴۴ وما بعدھا)

﴿وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا﴾ اور تم ایک گروہ کو قیدی بناتے ہو اور وہ گروہ عورتوں اور بچوں کا تھا۔

۲۷۔ ﴿وَأَوْسَتْكُمْ أَرْضَهُمْ دِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کی زمینوں اور ان کے گھروں اور ان کے

مالوں کا وارث بنایا یعنی مویشیوں اور نقد رقوم اور ساز و سامان کا تمہیں وارث بنایا۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا کہ بے

شک رسول اللہ ﷺ نے انصار کی بجائے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ میں ہجرت کرنے والے مہاجرین کو بنی قریظہ کی جائیدادیں

عطا فرمادی تھیں اور آپ نے انصار مدینہ سے فرمایا تھا کہ بے شک تم (تو پہلے ہی سے) اپنے گھروں میں رہائش پذیر ہو

﴿وَأَرْضًا لَمْ تَطَّوُّهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسی زمین کا وارث بنا دیا جس پر تم نے جنگ کے ارادے سے قدم نہیں رکھے

اور وہ مکہ مکرمہ کی سرزمین ہے (جو بغیر لڑائی کے حاصل ہوئی تھی) یا (یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسی سرزمین کا وارث بنا

دیا ہے جس پر ابھی تک تم نے قدم نہیں رکھے اور وہ) فارس (ایران) ہے اور روم ہے یا خیبر ہے یا پھر ہر وہ زمین مراد ہے جو

قیامت تک مسلمانوں کے لیے فتح ہوتی رہے گی ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قادر

ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَإِنِّي وَإِذَا كُنْتُمْ تُرِدُّنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَنَرِيئْتَهَا

فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعَنَّ وَأَسْرَحَنَّ سَرًا حَسِيلًا ﴿٢٨﴾ وَإِن كُنْتُمْ تُرِدُّنَ اللَّهَ

وَمَا سُؤْلُهُ وَالذَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنِينَ مِنْكُمْ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٢٩﴾

يُنِسَاءَ النَّبِيِّ مَن يَأْتِ مِنْكُمْ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ يُضَعَفُ لَهَا الْعَذَابُ

ضِعْفَيْنِ ط وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿٣٠﴾

اے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیب بتانے والے) پیغمبر! آپ اپنی بیویوں سے فرمادیں اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی

زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دے دوں اور میں تمہیں خوش اسلوبی کے ساتھ اچھی طرح رخصت کر دوں O اور اگر

تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تم تمام نیکوکاروں کے لیے بہت بڑا

اجر و ثواب تیار کر رکھا ہے O اے پیغمبر کی بیوی! تم میں سے جو کوئی صریح ناشائستہ (رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی) حرکت

کرے گی تو اس کو دگنی سزا دی جائے گی اور یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے O

آیاتِ تخییر کے جواب میں ازواجِ مصطفیٰ کے حسنِ انتخاب کا بیان

۲۸۔ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَإِنِّي وَإِذَا كُنْتُمْ تُرِدُّنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَنَرِيئْتَهَا﴾ اے پیغمبر! آپ اپنی بیویوں سے فرما

دیں کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت و آرائش چاہتی ہو یعنی اگر دنیا کی خوش بختی اور مال و دولت کی کثرت و فراوانی

چاہتی ہو ﴿فَتَعَالَيْنَ﴾ سو تم آؤ یہ دراصل ”تعال“ سے ماخوذ ہے یہ کلمہ وہ شخص بولتا ہے جو اوپر والے مکان سے نیچے

والے مکان میں رہنے والے کو بلاتا ہے پھر کثرت سے استعمال ہونے لگا یہاں تک کہ ہر جگہ میں استعمال ہونے لگا اور ”تعالین“

لے اخرجہ الواقدی (حاشیہ الکشاف ج ۳ ص ۵۳۴)

کا معنی یہ ہے کہ تم دونوں کاموں میں سے کسی ایک کے لیے اپنے ارادے اور اپنے اختیار سے متوجہ ہو اور اس سے ان ازواج مطہرات کا بذات خود اٹھ کر آنا مراد نہیں ہے جیسا کہ یہ قول ہے: "فَأَمَّا يَهْدِيْنَا" وہ مجھے جھڑکنے لگا ﴿أَمْتَعَكُنَّ﴾ میں تمہیں کچھ مال دے دوں (یعنی) میں تمہیں طلاق کا متعہ عطا کر دوں (مطلقہ عورت کو طلاق کے ساتھ حق مہر کے علاوہ تن ڈھانپنے کے لیے جو شلوار، قمیص، دوپٹہ اور پردہ کی بڑی چادر دی جاتی ہے اسے متعہ طلاق کہا جاتا ہے) اور یہ متعہ طلاق ہر مطلقہ عورت کو دینا مستحب ہے ماسوا اس مطلقہ عورت کے جس کو دخول (مخصوص صحبت) سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو (کیونکہ ایسی مطلقہ کو متعہ دینا واجب ہے) ﴿وَأَسْرَحَكُنَّ﴾ اور میں تمہیں چھوڑ دوں (یعنی) اور میں تمہیں طلاق دے دوں ﴿سَرَّاحًا جَمِيلًا﴾ خوش اسلوبی کے ساتھ اچھی طرح چھوڑ دینا جس میں ضرر و نقصان نہ ہو۔

شان نزول: حضور سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات نے آپ سے دنیا کی کچھ خوش حالی چاہی، پہننے کے لیے اچھا لباس اور کھانے پینے کے لیے وافر وسیع مقدار میں نان نفقہ اور خرچہ وغیرہ کا مطالبہ کیا اور آپس میں ایک دوسرے کو غیرت دلا کر مطالبہ پر اتحاد کر لیا جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو رنج و غم پہنچا تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی، چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آغاز کیا کیونکہ تمام بیویوں میں آپ کو یہی زیادہ محبوبہ و پیاری تھیں، سو آپ نے اختیار دیا اور قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ انہیں پڑھ کر سنائی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو دنیا کے مقابلے میں اختیار کر لیا، پھر تمام بیویوں نے اسی کو اختیار کر لیا۔

اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ میں ایک معاملہ تم پر پیش کرنے کے لیے تمہارے سامنے ذکر کر رہا ہوں، مگر تم اس میں جلدی نہ کرنا یہاں تک کہ تم پہلے اپنے والدین سے مشورہ کر لینا، پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان پر قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ کیا اس معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ کروں؟ پس میں بلاشبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہوں۔

واضح رہے کہ فقہ جعفری کے حامل مفسر علامہ السید امداد حسین الکاظمی المشہدی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: یہ آیت مجیدہ آیت تخیر کہلاتی ہے اس میں ازواج نبی ﷺ کو اختیار دیا گیا ہے کہ اگر وہ مال دنیا اور آسودگی چاہتی ہیں تو رسول اللہ ﷺ انہیں مال دنیا دے کر رخصت کر دیں گے اور اگر وہ صحبت رسول ﷺ اور آخرت کا گھر اختیار کرنا چاہیں تو فیہا۔ واقعہ یوں ہے کہ مدینہ کے قریب یہودیوں کی کچھ زمین آٹھ حضرت ﷺ کے ہاتھ لگی، آپ نے اسے مہاجرین پر بانٹ دیا جس سے ان کی گزران کی صورت نکل آئی اور انصار پر ان کا خرچ ہلکا ہو گیا، دو سال بعد خیبر کے یہودیوں کی زمین بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی، اس سے حضرت محمد ﷺ کے سب اصحاب آسودہ ہو گئے۔ ازواج رسول نے جب دیکھا کہ لوگ آسودہ حال ہو گئے تو چاہا کہ ہم بھی آسودہ ہو جائیں۔ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں فقر و فاقہ رہتا تھا، اس کے بارے میں بعض ازواج نے رسول ﷺ سے کچھ بول چال کی، حضرت محمد ﷺ نے قسم کھائی کہ ایک مہینہ گھر میں نہ جائیں گے، پھر مہینہ کے بعد یہ آیت نازل ہوئی، حضرت محمد ﷺ گھر میں آئے اور سب سے پہلے آپ نے حضرت عائشہ ہی سے پوچھا کہ وہ مال دنیا لے کر رخصت ہونا چاہتی ہیں یا صحبت رسول ﷺ اور آخرت کا گھر اختیار کرتی ہیں، حضرت عائشہ نے اللہ اور رسول کی مرضی اختیار کی پھر اسی طرح سب نے۔

(تفسیر المتقین ص ۵۳۶، حاشیہ: ۲، مطبوعہ شیعہ جنرل بک ایجنسی، انصاف پریس، ریلوے روڈ، لاہور)

رواہ البخاری رقم الحدیث: ۴۷۸۵، مسلم رقم الحدیث: ۱۲۷۵

مسئلہ: اور طلاق میں تخیر (طلاق میں اختیار دینے) کا حکم یہ ہے کہ جب خاوند اپنی سے بیوی سے کہے ”اختاری“ تو (طلاق کو) اختیار کر لے اور بیوی کہہ دے: ”اِخْتَرْتُ نَفْسِي“ کہ میں نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا، تو ایک بائسہ طلاق واقع ہو جائے گی اور جب بیوی اپنے خاوند کو اختیار کر لے تو کچھ واقع نہیں ہوگا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب بیوی اپنے خاوند کو اختیار کر لے گی تو اس صورت میں ایک رجعی طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر اس نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا تو پھر ایک بائسہ طلاق واقع ہو جائے گی۔

۲۹- ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ تُرِيدُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالذَّارِ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنِينَ مِنْكُمْ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تم نیکوکاروں کے لیے بہت بڑا اجر و ثواب تیار کر رکھا ہے [”مِنْكُمْ“ میں حرف ”مِنْ“ بیان یہ ہے تبعضیہ نہیں ہے۔]

۳۰- ﴿يُنِسَاءَ النَّبِيِّ مَنِ يَاْتِ مِنْكُمْ بِفَاحِشَةٍ﴾ اے پیغمبر کی بیویو! تم میں سے جو بڑی حرکت کرے گی ”فاحشہ“ کا معنی ہے: قباحت و بے حیائی میں سخت بڑی حرکت ﴿مُبَيِّنَةٌ﴾ صریح جس کی بُرائی و بے حیائی ظاہر ہو [یہ ”بَيِّنٌ“ سے ماخوذ ہے اور بہ معنی ”بَيِّنٌ“ ہے (یعنی ظاہر و عیاں) یہ ابن کثیر کی اور ابو بکر کوفی کی قراءت میں ”یا“ مفتوح کے ساتھ (اسم مفعول) ”مُبَيِّنَةٌ“ ہے] بعض نے کہا کہ ”فاحشہ“ سے مراد ازواجِ مطہرات کا رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرنا ہے اور بعض نے کہا: اس سے زنا مراد ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس و مطہر رسول کو اس طرح کی ازواج سے معصوم و محفوظ رکھا ہے ﴿يُضَعَّفُ لَهَا الْعَذَابُ﴾ اس کے لیے دو گنا عذاب دیا جائے گا [ابن کثیر کی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ”نُضَعَّفُ“ (باب تفعیل نون متکلم عین مشد و مکسور اور ”فَا“ ساکن کے ساتھ) ہے جب کہ ابو عمر و بصری یزید اور یعقوب کی قراءت میں ”يُضَعَّفُ“ (باب تفعیل عین مشد و مفتوح اور ”فَا“ ساکن فعل مضارع مجہول) ہے] ﴿ضَعْفَيْنِ﴾ ان کے علاوہ دوسری عورتوں کی نسبت انہیں دو گنا عذاب دیا جائے گا اس لیے کہ جو کام دیگر عورتوں کے لیے قبیح و بُرا ہے وہ ان کے لیے زیادہ قبیح و بُرا ہے، سونا فرمانی کی قباحت و بُرائی کی زیادتی، فضیلت و بزرگی کی زیادتی کے تابع ہے لہذا جس قدر فضیلت و بزرگی اور شان زیادہ ہوگی، اسی قدر نافرمانی کرنے کی قباحت و بُرائی زیادہ ہوگی، اور حضور نبی کریم ﷺ کی بیویوں کی فضیلت و بزرگی اور عظمت و شان کی طرح دنیا بھر کی عورتوں میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے اور اس لیے جاہل و ابل و پڑھ نافرمانی کرنے والے سے پڑھے لکھے علم والے کی نافرمانی کی مذمت و سزا زیادہ سخت ہے کیونکہ علم والے کی نافرمانی بے علم کی نافرمانی سے زیادہ قبیح و بُری ہے اور اس لیے آزاد کی سزا غلام کی سزا سے زیادہ ہوتی ہے اور کافر کو سنگسار نہیں کیا جائے گا ﴿وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا﴾ اور یہ سزا یعنی ازواجِ مطہرات کی سزا کو دو گنا کر کے دینا اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے۔

وَمَنْ يَقْنُتْ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعَمَلْ صَالِحًا نُؤْتِيهَا أَجْرَهَا

مَرَّتَيْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا^(۳۱) يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لَسْتُ بِكَ مِنَ النِّسَاءِ

إِنْ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ

قَوْلًا مَّعْرُوفًا^(۳۲)

اور تم میں سے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گی اور نیک عمل کرے گی تو ہم اسے دو گنا ثواب عطا کریں گے اور ہم نے اس کے لیے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے O اے نبی کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتی ہو تو بات میں ایسی نرمی نہ کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہو وہ لالچ کرے اور تم نیک بات کہو O

ازواج مطہرات کو احکام و آداب کی تلقین

۳۱۔ ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مِنْكُمْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ اور تم میں سے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرماں بردار رہے گی، "القنوت" کا معنی ہے: عاجزی کے ساتھ اطاعت و فرماں برداری اختیار کرنا ﴿وَتَعْمَلْ صَالِحًا﴾ اور وہ نیک عمل کرتی رہے گی تو ﴿تُؤْتِيهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ﴾ ہم اسے دو گنا اجر و ثواب عطا فرمائیں گے یعنی ان کے علاوہ دوسری عورتوں کے ثواب کا دو گنا ثواب عطا کیا جائے گا [حزہ کوئی اور علی کسائی کی قراءت میں "یا" کے ساتھ "یؤتیها" ہے] ﴿وَأَعْتَدْنَا لَهُمُ رِزْقًا حَسِيمًا﴾ اور ہم نے اس کے لیے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے، جلیل القدر اور بڑی شان والی روزی اور وہ جنت ہے۔

۳۲۔ ﴿يُنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ﴾ اے نبی کی بیویو! تم دیگر عام عورتوں میں سے کسی کی طرح نہیں ہو یعنی تم عام عورتوں کے گروہوں میں سے کسی ایک گروہ کی طرح نہیں ہو، جب عورتوں کی جماعتوں کو مختلف گروہوں میں الگ الگ کیا جائے تو ان میں سے کوئی گروہ فضیلت و بزرگی اور عظمت و شان میں تمہارے مساوی اور برابر نہیں ہے۔

[اور "احد" اصل میں بہ معنی "وحد" ہے اور اصل میں "واحد" تھا (پھر کثرت استعمال کی وجہ سے خلاف قیاس تخفیف کے لیے واو کو حذف کر دیا گیا) پھر اس کو عام نفی کے تحت استعمال کے لیے وضع کیا گیا، اس میں مذکر و مؤنث اور واحد و جمع سب مساوی ہیں] ﴿إِنِ اتَّقَيْتُنَّ﴾ اگر تم ڈرتی ہو (یعنی) اگر تم تقویٰ و پرہیزگاری چاہتی ہو یا اگر تم پرہیزگار رہنا چاہتی ہو ﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ﴾ تو تم نرمی سے بات نہ کرو یعنی جب تم پس پردہ مردوں سے بات کرو تو تم عاجزی کے ساتھ یعنی نرم و لچک دار لہجہ میں بات نہ کرو جیسے طمع و لالچ کی ماری عورتیں بیگانے مردوں سے لپچا کر باتیں کرتی ہیں ﴿فِيْطَمَّهَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ﴾ پس جس کے دل میں غلط لالچ اور فسق و فجور کی بیماری ہوگی وہ کوئی غلط امید لگائے گا ﴿وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا﴾ اور تم سخت لہجہ میں بولنے کے باوجود نیک بات کہو۔

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ

علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی لکھتے ہیں:

بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی ازواج میں سے ہر ایک زوجہ حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے افضل و برتر ہو حالانکہ اس طرح نہیں ہے اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس سے یہ خرابی لازم نہیں آتی کیونکہ ازواج مطہرات امہات المؤمنین ہونے اور رسول اللہ ﷺ کی ازواج ہونے کے شرف کی حیثیت سے حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے افضل ہیں، لیکن تمام حیثیات کے اعتبار سے افضل نہیں ہیں، سو اس میں کوئی حرج نہیں کہ حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بعض دوسری حیثیات کے اعتبار سے ان میں سے ہر ایک سے افضل ہوں بلکہ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم مبارک کے جزو ہونے کی حیثیت سے تو تمام خلفاء اور بعرضہ اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی افضل ہیں۔ (تفسیر روح المعانی الجزء الثانی والعشرون ص ۳۲-۳۳، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

وَاتَيْنَ الزَّكَاةَ وَأَطَعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ
الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴿۳۳﴾ وَذَكَرْنَا مَا يَتْلُو فِي يَوْمِئِذٍ
مِّنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ﴿۳۴﴾

اور تم اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور تم پہلی جاہلیت (کے زمانہ) کے بناؤ سنگھار کی طرح بناؤ سنگھار کر کے ظاہر نہ کرو اور تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو بے شک اللہ تعالیٰ تو صرف یہ چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھر والو! وہ تم سے ہر قسم کی ناپاکی کو دور رکھے اور وہ تمہیں خوب پاک صاف رکھے O اور تم وہی یاد کرتی رہو جو تمہارے گھروں میں اللہ تعالیٰ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں تلاوت کی جاتی ہیں بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کی باریکی کو جاننے والا (اور) ہر چیز کی حقیقت کی خبر رکھنے والا ہے O

۳۳- ﴿ذَكَرْنَا﴾ اور تم ٹھہری رہو [نافع مدنی اور صہیرہ کے علاوہ عاصم کوفی کی قراءت میں قاف مفتوح ہے اور اس کی اصل "اِقْرَدْنَا" تھی پھر پہلے راء کو تخفیف کے لیے حذف کر دیا گیا اور اس کا فتح اس کے ماقبل قاف کو دے دیا گیا (اب ہمزہ وصل کی ضرورت نہ رہی اس لیے اسے بھی گرا دیا گیا "قَرْن" رہ گیا) یا "قَارِيقَار" (باب سمع یسمع) سے ماخوذ ہے جب جمع ہو جائے اور باقی قراءت میں "قَرْن" (قاف مکسور باب ضرب یضرب سے) ہے اور "وَقَرَّ يَقْرُ وَقَارًا" سے ماخوذ ہے یا پھر "قَرَّ يَقْرُ" سے ماخوذ ہے اور اصل میں "اِقْرَدْنَا" تھا پھر تکرار سے بچنے کے لیے پہلی "رَا" کو حذف کر دیا گیا اور اس کا کسرہ قاف پر منتقل کر دیا گیا (اب ہمزہ وصل کی ضرورت نہ رہی اس لیے گرا دیا گیا) ﴿فِي يَوْمِئِذٍ﴾ اپنے گھروں میں [ابو عمرو بصری نافع مدنی اور حفص کی قراءت میں "بَا" مضموم ہے] ﴿ذَكَرْنَا تَذَكَّرْنَا الْجَاهِلِيَّةَ الْأُولَى﴾ اور تم پہلے زمانہ جاہلیت کے بناؤ سنگھار کی طرح اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ کرو یعنی قدیم زمانہ جاہلیت کے بناؤ سنگھار کی طرح تم اپنے بناؤ سنگھار کی نمائش نہ کرو اور "تَبْرُج" کا معنی ہے کہ چلنے میں تکبر کا اظہار کرنا اور چلنے کے وقت اترا کر اور اڑ کر مثک مثک کر چلنا یا اس کا معنی ہے کہ زیب و زینت اور بناؤ سنگھار کی نمائش کرنا اور تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ "لَا تَبْرُجْنَ" تَبْرُجًا مِثْلَ تَبْرُجِ النِّسَاءِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى" تم اس طرح زیب و زینت اور بناؤ سنگھار کو ظاہر نہ کرو جس طرح قدیم جاہلیت کے زمانہ میں عورتیں بن سنور کر اپنے بناؤ سنگھار کی نمائش کرتی تھیں اور اس سے وہ زمانہ مراد ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی تھی یا پھر وہ زمانہ مراد ہے جو حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان میں گزرا تھا یا پھر حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا زمانہ مراد ہے اور یہ جاہلیت اولیٰ (قدیم اور پہلا دور جہالت) ہے اور جہالت آخری (جدید اور دوسرا دور جاہلیت) وہ زمانہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت سرور انبیاء محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان گزرا ہے یا پھر جاہلیت اولیٰ سے مراد اسلام سے پہلے کفر و شرک کا زمانہ ہے اور جاہلیت آخری سے اسلام کے مبارک زمانہ میں فسق و فجور اور بدکاری و گناہ گاری کی جاہلیت مراد ہے ﴿ذَكَرْنَا الصَّلَاةَ وَآتَيْنَ الزَّكَاةَ وَأَطَعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ اور تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ یہاں پہلے خصوصی طور پر نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا پھر اطاعت کی صورت میں تمام عبادات کا عمومی طور پر حکم دیا ایک تو اس لیے کہ نماز و زکوٰۃ سب سے افضل عبادات ہیں دوسرا اس لیے کہ جو شخص ان دونوں کو ہمیشہ پابندی کے ساتھ ادا کرتا رہے گا تو یہ دونوں

ارکان اسلام سے دیگر عبادات کی طرف کھینچ لے جائیں گے ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تو صرف یہ چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھر والو! وہ تم سے ہر قسم کے گناہ کی نجاست و ناپاکی کو دور رکھے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات آپ کے اہل بیت میں سے ہیں اور ”عنکم“ میں ضمیر مخاطب اس لیے مذکور لائی گئی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آل پاک میں سے عورتیں اور مرد سب مراد ہیں اور ”اہل بیت“ نداء کی وجہ سے منصوب ہے کہ اصل میں ”یا اہل بیت“ ہے یا مدح کی بناء پر منصوب ہے ﴿وَيُطَهِّرُكُمْ تَطْهِيرًا﴾ اور وہ تمہیں گناہوں کی نجاست سے خوب پاک صاف رکھے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے جو بیان کیا ہے ان میں کچھ چیزوں سے ازواج مطہرات کو منع کیا ہے اور کچھ چیزوں کا حکم دیا اور کچھ چیزوں کی نصیحت کی ہے تاکہ رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت گناہوں کا ارتکاب نہ کریں اور تاکہ تقویٰ و طہارت اور تزکیہ و تصفیہ کے ذریعے گناہوں سے پرہیز کرتے رہیں اور ذنوب (گناہوں) کے لیے ”رجس“ کو اور تقویٰ کے لیے ”طہر“ کو استعمال کیا گیا کیونکہ جس طرح انسان کا بدن نجاستوں سے آلودہ ہو جاتا ہے اسی طرح برائیوں کا ارتکاب کرنے والے کی عزت و آبرو بھی گناہوں سے آلودہ ہو جاتی ہے اور لیکن نیکیوں کی وجہ سے عزت و آبرو پاکیزہ ترین ہو جاتی ہے جس طرح پانی سے کپڑا پاک صاف ہو جاتا ہے اور اس میں عقل مندوں کے لیے منہیات و ممنوعات اور محرمات سے نفرت دلائی گئی ہے اور امر و فرائض کے بجالانے میں انہیں ترغیب دی گئی ہے۔

۳۴- ﴿وَإِذْ كُنَّا فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے (یعنی) قرآن مجید میں سے جو کچھ تمہارے گھروں میں تلاوت کیا جاتا ہے اسے یاد کیا کرو ﴿وَالْحِكْمَةَ﴾ اور حکمت و دانائی کی باتوں کو یعنی سنت نبوی ﷺ یا قرآن مجید کے معانی و مفاہیم کے بیان کو یاد کیا کرو ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کی باریکیوں کو خوب جانتا ہے ﴿خَبِيرًا﴾ ان کی حقیقتوں کو خوب جانتا ہے یعنی (اے نبی کی پاک دامن بیوی!) وہ تمہارے تمام افعال اور تمہارے تمام اقوال اور تمہارے تمام احوال کو خوب جانتا ہے سو تم اس کے حکم کی مخالفت اور اس کی

کیونکہ اس آیت مبارکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج پاک کو اہل بیت کہہ کر پکارا گیا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ سے پہلے بھی حضور کی ازواج پاک کا ذکر کیا گیا ہے اور اس آیت مبارکہ کے بعد بھی حضور کی ازواج پاک کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ درمیان میں اصلہ کسی اور کا ذکر کر دیا جائے ورنہ آیات بے ربط ہو جائیں گی لہذا اس جگہ ازواج پاک کا اہل بیت میں داخل ہونا یقینی ہے بلکہ آیت کا خطاب اولاً ان ہی سے ہے مگر چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سیدہ فاطمہ الزہراءؑ حضرت علی مرتضیٰؑ حضرت حسن مجتبیٰؑ حضرت حسین سید الشہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بذات خود ایک چادر میں لے کر ”اللہم ھو لاء اھل بیٹی“ فرما کر اور ان کے حق میں یہ آیت مبارکہ تلاوت فرما کر اہل بیت میں شامل و داخل فرمایا اس لیے یہ حضرات بھی اہل بیت میں یقیناً داخل ہیں اور فضیلت تطہیر کے مستحق ہیں اگرچہ اس قرآنی خطاب کی اولین مخاطب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج پاک ہیں اور چونکہ لفظ اہل بیت مذکور ہے اس لیے یہاں ضمیر مذکور لائی گئی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی سے فرمایا: ”قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُتُوا“ اور ”لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ“ (القصص: ۲۹) اور جیسے فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ سے فرمایا تھا: ”اتعجبین من أمر اللہ رحمة اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت“ (ہود: ۷۳) بہر حال بیت سکتی کے اعتبار سے ازواج مطہرات اور بیت نسب کے اعتبار سے اولاد امجاد و انا د اور نواسے نواسیاں سب اس آیت مبارکہ میں داخل ہیں۔

ممانعت اور اس کے رسول کی نافرمانی سے بچتی رہو۔

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَنَاتِ
وَالْقَنَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَشِيعِينَ
وَالْخَشِيعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ
وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ
أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿۳۵﴾

بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں اور فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں اور سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں اللہ تعالیٰ نے ان سب کے لیے مغفرت و بخشش اور بہت بڑا اجر و ثواب تیار کر رکھا ہے O

مردوں اور عورتوں کی قابل اعزاز خوبیاں

شانِ نزول: اور جب حضور نبی کریم ﷺ کی ازواجِ پاک کے حق میں (ان کی عظمت و شان میں اضافہ کرنے والے) اوامر و نواہی اور آداب پر مشتمل آیات مبارکہ جتنی اللہ تعالیٰ نے نازل کرنی تھیں، وہ نازل فرمادیں تو مسلمانوں کی عورتوں نے کہا کہ ہماری شان میں تو کوئی آیت مبارکہ نازل نہیں ہوئی، سو اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کی شان میں یہ (درج ذیل) آیت کریمہ نازل فرمادی: ﴿إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ﴾ بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں۔ مسلم وہ شخص ہے جو جنگ کے بعد سلامتی میں داخل ہو جائے، مطیع وہ شخص ہے جو سرکشی نہ کرے یا اپنا ہر کام اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے، اسی کی ذاتِ اقدس پر پورا پورا بھروسہ رکھے، یہی وہ شخص ہے جس نے اپنے چہرے کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا دیا (یعنی کامل مسلمان ہو گیا) ﴿وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ﴾ اور ایمان دار مرد اور ایمان دار عورتیں (یعنی) اللہ تعالیٰ اور اس کے محترم رسول اور ان تمام ضروریاتِ دین کی تصدیق و تسلیم کرنے والے مرد و خواتین جن کی تصدیق کرنا واجب و لازم ہے ﴿وَالْقَنَاتِ وَالْقَنَاتِ﴾ اور فرماں برداری کرنے والے مرد اور فرماں برداری کرنے والی عورتیں (یعنی) اطاعت و فرماں برداری اور عبادت و ریاضت پر قائم رہنے والے مرد و خواتین ﴿وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ﴾ اور سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں (یعنی) اپنے ارادوں و نیتوں میں اور اپنے اقوال و گفتار میں اور اپنے افعال و اعمال اور سیرت و کردار میں سچائی پر قائم رہنے والے مرد و خواتین ﴿وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ﴾ اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں (یعنی) اطاعات و عبادات کے بجا لانے پر اور تمام برائیوں اور تمام گناہوں سے بچنے پر صبر کرنے والے مرد و خواتین ﴿وَالْخَشِيعِينَ وَالْخَشِيعَاتِ﴾ اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں (یعنی) ظاہر و باطن اور دل و جان سے اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی

اختیار کرنے والے مرد و خواتین یا ظاہر و باطن ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے حضرات و خواتین ﴿وَالْمُتَّصِدِّقِينَ﴾ اور صدقہ و خیرات کرنے والے مرد اور صدقہ و خیرات کرنے والی عورتیں، خواہ وہ صدقہ فرض ہو (جیسے زکوٰۃ، قربانی اور صدقہ فطر وغیرہ) یا نفل ہو (مسجد و مدرسہ و دیگر فلاحی کاموں پر مال و دولت خرچ کرنا) ﴿وَالصَّالِحِينَ وَالصَّالِحَاتِ﴾ اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں، خواہ فرض روزے ہوں (جیسے ماہ رمضان اور نذر اور کفارہ کے روزے) خواہ نفل روزے ہوں (جیسے ہر ماہ کی تیرہ چودہ اور پندرہ تاریخ کے روزے اور نو دس محرم اور ہر پیر کے روزے وغیرہ وغیرہ) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جو شخص ہر ہفتہ میں ایک درہم صدقہ کیا کرے گا وہ خیرات کرنے والوں میں سے (سخی) ہوگا اور جو شخص ہر مہینے میں ایام بیض (تیرہ چودہ پندرہ تاریخ) میں روزے رکھا کرے گا سو وہ (ہمیشہ) روزے رکھنے والوں میں سے ہوگا ﴿وَالْحَفِظِينَ فِرْدُوجُهُمْ﴾ اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد حضرات (یعنی حرام کاری، بدکاری، زنا کاری اور) ان تمام بُرے کاموں سے اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں جو کسی صورت میں حلال نہیں ﴿وَالْحَفِظَاتِ﴾ اور تمام حرام کاموں سے اپنی پارسائی کی حفاظت کرنے والی عورتیں ﴿وَالذَّاكِرَاتِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد (یعنی) ”سبحان اللہ“ ”الحمد لله“ ”لا اله الا الله“ اور ”الله اکبر“ کہہ کر اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اور حمد و ثناء اور استحقاق عبادت اور بڑائی بیان کر کے اور قرآن مجید کی تلاوت کر کے اور علم کے حصول میں مشغول ہو کر کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا اور معنی یہ ہے کہ ”والحافظات فروعهن“ ﴿وَالذَّاكِرَاتِ﴾ ”الله“ (یعنی) اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والی عورتیں [اور چونکہ ما قبل کا کلام اس پر دلالت کرتا ہے اس لیے اس کو حذف کر دیا گیا ہے اور اس آیت کریمہ میں مؤنثات کا ذکر پر عطف کے درمیان اور ایک جوڑے کا دوسرے جوڑے پر عطف کے درمیان فرق یہ ہے کہ پہلے کی مثال یہ ارشاد ہے: ”نِسَاءٍ وَأَبْكَارًا“ (التحریم: ۵) یہ اس بات کی مثال ہے کہ دونوں جنس مختلف ہیں اور دونوں ایک حکم میں مشترک ہیں پس ان دونوں کے درمیان عطف کا واسطہ ضروری اور لازمی ہے اور لیکن دوسرے میں صفت کا صفت پر حرف جمع کے ساتھ عطف ہے [اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک ان عبادات و کمالات کے جامع مردوں اور عورتوں کے لیے ﴿أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کی اطاعت و عبادت اور ان کی ان خوبیوں پر مغفرت و بخشش اور بہت بڑا اجر و ثواب تیار کر رکھا ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ

لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا

مُبِينًا ط

اور کسی مسلمان مرد اور کسی مسلمان عورت کے لیے جائز نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کسی امر کا فیصلہ کر دیں تو پھر ان کے لیے اپنے معاملے میں کوئی اختیار رہ جائے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے تو بے شک وہ کھلم کھلا گمراہی میں بھٹک گیا ○

رسول خدا کے فیصلے پر کسی مسلمان کو رد عمل کا اختیار نہیں

شان نزول: جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی پھوپھی حضرت امیمہ کی بیٹی حضرت زینب بنت جحش کو اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ کے لیے نکاح کا پیغام بھیجا جس پر حضرت زینب بنت جحش نے انکار کر دیا اور ان کے بھائی حضرت عبداللہ ابن جحش نے بھی انکار کر دیا تو یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۳۶۔ ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ﴾ اور کسی مسلمان مرد کے لیے (جائز نہیں) اور نہ کسی مسلمان عورت کے لیے (جائز) ہے یعنی کسی مسلمان مرد کے لیے صحیح اور جائز نہیں ہے اور کسی مسلمان عورت کے لیے بھی صحیح اور جائز نہیں ہے کہ ﴿وَإِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا﴾ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول یعنی جب رسول اللہ ﷺ معاملات میں سے کسی معاملہ کا فیصلہ فرمادیں تو (یہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر تعظیم امر کے لیے ہے ورنہ مراد صرف حضور کا فیصلہ ہے) ﴿أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْجِبْرَةُ﴾ ان کو اپنے معاملہ میں کوئی اختیار رہ جائے یعنی مسلمانوں کے جس معاملے میں رسول اکرم ﷺ فیصلہ فرمادیں تو اس معاملہ میں مسلمانوں کو کوئی اختیار نہیں کہ اپنی مرضی استعمال کر کے جو چاہیں کریں بلکہ ان پر فرض ہے کہ وہ اپنی رائے کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رائے کے تابع کر دیں اور وہ اپنے اختیار کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تابع کر دیں (چنانچہ جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ آیت مبارکہ سنی) تو ان دونوں نے بہ یک زبان ہو کر کہا کہ ”رضینا یا رسول اللہ“ اے اللہ تعالیٰ کے محترم رسول! ہم آپ کے فیصلے پر راضی ہیں چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت زید بن حارثہ کا حضرت زینب بنت جحش سے نکاح کر دیا اور آپ نے حضرت زید سے حضرت زینب کو ان کا حق مہر دلادیا [”لَهُمْ“ میں ضمیر کو جمع کر کے لایا گیا ہے اگرچہ اس کا حق یہ تھا کہ اسے واحد لایا جاتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ فیصلے کے تحت واقع ہونے کی بناء پر عام ہو گیا ہے اور وہ ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت کو شامل ہو گیا ہے اس لیے ضمیر کو معنی کے لحاظ سے جمع لایا گیا ہے لفظ کے لحاظ سے نہیں لایا گیا اور کوفیوں کی قراءت میں ”یا“ کے ساتھ ”يَكُونُ“ ہے ”الْخَيْرَةُ“ کا معنی ہے: اختیار اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امر کا صیغہ وجوب کے لیے ہوتا ہے [”وَمَنْ يُعِصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلًّا مُّبِينًا“ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ یقیناً صریح گمراہی میں بھٹک گیا ہے سوا گمراہی خدا اور رسول کے فیصلے کو رد کرنے اور اس کو قبول کرنے سے انکار پر مشتمل ہوگی تو یہ کفر کی گمراہی ہے اور اگر نافرمانی فیصلہ کو قبول کرنے اس کے وجوب کا اعتقاد رکھنے کے باوجود ترک عمل پر مشتمل ہوگی تو یہ نافرمانی اور گناہ کی گمراہی ہے۔

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ
وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ
أَنْ تَخْشَاهُ فَلَمَّا قَضَىٰ رَبُّكَ أَمْرًا فَذَرَاكَ جُنُكًا يَلْكِي لَا يَكُونُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ
خَرَجَ فِي أَزْوَاجِهِ أَدْعِيَ إِلَيْهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿۳۶﴾

اور جب آپ اس شخص سے فرمانے لگے جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا اور آپ نے (بھی) اس پر انعام کیا کہ اپنی بیوی

کو اپنے پاس رو کے رکھ اور اللہ تعالیٰ سے ڈر اور آپ اپنے دل میں اسے چھپانے لگے جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا اور آپ لوگوں سے ڈرتے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے ڈرتے رہا کریں پھر جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے اسے آپ کے نکاح میں دے دیا تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے نکاح کرنے) کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے جب وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر لیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہو کر رہتا ہے۔

منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کے جواز کا بیان

۳۷۔ ﴿وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ﴾ اور (اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے) جب آپ اس شخص سے فرما رہے تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی نعمت سے مالا مال کر دیا یہی وہ نعمت ہے جو تمام نعمتوں سے جلیل القدر ہے ﴿وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ﴾ اور آپ نے بھی آزاد کر کے اور منہ بولا بیٹا بنا کر اس پر انعام فرمایا سو وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت سے اور اس کے رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعمت سے بہرہ ور ہوتے رہے اور وہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

﴿أَمْسِكَ عَلَيْكَ زَوْجَكَ﴾ تم اپنی بیوی یعنی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے پاس رو کے رکھو اور یہ اس لیے فرمایا کہ جب حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش کا حضرت زید بن حارثہ سے نکاح کر دیا تو اس کے بعد ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت زید کے گھر تشریف لے گئے اور حضرت زینب کو دیکھا تو آپ کے دل میں حضرت زینب کی محبت خود بخود داخل ہو گئی اور آپ نے فوراً فرمایا: "سُبْحَانَ اللَّهِ مَقْلَبَ الْقُلُوبِ" اللہ تعالیٰ پاک ہے دلوں کو پھیرنے والا ہے اور یہ کلمات آپ نے اس لیے فرمائے کہ آپ کا دل اس سے پہلے حضرت زینب کی چاہت و محبت سے بالکل خالی تھا اور آپ کے دل نے اسے کبھی نہیں چاہا تھا اور حضرت زینب نے آپ کا "سُبْحَانَ اللَّهِ" کہنا سن لیا اور حضرت زید کی گھر واپسی پر حضرت زینب نے اس واقعہ کا ذکر کیا تو حضرت زید بن حارثہ سمجھ گئے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت زید کے دل میں حضرت زینب کی صحبت کی نفرت و کراہیت ڈال دی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت زید کے دل میں رسول اللہ ﷺ کے لیے حضرت زینب کی رغبت پیدا کر دی چنانچہ حضرت زید نے خود رسول خدا ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے دوں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کیا تمہیں ان کے بارے میں کوئی شک و شبہ لاحق ہو گیا ہے؟ حضرت زید نے عرض کیا کہ ایسی کوئی بات نہیں اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے اس میں خیر و بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا، لیکن وہ اپنی خاندانی فضیلت و عظمت کی وجہ سے اپنے آپ کو مجھ سے بڑا خیال کرتی ہیں اور مجھے غلام سمجھ کر اپنی بڑھائی جتانے کے لیے میری تحقیر کرتی ہیں اس کے جواب میں حضور سید عالم ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: "أَمْسِكَ عَلَيْكَ زَوْجَكَ" کہ تم اپنی بیوی اپنے پاس رو کے رکھو ﴿وَالَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو سوا اپنی بیوی کو طلاق نہ دو اور یہ بھی تنزیہ (کراہت) کی ہے کیونکہ بہتر اور مناسب یہ ہے کہ عورت کو طلاق نہ دی جائے یا یہ معنی ہے کہ (اے زید!) اللہ تعالیٰ سے ڈرو سو تکبر اور شوہر کو دکھ دینے کی طرف نسبت کر کے حضرت زینب کی مذمت و برائی بیان نہ کرو ﴿وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ﴾ اور (اے محبوب!) آپ اپنے دل میں وہ چیز چھپا رہے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے یعنی آپ اپنے دل میں یہ بات چھپا رہے ہیں کہ اگر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا مختصر تذکرہ اسی تفسیر مدارج میں سورۃ الاحزاب: ۴ کی تفسیر میں گزر چکا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں، تفصیل کے لیے تفسیر تبيان القرآن ج ۹ ص ۶۷۳ سورۃ الاحزاب: ۴ میں ملاحظہ فرمائیں۔

حارشہ نے اپنی بیوی حضرت زینب بنت جحش کو طلاق دے دی تو آپ ان سے نکاح کر لیں گے اور یہی وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمادیا اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ جس چیز کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دل میں مخفی رکھا تھا وہ ایک تو حضرت زینب کے ساتھ دل کی بستگی اور دوسرا حضرت زید کا حضرت زینب کو طلاق دے کر جدائی اختیار کرنے کی خواہش تھی۔

﴿وَتَخَشَى النَّاسَ﴾ اور آپ لوگوں سے ڈرتے ہیں یعنی آپ لوگوں کی اس بات سے ڈرتے ہیں کہ وہ کہیں گے: آپ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے ﴿وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے ڈرتے رہیں یعنی آپ حضرت زید سے فرماتے ہیں کہ تم اپنی بیوی کو اپنے پاس روکے رکھو جب کہ آپ نے اپنے دل میں یہ ارادہ پوشیدہ رکھا ہوا ہے کہ حضرت زید اپنی بیوی کو اپنے پاس نہ رکھے (اور طلاق دے دے تاکہ اللہ تعالیٰ کا حکم پورا ہو) اور آپ لوگوں کی باتوں اور ان کے طعنوں سے ڈرتے ہیں حالانکہ اس بارے میں آپ لوگوں سے ڈرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے ڈریں تو یہ زیادہ مناسب ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ وحی پہنچائی جاتی ہے اس میں سے اگر آپ کچھ چھپانا چاہتے تو البتہ یہی آیت مبارکہ چھپا لیتے [”وَتَخْفِي فِي نَفْسِكَ“ اور ”وَتَخْشَى النَّاسَ“ اور ”وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ“ میں سب داؤدال کے لیے ہیں] ﴿فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدًا مِّنْهَا وَطَرًا﴾ پھر جب حضرت زید نے اپنی حاجت اس سے پوری کر لی ”الوطر“ کا معنی حاجت ہے چنانچہ جب کوئی شخص اپنی حاجت پوری کر لیتا ہے جس میں اس کی کوئی اہمیت مطلوب ہو تو کہا جاتا ہے کہ ”قضى منه وطره“ فلاں شخص نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی اور اب معنی یہ ہوا کہ جب حضرت زینب میں حضرت زید کی کوئی حاجت باقی نہ رہی اور اس سے حضرت زید کا کوئی مطلب نہ رہا اور اس نے اسے طلاق دے دی اور اس کی عدت ختم ہو گئی تو ﴿زَوْجًا لَّكَهَا﴾ ہم نے اس کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیا۔

مروی ہے کہ جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عدت پوری ہو گئی تو رسول خدا حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء

علامہ الشیخ اسماعیل حنفی اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو ظاہر کرنے والا تھا وہ یہی چیز تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہلے بتا دیا تھا کہ حضرت زینب کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیا جائے گا جب حضرت زید اسے طلاق دے دیں گے لہذا عنقریب یہ بی بی آپ کی بیوی ہو جائے گی اور آپ اس بات کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ کیا ہوا یہ وعدہ ضرور پورا کرے گا اور سب لوگوں پر ظاہر فرمادے گا کہ یہ آپ کی بیوی ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: ”زَوْجًا لَّكَهَا“ کہ ہم نے اس کا نکاح آپ سے کر دیا ہے جس کی ایک علامت یہ ہے کہ آپ کو اس کے ساتھ محبت ہو گئی ہے اور یہ محبت خود اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں پیدا کر دی ہے ورنہ آپ ایسے نہیں کہ غیر عورت سے محبت کریں کیونکہ آپ تو معصوم ہیں اور جو محبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی ہو وہ محبت قابل تعریف ہے حدیث شریف میں ہے کہ ”حُبُّ النَّاسِ مِنْ دُنْيَاكُمْ قَلَاتٌ الطَّيِّبُ وَالنِّسَاءُ وَقُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ“ تمہاری دنیا کی تین چیزیں میرے لیے محبوب بنا دی گئی ہیں خوشبو عورت اور نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان چیزوں سے خود محبت ہوتی تو ”حُبُّ“ کی بجائے ”أَحْبَبْتُ“ فرماتے۔

مسئلہ: انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے کرام علیہم رحمۃ الرحمن کے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوتے

ہیں کیونکہ شیطان کو ان پر کوئی چارہ کار نہیں۔ (ماخوذ از تفسیر روح البیان مترجم بنام فیوض الرحمن پارہ ۲۱ ص ۴۴-۴۳)

نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ میں اپنے دل میں تم سے زیادہ با اعتماد و باوثوق کسی کو نہیں پاتا، تم حضرت زینب کو میرے نکاح کا پیغام پہنچاؤ، چنانچہ حضرت زید نے فرمایا کہ میں اس کے گھر گیا اور میں نے کہا: اے زینب! تمہیں خوش خبری اور مبارک ہو کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے تمہیں اپنے ساتھ نکاح کا پیغام بھیجا ہے، پس حضرت زینب یہ خوش خبری سن کر بہت خوش ہوئیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کر لی اور ان کے ساتھ شب زفاف فرمائی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت زینب بنت جحش کی شادی پر جس قدر بہترین ولیمہ کیا، اس قدر اپنی دیگر بیویوں میں سے کسی بیوی سے شادی کے موقع پر نہیں کیا کیونکہ اس ولیمہ میں بکری ذبح کی گئی اور لوگوں کو روٹی اور گوشت کھلایا گیا اور یہ سلسلہ دن بھر جاری رہا (جب کہ ایسے موقع پر عموماً چھوہارے اور کھجوریں کھلائی جاتی ہیں) ﴿لَیْسَ لَیْکُمْ اَلِیْتَانٌ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرْجٌ فِیْ اَزْوَاجٍ اَدْعٰیہُمْ اِذَا قَضَوْا مِنْہُمْ وَطَرًا﴾ تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی تنگی نہ رہے، جب کہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر لیں (یعنی طلاق دے دیں) بعض نے کہا کہ ”قضائے وطر“ کا معنی ہے: حاجت کو پالینا اور اپنی مراد کو حاصل کر لینا ﴿وَکَانَ اَمْرٌ اَللّٰہُ مَفْعُوْلًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے (یعنی) جس حکم کے نافذ کرنے کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرمالتا ہے وہ حکم ضرور لامحالہ نافذ ہو کر رہتا ہے اور یہ مثال اس بات کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم نبی محترم و معظم کی حضرت زینب سے شادی ہو جانے کا ارادہ فرمایا تو وہ ہو کر رہی۔

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرْجٍ فَمَا فَرَضَ اللهُ لَهُ سُنَّةَ اللهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا

مِنْ قَبْلُ وَكَانَ اَمْرٌ اَللّٰہُ قَدَرًا لَّقَدْ وَّرَا ﴿۳۸﴾ الَّذِیْنَ یَبْلِغُوْنَ رِسَالَاتِ اللّٰہِ وَیَخْشَوْنَہٗ

وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ وَكَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیْبًا ﴿۳۹﴾

نبی پر اس کام میں کوئی حرج نہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر فرمایا، اللہ تعالیٰ کا (یہ) دستور ان لوگوں میں جاری رہا جو پہلے گزر چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم ایک اندازے پر مقرر کیا ہوا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی سے نہیں ڈرتے اور کافی ہے اللہ تعالیٰ حساب لینے والا۔

۳۸- ﴿مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرْجٍ فَمَا فَرَضَ اللهُ لَهُ﴾ پیغمبر خدا پر اس کام کے کرنے میں کوئی حرج اور تنگی نہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے از خود مقرر فرمایا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حلال کر دیا اور انہیں اس کا حکم دے دیا اور وہ حضرت زید کی مطلقہ بیوی حضرت زینب سے نکاح کرنا مراد ہے یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے عورتوں کی جتنی تعداد مقرر و مقدر فرمادی ہے، اتنی تعداد تک ان سے شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں ﴿سُنَّةَ اللّٰہِ﴾ [”سنۃ“ اسم ہے جس کو مصدر کے قائم مقام مقرر کیا گیا ہے اور یہ ”ما کان علی النبی من حرج“ کی تاکید ہے جیسے عرب کا قول ہے: ”تربا“ اور ”جندلا“ مصدر کے قائم مقام اسم ہیں] گویا فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ایک دستور اور طریقہ ہے جو اس نے گزشتہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں جاری و ساری رکھا ہے اور یہ کہ ان پر اس کام کے کرنے میں کوئی حرج اور تنگی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مباح اور جائز قرار دے دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر نکاح وغیرہ کے معاملہ میں وسعت و گنجائش عطا کر رکھی ہے اور ان کے نکاح میں بہت سی آزاد عورتیں ہونے کے علاوہ بہت بڑی تعداد لوٹنیوں کی ہوا کرتی تھی، چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے نکاح میں ایک سو خواتین تھیں اور تین سو لوٹنیاں تھیں اور حضرت

سلیمان علیہ السلام کے نکاح میں تین سو آزاد عورتیں تھیں اور سات سو لونڈیاں تھیں ﴿فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ﴾ ان حضرات میں جو پہلے گزر چکے ہیں یعنی انبیائے کرام میں جو آپ سے پہلے گزر چکے ﴿وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کا (ہر) کام ایک اندازے پر مقرر کیا ہوا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ کے ہر کام کا فیصلہ قطعی اور حکم یقینی ہوتا ہے [اور اس پر وقف نہیں کرنا چاہیے اگر (درج ذیل آیت) "الذین یبلغون" کو پہلے "الذین" سے بدل قرار دیا جائے تو اور اگر "الذین یبلغون" کو بدل کی بجائے محلاً مرفوع یا مدح کی بناء پر منصوب قرار دیا جائے تو پھر اس پر وقف کیا جائے گا یعنی "ہم الذین یبلغون" یا "اعنی الذین یبلغون"۔]

۳۹ - ﴿الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ﴾ جو اللہ تعالیٰ کے پیغامات (لوگوں) کو پہنچاتے ہیں اور صرف اسی سے ڈرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا وہ کسی سے نہیں ڈرتے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کا یہ وصف بیان فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وتخشى الناس والله احق ان تخشاه" اور اے محبوب! آپ اپنے منہ بولے بیٹے حضرت زید کی مطلقہ بیوی حضرت زینب سے نکاح کے معاملہ میں لوگوں کی ملامت سے ڈرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ حق رکھتا ہے کہ آپ صرف اسی سے ڈرتے رہیں اس آیت مبارکہ میں تصریح و توضیح کرنے کے بعد اب اس جگہ تعریض بیان فرمائی کہ انبیائے کرام تو صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔

﴿وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا﴾ اور اللہ تعالیٰ حساب لینے کے لیے کافی ہے وہی ڈرنے والے کی کفایت فرمائے گا یا وہی صغیرہ اور کبیرہ گناہوں پر محاسبہ فرمائے گا پس وہی اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ط
وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝ يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۝
وَسِخْرَتَهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ هُوَ الَّذِي يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُمْ

۱۔ دراصل انبیائے کرام علیہم السلام کو تقاضائے بشریت کے تحت وقتی طور پر خوف لاحق ہو جاتا ہے جیسا کہ فرعون کے دربار میں جادوگروں کے جادو کے سبب جب لکڑیاں اور رسیاں سانپ بن کر دوڑنے لگیں تو یہ تقاضائے بشریت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خوف و ڈر لاحق ہوا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فوراً تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: "لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلَىٰ ۝" (طہ: ۶۸) "اے موسیٰ! بالکل نہ ڈرو بے شک تم ہی غالب رہو گے ۝"۔ نیز جب فرعون کو تبلیغ کرنے کا حکم ہوا تو حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام نے کہا تھا کہ "رَبَّنَا إِنَّا أَتَيْنَاكَ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّخْلِطِينَ وَأَنْتَ تَعْلَمُ السِّرَّ إِنَّا نَخَافُ أَنْ يُفْرِطَ عَلَيْنَا أَوْ أَنْ يَطْفِئَ ۝ قَالَ لَا تَخَافَا إِنِّي مَعَكُمْ أَسْمَعُ وَأَرَىٰ ۝" (طہ: ۴۵-۴۶) "اے ہمارے پروردگار! بے شک ہم ڈرتے ہیں کہ فرعون ہم پر زیادتی کرے گا یا سرکشی کرے گا ۝" اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تم دونوں بالکل نہ ڈرو بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں میں سنتا ہوں اور میں دیکھتا ہوں ۝" اور جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تھا: "وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الدَّيْبُ" (یوسف: ۱۳) "اور مجھے اندیشہ ہے کہ اسے بھیڑیا کھا جائے گا" اس لیے جہاں انبیائے کرام علیہم السلام کو خوف لاحق ہونے کا ذکر ہے وہ یہی خوف ہے اور جہاں اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی سے نہ ڈرنے کا ذکر ہے وہاں شان نبوت اور اللہ تعالیٰ پران کے پختہ ایمان و یقین کا اظہار ہے۔ غوثی مہاروی

مَنْ الظُّلْمِ إِلَى التُّورِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ﴿۲۳﴾ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ
وَأَعَدَّ لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا ﴿۲۴﴾

محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور تمام نبیوں میں آخری نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اور ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کیا کرو اور تم صبح اور شام اس کی تسبیح بیان کیا کرو وہی تم پر اپنی رحمت نازل کرتا ہے اور اس کے فرشتے دعائے رحمت کرتے ہیں تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے اور وہ مؤمنوں پر بہت رحم فرمانے والا ہے اور جس دن وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں گے اس دن ان کو سلام کہہ کر عادی جائے گی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے باعزت اجر و ثواب تیار کر رکھا ہے اور

حبیب خدا امت کے روحانی باپ اور آخری نبی ہیں

۴۰۔ ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ ذَرْوِكُمْ﴾ حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں یعنی تم میں سے کسی مرد کے حقیقی باپ نہیں ہیں تاکہ آپ کے درمیان اور اس آدمی کے درمیان وہی رشتہ ثابت ہو جائے جو ایک باپ اور اس کے بیٹے کے درمیان حرمت مصاہرہ (سسرالی رشتہ کی حرمت) اور حرمت نکاح کی صورت میں ثابت ہو جاتا ہے اور ”من رجالکم“ سے بالغ جوان مرد مراد ہیں اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس وقت بالغ نہیں تھے (نیز حسین کریمین حقیقی نہیں مجازی بیٹے ہیں) اور آپ کے حقیقی صاحب زادے حضرت طیب و طاہر اور حضرت قاسم اور حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہم بلوغت سے پہلے بچپن میں وفات پا گئے تھے ﴿وَلَكِنَّ دَسُوفَ الْاِنَّهٗ﴾ اور اصل میں ”ولکن کمان رسول اللہ“ ہے (یعنی) اور لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور ہر رسول اپنی امت کا روحانی اور معنوی باپ ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ امت پر اپنے نبی اور رسول کی تعظیم و توقیر اور اس کا ادب و احترام اور اطاعت واجب و لازم ہوتی ہے اور رسول پر اپنی امت کی نصیحت و خیر خواہی اور شفقت و رحمت واجب ہوتی ہے باقی احکام میں نہیں جو باپ اور بیٹوں میں ثابت ہوتے ہیں اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمہارے انہیں مردوں میں سے ایک مرد ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقی اولاد نہیں ہیں سو اس لیے حضرت زید کا حکم وہی ہوگا جو تمہارا حکم ہے اور متبہی ہونا محض اختصاص اور قرب کی وجہ سے منہ بولا بیٹا کہلاتا ہے ورنہ وہ نہ حقیقی بیٹا بن جاتا ہے اور نہ اس کا نسب سے کوئی تعلق ہوتا ہے ﴿وَحَاثَمَ النَّبِیِّنَ﴾ ”حاثم“ عامی کی قراءت میں ”قا“ پر فتح (زبر) ہے یہ معنی تابع یعنی ان سب (نبیوں) کے آخر میں آنے والا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کوئی شخص اب نبی نہیں بنے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان نبیوں میں سے نہیں ہے کہ لغت کی بعض کتب میں ”حاثم“ کا معنی مہر لگانا بھی لکھا ہے جس سے منکرین ختم نبوت یہ معنی مراد لے لیتے ہیں کہ حضور سرور عالم ﷺ مہر لگانے والے ہیں آپ نے جس پر مہر لگادی وہی نبی ہوگا اور جس پر آپ نے مہر نہیں لگائی وہ نبی نہیں بن سکے گا حالانکہ یہ قرآن و سنت اور اجماع امت کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود اور باطل ہے اور صحیح معنی یہ ہے کہ حضور سید عالم ﷺ سے پہلے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی آمد کا سلسلہ جاری تھا لیکن حضور رحمت عالم ﷺ کی آمد کے بعد یہ سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا اور اس پر ختم نبوت کی مہر لگا کر باب نبوت بند کر دیا گیا تاکہ کوئی کذاب و دجال اور مکار و عیار فریبی شخص نبوت کا دعویٰ کر کے اس میں داخل نہ ہو سکے پھر قرآن مجید میں جہاں ”ختم“ کا معنی مہر لگانا ہوتا ہے وہاں ”حتم“ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہیں جن کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے نبوت عطا کی گئی تھی (اس لیے ان کے دوبارہ دنیا میں آنے سے ختم نبوت میں کوئی فرق نہیں پڑتا نیز) جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پر اتریں گے تو سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شریعت پر عمل کریں گے، گویا آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک امتی ہونے کی حیثیت سے آئیں گے [اور حضرت عاصم کے علاوہ باقی قراء کی قراءت میں "خاتم" میں "تا" مکسور (زیر) ہے بہ معنی تابع (آخر میں آنے والا) اور یہ ختم کا اسم فاعل ہے اور اس کی تقویت اور تائید و تصدیق حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس (درج ذیل) قراءت سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کا کلمہ صرف "علی" کے ساتھ متعدی ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "خَتَمَ اللَّهُ عَلَي قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ" (البقرہ: ۷) "اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے" نیز فرمایا: "الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَى أَفْوَاهِهِمْ" (یٰسین: ۶۵) "ہم اس دن (قیامت میں) ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے" دوسری جگہ ارشاد ہے: "فَإِنْ يَشَأِ اللَّهُ يُخْتِمُ عَلَى قَلْبِكَ" (الشوری: ۲۳) "سو اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہارے دل پر مہر لگا دیتا"۔ قارئین کرام! اختصار کے پیش نظر مزید صرف تین آیات چند احادیث اور چند اقوال مفسرین تحریر کیے جاتے ہیں:

(۱) "الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا" (المائدہ: ۳) "آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور میں نے تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا"۔ دین مکمل، نعمت مکمل اور اسلام پر رضائے الہی کا واضح اظہار رسول اکرم ﷺ کے آخری نبی اور آخری رسول ہونے کا اعلان ہے کہ اب کسی اور نبی کی ضرورت نہیں رہی اس لیے کہ احکام الہی مکمل ہو گئے کیونکہ آپ کے بعد کسی اور نبی کا آنا اسی وقت ممکن ہوتا جب آپ کا دین نامکمل ہوتا اور آپ کی شریعت میں کوئی کمی رہ گئی ہوتی تو اس کی تکمیل کے لیے اور نبی کو بھیجا جاتا، لیکن جب دین مکمل ہو گیا، نعمت تمام ہو گئی اور دین اسلام کو پسند کر لیا گیا تو اب کسی اور نبی کی ضرورت نہیں رہی۔

(۲) "قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا" (الاعراف: ۱۵۸) "اے محبوب! فرمادے مجھے کہ اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں"۔ اس آیت مبارکہ میں واضح طور پر اعلان کر دیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعلان نبوت سے لے کر قیامت تک تمام انسانوں کے فقط آپ رسول ہیں لہذا اگر آپ کے بعد نبوت کا اجراء جائز و ممکن مانا جائے تو پھر آپ تمام انسانوں کے رسول نہیں ہوں گے حالانکہ یہ نص قطعی سے ثابت ہے اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ نبوت کا اجراء ناممکن و محال ہے۔

(۳) "وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ" (الانبیاء: ۱۰۷) "اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے"۔ یاد رہے کہ ہر نبی اپنی اپنی امت کے لیے مشفق و مہربان اور رحمت ہوتا ہے اور تمام جہانوں کے لیے پیکر رحمت بن کر آنے والی فقط حضور سید عالم ﷺ کی ذات بابرکات ہے لہذا اب اگر آپ کے بعد کوئی اور نبی ممکن مانا جائے تو آپ تمام جہانوں کے لیے رحمت نہیں رہیں گے کیونکہ جس قوم کا کوئی اور نبی ہوگا وہی اس قوم کے لیے رحمت ہوگا حالانکہ یہ اس آیت مبارکہ کے خلاف ہے اس لیے آپ کے بعد نبی کا آنا ناممکن و محال ہے۔

ختم نبوت کے متعلق احادیث مبارکہ

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت بیان کی کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ان مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتاً فاحسنه واجمله الا موضع لبنة من زاوية فجعل الناس يطوفون به ويعجبون له ويقولون هل لا وضعت هذه اللبنة فانا اللبنة وانا خاتم النبیین"۔ (بخاری کتاب الفتن باب خاتم النبیین رقم الحدیث: ۳۵۳۵) تفسیر روح المعانی الجزء الثانی والعشرون ص ۳۱، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور، معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۳۲ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہو جاتی ہے: ”وَلٰكِنْ نَّبِيًّا خَتَمَ النَّبِيِّينَ“ اور لیکن آپ نبی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے نبیوں کا سلسلہ نبوت ختم فرمادیا ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، باب التاویل عرف خازن ج ۳ ص ۵۰۳ تا ۵۰۴، مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ، مصر، تفسیر مظہری ج ۷ ص ۳۵۱، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی، میری اور مجھ کے پہلے انبیاء کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جس نے ایک گھر بنایا اور اس کو بہت حسین و جمیل بنایا مگر ایک اینٹ کی جگہ ایک کونے میں چھوڑ دی، سو لوگ اس گھر کے گرد گھومتے ہیں اور اس کے حسن و جمال پر تعجب کرتے ہیں اور کہتے ہیں: یہاں یہ اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی؟ سو میں وہ اینٹ ہوں (جس سے ایوان نبوت کی تکمیل ہو گئی ہے) اور میں تمام نبیوں کے بعد آخری نبی ہوں۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”فَضَّلْتُ عَلٰی الْاَنْبِيَاءِ بَسْتًا اَعْطَيْتُ جِوَامِعَ الْكَلِمِ وَنَصَرْتُ بِالرَّعْبِ وَاحْتَلْتُ لِي الْغَنَائِمَ وَجَعَلْتُ لِي الْاَرْضَ مَسْجِدًا وَطَهَّوْرًا وَارْسَلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخَتَمْتُ بِى النَّبِيِّينَ“ (مشکوٰۃ ص ۵۱۲، مطبوعہ اصح المطابع، دہلی، بحوالہ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۳) ”مجھے تمام انبیاء کے کرام پر چھ خوبیوں کی وجہ سے فضیلت و برتری عطا کی گئی ہے: (۱) مجھے جوامع الکلم (مختصر الفاظ میں بے شمار معانی بیان کرنے کی قوت) عطا کی گئی (۲) اور رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی (۳) اور میرے لیے اموال غنیمت حلال کیے گئے (۴) اور میرے لیے تمام روئے زمین کو سجدہ گاہ اور طہارت کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے (۵) اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے (۶) اور مجھ پر نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔“

(۳) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ”اِنَّ مَنِيَّ بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى اِلَّا اَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي“ ”میرے ساتھ تمہاری وہی نسبت ہے جو موسیٰ کے ساتھ ہارون کی تھی، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔“ (مشکوٰۃ ص ۵۶۳، متفق علیہ باب مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(۴) حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا: ”اِنْ لِيْ اَسْمَاءٌ اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللّٰهُ بِى الْكُفْرَ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يَحْشُرُ النَّاسَ عَلٰى قَدَمِيْ وَاَنَا الْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ“ (متفق علیہ مشکوٰۃ ص ۵۱۵، مطبوعہ اصح المطابع، دہلی، تفسیر معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۳۲، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت، تفسیر لباب التاویل ص ۵۰۴، مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ، مصر، تفسیر مظہری ص ۳۵۱، ج ۷، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی) ”بے شک میں محمد (ﷺ) ہوں اور میں احمد ہوں اور میں وہ ماحی (مٹانے والا) ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے ذریعے کفر کو مٹا دے گا اور میں وہ حاشر (جمع کرنے والا) ہوں کہ لوگوں کو میرے قدموں پر اٹھایا جائے گا اور میں وہ عاقب (آخر میں آنے والا) ہوں جس کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔“

(۵) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث نبوی بیان کی جس کا ایک حصہ یہ ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”وَاِنَّهُ سَيَكُوْنُ فِىْ اُمَّتِيْ كَذٰبُوْنَ ثَلَاثُوْنَ كَلِمًا يَزْعَمُ اَنَّهُ نَبِيُّ اللّٰهِ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ“ (مشکوٰۃ کتاب الفتن فصل ثانی ص ۶۵، مطبوعہ اصح المطابع، دہلی، رواہ ابوداؤد کتاب الفتن، والترمذی) ”اور بے شک عنقریب میری امت میں تیس کذاب (بہت جھوٹ بولنے والے) ہوں گے ان میں سے ہر ایک گمان کرے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نبی ہے حالانکہ میں تمام نبیوں کے آخر میں آنے والا (خاتم النبیین) ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔“

(۶) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت بیان کی کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لَوْ كَانَ بَعْدِيْ نَبِيٌّ لَّكَانَ عَمْرًا بِنِ الْخَطَابِ“ (مشکوٰۃ باب مناقب عمر، فصل ثانی ص ۵۵۸، مطبوعہ اصح المطابع، دہلی، رواہ الترمذی) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تسبیح بیان کرنے کا حکم

۴۱، ۴۲ - ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا﴾ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کیا کرو (یعنی) حمد و ثناء کی جتنی اقسام ہیں ان سب کے ساتھ تم اللہ تعالیٰ کی توصیف و تعریف، عظمت و شان اور خوبیاں بیان کر کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) رقم الحدیث: ۳۶۸۶، الحاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۳۶۹، مطبوعہ مکتبۃ النوریہ الرضویہ) ”بہ فرض محال اگر میرے بعد کوئی نبی ہو سکتا تو البتہ (حضرت) عمر بن خطاب ہوتے۔“

(۷) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ان الرسالة والنبوة قد انقطعت ولا رسول بعدی ولا نبی“ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۷۲) ”بے شک رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اور میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی ہوگا۔“

(۸) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”انا قائد المرسلین ولا فخر وانا خاتم النبیین ولا فخر وانا اول شافع و مشفع ولا فخر“ (رواہ الداری، مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین، فصل ثانی ص ۵۱۳، مطبوعہ اصح المطابع، دہلی) ”میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور فخر نہیں، اور میں خاتم النبیین (سب نبیوں کے آخر میں آنے والا) ہوں اور فخر نہیں، اور میں پہلا شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے اور فخر نہیں۔“

(۹) حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ”انسی عند اللہ مکتوب خاتم النبیین وان ادم لمنجدل فی طینتہ وساخر کم باول امری دعوة ابراهیم وبشارة عیسی ورویا امی الّتی رات حین وضعتنی وقد خرج لها نور اضاء لها منه قصور الشام“ (رواہ فی شرح السنۃ ورواہ احمد عن ابی امامۃ، مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین فصل ثانی ص ۵۱۳، مطبوعہ اصح المطابع، دہلی) ”بے شک میں اللہ تعالیٰ کے ہاں خاتم النبیین (سب سے آخری نبی) لکھا جا چکا تھا حالانکہ اس وقت حضرت آدم مٹی میں گوندھے جا رہے تھے اور میں تمہیں اپنی پہلی حالت بتاتا ہوں، حضرت ابراہیم کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰ کی بشارت ہوں اور اپنی ماں کا وہ نظارہ ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا اور بے شک ان کے لیے ایک نور برآمد ہوا جس سے ان کے لیے ملک شام کے محلات روشن ہو گئے۔“

(۱۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”كنت اول النبیین فی الخلق و آخرهم فی البعث“ (تفسیر معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۰۸، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، تفسیر روح المعانی الجزء الحادی والعشرون ص ۱۵۳، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور، الباب التاویل المعروف تفسیر خازن ج ۳ ص ۴۸۴، مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ بمصر، تفسیر مظہری ج ۷ ص ۲۸۸، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی، تفسیر ابن کثیر پارہ ۲۱، ص ۷۹، مترجم، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی) ”میں تخلیق و پیدائش میں تمام نبیوں سے پہلے ہوں اور اعلان نبوت میں سب سے آخری نبی ہوں۔“

ختم نبوت کے متعلق مفسرین کے چند اقوال

(۱) علامہ ابن کثیر متوفی ۷۴۷ھ متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ”فقد اخبر اللہ تعالیٰ فی کتابہ ورسولہ ﷺ فی السنة المتواترة عنہ انه لا نبی بعدہ ليعلموا ان کل من ادعی هذا المقام بعدہ فهو کذاب افاک دجال ضالّ ومنصل“ (یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسول کریم ﷺ نے سنت متواترہ میں بتایا ہے کہ حضور کے بعد کوئی نبی نہیں، تاکہ ساری دنیا جان لے کہ جو شخص بھی حضور کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے گا، وہ کذاب ہے، جھوٹا ہے دجال ہے، گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔)

یاد کرو اور تم اسے بہت کثرت سے یاد کیا کرو ﴿وَتَسْبُحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلاً﴾ اور تم صبح و شام اس کی تسبیح بیان کیا کرو ”بکرة“ کا معنی ہے: دن کا آغاز اور شروع (یعنی صبح) اور ”اصیل“ کا معنی ہے: دن کا آخر (یعنی شام) ان دو اوقات کا خصوصیت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۲) علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ روح المعانی (ص ۲۱) الجزء الثانی والعشرون، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور) میں لکھتے ہیں:

”وكونه صلى الله عليه وسلم خاتم النبيين مما نطق به الكتاب وصرحت به السنة واجمعت عليه الامة فيكفر مدعى خلافة ويقتل ان اصر“ یعنی حضور نبی کریم ﷺ کا خاتم النبيين (سب سے آخری نبی) ہونا ایسا عقیدہ ہے جس کی تصریح و توضیح قرآن و سنت نے کی ہے اور اس پر تمام امت کا اجماع ہے پس جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ کافر ہو جائے گا اور اگر اس نے توبہ نہیں کی اور اس دعویٰ پر اصرار کرتا رہا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

(۳) علامہ ابن الحیان اندلسی متوفی ۷۴۵ھ اپنی تفسیر بحر محیط میں رقم طراز ہیں:

”ومن ذهب الى ان النبوة مكتسبة لا تنقطع او الى ان الولي افضل من النبي فهو زنديق يجب قتله وقد ادعى ناس النبوة فقتلهم المسلمون على ذلك وكان في عصرنا شخص من الفقهاء ادعى النبوة بمدينة ما لقه فقتله السلطان بن الاحمر ملك الاندلس بغرناطة و صلب حتى تناثر لحمه“ یعنی جس شخص کا نظریہ ہو کہ نبوت کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا اور اسے اب بھی حاصل کیا جاسکتا ہے یا جس کا یہ عقیدہ ہو کہ ولی نبی سے افضل ہوتا ہے وہ زندقہ ہے اور واجب القتل ہے آج تک جن لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا، مسلمانوں نے ان کو قتل کر دیا، ہمارے زمانے میں بھی فقراء میں سے ایک شخص نے شہر مالقہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تو اندلس کے بادشاہ نے غرناطہ میں اس کا سر قلم کر دیا اور اس کی لاش کو سولی چڑھا دیا۔ وہ اسی حال میں لٹکا رہا یہاں تک کہ اس کا گوشت گل کر گر پڑا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۲ ص ۷۲-۷۳)

(۴) علامہ شیخ اسماعیل حقی حنفی تفسیر روح البیان میں لکھتے ہیں:

جو شخص حضور نبی کریم ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے اس لیے کہ وہ اپنے اس جھوٹے دعویٰ میں نص قطعی کا منکر ہے اسی طرح جو شخص ختم نبوت کے متعلق شک کرے یا منکر کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے اس لیے کہ حق اور باطل کا فرق اور امتیاز واضح ہو چکا ہے۔

چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا تو امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتویٰ جاری فرمایا کہ جو آدمی اس جھوٹے مدعی سے مجزہ کا طالب ہو گا وہ کافر ہے، کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”لا نبی بعدی“۔ (تفسیر روح البیان ص ۶۸، پارہ: ۲۲، مترجم، مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور)

ختم نبوت کے متعلق فقہاء اسلام کے چند اقوال

درج ذیل فقہائے کرام نے فرمایا کہ جو شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں یا آپ کے وصال کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے اور جو اس کی تصدیق کرے وہ بھی کافر ہے (الف) امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ (ب) قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۲ھ (ج) علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ (د) علامہ سلطان محمد القاری الحنفی متوفی ۱۰۱۳ھ (ه) علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف غرناطی اندلسی ۷۵۴ھ (و) علامہ محمد الشربینی الشافعی (ز) علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ۔ ان کے اقوال کی تفصیل تفسیر تبیان القرآن ج ۹ ص ۷۱-۷۲-۷۳، مطبوعہ فریڈ بک سٹال، اردو بازار لاہور میں ملاحظہ فرمائیں۔ غوثی مہاروی

سے اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے ان دو اوقات میں جمع ہو جاتے ہیں اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم (صبح و شام) کہا کرو: ”سبحان اللہ“ اور ”الحمد للہ“ اور ”اللہ اکبر“ اور ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم“ اور یہ دونوں فعل یعنی اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنا اور اس کی تسبیح بیان کرنا، صبح اور شام کے اوقات کی طرف متوجہ کیے گئے ہیں جیسے تمہارا یہ کہنا کہ ”صم وصل یوم الجمعة“ جمعہ المبارک کے دن روز رکھ اور نماز پڑھ اور تسبیح بیان کرنا بھی ذکر خدا کی ایک قسم ہے، لیکن جس طرح تمام فرشتوں میں سے حضرت جبریل اور حضرت میکائیل کے ذکر کو ان کی فضیلت کی بناء پر مخصوص کیا جاتا ہے اسی طرح ذکر الہی کی تمام اقسام میں سے تسبیح کے ذکر کو اس لیے مخصوص کیا گیا ہے کہ ذکر کی تمام اقسام پر تسبیح کی فضیلت ظاہر کی جائے کیونکہ تسبیح کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کو ان تمام صفات سے پاک ثابت کیا جائے جو اس کی شایان شان نہیں اور نہ وہ اس کی ذات اقدس پر جائز ہو سکتی ہیں پھر اس تسبیح کے لیے ”بکرة“ اور ”اصیلا“ کے اوقات مقرر و مخصوص کیے گئے اور ”بکرة“ سے نماز فجر مراد ہے اور ”اصیلا“ سے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں مراد ہیں یا پھر ”بکرة“ سے فجر کی نماز اور ”اصیلا“ سے مغرب و عشاء کی نمازیں مراد ہیں۔

مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بیان

۴۳۔ ﴿هُوَ الَّذِي يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ﴾ وہ (اللہ تعالیٰ) ہے جو تم پر اپنی رحمت نازل کرتا ہے اور اس کے فرشتے بھی (نزول رحمت کی دعا کرتے ہیں) جب نمازی کی یہ شان ہے کہ وہ اپنے رکوع اور سجود میں جھک جاتا ہے تو یہ کلمہ بطور مستعار ہر اس شخص پر بولا جاتا ہے جو اپنے غیر پر شفقت و مہربانی کرنے کے لیے جھک جاتا ہے جیسے عیادت کرنے والا بیمار پر شفقت کرتے ہوئے اس پر جھک جاتا ہے اور عورت اپنے بچے پر شفقت و رحمت کے جذبہ سے سرشار ہو کر اس پر جھک جاتی ہے پھر یہ کثرت سے بولا جانے لگا یہاں تک کہ یہ رحمت و مہربانی اور ”رافت“ کے معنی میں استعمال کیا گیا اور اسی معنی میں اہل عرب کا یہ قول بولا جاتا ہے: ”صلی اللہ علیک“ یعنی اللہ تعالیٰ تم پر رحم و کرم اور مہربانی فرمائے اور فرشتوں کی صلوة سے مراد یہ ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مسلمانوں کے لیے دعائے رحمت کرتے ہوئے یہ عرض کرتے ہیں کہ ”اللہم صل علی المؤمنین“ یعنی اے اللہ! تو مسلمانوں پر رحم فرما۔ اس آیت مبارکہ میں فرشتوں کو اس لیے صلوة یعنی رحمت بھیجنے والا قرار دیا گیا ہے کہ وہ مستجاب الدعوة (مقبول دعا والے) ہیں، گویا وہ رحمت و مہربانی کرنے والے ہیں اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرماتا ہے اور تم پر مہربانی کرتا ہے کہ تمہیں خیر و بھلائی کی طرف بلاتا ہے اور وہ تمہیں کثرت کے ساتھ ذکر کرنے کا حکم دیتا ہے اور زیادہ سے زیادہ نماز پڑھنے اور عبادت و اطاعت کرنے کا حکم دیتا ہے ﴿لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے (یعنی) گناہوں کے اندھیروں سے نکال کر عبادت و اطاعت کی روشنی کی طرف لے جائے ﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ مؤمنوں پر بے حد مہربان ہے اور یہ کلام اس بات کی دلیل ہے کہ صلوة سے رحمت مراد ہے۔

شان نزول: ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب سورت احزاب کی (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی کہ ”إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ“ (الاحزاب: ۵۶) ”بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم پر درود بھیجتے ہیں“ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو شرف و خیر عطا فرمایا، اس میں ہمیں بھی شریک رکھا، سو اس شرف و کرم کے سوا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمادی۔

۴۴- ﴿يَحْيِيكُمْ﴾ ان کی دعا (یعنی) ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی دعا [اس میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے] ﴿يَوْمَ يَلْقَوُاهُ﴾ جس دن وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں گے (یعنی) وہ اللہ تعالیٰ کا جس دن دیدار کریں گے ﴿سَلَامًا﴾ سلام کہنا ہوگا (یعنی) اللہ تبارک و تعالیٰ مومنوں کو دعا دیتے ہوئے ارشاد فرمائے گا: ”السلام علیکم“ تم سب پر سلام ہو ﴿وَأَعَدَّ لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے باعزت اجر و ثواب تیار کر رکھا ہے یعنی جنت۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿٣٥﴾ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ

بِأَذْنِهِ وَبِسِرِّ جَائِمِينَ ﴿٣٦﴾ وَيَشِيرُ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا ﴿٣٧﴾

وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِينَ وَالْمُنٰفِقِينَ وَدَعْ أَذْمَهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿٣٨﴾

اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور (جنت کی) خوش خبری سنانے والا اور (جہنم سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے حکم سے دعوت دینے والا اور روشن چراغ (بنا کر بھیجا ہے) اور مومنوں کو خوش خبری سنا دیجئے کہ بے شک ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے اور آپ کافروں اور منافقوں کی اطاعت ہرگز نہ کیجئے اور آپ ان کی ایذا رسانی پر انہیں چھوڑ دیں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے

شان مصطفیٰ کا بیان

۴۵- ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا﴾ اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو ان تمام افراد امت پر گواہ بنا کر بھیجا ہے جن کی طرف آپ کو نبی و رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور ان کی تکذیب پر اور ان کی تصدیق پر آپ کو گواہ بنایا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی گواہی اور آپ کی بات امت کے حق میں اور امت کے خلاف دونوں صورتوں میں ہر حال میں قبول کی جائے گی۔ واضح رہے کہ ”شاهد“ کا معنی حاضر و ناظر بھی ہے اور گواہی دینے والا بھی ہے کیونکہ ”شاهد“ کا لفظ ”شہود“ اور ”شہادۃ“ سے مشتق ہے اور امام راغب اصفہانی ان کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”الشهود والشهادة الحضور مع المشاهدة“، ”اما بالبصر او البصيرة“، ”شهود“ اور ”شهادة“ کا معنی ہے: حاضر ہونا بمع مشاہدہ (دیکھنے) کے خواہ وہ دیکھنا آنکھوں کی بینائی سے ہو یا بصیرت (قلبی آنکھ) کے نور سے ہو۔ (مفردات عربی ج ۲ ص ۲۷۷ مطبوعہ مصر) اس معنی کے بیان سے واضح ہو گیا کہ ”شہادہ“ کے معنی میں حاضر ہونا اور مشاہدہ (دیکھنا) دونوں چیزیں داخل ہیں اس لیے ”شاهد“ کا معنی حاضر و ناظر اور گواہی دینے والا دونوں صحیح ہیں کیونکہ ”شاهد“ (گواہی دینے والا) موقع پر حاضر و موجود بھی ہوتا ہے اور موقع کا ناظر و مشاہدہ کرنے والا بھی ہوتا ہے پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گواہ ہونا چار وجوہ کی بناء پر ہے:

(۱) آپ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی ذات و صفات کے شاہد ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝ وَكَمْ يَكُنْ لَهُ كُفْرًا أَحَدٌ ۝“ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور اس نے کسی کو نہیں جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا ہے اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے

(۲) آپ اپنی امت اور انبیائے کرام اور ان کی امتوں کے بارے میں گواہی دیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَيَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا“ (البقرہ: ۱۴۳) ”اور رسول تم پر گواہ ہوں گے“ نیز ارشاد ہے: ”فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَيْنَا شَهِيدًا ۝“ (النساء: ۴۱) ”سو اس وقت کیا حالت ہوگی جب ہم (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جائے گی، جیسا کہ ایک عادل و منصف کی بات و گواہی مقدمہ کے فیصلہ میں قبول کی جاتی ہے [اور "شاہداً" حال مقدر ہے، جیسے "مردت برجل معہ صقر صائلاً بہ غداً" میں ایک آدمی کے پاس سے گزرا جس کے ساتھ شکر تھا، وہ اس کے ساتھ کل شکار کرے گا] یعنی شکرے کے ساتھ شکار کرنا ابھی مقدر و مخفی ہے، جس کا ظہور کل شکار کے وقت ہوگا (لہذا آپ کو شاہد و گواہ تو بنا دیا گیا ہے مگر آپ کی شہادت و گواہی ابھی مقدر و مخفی ہے، اس کا اظہار قیامت کے دن اس وقت ہوگا جب آپ گواہی دیں گے) ﴿وَمُبَشِّرًا﴾ "للمؤمنین بالجنة" اور (ہم نے آپ کو) مسلمانوں کے لیے جنت کی خوش خبری سنانے والا بنا کر (بھیجا ہے) ﴿وَنَذِيرًا﴾ "للكافرين بالنار" اور کافروں کو دوزخ کی آگ سے ڈرانے والا بنا کر (بھیجا ہے)۔

۴۶۔ ﴿وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ﴾ اور آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے حکم سے دعوت دینے والے ہیں (یعنی) اس کے حکم اور اس کی توفیق سے [اور یہ سب حال کی بناء پر منصوب ہیں] ﴿وَيَسِّرَ آجَاتِنِيئًا﴾ اور روشن چراغ ہیں، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے شرک کی تاریکیوں کو دور کر کے توحید کی راہیں روشن کر دیں اور اس کے ذریعے گمراہوں نے ہدایت پائی، جیسا کہ رات کی تاریکیاں روشن چراغ سے جگمگا پڑتی ہیں اور اس کے سبب راہ راست حاصل کی جاتی ہے اور جمہور اس بات پر متفق ہیں کہ "سراجاً منيراً" سے مراد قرآن مجید ہے مگر اس صورت میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: "وذا سراج منیر

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ہر ایک امت سے ایک گواہ لائیں گے اور ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے۔"

(۳) آپ نے دنیا میں احوال آخرت یعنی جنت و دوزخ اور میزان و پل صراط وغیرہم کی گواہی دی۔

(۴) آپ آخرت میں احوال دنیا یعنی نیکی و بدی، اطاعت و نافرمانی اور اصلاح و فساد خیر و شر کی گواہی دیں گے۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۸۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۹۷۸ء)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حاضر و ناظر ہونے کی توضیح

صوفیائے کرام اور بعض علمائے اسلام نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حاضر و ناظر ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے جسد اصلی اور اپنے معروف و مخصوص تشخص کے ساتھ ہر جگہ موجود ہیں، حتیٰ کہ کوئی معاند و مخالف یہ کہے کہ جب تم کرسی پر بیٹھو تو بتاؤ کرسی کے نیچے رسول اللہ ﷺ ہیں یا نہیں ہیں، اگر آپ کرسی کے نیچے نہیں ہیں تو ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہیں اور اگر کرسی کے نیچے ہیں تو تم بڑے بے ادب اور گستاخ ہو کہ حضور کرسی کے نیچے ہیں اور تم کرسی کے اوپر بیٹھے ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ حاضر و ناظر کا یہ معنی نہیں کہ آپ اپنے جسم اصلی اور معروف تشخص کے ساتھ بعینہ ہر جگہ موجود ہیں بلکہ آپ اپنے جسد اصلی اور معروف تشخص کے ساتھ اپنے روضہ انور میں جلوہ فرما ہیں اور وہاں آپ کے مختلف اشغال ہیں، آپ قبر منور میں نماز پڑھتے ہیں، تجلیات الہیہ کا مشاہدہ کرتے ہیں، صفات باری کا مطالعہ کرتے ہیں، زائرین کے سلام کا جواب دیتے ہیں، ان کی درخواستوں پر توجہ فرماتے ہیں، ان کے لیے دعا فرماتے ہیں اور ان کی شفاعت کرتے ہیں، آپ پر اعمال امت پیش کیے جاتے ہیں، آپ نیک اعمال پر خوش ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے ہیں اور بد اعمالیوں پر رنجیدہ ہوتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں، کائنات ملاحظہ فرماتے ہیں اور جب چاہتے ہیں جہاں چاہتے ہیں، جسم مثالی کے ساتھ تشریف لے جاتے ہیں، بعض اوقات کسی کی عیادت فرماتے ہیں، کسی کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں، کسی ستم رسیدہ کی مدد کرتے ہیں، کسی کو حدیث پڑھاتے ہیں، کسی کو فقہی مسئلہ بتاتے ہیں اور کسی کو محض اپنے جمال دل نواز سے شاد کام کرتے ہیں اور اگر آپ ایک وقت میں متعدد جگہ جانا چاہیں تو بہ یک وقت متعدد جگہ جسم مثالی کے ساتھ تشریف لے جاتے ہیں۔

(شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۲۸-۷۲۹)

نوٹ: مسئلہ حاضر و ناظر کی مدلل و مفصل تحقیق ملاحظہ فرمائیں: شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۲۷ تا ۷۲۸، مطبوعہ فریڈ بک سٹال، اردو بازار لاہور

اور تالیا سراجاً منیراً“ اور روشن چراغ والے یاروشن چراغ کی تلاوت کرنے والے اور ”سراج“ کو ”منیر“ کے ساتھ اس لیے موصوف کیا گیا ہے کہ چراغ کا تیل جب کم ہو جاتا ہے اور اس کی بیٹی ہوئی جتنی باریک ہو جاتی ہے تو پھر وہ روشنی نہیں دیتا یا اس آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو ایسا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ ہماری وحدانیت کی گواہی دینے والے اور ہماری رحمت کی خوش خبری سنانے والے اور ہمارے غضب و ناراضگی سے ڈرانے والے اور ہماری عبادت کی طرف (لوگوں کو) بلانے والے اور روشن چراغ یعنی آپ ہماری ذاتِ بابرکات کے لیے روشن حجت اور واضح دلیل ہیں۔

۴۷- ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا﴾ اور (اے محبوب!) آپ مومنوں کو خوش خبری سنا دیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے بہت بڑا فضل ہے (یعنی) بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔

۴۸- ﴿وَلَا تَطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ﴾ اور (اے محبوب!) آپ کفار و منافقین کی اطاعت ہرگز نہ کیجئے۔ اس نبی سے مراد کفار سے اجتناب کرنے پر برا بیچتہ کرنا اور اسی اجتناب کی حالت پر جس پر پہلے سے گامزن ہیں اسی پر آپ کو قائم و دائم اور ثابت قدم رہنے کی تلقین ہے ﴿وَدَعَا أَذَاهُمْ﴾ اور آپ ان کی ایذا کو چھوڑیے۔ یہ ایذا اور تکلیف دینے کے معنی میں ہے پس اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ یہ اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے یعنی کفار و منافقین آپ کو جو ایذا اور تکلیف دیتے ہیں آپ اس کو ایک طرف کر دیجئے اور آپ ان کی کوئی پرواہ نہ کیجئے اور نہ آپ ان کی ایذا سے خوف زدہ ہوں۔ (دوسرا احتمال یہ ہے کہ) یا یہ مفعول کی طرف مضاف ہے یعنی کفار و منافقین کی کارروائیوں کا انتقام لینے کے لیے آپ ان کو ایذا پہنچانے کا ارادہ ترک کر دیجئے ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ پر توکل کیجئے اور اسی پر بھروسہ رکھیے کیونکہ وہی ان کے مقابلے میں آپ کی کفایت کرے گا ﴿وَكُفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے اور اس معاملہ میں وہی کفایت کرے گا تمام امور اسی کی طرف سپرد کیے گئے ہیں۔

اور بعض مفسرین نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پانچ صفات کے ساتھ متصف فرمایا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے مقابلے میں آپ کو مناسب خطاب کے ساتھ مخاطب فرمایا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شاہد کے مقابلے میں آپ کو اپنے ارشاد ”بشر المؤمنین“ کے ساتھ مخاطب فرمایا کیونکہ آپ اپنی امت پر گواہ ہیں اور وہ باقی تمام سابقہ امتوں پر گواہ ہوں گے اور یہ بہت بڑا فضل ہے اور ”مبشراً“ کے مقابلے میں کفار و منافقین سے اعراض کرنے کو بیان فرمایا کیونکہ جب آپ ان سے اعراض کریں گے تو آپ کی تمام تر توجہ مسلمانوں پر مرکوز ہو جائے گی اور یہ بشارت و خوش خبری کے مناسب ہے اور ”نذیراً“ کے مقابلے میں ”وَدَعَا أَذَاهُمْ“ کے ساتھ آپ کو مخاطب کیا گیا ہے کیونکہ جب آپ فی الحال ان کی ایذا کو ترک کر دیں گے اور آپ کو ایذا پہنچانے پر جلد یا بدیر عذاب کا آنا ضروری ہے تو کفار و منافقین کو ایذا پہنچانے پر مستقبل کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے اور ”داعياً الى الله باذنه“ کے مقابلے میں آپ کو ”توکل علی اللہ“ کے ساتھ مخاطب کیا گیا ہے کیونکہ جب آپ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس پر بھروسہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ پر ہر مشکل کو آسان کر دے گا اور ”سراجاً منیراً“ کے مقابلے میں ”كُفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا“ کو بیان فرمایا کیونکہ جس کو اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے لیے رحمان بنا کر منور کر دیتا ہے وہ اس لائق ہے کہ وہ تمام مخلوق کے مقابلے میں صرف اللہ تعالیٰ کے وکیل و کارساز ہونے پر اکتفاء کرے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ

تَسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا فَمِيتَعُوهُنَّ وَسَرَ حُوهُنَّ

سَرَا حَاجِبِيلاً ﴿۴۹﴾

اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کر لو پھر تم ان سے صحبت کرنے سے پہلے انہیں طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں جسے تم شمار کرو سو تم انہیں کچھ فائدہ مند چیزیں دے دو اور تم انہیں خوش اسلوبی سے چھوڑ دو۔
غیر مدخولہ مطلقہ عورت کے لیے کوئی عدت نہیں

۴۹- ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ﴾ اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو یعنی شادی کرو اور ”نکاح“ کا معنی اصل میں جماع کرنا ہے اور عقد شادی کا نام نکاح رکھنا محض ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ عقد ہی نکاح کے مقصد تک پہنچنے کا راستہ ہے جیسا کہ شراب کا نام گناہ رکھا جاتا ہے کیونکہ شراب گناہ کا سبب ہے اور جیسا کہ راجز کا قول ہے: ”اسمنة الأبال فی صحابہ“ اونٹوں کا موٹاپا اور ان کی کوبانوں کا بلند ہونا اس کے تالاب کے پانی کی وجہ سے ہے۔ یہاں اونٹوں کے موٹاپے کو پانی کا نام دیا گیا ہے کیونکہ پانی اونٹوں کے موٹاپے اور کوبانوں کے بلند ہونے کا سبب ہے اور قرآن مجید میں ”نکاح“ کے لفظ سے صرف عقد کا معنی مراد ہوتا ہے کیونکہ جماع کے معنی سے اس کی تجرید ہو جاتی ہے جب کہ قرآن کے آداب میں سے ایک بات یہ ہے کہ جماع کے لیے بطور کنایہ لفظ ”ملاہمسة و ملامسة“ (ہاتھ لگانا اور چھونا) اور ”قربان“ (میاں بیوی کی قربت) اور ”نغشی“ (ڈھانپنا) اور ”اتیان“ (پاس آنا) استعمال کیے گئے ہیں اور ”مؤمنات“ کی تخصیص میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسلمان مرد کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ مسلمان عورت سے نکاح کرے اگرچہ اہل کتاب خواتین اس حکم میں مسلمان عورتوں کے مساوی ہیں ﴿ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَسُوهُنَّ﴾ پھر تم ان کے ساتھ صحبت کرنے سے پہلے انہیں طلاق دے دو (یعنی) خلوت صحیحہ سے پہلے جیسے منکوحہ کو ہاتھ لگانا اور چھونا (یا میاں بیوی کا تنہائی میں رہنا) ﴿فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا﴾ سو تمہارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں جسے تم گنا کر دو اس آیت میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ مردوں کے لیے عورتوں پر عدت گزارنا واجب و لازم ہے اور ”تَعْتَدُونَهَا“ کا معنی ہے کہ تم اس کی گنتی پوری کرو (جب تین حیض ختم ہو جائیں گے تو عدت پوری ہو جائے گی) [یہ ”تفتعلون“ کے وزن پر باب افتعال ”عَدَّ“ سے مشتق ہے] ﴿فَمِيتَعُوهُنَّ﴾ سو تم انہیں کچھ فائدے کی چیزیں دے دو اور ”میتعه“ اس عورت کو دینا واجب ہے جس کو خاوند نے اس کے ساتھ ہم بستری سے پہلے طلاق دے دی ہو اس کے علاوہ کے لیے نہیں ﴿وَسَرَ حُوهُنَّ﴾ سَرَ حَاجِبِيلاً اور تم انہیں اچھے طریقے سے حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دو اور تم انہیں محض نقصان پہنچانے کے لیے روک کر نہ رکھو اور تم انہیں اپنے گھروں سے نکال دو کیونکہ تمہارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أُمَّرَاجَكَ الَّتِي آتَيْتَ أَجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ

يَمِينُكَ مِمَّا آفَاءَ اللَّهِ عَلَيْكَ وَبَدَتِ عَيْتِكَ وَبَدَتِ عَيْتِكَ وَبَدَتِ خَالِكَ

وَبَدَّتْ خَلِيكَ الَّتِي هَاجَرْنَا مَعَكَ وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبْتَ نَفْسَهَا
لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ
قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَنْوَاعِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِيُكَلِّمَ
يَكُونُ عَلَيْكَ حَرْجٌ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

اے نبی! بے شک ہم نے آپ کی وہ بیویاں آپ کے لیے حلال کر دیں ہیں جن کو آپ حق مہر ادا کر چکے ہیں اور آپ کی مملو کہ کنیزیں جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت میں عطا فرمائیں اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالائوں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی اور مسلمان عورت اگر وہ اپنی جان نبی کریم کے لیے نذر کر دے اگر نبی کریم اس سے نکاح کرنا چاہیں یہ صرف آپ کے لیے مخصوص ہے دیگر مسلمانوں کے لیے نہیں بے شک ہمیں وہ سب کچھ معلوم ہے جو ہم نے ان کی بیویوں اور ان کی کنیزوں کے حق میں ان پر فرض کر دیا ہے (اور یہ خصوصی اجازت آپ کے لیے صرف اس لیے ہے) تاکہ آپ پر کوئی تنگی نہ ہو اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے ۝

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے نکاح کی خصوصی اجازت

۵۔ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أُمَّرَأَةً مَلَكَتْ يَمِينُكَ وَمِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ﴾ اور وہ کنیزیں جو آپ کے دائیں ہاتھ مبارک کی ملکیت میں آچکیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مال غنیمت میں سے عطا فرمائی ہیں اور وہ حضرت صفیہ اور حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آزاد کر دیا اور پھر ان سے شادی کر لی ﴿وَبَدَّتْ خَلِيكَ وَبَدَّتْ خَلِيكَ وَبَدَّتْ خَلِيكَ﴾ اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالائوں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی اور ”مع“ اقتران و اتصال کے لیے نہیں بلکہ ان کی موجودگی کے لیے ہے بس جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝“ (اہمل: ۴۴) ”اور میں نے حضرت سلیمان کے ساتھ تمام جہانوں کے پروردگار اللہ تعالیٰ کے لیے اسلام کو قبول کر لیا ہے ۝“

اور حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے نکاح کا پیغام بھیجا سو میں نے (کثیر اولاد ہونے کی وجہ سے) معذرت پیش کی تو آپ نے میری معذرت قبول فرمائی پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت

مبارکہ نازل فرمائی جس میں چچا زاد پھوپھی زاد داموں زاد اور خالہ زاد میں سے جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی تھی نکاح حلال کر دیا مگر میں آپ کے لیے حلال نہ ہو سکی کیونکہ میں نے آپ کے ساتھ ہجرت نہیں کی تھی ﴿وَأَمَّا آتَاةُ مَوَدَّةٍ إِنَّ وَهَبْتُ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ﴾ اور مسلمان عورت اگر اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ کے لیے بہہ (نذر) کر دے یعنی ہم نے آپ کے لیے مسلمان عورتوں میں سے وہ عورت بھی حلال کر دی ہے جس کے دل میں یہ خیال واقع ہو جائے کہ وہ اپنے آپ کو آپ کے لیے بہہ کرے اور حق مہر کا مطالبہ نہ کرے اگر آپ اس سے متفق ہو جائیں [اور اس لیے اسے نکرہ بیان کیا گیا ہے] حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ مستقبل کا حکم بیان کیا گیا ہے اور ان ازواج میں سے آپ کے پاس کوئی زوجہ محترمہ بہہ سے نہیں آئی تھی، بعض اہل علم حضرات نے کہا ہے کہ اپنے آپ کو حضور کے لیے بہہ کرنے والی حضرت میمونہ بنت حارث یا حضرت زینب بنت خزیمہ یا ام شریک بنت جابر یا خولہ بنت حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہن تھی [اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حذف لام کی تقدیر پر تعلیل کی بناء پر "ان" کو مفتوح پڑھا ہے اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغیر "ان" کے پڑھا ہے] ﴿إِنْ أَرَادَ النِّسَاءُ أَنْ يَتَّكِفِهِنَّ﴾ اگر حضور نبی کریم ﷺ اس سے نکاح کرنا چاہیں۔ "استنکح" کا معنی ہے: نکاح کی طلب و خواہش اور اس میں رغبت جب کہ بعض حضرات نے کہا کہ "نکح" اور "استنکح" کا ایک معنی ہے اور دوسری شرط پہلی شرط کی تقید ہے، مطلب یہ ہے کہ نکاح حلال ہونے میں عورت کا اپنے آپ کو بہہ کرنا شرط ہے اور بہہ میں رسول اکرم ﷺ کے نکاح کی طلب و رغبت شرط ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے محبوب! ہم نے آپ کے لیے مسلمان عورت کو حلال کر دیا ہے، اگر وہ اپنے آپ کو آپ کے لیے بہہ کر دے اور آپ اس سے نکاح کرنا چاہیں، کیونکہ حضور کا اس کو چاہنا بہہ کو قبول کرنا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بہہ کے لفظ سے نکاح جائز ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت احکام میں یکساں ہیں، ما سوا ان احکام کے جن کو دلیل شرعی نے آپ کے لیے مخصوص کر دیا ہو ﴿مَخَالِصَةً﴾ بغیر مہر کے [یہ "وہبت" کی ضمیر سے حال ہے یا پھر مصدر مؤکد ہے یعنی جو عورتیں ہم نے آپ کے لیے حلال قرار دی ہیں وہ صرف آپ کے لیے مخصوص ہے "مخالصة" بہ معنی خلوص ہے اور مصادر میں "فاعلة" کا وزن غیر مقبول ہے جیسے "عافية" اور "کاذبة" ﴿لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ صرف آپ کے لیے دوسرے مسلمانوں کے لیے نہیں، بلکہ آپ کے علاوہ باقی سب کے لیے حق مہر ادا کرنا واجب ہے اگرچہ نام لے کر مقرر نہ بھی کیا ہو یا اس کی نفی کر دی ہو ﴿إِنْ أَرَادَ النِّسَاءُ﴾ اگر نبی کریم ﷺ اس سے نکاح کرنا چاہیں۔ اس ارشاد میں خطاب سے غائب کی طرف عدول ہے پھر ﴿لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ﴾ میں) خطاب کی طرف رجوع ہے تاکہ یہ اعلان کیا جائے کہ بے شک یہ اختصاص نبوت کی وجہ سے آپ کی تعظیم و تکریم کے لیے ہے اور اس کو مکرر بیان کرنا بھی آپ کی تعظیم و تکریم کے لیے ہے ﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ﴾ بے شک ہمیں وہ معلوم ہے جو ہم نے ان (مردوں) پر ان کی بیویوں کے حق میں فرض کر دیا ہے یعنی جو مہور ہم نے آپ کی امت پر ان کی بیویوں کے بارے میں واجب و لازم کر دیے ہیں یا ہم نے ان پر ان کی بیویوں کے جو حقوق واجب کر دیے ہیں (وہ ہمیں خوب معلوم ہیں) ﴿وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ﴾ اور وہ کئیریں جو خرید وغیرہ حصول ملک کے طریقوں سے ان کی ملکیت میں آچکی ہیں ﴿لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ﴾ تاکہ (اے محبوب!) آپ پر کسی قسم کی کوئی تنگی نہ ہو "حرج" بہ معنی "ضيق" یعنی تنگی ہے، پھر یہ ارشاد باری تعالیٰ سابق کلام (مخالصة لك من دون المؤمنين) کے ساتھ متصل ہے اور ارشاد ﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ﴾

ایمانہم) جملہ معترضہ ہے ﴿وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ (تنگی کی حالت میں) اپنے بندوں کو وسعت عطا فرما کر بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے۔

تُرْجَىٰ مِنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُكْوَىٰ إِلَيْكَ مِنْ تَشَاءُ ط وَفِي ابْتِغَايَتِ مِمَّنْ عَزَلْتَ

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ تَقَرَّ أَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَ وَيَرْضَيْنَ بِمَا

آتَيْنَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَلِيمًا ﴿۵۱﴾ لَا يَحِلُّ

لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدِ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ

حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ رَقِيبًا ﴿۵۲﴾

۵۱

(اے محبوب!) آپ ان میں سے جس کو چاہیں دور رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس رکھ لیں اور جس کو آپ نے علیحدہ کر دیا ہے اس کو آپ طلب کر لیں تو آپ پر کوئی گناہ نہیں یہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہوں اور وہ سب اس پر راضی رہیں جو کچھ آپ نے انہیں عطا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بہت علم والا ہے O اس کے بعد اور عورتیں آپ کے لیے حلال نہیں ہیں اور نہ یہ کہ آپ ان کے بدلے میں اور بیویاں تبدیل کر لیں اور اگرچہ ان کا حسن و جمال آپ کو بہت پسند ہو ماسوا ان کینروں کے جو آپ کی ملکیت میں آجائیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے O

۵۱- ﴿تُرْجَىٰ مِنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ﴾ آپ ان (ازواجِ مطہرات) میں سے جس کو چاہیں پیچھے ہٹادیں اور موخر کر دیں [نافع مدنی حمزہ، علی کسائی، خلف اور حفص کی قراءت میں "تُرْجَىٰ" یا ساکن بغیر حمزہ کے ہے اور ان کے علاوہ باقی قراء کی قراءت میں "تُرْجَىٰ" حمزہ مضموم کے ساتھ ہے] ﴿وَتُكْوَىٰ إِلَيْكَ مِنْ تَشَاءُ ط﴾ اور آپ جس کو چاہیں اپنے پاس رکھ لیں اور اپنے ساتھ ملا لیں یعنی آپ ان میں سے جس کا بستر چاہیں چھوڑ دیں اور آپ جس کو چاہیں اس کے ساتھ ہم بستر ہو جائیں یا آپ جس کو چاہیں طلاق دے دیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس روکے رکھیں یا آپ ان میں سے جس کے لیے چاہیں باری مقرر کر دیں اور جس کے لیے چاہیں اس کی باری مقرر نہ کریں یا آپ اپنی امت کی عورتوں میں جس کے ساتھ چاہیں شادی نہ کریں اور جس کے ساتھ چاہیں شادی کر لیں اور یہ ارشاد اصل غرض کا جامع ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا تو طلاق دیں گے اور یا روکے رکھیں گے پھر جب آپ روک لیں گے تو اس کے ساتھ ہم بستر ہوں گے یا اس کے بستر پر جانا ترک کر دیں گے اور آپ باری مقرر کریں گے یا باری مقرر نہیں کریں گے اور جب آپ طلاق دے دیں گے اور اپنے پاس سے دور کر دیں گے تو پھر یا تو اس مطلقہ معزولہ کو الگ کر کے اسے طلب نہیں کریں گے یا اسے طلب کر لیں گے اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے ان میں سے جن کو دور کر دیا تھا وہ حضرت جویریہ، حضرت سودہ، حضرت صفیہ، حضرت میمونہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن تھیں سو آپ ان ازواجِ مطہرات کے لیے جو چاہتے اور جیسا چاہتے باری مقرر کر لیتے اور جن بیویوں کو آپ نے اپنے پاس جگہ دی تھی ان میں سے حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت حفصہ، حضرت ام سلمہ اور

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہن تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پانچ ازواج کو (باری میں) مؤخر کر دیا اور چار ازواج کو اپنے پاس جگہ دی اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ باوجودیکہ حضور کو ازواج مطہرات کے بارے میں آزادی دی گئی اور آپ کو اختیار دیا گیا، لیکن آپ نے ان میں باری برابر تقسیم کر رکھی تھی ماسوا حضرت سودہ کے کیونکہ انہوں نے اپنی رات کی باری حضرت عائشہ کو بہہ کر دی تھی اور انہوں نے حضور سے عرض کیا تھا کہ آپ مجھے طلاق نہ دیں تاکہ میں قیامت کے دن آپ کی ازواج کے زمرہ میں اٹھائی جاؤں ﴿وَمَنْ ابْتَغَيْتَ مِنْ عَزَائِكَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ﴾ اور جن ازواج کو آپ نے الگ کر دیا ہے ان میں سے جس کو آپ طلب کر لیں گے تو آپ پر کوئی گناہ نہیں ہوگا یعنی آپ نے جن بیویوں کو باری سے مؤخر کر کے اپنے بستر سے الگ کر دیا ہے ان میں سے جس کو آپ اپنے بستر پر بلا لیں اور جس کے ساتھ صحبت کرنا چاہیں تو آپ پر اس معاملہ میں کسی قسم کی کوئی حرج اور تنگی نہیں ہے یعنی یہ بات نہیں ہے کہ جس بیوی کو آپ نے ہم بستری سے مؤخر کر دیا ہے اس کو اپنے پاس واپس لوٹا لینا جائز نہ ہو [اور "مَنْ" مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور "فَلَا جُنَاحَ" اس کی خبر ہے] ﴿ذَلِكَ﴾ یہ اختیار جو آپ کو دیا گیا ہے اور یہ معاملہ جو آپ کی مشیت اور آپ کے ارادہ کے سپرد کیا گیا ہے یہ ﴿إِذْنِي أَنْ تَقْرَأَ عِيَّتَهُنَّ وَلَا تَحْزَنْ وَيَرْضَيْنَ بِمَا آتَيْتَهُنَّ كُلَّهُنَّ﴾ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہوں اور آپ نے جو کچھ انہیں دیا ہے وہ سب اس پر راضی رہیں یعنی یہ اختیار ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ان کے غم کی قلت اور ان سب کی رضا کے زیادہ قریب ہے کیونکہ جب انہیں معلوم ہوگا کہ آپ کا یہ اختیار اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو ان کے دل مطمئن اور پرسکون ہو جائیں گے اور ان میں سوکونوں پر غیرت کرنا ختم ہو جائے گا اور انہیں خوشی حاصل ہوگی اور ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی [”کلھن“، ”یرضین“ کی نون ضمیر کی تاکید ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور ”کلھن“ کو مقدم کر کے ”یرضین کلھن بما آتیتھن“ بھی پڑھا گیا ہے اور ”کلھن“ کو ”آتیتھن“ میں ”هن“ ضمیر کی تاکید کی بناء پر منصوب پڑھنا شاذ (خلاف قیاس) ہے] ﴿وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اور اس میں اس بی بی کے لیے وعید (دھمکی) ہے جو ازواج مطہرات میں سے اس معاملہ پر راضی نہیں ہوئی جس سے اللہ تعالیٰ نے انہیں مؤخر کر دیا اور یہ معاملہ اپنے محترم و مکرم رسول کی مشیت کے سپرد کر دیا ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے ﴿حَلِيمًا﴾ بہت بڑے علم والا ہے سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا پس وہی اس بات کا حق دار ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور اس کی نافرمانی سے پرہیز کیا جائے۔

۵۲- ﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ﴾ آپ کے لیے مزید عورتیں حلال نہیں ہیں [اور ابو عمر و اور یعقوب کی قراءت میں ”تَا“ کے ساتھ ”لَا تَحِلُّ“ فعل مؤنث ہے اور ان دو کے علاوہ کی قراءت میں ”يَا“ کے ساتھ فعل مذکر ہے کیونکہ جمع کی تانیث غیر حقیقی ہوتی ہے اور جب بغیر فصل فعل مذکر جائز ہے جیسے ارشاد ہے: ”وَقَالَ نِسْوَةٌ“ (یوسف: ۳۰) تو فصل کے ساتھ بہ طریق اولیٰ جائز ہے] ﴿مَنْ يَعُدُّ﴾ وسعت کے بعد کیونکہ یہ وسعت رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کا نصاب ہے جیسا کہ آپ کی امت کے لیے چار بیویاں نصاب ہے ﴿وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ﴾ اور نہ آپ ان کے بدلہ میں دوسری ازواج کر سکتے یعنی ان کو طلاق دے کر اور معنی یہ ہے کہ آپ ان تمام نو بیویوں کے بدلے یا ان میں سے بعض کے بدلے انہیں طلاق دے کر دوسری ازواج سے نکاح کر کے تبدیل نہیں کر سکتے یہ محض ازواج مطہرات کی تعظیم و تکریم کی خاطر ہے اور انہیں اس بات پر انعام و صلہ عطا کرنا ہے جو انہوں نے دنیا اور دنیا کی زیب و زینت کو ٹھکرا کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم اور آخرت کو اختیار کر لیا اور انہیں پر راضی ہو گئیں اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں بیویوں پر اکتفاء فرمایا اور یہ نو بیویاں وہی ہیں

جو آپ کے وصال تک آپ کے نکاح میں رہیں، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت حفصہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت سودہ، حضرت ام سلمہ، حضرت صفیہ، حضرت میمونہ، حضرت زینب بنت جحش اور حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن، [”مِنَ اَزْوَاجٍ“ میں حرف ”مِنَ“ نفی کی تاکید کے لیے ہے جو جنس ازواج کی حرمت کے استغراق کا فائدہ دیتا ہے] ﴿وَلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ﴾ اور اگر چہ ان کا حسن و جمال آپ کو پسند ہو اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جس کا حسن آپ کو پسند آیا تھا وہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوہ بیوی حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں اور حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال سے پہلے آپ کی زندگی میں آپ کے لیے حلال کر دیا گیا کہ آپ جس عورت سے چاہیں شادی کر لیں یعنی یہ آیت مبارکہ منسوخ ہے اور اس کا نسخ یا سنت سے ہو یا پھر ارشاد باری تعالیٰ ”اَنَا اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ“ سے ہوا ہے اور ترتیب نزولی ترتیب مصحف کے مطابق نہیں (کیونکہ وسعت عامہ اور اجازت عامہ کی آیت مبارکہ قرآن میں پہلے ہے جب کہ نزول بعد میں ہوا ہے) ﴿اَلَا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ﴾ ماسوا ان کنیروں کے جو آپ کی ملکیت میں ہیں یہ ان عورتوں سے استثناء ہے جو آپ پر حرام کر دی گئیں ماسوا لوئڈیوں کے [”وَلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ“ تبدیل یعنی ”تبدیل“ کی ضمیر فاعل سے محلاً حال ہے، مفعول سے نہیں وہ جو ”مِنَ اَزْوَاجٍ“ ہے اس لیے کہ یہ تنگی میں کمزور ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ”مَفْرُوضًا اَعْجَابِكَ بَهْنِ“ اور ”مَا مَلَكَتْ“ میں کلمہ ”مَا“ ”النساء“ سے بدل ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے] ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگہبان اور محافظ ہے اور یہ حدود سے تجاوز کرنے پر خوف و ڈر ادا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ

غَيْرِ نَظَرٍ إِنَّ اللَّهَ وَلِيُّكُمُ وَإِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا

وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذَى النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ

وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسَلُوهُنَّ مِنْ

وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا

رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُكَلِّمُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِ إِبْدَائِهِ إِنْ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ

اللَّهِ عَظِيمًا ﴿٥٣﴾

اے ایمان والو! تم نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو ماسوا اس کے کہ تمہیں کھانے کے لیے اجازت دی جائے جب کہ کھانے کے کینے کا انتظار نہ کرتے رہو اور لیکن جب تمہیں بلایا جائے تو تم داخل ہو جاؤ پھر جب تم کھانا کھا چکو تو فوراً منتشر ہو جاؤ اور باتوں میں جی لگا کر نہ بیٹھے رہو بے شک یہ بات نبی کریم کو ایذا دیتی ہے سو وہ تم سے شرم و حیا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ حق فرمانے سے نہیں شرماتا اور جب تم ان سے کوئی برتنے کی چیز مانگنا چاہو تو تم ان سے پردے کے پیچھے سے مانگو یہ

تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزہ عمل ہے اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے رسول کو ایذا پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم ان کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی نکاح کرو بے شک یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا (گناہ) ہے

حضور ﷺ کے گھر بے اجازت جانے اور آپ کی بیویوں سے نکاح کرنے کی حرمت کا بیان

۵۳ - ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرٍ نَظِيرِهَا إِنَّهُ﴾ اے ایمان والو! تم نبی کریم کے گھروں میں نہ جاؤ مگر یہ کہ تمہیں کھانے کے لیے بلایا جائے جب کہ اس کے پکنے کا انتظار نہ کرو [”ان یؤذن لکم“ محلاً حال ہے یعنی تم اپنے لیے اجازت حاصل کیے بغیر نبی کریم کے گھروں میں نہ جاؤ یا ظرف کے معنی میں ہے جس کی تقدیر عبارت یہ ہے: ”وقت ان یؤذن لکم“ تمہیں جس وقت اجازت دی جائے اور ”غیر ناظرین“ ”لا تدخلوا“ سے حال ہے اور حرف استثناء ظرف زمان اور حال دونوں کے لیے ہے] گو یا فرمایا گیا ہے کہ مسلمانو! تم نبی کریم کے گھروں میں صرف اجازت ملنے کے وقت جاؤ اور تم کھانا پکنے کے انتظار میں آپ کے گھروں میں نہ جاؤ یعنی وہاں جا کر منتظر نہ رہنا پڑے اور اس سے قوم کے وہ افراد مراد ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے کھانے کے پکنے کا انتظار کرتے رہتے تھے اور آپ کے گھر میں آجاتے اور بیٹھے رہتے اور کھانا پکنے کے لیے انتظار کرتے رہتے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اے کھانے کا انتظار کرنے والے مسلمانو! تم نبی کریم کے گھر میں نہ جاؤ مگر جب تمہیں کھانے کے لیے بلایا جائے تو اس وقت آ جاؤ پہلے کھانا حاصل کرنے کا انتظار نہ کرو اور ”اناء الطعام“ کا معنی ہے: کھانے کا پکنا چنانچہ کہا جاتا ہے: ”انسی الطعام انی“ جیسے یہ قول ہے کہ ”قلاہ قلی“ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ”اناه“ کا معنی ہے: اس (کھانے) کا وقت یعنی طعام کے وقت اور اس کے کھانے کی گھڑی کا انتظار نہ کرو۔

شان نزول: مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ولیمہ کیا، جس میں کھجورین اور ستو اور بکری کا گوشت پیش کیا گیا تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ سب لوگوں کو کھانے کی دعوت دے دیں چنانچہ حضرت انس نے سب لوگوں کو دعوت دے دی اور لوگ گروہ در گروہ یکے بعد دیگرے آنا شروع ہو گئے، سو ایک گروہ آ کر کھانا کھاتا اور باہر چلا جاتا، پھر ایک اور گروہ اندر آتا اور کھانا کھا کر چلا جاتا، یہاں تک کہ حضرت انس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے سب لوگوں کو دعوت دے دی تھی حتیٰ کہ کوئی شخص نہیں رہا جس کو میں نے دعوت نہ دی ہو (اور سب کھانا کھا چکے ہیں) تو حضور نے فرمایا کہ کھانا اٹھاؤ اور لوگ منتشر ہو گئے، صرف تین آدمی باقی رہ گئے جو باتوں میں مشغول ہو چکے تھے اور وہ بڑی دیر تک بات چیت کرتے رہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے تاکہ یہ آدمی باہر چلے جائیں اور رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے حجروں میں تشریف لے گئے اور انہیں سلام کیا اور انہوں نے آپ کے لیے خیر و برکت کی دعائیں دیں اور آپ واپس لوٹ کر آئے تو دیکھا کہ وہ تینوں آدمی بیٹھے باتوں میں مشغول ہیں اور رسول اللہ ﷺ بہت زیادہ شرم و حیا کرتے تھے سو اس لیے آپ پھر واپس چلے گئے، جب انہوں نے آپ کو واپس جاتے ہوئے دیکھا تو باہر چلے گئے اور آپ واپس گھر لوٹ آئے اور یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ﴿وَلَمَّا كَانَ إِذَا دُعَيْتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا﴾ اور لیکن جب تمہیں بلایا جائے تو تم آ جاؤ اور جب تم کھانا کھا چکو تو وہاں سے چلے

ل رواہ احمد ج ۳ ص ۹۸-۱۰۵-۲۰۰ البخاری رقم الحدیث: ۴۷۹۳، مسلم رقم الحدیث: ۱۴۲۸ (۸۷-۸۹-۹۰)

جاؤ اور متفرق ہو جاؤ ﴿مُتَّانِسِينَ لِحَدِيثٍ﴾ اور باتوں میں جی لگا کر نہ بیٹھے رہو۔ اس کلام میں انہیں ایک دوسرے کے ساتھ جی لگا کر طویل و دراز مجلس قائم کر کے باتوں میں مشغول ہو کر بیٹھے رہنے سے منع کیا گیا ہے [یہ ناظرین پر معطوف ہونے کی بناء پر مجرور ہے یا پھر فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے "ای لا تدخلوها مستانسین لحديث"۔]

﴿إِنَّ ذَلِكَ كَانَ يُؤَذَى النَّبِيَّ فَيَسْتَحِي مِنْكُمْ﴾ بے شک (تمہارا) یہ طریقہ نبی کریم ﷺ کو اذیاء دیتا ہے سو وہ تم سے شرم و حیاء کرتے ہیں (یعنی) وہ تمہیں اپنے گھر سے نکالنے سے حیاء کرتے ہیں ﴿وَاللَّهُ لَا يَسْتَحِي مِنَ الْحَقِّ﴾ اور اللہ تعالیٰ حق سے نہیں شرماتا یعنی بے شک تمہیں نکالنا حق ہے جس سے شرمانا اور حیاء کرنا مناسب نہیں ہے اور جب شرم و حیاء ایسی صفت ہے جو حیاء دار کو بعض کاموں سے روک دیتی ہے تو "وَاللَّهُ لَا يَسْتَحِي مِنَ الْحَقِّ" کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب ہے: اللہ تعالیٰ حق سے نہیں شرماتا یعنی اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے نہیں رکتا اور نہ وہ حق کو ترک کرتا ہے جیسا کہ حیاء دار تم سے حق کو ترک کر دیتا ہے اور یہ ادب ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ بوجھ بن کر دیر تک بیٹھے رہنے والوں کو سکھاتا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ تمہیں دیر تک بوجھ بن کر بیٹھے رہنے والوں کے بارے میں یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل کو برداشت نہیں کیا اور واضح طور پر فرمادیا کہ "فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا" سو جب تم کھانا کھا چکو تو فوراً منتشر اور متفرق ہو جاؤ ﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسَلُّوهُنَّ مِنْ ذَرَائِعِ الْحَبَابِ﴾ اور جب تم ان (ازواج مطہرات) سے کوئی استعمال کی چیز بطور ادھار یا بطور حاجت مانگو تو تم ان سے استعمال کی چیز پردے کے پیچھے ہو کر مانگو۔ "هُنَّ" ضمیر رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کی طرف لوثی ہے کیونکہ "بیوت النبی" اس پر دلالت و رہنمائی کر رہا ہے اس لیے کہ نبی کے گھروں میں ان کی بیویاں رہتی ہیں ﴿ذَلِكَ أَظْهَرَ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ﴾ تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے شیطان کے وسوسوں اور اس کے خطروں اور فتنہ پھیلانے والوں کی فتنہ انگیزیوں سے بچنے کے لیے یہ عمل سب سے زیادہ پاکیزہ ہے۔

شان نزول: اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات اس آیت مبارکہ کے نزول سے پہلے مردوں کے سامنے آتی جاتی تھیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی بیویوں پر پردے کا نفاذ چاہتے تھے اور وہ یہ پسند کرتے تھے کہ پردے کے متعلق کوئی آیت مبارکہ نازل ہو جائے اور انہوں نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کے پاس نیک و بد سب آتے جاتے ہیں کاش! آپ امہات المؤمنین کو پردے کا حکم دے دیں سو اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

اور یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ کسی مسلمان (طلحہ بن عبد اللہ تیمی) نے کہا کہ کیا ہمیں روک دیا گیا ہے کہ ہم اپنے چچا کی بیویوں (یعنی ازواج مطہرات) سے ہرگز کوئی بات چیت نہ کریں مگر پردے کے پیچھے ہو کر؟ البتہ اگر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ وصال فرمائے تو میں ان کی فلاں بیوی سے نکاح کر لوں گا سو اس کے جواب میں (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی: ﴿وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنْكِحُوا زَوَاجَهُ مِنْ بَعْدِ مَا أَبَدْنَا﴾ اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے رسول کو اذیاء دو اور نہ یہ کہ تم ان کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی نکاح کرو یعنی رسول اللہ ﷺ کو اذیاء دینا تمہارے لیے صحیح نہیں ہے اور نہ ان کی وفات کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح صحیح ہے ﴿إِنَّ ذَلِكَ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا﴾ بے شک یہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا ہے یعنی بہت بڑا گناہ ہے۔

إِنْ تُبْدُوا شَيْئًا أَوْ تَخْفَوْهُ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿۵۴﴾ لَا جُنَاحَ
عَلَيْهِنَّ فِي آبَائِهِنَّ وَلَا أَبْنَائِهِنَّ وَلَا إِخْوَانِهِنَّ وَلَا ابْنَاتِهِنَّ وَلَا إِخْوَاتِهِنَّ
وَلَا أَبْنَاءَ أَخَوَاتِهِنَّ وَلَا نِسَاءِهِنَّ وَلَا مَمْلَكَتٍ أَيْمَانِهِنَّ ﴿۵۵﴾ وَاتَّقِينَ اللَّهَ
إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿۵۶﴾

اگر تم کوئی چیز ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ، سو اللہ تعالیٰ تو یقیناً ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O ان پر اپنے باپوں کے سامنے ہونے میں کوئی گناہ نہیں اور نہ اپنے بیٹوں کے اور نہ اپنے بھائیوں کے اور نہ اپنے بھینچوں کے اور نہ اپنے بھانجوں کے اور نہ اپنی عورتوں کے اور نہ اپنی کینروں کے جو ان کی ملکیت میں ہیں اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے O

۵۴- ﴿إِنْ تُبْدُوا شَيْئًا﴾ اگر تم نبی کریم ﷺ کو ایذا اور دکھ دینے یا ان کی بیویوں کے ساتھ نکاح کرنے سے کوئی چیز ظاہر کرو ﴿أَوْ تَخْفَوْهُ﴾ یا تم اس کو اپنے دلوں میں چھپا لو ﴿فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

شانِ نزول: اور جب پردے کی آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضور کی بیویوں کے آباء و اجداد اور بیٹوں اور دیگر اعزہ و اقارب نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم بھی ازواجِ مطہرات سے پردے کے پیچھے ہو کر بات کریں گے؟ تو ان کے جواب میں (درج ذیل آیت مبارکہ) نازل ہوئی:

۵۵- ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي آبَائِهِنَّ وَلَا أَبْنَائِهِنَّ وَلَا إِخْوَانِهِنَّ وَلَا ابْنَاتِهِنَّ وَلَا إِخْوَاتِهِنَّ وَلَا نِسَاءِهِنَّ وَلَا مَمْلَكَتٍ أَيْمَانِهِنَّ﴾ ان پر کوئی گناہ نہیں اپنے باپوں کے بارے میں اور نہ اپنے بیٹوں اور نہ اپنے بھائیوں اور نہ اپنے بھینچوں اور نہ اپنے بھانجوں اور نہ اپنی عورتوں کے بارے میں یعنی مسلمان عورتوں کے بارے میں ﴿وَلَا مَمْلَكَتٍ أَيْمَانِهِنَّ﴾ اور نہ ان کینروں کے بارے میں جو ان کے دائیں ہاتھوں کی ملکیت میں ہیں یعنی ان پر ان حضرات و خواتین سے پردہ نہ کرنے کی وجہ سے کوئی گناہ لازم نہیں آئے گا اور یہاں اس آیت مبارکہ میں چچا اور ماموں کا ذکر نہیں کیا گیا، کیونکہ یہ دونوں والدین کے قائم مقام ہیں اور قرآن مجید میں چچا کو باپ کا نام دیا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وَالْأَبَاءُ ابْنَاتِكُمْ أَبْنَاءُكُمْ وَإِسْمَاعِيلُ وَإِسْحَاقُ" (البقرہ: ۱۳۳) "اور ہم آپ کے باپوں حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہم السلام کے معبود کی عبادت کریں گے"۔ حضرت اسماعیل حضرت یعقوب علیہما السلام کے چچا ہیں (جس طرح آزر حضرت ابراہیم کے چچا ہیں مگر قرآن میں اسے حضرت ابراہیم کا باپ کہا گیا ہے) اور ازواجِ مطہرات کے غلام جمہور کے نزدیک ان کے لیے اجنبیوں کی طرح ہیں پھر کلام کو غیب سے خطاب کی طرف نقل کیا گیا ہے اور اس نقل میں بڑی زبردست فضیلت و شان ہے، گویا فرمایا گیا ہے کہ پردے کے متعلق تمہیں جو حکم دیا گیا اس میں تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہو اور اس میں پردے کی وحی نازل کی گئی ہے اور اس میں تم احتیاط کرتی رہو ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے (یعنی) وہ خوب جاننے والا ہے۔

حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شہید وہ ہوتا ہے جو لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونے والے خیالات اور وسوسوں کو جانتا ہو جیسا کہ وہ ظاہری اعضاء کی حرکات و سکنات کو جانتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا

تَسْلِيمًا ۝۵۶ إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ۝۵۷ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بَغَيْرِ مَا

اِكْتَسَبُوا فَقَدْ احْتَلَوْا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ۝۵۸

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجو ۵۶ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے اور ان کے لیے ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے ۵۷ اور جو لوگ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو ایذا دیتے ہیں بغیر اس کے کہ انہوں نے کچھ کیا تو بے شک انہوں نے بہت بڑا بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھالیا ۵۸

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود و سلام پڑھنے کے فضائل

۵۶۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم (بھی) آپ پر درود بھیجا کرو یعنی تم یوں کہو: ”اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَّ مُحَمَّدٍ“ اے اللہ! تو محمد (ﷺ) پر درود بھیج یا تم یوں کہو: ”صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ“ اللہ تعالیٰ محمد (ﷺ) پر درود بھیجتا رہے اگرچہ ”صلوٰۃ“ کے معنی رحمت دعا، استغفار، تعظیم و تکریم برکت اور نماز کے ہیں لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے ”يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ“ میں فرشتوں کو بھی اپنے ساتھ شریک کر لیا ہے اس لیے یہاں مشترک معنی یہ مراد لیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے حضور نبی کریم (ﷺ) کی حمد و ثناء، فضیلت و بزرگی اور آپ کی عظمت و شان بیان کرتے ہیں۔ علامہ قاضی ثناء اللہ مظہری حنفی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نبی کریم پر رحمت نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے نبی کریم کے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں نیز حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم پر برکتیں نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے نزول برکات کی دعا کرتے ہیں جب کہ بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ بہ معنی رحمت ہے اور فرشتوں کی طرف سے استغفار ہے اور حضرت ابو العالیہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا نبی کریم پر صلوٰۃ پڑھنے کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے سامنے نبی کریم کی حمد و ثناء بیان کرتا ہے اور فرشتوں کی صلوٰۃ یہ ہے کہ وہ آپ کے لیے دعا کرتے ہیں۔

(تفسیر مظہری ج ۷ ص ۳۷۳، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی لکھتے ہیں:

علمائے اسلام نے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی طرف سے حضور نبی کریم (ﷺ) پر صلوٰۃ کے متعلق کئی مختلف اقوال بیان کیے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے سامنے اپنے محبوب نبی کریم کی حمد و ثناء اور آپ کی تعظیم و تکریم (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

﴿وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ اور تم (نبی کریم پر) خوب سلام بھیجا کرو یعنی تم یوں کہو: ”اللَّهُمَّ سَلِّمْ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ“ اے اللہ! تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر سلامتی نازل فرما یا یہ معنی ہے کہ تم ان کے امر اور ان کے حکم کی اطاعت کرو اور تم ان کے فرماں بردار رہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بیان کرتا ہے۔ اسے امام بخاری نے حضرت ابو العالیہ سے (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ الاحزاب، باب: ۱۰، میں) اور اس کے علاوہ نے حضرت ربیع بن انس سے اور حلی نے شعب الایمان میں بیان کیا ہے اور اللہ تعالیٰ دنیا میں آپ کے ذکر جمیل کو بلند کر کے اور آپ کے دین کو غالب کر کے اور آپ کی شریعت پر عمل باقی رکھ کر آپ کی تعظیم و تکریم کو ظاہر فرما رہا ہے اور آخرت میں آپ کو اپنی امت کے لیے شفاعت کرنے والا بنا کر اور آپ کو زیادہ سے زیادہ اجر و ثواب عطا فرما کر اور مقام محمود پر فائز کر کے اولین و آخرین پر آپ کی فضیلت و بزرگی کو ظاہر فرما کر اور آپ کو تمام مقربین پر مقدم فرما کر آپ کی تعظیم و تکریم کو ظاہر فرمائے گا اور صلوٰۃ کی یہ تفسیر عطف کے ذریعے کسی اور کو آپ کے ساتھ درود میں شامل کرنے کے منافی نہیں ہے، جیسے آپ کی آل پاک اور صحابہ کرام کیونکہ ہر ایک کی تعظیم اس کے مرتبے کے مطابق اور اس کی شان کے لائق کی جاتی ہے۔

(تفسیر روح المعانی، الجزء الثانی والعشرون ص ۶، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

صلوٰۃ و سلام کی فضیلت میں چند احادیث کا بیان

(۱) حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ (مسجد میں) بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا اور نماز ادا کی پھر اس نے کہا: ”اللہم اغفر لی وارحمنی“ اے اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے نمازی! تو نے بہت جلدی کی، جب تو نماز ادا کر لے تو بیٹھ جا، پھر اللہ تعالیٰ کی شایان شان حمد و ثناء بیان کر اور مجھ پر درود شریف پڑھ، پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کر، راوی نے کہا کہ پھر ایک اور آدمی آیا اور اس نے نماز پڑھی، پھر اس کے بعد اس نے اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق اس کی حمد و ثناء بیان کی اور حضور نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھا، تو حضور نے اس سے فرمایا: اے نمازی! اب تو دعا کر، تیری دعا قبول کر لی جائے گی۔ (رواہ الترمذی، ابوداؤد، نسائی)

(۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمتیں نازل فرمائے گا اور اس کے دس گناہ معاف فرمادے گا اور اس کے دس درجے بلند فرمادے گا۔

(رواہ البخاری فی الادب المفرد والنسائی، والحاکم وصحیح)

(۳) حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے زیادہ میرے قریب وہ لوگ ہوں گے جو (دنیا میں) مجھ پر سب سے زیادہ درود شریف پڑھیں گے۔ (رواہ الترمذی)

(۴) انہیں سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کی ایک جماعت ہے جو زمین میں سیرو سیاحت کرتی پھرتی ہے (اور جب میرا کوئی امتی مجھ پر سلام پڑھتا ہے تو) وہ میرے امتی کا سلام مجھے پہنچا دیتے ہیں۔

(رواہ النسائی، والدارمی)

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بھی کوئی شخص مجھ پر سلام پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو اس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے یہاں تک کہ میں اسے سلام کہتا ہوں۔ (رواہ ابوداؤد)

(۶) اور انہیں سے مروی ہے کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ فرماتے سنا کہ تم اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور میری قبر مبارک کو عید نہ ٹھہراؤ بلکہ مجھ پر درود شریف پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پہنچایا جاتا ہے خواہ تم کہیں ہو۔ (رواہ الترمذی)

(۷) حضرت ابوطحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز رسول خدا ﷺ اس حال میں تشریف لائے کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس آیت مبارکہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے دو فرشتے مقرر کر دیئے ہیں، سوجب کسی مسلمان بندے کے سامنے میرا ذکر کیا جاتا ہے اور وہ مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے تو یہ دونوں فرشتے اس شخص کے حق میں کہتے ہیں: "عَفَرَ اللَّهُ لَكَ" اللہ تعالیٰ تجھے بخش دے اور اللہ تعالیٰ اور اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آپ کے چہرہ انور پر خوشی اور مسرت کے آثار عیاں ہو رہے تھے اور (صحابہ کرام کے دریافت کرنے پر) آپ نے فرمایا: بے شک میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور آ کر عرض کیا کہ بے شک آپ کا پروردگار ارشاد فرما رہا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا آپ اس پر راضی نہیں کہ آپ کی امت میں سے جو شخص بھی آپ پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھے گا تو میں اس پر دس مرتبہ درود شریف پڑھوں گا اور جو شخص آپ پر ایک مرتبہ سلام پڑھے گا تو میں اس پر دس مرتبہ سلام پڑھوں گا۔ (رواہ النسائی)

(۸) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ پر بہت درود شریف پڑھتا ہوں سو میں آپ پر کس قدر درود شریف پڑھا کروں؟ آپ نے فرمایا: جس قدر تم چاہو پڑھا کرو میں نے عرض کیا کہ وقت کا ایک چوتھائی حصہ آپ نے فرمایا: تم جس قدر چاہو اور اگر تم اس سے زیادہ پڑھو تو تمہارے لیے بہت بہتر ہوگا، میں نے عرض کیا کہ نصف وقت آپ پر درود شریف پڑھا کروں گا؟ آپ نے فرمایا: تم جس قدر چاہو اور اگر تم اس سے زیادہ پڑھو گے تو تمہارے لیے بہتر ہوگا، میں نے عرض کیا: وقت کا دو تہائی حصہ آپ نے فرمایا: جس قدر تم چاہو سو اگر تم اس سے بھی زیادہ کرو گے تو تمہارے لیے بہتر ہوگا، میں نے عرض کیا کہ آئندہ میں (فرائض سے زائد) تمام اوقات آپ پر درود شریف پڑھا کروں گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا: تب تو یہ درود شریف تمہارے تمام قسم کے رنج و غم دور کرنے کے لیے کافی ہے اور تمہارے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (رواہ الترمذی)

(۹) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: بے شک دعا آسمان اور زمین کے درمیان موقوف رہتی ہے اس میں سے کوئی چیز اوپر نہیں چڑھتی یہاں تک کہ تم اپنے نبی پر درود شریف پڑھ لو۔ (رواہ الترمذی)

(۱۰) حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جو شخص حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر ستر (۷۰) مرتبہ درود پڑھیں گے۔ (رواہ احمد)

(۱۱) حضرت عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص مجھ پر درود پڑھتا ہے تو فرشتے اس پر اس وقت تک درود شریف پڑھتے رہتے ہیں جب تک وہ مجھ پر درود شریف پڑھتا رہتا ہے سو وہ بندہ چاہے تو تھوڑا پڑھے چاہے تو زیادہ سے زیادہ پڑھے۔ (رواہ البخاری)

(۱۲) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھے گا اس کے لیے ایک قیراط ثواب لکھ دیا جائے گا اور ایک قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہوتا ہے۔ (رواہ عبد الرزاق فی الجامع بسند حسن)

(۱۳) حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: جو شخص صبح کے وقت مجھ پر دس مرتبہ درود شریف پڑھے گا اور شام کے وقت مجھ پر دس مرتبہ درود شریف پڑھے گا اس کو قیامت کے روز میری شفاعت حاصل ہوگی۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر بسند حسن)

صلوٰۃ و سلام نہ پڑھنے کی مذمت و سزا

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ اس شخص کی ناک خاک آلود (ہلاک) ہو جائے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود شریف نہ پڑھے اور اس کی ناک خاک آلود ہو جائے جس پر ماہ رمضان المبارک آئے اور چلا جائے مگر وہ مغفرت طلب نہ کرے اور اس شخص کی ناک بھی خاک آلود ہو جائے جو اپنے ماں باپ دونوں کو یا ان میں سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے فرشتے ان دونوں فرشتوں کی دعا پر آمین کہتے ہیں اور جب کسی مسلمان بندے کے پاس میرا ذکر کیا جاتا ہے اور وہ شخص مجھ پر درود نہیں پڑھتا تو وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں: "لَا غَفَرَ اللَّهُ لَكَ" اللہ تعالیٰ تجھے نہ بخشے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ان دونوں فرشتوں کے جواب میں کہتے ہیں: آمین۔

پھر یہ صلوٰۃ و سلام امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ (اور امام ابوحنیفہ امام مالک امام طحاوی اور علامہ ابن الہمام) (مظہری) کے نزدیک کم از کم زندگی میں ایک دفعہ پڑھنا واجب (اور فرض) ہے اور امام طحاوی رحمہ اللہ کے نزدیک جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم گرامی ذکر کیا جائے آپ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنا واجب ہو جاتا ہے اور یہی محتاط قول ہے اور اسی پر جمہور علمائے اسلام متفق ہیں اور اگر کوئی شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھتے ہوئے آپ کے ساتھ بالتبع کسی اور کو بھی شامل کر لے تو اس میں کوئی حرج نہیں یہ جائز ہے جیسے کہا جائے: "صَلَّى اللَّهُ عَلَي النَّبِيِّ وَاللَّهِ" اور لیکن جب کوئی شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ اہل بیت میں سے کسی پر مستقل درود شریف پڑھتا ہے تو یہ مکروہ (قابل نفرت عمل) ہے اور یہ طریقہ کار روافض (اہل تشیع) کی علامات میں سے ایک علامت ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذا دینے کی سزا کا بیان

۵۷- ﴿إِنَّ الْكَاذِبِينَ يُؤَذُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں، یعنی صرف رسول اللہ ﷺ کو ایذا دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا نام نامی اسم گرامی تو صرف تشریف و تعظیم کے لیے ذکر کیا گیا ہے یا پھر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ایذا کو بطور مجاز ایسے فعل کے ساتھ تعبیر کیا جائے گا جس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول راضی نہیں ہوتے جیسے کفر اور نبوت کا انکار اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے بارے میں ایذا کا مجازی معنی اس لیے مقرر کیا گیا ہے تاکہ ایک لفظ میں حقیقت اور مجاز جمع نہ ہو جائیں، کیونکہ ایذا کا حقیقی معنی تو صرف رسول اللہ ﷺ میں متصور ہو سکتا ہے ﴿لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ دنیا میں اور آخرت میں ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ نے ان کو دونوں جہانوں میں اپنی رحمت سے محروم اور دور کر دیا ہے ﴿وَأَعَدَّ لَكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے آخرت میں ان کے لیے (بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کسی ایک کو بڑھاپے میں پائے مگر وہ (ان کی خدمت نہ کر کے) جنت حاصل نہ کر سکے۔

(رواہ الترمذی وابن حبان فی صحیحہ)

(۲) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس شخص کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور

وہ مجھ پر درود شریف نہ پڑھے تو وہ دوزخ کی آگ میں داخل ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے دور کر دے گا۔ (رواہ الطبرانی)

(۳) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس شخص کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود شریف نہیں پڑھا تو وہ یقیناً شقی اور بد بخت ہو گیا۔ (رواہ ابن السنی)

(۴) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود شریف نہیں پڑھا۔ (رواہ الترمذی و امام احمد)

(۵) حضرت حسین ابن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس شخص کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور وہ مجھ پر درود شریف پڑھنا بھول گیا تو وہ جنت کا راستہ بھول گیا۔ (رواہ الطبرانی)

نوٹ: یہ تمام احادیث مبارکہ (تفسیر مظہری ج ۷ ص ۶۹ تا ۷۳ مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی) سے مع تقدیم و تاخیر منتخب کی گئی ہیں۔

۱۔ ذکرہ المصنفی فی مجمع الزوائد ج ۷ ص ۹۳

تو ہن آمیز اور ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔
مسلمانوں کو ایذا دینے کا گناہ

۵۸۔ ﴿وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بَغْيٍ مَا كُتِبَ لَهُمْ﴾ اور جو لوگ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بغیر کسی خطا کے ارتکاب کے ایذا اور دکھ دیتے ہیں۔ مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ایذا کو مطلق بیان کیا گیا ہے جب کہ اس آیت مبارکہ میں مسلمان مردوں اور عورتوں کی ایذا کو مقید بیان کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذا دینا ہر حال میں اور ہمیشہ کے لیے ناحق اور ناجائز ہے اور لیکن یہ ایذا جو مسلمانوں کو دینا ہے یہ کبھی حق ہوتی ہے جیسے حدود و تعزیرات کی سزا اور کبھی یہ ناحق اور باطل ہوتی ہے (جیسے بغیر جرم کے الزام تراشی کی ایذا وغیرہ)۔

شان نزول: بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ منافقین میں سے کچھ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب و شتم کر کے انہیں تکلیف و دکھ اور ایذا پہنچاتے تھے اور وہ لوگ آپ کو سنا کر سب بکتے تھے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ ان زانیوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو قضائے حاجت کے لیے گھر سے باہر جانے والی عورتوں کا پیچھا کرتے تھے جب کہ یہ عورتیں اس حرکت کو ناپسند کرتی تھیں اور حضرت فضیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جب تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم کسی کتے یا کسی خنزیر کو ناحق تکلیف اور ایذا دو تو پھر مسلمان مردوں اور عورتوں کو ایذا دینا کیسے جائز ہو سکتا ہے ﴿فَقَدْ احْتَلَوْا﴾ تو بے شک انہوں نے اٹھایا اور برداشت کر لیا ﴿بُهْتَانًا﴾ بہت بڑی تہمت کو ﴿وَاشْمَاقِيْنَا﴾ اور صریح و ظاہر گناہ کو۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَ إِذَا جَاءَكَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يُدِينُونَ عَلَيْكَ

مِنْ جَلَابِيهِمْ ذَلِكِ ادْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذِينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا

رَحِيمًا ﴿٥٩﴾

اے نبی! آپ اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو حکم فرمائیے کہ وہ اپنی بڑی چادریں اپنے (پورے جسم کے) اوپر اوڑھ لیا کریں یہ اس کے زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچان لی جائیں پھر انہیں ستایا نہ جائے اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O

مسلم خواتین کو اپنے چہروں اور جسموں کو چھپانے کا حکم

۵۹۔ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَ إِذَا جَاءَكَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يُدِينُونَ عَلَيْكَ مِنْ جَلَابِيهِمْ ذَلِكِ ادْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذِينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا

رَحِيمًا﴾ جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس میں یا آپ کے دین کے بارے میں یا آپ کے نسب میں یا آپ کی صفات میں سے کسی صفت میں یا عیب کے طریقوں میں سے کسی طریقہ پر صراحت کے ساتھ یا کنایہ یا تعریف یا اشارہ کے ساتھ طعن کر کے آپ کو تکلیف اور ایذا دی تو وہ بلاشبہ کافر ہو گیا اور علامہ ابن ہمام نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے دل میں رسول خدا ﷺ سے بغض رکھا وہ مرتد ہو گیا تو گالی دینے والا بطریق اولیٰ مرتد ہے اور اس شخص کو ہمارے نزدیک بطور حد قتل کر دیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ (تفسیر مظہری ج ۷ ص ۳۸۱ تا ۳۸۲ مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی)

اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو حکم فرمادیں کہ وہ اپنی بڑی چادروں کا کچھ حصہ اپنے چہروں پر ڈال لیا کریں۔ ”جلباب“ کا معنی ہے: ایسی بڑی چادر جو پورے جسم کو چھپالے جیسے لحاف اور بڑا کبیل ہوتا ہے یہ معنی علامہ مبرد سے منقول ہے اور ”یَدْنِینَ عَلَیْہِنَّ مِنْ جَلَابِیْہِنَّ“ کا معنی یہ ہے کہ عورتیں اپنی بڑی چادریں اپنے اوپر اوڑھ لیا کریں اور ان کے ساتھ اپنے چہروں اور اپنے تمام اطراف کو چھپالیا کریں۔ جب کپڑا عورت کے چہرے سے پھسل جائے تو اسے کہا جاتا ہے: ”ادنی ثوبک علی وجھک“ تو اپنا کپڑا اپنے چہرے پر ڈال لے اور ”مِنْ“ تبعیض کے لیے ہے یعنی تم اپنی چادر کا بعض اور زائد حصہ اپنے چہروں پر لٹکا لو کہ چہرے پلو سے چھپ جائیں یہاں تک کہ تم آزاد خواتین لونڈیوں سے ممتاز ہو جاؤ یا اس سے مراد یہ ہے کہ مسلم خواتین اپنی بڑی چادروں کے بعض حصہ سے اپنے جسموں کو ڈھانپ لیا کریں یعنی تاکہ مسلم خواتین لونڈیوں کی طرح صرف قمیص شلوار اور دوپٹہ پہن کر عام لباس میں گھٹیا اور بے وقار نہ بنیں حالانکہ ان کے گھروں میں ان کی خاطر دو یا دو سے زیادہ بڑی چادریں ہوتی ہیں اور پردے کا یہ حکم اس لیے ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں مسلم خواتین بھی زمانہ جاہلیت کی عادت کے مطابق استعمال کا عام لباس پہنتی تھیں اور اس زمانہ کی عورت قمیص اور دوپٹہ پہن کر (پردے کی بڑی چادر اوڑھے بغیر) باہر آتی جاتی تھی آزاد اور لونڈی میں کوئی فرق نہیں ہوا کرتا تھا اور جب عورتیں رات کے وقت قضائے حاجت کے لیے گھروں سے نکل کر باہر کھجوروں کے جھنڈ اور زمین کی نشیبی وادیوں میں جاتیں تو نوجوان لڑکے لونڈیوں کی خاطر ان کا پیچھا کرتے اور بسا اوقات لونڈیوں کے گمان میں آزاد عورتوں کا پیچھا شروع کر دیتے تھے سو اس لیے مسلم خواتین کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے لباس میں لونڈیوں کے لباس سے مختلف وضع قطع اختیار کریں وہ اس طرح کہ مسلم خواتین بڑی چادروں اور کبیلوں سے اپنے سروں اور اپنے چہروں کو ڈھانپ کر باہر نکلا کریں تاکہ ان کے بارے میں کوئی بدکار لالچی ہرگز لالچ نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ کے اس (درج ذیل) ارشاد کا یہی مطلب ہے کہ ﴿ذٰلِکَ اٰذُنِیْ اَنْ یُّعْرَفَنَّ فَلَا یُؤْذِنُ﴾ پردے کا یہ حکم ان کی شناخت کے زیادہ قریب ہے تاکہ انہیں ایذا نہ دی جائے یعنی یہ حکم ان کی شناخت کے زیادہ مناسب اور زیادہ بہتر ہے تاکہ ان کا پیچھا نہ کیا جائے ﴿وَکَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا رَّحِیْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ کوتاہیوں کو بہت بخشنے والا ہے ﴿رَّحِیْمًا﴾ ان کو بہترین آداب کی تعلیم دے کر ان پر بے حد رحم و کرم فرمانے والا ہے۔

لَیِّنٌ لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِیْنَ فِی قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِی

الْمَدِیْنَةِ لَنُعْرِیْبَنَّکَ بِہُمْ ثُمَّ لَا یُجَادِرُوْنَکَ فِیْہَا اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۶۱﴾ مَلْعُوْنِیْنَ اَیْنَمَا

تُقِفُوْا اِحْذُوا وَاَقْتُلُوْا تَقْتِیْلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلٰكِنْ

تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ﴿۶۲﴾

البتہ اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور وہ جو مدینہ میں جھوٹی افواہیں پھیلانے والے ہیں باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان پر ضرور مسلط کر دیں گے پھر وہ آپ کے پاس مدینہ میں نہیں ٹھہر سکیں گے مگر بہت تھوڑا عرصہ ○ ان پر لعنت کی جائے گی وہ جہاں کہیں پائے جائیں گے انہیں پکڑ لیا جائے گا اور انہیں چن چن کر قتل کر دیا جائے گا ○ اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ کار ان لوگوں میں جاری رہا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے طریقہ کار میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں

پائیں گے ۵

منافقین کو قتل کی دھمکی

۶۰۔ ﴿لَمِن لَّمْ یَدْرَکْهُ الْمُنْفِقُونَ وَالَّذِینَ فِی قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ البتہ اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں فسق و فجور کی بیماری ہے، باز نہ آئے اور یہ دلوں کے مریض زنا کار لوگ ہیں (جن کے دل بدکاری کی وجہ سے بیمار ہو چکے ہیں) جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: "فِی طَمَعِ الَّذِی فِی قَلْبِهِ مَرَضٌ" (الاحزاب: ۳۲) "سو وہ شخص لپچائے گا جس کے دل میں بیماری ہے" ﴿وَالْمُرْجِفُونَ فِی الْمَدِیْنَةِ﴾ اور جو لوگ مدینہ منورہ میں جھوٹی افواہیں پھیلانے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو رسول اکرم ﷺ کی جانب سے لڑی جانے والی جنگوں کے بارے میں بُری اور جھوٹی خبریں اڑایا کرتے اور وہ لوگوں سے کہتے تھے کہ مسلمانوں کی فوجیں شکست کھا گئی ہیں اور مسلمان مجاہدوں کو قتل کر دیا گیا ہے اور ان پر یہ مصیبت ٹوٹ پڑی ہے اور وہ مصیبت ٹوٹ پڑی ہے، پس وہ لوگ ان جھوٹی خبروں کے ذریعہ مسلمانوں کے دلوں کو شکستہ کرتے اور ان کو رنج و غم میں مبتلا کر دیتے، چنانچہ "ارجف بکذا" اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص حقیقت کے برعکس اور خلاف واقعہ جھوٹی خبر سناتا ہے کیونکہ یہ خبر متزلزل اور غیر ثابت ہے اور یہ "رجفة" سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی زلزلہ اور تھر تھراانا ہے ﴿لَنُغْرِبَنَّکَ بِہُمْ﴾ البتہ ہم ضرور آپ کو ان کے خلاف ابھاریں گے اور ترغیب دیں گے (یعنی) ہم ضرور آپ کو ان کے قتل کا حکم دیں گے یا ہم آپ کو ان پر ضرور مسلط کر دیں گے ﴿ثُمَّ لَا یُجَادِدُونَکَ فِیہَا﴾ پھر وہ آپ کے پاس اس میں یعنی مدینہ منورہ میں نہیں ٹھہر سکیں گے [اور یہ "لنغرینک" پر معطوف ہے کیونکہ جائز ہے کہ اس کو قسم کا جواب بنایا جائے اس لیے کہ یہ قول درست ہے کہ "لئن لم ینتھوا لا یجاورونک" البتہ اگر وہ لوگ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو پھر وہ آپ کے پاس پڑوس میں ہرگز نہیں ٹھہر سکیں گے اور جب جلاوطن کرنا اور ملک بدر کرنا ان تمام مصائب و آلام سے بڑھ کر ہے جو انہیں پہنچائے گئے تو اس کو حرف "ثم" کے ساتھ معطوف کر دیا گیا کیونکہ اس معطوف کا حال معطوف علیہ کے حال سے بہت دور ہے] ﴿إِلَّا قَلِیْلًا﴾ مگر بہت تھوڑا سا عرصہ ٹھہر سکیں گے اور معنی یہ ہے کہ اگر منافقین اپنی عداوت و دشمنی اور اپنے مکر و فریب سے اور فساق و بدکار لوگ اپنے فسق و فجور اور اپنی بدکاری و زنا کاری سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو ضرور حکم دیں گے کہ آپ بھی ان کے ساتھ ایسے کام کریں جو انہیں دکھ اور تکلیف پہنچائیں، پھر آپ انہیں مدینہ منورہ خالی کرنے کی خواہش پر مجبور کر دیں اور آپ انہیں یہاں تک مجبور و بے بس کر دیں کہ وہ مدینہ منورہ میں محض تھوڑا عرصہ ٹھہر سکیں، جیسے مسافر تھوڑی سی دیر کے لیے ٹھہرتا ہے، پھر کوچ کر جاتا ہے، سو اسی کا نام "اغراء" رکھا گیا ہے اور یہ مجاز کے طور پر تحریک و ترغیب دینا اور اُکسانا ہے۔

۶۱۔ ﴿مَلْعُونِیْنَ﴾ [یہ بطور ذم و شتم یا بطور حال منصوب ہے یعنی یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ منورہ میں جتنی دیر ٹھہریں گے لعنتی بن کر رہیں گے، سو استثناء ظرف اور حال دونوں پر اکٹھے داخل ہے، جیسا کہ گزر چکا ہے اور یہ "اخذوا" سے منصوب نہیں ہے کیونکہ کلمہ شرط کا مابعد اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرتا] ﴿أَیْسَمَا تُقْفُوا﴾ وہ لوگ جہاں کہیں پائے جائیں گے ﴿أَخِذُوا وَادْفِنُوا قَتِیلًا﴾ انہیں پکڑ کر گرفتار کر لیا جائے گا اور انہیں جن جن کرذلت و رسوائی کے ساتھ قتل کر دیا جائے گا اور "قَتِلُوا" میں تشدید قتل کی تکثیر پر دلالت کرتی ہے۔

۶۲۔ ﴿سُنَّةَ اللّٰهِ﴾ [یہ مصدر مؤکد کی جگہ میں واقع ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے یہی دستور ان لوگوں میں جاری و ساری کر دیا ہے جو انہیں کرام کے ساتھ منافقت کا رویہ اختیار کر لیتے تھے کہ وہ جہاں کہیں پائے جائیں، انہیں پکڑ کر قتل کر دیا جائے

﴿فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ﴾ ان لوگوں میں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں ”خَلَوْا“ بہ معنی ”مَضَوْا“ ﴿وَلَكِنْ تَجِدَا لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾ اور آپ اللہ تعالیٰ کے دستور میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے یعنی اللہ تعالیٰ اپنا دستور ہرگز تبدیل نہیں کرتا بلکہ وہ تمام امتوں میں ایک دستور اور ایک ہی طریقہ جاری و ساری رکھتا ہے۔

يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۖ قُلْ إِنَّمَا عَلَيْهَا عِنْدَ اللَّهِ وَحَايِدُ رِيكَ لَعَلَّ
السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا ﴿۶۳﴾ إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكٰفِرِينَ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا ﴿۶۴﴾
خٰلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَا يَجِدُونَ وِلِيًا وَلَا نَصِيرًا ﴿۶۵﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ
فِي النَّارِ يَقُولُونَ يٰلَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَ ﴿۶۶﴾ وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا
سَادَتَنَا وَكِبْرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلًا ﴿۶۷﴾ رَبَّنَا إِنهٖمْ ضَعُفُوْنَ مِنَ الْعَذَابِ
وَالْعَنَهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا ﴿۶۸﴾

لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ فرمادیجئے: بے شک اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ شاید قیامت قریب ہی ہو؟ بے شک اللہ تعالیٰ نے کافروں پر لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، وہ نہ کوئی حمایت کرنے والا پائیں گے اور نہ کوئی مددگار۔ اس روز ان کے چہرے آگ میں الٹ کر دیئے جائیں گے وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! بے شک ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی تھی، سوائے انہوں نے ہمیں سیدھے راستے سے بہکا دیا تھا۔ اے ہمارے پروردگار! ان کو دو گنا عذاب دے اور ان پر بہت بڑی لعنت فرما۔

قیامت کا علم اور کفار کا انجام

۶۳- ﴿يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ﴾ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں (کہ کس دن، کس تاریخ

کو اور کب واقع ہوگی)۔

شانِ نزول: مشرکین مکہ استہزاء و تمسخر کرنے اور مذاق اڑانے کی نیت سے جلد بازی کرتے ہوئے قیامت کے وقوع پذیر ہونے کے وقت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کرتے تھے اور یہود محض امتحان لینے کی نیت سے قیامت کے متعلق آپ سے سوال کرتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں اور دیگر تمام الہامی کتابوں میں قیامت کا علم مخفی رکھا، سوائے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم کو حکم دیا کہ آپ انہیں یہ جواب دیں کہ بے شک قیامت کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ مخصوص کر رکھا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اکرم کے لیے بیان کیا کہ بے شک قیامت کا وقوع قریب آچکا ہے۔

۱۔ واضح رہے کہ سورۃ الجن میں قیامت کے وقوع کے متعلق حضور سے روایت کی نفی کرانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”عَسَا لِمِ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰی غَيْبِهِ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَسُوْلٍ“ (الجن: ۲۶-۲۷) ”وہی غیب کو جاننے والا ہے سو وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں فرماتا“ سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔ اس آیت مبارکہ سے ایک توبیہ واضح ہو گیا کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پھر اللہ تعالیٰ نے جلد بازی کرنے والے مشرکین کو دھمکانے کے لیے اور امتحان لینے والے یہودیوں کو خاموش کرانے کے لیے (درج ذیل) ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ إِنَّمَا عَلَّمَهَا عِنْدَ اللَّهِ وَفَأَيُّدْرِيكَ لَعَنَ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ شاید قیامت قریب ہو (یعنی) ”شیئاً قریباً“ قیامت عنقریب وقوع پذیر ہونے کی چیز ہے یا اس لیے کہ ”الساعة“ زمان کے معنی میں ہے۔

۶۴- ﴿إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكُفْرَيْنَ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے کافروں پر لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے (یعنی) بہت سخت جلانے والی آگ۔

۶۵- ﴿خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا﴾ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اس سے جہمیہ فرقہ کے مذہب کی تردید ہو جاتی ہے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ جنت و دوزخ فنا ہو جائیں گے [اور ”سعیراً“ پر وقف کرنا جائز نہیں کیونکہ ”خالدین“ ”لہم“ کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿لَا يَجِدُونَ دَلِيلًا لِّنَصِيرًا﴾ وہ نہ کوئی حمایت کرنے والا پائیں گے اور نہ کوئی مدد کرنے والا جو انہیں بچا سکے۔

۶۶- ﴿يَوْمَ تَقْلَبُ وُجُوهُمْ فِي النَّارِ﴾ (اے محبوب!) اس دن کے منظر کو یاد کیجئے جس دن ان کے چہروں کو الٹ کر دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائے گا اور انہیں دوزخ کے تمام جہات و اطراف میں گھمایا جائے گا جیسے گوشت کے چھوٹے ٹکڑے ہانڈی میں اس وقت گھومنے لگ جاتے ہیں جب ہانڈی آگ کی تیزی کی وجہ سے اُبلنے اور جوش مارنے لگتی ہے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ علم غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے دوسرا یہ مسئلہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ رسولوں کو اپنے مخصوص غیوب پر آگاہ فرمادیتا ہے اور یہ علم غیب ان کے لیے معجزہ ہوتا ہے چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قیامت کی تمام علامات بیان کرنے کے ساتھ قیامت کے وقوع کا مہینہ محرم اور تاریخ دس محرم اور دن جمعہ المبارک بیان فرمایا، لیکن صرف سن نہیں بتایا کہ آپ کو اس کے مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا تا کہ قرآن مجید کی خبر کی صداقت کہ قیامت اچانک واقع ہوگی قائم و دائم رہے۔

علامہ عارف باللہ حضرت احمد بن محمد صاوی مالکی لکھتے ہیں:

”وهذا انما هو وقت السؤال والا فلم يخرج نبينا صلى الله عليه وسلم من الدنيا حتى اطلعه الله على جميع المغيبات ومن جملتها الساعة لكن امر بكتنم ذلك“ اور یہ علم قیامت کی نفی صرف سوال کے وقت تھی ورنہ ہمارے محترم و مکرم نبی ﷺ دنیا سے تشریف نہیں لے گئے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام مغیبات پر آگاہ فرمادیا، جن میں قیامت کا علم بھی شامل ہے لیکن آپ کو اس کے مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (تفسیر صاوی ج ۳ ص ۲۷۰، مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبي، بمصر)

علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

(تنبیہ) یاد رکھنا چاہیے کہ مغیبات جن احکام سے ہوں گی یا جنس اکوان سے پھر اکوان غیبیہ زمانی ہیں یا مکانی اور زمانی کی باعتبار ماضی مستقبل حال کے تین قسمیں کی گئی ہیں۔ ان میں سے احکام غیبیہ کا کلی علم پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمایا گیا۔ ”فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ أَلَىٰ آخِرِ الْآيَةِ“ (الجن رکوع: ۲) جس کی جزئیات کی تفصیل و تبویب اذکیائے امت نے کی اور اکوان غیبیہ کی کلیات و اصول کا علم حق تعالیٰ نے اپنے ساتھ مختص رکھا۔ ہاں جزئیات منتشرہ پر بہت سے لوگوں کو حسب استعداد اطلاع دی اور نبی کریم ﷺ کو اس سے بھی اتنا وافر اور عظیم الشان حصہ ملا جس کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ تاہم اکوان غیبیہ کا علم کلی رب العزت ہی کے ساتھ مختص رہا۔ (تفسیر عثمانی حاشیہ قرآن مجید ص ۵۳۸، مطبوعہ دارالتصنيف، کراچی)

ان کے چہروں کو اس لیے مخصوص کیا گیا کہ چہرہ انسان کے تمام اعضاء میں سب سے زیادہ محترم و مکرم ہوتا ہے یا چہروں سے تمام اجسام مراد ہیں ﴿یَقُولُونَ﴾ [یہ "تقلب" سے حال ہے یعنی] حالانکہ وہ دوزخ میں لٹے مومنوں ڈالے جانے کے وقت افسوس کرتے ہوئے کہیں گے: ﴿يَلَيَّتْنَا اطْعَمْنَا اللَّهَ وَاطْعَمْنَا الرَّسُولًا﴾ اے کاش! ہم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری کی ہوتی اور ہم نے رسول کریم کی اطاعت و فرماں برداری اور اتباع کی ہوتی تو آج ہم اس خطرناک عذاب سے نجات حاصل کر لیتے سو یہ لوگ اس وقت تمنا اور آرزو کریں گے جب انہیں ان کی یہ تمنا نفع اور فائدہ نہیں دے گی۔

۶۷- ﴿وَقَالُوا رَبَّنَا اِنَّا اطْعَمْنَا سَادَتَنَا﴾ اور وہ لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! بے شک ہم نے اپنے سرداروں کی اطاعت کی تھی اور اس سے کفار کے سردار مراد ہیں جنہوں نے اپنے ان پیروکاروں کو کفر اختیار کرنے کی تلقین کی تھی اور انہوں نے کفر و شرک کو ان کے سامنے خوب صورت انداز میں پیش کر کے انہیں کفر و شرک اختیار کرنے پر آمادہ کر لیا تھا] "سادتنا" "سید" کی جمع ہے اور ابن عامر شامی سہل اور یعقوب کی قراءت میں "ساداتنا" (وال کے بعد الف) ہے اور یہ جمع الجمع یعنی جمع کی جمع ہے ﴿وَكَبَّرْنَا﴾ اور ہم نے اپنے بڑوں کی اطاعت کی تھی (یعنی) ہم میں سے جو عمر رسیدہ اور بڑی عمر کے بزرگ تھے یا جو ہمارے اصحاب علم رہتے تھے ﴿فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيلًا﴾ سو انہوں نے ہمیں راہ راست سے بھٹکا دیا [نیز "ضل السبیل" اور "اضلہ ایساہ" دونوں طرح پڑھا جاتا ہے اور "السبیل" کے آخر میں الف بڑھا کر "السبیل" محض آواز کو بڑھانے کے لیے بڑھایا گیا ہے دوسرا یہ کہ دیگر آیات کے ساتھ موافقت ہو جائے تاکہ آیات کے فواصل اشعار کے قوافی کے مشابہ ہو جائیں اور اس الف کے اضافہ کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ اس پر وقف کرنے کا علم ہو جائے اور دوسرا یہ کہ یہ الف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کلام یہاں پر ختم ہو گیا اور اس کے بعد مستقل نیا جملہ ہے۔]

۶۸- ﴿رَبَّنَا اَتَتْهُمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ﴾ اے ہمارے پروردگار! ان کو دو گنا عذاب دے ایک گمراہ ہونے پر اور دوسرا ہمیں گمراہ کرنے پر ﴿وَالْعَنَهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا﴾ اور ان پر بہت بڑی لعنت فرما [عاصم کی قراءت میں "بَا" کے ساتھ "کبیراً" ہے تاکہ یہ سخت ترین اور بہت زیادہ لعنت کرنے پر دلیل بن جائے اور اس کے علاوہ دیگر قراءت کی قراءت میں "نَا" کے ساتھ "کبیراً" ہے تاکہ لعنت کی زیادہ تعداد پر دلالت کرے۔]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَى فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا ط

وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا ﴿٦٩﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا

سَدِيدًا ۝ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٧٠﴾

اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو ایذا دی سو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان لوگوں کی تکلیف وہ باتوں سے بری فرما دیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی عزت و آبرو والے تھے ۝ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور صحیح بات کہا کرو ۝ وہ تمہارے اعمال کو تمہارے لیے درست کر دے گا اور تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرماں برداری کرتا ہے تو اس نے یقیناً بہت بڑی کامیابی حاصل

ایذا و رسائی کی ممانعت اور کامیابی کی ضمانت کا بیان

شان نزول: جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دے کر جدائی اختیار کر لی تو سید عالم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے حکم الہی کے مطابق انہیں اپنی زوجیت میں لے لیا، جس پر بعض لوگوں نے طعن و تشنیع اور زبان درازی شروع کر دی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے لے پالک بیٹی کی بیوی سے شادی رچالی۔ جب یہ باتیں ان حضرات نے سنی تو انہیں خصوصاً حضور کو بہت رنج و الم اور دکھ پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی شان میں یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی:

۶۹- ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ إِذْ وَآمُوسَىٰ فَبَكَأَ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا﴾ اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذا اور دکھ دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے بری فرما دیا جو کچھ انہوں نے کہا تھا [”مَا“ مصدر یہ ہے یا پھر موصولہ ہے] اور ان میں سے جو بھی ہو لیکن مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی ان باتوں سے بری فرمایا جو آپ کے لیے موجب نقص و عیب اور اذیت و تکلیف کا باعث تھیں، ایک تو وہی بدکارہ اور فاسقہ و فاجرہ عورت کی بات ہے جسے قارون نے تیار کیا اور اس سے یہ چاہا تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنے ساتھ بدکاری کی تہمت لگائے گی یا پھر بنی اسرائیل کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حضرت ہارون علیہ السلام کو قتل کرنے کا الزام مراد ہے (جب کہ حضرت ہارون مقام تیبہ میں طبعی موت سے انتقال کر گئے تھے) لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو زندہ کر دیا اور انہوں نے انہیں بتایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے قتل سے بری اور بے قصور ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں ہمارے نبی کریم ﷺ کو لوگوں کی نازیبا باتوں سے بری قرار دے کر فرمایا: ”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ“ (الاحزاب: ۴۰) ”حضرت محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں“ ﴿وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی شان اور رتبہ والے اور مستجاب دعا تھے اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود اور حضرت امش نے ”وَكَانَ عَبْدًا لِلَّهِ وَجِيهًا“ پڑھا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے بڑی وجاہت والے بندے تھے۔

۷۰- ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور درست بات کہا کرو (یعنی) سچی اور صحیح بات یا مستقیم اور سیدھی بات جو حق کی طرف مائل ہو اور ”سداد“ کا معنی ہے: حق کی طرف جانے والا سیدھا راستہ اور انصاف کی بات کہنا اور اس کا مطلب و مراد یہ ہے کہ لوگوں کو حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں ناحق اور انصاف کے خلاف معمولی بات کہنے سے بھی روک دیا گیا ہے اور انہیں اس بات پر ترغیب دی گئی ہے کہ وہ ہر معاملہ میں سچی اور صحیح اور مبنی بر انصاف حق سچ کی بات کیا کریں کیونکہ زبان کی حفاظت اور حق سچ کی بات ہر خیر و بھلائی کی بنیاد ہے اور ”سدیداً“ پر وقف نہیں کیا جانا چاہیے کیونکہ اس امر کا جواب (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۷۱- ﴿يُضِلُّكُمْ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تمہارے اعمال کو درست کر دے گا (یعنی) وہ تمہاری عبادت و سیر ریاضت اور اطاعت و فرماں برداری کو قبول فرمائے گا یا وہ تمہیں نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے گا ﴿وَيُغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا یعنی ان کو مٹا دے گا اور اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی زبانوں کی حفاظت کرنے میں اور اپنی بات چیت کو درست رکھنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، سوبلا شبہہ اگر تم یہ کام کرو گے تو اللہ تعالیٰ

تمہیں تمہاری طلب کی غرض و غایت عطا فرمائے گا، وہ یہ کہ تمہاری نیکیوں کو قبول فرمائے گا اور ان پر تمہیں اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور برائیوں کو مٹا دے گا اور یہ آیت مبارکہ پہلی آیت کریمہ کی توثیق کرتی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا دینے سے ممانعت پر اس کی بنیاد رکھی گئی ہے اور یہ زبان کی حفاظت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے حکم پر مبنی ہے تاکہ ان پر نبی کے ساتھ امر کو بھی بیان کر دیا جائے اس لیے کہ نبی کی اتباع حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں وعید کو متضمن ہے اور امر کی اتباع وعید بلخ کی ضامن ہے، پس اڈی سے روکنے والا اور اسے ترک کی دعوت دینے والا مضبوط ہو جائے گا ﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت اختیار کرتا ہے تو اس نے یقیناً بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی اور جب اللہ تعالیٰ نے بڑی کامیابی کو اطاعت کے ساتھ مشروط کر دیا تو اس کے فوراً بعد اس کے ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا
وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۝۴۱ لِيُعَذِّبَ اللَّهُ
الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ
وَالْمُؤْمِنَاتِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝۴۲

بے شک ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر ایک امانت پیش کی تو انہوں نے اس میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا اور وہ اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس میں خیانت کی، بے شک وہ حد سے بڑھ جانے والا بڑا نادان ہے O تاکہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرکہ عورتوں کو عذاب دے اور اللہ تعالیٰ مؤمن مردوں اور مؤمنہ عورتوں کی توبہ قبول فرمائے اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O

امانت الہی کا بیان

۷۲۔ ﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ﴾ بے شک ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر اپنی امانت پیش کی اور اللہ تعالیٰ امانت سے اطاعت مراد لیتا ہے اور حمل امانت کا معنی ہے: خیانت کرنا، جیسے کہا جاتا ہے کہ "فلان حامل الامانة ومحتمل لها" فلاں آدمی امانت اٹھانے والا اور اس کا بوجھ برداشت کرنے والا ہے یعنی فلاں آدمی یہ امانت اس کے مالک کو ادا نہیں کرتا تاکہ اپنے ذمہ سے عہدہ برا اور بری ہو جائے کیونکہ امانت گویا امانت دار پر سوار ہوتی ہے اور وہ اس کو اٹھانے والا اور اس کا بوجھ برداشت کرنے والا ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے: "رَكِبْتُهُ الدَّيُونَ" وَلِيَّ عَلَيْهِ حَقٌّ "فلاں پر قرض سوار ہو گیا ہے اس پر حق مسلط ہو گیا ہے پھر جب وہ اسے ادا کر دے گا تو وہ اس پر سوار نہیں رہے گا اور نہ وہ اسے اٹھانے والا کہلائے گا، یعنی بے شک، یہ نام بڑے بڑے اجرام و اجسام (یعنی آسمان، زمین اور پہاڑ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے حکم کے اطاعت گزار ہیں جیسے ان کی اطاعت ہوتی ہے اور یہ وہ اطاعت ہے جو جمادات سے ادا ہو سکتی ہے (یعنی تکوینی اطاعت مراد ہے لیکن تشریحی نہیں) اور یہ جمادات اللہ تعالیٰ کے حکم پر اس اطاعت کے ساتھ مطیع و فرمان بردار ہوتے ہیں جو ان کے لائق و مناسب ہوتی ہے اس اعتبار سے کہ یہ ایجاد و تکوین (یعنی تخلیق) میں اور مختلف اشکال میں مساوی

ہونے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادہ کے سامنے رک نہیں سکتے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”ثُمَّ اسْتَوَىٰ اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اتَيْنَا طَائِعِينَ“ (تم اسجدہ: ۱۱) ”پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف قصد فرمایا حالانکہ اس وقت وہ دھواں تھا، پس اس نے اس سے اور زمین سے فرمایا: تم دونوں آؤ خوشی سے یا ناخوشی سے، ان دونوں نے کہا: ہم اپنی خوشی سے فرماں بردار بن کر آئے ہیں“ اور اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ بے شک سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت اور جانور اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور بے شک بعض پتھر ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خوف و ڈر سے گر پڑتے ہیں اور لیکن رہا انسان جو اس کے لائق و مناسب ہے (اور وہ تشریحی اطاعت ہے) اس میں اس کا حال ان جمادات کے حال کی طرح نہیں ہے ان کی اس (تکوینی) اطاعت میں جو ان کے لیے صحیح ہے اور جو ان کے لیے لائق و مناسب ہے اور (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ کا یہی معنی ہے: ﴿قَابِلِينَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا﴾ سوانہوں نے اس امانت کے اٹھانے سے معذرت کر لی یعنی انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا اور یہ کہ وہ اس امانت کو ادا نہیں کر سکیں گے۔

﴿وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا﴾ اور وہ اس سے ڈر گئے (یعنی) اور وہ اس امانت میں خیانت کرنے سے ڈر گئے ﴿وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ﴾ اور انسان نے اسے اٹھا لیا یعنی اس نے اس امانت میں خیانت کی اور اس نے اس بات سے انکار کر دیا کہ وہ اس امانت کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا اور اس کی ذمہ داری کو پورا نہیں کر سکے گا اور وہ اس امانت کو ادا نہیں کر سکے گا ﴿اِنَّكَ كَانَ ظَلُومًا﴾ بے شک وہ بڑا ظالم ہے کیونکہ وہ امانت کی ادائیگی کا تارک ہے ﴿جَهُّوْلًا﴾ بہت بڑا نادان ہے کیونکہ اس نے اس امانت

لے یا اور ہے کہ تفسیر مدارک کے مصنف علیہ الرحمۃ نے اگرچہ اختصار کے پیش نظر امانت کا صرف ایک معنی بیان کیا ہے کہ امانت سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت مراد ہے لیکن علامہ بغوی اور علامہ مظہری نے (درج ذیل) سات معانی بیان کیے ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ امانت سے اطاعت اور وہ فرائض مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض و لازم کر دیے ہیں۔

(۲) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ امانت سے مراد نماز ادا کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور ماہ رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ شریف کا حج کرنا اور بیچ بولنا اور ناپ تول میں انصاف کرنا اور ان سب سے اہم لوگوں کی امانتیں ادا کرنا ہے۔

(۳) حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ امانت سے فرائض کی ادائیگی اور حدود و دین کی حفاظت مراد ہے۔

(۴) حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ امانت سے اوامر و نواہی مراد ہیں (اور وہ احکام ہیں جن پر عمل کرنا واجب ہے اور نواہی وہ ممنوعات ہیں جن سے بچنا واجب ہے)۔

(۵) حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ امانت سے روزہ، غسل جنابت اور دیگر عبادات مراد ہیں جن میں ریا کو دخل نہیں۔

(۶) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے انسان کی شرم گاہ کو پیدا کیا اور انسان سے فرمایا کہ یہ امانت ہے، میں اسے تیرے پاس امانت رکھ رہا ہوں، سو شرم گاہ ایک امانت ہے، کان امانت ہیں، آنکھیں امانت ہیں، ہاتھ امانت ہیں اور پاؤں امانت ہیں اور جو شخص امانت دار نہیں وہ ایمان دار نہیں۔

(۷) حضرت ضحاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک قول نقل کیا ہے کہ امانت سے لوگوں کی رکھوائی ہوئی امانتیں اور ایقائے عہد مراد ہے، سو ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کی امانت میں خواہ وہ کم ہو یا زیادہ ہو خیانت نہ کرے اور کسی کے ساتھ وعدہ کر کے عہد شکنی نہ کرے۔

(تفسیر معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۳۶، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، تفسیر مظہری ج ۷ ص ۳۸۷، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی)

میں غلطی کی جو اسے نیک بخت بنا سکتی تھی بشرطیکہ وہ اس پر قائم رہتا اور وہ اسے صحیح طریقے سے ادا کرنا تھا۔ علامہ زجاج نے فرمایا کہ کافر اور منافق امانت اٹھانے والے ہیں یعنی امانت میں خیانت کرنے والے ہیں اور انہوں نے اطاعت و فرمان برداری اختیار نہیں کی اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں نے چونکہ اطاعت کی ہے اس لیے انہیں ”کفان ظلوٰماً جھوٹاً“ نہیں کہا جاسکتا۔

بعض اہل علم کا قول ہے کہ بے شک جس امانت کا انسان کو مکلف کیا گیا ہے یہ اتنی اہم اور عظیم الشان چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سب بڑے اجسام آسمان اور زمین اور پہاڑ پر اس عظیم الشان امانت کو پیش کیا گیا لیکن انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے جب کہ انسان نے اپنی کمزوری کے باوجود اسے اٹھالیا بے شک یہ بڑا ظالم اور بہت نادان ثابت ہوا کیونکہ اس نے امانت کو اٹھالیا پھر اسے پورا نہیں کیا اور اس کا ضامن تو بن گیا لیکن پھر وہ اپنی اس ضمان میں خیانت کر بیٹھا اور اس قسم کا کلام عرب کی زبان میں بہت استعمال ہوتا ہے اور قرآن مجید انہیں کے اسلوب اور انداز پر نازل ہوا ہے۔

۷۳- ﴿لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافقہ عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرکہ عورتوں کو عذاب میں مبتلا کر دے۔ [اس آیت مبارکہ میں لام علت اور سبب بیان کرنے کے لیے ہے کیونکہ یہاں عذاب دینے کا ذکر ادب سکھانے کی نظیر ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: ”ضربتہ للتادیب“ کہ میں نے اس کو ادب سکھانے کے لیے مارا ہے سو ”جھوٹاً“ پر وقف نہ کیا جائے] ﴿وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ﴾ اور تاکہ اللہ تعالیٰ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی توبہ قبول فرمائے [اعمش کی قراءت میں ”وَيَتُوبُ“ مرفوع پڑھا گیا ہے تاکہ حامل کے فعل کے لیے علت کو قاصر قرار دیا جائے اور ”ويتوب الله“ سے آغاز کیا جائے] اور اس کا مشہور معنی یہ ہے: تاکہ اللہ تعالیٰ امانت میں خیانت کرنے والے کافروں اور منافقوں کو عذاب دے اور ان کے علاوہ جنہوں نے امانت میں خیانت نہیں کی ان کی توبہ قبول کر لے کیونکہ جب کسی وفادار پر توبہ کے ذریعہ نظر رحمت کی جاتی ہے تو یہ بھی مستقبل کے عذاب سے نجات کی ایک قسم ہوتی ہے [یا پھر ”للعذب“ کا لام علت کی بجائے عاقبت کے لیے ہے] یعنی انسان نے اس امانت کو اٹھالیا پھر انجام کار بد بختوں کو عذاب دینے اور نیک بختوں کی توبہ قبول کرنے کی طرف لوٹ گیا ﴿وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا﴾ اور اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو بہت بخشنے والا ہے ﴿رَحِيمًا﴾ اپنے مسلمان بندوں پر بے حد مہربان ہے۔

سورہ سبا کی ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورہ سبا کی ہے

سورہ سبا کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی چون آیات چھ رکوع ہیں

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْآخِرَةِ

وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ۝ يَعْلَمُ مَا يَدْبُرُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ

مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْدِرُ فِيهَا ۝ وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ ۝

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کے لیے ہے اور

آخرت میں اسی کے لیے حمد و ثناء ہوگی اور وہ بڑا حکمت والا بہت خبردار ہے O وہ خوب جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے باہر نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس کی طرف چڑھتا ہے اور وہ بڑا مہربان بہت بخشنے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کی شان اور مسلم و کافر کے انجام کا بیان

۱- ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اگر ”الحمد“ میں لام عہد کا ہے تو اس سے مخصوص و معین حمد و ثناء مراد ہے سو اس صورت میں اس سے وہ حمد مراد ہوگی جو خود محمود (یعنی اللہ تعالیٰ) نے اپنی حمد و ثناء کی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف جو خود بیان کی ہے وہ اسی کا خاصہ ہے اس جیسی تعریف کوئی اور نہیں کر سکتا) اور اگر یہ لام استغراق کا ہے تو پھر معنی یہ ہوگا کہ تمام محامد کا وہی مستحق ہے تمام قسم کی تمام تعریفیں اسی کے لیے مخصوص ہیں اور ”لِلَّهِ“ میں لام تملیک کا ہے کیونکہ اصل میں تعریف بیان کرنے والے کا خالق وہی (اللہ تعالیٰ) ہے سو تعریف کا مالک بھی اسی کی ملکیت میں ہے اور توصیف و تعریف کا اہل بھی وہی ہے ﴿الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے پیدائش کے اعتبار سے اور ملک کے اعتبار سے اور قبضہ کے اعتبار سے سب اسی کے لیے ہے پس وہی اس بات کا حق دار ہے کہ ہر حال میں اس کی تعریف و توصیف کی جائے پوشیدہ بھی اور اعلانیہ بھی ﴿وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْأَخْدَاتِ﴾ اور آخرت میں اسی کی حمد و ثناء بیان کی جائے گی جیسا کہ دنیا میں اسی کی تعریف و توصیف بیان کی جاتی ہے کیونکہ دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں تمام نعمتیں اسی مولیٰ کی طرف سے عطا کی جاتی ہیں مگر یہاں دنیا میں اس کی حمد و ثناء اور تعریف و توصیف واجب و لازم ہے اس لیے کہ دنیا دار تکلیف ہے (اس میں انسان حمد الہی کا مکلف ہے) اور وہاں آخرت میں واجب نہیں کیونکہ وہاں انسان مکلف نہیں ہوگا اور البتہ اہل جنت اخروی نعمتوں سے مسرور و خوش ہو کر اور اجر عظیم پانے پر لذت و راحت پا کر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہوئے کہیں گے: ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقْنَا وَعَدَّهُ“ (الزمر: ۳۳) ”تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا“۔ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ“ (الفاطر: ۳۴) ”تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے غم و رنج کو دور کر دیا“ ﴿وَهُوَ الْحَكِيمُ﴾ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ان سب کی تدبیر و منصوبہ بندی کرنے میں وہی بہت بڑا حکمت والا ہے ﴿الْحَبِيبُ﴾ جزا اور بدلے کے دن جو اس کی تعریف کریں گے ان کے باطن کو وہ خوب جاننے والا اور پوری طرح خبردار ہے۔

۲- ﴿يَعْلَمُ مَا يَلْبِغُ فِي الْأَرْضِ﴾ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کو خوب جانتا ہے جو مردوں اور دینیوں (بارش کے قطروں اور مختلف اجناس کے بیجوں اور مختلف کیڑوں) میں سے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے [یہ جملہ مستانفہ ہے اور ”مَا يَلْبِغُ“ بہ معنی ”مَا يَدْخُلُ“ ہے] ﴿وَمَا يَخْدِرُ مِنْهَا﴾ اور جو کچھ اس زمین سے نباتات (یعنی درخت، پودے، باغات اور انگریاں) اور معدنیات سے (نیز بلوں اور سوراخوں میں سے کیڑے مکوڑے و دیگر جنگلی حیوانات) باہر نکلتے ہیں ﴿وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ﴾ اور جو کچھ آسمان سے بارشوں اور مختلف اقسام کی برکتوں (مثلاً فرشتوں، کتابوں، تقدیروں، رزقوں، رحمتوں اور مغفرتوں) میں سے نازل ہوتا ہے ﴿وَمَا يَعْزُبُ مِنْهَا﴾ اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے (یعنی جو کچھ فرشتوں اور دعاؤں) (ارواح مؤمنین، اعمال صالحہ اور مظلوموں کی فریادوں) میں سے آسمان کی طرف چڑھتا ہے ﴿وَهُوَ الرَّحِيمُ﴾ اور وہ اپنی تمام مخلوقات پر جن چیزوں کی انہیں ضرورت ہوتی ہے نازل کر کے بے حد رحم فرمانے والا ہے ﴿الْعَفُورُ﴾ نافرمانی کرنے والے گناہ گار مسلمانوں کو (توبہ کرنے پر) بہت بخشنے والا ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ ط قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ عَلِيمُ
الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ
مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ۝۳ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ ۝ أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۝ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝۴ وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا
مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رَّجْزٍ أَلِيمٌ ۝۵

اور کافروں نے کہا: ہم پر قیامت نہیں آئے گی! آپ فرمائیے: کیوں نہیں! میرے رب تعالیٰ کی قسم! وہ تم پر ضرور آئے گی وہی غیب کا جاننے والا ہے اس سے ذرہ برابر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر وہ روشن کتاب میں ہے ۝ تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان ہی کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے ۝ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں میں ہمیں عاجز کرنے کی کوشش کی ان ہی کے لیے دردناک عذاب کی سزا ہے ۝

۳- ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اور کافروں نے یعنی مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنے کے منکروں نے کہا کہ ﴿لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ﴾ ہم پر قیامت نہیں آئے گی۔ اس جملے میں انہوں نے مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنے کی نفی کر دی اور قیامت کے آنے کا انکار کر دیا ﴿قُلْ بَلَىٰ﴾ (اے محبوب!) فرمائیے کہ کیوں نہیں! وہ ضرور آئے گی۔ لفظ ”بلی“ کے ذریعے نفی کے بعد قیامت کے آنے کا اثبات کیا گیا ہے اس بناء پر کہ ”بلی“ کا معنی ہے کہ بات اس طرح نہیں بلکہ وہ ضرور آئے گی ﴿وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ﴾ اور مجھے اپنے رب تعالیٰ کی قسم! البتہ وہ تم پر ضرور آئے گی۔ اس کلام مبارکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے بطور تاکید قیامت کے اثبات کا اعادہ کیا گیا ہے کیونکہ تاکید و تشدید میں یہی مقصود ہے اور وہ ہے اللہ عزوجل کے ساتھ قسم کی تاکید کرنا پھر اس قسمی تاکید کو مقسم بہ کے بعد آنے والے وصف کے ساتھ دراز کیا گیا ہے اور وہ وصف یہ ارشاد ہے کہ ﴿عَلِيمُ الْغَيْبِ﴾ وہی غیب کا جاننے والا ہے کیونکہ مقسم بہ (رب تعالیٰ) کے حال کی عظمت و رفعت مقسم علیہ (قیامت) کے حال کی قوت و اثبات اور اس کی استقامت کا اعلان و اظہار کرتی ہے اس لیے کہ یہ کسی معاملہ پر گواہی دینے کے قائم مقام ہوتی یہ اور جب مستشهد بہ (رب تعالیٰ) ارفع و اعلیٰ مرتبہ کا ہوگا تو گواہی زیادہ قوی اور زیادہ موکد ہوگی اور اسی طرح مستشهد علیہ (ثبوت قیامت) زیادہ ثابت اور زیادہ پختہ ہوگا اور جب قیامت کا قیام غیوب کے مشاہیر میں سے ہے اور خفاء و پوشیدگی میں زیادہ داخل ہے تو اس کے وصف کا غیب کے جاننے والے رب تعالیٰ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے بلند و بالا ہونا زیادہ اولیٰ ہے [نافع اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ”عَالِمُ الْغَيْبِ“ میں ”عالم“ مرفوع ہے ”ای هو عالم الغیب“ یعنی وہی غیب جاننے والا ہے جب کہ حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں مبالغہ کے طور پر (عالم الغیب) ہے] ﴿لَا يَعْزُبُ عَنْهُ﴾ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے [علی کسائی کوئی کی قراءت میں ”زَا“ کے نیچے زیر ہے (یعنی باب ضرب یضرب ہے) چنانچہ ”عزب“ اور ”یعزب“ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی غائب اور دور ہو جائے] ﴿مِثْقَالُ ذَرَّةٍ﴾ ذرہ برابر

(یعنی) چھوٹی چوٹی کے برابر ﴿فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرُ﴾ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ اس سے (یعنی) ذرہ برابر سے چھوٹا اور نہ ذرہ برابر سے بڑا ﴿الَّذِي كَتَبَ فِيهِ الْبُرْهَانَ﴾ مگر روشن کتاب میں ہے (یعنی) مگر لوح محفوظ میں ہے [”ولا اصغر“ اور ”ولا اکبر“ دونوں مرفوع ہیں اور ”مشقال ذرۃ“ پر معطوف ہیں اور ”إلا“ بہ معنی ”لیکن“ ہے یا پھر مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور ”فی کتاب مبین“ خبر ہے]۔

۴- ﴿لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے یہی لوگ ہیں جن کے لیے بخشش ہے۔ یہ مغفرت و بخشش ان کے لیے ہے جنہوں نے ایمان کے مدارج میں کوتاہی نہیں کی ﴿وَرِنْمَىٰ كَرِيمٌ﴾ ان لوگوں کے لیے عزت کی روزی ہے جنہوں نے احسان کے راستوں پر صبر کیا۔ یہ ”لَتَأْتِيَنَّكُمْ“ کے متعلق ہے اور ”لیجزی“ میں لام اس کی علت بیان کرنے کے لیے ہے (یعنی قیامت اس لیے آئے گی تاکہ نیک مسلمانوں کو جزائے خیر اور غیر مسلموں کو سزا دی جائے)۔

۵- ﴿وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں میں کوشش کی (یعنی) انہوں نے قرآن مجید کو رد کرنے میں کوشش کی ﴿مُعْجِزِينَ﴾ عاجز کرنے والے غالب آنے والے اس گمان کی بناء پر کہ وہ ہم سے بچ جائیں گے (یعنی کفار ہمیں عاجز کرنے اور ہم پر غالب آنے کی کوشش کرتے رہے تاکہ ہماری گرفت سے بچ جائیں) [ابن کثیر کی اور ابو عمرو کی قراءت میں ”معجزین“ ہے] یعنی وہ لوگوں کو ہماری آیات (قرآنی) کی اتباع سے اور ان میں غور و فکر کرنے سے روکتے تھے یا وہ اللہ تعالیٰ کو عجز و کمزوری کی طرف منسوب کرتے تھے ﴿أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ قَسِيبٌ يَأْتِيهِمْ﴾ یہی لوگ ہیں جن کے لیے عذاب میں سے دردناک عذاب ہے [ابن کثیر کی حفص اور یعقوب کی قراءت میں ”الْإِيم“ عذاب کی صفت ہونے کی بناء پر مرفوع ہے یعنی عذاب کے درمیان میں سے دردناک عذاب۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”الرجز“ کا معنی ہے بدترین اور برے عذاب اور دیگر قراءت میں ”الْإِيم“ مجرور ہے کہ ”رجز“ کی صفت ہے]۔

وَيَذِي الدِّينِ أَوْ تَوَالِعِ الدِّينِ أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنْ تَرَبِّكَ هُوَ الْحَقُّ لَا يَهْدِي إِلَى صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ① وَقَالَ الدِّينِ كَفَرُوا هَلْ نَدَّكُمْ عَلَىٰ سَاجِدٍ يَتَّبِعُكُمْ إِذَا مَرَّ قَتْمُ كُلِّ مَسْرَقٍ ② إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ③

اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ جانتے ہیں کہ جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے اور وہ اس ذات کے دین کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو سب پر غالب (اور) تمام خوبیوں کے لائق ہے ① اور کافروں نے کہا کہ کیا ہم ایسے آدمی کی طرف تمہاری رہنمائی کریں جو تمہیں یہ بتاتا ہے کہ جب تم بالکل پارہ پارہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو بے شک تم دوبارہ نئی پیدائش میں اٹھائے جاؤ گے ②

اہل علم مسلمانوں کی شان اور کفار مکہ کی مذمت

۶- ﴿وَيَذِي﴾ اور دیکھتے ہیں ”أَيُّ يَعْلَمُ“ یعنی جانتے ہیں [یہ جملہ مستانہ ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے] ﴿وَالَّذِينَ أَوْتُوا الْعِلْمَ﴾ وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام علیہم الرضوان اور وہ لوگ جو آپ کی امت

میں سے ان حضرات کے نقش قدم پر چلتے رہیں گے یا اہل کتاب کے وہ علماء مراد ہیں جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا جیسے حضرت عبد اللہ بن سلام اور حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہما (لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے کہ یہ سورت کی ہے اگرچہ کئی سورت میں آیت مدنی ہو سکتی ہے) ﴿الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنَ تَرَاتُكَ﴾ جو آپ کے رب تعالیٰ کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے یعنی قرآن مجید ﴿هُوَ الْحَقُّ﴾ وہ حق ہے یعنی سچ ہے [”ہو“ ضمیر فصل ہے اور ”الحق“ دوسرا مفعول ہے یا ”لیجزی“ پر معطوف ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے] یعنی اہل علم پختہ علم کے ساتھ قیامت کے آنے کے بارے میں خوب جانتے ہیں کہ بے شک قیامت کا آنا برحق ہے اس پر ان کے یقین میں مزید اضافہ نہیں کیا جاسکتا ﴿وَيَهْدِي﴾ اور اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے یا وہ قرآن مجید ہدایت دیتا ہے جو آپ پر نازل کیا گیا ہے ﴿إِلَى صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ﴾ سب پر غالب (اور) تمام تعریفوں کے لائق خدا کی راہ کی طرف اور وہ اللہ تعالیٰ کا دین ہے۔

۷- ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اور کافروں نے کہا (یعنی) قریش مکہ کے لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا: ﴿هَلْ نَدُوكُمْ عَلَىٰ مَآجِلٍ﴾ کیا ہم تمہیں ایسے آدمی کے بارے میں بتائیں۔ کفار مکہ ”رَجُلٍ“ سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا قصد کرتے تھے اور اگرچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ذاتی نام سے قریش مکہ میں مشہور و معروف تھے اور آپ کا اعلان نبوت بھی ان کے ہاں مشہور تھا، لیکن انہوں نے آپ کی ذات مبارک اور آپ کے مشن سے ان جان بن کر اور تجاہل برتنے کے لیے ”رَجُلٍ“ کو نکرہ بیان کیا اور تجاہل کا باب بلاغت میں ہے ﴿يَتَّبِعُكُمْ إِذَا مَرَّ قَوْمٌ كُلٌّ مُمَزَّقٍ﴾ انکُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ﴾ وہ تمہیں بتاتا ہے کہ جب تم پارہ پارہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو بے شک تم نئے سرے سے پیدا ہو کر اٹھو گے یعنی وہ تمہیں بہت سے عجائبات میں سے کئی عجیب باتیں بیان کرتے ہیں کہ تم مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے اور تم نئی پیدائش میں پیدا کیے جاؤ گے اس کے بعد کہ تم ریزہ ریزہ اور چورہ چورہ ہو کر مٹی میں مل چکے ہو گے اور تمہارے پرانے اجسام بالکل ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے ہوں گے ”کل ممزق“ کا مطلب ہے کہ وہ تمہیں ہر قسم کے ٹکڑوں میں تقسیم کر دے گا [اور ”مُمَزَّقٍ“ مصدر میسی بہ معنی تمزیق ہے اور ”إِذَا“ میں عامل وہ فعل ہے جس پر ”إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ“ دلالت کرتا ہے یعنی ”تَبْعُونَ“ اور ”جدید“ ”فعلیل“ کے وزن پر ہے اور بصریوں کے نزدیک بہ معنی فاعل ہے جیسے ”جَدَّ جَدِيدٌ“ اور ”قَلَّ“ ”قلیل“ ہے اور ”إِنَّكُمْ“ میں ہمزہ کو مفتوح پڑھنا جائز نہیں کیونکہ اس کی خبر میں لام ہے۔]

أَفْتَرَىٰ عَلَىٰ اللَّهِ كَذِبًا أَمْ بِهِ جِنَّةٌ ۗ بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي
 الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ ۝٨ أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ
 السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ إِنَّ نَاشِئَةَ السَّمَاءِ بِهِنَّ أَوْ نَسْقُطُ عَلَيْهِمْ كِسْفًا مِّنَ
 السَّمَاءِ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ۝٩

کیا اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے یا اسے جنون ہو گیا ہے، بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ عذاب میں اور بہت دور کی گمراہی میں گرفتار ہیں ۸ تو کیا انہوں نے ان چیزوں کی طرف نہیں دیکھا جو ان کے آگے اور ان کے پیچھے آسمان اور زمین میں سے احاطہ کیے ہوئے ہیں، اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں یا ہم ان پر آسمان کے ٹکڑے گرا

دیں بے شک اس میں ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے نشانی ہے O

۸۔ ﴿اَفْتَرَىٰ عَلٰی اللّٰهِ كَذِبًا﴾ کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے (یعنی) کیا یہ نبی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے کہ حشر و نشر کی خبر سنا کر اس کی طرف منسوب کر دیتا ہے [”افتسری“ میں ہمزہ استفہام کا (سوالیہ) ہے اور وصل کا ہمزہ گرا دیا گیا ہے کہ اس کی ضرورت نہیں رہی] ﴿اَمْرٍ بِهٖ جَنَّةٌ﴾ یا انہیں جنوں ہو گیا ہے جو انہیں اس وہم میں ڈالتا ہے اور ان کی زبان پر ایسی بات جاری کر دیتا ہے ﴿بَلِ الْاٰنۡبِیِّۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالْاٰخِرَةِ فِی الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِیۡدِ﴾ بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ (مستقبل میں) عذاب میں مبتلا ہوں گے اور وہ (فی الحال) دور کی گمراہی میں گرفتار ہو چکے ہیں پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ میں افتراء اور جنوں میں سے کچھ بھی نہیں اور آپ ﷺ کسی پر افتراء و بہتان تراشی اور جنوں و دیوانگی دونوں سے مبرا اور پاک ہیں بلکہ افتراء و جنوں کی بات کہنے والے اور قیامت کا انکار کرنے والے خود دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہوں گے اور وہ اب بھی ایسی گمراہی میں مبتلا ہو چکے ہیں جو انہیں حق سے دور لے جا رہی ہے اور وہ اس سے غافل ہو چکے ہیں اور یہی بدترین جنوں ہے کفار کے عذاب میں گرفتار ہونے کو ان کے گمراہی میں مبتلا ہونے کے ساتھ معلق بیان کیا گیا ہے گویا یہ دونوں ایک وقت میں ہونے والے ہیں کیونکہ جب عذاب گمراہی کے لوازم میں سے ہے تو دونوں کو گویا متصل قرار دیا گیا ہے [”ضلال“ کا وصف بعید اسناد مجازی میں سے ہے کیونکہ اصل میں ”بعید“، ”ضال“ گمراہ ہونے والے کی صفت ہے کیونکہ وہی راہ حق سے دور ہوتا ہے]۔

۹۔ ﴿اَقَلَمٌ یَّزِدُ اِلٰی مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَمَا خَلْفَہُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۗ اِنۡ تَشَاۡخِضۡ بِہِمۡ الْاَرْضَ ۗ﴾ سو کیا انہوں نے اس طرف نہیں دیکھا کہ ان کے آگے اور ان کے پیچھے آسمان اور زمین نے انہیں ہر طرف سے گھیرا ہوا ہے اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں [علی کسائی کی قراءت میں ”نخسف“ کی ”قا“ کو ”بہم“ کی ”با“ میں مدغم کر کے پڑھا جاتا ہے محض اس لیے کہ ”قا“ اور ”با“ کے درمیان مخرج میں تقارب ہے (کہ دونوں شفوی ہیں) اور بعض قراء نے اس ادغام کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ ”قا“ کی آواز ”با“ پر زیادہ ہوتی ہے] ﴿اَوْ نَسۡقِطۡ عَلَیۡہِمۡ کِسۡفًا مِّنَ السَّمَآءِ ۗ﴾ یا ہم ان پر آسمان سے ٹکڑے گرا دیں یعنی کیا وہ اندھے ہو گئے ہیں کہ انہوں نے آسمان اور زمین کی طرف نہیں دیکھا اور بے شک آسمان و زمین دونوں نے وہ جہاں بھی رہیں اور وہ جہاں بھی جائیں ان کے آگے اور ان کے پیچھے ہر طرف سے انہیں گھیرا ہوا ہے وہ ان دونوں کے اطراف سے شکاف ڈال کر نکل نہیں سکتے اور وہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہی سے بھی نہیں نکل سکتے جس میں وہ رہ رہے ہیں اور وہ اس سے نہیں ڈرتے کہ اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے یا ان پر آسمان سے (آگ کے گولے اور) ٹکڑے گرا دے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا ہے اور اس کے محترم و مکرم رسول کی نبوت کا انکار کیا ہے اور ان کی تعلیمات کا انکار کیا ہے جیسا کہ قارون کو زمین میں دھنسا دیا گیا تھا اور ایک کے رہنے والوں پر آگ کی چنگاریاں برسائی گئی تھیں [امام عاصم کے علاوہ دیگر کوئی قراء نے تینوں افعال کو ”یا“ کے ساتھ ”ان ینشا ینخسف بہم الارض او یسقط“ پڑھا ہے اور حضرت حفص کی روایت ”کسفا“ میں سین مفتوح ہے (اور یہ ”کسفة“ کی جمع ہے) ﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ﴾ بے شک اس میں (یعنی) آسمان اور زمین کی طرف عبرت کی نگاہ سے دیکھنے میں اور ان دونوں میں غور و فکر اور تدبر و سوچنے میں اور ان چیزوں کی طرف غور سے دیکھنے میں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت و اختیار پر دلالت کرتی ہیں ﴿لَا یۡہٰۤ اَیۡہٗ لَکُلِّ عَبۡدٍ مُّبۡتَغِیۡۢۢ﴾ ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے ضرور نشانی اور رہنمائی موجود ہے کیونکہ رجوع کرنے والا شخص اللہ تعالیٰ کی آیات میں غور و فکر کرنے سے خالی نہیں ہوتا جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے

اور قیامت برپا کرنے پر بھی قادر ہے اور ان لوگوں کو عذاب و سزا دینے پر بھی قادر ہے جو اس کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا ۖ يٰٓجِبَالُ اَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرُ وَالنَّٰلَهُ الْحَدِيدُ ۙ

اِنَّ اَعْمَلَ سِعْتٍ وَقَدَّرِنِي السَّرْدِ وَاَعْمَلُوا صَالِحًا اِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۙ

وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيْحَ غُدُوًّا شَهْرًا وَّرَاوْحَهَا شَهْرًا وَاَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ

وَمِنَ الْجِنِّ مَن يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهِ ۙ وَمَن يَزِغْ مِنْهُم عَنْ

اٰمُرِنَا نِدْقَهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ۙ

اور بے شک ہم نے داؤد کو اپنا خصوصی فضل عطا فرمایا (اور حکم دیا کہ) اے پہاڑو! تم اس کے ساتھ تسبیح پڑھو اور اے پرندو! (تم بھی) اور ہم نے اس کے لیے لوہے کو نرم کر دیا کہ آپ مکمل زرہیں بنائیں اور کڑیاں جوڑنے میں مناسب اندازے کا لحاظ رکھیں اور تم نیک عمل کرو بے شک تم جو کچھ عمل کرتے ہو میں اسے خوب دیکھنے والا ہوں اور سلیمان کے لیے ہوا کو تابع بنا دیا اس کی صبح کی رفتار ایک ماہ کی مسافت تھی اور اس کی شام کی رفتار ایک ماہ کی مسافت تھی اور ہم نے اس کے لیے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا اور جنوں میں سے کچھ اس کے سامنے اس کے رب تعالیٰ کے حکم سے کام کرتے تھے اور ان میں سے جو ہماری حکم عدولی کرے گا ہم اسے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب چکھائیں گے۔

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے خصوصی فضائل کا بیان

۱۰۔ ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا ۖ يٰٓجِبَالُ اَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرُ﴾ اور بے شک ہم نے (حضرت) داؤد علیہ السلام کو اپنی طرف سے خصوصی فضل و احسان عطا فرمایا کہ (ہم نے حکم دیا) اے پہاڑو! اور اے پرندو! تم (حضرت) داؤد علیہ السلام کے ساتھ میری تسبیح و پاکیزگی بیان کرتے رہو۔ ”اوبی“، ”تاویب“ سے ماخوذ ہے یعنی تم حضرت داؤد کے ساتھ تسبیح بیان کرتے پھر اور پہاڑوں کی تسبیح بیان کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں تسبیح پڑھنے کی صلاحیت پیدا کر دی تھی چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام ان کی تسبیح اس طرح سنتے تھے جس طرح تسبیح بیان کرنے والے انسانوں کی تسبیح سنتے تھے اور یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا۔

اور اس عبارت میں ایسی عظمت و رفعت کا بیان ہے جو کسی سے مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ یہاں اس عبارت میں پہاڑوں کو ان عقل مندوں کے قائم مقام کیا گیا ہے جن کو جب اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے تو وہ اطاعت و فرماں برداری اختیار کر لیتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ انہیں بلاتا ہے تو وہ حاضر ہو جاتے ہیں اور بلاوے کا جواب دیتے ہیں اور پہاڑوں اور پرندوں کو یہ خطاب و نداء صرف یہ بتانے کے لیے ہے کہ کوئی حیوان اور جماد نہیں ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادے کے تابع اور مطیع و فرماں بردار ہے اور اگر اللہ تعالیٰ یہ فرمادیتا کہ ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنا فضل عطا کیا کہ ان کے ساتھ پہاڑ اور پرندے تسبیح پڑھتے تھے تو یہ عظمت و رفعت حاصل نہ ہوتی [”یا جبال“، ”فضلاً“ سے بدل ہے یا ”اتینا“ سے بدل ہے تقدیر عبارت یوں ہے: ”قولنا یا جبال او قلنا یا جبال“ ہمارا فرمان تھا کہ اے پہاڑو! یا ہم نے فرمایا: اے پہاڑو! اور

”وَالطَّيْرَ“ نصب کی حالت میں ”جبال“ کے محل پر عطف ہے اور ”وَالطَّيْرَ“ رفی حالت میں لفظ ”جبال“ پر عطف ہے۔

﴿وَالثَّالِثَةَ الْحَبِیْبَةَ﴾ اور ہم نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم بنا دیا اور ہم نے اس کو آپ کے لیے مٹی اور آٹے کی طرح نرم بنا دیا کہ آپ اسے آگ میں گرم کیے بغیر اور ہتھوڑا مارے بغیر جیسے چاہتے اسے اپنے ہاتھ میں لے کر گھما دیتے تھے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اس قدر مضبوط قوت عطا کی تھی کہ آپ موم کی طرح لوہے کو جیسے چاہتے موڑ دیتے تھے اور اسے موم کی طرح آسانی سے استعمال کر لیتے تھے۔

۱۱- ﴿اِنْ اَعْمَلْ﴾ ”اَنْ“ بہ معنی ”اَی“ ہے۔ ”اَی اَمْرًا اَنْ اَعْمَلْ“ ﴿سَبِغْتَ﴾ یعنی ہم نے حضرت داؤد علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ مکمل اور کشادہ زرہیں تیار کریں۔ ”سابغات“ ”سبوغ“ سے بنا ہے جس کا معنی ہے: دراز اور کامل زرہ بنانا اور حضرت داؤد علیہ السلام سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے زرہ بنائی تھی اور آپ ایک زرہ بنا کر چار ہزار درہم میں فروخت کرتے تھے پس ان میں سے کچھ (دو ہزار درہم) اپنے اوپر اور اپنی بیوی بچوں پر خرچ کرتے تھے اور کچھ (دو ہزار درہم) فقراء و مساکین پر صدقہ کر دیتے تھے اور بعض حضرات نے بیان فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام بھیس تبدیل کر کے ایک اجنبی شخص بن کر لوگوں سے اپنے بارے میں پوچھتے اور ان سے فرماتے کہ تم لوگ (حضرت) داؤد کے متعلق کیا کہتے ہو؟ وہ کیسے بادشاہ ہیں؟ سو لوگ آپ کے عدل و انصاف اور ہدایت و تقویٰ پر آپ کی تعریف کرتے تھے چنانچہ ایک دفعہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو ایک آدمی کی صورت میں متشکل فرما کر آپ کے پاس بھیج دیا چنانچہ آپ نے حسب عادت اس سے اپنے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام آدمی تو بہت اچھے ہیں لیکن ان میں ایک عادت ہے، کاش! وہ عادت ان میں نہ ہوتی، آپ نے پوچھا: وہ کون سی عادت ہے جو نہیں ہونی چاہیے اس نے کہا کہ وہ عادت یہ ہے کہ آپ اپنے اہل و عیال کو بیت المال سے کھانا کھلاتے ہیں سو آپ نے اسی وقت اپنے رب تعالیٰ سے درخواست کی کہ یا اللہ! میرے لیے کوئی سبب بنا دے کہ میں بیت المال سے بے نیاز ہو جاؤں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زرہ سازی کی صنعت سکھادی ﴿وَقَدِّرْ فِی السَّرْدِ﴾ اور کڑیوں کے جوڑنے میں مناسب اندازے کا خیال رکھیں زرہ کے حلقے برابر جوڑیں تاکہ ان کی وضع مناسب ہو اور آپ زرہ کی کھلیں نہ اتنی باریک بنائیں کہ وہ اپنی جگہ پر ٹھہرنہ سکیں بلکہ گھومتی رہیں اور نہ اس قدر موٹی ہوں کہ ان سے حلقے ٹوٹ جائیں اور ”سرد“ کا معنی ہے: زرہوں کی کڑیاں جوڑنا یا زرہ بنانا ﴿وَاَعْمَلُوا صَالِحًا﴾ اور تم نیک عمل کرو (یعنی) خالص عمل جو قبولیت کی صلاحیت رکھتے ہوں اور اس میں جمع کا خطاب آپ کو اور آپ کے جملہ اہل و عیال کو ہے ﴿اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾ تم جو جو اعمال کرتے رہتے ہو بے شک میں ان سب کو خوب دیکھتا رہتا ہوں سو میں ان پر تمہیں ضرور جزائے خیر عطا کروں گا۔

۱۲- ﴿وَلِسُلَيْمَانَ الرِّیْحَ﴾ ”اَیْ سَخَّرْنَا لِسُلَيْمَانَ الرِّیْحَ“ یعنی ہم نے (حضرت) سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر اور ان کے تابع کر دیا اور وہ بادِ صبا تھی (یعنی مشرقی ہوا جو مشرق سے مغرب کی طرف چلتی ہے) [ابو بکر کوئی اور حماد اور فضل کی قراءت میں ”الرِّیْحَ“ مرفوع ہے ”اَیْ لِسُلَيْمَانَ الرِّیْحَ مُسَخَّرَةٌ“] یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا گیا ہے اور ان کے حکم کے تابع بنا دیا گیا ہے ﴿عِنْدَ مَا نَسُفُّهَا نَسْفُفُهَا﴾ صبح کے وقت اس کی رفتار ایک ماہ کی مسافت تھی اور شام کے وقت اس کی رفتار اسی طرح ایک ماہ کی مسافت تھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام (اپنے لشکر و سپاہ کے ساتھ تخت پر بیٹھ کر ہوا پر سوار ہو جاتے اور) صبح کے وقت دمشق سے ہوا آپ کو اڑا کر روانہ ہوتی اور آپ فارس کے

ایک شہر اصطر میں پہنچ کر قیلولہ فرماتے اور ان دونوں شہروں کے درمیان ایک ماہ کی مسافت تھی اور آپ شام کے وقت اصطر سے روانہ ہوتے اور رات کابل میں پہنچ کر گزارتے اور ان دونوں شہروں کے درمیان تیز رفتار سوار کے لیے ایک ماہ کی مسافت ہے اور بعض اہل علم نے یہ بھی بیان فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام صبح ناشتہ رنے کے شہر میں اور شام کا کھانا سمرقند میں پہنچ کر کھاتے تھے ﴿وَأَسْلَمْنَا لَهُ عَيْنَ الْقَطْرِ﴾ اور ہم نے (حضرت) سلیمان علیہ السلام کے لیے قطر کا چشمہ بہا دیا یعنی پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہا دیا اور ”قطر“ کا معنی ہے: تانبا اور یہ زرد رنگ ہوتا ہے اور لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو پانی کی طرح بہنے والا بنا دیا چنانچہ یہ چشمہ ایک ماہ میں تین دن پانی کی طرح بہتا تھا جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے نہیں پگھلتا تھا اور اس کا نام ”عین القطر“ تانبا کا چشمہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ آخر کار یہ پھر تانبا بن جاتا ہے ﴿وَمِنَ الْجِنِّ مَن يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ﴾ اور جنوں میں سے کچھ جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے آپ کے رب تعالیٰ کے حکم سے کام کرتے [اور ”ومن الجن“ میں ”من“ نصب کے محل میں واقع ہے ”ای سخرنالہ من الجن من يعمل الخ“] یعنی ہم نے ان کے لیے بعض جنوں کو مسخر کر دیا تھا جو ان کے سامنے ان کے رب تعالیٰ کے حکم سے کام کرتے تھے ”باذن زبه“ بہ معنی ”بامر ربہ“ ہے ﴿وَمَنْ يَزِرْهُمُهُمْ عَنْ آمِنَاتِهِ﴾ اور ان جنوں میں سے جو جن ہمارے اس حکم سے روگردانی کرے گا جو ہم نے اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اطاعت کے بارے میں دیا ہوا ہے تو ﴿نَذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ﴾ ہم اسے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب چکھائیں گے (یعنی) آخرت کا عذاب اور بعض مفسرین نے بیان فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر کیا گیا تھا جس کے ہاتھ میں آگ کا ایک کوڑا تھا سو جو جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے سرتابی کرتا تو وہ فرشتہ آگ کا کوڑا اس کو زور سے مارتا جو اسے جلا کر راکھ کا ڈھیر کر دیتا۔

يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِبٍ وَتَمَائِيلٍ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ

رُسَيْدٍ اِعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرِينَ ﴿۱۳﴾ فَلَمَّا قَضَيْنَا

عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَاتِهِ ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا

خَرَّبْتَيْنَا الْجِنَّ أَنَّ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ

الْمُهِينِ ﴿۱۵﴾

وہ سلیمان کے لیے جو آپ چاہتے محلات اور تصویریں اور بڑے بڑے حوض کی طرح پراتیں اور ایک جگہ پر جمی رہنے والی بڑی بڑی دیگیں بناتے تھے اے آل داؤد! تم میرا شکر ادا کرنے کے لیے نیک عمل کرتے رہو اور میرے بندوں میں سے بہت کم شکر گزار ہیں ○ پھر جب ہم نے اس پر موت کا حکم جاری کر دیا تو کسی چیز نے انہیں (یعنی جنات کو) اس کی موت کے متعلق آگاہ نہیں کیا مگر زمین پر چلنے والی ایک دیمک نے جو اس کے عصا کو کھاتی رہی سو جب وہ گر پڑے تو جنوں پر واضح ہو گیا کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت ناک عذاب میں مبتلا نہ رہتے ○

۱۳ - ﴿يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِبٍ﴾ وہ جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے وہی کام کرتے جو آپ

چاہتے بہت مضبوط محلات تیار کرتے یعنی وہ مسجدیں بناتے تھے اور مکانات تیار کرتے تھے ﴿وَتَمَاتِلُنَّ﴾ اور مورتیاں تیار کرتے یعنی وہ درندوں اور پرندوں کی تصویریں بناتے تھے۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جنات نے آپ کے لیے آپ کی کرسی کے نیچے دو شیر اور اوپر کے حصے میں دو گدھ بنا دیئے چنانچہ جب آپ کرسی پر بیٹھنے کا ارادہ فرماتے تو دونوں شیر آپ کے لیے اپنے دونوں بازو پھیلا دیتے اور جب آپ بیٹھ جاتے تو دونوں گدھ اپنے پروں کے ساتھ آپ پر سایا کرتے اور اس زمانہ میں تصویر بنانا جائز تھا ﴿وَجِفَانٍ﴾ اور وہ بڑے بڑے لگن تھا اور پرا میں تیار کرتے تھے ”جفان“ ”جفنة“ کی جمع ہے جس کا معنی ہے: بہت بڑا پیالہ تھا اور پرات ﴿كَالْجَوَابِ﴾ ”جابیة“ کی جمع ہے اور یہ بڑے بڑے حوض ہوتے ہیں ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ لگن اور پرات اتنا بڑا ہوتا تھا کہ ایک ہزار آدمی بیٹھ کر اس میں سے کھانا کھا سکتے تھے [ابن کثیر کی یعقوب اور ہبل کی قراءت میں وقف اور وصل دونوں حالتوں میں ”یا“ کے ساتھ ”کالجوابی“ ہے ابو عمرو نے وصل کی حالت میں انہیں کی موافقت میں ”کالجوابی“ ”یا“ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے بغیر ”یا“ صرف کسرہ پر اکتفاء کیا ہے] ﴿وَقَدْ وَصَّيْنَا سِيبَةَ﴾ اور چولہوں پر جمی رہنے والی (پتھروں سے یا تانبے کی بنی ہوئیں) بڑی بڑی دیکیں جو بہت بڑی ہونے کی وجہ سے چولہوں سے نہیں اتاری جا سکتیں اور بعض حضرات نے کہا کہ ایسی دیکیں یمن میں ہوا کرتی تھیں اور ہم نے ان سے فرمایا کہ ﴿إِعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا﴾ اے آل داؤد! تم شکر ادا کرنے کے لیے نیک عمل کرو یعنی تم ملکی باشندوں پر رحم و کرم کرو اور تم اپنے پروردگار سے خیر و عافیت کا سوال کیا کرو۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہی منقول ہے [”شکرا“ مفعول لہ ہے یا پھر حال واقع ہو رہا ہے] یعنی شکر کرنے کے لیے نیک عمل کرو یا یہ معنی ہے کہ تم اس کا خوب شکر ادا کرو کیونکہ ”اعملوا“ کا معنی بھی شکر کرو ہے اس اعتبار سے کہ منعم (انعام دینے والا) کے لیے کوئی عمل کرنا اس کا شکر ادا کرنا ہے یا یہ مفعول بہ ہے یعنی بے شک ہم نے تمہارے لیے جنوں کو مسخر کر دیا ہے تم جو چاہتے ہو وہ تمہارے لیے کام کرتے ہیں سو تم بھی شکر ادا کرنے کے لیے نیک عمل کرو۔ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ سے شکر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اپنی تمام تر توانائیاں اور کوششیں اپنے معبود برحق کے سامنے خرچ کر دینا شکر ہے ﴿وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرِينَ﴾ اور میرے بندوں میں سے بہت کم شکر گزار ہیں (یعنی) بہت زیادہ شکر ادا کرنے والے اور اپنی پوری کوشش شکر ادا کرنے میں خرچ کرنے والے جو اپنے دل سے اور اپنی زبان سے اور اپنے اعضاء سے عقیدت و ایمان اور اعتراف و اقرار اور محنت و مشقت کے ساتھ شکر ادا کرنے میں مشغول رہتے ہوں بہت کم ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ شکر گزار وہ شخص ہے جو اپنے تمام حالات میں شکر کرتا رہتا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ شکر گزار وہ ہے جو شکر ادا کرنے پر بھی شکر ادا کرے اور ایک قول یہ ہے کہ شکر گزار وہ شخص ہے جو شکر کرنے کے باوجود اپنے آپ کو شکر سے عاجز خیال کرے اور حضرت داؤد علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے رات اور دن کے اوقات کو اپنے اہل خانہ پر تقسیم کر رکھا تھا چنانچہ تمام اوقات میں سے کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا تھا مگر اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کی آل میں سے کوئی نہ کوئی آدمی نماز میں مشغول ہوتا۔

۱۴ - ﴿فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ﴾ پھر جب ہم نے ان پر یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام پر موت کا حکم جاری کیا تو ﴿مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ﴾ انہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت پر یعنی جنوں کو یا داؤد علیہ السلام کی آل کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت پر کسی نے آگاہ نہیں کیا مگر زمین پر چلنے والے جانور نے یعنی لکڑی کھانے والے ایک چھوٹے سے کیڑے نے آگاہ کیا اور وہ دیمک تھی جسے سرفہ کہا جاتا تھا۔ ”الارض“ دیمک کا فعل ہے اس لیے ”دابة“ یعنی

دیمک کی "الارض" کی طرف اضافت کی گئی ہے (کیونکہ "ارض" کا معنی کھانا ہے، دیمک کو "ارضۃ" اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ لکڑی کو کھا جاتا ہے جیسے آسمان کے مقابلے میں زمین کو "ارض" کہا جاتا ہے کہ یہ اجسام بنی آدم کو کھا جاتی ہے) چنانچہ "ارضۃ الخشبۃ الارضۃ" اس وقت بولا جاتا ہے جب لکڑی کو دیمک کھا جاتی ہے ﴿تَأْكُلُ مِنْسَاتَهُ﴾ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عصا مبارک کو کھاتی رہی اور "منساة" سے آپ کا عصا مبارک مراد ہے کیونکہ آپ اس سے دفاع کا کام لیتے تھے یعنی موذی جانوروں کو بھگا دیتے تھے [نافع مدنی اور ابو عمر و بصری کی قراءت میں بغیر ہمزہ "منساتہ" ہے] ﴿فَلَمَّا خَضَرَ ثَبَّتِ الْجِنُّ﴾ پھر جب حضرت سلیمان علیہ السلام زمین پر گر پڑے تو جنوں نے واضح طور پر جان لیا اس کے بعد کہ یہ معاملہ ان کے عوام اور بوڑھوں پر مشتبہ ہو چکا تھا ﴿أَنْ لَّوْكَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ﴾ کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کے بعد وہ ذلت ناک عذاب میں گرفتار نہ رہتے۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیمہ کے نصب ہونے کی جگہ پر بیت المقدس کی بنیاد رکھی تھی پھر بیت المقدس کی تعمیر مکمل ہونے سے پہلے آپ وفات پا گئے اور اپنی موت سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کی تکمیل کی وصیت کر دی تھی چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے شیاطین کو بیت المقدس کی تعمیر کی تکمیل کا حکم دیا پھر جب آپ کی عمر میں سے صرف ایک سال باقی رہ گیا تو آپ نے رب تعالیٰ سے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی موت کو ان پر پوشیدہ رکھے یہاں تک کہ وہ بیت المقدس کی تعمیر کی تکمیل سے فارغ ہو جائیں اور تاکہ علم غیب کے بارے میں ان کا دعویٰ باطل ہو جائے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی کل عمر تریپن (۵۳) سال تھی اور جب آپ بادشاہ بنے تھے تو اس وقت تیرہ سال عمر تھی اسی طرح وہ چالیس سال بادشاہ رہے اور بیت المقدس کی بنیاد کا آغاز اس وقت ہوا تھا جب آپ کی بادشاہت کے چار سال گزر چکے تھے اور ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ افریڈون آیا تاکہ آپ کی کرسی پر بیٹھے لیکن جب وہ کرسی کے قریب آیا تو دو شیروں نے اس کی پنڈلی پر اپنے پنجے مارنے جس کی وجہ سے اس کی پنڈلی ٹوٹ گئی پھر اس کے بعد کسی کو جرات نہ ہوئی کہ وہ اس کرسی کے قریب جاسکے۔

لَقَدْ كَانَ لِسِبَّانِي مَسْكِنَهُمْ آيَةٌ جَنَّتٍ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ كُلُوا مِنْ

رِزْقِي رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ بَلَدًا طَيِّبَةً وَرَبِّ غَفُورًا ﴿١٥﴾ فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا

عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتِي أُكُلٍ خَشْبٍ وَإِثْلٍ

وَشَيْءٍ عَنِينٍ سِدْرٍ قَلِيلٍ ﴿١٦﴾ ذَلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُوا وَهَلْ نُجْزِي إِلَّا الْكَفُورَ ﴿١٥﴾

بے شک اہل سبا کے لیے ان کے گھروں میں ایک نشانی تھی دو باغ دائیں اور بائیں تھے (اور ان سے کہا گیا کہ تم اپنے پروردگار کے رزق میں سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو یہ پاکیزہ شہر ہے اور پروردگار بہت بخشنے والا ہے) پھر انہوں نے روگردانی کی تو ہم نے ان پر بہت زور کا سیلاب بھیج دیا اور ہم نے ان کے دو باغوں کو دو ایسے باغوں سے تبدیل کر دیا جن کے پھل کڑوے تھے اور جھاؤ کے درخت تھے اور کچھ بیری کے تھوڑے سے درخت تھے یہ ہم نے ان کو اس وجہ سے سزا دی کہ انہوں نے ناشکری کی اور ہم سزا نہیں دیتے مگر صرف ناشکروں کو

اہل سبا کے عروج و زوال کا بیان

۱۵۔ ﴿لَقَدْ كَانَ لِسَيِّئَاتِي مَسْكَنَهُمْ آيَةٌ﴾ بے شک اہل سبا کے لیے ان کی آبادی میں ایک نشانی ہے [”سبا“ اٹلی کی تاویل میں منصرف ہے اور ابو عمرو کی قراءت میں ”قبیلة“ کی تاویل میں غیر منصرف ہے اور حمزہ اور حفص کی قراءت میں ”مَسْكَنِهِمْ“ میں سین ساکن اور کاف مفتوح اور نون مکسور ہے جب کہ علی کسائی اور خلف کی قراءت میں سین ساکن ہے مگر کاف اور نون مکسور ہیں یعنی ”مَسْكَنِهِمْ“ ہے اور یہ ان کی رہائش کی جگہ ہے اور یہ ان کا شہر تھا اور یہ ان کی وہ زمین تھی جس میں وہ لوگ یمن کے قریب رہائش پذیر تھے یا ان میں سے ہر ایک کی رہائش گاہ مراد ہے اور ان کے علاوہ دیگر قراء کے ہاں ”مساکنہم“ ہے اور ”ایة“، ”مکان“ کا اسم ہے [﴿جَنَّاتٍ﴾ دو باغ تھے [اور یہ ”ایة“ سے بدل ہے یا پھر مبتدا محذوف کی خبر ہے جس کی تقدیر عبادت اس طرح ہے: ”الایة جنتان“] دونوں باغ ایک نشانی تھے اور ان دونوں کے نشانی ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ان کے باشندوں نے جب اللہ تعالیٰ کے شکر سے روگردانی کی اور اس سے منہ پھیر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ نعمت چھین لی تاکہ وہ لوگ عبرت اور نصیحت حاصل کریں اور نعمتوں پر ناشکری اور کفر کی جس روش پر وہ گامزن تھے اس کی طرف دوبارہ نہ لوٹ جائیں یا اللہ تعالیٰ نے ان دو باغات کو ایک نشانی قرار دیا یعنی ایسی نشانی جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے احسان اور اس کے شکر کے وجوب پر دلالت و رہنمائی کرتی ہے ﴿عَنْ تَيْمِيْنٍ ذِي يَمَالِٖٓٔ﴾ دائیں طرف اور بائیں طرف۔ دونوں میں سے ایک جماعت مراد ہے ایک جماعت ان کے شہر کے دائیں جانب میں واقع تھی اور دوسری جماعت ان کے شہر کے بائیں جانب میں واقع تھی اور دونوں جماعتوں میں ہر ایک ایک دوسرے کے قریب ہونے اور ایک دوسرے کے ساتھ متصل ہونے کی بناء پر گویا وہ ایک باغ ہے جیسا کہ آباد شہروں میں دو باغ ہوتے ہیں یا یہ مراد ہے کہ ان لوگوں میں سے ہر ایک کے دو دو باغ تھے ایک باغ اس کی رہائش گاہ کی دائیں جانب ہوتا اور دوسرا باغ اس کی رہائش گاہ کی بائیں جانب میں ہوتا تھا ﴿كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَہٗ﴾ تم اپنے پروردگار کے رزق میں سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ان کی طرف بھیجے گئے تھے انہوں نے ان لوگوں سے جو فرمایا تھا یہ اس کی حکایت ہے یا یہ اس کی حکایت ہے جو کہنے والے کی زبان نے ان سے کہا تھا یا یہ معنی ہے کہ یہ لوگ اس لائق ہیں کہ ان سے یہ کہا جائے اور جب اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ حکم دیا تو اس کے بعد فرمایا کہ ﴿بَلَدًا كَاطِبِيَّةٍ وَرَمَتْ عَفُوًّا﴾ یعنی یہ شہر جس میں تمہیں رزق عطا کیا جاتا ہے بڑا پاکیزہ اور عمدہ شہر ہے اور تمہارا رب تعالیٰ جس نے تمہیں رزق عطا فرمایا ہے اور تم سے شکر ادا کرنے کا مطالبہ کیا ہے وہ شکر ادا کرنے والوں کو بہت بخشنے والا پروردگار ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ صنعاء سے تقریباً چوبیس کلومیٹر کے فاصلے پر سبا شہر واقع ہے اور یہ سب سے زیادہ زرخیز علاقہ تھا یہاں کے رہنے والے بڑے خوش حال تھے کوئی عورت سر پر ٹوکرا رکھ کر باغ کے درختوں کے درمیان سے گزرتی تو اس کا ٹوکرا ان پھلوں سے بھر جاتا تھا جو خود بخود گرتے تھے اسے ہاتھ سے توڑنا نہیں پڑتا تھا اور یہ تمام شہروں سے پاکیزہ شہر تھا اس میں نہ چھمر ہوتے اور نہ کھیاں اور نہ پتو اور نہ بچھو ہوتے تھے اور اس میں نہ سانپ ہوتے تھے اور باہر کے مسافروں میں جو مسافر یہاں سے گزرتا تو اس شہر کی پاکیزہ ہوا کی وجہ سے اس کی جوئیں مرجاتی تھیں۔

۱۶۔ ﴿فَاعْرِضْہَا﴾ سوان لوگوں نے اپنے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت و تعلیم سے روگردانی کی اور ان کو جھٹلایا اور انہوں نے کہا کہ ہم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو نہیں جانتے ﴿فَارْسَلْنَا عَلَیْہِمْ سَبَیْلَ الْعَرَامِ﴾ پس ہم نے ان پر بہت سخت زوردار سیلاب چھوڑ دیا یعنی سخت ترین بارش ان پر برسائی گئی یا ”العوام“ اس وادی کا نام ہے جس سے سیلاب کا

پانی ان پر چھوڑا گیا تھا یا پھر ”عرم“ سے وہ چوہے مراد ہیں جنہوں نے بند میں سوراخ کر دیئے جس کی وجہ سے بند ٹوٹ گیا اور وہ لوگ سیلاب میں ڈوب کر ہلاک ہو گئے چنانچہ مفسرین نے فرمایا کہ جب ان لوگوں نے سرکشی اور ظلم و ستم کا بازار گرم کیا اور انبیائے کرام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر چوہوں کو مسلط کر دیا جنہوں نے بند کے نیچے سے سوراخ کر دیئے (اور بند ٹوٹ گیا) اور اللہ تعالیٰ نے انہیں سیلابی پانی میں غرق کر دیا ﴿وَبَدَّلْنَاهُمْ بِحَبَّتِهِمْ جَنَّتَيْنِ﴾ اور ہم نے ان کے مذکورہ دو باغوں کے عوض میں انہیں دو باغ تبدیل کر کے دیئے [اور ”جنتین“ کو مذکورہ دو باغوں کا بدل قرار دینا صرف مشاکلت اور کلام کے ساتھ مشابہت کی بناء پر ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَجَزَاؤًا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةً مِّثْلَهَا“ (الشوری: ۴۰)] اور برائی کا بدلہ اسی کی مانند برائی ہے [”ذَوَاتِیْ اَکْلِ خَمِطٍ“] خاردار کڑوے پھل والے ”الاکل“ کا معنی پھل ہے یہ پھل بھاری بھی ہوتا ہے اور ہلکا بھی [اور یہ نافع مدنی اور ابن کثیر کی قراءت میں ہے] اور ”الخمط“ پیلوں کا درخت (حالانکہ اس کا پھل بیٹھا ہوتا ہے) یا اس سے ہر خاردار درخت مراد ہے ﴿وَاَثْلٍ وَشَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِیْلِ﴾ اور جھاؤ کے درخت اور تھوڑے سے بیری کے کچھ درخت۔ ”الاثل“ ایک درخت ہے اردو میں اسے جھاؤ کا درخت کہتے ہیں یہ طرفاء نامی درخت کے مشابہ ہوتا ہے اور یہ اس سے بڑا ہوتا ہے اور اس کی لکڑی عمدہ ہوتی ہے [اور جس نے ”الاکل“ کو تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی اصل ”ذواتی اکل اکل خمط“ تھی پھر مضاف کو حذف کر دیا گیا اور مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا ہے اور ”اکل“ کو تنوین کے ساتھ پڑھنے والا ابو عمرو کے علاوہ ہے یا پھر ”اکل“ موصوف ہے اس کی صفت ”خمط“ ہے گویا یوں کہا گیا ہے کہ بد مزہ پھل والے درخت اور ابو عمرو کی قراءت کی وجہ یہ ہے کہ ”اکل الخمط البربرہ“ کے معنی میں ہے سو گویا فرمایا گیا کہ پیلوں کے درخت کے پھل اور ”اثل“ اور ”سدن“ دونوں ”اکل“ پر معطوف ہیں ”خمط“ پر معطوف نہیں کیونکہ ”اثل“ بے پھل درخت ہوتا ہے [حضرت حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بیری کے درختوں کو قلت سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ جن باغوں کو تبدیل کیا گیا ہے ان میں یہ بہترین اور لذیذ پھل دار درخت ہے یہی وجہ ہے کہ یہ درخت جنت کے باغوں میں بھی ہوگا (در اصل بیری کا درخت دو قسم کا ہوتا ہے ایک وہ جس کا پھل لذیذ و بیٹھا ہونے کی وجہ سے کھایا جاتا ہے جب کہ دوسرا وہ ہے جس کا پھل کڑوا اور سخت کھٹا ہوتا ہے جو کھایا نہیں جاسکتا مذکورہ آیت میں یہی مراد ہے)۔

۱۷- ﴿ذٰلِكَ جَزٰیٰنَہُمْ بِمَا کَفَرُوْا﴾ ہم نے انہیں یہ سزا اس لیے دی کہ انہوں نے کفر و ناشکری کی ”اٰی جَزٰیٰنَہُمْ ذٰلِكَ بِکُفْرِہُمْ“ یعنی ہم نے ان کو یہ سزا ان کے کفر اور ناشکری کی وجہ سے دی تھی [”ذٰلِكَ“، ”جَزٰیٰنَہُمْ“ کا دوسرا مفعول ہے جو اپنے فعل سے مقدم ذکر کیا گیا ہے] ﴿وَهَلْ یُجٰزٰی اِلَّا الْکٰفِرُوْنَ﴾ اور ہم سزا نہیں دیتے مگر صرف ناشکروں کو [یہ ابو بکر کوفی کے علاوہ باقی اہل کوفہ کی قراءت ہے (جس میں فعل معروف جمع متکلم ہے) جب کہ دیگر قراءت کی قراءت میں ہے: ”وَهَلْ یُجٰزٰی اِلَّا الْکٰفِرُوْنَ“ اور سزا صرف ناشکروں کو دی جاتی ہے (یعنی فعل مضارع غائب مجہول) یعنی اس قسم کی سزا صرف انہیں لوگوں کو دی جاتی ہے جو نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں اور ان کا شکر ادا نہیں کرتے یا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہیں یا یہ ”هل يعاقب“ کے معنی میں ہے کیونکہ ”الجزاء“ اگرچہ عام ہے چنانچہ یہ ”معاقبت“ کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے اور ”ثواب“ کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے لیکن یہاں خاص معنی مراد ہے اور وہ عقاب یعنی سزا ہے اور حضرت ضحاک نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کے درمیان کے زمانہ میں تھے جسے زمانہ فترت کہا جاتا ہے۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا قُرَى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيهَا
السَّيْرَ سِيرًا وَيُحَايِلُ وَإِيَّا مَا آمِنِينَ ﴿١٨﴾ فَقَالُوا رَبَّنَا بَعْدَ بَيْنِ أَسْفَارِنَا
وظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَرِّقٍ ط إِنَّ فِي ذَلِكَ
لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿١٩﴾ وَلَقَدْ صَدَقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا
فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٠﴾ وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ مِّن سُلْطٰنٍ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يُّؤْمِنُ
بِالْآخِرَةِ مِمَّن هُوَ مِنهَا فِي شَكٍّ ط وَرَبُّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿٢١﴾

۱۸

اور ہم نے ان لوگوں کے درمیان اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دی تھی کئی نمایاں بستیاں بنا دیں اور ہم نے ان بستیوں میں سفر کے لیے منزلیں مقرر کر دیں تم ان میں راتوں کو اور دنوں کو امن و امان کے ساتھ سیر و سیاحت کرو سوائے انہوں نے کہا: اے ہمارے پروردگار! ہمارے سفروں کے درمیان دوری ڈال دے اور انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہم نے انہیں داستا نہیں بنا دیا اور ہم نے ان کو مکمل طور پر ایک دوسرے سے جدا جدا کر کے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا بے شک بہت زیادہ صبر کرنے والوں (اور) بہت زیادہ شکر ادا کرنے والوں کے لیے اس میں البتہ بہت سی نشانیاں ہیں اور بے شک ان پر ابلیس نے اپنا گمان سچا کر دکھایا سو مسلمانوں کی جماعت کے سوا سب نے اس کی پیروی اختیار کر لی اور شیطان کو ان پر کوئی تسلط حاصل نہیں تھا مگر تاکہ جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ہم انہیں ان لوگوں سے ممتاز کر دیں جو آخرت کے بارے میں شک میں مبتلا ہو چکے ہیں اور آپ کا پروردگار ہر چیز کا محافظ ہے

۱۸- ﴿وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا﴾ اور ہم نے ان سب والوں کے درمیان اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دی تھی کہ وہاں کے رہنے والوں کو اپنی گونا گوں نعمتوں اور بہترین چشموں کے ذریعہ خوش حالی عطا کی تھی اور یہ شام کے ملک کی بستیاں تھیں ﴿قُرَى ظَاهِرَةً﴾ نمایاں بستیاں بنا دی تھیں جو ایک دوسرے کے نزدیک تھیں اسی قرب کی وجہ سے ایک بستی سے دوسری کو دیکھا جاسکتا تھا پس یہ بستیاں دیکھنے والوں کی نگاہوں کے سامنے عیاں تھیں اور یہ مسافروں کے لیے نمایاں تھیں کیونکہ یہ ان کے راستوں سے دور نہیں تھیں اس لیے ان پر یہ پوشیدہ نہیں ہو سکتی تھیں اور یہ چار ہزار سات سو بستیاں تھیں جو سب سے لے کر ملک شام تک ایک دوسرے کے قریب ملی ہوئی تھیں ﴿وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ﴾ اور ہم نے سفر کے لیے منزلیں مقرر کر دیں یعنی ہم نے ان بستیوں کو سفری سہولت کے لیے معین و مناسب مقدار پر بنایا تھا تاکہ مسافر ایک بستی میں قیلولہ (دوپہر کو آرام کرنے کے لیے سونا) کریں اور شام کو دوسری بستی میں جا کر آرام کریں یہاں تک کہ وہ ملک شام تک پہنچ جائیں ﴿سَيْرًا وَيُحَايِلُ﴾ اصل میں ”وقلنا لهم سيروا فيها“ ہے (یعنی) اور ہم نے انہیں حکم فرمایا کہ تم ان بستیوں میں سیر و سیاحت کیا کرو۔ یہاں یہ ظاہر قول نہیں ہے لیکن جب انہیں سیر و سیاحت کی قدرت اور قوت دی گئی اور اس کے تمام اسباب ان کے لیے مہیا کر دیئے تو گویا انہیں اس کا حکم دیا گیا ﴿لِيَأْتِيَ وَإِيَّا مَا آمِنِينَ﴾ یعنی تم ان بستیوں میں اگر چاہو تو رات کو سیر کرو اور اگر چاہو تو دن کو سیر کرو کیونکہ اوقات کے اختلاف سے امن مختلف نہیں ہوتا یا یہ معنی ہے کہ تم

ان بستیوں میں امن و امان کے ساتھ سیر کرو کسی دشمن سے نہ ڈرو اور نہ بھوک سے اور نہ پیاس سے اگرچہ تمہارے سفر کی مدت دراز ہی کیوں نہ ہو جائے اور دن و رات طویل کیوں نہ ہو جائیں۔

۱۹۔ ﴿فَقَالُوا رَبَّنَا بَعْدَ بَيْنِنَا أَتَىٰ سَفَرِنَا﴾ سوانہوں نے کہا: اے ہمارے پروردگار! ہمارے سفروں میں دوری ڈال (یعنی) انہوں نے کہا: اے کاش! دور دراز کے سفر ہوتے اور ہم سواریوں پر سوار ہو کر سفر کرتے اور تجارت کے کاروبار میں خوب نفع حاصل کرتے اور ہم اپنے جانوروں اور اسباب کی وجہ سے غریبوں پر فخر کرتے۔ دراصل اہل سبا نعمتیں حاصل کر کے اتر آگئے اور تکبر و غرور میں آگئے اور عافیت و تندرستی سے اکتا گئے اور وہ محنت و مشقت کے خواہاں ہوئے [اہل کثیر کی اور ابو عمرو کی قراءت میں ”بَعْدَ“ (باب تفعیل کا امر) ہے] ﴿وَوَكَلَبُوا أَنْفُسَهُمْ﴾ اور انہوں نے کفر و شرک کے کلمات بول کر اور نعمتوں پر ناشکری اور انبیائے کرام کی تکذیب کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ﴿فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ﴾ سو ہم نے ان کو افسانے اور داستانیں بنا دیا جنہیں لوگ بیان کرتے ہیں اور ان کے حالات سے تعجب کرتے ہیں ﴿وَمَزَقْنَاهُمْ كُلَّ مَجْزِقٍ﴾ اور ہم نے ان کو خوب ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا اور ہم نے ان کو ایک دوسرے سے جدا جدا کر دیا، لوگ ان کی تفریق کی مثال بیان کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ اہل سبا تتر بتر ہو گئے اور سبا کے قبیلے منتشر ہو گئے، چنانچہ قبیلہ غسان، ملک شام میں چلا گیا اور قبیلہ انمار، یشرب (مدینہ منورہ کا سابق نام) میں اور قبیلہ جذام، تہامہ میں اور قبیلہ ازد، عمان میں چلا گیا ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ﴾ بے شک اس میں البتہ گناہوں اور بری خواہشات سے صبر کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرنے والوں کے لیے یا ہر مؤمن کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں کیونکہ ایمان کے دو نصف ہیں، ایک نصف شکر ہے اور دوسرا نصف صبر ہے۔

۲۰۔ ﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ﴾ اور بے شک ابلیس نے ان پر اپنا گمان سچا کر دکھایا۔ [اہل کوفہ کے قراء کی قراءت میں دال مشدود کے ساتھ ”صَدَّقَ“ ہے یعنی شیطان نے ان پر اپنا گمان سچا ثابت کر دیا یا شیطان نے ان کے بارے میں اپنا گمان سچا پایا اور ان کے علاوہ دیگر قراء نے تخفیف کے ساتھ ”صَدَّقَ“ پڑھا ہے یعنی وہ اپنے گمان میں سچا ثابت ہوا] ﴿فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ صرف مسلمانوں کے ایک گروہ کے علاوہ سب نے اس (شیطان) کی پیروی اختیار کر لی [”عَلَيْهِمْ“ میں اور ”فَاتَّبَعُوهُ“ میں ضمیر ”ہُمْ“ اہل سبا کی طرف لوٹی ہے یا پھر تمام اولادِ آدم علیہ السلام کی طرف لوٹی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد ”إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ“ میں مسلمانوں کو قلیل اور تھوڑا قرار دیا ہے کیونکہ مسلمان کفار کی نسبت کم اور تھوڑے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ“ (الاعراف: ۱۷) ”اور آپ ان میں بہتوں کو شکر گزار نہیں پائیں گے“۔

۲۱۔ ﴿وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ مِّن سُلْطٰنٍ﴾ اور جن لوگوں کے بارے میں ابلیس اور شیطان کا گمان سچا ثابت ہوا تھا، ان پر شیطان کو دوسوہ ڈالنے کے لیے کوئی تسلط اور غلبہ حاصل نہیں تھا ﴿إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يُّؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنَّا فِي شَكٍّ﴾ تاکہ جو آخرت پر ایمان رکھتا ہے، ہم اسے اس شخص سے ممتاز کر دیں جو اس کے متعلق شک میں مبتلا ہے (یعنی) تاکہ ہم جس کو عدم کی حالت میں اپنے ازلی ابدی علم کے ساتھ جانتے تھے، اسے حالت وجود میں موجود کر کے اپنے علم کو ظاہر کر دیں اور تغیر و حدوث صرف معلوم پر جاری ہوا (کہ پہلے معدوم تھا اور اب موجود ہو گیا) لیکن علم الہی پر جاری نہیں ہوا ﴿وَدَرَيْتَكَ عَلٰی كُلِّ نَفْسٍ بِحَفِيظٍ﴾ اور آپ کا رب تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے اور وہ ہر چیز کا محافظ ہے [اور تفعیل اور مفاعل دونوں آپس میں بھائی بھائی ہیں (سواں لیے حفیظ اور محافظ آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں، یعنی ہم معنی ہیں)۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي

السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَكُمْ فِيهَا مِن شِرْكِ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِّن ظَهِيرٍ ﴿۲۲﴾

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَكَ إِلَّا لِمَن أَذِنَ لَهُ طحٰٓنِ اِذَا خَرَعَ عَنِ قُلُوبِهِمْ

قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ط قَالَوا الْحَقُّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿۲۳﴾ قُلْ مَنْ يَدْرِكُكُمْ

مِّن السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ط قُلِ اللَّهُ وَإِنَّا أَوْ أَيْتَاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلٰٓلٍ مُّبِينٍ ﴿۲۴﴾

آپ فرمائیے کہ تم ان کو پکارو جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا معبود گمان کرتے ہو وہ نہ آسمانوں میں ذرہ برابر کسی چیز کے مالک ہیں اور نہ زمین میں اور نہ ان کے لیے ان دونوں کی ملکیت میں کوئی شراکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کا مددگار ہے اور اس کے پاس (کسی کی) شفاعت فائدہ نہیں دے گی ماسوا اس کے جس کے لیے اللہ تعالیٰ اجازت دے گا یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جائے گی تو وہ کہیں گے: تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے وہ کہیں گے کہ حق فرمایا اور وہ عالی شان بڑا بزرگ ہے اور آپ فرمادیجئے کہ تمہیں آسمانوں اور زمین میں سے کون رزق عطا کرتا ہے فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ اور بے شک ہم یا تم البتہ ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ہیں ۰

معبودانِ باطلہ کے عجز اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان

۲۲- ﴿قُلِ﴾ (اے محبوب!) آپ اپنی قوم کے مشرکین سے فرمائیے کہ ﴿ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ﴾ تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان کو بلاؤ جن کو تم گمان کرتے ہو یعنی تم ان کو پکارو جن کو تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ معبود خیال کرتے ہو [اصل میں "زعمتموہم الہة من دون اللہ" ہے سو پہلا مفعول "ہم" ضمیر ہے جو موصول کی طرف لوٹتی ہے اور اسے حذف کر دیا گیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: "أَهْلًا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ" (الفرقان: ۳۱) میں اسے حذف کر دیا گیا ہے یہ حذف تخفیف کے لیے کیا گیا ہے تاکہ موصول اپنے صلہ سے مل کر طویل کلام نہ ہو جائے اور دوسرا مفعول "الہة" ہے اور اس کو بھی حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ یہ اپنی صفت "من دون اللہ" کے ساتھ موصوف ہے اور جب موصوف کلام میں سمجھا جاتا ہو تو اس وقت اس کی صفت کو موصوف کے قائم مقام کر کے موصوف کا حذف جائز ہوتا ہے پس "زعمتم" کے دونوں مفعول دو مختلف اسباب کی وجہ سے محذوف ہیں] اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں اور فرشتوں کی عبادت کرتے ہو اور جن کے نام اللہ تعالیٰ کے نام پر تم رکھے ہوئے ہو ان کو پکارو اور ان امور میں جو تمہیں درپیش ہوتے ہیں ان کی پناہ ڈھونڈو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ تلاش کرتے ہو اور تم ان کو پکارنے پر ان کے جواب کا انتظار کرو جیسا کہ تم اللہ تعالیٰ کی استجابت کا انتظار کرتے ہو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سے خود جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ﴾ وہ آسمانوں میں ایک ذرہ کے برابر کسی بھلائی یا برائی یا نفع یا نقصان کے مالک نہیں ہیں ﴿وَلَا فِي الْأَرْضِ﴾ اور نہ وہ زمین میں کسی چیز کے مالک ہیں ﴿وَمَا لَهُمْ فِيهَا مِن شِرْكِ﴾ اور نہ ان کے لیے ان دونوں جنسوں کی تخلیق کرنے میں کوئی شراکت و حصہ داری ہے اور نہ ہی ملکیت میں کوئی حصہ داری ہے ﴿وَمَا لَهُمْ مِّن ظَهِيرٍ﴾ اور نہ ان معبودوں میں سے کوئی

اللہ تعالیٰ کے لیے معاون و مددگار ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی تدبیر میں اس کی مدد کرنے مقصد یہ ہے کہ ان کے معبود اس صفت میں عاجز و بے بس ہیں تو بھلا ان کو پکارنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو پکارا جاتا ہے اور ان سے کیسے امیدیں وابستہ کرنا صحیح ہو سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ سے امیدیں وابستہ کی جاتی ہیں۔

۲۳- ﴿وَلَا تَتَّقُمُ الشَّفَاعَةَ عِنْدَكَ إِلَّا لِمَنْ أَدْنَىٰ لَهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت فائدہ نہیں دے گی، مگر اس کے لیے فائدہ دے گی، جس کے لیے اللہ تعالیٰ شفاعت کرنے کی اجازت عطا فرمائے گا یعنی جس کی خاطر شفاعت کرنے والے کو شفاعت کی اجازت ملے گی، صرف اسی کے لیے شفاعت مفید ہوگی اور یہ دوسرا لام اس طرح ہے جس طرح اس قول میں ہے کہ ”أَذِنَ لِنَزِيدٍ لِعَمْرٍو“ یعنی عمرو کی خاطر زید کو اجازت دی گئی ہے اور یہ آیت مبارکہ کفار کے اس قول کی تکذیب و تردید کر رہی ہے کہ ”هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ“ (یونس: ۱۸) ”یہ بت (معبودان باطلہ) اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری شفاعت کریں گے“ (حالانکہ مشرکین و کفار کے لیے کسی کو شفاعت کی اجازت نہیں ہوگی) [امام عاصم کے علاوہ باقی اہل کوفہ کی قراءت میں ماسوا عمش کے ”أَذِنَ“ (فعل ماضی مجہول) ہے] ﴿حَتَّىٰ إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ﴾ یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جائے گی، یعنی اللہ تعالیٰ جو شفاعت کی اجازت کے متعلق کلام فرمائیں گے تو اس کی وجہ سے شفاعت کرنے والوں اور جن کی شفاعت کی جائے گی، ان دونوں قسم کے لوگوں کے دلوں سے گھبراہٹ و پریشانی دور کر دی جائے گی [ابن عامر شامی کی قراءت میں ”فَزَعٌ“ (فعل ماضی معروف باب تفعیل سے) ہے] یعنی اللہ تعالیٰ ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور فرمادے گا اور ”تفزع“ کا معنی ہے: گھبراہٹ و پریشانی کو دور کرنا۔ ”حَتَّىٰ“ اس کلام کی غایت بیان کرنے کے لیے ہے جو یہاں سمجھ میں آتا ہے کہ پہلے سفارش اور سفارشیوں کے لیے امید رکھنے والوں کو گھبراہٹ و پریشانی اور اجازت کے لیے انتظار اور توقف کی زحمت اٹھانی پڑے گی کہ آیا ان کے لیے شفاعت کی اجازت ملے گی یا نہیں ملے گی، گویا فرمایا ہے کہ وہ لوگ انتظار کریں گے اور کافی دیر تک گھبراہٹ کی حالت میں امید وار رہیں گے، یہاں تک کہ ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جائے گی تو ﴿قَالُوا﴾ وہ لوگ ایک دوسرے سے باہم سوال کریں گے اور پوچھیں گے: ﴿مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ﴾ تمہارے پروردگار نے کیا ارشاد فرمایا ہے ﴿قَالُوا الْحَقُّ﴾ وہ کہیں گے: (ہمارے پروردگار نے) حق فرمایا ہے، یعنی سچ ارشاد فرمایا اور وہ شفاعت کی اجازت ہے، جس کے لیے اللہ تعالیٰ چاہے گا ﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾ اور وہ اونچی شان والا بڑا بزرگ ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ بہت بلند مرتبہ والا اور سب سے بڑا بزرگ ہے کوئی نبی اور فرشتہ اس دن بات نہیں کر سکے گا، مگر اس کی اجازت ملنے کے بعد بات کر سکے گا اور کوئی شفاعت نہیں کر سکے گا مگر جس کے لیے اللہ تعالیٰ چاہے گا اس کے لیے شفاعت کی اجازت عطا فرمادے گا۔

۲۴- ﴿قُلْ﴾ اے محبوب! فرمادیجئے اللہ تعالیٰ نے ”قل“ فرما کر حضور نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ کفار مکہ کو اس ارشاد باری تعالیٰ کی تقریر سنائیں کہ ﴿مَنْ يَدْعُكُمْ مِنَ التَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ آسمانوں سے اور زمین سے تمہیں کون رزق عطا کرتا ہے ﴿قُلْ اللَّهُ﴾ اے محبوب! خود ہی فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو تمہیں رزق عطا کرتا ہے۔ اس ارشاد میں بت تو کفار و مشرکین کی شفاعت اس لیے نہیں کر سکیں گے کہ ان کا مرتبہ سفارشیوں سے کم تر ہے کیونکہ سفارشی کے لیے مقرب خدا ہونا ضروری ہے اور وہ ایمان دار اور پرہیزگار ہو سکتا ہے، نیز خود کفار و مشرکین شفاعت کے مستحق نہیں ہیں کہ ان کی شفاعت کے لیے کسی کو شفاعت کی اجازت دی جائے کیونکہ وہ کفر و شرک کی سرکشی میں منہمک و مستغرق ہیں اور انبیائے کرام اور ملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام صرف مسلمانوں کی شفاعت کریں گے۔ (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۲۵، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو پھر دوبارہ حکم دیا کہ آپ خود ہی جواب دے دیجئے اور انہیں اس بات کے اقرار پر قائل کیجئے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ ہی رزق عطا کرتا ہے اور یہ ارشاد اس بات سے آگاہ کرنے کے لیے ہے کہ کفار مکہ اپنے دلوں میں اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ انہیں اللہ تعالیٰ ہی رزق عطا کرتا ہے مگر وہ اپنی زبانوں سے اس کا اقرار کرنے سے انکار کرتے تھے کیونکہ اگر وہ اپنے مونہوں سے اقرار کر لیتے کہ بے شک اللہ تعالیٰ انہیں رزق عطا کرتا ہے تو لازمی طور پر انہیں کہا جاتا کہ پھر تم اس کی عبادت کیوں نہیں کرتے جو تمہیں رزق عطا کرتا ہے اور اس پر ان بتوں کو ترجیح کیوں دیتے ہو جو رزق وغیرہ دینے پر قدرت و اختیار کچھ نہیں رکھتے۔

اور اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل ارشاد میں) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ آپ انہیں الزام دینے اور انہیں خاموش کرانے کے بعد ان سے فرمادیں کہ اگر وہ اپنی زبانوں سے اپنے اقرار میں مزید نہیں بڑھ سکتے تو وہ اس اقرار سے کوتاہی نہیں کر سکتے کہ ﴿وَإِنَّا أَوْأَيُّكُمْ لَعَلَىٰ هُدًىٰ أَوْ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ﴾ اور بے شک ہم یا تم البتہ ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ موحدین اور مشرکین کے دو گروہوں میں سے ایک گروہ یقینی طور پر ہدایت اور صریح گمراہی میں سے کسی ایک پر ضرور ہے اور یہ اس منصف و عادل کا کلام ہے جس کی بات ہر دوست و دشمن سنتا ہے جیسے تو اپنے مخاطب سے کہتا ہے کہ تمہارے صاحب نے تمہارے ساتھ انصاف کی بات کی ہے اور گزشتہ تقریر میں دلائل گزر چکے ہیں جو اس بات پر واضح طور پر دلالت و رہنمائی کرتے ہیں کہ دونوں فریقوں میں سے کون ہدایت پر ہے اور کون صریح گمراہی میں مبتلا ہے لیکن بطور تعریض کلام کرنا خصوصاً سخت جھگڑا و مخالف سے تبلیغی غرض تک پہنچنے کے لیے بہترین طریقہ ہے اور اس کی مثال تمہارا اپنے جھوٹے فریق سے یہ کلام ہے کہ ”إِنَّا لَنَكَاذِبٌ“ بے شک ہم میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے اور ”هُدًىٰ“ اور ”ضلال“ پر داخل کیے گئے حروف جارہ اس لیے مختلف لائے گئے کہ صاحب ہدایت گویا تیز رفتار گھڑ سوار ہے جدھر چاہتا ہے اسے دوڑا کر لے جاتا ہے اور گمراہ شخص گویا تاریکیوں میں ڈوبا ہوا ہے وہ نہیں جانتا کہ وہ کس طرف جائے۔

قُلْ لَا تَسْأَلُونَنَا عَمَّا آجْرَمْنَا وَلَا نَسْأَلُ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۲۵﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ

بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ ﴿۲۶﴾ قُلْ أَرُونِي الَّذِينَ أَلْحَقْتُمْ بِهِ شُرَكَاءَ كَلَّا

بَلْ هُوَ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۲۷﴾

آپ فرمادیجئے کہ ہمارے اعمال کے متعلق تم سے نہیں پوچھا جائے گا اور تمہارے اعمال کے متعلق ہم سے نہیں پوچھا جائے گا ﴿۲۵﴾ فرمائیے کہ ہمارا پروردگار ہم سب کو جمع کرے گا پھر وہ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمادے گا اور وہ سب سے بڑا فیصلہ فرمانے والا سب کچھ خوب جاننے والا ہے ﴿۲۶﴾ فرمائیے کہ مجھے وہ دکھاؤ جن کو تم نے شریک بنا کر اس کے ساتھ ملا دیا ہے ہرگز نہیں! بلکہ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب پر غالب ہے سب سے بڑا حکمت والا ہے ﴿۲۷﴾

۲۵۔ ﴿قُلْ لَا تَسْأَلُونَنَا عَمَّا آجْرَمْنَا وَلَا نَسْأَلُ عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ (اگر) ہم نے جرائم کیے ہیں تو ان کے متعلق تم سے سوال نہیں کیا جائے گا اور تم جو کچھ عمل کر رہے ہو ان کے متعلق ہم سے سوال نہیں کیا جائے گا۔ یہ کلام پہلے سے زیادہ انصاف پر مبنی ہے کیونکہ اس میں جرم و خطا کو اپنی طرف منسوب کیا گیا ہے حالانکہ اس سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے اور یہ ممنوع ہے اور عمل کو ”مُخَاطَبِينَ“ کی طرف منسوب کیا گیا ہے حالانکہ وہ مامور رہے اس کے بجالانے پر جزا

مقرر کی گئی ہے۔

۲۶۔ ﴿قُلْ یَجْمَعُ بَیْنَنَا رَبُّنَا﴾ اے محبوب! فرمادیتے کہ ہمارا پروردگار ہمیں جمع فرمائے گا (یعنی) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہم سب کو جمع کرے گا ﴿ثُمَّ یَقْتَرِبُ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ﴾ پھر وہ ہمارے درمیان حق کے ساتھ (یعنی) بغیر ظلم و زیادتی کے اور بغیر جانب داری کے فیصلہ کر دے گا ﴿وَهُوَ الْفَتَّاحُ﴾ اور وہی سب سے بڑا حاکم ہے ﴿الْعَلِیْمُ﴾ وہی فیصلہ جات کو سب سے بہتر اور سب سے خوب تر جانتا ہے۔

۲۷۔ ﴿قُلْ أَدُوْنِیَ الدِّیْنِ الْحَقُّ بِهٖ شُرْکَآءُ﴾ (اے محبوب!) فرمادیتے کہ (اے کافرو!) تم مجھے اپنے وہ معبود دکھاؤ جن کو تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ برابر ملا دیا ہے اور اس کے ساتھ عبادت میں شریک ٹھہرایا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو ہر وقت ان کے بتوں کو دیکھتے تھے اس لیے ”ارونسی“ کا معنی یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کفار مکہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو شریک ٹھہرانے کے کبیرہ گناہ سے خبردار کر دیں اور انہیں شرک الہی کی حالت سے آگاہ کر دیں ﴿کَلَّا﴾ ہرگز نہیں یہ کلمہ ڈرانے دھمکانے اور تنبیہ کرنے کے لیے آتا ہے یعنی تم اس بات سے ڈرو اور اس شرکیہ بات سے بچو اور تم اپنی گمراہی سے آگاہ ہو کر اس سے باز آ جاؤ ﴿بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِیْزُ﴾ بلکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب پر غالب ہے سو اس کا کوئی شریک نہیں [اور ”ہو“ ضمیر شان ہے] ﴿الْحَکِیْمُ﴾ وہ اپنے معاملات کی تدبیر و منصوبہ بندی میں بڑا دانا اور بہت حکمت والا ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُونَ ﴿۲۸﴾
وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هٰذَا الْوَعْدَانِ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لَكُمْ مِیْعَادُ یَوْمٍ لَا تَسْتَخِرُونَ
عَنْهُ سَاعَةً وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ ﴿۳۰﴾

اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوش خبری دینے والا اور ڈرسانے والا رسول بنا کر بھیجا ہے اور لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو ○ فرمادیتے کہ تمہارے لیے وعدے کا ایک دن مقرر ہے تم اس سے ایک گھڑی نہ پیچھے رہ سکو گے اور نہ تم آگے بڑھ سکو گے ○

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت عامہ اور قیامت کا بیان

۲۸۔ ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ﴾ اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے (یعنی) ہم نے آپ کو ایسی رسالت عامہ سے نوازا ہے جو تمام بنی آدم کو عام ہے سب کو شامل ہے اور سب پر محیط ہے اس لیے کہ جب آپ کی نبوت و رسالت سب کو شامل ہے تو اس نے سب کو روک دیا کہ ان میں سے اب کوئی انسان رسالت محمدی ﷺ سے باہر نہیں ہو سکتا ہے۔

۱۔ حضور سید عالم ﷺ کی رسالت عامہ کا ثبوت قرآن و احادیث سے روز روشن کی طرح واضح ہے جیسا کہ مذکورہ بالا آیت مبارکہ سے واضح ہو رہا ہے نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) ”قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا“ (الاعراف: ۱۵۸) ”(اے محبوب!) فرمادیتے کہ اے لوگو! ابے شک میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔“
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور علامہ زجاج نے فرمایا کہ لغت میں ”کَافَّةٌ“ کا معنی احاطہ کرنا ہے اور آیت مبارکہ کا معنی اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے آپ کو ڈرانے اور تبلیغ کرنے میں تمام لوگوں کے لیے جمع کرنے والا رسول بنا کر بھیجا ہے [اور ”کَافَّةٌ“ کو کاف (ضمیر مخاطب مفعول) سے حال قرار دیا گیا ہے اور اس کے آخر میں ”تَا“ اس معنی کی بناء پر مبالغہ کے لیے ہے جیسے ”روایۃ“ اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۲) ”تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا“ (الفرقان: ۱) ”بہت بابرکت ہے وہ خدا جس نے اپنے خاص بندے پر قرآن نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرسانے والا ہو جائے“۔ اس آیت مبارکہ میں حضور سید عالم ﷺ کے عموم رسالت کا بیان ہے کہ آپ تمام خلق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں جن ہوں یا بشر یا فرشتے یا دیگر مخلوقات سب آپ کے امتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا سب کو عالم کہتے ہیں جس میں تمام خلق داخل ہے علاوہ ازیں مسلم شریف کی حدیث میں ہے: ”أُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً“ یعنی میں تمام خلق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ علامہ علی قاری نے مرقات میں اس کی شرح میں فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام موجودات کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں خواہ وہ جن ہوں یا انسان یا فرشتے یا حیوانات یا جمادات۔ (ماخوذ از تفسیر خزائن العرفان)

(۳) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے پانچ خوبیاں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں کی گئیں: (۱) مجھے ایک ماہ کی مسافت تک رعب و دبدبہ عطا کیا گیا ہے (۲) اور میرے لیے تمام روئے زمین کو مسجد اور طہارت کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے سو میرے امتی کو جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہیں نماز پڑھ لے (۳) اور میرے لیے تمام غنیمتیں حلال کر دی گئی ہیں اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں تھیں (۴) اور مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے (۵) اور پہلے نبی اپنی خاص قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجے جاتے تھے ”وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَةً“ اور میں تمام لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے دیگر تمام انبیائے کرام پر چھ چیزوں میں فضیلت دی گئی ہے: (۱) مجھے جامع کلمات (مختصر الفاظ میں بہت زیادہ معانی بیان کرنا) عطا کیے گئے ہیں (۲) اور رعب و دبدبہ کے ذریعے میری مدد کی گئی ہے (۳) اور میرے لیے غنیمتیں حلال کی گئی ہیں (۴) اور تمام روئے زمین کو میرے لیے مسجد (یعنی پاک) اور پاک ہونے کا آلہ (قابل تیمم) بنا دیا گیا ہے (۵) ”وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً“ اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے (۶) ”وَوَحِّتُمْ بَيْنِي النَّبِيُّونَ“ اور میرے ساتھ نبیوں کی آمد کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔

(تفسیر مظہری ج ۸ ص ۳۰، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی)

(۵) امام ابن ابی شیبہ اور امام ابن المنذر نے حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرمایا کہ حضور کو تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

(۶) امام ابن ابی حاتم نے حضرت محمد بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام بنی نوع انسان کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور امام عبد بن حمید اور امام ابن جریر نے بھی یہ روایت اسی طرح نقل کی ہے۔

(۷) امام ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سرور کونین رسول الثقلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو عرب و عجم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے سو اس لیے آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ مکرم و معظم و افضل و اعلیٰ اور سب سے زیادہ آپ ہی کی اطاعت و فرماں برداری اختیار کی جائے گی۔

(۸) حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حضور سید عالم ﷺ کو تمام عرب و عجم اور تمام امتوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (تفسیر روح المعانی الجزء الثانی والعشرون ص ۱۴۲، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

”علامہ“ میں ”تا“ مبالغہ کے لیے ہے [بَشِيرًا] آپ ﷺ تو حید و رسالت کے اقرار کرنے والے اور ایمان لانے والے کو فضل و کرم کی خوش خبری دینے والے ہیں ﴿وَنَذِيرًا﴾ اور کفر و شرک اور گناہوں پر اصرار کرنے والے کو آپ ﷺ عدل و انصاف کے سبب ڈرانے والے ہیں ﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ اور لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے، سو اس لیے ان کی جہالت و نادانی نے انہیں آپ کی مخالفت پر ابھارا اور وہ آپ کے مخالف ہو گئے۔

۲۹۔ ﴿وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا یعنی قیامت کے آنے کا وعدہ کب پورا ہوگا اور اس میں ”ہذا“ سے اس ارشاد باری تعالیٰ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ”قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبِّنَا“ (سبا: ۲۶) ”اے محبوب! فرمادیتے کہ ہمارا پروردگار ہم سب کو جمع کرے گا“ ﴿إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ اگر تم سچے ہو۔

۳۰۔ ﴿قُلْ لَكُمْ مِيعَادُ يَوْمٍ﴾ اے محبوب! فرمادیتے کہ وعدہ کا دن تمہارے لیے مقرر ہے [”میعاد“ وعدہ کا ظرف مکان یا ظرف زمان ہے لیکن یہاں ظرف زمان مراد ہے جس پر وہ قراءت دلیل ہے جس میں ”مِيعَادُ يَوْمٍ“ (”یوم“ کو مرفوع) پڑھا گیا ہے اس صورت میں ”یوم“، ”میعاد“ سے بدل ہوگا اور لیکن اضافت کی صورت میں یہ اضافت بیانیہ ہوگی جسے ”بعیر سانیہ“ کہتے ہیں] ﴿لَا تَسْتَأْجِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ﴾ نہ تم اس سے ایک لمحہ پیچھے رہ سکو گے اور نہ تم اس سے آگے جا سکو گے یعنی تم مہلت حاصل کر کے نہ اس سے پیچھے رہ سکو گے اور نہ جلدی کر کے تم اس کی طرف پہلے جا سکتے ہو اور ان کے سوال کے مطابق جواب کے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اسی کے متعلق سوال کیا تھا اور وہ راہ راست پر آنے کے لیے نہیں بلکہ وہ قیامت کا انکار محض عناد کی وجہ سے کرتے تھے پس یہ ڈرانے اور دھمکانے والا جواب ان کے عناد و انکار پر مشتمل سوال کے مطابق ہے اور بے شک وہ لوگ اس دن کا انتظار کر رہے ہیں جو ان پر اچانک آن پڑے گا سو وہ لوگ اس سے نہ پیچھے رہ سکیں گے اور نہ اس سے آگے جا سکیں گے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَالنُّؤْمِنُ بِهَذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ ط وَكُو

تَرَىٰ إِذِ الظُّلْمُونَ مَوْقُوفُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ الْقَوْلَ ۗ

يَقُولُ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا وَالْوَالَا أَنْتُمْ لَكُمْ مُؤْمِنِينَ ۗ قَالَ

الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا وَاللَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا أَنْخَنُ صَدَدُكُمْ عَنِ الْهُدَىٰ بَعْدَ إِذْ جَاءَكُمْ

بَلْ كُنْتُمْ جُحْرِمِينَ ﴿۳۶﴾

اور کافروں نے کہا: ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اس کتاب پر جو اس سے پہلے نازل ہو چکی اور کاش! آپ ظالموں کو اس وقت دیکھتے جب وہ اپنے پروردگار کے پاس کھڑے کیے جائیں گے وہ ایک دوسرے کی بات کورڈ کر رہے ہوں گے اس وقت دے ہوئے کمزور لوگ تکبر کرنے والے سرداروں سے کہیں گے: اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مسلمان ہو جاتے ○ متکبر سردار کمزوروں سے کہیں گے: کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روکا تھا اس کے بعد کہ وہ تمہارے پاس آ چکی تھی بلکہ تم خود مجرم ہو ○

منکرین اسلام کی ذلت و رسوائی کا بیان

۳۱- ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اور ان لوگوں نے کہا جنہوں نے کفر کیا (یعنی) ابو جہل اور اس کے دیگر ساتھی قریش مکہ نے کہا کہ ﴿لَنْ نُؤْمِنَ بِهَذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اس پر جو آپ کے آگے ہے یعنی ہم نہ قرآن کو مانتے ہیں اور نہ قرآن سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی دوسری کتابوں کو مانتے ہیں یا آگے مستقبل میں آنے والی قیامت اور جنت و دوزخ کو ہم نہیں مانتے یہاں تک کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید کے ہونے کا انکار کر دیا اور اس سے بھی انکار کر دیا جس پر قرآن مجید رہنمائی کرتا ہے کہ حقیقی جزاء کے لیے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا ﴿وَلَوْ تَذَكَّرْتُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ اور کاش! آپ ظالموں کو اس وقت دیکھتے جب وہ اپنے رب تعالیٰ کے پاس کھڑے کیے جائیں گے (یعنی) انہیں قید کر کے اپنے رب تعالیٰ کے پاس محاسبہ کرنے کے لیے روک لیا جائے گا اور اس وقت ﴿يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ الْقَوْلَ﴾ وہ لوگ باہمی جھگڑے میں ایک دوسرے کی بات کی تردید کریں گے اور اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے معاملات کے انجام کی اور آخرت میں خود ان کے انجام کی خبر دی ہے اور رسول اللہ ﷺ سے یا پھر مخاطب سے ارشاد فرمایا کہ اگر تم آخرت میں انہیں محاسبہ کے لیے قیدی کی حالت میں رکھا ہو دیکھ لیتے جب کہ وہ باہمی گفتگو میں ایک دوسرے پر گھٹیا الزام لگا رہے ہوں گے اور آپس میں ایک دوسرے پر بات پلٹا رہے ہوں گے اور ایک دوسرے کی بات کی تردید کر رہے ہوں گے تو ضرور تم عجیب عبرت ناک منظر دیکھتے بہر حال ”کو“ کے جواب کو حذف کر دیا گیا ہے ﴿يَقُولُ الَّذِينَ اسْتَضَعُوا﴾ جن لوگوں کو دنیا میں کمزور سمجھ رکھا گیا تھا یعنی پیروکار اور پس ماندہ لوگ اس وقت کہیں گے: ﴿لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا﴾ ان لوگوں سے جو سرکش بنے ہوئے تھے یعنی سرداروں اور لیڈروں سے (کہیں گے کہ) ﴿لَوْلَا أَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ﴾ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مسلمان ہو جاتے (یعنی) اگر تم ہمیں کفر و شرک کی طرف نہ بلا تے تو ہم ضرور اللہ تعالیٰ پر اور اس کے محترم و مکرم رسول پر ایمان لے آتے اور مسلمان ہو جاتے۔

۳۲- ﴿قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا الَّذِينَ اسْتَضَعُوا﴾ متکبر و سرکش سردار اپنے کمزور و پس ماندہ پیروکاروں سے کہیں گے کہ کیا ہم نے تمہیں ہدایت قبول کرنے سے روکا تھا۔ اس آیت مبارکہ میں پہلا اسم یعنی ”لحن“ حرف انکار ہے کیونکہ اس سے مراد یہ ہے کہ کفار کے سردار اس بات سے انکار کر دیں گے کہ انہوں نے کمزور اور پس ماندہ پیروکاروں کو ایمان قبول کرنے سے روکا تھا اور وہ یہ ثابت کریں گے کہ خود ان پس ماندہ پیروکاروں نے اپنے آپ کو ہدایت قبول کرنے سے روک کر رکھا تھا اور انہیں سرداروں کی طرف سے پورا پورا اختیار حاصل تھا ﴿بَعْدَ إِذْ جَاءَكُمْ﴾ اس کے بعد کہ وہ ہدایت تمہارے پاس آچکی تھی [اس کلام میں حرف ”اذ“ کو فعل کی طرف مضاف کیا گیا ہے حالانکہ ”اذ“ اور ”اذا“ ان حروف ظروف میں سے ہیں جو لازمی طور پر ظرفیت کے لیے استعمال ہوتے ہیں اس لیے کہ زمان میں جس قدر وسعت و گنجائش ہوتی ہے اس کے غیر میں اس قدر وسعت نہیں ہوتی، سو اس لیے اس کی طرف ظرف زمان کو مضاف کیا گیا ہے] ﴿بَلْ كُنْتُمْ مُجْرِمِينَ﴾ بلکہ تم خود ہی مجرم یعنی کافر ہو کہ تم نے خود گمراہی کو ہدایت کے بدلے اختیار کر لیا اور تم نے خود ہدایت پر گمراہی کو ترجیح دی اور ہماری تحریک و ترغیب اور ہمارے کہنے پر تم نے گمراہی اختیار نہیں کی تھی۔

وَقَالَ الَّذِينَ اسْتَضَعُوا الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ النَّبْلِ وَالرَّهَارِ إِذْ تَأْمُرُونَنَا

اَنْ تَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَتَجْعَلَ لَهُ اَنْدَادًا ۗ وَاَسْرُدَ النَّدَامَةَ لِمَا رَاوُ الْعَذَابَ وَجَعَلْنَا
الْاَعْلٰلَ فِيْ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۗ هَلْ يُجْزَوْنَ الْاِمَاكَا نُو اَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾

دبے ہوئے کمزور لوگ متکبر سرداروں سے کہیں گے: بلکہ یہ تمہاری رات و دن کی فریب کاری تھی جب تم ہمیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے اور اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے کا حکم دیتے تھے اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو اپنی ندامت و شرمندگی چھپائیں گے اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈالیں گے، انہیں سزا نہیں دی جائے گی مگر انہیں کاموں پر جو وہ کرتے تھے O

۳۳- ﴿وَقَالَ الَّذِينَ اسْتَضَعِفُوا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا﴾ اور کمزور و پس ماندہ لوگ متکبر و سرکش سرداروں سے کہیں گے [پچھلی آیت "قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا" میں حرف عطف نہیں لایا گیا ہے اس لیے کہ کمزور لوگوں کا پہلا کلام "يقول الذين استضعفوا" گزر چکا ہے سو اس کے جواب میں استیناف (الگ مستقل جملے) کے طریقہ پر حرف عطف کو حذف کر دیا گیا ہے پھر کمزوروں کا کلام دوبارہ لایا گیا تو اس کو ان کے پہلے کلام پر عطف کیا گیا ہے ﴿بَلْ مَكْرُ الْاَيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ بلکہ رات اور دن کی سازش تھی "بل مکر کم بنا فی اللیل والنهار" بلکہ رات اور دن میں ہمارے ساتھ تمہاری سازش کا فرما تھی [چونکہ ظرف میں وسعت ہوتی ہے اس لیے "لیل" کو مفعول بہ کے قائم مقام کیا گیا اور "مکر" کو اس کی طرف مضاف بنا دیا گیا ہے یا پھر اسنادی مجازی کی بناء پر ان کے "لیل و نہار" کو مکر و فریب کار قرار دیا گیا ہے] یعنی رات اور دن نے طویل صحت و تندرستی اور سلامتی کے ذریعے ہمارے ساتھ سازش و فریب کاری کی تھی یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ تم حق پر ہو ﴿اِذْ تَاْمُرُوْنَ اَنْ تَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَتَجْعَلَ لَهُ اَنْدَادًا﴾ کیونکہ تم اس وقت ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کریں اور ہم اس کے لیے شریک ٹھہرائیں (یعنی) ہم اوروں کو اللہ تعالیٰ جیسا معبود قرار دیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب متکبر و سرکش سرداروں نے "انحن صد دناکم" کہہ کر کمزور و پس ماندہ پیروکاروں کے کفر کا سبب بننے سے انکار کر دیا اور "بل کنتم مجرمین" کہہ کر ثابت کر دیا کہ کمزوروں کا کفر ان کے اپنے کسب اور ان کے اپنے اختیار کی بناء پر ہے تو کمزور و پس ماندہ پیروکاروں نے "بل مکر اللیل والنهار" کہہ کر ان پر حملہ کیا اور اپنے انکار سے ان کے انکار کو باطل قرار دے دیا گویا انہوں نے یہ کہہ دیا کہ اس جرم کا ارتکاب ہماری وجہ سے نہیں ہوا بلکہ رات اور دن کو ہمیشہ ہمارے ساتھ تمہاری سازش و فریب کاری کی وجہ سے ہوا تھا اور کفر و شرک کرنے اور بتوں کو خدا جیسا معبود قرار دینے کی ترغیب تم نے ہمیں دی تھی ﴿وَاَسْرُدَ النَّدَامَةَ﴾ اور وہ اپنی ندامت و شرمندگی چھپائیں گے (یعنی) وہ ندامت و پشیمانی کو چھپائیں گے یا اسے ظاہر کریں گے اور یہ "اسروا" لفظ الاضداد سے ہے اور وہ ظالم ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ" (سبا: ۳۱) "جب ظالموں کو ان کے رب تعالیٰ کے پاس روک کر کھڑا کیا جائے گا" چنانچہ متکبر و سرکش سردار تو اپنے گمراہ ہونے پر اور دوسروں کو گمراہ کرنے پر نادم و پشیمان ہوں گے اور دبے ہوئے کمزور و پس ماندہ لوگ اپنے گمراہ ہونے پر اور گمراہ کرنے والوں کی پیروی کرنے پر پشیمان و شرمندہ ہوں گے ﴿لِمَا رَاوُ الْعَذَابَ﴾ جب وہ عذاب کو دیکھیں گے (یعنی) جب وہ دوزخ کو دیکھیں گے ﴿وَجَعَلْنَا الْاَعْلٰلَ فِيْ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے "ای فی اعناقہم" یعنی ان کی گردنوں میں ضمیر کی بجائے صراحت کا مقصد یہ ہے کہ یہ صراحت اس بات پر دلالت کرے کہ وہ لوگ طوقوں کے مستحق تھے ﴿هَلْ يُجْزَوْنَ الْاِمَاكَا نُو اَعْمَلُوْنَ﴾ انہیں صرف اسی قدر سزا دی جائے گی جس قدر وہ دنیا

میں عمل کرتے رہے تھے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ﴿۳۴﴾

وَقَالُوا إِنَّا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿۳۵﴾ قُلْ إِنَّمَا يَسُسُّ

الرِّسْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۶﴾ وَمَا أَمْوَالُكُمْ

وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرَّبُ بِكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَن آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا

فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضَّعِيفِ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ آمِنُونَ ﴿۳۷﴾

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرسانے والا (نبی) نہیں بھیجا مگر وہاں کے مال داروں نے کہا کہ تمہیں جو کچھ دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر ہیں O اور انہوں نے کہا کہ ہم مال اور اولاد میں بہت زیادہ ہیں اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا O فرمائیے: بے شک میرا پروردگار جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور وہ (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد اس قابل نہیں کہ وہ تمہیں ہمارے ہاں مقرب کر دیں مگر جو شخص ایمان لائے اور نیک عمل کر لے تو یہی وہ لوگ ہیں کہ وہ جو بھی نیک عمل کریں گے اس پر انہیں دو گنا اجر و ثواب ملے گا اور وہ جنت کے بالا خانوں میں امن کے ساتھ رہیں گے O

پیغمبروں کے ساتھ سرکش مال داروں کے رویے کا بیان

۳۴- ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا﴾ اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرسانے والا (یعنی) نبی نہیں بھیجا مگر وہاں کے مال داروں اور سرداروں نے کہا کہ ﴿إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ﴾ بے شک جس مشن کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر ہیں اور اس آیت مبارکہ میں حضور نبی کریم ﷺ کو ان تکالیف کی وجہ سے تسلی و تشفی دی گئی ہے جن میں آپ کو اپنی قوم کی طرف سے آزمایا گیا کہ آپ جو تعلیمات لے کر تشریف لائے تھے آپ کی قوم نے ان کی تکذیب کی اور ان کے ساتھ کفر کیا اور کسی بستی میں کوئی ڈرسانے والا نبی کبھی نہیں بھیجا گیا مگر وہاں کے خوش حال باشندوں نے اس سے وہی کچھ کہا جو کچھ مکہ مکرمہ کے رہنے والوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اور انہوں نے مال و دولت اور اولاد کی وسعت و کثرت پر فخر و غرور کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل) ارشاد فرمایا:

۳۵- ﴿وَقَالُوا إِنَّا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ﴾ اور انہوں نے کہا: ہم مال و دولت اور اولاد میں بہت زیادہ ہیں اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ اس کلام سے ان کی مراد یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے مکرم و معزز ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں مبتلا نہیں کرنے گا اور انہوں نے دنیا میں اپنے حالات کو پیش نظر رکھ کر یہ بات کہی تھی اور انہوں نے یہ خیال کیا تھا کہ اگر وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم و معظم نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ انہیں مال و دولت اور اولاد کی صورت میں اس قدر وسیع رزق عطا نہ فرماتا اور اگر مسلمان اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلیل و ادنیٰ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ انہیں مال و دولت اور اولاد کی فراوانی سے محروم نہ کرتا سو اللہ تعالیٰ نے ان کے گمان کو باطل قرار دیا کہ رزق تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل ہے وہ

جیسے چاہتا ہے اسے تقسیم کرتا ہے، سو بعض اوقات نافرمان پر مال و دولت کو وسیع و فراخ کر دیتا ہے اور مطیع و فرماں بردار پر مال و دولت کو تنگ و کم کر دیتا ہے اور بعض اوقات اس کے برعکس کر دیتا ہے (کہ فرماں بردار کو مال دار اور نافرمان کو تنگ دست کر دیتا ہے) اور بعض اوقات دونوں کو مالی وسعت عطا فرما دیتا ہے اور بعض اوقات دونوں کو تنگ دست بنا دیتا ہے، سو ثواب کے معائنے کو اس پر قیاس نہ کیا جائے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۳۶- ﴿قُلْ إِنْ سَأَلْتُمْ عَنِ الرِّزْقِ رَبِّي بِسَبْطٍ الرِّزْقِ لَمْ يَنْشَأْ وَيَقْدِرُ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک میرا پروردگار جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ اور فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، ”قدر الرزق“ کا معنی ہے: رزق کو تنگ کر دیتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”وَمَنْ قَدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيَنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ“ (الطلاق: ۷) ”اور جس شخص پر اس کا رزق تنگ کر دیا گیا ہو تو وہ اسی میں سے نان نفقہ دے جو اللہ تعالیٰ نے اسے دیا ہے“ ﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ اور لیکن بہت سے لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

۳۷- ﴿وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرَّبُكُمْ عِنْدَنَا ذُلْفَىٰ﴾ اور نہ تمہارے مال اور نہ تمہاری اولاد ایسی ہے جو تمہیں ہمارے قریب کر دیں [”ای وما جماعة افوالکم ولا جماعة اولادکم (بالتی تقربکم)“ یعنی اموال اور اولاد میں ”جماعة“ کا معنی اس لیے مراد لیا گیا ہے کہ جمع مکر ذوی العقول ہو یا غیر ذوی العقول ہو، تانیث کے حکم میں برابر ہے اور ”ذلفی“ اور ”زلفة“، ”قربی“ اور ”قربة“ کی طرح ہیں اور یہ محلاً منصوب ہے ”ای تقربکم قربة“ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ”وَاللَّهُ أَنْبَتَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا“ (نوح: ۱۷)۔

﴿إِلَّا مَنْ أَمِنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ مگر جو شخص ایمان لائے اور نیک عمل کرے [یہ ”تقربکم“ میں ”کم“ ضمیر مخاطب سے استثناء ہے] یعنی مال و دولت کسی کو اللہ تعالیٰ کا مقرب نہیں بناتی مگر نیک مسلمان کا وہ مال اللہ تعالیٰ کا اسے مقرب بنا دیتا ہے جسے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور اولاد کسی کو اللہ تعالیٰ کا مقرب نہیں بناتی مگر اس شخص کی اولاد اسے مقرب خدا بنا دیتی ہے جسے اس نے خیر و بھلائی کی تعلیم دی ہو اور انہیں دین کا فقیہ و ماہر عالم دین بنایا ہو اور انہیں نیکی اور اطاعت میں پختہ کر دیا ہو [اور حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ ”إِلَّا“ بہ معنی ”لیکن“ ہے اور ”مَنْ“ اس کے جواب کی شرط ہے] ﴿فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضَّعْفِ بِمَا عَمِلُوا﴾ سو یہی وہ خوش نصیب لوگ ہیں جنہیں ان کے اعمال پر دو گنا اجر و ثواب عطا کیا جائے گا [”جزاء الضعف“ میں مصدر کی مفعول کی طرف اضافت ہے، اس کی اصل یوں ہے: ”فأولئك لهم ان يجاوزوا ثم جزاء الضعف“ ہے اور ”جزاء الضعف“ کا معنی یہ ہے کہ ان کو ایک نیکی پر دس گنا بڑھا کر نیکیاں دی جائیں گی اور یعقوب کی قراءت میں ”جزاء الضعف“ (”جزاء“ تمیز کی بناء پر منصوب ہے اور ”الضعف“ مبتدا کی بناء پر مرفوع ہے جس کی خبر ”لهم“ ہے) اس بناء پر کہ اصل میں ”فأولئك لهم الضعف جزاء“ ہے اور ”بما عملوا“ بہ معنی ”بأعمالهم“ ہے] ﴿وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ﴾ ”ای غرف منازل الجنة“ اور وہ لوگ بالا خانوں میں ہوں گے یعنی وہ جنت کی بالائی منزلوں میں ہوں گے [قاری حمزہ کسائی کوئی کی قراءت میں ”فی الغرفة“ (جمع کی بجائے واحد) ہے] ﴿أَمِنُونَ﴾ امن و امان کے ساتھ رہیں گے (یعنی) جنتی لوگ جنت میں ہر قسم کے خوف و ڈر اور ہر قسم کی مصیبت و تکلیف سے محفوظ و مامون رہیں گے۔

الَّذِينَ يَسْعَوْنَ فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ ﴿۳۸﴾ قُلْ

إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ ط وَمَا أَنْفَقْتُمْ

مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿۳۹﴾ وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ جَمِيعًا

ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهْلُوا لِي بِهَؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿۴۰﴾

اور جو لوگ ہماری آیتوں میں ہمیں عاجز کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہی لوگ حاضر کر کے عذاب میں ڈالے جائیں گے۔ فرمادیتے ہیں کہ بے شک میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق وسیع کر دیتا ہے اور کسی کے لیے تنگ کر دیتا ہے اور تم جو چیز خرچ کرو گے تو وہ اس کا بدلہ (تمہیں ضرور) دے گا اور وہ سب سے بہتر رزق عطا کرنے والا ہے۔ اور وہ ایک دن ان سب کو جمع کرے گا پھر وہ فرشتوں سے فرمائے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے۔

کفار مکہ کی سرکشیوں کا انجام

۳۸- ﴿وَالَّذِينَ يَسْعَوْنَ فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ﴾ اور جو لوگ ہمیں عاجز کرنے کے لیے ہماری آیتوں کو باطل ثابت کرنے میں کوشش کرتے ہیں ﴿أُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُخَضَّرُونَ﴾ یہی وہ بد نصیب لوگ ہیں جنہیں حاضر کر کے عذاب میں ڈال دیا جائے گا۔

۳۹- ﴿قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ ط﴾ اے محبوب! فرمادیتے ہیں کہ بے شک میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ اور وسیع کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) اس کے لیے تنگ کر دیتا ہے۔ ”بسط“ بمعنی ”یوسع“ ہے یعنی وسیع اور کشادہ کر دیتا ہے ﴿وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ﴾ اور تم جو کچھ خرچ کرو گے [اس میں حرف ”ما“ شرطیہ ہے اور محلاً منصوب ہے اور ”من شئیء“ اس کا بیان ہے] ﴿فَهُوَ يُخْلِفُهُ ط﴾ سو وہ اس کا بدلہ عطا فرمائے گا (یعنی) اللہ تعالیٰ صدقہ میں خرچ ہونے والے مال کا معاوضہ ضرور عطا فرمائے گا اس کے سوا کوئی معاوضہ دینے والا نہیں ہے خواہ وہ دنیا میں مال و دولت کی صورت میں بدلہ عطا فرمادے یا پھر آخرت میں اجر و ثواب کی صورت میں بدلہ عطا فرمادے [یہ شرط کا جواب ہے] ﴿وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ﴾ اور وہ سب سے بہتر رزق عطا کرنے والا ہے (یعنی) وہی سب کو کھلانے والا ہے کیونکہ اس کے علاوہ ہر وہ شخص جو روز دیتا ہے اور خرچ کرتا ہے جیسے بادشاہ اپنے لشکر وغیرہ پر اور آقا اپنے غلام پر اور انسان اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے رزق سے خرچ کرتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ہاتھوں پر جاری فرمادیا اور وہی اللہ تعالیٰ رزق کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی ان اسباب کو پیدا کرنے والا ہے جن کے ذریعے رزق پانے والے رزق حاصل کرتے ہیں اور بعض حضرات سے یہ حد منقول ہے کہ ”الحمد لله الذي اوجدني وجعلني ممن يشتهي“ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے مجھے پیدا کیا اور مجھے ان لوگوں میں سے بنایا جو کھانے پینے کی خواہش رکھتے اور انہیں بھوک لگتی ہے کیونکہ کئی لوگ کھانے کی خواہش رکھتے ہیں مگر روزی نہیں پاتے اور کئی لوگ روزی تو خوب رکھتے ہیں مگر کھانے کی خواہش اور اشتہاء نہیں رکھتے۔

۴۰- ﴿وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهْلُوا لِي بِهَؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ﴾ اور جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے فرمائے گا: کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے۔ یہ خطاب تو فرشتوں سے ہے لیکن مقصود

کفار کو ڈرانا اور دھمکانا ہے اور جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ“ (المائدہ: ۱۱۶) ”کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے معبود بنا لو“ [اور ان دونوں میں حفص اور یعقوب کی قراءت میں ”یا“ کے ساتھ ”بحشرہم“ اور ”یقول“ ہے]۔

قَالُوا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيْنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۗ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۗ

اَكْتَرُهُمْ ۗ بِهٖمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَاَلْيَوْمَ لَا يَمِيْلُكَ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفَعًا وَلَا ضَرًا ۗ

وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُرُوْعًا عَذَابِ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكْذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾

وہ عرض کریں گے: آپ تو ہر عیب سے پاک ہیں آپ ہی ہمارے دوست ہیں وہ نہیں بلکہ وہ تو جنوں کی عبادت کرتے تھے ان میں اکثر لوگ انہیں (جنوں) پر یقین رکھنے والے ہیں ○ سو آج تم میں سے کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے نہ نفع کا اختیار رکھتا ہے اور نہ نقصان کا اور ہم ظالموں سے فرمائیں گے کہ تم اس آگ کا عذاب چکھو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے ○

۴۱- ﴿قَالُوا﴾ ”ای الملائکہ“ وہ عرض کریں گے یعنی فرشتے کہیں گے: ﴿سُبْحٰنَكَ﴾ تیری ذات اقدس اس سے منزہ و مبرا ہے اور پاک ہے کہ تیرے ساتھ تیرے کسی غیر کی عبادت کی جائے ﴿اَنْتَ وَلِيْنَا﴾ آپ ہمارے حامی و ناصر اور ہمارے دوست ہیں۔ ”موالاة“ (دوستی) ”معاداة“ (دشمنی) کا متضاد و مخالف ہے اور یہ ”موالاة“ مفاعلہ کے وزن پر ”ولی“ سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: قریب ہونا اور ”ولی“، ”موالی“ اور ”موالی“ دونوں پر بولا جاتا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! آپ ہی وہ پاک ذات ہیں جس سے ہم محبت و دوستی کرتے ہیں ﴿مِنْ دُوْنِهِمْ﴾ ان (کفار و مشرکین) سے ہمارا کوئی تعلق نہیں کیونکہ ہمارے درمیان اور ان کے درمیان کوئی دوستی نہیں ہے، سو فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی محبت و دوستی اور کفار کی عداوت و دشمنی ثابت کر کے واضح کر دیا کہ جو کفار ان کی عبادت کرتے تھے وہ ان کی عبادت سے راضی نہیں بلکہ وہ ان کی شرکیہ عبادت سے بری اور بے زار ہیں اس لیے کہ جو اس صفت پر ہوگا اس کا حال کفار کے حال کے منافی ہوگا ﴿بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۗ﴾ بلکہ وہ جنوں کی عبادت کرتے تھے یعنی شیطانوں کی عبادت کرتے تھے کیونکہ کفار نے غیر اللہ کی عبادت و پرستش میں انہیں (شیطانوں) کی اطاعت تھی یا شیاطین بتوں کے اندر داخل ہیں کہ جب بتوں کی عبادت کی جاتی تو ان کی عبادت کے ساتھ ان شیاطین کی عبادت بھی کی جاتی یا پھر شیاطین نے جنوں میں سے ایک قوم کی خیالی تصویریں ان کے ذہنوں میں ڈال دیں اور کہا کہ یہ فرشتوں کی تصویریں ہیں پس تم انہیں کی عبادت و پرستش کیا کرو ﴿اَكْتَرُهُمْ﴾ ان میں اکثر انسان یا اکثر کفار ﴿بِهٖمْ﴾ ان پر (یعنی) جنات پر ﴿مُؤْمِنُوْنَ﴾ یقین و ایمان رکھنے والے ہیں۔

۴۲- ﴿فَاَلْيَوْمَ لَا يَمِيْلُكَ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفَعًا وَلَا ضَرًا ۗ﴾ سو آج تم میں سے کوئی شخص ایک دوسرے کے نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی کے نقصان کا کوئی اختیار رکھتا ہے کیونکہ آج کے دن سارا اختیار اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو واحد لا شریک ہے اور اس میں کوئی کسی کے نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور کوئی کسی کے نقصان کا اختیار نہیں رکھتا اس لیے کہ آخرت کا گھر ثواب و عذاب کا گھر اور اجر و ثواب اور عقاب و عذاب دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے پس آخرت کا حال دنیا کے حال سے مختلف ہے کیونکہ دنیا دار التکلیف ہے اور آخرت دار الجزاء ہے اور دنیا میں لوگ آپس میں اکٹھے رہتے ہیں ایک دوسرے کو نقصان بھی پہنچاتے ہیں اور ایک دوسرے کو نفع بھی پہنچاتے ہیں اور اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اس روز اللہ تعالیٰ کے ماسوا کوئی نفع اور

نقصان دینے والا نہیں ہوگا پھر اللہ تعالیٰ نے ظالموں کے انجام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿وَتَقُولُ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تَكْفُرُونَ﴾ اور ہم ظالم لوگوں سے کہیں گے: جنہوں نے عبادت کو اس کی اصل جگہ کی بجائے ناحق جگہ میں استعمال کیا کہ تم اس آگ کے عذاب کا مزہ چکھو جس کو تم دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے۔

وَإِذَا تَلَّيٰ عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا رَجُلٌ يُرِيدُ أَنْ يَصُدَّكُمْ

عَمَّا كَانُوا يَعْبُدُ آبَاءَكُمْ وَقَالُوا مَا هَذَا إِلَّا أِفْكٌ مُّفْتَرًى وَقَالَ الَّذِينَ

كَفَرُوا بِالْحَقِّ لَسَاءَ جَاءَهُمْ هَذَا إِلَّا أَسْحَادٌ مُّبِينٌ ﴿۳۳﴾ وَمَا آتَيْنَهُمْ مِنْ

كِتَابٍ يَدْرُسُونَهَا وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلِكَ مِنْ نَذِيرٍ ﴿۳۴﴾ وَكَذَّبَ الَّذِينَ

مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوا مِعْشَارَ مَا آتَيْنَهُمْ فَكَذَّبُوا رُسُلِي فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿۳۵﴾

ع
ع
ع

اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں تلاوت کی جاتیں تو کہتے کہ یہ تو نہیں مگر ایک ایسا آدمی جو تمہیں ان معبودوں سے روکنا چاہتا ہے جن کی تمہارے باپ دادا عبادت کرتے تھے اور کہتے: یہ تو نہیں مگر گھڑا ہوا بہتان اور کافروں نے حق کے بارے میں کہا جب وہ ان کے پاس آیا کہ یہ تو نہیں مگر کھلا جادو اور ہم نے انہیں کوئی کتابیں نہیں دیں جنہیں وہ پڑھتے ہوں اور ہم نے آپ سے پہلے ان کی طرف کوئی ڈر سنانے والا نہیں بھیجا اور ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا اور یہ لوگ ان کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے جو ہم نے انہیں دیا تھا سو انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا تھا سو میرا انکار کرنا کیسا رہا

کفار مکہ کو سابق کفار کے انجام کے تذکرہ سے اغتباہ

۴۳- ﴿وَإِذَا تَلَّيٰ عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ﴾ اور جب ان پر ہماری روشن اور واضح آیتیں پڑھی جاتیں یعنی جب ان پر قرآن مجید پڑھا جاتا تو ﴿قَالُوا﴾ وہ کہتے یعنی مشرکین کہتے: ﴿مَا هَذَا﴾ یہ یعنی حضرت محمد ﷺ تو نہیں ہیں ﴿إِلَّا رَجُلٌ يُرِيدُ أَنْ يَصُدَّكُمْ عَمَّا كَانُوا يَعْبُدُ آبَاءَكُمْ﴾ مگر ایک آدمی ہے جو تمہیں ان معبودوں سے روکنا چاہتا ہے جن کی تمہارے باپ دادا عبادت کرتے تھے ﴿وَقَالُوا مَا هَذَا﴾ انہوں نے کہا کہ یہ یعنی قرآن مجید نہیں ﴿إِلَّا أِفْكٌ مُّفْتَرًى﴾ مگر گھڑا گھڑا یا بہتان ہے ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اور ان لوگوں نے کہا جنہوں نے کفر کیا یعنی اصل میں ”وقالوا“ ہونا چاہیے تھا مگر اسم ضمیر سے اسم ظاہر کی طرف عدول کفار کے عظیم ترین انکار کی اور اللہ تعالیٰ کے سخت ترین غضب و ناراضگی کے اظہار کی دلیل ہے ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق (یعنی) قرآن مجید کے متعلق یا نبوت کے تمام لوازمات کے متعلق ﴿لَسَاءَ جَاءَهُمْ﴾ جب وہ ان کے پاس آیا اور وہ اس کی مثل کلام لانے سے عاجز آ گئے (تو انہوں نے کہا کہ) ﴿إِنْ هَذَا إِلَّا أَسْحَادٌ مُّبِينٌ﴾ یہ نہیں ہے یعنی یہ حق نہیں ہے مگر کھلم کھلا جادو ہے کفار مکہ نے قرآن مجید اور امر نبوت کے متعلق یہ یقین کر لیا کہ یہ یقیناً جادو ہے پھر ان کے بارے میں یہ یقین کر لیا کہ ان کا جادو ہونا بالکل واضح اور ظاہر ہے ہر عقل مند جو ان کے بارے میں غور و فکر کرے گا وہ انہیں جادو کہے گا۔

۴۴- ﴿وَمَا آتَيْنَهُمْ مِنْ كِتَابٍ يَدْرُسُونَهَا﴾ اور ہم نے انہیں کوئی کتابیں نہیں دیں جنہیں وہ پڑھتے ہوں یعنی ہم

نے مشرکین مکہ کو کوئی کتابیں وغیرہ نہیں دیں جن کو وہ پڑھتے ہوں کہ ان میں شرک کے صحیح ہونے پر کوئی مضبوط دلیل ہو ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ تَذْوِيرٍ﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے ان کی طرف کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا جو انہیں شرک پر عذاب سے ڈراتا تا کہ وہ شرک نہ کرتے اور اس سے بچ جاتے۔

۴۵۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی طرف سے تکذیب کرنے اور جھٹلانے پر ڈرایا اور ارشاد فرمایا: ﴿وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ اور ان سے پہلے لوگوں نے تکذیب کی اور جھٹلایا یعنی کفار مکہ سے پہلے گزشتہ امتوں اور گزشتہ قوموں نے رسولوں کو اسی طرح جھٹلایا تھا جس طرح انہوں نے جھٹلایا ﴿وَمَا بَلَغُوا مِعْشَارَ مَا آتَيْنَاهُمْ﴾ اور وہ اس کے دسویں حصے کو نہیں پہنچے جو ہم نے ان کو دیا تھا یعنی اہل مکہ تو اس کے دسویں حصے کو نہیں پہنچے جو پہلے لوگوں کو طویل و لمبی عمریں اور جسمانی قوتیں اور اموال کی کثرت و فراوانی دی گئی تھیں ﴿فَكَذَّبُوا رَسُولِي﴾ سو انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا تھا تو گزشتہ جھٹلانے والے لوگوں کے لیے عذاب و ہلاکت کی صورت میں میرا انکار کیسا رہا! پس کفار مکہ کو اس طرح کے عذاب سے بچنا چاہیے یعنی جب گزشتہ قوموں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تو میرا انکار ہلاکت و تباہی کی صورت میں ان پر آ گیا اور انہیں ان کی مدد کی طلب نے کوئی فائدہ نہیں دیا تھا جن سے وہ مدد طلب کرتے تھے تو ان کفار مکہ کا کیا حال ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے ﴿فَكَذَّبُوا رَسُولِي﴾ فرمایا حالانکہ ﴿وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ کے بعد اس کی ضرورت نہیں تھی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ﴿وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ کا معنی یہ ہے کہ کفار مکہ سے پہلے لوگوں نے تکذیب کے فعل کا ارتکاب کیا اور اس پر جرم و تواقدا م کیا تو رسولوں کی تکذیب کو مسبب عنہ قرار دیا گیا اور یہ کسی کہنے والے کے اس قول کی طرح ہے کہ ”اقدم فلان علی الکفر فکفر بمحمد ﷺ“ یعنی فلاں آدمی نے کفر کرنے پر اقدام کیا تو اس نے حضرت محمد ﷺ کے ساتھ کفر کر لیا۔

قُلْ إِنَّمَا أَعْطَاكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ أَنْ تَقُومُوا لِلَّهِ مَشْنِي وَفَرَادَى نُهُ
تَتَفَكَّرُوا ۚ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِنْ جِنَّةٍ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ
عَذَابٍ شَدِيدٍ ﴿۳۶﴾ قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۚ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى
اللَّهِ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۳۷﴾

فرمادیجئے کہ بے شک میں تمہیں صرف ایک نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے دو دو اور ایک ایک کھڑے ہو جاؤ پھر غور و فکر کرو کہ تمہارے صاحب کو کوئی جنون نہیں ہے وہ تو نہیں مگر آگے آنے والے سخت ترین عذاب سے تمہیں صرف ڈرانے والے ہیں ۰ فرمائیے کہ میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا سو وہ تمہارے لیے ہے میری اجرت تو نہیں مگر صرف اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے ۰

حضور سید عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں غور و فکر کرنے کی نصیحت

۴۶۔ ﴿قُلْ إِنَّمَا أَعْطَاكُمْ بِوَاحِدَةٍ﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ بے شک میں تمہیں صرف ایک نصیحت یعنی ایک خصلت کی نصیحت کرتا ہوں پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر و تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿أَنْ تَقُومُوا﴾ کہ تم کھڑے ہو

جاؤ] یہ ”بواحدة“ کا عطف بیان ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ بدل ہے اور ان دونوں وجہوں پر یہ محلاً مجرور ہے اور بعض حضرات نے فرمایا: یہ محلاً مرفوع ہے تقدیر عبارت یہ ہے: ”ہی ان تقوموا“ وہ ایک نصیحت یہ ہے کہ تم کھڑے ہو جاؤ یا پھر یہ اس تقدیر پر منصوب ہے کہ اس سے پہلے ”اعنی“ ”مقدر ہے“ اور ان کے قیام سے مراد یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس سے اٹھ جائیں اور آپ کے مجمع سے دور ادھر ادھر چلے جائیں یا یہ کہ بیٹھنے کی بجائے کسی چیز کی طرف جانے کے ارادے سے کھڑے ہو جائیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک میں تمہیں صرف نصیحت کرتا ہوں، اگر تم نے اس پر صحیح طریقہ سے عمل کر لیا تو تم حق کو پالو گے اور تم نجات حاصل کر لو گے ”وہی ان تقوموا“ ﴿۱﴾ اور وہ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے لیے کھڑے ہو جاؤ یعنی خالص اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے کھڑے ہو جاؤ نہ حمیت و نخوت کے لیے اور نہ مذہبی تعصب دکھانے کے لیے بلکہ محض حق کی طلب میں کھڑے ہو جاؤ ﴿۲﴾ ﴿۳﴾ ﴿۴﴾ اور ایک ایک (ہو کر کھڑے ہو جاؤ) ﴿۵﴾ ﴿۶﴾ ﴿۷﴾ پھر تم حضرت سرور عالم محمد مصطفیٰ ﷺ کے معاملے میں اور جو تعلیمات آپ لے کر تشریف لائے ہیں ان کے بارے میں غور و فکر کرو، لیکن رہے دو تو وہ دونوں غور و فکر کریں اور صحیح سوچیں اور ان میں سے ہر ایک اپنی فکر و سوچ کا ما حاصل اپنے ساتھی پر پیش کرے اور وہ دونوں اس معاملہ میں عدل و انصاف اور سچ پر مبنی سوچ کے ساتھ غور و فکر کریں یہاں تک کہ سچی اور صحیح سوچ ان دونوں کو حق تک پہنچا دے گی اور اسی طرح ایک اور اکیلا شخص عدل و انصاف کے ساتھ اپنے دل میں غور و فکر کرے اور اپنی فکر و سوچ کو اپنی عقل پر پیش کرے اور دو دو اور ایک ایک کو دعوت غور و فکر دینے کی وجہ یہ ہے کہ اجتماع میں لوگوں کے دلوں میں اضطراب پیدا ہو جاتا ہے اور دینی غیرت کی وجہ سے دلوں کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں اور تعصب کی وجہ سے صحیح سوچ میں رکاوٹ آ جاتی ہے اور ایسی صورت میں انصاف کم ہو جاتا ہے اور ظلم و نا انصافی بڑھ جاتی ہے اور تعصب کا جذبہ جوش مارنے لگتا ہے جتنے منہ ہوتے ہیں اتنی باتیں ہوتی ہیں اور اپنے مذہب کی نصرت و حمایت کی وجہ سے خلاف مذہب حق بات کو سنا نہیں جاتا اور اختلاف بڑھ جاتا ہے [اور ”تتفکروا“، ”تقوموا“ پر معطوف ہے] ﴿۸﴾ ﴿۹﴾ ﴿۱۰﴾ ﴿۱۱﴾ ﴿۱۲﴾ ﴿۱۳﴾ ﴿۱۴﴾ ﴿۱۵﴾ ﴿۱۶﴾ ﴿۱۷﴾ ﴿۱۸﴾ ﴿۱۹﴾ ﴿۲۰﴾ ﴿۲۱﴾ ﴿۲۲﴾ ﴿۲۳﴾ ﴿۲۴﴾ ﴿۲۵﴾ ﴿۲۶﴾ ﴿۲۷﴾ ﴿۲۸﴾ ﴿۲۹﴾ ﴿۳۰﴾ ﴿۳۱﴾ ﴿۳۲﴾ ﴿۳۳﴾ ﴿۳۴﴾ ﴿۳۵﴾ ﴿۳۶﴾ ﴿۳۷﴾ ﴿۳۸﴾ ﴿۳۹﴾ ﴿۴۰﴾ ﴿۴۱﴾ ﴿۴۲﴾ ﴿۴۳﴾ ﴿۴۴﴾ ﴿۴۵﴾ ﴿۴۶﴾ ﴿۴۷﴾ ﴿۴۸﴾ ﴿۴۹﴾ ﴿۵۰﴾ ﴿۵۱﴾ ﴿۵۲﴾ ﴿۵۳﴾ ﴿۵۴﴾ ﴿۵۵﴾ ﴿۵۶﴾ ﴿۵۷﴾ ﴿۵۸﴾ ﴿۵۹﴾ ﴿۶۰﴾ ﴿۶۱﴾ ﴿۶۲﴾ ﴿۶۳﴾ ﴿۶۴﴾ ﴿۶۵﴾ ﴿۶۶﴾ ﴿۶۷﴾ ﴿۶۸﴾ ﴿۶۹﴾ ﴿۷۰﴾ ﴿۷۱﴾ ﴿۷۲﴾ ﴿۷۳﴾ ﴿۷۴﴾ ﴿۷۵﴾ ﴿۷۶﴾ ﴿۷۷﴾ ﴿۷۸﴾ ﴿۷۹﴾ ﴿۸۰﴾ ﴿۸۱﴾ ﴿۸۲﴾ ﴿۸۳﴾ ﴿۸۴﴾ ﴿۸۵﴾ ﴿۸۶﴾ ﴿۸۷﴾ ﴿۸۸﴾ ﴿۸۹﴾ ﴿۹۰﴾ ﴿۹۱﴾ ﴿۹۲﴾ ﴿۹۳﴾ ﴿۹۴﴾ ﴿۹۵﴾ ﴿۹۶﴾ ﴿۹۷﴾ ﴿۹۸﴾ ﴿۹۹﴾ ﴿۱۰۰﴾

تبلغ پر طلب اجرت کی نفی کا بیان

۴۷- پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ میرا محبوب ڈر سنانے پر کوئی اجرت و معاوضہ طلب نہیں کرتا، چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ﴾ (اے محبوب!) فرمادیتے تھے کہ میں تم سے نبوت و رسالت کی تبلیغ پر اور آخرت کے عذاب سے ڈرانے پر کوئی اجرت و مزدوری نہیں مانگتا ﴿فَهُوَ لَكُمْ﴾ سو وہ تمہارے لیے ہے یہ شرط کی جزا ہے اس کی تقدیر اس طرح ہے: ”أَيُّ شَيْءٍ سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ“ میں نے تم سے اجرت میں کون سی چیز مانگی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”مَا يَفْتَحِ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا“ (الفاطر: ۲) ”اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے جو رحمت کھول دے تو اسے کوئی روکنے والا نہیں“ اور اس کا معنی اور مطلب اجرت کے سوال کی بالکل مکمل نفی کرنا ہے جیسے ”مالی فی هذا فهو لك“ اس میں

رواۃ اجرت ص ۱۰، مسلم رقم الحدیث: ۸۶۷ (۳۴-۳۵) نسائی ج ۳ ص ۱۸۸ ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵

میرے لیے جو کچھ ہے سو وہ تیرے لیے ہے "ای لیس لی فیہ شیء" یعنی میرے لیے اس میں کچھ نہیں ہے ﴿وَإِنْ أَجْرِي إِلَّا عَلَى اللَّهِ﴾ میری اجرت تو صرف اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے [نافع مدنی، ابن عامر شامی، ابو عمر و اور حفص کی قراءت میں "إِنْ أَجْرِي" کی "يَا" مفتوح ہے جب کہ ان کے علاوہ قراءت میں "يَا" ساکن ہے] ﴿وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے سو وہ خوب جانتا ہے کہ میں تمہیں نصیحت کرنے اور تمہیں اس کی توحید کی طرف دعوت دینے پر اجرت وصلہ نہیں مانگتا مگر صرف اسی سے۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۳۸﴾

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۳۹﴾

فَمَا يُوحِي إِلَىٰ رَبِّي ۖ إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ ﴿۴۰﴾

فرمادیجئے کہ بے شک میرا پروردگار (میرے دل میں) حق القاء فرماتا ہے وہی غیبوں کو خوب جاننے والا ہے O فرمادیجئے کہ حق آ گیا ہے اور باطل نہ پہلی بار پیدا کرتا ہے اور نہ وہ دوبارہ مرنے کے بعد اٹھائے گا O فرمادیجئے کہ اگر بفرض حال میں گمراہ ہو جاؤں تو بے شک میرے گمراہ ہونے کا وبال صرف میری ذات پر ہوگا اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا پروردگار میری طرف وحی فرماتا ہے بے شک وہ سب کچھ سننے والا بہت نزدیک ہے O

حق و باطل کا بیان

۴۸- ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ بے شک میرا پروردگار (مجھ پر) حق القاء فرماتا ہے اور "قذف" کا معنی ہے: قرعہ اندازی کا تیر پھینکنا اور ڈالنا اور اسی طرح دفع کرنا اور رکھنا ہے پھر اسے القاء کے معنی میں لیا جاتا ہے اور اسی معنی میں یہ ارشادات ہیں: "وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ" (الاحزاب: ۲۶) "اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب و خوف ڈال دیا"۔ "أَنْ أَقْدِفِيهِ فِي التَّابُوتِ" (طہ: ۳۹) "یہ کہ تو اُسے صندوق میں ڈال دے" اور "يَقْذِفُ بِالسَّحَابِ" کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیائے کرام کی طرف حق القاء فرماتا ہے اور ان پر حق نازل فرماتا ہے یا اللہ تعالیٰ حق کے ذریعہ باطل کو دور پھینکتا ہے تو اسے مٹا دیتا ہے اور اسے تباہ و برباد کر دیتا ہے ﴿عَلَامُ الْغُيُوبِ﴾ وہ غیبوں کو خوب جاننے والا ہے [یہ اس بناء پر مرفوع ہے کہ "يقذف" کی ضمیر سے بدل ہے یا اس بناء پر مرفوع ہے کہ مبتدا محذوف کی خبر ہے "أَيُّ هُوَ عَلَامُ الْغُيُوبِ" یعنی وہ غیبوں کو خوب جاننے والا ہے]۔

۴۹- ﴿قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَوَدَّ الْبَاطِلُ أَنْ يُدْرِكَ الْحَقَّ وَرَدَّهُ اللَّهُ غَايِبًا ۚ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ حق آ گیا ہے (یعنی) دین اسلام اور قرآن مجید آ گیا ہے ﴿وَمَا يُبْدِيهِ الْبَاطِلُ وَوَدَّ أَنْ يُدْرِكَ الْحَقَّ﴾ اور باطل نہ کسی کو پہلے پیدا کرتا ہے اور نہ کسی کو دوبارہ لوٹاتا ہے یعنی باطل مٹ گیا اور ہلاک و تباہ ہو گیا کیونکہ ابتداء اور اعادہ زندہ کی صفات میں سے ہے سوان دونوں کے معدوم ہونے سے ہلاکت مراد ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "جَاءَ الْحَقُّ وَوَدَّ الْبَاطِلُ" (الاسراء: ۸۱) "حق آ گیا اور باطل مٹ گیا" اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور نبی اکرم ﷺ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ ایک درخت کی لکڑی کعبہ معظمہ کے ارد گرد نصب ہوں کو چھوٹے جاتے اور فرماتے جاتے: "جَاءَ الْحَقُّ"

وَرَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا، جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِي الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ“۔ حق آ گیا اور باطل منٹ گیا بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا، حق آ گیا اور باطل نہ پہلی بار پیدا کرتا ہے اور نہ وہ دوبارہ کرے گا۔

اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ باطل سے بت مراد ہیں اور بعض نے فرمایا کہ ابلیس مراد ہے کیونکہ وہی صاحب باطل ہے یا اس لیے کہ وہ ہلاک ہونے والا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ شیطان ”شساط“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: وہ ہلاک ہوا، کیونکہ جب کوئی ہلاک ہو جاتا ہے تو اس کے متعلق کہا جاتا ہے: ”شساط“ وہ ہلاک ہو گیا ہے یعنی شیطان کسی کو پیدا نہیں کرتا اور نہ بت کسی کو پیدا کرتے ہیں اور نہ وہ کسی کو دوبارہ اٹھائیں گے پس پیدا کرنے والا اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

گمراہی کے الزام پر کفار کو حضور ﷺ کا متواضعانہ جواب

شان نزول: جب کفار مکہ نے حضور سید عالم ﷺ کو دین اسلام کی تبلیغ کرتے ہوئے پایا تو انہوں نے آپ سے کہا کہ آپ اپنے آباء و اجداد کے دین کو ترک کر کے گمراہ ہو گئے ہیں (نعوذ باللہ من ذالك) تو اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل کی اور ارشاد فرمایا:

۵۰۔ ﴿قُلْ إِنْ ضَلَلْتُ فَإِنَّمَا أَضَلُّ عَلَىٰ نَفْسِي﴾ (اے محبوب!) فرمادیتجئے کہ بقرض محال اگر میں گمراہ ہو جاؤں تو بے شک میری گمراہی کا وبال میری ذات پر ہوگا یعنی بقرض محال اگر میں گمراہ ہو جاؤں تو یہ گمراہی میری طرف سے ہوگی اور اس کا وبال بھی مجھ پر ہوگا ﴿وَإِنْ اهْتَدَيْتُمْ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ تَقِي﴾ اور اگر میں ہدایت پر ہوں (اور یقیناً ہوں) تو یہ اس لیے ہے کہ میرا پروردگار میری طرف وحی نازل فرماتا ہے، سو اسی نے میری طرف وحی بھیج کر مجھے ہدایت پر گامزن فرمادیا اور تقابل کا تقاضا تو یہ تھا کہ یوں کہا جاتا: ”(وَإِنْ اهْتَدَيْتُمْ) فانما اهتدی لها“ اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو بلاشبہ میں صرف اپنی ذات کے لیے ہدایت پر ہوں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ”فَمَنْ اهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا“ (الزمر: ۳۱) ”سو جس نے ہدایت حاصل کی تو اپنے فائدے کے لیے اور جو گمراہ ہوا تو بلاشبہ وہ صرف اپنی ذات پر گمراہی کا وبال ڈالتا ہے“ اور لیکن یہ دونوں معنوی طور پر ایک دوسرے کے متقابل ہیں کیونکہ ہر وہ چیز جو نفس پر پڑے گی اور اس کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگی تو وہ اسی کی وجہ سے ہوگی اور اسی کے سبب ہوگی اس لیے کہ نفس ہی برائی کا حکم دینے والا ہے اور مفید و نافع چیزوں میں جو چیز اس کے لیے فائدہ مند اور نفع بخش ہوگی تو وہ صرف اس کے رب تعالیٰ کی عطا کردہ ہدایت اور اس کی توفیق کی وجہ سے ہوگی اور یہ حکم ہر مکلف کے لیے عام ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے مکرم و معظم اور اپنے معصوم و محترم رسول کو حکم دیا کہ آپ اسے اپنے نفس کی طرف منسوب کریں کیونکہ رسول اکرم ﷺ جلیل القدر اور عظیم المرتبہ ہونے کے باوجود اور سیدھے راستے پر گامزن ہونے کے باوجود جب آپ اس کے حکم کے تحت داخل ہیں تو آپ کے علاوہ دوسرے بطریق اولیٰ اس حکم میں داخل ہیں ﴿إِنَّهُ سَمِيعٌ﴾ بے شک وہ (اللہ تعالیٰ) ان تمام باتوں کو خوب سننے والا ہے جو میں تم سے کہتا رہتا ہوں ﴿قَرِيبٌ﴾ وہ میرے اور تمہارے سب کے نزدیک ہے، وہ مجھے بھی جزائے خیر عطا فرمائے گا اور وہ تمہیں بھی سزا دے گا۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ قُضِعُوا فَلَأْخُوتًا وَأَخْدُوا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ۗ وَقَالُوا آمَنَّا

رواہ احمد ج ۱ ص ۷۷ ۳ البخاری رقم الحدیث: ۲۳۷۸ مسلم رقم الحدیث: ۱۷۸۱

بِهِ وَأَنِّي لَهُمُ التَّنَافُوسُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ﴿۵۱﴾ وَقَدْ كَفَرُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ وَيَقْدِرُونَ

بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ﴿۵۲﴾ وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا فُعِلَ

بِأَشْيَاءِ عِهِمْ مِنْ قَبْلُ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مُرِيبٍ ﴿۵۳﴾

اور کاش! آپ کفار کو اس وقت دیکھتے جب وہ گھبرارے ہوں گے اور بھاگ نہیں سکیں گے اور انہیں نزدیکی جگہ سے پکڑ لیا جائے گا O اور وہ کہیں گے: ہم اس پر ایمان لائے اور انہیں اتنی دور کی جگہ سے ایمان کیسے حاصل ہو سکتا ہے O اور بے شک وہ اس سے پہلے اس کے ساتھ کفر کر چکے تھے اور وہ بہت دور کی جگہ سے غیب کے متعلق بدگمانی کی جھوٹی باتیں کرتے تھے O اور (اس روز) ان کے درمیان اور اس چیز کے درمیان جسے وہ چاہتے ہوں گے ایک پردہ ڈال دیا جائے گا جیسا کہ اس سے پہلے ان جیسے کفار کی جماعتوں کے ساتھ کیا گیا ہے شک وہ تردد میں ڈالنے والے شک میں پڑے ہوئے تھے O

کفار کی ندامت و گھبراہٹ کا بیان

۵۱- ﴿وَلَوْ تَرَىٰ﴾ اور کاش! آپ دیکھتے [اس کا جواب محذوف ہے] یعنی اگر آپ اس وقت دیکھتے تو البتہ بہت بڑا ہولناک معاملہ اور بہت دہشت ناک معاملہ دیکھتے ﴿إِذْ فَزِعُوا﴾ جب وہ لوگ مرنے کے بعد قیامت کے روز قبروں سے اٹھتے وقت یا موت کے وقت مضطرب و پریشان اور گھبرائے ہوئے ہوں گے یا پھر جب وہ غزوہ بدر کے دن خوف کے مارے گھبرائے ہوئے تھے ﴿فَلَا فُوتُ﴾ سو وہ بھاگ نہیں سکیں گے یا وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ نہیں سکیں گے اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نکل سکیں گے ﴿وَأُخِذُوا﴾ اور انہیں پکڑ لیا جائے گا [یہ ”فزعوا“ پر معطوف ہے] یعنی جب وہ مضطرب و گھبرائے ہوئے ہوں گے اور انہیں پکڑ لیا جائے گا تو اس وقت ان کے لیے کوئی جائے فرار نہیں ہوگی [یا یہ ”فلا فوت“ پر معطوف ہے] اس صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا کہ جب وہ گھبرائے ہوئے ہوں گے تو وہ بچ نہیں سکیں گے اور انہیں پکڑ لیا جائے گا ﴿مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ﴾ نزدیک کی جگہ سے یعنی موقف سے پکڑ کر دوزخ کی آگ کی طرف لے جائے گا جب وہ قبروں سے اٹھیں گے یا جب وہ مریں گے تو انہیں زمین کی اوپر کی سطح سے زمین کی گہرائی میں لے جایا جائے گا یا بدر کے صحرا سے اس کے قلب نامی کنویں میں پھینک دیا جائے گا۔

۵۲- ﴿وَلَوْ أَمَنَّا بِهِ﴾ اور جب وہ لوگ عذاب کو دیکھیں گے تو کہیں گے: ہم اس پر ایمان لاتے ہیں (یعنی) ہم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لاتے ہیں کیونکہ آپ کا ذکر ”مَا بَصَّاحِبِكُمْ مِنْ جَنَّةٍ“ (سبا: ۳۶) میں گزر چکا ہے یا یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں ﴿وَأَنِّي لَهُمُ التَّنَافُوسُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ﴾ اور انہیں دور کی جگہ سے ایمان لانا کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ ”التنافوس“ کا معنی ہے: کسی چیز کو پانا اور حاصل کرنا یعنی وہ توبہ کیونکر پائیں گے اور کیسے حاصل کریں گے حالانکہ وہ ان سے بہت دور ہو چکی ہے مقصد یہ ہے کہ بے شک توبہ تو ان کی طرف سے دنیا میں قبول کی جاتی تھی اور وہ یقیناً گزر چکی ہے اور آخرت سے بہت دور ہو گئی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ ان کی ایسی طلب کی تمثیل ہے جو حاصل نہیں ہو سکتی اور وہ یہ ہے کہ اس وقت بھی انہیں ان کا ایمان لانا اس طرح نفع اور فائدہ دے جس طرح مسلمانوں کو دنیا میں ان کے ایمان نے فائدہ دیا اور ان کے حال کی اس شخص کے حال کے ساتھ مثال دی گئی ہے جو چاہتا ہے کہ وہ دور سے ایک چیز حاصل کر لے

جس طرح دوسرا شخص صرف ایک ہاتھ کی مقدار کے فاصلہ سے کسی چیز کو حاصل کرتا ہے [امام حفص کے علاوہ دیگر اہل کوفہ اور ابو عمرو کی قراءت میں ہمزہ کے ساتھ "التناؤش" ہے اور یہ ہمزہ واؤ سے تبدیل کیا گیا ہے کیونکہ ہر وہ واؤ جو مضموم ہو اور اس کا ضمہ لازمی ہو تو تمہیں اختیار ہے چاہو تو اسے ہمزہ سے بدل دو اور اگر چاہو تو نہ بدلو جیسے "أَدْوْرٌ وَتَقَاوْمٌ" ہے اور اگر چاہو تو "أَدْوْرٌ" اور "تَقَاوْمٌ" کہہ دو اور ثعلب نے کہا: "التناؤش" ہمزہ کے ساتھ ہو تو معنی ہوگا: دور سے حاصل کرنا اور "التناؤش" بغیر ہمزہ کے ہو تو پھر معنی ہوگا: نزدیک سے حاصل کرنا]۔

۵۳- ﴿وَقَدْ كَفَرْنَا بِهِ مِنْ قَبْلُ﴾ اور بے شک وہ اس سے پہلے (یعنی) عذاب دیکھنے سے پہلے یا پھر دنیا میں وہ آپ کے ساتھ کفر کر چکے تھے ﴿وَيَقْدِفُونَ بِالْغَيْبِ﴾ اور وہ بن دیکھے تیر پھینکتے ہیں [یہ "قد کفروا" پر معطوف ہے اور یہ ماضی کے حال کی حکایت ہے] یعنی وہ لوگ (دنیا میں) غیب کے بارے میں باتیں کرتے تھے یا غائب چیز کے بارے میں باتیں کرتے تھے چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ مرنے کے بعد نہ اٹھنا ہوگا اور نہ قیامت برپا ہوگی اور نہ حساب و کتاب ہوگا اور نہ ہی جنت بنی ہے اور نہ دوزخ بنی ہے ﴿مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ﴾ دور کی جگہ سے یعنی سچ سے یا حق سے یا راہ راست سے دور یا پھر ان کا رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ کہنا مراد ہے کہ (نعوذ باللہ) آپ شاعر، ساحر و جادوگر اور کذاب و جھوٹے ہیں اور یہ امر مخفی اور غیب کی گفتگو ہے کیونکہ انہوں نے آپ کو نہ جادو کرتے دیکھا اور نہ شعر و اشعار پڑھتے دیکھا اور نہ آپ کو جھوٹ بولتے دیکھا لیکن انہوں نے آپ کے حال اور مرتبہ و شان سے بہت دور بن دیکھے غیب کی یہ باتیں کہنا شروع کر دیں اس لیے کہ یہ بہت بعید بات ہے کہ آپ قریش مکہ کے سامنے جادو اور اشعار پیش کریں اور آپ کی عادت مبارکہ جو اہل مکہ کے درمیان مشہور و معروف اور مجرب تھی اس سے بہت بعید بات ہے کہ آپ ان کے سامنے جھوٹ بولتے [اور ابو عمرو کی قراءت میں "وَيَقْدِفُونَ" بنی بر مفعول ہونے کی بناء پر فعل مجہول ہے] یعنی کفار کے پاس ان کے شیاطین غیب کی باتیں لاتے اور وہی انہیں اس کی تلقین کرتے تھے اور اگر تم چاہو تو اس کو ارشاد باری تعالیٰ "وَقَالُوا آمَنَّا بِهِ" کے متعلق کر دو اس بناء پر یہ ان کی طلب کی تمثیل بیان کی گئی ہے کہ وہ آخرت میں "آمَنَّا" ہم ایمان لائے کہہ کر دنیا میں جو انہوں نے ایمان کو معطل کر دیا تھا اس کو حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اور یہ مطلب اس شخص کے لیے ناممکن ہے جو دنیا میں بن دیکھے دور کی جگہ سے تیر تکے چلاتا رہا اور اٹکل بچو سے باتیں بناتا رہا اور ظن و گمان کو اس کے ساتھ لاحق کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ یہ اس سے بہت بعید اور غائب ہے اور یہ جائز ہے کہ "آمَنَّا بِهِ" کی ضمیر کو عذاب شدید کی طرف لوٹایا جائے جو ارشاد باری تعالیٰ: "بَيْنَ يَدَيَّ عَذَابٍ شَدِيدٍ" (سبا: ۲۶) میں بیان کیا گیا ہے۔ اور وہ لوگ آخرت کے معاملے کو دنیا کے معاملے پر قیاس کرتے ہوئے کہا کرتے تھے: اگر معاملہ اسی طرح ہو جس طرح تم بیان کرتے ہو کہ قیامت برپا ہوگی اور عذاب و ثواب ہوگا تو پھر ہمیں عذاب نہیں ہوگا کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت مکرم و معظم ہیں سو یہ تھا ان کی طرف سے غیب کی بات کرنا اور یہ واقعی غیب ہے اور اسے بہت دور کی سمت سے پھینکا گیا ہے کیونکہ دارالجزاء (آخرت) کو دارالتکلیف (دنیا) پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

۵۴- ﴿وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ﴾ اور ان کفار کے درمیان اور ان کی خواہش و چاہت کے درمیان ایک پردہ ڈال دیا جائے گا (اور قیامت کے روز ان کی چاہت یہ ہوگی کہ) اس روز ان کا ایمان لانا مفید ثابت ہو اور دوزخ کے عذاب سے نجات حاصل ہو جائے اور جنت میں دخول کی کامیابی حاصل ہو جائے یا یہ کہ انہیں دنیا کی طرف واپس بھیج دیا جائے جیسا کہ (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ میں ان کی طرف سے حکایت بیان کی گئی ہے کہ "وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا

رُؤسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ ۝ (السجده: ۱۲) ”اور کاش! آپ اس وقت مشرکوں کو ملاحظہ فرماتے جب وہ اپنے پروردگار کے پاس اپنے سروں کو جھکائے ہوئے ہوں گے (اور عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! (اب) ہم نے دیکھ لیا ہے اور سن لیا ہے سو آپ ہمیں واپس دنیا میں بھیج دیں تاکہ ہم نیک عمل کریں بے شک ہمیں یقین آ گیا ہے ۝ اور وہ افعال جو (فعل باضی کی صورت میں بیان کیے گئے ہیں وہ) یہ ہیں: ”فَبِزِعُوا“ اور ”أُخِذُوا“ اور ”حِيلَ“ یہ سب ایک معنی کے لیے ہیں اور ان سب سے مستقبل کا معنی مراد ہے کیونکہ ان کا تحقق ضرور وقوع پذیر ہوگا ﴿كَمَا فَعَلْنَا بِأَشْيَاءِ عِبَادِنَا قَبْلُ﴾ جس طرح اس سے پہلے ان جیسے کفار کے ساتھ کیا گیا ﴿إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ﴾ بے شک وہ لوگ بھی رسولوں اور مرنے کے بعد اٹھنے کے معاملے میں شک میں مبتلا تھے ﴿قُرَيْبٍ﴾ تردد میں ڈالنے والا نیز ”من ارا به“ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی کو شک میں ڈال دے۔ یہ کلام پاک اس شخص کا رد کر رہا ہے جس نے گمان کر لیا کہ اللہ تعالیٰ شک پر عذاب نہیں دے گا۔

فَاطِرُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

سورہ فاطر کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۝ اس کی پینتالیس آیات پانچ رکوع ہیں

أَحْمَدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا أُولِي أَجْنِحَةٍ

مَّثْنَى وَثُلَاثَ وَرِيعٍ طَزِيدٍ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ①

مَا يَفْتَحِ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكُ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ

مِنْ بَعْدِهَا ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ②

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو آسمانوں اور زمین کو از سر نو پیدا کرنے والا فرشتوں کو رسول بنانے والا ہے جو دو دو اور تین تین اور چار چار پروں والے ہیں وہ پیدائش میں جو چاہتا ہے زیادہ کرتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ۝ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے جو رحمت کھول دیتا ہے تو اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جس چیز کو وہ روک لیتا ہے تو اس کے بعد اسے کوئی چھوڑنے والا نہیں اور وہ بہت غالب بڑا حکمت والا ہے ۝

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور کفار کے تکذیبی رویہ کا بیان

۱۔ ﴿أَحْمَدُ لِلَّهِ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اپنی حمد و ثناء کرنے کی تعلیم دینے اور اپنی عظمت کے اظہار کے لیے اپنی ذات کی خود تعریف بیان فرمائی ﴿فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ وہ آسمانوں اور زمین کو سب سے اور ان کو بغیر مادہ و نقشہ کے پیدا کرنے والا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں ”فاطر“ کا معنی نہیں سمجھتا تھا یہاں تک کہ ایک دفعہ دو اعرابی ایک کنویں کے بارے میں میرے پاس اپنا جھگڑا لے کر آئے اور ان میں سے ایک نے کہا: ”أَنَا فَطَرْتُهَا أَيُّ ابْتَدَأْتُهَا“ میں نے اسے کھودا ہے یعنی سب سے پہلے ابتداء میں میں نے اسے بنایا ہے ﴿جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا﴾ وہ

فرشتوں کو اپنے مخصوص بندوں کی طرف رسول اور پیغام بر بنانے والا ہے (جو بہ ذریعہ وحی اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے نبیوں اور رسولوں کی طرف پہنچاتے تھے) ﴿أُولَئِكَ أَجْنَحَةٌ مَّتَنَّى وَثَلَاثٌ دَرَجَاتٌ﴾ دو دو اور تین تین اور چار چار پروں والے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ فرشتوں میں سے ایک گروہ ایسا ہے جس کے دو دو پر ہیں، یعنی ان میں سے ہر ایک کے دو دو پر ہیں اور ایک گروہ کے تین تین پر ہیں اور ممکن ہے کہ تیسرا پر دو پروں کے درمیان پشت کے وسط میں ہو اور ان دونوں کو قوت کے ساتھ دراز کرتا ہو اور ایک گروہ کے چار چار پر ہیں [”اولو“، ”ذو“ کا اسم جمع ہے اور یہ ”رسلا“ سے بدل ہے یا اس کی صفت ہے اور ”اجنحة“، ”جنح“ کی جمع ہے اور ”مثنیٰ و ثلاث و رباع“ تینوں ”اجنحة“ کی صفات ہیں اور منصرف صرف اس لیے نہیں کہ ان میں عدل مکرر ہے اور یہ اس لیے کہ یہ تینوں اسماء اعداد کے الفاظ سے ایک صیغے سے دوسرے کی طرف معدول کیے گئے ہیں (”اثنان“ سے ”مثنیٰ“ اور ”ثلاثة“ سے ”ثلاث“ اور ”اربعة“ سے ”اربعة“ سے ”رباع“ کی طرف عدول کیا گیا) جیسا کہ عمر عامر سے معدول ہے اور یہ اسماء تکرار سے غیر تکرار کی طرف معدول کیے گئے ہیں ﴿يَزِيدُنِي الْخَلْقَ مَا يَشَاءُ﴾ وہ پیدائش میں جو چاہتا ہے زیادہ کر دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ پروں اور دیگر چیزوں میں جو چاہتا ہے زیادہ کر دیتا ہے۔

اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ تخلیق میں اضافے کا مطلب ہے: خوب صورت چہرہ خوب صورت آواز خوب صورت نال، خوب صورت تحریر اور آنکھوں میں ملاحظت ہو اور یہ آیت مبارکہ مطلق تخلیق میں ہر قسم کے اضافہ کو شامل ہے، مثلاً دراز قد ہونا اور شکل و صورت کا معتدل ہونا اور صائب الرائے ہونا اور زبان میں روانگی ہونا اور مسلمانوں کے دلوں میں محبت اور اس جیسی دیگر چیزیں ﴿إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

۲۔ ﴿مَا يَفْتَحِ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ﴾ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے جو رحمت کھول دیتا ہے۔ ”رحمة“ میں عموم پیدا کرنے اور اسے مبہم رکھنے کے لیے نکرہ لایا گیا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”من آية رحمة“ کوئی رحمت ہو خواہ وہ رزق ہو یا بارش ہو یا صحت ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز ہو ﴿فَلَا مُمْسِكَ لَهَا﴾ سوا سے کوئی روکنے والا نہیں (یعنی) کوئی شخص اس کے روکنے اور اس کو بند کرنے پر قدرت و اختیار نہیں رکھتا اور ”فتح“ کا لفظ اطلاق و ارسال (چھوڑنے اور کھولنے) کے لیے بطور استعارہ لایا گیا ہے جیسا کہ اس ارشاد سے واضح ہو جاتا ہے کہ ﴿وَمَا يُنْسِكُ فَلَا مُمْسِكَ لَهُ مِنْ بَعْدِهَا﴾ اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ روک دیتا ہے (یعنی) منع کر دیتا ہے اور بند کر دیتا ہے تو پھر اس کے روک لینے کے بعد کوئی شخص اسے چھڑانے والا نہیں ہوتا [اور ”فلا ممسك لها“ میں مؤنث کی ضمیر لائی گئی ہے جو شرط کے معنی پر مشتمل اسم کی طرف لوٹی ہے رحمت کے معنی کے لیے پھر اس کو مذکر بیان کیا مرجوع الیہ کے لفظ پر محمول کرنے کیونکہ اس میں تانیث نہیں ہے اس لیے پہلے رحمت کی وضاحت و تفسیر کی گئی ہے پس تفسیر و توضیح ضمیر کی اتباع میں عمدہ ہوتی ہے اور دوسرے کی تفسیر نہیں کی گئی، سوا صل تذکیر پر چھوڑ دیا گیا ہے]۔

۱۔ امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت نقل کی آپ نے ارشاد باری تعالیٰ ”لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ“ ”بے شک حضور نے اپنے رب تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھی ہیں“ کی تفسیر میں فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا جن کے چہ سوپر تھے۔ علامہ جابر اللہ زعزوری نے بعض کتب کے حوالے سے بیان کیا کہ فرشتوں کی ایک قسم کے چہ پر ہوتے ہیں دو پروں کے ساتھ وہ اپنے جسموں کو لپیٹ لیتے ہیں اور وہ دو پروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے امور میں سے کسی امر کے لیے اڑتے ہیں اور وہ دو پروں کو اللہ تعالیٰ سے شرم و حیا کی بناء پر اپنے چہروں پر لٹکائے رہتے ہیں۔ (ماخوذ از تفسیر روح المعانی الجزء الثانی والعشرون ص ۱۶۳، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مرفوع حدیث بیان کی گئی کہ اللہ تعالیٰ کا دستِ رحمت اس امت پر اس وقت تک کشادہ اور کھلا رہے گا جب تک اس امت کے بہترین افراد بدترین لوگوں کے ساتھ نرمی نہیں کریں گے اور اس کے نیک و پرہیزگار حضرات اس کے بُرے اور نافرمان لوگوں کی تعظیم نہیں کریں گے اور علماء و قراء اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں حکام بالا کی مدد نہیں کریں گے۔ سو جب یہ حضرات ایسے کام کریں گے تو اللہ تعالیٰ اپنا دستِ رحمت و شفقت ان سے چھین لے گا۔ (احیاء العلوم للقرنی ج ۲ ص ۱۵۰) ﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ﴾ اور وہ اپنی رحمت کے بھیجے اور روکنے پر پوری طرح قادر و غالب ہے ﴿الْحَكِيمُ﴾ بہت بڑا حکمت والا ہے وہی بھیجتا اور روکتا ہے جس کے بھیجے اور روکنے کا حکمت تقاضا کرتی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرِ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ

مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاِنِّي تَوَفُّكُونَ ﴿۳﴾ وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ

كَذَّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ وَاللَّهُ تُرْجِعُ الْأُمُورَ ﴿۴﴾

اے لوگو! تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق ہے جو آسمان اور زمین سے تمہیں رزق عطا کرتا ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، سو تم کدھر بھٹکتے پھر رہے ہو O اور اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو بے شک آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو جھٹلایا جا چکا ہے اور تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں O

۳- ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ﴾ اے لوگو! تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو زبان سے بھی اور دل میں بھی یاد کیا کرو اور یہ وہ نعمتیں ہیں جن کا پہلے ذکر گزر چکا ہے جیسے پھونے کی طرح زمین کو پھیلا نا، بچھانا اور آسمان کو بغیر ستون کے بلند کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے اور اس کا قرب حاصل کرنے کی راہوں کو بیان کرنے کے لیے رسولوں کو بھیجنا اور تخلیق میں سب سے بڑی نعمت پر تشبیہ فرمائی اور وہ ہے منعم و محسن کا واحد لاشریک ہونا، چنانچہ فرمایا: ﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرِ اللَّهِ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور خالق ہے؟ [غیر] اپنے موصوف کے محل کے اعتبار سے مرفوع ہے کیونکہ خالق مبتدا ہے اس کی خبر موصوف ہے اور وہ ”لکم“ ہے اور علی کسائی اور حمزہ کی قراءت میں ”غیر“ کو اپنے موصوف کے لفظ پر محمول کر کے مجرور پڑھا گیا کیونکہ ”خالق“ حرف ”من“ کی وجہ سے لفظاً مجرور ہے [﴿يُرْزُقُكُمْ﴾ جو تمہیں رزق دیتا ہے] یہ بھی جائز ہے کہ یہ جملہ مستانہ ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ خالق کی صفت ہو یعنی کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمہیں رزق دیتا ہے [﴿مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾ آسمان سے بارش کے ذریعے اور زمین سے کھیتی باڑی اور دیگر مختلف اقسام کے نباتات کے ذریعے ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ﴾ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں] یہ جملہ مفصولہ ہے اس کا اعراب کے محل سے کوئی تعلق نہیں [﴿فَاِنِّي تَوَفُّكُونَ﴾ سو تم کس وجہ سے توحید سے منہ موڑ کر شرک کی طرف پھرے جا رہے ہو۔

۴- ﴿وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ﴾ اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو بے شک آپ سے پہلے

بہت سے رسولوں کو جھٹلایا جا چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ کے ذریعہ قریش مکہ پر طعن فرما کر ان کے متعلق خبر دی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا بہت بُرے طریقے سے سامنا کیا اور انہوں نے آیاتِ الہیہ کی تکذیب کی اور انہیں جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محترم و مکرم رسول اکرم کو تسلی دی کہ آپ سے پہلے کے انبیائے کرام علیہم السلام میں آپ کے لیے نمونہ موجود ہے اور اسی لیے ”رُسُلٌ“ کو نکرہ لایا گیا ہے یعنی بہت بڑی اور کثیر تعداد والے آیات لانے اور ڈرانے والے بڑی

طویل و لمبی عمریں پانے والے اور بڑے صبر و استقلال اور عزم و ہمت والے رسولوں کی تکذیب کی گئی، مگر انہوں نے صبر کیا، اس لیے آپ کو تسلی دی گئی ہے اور تقدیر کلام یہ ہے: ”وان یکذبوک فتاس بتکذیب الرسل من قبلک“ اور اگر کفار مکہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو آپ اپنے سے پہلے انبیاء و رسل کی تکذیب و جھٹلانے کے ذریعے صبر کیجئے [کیونکہ جزاء شرط کے بعد ہوتی ہے اور اگر اسے ظاہر پر جاری رکھا جائے تو جزاء شرط پر سابق ہو جائے گی] پس ”فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ“ کو ”فتاس“ کی جگہ رکھا گیا ہے کہ سبب کے ذریعے مستب سے بے نیازی مل گئی ہے یعنی تکذیب کے ذریعے ”تاسی“ سے بے نیازی مل گئی ہے [﴿وَاللّٰهُ تَجْعَلُ الْاُمُوْر﴾ اور تمام کام اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ تمام کام اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ جاتے اور جھٹلائے گئے رسولوں اور نبیوں کو جزائے خیر عطا کرنے اور جھٹلانے والے کفار کو سزا دینے کی وجہ سے یہ کلام وعدہ اور وعید دونوں پر مشتمل ہے [ابن عامر شامی، حمزہ، علی کسائی، خلف یعقوب اور سہل کی قراءت میں ”تَا“ مفتوح (”تَرْجِعُ“ فعل مضارع معروف) ہے]۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمُ

بِاللَّهِ الْغُرُورُ ۝ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوا عَدُوًّا لَّكُمْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيُكَفِّرَنَّ

عَنْ أَسْوَاقِ الْغُلَامِ ۝

اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے سو دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں تمہیں کوئی فریب دینے والا فریب میں نہ ڈال دے ۝ بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تم اس کو دشمن سمجھو بے شک وہ اپنے گروہ کو صرف اس لیے بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخ والوں میں سے ہو جائیں ۝

شیطان کی فریب کاری پر انسانوں کو تنبیہ

۵۔ ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ﴾ اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے (یعنی) مرنے کے بعد اٹھنے اور نیکیوں پر جزا اور برائیوں پر سزا کا وعدہ سچا ہے ضرور ہو کر رہے گا ﴿فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا﴾ سو تمہیں دنیا کی زندگی غرور میں نہ ڈال دے (یعنی) پس تمہیں دنیا دھوکے میں نہ ڈال دے اور دنیا کی عیاشی اور اس کے فوائد و منافع کی رنگینیاں اور لذتیں تمہیں آخرت کے عمل سے اور اللہ تعالیٰ کے پاس دائمی نعمتوں کی طلب سے غافل و بے خبر نہ کر دیں ﴿وَلَا يَغُرَّنَّكُمُ بِاللَّهِ الْغُرُورُ﴾ اور تمہیں کوئی فریب دینے والا اللہ تعالیٰ کے بارے میں فریب میں نہ ڈال دے یعنی شیطان تمہیں اللہ تعالیٰ کے متعلق دھوکے میں نہ ڈال دے کیونکہ وہ تمہیں جھوٹی امیدیں دلاتا ہے اور کہتا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری عبادت و ریاضت سے اور تمہیں عذاب میں ڈالنے سے بے نیاز و بے پروا ہے۔

۶۔ ﴿إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ﴾ بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے جس کی عداوت و دشمنی ظاہر ہے تمہارے باپ (حضرت آدم علیہ السلام) کے ساتھ اس نے جو کچھ کیا وہ کیا، لیکن تم اس کے ساتھ اس شخص کی طرح معاملہ کرتے ہو جیسے اس کے حال کا کچھ علم نہیں ہے ﴿فَاتَّخِذُوا عَدُوًّا﴾ سو تم اپنے عقائد اور اپنے افعال میں اسے دشمن بنائے رکھو اور وہ تم سے اس کے سوا اور کوئی روئے نہ پائے جو صرف اس کی عداوت و دشمنی پر دلالت کرتا ہو خواہ تمہارے معاملات پوشیدہ ہوں یا علانیہ ہوں پھر اللہ تعالیٰ نے شیطان کی پوشیدہ کارروائی کا خلاصہ بیان کیا اور اس کی پیروی کرنے والے کی غلطی کا اظہار کیا کہ شیطان کی

غرض و غایت جس کو وہ اپنے گروہ کو دعوت دینے میں پیش نظر رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ انہیں ہلاکت کے گھاٹ میں اتار دے چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّمَا يَدْعُوا حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنَ الْمُضِلِّينَ﴾ بے شک شیطان اپنے گروہ کو صرف اس لیے دعوت دیتا ہے تاکہ وہ دوزخ والوں میں سے ہو جائیں۔

الَّذِينَ كَفَرُوا وَاللَّهُ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ
مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿۷﴾ أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا فَإِنِ اتَّخَذَ
يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ فَلَا تَذْهَبُ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَتٍ
إِنِ اتَّخَذَ عَلَيْهِمْ مِثْرًا يَصْنَعُونَ ﴿۸﴾

جنہوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے ان کے لیے سخت ترین عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے مغفرت و بخشش اور بہت بڑا ثواب ہے۔ سو کیا وہ شخص جس کے بُرے عمل کو اس کے لیے خوش نما کر دیا گیا ہو اور وہ خود بھی اسے نیک عمل خیال کرتا ہو (تو کیا وہ ہدایت یافتہ کی طرح ہو سکتا ہے ہرگز نہیں) سو بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہی پر ڈال دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اسے ہدایت عطا فرما دیتا ہے پس آپ کا دل ان (کی گمراہی) پر غم ناک نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

۷- ﴿الَّذِينَ كَفَرُوا وَاللَّهُ عَذَابٌ شَدِيدٌ﴾ جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ان کے لیے سخت عذاب ہے یعنی سو جس نے شیطان کی دعوت کو قبول کر لیا اور کافر ہو گیا جب اس نے اسے دعوت دی تو ایسے شخص کے لیے سخت عذاب ہے کیونکہ ایسا شخص اس کے گروہ میں سے ہو گیا یعنی اس کے پیروکاروں میں سے ہو گیا ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ اور جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اور انہوں نے شیطان کی نہ دعوت قبول کی اور نہ اس کے گروہ میں شامل ہوئے بلکہ انہوں نے اس کو اپنا دشمن قرار دیا ﴿لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ﴾ ان کے لیے مغفرت و بخشش اور بہت بڑا اجر و ثواب ہے اس لیے کہ انہوں نے بہت بڑا جہاد کیا ہے۔

۸- اور جب اللہ تعالیٰ نے دو فریقوں (مسلم و کافر) کا ذکر فرمایا تو اپنے نبی کریم ﷺ سے ارشاد فرمایا: ﴿أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا﴾ سو کیا جس شخص کے بُرے عمل کو اس کے لیے خوش نما بنا دیا گیا ہو اور وہ اس کو شیطان کے راستہ کرنے اور خوش نما بنانے کی وجہ سے نیک عمل خیال کرتا ہو اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کے لیے راستہ نہیں بنایا گیا گویا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿فَإِنِ اتَّخَذَ يَضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ فَلَا تَذْهَبُ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَتٍ﴾ سو بے شک اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت عطا فرما دیتا ہے پس آپ کا دل ان پر حسرت ناک نہ ہو اور علامہ زجاج نے ذکر کیا کہ مطلب یہ ہے کہ کیا وہ شخص جس کے بُرے عمل اس کے لیے راستہ کر دیئے گئے اس پر آپ کا دل افسوس ناک ہوتا ہے؟ جواب کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ اس پر ”فَلَا تَذْهَبُ نَفْسُكَ“ دلالت کر رہا ہے یا یہ معنی ہے کہ تو کیا وہ شخص جس کے بُرے عمل اس کے لیے راستہ کر دیئے گئے وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا کی ہے سو جواب حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ اس پر ”فَإِنِ اتَّخَذَ يَضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي“

مَنْ يَشَاءُ“ دلالت کر رہا ہے [یزید کی قراءت میں ”فَلَا تَذْهَبُ نَفْسُكَ“ (باب افعال سے) ہے یعنی آپ اپنے آپ کو ہلاک نہ کر دیں ”خسرات“ مفعول لہ ہے یعنی آپ اپنے آپ کو حسرت و غم کی وجہ سے ہلاک نہ کر دینا اور ”علیہم“ ”تذہب“ کا صلہ ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: ”هَلِكٌ عَلَيْهِ حَبًا وَمَاتَ عَلَيْهِ حَزْنًا“ فلاں شخص اس پر محبت و عشق کی وجہ سے ہلاک ہو گیا ہے اور فلاں آدمی اس پر غم و رنج کی وجہ سے ہلاک ہو گیا ہے اور ”علیہم“ ”حسرت“ کے متعلق کرنا جائز نہیں کیونکہ مصدر کا صلہ اس سے پہلے نہیں آتا ﴿إِنَّ اللَّهَ عَلَيْهِمْ بِمَا يَصْنَعُونَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ یہ کلام ان کے لیے ان کی بُری کارکردگی پر سزا دینے کی وعید (یعنی دھمکی) ہے۔

وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ فَتُبْدِرُ سَحَابًا فَأَسْقِيَنَّ إِلَىٰ بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَحْيَيْنَا بِهِ الْأَرْضَ
بَعْدَ مَوْتِهَا ۗ كَذَلِكَ النُّشُورُ ۙ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ اللَّهَ الْعِزَّةَ جَمِيعًا ۗ إِلَيْهِ
يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ۗ وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ السَّيِّئَاتِ لَهُمْ
عَذَابٌ شَدِيدٌ ۗ وَمَكْرُ أُولَٰئِكَ هُوَ يُبْوَرُ ۙ

اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے ہواؤں کو بھیجا، سو وہ بادل کو اٹھلاتی ہیں، پھر ہم اس کو مردہ شہر کی طرف روانہ کر دیتے ہیں، پھر ہم اس کے ذریعے زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ کر دیتے ہیں، اسی طرح مرنے کے بعد اٹھنا ہے ۰ جو شخص عزت چاہتا ہے تو تمام عزت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، پاکیزہ کلمے اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور جو نیک عمل ہے اسے اللہ تعالیٰ بلند کر دیتا ہے اور جو لوگ برائیوں کی سازشیں کرتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اور انہیں کی سازش تباہ ہوگی ۰

اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور بتوں کی بے بسی کا بیان

۹- ﴿وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ﴾ اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے [ابن کثیر کی حمزہ اور علی کسائی کوئی کی قراءت میں ”الریح“ ہے] ﴿فَتُبْدِرُ سَحَابًا فَأَسْقِيَنَّ إِلَىٰ بَلَدٍ مَّيِّتٍ﴾ سو وہ بادل کو اٹھلاتی ہیں تو ہم اس کو مردہ شہر کی طرف روانہ کر دیتے ہیں [نافع مدنی حمزہ علی کسائی اور حفص کی قراءت میں ”میت“ کی ”یا“ مشدد ہے جب کہ ان کے علاوہ کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ ”یا“ ساکن ہے] ﴿فَأَحْيَيْنَا بِهِ الْأَرْضَ﴾ پھر ہم اس کے ذریعے زمین کو زندہ کر دیتے ہیں (یعنی) ہم بارش کے ذریعے زمین کو زندہ کر دیتے ہیں کیونکہ اس سے پہلے بادل کے ضمن میں بارش کا ذکر گزر چکا ہے ﴿بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ اس کے مردہ ہو جانے کے بعد (یعنی) اس کے خشک و بخر ہو جانے کے بعد اور ”فتشیر“ محض اس لیے فرمایا گیا ہے تاکہ اس حال کی حکایت بیان کی جائے جس میں ہوا میں بادل کو اٹھا کر واقع ہوتی ہیں اور اس صورت کو سامنے لایا جائے جو رب تعالیٰ کی قدرت و اختیار پر رہنمائی کرتی ہے اور لوگ بھی اسی طرح کوئی کام کرتے ہیں جس میں عجیب و غریب حال کے ساتھ ایک قسم کا امتیاز و خصوصیت پائی جائے اور اسی طرح بادل کو کسی مردہ شہر کی طرف لے جانا اور زمین کو اس کے مردہ اور بخر ہو جانے کے بعد بارش کے ذریعے زندہ کرنا ہے کیونکہ یہ دونوں عمل اللہ تعالیٰ کی غالب قدرت پر دلالت کرتے ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ ”فَسُقْنَا“ اور ”أَحْيَيْنَا“ دونوں کو غائب کے لفظ سے جمع متکلم کی طرف اس لیے منتقل کیا گیا ہے کہ یہ اختصاص میں زیادہ دخل ہیں اور قدرت ربانی پر دلالت و رہنمائی زیادہ کرتے ہیں ﴿كَذَلِكَ النُّشُورُ﴾ اسی طرح اٹھنا ہے یعنی جس طرح

اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو بارش کے ذریعے زندہ کر دیتا ہے، اسی طرح وہ مردوں کو زندہ فرمائے گا اور انہیں مرنے کے بعد اٹھائے گا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو ایک ایسے پانی سے زندہ فرمائے گا جسے عرش کے نیچے سے برسائے گا جس سے تمام مخلوق کے اجسام اگنا شروع ہو جائیں گے۔

۱۰۔ ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِحَيْثُ مَا شَاءَ﴾ جو شخص عزت چاہتا ہے تو تمام عزت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے یعنی تمام عزتیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں، دنیا کی عزت بھی اور آخرت کی عزت بھی اور کفار ناخوار ہوتوں سے عزت حاصل کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”وَاتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ إِلَهًا لِيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا“ (مریم: ۸۱) اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بہت سے معبود بنا لیے ہیں تاکہ وہ ان کے لیے عزت وغلبہ کا باعث بن جائیں O اور جو لوگ صرف اپنی زبانوں کے ساتھ ایمان لائے جب کہ ان کے دل زبانوں کے موافق نہیں، وہ مشرکین سے عزت وغلبہ حاصل کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَيْتَّغُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا“ (النساء: ۱۳۹) ”جو لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بنا لیتے ہیں کیا وہ ان کے ہاں عزت طلب کرتے ہیں سو بے شک تمام عزت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے O“ پس اللہ تعالیٰ نے واضح بیان کر دیا کہ تمام عزتیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں، سواب معنی یہ ہوگا کہ جو عزت چاہتا ہے ”فَلْيَطَّلِبْهَا عِنْدَ اللَّهِ“ تو وہ اسے اللہ تعالیٰ کے پاس طلب کرے، پس ”فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا“ کو اس کی جگہ پر رکھا گیا ہے کیونکہ یہ کلام اس پر دلالت بھی کرتا ہے اور اس سے بے نیاز بھی کرتا ہے اس لیے کہ جو چیز بھی طلب کی جاتی ہے وہ اس کے مالک سے طلب کی جاتی ہے جس کے پاس وہ چیز ہوتی ہے اور اس کی مثال یہ قول ہے: ”من اراد النصيحة فهي عند الابرار“ جو شخص نصیحت چاہتا ہے تو وہ نیک لوگوں کے پاس ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ شخص نصیحت انہیں نیک لوگوں سے حاصل کرے مگر اس کے قائم مقام ایسا کلام بنایا گیا جو اس پر دلالت کرتا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ ”ان ربکم یقول کل یوم انا العزیز فمن اراد عز الدارین فلیطع العزیز“ بے شک تمہارا پروردگار روزانہ پکار کر اعلان کرتا ہے کہ میں ہی عزیز ہوں، سو جو شخص دونوں جہانوں کی عزت چاہتا ہے تو وہ عزیز ترین خدا کی اطاعت و فرماں برداری اختیار کرنے، پھر اللہ تعالیٰ نے پہچان بیان کر دی کہ جس کے ساتھ عزت حاصل کی جاتی ہے وہ ایمان اور نیک عمل ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿الَّذِي يَصْنَعُ الْكَلِمَ الطَّيِّبَ وَالْعَمَلُ الصَّالِحَ يَرْفَعُهُ﴾ اسی کی طرف پاکیزہ کلمے چڑھتے ہیں اور نیک عمل کو وہی سر بلندی عطا کرتا ہے اور ”الیه“ کا معنی یہ ہے کہ پاکیزہ کلمات قبول و رضا کے مقام کی طرف چڑھتے ہیں اور ہر وہ نیک عمل اور پاکیزہ کلمات جو قبولیت کے ساتھ متصف ہوتے ہیں وہی رفعت و سر بلندی اور اونچائی کے ساتھ متصف ہوتے ہیں اور یہ ایسے عمل کی طرف چڑھائی کرتے ہیں جس میں صرف اسی کا حکم نافذ و جاری ہوتا ہے اور ”الکلم الطیب“ سے توحید کے کلمات مراد ہیں یعنی ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ [اور قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ ”الطیبة“ مؤنث ہوتا لیکن ہر وہ جمع جس کے واحد اور اس کے درمیان فرق صرف تائید سے ہوا سے مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال کیا جاتا ہے] اور عمل صالح سے خالص عبادت مراد ہے یعنی پاکیزہ کلمات ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ نیک عمل کو بلند کر دیتے ہیں پس ”الکلم“ رافع ہیں اور عمل مرفوع ہے کیونکہ موحد کے ماسوا کسی کا عمل قبول نہیں کیا جاتا اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ رافع اللہ تعالیٰ ہے اور عمل مرفوع ہے یعنی نیک عمل کو اللہ تعالیٰ بلند کر دیتا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ عمل رافع پر موقوف ہے اور پاکیزہ کلمات خود بہ خود چڑھ جاتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ نیک عمل عامل (عمل کرنے والے) کو سر بلند کر دیتا ہے اور اسے معزز بنا دیتا ہے یعنی جو شخص عزت و وقار چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے، سو

وہی نیک عمل ہی تو ہے جو بندے کو سر بلند کر دیتا ہے ﴿وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّيَاطِیْنَ﴾ اور جو لوگ بُرائیوں کی تدبیریں کرتے ہیں [”الشیئات“ مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی ”المکرات الشیئات“ بُری سازشیں کیونکہ مکر غیر متعدی فعل ہے چنانچہ ”مکر فلان عملہ“ نہیں کہا جاتا] اور اس سے حضور نبی کریم ﷺ کے متعلق قریش مکہ کی سازش مراد ہے جب انہوں نے دارالندوہ میں جمع ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف سازش تیار کی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ“ (الانفال: ۳۰) ”اور (اے محبوب! وہ وقت یاد کیجئے) جب کفار مکہ آپ کے خلاف سازش تیار کرنے لگے تاکہ وہ آپ کو قید کر لیں یا قتل کر دیں یا آپ کو ملک بدر کر دیں“ ﴿لَقَدْ عَدَاَبُ شَدِيدًا﴾ ان کے لیے آخرت میں سخت عذاب ہوگا ﴿وَمَكْرُؤٌ لَّيْلِيٌّ﴾ اور انہیں کافر و فریب ہی برباد ہوگا [”ومکر اولئک“ مبتدا ہے اور ”هو“ ضمیر فاعل ہے اور ”یور“ خبر ہے] یعنی انہیں لوگوں کا مکر و فریب خاص کرتا ہوگا یعنی فاسد و باطل ہو جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کی تدبیر ان کے خلاف ناکام نہیں ہوئی جب اللہ تعالیٰ انہیں مکہ مکرمہ سے نکال کر بدر میں لے آیا اور ان کو قتل کیا اور ان کو بدر کے کنوئیں میں مقید کر دیا پس ان کی ساری سازشیں انہیں پر جمع ہو گئیں اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے یہ ارشاد ثابت ہو گئے: ”وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ“ (الانفال: ۳۰) ”اور وہ سازش کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ تدبیر فرمانے لگا اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر تدبیر فرمانے والا ہے“ اور یہ ارشاد باری تعالیٰ: ”وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ“ (فاطر: ۳۳) ”اور بُرے مکر و فریب (کا وبال) نہیں پڑتا مگر اس کے کرنے والے پر“۔

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ وَمَا يُعْتَدِرُ مِنْ عُتْرَةٍ وَلَا يُنْقِصُ مِنْ عُمُرِهِ إِلَّا فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝

اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا فرمایا پھر اس نے تمہارے جوڑے بنائے اور کوئی مادہ حاملہ نہیں ہوتی اور نہ وہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے اور کسی عمر رسیدہ کی عمر نہیں بڑھائی جاتی اور نہ اس کی عمر میں سے کچھ کمی کی جاتی ہے مگر ایک کتاب میں تحریر ہو چکا ہے بے شک یہ اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے ۝

۱۱۔ ﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں یعنی تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا ﴿ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا﴾ پھر اس نے تمہیں نطفہ (مردوزن کے پانی سے) پیدا فرمایا پھر اس نے تمہارے مختلف اقسام کے جوڑے بنائے (سرخ، سفید، کالے اور گندمی رنگ والے) یا یہ کہ اس نے تمہیں مرد اور عورت بنایا ﴿وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ﴾ اور کوئی مادہ حاملہ نہیں ہوتی اور نہ وہ جنتی ہے مگر اس کے علم کے ساتھ [”بعلمہ“ محلاً حال ہے] یعنی مگر اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوتا ہے ﴿وَمَا يُعْتَدِرُ مِنْ عُتْرَةٍ﴾ اور کسی عمر رسیدہ کی عمر نہیں بڑھائی جاتی ”ای (وما یعمرو من) احد“ یعنی کسی شخص کی عمر میں اضافہ نہیں کیا جاتا اور اسے ”معمّر“ (بوڑھا) اس لیے کہا کہ آخر کار اس نے بڑھاپے کی عمر کی طرف لوٹ جانا ہے ﴿وَلَا يُنْقِصُ مِنْ عُمُرِهِ إِلَّا فِي كِتَابٍ﴾ اور نہ اس کی عمر میں کمی جاتی ہے مگر ایک کتاب میں تحریر ہو چکا ہے یعنی لوح محفوظ میں یا انسان کے صحیفہ میں تحریر ہو چکا ہے پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ انسان یا تو معمر ہوگا یعنی لمبی اور طویل عمر یا نہ والا ہوگا یا ناقص عمر والا یعنی اس کی عمر تھوڑی ہوگی پھر اگر اس کی عمر پر مزید اضافہ کیا جائے جب کہ اس کا برعکس تو

محال ہے تو بھلا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کیسے صحیح ہوگا کہ ”وَمَا يُعْمَرُ مِنْ مُعَمَّرٍ وَلَا يَنْقُصُ مِنْ عُمُرِهِ“ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں تسامح (چشم پوشی) برتی گئی اور اس کی تاویل میں سامعین کی فہم و فراست پر بھروسہ کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ ایک شخص کی عمر میں کمی و بیشی کا محال ہونا ان پر مشتبہ نہیں رہ سکتا اور اسی اسلوب پر عرب کے لوگوں کا کلام جاری و ساری ہوتا ہے چنانچہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو نہ اجر و ثواب عنایت کرے گا اور نہ اسے سزا دے گا مگر حق کے ساتھ یا پھر اس آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ صحیفہ میں لکھا جاتا ہے کہ اس کی عمر اتنے اتنے سال ہوگی پھر اس کے نیچے لکھا جاتا ہے: ایک دن اس کی عمر کم ہو گئی ہے دو دن کم ہو گئی یہاں تک کہ اس کی عمر کا آخری دن آ جاتا ہے پس یہ ہے اس کی عمر کا کم ہو جانا اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ معمر وہ شخص ہوتا ہے جس کی عمر ساٹھ سال کو پہنچ جائے اور ناقص عمر والا وہ ہوتا ہے جو ساٹھ سال پورے ہونے سے پہلے مر جائے ﴿إِنَّ ذَلِكَ﴾ بے شک یہ (یعنی) اللہ تعالیٰ کے علم کا ہر چیز کو محیط ہونا۔ یا عمر کا زیادہ اور کم ہونا ﴿عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ﴾ اللہ تعالیٰ پر سہل اور آسان ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ ۚ هَذَا عَذَابٌ فَرَاتٌ سَابِغٌ شَرَابُهُ ۚ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۚ
وَمِنْ كُلِّ تَاكُلُونَ لِحَمَاتٍ يَأْتِي وَتَسْتَخْرِجُونَ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلُكُ
فِيهِ مَوَاحِرَ تَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۲﴾

اور دونوں سمندر برابر نہیں ہیں یہ بیٹھا خوش ذائقہ ہے اس کا پانی خوش گوار ہے اور یہ نمکین دکھارا ہے اور ہر ایک سے تم تازہ گوشت (مچھلی) کھاتے ہو اور زیور نکالتے ہو جسے تم پہنتے ہو اور تم اس میں کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ پانی کو چیرتی ہوئی گزرتی ہیں تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا فضل (رزق) تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو

۱۲۔ ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ﴾ اور دونوں سمندر برابر نہیں ہیں ﴿هَذَا عَذَابٌ﴾ یہ بیٹھا ہے یعنی ان میں سے ایک بیٹھا

علامہ شیخ اسماعیل حنفی تفسیر روح البیان میں اس آیت مبارکہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے فرمایا کہ ایک ہی انسان کی عمر مختلف اسباب کی وجہ سے بڑھتی گھٹتی ہے جیسا کہ لوح محفوظ میں لکھ دیا جاتا ہے کہ فلاں آدمی نے اگر حج پڑھا تو اس کی عمر ساٹھ سال ہوگی ورنہ چالیس کے بعد مر جائے گا پھر اگر وہ حج پڑھے گا تو اس کی عمر ساٹھ سال ہوگی ورنہ چالیس سال کی عمر میں مر جائے گا اس سے ثابت ہوا کہ اس کی انتہائی ساٹھ سال کی عمر حج نہ پڑھنے کی وجہ سے چالیس سال ہوئی۔ ایسے ہی عمر کو معلق کیا جاتا ہے کہ اگر اس نے صدقہ دیا یا صلہ رحمی کی تو اس کی عمر اسی سال ہوگی ورنہ پچاس سال ہوگی۔

(۱) حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ صدقہ اور صلہ رحمی علاقے آباد کرتے ہیں اور زندگیاں بڑھاتے ہیں۔

(۲) جب کوئی آدمی صلہ رحمی کرتا ہے تو اس سے پہلے اس کی عمر کے صرف تین دن باقی رہتے ہوں گے لیکن صلہ رحمی کی برکت سے اس کی عمر بڑھا کر تیس سال کر دی جاتی ہے ایسے ہی جب کوئی آدمی صلہ رحمی نہیں کرتا تو اس کی عمر تیس سال سے کم کر کے صرف تین دن کر دی جاتی ہے۔

(۳) والدین کی خدمت گزارگی عمر کو بڑھاتی ہے جھوٹ رزق کو گھٹاتا ہے اور دعا تقدیر کو تبدیل کر دیتی ہے (یہ تقدیر مطلق کی بات ہے جس میں تبدیلی ہوتی ہے لیکن تقدیر مبرم میں تبدیلی نہیں ہوتی کہ وہ اٹل ہوتی ہے)۔

(تفسیر روح البیان مترجم ۲۱ پارہ ص ۷۷ مطبوعہ مکتبہ اوسبہ رضویہ بہاولپور)

ہے ﴿فَرَاتٌ﴾ بہت بیٹھا نہایت خوش گوار اور بعض علماء نے فرمایا: فرات وہ پانی ہوتا ہے جو پیاس کو بجھا دیتا ہے ﴿سَائِغٌ شَرَابٌ﴾ اس کا پانی خوش گوار ہاضمہ دار اور اپنی مٹھاس کی وجہ سے حلق میں آسانی سے جلد اترنے والا ہے اور اسی وجہ سے اس کا پانی خوش ذائقہ ہوتا ہے ﴿وَهَذَا مِنْ مَّاءِ آجَابٍ﴾ اور یہ نمکین و کھاری ہے (یعنی) سخت نمکین ہوتا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ وہ پانی ہے جو اپنی نمکینی اور کڑواہٹ کی وجہ سے حلق کو جلا دیتا ہے ﴿وَمِنْ كَلِّ﴾ ”ومن کل واحد منهما“ اور ان دونوں دریاؤں میں سے ہر ایک دریا سے ﴿تَاكُلُونَ لِحْمَاتِهِمَا﴾ تم تازہ گوشت کھاتے ہو اور وہ پھلی ہے ﴿وَتَسْتَخْرِجُونَ حَلِيَّةً تَلْبَسُونَهَا﴾ اور تم ان میں سے زیور نکالتے ہو جنہیں تم پہنتے ہو اور وہ موتی اور مرجان ہیں ﴿وَتَكْرَى الْفُلُكَ فِيهِ مَوَاحِدٌ﴾ اور تم اس میں (یعنی) ہر ایک دریا میں کشتیوں کو دیکھو گے کہ وہ چلتے وقت پانی کو چیرتے ہوئے گزرتی ہیں جیسا کہا جاتا ہے کہ ”مخورت السفينة الماء“ یعنی کشتی نے پانی کو چیر پھاڑ دیا اور یہ ”مسخرة“ کی جمع ہے ﴿لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ﴾ تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو (یعنی) تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا فضل (رزق) تلاش کرو کیونکہ اگرچہ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر مبارک مذکور نہیں ہوا لیکن اس سے پہلے مذکور ہوا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کا ذکر مذکور نہ بھی ہوتا تو کوئی مشکل نہیں تھی کیونکہ معنی اس پر دلالت کر رہا ہے ﴿وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا ان نعمتوں پر شکر ادا کرو جو اس نے تمہیں اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور کافروں کے لیے دو دریاؤں ایک بیٹھے اور ایک نمکین و کڑوے کی مثالیں بیان فرمائی ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے بالتبع دونوں دریاؤں کی صفتوں میں ان سے متعلقہ اپنی نعمتیں اور اپنی عطائیں بھی بیان فرمادیں اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ ان کو بالتبع بیان نہ کیا ہو بلکہ اس لیے بیان فرمایا کہ دو جنسوں کو دو دریاؤں کے ساتھ تشبیہ دی جائے پھر اللہ تعالیٰ نے نمکین و کڑوے دریا کو کافر پر فضیلت و ترجیح دی کہ بلاشبہ نمکین و کڑوا دریا بعض منافع میں خوش ذائقہ اور بیٹھے دریا کے ساتھ مشترک ہے اور وہ یہ ہیں: پھلیوں کا حصول اور موتیوں اور مرجان کا حصول اور ان دونوں میں کشتیوں کا چلنا جب کہ کافر ہر قسم کے نفع سے بالکل خالی ہے بلکہ وہ (درج ذیل) ارشاد کے طریقہ پر ہے: ”ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً“ پھر تمہارے دل اس کے بعد سخت ہو گئے سو وہ پتھر کی طرح ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا: ”وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشْقُقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ“ (البقرہ: ۷۴) ”اور بے شک بعض پتھر ایسے ہوتے ہیں جن سے نہریں پھوٹ پڑتی ہیں اور بے شک بعض ان میں سے ایسے ہوتے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں تو ان سے پانی نکلتا ہے اور بے شک ان میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔“

يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ذِكْرٌ

يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ

دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْبِئِ ۙ إِنَّ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دَعْوَكُمْ وَلَا يُسْمِعُوا

مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ۙ

۱۴

وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو تابع فرمان بنا دیا ہر

ایک مقررہ مدت تک چلتا رہے گا یہی اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے اسی کی بادشاہی ہے اور اس کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ تو گٹھلی کے چھلکے کے مالک بھی نہیں ہیں O اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہیں سنیں گے اور اگر (بفرض محال) وہ سن بھی لیں تو وہ تمہیں جواب نہیں دیں گے اور وہ قیامت کے دن تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرح کوئی دوسرا خبر دینے والا نہیں ہے O

۱۳۔ ﴿يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ﴾ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ ان میں سے ایک کے اوقات کو دوسرے میں داخل کر دیتا ہے یہاں تک کہ ان میں سے زائد پندرہ گھنٹے کا ہو جاتا ہے اور ناقص نو گھنٹے کا رہ جاتا ہے) ﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ﴾ اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کیا یعنی اللہ تعالیٰ نے شکل و صورت میں سب سے زیادہ روشن ترین سورج اور چاند کو ان کی مسافت کے اعتدال کے لیے پابند حکم بنا دیا ﴿كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ہر ایک مقررہ مدت تک چلتا رہے گا یعنی قیامت کے دن ان دونوں کی حرکت و رفتار ختم ہو جائے گی ﴿ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ﴾ وہی اللہ تعالیٰ ہے جو تمہارا پروردگار ہے اسی کی بادشاہی ہے [”ذالکم“ مبتدا ہے اور باقی مترادف خبریں ہیں یا پھر ”اللہ ربکم“ دو خبریں ہیں اور ”له الملك“ ابتدا سیہ جملہ ہے جو (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ کے اقتران و اتصال کے لیے واقع ہوا ہے کہ ﴿وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ﴾ اور اس کے سوا جن کو تم پوجتے ہو یعنی وہ بت جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو (”تدعون“ بہ معنی ”تعبدون“ ہے) ﴿مَا يَسْتَكُونُ مِنْ قَاطِبَةٍ﴾ وہ گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں۔ ”قطمیر“ کا معنی گٹھلی کا چھلکا ہے جو گٹھلی پر لفافہ کی طرح ایک باریک سا پردہ ہوتا ہے [قتیبہ کی قراءت میں ”یدعون“ ہے]۔

۱۴۔ ﴿إِنْ تَدْعُوهُمْ﴾ اگر تم ان کو بلاؤ یعنی بتوں کو تو ﴿لَا يَسْمَعُوا دَعْوَاكُمْ﴾ وہ تمہارے بلاؤے کو نہیں سنیں گے کیونکہ وہ بے جان پتھر ہیں ﴿وَلَوْ سَمِعُوا﴾ اور اگر وہ سن لیں (یعنی) اگر وہ برسبیل فرض (بفرض محال) سن لیں تو ﴿مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ﴾ وہ تمہیں جواب نہیں دیں گے کیونکہ وہ اس الوہیت کا دعویٰ نہیں کرتے جس کے تم ان کے دعوے دار ہو (کہ وہ معبود ہیں) حالانکہ وہ اس سے بری ہیں ﴿وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ﴾ اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے (یعنی) تم جو ان کو خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے اور تم جو ان کی عبادت کرتے تھے وہ اس کا انکار کریں گے اور وہ کہیں گے: ”مَا كُنْتُمْ إِلَّا نَا تَعْبُدُونَ O“ (یونس: ۲۸) ”تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے O“ ﴿وَلَا يَنْبِئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ﴾ اور جس طرح اللہ تعالیٰ خبر دینے والا ہے اس طرح تمہیں کوئی خبر نہیں دے گا (یعنی) اے غرور کے اسباب میں مفتون و مبتلا انسان! تمہیں کوئی اس طرح خبر نہیں دے گا جس طرح ”خبیر“ (خبریں دینے والا) اللہ تعالیٰ پوشیدہ امور کی مبنی بر حقیقت خبر سناتا ہے اور تمہیں کوئی مخبر (خبر دینے والا) کسی کام کی خبر اس طرح نہیں سنائے گا جس طرح اس کام کو خوب جاننے والا اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی خبر سنائے گا اس سے مراد و مقصد یہ ہے کہ ہر کام کی خبر دینے والا صرف ایک خدا ہے جو تمہیں حقیقت پر مبنی خبر سناتا ہے نہ کہ دوسرے مخبرین اور اس کا معنی یہ ہے کہ یہ وہ حقیقت ہے جو میں نے تمہیں بتوں کی حالت کے بارے میں بتا دی ہے اور یہی حق ہے کیونکہ بتوں کے بارے میں جو کچھ بتایا گیا ہے وہ بلاشبہ میں ہی بتانے والا ہوں۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۚ ﴿١٥﴾ إِنْ يَشَاءُ يُذْهِبْكُمْ

وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ۚ ﴿١٦﴾ وَمَا ذَلِكُ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ۚ ﴿١٧﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ ﴿١٨﴾

أُخْرَى وَإِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ جِيبِهَا لَا يَحْمِلُ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَا وَكَانَ ذَا قُرْبَىٰ
 إِنَّمَا تُتَدَارَكُ الدُّنْيَا بِالْخَشْيَةِ رَايَهُمْ بِالْغَيْبِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ۚ وَمَنْ
 تَذَكَّرْ فَإِنَّا بِتَرِكِي لِنَفْسِهِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿١٨﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ
 وَالْبَصِيرُ ﴿١٩﴾ وَلَا الظُّلُمُتُ وَلَا النُّورُ ﴿٢٠﴾ وَلَا الظُّلُمُتُ وَلَا الظُّلُمُتُ ﴿٢١﴾

اے لوگو! تم اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ ہی بے نیاز تمام تعریفوں کے لائق ہے ۰ اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور نئی مخلوق لے آئے ۰ اور یہ اللہ تعالیٰ پر کچھ دشوار نہیں ۰ اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی اور اگر کوئی بوجھ والی اپنے بوجھ کی طرف بلائے گی تو اس کے بوجھ میں سے کچھ نہیں اٹھایا جائے گا اور اگر چہ وہ قریبی رشتہ دار ہو بے شک آپ صرف ان لوگوں کو ڈرا سکتے ہیں جو اپنے پروردگار سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور وہ نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو شخص پاکیزہ بنے گا تو بے شک وہ صرف اپنے فائدے کے لیے پاکیزہ بنے گا اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے ۰ اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں ہیں ۰ اور نہ اندھیرے اور نہ روشنی (برابر ہیں) ۰ اور نہ سایا اور نہ دھوپ (برابر ہیں) ۰

تمام مخلوق کی محتاجی اور اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا ذکر

۱۵ - ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ الْفَقْرَ آتَىٰ إِلَى اللَّهِ﴾ اے لوگو! تم اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ تمام مخلوق ہر سانس ہر قدم اور ہر لمحہ میں اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے اور ایسا کیوں نہ ہو حالانکہ تمام مخلوق کا وجود بھی اسی کی وجہ سے ہے اور تمام مخلوق کی بقاء بھی اسی کی وجہ سے ہے ﴿وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمام اشیاء سے بے نیاز و بے پرواہ ہے ﴿الْحَمِيدُ﴾ وہی قابل ستائش ہے کہ ہر زبان پر اس کی تعریف کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے حقارت کے لیے ان کا نام فقراء نہیں رکھا بلکہ بے نیازی اختیار کرنے پر طعن و تعریض کرنے کے لیے انسان کو فقراء فرمایا اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اقدس کو غنی کے ساتھ موصوف فرمایا جو تمام غنیوں اور دولت مندوں کو کھلانے پلانے والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک صفت ”الحمید“ کا ذکر فرمایا تاکہ اس کے ذریعے اس بات پر رہنمائی کی جائے کہ اللہ تعالیٰ ایسا غنی ہے جو اپنے غنا کے ساتھ اپنی مخلوق کو نفع اور فائدہ پہنچاتا ہے وہ ان پر انعام فرمانے والا جو ادوخی ہے کیونکہ ہر غنی اپنے غنا کے ساتھ نفع نہیں پہنچاتا مگر جب غنی ہونے کے ساتھ جو ادو منعم بھی ہو سو جب وہ سخاوت کرے گا اور انعام فرمائے گا تو انعام یافتہ تمام لوگ اس کی حمد و ثناء اور اس کی تعریف بیان کریں گے۔

حضرت سہل بن عبد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو اپنی ذات اقدس کے لیے غنا کا اور ان کے لیے فقر کا فیصلہ فرمایا پس جو شخص غنا کا دعویٰ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے قرب سے محجوب و محروم رہے گا اور جو شخص اپنے فقر کا اظہار کرے گا تو اس کا فقر اسے اللہ تعالیٰ تک پہنچا دے گا سو ہر بندے کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ خفیہ اللہ تعالیٰ کا محتاج بن جائے اور غیر سے تعلق توڑ کر اسی کی طرف متوجہ ہو جائے یہاں تک کہ اس کی عبودیت و بندگی خالص ہو جائے پس عبودیت یہی عاجزی و انکساری اور تواضع اختیار کرنا ہے اور اس کی علامت و پہچان یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ

کسی سے سوال نہ کرے۔

حضرت امام واسطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے غنا طلب کرے گا وہ کبھی کسی کا محتاج نہیں ہوگا اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے عزت طلب کرے گا وہ کبھی ذلیل و رسوا نہیں ہوگا۔

حضرت الحسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بندہ جس قدر اللہ تعالیٰ کا محتاج بنے گا اسی قدر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے غنا حاصل ہوگا اور جب بھی فقر و احتیاج بڑھے گا تب ہی غنا بڑھے گا۔

حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بندہ کے لیے فقر غنا سے بہتر ہے کیونکہ فقر میں عاجزی و پستی ہے اور غنا میں تکبر و بڑھائی اور بے نیازی ہے اور تواضع اور عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا زیادہ سے زیادہ اعمال لے کر اس کی طرف رجوع کرنے سے بہتر ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اولیائے کرام کی تین صفات ہیں: (۱) ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد و بھروسہ رکھنا (۲) اور ہر چیز میں اسی کا محتاج رہنا (۳) اور ہر چیز سے اسی کی طرف رجوع کرنا۔ حضرت ابو بکر شبلی بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ فقر میں بندہ بلائیں اور مصیبتیں برداشت کرتا ہے اور اس کا مصیبتیں برداشت کرنا پوری عزت ہے۔

۱۶- ﴿إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ﴾ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تم سب کو عدم و فنا کی طرف لے جائے سو اس لیے کہ اس کا غنا ازل میں تمہارے ساتھ نہیں تھا ﴿وَيَأْتِي بِخَلْقٍ جَدِيدٍ﴾ اور وہ نئی مخلوق لے آئے اور وہ تمہاری حمد کے بغیر بھی محمود ہے۔
 ۱۷- ﴿وَمَا ذَلِكُمْ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ﴾ اور یہ اللہ تعالیٰ پر کچھ دشوار نہیں ہے (یعنی) پیدا کرنا اور فنا کرنا اللہ تعالیٰ پر ممتنع نہیں ہے اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بعد ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو اس کی عبادت کریں گے لیکن اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔

کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا

۱۸- ﴿وَلَا تَزِمُوا زِينَةً وَأَنْتُمْ رَاغِبُونَ﴾ اور کوئی بوجھ اٹھانے والی کسی دوسری کا بوجھ نہیں اٹھائے گی (یعنی) اور کوئی گناہ گار جان کسی دوسری جان کا گناہ نہیں اٹھائے گی اور ”وزر“ اور ”وقر“ دونوں ہم معنی ہیں اور ”وزر الشیء“ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی چیز کا بوجھ اٹھاتا ہے اور ”وازرۃ“ نفس کی صفت ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر جان صرف اپنے گناہ کا بوجھ اٹھائے گی جس کا اس نے ارتکاب کیا تھا کوئی جان کسی دوسری جان کے گناہ میں ماخوذ نہیں ہوگی جیسا کہ دنیا کے جابر لوگ ایک وارث کے بدلے میں دوسرے وارث کو پکڑ لیتے ہیں اور ایک پڑوسی کے بدلے میں دوسرے پڑوسی کو پکڑ لیتے ہیں اور ”ولا تزر نفس“ نہیں فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک تمام بوجھ اٹھانے والی جانیں ما سوا اپنے بوجھ کے کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائیں گی اور رہا (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَلَيْسَ حَمْلُنَّ أَنْقَالَهُمْ وَأَنْقَالًا مَعَ أَنْقَالِهِمْ﴾ (العنکبوت: ۱۳) اور البتہ وہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھوں کو بھی اٹھائیں گے تو یہ آیت مبارکہ گمراہ کرنے والے گمراہوں کے بارے میں وارد ہوئی ہے کیونکہ یہ لوگ اپنی گمراہی کا بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اس کے ساتھ دوسرے لوگوں کو گمراہ کرنے کا بوجھ بھی اٹھائیں گے کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے درج ذیل ارشاد میں ان کا قول ذکر کر کے ان کو کیسے جھٹلا دیا ہے چنانچہ فرمایا: ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطَايَاكُمْ وَمَا هُمْ بِحَامِلِينَ مِنْ خَطَايَاهُمْ مِنْ شَيْءٍ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ﴾ (العنکبوت: ۱۲) اور کافروں نے مسلمانوں سے کہا کہ تم ہماری راہ پر چلو اور ہم تمہارے گناہوں کو

اٹھائیں گے حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی نہیں اٹھائیں گے بے شک وہ جھوٹے ہیں O ﴿وَأِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ﴾ اور اگر بوجھ اٹھانے والی بلائے گی یعنی اگر گناہوں کا بوجھ اٹھانے والی جان کسی کو بلائے گی ﴿إِلَىٰ حِمْلِهَا﴾ اپنے بوجھ کی طرف یعنی اپنے گناہوں کی طرف تاکہ دوسرا شخص اس سے اس کے کچھ گناہوں کو اٹھالے ﴿لَا يُحْمَلُ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ﴾ اس میں سے کچھ نہیں اٹھایا جائے گا اور اگر چہ وہ رشتہ دار ہی ہو یعنی جس کو بلایا گیا ہے اور یہ ”وَأِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ“ سے سمجھا جاتا ہے اور رشتہ دار سے مراد جیسے باپ ہے یا اولاد یا بھائی وغیرہ اور ”وَلَا تَنْزُرُ وَآزْرَةٌ وَآزْرَةٌ أُخْرَىٰ“ اور ”وَأِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ حِمْلِهَا لَا يُحْمَلُ مِنْهُ شَيْءٌ“ میں فرق یہ ہے کہ پہلا ارشاد اللہ تعالیٰ کے حکم میں اس کے انصاف پر دلالت کرتا ہے اور یہ کہ کوئی جاندار بغیر گناہ کے نہیں پکڑا جائے گا اور دوسرے ارشاد میں اس بات کا بیان ہے کہ اس روز کسی فریاد کرنے والے کے لیے کوئی فریادرس نہیں ہوگا یہاں تک کہ جب کسی جان پر اس کا بوجھ بھاری ہو جائے گا اگر وہ کسی کو بلائے گی کہ اس کا کچھ بوجھ ہلکا ہو جائے تو اس کے بلانے پر جواب نہیں دیا جائے گا اور نہ اس کی فریادری کی جائے گی اگر چہ جسے بلایا گیا ہے وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو ﴿إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ يُخْشَوْنَ رَبَّهُمْ﴾ بے شک آپ صرف ان کو ڈرا سکتے ہیں جو بن دیکھے اپنے رب تعالیٰ سے ڈرتے ہیں یعنی بے شک آپ کے ڈرانے سے صرف یہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں [”بالغیب“ فاعل سے یا مفعول سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی وہ لوگ اپنے رب تعالیٰ سے ڈرتے ہیں حالانکہ وہ اپنے رب تعالیٰ کے عذاب سے غائب ہیں یا یہ معنی ہے کہ وہ لوگ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں حالانکہ وہ عذاب ان سے غائب ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ”بالغیب“ کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ پوشیدہ طور پر تنہائی میں اپنے رب تعالیٰ سے ڈرتے ہیں جب کہ اس پر کسی غیر کو اطلاع نہیں ہوتی ﴿وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ﴾ اور وہ لوگ نماز کو اس کے اوقات میں پابندی کے ساتھ قائم رکھتے ہیں ﴿وَمَنْ تَذَكَّرْ﴾ اور جو شخص عبادات و اطاعات کے بجالانے اور گناہوں کے ترک کرنے کے سبب پاکیزگی حاصل کرتا ہے ﴿فَأَنبَأَ تَزَكَّىٰ لِنَفْسِهِ﴾ تو وہ صرف اپنے فائدے اور اپنے بھلے کے لیے پاکیزگی حاصل کرتا ہے اور یہ جملہ معترضہ ہے جو ان کے خوف و ڈر اور ان کی اقامت نماز کی تاکید کر رہا ہے کیونکہ یہ دونوں عمل تزکیہ و پاکیزگی کے ارکان میں سے ہیں ﴿وَالِی اللّٰهِ الْمَصِیْرُ﴾ اور (سب نے) اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانا ہے اور یہ کلام تزکیہ نفس کے ذریعہ پاکیزگی حاصل کرنے والوں کے لیے اجر و ثواب کا وعدہ ہے۔

۱۹۔ ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ﴾ اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں یہ کافر و مؤمن یا جاہل و عالم کی مثال بیان کی گئی کہ جیسے اندھا شخص اور دیکھنے والا شخص برابر نہیں اسی طرح کافر و مؤمن اور جاہل و عالم برابر نہیں ہیں۔

۲۰۔ ﴿وَالظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ﴾ اور نہ تاریکیاں اور نہ نور برابر ہیں ظلمات کفر کی مثال ہے اور نور ایمان کی مثال ہے۔

۲۱۔ ﴿وَالظُّلْمُ وَالْأَحْوَرُ﴾ اور نہ سایا اور نہ دھوپ برابر ہیں ”ظل“ سے حق یا جنت مراد ہے اور ”حور“ سے باطل یا دوزخ مراد ہیں یعنی جس طرح سایا اور دھوپ برابر نہیں اسی طرح حق و باطل اور جنت و دوزخ برابر نہیں۔ ”حور“ گرم ہوا کو کہا جاتا ہے جیسے گرم لوہوتی ہے مگر گرم لودن کو چلتی ہے اور ”حور“ رات اور دن دونوں میں چلتی ہے لیکن علامہ فراء سے منقول ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَالْأَمْوَاتُ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَنْ يَشَاءُ وَمَا أَنْتَ

بِسْمِ مَنْ فِي الْقُبُورِ ۚ إِنَّ أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ ۚ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا
وَنَذِيرًا ۚ وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ۚ وَإِنْ يَكْفُرُ بِكَ فَقَدْ كَذَّبَ
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ۚ
ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۚ

اور برابر نہیں ہوتے زندے اور نہ مردے بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سنا دیتا ہے اور آپ انہیں سنانے والے نہیں جو قبروں میں ہیں ○ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں ○ بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوش خبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی امت نہیں ہوئی مگر اس میں ڈر سنانے والا گزرا ہے ○ اور اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو بے شک ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا (جب) ان کے پاس ان کے رسول واضح معجزات اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے ○ پھر میں نے کافروں کو پکڑ لیا تو میرا انکار (عذاب) کیسا رہا ○

سماع موتی کا بیان اور رسولوں کی تکذیب کا انجام

۲۲- ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ﴾ اور زندے اور مردے برابر نہیں ہیں۔ اس میں ایک تو ان لوگوں کی مثال بیان کی گئی ہے جو اسلام میں داخل ہو گئے تھے کہ یہ زندوں کی طرح ہیں اور دوسری ان لوگوں کی مثال بیان کی گئی ہے جو اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے (بلکہ کفر پر اڑے رہے) کہ یہ مردوں کی طرح ہیں [اور حرف نفی ”لا“ کا اضافہ محض نفی کے معنی کی تاکید کے لیے کیا گیا ہے اور ان آیات میں عاطفہ واؤں کے درمیان یہ فرق ہے کہ اس کی بعض جوڑے کو جوڑے سے ملاتی ہیں اور بعض طاق کو طاق سے ملاتی ہیں] ﴿إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَا أَنْتَ بِسَمِيعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اسے سنا دیتا ہے اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا دیتے جو قبروں میں ہیں یعنی بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون اسلام میں داخل ہوگا اور کون اسلام میں داخل نہیں ہوگا، سو اللہ تعالیٰ جس کی ہدایت چاہتا ہے اسے ہدایت عنایت کر دیتا ہے (اور جس کی ہدایت نہیں چاہتا اسے ہدایت کی توفیق نہیں دیتا) اور لیکن رہا آپ کا معاملہ تو آپ پر چونکہ ان کا معاملہ مخفی ہوتا ہے سو اس لیے آپ ہدایت سے محروم لوگوں کے لیے اسلام میں داخل ہونے کی خواہش رکھتے ہیں اور آپ چاہتے ہیں کہ وہ بھی مسلمان ہو جائیں اور اس آیت مبارکہ میں کفار کو موتی (مردوں) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح قبروں میں پڑے ہوئے مردے سنا لیں گئی باتوں سے نفع اور فائدہ حاصل نہیں کرتے، اسی طرح کفر پر اصرار کرنے والے کفار بھی حق کی باتوں سے نفع اور فائدہ حاصل نہیں کرتے!۔

۱۔ واضح ہو کہ اسماع موتی (مردوں کو سنانے) کی نفی اور سماع موتی (مردوں کے سننے) کے ثبوت کی چند وجوہات نیز سماع موتی کے ثبوت میں قرآن مجید کی چند آیات مبارکہ، سورۃ الروم: ۵۲ کے حاشیہ میں بیان کر دی گئی ہیں اب یہاں سماع موتی کے ثبوت میں چند احادیث مبارکہ اور علماء کے چند اقوال بیان کیے جاتے ہیں:

سماع موتی کے ثبوت میں احادیث مبارکہ کا بیان

(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ بدر کے دن ہمیں سے زائد (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۲۳۔ ﴿إِنَّ أَنْتَ إِلَّا تَذَيُّرٌ﴾ آپ تو نہیں مگر ڈرسانے والے یعنی آپ پر لازم نہیں مگر صرف یہی کہ آپ لوگوں کو تبلیغ کریں اور انہیں ڈرائیں پھر جسے ڈرایا گیا ہے اگر وہ ان میں سے ہوا جو ڈراوے کو سن کر قبول کر لیتے ہیں تو نفع پائے گا اور اگر وہ کفر پر اصرار کرنے والوں میں سے ہو تو آپ پر کچھ لازم نہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) قریش کے سرداروں کی لاشوں کو بدر کے کنویں میں پھینکنے کا حکم دیا پھر وہاں تشریف لے گئے اور ان کو بہ آواز بلند پکارتے ہوئے فرمایا کہ اے ابو جہل بن ہشام! اے امیہ بن خلف! اور اے عتبہ بن ربیعہ! کیا تم نے اپنے رب تعالیٰ کے وعدہ کو سچا نہیں پایا سو میں نے اپنے رب تعالیٰ کے وعدہ کو سچا پایا ہے اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ تو ایسے اجسام سے گفتگو فرما رہے ہیں جن میں روہیں نہیں ہیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضہ و قدرت میں (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! "مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعُ لِمَا أَقُولُ مِنْهُمْ" تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں جو میں ان سے کہہ رہا ہوں لیکن وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ (متفق علیہ)

(۲) حضرت عبید بن مرزوق سے مروی ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک عورت مسجد کی خدمت کرتی تھی پھر وہ فوت ہو گئی اور حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کی وفات کی اطلاع نہیں کی گئی تھی چنانچہ حضور اس کی قبر کے پاس سے گزرے تو فرمایا: یہ قبر کس کی ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ام مہجن کی ہے حضور نے فرمایا: وہی جو مسجد کی خدمت کیا کرتی تھی صحابہ کرام نے عرض کیا: جی ہاں! تو آپ نے لوگوں کی صفیں بنائیں اور اس کی نماز جنازہ پڑھائی پھر اس سے فرمایا کہ تو نے کون سا عمل سب سے افضل پایا ہے اس پر صحابہ کرام نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! أَسْمَعُ" اے اللہ تعالیٰ کے رسول! کیا وہ سنتی ہے؟ "قَالَ مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعُ مِنْهَا" آپ نے فرمایا: تم اس سے زیادہ نہیں سنتے پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذکر فرمایا کہ اس نے جواب دیا ہے کہ مسجد کی خدمت سب سے بہتر عمل ہے۔

(۳) امام بیہقی اور امام حاکم وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کی اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا کہ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) احد سے واپس لوٹتے وقت (شہدائے اسلام) حضرت مصعب بن عمیر اور دیگر صحابہ کرام کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا: "أَشْهَدُ أَنْكُمْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى" میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک تم اللہ تعالیٰ کے پاس زندہ ہو پھر حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صحابہ کرام سے فرمایا: "فَرُودُوهُمْ وَسَلِّمُوا عَلَيْهِمْ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ أَحَدٌ إِلَّا رَدُّوا عَلَيْهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ" پس تم ان کی زیارت کیا کرو اور ان کو سلام کیا کرو سو اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! قیامت تک ان پر کوئی شخص سلام نہیں کرے گا مگر وہ اسے اس کے سلام کا جواب دیتے رہیں گے۔

(۴) علامہ ابن عبد البر اور عبد الحق اشبیلی نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک مرفوع حدیث بیان کی ہے جس کی تمام اسناد صحیح ہیں کہ جو شخص اپنے کسی ایسے مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے جسے وہ دنیا میں پہچانتا تھا اس کو سلام کرے تو وہ اسے پہچان لیتا ہے اور اسے سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔

(۵) ابن ابی الدنیا نے حضرت عبد الرحمان بن ابی لیلیٰ سے حدیث بیان کی کہ انہوں نے فرمایا کہ مرنے کے بعد انسان کی روح ایک فرشتے کے ہاتھ میں ہوتی ہے وہ اسے لے کر جنازہ کے ساتھ چلتا ہے اور وہ اس روح سے کہتا ہے: "أَسْمَعُ مَا يَقَالُ لَكَ" کیا تو سن رہی ہے یہ جو کچھ تیرے بارے میں کہا جا رہا ہے پھر جب وہ فرشتہ اس کی قبر پر پہنچتا ہے تو اس روح کو اس کی لاش کے ساتھ دفن کر دیتا ہے۔

(۶) صحیحین (بخاری و مسلم) میں حضور سید عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ ارشاد بیان کیا گیا ہے کہ "إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ وَتَوَلَّى عَنْهُ أَصْحَابُهُ إِنَّهُ لَيَسْمَعُ قُرْعَ نَعَالِهِمْ" بے شک بندے کو جب اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۲۴- ﴿إِنَّا أَمَرْنَا سَلْمَانَ بِالْحَقِّ﴾ بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے [”بالحق“ ضمیر فاعل اور ضمیر مفعول دونوں میں سے کسی ایک سے حال ہے یعنی بے شک ہم نے آپ کو بھیجا اس حال میں کہ ہم حق کو ظاہر کرنے والے ہیں یا یہ کہ بے شک ہم نے آپ کو اس حال میں بھیجا کہ آپ حق کو بیان کرنے والے ہیں یا یہ مصدر کی صفت ہے ”ای ارسالاً مصحوباً بالحق“ یعنی آپ کو حق کے ساتھ ملا کر بھیجا ہے] ﴿بَشِيرًا﴾ آپ وعدہ الہی کے مطابق بہشتوں و دیگر اخروی نعمتوں کی خوش خبری دینے والے ہیں ﴿وَدَانِيًّا﴾ اور آپ وعید و دھمکی کے ذریعہ دوزخ کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں ﴿وَأَنَّ قَوْمَ آدَمَ﴾ [اس میں حرف ”ان“ نافیہ ہے یعنی ”وَمَا مِنْ أُمَّةٍ قَبْلَ أُمَّتِكَ“] اور آپ کی امت سے پہلے کوئی امت نہیں ہوئی مگر اس میں ڈرانے والا گزرا ہے اور ”أُمَّةٌ“ بہت بڑی جماعت کو کہا جاتا ہے جیسے ارشاد ہے: ”وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ“ (القصص: ۲۳) ”حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین کے کنوئیں پر لوگوں کی بہت بڑی جماعت کو پایا“ (بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مسلمان ساتھی اس سے رخصت ہو کر واپس جانے لگتے ہیں تو بے شک وہ اپنی قبر میں ان کے جوتوں کی آہٹ ضرور سنتا ہے۔

نوٹ: یہ تمام احادیث تفسیر روح المعانی الجزء الحادی والعشرون (اکیس پارہ) ص ۵۵ تا ۵۶ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور سے ماخوذ ہیں (فالحمد للہ علی ذالک) نیز میت کو دفن کرنے کے بعد اسے تلقین کرنے کی اور قبر والوں کو سلام کرنے کی اور نکیرین کے سوالوں کے جواب دینے کی تمام احادیث مبارکہ سماع موتی (مردوں کے سننے) کی دلیلیں ہیں۔

علماء کے اقوال

پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

- (۱) علامہ ابن قیم نے متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد سماع موتی کے متعلق اپنی تحقیق کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے لکھتے ہیں: ”والسلف مجمعون علی هذا وقد تواترت الآثار عنهم بان المیت يعرف زیارة الحی له ویستبشر به“ یعنی سلف صالحین کا سماع موتی پر اجماع اور اتفاق ہے اور ان سے درجہ تواتر تک ایسی روایات مروی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ میت کی زیارت کے لیے جب کوئی شخص آتا ہے تو میت کو اس کی آمد کا علم بھی ہوتا ہے اور اس سے اسے بڑا سرور حاصل ہوتا ہے۔
- (۲) علامہ عثمانی نے فتح الملہم شرح مسلم میں اس مسئلہ کی خوب تحقیق کی ہے۔ متعدد احادیث اور اقوال علماء تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ”والذی یحصل لنا من مجموع النصوص واللہ اعلم ان سماع الموتی ثابت فی الجملة بالاحادیث الکثیرة الصحیحة“ یعنی ان متعدد روایات سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ صحیح اور کثیر التعداد احادیث سے سماع موتی ثابت ہے۔ واللہ اعلم
- (۳) سید انور شاہ صاحب فیض الباری شرح بخاری ج ۲ ص ۶۷ پر اپنا عقیدہ تحریر فرماتے ہیں: ”اقول والاحادیث فی سماع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر وفی حدیث صححہ ابو عمرو ان احدا اذا سلم علی المیت فانه یرد علیہ ویعرفہ ان کان يعرفہ فی الدنیا“ میں (سید انور شاہ) کہتا ہوں کہ سماع موتی کے ثبوت کے لیے اتنی احادیث ہیں جو درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہیں اور صحیح حدیث میں ہے جب کوئی شخص میت کو سلام کرتا ہے تو وہ اس کا جواب دیتا ہے اور اگر صاحب مزار اس کو دنیا میں پہچانتا تھا تو اب بھی وہ اس کو پہچان لیتا ہے۔ اکابر علماء دیوبند کی تصریحات کا مطالعہ آپ نے فرمایا۔ معلوم نہیں اب ان کے شاگرد اور پیروکار اپنے ان بزرگوں کے عقیدہ کے برعکس سماع موتی کا انکار کیوں کرتے ہیں اور اولیائے کرام کی مزارات پر انوار پر حاضر ہونے والوں پر کفر و شرک کا فتویٰ کیوں لگاتے ہیں۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۵۸۷ تا ۵۸۸ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ لاہور)

اور ہر زمانے کے باشندوں کو امت کہا جاتا ہے اور یہاں ہر زمانہ کے لوگ مراد ہیں اور چونکہ حضرت عیسیٰ اور ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کے درمیان نذارت (ڈرانے) کی علامات و نشانیاں باقی تھیں سو اس لیے یہ امتیں ڈرانے والے پیغمبر سے خالی نہیں رہیں اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ڈرانے کے آثار و علامات ختم ہو گئے تو سید عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث کیا گیا ﴿الْأَخْلَافُ فِيهَا نَذِيرٌ﴾ مگر اس میں ڈرانے والا گزرا ہے جو انہیں سرکشی و نافرمانی کی خامی اور کفر و شرک اور ناشکری کے بُرے انجام سے ڈراتا رہا اور اللہ تعالیٰ نے ”بشیر“ اور ”نذیر“ دونوں کے ذکر کے بعد اس آیت مبارکہ کے آخر میں ”بشیر“ کی بجائے صرف ”نذیر“ کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے اس لیے کہ نذارت بشارت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے سو نذارت کا ذکر بشارت کے ذکر پر دلالت کرتا ہے۔

۲۵ = ﴿وَإِنْ يَكْذِبُونَكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ﴾ اور اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو بے شک ان سے پہلے لوگوں نے بھی اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا حالانکہ ان کے رسول ان کے پاس واضح معجزات اور صحیفے لے کر تشریف لائے تھے [جاءتہم رسلہم] حال ہے اور ”وقد“ پوشیدہ مقدر ہے [بالبینات] سے معجزات مراد ہیں اور ”زبور“ سے صحیفے مراد ہیں ﴿وَبِالْحُكْمِ الْمُنِيرِ﴾ اور روشن کتاب یعنی تورات انجیل اور زبور۔ اور جب یہ چیزیں ان کی جنس میں سے ہیں تو ان چیزوں کو اسناد مطلق کے ساتھ ان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے اگرچہ ان میں سے بعض ان سب میں موجود ہیں اور وہ معجزات ہیں اور بعض چیزیں ان کے بعض میں ہیں اور وہ زبور اور کتاب ہے اور اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے۔

۲۶ = ﴿ثُمَّ أَخَذْتُ﴾ پھر میں نے پکڑ لیا یعنی میں نے سزا دی ﴿الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ کافروں کو مختلف اقسام کی سزا ﴿فَكَيْفَ كَانَ يَكْفُرُ﴾ سو میرا ان پر انکار اور میرا ان کو عذاب دینا کیسا ہوا۔

الْمُتَرَاتِنَ اللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا
وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ﴿۳۷﴾
وَمِنَ النَّاسِ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَلِكَ إِنَّمَا يَخْشَى
اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ﴿۳۸﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ
اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ
تِجَارَةً لَنْ تَبُورًا ﴿۳۹﴾

(اے محبوب!) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس کے ذریعہ پھل اگائے جن کے رنگ مختلف ہیں اور پہاڑوں میں کئی قسم کے راستے ہیں سفید اور سرخ جن کے رنگ مختلف ہیں اور بہت سیاہ کالے پہاڑ ہیں O اور انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں میں سے بھی اسی طرح مختلف رنگ کے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے صرف علمائے دین ڈرتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ سب پر غالب بہت بخشنے والا ہے O بے شک

جو لوگ کتاب الہی کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور وہ اس مال میں سے کھلے چھپے خرچ کرتے ہیں جو ہم نے ان کو رزق عطا فرمایا ہے وہ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جس میں کبھی نقصان نہیں ہوگا O

اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا بیان

۲۷۔ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ﴾ (اے محبوب!) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر ہم نے اس کے ذریعے (یعنی) بارش کے پانی کے ذریعے پھلوں کو پیدا کیا ﴿مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُا﴾ ان کے رنگ (یعنی) ان کی اجناس مختلف ہیں جیسے انار، سیب، انجیر اور انگور اور ان کے علاوہ دیگر وہ نعمتیں جن کو شمار نہیں کیا جاسکتا یا یہ کہ ان کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں، کچھ سرخ ہوتے ہیں اور کچھ زرد ہوتے ہیں اور کچھ سبز ہوتے ہیں اور اسی طرح اور رنگ ہیں ﴿وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ﴾ اور پہاڑوں میں مختلف راستے ہیں ان کے رنگ بھی مختلف ہوتے ہیں یہ ”جُدَّةٌ“ کی جمع ہے جیسے ”مُدَدٌ“، ”مُدَّةٌ“ کی جمع ہے ﴿بَيْضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُا وَعَسَاوِیْبٌ سَوْدٌ﴾ کچھ سفید ہیں اور کچھ سرخ ہیں ان کے رنگ مختلف ہیں اور بہت کالے سیاہ پہاڑ بھی ہیں [اور ”غرابیب“، ”غریب“ کی جمع ہے جس کا معنی ہے: سیاہ کالا اور یہ ”اسود“ کی تاکید کے لیے آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: ”اسود غریب“ بہت کالا سیاہ اور یہ سیاہی میں بہت گہرا ہوتا ہے اور اس میں بہت زیادہ کالا سیاہ ہوتا ہے اور اسی سے ”غراب“ (کالا سیاہ کوا) ماخوذ ہے اور تاکید کا حق یہ ہے کہ وہ موکد کے بعد ہو جیسے ”اصفر فاقع“ گہرا زرد رنگ، مگر اس کا موکد اس سے پہلے مضمّر ہے اور جو اس کے بعد ”سود“ ہے یہ مضمّر کی تفسیر ہے اور یہ صرف تاکید کے استحکام کے لیے کیا جاتا ہے تاکہ تاکید ایک معنی پر دو طریقوں سے دلالت کرے ایک اظہار سے دوسرا ضمّار سے اور حذف مضاف کو مقدر ماننا واجب و لازم ہے یعنی اس ارشاد میں ”(ومن الجبال) ذو جدد بیض و حمر و سود“ [اور پہاڑوں میں مختلف رنگ والے راستے ہوتے ہیں سفید، سرخ اور سیاہ یہاں تک کہ یہ کلام تمہارے اس قول کی طرف لوٹ جائے: ”ومن الجبال مختلف الوانہ“ اور پہاڑوں کے مختلف رنگ ہوتے ہیں جیسا کہ ارشاد فرمایا: ”ثمرات مختلفا الوانها“ (فاطر: ۲۷) ”پھلوں کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔“

۲۸۔ ﴿وَمِنَ النَّاسِ وَالْذَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ﴾ اور انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں کے رنگ مختلف ہیں یعنی ان میں سے بعض کے رنگ مختلف ہیں ﴿كَذَٰلِكَ﴾ اسی طرح یعنی جس طرح پھلوں اور پہاڑوں کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”الم تر ان اللہ انزل من السماء ماء“ اور اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کی قدرت کی علامات اور اس کی صنعت کی نشانیوں کو شمار کیا گیا اور مختلف اجناس کی تخلیق کا ذکر کیا گیا اور ان چیزوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ذات پر اور اس کی صفات پر استدلال کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بعد ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے صرف علمائے دین ڈرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی

۱۔ واضح ہو کہ اس آیت میں علماء سے مراد وہ نہیں ہیں جو محض تاریخ، فلسفہ اور دنیاوی اور مروجہ علوم کے عالم ہوں بلکہ اس سے مراد علمائے دین ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے عالم ہوں، قرآن، حدیث اور فقہ کی کتب پر عبور رکھتے ہوں، ان کو قدر ضروری احکام شرعیہ مستحضر ہوں اور ان کو اتنی مہارت حاصل ہو کہ وہ عقیدہ اور عمل سے متعلق ہر مطلوبہ مسئلہ کو اس کی متعلقہ کتابوں سے نکال سکتے ہوں اور ان کے دل میں خوف خدا ہو جس کی بناء پر وہ علم کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوں اور جو شخص بے عمل ہو وہ عالم کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۹ ص ۶۷۴، فرید بک سٹال لاہور)

(۱) حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ بے شک میری مخلوق میں سے مجھ سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ذات کا علم و عرفان رکھنے والے علماء جنہوں نے اس کی ذات کو اس کی صفات سے جان کر پہچان لیا، سوائے انہوں نے اس کو معظم و مکرم جانا اور جس شخص کا علم زیادہ ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ کا خوف بھی زیادہ ہوگا اور جس شخص کا علم بہت کم ہوگا وہ بے خوف ہوگا اور حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو جانتا ہوں اور میں تم سب سے زیادہ اس سے ڈرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کو مقدم کرنا اور ”العلماء“ کو مؤخر کرنا اس بات کا اعلان ہے کہ اس کلام الہی کا معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے بندوں میں اس سے صرف علمائے دین ڈرتے ہیں، ان کے علاوہ دیگر لوگ خوف خدا نہیں رکھتے اور اگر اس کو برعکس پڑھا جائے: ”إِنَّمَا يَخْشَى الْعُلَمَاءُ مِنْ عِبَادِهِ اللَّهُ“ تو معنی یہ ہوگا کہ بے شک علمائے دین صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ“ (الاحزاب: ۳۹) اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) صرف وہی ڈرتا ہے جو میرے جبروت و تسلط اور میری عزت و عظمت اور میری سلطنت و غلبہ کا علم رکھتا ہے۔

(۲) حضرت مسروق نے فرمایا کہ عالم وہی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور جاہل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے غرور کرتا ہے۔

(۳) حضرت امام شعبی سے کسی آدمی نے سوال کیا کہ مجھے بتائیے عالم کون ہے؟ تو امام شعبی نے فرمایا: ”انما العالم من خشي الله عزوجل“ بے شک عالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔

(تفسیر معالم التنزیل للبخاری ج ۳ ص ۵۶۹-۵۷۰، مطبوعہ دارالمعرفۃ، بیروت، تفسیر لباب التاویل للبخاری ج ۳ ص ۵۳۳،

مطبوعہ دارالکتب العربیۃ الکبریٰ، مصر، تفسیر مظہری ج ۸ ص ۵۲، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی)

(۴) حضرت ربیع بن انس نے فرمایا: ”من لم يخش الله فليس بعالم“ جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا سو وہ عالم نہیں۔

(تفسیر لباب التاویل للبخاری ج ۳ ص ۵۳۳، تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۱۵۵، بحوالہ تفسیر قرطبی)

(۵) حضرت مقاتل نے فرمایا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا وہی ہوتا ہے جو ان میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم رکھتا ہے۔ (تفسیر لباب التاویل ج ۳ ص ۵۳۳)

(۶) حضرت مجاہد نے فرمایا: ”انما العالم من خشي الله عزوجل“ بے شک عالم صرف وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۱۵۵، تفسیر تبیان القرآن ج ۹ ص ۶۷۵)

(۷) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”ليس العلم عن كثرة الحديث لكن العلم عن كثرة الخشية“ زیادہ باتیں بنانا علم نہیں بلکہ کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا علم ہے۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۱۵۳، تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۷۸، نور محمد کارخانہ تجارت، کراچی)

(۸) حضرت انام مالک فرماتے ہیں: کثرت روایات کا نام علم نہیں اور علم تو ایک نور ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، ضیاء القرآن)

(۹) حضرت احمد بن صالح مصری فرماتے ہیں کہ کثرت روایت کا نام علم نہیں بلکہ قرآن و سنت کی تعلیم اور ان کی اتباع کا نام علم ہے جن کی اتباع ہم پر فرض ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۷۸)

(۱۰) حضرت الشیخ العارف الاجل شہاب الدین السہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ”من لا خشية له فهو ليس بعالم“ جس شخص کے دل میں خوف خدا نہیں تو وہ عالم نہیں ہے۔

(تفسیر مظہری ج ۸ ص ۵۳، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی)

(۱۱) حضرت سعد بن ابراہیم سے پوچھا گیا کہ ”من افقه اهل المدينة قال اتقاهم لربهم عزوجل“ اہل مدینہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے“ اور ان دونوں میں فرق ہے، سو پہلے معنی میں اس بات کا بیان ہے کہ خوف و ڈر رکھنے والے صرف وہی علمائے دین ہیں اور دوسرے معنی میں اس بات کا بیان ہے کہ بے شک جس ذات سے ڈرا جاتا ہے اور جس کا خوف و ڈر رکھا جاتا ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت عمر بن عبدالعزیز اور حضرت محمد ابن سیرین رحمہم اللہ تعالیٰ نے ”إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ“ پڑھا ہے اور اس قراءت میں خشیت سے عظمت و فضیلت کی طرف استعارہ ہے (کیونکہ ”إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَاكُمْ“ (الحجرات: ۱۳) کے تحت عزت و عظمت صرف خشیت سے حاصل ہوتی ہے) اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے صرف علمائے دین کو عزت و عظمت عطا کرتا ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت غالب بے حد بخشنے والا ہے۔ یہ خشیت کے وجوب کی علت ہے کیونکہ یہ نافرمانوں کو سزا دینے اور ان کو گرفتار کرنے پر اور اطاعت گزاروں کو ثواب عنایت کرنے اور ان سے درگزر کرنے پر دلالت کر رہا ہے اور ثواب و عذاب دینے والے کا حق یہ ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔

حاملین قرآن کا بیان

۲۹- ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ﴾ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کرتے رہتے ہیں (یعنی) جو لوگ قرآن مجید کی تلاوت کرنے پر دوام و ہمیشگی اختیار کر لیتے ہیں ﴿وَأَتَمُّوا الصَّلَاةَ وَآتَوْا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً﴾ اور وہ نماز کو قائم رکھتے ہیں اور ہم نے انہیں جو کچھ رزق عطا فرمایا ہے وہ اس میں کھلے چھپے خرچ کرتے ہیں یعنی وہ نقلی صدقات و خیرات کو پوشیدہ خرچ کرتے ہیں اور فرض صدقات کو اعلانیہ خرچ کرتے ہیں یعنی وہ لوگ قرآن مجید پر عمل کرنے کی حلاوت کی وجہ سے صرف اس کی تلاوت پر قناعت نہیں کرتے (بلکہ دیگر مذکورہ بالا نیکیاں بھی کرتے ہیں) ﴿يَرْجُونَ﴾ وہ امید رکھتے ہیں [یہ ”إِنَّ“ کی خبر ہے] ﴿بِتِجَارَةٍ﴾ تجارت کی یہ عبادت و اطاعت پر طلب ثواب کی امید ہے ﴿لَنْ تَبُورَ﴾ یہ تجارت کبھی گھائے میں ہرگز نہیں رہتی یعنی یہ ایک ایسی تجارت ہے جس سے گھاٹا اور نقصان منشی و ختم ہو گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسے ہمیشہ مٹا دیا گیا ہے اب کبھی نقصان نہیں ہوگا۔

لِيُوقِيَهُمْ أَجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّكَ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿۳۰﴾ وَالَّذِي

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) میں سب سے بڑا فقیہ کون ہے؟ انہوں نے فرمایا: جو اپنے رب تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

(تفسیر تبيان القرآن ج ۹ ص ۶۷۴، تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۱۵۵)

(۱۲) حضرت حسن بیان فرماتے ہیں کہ فقیہ (ماہر عالم دین) وہ ہے جو دنیا سے بے رغبتی کرے آخرت میں رغبت کرے اس کو اپنے دین پر بصیرت ہو اور اپنے رب تعالیٰ کی عبادت پر دوام اور ہمیشگی کرتا ہو۔

(تفسیر تبيان القرآن ج ۹ ص ۶۷۴، بحوالہ سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۹۹)

(۱۳) حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا ارشاد گرامی آپ زر سے لکھنے کے قابل ہے: ”ان الفقیہ حق الفقیہ من لم یقنط الناس من

رحمة الله ولم یرخص لهم فی معاصی الله تعالیٰ ولم یؤمن بهم من عذاب الله تعالیٰ ولم یدع القوان رغبته عنه

السی غیرہ“ بے شک صحیح معنوں میں فقیہ اور عالم وہ ہے جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں

انہیں جبری نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے انہیں بے خوف نہ کرے اور قرآن مجید کے بغیر اسے کوئی چیز اپنی طرف راغب نہ کر

سکے۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۱۵۵، بحوالہ تفسیر قرطبی)

أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ

لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ

لِنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ إِذِنَ اللَّهُ ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ

الْكَبِيرُ ﴿۳۲﴾

تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کا اجر و ثواب پورا پورا عطا کرے اور ان کو اپنے فضل و کرم سے مزید عطا فرمائے بے شک وہ بہت بخشنے والا بڑا قادر دان ہے O اور جو کتاب ہم نے آپ پر وحی کے ذریعے نازل کی ہے وہ حق ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی بہت خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے O پھر ہم نے اس کتاب کا ان لوگوں کو وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کر لیا ہے سوان میں سے بعض اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں اور ان میں سے بعض میانہ روی اختیار کرنے والے ہیں اور ان میں سے بعض اللہ تعالیٰ کے حکم سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں یہی بہت بڑا فضل ہے O

۳۰- ﴿لِيُوقِيَ هَذَا جُورَهُ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کا اجر و ثواب پورا عطا فرمادے یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو مال خرچ کرنے پر اپنے پاس سے ان کے اعمال کا ثواب بھر پور عطا فرمائے [یہ ”لَنْ تَبُورَ“ کے متعلق ہے] ﴿وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے انہیں مزید عطا فرمائے گا ان کی قبریں کشادہ کر کے یا ان کی شفاعت ان لوگوں کے حق میں قبول کر کے جنہوں نے ان کے ساتھ احسان کیا ہو گا یا ان کی نیکیوں کو کئی گنا بڑھا کر یا اپنی ملاقات کا وعدہ پورا کر کے مزید عطا فرمائے گا [یا ”یرجون“ محلاً حال ہے یعنی حالانکہ وہ امید رکھنے والے ہیں اور ”لیوفیہم“ کلام اور اس کا مابعد ”یتسلون“ کے ساتھ متعلق ہے یعنی انہوں نے یہ تمام اعمال تلاوت قرآن اور اقامت نماز اور راہ الہی میں اعلانیہ اور پوشیدہ خرچ کرنا صرف اسی مقصد کے لیے کیا تھا اور ”إِنَّ“ کی خبر درج ذیل ارشاد ہے: ﴿إِنَّكَ عَفُورٌ مُّشْكُورٌ﴾ بے شک وہ بہت بخشنے والا بڑا قادر دان ہے یعنی اللہ تعالیٰ انہیں بہت بخشنے والا ہے اور ان کے نیک اعمال کے لیے قادر دان ہے یعنی انہیں قلیل عمل پر کثیر ثواب عطا فرمائے گا۔

۳۱- ﴿وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ﴾ اور ہم نے جو کتاب یعنی قرآن مجید آپ کی طرف وحی کیا ہے وہ حق ہے [اس میں حرف ”مِنْ“ بیانیہ ہے] ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ اپنے سے پہلے گزشتہ کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے [”مُصَدِّقًا“ حال مؤکد ہے کیونکہ حق اس تصدیق سے جدا نہیں ہوتا] ﴿إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بہت خبردار (اور) خوب دیکھنے والا ہے سو وہ آپ کو خوب جانتا ہے اور آپ کے احوال کو خوب دیکھتا ہے اور وہ آپ کو اس کا اہل سمجھتا ہے کہ آپ کی طرف اس قسم کی سراسر معجز کتاب کو وحی کیا جائے جو دیگر تمام الہامی کتابوں پر مہر تصدیق خبت کرنے والی ہے۔

۳۲- ﴿ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ﴾ پھر ہم نے اس کتاب کا وارث بنایا یعنی ہم نے آپ کی طرف قرآن مجید وحی کیا پھر ہم نے آپ کے بعد اس کا وارث بنایا یعنی ہم نے اس کی وراثت کا حکم دیا (یا ہم نے اس کی وراثت کا فیصلہ کیا) ﴿الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا

من عبادنا ﴿﴾ ان لوگوں کو جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کیا اور وہ آپ کی امت ہے صحابہ کرام ہیں اور تابعین اور تبع تابعین اور ان کے بعد قیامت تک آنے والے اہل علم مسلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم جمعین ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو دیگر تمام امتوں پر منتخب کر لیا اور اس کو معتدل و میانہ روائت بنایا تاکہ یہ امت تمام لوگوں پر گواہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے رسولوں میں سے سب سے افضل رسول کی طرف منسوب کر کے امت محمدی ﷺ کی کرامت و شرافت کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو کئی مراتب پر تقسیم کیا چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿فَتَنَّهُمْ فَلَاحَ لِنَفْسِهِ﴾ سوان میں سے بعض اپنی جانوں پر زیادتی کرنے والے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے امیدوار بنائے گئے ہیں ﴿وَمِنْهُمْ مَّقْتَصِدٌ﴾ اور ان میں سے بعض درمیانہ راہ پر چلنے والے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے نیک اعمال کے ساتھ کچھ برے اعمال کو ملا لیا ہے ﴿وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ﴾ اور ان میں سے بعض نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں اور یہ معنی قرآن مجید کے موافق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ“ (التوبہ: ۱۰۰) اور مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ میں سے سب سے پہلے (ایمان میں) سبقت کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ارشاد فرمایا: ”وَآخِرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخِرًا سَيِّئًا“ (التوبہ: ۱۰۲) اور دوسرے حضرات جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا انہوں نے نیک عمل کو برے عمل کے ساتھ ملا دیا اور اس کے بعد ارشاد فرمایا: ”وَآخِرُونَ مُرْجُونَ لَأَمْرٍ اللَّهُ إِمَّا يَعْذِبُهُمْ وَإِمَّا يَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ“ (التوبہ: ۱۰۶) اور دوسرے حضرات جنہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کا امیدوار رکھا گیا ہے خواہ وہ انہیں سزا دے اور خواہ وہ ان کی توبہ قبول کر لے اور اللہ خوب جاننے والا بڑا حکمت والا ہے O اور حدیث شریف میں بھی یہی ترتیب بیان کی گئی ہے چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے منبر پر اس آیت مبارکہ کو تلاوت کرنے کے بعد فرمایا کہ لوگو! رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہمارے سبقت کرنے والے سابق و اول ہیں اور میانہ روی اختیار کرنے والے نجات پانے والے ہیں اور اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں کو بخش دیا جائے گا۔

اور حضور ﷺ سے مروی ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ سبقت کرنے والے بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے اور میانہ روی اختیار کرنے والوں سے آسان حساب لیا جائے گا پھر انہیں جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور لیکن اپنی جانوں پر ظلم و زیادتی کرنے والوں کو روک لیا جائے گا یہاں تک کہ وہ یہ گمان کریں گے کہ انہیں ہرگز نجات نہیں دی جائے گی پھر انہیں رحمت الہی اپنی آغوش میں لے لے گی اور انہیں جنت میں داخل کر لیا جائے گا۔ رواہ ابوالدرداء عن حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک اثر مروی ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ ”سابق“ سے نجات پانے والے مراد ہیں اور ”مقتصد“ سے امیدوار مراد ہیں اور ظالم سے نعمت کا انکار کیے بغیر نہ شکر کرنے والا مراد ہے کیونکہ تینوں کے لیے جنت میں جانے کا حکم ہے اور سلف صالحین کا اس کے بارے میں ارشاد ہے:

(۱) حضرت ربیع بن انس نے فرمایا: ”ظالم“ سے کبیرہ گناہوں کا مرتکب مراد ہے اور ”مقتصد“ سے صغیرہ گناہوں کا مرتکب مراد ہے اور ”سابق“ جو تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے بچنے والا ہو۔

(۲) حضرت حسن بصری نے فرمایا: ”ظالم“ وہ جس کی برائیاں زیادہ ہوں اور ”سابق“ وہ جس کی نیکیاں زیادہ ہوں اور

۱۔ رواہ ابن مردویہ کمانی الدر المنجور ج ۷ ص ۲۵، و ذکرہ القرطبی فی تفسیر ج ۱۴ ص ۳۶۶، و رواہ العقلمی فی الضعفاء الکبیر ج ۳ ص ۲۲۳

۲۔ مسند امام احمد ج ۵ ص ۱۹۸، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۹۵، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۶۳

”مقتصد“ وہ جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں۔

(۳) حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ مؤمنین ہیں جن کے درجے مختلف ہیں اور لیکن کفار کی صفت اس کے بعد بیان کی گئی ہے اور وہ یہ ارشاد ہے: ”وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ“ (فاطر: ۳۶) ”اور کافروں کے لیے دوزخ کی آگ ہے“ اور لیکن رہے یہ تینوں طبقات تو یہ وہ حضرات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے منتخب فرمایا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: ان میں سے بعض ”سابق“ ہیں اور بعض ”مقتصد“ ہیں اور بعض ”ظالم“ ہیں اور یہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ”الذین اصطفینا من عبادنا“ میں شامل ہیں اور وہ سب مسلمان ہیں اور اسی پر جمہور متفق ہیں اور ”ظالم“ کا ذکر اس لیے پہلے کیا گیا تاکہ ان کی کثرت کی اطلاع دی جائے اور ”مقتصدین“ تو ان ظالموں کی نسبت قلیل ہیں اور ”سابقون“ ان سے بھی قلیل ہیں اور حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ”ظالم“ کا ذکر پہلے کیا گیا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مایوس نہ ہو جائے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس کا ذکر پہلے اس لیے کیا گیا ہے تاکہ اسے بتایا جائے کہ اس کا گناہ اسے اس کے رب تعالیٰ سے بالکل دور نہیں لے گیا (توبہ کر کے قرب حاصل کر سکتا ہے) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ انسان کے تین احوال ہیں: ایک معصیت اور دوسرا توبہ اور تیسرا استقامت اور حضرت سہل نے فرمایا کہ ”سابق“ سے عالم دین اور ”مقتصد“ سے متعلم اور ”ظالم“ سے جاہل مراد ہے اور انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ ”سابق“ وہ ہے جو اپنی آخرت کی کامیابی میں مشغول ہے اور ”مقتصد“ وہ جو اپنے معاش اور اپنی آخرت دونوں میں مشغول ہو اور ”ظالم“ وہ جو اپنی آخرت سے غافل ہو کر صرف اپنے معاش میں مشغول رہتا ہو اور بعض نے فرمایا کہ ”ظالم“ وہ جو غفلت و عادت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو اور ”مقتصد“ وہ جو شوق و ذوق اور خوف کے ساتھ اس کی عبادت کرتا ہو اور ”سابق“ وہ جو اللہ تعالیٰ کو مستحق عبادت جان کر استحقاق و ہیبت کی بناء پر اس کی عبادت کرتا ہو اور بعض نے فرمایا کہ ”ظالم“ وہ جو دنیا کو حلال اور حرام دونوں طریقوں سے حاصل کرتا ہو اور ”مقتصد“ وہ جو محنت و مشقت اٹھا کر صرف حلال طریقے سے دنیا کو حاصل کرتا ہو اور ”سابق“ وہ جو دنیا سے منہ پھیر لے اور بغیر ضرورت کے اس کی طرف توجہ نہ کرے اور بعض حضرات نے فرمایا: ”ظالم“ وہ جو دنیا کا طالب ہو اور ”مقتصد“ وہ جو آخرت کا طالب ہو اور ”سابق“ جو مولیٰ کا طالب ہو ﴿يَا ذِينَ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے حکم سے یا اس کے علم سے یا اس کی توفیق سے ﴿ذَلِكَ﴾ یہ یعنی کتاب الہی قرآن مجید کی وراثت حاصل کرنا ﴿هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ﴾ یہی بہت بڑا فضل ہے۔

جَنَّتْ عَدَانٍ يَدْخُلُونَهَا يَحَلُونَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرٍ مِنْ ذَهَبٍ وَلَوْلَا
وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿۳۶﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ إِنَّ
رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ﴿۳۷﴾ الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهِ لَا يَمَسُّنَا فِيهَا
نُصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا الْغُوبُ ﴿۳۸﴾

داگ کی جنتوں میں وہ داخل ہوں گے ان میں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور ان میں ان کے لباس

ریشمی ہوں گے اور وہ کہیں گے: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہم سے ہر قسم کا غم ورنج دور کر دیا بے شک ہمارا پروردگار البتہ بہت بخشنے والا بڑا قدر دان ہے۔ جس نے اپنے فضل و کرم سے دائمی قیام گاہ میں ہمیں ٹھہرایا جس میں ہمیں نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ اس میں ہمیں کوئی تھکاوٹ پہنچے گی۔

حاملین قرآن کے انعام اور منکرین کے انجام بد کا بیان

۳۳- ﴿جَنَّتٌ عَدْنٌ يَدْخُلُونَهَا﴾ وہ دائمی جنتوں میں داخل ہوں گے یعنی وہ تینوں فریق دائمی بہشتوں میں جائیں گے [”جنات عدن“، ”ذالك“ کی دوسری خبر ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے یا یہ مبتدا اور ”يدخلونها“ اس کی خبر ہے اور ابو عمر کی قراءت میں ”يَدْخُلُونَهَا“ (فعل مضارع مجہول) ہے] ﴿يُحَلِّونَ فِيهَا مِنْ آسَافٍ مِنْ ذَهَبٍ وَلَوْلُؤًا﴾ ان کو ان میں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے یعنی انہیں سونے کے ایسے زیورات پہنائے جائیں گے جن پر موتیوں کا جڑاؤ ہوگا [”اساور“، ”اسورة“ کی جمع ہے اور ”اسورة“، ”سوار“ کی جمع ہے ”سوار“ کا معنی ہے: کنگن اور ”لؤلؤا“ نافع مدنی اور حفص کی قراءت میں ہمزہ کے ساتھ منصوب ہے اور ”اساور“ کے محل پر معطوف ہے ”ای یحلون اساور ولؤلؤا“ یعنی انہیں کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے] ﴿وَلِبَاسُ سُمْ فِيهَا حَرِيرٌ﴾ اور ان میں ان کا لباس ریشم کا ہوگا کیونکہ اس میں لذت بھی ہے اور زیب و زینت بھی ہے۔

۳۴- ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ﴾ اور وہ کہیں گے: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا (یعنی) دوزخ کی آگ کا خوف و غم یا موت کا خوف و غم یا دنیا کے غموں کو ہم سے دور کر دیا ﴿إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ﴾ بے شک ہمارا پروردگار ضرور بہت بخشنے والا ہے وہ تمام قصوروں کو بخش دے گا اگرچہ وہ بہت زیادہ ہوں گے ﴿شكور﴾ بہت بڑا قدر دان ہے وہ عبادات کو قبول فرمالتا ہے اگرچہ وہ بہت کم ہوں۔

۳۵- ﴿الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ الْمَقَامَةِ﴾ جس نے ہمیں دائمی قیام گاہ میں ٹھہرایا یعنی اقامت گاہ جس سے ہم نہ کوچ کریں گے اور نہ ہم اس سے جدا ہوں گے کہا جاتا ہے: ”اقامت اقامة و مقاما و مقامة“ (سب مصدر ہیں اسم ظرف نہیں ہیں) ﴿مِنْ فَضْلِهِ﴾ اس نے اپنے فضل و کرم اور اپنے احسان کی وجہ سے ہمیں دائمی قیام گاہ بہشت میں ٹھہرایا ہے ہمارا اپنا کوئی استحقاق نہیں ﴿لَا يَسْتَأْذِنُ فِيهَا النَّصَبُ﴾ ہمیں اس میں کوئی تکلیف و مشقت نہیں پہنچے گی ﴿وَلَا يَسْتَأْذِنُ فِيهَا الْغُوبُ﴾ اور نہ اس میں ہمیں کوئی تھکاوٹ و سستی لاحق ہوگی [قاری ابو عبد الرحمن السلمی نے ”غوب“ کو لام مفتوح کے ساتھ پڑھا ہے] اور یہ وہ چیز ہے جس کی وجہ سے کمزوری لاحق ہو جاتی ہے یعنی ہمیں کسی ایسے عمل کا مکلف نہیں کیا جائے گا جو ہمیں کمزور کر دے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فِيموتُوا وَلَا يَخَفُ
عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا كَذَلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ ﴿٣٦﴾ وَهُمْ يَصْطَرِحُونَ فِيهَا
رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ط أُولَٰئِكَ نَعْمَلُ مَا
يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمْ النَّذِيرُ قَدْ وَقَّأْنَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ

تَصَدِّقٌ

اور جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا ہے ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے نہ ان پر قضا آئے گی کہ وہ مرجائیں اور نہ ان سے دوزخ کا عذاب ہلکا کیا جائے گا ہم ہر ناشکرے کو اسی طرح سزا دیتے ہیں O اور وہ اس میں چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں (اس عذاب سے) نکال ہم نیک عمل کریں گے بہ خلاف ان اعمال کے جو پہلے کرتے تھے (جواب میں کہا جائے گا) اور کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ جو اس میں نصیحت حاصل کرنا چاہتا وہ نصیحت حاصل کر لیتا اور تمہارے پاس تو ایک ڈر سنانے والا تشریف لایا تھا سو تم (اب عذاب کا) مزہ چکھو پس ظالموں کا کوئی مددگار نہیں O

۳۶- ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ لَاقِفَةٌ ﴿۱﴾﴾ اور جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا ہے ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے ان پر قضا نہیں آئے گی کہ وہ مرجائیں [”فیموتوا“ نفی کا جواب ہے اور یہ ”ان“ ناصبہ مضمہ کی وجہ سے منصوب ہے] یعنی دوبارہ موت کی قضاء ان پر نہیں آئے گی کہ وہ (عذاب سے) امن و سکون حاصل کر لیں ﴿وَلَا يَخْفَعُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهِمْ﴾ اور ان سے اس کا عذاب (یعنی) دوزخ کی آگ کا عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا ﴿كَذَلِكَ﴾ اسی طرح (یعنی) اس سزا کی طرح ﴿يَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ﴾ ہم ناشکرے کو سزا دیتے ہیں [ابو عمرو کی قراءت میں ”يَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ“ ہے]۔

۳۷- ﴿وَهُمْ يَصْطَرِحُونَ فِيهَا﴾ اور وہ لوگ اس میں چیخ و پکار کریں گے اور چلائیں گے فریاد طلب کریں گے [ادریہ ”یفتعلون“ کے وزن پر باب افتعال سے ہے] اور ”صراخ“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: زور سے چیخ کر چلانا اور اس کو فریاد کرنے کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ فریاد کرنے والا فریادی اپنی آواز کو بہت بلند کرتا ہے ﴿وَدَبَّتْ﴾ اخرجنا نعمل صالحا غير الذي كنا نعمل ﴿۱﴾ اے ہمارے پروردگار! ہمیں نکال ہم نیک عمل کریں گے بہ خلاف اس کے جو ہم کرتے تھے یعنی وہ لوگ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! ہمیں دوزخ کی آگ سے نکال اور ہمیں دوبارہ دنیا میں واپس بھیج دے ہم وہاں جا کر کفر کے عوض ایمان لے آئیں گے اور ہم نافرمانی اور گناہوں کے بجائے اطاعت و فرماں برداری اختیار کریں گے اور نیک عمل کریں گے پھر دنیا کی زندگی کی مقدار کے برابر عرصہ گزر جانے کے بعد انہیں جواب دیا جائے گا کہ ﴿اُولَٰئِكَ نَجْزِيهِمْ مَّا يُبْتَغَىٰ فِيهَا مِنْ مَّا كَانُوا فِيهَا يَسْتَفْتِحُونَ﴾ کیا ہم نے تمہیں زندگی نہیں دی تھی کہ اس میں جو نصیحت حاصل کرنا چاہتا وہ نصیحت حاصل کر لیتا اور ممکن ہے کہ ”ما“ نکرہ موصوفہ ہو یعنی عمر عطا کرنا ”يتبدل فيہ من تدكر“ یہ ہر عمر کو شامل ہے جس میں مکلف انسان اپنی حالت کی اصلاح کرنے پر قادر ہو اور اگرچہ بہت کم ہو مگر ڈرانا دھمکانا اور ڈانٹنا ایسی عمر میں زیادہ اہم ہوتا ہے پھر بعض نے کہا کہ وہ اٹھارہ سال ہے اور بعض نے کہا کہ چالیس سال ہے اور بعض نے کہا: ساٹھ سال ہے ﴿وَجَاءَ كُمْ النَّذِيرُ﴾ اور تمہارے پاس ایک ڈر سنانے والا آیا تھا (یعنی) رسول اکرم ﷺ تشریف لائے تھے یا بڑھاپا (یا قرآن مجید) اور یہ ”اُولَٰئِكَ نَجْزِيهِمْ مَّا يُبْتَغَىٰ فِيهَا مِنْ مَّا كَانُوا فِيهَا يَسْتَفْتِحُونَ“ پر عطف ہے کیونکہ یہ لفظ استفہام ہے اور معنی کے اعتبار سے خبر ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ ”قَدْ عَمَّرْنَاكُمْ وَجَاءَ كُمْ النَّذِيرُ“ بے شک ہم نے تمہیں دراز زندگی عطا کی تھی اور تمہارے پاس ایک ڈر سنانے والا تشریف لایا تھا ﴿فَذُوقُوا﴾ ”العذاب“ سو تم عذاب کا مزہ چکھو ﴿فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ﴾ سو ظالموں کا کوئی مددگار نہیں جو ان کی مدد کر سکے۔

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ غَيْبِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۳۸﴾ هُوَ
الَّذِي جَعَلَكَ خَلِيفَ فِي الْأَرْضِ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ
كُفْرَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرَهُمْ إِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾

بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے غیب کا جاننے والا ہے بے شک وہ سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں (پہلے لوگوں کا) جانشین بنایا سو جس نے کفر اختیار کیا تو اس کے کفر کا وبال اسی پر ہے اور کافروں میں ان کا کفر ان کے رب تعالیٰ کے نزدیک اضافہ نہیں کرتا مگر سخت بغض و عناد کا اور کافروں میں ان کا کفر زیادہ نہیں کرتا مگر نقصان کو

اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت کی شان اور کفر و شرک کے نقصان کا بیان

۳۸- ﴿إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ غَيْبِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے غیب کو خوب جاننے والا ہے (یعنی) ان دونوں میں جو کچھ تم سے غائب اور پوشیدہ ہے اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ﴿إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ بے شک وہ سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔ یہ کلام علت کی طرح ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ سینوں اور دلوں کی باتوں کو جانتا ہے حالانکہ وہ سب سے زیادہ پوشیدہ ہوتی ہیں تو پھر وہ دنیا کی تمام غیب چیزوں کو یقیناً جانتا ہے اور ”ذات الصدور“ سے اس کی پوشیدہ باتیں اور ارادے مراد ہیں اور ”ذات“ یہ ”ذو“ کی مؤنث ہے جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول میں ہے کہ ”ذو بطن خارجة جنارية“ لہٰذا خارجہ کے پیٹ سے لڑکی ہوگی یعنی اس کے پیٹ میں جو حمل ہے وہ لڑکی ہوگی اس لیے کہ حمل پیٹ کے ساتھ ہوتا ہے اور اسی طرح پوشیدہ خیالات و باتیں سینوں کے ساتھ ہوتی ہیں اور ”ذو“ صحبت کے معنی کے لیے بنایا گیا ہے۔

۳۹- ﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَكَ خَلِيفَ فِي الْأَرْضِ﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے تمہیں زمین میں پہلے لوگوں کا جانشین بنایا۔ جانشین کے لیے خلیفہ بولا جاتا ہے اور اس کی جمع ”خلائفہ“ آتی ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی زمین میں خلیفہ اور جانشین بنایا اور بے شک اس نے زمین میں تصرف کی چابیوں کا تمہیں مالک بنا دیا اور اس نے تمہیں اس کی ہر چیز پر مسلط کر دیا اور اس نے تمہارے لیے زمین کے منافع و فوائد کو مباح و جائز قرار دے دیا تاکہ تم عقیدہ توحید اور عبادت و اطاعت پر اس کا شکر ادا کرو ﴿فَمَنْ كَفَرَ﴾ سو تم میں سے جس نے کفر اختیار کر لیا اور اس عالی شان قسم کی نعمت کی ناشکری کی ﴿فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ﴾ تو اس کا کفر اسی پر پڑے گا (یعنی) اس کے کفر کا وبال اسی پر لوٹے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کا غضب اور اس کی ناراضگی ہے اور آخرت کا خسارہ ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا﴾ اور کافروں میں ان کا کفر ان کے پروردگار کے نزدیک اضافہ نہیں کرتا مگر بغض و عناد میں اور ”مقتًا“ کا معنی ہے: سخت ترین بغض ﴿وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرَهُمْ إِلَّا خَسَارًا﴾ اور کافروں کا کفر ان میں نہیں بڑھاتا مگر خسارہ کو (یعنی) ہلاکت و نقصان کو۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَ كُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَسْرُونِي مَا ذَا خَلَقُوا

ل رواہ مالک فی الموطأ ج ۲ ص ۵۲

مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَوَاتِ ۚ أَمْ آتَيْنَهُم كِتَابًا فَهُمْ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ
مِّنْهُ ۚ بَلْ إِنْ يَعِدُ الظَّالِمُونَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا ﴿۴۰﴾ إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا ۚ وَلَئِن زَالَتَا إِنْ أُمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّنْ
بَعْدِهِ ۗ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿۴۱﴾

فرمادیتے کہ تم بھلا مجھے اپنے شریکوں کے بارے میں بتلاؤ جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو تم مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین میں سے کون سا حصہ پیدا کیا ہے یا آسمانوں کے پیدا کرنے میں ان کا کچھ حصہ ہے یا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے پس وہ اس کی کسی واضح دلیل پر قائم ہیں بلکہ ظالم لوگ ایک دوسرے کو وعدہ نہیں دیتے مگر صرف مکر و فریب کا ○ بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو روکے ہوئے ہے تاکہ وہ اپنے مرکز سے ہٹ نہ جائیں اور اگر وہ دونوں اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو اس کے بعد ان دونوں کو کوئی نہیں روک سکتا بے شک وہ بڑا حلم والا بہت بخشنے والا ہے ○

۴۰۔ ﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۗ﴾ اے محبوب! فرمادیتے کہ (اے مشرکوں!) کیا تم اپنے شریکوں کے بارے میں مجھے بتلا سکتے ہو تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت و پرستش کرتے ہو (یعنی) اپنے معبودوں کے متعلق جن کو تم نے عبادت میں شریک ٹھہرایا ہے ﴿أَمْ أُوتِي مَاذَا أَخْلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ﴾ مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین کا کون سا حصہ پیدا کیا ہے [یہ "ارءیتم" سے بدل ہے کیونکہ "ارءیتم" کا معنی ہے: "اخبرونی" گویا فرمایا گیا کہ "اخبرونی عن هؤلاء الشركاء و عما استحقوا به الشركة" مجھے ان شریکوں کے بارے میں بتاؤ کہ وہ کس سبب کی وجہ سے شرکت کے مستحق ٹھہرے ہیں مجھے یہ بھی دکھاؤ کہ زمین کے حصوں میں سے کون سا حصہ ہے جس کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا خود مستقل پیدا کیا ہے ﴿أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَوَاتِ﴾ کیا ان کی آسمانوں میں شرکت ہے (یعنی) کیا ان کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ آسمانوں کے پیدا کرنے میں شرکت و حصہ داری ہے (کہ اس کی وجہ سے وہ الوہیت میں شریک ہوں) ﴿أَمْ آتَيْنَهُمْ كِتَابًا فَهُمْ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْهُ﴾ یا ہم نے انہیں کوئی کتاب عطا کی ہے کہ جس کی وجہ سے وہ واضح دلیل پر قائم ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس کوئی کتاب ہے جو یہ بیان کرتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں سو اس کتاب کی وجہ سے وہ حجت و برہان رکھتے ہیں [علی کسائی، ابن عامر شامی، نافع مدنی اور ابو بکر کوفی کی قراءت میں "بیِّنات" (واحد کی بجائے جمع) ہے] ﴿بَلْ إِنْ يَعِدُ الظَّالِمُونَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا﴾ بلکہ ظالم لوگ ایک دوسرے کو وعدہ نہیں دیتے ﴿إِلَّا غُرُورًا﴾ مکر و فریب کا اور وہ ان کا یہ کہنا ہے کہ "هؤلاء شفعاء ونا عند الله" (یونس: ۱۸) "یہ بت اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری سفارش کریں گے" "بعضهم" "الظالمون" سے بدل ہے اور ان دونوں سے سردار اور بڑے لوگ مراد ہیں جب کہ بعضاً سے بیروکار مراد ہیں۔

۴۱۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو روکے ہوئے ہے تاکہ وہ اپنے مرکز سے ہٹ نہ جائیں (یعنی) اللہ تعالیٰ ان دونوں کو اپنی اصل جگہ سے ہٹ جانے سے روکے ہوئے ہے کیونکہ "الشمس" کا معنی منج ہے ﴿وَلَئِن زَالَتَا﴾ اور اگر بقرضِ محال وہ دونوں اپنے مرکز سے ہٹ جائیں تو ﴿إِنْ أُمْسَكَهُمَا مِنْ﴾

أَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهِ ۗ اس کے بعد ان دونوں کو کوئی نہیں روک سکتا [پہلا "مِن" نفی کی تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا ہے اور دوسرا "مِن" ابتداء کے لیے ہے] ﴿إِنَّكَ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا﴾ بے شک وہ بڑا حلم والا بہت بخشنے والا ہے جلد سزا نہیں دیتا اس لیے آسمانوں اور زمین کو روکے ہوئے ہے حالانکہ ان دونوں کے لیے مناسب تھا کہ وہ کلمہ شرک کی بناء پر مشرکین پر گر پڑتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ" (مریم: ۹۰) "قرب ہے کہ اس (شرک) کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے۔"

وَأَقْسُوا بِاللَّهِ جَهْدًا أَيْمَانِهِمْ لِيُنْجِيَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْ أَيْدِيهِمْ وَأَلْجَأِ الْكُفَّارَ إِلَى اللَّهِ لِلنَّاصِرِينَ الَّذِينَ آمَنُوا بِهِمْ يُفَوِّدُ أَيْمَانَهُمْ عَلَيْهِمْ لَمْ كَانُوا بِهِم مُّشْرِكِينَ ۗ

الْأُمَمِ ۗ فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَّا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا ۗ اِسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ

وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۗ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئِ إِلَّا بِأَهْلِهِ ۗ فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا

سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ ۗ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۗ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ

تَحْوِيلًا ﴿۳۳﴾

اور انہوں نے اپنی پختہ قسموں میں سے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈر سنانے والا آیا تو وہ ضرور تمام امتوں میں کسی نہ کسی امت سے زیادہ ہدایت پانے والے ہوں گے پھر جب ان کے پاس ڈر سنانے والا تشریف لایا تو صرف ان کی نفرت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ زمین میں تکبر کرنے اور بُری سازش کرنے کی وجہ سے اور بُری سازش نازل نہیں ہوتی مگر اس کے کرنے والے پر سو وہ کس کا انتظار کر رہے ہیں ماسوا پہلے لوگوں کے دستور کے سو آپ اللہ تعالیٰ کے دستور میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے اور آپ اللہ تعالیٰ کے دستور میں کوئی ہیرا پھیری نہیں پائیں گے۔

کفار مکہ کو جھوٹی قسم کھانے اور بُری سازش کرنے پر اکتاہ

۴۲- ﴿وَأَقْسُوا بِاللَّهِ جَهْدًا أَيْمَانِهِمْ﴾ اور انہوں نے اپنی پختہ قسموں میں سے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہا "جہد

ایمانہم" میں "جہد" مصدر ہونے کی بناء پر منصوب ہے یعنی کئی قسمیں یا حال کی بناء پر منصوب ہے یعنی وہ اپنی قسموں میں

بہت کوشش کرنے والے ہیں [لِيُنْجِيَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْ أَيْدِيهِمْ وَأَلْجَأِ الْكُفَّارَ إِلَى اللَّهِ لِلنَّاصِرِينَ الَّذِينَ آمَنُوا بِهِمْ يُفَوِّدُ أَيْمَانَهُمْ عَلَيْهِمْ لَمْ كَانُوا بِهِم مُّشْرِكِينَ ۗ] البتہ اگر ان کے پاس کوئی ڈر

سنانے والا آ گیا تو وہ گزشتہ امتوں میں کسی نہ کسی امت سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے۔ جب حضور نبی

کریم ﷺ کے اعلان نبوت سے پہلے قریش مکہ کو خبر پہنچی کہ اہل کتاب نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا ہے تو انہوں نے کہا کہ اللہ

تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ ان کے پاس رسول تشریف لائے مگر انہوں نے ان کی تکذیب کی سو اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر

ہمارے پاس کوئی رسول تشریف لایا تو ہم ان امتوں میں سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے یعنی ہم اس امت میں

سے ہوں گے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ امتوں میں ایک (یکتا) ہے اس بناء پر کہ وہ دوسری امتوں پر ہدایت و

استقامت میں فضیلت و برتری رکھتی ہے جیسا کہ بڑی مصیبت کے لیے کہا جاتا ہے: "ہی احدى الدواہی" یہ مصیبتوں

میں سے بڑی مصیبت ہے ﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ﴾ پھر جب ان کے پاس ڈر سنانے والا آ گیا (یعنی) جب رسول اللہ ﷺ

کو مبعوث کیا گیا ﴿مَا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا﴾ تو ان کی نفرت میں اور اضافہ ہو گیا یعنی رسول اللہ ﷺ کی آمد نے ان میں صرف نفرت اور حق سے دوری کو بڑھا دیا [اور یہ مجازی اسناد ہے]۔

۴۳- ﴿إِن سَبَّكَذَا فِي الْأَمْثَلِ وَمَكَرَ السَّيِّئُ﴾ زمین میں تکبر کرنے اور بُری سازش کرنے کی وجہ سے [یہ دونوں مفعول لہ ہیں] اور معنی یہ ہے کہ ان میں رسول کی آمد پر نفرت میں اضافہ محض تکبر کرنے اور بُری سازش کرنے کی وجہ سے ہوا [یا یہ حال ہیں] یعنی کفار مکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تکبر و غرور کرنے والے اور مکرو فریب کرنے والے ہیں اور اس کی اصل ”وان مکر و السیء“ اور یہ کہ انہوں نے بُرا فریب کیا یعنی بُری سازش پھر اور بُری سازش پھر اور بُری سازش اور اس کی دلیل یہ ارشاد ہے کہ ﴿وَلَا يَجِئُ﴾ اور نہیں گھیرتا اور نہ نازل ہوتا ہے ﴿الْمُكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ﴾ بُرا مکرو فریب مگر اس کے کرنے والے پر اور بے شک بدر کے دن ان کے مکرو فریب نے انہیں گھیر لیا تھا اور جیسا کہ کہاوت ہے کہ ”من حفر لآخیه جبًا وقع فیہ مکبًا“ جو شخص اپنے کسی بھائی کے لیے کنواں کھودتا ہے وہ خود اس میں اونڈھا گر پڑتا ہے ﴿فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ﴾ سو وہ کس کا انتظار کر رہے ہیں مگر پہلے لوگوں کے دستور کا اور وہ ان گزشتہ امتوں پر عذاب نازل کرنا ہے جنہوں نے کفار مکہ سے پہلے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا اور معنی یہ ہے کہ کفار مکہ آپ کو جھٹلانے کے بعد اب کس کا انتظار کر رہے ہیں مگر صرف اسی بات کا کہ ان پر اسی طرح عذاب نازل ہو جائے جس طرح ان سے پہلے رسولوں کے جھٹلانے والے لوگوں پر عذاب نازل ہوا تھا اور اس کے لیے ان کے استقبال کو ان کی طرف سے اس عذاب کا انتظار قرار دیا گیا ہے ﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَا لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا﴾ سو آپ اللہ تعالیٰ کے دستور کو بدلتا ہوا ہرگز نہیں پائیں گے اور نہ آپ اللہ تعالیٰ کے دستور کو کبھی ٹلتا ہوا پائیں گے۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بیان کر دیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا دستور رسولوں کے جھٹلانے والوں سے انتقام لینا ہے یہ ایک ایسا دستور ہے جس کو اللہ تعالیٰ کبھی نہیں بدلتا اور نہ اس کو اوقات مقررہ سے پھیرتا ہے بلکہ یہ کام یقیناً ہر حال میں ہو کر رہتا ہے۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ

قَبْلِهِمْ وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ

فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ﴿۴۳﴾ وَلَوْ يَوَاحِدُ

اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَى ظُهُرِهِمْ مِنْ دَابَّةٍ وَلَكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ

إِلَىٰ آجَلٍ مُّسَمًّى فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ﴿۴۴﴾

ع

اور کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا سو وہ غور سے دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا حالانکہ وہ قوت و طاقت میں ان سے بہت زیادہ سخت تھے اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ کوئی چیز اسے آسمانوں میں عاجز کر سکے اور نہ ہی زمین میں سے بے شک وہ خوب جاننے والا بڑی قدرت والا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے بد اعمال پر پکڑ لیتا جن کا انہوں نے ارتکاب کیا ہے تو پھر روئے زمین پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا لیکن وہ ایک مقرر وقت تک ان کو ڈھیل دیتا ہے پھر جب ان کا وقت

آجائے گا تو بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھ لے گا

۴۴- ﴿أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ اور کیا انہوں نے زمین

میں سفر نہیں کیا پس وہ غور و فکر سے دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا۔ کفار مکہ پر اس لیے شہادت و دلیل پیش کی گئی ہے کہ یہ لوگ ملک شام، یمن اور عراق کی طرف اپنے سفر کے دوران گزشتہ نافرمان قوموں کے ویران و اجازمخلات و مکانات کے آثار اور خود ان قوموں کی ہلاکت و بربادی اور ان کی تباہی کی علامات کا مشاہدہ کرتے تھے ﴿وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ﴾ اور وہ لوگ ان سے یعنی اہل مکہ سے بہت زیادہ سخت جان تھے ﴿قُوَّةً﴾ قوت و طاقت اور قدرت و اختیار میں پھر بھی وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کے لیے راہ فرار اختیار کر کے بھاگ نہ سکے ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ اس کو کوئی چیز آسمانوں میں عاجز کر سکے اور نہ زمین میں یعنی زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہ نکل سکتی ہے اور نہ اس سے کوئی چیز بچ سکتی ہے بلکہ ہر چیز اس کے قابو میں ہے ﴿إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا﴾ بے شک وہ ان کو خوب جاننے والا ہے (اور) ان پر بہت قدرت و اختیار رکھنے والا ہے۔

۴۵- ﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کارناموں پر پکڑ لیتا جو انہوں نے کمائے

(یعنی) انہوں نے جن گناہوں اور نافرمانیوں کا ارتکاب کیا ہے ان پر اگر اللہ تعالیٰ فوراً پکڑ لیتا تو ﴿مَا تَرَكَ عَلَى ظَهْرهَا مِنْ دَابَّةٍ﴾ اللہ تعالیٰ روئے زمین پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا (بلکہ سب کو ہلاک کر دیتا) زمین پر چلنے والے ہر ذی روح کو ”دآبۃ“ کہا جاتا ہے [ضمیر مونث ”ارض“ کی طرف لڑی ہے یعنی ”علیٰ ظہر الارض“ ہے کیونکہ ”ارض“ کا ذکر پیچھے ”لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ“ میں کیا جا چکا ہے] ﴿وَلَكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ ان کو مقرر وقت تک مہلت دے دیتا ہے (یعنی) قیامت کے دن تک ﴿فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ يَبْعَثُ بِمُصِيبَاتٍ﴾ پھر جب ان کا وقت آجائے گا تو بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھ لے گا یعنی اس پر ان کے معاملہ کی حقیقت اور ان کے بارے میں فیصلہ کرنے کی حکمت مخفی و پوشیدہ نہیں ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورہ یس کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی تراسی آیات پانچ رکوع ہیں

يَس ۱ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ۲ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۳ عَلَىٰ صِرَاطٍ

مُسْتَقِيمٍ ۴ تَنْزِيلِ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۵ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ آبَاءَهُمْ فَهُمْ

غَفْلُونَ ۶ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلَىٰ أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۷ إِنَّا جَعَلْنَا

فِي أَعْنَاقِهِمْ غَلَلًَا فَهِى إِلَى الْأَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُونَ ۸

یس ۰ حکمت والے محکم قرآن مجید کی قسم ۰ بے شک آپ البتہ رسولوں میں سے ہیں ۰ سیدھے راستے پر ۰ بہت غالب و عزت والے (اور) بے حد مہربان (خدا) کا اتارا ہوا ہے ۰ تاکہ آپ اس قوم کو ڈر سنا سکیں جن کے باپ دادا کو نہیں

ڈرایا گیا، سو وہ غافل ہیں ○ بے شک ان میں سے اکثر پر بات ثابت ہو چکی ہے، سو وہ ایمان نہیں لائیں گے ○ بے شک ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں، سو وہ ٹھوڑیوں تک پہنچ چکے ہیں، پس وہ اپنے سروں کو اونچے کیے ہوئے ہیں ○

سورت یسین کی ابتدائی آیات کی تفسیر

۱- ﴿یس﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ قبیلہ بنو طے کی لغت میں اس کا معنی ہے: ”یا انسان“ (اس سے انسانِ کامل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں) اور حضرت محمد ابن الحنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ اس کا معنی ہے: یا محمد (ﷺ) اور حدیث شریف میں ہے: حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: ”ان اللہ تعالیٰ سمانی فی القرآن بسبعة اسماء محمد، واحمد وطه ویس والمزمل والمدثر وعبد اللہ“ بے شک اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں میرے سات نام رکھے ہیں: (۱) محمد (۲) احمد (۳) طہ (۴) یسین (۵) مزمل (۶) مدثر (۷) عبد اللہ ﷺ۔ اور بعض علمائے کرام نے بیان فرمایا کہ اس کا معنی ہے: ”یا سید“ [علی کسائی، حمزہ، خلف، حماد اور یحییٰ کی قراءت میں ”یس“ میں ”یا“ کے فتح (زبر) کو امالہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے (اس سورت کے فضائل اس کے آخر میں بیان کیے گئے ہیں)۔]

۲- ﴿وَالْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ﴾ حکمت والے قرآن کی قسم! یا تو اس لیے کہ یہ حکمت بیان کرنے والی دلیل ہے یا اس لیے کہ یہ حکیم کا کلام ہے، سو اس لیے اس کو متکلم کی صفت کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے۔

۳- ﴿إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ بے شک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں۔ یہ قسم کا جواب ہے اور اس میں کفار مکہ کا رد ہے کیونکہ انہوں نے کہا تھا: ”لَسْتَ مُرْسَلًا“ (العد: ۴۳) ”آپ رسول نہیں ہیں“۔

۴- ﴿عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ سیدھے راستے پر ہیں [یہ ایک خبر کے بعد دوسری خبر ہے یا یہ ”مرسلین“ کا صلہ ہے] یعنی جتنے رسولوں کو بھیجا گیا ہے، وہ سب صراطِ مستقیم پر گامزن تھے یعنی سیدھے راستے پر قائم تھے اور وہ دین اسلام ہے۔

۵- ﴿تَنْزِیْلِ﴾ [ابن عامر شامی اور ابو بکر کوفی کے علاوہ دیگر اہل کوفہ کی قراءت میں اس بناء پر منصوب ہے کہ اصل میں ”اقرأ تنزیل“ یعنی اس نازل شدہ قرآن کو پڑھیے یا مصدر کی بناء پر منصوب ہے ”أَمَّا نُزُولَ تَنْزِیْلِ“ اور ان کے علاوہ دیگر قراءت میں مرفوع ہے اس بناء پر کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے ”أَمَّا هُوَ تَنْزِیْلٌ“ اور یہ مصدر بہ معنی مفعول ہے] ﴿الْعَرَبِیِّ﴾ اپنی کتاب کی نظم کی فصاحت کی وجہ سے عناد و بغض رکھنے والوں کے اوہام پر غالب ہے ﴿الَّذِیْ﴾ اپنے خطاب کے معنی کی لطافت کی وجہ سے ہدایت والوں کی عقلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔

۶- ﴿لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ آبَاؤُهُمْ﴾ تاکہ آپ اس قوم کو ڈر سنا لیں جن کے باپ دادا کو نہیں ڈرایا گیا [”لتنذر“ میں لام متصل بہ معنی ”مرسل“ ہے] ”أَمَّا أُرْسِلْتَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ آبَاؤُهُمْ“ یعنی آپ کو اس لیے بھیجا گیا ہے تاکہ آپ اس قوم کو ڈر سنا لیں جن کے آباء و اجداد کو نہیں ڈرایا گیا [”ما انذر“ میں ”ما“ جمہور کے نزدیک نافیہ ہے اور یہ جملہ ”قَوْمًا“ کی صفت ہے] یعنی آپ ایسی قوم کو ڈر سنا لیں جن کے آباء و اجداد کو نہیں ڈرایا گیا۔ اس کی دلیل (درج ذیل) ارشاد ہیں: ”لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا آتَاهُمْ مِّنْ نَّذِيرٍ مِّنْ قَبْلِكَ“ (السجده: ۳) ”تاکہ آپ ایسی قوم کو ڈر سنا لیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈر سنانے والا نہیں آیا“۔ ”وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيرٍ“ (سبأ: ۴۴) ”اور ہم نے آپ سے پہلے ان کی طرف کوئی ڈر سنانے والا نہیں بھیجا“ [یا پھر یہ ”مَّا“ موصولہ ہے اور مفعول ثانی کی بناء پر منصوب ہے] یعنی آپ

رواہ نحوہ ابن عدی وابن عساکر (کنز العمال: ۳۲۱۶۹)

انہیں اس عذاب سے ڈرائیں جس سے ان کے آباء و اجداد کو ڈرایا گیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "إِنَّا أَنْذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا" (النبا: ۴۰) "بے شک ہم نے تمہیں ایسے عذاب کا ڈر سنا دیا ہے جو عنقریب آنے والا ہے" [یابہ "مَا" مصدر یہ ہے] یعنی تاکہ آپ اس قوم کو ڈر سنا میں جیسا کہ ان کے باپ دادا کو ڈرایا گیا تھا ﴿فَهُمْ غَافِلُونَ﴾ سو وہ غافل ہو چکے ہیں [اگر "مَا" کو نافیہ قرار دیا جائے تو پھر یہ نفی کے متعلق ہوگا یعنی ان کے آباء و اجداد کو نہیں ڈرایا گیا سو وہ غافل ہیں ورنہ وہ "انک لمن المرسلین لتندر" کے متعلق ہوگا یعنی بے شک آپ البتہ رسولوں میں سے ہیں تاکہ آپ ڈرائیں جیسا کہ تم کہو: "ارسلتک الی فلان لتندرہ فانہ غافل او فہو غافل" یعنی میں نے تجھے فلاں آدمی کے پاس بھیجا ہے تاکہ تو اسے ڈرائے کیونکہ وہ یقیناً غافل ہے یا سو وہ غافل ہے]۔

۷- ﴿لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلَىٰ أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ بے شک ان میں سے اکثر پر بات ثابت ہو چکی ہے سو وہ ایمان نہیں لائیں گے یعنی اللہ تعالیٰ کی جو بات ان پر ثابت ہو چکی ہے وہ یہ ہے: "لَا مَلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ" (السجدہ: ۱۳) "میں جنوں اور انسانوں سب سے دوزخ کو ضرور بھردوں گا" یعنی یہ بات ان کے ساتھ متعلق ہو چکی ہے اور ان پر ثابت اور واجب ہو چکی ہے اس لیے کہ یہ کفار ان لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو ازل سے معلوم ہے کہ بے شک یہ کفر پر مریں گے۔

۸- پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں کفار مکہ کے کفر پر اڑے رہنے کی مثال بیان فرمائی ہے اور یہ کہ بے شک ان کے واپس لانے کا کوئی راستہ نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بات میں کہ وہ حق کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے ان لوگوں کی طرح قرار دیا ہے جن کی گردنوں میں ٹھوڑیوں تک طوق پڑے ہوں جن کے سبب ان کے سر اوپر کی طرف اٹھے ہوئے ہیں اور اب نہ وہ حق کی طرف اپنی گردنوں کو جھکا سکتے ہیں اور نہ وہ اپنے سروں کو اس کے لیے نیچے کر سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بات میں کہ اب ان کے لیے غور و فکر اور سوچ و بچار کی صلاحیت نہیں رہی اور نہ ان کے پاس اب بصیرت رہی ہے ان لوگوں کی طرح قرار دیا ہے جو دو دیواروں کے درمیان گھر چکے نہ وہ اپنے آگے دیکھ سکتے ہیں اور نہ اپنے پیچھے دیکھ سکتے ہیں اور بے شک وہ اللہ تعالیٰ کی آیات مبارکہ میں غور و فکر کی نظر سے اندھے ہو چکے ہیں چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ أَعْيُنِهِمْ أَغْلَافًا ۚ فَمِمَّا إِلَىٰ الذِّقَانِ﴾ بے شک ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں سو وہ ٹھوڑیوں تک ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ پس وہ طوق ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں اور وہ وہاں تک گردنوں کے گرد چمٹے ہوئے ہیں ﴿فَهُمْ مُّقْمَحُونَ﴾ سو وہ اپنے سروں کو اونچا اٹھائے ہوئے ہیں جب اونٹ پانی پی کر سیراب ہو جاتا ہے تو اپنے سر کو اوپر اٹھا لیتا ہے اس وقت کہا جاتا ہے: "قمح البعیر فہو قامح" اور یہ اس لیے کہ جو طوق مغلول کی گردن میں ہوتا ہے اس کے دونوں سرے ٹھوڑی کے نیچے جہاں باہم ملتے ہیں وہاں گول حلقہ ہوتا ہے جس میں سے ڈنڈی کا سر اٹکل کر ٹھوڑی کے نیچے تک پہنچتا ہے سو وہ سر کو جھکنے نہیں دیتا پس وہ ہمیشہ اپنا سر اوپر اٹھائے رکھتا ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا

يُبْصِرُونَ ۙ وَسَاءَ عَلَيْهِمْ أَنْذَرْتَهُمْ أَنْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۙ إِنَّمَا

تُنذِرُ مَنْ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَنَ الْعَلِيمَ ۙ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ

کَرِيْمٍ ۱۱ اِنَّا نَحْنُ نَحْيُ الْمَوْتِي وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ وَكُلُّ

شَيْءٍ اَحْصَيْنَاهُ فِي اِمَامٍ مُّبِينٍ ۱۲

اور ہم نے ان کے آگے بھی دیوار کردی ہے اور ان کے پیچھے بھی دیوار کردی ہے سو ہم نے ان کو ڈھانپ لیا ہے پس وہ دیکھ نہیں سکتے اور ان پر برابر ہے آیا آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے بے شک آپ تو صرف اسے ڈرنا سکتے ہیں جو نصیحت کی پیروی کرے اور رحمن سے بن دیکھے ڈرے سو آپ اس کو مغفرت و بخشش اور عزت کے اجر و ثواب کی خوش خبری سنا دیں بے شک ہم مردوں کو زندہ کریں گے اور ہم ان کے وہ عمل لکھ رہے ہیں جو انہوں نے آگے بھیج دیئے ہیں اور جو نشانیاں پیچھے چھوڑ گئے اور ہم نے ہر چیز کو ایک روشن کتاب میں گن رکھا ہے

۹- ﴿وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا﴾ اور ہم نے ایک دیوار ان کے آگے اور ایک دیوار ان کے پیچھے بنا دی [حزہ علی کسائی اور حفص کی قراءت میں دونوں "سَدًّا" میں سین مفتوح ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا: جو انسان کے عمل سے تیار ہو وہ فتح کے ساتھ ہوتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے تیار ہو جیسے پہاڑ وغیرہ تو وہ ضمہ کے ساتھ ہوتا ہے] ﴿فَأَغْشَيْنَاهُمْ﴾ سو ہم نے ان کی آنکھوں کو ڈھانپ دیا یعنی ہم نے ان کی آنکھوں کو چھپا لیا اور ہم نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ﴿فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ﴾ سو وہ حق اور رشد و ہدایت کو نہیں دیکھ سکتے۔

شان نزول: یہ آیت مبارکہ قبیلہ بنی مخزوم کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ اس طرح کہ ایک دفعہ ابو جہل نے قسم کھا کر کہا کہ اگر اس نے (سرور عالم حضرت) محمد (مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ) کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو وہ ضرور آپ کا سر کچل دے گا چنانچہ ایک دن اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مسجد حرام میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو وہ اپنے ساتھ ایک بھاری پتھر لے کر آپ کے قریب آیا تا کہ وہ اس پتھر کے ساتھ آپ کو ہلاک کر دے لیکن جب وہ آپ کو پتھر مارنے کے لیے اپنا ہاتھ اٹھانے لگا تو اس نے جو نبی اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا اس کا ہاتھ اس کی اپنی گردن سے چمٹ گیا اور پتھر اس کے ہاتھ سے چمٹ گیا بہت پریشان ہوا یہاں تک کہ بڑی مشکل سے گردن سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور اپنی قوم کی طرف واپس لوٹ گیا اور انہیں جا کر سارا واقعہ سنایا تو ایک دوسرے مخزومی نے کہا کہ میں انہیں اس پتھر کے ساتھ قتل کر کے آتا ہوں چنانچہ وہ بھی آپ کے قریب آیا مگر اللہ تعالیٰ نے اسے اندھا کر دیا۔

۱۰- ﴿وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ اور ان پر برابر ہے آیا آپ انہیں ڈرائیں یا آپ انہیں نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے یعنی ان کو ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر و یکساں ہے (مگر آپ کو تبلیغ پر اجر و ثواب ملے گا) اور معنی یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ اس قدر گمراہ کر دے اس کو ڈرانا مفید و نافع نہیں ہوتا۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ آیت مبارکہ غیلان قدری پر تلاوت فرمائی تو غیلان قدری نے کہا: میں نے گویا یہ آیت مبارکہ پہلے پڑھی ہی نہیں میں آپ کو گواہ بنا کر تقدیر کے بارے میں اپنے قول سے رجوع کرتا ہوں اور میں توبہ کرتا ہوں یہ سن کر حضرت عمر نے دعا کی کہ اے اللہ تعالیٰ! اگر اس نے سچی توبہ کی ہے تو اس کی توبہ قبول فرمائے اور اگر اس نے جھوٹ بولا ہے تو اس پر ایسے شخص کو مسلط کر دے جو اس پر بالکل رحم نہ کرے چنانچہ ہشام بن عبدالملک نے اسے اپنے پاس بلا کر گرفتار کر لیا اور اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کٹوا کر دمشق کے بڑے

دروازے پر سولی پر لٹکوا دیا۔

۱۱۔ ﴿إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ﴾ بے شک آپ صرف اس شخص کو ڈرنا سکتے ہیں جو نصیحت کی پیروی کرے یعنی بے شک آپ کے ڈرانے سے صرف وہ شخص نفع اور فائدہ اٹھا سکتا ہے جو قرآن مجید کی پیروی کرے ﴿وَخَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ﴾ اور وہ بن دیکھے رحمن سے ڈرتا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہو حالانکہ اس نے اسے دیکھا بھی نہیں ﴿فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ﴾ سو آپ اس کو مغفرت و بخشش کی بشارت سنا دیں اور وہ اس کے گناہوں سے درگزر کرنا ہے اور اسے معاف کرنا ہے ﴿وَأَجْرٍ كَرِيمٍ﴾ اور عزت کے اجر و ثواب کی بشارت سنا دیں یعنی جنت کی۔

۱۲۔ ﴿إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَى﴾ بے شک ہم ہی مردوں کو زندہ کریں گے (اور) ہم ہی ان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھائیں گے یا ہم ہی ان کو شرک سے نکال کر ایمان کی طرف لے جائیں گے ﴿وَنُكْتَبُ مَا قَدَّمُوا﴾ اور ہم لکھ رہے ہیں جو کچھ انہوں نے آگے بھیجا ہے (یعنی) انہوں نے جو نیک اعمال اور ان کے علاوہ دیگر جو اعمال بھی آگے بھیج دیئے ہیں ہم انہیں لکھ رہے ہیں ﴿وَإِنَّا نَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ﴾ اور ان کے نشانات (یعنی) جو نیکی کے نشانات ان سے عملی طور پر ختم ہو چکے ہیں (لیکن صدقہ جاری کے طور پر باقی ہیں) جیسے جو کسی کو تعلیم کے ذریعہ سکھا دیا اور پڑھا دیا یا کوئی دینی کتاب لکھ دی یا ٹھہرنے کے لیے سرائیں یا مسافر خانے یا مسجد جس کو انہوں نے بنا دیا یا پھر برائی کے نشانات جیسے ٹیکس جن کو ظالم حکمرانوں نے عوام رعایا پر لگایا ہوتا ہے اور اسی طرح ہر نیک طریقہ یا برا طریقہ جس کو جاری اور رائج کیا جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”يُنَبِّئُوا الْإِنْسَانَ بِيَوْمِئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ“ (القیامہ: ۱۳) ”اور اس دن (قیامت کے دن) انسان کو بتا دیا جائے گا جو کچھ اس نے آگے بھیجا ہے اور جو کچھ اس نے پیچھے چھوڑا ہے“ یعنی اس نے اپنے اعمال میں جو کچھ آگے بھیجا ہے اور اس نے اپنے آثار و نشانات میں سے جو کچھ پیچھے چھوڑا ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ وہ آثار ان کے نماز جمعہ اور ہجرت گانہ نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے جانے والے قدم ہیں ﴿وَكُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ﴾ اور ہر چیز کو ہم نے گن رکھا ہے اور ہم نے اسے بیان کر رکھا ہے ﴿فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ﴾ روشن کتاب یعنی لوح محفوظ میں کیونکہ یہی کتابوں کی اصل ہے اور ان کی پیشوا ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا أَصْحَابَ الْقُرْيَةِ ۖ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿۱۳﴾ إِذْ أَرْسَلْنَا
إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُم مُّرْسَلُونَ ﴿۱۴﴾ قَالُوا
مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۖ وَمَا أَنْزَلَ الرَّحْمَنُ مِنْ شَيْءٍ ۖ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا
تَكْذِبُونَ ﴿۱۵﴾ قَالُوا مَا بِنَا يَعْلَمُ إِنَّا إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُونَ ﴿۱۶﴾

اور آپ ان کے لیے بستی والوں کی مثال بیان کیجئے جب اس میں کئی رسول تشریف لائے ۰ جب ہم نے ان کی طرف دو رسول بھیجے سوائے انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا پھر ہم نے تیسرے رسول کے ساتھ تائید کی سوائے انہوں نے فرمایا: بے شک ہمیں تمہاری طرف سے قدرتوں کا عقیدہ ہے کہ ہر بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے اور اللہ تعالیٰ کا بندے کے بارے میں کوئی عمل دخل نہیں اس لیے انسان کے افعال بد کا تقدیر سے کوئی تعلق نہیں۔

طرف پیغام دے کر بھیجا گیا ہے O انہوں نے کہا: تم تو نہیں ہو مگر ہمارے جیسے بشر اور رحمن نے کوئی چیز نازل نہیں کی تم صرف جھوٹ بولتے ہو O رسولوں نے فرمایا: ہمارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ بے شک ہم تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں O پیغمبروں کو اپنے جیسا کہنے والے انطا کیہ شہر کے کفار کا قصہ

۱۳ - ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ﴾ اور (اے محبوب!) آپ ایک شہر والوں کی مثال ان (کفار مکہ) کے لیے بیان کیجئے (یعنی) مثال دے کر انہیں نصیحت کیجئے یہ کلام اہل عرب کے اس قول میں سے ہے کہ ”عندی من هذا الضرب کذا ای من هذا المثل“ یعنی میرے پاس اس مثال میں سے یوں ہے اور ”هذه الاشياء علی ضرب واحد ای علی مثال واحد“ یعنی یہ تمام چیزیں ایک ہی مثال پر ہیں اور معنی یہ ہے: ”(واضرب لهم مثلاً) مثل اصحاب القرية ای انطاکیة“ اور آپ ان (کفار مکہ) کے لیے ایک مثال بیان کیجئے یعنی انطا کیہ شہر کے رہنے والوں کی مثال بیان کیجئے یعنی آپ ان کے لیے ایک عجیب و غریب قصہ بیان کیجئے جو انطا کیہ شہر میں رہنے والوں کا قصہ ہے [اس میں دوسرا ”مثلاً“ پہلے کا بیان ہے] ﴿إِذْ جَاءَ هَا الْمُرْسَلُونَ﴾ جب اس شہر میں بھیجے گئے رسول تشریف لائے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھیجے ہوئے جو اس شہر کے باشندوں کو حق کی طرف دعوت دینے کے لیے بھیجے گئے تھے اور وہ لوگ بت پرست تھے [”اذ“، ”اصحاب القرية“ سے بدل ہونے کی بناء پر منصوب ہے]۔

۱۴ - ﴿إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ﴾ جب ہم نے ان کی طرف دو رسولوں کو بھیجا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمارے علم سے دو سچے رسولوں کو بھیجا سو جب وہ دونوں شہر کے قریب پہنچے تو انہوں نے وہاں ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو اپنی بکریوں کو چرا رہا تھا اور وہ حبیب نجار تھا چنانچہ اس نے ان دونوں سے ان کا حال پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بھیجے گئے ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تاکہ ہم تمہیں بتوں کی عبادت کرنے کی بجائے خدائے رحمن کی عبادت کرنے کی دعوت دیں سو حبیب نجار نے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کوئی معجزہ ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: ہم بیماروں کو تندرست و شفاء یاب کرتے ہیں اور ہم مادر زاد نابینے اور کوڑھ کے بیماروں کو شفاء یاب کرتے اور نابینا کو بینا کرتے ہیں اور برص والوں کو تندرست کر دیتے ہیں اور حبیب نجار کا ایک بیٹا دو سال سے بیمار تھا اور انہوں نے اس کے جسم پر اپنے مبارک ہاتھ پھیرے تو وہ تندرست ہو کر کھڑا ہو گیا اور حبیب نجار یہ معجزہ دیکھ کر ایمان لے آیا اور یہ خبر فوری طور پر پھیل گئی (اور لوگ گروہ در گروہ شفاء یابی کے لیے ان حضرات کے پاس آنے لگے یہاں تک) کہ ان دونوں مقدس رسولوں کے مبارک ہاتھوں سے بہت بڑی مخلوق شفاء یاب و تندرست ہو گئی سو ان دونوں حضرات کو بادشاہ نے بلا لیا اور کہا کہ کیا ہمارے معبود کے علاوہ کوئی اور معبود بھی ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! ضرور ہے وہی ہمارا معبود ہے جس نے تمہیں اور تمہارے معبودوں کو پیدا کیا بادشاہ نے کہا: ٹھہرو! یہاں تک کہ تمہارے معاملے میں غور و فکر کر لوں پھر وہاں کے مشرک لوگ ان رسولوں کے پیچھے پڑ گئے اور انہوں نے ان کو بہت مارا اور بعض نے فرمایا کہ انہیں قید کر دیا گیا تھا پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تیسرے رسول حضرت شمعون کو بھیج دیا جو اجنبی بن کر شہر میں داخل ہوئے اور بادشاہ کے خاص کارندوں کے ساتھ دوستی کر کے ان کے ساتھ رہنے لگے یہاں تک کہ وہ لوگ اس سے مانوس ہو گئے اور انہوں نے اس کی خبر بادشاہ کو پہنچائی تو بادشاہ نے اس کو بلا کر بات چیت کی تو وہ بھی مانوس ہو گیا چنانچہ ایک دن حضرت شمعون نے بادشاہ سے فرمایا: مجھے خبر پہنچی ہے کہ آپ نے دو آدمیوں کو قید کر رکھا ہے تو کیا آپ نے ان کی بات سنی ہے بادشاہ نے کہا کہ نہیں! پھر بادشاہ نے ان دونوں حضرات کو بلایا تو حضرت شمعون نے ان سے کہا کہ تمہیں کس نے بھیجا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور

ہر جاندار کو رزق عطا کرتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں، پھر حضرت شمعون نے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی اور صفات بیان کرو مگر مختصر بیان کرو انہوں نے فرمایا: وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور وہ جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا اور حکم دیتا ہے، حضرت شمعون نے کہا کہ کیا تمہارے پاس کوئی معجزہ ہے انہوں نے فرمایا کہ بادشاہ جو آرزو کرے ہم پوری کر دیں گے، چنانچہ بادشاہ نے ایک پیدائشی اندھا لڑکا منگوایا اور ان دو رسولوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو وہ لڑکا تندرست ہو کر اٹھیا اور گیا اور سب کچھ دیکھنے لگا، پھر حضرت شمعون نے بادشاہ سے فرمایا کہ تمہارا کیا خیال ہے اگر تم اپنے معبودوں سے سوال کرو کہ وہ بھی اس قسم کا کام کریں تو وہ کر دیں گے اور کیا انہیں یہ کمال حاصل ہے، بادشاہ نے کہا: تم سے میری کوئی بات چھپی نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہمارے معبود نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ بول سکتے ہیں اور نہ سن سکتے ہیں اور نہ نفع اور نقصان پہنچا سکتے ہیں، پھر بادشاہ نے عرض کیا کہ اگر تمہارا معبود مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے تو ہم اس پر ایمان لے آئیں گے تو ان دونوں رسولوں نے سات دن سے مرے ہوئے بچے کے حق میں دعا فرمائی تو وہ بچہ زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا، اور کہنے لگا: بے شک مجھے مرنے کے بعد دوزخ کی سات وادیوں پر پھیرا گیا کیونکہ میں کفر و شرک پر مرا تھا اور اب میں تمہیں کفر و شرک پر قائم رہنے سے ڈراتا ہوں، تم کفر و شرک سے بچو اور توبہ کر کے ایمان لے آؤ، اور اس نے کہا کہ ابھی آسمان کے ساتوں دروازے کھول دیئے گئے ہیں، سو میں ایک حسین و جمیل نوجوان (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو دیکھ رہا ہوں جو ان تینوں کے لیے سفارش کر رہے ہیں، بادشاہ نے پوچھا کہ وہ تین افراد کون ہیں؟ بچے نے کہا: وہ حضرت شمعون اور یہ دو نوجوان ہیں، سو بادشاہ بڑا حیران ہوا، چنانچہ جب حضرت شمعون نے دیکھا کہ بچے کی بات بادشاہ میں تاثیر کر گئی ہے تو اسے نصیحت کی تو وہ خود بھی ایمان لے آیا اور اس کی قوم بھی ایمان لے آئی اور جو لوگ ایمان نہیں لائے ان پر حضرت جبریل علیہ السلام نے زور سے چیخ ماری، پس وہ سب ہلاک ہو گئے ﴿فَلَمَّا بُوْهُنَا﴾ سو انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا (یعنی) اس شہر کے رہنے والوں نے دونوں رسولوں کو جھٹلایا ﴿فَعَزَّزْنَا﴾ سو ہم نے تائید کی (یعنی) سو ہم نے تقویت پہنچائی [ابو بکر کوفی کی قراءت میں تخفیف یعنی بغیر شد کے "فَعَزَّزْنَا" ہے] یہ "عزیزہ" سے ماخوذ ہے جب کوئی غالب آجاتا ہے تو یہ کہا جاتا ہے یعنی سو ہم غالب آگئے اور زبردست قابو کر لیا ﴿بِشَالِثٍ﴾ تیسرے رسول کے ساتھ اور وہ حضرت شمعون ہیں (کذا اخراج ابن المنذر عن سعید بن جبیر، مظہری) [اور مفعول بہ کے ذکر کو ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ مراد "معززہ" کا ذکر ہے اور وہ حضرت شمعون ہیں] اور اس میں کتنی لطیف تدبیر و منصوبہ بندی کی گئی ہے، یہاں تک کہ حق غالب آیا اور باطل مٹ گیا اور جب کلام کو اغراض میں سے کسی خاص غرض کے ساتھ مقرر کر کے بیان کیا جاتا ہے تو پھر کلام کو اسی غرض کے لیے چلایا جاتا ہے اور اسی کی طرف توجہ مرکوز رکھی جاتی ہے، گویا اس کے ماسوا کو ترک کر دیا جاتا ہے ﴿فَقَالُوا اِنَّا لَیَنْکُہُمْ مُّرْسَلُوْنَ﴾ سو انہوں نے فرمایا: بے شک ہم تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں یعنی ان تینوں نے اس شہر میں رہنے والوں سے فرمایا: بے شک ہم تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

۱۵۔ ﴿قَالُوا﴾ انہوں نے کہا یعنی شہر کے رہنے والے کفار نے کہا: ﴿مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ تم تو صرف ہماری طرح بشر ہو! [یہاں "بَشَرٌ" مرفوع ہے جب کہ (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ میں منصوب ہے: "مَا هَذَا بَشَرًا اِنْ هَذَا

اس آیت مبارکہ سے ثابت ہو گیا کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنے جیسا بشر کہنا اور اپنے جیسا بشر سمجھنا کفار کا عقیدہ اور طریقہ ہے جب کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ انبیائے کرام کی بشریت بے مثل و بے مثال ہوتی ہے اور ان کی بشریت سب سے ممتاز ہوتی ہے کیونکہ ایک تو ان کی بشریت تمام بشری آلودگیوں سے پاک ہوتی ہے، دوسرا یہ کہ ان کی بشریت نبوت و رسالت کے ساتھ متصف ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام بشریت کے باوجود فرشتوں سے بھی افضل ہوتے ہیں۔

إِلَّا مَلَكَ كَرِيمٌ ﴿۳۱﴾ (یوسف: ۳۱) ”یہ تو بشر نہیں ہے یہ تو نہیں مگر معزز فرشتہ ہے“ اس لیے کہ یہاں حرف ”إِلَّا“ کی وجہ سے نفی ختم ہو چکی ہے اور اب حرف ”مَا“ لیس کے مشابہ نہیں رہا اور وہ اپنے عمل کے ساتھ مثبت ہو گیا ہے ﴿وَمَا أَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ سَمٰوٰتٍ ؕ﴾ اور رحمن نے کوئی چیز نازل نہیں فرمائی یعنی وحی نازل نہیں فرمائی ﴿إِنَّا أَنْتُمْ إِلَّا تَكْذِبُونَ﴾ تم تو صرف جھوٹ بولتے ہو (یعنی) تم صرف جھوٹے ہو۔

۱۶۔ ﴿قَالُوا رَبَّنَا عَلِّمْنَا لِنَا أَلْفَ لَيْلَةٍ لِمَنْ سَأَلْنَا﴾ انہوں نے فرمایا: ہمارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ بے شک ہم تمہاری طرف البتہ رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں [دوسرے ”موسلون“ کو لام کے ساتھ مؤکد کر کے ”لموسلون“ لایا گیا ہے پہلے کو نہیں کیونکہ پہلا ”موسلون“ محض خبر ہے اور دوسرا انکار کا جواب ہے پس یہاں تاکید زیادہ کرنے کی ضرورت ہے اور ”ربنا يعلم“ تاکید میں قسم کے قائم مقام ہے جیسا کہ ان کا قول ہے: ”شہد اللہ و علم اللہ“ یعنی اللہ تعالیٰ گواہ ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔]

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلْغُ الْمُبِينُ ﴿۱۷﴾ قَالُوا إِنَّا نَطِيرُنَا بِكُمْ لَيْلٍ لَّمْ تَنْتَهُوْا

لَنْزِجْتَكُمْ وَلِيَسَّ لَكُمْ مَسَآءِدُ الْيَمِّ ﴿۱۸﴾ قَالُوا طَائِرُكُمْ مَعَكُمْ

أَيْنَ ذِكْرْتُمْ ط بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ﴿۱۹﴾

اور ہم پر لازم نہیں مگر واضح طور پر پہنچا دینا O انہوں نے کہا کہ بے شک ہم نے تمہیں منحوس سمجھا ہے اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں ضرور سنگسار کریں گے اور تمہیں ہماری طرف سے ضرور دردناک عذاب پہنچے گا O رسولوں نے فرمایا کہ تمہاری نحوست تمہارے ہی ساتھ ہے کیا (تم اس لیے منحوس سمجھ رہے ہو کہ) تمہیں نصیحت کی گئی ہے بلکہ تم حد سے بڑھ جانے والے لوگ ہو

۱۷۔ ﴿وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلْغُ الْمُبِينُ﴾ اور ہمارے ذمہ لازم نہیں مگر صاف پہنچا دینا یعنی کھلم کھلا تبلیغ کرنا اور پہنچانا اور آیات و دلائل کے ساتھ ایسا واضح کیا گیا ہو جو اس کی صحت پر گواہ ہو جائے۔

۱۸۔ ﴿قَالُوا إِنَّا نَطِيرُنَا بِكُمْ لَيْلٍ لَّمْ تَنْتَهُوْا﴾ انہوں نے کہا: بے شک ہم تمہیں نحوست تصور کرتے ہیں (یعنی) ہماری نحوست تمہاری وجہ سے ہے اور یہ اس لیے کہا کہ وہ لوگ ان رسولوں کے دین کو پسند نہیں کرتے تھے اور ان کے دلوں کو اس دین حق سے نفرت تھی اور جاہلوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی انہیں آرزو ہوتی ہے وہ اسی کی طرف راغب ہوتے ہیں اور اسی کو ان کی طبیعتیں قبول کرتی ہیں اور جس سے وہ نفرت کرتے ہیں اور ناپسند کرتے ہیں وہ اس کو منحوس قرار دیتے ہیں پھر اگر انہیں کوئی مصیبت پہنچ جاتی ہے تو کہتے ہیں: اس شخص کی نحوست کی وجہ سے ہوا ہے اور اگر کوئی نعمت ملتی ہے تو کہتے ہیں: یہ فلاں کی برکت سے ہوا ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ان پر بارش برساڑک گئی تھی اس لیے انہوں نے اسے نحوست قرار دیا اور کہا: ﴿لَيْلٍ لَّمْ تَنْتَهُوْا﴾ اگر تم اپنی اس بات سے باز نہ آئے ﴿لَنْزِجْتَكُمْ﴾ تو البتہ ہم تمہیں ضرور سنگسار کریں گے اور ہم تمہیں ضرور قتل کریں گے یا ہم تمہیں ضرور جلاوطن کر دیں گے یا ہم تمہیں ضرور گالیاں دیں گے سب و شتم کریں گے ﴿وَلِيَسَّ لَكُمْ مَسَآءِدُ الْيَمِّ﴾ اور ہماری طرف سے تمہیں ضرور دردناک عذاب پہنچے گا (یعنی) تمہیں جلائے والا عذاب ضرور پہنچے گا اور یہی سب سے زیادہ سخت عذاب ہے۔

۱۹۔ ﴿قَالُوا طَائِفُكُمْ﴾ رسولوں نے فرمایا: تمہاری نحوست یعنی تمہاری نحوست کا سبب ﴿مَعَكُمْ﴾ تمہارے ساتھ ہے اور وہ کفر و شرک ہے ﴿أَيْنَ ذُكِّرْتُمْ﴾ کیا اگر تمہیں نصیحت کی جائے اور تمہیں اسلام کی طرف دعوت دی جائے (تو تم اسے نحوست قرار دو گے اور سنگساز کرنے اور عذاب دینے کی دھمکیاں دو گے) [کوئی قراء اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ہمزہ استفہام اور حرف شرط کے ساتھ ”أَيْنَ“ ہے جب کہ ابو عمرو کی قراءت میں ہمزہ مدوڑہ اس کے بعد ”يَا“ مکتور ”أَيْنَ“ ہے اور ابن کثیر کی اور نافع مدنی کی قراءت میں ہمزہ مقصورہ اس کے بعد ”يَا“ مکتورہ ”أَيْنَ“ ہے اور یزید کے ہاں تخفیف کے ساتھ ”ذُكِّرْتُمْ“ ہے] ﴿بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِخُونَ﴾ بلکہ تم زیادتی کرنے والی قوم ہو (یعنی) تم نافرمانی اور گناہ کرنے میں حد سے بڑھ جانے والے لوگ ہو پس اسی وجہ سے تم پر نحوست نازل ہوئی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی طرف سے نہیں آئی اور نہ ان کی نصیحت کرنے کی وجہ سے آئی ہے یا یہ کہ تم اپنی گمراہی اور اپنی بغاوت و سرکشی میں حد سے بڑھنے والے ہو کیونکہ تم انہیں نحوست قرار دیتے ہو جن سے تبرک حاصل کرنا واجب ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَىٰ قَالَ يَا قَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۰﴾

اتَّبِعُوا مَنْ لَا يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا وَهُمْ مُّهْتَدُونَ ﴿۲۱﴾

اور شہر کے ایک دور دراز کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اس نے کہا: اے میری قوم! ان رسولوں کی پیروی کرو تم ان کی پیروی کرو جو تم سے اجرت نہیں مانگتے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں O

حضرت حبیب نجار کے ایمان و شہادت اور اس کی قوم میں سے کفار کے انجام کا بیان

۲۰۔ ﴿وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَىٰ﴾ اور شہر کے ایک دور دراز کنارے سے ایک مرد دوڑتا ہوا آیا اور وہ حضرت حبیب نجار تھا اور وہ ایک پہاڑ کے غار میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا پھر جب اسے رسولوں کی آمد کی خبر پہنچی تو وہ ان کے پاس آیا اور اپنے دین کا اظہار کیا اور اس نے عرض کیا کہ کیا آپ حضرات جس مشن کو لے کر تشریف لائے ہیں اس پر کوئی اجرت طلب کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ نہیں ﴿قَالَ يَا قَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ﴾ اس نے اپنی قوم سے فرمایا: اے میری قوم! تم ان رسولوں کی پیروی اختیار کرو۔

۲۱۔ ﴿اتَّبِعُوا مَنْ لَا يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا﴾ تم ان حضرات کی پیروی کرو جو تم سے اجرت نہیں مانگتے ﴿وَهُمْ مُّهْتَدُونَ﴾ اور وہ ہدایت پر ہیں یعنی وہ رسول ہدایت یافتہ ہیں سو اس کی قوم کے لوگوں نے پوچھا: کیا تم بھی انہیں کے دین پر ہو تو اس نے جواب میں فرمایا:

وَمَا لِي لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۲﴾ أَلَيْسَ مِنْ

دُونِهِ إِلَهَةٌ إِنْ يُرَدِّدِ الرَّحْمَنُ بَصِيرًا لَا تَعْنِي عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا

يُنْقِذُونَ ﴿۲۳﴾ إِنِّي إِذًا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۲۴﴾ إِنِّي آمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمِعُونِ ﴿۲۵﴾

قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ﴿۲۶﴾ قَالَ يَلِيَّتْ قَوْمِي يَعْلمُونَ ﴿۲۷﴾ بِمَا عَفَوْتُ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي

مِنَ الْبُكْرَيْنِ ﴿۲۷﴾ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهَا مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَمَا

كُنَّا مُنْزِلِينَ ﴿۲۸﴾ إِنْ كَانَتْ إِلَّا صِيحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ خَبِدُونَ ﴿۲۹﴾

اور مجھے کیا ہوا کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O کیا میں اس کے سوا اوروں کو معبود بنا لوں اگر رحمن مجھے ضرر پہنچانا چاہے تو ان (بتوں) کی سفارش مجھے کچھ فائدہ نہیں دے گی اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں گے O بے شک اس وقت میں ضرور کھلی گمراہی میں ہوں گا O بے شک میں تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا ہوں سو تم میری بات سنو O اس سے فرمایا گیا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ اس نے کہا: کاش! میری قوم کے لوگ جان لیتے O جس کے سبب میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا اور مجھے معززین میں سے قرار دیا O اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہیں اتارا اور نہ ہم اتارنے والے تھے O وہ سزا نہیں تھی مگر ایک زوردار چیخ پس وہ اسی وقت بجھ کر رہ گئے O

۲۲- ﴿وَمَا لِيَ لَا أَعْبُدَ الَّذِي فَطَرَنِي﴾ اور مجھے کیا ہوا ہے کہ میں اس ذاتِ اقدس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا۔ ”فطرنی“ بمعنی ”خلقنی“ ہے یعنی اس نے مجھے پیدا کیا ہے ﴿وَالْيَهُ تَرْجَعُونَ﴾ اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے (یعنی) اور تم سب نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے [قاری حمزہ کی قراءت میں ”وَمَا لِيَ“ میں ”يَا“ ساکن ہے۔]

۲۳- ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ دُونِ اللَّهِ﴾ کیا میں اس (اللہ تعالیٰ) کے سوا اوروں کو معبود بنا لوں یعنی کیا میں بتوں کو معبود بنا لوں؟ [کوئی کی قراءت میں ”اتخذ“ میں دو ہمزے ہیں] ﴿إِنْ يَرِئِدَ الرَّحْمَنُ بِضُرٍّ﴾ اگر رحمن مجھے ضرر پہنچانا چاہے [یہ شرط ہے اور اس کا جواب (درج ذیل ارشاد) ہے:] ﴿لَا تَعْنِي عَنِّي شَفَاعَةُهُمْ شَيْئًا وَلَا يَنْقُذُونَ﴾ تو ان کی شفاعت مجھے کوئی نفع نہیں دے گی اور نہ وہ مجھے عذاب سے چھڑا سکیں گے [قاری یعقوب کی قراءت میں حالت وصل اور حالت وقف دونوں حالتوں میں ”يَا“ کے اثبات کے ساتھ ”وَلَا يَنْقُذُونِي“ اور ”فَأَسْمَعُونِي“ (یس: ۲۵) ہے۔]

۲۴- ﴿إِنِّي إِذًا﴾ بے شک میں اس وقت یعنی جب میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ بتوں کو معبود بنا لوں گا تو اس وقت میں ﴿لَتَفِيضَنَّ عَلَيَّ قَبِيرٌ﴾ ضرور کھلم کھلا گمراہی میں ہوں گا جو ہر ایک پر ظاہر اور واضح ہوگی۔

۲۵- اور جب جناب حبیبِ نجار نے اپنی قوم کو نصیحت کی تو انہوں نے آپ کو سنگسار کرنا شروع کیا، لیکن وہ سنگسار کے ذریعے قتل ہونے سے پہلے جلدی سے رسولوں کے پاس پہنچا اور ان سے عرض کیا کہ ﴿إِنِّي أَهْمْتُ بِرَبِّكَ فَاسْمَعُونِي﴾ بے شک میں تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا ہوں، سو تم میری بات سنو یعنی میرے ایمان کی بات سنو تا کہ تم اس پر میرے لیے گواہ بن جاؤ اور پھر جب وہ قتل کر دیئے گئے تو

۲۶- ﴿قِيلَ﴾ ”کہ“ ﴿إِذْ خَلَّ الْجَنَّةَ﴾ اس کے لیے فرمایا گیا کہ تو جنت میں داخل ہو جا، اور اس کی قبر انطاکیہ شہر کے بازار میں واقع ہے اور ”قیل“ نہیں فرمایا گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جو بات کہی گئی ہے اس کے بیان کے لیے یہ کلام چلایا گیا ہے لیکن جس شخص کے لیے بات کہی گئی ہے اس کے بیان کے لیے یہ کلام نہیں چلایا گیا کیونکہ وہ معلوم و معین ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ جنت پیدا کی جا چکی ہے اور وہ مخلوق ہو چکی ہے اور

حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ جب قوم کے لوگوں نے جناب حبیب نجار کو قتل کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے پاس اوپر اٹھالیا اور اب وہ جنت میں ہیں اور آسمانوں اور زمین کے فنا ہونے تک وہ فوت نہیں ہوں گے پھر جب وہ جنت میں داخل ہوئے اور اس کی عالی شان نعمتوں کو دیکھا تو ﴿قَالَ يَلَيْتُ قَوْمِي يَعْلَمُونَ﴾ اس نے کہا: اے کاش! میری قوم کے لوگ جان لیتے۔

۲۷- ﴿بِمَا عَفَّرَ لِي رَبِّي﴾ کہ مجھے میرے پروردگار نے بخش دیا ہے یعنی میرے لیے میرے رب تعالیٰ کی مغفرت و بخشش کو جان لیتے یا وہ اس ذات اقدس کو جان لیتے جس نے مجھے بخش دیا ہے ﴿وَجَعَلَنِي مِنَ الْمَكْرُمِينَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخل کر کے مجھے معززین میں سے بنایا ہے۔

۲۸- ﴿وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُنْدٍ مِنَ السَّمَاءِ﴾ اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہیں اتارا یعنی ہم نے حبیب نجار کے قتل ہو جانے یا اس کے اوپر اٹھائے جانے کے بعد اس کی قوم پر انہیں عذاب میں مبتلا کرنے کے لیے آسمان سے کوئی لشکر نہیں اتارا [”وَمَا أَنْزَلْنَا“ میں حرف ”مَا“ نافیہ ہے] ﴿وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ﴾ اور نہ ہم اتارنے والے تھے (یعنی) اور ہماری حکمت میں یہ صحیح نہیں تھا کہ ہم جناب حبیب نجار کی قوم کو ہلاک کرنے کے لیے آسمان سے کوئی لشکر نازل کریں اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بعض حکمتوں کی بناء پر نہیں بلکہ بعض اسباب و وجوہ کی بناء پر ہر قوم کو ہلاک کرنے کا اس وقت فیصلہ جاری کرتا ہے جب اس کے اسباب تقاضا کرتے ہیں۔

۲۹- ﴿إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً﴾ انطاکیہ کے کفار کی گرفت ہلاکت یا عذاب و سزا نہیں تھی مگر ایک زوردار خطرناک چیخ و چنگاڑ تھی حضرت جبریل علیہ السلام نے ایک زوردار چیخ ماری تھی ﴿فَإِذَا هُمْ خُمُودٌ﴾ پس وہ اسی وقت بجھ کر رہ گئے (یعنی مر گئے) جیسا کہ آگ بجھ جاتی ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت کے معاملہ کے لیے صرف ایک فرشتے کی چیخ کو کافی قرار دے دیا اور ان کی ہلاکت کے لیے آسمان کے لشکروں میں سے کسی لشکر کو نہیں اتارا جیسا کہ غزوہ بدر کے دن اور خندق کے موقع پر فرشتوں کے لشکر اتارے گئے تھے۔

يَحْسِرَةٌ عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿۳۰﴾

يُرَوِّكُمُ أَهْلِكُنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿۳۱﴾ وَإِنْ كُلُّ لُتَّا

جَبِيعٌ لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿۳۲﴾

ہائے افسوس ان بندوں پر کہ جن کے پاس کوئی رسول نہیں آیا مگر وہ اس کا مذاق اڑاتے رہے ۰ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم ان سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کر چکے ہیں بے شک وہ ان کی طرف پلٹ کر واپس نہیں آئیں گے ۰ اور سب کے سب ہمارے حضور حاضر کیے جائیں گے ۰

کفار کی سرکشیوں پر اظہارِ افسوس

۳۰- ﴿يَحْسِرَةٌ عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ﴾ اے افسوس! ان بندوں پر کہ ان کے

پاس کوئی رسول آتا تو وہ اس کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ ”حسرة“ کا معنی ہے: سخت ترین افسوس و غم اور یہ ان کفار پر افسوس کرنے کے لیے نداء ہے گویا اس کے لیے کہا گیا ہے کہ اے افسوس و ندامت! ادھر آ! پس تیرے احوال میں سے ایک حال یہ

ہے جو تیرا حق ہے کہ تو اس میں حاضر ہو جا اور وہ رسولوں کے ساتھ ان کے مذاق اڑانے کا حال ہے جس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک یہ کفار اس بات کے مستحق ہیں کہ غمگین و نادام ان پر غم و ندامت کا اظہار کریں اور افسوس کرنے والے ان کے حال پر افسوس کریں یا یہ کہ کفار پر فرشتوں کی طرف سے اور جنوں اور انسانوں میں سے مسلمانوں کی طرف سے اظہار افسوس کیا گیا ہے۔

۳۱- ﴿الْعَبِيدُ﴾ کیا انہوں نے نہیں دیکھا (یعنی) کیا کفار مکہ کو معلوم نہیں اور کیا کفار مکہ نہیں جانتے کہ ﴿كُفِّرُوا كُفْرًا﴾ قبلكم من القارون ﴿ہم نے ان سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کر دیں ہیں﴾ ”کم“ ”اہلکنا“ کی وجہ سے منصوب ہے اور ”یروا“ کا عمل ”کم“ میں موقوف ہے کیونکہ حرف ”کم“ میں اس سے پہلے عامل عمل نہیں کرتا خواہ ”کم“ استفہام کے معنی میں ہو یا خبر کے معنی میں ہو اس لیے کہ اس کا استعمال اصل میں استفہام کے لیے ہے مگر اس کا معنی پورے جملے میں نافذ ہوتا ہے ﴿أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ﴾ بے شک وہ لوگ ان کی طرف لوٹ کر واپس نہیں آئیں گے [اور یہ ارشاد ”کم اہلکنا“ سے بدل ہے مگر معنی کی بناء پر لفظ کی بناء پر نہیں جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے] (ترجمہ:) کیا اہل مکہ نہیں جانتے کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی قومیں ہلاک کر دیں جن کا حال یہ ہے کہ وہ کبھی ان کی طرف لوٹ کر آنے والے نہیں۔

۳۲- ﴿وَإِنْ كُلُّ لُتَّا جَبِيَّةٍ لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ﴾ اور بے شک سب کے سب ہمارے پاس حاضر کیے جائیں گے [ابن عامر شامی، عاصم کوفی اور حمزہ کوفی کی قراءت میں ”لَمَّا“ کا میم مشدد ہے بہ معنی ”إِلَّا“ ہے اور ”إِنْ“ نافیہ ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ ”لَمَّا“ ہے یہ اس بناء پر ہے کہ ”مَا“ تاکید کے لیے صلہ ہے اور ”إِنْ“ ثقیلہ سے خفیفہ ہے (اصل میں ”إِنْ“ ہے) اور یہ لامحاله لام کے ساتھ متصل ہوتا ہے اور ”كُلُّ“ میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے [اور معنی یہ ہے کہ ”ان کلہم محشرون مجموعون محضرون للحساب او معذبون“ بے شک وہ تمام لوگ حساب و کتاب اور جزاء و نزا کے لیے جمع کر کے حاضر کیے جائیں گے یا عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے] اور بے شک ”كُلُّ“ کی ”جمیع“ کے ساتھ خبر دی گئی ہے کیونکہ ”كُلُّ“ احاطہ کا فائدہ دیتا ہے اور ”جمیع“ فاعیل کے وزن پر بہ معنی مفعول ہے [اور اس کا معنی ہے: اجتماع یعنی روز محشر ان سب کو جمع کر دے گا۔

وَآيَةٌ لَهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُونَ ﴿٣٣﴾
 جَعَلْنَا فِيهَا جَنَّتٍ مِّنْ نَّجِيلٍ ۖ وَأَعْنَابٍ ۖ وَفَجْرًا مِّنَ الْأَعْيُنِ ﴿٣٤﴾ لِيَأْكُلُوا
 مِنْ ثَمَرِهِ ۚ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿٣٥﴾ سُبْحٰنَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ
 كُلَّهَا مِمَّا تُثَبِّتُ الْأَرْضُ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٦﴾ وَآيَةٌ لَهُمُ الْبُيُوتُ
 الَّتِي بَنَيْنَا لَكُمُ الْبَيْتَاتِ لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهَا ۚ وَمِمَّا كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ﴿٣٧﴾

اور ان (اہل مکہ) کے لیے مردہ زمین ایک نشانی ہے جسے ہم نے زندہ کیا اور اس میں سے اناج پیدا کیا سو وہ اسی میں سے کھاتے ہیں O اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات بنائے اور ہم نے اس میں کچھ چشمے جاری کر دیئے O

ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفَلَكِ الْمَشْهُورِ ﴿۳۱﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ ﴿۳۲﴾ وَإِنْ نَشَأْ

نَعْرِفَهُمْ فَلَا صِرَاطَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَدُونَ ﴿۳۳﴾ إِلَّا رَحْمَةً مِنَّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ

حِينَ ﴿۳۳﴾

اور سورج اپنی منزل مقصود کی طرف چلتا رہتا ہے یہ ایک زبردست بے انتہا علم رکھنے والے کا مقرر کیا ہوا نظام ہے اور ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کر دیں ہیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو کر لوٹ آتا ہے اور نہ تو سورج کے لیے ممکن ہے کہ وہ چاند کو پکڑ سکے اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے اور ہر ایک اپنے مدار میں رواں دواں رہتا ہے اور ان کے لیے ایک نشانی (یہ بھی) ہے کہ بے شک ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا اور ہم نے ان کے لیے اس کی مثل اور چیزیں پیدا کی ہیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں پھر نہ تو ان کے لیے کوئی فریادرس ہوگا اور نہ انہیں چھڑایا جاسکے گا اور ہمارے طرف سے (ان پر) رحمت ہو جائے اور ایک مقرر وقت تک قائم رہنا ہوگا۔

۳۸- ﴿وَالشَّمْسُ﴾ اور سورج (یعنی) اور ایک نشانی ان کے لیے سورج ہے جو ﴿تَجْرِي لِلسُّعْتِ لَهَا﴾ اپنی مقرر کردہ منزل کی طرف چلتا رہتا ہے (یعنی) اپنی مقرر و معین منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ اپنے مدار سے وہاں تک سال کے آخر میں پہنچ جاتا ہے۔ اس کو مسافر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جب وہ اپنی سفری منازل طے کرتا ہوا منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے یا پھر سورج اپنی معین و مخصوص حد کے لیے روزانہ ہماری آنکھوں کی نگاہ کے سامنے چلتا ہے اور وہ معین حد مغرب ہے یا یہ کہ وہ اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لیے دنیا کے فنا ہونے تک (یعنی قیامت تک) چلتا رہے گا ﴿ذٰلِكَ﴾ اس انداز پر اور باریک حساب پر اس کا چلنا ﴿تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ﴾ ایک زبردست ہستی کا مقرر کیا ہوا نظام ہے جو اپنی قدرت کی وجہ سے ہر مقدور پر غالب ہے ﴿الْعَلِيْمِ﴾ ہر معلوم کو خوب جاننے والا ہے۔

۳۹- ﴿وَالْقَمَرَ قَدْرًا﴾ اور ہم نے چاند کے لیے (منزلیں) مقرر کر دی ہیں [”القمر“ اپنے ماقبل مقدر فعل کی وجہ سے منصوب ہے جس کی ”قدرناہ“ تفسیر کر رہا ہے اور ابن کثیر کی نافع مدنی ابو عمر و اور سہل کی قراءت میں مبتداء ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور اس کی خبر ”قدرناہ“ ہے یا اس بناء پر مرفوع ہے کہ اصل میں ہے: ”وَ اَيَّةٌ لَهُمُ الْقَمَرُ“ اور ان کے لیے ایک نشانی چاند ہے [﴿مَنَازِلَ﴾ (اور ہم نے چاند کے لیے) منزلیں (مقرر کر دیں) اور وہ کل اٹھائیس منزلیں ہیں چاند ہر رات ان میں سے کسی ایک منزل میں اترتا ہے نہ اس سے آگے بڑھتا ہے اور نہ اس سے پیچھے رہتا ہے بلکہ مقرر کیے ہوئے نظام کے مطابق ایک اندازے پر برابر پہلی رات سے لے کر اٹھائیسویں رات تک مسلسل چلتا رہتا ہے پھر جب مہینہ اختتام کو پہنچتا ہے تو ایک یا دو راتیں چھپ جاتا ہے اور ”قَدْرًا مَنَازِلَ“ میں مضاف محذوف کو مقدر ماننا ضروری ہے کیونکہ خود چاند کی منزلیں مقرر کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے یعنی ہم نے چاند کے نور کی منزلیں مقرر کر دیں جن میں اس کی روشنی گھٹتی اور بڑھتی رہتی ہے یا یہ کہ ہم نے چاند کے سفر کی منزلیں مقرر کر دیں پس منازل اسم ظرف ہے پھر جب چاند اپنی آخری منزلوں میں پہنچتا ہے تو باریک اور کمان کی طرح ہو جاتا ہے ﴿حَتَّىٰ تَأْتِيَ الْعُرْجُونَ﴾ کھجور کے خوشے کی باریک لکڑی جب خشک اور کمان کی طرح ہو جاتی ہے اور یہ ”فعلون“ کے وزن پر ہے اور ”العراج“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: ٹیڑھا ہونا

﴿الْقَدَائِبِ﴾ ایک سال سے پرانی چیز اور جب کھجور کے خوشہ کی شاخ یا ٹہنی پرانی ہو جاتی ہے تو بار بار یک اور ٹیڑھی اور زرد و پھلی ہو جاتی ہے سو اس لیے ان تین وجوہ کی بناء پر چاند کو اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

۴۰۔ ﴿لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا﴾ سورج کے لائق نہیں یعنی سورج کے لیے آسان نہیں اور درست نہیں اور نہ اس کے لیے ممکن ہے ﴿أَنْ تُدَارِكَ الْقَمَرَ﴾ کہ وہ چاند کو پکڑ سکے اور ایک وقت میں اس کے ساتھ جمع ہو جائے اور اس کی سلطنت و بادشاہی میں مداخلت کر سکے ورنہ چاند کی روشنی ختم ہو جائے گی کیونکہ سورج اور چاند میں سے ہر ایک کی اپنے اپنے وقت میں بادشاہی ہے پس سورج دن کا بادشاہ ہے اور چاند رات کا بادشاہ ہے ﴿وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ﴾ اور نہ رات دن سے آگے بڑھنے والی ہے (یعنی) اور رات دن سے آگے نہیں بڑھ سکتی یعنی رات بھی ایک نشانی ہے اور دن بھی ایک نشانی ہے اور وہ (سورج و چاند) دونوں روشن کرنے والے ہیں اور یہ معاملہ اسی ترتیب پر ہمیشہ جاری رہے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی پھر اللہ تعالیٰ سورج اور چاند کو جمع کر دے گا اور اس دن سورج بجائے مشرق کے مغرب سے طلوع ہوگا ﴿وَكُلٌّ﴾ [اور اس میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے یعنی "کلہم" ہے اور یہ ضمیر سورج اور چاند کی طرف لوٹی ہے] اور ہر ایک ﴿فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ﴾ اپنے اپنے مدار (آسمان) میں تیر رہا ہے (یعنی سب سیارے) اپنے اپنے مدار میں رواں دواں اور سفر کرتے رہتے ہیں۔

۴۱۔ ﴿وَايَةٌ لَهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفَلَكِ الْمَشْهُونِ﴾ اور ان (مکہ والوں) کے لیے ایک نشانی یہ ہے کہ بے شک ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ "مشحون" بہ معنی "مملوء" بھری ہوئی ہے اور "ذریۃ" سے اولاد مراد ہے اور وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ کشتی میں سوار کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور دراصل اہل مکہ اپنی اولاد کو بھری اور بحری راستوں سے تجارت کے لیے مختلف ممالک بھیجتے تھے یا پھر "ذریۃ" سے ان کے آباء و اجداد مراد ہیں کیونکہ "ذریۃ" کا لفظ لغت اضداد میں سے ہے جس کے دو متضاد معنی ہو سکتے ہیں اور اس معنی کی بناء پر "فلك" سے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی مراد ہوگی اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ان کی ذریۃ کو کشتی میں سوار کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے پہلے سابق آباء و اجداد کو سوار کیا ہے اور یہ خود اور ان کی اولاد ان کی پشت میں ہونے کی وجہ سے سوار ہوئے تھے اور خود ان کی بجائے صرف اولاد کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ ان پر احسان جتانے میں زیادہ بلیغ و موثر ہے۔

۴۲۔ ﴿وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ﴾ اور ہم نے ان کے لیے اس کشتی کی طرح اور سواریاں بھی پیدا کی ہیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں جیسے اونٹ (گھوڑے، خچر اور گدھے) اور یہ خشکی کی سواریاں ہیں یا خشکی کی کشتیاں ہیں۔

۴۳۔ ﴿وَإِنْ نَشَاءُ نُغْرِقْهُمْ﴾ اور اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کر دیں (یعنی) دریا میں ڈبو دیں ﴿فَلَا صَدِيقٌ لَهُمْ﴾ تو پھر ان کو بچانے کے لیے کوئی فریادرس نہیں ہوگا یا پھر فریاد کرنے کے لیے چلانا اور پکارنا نہیں ہوگا ﴿وَلَا هُمْ يُنْقَذُونَ﴾ اور نہ انہیں چھڑایا جاسکے گا اور نہ انہیں نجات دی جائے گی۔

۴۴۔ ﴿إِلَّا رَحْمَةً مِنَّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ﴾ مگر ہماری طرف سے رحمت ہو جائے اور مقرر وقت تک فائدہ اٹھانے کی سہلت دی جائے یعنی اور انہیں غرق ہو جانے کے بعد چھڑایا نہیں جاسکتا مگر صرف ہماری رحمت کی وجہ سے اور مقررہ مدت کے اختتام تک انہیں زندگی کا فائدہ پہنچانے کی وجہ سے [سو یہ دونوں مفعول لہ ہونے کی بناء پر منصوب ہیں]۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۲۵﴾ وَمَا

تَاتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿۴۶﴾ وَإِذَا قِيلَ

لَهُمْ أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْطِعِم مِّنْ

تَوْبِنَاءِ اللَّهِ أَطْعَمَهُ ؕ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِئَةٌ ضَلِيلٌ مُّبِينٌ ﴿۴۷﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ

هَذَا الْوَعْدِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۴۸﴾ مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صِخْرَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ

وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ﴿۴۹﴾ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴿۵۰﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس سے ڈرو جو تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے O اور ان کے پاس ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں آتی مگر وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں O اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس میں سے خرچ کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق عطا کیا ہے تو کفار مسلمانوں سے کہتے ہیں: کیا ہم اسے کھلائیں جسے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود کھلا دیتا، تم تو نہیں ہو مگر کھلی گراہی میں O اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو O وہ انتظار نہیں کرتے مگر ایک چیخ کا جو انہیں پکڑ لے گی حالانکہ وہ باہم جھگڑتے ہوں گے O سو وہ نہ تو وصیت کر سکیں گے اور نہ وہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جا سکیں گے O

کفار مکہ کی سرکشیوں اور بخل کا بیان

۴۵- ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنْفِقُوا مِمَّا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمِمَّا خَلْفَكُمْ﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس سے ڈرو جو تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے یعنی تم اپنے سابقہ گناہوں سے ڈرو اور پیچھے آنے والے ان گناہوں سے بچو جو تم بعد میں کرنے والے ہو یا یہ کہ تم ان حوادث سے ڈرو جن میں ان امتوں کو مبتلا کیا گیا تھا جو تم سے پہلے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کو جھٹلایا کرتی تھیں اور تم قیامت کے معاملہ سے ڈرو جو تمہارے پیچھے آنے والا ہے یا یہ کہ تم دنیا کے فتنہ اور آخرت کی سزا سے ڈرو ﴿لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ﴾ تاکہ تم پر رحم کیا جائے (یعنی) تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار بن جاؤ اور ”اِذَا“ کا جواب مضمّر ہے یعنی جب انہیں یہ سب کچھ کہا گیا تو انہوں نے منہ پھیر لیا اور یہ ممکن ہے کہ ”اِذَا“ کا جواب محذوف ہو کیونکہ درج ذیل آیت مبارکہ اس پر دلالت کرتی ہے۔

۴۶- ﴿وَمَا تَاتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ﴾ اور ان کے پاس ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں آتی مگر وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں یعنی کفار مکہ کی یہ عادت ہے کہ وہ ہر نشانی اور ہر نصیحت آنے پر منہ پھیر لیتے ہیں اور روگردانی اختیار کر لیتے ہیں [پہلا ”مِن“ نشی کی تاکید کے لیے ہے اور دوسرا ”مِن“ تبعیض کے لیے ہے]۔

۴۷- ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم خرچ کرو اس میں سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق عطا کیا ہے یعنی جب مشرکین مکہ سے کہا جاتا ہے کہ تم فقیروں، محتاجوں اور ضرورت مندوں کو صدقہ و خیرات ادا کیا کرو ﴿قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْطِعِم مِّنْ تَوْبِنَاءِ اللَّهِ أَطْعَمَهُ ؕ﴾ تو کفار نے مسلمانوں سے کہا کہ کیا ہم ان کو

کھلائیں جنہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود کھلا دیتا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں کچھ بے دین لوگ رہتے تھے جب انہیں مسکینوں اور فقیروں پر صدقہ کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے کہا کہ نہیں! اللہ تعالیٰ کی قسم! کیا ہم ان لوگوں کو کھلائیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نادار و محتاج پیدا کیا ہے ﴿إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا قِي ضَلِّبِ قَبِيْنِ﴾ تم تو نہیں ہو مگر کھلی گمراہی میں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو کفار سے فرمایا گیا کہ تم محض کھلی گمراہی میں مبتلا ہو یا یہ مسلمانوں کا کلام ہے جو انہوں نے کفار سے کہا تھا یا پھر مسلمانوں کو کفار کی طرف سے یہ جواب دیا گیا۔

۴۸- ﴿وَيَقُولُونَ نَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہو گا یعنی مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنے کا اور قیامت کا وعدہ کب پورا ہو گا ﴿إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ اگر تم اس میں سچے ہو جو تم کہتے ہو۔ یہ خطاب حضور نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہے۔

۴۹- ﴿مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً﴾ اہل مکہ انتظار نہیں کر رہے مگر ایک چیخ کا اس سے نچھ اولیٰ مراد ہے ﴿تَأْخُذُهُمْ وَهَيَّجَ خِصْمُونَ﴾ وہ انہیں پکڑ لے گی اور وہ آپس میں جھگڑتے ہوں گے [قاری حمزہ کو فی کی قراءت میں "خَا" ساکن اور صاد مخفف یعنی غیر مشد "يَخْصِمُونَ" ہے اور "خصمة" سے ماخوذ ہے (باب ضرب بضر ب) یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی جھگڑے میں غالب آ جائے اور باقی قراء نے صاد کو مشد پڑھا ہے یعنی "يَخْصِمُونَ" اصل میں "يَخْتَصِمُونَ" ہے پھر "تَا" کو صاد میں مدغم کر دیا گیا ہے ابن کثیر کی قراءت میں "تَا" مدغمہ کی حرکت "خَا" کی طرف منتقل کر کے "خَا" کو فتح دیا گیا۔ نافع مدنی کی قراءت میں "خَا" ساکن ہے اور یحییٰ کی قراءت میں "يَا" اور "خَا" دونوں مکسور ہیں کیونکہ "يَا" کو کسرہ دینے میں "خَا" کے تابع رکھا گیا ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک "يَا" مفتوح اور "خَا" مکسور ہے [اور معنی یہ ہے کہ انہیں نچھ اولیٰ کی چیخ پکڑ لے گی اور وہ اس وقت اپنے معاملات میں ایک دوسرے سے جھگڑتے ہوں گے۔

۵۰- ﴿فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً﴾ پس وہ وصیت نہیں کر سکیں گے (یعنی) پس وہ اپنے معاملات میں سے کسی معاملہ کی وصیت نہیں کر سکیں گے ﴿وَأَلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ﴾ اور نہ وہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر آ سکیں گے اور نہ وہ اپنے گھروں کی طرف لوٹنے پر قادر ہوں گے بلکہ وہ جو نبی زوردار چیخ کی آواز سنیں گے فوراً مر جائیں گے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ ﴿٥١﴾ قَالُوا يَا وَيْلَنَا

مَنْ بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا ۗ هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٢﴾ إِنَّ

كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿٥٣﴾ قَالُوا مَرَلَا تَطَّلُمُ

نَفْسٍ شَيْعًا ۗ وَلَا تَجُزُونَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٤﴾

اور صور میں پھونکا جائے گا تو اچانک لوگ قبروں سے نکل کر اپنے پروردگار کی طرف دوڑتے چلیں گے ○ کفار کہیں گے: ہائے ہماری خرابی! ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا (ان سے کہا جائے گا: یہ ہے وہ جس کا رحمن نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ فرمایا تھا ○ وہ تو نہیں ہوگی مگر ایک زوردار چیخ پس اچانک وہ سب ہمارے پاس حاضر کیے جائیں گے ○ سو آج کسی جان پر کچھ ظلم نہیں کیا جائے گا اور تمہیں بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر جو کچھ تم کرتے تھے ○

روزِ محشر کے برپا ہونے اور اہل جنت کا بیان

۵۱- ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ﴾ اور صور میں پھونکا جائے گا اور یہ دوسرا نغمہ ہے (پہلی دفعہ صور پھونکنے پر تمام جاندار مر جائیں گے دوسری دفعہ سب زندہ ہو جائیں گے) اور ”صور“ کا معنی سینگ ہے یا پھر ”صور“ واؤ مفتوح کے ساتھ ”صورۃ“ کی جمع ہے یعنی تمام صورتوں میں روحیں پھونکی جائیں گی ﴿فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ﴾ پس وہ تمام لوگ قبروں سے نکل کر اپنے پروردگار کی طرف دوڑتے ہوئے چل پڑیں گے ”اجداث“ بہ معنی قبور ہے ”ینسلون“ تیز تیز دوڑتے ہوئے چل پڑیں گے۔

۵۲- ﴿قَالُوا﴾ وہ کہیں گے یعنی کفار کہیں گے: ﴿يَوْمَلْنَاهُمْ نَقْمًا مِّنْ مَّرْقَدَاتِهِمْ﴾ ہائے خرابی! ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا اور حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ کفار پر نیند طاری ہوگی جس میں وہ نیند کا مزہ پائیں گے پھر جب اہل قبور کو زندہ کر کے اٹھانے کے لیے حضرت اسرافیل علیہ السلام صور میں زوردار چیخ ماریں گے تو اس وقت کفار کہیں گے کہ ہمیں کس نے اٹھا دیا ﴿هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ﴾ یہ ہے وہ جس کا رحمن نے وعدہ فرمایا تھا اور رسولوں نے سچ فرمایا تھا۔ یہ فرشتوں کا کلام ہے جو کفار کے جواب میں کہیں گے یا پرہیزگار و نیک مسلمانوں کا کلام ہے یا پھر یہ بھی کفار کا کلام ہے انہوں نے دنیا کی زندگی میں رسولوں سے جو کلام سنا تھا اس کو وہ یاد کریں گے اور پہلے سوال کریں گے کہ ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا؟ پھر خود اپنے آپ کو اس کلام کے ذریعے جواب دیں گے کہ یہ تو وہی ہے جس کا رب رحمن نے وعدہ دیا تھا اور رسولوں نے بالکل سچ فرمایا تھا یا وہ اس کلام کے ذریعے ایک دوسرے کو جواب دیں گے یا پھر ”مَا“ مصدر یہ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ یہ رحمن کا وعدہ ہے اور رسولوں کا سچ ہے تو گویا موعود اور مصدوق کو وعدہ اور صدق کا نام دے دیا گیا ہے یا ”مَا“ موصولہ ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ”هَذَا الَّذِي وَعَدَهُ الرَّحْمَنُ وَالَّذِي صَدَقَهُ الْمُرْسَلُونَ“ یعنی یہ وہ وعدہ ہے جس کا خدائے رحمن نے وعدہ دیا تھا اور یہ وہ وعدہ ہے جس کے بارے میں رسولوں نے سچ فرمایا تھا یعنی جس وعدہ میں رسولوں نے سچ بولا تھا۔

۵۳- ﴿إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدًا﴾ وہ نغمہ اخیرہ نہیں ہوگا مگر ایک زوردار چیخ اور چنگھاڑ ہوگی ﴿فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ﴾ پس اچانک وہ سب کے سب ہمارے پاس حساب و کتاب کے لیے حاضر کیے جائیں گے۔

۵۴- پھر اللہ تعالیٰ نے یہاں اس جواب کا ذکر کر دیا جو اس روز ان سے فرمایا جائے گا چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿قَالِیَوْمَ لَا تُنظَّمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ سو آج کسی شخص پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا اور تمہیں بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر اسی قدر جس قدر تم عمل کرتے تھے۔

إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغُلٍ فَاكِهُونَ ﴿۵۵﴾ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلِّ عَلَىٰ

الْأَرَآئِكِ مُتَكِرُونَ ﴿۵۶﴾ لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُمْ مَا يَدَّعُونَ ﴿۵۷﴾ سَلَامٌ قَوْلًا

مِّن رَّبِّ رَحِيمٍ ﴿۵۸﴾

بے شک جنت والے آج دل پسند مشغلوں میں خوش ہو کر لطف اندوز ہوں گے وہ اور ان کی بیویاں گھنے سایوں میں مسہریوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے اس میں ان کے لیے پھل ہوں گے اور ان کے لیے ہر وہ چیز ہوگی جو وہ مانگیں

گے ۵۰ بے حد مہربان پروردگار کی طرف سے سلام کہا جائے گا

۵۵۔ ﴿إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمِ فِي شُغْلٍ﴾ بے شک جنتی لوگ آج (بروز قیامت) مشغولوں میں ہوں گے اور اس کا معنی یہ ہے کہ بہشتی کسی نہ کسی نعمت میں مشغول ہوں گے اور ”فی شغل“ کا کوئی وصف بیان نہیں کیا گیا جب کہ اس ”شغل“ سے مراد یہ ہے کہ باکرہ یعنی کنواری لڑکیوں سے مباشرت کرنا اور نہروں کے کناروں پر سیر و تفریح کرنا اور گھنے سایا دار درختوں کے سایوں میں آرام کرنا یا یہ کہ آلات موسیقی بجانا یا پھر خدائے جبار کی ضیافت و مہمانی میں مشغول ہونا [ابن عامر شامی اور کوئی کی قراءت میں شین اور غین دونوں مضموم ہیں جب کہ ابن کثیر کی نافع مدنی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں شین مضموم ہے اور غین ساکن ہے] ﴿فَكَهُونٌ﴾ [یہ دوسری خبر ہے اور یزید کی قراءت میں بغیر الف کے ”فَكَهُونٌ“ ہے] ”فاکھ“ اور ”فکھ“ دونوں کا معنی ہے: نعمتوں سے خوش ہونے والا اور نعمتوں سے لذت حاصل کرنے والا اور اسی سے ”فکاکھہ“ ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: پھل کیونکہ اس کے ساتھ بھی لذت و مزہ حاصل ہوتا ہے اور اسی طرح ”فکاکھہ“ ہے خوش طبعی اور دل لگی کرنا۔

۵۶۔ ﴿هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظُلَلٍ﴾ وہ اور ان کی بیویاں گھنے سایوں میں ہوں گے [”ہم“ مبتدا ہے اور ”وازواجہم“ اس پر معطوف ہے اور ”فی ظلال“ حال ہے اور یہ ”ظل“ کی جمع ہے اور یہ وہ جگہ ہوتی ہے جہاں سورج کی دھوپ نہیں پڑتی جیسے ”ذئاب“، ”ذئب“ کی جمع ہے یا یہ ”ظلة“ کی جمع ہے جیسے ”برام“، ”برمة“ کی جمع ہے اور اس کی دلیل قاری حمزہ کوئی اور علی کسائی کی قراءت ”فی ظلل“ ہے جو ”ظلة“ کی جمع ہے اور یہ ہر اس چیز کو کہا جائے گا جو تمہیں سورج کی دھوپ سے چھپالے] ﴿عَلَى الْأَرَائِكِ مُتَّكِنُونَ﴾ مسہریوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے [”ارائک“، ”اریکة“ کی جمع ہے اور یہ دلہن کے کمرہ میں مزین و آراستہ تخت ہوتا ہے یا دلہن کے کمرہ میں بچھایا ہوا قیمتی قالین۔ ”متکئون“ تکیے لگا کر آرام کرنے والے یہ ”ہم“ کی خبر ہے یا پھر ”فی ظلال“ حال کی بجائے ”ہم“ کی خبر ہے اور ”علی الارائک“ متکئون ”جملہ مستانفہ ہے۔]

۵۷۔ ﴿لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَاللَّهُ مَا يَدْعُونَ﴾ ان کے لیے اس (جنت) میں ہر قسم کے بہترین میوہ جات و پھل ہوں گے اور ان کے لیے ہر وہ چیز ہوگی جو وہ چاہیں گے۔ ”یدعون“، ”یفتعلون“ کے وزن پر ”دعا“ سے ماخوذ ہے یعنی ہر وہ چیز جسے جنتی لوگ مانگیں گے ان کو مل جائے گی یا جس چیز کی وہ آرزو اور خواہش کریں گے اور تمنا کریں گے وہ انہیں مل جایا کرے گی یہ اہل عرب کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ ”ادع علی ما شئت“ یعنی تمہیں جس کی تمنا ہو یا جو چاہو مجھ سے مانگ لو۔ قرآن نے کہا کہ یہ ”دعوی“ سے ماخوذ ہے یعنی جنتی حضرات اس چیز کا دعویٰ نہیں کریں گے جس کے وہ مستحق نہیں ہوں گے۔

۵۸۔ ﴿سَلَامٌ عَلَىٰ آلِهِمْ وَبَرَکَاتٌ مِنْ رَبِّكَ﴾ رحیم و کریم پروردگار کی طرف سے سلام کہا جائے گا اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان کی تعظیم کی خاطر براہ راست یا فرشتوں کی وساطت سے ان پر سلام بھیجے گا اور یہی اہل جنت کی تمنا ہوگی اور یہ ان کو حاصل ہوگی اس سے انہیں محروم نہیں رکھا جائے گا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا: بے شک تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے فرشتے سلام کے تحفے لے کر جنتیوں پر پیش کریں گے۔

وَأَمَّا زُورَ الْيَوْمِ أَيُّهَا الْمَجْرِمُونَ ﴿٥٩﴾ أَلَمْ أَعْهَدْ لَكُمْ يَبْنَىٰ أَدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٦٠﴾ وَإِنْ أَعْبُدْتَنِي هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٦١﴾

لَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ﴿۶۲﴾ هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ

تُوعَدُونَ ﴿۶۳﴾ إِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۶۴﴾

اور اے مجرمو! آج تم الگ ہو جاؤ! اے اولادِ آدم! کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے! اور یہ کہ تم میری عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے! اور بے شک اس نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو گمراہ کر دیا ہے، تو کیا تم عقل نہیں رکھتے تھے! یہ وہ دوزخ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا! آج تم اس میں داخل ہو جاؤ اس لیے کہ تم کفر کرتے تھے! ﴿۶۲﴾

مشرکین مکہ کی شامت عہد کی یاد دہانی اور اعضاء کی گواہی

۵۹- ﴿وَأَمَّا زَادَ الْيَوْمَ إِلَيْهَا الْمُجْرِمُونَ﴾ اور اے مجرمو! تم علیحدہ ہو جاؤ (یعنی) اور تم مسلمانوں سے الگ ہو جاؤ اور

تم ان سے جدا ہو جاؤ اور یہ اس وقت کہا جائے گا جب مسلمانوں کو جمع کیا جائے گا، پھر انہیں بہشت کی طرف لے جایا جائے گا اور حضرت ضحاک نے بیان فرمایا کہ ہر کافر کے لیے دوزخ میں ایک گھر ہے جس میں وہ رہے گا نہ وہ کسی کو دیکھ سکے گا اور نہ اسے کبھی دیکھا جاسکے گا اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کفار سے فرمائے گا کہ

۶۰- ﴿الْحَا عَهْدُ إِلَيْكُمْ يَوْمَ آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ اے اولادِ آدم! کیا میں نے تم سے

عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ ”عہد“ کا معنی ہے: وصیت کرنا، چنانچہ جب کوئی شخص کسی کو وصیت کرتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ ”عہد الیہ“ اور اللہ تعالیٰ کا ان سے عہد لینا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں عقلی دلائل کو جمع کر دیا تھا اور ان پر سمعی (شرعی) دلائل نازل فرمائے گا اور شیطان کی عبادت کا مطلب ہے کہ شیطان ان کی طرف جو دوسو سے ڈالتا اور جو کام ان کے لیے مزین و آراستہ کرتا، ان میں شیطان کی اطاعت کرنا۔

۶۱- ﴿وَإِنْ أَعْبَدُ وَعِبَّيَّ﴾ اور یہ کہ تم میری عبادت کرو (یعنی) مجھے واحد لا شریک مانو اور میری اطاعت کرو ﴿هَذَا﴾

یہ اس عہد کی طرف اشارہ ہے جو شیطان کی نافرمانی اور رحمن کی اطاعت کرنے کے بارے میں کفار مکہ سے لیا گیا تھا ﴿صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ﴾ سیدھا راستہ یعنی انتہائی سیدھا راستہ جس سے زیادہ سیدھا راستہ اور کوئی نہ ہو۔

۶۲- ﴿وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا﴾ اور بے شک شیطان نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو گمراہ کر دیا ہے [ابن کثیر

مکی، عاصم اور سہل کی قراءت میں ”جِبِلًّا“ میں جیم اور ”بَا“ مکسور ہیں اور لام مشدود ہے جب کہ یعقوب کی قراءت میں جیم اور ”بَا“ مضموم اور لام مشدود ”جِبِلًّا“ ہے اور ابن عامر شامی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں لام مخفف ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک جیم اور ”بَا“ مضموم اور لام مخفف ہے، یہ تمام لغات مسلم ہیں اور اس کا معنی خلق ہے] ﴿أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ﴾ تو کیا تم عقل نہیں رکھتے تھے۔ استفہام کے ذریعے کفار و مشرکین کو عقل سے فائدہ نہ اٹھانے پر ڈانٹا گیا ہے۔

۶۳- ﴿هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ﴾ یہ وہ دوزخ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا کہ کفر و شرک کی صورت میں

تمہیں اس میں جانا ہوگا لہذا

۶۴- ﴿إِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ﴾ آج تم اس میں داخل ہو جاؤ اس لیے کہ تم کفر کرتے تھے (یعنی) تم اپنے

کفر کے سبب اور دوزخ کے وجود سے انکار کے سبب اس میں داخل ہو جاؤ۔

الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا

يَكْسِبُونَ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَأَنَّىٰ يُبْصِرُونَ ﴿۶۶﴾

وَلَوْ نَشَاءُ لَمَسَخْنَاهُمْ عَلَىٰ مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا وَلَا يَرْجِعُونَ ﴿۶۷﴾

آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں ان تمام کرتوتوں کی گواہی دیں گے جن کا وہ ارتکاب کرتے تھے اور اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھیں مٹا دیتے سو وہ راستہ کی طرف بڑھنا چاہتے تو وہ کیسے دیکھ سکتے اور اگر ہم چاہتے تو ان کے گھر بیٹھے ان کی صورتیں بدل دیتے سو وہ نہ تو آگے بڑھ سکتے اور نہ وہ واپس لوٹ سکتے

۶۵۔ ﴿الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ﴾ آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے یعنی ہم ان کو بات کرنے سے روک دیں گے ﴿وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں ان تمام کرتوتوں کی گواہی دیں گے جن کا وہ ارتکاب کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ کفار و مشرکین انکار کریں گے اور جھگڑا کریں گے تو ان کے پڑوسی اور ان کے گھر والے اور ان کے قبیلے کے لوگ ان کے خلاف گواہی دیں گے تو کفار و مشرکین قسمیں اٹھا کر کہیں گے کہ وہ شرک کرنے والے نہیں تھے سو اس وقت ان کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں بولیں گے اور ان کے خلاف گواہی دیں گے اور حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن بندہ عرض کرے گا کہ میرے اوپر صرف میرا نفس گواہی دے سو اس لیے اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضاء سے کہا جائے گا: بولو! تو وہ اس بندے کے اعمال کے بارے میں بولنا شروع کر دیں گے پھر دوران کلام اس کے منہ سے مہر کھول دی جائے گی تو وہ بندہ اپنے اعضاء سے کہے گا: تم پر لعنت و پھنکار ہو میں تو تمہاری طرف سے جھگڑ رہا تھا۔

۶۶۔ ﴿وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ﴾ اور اگر ہم چاہتے تو البتہ ہم ان کی آنکھیں مٹا دیتے ہم انہیں ضرور اندھا کر دیتے اور ان کی بینائی زائل کر دیتے اور ”طمس“ کا معنی ہے: آنکھ کے خول کو مٹا دینا یہاں تک کہ برابر ہو جائے اور نشان باقی نہ رہے ﴿فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ﴾ سو وہ راستے کی طرف بڑھنا چاہتے [حرف جار محذوف ہے اور براہ راست فعل متعدی ہے اصل میں ”فاستبقوا الی الصراط“ تھا] ﴿فَأَنَّىٰ يُبْصِرُونَ﴾ تو اب وہ کیسے دیکھتے حالانکہ ہم نے ان کی آنکھیں تو مٹا دی ہیں [”انی“ بمعنی ”کیف“ ہے]۔

۶۷۔ ﴿وَلَوْ نَشَاءُ لَمَسَخْنَاهُمْ﴾ اور اگر ہم چاہتے تو ان کی شکلیں بدل دیتے کہ انہیں بندر اور خنزیر بنا دیتے یا انہیں پتھر بنا دیتے ﴿عَلَىٰ مَكَانَتِهِمْ﴾ ان کے گھر میں [ابو بکر کوفی اور حماد کی قراءت میں ”علی مکاناتہم“ (جمع) ہے اور ”مکانة“ اور ”مکان“ ایک ہی ہے جیسے ”مقامة“ اور ”مقام“ ہے یعنی اگر ہم چاہتے تو البتہ ہم انہیں ان کے گھروں میں مسخ کر دیتے یہاں تک کہ وہ گناہ کی جرات نہ کرتے ﴿فَمَا اسْتَطَاعُوا﴾ سو وہ نہ جاسکتے یعنی وہ لوگ نہ جانے پر قادر ہوتے اور نہ آنے پر یا یہ کہ ﴿مُضِيًّا﴾ وہ نہ آگے جاسکتے ﴿وَلَا يَرْجِعُونَ﴾ اور نہ پیچھے لوٹ سکتے۔

وَمَنْ تُعَيِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ أَفَلَا يَعْقِلُونَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَّمْنَا الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي

لَهُ إِن هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ ﴿۶۹﴾ لِيُنذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَيُحِقَّ الْقَوْلَ عَلَى

الْكَافِرِينَ ﴿۷۰﴾

اور ہم جس کو زیادہ عمر دیتے ہیں اسے پیدائش میں الٹ پھیر دیتے ہیں تو کیا وہ عقل سے کام نہیں لیتے اور ہم نے اپنے رسول کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ یہ ان کی شان کے لائق ہے وہ تو نہیں ہے مگر نصیحت اور بیان کر دینے والا قرآن تاکہ وہ اسے ڈرائے جو زندہ ہو اور کافروں پر عذاب کی بات ثابت ہو جائے

عمر کی درازی سے مرنے کے بعد اٹھنے پر استدلال

۶۸ - ﴿وَمَنْ تُعَيِّرْهُ نُنَكِّسْهُ﴾ اور ہم جس کو زیادہ بڑی عمر دیتے ہیں تو ہم اسے پیدائش میں الٹ پھیر دیتے ہیں۔ ”ننکس“ اور ”نکس“ دونوں کا معنی ہے: کسی چیز کو پلٹ کر الٹ کر دینا کہ چیز کے اوپر والا حصہ نیچے اور نیچے والا حصہ اوپر ہو جائے یعنی ہم جس آدمی کو زیادہ لمبی عمر دیتے ہیں تو اس کی پیدائش کو ہم الٹ کر دیتے ہیں چنانچہ وہ آدمی طاقت ور ہونے کی بجائے ضعیف و کمزور ہو جاتا ہے اور وہ جوان رہنے کی بجائے بوڑھا ہو جاتا ہے اور یہ اس لیے کہ بے شک ہم نے انسان کو کمزور جسم کے ساتھ اور عقل و خرد اور علم سے خالی پیدا کیا پھر ہم نے اسے بڑھانا شروع کیا یہاں تک کہ وہ اپنی قوت کو پہنچ کر مکمل جوان ہو گیا اور اس کی قوت و طاقت مکمل ہو گئی اور وہ پورا عقل مند ہو گیا اور اس نے وہ سب کچھ جان لیا جو اس کے لیے فائدہ مند ہے اور جو چیزیں اس کے لیے نقصان دہ ہیں پھر جب وہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا تو ہم نے اسے ﴿فِي الْخَلْقِ﴾ پیدائش میں الٹ کر دیا (یعنی) پھر ہم نے اسے گھٹانا شروع کر دیا یہاں تک کہ وہ اپنی جسمانی کمزوری اور اپنی عقل کی کمی اور علم سے خالی ہونے میں ایسی حالت کی طرف لوٹ گیا جو بالکل بچے کی حالت کے مشابہ ہوتی ہے جس طرح تیر کو الٹ کیا جاتا ہے تو اس کے اوپر والا حصہ اس کے نیچے کر دیا جاتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”وَمِنْكُمْ مَّن يُوْدُّ اِلَى اِرْدَالِ الْعُمْرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا“ (انجیل: ۷۰) ”اور تم میں سے بعض کو ناکارہ عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے تاکہ وہ جاننے کے بعد نہ جانے“ [”ننکسہ“ میں امام غاصم کوئی اور قاری حمزہ کوئی کی قراءت کے مطابق پہلانون مضموم دوسرا مفتوح اور کاف مکسور مشدد ہے (یعنی باب تفعیل سے ہے) اور باقی قراء کے نزدیک پہلانون مفتوح دوسرا ساکن اور کاف مضموم مخفف (باب نصر ینصر) ہے] ﴿أَفَلَا يَعْقِلُونَ﴾ تو کیا وہ عقل سے کام نہیں لیتے بے شک جو ذات اقدس انہیں جوانی سے بڑھاپے کی طرف اور قوت سے کمزوری کی طرف اور کامل عقل سے قلت عقل کی طرف اور تمیز و پہچان کی کمی کی طرف پلٹنے پر قادر ہے وہ ان کی آنکھیں مٹانے پر اور ان کو ان کے گھروں میں مسخ کرنے پر اور مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھانے پر بھی قادر ہے [نافع مدنی یعقوب اور سہل کی قراءت میں ”تأ“ کے ساتھ ”أَفَلَا يَعْقِلُونَ“ ہے]۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شعر نہ کہنے کی حکمت اور قرآن کی عظمت کا بیان

۶۹ - اور کفار رسول اللہ ﷺ کو شاعر کہا کرتے تھے (اور قرآن مجید کو شعر کہتے تھے) ان کے رد میں اللہ تعالیٰ نے یہ

آیت مبارکہ نازل فرمائی: ﴿وَمَا عَلَّمْنَا الشِّعْرَ﴾ اور ہم نے آپ کو شعر کہنا نہیں سکھایا یعنی ہم نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ

والسلام کو شعراء کے کلام کی طرح شعر کہنا نہیں سکھایا یہ معنی ہے کہ ہم نے آپ کو قرآن مجید کی تعلیم شعر میں نہیں سکھائی جس کا مطلب یہ ہے کہ بے شک قرآن مجید شعر نہیں ہے کیونکہ شعر موزون اور مقفی کلام ہوتا ہے جو کسی معنی پر دلالت کرتا ہے سو قرآن مجید میں بھلا وزن اور قافیہ کہاں؟ پس اگر تحقیق کی جائے تو قرآن مجید کے درمیان اور شعر میں کوئی مناسبت نہیں ہے ﴿وَمَا يَنْبَغِي لَهُ﴾ اور نہ وہ آپ کی شان کے لائق ہے (یعنی) شعر کہنا آپ کے لیے درست نہیں اور نہ آپ کے حال (منصب نبوت) کے لائق ہے اور اگر آپ شعر کہنا بھی چاہیں تو نہیں کہہ سکیں گے یعنی ہم نے آپ کو ایسا عظیم الشان نبی و رسول بنایا ہے کہ اگر آپ شعر کہنا چاہیں تو نہیں کہہ سکیں گے اور آپ اسے آسانی سے نہیں کہہ سکتے جیسا کہ ہم نے آپ کو اُمتی بنایا کہ آپ مہارت کے ساتھ لکھ نہیں سکتے تھے تاکہ آپ کا اُمتی ہونا (آپ کی نبوت کے لیے) مثبت و مستحکم حجت ہو جائے اور

شک و شبہ بالکل ختم ہو جائے اور لیکن آپ کا یہ کلام

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبٌ
هَلْ أَنْتَ إِلَّا اصْبَعُ دَمِيَّتٍ
أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَلِّبِ
وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا لَقِيتُ

”میں نبی ہوں جھوٹ نہیں میں جناب عبدالمطلب کا بیٹا (پوتا) ہوں“

تو محض ایک انگلی ہے جو خون آلود ہو گئی ہے اور تو نے یہ تکلیف اللہ تعالیٰ کی راہ میں پائی ہے۔“

سو یہ آپ کا محض وہ کلام ہے جو آپ نے سلیقے کے مطابق بغیر کسی بناوٹ اور بغیر کسی تکلف کے موزون بیان فرما دیا لیکن اتفاق سے بغیر قصد اور بغیر ارادہ یہ کلام وزن اور قافیہ کے مطابق جاری ہو گیا، آپ نے موزون کلام کی طرف توجہ نہیں فرمائی تھی جیسا کہ لوگوں کے خطبات، رسائل اور ان کے محاوروں میں اتفاقاً موزون اشیاء ہوتی ہیں اور ان کو کوئی شخص شعر نہیں کہتا کیونکہ ایسا کلام کہنے والا وزن کا قصد نہیں کرتا جب کہ شعر میں وزن اور قافیہ کا قصد ضروری ہے علاوہ ازیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ”لقیت“ کو سکون کے ساتھ اور ”کذب“ کی ”با“ کو مفتوح اور ”المطلب“ کی ”با“ کو مکسور پڑھا ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے شعر کی جنس سے ہونے کی نفی کر دی تو ارشاد فرمایا: ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ﴾ وہ تو نہیں یعنی جس کی آپ کو تعلیم دی گئی ہے مگر نصیحت اور بیان کر دینے والا قرآن یعنی یہ تو نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت جس کے ذریعہ انسانوں اور جنوں کو نصیحت کی جاتی ہے اور یہ تو نہیں مگر قرآن آسمانی کتاب ہے جو محرابوں میں پڑھا جاتا ہے اور جس کی عبادت گاہوں میں تلاوت کی جاتی ہے اور اس کی تلاوت کرنے اور اس پر عمل کرنے کی برکت سے دین و دنیا کی کامیابی حاصل کی جاتی ہے پھر بھلا اس عظیم الشان قرآن مجید کے درمیان اور اس شعر کے درمیان کتنا بڑا اور واضح فرق ہے جو شیطان کے دوسوں سے تیار کیا جاتا ہے۔

معنی یہ ہیں کہ ہم نے آپ کو شعر گوئی کا ملکہ نہیں دیا (یہ مطلب نہیں کہ آپ مبنی بر حقیقت اچھا موزون و مقفی کلام بالکل نہیں کہہ سکتے) یا یہ کہ قرآن کی تعلیم شعر نہیں اور شعر سے کلام کا ذب مراد ہے خواہ موزوں ہو یا غیر موزوں۔ اس آیت میں اشارہ ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علوم اولین و آخرین تعلیم فرمائے گئے جن سے کشف حقائق ہوتا ہے اور آپ کی معلومات واقعی اور نفس الامری (حقیقت پر مبنی) ہیں، کذب شعری نہیں جو حقیقت میں جہل ہے، وہ آپ کی شان کے لائق نہیں اور آپ کا دامن تقدس اس سے پاک ہے، اس میں شعر بہ معنی موزوں کلام کے جاننے اور اس کے صحیح و سقیم اور جید و رذی کو پہچاننے کی نفی نہیں اور نبی کریم ﷺ کے علم میں طعن کرنے والوں کے لیے یہ آیت کسی طرح سند نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کو علوم کائنات عطا فرمائے اس کے انکار میں اس آیت کو پیش کرنا محض غلط ہے۔ (خزانة العرفان فی تفسیر القرآن ص ۵۳۴، مطبوعہ ضیاء القرآن لاہور)

۷۰۔ ﴿لَيْسَ دَرَمَنْ كَانَ حَيًّا﴾ تاکہ وہ قرآن مجید یا رسول اللہ ﷺ اس شخص کو ڈرنا میں جو زندہ ہے (یعنی) عقل مند غور و فکر سے کام لینے والا ہے کیونکہ غافل آدمی مردہ آدمی کی طرح ہے یا یہ کہ جس شخص کا دل زندہ ہے ﴿وَيَحِقُّ الْقَوْلُ﴾ اور بات ثابت ہو چکی ہے (یعنی) اور عذاب کی بات ثابت اور واجب ہو چکی ہے ﴿عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ کافروں پر جو غور و فکر نہیں کرتے اور وہ مردوں کے حکم میں ہیں۔

أَوْلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ﴿٤١﴾

وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ﴿٤٢﴾ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبٌ أَفَلَا

يَشْكُرُونَ ﴿٤٣﴾ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يَنْصَرُونَ ﴿٤٤﴾ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ

وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُونَ ﴿٤٥﴾ فَلَا يَحْزُنُكَ قَوْلُهُمْ إِنَّ نَعْلَمُ مَا يَسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٤٦﴾

وقف لازم

اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک جن چیزوں کو ہمارے ہاتھوں نے بنایا ان میں سے ہم نے ان کے لیے چوپائے پیدا کیے سو وہ ان کے مالک ہیں اور ہم نے ان جانوروں کو ان کا فرماں بردار بنا دیا سوان میں سے بعض تو ان کی سواریاں ہیں اور ان میں سے بعض کو وہ کھاتے ہیں اور ان کے لیے ان میں بے شمار فائدے ہیں اور پینے کی لذیذ چیزیں ہیں تو کیا وہ شکر ادا نہیں کرتے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا کئی معبود بنا لیے ہیں شاید ان کی مدد کی جائے اور وہ ان کی مدد نہیں کر سکتے اور وہ تو ان کے لیے لشکر ہیں جنہیں (ان کے خلاف) حاضر کیا جائے گا سوان کی باتیں آپ کو غمگین نہ کر دیں بے شک ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ اعلانیہ کرتے ہیں

انعامات پر شکر کرنے کی ترغیب اور بت پرستی کی مذمت

۷۱۔ ﴿أَوْلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا﴾ اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے ان کے لیے چوپایوں کو پیدا کیا ان میں سے جن کو ہمارے ہاتھوں نے بنایا یعنی یہ چوپائے اس مخلوق میں سے ہیں جس کی پیدائش بلا شرکت غیرے ہم نے خود کی ہے اور ہمارے علاوہ اس کی پیدائش پر بذات خود کوئی قادر نہیں ہے ﴿فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ﴾ پس اب وہ ان کے مالک بن گئے ہیں یعنی یہ چوپائے ہم نے انہیں کی خاطر پیدا کیے ہیں پھر ہم نے انہیں کو ان کا مالک بنا دیا ہے سوا اب وہ ان میں اس طرح اپنا تصرف و اختیار استعمال کرتے ہیں جس طرح مالک تصرف کرتا ہے وہی ان سے نفع اٹھانے کے لیے مخصوص ہیں یا یہ کہ وہی ان پر قابض و غالب ہیں۔

۷۲۔ ﴿وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ﴾ اور ہم نے ان چوپایوں کو ان کے تابع کر دیا اور ہم نے ان کو ان کا مطیع و فرمان بردار بنا دیا ہے ورنہ ان پر کون غالب آ سکتا تھا اگر اللہ تعالیٰ ان کو تابع نہ بناتا اور ان کو سخر نہ کرتا اور اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے سوار ہونے والوں پر لازم اور واجب کر دیا کہ وہ اس نعمت پر شکر ادا کریں اور تسبیح و پاکی بیان کریں چنانچہ ارشاد فرمایا: "سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ" (الزخرف: ۱۳) "پاک ہے وہ ذات جس نے اس (سواری) کو ہمارے لیے فرمان بردار بنا دیا اور ہم اس پر قابو پانے کی قدرت نہیں رکھتے تھے" ﴿فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ﴾ سوان میں سے بعض ان کی سواریاں ہیں اور یہ وہ چوپائے ہیں جن پر سواری کی جاتی ہے (جیسے اونٹ، گھوڑے، خچر اور گدھے وغیرہ) ﴿وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ﴾ اور ان

میں سے بعض کو وہ کھاتے ہیں (جیسے اونٹ، بھینس، گائیں، بکریاں اور بھینس وغیرہ) یعنی ہم نے چوپایوں کو فرماں بردار بنا دیا تاکہ وہ لوگ سواری کے قابل جانوروں کی پشتوں پر سوار ہوں اور وہ حلال جانوروں کا گوشت کھائیں۔

۷۳- ﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ﴾ اور ان کے لیے ان جانوروں میں بہت سے فائدے ہیں جیسے چمڑے، اون اور گوہر وغیرہ ﴿وَمَشَارِبٌ﴾ اور پینے کی چیزیں اس سے دودھ مراد ہے اور یہ ”مشرب“ کی جمع اور یہ پینے کی جگہ ہے یا پینا مراد ہے ﴿أَفَلَا يَشْكُرُونَ﴾ تو کیا وہ لوگ ان چوپایوں کے انعام پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتے۔

۷۴- ﴿وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يَنْصَرُونَ﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا کئی معبود بنا لیے تاکہ ان کی مدد کی جائے یعنی شاید ان کے بت اس وقت ان کی مدد کر سکیں جب انہیں کوئی مشکل پیش آ جائے۔

۷۵- ﴿لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ﴾ وہ ان کی مدد نہیں کر سکیں گے یعنی ان کے معبود اپنی عبادت کرنے والوں کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے ﴿وَهُمْ لَهُمْ جُنُودٌ مُّحْضَرُونَ﴾ اور وہ ان کے لیے لشکر ہیں جنہیں حاضر کیا جائے گا یعنی کفار بتوں کے معاون و مددگار ہیں ان کی خدمت کرتے ہیں اور وہ ان کی طرف سے دفاع کرتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ کفار نے بتوں کو اس لیے معبود بنا لیا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس ان کی مدد کریں اور ان کے لیے سفارش کریں حالانکہ انہوں نے جو کچھ سوچ رکھا ہے معاملہ اس کے خلاف ہوگا کیونکہ قیامت کے دن ان بتوں کو لشکر کی صورت میں ان کے لیے تیار کیا جائے گا اور انہیں ان کے عذاب کے لیے حاضر کیا جائے گا اس لیے ان کو جلانے کے لیے ان بتوں کو دوزخ کی آگ کا ایندھن بنایا جائے گا۔

۷۶- ﴿فَلَا يَخْزِيكَ قَوْلُهُمْ﴾ سوان کی بات آپ کو غم زدہ نہ کرے یعنی ان کا آپ کو جھٹلانا اور ایذا دینا اور ان کا ظلم و ستم کرنا آپ کو غم زدہ نہ کر دے [نافع مدنی کی قراءت میں ”یا“ مضموم اور ”زا“ مکسور ”حزنہ“ اور ”احزنہ“ سے ماخوذ ہے] ﴿إِنَّا نَعْلَمُ مَا يَسِرُّونَ﴾ بے شک ہم اسے خوب جانتے ہیں جو وہ اپنی عداوت و دشمنی کو چھپاتے ہیں ﴿وَمَا يُعْلِنُونَ﴾ اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں اور ہم یقیناً ان کو اس پر سزا دیں گے سو آپ جیسی شخصیت کا حق یہ ہے کہ آپ اس وعید (دھمکی) پر تسلی رکھیں اور آپ اپنے دل میں آخرت کے دن اپنی صورت حال اور ان کی صورت حال پیش نظر رکھیں تاکہ اس کی وجہ سے غم و فکر دور ہو جائے اور آئندہ غم ورنج لاحق نہ ہو [اور جس کا یہ گمان ہے کہ جس شخص نے ”إِنَّا نَعْلَمُ“ میں ہمزہ کو مفتوح پڑھا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اس کے معنی کو صحیح سمجھے گا تو کافر ہو جائے گا۔ اس کا یہ گمان غلط ہے کیونکہ اس کو لام تعلیل کے حذف پر محمول کرنا ممکن ہے (یعنی اصل میں ”لانا نعلم“ ہو) اور یہ قرآن مجید اور شعروں میں اکثر ہے بلکہ ہر کلام میں ہوتا ہے اور اسی بناء پر رسول خدا ﷺ کا یہ تلبیہ ہے: ”ان الحمد والنعمه لك“ امام ابوحنیفہ نے کسرہ اور امام شافعی نے فتح پڑھا ہے رحمۃ اللہ علیہما اور دونوں دلیل پر مبنی ہیں پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ فتح کی صورت میں ”قولہم“ سے بدل ہوگا، گویا کہا گیا کہ آپ کو یہ بات ممکن نہ کرے کہ ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں حالانکہ اس کا فساد ظاہر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معنی کسرہ میں بھی لازم آئے گا جب اسے ”قولہم“ کا مفعول قرار دیا جائے پس ظاہر ہو گیا کہ ”حزن“ کا تعلق اور عدم تعلق اللہ تعالیٰ کے عالم ہونے کے ساتھ ”ان“ کے کسرہ اور فتح پر موقوف نہیں بلکہ وہ اس پر موقوف ہے کہ فتح کی حالت تعلیل کا معنی مقدر مانا جائے بدل کا معنی نہیں جیسا کہ کسرہ کی صورت میں تعلیل کا معنی مقدر مانا جائے گا، مفعولیت کا نہیں بہر حال اس میں رسول اللہ ﷺ کو اس بناء پر غم سے منع کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی سزا دے اور غلامیہ خباثیوں کو خوب جانتا ہے اور غم سے منع کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پہلے آپ کو غم لاحق ہو چکا تھا جیسا

کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِلْكَافِرِينَ ۝" (القصص: ۸۶) "سو آپ کافروں کے مددگار نہ بنیں ۝"۔
 "وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝" (الانعام: ۱۳) "اور آپ مشرکوں میں سے نہ ہو جائیں ۝"۔ "وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا
 آخَرَ" (القصص: ۸۸) "اور آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی عبادت نہ کیجئے"۔

أَوَلَمْ يَرِ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ ﴿۷۷﴾ وَقَرَّبَ لَنَا مَثَلًا وَ
 نَسِي خَلْقَهُ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿۷۸﴾ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ
 مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿۷۹﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم
 مِّنْهُ تُوقَدُونَ ﴿۸۰﴾

اور کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا، پھر وہ اچانک کھلم کھلا جھگڑا کرنے والا بن
 گیا ۝ اور اس نے ہمارے لیے ایک مثال گھڑی اور اپنی پیدائش بھول گیا، اس نے کہا کہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا حالانکہ وہ
 گل سڑ گئیں ۝ فرمادیتے تھے کہ ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا، اور وہ ہر قسم کی پیدائش کو خوب جاننے والا
 ہے ۝ جس نے تمہارے لیے سبز درخت میں سے آگ پیدا کی، سو تم اس میں سے اچانک آگ سلگاتے ہو ۝

انسان کی پہلی تخلیق سے مرنے کے بعد دوبارہ تخلیق کرنے پر استدلال

شان نزول: اور یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ ابی بن خلف کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جب اس نے ایک بوسیدہ اور
 پرانی گلی سڑی ہڈی کو اٹھایا اور وہ اس کو اپنے ہاتھ سے توڑ کر ٹکڑے کرنے لگا اور کہنے لگا: اے محمد (ﷺ)! کیا آپ دیکھ
 رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس ہڈی کو بوسیدہ ہو جانے کے بعد زندہ کر لے گا، تو رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: جی ہاں! اللہ
 تعالیٰ تجھے بھی دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا اور تجھے جہنم میں داخل کرے گا۔

۷۷۔ ﴿أَوَلَمْ يَرِ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُّطْفَةٍ﴾ اور کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے اس کو نطفہ (یعنی) مرد
 کے آلہ تناسل کے سوراخ سے نکلنے والے سفید پانی سے پیدا کیا ہے، وہ آلہ جو گندگی (پیشاب) کی نالی ہے ﴿فَإِذَا هُوَ
 خَصِيمٌ مُّبِينٌ﴾ پس وہ اچانک کھلم کھلا جھگڑا کرنے والا بن گیا، جس کا جھگڑا سب پر عیاں ہے یعنی پس وہ اب تک اپنی اصلی
 خاست اور اپنی ابتدائی پستی پر قائم ہے، وہ اپنے پروردگار سے جھگڑنے کے درپے رہتا ہے اور مردوں کی ہڈیوں کے بوسیدہ
 ہونے کے بعد ان کے زندہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کرتا ہے، پھر اس کا جھگڑنا اس کا لازمی وصف بن گیا اور یہ جھگڑنا
 ہمہ اوقات اس کے ساتھ چمٹا رہتا ہے حالانکہ وہ بے جان سے جاندار ہو کر پلا بڑھا اور اب وہ مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنے کا
 انکار کرتا ہے اور یہ انتہائی سخت مجادلہ ہے۔

۷۸۔ ﴿وَقَرَّبَ لَنَا مَثَلًا وَ نَسِي خَلْقَهُ﴾ اور وہ بوسیدہ ہڈی کو توڑ کر ہمارے لیے مثال بیان کرتا ہے ﴿وَنَسِي خَلْقَهُ﴾ اور وہ منی سے
 اپنی تخلیق کو بھول گیا ہے حالانکہ یہ ہڈی کے زندہ کرنے سے زیادہ عجیب و غریب ہے، [”خَلْقَهُ“ میں مصدر اپنے مفعول کی
 طرف مضاف ہے یعنی ہمارا اس کو پیدا کرنا] ﴿قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ﴾ اس نے کہا کہ اس ہڈی کو کون زندہ کرے گا

۱۔ ذکرہ الواحدی فی اسباب النزول ص ۲۳۶

حالانکہ وہ گل سر کر چورہ چورہ ہو چکی ہے [”رمیم“ گلی سڑی ہڈی کا اسم ہے صفت نہیں جیسے ”رمة“ اور ”رفات“ ہے پس یہی وجہ ہے کہ مؤنث نہیں آتا جب کہ یہ مؤنث کی خبر واقع ہو رہا ہے] اور جو لوگ ہڈی میں حیات کو ثابت کرتے اور کہتے ہیں کہ مردہ کی ہڈی ناپاک ہوتی ہے کیونکہ موت اس میں اثر کرتی ہے اور اس سے پہلے اس میں حیات داخل تھی وہ اس آیت مبارکہ سے استدلال کرتے ہیں جب کہ ہمارے (احناف کے) نزدیک ہڈی پاک ہوتی ہے اور اسی طرح مردہ کے بال اور پٹھے پاک ہوتے ہیں اس لیے کہ ان میں زندگی نہیں ہوتی پس موت ان میں کوئی اثر نہیں کرتی اور اس آیت مبارکہ میں ہڈی کے زندہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کی پہلی حالت میں واپس لے آئے گا جس طرح پہلے حساس و زندہ شخص میں لیس دار اور رطوبت دار تھی۔

۲۹۔ ﴿قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ (اے محبوب!) فرمادیتے کہ اس کو وہی زندہ کرے گا جس نے اس کو پہلی بار پیدا کیا تھا یعنی جس نے ابتداء میں پیدا کیا تھا وہی دوبارہ پیدا کرے گا ﴿وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ﴾ اور وہ ہر مخلوق کو خوب جانتا ہے اس سے کسی مخلوق کے اجزاء پوشیدہ نہیں ہیں اگرچہ وہ دریا میں یا خشک صحرا میں بکھیر دیئے جائیں سو اللہ تعالیٰ ان کو ہر جگہ سے جمع کر لے گا اور جیسے انسان پہلے تھا ویسے اسے دوبارہ کر دے گا۔

۸۰۔ ﴿الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ مِنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِنْهُ تُوقِدُونَ﴾ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہارے لیے سبز درخت سے آگ کو پیدا کیا پس تم اچانک اس میں سے آگ روشن کرتے ہو پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق کے عجائبات کا ذکر فرمایا جیسے سبز درخت سے آگ کو پیدا کرنا حالانکہ آگ پانی کے متضاد ہے اور پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور وہ چقماق ہے جس کے ساتھ عرب کے باشندے آگ جلاتے ہیں اور زیادہ تر مرغ اور عقار نامی درختوں سے آگ روشن کی جاتی ہے اور اہل عرب کی مثالوں میں سے ایک یہ مثال ہے کہ ”فی کل شجر نار“ ہر درخت میں آگ ہوتی ہے جب کہ مشہور یہ ہے کہ مرغ اور عقار نامی درختوں سے آگ روشن ہوتی ہے کہ آدمی سواک کے برابر دو شاخیں ان دونوں درختوں میں سے کاٹ لیتا ہے اور وہ دونوں شاخیں سبز اور ہری ہوتی ہیں ان سے پانی کے قطرے نکل سکتے ہیں پھر مرغ جو کہ مذکر ہے کی شاخ کو عقار جو کہ مؤنث ہے کی شاخ پر رگڑا جاتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق آگ روشن ہو جاتی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ ہر درخت میں آگ ہوتی ہے ماسوا ایک انگور کے درخت کے محض اس مصلحت کی بناء پر کہ دھوبی کپڑے صاف کرنے کے لیے اسے استعمال کرتے ہیں سو جو ذرات پانی اور آگ کو درخت میں جمع کرنے پر قادر ہے وہ انسان میں موت و حیات کو باری باری لانے پر بھی قادر ہے اور دو متضاد چیزوں میں سے کسی ایک کو کسی دوسری پر باری باری لانا عقل کے نزدیک زیادہ آسان ہے دو متضاد چیزوں کو بغیر ترتیب اکٹھے جمع کرنے سے اور ”الشجر“ لفظ کے اعتبار سے مذکر ہے اور معنی کے اعتبار سے مؤنث ہے اس لیے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے یہاں اس کی صفت ”الاخضر“ لائی گئی ہے اور معنی کے اعتبار کر کے اس کو ”الخصراء“ بھی پڑھا گیا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ جو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے پر قادر ہے باوجودیکہ یہ دونوں عظیم ترین وجود رکھنے والی مخلوق ہے تو وہ انسانوں کے پیدا کرنے پر بہ طریق اولیٰ قادر ہے چنانچہ ارشاد فرمایا:

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَىٰ وَهُوَ
الْخَلِيقُ الْعَلِيمُ ﴿۸۱﴾ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۸۲﴾ فَسُبْحَانَ
الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۸۳﴾

اور کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ ان کی (پیدائش کی) طرح دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں، کیوں نہیں! اور وہ تو بہت پیدا کرنے والا خوب جاننے والا ہے O بے شک اس کی شان تو یہی ہے کہ جب وہ کسی چیز کو چاہتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتی ہے O سو پاک ہے وہ ذات جس کے دست قدرت میں ہر چیز کی حکومت ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O

۸۱- ﴿أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ بِمِثْلِهِمْ﴾ اور کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ آسمانوں اور زمین کی بہ نسبت ان کی طرح چھوٹی چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر نہیں یا ان کے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں، کیونکہ دوبارہ پیدا کرنا پہلی بار پیدا کرنے کی طرح ہوتا ہے اور ایسا نہیں ہے ﴿بِكَافٍ﴾ یعنی اے محبوب! فرما دیجئے کہ کیوں نہیں! وہ تو اس پر قادر ہے ﴿وَهُوَ الْخَلَّاقُ﴾ اور وہ بہت سی مخلوق پیدا کرنے والا ہے ﴿الْعَلِيمُ﴾ بہت سی معلومات رکھنے والا ہے۔

۸۲- ﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ﴾ بے شک اس کا کام صرف یہ ہے یعنی اس کی شان یہ ہے کہ ﴿إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ جب وہ کسی چیز کو چاہتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتی ہے پس وہ پیدا ہو جاتی ہے یعنی پس وہ ہونے والی چیز ہر حال میں موجود ہو جاتی ہے سو خلاصہ یہ ہے کہ تمام مکونات اس کی تخلیق اور اس کی ایجاد سے وجود میں آئی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی ایجاد کو لفظ ”کُنْ“ سے تعبیر کیا جس میں کاف اور نون کے بغیر کوئی اور لفظ نہیں یہ صرف ایجاد کی جلدی کے لیے بیان کیا، گویا فرمایا کہ جس طرح تم پر ”کُنْ“ کہنا بھاری نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ پر پہلی بار پیدا کرنا اور نہیں دوبارہ پیدا کرنا بھی کوئی بھاری اور مشکل نہیں [ابن عامر شامی اور علی کسائی کی قراءت میں ”فیکون“ کو ”يقول له“ پر معطوف کر کے اس کے آخر کو منصوب پڑھا گیا ہے لیکن رہا رفع تو اس صورت میں یہ جملہ مبتدا خبر ہے کیونکہ اس کی اصل ”فہو یكون“ ہے اور یہ اپنی مثل پر معطوف ہے اور وہ ”امرہ ان یقول له کن“ ہے]۔

۸۳- ﴿فَسُبْحَانَ﴾ سو اللہ تعالیٰ ان تمام سے پاک ہے جن کو مشرکین اس کے متعلق بیان کرتے ہیں اور لفظ ”سبحان“ کے ذریعے مشرکین کی ان بکواسات پر تعجب کا اظہار ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیں ﴿الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ وہ ذات جس کے دست قدرت میں ہر چیز کی بادشاہی ہے ”ای ملک کل شیء“ یعنی ہر چیز کی بادشاہی (”ملک“ مصدر ہے اس کے آخر میں) مبالغہ کے لیے واو اور ”تَا“ کا اضافہ کیا گیا ہے یعنی وہ ہر چیز کا مالک و مختار ہے ﴿وَالَّذِي تَرْجَعُونَ﴾ اور تم سب مرنے کے بعد بغیر کسی فرار اور بچاؤ کے اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے [قاری یعقوب کی قراءت میں ”تَرْجَعُونَ“ ہے]۔

سورة یسین کے فضائل

(۱) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ ”إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ قَلْبًا وَإِنَّ قَلْبَ الْقُرْآنِ يَسِينُ“۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۸۷، سنن الداری رقم الحدیث: ۳۴۱۷) ”بے شک ہر چیز کا ایک دل ہوتا ہے اور بے شک قرآن مجید کا دل سورۃ یسین ہے۔“

(۲) جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے ارادہ سے سورۃ یسین کی تلاوت کی اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا اور اس کو اس قدر اجر و ثواب عطا فرمائے گا، گویا اس نے بائیس (۲۲) مرتبہ قرآن مجید کو پڑھ لیا ہے۔

(۳) جو شخص اپنی کسی حاجت کو پیش نظر رکھ کر سورۃ یسین تلاوت کرے گا اس کی وہ حاجت پوری کر دی جائے گی۔

(۳) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص سورت یسین کی تلاوت کرے گا اگر وہ بھوکا ہے تو اللہ تعالیٰ کھانا عطا فرما کر اس کا پیٹ بھر دے گا اور اگر وہ پیاسا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے پانی سے سیراب کر دے گا اور اگر وہ لباس کا ضرورت مند ہے تو اللہ تعالیٰ اسے لباس عطا فرمائے گا اور اگر وہ کسی وجہ سے خوف زدہ ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو امن عطا فرمائے گا اور اگر وہ پریشان ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کی پریشانی دور فرمادے گا اور اگر وہ گھبرایا ہوا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کو اطمینان و سکون عطا فرمائے گا اور اگر وہ فقیر ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کو غنی کر دے گا اور اگر وہ قید میں ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو رہائی عطا فرمائے گا اور اگر گرفتار شدہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسے خلاصی اور نجات عطا فرمائے گا اور اگر وہ گمراہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت عطا فرمائے گا اور اگر وہ مقروض ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے خزانوں میں سے اس کا قرض ادا فرمادے گا اور اس سورت کو ”ذافعة“ اور ”قاضیة“ کہا جاتا ہے کہ اس کے پڑھنے سے ہزبرائی اور بیماری دور ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ سے ہر حاجت پوری ہو جاتی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
رُكُوعًا وَرُكُوعًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
رُكُوعًا وَرُكُوعًا

سورة الصفّت کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی ایک سو بیاسی آیات پانچ رکوع ہیں

وَالصَّفَّتِ صَفًّا ۱۱ فَالزُّجُرَاتِ زُجْرًا ۱۲ فَالتَّلِيَّتِ ذِكْرًا ۱۳ اِنَّ الْهَكْمَ لَوَاحِدٌ ۱۴
رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۱۵ اِنَّا زَيْتُنَا الدُّنْيَا
بِزَيْتِنَا الْكَوَاكِبِ ۱۶ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۱۷ لَا يَسْمَعُوْنَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ
الْاَعْلٰى وَيُقَدِّفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۱۸ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۱۹ اِلَّا
مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاتَّبَعَهُ يَشْرٰٓءُ نَفْسًا ۲۰

تسم ہے قطار میں ہو کر صف باندھنے والوں کی ۰ پھر خوب جھڑکنے والوں کی ۰ پھر قرآن کی تلاوت کرنے والوں کی ۰ بے شک تمہارا برحق معبود ایک ہی ہے ۰ وہی آسمانوں کا اور زمین کا اور ان دونوں کے درمیان تمام چیزوں کا مالک ہے اور تمام مشرقوں کا مالک ہے ۰ بے شک ہم نے دنیا کے آسمان کو ستاروں کی زینت سے آراستہ کیا ۰ اور اسے ہر سرکش شیطان سے محفوظ کر دیا ۰ وہ عالم بالا کی طرف کان لگا کر نہیں سن سکتے اور انہیں ہر طرف سے مارا جاتا ہے ۰ بھگانے کے لیے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے ۰ مگر جو شیطان کوئی بات اچک کر لے چلا تو بھڑکتا ہوا تیز شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے ۰

صفات الہیہ سے اس کی توحید پر استدلال

سورت والصفات کی ہے اور اس کی آیات ایک سو اکیاسی یا ایک سو بیاسی ہیں۔
۱۔ ﴿ وَالصَّفَّتِ صَفًّا ﴾ تسم ہے قطار در قطار صف باندھنے والوں کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے چند گروہوں کی یا پھر خود ان کی ذوات کی تسمیں بیان فرمائی ہیں۔ ”الصفات“ سے نماز میں آ کر صفیں باندھنے والے مراد ہیں۔
۲۔ ﴿ فَالزُّجُرَاتِ زُجْرًا ﴾ پھر بہت جھڑکنے والوں کی تسم۔ ”زاجرات“ سے بادلوں کو چلانے والے فرشتے مراد ہیں اور الہام کے ذریعے گناہوں سے روکنے والے مراد ہیں۔

۳- ﴿قَالَ تَلِيَّتْ ذِكْرًا﴾ پھر قرآن مجید کی تلاوت کرنے والوں کی قسم۔ ”فالتالیات“ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کتابوں وغیرہ میں سے کلام اللہ کی تلاوت کرنے والے مراد ہیں اور یہ حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود اور حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ہے یا پھر شریعت اسلامی پر بہت عمل کرنے والے علمائے دین کی ذوات کی قسمیں بیان فرمائی گئیں ہیں چنانچہ ”الصفات“ سے ان حضرات کا نماز تہجد اور دیگر شجگانہ نمازوں کے لیے آنا مراد ہے ”فالزاجرات“ سے مواعظ و نصائح کے ذریعے جھڑکنا مراد ہے اور ”فالتالیات“ سے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت و تعلیم اور اس کے احکام کا درس دینا مراد ہے یا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہدین کی قسمیں بیان فرمائی گئی ہیں جو میدان جہاد میں صفیں باندھ کر جہاد کرتے ہیں اور سواری کے گھوڑوں کو جہاد کی خاطر تیز دوڑانے کے لیے جھڑکتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ذکر الہی اور قرآن مجید کی تلاوت جاری رکھتے ہیں [”صَفًّا“ تاکید کی مصدر ہے اور اسی طرح ”زَجْرًا“ ہے اور حرف ”فَا“ فضیلت و برتری میں صفات کی ترتیب پر دلالت کرتا ہے پس فضیلت کو پہلے صفیں باندھنے والوں، پھر جھڑکنے والوں، پھر تلاوت کرنے والوں کے لیے مقید کیا گیا یا پھر اس کا برعکس بھی مراد ہو سکتا ہے]۔

۴- ﴿إِنَّ إِلَهَكُمْ لَوَاحِدٌ﴾ بے شک تمہارا معبود برحق ایک ہی ہے یہ قسم کا جواب ہے بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ کفار مکہ کے (درج ذیل) قول کا جواب ہے: ”أَجْعَلُ الْإِلَهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجَابٌ“ (ص: ۵) ”کیا اس (رسول اکرم) نے تمام معبودوں کو ایک معبود قرار دیا ہے بے شک یہ بات بہت عجیب ہے“۔

۵- ﴿رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ وہی تمام آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کا مالک ہے [یہ خبر کے بعد دوسری خبر ہے یا پھر مبتدا محذوف کی خبر ہے ”ای هو رب السموات والارض“ یعنی وہی آسمانوں اور زمین کا مالک ہے] ﴿وَرَبُّ الْمَشَارِقِ﴾ اور مشرقوں کا مالک ہے یعنی سورج کے طلوع ہونے کی جگہیں اور وہ تین سو ساٹھ جگہیں ہیں اور اسی طرح سورج کے غروب ہونے کی جگہیں بھی تین سو ساٹھ ہیں سورج ہر روز ان میں سے ایک مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور ایک مغرب میں غروب ہوتا ہے اور سورج دو دن میں ایک جگہ سے نہ طلوع ہوتا ہے اور نہ غروب ہوتا ہے اور لیکن رہا ”رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ“ (الرحمن: ۱۷) دو مشرقوں کا مالک ہے اور دو مغربوں کا مالک ہے تو اس سے موسم گرما اور موسم سرما کے دو مشرق اور ان کے دو مغرب مراد ہیں اور لیکن رہا ”رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ“ (المزل: ۹) تو اس سے جہت اور سمت مراد ہے کیونکہ مشرق بھی ایک سمت ہے اور مغرب بھی ایک سمت ہے۔

۶- ﴿إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الثَّانِيَةَ﴾ بے شک ہم نے آسمان دنیا کو مزین و آراستہ کیا جو تمہارے نزدیک ہے ”دنیا“، ”ادنی“ کی تانیث ہے بہ معنی قریب ﴿بِزِينَةِ الْكَوَاكِبِ﴾ ستاروں کی زینت کے ساتھ [امام حفص اور قاری حمزہ کوئی کی قراءت میں ”الکواکب“، ”زینة“ سے بدل ہونے کی بناء پر مجرور ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کے ساتھ آراستہ کیا یعنی ستاروں کی زینت کے ساتھ اور ابو بکر کوئی کی قراءت میں ”زینة“ کے محل سے بدل بنا کر مفعول ہونے کی بناء پر ”الکواکب“ کو منصوب پڑھا گیا ہے یا ”اعنی“ مضمحل ہونے کی بناء پر منصوب ہے یا مصدر متعین مفعول میں عمل کر رہا ہے اور ان کے علاوہ نے مصدر کو فاعل کی طرف مضاف مانا یعنی آسمان دنیا کو ستاروں نے آراستہ کیا ہے اور اس کی اصل ”بِزِينَةِ الْكَوَاكِبِ“ ہے یا اس کی اضافت مفعول کی طرف ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو حسین و جمیل بنایا ہے کیونکہ آسمان دنیا کو خود ستاروں کے حسن و جمال کی وجہ سے آراستہ کیا گیا ہے اور ابو بکر کوئی کی قراءت میں اس کی اصل ”بِزِينَةِ الْكَوَاكِبِ“ ہے۔

۷- ﴿وَحَفَّظًا﴾ اور محفوظ رکھنے کے لیے [یہ ”زینہ“ کے معنی یعنی محل پر محمول معطوف ہے] اس لیے کہ اس کا معنی یہ ہے: بے شک ہم نے ستاروں کو آسمان کی زینت اور شیطانوں سے حفاظت کے لیے پیدا کیا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا: ”وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ“ (الملك: ۵) ”اور بے شک ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں کے ساتھ مزین و آراستہ کیا اور ہم نے ان کو شیطانوں کے مار بھگانے والا بنایا ہے“ [یا فعل معلل مقدر ہے گویا فرمایا گیا ہے: ”وحفظا من کل شیطان زیناها بالکواکب“ ہر شیطان سے محفوظ رکھنے کے لیے اس کو ہم نے ستاروں کے ساتھ آراستہ کیا یا اس کا معنی یہ ہے کہ ”حفظناها حفظا“ ہم نے اس کو خوب محفوظ بنایا ہے] ﴿مَنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ﴾ ہر سرکش (یعنی) اطاعت سے خارج شیطان سے۔

۸- ﴿لَا يَسْمَعُونَ إِلَى الْمَلَأِ الْأَعْلَى﴾ وہ عالم بالا کا کلام نہیں سن سکتے یعنی فرشتوں کا کلام نہیں سن سکتے۔ فرشتوں کو ”ملا اعلیٰ“ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ آسمانوں میں رہتے ہیں اور انسانوں اور جنوں کو ”ملا اسفل“ (عالم زیریں) اس لیے کہتے ہیں کہ یہ زمین کے رہنے والے ہیں [”لَا يَسْمَعُونَ“ میں ”ہم“ ضمیر (کل شیطان) کی طرف لوٹی ہے کیونکہ وہ شیاطین کے معنی میں ہے اور ابوبکر کوفی کے علاوہ باقی کوفی قراء کے نزدیک ”يَسْمَعُونَ“ میں سین اور میم مشدود مفتوح ہیں اس کی اصل ”يَسْمَعُونَ“ ہے اور ”تَسْمَعُ“ کا معنی ہے: سماعت کو طلب کرنا یا سماعت کو چاہنا جیسے کہا جاتا ہے: ”تَسْمَعُ فَسَمِعَ“ فلاں شخص نے سنا چاہا تو اس نے سن لیا اور مناسب تو یہ ہے کہ یہ جملہ مستاتفہ کے طور پر الگ کلام شروع کیا گیا ہوتا کہ شیاطین کا چوری چھپے کلام سننے کا حال بیان کیا جائے اور وہ یہ ہے کہ بے شک وہ فرشتوں کے کلام سننے پر قدرت نہیں رکھتے یا ”تسمعوا“ ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس کی اصل ”لئلا يسمعوا“ ہے پھر لام کو حذف کر دیا گیا جیسا کہ ”جئتک ان تکرمیني“ میں لام کو حذف کیا گیا ہے (کہ اصل میں ”لأن تکرمیني“ ہے) پس اب ”ان لا يسمعوا“ باقی رہ گیا پھر ”ان“ کو بھی حذف کر دیا گیا اور اس کے عمل کو چھوڑ دیا گیا جیسا کہ اس قول میں ہے کہ ”ألا أيهَذَا الزَّاجِرِي أَحْضَرُ الوَغِي“ اور اس میں ”تعسف“ ہے اس لیے اس جیسی عبارت سے قرآن مجید کو محفوظ رکھنا واجب ہے کیونکہ ان دونوں حرفوں میں سے ہر ایک حرف کو الگ رو نہیں کیا جاتا لیکن ان دونوں کا اجتماع غیر مانوس ہے اور ”سمعتُ فلانا يتحدث“ اور ”سمعتُ اليه يتحدث“ کے درمیان اور ”سمعتُ حديثه“ اور ”سمعتُ الي حديثه“ کے درمیان فرق یہ ہے کہ جو فعل براہ راست متعدی ہوتا ہے وہ صرف سماعت پانے کا فائدہ دیتا ہے اور جو فعل ”إلی“ کے واسطے سے متعدی ہوتا ہے وہ کان لگا کر سماعت پانے کا فائدہ دیتا ہے [﴿وَيَقْدَحُونَ﴾ اور ان پر تیز شعلہ پھینکا جاتا ہے ﴿مِنْ كُلِّ جَانِبٍ﴾ آسمان کی تمام اطراف سے جس طرف سے بھی وہ کلام ملا کہ چوری کرنے اوپر چڑھتے ہیں۔

۹- ﴿دَحْوًا﴾ بھگانے کے لیے [یہ مفعول لہ ہے] یعنی شیطانوں کو آسمان کی طرف اوپر جانے سے روکنے اور بھگانے کے لیے انکارے پھینکے جاتے ہیں۔ ”دحور“ کا معنی بھگانا اور دفع کرنا ہے یا پھر حال کی بناء پر ”مدحورین“ ہے یا اس لیے کہ ”قذف“ اور ”طرد“ قریب المعنی ہیں سو گویا فرمایا گیا کہ انہیں انکارے پھینک کر بھگایا جاتا ہے ﴿وَلَكُمْ عَذَابٌ ذَاصِبٌ﴾ اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے ”واصب“ بہ معنی دائم ہے اور ”وصوب“ سے ماخوذ ہے یعنی بے شک دنیا میں ان پر انکارے اور شعلے پھینکے جاتے ہیں اور آخرت میں ان کے لیے دائمی عذاب تیار کر رکھا ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔

۱۰- ﴿إِلَّا مَنْ حَطِفَ الحُطْفَةَ﴾ مگر جو شیطان اچک لے جائے [اس میں ”مَنْ“، ”لَا يسمعون“ کی واؤ سے بدل ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے] یعنی شیاطین فرشتوں کا کلام نہیں سن سکتے مگر کوئی ایک شیطان جو اچانک چوری چھپے کچھ نہ کچھ

بات اچک لے یعنی چھین لے مطلب یہ کہ شیطان ان کے کلام میں سے کوئی چیز جلدی سے اچانک چھین لے ﴿فَاتَّبَعَهُ﴾
شہاب ﴿﴾ پس فوراً اس کا تیز شعلہ پیچھا کرتا ہے یعنی پھینکا ہوا ستارہ ﴿ثَابِتٌ﴾ چمکتا ہوا روشن۔

فَاسْتَقْرِمُمْ أَهْمَ أَشَدُّ خَلْقًا مِّنْ خَلْقِنَا إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِّنْ طِينٍ لَّزِيبٍ ۝۱۱ بَلْ

عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ ۝۱۲ وَإِذَا دُكِرُوا لِآيَاتِكُمْ كُرُوا ۝۱۳ وَإِذَا رَأَوْا آيَةً يَسْتَسْخَرُونَ ۝۱۴

وَقَالُوا إِن هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝۱۵ وَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا إِنَّا

لَبَعُوثُونَ ۝۱۶ أَوِ ابْنَا الْأَوْلُونَ ۝۱۷ قُلْ نَعَمْ وَأَنْتُمْ دَاخِرُونَ ۝۱۸ فَاتَّمَاهُ

زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُونَ ۝۱۹ وَقَالُوا يَا وَيْلَنَا هَذَا يَوْمُ الدِّينِ ۝۲۰ هَذَا يَوْمٌ

الْفَصْلِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ۝۲۱

سو آپ ان (کافروں) سے پوچھئے کہ کیا ان کی تخلیق زیادہ مضبوط و دشوار ہے یا ان (دوسری بڑی چیزوں) کی جن کو ہم نے پیدا کیا ہے بے شک ہم نے ان کو لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے ○ بلکہ آپ نے تعجب کیا اور وہ مذاق اڑاتے ہیں ○ اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ نصیحت قبول نہیں کرتے ○ اور جب وہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں ○ اور کہتے ہیں کہ یہ تو نہیں مگر کھلا جادو ○ کیا جب ہم مرجائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم ضرور اٹھائے جائیں گے ○ اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا کو (بھی اٹھایا جائے گا) ○ فرمائیے: ہاں! اور تم ذلیل و خوار ہو گے ○ سو یقیناً وہ صرف ایک زور دار جھڑک ہوگی پس وہ اچانک دیکھنے لگیں گے ○ اور کہیں گے: ہائے ہماری بربادی! یہ تو سزا کا دن ہے ○ یہی فیصلہ کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے ○

کفار مکہ کے احمقانہ رویوں کا بیان

۱۱ - ﴿فَاسْتَقْرِمُمْ﴾ سو آپ ان سے سوال کیجئے (یعنی) سو آپ کفار مکہ سے یہ بات پوچھئے کہ ﴿أَهْمَ أَشَدُّ خَلْقًا﴾ کیا ان کی تخلیق زیادہ سخت ہے یعنی کیا وہ اپنی تخلیق و پیدائش میں زیادہ مضبوط و قوی ہیں یہ ان (اہل عرب) کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ ”شدید الخلق وفي خلقه شدة“ فلاں کی تخلیق مضبوط اور قوی ہے اور اس کی تخلیق میں قوت و مضبوطی ہے یا یہ معنی ہے کہ کیا ان کی تخلیق زیادہ مشکل اور زیادہ دشوار و سخت ہے اس معنی کی بناء پر کہ اس آیت مبارکہ میں قیامت اور حشر و نشر کے انکار کرنے پر کفار مکہ کا رد کیا گیا ہے اور بے شک جس ذات اقدس پر اتنی بڑی مخلوقات (ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں) کی تخلیق و پیدائش آسان ہے اور اس پر ان کا ایجاد و اختراع کرنا مشکل و دشوار نہیں ہے تو اس پر انسان کی تخلیق و پیدائش بہت ہی آسان ہے ﴿أَمْ مِّنْ خَلْقِنَا﴾ یا ان کے علاوہ وہ مخلوقات زیادہ قوی اور مضبوط ہیں جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے۔ اس سے وہ مخلوقات مراد ہیں جن کا پہلے ذکر کیا گیا ہے یعنی فرشتے، ساتوں آسمان اور زمینیں اور ان دونوں کے درمیان (سورج، چاند، ستارے، سمندر، دریا، پہاڑ، بڑے بڑے ٹیلے اور بلند و بالا درخت، ہاتھی وغیرہ) [اور کلمہ ”مِّنْ“ عقلاء کی غیر عقلاء پر تغلیب کی وجہ سے لایا گیا ہے اور اس پر اس کی قرأت دلالت کرتی ہے جس نے ”أَمْ مِّنْ خَلْقِنَا“ تشدید اور تخفیف

دونوں کے ساتھ پڑھا ہے [﴿إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِن طِينٍ لَّازِبٍ﴾ بے شک ہم نے ان کو لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے۔ ”لازب“ بہ معنی ”لاصق“ چپکنے والی یا بہ معنی لازم چپکنے والی جدا نہ ہونے والی ہے اور ایک قراءت میں ”من طین لازم“ بھی پڑھا گیا ہے اور یہ آیت مبارکہ انسان کے کمزور مخلوق ہونے پر شہادت و گواہی ہے کیونکہ جو چیز مٹی سے بنائی جائے گی وہ جسمانی صلابت و مضبوطی کے ساتھ متصف نہیں ہوگی یا یہ ان پر حجت و دلیل ہے کہ جو لیس دار مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں وہ مٹی ہی (کی طرح کمزور) ہیں تو بھلا وہ ان ہی کی طرح مٹی سے دوبارہ پیدا کیے جانے سے کیونکر انکار کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے کہا: ”ءَاِذَا كُنَّا تُرَابًا ءَاِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ“ (الرعد: ۵) ”کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا واقعی ہم دوبارہ ایک نئی پیدائش میں ظاہر ہوں گے“ اور یہ معنی اس کی تائید و توثیق کرتا ہے جس کی پہلے تلاوت کی گئی ہے کہ کفار مکہ مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کرتے ہیں۔

۱۲- ﴿بَلْ عَجِبْتَ﴾ بلکہ آپ نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور آپ کو جھٹلایا (لیکن) ﴿وَيَسْتَعْجِرُونَ﴾ اور وہ تو آپ کا اور آپ کے تعجب کا مذاق اڑاتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ آپ تو مرنے کے بعد اٹھنے پر ان کے انکار کی وجہ سے تعجب کا اظہار کرتے ہیں اور وہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے معاملے کا مذاق اڑاتے ہیں [حزہ کوئی اور علی کسائی کی قراءت میں ”تَا“ مضموم (فعل واحد متکلم) ہے یعنی بلکہ میں نے ان کے انکار بعثت کا انکار کر دیا اور تعجب اس ڈر یا گھبراہٹ کو کہا جاتا ہے جو کسی انسان کو اس وقت لاحق ہوتا ہے جب وہ کسی چیز کو بہت بڑا خیال کرتا ہے لہذا اللہ تعالیٰ کے حق میں خوف و ڈر اور گھبراہٹ کے معنی کو خالی کرنا ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ پر خوف و ڈر جائز نہیں یا اس کا معنی یہ ہے کہ اے محمد (ﷺ) افرما دیجئے کہ میں نے تعجب کیا۔]

۱۳- ﴿وَإِذَا ذُكِّرُوا لَا يَذْكُرُونَ﴾ اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ نصیحت قبول نہیں کرتے (یعنی) ان کی عادت اور ان کا طریقہ یہی ہے کہ بے شک جب انہیں کسی چیز کی نصیحت کی جاتی ہے تو وہ لوگ اس سے نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

۱۴- ﴿وَإِذَا رَأَوْا آيَةً﴾ اور جب وہ لوگ (کفار مکہ) کوئی معجزہ دیکھتے ہیں جیسے چاند کو دو ٹکڑے کرنے کا معجزہ اور اسی طرح کا کوئی اور معجزہ تو ﴿يَسْتَعْجِرُونَ﴾ وہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کو اس کا مذاق اڑانے کے لیے بلاتے ہیں یا وہ مذاق اڑانے میں بہت مبالغہ کرتے ہیں۔

۱۵- ﴿وَقَالُوا إِن هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ﴾ اور انہوں نے معجزہ دیکھ کر کہا کہ یہ تو نہیں مگر کھلا جادو (یعنی) یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ محض کھلا جادو ہے۔

۱۶- ﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَاءً ءَاِنَّا لَمَبْعُوثُونَ﴾ کیا جب ہم مرجائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم یقیناً ضرور اٹھائے جائیں گے یعنی کیا ہمیں اس وقت اٹھایا جائے گا جب ہم مٹی اور ہڈیاں بن چکے ہوں گے اور اس میں شروع کا ہمزہ استفہام انکاری ہے یعنی ایسا کبھی نہیں ہوگا۔

۱۷- ﴿ءَاِذَا بَدَأْنَا الْآوَّلُونَ﴾ اور کیا ہمارے پہلے آباء و اجداد کو بھی مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا [یہ ”اِن“ اور اس کے اسم کے محل پر معطوف ہے یا ”للمبعوثون“ میں ضمیر پر معطوف ہے] اور معنی یہ ہے کہ کیا ہمارے باپ و ادا کو بھی دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا کیونکہ یہ بہت بعید ہے ان کا مقصد یہ تھا کہ ان کے آباء و اجداد تو بہت پہلے گزر چکے ہیں سو ان کو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھانا عقل کے نزدیک بہت بعید اور باطل ہے [نافع مدنی، ابن عامر شامی کی قراءت میں داؤ

ساکن ہے یعنی کیا ہم میں سے کسی ایک کو دوبارہ اٹھایا جائے گا یہ دراصل انکار میں مبالغہ کرنے کے لیے ہے۔

۱۸۔ ﴿قُلْ نَعَمْ﴾ اے محبوب! فرمادیتے کہ جی ہاں! تمہیں ضرور اٹھایا جائے گا [علی کسائی کی قراءت میں نون مفتوح کے بجائے مکسور ہے اور دونوں لغتیں مستعمل ہیں] ﴿وَأَنْتُمْ ذَاخِرُونَ﴾ اور تم ذلیل و رسوا ہو گے۔

۱۹۔ ﴿فَاتَّمَا هِيَ زَجْرًا وَاحِدَةً﴾ پھر بے شک وہ صرف ایک زوردار ڈانٹ اور جھڑک ہوگی [یہ مقدر شرط کا جواب ہے جس کی تقدیر عبارت یوں ہے: "إِذَا كَانَ كَذَلِكَ فَمَا هِيَ إِلَّا زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ" یعنی جب معاملہ اسی طرح ہوگا تو پھر وہ نہیں ہوگی مگر ایک خطرناک چیخ اور جھڑک اور "ہی" کسی چیز کی طرف نہیں لوٹتی کیونکہ مبہم ضمیر ہے اس کی وضاحت اس کی خبر کرتی ہے اور یہ جائز ہے کہ "فانما البعثة زجرة واحدة" ہو یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے کے لیے ایک چیخ دار جھڑک کافی ہو جائے گی اور وہ نچھٹائی ہوگا اور "زجرة" کا معنی چیخ مارنا ہے چنانچہ جب چرواہا اونٹوں یا بکریوں کو چیخ کر جھڑکتا ہے تو اس وقت بولا جاتا ہے: "زجر الراعی الابل او الغنم" ﴿فَإِذَا هُمْ﴾ سو اچانک وہ زندہ ہو کر اٹھیارے ہو جائیں گے ﴿يَنْظُرُونَ﴾ وہ اپنے بُرے اعمال کی طرف دیکھتے ہوں گے یا وہ اپنے اوپر نازل ہونے والے عذاب کا انتظار کرتے ہوں گے۔

۲۰۔ ﴿وَقَالُوا يَا وَيْلَنَا﴾ اور وہ کہیں گے: ہائے ہماری بربادی۔ "ویل" وہ کلمہ ہے جسے ہلاکت و تباہی کے وقت کہنے والا کہتا ہے ﴿هَذَا يَوْمُ الدِّينِ﴾ یہ تو بدلے کا دن ہے یعنی آج وہ دن ہے جس میں ہمیں اعمال پر بدلہ دیا جائے گا یعنی ہمیں ہمارے اعمال پر سزا دی جائے گی۔

۲۱۔ ﴿هَذَا يَوْمُ الْفَصْلِ﴾ یہ فیصلہ کا دن ہے (یعنی) یہ انصاف کا دن ہے اور ہدایت و گمراہی کے درمیان فرق کرنے کا دن ہے ﴿الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكْفَرُونَ﴾ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے پھر اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ "هَذَا يَوْمُ الدِّينِ" سے "احشروا" تک ایک دوسرے کے ساتھ کفار کا کلام ہو اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ فرشتوں کا کلام ہو جو اس دن کفار کے ساتھ کریں گے اور تیسرا احتمال یہ ہے کہ "یا ویلنا ہذا یوم الدین" کفار کا کلام ہو اور "ہذا یوم الفصل" کفار کو جواب دینے کے لیے فرشتوں کا کلام ہو۔

أُحْشِرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿۳۷﴾ مِنْ دُونِ اللَّهِ
فَاهْدُوهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ ﴿۳۸﴾ وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ ﴿۳۹﴾ مَا لَكُمْ لَا
تَنصَرُونَ ﴿۴۰﴾ بَلْ هُمْ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ ﴿۴۱﴾ وَأَقْبَلْ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ
يَتَسَاءَلُونَ ﴿۴۲﴾ قَالُوا إِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ﴿۴۳﴾ قَالُوا بَلْ لَمْ تَكُونُوا
مُؤْمِنِينَ ﴿۴۴﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طَٰغِينَ ﴿۴۵﴾

(اے فرشتو!) تم ظالموں کو اور ان کے ہم مثل ساتھیوں کو اور ان کو جن کی وہ عبادت کرتے تھے سب کو جمع کر لو ○ اللہ تعالیٰ کے ماسوا سو تم ان کو دوزخ کا راستہ دکھا دو ○ اور تم ان کو روک لو بے شک ان سے سوال کیے جائیں گے ○ تمہیں کیا ہو

گیا ہے کہ تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے O بلکہ وہ سب آج گردنیں جھکائے فرماں بردار بن کر کھڑے ہوں گے O اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر آپس میں ایک دوسرے سے سوال کریں گے O وہ کہیں گے: بے شک تم ہمارے پاس دائیں طرف سے بہکانے آتے تھے O وہ کہیں گے بلکہ تم خود ایمان نہیں لاتے تھے O اور ہمارا تم پر کوئی دباؤ نہیں تھا بلکہ تم خود سرکش قوم تھے O

روز محشر کے قیام اور مسلم و کافر کے اعمال و انجام کا بیان

۲۲، ۲۳۔ ﴿أَحْشَرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا﴾ تم ان لوگوں کو جمع کرو جنہوں نے ظلم کیا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرشتوں سے یہ خطاب فرمائے گا کہ تم ظالموں یعنی کافروں کا اکٹھا کر لو ﴿وَأَذُوا جُحُومًا﴾ اور ان کے ساتھیوں کو یعنی ان کے ہم مثل اور ان جیسے لوگوں کو بھی ان کے ساتھ جمع کر لو یا شیطانوں میں سے ان کے ساتھیوں کو یا ان کی کافرہ عورتوں کو ان کے ساتھ جمع کر لو [اس میں واؤ بہ معنی "مع" ہے اور بعض کا قول ہے کہ یہ واؤ عاطفہ ہے اور اس کو "ظلموا" میں پوشیدہ ضمیر پر عطف کر کے مرفوع بھی پڑھا گیا ہے] ﴿وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن چیزوں کی عبادت کرتے تھے یعنی بتوں کو بھی ان کے ساتھ اکٹھا کر لو ﴿فَاهْدُوا هَذَا إِلَىٰ صِرَاطِ الْبَحِيِّ﴾ سو تم ان کو دوزخ کی راہ دکھا دو۔ اصمعی سے منقول ہے کہ دین میں رہنمائی کرنے کے لیے "ہدٰی" استعمال ہوتا ہے اور راستہ کے معنی میں "ہدایۃ" استعمال ہوتا ہے۔
۲۴۔ ﴿وَقِفُّهُمْ﴾ اور تم انہیں ٹھہراؤ یعنی اور تم ان کو روک لو ﴿إِنَّهُمْ مَسْئُورُونَ﴾ بے شک ان سے ان کے اقوال اور ان کے افعال کے بارے میں سوال کیے جائیں گے۔

۲۵۔ ﴿فَالَكُمْ لَا تَنَاصِرُونَ﴾ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم مدد نہیں کرتے یعنی تم ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے اور یہ دراصل ایک دوسرے کی مدد کرنے سے عاجز و بے بس ہونے پر انہیں ڈانٹنا ہو گا کیونکہ اس سے پہلے دنیا میں وہ ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے اور بعض کا قول ہے کہ یہ ابو جہل کے لیے جواب ہے کیونکہ اس نے غزوہ بدر کے دن کہا تھا: "نَحْنُ جَمِيعٌ مُّقْتَصِرُونَ" (القر: ۴۳) "ہم سب مل کر بدلہ لیں گے O" [یہ حال ہونے کی بنا پر محلاً منصوب ہے "ای ما لکم غیر متناصرین" یعنی تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اب ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے]۔

۲۶۔ ﴿بَلْ هَذَا الْيَوْمَ مُسْتَلِيمُونَ﴾ بلکہ وہ آج سر تسلیم خم کیے ہوئے کھڑے ہوں گے (یعنی) مطیع و فرماں بردار ہوں گے یا بے شک وہ ایک دوسرے سے سر جھکا کر بات کریں گے اور ان کی یہ ذلت و خواری عاجزی اور بے بسی کی وجہ ہو گی سو وہ سب کے سب عاجز و بے بس ہوں گے کوئی مدد کرنے والا نہیں ہو گا۔

۲۷۔ ﴿وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے یعنی تابع اور متبوع اور پیروکار اور پیشوا، نیز عوام اور سردار ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے (اور) ﴿يَكْسَأُونَ﴾ ایک دوسرے سے سوال کریں گے اور ایک دوسرے پر الزام لگاتے ہوئے باہم جھگڑیں گے چنانچہ

۲۸۔ ﴿قَالُوا﴾ وہ کہیں گے یعنی پیروکار و عوام اپنے پیشواؤں اور سرداروں سے کہیں گے: ﴿إِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ﴾ بے شک تم ہمارے پاس دائیں طرف سے آتے تھے (یعنی) پوری قوت و غلبہ کے ساتھ تم ہمارے پاس آتے تھے کیونکہ "یسمن" کو قوت کے ساتھ بھی متصف کیا جاتا ہے اور اسی کے ساتھ گرفت و پکڑ واقع ہوتی ہے یعنی بے شک تم ہمیں پوری قوت و غلبہ کے ساتھ گمراہی پر ابھارتے اور اس پر راغب کرتے تھے اور تم گمراہی اختیار کرنے پر ہمیں مجبور کرتے تھے۔

۲۹- ﴿قَالُوا﴾ وہ کہیں گے یعنی کافروں کے سردار اور بڑے رئیس اپنے پیروکاروں کو جواب دیتے ہوئے کہیں گے: ﴿بَلْ لَمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾ بلکہ تم خود ایمان نہیں لاتے تھے یعنی بلکہ تم نے خود ایمان سے انکار کر دیا تھا اور تم نے قدرت و اختیار رکھنے کے باوجود ایمان سے منہ پھیر لیا تھا اور تم نے ایمان کے مقابلے میں کفر کو پسند کر لیا تھا، تمہیں کوئی مجبور نہیں کیا گیا تھا۔

۳۰- ﴿وَمَا كَانُوا لَنَا عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ اور ہمیں تم پر کوئی تسلط و غلبہ حاصل نہیں تھا، جس کے ذریعے ہم تم سے تمہارا اختیار چھین لیتے اور ہم بہ زور تمہاری قوت و قدرت سلب کر لیتے ﴿بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ﴾ بلکہ تم سرکش قوم تھے (یعنی) بلکہ تم بغاوت و سرکشی اختیار کرنے والی قوم تھے۔

فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا ۙ اِنَّكَ لَذٰلِكَ اٰیٰتُونَ ۙ فَاَعُوْٓبِكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ۙ فَاِنَّهُمْ
يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۙ اِنَّا كُنَّا لَفَعْلٰلٍ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۙ اِنَّهُمْ
كَانُوْا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّا لَتٰرِكُوْا اِلٰهِنَا
لِشَاعِرٍ فَجْنُوْنَ ۙ بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَقَ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ

سو ہم پر ہمارے پروردگار کی بات ثابت ہو گئی ہے بے شک ہم ضرور چکھنے والے ہیں ○ سو ہم نے تمہیں گمراہ کر دیا تھا بے شک ہم خود بھی گمراہ تھے ○ سو بے شک وہ آج عذاب میں شریک ہوں گے ○ بے شک ہم مجرموں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں ○ بے شک یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو وہ تکبر کرتے تھے ○ اور وہ کہتے تھے کہ کیا ہم ایک دیوانے شاعر کے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں ○ (ایسا نہیں!) بلکہ وہ حق لے کر تشریف لائے اور رسولوں کی تصدیق و تائید کی ○

۳۱- ﴿فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا ۙ﴾ سو ہم سب پر ہمارے پروردگار کی بات ثابت و لازم ہو گئی کہ ﴿اِنَّكَ لَذٰلِكَ اٰیٰتُونَ﴾ ہم یقیناً (عذاب الہی) چکھنے والے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی وعید (دھمکی) ہم سب پر واجب و لازم ہو گئی کہ ہم ضرور لامحالہ اس کا عذاب چکھنے والے ہیں کیونکہ اسے ہمارے حال کا بہ خوبی علم ہے اور اگر وعید کو جیسے ہے ویسے حکایت بیان کیا جاتا تو پھر ارشاد ہوتا: "اِنَّكُمْ لَذٰلِكَ اٰیٰتُونَ" بے شک تم عذاب الہی ضرور چکھنے والے ہو، لیکن مخاطب سے متکلم کی طرف عدول کیا گیا ہے، یہ محض اس لیے کہ وہ خود اپنے بارے میں اقرار کریں اور اس کی مثال شاعر کا یہ قول ہے: "فَقَدْ زَعَمْتُ هُوَ اِزْنٌ قُلَّ مَالِي" بے شک قبیلہ ہوازن نے یہ گمان کر لیا ہے کہ میرا مال کم ہو گیا ہے۔ اور اگر شاعر اس کا قول بیان کرتا تو یوں کہتا کہ "قُلَّ مَالِكَ"۔

۳۲- ﴿فَاَعُوْٓبِكُمْ﴾ سو ہم نے تمہیں گمراہ کیا کہ ہم نے تمہیں گمراہی کی طرف بلایا تھا ﴿اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ﴾ بے شک ہم خود بھی گمراہ تھے سو ہم نے تمہیں اس لیے گمراہ کرنا چاہا تھا تا کہ تم بھی ہماری طرح گمراہ ہو جاؤ۔

۳۳- ﴿فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ﴾ بے شک وہ سب اس روز عذاب میں شریک ہوں گے یعنی بے شک پیروی کرنے والے عوام اور جن سرداروں کی پیروی کی گئی تھی وہ سب کے سب قیامت کے دن عذاب میں اس طرح شریک ہوں گے جس طرح وہ دنیا میں رہ کر گمراہی میں ایک دوسرے کے شریک تھے۔

۳۴۔ ﴿إِنَّا كَذَلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ﴾ بے شک ہم مجرموں کے ساتھ یعنی مشرکوں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں۔ یہاں ”مجرمین“ سے مشرکین مراد ہیں، مطلب یہ ہے کہ بے شک ہم اس عجیب و غریب فعل کی مثل ہر مجرم کے ساتھ کرتے ہیں کہ جرائم و گناہوں کے رہبروں اور ہزنوں دونوں کو اکٹھے عذاب میں شریک کرتے ہیں۔

۳۵۔ ﴿إِنَّكُمْ كَانُوا إِذْ أُقِيلَ لَكُمْ لِآلِهَةِ إِلَّا اللَّهُ يَتَكَبَّرُونَ﴾ بے شک یہ وہی لوگ ہیں کہ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو وہ تکبر کرتے ہیں (یعنی) بے شک یہ لوگ جب توحید کا کلمہ سنتے تھے تو اس سے تکبر کرتے تھے اور شرک کے علاوہ ہر چیز کا انکار کرتے تھے۔

۳۶۔ ﴿وَيَقُولُونَ إِنَّا لَنَارِكُوا إِلَهًا لِّشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ﴾ اور وہ کہتے تھے کہ کیا ہم ایک دیوانے شاعر کے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ وہ لوگ ”شاعر مجنون“ سے سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی ذات بابرکات مراد لیتے تھے [ابن عامر شامی اور کوفی قراء کی قراءت میں دو ہمزوں کے ساتھ ”إِنَّا“ ہے]۔

۳۷۔ ﴿بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ﴾ بلکہ رسول اللہ ﷺ حق لے کر تشریف لائے ہیں۔ اس میں مشرکین مکہ کا رد کیا گیا ہے ﴿وَصَدَقَ الْمُرْسَلِينَ﴾ اور آپ نے رسولوں کی تصدیق کی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ“ (آل عمران: ۳) ”آپ اپنے سے پہلے رسولوں نبیوں اور کتابوں کی تصدیق کرنے والے ہیں“۔

إِنَّكُمْ لَذَائِقُوا الْعَذَابِ الْإِلِيمِ ﴿۳۸﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۳۹﴾ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلِصِينَ ﴿۴۰﴾ أُولَئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ﴿۴۱﴾ فَوَاكِهَ ﴿۴۲﴾ وَهُمْ تُكْرَمُونَ ﴿۴۳﴾ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿۴۴﴾ عَلَى سُرُرٍ مُّقْبِلِينَ ﴿۴۵﴾

بے شک تم ضرور دردناک عذاب چکھنے والے ہو اور تمہیں بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر جس قدر تم عمل کرتے تھے اور ماسوا اللہ تعالیٰ کے مخلص و برگزیدہ بندوں کے وہی وہ لوگ ہیں جن کا رزق معلوم ہے ہر قسم کے بہترین پھل ہوں گے اور وہ باعزت ہوں گے نعمتوں والی جنت میں رہیں گے اور ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر مسند نشین ہوں گے

۳۸، ۳۹۔ ﴿إِنَّكُمْ لَذَائِقُوا الْعَذَابِ الْإِلِيمِ﴾ بے شک تم دردناک عذاب چکھنے والے ہو اور تمہیں بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر جس قدر تم عمل کرتے تھے اس سے زیادہ نہیں۔

۴۰۔ ﴿إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلِصِينَ﴾ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کے ماسوا [کوفی اور نافع مدنی کی قراءت میں ”مخلصین“ میں لام مفتوح ہے اور اسی طرح جو اس کے بعد آئیں گے یعنی اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے۔ یہ استثناء منقطع ہے]۔

۴۱۔ ﴿أُولَئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ﴾ انہیں برگزیدہ بندوں کا رزق معلوم ہے۔

۴۲۔ ﴿فَوَاكِهَ﴾ بہترین و مزے دار پھل ہیں ”رزق معلوم“ کی تفسیر و توضیح ”فواکھ“ کے ساتھ کی گئی ہے اور یہ ہر وہ پھل ہے جس کے ذریعہ لذت و مزہ حاصل کیا جائے اور صحت کی حفاظت کے لیے قوت حاصل نہ کی جائے گی کیونکہ ان کے اجسام ہمیشہ کے لیے مضبوط و مستحکم پیدا کیے جائیں گے سو جنت میں جس قدر پھل کھائے جائیں گے وہ صرف لذت کے لیے کھائے جائیں گے یہ بھی جائز ہے کہ ”رزق معلوم“ سے مخصوص رزق مراد ہو جسے چند خصوصیات پر پیدا کیا گیا ہو جیسے ذائقہ خوشبو اور لذت سب سے بہترین اور اچھی ہو اور وہ سب سے زیادہ خوب صورت ہو اور بعض علمائے تفسیر کا قول ہے کہ

اس سے وہ رزق مراد ہے جس کا وقت معلوم و معین ہوگا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ۝" (مریم: ۶۲) "اور ان کو بہشت میں ان کا رزق صبح و شام ملا کرے گا ۝" اور نفس انسانی کو اس سے راحت و سکون ملے گا ﴿وَهُمْ تَكْرَهُونَ﴾ اور انہیں بہشت میں بہت تعظیم و تکریم اور بڑی عزت کے ساتھ رکھا جائے گا۔

۴۳- ﴿فِي جَنَّاتٍ النَّعِيمِ﴾ دائمی نعمتوں والی بہشتوں میں رہیں گے [یہ ظرف بھی ہو سکتا ہے اور حال بھی ہو سکتا ہے اور ایک خبر کے بعد دوسری خبر بھی ہو سکتا ہے اور اسی طرح درج ذیل آیت میں ہو سکتا ہے:]

۴۴- ﴿عَلَى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ﴾ تختوں پر آمنے سامنے مسند نشین ہوں گے "تقابل" کی صورت میں سرور و خوشی اور انس

و محبت زیادہ کامل ہوتی ہے۔

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاسٍ مِّنْ مَّعِينٍ ﴿۳۵﴾ بِيضَاءَ لَدَاةٍ لِلشَّارِبِينَ ﴿۳۶﴾ لَا فِيهَا غَوْلٌ

وَأَهِمُّ عَنْهَا يَنْزِفُونَ ﴿۳۷﴾ وَعِنْدَهُمْ قَصْرَاتُ الطَّرْفِ عِينٌ ﴿۳۸﴾ كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ

مَكْنُونٌ ﴿۳۹﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۴۰﴾ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ إِنِّي

كَانَ لِي قَرِيبٌ ﴿۴۱﴾ يَقُولُ ءَأِنَّكَ لَمِنَ الْبَصَادِقِينَ ﴿۴۲﴾ إِذْ أَمِنتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا

وَعِظَامًا ءَأِنَّا لَمَدِيُونٌ ﴿۴۳﴾ قَالَ هَلْ أَنْتُمْ مُّطَّلِعُونَ ﴿۴۴﴾

شراب کا جام چشمہ سے بھر کر ان پر پھرایا جائے گا ۝ سفید شراب پینے والوں کے لیے بڑی لذیذ ہوگی ۝ نہ اس میں سر درد ہوگا اور نہ وہ اس سے مدہوش ہوں گے ۝ اور ان کے پاس نیچی نگاہ رکھنے والی بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی ۝ گویا وہ چھپا کر رکھے ہوئے انڈے ہیں ۝ سو وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر باہم سوال کریں گے ۝ ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا: بے شک میرا ایک ساتھی تھا ۝ وہ کہتا تھا کہ کیا تو یقیناً تصدیق کرنے والوں میں سے ہے ۝ کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہمیں ضرور جزاء و سزا دی جائے گی ۝ وہ کہے گا: کیا تم اسے جھانک کر دیکھو گے ۝

۴۵- ﴿يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاسٍ﴾ ان (جنتیوں) پر شراب کا بھرا ہوا جام گھمایا جائے گا۔ شیشے کے جس گلاس میں شراب پلائی جاتی ہے اسے "گلاس" کہا جاتا ہے اور خود شراب کو بھی "گلاس" کہا جاتا ہے اور امام احنف سے منقول ہے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں "گلاس" آیا ہے اس سے شراب مراد ہے اور اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے [ابو عمرو کی قراءت میں بغیر ہمزہ کے "گلاس" ہے اور حمزہ کوئی کی قراءت میں وقف کی حالت میں بغیر ہمزہ کے ہے جبکہ کہ ان کے علاوہ کے نزدیک ہمزہ کے ساتھ "گلاس" ہے] ﴿فِي جَنَّاتٍ مَّعِينٍ﴾ چشمہ سے بہتی شراب یا بہتی نہر مراد ہے۔ "معین" وہ چشمہ جس سے پانی پھوٹ کر زمین کی ظاہری سطح پر بہنے لگتا ہے جو دیکھنے والی آنکھوں کے سامنے ظاہر و عیاں ہوتا ہے۔ شراب کو اسی چیز (چشمہ) کے ساتھ متصف کیا گیا ہے جس کے ساتھ پانی کو متصف کیا جاتا ہے کیونکہ جنت میں شراب نہروں میں بہتی ہوگی جیسا کہ دنیا میں پانی نہروں میں بہتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وَأَنهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّدَى الشَّارِبِينَ"

(محمد: ۱۵) ”اور ایسی شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لیے بڑی لذیذ اور مزے دار ہوں گی۔“

۴۶۔ ﴿بَيْضَاءَ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ﴾ سفید پینے والوں کے لیے لذیذ [”بیضاء“ اور ”لذة“، ”کاس“ کی صفات ہیں کہ جنت کی شراب دودھ کی طرح سفید اور پینے میں نہایت مزے دار ہوگی گویا وہ خود بعینہ لذت و مزہ ہے یا یہ کہ ”ذات لذةٍ للشَّارِبِينَ“ پینے والوں کے لیے خوب لذت والی ہے۔]

۴۷۔ ﴿لَا فِيهَا غَوْلٌ﴾ نہ اس میں درد سر ہوگا یعنی اس کے پینے سے عقل زائل نہیں ہوگی جیسا کہ دنیا کی شراب ہوتی ہے اور یہ ”غاله“ ”غولہ“ ”غولا“ سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی چیز کو ہلاک اور ختم کر دیا جائے ﴿وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ﴾ اور نہ وہ اس کے پینے سے مدہوش ہوں گے۔ ”ینزفون“ بہ معنی ”یسکرون“ ہے یعنی دماغ پر نشے کا چڑھ جانا۔ یہ ”نزف الشارب“ سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب شراب پینے کی وجہ سے ہوش و حواس اور عقل ختم ہو جائے (جیسا کہ دنیا کی شراب پینے سے ہو جاتا ہے) اور ”سکران“ کے لیے ”نزيف“ اور ”منزوف“ بولا جاتا ہے [علی کسائی کوئی اور حمزہ کوئی کی قراءت میں ”يُنْزَفُونَ“ (فعل مضارع معروف) ہے] یعنی جنتی حضرات جنتی شراب پینے سے بے ہوش نہیں ہوں گے یا ان کا شراب پینا کبھی ختم نہیں ہوگا یہ ”انزف الشارب“ سے ماخوذ ہے جب کسی کی عقل زائل ہو جائے یا جنت کی شراب کبھی ختم نہیں ہوگی۔

۴۸۔ ﴿وَعِنْدَهُمْ قَصْرَاتُ الْظُرْفِ﴾ اور ان کے پاس نگاہیں نیچے رکھنے والی حوریں ہوں گی، جو اپنی نگاہیں صرف شوہروں تک موقوف رکھیں گی اور وہ اپنی نگاہیں ان کے علاوہ غیروں کی طرف نہیں اٹھائیں گی ﴿عَيْنٌ﴾ بڑی آنکھوں والی۔ یہ ”عیناء“ کی جمع ہے یعنی بڑی اور کشادہ آنکھوں والی۔

۴۹۔ ﴿كَأَنَّ بَيْضًا كَأَنَّ﴾ گویا وہ پوشیدہ یعنی محفوظ انڈے ہیں، حوروں کو صفائی اور ستھرائی میں شتر مرغ کے انڈوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جن کو شتر مرغ اپنے پروں میں چھپا کر گردوغبار سے محفوظ رکھتا ہے اور اہل عرب بھی انہیں کے ساتھ عورتوں کو تشبیہ دیتے ہیں اور انہیں باپردہ سفید انڈے کہتے ہیں۔

۵۰۔ ﴿فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ﴾ پھر وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے آپس میں سوال کریں گے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جنتی لوگ جنت میں شراب پیئیں گے اور وہ شراب کے بارے میں ایک دوسرے سے اس طرح گفتگو کریں گے جس طرح دنیا میں شراب پینے والوں کی عادت ہوتی ہے۔ کسی شاعر نے خوب کہا:

”اور لذت دینے والی چیزوں میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہا ماسوا بزروں کی باتوں کے جو ہمیشہ راحت پہنچاتی ہیں۔“

سو جنتی حضرات ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر ایک دوسرے سے ان باتوں کے متعلق پوچھیں گے جو دنیا میں ان کے حق میں یا ان کے خلاف وقوع پذیر ہوئی تھیں [مگر یہاں فعل ماضی ”فَأَقْبَلَ“ اس بناء پر لایا گیا جو عرب کی خبروں میں مشہور و معروف ہے کہ فعل ماضی واقعہ کے تحقق اور اس کی تاکید پر دلالت کرتا ہے اور یہ آیت ”يَطَافُ عَلَيْهِمْ“ پر معطوف ہے۔]

۵۱۔ ۵۲۔ ﴿قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَدِيرٌ ۖ يَقُولُ ؕ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُضِلِّينَ﴾ ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا: بے شک دنیا میں میرا ایک ساتھی تھا ۰ جو مجھے کہتا تھا کہ کیا تو بھی قیامت کے دن کی تصدیق کرنے والوں میں سے ہے [ابن عامر شامی اور کوئی قراءت میں دو ہمزوں کے ساتھ ”أَنَّكَ“ ہے۔]

۵۳۔ ﴿وَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظْمًا ؕ إِنَّا لَمَدِينُونَ﴾ کیا جب ہم مرجائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہمیں جزا اور سزا دی جائے گی۔ ”لمدينون“ بہ معنی ”لمجزيون“ ہے اور دین سے ماخوذ ہے جس کا معنی جزا ہے۔

۵۴- ﴿قَالَ﴾ وہ کہنے والا اپنے جنتی ساتھیوں سے کہے گا: ﴿هَلْ أَنْتُمْ مُقْلِعُونَ﴾ کیا تم دوزخ کی آگ کی طرف جھانکنا چاہتے ہو تاکہ میں تمہیں وہ ساتھی دکھا دوں۔ بعض علمائے اسلام کا قول ہے کہ جنت میں روشن دان ہوگا جس سے جنتی حضرات دوزخیوں کی طرف دیکھیں گے یا خود اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا: کیا تم دوزخ کی طرف دیکھنا چاہتے ہو تاکہ تمہیں دوزخیوں کے مرتبے کے مقابلے میں اپنا مرتبہ معلوم ہو جائے۔

فَاطَلَمَ فَرَاةً فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ تَأَلَّهَ إِنَّ كِدَاتٍ لَتُرْدِينَ ﴿۵۶﴾ وَلَوْ لَا

نِعْمَةٌ مَّرِيَّتِي لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِينَ ﴿۵۷﴾ أَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِينَ ﴿۵۸﴾ إِلَّا مَوْتَتَنَا

الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿۵۹﴾ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفُورُ الْعَظِيمُ ﴿۶۰﴾ لِيُثَلِّ هَذَا

فَلْيَعْمَلِ الْعِبَادُونَ ﴿۶۱﴾ أَذَلِكَ خَيْرٌ نَزْلًا أَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ ﴿۶۲﴾ إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً

لِلظَّالِمِينَ ﴿۶۳﴾ إِنَّا شَجَرَةُ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ ﴿۶۴﴾

سو وہ جھانک کر دیکھے گا تو وہ اسے دوزخ کے درمیان دیکھے گا O وہ کہے گا: اللہ تعالیٰ کی قسم! قریب تھا کہ تو مجھے ہلاک کر دیتا O اور اگر میرے پروردگار کی مہربانی نہ ہوتی تو میں ضرور (عذاب میں) حاضر کیے جانے والوں میں سے ہوتا O سو کیا اب تو ہم نہیں مریں گے O ماسوا اپنی پہلی موت کے اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا O بے شک یہ بہت بڑی کامیابی ہے O سو اس طرح کی کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے O کیا یہ زیادہ اچھی مہمانی ہے یا تھوہر کا درخت O بے شک ہم نے اس کو ظالموں کے لیے آزمائش بنایا ہے O بے شک یہ وہ درخت ہے جو دوزخ کی جڑ سے نکلتا ہے O

۵۵- ﴿فَاطَلَمَ﴾ پھر وہ مسلمان دوزخ کی طرف جھانکے گا ﴿فَرَاةً﴾ تو وہ اپنے غیر مسلم ساتھی کو دیکھے گا کہ وہ ﴿فِي

سَوَاءِ الْجَحِيمِ﴾ دوزخ کے درمیان میں ہے یعنی اس کے وسط میں ہے۔

۵۶- ﴿قَالَ تَأَلَّهَ إِنَّ كِدَاتٍ لَتُرْدِينَ﴾ مسلمان کہے گا: اللہ تعالیٰ کی قسم! بے شک قریب تھا کہ تو دنیا میں مجھے ہلاک

کر دیتا [”إِنَّ“ ثقیلہ (مشدد) سے مخففہ (غیر مشدد) ہے اور یہ ”كَادَ“ پر داخل ہوتا ہے جیسا کہ یہ ”كَانَ“ پر داخل ہوتا ہے اور لام ”إِنَّ“ خفیفہ اور ”إِنَّ“ نافیہ کے درمیان فرق کے لیے آیا ہے اور ”أَرَادَ“ کا معنی ہلاک کرنا ہے اور یعقوب کی قراءت میں وصل اور وقف دونوں حالتوں میں ”يَا“ کے ساتھ ”لَتُرْدِينِي“ پڑھا جاتا ہے۔]

۵۷- ﴿وَلَوْ لَا نِعْمَةٌ مَّرِيَّتِي﴾ اور اگر (مجھ پر) میرے پروردگار کا احسان نہ ہوتا اور وہ اسلام کی رستی کو مضبوطی سے تھام

کر رکھنے کی توفیق اور کفر و شرک سے بچانا ہے ﴿لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِينَ﴾ تو میں ضرور ان لوگوں میں سے ہوتا جنہیں عذاب دوزخ میں حاضر کیا گیا جیسے تجھے اور تیرے جیسے ساتھیوں کو عذاب میں حاضر کیا گیا ہے۔

۵۸، ۵۹- ﴿أَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِينَ﴾ O ﴿إِلَّا مَوْتَتَنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ﴾ کیا اب تو ہم نہیں مریں گے O سوائے

پہلی موت کے (جو دنیا میں ہم مر چکے) اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ [اس میں ”فَا“ عطف کے لیے ہے جو محذوف پر ہے جس کی تقدیر عبارت یہ ہے: ”انحن منخلدون منعمون فما نحن بميتين ولا معذبين“ کیا ہم اب ہمیشہ رہیں

گے (اور) نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے سواب ہم نہیں مرین گے اور نہ ہمیں عذاب دیا جائے گا [مطلب یہ ہے کہ بے شک یہ حال صرف نیک مسلمانوں کا ہوگا اور وہ موت کو صرف پہلی بار دنیا میں چکھیں گے اس کے برعکس کفار ہر لمحہ موت کی آرزوئیں کرتے رہیں گے اور ایک دانا سے پوچھا گیا کہ بدترین موت کون سی ہے؟ اس نے فرمایا: وہ موت جس کی آرزو کی جائے۔ بہر حال یہ بات مسلمان اللہ تعالیٰ کے فضل کو بیان کرنے کے لیے اور اپنے دوزخی ساتھی کو سنانے کے لیے کہے گا تا کہ یہ بات اس کے لیے ڈانٹ اور جھڑک ہو جائے اور اسے زیادہ تکلیف ہو [موتتنا "مصدر کی بناء پر منصوب ہے اور استثناء متصل ہے تقدیر عبارت یہ ہے: "لا نموت الا مرة" ہم نہیں مریں گے مگر صرف ایک مرتبہ یا پھر یہ استثناء منقطع ہے اور اس کی تقدیر عبارت یہ ہے: "لکن الموتة الاولى قد كانت فی الدنيا" لیکن پہلی موت جو دنیا میں ہو چکی [پھر مسلمان اپنے ساتھی کو ڈانٹتے ہوئے کہے گا:

۶۰۔ ﴿إِنَّ هَذَا﴾ بے شک یہ یعنی یہ حال جس میں ہم جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز اور محفوظ ہو رہے ہیں ﴿لَهُوَ الْعَظِيمُ﴾ ضرور یہی بہت بڑی کامیابی و کامرانی ہے پھر اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

۶۱۔ ﴿لِيُمَثِّلَ هَذَا فليعمل العملون﴾ اس قسم کی بڑی کامیابی کے حصول کے لیے عمل کرنے والوں کو ضرور عمل کرنا چاہیے اور بعض کا قول ہے کہ یہ بھی اسی مسلمان کا کلام ہے۔

۶۲۔ ﴿أَذَلِكْ خَيْرٌ تَزْلًا﴾ کیا یہ بہترین مہمانی ہے؟ یعنی جنت کی نعمتیں اور کھانے پینے کی اور دوسری لذیذ و مزے دار چیزیں ﴿أَمْ شَجَرَةُ الزَّقْوَمِ﴾ یا تھوہر کا درخت بہترین مہمانی ہے؟ "نزل" وہ خوراک و طعام ہے جو مکان اور گھر آنے والے مہمان کے لیے تیار کی جاتی ہے اور "زقوم" ایک بہت کڑوا درخت ہے جو حجاز مقدس کے علاقے تہامہ میں پایا جاتا ہے۔

۶۳۔ ﴿إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِلظَّالِمِينَ﴾ بے شک ہم نے اس کو آخرت میں ظالموں کے لیے عذاب اور مشقت و تکلیف کا سبب بنا دیا ہے اور دنیا میں اس کو ظالموں کے لیے بہت بڑی آزمائش بنا دیا اور یہ اس طرح کہ کافروں نے کہا کہ دوزخ کی آگ میں درخت کس طرح ہو سکتا ہے حالانکہ آگ تو درخت کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے سو انہوں نے اس کی تکذیب کر کے اس سے انکار کر دیا۔

۶۴۔ ﴿إِنَّا شَجَرَةَ الزَّقْوَمِ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ﴾ بے شک یہ ایسا درخت ہے جو دوزخ کی جڑ سے نکلتا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس درخت کا آگ و دوزخ کی گہرائی سے ہوتا ہے اور اس کی شاخیں دوزخ کے شعلوں کی انتہاء تک پہنچتی ہیں۔

ط ۴۶ ﴿طَلَعَهَا كَانَتْ رِعْوَسُ الشَّيْطَانِ ۚ فَإِنَّهُمْ لَا يَكُونُونَ فِيهَا فَأَلْبِسُوا ۚ﴾

﴿تَمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوَابًا مِّنْ حَبِيمٍ ۚ ثُمَّ إِنَّكَ مَرْجِعُهُمْ إِلَى الْجَحِيمِ ۚ﴾

﴿إِنَّهُمْ أَلْفَوْا آبَاءَهُمْ ضَالِّينَ ۚ فَمِمَّا عَلَىٰ أَثَرِهِمْ يَهُرَعُونَ ۚ﴾ ﴿وَلَقَدْ ضَلَّ

﴿قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأُولَئِينَ ۚ﴾ ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُّنذِرِينَ ۚ﴾ ﴿فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ

﴿عَاقِبَةُ الْمُنذَرِينَ ۚ﴾ ﴿إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلِصِينَ ۚ﴾

اس کے شگوفے گویا شیطانوں کے سر ہیں O سو بے شک وہ اس میں سے کھائیں گے پھر بھی اس سے ان کے پیٹ نہیں بھریں گے O پھر بے شک اس کے اوپر ان کے لیے کھولتے گرم پانی کی آمیزش ہوگی O پھر انہیں یقیناً دوزخ کی طرف لوٹ جانا ہوگا O بے شک انہوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا تھا O پھر بھی وہ انہیں کی راہوں پر دوڑتے رہے O اور بے شک ان سے پہلے اگلے لوگوں میں سے بہت سے گمراہ ہو چکے O اور بے شک ہم نے ان میں ڈرسانے والے پیغمبروں کو بھیجا تھا O سو آپ دیکھ لیں کہ جنہیں ڈرایا گیا تھا ان کا انجام کیسا (بھیا نک) ہو O ماسوا اللہ تعالیٰ کے مخلص اور برگزیدہ بندوں کے O

۶۵- ﴿طَلَعَا كَانَهُ دُرُّوسُ الشَّيْطَانِ﴾ اس کے شگوفے گویا شیطانوں کے سر ہیں۔ ”طلع“ کھجور کے شگوفے کا نام ہے پھر اس کو تھوہر کے درخت کے لیے عاریۃ استعمال کیا گیا اور اس کو شیاطین کے سروں کے ساتھ تشبیہ دی گئی تاکہ یہ اس کی کراہت کی انتہاء پر دلالت کرے نیز اس کے منظر کی قباحت پر دلالت کرے کیونکہ لوگوں کی طبیعتوں میں شیطان نہایت مکروہ اور قبیح ہوتا ہے اس لیے کہ ان کا اس کے بارے میں یہ اعتقاد ہے کہ وہ محض شر اور بُرا ہے اور جب کہ بعض نے کہا کہ شیطان سے بلند چوٹی والے سانپ مراد ہیں جو سخت ڈراؤنے اور نہایت بد صورت ہوتے ہیں۔

۶۶- ﴿فَاتَمَّ لَّا كَلُونِ مِنْهَا﴾ سو بے شک وہ لوگ اس میں سے کھائیں گے (یعنی) اس تھوہر کے درخت میں سے یا اس کے شگوفوں میں سے کھائیں گے ﴿فَمَا لَتَوْنَ مِنْهَا الْبَطُونَ﴾ لیکن وہ اس میں سے اپنے پیٹ نہیں بھر سکیں گے (یعنی) ان پر اس قدر شدت کی سخت بھوک غالب آ جائے گی کہ ان کے پیٹ نہیں بھریں گے۔

۶۷- ﴿ثُمَّ لَآئِكُمْ عَلَيْهِمُ الشُّرْبُ﴾ پھر بے شک ان کے لیے اس کے کھانے پر کھولتے ہوئے گرم ترین پانی کی ملاوٹ ہوگی جو ان کے چہروں کو جلادے گا اور ان کی انتڑیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کی شراب کی تعریف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ”وَمِنْ زَاجِحِهِ مِنْ تَسْنِيمٍ“ (المطففين: ۲۷) ”اور اس میں آب تسنیم کی ملاوٹ ہوگی“ اور معنی یہ ہے کہ پھر وہ کفار تھوہر کے درخت سے اپنے پیٹ بھریں گے لیکن وہ تو سخت گرم ہوگا جو ان کے پیٹوں کو جلادے گا اور ان کو پیا سا بنا دے گا پھر انہیں پیاس کے عذاب میں مبتلا رکھنے کے لیے فوراً پانی مہیا نہیں کیا جائے گا بلکہ بڑی دیر بعد ملے گا پھر وہ بھی سخت ترین گرم ہوگا کیونکہ اس مشروب (جو سرخ خون یا سیاہ پیپ ہوگا) میں کھولتے ہوئے گرم ترین پانی کی ملاوٹ ہوگی۔

۶۸- ﴿ثُمَّ لَآئِكُمْ مَرْجِعُهُمْ إِلَى الْجَحِيمِ﴾ پھر بے شک ان کو دوزخ کی طرف لوٹ جانا ہوگا یعنی بے شک فرشتے انہیں ان کے گھروں سے نکال کر ہانکتے ہوئے دوزخ میں لے جائیں گے اور یہ دوزخ کے درکات (درجے) ہیں جن میں ان کو ٹھہرایا جائے گا لیکن پہلے ”زقوم“ کے درخت کی طرف لے جایا جائے گا جس میں سے وہ کھائیں گے یہاں تک کہ ان کے پیٹ بھر جائیں گے اور انہیں شدت کی پیاس لگے گی اور پھر اس کے بعد انہیں کھولتا ہوا گرم پانی پلایا جائے گا پھر انہیں درکاتِ جہنم کی طرف واپس لوٹا دیا جائے گا اور اس میں ”تواخی“ کا معنی ظاہر ہے۔

۶۹، ۷۰- ﴿إِنَّهُمْ أَلْفَوْا آبَاءَهُمْ ضَالِّينَ﴾ O ﴿فَمَعَىٰ أَشْرِهِمْ يهْمُهُمْ﴾ بے شک انہوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا O تو یہ بھی ان کی راہوں پر دوڑتے چلے گئے۔ اس آیت مبارکہ میں کفار کے شداکد و تکالیف میں مبتلا ہونے کے استحقاق کی علت کو بیان کیا گیا ہے اور وہ ہے: دین کے معاملہ میں اپنے باپ دادا کی تقلید کرنا اور گمراہی میں ان کی پیروی کرنا اور دلیل کی اتباع کو ترک کرنا اور ”اھراع“ کا معنی ہے: بہت تیز چلنا، گویا وہ دوڑتے ہیں۔

۷۱- ﴿وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأُولَئِينَ﴾ اور بے شک ان سے پہلے یعنی قریش مکہ کی قوم سے اگلے لوگوں میں سے اکثر لوگ گمراہ ہو چکے (یعنی) گزشتہ امتوں میں سے اکثر لوگ جاہل باپ دادوں کی تقلید اور حق کے معاملہ میں غور و فکر نہ کرنے کی وجہ سے گمراہ ہو چکے۔

۷۲- ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُّذِرِينَ﴾ اور بے شک ہم نے ان میں ڈرسانے والوں کو بھیجا تھا یعنی گزشتہ امتوں میں انبیائے کرام علیہم السلام کو بھیجا گیا تھا جنہوں نے اپنی اپنی امت کو بُرے انجام سے ڈرایا تھا۔

۷۳- ﴿فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُتَدْرِبِينَ﴾ سو آپ دیکھئے کہ ڈرائے گئے لوگوں کا انجام کیسا (بھیانک) ہوا، یعنی جن لوگوں کو ڈرایا گیا اور انہیں خوف دلایا گیا یعنی ان سب کو ہلاک کر دیا گیا تھا۔

۷۴- ﴿إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ﴾ سوائے اللہ تعالیٰ کے مخلص و برگزیدہ بندوں کے یعنی سوائے ان بندوں کے جو ان میں سے ایمان لے آئے اور انہوں نے اپنا دین اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیا یا اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے دین کے لیے خالص کر لیا تھا [دونوں قراءتوں کی بناء پر]۔

وَلَقَدْ نَادَيْنَا نُوْحًا فَلَنِعْمَ الْمَجِيبُونَ ﴿۷۵﴾ وَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿۷۶﴾

جَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ﴿۷۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿۷۸﴾ سَلَّمَ عَلٰى نُوْحٍ فِي

الْعَالَمِينَ ﴿۷۹﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكَ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ

اَعْرَقْنَا الْاٰخِرِينَ ﴿۸۲﴾

اور بے شک نوح نے ہمیں پکارا سو ہم ہی سب سے اچھا جواب دینے والے ہیں O اور ہم نے انہیں اور ان کے گھر والوں کو بہت بڑی تکلیف سے نجات دی O اور ہم نے ان کی نسل کو ہی باقی رہنے والا بنایا O اور ہم نے ان کا ذکر خیر بعد میں آنے والوں میں باقی رکھ چھوڑا O تمام جہانوں میں نوح پر سلام ہو O بے شک ہم نیکوں کو اسی طرح صلہ دیتے ہیں O بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے ہیں O پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا O

حضرت نوح علیہ السلام کی شان اور ان کی قوم کے انجام کا بیان

اور جب اللہ تعالیٰ نے گزشتہ امتوں میں ڈرانے والوں کے بھیجنے اور ڈرائے جانے والے کافروں کے بُرے انجام کا ذکر فرمایا تو اس کے بعد اب حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا اور ان کی اس دعا کا ذکر فرمایا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس وقت مانگی تھی جب آپ اپنی قوم کے ایمان سے مایوس ہو گئے چنانچہ ارشاد فرمایا:

۷۵- ﴿وَلَقَدْ نَادَيْنَا نُوْحًا﴾ اور بے شک نوح علیہ السلام نے ہمیں پکارا (یعنی) انہوں نے ہم سے دعا کی تاکہ ہم انہیں

غرق ہونے سے نجات دے دیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس نداء اور پکار سے ان کی یہ دعا مراد ہے کہ ”قَدْ عَارَبْتَهُ اَنْبِيَا

مَغْلُوْبًا فَانْتَصِرْ“ (القم: ۱۰) ”پھر حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ بے شک میں مغلوب ہوں،

لیکن تو (ان سے) انتقام لے O“ ﴿فَلَنِعْمَ الْمَجِيبُونَ﴾ سو ہم سب سے اچھا جواب دینے والے ہیں [”نعم“ پر جولا

داخل ہے، وہ محذوف قسم کا جواب ہے اور مخصوص بالمدرج بھی محذوف ہے، اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے:] ”وَلَقَدْ نَادَى

نوح فوالله لنعم الجييون نحن“ اور بے شک نوح عليه السلام نے ہمیں پکارا، سو اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم ضرور سب سے اچھا جواب دینے والے ہیں اور ”ناذانا“ فعل جمع متکلم محض اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کی دلیل ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک ہم نے انہیں سب سے اچھا جواب دیا اور ہم نے ان کی ان کے دشمنوں کے خلاف مدد فرمائی اور ہم نے ان سے پورا پورا انتقام لیا۔

۷۶- ﴿وَجِئْنَاهُ وَأَهْلَهُ﴾ اور ہم نے نوح عليه السلام کو اور ان کے گھر والوں کو اور جو آپ پر ایمان لائے تھے ان کو اور آپ کی اولاد کو نجات دے دی ﴿مِنَ الْكُذِبِ الْعَظِيمِ﴾ بہت بڑی تکلیف سے (یعنی) غرق ہونے کے غم سے۔

۷۷- ﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ﴾ اور ہم نے ان کی نسل کو ہی باقی رہنے والا بنا دیا اور ان کے علاوہ سب کو فنا اور ختم کر دیا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تمام انسان حضرت نوح عليه السلام کی اولاد میں سے ہیں اور حضرت نوح عليه السلام کے تین صاحب زادے تھے: (۱) سام اور یہ عرب، فارس اور روم کے باپ ہیں (۲) اور حام ہیں اور یہ سوڈان کے مشرق سے لے کر مغرب تک سب کے باپ ہیں (۳) اور یافث اور یہ ترک اور یاجوج و ماجوج کے باپ ہیں۔

۷۸- ﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ﴾ اور ہم نے نوح عليه السلام کے لیے ان کے بعد آنے والی امتوں میں یہ کلمہ باقی رکھ چھوڑا ہے اور وہ یہ ہے:

۷۹- ﴿سَلِّمْ عَلَى نُوْحٍ﴾ حضرت نوح عليه السلام پر سلام ہو یعنی تمام لوگ ان پر خوب سلام بھیجتے رہیں اور وہ لوگ ان کے حق میں دعا کرتے رہیں اور یہ کلام بطور حکایت بیان کیا گیا ہے جیسے تم کہو کہ ”قرات سورة انزلناها“ میں نے سورت ”انزلناها“ کو پڑھا ہوا ہے ﴿فِي الْعَالَمِينَ﴾ تمام جہانوں میں یعنی یہ سلام ان تمام لوگوں میں ثابت اور جاری و ساری رہے اور ان میں سے کوئی بھی سلام پڑھنے سے خالی نہ رہے، گویا فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت نوح عليه السلام کو ثابت و قائم رکھے گا اور وہ سلام کو فرشتوں اور جن و انس میں ہمیشہ جاری و ساری رکھے گا اور وہ سب کے سب ان پر آخر تک سلام پڑھتے رہیں گے۔

۸۰- ﴿إِنَّا كَذَّبُكَ بَعْضَى الْمُصْنِفِينَ﴾ بے شک ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو صلہ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احسانات کی علت اس عظیم الشان اعزاز کے سبب یہ بیان کی گئی کہ بے شک وہ نیک انسان تھے۔

۸۱- ﴿إِنَّكَ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ﴾ بے شک وہ ہمارے اہل ایمان بندوں میں سے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت نوح عليه السلام کے نیک ہونے کی علت بیان کی کہ بے شک وہ ایمان دار بندے تھے تاکہ آپ کو ایمان کی اہمیت اور اس کی عظمت و بزرگی دکھائی جائے اور بے شک یہ ایمان حمد و ثناء اور تعظیم و تکریم کی صفات میں سے انتہائی اہم اور اعلیٰ صفت ہے۔

۸۲- ﴿ثُمَّ أَعَدْنَا الْآخِرِينَ﴾ پھر ہم نے دوسروں کو یعنی کافروں کو غرق کر دیا۔

وَإِنْ مِنْ شَيْعَتِهِ لِابْرَاهِيمَ ﴿٨٣﴾ إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٨٤﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ
 وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ ﴿٨٥﴾ أَيُّهَا إِلَهَةُ دُونِ اللَّهِ تُرِيدُونَ ﴿٨٦﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ
 الْعَالَمِينَ ﴿٨٧﴾ فَظَنَنْظَرَةً فِي الْجُؤْمِ ﴿٨٨﴾ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ﴿٨٩﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ﴿٩٠﴾

فَرَاغَ إِلَىٰ إِلَهِهِمْ فَقَالَ لَا تَأْكُلُونَ ﴿۹۱﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ ﴿۹۲﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ

مَرَبًا بِالْأَيْمِينِ ﴿۹۳﴾

اور بے شک ابراہیم انہیں کے گروہ میں سے ہیں O جب وہ اپنے پروردگار کے پاس سلامت دل کے ساتھ حاضر ہوئے O جب انہوں نے اپنے باپ (چچا ابو) اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو O کیا بہتان لگا کر تم اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود چاہتے ہو O سو تمام جہانوں کے پروردگار کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے O پھر انہوں نے غور سے ایک نظر ستاروں کی طرف دیکھا O اور فرمایا: بے شک میں بیمار ہونے والا ہوں O سو وہ پیٹھ پھیر کر ان کے پاس سے چلے گئے O پھر وہ چھپ کر ان کے معبودوں کے پاس چلے گئے اور فرمایا: کیا تم کھاتے نہیں ہو O تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم بولتے نہیں ہو O پھر چھپ کر دائیں ہاتھ سے انہیں مارنے لگے O

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کے احوال کا بیان

۸۳- ﴿وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ﴾ اور بے شک انہیں کے گروہ میں سے البتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں یعنی حضرت نوح علیہ السلام کے گروہ سے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں لوگوں میں سے ہیں جو دین کے بنیادی عقائد میں حضرت نوح علیہ السلام کے تابع تھے یا اللہ تعالیٰ کے دین پر سختی کے ساتھ عمل کرنے میں اور تکذیب کرنے والوں کی مخالفت پر صبر کرنے میں ان کے تابع ہوئے اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے درمیان دو ہزار چھ سو چالیس سال کا فاصلہ تھا اور ان دونوں حضرات کے درمیانی عرصہ میں صرف دو پینچمبر گزرے ہیں ایک حضرت ہود علیہ السلام اور دوسرے حضرت صالح علیہ السلام۔

۸۴- ﴿إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ﴾ جب وہ اپنے پروردگار کے پاس صحیح و سالم دل کے ساتھ حاضر ہوئے [”اذ“ کا تعلق اس کے ساتھ ہے جو لفظ ”شبعہ“ میں تابع کا معنی دیتا ہے] یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام ان میں سے ہیں جو اپنے دین اور اپنے تقویٰ میں حضرت نوح علیہ السلام کے تابع تھے اس وقت جو اپنے رب تعالیٰ کے پاس کفر و شرک سے سلامت دل کے ساتھ یا آفاتِ قلوب سے سلامت دل کے ساتھ حاضر ہوئے وہ صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے [یا پھر ”اذ“ محذوف کے ساتھ متعلق ہے اور وہ ”اذ کُر“ ہے] اور سلامت دل کے ساتھ اپنے رب تعالیٰ کے پاس آنے کا یہ معنی ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنا دل اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی طرف سے اس خلوص کو جانتا ہے سو اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی آمد کی مثال بیان فرمائی۔

۸۵، ۸۶- ﴿إِذْ قَالَ لِأَبْنَيْهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ ﴿۸۵﴾ أَيْفَكَ إِلَهَةً دُونَ اللَّهِ تَتَرَدُونَ﴾ جب حضرت ابراہیم نے اپنے باپ (چچا ابو) اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو O کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جھوٹ کے ذریعے اور معبود چاہتے ہو [”اذ“ پہلے ”اذ“ سے بدل ہے اور ”افکاً“ مفعول لہ ہے جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ ”اتریدون الہة من دون اللہ افکاً“ کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جھوٹ کے ذریعے اور معبود چاہتے ہو اور مفعول بہ ”الہة“ کو فعل سے مقدم کیا گیا ہے تاکہ تخصیص کا فائدہ حاصل ہو جائے اور مفعول لہ کو مفعول بہ پر اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ یہ حضرت ابراہیم کے نزدیک زیادہ اہم ہے کہ آپ مشرکین کو عار دلا سکیں اور انہیں شرمندہ کر سکیں کہ وہ اپنے شرک کے معاملہ میں بدترین

جھوٹ اور محض باطل پر ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ ”افگًا“ مفعول بہ ہو یعنی کیا تم محض جھوٹا بہتان چاہتے ہو پھر اللہ تعالیٰ نے ”افگًا“ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: ”الہة من دون اللہ“ اس بناء پر کہ یہ بذات خود بہت بڑا جھوٹا بہتان ہے یا پھر ”افگًا“ حال ہے یعنی کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور معبود چاہتے ہو اس حال میں کہ تم بدترین جھوٹ بولنے والے ہو۔

۸۷۔ ﴿فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ سو تمام جہانوں کے پروردگار کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے؟ حالانکہ تم غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو یا یہ معنی ہے کہ تمہارا اس کے بارے میں کیا گمان ہے کہ وہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کرے گا اور وہ تمہیں کیسی سزا دے گا کیونکہ تم اس کو چھوڑ کر غیروں کی عبادت کرتے ہو اور تم جانتے بھی ہو کہ وہی حقیقی منعم (نعمتیں دینے والا) ہے سو اس لیے وہی عبادت کا مستحق ہے [”مَا“ مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور ”ظنکم“ اس کی خبر ہے اصل میں ”ای شی ظنکم“ ہے]۔

۸۸۔ ﴿فَنظَرْنَا نَظْرًا فِي النُّجُومِ﴾ سو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک نگاہ عبرت سے ستاروں کی طرف دیکھا یعنی انہوں نے ستاروں کو دیکھنے کے لیے ایک نگاہ آسمان کی طرف ڈالی اپنے دل میں یہ سوچتے ہوئے کہ اب کیا تدبیر کریں یا پھر انہوں نے اپنی قوم کو یہ دکھایا کہ آپ اس وقت ستاروں میں غور و فکر کر رہے ہیں کیونکہ ان لوگوں کا علم نجوم پر بڑا پختہ اعتقاد تھا سو حضرت ابراہیم نے ان کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی کہ آپ ستاروں کی چال سے اپنے بیمار ہونے پر رہنمائی طلب کر رہے ہیں۔

۸۹۔ ﴿فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ﴾ سو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ بے شک میں بیمار ہونے والا ہوں یعنی میں بیماری کے قریب ہوں کہ عنقریب بیمار ہونے والا ہوں اور وہ طاعون کی بیماری ہے اور ان لوگوں پر سب بیماریوں سے زیادہ یہی طاعون کی بیماری غالب تھی (اور یہ ایک متعدی بیماری ہے) اور وہ لوگ متعدی بیماری سے بہت ڈرتے تھے سو اس لیے وہ لوگ آپ کے پاس سے اپنے عید کے میلے کی طرف بھاگ پڑے تاکہ وہ آپ سے الگ تھلگ ہو کر جدا ہو جائیں اور وہ آپ کو بت خانہ میں اکیلا چھوڑ گئے آپ کے ساتھ کوئی شخص نہیں تھا چنانچہ آپ نے ان کے ساتھ وہی کچھ کیا جو انہیں ان کے ساتھ کرنا چاہیے تھے اور وہ لوگ علم نجوم کو حق کہتے تھے پھر اس کے سیکھنے میں مشغول ہونا منسوخ کر دیا گیا اور جھوٹ بولنا حرام ہے مگر تعریض کرنا جائز ہے۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا وہ کلام میں تو یہ استعجال کیا یعنی عنقریب بیمار ہونے والا ہوں (مگر کفار سمجھے ابھی بیمار ہیں تو یہ ذومعنی لفظ بولنے کو کہتے ہیں) یا یہ کہ جس کے گلے میں موت کا پھندا لگا ہو وہ بیمار ہی ہو اور اسی سے یہ مثال ہے: بیماری سے سلامتی کافی ہے اور ایک آدمی اچانک مر گیا تو لوگوں نے کہا: فلاں آدمی مر گیا ہے حالانکہ وہ صحیح و سالم تھا تو ایک اعرابی نے جواب دیا کہ جس کی گردن میں موت کا پھندہ پڑا ہو کیا وہ صحیح ہے؟ یا پھر حضرت ابراہیم کی مراد یہ تھی کہ میں تمہارے کفر کے سبب ”سقیم النفس“ ہوں (یعنی میری روح بیمار ہے)۔

۹۰۔ ﴿فَتَوَلَّوْا﴾ سو انہوں نے منہ پھیر لیا اور اعراض کر لیا ﴿عَنْهُ فَمَا بَدِينُنَّ﴾ حضرت ابراہیم کے پاس سے پیٹھ موڑ لے تعریض کا معنی یہ ہے کہ فعل کی نسبت جس کی طرف ہو وہ مراد نہ ہو بلکہ کسی قرینہ کی بناء پر کوئی دوسرا مراد ہو جس طرح حضرت ابراہیم نے بیماری کی نسبت اپنی طرف کی لیکن اس سے قوم مراد تھی یعنی ”ان قومی سقیم“ بے شک میری قوم بیمار ہے کیونکہ کفر و شرک کی بیماری میں وہی قوم مبتلا تھی جیسے پولیس افسر جرم سے انکار کرنے پر مجرموں سے کہے کہ یہ جرم میں نے کیا ہے۔ یہ تعریض ہے بہر حال حذف مضاف کی مثال ”وَسئِلِ الْقَرْيَةَ“ (یوسف: ۸۲) ہے یعنی ”وَسئِلِ أَهْلَ الْقَرْيَةَ“ غوثی مہاروی

کر چلے گئے۔

۹۱۔ ﴿فَدَاغَ إِلَى الْفَيْمِ﴾ سو حضرت ابراہیم چھپ کر ان کے معبودوں کی طرف متوجہ اور ان کی طرف مائل ہوئے ﴿فَقَالَ﴾ اور ان کے ساتھ استہزاء کرتے ہوئے اور ان کا مذاق اڑاتے ہوئے فرمایا: ﴿أَلَا تَأْكُلُونَ﴾ تم کھاتے کیوں نہیں اور اس وقت ان کے پاس مختلف اقسام کے کھانے رکھے ہوئے تھے۔

۹۲۔ ﴿مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ﴾ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم بولتے نہیں ہو [چونکہ حضرت ابراہیم نے بتوں کے ساتھ ذوی العقول کے ساتھ خطاب فرمایا اس لیے واؤ اور ہون کے ساتھ جمع ذوی العقول "لا تَنْطِقُونَ" بولا]۔

۹۳۔ ﴿فَدَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا﴾ پس حضرت ابراہیم چپکے سے ان کی طرف متوجہ ہو کر ان کو مارنے لگے گویا فرمایا کہ پس آپ نے ان کو زبردست مارنا شروع کر دیا کیونکہ "دَاغَ عَلَيْهِمْ" بہ معنی "ضربہم" ہے یا "فراغَ عَلَيْهِمْ" بضر بہم ضربا ای ضاربا" سو حضرت ابراہیم نے ان کی طرف رخ کیا (اور) ان کو مارنا شروع کر دیا یعنی ان کو خوب مارنے والے ﴿بِالْيَمِينِ﴾ دائیں ہاتھ سے یعنی پوری قوت و طاقت کے ساتھ زوردار مارنا شروع کیا کیونکہ دایاں ہاتھ سب سے زیادہ زخمی کرنے والا ہے اور دونوں ہاتھوں میں یہ زیادہ سخت ہے یا قوت و مضبوطی میں دایاں بائیں سے زیادہ سخت ہوتا ہے یا پھر "یَمِين" بہ معنی قسم ہے اور "بَا" سبب ہے یعنی اس قسم کے سبب ان کو مارا جو آپ نے اس سے پہلے کھائی تھی اور وہ یہ ہے کہ "وَتَاللَّهِ لَا كِيدَ لَأَصْنَامِكُمْ" (الانبیاء: ۵۷) "اور اللہ تعالیٰ کی قسم! میں تمہارے بتوں کے خلاف ضرور کوئی تدبیر کروں گا"۔

فَأَقْبُوا إِلَيْهِمْ يَزْفُونَ ﴿۹۴﴾ قَالَ اتَّعِبُونَ مَا تَتَّحِبُونَ ﴿۹۵﴾ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا

تَعْمَلُونَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُيُوتًا فَأَلْقُوهُ فِي الْبُحَيْرِ ﴿۹۷﴾ فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمْ

الْأَسْفَلِينَ ﴿۹۸﴾ وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿۹۹﴾

پھر لوگ دوڑتے ہوئے اس کے پاس آئے O اس نے فرمایا کہ کیا تم اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے معبودوں کی عبادت کرتے ہو O اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا ہے O انہوں نے کہا کہ اس کو جلانے کے لیے ایک عمارت تیار کرو پھر اس کو بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دو O سو انہوں نے اس کے ساتھ فریب کرنا چاہا تو ہم نے ان کو نیچا (ذلیل) کر دیا O اور اس نے فرمایا: بے شک میں اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں وہی عنقریب میری رہنمائی کرے گا O

۹۴۔ ﴿فَأَقْبُوا إِلَيْهِمْ يَزْفُونَ﴾ سو وہ لوگ حضرت ابراہیم کی طرف دوڑتے ہوئے آئے [”یَزْفُونَ“، ”زفیف“ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے: جلدی اور تیزی سے چلنا۔ قاری حمزہ کوئی کی قراءت میں ”يَا“ مضموم کے ساتھ ”يَزْفُونَ“ (باب افعال) ہے اور ”ازف“ سے ناخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی تیز دوڑنے میں داخل ہوتا ہے] اور گویا ان لوگوں میں سے بعض نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتوں کو توڑتے ہوئے دیکھ لیا اور بعض نے نہیں دیکھا تھا پھر جنہوں نے ان کو بت توڑتے ہوئے دیکھ لیا تھا وہ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے پھر وہ دوسرے لوگ بھی جنہوں نے بت توڑتے ہوئے نہیں دیکھا تھا اور وہ آ کر دیکھنے والوں سے کہنے لگے: ”مَنْ فَعَلَ هَذَا بِالْهَيْتِنَا إِنَّهُ لَمِنَ الظَّالِمِينَ O“ (الانبیاء: ۶۰) ”ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے بے شک وہ ضرور ظالموں میں سے ہے O“ پھر ان سب نے نیک

زبان ہو کر کہا کہ ہم تو ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور تم نے انہیں توڑ ڈالا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو جواب میں فرمایا:

۹۵۔ ﴿قَالَ اتَّعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ﴾ (حضرت ابراہیم نے) فرمایا: کیا تم ان بتوں کی عبادت کرتے ہو جن کو تم اپنے

ہاتھوں سے تراش کر بناتے ہو؟

۹۶۔ ﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا اور تم پتھروں اور لکڑیوں میں

سے جو بت تراش کر تیار کرتے ہو ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے [یا "ما" مصدریہ ہے "ای وخلق اعمالکم" یعنی اور اسی نے تمہارے اعمال کو پیدا کیا ہے] اور یہ معتزلہ فرقہ کے خلاف ہماری دلیل ہے کہ تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے یعنی اللہ تعالیٰ تو تمہارا بھی خالق ہے اور تمہارے اعمال کا بھی خالق ہے تو پھر تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیروں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟

۹۷۔ ﴿قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا﴾ انہوں نے کہا: ان کے لیے یعنی ان کی خاطر یا ان کی وجہ سے پتھروں کی ایک عمارت

تیار کرو جس کی لمبائی تیس (۳۰) ہاتھ اور چوڑائی بیس (۲۰) ہاتھ ہو (اس میں لکڑیاں بھر کر آگ لگا دو) ﴿فَالْقُوَّةُ فِي الْبَحِيمِ﴾ پھر ان کو پکڑ کر بھڑکتی ہوئی سخت آگ میں پھینک دو اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ہر وہ آگ جس کے شعلے جوش مارتے ہوئے ایک دوسرے کے اوپر چڑھے ہوں وہ "جحیم" کہلاتی ہے۔

۹۸۔ ﴿فَأَنذَرُوهُ كَيْدًا﴾ سو انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کے لیے سازش کرنے کا پختہ

اراد کر لیا (اور آگ میں ڈال دیا) ﴿فَجَعَلْنَاهُمْ الْأَسْفَلِينَ﴾ تو ہم نے ان کو آگ میں ڈالنے کے وقت نچا کر دیا کہ ان کو مغلوب و مقہور اور ناکام و ناشاد کر دیا (کہ ہم نے آگ کو گلزار بنا دیا)۔

۹۹۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نارِ نمرودی سے باہر تشریف لائے ﴿وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ تَارِيٍّ﴾ اور فرمایا: بے

شک میں اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں کہ جس جگہ کی طرف میرا رب تعالیٰ مجھے جانے کا حکم دے گا اسی طرح میں چلا جاؤں گا ﴿سَيَهْدِينِ﴾ وہی عنقریب میری رہنمائی فرمائے گا (یعنی) عنقریب اللہ تعالیٰ اسی طرح میری رہنمائی فرمائے گا جس میں میری اور میرے دین کی اصلاح ہوگی اور وہی میری حفاظت فرمائے گا اور وہی مجھے خیر کی توفیق عطا فرمائے گا [قاری یعقوب کی قراءت میں دونوں حالتوں (وقف اور وصل) میں "یا" کے اظہار کے ساتھ "سَيَهْدِينِ" پڑھا گیا ہے]۔

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۰۱﴾ فَبَشِّرْنَاهُ بِقُلْمٍ حَلِيمٍ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ

قَالَ يَبْنِيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ قَالَ يَا بَتِ

أفعل ما تؤمرُ سجدني إن شاء الله من الصَّابِرِينَ ﴿۱۰۳﴾ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّاهُ

لِلْجَبِينِ ﴿۱۰۴﴾ وَنَادَيْتَهُ أَنْ يَا بُرْهِيمُ ﴿۱۰۵﴾ قَدْ صَدَّقَتِ الرُّؤْيَا إِنَّا كُنَّا لَمَكِينِ

نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۰۶﴾ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْبَيِّنُ ﴿۱۰۷﴾ وَقَدَيْنَا بِذِي بَعْضِ عَظِيمٍ ﴿۱۰۸﴾

اے میرے پروردگار! مجھے نیک بیٹا عطا فرما O سو ہم نے اس کو ایک بردبار لڑکے کی خوش خبری دی O پھر جب وہ اس کے ساتھ کاروبار کی عمر کو پہنچ گیا تو اس نے کہا: اے میرے بیٹے! بے شک میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ بے شک میں تجھے

ذبح کر رہا ہوں اب سوچ کر بتاؤ کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے عرض کیا: اے میرے باپ! آپ کو جو حکم دیا جاتا ہے وہی کیجئے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے عنقریب صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے O سو جب ان دونوں نے حکم کو تسلیم کر لیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا لیا O اور ہم نے اسے پکارا کہ اے ابراہیم! O بے شک تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا، بے شک ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو صلہ دیتے ہیں O بے شک یہ ضرور ایک کھلی آزمائش تھی O اور ہم نے اس کے بدلے میں ایک بہت بڑا ذبیحہ دے دیا O

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کی خوش خبری اور انہیں ذبح کرنے کا حکم

۱۰۰۔ ﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ اے میرے پروردگار! مجھے ایک نیک بیٹا عطا فرما (یعنی) بعض صالحین میں سے اور اس سے بیٹا مراد ہے کیونکہ لفظ ”ہبہ“ اکثر بیٹے پر بولا جاتا ہے۔

۱۰۱۔ ﴿فَبَشِّرْهُ بِبُحَيْرٍ حَلِيمٍ﴾ سو ہم نے اسے بردبار لڑکے کی خوش خبری دی۔ یہ بشارت تین چیزوں پر مشتمل تھی (۱) وہ لڑکا ہوگا لڑکی نہیں (۲) بردباری اور حوصلہ مندی کی عمر کو پہنچے گا کیونکہ بچے کو حکم کے ساتھ موصوف نہیں کیا جاتا اور (۳) بے شک وہ حلیم و حوصلہ مند ہوگا اور بھلا اس لڑکے کے حکم و بردباری سے بڑھ کر کس کا حکم و حوصلہ ہو سکتا ہے کہ جب اس کے باپ نے اس پر ذبح کا حکم سامنے رکھا تو اس حوصلہ مند لڑکے نے کہا: ”سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ O“ (الصافات: ۱۰۲) ”اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے عنقریب صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے O“ پھر اس نے اس حکم کو تسلیم کر لیا۔

۱۰۲۔ ﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيُ﴾ پھر جب وہ لڑکا اپنے باپ کے ساتھ کاروبار کے قابل ہو گیا (یعنی) وہ اپنے باپ کے ساتھ اس کے مشاغل اور اس کی ضروریات میں کام آنے کے قابل ہو گیا اور کاروبار میں ہاتھ بٹانے کی عمر کو پہنچ گیا [اور ”معہ“، ”بلغ“ کے متعلق نہیں ہو سکتا کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہو جائے گا کہ باپ بیٹا دونوں اکٹھے دوڑ دھوپ کی عمر کو پہنچے حالانکہ ایسا نہیں اور نہ ”السعی“ کے متعلق ہو سکتا ہے کیونکہ مصدر کا صلہ اس سے مقدم نہیں ہو سکتا، سواب بیان ہونا باقی رہے گا] (اس صورت میں معنی یہ ہوگا) گویا جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيُ“ پھر جب بیٹا اپنے باپ کے ساتھ اس حد کو پہنچ گیا، جس میں وہ دوڑ دھوپ کرنے پر قادر ہو گیا، کہا گیا کہ کس کے ساتھ؟ جواب دیا: اپنے باپ کے ساتھ اور اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ سال ہو چکی تھی ﴿قَالَ يُدَبِّئُ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے بیٹے! [حفص کی قراءت میں ”بنی“ میں ”یا“ مفتوح ہے جب کہ باقی قراء کے نزدیک ”یا“ مکسور ہے] ﴿رَأَيْتَ آدَمَ فِي الْمَنَامِ آتَىٰ آذَانَكَ﴾ بے شک میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا گیا کہ آپ اپنا بیٹا ذبح کیجئے اور انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں جیسے بیداری میں وحی کی جاتی ہے اور صرف ”رَأَيْتَ“ (فعل ماضی) نہیں فرمایا، اس لیے کہ حضرت ابراہیم نے یہ خواب بار بار دیکھا تھا، چنانچہ ایک روایت میں بیان کیا گیا کہ ترویہ کی رات (آٹھویں ذوالحجہ کی رات) خواب میں دیکھا کہ گویا کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ: إِنْ اللَّهُ يَأْمُرُكَ بِذَبْحِ ابْنِكَ هَذَا“ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تو اپنے اس بیٹے کو ذبح کر دے، پھر جب صبح ہوئی تو اٹھے اور سارا دن صبح سے شام تک اسی کے بارے میں غور و فکر کرتے رہے کہ آیا یہ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا شیطان کی طرف سے ہے، سو اس لیے آٹھویں ذی الحجہ کو یوم ترویہ کہا جاتا ہے، پھر جب نویں ذی الحجہ کی رات آئی تو پھر اسی طرح دوبارہ خواب دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ خواب واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، سو اسی وجہ سے نویں ذی الحجہ کو یوم

عرفہ کہا جاتا ہے پھر تیسری رات (یعنی دسویں رات) اسی خواب میں دیکھا تو اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو اسی وجہ سے دسویں ذوالحجہ کو یوم النحر (قربانی کا دن) کہا جاتا ہے [اہل حجاز اور ابو عمرو کی قراءت میں دونوں یائے متکلم مفتوح ہیں] ﴿فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ﴾ سو تم سوچ کر بتاؤ کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ ”تسری“ ”رؤیة العین“ (آنکھ سے دیکھنا) سے نہیں بنا بلکہ ”الرأی“ سے بنا ہے جس کا مطلب ہے کہ اس ذبح کے معاملہ میں تمہاری ذاتی رائے اور مشورہ کیا ہے اور یاد رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے اس لیے مشورہ نہیں لیا تھا کہ آپ ان کی رائے اور ان کے مشورہ کی طرف رجوع کر لیں گے بلکہ ان کی رائے اور مشورہ اس لیے لیا تھا تا کہ آپ جان لیں کہ حضرت اسماعیل یہ حکم سن کر آیا گھبرا جاتے ہیں یا صبر کرتے ہیں؟ [علی کسائی اور حمزہ کوئی کی قراءت میں (”تأ“ مضموم اور ”رأ“ مکسور باب افعال سے) ”تسری“ ہے] یعنی تمہاری اس میں کیا رائے ہے غور کرو اور اس کا اظہار کرو ﴿قَالَ يَا بَنِيَّ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُونَ﴾ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے ابا جان! آپ کو اس کے متعلق جو حکم دیا جاتا ہے وہی کیجئے ”ای ما تؤمر بہ“ یعنی اس (ذبح) کے بارے میں تمہیں جو حکم دیا جاتا ہے اور ایک قراءت میں ”ما تؤمر بہ“ پڑھا گیا ہے ﴿سَيَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو عنقریب آپ مجھے ذبح ہونے پر صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ذبح علیہ السلام نے اپنے باپ سے عرض کیا: اے میرے ابا جان! آپ میری پیشانی پکڑ لیجئے اور میرے دونوں کندھوں کے درمیان بیٹھ جائیے تاکہ جب چھری چلنے پر مجھے تکلیف پہنچے تو تڑپ کر آپ کو کوئی ایذا نہ پہنچاؤں اور آپ مجھے سیدھا لٹا کر اس طرح ذبح نہ کیجئے کہ آپ میرے چہرے کو دیکھ رہے ہوں کیونکہ ممکن ہے کہ اس حالت میں مجھے دیکھ کر آپ کو مجھ پر رحم آجائے بلکہ آپ مجھے چہرے کے بل لٹا لٹا دیں تاکہ میرا چہرہ زمین کی طرف نیچے ہونے کی وجہ سے آپ کو نظر نہ آئے اور ایک روایت اس طرح مروی ہے کہ آپ مجھے چہرے کے بل لٹا کر کے اس لیے لٹا دینا تاکہ جب آپ مجھے ذبح کریں تو میں اس وقت سجدہ میں ہوں اور میری امی جان کو میرا سلام کہہ دینا اور اگر آپ سے ہو سکے تو میری قمیص میری امی جان کو لوٹا دینا اور ممکن ہے میری قمیص پا کر انہیں صبر کرنا آسان ہو جائے۔

۱۰۳ تا ۱۰۵ - ﴿فَلَمَّا أَسْلَمَا﴾ پھر جب دونوں باپ بیٹے نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے لیے سر تسلیم خم کر دیا اور دونوں اللہ تعالیٰ کے حکم پر مطیع و فرمان بردار ہو گئے اور ان دونوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے لیے گردنیں جھکا لیں اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ﴿وَتَلَّكَ لِلْجَبِينِ﴾ اور حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کو پیشانی کے بل پر زمین پر لٹا دیا اور چھری کو ان کے حلق پر رکھ کر چلایا تو چھری نے ذبح نہ کیا پھر جب دوبارہ آپ نے چھری کو ان کی گدی پر رکھا تو چھری سیدھا چلنے کی بجائے الٹ ہو گئی اور (تیسری بار) پکارا اور آواز دی گئی کہ اے ابراہیم! بے شک آپ نے اپنا خواب سچا کر دکھایا ایک روایت میں بیان کیا گیا کہ ذبح کرنے کی وہ جگہ اس پتھر کے پاس ہے جو منیٰ میں ہے اور ”لما“ کا جواب محذوف ہے یعنی سو جب دونوں باپ بیٹے نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے لیے اپنے سر جھکا دیئے اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا ﴿وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ ۚ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا﴾ اور ہم نے اسے آواز دے کر پکارا: اے ابراہیم! آپ نے اپنا خواب سچا کر دکھایا یعنی ہم نے تمہیں خواب میں جو بیٹے کو ذبح کے لیے سپرد کر دینے کا حکم دیا تھا آپ نے اسے حقیقت میں ثابت کر دیا تو وہی ہوا جو ہونا تھا جس کو حال بیان کر سکتا ہے اور نہ کوئی وصف اس کا احاطہ کر سکتا ہے جیسے ان دونوں کو خوش خبری کا ملنا اور ان

دونوں کا اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرنا اور ان دونوں کا ان نعمتوں پر شکر کرنا جو اللہ تعالیٰ نے ان پر انعام فرمائی تھیں کہ بہت بڑی آزمائش کو دور کرنا اس کے بعد کہ وہ ان پر نازل ہو چکی تھی یا اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے اسے قبول فرمایا اور ”نادیناہ“ اس پر معطوف ہے ﴿إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ بے شک ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو صلہ دیتے ہیں۔ یہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو رنج و بلا اور شدت و مصیبت سے نجات دینے کے بعد احسان و انعام اور مسرت و خوشی کے عطا کرنے کی علت ہے۔

۱۰۶۔ ﴿إِنَّ هَذَا الْقَوْمَ الْبَالِغُ الْبَيْنِ﴾ بے شک یہ ضرور کھلم کھلا آزمائش تھی (یعنی) یہ ایک ایسی واضح اور کھلی آزمائش تھی جس میں صرف مخلص بندے کامیاب ہو کر دوسروں سے ممتاز ہو جاتے ہیں یا یہ واضح مشقت و محنت تھی۔

۱۰۷۔ ﴿وَقَدَّيْنَا نِيَابِجَ﴾ اور ہم نے اس کے بدلے میں ایک ذبیحہ دیا۔ ذبح ہر وہ جانور ہے جسے بطور قربانی ذبح کیا جاسکتا ہو اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ اس ذبح سے وہ مینڈھا مراد ہے جس کو جناب ہابیل نے قربان کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف سے اس قربانی کو قبول فرمایا تھا اور یہ مینڈھا جنت میں چرتا اور پلتا رہا یہاں تک کہ اس کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بدلے میں ذبح کیا گیا اور انہیں (حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے منقول ہے کہ اگر حضرت اسماعیل کی قربانی مکمل ہو جاتی کہ خود حضرت اسماعیل کو ذبح کیا جاتا تو یہ قربانی تمام مسلمانوں کے لیے سنت قرار پاتی اور لوگ اپنے بیٹوں کو ذبح کرتے ﴿عَظِيمٍ﴾ بڑے جنم والی موٹی قربانی یعنی جسیم و کچم مینڈھا اور قربانیوں میں ایسا ہی جانور ذبح کرنا سنت ہے جو صحت مند اور توانا ہو اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ مینڈھا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھاگ کر جمرہ کے پاس پہنچ گیا تو حضرت ابراہیم نے وہاں پہنچ کر اسے سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ اسے پکڑ لیا اور مٹی کے پاس لا کر ذبح کر دیا چنانچہ جمرہ کے پاس سات کنکریاں مارنے کی سنت آج تک باقی ہے اور ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ذبح کرنے لگے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: ”اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ“ اور (حضرت اسماعیل) ذبح علیہ السلام نے کہا: ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ“ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: ”اللَّهُ أَكْبَرُ، وَلِلَّهِ الْحَمْدُ“ سواب یہ کلمات (نو ذوالحج کی صبح سے تیرہ ذوالحج کی عصر تک ہر فرض باجماعت نماز کے بعد ایک مرتبہ بہ آواز بلند پڑھنا واجب اور تین مرتبہ) پڑھنا سنت باقیہ ہے۔

اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت مبارکہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ جو شخص اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کی نذر مان لے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے بیٹے کے بدلے میں ایک بکری ذبح کرے۔

اور زیادہ ظاہر اور زیادہ صحیح یہی ہے کہ ذبح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور یہی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت عبداللہ ابن عمر اور تابعین کی ایک جماعت کا قول ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم، کیونکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان عالی شان ہے کہ ”أَنَا ابْنُ الدَّبِيحِيِّ“ میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں، سوان میں سے ایک آپ کے جد امجد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور دوسرے آپ کے والد محترم حضرت عبداللہ ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے نذرمانی تھی کہ اگر اس کے بیٹے دس کی تعداد تک پہنچ گئے تو اپنے آخری بیٹے کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کریں گے اور حضرت عبداللہ سب سے آخری بیٹے تھے (اور تمام بھائیوں میں سب سے زیادہ حسین و جمیل بااخلاق، خداترس، نیکوکار انسان تھے جس کی وجہ سے قریش مکہ نے حضرت عبدالمطلب کو مشورہ دیا اور مطالبہ بھی کیا کہ ان کو قربان کرنے کی بجائے ان کے

بدلے میں اونٹ ذبح کیے جائیں) چنانچہ حضرت عبدالمطلب نے ان کے بدلہ میں ایک سواونٹ قربان کیے اور اس لیے بھی کہ مینڈھے کے دونوں سینگ بنو اسماعیل کے ہاتھوں سے خانہ کعبہ کی چھت میں لٹکے ہوئے تھے یہاں تک کہ حجاج بن یوسف اور حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بیت اللہ شریف کے جلنے کے ساتھ وہ بھی جل گئے اور امام اصبعتی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے انہوں نے کہا: میں نے ابو عمرو ابن العلاء سے ذبح کے بارے میں سوال کیا انہوں نے فرمایا: اے اصبعتی! تمہاری عقل تم سے کہاں غائب ہو گئی ہے، کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام مکہ مکرمہ میں کب رہتے تھے اور مکہ مکرمہ میں تو صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام رہتے تھے اور یہ وہی بیٹے ہیں جنہوں نے اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ تعمیر کیا تھا اور قربان گاہ بھی مکہ مکرمہ میں ہے جہاں ذبح کا واقعہ پیش آیا تھا جب کہ حضرت علی مرتضیٰ حضرت عبداللہ ابن مسعود حضرت عباس اور تابعین کی ایک جماعت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول یہ ہے کہ ذبح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں اور اس کی دلیل حضرت یعقوب کا ایک خط ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کو لکھا گیا تھا کہ ”من یعقوب اسرائیل اللہ بن اسحاق ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ“۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”وَقَدِّينَاهُ“ اور ہم نے اس کا فدیہ دیا ہے اگرچہ فدیہ دینے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو وہ ہے جس کی طرف سے فدیہ عطا کیا گیا تو اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ذبح کا حکم دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی مینڈھا حضرت ابراہیم کو دیا تھا تا کہ وہ اسے اپنے بیٹے کے عوض میں بطور فدیہ قربان کر سکیں اور یہاں ایک بہت بڑا اعتراض ہے اور وہ یہ کہ یہ دو حال سے خالی نہیں یا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اپنے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا اور اس کے حلق پر چھری چلائی یہ ذبح کے حکم میں ہے یا نہیں سو اگر یہ ذبح کے حکم میں ہے تو پھر فدیہ اور بدلہ دینے کا کیا معنی ہوا، کیونکہ فدیہ کا مطلب تو ہے بدل دے کر ذبح سے نجات حاصل کرنا اور اگر یہ ذبح کے حکم میں نہیں تو پھر ”قَدْ صَدَقْتَ الرَّوِيَا“ کا کیا معنی ہوا، کیونکہ خواب تب سچا ہو گا جب خواب پر عمل کرتے ہوئے ذبح پایا جائے اور وہ صحیح نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی پوری کوشش صرف کر دی اپنے بیٹے کو لٹایا اور پوری قوت سے اس کے حلق پر چھری بھی چلائی اور ذبح کرنے والا ذبح جو کچھ کارروائی کرتا ہے وہ آپ نے کر دی لیکن اللہ تعالیٰ نے چھری کو حلق کاٹنے سے منع کر دیا اور یہ ممانعت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فعل اور کوشش کو عیب دار نہیں کرتی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ایک دنبہ عطا فرمایا تا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس دنبہ کے ذبح کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جان مبارک کے عوض میں اس (خواب والے ذبیحہ) کی حقیقت کے قائم مقام بنا دیں اور یہ ذبح کے حکم کے لیے نسخ نہیں ہے بلکہ قربانی کا حکم باقی رہا البتہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بدلے میں ایک مینڈھا جنت سے بطور فدیہ بھیجا گیا تھا لیکن نسخ کے طور پر نہیں بھیجا گیا اور یہ ایک بہت بڑی آزمائش اور امتحان تھا تا کہ ذبح کا حکم آخر حال تک برقرار رہے۔ علاوہ ازیں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بیٹے کے حق میں ذبح کے حکم دینے میں قربانی دینا مطلوب تھی اور یہ اعزاز حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کیے بغیر فدیہ سے حاصل ہو گیا اور حالت انکشاف تک صبر و مجاہدہ کا امتحان بھی ہو گیا اور پھر نسخ تو حکم پر عمل کرنے کے بعد ہوتا ہے اس سے پہلے نہیں ہوتا اور نیز قرآن مجید میں اس ذبح کو فدیہ قرار دیا گیا ہے نسخ قرار نہیں دیا گیا۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۖ سَلَّمَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۖ كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۖ إِنَّهُ

مَنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَبَشِّرُنَا بِإِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَبِرَكْنَا عَلَيْهِ ۖ

وَعَلَىٰ اسْحٰقَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهَا حُسَيْنٌ وَقَالُوا لِنَفْسِهِ قُبُلٌ ۝۱۱۳

اور ہم نے اس قربانی کو بعد میں آنے والوں کے لیے باقی رکھ چھوڑا ہے۔ ابراہیم پر سلام ہو۔ اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو صلہ دیتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے اعلیٰ کردار کے حامل مسلمان بندوں میں سے تھے۔ اور ہم نے اسے اسحاق پیغمبر کی خوش خبری دی جو نیک بندوں میں سے ہیں۔ اور ہم نے اس پر اور اسحاق پر اپنی برکتیں نازل فرمائیں اور ان دونوں کی اولاد میں سے کوئی نیکو کار ہوگا اور کوئی کھلم کھلا اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہوگا۔

۱۰۸، ۱۰۹- ﴿وَتَرْكُنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ﴾ اور ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حسن تعریف اور ذکر خیر ان کے بعد آنے والی نسلوں میں باقی رکھ چھوڑا ہے [اس پر وقف کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ﴿سَلَّمَ عَلَیْ اِبْرَاهِیْمَ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سلام ہو "ترکنا" کا مفعول ہے]۔

۱۱۰- ﴿كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو صلہ عطا کرتے ہیں [یہاں "اننا" نہیں فرمایا جیسا کہ اس کے علاوہ دوسری جگہ ہوتا ہے اس لیے کہ یہ اسی قصہ میں پہلے گزر چکا ہے پھر پہلے ایک مرتبہ ذکر کرنے پر اکتفاء کر کے دوبارہ ذکر کرنے کو ترک کر کے تخفیف حاصل کی گئی ہے]۔

۱۱۱- ﴿اِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ﴾ بے شک وہ ہمارے مؤمن بندوں میں سے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق کی بشارت

۱۱۲- ﴿وَكَشَرْنَا لَهُ بِاسْحٰقَ نَبِيًّا﴾ اور ہم نے ان (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کو ان کے بیٹے اسحاق پیغمبر کی (ولادت کی) خوش خبری دی [نبیاً، "اسحاق" سے حال مقدرہ ہے اور مضاف محذوف کو مقدر ماننا واجب ہے "ای (و بشرناہ بہ) وجود (اسحاق نبیاً) یعنی اور ہم نے ان کو اسحاق پیغمبر کی پیدائش کی بشارت دی یعنی اس کی مقدرہ نبوت موجود ہوگی پس حال میں الوجود عامل ہے فعل بشارت نہیں] ﴿قِنَ الصَّالِحِينَ﴾ نیک لوگوں میں سے ہوں گے [یہ دوسرا حال ہے] اور اس کو صرف حمد و ثناء اور تعریف کے طور پر لایا گیا ہے کیونکہ ہر نبی لازمی طور پر نیکوں میں سے ہوتا ہے۔

۱۱۳- ﴿وَبَرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ اسْحٰقَ﴾ اور ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام پر برکتیں نازل فرمائیں یعنی ہم نے ان دونوں پر دین و دنیا کی برکتیں نازل فرمائیں اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ان کی اولاد کے بارے میں برکتیں نازل فرمائیں اور حضرت اسحاق علیہ السلام پر اس طرح برکتیں نازل فرمائیں کہ ان کی پشت سے نسل در نسل ایک ہزار پیغمبر پیدا فرمائے جن میں سے سب سے پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں اور ان میں سب سے آخری حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهَا حُسَيْنٌ﴾ اور ان دونوں کی اولاد میں سے کچھ نیکو کار ہوں گے یعنی مسلمان ہوں گے ﴿وَقَالُوا لِنَفْسِهِ﴾ اور کچھ اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہوں گے یعنی کافر ہوں گے ﴿قُبُلٌ﴾ ظاہر اور واضح یا یہ معنی ہے کہ کچھ تو لوگوں سے نیک سلوک کرنے والے ہوں گے اور کچھ شریعت کی حدود سے تجاوز کر کے اپنی جانوں پر ظلم و ستم کرنے والے ہوں گے اور اس میں اس بات پر تشبیہ ہے کہ بدی اور نیکی کی سنگینی اور شرافت کا معاملہ خاندان اور نسب پر جاری نہیں ہوتا کیونکہ نیک سے بد اور بد سے نیک پیدا ہو جاتا ہے اور یہ خاندانی اطوار اور نسبی فطرتوں کو منہدم کر دیتا ہے اور نیز اس میں اس بات پر تشبیہ ہے کہ ان دونوں حضرات کی نسلوں میں ظلم و ستم کا رائج ہو جانا ان حضرات میں عیب و نقص پیدا نہیں کرتا کیونکہ آدمی کو اپنے برے عمل پر عیب دار کیا جاتا ہے اور اپنے

ہاتھوں سے جرائم کے ارتکاب پر اسے سزا دی جاتی ہے لیکن اپنے خاندان اور اولاد اور اولاد کی وجہ سے سزا نہیں دی جاتی۔

وَلَقَدْ مَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿۱۱۴﴾ وَنَجَّيْنَاهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكُرْبِ الْعَظِيمِ ﴿۱۱۵﴾
 وَنَصَرْنَاهُمْ فَكَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ﴿۱۱۶﴾ وَآتَيْنَاهُمَا الْكِتَابَ الْمُسْتَبِينَ ﴿۱۱۷﴾ وَهَدَيْنَاهُمَا
 الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿۱۱۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْأَخْرَبِ ﴿۱۱۹﴾ سَلَامٌ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿۱۲۰﴾
 إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۲۱﴾ إِنَّهُمْ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۲۲﴾ وَإِنَّ إِلْيَاسَ
 لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۲۳﴾ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۱۲۴﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ اور ہارون پر احسان فرمایا اور ہم نے ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بہت بڑے دکھ سے نجات عطا فرمائی اور ہم نے ان کی مدد کی سو وہی غالب ہو گئے اور ہم نے ان دونوں کو ایک روشن کتاب دی اور ہم نے ان دونوں کو سیدھی راہ پر چلایا اور ہم نے ان دونوں کی تعریف پیچھے آنے والے لوگوں میں باقی رکھ چھوڑی اور موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو بے شک ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو صلہ دیتے ہیں بے شک وہ دونوں ہمارے کامل ایمان رکھنے والے بندوں میں سے ہیں اور بے شک الیاس ضرور رسولوں میں سے ہیں جب اس نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم ڈرتے نہیں ہو

حضرات موسیٰ و ہارون اور الیاس کا تذکرہ

۱۱۴- ﴿وَلَقَدْ مَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ﴾ اور بے شک ہم نے (حضرت) موسیٰ اور (حضرت) ہارون علیہما السلام پر بہت بڑا احسان فرمایا کہ ہم نے ان دونوں کو نبوت کے منصب پر فائز کر کے ان پر بہت بڑا انعام فرمایا اور ”مَنَّا“ بہ معنی ”انعمنا“ ہے۔

۱۱۵- ﴿وَنَجَّيْنَاهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكُرْبِ الْعَظِيمِ﴾ اور ہم نے ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بہت بڑے دکھ سے نجات عطا کی کہ ہم نے ان کو اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو غرق ہونے سے یا پھر مصر کے بادشاہ فرعون اور اس کی قوم سے اور ان کے ظلم و ستم سے نجات عطا فرمائی۔

۱۱۶- ﴿وَنَصَرْنَاهُمْ﴾ اور ہم نے ان کی یعنی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی اور ان دونوں کی قوم کی مدد کی ﴿فَكَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ﴾ سو وہ فرعون اور اس کی قوم پر غالب ہو گئے۔

۱۱۷- ﴿وَآتَيْنَاهُمَا الْكِتَابَ الْمُسْتَبِينَ﴾ اور ہم نے ان دونوں کو ایک روشن کتاب دی جو اپنے (احکام و مسائل کے) بیان میں کامل و مکمل ہے اور وہ کتاب تورات ہے۔

۱۱۸- ﴿وَهَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ اور ہم نے ان دونوں کو سیدھے راستے پر چلائے رکھا (یعنی) اہل اسلام کا راستہ اور یہ ان حضرات کا راستہ ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے خصوصی انعام فرمایا ”غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ“ (الفاتحہ: ۷) ”ان لوگوں کا راستہ نہیں جن پر غضب نازل کیا گیا اور نہ گمراہوں کا“۔

۱۱۹ تا ۱۲۲ - ﴿وَتَرْكُنَا عَلَيْهِمَ فِي الْآخِرِينَ ۝ سَلَّمَ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۝ إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّهُمْ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝﴾ اور ہم نے ان دونوں کا ذکر خیر بعد میں آنے والے پچھلے لوگوں میں باقی رکھ چھوڑا ہے ۝ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام پر سلام ہو ۝ بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں ۝ بے شک وہ دونوں ہمارے کامل ایمان دار بندوں میں سے ہیں ۝

۱۲۳ - ﴿وَإِلَىٰ يَاسِينَ﴾ اور بے شک (حضرت) الیاس علیہ السلام ضرور رسولوں میں سے ہیں۔ یہ حضرت الیاس بن یاسین ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور بعض اہل علم کا قول ہے کہ وہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت کے مطابق ”الیاس“ کی جگہ ”وان ادريس لمن المرسلين“ ہے۔

۱۲۴ - ﴿إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَلَأَتَقْتُونَ﴾ جب اس نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم ڈرتے نہیں ہو (یعنی) کیا تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔

اتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ ۝ ^(۱۲۵) اللَّهُ رَبُّكُمْ وَإِلَىٰكُمْ
الْأُولَىٰ ۝ ^(۱۲۶) فَكَذَّبُوا قِيَامَهُمْ لِمُحْضِرُونَ ۝ ^(۱۲۷) إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلِصِينَ ۝ ^(۱۲۸) وَتَرْكُنَا
عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝ ^(۱۲۹) سَلَّمَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۝ ^(۱۳۰) إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ ^(۱۳۱)
إِنَّهُمْ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝ ^(۱۳۲)

کیا تم بعل (بت) کی عبادت کرتے ہو اور تم سب سے اچھا پیدا کرنے والے کو چھوڑتے ہو ۝ (یعنی) اللہ تعالیٰ کو جو تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا پروردگار ہے ۝ سو انہوں نے اسے جھٹلایا تو بے شک انہیں ضرور پکڑ کر حاضر کیا جائے گا ۝ ماسوا اللہ تعالیٰ کے مخلص و برگزیدہ بندوں کے ۝ اور ہم نے اس کا ذکر خیر پیچھے آنے والے لوگوں میں رکھ چھوڑا ہے ۝ ال یاسین پر سلام ہو ۝ بے شک ہم نیکوکاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ۝ بے شک وہ ہمارے کامل ایمان رکھنے والے بندوں میں سے ہیں ۝

۱۲۵ - ﴿اتَدْعُونَ بَعْلًا﴾ کیا تم بعل بت کی عبادت کرتے ہو۔ ”اتدعون“ یہ معنی ”اتبعدون“ ہے بعل ایک بت کا نام ہے جو سونے سے بنایا گیا تھا اور یہ بیس ہاتھ لمبا تھا اور اس کے چار چہرے بنائے گئے تھے وہاں کے لوگ اس کی عبادت کے فتنے میں مبتلا ہو گئے اور وہ اس کی بہت زیادہ تعظیم و تکریم کرتے تھے یہاں تک کہ چار سو خدام اس کی خدمت کرتے تھے اور وہاں کے پجاری ان خدام کو انبیاء قرار دیتے تھے اور ان کے جس علاقہ میں یہ بت نصب تھا اس کو بک کہا جاتا تھا اور وہ ملک شام کے شہروں میں ایک شہر ہے پھر بعد میں بعل اور بک کو مرکب کر کے اس شہر کا نام بعلبک پڑ گیا۔

بعض حضرات کا قول ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام کو صحراؤں اور جنگلوں پر مقرر کیا گیا تھا جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام کو دریاؤں اور سمندروں پر مقرر کیا گیا تھا اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہما السلام فوت ہو چکے ہیں اور ہم لوگوں کی طرح یہ نہیں کہتے کہ وہ دونوں زندہ ہیں ﴿وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ﴾ اور تم

سب سے بہترین خالق کو چھوڑتے ہو (یعنی) اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑتے ہو جو سب سے بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔

۱۲۶ - ﴿اللّٰهُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ﴾ (اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت ترک کرتے ہو) جو تمہارا اور تمہارے پہلے

باپ دادا کا پروردگار ہے [ابو بکر کوفی اور ابو عمر کے علاوہ عراقیوں کی قراءت میں تمام منصوب ہیں "احسن" سے بدل ہونے کی بناء پر اور ان کے علاوہ کے نزدیک مبتدا ہونے کی بناء پر تمام مرفوع ہیں]۔

۱۲۷، ۱۲۸ - ﴿فَكَذَّبُوهُ فَإِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ۝ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۝﴾ سوان لوگوں نے اسے جھٹلا دیا تو بے

شک انہیں ضرور دوزخ کی آگ میں حاضر کیا جائے گا ۝ اس کی قوم میں سے ماسوا اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کے ۝

۱۲۹، ۱۳۰ - ﴿وَتَرْكُنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝ سَلَّمَ عَلَيْنَا مِنْ يَاسِينَ ۝﴾ اور ہم نے اس کی تعریف پچھلے لوگوں

میں باقی رکھ چھوڑی ۝ ال یاسین پر سلام ہو ۝ یعنی حضرت الیاس اور اس کی مسلمان قوم پر سلام ہو جیسے اہل عرب کا قول ہے

کہ "النجیبون" یعنی ابو خبیب حضرت عبد اللہ بن زبیر اور اس کی قوم [ابن عامر شامی اور نافع مدنی کی قراءت میں "آل یاسین" ہے کیونکہ حضرت الیاس کے باپ کا نام یاسین ہے سو اس لیے "آل" کی اس کی طرف اضافت کی گئی ہے]۔

۱۳۱، ۱۳۲ - ﴿إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝﴾ بے شک ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلہ

دیتے ہیں ۝ بے شک وہ ہمارے کامل ایمان دار بندوں میں سے ہیں ۝

وَإِنَّ لَوْ كَالَّذِينَ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ نَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عَجُوزَانِ

الْغَابِرِينَ ۝ ثُمَّ دَمَرْنَا الْآخِرِينَ ۝ وَإِنَّكُمْ لَتَمُرُّونَ عَلَيْهِمْ مُصْبِحِينَ ۝

وَبِالْبَيْتِ أَقْلًا تَعْقِلُونَ ۝ وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ أَبَقَ إِلَى

الْفُكِّ الْمَشْحُونِ ۝ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ۝ فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ

مَلِيمٌ ۝ فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ۝ لَكَبِتَ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝

اور بے شک لو ط ضرور رسولوں میں سے ہیں ۝ جب ہم نے اسے اور اس کے تمام گھر والوں کو نجات دی ۝ سوائے

ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہو گئی ۝ پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا ۝ اور بے شک تم صبح کے وقت ان

پر ضرور گزرتے ہو ۝ اور رات کو بھی تو کیا عقل سے کام نہیں لیتے ۝ اور بے شک یونس ضرور رسولوں میں سے ہیں ۝ جب وہ

بھاگ کر ایک بھری ہوئی کشتی کی طرف چلے گئے ۝ سوانہوں نے قرعہ ڈالا تو وہی قرعہ میں مغلوب رہنے والوں میں سے ہو

گئے ۝ سوانے مچھلی نے نگل لیا اور اس وقت وہ اپنے آپ کو ملامت کرنے لگے ۝ سوا گروہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ

ہوتے ۝ تو وہ ضرور اس دن تک مچھلی کے پیٹ ہی میں رہتے جس دن لوگوں کو اٹھایا جائے گا ۝

حضرت لوط اور حضرت یونس علیہما السلام کا تذکرہ

۱۳۳، ۱۳۵ - ﴿وَإِنَّ لَوْ كَالَّذِينَ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ نَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عَجُوزَانِ فِي الْغَابِرِينَ ۝﴾ اور بے شک

حضرت لوط علیہ السلام ضرور رسولوں میں سے ہیں۔ جب ہم نے ان کو اور ان کے تمام گھروالوں کو نجات بخشی۔ سو اے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگئی (یعنی) باقی ہلاک ہونے والوں میں سے ہوگئی۔

۱۳۶۔ ﴿تَدْمَرْنَا الْآخِرِينَ﴾ پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو تباہ و برباد کر دیا یعنی ان سب کو ہلاک کر دیا۔ ”دَمَرْنَا“ بمعنی ”أَهْلَكْنَا“ ہے۔

۱۳۷۔ ﴿وَإِنَّكُمْ﴾ اور بے شک تم اے مکہ مکرمہ میں رہنے والو! ﴿لَتَمُرُّونَ عَلَيْهِمْ مُصْبِحِينَ﴾ البتہ تم ان پر صبح کے وقت ضرور گزرتے ہو (یعنی) تم صبح کے وقت میں داخل ہوتے ہو۔

۱۳۸۔ ﴿وَبِالْبَيْتِ﴾ اور رات کو بھی تم اسی راستے سے گزرتے ہو ﴿أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ تو کیا تم سمجھتے نہیں ہو یعنی تم اپنے تجارتی کاروبار کے سلسلے میں ملک شام کی طرف جاتے ہوئے رات دن ان کے تباہ شدہ مکانات کے پاس سے گزرتے ہو تو کیا تمہارے اندر عقل نہیں ہے کہ تم ان سے عبرت و سبق حاصل کرو اور اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط اور حضرت یونس علیہما السلام کے قصوں کو سلام پر ختم نہیں فرمایا جیسا کہ ان دونوں سے پہلے قصوں کو سلام پر ختم فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخر میں تمام رسولوں پر سلام بھیجا ہے سو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کا الگ الگ ذکر کرنے کی بجائے اسی پر اکتفاء فرمایا ہے۔

۱۳۹، ۱۴۰۔ ﴿وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾ اور بے شک (حضرت) یونس علیہ السلام ضرور رسولوں میں سے ہیں۔ جب وہ جلدی میں نکل کر چلے گئے۔ ”اباق“ کا مطلب ہے کہ ایسی جگہ بھاگ جانا جہاں تلاش نہ کیا جاسکے چونکہ حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے (اور یہ عمل شانِ نبوت کے خلاف تھا) اس لیے اس کو مجازاً ”اباق“ کہا گیا ﴿إِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ﴾ بھری ہوئی کشتی کی طرف اور دراصل حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم سے عذاب کا وعدہ کیا تھا پھر جب اس میں تاخیر ہوئی تو آپ وہاں سے چھپ کر نکل گئے اور دریائی سفر کا ارادہ کر لیا اور کشتی میں سوار ہو گئے، لیکن کشتی دریا میں چلتے چلتے اچانک رک گئی، جس پر ملاحوں نے کہا کہ یہاں کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگا ہوا کشتی میں موجود ہے کیونکہ دریائی سفر کرنے والوں کا گمان تھا کہ جب کشتی میں کوئی بھاگا ہوا غلام سوار ہو جائے تو کشتی نہیں چلتی بلکہ رک جاتی ہے چنانچہ انہوں نے قرعہ اندازی کی تو قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام کا نکل آیا، سو آپ نے فرمایا: وہ غلام میں ہی ہوں جو اپنے آقا (اللہ تعالیٰ) سے بھاگا ہوا ہوں اور اپنے آپ کو پانی میں ڈال دیا، سو اسی کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

۱۴۱۔ ﴿فَسَاهَمَ﴾ تو انہوں نے قرعہ ڈالا سو انہوں نے تیر اندازی کے ذریعہ ایک مرتبہ یا پھر تین مرتبہ قرعہ اندازی کی تھی اور ”مساہمہ“ قرعہ اندازی کے طور پر تیر ڈالنے کو کہا جاتا ہے ﴿فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ﴾ سو وہ قرعہ ڈالنے پر مغلوب رہنے والوں میں سے ہو گئے (اس کے بعد آپ نے کشتی میں کھڑے ہو کر دریا میں چھلانگ لگا دی)۔

۱۴۲۔ ﴿قَالَتُبَّهَ الْحَوْتِ وَهُوَ لِيْمٌ﴾ پس ایک مچھلی نے ان کو نگل لیا اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرنے والے تھے (یعنی) ملامت میں داخل ہو گئے۔

۱۴۳۔ ﴿فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ﴾ سو اگر وہ تسبیح پڑھنے والوں میں سے نہ ہوتے (یعنی) تسبیح کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنے والوں میں سے نہ ہوتے یا وہ یہ کلمات ”أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ“ (الانبیاء: ۸۷) تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تو ہر عیب سے پاک ہے بے شک میں ہی حد سے بڑھ

جانے والوں میں سے ہوں ○ کہنے والوں میں سے نہ ہوتے یا وہ اس سے پہلے نماز پڑھنے والوں میں سے نہ ہوتے اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ قرآن مجید میں ہر جگہ جہاں تسبیح کا ذکر کیا گیا ہے وہاں نماز مراد ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب کوئی آدمی فوت ہو جاتا ہے تو نیک عمل اس کو سر بلند کر دیتے ہیں۔

۱۴۴۔ ﴿لَكَيْتَ قِيَّ بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾ تو وہ لوگوں کے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے دن تک مچھلی کے پیٹ

میں رہتے۔ اس کا ظاہر مطلب تو یہی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام قیامت کے دن تک مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہتے اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مچھلی کا پیٹ ان کے لیے قیامت کے دن تک قبر ہو جاتا اور جب کہ حضرت یونس علیہ السلام (تسبیح کی برکت سے) مچھلی کے پیٹ میں تین دن یا سات دن یا پھر چالیس دن ٹھہرے تھے اور امام شعیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی نے دن میں دو پہر کے وقت نگلا تھا اور اسی روز شام کے وقت دریا کے باہر پھینک دیا تھا۔

فَبَيَّنَّا لَهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَأَنْبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَقْطِينٍ ﴿۱۴۶﴾

وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَى مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ ﴿۱۴۷﴾ فَأَمَّا نُوا فَاصْتَعَمُوا إِلَى حِينٍ ﴿۱۴۸﴾

پھر ہم نے اسے خالی میدان میں ڈال دیا اور وہ اس وقت بیمار تھے ○ اور ہم نے اس پر کدو کا درخت اُگا دیا ○ اور ہم نے اسے ایک لاکھ یا اس سے زیادہ آدمیوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ○ سو وہ ایمان لے آئے تو ہم نے انہیں ایک معین مدت تک زندگی کا فائدہ پہنچایا ○

۱۴۵۔ ﴿فَبَيَّنَّا لَهُ بِالْعَرَاءِ﴾ سو ہم نے اسے خالی میدان میں ڈال دیا (یعنی) پھر ہم نے اس کو ایسی جگہ میں

ڈال دیا جس میں نہ کوئی درخت تھا اور نہ کوئی عمارت تھی (جس کے سایا میں آرام کر سکتے) ﴿وَهُوَ سَقِيمٌ﴾ اور وہ مچھلی کے نکلنے اور اس کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے بیمار و کمزور تھے اور مروی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کا بدن مبارک اس طرح کمزور اور نرم ہو گیا تھا جس طرح پیدائش کے وقت بچے کا بدن کمزور و نرم ہوتا ہے۔

۱۴۶۔ ﴿وَأَنْبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَقْطِينٍ﴾ اور ہم نے اس پر کدو کا درخت اُگا دیا (یعنی) ہم نے ان کے اوپر

سابان بنا دیا جس طرح مکان انسان پر سایا دار خیمہ ہوتا ہے اور جمہور مفسرین کے نزدیک یہ کدو کا درخت تھا اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس کے پاس کھیاں جمع نہیں ہوتیں اور یہ تمام درختوں میں سے جلدی اُگتا ہے اور بہت جلد پودا بن کر ہر چار اطراف پھیلتا اور بلند ہو جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ آپ یقیناً کدو کو پسند فرماتے ہیں حضور نے فرمایا: جی ہاں! کیونکہ یہ میرے بھائی یونس علیہ السلام کا درخت ہے۔

۱۔ واضح رہے کہ کدو کی بیل ہوتی ہے جو زمین پر پھیلتی ہے مگر یہ آپ کا معجزہ تھا کہ یہ کدو کا درخت قد والے درختوں کی طرح شاخیں رکھتا تھا اور اس کے بڑے بڑے پتوں کے سایا میں آپ آرام کرتے تھے اور بہ حکم الہی روزانہ ایک بکر آتی اور اپنا تھن حضرت یونس کے دہن مبارک میں دے کر آپ کو صبح و شام دودھ پلایا کرتی تھی یہاں تک کہ آپ کے جسم مبارک کی جلد شریف یعنی کھال مضبوط ہو گئی اور اپنے موقع سے بال مبارک جمے اور جسم مبارک میں قوت و توانائی آ گئی۔

(تفسیر خزائن العرفان ص ۵۳۳، حاشیہ: ۲، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

۱۴۷- ﴿وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ مِائَةِ أَلْفٍ﴾ اور ہم نے اس کو ایک لاکھ آدمیوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا۔ اس سے وہ قوم مراد ہے جس کی طرف مچھلی کے نکلنے سے پہلے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے سو یہاں ”قَدْ“ مضمراً ہے (اور اصل میں ”وقد أرسلناه الخ“ ہے) ﴿أَوْ يَزِيدُونَ﴾ یا وہ اس سے بھی زیادہ تھے (یعنی) جب دیکھنے والا اس قوم کو دیکھتا تو یہ دیکھنے والے کی نگاہ میں اس سے زیادہ محسوس ہوتے تھے اور وہ کہہ دیتا کہ یہ ایک لاکھ آدمی ہیں یا اس سے زیادہ ہیں اور علامہ زجاج نے فرمایا کہ اکثر لوگوں نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: بلکہ وہ ایک لاکھ سے زیادہ تھے اور یہی بات امام فراء اور جناب ابو عبیدہ نے کہی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

۱۴۸- ﴿فَأَمِنُوا﴾ سو وہ حضرت یونس علیہ السلام پر اور جو کچھ آپ کو دے کر بھیجا گیا تھا اس سب پر ایمان لے آئے ﴿فَسْتَعْتَبُوكُمُ إِلَىٰ حِينٍ﴾ تو ہم نے انہیں ان کی مقرر کردہ مدت حیات تک زندگی کا فائدہ پہنچایا۔

فَاسْتَفْتِهِمُ الرَّبُّ عَلَىٰ الْبَنَاتِ وَلَهُمُ الْبَنُونَ ﴿۱۴۹﴾ أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا وَهُمْ شَاهِدُونَ ﴿۱۵۰﴾ أَلَا إِنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ لِقَوْلِ اللَّهِ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَا اللَّهُ وَإِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۱۵۲﴾ أَصْطَفَىٰ الْبَنَاتِ عَلَىٰ الْبَنِينَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿۱۵۴﴾ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۱۵۵﴾ أَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِينٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاتُوا بِكُتُبِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿۱۵۷﴾

سو آپ ان سے پوچھئے کہ کیا آپ کے رب تعالیٰ کے لیے بیٹیاں ہیں اور ان کے لیے بیٹے ہیں؟ کیا ہم نے فرشتوں کو عورتیں پیدا کیا ہے اور وہ اس وقت حاضر تھے؟ خبردار ہو جاؤ بے شک وہ اپنے جھوٹے بہتان سے کہتے ہیں؟ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے اولاد بنالی ہے اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ نے بیٹے چھوڑ کر بیٹیاں پسند کر لیں؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسا فیصلہ کرتے ہو؟ تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ہو؟ کیا تمہارے لیے کوئی واضح دلیل ہے؟ سو تم اپنی کتاب لاؤ اگر تم سچے ہو؟

کفار مکہ کے باطل نظریات کی تردید

۱۴۹- ﴿فَاسْتَفْتِهِمُ الرَّبُّ عَلَىٰ الْبَنَاتِ وَلَهُمُ الْبَنُونَ﴾ (اے محبوب!) سو آپ ان (کفار مکہ) سے پوچھئے کہ کیا آپ کے پروردگار کے لیے بیٹیاں ہیں اور خود ان کے لیے بیٹے ہیں [یہ آیت مبارکہ اس سورت کے شروع میں موجود اپنی جیسی آیت مبارکہ پر معطوف ہے یعنی ”فَاسْتَفْتِهِمُ اللَّهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا“ (آیت: ۱۱)] پر اور اگرچہ ان دونوں کے درمیان فاصلہ زیادہ ہے [اللہ تعالیٰ نے پہلے قیامت کے انکار کرنے کی وجہ سے بارے میں قریش مکہ سے باز پرس کرنے اور ان سے پوچھنے کا اپنے رسول اکرم کو حکم دیا] پھر اللہ تعالیٰ نے کلام کا سلسلہ چلایا اور ایک دوسرے کے ساتھ متصل کلام کو جاری رکھا، پھر اب اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محترم و مکرم رسول کو حکم دیا کہ آپ قریش مکہ سے اس نامنصفانہ اور ظالمانہ تقسیم کی وجہ کے بارے میں پوچھیں جو انہوں نے از خود تقسیم کر رکھی تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں اور خود اپنے لیے بیٹے مقرر کر رکھے تھے چنانچہ وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنی بیٹیاں بنا لیا ہے حالانکہ خود ان کو سخت ناپسند کرتے تھے اور ان کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیتے تھے اور ان کے ذکر سے سخت نفرت کرتے تھے۔

۱۵۰۔ ﴿أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا وَهُمْ شَاهِدُونَ﴾ کیا ہم نے فرشتوں کو عورتیں پیدا کیا اور وہ اس وقت حاضر تھے۔ ”شاهدون“ کا معنی ”حاضرون“ ہے اور فرشتوں کی تخلیق کے وقت مشاہدہ کے لیے ان (کفار) کے علم کی تخصیص محض ان کا مذاق اڑانے اور ان کی جہالت ثابت کرنے کے لیے کی گئی ہے کیونکہ جس طرح انہیں مشاہدہ کے ساتھ یہ معلوم نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے بارے میں کوئی علم نہیں نہ اخبارِ صادقہ (سچی خبروں) کے ذریعے اور نہ غور و فکر اور استدلال کے ذریعے جب کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کے دلوں کی کیفیات تک خوب جانتا ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ یہ بات دل کے اطمینان سے کہتے ہیں گویا انہوں نے ان کی تخلیق کا مشاہدہ کیا ہے اور دراصل یہ ان کی انتہائی جہالت کی بات ہے۔

۱۵۱، ۱۵۲۔ ﴿الْأَنفُسُ الَّتِي كَفَرَتْ لَأَبْلَسُوا بِهِنَّ رَأْيَهُنَّ لِيَكُنَّ رِجَالًا يَكْفُرُونَ﴾ خبردار! بلاشبہ یہ بات اپنے جھوٹ سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے اولاد بنالی ہے اور بے شک وہ اپنی بات میں ضرور جھوٹے ہیں۔

۱۵۳۔ ﴿أَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِينَ﴾ کیا اللہ تعالیٰ نے بیٹوں پر بیٹیوں کو منتخب کر لیا ہے [ہمزہ مفتوح استفہام (سوال کرنے کے لیے یعنی سوالیہ) ہے اور یہ استفہام ان کو ڈرانے دھمکانے اور ڈانٹنے کے لیے ہے اور ہمزہ وصل کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ ہمزہ استفہام نے اس سے بے نیاز کر دیا ہے]۔

۱۵۴۔ ﴿مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ﴾ تمہیں کیا ہو گیا ہے تم اس فاسد و باطل حکم کا فیصلہ کس طرح کرتے ہو؟
۱۵۵۔ ﴿أَفَلَا تَذَكَّرُونَ﴾ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے [ہمزہ کوئی، علی کسائی اور حفص کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ (باب نصر) پڑھا گیا ہے]۔

۱۵۶۔ ﴿أَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ قَبِيْنٌ﴾ کیا تمہارے لیے کوئی ایسی واضح حجت و دلیل ہے جو تم پر آسمان سے نازل کی گئی ہو کہ واقعی فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔

۱۵۷۔ ﴿فَأْتُوا بِكِتٰبِكُمْ﴾ پس تم اپنی وہ کتاب لاؤ جو تم پر نازل کی گئی ہے ﴿إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔

وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نَسْبًا ۗ وَلَقَدْ عَلِمْتِ الْإِنثُ إِتْمٌ لِمُحْضَرُونَ ﴿۱۵۸﴾
سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُصِفُونَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلِصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ ﴿۱۶۱﴾
مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفِتْنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَا مِثْرًا اِلَّا لَهُ مَقَامٌ
مَعْلُومٌ ﴿۱۶۴﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ الصّٰفِرُونَ ﴿۱۶۵﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ ﴿۱۶۶﴾

اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے درمیان اور جنوں کے درمیان رشتہ داری قائم کر دی اور بے شک جنات جانتے ہیں کہ بے شک وہ ضرور حاضر کیے جائیں گے اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کے سو بے شک تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو تم سب اس کے خلاف کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ اس کے جو دوزخ کی بڑھکتی ہوئی آگ میں داخل ہونے والا ہے (فرشتے کہتے ہیں) اور ہم میں سے کوئی نہیں مگر اس کے لیے ایک مقام معلوم ہے اور بے شک ہم ضرور صرف بستہ ہیں اور بے شک ہم ضرور تسبیح بیان کرنے والے ہیں

۱۵۸۔ ﴿وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نِجَابًا﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے درمیان اور جنوں کے درمیان رشتہ داری ٹھہرائی۔ یہاں جنوں سے فرشتے مراد ہیں یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے درمیان اور فرشتوں کے درمیان رشتہ داری ٹھہرائی کیونکہ فرشتے بھی جنوں کی طرح آنکھوں سے اوجھل اور پوشیدہ ہوتے ہیں اور ان کا گمان تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جنوں سے شادی کر لی اور ان سے اللہ تعالیٰ کے لیے فرشتے پیدا ہوئے ﴿وَلَقَدْ عَلِمْتِ الْجِنَّةَ إِتْمَامَهُمْ لِمُحْضَرُونَ﴾ اور بے شک جنات جانتے ہیں کہ بے شک جنہوں نے یہ بات کہی ہے وہ ضرور دوزخ کی آگ میں حاضر کیے جائیں گے۔

۱۵۹۔ ﴿يُبْحِنُ اللَّهُ عَمَّا يُصِفُونَ﴾ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے پاک ہے جو وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے بیان کرتے ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اقدس کو اولاد اور بیوی سے مبرا اور منزہ اور پاک بیان فرما دیا ہے۔
۱۶۰۔ ﴿إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ﴾ ماسوا اللہ تعالیٰ کے مخلص و برگزیدہ بندوں کے [یہ "من المحضرين" سے استثناء منقطع ہے] اس کا معنی یہ ہے کہ لیکن اللہ تعالیٰ کے مخلص و برگزیدہ بندے دوزخ کی آگ سے نجات پائیں گے [اور "سبحان الله" استثناء کے درمیان اور مستثنیٰ منہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ استثناء "یصفون" کی واو جمع سے واقع ہو] یعنی یہ کفار مکہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی ناشائستہ صفات بیان کرتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے مخلص و برگزیدہ بندے اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی نازیبا صفات بیان کرنے سے مبرا ہیں۔

۱۶۱ تا ۱۶۳۔ ﴿فَاتَّكُمُ﴾ سو بے شک اے مکہ مکرمہ کے رہنے والو! تم ﴿وَمَا تَعْبُدُونَ﴾ اور جن کی تم عبادت کرتے ہو ﴿مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفِتْنِينَ﴾ تم اور وہ تمہارے معبود سب کے سب اس پر (یعنی اللہ تعالیٰ کے متعلق گمراہ نہیں کر سکتے ﴿إِلَّا لَنْ هُوَ صَالٍ الْبَعِيثِ﴾ مگر اس کو (گمراہ کر سکتے ہو) جو دوزخ میں داخل ہونے والا ہے یعنی تم کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے ہو سوائے دوزخیوں کے جو پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں آچکے ہیں کہ وہ اپنے بُرے اعمال کے سبب دوزخ میں جانے کے مستحق ہیں اور ان کی بد اعمالیوں کے باعث ان پر دوزخ واجب و لازم ہو چکی ہے جیسے کہا جاتا ہے: "فتن فلان علی فلان امرأه" کہ فلاں آدمی نے فلاں شخص کے خلاف اس کی بیوی کو گمراہ کر دیا اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے: اے یہ بات کہنے والو! تم اور جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو تم سب بتوں کی عبادت کے لیے کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے ہو سوائے اس شخص کے جس پر تقدیر میں دوزخ میں داخل ہونا واجب و لازم ہو چکا ہے یعنی وہ دوزخ کی آگ میں ضرور داخل ہوگا اور بعض کا قول ہے کہ تم گمراہ نہیں کر سکتے مگر اس شخص کو جس پر ازل میں پہلے ہی گمراہی واجب و لازم ہو چکی ہے [صال "میں لام مکسور ہے اور "مَا أَنْتُمْ" میں "مَا" نافیہ ہے اور "فساتنین" کی وجہ سے "مَنْ" محلاً منصوب ہے اور حضرت حسن کی قراءت میں "صَالُ الْجَحِيمِ" لام مضموم ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ یہ جمع ہو اور نون اضافت کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہو اور واو التقائے ساتنین کی وجہ سے حذف ہو گئی ہے اور وہ "الْجَحِيمِ" میں لام ہے اور "مَنْ" لفظ کے اعتبار سے واحد ہے اور معنی کے اعتبار سے جمع ہے چنانچہ "هو" کو اس کے لفظ پر محمول کیا گیا ہے اور "صالون" کو اس کے معنی پر محمول کیا گیا ہے]۔

۱۶۴۔ ﴿وَمَا يَتَّبِعُ إِلَّا لَهُ نَقَامٌ مَّعْلُومٌ﴾ اور ہم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کے لیے عبادت و معرفت میں ایک مقام معلوم و مقرر ہے اس مقام سے کوئی تجاوز نہیں کر سکتا [یہ فرشتوں کا کلام ہے اصل میں "وَمَا مِنَّا أَحَدٌ إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ" ہے پھر "أَحَدٌ" موصوف کو حذف کر کے اس کی صفت "إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ" کو اس کا قائم مقام بنا دیا گیا ہے]۔

۱۶۵- ﴿وَإِنَّا لَكُنُّنُ الصَّافُونَ﴾ اور بے شک ہم ضرور صف بستہ ہوتے ہیں (یعنی) ہم نماز میں اپنے قدموں کو برابر رکھ کر صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں یا یہ کہ ہم عرش الہی کے ارد گرد صف بستہ ہو کر مسلمانوں کے لیے دعائیں مانگتے ہیں۔

۱۶۶- ﴿وَإِنَّا لَكُنُّنُ السَّبِّحُونَ﴾ اور بے شک ہم ضرور تسبیح کرتے ہیں (یعنی) ہم اللہ تعالیٰ کی تازیہ اور عیبوں سے اس کی پاکی بیان کرتے ہیں یا یہ کہ نماز پڑھتے ہیں اور وجہ یہ ہے کہ یہ اور اس سے پہلے ”سبحان اللہ عما یصفون“ سے یہاں تک فرشتوں کے کلام میں سے ہو یہاں تک کہ ان کے ذکر کو ارشاد باری تعالیٰ ”ولقد علمت الجنة“ میں ان کے کلام سے پہلے متصل بیان کیا گیا ہے، گویا فرمایا گیا ہے کہ بے شک فرشتوں کو معلوم ہے اور وہ اس بات کے گواہ ہیں کہ مشرکین فرشتوں کو رب العزت کا شریک و ہم جنس کہہ کر ان پر بہتان تراشتے ہیں اس لیے فرشتے کہتے ہیں کہ ”سبحان اللہ عما یصفون“ سو وہ اللہ تعالیٰ کو ان شریکہ باتوں سے منزہ اور پاک ثابت کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کو اس سے مستثنیٰ کرتے ہیں اور انہیں اس سے بری قرار دیتے ہیں اور وہ کافروں سے کہتے ہیں کہ تم اور تمہارے معبود اس کی مخلوق میں سے کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے ہو، سو ان کے جو دوزخ والوں میں سے ہیں اور ہم بھلا رب تعالیٰ کے کیسے شریک و ہم جنس ہو سکتے ہیں، ہم تو اس کے سامنے محض عاجز و ادنیٰ بندے ہیں، ہم میں سے ہر ایک کے لیے عبادت و اطاعت گزاری میں ایک مقام معلوم ہے جس سے کوئی بھی ادھر ادھر پھر نہیں سکتا کیونکہ کامیاب ہونے اور اس کی عظمت و کبریائی کے سامنے خشوع و خضوع کے اظہار کے لیے ایسا پابند ہونا ضروری ہے اور ہم اس کی عبادت کرنے کے لیے اپنے قدموں کو برابر کر کے صف بستہ رہتے ہیں، ہم تسبیح و بزرگی بیان کرنے والے ہیں جیسا کہ بندوں پر اپنے پروردگار کی اطاعت کے لیے واجب ہے اور بعض اہل علم حضرات کا فرمان ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا کلام ہے یعنی ہم مسلمانوں میں سے کوئی نہیں ہوگا مگر قیامت کے دن اس کے اعمال کی مقدار کے مطابق اس کے لیے ایک مقام معلوم ہوگا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا“ (الاسراء: ۷۹) ”عنقریب آپ کا رب تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا“ پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اعمال کا تذکرہ کیا اور یہ کہ بے شک یہ وہ لوگ ہیں جو نماز میں صف بندی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی ان تمام چیزوں سے تازیہ اور پاکی بیان کرتے ہیں جو چیزیں اس کے لیے جائز نہیں ہیں۔

وَإِن كَانُوا لَيَقُولُونَ ﴿۱۶۵﴾ لَوْ أَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِنَ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۶۸﴾ لَكُنَّا عِبَادًا

اللَّهِ الْمَخْلُصِينَ ﴿۱۶۹﴾ فَكْفَرُوا بِهِ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۱۷۰﴾ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَاتُنَا لِعِبَادِنَا

الرُّسُلِينَ ﴿۱۷۱﴾ إِنَّهُمْ لَكُمُ الْمَنصُورُونَ ﴿۱۷۲﴾ وَإِن جُنَدُنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿۱۷۳﴾ فَتَوَلَّ

عَنَّهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿۱۷۴﴾ وَأَبْصَرَهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ﴿۱۷۵﴾ أَفَبِعَدَابِنَا يُسْتَعْجِلُونَ ﴿۱۷۶﴾

اور بے شک وہ کہتے ہیں ﴿۱۶۵﴾ اگر ہمارے پاس پہلوں کی کوئی نصیحت ہوتی ﴿۱۶۸﴾ تو ہم ضرور اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہوتے ﴿۱۶۹﴾ پھر انہوں نے اس کے ساتھ کفر کیا، سو عنقریب وہ جان لیں گے ﴿۱۷۰﴾ اور بے شک ہمارا کلام ہمارے ان بندوں کے لیے گزر چکا ہے جن کو رسول بنا کر بھیجا گیا ﴿۱۷۱﴾ بے شک ان کی مدد ضرور کی جائے گی ﴿۱۷۲﴾ اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب ہوگا ﴿۱۷۳﴾ سو آپ ان سے ایک مقررہ عرصہ تک اعراض کر لیجئے ﴿۱۷۴﴾ اور آپ ان کو دیکھتے رہیں، سو عنقریب وہ بھی دیکھ لیں گے ﴿۱۷۵﴾ تو کیا وہ

ہمارے عذاب کے لیے جلدی کرتے ہیں ○

مُرسِلین کے غلبہ اور مشرکین کے انجام کا بیان

۱۶۷ تا ۱۷۰ - ﴿وَإِنْ كَانُوا لَيَقُولُونَ﴾ اور بے شک وہ کہا کرتے تھے یعنی حضور نبی کریم رُؤف رَحِيم ﷺ کے اعلانِ نبوت سے پہلے قریش مکہ کے مشرکین کہا کرتے تھے کہ ﴿لَوْ أَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِنَ الْأَوَّلِينَ﴾ بے شک اگر ہمارے پاس پہلوں کی کوئی نصیحت ہوتی یعنی ہم سے پہلے وہ لوگ جن پر تورات اور انجیل وغیرہ نازل کی گئی تھی اگر ان کی کتابوں میں سے کوئی کتاب ہمارے پاس ہوتی تو ﴿لَنَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلِصِينَ﴾ ہم ضرور اللہ تعالیٰ کے شخص و برگزیدہ بندے ہو جاتے کیونکہ ہم ضرور اپنی عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیتے اور پھر جب انہوں نے ہمیں جھٹلایا جیسا کہ دیگر کفار نے جھٹلایا تھا اور جب انہوں نے ہماری مخالفت کی جیسا کہ سابق کفار نے مخالفت کی تھی تو ان کے پاس ذکر آیا جو سیدالاکفار تھا (یعنی رسول عربی ﷺ تشریف لائے جو سید الانبیاء والرسل تھے) اور ان کے ساتھ ایک کتاب بھی نازل کی گئی تھی جو تمام کتابوں کی سردار تھی (یعنی قرآن مجید) ﴿فَكْفَرُوا بِهِ فَسَوْفَ يُعْلَمُونَ﴾ تو انہوں نے اس کے ساتھ کفر کیا اور اس کا انکار کر دیا سو وہ لوگ اپنے جھٹلانے کے انجام اور انتقام کی صورت میں اپنے اوپر نازل ہونے والے عذاب الہی کو عنقریب جان لیں گے [﴿وَإِنْ كَانُوا لَيَقُولُونَ﴾ میں حرف ”إِنْ“ دراصل ثقیلہ (ہمزہ مکسورہ اور نون مشدّد مفتوح ”إِنْ“) سے مخففہ (ہمزہ مکسورہ اور نون ساکن) بنایا گیا ہے اور لام ”إِنْ“ خفیفہ اور ”إِنْ“ نافیہ میں فرق کرنے کے لیے لایا گیا (تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ ”إِنْ“ خفیفہ تو ضرور ہے لیکن نافیہ نہیں) اور ”إِنْ“ کے لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ اپنی بات کو نہایت مؤکد و مستحکم کر کے اور اس میں پوری محنت و کوشش کرنے کے بعد اسے بہت مضبوط و پختہ کر کے بیان کرتے تھے سو ان لوگوں کے پہلے روئے کے درمیان اور ان کے آخری روئے کے درمیان کس قدر فرق و تضاد پایا جاتا ہے]۔

۱۷۱ تا ۱۷۳ - ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِجَايِدُنَا أَلْمُرْسَلِينَ﴾ اور بے شک ہمارا کلام ہمارے ان بندوں کے لیے پہلے سے گزر چکا ہے جن کو رسول بنا کر بھیجا گیا تھا اور اس کلمہ سے درج ذیل ارشاد مراد ہے کہ ﴿إِنَّمَا لَهُمُ الْمُتَوَدُّونَ ○ وَإِنْ جُنَدًا كَانُوا الْغَالِبِينَ﴾ بے شک ضرور صرف انہیں کی مدد کی جائے گی ○ اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا اور بے شک ہم نے اسے کلمہ کہا ہے حالانکہ وہ کلمات ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کلمات کو ایک ہی معنی میں جمع کر دیا جائے تو پھر وہ ایک کلمہ کے حکم میں ہو جاتے ہیں اور اس وعدہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں میدانِ جنگ اور دلائل کے مقام پر انبیائے کرام علیہم السلام کو ان کے دشمنوں پر فتح و نصرت اور غلبہ عطا فرمائے گا اور آخرت میں ان کو ان کے دشمنوں پر بہت بڑے بلند درجات عطا فرمائے گا اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ کسی جنگ میں کوئی نبی اور رسول مغلوب نہیں ہوا (بلکہ ہمیشہ غالب رہا ہے) اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ اگر انبیائے کرام کی دنیا میں مدد نہیں کی گئی (جیسے شہید ہونے والے پیغمبر) تو آخرت میں ان کی ضرور مدد کی جائے گی اور خلاصہ یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے مشن کی اساس و بنیاد اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے غالب و اکثر مواقع پر کامیابی و کامرانی اور فتح و نصرت اور غلبہ ہی ہے اگرچہ بعض مواقع پر امتحان و آزمائش کی خاطر شکست و کمزوری بھی ہو جاتی ہے لیکن اعتبار تو غالب و اکثر مواقع کا ہے۔

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیائے کرام کے غالب و منصور کرنے کا وعدہ صرف ان انبیائے کرام کے لیے تھا جن کو کفار سے جہاد کرنے کا مامور ٹھہرایا گیا تھا چنانچہ میدانِ جہاد میں کسی نبی کو قتل نہیں کیا گیا اور نہ کوئی نبی میدانِ جنگ میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱۷۴- ﴿قَتُولَ عَنَمٍ حَتَّىٰ حِينٍ﴾ سو آپ ایک معین مدت تک ان سے اعراض فرما لیجئے (یعنی) تھوڑی سی مدت تک ان سے روگردانی کر لیجئے اور یہ وہ مدت ہے جس میں ان کو مہلت دی گئی ہے یا پھر غزوہ بدر کے دن تک یا مکہ مکرمہ کے فتح ہو جانے کے دن تک۔

۱۷۵- ﴿وَأَبْصُرُهُمْ﴾ اور آپ انہیں دیکھتے رہیں یعنی آپ یہ دیکھتے رہیے کہ اس دن ان کو کیا کچھ عذاب پہنچتا ہے ﴿فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ﴾ سو وہ بھی عنقریب اپنا یہ انجام دیکھ لیں گے اور یہ ”سو ف“ وعید (ڈرانے دھمکانے) کے لیے ہے بعد و دوری کے معنی کے لیے نہیں ہے یا یہ معنی ہے کہ آپ اس وقت انہیں دیکھنا جب انہیں عذاب دیا جائے گا، سو وہ عنقریب اپنے انکار کا انجام دیکھ لیں گے یا آپ انہیں بتائیے کہ وہ عنقریب جان لیں گے۔

۱۷۶- ﴿أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ﴾ تو کیا وہ لوگ ہمارے عذاب کی جلدی کر رہے ہیں کہ اس کے وقت سے پہلے اس کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَابُ الْمُنذَرِينَ ﴿١٧٤﴾ وَتَوَلَّ عَنَمٌ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿١٧٥﴾
وَأَبْصُرُ فُسُوفَ يُبْصِرُونَ ﴿١٧٦﴾ سُبْحَانَكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿١٧٧﴾ وَسَلَامٌ عَلَى
الْمُرْسَلِينَ ﴿١٧٨﴾ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٧٩﴾

پھر جب ان کے صحن میں (عذاب الہی کا لشکر) اترے گا تو ڈرائے جانے والوں کی صبح بہت بدترین ہوگی اور آپ ان سے ایک معین عرصہ تک اعراض کر لیجئے اور دیکھتے رہیے سو عنقریب وہ بھی دیکھ لیں گے اور آپ کا عزت والا پروردگار ہر اس عیب سے پاک ہے جو مشرکین بیان کرتے ہیں اور تمام پیغمبروں پر سلام ہو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا مالک و پروردگار ہے اور

۱۷۷- ﴿فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَابُ الْمُنذَرِينَ﴾ پھر جب وہ عذاب ان کے گھروں کے صحن میں نازل ہوگا تو ان لوگوں کی صبح بہت بُری ہوگی جن کو پہلے ڈرایا گیا تھا [”المنذرين“ میں لام جنس کا ہے جو مبہم ہوتا ہے کیونکہ ”سَاءَ“ اور ”بَسَسَ“ اسی کا تقاضا کرتے ہیں] بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس سے فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ کی آمد مراد ہے اور ان پر نازل ہونے والے عذاب کو اس کے بعد کہ انہیں پہلے ڈرایا گیا تو انہوں نے انکار کر دیا اس لشکر کی (بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مغلوب رہا ہے، انجام کار غلبہ ہی رہا ہے اور جن انبیائے کرام کو شہید کیا گیا وہ نہ تو میدان جنگ میں شہید ہوئے اور نہ وہ کفار سے جنگ کرنے کے مامور ٹھہرائے گئے تھے۔

(تفسیر روح البیان مترجم پارہ: ۲۳، ص ۲۸۶، مطبوعہ مکتبہ اوسیبیہ رضویہ بہاولپور)

نیز علامہ سید محمود آلوسی بغدادی لکھتے ہیں:

حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ نصرت و غلبہ سے مراد میدان جنگ میں ان کو غالب و منصور رکھنا ہے، چنانچہ انبیائے کرام میں سے کوئی نبی میدان جنگ میں شہید نہیں کیا گیا۔ حضرت امام سدی نے فرمایا کہ غلبہ و نصرت سے حجت و دلیل مراد ہے کہ انبیائے کرام دلائل کے میدان میں کفار سے کبھی مغلوب نہیں ہوئے بلکہ ہمیشہ غالب و منصور رہے۔

(تفسیر روح المعانی الجزء الثالث والعشرون ص ۱۵۶، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

مانند قرار دیا گیا جس کے بعض خیر خواہوں نے اپنی قوم کو اس لشکر کے حملہ آور ہونے سے ڈرایا لیکن انہوں نے ڈرانے کی طرف کوئی توجہ نہ کی یہاں تک کہ وہ اچانک ان کے گھروں کے صحنوں میں ان پر ٹوٹ پڑا اور ان پر لوٹ مار شروع کر دی اور چونکہ ان کے لوٹ مار اور غارت گری کرنے کی عادت صبح کے وقت ہوتی ہے سو اس لیے اس لوٹ مار کو ”صبح“ کا نام دیا جاتا ہے اگرچہ کسی دوسرے وقت میں کیوں نہ واقع ہو۔

۱۷۸، ۱۷۹ - ﴿ذُتُّوۡلَہٗ عَنۡہُمۡ حَتّٰی حٰنِیۡنٌ ۝ وَ اَبۡصُرُ فَسَوۡفَ یُبۡصِرُوۡنَ﴾ اور آپ ان سے ایک مختصر عرصہ تک اعراض فرما لیجئے اور آپ دیکھتے رہئے سو عنقریب وہ بھی دیکھ لیں گے اور اس کو دوبارہ اس لیے ذکر کیا گیا ہے تاکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی در تسلی دی جائے اور وعدہ کے پورا ہونے کی تاکید در تاکید کی جائے اور اس میں ایک زائد فائدہ بھی ہے اور وہ یہ کہ دونوں فعلوں کو مفعول کی قید سے مطلق و آزاد رکھا گیا ہے اور یہ کہ بے شک آپ بھی اور وہ بھی اسے دیکھ لیں گے جس کا ذکر احاطہ نہیں کر سکتا کہ آپ کو تو مختلف اقسام کی خوشیاں اور ستر تیں ملیں گی اور ان کو مختلف انواع کے دکھ درد اور تکلیفیں ملیں گی اور بعض مفسرین نے فرمایا: ان دو مکررہ آیات میں سے ایک سے دنیا کا عذاب مراد ہے اور دوسری سے آخرت کا عذاب مراد ہے۔

۱۸۰ - ﴿مُتَّخِذِۡنَ اٰیٰتِ رَبِّہٖ الْعٰذِیۡۃَ﴾ آپ کا عزت والا رب تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے ”عزۃ“ کی طرف ”رب“ کی اضافت اس لیے کی گئی ہے کہ رب تعالیٰ ہی عزت کے ساتھ مخصوص ہے گویا فرمایا: ”ذوالعزۃ“ کہ اللہ تعالیٰ عزت والا ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں: صاحب صدق سچ بولنے والا کیونکہ وہ صدق کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ کسی کے لیے عزت نہیں ماسوا اللہ تعالیٰ کے کہ وہی عزت والا ہے اور وہی عزت کا مالک ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ“ (آل عمران: ۲۶) ”آپ جسے چاہتے ہیں عزت عطا فرمادیتے ہیں“ ﴿عَمَّا یٰھٰیھُوۡنَ﴾ اللہ تعالیٰ کفار مکہ کی من گھڑت بیان کردہ اولاد ڈیبوی اور شریک سے پاک ہے۔

۱۸۱ - ﴿وَسَلِّمۡ عَلَی الْمُرْسَلِیۡنَ﴾ اور تمام پیغمبروں پر سلام ہو اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں مخصوص رسولوں پر سلام کے بعد اب آخر میں تمام رسولوں پر سلام بھیجنے کا عام ذکر محض اس لیے فرمایا کہ ہر ایک پیغمبر پر خصوصیت کے ساتھ سلام کے ذکر کرنے میں طوالت ہو جاتی۔

۱۸۲ - ﴿وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیۡنَ﴾ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اللہ تعالیٰ کی یہ حمد و ثناء دشمنان دین کے ہلاک کرنے پر اور انبیائے کرام علیہم السلام کی مدد کرنے پر ہے یہ سورت ان باتوں کے ذکر پر بھی مشتمل ہے جو مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہی تھیں اور جن چیزوں کو اس کی طرف منسوب کیا جن سے اللہ تعالیٰ منزہ اور پاک ہے اور ان چیزوں کا بھی ذکر ہے جو رسولوں نے ان کی طرف سے برداشت کیں اور آخر کار کفار کے خلاف انبیائے کرام کی جو مدد کی گئی اس کا بھی ذکر ہے پھر آخر میں اس سورت کو ایسی آیات پر ختم کیا گیا جو ان تمام باتوں کی جامع ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کی ان تمام باتوں سے تنزیہ اور پاکی بھی ہے جو مشرکین نے بیان کی تھیں اور رسولوں پر سلام بھی بھیجا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام اور مومنوں کے لیے حسن خاتمہ اور اخروی نعمتیں جو مقدر فرمائی ہیں ان پر اس کی حمد و ثناء بھی کی گئی ہے جس کا مقصد مسلمانوں کو اس کی تعلیم دینا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مشمولات سے کبھی غافل نہ ہوں اور نہ اس کے قرآن مجید میں ودیعت رکھے گئے احکام سے یا اللوداعی کلمات سے کبھی غافل ہوں اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ جسے یہ پسند ہو کہ قیامت کے دن اس کا اجر و ثواب پورا پورا ناپا جائے تو وہ جب مجلس سے اٹھے اس

سورت کی آخری تین آیات ”سبحان ربك“ سے آخر تک پڑھ لیا کرے۔

ایمانی
رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ص ۲۳

سورہ ص کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی اٹھاسی آیات پانچ رکوع ہیں

ص وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ ۱ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عِزَّةٍ وَشِقَاقٍ ۲ كَمْ
 أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَُوا وَآلَاتٍ حِينَ مَنَاصٍ ۳ وَحِبُّوا أَنْ جَاءَ
 هُمْ مُنذِرٌ مِنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُونَ هَذَا سِحْرٌ كَذَابٌ ۴ أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَهًا
 وَاحِدًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۵ وَانطَلَق الْمَلَائِكَةُ مِنْ أَشْوَاقٍ وَاصْبِرْ وَاعْلَى
 إِلَهَتِكُمْ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ ۶

ص نصیحت کرنے والے قرآن کی قسم ۰ بلکہ جو لوگ کافر ہو گئے ہیں وہ تکبر اور مخالفت میں ہیں ۰ ہم نے ان سے پہلے
 کتنی قومیں ہلاک کر ڈالیں سو انہوں نے پکارا حالانکہ وہ وقت نجات کا نہیں تھا ۰ اور انہوں نے تعجب کیا کہ ان کے پاس ان
 ہی میں سے ایک ڈر سنانے والا تشریف لایا اور کافروں نے کہا: یہ جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے ۰ کیا اس نے تمام معبودوں کو
 ایک معبود بنا دیا بے شک یہ بہت عجیب بات ہے ۰ اور ان کے سردار (یہ کہہ کر) چلے گئے کہ تم چلو اور اپنے معبودوں پر صابر
 رہو بے شک یہ کوئی مطلوب بات ہے ۰

ص اور قرآن مجید کی حکمتیں

۱- ﴿ص﴾ حروف تہجی میں سے اس حرف کو ایک تو چیخ کے طور پر دوسرا قرآن مجید کے معجزہ ہونے پر تشبیہ کرنے
 کے لیے ذکر کیا گیا ہے پھر اس کے بعد قسم کا ذکر فرمایا جس کا جواب محذوف ہے کیونکہ اس جواب پر چیخ دلالت کر رہا ہے گویا
 فرمایا: ﴿وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ﴾ نصیحت والے قرآن مجید کی قسم یعنی فضیلت و عظمت والے قرآن کی قسم! بے شک یہ معجز
 کلام (عاجز کرنے والا اور بے مثل کلام) ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ”ص“ مبتدا محذوف کی خبر ہو اس بناء پر کہ یہ سورت کا نام
 ہے گویا فرمایا: یہ ”ص“ ہے یعنی یہ ایک ایسی سورت ہے جس نے تمام عرب والوں کو عاجز کر دیا ہے ”وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ“
 اس طرح ہے جس طرح تم کہتے ہو: ”هَذَا حَاتِمٌ وَاللّٰهُ“ اللہ کی قسم! یہ شخص حاتم طائی ہے۔ اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ یہ
 شخص حاتم طائی کی طرح سخاوت میں بہت مشہور و معروف ہے اور اسی طرح قرآن مجید کی قسم کھائی گئی ہے گویا ارشاد فرمایا:
 مجھے ”ص“ اور نصیحت والے قرآن کی قسم! بلاشبہ یہ سراسر معجزہ ہے پھر آگے کفار کے بارے میں ارشاد فرمایا:

حضرت محمد بن کعب القرظی نے فرمایا کہ ”ص“ اسم الصمد اور صادق الوعد کی چابی ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے
 فرمایا کہ ”ص“ کا معنی ہے: ”صَدَقَ مُحَمَّدٌ رَسُولَ اللّٰهِ“ یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جو کہ اللہ کے رسول ہیں نے سچ فرمایا۔
 حضرت ضحاک نے فرمایا: ”ص“ کا معنی ہے: ”صَدَقَ اللّٰهُ“ یعنی اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا۔ (تفسیر معالم التنزیل المعروف تفسیر بغوی
 ج ۳ ص ۷۴، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، تفسیر مظہری ج ۸ ص ۱۵۳، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی)

کفار مکہ کے تکبر و مخالفت کا بیان

۲۔ ﴿بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عِزَّةٍ﴾ بلکہ جنہوں نے کفر کیا وہ تکبر میں ہیں کہ اس کتاب کی تصدیق کرنے اور اس پر یقین رکھنے سے تکبر کرتے ہیں اور حق کا اعتراف و اقرار کرنے سے تکبر کرتے ہیں ﴿وَشِقَاقٍ﴾ اللہ تعالیٰ اور اس کے محترم رسول کی مخالفت میں ڈٹے ہوئے ہیں اور ”عزۃ و شقاق“ کو نکرہ اس لیے ذکر کیا گیا ہے تاکہ یہ نکارت کفار کی مخالفت و تکبر کی شدت و سختی اور ہٹ دھرمی پر دلالت کرے اور ایک قراءت میں ”فسی عرۃ“ پڑھا گیا ہے یعنی کفار مکہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں حالانکہ ان پر واجب تھا کہ حق میں غور و فکر کرتے اور اس کی اتباع کرتے۔

۳۔ ﴿كُوَاهِلِكُم مِّن قَبْلِهِمْ قَدْرًا﴾ ہم نے ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر ڈالا (یعنی اے محبوب!) ہم نے آپ کی قوم قریش مکہ سے پہلے کئی سرکش امتوں کو ہلاک کر ڈالا۔ اس میں تکبر و غرور اور مخالفت کرنے والوں کے لیے بڑی وعید (دھمکی) ہے ﴿فَتَاوُوا﴾ سو جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو ہمیں پکارا اور فریاد کی اور مدد چاہی ﴿وَلَا تَحِينَنَّ﴾ حالانکہ وہ وقت نجات کا نہیں تھا [”لات“ اصل میں ”لا“ مشبہ ”بلیس“ ہے اس پر تائے تانیث زیادہ کی گئی ہے جیسے ”رَبِّ“ اور ”نَمَّ“ پر تاکید کے لیے تائے تانیث زیادہ کی جاتی ہے اور اس ”لا“ پر تائے تانیث زیادہ کرنے کی وجہ سے اس کا حکم تبدیل ہو جاتا ہے چنانچہ ”لات“ صرف ”الاحیان“ پر دراصل ہوتا ہے اور اس کے دو معمولوں میں سے ایک محذوف ہوتا ہے اسم یا خبر دونوں کا اکٹھے ظاہر ہونا جائز نہیں بلکہ منع ہے اور یہ ظلیل اور سیبویہ کا مذہب ہے اور انفس کے نزدیک یہ ”لا“ نفی جنس کا ہے جس پر ”تا“ زیادہ کی گئی ہے اور یہ ”احیان“ (جمع ”حین“) کی نفی کے ساتھ مخصوص ہے اور ”حین مناص“ ”لا“ نفی جنس کے اسم ہونے کی بناء پر منصوب ہے (اور خبر محذوف ہے) جیسا کہ کہا جاتا ہے: ”ولا حین مناص لہم“ اور ظلیل و سیبویہ کے نزدیک اس بناء پر منصوب ہے کہ یہ ”ولات الحین حین مناص“ ہے ”ای ولیس الحین حین مناص“ یعنی اور وہ وقت نجات کا وقت نہیں تھا (بلکہ وہ یاس و ناامیدی کا وقت تھا)۔

۴۔ ﴿وَعَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنذِرٌ مِّنْهُمْ﴾ اور انہوں نے تعجب کیا کہ انہیں میں سے یعنی انہیں کی جنس سے ایک ڈرسانے والا رسول ان کے پاس تشریف لایا ہے یعنی وہ لوگ بنی نوع انسان اور جنس بشر سے نبی و رسول کا ہونا عقل سے بہت بعید اور ناممکن و محال خیال کرتے تھے (جب کہ خود اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کی عبادت کرتے انہیں فخر سے اپنا معبود قرار دیتے) ﴿وَقَالَ الْكٰفِرُونَ هٰذَا سِحْرٌ كَذٰبٌ﴾ اور کافروں نے کہا کہ یہ تو جادو گر ہے (اور) بہت بڑا جھوٹا ہے۔

(نعوذ باللہ من ذالک)

۵۔ ﴿اجْعَلِ الْاِلٰهَةَ الْهٰٓؤُلَآءِ اٰثٰرًا هٰذَا الشَّيْءُ عَجَابٌ﴾ کیا اس نے تمام معبودوں کا ایک معبود قرار دے دیا ہے شک یہ بہت عجیب چیز ہے۔ اور یہاں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے شروع میں ”وقالوا“ نہیں فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے غضب و ناراضگی کا اظہار کرنے کے لیے اور دوسرا اس بات پر رہنمائی کرنے کے لیے کہ ایسی احتمالی بات پر صرف وہی کافر جرات کرتے ہیں جو کفر میں حد سے بڑھ چکے ہوتے ہیں اور سرکشی و گمراہی میں منہمک و مستغرق ہو چکے ہوتے ہیں کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی کفر نہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ سچا رسول قرار دے دے یہ اسے کاذب و ساحر کہیں اور تو حید سے تعجب کرنے لگیں حالانکہ یہ روشن ترین حق ہے اور وہ شرک پر تعجب نہیں کرتے حالانکہ وہ محض باطل ہے۔

شان نزول: مروی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کر لیا تو اس سے مسلمان بہت خوش ہوئے اور کفار قریش کو شاق و ناگوار گزارا چنانچہ کفار کے سرداروں میں سے پچیس افراد جمع ہوئے اور جناب ابوطالب کے پاس چلے

گئے اور ان سے جا کر کہا کہ آپ ہمارے بڑے سردار ہیں اور آپ کو معلوم ہے ان بے وقوفوں نے جو کچھ کیا ہے ان کی مراد وہ مسلمان صحابہ تھے جو کفر و شرک چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور کہنے لگے کہ ہم آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں تاکہ آپ ہمارے اور اپنے بھتیجے کے درمیان فیصلہ کر دیں سو جناب ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ کو بلا لیا اور کہا: اے میرے بھتیجے! یہ آپ کی قوم ہے یہ آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہتے ہیں آپ اپنی قوم کے ساتھ اعتدال کا رویہ اپنائیں چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو تو انہوں نے کہا کہ آپ ہمارا اور ہمارے معبودوں کا ذکر کرنا چھوڑ دیں ہم آپ کو اور آپ کے معبود کو چھوڑ دیتے ہیں چنانچہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: تم میرا ایک کلمہ قبول کر لو تو تم پورے عرب کے مالک بن جاؤ گے اور سارا عجم تمہارے تابع ہو جائے گا انہوں نے کہا: ہمیں منظور ہے کہ ایک کیا دس کلمے ماننے کے لیے تیار ہیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم کہو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پس یہ کلمہ توحید سن کر سارے سردار بگڑ کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: ”أَجْعَلُ الْأِلَهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجَابٌ“ کیا اس نے تمام معبودوں کو ایک معبود بنا دیا بے شک یہ بہت عجیب بات ہے ۰ اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی یعنی یہ بہت زیادہ عجیب بات ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ عجیب وہ چیز ہے جس کی مثال ہے اور ”عجاب“ وہ چیز ہے جس کی مثال نہ ہو۔

۶۔ ﴿وَأَنْطَلَقَ الْمَلَكُ مِنْهُمْ أَنْ افْشُوا﴾ اور ان کے سردار چل پڑے کہ تم بھی چلو (یعنی) جب رسول اللہ ﷺ نے سردار ان قریش کے پچیس ارکان پر مشتمل وفد کو مسکت جواب دے کر انہیں لا جواب کر دیا تو جناب ابوطالب کی مجلس سے قریش کے یہ سردار ایک دوسرے کو یہ کہتے ہوئے بگڑ کر کھڑے ہو گئے کہ چلو چلتے ہیں یہاں ان سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں اور ”ان“ بہ معنی ”آئی“ ہے یعنی چلو کیونکہ گفت و شنید کی باہمی مجلس سے جانے والوں کے لیے ضروری تھا کہ وہ کوئی بات کرتے اور باہمی مکالمہ کے درمیان جو بات چیت جاری رہی اس پر باہمی تبادلہ خیال کرتے تو گویا ان کا اٹھ کر چلے جانا ہی باہمی بات چیت کے معنی کو متضمن تھا ﴿وَأَصْبِرُوا عَلَىٰ آلِهِمْ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ﴾ اور تم اپنے معبودوں کی عبادت پر صبر کرو اور اس پر ثابت قدم رہو بے شک یہ عقیدہ توحید ایک ایسا امر ہے جس کا باقاعدہ ارادہ کیا گیا ہے یعنی اس کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے اور اس نے اس امر کو نافذ و جاری کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے سو اس لیے اسے کوئی رد نہیں کر سکتا اور نہ کوئی اسے ٹال سکتا ہے اور اس میں سوائے صبر کرنے کے اور کوئی فائدہ نہیں یا یہ حوادث زمانہ کا ایک ایسا خطرناک منصوبہ ہے جس کے ذریعے ہماری تباہی اور بربادی کا ارادہ کیا گیا ہے سو اس لیے ہمارا اس سے بچنا ناممکن ہے۔

مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ ۗ إِنْ هَذَا إِلَّا خِتْلَاقٌ ۗ أُنزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ
مِنْ بَيْنِنَا ۗ بَلْ فِي شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِي ۗ بَلْ لَمَّ يَتَذَوَّبْ ۗ وَأَوَّلُ عَذَابٍ ۗ أَمْ عِنْدَكُمْ
خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ ۗ أَمْ لَكُمْ مَلَائِكَةُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا
بَيْنَهُمَا ۗ فَلْيُرْتَقُوا فِي الْأَسْبَابِ ۗ جُنْدًا مَا هُنَّكَ مَهْرُومَاتٌ مِنَ الْأَحْزَابِ ۗ ۱۱

ہم نے یہ بات پچھلے مذہب میں بھی نہیں سنی یہ تو نہیں مگر من گھڑت بات ہے ۰ کیا ہم میں سے یہ ذکر (قرآن) اسی

پر اتارا گیا ہے، بلکہ وہ میرے ذکر (قرآن) کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں، بلکہ انہوں نے ابھی تک میرا عذاب نہیں چکھا۔ کیا آپ کے رب تعالیٰ کی رحمت کے خزانے انہیں کے پاس ہیں وہ تو سب پر غالب بہت عطا فرمانے والا ہے۔ کیا آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کی بادشاہی انہیں کے لیے ہے، سو انہیں چاہیے کہ سیڑھیاں لگا کر اوپر چڑھ جائیں۔ یہ کفار کے لشکروں میں سے ایک حقیر لشکر ہے جو یہیں شکست کھائے گا۔

۷۔ ﴿مَا سَمِعْنَا بِهَذَا﴾ ہم نے یہ توحید کی بات کبھی نہیں سنی ﴿فِي الْآخِرَةِ﴾ آخری دین میں (یعنی) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں یہی وہ دین ہے جو تمام دینوں میں آخری دین ہے کیونکہ عیسائی تثلیث (تین خداؤں) کے قائل تھے، توحید کے قائل نہیں تھے یا یہ معنی ہے کہ ہم نے یہ توحید کی بات قریش کے مذہب میں کبھی نہیں سنی جس پر ہم نے اپنے آباء و اجداد (باپ دادا) کو پایا ہے ﴿إِنَّ هَذَا إِلَّا اِخْتِلَاقٌ﴾ یہ عقیدہ توحید نہیں مگر جھوٹ اور من گھڑت ہے جس کو (سرور انبیاء حبیب کبریاء حضرت) محمد (مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ) نے اپنے دل سے گھر کر جھوٹ پیش کیا۔

(نعوذ باللہ من ذلك)

۸۔ ﴿أَنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا﴾ کیا ہم (سرداروں) میں سے صرف اسی پر یہ قرآن نازل کیا گیا ہے "الذکر" سے مراد قرآن مجید ہے۔ کفار مکہ حسد کے مارے اس سے انکاری تھے کہ ان سرداروں کی موجودگی کسی اور کو عظمت و شرف اور فضیلت و برتری کے کسی عظیم الشان منصب و عہدے کے ساتھ مخصوص کیا جاسکتا ہے اور ان کے ہوتے ہوئے اس پر کتاب کو نازل کیا جاسکتا ہے ﴿بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِنْ ذِكْرِي﴾ بلکہ وہ لوگ میرے نصیحت سے بھرپور قرآن مجید کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں ﴿بَلْ تَمَّيَّزُوا عَذَابِ﴾ بلکہ انہوں نے ابھی تک عذاب نہیں چکھا، پھر جب وہ اسے چکھ لیں گے تو اس وقت ان کے دلوں میں جو شک و شبہ اور حسد کینہ اور بغض موجود تھا، سب ختم ہو جائے گا یعنی یہ لوگ اس وقت تک اس کی تصدیق نہیں کریں گے جب تک ان کو عذاب نہیں پہنچے گا، پھر جب انہیں عذاب پہنچے گا تو اس وقت وہ تصدیق کریں گے۔

۹۔ ﴿أَمْ عِنْدَكُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ﴾ کیا آپ کے رب تعالیٰ کی رحمت کے خزانے انہیں کے پاس ہیں جو بہت بہت عطا فرمانے والا سب پر زبردست غالب ہے، یعنی وہ رحمت کے خزانوں کے مالک نہیں ہیں کہ وہ جن کو چاہیں نواز دیں اور جن سے چاہیں روک دیں اور وہ چاہیں تو نبوت کے عظیم منصب کے لیے اپنے سرداروں میں سے کسی کو منتخب کر لیں اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اس منصب سے برطرف کر دیں بلکہ رحمت اور اس کے تمام خزانوں کا اللہ تعالیٰ ہی مالک ہے، جو اپنی تمام مخلوق پر زبردست غالب و جابر ہے، بہت بہت عطا فرمانے والا ہے، وہ اپنے عطیات حسب موقع جس کو چاہتا ہے جتنے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، وہ اسی کے مطابق تقسیم کرتا ہے جس کا اس کی حکمت تقاضا کرتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اسی معنی کی وضاحت کی، چنانچہ ارشاد فرمایا:

۱۰۔ ﴿أَمْ لَكُمْ قُلُوبٌ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ کیا آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کی بادشاہی انہیں کے لیے ہے یہاں تک کہ یہ لوگ رب تعالیٰ کے معاملات میں کلام کرتے ہیں اور اللہ معبود برحق کی تدابیر میں گفتگو کرتے ہیں جن کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ مخصوص ہے، جو عزت و کبریائی کا مالک ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے غضب و ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے اور ان کا استہزاء کرتے ہوئے فرمایا: اگر یہ کفار مخلوقات کی تدبیر و منصوبہ بندی کی صلاحیت رکھتے ہیں اور رحمت کی تقسیم میں تصرف کر سکتے ہیں ﴿فَلْيَدْرِكُوا فِي الْأَسْبَابِ﴾ تو انہیں چاہیے کہ سیڑھیاں لگا کر اوپر چڑھ

جائیں (یعنی) وہ ان سیڑھیوں اور راستوں پر چڑھ جائیں جن کے ذریعے وہ آسمان تک پہنچ جائیں تاکہ وہ پورے جہاں کی اور اللہ تعالیٰ کی سلطنت کی تدبیر کریں اور وہ جس کو چاہیں اس پر وحی کو نازل کریں پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے محترم و مکرم رسول اعظم ﷺ سے ان کے خلاف مدد کرنے کا وعدہ کر کے ارشاد فرمایا (درج ذیل):

۱۱۔ ﴿جُنْدًا قَاهَتَالِكَ مَهْزُومًا مِنَ الْأَحْزَابِ﴾ یہ لشکروں میں سے ایک حقیر لشکر ہے جو وہاں شکست خوردہ ہوگا مراد

یہ ہے کہ جمع ہو کر حملہ کرنے والے کفار میں سے یہ ایک حقیر لشکر ہے جو رسول اللہ ﷺ پر حملہ کرنے والا ہے لیکن عنقریب یہ شکست خوردہ ہوگا سو آپ ان کی باتوں کی پرواہ نہ کریں جو یہ کہتے رہتے ہیں اور نہ آپ ان باتوں سے رنجیدہ و غمگین ہوں جو یہ لوگ آپ کے خلاف منصوبے بناتے رہتے ہیں [”جُنْدٌ“ مبتدأ ہے ”مَا“ نکرہ مبتدأ کی تقویت کے لیے اس کا صلہ ہے اور ”هَنَالِكَ“ سے بدر کی طرف اشارہ ہے یا ان کی شکست کی جگہ کی طرف اشارہ ہے یا اس جگہ کی طرف اشارہ ہے جس میں سب بیٹھ کر چرب زبانی سے اس قسم کی نازیبا باتیں کہنے کے لیے جواب تیار کرتے تھے جیسا کہ اہل عرب چرب زبانی کرنے والے کے لیے کہتے ہیں: یہ اس کے اہل نہیں تم اس کے اہل نہیں، مبتدأ کی خبر ”مَهْزُومٌ“ ہے اور ”مِنَ الْأَحْزَابِ“ جُنْدٌ“ کے متعلق ہے یا پھر ”مَهْزُومٌ“ کے متعلق ہے۔]

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ۝۱۲ وَثَمُودٌ وَقَوْمُ لُوطٍ

وَإِصْحَابُ بُعِثَةَ أُولَئِكَ الْأَحْزَابُ ۝۱۳ إِنَّ كُلَّ أَلْكَابِ الرُّسُلِ فَحَقَّ

عِقَابٌ ۝۱۴ وَمَا يَنْظُرُ هُوَ إِلَّا الصَّيْئَةَ وَاحِدَةً قَالَهُمْ مِنْ فَوَاقِ ۝۱۵ وَقَالُوا رَبَّنَا

عَجَلْنَا قَبْلَكَ يَوْمَ الْحِسَابِ ۝۱۶

ان سے پہلے (حضرت) نوح کی قوم اور عاد اور میخوں والے فرعون نے جھٹلایا اور ثمود اور (حضرت) لوط کی قوم اور ایک والوں نے (جھٹلایا) یہ وہی گروہ ہیں ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا، سو ان پر میرا عذاب لازم ہو گیا اور یہ انتظار نہیں کر رہے مگر ایک چیخ کا جس کے لیے کوئی وقفہ نہیں ہوگا اور انہوں نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار! حساب کے دن نئے پہلے ہمارا حصہ ہمیں جلدی دے دے۔

تکذیب کے سبب گزشتہ قوموں کی ہلاکت کا بیان

۱۲۔ ﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ﴾ ان سے پہلے (یعنی) اہل مکہ سے پہلے قوم نوح نے حضرت نوح

علیہ السلام کو اور عاد نے حضرت ہود علیہ السلام کو اور فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا تھا ﴿ذُو الْأَوْتَادِ﴾ میخوں والے۔ بعض کا قول ہے: فرعون کے پاس میخیں اور رسیاں ہوتیں تھیں جن کے ذریعے اس کے سامنے کھیل پیش کیا جاتا تھا اور بعض حضرات نے کہا کہ فرعون اپنی رعایا میں سے جب کسی کو سزا دیتا تو چار میخوں کے ساتھ دیتا، دو میخیں ہاتھوں اور دو پاؤں میں گاڑ دیتا تھا۔

۱۳۔ ﴿وَتَمُودٌ﴾ اور ثمود اور اس کے پیروکار حضرت صالح علیہ السلام کی قوم سے تعلق رکھتے تھے اس لیے ان کے پاس

حضرت صالح کو نبی بنا کر بھیجا گیا لیکن انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا ﴿وَقَوْمُ لُوطٍ﴾ اور حضرت لوط علیہ

السلام کو اپنی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا تو انہوں نے آپ کو جھٹلایا تھا ﴿وَاصْحَابُ لَيْكَةِ ط﴾ ایک یعنی جنگل کے رہنے (یا بہ کثرت درختوں اور جھاڑیوں کے علاقہ میں رہنے یا ایک کے شہر میں رہنے) والوں نے اپنے پیغمبر حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا تھا ﴿أُولَٰئِكَ الْأَحْزَابُ﴾ یہ وہی گروہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس اشارہ ”أُولَٰئِكَ“ سے یہ بتلانا چاہا کہ جن گروہوں کو انبیائے کرام علیہم السلام کی تکذیب پر شکست دے کر ہلاک کر دیا گیا تھا ان میں سے کچھ یہ ہیں (جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے) اور نیز یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ وہی گروہ ہیں کہ ان میں سے تکذیب پائی گئی تھی۔

۱۴۔ ﴿إِنَّ كُلَّ إِلَّا كَذَابَ التَّوْسَلِ﴾ ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا تھا اس سے پہلی دو آیات میں جملہ خبریہ کی صورت میں ابہام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب (جھٹلانے) کا ذکر فرمایا جن میں ”مُكَذِّبِينَ“ (جن کو جھٹلایا گیا تھا) کی وضاحت بیان نہیں فرمائی پھر اب جملہ استثنائیہ لایا اور اس میں اس بات کی وضاحت بیان فرمائی اور جن کو جھٹلایا گیا تھا ان کو بیان فرمایا اور وہ رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ ذکر کیا کہ ان گروہوں میں سے ہر ایک نے تمام رسولوں کو جھٹلایا کیونکہ ان میں سے کسی ایک رسول کی تکذیب تمام کی تکذیب ہے اس لیے کہ ان تمام پیغمبروں کی دعوت متحد اور ایک ہے اور جھٹلانے کے تکرار میں اور اس کے ابہام کے بعد اس کی وضاحت کرنے میں اور پہلے جملہ خبریہ اور پھر جملہ استثنائیہ میں تقسیم کر کے اس کے تکرار میں اور پھر استثنائیہ جملہ کو تاکید کے طریقہ پر لانے میں مبالغے کی مختلف اقسام پائی جاتی ہیں جس نے ان پر مہر لگادی کہ وہ سخت ترین اور مکمل ترین عذاب کے مستحق ہیں پھر ارشاد فرمایا: ﴿فَحَقُّ عِقَابٍ﴾ سو ان پر میرا عذاب ثابت و لازم ہو گیا یعنی پس اسی وجہ سے واجب ہو گیا ہے کہ میں انہیں ایسا سخت عذاب دوں جیسا کہ عذاب دینے کا حق ہے [قاری یعقوب کی قراءت میں حالت وصل اور حالت وقف دونوں حالتوں میں ”لَمَّا يذوقوا عذابی“ اور ”فحق عقابی“ ”یا“ متکلم کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔]

کفار مکہ کی حماقت کا بیان

۱۵۔ ﴿وَمَا يَنْظُرُ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً قَا حَكَا﴾ اور یہ انتظار نہیں کر رہے مگر ایک چیخ کا یعنی اہل مکہ صرف ایک چیخ کا انتظار کر رہے ہیں جو کہ نوحہ اولیٰ یعنی پہلا صور پھونکنا مراد ہے اور یہ بہت بڑی گھبراہٹ کا دن ہوگا ﴿قَالَ هَٰؤُلَاءِ فَوَاقٍ﴾ اس کے لیے مہلت نہیں ہوگی [قاری حمزہ کوئی اور علی کسائی کی قراءت میں ”فَا“ پر ضمہ (پیش) ہے] یعنی اس چیخ کے وقوع میں اتنا وقفہ بھی نہیں جتنا ”فواق“ کا ہوتا ہے اور وہ دودھ دوہنے والے کے دودھ دوہنے کے درمیان وقفہ مراد ہے (کیونکہ اونٹنی کے دودھ کا طریقہ یہ ہے کہ دودھ دوہ کر تھوڑی دیر وقفہ کیا جاتا ہے تاکہ اونٹنی کا بچہ دودھ پئے تو دودھ اتر آئے جب اترنے لگتا ہے تو پھر دوہ لیتے ہیں) یعنی جب اس کا وقت آئے گا تو اتنی دیر بھی پیچھے نہیں ہٹے گا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس کے لیے رجوع نہیں ہوگا اور نہ اسے لوٹایا جائے گا یہ ”افاق المریض“ سے ماخوذ ہے جب مریض بیماری سے دوبارہ صحت کی طرف رجوع کرتا ہے اور ”فواق الناقة“ اس ساعت اور وقت کو کہتے ہیں جب اونٹنی کا دودھ اس کے تھنوں کی طرف لوٹنے لگتا ہے اور اس چیخ سے ایک دفعہ صور پھونکنا مراد ہے پس یہی ایک چیخ سب کی موت کے لیے کافی ہو جائے گی دوبارہ نہیں پھونکا جائے گا اور نہ اس چیخ کو لوٹایا جائے گا۔

۱۶۔ ﴿وَقَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ نَحْنُ﴾ اور انہوں نے (یعنی کفار مکہ نے) کہا: اے ہمارے پروردگار! ہمارا حصہ ہمیں جلدی سے دیجئے (یعنی) جنت میں ہمارا حصہ ہمیں جلد دے دیا جائے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نیک مسلمانوں سے جنت کا وعدہ فرمایا ہے تو کفار مکہ نے تمسخر کے طور پر کہا کہ اس میں سے ہمارا حصہ ہمیں جلدی

سے دنیا ہی میں دے دیا جائے یا یہ معنی ہے کہ جس عذاب کا آپ نے وعدہ فرمایا ہے اس عذاب میں سے ہمارا حصہ ہمیں جلد از جلد دنیا میں دے دیا جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ" (الحج: ۴) "اور وہ آپ سے عذاب کے جلد آنے کا مطالبہ کر رہے ہیں" اور اصل میں "قط" کا معنی ہے: کسی چیز کا حصہ کیونکہ چیز کا حصہ اس کا ٹکڑا ہی ہوتا ہے یہ "قَطُّةٌ" سے ماخوذ ہے جب اس کے ٹکڑے کر دے اور انعامی رقعہ کو بھی "قط" کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی کاغذ کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے ﴿قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ﴾ حساب و کتاب کے دن سے پہلے یعنی قیامت کے دن سے پہلے۔

اصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاذْكُرْ عَبْدًا نَّادًا ذَا الْأَيْدِ ۗ إِنَّكَ سَخِرْنَا

الْجِبَالِ مَعَهُ يُسَبِّحُنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ۗ وَالطَّيْرِ فَحْشُورَةً ۗ كُلٌّ لَّهِ

أَوَابٌ ۗ وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَ وَفَصَّلَ الْخُطَابِ ۗ

(اے محبوب!) وہ جو کچھ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کیجئے اور آپ ہمارے قوت والے بندے داؤد کو یاد کیجئے بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے تھے ۰ بے شک ہم نے اس کے ساتھ پہاڑوں کو فرماں بردار بنا دیا وہ عصر سے شام تک اور طلوع آفتاب سے اشراق کے وقت تک تسبیح بیان کرتے رہتے ۰ اور پرندوں کو (ہم نے فرماں بردار بنا دیا) جو تسبیح کے وقت جمع ہو جاتے سب اس کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے ۰ اور ہم نے اس کی حکومت کو مضبوط کر دیا اور ہم نے اس کو حکمت اور فیصلہ کن بات کرنے کا علم عطا فرما دیا ۰

۱۷ - ﴿اصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ﴾ وہ لوگ آپ کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کیجئے اور صبر کے ذریعے ان پر غلبہ پانے اور ان کی تکلیفوں اور ایذاؤں کو برداشت کرنے کے بارے میں آپ کو جو مکلف بنایا گیا ہے اس میں صبر کر کے اپنے آپ کو (بفرض محال) پھلنے سے محفوظ رکھیے۔
حضرت داؤد علیہ السلام کی شان

﴿وَاذْكُرْ عَبْدًا نَّادًا ذَا الْأَيْدِ﴾ اور (اے محبوب!) ہمارے بندے (حضرت) داؤد علیہ السلام کو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک انہیں جو عزت و کرامت حاصل ہے اس کو یاد کیجئے بھلا انہوں نے معمولی سی بے صبری کی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں معمولی سا عتاب بھی سہنا پڑا ﴿ذَا الْأَيْدِ﴾ دین میں قوت والا ﴿رِاقَةُ أَوَابٍ﴾ بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے تھے یعنی حضرت داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے اور یہ "ذالاید" کی علت اور اس کی وجہ ہے مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے اور یہ سب سے زیادہ سخت اور دشوار روزے ہیں اور آپ آدھی رات عبادت کرتے تھے۔

۱۸ - ﴿إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ﴾ بے شک ہم نے پہاڑوں کو اس کا مطیع و فرماں بردار بنا دیا تھا، بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ پہاڑوں کے تابع فرمان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جب ان کو اپنے ساتھ چلانے اور لے جانے کا ارادہ فرماتے تو پہاڑ اسی وقت آپ کے ساتھ چل پڑتے اور آپ جدھر اور جہاں تک لے جانا چاہتے وہ پہاڑ ادھر اور وہاں تک چل پڑتے تھے ﴿يُسَبِّحُونَ﴾ پہاڑ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور پاکی بیان کرتے تھے [یہ حال ہونے کی بناء پر "مُسَبِّحَات" کے معنی میں ہے اور "مُسَبِّحَات" کی بجائے "يُسَبِّحُونَ" اس لیے اختیار کیا گیا ہے تاکہ فعل کے حدوث و

تجدد پر دلالت کرے اور پہاڑوں کی تسبیح بھی وقفہ وقفہ سے اور وقتاً فوقتاً ہوتی تھی [﴿بِالْعِشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ﴾ صبح و شام یعنی دن کے دونوں اطراف اور ”عشی“ سے عصر کے وقت سے لے کر غروب آفتاب تک کا وقت مراد ہے اور ”الاشراق“ سے اشراق کا وقت مراد ہے اور یہ سورج کے روشن ہونے کے وقت تک ہوتا ہے یعنی جب سورج خوب شعاعیں بکھیرنے لگتا ہے اور یہ چاشت کا وقت ہوتا ہے اور لیکن سورج کے شروق کا معنی ہے: سورج کا طلوع ہونا جیسے کہتے ہیں: ”شوقت الشمس“ سورج طلوع ہو کر چمکا۔ ”تشرق“ سورج چمک رہا ہے یا چمکے گا اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ چاشت کی نماز اسی آیت مبارکہ سے معلوم کی گئی ہے۔

۱۹- ﴿وَالطَّيْرِ مَحْشُورَةً﴾ اصل میں ”وَسَخَّرْنَا الطَّيْرَ مَحْشُورَةً“ ہے اور ہم نے پرندوں کو تابع فرمان بنا دیا کہ وہ ہر طرف سے جمع ہو جاتے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام تسبیح پڑھتے تھے تو اس کے جواب میں پہاڑ بھی تسبیح پڑھا کرتے تھے اور پرندے ان کے پاس جمع ہو جاتے اور تسبیح پڑھتے تھے پس ان کے ”محشور“ ہونے کا یہی معنی ہے ﴿كُلُّ لَكَاةٍ أَذَابٌ﴾ پہاڑوں اور پرندوں میں سے ہر ایک حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے یعنی ان کی تسبیح کی وجہ سے وہ بھی تسبیح بیان کرتے تھے کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے لیے تسبیح کرتے تھے اور ”مسبح“ کی بجائے ”اواب“ اس لیے رکھا گیا ہے کہ ”اواب“ بہ معنی ”تو اواب“ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس کی رضا کی طرف بہت رجوع کرنا ہے اور آپ کی عادت تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت کرتے تھے اور ہمیشہ اس کی تسبیح و تقدیس بیان کرتے تھے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ”لہ“ میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے یعنی حضرت داؤد علیہ السلام اور پہاڑ اور پرندے سب اللہ تعالیٰ کے لیے رجوع کرنے والے تھے یعنی تسبیح بیان کرنے والے تھے اور تسبیح الہی پڑھنے کے لیے بہت رجوع کرنے والے تھے۔

۲۰- ﴿وَشَدَّ دَنَا مَلَكًا﴾ اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط و قوی کر دیا تھا بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے محل کے ارد گرد تینتیس (۳۳) ہزار فوجی رات کو پہرہ دیتے تھے ﴿وَأَتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ﴾ اور ہم نے اسے حکمت یعنی زبور اور شرعی احکام کا علم عطا فرمایا اور بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ ہر وہ کلام جو حق کے موافق ہو وہ حکمت ہے ﴿وَفَصَّلَ الْخُطَابَ﴾ اور فیصلہ کن بات کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی (یعنی عدالتی فیصلوں کا علم اور مقدمات و جھگڑوں کے فیصلہ کرنے کی قوت و ہمت اور حق و باطل میں فرق کرنے کی قوت و استعداد اور دو چیزوں کے درمیان امتیاز کرنے کو ”فصل“ کہتے ہیں اور بعض اہل علم کا قول ہے کہ واضح اور دو ٹوک کلام ”فصل“ ہے اور یہاں فعل بہ معنی مفعول ہے جیسے ”ضرب الامیر“ ہے اور ”فصل الخطاب“ کلام میں سے ایسا واضح خلاصہ جو بیان کیا جائے تو مخاطب پر بات روشن ہو جائے اور اس کو کوئی اشتباہ نہ رہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ”فصل“ بہ معنی ”فاصل“ ہو جیسے ”صوم“ اور ”زور“ اسم فاعل کے معنی میں آتے ہیں اور ”فصل الخطاب“ سے فاصل کلام مراد ہے جو صحیح اور فاسد اور حق و باطل کو ایک دوسرے سے واضح طور پر جدا کر دے اور حضرت داؤد کا کلام مقدمات اور فیصلہ جات اور ملک کی تدبیر میں اور مشوروں میں ایسا ہی ہوتا تھا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ”فصل الخطاب“ سے مدعی سے گواہ اور مدعی علیہ سے قسم کا مطالبہ کرنا مراد ہے کیونکہ یہ حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے کا بہترین طریقہ ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ ”فصل الخطاب“ سے حضرت داؤد علیہ السلام کا ”أَمَّا بَعْدُ“ فرمانا مراد ہے اور آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ”أَمَّا بَعْدُ“ فرمایا کیونکہ جب آپ کوئی عظیم الشان اور اہم مضمون بیان کرنا چاہتے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی حمد و ثناء سے شروع کرتے پھر جب آپ

حمد و ثناء کے بعد مضمون شروع کرنا چاہتے تو دونوں کے درمیان ”أَمَّا بَعْدُ“ کہہ کر فاصلہ کرتے تھے۔

وَهَلْ أُنْتِكَ نَبِيُّ الْخَصْمِ إِذْ تَسُوْرُوا الْبِحْرَابِ ۚ (۲۱) إِذْ دَخَلُوا عَلَى دَاوُدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ خَصْمِ بَعْضُنَا عَلَى بَعْضٍ فَاحْكُم بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَى سَوَاءِ الصِّرَاطِ ۚ (۲۲) إِنَّ هَذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَجَّةً وَلِي نَجَّةٌ وَاحِدَةٌ ۗ فَقَالَ أَكْفَلْنِيهَا وَعَرَّنِي فِي الْإِخْطَابِ ۚ (۲۳)

اور کیا آپ کے پاس جھگڑنے والوں کی خبر آئی جب وہ دیوار کے اوپر سے کود کر عبادت گاہ میں داخل ہوئے؟ جب وہ داؤد کے پاس داخل ہوئے تو وہ ان سے گھبرا گئے انہوں نے کہا کہ آپ بالکل نہ ڈریں (ہم) دو جھگڑنے والے ہیں ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے سو آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمادیں اور نا انصافی نہ کیجئے اور آپ سیدھے راستے کی طرف ہماری رہنمائی کیجئے۔ بے شک یہ میرا بھائی ہے جس کی ننانوے دنییاں ہیں اور میری صرف ایک دنی ہے سو اس نے کہا ہے کہ تم اپنی یہ ایک دنی بھی مجھے دے دو اور وہ بات کرنے میں مجھ پر غالب آ گیا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے خلاف من گھڑت روایت کی تردید

۲۱۔ ﴿وَهَلْ أُنْتِكَ نَبِيُّ الْخَصْمِ﴾ اور کیا آپ کے پاس جھگڑنے والوں کی خبر آ چکی ہے [اس کا استفہام (سوالیہ)

ہونا ظاہر ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ یہ بتایا جائے کہ یہ خبر عجیب ترین خبروں میں سے ہے اور ”الخصم“ اور ”الخصماء“ یہ دونوں واحد اور جمع دونوں پر بولے جاتے ہیں اس لیے کہ ”الخصم“ اصل میں مصدر ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: ”خصمه خصمًا“ [﴿إِذْ تَسُوْرُوا الْبِحْرَابِ﴾ جب وہ دیوار کے اوپر سے پھلانگ کر عبادت گاہ میں داخل ہو گئے (یعنی) جب وہ باہر سے عبادت گاہ کی دیوار پر چڑھ گئے اور اس کے اندر اتر گئے اور ”سور“ بلند دیوار کو کہا جاتا ہے اور ”بحراب“ کا معنی ہے: کمرہ یا مسجد یا مسجد کا صدر مقام [حرف ”اذ“ محذوف عامل کی وجہ سے محلاً منصوب ہے جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ”وَهَلْ أُنْتِكَ نَبَاٌ تَحَاكُمِ (الْخَصْمِ)“ ہے یا پھر ”الخصم“ کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ اس میں فعل کا معنی پایا جاتا ہے۔]

۲۲۔ ﴿إِذْ دَخَلُوا عَلَى دَاوُدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ﴾ جب وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس اندر داخل ہوئے تو وہ ان سے گھبرا

گئے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو دو آدمیوں کی شکل میں متشکل کر کے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس بھیج دیا تھا سو انہوں نے ان کے پاس اندر جانا چاہا تو انہوں نے عبادت کے لیے مخصوص دن میں اسے عبادت میں مشغول پایا اور محافظوں نے انہیں دروازے سے اندر جانے سے روک دیا تو اس لیے وہ دیوار پھلانگ کر عبادت گاہ میں ان کے پاس پہنچ گئے سو انہیں محسوس بھی نہ ہوا مگر یہ کہ انہوں نے دونوں کو اپنے سامنے بیٹھے ہوئے پایا تو آپ ان سے گھبرا گئے کیونکہ وہ عبادت گاہ میں فیصلہ جات سنانے کے دن کے علاوہ عبادت کے مخصوص دن میں ان کے پاس پہنچ گئے تھے اور اس لیے بھی کہ وہ دروازے کی بجائے دیوار کے اوپر سے کود کر اترے تھے اور وہ پردے اور گوشہ نشینی کے دن آئے تھے جب کہ محافظ از در گرد پہرہ دے رہے تھے وہ کسی کو اندر نہیں آنے دیتے تھے [یہ ”اذ“ پہلے ”اذ“ سے بدل ہے]

﴿قَالُوا لَا تَخَفْ خَصْمِينَ﴾ انہوں نے کہا: آپ بالکل خوف زدہ نہ ہوں ہم تو دو جھگڑنے والے دعوے دار ہیں۔ ”خصمان“ مبتدا محذوف کی خبر ہے ”أَيُّ نَحْنُ خَصْمَانِ“ یعنی ہم دونوں جھگڑنے والے ہیں کہ ﴿بَغِي بَعْضُنَا عَلَى بَعْضٍ﴾ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر ظلم و ستم اور زیادتی کی ہے ﴿فَأَحْكُم بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تَشْطِطْ﴾ سو آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ سچا فیصلہ فرمادیں اور آپ نا انصافی نہ کیجئے۔ ”لا تشطط“، ”الشطط“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: حد سے تجاوز کرنا اور حق میں خطا کرنا ﴿وَاهْدِنَا إِلَى سَوَاءِ الصِّرَاطِ﴾ اور آپ ہمیں سیدھی راہ کی ہدایت کریں اور آپ ہمیں درمیانہ راستہ دکھائیں اور دلیل و حجت کی راہ دکھائیں اور مقصد یہ ہے کہ عین حق اور محض حق کا راستہ دکھائیں۔

مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ایثار و قربانی کے جذبہ کے تحت یہ رسم و رواج تھا کہ جب کسی آدمی کو کسی کی بیوی پسند آجاتی تو وہ آدمی بیوی کے شوہر سے درخواست کرتا کہ وہ اپنی بیوی کو اس کی خاطر طلاق دے دے تاکہ عدت کے بعد وہ آدمی اس سے نکاح کر لے اور یہ عادت صرف غم خواری اور ہمدردی کے تحت تھی اور (جب مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ صحابہ کرام کے درمیان مواخات (بھائی چارے) کا عقد کیا گیا تو) انصار نے مہاجرین کے ساتھ اس طرح کا ایثار کیا تھا چنانچہ ایک دفعہ اور یا یہودی کی بیوی پر حضرت داؤد علیہ السلام کی اتفاقی نظر پڑ گئی اور آپ کو وہ پسند آ گئی اور آپ نے اوزیا سے اسے طلاق دے کر چھوڑ دینے کی درخواست کی تو اسے آپ کی بات رد کرتے ہوئے شرم و حیا محسوس ہوئی سو اس لیے اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور بعد ازاں حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے نکاح کر لیا اور یہی حضرت سلیمان علیہ السلام کی ماں تھیں چنانچہ آپ سے کہا گیا کہ چونکہ آپ بہت بڑے مرتبے پر فائز ہیں اور آپ کی بیویاں بھی بہت ہیں اس لیے یہ بات آپ کے شایان شان نہیں کہ آپ ایک ایسے شخص سے بیوی کو طلاق دینے کا مطالبہ کریں جس کے پاس صرف ایک بیوی ہے بلکہ آپ پر واجب و لازم تھا کہ آپ اپنی خواہش پر غلبہ پالیتے اور اپنے آپ کو قابو میں رکھتے اور آپ اس امتحان میں صبر کا مظاہرہ کرتے جس میں آپ کو آزما یا گیا ہے اور بعض اہل علم حضرات کا یہ قول ہے کہ اوزیا نے اس عورت کو صرف نکاح کا پیغام بھیجا تھا (لیکن ابھی تک نکاح نہیں کیا تھا) پھر اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے اسی عورت کو نکاح کا پیغام بھیج دیا چنانچہ اس کے گھر والوں نے آپ کو ترجیح دی پس حضرت داؤد علیہ السلام کی کوتاہی صرف اس قدر تھی کہ آپ نے کثرت سے بیویاں رکھنے کے باوجود اپنے ایک مسلمان بھائی کے پیغام پر اپنا پیغام دے دیا اور بس۔

اور وہ جو ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اوزیا کو ملک شام کے ایک علاقہ بلقاء کی جنگ میں بار بار بھیجتے رہے اور چاہتے تھے کہ اوزیا وہاں جنگ میں قتل کر دیا جائے تاکہ آپ اس کی بیوی سے شادی رچالیں سو ایسا کرنا تو عام مسلمانوں میں سے نیکی کی فہم و فراست رکھنے والے آدمی کے لائق نہیں ہے تو بھلا قوم کے سردار عظیم الشان انبیائے کرام علیہم السلام میں سے اس قدر معصوم نبی کے لیے ایسا کرنا کیسے ممکن ہے (ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا یہ اسرائیلی روایت موضوع و من گھڑت ہے)۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں وہ حدیث بیان کرے گا جو فتنہ لوگ بیان کرتے ہیں تو اسے ایک سو ساٹھ کوڑے ماروں گا اور یہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر بہتان تراشی کی حد اور سزا ہے۔

مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفۃ المسلمین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس یہی روایت بیان کی گئی اور اس وقت ان کے پاس اہل حق میں سے ایک بزرگ مروّج موجود تھا سو انہوں نے یہ روایت بیان کرنے والے شخص کی تکذیب کی یعنی

اسے جھوٹا قرار دیا اور اس روایت کی تردید کی اور فرمایا کہ اگر حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ اس طرح ہے جس طرح کتاب اللہ (یعنی قرآن مجید) میں ہے تو اس کے خلاف کچھ چاہنا جائز نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ کچھ کہنا بہت بڑا گناہ ہے اور اگر یہ قصہ اس طرح ہوتا جس طرح تم نے ذکر کیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی شان کے پیش نظر ان کی پردہ داری رکھتے ہوئے اس قصہ کا ذکر نہیں فرمایا تو پھر اب اس کا اظہار کرنا اور حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں ہے چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ بات سن کر فرمایا: میرے کانوں کے لیے یہ کلام سننا ان تمام کلاموں سے محبوب تر (بہت پیارا) ہے جن پر سورج طلوع ہوا ہے!

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصہ کے متعلق خوب تحقیق کی ہے اور تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے فرماتے ہیں کہ یہاں ایک افسانہ بیان کیا جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے تو اس افسانہ کو ایسا رنگ دیا ہے کہ گناہ کبیرہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر بندے کی طرف ہوتی ہے اور بعض نے اس واقعہ کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ گناہ صغیرہ کا ارتکاب لازم آتا ہے امام رازی فرماتے ہیں: "والذی ادین بہ و اذهب الیہ ان ذالک باطل" کہ میرا عقیدہ اور میری تحقیق یہ ہے کہ یہ واقعہ سراسر باطل اور لغو ہے۔

علامہ ابو حیان اندلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تفسیر البحر المحیط میں اپنی تحقیق کا خلاصہ تحریر فرمایا ہے لکھتے ہیں: یعنی ہمارا پختہ یقین ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام گناہ اور خطا سے معصوم ہوتے ہیں۔ ان سے ایسے امور قطعاً سرزد نہیں ہو سکتے اگر ایسا ہوتا تو شرعی احکام پر اعتماد باقی نہ رہتا اور انبیاء کے فرمودات سے اعتبار اٹھ جاتا۔ قصہ گو لوگوں نے منصب نبوت کے منافی جو کہانیاں گھڑی ہیں ہم ان کو ردی کی ٹوکری میں پھینکتے ہیں۔

شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہاں خوب لکھا ہے:

واعظوں کو چاہیے کہ وہ اپنے وعظوں میں غلط قصے اور جھوٹی کہانیاں بیان نہ کریں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ بندہ جب جھوٹ بولتا ہے تو اس کی بدبو کے باعث فرشتے اس سے تیس میل دور بھاگ جاتے ہیں اور اس آدمی کو بہت برا جانتے ہیں۔ جب داعظ یہ جانتا ہے کہ فرشتے مجلس وعظ میں حاضر ہوتے ہیں تو اس پر لازم ہے کہ وہ سچ بولنے کی پوری کوشش کرے۔ (ماخوذ از تفسیر ضیاء القرآن ج ۲ ص ۲۳۵ تا ۲۳۷، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

علامہ محمود بن عمر زحشری متوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

اس اسرائیلی روایت میں حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ آپ نے (معاذ اللہ) اور یا قتل کرایا اور پھر اس کی بیوی سے نکاح کر لیا اور یہ ایسا فعل ہے جس کو عام نیک مسلمان کے متعلق بھی سخت عیب باعث مذمت اور گناہ کبیرہ قرار دیا جاتا ہے چہ جائیکہ اس فعل کو اللہ تعالیٰ کے عظیم نبی کے ساتھ منسوب کیا جائے (پھر زحشری نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کا واقعہ بیان کیا ہے جس کو صاحب مدارک نے بیان کیا ہے)۔

علامہ عبدالرحمان بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

یہ اسرائیلی روایت سند کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے اور معنی کے اعتبار سے جائز نہیں ہے کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام ایسے فعل سے منزہ اور پاک ہیں۔ (ماخوذ از تفسیر تبيان القرآن ج ۱۰ ص ۷۵، مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ مفسرین نے یہاں ایک قصہ بیان کیا ہے لیکن اس کا اکثر حصہ بنو اسرائیل کی روایتوں سے لیا گیا ہے حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ ابن ابی حاتم میں ایک حدیث ہے لیکن وہ بھی ثابت نہیں ہے کیونکہ اس کا ایک راوی یزید رقاشی ہے گو وہ نہایت نیک شخص ہے لیکن ضعیف ہے پس اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ قرآن میں جو کچھ ہے اور جس پر یہ مشتمل ہے وہ حق ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اور یہ تمثیل جو اللہ تعالیٰ نے (ان آیات میں) حضرت داؤد علیہ السلام کے قصے کے لیے بیان کی ہے یہ صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف سے صرف اس قدر طلب اور خواہش تھی کہ اور یا اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو آپ اس کی بیوی سے نکاح کر لیں اور بس۔

اور حضرت داؤد علیہ السلام کے قصے کو تصریح کی بجائے تمثیل و تعریض اور اشارہ و کنایہ کے طور پر بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ طریقہ ملامت کرنے میں زیادہ بلیغ ہوتا ہے کیونکہ جب غور و فکر کرنے والا تعریض کے سبب تمثیل کو اپنے شعور تک لے جائے گا تو یہ تمثیل ذہن میں خوب نقش ہو جاتی ہے اور دل میں خوب جم جاتی ہے اور اس میں خوب تاثیر پذیر ہو جاتی ہے نیز اس میں کھلم کھلا بات کو ترک کرنے میں حسن ادب کی رعایت ہو جاتی ہے۔

۲۳- ﴿وَإِنْ هَذَا آخِرُ مَا﴾ بے شک یہ میرا بھائی ہے [”اخی“ ”ہذا“ سے بدل ہے یا پھر ”ان“ کی خبر ہے] اور اس سے دینی اور اسلامی بھائی مراد ہے یا محبت و الفت اور دوستانہ بھائی مراد ہے یا شرکت و حصہ داری کا بھائی مراد ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ“ بے شک اکثر شریک و حصہ دار ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں ﴿لَكَ تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ نَجْعَةً وَلِي نَجْعَةٌ وَاحِدَةٌ﴾ اس کی ننانوے بھیتیں ہیں اور میری فقط ایک بھیت ہے [حضرت حفص کی قرأت میں ”وَلِي“ میں ”یا“ مفتوح پڑھی جاتی ہے] اور ”نَجْعَةٌ“ سے عورت مراد ہے اور جب یہ ایک مسئلہ کی صورت پیش کی گئی ہے اور اس مسئلہ کو فرض کر لیا گیا ہے تو دو فرشتوں کو اس مسئلہ کے دریافت کرنے کے لیے دو انسانوں کی شکل میں متشکل فرض کر لینا ممنوع نہ رہا جیسے تم کہتے ہو کہ میری بکریاں چالیس ہیں اور تمہاری بکریاں بھی چالیس ہیں اور ہم نے ان کو باہم ملا دیا ہے اور (پھر ایک سال گزر جانے پر) تمہارے ذمہ زکوٰۃ چالیس بکریوں میں سے نہ چار بکریاں ہوں گی اور نہ اس کی چوتھائی (یعنی نہ ایک بکری) بلکہ تم دونوں پر دو بکریاں لازم ہوں گی ﴿فَقَالَ أَكْفَلْنِيهَا﴾ سو اس نے کہا: تم اس (اپنی دبی) کا مجھے کفیل و مالک بنا دو اور حقیقت میں اس کا مطلب یہ ہے کہ تو اپنی دبی (بیوی) بھی مجھے دے دے میں اس کی کفالت کروں گا جیسا کہ میں خود اپنی ماتحت دنیوں (بیویوں) کی کفالت کر رہا ہوں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تو اس کو میرا کفیل بنا دے یعنی تو اسے میرا نصیب اور میرا حصہ بنا دے ﴿وَعَنْتِي﴾ اور اس نے مجھے اپنے دباؤ میں کر لیا ہے اور وہ مجھ پر غالب آ گیا ہے جیسے کہا جاتا ہے: ”عزہ يعزہ“ وہ اس پر غالب آ گیا (یا) وہ اس پر غالب آ جاتا ہے ﴿فِي الْخُطَابِ﴾ بحث و تہیص اور جھگڑے میں یعنی وہ حجت بازی، دلیل بازی اور بحث و مباحثہ میں مجھ سے زیادہ طاقت ور اور زیادہ قادر الکلام ہے اور خطاب سے جھگڑا و حجت بازی کا مباحثہ مراد ہے یا یہ مراد ہے کہ میں نے عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا اور اس نے بھی اسی عورت کو نکاح کا پیغام بھیج دیا اور وہ خطاب میں مجھ سے بازی جیت گیا یعنی وہ نکاح کے پیغام میں مجھ پر غالب آ گیا کیونکہ میری بجائے اس نے اس عورت سے شادی کر لی اور تمثیل کی وجہ یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اور یا کے قصے کو ایک آدمی کے قصے کے مماثل و مشابہ قرار دیا گیا ہے جس کے پاس صرف ایک دبی ہے اور اس کے ساتھی کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور پھر بھی اس کا ساتھی ایک سو دنیوں کی تعداد پوری کرنا چاہتا ہے اس لیے وہ اپنے ساتھی کی ایک دبی میں بھی لالچ رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ یہ دبی اس کی ملکیت سے نکل جائے اور میری ملکیت میں آ جائے اور وہ اپنی مراد کو پانے کے لیے ایک حریص جھگڑالو کی طرح اس معاملہ میں اپنے ساتھی سے جھگڑتا ہے اور یہ معاملہ صرف اسی کے پاس جھگڑے کا تصفیہ اور فیصلہ کرانے کے لیے پیش کیا گیا ہے تاکہ وہ اس معاملہ کا فیصلہ اسی کے مطابق کرے جو اس نے (درج آیت مبارکہ میں) کہہ کر فیصلہ کیا ہے۔

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نِعْمَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي
بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ وَظَنَّ
دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ﴿۳۲﴾ فَغَفَرْنَا لَهُ ذَلِكَ
وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحَسَنَ مَّآبٍ ﴿۳۵﴾

السجدة: ۱۰

فرمایا: بے شک اس نے تیری دنی کو اپنی دنیوں کے ساتھ ملانے کے لیے سوال کر کے تجھ پر ظلم کیا ہے اور بے شک شرکاء میں سے بہت سے لوگ ایک دوسرے پر ضرور زیادتی کرتے ہیں ماسوا ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور وہ بہت ہی تھوڑے ہوتے ہیں اور داؤد نے گمان کیا کہ بے شک ہم نے اس کا صرف امتحان لیا ہے سو اس نے اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کی اور وہ سجدے میں گر پڑے اور اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا O سو ہم نے اس کی مغفرت قبول کر لی اور بے شک ہمارے پاس اس کے لیے ضرور قرب خاص اور بہترین ٹھکانا ہے O

۲۴ - ﴿قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نِعْمَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ﴾ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: بے شک اس نے اپنی دنیوں میں تیری دنی ملانے کے لیے تجھ سے تیری دنی مانگ کر بہت بڑا ظلم کیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ شخص ظالم قرار پا کر اس فیصلہ کی وجہ سے ہار گیا [اور یہ محذوف قسم کا جواب ہے اور اس میں اس مدعی کے ساتھی کے فعل سے انکار ہے اور "سؤال" مصدر ہے اور مفعول کی طرف مضاف ہے اور یہ اضافت کے معنی کو متضمن ہے اس لیے اسے متعدی کیا گیا ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ اس شخص نے اپنی دنیوں میں اضافہ کرنے کے لیے تجھ سے تیری دنی مانگ کر تجھ پر بہت بڑا ظلم کیا اور بے شک حضرت داؤد علیہ السلام نے دوسرے شخص (مدعی علیہ) کو اس کے اعتراف کر لینے کے بعد ظالم قرار دیا تھا لیکن قرآن مجید میں اس کو بیان اس لیے نہیں کیا گیا کہ وہ معلوم ہے چنانچہ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اس (دوسرے شخص مدعی علیہ) نے کہا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس (مدعی) سے اس کی ایک دنی بھی میں لے لوں اور اپنی دنیوں کی تعداد ایک سو مکمل کر لوں جس پر حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے فرمایا: اگر تم نے یہ ظلم و زیادتی کی تو میں تیرے یہ یہ اعضاء توڑ دوں گا اور آپ نے اس کے ناک اور اس کی پیشانی کی طرف اشارہ کیا تو اس شخص نے کہا: اے داؤد علیہ السلام! آپ تو اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کے یہ یہ اعضاء توڑ دیئے جائیں اور آپ نے ایسا ایسا کیا ہے (کہ اپنے ساتھی اور یا کی بیوی کو طلاق دلو اور خود نکاح فرما کر اپنی بیویوں کی تعداد ایک سو مکمل کر لی ہے) پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے غور سے دیکھا تو ان میں سے کسی کو نہ پایا (کیونکہ مسئلہ سمجھا کر دونوں فرشتے اپنی اصلی شکل میں واپس چلے گئے) سو آپ نے اس میں پیش آنے والی اپنی اجتہادی خطا کو پہچان لیا ﴿وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ اور بے شک شرکاء اور حصہ داروں میں سے بہت سے لوگ

اگرچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں کسی کی بیوی پسند آنے پر اس کے شوہر سے طلاق دلو کر اس سے خود نکاح کر لینا مباح و جائز تھا لیکن اعلیٰ درجات کے حامل انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے مباح عمل ذاتی و نفسانی طلب کے وقت مرحبہ نیکی سے ساقط ہو کر خطا کے مساوی ہو جاتا ہے اس لیے کہا جاتا ہے: "حسنات الابرار سیئات المقربین" کہ نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین خدا کے نزدیک (طلب عوض کی نیت سے) گناہوں کا درجہ رکھتی ہیں سو اس بناء پر یہ جائز عمل بھی آپ کی اجتہادی خطا ٹھہرا۔

ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں ﴿إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے [مستثنیٰ منصوب ہے اور وہ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہے اور مستثنیٰ منہ "بعضہم" ہے] ﴿وَقَلِيلٌ مِّنْهُمْ﴾ اور وہ بہت تھوڑے ہیں ["مَّا" ابہام کے لیے ہے اور "ہم" مبتدا ہے اور "قلیل" اس کی خبر ہے] ﴿وَقُلْنَا دَاوُدَ إِنَّمَا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ عَلَىٰ مَنَّا ۖ فَاسْتَعْفِفْ ۖ وَكَرَّ رِجْعًا﴾ سو آپ نے اپنی اجتہادی خطا پر اپنے پروردگار سے مغفرت و بخشش طلب کی اور جھک کر گر پڑے یعنی آپ اپنے چہرے کے بل اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے کے لیے گر پڑے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ نماز میں رکوع سجدہ کا قائم مقام ہو جاتا ہے جب کہ رکوع میں اس کی نیت کی ہو (جیسے سجدہ تلاوت بہ شرط نیت رکوع میں ادا ہو جاتا ہے) کیونکہ مراد محض ایسا عمل ہے جو آیت سجدہ کی تلاوت کے وقت تواضع اور عاجزی کی صلاحیت رکھتا ہو اور نماز میں رکوع کا عمل محض تواضع اور عاجزی کے لیے کیا جاتا ہے بہ خلاف اس رکوع کے جو نماز سے باہر کیا جائے ﴿وَأَن تَابَ﴾ اور حضرت داؤد علیہ السلام نے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام چالیس دن رات مسلسل سجدہ کرتے رہے اور آپ سوائے فرض نماز یا سوائے ضروریات کے سجدہ سے سر نہیں اٹھاتے تھے اور آپ کے آنسو نہیں تھمتے تھے یہاں تک کہ آپ کے آنسوؤں کی وجہ سے اس جگہ سبزہ اُگ آ یا تھا اور آپ جو پانی پیتے تھے اس میں سے دو تہائی آنسو بن کر نکل جاتے تھے۔

۲۵- ﴿فَعَفَّرْنَا لَهُ ذَلِكُمْ﴾ سو ہم نے ان کی خاطر اس کو یعنی ان کی اجتہادی لغزش کو بخش دیا ﴿وَرَأَىٰ لَهُ عِندَنَا كَرِيمًا وَحَسَنًا﴾ اور بے شک ان کے لیے ہمارے پاس ضرور خاص قرب ہے اور واپس لوٹ کر آنے کا بہترین ٹھکانا ہے اور وہ جنت ہے۔

يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ
الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ
عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا أَيُّومَ الْجِسَابِ ۝

اے داؤد! بے شک ہم نے تجھے زمین میں اپنا خلیفہ بنا لیا ہے سو آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا کریں اور خواہش کی پیروی بالکل نہ کریں سو وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی راہ سے دور کر دے گی بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہٹ جاتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اس لیے کہ انہوں نے حساب کا دن بھلا دیا ہے O

۲۶- ﴿يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ﴾ اے داؤد! بے شک ہم نے آپ کو زمین پر نائب بنایا ہے یعنی علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت مبارکہ کے ضمن میں منہیہ (حاشیہ) تحریر فرمایا ہے جو پیش خدمت ہے:

(۱) ایک روز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرات طلحہ زبیر کعب اور سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پوچھا کہ خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے؟ حضرات طلحہ زبیر نے کہا: ہم نہیں جانتے۔ حضرت سلمان نے کہا: خلیفہ وہ ہے جو رعایا میں عدل و انصاف کرتا ہے اور ان میں مساوی طور پر مال تقسیم کرتا ہے اور وہ اپنی رعایا پر یوں مہربان اور شفیق ہوتا ہے جس طرح کوئی شخص (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہم نے زمین پر حکومت چلانے کے لیے آپ کو خلیفہ اور نائب بنایا ہے یا یہ کہ ہم نے آپ کو آپ سے پہلے حق کو قائم کرنے والے انبیاء کرام علیہم السلام کا جانشین بنایا اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا حال اور مرتبہ توبہ کے بعد بھی اسی طرح باقی رہا، جس طرح توبہ سے پہلے آپ کا حال اور مرتبہ باقی تھا اس میں کوئی تغیر و تبدل واقع نہیں ہوا ﴿فَاَحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ﴾ سو آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرنا یعنی جب تم خلیفہ بن گئے تو اب تم لوگوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلے کرنا یا یہ معنی ہے کہ عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کرنا ﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ﴾ اور خواہش کی پیروی نہ کرنا یعنی اپنے فیصلوں میں خواہشات نفسانی کی پیروی نہ کرنا ﴿فِيضْلِكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ﴾ سو ورنہ خواہشات نفسانی تمہیں اللہ تعالیٰ کی راہ سے دور کر دیں گی ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْضِلُوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ لِّمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ﴾ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ سے یعنی اس کے دین سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اس لیے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا ہے یعنی ان کا عذاب کے دن کو بھلا دینا سبب ہے سخت عذاب کا۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۗ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۗ فَوَيْلٌ
لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ النَّارِ ۗ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ
فِي الْاَرْضِ ۗ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفَجَّارِ ۗ ۞ كَتَبْنَا اِلَيْكَ مُبٰرَكًا لِّبَدْوٰ اٰيٰتِنَا
وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُو الْاَلْبَابِ ۞

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کو بے کار پیدا نہیں کیا، یہ صرف انہیں لوگوں کا گمان ہے جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے، سو کافروں کے لیے آگ سے ہلاکت ہے ۞ کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے (بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اپنے اہل و عیال پر شفیق ہوتا ہے اور کتاب اللہ (قرآن مجید) کے مطابق فیصلے کرتا ہے، پھر حضرت کعب نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا تھا کہ میرے علاوہ بھی کوئی شخص اس مجلس میں خلیفہ اور بادشاہ میں فرق جانتا ہے۔

(۲) حضرت سلمان نے بیان کیا کہ ایک روز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے پوچھا کہ میں خلیفہ ہوں یا میں بادشاہ ہوں؟ میں نے کہا: اگر مسلمانوں کی زمین میں سے تم نے ایک درہم (چاندی کا سکہ) یا اس سے کم یا زیادہ لے لیا اور اسے ناحق جگہ استعمال کیا تو پھر تم بادشاہ ہو خلیفہ نہیں ہو، سو حضرت عمر نے عبرت حاصل کی۔

(۳) حضرت سلمان ابن ابی العوجاء نے بیان کیا کہ حضرت عمر نے فرمایا: میں نہیں جانتا کہ میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ ہوں، تو مجمع میں سے ایک شخص نے کہا: اے امیر المؤمنین! ان دونوں میں فرق ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا فرق ہے؟ اس نے کہا: خلیفہ حق و انصاف کے ساتھ لیتا ہے اور وہ حق کی جگہ میں خرچ کرتا ہے اور بے شک آپ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسی طرح کرتے ہیں اور بادشاہ لوگوں پر ظلم و ستم کرتا ہے، اس سے لیتا ہے اور اس کو دے دیتا ہے، حضرت عمر بن کربا موش رہے۔

(۴) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر بیٹھ کر فرمایا کرتے تھے کہ اے لوگو! بے شک خلافت نہ مال و دولت جمع کرنے کا نام ہے اور نہ اس کو تقسیم کرنے کا نام ہے بلکہ خلافت حق پر عمل کرنے اور عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کرنے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی پر پکڑنے کا نام ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۱۷۳، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی)

نے نیک عمل کیے ان جیسا کر دیں گے جو زمین میں فساد پھیلانے والے ہیں یا ہم پر ہیز گاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں گے۔ یہ کتاب جس کو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے بڑی برکت والی ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں اور تاکہ عقل و دانش رکھنے والے نصیحت حاصل کریں۔

زمین و آسمان و دیگر مخلوق کی تخلیق بے مقصد نہیں

۲۷- ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا﴾ اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور ان دونوں کے درمیان جس قدر مخلوق ہے ان سب کو بے کار و بے فائدہ اور بے مقصد پیدا نہیں کیا، جس کی تخلیق کی کوئی حکمت بالغہ نہ ہو یا محض باطل و بے کار ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ“ (الانبیاء: ۱۶) ”اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور ان دونوں کے درمیان تمام مخلوق کو کھیل تماشاکے لیے پیدا نہیں کیا“ اور ”باطلا“ کی تقدیر ”ذُو بَاطِلٍ“ ہے یا ”عَبَثًا“ ہے پھر اس کی جگہ ”باطلا“ کو رکھا گیا ہے یعنی ہم نے ان دونوں کو اور ان دونوں کے درمیان تمام مخلوق کو کھیل تماشاکے طور پر پیدا نہیں کیا بلکہ مضبوط و قوی حق کے لیے پیدا کیا اور وہ یہ کہ بے شک ہم نے ایسے اشخاص و نفوس پیدا کیے جن میں ہم نے عقل و دانش کو امانت رکھا اور ہم نے ان کو قوت و اختیار عطا کیا اور ہم نے ان پر ان کے اسباب اور وجوہات بیان کیے پھر ہم نے ان کو بہت سے منافع اور فوائد کے لیے مکلف بنایا اور ہم نے ان کے لیے سزا اور جزائے خیر تیار کی ہے ان کے اعمال کے عین مطابق ﴿ذَلِكَ﴾ یہ آسمان و زمین اور ان دونوں کے درمیان مخلوق کے بے کار و باطل پیدا ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ یہ ﴿كَلِمَاتٍ كُفْرًا﴾ ان لوگوں کا گمان ہے جنہوں نے کفر کیا ہے یعنی کافروں کا یہ نظریہ ہے کہ زمین و آسمان اور دیگر مخلوق بے کار پیدا کی گئی ہے کسی حکمت کی بناء پر نہیں ”ظن“ بہ معنی ”مظنون“ ہے کہ یہ ”مظنون“ (گمان) ان کا ہے جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے اور بے شک کفار کو یہ گمان کرنے والا قرار دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور تمام مخلوق کو بے کار پیدا کیا ہے کسی حکمت کی وجہ سے نہیں باوجودیکہ کفار اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ تمام آسمانوں اور زمین اور جو کچھ مخلوق ان دونوں کے درمیان ہے سب کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ”وَلَكِنَّ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ“ (لقمان: ۲۵) ”اور اے محبوب! اگر آپ ان (کفار مکہ) سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ تعالیٰ نے“ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حشر و نشر اور حساب و کتاب اور ثواب و عقاب سے ان کے انکار نے یہاں تک پہنچا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مخلوقات بے کار پیدا کی ہیں تو انہیں یہی قرار دیا گیا کہ گویا وہ یہی گمان رکھتے ہیں اور وہ یہی کہتے ہیں کیونکہ جزاء ہی وہ تصور ہے کہ خلق عالم میں حکمت جس کے علت ہونے کا تقاضا کرتی ہے سو جس نے روز جزاء کا انکار کر دیا اس نے تخلیق عالم میں حکمت کا بھی انکار کر دیا ﴿هُوَ يَلْعَنُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ﴾ سو کافروں کے لیے ہلاکت ہے آگ کے عذاب سے۔

نیک و بد ہرگز برابر نہیں ہو سکتے

۲۸- ﴿أَمْ يَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ يَجْعَلُ السَّيِّئِينَ كَالْقَائِرِ﴾ کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان جیسا کر دیں گے جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں یا ہم پر ہیز گاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں گے۔ [”آم“ معطوعہ استفہام کے لیے ہے اس کے معنی میں انکار کا معنی شامل ہے] اور مطلب یہ ہے کہ اگر جزاء و سزا اور حشر و نشر اور حساب و کتاب کا عقیدہ باطل ہو جیسا کہ کفار کہتے ہیں تو پھر نیکی کرنے والوں اور فساد پھیلانے

دالوں اور پرہیزگاروں گناہ گاروں کے احوال برابر ہو جائیں گے اور جوان کو باہم برابر سمجھے وہ سفیہ و بے وقوف ہوتا ہے اور وہ حکیم و دانا نہیں ہوتا۔
نزول قرآن کا مقصد

۲۹- ﴿كِتَابٌ﴾ ”اٰیٰ ہٰذَا كِتَابٌ“ یعنی یہ ایک کتاب ہے [گویا ”کتاب“ خبر ہے اس کا متبدا ”ہٰذَا“ ہے جو یہاں محذوف ہے ”اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ“ ”کتاب“ کی پہلی صفت ہے اور ”مُبَارَكٌ“ دوسری صفت ہے] ﴿اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ مُبَارَكٌ﴾ اس کو ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا ہے جو بابرکت کتاب ہے اس سے قرآن مراد ہے یعنی قرآن مجید بہت بابرکت کتاب ہے ﴿لِيَتَذَكَّرُوا اَلَيْتُمْ﴾ تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں تدبر کریں اور اس کا معنی یہ ہے کہ لوگ اس کی آیات میں غور و فکر کریں اور سوچ سمجھ کر پڑھیں اور اس میں جو احکامات و نواہیات بیان کیے گئے ہیں ان سے واقفیت و آگاہی حاصل کریں اور ان کے مطابق عمل کریں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بے شک اس قرآن مجید کو غلاموں اور بچوں نے بھی پڑھا ہے مگر انہیں اس کے معانی کا علم حاصل نہ ہو سکا انہوں نے اس کے حروف و کلمات کو یاد کر لیا اور انہوں نے اس کے حدود و احکام اور اوامر و نواہی کو ضائع کر دیا [اور اس کی اصل ”لِيَتَذَكَّرُوا“ ہے اور ایک قراءت میں اسی طرح پڑھا گیا ہے جب کہ یزید کی قراءت میں دو تاؤں میں سے ایک کو حذف کر کے فعل مخاطب ”لِيَتَذَكَّرُوا“ پڑھا گیا ہے] ﴿وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُو اَلْاَلْبَابِ﴾ اور تاکہ عقل و دانش رکھنے والے عقل مند لوگ اس قرآن مجید میں غور و فکر کر کے اس سے نصیحت و عبرت حاصل کریں۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهُ اَوَابٌ ﴿۳۰﴾ اِذْ عَرَضَ عَلَيْهِ بِالْعِشِيِّ
الصُّفِيَّتِ الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾ فَقَالَ اِنِّي اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي حَتّٰى
تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ رُدُّوْهَا عَلَيَّ فَطْفِقْ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾ وَاَقْدًا
فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ
وَهَبْ لِيْ مَلَكًا لَا يُبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرْنَا
لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِىْ بِاَمْرِهٖ رُخَاءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَالشَّيْطٰنِ كُلَّ بَنٰٓءٍ وَّغَوَا۟صِ ﴿۳۷﴾

اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا فرمایا وہ بہت اچھے بندے تھے بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے تھے ○ جب اس کے سامنے پچھلے پہر تین پاؤں پر کھڑے ہونے والے تیز رفتار گھوڑے پیش کیے گئے ○ تو سلیمان نے فرمایا: بے شک میں نے اپنے پروردگار کی یاد کے لیے گھوڑوں سے محبت کی یہاں تک کہ سورج پردے میں چھپ گیا ○ اسے میرے پاس واپس لوٹا لاؤ پھر وہ پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگا ○ اور بے شک ہم نے سلیمان کا امتحان لیا اور ہم نے اس کی کرسی پر بے جان جسم ڈال دیا پھر وہ رجوع لایا ○ اس نے کہا: اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے اور مجھے ایک ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کے لائق نہ ہو بے شک تو بہت عطا فرمانے والا ہے ○ پھر ہم نے ہوا کو اس کے تابع کر دیا جو اس کے حکم سے نرمی

سے چلتی جہاں وہ پہنچنا چاہتے O اور عمارتیں بنانے والے اور غوطہ لگانے والے تمام شیطانوں کو (اس کے تابع کر دیا) O

حضرت سلیمان کا تذکرہ

۳۰۔ ﴿وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ﴾ اور ہم نے (حضرت) داؤد کو (حضرت) سلیمان علیہما السلام عطا فرمایا ﴿نِعْمَ الْعَبْدُ﴾ وہ بہت بہترین بندے ہیں یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام بہت اچھے بندے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام مراد ہیں اور اس قول کی کوئی وجہ نہیں (کیونکہ اس آیت سے حضرت سلیمان کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے) [پھر مخصوص بالمدح محذوف ہے] ﴿إِنَّهُ أَذَابٌ﴾ بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ممدوح اور قابل تعریف ہونے کی علت اور سبب کو بیان فرمایا کہ وہ ”اواب“ ہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع کرنے والے ہیں۔

۳۱۔ ﴿إِذْ عَرَضَ عَلَيْهِ﴾ جب اس پر یعنی حضرت سلیمان پر پیش کیے گئے ﴿بِالْعَبِيدِ﴾ پچھلے پہر یعنی ظہر کے بعد ﴿الصَّفِينَتِ﴾ ایسے گھوڑے جو تین پاؤں پر کھڑے ہونے والے اور چوتھا پاؤں کھڑا کر کے اس کے سم کے صرف کنارے کو زمین پر ٹکانے والے ﴿الْجِيَادِ﴾ تیز رفتار گھوڑے ”جواد“ کی جمع ہے کیونکہ ایسے تیز رفتار گھوڑے دوڑتے ہوئے تیزی سے اپنے پاؤں زمین پر مارتے ہیں ان کو صفون کے ساتھ بھی متصف کیا جاتا ہے کیونکہ یہ سحان میں نہیں ہوتے اور یہ صرف عراب میں ہوتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ ان کو صفون اور جودۃ دونوں صفات کے ساتھ متصف کیا جاتا ہے تاکہ ان میں دونوں بہترین قابل تعریف صفات جمع ہو جائیں ایک ٹھہرنے کی خوبی اور دوسری چلنے کی خوبی کے لیے یعنی جب یہ گھوڑے کھڑے ہوتے ہیں تو پورے اطمینان کے ساتھ اور باوقار طریقے کے ساتھ بالکل جم کر اپنی اپنی جگہ میں ٹھہرے رہتے ہیں اور جب چلتے ہیں تو بہت تیز رفتاری کے ساتھ نہایت ہلکے پھلکے ہو کر تیز بھاگتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ”الجیاد“ ”الجید“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: لمبی گردن والے گھوڑے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دمشق اور نصیبین کے باشندوں کے ساتھ جنگ کی تھی اور اس جنگ میں ایک ہزار عمدہ گھوڑے حاصل ہوئے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ان گھوڑوں کے اپنے باپ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف سے وارث بنے تھے اور ان کے باپ نے یہ گھوڑے عمالقمہ سے حاصل کیے تھے اور بعض کا ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ دریائی گھوڑے تھے جن کے پر بھی تھے انہیں جنات نے دریا سے نکال کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا تھا پھر ایک دن آپ ظہر کی نماز پڑھ کر اپنی کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے تو جہاد کے لیے ان گھوڑوں کو دیکھنے کی خاطر سامنے لانے کا حکم دیا چنانچہ یہ گھوڑے باری باری آپ کے سامنے پیش کیے جاتے رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا اور آپ نماز سے بے خبر ہو گئے حالانکہ نماز آپ پر فرض تھی جس کے فوت ہو جانے سے آپ کو بہت غم لاحق ہوا چنانچہ آپ نے گھوڑوں کو دوبارہ منگوایا اور اللہ تعالیٰ کے تقرب میں انہیں ذبح کر دیا اور صرف ایک سو گھوڑا باقی رہ گیا اور لوگوں کے پاس اس عمدہ نسل جیاد کے جو گھوڑے اب مل جاتے ہیں وہ انہیں باقی رہ جانے والے سو گھوڑوں کی نسل میں سے ہیں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کو قرب الہی میں ذبح کر ڈالا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا بہتر بدلہ عطا فرمایا تھا اور وہ یہ کہ ہوا آپ کے تابع کر دی گئی جو آپ کے حکم سے چلتی تھی۔

۳۲۔ ﴿فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَلَىٰ ذِكْرِ مَا تَنصُرُنِي﴾ سو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: بے شک میں نے (جنگی) گھوڑوں سے اس قدر محبت کی کہ اپنے پروردگار کی یاد سے دور ہو گیا یعنی میں نے گھوڑوں کی محبت کو اپنے رب تعالیٰ

کے ذکر پر ترجیح دی۔ علامہ زجاج سے اسی طرح مروی ہے "سَوَّ أَحَبَّتْ" بہ معنی "اَثَرَتْ" ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ" (فصلت: ۱۷) "سوتمو دو کی قوم نے گمراہی کو ہدایت پر پسند کیا (یعنی ترجیح دی)" اور "عن" بہ معنی "عَلَىٰ" ہے اور اس آیت مبارکہ میں گھوڑوں کو "خیر" فرمایا گیا ہے گو یا وہ بذات خود خیر ہیں کیونکہ ان سے ایک بہت بڑی خیر (جہاد) وابستہ ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "الْخَيْلُ مَعْقُودٌ بِنَوَاصِيهَا الْخَيْرِ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ" یعنی خیر (اجر و ثواب اور مالِ غنیمت) گھوڑوں کی پیشانیوں کے ساتھ قیامت کے دن تک باندھی گئی ہے اور حضرت ابوعلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ "أَحَبَّتْ" بہ معنی "جَلَسَتْ" ہے جیسے "جَلَسَتْ مِنْ أَحْبَابِ الْبَعِيرِ" یعنی میں اونٹوں کی محبت وجہ سے بیٹھا رہا اور "بَعِيرٌ" سے اونٹوں کا گلہ یعنی ریوڑ مراد ہے۔

"حَبُّ الْخَيْرِ" یعنی مال و دولت کی محبت ["حَبُّ" مفعول لہ ہے جو اپنے مفعول "خَيْرِ" کی طرف مضاف ہے] ﴿حَتَّىٰ تَوَازَتْ بِالْحِجَابِ﴾ یہاں تک کہ سورج پردے میں چھپ گیا یا [یا "تَوَارَاتُ" کی ضمیر "الصفات" کی طرف لوٹی ہے یعنی یہاں تک کہ وہ تیز رفتار گھوڑے رات کے پردے میں یعنی تاریکی میں چھپ گئے اور جو اس بات کی دلیل ہے کہ ضمیر سورج کی طرف لوٹی ہے وہ "العشی" کا پہلے ذکر گزر جانا ہے اور مضمحل کے لیے ذکر کا بیان یا ذکر کی دلیل کا ہونا واجب و لازم اور ضروری ہے۔]

۳۳- ﴿رُدُّوْهَا عَلَیَّ﴾ اس کو میرے پاس واپس لوٹا کر لے آؤ یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم سورج کو میرے پاس واپس اپنی جگہ لوٹا کر لے آؤ تاکہ میں عصر کی نماز ادا کر سکوں چنانچہ آپ کے حکم پر آپ کی خاطر سورج کو واپس عصر کی جگہ لوٹا یا گیا اور آپ نے نماز عصر ادا فرمائی یا یہ معنی ہے کہ تم تیز رفتار گھوڑوں کو واپس لے آؤ ﴿فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ﴾ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر اپنے ہاتھ پھیرنے لگے اور چھونے لگے یعنی آپ تلوار سے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں کو چھونے لگے یعنی کاٹنے لگے کیونکہ انہوں نے آپ کو نماز پڑھنے سے روکا تھا [اور "سوق" "ساق" کی جمع ہے جیسے "دار" کی جمع "دور" آتی ہے] اور جب کوئی کسی کی گردن مار دے تو کہتے ہیں: "مسح علاوتہ" اور جب کوئی کتاب کے کنارے اپنی تلوار سے کاٹ دے تو کہتے ہیں: "مسح المسفر الکتاب" اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ کام صرف نماز کے لیے بطور کفارہ کیا تھا یا پھر سورج کے واپس لوٹنے پر شکر الہی ادا کرنے کے لیے یہ کام کیا تھا اور اس زمانہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں گھوڑوں کا گوشت کھانا جائز تھا سو اس لیے ان کو ذبح کرنا تلف و ضائع کرنا نہ ہوا جب کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان پر اپنے ہاتھوں کو استحسان و تعجب کے طور پر پھیرا تھا۔

۳۴- ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا سُلَيْمٰنَ﴾ اور بے شک ہم نے (حضرت) سلیمان کا امتحان لیا اور ہم نے اس کو خوب آزمایا۔ "كَتَبْنَا" بہ معنی "اِبْتَلَيْنَا" ہے ﴿وَالْقَيْنَا عَلٰی كُوْبٰسٍ جَسَدًا اِنَّهٗ اَنَابٌ﴾ اور ہم نے اسی کی شاہی کرسی پر بے جان جسم ڈال دیا پھر وہ رجوع لایا (یعنی) پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا۔

بعض علمائے اسلام نے فرمایا: حضرت سلیمان علیہ السلام کو بیس سال تک حکومت کرنے کے بعد آزمایا گیا اور آپ کا امتحان لیا گیا اور اس امتحان و آزمائش کے بعد بھی آپ نے بیس سال تک حکومت کی تھی اور آپ کا امتحان یہ تھا کہ آپ کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا تو شیاطین جمع ہو کر کہنے لگے: اگر یہ بچہ زندہ رہا تو پھر ہم قید سے رہا نہیں ہوں گے، کیونکہ حضرت سلیمان

کے بعد ان کے تابع ہو جائیں گے لہذا ہماری نجات کا یہی راستہ ہے کہ ہم اسے کسی وقت قتل کر دیں یا پھر ہم اسے اپنا حج بنا دیں چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو شیطانوں کی اس سازش کا علم ہو گیا اور آپ شیطانوں کی شرارت کے خوف کی وجہ سے اپنے بیٹے کی پرورش و تربیت بادل سے کرانے لگے کیونکہ بادل نے آپ کے حکم سے آپ کے بیٹے کو اپنی آغوش میں لے لیا تھا پھر ایک روز اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے بیٹے کو مردہ حالت میں آپ کی کرسی پر ڈال دیا گیا جس کی وجہ سے آپ اپنی خلاف اولیٰ کوتاہی سے آگاہ ہو گئے کہ آپ نے اس بچہ کی پرورش میں اپنے رب تعالیٰ کی ذات پر توکل و بھروسہ کیوں نہیں کیا اور ظاہری سبب کیوں اپنایا۔

اور ایک حدیث میں حضور نبی کریم ﷺ سے اسی طرح مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ آج رات میں اپنی ستر بیویوں کے پاس حقوق زوجیت ادا کرنے جاؤں گا اور ان میں ہر ایک سے ایک ایک گھڑ سوار مجاہد پیدا ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے گا اور حضرت سلیمان علیہ السلام یہ بات کہتے وقت ”إِنْ شَاءَ اللَّهُ“ کہنا بھول گئے پھر آپ نے ستر بیویوں کے پاس چکر لگایا صرف ایک بیوی کو حمل ٹھہرا تھا اور اس نے بھی ایک لنگڑا بچہ جنم دیا تھا جسے آپ کی کرسی پر لایا گیا اور آپ کی گود میں رکھ دیا گیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مجھے اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے! اگر حضرت سلیمان ان شاء اللہ کہہ دیتے تو تمام بیویوں سے مجاہد پیدا ہوتے اور وہ تمام گھوڑوں پر سوار ہو کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے۔ اور لیکن یاد رہے کہ جو حدیث آپ کی انگٹھی اور شیطان کے متعلق اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھر میں بت پرستی کی بیان کی جاتی ہے یہ یہودیوں کی باطل ومن گھڑت روایتوں میں سے ایک باطل و من گھڑت روایت ہے۔

۳۵- ﴿قَالَ تَمَّ ابْتَغِي رِيَّ وَهَبْ لِي مَلَكًا لَا يُتَّبِعُنِي لِأَحَدٍ قَبْلِي بَعْدِي﴾ حضرت سلیمان نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے اور مجھے ایک ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو یعنی میرے سوا کسی کو ایسی حکومت نہ ملے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پہلے اپنی بخشش طلب کی پھر حکومت کی عطا طلب کی کیونکہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صالحین کی یہ عادت جاری رہی ہے کہ وہ سوال سے پہلے استغفار کرتے ہیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس صفت کی سلطنت کا سوال اس لیے کیا تاکہ ایسی سلطنت آپ کے لیے معجزہ قرار پائے لیکن کسی حسد و غیرہ کی بناء پر یہ سوال نہیں کیا تھا اور حضرت سلیمان سے پہلے کسی کے لیے ہوا کو اور شیطین کو مسخر و تابع نہیں بنایا گیا تھا پھر جب آپ نے دعا کی تو آپ کے لیے ہوا کو اور شیطین (یعنی جنات) کو مسخر کر دیا گیا اور یہ خلاف عادت آپ کا معجزہ قرار پایا ﴿إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ بے شک آپ تو بہت زیادہ عطا فرمانے والے ہیں۔

۳۶- ﴿فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً﴾ سو ہم نے (حضرت) سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر و تابع کر دیا جو آپ کے حکم سے نہایت نرمی سے چلتی ”بامرہ“ کا معنی ہے: ”بامر سلیمان“ یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم پر ہوا چلتی تھی اور ”رخاء“ کا معنی ہے کہ ”لَيْسَتْ طَيِّبَةً“ عمدہ اور نرم ہوا جو آندھی کی طرح تیز نہ چلتی ہو [ابو جعفر کی قراءت میں ”الرياح“ پڑھا گیا ہے اور ”تجری“، ”الرياح“ سے حال ہے اور ”رخاء“، ”تجری“ کی ضمیر سے حال ہے] ﴿حَيْثُ أَصَابَ﴾ جہاں آپ پہنچتے (یعنی) جہاں کا آپ قصد و ارادہ فرماتے ہو اُدھر روانہ ہو جاتی جیسے اہل عرب کہتے ہیں: ”أصاب الصواب واخطأ الجواب“ یعنی فلاں شخص نے درست کا ارادہ کیا اور جواب غلط دیا۔

۳۷- ﴿وَالشَّيْطَانُ﴾ [یہ ”الرياح“ پر معطوف ہے] ”أَيُّ وَسَخَّرْنَا لَهُ الشَّيَاطِينَ“ یعنی اور ہم نے (حضرت)

سلیمان علیہ السلام کے لیے شیطانوں (جنات) کو مسخر و تابع کر دیا ﴿كُلَّ بَنَاءٍ﴾ ہر تعمیر کرنے والے معمار کو مسخر کر دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام تعمیرات میں سے جو چاہتے یہ جنات وہی تعمیر کرنے لگ جاتے تھے [یہ "الشیاطین" سے بدل واقع ہو رہا ہے] ﴿وَعَوَّاصٍ﴾ اور ہر غوطہ خور کو مسخر کر دیا یعنی وہ جنات جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے دریاؤں میں سے موتی اور جواہرات نکال کر لاتے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام پہلے آدمی ہیں جنہوں نے دریا اور سمندر سے موتی نکلوائے اور اس کا مطلب و معنی یہ ہے کہ ہم نے (حضرت) سلیمان کے لیے شیاطین میں سے ہر معمار اور ہر غوطہ خور کو مسخر اور تابع کر دیا۔

وَأَخْرَيْنَ الْمُقَرَّبِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ هَذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ

حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ﴿۴۰﴾

اور دوسروں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے ۰ یہ ہماری بخشش ہے پس چاہے احسان کرو چاہے روک رکھو تم پر کوئی حساب نہیں ۰ اور بے شک اس کے لیے ہمارے پاس خاص قرب ہے اور بہترین ٹھکانا ہے ۰

۳۸- ﴿وَأَخْرَيْنَ الْمُقَرَّبِينَ فِي الْأَصْفَادِ﴾ اور ہم نے دوسرے جنات کو بھی مسخر کر دیا جو بیڑیوں میں باندھے گئے ہیں۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام سرکش شیاطین و جنات کو ادب سکھانے اور فساد سے روکنے کے لیے زنجیروں اور بیڑیوں میں باندھ دیا کرتے تھے اور "صَفَدٌ" کا معنی بیڑی ہے اور "عطاء" کو بھی "صَفَدٌ" کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے بھی منعم علیہ کو گویا باندھ دیا جاتا ہے اور اسی سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ "مَنْ بَرَّكَ فَقَدْ أَسْرَكَ وَمَنْ جَفَاكَ فَقَدْ أَطْلَقَكَ" جس نے تیرے ساتھ نیکی کی تو بے شک اس نے تجھے قیدی بنا لیا اور جس نے تجھ پر ظلم کیا تو بے شک اس نے تجھے آزاد کر دیا ["واخرین" "کل بناء" پر معطوف ہے اور یہ بدل کے حکم میں ہے]۔

۳۹- ﴿هَذَا عَطَاؤُنَا﴾ یہ ہماری عطاء اور بخشش ہے (یعنی) یہ حکومت و سلطنت اور یہ مال و دولت اور تسخیر و خوش حالی ہماری عطاء اور بخشش ہے جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں ﴿فَامْنُنْ﴾ سو احسان کر (یعنی) اس میں سے جس کو جو چاہے عطا کر دے۔ یہ "مننہ" سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی عطا کرنا ہے ﴿أَوْ أَمْسِكْ﴾ یا عطاء و بخشش سے روک لے اور حضرت سلیمان علیہ السلام جب عطاء و بخشش کرتے تو اجر و ثواب دیا جاتا اور اگر روک لیتے تو آپ گناہ گار نہیں ہوتے تھے کیونکہ آپ کو دینے اور نہ دینے دونوں کا اختیار حاصل تھا بہ خلاف آپ کے غیر کے (یعنی آپ کے علاوہ جو مال دار خرچ نہیں کرے گا، گناہ گار ہوگا) ﴿بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ [یہ "عطاؤنا" کے متعلق ہے اور بعض نے کہا: یہ اس سے حال ہے] یعنی یہ ہماری عطاء ہے جو بہت زیادہ ہے جس کا حساب کرنا اور شمار کرنا ممکن نہیں ہے یا یہ کہ یہ ہماری تسخیر ہماری عطاء ہے تم شیاطین میں سے جس کو چاہو آزاد کر کے اس پر احسان کرو اور جس کو چاہو زنجیروں میں جکڑ کر روک کر رکھو بغیر حساب کے یعنی اس معاملہ میں تم پر کوئی حساب نہیں۔

۴۰- ﴿وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ﴾ اور بے شک (حضرت) سلیمان علیہ السلام کے لیے ہمارے پاس قرب خاص اور بہترین ٹھکانا ہے ["لزلفی" "ان" کا اسم ہے اور "لہ" خبر ہے اور "عند" میں خبر عامل ہے]۔

وَإِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ﴿۴۱﴾

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هَذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ﴿۳۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِنْهُمْ
 مَعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿۳۳﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْتًا فَاضْرِبْ بِهِ
 وَلَا تَحَدِّثْ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِّعْمَ الْعَبْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿۳۴﴾

اور ہمارے خاص بندے ایوب کو یاد کیجئے جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ بے شک مجھے شیطان نے دکھ اور تکلیف کے ساتھ چھولیا ہے O (ہم نے حکم دیا:) تم اپنا پاؤں زمین پر مارو یہ ٹھنڈا چشمہ ہے نہانے اور پینے کے لیے O اور ہم نے اسے اس کے گھر والے اور ان کے برابر ان کے ساتھ اور عطا فرمادیے محض اپنی رحمت اور عقل مندوں کی نصیحت کی وجہ سے O اور (ہم نے حکم دیا:) تم اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے لو پھر اس کے ساتھ (اپنی بیوی کو) مارو اور قسم نہ توڑو بے شک ہم نے اسے صابر پایا وہ بہترین بندے ہیں بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے ہیں O

حضرت ایوب علیہ السلام کا تذکرہ

۴۱- ﴿وَإِذْ كُنَّا عَبْدًا لِّأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ﴾ اور (اے محبوب!) ہمارے خاص بندے (حضرت) ایوب علیہ السلام کو یاد کیجئے جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا اور اس سے دعا مانگی [”ایوب“، ”عبدنا“ سے بدل ہے یا پھر عطف بیان ہے اور ”اذ“ بھی اسی سے بدل اشتمال ہے] ﴿إِنِّي مَسْنِي الشَّيْطَانَ بِنُصْبٍ﴾ بے شک شیطان نے مجھے مشقت و تکلیف کے ساتھ چھولیا ہے۔ یہ اس کلام کی حکایت ہے جس کے سبب حضرت ایوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو پکارا تھا [”بِنُصْبٍ“ نون مضموم صاد ساکن عام قراءت ہے اور یزید کی قراءت میں نون اور صاد دونوں مضموم ہیں یعنی ”بِنُصْبٍ“ ہے یہ ”نُصْبٍ“ (نون مضموم اور صاد ساکن) کی تشبیل ہے اور یعقوب کی قراءت میں ”بِنُصْبٍ“ (نون و صاد دونوں مفتوح) ہیں جیسے ”اشد و رشد“ اور ہبیرہ کی قراءت میں اصل میں مصدر ہونے کی بناء پر ”نُصْبٍ“ (نون مفتوح صاد ساکن) ہے [اور معنی ایک ہے اور وہ ہے: مشقت و دکھ دینا ﴿وَعَذَابٍ﴾ درد اور تکلیف اور اس سے حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری مراد ہے اور وہ مختلف اقسام کی تکلیفیں اور دردی مراد ہیں جو بیماری کی وجہ سے آپ کے جسم مبارک میں پائی جاتی تھیں اور بعض کا قول ہے کہ اس سے شیطان کے وہ وسوسے مراد ہیں جو آپ کی حالت مرض میں شیطان آپ کے دل و دماغ میں ڈالتا رہتا تھا جیسے آپ پر نازل کی گئی مصیبت و تکلیف اور بیماری کو خوف ناک حد تک بڑھا چڑھا کر پیش کرنا اور آپ کو ان آزمائشوں سے نفرت و کراہت دلانا اور جزع و فزع اور گھبراہٹ و پریشانی کا اظہار کر کے داویلا کرنے اور بے صبری کا مظاہرہ کرنے پر اکسانا سو آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف التجا کی اور اس کی پناہ ڈھونڈی کہ وہ خود اس آزمائش میں اس کی کفایت فرمائے یا اپنی توفیق سے اس کے دفاع میں مدد فرمائے اور اسے صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور ایک روایت بیان کی گئی کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی صرف تین مسلمان عیادت و بیمار پرسی اور دیکھ بھال کرتے تھے پھر ان میں سے ایک مرتد ہو گیا حضرت ایوب علیہ السلام نے اس سے اس کی وجہ پوچھی تو ایک قول کے مطابق شیطان نے اس کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اللہ تعالیٰ انبیائے کرام اور صالحین کو آزمائشوں میں مبتلا نہیں کرتا اور حضرت ایوب علیہ السلام کی اس آزمائش اور بیماری کے سبب کے بارے میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ آپ نے ایک بکری ذبح کی اور اسے خود کھایا مگر آپ کا ایک پڑوسی بھوکا رہا یا یہ کہ آپ نے

ایک مرتبہ کسی بُرائی کو دیکھا لیکن اسے ختم کرنے کی بجائے خاموش رہے یا پھر اس امتحان و بیماری کا صرف یہ سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے درجات کو بلند کرنے کے لیے اس آزمائش میں مبتلا کیا اس سے پہلے آپ کی کوئی کوتاہی وغیرہ نہیں تھی۔
 ۴۲- ﴿اَرْكُضْ بِرَجْلِكَ﴾ اپنا پاؤں زمین پر مارو۔ یہ وہ کلام ہے جس کے ساتھ حضرت ایوب علیہ السلام کو جواب دیا گیا یعنی ہم نے ان کے پاس (حضرت) جبریل علیہ السلام کو بھیجا جس نے ان سے جا کر کہا: ”اركض برجلک“ اپنا پاؤں

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کا آخری سبب جو علامہ نسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان فرمایا ہے یہ مقام نبوت کے موافق ہونے کی بناء پر زیادہ صحیح اور مناسب ہے بہر حال حضرت ایوب علیہ السلام پر کوئی سخت بیماری مسلط کی گئی تھی لیکن وہ بیماری ایسی نہیں تھی جس سے لوگ گھن اور نفرت کرتے۔ حدیث صحیح مرفوع میں بھی اس قسم کی کسی چیز کا ذکر نہیں ہے (اس لیے آپ کے جسم مبارک میں کیڑے پڑ جانے کی بیماری یا چیچک کی بیماری یا گوشت کے گل سڑ جانے کی اسرائیلی روایات صحیح نہیں ہیں) صرف ان کی اولاد اور ان کے مال مویشی کے مرجانے اور ان کے بیمار ہونے پر صابر رہنے کا ذکر ہے۔ علماء اور واعظین کو چاہیے کہ وہ حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف ایسے احوال منسوب نہ کریں جن سے لوگوں کو گھن آئے۔ اب ہم اس سلسلہ میں حدیث صحیح مرفوع کا ذکر کر رہے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک حضرت ایوب علیہ السلام اپنی بیماری میں اٹھارہ سال مبتلا رہے۔ ان کے بھائیوں میں سے دو شخصوں کے سوا سب لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا خواہ وہ رشتہ دار ہوں یا اور لوگ ہوں۔ وہ دونوں ہر روز صبح و شام ان کے پاس آتے تھے۔ ایک دن ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: کیا تم کو معلوم ہے کہ ایوب نے کوئی ایسا بہت بڑا گناہ کیا ہے جو دنیا میں کسی نے نہیں کیا۔ دوسرے نے کہا: کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ سال سے ان پر رحم و کرم نہیں فرمایا حتیٰ کہ اس سے اس کی بیماری کو دور فرما دیتا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتا کہ میں دو آدمیوں کے پاس سے گزرا جو آپس میں جھگڑ رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی کر رہے تھے۔ میں اپنے گھر گیا تاکہ میں ان کی طرف سے کفارہ ادا کروں کیونکہ مجھے یہ ناپسند تھا کہ حق بات کے سوا اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے۔ حضرت ایوب علیہ السلام اپنی ضروریات کے لیے جاتے تھے اور جب ان کی حاجت پوری ہو جاتی تو ان کی بیوی ان کا ہاتھ پکڑ کر لے آتی۔ ایک دن ان کو واپس آنے میں کافی دیر ہو گئی اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ وحی نازل کی: ”اَرْكُضْ بِرَجْلِكَ هَذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ“ (ص: ۴۲) ”(زمین پر) اپنی ایڑی مارے یہ نہانے کا ٹھنڈا اور پینے کا پانی ہے“۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی ساری بیماری کو اس پانی میں نہانے سے دور کر دیا (اور پانی پینے سے ان میں طاقت آ گئی) اور وہ پہلے سے بہت صحت مند اور حسین ہو گئے۔ ان کی بیوی ان کو ڈھونڈتی ہوئی آئی اور پوچھا: اے شخص! اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے، کیا تم نے اللہ تعالیٰ کے نبی کو دیکھا ہے جو بیمار ہیں اللہ کی قسم! میں نے تم سے زیادہ ان کے مشابہ اور تندرست کوئی شخص نہیں دیکھا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا: میں ہی تو وہ شخص ہوں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے دو کھلیان تھے ایک گندم کا کھلیان تھا اور ایک جو کا کھلیان تھا اللہ تعالیٰ نے دو بادل بھیجے ایک گندم کے کھلیان پر برسا اور اس کو سونے سے اس قدر بھر دیا کہ کھلیان سے باہر گرنے لگا اور دوسرا بادل جو کے کھلیان پر برسا اور اس کو چاندی سے بھر دیا حتیٰ کہ چاندی باہر گرنے لگی۔

(ماخوذ از تفسیر تبيان القرآن ج ۱۰ ص ۱۱۵ تا ۱۱۶، بحوالہ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۲۹۸، مسند البزار رقم الحدیث: ۲۳۵، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۳۷۴-۳۷۵، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۱۷، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۰، المستدرک ج ۲ ص ۵۸۱-۵۸۲، حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے اور ذہبی نے اس کی موافقت کی، حافظ البیہقی نے کہا: اس حدیث کو امام ابویعلیٰ اور امام بزار نے روایت کیا ہے اور امام بزار کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۰۸)

اور یعنی اپنا پاؤں زمین پر مارو۔ اور وہ ملک شام کے علاقہ جابہ کی سرزمین تھی چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام نے اس پر اپنا پاؤں مارا پس اس جگہ سے ایک چشمہ اُبلنے لگا تو آپ سے کہا گیا کہ ﴿هَذَا مَغْتَسِلٌ تَبَارَكُ وَشَرَابٌ﴾ یہ نہانے اور پینے کا گھنڈا چشمہ ہے یعنی یہ پانی ہے جس سے تم غسل کرو اور اس سے پیو بھی، سو تمہارا ظاہر و باطن صحیح سلامت اور درست ہو جائے گا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاؤں مارنے کی وجہ سے آپ کے لیے دو چشمے جاری ہو گئے تھے چنانچہ ایک چشمہ سے آپ نے غسل فرمایا اور دوسرے چشمہ سے آپ نے پیا، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کی ظاہری اور باطنی بیماری دور ہو گئی۔

۴۳- ﴿وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِنْهُمْ قَعْقَمٌ﴾ اور ہم نے اس کو اس کے گھر والے اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور عطا فرمایئے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے ان کے فوت شدہ گھر والوں کو زندہ کر دیا اور ان کے برابر مزید عطا فرمادیئے ﴿رَحْمَةً يَتَذَكَّرُ فِيهَا لُذُومِي الْأَلْبَابِ﴾ اپنی طرف سے ان پر رحمت و مہربانی کرنے کے لیے اور عقل مندوں کو نصیحت کرنے کے لیے [یہ دونوں مفعول لہ ہیں] یعنی ہماری یہ عطاء اور بخشش حضرت ایوب علیہ السلام پر خصوصی رحمت کرنے کے لیے اور عقل مندوں کو نصیحت کرنے کے لیے ہے کیونکہ جب عقل مند لوگ یہ بات سُنیں گے کہ ہم نے (حضرت) ایوب علیہ السلام پر ان کے مصیبت پر صبر کرنے کی وجہ سے انعام و احسان فرمایا تو مصیبت پر صبر کرنے میں انہیں ترغیب ملے گی۔

۴۴- ﴿وَحُضِّيْدًا كَثِيْرًا﴾ اور آپ اپنے ہاتھ میں ایک سوتلوں کا ایک جھاڑو لے لیں (یعنی) گھاس کا چھوٹا گھاس یا پھولوں کا ایک گچھا وغیرہ اپنے ہاتھ میں پکڑ لیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ درخت کی شاخوں کا گچھا مراد ہے ﴿فَاضْرِبْ بِهَا وَلَا تَحْتِثْ﴾ سو اس کو لے کر اپنی بیوی کو مارو اور قسم نہ توڑو دراصل حضرت ایوب علیہ السلام نے کسی بات پر ناراض ہو کر بیماری کی حالت میں یہ قسم کھالی تھی کہ جب وہ تندرست ہو جائیں گے تو وہ اپنی بیوی کو ایک سو کوڑے ماریں گے سو آپ کی بیوی نے آپ کی بہترین خدمت کی تھی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے دونوں میاں بیوی پر آسانی اور نرمی فرمائی تاکہ ان کی قسم پوری ہو جائے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ ایک سوتکے والی جھاڑو لے کر اپنی بیوی کو ماریں اور یہ رخصت اب بھی باقی ہے اور یہ واجب ہے کہ مضروب کو سو کوڑوں کی بجائے سوتلوں کی جھاڑو میں سے ہر ایک تنکا لگنا چاہیے تاکہ قسم کا کفارہ ادا ہو جائے اور حضرت ایوب علیہ السلام کے قسم کھانے کے سبب کے بارے میں ایک سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی نے آپ کی کسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے آنے میں تاخیر کر دی اور آپ کے سینے میں درد شروع ہو گیا اور بعض کا قول ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی نے دو سیٹیاں دور دروٹیوں کے عوض میں فروخت کر دیں جن کا سہارا لے کر آپ چلتے تھے جب آپ کھڑے ہوتے تھے ﴿إِنَّا وَجَدَانُهُ حَكِيْمًا﴾ بے شک ہم نے (حضرت) ایوب علیہ السلام کو مصیبتوں پر بڑا صبر کرنے والا پایا (یعنی) ہم نے جان لیا ہے کہ وہ مصیبتوں اور تکلیفوں پر صبر کرنے والے ہیں ہاں! البتہ انہوں نے اس دکھ اور تکلیف کی شکایت ضرور کی تھی اور رحم و کرم کی طلب کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرنے کو جزع فزع اور بے صبری نہیں کہتے سو البتہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿إِنَّمَا أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ﴾ (یوسف: ۸۶) ”بے شک میں اپنے غم و رنج کی شکایت صرف اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں“ علاوہ ازیں حضرت ایوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اس لیے شفاء طلب کی تھی کہ انہیں یہ بھی ڈرتا تھا کہ کہیں ان کی قوم غلط فہمی کا شکار ہو کر کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے کیونکہ شیطان ان کی طرف یہ وسوسہ ڈالتا رہتا تھا کہ اگر حضرت ایوب علیہ السلام نبی ہوتے تو اس طرح کی بیماری اور تکلیف میں مبتلا نہ ہوتے جس میں اب مبتلا ہو چکے ہیں اور نیز آپ اللہ تعالیٰ کی

اطاعت و عبادت کرنے کی قوت و طاقت کے حصول کا ارادہ رکھتے تھے کیونکہ آپ کی بیماری کا معاملہ یہاں تک پہنچ گیا تھا کہ آپ کے جسم مبارک میں سے ماسوا آپ کے دل اور زبان کے کوئی حصہ بیماری سے سلامت نہیں رہا تھا ﴿نِعْمَ الْعَبْدُ﴾ حضرت ایوب علیہ السلام بہت بہترین اور بڑے اچھے بندے تھے ﴿إِنَّهُ آوَابٌ﴾ بے شک وہ (حضرت ایوب علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے۔

وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ ﴿۴۵﴾

أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ ﴿۴۷﴾

وَاذْكُرْ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ وَكُلًّا مِّنَ الْأَخْيَارِ ﴿۴۸﴾

اور آپ ہمارے خاص بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو یاد کیجئے جو بڑی قوتوں والوں اور بہت نظر و فکر رکھنے والے تھے ○ بے شک ہم نے ان کو دارِ آخرت کی یاد کے لیے خالص کر لیا ○ اور بے شک وہ ہمارے نزدیک بہترین پسندیدہ لوگوں میں سے تھے ○ اور آپ اسماعیل اور یسع اور ذوالکفل کو یاد کیجئے اور یہ سب کے سب اچھوں میں سے ہیں ○

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی نسل میں سے انبیائے کرام کا ذکر خیر

۴۵- ﴿وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ﴾ اور (اے محبوب!) ہمارے خاص بندوں حضرات ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کو یاد کیجئے [ابن کثیر کی قراءت میں ”عِبْدَنَا“ (واحد) پڑھا گیا ہے سو جس نے جمع ”عبادنا“ پڑھا تو اس کے مطابق ابراہیم اور اس کے بعد والے ”عبادنا“ کے عطف بیان ہوں گے اور جس نے واحد ”عبدالنا“ پڑھا تو اس کے مطابق ابراہیم علیہ السلام اکیلے اس کا عطف بیان ہوں گے اور ان کی اولاد کو ”عبدالنا“ پر معطوف قرار دیا جائے گا۔ اور جب اکثر و بیشتر اعمال ہاتھوں کے ذریعے ظہور پذیر ہوتے ہیں تو ہر عمل میں انہیں غالب قرار دیا گیا اور ہر عمل میں کہا گیا کہ ”هَذَا مِمَّا عَمِلَتْ آيِدِيهِمْ“ یعنی یہ عمل بھی انہیں اعمال میں سے ہے جن کو ہاتھوں نے سرانجام دیا ہے اگرچہ وہ عمل ہاتھوں کے ذریعے نہ کیا گیا ہو یا بعض کام کرنے والے لوگوں کے ہاتھ کٹ جانے کی وجہ سے ان کے ہاتھ نہیں ہوتے اور اسی بناء پر درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ وارد ہوا کہ ﴿أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ﴾ ہاتھوں والے اور نگاہوں والے یعنی کام کرنے والے اور غور و فکر کرنے والے گویا جو لوگ آخرت کے اعمال نہیں کرتے اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور نہ وہ دین داری کے معاملات میں غور و فکر کرتے ہیں تو وہ اپنا جہد و کوشش کے حکم میں ہیں جو اپنے اعضاء سے کسی قسم کے اعمال بجالانے پر قدرت نہیں رکھتے اور یہ مسلوب العقل یعنی بے عقلوں کے حکم میں ہیں جن کے پاس غور و فکر کرنے اور سوچنے کی صلاحیت نہیں ہے یا پھر اس میں ہر اس شخص پر طنز ہے جو اللہ تعالیٰ کے کام نہیں کرتا اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین میں کوئی بصیرت رکھتا ہے اور انہیں مجاہدہ اور غور و فکر کرنے کی قدرت و طاقت رکھنے کے باوجود ان کو چھوڑ دینے پر ڈرایا دھمکایا گیا ہے۔

۴۶- ﴿إِنَّا أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ﴾ بے شک ہم نے ان کو خوب خالص کر لیا (یعنی) بے شک ہم نے ان کو ایک خالص خصلت و عادت کے ساتھ اپنا مخلص و خالص بنا لیا ہے جس میں کسی قسم کی آمیزش و ملاوٹ نہیں ﴿ذِكْرَى الدَّارِ﴾ گھر کی یاد اور ”الدار“ سے آخرت کا گھر مراد ہے اور معنی یہ ہے: بے شک ہم نے ان کو آخرت کے گھر کی یاد کے لیے خالص کر لیا یعنی ہم نے ان کو اپنا ایسا مخلص و خالص بنا لیا ہے کہ وہ لوگوں کو بھی آخرت کے گھر کی یاد دہانی کراتے ہیں اور وہ انہیں دنیا داری

حرک کر کے دین داری اختیار کرنے اور آخرت کے گھر کی فکر کرنے کی ترغیب دیتے ہیں جیسا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کا طریقہ کار رہا ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک یہ حضرات آخرت کو کثرت سے بہت یاد کرتے ہیں اور بہت زیادہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھتے ہیں اور دنیا کے ذکر کو بھلا دیتے ہیں [”ذکری“ محلاً منصوب ہے کیونکہ اس سے پہلے ”اعنی“ فعل متکلم پوشیدہ ہے یا یہ خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور ”ہی“ ضمیر مبتدا پوشیدہ ہے یا یہ ”خالصة“ سے بدل ہونے کی بناء پر مجرور ہے اور نافع مدنی کی قراءت میں ”بخالصة ذکری الدار“ اضافت کے ساتھ ہے اور یہ اضافت بیانہ ہے کیونکہ ”خالصة ذکری“ بھی ہوتی ہے اور ”غیر ذکری“ بھی ہوتی ہے اور ”ذکری“ مصدر ہے اور مفعول کی طرف مضاف ہے یعنی دار آخرت کے ذکر کو خالص کر دیا گیا اور بعض نے کہا کہ ”خالصة“ بہ معنی خلوص ہے اور یہ فاعل کی طرف مضاف ہے [یعنی ان کے لیے آخرت کے گھر کی یاد خالص کر دی گئی ہے اس طرح کہ وہ آخرت کی یاد کو کسی دوسری مہم کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے بلکہ ان کا اہم ترین مقصد صرف آخرت کی یاد ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں اور بعض نے کہا کہ ”ذکری الدار“ سے دنیا میں ثنائے جمیل اور حسن تعریف مراد ہے اور یہ ایک ایسی خوبی ہے جس کے ساتھ ان کو خالص کر لیا گیا ہے چنانچہ جس طرح اس خوبی کے ساتھ ان کا ذکر کیا جاتا ہے اس طرح ان کے علاوہ کسی کا ذکر اس دنیا میں نہیں کیا جاتا اور درج ذیل ارشاد سے بھی اس کی تائید و توثیق ہو جاتی ہے: ”وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا“ (مریم: ۵۰) ”اور ہم نے ان کے لیے سچائی کی زبان (ان کے ذکر جمیل) کو بلند کر دیا ہے“۔

۴۷- ﴿وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفِينَ﴾ اور بے شک وہ ہمارے نزدیک ضرور برگزیدہ لوگوں میں سے ہیں (یعنی) وہ اپنے ہم جنس اشخاص میں سے بہترین و برگزیدہ ہیں ﴿الْأَخْيَارِ﴾ پسندیدہ و منتخب کردہ اور بہترین لوگ ہیں [یہ ”خیر“ کی جمع ہے یا ”خیر“ کی جمع ہے جس میں شدید کی بجائے تخفیف کے ساتھ ہے جیسے ”اموات“ ہے کہ یہ ”میت“ (”یا“ شدید کے ساتھ) کی جمع ہے یا ”میت“ (”یا“ ساکن کے ساتھ) کی جمع ہے]۔

۴۸- ﴿وَإِذْ كُنَّا نَسُوعًا وَآلِ الْكَافِلِ﴾ اور (اے محبوب!) اسماعیل اور زوا کفیل کو یاد کیجئے [”اليسع“ میں حرف تعریف داخل کیا گیا ہے] ﴿وَكُلٌّ مِنَ الْأَخْيَارِ﴾ اور وہ سب اچھے لوگوں میں سے ہیں [”كُلٌّ“ میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں یعنی اصل میں ”كُلُّهُمْ“ ہے]۔

هَذَا ذِكْرٌ وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَآبٍ ﴿٥٩﴾ جَدَّتِ عَدَانٍ مُّفْتَكَةً لَّهُمْ

الْأَبْوَابُ ﴿٥٩﴾ مُتَّكِينَ فِيهَا يَدْعُونَ فِيهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ وَشَرَابٍ ﴿٥٩﴾ وَ

عِنْدَهُمْ قَصِيرَاتُ الظُّرْفِ اثْرَابٌ ﴿٥٩﴾ هَذَا مَا تُوْعَدُونَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٥٩﴾ إِنَّ

هَذَا الرِّزْقُ قَامَالُهُ مِنْ تَفَادٍ ﴿٥٩﴾ هَذَا طُورٌ وَإِنَّ لِلطَّغْيِينِ لَشَرَّ مَا بَلَ جَهَنَّمَ ج

يَصْلُونَهَا فَيَسُّنُ الْبِهَادُ ﴿٥٧﴾

یہ نصیحت ہے اور بے شک پرہیزگاروں کے لیے ضرور بہترین ٹھکانا ہے ۰ ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں جن کے

دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے O وہ ان میں تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے وہ ان میں بہت سے پھل اور مشروب مانگیں گے O اور ان کے پاس نیچی نگاہیں رکھنے والی ہم عمر لڑکیاں ہوں گی O یہ وہی ہے جس کا تم سے حساب کے دن کے لیے وعدہ کیا جاتا تھا O بے شک یہ ہمارا عطا کیا ہوا رزاق ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا O یہ تو (پرہیزگاروں کے لیے) ہے اور بے شک سرکشوں کے لیے ضرور برا ٹھکانا ہے O دوزخ ہے جس میں وہ داخل ہوں گے سو وہ بہت برا ٹھکانا ہے O

پرہیزگاروں اور سرکشوں کے انجام کا بیان

۴۹ - ﴿ هَذَا ذِكْرٌ وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَآبٍ ﴾ یہ ہے شان اور بے شک پرہیزگاروں اور نیکوکاروں کے لیے ضرور بہترین ٹھکانا ہے یعنی یہ شرف و فضیلت اور یہ شان و مرتبہ اور یہ ذکر جمیل ہے جس کے ساتھ انہیں ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے گا اور بے شک اس کے ساتھ ساتھ ان کے لیے بہترین ٹھکانا بھی ہے جس کی طرف لوٹ کر جائیں گے یعنی دنیا میں تو انہیں حسن تعریف اور ذکر جمیل کے ساتھ یاد کیا جاتا رہے گا اور آخرت میں رب جلیل کی مغفرت و بخشش کی طرف لوٹ کر جائیں گے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے ٹھکانے کی خوبی کی کیفیت کو بیان کیا اور فرمایا کہ

۵۰ - ﴿ جَنَّاتٍ عَدْنٍ مَّفْتَحَةٌ لَهُمُ الْآبْوَابُ ﴾ ہمیشہ قیام کرنے اور ٹھہرنے کے باغات ہیں جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے [جَنَّاتٍ عَدْنٍ، "حسن مآب" سے بدل ہے اور "مَفْتَحَةٌ"، "جنات" سے حال ہے کیونکہ وہ "عدن" کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے معرفہ ہے اور "عدن" اسم علم ہے اور اس میں عامل وہی ہے جو "لِلْمُتَّقِينَ" میں معنی فعل ہے اور "لَهُمُ الْآبْوَابُ" مرفوع اس لیے ہے کہ یہ "مَفْتَحَةٌ" کا فاعل ہے اور ضمیر عائد محذوف ہے یعنی اصل میں "لَهُمُ الْآبْوَابُ مِنْهَا" ہے پھر اسے حذف کر دیا گیا جیسا کہ درج ذیل قول میں محذوف ہے: "فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ" (النازعات: ۳۹) "سو بے شک دوزخ ہی ان کا ٹھکانا ہے O" یعنی "لَهُمُ" یا "ابوابها" لیکن پہلا زیادہ بہتر ہے یا پھر "لَهُمُ الْآبْوَابُ" بدل ہے "مفتحة" کی ضمیر سے اور "جنات" کی طرف لوٹنے والی ضمیر ہے جس کی تقدیر یہ ہے "مفتحة ہی الابواب" اور یہ بدل اشتمال ہے۔

۵۱ - ﴿ مُتَّكِنِينَ فِيهَا يُدْعَوْنَ فِيهَا بِقَائِكَةً كَثِيرَةً مِّنْ شَرَابٍ ﴾ وہ ان میں تکیہ لگائے ہوئے (راحت و سکون کے ساتھ) بیٹھے ہوں گے وہ ان میں بہت سے پھل اور بہت سی شراب طہور مانگیں گے [متكئين، "لَهُمُ" کی ضمیر سے حال ہے اور اس کا عامل "مفتحة" ہے اور اصل میں "شراب کثیر" ہے یعنی بہت سی شراب پھر پہلے "کثیر" پر اکتفاء کر کے دوسرے کو حذف کر دیا گیا]۔

۵۲ - ﴿ وَعِنْدَهُمْ قَصْرَاتُ النَّظْرِ ﴾ اور ان کے پاس نیچی نگاہیں رکھنے والی لڑکیاں ہوں گی جو اپنی نگاہوں کو صرف اپنے شوہروں تک محدود رکھیں گی ﴿ أَثْرَابٍ ﴾ بہ یک وقت پیدا ہونے والی ہم عمر ہم عصر ایک دوسرے کے برابر عمر والیاں سہیلیاں ہوں گی کیونکہ ہم زمانہ اور ہم عصر دوستوں میں باہمی محبت و پیار زیادہ ثابت و قائم رہتا ہے اور گویا وہ بہ یک وقت پیدا ہونے والی نرم و نازک ہم عمر دو شیرہ ہوں گی کیونکہ نوخیزی نے انہیں بہ یک وقت چھولیا (یعنی ایک ہی وقت میں سب بلوغت کو پہنچیں)۔

۵۳ - ﴿ هَذَا مِمَّا تُوَعَّدُونَ لِیَوْمِ الْحِسَابِ ﴾ یہ ہے وہ جس کا تم سے حساب کے دن کے لیے وعدہ کیا جاتا تھا یعنی ایسے دن کے لیے جس میں ہر شخص کو ان اعمال کا پورا پورا بدلہ اور معاوضہ دیا جائے گا جو اس نے دنیا میں کیے تھے [ابن کثیر کی اور ابو عمر کی قراءت میں "یا" کے ساتھ "یوعدون" پڑھا گیا ہے]۔

۵۴۔ ﴿إِنَّ هَذَا الرِّزْقُ مَا لَهُ مِنْ نَفَادٍ﴾ بے شک یہ ہمارا رزق ہے جس کو فنا نہیں یعنی کبھی ختم نہیں ہوگا [اور "مالہ من نفاذ" یہ جملہ "الرزق" سے حال ہے اور عامل اشارہ ہے]۔

۵۵۔ ﴿هَذَا﴾ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی یہ متقیوں اور پرہیزگاروں کا معاملہ ہے یا یہ معنی ہے کہ یہ ایسا ہی ہوگا جیسا کہ ذکر کر دیا گیا ہے ﴿وَإِنَّ لِلظَّالِمِينَ كَثْرًا مِّن مَّاءٍ﴾ اور بے شک سرکشوں کے لیے ضرور بُرا ٹھکانا ہے یعنی ان کی مرجع گاہ بہت بڑی ہے۔

۵۶۔ ﴿جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا فَيَسُّوا فِيهَا﴾ دوزخ جس میں وہ سرکش لوگ داخل ہوں گے سو وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے ان دوزخیوں کے نیچے جو دوزخ کی آگ ہوگی اس کو اس بچھونے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس کو "نائم" (سونے والا) بچھاتا ہے۔

هَذَا فَلْيَذُقُوهُ حَمِيمًا وَغَسَّاقًا ۝۵۴ ۝ وَآخِرِينَ شَكَلَهُ أَزْوَاجًا ۝۵۸ ۝ هَذَا فَوْجٌ مُّقْتَصِمٌ مِّنكُمْ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ۝ أَنْتُمْ صَالُوا النَّارَ ۝۵۹ ۝ قَالُوا بَلْ أَنْتُمْ لَأَمْرُحِبَّاؤُكُمْ ۝ أَنْتُمْ قَدْ مَتَّووه لَنَا فَيَسُّوا الْقَرَارُ ۝۶۰ ۝ قَالُوا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هَذَا فَرِذَّةً عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ۝۶۱ ۝ وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرَى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْأَشْرَارِ ۝۶۲ ۝ أَتَّخَذْتُمْ سِحْرِيًّا أَمْ زَاغَتْ عَنكُمْ الْأَبْصَارُ ۝۶۳ ۝ إِنَّ ذَلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُّهُ أَهْلُ النَّارِ ۝۶۴

النَّارِ ۝۶۴

یہ (سرکشوں کے لیے) ہے سو انہیں چاہیے کہ وہ اسے چکھیں کھولتا ہوا گرم پانی اور پیپ ۝ اور اسی طرح کے اور کئی اقسام کے عذاب ہوں گے ۝ یہ ایک اور فوج ہے جو تمہارے ساتھ گھسنے والی ہے انہیں کوئی خوشی نہیں ہوگی بے شک وہ دوزخ کی آگ میں جائیں گے ۝ وہ کہیں گے: بلکہ تم ہو کہ تمہیں خوشی نہ ملے تم ہی اسے ہمارے لیے آگے لے آئے ہو سو وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے ۝ وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! جو اس کو ہمارے لیے آگے لے کر آیا ہے اسے آگ میں دو گنا عذاب بڑھا کر دے ۝ اور وہ کہیں گے: ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم ان مردوں کو نہیں دیکھ رہے جن کو ہم بُرے لوگوں میں سے شمار کرتے تھے ۝ کیا ہم نے ان کو مذاق بنا رکھا تھا یا ان سے آنکھیں پھر گئی تھیں ۝ بے شک دوزخیوں کا آپس میں جھگڑنا ضرور برحق ہے ۝

۵۷۔ ﴿هَذَا فَلْيَذُقُوهُ حَمِيمًا وَغَسَّاقًا﴾ یہی تو ہے سو انہیں چاہیے کہ وہ اس کو چکھیں کھولتا ہوا سخت گرم پانی اور پیپ یعنی یہ کھولتا ہوا سخت گرم پانی اور پیپ ہے سو وہ لوگ اس کو چکھیں [پس "هَذَا" مبتدا ہے اور "حَمِيمًا" اس کی خبر ہے اور "غَسَّاقًا" خبر پر معطوف ہے اور "فَلْيَذُقُوهُ" جملہ معترضہ ہے [یا یہ معنی ہے کہ عذاب تو یہی ہے سو وہ اسے چکھیں پھر آغاز کیا اور فرمایا: وہ کھولتا ہوا سخت گرم ترین پانی اور پیپ ہے "غَسَّاقًا" وہ گندا پانی ہوگا جو دوزخیوں کے جسموں سے سڑنے لگنے سے نکلے گا چنانچہ جب آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں تو کہا جاتا ہے: "غَسَقَتِ الْعَيْنُ" آنکھ آنسو بہانے لگی اور بعض

حضرات نے فرمایا: ”حمیم“ اس قدر شدید گرم کھولتا ہوا پانی ہوگا جو اپنی حرارت کی وجہ سے دوزخیوں کے ہونٹوں کو جلادے گا اور ”غساق“ اس قدر بخ ٹھنڈی پیپ ہوگی کہ اپنی ٹھنڈک کی وجہ سے منہ کے سارے راستے کو جلادے گی [حمزہ کوئی، علی کسائی اور امام حفص کی قراءت میں سین مشدود کے ساتھ پڑھا جاتا ہے جب کہ اس کو مشدود اور مخفف دونوں طرح پڑھنا جائز ہے]۔

۵۸- ﴿وَاٰخِرُ﴾ یعنی اور دوسرا عذاب یا یہ کہ دوسرا چکھنا ﴿مِنْ شَكْلَةٍ﴾ اسی کی شکل کا ہوگا یعنی مذکورہ بالا پہلے عذاب کی طرح ہوگا [ابوعمر و بصری کی قراءت میں ”وَاٰخِرُ“ (ہمزہ مضموم) ہے] یعنی اور دوسرے عذاب جو چکھائے جائیں گے وہ سختی اور قباحت میں پہلے چکھائے گئے عذاب کی طرح ہوں گے ﴿اَزْوَاجٍ﴾ مختلف اقسام کے گونا گوں عذاب [یہ ”اٰخِرُ“ کی صفت ہے کیونکہ کئی قسم کے عذاب ہونا جائز ہے]۔

۵۹- ﴿هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَضٍ لِّعٰدِیْكُمْ﴾ یہ ایک فوج ہے جو تمہارے ساتھ گھسے گی یعنی یہ ایک اور بہت بڑی جماعت ہے جو دوزخ میں تمہارے ساتھ گھسے گی یعنی تمہاری صحبت و معیت میں دوزخ کی آگ میں جائے گی اور ”اقتبحام“ کا معنی ہے: کسی چیز میں سختی کے ساتھ داخل ہونا اور ”قُمْحَة“ کا معنی ہے: شدت و سختی اور یہ سرکشوں کے اس کلام کی حکایت ہے جو وہ آپس میں ایک دوسرے سے بات چیت کریں گے یعنی وہ یہ کہیں گے اور فوج سے ان کے وہ پیروکار مراد ہیں جو ان کے ساتھ گمراہی میں گھس گئے تھے سو وہ قیامت کے دن بھی ان کے ساتھ عذاب میں گھسیں گے ﴿لَا مَرْحَبًا بِہُمْ﴾ انہیں خوش آمدید نہیں کہا جائے گا۔ دوزخیوں کی طرف سے اپنے پیروکاروں کے لیے بددعا ہے جیسے تم جس کو دعا دو تو اس سے کہو: ”مرحبا بك“ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں کشادہ اور نرم زمین میں اتارے جو فراخ ہو تنگ نہ ہو یا تیرا ملک و شہر کشادہ و فراخ ہو پھر بددعا دینے کے لیے اس پر حرف ”لا“ نافیہ داخل کیا جاتا ہے اور ”بہم“ ان کا بیان ہے جن کو بددعا دی گئی ہے ﴿اِنَّہُمْ صَالُوۡا النَّارَ﴾ بے شک وہ دوزخ کی آگ میں داخل ہوں گے اور یہ ان کی بددعا قبول ہونے کی علت ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ”هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَضٍ لِّعٰدِیْكُمْ“ دوزخ کے فرشتوں کا کلام ہے جو وہ کفار کے سرداروں سے ان کے پیروکاروں کے بارے میں کہیں گے اور ”لَا مَرْحَبًا بِہُمْ اِنَّہُمْ صَالُوۡا النَّارَ“ سرداروں کا کلام ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہ سارا کلام دربان فرشتوں کا ہے۔

۶۰- ﴿قَالُوۡا﴾ وہ کہیں گے یعنی پیروکار اپنے سرداروں سے کہیں گے ﴿بَلْ اَنْتُمْ لَمَرْحَبًا بِكُمْ﴾ بلکہ تم ہی ہو کہ تمہارے لیے خوش آمدید نہ ہو یعنی وہ دعا جو تم نے ہمارے خلاف مانگی ہے اس کے زیادہ حق دار تم ہی ہو اور وہ اس کی علت اور وجہ بیان کرتے ہوئے کہیں گے: ﴿اَنْتُمْ كَذٰبٌ مَّشٰوۡرٌ﴾ تم ہی تو ہو جو اس عذاب کو ہمارے آگے لے کر آئے ہو [ضمیر مفعول عذاب کی طرف لوٹتی ہے یا ان کے دوزخ میں دخول کی طرف لوٹتی ہے] یعنی بے شک تم نے ہی اس کی طرف ہمیں دعوت دی تھی سو ہم نے تمہاری پیروی میں کفر اختیار کر لیا ﴿فَیَسِّرْ لِّقٰرِیۡرِہٖمُ﴾ سو وہ بہت برا ٹھکانا ہے یعنی دوزخ کی آگ۔

۶۱- ﴿قَالُوۡا﴾ وہ کہیں گے یعنی پیروکار اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے: ﴿رَبَّنَا مَنْ کَانَ لَنَا ہٰذَا فِیۡہِ عَذَابًا ضِعْفًا﴾ اے ہمارے پروردگار! جو شخص یہ عذاب ہمارے لیے آگے لایا سو تو اس کو دو گنا عذاب بڑھا کر دے یعنی کئی گنا بڑھا کر ﴿فِی النَّارِ﴾ دوزخ کی آگ میں اور اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو ہم سے دو گنا عذاب دیجئے اور اسی طرح یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ”رَبَّنَا ہَلُوۡا لَہٗمْ اَضَلُّوۡا فَاٰتِہُمْ عَذَابًا ضِعْفًا“ (الاعراف: ۳۸) ”اے ہمارے پروردگار! یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے ہمیں

گمراہ کیا تھا سو آپ انہیں دگنا عذاب دیجئے اور یہ کہ جتنا عذاب پیروکاروں کو دیا جائے اتنا اور بڑھا کر گمراہ کرنے والے سرداروں کو دیا جائے۔

۶۲- ﴿وَقَالُوا﴾ اور وہ کہیں گے: یعنی کفار کے رئیس و سردار کہیں گے [”وقالوا“ میں ”ہم“ ضمیر کفار کے رؤسا کی طرف لوثی ہے] ﴿مَا لَنَا لَا نَدْرِي رَجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِنَ الْأَشْرَارِ﴾ ہمیں کیا ہوا کہ ہم یہاں ان مردوں کو نہیں دیکھ رہے جنہیں ہم بُروں میں سے شمار کرتے تھے یعنی غریب و فقیر مسلمانوں کو یہاں دوزخ میں ہم نہیں دیکھ رہے جن کو ہم دنیا میں حقیر و ذلیل اور بُرا خیال کرتے تھے اور ہم سمجھتے تھے کہ ان میں کوئی خیر و بھلائی اور کوئی فائدہ نہیں ہے۔

۶۳- ﴿أَتَّخَذْنَا لَهُمْ سَخِرِيًّا﴾ کیا ہم نے ان کو مذاق و ہنسی بنا رکھا تھا [امام عاصم کے علاوہ دیگر اہل عراق کے نزدیک یہ خبر ہے اور ہمزہ وصل کا ہے اس بناء پر یہ ”رجالا“ کی صفت ہے یہ ”کننا نعدہم من الاشرار“ کی طرح ہے یعنی جس طرح ہم ان کو بُروں میں سے شمار کرتے تھے اسی طرح ہم ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور ان کے علاوہ دیگر قراء کے نزدیک اس کا ہمزہ استفہام انکاری قطعی ہے (ہمزہ وصل محذوف ہے) یہ اس بناء پر ہے کہ کفار ان غریب مسلمانوں کا مذاق اڑانے سے انکار کریں گے اور اپنے آپ کو ملامت کریں گے اور نافع مدنی، حمزہ کوئی، علی کسائی، خلف اور مفضل کی قراءت میں ”سَخِرِيًّا“ سین مضموم کے ساتھ ہے [”أَمْ زَاغَتْ عَنْهُمْ الْأَبْصَارُ“ یا ان سے آنکھیں پھر گئی ہیں یہ ”مَا لَنَا“ سے متصل ہے یعنی ہمیں کیا ہوا کہ ہم انہیں دوزخ کی آگ میں نہیں دیکھ رہے گویا وہ اس میں نہیں ہیں بلکہ ہماری آنکھیں ان سے پھر گئی ہیں پس اس لیے ہم ان کو نہیں دیکھ رہے حالانکہ وہ اسی میں ہیں۔ دراصل کفار مکہ اپنے معاملے میں پختہ قسمیں کھایا کرتے تھے کہ وہ جنتی لوگوں میں سے ہیں اور یہ مسلمان دوزخیوں میں سے ہیں مگر حقیقت میں ان پر ان کا اپنا ٹھکانا مخفی اور پوشیدہ تھا۔

۶۴- ﴿إِنَّ ذَلِكَ﴾ بے شک وہ جسے ہم نے ان کی طرف سے باہمی جھگڑا بیان کیا ہے وہ ﴿لَحِيحٌ﴾ ضرور برحق ہے اور وہ ضرور سچ ہے جو ہر حال میں لازمی طور پر ہوگا اور یہ ضرور ہوگا کہ دوزخ میں کفار آپس میں جھگڑتے ہوئے باتیں کریں گے پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ وہ کیا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا کہ وہ ﴿تَخَاصُّوْا أَهْلَ النَّارِ﴾ دوزخیوں کا باہمی جھگڑنا ہے اور جب کفار کے باہمی کلام کو اور ان کے درمیان جو سوال و جواب جاری ہوں گے ان کو اس کلام کے ساتھ تشبیہ دی گئی جو دو جھگڑنے والے جھگڑالوؤں کے درمیان واقع ہوتی ہے تو اس کا نام جھگڑا رکھ لیا گیا کیونکہ کفار کے سرداروں کا یہ کہنا کہ ”لا مرحبا بہم“ پیروکاروں کو خوش آمدید نہ ہو اور پیروکاروں کا یہ کہنا ”بل انتم لا مرحبا بکم“ بلکہ تمہیں کے لیے خوش آمدید نہ ہو یہ جھگڑے کے باب سے ہے سو اس لیے ان کے سارے کلام کو جھگڑا کہا گیا کیونکہ ان کا کلام جھگڑے پر مشتمل ہے۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ وَمَا مِنِّي إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٦٥﴾ رَبُّ السَّمَوَاتِ

وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ ﴿٦٦﴾ قُلْ هُوَ نَبِيُّ عَظِيمٍ ﴿٦٧﴾ أَنْتُمْ عَنْهُ

مُعْرِضُونَ ﴿٦٨﴾ مَا كَانَ لِي مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَأِ الْأَعْلَى إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴿٦٩﴾ إِنَّ يُوحَىٰ

إِلَىٰ إِلَّا أَنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٧٠﴾

(اے محبوب!) فرماد دیجئے: بے شک میں تو صرف ڈر سنانے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں

وہ ایک ہے سب پر غالب ہے O وہ آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا مالک ہے سب پر غالب ہے بہت بخشنے والا ہے O فرمادیتے کہ یہ بہت بڑی خبر ہے O تم اس سے منہ پھیر کر غافل ہو چکے ہو O مجھے عالم بالا کے بارے میں کیا معلوم جب وہ جھگڑتے ہیں O میری طرف وحی نہیں کی جاتی مگر یہ کہ میں یقیناً تمہیں کھلم کھلا ڈرسانے والا ہوں O

منصب نبوت عذاب سے ڈرانا اور توحید سمجھانا ہے

۶۵- ﴿قُلْ﴾ اے محمد (ﷺ)! آپ مشرکین مکہ سے فرمادیں کہ ﴿إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ اللَّهِ﴾ بے شک میں صرف ڈرانے والا ہوں (یعنی) میں تو صرف ڈرسانے والا رسول ہوں میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتا ہوں ﴿وَمَا مِن إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ بے شک دین حق اللہ تعالیٰ کی توحید ہے اور تم یہ اعتقاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ﴿الْوَاحِدُ﴾ اکیلا اور یکتا ہے اس کا نہ کوئی ہمسر ہے اور نہ کوئی شریک ہے ﴿الْقَهَّارُ﴾ ہر چیز پر غالب و زبردست ہے۔

۶۶- ﴿رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ وہ آسمانوں کا اور زمین کا مالک ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے بادشاہی اسی کے لیے ہے اور تمام جہانوں کی تربیت و ربوبیت اور پرورش اسی کے لیے ہے ﴿الْعَزِيزُ﴾ غالب ہے جب وہ سزا دیتا ہے تو وہ مغلوب و عاجز نہیں ہوتا ﴿الْقَهَّارُ﴾ ان کو بہت بخشنے والا ہے جو اس کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

۶۷- ﴿قُلْ هُوَ﴾ اے محبوب! فرمادیتے کہ وہ یعنی یہ جو میں نے تمہیں بتایا ہے کہ میں ڈرسانے والا رسول ہوں اور بے شک اللہ تعالیٰ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں تو یہ ﴿نَبِؤًا عَظِيمًا﴾ بہت بڑی خبر ہے اس جیسی خبر سے روگردانی نہیں کر سکتا مگر جو سخت غافل و بے خبر ہو پھر بھی

۶۸- ﴿أَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ﴾ تم اس سے روگردانی کرنے والے غافل ہو۔

۶۹- ﴿مَا كَانَ لِي مِن عِلْمٍ بِاللَّهِ إِلَّا أَعْلَىٰ إِذْ يَخْتَصِمُونَ﴾ مجھے عالم بالا کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا جب فرشتے جھگڑتے تھے۔ اس آیت مبارکہ سے حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت کے برحق ہونے پر اور اس کے صحیح ہونے پر استدلال کیا گیا ہے وہ اس طرح کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عالم بالا کے بارے میں اور وہاں فرشتوں کے جھگڑنے اور بحث کرنے کے بارے میں جو خبریں بیان کی ہیں وہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کا علم اس سے پہلے آپ کو ہرگز حاصل نہیں تھا پھر بعد ازاں آپ نے اس کو جان لیا اور آپ نے علوم کے حصول میں وہ طریقہ اختیار نہیں فرمایا جو لوگ غیر معلوم چیزوں کے جاننے میں اختیار کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اہل علم حضرات سے تعلیم حاصل کرنا اور کتابیں پڑھنا سو اس سے معلوم ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عالم بالا میں فرشتوں کے جھگڑنے اور بحث کرنے کا علم صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے حاصل ہوا ہے [امام حفص کی روایت میں "مَا كَانَ لِي" میں "يَا" مفتوح ہے]۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آج رات میرا رب تعالیٰ میرے پاس سے زیادہ حسین صورت میں آیا حضرت ابن عباس نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ حضور نے خواب کا واقعہ بیان فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد ﷺ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ فرشتے کس چیز کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں میں نے کہا: نہیں آپ نے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا یہاں تک کہ میں نے اپنے سینے میں اس کی ٹھنڈک محسوس کی "فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ" سو جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے میں نے سب جان لیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد ﷺ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ فرشتے کس چیز میں جھگڑ رہے ہیں میں نے کہا: جی ہاں! (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۷۰۔ ﴿إِنْ يُوحَىٰ إِلَيَّ إِلَّا أَنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ﴾ میری طرف وحی نہیں کی جاتی مگر یہ کہ بے شک میں کھلم کھلا ڈر سنانے والا ہوں۔ ”ای لانما انا نذیر مبین“ یعنی مجھے اس لیے وحی کی جاتی ہے کہ میں اعلانیہ ڈر سنانے والا ہوں اور اس کا معنی یہ ہے کہ ”مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ إِلَّا لِنَذَارٍ“ مجھے صرف ڈر سنانے کے لیے وحی کی جاتی ہے [پھر لام کو حذف کر کے ”انما“ کے ہمزہ کو نصب دے دیا گیا ہے کیونکہ ”يُوحَىٰ“ فعل کا عمل اس کی طرف پہنچتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ مرفوع ہو] اس معنی کی بناء پر کہ ”مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ إِلَّا هَذَا وَهُوَ أَنْ أَنْذِرَ وَأَبْلَغَ وَلَا أَقْرَطُ فِي ذَٰلِكَ“ میری طرف وحی نہیں کی جاتی مگر یہی اور وہ یہ کہ میں تمہیں ڈر سنانا ہوں اور میں تمہیں تبلیغ کرتا ہوں اور میں اس میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا یعنی مجھے حکم نہیں دیا جاتا مگر صرف یہی ایک اور اس کے علاوہ مجھے کوئی حکم نہیں دیا جاتا [یہ بھی جائز ہے کہ ”انما“ میں ہمزہ مکسور ہو حکایت کی بناء پر یعنی مگر یہی قول اور وہ یہ کہ میں تم سے کہتا ہوں کہ بے شک میں صرف ڈر سنانے والا ہوں اور میں کسی اور چیز کا دعویٰ نہیں کرتا] اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ”نَبَأٌ عَظِيمٌ“ سے کسی شخص سے سنے بغیر حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ کو بیان کرنا اور اس کی خبر دینا مراد ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ ”نَبَأٌ عَظِيمٌ“ قرآن مجید ہے اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: ”نَبَأٌ عَظِيمٌ“ (بہت بڑی خبر) قیامت کا دن ہے اور ”مَلَأُ أَعْلَىٰ“ سے اصحاب قصہ مراد ہیں یعنی رائے دینے والے فرشتے اور حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس مردود کیونکہ یہ سب آسمان میں رہتے تھے اور انہیں کے درمیان گفتگو ہوتی تھی [اور ”إِذْ يَخْتَصِمُونَ“ محذوف کے متعلق ہے کیونکہ معنی یہ ہے کہ جھگڑے کے وقت مجھے فرشتوں کے کلام کا علم نہیں ہے]۔

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِينٍ ۖ فَإِذَا سَوَّيْتَهُ وَ

نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ۗ فَسَجَدَ الْمَلِكَةُ كُلُّهَا أَسْجُودًا ۖ

إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ اسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِينَ ۗ قَالَ يَا بَلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کفارات میں اور کفارات (گناہوں کو مٹانے والے اعمال) یہ ہیں: نمازوں کے بعد مسجدوں میں ٹھہرنا اور ہجگانہ نمازوں کی جماعت کے لیے پیدل چل کر جانا اور مشقت و تکلیف کے وقت کامل وضو کرنا اور جو یہ کام کرے گا وہ خیریت سے زندہ رہے گا اور خیریت سے مرے گا اور وہ اپنے گناہوں سے نکل کر اس طرح پاک ہو جائے گا جس طرح اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد ﷺ! جب آپ نماز پڑھ لیں تو یہ دعا کیا کریں: ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِينِ وَإِذَا أَرَدْتُ بِعِبَادِكَ فِتْنَةً فَأَقْبِضْنِي إِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُونٍ“ اے اللہ! میں تجھ سے نیکیوں کے کرنے اور برائیوں کے چھوڑنے اور ناداروں سے محبت کرنے کا سوال کرتا ہوں اور جب آپ اپنے بندوں کو آزمائش میں مبتلا کرنے کا ارادہ کریں تو آپ میری روح کو اس حال میں قبض کر لینا کہ فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔ حضور نے فرمایا: درجات کو بلند کرنے والے اعمال یہ ہیں: سلام کو پھیلانا، اور کھانا کھلانا، اور رات کو نماز پڑھنا جب کہ لوگ سو رہے ہوں۔

(تفسیر لباب التاویل المعروف خازن ج ۴ ص ۴۸، مطبوعہ دارالکتب العربیۃ الکبریٰ، مصر، تفسیر معالم التنزیل المعروف تفسیر بغوی ج ۴ ص ۶۹، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت، تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۷۲-۷۳، مطبوعہ نوز محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی، تفسیر تیان القرآن ج ۱۰ ص ۱۳۲ تا ۱۳۳، مطبوعہ فرید بکت شال، لاہور)

تَسْبُدًا لِّمَا خَلَقْتُ بِكَائِي ط اسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ اَنَا خَيْرٌ
مِّنْهُ ط خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ﴿۴۶﴾ قَالَ فَاخْرِجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ
رَجِيمٌ ﴿۴۷﴾ وَاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي اِلَى يَوْمِ الدِّائِنِ ﴿۴۸﴾

جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا: بے شک میں مٹی میں سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں O سو جب میں اس کی تخلیق مکمل کر لوں اور میں اس میں اپنی (طرف سے خاص) روح پھونک دوں تو تم اس کو سجدہ کرنے کے لیے گر پڑنا O پس سب کے سب فرشتوں نے سجدہ کیا O سوائے ابلیس کے اس نے تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا O فرمایا: اے ابلیس! تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس نے روکا جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا فرمایا کیا تو نے تکبر کیا یا تو تکبر کرنے والوں میں سے تھا O اس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا O اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس تو یہاں سے نکل جا سو بے شک تو مردود ہے O اور بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت ہے O

حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ

۷۱- ﴿اِذْ قَالَ رَبُّكَ﴾ (اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے) جب آپ کے پروردگار نے حضرت آدم علیہ السلام کی شان میں فرمایا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کی زبانی (فرشتے کی وساطت سے) ﴿لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۭٔ اَبَشْرًا مِنْ طِیْنٍ﴾ فرشتوں سے فرمایا کہ بے شک میں مٹی میں سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں اور فرمایا: ”اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ“ (البقرہ: ۳۰) ”بے شک میں زمین میں نائب بنانے والا ہوں فرشتوں نے کہا کہ کیا اس میں تو ایسے شخص کو نائب بنائے گا جو اس میں فساد پھیلانے گا اور خون ریزی کرے گا“ [”اذ قال ربك“، ”اذ یختصمون“ سے بدل واقع ہو رہا ہے]۔

۷۲- ﴿فَاِذَا سَوَّیْتَهُ﴾ پھر جب میں اس کو برابر بنا لوں یعنی جب میں اس کی خلقت کو مکمل و پورا کر لوں اور میں اس کی جسمانی ساخت کو برابر سنوار لوں ﴿وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوحِیْ﴾ اور میں اس میں اپنی (طرف سے خاص) روح پھونک دوں جسے میں نے پیدا کیا ہے۔ ”من روحی“ میں اللہ تعالیٰ نے روح کی اضافت و نسبت اپنی طرف محض تخصیص و تشریف کے لیے کی ہے جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ میں ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے (حضرت) آدم علیہ السلام کو حیات و زندگی عطا کی میں نے اسے زندہ کیا اور میں نے اسے حساس (محسوس کرنے والا) اور تنفس (سانس لینے والا متحرک الارادہ) بنایا ﴿فَقَعُوْا اَلۡکۡ﴾ سو تم اس کے آگے گر پڑو [یہ ”وقع یقع“ سے فعل امر جمع مذکر مخاطب ہے] یعنی تم حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے زمین پر گر پڑو اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم اسے سجدہ کرو ﴿سُجِدۡتَیْنِ﴾ اسے سجدہ کرنے کے لیے گر پڑو بعض کا قول ہے: سجدہ سے صرف جھکنا مراد ہے جو فرشتوں کی تو واضح پر دلالت کرتا ہے اور بعض نے کہا کہ یہ سجدہ اللہ تعالیٰ کے لیے تھا (اور حضرت آدم علیہ السلام صرف قبلہ بنے تھے) یا پھر یہ تعظیسی سجدہ تھا (کیونکہ سجدہ عبادت ہمیشہ سے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے)۔

۷۳- ﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اٰجْمَعُوْنَ﴾ پس تمام فرشتوں نے جمع ہو کر سجدہ کیا۔ لفظ ”کل“ احاطہ کرنے اور گھیرنے کے لیے ہے اور ”اجمعون“ اجتماع کے لیے ہے پس اس کا مفاد و مطلب یہ ہوا کہ اول سے لے کر آخر تک تمام کے تمام فرشتوں نے جمع ہو کر ایک ہی وقت میں سجدہ کیا الگ الگ گروہ در گروہ ہو کر مختلف اوقات میں سجدہ نہیں کیا۔

۷۴- ﴿إِلَّا ابْلِيسَ اسْتَكْبَرَ﴾ سوائے ابلیس (شیطان) کے اس نے تکبر و غرور کیا اور اپنے آپ کو بڑا سمجھا یعنی سجدہ کرنے سے تکبر و غرور کیا ﴿وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کر کے کافروں میں سے ہو گیا۔

۷۵- ﴿قَالَ يَا ابْلِيسَ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ﴾ اے ابلیس! تجھے کس نے منع کیا کہ تو سجدہ کرتا؟ ”ای ما منعك عن السجود“ یعنی تجھے سجدہ کرنے سے کس نے روکا؟ ﴿لِمَا خَلَقْتُ بِيدَيَّ﴾ اس کے لیے جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا یعنی اپنے حکم کی تعمیل اور اپنے خطاب کی تعظیم کے لیے میں نے بغیر کسی واسطہ کے خود اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہے اور بے شک یہ پہلے گزر چکا ہے کہ دو ہاتھوں والے لوگ اپنے اکثر و بیشتر اعمال کو اپنے ہاتھوں سے کرتے ہیں اس لیے ہاتھوں کے اعمال کو باقی ان تمام اعمال پر غالب قرار دیا گیا جو ہاتھوں کے بغیر بھی کیے جاتے ہیں یہاں تک کہ دل کے عمل کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے: یہی وہی کام ہے جسے تمہارے ہاتھوں نے سرانجام دیا اور یہاں تک کہ جس کے لیے ہاتھ نہیں ہوتا اسے بھی کہا جاتا ہے کہ تیرے ہاتھ (کاروبار میں) خوب تیز چلتے رہیں اور تیرا منہ بھرا رہے اور یہاں تک کہ تمہارے اس قول کے درمیان کہ ”یہ کام تم نے کیا ہے“ اور اس قول کے درمیان کہ ”یہ کام تمہارے ہاتھوں نے کیا ہے“ کوئی فرق باقی نہیں رہتا اور اسی سے یہ ارشاد ہے: ”مِمَّا عَمِلْتُمْ اَيْدِيْنَا“ (سورہ اعراف: ۱۱) ”اس میں سے جسے ہمارے ہاتھوں نے بنایا“ اور یہ ارشاد ”لِمَا خَلَقْتُ بِيدَيَّ“ اس کے لیے جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا ﴿اَسْتَكْبَرْتُمْ﴾ کیا تو نے تکبر اور غرور کیا ہے۔ یہ استفہام انکاری ہے یعنی تو نے بغیر استحقاق کے تکبر کیا ہے ﴿اَمْ كُنْتُمْ مِنَ الْعٰلِيْنَ﴾ یا تو مشکروں میں سے تھا انہیں میں سے توفیق اور بڑھائی والا بن گیا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ کیا تو نے اب تکبر کیا ہے یا تو ہمیشہ سے تکبر کرنے والوں میں سے تھا؟

۷۶- ﴿قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِيْنٍ﴾ شیطان نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں (کیونکہ) تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی میں سے پیدا کیا ہے یعنی اگر اس کو آگ سے پیدا کیا گیا ہوتا تب تو میں اسے سجدہ کر لیتا کیونکہ میرے جیسا مخلوق ہوتا بھلا اب میں اسے کیسے سجدہ کروں جو مجھ سے ادنیٰ اور کم تر ہے کیونکہ وہ مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ مٹی پر غالب ہے اور اسے کھا جاتی ہے [پہلے جملہ یعنی ”خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ“ پر دوسرا جملہ معطوف ہو کر عطف بیان اور عطف توضیح ہے]۔

۱۔ ابلیس کا یہ زعم (اور گمان) تھا کہ آگ مٹی سے افضل ہے حالانکہ حسب ذیل وجوہ سے مٹی آگ سے افضل ہے:

- (۱) مٹی آگ پر غالب ہے کیونکہ آگ پر مٹی ڈالنے سے آگ بجھ جاتی ہے اور آگ مٹی کو ختم نہیں کر سکتی۔
- (۲) مٹی امین ہے کہ مٹی میں بیج دبا دیا جائے تو وہ اس سے درخت اُگا کر بیج کو پھر کٹی گنا بڑھا کر لوٹا دیتی ہے اور آگ خائن ہے کہ اس میں جو کچھ ڈالا جائے آگ اسے بھسم کر دیتی ہے۔
- (۳) آگ کی طبیعت میں جوش اور غضب ہے اور مٹی کی طبیعت میں سکون اور ثبات ہے۔
- (۴) مٹی کی طبیعت میں تخلیق اور تکوین کی صلاحیت ہے مٹی سے انسانوں اور حیوانوں کا رزق حاصل ہوتا ہے اور روئی حاصل ہوتی ہے جس سے انسانوں کو لباس اور زینت فراہم ہوتی ہے اس میں معدنیات ہیں جن سے مختلف آلات اور مشینیں بنتی ہیں اور آگ سے کسی چیز کا حصول نہیں ہوتا بلکہ وہ حاصل شدہ چیزوں کو فاسد اور فنا کر دیتی ہے۔
- (۵) مٹی سے انسان اپنی رہائش کے لیے گھر بناتا ہے جو اس کو دھوپ اور بارش سے بچاتا ہے اور آگ سے گھر بنتا نہیں ہے بلکہ بگڑ جاتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۷۷۔ ﴿قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا﴾ سو تو اس سے یعنی جنت سے یا آسمانوں سے یا تو اپنی اس اصل خلقت سے نکل جا جس میں تو اب تک رہا اس لیے کہ شیطان نے اپنی خلقت پر تکبر اور فخر و غرور کیا تھا سو اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی خلقت کو تبدیل کر دیا پہلے وہ سفید تھا اس کے بعد اسے کالا سیاہ بنا دیا اور وہ پہلے حسین اور خوب صورت تھا اس کے بعد اسے قبیح اور بد صورت بنا دیا اور پہلے وہ نورانی اور روشن تھا اس کے بعد ظلمانی اور تاریک بنا دیا ﴿فَأَتَاكَ رَجِيمٌ﴾ پس بے شک تو مردود ہے یعنی تو (بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۶) آگ خود بہ خود قائم نہیں ہو سکتی اس کو اپنے قیام کے لیے کسی محل اور جگہ کی ضرورت ہے اور وہ محل اور جگہ زمین اور مٹی ہے سو آگ محتاج ہے اور مٹی محتاج الیہ ہے اور محتاج الیہ محتاج سے (غنی ہونے کی بناء پر) افضل ہوتا ہے۔

(۷) ہر چند کہ آگ سے بعض فوائد حاصل ہوتے ہیں مثلاً اس سے کھانا پکتا ہے روشنی حاصل ہوتی ہے لیکن اس کو کنٹرول کرنا پڑتا ہے اگر کنٹرول نہ کیا جائے تو وہ کھانا جلادے اور گھر جل کر راکھ ہو جائے سو اس کی خیر میں بھی شرمضمہ ہے اور مٹی سراپا خیر ہے اس میں شر بالکل نہیں ہے۔

(۸) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مٹی کے بہت فوائد اور منافع بیان فرمائے زمین کے متعلق فرمایا: ہم نے اس کو "فراش"، "بساط" اور "قرا" بنایا ہے اور زمین کے عجائبات میں انسان کو غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے اور آگ کا ذکر زیادہ تر ڈرانے دھمکانے اور عذاب دینے کے لیے فرمایا ہے اور مٹی کو اجر و ثواب کا منبع بنا دیا ہے اور وہ جنت ہے جس میں باغات ہیں اور محلات ہیں اور یہ مٹی کے ثمرات ہیں اور آگ صرف دوزخ میں ہے اور جنت دوزخ سے افضل ہے تو مٹی آگ سے افضل ہوئی۔

(۹) مٹی کے لینے یہ فضیلت کافی ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا گھر بنایا گیا انبیائے کرام علیہم السلام کو بنایا گیا ہے اور آگ کے لیے یہ مذمت بہت ہے کہ اس سے شیطان کو بنایا گیا ہے۔

(۱۰) مٹی سے تواضع ہوتی ہے اور آگ سے سرکشی اور تکبر پیدا ہوتا ہے اور جو تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو سر بلند کرتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے: حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اللہ تعالیٰ کے لیے ایک درجہ تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ایک درجہ بلند کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک درجہ تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ایک درجہ نیچے گرا دیتا ہے حتیٰ کہ اس کو "اسفل السافلین" میں کر دیتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۷۶، مسند احمد ج ۳ ص ۷۶، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۱۰۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۶۷۸)

حضرت عیاض بن خمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے میری طرف یہ وحی کی ہے کہ تم انکسار اور تواضع اختیار کرو حتیٰ کہ کوئی شخص دوسرے پر فخر نہ کرے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۷۹، مسند احمد ج ۴ ص ۱۶۲، حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۱۷)

ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ ابلیس کا یہ زعم صحیح نہیں ہے کہ آگ مٹی سے افضل ہے لیکن اگر بالفرض اس کا یہ زعم صحیح بھی ہوتا تو کسی مرکب کے تحقق (پائے جانے) کی چار علتیں ہوتی ہیں: علت مادی، علت صوری، علت قاعلی اور علت عالی اور مادہ کے علاوہ بقیہ تین علتوں کی وجہ سے بہر حال حضرت آدم علیہ السلام افضل ہیں:

(۱) علت صوری کے اعتبار سے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے حدیث میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ" اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۲۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۱، مسند احمد رقم الحدیث: ۸۱۵۶) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

درگاہ الہی سے راندہ گیا ہے (اور تجھے رحمت الہی سے دور پھینک دیا گیا ہے) شیطان نے مٹی سے پیدا کیے گئے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے تکبر و غرور کیا اور اسی وجہ سے وہ پھسل گیا جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو اس کا حکم دیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے خطاب کے اجلال و بزرگی اور اس کے حکم کی تعظیم و تکریم کی خاطر اس کے حکم کی اتباع اور پیروی کی (تو مطیع اور معصوم برقرار رہے) لیکن شیطان اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کر کے اور اسے ترک کر کے مردود اور ملعون قرار پایا۔

۷۸- ﴿وَأَنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي﴾ اور بے شک تجھ پر میری لعنت ہے یعنی میری طرف سے تجھے ہر خیر و بھلائی سے دور اور محروم کر دیا گیا ہے [نافع مدنی کی قراءت میں ”یا“ مفتوح ”لَعْنَتِي“ ہے] ﴿إِلَى يَوْمِ الدِّينِ﴾ قیامت کے دن تک یعنی روز جزا تک اور یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ شیطان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کی انتہاء قیامت تک ہے پھر ختم ہو جائے گی اس لیے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک دنیا میں شیطان پر صرف اکیلی لعنت ہے پھر جب قیامت کا دن آئے گا تو لعنت کے ساتھ عذاب بھی مل جائے گا سو وہاں انفرادیت ختم ہو جائے گی (یعنی صرف لعنت ہی نہیں لعنت کے ساتھ عذاب بھی ہوگا) یا یہ کہ جب رحمت کے اوقات کے دوران اس پر لعنت جاری رہی تو رحمت کے اوقات کے نہ ہونے کے دوران اس پر بہ طریق اولیٰ لعنت جاری رہے گی اور بھلا اس پر لعنت کیسے ختم ہو سکتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”فَأَذِّنْ مُوَدِّنَ بَيْنَهُمْ أَنْ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ“ (الاعراف: ۳۴) ”سوا یک منادی ان کے درمیان اعلان کرے گا کہ ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے“۔

قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿۷۹﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ﴿۸۰﴾ إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿۸۱﴾

اس نے کہا: اے میرے پروردگار! پس تو مجھے اس دن تک مہلت دے دے جس دن لوگوں کو اٹھایا جائے گا۔ فرمایا: سو تو بلاشبہ مہلت والوں میں سے ہے۔ ایک معلوم و معین وقت کے دن تک۔

۸۱ تا ۷۹- ﴿قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾ ﴿قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ﴾ ﴿إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ﴾ شیطان نے کہا: اے میرے پروردگار! پس تو مجھے اس دن تک مہلت دے دے جس دن لوگوں کو اٹھایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سو بے شک تو مہلت پانے والوں میں سے ہے۔ ایک معلوم وقت کے دن تک۔ اور معلوم وقت سے وہ مراد ہے جس میں پہلا صور پھونکا جائے گا اور اس دن سے وہ دن مراد ہے جس وقت صور پھونکنے کے اجزاء میں سے کوئی جز پایا جائے گا اور ”المعلوم“ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ دن اور وہ وقت معلوم اور معین ہے نہ آگے ہوگا اور نہ پیچھے ہوگا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۲) اور علت فاعلی سے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ساری کائنات کو اللہ تعالیٰ نے صرف لفظ ”كُنْ“ سے بنایا اور حضرت آدم کو اپنے ہاتھوں سے بنایا، فرمایا: ”خَلَقْتُ بَيْدِي“ (ص: ۷۵)۔

(۳) اور علت غائی کے اعتبار سے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنی خلافت اور نیابت کے لیے بنایا: ”رَبِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً“ (البقرہ: ۳۰)۔ ان دلائل سے واضح ہو گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام ہر اعتبار سے ابلیس سے افضل تھے اور اس کا ”انا خیر منه“ کہنا بے جا غرور اور جھوٹا تکبر تھا۔

(تفسیر تبیان القرآن ج ۱۰ ص ۱۵۰ تا ۱۵۱، فریڈ بک شال، لاہور، تفسیر روح البیان مترجم پارہ: ۲۳، ص ۲۲۵ تا ۲۲۸)

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۸۳﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿۸۴﴾ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقُّ أَقُولُ ﴿۸۵﴾ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۸۵﴾

اس نے کہا: پس تیری عزت کی قسم! ضرور میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا O ماسوا تیرے ایسے بندوں کے جو ان میں سے برگزیدہ ہیں O فرمایا: سو یہ سچ ہے اور میں سچ ہی فرماتا ہوں O ضرور میں تجھ سے اور ان سب سے دوزخ کو بھر دوں گا جو ان میں سے تیری پیروی کریں گے O

۸۲، ۸۳۔ ﴿قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ﴾ شیطان نے کہا: تیری عزت کی قسم! میں ضرور ان سب کو گمراہ کر دوں گا۔ شیطان نے اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم کھائی اور اس سے اللہ تعالیٰ کی سلطنت اور غلبہ مراد ہے ﴿إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ﴾ مگر میں ان میں سے تیرے برگزیدہ بندوں کو گمراہ نہیں کر سکوں گا [ابن کثیر کی ابو عمرو بصری اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "مخلصین" کلام مکسور ہے]۔

۸۴۔ ﴿قَالَ فَالْحَقُّ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سو یہ سچ ہے [علی کسائی کے علاوہ باقی اہل کوفہ کی قراءت میں مبتدا ہونے کی بناء پر "الحق" مرفوع ہے "ای الحق قسمی" مجھے حق کی قسم ہے یا پھر خبر کی بناء پر مرفوع ہے: "ای انا الحق" یعنی میں حق ہوں اور ان کے علاوہ دیگر قراء کے نزدیک یہ منصوب ہے اس بناء پر کہ یہ مقسم بہ ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ "اللہ لافعلن کذا" اللہ کی قسم! میں یہ کام ضرور کروں گا، یعنی لفظ "اللہ" کے شروع میں حرف "بنا" قسمیہ حذف کر دی گئی ہے اصل میں "باللہ لافعلن کذا" تھا اسی طرح اصل میں "بالحق" تھا حرف "بنا" قسمیہ حذف کر دیا گیا ہے پھر اسے نصب دیا گیا ہے اور اس قسم کا جواب "لأملئن" ہے [﴿وَالْحَقُّ أَقُولُ﴾ اور میں سچ ہی کہتا ہوں] یہ مقسم بہ اور مقسم علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور "الحق" منصوب ہے "اقول" کی وجہ سے [اور اس کا معنی یہ ہے کہ "ولا اقول الا الحق" اور میں حق سچ کے سوا کچھ نہیں کہتا اور حق سے یا تو اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک مراد ہے جو درج ذیل ارشاد میں ہے: "بَانَ اللّٰهُ هُوَ الْحَقُّ" (الحج: ۶۲)] اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی حق ہے یا پھر حق سے وہ حق مراد ہے جو باطل کی نقیض اور ضد ہے اللہ تعالیٰ نے اس حق کی قسم فرما کر اس کی عظمت و شان کو بڑھا دیا ہے۔

۸۵۔ ﴿لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ﴾ میں ضرور دوزخ کو تجھ سے بھر دوں گا یعنی تیری جنس سے اور وہ تمام شیاطین ہیں ﴿وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ﴾ اور ان میں سے جو تیری پیروی کریں گے یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے جو تیری پیروی کریں گے ﴿أَجْمَعِينَ﴾ یعنی ان میں پیروی کرنے والوں اور جن کی پیروی کی جائے گی سب سے دوزخ کو بھر دوں گا ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ﴿۸۶﴾ إِنَّ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿۸۷﴾ وَتَعْلَمُونَ نَبَأَ بَعْدَ حِينٍ ﴿۸۸﴾

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا اور میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں O وہ تو نہیں مگر تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے O اور تم کچھ مدت کے بعد ضرور اس کی خبر کو جان لو گے O

رسول عربی ﷺ کا اعلان حق

۸۶۔ ﴿قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ﴾ (اے محبوب!) فرمادیتے تھے کہ میں تم سے (اے کفار مکہ) اس کی تبلیغ پر کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ ”علیہ“ میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف یا پھر وحی کی طرف لوٹتی ہے [یعنی میں قرآن مجید اور وحی کی تبلیغ پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا] ﴿وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ﴾ اور میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو تصنع اور بناوٹ کرتے ہیں اور ایسی چیز کا اپنے لیے دعویٰ کرتے ہیں جس کے وہ اہل نہیں ہوتے اور تم مجھے کبھی بھی تصنع اور بناوٹ کرنے والا اور ایسی چیز کا دعوے دار ہرگز نہیں پاؤ گے جو میرے پاس نہیں تاکہ میں نبوت کو از خود اپنے لیے جائز قرار دے دوں اور میں از خود اپنے آپ قرآن بنا بنا کر پیش کروں (ایسا ہرگز نہیں)۔

۸۷۔ ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ﴾ وہ تو نہیں مگر تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے (یعنی) قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام جنوں اور انسانوں کے لیے نصیحت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے مجھ پر نازل کیا ہے سو میں اسی قرآن مجید کی تمہیں تبلیغ کرتا ہوں۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تکلف کرنے والے کی تین علامتیں ہیں: (۱) جو اپنے سے بڑے طاقتور اور غالب سے کسی چیز کے حصول میں جھگڑا کرے (۲) اور ایسی چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرے جسے حاصل کرنے کی قدرت و طاقت نہ رکھتا ہو (۳) اور ایسی بات کہے جس کا اسے علم نہ ہو۔

۸۸۔ ﴿وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ﴾ اور تم ضرور اس کی خبر جان لو گے (یعنی) قرآن مجید کی خبر اور جو کچھ اس میں وعدے اور وعیدیں اور حشر و نشر اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے کا ذکر کیا گیا ہے تم سب کچھ جان لو گے۔
﴿بَعْدَ حِينٍ﴾ کچھ عرصہ بعد (یعنی) موت کے بعد یا غزوہ بدر کے دن یا پھر قیامت کے دن تمہیں قرآن مجید کی شان معلوم ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت مبارکہ کا آغاز بھی ذکر (نصیحت بھرے قرآن مجید) سے کیا اور اس کا اختتام بھی ذکر (قرآن مجید) پر کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ الزمر کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی چھتر آیات آٹھ رکوع ہیں

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۱ اِنَّا اَنْزَلْنٰ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ

فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۲ اَلَا لِلّٰهِ الدِّينُ الْخَالِصُ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ

دُوْنِهِ اَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقْرِبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ

فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۳ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفّٰرٌ ۴

یہ کتاب بہت عزت والے بڑی حکمت والے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے ۰ بے شک ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ آپ پر نازل کی ہے سو آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیجئے اسی کے لیے دین کو خالص کر کے ۰ سن لو خالص دین اللہ

تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو کارساز بنا لیا ہے (وہ کہتے ہیں:) ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کر دیں بے شک اللہ تعالیٰ ان کے درمیان اس بات کا فیصلہ کر دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا بہت کفر اختیار کرنے والا ہو O

قرآن کی حقانیت اور شرک کی مذمت

۱۔ ﴿تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ﴾ اس کتاب کو یعنی قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے [”تنزیل الكتاب“ مبتدا ہے اور ”من اللہ“ اس کی خبر ہے یعنی اس کتاب کو اللہ تعالیٰ کے پاس سے نازل کیا گیا ہے یا پھر یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور ”من اللہ“ جار مجرور ”تنزیل“ کا صلہ ہے یا یہ صلہ نہیں بلکہ یہ خبر کے بعد دوسری خبر ہے یا یہ بھی مبتدا محذوف کی خبر ہے جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ”هَذَا تَنْزِيلُ الْكِتَابِ هَذَا مِنَ اللَّهِ“ یہ کتاب نازل کی گئی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے (خود ساختہ نہیں ہے) [﴿الْعَزَائِرُ﴾ وہ اپنی سلطنت و بادشاہی میں سب پر غالب و زبردست ہے (لیکن اس پر کوئی غالب نہیں) ﴿الْحَكِيمُ﴾ وہ اپنی تدبیر اور منصوبہ سازی میں بہت بڑا حکمت والا اور سب سے بڑا دانہ ہے۔

۲۔ ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ﴾ بے شک ہم نے اس کتاب کو آپ پر حق کے ساتھ نازل کیا ہے۔ یہ تکرار نہیں ہے کیونکہ پہلا کتاب کے لیے عنوان کی طرح ہے اور دوسرا اس تعلیم کا بیان ہے جو کتاب میں ہے ﴿فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ﴾ سو آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیجئے اس کے لیے دین کو باطن کی صفائی اور عقیدہ توحید کے ذریعے شرک اور ریاء سے خالص کر کے [پھر ”دین“، ”مخلصاً“ کی وجہ سے منصوب ہے]۔

۳۔ ﴿الْإِلَهَ الدِّينِ الْخَالِصُ﴾ خبر دار خالص دین صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے یعنی یہ خالص دین وہ ہے جس کا اختصاص و استحقاق اللہ تعالیٰ کے لیے واجب ہے وہ اس طرح کہ عبادت کو ہر قسم کے شرک کی ملاوٹ سے خالص و ناپاک کر کے اللہ تعالیٰ کے لیے کیا جائے کیونکہ وہ تمام غیوب و اسرار (مخفی و پوشیدہ چیزوں) سے آگاہ ہے کوئی چیز اس کے علم سے پوشیدہ نہیں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خالص دین ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“ کی گواہی دینا ہے اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ خالص دین صرف اسلام ہے (اس کے سوا باقی تمام ادیان شرک کی آمیزش کی وجہ سے غیر خالص ہیں) ﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ﴾ اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اوروں کو کارساز بنا لیا یعنی معبود بنا لیا [یہ سارا کلام مبتدا ہے اس کی خبر محذوف ہے جس کی تقدیر عبارت یہ ہے: [”(والذین) عبدوا الاصنام يقولون“ اور جن لوگوں نے بتوں کی عبادت شروع کر دی وہ کہتے ہیں کہ ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾ ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لیے کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کر دیں ”زلفی“ مصدر ہے یعنی مقرب بنانا ﴿إِنَّ اللَّهَ يَخْتَصِمُ بَيْنَهُمْ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے درمیان یعنی مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا ﴿فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ﴾ جس بات میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب مسلمانوں نے مشرکین مکہ سے کہا کہ بتاؤ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو مشرکین مکہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے پھر جب مسلمانوں نے ان سے کہا کہ پھر تم بتوں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم تو ان کی صرف اس لیے عبادت کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ بنا دیں اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان دونوں جھگڑے والے فریقوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا (کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کامیاب قرار دے کر جنت میں بھیج دے گا اور مشرکوں کو ناکام

قرار دے کر دوزخ میں بھیج دے گا ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا بہت کفر اختیار کرنے والا ہو یعنی اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت نہیں دیتا جو اس کے علم میں آچکا ہے کہ وہ کفر کو اختیار کر لے گا یعنی اس کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا اور اس شخص کے کفر اختیار کرتے وقت اللہ تعالیٰ اس کی مدد نہیں کرتا اور لیکن اسے ذلیل و رسوا کرتا ہے اور ان کا جھوٹ بولنا یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن چیزوں کو معبود بنا لیا تھا ان میں سے بعض کے متعلق انہوں نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ان کا تعاقب کیا اور ان پر حجت قائم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَخْتِزَّ وَكَلَّا الْأَصْطَفَىٰ مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ سُبْحٰنَهُ ۗ هُوَ اللَّهُ
الْوٰحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۗ يَكُوْرُ اَلَيْلَ عَلٰى النَّهَارِ
وَيَكُوْرُ النَّهَارَ عَلٰى اَلَيْلٍ ۗ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۗ كُلٌّ يَجْرِي لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ
اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۴۰﴾

اگر اللہ تعالیٰ اپنا بیٹا بنانا چاہتا تو وہ جو مخلوق پیدا کرتا ہے اس میں جسے چاہتا چن لیتا وہ اس سے پاک ہے وہ واحد اللہ تعالیٰ ہے جو سب پر غالب ہے O اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا ہر ایک معین وقت تک کے لیے چلتا رہے گا خبردار! وہ سب پر غالب ہے بہت بخشنے والا ہے O

۴- ﴿لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَخْتِزَّ وَكَلَّا الْأَصْطَفَىٰ مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ﴾ اگر اللہ تعالیٰ اپنا بیٹا بنانا چاہتا تو وہ جو پیدا کرتا ہے اس میں جسے چاہتا چن لیتا یعنی اگر تمہارے گمان کے مطابق اولاد کا اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے جائز ہوتا تو وہ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا اپنا بیٹا بنا لیتا نہ کہ اس کو جسے تم پسند کرتے ہو اور جو تم چاہتے ہو ﴿سُبْحٰنَهُ ۗ﴾ اس کی ذات ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں اور ان کی طرف سے اس کی طرف منسوب کی گئی اولاد سے پاک ہے اور اس پر (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ دلیل ہے کہ ﴿هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ وہ اللہ تعالیٰ ہے جو واحد ہے سب پر غالب ہے یعنی بے شک وہ واحد و یکتا ہے وہ انداد و شرکاء سے مبرا ہے وہ جزئیت اور اولاد سے بہت بلند و بالا ہے وہ ہر چیز پر غالب و زبردست ہے اور ان (مغلوب) چیزوں میں سے ان کے معبود بھی ہیں تو بھلا ایسی ذات بابرکات کے لیے ہمسرو شریک کیسے ہو سکتے ہیں۔

۵- پھر اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق اور دن اور رات میں سے ہر ایک کو دوسرے پر لپیٹنے اور سورج و چاند کی تسخیر اور قیامت تک ان کے چلتے رہنے اور انسانوں کی کثیر در کثیر تعداد کے باوجود ایک جان سے بنانے اور چوپایوں کے پیدا کرنے کے ذریعے اس پر دلیل قائم کی ہے کہ وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں وہ سب پر غالب ہے اس پر کوئی غالب نہیں ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۗ يَكُوْرُ اَلَيْلَ عَلٰى النَّهَارِ وَيَكُوْرُ النَّهَارَ عَلٰى اَلَيْلٍ﴾ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور ”تکویر“ کا معنی ہے: لپیٹنا ایک دوسرے کو ملانا جیسے کہا جاتا ہے: ”کار العمامة علی راسه و کورھا“ فلاں آدمی نے اپنے سر پر پگڑی کو

لیپٹا اور پگڑی کے بل ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر باندھے اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک دن رات میں سے ہر ایک دوسرے کو چھپا لیتا ہے جب وہ اس پر طاری ہوتا ہے پس ایک دوسرے کے چھپا لینے کو ایک ایسی ظاہر چیز کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جب اس کو کسی پر لپیٹا جائے تو اس کو نظروں سے چھپا لے (جیسے لباس ہے کہ وہ پہننے والے کے جسم کو چھپا لیتا ہے) یا یہ معنی ہے کہ یہ دن رات موسم کی تبدیلی کے ساتھ ایک دوسرے کے پیچھے لگا تار آتے جاتے رہتے ہیں (کہ گرمیوں میں دن رات کا کچھ حصہ اپنے اندر لے لیتا ہے اس لیے راتیں بڑی ہو جاتی ہیں) سو اس تعاقب کو پگڑی کے بلوں کے ایک دوسرے کے پیچھے اوپر نیچے آنے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے ﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرَ ط كَلَّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ اور اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا ہے ہر ایک مقررہ مدت تک چلتا رہے گا یعنی قیامت کے دن تک ﴿أَلَا هُوَ الْعَزِيزُ﴾ خبردار! وہ ہر اس شخص کو سزا دینے پر پوری طرح غالب و قادر ہے جو سورج اور چاند کی تسخیر سے عبرت و سبق حاصل نہیں کرتا اور ان کی تسخیر پر ایمان نہیں لاتا ﴿الْعَاقِبَةُ﴾ وہ ہر اس شخص کو بہت بخشنے والا ہے جو (کائنات کی تسخیر و تخلیق میں) غور و فکر کرتا ہے اور عبرت حاصل کرتا ہے پھر ان کی تدبیر کرنے والے مدبر و خالق پر ایمان لے آتا ہے۔

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلْنَا مِنْهَا رُجُومًا وَأَنْزَلْنَا لَكُمْ مِّنَ الْأَنْعَامِ
ثَمِينًا ۚ أَرَأَيْتُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ
ثَلَاثٍ ۚ ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ فَآَنِي تُصِرُّونَ ۝۶

اس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا ہے پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور اس نے تمہارے لیے چوپایوں میں سے آٹھ جوڑے اتارے وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین اندھیروں میں پیدا کرنے کے بعد پیدا کرتا ہے یہ اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے بادشاہی اسی کے لیے ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں پھر تم کہاں پھیرے جاتے ہو

۶۔ ﴿خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ﴾ اسی (اللہ تعالیٰ) نے تمہیں ایک جان یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کیا ﴿ثُمَّ جَعَلْنَا مِنْهَا رُجُومًا﴾ پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا یعنی حضرت آدم کو حضرت آدم علیہ السلام کی دو چھوٹی پسلیوں سے بنایا بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو ان کی پشت سے غبار کے باریک ذروں کی طرح نکالا گیا پھر اس کے بعد حضرت آدم کو پیدا کیا گیا ﴿وَأَنْزَلْنَا لَكُمْ مِّنَ الْأَنْعَامِ﴾ اور اس نے تمہارے لیے چوپایوں میں سے (آٹھ جوڑے) اتارے۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جانوروں کو بنایا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ پیدا کیا پھر ان کو زمین پر اتارا یا اس لیے کہ جانور نباتات کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے اور نباتات پانی کے بغیر قائم نہیں رہ سکتے اور اللہ تعالیٰ نے پانی کو بارش کی صورت میں زمین پر اتارا تو گویا اس نے جانوروں کو اتارا ﴿ثَمِينًا ۚ﴾ آٹھ جوڑے اونٹ اور گائے اور بھیڑ اور بکری کے زراور مادہ جیسا کہ سورت الانعام میں بیان کیا گیا ہے اور جب کوئی چیز اکیلی ہو تو ”فرد“ اور ”وتر“ کہلاتی ہے اور جب اس کے ساتھ اس کی جنس میں سے دوسری چیز ملاتی جائے تو اس کا نام ”زوج“ رکھا جاتا ہے ﴿يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ﴾ اللہ تعالیٰ تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تمہاری تخلیق کے بعد تخلیق کرتا ہے پھر نطفہ (سفید پانی یعنی منی) ہوتا ہے پھر ”علقہ“ (جما ہوا خون)

ہوتا ہے پھر ”مضغہ“ (لوٹھرا) ہوتا ہے پھر تخلیق مکمل ہوتی ہے ﴿فِي ظِلْمَاتٍ ثَلَاثٍ﴾ تین اندھیروں میں پیٹ کا اندھیرا اور رحم کا اور اس جھلی کا اندھیرا جس میں بچہ ہوتا ہے یا باپ کی پشت کا اندھیرا اور ماں کے پیٹ کا اندھیرا اور رحم کا اندھیرا ﴿ذَلِكُمْ﴾ وہ عظیم الشان ذات جس کے یہ معمولات ہیں وہ ﴿اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَكَلِمَةُ تَصَرُّفُونَ﴾ اللہ تعالیٰ ہے تمہارا پروردگار ہے اسی کے لیے بادشاہی ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں سو تم کدھر منہ اٹھائے پھرے جارہے ہو اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ کر اس کے غیروں کی عبادت کی طرف کیوں کر پھر جاتے ہو پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں بیان کیا کہ وہ ان سب سے غنی ہے۔

إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَإِنْ تَشْكُرُوا
يَرْضَاهُ لَكُمْ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ مَرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۗ وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ مَّرِيئٌ
مُنِيًّا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَ
جَعَلَ لِلَّهِ أَنْدَادًا لِّلَّذِي ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ قُلْ تَسْعَىٰ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا إِنَّكَ مِنْ
أَصْحَابِ النَّارِ ۗ

اگر تم کفر کرو گے تو بے شک اللہ تعالیٰ تم سے بے نیاز ہے اور وہ اپنے بندوں کے لیے کفر پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کرو گے تو وہ اسے تمہارے لیے پسند کرے گا اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی پھر تمہیں اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے سو وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم عمل کرتے تھے بے شک وہ سینوں کے حالات کو خوب جاننے والا ہے اور جب کسی انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے پروردگار سے دعا مانگتا ہے اس کی طرف رجوع کر کے پھر جب اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے اس کو کوئی نعمت عطا کرتا ہے تو وہ پہلے جو اس سے دعا مانگتا تھا اسے بھول جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے شریک ٹھہرانے لگتا ہے تاکہ وہ (لوگوں کو) اس کی راہ سے بھٹکا دے فرما دیجئے کہ تو اپنے کفر سے تھوڑا سا عرصہ فائدہ اٹھائے بے شک تو دوزخ والوں میں سے ہے ۷

اللہ تعالیٰ کی بے نیازی اور انسان کی ناشکری کا بیان

۷- ﴿إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ﴾ اگر تم کفر اختیار کر لو تو بے شک اللہ تعالیٰ تم سے یعنی تمہارے ایمان سے بے نیاز ہے اور تم اس کے محتاج و ضرورت مند ہو کیونکہ کفر تمہیں نقصان دے گا اور ایمان تمہیں فائدہ دے گا ﴿وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے کفر کو پسند نہیں کرتا کیونکہ کفر اللہ تعالیٰ کی رضا سے نہیں ہوتا اگرچہ اس کے ارادہ سے ہوتا ہے ﴿وَإِنْ تَشْكُرُوا﴾ اور اگر تم شکر کرو گے اور ایمان لے آؤ گے تو ﴿يَرْضَاهُ لَكُمْ﴾ وہ اسے تمہارے لیے پسند کرے گا یعنی اللہ تعالیٰ شکر کو تمہارے لیے پسند کرتا ہے کیونکہ وہ تمہاری کامیابی کا ذریعہ اور سبب ہے سو اللہ تعالیٰ اس پر تمہیں جنت عطا فرمائے گا [ابن کثیر کی اور علی کسائی کی قراءت میں ”يَرْضَاهُ“ کی ”ہا“ کے ضمہ کو اشباع کے ساتھ (یعنی واو

مدہ کے ساتھ کھینچ کر) پڑھا جاتا ہے جب کہ نافع مدنی، ہشام اور عاصم کی قراءت میں یحییٰ اور حماد کے علاوہ ”ہا“ کے ضمہ کو بغیر اشباع کے پڑھا جاتا ہے اور ان کے علاوہ باقی ”یَرْصَهُ“ کی ”ہا“ کو ساکن کر کے پڑھتے ہیں [﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی یعنی کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے گناہ میں نہیں پکڑا جائے گا ﴿تَعْرَىٰ رَيْبُكُمْ مَرْجِعُكُمْ﴾ پھر تم نے اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جانا ہے (یعنی) تمہیں اپنے اعمال پر بدلہ پانے کے لیے اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جانا ہے ﴿فِيئْتِبُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم اعمال کرتے رہے تھے (یعنی) پھر وہ تمہیں تمہارے اعمال کے بارے میں آگاہ کر دے گا اور ان اعمال پر تمہیں بدلہ دے گا ﴿إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کے پوشیدہ حالات کو خوب جاننے والا ہے۔

۸- ﴿وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ﴾ اور جب کسی انسان کو کوئی تکلیف، مصیبت اور سختی پہنچتی ہے ﴿دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ﴾ تو اپنے پروردگار سے دعا مانگتا ہے اس کی طرف رجوع کر کے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اس سے دعا مانگنے لگ جاتا ہے اور اس کے علاوہ کسی سے دعا نہیں مانگتا اس آیت مبارکہ میں انسان سے ابو جہل مراد ہے یا ہر کافر مراد ہے اور ”مس“ اعراض میں مجاز کے طور پر استعمال ہوتا ہے ﴿تَعْرَىٰ إِذَا أَخْوَلَهُ نِعْمَةٌ مِّنْهُ﴾ پھر جب اللہ تعالیٰ اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کرتا ہے (یعنی) جب اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت ملتی ہے تو ﴿نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ﴾ اس کو بھول جاتا ہے جس کی طرف رجوع کر کے پہلے دعا مانگتا تھا یعنی وہ اپنے رب تعالیٰ کو بھول جاتا ہے جس کی بارگاہ میں آہ و زاری کر کے گڑگڑا کر دعائیں مانگتا تھا یا یہ کہ وہ شخص اس تکلیف و مصیبت کو بھول جاتا ہے جس سے نجات پانے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا تھا [”ما“ بہ معنی ”من“ ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ“ (اللیل: ۳)] ﴿وَجَعَلَ لِلَّهِ أَنْدَادًا﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے شریک بناتا ہے (یعنی) وہ اللہ تعالیٰ کی مثل اور ہمسر ٹھہراتا ہے ﴿لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِهِ﴾ تاکہ وہ لوگوں کو اس کی راہ یعنی دین اسلام سے بہکا دے [ابن کثیر کی ابو عمر و بصری اور یعقوب کی قراءت میں ”لِيُضِلَّ“ میں ”یا“ مفتوح ہے یعنی تاکہ وہ خود اللہ تعالیٰ کے اسلام سے بہک جائے] ﴿قُلْ تَسْبَعُ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا﴾ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) افرما دیجئے کہ (اے کافر شخص!) تو دنیا میں اپنے کفر سے تھوڑا سا فائدہ اٹھالے [اس میں ”تمتع“ کا امر محض دھمکانے کے لیے ہے] ﴿إِنَّكَ مِنَ الْأَصْحَابِ النَّارِ﴾ بے شک تو دوزخ کی آگ والوں میں سے ہے (یعنی) اس میں رہنے والوں میں سے ہے۔

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةً
رَّبِّهِ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ
أُولُو الْأَلْبَابِ ۙ

کیا وہ شخص جو فرماں بردار ہے رات کی گھڑیاں سجدہ اور قیام میں گزارتا ہے آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے پروردگار کی رحمت کی امید رکھتا ہے (کیا وہ نافرمان کی طرح ہو سکتا ہے) افرما دیجئے: کیا جو لوگ جانتے ہیں اور جو لوگ نہیں جانتے برابر ہو سکتے ہیں بے شک نصیحت صرف عقل والے حاصل کرتے ہیں ۙ

۹- ﴿أَمَّنْ﴾ [ابن کثیر کی نافع مدنی اور حمزہ کوئی کی قراءت میں ”أَمَّنْ“ کی میم کو بغیر شد کے تخفیف کے ساتھ پڑھا گیا

ہے اس بناء پر کہ ہمزہ استفہام ”مَنْ“ پر داخل ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک ”أَمَّنْ“ کی میم کو مشدداً بنا کر پڑھا گیا ہے کہ اس پر ”أَمَّ“ داخل ہے (یعنی اصل میں ”أَمَّ“، ”مَنْ“ تھا پہلی میم کو دوسری میم میں مدغم کر کے ”أَمَّنْ“ پڑھا گیا ہے) اور ”مَنْ“ مبتدا ہے اس کی خبر محذوف ہے [اصل میں ”أَمَّنْ“ ﴿هُوَ قَانِتٌ﴾ ”كَغَيْبِهِ“ یعنی کیا وہ شخص جو مطیع اور فرمان بردار ہے وہ یا فرمان اور گناہ گار کی طرح ہو سکتا ہے ”قانت“ کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کا مطیع اور فرمان بردار اور یہاں خبر کو صرف اس لیے حذف کیا گیا ہے کہ اس پر کلام دلالت کر رہا ہے اور وہ ہے اس سے پہلے کافر کا ذکر اور اس کے بعد یہ ارشاد ہے کہ ”قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ“ ﴿إِنَّمَا النَّبِيُّ﴾ رات کے اوقات اور اس کی گھڑیاں ﴿سَاجِدًا وَقَائِمًا﴾ سجدہ اور قیام کرنے والا (یعنی عبادت کرنے والا) [یہ دونوں کلمے ”قانت“ کی ضمیر سے حال ہیں] ﴿يَحْذَرُ الْآخِرَةَ﴾ وہ آخرت سے یعنی عذاب آخرت سے ڈرتا ہے ﴿وَيَرْجُوا رَحْمَةَ رَبِّهِ﴾ اور وہ اپنے رب تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھتا ہے یعنی جنت کی امید رکھتا ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات پر دلالت اور رہنمائی کرتی ہے کہ مؤمن کے لیے واجب اور ضروری ہے کہ وہ خوف اور امید کے درمیانی حال پر قائم رہے وہ اس طرح کہ ایک طرف تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھے اور اپنے عمل پر بھروسہ نہ رکھے اور دوسری طرف اپنے عمل میں کوتاہی کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا رہے پھر جب امید ورجاء حد سے بڑھ جائے تو ”أَمَّنْ“ کہلاتی ہے اور جب خوف اپنی حد سے بڑھ جاتا ہے تو ”ایاس“ (ناامیدی) کہلاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”قُلْ يَا مَعْ كُفِّرُوا بِاللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ“ (الاعراف: ۹۹) ”سوال اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف و ڈر نہیں ہوتی مگر نقصان اٹھانے والی قوم“۔ ”إِنَّهُ لَا يَأْتِسُّ مِنْ رُوحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ“ (یوسف: ۸۷) ”بے شک کافروں کی قوم کے ماسوا کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید و مایوس نہیں ہوتا“۔ پس واجب ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی اپنی حد سے نہ بڑھے ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (اے محبوب!) فرمائیے کہ جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو لوگ علم نہیں رکھتے کیا وہ برابر ہو سکتے ہیں یعنی جو لوگ علم بھی رکھتے ہیں اور اس کے مطابق عمل بھی کرتے ہیں گویا جو شخص علم کے باوجود عمل نہیں کرتا اس کو عالم قرار نہیں دیا جائے گا اور اس میں ان لوگوں کی بہت مذمت ہے جو علوم تو حاصل کرتے ہیں لیکن پھر اطاعت و عبادت اختیار نہیں کرتے اور وہ صرف علوم میں بحث و نظر اور مناظرہ و مجادلہ اور علمی جھگڑوں میں مبتلا رہتے ہیں پھر دنیا میں مبتلا ہو جاتے ہیں سو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ”جہلاء“ ہیں کیونکہ ”قانتین“ (عبادت گزاروں) کو ”علماء“ قرار دیا گیا ہے جو علم کے مطابق عمل کرتے ہیں یا پھر تشبیہ مراد ہے یعنی جس طرح عالم اور جاہل برابر نہیں ہیں اسی طرح مطیع و فرمان بردار اور عاصی و نافرمان بھی برابر نہیں ہیں ﴿إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ بے شک صرف عقل والے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ ”الباب“، ”لب“ کی جمع ہے یہ معنی عقل یعنی اللہ تعالیٰ کے وعظ سے صرف عقل والے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

قُلْ يٰعِبَادِ الدِّينِ اٰمِنُوْا اِنَّكُمْ لِلدِّينِ اَحْسُوْا فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً ۗ
 وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاَسْعٰهُ ۗ اِنَّمَا يُوْفٰى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرُهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۗ قُلْ
 اِنِّىْ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لِّهٖ الدِّينَ ۗ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ

الْمُسْلِمِينَ ﴿۱۰﴾ قُلْ إِنِّي أَخَافُ أَنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۱﴾

(اے میرے محبوب!) فرمادیجئے کہ اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو تم اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو جنہوں نے اس دنیا میں نیکی کی ہے ان کے لیے بہترین اجر ہے اور اللہ تعالیٰ کی زمین بہت وسیع ہے بے شک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر و ثواب حساب کے بغیر بھر پور دیا جائے گا O فرمادیجئے کہ بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں اسی کے لیے دین کو خالص کر کے O اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں O فرمادیجئے کہ اگر (بفرض محال) میں نے اپنے رب تعالیٰ کی نافرمانی کی تو بلاشبہ مجھے بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے O

ایمان اور احسان کی فضیلت

۱۰۔ ﴿قُلْ يٰۤاٰیۤمَنُۤا اٰمَنُوۤا﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو [اکثر قراء کے نزدیک "یا عباد" بغیر "یا" پڑھا گیا ہے (جب کہ بعض کے نزدیک "یا عبادی" پڑھا گیا ہے)] ﴿اتَّقُوا رَبَّكُمُ﴾ تم اپنے رب تعالیٰ کے اوامر و احکام پر عمل کر کے اور اس کے نواہی اور ممنوعات سے اجتناب و پرہیز کر کے اس سے ڈرتے رہو ﴿لِلَّذٰیۤنَ اٰحْسَنُوۤا فِیۤ هٰذِهِۦ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ﴾ جنہوں نے اس دنیا میں نیکی کی ان کے لیے بہت اچھا اجر و ثواب ہے یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس دنیا میں اطاعت و فرماں برداری اختیار کی [اور "فی" کا "احسنوا" کے ساتھ تعلق ہے "حسنة" کے ساتھ نہیں] اس کا معنی یہ ہے کہ جنہوں نے اس دنیا میں نیک عمل کیے ان کے لیے آخرت میں بہترین اور بہت اچھا اجر و ثواب ہوگا اور وہ جنت میں جانا ہے [یعنی "حسنة" موصوف نہیں ہوتی اور علامہ سدی نے "فی" کو "حسنة" کے ساتھ متعلق کیا ہے] اور اس نے "حسنة" کی تفسیر صحت اور عافیت کے ساتھ کی ہے اور ﴿وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاَسْعٰهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی زمین بہت کشادہ ہے کا معنی یہ ہے کہ نیکی کرنے میں کوتاہی کرنے والوں کے لیے کوئی عذر نہیں ہے یہاں تک کہ اگر وہ یہ عذر پیش کریں کہ وہ اپنے وطن میں وافر نیکی کرنے پر قادر نہیں تھے تو انہیں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی زمین تو بہت وسیع اور بہت کشادہ ہے اور اس کے ممالک بہت زیادہ ہیں تو تم دوسرے ممالک کی طرف منتقل ہو جاتے اور غیر ممالک کی طرف ہجرت کرنے کے لیے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صالحین کی پیروی اختیار کر لیتے تاکہ تمہاری اپنی نیکیوں میں ایک اور نیکی کا اضافہ ہو جاتا اور تمہاری اپنی عبادت میں ایک اور عبادت کا اضافہ ہو جاتا ﴿اٰتَمَّ اٰیۤوۤمِ الضُّمُرِۚ وَنَاجِدَهُمْ﴾ بے شک اپنے ممالک سے ہجرت کرنے اور اپنے خاندانوں کو چھوڑنے اور اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور نیکیوں میں اضافہ کرنے کی خاطر مختلف تکلیفیں جھیلنے اور مصیبتیں برداشت کرنے پر صبر کرنے والوں کو ان کا اجر و ثواب بھر پور دیا جائے گا ﴿بِغَیۡرِ حِسَابٍ﴾ بے حساب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ اس قدر زیادہ اجر دیا جائے گا کہ حساب کرنے والے کا حساب اس کی انتہاء تک نہیں پہنچ سکے گا اور نہ اسے معلوم کیا جاسکے گا [اور یہ "اجر" سے حال ہے یعنی بہت زیادہ ثواب دیا جائے گا]۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے عبادت کا حکم

۱۱۔ ﴿قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللّٰهَ﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی

عبادت کروں اصل میں "بان عبد اللہ" ہے ﴿عَلَّصَّ اللّٰهُ الدِّیۡنَ﴾ اسی کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے یعنی مجھے اسی (اللہ تعالیٰ) کے لیے دین کے اخلاص کا حکم دیا گیا ہے۔

۱۲۔ ﴿وَأَمْرٌ لِأَنَّ أَكُونَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِينَ﴾ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمام مسلمانوں میں سب سے پہلا مسلمان میں بنوں اور مجھے اس (دین میں اخلاص اختیار کرنے) کا اس لیے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں یعنی میں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ان سب سے سابق و مقدم اور اول رہوں اور اس کا معنی یہ ہے کہ اخلاص ہی کی وجہ سے دین میں سبقت اور اولیت حاصل ہوتی ہے سو جس نے اخلاص اختیار کر لیا وہ سابق و اول ہو گیا پس پہلے اخلاص کے ساتھ عبادت کا حکم دیا گیا اور دوسرا حکم سبقت کے لیے دیا گیا ہے پس ان دونوں کی جہتیں مختلف ہونے کی وجہ سے ان کو مختلف مرتبہ پر نازل کیا گیا سو اس لیے ان میں سے ایک کا دوسرے پر عطف کرنا صحیح اور درست ہے۔

۱۳۔ ﴿قُلْ إِنِّي أَخَافُ أَنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾ (اے محبوب!) فرمادیتے ہیں کہ (بفرض حال) اگر میں نے اپنے رب تعالیٰ کی نافرمانی کی تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا خطرہ ہے (یعنی) یہ اسے فرمائیے جو آپ کو اپنے آباء و اجداد کے دین کی طرف لوٹ جانے کی دعوت دیتا ہے اور یہ اس لیے کہ ایک دفعہ قریش کے کفار نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا تھا کہ کیا آپ اپنے باپ دادا کی طرف نہیں دیکھتے؟ اور آپ کی قوم کے سردار لات اور عزیٰ کی عبادت کرتے ہیں پس یہ آیت مبارکہ ان کی تردید کے لیے نازل کی گئی ہے۔

قُلِ اللَّهُ أَعْبَدُ مُخْلِصًا لَهُ دِينِي ﴿١٤﴾ فَأَعْبُدُوا مَا شِئْتُمْ مِنْ دُونِهِ قُلْ إِنَّ

الْحُسْرَىٰ لِلَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا ذَلِكُمْ هُوَ الْخُسْرَانُ

الْبَيِّنُ ﴿١٥﴾ لَكُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَرِثَاقٌ تَحْمِلُكُمْ ۗ ذَلِكُمْ يَخَوْفُ اللَّهَ

بِهِ عِبَادَةً يُعْبَادُونَ فَاتَّقِرْنَ ﴿١٦﴾

فرمادیتے ہیں کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں اسی کے لیے اپنے دین کو خالص کر کے سو تم اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو آپ فرمادیں: بے شک نقصان اٹھانے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو نقصان میں ڈال دیا خبردار ہو جاؤ! یہی کھلم کھلا نقصان ہے ان کے لیے ان کے اوپر آگ کے سائبان ہوں گے اور ان کے نیچے بھی سائبان ہوں گے یہ وہ عذاب ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے اے میرے بندو! پس تم مجھ ہی سے ڈرو

۱۴۔ ﴿قُلِ اللَّهُ أَعْبَدُ مُخْلِصًا لَهُ دِينِي﴾ (اے محبوب!) فرمادیتے ہیں کہ میں تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتا ہوں جب کہ میں نے اسی کے لیے اپنے دین کو خالص کر لیا ہے سو یہ آیت مبارکہ اس بات کی خبر دے رہی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی عبادت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص کر دی اور اپنے دین کو بھی اسی کے لیے خالص کر رکھا ہے کسی غیر اللہ کے لیے نہیں اور پہلے خبر دی گئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عبادت کے ساتھ اخلاص کا حکم دیا گیا سو اس لیے پہلا کلام عین فعل اور اس کے اثبات میں واقع ہوا ہے اور دوسرا کلام اس ذات کے بارے میں واقع ہوا ہے جس کے لیے یہ فعل کیا جاتا ہے اور اس لیے اس پر (درج ذیل) ارشاد مرتب کیا گیا ہے۔

آخرت کا خسارہ کفار کے لیے ہے

۱۵۔ ﴿فَاعْبُدُوا مَا شِئْتُمْ قَبْلَ دِينِ اللَّهِ﴾ سو تم اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو (لیکن میں تو صرف اسی اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتا رہوں گا) اور یہ حکم کفار کو ڈرانے اور دھمکانے کے لیے اور اظہارِ غضب کے لیے دیا گیا ہے کیونکہ انہیں کی طرف سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا گیا کہ اگر آپ نے اپنے بڑوں کے دین کی مخالفت کی تو یقیناً آپ خسارے اور نقصان میں رہیں گے تو ان کے رد میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی کہ ﴿قُلْ إِنَّ الْخَيْرَ لِنَّاسٍ﴾ (اے محبوب!) فرمادیتے کہ بے شک خسارہ پانے والے اور نقصان اٹھانے والے یعنی کامل و مکمل خسارے اور نقصان میں وہ لوگ ہیں جو خسارے کی وجہ اور اسباب کے جامع اور حامل ہیں ﴿الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ﴾ جنہوں نے اپنے آپ کو دوزخ کی آگ میں ہلاک کر کے دائمی خسارے میں ڈال دیا ﴿وَأَهْلِيهِمْ﴾ یعنی اور جنہوں نے اپنے گھر والوں کو خسارے اور نقصان میں ڈال دیا ﴿يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ قیامت کے دن کیونکہ انہوں نے اپنے گھر والوں کو گمراہ کیا تھا سو اس لیے وہ دوزخ کی آگ میں داخل ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں ان کفار کے خسران و نقصان کو انتہائی قبیح و صف کے ساتھ بیان فرمایا چنانچہ ارشاد ہے: ﴿الَّذِي هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ﴾ خبردار! یہی واضح اور کھلم کھلا خسران و نقصان ہے [کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس جملہ کو پہلے حرف تنبیہ کے ساتھ شروع کیا پھر مبتدا اور خبر کے درمیان ”ہو“ ضمیر کے ساتھ فاصلہ کیا اور پھر ”الخسران“ کو معرفہ بیان کیا اور اس کی صفت ”المبین“ لایا] اور یہ اس لیے کہ اس نے جنت کے بدلے میں دوزخ کی آگ کو حاصل کیا اور جنت کے بہترین درجات کے بدلے میں دوزخ کے درجات (طبقات) کو حاصل کیا۔

۱۶۔ ﴿لَكُمْ مِّنْ قَوْمٍ قُلُوبٌ مِّنَ النَّارِ﴾ ان کے لیے ان کے اوپر آگ کے ساہبان ہوں گے اور کثیف و غلیظ آگ کے دھواں دار بادل ہوں گے ﴿وَمِنْ قَوْمٍ مُّذَلِّمٌ﴾ اور ان کے نیچے بھی آگ کے ساہبان ہوں گے اور یہ دوسرے ساہبان ہوں گے یعنی آگ انہیں چاروں اطراف سے گھیر لے گی ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ جو آگ کا وصف بیان کیا گیا ہے یا یہ جو ساہبان ہیں ﴿يَعْرِفُ اللَّهُ بِهِ عِبَادَهُ﴾ اس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئیں اور اس کے مناسی اور ممنوعات سے بچیں ﴿يُعْبَادُونَ مَا تَقُولُ﴾ اے میرے بندو! سو تم مجھ سے ڈرو اور اس کے پیچھے نہ پڑو جو میری بارانگی کا موجب ہو اللہ تعالیٰ نے انہیں دوزخ کی آگ سے ڈرایا پھر انہیں اپنی ذات سے ڈرایا۔

وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَنْ يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فَبَشِّرْ
عِبَادِ! ۱۷ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ
اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمُ أُولُو الْأَلْبَابِ ۗ ۱۸ أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ أَفَأَنْتَ
تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ۗ ۱۹ لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مِّنَ
سَمٰوٰتٍ مَّجْرٰی مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۗ وَعَدَ اللَّهُ لَأِخْلِفَنَّ اللَّهُ الْبَيْعَادَ ۗ ۲۰

اور جو لوگ شیطان کی عبادت سے بچتے رہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا ان کے لیے خوش خبری ہے
سو آپ میرے بندوں کو خوش خبری سنا دیں ۰ جو کان لگا کر بات سنتے ہیں پھر اس کی سب سے اچھی چیز کی پیروی کرتے ہیں

یہی لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمائی اور یہی لوگ عقل والے ہیں O سو کیا وہ شخص جس پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی تو کیا آپ اس شخص کو بچالیں گے جس پر آگ میں جانا واجب ہو چکا ہے O لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے لیے بالا خانے ہیں جن کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا O

شیطان کی بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں کی شان

۱۷- ﴿وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ﴾ اور جو لوگ شیطان سے بچتے رہے۔ ”طَّاغُوت“ سے شیطاں مراد ہیں [یہ ”فعلوت“ کے وزن پر ہے اور ”طغیان“ سے ماخوذ ہے جیسے ”ملکوت“ اور ”رحموت“ ہے مگر اس میں قلب ہے کہ لام کلمہ عین کلمہ پر مقدم ہے یہ شیطان پر بھی بولا جاتا ہے اور شیطاں پر بھی بولا جاتا ہے کیونکہ ”طَّاغُوت“ مصدر ہے اور اس میں مبالغہ ہے اور یہ مصدر کے نام پر ہے گویا شیطان بعینہ ”طغیان“ ہے اور اس کی بناء مبالغہ کے لیے ہے کیونکہ ”رحموت“ کا معنی ہے: وسیع رحمت اور ”ملکوت“ کا معنی کشادہ اور بڑا ملک اور قلب صرف اختصاص کے لیے ہے کیونکہ یہ غیر شیطان پر نہیں بولا جاتا اور یہاں اس سے جمع مراد ہے اور ”الطواغیت“ بھی پڑھا گیا ہے [﴿أَنْ يَّعْبُدُوْهَا﴾] یہ ”الطَّاغُوت“ سے بدل الاشتمال ہے [یعنی وہ لوگ اس (شیطان) کی عبادت سے بچتے رہے ﴿وَأَنَّا بُوْأَلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرَى﴾] اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا ان کے لیے خوش خبری ہے یہ اجر و ثواب کی خوش خبری ہے جو موت کے وقت فرشتے ملاقات کر کے انہیں خوش خبری سنائیں گے اور جب قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو اس وقت بھی فرشتے انہیں خوش خبری سنائیں گے ﴿فَبَشِّرْ عِبَادِ﴾ تو میرے بندوں کو خوش خبری سنا دیں۔

۱۸- ﴿الَّذِينَ يَسْمَعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ﴾ جو بڑے غور سے بات کو سنتے ہیں پھر اس کی سب سے اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جو شیطانوں کی عبادت سے بچتے رہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف راغب اور مائل رہے اور یہ لوگ اس لیے مراد ہیں کہ یہ اجتناب اور انابت کے ساتھ اس (ساعت و اتباع) کی صفت پر قائم ہیں [سو اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا گیا ہے] مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ دین میں بڑے کھرے ہیں جو حسن اور احسن اور فاضل اور افضل میں فرق کرتے ہیں چنانچہ جب ان کے سامنے دو عمل پیش کیے جائیں ایک واجب اور ایک مستحب تو وہ واجب کو اختیار کر لیتے ہیں اور اسی طرح مباح اور مستحب میں سے مستحب کو اختیار کرتے ہیں غرضیکہ وہ ہر اس عمل کے خواہش مند رہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک قرب حاصل کرنے کا زیادہ ذریعہ بنتا ہے اور جس پر ثواب بہت ملتا ہو یا یہ کہ وہ قرآن وغیرہ سنتے ہیں یا غیر کی بجائے قرآن مجید کی پیروی کرتے ہیں یا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام سنتے ہیں تو ان میں سے بہتر پر عمل کرتے ہیں جیسے قصاص اور عفو میں سے عفو کو اختیار کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ یا وہ قوم کے ساتھ باتیں سنتے ہیں جن میں اچھی بھی ہوتی ہیں اور بُری بھی ہوتی ہیں تو وہ اچھی باتیں لوگوں سے بیان کرتے ہیں اور بُری باتوں سے رُکے رہتے ہیں ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْأَوْلِيَاءُ﴾ یہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمائی اور یہی لوگ ہی عقل مند ہیں یعنی یہی لوگ اپنی عقلوں سے فائدہ اٹھانے والے ہیں۔

۱۹- ﴿أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ أَفَأَنْتَ مُنْقِذُهُمْ فِي النَّارِ﴾ سو کیا جس شخص پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی ہے تو کیا آپ اسے بچالیں گے جس پر دوزخ کی آگ میں جانا لازم ہو چکا ہے۔ اصل کلام یوں ہے: کیا وہ شخص جس پر عذاب کی بات ثابت یعنی واجب ہو چکی ہے تو آپ اسے بچالیں گے [یہ جملہ شرطیہ ہے جس پر انکار کا ہمزہ داخل ہے اور حرف

”فا“ جزاء کا ”فا“ ہے پھر شروع میں وہ ”فا“ داخل کیا گیا ہے جو محذوف پر عطف کے لیے ہے تقدیر عبارت یہ ہے کہ ”انت مالک امرهم فمن حق علیه العذاب فان تنقذه؟“ [کیا آپ ان کے معاملہ کے خود مالک ہیں سو جس پر عذاب واجب ہو چکا ہو تو آپ اسے بچالیں] اور دوسرا ہمزہ وہی پہلا ہے جسے انکار کے معنی کی تاکید کے لیے دوبارہ لایا گیا ہے اور ”من فی النار“ کو ضمیر کی جگہ پر رکھا گیا ہے یعنی ”تنقذه“ ہے پس یہ آیت کریمہ اس بناء پر ایک جملہ ہے [یا اس کا معنی یہ ہے کہ کیا وہ شخص جس پر عذاب کی بات واجب ہو چکی ہے وہ اس سے نجات پالے گا اور آپ اسے چھڑالیں گے یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اور پہلے سے اس کے علم میں ہو کہ یہ شخص دوزخ والوں میں سے ہے تو اسے بچانے کی کوئی قدرت و اختیار نہیں رکھتا۔

۲۰۔ ﴿لٰكِنَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَمْ یَكُنْ لَهُمْ قُوَّةٌ فَاَعْرَفْنَا بِسِیِّئَتِهِمْ﴾ لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہے ان کے لیے بالا خانے میں جن کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں یعنی جنت میں ان کے لیے عالی شان بلند و بالا محلات ہیں اور ان کے اوپر ان سے بھی اونچے عالی شان محلات تعمیر کیے گئے ہیں مطلب یہ ہے کہ کفار و مشرکین کے لیے دوزخ میں آگ کے بلند و بالا سائبان ہوں گے اور ڈرنے والوں اور پرہیزگاروں کے لیے جنت میں عالی شان محلات ہوں گے ﴿بَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ﴾ ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں یعنی ان کے محلات کے نیچے نہریں بہتی ہیں ﴿وَعَدَا اللّٰهُ لَا یُخَلِّفُ اللّٰهُ الْوَعْدَ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ [”وعد“ مصدر مؤکد ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ”لہم غرف“ کا معنی ہے: ”وعدہم اللہ ذالک“ یعنی اللہ تعالیٰ ان سے اس کا وعدہ کر چکا ہے۔]

الْمُتْرَانَ اللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنْبِیْعٍ فِی الْاَرْضِ ثُمَّ یُخْرِجُ

بِهٖ زُرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُ ثُمَّ یَهْبِیْجُ فَتُرَبُّهُ مَصْفًرًا اَتَمَّ یَجْعَلُهَا حُطَامًا اِنِّ فِی

ذٰلِكَ لَذِکْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے پھر اس سے زمین میں چشمے جاری کر دیتا ہے پھر اس سے کھیتی نکالتا ہے اس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں پھر وہ سوکھ جاتی ہے سو آپ اسے زرد رنگ دیکھتے ہیں پھر وہ اسے ریزہ ریزہ کر دیتا ہے بے شک اس میں عقل مندوں کے لیے ضرور نصیحت ہے ۰

۲۱۔ ﴿الْمُتْرَانَ اللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ آسمان سے (بارش کا) پانی نازل کرتا ہے یعنی بارش برساتا ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ زمین میں ہر پانی پس وہ آسمان ہی سے ہے کیونکہ بارش کا پانی آسمان سے پہاڑوں پر نازل ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اسے تقسیم کر دیتا ہے ﴿فَسَلَكَهُ﴾ پس اللہ تعالیٰ بارش کے پانی کو داخل کر دیتا ہے ﴿یَنْبِیْعٍ فِی الْاَرْضِ﴾ زمین کے چشموں میں اور وادیوں میں اور ایسی جگہوں میں جہاں سے پانی نکلتا ہے جیسے جسموں میں رگیں ہوتی ہیں [اور ”ینبیع“ حال کی بناء پر منصوب ہے یا ظرف کی بناء پر اور ”فی الارض“ ”ینبیع“ کی صفت ہے] ﴿ثُمَّ یُخْرِجُ بِهٖ زُرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُ﴾ پھر اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے یعنی پانی کے ذریعے کھیتی نکالتا ہے جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں (یعنی) اس کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں سبز اور سرخ اور زرد اور سفید یا اس کی اقسام مختلف ہوتی ہیں گندم جو کشمش اور اس کے علاوہ دیگر زمینی پیداوار ﴿ثُمَّ یَهْبِیْجُ﴾ پھر وہ خشک ہو کر سوکھ جاتی ہے ﴿فَتُرَبُّهُ مَصْفًرًا﴾ پس اس کی

تروتازگی اور خوب صورتی کے بعد اس کو آپ زرد اور پیلا دیکھیں گے ﴿ثُمَّ يَجْعَلُهُ حُطَامًا﴾ پھر اللہ تعالیٰ اس کو ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ کر دیتا ہے ”حطام“ کا معنی ہے کہ پودے وغیرہ کو توڑ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر دینا اور اسے ریزہ ریزہ کر دینا ﴿إِن فِي ذَلِكَ﴾ بے شک پانی کے نازل کرنے میں اور کھیتی کے نکالنے میں ﴿لَذِكْرَىٰ لَأُولَىٰ الْأَلْبَابِ﴾ ضرور عقل مندوں کے لیے نصیحت ہے، یہ ضرور یاد دہانی اور تنبیہ ہے کہ ایک صالح اور حکیم کا ہونا ضروری ہے اور بے شک یہ سب کچھ اسی صالح اور حکیم کی تقدیر اور تدبیر سے معرض وجود میں آ رہا ہے یہ سب بے کار و بے فائدہ نہیں ہے۔

أَفَبِنُ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَكَ لِلْإِسْلَامِ فَوَعَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ قَوْلٌ لِّلْقَسِيَةِ قُلُوبُهُمْ

مِن ذِكْرِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۲۲﴾ اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا

مَثَابِي ۖ تَقَشَّعُ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ

ذِكْرِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُدَىٰ اللَّهِ يَهْدِي بِهٖ مَن يَشَاءُ ۗ وَمَن يُضِلِّ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن

هَادٍ ﴿۲۳﴾

سو کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے پس وہ اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے نور پر ہے (اس جیسا ہو جائے گا جو سنگ دل کافر ہے) سو ان کے لیے ہلاکت ہے جن کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے سخت ہو چکے ہیں یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں ○ اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام والی کتاب نازل کی ہے جس کا کلام ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے بار بار دہرائی جانے والی کتاب ہے جس سے ان کے چٹروں پر روٹ گئے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں پھر ان کے چٹرے اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کے لیے نرم ہو جاتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کے ساتھ ہدایت دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جس کو گمراہی پر ڈال دے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ○

مسلم و کافر برابر نہیں ہو سکتے

۲۲۔ ﴿أَفَبِنُ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَكَ لِلْإِسْلَامِ﴾ سو کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے یعنی اس کا سینہ کشادہ کر دیا ہے اور اس نے ہدایت اختیار کر لی اور رسول اللہ ﷺ سے شرح صدر کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جب کسی شخص کے دل میں نور ہدایت داخل ہوتا ہے تو اس کا سینہ کھل جاتا ہے اور کشادہ ہو جاتا ہے پھر آپ سے عرض کی گئی کہ اس کی کوئی علامت اور نشانی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جی ہاں! دائمی گھر آخرت کی طرف رجوع کرنا، دھوکے کے گھر دنیا سے دور ہو جانا اور موت کے آنے سے پہلے موت کی تیاری کرنا ﴿فَوَعَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ﴾ سو وہ اپنے پروردگار کی طرف سے نور (ہدایت) پر ہے (یعنی) وہ بیان اور بصیرت پر ہے اور معنی یہ ہے کہ کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے اور اس نے ہدایت قبول کر لی ہے؟ اس شخص کی طرح کیسے ہو سکتا ہے جس کے دل پر اللہ تعالیٰ نے

رواہ الترمذی الحکیم فی نوادر الاصول رقم الحدیث: ۱۲، تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۸۰-۱۸۱ الدر المنثور ج ۳ ص ۳۵۵، تنبیہ الغافلین للسر قندی ص ۷۳

مہر لگادی، سو اس کا دل سخت ہو گیا ہے، سو اس کلام کو خذف کر دیا ہے کیونکہ اس پر درج ذیل کلام دلالت کر رہا ہے: ﴿قَوْلٌ لِّلنَّفْسِیۡةِ قُلُوۡبُهُمْ مِّنۡ ذِکْرِ اللّٰہِ﴾ پس ان کے لیے ہلاکت ہے جن کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے سخت ہو گئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر کو ترک کرنے اور چھوڑنے کی وجہ سے یا اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سبب یعنی جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے یا اس کی آیات کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دلوں میں سختی اور سنگ دلی کا اضافہ ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِهِمْ﴾ (التوبہ: ۱۲۵) ”سو ان کی نجاست پر اور نجاست بڑھادی“ ﴿اَوَّلٰیكَ فِی ضَلٰلٍ قٰیۡنٍ﴾ یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں جن کی سرکشی ظاہر ہے۔

قرآن مجید کی فضیلت و تاثیر کا بیان

۲۳- ﴿اِنَّہٗ نَزَلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا﴾ اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام والی کتاب نازل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آغاز اور اس پر ”نَزَلَ“ کی بناء محض ”احسن الحدیث“ کی عظمت و شان بڑھانے کے لیے ہے [”کتابا“، ”احسن الحدیث“ سے بدل ہے یا اس سے حال ہے] ﴿فَتَشَابَهًا﴾ سچ میں اور بیان میں اور وعظ و نصیحت میں اور حکمت و دانائی، فصاحت و بلاغت میں اور اعجاز وغیرہ میں اس کی آیات ایک دوسری سے ملتی جلتی اور ایک جیسی ہیں ﴿فَتَشَابَهًا﴾ یہ کتاب (قرآن مجید) بار بار دہرائی جاتی ہے کیونکہ اس کے قصے اور اس کی خبریں اور اس کے احکام اور اس کے اوامر اور اس کے نواہی اور اس کے وعدے اور اس کی وعیدیں اور اس کے مواعظ کو کئی بار دہرایا جاتا ہے سو یہ قرآن مجید کے ”متشابه“ ہونے کا بیان ہے کیونکہ اس کے دہرائے جانے والے اور بار بار بیان کیے جانے والے قصے ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا: اس کلام پاک کو نماز میں بار بار تلاوت کر کے دہرایا جاتا ہے لیکن اس سے کوئی ملال اور اکتاہٹ نہیں ہوتی [اور واحد کو جمع کے ساتھ موصوف کیا جاسکتا ہے اور یہ جائز ہے کیونکہ کتاب تفصیل والا مجموعہ ہے اور کسی چیز کی تفصیل اس کا مجموعہ ہوتی ہیں، کیا تم دیکھتے نہیں کہ تم کہتے ہو کہ قرآن مجید سات حصوں والا اور سورتوں اور آیتوں والا ہے، سو اسی طرح تم یہ کہہ سکتے ہو کہ قرآن مجید کے قصے اور احکام اور مواعظ کو بار بار بیان کیا جاتا ہے لہذا ”مشانی“ جمع ”کتاب“ واحد کی صفت ہے اور یہ ”مشنی“ کی جمع ہے یا تمیز کی بناء پر منصوب ہے، یہ ”متشابه“ کی تمیز ہے جیسے تم کہو کہ ”رایت رجلاً حسناً شمائل“ میں نے ایک خوب صورت خصلتوں والے آدمی کو دیکھا ہے اور معنی یہ ہے کہ یہ ایک جیسا دہرایا جانے والا کلام ہے] ﴿تَفْشَعُ﴾ کانپنے اور لرزنے لگتے ہیں ﴿مِنۡ جُلُوۡدِ الدّٰیۡنِۡنِ یَجۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ﴾ اس کی تلاوت سن کر ان لوگوں کے چڑوں کے روٹنے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، جب بدن اور جسم بہت سخت بے قابو ہو کر اچھلنے لگے تو اس وقت کہا جاتا ہے: ”اقشعر الجلد“ کہ بدن سخت کانپنے لگا اور اس کا معنی یہ ہے: جب متقی حضرات قرآن مجید کی تلاوت سنتے ہیں اور اس کی وعید کی آیات سنتے ہیں تو ان پر خوف خدا اور خشیت الہی طاری ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے ان کے جسم اور بدن پر روٹنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے کسی مسلمان کے جسم پر روٹنے کھڑے ہو جاتے ہیں تو اس کے گناہ اس سے اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح خشک درخت سے پتے جھڑ جاتے ہیں ﴿ثُمَّ تَلٰیۡنَ جُلُوۡدُهُمْ وَقُلُوۡبُهُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ﴾ پھر ان کے چڑے بدن اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی یاد کی طرف جھک جاتے ہیں یعنی جب رحمت کی آیات کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے چڑے اور ان کے دل نرم پڑ جاتے ہیں اور ان سے وہ خوف و ڈر زائل اور ختم ہو جاتا ہے جو انہیں پہلے لاحق تھا [اور یہاں فعل کو حرف ”الی“ کے ساتھ اس لیے متعدی کیا گیا

کہ یہ فعل حرف ”الی“ کی وجہ سے فعل متعدی کے معنی کا حامل ہو جاتا ہے [گویا کہا گیا کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف مطمئن اور نرم ہو جاتے ہیں ان میں گھٹن نہیں رہتی اور رحمت کا ذکر کیے بغیر صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر پر اس لیے اکتفاء کیا گیا کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت کر چکی ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اصل ہے اس لیے جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے گا تو دل میں صرف یہی خیال آئے گا کہ وہ رؤف اور رحیم ہے اور پہلے صرف ”جلود“ کا ذکر کیا گیا پھر اس کے متصل دوبارہ ”قلوب“ کا ذکر کیا گیا کیونکہ خشیت کا محل ”قلب“ یعنی دل ہے پس خشیت کا ذکر ”قلوب“ کے ذکر کو متضمن ہے ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ کتاب کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ کتاب ﴿هُدٰى اللّٰهٖ يَهْدِىْٓ بِهٖ مِّنْ يَّشَآءُ﴾ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور ان بندوں میں سے یہ ہدایت پانے والے وہ لوگ ہیں جن کا ہدایت اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں آچکا ہے ﴿وَمَنْ يُضَلِلِ اللّٰهُ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے یعنی اس میں ضلالت و گمراہی کو پیدا کر دے ﴿فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ﴾ تو اس کو حق کی طرف کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہو سکتا۔

اَفَنْ يَّتَّقٰى بَوٰجِہٖ سُوْءَ الْعٰذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُرُوْا مَا كُنْتُمْ

تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۴﴾ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَتْهُمْ الْعٰذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

فَاِذَا قُمُّ اللّٰهُ الْحِزْبِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۗ وَالْعٰذَابُ الْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾

وقف لازم

سو کیا وہ شخص جو قیامت کے دن بدترین عذاب سے بچنے کے لیے اپنے چہرے کو ڈھال بنائے گا (وہ جنتی کی طرح ہو سکتا ہے) اور ظالموں سے کہا جائے گا کہ اب تم ان کاموں کا مزہ چکھو جو تم (دنیا میں) کمایا کرتے تھے ○ ان سے پہلے جن لوگوں نے (رسولوں کو) جھٹلایا تھا ان پر ایسی جگہ سے عذاب آیا تھا جہاں سے انہیں شعور بھی نہیں تھا ○ سو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی میں انہیں ذلت کا مزہ چکھایا اور آخرت کا عذاب ضرور بہت بڑا ہے کاش! وہ جانتے ○

جنتی اور دوزخی برابر نہیں

۲۴۔ ﴿اَفَنْ يَّتَّقٰى بَوٰجِہٖ سُوْءَ الْعٰذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط﴾ پس کیا جو شخص قیامت کے دن بدترین عذاب سے بچنے کے لیے اپنے چہرے کو ڈھال بنائے گا وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو عذاب سے مامون و محفوظ ہے [پھر خبر کو حذف کر دیا گیا جیسا کہ اس کے نظائر میں حذف کیا گیا ہے] اور ”سوء العذاب“ سے سخت ترین اور بدترین عذاب مراد ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب کوئی انسان خوف ناک چیزوں میں سے کسی خوف ناک اور خطر ناک چیز کا سامنا کرتا ہے تو وہ اس کا اپنے ہاتھ سے دفاع کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ کے ذریعے اپنے چہرے کو بچالے کیونکہ یہ تمام اعضاء میں سے اہم ترین اور عزیز ترین عضو ہے اور جس شخص کو دوزخ کی آگ میں ڈالا جائے گا تو اس کے ہاتھوں کو اس کی گردن کے ساتھ باندھ دیا جائے گا پس وہ اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے نہیں بچا سکے گا مگر صرف اپنے چہرے کے ذریعے جس کو خوف ناک چیز سے کسی اور عضو سے بچاتا تھا اور اس کی حفاظت کرتا رہتا تھا ﴿وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ﴾ اور ظالموں سے کہا جائے گا یعنی دوزخ کی آگ پر مقرر دربان ان سے کہیں گے: ﴿ذُرُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ﴾ تم ان کاموں کا مزہ چکھو جو تم دنیا میں کرتے تھے یعنی اب تم اپنی کمائی کا مزہ چکھو۔

۲۵- ﴿كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ان سے پہلے یعنی قریش مکہ سے پہلے لوگوں نے بھی اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا ﴿فَأَنذَرْتَهُمُ الْعَذَابَ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ﴾ سو ان پر ایسی جگہ سے عذاب آیا جہاں سے انہیں شعور بھی نہیں تھا (یعنی) ایسی سمت سے عذاب آیا جہاں سے انہیں گمان بھی نہیں تھا اور نہ ان کے دل میں کبھی تصور آیا تھا کہ ان پر وہاں سے عذاب آئے گا، اس دوران میں وہ امن کے ساتھ بڑے آرام اور سکون سے عیاشی میں زندگی بسر کر رہے تھے کہ اچانک ان کی امن کی جگہوں میں عذاب آن پہنچا۔

۲۶- ﴿فَأَذَانُكُمْ اللَّهُ الْجَزَى﴾ سو انہیں اللہ تعالیٰ نے ذلت و رسوائی کا مزہ چکھایا (یعنی) خواری اور پستی جیسے شکلوں کا گڑ جانا اور زمین میں دھنسا دینا اور قتل و غارت اور جلا وطنی و ملک بدری اور اس طرح انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مزہ چکھایا گیا ﴿فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ یہ سارے عذاب انہیں دنیا کی زندگی میں دیئے گئے ﴿وَالْعَذَابُ الْآخِرَةُ الْكَبِيرُ﴾ اور دنیا کے عذاب سے آخرت کا عذاب ضرور بہت بڑا ہوگا ﴿لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ اگر وہ جان لیتے تو ضرور وہ ایمان لے آتے۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّكُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۲۷﴾ قُرْآنًا
عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ ﴿۲۸﴾ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ
مُتَشَاكِسُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِينَ مَثَلًا طُغْيَانًا لِلدُّنْيَا بَلْ أَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۹﴾ إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ
تَخْتَصِمُونَ ﴿۳۱﴾

اور بے شک ہم نے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال بیان کر دی ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ○ یہ قرآن عربی زبان میں ہے، جس میں بالکل کبھی نہیں ہے تاکہ وہ ڈریں ○ اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک آدمی ایسا غلام ہے جس کی ملکیت میں کئی جھگڑا لوشریک ہیں اور ایک آدمی سالم ایک آدمی کا غلام ہے، کیا وہ دونوں غلام مثال میں برابر ہیں تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں، بلکہ ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے ○ بے شک آپ پر موت آئے گی اور بے شک وہ بھی مرنے والے ہیں ○ پھر بے شک تم قیامت کے دن اپنے پروردگار کے پاس جھگڑو گے ○

قرآن مجید کی مثالوں کا مقصد نصیحت ہے

۲۷- ﴿وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّكُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾ اور بے شک ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن مجید میں ہر قسم کی مثال بیان کر دی ہے تاکہ وہ دھیان کریں اور نصیحت و عبرت حاصل کریں۔

۲۸- ﴿قُرْآنًا عَرَبِيًّا﴾ یہ قرآن عربی زبان میں ہے [”قرآنًا“، ”ہذا“ سے حال مؤکد ہے کہ ”عربیًّا“ سے اس کی تاکید کر دی گئی ہے جیسے تم کہو کہ ”جاء نسی زید رجلاً صالحاً وانساناً عاقلاً“ میرے پاس زید آیا جب کہ وہ ایک نیک آدمی اور عقل مند انسان ہے، سو تم نے اس میں ”رَجُلًا“ اور ”انساناً“ کو مؤکد کیا ہے یا یہ بدح کے طور پر منصوب ہے [”غَيْرَ ذِي عِوَجٍ“ بغیر کجی کے ہے] (یعنی) یہ قرآن مجید مستقیم اور صحیح و سالم ہے اور ہر قسم کے تناقض اور اختلاف سے پاک

ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے ”غیر ذی عوج“ کی جگہ ”مستقیما“ نہیں فرمایا (حالانکہ یہ مختصر ہے) کیونکہ اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اس قرآن مجید میں کسی قسم کی کوئی کجی کبھی نہیں ہو سکتی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہاں ”عوج“ سے شک و شبہ مراد ہے یعنی اس قرآن مجید میں کسی قسم کے شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے ﴿لَعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ﴾ تاکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر کفر و شرک سے بچیں۔

۲۹- ﴿ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا زُجُلًا﴾ اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی (غلام) کی مثال بیان کی [”رَجُلًا“، ”مَثَلًا“ سے بدل واقع ہو رہا ہے] ﴿فِيهِ شُرَكَاءٌ مِّثْلًا كَسُونَ﴾ جس میں بہت سے لڑاکے جھگڑالو اور ایک دوسرے سے اختلاف کرنے والے شریک ہیں ﴿وَرَجُلًا سَلَمًا﴾ اور ایک آدمی ایسا غلام ہے جو شرکت سے سلامت ہے [”سَلَمًا“ مصدر ہے ”سَلِمَ“ فعل ہے] اور معنی یہ ہے کہ یہ غلام متعدد آقاؤں کی شرکت سے سلامتی والا ہے ﴿لِيُؤْتِيَهُ﴾ صرف ایک آدمی کا غلام ہے یعنی یہ غلام شرکت سے پاک صرف اسی آدمی کا خالص غلام ہے (اسی طرح مسلمان صرف ایک اللہ تعالیٰ کا خالص بندہ ہے جب کہ مشرک کئی معبودوں کا مشترک بندہ ہے) [ابن کثیر کی ابو عمرو بصری کی قراءت میں ”سَلِمًا“ ہے] یعنی اسی ایک آقا کا خالص غلام ﴿هَلْ يَسْتَوِينَ مِثْلًا﴾ کیا وہ دونوں غلام مشترک اور خالص مثال میں برابر ہو سکتے ہیں [”مَثَلًا“ صفت کے معنی میں ہے اور یہ تمیز ہے اور معنی یہ ہے کہ ان دونوں کی صفت اور ان دونوں کا حال برابر ہو سکتا ہے اور جنس کے بیان کی وجہ سے تمیز میں واحد پر اکتفاء کیا گیا ہے اور ”مثالین“ (تثنیہ) بھی پڑھا گیا ہے] ﴿أَلْحَمْدُ لِلَّهِ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے ﴿بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ بلکہ ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے غیروں کو شریک ٹھہراتے ہیں یہاں ایک کافر کی اور اس کے معبودوں کی مثال بیان کی گئی ہے ایسے غلام کے ساتھ جس میں بہت سے جھگڑالو آقا شریک ہیں ان میں سے ہر ایک دعوے دار ہے کہ یہ غلام اسی کا ہے پس وہ سب اس کو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور اپنی اپنی مختلف خدمتوں کے لیے اس کو بلاتے ہیں اور وہ حیران یہ نہیں جانتا کہ ان میں سے کون اس کی خدمت سے راضی ہے اور وہ اپنی حاجات میں ان میں سے کس پر اعتماد کرے اور ان میں سے اپنا رزق کس سے طلب کرے اور ان میں سے کس سے رحم و کرم کی التماس کرنے پس اس کی توجہ اور ارادہ منتشر ہو گیا ہے اور اس کا دل بکھر گیا ہے اور دوسری طرف مسلمان ہے جو صرف ایک واحد لا شریک آقا کا غلام اور بندہ ہے پس اس کا مقصود اور مرکز توجہ ایک ہے اور اس کا دل مجتمع ہے۔

اسلام دشمنی پر کفار کی مذمت

۳۰- ﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ﴾ بے شک آپ کو موت آئے گی یعنی عنقریب آپ پر موت آئے گی اور بے شک وہ

بھی مرنے والے ہیں اور تخفیف کے ساتھ ”مَيِّتٌ“ اس کو کہا جاتا ہے جس پر موت طاری ہو چکی ہو (یعنی مردہ یا جنازہ) علامہ خلیل نے کہا کہ ابو عمرو نے اشعار پڑھے ہیں:

وتسالني تفسير مَيِّتٍ وَمَيِّتٍ

فمن كان ذا روح فذلك مَيِّتٌ

فدونك وقد فسرت ان كنت تعقل

وما الميِّتُ الا من الى القبر يحمل

”اور تم مجھ سے ”مَيِّتٌ“ (مخفف) اور ”مَيِّتٌ“ (مشدد) کی تفسیر اور وضاحت پوچھتے ہو تو لو میں نے تفسیر کر دی ہے اگر تم عقل مند ہو سو جو شخص روح والا (زندہ) ہے تو وہ ”مَيِّتٌ“ (عنقریب مرنے والا) ہے اور ”مَيِّتٌ“ (مخفف) تو نہیں مگر وہ (مردہ) شخص جس کو قبر کی طرف (دفنانے کے لیے) اٹھا کر لے جایا جاتا ہے۔“

در اصل کفار مکہ رسول اللہ ﷺ کی موت کا انتظار کرتے تھے چنانچہ اس آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ موت سب کے لیے عام ہے اس سے کوئی نہیں بچ سکے گا لہذا کسی کی موت کے انتظار کرنے میں اور فانی کا فانی کی برائی چاہنے کا کوئی معنی نہیں (یعنی کوئی فائدہ نہیں) اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کی موت کی اطلاع دی اور تمہیں تمہاری موت کی اطلاع دی یعنی آپ اور وہ سب موت کے اجاڑے ہیں اس لیے کہ جو چیز ضرور ہونے والی ہوتی ہے پس وہ گویا یقینی طور ہو گئی ہے۔

۳۱- ﴿ثُمَّ آتَاكُمْ﴾ پھر بے شک تم یعنی بے شک آپ اور وہ لوگ کفار مکہ اصل میں ضمیر مخاطب ”کم“ کو ضمیر غائب پر غالب کر دیا گیا ہے ﴿ثُمَّ آتَاكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ مَا بَيْكُمْ تَخْتَصِمُونَ﴾ تم قیامت کے دن اپنے پروردگار کے پاس باہم جھگڑو گے سوائے محبوب! آپ ان (کفار مکہ) پر حجت پیش فرمائیں کہ آپ نے انہیں یقیناً تبلیغ کی تو انہوں نے آپ کو جھٹلا دیا اور آپ نے دعوت دین میں خوب محنت اور بہت جدوجہد کی لیکن وہ لوگ عناد و نفرت میں مبتلا ہو گئے اور آپ کی بہت مخالفت کی اور وہ قیامت کے دن بے کار اور بے فائدہ عذر اور بہانے پیش کریں گے چنانچہ پیر و کار اور عوام یہ کہیں گے کہ ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت و فرماں برداری کی تھی سوائے انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا تھا اور ان کے سردار اور بڑے کہیں گے کہ ہمیں شیطانوں نے اور ہمارے پہلے آباء و اجداد نے گمراہ کر دیا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے کہا کہ ہمارا جھگڑا کیسے ہو گا کیونکہ ہم تو تمام صحابہ رسول باہم بھائی بنے ہوئے ہیں پھر جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا گیا تو تب انہوں نے کہا کہ یہ ہے ہمارا جھگڑا اور حضرت ابو العالیہ نے بیان کیا کہ یہ آیت مبارکہ اہل قبلہ کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ جھگڑا ان خون ریزیوں، قتل و غارت اور ان مظالم کے بارے میں ہو گا جو ان لوگوں کے درمیان باہم دنیا میں واقع ہوئے تھے لیکن پہلی وجہ مراد لینا زیادہ بہتر و مناسب ہے کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل) آیت میں فرمایا:

**فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ وَكَذَبَ بِالصِّدْقِ إِذْ جَاءَهُ ۗ ط
الْأَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مِثْوَىٰ لِلْكَافِرِينَ ۝۳۲**

سو اس سے بڑھ کر زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے اور سچ کو جھٹلائے جب وہ اس کے پاس آن پہنچے کیا کافروں کے لیے دوزخ میں ٹھکانا نہیں ۰

۳۲- ﴿فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ﴾ سو اس شخص سے بڑھ کر زیادہ ظالم کون ہو گا جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا۔ اس آیت کریمہ میں انہیں کا بیان ہے جن کے درمیان قیامت کے دن جھگڑا برپا ہو گا اور ”كَذَبَ عَلَى اللَّهِ“ کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹے کی اور شریک کی نسبت و اضافت کی ہے اس نے اللہ تعالیٰ پر بڑا جھوٹا بہتان باندھا ہے ﴿وَكَذَبَ بِالصِّدْقِ﴾ اور اس نے سچ اور حق کو جھٹلا دیا (یعنی) اس نے ایسے پیغام کو جھٹلایا جو بذات خود عین صدق ہے یعنی بے حد حق سچ ہے اور یہ وہ پیغام ہے جس کو سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ لے کر تشریف لائے ﴿إِذْ جَاءَهُ ط﴾ جب وہ پیغام اس کے پاس پہنچا تو اس نے اسے اچانک یک دم جھٹلا دیا اور اس نے حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے کا اہتمام کیے بغیر اور غور و فکر اور سوچ بچار کیے بغیر جوں ہی وہ پیغام سنا تو بغیر کسی وقفہ کے فوراً جھٹلا دیا جیسا کہ انتقام لینے والے لوگ

جو کئی کچھ سنتے ہیں تو فوراً رد عمل کر دیتے ہیں ﴿اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِيْنَ﴾ کیا کافروں کے لیے دوزخ میں ٹھکانا نہیں ہے، یعنی ان لوگوں کے لیے جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا اور حق اور سچ کو جھٹلا دیا، دوزخ میں ٹھکانا ہے اور ”للكافرين“ کے لام تعریف میں انہیں کی طرف اشارہ ہے۔

وَالَّذِيْ جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾ لَمْ مَّا
 يَشَاءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ ذٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۴﴾ لِيَكْفِرَ اللهُ عَنْهُمْ
 اَسْوَا الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾
 اَلَيْسَ اللهُ بِكَافٍ عَبْدًا ۗ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۗ
 وَمَنْ يُضِلِلِ اللهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۗ وَمَنْ يَهْدِ اللهُ فَمَا لَهُ مِنْ
 مُضِلٍّ ۗ اَلَيْسَ اللهُ بِعَزِيْزٍ اِنْتِقَامٍ ﴿۳۶﴾

اور جو یہ سچ لے کر تشریف لایا اور جس جس نے اس کی تصدیق کی وہ سب پرہیزگار ہیں ○ ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے یہی نیکی کرنے والوں کا صلہ ہے ○ تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے وہ برے کام مٹا دے جو انہوں نے کیے تھے اور انہیں ان کے بہترین اعمال کے مطابق ان کا اجر و ثواب عطا فرمادے جو وہ کرتے تھے ○ کیا اللہ تعالیٰ بندے کے لیے کافی نہیں اور وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور خداؤں سے ڈراتے ہیں اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر ڈال دے تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ○ اور جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا کر دے تو اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں کیا اللہ تعالیٰ غالب بدلہ لینے والا نہیں ○

سلام دوستی پر صحابہ کرام کی فضیلت

۳۳۔ ﴿وَالَّذِيْ جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ﴾ اور جو سچ لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی اور وہ رسول اللہ ﷺ مراد ہیں آپ ہی حق لے کر تشریف لائے اور سب سے پہلے اس پر خود ہی ایمان لائے اور اس کی تصدیق کی سو اس لیے اس حق اور سچ کی تصدیق کرنے والوں سے آپ خود اور آپ کے تمام پیروکار مراد ہیں جیسا کہ درج ذیل ارشاد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام خود اور آپ کی تمام پیروکار قوم مراد ہے چنانچہ فرمایا: ”وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسٰى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ“ (المؤمنون: ۴۹) ”اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا کی تاکہ وہ سب ہدایت پر چلیں ○“ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ یہی تقی اور پرہیزگار لوگ ہیں اور علامہ زجاج نے فرمایا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ”وَالَّذِيْ جَاءَ بِالصِّدْقِ“ سے حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں اور ”وَصَدَّقَ بِهٖ“ سے حضرت ابوبکر الصديق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں اور ایک اور روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بے شک جو سچ لے کر تشریف لائے وہ حضرت محمد رسول اللہ جل جلالہ ﷺ مراد ہیں اور جنہوں نے اس کی تصدیق کی وہ مؤمنین (صحابہ کرام) مراد ہیں اور یہ سب صحیح ہے

اسی طرح مفسرین نے فرمایا [اور عربیت میں اس کی وجہ یہ ہے کہ "جاء" اور "صدق" دونوں کا ایک فاعل ہونا چاہیے کیونکہ تغار "الذی" کے اضمار کا تقاضا کرتا ہے اور یہ جائز نہیں یا قبل الذکر اضمار فاعل لازم آئے گا اور یہ بھی قیاس سے بہت دور ہے۔]

۳۴، ۳۵ - ﴿لَكُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذَلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ۝ لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا وَيَجْزِيَهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ان کے پروردگار کے پاس ان کے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے یہی نیکیاں کرنے والوں کا صلہ اور انعام ہے ۝ تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے وہ برائی دور کر دے جو انہوں نے کی اور انہیں ان کے بہترین اعمال کے مطابق ان کا اجر و ثواب عطا فرمادے جو عمل وہ کرتے تھے [اسوا "احسن" کی اضافت کسی چیز کی بغیر تفصیل کے اپنے بعض کی طرف اضافت کرنے کے قبیل سے ہے جیسے تمہارا یہ قول کہ "اشج" بنی مروان میں سے سب سے زیادہ انصاف کرنے والا ہے۔]

۳۶ - ﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدًا ۙ﴾ کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کافی نہیں یعنی حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ کافی ہے [حمزہ کوئی اور علی کسائی کی قراءت میں "عبادہ" ہے یعنی کیا اللہ تعالیٰ انبیائے کرام اور مومنوں کو کافی نہیں اور یہ (درج ذیل ارشاد کی) طرح ہے: "إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ۝" (الحجر: ۹۵) "بے شک ہم آپ کی طرف سے مذاق اڑانے والوں کے لیے کافی ہیں ۝" نفی کے کلمہ پر حمزہ انکاری داخل کیا گیا ہے جس کی وجہ سے کفایت کے اثبات کے معنی اور اس کی تقریر کا افادہ حاصل ہو گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندے کے لیے کافی ہے] ﴿وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ﴾ اور وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے خداؤں سے ڈراتے ہیں یعنی وہ آپ کو بتوں سے ڈراتے ہیں جن کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر معبود بنا لیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک دفعہ قریش مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا: بے شک ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں ہمارے معبود آپ کو ہلاک نہ کر دیں اور ہمیں یہ بھی خوف ہے کہ آپ پر کوئی مصیبت نہ آجائے کیونکہ آپ ان کے عیب بیان کرتے ہیں ﴿وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَسَالَهُ مِنْ هَادٍ﴾ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر چھوڑ دیتا ہے تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہوتا۔

۳۷ - ﴿وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَسَالَهُ مِنْ مُضِلٍّ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا کر دیتا ہے تو اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں ہوتا ﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَزِيزٍ﴾ کیا اللہ تعالیٰ سب پر غالب اور منع کرنے والا نہیں ﴿ذِي انْتِقَامٍ﴾ وہ انتقام لینے والا ہے جو اپنے دشمنوں سے انتقام لیتا ہے اور اس میں قریش مکہ کے لیے وعید (دھمکی) ہے اور مسلمانوں کے لیے وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے ان کفار سے ضرور انتقام لے گا اور کفار کے خلاف مسلمانوں کی ضرور مدد کرے گا پھر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ کفار بتوں کی عبادت کرنے کے باوجود اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَلَيْنُ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۗ قُلْ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّيهِ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَتُ رَحْمَتِي ۗ قُلْ حَسْبِيَ

اللَّهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿۳۸﴾ قُلْ يَقَوْمِ اعْبُدُوا عَلٰی مَا كَانَتْكُمْ رِئِي
عَامِلًا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿۳۹﴾ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَعِلُّ عَلَيْهِ
عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّا انزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدٰى
فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلٰیهَا وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ تعالیٰ نے، آپ فرمادیں کہ کیا تم بتاؤ گے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تم جن کی عبادت کرتے ہو اگر اللہ تعالیٰ مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو کیا وہ اس کو دور کر سکیں گے یا وہ اگر مجھ پر رحمت کرنا چاہے تو کیا وہ اس کی رحمت کو روک سکیں گے، آپ فرمادیں: مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے، توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں، آپ فرمادیں: اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو بے شک میں بھی عمل کر رہا ہوں، سو عنقریب تم جان لو گے کہ کس پر سوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کس پر دائمی عذاب نازل ہو گا، بے شک ہم نے لوگوں کے لیے آپ پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے، سو جس نے ہدایت قبول کر لی تو اپنے ہی فائدے کے لیے قبول کی، اور جس نے گمراہی اختیار کر لی تو بے شک وہ گمراہی صرف اسی پر پڑے گی، اور آپ ان پر نگران نہیں۔

کفار مکہ کے لیے تنبیہات

۳۸ - ﴿وَلٰكِن سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلْ اَفَرءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضَرٍۭةٍ﴾ اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے (پیدا کیا ہے) آپ فرمادیں کہ کیا تم بتاؤ گے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو، اگر اللہ تعالیٰ مجھے کوئی ضرر اور نقصان پہنچانا چاہے، بیماری یا فقر و فاقہ یا اس کے علاوہ کوئی اور مصیبت ﴿هَلْ هُنَّ كَاشِفٰتُ ضَرِّهَا﴾ تو کیا وہ (بت) اس کے ضرر کو دور کر سکیں گے یعنی اس کی سختی کو مجھ سے دور کر دیں گے ﴿اَوْ اَمَّا دِنِيْ بِرَحْمَةٍ﴾ یا وہ مجھ پر رحمت کرنا چاہے صحت و تندرستی دے دے یا غنی کر دے یا ان دونوں کی طرح کوئی اور بھلائی عطا کر دے ﴿هَلْ هُنَّ مُمْسِكَتُ رَحْمَتِيْ﴾ تو کیا وہ (بت) اس کی رحمت کو روک سکیں گے [ان ارادنى الله "میں قاری حمزہ کوئی کے سوا باقی سب نے "یا" کو مفتوح پڑھا ہے اور "كاشفاتُ ضره" اور "ممسكات رحمته" میں "كاشفات" اور "ممسكات" کی "تا" پر اصل کی بناء پر ابو عمرو بصری کی قراءت میں تنوین ہے] اور آپ کے لیے مسئلہ فرض کیا گیا کہ اگر آپ سوال کریں ان کے لیے فرض نہیں کیا گیا کیونکہ انہیں لوگوں نے آپ کو بتوں کی طرف سے ضرر و نقصان اور ہلاکت پہنچنے سے ڈرایا تھا، سو اس لیے آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ پہلے ان پر یہ بات پختہ کر کے ثابت کر دیں کہ تمام جہان کا خالق اکیلا اللہ تعالیٰ ہے، پھر اس بات کے ثابت ہو جانے کے بعد ان سے فرمائیں کہ اگر تمام جہانوں کا خالق جس کا تم نے بھی اقرار کر لیا ہے، مجھے نقصان پہنچانا چاہے یا وہ مجھ پر رحمت کرنا چاہے تو کیا تم اس کے خلاف کرنے کی قدرت و اختیار رکھتے ہو، پھر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں خاموش کر دیا اور ان سے کوئی جواب نہ بن سکا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ﴾ اے محبوب! آپ ان سے فرما

دیتے کہ بتوں کے نقصان سے بچانے کے لیے مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے ﴿عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ﴾ توکل و بھروسا کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں اور اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب حضور نبی کریم ﷺ نے کافروں سے سوال کیا تو وہ خاموش ہو گئے تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی: "قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ" فرمائیے: مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور اللہ تعالیٰ نے "وَيَخَوْفُونَكَ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ" فرمانے کے بعد بتوں کے لیے "كَاشِفَات" اور "مُمَسِّغَات" مومنٹ کے کلمات بیان فرمائے کیونکہ ان کے بت مومنٹ (مادہ) تھے اور وہ لات عزی اور مناة ہیں اور دراصل اس میں ان کفار کا اور ان کے معبودوں کا مذاق اڑایا گیا ہے۔

۳۹، ۴۰- ﴿قُلْ لِقَوْمِ اعْمَلُوا عَمَلَكُمْ﴾ (اے محبوب!) فرمائیے کہ اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کیے جاؤ (یعنی) جس حال پر تم قائم ہو اور تم عداوت و دشمنی کی جس سمت پر جم چکے ہو [اور "مکانة" بہ معنی مکان ہے "سو" مکانة" معنی کے لیے مستعار ہے جیسا کہ یہاں مستعار لیا گیا ہے اور "حيث" زمان کے لیے مستعار لیا جاتا ہے حالانکہ یہ دونوں مکان کے لیے ہیں] ﴿إِنِّي عَامِلٌ﴾ بے شک میں بھی عمل کر رہا ہوں "ای علی مکانتی" یعنی میں اپنی جگہ پر عمل کر رہا ہوں اور اس کو اختصار کے لیے حذف کر دیا گیا ہے اور اس لیے بھی کہ اس میں زیادہ سخت وعید ہے اور یہ بتانا ہے کہ آپ کی حالت دن بہ دن روزانہ قوت میں بڑھتی جا رہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود آپ کا حامی و ناصر اور آپ کا زبردست مددگار ہے کیا تم نے اس ارشاد باری تعالیٰ کی طرف نہیں دیکھا: ﴿سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ﴾ سو تم عنقریب جان لو گے کہ کس پر ذلت ناک عذاب آتا ہے جو اسے ذلیل و رسوا کر دے گا اور کس پر قائم و دائم (ہمیشہ رہنے والا) عذاب نازل ہوتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے ان کفار کو کیسے ڈرایا اور دھمکایا کہ ان کے خلاف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھرپور مدد کی جائے گی اور آپ کو ان پر دنیا و آخرت دو جہانوں میں غالب و فاتح اور عالی و کامیاب و کامران رکھا جائے گا کیونکہ جب ان کفار پر ذلت و رسوائی اور عذاب آئے گا تو یہی آپ کی عزت و غلبہ ہے اس اعتبار سے کہ کسی کے لیے غلبہ تب مکمل ہوتا ہے جب اس کے دوست و احباب کو عزت و احترام ملے اور اس کے دشمن ذلیل و خوار ہو جائیں [اور "یخزیه" "مقیم" کی طرح عذاب کی صفت ہے یعنی اسے ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا اور وہ غزوہ بدر کا دن مراد ہے اور دائمی عذاب سے دوزخ کا عذاب مراد ہے اور ابو بکر کوئی اور حماد کی قراءت میں "مکاناتکم" ہے]۔

۴۱- ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ﴾ بے شک ہم نے آپ پر یہ کتاب یعنی قرآن مجید نازل کیا ہے ﴿لِلنَّاسِ﴾ لوگوں کی خاطر اور قرآن مجید کی طرف ان کی حاجات و ضروریات کی خاطر تاکہ انہیں خوش خبری سنائی جائے اور انہیں ڈرایا جائے جس سے گناہوں پر اطاعت و فرماں برداری اختیار کرنے کے لیے ان کے دواعی اور اسباب مضبوط و مستحکم ہو جائیں گے ﴿بِالْحَقِّ فَخِينِ اهْتَدَىٰ فَلْيَنْفَسِ﴾ یعنی برحق کتاب ہے سو جس نے ہدایت قبول کر لی تو اس نے اپنے فائدے ہی کے لیے قبول کی (یعنی) سو جس نے ہدایت اختیار کر لی تو اس نے اپنے آپ کو ہی نفع اور فائدہ پہنچایا ﴿وَمَنْ هَلَكَ فَأِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهِ﴾ اور جس نے گمراہی اختیار کر لی تو اس گمراہی کا وبال صرف اسی پر پڑے گا (یعنی) اور جس نے گمراہی کو اختیار کر لیا تو اس نے اپنا ہی نقصان کیا ﴿وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ﴾ اور آپ ان پر نگران و محافظ نہیں ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں خبر دی کہ وہ ہی ان پر قادر ہے اور وہی ان کا محافظ و نگران ہے۔

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ
الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ فِي
ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۴۲﴾ أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ ۗ قُلْ
أَوْ لَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ ﴿۴۳﴾ قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ۗ لَهٗ
مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۴۴﴾

اللہ تعالیٰ رُوحوں کو ان کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے اور جن کی موت نہیں آئی ان کو نیند میں قبض کر لیتا ہے پھر جس پر موت کا حکم جاری ہو گیا اس کو روک لیتا ہے اور دوسری کو ایک مقرر مدت تک چھوڑ دیتا ہے بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں ۰ کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور سفارشی بنا رکھے ہیں فرمائیے: اور کیا اگرچہ وہ کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور نہ وہ عقل رکھتے ہوں ۰ فرمادیجئے کہ تمام سفارش اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی ملکیت ہے پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ۰

اللہ تعالیٰ کی قدرت و حفاظت اور بتوں کی بے بسی کا بیان

۴۲- ﴿اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا﴾ اللہ تعالیٰ رُوحوں کو ان کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے۔ ”الانفس“ سے ارواح مراد ہیں اور ”توفی“ سے ان پر موت طاری کرنا مراد ہے اور موت یہ ہے کہ کسی شخص کی وہ رُوح نکال لی جائے جس کے ساتھ اس کی حیات، حرکت، احساس اور ادراک یعنی فہم و فراست قائم تھی۔

﴿وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا﴾ اور جس رُوح کے بدن پر موت کا وقت نہیں آیا، اس کی رُوح نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے اور ان ارواح کو نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے جن کے ابدان پر موت نہیں آئی یعنی نیند کے وقت ان کی ارواح قبض کر لیتا ہے محض سونے والوں کو مردوں کے ساتھ تشبیہ دینے کے لیے کیونکہ سونے والے نیند کی حالت میں چیزوں کے درمیان امتیاز نہیں کر سکتے اور نہ ان میں وہ کوئی تصرف کر سکتے ہیں جیسا کہ خود مردے بھی اسی طرح ہوتے ہیں اور اسی سے یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ“ (الانعام: ۶۰) ”اور وہی (اللہ) ہے جو رات کے وقت تمہاری رُوحوں کو قبض کر لیتا ہے“ ﴿فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ﴾ پھر اللہ تعالیٰ ان ارواح کو روک لیتا ہے جن کے ابدان پر وہ حقیقی موت کا فیصلہ کر چکا ہوتا ہے یعنی ان ارواح کو ان کے جسموں میں زندہ رکھنے کے لیے واپس نہیں لوٹاتا ﴿وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ﴾ اور

ان رُوح کو نفس حیات، نفس رُوح اور رُوح سلطانی کہا جاتا ہے اس کے نکل جانے پر موت کبریٰ، موت حقیقی اور موت دائمی واقع ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے حیات، حرکت، احساس اور ادراک ختم ہو جاتا ہے جب کہ نیند کی حالت کے وقت نکلنے والی رُوح کو نفس تمیز، نفس معقل، نفس ناطقہ اور رُوح سیلانی کہا جاتا ہے اس کے نکل جانے پر موت صغریٰ، موت مجازی اور عارضی موت طاری ہو جاتی ہے جس میں حیات، حرکت، احساس اور ادراک قائم رہتے ہیں صرف نیند کے غلبہ کی وجہ سے عارضی طور پر ہوش و حواس معطل ہو جاتے ہیں اس لیے امتیاز اور تصرف کی قوت قائم نہیں رہتی۔ غوثی

دوسری روح کو چھوڑ دیتا ہے (یعنی) سونے والی روح کو چھوڑ دیتا ہے ﴿إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ مقررہ مدت تک (یعنی) موت آنے کی مقررہ مدت تک اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ”اللہ يتوفى الانفس“ کا معنی یہ ہے کہ یعنی اللہ تعالیٰ ان ارواح کو پوری طرح لے لیتا ہے اور ان کو قبض کر لیتا ہے اور یہ وہ ”انفس“ ہیں جن کے ساتھ حیات اور حرکت قائم رہتی ہے ”ويتوفى الانفس (التي لم تمت في منامها)“ اور جن اشخاص کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا اللہ تعالیٰ ان کی ارواح کو نیند کی حالت میں قبض کر لیتا ہے اور یہ انفس تمیز ہیں، مفسرین کرام نے فرمایا کہ سو جس کی روح کو نیند میں قبض کیا جاتا ہے وہ نفس تمیز ہے، نفس حیات نہیں ہے کیونکہ جب نفس حیات جسم سے الگ ہو جاتی ہے تو اس کے ساتھ ہی سانس بھی ختم ہو جاتی ہے حالانکہ سونے والا سانس لیتا ہے اور دراصل ہر انسان کے دو نفس ہیں ان میں سے ایک نفس حیات ہے اور یہ وہ روح ہے جو موت کے وقت بدن سے الگ ہوتی ہے اور دوسری روح نفس تمیز ہے اور یہ وہ روح ہے جو نیند کے وقت بدن سے الگ ہو جاتی ہے اور مفسرین کرام نے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک روایت بیان کی ہے کہ ہر انسان میں دو چیزیں ہوتی ہیں ایک نفس دوسری روح ان دونوں کے درمیان ایسا رشتہ باقی رہتا ہے جیسا کہ سورج اور اس کی شعاع کے درمیان باقی رہتا ہے، پس نفس تو وہ ہے جس کے ساتھ عقل اور تمیز قائم ہوتی ہے اور روح وہ ہے جس کے ساتھ سانس اور حرکت قائم رہتے ہیں، سو جب بندہ سو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا نفس قبض کر لیتا ہے اور اس کی روح قبض نہیں کرتا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ نیند کے وقت اگرچہ روح خارج ہو جاتی ہے لیکن اس کی شعاعیں جسم میں باقی رہتی ہیں، سو وہ انہیں کی وجہ سے خواب دیکھتا ہے، پھر جب اسے نیند سے بیدار کیا جاتا ہے تو اس کی روح ایک لمحہ میں فوراً جسم میں واپس لوٹ آتی ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ سونے والے کی روح جب آسمان میں پہنچ جاتی ہے اور وہاں جو خواب دیکھتی ہے تو وہ خواب سچے ہوتے ہیں اور جب اس کی روح کو واپس چھوڑ دیا جاتا ہے تو اس کے بعد جو خواب دیکھتی ہے وہ جھوٹے ہوتے ہیں کیونکہ وہ شیطان کے القاء ہوتے ہیں۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ بے شک زندوں کی روحوں اور مردوں کی روحوں خواب میں ایک دوسرے سے باہم ملاقات کرتی ہیں اور ایک دوسرے سے متعارف ہو کر گفتگو کرتی ہیں، جب تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے پھر جس کی موت کا فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے اس کی روح کو اللہ تعالیٰ اپنے پاس روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ان کے اپنے اجسام کی طرف چھوڑ دیا جاتا ہے، جب تک ان کی زندگی کی مدت ختم نہیں ہو جاتی۔ ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بے شک نیک مسلمانوں کی روحوں نیند کے دوران آسمان میں چڑھ جاتی ہیں، پھر ان میں سے جو پاک (یعنی باوضو اشخاص کی روحوں) ہوتی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ کرنے کی اجازت دی جاتی ہے اور جو روحوں پاک نہیں ہوتیں انہیں وہاں سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ﴾ بے شک اس میں (یعنی) مرنے والوں اور سونے والوں کی روحوں کے قبض کرنے میں اور پھر ان کے روکنے میں اور ان کے چھوڑنے میں مدت حیات تک ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ ضرور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے علم پر نشانیاں ہیں ﴿يَتَفَكَّرُونَ﴾ اس قوم کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں اور ان میں اپنے افکار اور اپنی سوچوں کو دوڑاتے اور گھماتے ہیں اور ان سے عبرت اور سبق حاصل کرتے ہیں۔

۴۳- ﴿أَمْ أَمِنَ الَّذِينَ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءُ﴾ کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کو سفارشی بنا رکھا ہے (یعنی) کیا

قریش مکہ نے اللہ تعالیٰ کی اجازت اور اس کے حکم بغیر از خود اپنی طرف سے اوروں کو سفارشی بنا رکھا ہے کیونکہ انہوں نے

اپنے بتوں کے بارے میں کہا تھا کہ ”هَلْ يُولَاءُ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ“ (یونس: ۱۸) ”یہ بت اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارش ہوں گے“ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے پاس اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہیں کر سکے گا ﴿قُلْ أَوْلُوا كَانُوا إِلَّا يُمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ﴾ (اے محبوب! ان سے) فرمادیجئے کہ کیا اگرچہ وہ کسی چیز کے مالک نہیں ہیں اور نہ وہ عقل رکھتے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ کیا وہ شفاعت کریں گے اگرچہ وہ ہرگز کسی چیز کے مالک نہیں اور نہ ان کے پاس عقل ہے۔

۴۴- ﴿قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ تمام شفاعت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے یعنی وہی اس کا مالک ہے، سو اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہیں کر سکے گا [”جمیعاً“ حال کی بناء پر منصوب ہے] ﴿لَكَ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کے لیے ہے وہی سب کا مالک ہے۔ یہ کلام ”لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا“ کی تقریر اور تاکید ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک اور بادشاہ ہے تو شفاعت و سفارش کا مالک بھی وہی ہے اس لیے کہ ہر چیز میں یہ بھی شامل ہے اور اس کی ملک میں داخل ہے ﴿تَتَجَرَّأَنَّهُمْ إِنَّهُمْ غَنِيٌّ﴾ پھر تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے یہ بھی ماقبل کے ساتھ متصل ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی آج بھی اسی کی ہے پھر قیامت میں بھی تم سب اسی کے پاس لوٹائے جاؤ گے سو اس دن بھی صرف اسی کی بادشاہی ہوگی تو دنیا اور آخرت دونوں کی بادشاہی اسی کے لیے ہے۔

وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ

وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبِشِرُونَ ﴿۳۵﴾ قُلِ اللَّهُ فَاطِرُ

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ عَلِيمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِي

مَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۳۶﴾

اور جب اکیلے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل متنفر ہو جاتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جب اللہ تعالیٰ کے سوا ان (کے بتوں) کا ذکر کیا جائے تو اس وقت وہ خوش ہو جاتے ہیں O عرض کیجئے: اے میرے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! غائب اور ظاہر کے خوب جاننے والے! تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے O

۴۵- ﴿وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ﴾ اور جب اکیلے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس معنی کا دار و مدار وحدہ پر ہے یعنی جب صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ان کے معبودوں کا ذکر نہیں کیا جاتا تو ﴿اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ﴾ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل متنفر اور تنگ ہو جاتے ہیں ﴿وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ﴾ اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے یعنی جب ان کے معبودوں کا ذکر کیا جاتا ہے خواہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے یا اس کا ذکر نہ کیا جائے تو ﴿إِذَا هُمْ يَسْتَبِشِرُونَ﴾ اس وقت وہ خوش ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ لوگ اپنے بتوں کی محبت میں فریفتہ ہو چکے ہیں یا یہ معنی ہے کہ جب ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ“ کہا جاتا ہے تو وہ لوگ نفرت کرتے ہیں اور بھاگ جاتے ہیں کیونکہ اس کلمہ میں ان کے معبودوں کی نفی کی گئی ہے اور ”استبشار“ اور ”اشمزاز“ دونوں ایک

دوسرے کے مد مقابل اور ایک دوسرے کے متضاد ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے معنی میں انتہاء کو پہنچا ہوا ہے، پس ”استبشار“ یہ ہے کہ جس کو بشارت سنائی گئی ہے اس کا دل سرور و خوشی سے خوب بھر جائے یہاں تک کہ اس کا چہرہ اس خوشی کے سبب کھل اٹھے اور خوشی کے آثار چمک اٹھیں اور ”اشمئزاز“ یہ ہے کہ اس کا دل غم و رنج اور غضب و غصہ سے بھر جائے یہاں تک کہ اس کے چہرے کے چڑے پر انقباض و نفرت ظاہر ہو جائے [”اذا ذکر“ میں جو عامل ہے وہی ”اذا مفاجاة“ کا عامل ہے جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ”وقت ذکر الدین من دونہ فاجووا وقت الاستبشار“ یعنی جس وقت اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان کے معبودوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ اس وقت اچانک خوش ہو جاتے ہیں]۔

۴۶- ﴿قُلِ اللَّهُ قَاطِرُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (اے محبوب!) عرض کیجئے: اے میرے اللہ! اے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے! [یعنی ”یا قاطر“ ہے اور یہ وصف نہیں جیسا کہ مبرداور فرما نے کہا ہے] ﴿عَلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ غائب و حاضر کے جاننے والے (یعنی) پوشیدہ اور نہاں کے اور اعلانیہ اور عیاں کے جاننے والے ﴿أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِي مَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ﴾ آپ ہی اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے جن امور میں وہ آپس میں اختلاف کرتے تھے۔ ہدایت اور گمراہی کے بارے میں اور بعض نے کہا کہ یہ محاکمہ حضور نبی کریم ﷺ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مشرکین کے خلاف پیش کیا جائے گا اور حضرت ربیع بن مسیب نے فرمایا: میں کوئی آیت مبارکہ ایسی نہیں جانتا جس کی میرے سامنے تلاوت کی گئی اور اس کا مطلب پوچھا گیا ہو مگر میں نے اس کا جواب دیا ہے ماسوا اس آیت مبارکہ کے۔

حضرت ربیع بن خثیم کے متعلق مروی ہے کہ وہ بہت کم کلام کرتے تھے جب انہیں سیدنا امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر سنائی گئی تو لوگوں نے کہا: اب ضرور بولیں گے تو آپ نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا، صرف یہ کہا: آہ! کیا واقعی ظالموں نے آپ کو شہید کر دیا ہے اور یہی آیت مبارکہ پڑھی اور ایک روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے یہ خبر سن کر فرمایا: کیا اس امام عالی مقام کو شہید کر دیا گیا ہے جسے رسول اللہ ﷺ خود اپنی گود میں بٹھایا کرتے تھے اور ان کے منہ پر اپنا منہ رکھ کر چوما کرتے تھے۔

وَلَوْ أَنَّ لِلدِّينِ ظَلْمُوا مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَاقْتَدَا بِهِ مِنْ

سُوءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ط وَبَدَأَ اللَّهُ مِنَ اللَّهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ ﴿۴۷﴾

وَبَدَأَ اللَّهُ سَيِّئَاتِ مَا كَسَبُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۴۸﴾ فَإِذَا

مَسَّ الْإِنْسَانَ مُرْدَعَانَا ثُمَّ إِذَا حَوَّلْنَاهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ

عَلَىٰ عِلْمٍ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۹﴾

اور اگر ظالموں کے لیے زمین کا تمام سامان اور اس کے ساتھ اس کے برابر اور سامان بھی ہوتا تو وہ قیامت کے دن بدترین عذاب سے بچنے کے لیے فدیہ میں دے دیتے اور ان کے لیے اللہ کی طرف سے وہ کچھ ظاہر ہوگا جس کا وہ گمان بھی نہیں کرتے تھے ۴۷ اور انہوں نے جو کمایا اس کی بُرائیاں ان کے لیے ظاہر ہو جائیں گی اور انہیں وہی (عذاب) گھیر لے گا

جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے O سو جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو کہتا ہے: یہ تو صرف میرے علم کی وجہ سے مجھے عطا کی گئی ہے بلکہ یہ تو آزمائش ہے اور لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے O

مظالم کی وجہ سے ظالموں کے انجام کا بیان

۴۷- ﴿وَلَوْ أَنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ﴾ اور اگر بے شک ان لوگوں کے لیے جنہوں نے ظلم کیا وہ سب ہو جائے جو کچھ زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اس کے برابر اور بھی مل جائے [”ہ“ ضمیر کلمہ ”ما“ کی طرف لوٹی ہے] ﴿لَأَقْتَدُوا بِهِ مِنْ سُوءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ تو وہ لوگ قیامت کے دن بڑے عذاب (یعنی) اور اس کی سختی سے بچنے کے لیے وہ سب کچھ فدیہ دے دیں گے ﴿وَبَدَأَ اللَّهُ مِنَ اللَّهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ﴾ اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کچھ ظاہر ہوگا جس کا انہیں گمان بھی نہیں تھا (یعنی) اور ان کے لیے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا غضب اور اس کی ناراضگی اور اس کا شدید عذاب ظاہر ہوگا جو ان کے گمان و خیال میں بھی کبھی نہیں آیا تھا اور نہ ان کے ذہنوں نے اس کے بارے میں کبھی سوچا تھا اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ لوگ کچھ اعمال ایسے کریں گے جن کو وہ نیکیاں سمجھیں گے لیکن وہ (قیامت کے دن) بُرائیاں ہوں گے۔

حضرت امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک دفعہ اس آیت مبارکہ کو پڑھا اور فرمایا: ریاکاروں کے لیے ہلاکت ہے ریاکاروں کے لیے ہلاکت ہے۔

حضرت محمد بن المنکدر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی موت کے وقت رونے لگے اور بہت گھبرا گئے آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ میں کتاب اللہ کی ایک آیت مبارکہ کی وجہ سے ڈر رہا ہوں اور انہوں نے یہی آیت تلاوت کر کے سنائی اور فرمایا کہ میں اس بات سے ڈر رہا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت کے دن میرے لیے کوئی ایسا عمل ظاہر ہو جائے جسے میں نے بُرا گمان نہ کیا ہو۔

۴۸- ﴿وَبَدَأَ اللَّهُ مِنْ سَيِّئَاتِ مَا كَسَبُوا﴾ اور انہوں نے جو اعمال کیے تھے ان کی بُرائیاں ان کے لیے ظاہر ہو جائیں گی یعنی ان کے ان اعمال کی بُرائیاں ظاہر ہو جائیں گی جن کا انہوں نے خود ارتکاب کیا تھا یا یہ کہ ان کی کمائی کی بُرائیاں اس وقت ظاہر ہو جائیں گی جب ان کے اعمال نامے پیش کیے جائیں گے حالانکہ پہلے وہ ان سے پوشیدہ تھیں یا پھر ان کے اعمال کی سزائیں ان کے سامنے آ جائیں گی ﴿وَحَاقَ بِهِمْ﴾ اور ان پر نازل ہوگا اور انہیں گھیر لے گا ﴿مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْتِفُونَ﴾ وہ عذاب جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے (یعنی) ان کے استہزاء و تمسخر کرنے اور مذاق اڑانے کا وبال اور عذاب انہیں ہر طرف سے گھیر لے گا۔

۴۹- ﴿فَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضَرْبًا مِمَّا كَسَبَ إِذَا أَخْوَلْنَاهُ﴾ سو جب کسی آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے ہم سے بس چوڑی دعائیں مانگتا ہے پھر جب ہم اسے اپنا فضل و کرم عطا کرتے ہیں (یعنی) جب ہم اس پر فضل و کرم کرتے ہوئے کوئی احسان کرتے ہیں۔ ”خو لنی“ اس وقت کہا جائے گا جب تجھے کوئی شخص بغیر معاوضہ کے کچھ عطا کرے ﴿فَنِعْمًا مِمَّا كَسَبَ﴾ ہم اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کرتے ہیں [اس پر وقف نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ ”اذا“ کا جواب ہے] ﴿قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ﴾ وہ کہتا ہے کہ بے شک یہ سب کچھ صرف میرے علم کی وجہ سے مجھے عطا کیا گیا ہے کیونکہ میرے اندر کمال

اور استحقاق موجود ہے یا اس لیے کہ مجھے کمانے کے اسباب اور طریقوں کا علم ہے یہ میرے ہنر کا نتیجہ ہے جیسا کہ قارون نے کہا تھا: "عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي" (القصص: ۷۸) ["اوتیتہ" میں مذکر کی ضمیر ذکر کی گئی ہے حالانکہ یہ ضمیر "نعمة" کی طرف لوٹی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صرف معنی کے اعتبار سے مذکر ضمیر ذکر کی گئی ہے کیونکہ "نِعْمَةٌ مِنَّا" کا مطلب ہے: "شیئا من النعمة وقسمًا منها" اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ "إِنَّمَا" میں "مَا" موصولہ ہے "مَا" کا فہ نہیں ہے سو ضمیر اسی کی طرف لوٹی ہے یعنی "ان الذی اتیتہ علی علم" ["بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ"] بلکہ یہ آزمائش ہے۔ اس شخص کی بات کا انکار کیا گیا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے تجھے جو نعمت دی ہے اس کی وجہ وہ نہیں جو تو کہہ رہا ہے (بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ) بلکہ یہ آزمائش ہے یعنی یہ نعمت تیرے لیے ایک آزمائش اور امتحان ہے کہ آیا تو اس پر شکر ادا کرتا ہے یا تو ناشکری کرتا ہے [اور جب خبر مؤنث ہے یعنی "فتنة" تو اس کی وجہ سے مبتدا کو بھی مؤنث لایا گیا اور "إِنَّمَا أُوتِيَتْهُ" کی موافقت میں "بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ" بھی پڑھا گیا ہے] ﴿وَالَّذِينَ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ اور لیکن ان کے اکثر و بیشتر لوگ نہیں جانتے کہ بے شک یہ نعمت ایک آزمائش ہے [اور اس آیت مبارکہ کو "فَا" کے ساتھ عطف کرنے میں اور اس سورت کے شروع میں اس کی مثل (آیت: ۸) کو واؤ کے ساتھ عطف کرنے میں یہ سبب ہے کہ یہ آیت مبارکہ ارشاد باری تعالیٰ "وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ" کا مسبب واقع ہو رہی ہے اس معنی کی بناء پر کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر مبارک سے نفرت کرتے اور بتوں کے جھوٹے معبودوں کے ذکر پر خوش ہوتے ہیں سو جب ان میں سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کو پکارتے ہیں جس کے ذکر سے نفرت کرتے ہیں ان کو نہیں پکارتے جن کے ذکر پر خوش ہوتے ہیں اور ان دونوں کے درمیان آیت مبارکہ جملہ معترضہ ہے پھر اگر یہ کہا جائے کہ جملہ معترضہ کا حق یہ ہے کہ وہ جن کے درمیان معترض ہو ہے ان کی تاکید کرے اس کا جواب یہ ہے کہ جملہ معترضہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول اکرم ﷺ کی دعا کا ذکر ہے جو آپ نے اپنے رب تعالیٰ سے مانگی اور اس دعا میں ارشاد "أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ" پھر اس کے بعد جو بہت بڑی وعید ہے یہ مصائب و آلام میں بتوں کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے بتوں کے ذکر پر خوش ہونے اور ذکر الہی سے نفرت کرنے کے انکار کی تاکید ہے گویا یوں فرمایا گیا ہے کہ اے محبوب! عرض کیجئے: اے میرے پروردگار! میرے اور میری اس قوم کے درمیان جو آپ پر اس طرح کی جرات کرتے ہیں کوئی فیصلہ نہیں کرے گا ماسوا آپ کے اور ارشاد "وَلَوْ أَنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا" ان (قریش مکہ) کو اور دیگر ہر ظالم کو شامل ہے اگر اسے عام قرار دیا جائے یا پھر انہیں کے ساتھ خاص ہے اگر اسے انہیں کے ساتھ مخصوص قرار دیا جائے گویا کہا گیا ہے کہ اگر ان ظالموں کے لیے تمام روئے زمین کا تمام ساز و سامان اور اس کے برابر مزید بھی ہو جائے تو یہ لوگ سب کچھ اس عذاب سے نجات کے عوض میں دے دیں گے جس کا ان پر فیصلہ ہو چکا ہے اور لیکن پہلی آیت مبارکہ مسبب واقع نہیں ہوئی اور وہ تو اپنے ما قبل جملہ کے مناسب ایک جملہ ہے اور بس سو اس لیے اس کو واؤ کے ساتھ معطوف کیا گیا ہے جیسے "قسام زيد وقعد عمرو" اور اس کے مسبب واقع ہونے کا بیان اس طرح ہے کہ تم کہو: "زيد مؤمن بالله فاذا مسه ضرر التجا اليه" پس یہ بالکل واضح طور پر مسبب ہے پھر تم کہو: "زيد كافر بالله فاذا مسه ضرر التجا اليه" سو تم یہاں بھی "فا" لائے جیسا کہ وہاں "فا" لائے ہو گویا کافر نے جب مؤمن کی التجا کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف التجا کی تو اس نے التجا میں اپنے کفر کو سبب قرار دینے میں ایمان کا قائم مقام بنا دیا۔

فَدَقَالَهَا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ فَمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۵﴾ فَأَصَابَهُمْ

سَيِّئَاتٍ مَا كَسَبُوا وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ هَؤُلَاءِ سَيِّئَاتٍ مَا كَسَبُوا وَمَا هُمْ بِعُجْزِينَ ﴿۵۱﴾ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۲﴾

بے شک ان سے پہلے لوگوں نے بھی یہی کہا تھا، سو انہوں نے جو کچھ کمایا تھا وہ ان کے کام نہیں آیا تھا۔ سو ان کی اپنی کمائیوں کی برائیاں ان کو پہنچیں اور ان میں سے ظالموں کو ان کی اپنی کمائیوں کی برائیاں عنقریب پہنچیں گی، اور وہ (ہمیں) عاجز کرنے والے نہیں۔ اور کیا انہیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے، بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہیں۔

۵۰۔ ﴿قَدْ قَالُوا﴾ بے شک یہی بات کہی تھی اور وہ یہ قول ہے: ”إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ“ (الزمر: ۴۹) ﴿الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ان لوگوں نے جو ان (مشرکین مکہ) سے پہلے گزر چکے ہیں یعنی قارون اور اس کی قوم کیونکہ قارون نے کہا تھا: ”إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي“ اور اس کی قوم اس پر راضی تھی تو گویا ان سب نے کہا تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ گزشتہ امتوں میں اسی طرح دوسرے لوگوں نے بھی کہا ہو ﴿فَمَا آغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ سو ان کو ان کے اس مال و دولت نے کوئی فائدہ نہ دیا جو وہ دنیا کے مال و متاع میں سے کماتے رہے اور اس میں سے جو کچھ جمع کرتے رہے۔

۵۱۔ ﴿فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتٌ مَا كَسَبُوا﴾ سو انہوں نے جو کچھ کمایا تھا اس کی برائیاں ان کو پہنچیں یعنی ان کی کمائی کی برائیوں کی سزا ان کو پہنچی (کہ انہیں عذاب میں مبتلا ہونا پڑا) یا برائی کی سزا کو برائی صرف مشابہت کی بناء پر کہا گیا ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا“ (الشوری: ۴۰) ”اور برائی کی سزا اس کی مثل برائی ہے“ ﴿وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ هَؤُلَاءِ﴾ اور ان لوگوں میں سے جنہوں نے ظلم کیا (یعنی) آپ کی قوم کے مشرکین میں سے جنہوں نے ظلم کیا یعنی کفر اختیار کر لیا ﴿سَيِّئَاتٍ مَا كَسَبُوا﴾ انہوں نے جو کچھ کمایا ہے اس کی برائیاں عنقریب انہیں ضرور پہنچیں گی یعنی جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو ان کی برائیوں کی سزا ملی تھی اسی طرح ان کو بھی ان کی برائیوں کی سزا ضرور ملے گی، چنانچہ ان مشرکین مکہ کے بڑے بڑے سردار جنگ بدر میں قتل کر دیئے گئے تھے اور ان کا رزق بند کر دیا گیا اور ان پر سات سال تک مسلسل قحط پڑا تھا ﴿وَمَا هُمْ بِعُجْزِينَ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے والے نہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں وسعت و کشادگی اور خوش حالی عطا فرمائی، چنانچہ سات سال بارشیں برسیں، جس سے خوش حالی لوٹ آئی، سو اس لیے ان سے فرمایا گیا ہے کہ

۵۲۔ ﴿أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ﴾ اور کیا انہیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے اور بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ بندے کا رزق گزارہ کے مطابق کر دیتا ہے ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ بے شک اس میں ایمان دار قوم کے لیے ضرور نشانیاں ہیں کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کے بغیر کوئی رزق کو نہ فراخ کرنے والا ہے اور نہ کم کرنے والا ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ

اللَّهُ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۵۳﴾ وَأَنْبِئُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ
وَأَسْلِبُوا لَهُ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمْ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿۵۴﴾ وَاتَّبِعُوا
أَحْسَنَ مَا أَنْزَلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمْ الْعَذَابُ بِغَتَّةٍ
وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿۵۵﴾

(اے محبوب!) فرمادیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دے گا بے شک وہی بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O اور تم اپنے رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور تم اسی کے فرماں بردار ہو جاؤ اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آ جائے پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی O اور تم اس بہترین (قرآن) کی پیروی کرو جو تمہارے پروردگار کی جانب سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تمہیں خبر نہ ہو O

مشرکین کے سوا تمام مسلمانوں کے لیے مغفرت و رحمت کا اعلان

۵۳- ﴿قُلْ﴾ اے (میرے پیارے) محمد (ﷺ)! فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ ﴿يُعْبَادِي الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ﴾ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم و زیادتی کی ہے (یعنی) جنہوں نے نافرمانیوں اور گناہوں میں اضافہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم و زیادتی کی اور نافرمانیوں کے کاموں اور گناہوں میں غلو اور انتہاء کر دی ﴿لَا تَقْتُلُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ﴾ تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اور مایوس نہ ہو جاؤ ﴿إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو بخش دے گا (یعنی) شرک کے ماسوا سب گناہوں کو معاف فرما دے گا اور حضور نبی کریم ﷺ کی دوسری قراءت میں ہے: ”يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا وَلَا يَبَالِي“ اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو بخش دے گا اسے کوئی پرواہ نہیں اور ”مبالاة“ (پرواہ) کی نفی کی نظیر خوف کی نفی ہے جیسا کہ ارشاد ہے کہ ”وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا“ (الشمس: ۱۵) ”اور وہ (اللہ تعالیٰ) اس کے انجام سے نہیں ڈرتا“۔ اور بعض مفسرین کرام نے بیان فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی تھی۔

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل وحشی کی طرف کسی شخص کو بھیج کر بلوایا اور اس کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اس نے یہ جواب دیا کہ اے محمد! آپ مجھے اپنے دین کی کس طرح دعوت دے رہے ہیں حالانکہ آپ یہ کہتے ہیں کہ جس نے قتل کیا یا شرک کیا یا زنا کیا اس کو بہت گناہ ہوگا قیامت کے دن اس کا عذاب دگنا کیا جائے گا اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ رہے گا اور میں یہ سب کام کر چکا ہوں کیا آپ میرے لیے کوئی رخصت پاتے ہیں؟ تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا
فَأُولَٰئِكَ يَسْئَلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ
غَفُورًا رَحِيمًا (الفرقان: ۷۰)

مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے تو
اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو بھی نیک اعمال سے بدل دے گا اور اللہ
تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے O (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضور نبی اکرم رسول معظم ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ میں کبھی یہ پسند نہیں کروں گا کہ یہ آیت کریمہ لے کر اس کے عوض میں مجھے دنیا اور اس کا تمام ساز و سامان دے دیا جائے ﴿إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ﴾ بے شک وہی بڑے بڑے گناہوں کی ستر پوشی کر کے بہت بخشنے والا ہے ﴿التَّحِيُّمِ﴾ بدترین مشکلات و مشقات اور قبیح ترین غموم دور کر کے بے حد مہربانی فرمانے والا ہے [ابو عمر و بصری، حمزہ کو فی اور علی کسائی کی قراءت میں ”یا“ ساکن کے ساتھ ”عبادی“ ہے جب کہ ابو عمر و بصری اور علی کسائی کی قراءت میں نون مکسور کے ساتھ ”لَا تَقْنِطُوا“ ہے]۔

۵۴- ﴿وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ﴾ اور تم اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو اور تم اس کی بارگاہ میں توبہ کرو ﴿وَأَسْلِبُوا آلَهُ﴾ اور تم اسی کے فرماں بردار ہو جاؤ اور اسی کی رضا کے لیے عمل خالص کر لو ﴿مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصِرُونَ﴾ اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آجائے پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی اگر تم عذاب کے آنے سے پہلے توبہ نہیں کرو گے۔

۵۵- ﴿وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ﴾ اور تم اس بہترین کلام (قرآن مجید) کی پیروی کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری طرف نازل کیا گیا۔ یہ (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے: ”الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) وحشی نے کہا: اے محمد! یہ بہت سخت شرط ہے کہ وہ ایمان لانے کے بعد نیک عمل کرے ہو سکتا ہے کہ میں اس شرط پر پورا نہ اتر سکوں تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشنے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہ کو جس کے لیے وہ چاہے گا بخش دے گا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ. (النساء: ۴۸)

وحشی نے کہا: اے محمد! میں دیکھ رہا ہوں کہ اس میں بھی مغفرت اللہ تعالیٰ کے چاہنے پر موقوف ہے، میں نہیں جانتا کہ میری مغفرت ہوگی یا نہیں ہوگی، کیا اس کے علاوہ کوئی اور صورت ہے؟ تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (الزمر: ۵۳)

اے میرے وہ بندو جو (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو! تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دے گا بے شک وہی بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے

وحشی نے کہا: اب ٹھیک ہے پھر وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لے آیا (رضی اللہ عنہ) لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! اگر ہم بھی وحشی کی طرح گناہ کر بیٹھیں؟ آپ نے فرمایا: یہ حکم تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۰ ص ۲۸۰-۲۸۲ بحوالہ جات: المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۳۸۰، شعب الایمان ج ۵ ص ۲۲۳، رقم الحدیث: ۱۴۰۷، تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۵ ص ۳۱۶، رقم الحدیث: ۱۳۱۳۸، مختصر تاریخ دمشق ج ۲۶ ص ۲۶۳، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۰۱)

حسب ذیل مفسرین نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے:

تفسیر انام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۲۵۳، رقم الحدیث: ۱۸۳۰۱، الجامع لاحکام القرآن ج ۱۵ ص ۲۴۰، زاد المسیر ج ۶ ص ۱۰۳، العنک والعیون ج ۵ ص ۱۳۱، الدر المنثور ج ۷ ص ۲۰۲، روح البیان ج ۸ ص ۱۷۱، روح المعانی ج ۲۳ ص ۲۳، اسباب النزول رقم الحدیث: ۶۶۰۔

ذکرہ لیبی فی مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۰۰

الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ“ (الزمر: ۱۸) ”جو لوگ بات غور سے سنتے ہیں پھر بہترین بات کی پیروی کرتے ہیں“ ﴿مَنْ قَبِلَ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ﴾ اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو یعنی اچانک تم پر عذاب آ جائے جب کہ تم بالکل غفلت میں ہو گویا تم اپنی غفلت کی زیادتی کے باعث بالکل بے خوف ہو اور تمہیں کسی چیز کا ڈر نہ ہو۔

أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ بِحَسْرَتِي عَلَى مَا فَرَّطْتُ فِي جَنْبِ اللَّهِ وَإِنْ كُنْتُ لَمِنَ

السَّخِرِينَ ﴿۵۶﴾ أَوْ تَقُولَ لَوْ أَنَّ اللَّهَ هَدَانِي لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿۵۷﴾ أَوْ تَقُولَ

حِينَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي كَرَّةً فَأَكُونَ مِنَ الْحَسِينِ ﴿۵۸﴾ بَلَى قَدْ

جَاءَتْكَ آيَاتِي فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِينَ ﴿۵۹﴾

کہ کوئی جان یہ کہہ دے: ہائے افسوس! اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کی اور بے شک میں ہنسی مذاق اڑانے والوں میں سے تھا۔ یا وہ کہہ دے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دے دیتا تو میں ضرور پرہیزگاروں میں سے ہوتا۔ یا وہ کہہ دے جب وہ عذاب دیکھے کہ اگر میرے لیے دوبارہ (دنیا میں) واپس لوٹ جانا ممکن ہوتا تو میں نیکیاں کرنے والوں میں سے ہو جاتا۔ ہاں! کیوں نہیں! بے شک تیرے پاس میری آیتیں آئی تھیں سو تو نے ان کو جھٹلایا اور تو نے تکبر کیا اور تو کافروں میں سے ہو گیا تھا۔

۵۶- ﴿أَنْ تَقُولَ﴾ ”ای لاشلا تقول“ یعنی تاکہ کوئی یہ نہ کہے ﴿نَفْسٌ﴾ کوئی جان یا کوئی شخص [اس کو نکرہ اس لیے

لایا گیا ہے کہ اس سے بعض اشخاص مراد ہیں اور وہ کافر ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ اشخاص میں سے مخصوص افراد مراد ہوں یا تو کفر میں سخت اصرار کرنے کے ساتھ یا عظیم عذاب کے ساتھ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے کثرت و عموم مراد ہو] ﴿بِحَسْرَتِي﴾ علی ما فرطت فی جنب اللہ﴾ ہائے افسوس! اس بناء پر کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کوتاہی کی ہے (یعنی) میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم میں یا اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت میں یا اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں کوتاہی کی ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت میں ”فی ذکر اللہ“ ہے اور ”جنب“ بہ معنی جانب ہے جیسے کہا جاتا ہے: ”انا فی جنب فلان“ و جانبہ و ناحيته“ میں فلاں آدمی کی دائیں طرف اور اس کی ایک جانب اور اس کی ایک طرف میں ہوں“ و فلان لیس الجانب و الجنب“ اور فلاں آدمی نرم پہلو نرم طبیعت اور مان لینے والا ہے پھر اہل عرب نے کہا کہ ”فوط فی جنبہ و فی جانبہ“ سے مراد ”فی جنبہ“ ہے اور یہ کنایہ کے باب سے ہے کیونکہ جب تم نے کسی آدمی کے مکان اور اس کی جگہ کے بارے میں کوئی معاملہ ثابت کر دیا تو بلاشبہ تم نے خود اس آدمی کے بارے میں اس معاملے کو ثابت کر دیا اور اسی کنایہ کے باب سے یہ حدیث ہے کہ ”من الشرك الخفى ان یصلی الرجل لمکان الرجل ای لاجله“ ”شرك خفی یہ ہے کہ کوئی شخص کسی اور آدمی کے مکان اور مقام کی وجہ سے نماز پڑھے یعنی اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اور علامہ زجاج نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے طریق میں کوتاہی کی اور وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور سرور کو نہیں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت کا اقرار کرنا ہے ﴿وَإِنْ كُنْتُ لَمِنَ السَّخِرِينَ﴾ اور بے شک میں ہنسی اور مذاق اڑانے والوں میں

سے تھا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس کے لیے یہی کافی نہیں تھا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت و فرماں برداری کو ضائع کر دیا یہاں تک کہ پھر وہ ہنسی مذاق اڑانے والوں میں بھی شامل ہو گیا [اور] ”وان كنت“ محلاً حال کی بناء پر منصوب ہے (”ان“ مثقلہ سے مخففہ ہے) ”یا حسرتی“ میں ”قا“ پر الف یائے متکلم سے بدلا ہوا ہے اور اصل کی بناء پر ”یا حسرتی“ بھی پڑھا گیا ہے اور ”یا حسرتای“ عوض و معوض منہ کو جمع کر کے بھی پڑھا گیا ہے [گویا اس نے کہا: میں نے کوتاہی کی اور میں ہنسی مذاق اڑانے والا تھا یعنی میں نے اس حال میں کوتاہی کی کہ میں اس وقت دین حق اور اہل دین کا مذاق اڑانے والا تھا۔

۵۷- ﴿أَوْ تَقُولُ لَوْ أَنَّ اللَّهَ هَدَانِي﴾ یا وہ جان یہ کہہ دے کہ اگر بے شک اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دیتا یعنی مجھے ہدایت عطا کرتا تو ﴿لَكُنْتُ مِنَ الْمُنْتَقِينَ﴾ میں پرہیزگاروں میں سے ہوتا (یعنی) میں ان لوگوں میں سے ہوتا جو شرک سے بچتے اور پرہیز کرتے رہے۔ حضرت الشیخ امام ابو منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہ کافر تو معتزلہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا عارف و عالم نکلا اور اسی طرح وہ کفار جو قیامت کے دن اپنے پیروکاروں سے کہیں گے: ”لَوْ هَدَانَا اللَّهُ لَهَدَيْنَاكُمْ“ (ابراہیم: ۲۱) ”اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دے دیتا تو ہم ضرور تمہیں ہدایت دیتے“ یعنی وہ کہیں گے: اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت کی توفیق دیتا اور وہ ہمیں ہدایت عطا کرتا تو ہم ضرور تمہیں اس کی طرف دعوت دیتے لیکن ہمارے دنیا میں آ کر گمراہی اور سرکشی کو اختیار کرنے کا علم اللہ تعالیٰ کو پہلے سے حاصل تھا سو اس لیے اس نے ہمیں رسوا کیا اور ہمیں ہدایت کی توفیق عطا نہیں کی حالانکہ معتزلہ کہتے ہیں کہ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دی اور ان کو ہدایت کی توفیق بھی دی لیکن انہوں نے ہدایت حاصل نہیں کی اور خلاصہ یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس لطف و کرم ہے جس کو وہ عطا ہو جائے تو وہ ہدایت پالیتا ہے اور وہ توفیق اور عصمت ہے اور جس کو وہ عطا نہ کیا جائے تو وہ گمراہ ہو جاتا ہے اور اس کو عذاب اور حق کو ضائع کرنا پسند آ جاتا ہے اس کے بعد اس کو پسند کرنے کی وجہ سے اس کی تحصیل کا اسے اختیار اور اقتدار دے دیا جاتا ہے۔

۵۸- ﴿أَوْ تَقُولُ حِينَ تَذَكَّرُ الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي كَرْهًا﴾ یا وہ جان جب عذاب دیکھے تو یہ کہہ دے کہ اگر میرے لیے ایک دفعہ دوبارہ دنیا کی طرف لوٹ کر واپس جانا ممکن ہوتا ﴿فَأَكُونُ مِنَ السَّامِعِينَ﴾ تو میں نیکوکاروں میں سے ہو جاتا (یعنی) میں موحدین میں سے ہو جاتا۔

۵۹- ﴿بَلَىٰ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ كَافِرِينَ﴾ ہاں کیوں نہیں! بلکہ تیرے پاس میری آیتیں آئی تھیں سو تو نے انہیں جھٹلایا اور تکبر کیا اور تو کافروں میں سے ہو گیا۔ ”بلی“ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس کی بات کی تردید کر دی ہے گویا اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ بلکہ تیرے پاس تو میری آیات آئی تھیں اور میں نے سرکشی سے ہدایت کو اور باطل سے راہ حق کو تیرے لیے واضح طور پر بیان کر دیا تھا اور میں نے تجھے سرکشی پر ہدایت کو اختیار کرنے اور باطل پر حق اختیار کرنے کی قدرت و طاقت بھی عطا کی تھی لیکن تو نے اس کو چھوڑ دیا تھا اور اس کو ضائع کر دیا تھا اور تو نے اسے قبول کرنے سے تکبر کیا تھا اور تو نے ہدایت کی بجائے گمراہی کو ترجیح دی تھی اور میں نے تجھے جس کا حکم دیا تھا تو اس کے خلاف میں مشغول ہو گیا تھا سو کوتاہی اور تضحیح تیری طرف سے ہوئی تھی لہذا آج تیرا کوئی عذر قبول نہیں [اور] ”بلی“ نفی تقدیری کا جواب ہے کیونکہ ”لو ان الله هداني“ کا معنی ہے کہ ”مَا هُدَيْتُ“ یعنی مجھے ہدایت نہیں دی گئی اور جواب کو اس کے ساتھ متصل اس لیے ذکر نہیں کیا گیا کہ نفس کی حکایت ترتیب کے مطابق ضروری تھی پھر اس کے بعد جواب ہوتا ہے جس کا جواب تقاضا کرتا ہے۔

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَدْرِي الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُمْ مُسْوَدَةٌ ۗ أَلَيْسَ فِي

جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ ۖ وَيُنَجِّي اللَّهُ الَّذِينَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۚ لَا يَمَسُّهُمْ

السُّوءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۖ ۙ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

وَكَيلٌ ۖ ۙ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيٰتِ اللّٰهِ

أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ۚ

اور آپ قیامت کے دن ان لوگوں کو دیکھیں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا تھا کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے کیا تکبر کرنے والوں کے لیے دوزخ میں ٹھکانا نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ شرک سے بچنے والوں کو ان کی کامیابی کے ساتھ نجات دے گا، انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے اور آسمانوں اور زمین کی چابیاں اسی کے لیے ہے اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا وہی نقصان اٹھانے والے ہیں

۶۰۔ ﴿وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَدْرِي الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ﴾ اور قیامت کے دن آپ انہیں دیکھیں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا تھا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ایسی چیزوں کے ساتھ متصف بیان کیا جو اس پر جائز ہی نہیں جیسے شریک اور اولاد کی اس کی طرف نسبت کرنا اور اس سے صفات حمیدہ کی نفی کرنا ﴿وُجُوهُهُمْ مُسْوَدَةٌ﴾ ان کے چہرے سیاہ کالے ہوں گے [”وجوہہم“ مبتدا ہے اور ”مسودة“ اس کی خبر ہے اور مبتداء و خبر مل کر جملہ ہو کر حال کی بناء پر محلاً منصوب ہے اگر ”توئی“ آنکھ کی رویت سے ہے اور اگر دل کی رویت سے ہو تو پھر مفعول ثانی ہے] ﴿أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ﴾ کیا دوزخ میں تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا نہیں ہے اور یہ ”واستکبرت“ کی طرف اشارہ ہے۔

۶۱۔ ﴿وَيُنَجِّي اللَّهُ الَّذِينَ اتَّقَوْا﴾ اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو نجات عطا فرمائے گا جو شرک سے پرہیز کرتے رہے [نون ساکن اور جیم مخفف کے ساتھ باب افعال سے ”يُنَجِّي“ بھی پڑھا گیا ہے] ﴿بِمَفَازَتِهِمْ﴾ اپنی کامیابی کے سبب اور اپنی فلاح و سعادت کے سبب اور ”فَازِبِ كَذَا“ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی آدمی اپنی مراد میں کامیاب و کامران ہو جاتا ہے اور (درج ذیل ارشاد) ”بِمَفَازَتِهِمْ“ کی تفسیر ہے چنانچہ ارشاد ہے: ﴿لَا يَمَسُّهُمْ السُّوءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ انہیں کوئی تکلیف (یعنی) دوزخ کی آگ نہیں پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے، گویا پوچھا گیا کہ ان کی کامیابی کیا ہے تو اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ ”لَا يَمَسُّهُمْ السُّوءُ“ انہیں کوئی تکلیف نہیں چھوئے گی یعنی اللہ تعالیٰ انہیں رنج و غم اور تکلیف و دکھ سے نفی کے ساتھ نجات عطا کرے گا یعنی نہ ان کے ابدان کو ایذا و تکلیف پہنچے گی اور نہ ان کے دلوں کو حزن و ملال اور رنج و غم پہنچے گا یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کی نجات کے سبب تکلیفوں سے بچالے گا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَالَ تَحْسَبْتَهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ﴾ (آل عمران: ۱۸۸) ”سو آپ انہیں عذاب سے دور نہ سمجھیں“ یعنی اس سے نجات پانے کے سبب کیونکہ نجات سب سے بڑی کامیابی ہے اور ان کی نجات کا سبب نیک عمل ہیں اور اس لیے حضرت عبداللہ ابن عباس

رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ”المفاضة“ کی تفسیر و توضیح اعمالِ حسنہ سے کی ہے اور جائز ہے کہ وہ اپنی فلاح کے سبب نجات پائیں کیونکہ نیک عمل فلاح کا سبب ہیں اور وہ جنت میں داخلہ ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ نیک اعمال کو بذاتِ خود کامیابی و نجات قرار دیا جائے کیونکہ یہی فلاح و کامیابی کا سبب ہیں [اور پہلی تفسیر پر ”لا یمسہم“ کے لیے اعراب کا محل کوئی نہیں ہوگا کیونکہ یہ ایک مستقل الگ نیا کلام ہوگا اور دوسری تفسیر پر حال واقع ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہوگا اور امام حفص کے علاوہ دیگر کوئی قراء کی قراءت میں (جمع کے ساتھ) ”بمفازا تہم“ پڑھا گیا ہے]۔

۶۲- ﴿اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس آیت مبارکہ میں معتزلہ اور ثنویہ دونوں فرقوں کی تردید کر دی گئی ہے ﴿وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ﴾ اور وہ ہر چیز کا محافظ و نگہبان ہے۔

۶۳- ﴿لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ تمام آسمانوں اور زمینوں کی چابیاں اس کی ملکیت میں ہیں یعنی وہی ان کے ہر معاملے کا مالک ہے اور وہی ان کا محافظ ہے اور یہ کنایہ کے باب سے ہے کیونکہ خزانوں کا محافظ اور ان کے معاملے کا مدبر (مدیر کرنے والا) وہی ہے جو ان کی چابیوں کا مالک ہے اور اسی میں سے ان (اہل عرب) کا یہ قول ہے: ”فلان القیت الیہ مقالید الملک“ فلاں آدمی کو پورے ملک یا پوری بادشاہی کی چابیاں دے دی گئیں اور ”مقالید“ بہ معنی ”مفاتیح“ (چابیاں) ہے اور اس کا واحد ”مقلید“ ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کے بعینہ لفظ سے اس کا واحد نہیں ہے اور اصل میں یہ کلمہ فارسی کا ہے ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ﴾ اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ سے ”مقالید“ (چابیاں) کی تفسیر اور اس کا مطلب پوچھا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: (۱) ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ (۲) اور ”اللَّهُ أَكْبَرُ“ (۳) ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ“ (۴) ”أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ“ (۵) ”وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ“ (۶) ”هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“۔

قاضی ثناء اللہ حنفی پانی پتی نے تفسیر مظہری کے حاشیہ میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اور علامہ سید محمود حنفی بغدادی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس حدیث مبارکہ کے بیان کردہ ان کلمات کے پڑھنے کے فوائد بھی بیان فرمائے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص صبح و شام یہ کلمات دس مرتبہ پڑھا کرے گا اسے اللہ تعالیٰ چھ خوبیاں عطا فرمائے گا: (۱) ابلیس اور اس کے لشکر سے محفوظ رہے گا (۲) اسے بے حساب و بے شمار اجر و ثواب دیا جائے گا (۳) بڑی آنکھوں والی حور سے اس کا نکاح کیا جائے گا (۴) اس کے گناہوں کو بخش دیا جائے گا (۵) اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی معیت و سنگت نصیب ہوگی (۶) اس کی موت کے وقت اس کے پاس بارہ فرشتے حاضر ہوں گے جو اسے جنت کی خوش خبری سنائیں گے اور حشر کے دن یہی فرشتے اسے قبر سے میدانِ محشر میں دلہن کی طرح لے جائیں گے اور قیامت کے دن کی ہولناکیوں سے جب وہ شخص گھبرائے گا تو وہ فرشتے اس سے کہیں گے: تم نہ گھبراؤ کیونکہ تم امن و امان پانے والوں میں سے ہو پھر اللہ تعالیٰ اس شخص کا بہت آسان حساب لے گا پھر اسے جنت میں لے جانے کا حکم دیا جائے گا چنانچہ اسے وہ فرشتے اس طرح میدانِ محشر سے جنت کی طرف لے جائیں گے جس طرح دلہن کو لے جایا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اسے اللہ تعالیٰ کے حکم سے جنت میں داخل کر دیں گے جب کہ باقی لوگ حساب کی سختی میں ہوں گے۔ (رواہ ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابن مردودہ و البیهقی فی الاسماء والصفات والاعتقالی)

(تفسیر روح المعانی الجزء الرابع والعشرون ص ۲۲ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور، تفسیر مظہری ج ۸ ص ۲۳۰ مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی، تفسیر ابن کثیر مترجم ج ۴ ص ۱۵ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

آیتوں کے ساتھ کفر و انکار کیا ہے وہی نقصان اٹھانے والے ہیں اور یہ ارشاد باری تعالیٰ ”وینجی اللہ الدین اتقوا“ کے ساتھ متصل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کفر و شرک اور بُرے کاموں سے پرہیز کرنے والوں کو ان کی کامیابی کے سبب نجات عطا فرمائے گا اور کفر و شرک اور سرکشی کرنے والے نقصان اٹھائیں گے اور خسارے میں رہیں گے اور ان دونوں کے درمیان جملہ معترضہ کے طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق یعنی اس کا پیدا کرنے والا ہے اور اس پر محافظ و نگہبان ہے سو اس سے مکلفین کے اعمال میں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں اور وہی ان پر جزاء دے گا یا جو کچھ اس کے ساتھ متصل ہے وہ یہ کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا خالق و مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور وہی اس کا دروازہ کھولنے والا ہے اور جنہوں نے کفر و شرک اختیار کر لیا اور اس طرح کے معاملے سے انکار کر دیا تو وہی لوگ نقصان اور گھاٹا پانے والے ہیں اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے ”لہ مقالید السموات والارض“ کی تفسیر اور اس کا مطلب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: اے عثمان! تم سے پہلے کسی نے اس کے بارے میں اور اس کی تفسیر کے بارے میں سوال نہیں کیا اس کی تفسیر یہ ہے: ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ وَاسْتَغْفِرُ اللَّهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ. هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“۔

اور اس پر اس کا معنی یہ ہوگا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی شان کے لیے یہ ایسے کلمات ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی فضیلت و عظمت کو بیان کیا جاتا ہے اور یہی کلمات تمام آسمانوں اور زمینوں کی خیر کی کنجیاں ہیں جو شخص پرہیزگاروں میں سے ان کلمات کو پڑھا کرے گا اسے یہ سب بھلائیاں پہنچیں گی ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِيَّاكَ﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کریں گے اور اس کی توحید کے اور اس کی فضیلت و عظمت کے کلمات کا انکار کریں گے تو ﴿أُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾ وہی لوگ نقصان اٹھانے والے اور گھاٹا پانے والے ہوں گے۔

قُلْ أَغْيَرَ اللَّهُ تَأْمُرِي أَعْبَادِيهَا الْجَاهِلُونَ ﴿۲۴﴾ وَلَقَدْ أَوْحَىٰ إِلَيْكَ وَإِلَىٰ

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكَتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَتَكُونَنَّ مِنَ

الْخَاسِرِينَ ﴿۲۵﴾ بَلِ اللَّهُ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿۲۶﴾ وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ

حَقَّ قَدْرِهِ ۗ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ

بِيَمِينِهِ ۗ سُبْحَانَكَ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۲۷﴾

(اے محبوب!) فرمادیجئے کہ اے جاہلو! کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں غیر اللہ کی عبادت کروں O اور بے شک آپ کی طرف اور آپ سے پہلے انبیاء کی طرف وحی کی گئی کہ (بفرض مجال) اگر آپ (حضرات) نے شرک کیا تو آپ کے عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے اور آپ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے O بلکہ آپ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا

۱۔ رواہ البیہقی فی کتاب الاسماء والصفات ج ۱ ص ۴۱ و ذکرہ البیہقی فی مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۱۵

کریں اور شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جائیں O اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق تھا اور تمام زمینیں قیامت کے دن اس کی ایک مٹھی میں ہوں گی اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے وہ ان تمام چیزوں سے پاک اور بلند تر ہے جن کو وہ لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں O

اللہ تعالیٰ کی توحید و عبادت کا حکم اور شرک کی ممانعت

۶۴- ﴿قُلْ﴾ (اے محبوب!) آپ ان سے فرمادیتے ہو جو آپ کو اپنے آباء و اجداد کے دین کی طرف بلاتے ہیں ﴿أَفَغَيْرَ اللَّهِ تَأْمُرُونِي أَعْبُدُ﴾ تو کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں غیر اللہ کی عبادت کروں [ابن کثیر کی قراءت میں نون مشدود اور "یا" مفتوح کے ساتھ "تَأْمُرُونِي" ہے جب کہ ابن عامر شامی کی قراءت میں دونوں خفیفہ کے ساتھ "تَأْمُرُونِي" ہے اور نافع مدنی کی قراءت میں ایک نون خفیفہ کے ساتھ "تَأْمُرُونِي" ہے اور "افغیر" مفعول مقدم "اعبد" فعل کی وجہ سے منصوب ہے اور "تَأْمُرُونِي" جملہ معترضہ ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ کیا میں اس بیان کے بعد بھی تمہارے حکم پر غیر اللہ کی عبادت کروں؟ ﴿أَيُّهَا الْجَاهِلُونَ﴾ اے اللہ تعالیٰ کی توحید سے جاہلو۔

۶۵- ﴿وَلَقَدْ أَوْحَىٰ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ اور بے شک آپ کی طرف اور ان لوگوں کی طرف جو آپ سے پہلے تھے یعنی آپ کی طرف اور آپ سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف (توحید کے بارے میں) وحی بھیجی گئی ﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (بفرض محال) اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے اور آپ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے اور یہاں اللہ تعالیٰ نے "لئن اشركت" فعل مخاطب واحد بیان فرمایا حالانکہ شرک سے ممانعت کی وحی تو انبیائے کرام کی پوری جماعت کو کی گئی تھی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے: اے محبوب! آپ کی طرف وحی کی گئی کہ اگر آپ نے (بفرض محال) شرک کیا تو آپ کے عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے اور اسی طرح آپ سے پہلے انبیائے کرام کی طرف بھی وحی بھیجی گئی ہے [اس میں پہلا لام محذوف قسم کی تاکید ہے اور دوسرا جواب کلام ہے اور یہ جواب دو جوابوں کے قائم مقام ہے میری مراد قسم اور شرط کے جواب ہیں] بے شک یہ کلام باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ اس کے انبیاء اور رسل شرک ہرگز نہیں کرتے اس لیے صحیح اور درست ہے کہ اس کلام میں خطاب حضور نبی کریم ﷺ کو ہے اور اس سے مراد آپ کے غیر ہیں یعنی آپ کے علاوہ دوسرے لوگ مراد ہیں اور اس لیے کہ یہ خطاب آپ کو بطور فرض کیا گیا ہے اور محالات کا فرض کرنا صحیح ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس کا مطلب ہے کہ اگر آپ نے راز کی باتوں میں میرے ماسوا کسی کو آگاہ کیا اور کسی اور کو شریک راز کیا تو پھر میرے اور آپ کے درمیان جو راز ہیں وہ ضرور ضائع ہو جائیں گے۔

۶۶- ﴿بَلِ اللَّهِ فَاعْبُدْ﴾ بلکہ آپ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ اس آیت مبارکہ میں اس کی تردید ہے جس کا کفار مکہ نے آپ کو اپنے معبودوں کی عبادت کا حکم دیا تھا گویا فرمایا کہ کفار مکہ جن کی عبادت کا آپ کو حکم دیتے ہیں آپ ان کی عبادت ہرگز نہ کریں بلکہ اگر آپ نے عبادت کرنی ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کیجئے [پھر شرط کو حذف کر دیا گیا ہے اور مفعول بہ کو اس کے عوض میں فعل امر سے مقدم کر دیا گیا ہے (تا کہ حضور و تخصیص کا فائدہ ہو)] ﴿وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ﴾ اور آپ شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جائیں اور آپ اس نعمت کا شکر ادا کیجئے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام اولاد آدم کا سردار بنا کر آپ پر انعام فرمائی ہے۔

کفار کی مذمت اور قیام قیامت کا تذکرہ

۶۷- ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عظمت و شان کو نہیں پہچانا جیسا اس کی عظمت و شان کا حق ہے کیونکہ انہوں نے آپ کو غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دی اور جب تمام چیزوں میں سے ایک چیز عظیم الشان ہو اسے جب انسان پہچان لیتا ہے جیسا کہ اس کی پہچان کا حق ہے تو پھر وہ اس کی قدر کرتا ہے جیسا اس کی قدر کا حق ہوتا ہے اور اس کی تعظیم و تکریم کرتا ہے جیسا کہ اس کی تعظیم و تکریم کا حق ہوتا ہے (لیکن جب کفار مکہ نے سب سے بڑی عظیم الشان ذات کی قدر نہیں کی تو ان کے بارے میں) کہا گیا: ”وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ“ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کا حق ہے پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی عظمت اور اپنی جلالت شان پر تمثیل و تخیل کے طریقے پر آگاہ فرمایا چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ﴾ اور تمام زمینیں قیامت کے دن اس کی ایک مٹھی میں ہوں گی اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے اور اس کلام سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و شان کی تصویر پیش کرنا اور اس کی جلالت و بڑائی کی حقیقت سے آگاہ کرنا مراد ہے اور کچھ نہیں کیونکہ جب کسی چیز کو مکمل اور پوری طرح پکڑ لیا جائے تو یہ پکڑنے والے کی عظمت و کبریائی کی دلیل ہے اور اس سے مٹھی میں لینا مراد نہیں اور نہ دائیں ہاتھ میں لینا مراد ہے نہ تو حقیقی جہت سے اور نہ مجازی جہت سے اور ”الارض“ سے ”الارضون السبع“ مراد ہیں یعنی زمین سے ساتوں زمینیں مراد ہیں اور اس کی گواہی ”جمیعاً“ اور ”والسّموات“ دے رہے ہیں اور اس لیے کہ یہ جگہ تعظیم و کبریائی کی جگہ ہے سو یہ مبالغہ کا تقاضا کرتی ہے [”الارض“ مبتدا ہے اور ”قبضتہ“ اس کی خبر ہے اور ”جمیعاً“ حال کی بناء پر منصوب ہے یعنی جب زمین جمع ہو جائے گی تو قیامت کے دن اسی کے تصرف میں ہوگی اور (قاف مفتوح) ”قَبْضَةٌ“ کا معنی ہے: ایک دفعہ مٹھی بھرنا اور (قاف مضموم) ”قَبْضَةٌ“ کا معنی ہے: ایسی مقدار جو ہاتھ کی ہتھیلی کے قبضہ میں آسکے یہ مصدر ہے اور دونوں معنوں کا احتمال رکھتا ہے] اور معنی یہ ہے کہ تمام زمینیں اللہ تعالیٰ کے قبضہ و ملک میں ہوں گی یعنی تمام زمینیں صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ والی ہوں گی، وہی سب کو اپنے قبضوں میں سے ایک قبضہ میں پکڑ لے گا یعنی بے شک تمام زمینیں اپنی بڑائی اور اپنی وسعت و کشادگی کے باوجود اس کے قبضوں میں سے صرف ایک قبضہ میں ہوں گی، گویا وہ ان سب کو ایک ہتھیلی میں قبضہ کر کے پکڑ لے گا جیسے کہتے ہیں: ”الجزور اكله لقمان“ ایک ذبح شدہ بکری لقمان کی خوراک ہے یعنی ایک بکری اس کی صرف ایک وقت کی خوراک کے لیے پوری ہوتی ہے اور جب ”قبضتہ“ (قاف مضموم) کا معنی مراد لیا جائے تو ظاہر ہے کیونکہ اب معنی یہ ہوگا کہ تمام زمینیں اتنی مقدار کی ہوں گی کہ ان کو ایک ہتھیلی میں پکڑ لیا جائے گا اور ”مطویات“، ”طی“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: جمع کرنا اور لپیٹنا یہ ”نشر“ (پھیلانا) کی ضد ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ“ (الانبیاء: ۱۰۴) ”اس دن ہم آسمانوں کو ایسے لپیٹیں گے جیسے سجل نامی فرشتہ نامہ اعمال کو لپیٹتا ہے“ اور صحیفوں کو لپیٹنے والوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ انہیں اپنے دائیں ہاتھ سے لپیٹتے ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ ”قبضتہ“ سے اللہ تعالیٰ کا ملک و تصرف مراد ہے کہ زمین کے طبقات اللہ تعالیٰ کے ملک میں ہوں گے جس میں مداخلت اور جھگڑا کرنے والا کوئی نہیں ہوگا اور ”بیمینہ“ سے اللہ تعالیٰ کی قدرت مراد ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ ”مطویات بیمینہ“ کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کے سبب تمام آسمان فنا کر دیئے جائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قسم فرمائی تھی کہ وہ ان کو ضرور فنا کرے گا ﴿سُبْحٰنَكَ وَتَعَالٰی عَنَّا يٰسُبْحٰنُ كُوْنُ﴾ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کی شرکت سے پاک اور بلند تر ہے جنہیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں (یعنی) اللہ تعالیٰ

کی قدرت و عظمت اس (شرک) سے بہت بعید اور دور ہے اور وہ اس سے بہت بلند و بالا ہے کہ اس کی طرف شریکوں کی نسبت کی جائے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَبَقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ

شَاءَ اللَّهُ ۗ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ﴿٢٨﴾ وَأَشْرَقَتِ

الْأَرْضُ نُورًا رِيًّا وَوَضِعَ الْكِتَابُ وَجِئَ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ وَقُضِيَ

بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٩﴾ وَوَقَّيْتُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمَلَتْ وَهُوَ

أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٣٠﴾

۲۸

اور صور میں پھونکا جائے گا تو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب بے ہوش ہو جائیں گے ماسوا ان کے جن کو اللہ تعالیٰ چاہے گا پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو وہ سب اچانک کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے چمکے گی اور کتاب رکھ دی جائے گی اور تمام نبیوں اور شہیدوں کو لایا جائے گا اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا اور ہر شخص کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جس قدر اس نے عمل کیے ہوں گے اور وہ ان کاموں کو جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں ۰

۶۸۔ ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَبَقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ﴾ اور (جب) صور میں پھونکا جائے گا تو جو آسمانوں میں رہنے والے ہیں اور جو زمین میں رہنے والے ہیں سب بے ہوش ہو جائیں گے (یعنی) مر جائیں گے ماسوا ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ چاہے گا یعنی حضرت جبریل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور ملک الموت علیہم السلام مراد ہیں اور بعض حضرات نے کہا: وہ عرش اعظم کو اٹھانے والے فرشتے مراد ہیں یا رضوان اور خور اور مالک اور زبانیہ (دوزخ کے فرشتے) مراد ہیں ﴿ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ﴾ پھر اس میں دوسری دفعہ پھونکا جائے گا [یہ محلاً مرفوع ہے کیونکہ "ونفخ فی الصور" کا معنی ہے: ایک دفعہ صور میں پھونکا جائے گا پھر اس میں دوسری دفعہ پھونکا جائے گا اور اس کو حذف کر دیا گیا کیونکہ "اخری" اس پر دلالت کر رہا ہے اور اس لیے کہ وہ پہلے سے معلوم ہے کہ اس جگہ کے علاوہ دوسری کئی جگہ اس کا ذکر آچکا ہے] ﴿فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ﴾ سو وہ اچانک کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے اور وہ مبہوت و حیران شخص کی طرح تمام اطراف میں آنکھیں گھما کر دیکھیں گے کہ نامعلوم کب انہیں اچانک بلایا جائے یا یہ معنی ہے کہ وہ اچانک کھڑے ہو کر اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کریں گے اور یہ آیت کریمہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ دو دفعہ صور پھونکا جائے گا پہلا موت کے لیے اور دوسرا لوگوں کو اٹھا کر میدانِ محشر میں جمع کرنے کے لیے اور جمہور علمائے اسلام اس پر متفق ہیں کہ تین دفعہ صور پھونکا جائے گا پہلا صور صرف گھبراہٹ کے لیے پھونکا جائے گا جس سے تمام لوگ گھبرا جائیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ" (آئل: ۸۷) اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو سب لوگ گھبرا جائیں گے اور دوسرا موت کے لیے اور تیسرا اعادہ کے لیے۔

۶۹۔ ﴿وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِهَا﴾ اور زمین اپنے رب تعالیٰ کے نور سے روشن ہو جائے گی یعنی اس کے عدل و انصاف سے روشن ہو جائے گی یہ بطور استعارہ مراد ہے چنانچہ عادل بادشاہ سے کہا جاتا ہے: "أشرفت الافاق بعد لك واضاءت الدنيا بقسطك" سارا جہاں تیرے عدل کی وجہ سے چمک گیا ہے اور ساری دنیا تیرے انصاف کی وجہ سے روشن ہو گئی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی کے ظلم کی وجہ سے تمام ممالک تاریک ہو گئے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "الظلم ظلمات يوم القيامة" قیامت کے دن ظلم تاریکیاں ہوگا۔

اسم "رب" کی "ارض" کی طرف اضافت اس لیے ہے کہ رب تعالیٰ اسے مزین و آراستہ کرتا ہے اس اعتبار سے کہ وہی اس میں اپنے عدل و انصاف کو پھیلاتا ہے اور وہ اس میں اپنے انصاف کے ترازو نصب کرتا ہے اور زمین کے باشندوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور تم یہ نہیں دیکھو گے کہ زمین کو اللہ تعالیٰ کے عدل سے زیادہ آراستہ کیا گیا ہو اور نہ اس سے زیادہ کوئی زمین کو آباد کرنے والا ہے اور حضرت امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نور کو پیدا کر دے اور اس کے ذریعے میدانِ محشر کو روشن کیا جائے اور نور کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف محض تخصیص کے لیے ہے جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ ﴿وَوَجَّهْنَا الْكُتُبَ﴾ اور کتاب یعنی اعمال کے صحیفے رکھ دیئے جائیں گے لیکن اسم جنس پر اکتفاء کیا گیا ہے یا پھر "الکتاب" سے لوح محفوظ مراد ہے ﴿وَجَاءَنِي بِالْبَيِّنَاتِ﴾ اور نبیوں کو لایا جائے گا تاکہ ان سے ان کا پروردگار تبلیغ رسالت کے بارے میں اور جو ان کی قوم نے انہیں جواب دیا تھا اس کے بارے میں سوال کرے ﴿وَالشُّهَدَاءَ﴾ اور گواہوں کو لایا جائے گا (یعنی) حفاظت کرنے والے فرشتوں کو اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر زمانے کے نیک لوگ مراد ہیں جو اپنے اپنے زمانے کے لوگوں کے متعلق گواہی دیں گے ﴿وَقَضَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ اور ان کے درمیان یعنی بندوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق یعنی انصاف کے ساتھ ﴿وَهُمْ لَا يظلمُونَ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو ظلم کی نفی پر ختم فرمایا جس طرح کہ اس کو عدل و انصاف کے اثبات کے ساتھ شروع کیا تھا۔

۷۰۔ ﴿وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ﴾ اور ہر جان کو پورا بدلہ دیا جائے گا جو کچھ اس نے عمل کیا ہوگا یعنی اس کے اعمال کی جزاء پوری دی جائے گی ﴿وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ﴾ اور وہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ لوگ عمل کرتے ہیں (یعنی) اللہ تعالیٰ بغیر کسی کتاب اور بغیر کسی گواہ کے خود سب کچھ جانتا ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہ آیت "وہم لا یظلمون" کی تفسیر ہے یعنی ہر شخص نے جو نیک اور برے عمل کیے ہوں گے ان پر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا نہ برائی میں اضافہ کیا جائے گا اور نہ نیکی میں کمی کی جائے گی۔

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ وَهَبَتْ أَبْوَابُهَا
 وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ
 لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۚ وَلَٰكِنَّ حَقَّ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٧٠﴾
 قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَبئسَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٧١﴾

۱۔ رواہ البخاری فی کتاب المظالم باب: ۸، رقم الحدیث: ۲۳۳، مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۹، الترمذی فی کتاب البر رقم الحدیث: ۸۳

اور کافروں کے جدا جدا گروہ بنا کر انہیں دوزخ کی طرف ہانک کر لے جایا جائے گا یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اس کے محافظ فرشتے ان سے کہیں گے: کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم پر تمہارے پروردگار کی آیتیں تلاوت کرتے تھے اور وہ تمہیں اس دن کی حاضری سے ڈراتے تھے وہ کہیں گے: جی ہاں! کیوں نہیں! لیکن عذاب کا حکم کافروں پر سچا ثابت ہو گیا O کہا جائے گا کہ تم دوزخ کے دروازوں میں اندر داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ رہو گے پس تکبر کرنے والوں کا بہت برا ٹھکانا ہے O

کافروں اور پرہیزگار مسلمانوں کے انجام کا بیان

۷۱- ﴿وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ﴾ اور جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا انہیں دوزخ کی طرف ہانک کر لے جایا جائے گا انہیں انتہائی سختی کے ساتھ ہانکا جائے گا جس طرح قیدیوں کو قید خانہ کی طرف اور بادشاہ کے خلاف بغاوت کرنے والوں کو قتل کرنے کے لیے سختی کے ساتھ ہانکا جاتا ہے ﴿زُمْرًا﴾ [یہ حال ہے] یعنی الگ الگ گروہ بنا کر ایک دوسرے کے پیچھے ہانکا جائے گا ﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا﴾ یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور وہ سات دروازے ہیں [کو فیوں نے دونوں جگہ ”فُتِحَتْ“ کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے] (جب کہ باقی قراء نے تشدید کے ساتھ باب تفعیل سے ”فُتِحَتْ“ پڑھا ہے) ﴿وَقَالَ لَهُمْ خُذْنَهَا﴾ اور ان سے دوزخ کے نگران کہیں گے (یعنی) دوزخ کے وہ محافظ فرشتے جنہیں دوزخ والوں کو عذاب دینے کے لیے مقرر کیا گیا ہے ﴿الْحَبَايَاتِ كُمْ رَسُولٌ مِّنْكُمْ﴾ کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے یعنی اولادِ آدم میں سے رسول نہیں آئے تھے ﴿يَتْلُونَ عَلَيْكُم آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنَادِئُوكُم لِإِقَاءِ يُومِكُمْ هَذَا﴾ جو تم پر تمہارے پروردگار کی آیتوں کو تلاوت کرتے تھے اور وہ تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے یعنی تمہیں اس وقت کی حاضری سے ڈراتے تھے اور یہ ان کے دوزخ کی آگ میں داخل ہونے کا وقت ہوگا قیامت کا دن مراد نہیں ہے ﴿قَالُوا بَلَىٰ﴾ وہ لوگ جواب میں کہیں گے: کیوں نہیں! ہمارے پاس رسول تشریف لائے تھے اور انہوں نے آیاتِ الہیہ پڑھ کر ہمیں سنائی تھیں ﴿وَلَكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ کا فرمان کافروں پر سچا ثابت ہو گیا یعنی اور لیکن ہم پر اللہ تعالیٰ کا (درج ذیل) فرمان واجب اور لازم ہو گیا کہ ”لَا مَلَأْنَا جَهَنَّمَ مِنْ الْجَنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ O“ (سجدہ: ۱۳) ”میں ضرور جہنم کو تمام کافر جنوں اور تمام کافر انسانوں سے بھر دوں گا O“ یہ ہمارے بُرے اعمال کی وجہ سے ہوا جیسا کہ انہوں نے خود کہا: ”عَلَبْنَا عَلَيْنَا شِقْوَتَنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ O“ (المؤمنون: ۱۰۶) ”ہم پر ہماری بدبختی غالب آگئی اور ہم گمراہ قوم تھے O“ سو انہوں نے ان اعمال کا ذکر کیا جن کی وجہ سے عذاب کا حکم ان پر واجب ہو گیا اور وہ ان کا کفر و شرک اور گمراہی ہے۔

۷۲- ﴿قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا﴾ ان سے کہا جائے گا کہ تم جہنم کے دروازوں میں سے اندر داخل ہو جاؤ تم اس میں ہمیشہ رہو گے [یہ حال مقدرہ ہے] یعنی دوزخ میں ہمیشہ رہنا ان کے لیے مقدر کر دیا گیا ہے ﴿فِيئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ﴾ پس تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا بہت بُرا ہے [اس میں لام جنس کا ہے کیونکہ ”مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ“ کا فاعل ہے اور ”ئیس“ کا فاعل لام جنس کے ساتھ معرف ہوتا ہے یا پھر اس کی مثل کی طرف مضاف ہوتا ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے اس کی تقدیر عبارت یوں ہے: ”ئیس مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ جَهَنَّمَ“]۔

وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمْرًا حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ

أَبْوَابَهَا وَقَالَ لَهُمْ خُزِّنْهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ﴿۷۳﴾

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقْنَا وَعَدَاةَ وَأُورَثْنَا الْآرَضِينَ نَتَّبُوا مِنْ

الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ۖ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿۷۴﴾ وَتَدْرِي الْمَلِكَةُ حَاقِقِينَ مِنْ

حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۖ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَقِيلَ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۷۵﴾

اور اپنے رب تعالیٰ سے ڈرنے والوں کو گروہ درگروہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے اور اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور ان سے اس کے محافظ فرشتے کہیں گے: تم پر سلام ہو تم پاک باز بن کر رہے ہو سواب تم اس میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ رہو گے اور کہیں گے: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور ہمیں اس زمین کا وارث بنا دیا ہم جنت میں جہاں چاہیں ٹھہریں پس عمل کرنے والوں کا بہت بہترین اجر و ثواب ہے اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ وہ عرش کے ارد گرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے

۷۳- ﴿وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا﴾ اور جو لوگ (دنیا میں) اپنے پروردگار سے ڈرتے رہے انہیں گروہ درگروہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ ان کی سواریوں کو ہانک کر لے جانا مراد ہے کیونکہ یہ حضرات رضا و خوشنودی اور کرامت و عزت کے گھر سواریوں پر سوار ہو کر ہی جائیں گے جیسا کہ ان لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جنہیں بعض بادشاہوں کے پاس آنے والے وفود میں سے عزت و شرف اور احترام و اکرام دیا جاتا ہے ﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا﴾ یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے [اس کے بعد کئی جملے بیان کیے گئے ہیں اور جو جملے اس کے بعد بیان کیے گئے ہیں وہ شرطیے ہیں مگر ان کی جزا محذوف ہے اور اسے اس لیے حذف کیا گیا ہے کہ وہ جنتیوں کے ثواب کی صفت کے بارے میں ہے سوا اس کا حذف ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ایک ایسی چیز ہے جس کا وصف احاطہ نہیں کر سکتا اور علامہ زجاج نے کہا: اس کی اصل عبارت اس طرح ہے: ”حتیٰ اذا جاءوها“ ﴿وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خُزِّنْهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ﴾ ”دخلوها“ یہاں تک کہ جب پرہیزگار حضرات جنت کے پاس پہنچیں گے اور ان کے لیے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور جنت کے نگران فرشتے ان سے کہیں گے: تم پر سلام ہو تم پاک باز بن کر رہے ہو سواب تم جنت میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ تو وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے [پھر ”دخلوها“ کو حذف کر دیا گیا کیونکہ یہ کلام اس پر دلیل ہے اور ایک لے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَنِ وَفَدَّاءٍ“ (مریم: ۸۵) ”اس دن ہم پرہیزگاروں کو رحمن کے پاس سوار کر کے لے جائیں گے“۔ چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مؤمنین متقین حشر میں اپنی قبروں سے سوار کر کے اٹھائے جائیں گے اور ان کی سواریوں پر طلائع مرصع زمینیں اور پالان ہوں گے۔

(خزان العرفان فی تفسیر القرآن ص ۳۳، حاشیہ: ۱۵، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

قوم نے کہا: ”(حتیٰ اذا جاءوها) جاءوها (وافتحت ابوابها)“ ہے پس ان کے نزدیک ”جاء وها“ محذوف ہے [اور معنی یہ ہے کہ جب پرہیزگار مسلمان جنت کے پاس پہنچیں گے تو جنت کے دروازے کھلنے کے ساتھ ہی ان کا اس میں جانا وقوع پذیر ہو جائے گا اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ دوزخ کے دروازے تو صرف اس وقت کھلیں گے جب دوزخی دوزخ میں داخل ہوں گے اور لیکن جنت کے دروازے جنتیوں کے آنے سے پہلے کھول دیئے جائیں گے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”جَنَّاتٍ عَدْنٍ مَّفْتَحَةٌ لَهُمْ الْآبْوَابُ“ (ص: ۵۰) ”بسنے والے باغ کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے“ سو اس لیے داؤ لایا گیا ہے گویا فرمایا کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے اور بلاشبہ ان کے لیے جنت کے دروازے کھل چکے ہوں گے اور ”طبتہم“ کا معنی ہے کہ تم نافرمانیوں کی میل سے صاف ستھرے ہو اور گناہوں کی خباثت سے پاک ہو اور علامہ زجاج نے کہا کہ یعنی تم دنیا میں پاک باز رہے ہو اور تم خبیث و ناپاک نہیں رہے ہو یعنی تم گندے اور بُرے کاموں والے نہیں بنے ہو اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ تمہارے لیے پاک مقام ہے اور جنت میں دخول کا سبب طہارت و پاکیزگی کو قرار دیا گیا ہے کیونکہ جنت طیب و پاکیزہ لوگوں کا گھر ہے اور پاک لوگوں کا ٹھکانا ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے اسے ہر قسم کی میل سے پاک بنایا اور ہر قسم کی گندگی سے اسے صاف ستھرا بنایا ہے پس اس میں وہی داخل ہوں گے جو اس کے مناسب و لائق ہوں گے اور اس کی صفت طہارت کے ساتھ متصف ہوں گے۔

۷۴- ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدًا﴾ اور وہ کہیں گے: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے اپنا وعدہ ہمیں سچا کر دکھایا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہم سے آخرت کی نعمتوں کا جو وعدہ کیا تھا وہ آج ہم سے پورا کر دیا ﴿وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ﴾ اور اس نے ہمیں اس زمین (یعنی) جنت کی زمین کا وارث بنا دیا اور واقعی انہیں اس کا وارث بنا دیا گیا ہے یعنی اس کا انہیں مالک بنا دیا گیا ہے اور انہیں اس میں تصرف کرنے کی کھلی آزادی ہوگی جیسے وہ چاہیں گے کریں گے اور اپنی وراثت میں ان کے تصرف اور اس میں ان کی وسعت کو وارث کے حال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے ﴿نَكْبُوْا مِنْ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ﴾ ہم جنت میں جہاں چاہیں گے ٹھہریں گے یعنی اہل جنت حضرات میں سے ہر ایک کو حاجت سے بڑھ کر اور اتنی وسیع اور کشادہ جنت عطا کی جائے گی جس کی توصیف و تعریف بیان نہیں کی جاسکتی پس جنت میں سے جہاں وہ چاہیں گے وہاں اپنی قرار گاہ و آرام گاہ اور ٹھکانا بنالیں گے [”تنبوا“ حال واقع ہو رہا ہے] ﴿فَتَعَدَّ أَجْرًا الْعَمِلِينَ﴾ سو دنیا میں عمل کرنے والوں کا اجر و ثواب جنت کی صورت میں ملنا بہت بہترین اجر و ثواب ہے۔

۷۵- ﴿وَتَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ وہ عرش کے ارد گرد حلقہ بنا کر اپنے پروردگار کی حمد و ثناء کے ساتھ تسبیح بیان کر رہے ہیں یعنی وہ ”سبحان اللہ، الحمد للہ، ولا الہ الا اللہ، واللہ اکبر“ یا پھر ”سبوح قدوس، رب الملائکة والروح“ کہتے رہتے ہیں اور فرشتے یہ کلمات مقدسہ صرف روحانی لذت حاصل کرنے کے لیے پڑھتے ہیں تعبد کے لیے نہیں کیونکہ وہ مکلف نہیں ہیں [”حافین“، ”الملائکة“ سے حال واقع ہو رہا ہے اور حرف ”من“ ابتداءً غایت کے لیے ہے] یعنی فرشتوں کی حلقہ بندی کا آغاز عرش کے ارد گرد سے ہوتا ہے جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وسیع ہوتا جاتا ہے ﴿وَقِضَىٰ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ﴾ اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا (یعنی) انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں کے درمیان اور دوزخیوں کے درمیان حق کے ساتھ یعنی عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا ﴿وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ اور کہا جائے گا یعنی جنتی حضرات بہشت میں داخل ہوتے وقت شکر ادا کرنے کے لیے کہیں گے کہ تمام حمدیں اور تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو

تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا جیسا کہ ارشاد فرمایا: ”وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ (یونس: ۱۰) ”اور ان کی دعا کا اختتام اس پر ہوگا کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے“ اور رسول اللہ ﷺ سورت بنی اسرائیل اور سورت زمر کو روزانہ ہر رات پڑھا کرتے تھے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورۃ المؤمن مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی چچاسی آیات نور کو ع ہیں

حَمْدٌ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۱ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ
شَدِيدِ الْعِقَابِ ۲ ذِي الطُّوْلِ ۳ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۴ الْبَصِيرُ ۵ مَا يُجَادِلُ فِي
آيَاتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا ۶ أَفَلَا يَغْرُرُكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۷ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ
قَوْمُ نُوحٍ ۸ وَالْأَحْزَابُ ۹ مِنْ بَعْدِهِمْ ۱۰ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ
وَجَادَلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ ۱۱ فَأَخَذْتَهُمْ ۱۲ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۱۳
وَكَذَلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ۱۴

حامیم ۰ اس کتاب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو سب پر غالب بہت علم والا ہے ۰ گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا سخت عذاب دینے والا بڑے انعام والا ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے ۰ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں نہیں جھگڑتے مگر وہی لوگ جنہوں نے کفر اختیار کر لیا، سوان کا شہروں میں خوب گھومنا پھرنا تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے ۰ ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور ان کے بعد اور بہت سے گروہوں نے (اپنے رسولوں کو) جھٹلایا اور ہر امت نے اپنے رسول پر غلبہ پانے کا پختہ ارادہ کیا تا کہ وہ اسے گرفتار کر لیں اور انہوں نے باطل کے ذریعے جھگڑا کیا تا کہ وہ اس کے ذریعے حق کو مٹادیں، سو میں نے ان کو پکڑ لیا، پس میرا عذاب کیسا رہا ۰ اور اسی طرح آپ کے پروردگار کا فرمان کافروں پر سچا ثابت ہو گیا کہ وہ یقیناً دوزخی ہیں ۰

اللہ تعالیٰ کی قدرت و شان اور کفار کی تکذیب و انجام کا بیان

اس سورت کے دو نام ہیں: (۱) سورۃ المؤمن (۲) سورۃ غافر اور یہ سورت مکی ہے اور اس کی چچاسی (۸۵) آیات ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حامیم سے شروع ہونے والی یہ ساتوں سورتیں مکی ہیں (یعنی سورت مؤمن سے سورت احقاف تک)۔

۱۔ ﴿حَمْدٌ﴾ [حمزہ کوئی، علی کسائی، خلف، یحییٰ اور حماد رحمہم اللہ تعالیٰ کی قراءت میں اسے اور اس کے بعد آنے والی حامیم کو امانہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور نافع مدنی کی قراءت میں فتح اور کسرہ (زبر زبر) کے درمیان (بین بین) پڑھا جاتا

۱۔ رواہ احمد ج ۶ ص ۶۸-۱۴۲-۱۸۹، الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۳۰۳، الجامع ج ۲ ص ۲۳۳، ابویعلیٰ فی مسندہ رقم الحدیث: ۲۶۶۳۳،

ہے اور باقی قراء کے نزدیک تخیم کے ساتھ (پڑ کر کے) پڑھا جاتا ہے [اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔

۲۔ ﴿تَنْزِيلُ الْكِتَابِ﴾ ”ای ہذا تنزیل الكتاب“ یعنی یہ کتاب (قرآن مجید) نازل کی گئی ہے ﴿مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيزِ﴾ بہت غلبہ رکھنے والے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یعنی وہ اپنے غلبہ کی وجہ سے اس بات کا خوب دفاع کرنے والا ہے کہ اس پر کوئی بہتان تراش کسی جھوٹی بات کا بہتان لگا سکے ﴿الْعَلِيمِ﴾ وہ بہت جاننے والا ہے اسے بھی جو اس کی تصدیق کرتا ہے اور جو اسے جھٹلاتا ہے سو یہ مشرکین کے لیے دھمکی ہے اور مسلمانوں کے لیے خوش خبری ہے۔

۳۔ ﴿غَافِرِ الذَّنْبِ﴾ گناہ گاروں کے گناہ کی پردہ پوشی کرنے والا اور انہیں بخشنے والا ہے ﴿وَقَابِلِ التَّوْبِ﴾ (گناہوں کو ترک کر کے نیکیوں کی طرف اور اپنے رب تعالیٰ کی طرف) رجوع کرنے والوں کی توبہ قبول فرمانے والا ہے ﴿شَدِيدِ الْعِقَابِ﴾ مخالفین پر سخت عذاب بھیجنے والا ہے ﴿ذِي الطَّلَوٰی﴾ عارفین پر بہت فضل و کرم فرمانے والا ہے یا سب سے بے نیاز و بے پروا ہے اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کے لیے ”غافر الذنب و قابل التوب“ گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے جس نے صدق دل سے ”لا اله الا الله محمد رسول الله“ کہا اور وہ ہر اس شخص کو سخت عذاب دینے والا ہے جس نے یہ کلمہ صدق دل سے نہیں کہا اور ”توب“ ”توب“ اور ”اوب“ رجوع کے معنی میں مشترک ہے اور ”الطول“ کا معنی ہے: غنا اور فضل و کرم۔

[پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ صفات معرفہ اور نکرہ میں مختلف کیوں ہیں حالانکہ موصوف تو معرفہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ”غافر الذنب“ اور ”قابل التوب“ تو یہ دونوں معرفہ ہیں کیونکہ ان کے ساتھ دونوں فعلوں کا حدوث مراد نہیں ہوتا یہاں تک کہ وہ دونوں فعل انفصال کی تقدیر میں ہوں سوان دونوں کی اضافت غیر حقیقی ہے اور بے شک اس اضافت سے صرف ثبوت و دوام مراد ہے اور رہا ”شدید العقاب“ تو یہ اصل میں ”شدید عقابہ“ ہے پس یہ نکرہ ہو گیا ہے اور بعض نے کہا: یہ بدل ہے صفت نہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب یہ نکرہ ان معارف کے درمیان میں آ گیا ہے تو اس بات کی اجازت مل گئی کہ یہ تمام کلمات بدل ہیں صفات نہیں [اور واو] ”وقابل التوب“ میں ایک نکتہ کی بناء پر داخل کی گئی اور وہ یہ ہے کہ اس نے توبہ کرنے والے گناہ گار کے لیے دو زحماتوں کے جمع ہونے کا افادہ کیا ہے ایک یہ کہ اس کی توبہ قبول کر کے اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور دوسرا یہ کہ گناہ مٹا کے اسے ایسا پاک قرار دیا جاتا ہے کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں گویا فرمایا کہ وہ مغفرت اور قبولیت کا جامع ہے۔

مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملک شام کے رہنے والے ایک بہادر اور بہت خوف خدا رکھنے والے آدمی کو نہ پایا تو اس کے متعلق پوچھا آپ کو بتایا گیا کہ وہ شراب پینے لگ گیا ہے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت منشی کو فرمایا: تم لکھو: ”من عمر الى فلان سلام عليك وانا احمد اليك الله الذي لا اله الا هو بسم الله الرحمن الرحيم“ پھر ”حم“ سے ”اليه المصير“ تک لکھ کر خط ختم کر دیا اور اپنے قاصد کو خط دے کر فرمایا کہ یہ رقعہ اسے اس وقت تک نہیں دینا جب تک کہ نشہ کی حالت سے باہر نہ آ جائے پھر جب ہوش میں آ جائے تو اسے یہ رقعہ دے دینا پھر آپ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے فرمایا کہ تم اس کے حق میں توبہ کی توفیق کی دعا کرو پھر جب وہ صحیفہ اسے ملا تو وہ اسے پڑھنے لگا اور کہنے لگا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ سے میری مغفرت و بخشش کا وعدہ فرمایا ہے اور اپنے عذاب سے مجھے ڈرایا ہے چنانچہ وہ بار بار دہراتا گیا یہاں تک کہ رونے لگ گیا پھر وہ شراب پینے سے باز آ گیا اور وہ اچھی

طرح رک گیا اور اس کی توبہ بہت اچھی ہو گئی، جب اس کی توبہ کی خبر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچی تو آپ نے اپنے پاس حاضرین سے فرمایا: تم اسی طرح کیا کرو جب تم اپنے کسی بھائی کو دیکھو کہ وہ راہِ راست سے پھسل گیا ہے تو تم اس کی اصلاح کرو اور اسے سیدھا کر دو اور اس کے لیے دعا کرو کہ اسے توبہ کی توفیق نصیب ہو اور تم اس کے خلاف شیطان کے معاون نہ بنو ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ﴾ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے [یہ بھی ”ذی الطول“ کی طرح صفت ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہو] ﴿إِلَيْهِ الْمَصِيرُ﴾ سب نے اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

۴- ﴿مَا يَجَادِلُ فِي آيَاتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جھگڑا نہیں کرتے مگر وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کر لیا، وہی نہیں جھٹلانے اور ان کا انکار کرنے کے لیے ان میں بحث و مباحثہ اور جھگڑا کرتے ہیں اور اس پر یہ ارشاد مبارک دلالت کر رہا ہے: ”وَجَادِلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ“ (غانر: ۵) ”اور انہوں نے باطل کے ساتھ جھگڑا کیا تاکہ وہ اس کے ذریعے حق کو مٹا ڈالیں“ اور لیکن مشتبہ آیات کی وضاحت کرنے اور مشکل آیات کے حل کرنے اور ان سے معانی کو حاصل کرنے اور اہل کج اور بد مذہب کا رد کرنے کے لیے بحث و مباحثہ کرنا اور جھگڑنا تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں سب سے بڑا جہاد ہے ﴿فَلَا يَغْرُوكَ تَقَاتِيمُهُمْ فِي الْبِلَادِ﴾ سوائے مخاطب! تمہیں ان کا شہروں میں گھومنا پھرنا دھوکے میں نہ ڈال دے (یعنی) ان کا رانج و نقد تجارتیں اور منافع بخش کاروبار کرنا اور لوٹ مار کے باوجود صحیح و سالم رہنا تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے کیونکہ آخر کار ان کا انجام آخرت کے عذاب کی طرف جانا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی کیفیت بیان فرمائی اور بتلایا کہ بے شک ان (کفار مکہ) سے پہلے جن امتوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا وہ سب ہلاک کر دی گئی تھیں چنانچہ ارشاد فرمایا:

۵- ﴿كَذَّابَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ﴾ ان (قریش مکہ) سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے اپنے رسول حضرت نوح علیہ السلام کو جھٹلایا ﴿وَالْأَحْزَابُ﴾ اور دیگر گروہوں نے بھی اپنے رسولوں اور نبیوں کو جھٹلایا تھا یعنی جن لوگوں نے اپنے رسولوں کے خلاف گروہ بندی کر لی اور ان کے سخت دشمن بن گئے اور ان کا مقابلہ کیا اور وہ عاڈ شمود قوم لوط علیہ السلام اور ان کے علاوہ دیگر گروہ تھے ﴿مِنْ بَعْدِهِمْ﴾ ان کے بعد (یعنی) حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد ﴿وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ﴾ اور ان امتوں میں سے ہر ایک امت نے اپنے اپنے رسول کے ساتھ مخالفت کا پختہ ارادہ کر لیا، وہ یہ تھیں: حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور ان کے علاوہ مختلف امتوں کے گروہ ﴿لِيَأْخُذُوا﴾ تاکہ وہ اس پر غالب آجائیں اور اسے قابو کر لیں پھر وہ اسے قتل کر دیں اور ”اخیذ“ کا معنی ہے: کسی کو گرفتار کرنا اور قید کرنا، تو ”لِيَأْخُذُوا“ کا معنی ہوا: تاکہ وہ اس کو گرفتار کر لیں اور قید کر لیں ﴿وَجَادِلُوا بِالْبَاطِلِ﴾ اور انہوں نے اپنے رسولوں سے باطل یعنی کفر کے ذریعے جھگڑا کیا ﴿لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ﴾ تاکہ وہ اس کے ذریعے حق کو مٹا ڈالیں (یعنی) تاکہ وہ لوگ اس کے ذریعے اہل ایمان کے ایمان کو ختم کر ڈالیں ﴿فَأَخَذْتَهُمْ﴾ پھر میں نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا یعنی جب انہوں نے اپنے رسولوں کو گرفتار کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو انہیں رسولوں کے گرفتار کرنے کے ارادے پر یہ سزا دی گئی کہ میں نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا اور ان کو سخت ترین سزا دی [ابن کثیر کی اور امام حفص کی قراءت کے مطابق ”فَأَخَذْتَهُمْ“ میں ذال کو ”تا“ میں مدغم کرنے کی بجائے منظر کر کے پڑھا گیا ہے (جب کہ نافع مدنی وغیرہ کی قراءت میں ذال کو ”تا“ میں مدغم کیا گیا ہے) ﴿كَيْفَ كَانَ عِقَابِ﴾ سو میرا عذاب کیسا رہا یعنی تم ان کے شہروں کے پاس سے گزرتے ہو اور تم اس (ہلاکت و تباہی اور عذاب) کی علامات و نشانیاں دیکھتے ہو (جس سے تمہیں عبرت حاصل کر کے اپنے رویے پر نظر ثانی کرنی چاہیے) اور یہ ایک ایسی تقریر

ہے جس میں تعجب کا معنی پایا جاتا ہے [قاری یعقوب کی قراءت میں ”یا“ کے ساتھ ”عقابی“ ہے]۔

۶۔ ﴿وَكَذَلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّهُمْ أَصْحَابُ النَّارِ﴾ اور اسی طرح آپ کے پروردگار کا فرمان ان کافروں پر بھی سچا ثابت ہو گیا ہے کہ بے شک یہ دوزخی ہیں یعنی اس وجہ کی طرح کفار پر ان کا دوزخی ہونا واجب ہو گیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس طرح جڑ سے اکھیڑنے والے عذاب کے ساتھ دنیا میں ان کو ہلاک کرنا واجب ہو گیا تھا اسی طرح آخرت میں دوزخ کی آگ کے عذاب میں ان کو ہلاک کرنا واجب ہو گیا ہے [یا پھر یہ لام تعلیل اور ایصال فعل کے محذوف کی وجہ سے محلاً منصوب ہے] اور ”الذین کفروا“ سے قریش مکہ مراد ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس طرح ان سابقہ امتوں کا ہلاک کرنا واجب ہو گیا تھا اسی طرح ان قریش مکہ کا ہلاک کرنا واجب ہو گیا ہے کیونکہ انہیں ایک علت (رسولوں کی تکذیب) جمع کر دیتی ہے کہ یہ سب دوزخی ہیں [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں جمع کے ساتھ ”کلمات ربك“ ہے اور ”انہم اصحاب النار“ محلاً مرفوع ہے اور ”کلمة ربك“ سے بدل ہے اور ”انہم اصحاب النار“ پر وقف کرنا لازم اور ضروری ہے کیونکہ وصل کر کے (ملا کر) پڑھا جائے تو پھر ”الذین یحملون العرش“ میں عرش اٹھانے والے اور ارد گرد حلقہ بنانے والے فرشتے ”اصحاب النار“ کی صفت ہو جائیں گے اور اس کا فساد ظاہر ہے]۔

الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ
لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۝

جو عرش کو اٹھاتے ہیں اور جو اس کے ارد گرد ہیں وہ سب اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ مسلمانوں کے لیے بخشش کی دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تیری رحمت اور علم ہر چیز سے وسیع اور کشادہ ہے سو تو ان کو بخش دے جنہوں نے توبہ کر لی اور تیری راہ پر چل پڑے اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے ۝

مسلمانوں کے لیے فرشتوں کا دعائے مغفرت کرنا

۷۔ ﴿الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ﴾ جو فرشتے عرش کو اٹھاتے ہیں اور جو اس کے ارد گرد حلقہ بنائے ہوئے ہیں یعنی عرش اٹھانے والے اور اس کے ارد گرد حلقہ بنانے والے اور وہ کتر و بین فرشتے ہیں جو تمام فرشتوں کے سردار ہیں۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ عرش اٹھانے والے فرشتوں کے پاؤں سب سے نچلی زمین تک پہنچے ہوئے ہیں اور ان کے سر عرش کے آ رہا پار نکلے ہوئے ہیں اور انہوں نے عرش کو اپنے کندھوں پر بڑی عاجزی کے ساتھ اٹھایا ہوا ہے وہ اپنی نگاہیں اوپر کی طرف نہیں اٹھاتے اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو حکم دے رکھا ہے کہ وہ صبح اور شام روزانہ عرش اٹھانے والے فرشتوں کو سلام کیا کریں یہ حکم صرف ان کی تمام فرشتوں پر فضیلت و بزرگی کے اظہار کے لیے دیا گیا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ عرش کے ارد گرد ستر ہزار فرشتے قیام کی صورت میں قطار در قطار ہو کر تکبیر (اللہ اکبر) اور تہلیل (لا الہ الا اللہ) پڑھتے ہوئے اس کا طواف کرتے ہیں اور ان کے پیچھے اور ستر ہزار فرشتے قیام کی صورت میں

صفیں باندھے تکبیر اور تہلیل میں مصروف ہیں انہوں نے اپنے ہاتھوں کو اپنے کندھوں پر رکھا ہوا ہے اور ان کے پیچھے بھی مزید ایک لاکھ فرشتوں نے صف بندی کی ہوئی ہے انہوں نے ایمان کو بائیں کندھوں پر رکھا ہے ان میں سے ہر ایک الگ الگ تسبیح پڑھتا ہے جس کے ساتھ دوسرے کسی فرشتے کی تسبیح نہیں ملتی ﴿يُسَبِّحُونَ﴾ وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و پاکی بیان کرتے ہیں [الَّذِينَ] مبتدا ہے اور ﴿يُسَبِّحُونَ﴾ اس مبتدا کی خبر ہے [يُسَبِّحُونَ مَا يَدْعُونَ] اپنے پروردگار کی حمد و ثناء کے ساتھ یعنی اس کی تعریف کے ساتھ کیونکہ ”یا“ اس بات پر دلالت و رہنمائی کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے فرشتوں کی تسبیح حمد و ثناء اور تعریف کے ساتھ جمع ہے ﴿وَيُؤْمِنُونَ بِهِ﴾ اور وہ فرشتے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کا فائدہ ایمان کی عظمت و فضیلت اور اس کی بزرگی کا اظہار ہے اور ایمان لانے کی ترغیب دینا مقصود ہے اور اس کے باوجود کہ ہمیں معلوم ہے کہ بے شک عرش اٹھانے والے اور اس کے ارد گرد کے فرشتے جو اللہ تعالیٰ کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں وہ سب مؤمن ہیں جیسا کہ کئی جگہ ایمان کی اصلاح کرنا انبیائے کرام علیہم السلام کا وصف بیان کیا گیا ہے اور جیسا کہ اعمال خیر کے ذکر کے بعد فرمایا: ﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ (البلد: ۱۷) سو اس کے ذریعے بھی ایمان کی فضیلت و عظمت کا اظہار کیا ہے اور ﴿وَيُؤْمِنُونَ بِهِ﴾ ارشاد فرمانے میں تناسب کی رعایت بھی کی گئی ہے ﴿وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا﴾ اور وہ اہل ایمان کے لیے مغفرت و بخشش کی دعا کرتے ہیں گویا فرمایا گیا ہے کہ وہ فرشتے خود بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور ان مسلمانوں کے لیے مغفرت کی دعا بھی کرتے ہیں جو ایمان لانے میں ان کے حال کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان میں اشتراک لازمی تقاضا کرتا ہے کہ تمام اہل ایمان ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی اور شفقت و محبت کا برتاؤ کریں اگرچہ وہ ایک دوسرے سے دور رہائش پذیر ہوں ﴿مَا بَيْنَنَا﴾ ”ای بقولون ربنا“ یعنی وہ کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! اور یہ محذوف حال ہے [﴿وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا﴾ تیری رحمت اور تیرے علم نے ہر چیز کو گھیرا ہوا ہے سو رحمت اور علم یہ دو وہ خوبیاں ہیں جو معنوی طور پر ہر چیز کو محیط ہیں کیونکہ اصل میں ”وسع كل شيء رحمتك وعلمك“ ہے کہ تیری رحمت اور تیرے علم نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے لیکن کلام کو اصل سے ہٹایا گیا ہے کہ فعل کا اسناد صاحب رحمت اور صاحب علم کی طرف کر دیا گیا ہے [اور ان دونوں کو تمیز کی بناء پر منصوب قرار دیا گیا ہے] یہ محض رحمت و علم کے وصف میں مبالغہ کرنے کے لیے کیا گیا ہے ﴿فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا﴾ سو تو ان کے لیے مغفرت و بخشش فرما دے جنہوں نے توبہ کر لی ہے یعنی ان میں سے جن کی توبہ تیرے ازلی اور ابدی علم میں آچکی ہے کیونکہ رحمت اور علم کے ذکر کے یہی مناسب ہے ﴿وَاتَّبِعُوا سَبِيلَكَ﴾ وہ تیری راہ پر چل پڑے یعنی انہوں نے ہدایت کا راستہ اختیار کر لیا جس کی تو نے دعوت دی ہے ﴿وَقِيمِ عَذَابَ الْجَحِيمِ﴾ اور تو انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنَّاتٍ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدْتَهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ ابَائِهِمْ
 وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۸﴾ وَقِيمِ السَّيِّئَاتِ
 وَمَنْ تَقِ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهُ ﴿۹﴾ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۰﴾

اے ہمارے پروردگار! اور تو ان کو ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں داخل کر دے جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہوا ہے اور جو ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے نیک ہیں بے شک تو بہت غالب ہے بڑا حکمت والا ہے ﴿۱۰﴾ اور تو

ان کو برائیوں سے بچالے اور اس دن جس کو تو برائیوں سے بچالے گا تو بے شک تو نے اس پر بے حد رحم کیا اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے ۰

۸- ﴿ رَبَّنَا وَادْخُلْهُمْ جَنَّاتٍ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدْتَهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ ﴾ اے ہمارے پروردگار! اور تو انہیں دائمی بہشتوں میں داخل فرما جن کا تو نے ان سے اور ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے نیکوں سے وعدہ کیا ہوا ہے [”مَنْ“ محلاً منصوب ہے کہ یہ ”وادخلهم“ کی ”ہم“ ضمیر پر یا پھر ”وعدتہم“ میں ”ہم“ ضمیر پر معطوف ہے] اور معنی یہ ہے کہ جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہوا ہے اور جن کا تو نے ان کے باپ دادا بیویوں اور اولاد میں سے جو نیک ہیں ان سے جو وعدہ کیا ہوا ہے ﴿ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾ بے شک تو ہی سب پر غالب اور بہت بڑا حکمت والا ہے یعنی اے اللہ تعالیٰ! تو ایسا غالب و جابر بادشاہ ہے جس پر کوئی غلبہ نہیں پاسکتا اور تو اپنی بادشاہی اور عزت و غلبہ رکھنے کے ساتھ ساتھ حکمت و دانائی سے خالی کوئی کام نہیں کرتا اور تیری حکمت کا لازمی تقاضا ہے کہ آپ اپنے وعدہ کو پورا فرمائیں۔

۹- ﴿ وَقِيمُ السَّيِّئَاتِ ﴾ اور تو انہیں برائیوں سے بچالے یعنی برائیوں کی سزا سے بچالے اور وہ دوزخ کی آگ کا عذاب ہے ﴿ وَمَنْ تَقِ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهُ ﴾ اور جس کو تو اس دن برائیوں سے بچالے گا تو بے شک تو نے اس پر بہت بڑا رحم فرمایا ﴿ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴾ اور وہ یعنی عذاب کو دور کرنا وہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَنْادُوْنَ لِمَقْتِ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ
اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ۝۱۰ قَالُوْا رَبَّنَا اٰمَنَّا اٰثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اٰثْنَتَيْنِ فَاَعْتَرَفْنَا
بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلَى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝۱۱ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحُدَاةُ
كُفْرَتُمْ ۚ وَاِنْ يُشْرِكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ط قَالِحُمْ بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ۝۱۲

بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا ہے انہیں پکار کر کہہ دیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی تمہاری اپنی جانوں پر ناراضگی سے ضرور بہت بڑھ کر ہے کیونکہ جب تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا ہے تو تم کفر کرتے ہو ۰ وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو دفعہ موت دی اور دو دفعہ تو نے ہمیں زندہ کیا، سو اب ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا ہے تو کیا اب یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ ہے ۰ یہ اس لیے ہوا کہ جب ایک اللہ تعالیٰ کو پکارا جاتا ہے تو تم کفر کرتے ہو اور اگر اس کے ساتھ شرک کیا جاتا ہے تو تم ایمان لے آتے ہو، سو حکم تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو سب سے بلند و بزرگ تر ہے ۰

کفار پر اللہ تعالیٰ کے غضب ناک ہونے کے سبب کا بیان

۱۰- ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَنْادُوْنَ ﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہوا ہے انہیں پکار کر کہا جائے گا (یعنی) جب قیامت کے دن کفار دوزخ کی آگ میں داخل ہو جائیں گے اور وہ خود اپنی جانوں پر غضب ناک ہو رہے ہوں گے تو دوزخ

کے دربان فرشتے انہیں پکار کر کہیں گے کہ ﴿لَمَقَّتْ اللّٰهُ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا غضب اور اس کی ناراضگی تمہاری اپنی جانوں پر ناراضگی اور غضب سے بہت زیادہ بڑھ کر ہے ”ای لمقت اللہ اکبر من مقتکم انفسکم“ یعنی بے شک اللہ تعالیٰ کا تمہاری جانوں پر غضب ناک اور ناراض ہونا تمہارا اپنی جانوں پر غضب ناک اور ناراض ہونے سے بہت بڑھ کر ہے، سو ایک دفعہ ”انفسکم“ کے ذکر نے بے نیاز کر دیا اور ”مقت“ کا معنی ہے: بہت سخت بغض و نفرت اور ناراضگی ﴿اِذْ تَدْعُوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتُكْفَرُوْنَ﴾ جب تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا ہے تو تم کفر کرتے ہو اور تم کفر پر اصرار بھی کرتے ہو اور معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن کفار سے کہا جائے گا: بے شک اللہ تعالیٰ تم پر اس لیے ناراض ہے کہ تمہارے نفوس تمہیں بُرائی اور کفر و شرک اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں جب انبیائے کرام علیہم السلام تمہیں ایمان کی طرف بلا تے ہیں تو تم ان کی بات کا انکار کر دیتے ہو اور تم ایمان کی بجائے کفر اختیار کر لیتے ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا ناراض و غضب ناک ہونا اس سے کہیں زیادہ سخت ہے کہ تم آج دوزخ میں آ کر اپنے آپ پر ناراض و غضب ناک ہو رہے ہو کیونکہ تمہیں دوزخ میں تمہاری اپنی خواہشات کی پیروی لے کر آئی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آج اللہ تعالیٰ کا تم پر ناراض ہونا تمہارے آپس میں ایک دوسرے پر ناراض ہونے سے بہت بڑھ کر ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ”ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا“ (العنکبوت: ۲۵) ”پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کا انکار کرو گے اور تم ایک دوسرے پر لعنت کرو گے“ [”اذ تدعون“ زنجیری کے نزدیک پہلے ”مقت“ کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ تقلیل کے لیے ہے اور جامع العلوم وغیرہ نے کہا کہ ”اذ تدعون“ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے جس پر ”لمقت اللہ“ دلالت کر رہا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان پر اس وقت ناراض ہو جا جب انہیں ایمان کی طرف بلایا گیا تو انہوں نے کفر اختیار کر لیا اور پہلے ”مقت“ کی وجہ سے منصوب نہیں ہے کیونکہ ”لمقت اللہ“ مبتدا ہے اور وہ مصدر ہے اور اس کی خبر ”اکبر من مقتکم“ ہے اس لیے وہ ”اذ تدعون“ میں عمل نہیں کرے گا کیونکہ جب مصدر کی طرف سے کوئی خبر دی جائے تو اس کے ساتھ کسی چیز کو متعلق کرنا جائز نہیں ہوتا جو اس کا صلہ بنے کیونکہ اس سے خبر دینا اس کے مکمل ہونے کا اعلان ہوتا ہے اور اس کے ساتھ کسی چیز کا متعلق ہونا اس کے ناقص ہونے کا اعلان ہوتا ہے اور یہ دوسرے ”مقت“ کے ساتھ بھی متعلق نہیں ہے اس لیے کہ دونوں کے زمانے مختلف ہیں اور یہ اس لیے کہ کفار اپنے آپ پر دوزخ میں جا کر ناراض ہوں گے اور جب کہ ایمان کی دعوت انہیں دنیا میں دی گئی تھی]۔

۱۱۔ ﴿قَالُوْا رَبَّنَا اٰمَنَّا اِنَّنَا لَمِّنْ وَاٰحِيَّتِنَا اِنَّنَا لَمِّنْ﴾ کفار کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو دفعہ

موت دی اور تو نے ہمیں دو دفعہ زندہ کیا یعنی دو دفعہ موت دینا اور دو دفعہ زندہ کرنا یا دو موتیں اور دو زندگیاں مراد ہیں ان کو عدم سے پیدا کرنا پہلی موت ہے (یعنی ماں کے شکم میں روح پھونکنے سے پہلے کی حالت جو محض عدم ہے) اور دنیا میں زندگی کی مدت ختم ہونے پر طبعی موت دینا دوسری موت ہے اور صحیح یہ ہے کہ ان کی پیدائش کو موت (مرنے) کی بجائے مجازاً ”اماتة“ (مارنا) قرار دیا جائے جیسا کہ یہ صحیح ہے کہ کہا جائے: پاک ہے وہ ذات جس نے پچھر کے جسم کو چھوٹا بنایا اور ہاتھی کے جسم کو بڑا بنایا اور یہاں پر بڑے سے چھوٹے کی طرف انتقال نہیں (کہ پہلے پچھر بڑا تھا پھر چھوٹا بنایا) اور نہ چھوٹے سے بڑے کی طرف انتقال ہے (کہ پہلے ہاتھی چھوٹا تھا پھر بڑا بنا دیا بلکہ) اس میں سبب یہ ہے کہ صغیر اور کبر (چھوٹا اور بڑا) دونوں ایک مصنوع پر جائز ہیں پھر جب صانع نے ان دو جائزوں میں سے ایک کو اختیار کر لیا تو یقیناً دوسرے جائزے سے مصنوع کو پھیر لیا پس صانع کا اس کو اس سے پھیرنا مصنوع کو اس سے منتقل کرنا ہے اور دو زندگیوں میں سے ایک دنیا کی زندگی مراد ہے

اور دوسری زندگی دوبارہ صورت پھونکنے پر زندہ کر کے اٹھانا مراد ہے (یہاں برزخی زندگی یعنی قبر کی زندگی کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ وہ ان دونوں سے مختلف اور غیر ظاہر و غیر محسوس ہے) اور اس پر (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ دلالت کر رہا ہے: ”وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ“ (البقرہ: ۲۸) ”اور تم مردہ تھے سو اللہ تعالیٰ نے تمہیں زندہ کیا پھر وہ تمہیں موت دے گا پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا“ اور بعض حضرات نے کہا کہ پہلی موت سے دنیا کی طبعی موت مراد ہے دوسری قبر میں مردے سے سوالات کرنے اور جوابات لینے کے لیے زندگی دینے کے بعد موت مراد ہے اور پہلی زندگی سے قبر کی زندگی مراد ہے جو سوالات و جوابات کے لیے مرنے کے بعد عطا کی جائے گی اور دوسری زندگی سے فقہ ثانی پر زندہ کر کے اٹھانا مراد ہے ﴿فَاعْتَرَفْتَابًا تُؤْتِيَانَا﴾ سو ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف و اقرار کر لیا ہے۔ دراصل جب کفار موت دینے اور زندگی دینے کے عمل کو اپنے اوپر بار بار دیکھ لیں گے تو انہیں یقینی طور پر معلوم ہو جائے گا کہ بے شک اللہ تعالیٰ جس طرح پہلی بار پیدا کرنے پر قادر ہے اسی طرح وہ دوبارہ زندگی کے اعادہ پر بھی ضرور قادر ہے سو اس لیے وہ اپنے ان گناہوں کا اعتراف کر لیں گے جن کا انہوں نے دنیا میں ارتکاب کیا تھا جیسے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا اور کفر و شرک نیز ان کے تابع دیگر گناہ اور نافرمانیاں ﴿فَهَلْ اِلَىٰ خُودِهِمْ مِّنْ سَبِيلٍ﴾ تو کیا اب یہاں دوزخ کے عذاب سے نکلنے کا کوئی راستہ ہے یعنی نکلنے کی صورت جلد یا بدیر تاکہ ہم اس عذاب سے خلاصی حاصل کر لیں پھر کیا یہ ناامیدی اور مایوسی اس سے پہلے واقع ہو جائے گی سو نہ نکلنا ہوگا اور نہ نکلنے کا کوئی راستہ ہوگا؟ اور یہ کلام اس شخص کا ہوتا ہے جس پر مایوسی اور ناامیدی غالب آچکی ہو اور وہ لوگ یہ بات صرف حیرانگی کی وجہ سے کہیں گے اور اس لیے انہیں اس کے مطابق جواب دیا جائے گا اور وہ یہ ارشاد ہے کہ

۱۲۔ ﴿ذَلِكُمْ يَاقَوْمِ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحَدَاكُمُ لِكُفْرٰتِكُمْ وَاِنْ يَشْرِكْ بِهٖ تُوْمِنُوْا﴾ یہ اس لیے ہوا کہ جب ایک اللہ تعالیٰ کی طرف تمہیں بلایا جاتا تو تم کفر کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ شریک ٹھہرائے جاتے تو تم ایمان لے آتے یعنی یہ عذاب جس میں تم مبتلا ہو اور جس سے اب کبھی تمہارے لیے کوئی راستہ نکلنے کا نہیں رہا اس کا سبب اللہ تعالیٰ کی توحید کے ساتھ تمہارا کفر کرنا اور اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے پر تمہارا ایمان لانا ہے ﴿قَالَ لَكُمْ رَبُّهُ﴾ سو حکم اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اس لیے اس نے تمہارے خلاف دائمی عذاب کا فیصلہ فرمایا ﴿الْعَلِيَّ﴾ اس کی شان بہت بلند ہے سو اس کا فیصلہ رد نہیں کیا جاسکتا ﴿الْكَبِيْرِ﴾ اس کی بادشاہی بہت بڑی ہے سو اس کی سزا کی کوئی حد نہیں اور بعض اہل علم حضرات نے بیان کیا ہے کہ خوارج کے ایک گروہ حروریہ نے گویا اپنے قول ”لَا حُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ“ یعنی حکم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اسی سے لیا ہے اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب حروراء کے باشندوں نے بغاوت کر دی تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کیا گیا: ”الْمُحْكَمُونَ“ ہیں یعنی وہ کہتے ہیں: ”لَا حُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ“ یعنی حکم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے چنانچہ یہ سن کر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ کلمہ تو حق ہے لیکن اس کا جو مطلب و مراد خوارج بیان کرتے ہیں وہ باطل ہے۔

هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ آيَاتِهِ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ رِزْقًا وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا
 مَنْ يُّنِيْبٌ ﴿۱۳﴾ فَاَدْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾
 رَفِيعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ يَّشَآءُ مِنْ
 عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ هُمْ بَارِزُوْنَ ۗ لَا يَخْفٰى عَلٰى اللّٰهِ

مِنْهُمْ شَيْءٌ طَلِمَنَ الْمَلِكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۱۷) الْيَوْمَ تُجْزَى
كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۱۸)

وہی تو ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور وہ تمہارے لیے آسمان سے رزق نازل کرتا ہے اور نصیحت قبول نہیں کرتا مگر وہ جو رجوع کرتا ہے سو تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو دین کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے اور اگرچہ کفار بُرا مانیں اور جوں کو بلند کرنے والا ہے عرش کا مالک ہے وہی اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے وحی کو نازل کرتا ہے تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے۔ جس دن وہ بالکل ظاہر ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ پر ان میں سے کچھ چھپا نہیں رہے گا آج کس کی بادشاہی ہے ایک اللہ تعالیٰ کی جو سب پر غالب ہے آج ہر جان کو جو کچھ اس نے کمایا اس کا بدلہ دیا جائے گا آج ظلم نہیں ہوگا بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت و شان اور اس کی خالص عبادت کا بیان

۱۳- ﴿هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ آيَاتِهِ﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے ہوا اندھیری بادل گرج، بجلی اور کڑک وغیرہ ﴿وَيُنزِلُ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ رِزْقًا﴾ اور وہ تمہارے لیے آسمان سے رزق اتارتا ہے (یعنی) بارش برساتا ہے کیونکہ یہ رزق کا سبب ہے ﴿وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَنْ يُنذِرُ﴾ اور نصیحت حاصل نہیں کرتا مگر جو رجوع کرتا ہے (یعنی) اور نہ وہ نصیحت حاصل کرتا ہے اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے عبرت و سبق حاصل کرتا ہے مگر وہ جو شرک سے توبہ کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے سو معاند و مخالف عبرت و نصیحت حاصل نہیں کرتا پھر اللہ تعالیٰ نے رجوع کرنے والوں کے لیے فرمایا [ابن کثیر کی اور ابو عمر و بصری کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ (باب افعال سے) "يُنزِلُ" ہے۔]

۱۴- ﴿فَادْعُوا اللَّهَ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ کو پکارو (یعنی) سو تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو "ادعوا" بہ معنی "اعبدوا" ہے ﴿مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ اسی کے لیے دین کو شرک سے خالص کرتے ہوئے ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ اور اگرچہ کفار بُرا مانیں اور تمہارا اخلاص انہیں ناگوار ہو اور اگرچہ تمہارے دشمن جو تمہارے دین پر نہیں ہیں وہ اس خالص دین کی وجہ سے تم پر عیب لگائیں اور تنقید کریں۔

۱۵- ﴿رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوحَ﴾ وہ درجات کو بلند کرنے والا ہے عرش کا مالک ہے وہ روح الامین کو وحی دے کر بھیجے والا ہے یہ تینوں ارشاد باری تعالیٰ "هُوَ" کی خبریں ہیں جو ارشاد باری تعالیٰ "الَّذِي يَرِيكُمْ" پر مرتب ہے یا یہ تینوں محذوف مبتدا کی خبریں ہیں اور "رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ" کا معنی یہ ہے کہ وہ آسمانوں کو ایک دوسرے کے اوپر بلند کرنے والا ہے یا وہ دنیا میں اپنے نیک بندوں کے درجات کو مرتبے میں بلند کرنے والا ہے یا پھر جنت میں ان کی منازل کو بلند کرنے والا ہے اور "ذُو الْعَرْشِ" وہ اپنے عرش کا مالک ہے جو تمام آسمانوں کے اوپر ہے جسے اس نے فرشتوں کے طواف کرنے کے لیے پیدا فرمایا محض اپنی عظمت و شان کے اظہار کے لیے باوجودیکہ وہ اپنی بادشاہی میں سب سے مستغنی اور بے نیاز ہے اور "السُّرُوحُ" سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں یا اس سے وحی مراد ہے جس کے ذریعے دلوں کو زندگی ملتی ہے ﴿مِنْ أَمْرِهِ﴾ اپنے حکم کے سبب یا اپنے حکم کے ساتھ ﴿عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنذِرَ﴾ اپنے بندوں میں سے جس

پر چاہتا ہے تاکہ وہ ڈرائے یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ ڈرائے یا وہ ڈرائے جس پر وحی نازل کی جاتی ہے اور وہ حضور نبی کریم ﷺ ہیں اور اس پر حضرت یعقوب کی قراءت (فعل مخاطب) ہے یعنی "لِتَسْنِدِرَ" ﴿يَوْمَ التَّلَاقِ﴾ تاکہ آپ ملاقات کے دن یعنی قیامت کے دن سے ڈرائیں کیونکہ اس دن میں آسمان والوں اور زمین والوں کی اور انگوٹوں اور پچھلوں کی باہمی ملاقات ہوگی [ابن کثیر کی اور یعقوب کی قراءت میں "التلاقی" ہے]۔

۱۶۔ ﴿يَوْمَ هُمْ بَارِئُونَ﴾ اس دن وہ ایسے ظاہر ہوں گے کہ نہ انہیں پہاڑ چھپا سکیں گے اور نہ ٹیلے اور نہ کوئی عمارت ﴿لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُ شَيْءٌ﴾ ان کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں رہے گی یعنی ان کے اعمال اور ان کے احوال میں سے ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ آج کس کی بادشاہی ہے؟ یعنی اللہ تعالیٰ یہ بات اس وقت ارشاد فرمائے گا جب اسے کوئی جواب نہیں دے سکے گا پھر اللہ تعالیٰ خود جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمائے گا: ﴿إِنَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ ایک اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو سب پر غالب ہے یعنی جس نے تمام مخلوق پر موت کے ذریعے غلبہ پالیا [”الیوم“، ”لِمَنِ“ کے مذلول کی وجہ سے منصوب ہے] یعنی ”لِمَنِ ثَبَتَ الْمُلْكُ فِي هَذَا الْيَوْمِ“ آج کس کے لیے بادشاہی ثابت ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ پکارنے والا پکارے گا اور کہے گا: ”لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمِ“ آج کس کی بادشاہی ہے تو اہل محشر جواب دیں گے: ”لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ“ اکیلے اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو سب پر غالب و قابض ہے۔

۱۷۔ ﴿الْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ آج ہر شخص کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے گا آج کسی پر ظلم نہیں ہوگا بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ جب ثابت ہو گیا کہ آج کے دن بادشاہی صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کے لیے ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے نتائج کو شمار کیا اور وہ یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے گا اس نے دنیا میں جو کچھ نیک اور بد عمل کیے ہوں گے اور یہ کہ سب لوگ ظلم و ستم سے محفوظ رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے اور یہ کہ بے شک حساب و کتاب میں تاخیر نہیں کی جائے گی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کا حساب دوسرے کے حساب سے باز نہیں رکھے گا بلکہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا ایک ہی وقت میں حساب لے لے گا اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْأَزْفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَظِيمِينَ ۗ مَا لِلظَّالِمِينَ

مِنْ حَیْمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ ۗ يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ۗ

وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ إِنَّ

اللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿۲۰﴾

اور آپ انہیں قریب آنے والے دن سے ڈرائیں جب کہ دل حلقوم کے پاس غم کے مارے رُکے رہیں گے ظالموں کے لیے نہ تو کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی ہوگا جس کا کہنا مان لیا جائے ○ وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہوا ہے ○ اور اللہ تعالیٰ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور اس کے سوا جن کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتے بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ سننے والا ہر چیز کو دیکھنے والا ہے ○

۱۸ - ﴿وَأَنذَرْتَهُمْ يَوْمَ الْأَرْفَةِ﴾ اور آپ انہیں عنقریب آنے والے دن سے ڈرائیں (یعنی) قیامت کے دن سے ڈرائیں اس کا یہ نام ”آرفہ“ اس لیے رکھا گیا ہے کہ ”آرفہ“ کا معنی ہے: قریب اور نزدیک یعنی قیامت کے قرب کی وجہ سے یہ نام رکھا گیا ہے ﴿إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ﴾ اس وقت دل حلقوم کے پاس پہنچ جائیں گے، یعنی گلے کی ہڈی تک یعنی ان کے دل دہشت کے مارے اپنی اصل جگہ سے اوپر چڑھ آئیں گے اور حلقوم کے ساتھ لپٹ جائیں گے سونہ تو وہ باہر نکل پڑیں گے کہ موت واقع ہو جائے اور وہ مرجائیں اور نہ وہ اپنی اصل جگہ کی طرف لوٹیں گے کہ وہ سانس لے سکیں اور راحت و سکون کر سکیں [یہ ”یوم الآزفة“ سے بدل ہے] ﴿كُظُمِينَ﴾ وہ حلقوم کے پاس رک جائیں گے، یہ ”کظم القربة“ سے ماخوذ ہے، یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب مشک کا سراگس کر باندھ دیا جائے اور یہ دلوں کے لیے محال ہے اس لیے اصحاب قلوب پر محمول ہے اور اس کو جمع سالم اس لیے لایا گیا ہے کہ یہ ”کظم“ کے ساتھ متصف ہوتا ہے جب کہ غصہ پینا عقلاء کے افعال سے ہے۔

﴿كَالظَّالِمِينَ مِنْ حَبِيبٍ﴾ ظالموں کے لیے (یعنی) کافروں کے لیے کوئی حمایت کرنے والا دوستی کرنے والا اور شفقت و محبت کرنے والا نہیں ہوگا ﴿وَلَا شَفِيعٌ يُطَاعُ﴾ اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہوگا جس کی اطاعت کی جائے یعنی جس کی شفاعت قبول کی جائے کیونکہ اطاعت حقیقت میں اپنے سے بڑے کی کی جاتی ہے اور یہاں شفاعت اور اطاعت دونوں کی نفی مراد ہے جیسا کہ شاعر کا قول ہے:

”ولا تروى الضب بها ينجح“ اور تم نہیں دیکھو گے کہ گوہ اپنے لیے بھٹ یا سوراخ بناتی ہو اس شعر میں گوہ اور اس کے بھٹ بنانے کی نفی مراد ہے اور اگرچہ بہ ظاہر لفظ اطاعت کی نفی کا احتمال رکھتا ہے شفاعت کی نفی کا نہیں چنانچہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! ان کے لیے کبھی کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہوگا۔

۱۹ - ﴿يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ﴾ اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت کو خوب جانتا ہے۔ ”خائنة“ مصدر بہ معنی خیانت ہے جیسے ”عالية“ بہ معنی ”معافات“ ہے اور مراد یہ ہے کہ ایسی چیزوں کو چور نظروں سے دیکھنا جن کا دیکھنا حلال نہیں ہے ﴿وَمَا تُخْفِي الضُّرُورُ﴾ اور جو کچھ سینے چھپاتے ہیں ان کو بھی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے (یعنی) اور جو کچھ امانت اور خیانت اور اچھے برے اسرار اور موز وغیرہ سینے چھپاتے ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ اجنبی عورت کو چور نظروں سے شہوت کے ساتھ دیکھنا پھر اپنے دل میں اس کے حسن و جمال کے بارے میں غور و فکر کرنا مراد ہے اور جو لوگ اس کے پاس حاضر و موجود ہیں وہ اس کی چور نظروں اور شہوت سے بھرپور سوچ کو نہیں جانتے لیکن اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کو خوب جانتا ہے [”يعلم خائنة الاعين“ ایک خبر ہے ”هو“ کی خبروں میں سے جو کہ ارشاد باری تعالیٰ ”هو الذي يريكم آياته“ میں موجود ہے جیسے ”يلقى الروح“ ہے اور لیکن ”يلقى الروح“ ارشاد باری تعالیٰ ”ليندر يوم التلاق“ سے معطل ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ”يوم التلاق“ یعنی قیامت کے دن کے احوال کا ذکر مستقل بیان فرمایا اور یہ ”ولا شفيع يطاع“ تک ہے کیونکہ یہ دوسرے معتقدات سے دور ہے۔]

۲۰ - ﴿وَاللَّهُ يَفْعَلُ بِالْحَقِّ﴾ اور اللہ تعالیٰ حق کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور جس کی یہ صفات ہوں گی وہ صرف انصاف کا فیصلہ کرے گا ﴿وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ﴾ اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہیں وہ تو کچھ فیصلہ نہیں کر سکتے (یعنی) اور ان کے معبود کسی چیز کا کچھ فیصلہ نہیں کر سکتے اور یہ کفار کے ساتھ تمسخر ہے کیونکہ جو قدرت کے ساتھ موصوف نہیں ہوتا اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ فیصلہ کرتا ہے یا وہ فیصلہ نہیں کرتا ہے

[نافع مدنی کی قراءت میں ”یدعون“ کی بجائے ”تدعون“ ہے] ﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ سنے والا ہے ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔ یہ کلام مبارک ارشاد باری تعالیٰ ”يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ“ (غافر: ۱۹) کی تقریر ہے اور کفار کے لیے وعید (دھمکی) ہے کہ وہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو خوب سنتا ہے اور وہ لوگ جو کچھ عمل کرتے ہیں انہیں خوب دیکھ رہا ہے اور بے شک وہ انہیں ان اعمال پر سخت سزا دے گا اور یہ کلام مبارک اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان تمام معبودوں پر طعن ہے جن کی کفار عبادت کرتے ہیں کہ وہ نہ کچھ سن سکتے ہیں اور نہ کچھ دیکھ سکتے ہیں۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِنْ

قَبْلِهِمْ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ

وَمَا كَانَ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَاقٍ ﴿۲۱﴾ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ رُسُلُهُمْ

بِالْبَيِّنَاتِ فَكَفَرُوا فَآخَذَهُمُ اللَّهُ إِنَّهُ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا

مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿۲۳﴾

اور کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا سو وہ دیکھتے کہ ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے وہ ان سے قوت و طاقت میں اور زمین پر عمارات بنانے میں بہت سخت تھے سو اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے گرفت میں لیا اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں تھا۔ یہ اس لیے ہوا کہ بے شک ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں لے کر آئے تھے سو انہوں نے کفر اختیار کر لیا پس اللہ تعالیٰ نے انہیں پکڑ لیا بے شک وہ بہت طاقتور ہے سخت عذاب دینے والا ہے اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور واضح دلیل کے ساتھ بھیجا۔

رسولوں کی تکذیب پر کفار کی ہلاکت کا بیان

۲۱- ﴿أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا سو وہ دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا تھا یعنی ان (کفار مکہ) سے پہلے جن لوگوں نے رسولوں کی تکذیب کی تھی اور ان کو جھٹلایا تھا ان کے معاملے کا آخری انجام کیسا بھیانک ہوا تھا ﴿كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً﴾ وہ پہلے لوگ تو ان سے بہت زیادہ سخت طاقتور تھے [”ہم“ ضمیر فصل ہے اور اس کا اصل میں حق یہ ہے کہ اس کو دو معرّفوں کے درمیان لایا جائے مگر ”اشد منهم“ معرفہ کے مشابہ ہے کیونکہ معرفہ کی طرح اس پر بھی الف لام داخل نہیں ہوتا سو اس لیے اس کو اس کا قائم مقام قرار دیا گیا ہے اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ”اشد منکم“ ہے] ﴿وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ﴾ اور وہ زمین پر تاریخی نشانات بنانے پر سخت سخت تھے یعنی مضبوط قلعے اور محلات تعمیر کرنے میں سخت قوت آزمائی کرتے تھے ﴿فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے اپنی گرفت میں لے لیا اور انہیں ان کے گناہوں کے سبب سخت سزا دی ﴿وَمَا كَانَ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَاقٍ﴾ اور انہیں اللہ تعالیٰ سے بچانے والا کوئی نہیں تھا (یعنی) اور ان کے لیے کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچالیتی۔

۲۲۔ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ﴾ یہ اس لیے ہوا کہ وہ یعنی یہ گرفت اس سبب سے ہوئی کہ بے شک وہ ﴿كَانَتْ تَاْتِيهِمْ رُسُلُهُمْ بِاٰيٰتِنَا فَاخَذَهُمُ اللّٰهُ اِنَّهٗ قَوِيٌّ﴾ ایسے لوگ تھے کہ ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں لے کر آئے تو انہوں نے کفر اختیار کر لیا، سو اللہ تعالیٰ نے انہیں پکڑ لیا بے شک وہ بہت قوت رکھنے والا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ سخت عذاب دینے والا ہے جب وہ سزا دیتا ہے۔

۲۳۔ ﴿وَلَقَدْ اَسْرَسْنَا مُوسٰى بِاٰيٰتِنَا﴾ اور بے شک ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف سے نو معجزات کے ساتھ بھیجا ﴿وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ اور ایک خاص روشن دلیل کے ساتھ اور ظاہر حجت کے ساتھ۔

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهٰمٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سِحْرٌ كَذٰبٌ ﴿۲۴﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمْ
بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا اقْتُلُوْا اَبْنَاءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا
نِسَاءَهُمْ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْ
اَقْتُلْ مُوسٰى وَلْيَدْعُ رَبِّهٖ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُظْهِرَ
فِي الْاَرْضِ الْفُسَادَ ﴿۲۶﴾ وَقَالَ مُوسٰى اِنِّىْٓ عُدْتُ بِرَبِّيْ وَرَسِيْمٌ مِّنْ كُلِّ
مُتَكَبِّرٍ لَا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾

فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف بھیجا، سو انہوں نے کہا: بہت جھوٹا جادو گر ہے O پھر جب وہ ہماری طرف سے حق کے ساتھ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر دو اور ان کی بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دو اور کافروں کا کوئی فریب ایسا نہیں ہوتا مگر وہ ضائع ہو جاتا ہے O اور فرعون نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کر دوں اور تا کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کو پکارے بے شک مجھے اندیشہ ہے کہ وہ تمہارے دین کو تبدیل کر دے گا یا وہ زمین میں فساد کو ظاہر کر دے گا O اور موسیٰ نے فرمایا: بے شک میں ہر اس متکبر سے اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں جو حساب کے دن پر ایمان نہیں لاتا O

۲۴۔ ﴿اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهٰمٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا﴾ فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف سو انہوں نے کہا: ”ہو“

﴿سِحْرٌ كَذٰبٌ﴾ وہ جھوٹا جادو گر ہے پس انہوں نے واضح اور روشن معجزہ کو جادو اور جھوٹ قرار دیا۔

۲۵۔ ﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا﴾ پھر جب وہ ہماری طرف سے حق یعنی نبوت کے ساتھ ان کے پاس

پہنچے ﴿قَالُوْا اقْتُلُوْا اَبْنَاءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾ تو انہوں نے کہا کہ جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کے بیٹوں

کو قتل کر دو، یعنی جس طرح پہلے قتل کا منصوبہ جاری تھا اسی طرح ان ایمان لانے والوں پر بھی وہی قتل کا منصوبہ دوبارہ شروع کر

دو ﴿وَاسْتَحْيُوْا نِسَاءَهُمْ﴾ اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دو تا کہ ان سے گھروں کی خدمت لی جائے ﴿وَمَا كَيْدُ

الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ﴾ اور کافروں کا مکر و فریب صرف ضائع ہو جاتا ہے یعنی فرعونوں نے پہلی مرتبہ جس خوف کی طرف

سے بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کیا تھا تو اس منصوبہ نے انہیں کوئی فائدہ نہیں دیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی قضاء اور اس کا

فیصلہ نافذ ہو کر رہا اور وہ جس (بچہ) سے ڈرتے تھے اسی کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرما دیا چنانچہ قتل کا یہ دوسرا منصوبہ بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا اور پہلی مرتبہ فرعون بچوں کے قتل سے محض اس لیے رُک گیا تھا کہ اگر سب بچے قتل ہو گئے تو خدمت گزار ختم ہو جائیں گے پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہو گئے اور اس نے محسوس کیا کہ وہی کچھ واقع ہو گیا ہے جس کا اسے ڈر تھا تو وہ بنی اسرائیل پر دوبارہ غضب ناک ہو گیا اور اس نے یہ گمان کر کے قتل کا منصوبہ دوبارہ شروع کر دیا کہ اس کی وجہ سے بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تعاون سے رُک جائیں گے اور اسے معلوم نہیں تھا کہ اس کا مکر و فریب دونوں مرتبہ ضائع جائے گا۔

۲۶- ﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَى﴾ اور فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا: مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دوں کیونکہ جب فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتا تو اس کے درباری یہ کہہ کر اسے قتل سے روک دیتے تھے کہ یہ وہ شخص نہیں ہے جس کا تجھے خوف ہے اور یہ اس سے کمزور اور معمولی انسان ہے اور یہ صرف جادو گر ہے اور جب تو اسے قتل کر دے گا تو لوگوں پر شبہہ ڈال دے گا اور وہ یقین کر لیں گے کہ تو دلیل کے ذریعے اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہے اور ظاہر ہے کہ فرعون کو یہ یقین تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی ہیں اور وہ جو کچھ لے کر آئے ہیں وہ معجزات ہیں جادو نہیں اور لیکن فرعون میں دعا بازی تھی اور بہت قاتل اور خون ریز سفاک شخص تھا اور قتل و خون ریزی اس کے لیے معمولی چیز تھی تو بھلا وہ اس شخص کو کیسے قتل نہ کرتا جس کے بارے میں اسے محسوس ہو چکا تھا کہ یہ وہی شخص ہے جو اس کے ملک کو تباہ اور برباد کر دے گا مگر وہ اس بات سے ڈرتا تھا کہ اگر آپ کو قتل کرنا چاہا تو اسے فوراً ہلاک کر دیا جائے گا اور اس کا یہ کہنا کہ ﴿وَلَيْدُ عُزَيبَةَ﴾ اور اسے چاہیے کہ وہ اپنے پروردگار سے دعا مانگے۔ اس بات کی دلیل ہے کہ فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور آپ کی دعا سے بہت خوف تھا اور اس کا یہ کہنا کہ ﴿ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَى﴾ مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ کو قتل کر دوں یہ محض اپنی قوم پر یہ ظاہر کرنا تھا اور انہیں یہ یاد کرانا تھا کہ یہی لوگ ہیں جو اس کو قتل سے روکے ہوئے ہیں حالانکہ اس کے دل میں قدرتی ہولناک گھبراہٹ تھی جس نے اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے سے باز رکھا ہوا تھا ﴿إِنِّي أَخَافُ﴾ بے شک مجھے یہ خوف اور ڈر ہے کہ اگر میں نے اسے قتل نہ کیا تو ﴿أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ﴾ وہ تمہارے دین کو تبدیل کر دے گا اور جس دین پر تم اس وقت گامزن ہو اس کو وہ تبدیل کر دے گا اور اس وقت وہ لوگ فرعون کی اور بتوں کی عبادت کرتے تھے ﴿أَوَأَنْ يَظْهَرُوا فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ﴾ یا یہ کہ (حضرت) موسیٰ زمین میں فساد کو ظاہر کر دے گا اور زمین میں فساد سے قتل و غارت کرنا ایک دوسرے پر حملہ کرنا لڑائی جھگڑا کرنا مراد ہے جس کی وجہ سے امن و امان ختم ہو جاتا ہے کھیتی باڑی اور باہمی کاروبار محنت مزدوری زندگی کے تمام مسائل معطل و بے کار ہو جاتے ہیں اور لوگ قتل و غارت کی وجہ سے ہلاک ہو جاتے ہیں گویا فرعون نے کہا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ وہ تمہیں اپنے دین کی طرف دعوت دے کر تمہارے دین کا تمہارے لیے خاتمہ کر دے گا یا وہ تمہاری دنیا تم پر فاسد و تباہ کر ڈالے گا کیونکہ اس کے سبب سے کئی فتنے ظاہر ہو جائیں گے [نافع مدنی، ابو عمرو بصری اور انام حفص کی قراءت میں "ان يظهور" میں "یا" مضموم ہے اور "الفساد" میں دال مفتوح ہے جب کہ ان کے علاوہ کے نزدیک "یا" مفتوح اور دال مضموم ہے اور پہلا قول "ان يبدل" کے موافق ہے اس لیے وہی بہتر ہے اور اہل کوفہ کے علاوہ دیگر کے نزدیک "وَأَنْ" ہے اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہارے دین اور دنیا دونوں کو فاسد و تباہ کر دے گا۔

۲۷- ﴿وَقَالَ مُوسَى﴾ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ دراصل جب حضرت موسیٰ نے فرعون کی وہ باتیں سنیں

جو اس نے آپ کے قتل کرنے کے بارے میں اپنی قوم سے کی تھیں تو اس وقت آپ نے فرمایا: ﴿إِنِّي عَذَابٌ بِرَبِّي وَمَا يَكْفُرُونَ﴾
 کل متکذِبٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ﴾ بے شک میں ہر تکبر کرنے والے سے اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں جو
 حساب کے دن پر ایمان نہیں رکھتا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول ”ربکم“ میں ان کو ترغیب دینا ہے کہ وہ بھی آپ کی
 پیروی کریں اور وہ بھی اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کریں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے ہیں
 اور وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں، جس طرح حضرت موسیٰ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ”من کل
 متکبر“ اس لیے فرمایا تا کہ آپ کا استعاذہ فرعون وغیرہ تمام جابروں کو شامل ہو جائے اور تا کہ تعریض کے طریقہ پر ہو جائے
 سو یہ زیادہ بلیغ ہے اور تکبر سے مراد حق کے لیے یقین سے تکبر چاہنا اور یہی سب سے زیادہ بدترین و قبیح ترین تکبر چاہنا ہے اور
 یہ رؤیہ تکبر چاہنے والے کی کمینگی کی دلیل ہے اور اس کی بہت زیادہ پست ذہنی کی علامت ہے اور اس کے ظلم کی انتہاء کی دلیل
 ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”لَا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ“ وہ متکبر حساب کے دن پر ایمان نہیں رکھتا۔ یہ اس
 لیے کہ جب کسی آدمی میں تکبر اور یوم جزاء کی تکذیب اور آخرت سے بے نیازی جمع ہو جائیں تو اس میں بدبختی اور اللہ تعالیٰ
 اور اس کے بندوں پر بے باکی کے اسباب مکمل ہو جاتے ہیں اور ایسا آدمی بڑے سے بڑے گناہ کا ارتکاب کر لیتا ہے [”عَذَابٌ“
 اور ”لُدَّتْ“ ہم معنی ہیں اور ابو عمرو حمزہ کوئی اور علی کسانی کی قراءت میں ”عَذَابٌ“ کی بجائے ادغام کے ساتھ ”عُتُّ“ پڑھا
 گیا ہے۔]

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا
 أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ وَإِنْ يَكُ
 كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ وَإِنْ يَكُ صَادِقًا يُصِيبْكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ إِنَّ
 اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿٢٨﴾

اور فرعون کی آل میں سے ایک مسلمان مرد نے کہا جو اپنے ایمان کو چھپاتا تھا: کیا تم اس مرد کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے
 کہ میرا پروردگار صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بے شک وہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے روشن دلیلیں لے کر آیا اور
 اگر (بفرض محال) وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر ہوگا اور اگر وہ سچا ہے تو وہ جس چیز کا تم سے وعدہ کرتا ہے اس کا
 کچھ حصہ تمہیں ضرور پہنچے گا بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والے بہت جھوٹ بولنے والے شخص کو ہدایت نہیں دیتا ۲۸

فرعون کی فریب کاری اور آل فرعون کے مسلمان کی حق گوئی

۲۸ - ﴿وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ﴾ اور آل فرعون میں سے ایک مسلمان مرد نے
 فرمایا جو ایمان چھپاتا تھا، بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ قبیلہ قوم کا ایک آدمی تھا جو فرعون کے چچا کا بیٹا تھا اور وہ پوشیدہ طور پر
 حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا تھا [اور ”من آل فرعون“ ”رجل“ کی صفت ہے] اور یہ بھی کہا گیا کہ وہ بنی
 اسرائیل کا ایک آدمی تھا [اور ”من آل فرعون“ ”یکتُم“ کے متعلق ہے اور اسی کا صلہ ہے] یعنی جو اپنا ایمان چھپاتا تھا وہ
 آل فرعون سے تھا اور اس کا نام سمعان تھا یا حبیب تھا یا خزئیل یا حزئیل تھا (بعض نسخوں میں حزئیل کی بجائے حزئیل بھی لکھا

(ہے) اور پہلا قول ظاہر ہے ﴿اَتَقْتُلُونَ رَجُلًا اَنْ يَقُولَ﴾ کیا تم اس آدمی کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے اصل میں ”لَا اَنْ يَقُولَ“ ہے (لام تعلیل کا ہے ترجمہ اسی کے مطابق ہے) اور یہ اس کی طرف سے بہت بڑا انکار ہے، گویا اس مسلمان مرد نے یہ کہا کہ کیا تم اس قدر بدترین فعل کا ارتکاب کرتے ہو جو کہ ایک محترم جان کا قتل ہے جسے شہید کرنا حرام اور ممنوع ہے اور تمہارے لیے اس فعل کے ارتکاب پر ماسوا کلمہ حق کہنے کے اور کوئی سبب نہیں ہے اور وہ اس کا یہ کہنا ہے کہ ﴿مَا تَقِيَ اللّٰهُ﴾ میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے اور وہی تمہارا پروردگار بھی ہے اکیلا اس کا پروردگار نہیں ﴿وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ﴾ حالانکہ بے شک وہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے روشن دلیلیں لے کر تشریف لائے یعنی انہوں نے اپنے قول کو سچا ثابت کرنے کے لیے صرف ایک دلیل کو ظاہر نہیں فرمایا بلکہ وہ اس ذات اقدس کی طرف سے بہت سی روشن دلیلیں لے کر تشریف لائے جس کی طرف ربوبیت اور پالنے کی نسبت کی گئی ہے اور اس کا اعتراف اور اقرار کرنا ان کے لیے استدراج ہے [یہ جملہ حال واقع ہو رہا ہے] ﴿وَ اِنْ يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ وَاِنْ يَكُ صَادِقًا يُصِيبْكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ﴾ اور اگر (بفرض محال) وہ جھوٹے ہوئے تو ان کے جھوٹ کا وبال انہیں پر ہوگا اور اگر وہ سچے ہوئے تو وہ جس چیز کا تم سے وعدہ کرتے ہیں اس کا کچھ حصہ تمہیں ضرور پہنچے گا اس آیت مبارکہ میں اس مسلمان آدمی نے ان پر تقسیم کے طریقہ پر حجت پیش کی تھی، سو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے دعویٰ میں دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ جھوٹے ہوں گے یا وہ سچے ہوں گے پھر اگر وہ جھوٹے ہوئے تو اس کے جھوٹ کا وبال بھی صرف اسی پر ہوگا اور وہ اس سے خطا نہیں جائے گا اور اگر وہ سچے ہوئے تو جس عذاب کا وہ تم سے وعدہ کرتے ہیں اس کا بعض حصہ تمہیں ضرور پہنچے گا اور اس مسلمان مرد نے ”کل الذی يعدکم“ نہیں فرمایا باوجودیکہ یہ سچ بولنے والے نبی کا وعدہ ہے، یہ محض ان پر نرمی کا رویہ اپنانے کے لیے اور انصاف کی راہ پر چلانے کے لیے، سو اس لیے وہ چیز بیان کی جو ان کے تسلیم کرنے کے زیادہ قریب ہے اور اس میں ”کل عذاب“ پہنچنے کی نفی بھی نہیں ہے، پس گویا اس مسلمان مرد نے ان لوگوں سے فرمایا کہ اس کے سچے ہونے کی صورت میں کم از کم اس عذاب کا کچھ حصہ تم کو ضرور پہنچے گا جس کا وہ تم سے وعدہ کر رہے ہیں اور وہ دنیا کا عذاب ہے اور اس عذاب میں تمہاری ہلاکت ہوگی اور ان سے دنیا اور آخرت دونوں عذابوں کا وعدہ کیا گیا تھا اور ”کاذب“ کی ”صادق“ پر تقدیم بھی اسی قبیل سے ہے اور بعض کی ”کل“ کے ساتھ تفسیر کرنا نہایت کمزور ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْمُضِلِّينَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے تجاوز کرنے والا اپنے دعویٰ کرنے میں بہت جھوٹ والا ہوتا ہے اور یہ بھی بد معاملگی کے باب سے ہے اور معنی یہ ہے کہ اگر وہ حد سے تجاوز کرنے والا بہت جھوٹ بولنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل و رسوا کر دے گا اور اس کو ہلاک کر دے گا یا پھر اگر وہ حد سے بڑھنے والا بہت جھوٹ بولنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو نبوت کی ہدایت عطا نہیں فرمائے گا اور نہ اس کو واضح معجزات اور روشن دلائل کے ساتھ مضبوط کرے گا اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ آل فرعون کے مسلمان مرد نے ان کے وہم میں یہ خیال ڈال دیا کہ ”مسرف“ سے اس نے موسیٰ علیہ السلام کو مراد لیا ہے حالانکہ وہ خود فرعون مراد لے رہے تھے (کیونکہ فرعون بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کر کے ”مسرف“ اور الوہیت کا دعویٰ کر کے کذاب بھی تھا)۔

يَقَوْمَ لَكُمْ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظَهَرِ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَمَنْ يَنْصُرُنَا مِنْ بَأْسِ اللَّهِ
اِنْ جَاءَنَا قَالَ فِرْعَوْنُ مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا أَرَىٰ وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ

الرِّشَادِ ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَوْمَئِذٍ أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِثْلَ يَوْمِ
الْأَحْزَابِ ﴿۳۰﴾ مِثْلَ دَابِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ
وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾

اے میری قوم! آج بادشاہی تمہاری ہے تم زمین پر غالب ہو سو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کے لیے ہماری کون مدد کرے گا اگر وہ ہم پر آجائے فرعون نے کہا کہ میں تمہیں رائے نہیں دیتا مگر وہی جو میں درست سمجھتا ہوں اور میں تمہیں ہدایت جاری نہیں کرتا مگر بھلائی کی راہ کی ○ اور جو شخص ایمان لا چکا تھا اس نے کہا: اے میری قوم! بے شک مجھے تم پر پہلے گروہوں کے دن جیسا خوف ہے ○ جیسے قوم نوح اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد والے لوگوں کا دستور تھا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا ○

۲۹- ﴿يَقَوْمِ لَكُمْ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظَهَرْتُمْ﴾ اے میری قوم! آج بادشاہی تمہاری ہے تمہیں غالب اور حاوی ہو [ظاہرین] ”لکم“ میں ”کم“ ضمیر مخاطب سے حال واقع ہو رہا ہے [فی الأمم] مصر کی سرزمین میں ﴿فَمَنْ يَنْصُرُنَا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ اللہ ان جآءنا ﴿سواللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کے لیے ہماری مدد کون کرے گا اگر وہ عذاب ہم پر آ گیا یعنی بے شک آج تم ملک مصر کے بادشاہ ہو اور تم یہاں کے تمام لوگوں پر غالب ہو اور تم ان پر حاوی ہو چکے ہو سو تم اپنے حکومت کے معاملہ کو اپنے آپ پر خراب نہ کر لو اور تم اللہ تعالیٰ کی پکڑ یعنی اس کے عذاب کے درپے نہ ہو جاؤ کیونکہ تم اس کے دفاع کی طاقت نہیں رکھتے ہو اگر وہ تم پر آ جائے اور نہ تمہیں اس سے کوئی بچا سکے گا اور آل فرعون کے اس مرد مجاہد مسلمان نے ”يَنْصُرُنَا“ اور ”جآءنا“ (جمع متکلم کے فعل) بیان فرمائے یہ محض اس لیے کہ وہ قرابت اور رشتہ داری کی بناء پر انہیں میں سے تھا یا اس لیے فرمایا تا کہ انہیں بتادے اور انہیں معلوم کرادے کہ یہ ان کا بہت بڑا خیر خواہ ہے اور یہ ان کے ساتھ اس میں شریک ہے ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا آدَى﴾ فرعون نے کہا: میں تمہیں رائے نہیں دیتا مگر وہی جس کو میں درست خیال کرتا ہوں یعنی میں اپنی رائے کے ذریعے تمہیں مشورہ نہیں دیتا مگر یہی مشورہ بہتر سمجھتا ہوں کہ اسے قتل کر دیا جائے یعنی اسے قتل کرنا ہی بہتر اور درست رائے ہے اور یہ جو تم سے قتل نہ کرنے کی بات کرتے ہو یہ درست نہیں ہے ﴿وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ﴾ اور میں اپنی اس رائے کے ذریعے تمہاری رہنمائی نہیں کر رہا مگر صحیح اور درست راستے کی رہنمائی کر رہا ہوں یا یہ کہ میں تمہیں نہیں بتلاتا ہوں مگر وہی جس کو میں خود درست اور صحیح جانتا ہوں اور میں اس میں سے کچھ بھی اپنے پاس نہیں رکھتا اور نہ میں تم سے اس کے خلاف کچھ چھپاتا ہوں جو میں ظاہر کر رہا ہوں یعنی اس کی زبان اور اس کا دل اس بات پر متفق ہیں جو کچھ وہ کہہ رہا ہے وہ صحیح ہے اور بے شک فرعون نے جو کچھ کہا سفید جھوٹ کہا سو وہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے سخت خوف محسوس کرتا تھا لیکن یہ ظاہر مضبوط اور بے پرواہ بن کر رہتا تھا اور اگر اس کو آپ سے کوئی خوف محسوس نہ ہوتا تو وہ کسی سے مشورہ نہ لیتا اور نہ وہ اس معاملہ کو مشورہ پر موقوف رکھتا۔

۳۰، ۳۱- ﴿وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَوْمَئِذٍ أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِثْلَ يَوْمِ الْأَحْزَابِ﴾ اور جو (آل فرعون میں سے)

ایمان لا چکا تھا اس نے کہا: اے میری قوم! بے شک میں تم پر گزشتہ گروہوں کے دن جیسا خوف محسوس کرتا ہوں یعنی ان کے دنوں جیسا [اور یہ اس لیے کہ جب اس نے ”یوم“ کو ”احزاب“ کی طرف مضاف کیا اور اس نے اپنے (درج ذیل) قول

سے ان کی تفسیر بیان کی ﴿مِثْلَ دَابِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ﴾ (جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور عاد اور ثمود اور جوان کے بعد والوں کا دستور اور طریقہ جاری ہو چکا ہے) اور کسی قسم کا اشتباہ نہیں رہا کہ ان میں سے ہر گروہ اور ہر امت کے لیے ہلاکت و تباہی کا الگ الگ دن تھا تو اس لیے جمع کی بجائے واحد پر اکتفاء کیا [اور کفر و شرک، تکذیب اور دیگر گناہوں کے اعمال میں ان فرعونوں کا طریقہ اور عادت انہیں گزشتہ گروہوں اور امتوں کے طریقہ اور عادت جیسا تھا اور انہوں نے ان گزشتہ قوموں کے طریقہ اور عادت سے ہونے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی] پس مضاف کو محذوف ماننا واجب و لازم ہے "ای (مثل) جزاء دابہم" یعنی ان کے دستور کی سزا کی طرح اور دوسرا "مثل" اس لیے منصوب ہے کہ پہلے "مثل" کا عطف بیان ہے ﴿وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا یعنی اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ وہ اپنے بندوں پر ظلم کرے وہ اس طرح کہ انہیں بغیر گناہ کے عذاب دے یا وہ جس قدر عذاب کے مستحق ہوں اس سے زیادہ عذاب دے یعنی اللہ تعالیٰ کا ان کو ہلاک کرنا عین انصاف ہے کیونکہ وہ اپنے برے اعمال کی وجہ سے اس کے مستحق ہیں اور یہ (درج ذیل) ارشاد "وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ" (فصلت: ۴۶) سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ اس میں ہر قسم کے ظلم کے ارادے کی نفی کر دی گئی اور جو اپنے بندوں پر ہر قسم کے ظلم کے ارادہ سے دور ہے وہ ظلم سے بہ طریق اولیٰ دور ہوگا، بہت دور اور معتزلہ کی یہ تفسیر کہ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ اس کے بندے ایک دوسرے پر ظلم کریں عقل و خرد سے بہت دور ہے، کیونکہ اہل لغت نے کہا کہ جب کوئی آدمی کسی دوسرے شخص سے کہتا ہے: "لا اريد ظلمًا لك" تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ میں تم پر ظلم نہیں کرنا چاہتا اور یہ دنیا کے عذاب سے ڈرانا ہے پھر اس نے انہیں آخرت کے عذاب سے ڈرایا چنانچہ اس نے کہا کہ

وَيَقَوْمِ اِنِّيْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿٣٢﴾ يَوْمَ تَوَلَّوْنَ مَدِيْرِيْنَ مَا
لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ مِّنْ عَاصِمٍ ۗ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ
جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَاءَكُمْ
بِهٖ ۗ حَتّٰى اِذَا هَلَكَ قَلْبُكُمْ لَنْ يُبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهَا رَسُوْلًا ۗ كَذٰلِكَ
يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ ﴿٣٤﴾

اور اے میری قوم! بے شک مجھے تم پر اس دن کا ڈر ہے جب ایک دوسرے کو پکاریں گے ○ اس دن تم پیٹھ پھیر کر لوٹ جاؤ گے تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہوگا اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر ڈال دے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ○ اور بے شک اس سے پہلے تمہارے پاس یوسف روشن نشانیاں لے کر آئے تھے سو وہ جو کچھ لے کر تمہارے پاس آئے تھے تم اس کے متعلق ہمیشہ شک میں مبتلا رہے یہاں تک کہ جب وہ انتقال کر گئے تو تم نے کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کسی کو رسول بنا کر ہرگز نہیں بھیجے گا اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو گمراہی پر ڈال دیتا ہے جو حد سے بڑھنے والا شک کرنے والا ہوتا ہے ○

۳۲- ﴿وَيَقَوْمٍ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ﴾ اور اے میری قوم! بے شک مجھے تم پر ایک دوسرے کو چیخ کر پکارنے کے دن کا خوف اور ڈر ہے یعنی قیامت کا دن اور یہ چیخ و پکار کا دن وہی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف میں پکارنے کی حکایت بیان فرمائی کہ ”وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ أَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوا نَعَمْ“ (الاعراف: ۴۳) ”اور جنتی حضرات دوزخیوں کو بلند آواز سے پکار کر کہیں گے: بے شک ہمارے پروردگار نے ہم سے جو کچھ وعدہ کیا تھا وہ ہم نے حق پایا تو کیا تمہارے پروردگار نے تم سے جو کچھ وعدہ کیا تھا وہ تم نے ٹھیک پایا، وہ جواب میں کہیں گے: جی ہاں!“ ”وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا يَعْرِفُونَهُمْ بِسِيمَاهُمْ قَالُوا مَا أَغْنَىٰ عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تُسْتَكْبِرُونَ“ (الاعراف: ۴۸) ”اور اعراف والے ان لوگوں کو بہ آواز بلند پکاریں گے جن کو وہ ان کی پیشانیوں سے پہچان لیں گے: کیا تمہاری جماعت نے اور جو کچھ تم تکبر کرتے تھے اس تکبر نے تمہیں کوئی فائدہ دیا؟“ ”وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ“ (الاعراف: ۵۰) ”اور دوزخی جنتیوں کو بلند آواز سے پکاریں گے کہ تم تھوڑا سا پانی اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو رزق عطا کیا ہے اس میں سے کچھ ہم پر انڈیل دو“ اور بعض اہل علم حضرات نے بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن بہ آواز بلند پکار کر اعلان کیا جائے گا کہ خبردار ہو جاؤ! فلاں آدمی بلاشبہ ایسا سعادت مند اور نیک بخت ہو گیا ہے کہ اب اس کے بعد کبھی بد بخت نہیں بنے گا، خبردار ہو جاؤ! بے شک فلاں شخص ایسا شقی اور بد بخت ہو گیا ہے کہ اس کے بعد اب کبھی وہ نیک بخت نہیں بنے گا۔

۳۳- ﴿يَوْمَ تَوَلَّوْنَ مُدْبِرِينَ﴾ جس دن تم پیٹھ موڑ کر پھر جاؤ گے (یعنی) حساب و کتاب کے میدان سے دوزخ کی طرف پھر جائیں گے ﴿مَا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِيَةٍ﴾ اس دن اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تمہیں کوئی بچانے والا اور روکنے والا اور کوئی دفاع کرنے والا نہیں ہوگا ﴿وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر ڈال دیتا ہے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا اور اس کی رہنمائی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

۳۴- ﴿وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ﴾ اور بے شک حضرت یوسف علیہ السلام اس سے پہلے روشن دلیلیں لے کر تمہارے پاس تشریف لائے تھے اور بعض حضرات نے کہا: یہ حضرت یوسف بن افراسیم بن یوسف بن یعقوب علیہم السلام ہیں جو بیس سال تک ان میں نبی بن کر قیام پذیر رہے اور بعض حضرات نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا فرعون وہی تھا جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کا فرعون تھا، اس کو اللہ تعالیٰ نے لمبی عمر عطا کی یہاں تک کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ مبارک تک زندہ رہا اور جب کہ بعض حضرات نے کہا کہ وہ کوئی دوسرا فرعون تھا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام تمہارے پاس معجزات لے کر تشریف لائے تھے ﴿فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِمَّا جَاءَكُمْ بِهِ﴾ وہ جو کچھ لے کر تمہارے پاس آئے تھے تو تم اس کے بارے میں ہمیشہ شک میں مبتلا رہے، سو تم نے اس میں شک کیا تھا اور ہمیشہ تم شاکی رہے ﴿حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قَلْبُكُم لَنْ تَبْعَثَ اللَّهُ فِيكُمْ بَعْدَهُ رَسُولًا﴾ یہاں تک کہ جب ان کا انتقال ہو گیا تو تم نے کہہ دیا: اب ان کے بعد اللہ تعالیٰ ہرگز کوئی رسول نہیں بھیجے گا، تم نے بغیر دلیل کے اپنی طرف سے خود ہی فیصلہ کر لیا یعنی تم اپنے کفر پر قائم رہے اور تم نے یہ گمان کر لیا اب تم پر نئی حجت واجب نہیں کی جائے گی ﴿كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُرْتَابٍ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ اس شخص کو گمراہی پر ڈال دیتا ہے جو حد سے تجاوز کرنے والا بہت شک کرنے والا ہوتا ہے، یعنی اس گمراہی کی طرح اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو گمراہی میں

چھوڑ دیتا ہے جو اپنے گناہوں اور نافرمانیوں میں حد سے تجاوز کرنے والا اپنے دین میں بہت شک کرنے والا ہوتا ہے۔

الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَتْهُمْ ط كَبْرًا مَقْتًا عِنْدَ
اللَّهِ وَعِنْدَ الَّذِينَ آمَنُوا ط كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى كُلِّ قَلْبٍ مُتَكَبِّرٍ
جَبَّارٍ ﴿٣٥﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ لِيَهَامُنُ ابْنُ بِي مَرْحًا لَعَلِّي أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ لَ
أَسْبَابَ السَّمَوَاتِ فَأَطَّلِعَ إِلَى إِلَهِ مُوسَى وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ كَاذِبًا ط وَكَذَلِكَ
ذُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوءُ عِبَادِهِ وَصَدَّ عَنِ السَّبِيلِ ط وَمَا كِيدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا
فِي تَبَابٍ ﴿٣٦﴾

جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں بغیر کسی ایسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو یہ بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور مسلمانوں کے نزدیک بہت ہی ناپسند ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر متکبر سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے اور فرعون نے کہا: اے ہامان! تو میرے لیے ایک بلند عمارت بنا دے شاید میں ان راستوں تک پہنچ جاؤں جو آسمانوں کے راستے ہیں پس میں موسیٰ کے معبود کو دیکھ لوں اور بے شک میں اسے جھوٹا گمان کرتا ہوں اور اسی طرح فرعون کے لیے اس کے بڑے عمل خوش نما بنا دیئے گئے اور اسے سیدھی راہ سے روک دیا گیا اور فرعون کی سازش تباہی میں ہی ڈال دی گئی۔

۳۵- ﴿الَّذِينَ يُجَادِلُونَ﴾ جو لوگ جھگڑا کرتے ہیں [یہ "من ہو مسرف" سے بدل ہے اور اس کو اس سے بدل بنانا جائز ہے اور وہ جمع ہے کیونکہ اس سے ایک حد سے تجاوز کرنے والا مراد نہیں بلکہ ہر "مسرف" مراد ہے] ﴿فِي آيَاتِ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں (یعنی) ان کے رد کرنے میں اور ان کو باطل کرنے میں جھگڑا کرتے ہیں ﴿بِغَيْرِ سُلْطَانٍ﴾ بغیر حجت اور بغیر دلیل کے ﴿آتَتْهُمْ ط﴾ کہ ان کے پاس آئی ہو ﴿كَبْرًا مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ وہ (جھگڑنا) اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور مسلمانوں کے نزدیک بڑا قابل نفرت عمل ہے یعنی بہت بڑا ناپسندیدہ عمل ہے [”کبر“ کا فاعل ضمیر ہے ”من ہو مسرف“ میں ”مَنْ“ کا کلمہ معنی کے اعتبار سے جمع ہے اور لفظ کے اعتبار سے واحد ہے سو بدل ”الذین يجادلون“ کو اس کے معنی پر محمول کیا گیا ہے اور ”هو“ ضمیر جو ”مَنْ“ کی طرف لوٹتی ہے اسے اس کے لفظ کے اعتبار پر محمول کیا گیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ”الذین يجادلون“ کو ابتداء کی بناء پر مرفوع قرار دیا جائے اور اس صورت میں مضاف کو محذوف ماننا ضروری ہے جس کی طرف ”کبر“ کی ضمیر راجع ہوگی اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: ”جدال الذین يجادلون کبر مقتًا“ [﴿كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى كُلِّ قَلْبٍ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر متکبر و سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے] اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں ”قلب“ تنوین کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور اس صورت میں ”قلب“ تکبر اور تجبر کا موصوف ہوگا اس لیے کہ یہی دل میں تکبر و سرکش کا منبع و مرکز ہوتا ہے جیسا کہ کہتے ہیں: ”سمعت الاذن“ کانوں نے سنا اور یہ درج ذیل ارشاد کی طرح ہے: ”فَاتَّهٖ اِثْمُ قَلْبِهٖ“ (البقرہ: ۲۸۳) ”سو اس کا دل گناہ گار ہے“ حالانکہ اگرچہ پورا انسان گناہ گار ہوتا ہے۔

۳۶- ﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ﴾ اور فرعون نے اپنی قوم پر اپنا اثر و رسوخ اور اپنا رعب قائم رکھنے کے لیے یا پھر اپنی جہالت کی وجہ سے کہا کہ ﴿يَهَامُنُ ابْنُ لِي صَرْحًا﴾ اے ہامان! تو میرے لیے ایک بلند و بالاعل تیار کر اور بعض حضرات نے کہا کہ ”صرح“ اس بلند و بالا عمارت کو کہا جاتا ہے جو ہر طرف سے دیکھنے والوں کو دور سے نظر آنے لگے اور کسی بلند اور اونچے پہاڑ ٹیلے اور درخت وغیرہ کی وجہ سے دیکھنے والے سے مخفی اور پوشیدہ نہ رہے اور اسی وجہ سے جب کوئی چیز ظاہر ہو جائے تو کہا جاتا ہے: ”صرح الشيء“ ﴿لَعَلِّي﴾ [حجازی] ابن عامر شامی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں ”لَعَلِّي“ ”يَا“ مفتوح کے ساتھ پڑھا جاتا ہے [معنی یہ ہے کہ شاید میں ﴿أَبْلَغُ الْأَسْبَابِ﴾ راستوں تک پہنچ جاؤں] پھر اس کی عظمت بڑھانے اور یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ یہاں ایک بہت بڑے معاملہ کا قصد و ارادہ کیا گیا ہے اس کا بدل لا کر اس کی وضاحت کی گئی۔

۳۷- ﴿أَسْبَابِ السَّمَوَاتِ﴾ آسمانوں کے دروازوں تک یعنی آسمانوں کے راستوں اور اس کے دروازوں تک اور ہر وہ چیز جو ان کی طرف لے جائے اور ہر وہ چیز جو کسی چیز تک پہنچا دے تو وہ اس کا سبب کہلائے گی جیسے رسی اور ڈول وغیرہ ﴿فَأَطَّلِعَ إِلَىٰ إِلَهِ مُوسَىٰ﴾ پس میں موسیٰ (علیہ السلام) کے معبود کو جھانک کر دیکھ لوں اور معنی یہ ہے کہ پس میں اس دیکھ لوں [فاطلع] امام حفص کی قراءت میں منصوب ہے ”ترجی (لعلی)“ کا جواب ہے کیونکہ ”ترجی“ کو ”تمنی“ کے مشابہ قرار دیا گیا ہے اور اس کے علاوہ کے نزدیک ”ابلاغ“ پر عطف کی وجہ سے مرفوع ہے [﴿وَأَنِّي لَأَظُنُّكَ كَإِذَا طَافَ﴾ اور بے شک میں اسے جھوٹا گمان کرتا ہوں یعنی بے شک میں موسیٰ (علیہ السلام) کو اس قول میں کہ میرے علاوہ بھی اس کا کوئی معبود ہے ضرور جھوٹا گمان کرتا ہوں ﴿وَكَذَٰلِكَ﴾ اور اسی طرح (یعنی) اور اس زیب و زینت اور اس ممانعت کی طرح ﴿ذُرِّيْنَ لِفِرْعَوْنَ سُوءُ عَمَلِهِ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيلِ﴾ فرعون کے لیے اس کا ہر بُرِ اعمل خوش نما بنا دیا گیا اور اس کو سیدھے راستے سے روک دیا گیا (یعنی سبیل مستقیم سے روکا گیا) [قاری یعقوب اور کوئی قراء کے علاوہ کے نزدیک ”صد“ میں صاد مفتوح ہے یعنی اس کے غیر نے روک دیا یا پھر اس نے خود کو روک لیا اور مزین و آراستہ بنانے والا شیطان ہے جو اپنے وسوسوں سے آراستہ بنا دیتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿وَزَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ﴾ (النمل: ۲۴) ”اور شیطان نے ان کے لیے ان کے بُرے اعمال کو خوش نما بنا دیا اور انہیں راہ راست سے روک دیا“ یا پھر خود اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی مثل یہ ارشاد ہے: ﴿زَيْنًا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُونَ﴾ (النمل: ۴) ”ہم نے ان کے لیے ان کے اعمال کو خوش نما اور آراستہ کر دیا“ سو وہ بھٹکتے پھرتے ہیں ﴿وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي تَبَابٍ﴾ اور فرعون کا ہر مکر و فریب صرف خسارے اور ہلاکت میں ہے۔

وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَوْمَ اتَّبَعُونَ أَهْدِكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ ﴿٣٨﴾ يَقَوْمِ
 إِنَّمَا هِيَ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿٣٩﴾ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً
 فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ وَأُنْشِيَ وَهُوَ مُؤْمِنٌ
 فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُرْمَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٤٠﴾ وَيَقَوْمٌ مَّالِيٌّ أَدْعُوكُمْ

إِلَى الْجَنَّةِ وَتَدْعُونَنِي إِلَى النَّارِ ﴿۳۱﴾

التصنيف

اور جو ایمان لا چکا تھا اس نے کہا: اے میری قوم! تم میری پیروی کرو میں تمہیں بھلائی کا راستہ دکھا دوں گا O اے میری قوم! بے شک یہ دنیاوی زندگی صرف تھوڑا سا فائدہ ہے اور بے شک آخرت ہی دائمی گھر ہے O جو شخص بُرا کام کرے گا تو اسے سزا نہیں دی جائے گی مگر اسی کے برابر اور جو نیک عمل کرے گا مرد ہو خواہ عورت ہو اور وہ ایمان دار ہو سو یہی لوگ بہشت میں داخل ہوں گے انہیں اس میں بے شمار رزق عطا کیا جائے گا O اور اے میری قوم! مجھے کیا ہوا کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی آگ کی طرف بلاتے ہو O

آل فرعون کے مردِ مؤمن کی ایمان افروز تبلیغ

۳۸ - ﴿وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُونِ﴾ اور جو شخص ایمان لا چکا تھا اس نے کہا: اے میری قوم! تم میری اتباع کرو [ابن کثیر کی قاری یعقوب اور سہل کی قراءت میں وقف اور وصل دونوں حالتوں میں "اتبعونی" (یاے متکلم کے ساتھ) ہے] ﴿أَهْدِيكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ﴾ میں تمہیں رشد و ہدایت اور خیر و بھلائی کا راستہ دکھاؤں گا "رَشَادٌ" "غِيٌّ" (گمراہ و سرکش ہونا) کا متضاد ہے اور اس کلام میں تصریح کی طرح فرعونیوں پر تعریض و طعن ہے کہ جس راہ پر فرعون اور اس کی قوم قائم ہے وہ گمراہی کا راستہ ہے۔ اس مردِ مؤمن نے پہلے اجمال کے ساتھ کہا پھر اس کی تفسیر بیان کی سو اس نے دنیا کی مذمت اور اس کی حقیر حالت سے آغاز کیا چنانچہ اس نے کہا:

۳۹ - ﴿يٰقَوْمِ إِنَّمَا هِيَ الدُّنْيَا مَتَاعٌ﴾ اے میری قوم! بے شک یہ دنیا کی زندگی حقیر سا سامان ہے (یعنی) تھوڑا سا فائدہ ہے سو اس میں قیام کرنا شر اور بُرائی کی جڑ ہے اور فتنوں کا سرچشمہ ہے اور جب کہ آخرت کی تعظیم کی تعریف کی گئی اور بیان کیا گیا ہے کہ بے شک یہی وطن ہے اور مستقل ٹھہرنے کی جگہ ہے چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ مِّنْ الْأُولَىٰ﴾ اور بے شک آخرت ہی ٹھہرنے کا گھر ہے پھر اس مردِ مؤمن نے دنیا کے نیک و بد اعمال کا ذکر کیا اور ان میں سے ہر ایک کے انجام کا ذکر کیا تاکہ انسان ان کاموں سے باز رہے جو ہلاکت و تباہی کا باعث بنتے ہیں اور ان کاموں کے لیے چست و ہوشیار اور تیار رہے جو قرب کا باعث بنتے ہیں۔

۴۰ - ﴿مَنْ عَمِلْ سَيِّئَةً فَلَا يُحِزُّ إِلَّا مِثْلَهَا﴾ وَمَنْ عَمِلْ صَالِحًا مِّنْ دُونِ مَا كُنتَ تَعْمَلُ لَمْ يَجْعَلْ لِّوَالِدِيهِ كَيْدًا شَرًّا وَلَا يَتَّبِعُ أَعْيُنَ النَّاسِ يَنْجُو أَعْيُنَ النَّاسِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُدْرَأُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ جو شخص بُرا عمل کرے گا تو اس کو بُرائی کے برابر سزا دی جائے گی (اس سے زیادہ نہیں) اور جو شخص نیک عمل کرے گا مرد ہو خواہ عورت ہو اور بشرطیکہ وہ مسلمان ہو تو یہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے جس میں انہیں بے شمار رزق عطا کیا جائے گا [ابن کثیر کی ابو عمرو بصری یزید اور ابو بکر کوفی کی قراءت میں "يَدْخُلُونَ" "يَا" مضموم فعل مضارع مجہول ہے]۔

۴۱ - پھر اس نے دونوں دعوتوں میں موازنہ بیان کیا ایک اس کی اپنی دعوت جو کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف بلانا ہے جس کا پھل اور نتیجہ نجات ہے اور دوسری دعوت فرعون اور اس کے پیروکاروں کی تھی جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے اور کفر و شرک کرنے کی تھی جس کا انجام دوزخ کی آگ ہے چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَيَقَوْمِ مَالِي أَدْعُوكُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَتَدْعُونَنِي إِلَى النَّارِ﴾ اور اے میری قوم! مجھے کیا ہوا کہ میں تمہیں نجات کی طرف دعوت دیتا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی آگ کی طرف دعوت دیتے ہو [ابو عمرو بصری اور اہل حجاز کی قراءت میں "مَالِي" میں "يَا" مفتوح ہے]۔

تَدْعُونَنِي لِأَكْفُرَ بِاللَّهِ وَأُشْرِكَ بِهِ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَأَنَا أَدْعُوكُمْ إِلَىٰ

الْعَزِيْزِ الْعَقْبَارِ ﴿۴۲﴾ لَا جَرَمَ أَنتُمْ تَدْعُونَنِي إِلَيْهِ لَيْسَ لَهُ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا

وَلَا فِي الْآخِرَةِ وَأَنْ مَّرَدَّنَا إِلَى اللَّهِ وَأَنَّ الْمُسْرِفِينَ هُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ﴿۴۳﴾

فَسْتَدْكُرُونَ مَا أَقُولُ لَكُمْ وَأَفِئْضُ أَمْرِ إِلَى اللَّهِ ط إِنَّ اللَّهَ بِصِدْقِ

بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾

تم مجھے بلاتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کروں اور میں اس کے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہراؤں جس کے متعلق مجھے کوئی علم نہیں، اور میں تمہیں سب پر غلبہ رکھنے والے بہت بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں O حق تو یہ ہے کہ بے شک تم مجھے جس کی طرف بلاتے ہو اس کے لیے بلانا نہ دنیا میں فائدہ دے گا اور نہ آخرت میں اور بے شک ہم سب نے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانا ہے اور بے شک حد سے تجاوز کرنے والے ہی دوزخی ہیں O سو عنقریب تم اسے یاد کرو گے جو اب میں تم سے کہہ رہا ہوں اور میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے O

۴۲- ﴿تَدْعُونَنِي لِأَكْفُرَ بِاللَّهِ﴾ تم مجھے بلاتے ہو تا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کروں [ہدایت کی طرح دعا بھی کبھی "الی" سے متعدی ہوتی ہے اور کبھی لام کے ساتھ متعدی ہوتی ہے چنانچہ "دعاہ الی کذا" بھی اور "دعاہ لہ" بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ "هداه الی الطریق" اور "هداه لہ" کہا جاتا ہے اور یہ پہلے "تدعوننی" سے بدل واقع ہو رہا ہے] ﴿وَأُشْرِكَ بِهِ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ﴾ اور میں اس کے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہراؤں جس کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں یعنی اس کی ربوبیت کے ساتھ اور علم کی نفی سے معلوم کی نفی مراد ہے گویا یوں کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسے شریک ٹھہراؤں جو معبود نہیں اور جو معبود نہیں اسے معبود جاننا کیسے صحیح ہوگا ﴿وَأَنَا أَدْعُوكُمْ إِلَى الْعَزِيْزِ الْعَقْبَارِ﴾ اور میں تمہیں سب پر غالب بہت بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں اور وہ صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے اور نداء کا تکرار انہیں زیادہ سے زیادہ تنبیہ کرنا اور انہیں غفلت کی نیند سے بیدار کرنے کے لیے ہے اور اس نداء میں یہ بات بھی ہے کہ یہ لوگ اس کی قوم ہیں اور یہ بھی کہ وہ آل فرعون سے ہیں اور واؤ تیسری نداء میں لائی گئی دوسری نداء میں نہیں لائی گئی کیونکہ دوسری نداء اس کلام پر داخل ہے جو مجمل کا بیان اور اس کی تفسیر ہے بہ خلاف تیسری نداء کے۔

۴۳- ﴿لَا جَرَمَ﴾ [بصریوں کے نزدیک حرف "لا" اس دعوت کی تردید کے لیے ہے جس کی طرف مرد مؤمن کی قوم نے اسے بلایا تھا اور "جَرَمٌ" فعل بہ معنی "حَقٌّ" ہے اور "أَنْ" "مَا" کے ساتھ اس فعل کے فاعل کی جگہ پر ہے] یعنی قوم فرعون کی دعوت کا بطلان واجب اور ثابت ہے یہی حق ہے ﴿أَنْتُمْ تَدْعُونَنِي إِلَيْهِ لَيْسَ لَهُ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ﴾ بے شک تم مجھے صرف اس چیز کی طرف بلاتے ہو جس کے لیے بلانا نہ دنیا میں فائدہ دے گا اور نہ آخرت میں فائدہ دے گا۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ تم مجھے جن معبودوں کی عبادت کی طرف دعوت دیتے ہو انہوں نے خود اپنی عبادت کی دعوت کبھی نہیں دی یعنی سچے اور برحق معبود کا یہ حق بنتا ہے کہ وہ بندوں کو عبادت اور اطاعت کی طرف دعوت دے اور تم جن معبودوں کی

عبادت کی دعوت دیتے ہو وہ خود اس کی دعوت نہیں دیتے اور نہ وہ ربوبیت کا دعویٰ کرتے ہیں یا پھر اس کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی معبود کے لیے دعوت دینا نہ دنیا میں قبول ہوگا اور نہ آخرت میں یا یہ معنی ہے کہ دعوت وہ ہوتی ہے جو مقبول ہو جائے لہذا جو دعوت قبول نہیں کی جائے گی اور نہ اس کا کوئی نفع ہوگا تو وہ دعوت نہ ہونے کے برابر ہوئی یا یہ کہ استجابت کو دعوت کا نام دیا گیا ہے جس طرح جس فعل پر جزا مرتب ہوتی ہے اسے جزاء کا نام دیا جاتا ہے چنانچہ عرب کا مقولہ ہے: ”کما تدین تدان“ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے ﴿وَإِنْ مَرَدْنَا إِلَى اللَّهِ﴾ اور بے شک ہم سب نے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانا ہے (یعنی) اور بے شک ہم سب کا رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگا ﴿وَإِنَّ الْمُسْرِفِينَ﴾ اور بے شک حد سے تجاوز کرنے والے (یعنی) شرک کرنے والے مشرکین ﴿فَهُمْ أَصْحَابُ النَّارِ﴾ وہی دوزخی ہیں۔

۴۴۔ ﴿فَسْتَدْرِكُونَ مَا أَقُولُ لَكُمْ﴾ میں تم سے جو کچھ کہتا ہوں عنقریب تم اسے یاد کرو گے یعنی جب تم پر عذاب نازل ہوگا تو تم اس وقت میری نصیحت کو یاد کرو گے ﴿وَأَفْوِضْ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ﴾ اور میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کو سونپتا ہوں اور میں اپنا معاملہ اسی کے سپرد کرتا ہوں اس لیے کہ انہیں اسی سے ڈرایا اور دھمکایا جاتا تھا [نافع مدنی اور ابو عمر و بصری کی قراءت میں ”أَمْرِي“ میں ”يَا“ مفتوح پڑھی جاتی ہے] ﴿إِنَّ اللَّهَ بِصِدْقِ الْعِبَادِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے (یعنی) بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال و افعال اور ان کے انجام سے خوب آگاہ ہے کیونکہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔

فَوَكَّمَهُ اللَّهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكُرُوا وَحَاقَّ بِالْفِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ﴿٣٥﴾

النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا

الْفِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿٣٦﴾ وَإِذْ يَتَحَايَجُونَ فِي النَّارِ فَيَقُولُ الضُّعْفَاءُ

لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْعِنُونَ عَنَّا نَصِيحًا مِّن

النَّارِ ﴿٣٧﴾

سواللہ تعالیٰ نے اس کو ان تمام سازشوں کی بُرائیوں سے بچالیا جنہیں فرعون نے اس کے خلاف تیار کرتے تھے اور فرعونیوں کو بُرے عذاب نے گھیر لیا وہ لوگ صبح اور شام کو آگ پر پیش کیے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو (فرشتوں کو حکم ہوگا کہ تم) فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کر دو اور جب وہ دوزخ کی آگ میں آئیں جھگڑیں گے تو کمزوران سے کہیں گے جنہوں نے تکبر کیا تھا کہ بے شک ہم تمہارے پیروکار تھے تو کیا تم ہم سے دوزخ کے آگ کا کچھ حصہ دور کر سکتے ہو

آل فرعون کے مؤمن کی حفاظت اور فرعونیوں کے لیے عذاب کا بیان

۴۵۔ ﴿فَوَكَّمَهُ اللَّهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكُرُوا﴾ سواللہ تعالیٰ نے اس مرد مؤمن کو فرعونیوں کی سازشوں کی بُرائیوں سے بچالیا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے ان کے مکر و فریب کی سختیوں سے اور ان کے مخالف راہ حق اختیار کرنے پر اس مرد مؤمن کو مختلف اقسام

کے عذاب دینے کے لیے ان کے بُرے ارادوں سے بچالیا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ بے شک آل فرعون کا وہ مرد مؤمن (تبلیغ کرنے کے بعد ان کی سازش قتل محسوس کر کے) وہاں سے بھاگ کر ایک پہاڑ میں جا کر چھپ گیا چنانچہ فرعون نے اس کی تلاش میں تقریباً ایک ہزار افراد اس کے پیچھے بھیجے تھے سوان میں سے بعض کو جنگلی درندے کھا گئے اور جوان میں سے صحیح سلامت واپس لوٹ آئے تھے انہیں فرعون نے سولی پر لٹکا دیا تھا ﴿وَحَاقَّ بِالِأَلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ﴾ اور فرعونوں کو بُرے عذاب نے گھیر لیا تھا (یعنی) اور ان پر بہت بُرا عذاب نازل ہوا (کہ سب کو دریا میں ڈبو دیا گیا) اور ”حاق“ بہ معنی ”نزل“ ہے۔

۴۶۔ ﴿النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا﴾ ان کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے (یعنی) اور ان کو دوزخ کی آگ پر جلانے کے لیے پیش کیا جاتا ہے چنانچہ جب امیر وقت قیدیوں کو تلوار سے قتل کر دے تو اس وقت کہا جاتا ہے: ”عرض الامام الاساری علی السیف“ [”النار سوء العذاب“ سے بدل ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے گویا پوچھا گیا کہ ”سوء العذاب“ کیا ہے تو جواب میں کہا گیا: ”هُوَ النَّارُ“ وہ آگ ہے یا پھر یہ خود مبتدا ہے اور اس کی خبر ”يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا“ ہے] ﴿عَذَابًا وَعَشِيًّا﴾ صبح اور شام کو یعنی ان دو وقتوں میں دوزخ کی آگ کا عذاب دیا جاتا ہے اور ان کے درمیانی عرصہ میں یا کسی دوسری جنس کا عذاب دیا جاتا ہے یا اس دوران ان سے بالکل عذاب دور کر دیا جاتا ہے اور آرام کی مہلت دی جاتی ہے اور یہ بھی ممکن اور جائز ہے کہ صبح اور شام سے دائمی عذاب مراد ہو اور یہ عذاب تو انہیں دنیا (عالم برزخ) میں دیا جاتا ہے ﴿وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ﴾ اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن دوزخ کے محافظ فرشتوں سے کہا جائے گا: ﴿ادْخُلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ تم فرعون والوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کر دو یعنی دوزخ کے عذاب میں اور یہ آیت مبارکہ عذاب قبر کی دلیل ہے [نافع مدنی، حمزہ کوفی، علی کسائی، حفص، خلف اور یعقوب کی قراءت

۱۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: ”وفيه دليل على بقاء النفس وعذاب القبر وقد دلت الاحاديث عليه والعقد عليه الاجماع“ اور یہ آیت مبارکہ قبر کے عذاب اور روح کی بقاء پر دلیل ہے اور عذاب قبر پر بہت سی حدیثیں دلالت کرتی ہیں اور اس پر اجماع امت قائم ہو چکا ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۲۶۱-۲۶۲، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی) علامہ ابن کثیر اس آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں: یہ آیت اہل سنت کے اس مذہب کی کہ عالم برزخ میں یعنی قبروں میں عذاب ہوتا ہے بہت بڑی دلیل ہے پھر چند سطور کے بعد لکھتے ہیں: پس حدیث و قرآن ملا کر مسئلہ یہ ہوا کہ عذاب و ثواب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے اور یہی حق ہے۔ (تفسیر ابن کثیر مترجم ج ۲ ص ۲۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی) علامہ الشیخ اسماعیل النجفی لکھتے ہیں:

اس آیت سے ثابت ہوا کہ انسانی روح کو بقاء اور عذاب قبر حق ہے کیونکہ ”عرض“ (دوزخ پر پیش کیا جانا) مجملہ عذاب سے ایک ہے۔ یہ مراد ہرگز نہیں ہو سکتی کہ یہ قیامت میں ہوگا اس لیے کہ قیامت کا ذکر تو بعد میں ”و یوم تقوم الساعة الخ“ میں ہے۔ (تفسیر روح البیان مترجم پارہ: ۵، ص ۲۴، ۲۵، مکتبہ اوریسیہ، بہاولپور)

عالم برزخ میں عذاب و ثواب کا ثبوت

نوٹ: عذاب قبر سے برزخ کا عذاب مراد ہے یعنی مرنے کے بعد سے قیامت قیامت تک خواہ مردہ کو قبر میں دفن کیا جائے یا سولی پر لٹکا کر چھوڑ دیا جائے یا پانی میں ڈبو دیا جائے یا اسے کوئی جانور کھا جائے، بہر حال اللہ تعالیٰ جسے عذاب دینا چاہے گا اسے عذاب ہوگا چونکہ اکثر و بیشتر مردوں کو قبروں میں دفن کیا جاتا ہے اس لیے عذاب قبر کہا جاتا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں ”ادخلوا“ (ہمزہ قطعی اور ”خا“ مکسور کے ساتھ باب افعال) ”ادخال“ سے پڑھا گیا ہے جب کہ ان کے علاوہ کی قراءت میں (ہمزہ وصل اور ”خا“ مضموم باب نصرینصر سے) ”ادخلوا“ پڑھا گیا ہے [یعنی ان (فرعونوں) سے کہا جائے گا کہ ”ادخلوا یا (ال فرعون اشد العذاب)“ اے فرعونو! تم سب سے زیادہ سخت عذاب میں داخل ہو جاؤ یعنی دوزخ کے عذاب میں داخل ہو جاؤ۔

۴۷- ﴿وَإِذْ يَتَخَفَتُونَ﴾ ”(و) اذکر وقت تخصمهم“ ﴿فِي النَّارِ﴾ اور (اے محبوب!) اس وقت کو یاد کیجئے جب وہ (فرعون) دوزخ کی آگ میں آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑا کریں گے ﴿فَيَقُولُ الضُّعْفُورُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا﴾ سو کمزور لوگ ان سے کہیں گے جنہوں نے (دنیا میں) تکبر کیا تھا یعنی رئیسوں اور سرداروں سے کہیں گے: ﴿إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا﴾ بے شک ہم تمہارے پیروکار تھے [”تبعاً“، ”تابع“ کی جمع ہے جیسے ”خدم“، ”خادم“ کی جمع ہوتی ہے]

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۱) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ فرعونوں کی روئیں سیاہ پرندوں کے جسموں میں ہر روز دو مرتبہ صبح و شام دوزخ کی آگ پر پیش کی جاتی ہیں اور ان سے کہا جاتا ہے: اے آل فرعون! یہ تمہارا ٹھکانا اور اصلی مقام ہے اور یہ معمول ان کے ساتھ یوں ہی جاری رہے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔

(۲) حضرت قتادہ مقاتل سدی اور کلبی نے بیان فرمایا کہ جب تک دنیا قائم ہے روزانہ صبح و شام ہر کافر کی روح کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا رہے گا۔

(۳) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص فوت ہوتا ہے تو صبح و شام اس پر اس کا مقام پیش کیا جاتا ہے اگر وہ جنت والوں میں سے ہوتا ہے تو جنتی مقام پیش کیا جاتا ہے اور اگر دوزخ والوں میں سے ہوتا ہے تو دوزخی مقام پیش کیا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تجھے اس کی طرف لے جانے کے لیے اٹھائے گا۔ (بخاری و مسلم)

(تفسیر معالم التنزیل عرف بغوی ج ۴ ص ۹۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، تفسیر مظہری ج ۸ ص ۲۶۱، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی، تفسیر لباب التاویل عرف خازن ج ۴ ص ۷۸، مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ مصر)

(۴) صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک یہودیہ عورت آئی اور اس نے کہا: عذاب قبر سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں اس پر حضرت صدیقہ نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ کیا قبر میں عذاب ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! عذاب قبر حق ہے فرماتی ہیں: اس کے بعد میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ ہر نماز کے بعد عذاب قبر سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

(۵) ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ شہیدوں کی روئیں سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں ہوتی ہیں اور وہ جنت میں جہاں کہیں چاہتی ہیں چگتی پھرتی ہیں اور مومنوں کی روئیں چڑیاؤں کے قالب میں ہوتی ہیں اور جہاں وہ چاہتی ہیں جنت میں چگتی رہتی ہیں اور عرش کے تلے قدیلوں میں آرام حاصل کرتی ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۴، اردو مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

(۶) حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں کو ایذا اور دکھ دینے سے باز رہتا ہے اسے اللہ تعالیٰ قبر کے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔

(۷) حضور سرور کونین ﷺ ہر نماز کے بعد عذاب قبر سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

(تفسیر روح البیان اردو پارہ: ۲۴، ص ۲۰۵، مطبوعہ اریبہ رضویہ بہاولپور)

﴿فَهَلْ أَنْتُمْ مُغْنُونَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ﴾ سو کیا تم ہم سے دوزخ کے عذاب کا کچھ حصہ دور کر سکتے ہو۔ ”مغنون“ بہ معنی ”دافعون“ ہے ”نصیباً“ بہ معنی ”جزءاً“ ہے۔

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُلُّنَا فِيهَا إِنَّا لَنَدْعُو اللَّهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ۗ وَقَالَ

الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخِزْنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ۗ

قَالُوا أَوْلَمْ تَكُنْ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا بَلَىٰ قَالُوا فَاذْعُوا وَمَا

دُعَاؤُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلٰلٍ ۗ

۵۰

جن لوگوں نے تکبر کیا تھا وہ کہیں گے: بے شک ہم سب اس میں ہیں یقیناً اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ فرما چکا ہے اور جو لوگ دوزخ کی آگ میں ہوں گے وہ دوزخ کے محافظوں سے کہیں گے: تم اپنے پروردگار سے دعا مانگو کہ وہ ایک دن ہم سے عذاب ہلکا کر دے وہ کہیں گے: اور کیا تمہارے پاس تمہارے رسول واضح معجزات لے کر نہیں آئے تھے وہ کہیں گے: کیوں نہیں! وہ آئے تھے فرشتے کہیں گے: پھر تم خود دعا کرو اور کافروں کی ایسی کوئی دعا نہیں ہوگی مگر وہ ضائع ہو گی

۴۸- ﴿قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُلُّنَا فِيهَا﴾ تکبر کرنے والے سردار کہیں گے: بے شک ہم سب دوزخ میں ہیں یعنی ہم سب کے سب اس میں ہیں کوئی کسی کے کام نہیں آسکتا ”کل“ میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے یعنی اصل میں ”کلنا“ ہے [﴿إِنَّا لَنَدْعُو اللَّهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرما چکا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ ان کے درمیان یقیناً یہ فیصلہ فرما چکا ہے کہ جنتی لوگ جنت میں اور دوزخی لوگ دوزخ میں چلے جائیں۔

۴۹- ﴿وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخِزْنَةِ جَهَنَّمَ﴾ اور جو لوگ دوزخ کی آگ میں ہوں گے وہ دوزخ کے منتظم و محافظ فرشتوں سے کہیں گے (یعنی) دوزخیوں کو عذاب دینے کے لیے نگران فرشتوں سے کہیں گے اور اللہ تعالیٰ نے ”لِخِزْنَتِهَا“ ضمیر کے ساتھ ذکر نہیں فرمایا اس لیے جہنم کے ذکر سے اس کی ہولناکی، خوفناکی اور اس کی گھبراہٹ کا اظہار مقصود ہے اور ایک احتمال یہ ہے کہ جہنم کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ دوزخ کا سب سے بہت دور گڑھا ہے جیسے اہل عرب کا قول ہے کہ ”جَهَنَّمَ“ بہت دور گڑھا ہے اور کفار میں سب سے زیادہ نافرمان سرکش کفار اس دوزخ میں ڈالے جائیں گے سو شاید جو فرشتے ان کو عذاب دینے کے لیے مقرر کیے گئے ہیں وہ ان کی پکار کا اس لیے جواب دیں گے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا قرب زیادہ حاصل ہوگا پس اس لیے دوزخی دعا مانگنے کے لیے انہیں کی طرف قصداً متوجہ ہوں گے ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ﴾ تم اپنے پروردگار سے دعا مانگو کہ وہ دنیا کے دن کے برابر ایک دن کا عذاب ہم سے ہلکا کر دے۔

۵۰- ﴿قَالُوا﴾ وہ کہیں گے یعنی دوزخ کے نگران فرشتے طویل اور لمبے عرصہ کے بعد انہیں ڈانٹتے ہوئے جواب دیں گے اور کہیں گے: ﴿أَوْلَمْ تَكُنْ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ﴾ کیا تمہارے پاس تمہارے رسول معجزات لے کر نہیں آئے تھے یعنی کیا یہ قصہ نہیں ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رسول معجزات لے کر تشریف لاتے رہے۔ ”تاتیک رسلکم“ قصہ کی تفسیر ہے ﴿قَالُوا بَلَىٰ﴾ وہ کہیں گے یعنی کفار کہیں گے: کیوں نہیں! جی ہاں وہ تشریف لائے تھے ﴿قَالُوا﴾ نگران فرشتے کہیں

گے یعنی نگران فرشتے ان کا مذاق اڑاتے ہوئے ان سے کہیں گے: ﴿قَادُ عُوًا﴾ ستم خود دعا مانگو لیکن تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی ﴿وَمَا دُعُوا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ﴾ اور کافروں کی دعا تو صرف ضائع ہوتی ہے یعنی باطل ہو جاتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ عزوجل کا ارشاد ہے اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ دوزخ کے منتظم و نگران فرشتوں کا کلام ہو۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ مَسٰلِكَنَا وَالدِّيٰنِ اٰمِنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظَّالِمِيْنَ مَعٰذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ الْعٰنَةُ وَا لَهُمْ سُوْءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسٰى الْهُدٰى وَاَوْثَقْنَا بَنِيْ اِسْرٰءِيْلَ الْكِتٰبِ ﴿۵۳﴾ هٰدٰى

وَذِكْرٰى لِاٰوَلٰى الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾

بے شک ہم اپنے رسولوں کی ضرور مدد کریں گے اور ایمان والوں کی بھی دنیا کی زندگی میں اور جس روز گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے۔ جس دن ظالموں کو ان کا عذر فائدہ نہیں دے گا اور ان کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے برا گھر ہے اور بے شک ہم نے موسیٰ کو رہنمائی عطا فرمائی اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا جو عقل مندوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد کا بیان

۵۱۔ ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ مَسٰلِكَنَا وَالدِّيٰنِ اٰمِنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ﴾ بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور مسلمانوں کی ضرور مدد کریں گے دنیا کی زندگی میں بھی اور جس روز گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے یعنی دنیا اور آخرت میں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دونوں جہانوں میں حجت و دلیل اور اپنے دشمنوں پر فتح و کامیابی کے ساتھ مدد کرتا رہے گا اور ان کو دشمنان دین پر غلبہ عطا فرمائے گا اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش اور امتحان لینے کی غرض سے بعض اوقات انہیں مغلوب بھی کیا جائے گا لیکن انجام کار اہل حق کے لیے بہتر ہوگا اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو تیار کرے گا جو ان کے دشمنوں سے انتقام لیں گے اور وقتی شکست کا بدلہ لیں گے اگرچہ کچھ عرصہ کے بعد ہوگا [”یوم“ منصوب ہے اور یہ جار اور مجرور کی جگہ پر محمول ہے جیسا کہا جاتا ہے: ”جنتک فی امس والیوم“ اور ”الاشہاد“ ”شاهد“ کی جمع ہے جیسے ”اصحاب“ ”صاحب“ کی جمع ہے اور رازی نے ہشام سے ”تا“ کے ساتھ ”تقوم“ کی قراءت نقل کی ہے [اور ”الاشہاد“ سے مراد انبیاء اور محافظ فرشتے ہیں کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام تو اللہ رب العزۃ کی بارگاہ میں کفار کے خلاف ان کی تکذیب کی اور حق کو جھٹلانے کی گواہی دیں گے اور محافظ فرشتے ہر انسان کے اعمال پر گواہی دیں گے جو اس نے کیے ہوں گے۔

۵۲۔ ﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظَّالِمِيْنَ مَعٰذِرَتُهُمْ﴾ اس روز ظالموں کو ان کا عذر کچھ فائدہ نہیں دے گا یعنی ان کا عذر قبول نہیں کیا جائے گا [”یوم یقوم“ سے بدل ہے اور نافع مدنی اور اہل کوفہ کی قراءت میں (”یسا“ کے ساتھ) ”لا یفیع“ ہے] ﴿وَلَهُمُ الْعٰنَةُ﴾ اور ان کے لیے لعنت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے (ظلم و ستم کی بناء پر) دور اور محروم کر دیئے گئے ہیں ﴿وَا لَهُمْ سُوْءُ الدَّارِ﴾ اور ان کے لیے برا گھر ہے یعنی ان کے لیے آخرت کا گھر بہت برا ہے اور وہ وہاں کا عذاب مراد ہے۔

۵۳- ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدَى﴾ اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو رہنمائی عطا فرمائی۔ اس سے وہ تمام تعلیمات مراد ہیں جو آپ کو دین کے بارے میں معجزات اور تورات شریف اور دیگر اسلامی احکام و قوانین کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائیں ﴿وَأَوْثَرْنَا بِنَبِيِّ إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ﴾ اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا یعنی تورات اور انجیل اور زبور کا کیونکہ کتاب اسم جنس ہے جو سب کو شامل ہے۔

۵۴- ﴿هُدًى وَذِكْرَى لِأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ عقل مندوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے یعنی گواہی دینے اور یاد دہانی کرانے کے لیے ہے [ان دونوں کا منصوب ہونا مفعول لہ کی بناء پر ہے یا پھر حال کی بناء پر ہے]۔

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

بِالْعَتَمِيِّ وَالْإِبْكَارِ ۝۵۵ إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَنٍ

أَتَهُمْ إِنْ فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيهِ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ

هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝۵۶ لَخَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرَ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ

وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝۵۷

سو آپ صبر کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور اپنی امت کی مغفرت کی دعا کیجئے اور صبح و شام اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کیجئے ۵ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں بغیر کسی ایسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو جھگڑا کرتے ہیں ان کے سینوں میں سوائے تکبر کے کچھ نہیں جب کہ وہ اس تک پہنچنے والے نہیں سو آپ اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کیجئے بے شک وہ ہر ایک کی سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے ۵ آسمانوں اور زمین کی پیدائش انسانوں کی پیدائش سے ضرور بہت بڑی ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۵

کفار کی تکلیفوں پر صبر کرنے کا حکم

۵۵- ﴿فَاصْبِرْ﴾ سوائے محبوب! آپ ان مصائب و آلام اور غموں پر صبر کیجئے جو آپ کی قوم آپ کو پہنچاتی ہے ﴿إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے یعنی آپ کے کلمہ اور دین کو بلند و برتر کرنے اور آپ کی مدد کرنے کا میرا وعدہ جو پہلے گزر چکا ہے وہ برحق اور سچا ہے (ضرور پورا ہوگا) ﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ﴾ ”ای لذنبا امتک“ یعنی اور آپ اپنی امت کے گناہوں کی بخشش مانگئے ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَتَمِيِّ وَالْإِبْكَارِ﴾ اور آپ صبح و شام اپنے رب تعالیٰ کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کیجئے یعنی آپ اپنے پروردگار کی عبادت اور اس کی حمد و ثناء کی ہمیشہ پابندی کیجئے اور اس پر ہمیشہ قائم رہیے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ شام سے عصر کی نماز اور صبح سے فجر کی نماز مراد ہے اور بعض نے فرمایا کہ اے محبوب! آپ ”سبحان اللہ وبحمده“ کہا کریں۔

۵۶- ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَنٍ أَتَهُمْ﴾ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں بغیر کسی ایسی دلیل کے جھگڑا کرتے ہیں جو ان کے پاس آئی ہو [اس پر وقف کرنا جائز نہیں کیونکہ ”إِنَّ“ کی خبر درج ذیل ارشاد

ہے: ﴿إِنْ فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرٌ﴾ ان کے سینوں میں صرف تکبر اور غرور ہے اور وہ آگے بڑھنے اور سب سے بڑا سردار بننے کا ارادہ کرنا ہے اور یہ خیال کرنا کہ ان سے بڑھ کر کوئی نہیں، سو اس لیے وہ آپ کی مخالفت کرتے ہیں اور آپ سے عداوت و دشمنی رکھتے ہیں اور آپ کی آیات کو رد کرتے ہیں، یہ سب کچھ محض اس خوف اور ڈر سے کرتے ہیں کہ کہیں آپ ان سے آگے نہ بڑھ جائیں اور وہ آپ کے ماتحت نہ ہو جائیں اور وہ آپ کے حکم کے تابع نہ ہو جائیں کیونکہ ہر بادشاہ اور سردار نبوت کے ماتحت ہوتا ہے یا وہ حسد اور بغاوت کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ آپ کی بجائے نبوت ان کے لیے ہو جائے اور اس پر درج ذیل ارشاد دلالت کرتا ہے: ”لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُونَا إِلَيْهِ“ (الاحقاف: ۱۱) ”اگر اس میں بھلائی ہوتی تو یہ (مسلمان) ہم سے پہلے اس کی طرف سبقت کر کے نہ پہنچتے“ یا وہ جھگڑا کر کے آیات کو رد کرنا چاہتے ہیں ﴿مَّا هُمْ إِلَّا غِيۡبٌ﴾ وہ اس تک نہیں پہنچ سکتے (یعنی) وہ تکبر و غرور کر کے مقتضاء اور اس کے موجب تک نہیں پہنچ سکتے اور اس کا تعلق نبوت و حکومت اور سرداری چاہنے کے ساتھ ہے، یا آیات کو دفع کرنے کا ارادہ کرنا ہے ﴿فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ﴾ سو آپ اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کیجئے (یعنی) پس آپ ہر اس شخص کے مکرو فریب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگئے جو آپ سے حسد اور کینہ رکھتا ہے اور آپ سے بغاوت و سرکشی کرتا ہے ﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ﴾ بے شک وہ سب کچھ سننے والا ہے جو کچھ آپ کہتے ہیں اسے بھی اور جو کچھ کفار مکہ کہتے ہیں اسے بھی وہ خوب سنتا ہے ﴿الْبَصِیْرُ﴾ سب کچھ دیکھنے والا ہے جو آپ عمل کرتے ہیں اسے اور جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں انہیں بھی وہ خوب دیکھ رہا ہے، سو وہ ان پر آپ کی مدد ضرور کرے گا اور وہ آپ کو ان کے شر سے ضرور بچائے گا۔

۵۷- ﴿لَخَلِقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ﴾ بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش انسان کی پیدائش سے بہت بڑی ہے۔ جب کفار مکہ کا اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جھگڑا کرنا مرنے کے بعد اٹھنے کے انکار پر مشتمل تھا اور یہی جھگڑے کی اصل اور اس کی بنیاد تھی تو ان پر آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے حجت قائم کی گئی، اس لیے کہ وہ اس بات کا اقرار اور اعتراف کرتے تھے کہ آسمانوں اور زمینوں کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے تو جو اتنے بڑے بڑے اجسام کی تخلیق پر قادر ہے وہ کمزور انسان کی تخلیق پر بطریق اولیٰ قادر ہے ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کیونکہ وہ ان چیزوں میں غور و فکر نہیں کرتے اس لیے کہ ان پر غفلت غالب ہوتی ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْلٰى وَالْبَصِيْرَةُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ

لَا الْمَسِيْءُ قَلِيْلًا مَّا تَدَّكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ط

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ ذٰلِحِيْنَ ﴿۶۰﴾

اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور جو مرنے والے ہیں برابر نہیں، تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو، بے شک قیامت ضرور آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں اور لیکن بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے اور تمہارے پروردگار نے فرمایا: تم مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا، بے شک جو

لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب وہ دوزخ میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے ۵

۵۸- ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا الْمَسِيءُ﴾ اور اندھا اور دیکھنے والا

اور ایمان دار اور نیک لوگ اور برا آدمی برابر نہیں ہو سکتے [”لا“ زائدہ (تحسین کلام کے لیے) ہے] ﴿قَلِيلًا مَّا تَتَذَكَّرُونَ﴾ تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو [اہل کوفہ کی قراءت میں دو تاؤں کے ساتھ (فعل مخاطب) ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک ایک ”یا“ اور ایک ”تا“ کے ساتھ (فعل جمع مذکر غائب) ”يتذكرون“ اور ”قليلًا“ مصدر محذوف کی صفت ہے اصل میں ”تذکرًا قليلًا يتذكرون“ ہے اور ”ما“ زائدہ ہے۔]

۵۹- ﴿إِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا﴾ بے شک قیامت ضرور آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں اس کا آنا

ضروری اور لازمی ہے اور اس کے آنے میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے اس لیے کہ اعمال پر جزاء ضروری اور لازمی ہے تاکہ مخلوق کی تخلیق صرف فنا کے لیے نہ ہو جائے ﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ اور لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے یعنی اس کے آنے کی تصدیق نہیں کرتے۔

۶۰- ﴿وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي﴾ اور تمہارے پروردگار نے فرمایا: مجھ سے دعا مانگو (یعنی) صرف میری عبادت کرو

﴿اسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ میں تمہارے لیے (تمہاری دعا اور عبادت کو) قبول کر لوں گا اور میں اس پر تمہیں ثواب عطا کروں گا سو دعا عبادت کے معنی میں قرآن مجید میں بہت جگہ استعمال ہوئی ہے اس پر (درج ذیل) یہ ارشاد دلالت کر رہا ہے کہ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي﴾ بے شک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر و غرور کرتے ہیں ﴿سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ﴾ وہ عنقریب دوزخ میں جائیں گے۔ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: ”الدعاء هو العبادة“ دعا عبادت ہی ہے اور آپ نے یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ اس آیت مبارکہ کا مطلب ہے: تم مجھے واحد اور یکتا مانو میں تمہیں بخش دوں گا اور یہ دعا کی عبادت کے ساتھ تفسیر ہے پھر عبادت کی توحید کے ساتھ تفسیر ہے اور بعض حضرات کا یہ قول ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم مجھ سے طلب کرو اور جو کچھ مانگنا ہے مجھ سے مانگو میں تمہیں عطا کروں گا [ابن کثیر کی اور ابو عمر و بصری کی قراءت میں ”سَيَدْخُلُونَ“ (فعل مضارع مجہول) ہے] ﴿ذُخْرَيْنَ﴾ ذلیل ہو کر ”داخرین“ بہ معنی ”صاغرین“ ہے یعنی ذلیل و خوار اور رسوا ہو کر دوزخ میں جائیں گے۔

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَذُو

فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٦١﴾ ذِكْرُ اللَّهِ رَبِّكُمْ

خَالِقِ كُلِّ شَيْءٍ ۗ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ذُفِّرُنَا بِنُورِهِ ۗ كَذَلِكَ يُؤْفِكُ الَّذِينَ

كَانُوا يَابِسُوا ۗ اللَّهُ يَجْعَلُ مَا يَشَاءُ ﴿٦٢﴾

اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو دکھانے والا بنایا بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے اور لیکن بہت سے لوگ شکر ادا نہیں کرتے ۵ وہی اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے تو تم کہاں بھٹکتے جا رہے ہو ۵ اسی طرح وہ لوگ بھٹکتے پھر رہے

تھے جو اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے تھے ۰

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر کا بیان

۶۱۔ ﴿اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهَا وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا﴾ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی کہ تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو دکھانے والا بنایا [یہ ”نہار“ کی ”مبصر“ کی طرف مجازی اسناد ہے یعنی دن میں دیکھا جاتا ہے کیونکہ حقیقت میں دیکھنا تو دن والوں کے لیے ہوتا ہے ”لیل“ کو مفعول لہ کے ساتھ اور ”نہار“ کو حال کے ساتھ ملایا گیا ہے اور نہ تو دونوں حال ہیں اور نہ دونوں مفعول لہ ہیں یہ محض مقابل کے حق کی رعایت کے لیے کیا گیا ہے اس لیے کہ وہ دونوں معنی کے اعتبار سے ایک دوسرے کے مقابل ہیں کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا حق ادا کرتا ہے اور اس لیے اگر یوں کہا جاتا کہ ”لِتَبْصُرُوا فِيهِ“ تو وہ فصاحت فوت ہو جاتی جو مجازی اسناد میں ہے اور اگر ”سَاكِنًا“ کہا جاتا تو حقیقت مجاز سے ممتاز نہ ہوتی کیونکہ ”لیل“ سکون کے ساتھ حقیقتاً موصوف ہوتی ہے کیا تم اہل عرب کے اس قول کو نہیں دیکھتے ہو: ”لیل ساج؟ وساكن لا ریح“ (کیا رات دیوار ہے؟ حالانکہ ساکن و جاد ہے ہوا نہیں ہے) [إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ] بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت فضل و کرم فرمانے والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ”لمفضل“ یا ”لمفضل“ نہیں فرمایا اس لیے کہ ”فضل“ سے عموم (نکرہ) مراد ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ایسا فضل کرتا ہے کہ کوئی فضل اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور یہ بے شک صرف نسبت سے حاصل ہوتا ہے ﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ﴾ اور لیکن بہت لوگ شکر ادا نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ نے ”وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ“ نہیں فرمایا تاکہ ”الناس“ کے ذکر کا دوبارہ تکرار لازم نہ آئے اس لیے کہ اس تکرار میں ان کے کفرانِ نعمت کی تخصیص مراد ہے اور بے شک یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل کی ناشکری کرتے ہیں اور اس کا شکر ادا نہیں کرتے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”إِنَّ الْإِنْسَانَ لِكَفُورٍ“ (الحج: ۶۲) ”بے شک انسان البتہ بہت ناشکر ہے ۰“ ایک اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”إِنَّ الْإِنْسَانَ لظَلُومٌ كَفَّارٌ“ (ابراہیم: ۳۳) ”بے شک انسان بڑا ظالم ہے بہت ناشکر ہے ۰“

۶۲۔ ﴿ذَلِكُمْ﴾ وہی تو ہے جس نے تمہارے فائدے کے لیے دن اور رات کو پیدا کیا اللہ ربکم خالق کل شیءٍ لا اله الا هو ﴿اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں یہ مترادف خبریں ہیں یعنی وہ ان اوصاف کا جامع ہے الوہیت ربوبیت ہر چیز کی تخلیق اور وحدانیت کا ﴿فَأَلِي تَتُفَكَّرُونَ﴾ سو تم کیونکر کیسے اور کس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منہ موڑ کر بتوں کی عبادت کی طرف پھرے جا رہے ہو۔

۶۳۔ ﴿كَذَلِكَ يُؤْفِكُ الَّذِينَ كَانُوا يُبَايِعُوا اللَّهَ يَجْحَدُونَ﴾ اسی طرح وہ لوگ پھیرے جاتے تھے جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے یعنی ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتا ہے اور ان میں غور و فکر نہیں کرتا اور وہ حق کو طلب نہیں کرتا اسے ایسے ہی پھیرا جاتا ہے جیسا کہ ان کو پھیرا گیا تھا۔

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُورَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمُ فَتَبَرَّكُ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۴﴾ هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ط

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۶۵﴾ قُلْ إِنِّي نُهَيْتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ

مِنْ دُونِ اللَّهِ لَمَّا جَاءَنِي الْبَيْتُ مِنْ رَبِّي وَأُمِرْتُ أَنْ أُسَلِّمَ لِلرَّبِّ

الْعَالَمِينَ ﴿۶۶﴾

اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو قرار گاہ بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں تو اس نے تمہاری صورتوں کو سب سے اچھا بنایا اور تمہیں پاکیزہ چیزوں میں سے رزق عطا فرمایا، وہی اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے، سو اللہ تعالیٰ بڑا بابرکت ہے تمام جہانوں کا پروردگار ہے O وہ (ہمیشہ) زندہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، سو تم اسی کی عبادت کرو جب کہ تم اسی کے لیے عبادت کو خالص کر لو، تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے O فرمادیتے کہ بے شک مجھے منع کر دیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو جب کہ میرے پاس میرے پروردگار کی طرف سے روشن دلیلیں آچکی ہیں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمام جہانوں کے پالنے والے کے حضور میں گردن جھکا دوں O

۶۴ - ﴿اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً﴾ اللہ تعالیٰ وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو قرار گاہ (یعنی) ٹھکانا بنایا اور آسمان کو تمہارے اوپر چھت بنایا ﴿وَصَوَّرَكُمُوهَا حَسَنًا صُورًا﴾ اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں سو اس نے تمہاری صورتیں سب سے اچھی بنائیں۔ بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی شکل و صورت سے زیادہ اچھی شکل و صورت کسی جان دار کی نہیں بنائی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو چوپایوں کی طرح حالت رکوع کی مثل جھکا ہوا اور منحنی نہیں بنایا ﴿وَدَرَّمَا كَفَّرَ مِنَ الطَّيِّبَاتِ﴾ اور اس نے تمہیں پاکیزہ چیزوں میں سے رزق عطا کیا ہے (یعنی) کھانے کی لذیذ و مزے دار چیزیں عطا کیں ﴿ذَلِكَ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَتَبَرَّكُوا لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ وہی اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے سو اللہ تعالیٰ بڑا بابرکت ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

۶۵ - ﴿هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ﴾ وہی (ہمیشہ) زندہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، سو تم اسی سے دعا مانگا کرو (یعنی) پس تم اسی کی عبادت کرو "فادعوه" بہ معنی "فاعبدوہ" ہے ﴿مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ دین کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے یعنی عبادت کو شرک اور ریاء و دکھاوے سے خالی اسی کے لیے خالص کرو یہ کہتے ہوئے کہ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ جو شخص "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کہے تو اس کے بعد "الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ" اسے ضرور کہنا چاہیے۔

۶۶ - اور جب کفار نے حضور سید عالم ﷺ سے بتوں کی عبادت کا مطالبہ کیا تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی: ﴿قُلْ إِنِّي نُهَيْتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَمَّا جَاءَنِي الْبَيْتُ مِنْ رَبِّي﴾ (اے محبوب!) فرمادیتے کہ بے شک مجھے منع کر دیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو جب کہ میرے پاس میرے پروردگار کی طرف سے روشن دلیلیں آچکی ہیں اور وہ قرآن مجید ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ وہ عقل اور وحی ہے ﴿وَأُمِرْتُ﴾

أَنْ أُسَلِّمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۶۷﴾ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمام جہانوں کے پروردگار کے لیے گردن جھکا دوں (یعنی) میں اطاعت گزار رہوں اور فرماں بردار بن کر رہوں۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ

طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشَدَّكُمْ ثُمَّ لِيََكُونُوا شِوْحًا وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّى مِنْ

قَبْلٍ وَلِتَبْلُغُوا أَجَلًا مُّسَمًّى ۖ وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۶۸﴾ هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَ

يُمِيتُ ۖ فَإِذَا قُضِيَ أَمْرُ فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۶۹﴾

وہی تو ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر جے ہوئے خون سے پھر وہ تمہیں بچہ (بنا کر ماں کے پیٹ سے) نکالتا ہے پھر تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ پھر تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ اور تم میں سے بعض کو اس سے پہلے وفات دے دی جاتی ہے اور تاکہ تم ایک مقررہ مدت تک پہنچ جاؤ تاکہ تم عقل سے کام لو وہی تو ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے سو جب وہ کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو اس سے صرف یہی فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتا ہے O

۶۷- ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ﴾ وہی ہے جس نے تمہیں یعنی تمہاری اصل کو پیدا کیا ﴿مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا﴾ مٹی سے پھر نطفہ سے پھر جے ہوئے خون سے پھر وہ تمہیں بچہ بنا کر (ماں کے شکم سے) نکالتا ہے [”طفلاً“ کہہ کر واحد پر اکتفاء کیا گیا ہے اس لیے کہ اس سے جنس کا بیان مراد ہے] ﴿ثُمَّ لِيََكُونُوا شِوْحًا﴾ پھر تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ [یہ فعل محذوف کے ساتھ متعلق ہے جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: [”ثم يبيكم (لتبلغوا)“ پھر وہ تمہیں زندہ باقی رکھتا ہے تاکہ تم اپنی جوانی کی عمر تک پہنچ جاؤ اور اسی طرح ﴿ثُمَّ لِيََكُونُوا شِوْحًا﴾ پھر تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ] ابن کثیر حمزہ کوئی علی کسائی حماد یحییٰ اور اعمش کی قراءت میں شین مکسور کے ساتھ ”شیوْحًا“ پڑھا جاتا ہے] ﴿وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّى مِنْ قَبْلٍ﴾ اور تم میں سے کچھ لوگ اس سے پہلے فوت کر دیئے جاتے ہیں یعنی جوانی کی عمر تک پہنچنے سے پہلے یا بڑھاپے سے پہلے ﴿وَلِتَبْلُغُوا أَجَلًا مُّسَمًّى﴾ اس کا معنی یہ ہے: اور یہ تمہارے ساتھ اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ تم مقررہ مدت تک پہنچ جاؤ اور وہ موت کا وقت ہے یا قیامت کا دن مراد ہے ﴿وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ اور تاکہ تم عقل سے کام لو اور اس میں جو عبرتیں اور دلیلیں ہیں ان کو سمجھو۔

۶۸- ﴿هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ فَإِذَا قُضِيَ أَمْرُ فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا بھی ہے پھر جب وہ کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو اس سے صرف یہ کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ بغیر کسی محنت کے فوری طور پر بہت جلد اس کو بنا لیتا ہے۔

الَّذِينَ كَفَرُوا فِي آيَاتِ اللَّهِ أَنْ يُصْرِفُونَ ﴿۶۹﴾ الَّذِينَ

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ وَإِنَّمَا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَحْنُ الْغَالِبُونَ ﴿۷۰﴾ إِذَا غُلَّتْ

فِي أَعْنَاقِهِمُ وَالسَّلْسِلِ يُسْحَبُونَ ۝۴۱ فِي الْحَبِيدِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ۝۴۲

ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُونَ ۝۴۳ مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالُوا ضَلُّوا

عَنَّا بَلْ لَعُنْكُمْ نَدَّاعُوا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ الْكَافِرِينَ ۝۴۴

کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جھگڑا کرتے ہیں کہاں پھیرے جاتے ہیں جنہوں نے کتاب کو جھٹلایا اور ان چیزوں کو جن کے ساتھ ہم نے رسولوں کو بھیجا سو عنقریب وہ جان لیں گے جب ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیروں کے ساتھ انہیں گھسیٹا جائے گا کھولتے ہوئے پانی میں پھر انہیں دوزخ کی آگ میں جھونکا جائے گا پھر ان سے کہا جائے گا کہ کہاں ہیں وہ جن کو تم شریک ٹھہراتے تھے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں وہ کہیں گے کہ وہ تو ہم سے گم ہو گئے بلکہ ہم تو پہلے سے ہی کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے اسی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کو گم کر دے گا

کتاب الہی کے منکروں کی سزا کا بیان

۶۹- ﴿الَّذِينَ يَدْعُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ أَنْ يُصْرِفُون﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں وہ کدھر پھیرے جا رہے ہیں۔ اس سورت میں جھگڑے کا تین جگہ ذکر کیا گیا ہے پس اس لیے یہ جائز ہے کہ یہ تین قوموں کے بارے میں ذکر کیے گئے ہوں یا یہ تین قسموں کے جھگڑے ہوں یا ایک ہی جھگڑا مراد ہو لیکن اس کی بار بار تاکید کی گئی ہو۔

۷۰- ﴿الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا﴾ ان لوگوں نے کتاب کو جھٹلا دیا (یعنی) قرآن مجید کو جھٹلا دیا ﴿وَبِمَا أَرْسَلْنَا مِنْ دُونِهَا﴾ اور (انہوں نے) اسے بھی جھٹلا دیا جس کے ساتھ ہم نے اپنے پیغمبروں کو بھیجا تھا (یعنی) سابقہ کتب کو بھی جھٹلا دیا تھا ﴿فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ﴾ سو عنقریب وہ جان لیں گے۔

۷۱، ۷۲- ﴿إِذَا الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ﴾ کیونکہ ان کی گردنوں میں طوق پڑے ہوں گے [”اذ“ ظرف زمان ماضی ہے اور یہاں اس سے مستقبل مراد ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”فسوف يعلمون“ پس عنقریب وہ جان لیں گے اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ مستقبل کے امور کی خبر دیتا ہے تو وہ قطعی اور یقینی ہوتی ہے اس لیے اسے ماضی کے لفظ ”ما کان“ اور ”وجد“ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اور معنی مستقبل مراد ہوتا ہے] ﴿وَالسَّلْسِلُ﴾ اور زنجیروں میں جکڑے ہوں گے [یہ ”الاعلال“ پر معطوف ہے اور ”فی اعناقهم“ خبر ہے] اور معنی یہ ہے: کیونکہ ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں پڑی ہوں گی ﴿يُسْحَبُونَ فِي الْحَبِيدِ﴾ ان کو سخت گرم اور کھولتے ہوئے پانی میں گھسیٹا جائے گا ﴿ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ﴾ پھر ان کو دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ ”یسجرون“ ”سجر التنور“ سے لیا گیا ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تنور ایندھن سے بھر جاتا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک انہیں جب دوزخ کی آگ میں ڈالا جائے گا تو آگ انہیں ہر طرف سے گھیر لے گی اور وہ آگ میں گھر جائیں گے ان کے پیٹ آگ سے بھر جائیں گے اور ہڈی ہو جائیں گے۔

۷۳، ۷۴- ﴿ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ﴾ پھر ان سے کہا جائے گا یعنی دوزخ کے نگران فرشتے ان سے کہیں گے کہ ﴿أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُونَ﴾ من دُونِ اللَّهِ تمہارے وہ کہاں ہیں جن کو تم شریک ٹھہراتے تھے اللہ تعالیٰ کے سوا تھے یعنی وہ بت جن

کی تم عبادت کرتے تھے ﴿قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا﴾ وہ کہیں گے: وہ ہم سے غائب ہو گئے ہیں اور وہ ہماری آنکھوں سے چھپ گئے ہیں سو ہم انہیں نہیں دیکھتے اور ان سے کوئی نفع حاصل نہیں کر سکتے ﴿بَلْ لَمْ تَكُنْ لَدَاعُوا مِن قَبْلُ شَيْئًا﴾ بلکہ ہم تو اس سے پہلے ہی ان کی عبادت نہیں کرتے تھے یعنی ہمارے لیے یہ واضح ہو گیا ہے کہ بے شک وہ بت کچھ نہیں اور نہ ہم ان کی کچھ عبادت کرتے تھے جیسے تم کہو کہ میں نے فلاں آدمی کو گمان کیا کہ وہ کوئی چیز ہے سوا چائیک معلوم ہوا کہ وہ کچھ نہیں یہ اس وقت کی بات ہے جب تم اس کے بارے میں خبر دو لیکن تم اس کے پاس کوئی بھلائی نہ پاؤ ﴿كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ الْكَافِرِينَ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کو گم کر دے گا (یعنی) جس طرح ان کے معبودان سے گم ہو جائیں گے اسی طرح اللہ تعالیٰ ان پجاری کافروں کو ان بتوں سے گم کر دے گا یہاں تک کہ اگر کفار اپنے معبودوں کو تلاش کریں گے یا ان کے معبودان کفار کو تلاش کریں گے تو ایک دوسرے کو مل نہیں سکیں گے یا جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان جھگڑنے والوں کو گمراہ کر دیا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ باقی کافروں کو بھی گمراہ کر دے گا ان میں سے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو ازل سے ہی معلوم ہے کہ وہ دین پر گمراہی کو پسند کریں گے۔

ذِكْرُ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَسْرَحُونَ ﴿٧٥﴾
 ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَبِئْسَ مَثْوًى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٧٦﴾
 فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَمَا نُزِرْنَاكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ
 تَتَوَفَّيْنَاكَ فَأَلَيْنَا يَرْجِعُونَ ﴿٧٧﴾

یہ اس لیے کہ تم زمین میں ناحق خوش ہو کر اترتے تھے اور اس لیے تم اڑتے تھے ○ تم دوزخ کے دروازوں سے اندر داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو سو تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا بہت بُرا ہے ○ سو آپ صبر کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے سوا اگر ہم آپ کو اس کا کچھ حصہ دے دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں یا ہم اس سے پہلے آپ کو وفات دے دیں تو (پھر بھی) وہ ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے ○

۷۵ - ﴿ذِكْرُ﴾ (یعنی) وہ عذاب جو تم پر نازل کیا جائے گا تو ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَسْرَحُونَ﴾ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم زمین میں ناحق خوش ہوتے تھے اور اس لیے کہ تم اڑتے اور غرور کرتے تھے (یعنی) اس کا سبب یہ ہے کہ تم ناحق خوش ہوتے اور اڑتے تھے اور وہ شرک اور بتوں کی عبادت کرنا مراد ہے چنانچہ ان سے کہا جائے گا:

۷۶ - ﴿ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ﴾ تم دوزخ کے ان ساتوں دروازوں سے اندر داخل ہو جاؤ جو تمہارے لیے تقسیم کر دیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُومٌ" (الحجر: ۴۴) "اس کے سات دروازے ہیں ان میں سے ہر دروازہ کے لیے ایک تقسیم شدہ حصہ ہے ○" ﴿خَالِدِينَ فِيهَا﴾ اس میں ہمیشہ رہیں گے (یعنی) ان کی تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے کہ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿فَبِئْسَ مَثْوًى الْمُتَكَبِّرِينَ﴾ سو حق سے تکبر کرنے والوں کے لیے بہت بُرا ٹھکانا ہے اور وہ جہنم ہے۔

۲۷۔ ﴿فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ﴾ سوائے محمد (ﷺ) آپ صبر کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ کہ کفار کو ہلاک کر دیا جائے گا برحق ہے سچا ہے ضرور پورا ہوگا ﴿فَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ﴾ پس اگر ہم آپ کو اس کا بعض حصہ دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں یا ہم اس سے پہلے آپ کو وفات دے دیں (تو پھر بھی انہوں نے ہمارے پاس ہی لوٹ آنا ہے) [”فاما نرینک“ کی اصل ”فإن نرک“ اور ”ما“ زائدہ ہے شرط کے معنی کی تاکید کے لیے ہے اور اسی لیے تو فعل کے آخر میں نون لاقیہ کیا گیا ہے کیا تم دیکھتے نہیں کہ تم ”ان تکرمنی اکرمک“ نہیں کہتے ہو لیکن ”اما تکرمنی اکرمک“ کہتے ہو] ﴿فَالْيَنَّا يُرَجِعُونَ﴾ سوائے ہماری طرف لوٹایا جائے گا [یہ جزاء ہے جو ”نتوفینک“ کے ساتھ متعلق ہے اور ”نرینک“ کی جزاء محذوف ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ”فاما نرینک بعض الذی نعدہم فذاک“] سوائے ہم آپ کو اس عذاب کا بعض حصہ دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں اور وہ بدر کے دن ان کا قتل ہو جانا ہے تو یہی ہو گا یا اگر ہم آپ کو غزوہ بدر کے دن سے پہلے وفات دے دیں تو قیامت کے دن انہیں پھر بھی ہمارے پاس ہی لوٹایا جانا ہے سو ہم اس دن ان سے سخت ترین انتقام لیں گے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْبَاطِلُونَ ﴿۴۸﴾

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو بھیجا ان میں سے بعض کا قصہ ہم نے آپ سے بیان کر دیا اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن کا قصہ ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا اور کسی رسول کے لیے جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ پیش کرنے سوجب اللہ تعالیٰ کا حکم آئے گا تو حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور اس وقت باطل والے نقصان اٹھائیں گے

۲۸۔ ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ﴾ اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو بھیجا ہے (یعنی انہیں آپ سے پہلے اپنی اپنی امت کی طرف بھیجا گیا تھا) ﴿مِنْهُمْ مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ﴾ ان میں سے بعض کے حالات ہم نے آپ پر بیان کر دیئے ہیں اور ان میں سے بعض کے حالات ہم نے آپ سے بیان نہیں کیئے بعض حضرات نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار نبی بھیجے ہیں چار ہزار نبی بنی اسرائیل میں سے اور چار ہزار نبی باقی لوگوں میں سے بھیجے گئے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک حبشی نبی بنا کر بھیجا سو قرآن مجید میں جن انبیائے کرام کا ذکر نہیں کیا گیا ہے انہیں میں سے یہ بھی ہے ﴿وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ﴾ علامہ شیخ اسماعیل حنفی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

شرح القاصد میں ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ سے پوچھا کہ انبیاء کی تعداد کتنی ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے پھر میں نے عرض کیا: رسل کرام کی تعداد کتنی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تین سو تیرہ۔ علمائے اسلام نے فرمایا: بہتر یہ ہے کہ انبیائے کرام کی کتنی کے متعلق تعین نہ کیا جائے اس لیے کہ خبر واحد اپنی جملہ شرائط کے باوجود صرف ظن کا فائدہ دیتی ہے وہ بھی صرف فروع (احکام و مسائل) میں فائدہ دیتی ہے عقائد میں فائدہ نہیں دیتی۔

(تفسیر روح البیان مترجم پارہ: ۲۳، ص ۲۵، مطبوعہ مکتبہ اوسینیہ رضویہ بہاولپور)

﴿الْبَيِّنَاتِ﴾ اور کسی رسول کے لیے جائز نہیں کہ وہ کوئی معجزہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر پیش کرے۔ کفار مکہ کی طرف سے تعصب و عناد کی بناء پر من پسند معجزات طلب کرنے پر یہ جواب دیا گیا ہے یعنی بے شک ہم نے بہت سے رسولوں کو دنیا میں بھیجا اور ان میں سے کسی کے لیے جائز نہیں رکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ پیش کرے سو پھر میرے لیے کیسے جائز ہو گا کہ میں تمہارے دل پسند معجزات میں سے کوئی معجزہ پیش کروں جس کا تم مجھ سے مطالبہ کرتے ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ خود چاہتا ہو اور وہ اسے پیش کرنے کی مجھے اجازت دے دے ﴿فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ﴾ پھر جب اللہ تعالیٰ کا حکم آئے گا یعنی قیامت کا دن اور کفار مکہ کے معجزات طلب کرنے کے بعد یہ ان کی تردید اور وعید (دھمکی) ہے ﴿قَفِيْ بِالْحَقِّ وَحَسِبْ هَٰذَا لِكَالْبَطْلُوْنَ﴾ حق کے ساتھ سچا فیصلہ کیا جائے گا اور وہاں اس روز باطل پرست خسارے اور نقصان میں رہیں گے (یعنی) بغض و عناد رکھنے والے کفار جنہوں نے اپنی پسند کے معجزے کا مطالبہ کیا تھا۔

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَنْعَامَ لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٧٩﴾ وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴿٨٠﴾ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ ۖ فَآيَىٰ آيَاتِ اللَّهِ تُنْكِرُونَ ﴿٨١﴾ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَأَثَارًا فِي الْأَرْضِ ۖ فَمَا أَخْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٢﴾

اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہارے لیے چوپائے پیدا کیے تاکہ ان میں سے بعض پر تم سوار ہو اور ان میں سے بعض کو کھاؤ اور تمہارے لیے ان میں بہت فائدے ہیں اور تاکہ ان پر سوار ہو کر اپنی حاجت تک پہنچ سکو جو تمہارے سینوں میں ہے اور ان پر اور کشتیوں پر تمہیں سوار کیا جاتا ہے اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے سو تم اللہ تعالیٰ کی کون سی آیتوں کا انکار کرو گے تو کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا، سو دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیسا ہوا وہ ان سے تعداد میں زیادہ تھے اور قوت میں زیادہ سخت تھے اور زمین میں عمارتیں بنانے میں زیادہ سخت تھے سو انہوں نے جو کچھ کمایا تھا اس نے انہیں کوئی فائدہ نہیں دیا۔

اللہ تعالیٰ کے انعامات اور منکروں کے انجام بد کا بیان

۷۹۔ ﴿اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَنْعَامَ﴾ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہارے لیے چوپائے پیدا کیے (یعنی) اونٹ، بیداکے "جعل" بہ معنی "خلق" ہے ﴿لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ﴾ تاکہ تم ان سے کسی پر سوار ہو اور ان سے کسی کو کھاؤ یعنی تاکہ تم ان میں سے بعض پر سواری کرو اور ان میں سے بعض کا گوشت کھاؤ۔

۸۰۔ ﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ﴾ اور تمہارے لیے ان میں بہت سے فائدے ہیں یعنی دودھ، اون اور چمڑے وغیرہ ﴿وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ﴾ اور تاکہ تم ان پر سوار ہو کر اپنی حاجت تک پہنچ سکو جو تمہارے سینوں میں ہوتی

ہے یعنی تاکہ تم ان پر سوار ہو کر ان امور و مقاصد تک پہنچ سکو جن کی تمہیں ضرورت ہوتی ہے ﴿وَعَلَيْهَا﴾ اور ان پر (یعنی) ان جانوروں پر ﴿وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ﴾ اور کشتیوں پر تم سوار کیے جاتے ہو یعنی تم صرف اکیلے اونٹوں پر سوار نہیں ہوتے بلکہ تم جنگلوں اور صحراؤں میں اور خشکی کے سفر میں اونٹوں پر اور دریاؤں میں کشتیوں میں سوار ہوتے ہو۔

۸۱- ﴿وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ ۗ فَآتَىٰ آيَاتِ اللَّهِ تُنَكِّرُونَ﴾ اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے سو تم اللہ تعالیٰ کی کون سی آیتوں کا انکار کرو گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں [اور "آئی" "تنکرون" کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ مشہور و معروف لغت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور تمہارا یہ قول کہ "فآتای آیات اللہ" بہت کم استعمال ہوتا ہے اس لیے کہ مذکور اور مؤنث میں فرق صرف اسماء میں ہوتا ہے صفات میں نہیں جیسے "حمار" کی مؤنث "خمارة" غریب ہے اور یہ "آئی" میں زیادہ غریب ہے کیونکہ یہ مبہم ہے۔]

۸۲- ﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْهُمْ ۗ عَدَدًا﴾ تو کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا سو وہ غور سے دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں ان کا انجام کیا ہوا وہ لوگ تو تعداد میں ان سے بہت زیادہ تھے ﴿وَأَشَدَّ قُوَّةً﴾ "بدنا" اور وہ لوگ بدنی اور جسمانی قوت و طاقت میں قریش مکہ سے زیادہ سخت تھے ﴿وَأَنكَرًا فِي الْأَرْضِ﴾ اور وہ زمین میں مکانات و محلات اور پانی جمع کرنے کے لیے حوض تعمیر کرنے کے لیے بہت سخت محنت تھے ﴿فَمَا آغْنَىٰ عَنْهُمْ مَالُهُمْ أَن يَكْسِبُون﴾ سوان کو ان چیزوں نے کوئی فائدہ نہیں دیا تھا جو وہ کمایا کرتے تھے ["فما اغنی عنهم" میں حرف "ما" نافیہ ہے۔]

فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۸۲﴾ فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحَدَاهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا يَكْفُرُونَ ﴿۸۳﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُنَّتِ اللَّهُ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ ۗ وَخَسِرْتُمْ أَلْسِنَتَكُمْ لَكُفْرَانِكُمْ ﴿۸۴﴾

سو جب ان کے رسول ان کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے تو وہ اسی پر خوش رہے جو دنیا کا علم ان کے پاس تھا اور ان کو اسی چیز نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے ○ پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے: ہم اللہ پر ایمان لائے جو ایک ہے اور ہم نے ان سب چیزوں کا انکار کر دیا جن کو ہم شریک ٹھہراتے تھے ○ سوان کے ایمان نے انہیں اس وقت فائدہ نہ دیا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا لیا اللہ تعالیٰ کا دستور ہے جو یقیناً اس کے بندوں میں گزر چکا ہے اور وہاں اس وقت کفار نقصان میں رہے ○

۸۳- ﴿فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ﴾ پھر جب ان کے پاس ان کے رسول واضح معجزات اور روشن دلائل لے کر آئے تو وہ دنیا کے اسی علم پر خوش رہے جو ان کے پاس تھا۔ ان کے علم سے دنیا کے معاملات کا علم اور ان معاملات کو بروئے کار لانے کے لیے تدبیر اختیار کرنے اور منصوبہ بندی کرنے کی معرفت مراد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ ○" (اروم: ۷)

”وہ دنیا کی زندگی کی ظاہری حالت کو جانتے ہیں اور وہ آخرت سے بالکل ہی غافل اور بے خبر ہیں“ پھر جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کے پیغمبر دینیات کے علوم لائے اور یہ علوم ان کے علم سے بہت دور تھے کیونکہ وہ دنیا کو ترک کرنے اور خواہشات اور لذت کی چیزوں سے باز آنے کی ترغیب دیتے تھے تو اس لیے انہوں نے ان علوم کی طرف توجہ نہیں دی اور انہوں نے ان علوم کو حقیر قرار دیا اور انہوں نے ان کا مذاق اڑایا اور یقین کر لیا کہ ان کے دنیاوی علم سے زیادہ کوئی علم فائدہ اور نفع دینے والا نہیں ہے سو وہ اس پر خوش ہو گئے یا پھر فلاسفہ اور دھریوں کا علم مراد ہے کیونکہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحی کو سنا تو انہوں نے اس کو رد کر دیا اور انہوں نے اپنے علم کے مقابلے میں انبیائے کرام علیہم السلام کے علم کو حقیر جانا اور سقراط کے بارے میں منقول ہے کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق سنا اور اس سے کہا گیا: کاش! تم ان کی طرف ہجرت کر کے جاتے اور ان کے علم سے مستفید ہوتے تو اس نے کہا کہ ہم خود مہذب قوم ہیں ہمیں کسی ایسے شخص کی حاجت اور ضرورت نہیں جو ہمیں تہذیب کی تعلیم دے یا یہ مراد ہے کہ وہ رسولوں کی تعلیمات پر ہنسی کرنے اور مذاق اڑانے کی خوشی کی طرح خوش ہوئے، گویا کہا کہ تم رسولوں کے معجزات کا مذاق اڑاؤ اور وہ جو کچھ وحی کا علم لے کر آئے ہیں اس کا مذاق اڑاؤ جب کہ وہ اس پر خوش ہوتے اور اڑتے تھے اور اس پر (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ دلالت کر رہا ہے: ﴿وَحَاقَ بِهٖمُ حَقُّهَا كَانُوۡا بِهٖۤ یَسْتَهْزِءُوۡنَ﴾ اور ان کو اس چیز نے گھر لیا تھا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے یا پھر رسولوں کی خوشی مراد ہے یعنی جب رسولوں نے ان کی جہالت کو اور حق کا مذاق اڑانے کی ان کی روش کو دیکھا اور انہوں نے ان کے بُرے انجام کو جان لیا اور ان کی جہالت اور مذاق اڑانے پر انہیں جو سزا ملے گی اس کو جان لیا تو وہ اپنے اس علم پر خوش ہوئے جو انہیں وحی کے ذریعے عطا کیا گیا اور انہوں نے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور جب کہ کافروں کو ان کی جہالت اور مذاق اڑانے کی سزا نے گھیر لیا۔

۸۴- ﴿فَلَمَّا رَاۡوَاۡیَا سَنَّا﴾ سو جب انہوں نے ہمارے عذاب کو (یعنی) ہمارے عذاب کی سختی کو دیکھا ﴿قَالُوۡا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحَدَاہٖۤ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّاۤیۡہٖۤ مُشْرِکِیۡنَ﴾ تو کہنے لگے: ہم ایک اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں اور جن چیزوں کو ہم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے ان کا ہم نے انکار کر دیا ہے۔

۸۵- ﴿فَلَمَّۤیۡنَکَ یَنْفَعُہُمُۥمَّۤ اٰیٰتُنَا ثُمَّ لَمَّا رَاۡوَاۡیَا سَنَّا﴾ پس جب انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھ لیا تو ان کے ایمان نے انہیں کچھ فائدہ اور نفع نہ دیا یعنی ان کے ایمان کا ان کو نفع دینا صحیح اور درست نہ ہوا (کیونکہ یاس اور ناامیدی کے وقت ایمان لانا قابل قبول نہیں) ﴿سُنَّتِ اللّٰہِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا دستور اور طریقہ ہے، بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے قائم مقام ہے اور اسی طرح تاکید مصادروں ہوتے ہیں ﴿الَّتِیۡ قَدْ خَلَتۡ فِیۡ عِبَادِنَا﴾ جو بلاشبہ اس کے بندوں میں گزر چکا ہے کہ نزول عذاب کے وقت ایمان لانا نفع نہیں دیتا اور رسولوں کو جھٹلانے والوں پر عذاب ضرور نازل ہوتا ہے ﴿وَخَسِرَۤہُنَا لَکَ الْکٰفِرُوۡنَ﴾ اور اس وقت کفار خسارے میں اور نقصان میں رہیں گے اور کفار تو تمام اوقات میں نقصان میں رہتے ہیں لیکن ان کا نقصان اس وقت واضح ہو کر سامنے آجائے گا جب وہ اپنی آنکھوں سے عذاب کو دیکھیں گے [”ہنالک“ اسم مکان ہے لیکن یہاں زمان کے معنی کے لیے مستعار لیا گیا ہے واضح ہو کہ ان آیات میں بار بار حرف ”فا“ کا ایک دوسرے کے پیچھے لانے کا فائدہ یہ ہے کہ ”فما اغنی عنہم“، ”کانوا اکثر منہم“ کا نتیجہ ہے اور ”فلما جاء تہم“، ”فما اغنی عنہم“ کے بیان اور تفسیر کی مانند ہے جیسے یہ قول ہے: ”رزق زید المال“ زید کا رزق مال ہے اور ”فمنع المعروف فلم یحسن الی الفقراء“ سو فلاں آدمی سبکی سے روک دیا گیا، پس اس نے محتاجوں کے ساتھ سبکی نہیں کی اور ”فلما راوا باسنا“

ارشاد باری تعالیٰ: "فلما جاءتهم" کے تابع ہے گویا فرمایا: سو انہوں نے کفر کیا، پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو ایمان لے آئے اور اسی طرح "فلم يك ينفعهم" ان کے ایمان لانے کے تابع ہے جب کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا عذاب دیکھ لیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورہ حم السجده کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی چون آیات چھ رکوع ہیں

ح۱ تَنْزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ كِتَابٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا

لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝۳ بِشِیْرٍ اَوْ نَذِیْرًا ۝۴ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۝۵

قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْ اَكْثَرِ مَّا تَدْعُوْنَا اِلَیْهِ وَفِیْ اٰذَانِنَا وَقَدْ وَّرٰوْنَا مِنْ بَیْنِنَا

وَبَیْنِكَ حِجَابٌ فَاَعْمَلْ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۝۶

الثالثة

حم ۰ یہ بہت مہربان بے حد رحم فرمانے والے کی طرف سے نازل کیا گیا ہے ۰ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتوں کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے عربی قرآن ہے ایسی قوم کے لیے جو (عربی) جانتے ہیں ۰ خوش خبری دینے والا اور ڈر سنانے والا ہے سو ان میں سے اکثر لوگوں نے منہ پھیر لیا پس وہ نہیں سنتے ۰ اور انہوں نے کہا: جس چیز کی طرف آپ ہمیں بلا تے ہیں اس سے ہمارے دل پردے میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے درمیان اور آپ کے درمیان ایک پردہ ہے سو آپ اپنا کام کیجئے بے شک ہم اپنا کام کرنے والے ہیں ۰

قرآن مجید کے نزول کی حکمت اور کفار کے عناد و انکار کا بیان

سورت فصلت (یا حم سجده) کی ہے اور اس کی چون (۵۴) آیات ہیں۔

۱ تا ۳ - ﴿ ح۱ تَنْزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ كِتَابٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴾ یہ کتاب بہت

مہربان بے حد رحم فرمانے والے خدا کی طرف سے نازل کی گئی ہے جس کی آیتوں کو جدا جدا بیان کیا گیا ہے عربی قرآن ہے ایسی قوم کے لیے جو عربی جانتے ہیں [اگر "حم" کو اس سورت کا نام قرار دیا جائے تو پھر یہ مبتدا ہوگا اور "تنزیل" اس کی خبر ہوگی اور اگر اس کو حروف کے لیے گنتی قرار دیا جائے تو پھر "تنزیل" مبتدا محذوف کی خبر ہوگی اور "کتاب" "تنزیل" سے بدل ہوگا یا خبر کے بعد دوسری خبر ہوگی یا پھر یہ بھی مبتدا محذوف کی خبر ہوگی یا "تنزیل" مبتدا ہے اور "من الرحمن الرحیم" اس کی صفت ہے "کتاب" اس کی خبر ہے اور "قرآنا عربیا" اختصاص اور مدح کی بناء پر منصوب ہے یعنی اس مفصل کتاب سے قرآن مجید مراد ہے جس کی صفت اس طرح اور اس طرح ہے یا حال کی بناء پر منصوب ہے یعنی اس کتاب کی آیتیں تفصیل سے بیان کی گئی ہیں درآں حالیکہ وہ عربی قرآن ہے اور "لقوم" "تنزیل" کے ساتھ متعلق ہے یا "فصلت" کے ساتھ متعلق ہے یعنی یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں کی خاطر نازل کی گئی ہے یا اس کی آیتیں انہیں کے لیے مفصل بیان کی گئی ہیں اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اپنے ما قبل اور اپنے ما بعد کی طرح یہ بھی صفت ہے یعنی "قرآنا عربیا" کائنا (لقوم) عرب [

﴿فَصَلَّتْ إِلَيْهِ﴾ اس کی آیتیں مختلف معانی کے لیے الگ الگ اور جدا جدا بیان کی گئی ہیں مثلاً بعض احکام کے لیے اور بعض مثالیں بیان کرنے کے لیے اور بعض مواضع یعنی وعظ و نصیحت کے لیے اور بعض وعدوں کے لیے اور بعض وعیدوں (ڈرانے) کے لیے وغیرہ وغیرہ کے لیے بیان کی گئی ہیں ﴿لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ﴾ ”ای لقوم عرب“ یعنی یہ کتاب عرب کے لیے نازل کی گئی جو یہ جانتے ہیں کہ ان کی اپنی عربی زبان میں جو آیات ان پر نازل کی گئی ہیں انہیں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

۴- ﴿بَشِيرًا وَنَذِيرًا﴾ یہ قرآن مجید (نیکیوں کو جنت کی) خوش خبری سنانے والا ہے اور (بدکاروں کو دوزخ کے عذاب سے) ڈرانے والا ہے [یہ دونوں کلمے ”قرآناً“ کی صفات ہیں] ﴿فَاعْرَضْ كَتَرَهُمْ فَهَمْ لَا يَسْمَعُونَ﴾ سوان میں سے بہت سے لوگوں نے روگردانی کی پس وہ نہیں سنتے یعنی وہ قبول نہیں کرتے جیسے تم کہو: ”تَشَفَّعْتُ إِلَيْهِ فَلَنْ قَلِمٌ يَسْمَعُ قَوْلِي“ میں نے فلاں آدمی کو سفارش کی تو اس نے میری بات نہیں سنی حالانکہ اس نے اس کی بات سنی تھی، لیکن جب اس نے اس کی بات قبول نہ کی اور اس کے تقاضے پر عمل نہ کیا تو گویا اس نے اسے نہیں سنا۔

۵- ﴿وَقَالُوا اقْتُلُوا نَبِيَّيْنَا كَيْفَ تَكُونُ﴾ اور انہوں نے کہا: ہمارے دل پردوں میں ہیں [”اکنہ“ بہ معنی ”اغطیۃ“ ہے یعنی پردے یہ ”کنان“ کی جمع ہے اور ”اغطیۃ“، ”غطاء“ کی جمع ہے] ﴿مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ﴾ اس سے جس کی طرف تم ہمیں بلا تے ہو (یعنی) توحید سے ﴿وَفِي آذَانِنَا وَقُورٌ﴾ اور ہمارے کانوں میں نقل اور بوجھ ہے جو آپ کی بات سننے سے مانع ہے ﴿وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكُمْ حِجَابٌ﴾ اور ہمارے درمیان اور آپ کے درمیان ایک حجاب اور پردہ ہے اور یہ تمام مثالیں اس بات کے لیے ہیں کہ ان کے دل حق قبول کرنے اور اس پر اعتقاد رکھنے سے بہت دور ہیں گویا وہ غلاف کے اندر اور پردوں میں چھپے ہوئے ہیں ان میں کوئی چیز نافذ اور جاری نہیں ہو سکتی اور ان کے کان آپ کی بات سننے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے گویا وہ بہرے ہیں اور دونوں مذاہب اور دونوں ادیان باہمی دوری کی وجہ سے گویا ان کے اور جس عقیدہ پر وہ قائم ہیں اس کے درمیان اور رسول اللہ ﷺ اور جس عقیدہ توحید پر آپ قائم ہیں اس کے درمیان مخفی اور پوشیدہ پردہ حائل ہے اور پہاڑ یا اس طرح کی کوئی آڑ ہے جو اتفاق و اتحاد سے رکاوٹ ہے جو ان دونوں کو آپس میں ملنے نہیں دیتی ہے اور نہ دیکھنے دیتی ہے ﴿فَاعْمَلْ﴾ سو آپ اپنے دین پر عمل کیجئے ﴿إِنَّا حَاطِبُونَ﴾ بے شک ہم اپنے دین پر عمل کرنے والے ہیں یا یہ معنی ہے کہ آپ ہمارے مشن کے مٹانے کے لیے کام کیجئے اور ہم آپ کے مشن کو مٹانے کے لیے کام کرنے والے ہیں اور حرف ”من“ کے اضافے کا فائدہ یہ ہے کہ پردے کا آغاز دونوں اطراف سے ہے سو درمیان کی مسافت دونوں اطراف سے پردے سے گھری ہوئی ہے اس میں کوئی جگہ خالی نہیں ہے اور اگر ”بیننا و بینک حجاب“ کہا جاتا تو پھر معنی صرف یہ ہوتا کہ پردہ دونوں اطراف کے درمیان میں حائل ہے۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَاحِدًا فَاسْتَقِيمُوا
إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوا لَهُ وَوَيْلٌ لِلْمُشْرِكِينَ ۖ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ
وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ۖ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ
أَجْرٌ غَيْرُ مَسْئُونٍ ۖ

(اے محبوب!) فرمادیجئے کہ بے شک میں بہ ظاہر تمہاری طرح انسان ہوں (جن یا فرشتہ نہیں ہوں) میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ بے شک تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے، سو تم اسی کی طرف سیدھے رہو اور تم اسی سے بخشش طلب کرو اور مشرکوں کے لیے ہلاکت ہے۔ جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور وہ آخرت کے بالکل منکر ہیں۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کے لیے ایسا اجر و ثواب ہے جو کبھی ختم نہیں کیا جائے گا۔

۶- ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَىٰ أَنبِيَآءِ الْهُكْمِ إِلَهُ وَاحِدًا﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ بے شک میں بہ ظاہر تمہاری طرح انسان ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ بے شک تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے۔ اس آیت مبارکہ میں ان (کفار مکہ) کے قول ”قُلُوبُنَا فِيْ اِكْنَةِ“ ہمارے دل پردوں میں ہیں، کا جواب دیا گیا ہے اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے ارشاد فرمایا: بے شک میں فرشتہ نہیں ہوں اور بے شک میں بہ ظاہر تمہاری طرح انسان ہوں اور بے شک میری طرف تو وحی کی جاتی ہے جب کہ تمہاری طرف نہیں، سو میری طرف وحی آنے کی وجہ سے میری نبوت مبارکہ میں ان (کفار مکہ) کے قول ”قُلُوبُنَا فِيْ اِكْنَةِ“ میں نہ تو فرشتہ ہوں اور نہ جن ہوں کہ تمہارے لیے اس سے استفادہ ناممکن ہو جائے۔ اس آیت مبارکہ میں ان (کفار مکہ) کے قول ”قُلُوبُنَا فِيْ اِكْنَةِ“ کی تردید کی گئی ہے۔

(تفسیر روح المعانی الجزء الرابع والخمسون ص ۹۷، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور) حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ”علمہ اللہ تعالیٰ التواضع“ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے تواضع اور عاجزی اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۲۸۱، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی، تفسیر معالم التزیل عرف بغوی ج ۳ ص ۱۰۷، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، تفسیر لباب التاویل عرف خازن ج ۳ ص ۸۵، مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ، مصر) حضرت صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت مبارکہ کی بڑی ایمان افروز تشریح فرمائی ہے کہ

میں دیکھا بھی جاتا ہوں، میری بات بھی سنی جاتی ہے اور میرے تمہارے درمیان میں بہ ظاہر کوئی جنسی مغائرت بھی نہیں ہے تو تمہارا یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ میری بات نہ تمہارے دل تک پہنچے نہ تمہارے سینے میں آئے اور تمہارے درمیان کوئی روک ہو البتہ میری بجائے کوئی غیر جنس جن یا فرشتہ آتا تو تم کہہ سکتے تھے کہ نہ وہ ہمارے دیکھنے میں آئیں نہ ان کی بات سننے میں آئے اور نہ ہم ان کے کلام کو سمجھ سکیں، ہمارے اور ان کے درمیان تو جنسی مخالفت ہی بڑی روک ہے لیکن یہاں تو ایسا نہیں ہے کیونکہ میں بشری صورت میں جلوہ نما ہوا ہوں، سو تمہیں مجھ سے مانوس ہونا چاہیے اور میرے کلام کے سمجھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی بہت کوشش کرنی چاہیے کیونکہ میرا مرتبہ بہت بلند ہے اور میرا کلام بہت عالی ہے، اس لیے کہ میں وہی کہتا ہوں جو مجھے وحی ہوتی ہے۔

فائدہ: حضور سید عالم ﷺ کا بلحاظ ظاہر ”انا بشر مثلکم“ فرمانا حکمت ہدایت و ارشاد کے لیے بہ طریق تواضع ہے اور جو کلمات تواضع کے لیے کہے جائیں وہ تواضع کرنے والے کے علو منصب کی دلیل ہوتے ہیں۔ چھوٹوں کا ان کلمات کو اس کی شان میں کہنا یا ان سے برابری ڈھونڈنا ترک ادب اور گستاخی ہوتا ہے تو اس لیے کسی امتی کو رد اور جائز نہیں کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مماثل ہونے کا دعویٰ کرے، یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ آپ کی بشریت بھی سب سے اعلیٰ ہے، ہماری بشریت کو اس سے کچھ نسبت نہیں۔

(تفسیر خزائن العرفان ص ۸۵، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور) نوٹ: اس مسئلہ کی تفصیل اور وجہ تشبیہ سورہ کہف: ۱۰۱ کے تحت تفسیر مدارک کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

صحیح اور ثابت ہوگئی اور جب میری نبوت صحیح ہوگئی تو تم پر میری اتباع اور میری پیروی کرنا واجب ہوگئی اور میری طرف جو کچھ وحی کی جاتی ہے اس میں ایک یہ ہے کہ بے شک تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے ﴿فَاسْتَقِمْ صُورًا لِّیْکُمْ﴾ سو تم اسی کی طرف سیدھے رہو اور تم عقیدہ توحید اور عبادت کے اخلاص کے ساتھ اسی اللہ تعالیٰ کی طرف برابر قائم و دائم رہو دائیں اور بائیں نہ جاؤ اور نہ تم ان چیزوں کی طرف متوجہ ہونے کی کوشش کرو جن کو شیطان نے تمہارے دوست اور سفارشی بنا کر تمہارے لیے آراستہ کر لیا ہے ﴿وَاسْتَغْفِرُوا لَهُ﴾ اور تم اس کی بارگاہ میں شرک سے معافی اور مغفرت طلب کرو ﴿وَدَوِّیْلًا لِّلْمُشْرِکِیْنَ﴾ اور شرک کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔

۷- ﴿الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُونَ الزَّکٰوةَ﴾ جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے (یعنی) جو لوگ نہ زکوٰۃ کے فرض ہونے پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ مشرکین وہ کام نہیں کرتے جس کے ساتھ زکوٰۃ دینے والے متصف ہیں اور وہ ایمان لانا ہے ﴿وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ کٰفِرُوْنَ﴾ اور وہ آخرت کا انکار کرنے والے ہیں (یعنی) وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے اور اجر و ثواب اور عذاب و سزا ملنے کا انکار کرتے ہیں اور بے شک یہاں آخرت کے انکار کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر متصل اس لیے جمع کیا گیا ہے کہ انسان کے لیے سب سے زیادہ پیاری چیز اس کا مال ہوتا ہے اور یہی مال انسان کی روح کو پر اگندہ اور منتشر کر دیتا ہے پھر جب کوئی شخص اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو یہ سخاوت اس کی استقامت اور اس کی نیت کی سچائی اور اس کے ارادہ کے خالص ہونے کی قوی دلیل بن جاتی ہے اور اس لیے دنیا کے بچے کھچے مال زکوٰۃ میں سے بعض نادار کفار کے دلوں کو نرم کرنے کے لیے کچھ مال دیا جاتا تھا جنہیں ”مؤلفۃ القلوب“ کہا گیا ہے اس کرم نوازی کی وجہ سے ان کا تعصب ٹھنڈا پڑ جاتا اور ان کا انتقام کا جذبہ نرم پڑ جاتا اور بنو حنیفہ کا قبیلہ صرف زکوٰۃ روک لینے کی وجہ سے مرتد ہو گیا تھا اور اس میں مسلمانوں کو زکوٰۃ ادا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور زکوٰۃ روکنے سے سخت ڈرایا گیا ہے۔

۸- ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَسْکُوْنٍ﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک کام کیے ان کے لیے کبھی نہ ختم ہونے والا اجر و ثواب ہے (یعنی) کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ بیماروں اور لنگڑوں اور سخت بوڑھوں کے حق میں نازل ہوئی ان کو اسی طرح اجر و ثواب ملتا رہے گا جس طرح یہ لوگ ان عوارض کے لاحق ہونے سے پہلے عمل کرتے تھے۔

قُلْ اَیُّکُمْ لَکْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنٍ وَتَجْعَلُوْنَ لَهَا
اِنْدَادًا ۗ ذٰلِکَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ وَجَعَلَ فِیْہَا رَوٰسِیًۭا مِنْ فَوْقِہَا وَبَرَکَ
فِیْہَا وَقَدَّرَ فِیْہَا اَقْوَامًا فِیْ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ۗ سَوَآءٌ لِّلسَّآئِلِیْنَ ۙ ثُمَّ
اَسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ وَہِیْ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وِلِلْاَرْضِ اَنْتِیَا طَوْعًا
اَوْ کَرْہًا ۗ قَالَتَا اَنْتِنَا طَآئِعِیْنَ ۙ

(اے محبوب!) فرمادینے: کیا تم یقیناً اس ذات کے ساتھ کفر کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین کو پیدا کیا اور تم اس کے لیے شریک ٹھہراتے ہو وہی تمام جہانوں کا پالنے والا ہے O اور اس نے بلند و بالا بھاری پہاڑ اس میں نصب کر دیئے اور

اس نے اس میں برکت رکھی اور اس نے اس میں بسنے والوں کے لیے چار دنوں میں ان کی غذائیں مقرر فرمائیں، جو سب مانگنے والوں کے لیے برابر ہیں۔ پھر اس نے آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ اس وقت دھواں تھا، سو اس نے اسے اور زمین کو فرمایا: تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو، ان دونوں نے عرض کیا: ہم اپنی خوشی سے حاضر ہوئے۔

قدرت الہی کے مناظر اور عاد و شمود کے بد انجام کے ذریعے کفر و شرک کی مذمت

۹۔ ﴿قُلْ اَيْتَكُمْ لَيْسَ الْاَرْضُ فِي يَوْمَيْنِ﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ کیا تم یقیناً اس ذات کے ساتھ کفر کرتے ہو جس نے زمین کو صرف دو دن میں پیدا فرمایا، تو اور پیر کو یہ دو دن صرف انسانوں کی تعلیم کے لیے ہیں ورنہ اگر وہ چاہتا تو اسے ایک لمحہ میں پیدا کر دیتا ﴿وَتَجْعَلُونَ لَهَا آتِذَا ط﴾ اور تم اس کے لیے بہت سے شریک اور مماثل و ہمسر ٹھہراتے ہو ﴿ذٰلِكَ﴾ پہلے جو گزر چکا ہے اس کو اسی نے پیدا کیا ہے جو ﴿رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اور تمام موجودات کا خالق و مالک اور سب کا آقا ہے اور سب کا مربی ہے۔

۱۰۔ ﴿وَجَعَلَ فِيْهَا رِوٰسِي﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس میں (یعنی) زمین میں ثابت و قائم رہنے والے مضبوط و بھاری پہاڑوں کو بنایا ﴿مِنْ فَوْقِهَا﴾ جو اس کی سطح سے بلند اور اوپر اٹھے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے زمین کے اوپر پہاڑوں کو اس لیے بلند کیا تاکہ پہاڑوں کے فائدے اور ان کے منافع تلاش کرنے والوں کے لیے ظاہر ہو جائیں اور تاکہ یہ بھی دیکھا جائے کہ بے شک زمین اور پہاڑ بھاری بھر کم بوجھ پر بوجھ ہونے کے باوجود سب اپنے روکنے والے اور ٹھہرانے والے کے محتاج ہیں اور وہ صرف اللہ عزوجل ہے ﴿وَبِرَبِّكَ فِيْهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس میں برکتیں رکھی ہیں (یعنی) اللہ تعالیٰ نے زمین میں پانی کے دریا اور چشمے اور کھیتیاں اور درخت، باغات اور پھل وغیرہ کی بہت سی برکتیں رکھی ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ”بارک فیہا“ بہ معنی ”اکثر خیرھا“ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کی خیر و بھلائی کو بہت بڑھا دیا ہے ﴿وَقَدْ اَدْرٰكُ فِيْهَا اَقْوَاتَهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے زمین میں اس کے باشندوں کے لیے روزیاں اور ان کی زندگی گزارنے کی ضروریات اور ان کی دنیا کی بھلائی تمام چیزیں مقدر و مقرر فرمادیں اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ”واقسم فیہا اقواتھا“ پڑھا ہے ﴿فِيْ اَرْبَعَةِ اَيّٰمٍ﴾ چار دنوں میں بلکہ چار دنوں کے تہہ میں اور تہہ سے دو دن مراد ہیں (دو دن پہلے جن میں زمین تخلیق ہوئی اور دو دن یہ جن میں اہل زمین کی روزیوں کو مقدر کیا گیا تو مجموعہ چار دن ہوئے) جیسے تم کہو: ”سورت من البصرة الی بغداد فی عشرة والی الکوفة فی خمسة عشر“ میں نے بصرہ سے کوفہ تک دس دن میں سفر کیا اور کوفہ تک پندرہ دن میں یعنی پندرہ کے تہہ میں اور اس کو مقدر ماننا ضروری ہے اس لیے کہ اگر ظاہر پر کلام کو جاری کیا جائے تو پھر آٹھ دن ہو جائیں گے یہ اس لیے کہ پہلے ارشاد ہوا: ”خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ“ اللہ تعالیٰ نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا، پھر ارشاد ہوا: ”وقدر فیہا اقواتھا فی اربعة ايام“ اور اللہ تعالیٰ نے اس میں بسنے والوں کی روزیاں چار دن میں مقرر کیں، پھر ارشاد ہوا: ”فقضاھن سبع سموت فی یومین“ پھر اللہ تعالیٰ نے دو دن میں پورے سات آسمان بنا دیئے، سو یہ بیان دوسری جگہ فرمائے گئے ارشاد ”فی ستة ايام“ کے خلاف ہو جائے گا اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو اتوار اور پیر کو پیدا کیا اور پہاڑوں کو منگل کے دن پیدا کیا اور بدھ کے روز درخت، پانی، آبادی اور جنگل پیدا کیے تو اس طرح یہ چار دن ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے جمعرات کے روز آسمانوں کو پیدا کیا اور جمعۃ المبارک کے دن ستاروں، سورج، چاند اور فرشتوں اور حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن کی آخری ساعت (عصر اور مغرب کے درمیان) پیدا کیا ہے اور بعض اہل علم

حضرات نے فرمایا کہ یہی وہ ساعت ہے جس میں قیامت قائم ہوگی ﴿سَوَاءٌ﴾ [یعقوب کی قراءت میں ”سَوَاءٌ“ مجرور ہے اور ”ایام“ کی صفت ہے ”ای فی اربعة ایام مستویات تامات“ یعنی برابر پورے چار دنوں میں اور یزید کی قراءت میں ”سَوَاءٌ“ مرفوع ہے (مبتدا محذوف کی خبر ہے) ”ای ہی سَوَاءٌ“ یعنی وہ برابر ہے اور ان دونوں کے علاوہ کے نزدیک مصدر کی بناء پر منصوب ہے ”ای استوت سَوَاءٌ“ بہ معنی ”استواء“ ہے یا حال کی بناء پر منصوب ہے ﴿لِلشَّالِبِیْنَ﴾ مانگنے والوں کے لیے یہ ”قدر“ کے متعلق ہے ”ای قدر فیہا الاقوات لاجل الطالبین لها المحتاجین الیہا“ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس (زمین) میں روزیاں مقدر و مقرر کر دیں ہیں روزی طلب کرنے والوں اور روزی کے محتاجوں اور ضرورت مندوں کی خاطر کیونکہ ہر کوئی روزی کا طالب اور سائل ہے یا یہ محذوف کے متعلق ہے گویا کہا گیا ہے: یہ اختصاص اس آدمی کی وجہ سے ہے جو سوال کرے کہ کتنی مدت میں زمین کو پیدا کیا گیا اور اس میں کیا کچھ ہے؟

۱۱۔ ﴿ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وِلِلْ اَرْضِ اَنْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتْ اَنْتِیَا طَاعِیْنٌ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ اس وقت دھواں تھا سو اللہ تعالیٰ نے اس کو اور زمین کو فرمایا: تم دونوں خوشی سے یا ناخوشی سے حاضر ہو ان دونوں نے عرض کیا کہ ہم اپنی خوشی سے حاضری کے لیے آگئے۔ یہ کلام آسمان کے لیے ایجاد الہی سے مجاز ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے چاہا اہل عرب کہتے ہیں: ”فعل فلان کذا ثم استوی الی عمل کذا“ ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں آدمی نے پہلا کام مکمل کر لیا ہے پھر اس نے دوسرا کام شروع کیا اور اس آیت مبارکہ سے یہی سمجھتا ہے کہ آسمان کی پیدائش زمین کی پیدائش کے بعد ہوئی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہی فرمایا ہے اور انہیں سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک جوہر کو پیدا فرمایا جس کا طول اور عرض (لمبائی اور چوڑائی) ایک ہزار ضرب دس ہزار سال (ایک کروڑ سال کی) مسافت تھی پھر اللہ تعالیٰ نے اس جوہر کی طرف ہیبت و رعب کی نظر سے دیکھا تو پکھل گیا اور کانپنے لگا اور خوف زدہ ہو کر تھر تھرانے لگا پھر اس پر آگ مسلط کر دینے کی وجہ سے اس سے دھواں ابھرا اور اوپر بلند ہو گیا اور جھاگ جمع ہو گئی اور پانی کے اوپر ٹھہری رہی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جھاگ کو زمین بنا دیا اور دھواں کو آسمان بنا دیا اور آسمان اور زمین کو آنے اور حاضر ہونے کے حکم اور ان دونوں کا حکم کی تعمیل کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ دونوں معرض وجود میں آجائیں سو ان دونوں نے حکم عدولی نہیں کی بلکہ جیسے اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ دونوں بن گئے اور موجود ہو گئے اور وہ دونوں اس معاملہ میں مطیع و فرمان بردار مامور کی طرح ہو گئے جس پر مطاع آمر کا حکم وارد ہوتا ہے اور حاضری کے حکم میں آسمان کے ساتھ زمین کا ذکر بھی کیا گیا ہے حالانکہ زمین کو آسمان سے دو دن پہلے پیدا کیا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین کے مادے کو پہلے پیدا کیا گیا لیکن اسے پھیلا یا نہیں گیا پھر آسمان کو پیدا کرنے کے بعد زمین کو پھیلا یا گیا جیسا کہ ارشاد فرمایا: ”وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰہَا“ (النازعات: ۳۰) ”اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد زمین کو پھیلا یا“ سو معنی یہ ہوا کہ تم دونوں اسی شکل و صورت اور وصف کے ساتھ آؤ جس پر تم دونوں کا آنا مناسب ہوا اے زمین! اپنے بسنے والوں کے لیے پھیل کر بچھونا اور قرار گاہ اور ٹھکانا بن کر آؤ اور اے آسمان! تو اپنے بسنے والوں کے لیے قبہ اور چھت بن کر آؤ اور آنے کا معنی ہے: حصول اور وقوع پذیر ہونا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: ”اَتٰی عَمَلُهُ مَرَضِیًّا“ اس کا عمل پسندیدہ واقع ہوا پھر ارشاد باری تعالیٰ ”طَوْعًا اَوْ كَرْهًا“ زمین و آسمان میں قدرت الہی کی تاثیر کے بیان کے لیے ہے اور یہ کہ بے شک ان دونوں کا قدرت الہی کی تاثیر سے مانع ہونا محال ہے جیسے تم اپنے ماتحت سے کہتے ہو کہ ”لَتَفَعَلَنَّ هٰذَا شِیْئًا اَوْ اٰیٰتٍ وَلَتَفَعَلَنَّ طَوْعًا اَوْ كَرْهًا“ تو نے یہ کام ضرور کرنا ہے تو چاہے یا انکار کرے اور تو نے اسے ضرور کرنا ہے خوشی یا ناخوشی سے [اور یہ

دونوں حال کی بناء پر منصوب ہیں اور بہ معنی ”طائعتین او مکرہتین“ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے بہ اعتبار لفظ ”سموات“ اور ”ارضون“ ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ان کو مخاطبات اور محیبات قرار دیا گیا اور ”طلوع“ اور ”کسوف“ کے ساتھ موصوف کیا گیا تو کہا گیا ”طائعتین“ جو ”طائعات“ کی جگہ میں ہے جیسے ارشاد ہے: ”سَاجِدِينَ“ (یوسف: ۴۱)۔

فَقَضَيْنَهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا وَنَزَّلْنَا
السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِصَابِغٍ ۗ وَحِفْظًا ۗ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿۱۲﴾ فَإِن
أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ ﴿۱۳﴾ إِذْ جَاءَهُمْ
الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ قَالُوا لَوْ
شَاءَ رَبُّنَا لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً فَإِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كِفْرُونَ ﴿۱۴﴾

پھر اس نے دونوں میں ان کے سات آسمان بنا دیئے اور اس نے ہر آسمان میں اس کے متعلقہ کام کا حکم بھیجا اور ہم نے دنیا کے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر دیا اور اس کو محفوظ کر دیا یہ سب پر غلبہ رکھنے (اور) سب کچھ جاننے والے کا مقرر کیا ہوا نظام ہے ○ پھر اگر وہ روگردانی کر لیں تو آپ فرمادیجئے کہ میں نے تمہیں سخت کڑک والے عذاب سے ڈرا دیا ہے جیسا کہ سخت کڑک والا عذاب عاد اور ثمود پر آیا تھا ○ جب ان کے پاس ان کے سامنے اور ان کے پیچھے ہر طرف رسول تشریف لائے (اور فرمایا) کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو انہوں نے کہا کہ اگر ہمارا پروردگار چاہتا تو البتہ فرشتوں کو نازل کر دیتا سو جس پیغام کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم اس کا یقیناً انکار کرنے والے ہیں ○

۱۲ - ﴿فَقَضَيْنَهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے سات آسمان بنا دیئے (یعنی) ان کی تخلیق کو محکم و مستحکم بنا دیا جیسے کسی شاعر نے کہا: ”وعليهما مسرودتان قضاهما“ اور ان دونوں پر دوزر ہیں تمہیں جن کی بناوٹ مستحکم و مضبوط تھی [”هن“ ضمیر ”السماء“ کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ ”السماء“ اسم جنس ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ضمیر مبہم ہو جس کی تفسیر ارشاد ”سبع سموات“ کر رہا ہے اور دونوں کے منصوب ہونے میں فرق ہے کہ پہلا حال کی بناء پر منصوب ہے اور دوسرا تمیز کی بناء پر] ﴿فِي يَوْمَيْنِ﴾ دونوں میں جمعرات اور جمعہ کے دن میں ﴿وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ہر آسمان میں اس کے کام کی وحی بھیجی (یعنی) جس چیز کی تخلیق کا اور اس کی تدبیر کا اس میں حکم دیا گیا جیسے فرشتوں کی اور دیگر نورانی مخلوق وغیرہ کی تخلیق کا حکم دیا گیا ﴿وَنَزَّلْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا﴾ اور ہم نے دنیا کے آسمان کو مزین اور آراستہ کر دیا (یعنی) جو زمین کے نزدیک آسمان ہے ﴿بِصَابِغٍ ۗ﴾ چراغوں یعنی ستاروں کے ساتھ ﴿وَحِفْظًا﴾ اور ہم نے اس کو ستاروں کے ذریعے چوروں سے محفوظ بنا دیا ہے ﴿ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ﴾ یہ نظام ایک زبردست غالب کا مقرر کیا ہوا ہے جو سب پر غالب ہے کبھی مغلوب نہیں ہوگا ﴿الْعَلِيمِ﴾ وہ تمام امور و معاملات کے موقعوں کو خوب جاننے والا ہے۔

۱۳ - ﴿فَإِن أَعْرَضُوا﴾ پھر اگر وہ اس بیان کے بعد بھی ایمان سے منہ پھیر لیں ﴿فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً﴾ تو آپ فرمادیجئے کہ میں تمہیں سخت عذاب سے ڈراتا اور خوف زدہ کرتا ہوں وہ ایسا عذاب ہے جس کا وقوع بہت سخت ہوگا اور

اصل میں ”صاعقة“ وہ عذاب ہے جس میں سخت گونج دار ہولناک آواز کے ساتھ آگ ہوتی ہے ﴿مِثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ﴾ جیسے عاد اور ثمود پر سخت کڑک والا عذاب آیا تھا۔

۱۴۔ ﴿إِذْ جَاءَهُمُ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ﴾ جب ان کے پاس ان کے آگے اور ان کے پیچھے رسول تشریف لائے یعنی ان کے پاس ہر طرف سے رسول آ کر تبلیغ کرتے رہے اور وہ حق پر لانے کے لیے ان کے بارے میں ہر قسم کی تدبیر پر عمل کرتے رہے لیکن اس کے باوجود انہوں نے ان کی طرف سے ہمیشہ اعراض روگردانی اور فرار کو پایا اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ انبیائے کرام علیہم السلام نے انہیں ان سے پہلے امتوں پر آنے والے خدائی عذاب سے ڈرایا اور آخرت کے عذاب سے ڈرایا ﴿أَلَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ﴾ بے شک تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا [”ان“ بہ معنی ”ای“ ہے یا ثقیلہ سے مخففہ ہے اس کی اصل ”بائے“ ہے] ﴿قَالُوا﴾ انہوں نے کہا یعنی قوم نے جواب دیا کہ ﴿كُلُّ شَيْءٍ رُبْنَا لَا نَزَّلَ مَلَكًا﴾ اگر ہمارا پروردگار رسولوں کو بھیجنا چاہتا تو وہ ضرور فرشتوں کو نازل کر دیتا [”شاء“ کا مفعول بہ محذوف ہے اصل میں ”لو شاء ربنا ارسال الرسل“ تھا ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے] ﴿فَإِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ﴾ سو جس پیغام کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو بے شک ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ جب تم انسان ہو اور تم فرشتے نہیں ہو تو ہم تم پر اور جو پیغام تم لے کر آئے ہو اس پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور ان کا ”ارسلتم بہ“ کہنا رسول بنا کر بھیجنے کا اقرار نہیں ہے اور بے شک یہ تو صرف رسولوں کے کلام پر مبنی ہے اور اس میں تو تمسخر اور مخول ہے جیسا کہ فرعون نے کہا تھا: ”إِنَّ رَسُولَكُمْ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ“ (الشعراء: ۲۷) ”بے شک تمہارا رسول جسے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے وہ ضرور دیوانہ ہے“ اور یہ ارشاد ”فَإِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ“ کفار کی طرف سے حضرت ہود حضرت صالح اور دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو خطاب ہے جنہوں نے ان کو ایمان لانے کی دعوت دی تھی۔

ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ قریش مکہ نے عقبہ بن ربیعہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بھیجا کیونکہ یہ سب سے اچھی گفتگو کرتا تھا تا کہ یہ رسول اللہ ﷺ سے بات چیت کرے اور دیکھے کہ آپ اس کی باتوں کا کیا جواب دیتے ہیں چنانچہ عقبہ بن ربیعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت عالیہ میں اس وقت حاضر ہوا جب آپ حطیم کعبہ میں تشریف فرما تھے اس نے جس قدر سوالات کیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب کے جوابات دیئے پھر حضور ﷺ نے اس کے سامنے یہی سورت تلاوت فرمائی یہاں تک کہ جب آپ نے ”مثل صاعقة عاد و ثمود“ کو پڑھا تو اس نے آپ کو رحم و کرم کی قسم دی اور آپ کے منہ پر ہاتھ رکھ کر روک دیا اور ڈر کے مارے فوراً بھاگ کھڑا ہوا کہ کہیں ان لوگوں پر عذاب آ جائے اور یہی خبر جا کر قریش کو سنائی اور کہا کہ بے شک میں جادو کو اور شعر گوئی کو اچھی طرح پہچانتا ہوں سو اللہ تعالیٰ کی قسم! آپ نہ تو جادو گر ہیں اور نہ شاعر ہیں قریش کے لوگوں نے کہا: تو بے دین ہو گیا ہے کیا تو نے ان کے کلمہ کا سمجھ کر جواب نہیں دیا؟ عقبہ نے کہا: نہیں اور مجھے ان کو جواب دینا نہیں آتا حضرت عثمان بن مظعون نے فرمایا: یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم تا کہ تم معلوم کر لو کہ بے شک وہ تمام جہانوں کے پروردگار کے رسول ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے عاد اور ثمود کے عذاب کا ذکر بیان فرمایا چنانچہ (درج ذیل آیت میں) فرمایا:

فَأَمَّا عَادُ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا

قُوَّةٌ أُولَٰئِكَ يَدْرُوْنَ أَنَّ اللّٰهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَكَانُوا

بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿۱۵﴾

سو لیکن رہے عادتو انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور انہوں نے کہا: ہم سے زیادہ سخت طاقتور کون ہے؟ اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ سخت قوت والا ہے اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے ۰

کفر و شرک کے سبب عادتو نمود پر عذاب

۱۵ - ﴿فَأَمَّا عَادًا فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ سو لیکن رہے عادتو انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا یعنی انہوں نے اپنے علاقہ میں وہاں کے تمام باشندوں پر ایسی بڑھائی چاہی جس کے وہ مستحق نہیں تھے اور انہیں اپنی قوت کی زیادتی اور اپنے اجسام کے بڑے ہونے پر گھمنڈ تھا یا وہ امارت کے استحقاق کے بغیر اپنی ریاست قائم کرنے کے لیے زبردستی اپنی سر زمین پر حاکم و رئیس بن گئے ﴿وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ اور انہوں نے کہا: ہم سے زیادہ سخت طاقت والا کون ہے؟ دراصل عادی قوم کے لوگ بڑے دراز قد کجیم و جسیم تھے اور ان کی قوت و طاقت اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ ان میں سے کوئی آدمی پہاڑ میں سے بہت بڑا بھاری پتھر اپنے ہاتھ سے اٹھ کر اٹھالیتا تھا ﴿أُولَٰئِكَ يَدْرُوْنَ﴾ اور کیا انہوں نے دیکھا نہیں اور مشاہدہ نہیں کیا (یعنی) اور کیا انہوں نے اس قدر یقینی اور پختہ علم حاصل نہیں کر لیا اور انہیں اس قدر پختہ علم معلوم نہیں ہوا جو مشاہدہ کے قائم مقام ہوتا ﴿أَنَّ اللّٰهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے بہت زیادہ طاقتور اور بہت زیادہ قوت والا ہے اور وہ ان سے بہت زیادہ وسیع اور بڑی قدرت و اختیار والا ہے کیونکہ وہ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے حالانکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے صرف بعض چیزوں پر قادر ہیں ﴿وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ﴾ اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے [اور یہ "فاستکبروا" پر معطوف ہے] یعنی وہ لوگ جانتے تھے کہ یہ حق ہے لیکن وہ دین حق کا اس طرح جان بوجھ کر انکار کرتے تھے جس طرح امانت دار جان بوجھ کر امانت سے انکار کر دیتا ہے۔

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَّحْسَاتٍ لِّنُنذِرَهُمْ عَذَابَ الْآخِرَةِ

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلِعَذَابِ الْآخِرَةِ أَخْزَىٰ وَهُمْ لَا يُنصَرُونَ ﴿۱۶﴾ وَأَمَّا

ثَمُودُ فَهَدَّيْنَاهُمْ فَأَسْتَجَبُوا لِعَلِيِّ عَلَى الْهُدَىٰ فَأَخَذْنَا مِنْهُم مَّصِيقَةَ الْعَذَابِ

الهُونِ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۱۷﴾ وَنَجَّيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۱۸﴾

پھر ہم نے ان پر سخت زوردار آواز والی بخ ٹھنڈی آندھی بھیجی منحوس دنوں میں تاکہ ہم دنیا کی زندگی میں ان کو ذلت کا عذاب چکھائیں اور آخرت کا عذاب ضرور زیادہ رسوا کن ہوگا اور ان کی مدد نہیں کی جائے گی ۰ اور لیکن رہے ثمود سو ہم نے

ان کو سیدھا راستہ دکھایا پس انہوں نے ہدایت پر گمراہی کو پسند کر لیا تو انہیں ذلت ناک عذاب کی کڑک نے پکڑ لیا ان اعمال کی وجہ سے جو وہ کمایا کرتے تھے O اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لے آئے تھے اور وہ ڈرتے رہتے تھے O

۱۶۔ ﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصِرًا﴾ پھر ہم نے ان پر زوردار آواز والی آندھی بھیجی جو خوف ناک گرج دار تیز آندھی تھی یعنی اس کے تیز چلنے کی وجہ سے گڑگڑاہٹ اور چیخ و پکار کی آوازیں سنائی دیتی تھیں یا یہ معنی ہے کہ بہت ٹھنڈی تیز آندھی تھی کہ سخت ترین ٹھنڈک کے سبب وہ جسموں کو جلاتی تھی اور لفظ ”صر“ کا تکرار تاکید کے لیے ہے جس کا معنی ٹھنڈ ہے اور بعض اہل علم حضرات نے کہا کہ اس سے ”دبور“ آندھی مراد ہے (یعنی مغرب سے مشرق کی طرف چلنے والی تیز آندھی جسے پھکوائی ہوا کہا جاتا ہے) ﴿فِي آيَاتٍ مِّنْ حَسَاتٍ﴾ منحوس دنوں میں یعنی جن دنوں میں ان پر نحوست و بد نصیبی طاری کی گئی [اور ابن کثیر کی ابو عمر و بھری اور نافع مدنی کی قراءت میں (”حا“ ساکن) ”نَحْسَات“ ہے اور ”نَحْسَنَ نَحْسًا“ یہ ”سَعْدًا“ کی نقیض کی ہیں اور یہ ”نَحْسَنَ“ کی جمع ہے (بکسر الحاء) یا ”نَحْسَنَ“ (بسکون الحاء) کی جمع ہے اور یہ ”نَحْسَنَ“ مخفف ہے یا فعل کے وزن پر صفت ہے یا مصدر کا وصف ہے] اور یہ آندھی شوال کے آخر میں ایک بدھ سے دوسرے بدھ تک مسلسل چلتی رہی تھی اور جس قوم کو بھی عذاب میں مبتلا کیا گیا وہ بدھ کا دن تھا ﴿لِنُنذِرَنَّهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ تاکہ ہم انہیں دنیا کی زندگی میں ذلت و رسوائی کے عذاب کا مزہ چکھائیں [”الخبزی“ کا معنی ہے: ذلت و رسوائی اور عذاب کی اضافت ”الخبزی“ کی طرف اس بناء پر کی گئی ہے کہ یہ عذاب کی صفت ہے گویا فرمایا: ”عَذَابُ خِزْيٍ“ جیسے تم کہو: ”فعل السوء“ (اضافت کے ساتھ) اس سے مراد ”الفعل السوء“ ہو (موصوف صفت) اور اس پر (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ دلالت کر رہا ہے ﴿وَلَعَذَابُ الْاِخْرٰكِ اَخْزٰی﴾ اور آخرت کا عذاب ضرور زیادہ ذلت ناک اور زیادہ رسوا کن ہوگا [اور یہ اسناد مجازی میں سے ہے اور ”عذاب“ کو ”خبزی“ کے ساتھ موصوف کرنا ”معدبین“ کو ”خبزی“ کے ساتھ موصوف کرنے سے زیادہ بلغ ہے سو تیرے دونوں قولوں ”هو شاعر“ اور ”وله شعر شاعر“ میں بہت فرق ہے] ﴿وَهُمْ لَا يَنْصَرُونَ﴾ اور ان کی ان بتوں کی طرف سے امداد نہیں کی جائے گی جن کی وہ لوگ محض اس بناء پر عبادت کرتے تھے کہ وہ ان کی مدد کریں گے۔

۱۷۔ ﴿وَاقَاتِنُوْهُمْ هٰدِيَةً﴾ اور لیکن رہے ثمود تو ہم نے انہیں ہدایت دی تھی یعنی ہم نے ان کے لیے رشد و ہدایت کو بیان کیا تھا [”ثمود“ کو مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع قرار دینا زیادہ فصیح ہے کیونکہ یہ حرف ابتداء کے بعد واقع ہوا ہے اور ”فہدیناہم“ اس کی خبر ہے اور منصوب ہونے کی صورت میں اس سے پہلے فعل مضمّر ہوگا جس کی تفسیر ”فہدیناہم“ کر رہا ہے] ﴿فَاَسْتَجَبُوْا لِحٰی اِلٰہِیْ﴾ سو انہوں نے ہدایت پر اندھے پن (گمراہی) کو پسند کر لیا (یعنی) سو انہوں نے ایمان پر کفر کو اختیار کر لیا ﴿فَاَخَذْنٰهُمْ صٰعِقَةً الْعَذَابِ﴾ پس انہیں ہولناک کڑک والے عذاب نے اپنی گرفت میں لے لیا ﴿الہون﴾ ذلت ناک اور رسوا کن [”عذاب“ کو ”ہون“ کے ساتھ مبالغہ کے لیے موصوف کیا گیا ہے یا پھر ”الہون“ ”العذاب“ سے بدل واقع ہو رہا ہے] ﴿یٰۤاٰکٰثِرُوْا یٰۤکٰسِبُوْنَ﴾ ان کاموں کے سبب جو وہ کرتے تھے یعنی ان کی کمائی کی وجہ سے اور وہ ہے ان کا شرک و کفر کرنا اور ان کا دیگر گناہوں کا ارتکاب کرنا اور حضرت الشیخ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ہدایت کا جو ذکر کیا گیا ہے اس میں ایک احتمال ہدایت کو بیان کرنا اور واضح کرنا مراد ہو جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا ہے اور دوسرا احتمال ان میں ہدایت کو پیدا کرنا ہو سو وہ لوگ ان دو وجوہ کی بناء پر ”مہتدین“ (ہدایت پانے والے) ہو گئے پھر انہوں نے اس کے بعد کفر و شرک کو اختیار کر لیا تھا اور انہوں نے اونٹنی کی کوچیں کاٹ ڈالیں پھر جب ہدایت کی

نسبت خالق کی طرف کی جائے تو اس وقت ہدایت کا معنی ہوتا ہے: بیان کرنا اور توفیق دینا اور ہدایت کے فعل کو پیدا کرنا اور جب ہدایت کی نسبت مخلوق کی طرف کی جائے تو اس وقت ہدایت کا معنی صرف بیان کرنا ہوتا ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں اور صاحب کشف نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تمہارا یہ کہنا کہ ”هَدَيْتُهُ“ میں نے فلاں آدمی کو ہدایت کی اس کا معنی یہ ہے کہ اس آدمی کو ہدایت حاصل ہو گئی ہے جس پر دلیل تمہارا یہ کہنا ہے کہ ”هَدَيْتُهُ فَاهْتَدَى“ میں نے اس کو ہدایت دی تو اس نے ہدایت پالی تو اس کا معنی یہ ہوا کہ اس آدمی کو مقصود اور مطلوب حاصل ہو گیا جیسا کہ تم کہتے ہو: ”رَدَعْتُهُ فَارْتَدَعَ“ میں نے اسے روکا تو وہ رُک گیا سو بھلا اب ہدایت کو صرف راہ دکھانے کے لیے استعمال کرنا کیسے جائز ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معنی اس پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم شموذ کو قدرت و اختیار دیا اور نبی کے ذریعے ان کے تمام شکوک و شبہات زائل کر دیئے اور ان کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا تھا تو گویا ان اسباب کی تحصیل کی وجہ سے ان کو مقصد حاصل ہو گیا جو ہدایت کو واجب کرتے ہیں اور ہدایت کا تقاضا کرتے ہیں۔

اور صاحب کشف نے یہ حیلہ بازی اس لیے کی ہے کیونکہ اس کے لیے یہ تو ممکن نہیں کہ وہ تخلیق ہدایت کے ساتھ تفسیر کرے اس لیے کہ یہ اس کے مذہب فاسد کے خلاف ہے (کیونکہ معتزلیوں کے مذہب میں بندہ اپنے تمام افعال کا خود ہی خالق ہوتا ہے)۔

۱۸ - ﴿وَجَبَّيْنَا لِلَّذِينَ آمَنُوا﴾ اور ہم نے ان لوگوں کو اس (مذکورہ بالا) خوف ناک کڑک والے عذاب سے نجات دی جو ایمان لے آئے تھے یعنی انہوں نے اندھے پن (گمراہی) پر ہدایت کو اختیار کر لیا تھا ﴿وَكَانُوا يَتَّقُونَ﴾ اور وہ گمراہی کو ہدایت پر اختیار کرنے سے ڈرتے تھے۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَمُمْ يُوْرَعُونَ ﴿۱۹﴾ حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا
شَهِدَا عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۲۰﴾ وَقَالُوا
لِيُجُودِهِمْ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا قَالُوا أَنْطَقْنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ
وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۱﴾ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَدْرُونَ أَنْ يُشْهِدَا
عَلَيْكُمْ سَمْعَكُمْ وَلَا أَبْصَارَكُمْ وَلَا جُلُودَكُمْ وَلَكِنْ ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا
مِمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۲۲﴾

اور جس دن اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو آگ کی طرف لے جانے کی خاطر جمع کیا جائے گا تو انہیں روک لیا جائے گا یہاں تک کہ جب وہ لوگ اس کے پاس پہنچ جائیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے چہرے ان کے خلاف ان اعمال پر گواہی دیں گے جو وہ (دنیا میں) کرتے تھے اور وہ اپنے چہروں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟ وہ کہیں گے: ہمیں اسی اللہ تعالیٰ نے گویائی عطا کی ہے جس نے ہر چیز کو گویائی بخشی ہے اور اسی نے تمہیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور تم (اپنے گناہوں کو اس ڈر سے) نہیں چھپاتے تھے کہ تمہارے کان

اور تمہاری آنکھیں اور تمہارے چہرے تمہارے خلاف گواہی دیں گے اور تم نے یہ گمان کر لیا کہ تم جو کچھ اعمال کرتے ہو ان میں سے بہت سی چیزوں کو اللہ تعالیٰ نہیں جانتا۔

دشمنانِ خدا کے خلاف ان کے اعضاء کی گواہی اور عذاب کا بیان

۱۹۔ ﴿وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ﴾ اور جس دن اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو دوزخ کی آگ کی طرف جمع کیا جائے گا یعنی اگلے پچھلے تمام کفار کو روزِ محشر جمع کیا جائے گا [نافع مدنی اور یعقوب کی قراءت میں ”نحشر اعداء اللہ“ ہے] ﴿فَمُيَدَّرُونَ﴾ سو ان کے پہلے لوگوں کو ان کے آخری لوگوں کے لیے روک لیا جائے گا یعنی کفار کی پہلی جماعتوں کو روک لیا جائے گا یہاں تک کہ ان کی پچھلی جماعتیں ان سے مل جائیں اور یہ دوزخیوں کی کثرت اور ان کی بہتات کی طرف اشارہ ہے اور اس کی اصل ”وَزَعْتُهُ“ سے ماخوذ ہے ”أَي كَفَّفْتُهُ“ یعنی میں نے اس کو روک دیا۔

۲۰۔ ﴿حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا﴾ یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے (یعنی) جب وہ آگ کے سامنے حاضر ہو جائیں گے اور حرف ”مَا“ تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا ہے بے شک دوزخ کی آگ کے پاس ان کے آنے کا وقت الاحالہ وہی ہو گا جس میں ان کے خلاف گواہی دی جائے گی اور اس سے خالی ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے ﴿شَهِدَا عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ان کے خلاف ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے چہرے ان چیزوں کے بارے میں گواہی دیں گے جو وہ (دنیا میں) کرتے تھے اور چہروں کی گواہی حرام چیزوں کو چھونے کے بارے میں ہوگی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ شرم گاہوں سے کٹا یہ ہے (یعنی شرم گاہیں ان کے خلاف بدکاری کی گواہی دیں گی)۔

۲۱۔ ﴿وَقَالُوا لَوْلَا جُلُودُهُمْ لَشَهِدْنَا عَلَيْهِمْ﴾ اور کفار اپنے چہروں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی ہے کیونکہ کفار اپنے خلاف اپنے اعضاء کی گواہی کو بعید از قیاس بہت بڑا عجوبہ خیال کرتے ہوئے تعجب کی بناء پر سوال کریں گے ﴿قَالُوا أَنْطَقْنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ وہ کہیں گے: ہمیں اس اللہ تعالیٰ نے گویائی عطا کی ہے جس نے ہر جاندار چیز کو گویائی کی قوت عطاء کی ہے اور معنی یہ ہے کہ ہمارا بولنا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے عجیب و غریب نہیں ہے کیونکہ وہ ہر جاندار سے گفتگو کرنے پر پوری طرح قادر ہے ﴿وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَالْيَوْمَ تَرْجَعُونَ﴾ اور اسی نے پہلی بار بھی تمہیں پیدا کیا تھا اور تم اب بھی اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے یعنی وہ تمہیں جس طرح پہلی بار پیدا کرنے پر قادر ہے اسی طرح تمہیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے اور تمہیں جزاء و سزا دینے کے لیے دوبارہ لوٹانے پر پوری طرح قادر ہے۔

۲۲۔ ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَدْرُونَ﴾ ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَدْرُونَ﴾ ﴿أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ﴾ اور تم اس بات سے نہیں چھپتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہارے چہرے گواہی دیں گے یعنی بے شک تم بُرائیوں اور گناہوں کے ارتکاب کے وقت دیواروں اور پردوں کے ذریعے چھپا کرتے تھے لیکن تم اس خوف و ڈر سے نہیں چھپتے تھے کہ تمہارے اپنے اعضاء تمہارے خلاف گواہی دیں گے کیونکہ تم نہیں جانتے تھے کہ وہ تمہارے خلاف گواہی دیں گے بلکہ تم تو مرنے کے بعد قیامت کے دن دوبارہ زندہ کر کے اٹھنے اور جزاء اور سزا کے بالکل منکر تھے ﴿وَلَكِنْ ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِمَّا تَعْمَلُونَ﴾ اور لیکن تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان اعمال میں سے بہت سے اعمال کو نہیں جانتا جو تم کرتے ہو (یعنی) لیکن تم تو اپنے گمان کے مطابق چھپتے تھے کہ بے شک اللہ تعالیٰ بہت سے وہ اعمال نہیں جانتا جو تم کرتے ہو اور وہ تمہارے

پوشیدہ اعمال ہیں۔

وَذَلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَإِنْ
يَصْبِرُوا أَفَالْتَارُ مَتَّوِي لَّهُمْ وَإِنْ يَسْتَعْتِبُوا فَمَا لَهُمْ مِنَ الْمَعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَقِيضْنَا
لَهُمْ قُرْءَانَ فَرِيضًا لَّهُمْ مَا يَبِيْنُ أَيْدِيَهُمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي
أُمِّ قَدْحَانَ خَلَّتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنَّهُمْ كَانُوا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور یہ ہے تمہارا وہ گمان جو تم نے اپنے پروردگار کے بارے میں کیا تھا اسی نے تمہیں ہلاک کر دیا سو تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے ہو O سوا گروہ صبر کریں گے تو دوزخ کی آگ ان کا ٹھکانا ہے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی طلب کریں گے تو وہ رضامندی قبول کیے جانے والوں میں سے نہیں ہوں گے O اور ہم نے ان کے لیے ساتھی مقرر کر دیئے سو انہوں نے ان کے لیے ان چیزوں کو مزین کر دیا جو ان کے آگے ہیں اور جو ان کے پیچھے ہیں اور ان پر وہ قول ثابت ہو گیا جو ان سے پہلے جنوں اور انسانوں میں سے گزشتہ امتوں پر ثابت ہو چکا تھا بے شک وہ نقصان اٹھانے والے تھے O

۲۳ - ﴿وَذَلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ﴾ اور یہی تمہارا وہ گمان ہے جس نے تمہیں اپنے پروردگار کے بارے میں ہلاک کر ڈالا ہے (یعنی) اور یہ وہ گمان ہے جس نے تمہیں ہلاک کر دیا [”وَذَالِكُمْ“ مبتدا ہے اور ”ظنکم“ خبر ہے اور ”الذی ظننتم برّبکم“ اس کی صفت ہے اور ”اردکم“ دوسری خبر ہے یا پھر ”ظنکم“، ”ذالکم“ سے بدل ہے اور ”اردکم“ خبر ہے] ﴿فَأَصْبَحْتُمْ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ سو تم خسارہ پانے والوں اور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے ہو۔
۲۴ - ﴿فَإِنْ يَصْبِرُوا أَفَالْتَارُ مَتَّوِي لَّهُمْ﴾ پھر اگر وہ صبر کریں گے تو ان کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے یعنی سوا گروہ صبر کریں گے تو صبر انہیں کوئی فائدہ اور کوئی نفع نہیں دے گا اور وہ آگ میں جلنے سے بچ نہیں سکیں گے ﴿وَإِنْ يَسْتَعْتِبُوا فَمَا لَهُمْ مِنَ الْمَعْتَبِيْنَ﴾ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کو منانا چاہیں گے تو وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہوں گے جن کا منانا قبول کر لیا جائے گا (یعنی) اور اگر وہ رضامندی کی خواہش کریں گے تو ان کی رضامندی قبول نہیں کی جائے گی یا اگر وہ واپسی کی درخواست کریں گے اور وہ ہے ان کے لیے اسی طرف رجوع کرنا جس کو وہ چاہتے ہوں گے محض اس عذاب سے گھبراہٹ کی بناء پر جس میں وہ مبتلا ہوں گے تو ان کی درخواست قبول نہیں کی جائے گی اور ان کو واپسی کا پروانہ عطا نہیں کیا جائے گا اور نہ انہیں جواب دیا جائے گا۔

۲۵ - ﴿وَقِيضْنَا لَهُمْ﴾ اور ہم نے ان کے لیے مقرر کر دیئے یعنی ہم نے مشرکین مکہ کے لیے مقرر کر دیئے جیسے کہا جاتا ہے: ”هذان ثوبان فيضان أي مثلان“ یہ دونوں کپڑے ایک دوسرے کے مشابہ ہیں یعنی ایک جیسے ہیں ”مقايضة“ بہ معنی معاوضہ ہے اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے: ”سلطانا عليهم“ ہم نے ان پر مسلط کر دیئے ﴿قُرْءَانَ﴾ ساتھی (یعنی) شیطانوں میں سے ساتھی اور دوست ان کے لیے مقرر کر دیئے جاتے ہیں یہ ”قرین“ کی جمع ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقِيضْ لَهُ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهُ قَرِيْنٌ“ (الزخرف: ۳۶) اور جو شخص رحمان کی یاد سے اندھا ہو جاتا ہے تو ہم اس کے لیے ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں سو وہی اس کا ساتھی ہے O ﴿فَرِيضًا لَّهُمْ مَا يَبِيْنُ﴾

﴿وَمَا خَلَقْتُمْ﴾ سو وہ ساتھی ان کے لیے خوش نما بنا دیتے ہیں جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے یعنی ان کے جو اعمال پہلے گزر چکے اور جن پر انہوں نے پختہ عزم کر رکھا ہے یا "مَا بَيْنَ اَيْدِيهِمْ" سے دنیا کے امور و معاملات اور خواہشات کی پیروی کرنا مراد ہے اور جو ان کے پیچھے ہیں (یعنی) آخرت کے معاملات اور یہ کہ مرنے کے بعد نہیں اٹھنا اور نہ کوئی حساب و کتاب ہونا ہے اور نہ جزاء اور سزا ہونی ہے ﴿وَوَحْيَ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْ اٰمِرٍ﴾ اور ان پر وہ کلمہ ثابت ہو گیا ہے جو تمام امتوں میں ثابت ہو چکا ہے یعنی عذاب کا کلمہ ["فی امم" محلاً منصوب ہے کیونکہ یہ "علیہم" کی ضمیر سے حال ہے] یعنی ان پر وہ کلمہ ثابت ہو گیا ہے جو تمام امتوں میں ہونے والا ہے ﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ﴾ بے شک وہ تمام امتیں ان (کفار مکہ) سے پہلے جنوں اور انسانوں میں سے گزر چکی ہیں ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ﴾ بے شک وہ خسارہ پانے والے اور نقصان اٹھانے والے تھے۔ تمام کفار کے مستحق عذاب ہونے کے لیے یہ علت ہے اور "ہم" ضمیر ان (کفار مکہ) اور سابق تمام امتوں کے لیے ہے کہ سب کے سب خسارے میں ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهٖ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾

فَلَنْدِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۗ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَا الَّذِيْ كَانُوْا

يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ جَزَاءُ اَعْدَاءِ اللّٰهِ النَّارُ ۗ لَكُمْ فِيْهَا دَارُ الْخٰلِدِۙ جَزَاءُ الَّذِيْنَ كَانُوْا

بِاٰتِنَا يٰجِدُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَا الَّذِيْنَ اَضَلَّنَا مِنَ الْجِنِّ

وَالْاِنْسِ نَجْعَلُهُمَّا تَحْتًا ۙ اَقْدَامًا لِّيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾

اور کافروں نے کہا کہ تم اس قرآن کو بالکل نہ سنو اور اس (کی تلاوت میں) بے ہودہ باتیں کرو تا کہ تم غالب ہو جاؤ۔ سو ہم کافروں کو ضرور سخت عذاب چکھائیں گے اور ہم انہیں ان کے بدترین اعمال پر ضرور سزا دیں گے جو وہ (دنیا میں) کرتے تھے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی سزا جو دوزخ کی آگ ہے انہیں کے لیے اس میں ہمیشہ رہنے کا گھر ہے اس سزا کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔ اور کفار کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! ہمیں جنوں اور انسانوں میں سے وہ دونوں گروہ دکھا دے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا کہ ہم ان دونوں کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالیں تا کہ وہ سب سے نیچے والوں میں سے ہو جائیں۔

کفار کے بُرے اعمال کی وجہ سے بُرا انجام

۲۶ - ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ﴾ اور کافروں نے کہا: تم اس قرآن کو نہ سنو جب اسے پڑھا جائے ﴿وَالْغَوْا فِيْهٖ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾ اور اس کی تلاوت میں بے ہودہ باتیں کرو تا کہ غالب ہو جاؤ اور تم ان کے ساتھ ایسے کلام کے ذریعے معارضہ اور مقابلہ کرو جسے سمجھنا نہ جا سکے یہاں تک کہ اس کو تشویش و پریشانی اور اشتباہ و التباس لاحق ہو جائے اور تم اس کی قراءت پر غالب آ جاؤ اور "لغو" غیر معتبر اور بے ہودہ کلام ہوتا ہے جس کے تحت کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

۲۷ - ﴿فَلَنْدِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا﴾ سو جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا ہے ہم انہیں ضرور سخت عذاب

چکھائیں گے اور یہ بھی جائز ہے کہ ”الذین کفروا“ سے وہی بے ہودہ اور لغو باتیں کرنے والے اور ان کا حکم دینے والے خاص کر مراد ہوں اور یہ بھی جائز ہے کہ ”الذین کفروا“ سے عام کفار مراد ہوں تاکہ ان کے ذکر کے تحت سب کفار جمع ہو جائیں ﴿وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرًا سَوَاءً الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ اور ہم انہیں ان کے بدترین اعمال پر ضرور سزا دیں گے جو وہ کرتے تھے یعنی اور ہم انہیں ان کے بہت بُرے اعمال پر بہت بڑی سخت سزا دیں گے اور بدترین عمل سے ان کا کفر و شرک کرنا مراد ہے۔

۲۸- ﴿ذٰلِكَ جَزَاءُ اَعْدَاءِ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی سزا ہے [”ذٰلِكَ“ سے ”اسوا“ کی طرف اشارہ ہے اور واجب ہے کہ تقدیر عبارت اس طرح ہو ”(اسوا) جزاء (الذی کانو یعملون)“ تاکہ یہ اشارہ درست ہو جائے] ﴿النّار﴾ وہ سزا دوزخ کی آگ ہے [یہ ”جزاء“ کا عطف بیان ہے یا پھر مبتدا محذوف کی خبر ہے] ﴿لَهُمْ فِيهَا دَارٌ مُّكْنٰتٌ﴾ ان کے لیے اس میں ہمیشہ رہنے کا گھر ہے یعنی دوزخ کی آگ فی نفسہ ہمیشہ کا گھر ہے جیسے تم کہو: ”لك في هذه الدار دار السرور“ تمہارے لیے یہ گھر سرور کا گھر ہے جب کہ تمہاری مراد بعینہ دار ہو ﴿جَزَاءُ﴾ یعنی اس سزا کے ساتھ انہیں بدلہ دیا جائے گا ﴿يَمَّا كَانُوْا يَلْتَمِسُوْنَ﴾ اس سبب سے کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔

۲۹- ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَا الَّذِيْنَ اٰمَنَّا﴾ اور کافر کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! ہمیں وہ دونوں دکھا جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا یعنی شیطانوں کے وہ دونوں گروہ ہمیں دکھا جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا [ابن کثیر کی ابن عامر شامی اور ابو بکر کوفی کی قراءت میں ”را“ ساکن کے ساتھ ”اوتنا“ ہے کیونکہ کسرہ ثقیل ہوتا ہے جیسا کہ انہوں نے ”فَخَذَ“ اور ”فَخَذَ“ کہا ہے اور ابو عمر ودوری کی قراءت میں بغیر اشباع کے پڑھا جاتا ہے] ﴿مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ﴾ جنوں اور انسانوں میں سے کیونکہ شیطانوں کی دو قسمیں ہیں: ایک جنات میں سے اور دوسری انسانوں میں سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ“ (الانعام: ۱۱۲) ”اور اسی طرح ہم نے جنوں اور انسانوں کے شیطانوں کو ہر نبی کا دشمن بنا دیا ہے“ ﴿يَجْعَلُهُمَّا تَتًّا اَقْدَامًا يَكُوْنٰنِ مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ﴾ کہ ہم ان کو اپنے قدموں کے نیچے روند ڈالیں تاکہ وہ دوزخ کی آگ میں سب سے نیچے والے لوگوں میں سے ہو جائیں انہیں گمراہ کرنے پر یہی سزا دینی چاہیے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا يَخَافُوْا
وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبَشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلٰٓئِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا وَاٰخِرَةِ ۗ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهٰٓى اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدْعُوْنَ ﴿۳۱﴾
تَزَلٰٓوْنَ فِيْهَا فَاَنْتُمْ فِيْهَا حٰمِدٰتٌ ﴿۳۲﴾

بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ اس پر قائم رہے تو ان پر فرشتے اتریں گے (اور کہیں گے: تم خوف نہ کرو اور نہ غم کرو اور تمہیں اس جنت کی بشارت ہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا) ہم دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں تمہارے دوست ہیں اور اس میں تمہارے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو تمہارے جی چاہیں گے اور اس میں تمہارے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو تم مانگو گے ۰ یہ بہت بخشنے والے بے حد مہربان کی طرف سے مہمانی ہوگی ۰

دین پر استقامت اختیار کرنے پر مسلمانوں کا نیک انجام

۳۰۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ﴾ بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب تعالیٰ اور پروردگار صرف اللہ تعالیٰ ہے یعنی جنہوں نے توحید (ورسالت) کا اقرار کیا ﴿ثُمَّ اسْتَقَامُوا﴾ پھر وہ اس پر قائم رہے (یعنی) پھر وہ اقرار پر اور اس کے تقاضوں پر ثابت قدم رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ استقامت اختیار کرنے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے فعل اور عمل کے اعتبار سے اس طرح استقامت اختیار کی جس طرح انہوں نے قول اور اقرار کے اعتبار سے استقامت اختیار کی تھی اور انہیں سے یہ بھی مروی ہے کہ ایک دفعہ آپ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت کی پھر صحابہ کرام سے پوچھا کہ تم اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ صحابہ کرام نے عرض کی کہ استقامت والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے کبھی گناہ نہ کیا ہو آپ نے فرمایا: تم نے تو اس کو بہت سخت معاملہ پر محمول کیا ہے چنانچہ انہوں نے پوچھا کہ آپ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ صاحب استقامت وہ حضرات ہیں جنہوں نے توحید کا اقرار کیا اور اس پر اس طرح قائم اور ثابت قدم رہے کہ پھر کبھی بتوں کی عبادت کی طرف رجوع نہیں کیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: صاحب استقامت وہ حضرات ہیں جنہوں نے زندگی میں لومڑی کی طرح مکر و فریب نہیں کیا یعنی جنہوں نے منافقت کو نہیں اپنایا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: صاحب استقامت وہ حضرات ہیں جنہوں نے اپنا ہر عمل خالص اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا ہو۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: صاحب استقامت وہ حضرات ہیں جنہوں نے محرمات سے اجتناب کیا اور فرائض کو ادا کیا۔

حضرت قاضی فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: صاحب استقامت وہ حضرات ہیں جنہوں نے ہر فانی چیز سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور باقی رہنے والی چیزوں میں رغبت اختیار کر لی اور بعض نے کہا: استقامت کی حقیقت یہ ہے کہ اقرار کے بعد اقرار اور ثابت قدم ہو اور اقرار کے بعد فرار نہ ہو ﴿تَتَّكِرُونَ عَلَيْهِمُ اللَّيْلُكَةُ﴾ موت کے وقت ان پر فرشتے اترتے ہیں اور کہتے ہیں: ﴿أَلَا تَخَافُونَ﴾ کہ تم خوف نہ کرو یعنی تم جو کچھ آگے بھیج رہے ہو اس پر خوف نہ کرو [”أَلَا“ اصل میں ”أَنْ لَا“ ہے اور یہ ”أَنْ“ بہ معنی ”أَنْ“ ہے پایہ ثقلیہ سے مخففہ ہے اور اس کی اصل ”بِأَنَّ لَا تَخَافُونَ“ ہے اور اس میں ضمیر شان کی ہے] ﴿وَلَا تَحْزَنُوا﴾ اور تم اس پر غم نہ کرو جو کچھ اپنے پیچھے چھوڑ کر آئے ہو سو خوف تو اس غم کو کہتے ہیں جو کسی ناگوار امر کے واقع ہونے کی بناء پر انسان کو لاحق ہو جاتا ہے اور ”حزن“ اس غم کو کہتے ہیں جو کسی مفید اور نافع چیز کے فوت ہو جانے کی وجہ سے انسان کو لاحق ہو جاتا ہے یا وہ غم جو کسی نقصان دہ چیز کے حصول پر انسان کو لاحق ہو جاتا ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ہر قسم کے غم ورنج سے امن و امان لکھ دیا ہے سو تم کوئی غم ہرگز نہیں چکھو گے ﴿وَأَبَشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ﴾ اور تمہیں اس جنت کی خوش خبری ہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا (یعنی) جس جنت کا تم سے دنیا میں وعدہ کیا جاتا تھا اس پر تم خوش ہو جاؤ۔

حضرت محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جس وقت روہیں بدنوں سے جدا ہوتی ہیں اس وقت خدائے رحمان کے فرشتے ان پر اترتے ہیں اور کہتے ہیں: تم ایمان کے ضائع ہو جانے کا خوف نہ کرو اور جو غلطیاں ہو چکیں ان پر غم نہ کرو اور تم جنت میں جانے کے لیے خوش ہو جاؤ جس کا گزشتہ زمانے میں تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

۳۱- ﴿لَنْ أُولِيكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾ ہم دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں تمہارے دوست ہیں۔ جس طرح شیاطین نافرمانوں اور گناہ گاروں کے ساتھی اور ان کے بھائی تو اسی طرح فرشتے دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں متقیوں اور پرہیزگاروں کے مددگار اور ان کے دوست ہیں ﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهُیْ اَنْفُسُكُمْ﴾ اور تمہارے لیے اس (جنت) میں وہ تمام نعمتیں میسر ہوں گی جن کو تمہارے دل اور جی چاہیں گے ﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ﴾ اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ چیز ہوگی جو تم مانگو گے (یعنی) جو تمنا کرو گے۔

۳۲- ﴿تَزَلَّأَ﴾ مہمانی ہوگی وہ مہمان کا رزق ہے اور ”نزیل“ کا معنی مہمان ہے [اور یہ حال کی بناء پر منصوب ہے یہ ہائے محذوف سے حال ہے یا پھر ”ما“ سے حال ہے] ﴿فَإِنَّ عَفْوَ رَبِّیْ﴾ بہت بخشنے والے بے حد مہربان کی طرف سے [یہ اس کی صفت ہے]۔

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا فَمَنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعِیْلًا صَالِحًا وَقَالَ إِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ۖ ادْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا یُلْقِیْهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا ۚ وَمَا یُلْقِیْهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۳۵﴾ وَإِمَّا یَنْزَغُكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْعٌ ۖ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۖ إِنَّهُ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۶﴾

اور اس سے زیادہ بہترین کلام کس کا ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے: بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں اور نیک اور بدی برابر نہیں ہوتی آپ بُرائی کو ایسے طریقے سے دور کریں جو سب سے اچھا ہو سو وہ شخص جس کی آپ کے درمیان اور اس کے درمیان دشمنی ہے وہ یک دم ایسا ہو جائے گا گویا وہ گہرا دوست ہے اور وہ عمدہ خصلت نہیں دی جاتی مگر انہیں لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں اور وہ نہیں دی جاتی مگر بڑے نصیب والے کو اور (اے انسان!) اگر شیطان کی طرف سے تمہیں کوئی وسوسہ پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو بے شک وہ سب کچھ سننے والا خوب جاننے والا ہے

نیکی کی دعوت دینے والے کی شان کا بیان

۳۳- ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا فَمَنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ﴾ اور اس سے زیادہ اچھا کلام کس کا ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہو اور وہ رسول اللہ ﷺ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دی ﴿وَعِیْلًا صَالِحًا﴾ اور وہ نیک اور خالص عمل کرتا ہو ﴿وَقَالَ إِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ اور کہے کہ بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں یہ محض دین اسلام پر فخر کا اظہار کرنے کے لیے اور اس کے لیے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کرنے کے لیے کہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ آپ کے صحابہ کرام بھی اس آیت مبارکہ کے مصداق میں شامل ہیں یا اذان کہنے والے مؤذنین مراد ہیں یا اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف رہنمائی کرنے والے اور دعوت دینے والے تمام حضرات مراد ہیں۔

۳۴- ﴿وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتیں آپ بُرائی کو ایسے طریقے سے دور کریں جو سب سے اچھا ہو یعنی نیکی اور بُرائی اپنی اپنی ذات کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں سو جب آپ کے سامنے دونئیاں درپیش ہوں تو آپ اس نیکی کو اپنا لیجئے جو سب سے بہتر ہو پھر آپ اس بُرائی کو عمدہ طریقے سے دور کریں جو آپ کے دشمنوں کی طرف سے آپ پر عائد کی جاتی ہو جیسا کہ اگر کوئی آدمی آپ کے ساتھ بُرائی سے پیش آئے تو اچھائی یہ ہے کہ آپ اسے معاف کر دیں اور اس سے درگزر کر لیں اور جو سب سے زیادہ اچھائی ہے وہ یہ ہے کہ آپ اس کی بُرائی کی جگہ اس کے ساتھ نیکی اور احسان کریں مثلاً جو آپ کی مذمت کرے تو آپ اس کی تعریف کریں یا جو آدمی آپ کے بیٹے کو قتل کر دے تو آپ اس سے قصاص کی بجائے اپنے بیٹے کا خون بہالے کر اپنے دشمن پر احسان کریں ﴿فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهُ عَدَاوَةٌ كَانَتْ وَلِیًّا حَنِیْمًا﴾ سو وہ شخص جس کی آپ کے درمیان اور اس کے درمیان دشمنی ہے وہ یکدم ایسا ہو جائے گا گویا وہ گہرا دوست ہے (یعنی) جب آپ یہ کام کریں گے تو آپ کا سخت دشمن پلٹ کر گہرا دوست بن جائے گا آپ کا مخلص چاہنے والا محبت ہو جائے گا پھر ارشاد فرمایا:

۳۵- ﴿وَمَا یُلْقِفُهَا﴾ اور وہ نہیں ملتی یعنی یہ خصلت جو بُرائی کے مقابلہ میں نیکی کرنے کی ہے نہیں ملتی ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوا﴾ مگر صرف انہیں لوگوں کو ملتی ہے جو صبر کرتے ہیں (یعنی) مگر صبر کرنے والوں کو ملتی ہے ﴿وَمَا یُلْقِفُهَا اِلَّا الَّذِیْنَ عَظِیْمُ﴾ اور وہ نہیں ملتی مگر بہت بڑے نصیب والے کو (یعنی) مگر خیر و بھلائی والے آدمی کو جسے خیر و بھلائی میں سے بہت بڑے حصے اور بہت بڑے نصیب کی توفیق عطا کی گئی [اور یہاں "فادفع بالتی ہی احسن" ("فا" سیبہ کے ساتھ) نہیں فرمایا اس لیے کہ یہ سوال مقدر کا جواب ہے گویا کہنے والے نے کہا کہ میں بُرائی کے جواب میں کیسے کروں تو اس کے جواب میں کہا گیا: "ادفع بالتی ہی احسن" تم اس بُرائی کو سب سے اچھے طریقے سے دور کرو اور بعض نے کہا: "لا" تاکید کے لیے زائد ہے، نفی کا معنی مراد نہیں ہے اور معنی یہ ہے کہ "لا تستوی الحسنہ والسئئہ" نیکی اور بُرائی برابر نہیں ہوتی اور اس تفسیر کی بناء پر قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ "ادفع بالتی ہی حسنہ" کہا جائے لیکن "التی ہی احسن" کو "حسنہ" کی جگہ رکھا گیا تا کہ بھلائی کے ساتھ دفاع میں زیادہ مبالغہ کیا جاسکے اس لیے کہ جس نے کسی بُرائی کو بھلائی کے ساتھ دفع کیا اس کے لیے آسان ہے کہ وہ اس سے کم کے ساتھ بُرائی کا دفاع کرے [حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: "بالتی ہی احسن" کا معنی یہ ہے کہ غضب کے وقت صبر کرنا اور جہالت و نادانی کے بدلے بردباری اور حوصلہ کرنا اور بُرائی کے بدلے معاف کر دینا اور "حفظ" کا مطلب ثواب بیان کیا گیا ہے اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! جنت سے بڑا نصیب اور بڑا حصہ اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

شان نزول: بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ حضرت سفیان بن حرب اموی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی، کیونکہ یہ اسلام لانے سے پہلے حضور نبی کریم روف الرحیم ﷺ کے سخت ایذا اور تکلیفیں پہنچانے والے دشمن ہوا کرتے تھے پھر اسلام لانے کے بعد آپ کے گہرے اور مخلص خیر خواہ دوست وحامی بن گئے۔

۳۶- ﴿وَمَا یُنزِعُكَ مِنَ الشَّیْطَانِ نَزْعًا﴾ اور (اے انسان!) اگر تمہیں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پہنچے (تو اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو) "نزع" کو "نخس" کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے (دونوں کا معنی اُکسانا، برا بیچھتہ کرنا ہے) اور شیطان انسان کو اُکساتا اور برا بیچھتہ کرتا ہے گویا اس کے اُکسانے اور اس کے اُبھارنے کی وجہ سے انسان نامناسب اقدام کر لیتا ہے اور "نزع" (مصدر) کو "نزع" قرار دیا گیا جیسا کہ کہا جاتا ہے: "جد جدہ" یا پھر "واما ینزعنک" سے مراد

”نازغ“ ہے اور شیطان کے لیے مصدر کے ساتھ وصف بیان کیا گیا یا اس سے شیطان کا گمراہ کرنا اور بھلانا مراد ہے اور معنی یہ ہے کہ بھلائی کے ساتھ بُرائی کے دفاع کی تمہیں جو وصیت اور تاکید کی گئی ہے، اگر اس سے شیطان تمہیں گمراہ کرنا چاہے یا اسے تم سے بھلانا چاہے ﴿فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ﴾ تو تم اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو اس کے شر سے بچنے کے لیے اور اپنے حلم و بردباری پر قائم رہ کر چلتے رہو اور اس کا کہنا نہ مانو ﴿إِنَّكَ هُوَ السَّمِيعُ﴾ بے شک وہ تمہاری پناہ طلب کرنے کی دعا اور فریاد کو خوب سننے والا ہے ﴿الْعَلِيمُ﴾ وہ شیطان کے اُکسانے کو خوب جاننے والا ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ
وَأَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿۳۷﴾ فَإِنِ اسْتَكْبَرُوا
فَالَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿۳۸﴾ وَمِنْ
آيَاتِهِ أَن تَدْرِي الْأَرْضُ خَاشِعَةٌ فَإِذَا أُنزِلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ
إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لَمُحْيِي الْمَوْتِ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۹﴾

اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن اور سورج اور چاند ہیں، تم نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو اور تم صرف اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا فرمایا اگر تم صرف اس کی عبادت کرتے ہو، پھر اگر وہ تکبر کریں تو وہ (فرشتے) جو تمہارے پروردگار کے پاس ہیں، وہ رات اور دن اسی کی تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں اور وہ نہیں تھکتے اور اس کی نشانیوں میں سے (یہ بھی ہے) کہ بے شک تم زمین کو خشک دیکھتے ہو، پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ کھیتی سے تروتازہ ہو کر لہلہانے لگتی ہے اور بڑھنے لگتی ہے، بے شک جس نے اس کو زندہ کیا ہے وہی ضرور مردوں کو زندہ کرنے والا ہے، بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادت کے لیے قدرت کی نشانیوں کا بیان

۳۷- ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن ہیں (یعنی) اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت و رہنمائی کرنے والی نشانیوں میں سے رات اور دن ہیں جو معین حد پر ایک دوسرے کے تعاقب میں رواں دواں رہتے ہیں اور مقررہ مقدر پر باری باری دونوں چلتے رہتے ہیں ﴿وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾ اور سورج اور چاند ہیں جو دونوں مقدر مسافت اور مقررہ نور کے ساتھ مختص ہیں ﴿لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ﴾ تم نہ سورج کے لیے سجدہ کرو اور نہ چاند کے لیے کیونکہ یہ دونوں مخلوق ہیں اگرچہ ان کے منافع اور فوائد بہت زیادہ ہیں ﴿وَأَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾ اور تم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کیا کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے اگر اس کی عبادت کرتے ہو اور ”خالق“ میں ”هَنْ“ ضمیر آیات کی طرف لوٹی ہے (یعنی ان تمام نشانیوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اس لیے وہی خالق عبادت کا مستحق ہے نہ کہ یہ مخلوق) یا یہ ضمیر ”لیل“، ”نہار“ اور ”شمس“ اور ”قمر“ کی طرف لوٹی ہے کیونکہ غیر ذوی العقول جماعت کا حکم مؤنث کے حکم کی مثل ہوتا ہے یا پھر ستاروں کی طرف لوٹی ہے جیسے ”الاقلام بریتھا“ اور ”لاقلام

بریتھن “کہنا جائز ہے [اور ممکن ہے ان میں سے کچھ لوگ سورج اور چاند کو سجدہ کرتے ہوں جیسے صابین ستاروں کی عبادت و پرستش کرتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ستاروں کو سجدہ کرنے سے اصل میں اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کا قصد اور ارادہ کرتے ہیں اس لیے اس آیت مبارکہ میں انہیں اس واسطے سے روکا اور منع کیا گیا ہے اور انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے سجدوں میں خالص اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی نیت کیا کریں، اگر وہ واقعی اس کی عبادت کرتے ہیں اور وہ مؤحد اور توحید پرست بن کر ہیں، مشرک و شرک کرنے والے بن کر نہ رہیں کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی غیر کی بھی عبادت کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا عبادت گزار بندہ اور اللہ تعالیٰ کا عابد نہیں کہلاتا۔

۳۸- ﴿فَإِنْ اسْتَكْبَرُوا فَالَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ﴾ پھر اگر وہ تکبر کریں تو جو آپ کے پروردگار کے پاس ہیں یعنی فرشتے ﴿يَسْتَحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْمُونَ﴾ وہ اس کے لیے رات اور دن تسبیح اور پاکی بیان کرتے ہیں اور وہ تھکتے نہیں نہ وہ اکتاتے ہیں اور معنی یہ ہے کہ پھر اگر وہ تکبر کریں اور انہیں جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل نہ کریں اور واسطہ کے بغیر براہ راست عبادت الہی سے انکار کر دیں تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ اخلاص کے ساتھ عبادت کرنے والے اور سجدہ کرنے والے کو ضائع نہیں کرے گا اور اس کے بڑے مقرب و خاص بندے ہیں جو رات اور دن شریکوں سے اللہ تعالیٰ کی براءت اور اس کی تنزیہ بیان کرتے ہیں اور ”عند ربك“ سے قرب و مرتبہ اور کرامت و عزت مراد ہے اور ہمارے (احناف کے) نزدیک سجدہ تلاوت ”لا یسمنون“ پر کیا جائے گا اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ”تعبدون“ پر کیا جائے گا اور پہلا قول زیادہ محتاط ہے۔

۳۹- ﴿وَمِنْ آيَاتِنَا أَنْكَرَ الْأَرْضِ خَاشِعَةً﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ بے شک آپ دیکھتے ہیں کہ زمین خشک و بخر ہوتی ہے (یعنی) سوکھ کر غبار آلود ہوتی ہے ”خشوع“ کا معنی انتہائی عاجزی ہے سو اس زمین کی حالت کے بیان کے لیے بطور مجاز لیا گیا جب زمین قحط کی وجہ سے خشک ہو جاتی ہے اس پر کوئی سبزہ وغیرہ نہیں رہ جاتا ﴿فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ﴾ سو جب ہم اس پر پانی نازل کرتے ہیں (یعنی) جب ہم اس پر بارش برساتے ہیں ﴿أَهْتَزَّتْ﴾ تو زمین میں سبزہ اُگ کر لہلہانے لگتا ہے اور جھومنے لگتا ہے ﴿وَرَيْتُ﴾ اور وہ سبزہ اور گھاس وغیرہ بڑھ کر بلند اور اونچا ہو جاتا ہے ﴿إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لِلَّذِي الْمَوْتَىٰ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ بے شک جس نے اس (خشک زمین) کو زندہ کیا ہے البتہ وہی مردوں کو زندہ کرے گا بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے پس وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے مردوں کو اٹھانے پر ضرور قادر ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُكْفِرُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفُونَ عَلَيْنَا ۖ فَمَنْ يُلْقِي فِي النَّارِ حَيْدُرًا
أَمْ مَنْ يَأْتِي أَمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۖ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ ۚ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۳۹﴾
إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ﴿۴۰﴾ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ
مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿۴۱﴾

بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں انحراف کرتے ہیں وہ ہم سے پوشیدہ نہیں رہتے تو کیا جو آگ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا جو قیامت کے دن امن کے ساتھ آئے گا تم جو چاہو عمل کرو بے شک تم جو عمل کرتے ہو وہ خوب دیکھنے والا ہے ۰

بے شک جن لوگوں نے نصیحت (قرآن) کے ساتھ کفر کیا جب وہ ان کے پاس آئی اور بے شک وہ البتہ بڑی عزت والی کتاب ہے O باطل نہ اس کے آگے سے آسکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے یہ بڑی حکمت والے بہت تعریف کیے ہوئے کی طرف سے نازل کی گئی ہے O

منکرین قرآن کی مذمت اور قرآن کی عظمت کا بیان

۴۰۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا﴾ بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں انحراف کرتے ہیں کہ وہ ہمارے دلائل میں زبانِ طعن دراز کرتے ہوئے حق سے روگردانی کر لیتے ہیں اور حق سے پھر جاتے ہیں اور ”الحاد الحافر ولحد“ اس وقت بولے جاتے ہیں جب گورکن سیدھی قبر کھود کر اس سے ایک کنارے کی طرف پھر جائے اور بغلی قبر کھودنے لگ جائے پھر اس لفظ کو قرآن مجید کی آیات کی تاویل و تشریح میں صحیح اور استقامت کے طریقے سے انحراف و اعراض کرنے کے لیے مانگ لیا گیا ہے [قاری حمزہ کی قراءت میں ”يُلْحِدُونَ“ (فتح الیاء باب فتح یفتح) ہے] ﴿لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا﴾ وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں اور نہ وہ ہم سے چھپے رہ سکتے ہیں اور یہ انحراف اور تحریف کرنے پر کفار کے لیے وعید (دھمکی) ہے ﴿أَكْفَنُ يُلْفَى فِي النَّارِ خَيْرًا مِّنْ يَأْتِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ تو کیا جو شخص دوزخ کی آگ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ شخص جو قیامت کے دن امن و امان کے ساتھ آئے گا۔ یہ کافر اور مؤمن کے لیے ایک مثال بیان کی گئی ہے (کہ کافر دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہوگا جب کہ مؤمن امن میں رہے گا) ﴿اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ﴾ تم جو چاہو عمل کرو۔ یہ سخت ترین دھمکی اور بہت بڑا ڈراوا ہے اور وعید (دھمکانے) میں مبالغہ ہے ﴿إِنَّكُمْ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ تم جو اعمال کرتے ہو بے شک وہ انہیں خوب دیکھنے والا ہے سو وہ ان اعمال پر ضرور سزا دے گا۔

۴۱۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ﴾ بے شک جن لوگوں نے ذکر کے ساتھ کفر کیا (یعنی) قرآن مجید کے ساتھ کفر و انکار کیا اس لیے کہ وہ اس کے ساتھ کفر کرنے کی وجہ سے اس میں طعن و تشنیع کرتے تھے اور اس کی تاویل میں تحریف کیا کرتے تھے ﴿لَمَّا جَاءَهُمْ﴾ جب وہ ان کے پاس آیا [”إِنَّ“ کی خبر محذوف ہے ”ای یعدون او هالکون او اولئک ینادون من مکان بعید“ ہے یعنی قرآن مجید کے ساتھ کفر کرنے والوں کو عذاب دیا جائے گا یا انہیں ہلاک کیا جائے گا یا انہیں کو دور جگہ سے پکارا جائے گا اور جو ان دونوں کے درمیان کلام ہے ”معرضہ ہے“ ﴿وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ﴾ اور بے شک یہ البتہ بڑی عزت و غلبہ والی کتاب ہے یعنی ایسی کتاب ہے جس کا معارضہ اور مقابلہ نہیں کیا جاسکتا اور اللہ تعالیٰ کی حمایت کی وجہ سے محفوظ کتاب ہے۔

۴۲۔ ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ﴾ اس کے پاس باطل نہیں آسکتا (یعنی) وہ نہ تبدیل ہو سکتی ہے اور نہ اس میں تناقض و مخالف ہو سکتا ہے ﴿مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ﴾ اس کے آگے سے اور نہ اس کے پیچھے سے یعنی تمام وجوہ میں سے کسی وجہ سے اس میں باطل کا گزر نہیں ہو سکتا (آگے پیچھے کا ذکر کثرت استعمال کی وجہ سے کیا گیا ہے) ﴿تَنْزِيلٌ مِّنْ حَيْثُ حَبِيبٌ﴾ (یہ قرآن) حمد و ثناء کے مستحق بہت بڑے حکمت والے خدا کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔

مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدَّ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ إِنَّ رَيْبَكَ لَدُوٌّ وَمُخِيبَةٌ
وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٌ ۝ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَجَبِيًّا لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُ

ءَاجِبِيَّ وَعَرَبِيَّ قُلْ هُوَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هٰدِيْ وَشِفَاۗءُ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْ
اِذَا نِمُّ وَقَدْ هُوَ عَلَيْهِمْ وَعَمِيْ اُولٰٓئِكَ يَنْادُوْنَ مِنْ تَمَكِّنٍ بَعِيْدٍ ۝۴۳

آپ کے لیے نہیں کہا جاتا مگر وہی جو آپ سے پہلے رسولوں کے لیے کہا گیا، بے شک آپ کا پروردگار ضرور بہت بخشنے والا اور دردناک عذاب دینے والا ہے۔ اور اگر ہم اس کو عجمی زبان کا قرآن بناتے تو وہ ضرور یہی کہتے کہ اس کی آیتوں کو کھول کر بیان کیوں نہیں کیا گیا، کیا قرآن عجمی ہے اور رسول عربی ہے، اے محبوب! فرمادیجئے یہ مسلمانوں کے لیے سراسر ہدایت اور شفاء ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بوجھ ہے اور وہ ان پر مشتبہ ہے، یہی لوگ ہیں جنہیں دور جگہ سے پکارا جاتا ہے۔

۴۳۔ ﴿ مَا يُقَالُ لَكَ ﴾ آپ کے لیے نہیں کہا جاتا (یعنی) آپ سے آپ کی قوم نہیں کہتی ﴿ اَلَا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ﴾ مگر وہی جو آپ سے پہلے رسولوں کے لیے کہا گیا تھا یعنی جس طرح گزشتہ انبیاء و رسل کی قوموں کے کفار اذیت ناک اور تکلیف دہ کلمات (جیسے ساحر، مجنون اور شاعر وغیرہ) کہتے تھے اور ان پر نازل شدہ کتابوں کے بارے میں طعنے (جیسے بناوٹی اور من گھڑت) دیتے تھے اسی طرح آپ کی قوم آپ سے کہتی ہے ﴿ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ ﴾ بے شک آپ کا پروردگار البتہ ضرور بہت بخشنے والا اور اپنے انبیائے کرام پر بہت رحم و کرم فرمانے والا ہے ﴿ وَذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ اور وہ اپنے دشمنوں کو دردناک عذاب دینے والا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کا یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ آپ سے اسی طرح ارشاد فرما رہا ہے جس طرح اس نے آپ سے پہلے رسولوں سے ارشاد فرمایا تھا اور وہ ارشاد یہی ہے کہ ﴿ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ بے شک آپ کا رب تعالیٰ اپنی قوم کو بہت بخشنے والا ہے اور اپنے دشمنوں کو دردناک عذاب دینے والا ہے۔

۴۴۔ ﴿ وَكُوْجَعَلْنٰهُ ﴾ اور اگر اس کو یعنی ذکر کو بناتے ﴿ قُرْاٰنًا اَعْجَبِيًّا ﴾ عجمی قرآن یعنی عجمی زبان کا قرآن بناتے دراصل کفار مکہ بغض و عناد اور تعصب کی بناء پر کہا کرتے تھے کہ قرآن مجید کو عجمی زبان میں کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ تو اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ اگر ایسا ہو جاتا جیسا یہ مطالبہ کرتے ہیں تو ﴿ لَقَالُوْا الْوَلٰٓئِكُمْ اٰتٰنَا ۝۴۴ ﴾ البتہ وہ کہتے کہ اس کی آیتوں کو کھول کر بیان کیوں نہیں کیا گیا یعنی وہ عناد کی وجہ سے کہتے: قرآن مجید کو عربی زبان میں واضح طور پر بیان کیوں نہیں کیا گیا تا کہ ہم اس کو سمجھ لیتے ﴿ ءَاجِبِيَّ وَعَرَبِيَّ ﴾ کیا یہ قرآن عجمی ہے اور رسول عربی ہے [امام حفص کے علاوہ دیگر اہل کوفہ قراء کی قراءت میں دو ہمزوں کے ساتھ ”اَعْجَبِيَّ“ ہے، پہلا ہمزہ انکار کے لیے ہے یعنی انہوں نے انکار کر دیا اور انہوں نے کہا: کیا قرآن عجمی ہے اور رسول عربی ہے یا جس قوم کی طرف قرآن بھیجا گیا ہے وہ عربی ہے اور باقی حضرات نے ایک استفہامی ممدودہ ہمزے کے ساتھ پڑھا ہے] اور عجمی وہ کلام ہوتا ہے جو غیر فصیح ہو اور اس کا کلام سمجھ میں نہ آتا ہو خواہ وہ عجم میں سے ہو یا عرب میں سے اور عجمی عجم کی قوم کی طرف منسوب ہوتا ہے خواہ فصیح ہو یا غیر فصیح اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی آیات ان کے پاس کسی بھی طریقہ پر آجاتیں تو وہ ان میں کوئی نہ کوئی دشواری اپنے لیے ڈھونڈ لیتے کیونکہ وہ لوگ حق کے طالب نہیں ہیں اور وہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور اس آیت مبارکہ میں اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس قرآن کو عجمی زبان میں نازل کر دیتا تو وہ ضرور قرآن ہی ہوتا، پس یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دلیل ہے کہ جب فارسی زبان میں قراءت کی جائے تو نماز جائز ہوگی ﴿ قُلْ هُوَ ﴾ اے محبوب! فرمادیجئے کہ یہ یعنی یہ

قرآن مجید ﴿لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى﴾ ایمان رکھنے والوں کے لیے سراسر ہدایت ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے ﴿وَشِفَاءٌ﴾ اور (یہ قرآن مجید) سینوں اور دلوں میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کے لیے شفاء ہے کیونکہ شک و شبہ (روحانی) بیماری ہے ﴿وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ﴾ اور جو لوگ (اس قرآن پر) ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بوجھ ہے [یہ محلاً مجرور ہے کیونکہ یہ "للذین امنوا" پر معطوف ہے "ای هو للذین امنوا هدی وشفاء وهو للذین لا یؤمنون فی اذانہم وقر" یعنی یہ قرآن اہل ایمان کے لیے تو ہدایت اور شفاء ہے اور یہ قرآن ایمان نہ لانے والوں کے لیے ان کے کانوں میں بوجھ ہے یعنی ان کے کان قرآن مجید سننے سے بہرے ہیں مگر یہ کہ اس میں "عاملین" پر عطف کیا جائے اور یہ انہما کے نزدیک جائز ہے یا یہ مبتدا محذوف ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: "(والذین لا یؤمنون) ہو (فی اذانہم وقر)" اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے یہ قرآن ان کے کانوں میں بوجھ ہے یا پھر "(فی اذانہم) منہ (وقر)" ہے یعنی اس کی وجہ سے ان کے کانوں میں بوجھ ہے ﴿وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَسَىٰ﴾ اور وہ یعنی قرآن ان پر ظلمت و تاریکی اور مشتبہ ہے ﴿أُولَٰئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ﴾ یہی لوگ ہیں جنہیں دور جگہ سے پکارا جائے گا یعنی بے شک ان لوگوں کا قرآن مجید کو قبول نہ کرنے اور اس سے نفع حاصل نہ کرنے کی وجہ سے گویا انہیں دور کی مسافت سے قرآن مجید پر ایمان لانے کے لیے پکارا جاتا ہے جہاں سے وہ نہیں سن سکتے اور بعض نے کہا کہ کفار کو قیامت کے دن دور جگہ سے بدترین ناموں کے ساتھ پکارا جائے گا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ ۗ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَفَقِئَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكِّ مِمَّنْ مَرِيبٍ ﴿۳۵﴾ مَنْ عَمِلْ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلِيَهَا ۗ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ﴿۳۶﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی سو اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو البتہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا اور بے شک وہ اس سے تردد میں ڈالنے والے شک میں ہیں ۰ جو نیک عمل کرے گا تو اپنی جان ہی کے فائدے کے لیے کرے گا اور جو برا عمل کرے گا تو اس کا وبال اسی پر ہوگا اور آپ کا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ۰

حضرت موسیٰ کی کتاب میں بنی اسرائیل کے اختلاف کا بیان

۴۵ - ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ﴾ اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی سو اس میں اختلاف کر دیا گیا چنانچہ بنی اسرائیل میں سے بعض نے کہا کہ یہ کتاب برحق ہے اور ان میں سے بعض نے کہا کہ یہ باطل ہے جیسا کہ آپ کی قوم قریش مکہ نے آپ کی کتاب قرآن مجید میں اختلاف کیا ہے ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَفَقِئَ بَيْنَهُمْ﴾ اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے عذاب کی تاخیر کی بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان ضرور فیصلہ کر دیا جاتا اور اللہ تعالیٰ ان کو اس طرح تباہ و برباد اور ہلاک کر دیتا جس طرح جڑ سے اکھیڑ کر ہلاک کیا جاتا ہے اور بعض کا قول ہے کہ کلمہ سابقہ سے قیامت کے دن فیصلہ کرنے کا وعدہ مراد ہے اور بے شک اسی دن میں تمام جھگڑوں کا فیصلہ کیا جائے گا اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو دنیا میں ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا ﴿وَالَّذِينَ﴾ اور بے شک وہ (یعنی) اور بے شک کفار ﴿لَفِي شَكِّ﴾

قِنَّهُ مُرِيْبٌ ﴿ ضرور اس کے بارے میں تردید میں ڈالنے والے شک میں مبتلا ہیں۔

۴۶۔ ﴿مَنْ عَمِلْ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ﴾ جو شخص نیک عمل کرتا ہے تو اس کا نفع اسی کی جان کے لیے ہوتا ہے ﴿وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلِيَهَا﴾ اور جو شخص بُرے عمل کرتا ہے تو اس کا ضرر اس کی ذات پر پڑے گا ﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ﴾ اور آپ کا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں کہ وہ بُرے عمل نہ کرنے والے کو عذاب میں مبتلا کر دے۔

إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرَاتٍ مِنْ أَكْمَامٍهَا وَمَا

تَحْمِلُ مِنْ أَنْثَى وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَائِيَ قَالُوا

أَذْنُكَ مَا مَتَّانٍ نَهَيْدِي ﴿۳۷﴾ وَصَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَدْعُونَ مِنْ قَبْلُ وَظَلُّوا

مَا لَهُمْ مِنْ حَیْصٍ ﴿۳۸﴾

قیامت کا علم اسی کی طرف پھیرا جاتا ہے اور پھلوں میں سے کوئی بھی اپنے غلاف سے نہیں نکلتا اور نہ مادہ میں سے کوئی حاملہ ہوتی ہے اور نہ وہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے اور جس دن وہ انہیں پکارے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں وہ کہیں گے: ہم نے آپ کو بتا دیا ہے کہ ہم میں سے کوئی گواہی دینے والا نہیں ہے اور ان سے وہ گم ہو گئے ہیں جن کی وہ اس سے پہلے عبادت کرتے تھے اور انہوں نے گمان کر لیا کہ ان کے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی علمی شان اور بت پرستی کی مذمت

۴۷۔ ﴿إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ قیامت کا علم اسی (اللہ تعالیٰ) کی طرف پھیرا جاتا ہے یعنی قیامت کے وقوع پذیر ہونے کا علم صرف اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے لہذا جس آدمی سے قیامت کے آنے کے بارے میں سوال کیا جائے کہ قیامت کب واقع ہوگی تو اس آدمی پر واجب اور لازم ہے کہ وہ کہہ دے کہ اس کے بارے میں صرف اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے ﴿وَمَا تَخْرُجُ مِنْ أَكْمَامٍهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أَنْثَى وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ﴾ اور پھلوں میں سے کوئی اپنے غلاف سے نہیں نکلتا اور نہ کوئی مادہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ وہ جنتی ہے مگر سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے یعنی پھلوں میں سے کوئی پھل پیدا نہیں ہوتا اور نہ حمل اٹھانے والی مادہ اپنا حمل اٹھاتی ہے اور نہ کوئی بچہ جننے والی مادہ کوئی بچہ جنتی ہے مگر اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں کو خوب جاننے والا ہے وہ حمل کے دنوں کی تعداد کو بھی جانتا ہے اور اس کے تمام اوقات کو بھی جانتا ہے اور اس کے تمام حالات کو بھی جانتا ہے کہ ہونے والا بچہ ناقص ہے کہ مکمل ہے اور نر ہے کہ مادہ (بچہ ہے یا بچی ہے) اور خوب صورت ہے یا بد صورت ہے وغیرہ وغیرہ [”اکمام“، ”کم“ کی جمع ہے جس کا معنی پھل نکلنے سے پہلے شگوفہ یا غلاف ہے جس میں نکلنے والا پھل محفوظ ہوتا ہے قاری نافع مدنی، ابن عامر شامی اور امام حفص کی قراءت میں ”ثمرات“ الف کے ساتھ (”ثمرۃ“ کی جمع) ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک بغیر الف کے ”ثمرۃ“ ہے] ﴿وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَائِيَ﴾ اور جس دن اللہ تعالیٰ مشرکین کو پکار کر فرمائے گا: میرے شریک کہاں ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے گمان پر شرکاء کی نسبت و اضافت اپنی ذات کی طرف کی ہے اور اس کا بیان اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: ﴿وَمَا قَرَأَ مَعَكُمْ شُفَعَاءَ كُمْ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ﴾ (الانعام: ۹۴) اور ہم تمہارے ساتھ تمہاری سفارش کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کے

متعلق تم گمان کرتے تھے کہ وہ تمہارے بارے میں شریک ہیں، اور اس آیت مبارکہ میں ان کے ساتھ مسخری اور ٹھٹھا مخلول کیا گیا اور انہیں ڈرایا دھمکایا گیا ہے ﴿قَالُوا اِذْ تُلَقُّوْهُمْ﴾ وہ کہیں گے: ہم نے تجھے بتلا دیا ہے (یعنی) ہم نے تجھے آگاہ کر دیا ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے آپ کو خبر بیان کر دی ہے اور یہی زیادہ ظاہر اور مناسب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اس کو پہلے ہی سے جانتا ہے اور عالم کو آگاہ کرنا محال ہے لیکن عالم کو کسی چیز کی خبر بیان کرنا تو اس سے اس کے علم کا ثبوت واضح ہو جائے گا مگر یہ کہ اس کا معنی یہ ہو کہ بے شک اے اللہ! اس وقت ہمارے دلوں میں جو کچھ ہے آپ خوب جانتے ہیں کہ ہم یہ باطل گواہی نہیں دیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے تو گویا انہوں نے اسے بتلا دیا کہ ﴿مَا مَتَّكِنٌ شَرِيحًا﴾ ہم میں سے کوئی گواہی دینے والا نہیں ہے یعنی ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جو یہ گواہی دے کہ آپ کے ساتھ اور معبود شریک ہیں اور ہم میں سے کوئی نہیں مگر وہ آپ کی توحید کا اعتراف کرنے والا ہے یا یہ معنی ہے کہ ہم میں سے کوئی انہیں نہیں دیکھ رہا کیونکہ اس روز مشرکین ان سے گم ہوں گے اور ان کے معبودانِ باطلہ ان سے گم ہو چکے ہوں گے یہ مشرکین ڈانٹ ڈپٹ کے وقت انہیں نہیں دیکھ سکیں گے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ شریکوں (یعنی بتوں) کا کلام ہے یعنی ہم میں سے کوئی گواہی دینے والا نہیں ہے جو یہ گواہی دے کہ انہوں نے ہماری طرف شرک کی نسبت کی تھی۔

۴۸- ﴿وَصَلِّ عَنْهُمْ قَبْرًا كَانُوا يَدْعُونَ﴾ اور ان مشرکین سے وہ معبود گم ہو جائیں گے جن کی یہ لوگ عبادت کرتے تھے۔ ”يَدْعُونَ“ بہ معنی ”يَعْبُدُونَ“ ہے کہ جن بتوں کی یہ لوگ عبادت کرتے تھے وہ ان سے گم ہو جائیں گے اور ان کے کام نہیں آئیں گے ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے (یعنی) دنیا میں ﴿وَكَلَّمُوا مَا لَهُمْ مِنْ شَيْءٍ﴾ اور وہ یقین کر لیں گے کہ ان کے لیے کہیں بھاگ جانے کی کوئی جگہ نہیں۔ ”ظَنُّوا“ بہ معنی ”ايَقِنُوا“ ہے کہ وہ یقین کر لیں گے۔

لَا يَسْعُرُ الْاِنْسَانَ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ وَإِنْ نَسِيَ الشَّرَّ فَيُؤَسِّ قَنُوطٌ ۝۴۹ وَلَئِنْ
 اَذَقْتَهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرَّاءٍ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ هَذَا لِي وَمَا اَظُنُّ السَّاعَةَ
 قَائِمَةً ۝ وَلَئِنْ رُجِعْتُ اِلَىٰ رَبِّي اِنَّ لِي عِنْدَهُ لَلْحُسْنٰى فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ
 كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَلَنُنَادِيْهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ۝۵۰ وَاِذَا نَعَمْنَا عَلٰى الْاِنْسَانِ
 اَعْرَضَ وَنَايِبًاۙ نَّيْبًا ۝۵۱

انسان بھلائی مانگنے سے نہیں تھکتا اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچے تو وہ مایوس و ناامید ہو جاتا ہے ۵ اور اگر اسے تکلیف پہنچنے کے بعد ہم اپنی طرف سے اس کو رحمت کا مزہ چکھا دیں تو وہ ضرور کہے گا: یہ میرے لیے ہے اور میں قیامت کو قائم ہونے والی خیال نہیں کرتا اور البتہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا گیا تو بے شک اس کے پاس میرے لیے ضرور بھلائی ہوگی سو جن لوگوں نے کفر کیا ہے ہم انہیں ان اعمال سے ضرور آگاہ کریں گے جو انہوں نے کیے اور ہم انہیں ضرور سخت عذاب چکھائیں گے ۵ اور جب ہم انسان پر احسان کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور اپنا پہلو بچا کر دور ہو جاتا ہے اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعا کرنے والا ہو جاتا ہے ۵

انسان کا حرص کبھی ختم نہیں ہوتا

۴۹۔ ﴿لَا يَسْعَى الْإِنْسَانُ﴾ انسان نہیں تھکتا (یعنی) کافر انسان کبھی نہیں اکتاتا جس کی دلیل (درج ذیل) ارشاد ہے: ”وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً“ (الکہف: ۳۶) ”اور میں قیامت کو قائم ہونے والی گمان نہیں کرتا“ ﴿مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ﴾ بھلائی مانگنے سے (یعنی) انسان مال و دولت کی وسعت و فراخی اور دیگر دنیاوی نعمتوں کی طلب میں کبھی نہیں تھکتا اور نہ ہی ان کی مانگ میں کبھی اکتاتا ہے [اور اصل میں ”مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ“ تھا پھر فاعل کو حذف کر دیا گیا اور ”دعاء“ کو مفعول کی طرف مضاف کر دیا گیا] ﴿وَأَنْ نُّسَبُّ الشَّرَّ﴾ اور اگر اس کو کوئی تکلیف اور مصیبت پہنچتی ہے جیسے فقر و فاقہ اور غربت و ناداری ﴿فَيَتَوَسَّسُ﴾ تو وہ خیر و بھلائی اور مال و دولت سے مایوس ہو جاتا ہے ﴿فَنُؤِظُ﴾ اللہ تعالیٰ کی رحمت و کرم سے ناامید ہو جاتا ہے۔ اس میں دو طریقوں سے مبالغہ کیا گیا، ایک فاعل کے وزن پر کلمہ کو لانے کے طریقہ سے اور دوسرا تکرار کے طریقہ سے اور ”فَنُؤِظُ“ یہ ہے کہ انسان پر مایوسی کا اثر ظاہر ہونے لگے اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے یعنی اس کی امید اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی رحمت سے ٹوٹ جائے اور یہ صفت کافر کی ہوتی ہے جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ”إِنَّهُ لَا يَأْتِسُّ مِنْ رُوحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ“ (یوسف: ۸۷) ”بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس و ناامید نہیں ہوتے مگر کفار لوگ“۔

۵۰۔ ﴿وَلَكِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْ بَعْدِ إِذْ أَسْرَأْهُ مَشْتَهُ لِيَقُولَنَّ هَذَا لِي﴾ اور اگر ہم اس (انسان) کو اپنی طرف سے کوئی رحمت کا مزہ چکھا دیں اس کے بعد کہ اس کو کوئی تکلیف اور مصیبت پہلے پہنچ چکی ہو تو وہ ضرور یہی کہے گا کہ یہ میرے لیے ہے (یعنی) اور جب ہم اس سے کوئی بیماری وغیرہ دور کر کے صحت و تندرستی عطا کرتے ہیں اور تنگ دستی و غربت کو دور کر کے مال و دولت میں خوش حالی اور فراخ روزی عطا کرتے ہیں تو کہتا ہے: یہ میرے لیے ہے یعنی یہ میرا حق ہے جو مجھے مل گیا ہے کیونکہ نیک اعمال اور خاندانی فضیلت و برتری اور خیر و بھلائی جو مجھے حاصل ہے اس کی وجہ سے میں اس کا مستحق ہوں یا یہ معنی ہے کہ یہ میرے لیے ہے مجھ سے کبھی زائل نہیں ہوگی ﴿وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً﴾ اور میں قیامت کو قائم ہونے والی گمان نہیں کرتا یعنی میں اس کے بارے میں یہ گمان نہیں رکھتا کہ وہ قائم ہوگی ﴿وَلَكِنْ تَرْجِعُنَّ إِلَىٰ مٰبِئِئِ﴾ اور اگر میں اپنے پروردگار کی طرف واپس لوٹا یا گیا جیسا کہ مسلمان کہتے ہیں تو ﴿إِنِّيٰ عِندَكَ لِلْحُسْنٰی﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس میرے لیے ضرور بھلائی ہی ہوگی یعنی جنت یا بہترین حالت عزت و کرامت اور نعمت ہوگی وہ دنیا کے معاملہ پر آخرت کے معاملہ کو قیاس کر کے یہ کہے گا: ﴿فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا عَمِلُوا﴾ سو ہم کفر اختیار کرنے والے لوگوں کو ضرور آگاہ کریں گے جو کچھ انہوں نے اعمال کیے ہیں (یعنی) عذاب کو واجب کرنے والے اعمال کی حقیقت سے ہم انہیں ضرور آگاہ اور خبردار کریں گے جو انہوں نے دنیا میں رہ کر کیے ہیں ﴿وَلَنُنَبِّئُهُنَّ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ﴾ اور ہم انہیں سخت عذاب کا مزہ ضرور چکھائیں گے جو ان سے کبھی کم نہ ہوگا۔ ”غلیظ“ بہ معنی شدید ہے۔

۵۱۔ ﴿وَلَا تَعْمَلُنَّ عَلَىٰ الْإِنْسَانِ أَعْرَاضَ﴾ اور جب ہم انسان پر کوئی احسان کرتے ہیں تو وہ اعراض کر لیتا ہے۔ یہ انسان کی سرکشی کی دوسری قسم ہے کہ جب اللہ تعالیٰ انسان کو کوئی نعمت عطا کرتا ہے تو وہ اتر اجاتا ہے اور غرور و تکبر کرتا ہے پس وہ اپنے منعم اور اپنے محسن کو بھول جاتا ہے اور اس کا شکر ادا کرنے کی بجائے اس سے منہ پھیر لیتا ہے ﴿وَتَالْحٰجٰتِیۡنِ﴾ اور وہ اپنی طرف دور ہو جاتا ہے (یعنی) اور وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اور اس سے دعا مانگنے سے دور ہو جاتا ہے یا وہ بذات خود

روگردان ہو کر دور چلا جاتا ہے اور تکبر و غرور اختیار کر لیتا ہے اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ ”جانبہ“ کو ”نفسہ“ کی جگہ پر رکھا جائے کیونکہ کسی چیز کے مکان اور اس کی جہت کو اس کے نفس کے قائم مقام رکھا جاتا ہے جیسا کہ کاتبوں کا قول ہے: ”کتبت الی جہتہ والی جانبہ العزیز“ میں نے اس کی عزیز و پیاری جہت اور اس کی جانب خط لکھا ہے۔ ان کی مراد نفس اور اس کی ذات ہوتی ہے تو گویا فرمایا کہ وہ انعام پانے کے بعد اپنی ذات کے ساتھ دور ہو جاتا ہے ﴿وَإِذَا مَسَّ الشُّرُ﴾ اور جب اسے ضرر و نقصان اور فقر و غربت پہنچتی ہے ﴿فَذُوِّدُوا دُعَاءِ عَرِيضٍ﴾ تو وہ لمبی چوڑی کثرت سے دعا کرنے والا بن جاتا ہے یعنی وہ ہمیشہ دعا مانگنے پر متوجہ رہتا ہے اور وہ گڑگڑانا اور آہ وزاری کرنا شروع کر دیتا ہے اور ”عریض“ کے لفظ کو ہمیشہ اور کثرت سے دعا مانگنے کے لیے مانگ لیا گیا ہے اور یہ اجسام کی صفت سے ہے جیسا کہ ”غلیظ“ کے لفظ کو سخت عذاب کے لیے مانگ لیا گیا ہے اور ”فَيَسُّوسُ فَنُطُوطُ“ کے ارشاد کے درمیان اور ”فَذُوِّ دُعَاءِ عَرِيضٍ“ کے ارشاد کے درمیان کوئی تضاد نہیں کیونکہ پہلا کسی قوم کے بارے میں ہے اور دوسرا کسی دوسری قوم کے بارے میں ہے یا ایک ہی قوم مراد ہے لیکن وہ قوم ناامید خستگی میں ہوتی ہے اور دعا مانگنے والی دریا میں ہوتی ہے یا دل میں ناامید ہوتی ہے اور زبان سے دعا مانگتی ہے یا پھر بتوں سے ناامید ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے والی ہوتی ہے۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهِ مَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿۵۲﴾ سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْأَفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّ اللَّهَ الْحَقُّ أَوْلَمُ يُكْفِرُونَ بِرَبِّكَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۵۳﴾ إِلَّا أَنْتُمْ فِي مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاءِ رَبِّكُمْ ۗ إِلَّا أَنْتُمْ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطُونَ ﴿۵۴﴾

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم بھلا بتلاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہو پھر تم نے اس کے ساتھ کفر کیا تو اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو حق کی مخالفت میں دور جا پڑا O عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں دنیا بھر میں دکھائیں گے اور خود ان کی اپنی جانوں میں بھی یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ بے شک یہ حق ہے، کیا تمہارا پروردگار کافی نہیں بے شک وہ تو ہر چیز پر گواہ ہے O سنو! بے شک وہ اپنے پروردگار کی ملاقات کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں، سنو! بے شک وہی ہر چیز کو محیط ہے O

۵۲- ﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهِ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ کیا تم نے دیکھ لیا (یعنی) مجھے خبر دو اور مجھے بتلاؤ کہ ﴿إِنْ كَانِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهِ﴾ اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو پھر تم اس کے ساتھ کفر کرو (یعنی) پھر اس بات کا انکار کر دو کہ بے شک یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو ﴿مَنْ أَضَلُّ﴾ ”منکم؟“ تم میں سے کون زیادہ گمراہ ہوگا؟ ﴿مِمَّنْ هُوَ فِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ﴾ اس شخص سے جو قرآن کی مخالفت اور گمراہی میں بہت دور جا پڑا ہو۔ یہ ان کے حال اور صفت کا بیان ہے [”من اضل“ کے بعد ”منکم“ مقرر ہے مگر یہ کہ ”مِمَّنْ هُوَ فِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ“ کو ”منکم“ کی جگہ رکھا جائے]۔

۵۳- ﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْأَفَاقِ﴾ عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں دنیا بھر میں دکھائیں گے (یعنی) مشرق اور مغرب

میں بہت سے ممالک فتح کر کے ﴿وَفِي أَنْفُسِهِمْ﴾ اور فتح مکہ کے دن ہم انہیں اپنی قدرت کی نشانیاں خود ان کی اپنی جانوں میں دکھادیں گے ﴿حَتَّىٰ يَكْبِتُنَ لَهُمْ آتَةُ الْحَقِّ﴾ یہاں تک کہ ان کے لیے ظاہر ہو جائے گا کہ بے شک یہ یعنی قرآن مجید یا دین اسلام حق ہے ﴿أُولَٰئِكَ كَفَرُوا بِرَبِّكَ إِنَّهُمْ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شٰهِدُونَ﴾ اور کیا آپ کا پروردگار کافی نہیں بے شک وہ تو ہر چیز پر گواہ ہے [”بربک“ محلاً مرفوع ہے کیونکہ یہ ”یکف“ کا فاعل ہے اور مفعول محذوف ہے اور ”أِنَّهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ شٰهِدٌ“ اس سے بدل ہے اس کی مقدر عبارت یوں ہے: ”اولم یکفہم ان ربک علی کل شیء شہید“] اور کیا انہیں یہی کافی نہیں کہ بے شک آپ کا پروردگار ہر چیز پر گواہ ہے؟ یعنی کیا انہیں آپ کے پروردگار کا ہر چیز پر گواہ ہونا کافی نہیں؟ اور اس کا معنی یہ ہے کہ آفاق اور خود ان کی اپنی جانوں میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے اظہار کے اس وعدے کو عنقریب وہ دیکھ لیں گے اور وہ اس کا آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں گے اور اس وقت ان پر واضح طور پر ظاہر ہو جائے گا کہ بے شک یہ قرآن مجید ہر قسم کے غیب کو جاننے والے اس خدا کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو ہر چیز پر گواہ ہے۔

۵۴- ﴿الَاٰتِیٰتِمْ فِیْ مَدِیْنَةٍ مِّنْ لِّقَاءِ رَبِّہُمْ اِلَّا اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ﴾ سنو! بے شک وہ اپنے پروردگار کی ملاقات کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ سنو! بے شک وہ ہر چیز پر محیط ہے وہ تمام چیزوں کو خوب جاننے والا ہے اور ان کی تفصیل کو اور ان کے ظواہر کو اور ان کے بواطن کو سب کچھ جاننے والا ہے سو اس سے کوئی چھپنے والی چیز چھپی ہوئی نہیں رہتی سو وہی ان کے کفر پر اور اپنے پروردگار کی ملاقات میں شک کرنے پر انہیں سخت سزا دے گا۔

﴿اِنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿اِنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ﴾

سورۃ الشوریٰ کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۵ اس کی تریپن آیات پانچ رکوع ہیں

حَمْدٌ ۝۱ عَسَّ ۝۲ كَذٰلِكَ يُوْحٰی اِلَیْكَ وَاِلٰی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۝۳ اِنَّہٗ الْعَزِیْزُ

الْحَكِیْمُ ۝۴ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۝۵ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ

یَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِہُنَّ وَالْمَلٰئِكَةُ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّہُمْ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ

فِی الْاَرْضِ ۝۶ اِنَّ اللّٰہَ هُوَ الْعَفُوُّ الرَّحِیْمُ ۝۷

حَمْدٌ ۝۱ عَسَّ ۝۲ اسی طرح آپ کی طرف اور آپ سے پہلے پیغمبروں کی طرف اللہ تعالیٰ وحی نازل کرتا رہا ہے جو سب پر غالب ہے بہت حکمت والا ہے ۵ اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہ بلند مرتبہ والا بہت عظمت والا ہے ۶ قریب ہے کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں اور فرشتے اپنے پروردگار کی حمد و ثناء کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور زمین والوں کے لیے بخشش کی طلب کرتے ہیں خبردار رہو کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی بہت بخشنے والا ہے حد مہربان ہے ۷

اللہ تعالیٰ کی شان قرآن کے نزول کی حکمت اور کفار کی مذمت
سورۃ شوریٰ کی ہے اور اس سورۃ کی تریپن آیات ہیں۔

۲۱- ”کھیلےص“ (مریم:۱) کے خلاف ”حم“ کی کتابت ”عسق“ سے الگ اور جدا اس لیے کی گئی ہے کہ ”حم“ اپنی ہم مثل (یعنی سورت مؤمن سے سورت احقاف تک ”حم“ سے شروع ہونے والی سورتوں) کے موافق ہو جائے اور اس لیے کہ بے شک ”حم“ اور ”عسق“ دو آیتیں ہیں اور ”کھیلےص“ ایک آیت ہے۔

۳- ﴿كَذٰلِكَ يُوحٰى اِلَيْكَ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کی طرف وحی بھیجتا ہے یعنی اس وحی کی طرح یا اس کتاب کی طرح اللہ تعالیٰ آپ کی طرف وحی بھیجتا ہے ﴿وَ اِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں یعنی آپ سے پہلے دیگر انبیاء و رسل کی طرف ﴿اللہ﴾ یعنی جن معانی پر یہ سورت مشتمل ہے اس کے علاوہ دیگر سورتوں میں بھی انہیں معانی کی مانند اللہ تعالیٰ آپ کی طرف وحی نازل فرماتا ہے اور آپ سے پہلے رسولوں کی طرف بھی انہیں معانی کی وحی نازل کرتا رہا اور اس کا معنی اور مطلب یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ انہیں معانی کو قرآن مجید میں اور تمام آسمانی کتابوں میں بار بار بیان کرتا رہا ہے کیونکہ ان معانی میں بہت بڑی تشبیہ اور اس کے بندوں پر بہت بڑا لطف و کرم ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ کوئی صاحب کتاب نبی نہیں گزرا مگر اس کی طرف ”حم“ عسق“ کی وحی کی گئی [ابن کثیر کی قراءت میں ”یوحی“ میں ”حا“ مفتوح ہے اس قراءت کی بناء پر اسم جلالہ اللہ کو رفع دینے والا وہ ہے جس پر ”یوحی“ دلالت کر رہا ہے گویا کہنے والے نے کہا کہ وحی نازل کرنے والا کون ہے تو جواب میں کہا گیا: اللہ تعالیٰ ہے] ﴿الْعَزِیْزُ﴾ جو اپنے قہر کے ساتھ سب پر غالب ہے ﴿الْحَكِیْمُ﴾ وہ اپنے ہر قول اور ہر فعل میں درست اور صحیح ہے۔

۴- ﴿لَهُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ آسمانوں میں جو کچھ ہے اور زمین میں جو کچھ ہے سب کا سب اسی (اللہ تعالیٰ) ہی کی ملکیت میں ہے اور سب کا وہی بادشاہ ہے ﴿وَهُوَ الْعَلِیُّ﴾ اور وہی ہے جس کی شان بہت بلند ہے ﴿الْعَظِیْمُ﴾ اس کی برہان بہت بڑی ہے۔

۵- ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ﴾ قریب ہے تمام آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بلند و بالا شان اور اس کی عظمت و کبریائی کی وجہ سے قریب ہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں اور اس کی دلیل اس آیت مبارکہ کا ”العلی العظیم“ کے بعد آنا ہے اور بعض حضرات کا یہ قول ہے کہ کفار و مشرکین کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا دعویٰ کرنے کے سبب قریب ہے کہ تمام آسمان پھٹ پڑیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَكَذٰلَا“ (مریم: ۹۰-۹۱) ”قریب ہے کہ تمام آسمان اس کی وجہ سے پھٹ جائیں اور زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر گر پڑیں“ کہ انہوں نے رحمن کے لیے بیٹا ہونے کا دعویٰ کر دیا“ اور ”مِنْ فَوْقِهِنَّ“ کا معنی یہ ہے کہ ٹوٹ پھوٹ کا آغاز آسمانوں کی اوپر کی سمت سے ہو گا اور قیاس تو یہ ہے کہ یہ کہا جاتا کہ ”يَتَفَطَّرْنَ مِنْ تَحْتِهِنَّ“ یعنی تمام آسمان اپنے نیچے سے اس جہت سے پھٹ پڑیں گے جس سے کفر و شرک کا کلمہ آیا کیونکہ کفر و شرک کا کلمہ ان لوگوں سے آیا جو آسمانوں کے نیچے رہتے ہیں لیکن اس میں مبالغہ کیا گیا ہے پس یہ کلمہ اوپر کی جہت میں بھی موثر قرار دیا گیا ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ قریب ہے کہ آسمان نیچے کی جہت چھوڑ کر اوپر کی جہت سے پھٹ جائیں اور بعض حضرات نے فرمایا: ”مِنْ فَوْقِهِنَّ“ کا مطلب ”مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ“ یعنی زمین کے اوپر پھٹ جائیں سو کنا یہ زمین کی طرف راجع ہے کیونکہ وہ ”الارضین“ کے معنی میں ہیں اور بعض اہل علم کا فرمان ہے کہ آسمانوں پر فرشتوں کی کثرت کے سبب قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ آسمان چرچراتا ہے اور اس کا حق ہے کہ وہ چرچرائے کیونکہ آسمان میں ایک قدم کی جگہ بھی خالی نہیں مگر ہر جگہ فرشتے قیام رکوع اور سجدے کی

حالت میں عبادت میں مصروف رہتے ہیں [نافع مدنی اور علی کسائی کی قراءت میں "یکادہ"، "یا" کے ساتھ ہے اور ابو عمرو بصری اور ابو بکر کوفی کی قراءت میں "ینفطون" ہے] ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ اور فرشتے اپنے پروردگار کی عظمت و شان کو دیکھ کر عاجزی کے ساتھ اس کی حمد و ثناء اور تسبیح بیان کرتے ہیں ﴿وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ﴾ اور وہ زمین والوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں (یعنی) ان میں سے مسلمانوں کے لیے مغرب طلب کرتے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (المومن: ۷) "اور وہ اہل ایمان کے لیے بخشش کی دعا کرتے ہیں" اللہ تعالیٰ کی شان و شوکت اور رعب و دبدبہ کی وجہ سے ان پر خوف و ڈر طاری رہتا ہے یا وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار و اعتراف کرتے ہوئے اس کی توحید کو بیان کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی ان صفات سے پاکی بیان کرتے ہیں جو اس پر جائز نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں پر حمد و ثناء بیان کرتے ہیں جو اس نے اپنے لطف و کرم سے انہیں عطا فرمائیں اور وہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے مشرکین کی حرکات کو دیکھ کر تعجب کا اظہار کرتے ہیں اور زمین پر رہنے والے مسلمانوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں جو اس کلمہ سے بری ہیں یا وہ اپنے پروردگار سے زمین والوں کے لیے حلم کا مطالبہ کرتے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو جلد از جلد عذاب نہ دے ﴿اَلَا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ خبردار رہو! بے شک اللہ تعالیٰ ہی ان کے لیے بہت بخشش فرمانے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهَاۤ اَوْلِيَاءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝۶
 وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّيُنذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَيُنذِرَ
 يَوْمَ الْجُمُعَةِ لِمَشْرِكِيْ فِىْ فِرْعٰوْنِ فِي الْجَنَّةِ وَفِرْقٰنٍ فِى السَّعِيْرِ ۝۷ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ
 لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُدْخِلُ مَنْ يَشَآءُ فِى رَحْمَتِهٖ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا
 لَهُمْ مِنْ قٰرِيْ وَّلَآئِكَ اَمْرٌ اَتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهَاۤ اَوْلِيَاءَۗ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ
 يُحْيِي الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۸

اور جن لوگوں نے اس (اللہ تعالیٰ) کے سوا متولی بنا رکھے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر نظر رکھے ہوئے ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں ○ اور اسی طرح ہم نے عربی زبان میں قرآن آپ کی طرف وحی کیا ہے تاکہ آپ مکہ والوں کو اور اس کے گرد و نواح والوں کو ڈر سنائیں اور آپ جمع ہونے کے دن سے ڈرائیں جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ دوزخ میں ہوگا ○ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو ایک جماعت بنا دیتا لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور ظالموں کے لیے نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ کوئی مددگار ہوگا ○ کیا انہوں نے اس کے سوا متولی بنا رکھے ہیں؟ سو اللہ تعالیٰ ہی تمام امور کا متولی ہے اور وہی مردوں کو زندہ فرمائے گا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے ○

۶- ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهَاۤ اَوْلِيَاءَ﴾ اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اوروں کو دوست بنا لیا یعنی انہوں نے

اللہ تعالیٰ کے لیے بہت سے شریک اور ہمسر بنا لیے ﴿اللَّهُ حَقِيقٌ عَلَيْهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ ان پر نگہبان ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ ان کے احوال اور ان کے اعمال پر نگران اور ان پر مطلع ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں، سو وہ انہیں ان کے اعمال پر ضرور سزا دے گا ﴿وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ﴾ اور اے محمد (ﷺ)! آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں نہ تو آپ کو ان پر مقرر کیا گیا ہے اور نہ ان کے امور و معاملات آپ کے سپرد کیے گئے بے شک آپ تو صرف ڈرسانے والے ہیں اور بس۔

۷- ﴿وَكَذَلِكَ﴾ اور اسی طرح اور اسی کی مانند ﴿أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ﴾ ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہے اور یہ اس آیت مبارکہ کے معنی کی طرف اشارہ ہے جو اس سے پہلے گزر چکی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان کا نگران و محافظ ہے آپ نہیں بلکہ آپ ڈرسانے والے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس معنی کو اپنی کتاب قرآن مجید میں بار بار دہرایا ہے [پس کاف تشبیہ ”اوحینا“ کا مفعول بہ ہے] ﴿قَدْ آتَيْنَاكَ بَيِّنَاتٍ﴾ [یہ مفعول بہ سے حال ہے] یعنی ہم نے آپ کی طرف وحی نازل کی اور وہ قرآن مجید ہے جو واضح عربی زبان میں آپ پر نازل کیا گیا ہے ﴿لِتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ﴾ تاکہ آپ ام القریٰ (کے باشندوں) کو ڈرسانیں یعنی مکہ مکرمہ (کے رہنے والوں) کو کیونکہ زمین کو مکہ مکرمہ کے نیچے سے چار اطراف پھیلا یا گیا تھا یا اس لیے کہ یہ تمام روئے زمین کے حصوں سے افضل و اعلیٰ اور بزرگ ترین جگہ ہے اور ”ام القریٰ“ سے وہاں کے رہنے والے مراد ہیں ﴿وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ اور جو اس کے گرد و نواح میں رہنے والے اہل عرب ہیں ان کو بھی ڈرسانیں ﴿وَتُنذِرَ يَوْمَ الْجُمُعِ﴾ اور آپ جمع ہونے کے دن سے بھی ڈرائیے (یعنی) قیامت کے دن سے ڈرائیے کیونکہ اسی میں تمام لوگوں کو جمع کیا جائے گا ﴿لَا مَنِيْبَ فِيْهِ﴾ اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے [یہ جملہ معترضہ ہے اس کے لیے اعراب کا کوئی محل نہیں چنانچہ ”انذرتہ کذا“ اور ”انذرتہ بکذا“ دونوں طرح کہا جاتا ہے اور بے شک ”لتنذر ام القریٰ“ پہلے مفعول کی طرف متعدی کیا گیا ہے اور ”وتنذر يوم الجمع“ دوسرے مفعول کی طرف متعدی کیا گیا ہے] ﴿فَدِرْتِ فِي الْجَنَّةِ وَفَدِرْتِ فِي السَّعِيْرِ﴾ ایک گروہ جنت میں جائے گا اور ایک گروہ دوزخ میں جائے گا یعنی اور ان میں سے ایک گروہ جنت میں جائے گا اور ان میں سے ایک گروہ دوزخ میں جائے گا [اور ضمیر دونوں مجموعوں کے لیے ہے] کیونکہ معنی یہ ہے کہ قیامت کا روز تمام مخلوق کے لیے جمع ہونے کا دن ہے۔

۸- ﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو ضرور ایک جماعت بنا دیتا یعنی سب کو مسلمان بنا دیتا ﴿وَلَكِنْ يَدْخُلُ مِنْ يَشَاءَ فِي رَحْمَتِهِ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اسلام کے ساتھ مکرم و معزز کر دیتا ہے ﴿وَالظَّالِمُونَ مَا لَهُمْ مِنْ قَرِيٍّ وَلَا نَصِيْرٍ﴾ اور ظالموں کے لیے نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ کوئی مددگار ہوگا (یعنی) کافروں کے لیے نہ کوئی سفارش کرنے والا ہوگا اور نہ کوئی دفاع کرنے والا ہوگا ”الظالمون“ سے کفار مراد ہیں اور ”ولی“ سے سفارشی مراد ہے اور ”نصیر“ سے دافع مراد ہے۔

۹- ﴿أَمْ أَمَانَةٌ مِنْ دُونِهَا أُولِيَاءٌ قَالُوا اللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ﴾ کیا انہوں نے اس (اللہ تعالیٰ) کو چھوڑ کر دوسروں کو دوست بنا لیا ہے سو اللہ تعالیٰ ہی سب کا دوست و مددگار ہے ”فا“ شرط مقدر کا جواب ہے گویا اللہ تعالیٰ کے ماسواہر ولی کے انکار کے بعد کہا گیا کہ اگر ”ولسی“ سے حق مراد ہے تو اللہ تعالیٰ ہی برحق ولی ہے اور وہی اس بات کا حق دار ہے اکیلے اسی کو لازمی طور پر متولی اور دوست بنا لیا جائے اور اس کے ماسوا کوئی برحق ولی اور دوست نہیں ہے ﴿وَهُوَ يَحْيِي الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ اور وہی مردوں کو زندہ فرمائے گا اور وہی ہر چیز پر قدرت و اختیار رکھتا ہے پس اکیلا وہی اس بات کا حق دار ہے کہ تمام امور میں اسی کو متولی اور متصرف بنایا جائے نہ کہ اسے جو کسی چیز پر قدرت نہ رکھتا ہو۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ

وَالْيَهُ اُنْيَبُ ۝ فَاَطِرُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا

وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا يَذُرُّكُمْ فِيهِ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ

الْبَصِيرُ ۝ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۝

إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

اور جس چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو اللہ تعالیٰ میرا پروردگار ہے اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اس نے تمہارے لیے تمہاری جانوں میں سے جوڑے بنائے اور چوپایوں میں سے بھی جوڑے بنائے وہ تمہیں اس میں بڑھاتا ہے اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سب کچھ سننے والا (اور) سب کچھ دیکھنے والا ہے آسمانوں اور زمین کی چابیاں اسی کے لیے ہیں وہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور وہ (جس کے لیے چاہتا ہے اس کا رزق) تنگ کر دیتا ہے بے شک وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ۝

اختلافی مسائل اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان

۱۰۔ ﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ اور جس چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد مبارک کی حکایت ہے جو آپ نے مسلمانوں سے فرمایا تھا یعنی مشرکین اور اہل کتاب میں سے جو کفار کسی دینی مسئلہ میں تمہارے خلاف ہو جائیں اور تم اور وہ دین کے مسائل میں سے کسی مسئلہ میں مختلف ہو جاؤ ﴿فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾ تو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے یعنی اس اختلافی مسئلہ کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے اور وہی مسلمانوں میں سے اہل حق کو اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور اہل باطل کو سزا دے گا ﴿ذَلِكُمْ﴾ وہی جو قیامت کے روز تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے ﴿اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ﴾ اللہ تعالیٰ ہے جو میرا پروردگار ہے میں نے اسی پر بھروسہ کر رکھا ہے۔ اس میں دشمنان دین کے مکر و فریب کی تردید کی گئی ہے ﴿وَالْيَهُ اُنْيَبُ﴾ اور میں اسی کی طرف رجوع رکھتا ہوں وہی کفار کے شر کے مقابلے میں میری کفایت فرمائے گا اور بعض کا قول ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ علوم میں سے جس علم کے متعلق تمہارے درمیان اختلاف واقع ہو جائے جس کی رسائی کے تم مکلف نہیں ہو اور اس علم تک رسائی حاصل کرنے کا تمہارے پاس کوئی طریقہ بھی نہیں ہے تو تم کہہ دیا کرو: "اللہ اعلم" یعنی اللہ تعالیٰ ہی سب سے زیادہ بہتر جاننے والا ہے جیسے روح وغیرہ کی معرفت۔

۱۱۔ ﴿فَاَطِرُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ وہی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے [اس کا مرفوع ہونا اس بناء پر ہے کہ یہ "ذالکُم" کی خبروں میں سے ایک خبر ہے یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی "هو فاطر الخ"] ﴿جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا﴾ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہاری جانوں میں سے (عورتوں کی صورت میں) جوڑے بنائے (یعنی) اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہاری جنس بنی نوع انسان میں سے (عورتوں کے) جوڑے بنائے ﴿وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا﴾ اور

چوپایوں میں سے جوڑے (نر اور مادہ) بنائے یعنی اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے لیے بھی ان کی جنس سے جوڑے پیدا فرمائے ہیں ﴿يَذُرُّكُمْ﴾ وہی تمہیں پھیلاتا ہے (یعنی) وہ تمہیں بڑھاتا اور زیادہ کرتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: "ذَرَأَ اللَّهُ الْخَلْقَ بَثْمَهُمْ وَكَثَّرَهُمْ" اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پھیلا دیا اور ان کو نسل در نسل بڑھا دیا اور بہت زیادہ کر دیا ﴿فِيهِ ط﴾ اس تدبیر میں اور وہ تدبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جانوروں کے جوڑے بنائے یہاں تک کہ ان کے مذکروں (نروں) اور ان کی مؤنثوں (ماداؤں) کے درمیان اولاد اور نسل در نسل کا سلسلہ جاری ہو گیا اور "بہ" فرمانے کی بجائے "فِيهِ" کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس تدبیر کو ان کو پھیلانے اور کثرت سے بڑھانے کے لیے منبع و معدن اور سرچشمہ بنا دیا گیا اور "يَذُرُّكُمْ" میں "كُمْ" ضمیر مخاطبین اور جانوروں کی طرف لوٹتی ہے اس میں عقل مند مخاطبوں کو غیر عقل مند غائبوں پر غلبہ دے دیا گیا ہے ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ بے شک تشبیہ کے کلمے (کاف اور مثل) کو تمثیل اور مماثلت کی نفی کی تاکید و توثیق کے لیے مکرر لایا گیا ہے اور اس کی تقدیر عبارت یہ ہے: "لیس مثله شیء" اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس میں "مثل" زائد ہے اور اس کی تقدیر عبارت یوں ہے: "لیس کھو شیء" اس کی مثل کوئی چیز نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا" (البقرہ: ۱۳) "سو اگر وہ (یہود و نصاریٰ) اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح (اے اصحاب رسول!) تم ایمان لے آئے ہو تو وہ یقیناً ہدایت پالیں گے" اور یہ اس لیے کہ اس کلام سے مثلیت کی نفی مراد ہے اور جب کاف یا "مثل" (کسی ایک) کو زیادہ قرار نہیں دیا جائے گا تو "مثل" کا اثبات ہو جائے گا اور بعض نے فرمایا کہ اس سے "لیس کذاہ شیء" مراد ہے یعنی اس کی ذات کی مانند کوئی چیز نہیں ہے اس لیے کہ عرب کے لوگ کہتے ہیں: "مِثْلُكَ لَا يَخْلُ" تیرے جیسا کوئی بخیل نہیں۔ اس کلام سے مخاطب کی ذات سے بخل کی نفی مراد ہوتی ہے اور وہ کنایہ کے طور پر اس میں مبالغہ کرنے کا قصد کرتے ہیں کیونکہ جب انہوں نے اس شخص سے بخل کی نفی کر دی جو اصل مخاطب کا قائم مقام ہے تو انہوں نے اصل مخاطب سے بھی یقیناً بخل کی نفی کر دی پھر جب معلوم ہو گیا کہ یہ یقیناً کنایہ کے باب سے ہے تو اب "لیس کذاہ شیء" کے درمیان اور "لیس کماہ شیء" کے درمیان کوئی فرق نہیں رہا مگر یہ کہ کنایہ فائدہ دیتا ہے گویا یہ دونوں عبارتیں ایک معنی دیتی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے مماثلت کی نفی ہے اور اس کی مثل یہ ارشاد بھی ہے: "بَلْ يَدْعُهُمْ مَبْسُوطَتَانِ" (المائدہ: ۶۴) "بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ اور کھلے ہوئے ہیں" سو اس کا معنی یہ ہے کہ بلکہ وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) جو ادا اور بہت سخی ہے نہ ہاتھ کا تصور ہے اور نہ اس کے کشادہ ہونے کا تصور ہے کیونکہ اس سے صرف جو دو سخا مراد ہے یہاں تک کہ اہل عرب اس کلام کو اس کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں جس کے ہاتھ نہیں ہوتے سو اسی طرح اس کو اس ذات میں بھی استعمال کیا جاتا ہے جس کی مثل ہو اور اس ذات کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے جس کی مثل نہ ہو ﴿وَهُوَ السَّمِيعُ﴾ اور وہ بغیر کانوں کے تمام سموعات کو خوب سننے والا ہے ﴿الْبَصِيرُ﴾ وہ بغیر آنکھوں کے تمام مرئیات (دیکھی جانے والی چیزوں) کو خوب دیکھنے والا ہے اور گویا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں صفات کا اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ کوئی یہ وہم نہ کر لے کہ جس طرح اس کی کوئی مثل نہیں اسی طرح اس کی کوئی صفت بھی نہیں۔

۱۲۔ ﴿لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ تمام آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی (اللہ تعالیٰ) کی ملکیت میں ہیں۔ اس کی تفسیر سورۃ الزمر میں گزر چکی ہے ﴿يَسْطُرُ الزُّرُقَاتِ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ط﴾ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اس کی روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے اس کی روزی کم کر دیتا ہے یعنی تنگ کر دیتا ہے ﴿إِنَّكَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ بے

شک وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

شَرَعْنَا لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَطَّي بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا
وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا
فِيهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ط اللهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ
وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ ۝۱۳

اس نے تمہارے لیے دین کا وہی روشن راستہ مقرر کیا جس کی اس نے نوح کو وصیت کی اور جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی نازل کی اور جس کی ہم نے ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو وصیت کی تھی کہ تم دین کو قائم رکھو اور اس میں فرقہ بندی نہ کرو، مشرکین پر وہ دین بہت بھاری ہے جس کی طرف آپ انہیں بلا رہے ہیں اللہ تعالیٰ اپنی طرف منتخب کر لیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور وہ اسی کو اپنی طرف ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے ۝

انبیائے کرام کے متحدہ دین کو قائم رکھنے کا حکم

۱۳- ﴿شَرَعْنَا﴾ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا اور ظاہر کر دیا ﴿لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَطَّي بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى﴾ تمہارے لیے وہ دین جس کی اس نے (حضرت) نوح علیہ السلام کو وصیت و تاکید کی تھی اور جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی اور جس کی ہم نے (حضرت) ابراہیم علیہ السلام کو اور (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو اور (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام کو وصیت کی تھی یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اسی دین کو بیان کر کے مقرر و مشروع فرمایا جو حضرت نوح علیہ السلام کا اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا اور جو ان دونوں حضرات کے درمیان انبیائے کرام علیہم السلام مبعوث کیے گئے تھے ان کا دین تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اس مشروع اور مقرر کردہ دین کی تفسیر بیان کی جس میں اس کے رسولوں میں سے یہ بلند مرتبہ رسول مشترک ہیں چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ﴾ کہ تم اس دین کو قائم رکھو اور اس سے دین اسلام کو قائم رکھنا مراد ہے جو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرنا اور اس کی عبادت کرنا اور اس کے تمام رسولوں اور پیغمبروں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے تمام فرشتوں پر اور روز جزاء پر ایمان لانا اور ان تمام ضروریات دین پر ایمان لانا جن کے قائم کرنے سے آدمی مسلمان ہو جاتا ہے اور اس دین سے شریعتیں اور احکام و مسائل مراد نہیں کیونکہ سب پیغمبروں کی شریعتیں اور ان کے احکام و مسائل مختلف اور الگ الگ تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَا جُنًا﴾ (النائدہ: ۲۸) ”ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ شریعت اور دستور بنایا ہے“ [”ان اقيموا الدين“] محکمًا منصوب ہے کیونکہ یہ ”شروع“ کے مفعول اور تمام معطوفین علیہ سے بدل ہے یا پھر استیناف کی بناء پر مرفوع ہے گویا پوچھا گیا کہ وہ مشروع کیا ہے؟ تو جواب میں کہا گیا کہ وہ دین اسلام کو قائم رکھنا ہے [﴿وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾ اور تم اس میں گروہ بندی نہ کرو اور تم دین میں اختلاف نہ کرو۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ تم گروہ بندی نہ کرو کیونکہ جماعت رحمت ہے اور گروہ بندی عذاب ہے ﴿كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ﴾ مشرکوں پر گراں ہے (یعنی) ان پر دشوار ہے اور ان پر بہت بھاری ہے ﴿مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ﴾ جس مشن کی طرف آپ انہیں دعوت دیتے ہیں (یعنی) اللہ تعالیٰ کے دین کو قائم

کرنا اور عقیدہ توحید اختیار کرنا ﴿اللَّهُ يَجْتَبِي﴾ اللہ تعالیٰ منتخب کر لیتا ہے چن لیتا ہے اور جمع کر لیتا ہے ﴿إِلَيْهِ﴾ اپنے دین کی طرف راہ راست کی ہدایت اور توفیق عطا کر کے ﴿مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ﴾ جس کو چاہتا ہے اور وہ اپنے دین کی طرف اس کو ہدایت عطا کرتا ہے جو رجوع کرتا ہے اور اس کی عبادت و اطاعت اختیار کرنے پر متوجہ ہوتا ہے۔

وَمَا تَقْرَأُ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَعِيًّا بَيْنَهُمْ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ

مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى لَفُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكُتُبَ مِنْ

بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ﴿۱۴﴾ فَلَذَلِكَ فَادِعُجٌ وَأَسْتَقَمَ كَمَا أَمَرْتُ

وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَقُلْ آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ وَأُمِرْتُ

لِإِعْدَالٍ بَيْنَكُمْ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ لَا حِجَّةَ بَيْنَنَا

وَبَيْنَكُمْ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿۱۵﴾

اور انہوں نے فرقہ بندی نہیں کی مگر ان کے پاس علم آجانے کے بعد محض باہمی حسد اور ضد بازی کی وجہ سے اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک مقررہ مدت تک (مہلت دینے کا) حکم پہلے سے نہ آچکا ہوتا تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا اور بے شک جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب کا وارث بنایا گیا وہ ضرور اس سے دھوکا ڈالنے والے شک میں مبتلا ہیں O سو اس لیے آپ (انہیں اتفاق کی طرف) بلائیں اور آپ خود ثابت قدم رہیے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے اور آپ (انہیں) فرمادیں کہ میں اس پر ایمان لایا جو کتاب بھی اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں اللہ تعالیٰ ہمارا اور تمہارا پروردگار ہے ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان کوئی حجت نہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف لوٹ جانا ہے O

فرقہ بندی اختیار کرنے پر اہل کتاب کی مذمت

۱۴ - ﴿وَمَا تَقْرَأُ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَعِيًّا بَيْنَهُمْ﴾ اور انہوں نے فرقہ بندی نہیں کی یعنی اہل کتاب اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد فرقہ

بندی اور گروہ بندی میں نہیں بنے ﴿إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ﴾ مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آچکا تھا (یعنی) مگر اس کے بعد کہ انہوں نے جان لیا تھا کہ فرقہ بندی کرنا یقیناً گمراہی ہے اور یہ ایک ایسا خطرناک معاملہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام نے اس کی مذمت بیان فرمائی اور اس پر وعید (دھمکی) سنائی گئی ﴿بَعِيًّا بَيْنَهُمْ﴾ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ باہمی بغاوت و سرکشی اور حسد و کینہ اور ضد و ہٹ و دھرمی اور چودھراہٹ و سرداری کی طلب اور ناحق فخر و مباہات کی خواہش کی وجہ سے ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے پہلے ایک مقررہ مدت تک بات طے نہ ہو چکی ہوتی اور وہ یہ بات ہے کہ ”بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمْرٌ“ (القرآن: ۳۶) ”بلکہ قیامت ان کے وعدے کی جگہ ہے اور قیامت بڑی سخت اور بہت تلخ ہے“ ﴿لَفُضِيَ بَيْنَهُمْ﴾ تو ان کے

درمیان ضرور فیصلہ کر دیا جاتا (یعنی) انہیں ضرور اسی وقت ہلاک کر دیا جاتا جب انہوں نے جدا جدا مختلف فرقے اور گروہ بنا لیے تھے کیونکہ انہوں نے تفرقہ بازی میں پڑ کر بہت بڑے جرم کا ارتکاب کر لیا تھا ﴿وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِهِمْ﴾ اور بے شک جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب کا وارث بنایا گیا۔ یہ وہ اہل کتاب ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں موجود تھے وہ ﴿لَقِيَ شَكَّ قَمْنَهُ﴾ اپنی اس کتاب کی وجہ سے شک میں پڑے ہوئے ہیں وہ اس پر ایسا ایمان نہیں رکھتے جیسا کہ اس پر ایمان لانے کا حق ہوتا ہے ﴿فَمَا يَنْبَغِي﴾ وہ شک و شبہ جو تردد اور الجھن میں داخل کرنے والا ہو اور بعض اہل علم کا قول یہ ہے کہ اہل کتاب کے پاس رسول اللہ ﷺ کی بعثت (اعلان نبوت) کا علم آ جانے کے بعد وہ مختلف فرقوں میں بٹ گئے تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَةُ﴾ (البینہ: ۴) ”اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی وہ مختلف فرقوں میں نہیں بٹے تھے مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس روشن دلیل آچکی“ اور بے شک جن لوگوں کو ان (اہل کتاب) کے بعد کتاب (قرآن) کا وارث بنایا گیا وہ مشرکین مکہ ہیں کیونکہ تورات اور انجیل کا اہل کتاب کو وارث بنانے کے بعد انہیں کو قرآن مجید کا وارث بنایا گیا۔

۱۵- ﴿فَلْيَذَلِكِ﴾ سو اس فرقہ بندی کی وجہ سے اور اس کے سبب کفر کے مختلف گروہ پیدا ہو جانے کی وجہ سے ﴿فَادْعُ﴾ پس آپ ان سب کو ملت حنیفیہ قدیمہ پر متفق و متحد ہو جانے کی دعوت دیتے رہیں ﴿وَاسْتَقْبِرُ﴾ اور آپ خود اسی پر اور اس کی دعوت دیتے رہنے پر قائم و دائم اور ثابت قدم رہیے ﴿كَمَا أُهْمِدَتْ﴾ جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے (یعنی) جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے ﴿وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ﴾ اور ان کی مختلف باطل و ناجائز خواہشات کی پیروی بالکل نہ کیجئے اور ان کا کہنا ہرگز نہ مانئے ﴿وَقُلْ آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ﴾ اور آپ انہیں فرما دیجئے کہ میں ہر اس کتاب پر ایمان لا چکا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے خواہ کوئی کتاب ہو بشرطیکہ صحت کے ساتھ ثابت ہو کہ اس کو یقیناً اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام نازل کردہ کتابوں پر ایمان لانا مراد ہے کیونکہ فرقہ بندی کرنے والے بعض پر ایمان لائے اور بعض کے ساتھ کفر کیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنُكْفِرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سُبُلًا﴾ اُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا“ (النساء: ۱۵۰-۱۵۱) ”اور وہ کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور ہم بعض کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اس (ایمان و کفر) کے درمیان ایک راستہ بنا لیں“ یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقت میں کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے“ ﴿وَأُفْرِتْ لِأَعْدَالِ بَيْنَكُمْ﴾ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فیصلہ کرتے وقت تمہارے درمیان انصاف کروں جب تم ایک دوسرے سے جھگڑ پڑو اور پھر تم اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لیے میرے پاس آ جاؤ ﴿أَلَيْسَ مَرَاتِنَا وَرَبِّنَا﴾ اللہ تعالیٰ ہمارا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے یعنی ہم سب اس کے بندے ہیں ﴿لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ﴾ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد کی طرح ہے: ﴿لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ﴾ (الکافرون: ۶) ”تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے“ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ بے شک ہم تمہارے اعمال کی وجہ سے نہیں پکڑے جائیں گے اور تم ہمارے اعمال کی وجہ سے نہیں پکڑے جاؤ گے ﴿لَا حِجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان کوئی حجت نہیں یعنی کوئی ذاتی جھگڑا نہیں کیونکہ حق واضح اور ظاہر ہو چکا ہے اور برہان و دلیل میں تم ہار چکے ہو سو اب جھگڑا کرنے کی حاجت نہیں رہی اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہماری طرف سے کوئی حجت بازی پیش نہیں کی جائے گی اور نہ جھگڑا کیا جائے گا اس لیے کہ دو جھگڑنے والوں

میں سے ایک اپنی یہ حجت پیش کرے گا اور دوسرا اپنی یہ حجت پیش کر دے گا ﴿اللَّهُ يَجْتَمِعُ بَيْنَنَا﴾ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا ﴿وَالْيَوْمَ الْمَصِيدُ﴾ اور فیصلہ کے لیے اسی کی طرف لوٹ جانا ہے سو وہی ہمارے درمیان فیصلہ فرمائے گا اور وہی ہمارے لیے تم سے انتقام لے گا۔

وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتَجِيبَ لَهُمْ فَجَاءَهُمْ دَاحِضَةٌ
عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿۱۶﴾ اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ
بِالْحَقِّ وَالْبَيْزَانَ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ﴿۱۷﴾

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے متعلق جھگڑا کرتے ہیں اس کے بعد کہ اس کی دعوت کو قبول کر لیا گیا ہے ان کی حجت بازی باطل ہے ان کے پروردگار کے نزدیک اور ان پر غضب ہے اور ان کے لیے سخت عذاب ہے ﴿اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا ہے اور تمہیں کیا معلوم شاید قیامت قریب ہو﴾

۱۶۔ ﴿وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں (یعنی) وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں جھگڑا کرتے ہیں ﴿مِنْ بَعْدِ مَا اسْتَجِيبَ لَهُمْ﴾ اس کے بعد کہ اسے قبول کر لیا گیا ہے (یعنی) بہت سے لوگوں نے اس دین کو قبول کر لیا ہے اور وہ دین اسلام میں داخل ہو گئے ہیں لیکن وہ لوگ محض اس لیے جھگڑا کرتے ہیں تاکہ وہ دوبارہ ان کو جاہلیت کے دین کی طرف لے جائیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا“ (البقرہ: ۱۰۹) ”اہل کتاب میں سے اکثر لوگوں نے چاہا کہ کاش تمہارے ایمان لانے کے بعد وہ تمہیں مرتد بنا کر کافر کر لیں“ چنانچہ یہود و نصاریٰ مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے ہے اور ہمارے پیغمبر تمہارے پیغمبر سے پہلے ہیں سو ہم تم سے بہتر ہیں اور ہم تم سے حق کے زیادہ حق دار ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا مطلب ہے کہ غزوہ بدر کے دن مشرکین کے بارے میں سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی دعائے ضرر قبول کیے جانے کے بعد اہل کتاب اللہ تعالیٰ کے دین میں جھگڑا کرتے تھے ﴿فَجَاءَهُمْ دَاحِضَةٌ﴾ ان کی حجت بازی باطل ہے اور ان کی خصومت اگرچہ شک و شبہ پر مبنی تھی لیکن اسے حجت محض ان کے زعم باطل کی وجہ سے کہا گیا کیونکہ وہ لوگ اپنی خصومت و حجت بازی کو اپنے باطل گمان میں دلیل سمجھتے تھے ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ﴾ ان کے پروردگار کے نزدیک ان کی حجت بازی باطل ہے اور ان پر ان کے اپنے کفر و انکار کی وجہ سے خدا کا غضب ہے ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ﴾ اور ان کے لیے سخت عذاب ہے۔

۱۷۔ ﴿اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ﴾ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے کتاب کو نازل فرمایا یعنی جس کتاب ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق اور سچ کے ساتھ یعنی باطل سے پاک سچ پر مبنی کتاب ہے ﴿وَالْبَيْزَانَ﴾ اور ترازو (یعنی) عدل و مساوات کے ساتھ اور عدل و انصاف اور مساوات پر نازل کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام نازل کردہ کتابوں میں عدل و انصاف کے احکام نازل کیے ہیں اور بعض اہل علم کا قول ہے کہ خود بے عینہ میزان یعنی ترازو مراد ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں نازل کیا تھا ﴿وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ﴾ اور تمہیں کیا معلوم شاید قیامت قریب ہو یعنی شاید قیامت تمہارے نزدیک آچکی ہو اور تمہیں معلوم ہی نہ ہو اور اس سے قیامت کا آنا مراد ہے اور یہاں ”ساعة“ ”بعث“ کے معنی

میں ہے یعنی مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھانا مراد ہے اور کتاب و میزان کے نازل کرنے کے ساتھ قیامت کے نزدیک ہونے میں مناسبت کی وجہ یہ ہے کہ قیامت حساب و کتاب کا دن ہے اور ترازو کو انصاف کے ساتھ رکھنے کا دن ہے پس گویا کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عدل و انصاف اور مساوات قائم کرنے اور احکام اسلام پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے سو تم کتاب اور عدل پر عمل کرتے رہو اس سے پہلے کہ تمہارے حساب اور تمہارے اعمال کے وزن کرنے کا دن تم پر اچانک آ جائے۔

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا لَا

وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ ۗ الْآنَ الَّذِينَ يُمَارُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ

بَعِيدٍ ۝۱۸ اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ۝۱۹

اس کو وہی لوگ جلدی چاہتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے اور جو لوگ اس پر ایمان لائے ہیں وہ اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ بے شک وہ برحق ہے خبردار! بے شک جو لوگ قیامت کے بارے میں شک کرتے ہیں وہ ضرور دور کی گمراہی میں ہیں O اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے وہ جس کو چاہتا ہے روزی عطا کرتا ہے اور وہی بہت قوت والا سب پر غالب ہے O

۱۸۔ ﴿يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا﴾ اس کی جلدی وہی لوگ چاہتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں لاتے یہ جلدی محض قیامت کی آمد کا مذاق اڑانے کے لیے کرتے ہیں ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا﴾ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور خوف زدہ رہتے ہیں اور اس کی ہولناکی سے گھبرائے رہتے ہیں ﴿وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ﴾ اور وہ جانتے ہیں کہ بے شک وہ (قیامت) برحق ہے (یعنی) قیامت ہر حال میں ضرور برپا ہونے والی ہے ﴿الَّذِينَ يُمَارُونَ فِي السَّاعَةِ﴾ خبردار! بے شک جو لوگ قیامت کے متعلق شک میں مبتلا ہو کر جھگڑا کرتے ہیں۔ ”المماراة“ کا معنی ہے: پستانوں سے دودھ نکالنا چونکہ جھگڑنے والے دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی جھگڑالو کے دل کی بات کو ظاہر کر لیتا ہے اس لیے ”یمارون“ کا معنی جھگڑنا مراد ہے ﴿لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ﴾ حق سے دور گمراہی میں مبتلا ہیں کیونکہ قیامت کا قیام اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی بعید اور دور نہیں ہے اور بے شک قرآن و سنت اس کے وقوع پر دلالت کرتے ہیں اور انسانوں کی عقلیں گواہی دیتی ہیں کہ جزاء کا گھر ضرور ہونا چاہیے۔

۱۹۔ ﴿اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ﴾ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے کہ وہ اپنے بندوں کو منافع اور فوائد پہنچاتا ہے اور ان سے مصیبتوں کو ایسے طریقے پر دور کرتا ہے جس کا ادراک آسانی سے ہو جاتا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ زبردست نیکی اور بھلائی کرتا ہے بے شک اس کی بھلائی اس کے تمام بندوں کو پہنچتی ہے اور بعض کا قول ہے کہ لطیف وہ ہے جس کا علم پوشیدہ چیزوں کے جاننے میں بہت باریک بین ہو اور اس کا علم اور حوصلہ جرائم اور خطاؤں سے بہت بڑھ کر ہو یا جو اپنے بندوں کے مناقب و کمالات پھیلاتا ہو اور ان کے عیبوں سے چشم پوشی اور پردہ پوشی کر لیتا ہو یا جو اپنے بندوں کی لغزشوں سے درگزر کرتا ہو یا اپنے بندے کو کفایت سے بڑھ کر عطا فرماتا ہو اور اپنے بندوں کو ان کی طاقت سے کم عبادت کا مکلف بناتا ہو اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ لطیف وہ ہے جس نے اپنے اولیاء اور اپنے دوستوں کو عرفان کی

توفیق بخشی ہو سوا ہوں نے اسے پہچان لیا اور اگر وہ اپنے دشمنوں پر لطف و کرم کر دیتا تو وہ اس کا انکار نہ کرتے ﴿يَزْنُقُ مَنْ يَشَاءُ﴾ وہ جس کو چاہتا ہے رزق عطا کرتا ہے یعنی وہ جس کو چاہتا ہے اس کا رزق کشادہ اور فراخ کر دیتا ہے جب کہ اس میں اس کی مصلحت یقینی ہو اور حدیث قدسی میں ہے کہ بے شک میرے مسلمان بندوں میں سے بعض کا ایمان صرف دولت کی صلاحیت رکھتا ہے اور اگر میں اس شخص کو فقیر و غریب بنا دوں تو وہ اپنا ایمان ضائع کر دے گا اور بے شک میرے مسلمان بندوں میں سے بعض کا ایمان صرف غربت و فقر کی صلاحیت رکھتا ہے اور اگر میں اس کو دولت مند بنا دوں تو وہ اپنا ایمان برباد کر دے گا ﴿وَهُوَ الْقَوِيُّ﴾ اور وہ بڑی قوت والا ہے (یعنی) وہ سب سے بڑھ کر قدرت و اختیار رکھنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر غالب ہے ﴿الْعَزِيزُ﴾ ایسا مضبوط اور ایسا قوی کہ اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ

الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ تَصِيبٍ ۚ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ أَشْرَعُوا

لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لِعِبَادِنُ بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ الْفَصْلِ لَفُصِّلَ بَيْنَهُمْ

وَأَنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ

جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کے لیے اس کی کھیتی میں اضافہ کر دیں گے اور جو شخص دنیا کی کھیتی چاہتا ہے ہم اسے اس میں سے کچھ حصہ دے دیں گے اور اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا O کیا ان کے لیے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین میں سے ایسی شریعت بنا دی ہو جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی اور اگر فیصلہ کی بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان ضرور فیصلہ کر دیا جاتا اور بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے O

کفار کی مذمت مسلمانوں کے لیے خوش خبری اور آل رسول کی محبت

۲۰۔ ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ﴾ جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا ہے۔ ہر وہ عمل جس کو عمل کرنے والا اس لیے کرتا ہے کہ اس سے نفع اور فائدہ حاصل کرے اسے بطور مجاز کھیتی کا نام دیا گیا ہے (کہ جس طرح زمین میں بیج بونے کے نتیجے میں کھیتی حاصل ہوتی ہے اسی طرح دنیا میں عمل کرنے کے نتیجے میں آخرت میں جزاء ملتی ہے) ﴿نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ﴾ ہم اس کے لیے اس کی کھیتی میں اضافہ کر دیں گے کہ اس کے عمل میں توفیق عطا فرمادیں گے یا اس کی نیکیوں کو کئی گنا بڑھا دیں گے یا یہ کہ وہ اس کے ذریعے دنیا اور آخرت دونوں کے فوائد و منافع حاصل کر لے گا ﴿وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا﴾ اور جو شخص دنیا کی کھیتی چاہتا ہے یعنی جس کا عمل صرف دنیا کمانے کے لیے ہو اور وہ آخرت پر ایمان نہ لایا ہو ﴿نُؤْتِهِ مِنْهَا﴾ ہم اس کو اس میں سے کچھ حصہ دے دیں گے اس لیے کہ ”منہا“ میں حرف ”من“ تہعیض کے لیے ہے جس کا معنی بعض ہے اور یہ اس کا وہ رزق ہے جو اس کی قسمت میں لکھ دیا گیا ہے لیکن اسے وہ نہیں ملے گا جو وہ چاہے گا اور جو وہ طلب کرے گا ﴿وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ تَصِيبٍ﴾ اور اس کے لیے آخرت میں ہرگز کوئی حصہ نہیں ہوگا اس کا حصہ اسے دنیا میں دے دیا جائے گا اور عالم آخرت میں اس کے حصے کا رزق جو اسے ملنا تھا اس کا ذکر محض اس کی حقارت کی وجہ سے نہیں کیا گیا کیونکہ آخرت میں کامیابی کے لیے اس کے اچھے اعمال دنیا طلبی اور ایمان نہ ہونے کے سبب حقیر و ذلیل اور ناقابل قبول ہو گئے۔

۲۱۔ ﴿أَمْ لَكُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ﴾ کیا ان کے شریک جنہوں نے ان کے لیے دین میں سے ایک شریعت مقرر کر دی جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی یعنی جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا [بعض نے کہا: یہ "ام" منقطعہ ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: "بل اللهم شرکاء" بلکہ کیا ان کے لیے (جن وانس میں سے شیاطین) شریک ہیں؟ اور بعض نے کہا کہ یہ استفہام کے الف کے مقابل ہے اور کلام میں اضمار ہے جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: "ایقبلون ما شرع الله من الدين ام لهم الهة شرعوا لهم من الدين ما لم ياذن به الله" کیا انہوں نے وہ دین قبول کر لیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے یا ان کے لیے معبود ہیں جنہوں نے ان کے لیے فاسد دین سے ایک شریعت گھڑ لی ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی] ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَفُتِنَ بِهِمْ﴾ اور اگر فیصلہ کی بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا یعنی اگر پہلے ہی سے سزا کی تاخیر کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا یا اگر یہ وعدہ نہ ہو چکا ہوتا کہ بے شک فیصلہ قیامت کے دن ہوگا تو البتہ کافروں اور مسلمانوں کے درمیان یہیں دنیا میں فیصلہ کر دیا جاتا یا یہ کہ اسی دنیا میں کافروں کو جلد سزا دے دی جاتی ﴿وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَكُنُومًا عَذَابٍ أَلِيمٌ﴾ اور بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے (یعنی) اور بے شک مشرکین کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہوگا اگرچہ دنیا میں ان سے (رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت و رحمت کی وجہ سے) مؤخر اور دور کر لیا گیا ہے۔

تَرَى الظَّالِمِينَ مَسْفُوقِينَ مِمَّا كَسَبُوا وَهُوَ وَاقِعٌ بِهِمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

الصَّالِحَاتِ فِي رَوْحٍ أَلِيمٍ لَكُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذَلِكَ هُوَ

الفصل الكبير ﴿٢١﴾ ذَلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللهَ عِبَادَهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

الصَّالِحَاتِ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ وَمَنْ يَقْتَرِفْ

حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حَسَنًا إِنَّ اللهَ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٢٢﴾

آپ ظالموں کو دیکھیں گے کہ وہ ان کاموں سے ڈر کر سہمے ہوئے ہوں گے جو انہوں نے (دنیا میں) کمائے اور وہ ان پر ضرور واقع ہوگا اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے وہ جنتوں کے باغوں میں رہیں گے ان کے لیے ان کے رب تعالیٰ کے پاس وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے یہ بہت بڑا فضل ہے O یہ ہے وہ جس کی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوش خبری دیتا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے (اے محبوب!) فرمادیتے کہ میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا ماسوا اس کے کہ تم میرے قرابت داروں سے محبت کرو اور جو شخص کوئی نیکی کمائے گا ہم اس کے لیے اس میں اضافہ کر دیں گے بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بڑا قدر دان ہے O

۲۲۔ ﴿تَرَى الظَّالِمِينَ﴾ آپ آخرت میں مشرکین کو دیکھیں گے کہ ﴿مَسْفُوقِينَ﴾ خوف زدہ ہو کر سہمے ہوئے ہوں گے ﴿مِمَّا كَسَبُوا﴾ ان کاموں کی وجہ سے جو انہوں نے کمائے (یعنی) وہ اپنے کفر و شرک کی سزا کی وجہ سے ﴿وَهُوَ وَاقِعٌ بِهِمْ﴾ اور وہ ان پر ضرور واقع ہوگی (یعنی) ان کے کفر و شرک کی سزا ان پر لامحالہ ضرور نازل ہوگی اور وہ اس سے بچ

نہیں سکیں گے خواہ وہ اس سے ڈریں یا نہ ڈریں ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي رَوْضَاتِ الْجَنَّاتِ﴾ اور جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے وہ جنتوں کے باغات میں ہوں گے گویا مومن کی جنت کا باغ جنت کے حصوں میں سب سے زیادہ پاکیزہ اور صاف ستھرا اور عالی شان ہوگا ﴿لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ان کے پروردگار کے پاس ان کے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے [”عند ربہم“ طرف کی بناء پر منصوب ہے لیکن ”یشاءون“ کی وجہ سے نہیں] ﴿ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ﴾ یہ قلیل اور تھوڑے سے عمل پر بہت بڑا فضل و کرم ہے۔

۲۳۔ ﴿ذَلِكَ﴾ وہ یعنی بہت بڑا فضل ﴿الَّذِينَ يُبَشِّرُ اللَّهُ عِبَادَهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ وہی ہے جس کی اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو خوش خبری سناتا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے [یعنی ”بہ عبادہ الذین آمنوا“ ہے پھر حرف جار کو حذف کر دیا گیا جیسے ارشاد باری تعالیٰ: ”وَاخْتَارَ مُوسَىٰ قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا“ (الاعراف: ۱۵۵) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ستر آدمی منتخب کر لیے] پھر موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر کو حذف کر دیا گیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”أَهَذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا“ (الفرقان: ۴۱) ”کیا یہ وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے“ اور ابن کثیر کی ابو عمرو حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ”یُبَشِّرُ“ ہے۔

شان نزول: مروی ہے کہ جب مشرکین مکہ نے ایک اجتماع میں آپس میں مشورہ کیا کہ (حضور سید عالم حضرت) محمد (ﷺ) سے پوچھا جائے کہ کیا وہ نبوت و رسالت کی تبلیغ پر اجرت و معاوضہ اور مزدوری چاہتے ہیں تو ان کے جواب میں یہ نازل ہوئی کہ ﴿فَلَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا﴾ (اے محبوب!) فرمادیتے: میں تم سے اس تبلیغ پر کوئی اجرت نہیں مانگتا ﴿إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ﴾ مگر میرے قرابت داروں سے محبت کرنا اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ استثناء متصل ہو یعنی میں تم سے اس تبلیغ پر کوئی اجرت نہیں مانگتا مگر یہی کہ تم میرے رشتہ داروں سے محبت کرو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ استثناء منقطع ہو یعنی میں تم سے اس تبلیغ پر کسی قسم کی کوئی اجرت اور معاوضہ ہرگز نہیں مانگتا لیکن میں تم سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تم میرے رشتہ داروں سے محبت کرو جو تمہارے بھی رشتہ دار ہیں اور تم ان کو دکھ اور ایذا نہ پہنچاؤ اور اللہ تعالیٰ نے اضافت کے ساتھ ”إِلَّا الْمَوَدَّةَ الْقُرْبَىٰ“ یا لام کے ساتھ ”الْمَوَدَّةَ لِلْقُرْبَىٰ“ نہیں فرمایا کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قرابت داروں کو محبت کا ظرف و مکان اور مرکز بنایا گیا ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے: ”لِي فِي آلِ فُلَانٍ مَوَدَّةٌ وَلِي فِيهِمْ حُبٌّ شَدِيدٌ“ مجھے فلاں آدمی کی آل سے محبت ہے اور مجھے ان کے بارے میں بہت شدید محبت ہے جب کہ تمہارا مقصد یہ ہے کہ مجھے ان سے محبت ہے اور وہ میری محبت کا ظرف و ٹھکانا اور محبت کا محل ہیں [اور حرف ”فی“، ”مودة“ کا صلہ نہیں جیسے حرف لام جارہ ہوتا ہے چنانچہ جب ”إِلَّا الْمَوَدَّةَ لِلْقُرْبَىٰ“ کہا جائے گا تو یہ محذوف کے متعلق ہوگا جس طرح تمہارے درج ذیل مقولہ میں ظرف محذوف کے متعلق ہے یعنی ”الْمَالُ فِي الْكَيْسِ“ مال جیب میں ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: ”(إِلَّا الْمَوَدَّةَ) ثَابِتَةً (فِي الْقُرْبَىٰ)“ مگر ایسی محبت جو قرابت میں ثابت اور اس میں راسخ ہو اور ”قربى“ مصدر ہے جیسے ”ذلفى“ اور ”بشرى“ ہے اس کا معنی قرابت اور رشتہ داری ہے اس سے مراد ”ہی اهل القربى“ ہیں یعنی قرابت دار اور رشتہ دار مراد ہیں۔]

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے (جسے امام ابن ابی حاتم، طبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس سے بیان کیا ہے تفسیر مظہری) کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا: ”يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ قَرَأَتْكَ هَلْؤَلَاءِ الدِّينِ وَجَبَتْ عَلَيْنَا مَوَدَّتُهُمْ؟“ قَالَ عَلِيُّ وَفَاطِمَةُ وَابْنَاهُمَا رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ ”اے اللہ کے رسول! یہ آپ کے کون سے رشتہ دار ہیں جن کی محبت ہم پر فرض ہے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: حضرت علی مرتضیٰ اور

حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء اور ان کے بیٹے ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس کا معنی یہ ہے: مگر یہ کہ تم مجھ سے محبت کرو کیونکہ میری تم سب سے قرابت داری ہے اور تم مجھے اپنا اور تکلیف نہ پہنچاؤ اور تم مجھ سے لڑائی جھگڑانہ علامہ مظہری بیان کرتے ہیں کہ بہتر یہی ہے کہ اس آیت مبارکہ کے معنی کے بیان میں یہ کہا جائے کہ میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا مگر یہ کہ تم میرے قرابت داروں سے اور میری اہل بیت سے اور میری آل سے محبت کرو اور یہ اس لیے کہ حضور سید عالم ﷺ خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور آپ کے بعد اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دینے کے لیے آپ کی امت کے علمائے ظاہر اور علمائے باطن کو مقرر کیا گیا ہے اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اپنی امت کو اپنی اہل بیت کے ساتھ محبت کرنے کا حکم دے دیں کیونکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کی اولاد میں سے ائمہ کرام کمالات ولایت کے جامع ہونے کی وجہ سے اپنے زمانہ میں قطب وقت ہوتے تھے اور اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "انا مدینة العلم وعلی بابها" میں علم کا شہر ہوں اور حضرت علی مرتضیٰ اس کا دروازہ ہیں اس کو بزاز اور طبرانی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اور حضرت ابن عمر ابن عباس حضرت علی مرتضیٰ کی حدیث اس روایت کے شواہد اور مؤید ہیں اور امام حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور تم دیکھو گے کہ اکثر مشائخ عظام کے سلاسل اہل بیت کے ائمہ کرام کی طرف اختتام پذیر ہوتے ہیں اور سادات عظام میں اولیائے کرام کی کثیر تعداد گزری ہے ان میں سے بعض حضرات یہ ہیں: غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی حسنی حسینی اور حضرت بہاء الدین نقشبندی اور السید السند مودود الحشتی اور سید معین الدین الحشتی اور حضرت ابوالحسن الشاذلی وغیرہم اور اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "انا تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی" میں تم میں دو عظیم الشان چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک کتاب اللہ یعنی قرآن مجید دوسری اپنی عترت یعنی آل پاک۔ (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۳۲۰، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی) ضیاء الامت حضرت العلام پیر محمد کرم شاہ الازہری مرحوم لکھتے ہیں:

حضرت سرور عالم ﷺ کے جملہ قرابت داروں، خاندان بنو ہاشم خصوصاً اہل بیت کرام کی محبت ان کا ادب و احترام عین ایمان بلکہ جان ایمان ہے جس کے دل میں اہل بیت کے لیے محبت نہیں وہ یوں سمجھے کہ اس کی شمع ایمان بجھی ہوئی ہے اور وہ منافقت کے اندھیروں میں بھٹک رہا ہے۔ جتنی کسی کی قرابت حضور ﷺ سے زیادہ ہوگی اتنی ہی اس کی محبت و احترام زیادہ مطلوب ہوگا ایک نہیں صد ہا ایسی صحیح احادیث موجود ہیں جن میں اہل بیت پاک سے محبت کرنے اور ان کا ادب و احترام ملحوظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے بے شک اہل بیت پاک کی محبت ہمارا ایمان ہے لیکن یہ حضور ﷺ کی رسالت کا اجر نہیں بلکہ یہ شجر ایمان کا ثمر ہے۔ یہ اس گل کی نہک ہے یہ اس خورشید کی چمک ہے جہاں ایمان ہوگا وہاں حب آل مصطفیٰ ضرور ہوگی۔ یہ گرہ اب تک نہیں کھلی کہ بعض لوگوں کے نزدیک حب آل مصطفیٰ علیہ الطیب التحیۃ والثناء کے لیے بغض اصحاب حبیب کبریٰ کی شرط کہاں سے ماخوذ ہے۔ حضور نے اپنے اہل بیت کی محبت کا حکم دیا ہے تو اپنے صحابہ کرام کے احترام و اکرام کی بھی تاکید فرمائی ہے۔ ایک حدیث میں اہل بیت کے بارے میں فرمایا: "مَثَلُ أَهْلِ بَيْتِي كَمَثَلِ سَفِينَةِ نُوحٍ مَنْ رَكِبَ فِيهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ" یعنی میرے اہل بیت کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی ہے جو اس میں سوار ہوا وہ نجات پا گیا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا وہ ڈوب گیا۔ تو دوسرا ارشاد گرامی یہ بھی ہے کہ "أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ" میرے صحابہ درخشاں ستاروں کی طرح ہیں۔

بجہ تعالیٰ یہ شرف اہل سنت کو ہی حاصل ہے کہ ہم اہل بیت کی محبت کی کشتی میں سوار ہیں اور ہماری نگاہیں صحابہ کرام کی جگمگاتی ہوئی روشنی پر مرکوز ہیں ہم زندگی کے سمندر کو آزمائشوں اور تکالیف کی کالی رات میں عبور کر رہے ہیں جو اس کشتی میں سوار نہ ہو وہ غرق ہو گیا اور جس نے ان روشن ستاروں سے ہدایت حاصل نہ کی وہ راہ راست سے بھٹک گیا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۷۷) (۳)

کر کیونکہ قریش کے تمام قبائل میں سے کوئی قبیلہ ایسا نہیں تھا مگر یہ کہ ان کے درمیان اور رسول اکرم کے درمیان خاندانی قرابت اور رشتہ موجود تھا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ”قربی“ سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا مراد ہے، یعنی مگر یہ کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے محترم رسول سے محبت کرو تا کہ عبادت اور نیک عمل کے ذریعے تمہیں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جائے ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ حَسَنَةً﴾ اور جو شخص نیکی کمائے گا۔ امام سدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے: بے شک ”حسنہ“ سے رسول اللہ ﷺ کی آل پاک سے محبت کرنا مراد ہے اور یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں اور اہل بیت کے ساتھ ان کی محبت و عقیدت کے بیان میں نازل ہوئی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ ”حسنہ“ میں عموم پایا جاتا ہے یہ ہر قسم کی نیکی کو شامل ہے خواہ کوئی نیکی ہو مگر یہ آل رسول کی محبت و موڈت کو سب سے پہلے شامل ہے کیونکہ آپ کے قرابت داروں سے محبت کرنے کے بعد اس کا ذکر کیا گیا ہے ﴿تَذِدُّ لَهُ فِيهَا حَسَنًا﴾ ہم اس کے لیے اس میں نیکی کا اضافہ کر دیں گے یعنی ہم اس نیکی کو کئی گنا بڑھا دیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً“ (البقرہ: ۲۴۵) ”کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ (بہترین اور سب سے اچھا قرض) دے، سو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے لیے بہت زیادہ بڑھا دے گا“ [اور ”حَسَنًا“ کو ”حَسَنِي“ بھی پڑھا گیا ہے اور یہ مصدر ہے جیسے ”بشری“ ہے اور ”فیہا“ میں ضمیر ”حسنہ“ کی طرف لوٹی ہے یا پھر ”جنت“ کی طرف لوٹی ہے] ﴿إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اپنی قدرت و اختیار رکھنے کے باوجود ہر اس شخص کو بہت بخشنے والا ہے جس نے گناہوں کا ارتکاب کر لیا ﴿شَكُورٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہر اس شخص کو بہت اجر و ثواب عطا فرمانے والا ہے جس نے اطاعت و فرماں برداری اختیار کی اور بعض علماء اسلام کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور توبہ کرنے کی ترغیب دینے والا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ”شکور“ اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے اس لیے اس سے عبادت و اطاعت کی توفیق عنایت کرنا اور عبادت و اطاعت بجالانے پر پورا پورا ثواب عطا فرمانا اور ثواب کے کام کرنے والے پر فضل و کرم فرمانا مراد ہے۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۚ فَإِنْ يَشَاءِ اللَّهُ يَخْتِمْ عَلَىٰ قَلْبِكَ وَيَمْحُ

اللَّهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۲۴﴾

کیا وہ کہتے ہیں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ لیا، سو اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو آپ کے دل مبارک پر مہر لگا دیتا اور اللہ تعالیٰ باطل کو مٹا دے گا اور وہ اپنے کلام سے حق کو ثابت رکھے گا، بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔

۲۴۔ ﴿أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا﴾ کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ کیا کفار مکہ یہ اختیار رکھتے ہیں کہ وہ محبوب خدا جیسے معصوم پیغمبر کی طرف جھوٹ بولنے اور افتراء بازی کی نسبت کر دیں، پھر اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے اور جھوٹ بولنے کا آپ پر الزام لگا دیں جو سب سے بڑا اور سب سے بدترین بہتان ہے [”ام“ منقطعہ ہے اور اس میں ہمزہ کے معنی ڈرانا دھمکانا اور ڈانٹنا ہے] ﴿فَإِنْ يَشَاءِ اللَّهُ يَخْتِمْ عَلَىٰ قَلْبِكَ﴾ سو اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو آپ کے دل مبارک پر مہر لگا دے۔ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو کفار مکہ کی طرف سے آپ کو تکلیفیں پہنچانے اور ان کی طرف سے آپ کے متعلق اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگانے کی بات کہنے پر آپ کے قلب مبارک پر صبر کی مہر لگا کر اسے مضبوط و قوی بنا دے گا تا کہ ان کے جھٹلانے کی مشقت و تکلیف آپ کے قلب مبارک

میں داخل نہ ہو سکے ﴿وَيُنَجِّ اللَّهُ الْبَاطِلَ﴾ اور اللہ تعالیٰ باطل کو مٹا دے گا یعنی شرک کو مٹا دے گا [اور یہ الگ کلام ہے "بختم" پر معطوف نہیں ورنہ مرفوع کی بجائے مجزوم ہوتا اس لیے کہ باطل کا مٹانا کسی شرط کے ساتھ معلق نہیں ہوتا بلکہ یہ مطلق وعدہ ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کو دوبارہ لانا اور "يُنَجِّ" اور "يُحَقِّقُ" کا مرفوع ہونا ہے اور رسم الخط میں واو کو ساقط کر دیا گیا جیسا کہ "وَيَدْعُ الْإِنْسَانَ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ" (الاسراء: ۱۱) اور "سَنَدُّعُ الزَّبَانِيَةَ" (العلق: ۱۸) محض اس بناء پر کہ یہ نافع مدنی کے مصحف میں ثابت ہے] ﴿وَيُحَقِّقُ الْحَقَّ﴾ اور اللہ تعالیٰ حق کو ثابت رکھے گا (یعنی) اور اللہ تعالیٰ اسلام کو غالب کر دے گا اور اس کو ثابت کر دے گا ﴿بِكَلِمَةٍ﴾ اپنے کلام کے ساتھ جسے اس نے اپنی کتاب میں سے اپنے محترم نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک پر نازل فرمایا اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کے باطل و مشرکانہ دین کو مٹا دیا اور اسلام کو غالب کر دیا ﴿إِنَّكَ عَلَيْهِم بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ جو کچھ آپ کے سینے میں ہے اور جو کچھ ان کے سینوں میں ہے سب کچھ خوب جاننے والا ہے سو اسی کے مطابق حکم جاری کرے گا۔

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿۲۵﴾ وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَكِن يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ ﴿۲۷﴾ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿۲۸﴾

اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہ بُرائیوں سے درگزر کرتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو O اور وہ ان کی دعا قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور وہ انہیں اپنے فضل و کرم سے زیادہ کرتا ہے اور کافروں کے لیے سخت عذاب ہے O اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے رزق فراخ کر دیتا تو وہ زمین میں ضرور بغاوت و فساد برپا کر دیتے اور لیکن وہ ایک اندازے کے مطابق جو چاہتا ہے اتارتا ہے بے شک وہ اپنے بندوں کی بہت خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے O

توبہ قبول کرنے اور دیگر انعامات کا بیان

۲۵- ﴿وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ﴾ اور وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ جب کوئی چیز کسی سے لی جائے تو کہا جاتا ہے: "قبلت منه الشيء" میں نے اس سے فلاں چیز قبول کر لی اور میں نے اس کو اپنی قبولیت کا مبداء بنا دیا اور "قبلته عنه" بھی کہا جاتا ہے یعنی میں اس سے الگ ہو گیا ہوں اور میں اس سے جدا ہو گیا ہوں اور توبہ یہ ہے کہ (۱) فرض اور واجب میں کوتاہی سے اور اس کے ترک سے اور ہر قسم کی بُرائی سے رجوع کرنا (۲) اور ان پر نادم و شرمندہ ہونا (۳) اور آئندہ کے لیے دوبارہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرنا اور اگر اس میں کسی آدمی کا حق ادا کرنا ہو تو اسی طریقے پر اس کو ادا کر کے بری الذمہ ہونا ضروری ہے۔

(۱) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ توبہ ایک ایسا اسم ہے جو چھ معانی کے لیے آتا ہے: (۱) باضی کے تمام

گناہوں پر ندامت و پشیمانی کا اظہار (۲) تمام ضائع شدہ فرائض کا اعادہ (۳) تمام مظالم (حقوق العباد کی) ادائیگی اور ان کی واپسی (۴) اور نفس کو عبادت و اطاعت کی مشقت میں تھکانا، جس طرح اس کو گناہوں اور نافرمانیوں میں بڑھایا اور توانا کیا (۵) اور نفس کو عبادت و اطاعت کی مشقت کی تلخی چکھانا جس طرح اس کو گناہوں کی لذت کی حلاوت و مٹھاس چکھائی تھی (۶) اور ہر ہنسی کے بدلے میں آہ و زاری اور گریہ و فغاں کرنا اور روتے رہنا۔

(۲) حضرت امام سدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ توبہ یہ ہے کہ (۱) گناہوں کے چھوڑنے پر سچے دل سے پختہ ارادہ کرنا (۲) دل سے تمام غیبوں کے خوب جاننے والے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا۔

(۳) ان کے علاوہ بعض کا قول ہے کہ توبہ کے بعد گناہ کے ذکر کے وقت دل میں گناہ کی حلاوت و کشش محسوس نہ کی جائے۔

(۴) حضرت سہل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ انسان کی توبہ یہ ہے کہ وہ تمام بُرے احوال و اعمال کو ترک کر کے تمام اچھے اور نیک احوال و اعمال اختیار کر لے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بُرے احوال سے پسندیدہ احوال کی طرف منتقل ہو جانا۔

(۵) حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ توبہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے ماسوا تمام چیزوں سے منہ پھیر لے اور صرف اللہ تعالیٰ کی یاد میں مستغرق اور منہمک ہو جائے۔

﴿وَيَعْفُوا عَنِ السَّيِّئَاتِ﴾ اور وہ بُرائیوں سے درگزر کرتا ہے، وہ بُرائیاں شرک کے ماسوا مراد ہیں کہ اللہ تعالیٰ شرک کے ماسوا دیگر بُرائیوں کو جس کے لیے چاہتا ہے بغیر توبہ کے معاف کر دیتا ہے ﴿وَيَعْلَمُ مَا تُفْعَلُونَ﴾ اور وہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو یعنی تمہاری توبہ وغیرہ اور تمام گناہوں کو وہ جانتا ہے [ابو بکر کے علاوہ دیگر اہل کوفہ کی قراءت میں ”تبا“ کے ساتھ ”تفعلون“ ہے اور اس پر وقف کرنا جائز نہیں کہ اس پر (درج ذیل آیت مبارکہ کا) عطف کیا گیا ہے اور معنی متصل ہے]۔

۲۶- ﴿وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی دعا قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے یعنی جب نیک مسلمان اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں قبول کرتا ہے اور وہ جو کچھ طلب کرتے ہیں وہ انہیں عطا کرتا ہے اور ان کے مطلوب سے بڑھ کر انہیں مزید عطا کرتا ہے [اور ”استجاب“ اور ”اجاب“ کا ایک معنی ہے اور اس طرح کے فعل میں سین محض فعل کی تاکید کے لیے آتی ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے: ”تعظم“ اور ”استعظم“ اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ”ويعجب الله الذين امنوا وعملوا الصالحات“ اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی دعا قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے: ”ويعجب للذين“ ہے پھر لام کو حذف کر دیا گیا [ان پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ جب وہ توبہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرماتا ہے اور ان کی بُرائیوں سے درگزر کر لیتا ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کر لیتا ہے اور انہیں ان کے سوال سے بڑھ کر مزید عطا فرمادیتا ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال کیا گیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں لیکن ہماری دعا قبول نہیں کی جاتی؟ تو حضرت نے جواب میں فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے دین کے احکام پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے تو تم اس کی دعوت کو قبول نہیں کرتے ﴿وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ﴾ اور کافروں کے لیے سخت عذاب ہے (یعنی) آخرت میں انہیں سخت ترین عذاب ہوگا۔

۲۷- ﴿وَلَوْ يَسْتَطِيعُ اللَّهُ لِيُزِقَ الْعِبَادَ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی روزی فراخ کر دیتا یعنی اگر اللہ تعالیٰ ان سب

(بندوں) کو مال دار و دولت مند اور غنی بنا دیتا تو ﴿لَبَغَوْنَا فِي الْأَرْضِ﴾ وہ ضرور زمین میں بغاوت و سرکشی کرتے ”بغی“ کا معنی ہے: ظلم کرنا یعنی یہ شخص اس پر اور وہ شخص اس پر ضرور ظلم و ستم ڈھاتے کیونکہ مال دار و غنی آدمی متکبر و مغرور ہوتا ہے اور عبرت حاصل کرنے کے لیے فرعون (اور قارون) کا حال کافی ہے یا پھر ”بغی“ کا معنی ہے: تکبر کرنا یعنی وہ ضرور زمین میں تکبر و غرور اختیار کر لیتے ﴿وَلَكِنْ يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے ایک اندازے کے مطابق نازل کرتا ہے۔ ”قدر“ کا معنی ہے: اندازہ کرنا جیسے کہا جاتا ہے: ”قَدْرَهُ قَدْرًا وَقَدْرًا“ [ابن کثیر کی اور ابو عمرو کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ (بغیر تشدید کے باب افعال سے) ”يُنَزِّلُ“ ہے] ﴿إِنَّكَ بِعَيْنِنَا خَبِيرٌ بِصِيدٍ﴾ بے شک وہ اپنے بندوں سے بہت خبردار رہتا ہے اور انہیں خوب دیکھنے والا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ ان کے حالات کو خوب جانتا ہے سو وہ ان کے لیے وہی مقدر و مقرر کرتا ہے جس کا اس کی حکمت تقاضا کرتی ہے پس وہی فقیر و غریب بناتا ہے اور وہی مال دار و غنی بناتا ہے اور وہی روکتا ہے اور وہی عطا کرتا ہے اور وہی تنگ اور کم کرتا ہے اور وہی کشادہ و فراخ کرتا ہے اور اگر وہ تمام انسانوں کو دولت مند و غنی بنا دیتا تو وہ ضرور زمین میں دنگا فساد اور ظلم و ستم برپا کر دیتے اور اگر وہ سب کو فقیر و محتاج اور غریب بنا دیتا تو وہ سب ہلاک ہو جاتے اور کیا تم نے روزی کی فراخی کی وجہ سے ان کو نہیں دیکھا جو بغاوت و سرکشی کرتے پھرتے ہیں اور روزی میں فراخی اور فراوانی کے بغیر بہت کم بغاوت ہوتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ فقر و غربت کے ساتھ بغاوت و سرکشی کم ہوتی ہے اور رزق کی فراخی اور فراوانی کی وجہ سے بہت زیادہ اور غالب ہوتی ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ ۗ وَهُوَ الْوَلِيُّ
الْحَمِيدُ ﴿۲۸﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا مِنْ دَابَّةٍ ۗ
وَهُوَ عَلَىٰ جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ ﴿۲۹﴾

اور وہی ہے جو بارش اتارتا ہے اس کے بعد کہ وہ ناامید ہو چکے ہوتے ہیں اور وہ اپنی رحمت بکھیرتا ہے اور وہی متولی (اور) خوب تعریف کیا ہوا ہے اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا ہے اور اس نے ان دونوں کے درمیان جو کچھ جانور پھیلانے اور وہ جب چاہے گا ان کے جمع کرنے پر پوری قدرت رکھنے والا ہے

۲۸۔ ﴿وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ﴾ اور وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو بارش برساتا ہے [نافع مدنی، ابن عامر شامی اور امام عاصم کی قراءت میں ”زا“ مشدود کے ساتھ (باب تفعیل سے) ”يُنَزِّلُ“ ہے] ﴿مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا﴾ اس کے بعد کہ وہ مایوس و ناامید ہو چکے [اور نون مکسور کے ساتھ ”قَنَطُوا“ بھی پڑھا گیا ہے] ﴿وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ﴾ اور وہ اپنی رحمت بکھیرتا ہے یعنی وہ بارش کی برکتیں اور اس کے فوائد و منافع اور اس کے ذریعے خوش حالی بکھیرتا ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی گئی کہ قحط سالی اور خشک سالی بہت سخت ہو گئی ہے اور لوگ بارش سے مایوس اور ناامید ہو چکے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اب ضرور بارش ہوگی ان کی مراد یہی آیت تھی کہ مایوسی کے بعد بارش ضرور ہوتی ہے یا ان کی مراد یہ تھی کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے ﴿وَهُوَ الْوَلِيُّ﴾ اور وہی مالک و متولی ہے جو اپنے فضل و کرم اور اپنے احسان کے ذریعے اپنے بندوں کی کارسازی فرماتا ہے اور ان کی تمام ضروریات کی تدبیر فرماتا ہے ﴿الْحَمِيدُ﴾ وہی اس پر سزا گیا ہے اس کے اطاعت گزار اور

فرماں بردار بندے اس کی حمد و ثناء اور اس کی تعریف کرتے ہیں۔

۲۹۔ ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ﴿خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ﴾ آسمانوں اور زمین کی پیدائش ہے باوجود اپنے بہت بڑے ہونے کے ﴿وَمَا يَكُن فِيهِمَا مِنْ دَابَّةٍ﴾ اور جو کچھ ان دونوں میں جاندار پھیلائے (یعنی) آسمانوں اور زمین میں جس قدر تمام جاندار پھیلائے ہوئے ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں ”دواب“ صرف زمین میں چلنے والے جانداروں کو کہا جاتا ہے لیکن کسی چیز کو تمام مذکور کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے اگرچہ اس کے بعض افراد کے ساتھ متعلق ہو جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ بنو تمیم میں بزرگ شاعر ہے حالانکہ وہ ان کے خاندانوی میں سے صرف ایک خاندان میں ہے اور اسی سے یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ“ (الرحمن: ۲۲) ”ان دونوں دریاؤں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں“ حالانکہ یہ تمکین پانی والے دریا سے نکلتے ہیں اور یہ عقل و خرد سے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں ایسے جاندار پیدا کرتا ہو جو ان میں اس طرح چلتے ہوں جس طرح انسان زمین پر چلتے ہیں ﴿وَهُوَ عَلَىٰ جَنبِهِمْ﴾ اور وہ قیامت کے دن ان کے جمع کرنے پر ﴿إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ﴾ جب وہ چاہے گا پوری طرح قادر ہے [حرف ”إِذَا“ مضارع پر بھی اسی طرح داخل ہوتا ہے جس طرح وہ فعل ماضی پر داخل ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ“ (اللیل: ۱) ”قسم ہے رات کی جب وہ ڈھانپ لیتی ہے“]۔

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ﴿۳۰﴾
 أَنْتُمْ بِعُجْرَتِكُمْ فِي الْأَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۳۱﴾

اور تمہیں جو مصیبت بھی پہنچتی ہے تو اس کی وجوہ ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور وہ بہت سے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے ۰ اور تم زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو اور اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تمہارا نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار ہے ۰

مصیبتوں کا نزول بڑے اعمال کے سبب ہوتا ہے

۳۰۔ ﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ﴾ اور تمہیں جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے (یعنی) غم و رنج اور تکلیف و بیماری ﴿فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ﴾ سو اس کا سبب وہ ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا یعنی اس کا سبب وہ گناہ ہیں جن کا تم نے اپنے ہاتھوں سے ارتکاب کیا یہ مصیبت اس پر سزا ہے [نافع مدنی ابن عامر شامی اور علی کسائی کی قراءت میں ”فا“ کے بغیر ”بما کسبت“ ہے کیونکہ ان کے نزدیک ”وما اصابکم“ میں لفظ ”ما“ شرط کے معنی سے خالی محض مبتدا ہے اور ”بما کسبت“ اس کی خبر ہے اور جس نے ”فا“ کو ثابت رکھا اور ”بما کسبت“ پڑھا اس کے نزدیک ”وما اصابکم“ میں حرف ”ما“ شرط کے معنی پر مشتمل ہے] اور جو تاح (روح کے ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہونے) کے قائل ہیں انہوں نے اس آیت مبارکہ سے استدلال کیا اور کہا کہ اگر بچوں کے لیے اس موجودہ حالت سے پہلے کوئی اور حالت نہ ہوتی تو انہیں اس موجودہ حالت میں کوئی رنج و غم اور تکلیف وغیرہ نہ پہنچتی اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت مبارکہ اپنے سیاق و سباق کے اعتبار سے صرف مکلفین (عقل مند بالغ حضرات) کے لیے مخصوص ہے اور اس کی دلیل یہ ارشاد ہے کہ ﴿وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ﴾ اور اللہ

تعالیٰ بہت سی چیزوں سے درگزر کرتا ہے اور بہت سی چیزوں کو معاف فرمادیتا ہے یعنی بہت سے گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے اور ان پر جلد سزا نہیں دیتا یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کو معاف کر دیتا ہے اور ان کو جلد از جلد سزا نہیں دیتا۔

(۱) حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص یہ نہیں جانتا کہ جو مصیبت و تکلیف اور فتنہ اس کو پہنچتا ہے وہ محض اس کے اپنے کثرت کے سبب ہوا اور بے شک اس کے مالک اور معبود برحق نے اس کے اکثر گناہوں کو معاف فرمادیا ہے تو وہ اپنے اوپر اپنے رب تعالیٰ کے احسان پر بہت کم نظر رکھنے والا ہے۔

(۲) حضرت محمد بن حامد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ انسان تمام اوقات میں گناہوں کے ساتھ ملوث ہوتا رہتا ہے اور وہ اپنے رب تعالیٰ کی عبادت و اطاعت میں مشغول و منہمک رہنے سے زیادہ اپنے گناہوں میں مشغول رہتا ہے کیونکہ گناہ اور نافرمانی کا ارتکاب ایک سبب سے ہوتا ہے اور عبادت و اطاعت کئی وجوہات کی بناء پر ادا کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو مختلف مصائب و آلام میں مبتلا کر کے گناہوں سے پاک کرتا رہتا ہے تاکہ قیامت کے دن اس سے اس کے گناہوں کا بوجھ ہلکا ہو جائے اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو انسان پہلے قدم پر ہلاک ہو جاتا۔

(۳) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں مسلمانوں کے لیے یہ آیت مبارکہ سب سے زیادہ اُمید افزا ہے کیونکہ کریم و مہربان جب ایک مرتبہ معاف فرمادیتا ہے تو دوبارہ سزا نہیں دیتا اور جب معاف کر دیتا ہے تو دوبارہ اس پر باز پرس اور سرزنش نہیں کرتا۔

۳۱- ﴿وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ﴾ اور تم زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو (یعنی) جن مصائب و آلام کے نزول کا تم پر فیصلہ کر دیا گیا ہے ان سے تم بچ نہیں سکتے ﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ قَوْلٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے جو تم پر رحم و کرم کر سکے ﴿وَلَا تَصُدُّكُمْ﴾ اور نہ کوئی ایسا حامی و ناصر ہو سکتا ہے جو تم سے اس عذاب کو دور کر دے جسے اللہ تعالیٰ نے تم پر جب نازل کرنا ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۝۳۲ إِنَّ يَتَشَاءُ سَكِنَ الرِّيحِ فَيَظْلَلْنَ

رَوَاكِدًا عَلَى ظَهْرِهِ ۝۳۳ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۝۳۴ أَوْ يُوقِفُهُنَّ

بِمَا كَسَبُوا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ ۝۳۵ وَيُعَلِّمُ الَّذِينَ يُبَادِلُونَ فِي آيَاتِنَا مَا لَمْ يَكُنْ

مَحِصِينَ ۝۳۵

اور اس کی نشانیوں میں سے سمندر میں پہاڑوں کی طرح بلند و بالا کشتیاں ہیں O اگر وہ چاہے تو ہوا کو ساکن کر دے پس وہ کشتیاں اس کی پشت پر ٹھہری رہیں بے شک اس میں ہر بڑے صبر کرنے والے بہت شکر کرنے والے کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O یا وہ انہیں ہلاک کر دے ان کو تانبوں کی وجہ سے جو ان لوگوں نے کمائیں اور وہ بہت کچھ معاف کر دیتا ہے O اور وہ لوگ جان لیں جو ہماری آیتوں میں جھگڑا کرتے ہیں کہ ان کے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ہے O

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں

۳۲- ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں میں سے پہاڑوں کی طرح بلند

وبالاسمندروں اور دریاؤں میں چلنے والی کشتیاں ہیں جو محض اس کی قدرت کاملہ کی بناء پر بھاری بھر کم پانی میں ڈوبنے کی بجائے اس کی سطح پر رواں دواں رہتی ہیں [”الجوارى“، ”جاریة“ کی جمع ہے جس کا معنی ہے: چلنے والی کشتی اور ابن کثیر مکی، سہل اور یعقوب کی قراءت میں وقف اور وصل دونوں حالتوں میں ”یا“ کے ساتھ ”الجوارى“ پڑھا جاتا ہے جب کہ نافع مدنی اور ابو عمرو نے حالت وصل میں ان کی موافقت کی ہے (لیکن باقی قراء کے نزدیک ”یا“ کے بغیر ”الجوار“ ہے)۔]

۳۳- ﴿إِنْ يَشَأْ يُسْكِنِ الرِّيحَ﴾ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ہوا کو روک لے ﴿فَيُظِلُّنَّ رَوَاكِدًا عَلَى ظَهْرِهِ﴾ پس وہ کشتیاں دریاؤں اور سمندروں میں پانی کی سطح اور پشت پر ساکن و جامد ہو کر کھڑی رہیں اور چل نہ سکیں [قاری نافع مدنی کی قراءت میں ”الریح“ کی بجائے اس کی جمع ”الریاح“ کے ساتھ ”یسکن الریاح“ پڑھا جاتا ہے] ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ﴾ بے شک اس میں ہر اس شخص کے لیے قدرت الہی کی نشانیاں ضرور موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصیبتوں پر بہت صبر کرنے والا اور اس کی عطا کردہ نعمتوں پر بہت شکر ادا کرنے والا ہے یعنی ہر مخلص مومن کے لیے قدرت الہی کی نشانیاں اس میں کار فرما ہیں سو ایمان کے دو حصے ہیں: نصف ایمان شکر ادا کرنا اور نصف ایمان صبر کرنا ہے یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت پر بہت صبر کرنے والے اور اس کی طرف سے عنایت کی گئی نعمتوں پر بہت شکر ادا کرنے والے۔

۳۴- ﴿أَوْ يُوقِنَنَّ﴾ یا اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کر دے اور انہیں غرق کر کے تباہ و برباد کر دے [اور یہ ”یسکن“ پر معطوف ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ ہوا کو روک دے جس کے سبب کشتیاں چلنے کی بجائے جامد و ساکن ہو کر رُک جاتی ہیں یا اللہ تعالیٰ چاہے تو تیز آندھی چلا دے جس کی سخت تیز رفتاری کی وجہ سے کشتیاں الٹ پلٹ ہو کر غرق ہو جائیں اور ان کے سوار ہلاک ہو جائیں ﴿بِمَا كَسَبُوا﴾ محض ان گناہوں کے سبب جن کا انہوں نے ارتکاب کیا ﴿وَيَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان میں سے بہت سے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے سوان پر سزا نہیں دیتا اور عفو و درگزر ہلاک کرنے کے حکم میں داخل ہے کیونکہ وہ یقینی ہے اس لیے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو کئی لوگوں کو ہلاک کر دیتا ہے اور کئی لوگوں کو معاف کر کے نجات دے دیتا ہے۔

۳۵- ﴿وَيَعْلَمُ﴾ یہ محذوف کی تعلیل پر منصوب ہے جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ”لینتقم منهم ويعلم“ ﴿الَّذِينَ يُبَادِلُونَ فِي الْآيَاتِ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے انتقام اور بدلہ لے اور وہ لوگ اچھی طرح جان لیں جو ہماری آیتوں میں جھگڑا کرتے ہیں یعنی ان آیات کو مٹانے اور ان کو رد کرنے کے لیے جھگڑتے ہیں [قاری نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ”يعلم“ استیناف (الگ مستقل جملہ ہونے) کی بناء پر مرفوع ہے] یعنی جو لوگ ہماری آیتوں میں جھگڑا کرتے ہیں وہ یہ جان لیں کہ ﴿مَا كُمْ مِّنْ مَّجِيحِينَ﴾ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کے لیے ان کے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔

فَمَا أُوْتِيْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى لِلَّذِينَ

آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۳۶﴾ وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كِبْرَ الْأَشْرَارِ وَالْفَوَاحِشِ

وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ﴿۳۷﴾

سو تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے پس وہ دنیا کی زندگی کا ساز و سامان ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ ان لوگوں کے لیے سب سے زیادہ بہتر اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے جو ایمان دار ہیں اور وہ اپنے پروردگار پر کامل بھروسہ رکھتے ہیں اور جو لوگ بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے رہتے ہیں اور جب وہ غصہ میں آتے ہیں تو وہ معاف کر دیتے ہیں۔

شان ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۶ - ﴿فَمَا أُوتِيْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ﴾ پس تمہیں جو کچھ بھی دیا گیا ہے سو وہ تو صرف دنیاوی زندگی کا سامان ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یعنی اجر و ثواب اور آخرت کی نعمتیں وہ ان لوگوں کے لیے زیادہ بہتر اور زیادہ باقی رہنے والی ہیں جو ایمان قبول کر کے مسلمان ہو چکے ہیں اور وہ اپنے پروردگار پر بھی بھروسہ رکھتے ہیں۔

شان نزول: جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا تمام مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کر دیا تو اس پر لوگوں نے آپ کو ملامت کی کہ سب مال لٹا کر خود فقیر و محتاج بن گئے اس موقع پر یہ آیت مبارکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تائید میں نازل ہوئی اور اس میں واضح کر دیا گیا کہ دنیا کا مال و متاع آخرت کی نعمتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا [اس آیت مبارکہ میں پہلا "ما" شرط کے معنی پر مشتمل ہے اس کے جواب میں "فا" جزائیہ لایا گیا ہے بہ خلاف دوسرے "ما" کے]۔

۳۷ - ﴿وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْإِثْمِ﴾ اور یہ وہ لوگ ہیں جو تمام بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہتے ہیں یعنی اس جنس کے بڑے گناہوں سے بچتے ہیں [اور علی کسائی اور حمزہ کی قراءت میں "کبیر الاثم" ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ "کبیر الاثم" (بڑے گناہ) سے شرک مراد ہے اور "والذین یجتنبون" "الذین امنوا" پر معطوف ہے اور اسی طرح اس کے بعد والی آیت مبارکہ بھی اسی پر معطوف ہے] ﴿وَالْفَوَاحِشُ﴾ اور وہ لوگ بے حیائی کے کاموں سے اجتناب و پرہیز کرتے ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ بے حیائی کے کام وہ ہیں جن کی قباحت و بُرائی بہت بڑی ہے سو ایسے کام "فواحش" کہلاتے ہیں جیسے زنا وغیرہ ﴿وَإِذَا مَا عَضُّوْا﴾ اور جب وہ غضب ناک ہوتے ہیں (یعنی) جب وہ دنیا کے معاملات میں سے کسی معاملہ میں غضب ناک ہوتے ہیں تو ﴿هُمْ يَغْفِرُونَ﴾ وہ معاف کر دیتے ہیں اور وہ غصے کو پی جاتے ہیں یعنی وہی لوگ حالت غضب میں عفو و درگزر کرنے اور معاف کرنے کی خوبی کے ساتھ بہت زیادہ مخصوص ہو چکے ہیں گویا یہ ان کی خصوصی خصلت و عادت ہے [اور "ہم" ضمیر کالانا اور اس کو مبتدا بنانا اور "یغفرون" کی اس کی طرف نسبت کرنا صرف اسی فائدہ کے لیے ہے اور "ہم ینتصرون" بھی اسی طرح ہے]۔

وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلَاةَ وَاَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَوَسَا
رَتًا قَوْمٌ يَنْفِقُونَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِينَ اِذَا اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ ﴿۳۹﴾ وَجَزَاءُ
سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاجْرَةٌ عَلٰی اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾
وَلَمَنْ اَنْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمٍ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۱﴾ اِنَّهَا السَّبِيْلُ عَلٰی

الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ أُولَٰئِكَ لَهُمْ
عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۳۸﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿۳۹﴾

اور جن لوگوں نے اپنے رب تعالیٰ کا حکم قبول کیا اور وہ نماز قائم کرتے رہے اور ان کے کام باہمی مشورے سے طے ہوتے رہے اور ہم نے ان کو جو کچھ رزق دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں کوئی ظلم پہنچتا ہے تو وہ صرف بدلہ لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے سو جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کرنی تو اس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے بے شک وہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا اور جس نے ظلم سہنے کے بعد بدلہ لیا تو ایسے لوگوں پر کوئی مواخذہ نہیں ہے بے شک مواخذہ صرف انہیں پر ہوگا جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور وہ زمین میں ناحق بغاوت و سرکشی کرتے ہیں انہیں لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے اور البتہ جس نے صبر کیا اور بخش دیا تو بے شک یہ ضرور ہمت کے کاموں میں سے ہے

مدنی صحابہ کرام کی شان

۳۸- ﴿وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ﴾ اور جن لوگوں نے اپنے پروردگار کی دعوت اسلام قبول کر لی۔
شان نزول: یہ آیت مبارکہ انصارِ مدینہ کی شان میں نازل ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب آخر الزمان نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے انہیں اسلام قبول کر کے ایمان لانے اور عبادت و اطاعت بجالانے کی دعوت دی تو انہوں نے یہ دعوت قبول کر لی اور وہ ایمان لے آئے اور انہوں نے اطاعت و فرماں برداری اختیار کر لی ﴿وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ﴾ اور انہوں نے نماز کو قائم رکھا (یعنی) وہ لوگ پانچوں نمازیں مکمل طور پر صحیح طریقے پر ادا کرتے رہے ﴿وَأَمَرَهُمْ شُرَاؤِيهِمْ﴾ اور ان کے کام باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں ”ای ذو شورای“ یعنی وہ لوگ الگ الگ اپنی اپنی رائے پر عمل نہیں کرتے بلکہ وہ سب اکٹھے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے مشورے کر کے ایک دوسرے کی رائے لیتے ہیں پھر جس رائے پر متفق ہو جاتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جو قوم کسی کام میں ایک دوسرے سے باہمی مشورہ کرتی ہے وہ ضرور ہدایت پر رہتی ہے اور ان کے کام سب سے زیادہ رشد و ہدایت پر مبنی ہوتے ہیں [اور ”شورای“ مصدر ہے جیسے ”فتیاء“ ہے اس کا معنی ہے: باہمی مشورہ کرنا] ﴿وَيَتَادَرَسُوا خَيْرًا﴾ اور ہم نے انہیں جو کچھ رزق دیا ہے وہ اس میں سے (راہِ خدا میں) خرچ کرتے ہیں یعنی وہ صدقہ اور خیرات کرتے ہیں۔

۳۹- ﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَكْتُمُونَ﴾ اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو کسی کی طرف سے بغاوت و ظلم پہنچتا ہے تو یہ لوگ صرف انتقام لیتے ہیں کہ ظالموں سے ان کے ظلم کا بدلہ لیتے ہیں یعنی یہ حضرات انتقام لینے میں صرف اسی طریقہ پر اکتفاء کر لیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کر دیا ہے اور وہ حد سے تجاوز نہیں کرتے اور وہ اپنے آپ کو عاجز و کمزور اور کم تر رکھنا سخت ناپسند کرتے ہیں تاکہ فساق و نافرمان کبھی بھی ان پر جرات کا مظاہرہ نہ کر سکیں اور ان کی انتقام و بدلہ لینے پر صرف اس لیے تعریف کی گئی ہے کہ جو شخص بدلہ لیتا ہے اور وہ اپنا حق لیتا ہے اور وہ اس میں اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حد سے تجاوز نہیں کرتا اور وہ مقتول کا ولی ہونے کے باوجود قتل کرنے میں زیادتی نہیں کرتا تو وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع اور فرماں بردار ہے اور ہر مطیع و فرماں بردار قابل تعریف ہے۔

۴۰۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انتقام لینے کی حد بیان کی چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ اور بُرائی کا بدلہ اسی کی مثل بُرائی ہے سو پہلی تو حقیقت میں بُرائی ہے لیکن دوسری حقیقت میں بُرائی نہیں بلکہ وہ بُرائی کا بدلہ ہے اور اسی بناء پر اسے بُرائی کا نام دیا گیا ہے کہ بُرائی کا بدلہ ہے یا جس طرح بُرائی تکلیف دہ ہوتی ہے اسی طرح بُرائی کے بدلے میں بُرائی بھی تکلیف دہ ہوتی ہے اس لیے اسے بھی بُرائی کہا گیا اور اس لیے بھی کہ اگر پہلی بُرائی نہ ہوتی تو دوسری یقیناً بُرائی ہی ہوتی کیونکہ یہ بہت تکلیف دہ ہوتی لہذا یہ حسن لغیر ہا ہے یا پھر بُرائی کے بدلے کو بُرائی کا نام دینے میں اس طرف اشارہ ہے کہ معاف کر دینا مستحب اور پسندیدہ عمل ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ بُرائی کا بدلہ لینے میں واجب اور ضروری ہے کہ اس کے مقابلے میں اسی کی مثل بُرائی کی جائے زیادتی ہرگز نہ کی جائے (مثلاً اگر کوئی کہے کہ تم لعنتی ہو تو اس کے جواب میں صرف یہی کہا جائے کہ تم خود لعنتی ہو اس سے زیادہ نہیں) ﴿فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ﴾ سو جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کر لی (یعنی) جس نے اپنے اور اپنے مخالف کے ساتھ عفو و درگزر اور چشم پوشی کر کے صلح کر لی ﴿فَأَجْرٌ عَلَى اللَّهِ﴾ تو اس کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے اس وعدہ کو مبہم بیان کیا گیا ہے اس لیے معاف کر دینے پر ملنے والے اجر و ثواب کی عظمت و بڑائی کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا ﴿إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو نہ دوست رکھتا ہے اور نہ انہیں پسند کرتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو ظلم میں پہل کرتے ہیں یا وہ لوگ مراد ہیں جو انتقام اور بدلہ لینے میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن ایک منادی بلند آواز سے پکار کر کہے گا کہ جس کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر واجب ہے وہ ضرور کھڑا ہو جائے سو صرف وہی شخص کھڑا ہوگا جس نے معاف کیا ہوگا۔

۴۱۔ ﴿وَلَمَنِ اتَّصَرَ بَعْدَ ظَلْمِهِ﴾ اور البتہ جو شخص اپنے اوپر ظلم سہنے کے بعد انتقام لیتا ہے یعنی جو شخص اپنے اوپر ظلم کیے جانے کے بعد ظالم سے اپنا حق لے لیتا ہے [”ظلمہ“ میں مصدر کی اپنے مفعول کی طرف اضافت ہے] ﴿فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِم مِّن سَبِيلٍ﴾ سو ایسے لوگوں پر کوئی مواخذہ نہیں [”فأولئك“ اسم اشارہ جمع ہے اور یہ ”مَنْ“ کے معنی کی طرف اشارہ ہے اس کے لفظ کی طرف نہیں (کیونکہ کلمہ ”مَنْ“ معنی کے اعتبار سے جمع ہے اور لفظ کے اعتبار سے واحد ہے)] مطلب یہ ہے کہ جو شخص ظلم کا نشانہ بننے کے بعد ظالم سے اس کے ظلم کا بدلہ لے لیتا ہے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں نہ اسے سزا دی جائے گی اور نہ اس پر عتاب کیا جائے گا۔

۴۲۔ ﴿إِنَّهَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ﴾ بے شک مواخذہ کی راہ صرف ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم و ستم کرتے ہیں یعنی جو لوگوں پر ظلم کرنے میں پہل کرتے ہیں ﴿وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ اور وہ زمین میں ناحق بغاوت و سرکشی کرتے ہیں (یعنی) وہ زمین میں تکبر و غرور کرتے ہیں اور اپنے آپ کو بڑا ظاہر کرتے ہیں اور فساد پھیلاتے پھرتے ہیں ﴿أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ انہیں لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے اور ”السبيل“ کی تفسیر حجت اور مطالبہ کے ساتھ کی گئی ہے۔

۴۳۔ ﴿وَلَمَن صَبَرَ﴾ اور البتہ جس نے ظلم و ستم اور اذیت و تکلیف پر صبر کیا ﴿وَعَفَا﴾ اور معاف کر دیا اور انتقام اور بدلہ نہیں لیا ﴿إِنَّ ذَٰلِكَ﴾ بے شک یہ یعنی ظالم کے ظلم پر صبر کرنا اور اسے معاف کر دینا ﴿لَمِنَ عَمَلِ الْأُمُورِ﴾ ضرور بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے یعنی یہ ان امور میں سے ہے جس کی طرف سبقت کرنا مستحب عمل ہے یا یہ ان امور میں سے ہے جو اس لائق ہے کہ انہیں عاقل و ذہین مرد اپنے اوپر واجب و لازم کر لے اور ان کے ترک کرنے میں رخصت پر عمل نہ کرے [اور راجح محذوف ہے یعنی ”منہ“ کیونکہ یہ خود بخود سمجھا جاتا ہے جیسا کہ اہل عرب کے اس قول: ”السمن منوان بدرهم“

میں راجع محذوف مانا گیا ہے [اور حضرت ابوسعید قرشی نے فرمایا کہ مصائب و آلام پر صبر کرنا بلند ترین اور اہم ترین علامات میں سے ہے، سو جو شخص کسی پہنچنے والی مصیبت پر صبر کر لیتا ہے اور جزع و فزع اور واویلا نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کو رضا کے حال کا وارث بنا دیتا ہے اور یہ تمام احوال سے اہم ترین و بلند ترین ہے اور جو شخص مصیبتوں سے گھبرا جاتا ہے اور جزع و فزع شروع کر دیتا ہے اور شکایت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے نفس کے سپرد کر دیتا ہے پھر اس کا شکوہ و شکایت اسے کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ وَرِيٍّ مِّنْ بَعْدِهِ ۗ وَتَرَى الظَّالِمِينَ لَمَّا رَأَوْا

الْعَذَابَ يَقُولُونَ هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيلٍ ۗ وَتَرَىٰ لَهُمْ يَعْزُضُونَ عَلَيْهَا

خَشَعِينَ مِنَ الدَّلِيلِ يَنْظُرُونَ مِنْ طَرَفٍ خَفِيٍّ ۗ وَقَالَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ

الْخَسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَأَهْلِيَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا إِنَّ الظَّالِمِينَ

فِي عَذَابٍ مُّقْتَدِرٍ ۗ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ أَوْلِيَاءٍ يَنْصُرُونَهُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ ۗ

وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ سَبِيلٍ ۗ

اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر ڈال دے تو اس کے بعد اس کے لیے کوئی کار ساز نہیں اور آپ ظالموں کو دیکھیں گے کہ جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ کیا واپس جانے کا کوئی راستہ ہے؟ آپ انہیں دیکھیں گے کہ انہیں دوزخ پر اس حال میں پیش کیا جائے گا کہ ذلت کی وجہ سے وہ سر جھکائے ہوئے چھپی نگاہوں سے دیکھتے ہوں گے اور ایمان والے کہیں گے: بے شک نقصان اٹھانے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو قیامت کے دن گھاٹے میں ڈال دیا، خبردار ہو جاؤ! بے شک ظالم لوگ دائمی عذاب میں رہیں گے اور ان کے لیے کوئی دوست نہیں ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان کی مدد کر سکیں اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر ڈال دیتا ہے تو اس کے لیے کوئی راہ نجات نہیں رہتی۔

ظالموں کی رسوائی کا بیان

۴۴- ﴿وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ وَرِيٍّ مِّنْ بَعْدِهِ ۗ﴾ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر ڈال دیتا ہے تو اس کے بعد اس کے لیے کوئی کار ساز نہیں ہوتا جو اسے سیدھے راستے پر چلا دے اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو گمراہی پر ڈال دیا ہو اور نہ کوئی اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکتا ہے ﴿وَتَرَى الظَّالِمِينَ﴾ اور آپ ظالموں کو دیکھیں گے (یعنی) آپ قیامت کے دن کافروں کو دیکھیں گے کہ ﴿لَمَّا رَأَوْا الْعَذَابَ﴾ جب وہ عذاب کو دیکھیں گے یعنی جس وقت وہ عذاب دیکھیں گے۔ یہاں فعل ماضی کا لفظ صرف تحقیق کے لیے اختیار کیا گیا ہے ﴿يَقُولُونَ هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيلٍ﴾ وہ لوگ کہیں گے: کیا واپس جانے کا کوئی راستہ ہے (یعنی) قیامت کے دن کفار اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ انہیں ایک دفعہ دنیا میں واپس جانے دیا جائے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لے آئیں۔

۴۵- ﴿وَتَرَىٰ لَهُمْ يَعْزُضُونَ عَلَيْهَا﴾ اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ انہیں دوزخ کی آگ پر پیش کیا جائے گا کیونکہ عذاب

کا ذکر دوزخ پر دلالت و رہنمائی کر رہا ہے (اس لیے کہ کفار کو دوزخ کی آگ کا عذاب دیا جائے گا) ﴿خَشِعِينَ مِنَ الدَّلِيلِ﴾ ذلت و رسوائی کی وجہ سے اپنے سروں کو جھکائے ہوئے ہوں گے (یعنی) اس روز جو انہیں ذلت و رسوائی لاحق ہوگی اس کی وجہ سے نہایت متواضع و عاجز ہو کر اپنے سروں کو جھکا کر آئیں گے ﴿يَنْظُرُونَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ﴾ وہ لوگ آنکھیں چرا کر کن آنکھوں سے دوزخ کی آگ کی طرف دیکھیں گے جیسے تلوار سے قتل کیے جانے والا شخص تلوار کی طرف دیکھتا ہے ﴿وَقَالَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ الْغَابِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ اور مسلمان کہیں گے: بے شک نقصان اٹھانے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو نقصان میں ڈال دیا۔ ”یوم“ کا تعلق اگر ”خسروا“ کے ساتھ کیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ مسلمانوں نے کفار کو بت پرستی کرتے ہوئے دیکھ کر دنیا میں یہ کہا تھا کہ دراصل نقصان اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو کفر و شرک کے سبب قیامت کے دن نقصان زدہ کر دیا اور اگر ”یوم“ کا تعلق ”قال“ کے ساتھ کیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ مسلمان جب کفار کو اس حالت میں دیکھیں گے تو اس وقت وہ مذکورہ بالا بات کہیں گے: ﴿الَّذِينَ الظَّالِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّقْتَدِرٍ﴾ خبردار ہو جاؤ! بے شک یہ ظالم و کافر لوگ دائمی عذاب میں رہیں گے۔ ”مقیم“ بہ معنی ”دائم“ ہے یعنی ہمیشہ رہنے والا۔

۴۶- ﴿وَمَا كَانَ لَكُمْ مِنْ أَوْلِيَاءَ يَنْصُرُونَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ اور ان کے لیے کوئی دوست نہیں ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان کی مدد کر کے انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑا سکیں گے ﴿وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ سَبِيلٍ﴾ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر ڈال دیتا ہے تو اس کے لیے نجات کا کوئی راستہ نہیں رہتا۔ ”سبیل“ سے نجات کی راہ مراد ہے۔

اَسْتَجِيبُوا لِلرِّبِّكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمًا مَرَدًّا لَهُ مِنَ اللَّهِ ط مَا لَكُمْ مِنْ
 مَلْجَأٍ يَوْمَئِذٍ وَمَا لَكُمْ مِنْ نَكِيرٍ ﴿۴۷﴾ فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ
 حَفِيظًا إِنَّ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلْغُ وَإِنَّا إِذَا أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَحَرِّحْنَا بِهَا
 وَإِنْ نَصَبْنَاهُمْ سِيبَةً بَاقِدَاتٍ آيْدِيهِمْ فَإِنَّ الْإِنْسَانَ كَفُورٌ ﴿۴۸﴾

تم اپنے پروردگار کے لیے (اسلام کی دعوت کو) قبول کر لو اس دن کے آنے سے پہلے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والا نہیں اس دن تمہارے لیے نہ کوئی پناہ لینے کی جگہ ہوگی اور نہ تمہارے لیے انکار کی گنجائش ہوگی ○ پھر اگر وہ منہ پھر لیں تو ہم نے آپ کو ان پر محافظ بنا کر نہیں بھیجا آپ پر صرف پیغام پہنچا دینا لازم ہے اور بے شک جب ہم اپنی طرف سے انسان کو کسی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پر خوش ہو کر اترانے لگتا ہے اور اگر ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے ان گناہوں کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں تو بے شک انسان بہت بڑا ناشکر ہے ○

کفار کو دعوتِ اسلام دینے اور ان کی روگردانی کا بیان

۴۷- ﴿اَسْتَجِيبُوا لِلرِّبِّكُمْ﴾ تم اپنے پروردگار کی دعوت قبول کر لو یعنی اللہ تعالیٰ جس دین کی طرف تمہیں دعوت دیتا ہے تم اسے قبول کر لو ﴿مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمًا﴾ اس دن کے آنے سے پہلے یعنی قیامت کا دن آنے سے پہلے ﴿لَا مَرَدًّا لَهُ مِنَ اللَّهِ﴾ وہ دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والا نہیں ہے۔ حرف ”من“ جارہ ”لَا مَرَدًّا“ سے متعلق ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ

قیامت کے وقوع کا حکم دے گا تو اس کو کوئی روک نہیں سکے گا نہ اسے کوئی دفع کر سکے گا یا حرف ”من“، ”یاتی“ کے ساتھ متعلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس دن کے آنے سے پہلے جس کے روکنے اور دفع کرنے پر کوئی قادر نہیں ہے ﴿مَا لَكُمْ مِنْ مَلْجَأٍ يَوْمَئِذٍ وَمَا لَكُمْ مِنْ نَكِيرٍ﴾ اس دن تمہارے لیے کوئی پناہ گاہ نہیں ہوگی اور نہ تمہارے لیے انکار کی گنجائش ہوگی یعنی تمہارے لیے عذاب سے کسی صورت میں خلاصی نہیں ہے اور نہ تم اس پر قادر ہو کہ تم نے جن گناہوں کا ارتکاب کیا ہے اور جو تمہارے اعمال ناموں میں لکھے گئے ہیں ان میں سے کسی کا انکار کر سکو اور ”نکیر“ کا معنی انکار ہے۔

۴۸- ﴿فَإِنْ أَعْرَضُوا﴾ پھر اگر انہوں نے ایمان لانے سے روگردانی کر لی اور اس سے منہ پھیر لیا ﴿فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا﴾ تو ہم نے آپ کو ان پر محافظ و نگران بنا کر نہیں بھیجا۔ ”حفیظاً“ بہ معنی ”رقیباً“ ہے (یعنی نگران) ﴿وَإِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاءُ﴾ آپ پر لازم نہیں مگر پہنچا دینا یعنی آپ کے ذمہ صرف نبوت و رسالت کی تبلیغ کرنا اور احکام الہی کو لوگوں تک پہنچا دینا ہے اور بس اور آپ یقیناً یہ کام کر چکے ہیں ﴿وَإِنَّا إِذْ أَوْفَقْنَا الْإِنْسَانَ﴾ اور جب ہم انسان کو چکھاتے ہیں۔ یہاں ”انسان“ سے جمع مراد ہے یعنی تمام انسان ﴿مِتَّادِعَةً﴾ اپنی طرف سے رحمت کا مزہ (یعنی) جب ہم انسان کو نعمت و خوش حالی اور امن و امان اور صحت و تندرستی کا مزہ چکھاتے ہیں تو ﴿فَرِحَ بِهَا﴾ وہ اس پر خوش ہوتا ہے اور وہ اس کی وجہ سے اترانے لگتا ہے اور تکبر و غرور کرتا ہے ﴿وَإِنْ تُصِيبُهُمْ سَيِّئَةٌ﴾ اور اگر ان کو کوئی برائی اور تکلیف پہنچتی ہے جیسے بیماری اور فقر و غربت اور ان جیسی دوسری تکلیفیں [”فرح“ کو واحد لایا گیا ہے کیونکہ ”انسان“ لفظ کے اعتبار سے واحد ہے اور اسی لفظ ”انسان“ کا اعتبار کر کے ”فرح“ کو واحد لایا گیا ہے اور ”وان تصبہم“ میں انسان کی طرف لوٹنے والی ضمیر ”ہم“ کو اس لیے جمع لایا گیا ہے کہ انسان اسم جنس ہے اس سے جمع کا معنی مراد ہے اور اسی معنی کا اعتبار کر کے ضمیر کو جمع لایا گیا ہے] ﴿يَتَقَدَّاتُ أَيُّدِيهِمْ﴾ ان کر تو توں کے سبب جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے یعنی ان کے گناہوں کے سبب ﴿فَإِنَّ الْإِنْسَانَ كَفُورٌ﴾ سو بے شک انسان بہت ناشکرا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ”فانہ کفور“ نہیں فرمایا تا کہ اس بات پر مہربانی کی جائے کہ یہ صرف انسان کی جنس ہے جو کفرانِ نعمت کے ساتھ مخصوص و موسوم ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ“ (ابراہیم: ۳۴) ”بے شک انسان بڑا ظالم (اور) بہت ناشکرا ہے“ اور ”کفور“ کا لفظ کفرانِ نعمت و ناشکری کے معنی میں مبالغہ کرنے کے لیے آتا ہے اور معنی یہ ہے کہ انسان مصیبت کو تو یاد رکھتا ہے اور اس کا تذکرہ کرتا ہے اور اسے اہمیت دیتا ہے لیکن نعمت کو جلد بھول جاتا ہے اور اسے حقیر و ادنیٰ جان کر کوئی اہمیت نہیں دیتا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے کفرانِ نعمت مراد ہے جب کہ بعض اہل علم حضرات کا قول ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا مراد ہے (کیونکہ ”کفور“ دونوں معانی میں استعمال ہوتا ہے)۔

لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يُخَلِّقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنْ شَاءَ إِنَّهَا وَيَهَبُ
لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ ۝٣٩ أَوْ يَزْوِجُهُمْ ذَكَرًا وَإِنثَاءً وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ
عَقِيْبًا ۝ إِنَّهُ عَلَيْهِ قَدِيرٌ ۝٤٠ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ
وَرَائِي حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بآذَانِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلَىٰ حَكِيمٌ ۝٤١

آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ جس کے لیے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور وہ جس کے لیے چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے O یا وہ ان کو بیٹے اور بیٹیاں ملا کر دیتا ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے بے شک وہ ہر چیز کا جاننے والا سب پر قادر ہے O اور کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا حجابِ عظمت کی اوٹ سے یا وہ فرشتہ بھیجتا ہے سو وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے وہی وحی لے کر آتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے بے شک وہ سب پر غالب بہت بڑا حکمت والا ہے O

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور انسان کے ساتھ کلام کرنے کے طریقہ کا بیان

۴۹، ۵۰ - ﴿بِئِنَّهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ إِنْ أَرَادَ أَن يُسَوِّدَ لِمَن يُرِيدُ وَجْهَهُ ذَكَرْنَا قَدْ آتَيْنَاكَ مِنْ قَبْلُ مَا يَشَاءُ عَقِيمًا﴾ تمام آسمانوں اور زمین کی حکومت و بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ جس کے لیے چاہتا ہے لڑکیاں عطا کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے لڑکے عطا کرتا ہے یا وہ انہیں لڑکے اور لڑکیاں دونوں ملا کر دے دیتا ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے۔ ”بزوجہم“ بہ معنی ”بقرنہم“ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ملا کر عطا کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو رحمت کا مژہ چکھانے اور اس کے برعکس اسے تکلیف و مصیبت پہنچانے کا ذکر کر لیا تو اس کے بعد بیان کیا کہ بے شک حکومت و سلطنت اسی کی ہے اور بے شک وہی نعمت اور مصیبت کو جیسے چاہتا ہے تقسیم کرتا ہے اور وہی اپنے بندوں کے لیے اولاد میں سے جو چاہتا ہے عطا کرتا ہے چنانچہ وہ بعض بندوں کو صرف لڑکیاں عطا کرتا ہے اور بعض کو صرف لڑکے عطا کرتا ہے اور بعض بندوں کو لڑکے اور لڑکیاں دونوں عطا کرتا ہے اور بعض کو بانجھ کر دیتا ہے ”عقیم“ اس عورت کو کہا جاتا ہے جو بچے نہیں جنم سکتی (جسے اردو میں بانجھ کہا جاتا ہے) اور اسی طرح جب کسی مرد کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تو اسے ”رجل عقیم“ کہا جاتا ہے اور یہاں پہلی آیت میں لڑکیوں کا ذکر لڑکوں کے ذکر سے پہلے کیا گیا ہے یہ اس لیے کہ یہاں کلام کے چلانے کا مقصد یہ ہے کہ فاعل اللہ تعالیٰ ہے وہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے نہ وہ جو انسان چاہتا ہے پس لڑکیوں کا ذکر اس اعتبار سے اہم ترین ہے کہ یہ انہیں چیزوں میں سے ہے جنہیں انسان نہیں چاہتا اور اہم ترین کا پہلے ذکر کرنا واجب ہے اور تا کہ (سابق آیت کے آخر میں) بلا و تکلیف کے ذکر کے ساتھ یہ جنس متصل ہو جائے جسے اہل عرب بلا و مصیبت شمار کرتے ہیں اور جب لڑکوں کا ذکر مؤخر کیا گیا جب کہ ان کا حق تقدیم تھا تو ان کو معرفہ ذکر کر کے ان کی تاخیر کا تدارک کیا گیا کیونکہ تعریف میں تعظیم و تشہیر ہے پھر اس کے بعد تقدیم و تاخیر کے ذکر میں ان دونوں جنسوں کو ان کا اپنا حق عطا کیا گیا اور بتلایا گیا کہ لڑکیوں کے ذکر کی تقدیم ان کی اپنی تقدیم کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسرے تقاضا کے پیش نظر کی گئی ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: ”ذکرنا وانا وانا“ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ آیات مبارکہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی شان میں نازل کی گئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہما السلام کو صرف لڑکیاں عطا کی تھیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صرف لڑکے عطا فرمائے تھے اور سید عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو لڑکے اور لڑکیاں دونوں عطا فرمائے تھے اور جب کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو بانجھ کر دیا تھا ﴿إِنَّهُ عَلَيْهِ﴾ ”بکل شیء“ بے شک وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ﴿قَدِيرٌ﴾ ”قادر علی کل شیء“ وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

۵۱ - ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ﴾ اور کسی انسان کے لیے نہیں (یعنی) انسانوں میں سے کسی کے لیے صحیح نہیں ہے ﴿أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا﴾ کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یعنی الہام کے ذریعے جیسا کہ مروی ہے: ”نفت فی روعی“ میرے دل میں کلام ڈالا گیا یا حالت نیند میں خواب کے ذریعے کلام کیا جاتا ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا

ارشاد مبارک ہے کہ ”رؤیا الانبیاء وحی“ یعنی انبیائے کرام کے خواب وحی ہوتے ہیں اور اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا ﴿أَوْ مِنْ ذُرِّيَّتِي سَجَاب﴾ یا پردے کے پیچھے یعنی اللہ تعالیٰ کو دیکھے بغیر اس کی طرف سے اس کا کلام سنا جائے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا لیکن سننے والے نے اپنے ساتھ کلام کرنے والے کو نہیں دیکھا اور اس حجاب سے اللہ تعالیٰ کا حجاب (پردہ) مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ پس پردہ چھپنے سے پاک ہے کیونکہ پردہ جسموں پر جائز ہوتا ہے اللہ تعالیٰ پر یہ جائز نہیں لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ کلام سننے والا بندہ دنیا میں دیدار الہی سے محجوب و مخفی ہوتا ہے (یعنی صرف بندہ پردے میں ہوتا ہے) ﴿أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا﴾ یا وہ رسول کو بھیجتا ہے یعنی یا پھر اللہ تعالیٰ کسی فرشتہ کو بھیجتا ہے ﴿فَيُوحِي﴾ سو وہ فرشتہ اس کے بندے کی طرف وحی لے کر آتا ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ ”وَحْيًا“ کا مطلب یہ ہے کہ فرشتوں کے واسطے سے رسولوں کی طرف وحی بھیجی جاتی ہے اور ”أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا“ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نبی اور پیغمبر کو بھیجتا ہے جیسا کہ انبیائے کرام کی امتوں سے ان کے انبیائے کرام کی زبانوں کے ذریعے کلام کیا گیا [اور ”وَحْيًا“ اور ”أَنَّ يُرْسِلَ“ دونوں مصدر ہیں اور حال واقع ہو رہے ہیں کیونکہ ”أَنَّ يُرْسِلَ“ ”إِرْسَالًا“ کے معنی میں ہے اور ”من وراء حجاب“ ظرف ہے اور حال کی جگہ پر واقع ہوا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ”وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ“ (آل عمران: ۱۹۱) اور تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: ”وما صح ان يكلم احدا الا موحيا او مسمعا من وراء حجاب او مرسلًا“ اور یہ صحیح نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی سے براہ راست کلام کرے مگر یہ کہ وحی بھیجنے والا ہو یا پردہ کے پیچھے کلام سنانے والا ہو یا فرشتہ بھیجنے والا ہو [اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ معنی ہے: اور کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کلام فرمائے مگر یہ کہ وہ وحی نازل کر دے یا یہ کہ پردہ کے پیچھے سے کلام سنا دے یا یہ کہ وہ کوئی فرشتہ بھیج دے اور علامہ خلیل نے اسی کو اختیار کیا ہے [نافع کی قراءت میں ”او يرسل“ پیش کے ساتھ ہے اس بناء پر کہ تقدیر عبارت اس طرح ہے: ”او هو يرسل رسولًا موحيا“] اس کے حکم سے (یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ﴿مَا يَشَاءُ﴾ جو وحی وہ چاہے گا ﴿إِنَّهُ عَلَىٰ﴾ بے شک وہ زبردست غالب ہے سوائے روکا نہیں جاسکتا ﴿حَكِيمٌ﴾ وہ اپنے تمام اقوال و افعال میں مصیب اور صحیح رائے رکھنے والا ہے سوائے سے معارضہ نہیں کیا جاسکتا۔

وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا

الْإِيمَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نُّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ

لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٥٣﴾ صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا

فِي الْأَرْضِ إِلَّا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ ﴿٥٤﴾

اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف ایک جانفزا چیز کی وحی بھیجی آپ از خود نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ ہی ایمان اور لیکن ہم نے اسے نور کر دیا ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں اس کے ذریعے ہدایت عطا کر دیتے ہیں اور بے شک آپ ضرور سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتے ہیں ○ اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف جس کی شان یہ ہے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے خبردار ہو جاؤ کہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ

جاتے ہیں O

۵۲۔ ﴿وَكَذَلِكَ﴾ اور اسی طرح یعنی جس طرح ہم آپ سے پہلے انبیاء و رسل کی طرف وحی بھیجتے رہے یا جس طرح ہم نے آپ سے وحی نازل کرنے کا وصف اور طریقہ بیان کیا ہے ﴿أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ دُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا﴾ اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے ایک ایمان افروز کلام کو وحی کے ذریعے آپ کی طرف بھیجا ہے۔ اس سے وہ کلام الہی (قرآن مجید) مراد ہے جو اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے آپ پر نازل کر چکا۔ یہاں قرآن مجید کو ”دوحا“ اس لیے فرمایا گیا ہے کہ جس طرح جسم روح سے زندہ رہتا ہے اسی طرح مخلوق خدا اپنے دینی معاملات میں کلام الہی کے ذریعے زندہ رہتی ہے ﴿مَا كُنْتُمْ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ﴾ آپ از خود نہیں جانتے تھے کہ کتاب یعنی قرآن مجید کیا چیز ہے اور نہ آپ از خود یہ جانتے تھے کہ ایمان کیا چیز ہے یعنی ایمان کے احکام و مسائل کو نہیں جانتے تھے اور نہ کتاب پر ایمان لانے کی کیفیت کو جانتے تھے کیونکہ جب آپ پہلے سے نہیں جانتے تھے کہ آپ پر یقیناً کتاب نازل کی جائے گی تو کتاب کے نزول سے پہلے اس کے عالم بھی نہیں تھے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ ایمان تمام شرعی احکام و مسائل کو شامل ہے جن میں سے بعض احکام و مسائل ایسے ہیں جن کو صرف عقل کے ذریعے بھی جانا جاتا ہے اور بعض ایسے ہیں جن کو جاننے کے لیے عقل کافی نہیں ہوتی بلکہ ان کو جاننے کے لیے دلائل سمعیہ (یعنی شرعی دلائل) کی ضرورت ہوتی ہے سو یہاں کتاب و ایمان سے وہ احکام و مسائل مراد ہیں جو صرف دلائل سمعیہ

لے بہ ظاہر اس آیت مبارکہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبوت سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہ کتاب کا علم تھا نہ ایمان کا۔

تحقیق طلب امر یہ ہے کہ کیا انبیاء کرام کو بعثت سے پہلے ایمان و کتاب کا علم ہوتا ہے یا نہیں؟ آیات قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ جب ہم قرآن حکیم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم یہ آیت پڑھتے ہیں: ”وَاقْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا“ (مریم: ۱۲) اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ آپ ابھی بچے ہی تھے کہ ہم نے انہیں علم و حکمت سے مشرف فرما دیا۔ حضرت ابن عباس کے قول کے مطابق آپ کی عمر تین سال تھی اور حکم سے مراد ”تفقه فی الدین“ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گوارہ میں ہی اعلان فرمایا: ”إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ إِنِّي الْكِتَابُ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا“ وَجَعَلَنِي مَبَارَكًا آمِنًا مَا كُنْتُ“ (مریم: ۳۰۔ ۳۱) یعنی ”بے شک میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے O اور اس نے مجھے بابرکت بنایا ہے جہاں بھی میں ہوں“۔ حضرت یوسف علیہ السلام ابھی کم سن ہی تھے کہ بھائیوں نے ان کے گلے میں رستہ ڈال کر کنوئیں میں لٹکا دیا تھا اس وقت انہیں اللہ تعالیٰ نے یہ مژدہ سنایا تھا کہ ”وَإَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هَذَا“ (یوسف: ۱۵) یعنی ہم نے ان کی طرف وحی نازل کی کہ آپ انہیں ان کے اس فعل پر آگاہ کریں گے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بچپن میں ہی حضرت ابراہیم خلیل سے عرض کیا تھا: ”يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ“ (الصافات: ۱۰۲) ”اے پدر بزرگوار! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل کیجئے اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں پائیں گے O“۔ جب ان حضرات اعیانہ کو بچپن میں ہی ان امور پر آگاہی بخش دی گئی تھی اور ان سے وہ مخیر العقول کارنامے صادر ہوئے جو صرف اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان کا ہی ثمر ہو سکتے ہیں تو حضور فخر دو عالم ﷺ کے متعلق یہ کیسے فرض کر لیا جائے کہ حضور کو ایمان اور کتاب کا علم نہ تھا۔ سرور کائنات کی قبل از اعلان نبوت زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو وہ بھی اس مفروضے کی تکذیب کرتی ہے حدیث پاک میں ہے: ”لَمَّا نَشَأَتْ بَغِضَتِ السَّيِّئَاتِ وَالْوَسْوَاسِ وَبَغِضَتِ السَّيِّئَاتِ الشُّعْرَ وَلَمْ أَهْمْ بِشَيْءٍ مِّمَّا كَانَتِ الْجَاهِلِيَّةُ تَفْعَلُهُ إِلَّا مَرَّتَيْنِ فَعَصَمَنِي اللَّهُ مِنْهُمَا ثُمَّ لَمْ أَعُدْ“ جب میں بڑا ہوا تو میرے دل میں بتوں اور شعروں کی متعلق بغض اور نفرت پیدا ہو گئی اور میں نے جاہلیت کے کاموں کا کبھی ارادہ نہیں کیا صرف دو مرتبہ خیال آیا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے بچالیا پھر میں نے ان کا کبھی قصد نہیں کیا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے جانے جاسکتے ہیں عقل سے نہیں (اس لیے ”ما کنت تدری“ فرمایا کہ آپ اپنی عقل و دانش سے کتاب و ایمان کو نہیں جانتے تھے بلکہ خدا داد علم سے جانتے تھے) اور یہ اس لیے کہ پہلے آپ کو کتاب و ایمان کے بارے میں شرعی دلائل کا علم نہیں تھا یہاں تک کہ آپ نے اس کو (اعلان نبوت کے بعد) نزول وحی کے ذریعے حاصل کر لیا [”ما کنت تدری“ کا جملہ ”الیک“ میں ضمیر مخاطب کاف سے حال واقع ہو رہا ہے ﴿وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا تَهْتَدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنَ عِبَادِنَا﴾ اور لیکن ہم نے اس کو یعنی اس کتاب کو نور بنا دیا جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت عطا فرمادیتے ہیں ﴿وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ اور بے شک آپ ضرور سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتے ہیں (یعنی)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضور ﷺ بچپن میں اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ ملک شام گئے اسی سفر میں بحیرہ راہب سے ملاقات ہوئی اس نے حضور ﷺ میں نبوت کی علامات دیکھیں تو آزمانے کے لیے اس نے حضور ﷺ کو لات و عزی کی قسم کھانے کے لیے کہا۔ حضور نے اپنی کم سن کے باوجود ارشاد فرمایا: ”لا تسئلنی بهما فوالله ما ابغضت شیئاً قط بغضهما“ یعنی اے راہب! مجھ سے ان باتوں کے واسطے سے کوئی بات مت پوچھو بخدا! مجھے جتنی نفرت ان سے ہے اور کسی سے نہیں۔

انبیائے کرام کے بچپن کے احوال لکھنے کے بعد علامہ قرطبی فرماتے ہیں: ”ثم يتمكن الامر لهم وتزاد نفحات الله عليهم وتشرق انوار المعارف في قلوبهم حتى يصلوا الغاية ويبلغوا باصطفاء الله لهم بالنبوة في تحصيل النخصال الشريفة دون مما رسة ولا رياضة“ پھر ان کے حالات میں بچکنگی پیدا ہونے لگتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول پے در پے ہوتا ہے۔ ان کے دلوں میں معرفت کے انوار چمکنے لگتے ہیں یہاں تک کہ وہ انتہاء تک پہنچ جاتے ہیں اور اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نبوت کے لیے انہیں چن لیتا ہے وہ اوصاف حمیدہ میں کمال حاصل کر لیتے ہیں انہیں کسی مشق اور ریاضت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔

علامہ موصوف فرماتے ہیں: ”الصواب انه معصوم قبل النبوة من الجهل بالله وصفاته والتشكك في شيء من ذلك وقد تعاضدت الاخبار والآثار عن الانبياء بتنزيههم عن هذه النقيصة منذ ولدوا ونشأتهم على التوحيد والایمان بل على اشراق انوار المعارف ونفحات الطاف السعادة ومن طالع سيرهم منذ صباهم الى مبعثهم حقق كذلك“ (قرطبی) صحیح یہ ہے کہ انبیائے کرام نبوت سے پہلے بھی اس بات سے معصوم ہوتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات سے جاہل ہوں یا ان میں سے کسی بات میں ان کو شک ہو۔ بہ کثرت ایسی احادیث و آثار موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیائے کرام بچپن میں ہی ان عیوب سے پاک ہوتے ہیں اور ان کی نشوونما توحید اور ایمان پر ہوتی ہے بلکہ معرفت کے انوار ان پر صوفشاں رہتے ہیں۔ سعادت و ارجمندی کے الطاف کی مہک سے وہ معطر رہتے ہیں۔ جنہوں نے ان کی سیرتوں کا مطالعہ کیا ہے ان کے نزدیک یہ امر مسلم ہے۔

جب حقیقت حال یہ ہے تو اب اس آیت کا مفہوم کیا ہے؟ علامہ قرطبی نے متعدد جواب نقل کیے ہیں مجھے یہ جواب ان میں سے زیادہ پسند ہے: ”ما کنت تدری ما الكتاب لو لا انعامنا عليك ولا الايمان لو لا هدايتنا لك“ یعنی اگر آپ پر ہمارا لطف و انعام نہ ہوتا تو آپ کتاب کو نہ جان سکتے اور اگر ہم آپ کی رہنمائی نہ فرماتے تو آپ کو ایمان کا علم بھی نہ ہوتا۔ (ملخصاً عن تفسیر القرطبی) نیز درایت کی لفظی سے علم کی لفظی نہیں ہوتی، کیونکہ درایت کہتے ہیں: ”المعرفة المدركة بضرب من الاختل (مفردات)“ یعنی کسی چیز کو ظن و تخمین سے یا انکل پچو سے جاننا۔ تاج العروس میں اس کا یہ معنی کیا گیا ہے کہ حیلہ سے کسی چیز کے جاننے کو درایت کہتے ہی۔ اسی لیے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہیں کیا جاتا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۳۹۳ تا ۳۹۵)

آپ ضرور دین اسلام کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں [”تا“ مضموم اور دال مکسور کے ساتھ ”لتہدیٰ“ بھی پڑھا گیا ہے (باب افعال ”آهدی یهدی“ سے)۔]

۵۳- ﴿صِرَاطِ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی راہ کی طرف آپ ہدایت دیتے ہیں [یہ ”صراط مستقیم“ سے بدل ہے] ﴿الذی لیہ ما فی السموات وما فی الارض﴾ وہ جس کی ملکیت و سلطنت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ﴿الذی لیہ ما فی السموات وما فی الارض﴾ سن لو! تمام امور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ جائیں گے۔ یہ (کفار کے لیے) دوزخ میں جانے کی وعید (دھمکی) ہے اور (نیک مسلمانوں کے لیے) جنت میں نعمتوں کا وعدہ ہے۔

﴿صِرَاطِ اللَّهِ﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

﴿صِرَاطِ اللَّهِ﴾

سورۃ الزخرف کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی نو اسی آیات سات رکوع ہیں

حَمْدٌ ۱ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۲ اِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۳ وَاِنَّهٗ فِىٓ اُمَّةٍ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلَّكُمْ تَحْكُمُونَ ۴ اَفَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِينَ ۵ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيِّنَا فِي الْاَوَّلِينَ ۶ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهِ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۷ فَاهْلِكْنَا اَشْدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَمَضَىٰ مَثَلُ الْاَوَّلِينَ ۸

تم ۰ قسم ہے روشن کتاب کی ۰ بے شک ہم نے اس کو عربی قرآن بنایا تا کہ تم سمجھ سکو ۰ اور بے شک یہ ہمارے پاس لوح محفوظ میں بڑا بلند مرتبہ بہت حکمت والا ہے ۰ سو کیا ہم اعراض کر کے تم سے اس نصیحت کو بیان کرنا اس لیے ترک کر دیں کہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو ۰ اور ہم نے پہلے لوگوں میں بہت سے نبی بھیجے ۰ اور ان کے پاس کوئی نبی نہ آتا مگر وہ اس کا مذاق اڑایا کرتے تھے ۰ سو ہم نے ان میں سے سخت گرفت رکھنے والوں کو ہلاک کر دیا اور پہلے لوگوں کی مثال گزر چکی ہے ۰

قرآن کی شان اور کفار کو انتباہ کرنے کا بیان

سورۃ زخرف کی ہے اور اس کی نو اسی آیات ہیں۔

۱ تا ۳- ﴿حَمْدٌ ۱ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ﴾ قسم ہے واضح اور روشن کتاب کی۔ اللہ تعالیٰ نے ”کتاب مبین“ کی قسم فرمائی ہے اور اس سے مراد قرآن مجید ہے ﴿اِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا﴾ بے شک ہم نے اس کو عربی قرآن بنایا ہے۔ اس میں ”اِنَّا جَعَلْنَاهُ“ کے ارشاد کو ”صیرنہ“ کے معنی میں قرار دیا گیا ہے یعنی ہم نے اس کتاب مبین کو عربی قرآن بنا دیا ہے اور یہ نہایت خوب صورت اور عجیب و غریب قسموں میں سے ہے کیونکہ قسم اور قسم علیہ ایک دوسرے کے بالکل مناسب ہیں اور ”مبین“ کا معنی ہے کہ یہ قرآن ان لوگوں کے لیے نہایت واضح ہے جن پر یہ نازل کیا گیا ہے کیونکہ یہ ان کی زبان میں اور ان کے انداز بیان کے مطابق ہے یا یہ تدریجاً اور غور و فکر کرنے والوں کے لیے واضح کتاب ہے یا یہ وہ قرآن ہے جو ہدایت کے راستے کو گمراہی کے راستے سے واضح کرتا ہے اور ان تمام مسائل کا واضح حل پیش کرتا ہے جن کی امت کو دین کے معاملات

میں ضرورت ہوتی ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ تاکہ تم سمجھو (یعنی) تاکہ تم اس کے معانی کو سمجھو۔

۴۔ ﴿وَإِنَّهُ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا﴾ اور بے شک وہ (قرآن) ہمارے نزدیک اصل کتاب میں ہے (یعنی) اور بے شک قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوح محفوظ میں ثابت ہے جس کی دلیل اس کا یہ ارشاد ہے: ”بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ“ (البروج: ۲۱-۲۲) ”بلکہ وہ عظمت والا قرآن O لوح محفوظ میں ہے O“ اور لوح محفوظ کو ”ام الكتاب“ اس لیے کہا گیا ہے کہ تمام آسمانی کتب کا یہی مرکز و اصل ہے چنانچہ تمام کتب سماویہ اسی میں ثابت ہیں اور اسی سے منتقل کی جاتی ہیں اور یہیں سے لکھ کر نقل کی جاتی ہیں [علی کسائی اور حمزہ کوئی کی قراءت میں الف مکسور کے ساتھ ”ام الكتاب“ پڑھا جاتا ہے] ﴿لَعَلَّيْ﴾ بے شک بہت بلند مرتبہ کتاب ہے ”یہ“ ”ان“ کی خبر ہے یعنی قرآن فصاحت و بلاغت کے درجات میں سب سے بلند درجہ میں ہے یا یہ کہ قرآن مجید تمام کتب میں عظیم الشان اور عالی شان ہے کیونکہ یہ ان کے درمیان سراپا معجزہ ہے ﴿حَكِيمٌ﴾ بہت بڑی حکمت والا قرآن ہے۔

۵۔ ﴿أَفَضْرِبُ عَنْكُمْ الذِّكْرَ﴾ تو کیا ہم تمہیں نصیحت کرنا چھوڑ دیں (یعنی) کیا ہم اس نصیحت سے بھرپور قرآن کو تم سے دور رکھیں اور ہم اس کو تم سے ہٹا دیں [یہ بطور مجاز ہے جیسے عرب کا قول ہے: ”ضرب الغرائب عن الحوض“ بیگانے اونٹوں اور اونٹنیوں کو حوض سے دور بھگا دیا گیا اور اس میں حرف ”فا“ محذوف پر عطف کے لیے ہے جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ ”انہم ملکم (فمن ضرب عنکم الذکر)“ کیا ہم تمہیں چھوڑ دیں اور ہم تم سے اس ذکر (قرآن) کو دور کر دیں] یہ اس بات سے انکار ہے کہ کتابوں کے نازل کرنے کا جو طریقہ کار پہلے گزر چکا ہے اب معاملہ اس کے خلاف کیا جائے اور اس کتاب کو عربی قرآن بنا کر اس لیے نازل کیا تاکہ اہل عرب اس کو سمجھیں اور اس کے موجبات اور اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کریں ﴿صَفْحًا﴾ [یہ مصدر ہے اور ”صفح عنہ“ سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اس سے روگردانی کی جائے اور اس سے منہ پھیر لیا جائے اور یہ مفعول لہ کی بناء پر منصوب ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ کیا ہم تمہاری وجہ سے قرآن مجید کو نازل کرنا اور اس کے ذریعے تم پر حجت قائم کرنا چھوڑ دیں اور ہم تم سے اعراض کر لیں ہرگز نہیں [اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ مصدر ”من غیر لفظہ“ سے ہو کیونکہ کہا جاتا ہے: ”ضربت عنہ“ یعنی میں نے اس سے اعراض کر لیا اسی طرح علامہ فراء نے کہا ہے] ﴿أَنْ كُنْتُمْ كَوْمًا فَسِيفِينَ﴾ اصل میں ”لَاَنْ كُنْتُمْ“ ہے یعنی اس لیے کہ تم حد سے بڑھنے والے ہو (یعنی) تم جہالت میں بہت زیادہ مبتلا ہو اور گمراہی میں تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو [نافع مدنی اور حمزہ کوئی اور علی کسائی کی قراءت میں الف مکسور کے ساتھ ”ان کنتم“ ہے اور یہ حرف شرط ہے جو کسی امر متحقق کے ثبوت کی بناء پر اس کی صحت بیان کرنے کے لیے لایا جاتا ہے جیسے مزدور کہتا ہے کہ اگر میں نے تمہارا یہ کام کر دیا تو میرا حق مجھے پورا دے دینا حالانکہ وہ اس کو جانتا ہوتا ہے]۔

۶۔ ﴿وَكَمْ أَرْسَلْنَا مِنْ نَبِيِّ فِي الْأَوَّلِينَ﴾ اور ہم نے پہلے لوگوں میں کتنے نبی بھیجے ہیں یعنی ہم آپ سے پہلے لوگوں کی طرف بہت کثیر تعداد میں رسول بھیج چکے ہیں۔

۷۔ ﴿وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ نَبِيِّ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ﴾ اور ان کے پاس کوئی نبی اور پیغمبر نہ آتا مگر وہ لوگ اس کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ یہ ماضی کے کفار کی دائمی حالت کا بیان ہے یعنی گزشتہ کفار بھی اسی انکار و کفر اور مخالفت پر قائم رہے اور اس میں رسول اللہ ﷺ کے لیے تسلی ہے کیونکہ کفار مکہ بھی آپ کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

۸۔ ﴿فَأَهْلَكْنَا أَشَدًّا مِنْهُمْ بَطْشًا﴾ سو ہم نے ان میں سے بہت سخت گرفت رکھنے والوں کو ہلاک کر دیا تھا [”بطشا“

تمیز ہے اور ”منہم“ میں ضمیر ”مسنرفین“ کی طرف لوٹی ہے کیونکہ ان سے خطاب پھیر کر رسول اکرم ﷺ کی طرف متوجہ کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو ان کے بارے میں بتا رہا ہے [﴿وَمَطَىٰ مِثْلُ الْأَوَّلِينَ﴾] اور پہلے لوگوں کی مثال گزر چکی ہے یعنی قرآن مجید میں بارہا بہت سی جگہوں میں گزشتہ قوموں کی تباہ کاریوں کے قصے اور ان کے عجیب و غریب حالات گزر چکے ہیں جن کا حق ہے کہ انہیں مثال کہا جائے اور یہ آیت مبارکہ رسول اللہ ﷺ کے لیے وعدہ ہے اور کفار مکہ کے لیے وعید (دھمکی) ہے۔

وَلَيْنُ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ

الْعَلِيمُ ﴿۹﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ مَهْدًا وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ

تَهْتَدُونَ ﴿۱۰﴾ وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَنْشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْمَنًا

كَذَلِكَ نُخْرِجُكَ وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْفُلْكِ

وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ ﴿۱۱﴾

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ ان کو سب پر غالب سب کچھ جاننے والے نے پیدا کیا ہے O وہی جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور اس میں تمہارے لیے کئی راستے بنا دیئے تاکہ تم اپنی منزل کے راستے پر چلو O اور جس نے ایک اندازے کے مطابق آسمان سے پانی کو نازل کیا سو ہم نے اس کے ذریعے مردہ شہر کو زندہ کر دیا اسی طرح تم (اپنی قبروں سے زندہ کر کے) نکالے جاؤ گے O اور جس نے تمام چیزوں کے جوڑے بنائے اور اس نے تمہارے لیے کشتیاں اور چوپائے پیدا کیے جن پر تم سوار ہوتے ہو O

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور کفار کے شرک و ناشکری کا بیان

۹۔ ﴿وَلَيْنُ سَأَلْتَهُمْ﴾ اور (اے محبوب!) اگر آپ ان سے پوچھیں یعنی اگر آپ مشرکین مکہ سے پوچھیں کہ ﴿مَّنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ﴾ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ ان کو سب پر غلبہ رکھنے والے بے حد جاننے والے نے پیدا کیا۔

۱۰۔ ﴿الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ مَهْدًا﴾ جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا [عاصم کوئی کی قراءت میں ”مہدًا“ ہے یعنی ٹھہرنے اور آرام کی جگہ اور ان کے علاوہ کے نزدیک ”مہادًا“ ہے یعنی آرام کرنے اور رہنے سہنے کی جگہ] ﴿وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ اور اس نے تمہارے لیے اس میں بہت سے راستے بنا دیئے تاکہ تم اپنے سفروں کے دوران اپنی اپنی منزل کی طرف جانے والے راستے پر چلو۔

۱۱۔ ﴿وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ﴾ اور جس نے ایک اندازے کے مطابق آسمان سے پانی نازل کیا یعنی ایک معین مقدار جس کے ساتھ بندے سلامت رہیں اور شہروں کی ضرورت بھی پوری ہو جائے ﴿فَأَنْشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْمَنًا﴾ سو ہم نے اس کے ذریعے مردہ شہر کو زندہ کر دیا [”فانشرنا“ بمعنی ”فاحینا“ ہے اس میں غائب سے اخبار کی طرف عدول

ہے کیونکہ مخاطب کو مراد کا علم حاصل ہے یزید کی قراءت میں ”میتا“، ”یا“ مشدد کے ساتھ پڑھا جاتا ہے ﴿كَذَلِكَ تُخْرَجُونَ﴾ اسی طرح تمہیں تمہاری قبروں سے زندہ کر کے نکالا جائے گا [حمزہ کوئی اور علی کسائی کی قراءت میں ”تخرجون“ کو معروف پڑھا گیا اور ”العلیم“ پر وقف نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ”الذی“ اس کی صفت ہے اور البتہ ابو حاتم نے اس پر وقف کیا ہے اس بناء پر کہ تقدیر عبارت اس طرح ہے: ”هو الذی“ [کیونکہ یہ اوصاف کفار کا مقولہ نہیں اس لیے کہ وہ قبروں سے نکلنے کے منکر ہیں تو وہ بھلا ”كذالك تخرجون“ کیسے کہہ سکتے ہیں بلکہ یہ آیت مبارکہ تو قبروں سے زندہ کر کے اٹھانے کے انکار کرنے میں ان پر حجت ہے۔

۱۲- ﴿وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا﴾ اور جس نے تمام چیزوں کے جوڑے پیدا کیے (یعنی مخلوق کی تمام اقسام پیدا کیں ﴿وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ﴾ اور اس نے تمہارے لیے کشتیاں اور چوپائے پیدا کیے جن پر تم سوار ہوتے ہو [ای تر کبونہ“ یعنی تم اس سواری پر سوار ہوتے ہو (”رکوب“ کا فعل ”فلک“ کی طرف حرف ”فی“ کے واسطے سے متعدی ہوتا ہے اور ”انعام“ کی طرف بغیر واسطے کے بنفسه متعدی ہوتا ہے جیسے) کہا جاتا ہے: ”رکبوا فی الفلک و رکبوا الانعام“ پھر بنفسه متعدی فعل کو قوی ہونے کی بناء پر بالواسطہ متعدی فعل پر غالب قرار دے دیا گیا اور ”تر کبونہ“ کہا گیا۔

لَتَسْتَوِيَ عَلَى ظُهُورِهِ ثُمَّ تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُولُوا

سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرْنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ﴿۱۳﴾ وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ ﴿۱۴﴾

وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ مُّبِينٌ ﴿۱۵﴾

تاکہ تم ان کی پشتوں پر جم کر بیٹھو پھر تم اپنے پروردگار کی نعمت کو یاد کرو جب تم اس پر جم کر بیٹھ جاؤ اور تم یہ کہو کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارا فرماں بردار بنا دیا اور ہم اس پر قابو پانے کی قدرت نہیں رکھتے تھے اور بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف ضرور لوٹ کر جانے والے ہیں اور انہوں نے اس کے بعض بندوں کو اس کا حصہ (اولاد) بنا دیا بے شک انسان ضرور کھلم کھلا ناشکرا ہے

۱۳- ﴿لَتَسْتَوِيَ عَلَى ظُهُورِهِ﴾ تاکہ تم ان کی پشتوں پر جم کر بیٹھو (یعنی) تاکہ تم ان سواروں کی پشتوں پر جم کر بیٹھ جاؤ جن پر تم سوار ہوتے ہو اور وہ کشتیاں اور سواری کے چوپائے ہیں ﴿ثُمَّ تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ﴾ پھر تم جب ان پر سوار ہو جاؤ تو اپنے دلوں میں اپنے پروردگار کی نعمت کو یاد کرو ﴿وَتَقُولُوا سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرْنَا هَذَا﴾ اور تم اپنی زبانوں سے یہ کہو کہ پاک ہے وہ جس نے اس سواری کو ہمارے لیے فرماں بردار بنا دیا ﴿وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ﴾ اور ہم اس کو اپنے تابع رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے ”اقرن الشيء“ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی کسی چیز کو اپنے قابو میں کر لیتا ہے اور ”اقرنه“ کا حقیقی معنی کسی کو اپنا ساتھی بنانا ہے کیونکہ طاقتور کمزور کا قرین اور ساتھی نہیں ہوتا۔

۱۴- ﴿وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ﴾ اور بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں (یعنی) آخرت میں ہمیں اپنے رب تعالیٰ کے پاس لوٹ جانا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ لوگ جب دنیا کی سواریوں پر سوار ہوتے ہیں تو یہی کلمات پڑھتے ہیں اور دنیا کی سواریوں میں سے آخری سواری کے وقت بھی یہی کلمات پڑھتے ہیں اور وہ آخری سواری

جنازہ ہے۔

اور حضور نبی کریم ﷺ جب سواری پر سوار ہونے کے لیے رکاب میں اپنا پاؤں مبارک رکھتے تو بسم اللہ شریف پڑھتے پھر جب آپ سواری پر برابر بیٹھ جاتے تو فرماتے: ”الحمد لله على كل حال سبحان الذي سخر لنا هذا وما كنا له مقرنين وانا الی ربنا لمنقلبون“ اور آپ تین مرتبہ ”اللہ اکبر“ کہتے اور تین مرتبہ ”لا الہ الا اللہ“ کہتے۔

(ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۰۲، ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۳۶)

اور علمائے اسلام نے فرمایا کہ جب کوئی شخص کشتی میں سوار ہونے لگے تو یہ کہے: ”بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرَهَا وَمُرْسُهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ“ (ہود: ۴۱)۔

عبرت آموز واقعہ: ایک حکایت بیان کی گئی ہے کہ کچھ لوگوں نے اپنی سواریوں پر سوار ہوتے وقت پڑھا: ”سبحان الذي سخر لنا هذا“ آخر تک پڑھا اور ان میں سے ایک شخص اپنی کمزور اونٹنی پر سوار ہوا جس سے کمزوری کے باعث چلا نہیں جا سکتا تھا اور اس نے تکبر و غرور سے کہا کہ میری سواری میرے قابو میں ہے لہذا مجھے تمہاری طرح یہ دعا پڑھنے کی ضرورت نہیں چنانچہ تکبر و غرور کا انجام یہ ہوا کہ وہی کمزور سواری کودی اور اچھلی جس سے وہ شخص نیچے گر پڑا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی اور عقل مند کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ سیر و تفریح اور لذت و آرام طلبی کے لیے سواری نہ کرے بلکہ عبرت حاصل کرنے کے لیے سواری کرے اور وہ سوار ہوتے وقت سوچے اور غور و فکر کرے کہ اس نے ایک دن لامحالہ ہلاک ہو جانا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور لوٹ جانا ہے کیونکہ اس کے فیصلہ سے کوئی بچ نہیں سکتا موت کا بلاوا برحق ہے۔

۱۵۔ ﴿وَجَعَلُوا الْاٰلِهَ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اس کے بندوں میں سے بعض کو اس کا حصہ اور شریک بنا لیا۔ یہ ارشاد گزشتہ ارشاد ”ولئن سالتہم“ کے ساتھ مرتبط ہے یعنی اگر آپ ان (کفار مکہ) سے آسمانوں اور زمین کے خالق و مالک کے بارے میں سوال کریں گے تو وہ اقرار اور اعتراف کریں گے کہ ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اس اقرار اور اعتراف کے باوجود انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اس کے بعض بندوں کو حصہ اور اس کا جزء قرار دے دیا یعنی عرب کے بعض کفار نے کہا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں سو انہوں نے یہ کہہ کر ان کو اللہ تعالیٰ کا جزء اور اس کا حصہ اور بعض قرار دے دیا جیسا کہ بیٹا بیٹی والد کا جزء اور اس کا بعض اور حصہ ہوتے ہیں [ابوبکر اور حماد کی قراءت میں ”جُزْءًا“ (جمیم اور زرا مضموم) ہے] ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُفٍ﴾ بے شک انسان کھلم کھلا بہت ناشکر ہے کیونکہ وہ نعمتوں کا منکر ہے اس کا انکار واضح ہے کیونکہ اولاد کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا کفر ہے اور کفر تمام ناشکری کی اصل اور بنیاد ہے۔

اِمَّا اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَدْنًا وَّاصْفَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ ۙ وَاِذَا ابْتِغَا اَحَدَهُمْ بِمَا ضَرَبَ

لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهَهُ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۙ وَاَمِنْ يُّنَشَوْنَ فِي الْحُلِيِّ

وَهُوَ فِي الْاِحْصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ۙ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ط

اَشْرٰهُدًا وَاَخْلَقَهُمْ سَكَّتَبُ شَهَادَتِهِمْ وَيُسْئَلُوْنَ ۙ وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمٰنُ

مَا عَبَدْتُمْ مَّا لَكُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ط

کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے اپنے لیے بیٹیاں پسند کر لیں اور تمہیں بیٹوں کے ساتھ مخصوص کر دیا اور جب ان میں سے کسی کو اس کی خوش خبری دی جاتی جس کی اس نے رحمن کے لیے مثال بیان کی تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا اور وہ غم سے بھر جاتا O کیا وہ (اللہ تعالیٰ کی بیٹی ہو سکتی ہے) جسے زیور میں پروان چڑھایا جاتا ہے اور اسے بحث کے دوران اپنی بات واضح بیان کرنے کا طریقہ نہیں آتا O اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمن کے بندے ہیں عورتیں قرار دیا، کیا وہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے، عنقریب ان کی گواہی لکھی جائے گی اور ان سے باز پرس ہوگی O اور انہوں نے کہا: اگر رحمن چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے، انہیں اس کا کچھ علم نہیں، وہ محض قیاس آرائیاں کرتے ہیں O

اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنے کی تردید

۱۶- ﴿ اِمَّا اتَّخَذَ مَا يَخْلُقُ بَدْنًا وَاَصْفَاكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴾ کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی پیدا کردہ مخلوق میں سے اپنے لیے بیٹیاں پسند کر لیں اور تمہارے لیے بیٹے منتخب کر دیئے، یعنی بلکہ اللہ تعالیٰ نے بیٹیاں بنالیں اور ہمزہ انکار کے لیے ہے محض ان کی جہالت کا اظہار کرنے اور ان کی حالت پر تعجب کا اظہار کرنے کے لیے، کیونکہ انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ادنیٰ اور کم تر مرتبہ کی چیز (یعنی بیٹی) اپنے لیے پسند کی ہے اور اعلیٰ اور بڑے مرتبہ کی چیز (یعنی بیٹے) ان کے لیے پسند کیے ہیں۔

۱۷- ﴿ اِذَا بَشَّرْنَا احَدًا هُمْ بِمَا صَدَّبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ﴾ اور جب ان میں سے کسی کو اس چیز کی خوش خبری دی جاتی جس کی اس نے رب رحمن کے لیے مثال بیان کی (یعنی) جس جنس کو اس نے اللہ تعالیٰ کے لیے مثال قرار دیا یعنی اللہ تعالیٰ کی شبیہ قرار دیا کیونکہ جب انہوں نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کا جزء (حصہ) اور اس کا بعض قرار دیا تو انہوں نے یقیناً انہیں اللہ تعالیٰ کی جنس سے اور اس کے مماثل و مشابہ قرار دے دیا، کیونکہ اولاد اپنے والد کی جنس سے ہوا کرتی ہے ﴿ كَلَّا وَجْهًا مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴾ اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا اور غم و غصہ سے بھر جاتا یعنی بے شک انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف تو اس جنس کو منسوب کر دیا لیکن ان کا اپنا یہ حال ہے کہ جب ان میں سے کسی کو کہا جاتا کہ تمہارے گھر بیٹی ہوئی ہے تو غم سے بھر جاتا اور اس کا چہرہ غضب اور افسوس سے کالا سیاہ ہو جاتا اور رنج و غم اور دکھ سے بھر جاتا اور ”ظلول“ کا معنی ہے: ہو جانا۔

۱۸- ﴿ اَوْ مَن يَنْشُوْا فِي الْحَلِيَةِ وَهُوَ فِي الْاِحْصَاۃِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴾ اور کیا اسے (خدا کی بیٹی قرار دیا جاتا ہے) جسے زیور میں پروان چڑھایا جاتا ہے اور اسے بحث کے دوران واضح بات کرنے کا طریقہ نہیں آتا یعنی کیا اولاد میں سے رحمن کے لیے اسے منتخب کیا جاتا ہے جس کی یہ بدترین صفت بیان کی جاتی ہے کہ اسے زیور میں پروان چڑھایا جاتا ہے یعنی جس کی پرورش و تربیت زیب و زینت اور آرائش و سنگھار میں کی جاتی ہے اور جسے دشمن کو زیر کرنے اور مردوں سے دوران بحث اپنا مدعا بیان کرنا نہ آتا ہو نہ اس کے پاس واضح طور پر بات کرنے کا سلیقہ ہو اور نہ وہ دلیل و برہان پیش کر سکے اور یہ محض ان کی عقلوں کی کمزوری کے باعث ہوتا ہے۔

حضرت مقاتل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بعض عورتیں جب بھی بات کرتی ہیں اس پر دلیل پیش کرتی ہیں اور اس آیت مبارکہ میں اس بات کا ثبوت ہے کہ زیب و زینت اور آرائش و سنگھار میں پرورش پانا عیبوں میں سے ایک عیب ہے سو اس لیے مردوں پر لازم اور واجب ہے کہ وہ بناؤ سنگھار سے پرہیز کریں اور ظاہر کی بجائے اپنے باطن کو تقویٰ کے لباس سے آراستہ کریں [اور ”مَن“ محلاً منصوب ہے اور معنی یہ ہے کہ کیا کفار مکہ نے اللہ تعالیٰ کے لیے انہیں اولاد قرار دے دیا جو زیور میں پروان چڑھائی جاتی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں بنالیں۔ حمزہ کوئی اور علی کسان کی اور حضرت حفص کی قراءت میں ”يَنْشُوْا“ (یا مضموم نون مفتوح اور شین مشدود کے ساتھ) ہے یعنی تربیت کی جاتی ہے بے شک مشرکین مکہ نے اپنے اندر

تین کفر جمع کر لیے (۱) اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کی (۲) انہوں نے اولاد میں سے بدترین یا کم ترین قسم (بیٹیوں) کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا (۳) اور انہوں نے مکرّم و معزز فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دے دیا سو انہوں نے فرشتوں کی بھی توہین کی۔

۱۹۔ ﴿وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِناثًا﴾ اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمن کے بندے ہیں لڑکیاں قرار دے دیا یعنی انہوں نے فرشتوں کے نام ”اناثا“ لڑکیاں رکھا اور انہوں نے کہا کہ وہ یقیناً لڑکیاں ہیں [ابن کثیر مکی نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ”عند الرحمن“ ہے یعنی ظرفیت کی عندیت مراد نہیں بلکہ مرتبہ اور درجہ کے معنی میں ہے جگہ اور مقام کے معنی میں نہیں اور ”عباد“ ”عبد“ کی جمع ہے اور یہ اہل عناد کے ساتھ حجت پیش کرنے کے لیے زیادہ لازم ہے کیونکہ عبودیت اور اولاد ہونے میں تضاد ہے] ﴿اَشْهَدُوْا وَاَخْلَقْنٰهُمْ﴾ کیا وہ لوگ ان کی پیدائش کے وقت حاضر اور موجود تھے اور اصل میں اس کلام کے ذریعے ان کا مذاق اڑایا گیا ہے یعنی وہ یہ بات کہتے ہیں لیکن ان کا یہ کہنا کسی قسم کے علم سے مستند نہیں سو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کے علم کے لیے مکلف نہیں کیا اور نہ انہوں نے اس کو استدلال سے حاصل کیا ہے اور نہ انہوں نے کسی خبر کے ذریعے اس کا احاطہ کیا ہے جو علم کو واجب کر دیتی اور نہ یہ لوگ ان کی تخلیق کے وقت موجود تھے تاکہ یہ لوگ مشاہدہ کی بناء پر ان کی خبر سنا تے ﴿سَكَّنْتُمْ لِهَيْبَتِنَا اَنْبِيَاۗءَكُمْ﴾ ان کی وہ گواہی لکھی جائے گی جو انہوں نے فرشتوں کے بارے میں دی کہ وہ عورتیں ہیں ﴿وَيَسْتَلُوْنَ﴾ اور ان سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا اور یہ وعید (دھمکی) ہے۔

۲۰۔ ﴿وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ﴾ اور انہوں نے کہا کہ اگر خدائے رحمن چاہتا تو ہم ان کی یعنی فرشتوں کی عبادت نہ کرتے۔ اس آیت مبارکہ کے ظاہر سے معتزلہ فرقہ نے استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ کافر سے کفر نہیں چاہتا اور وہ تو صرف ایمان چاہتا ہے کیونکہ کفار نے دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے کفر چاہا اور ان سے بتوں کی عبادت کے ترک کو نہیں چاہا اس لیے کہ انہوں نے کہا: اگر رحمن چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے یعنی اگر اللہ تعالیٰ ہم سے چاہتا کہ ہم بتوں کی عبادت ترک کر دیں تو وہ ہمیں ان کی عبادت سے منع کر دیتا لیکن اس نے ہم سے بتوں کی عبادت کو چاہا تب ہی تو منع نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے قول اور ان کے اعتقاد کی تردید فرمادی اور فرمایا: ﴿مَا لَكُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ﴾ ان کو اس مقولہ کا کچھ علم نہیں ﴿اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ﴾ وہ تو نہیں مگر وہ قیاس آرائی کرتے ہیں یعنی وہ جھوٹ بولتے ہیں اور ہمارے نزدیک آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ کفار مکہ نے مشیت سے رضا مراد لی اور انہوں نے کہہ دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ اس پر راضی نہ ہوتا تو وہ ہمیں بہت جلد اور فوراً سزا دے دیتا یا پھر وہ زبردستی ان کی عبادت سے ہمیں منع کر دیتا اور ہمیں ان کی عبادت ترک کرنے پر مجبور کر دیتا اور جب اس نے ایسا کچھ نہیں کیا تو وہ اس پر یقیناً راضی ہے سو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿مَا لَكُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ﴾ کہ انہیں اس کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے یا پھر کفار مکہ نے یہ بات بطور مذاق اڑانے اور استہزاء کرنے کے لیے کہہ دی اپنے اعتقاد کے طور پر نہیں کہی تھی سو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس میں جھوٹا قریار دیا اور انہیں جاہل قرار دیا کہ انہوں نے اپنے اعتقاد کی بناء پر نہیں بلکہ استہزاء کے طور پر یہ بات کہہ دی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْطَعِمُ مَنْ لَوْ يَشَاءُ اللّٰهُ اَطَعَمَهُ﴾ (یسین: ۴۷) ”کافروں نے مسلمانوں کے لیے کہا کہ کیا ہم انہیں کھانا کھلائیں کہ اگر اللہ چاہتا تو خود انہیں کھانا کھلا دیتا“ اور یہ بات اصل میں تو حق ہے لیکن جب کفار مکہ نے یہ بات بطور استہزاء اور مذاق اڑانے کے لیے کہی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جھٹلاتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ (یسین: ۴۷) ”تم تو نہیں مگر کھلی گمراہی میں پڑے ہو“ اور اسی طرح اللہ

تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ“ (المنافقون: ١) ”منافقوں نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے ضرور رسول ہیں“ پھر ارشاد فرمایا: ”وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ“ (المنافقون: ١) ”اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافقین ضرور جھوٹے ہیں“ اس لیے کہ منافقوں نے یہ گواہی اپنے اعتقاد کی بناء پر نہیں دی تھی اور کفار مکہ نے اپنے تمام اختیار کردہ افعال و اعمال میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کو اپنے لیے حجت قرار دیا اور انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسے فعل پر انہیں سزا نہیں دے گا جو انہوں نے اس کی مشیت کے تحت کیا اور انہوں نے اس میں اپنے آپ کو معذور قرار دے دیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کر دی اور فرمایا:

أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا مِنْ قَبْلِهِ فَمُ بِهِ مُسْتَسْكُونَ ﴿٢١﴾ بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ
 أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَرِهِمْ مُقْتَدُونَ ﴿٢٢﴾ وَكَذَلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّنْ
 نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَرِهِمْ
 مُّقْتَدُونَ ﴿٢٣﴾ قُلْ أَوَلَوْ جِئْتَكُمْ بِهَادِيٍ مِّمَّا وَجَدْتُمْ عَلَىٰ آبَاءِكُمْ قَالُوا إِنَّا
 بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ﴿٢٤﴾ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكذِبِينَ ﴿٢٥﴾

کیا ہم نے انہیں اس سے پہلے کوئی کتاب دی ہے پس وہ اسے مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں ○ بلکہ انہوں نے کہا کہ بے شک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور بے شک ہم انہیں کے نقوش پا پر چل رہے ہیں ○ اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر اس بستی کے خوش حال لوگوں نے کہا کہ بے شک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور بے شک ہم انہیں کے قدموں کے نشانات کی پیروی کر رہے ہیں ○ اس نبی نے فرمایا: اور کیا اگرچہ میں تمہارے پاس اس سے زیادہ ہدایت والا دین لے کر آ جاؤں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے انہوں نے کہا: بے شک جس دین کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر ہیں ○ پھر ہم نے ان سے انتقام لیا، سو دیکھئے کہ جھٹلانے والوں کا کیسا (بھیا نک) انجام ہوا ○

۲۱- ﴿أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا مِنْ قَبْلِهِ﴾ کیا ہم نے ان کو اس سے پہلے کوئی کتاب دی تھی (یعنی) قرآن مجید سے پہلے یا ان کے اس قول سے پہلے ﴿فَمُ بِهِ مُسْتَسْكُونَ﴾ پس وہ اسی کو تھامے ہوئے ہیں (یعنی) پکڑنے والے اور اس پر عمل کرنے والے ہیں اور بعض کا قول ہے کہ اس میں تقدیم و تاخیر ہے اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ”اشهدوا خلقهم ام اتیناهم کتابا فیہ ان الملائكة انا؟“ کیا وہ ان کی تخلیق کے وقت موجود تھے یا ہم نے انہیں کوئی کتاب دی ہے جس میں لکھا ہے کہ فرشتے عورتیں ہیں۔

۲۲- ﴿بَلْ قَالُوا﴾ بلکہ انہوں نے (یعنی) بلکہ ان کے پاس کوئی حجت اور دلیل نہیں جس کے ساتھ تمسک کر سکیں نہ مشاہدہ کے اعتبار سے اور نہ عقل کے اعتبار سے اور نہ نقل کے اعتبار سے مگر ان کا کہنا ہے کہ ﴿إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ﴾ بے شک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا سو ہم نے ان کی پیروی کی [”امۃ“ کا معنی دین ہے اور یہ ”ام“ سے

مشفق ہے اور ”ام“ کا معنی قصد کرنا پس ”امۃ“ کا معنی وہ طریقہ ہے جس کا قصد کیا جاتا ہے یعنی جس کا ارادہ کیا جاتا ہے [وَمَا عَلَيَّ إِثْرُهُمْ فَتَتَّبِعُونَ] اور بے شک ہم ان کے نقوش پا پر چلتے ہیں [ظرف ”مہتدون“ کا صلہ ہے اس کی تقدیم تخصیص کے لیے ہے یا یہ دونوں خبریں ہیں]۔

۲۳۔ ﴿وَكُنَّا لَكَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَدِيرٍ قَدْ نَذِيرٌ﴾ اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈر سنانے والا یعنی نبی نہیں بھیجا ﴿إِلَّا قَالِ مُتْرَفُوهُنَّ﴾ مگر اس بستی کے سرداروں نے کہا یعنی وہاں کے خوش حال اور مال دار سرداروں نے کہا اور یہ وہ لوگ تھے جن کو نعمت و دولت نے تکبر میں مبتلا کر دیا یعنی ان کو اترا دیا پس وہ صرف خواہشات نفسانی اور کھیل کود اور کھیل تماشے کو پسند کرتے ہیں اور وہ دین کی مشقت اور اس کی تکالیف سے دور بھاگتے ہیں ﴿وَإِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَكُمْ عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَرِهِمْ مُّقْتَدُونَ﴾ بے شک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم انہیں کے طریقوں کی اقتداء کر رہے ہیں اور یہ کلام حضور نبی کریم ﷺ کے لیے تسلی و تشفی ہے اور اس بات کا بیان ہے کہ گمراہ باپ دادا کی تقلید پرانی بیماری ہے۔

۲۴۔ ﴿قُلْ﴾ اس نے فرمایا [یہ ابن عامر شامی اور حضرت حفص کی قراءت ہے یعنی اس ڈر سنانے والے نبی نے فرمایا۔ ان کے علاوہ کی قراءت میں ”قِيلَ“ ہے یعنی ڈر سنانے والے سے کہا گیا: ”قل“ تم فرما دو کہ] ﴿أَوَلَوْ جئْتُمْ بِآهْدَىٰ مِثْلًا وَجَدْتُمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ﴾ اور کیا اگرچہ میں اس سے زیادہ ہدایت دینے والا دین لے کر تمہارے پاس آ جاؤں جس دین پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا یعنی کیا تم اپنے آباء و اجداد کی پیروی کرتے رہو گے اور اگرچہ میں تمہارے باپ دادا کے دین سے زیادہ ہدایت والا دین لے کر آ جاؤں ﴿قَالُوا إِنَّا بِنَاءِ آلِهَاتِنَا كُفِرُونَ﴾ انہوں نے کہا: بے شک ہم اس دین کے منکر ہیں جس کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے (یعنی) ہم اپنے آباء و اجداد کے دین پر قائم رہیں گے اگرچہ آپ زیادہ ہدایت دینے والا دین لے کر آ جائیں۔

۲۵۔ ﴿فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ﴾ پھر ہم نے ان سے انتقام لیا اور ہم نے انہیں سخت سزا دی اس لیے کہ وہ کفر و شرک پر اصرار کرنے کی بناء پر سزا کے مستحق ہو گئے تھے ﴿فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْفِرِينَ﴾ سو دیکھئے کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا بھیانک ہوا۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ﴿۳۷﴾ إِلَّا الَّذِي

فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيِّدِي ۖ وَأَجْعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّكُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۳۸﴾

بَلْ مَثَعَتْهُمُ آلِهَتُهُمْ حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُولٌ مُّبِينٌ ﴿۳۹﴾ وَلَمَّا

جَاءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ وَإِنَّا بِهِ كَافِرُونَ ﴿۴۰﴾ وَقَالُوا لَوْلَا نَزَّلَ هَذَا الْقُرْآنُ

عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقُرْآنِيِّينَ عَظِيمٍ ﴿۴۱﴾

اور (اے محبوب!) اس وقت کو یاد کیجئے جب ابراہیم نے اپنے چچا ابو اور اپنی قوم سے فرمایا: بے شک میں ان سے بیزار

ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو O سوائے اس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا سو یقیناً وہی آئندہ بھی مجھے ہدایت پر ثابت قدم رکھے گا O اور اس نے اپنی نسل میں اسے باقی رہنے والا کلمہ بنا دیا تاکہ وہ رجوع کریں O بلکہ میں نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو دنیا کے فائدے دیئے یہاں تک کہ ان کے پاس حق اور واضح بیان والا رسول آ گیا O اور جب ان کے پاس حق آیا تو انہوں نے کہہ دیا کہ یہ جادو ہے اور بے شک ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں O اور انہوں نے کہا کہ یہ قرآن دو بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا O

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اعلان حق

۲۶- ﴿وَاذْ قَالِ اٰبْرٰهِيْمُ لٰكِيْبَةُ وَ قَوْمِهَا﴾ اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر اور اپنی قوم سے فرمایا یعنی (اے محبوب!) اس وقت کو یاد کیجئے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا ابو آزر اور اپنی قوم سے فرمایا: ﴿اِنَّنِيْ بَرّآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ﴾ بے شک میں ان سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو [یعنی "بری" اور یہ مصدر ہے اس میں واحد متنیہ اور جمع اور مذکر مؤنث یکساں استعمال ہوتے ہیں جیسے تم کہو: "رجل عدل" و "امرأة عدل" و قوم عدل "منصف مرد اور منصف عورت اور منصف قوم اور اس کا معنی ہے: "ذو عدل" انصاف کرنے والا اور "ذات عدل" انصاف کرنے والا]۔

۲۷- ﴿اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ﴾ ماسوا اس ذات اقدس کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ یہ استثناء منقطع ہے گویا فرمایا: "لکن الذی فطرنی" لیکن جس ذات پاک نے مجھے پیدا کیا ہے ﴿فَاِنَّكَ سَيِّءُ الْهٰدِيْنَ﴾ پس بے شک عنقریب مجھے وہی منزل مقصود تک پہنچائے گا یعنی وہی مجھے ہدایت پر ثابت و قائم رکھے گا۔

۲۸- ﴿وَجَعَلَهَا﴾ اور اس نے اسے بنا دیا (یعنی) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کلمہ توحید کو جسے انہوں نے اپنی قوم سے بیان کیا تھا اپنی اولاد میں باقی رہنے والا کلمہ بنا دیا اور وہ ان کا یہ قول ہے: ﴿اِنَّنِيْ بَرّآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ﴾ O اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ "بے شک میں ان سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو O سوائے اس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے" ﴿كَلِمَةً بّٰقِيَةً فِیْ عَقِبِهِ﴾ ان کی اولاد میں باقی رہنے والا کلمہ سو یہ کلمہ ان میں ہمیشہ باقی رہا جو اللہ تعالیٰ کو واحد لا شریک مانتے رہے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دیتے رہے ﴿لَعَلَّكُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ تاکہ ان کی نسل میں سے جنہوں نے توحید کا عقیدہ اختیار کر لیا ان کی دعوت کی وجہ سے وہ لوگ جنہوں نے ان میں سے کفر و شرک اختیار کر لیا وہ کفر و شرک سے رجوع کر لیں اور "توحی" (امید) کا کلمہ "لعل" حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے فرمایا گیا۔

آخر الزمان رسول ﷺ اور قرآن کے انکار پر کفار مکہ کی مذمت

۲۹- ﴿بَلْ مَتَّعْتُ هٰؤُلَاءِ وَاٰبَاءَهُمْ﴾ بلکہ میں نے ان کو اور ان کے آباء و اجداد کو دنیا کا فائدہ دیا تھا یعنی میں نے اہل مکہ اور ان کے باپ دادا کو لمبی عمریں اور ہر قسم کی نعمتیں خوب دی تھیں اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تعلق رکھتے تھے لیکن یہ لوگ اس مہلت کی وجہ سے مغرور ہو گئے اور عیش و عشرت میں مشغول ہو گئے اور کلمہ توحید سے منہ پھیر کر خواہشات نفسانی اور شہوات کی پیروی شروع کر دی اور شیطان کے پیروکار اور اس کے اطاعت گزار بن گئے ﴿حَتّٰی جَاءَهُمُ الْحَقُّ﴾ یہاں تک کہ ان کے پاس حق یعنی قرآن مجید ﴿وَرَسُوْلٌ﴾ اور رسول عربی یعنی سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ﴿فَمُبِيْنٌ﴾ واضح رسالت کے ساتھ کیونکہ آپ کے ساتھ روشن معجزات و دلائل تھے۔

۳۰- ﴿وَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ﴾ اور جب ان کے پاس حق یعنی قرآن مجید آ گیا تو ﴿قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّ اٰتٰیہٖ كُفْرًا وَّوْنَ﴾

انہوں نے کہہ دیا کہ یہ سراسر جادو ہے اور بے شک ہم اس کے ساتھ کفر و انکار کرنے والے ہیں۔
 ۳۱- ﴿وَقَالُوا﴾ اور انہوں نے باطل و ناحق فیصلہ کرتے ہوئے کہا کہ ﴿كُلَّا نَزَّلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ﴾ یہ قرآن کیوں نہیں نازل کیا گیا اس میں قرآن مجید کی اہانت ہے ﴿عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرِيبَيْنِ عَظِيمٍ﴾ دو بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر یعنی دو بستیوں میں سے کسی ایک بستی کے بڑے آدمی پر جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللَّوْثُ وَالْمَرْجَانُ“ (الرحمن: ۲۲) ”ان دونوں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں“ یعنی ان دونوں میں سے کسی ایک سے اور دو بستیوں سے مکہ مکرمہ اور طائف مراد ہیں اور مکہ معظمہ کے بڑے آدمی سے مراد ولید بن مغیرہ ہے اور طائف کے بڑے آدمی سے عروہ بن مسعود ثقفی مراد ہے اور عظیم (بڑے آدمی) سے ان کی مراد وہ شخص تھا جو دولت مند و مال دار اور دنیاوی مرتبہ میں اونچا ہو اور وہ لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ عظیم اور بڑا آدمی وہ شخص ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک عظیم اور بڑا ہو۔

أَهْوَيْقِسُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمًا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سَخِرِيًّا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْعُونَ ۝۳۲

وَلَوْلَا أَن يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَن يَكْفُرُ بِالرَّحْمَنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقْفًا مِن فِضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ ۝۳۳

وَلِبُيُوتِهِمْ أَبْوَابًا وَسُررًا عَلَيْهَا يَتَّكُونَ ۝۳۴ وَزُخْرَفًا وَإِنْ كُلُّ ذَلِك لَمَّا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِينَ ۝۳۵

مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِينَ ۝۳۵

کیا وہ آپ کے پروردگار کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں (ہرگز نہیں! بلکہ) ہم نے دنیا کی زندگی میں ان کے رزق کو ان کے درمیان تقسیم کر رکھا ہے اور ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں بلند کر دیا ہے تاکہ وہ ایک دوسرے کو خدمت گار بنالیں اور آپ کے پروردگار کی رحمت اس مال سے بہتر ہے جس کو وہ جمع کر رہے ہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ تمام لوگ ایک امت بن جاتے تو ہم رحمن کا کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے اور وہ سیڑھیاں بھی جن پر چڑھتے ہیں اور ان کے گھروں کے دروازے اور وہ تخت بھی جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں اور سونے کا بھی بنا دیتے اور یہ سب کچھ دنیا کی زندگی کا عارضی سامان ہے اور آخرت کا ثواب آپ کے پروردگار کے نزدیک صرف پرہیزگاروں کے لیے ہے۔

۳۲- ﴿أَهْوَيْقِسُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ﴾ کیا آپ کے پروردگار کی رحمت یعنی نبوت کو وہی تقسیم کرتے ہیں؟ اور ہمزہ مستقل انکار کے لیے ہے جس کے ذریعہ اعتراض کرنے والے کفار کی جہالت کو ثابت کرنا اور نبوت کی صلاحیت کے حامل آدمی کے انتخاب میں ان کے فیصلے پر تعجب کا اظہار کرنا مقصود ہے اور یہاں رحمت سے نبوت مراد ہے ﴿وَنَحْنُ قَسَمًا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ﴾ ہم نے ان کے درمیان ان کے معاش و غذا کو تقسیم کیا ہے اور وہ ان کی روزیاں اور ان کے رزق مراد ہیں ﴿فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ دنیاوی زندگی میں یعنی ادنیٰ اور کم تر چیز کی تقسیم ہم نے ان کے سپرد نہیں کی اور وہ رزق ہے تو بھلا نبوت کی تقسیم ان کے سپرد کیسے کی جاسکتی ہے یا یہ معنی ہے کہ جس طرح میں نے رزق کے معاملہ میں بعض کو دوسرے بعض پر فضیلت و

برتری عطا کی ہے تو اسی طرح نبوت کے ساتھ وہی مخصوص ہوگا جس کو میں چاہوں گا ﴿وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ﴾ اور ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں بلند کیا یعنی ہم نے بعض کو طاقت ور اور غنی و دولت مند اور سردار و آقا اور حاکم و مخدوم بنا دیا اور بعض کو ضعیف و کمزور اور فقیر و محتاج اور محکوم و خادم بنا دیا ﴿لِيَجْزِيَ بَعْضُكُمُ بَعْضًا سَخِرْنَا طَائِفًا مِّنْهُمْ لِيُؤَدُّوا لِمُنَافِقٍ﴾ تاکہ ان میں سے بعض لوگ دوسرے بعض کو خدمت گار بنالیں (یعنی) بعض حضرات اپنی حاجات و ضروریات میں دوسرے بعض کو کام میں لائیں اور اپنے کاموں میں ان سے خدمات حاصل کریں اور اپنے کاروبار میں ان سے خدمت و بیگار لیں یہاں تک کہ لوگ ایک دوسرے کے معاش کا سبب بنیں اور ایک دوسرے سے فوائد و منافع حاصل کریں یہ اپنے مال و دولت کے ذریعے اور وہ اپنی محنت و مزدوری اور اپنے کام کے ذریعے ﴿وَرَحِمْتُ رَبِّكَ خَيْرًا مِّمَّا يَجْعَلُونَ﴾ اور آپ کے پروردگار کی رحمت اس سے بہت بہتر ہے جسے وہ لوگ جمع کرتے رہتے ہیں یعنی آپ کے پروردگار کی عطا کردہ نبوت و رسالت یا اللہ تعالیٰ کا دین اسلام اور جو آخرت کی کامیابی میں اس کے دین کے تابع ہے یہ دنیا کے اس مال و دولت سے بہت بہتر ہے جسے یہ لوگ جمع کر رہے ہیں۔

دنیا کی حقارت اور اس کی زیب و زینت کا کفار کے لیے ہونے کا بیان

۳۳- اور جب اللہ تعالیٰ نے (مذکورہ بالا آیت میں) دنیا کی قلت اور اس کی حقارت کو بیان کیا تو اب اس کے بعد متصل اس چیز کو بیان کیا جو اس کے نزدیک دنیا کی قلت و حقارت کو پختہ ثابت کرنے کے لیے چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿وَلَوْلَا اَنْ يَّكُونَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ اور اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تمام لوگ ایک جماعت بن جائیں گے (یعنی) تمام لوگ کفر پر جمع ہو جائیں گے اور اس پر متفق ہو جائیں گے ﴿لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرْ بِالذِّكْرِ لِيُؤْتِيَهُمُ لِبِئُوتِهِمْ سُقْفًا مِّنْ فَضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهِمْ يَظْهَرُونَ﴾ تو ہم رحمن کے ساتھ کفر اختیار کرنے والوں کے گھروں کی چھتیں اور ان کی وہ سیڑھیاں چاندی کی ضرور بنا دیتے جن پر وہ چڑھتے ہیں (یعنی) اپنے نزدیک دنیا کے انتہائی حقارت و عارضی ہونے کی وجہ سے ہم یہ ضرور کر دیتے۔

۳۴، ۳۵- ﴿وَلِيُؤْتِيَهُمْ اَبْوَابًا وَسُرَرًا عَلَيْهَا يَتَكَلَّمُونَ﴾ اور ان کے گھروں کے دروازے اور وہ تخت چاندی کے بنا دیتے جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں اور ہر طرح کی زیب و زینت دے دیتے یعنی ہم کفار کے گھروں کی چھتوں اور سیڑھیوں اور دروازوں اور تختوں سب کو چاندی کا بنا دیتے اور ہم ان کو طرح طرح کی زیب و زینت دیتے یعنی ہر قسم کی زیب و زینت عطا کر دیتے اور ”زخرف“ کا معنی زیب و زینت اور سونا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اصل میں ”سُقْفًا مِّنْ فَضَّةٍ“ و ”زخرف“ ہو یعنی بعض چیزیں چاندی کی ہوتیں اور بعض چیزیں سونے کی ہوتیں [”زخرفا“ کی نصب ”من فضة“ کے محل پر عطف کی وجہ سے ہے اور ”لبیوتہم“، ”لمن یکفر“ سے بدل اشتمال ہے اور ابن کثیر کی ابو عمرو اور یزید کی قراءت میں سین مفتوح اور قاف ساکن کے ساتھ ”سُقْفًا“ ہے اور جنس مراد لینے پر واحد ہے اور ”المعارج“، ”معرج“ کی جمع ہے اور اس کا معنی سیڑھیاں ہے جن کے ذریعے اوپر کی طرف چڑھا جاتا ہے ”يَظْهَرُونَ“ کا معنی ہے: بلند اور ابھری ظاہر چیز یعنی وہ لوگ ان سیڑھیوں کے ذریعے اوپر کی طرف چڑھتے ہیں] ﴿وَاِنْ كُنْ ذٰلِكَ لَمَتَاعًا الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ اور یہ سب چیزیں دنیاوی زندگی کا عارضی سامان ہے [اس میں حرف ”اِنْ“ نافیہ ہے اور ”لَمَّا“ بہ معنی ”اِلَّا“ ہے ”اِی وَا مَا (کل ذٰلک) اِلَّا (متاع الحیوة الدنیا)“ یعنی وہ سب چیزیں نہیں ہیں مگر دنیا کی زندگی کا سامان اور امام عاصم اور حمزہ کوئی کی یہی قراءت ہے جب کہ ان دونوں کے علاوہ قراءت نے ”لَمَّا“ بغیر تشدید مخفف پڑھا ہے اس بناء پر کہ لام ”اِنْ“ مخففہ اور ”اِنْ“ نافیہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے ہے اور حرف ”مَا“ صلہ ہے ”اِی اِنْ کُلِّ ذٰلک لَمَتَاعِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا“ یعنی بے

شک یہ تمام چیزیں البتہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے [﴿وَالْآخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِينَ﴾ اور آپ کے پروردگار کے نزدیک آخرت پر بہیزگاروں کے لیے ہے یعنی آخرت کا اجر و ثواب ان لوگوں کے لیے ہے جو کفر و شرک سے پرہیز کرتے ہیں۔

وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقِيضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ﴿۳۷﴾ وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ

عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهُتَدُونَ ﴿۳۸﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَنَا قَالَ يَلَيْتَ بَيْنِي

وَبَيْنَكَ بَعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَيَلْسُ الْقَرَيْنِ ﴿۳۹﴾ وَلَنْ يَنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ إِذْ ظَلَمْتُمْ

أَنْتُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿۴۰﴾

اور جو شخص رحمن کے ذکر سے اندھا بن جاتا ہے ہم اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں پس وہ اس کا ساتھی ہوتا ہے اور بے شک وہ ان کو راہِ راست سے روکتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ بے شک وہ ہدایت یافتہ ہیں یہاں تک کہ جب وہ (اندھا) ہمارے پاس آئے گا تو (شیطان سے) کہے گا: کاش! میرے درمیان اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کی دوری ہوتی، سو تو بہت بُرا ساتھی ہے اور آج ہرگز تمہیں فائدہ نہیں پہنچے گا جب کہ تم ظلم و ستم کر چکے ہو بے شک تم سب عذاب میں باہم شریک ہو۔

ذکر الہی سے اعراض کے سبب شیطان کا تسلط

۳۶- ﴿وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ﴾ اور جو شخص رحمن (اللہ تعالیٰ) کے ذکر سے اندھا بن جاتا ہے اور ”ذکر“ سے قرآن مراد ہے یعنی قرآن مجید سے اعراض کر لیتا ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”صُمُّمُ بَكُمْ عُمَىٰ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ“ (البقرہ: ۱۸) ”بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، سو وہ نہیں لوٹیں گے“ [اور ایک اور قراءت میں ”وَمَنْ يَعْشُ“ بھی پڑھا گیا ہے اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ جب کسی شخص کی آنکھ میں کوئی آفت اور بیماری ہو جس کی وجہ سے نہ دیکھ سکے اور اندھا ہو جائے تو ”عشی یعشی“ (جیسے ”رضی یرضی“ باب ”سمع یسمع“) کہا جاتا ہے اور جس شخص کی آنکھ میں کوئی آفت اور بیماری تو نہ ہو لیکن جب وہ دیکھے تو اندھے آدمی کی طرح دیکھے تو پھر ”عشا یعشو“ (جیسے ”دعا یدعو“ باب نصر ینصر) کہا جاتا ہے اور اب فتح (زبر) کی قراءت کی صورت میں معنی ہوگا: اور جو شخص (غفلت کی وجہ سے) اندھا ہو جاتا ہے اور ضمہ (پیش) کی قراءت کی صورت میں معنی ہوگا: اور جو شخص اس کے ذکر سے (جان بوجھ کر) اندھا بن جاتا ہے یعنی وہ جانتا اور پہچانتا ہے کہ یہ حق ہے اور اس کے باوجود وہ بہ تکلف متجاہل اور آن جان بن جاتا ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا“ (النمل: ۱۴) ”اور انہوں نے ظلم اور تکبر کی وجہ سے اس کا انکار کر دیا حالانکہ ان کے دلوں نے اس کا یقین کر لیا تھا“ [﴿لَقِيضٌ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ﴾ ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں پس وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے: ”نسلطه عليه فهو معه في الدنيا والآخره بحمله على المعاصي“ یعنی ہم شیطان کو اس پر مسلط کر دیتے ہیں سو وہ اس کا ساتھی بن کر دنیا میں اور آخرت میں اس کے ساتھ رہتا ہے وہ اسے گناہوں پر ابھارتا رہتا ہے اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ بے شک جو شخص ذکر الہی پر ہمیشہ قائم و دائم رہتا ہے تو شیطان اس کا ساتھی نہیں بنتا۔

۳۷- ﴿وَإِنَّكُمْ﴾ اور بے شک وہ یعنی شیاطین ﴿لَيَصْدُقْنَ﴾ البتہ ذکر الہی سے منہ پھیر کر اندھے بن جانے والوں کو روکتے ہیں ﴿عَنِ السَّبِيلِ﴾ ہدایت کی راہ سے ﴿وَيَحْسَبُونَ﴾ اور وہ گمان کرتے ہیں یعنی ذکر الہی سے اعراض کر کے اندھے بن جانے والے یہ خیال کرتے ہیں کہ ﴿أَنْتُمْ مُهْتَدُونَ﴾ بے شک وہ ہدایت یافتہ ہیں [”مَنْ“ کی طرف لوٹنے والی ضمیر اور شیطان کی طرف لوٹنے والی ضمیر کو جمع صرف اس لیے لایا گیا ہے کہ ”مَنْ“، ”عاشی“ کی جنس میں مبہم ہے اور اس پر مقرر کیا جانے والا شیطان اپنی جنس میں مبہم ہے سو اس لیے جائز ہے کہ ان دونوں کی طرف جمع کی ضمیر لوٹائی جائے]۔

۳۸- ﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءَنَا﴾ یہاں تک کہ جب وہ ہمارے پاس آئے گا [ابوبکر کے سوا عراقی قراء کی قراءت میں واحد کی بناء پر ”جاءنا“ ہے یعنی اندھا بن جانے والا جب ہمارے پاس آئے گا اور ان کے علاوہ کے نزدیک تشبیہ کی بناء پر ”جاءنا“ ہے] یعنی اندھا بن جانے والا اور اس کا ساتھی جب وہ دونوں ہمارے پاس آئیں گے تو ﴿قَالَ﴾ ذکر الہی سے اعراض کر کے اندھا بن جانے والا اپنے ساتھی شیطان سے کہے گا کہ ﴿قَالَ يَلَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بَعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ﴾ اے کاش! میرے درمیان اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کی دوری ہوتی۔ ”مشرقین“ سے مشرق اور مغرب مراد ہیں پھر مشرق کو مغرب پر غلبہ دے کر ”مشرقین“ کہا گیا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے ”عمران“ اور ”قمران“ اور مغرب سے مشرق تک کا بعد اور مشرق سے مغرب تک کا بعد مراد ہے ﴿فَيَتَسَاءَلَانِ﴾ ”انت“ سو تو بہت برا ساتھی ہے۔

۳۹- ﴿وَلَنْ يَنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ إِذْ ظَلَمْتُمْ﴾ اور آج تمہیں ہرگز کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا جب کہ تمہارا ظلم و ستم کرنا صحت کے ساتھ ثابت ہو چکا یعنی تمہارا کفر ثابت اور واضح ہو چکا ہے اور تمہارے ظالم و کافر ہونے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہا نہ تمہارے لیے اور نہ کسی اور کے لیے [اور ”اذ“ بدل ہے ”الیوم“ سے] ﴿أَنْتُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ﴾ بے شک تم سب عذاب میں باہمی شریک اور حصہ دار ہو [”انکم“ فاعل ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے یعنی تمہارا عذاب میں اشتراک یا عذاب میں تمہارا مشترک ہونا تمہیں ہرگز فائدہ نہیں دے گا جیسے عموم بلوئی سے دنیا میں دل کو تسلی مل جاتی ہے جیسے خنساء کا قول ہے:

ولو لا كثرة الباكين حولي

على اخوانهم لقتلت نفسي

ولا يكون مثل اخي ولكن

اعزى النفس عنه بالتاسي

”اور اگر میرے ارد گرد اپنے بھائیوں پر رونے والوں کی کثرت نہ ہوتی تو میں اپنے آپ کو مار ڈالتی اور وہ میرے بھائی کی طرح نہیں روتے لیکن میں اس سے اپنے دل کو صبر کے ذریعے تسلی دیتی ہوں“۔

لیکن رہے یہ لوگ تو بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ان کا رونے میں اشتراک نہ تو انہیں تسلی دیتا ہے اور نہ ان کو سکون پہنچاتا ہے اور بعض کا قول ہے کہ فاعل پوشیدہ ہے: ”ای ولن ينفعكم هذا التمني او الاعتذار“ یعنی تمہیں یہ آرزو یا یہ معذرت فائدہ نہیں دے گی اس لیے تم سب عذاب میں باہمی مشترک ہو (یعنی) عذاب کے سبب میں تم سب شریک ہو اور وہ کفر اختیار کرنا ہے اور اس کی تائید اس شخص کی قراءت کرتی ہے جس نے کسرہ (زیر) کے ساتھ ”انکم“ پڑھا ہے۔

أَفَأَنْتَ تَسْمَعُ الصُّرَاوَةَ أَوْ تَهْدَى الْعَبْيَ وَمَنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۴۰﴾

فَمَا تَذْهَبُ بِكَ فَإِنَّا مِنْهُمْ مُنْتَقِمُونَ ﴿۴۱﴾ أَوُنُرِيكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُمْ فَإِنَّا عَلَيْهِم

فَقْتَدِرُونَ ﴿۴۲﴾ فَاسْمِكُ بِالَّذِي أُدْحِي إِلَيْكَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۴۳﴾

وَإِنَّكَ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ﴿۴۴﴾ وَسَوْفَ تُسْأَلُونَ ﴿۴۵﴾ وَسَأَلُ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ

قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ إِلَهًا يُعْبَدُونَ ﴿۴۶﴾

سو کیا آپ بہروں کو سنائیں گے یا آپ اندھوں کو راہ دکھائیں گے اور ان کو جو کھلی گمراہی میں مبتلا ہو چکے ہیں O سو اگر ہم آپ کو لے جائیں تو ہم ان سے ضرور انتقام لیں گے O یا ہم آپ کو وہ عذاب دکھادیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے تو بے شک ہم ان پر پوری طرح قدرت رکھنے والے ہیں O سو آپ اس (قرآن) کو مضبوطی سے تھامے رکھیے جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے بے شک آپ سیدھی راہ پر ہیں O اور بے شک وہ آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے بہت بڑا شرف و اعزاز ہے اور عنقریب تم سے باز پرس ہوگی O اور آپ ہمارے ان رسولوں سے پوچھئے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے کیا ہم نے رحمن کے علاوہ اور معبود بنائے ہیں کہ ان کی عبادت کی جائے O

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی اور نصیحت

۴۰۔ ﴿أَفَأَنْتُمْ تُنْفِرُونَ﴾ تو کیا آپ بہروں کو سنائیں گے؟ یعنی جس نے عقل مندی اور قبولیت حق کی سماعت کو گم اور ضائع کر دیا ہے ﴿أَوْ تَهْدِي الْعُنَى﴾ یا کیا آپ اندھوں کو سیدھی راہ دکھائیں گے؟ یعنی جس نے حق بین دلوں کو گم کر دیا ہے ﴿وَمَنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ اور جو شخص کھلی گمراہی میں پڑا ہوا ہے (یعنی) جو شخص اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ یہ گمراہی کی موت مرے گا۔

۴۱۔ ﴿فَأَمَّا نَذْرٌ هَبْ بِكَ فَإِنَّا مِنْهُمْ مُنْتَقِمُونَ﴾ پھر اگر ہم آپ کو لے جائیں تو بے شک ہم ان سے ضرور سخت انتقام لیں گے (یعنی) اگر ہم ان پر آپ کی مدد کرنے اور مسلمانوں کے دلوں کو ان سے سکون و راحت پہنچانے سے پہلے آپ کو وفات دے دیں تو پھر ہم ان سے آخرت میں سخت ترین انتقام لیں گے [”فاما“ میں حرف ”ان“ پر حرف ”ما“ کو شرط کی تاکید کے لیے داخل کیا گیا ہے اور اسی طرح ”نذھبن“ میں نون ثقیلہ کو داخل کیا گیا ہے]۔

۴۲۔ ﴿أَوُتِرَبِكَ الَّذِي وَعَدْتُمْ﴾ یا ہم آپ کو وہ (عذاب) دکھادیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہوا ہے (یعنی) آپ کو وفات دینے سے پہلے ہم آپ کو وہ عذاب دکھادیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے یعنی بدر کے روز جنگ میں انہیں شکست دینے کا عذاب ﴿فَأِنَّا عَلَيْكُمْ قُقْتَدِرُونَ﴾ سو ہم یقیناً ان پر پوری طرح قادر ہیں۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد ”افانت تسمع الصم“ کے ذریعے ان کو کفر و گمراہی میں سخت مزاجی کے ساتھ موصوف کیا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد ”فاما نذھبن لك“ سے دو آیات مبارکہ میں ان کو دنیا اور آخرت کے عذاب سے ڈرایا۔

۴۳۔ ﴿فَاسْمِكُ بِالَّذِي أُدْحِي إِلَيْكَ﴾ سو آپ اس کو مضبوطی کے ساتھ تھام لیجئے جو آپ پر وحی کیا جاتا ہے اور وہ قرآن مجید ہے اور اسی پر عمل کیجئے ﴿إِنَّكَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ بے شک آپ سیدھے راستے پر ہیں اور وہ دین اسلام ہے جس میں کوئی ٹیڑھا پن نہیں ہے۔

۴۴۔ ﴿وَإِنَّكَ﴾ اور بے شک وہ جو آپ کی طرف وحی کے ذریعے نازل کیا جاتا ہے ﴿لَذِكْرٌ لَّكَ﴾ آپ کے لیے باعث شرف ہے ﴿وَلِقَوْمِكَ﴾ اور آپ کی قوم یعنی آپ کی امت کے لیے باعث شرف ہے ﴿وَسَوْفَ تُسْأَلُونَ﴾ اور

عنقریب قیامت کے روز اس کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اس کا حق قائم رکھا اور تم نے اس کی تعظیم کی اور تم نے اس نعمتِ عظمیٰ پر شکر ادا کیا۔

۴۵۔ ﴿وَسَلُّوا عَلَيْنَا مِمَّا آتَيْنَاكَ مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھیجے ہیں آپ ان سے پوچھئے کہ کیا ہم نے رحمن کے علاوہ اور معبود بنائے ہیں جن کی عبادت کی جائے۔ رسولوں سے سوال کرنا حقیقی سوال مراد نہیں ہے بلکہ ان کے دینوں میں غور و فکر کرنا اور ان کی ملتوں میں تفتیش کرنا مراد ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ادیان میں سے کسی دین میں اور کسی نبی کی ملت میں بتوں کی عبادت کی اجازت ہرگز نہیں ہے اور غور و فکر کے لیے آپ کو اللہ تعالیٰ کی یہی کتاب قرآن مجید کافی ہے جو سراسر معجزہ اور اپنے سے پہلی گزشتہ کتابوں اور نبیوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر سنا دی ہے کہ بے شک کفار مکہ ”وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَهُم بِشَيْءٍ مِنْهُ سُلْطَانًا“ (الحج: ۱۷) ”اور وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان (بتوں) کی عبادت کرتے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی سند اور کوئی دلیل نازل نہیں کی“ اور یہ آیت مبارکہ بذات خود کافی ہے اس کے علاوہ کسی دلیل کی ضرورت نہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے شبِ معراج تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بیت المقدس میں جمع کیا گیا جہاں آپ نے ان کی امامت فرمائی اور آپ سے کہا گیا کہ آپ ان سے پوچھ لیجئے لیکن آپ نے نہ شک کیا اور نہ ان سے پوچھا اور بعض کا قول ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ آپ گزشتہ امتوں سے پوچھ لیں اور وہ اہل کتاب مراد ہیں یعنی تورات اور انجیل کے حاملین اور وہ انبیاء و رسل کی کتابوں سے آپ کو بتائیں گے سو جب آپ ان سے سوال کریں گے تو گویا آپ نے خود انبیائے کرام سے سوال کیا اور اس سوال کا معنی اور مقصد یہ ہے کہ بتوں کی عبادت کرنے والے باطل پر ہیں [ابن کثیر مکی اور علی کسائی کی قراءت میں ہمزہ کے بغیر وصل ہے اور ابو عمرو کی قراءت میں ”رُسُلِنَا“ سین کے سکون کے ساتھ ہے۔]

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ

الْعَالَمِينَ ﴿٣٧﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا يَضْحَكُونَ ﴿٣٨﴾ وَمَا نُرِيهِمْ مِنْ آيَةٍ

إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا وَأَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٣٩﴾ وَقَالُوا

يَأْتِيَهُ السَّحَرَاءُ مُتَّبِعِينَ بِآيَاتِنَا يَأْتِيَنَّكَ عِنْدَكَ إِنَّهُمْ مُتَدَاوِنُونَ ﴿٤٠﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ

الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ﴿٤١﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا سو اس نے فرمایا: بے شک میں تمام جہانوں کے مالک کا رسول ہوں ○ پس جب وہ ہماری نشانیاں لے کر ان کے پاس آیا تو یک دم وہ ان پر ہنسنے لگے ○ اور ہم انہیں کوئی نشانی نہیں دکھاتے تھے مگر وہ اپنی جیسی پہلی سے بڑی ہوتی اور ہم نے ان کو عذاب کے ساتھ پکڑ لیا تاکہ وہ رجوع کر لیں ○ اور انہوں نے کہا: اے جادوگر! تو ہمارے لیے اپنے پروردگار سے اس عہد کے ذریعے دعا کر جو اس

نے تجھ سے عہد کیا ہے بے شک ہم ضرور ہدایت قبول کر لیں گے ○ پھر جب ہم نے ان سے عذاب کو دور کر دیا تو وہ فوراً عہد شکنی کرنے لگے ○

حضرت موسیٰ کی تبلیغ پر فرعون کی مخالفت کا انجام

۴۶۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرّم ﷺ کو کفار مکہ کی کارستانیوں پر تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ اور بے شک ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا، سو آپ نے فرمایا: بے شک میں تمام جہانوں کے مالک کا رسول ہوں۔ فرعونیوں نے ”اِنِّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ کہنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو جواب دیا وہ محذوف (مذکور نہیں) ہے کیونکہ اس پر درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ دلالت کرتا ہے۔

۴۷۔ ﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا﴾ پھر جب موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس ہماری نشانیاں (معجزات) لے کر آئے اور یہ اس لیے کہ فرعونیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا تھا کہ آپ اپنے رسول ہونے کے دعویٰ کرنے پر کوئی واضح دلیل پیش کریں اور کوئی معجزہ دکھائیں ﴿إِذَا هُمْ مِنْهَا يَضْحَكُونَ﴾ اچانک وہ لوگ ان معجزات پر ہنسنے لگے اور ان کا مذاق اڑانے لگے اور ان کے ساتھ ٹھٹھا محول کرنے لگے اور وہ لوگ ان معجزات کو جادو کا نام دینے لگے [اور ”اِذَا“ مفاجاة کے لیے ہے جس کا معنی ہے: اچانک فوراً اور یک دم اور یہ ”فَلَمَّا“ کا جواب ہے کیونکہ مفاجاة کا فعل اس کے ساتھ مقدر ہے اور یہی فعل ”اِذَا“ کے محل میں نصب کا عامل ہے] گویا فرمایا گیا: پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام معجزات و دلائل لے کر ان کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے اسی وقت فوراً مذاق اڑانا شروع کر دیا اور غور و فکر سے کام نہیں لیا۔

۴۸۔ ﴿وَمَا نُرِيهِمْ مِنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا﴾ اور ہم انہیں کوئی نشانی اور معجزہ نہیں دکھاتے تھے مگر وہ اپنے جیسے معجزہ سے بڑھ سے ہوتا یعنی بعد والا معجزہ اپنے ساتھی اور اپنے ہم جنس پہلے معجزہ سے خلاف عادت ہونے میں بڑھ کر واضح ہوتا تھا اور اس آیت مبارکہ کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ بعد والا معجزہ پہلے معجزے سے بہت بڑا ہوتا تھا حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اس کلام سے مراد یہ ہے کہ تمام معجزات بڑائی کے ساتھ متصف تھے اور ان میں کوئی فرق نہیں تھا اور اسی پر سب کا کلام متفق ہے کہا جاتا ہے: ”ہما اخوان“ ان دونوں میں ہر ایک دوسرے سے بزرگ تر ہے ﴿وَأَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ﴾ اور ہم نے ان کو عذاب میں گرفتار کر لیا اور اسی عذاب کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقَصْنَا مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ﴾ (الاعراف: ۱۳۰) ”اور بے شک ہم نے فرعون کی قوم کو کئی سالوں کے متواتر قحطوں اور پھلوں کے نقصان کے ذریعے پکڑ لیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ○“ نیز ارشاد فرمایا: ﴿فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالْدَّمَ﴾ (الاعراف: ۱۳۳) ”سو ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون بھیجا“ ﴿لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ تاکہ وہ کفر و شرک سے رجوع کر کے ایمان و اسلام کی طرف لوٹ آئیں۔

۴۹۔ ﴿وَقَالُوا يَا آيَةُ السَّحَرِ﴾ اور انہوں نے کہا کہ اے جادوگر۔ فرعون اور اس کی قوم کے لوگ ماہر عالم کو ”ساحر“ (علم سحر کے ماہر عالم) کہا کرتے تھے کیونکہ وہ علم سحر کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے اور اسے عظیم ترین علم مانتے تھے [”يَا آيَةُ السَّحَرِ“ میں ابن عامر شامی کی قراءت میں ”ہا“ مضموم الف کے بغیر ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ الف سے پہلے واقع ہونے کی وجہ سے مفتوح تھی (یعنی ”اِيْهَآ“) پھر الف التقائے ساکنین کی وجہ سے گر گیا تو اس کے ماقبل حرف کی اتباع میں

اس پر ضمہ کی حرکت دی گئی [اذْعُرْنَا رَبِّكَ بِمَا عَدَدْنَاكَ] اپنے پروردگار سے اس عہد کے ذریعے ہمارے لیے دعا کیجئے جو اس نے تجھ سے عہد کر رکھا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ کا تجھ سے یہ عہد کہ آپ کی دعا مستجاب یعنی قبول کر لی جائے گی یا اس کا وہ عہد جو تیرے پاس ہے اور وہ نبوت ہے یا اس کا تجھ سے یہ عہد کہ جو ہدایت قبول کر لے گا وہ اس سے عذاب دور کر دے گا ﴿ اِنْتَا لَمْ تَهْتَدُ وَاَنْتَا لَمْ تَكُنْ تَهْتَدُ ﴾ بے شک ہم ضرور ہدایت قبول کر لیں گے (یعنی) ہم مسلمان ہو جائیں گے۔

۵۰۔ ﴿ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ﴾ پھر جب ہم نے ان سے عذاب کو دور کر دیا تو وہ فوراً پھر گئے (یعنی) وہ لوگ ایمان لانے اور مسلمان ہو جانے کا عہد توڑ بیٹھے اور وہ اس کو پورا نہ کر سکے۔

وَنَادَى فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يَا قَوْمِ اَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهَذِهِ اَنْهَارُ

تَجْرِي مِنْ تَحْتِي ۗ اَفَلَا تَبْصُرُونَ ۗ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ ۗ

وَلَا يَكَادُ يُبِينُ ۗ فَلَوْلَا اَلْقَىٰ عَلَيْهِ اَسْوَرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ

مُقْتَرِنِينَ ۗ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَاطَاعُوهُ ۗ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فَسِيقِيْنَ ۗ فَلَمَّا

اَسْفُوْنَا اَنْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۗ وَجَعَلْنٰمْ سَلَفًا وَمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ۗ

اور فرعون نے اپنی قوم میں پکار کر کہا: اے میری قوم! کیا مصر کی بادشاہی میرے لیے نہیں ہے اور یہ نہریں جو میرے نیچے بہتی ہیں تو کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو بلکہ میں اس شخص سے بہتر ہوں جو حقیر و کمزور ہے اور وہ بات بھی صاف نہیں کرتا سو اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے یا اس کے ساتھ قطار در قطار فرشتے آتے سو اس نے اپنی قوم کو بے وقوف بنایا پس انہوں نے اس کی اطاعت اختیار کر لی بے شک وہ نافرمان لوگ تھے پھر جب انہوں نے ہمیں سخت ناراض کر دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور ہم نے ان سب کو غرق کر دیا سو ہم نے ان کو پہلے لوگوں کے لیے داستان اور پیچھے آنے والوں کے لیے کہاوت بنا دیا

۵۱۔ ﴿ وَنَادَى فِرْعَوْنُ ﴾ اور فرعون نے بذات خود قبط قوم کے سرداروں کو پکارا یا اس نے منادی کو حکم دیا اور وہ پکارا

جیسے جب امیر چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتا ہے تو کہا جاتا ہے: ”قطع الامير اللص“ امیر نے چور کے ہاتھ کاٹ دیئے ﴿ فِي قَوْمِهِ ﴾ اپنی قوم میں۔ فرعون نے اپنی قوم کو اپنی نداء کے لیے محل اور موقع قرار دیا ﴿ قَالَ يَا قَوْمِ اَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهَذِهِ اَلْاَنْهَارُ ﴾ فرعون نے کہا: اے میری قوم! کیا مصر کی سلطنت و بادشاہی اور یہ نہریں میری نہیں یعنی دریائے نیل کی نہریں اور اس کی بڑی بڑی نہریں چار تھیں ﴿ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي ﴾ میرے نیچے بہتی ہیں (یعنی) میرے محل کے نیچے اور بعض نے کہا کہ اس کا یہ معنی ہے کہ میرے سامنے میرے باغ میں بہتی ہیں [اور واو عاطفہ ہے ”انہار“ کی ”ملك مصر“ پر عطف کے لیے اور ”تجری“ حال کی بناء پر منصوب ہے یا پھر واو حال کے لیے ہے اور اسم اشارہ مبتدا ہے اور ”الانهار“ اسم اشارہ کی صفت ہے اور ”تجری“ مبتدا کی خبر ہے۔]

منقول ہے کہ جب ہارون الرشید نے یہ آیت مبارکہ تلاوت کی تو اس نے کہا کہ میں اس ملک مصر پر اپنے کم ترین غلام کو

حکمران بناؤں گا پھر اس نے اپنے ایک غلام نصیب کو مصر کا حکمران مقرر کر دیا اور یہ غلام ہارون الرشید کے وضوء کرانے پر مامور تھا اور منقول ہے کہ جب عبد اللہ بن طاہر مصر کے ملک کا حاکم مقرر ہوا اور وہ مصر کی طرف روانہ ہوا اور جب اس کے قریب پہنچا تو اس نے کہا: کیا یہ وہ شہر ہے جس پر فرعون نے فخر و تکبر کیا تھا اور کہا تھا: "الْیَسَ لَیْ مَلْکُ مِصْرَ" اور اللہ تعالیٰ کی قسم! بے شک یہ شہر میرے نزدیک بہت کم ترین ہے اور میرے لیے لائق نہیں کہ میں اس میں داخل ہوں چنانچہ وہ واپس چلا گیا ﴿اَفَلَا تَنْصُرُوْنَ﴾ تو کیا تم لوگ میری قوت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کمزوری اور میری دولت مندی اور اس کی فقیری و غربت کو نہیں دیکھتے۔

۵۲- ﴿اَمْ اَنَا خَیْرٌ﴾ بلکہ میں بہتر ہوں [”ام“ منقطعہ ہے بہ معنی ”بل“ ہے اور ہمزہ تقریری ہے] گویا فرعون نے کہا کہ تمہارے نزدیک ثابت ہو چکا ہے اور یہ بات مقرر ہو چکی ہے کہ میں بلاشبہ بہتر ہوں اور یہ میرا حال ہے ﴿مِنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَیْمِنٌ﴾ اس شخص سے جو کم تر ہے (یعنی) کمزور اور حقیر ہے ﴿وَلَا یَاکُذِبُیْنِ﴾ اور وہ صاف بات نہیں کر سکتا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان مبارک پر ہلکی سی ثقالت اور لکنت تھی۔

۵۳- ﴿فَلَوْلَا اَلْقِیَ عَلَیْہِ اَسْوَدٌ﴾ پس (حضرت) موسیٰ علیہ السلام پر سونے کے کنگن کیوں نہیں اتارے گئے [”گو“ لا“ بہ معنی ”ہلا“ ہے اور حضرت حفص یعقوب اور سہل کی قراءت میں ”اَسْوَدٌ“ ہے اور یہ ”سوار“ کی جمع ہے ان کے علاوہ دیگر قراء کے نزدیک ”اَسَاوِرٌ“ ہے اور یہ ”اسودہ“ کی جمع ہے اور ”اساویر“، ”اسوار“ کی جمع ہے اور وہ ”سوار“ ہے اور ”اساویر“ سے ”یا“ حذف کر کے اس کے عوض میں آخر میں ”تا“ لگا دی گئی ہے] ﴿مِنْ ذَہَبٍ﴾ سونے سے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کنگن اتارنے سے مصر کے ملک کی چابیاں ان پر اتارنا مراد ہے اس لیے کہ جب وہ لوگ کسی آدمی کو اپنا سردار بنانا چاہتے تو اس کو امتیازی حیثیت دینے کے لیے کنگن پہناتے تھے اور وہ لوگ اس آدمی کے گلے میں سونے کا ہار پہناتے تھے ﴿اَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلِٰئِکَةُ مُقْتَرِنٰتٍ﴾ یا اس کے ساتھ فرشتوں کا ایک گروہ آتا (یعنی) جو اس کے ساتھ ساتھ چلتے اور وہ فرشتے ایک دوسرے کے ساتھ جمع ہو کر اس کے ساتھ رہتے تاکہ وہ آپ کی مدد کرتے اور وہ آپ کے ساتھ معاون و مددگار بن کر رہتے۔

۵۴- ﴿فَاَسْتَحَقَّتْ قَوْمَہٗا﴾ سو اس نے اپنی قوم کو کم عقل سمجھا (یعنی) فرعون نے اپنی پرفریب باتوں سے اپنی قوم کو بے وقوف بنایا اور اس نے انہیں پھسلا یا اور گمراہ کر دیا اور اس کا کلام ان میں کام کر گیا اور بعض کا قول ہے کہ فرعون نے اپنی قوم کو اطاعت میں کم عقل و ہلکا اور بے وقوف و جاہل سمجھا کیونکہ وہ لوگ بہت جلد اس کے مطیع و فرماں بردار بن گئے ﴿فَاَطَاعُوْہٗ اِذْ اَنۡتَمُ کَاۡتِبَا کُوۡمًا فٰسِقِیۡنَ﴾ سو انہوں نے اس کی اطاعت اختیار کر لی بے شک وہ نافرمان لوگ تھے اللہ تعالیٰ کے دین سے نکلنے والے لوگ تھے۔

۵۵- ﴿فَلَمَّا اَسْفُوۡنَا اِنۡتَقَمْنَا مِنْہُمْ فَاَغْرَقْنٰہُمْ اَجْمَعِیۡنَ﴾ پھر جب انہوں نے ہمیں ناراض و غضب ناک کر دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔ ”اسف“ منقول ہے ”اسف اسفا“ سے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی کا غضب اور غصہ سخت ہو جائے اور وہ سخت غضب ناک ہو جائے اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک انہوں نے گناہوں میں اور سرکشوں میں بہت زیادتی کی پھر وہ اس کے مستحق ہو گئے کہ ہم انہیں بہت جلد اپنے عذاب میں گرفتار کر لیں اور ہم انہیں بہت جلد اپنے انتقام کا نشانہ بنالیں اور یہ کہ ہم ان سے حلم و بردباری کا معاملہ ہرگز نہ کریں۔

۵۶- ﴿فَجَعَلْنٰہُمْ سَلَۡفًا﴾ سو ہم نے انہیں گزری ہوئی ماضی کی داستان بنا دیا [”سلف“، ”سالف“ کی جمع ہے جیسے

”خادم“ کی ”خدم“ ہے اور قاری حمزہ کوئی اور علی کسائی کی قراءت میں ”سلفاً“ ہے (سین اور لام دونوں مضموم ہیں) اور ”سلیف“ کی جمع ہے یعنی گزرا ہوا گروہ [﴿وَمَثَلًا﴾] اور مثال بنا دیا اور عجیب و غریب شان کی کہاوت بنا دیا اور انہیں مثل مشہور بنا دیا جن کی مثالیں بیان کی جاتی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ”مثلكم مثل قوم فرعون“ تمہاری مثال قوم فرعون کی مثال ہے ﴿لِلْآخِرِينَ﴾ پیچھے آنے والوں کے لیے (یعنی) ان لوگوں کے لیے جو فرعونوں کے بعد آئیں گے اور اس کا معنی یہ ہے کہ پس ہم نے انہیں بعد میں آنے والے کافروں کے لیے نمونہ بنا دیا کہ جو ان کی اقتداء کریں گے وہ بھی انہیں کے عذاب جیسے عذاب کے مستحق قرار پائیں گے اور ان پر اس جیسا عذاب نازل ہوگا اس لیے کہ انہوں نے بھی انہیں کے کرتوتوں جیسے کرتوت سرانجام دیئے اور ایسی مثال چھوڑی جسے بیان کیا جاتا رہے گا۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ﴿۵۷﴾ وَقَالُوا آءِ الْهَيْتَنَا

خَيْرًا أَمْ هُوَ مَا ضَرَبُوكَ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۖ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ﴿۵۸﴾ إِنَّ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ

أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿۵۹﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَلَائِكَةً

فِي الْأَرْضِ يَخْلُقُونَ ﴿۶۰﴾

اور جب مریم کے بیٹے کی مثال بیان کی گئی تو فوراً آپ کی قوم کے لوگ اس پر خوش ہو کر ہنسنے لگے O اور انہوں نے کہا: کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ انہوں نے یہ مثال صرف آپ سے جھگڑنے کے لیے بیان کی بلکہ وہ جھگڑا لوگ ہیں O وہ تو نہیں مگر ایک خاص بندے جن پر ہم نے انعام کیا اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کے لیے عجیب نمونہ بنا دیا O اور اگر ہم چاہتے تو البتہ ہم تم میں سے فرشتے بنا دیتے تو وہ زمین میں (تمہارے) جانشین ہوتے O

کفار مکہ کے ایک اعتراض اور جھگڑے کا بیان

۵۷- ﴿وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا﴾ اور جب مریم کے بیٹے کی مثال بیان کی گئی (تو آپ کی قوم اس پر ہنسنے لگی)۔

شان نزول: جب رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ کے سامنے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی کہ ”إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصْبُ جَهَنَّمَ“ (الانبیاء: ۹۸) ”بے شک تم اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو سب دوزخ کا ایندھن ہو“ تو قریش مکہ سخت غضب ناک ہوئے اور عبد اللہ ابن زبیری نے (قبل از قبول اسلام) کہا: اے محمد (ﷺ)! کیا یہ آیت ہمارے لیے اور ہمارے معبودوں کے لیے مخصوص ہے یا پھر تمام امتوں کے لیے عام ہے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ تمہارے لیے اور تمہارے معبودوں کے لیے اور تمام امتوں کے لیے عام ہے تو اس نے کہا کہ آپ کا کیا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام نبی ہیں اور آپ ان کی اور ان کی ماں کی خیر و بھلائی کے ساتھ تعریف بیان کرتے ہیں حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ عیسائی ان دونوں کی عبادت کرتے ہیں اور حضرت عزیر علیہ السلام کی بھی عبادت کی جاتی ہے اور فرشتوں کی بھی عبادت کی جاتی ہے سواگر یہ تمام دوزخ میں جائیں گے تو پھر ہم بھی اس پر راضی ہیں کہ ہم اور ہمارے معبودان حضرات کے ساتھ ہوں گے چنانچہ ابن زبیری کی یہ بات سن کر تمام قریش مکہ خوش ہو گئے اور بلند آواز سے ہنسنے لگے اور قہقہے لگانے لگے اور حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کی اس بے ہودگی پر خاموشی اختیار فرمائی (تا کہ وحی

کے ذریعے جواب دیا جائے) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں ایک تو سورۃ الانبیاء کی درج ذیل آیت مبارکہ نازل فرمائی:

”إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ“ (الانبیاء: ۱۰۱) ”بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے بھلائی کا وعدہ ہو چکا ہے وہ دوزخ سے دور رہیں گے“ اور دوسری یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب ابن الزبیری نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام کی مثال اپنے معبودوں کے لیے بیان کی اور اس نے رسول اللہ ﷺ سے جھگڑا کیا کہ نصاریٰ (عیسائی) بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں تو ﴿إِذَا قَوْلُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ﴾ فوراً اسی وقت آپ کی قوم قریش مکہ اس مثال کو سن کر ہنسنے لگے اور بلند آواز سے قہقہے لگانے لگے (یعنی) ان کے خوش ہونے اور قہقہے لگانے کی وجہ سے شور و غل اور چیخ و پکار بلند ہو گئی یہ محض مثال سننے اور رسول اکرم ﷺ کے خاموش ہو جانے اور ابن الزبیری کے جھگڑنے کی وجہ سے ہوا [نافع مدنی ابن عامر شامی، علی کسائی اور ایشی کی قراءت میں (صاد مضموم کے ساتھ باب نصر سے) ”يَصِدُّونَ“ ہے اور یہ ”صدود“ سے مشتق ہے یعنی وہ لوگ اس مثال کی وجہ سے حق سے دور ہونے اور اس سے روگردانی کرنے لگے اور بعض کا قول ہے کہ یہ ”صدید“ سے مشتق ہے اور اس کا معنی ہے: چیخ کر بلند آواز سے شور کرنا اور یہ دونوں لغتیں صحیح ہیں جیسے ”يَعْكُفُ“ (کاف مکسور ہے) اور ”يَعْكُفُ“ (کاف مضموم) ہے]۔

۵۸۔ ﴿وَقَالُوا آءِ الْهَيْتَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ﴾ اور انہوں نے (یعنی قریش مکہ نے) کہا کہ کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ (حضرت عیسیٰ) ان کا مقصد یہ تھا کہ ہمارے معبود تو حضرت عیسیٰ کے مقابلے میں آپ کے نزدیک خیر و بھلائی سے خالی ہیں پھر حضرت عیسیٰ دوزخ کا ایندھن ہیں (نعوذ باللہ من ذلك) تو ہمارے معبودوں کا معاملہ آسان ہو گیا ﴿مَا ضَرَبُوا كَلِمًا إِلَّا جَدَلًا﴾ وہ لوگ یہ مثال آپ سے بیان نہیں کرتے مگر محض جھگڑا کرنے کے لیے اور بات چیت میں غالب آنے کے لیے حق و باطل میں فرق اور امتیاز طلب کرنے کے لیے نہیں ﴿بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَبِيثُونَ﴾ بلکہ وہ جھگڑا لوم ہے (یعنی) وہ بہت سخت جھگڑا لوم ہے، ضد اور ہٹ دھرمی کے ساتھ جھگڑنا ان کی عادت میں شامل ہے اور یہ اس لیے کہ ارشاد باری تعالیٰ ”إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ“ سے صرف بتوں کو مراد لیا گیا ہے کیونکہ لفظ ”ما“ غیر عقلاء کے لیے استعمال ہوتا ہے (اس لیے حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ اور حضرت عزیر اور فرشتے علیہم السلام اس آیت میں شامل نہیں ہیں) مگر ابن الزبیری نے جب اپنی فریب کاری کے ساتھ کلام اللہ میں دیکھا کہ لفظ ”ما“ عموم کا احتمال رکھتا ہے تو اس نے اس میں حیلہ سازی کے لیے گنجائش پالی حالانکہ وہ خود جانتا تھا کہ اس سے صرف بت مراد ہیں ان کے سوا اور کوئی نہیں چنانچہ اس نے محض ضد اور ہٹ دھرمی اور مکارہ و مجادلہ کے سبب لفظ ”ما“ کو اللہ تعالیٰ کے ماسوا باقی ہر معبود کے احاطہ اور شمول کی طرف پھیر دیا جب کہ رسول اللہ ﷺ نے باوقار خاموشی اختیار فرمائی (اور وحی کا انتظار کرنے لگے) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان

۵۹۔ ﴿إِنَّ هُوَ الْأَعْبَدُ﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں مگر دیگر بندوں کی طرح ایک بندے ہیں (نہ خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے ہیں) ﴿أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ﴾ ہم نے نبوت عطا کر کے ان پر بہت بڑا انعام فرمایا ﴿وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ اور ہم نے ان کو بنی اسرائیل کے لیے (اپنی قدرت کا) عجیب نمونہ بنا دیا (یعنی) اور ہم نے ان کو بنی اسرائیل کے لیے مشہور و معروف مثال کی طرح ایک عجیب عبرت بنا دیا۔

۶۰۔ ﴿وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ﴾ اور اگر ہم چاہتے تو البتہ ہم تم میں سے زمین میں فرشتے بنا دیتے یعنی ہم تمہارے بدلے فرشتے پیدا کر دیتے علامہ زجاج نے اسی طرح فرمایا ہے اور انہوں نے جامع العلوم میں فرمایا:

”لجعلنا بدلکم“ ہم تمہارے بدلے بنا دیتے [اور یہاں حرف ”من“ بہ معنی بدل ہے] ﴿يَخْلُقُونَ﴾ وہ زمین میں تمہارے جانشین بنتے یا یہ معنی ہے کہ فرشتے ایک دوسرے کے جانشین ہوتے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے: اور تمام امور کے عجائبات پر کامل قدرت و طاقت رکھنے کی بناء پر اگر ہم چاہتے تو ہم ضرورت میں سے فرشتے پیدا کر دیتے یعنی اسے آدمیو! ہم تم میں سے فرشتوں کو جنم اور ولادت کے ذریعے پیدا کر دیتے جو زمین میں تمہارے اس طرح جانشین ہوتے جس طرح تمہاری اولاد تمہارے بعد تمہاری جانشین ہوا کرتی ہے، جس طرح کہ ہم نے (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر مرد کے اپنی قدرت کاملہ سے ایک عورت سے جنم دیا تھا تا کہ تم قدرت کاملہ غالبہ کے ساتھ ہمارے ممتاز و منفرد ہونے کو پہچان لو اور تا کہ تم یہ جان لو کہ بے شک فرشتے اجسام ہیں اور صرف اجسام سے پیدا ہوتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ قدیم اور ہمیشہ سے ہے وہ تو والد کے عیب سے پاک ہے۔

وَإِنَّهُ لَعَلَّمَ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَنْتَرِنَ بِهَا وَاتَّبِعُونَ هَذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿۶۱﴾

وَلَا يَصُدُّكُمْ الشَّيْطَانُ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۶۲﴾ وَلَمَّا جَاءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ

قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَرِيبِينَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ قَاتِلُوا اللَّهَ

وَاطِيعُونَ ﴿۶۳﴾ إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿۶۴﴾

فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابِ يَوْمِ

الْيَوْمِ ﴿۶۵﴾ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۶۶﴾

الْأَخْلَافِ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا السَّاقِيْنَ ﴿۶۷﴾

اور بے شک وہ قیامت کی علامت ہیں، سو تم اس میں شک نہ کرو اور میری پیروی کرو یہی سیدھا راستہ ہے O اور شیطان تمہیں روک نہ دے بے شک وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے O اور جب عیسیٰ روشن معجزات لے کر آگئے تو فرمایا: بے شک میں تمہارے پاس حکمت لایا ہوں اور تا کہ میں تم سے بعض وہ باتیں بیان کر دوں جن میں تم اختلاف کرتے ہو، سو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O بے شک اللہ تعالیٰ ہی میرا پروردگار ہے اور تمہارا پروردگار ہے، سو تم اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے O سو کئی گروہ آپس میں مختلف ہو گئے، سو ظالموں کے لیے دردناک دن کے عذاب سے ہلاکت ہے O وہ کس کا انتظار کرتے ہیں مگر قیامت کا کہ وہ ان پر اچانک آ جائے اور انہیں کوئی خبر نہ ہو O اس روز گہرے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے ماسوا پر ہیزگاروں کے O

۶۱- ﴿وَإِنَّهُ لَعَلَّمَ لِّلسَّاعَةِ﴾ اور بے شک وہ قیامت کی نشانی ہے (یعنی) اور بے شک حضرت عیسیٰ علیہ السلام انہیں

چیزوں میں سے ہیں جن کے ذریعے قیامت کا آنا معلوم کر لیا جاتا ہے اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ”لَعَلَّمَ“ (عین اور لام پر زبر) پڑھا ہے اور اس کا معنی علامت ہے، یعنی بے شک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول

فرمانا قیامت کی علامت و نشانی ہے ﴿فَلَا تَسْتَوُوا بِهَا﴾ سو تم اس میں شک نہ کرو۔ یہ ”ہویہ“ سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قیامت کے وقوع سے پہلے آسمان سے نازل فرمائے گا جس کا ذکر صحیح احادیث میں مذکور ہے چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس آیت کے تحت تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس وقت تمہاری کیسی عظیم شان ہوگی جب ابن مریم تم میں نازل ہوں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

(۲) حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ تشریف لائے جب کہ ہم باہر مذاکرہ میں مشغول تھے آپ نے فرمایا: تم کس کا ذکر کر رہے ہو صحابہ کرام نے عرض کیا: ہم قیامت کا ذکر کر رہے تھے حضور نے فرمایا: بے شک قیامت ہرگز قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ اس سے پہلے تم دس نشانیاں دیکھو گے: (۱) دھواں (۲) دجال کا خروج (۳) دابۃ الارض (عجیب چوپایہ جو باتیں کرے گا) (۴) سورج کا مغرب سے نکلنا (۵) حضرت عیسیٰ ابن مریم کا نزول (۶) یاجوج و ماجوج اور تین زلزلے ہوں گے جن سے زمین دھنس جائے گی (۷) ایک مشرق میں (۸) ایک مغرب میں (۹) ایک جزیرہ عرب میں اور اس کے آخر میں (۱۰) یمن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو میدانِ حشر میں لے جائے گی۔ (مسلم)

(۳) حضرت نو اس بن سمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے دجال کا ذکر کیا اور اس کے قصہ میں طویل حدیث ذکر کی یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ حضرت مسیح ابن مریم کو بھیجے گا تو وہ دمشق کے سفید مشرقی منارہ پر اس حال میں اتریں گے کہ انہوں نے ہلکے زرد رنگ کے دو حلقے پہنے ہوئے ہوں گے اور انہوں نے دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے جب آپ سر نیچا کریں گے تو پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں گے اور جب سر اونچا کریں گے تو موتیوں کی طرح (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر) (بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سفید چاندی کے دانے جھڑ رہے ہوں گے۔ الحدیث (صحیح مسلم)

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! عنقریب تم میں حضرت عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے احکام نافذ کرنے والے عدل و انصاف کرنے والے ہوں گے وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ موقوف کر دیں گے اور وہ اس قدر مال لائیں گے کہ اس کو قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوگا یہاں تک کہ ایک سجدہ کرنا اس وقت دنیا اور دنیا کے تمام اسباب سے بہتر ہوگا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۵) امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث بیان کی ہے جس میں ہے کہ تمہارا امیر کہے گا کہ آپ آگے تشریف لائیں اور ہمیں نماز پڑھائیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس امت کے احترام کے پیش نظر فرمائیں گے کہ تمہارا امیر تمہیں میں سے ہوگا۔ (صحیح مسلم)

(۶) امام بغوی نے ایک روایت ذکر کی ہے کہ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت المقدس تشریف لائیں گے اور اس وقت لوگ نماز عصر ادا کر رہے ہوں گے سو امام پیچھے ہٹ جانے لگے گا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے آگے کر دیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام شریعت محمدی ﷺ کے مطابق نماز ادا کریں گے اور خنزیر کو قتل کر دیں گے اور صلیب کو توڑ ڈالیں گے اور گرجے اور کنیسے گرا دیں گے اور جو عیسائی اسلام قبول نہیں کرے گا اسے قتل کر دیں گے۔ (ماخوذ از تفسیر مظہری ج ۸ ص ۳۵۸ تا ۳۵۹، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی)

نیز ملاحظہ فرمائیں: (تفسیر معالم التنزیل ج ۳ ص ۱۳۴، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، تفسیر روح المعانی الجزء الخامس والعشرون ص ۹۶ تا ۹۵، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور، تفسیر الخازن ج ۳ ص ۱۱۶، مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ، مصر، تفسیر روح البیان پارہ: ۲۵ ص ۲۳۹ تا ۲۵۱، مطبوعہ اردو مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور، تفسیر تبيان القرآن ج ۱۰ ص ۷۰۳ تا ۷۱۳، مجمع مرزائی سوالات کے جوابات، مطبوعہ فرید بک سٹال، اردو بازار لاہور)

شک ہے ﴿وَاتَّبِعُونِ﴾ اور تم میری پیروی کرو [سہل اور یعقوب کی قراءت میں وقف اور وصل دونوں حالتوں میں "یا" کے ساتھ "اتبعونسی" پڑھا جائے گا] یعنی تم میری ہدایات اور میری شریعت کی پیروی کرو یا میرے رسول کی اتباع کرو یا یہ رسول اللہ ﷺ کو حکم ہے کہ آپ قریش مکہ سے فرمائیں: تم میری پیروی کرو ﴿هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ﴾ یہی سیدھا راستہ ہے یعنی یہ وہی ہے جس کی طرف تمہیں دعوت دی جاتی ہے۔

۶۲- ﴿وَلَا يَصُدُّكُمْ الشَّيْطَانُ﴾ اور شیطان تمہیں قیامت پر ایمان لانے اور میری اتباع کرنے سے روک نہ دے ﴿إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اس کی عداوت و دشمنی ظاہر و عیاں اور واضح ہے کیونکہ اس نے تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالا تھا اور ان سے نور کا لباس اتروایا تھا۔

۶۳- ﴿وَلَمَّا جَاءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ﴾ اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام روشن دلائل لے کر آئے یعنی واضح معجزات یا انجیل کی آیات اور دیگر شرعی احکام لے کر آئے۔ "بیِّنَات" کا معنی ہے واضحات ﴿قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ﴾ تو انہوں نے (بنی اسرائیل سے) فرمایا: بے شک میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں (یعنی انجیل مقدس اور احکام شریعت) ﴿وَلَا بُيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلَفُونَ فِيهِ﴾ اور تاکہ میں تمہارے لیے بعض وہ چیز بیان کر دوں جس میں تم اختلاف کرتے ہو اور وہ دین کا معاملہ ہے نہ کہ دنیا کا معاملہ ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا﴾ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت و فرماں برداری کرو۔

۶۴- ﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ مَلِكٌ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی میرا پروردگار ہے اور تمہارا پروردگار ہے سو تم اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔ یہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام پورا ہو گیا ہے۔

۶۵- ﴿فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ﴾ پھر مختلف گروہوں نے اختلاف کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نصرانی مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور وہ ہیں: (۱) یعقوبیہ (۲) نسطوریہ (۳) ملاکانیہ (۴) شمعونیہ ﴿مِنْ بَيْنِهِمْ﴾ آپس کے درمیان (یعنی) نصاریٰ کے درمیان ﴿فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا﴾ سو ان لوگوں کے لیے ہلاکت ہے جنہوں نے ظلم کیا کیونکہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایسی نازیبا باتیں کیں جن کی وجہ سے وہ لوگ کافر ہو گئے ﴿مِنْ عَذَابِ يَوْمِ إِلْيَاسَ﴾ دردناک دن کے عذاب سے اور وہ قیامت کا دن ہے۔

۶۶- ﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ﴾ وہ کس کا انتظار کرتے ہیں مگر قیامت کا ["ينظرون" کی ضمیر قوم عیسیٰ کے لیے ہے یا پھر کفار مکہ کے لیے ہے] ﴿أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً﴾ کہ وہ ان پر اچانک آجائے [یہ "الساعة" سے بدل ہے] یعنی وہ صرف قیامت کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں ﴿وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ اور انہیں خبر نہ ہو یعنی وہ لوگ اپنے دنیا کے کاموں میں مشغول ہونے کی وجہ سے غافل و بے خبر ہوں جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُونَ﴾ (یسین: ۴۹) "وہ انہیں آن پکڑے گی اور وہ اس وقت جھگڑتے ہوں گے"۔

۶۷- ﴿الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ﴾ اس روز گہرے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے پرہیزگاروں کے یعنی قیامت کے دن ماسوا مؤمنوں کے باقی سب دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے ["الأخلاء" "خلیل" کی جمع ہے پکا سچا دوست اور "یومئذ" "عَدُوٌّ" کی وجہ سے منصوب ہے] یعنی اس روز ہر وہ دوستی ختم ہو جائے گی جو دوستوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے نہیں ذاتی مفادات کے لیے قائم تھی اور ایسی تمام دوستیاں اس روز عداوت و دشمنی میں تبدیل ہو جائیں گی مگر سچے اور مخلص دوستوں کی دوستی جو اللہ تعالیٰ کے لیے قائم ہوئی تھی وہ ثابت رہے گی

اور یہ دوستی یقیناً باقی رہے گی۔

يَعْبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿٦٨﴾ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْإِيمَانِ
كَانُوا مُسْلِمِينَ ﴿٦٩﴾ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ ﴿٧٠﴾ يُطَافُ
عَلَيْكُمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ ﴿٧١﴾ فِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ
الْأَعْيُنُ وَأَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٧٢﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُونَ ﴿٧٣﴾ لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِّنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٧٤﴾

اے میرے بندو! آج تم پر نہ خوف ہے اور نہ تم غمگین ہو گے۔ جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور وہ فرماں برداری کرتے رہے۔ تم جنت میں داخل ہو جاؤ اور تمہاری بیویاں تمہیں خوش رکھا جائے گا۔ ان پر (کھانے اور شراب سے بھرپور) سونے کی پلیٹوں اور گلاسوں کا دورہ ہوگا اور اس میں وہ چیزیں ہوں گی جو دل چاہیں گے اور آنکھیں لذت پائیں گی اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔ اور یہ وہ جنت ہے جس کے تم ان اعمال کے سبب وارث بنائے گئے ہو جو تم کرتے رہے تھے۔ اس میں تمہارے لیے بہت زیادہ پھل ہوں گے جن میں سے تم کھاؤ گے۔

نیکیوں کی جزاء اور بُروں کی سزا کا بیان

۶۸۔ ﴿يَعْبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ﴾ اے میرے بندو! آج تم پر نہ کوئی خوف و ڈر ہے اور نہ تم غمگین ہو گے۔ یہ اس کلام الہی کا بیان ہے جس کے ساتھ قیامت کے روز محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر باہمی دوستی کرنے والے پرہیزگاروں کو پکارا جائے گا [نافع مدنی، ابن عامر شامی اور ابو عمرو کی قراءت میں وصل اور وقف دونوں حالتوں میں "یا" کے ساتھ "یا عبادی" ہے اور ابو بکر کوفی کی قراءت میں "یا" مفتوح "یا عبادی" پڑھا جائے گا اور باقی قراءت کے نزدیک "یا" کو حذف کر کے صرف "یا عباد" پڑھا جائے گا]۔

۶۹۔ ﴿الَّذِينَ آمَنُوا بِالْإِيمَانِ﴾ جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے (یعنی) انہوں نے ہماری آیتوں کی حقانیت کی تصدیق کی اور انہیں دل و جان سے تسلیم کیا [یہ "عبادی" کی صفت ہونے کی بناء پر محلاً منصوب ہے کیونکہ یہ منادی مضاف ہے] ﴿وَكَانُوا مُسْلِمِينَ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہے اور اسی کی فرماں برداری کرتے رہے۔

۷۰۔ ﴿ادْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ﴾ تم اور تمہاری بیویاں سب جنت میں داخل ہو جاؤ (یعنی) جو تمہاری بیویاں دنیا میں ایمان دار تھیں ﴿تُحْبَرُونَ﴾ تمہیں خوش کیا جائے گا (یعنی) تم اس قدر زیادہ مسرور اور خوش ہو جاؤ گے کہ اس کی مسرت واضح طور پر ظاہر ہو جائے گی یعنی اس کا اثر تمہارے چہروں پر عیاں اور ظاہر ہو جائے گا۔

۷۱۔ ﴿يُطَافُ عَلَيْكُمْ بِصِحَافٍ﴾ ان پر (کھانے کی) بڑی بڑی پلیٹوں کو گردش میں لایا جائے گا۔ "صحاف" صحیفہ کی جمع ہے جس کا معنی ہے: پرات، تھال یا بڑی پلیٹ ﴿مِّنْ ذَهَبٍ﴾ سونے کی ہوں گی ﴿وَأَكْوَابٍ﴾ اور جام اور گلاس یعنی سونے کے گلاسوں کو (شرابِ طہور سے بھر کر) گردش میں لایا جائے گا اور "کوب" کا معنی ہے: ایسا ڈونگایا

گلاس جس کا پکڑنے کے لیے دستہ نہ ہو ﴿وَفِيهَا﴾ اور اس میں یعنی جنت میں ﴿مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ﴾ وہ چیزیں ہوں گی جن کو دل چاہیں گے [نافع مدنی ابن عامر شامی اور حفص کی قراءت میں ”ہا“ کے اثبات کے ساتھ پڑھا جاتا ہے جو موصول کی طرف لوٹتی ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک ”ہا“ کو محذوف کر کے ”ہا“ کے بغیر ”تشتھی“ پڑھا جاتا ہے کیونکہ موصول فعل اور فاعل اور پھر مفعول کے ساتھ طویل و دراز ہو جاتا ہے] ﴿وَتَلَذُّونَ الْأَعْيُنَ﴾ اور آنکھیں لذت پائیں گی اور یہ جنتی نعمتوں کی مختلف اقسام کے لیے حصر ہے کیونکہ یہ نعمتیں یا تو ایسی ہوں گی جن کو دل چاہتے اور پسند کرتے ہوں گے یا پھر ایسی ہوں گی کہ آنکھیں نہیں دیکھ کر لذت و خوشی اور ٹھنڈک محسوس کریں گی ﴿وَأَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ اور تم اس جنت میں ہمیشہ رہو گے۔

۷۲- ﴿وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ اور یہ وہ جنت ہے جس کا تمہیں ان نیک اعمال کی وجہ سے وارث بنایا گیا ہے جو تم (دنیا میں) کرتے رہے تھے [”تلك“ سے اس جنت کی طرف اشارہ ہے جس کا (آیت: ۷۰) میں] اور پڑ کر کیا گیا ہے اور یہ مبتدا ہے اور ”الجنة“ خبر ہے اور ”التي“ اور ”ثموا“ صفت ہے ”الجنة“ کی یا پھر ”الجنة“ مبتدا کی صفت ہے اور یہ مبتدا وہی اسم اشارہ ”تلك“ ہے اور ”التي“ اور ”ثموا“ مبتدا کی خبر ہے یا پھر یہ بھی صفت ہے اور ”بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ“ خبر ہے اور حرف ”با“ محذوف کے متعلق ہے یعنی ”حاصلة“ یا ”كائنة“ جیسا کہ ان ظروف میں ہوتا ہے جو خبریں ہوا کرتی ہیں اور البتہ پہلی وجہ میں ”اور ثموا“ کے متعلق ہوگی [اور اس آیت میں جنت کو جنتیوں کے لیے باقی رہنے میں میراث کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو ورثاء کے پاس باقی رہتی ہے۔

۷۳- ﴿لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِمَّا كُنْتُمْ تَكُونُونَ﴾ تمہارے لیے اس (جنت) میں بہت زیادہ پھل ہوں گے جن میں سے تم کھاتے رہو گے [”منها“ میں حرف ”من“ تبعیض (بعض کے معنی) کے لیے ہے] یعنی تم ان پھلوں میں سے بعض اور کچھ کھاؤ گے اور کھانے کے بعد پیچھے بچ جانے والے پھل درختوں پر صبح سلامت باقی رہیں گے اور وہ درخت ہمیشہ پھلوں سے آراستہ رہیں گے اور حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے کہ جنتی آدمی جنت میں جس جگہ سے پھل توڑ کر کھائے گا تو اس جگہ قدرت خدا سے اس کی مثل اور پھل اُگ آئے گا۔

إِنَّ الْمَجْرِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّهِينٍ ۖ لَا يَفْتُرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ
مُبْلِسُونَ ﴿٤٥﴾ وَمَا ظَلَمْتُمْ وَلَكِنْ كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ ﴿٤٦﴾ وَنَادُوا إِلَيْكَ لِيَقْضِ عَلَيْنَا
رَبِّكَ ط قَالَ إِنَّكُمْ مِكْرُونَ ﴿٤٧﴾ لَقَدْ جُنْتُمْ بِالْحَقِّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ
كِرْهُونَ ﴿٤٨﴾ أَمْ أَبْرَمُوا أَمْراً فَإِنَّا مَبْرُمُونَ ﴿٤٩﴾ أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سُرَّتْهُمْ
وَنَجْوَاهُمْ ط بَلَىٰ وَرُسُلْنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُمُونَ ﴿٥٠﴾

بے شک مجرم لوگ دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ مبتلا رہیں گے ○ وہ ان سے کم نہیں کیا جائے گا اور وہ اس میں ناامید رہیں گے ○ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ظالم تھے ○ وہ پکاریں گے: اے مالک! (دوزخ کے نگران فرشتے!) چاہیے کہ تمہارا پروردگار ہم پر موت وارد کر دے وہ کہے گا: بے شک تم ہمیشہ ٹھہرنے والے ہو ○ بے شک ہم تمہارے پاس حق

لائے تھے لیکن تمہارے اکثر لوگ حق کو ناپسند کرنے والے تھے ○ کیا انہوں نے کوئی پکا فیصلہ کر لیا ہے سو بے شک ہم مضبوط فیصلہ کرنے والے ہیں ○ کیا وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کی راز کی باتوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو نہیں سنتے کیوں نہیں! (بلکہ ہم سنتے ہیں) اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کے پاس لکھتے رہتے ہیں ○

۷۴- ﴿إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابٍ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ﴾ بے شک مجرم و گناہ گار لوگ دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے [بخالدون "ایک خبر" فی عذاب جہنم کے بعد دوسری خبر ہے]۔

۷۵- ﴿لَا يَفْتَرُ عَنْهُمْ﴾ ان سے عذاب کم نہیں کیا جائے گا یعنی ان مجرموں کا عذاب نہ ہلکا کیا جائے گا اور نہ کم کیا جائے گا [یہ اور خبر ہے] ﴿وَهُمْ فِيهَا مُبْلِسُونَ﴾ اور وہ اس عذاب میں نجات سے نایوس و ناامید اور حیران و پریشان رہیں گے۔

۷۶- ﴿وَمَا ظَلَمْتُمْ وَلَكِن كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ﴾ اور ہم نے ان کو عذاب میں مبتلا کر کے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود گناہوں اور نافرمانیوں اور کفر و شرک کے سبب ظالم تھے [ہم "مبتدا ہے اور خبر کے درمیان فاصلہ کے لیے آئی ہے]۔

۷۷- ﴿وَنَادُوا إِلَيْكَ﴾ اور کفار (دوزخ میں) پکاریں گے: اے مالک (یعنی) جب کفار عذاب کے کم ہونے اور اس کے وقفے سے نایوس اور ناامید ہو جائیں گے تو پکار کر کہیں گے: اے مالک اور یہ مالک دوزخ کا نگران فرشتہ ہے اور حضرت

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عرض کیا گیا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو "يَا مَالٍ" (کاف کو گرا کر) پڑھا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اہل دوزخ کو ترخیم (نام سے آخری حرف کو گرانے جیسے "مَالِكٌ" کو "مَالٍ" پڑھنے) سے

کس نے غافل کر دیا ﴿لِيَقْضَىٰ عَلَيْكَ﴾ چاہیے کہ تمہارا پروردگار ہم پر موت کا فیصلہ کر دے (یعنی) ہمیں موت دے دے یہ "قضیٰ علیہ" سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی کسی پر موت طاری کر دے یعنی مار دے چنانچہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "فَوَكَزَهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ" (القصص: ۱۵) "سو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطنی کو مکارا تو اس پر موت واقع ہو گئی" اور معنی یہ ہے کہ اے مالک! تم اپنے رب تعالیٰ سے درخواست کرو کہ وہ ہم پر موت طاری کر دے

﴿قَالَ إِنَّكُمْ مُّكْشُونَ﴾ وہ فرشتہ جواب میں کہے گا: بے شک تم ہمیشہ عذاب میں ٹھہرے رہو گے اور تم اس عذاب سے نہ تو موت کے ذریعے نجات حاصل کر سکتے ہو اور نہ عذاب کے کم اور ہلکا ہونے سے چھٹکارا پا سکتے ہو۔

۷۸- ﴿لَقَدْ جِئْتَكُمْ بِالْحَقِّ﴾ بے شک ہم تمہارے پاس حق لائے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور واجب و ضروری ہے کہ "قَالَ" کی ضمیر اللہ تعالیٰ کے لیے ہو (یعنی) جب کفار نے مالک فرشتے سے سوال کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے درخواست

کریں کہ اللہ تعالیٰ ان پر موت واقع کر دے تاکہ ان کی عذاب سے جان چھوٹ جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں خود ان کو یہ جواب دیا کہ ہم تو تمہارے پاس حق لائے تھے لیکن تمہارے اکثر لوگوں نے اسے ناپسند کر کے کفر اختیار کر لیا اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ کلام مالک کے کلام سے متصل ہے (اس لیے "قَالَ" کی ضمیر مالک کی طرف لوٹتی ہے) اور "جئناکم"

سے مراد فرشتے ہیں یعنی فرشتوں نے کہا: ہم تمہارے پاس حق لائے تھے کیونکہ فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے اور اس کے قاصد ہوتے ہیں اور مالک بھی انہی میں سے ہے ﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كِرْهُونَ﴾ اور لیکن تمہارے اکثر لوگوں نے حق

کو ناپسند کیا اور تم نے اسے قبول نہ کیا اور تم نے اس سے نفرت کی کیونکہ باطل کے ساتھ رغبت و کشش ہوتی ہے اور حق کے ساتھ مشقت اٹھانا اور محنت کرنا ہوتی ہے۔

۷۹- ﴿أَمْ أَمْرًا مِّمَّا﴾ کیا انہوں نے کوئی پکا ارادہ کر لیا ہے (یعنی) کیا مشرکین مکہ نے پختہ اور مضبوط فیصلہ کر لیا ہے ﴿أَمْ أَمْرًا﴾ (سید عالم حضرت) محمد ﷺ کے ساتھ مکر و فریب کرنے اور ان کے خلاف سازش کرنے کا ﴿فَأَنَّا مَبْرُؤُونَ﴾ سو

بے شک ہم نے ان کے خلاف اپنی خفیہ تدبیر اور اپنے مخفی منصوبے کا پختہ اور مضبوط ارادہ کر لیا ہے جیسا کہ انہوں نے ہمارے محبوب کے خلاف اپنی سازش کا پکا ارادہ کر لیا ہے۔

شانِ نزول: کفار مکہ دارالندوہ (میٹنگ روم) میں جمع ہو کر رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ایک دوسرے سے مشورے کرتے اور سرگوشیاں کرتے اور آپ کے خلاف سازش تیار کرتے تھے جس پر (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی کہ

۸۰۔ ﴿أَمْ يَحْسِبُونَ أَنَا لَأَنسَمِعَ بِسِرِّهِمْ﴾ کیا کفار مکہ یہ خیال اور گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ یعنی ان کی دلوں کی باتوں کو نہیں جانتے ﴿وَفِيهِمْ﴾ اور ان کی وہ باتیں جو وہ دوسروں سے چھپ چھپا کر آپس میں بطور مشورہ کرتے ہیں ان کو ہم نہیں جانتے ﴿بَلَى﴾ کیوں نہیں! بلکہ ہم ان کی تمام باتوں کو خوب سنتے ہیں اور ہم ان کی تمام باتوں کو خوب جانتے ہیں ﴿وَرُسُلَنَا الَّذِينَ يَكْتُمُونَ﴾ اور ہمارے محافظ فرشتے جو ان کے پاس ہوتے ہیں وہ یہ سب کچھ لکھ لیتے ہیں حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جس شخص نے لوگوں سے اپنے گناہوں کو تو چھپایا لیکن اس نے اس ذات پاک کے سامنے انہیں ظاہر کیا جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی تو اس شخص نے یقیناً اسے تمام دیکھنے والوں سے ہلکا اور کمزور قرار دیا اور یہ عمل نفاق کی علامات میں سے ہے۔

قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ ۖ فَأَنَا أَوَّلُ الْعِبْدِينَ ﴿۸۱﴾ سُبْحَانَ رَبِّ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۸۲﴾ قَدَرَهُمْ خَوْضًا وَّيَلْبَعُوبًا حَتَّى يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ
الَّذِي يُوْعَدُونَ ﴿۸۳﴾ وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌُ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌُ وَهُوَ الْحَكِيمُ
الْعَلِيمُ ﴿۸۴﴾ وَتَبَارَكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهُ
عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۸۵﴾

(اے محبوب!) فرمادیجئے کہ اگر (بافرض) اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کرنے والا ہوتا O آسمانوں اور زمین کا مالک عرش کا مالک ان تمام باتوں سے پاک ہے جو لوگ بیان کرتے ہیں O سو آپ انہیں چھوڑ دیں وہ بے ہودہ باتیں کریں اور کھیلیں یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن کو پالیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے O اور وہی ہے جو آسمانوں میں معبود ہے اور زمین میں معبود ہے اور وہ سب سے بڑا حکمت والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے O اور بڑا برکت والا ہے وہ جس کے لیے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے (سب) کی بادشاہی ہے اور قیامت کا علم اسی کے پاس ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O

اللہ تعالیٰ سے اولاد کی نفی اور تقدس و قدرت کا ثبوت اور کفار کی مذمت

۸۱۔ ﴿قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے: اگر (بفرض حال) رحمن کے لیے بیٹا ہوتا اور یہ پختہ دلیل سے صحیح ثابت ہو جاتا ﴿فَأَنَا أَوَّلُ الْعِبْدِينَ﴾ تو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کرتا (یعنی) سب سے پہلے میں اس بیٹے کی تعظیم بجالاتا اور تم سب سے پہلے میں اس کی عبادت و اطاعت اور فرماں برداری اختیار کر لیتا جیسا کہ باپ کی

تعظیم کی وجہ سے بادشاہ کے بیٹے کی لوگ تعظیم کرتے ہیں اور یہ کلام صرف بطور فرض وارد ہوا ہے اور اس سے اولاد کی نفی کرنا مراد ہے اور یہ اس لیے کہ عبادت کو بیٹے کے ہونے کے ساتھ معلق و مقید کیا گیا ہے اور وہ بذات خود محال ہے تو جو اس کے ساتھ معلق ہوگا وہ بھی اسی کی طرح محال ہوگا اور اس کی نظیر حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ ارشاد ہے جو آپ نے حجاج بن یوسف ثقفی سے فرمایا تھا چنانچہ جب حجاج بن یوسف نے حضرت سعید بن جبیر سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں تجھے دنیا کے بدلے آگ میں جلا دوں گا جس میں تو جل کر خاکستر ہو جائے گا حضرت سعید نے جواب میں فرمایا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ تیرے اختیار میں ہے تو میں تیرے سوا کسی معبود کی عبادت نہ کرتا۔

اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ اگر تمہارے گمان میں اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہے تو سب سے پہلے میں توحید کا اعلان کرنے والا ہوں کہ اللہ تعالیٰ واحد و یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت والے تمہارے قول کی سب سے پہلے میں تکذیب کرنے والا ہوں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تمہارے گمان میں اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہے تو سب سے پہلے میں اس کے لیے اولاد ہونے کا انکار کرنے والا ہوں [”عابدین“، ”عَبَدٌ يَعْبُدُ“ (باب سمع - سمع) سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: سخت غضب ناک ہو کر نفرت و انکار کرنا اور ”عَبْدٌ“ اور ”عابد“ آتا ہے اور ایک قراءت میں ”العبدین“ بغیر الف کے پڑھا گیا ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ میں حرف ”اِنْ“ نافیہ ہے یعنی رحمن کے لیے کوئی بیٹا نہیں ہے سوسب سے پہلے میں یہ کہنے والا ہوں اور سب سے پہلے میں اس کو واحد لا شریک ماننے والا ہوں]۔

شان نزول: اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ نضر بن حارث نے کہا تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں جس کی تردید میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور نضر کہنے لگا: کیا تم دیکھتے نہیں کہ قرآن نے میری تصدیق کر دی ہے ولید نے اس سے کہا کہ تیری تصدیق نہیں کی گئی بلکہ یہ فرمایا گیا ہے کہ رحمن کی کوئی اولاد نہیں اور میں اہل مکہ میں سے سب سے پہلا موحد ہوں اور یہ اعلان کرنے والا ہوں کہ اس کی اولاد نہیں ہے [اور حمزہ کوئی اور علی کسائی کی قراءت میں ”وَلَدٌ“ (واو مضموم لام ساکن) ہے] پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اقدس کو اپنے لیے اولاد بنانے سے پاک و منزہ اور مبرا بیان فرمایا چنانچہ ارشاد فرمایا:

۸۲- ﴿بِسْمِ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ آسمانوں اور زمین کا مالک (اور) عرش کا مالک ان تمام عیبوں سے پاک ہے جو یہ مشرکین مکہ بیان کرتے ہیں یعنی وہی (اللہ تعالیٰ) تمام آسمانوں اور زمین اور عرش کا مالک ہے سو وہ جسم نہیں کیونکہ اگر وہ جسم ہوتا تو وہ اس کے پیدا کرنے پر قادر نہ ہوتا اور جب وہ جسم نہیں ہے تو اس کے لیے اولاد بھی نہیں ہے کیونکہ تو والد (اولاد کا ہونا) اجسام کی صفت ہے۔

۸۳- ﴿فَلَا تَزِمُوْهُمۡ يٰۤاَهۡلَ الْاَرْضِ وَلَا تَتَّبِعُوْهُمۡ﴾ سو آپ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں کہ باطل اور بے ہودہ کاموں میں مشغول رہیں ﴿وَلْيَتَّبِعُوْا﴾ اور وہ دنیا کے معاملات میں کھیلیں ﴿حَتّٰی يَلْقَوۡا يَوْمَہُمۡ الَّذِیۡ يُوْعَدُوْنَ﴾ یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن کو پالیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے یعنی قیامت کا دن اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں وہ جہالت و نادانی اور لہو و لعب اور باطل و بے ہودہ نظریات کی وجہ سے کہتے ہیں۔

۸۴- ﴿وَهُوَ الَّذِیۡ فِی السَّمَآءِ اِلٰہٌ وَّ فِی الْاَرْضِ اِلٰہٌ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو آسمان میں بھی معبود برحق ہے اور زمین میں بھی معبود برحق ہے [اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک وصف کے معنی پر مشتمل ہے سو اس لیے ارشاد باری تعالیٰ ”فِی السَّمَآءِ“

اور ”فی الارض“ میں طرف اس کے ساتھ معلق کیا گیا ہے جیسے تم کہو: ”ہو حاتم فی طی و حاتم فی تغلب“ اس بناء پر کہ حاتم جواد کے معنی پر مشتمل ہے جس کے ساتھ وہ مشہور و معروف ہو چکا ہے، گویا تم نے کہا: ”ہو جواد فی طی و جواد فی تغلب“ اور ”وہو الذی فی السماء اللہ و فی الارض اللہ“ بھی پڑھا گیا ہے اور اس کی مثل یہ ارشاد ہے کہ ”وہو اللہ فی السموات و فی الارض“ (الانعام: ۳) اور وہی اللہ تعالیٰ آسمانوں میں بھی ہے اور زمین میں بھی ہے، گویا یہ اسم مبارک (یعنی اللہ تعالیٰ) معبود کے معنی کو متضمن ہے اور موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے تاکہ کلام طویل نہ ہو جائے جیسا کہ عرب کا قول ہے: ”ما انا بالذی قائل لك شیئا“ اور تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ ”(ہو الذی) ہو (فی السماء اللہ)“ اور ”اللہ“ ابتداء کی بناء پر مرفوع نہیں ہے اور ”فی السماء“ خبر ہے کیونکہ اس وقت صلہ ایسی لوٹنے والی ضمیر سے خالی ہے جو موصول کی طرف لوٹی ہے [وہو الحکیم] اور وہ اپنے تمام اقوال اور اپنے تمام افعال میں بڑا حکمت والا ہے ﴿العلیٰ﴾ جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے وہ ان تمام کو خوب جانتا ہے۔

۸۵ - ﴿وَتَبَرَّكَ الَّذِیْ لَکَ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَعِنْدَکَ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ اور وہ بہت بڑا برکت والا ہے جس کے لیے آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے سب پر بادشاہی ہے اور اسی کے پاس ہے قیامت کا علم یعنی قیامت کے قائم ہونے اور واقع ہونے کا علم ﴿وَالَّذِیْ تَرْجَعُوْنَ﴾ اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے [ابن کثیر مکی، حمزہ کوئی اور علی کسائی کی قراءت میں ”یَرْجَعُوْنَ“ (”یا“ کے ساتھ) پڑھا جاتا ہے]۔

وَلَا یَبْلُکُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ الشَّفَاعَةِ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ

یَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَیْنِ سَأَلْتُمْ مَنْ خَلَقَکُمْ لَیَقُوْلَنَّ اللّٰهُ فَاَنْتَی یُوْفِکُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقِیْلَہٗ

یَا رَبِّ اِنْ هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ لَّا یُوْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ فَاَصْفَحْ عَنْہُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے مگر وہ شفاعت کا اختیار رکھتے ہیں جو حق کی گواہی دیں اور وہ جانتے ہوں O اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے (پیدا کیا) پھر وہ کیسے بہکائے جاتے ہیں O اور اس کے اس قول کی قسم کہ اے میرے پروردگار! بے شک یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے O سو ان سے درگزر کیجئے اور فرما دیجئے کہ بس سلام ہو، عنقریب وہ جان لیں گے O

۸۶ - ﴿وَلَا یَبْلُکُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ الشَّفَاعَةِ﴾ اور وہ لوگ اس کے سوا جن کی عبادت کرتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے یعنی کفار مکہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن بتوں کی عبادت و پرستش کرتے ہیں وہ ان کی شفاعت کا کوئی اختیار نہیں رکھتے جیسا کہ انہوں نے ان کے بارے میں گمان کر رکھا ہے کہ ان کے بت قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی شفاعت کریں گے ﴿اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ﴾ مگر جو حق کی گواہی دیں یعنی لیکن جو کلمہ توحید کی گواہی دیتے ہیں ﴿وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ﴾ اور وہ یہ جانتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی ان کا حقیقی اور سچا مالک و پروردگار ہے اور وہ اس پر یقین رکھتے ہیں یہ ہیں وہ جو شفاعت کا اختیار رکھتے ہیں [اور یہ استثناء منقطع ہے یا پھر متصل ہے کیونکہ کفار اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہیں ان میں فرشتے بھی داخل ہیں]۔

۸۷ - ﴿وَلَیْنِ سَأَلْتُمْ﴾ اور (اے محبوب!) اگر آپ ان سے سوال کریں یعنی اگر آپ مشرکین سے یہ پوچھیں کہ ﴿مَنْ

خَلَقْتُمْ لِيُقُولَنَّ اللَّهُ ﴿۸۸﴾ ان کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ تعالیٰ نے (پیدا کیا) نہ انہیں بتوں نے پیدا کیا اور نہ فرشتوں نے ﴿فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾ تو وہ کہاں پھرے جا رہے ہیں (یعنی) وہ لوگ اس اقرار کے باوجود کیسے اور کیونکر توحید سے روگردانی کرتے ہیں۔

۸۸- ﴿وَقِيلِهِ﴾ [امام عاصم اور حمزہ کوئی کی قراءت میں جر کے ساتھ (لام کے نیچے زیر) پڑھا گیا ہے] یعنی اسی (اللہ تعالیٰ) کے پاس ہے قیامت کا علم اور اس کے محبوب کے اس کہنے کا علم کہ ﴿يَا رَبِّ إِنَّ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ اے میرے پروردگار! بے شک یہ لوگ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے [اور] قیلہ "ہا" ضمیر (سرور کائنات مقرر موجودات حضرت سیدنا) محمد (مصطفیٰ ﷺ) کی طرف لوٹی ہے کیونکہ ان کا ذکر مبارک اس آیت کریمہ "قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ" (الزخرف: ۸۱) میں پہلے گزر چکا ہے اور باقیوں کے نزدیک "الساعة" کے محل پر معطوف ہونے کی بناء پر "وقيلہ" منصوب ہے یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کو بھی جانتا ہے اور اپنے محبوب کے قول کو بھی جانتا ہے یعنی سید عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے "یا رب" کہنے کو بھی جانتا ہے اور "القول" اور "القال" اور "المقال" سب ایک ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ "وقيلہ" کی جر اور نصب حرف قسم کے مضمرا اور محذوف ہونے کی بناء پر ہو اور قسم کا جواب "إِنَّ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُونَ" ہے [گویا فرمایا گیا ہے: اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے اس کہنے کی قسم فرمائی کہ اے میرے پروردگار! بے شک یہ لوگ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے محبوب کے کہنے کی قسم فرمانا اپنے محبوب کے قول کی رفعت و بلندی اور ان کی دعا کی تعظیم و توقیر اور اس سے التجاء کرنے کے اظہار کے لیے ہے۔

۸۹- ﴿فَاصْفُرْ خَتَمَكُمْ﴾ سو (اے محبوب!) آپ ان سے درگزر کیجئے اور ان کے ایمان سے ناامید ہو کر ان کو دعوت حق دینے سے اعراض فرمائیجئے اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے اور ان کو ترک کر دیجئے ﴿وَقُلْ سَلَامٌ﴾ اور آپ ان سے فرما دیجئے کہ سلام یعنی میں تم سے سلامتی کا طالب ہوں اور تم سے متارکت و بے زاری چاہتا ہوں ﴿فَوَيْفَ يَعْطُونَ﴾ سو عنقریب وہ جان جائیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے وعید (دھمکی) ہے اور اپنے محترم و مکرم رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے تسلی و تشفی ہے [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "تا" کے ساتھ "تعلمون" ہے]۔

وَاللَّهُ
عَلِيمٌ خَبِيرٌ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ الدَّخَانِ
الْحَمْدُ لِلَّهِ

سورۃ الدخان کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی اہمتر آیات تین رکوع ہیں

حَمْدٌ ۱ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۲ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبْرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ ۳ فِيهَا

يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيمٍ ۴ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۵ رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ ۶

اِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۷ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ

مُوقِنِينَ ۸ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ الْاَوْلٰئِن ۹ بَلْ

هُمْ فِي شَكٍّ يَلْعَبُونَ ۱۰

حَمْ اس روشن کتاب کی قسم O بے شک ہم نے اسے بڑی برکت والی رات میں نازل کیا بے شک ہم ڈر سنانے والے ہیں O اس (رات) میں ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے O ہر حکم ہماری طرف سے صادر ہوتا ہے بے شک ہم بھیجنے والے ہیں O آپ کے پروردگار کی طرف سے رحمت بے شک وہی سب کچھ سننے والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے O وہ مالک ہے تمام آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو O کوئی عبادت کے لائق نہیں مگر وہی وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے تمہارا پروردگار ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا پروردگار ہے O بلکہ وہ تو شک و شبہ میں پڑے کھیل رہے ہیں O

نزول قرآن اور شب براءت کی برکت و فضیلت کا بیان

نوٹ: سورۃ الدخان کی ہے اور اس کی انسٹھ (۵۹) آیات ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اس سورت کو جمعۃ المبارک کی رات پڑھے گا وہ جب صبح اٹھے گا تو بخشتا ہوا ہوگا۔
 ۱ تا ۳- ﴿حَمْ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ﴾ واضح اور روشن کتاب کی قسم یعنی قرآن مجید کی قسم [اور "والکتاب" میں واو قسمیہ ہے اگر "حَمْ" کو حروف کے لیے تعدید یا سورت کا نام اور مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع قرار دیا جائے اور یہ واو عطف کی ہوگی اگر "حَمْ" کو مقسم بہا قرار دیا جائے اور قسم کا جواب (درج ذیل) آیت کو قرار دیا جائے] یعنی ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَرَّكَةٍ﴾ بے شک ہم نے اس کو بابرکت رات میں نازل فرمایا ہے یعنی شب قدر یا شعبان کی نصف (پندرہویں) رات مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ شب قدر اور نصف شعبان کے درمیان چالیس راتوں کا فاصلہ ہے اور جمہور علمائے اسلام پہلے قول پر متفق ہیں کہ "لیلة مبارکة" سے لیلۃ القدر مراد ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ" واضح رہے کہ شب قدر کی برکت و فضیلت ان شاء العزیز سورۃ القدر میں بیان کی جائے گی اور یہاں صرف شب براءت (پندرہویں شعبان) کی برکت و فضیلت بیان کی جاتی ہے چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

(۱) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اذ كانت لیلۃ النصف من شعبان فقوموا لیلہا و صوموا نہارہا" جب شعبان کی پندرہویں رات ہو تو تم اس رات کو عبادت کرو اس کے دن میں روزہ رکھو کیونکہ اس رات میں سورج کے غروب ہوتے ہی اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے پھر ارشاد ہوتا ہے: سن لو! کوئی ہے بخشش طلب کرنے والا سو میں اسے بخش دوں! سنو! کوئی ہے رزق طلب کرنے والا سو میں اسے رزق عطا کر دوں! سنو! کوئی ہے مصیبت زدہ سو میں اسے عافیت عطا کر دوں! خبردار! کوئی ہے اس طرح خبردار! کوئی ہے اس طرح یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔

(ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۸۸، شعب الایمان للبیہقی رقم الحدیث: ۳۸۳۶)

(۲) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک رات میں نے رسول اللہ ﷺ کو (بستر سے) گم پایا چنانچہ میں آپ کو تلاش کرنے کے لیے باہر نکلی تو دیکھا کہ آپ جنت البقیع کے قبرستان میں اپنے سر مبارک کو آسمان کی طرف اٹھا کر دعا مانگ رہے ہیں سو آپ نے (مجھے دیکھ کر) فرمایا: کیا تمہیں یہ خوف تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تم پر ظلم کریں گے؟ میں نے عرض کیا کہ ایسی کوئی بات نہیں لیکن میں نے یہ خیال کیا تھا کہ آپ شاید اپنی کسی دوسری بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہیں آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ عزوجل شعبان کی پندرہویں رات آسمان دنیا کی طرف (اپنی شان کے مطابق) نزول فرماتا ہے اور قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے زیادہ لوگوں کی مغفرت و بخشش فرماتا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۳۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۸۹، ابن ابی شیبہ بیہقی) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لَيْلَةَ الْقَدْرِ (القدر: ۱) ”بے شک ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کرنا شروع کیا“ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ”شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ“ (البقرہ: ۱۸۵) ”رمضان المبارک کا مہینہ وہی ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا ہے“ اور اکثر اقوال کے مطابق شب قدر ماہ رمضان میں آتی ہے پھر مفسرین کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے پورا قرآن مجید بے یک وقت لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف (بیت العزۃ میں) نازل فرمایا پھر بعد ازاں حضرت جبریل علیہ السلام ضرورت و حاجت کے وقت اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر تھوڑا تھوڑا کر کے (تقریباً تیس سال کے عرصہ میں) نازل کرتے رہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ قرآن مجید کے نزول کا آغاز شب قدر میں ہوا تھا اور مبارک کہ کا مطلب ہے: بہت زیادہ خیر و برکت کیونکہ اس رات میں بہت زیادہ خیر و برکت کا نزول ہوتا ہے اور دعائیں قبول ہوتی ہیں اور اگر اس رات میں قرآن مجید کے نزول کے ماسوا اور کچھ بھی نہ پایا جاتا تو اکیلا قرآن کا نزول ہی اس رات کی خیر و برکت کے لیے کافی تھا ﴿إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ﴾ بے شک ہم (اس قرآن کے ذریعے) ڈرسانے والے ہیں۔

۴- ﴿فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ﴾ اس رات میں ہر حکمت والا کام تقسیم کیا جاتا ہے [اور یہ دونوں جملے ”إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ“ اور ”فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ“ الگ مستقل جملے ہیں، لف و نشر کے طور پر بیان کیے گئے ہیں ان دونوں کی تفسیر و توضیح

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۳) حضرت عبداللہ ابن عمر و ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شعبان کی نصف (پندرہویں) رات میں اپنے تمام بندوں کی طرف خصوصی توجہ فرماتا ہے اور ماسوا آدمیوں کے تمام کو بخش دیتا ہے ایک بغض و کینہ رکھنے والا آدمی اور دوسرا قاتل آدمی۔ (مسند امام احمد بن حنبل)

(۴) حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں بیان فرمایا کہ یہ نصف شعبان کی رات ہے اس میں ایک سال میں ہونے والے معاملات کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور اس سال مرنے والے زندوں کے نام مردوں میں لکھ دیئے جاتے ہیں اور حج کرنے والوں کے نام لکھ دیئے جاتے ہیں پھر اس میں نہ کوئی زیادتی ہوتی ہے اور نہ کوئی کمی ہوتی ہے۔

(۵) حضرت عثمان بن محمد بن مغیرہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس رات میں ایک شعبان سے دوسرے شعبان تک مرنے والے لوگوں کی زندگیوں کی مدت منقطع کر دی جاتی ہے یہاں تک کہ ایک آدمی نکاح کرتا ہے اور اس کی اولاد ہوتی ہے حالانکہ اس کا نام مردوں میں لکھا ہوا ہوتا ہے۔

(۶) حضرت راشد بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے نصف شعبان کی رات کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سال جس بندے کی روح قبض کرنا چاہتا ہے ملک الموت کو اس رات ان کی روحیں قبض کرنے کا حکم دے دیتا ہے۔

(۷) بعض اہل علم حضرات نے بیان کیا کہ لوح محفوظ سے ہر حکمت والے کام کے نقل کا آغاز شب براءت میں ہوتا ہے اور اس سے فراغت شب قدر میں ہوتی ہے پھر رزقوں کا تحریر نامہ حضرت میکائیل علیہ السلام کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور جنگوں کا تحریر نامہ اور اسی طرح زلزلوں اور بجلیوں کے گرانے اور زمین میں دھنسانے کا تحریر نامہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور اعمال کا تحریر نامہ حضرت اسرافیل علیہ السلام آسمان دنیا کے فرشتے کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور یہ بہت بڑا فرشتہ ہے اور مصائب کا تحریر نامہ ملک الموت کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔

(۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات میں تمام معاملات کے فیصلے فرما دیتا ہے پھر ماہ رمضان کی شانسیسویں رات (شب قدر) میں ان فیصلوں کو ان کے متعلقہ اصحاب کے سپرد کر دیتا ہے۔

(تفسیر روح المعانی الجزء الخامس والعشرون ص ۱۱۱-۱۱۳، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

جواب قسم کر رہا ہے [گویا فرمایا گیا ہے کہ بے شک اس کتاب کو ہم نے نازل کیا ہے کیونکہ ڈرانا یعنی عذاب سے ڈرانا ہماری شان سے ہے اور اسی طرح ہم نے اس کتاب کو اس مخصوص رات میں نازل کیا ہے کیونکہ قرآن مجید کو نازل کرنا حکمت والے امور میں سے ہے اور اس رات میں ہر حکمت والا کام تقسیم کیا جاتا ہے اور ”یُفْرَقُ“ کا معنی ہے: بانٹا جاتا ہے اور الگ الگ کیا جاتا ہے اور لکھا جاتا ہے اور ”كُلُّ أَمْرٍ“ سے بندوں کے رزق اور ان کی زندگیوں کی مدتیں اور ان کے دیگر تمام امور مراد ہیں وہ سب امور اس رات میں لکھ دیئے جاتے ہیں اور ”حَكِيمٌ“ سے حکمت والا کام مراد ہے [یعنی مفعول ہے جیسا کہ حکمت اس کا تقاضا کرتی ہے اور یہ مجازی اسناد ہے کیونکہ ”حکیم“ اصل میں صاحب امر کی صفت ہے اور امر کو اس کے ساتھ بطور مجاز موصوف کیا گیا ہے]۔

۵- ﴿أَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا﴾ ہر حکمت والا کام ہماری طرف سے اور ہمارے حکم سے جاری ہوتا ہے [اور ”امراً“ کا منصوب ہونا اختصاص کی بناء پر ہے] گویا ہر امر کو بہت بڑا حصہ قرار دیا گیا ہے اس لیے کہ اس کو ”حکیم“ کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے پھر اس کی عظمت و اہمیت میں اضافہ کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ یہ ہر حکمت والا کام ہماری طرف سے حاصل ہونے والے حکم سے جاری ہوتا ہے جیسا ہمارا علم اور ہمارا منصوبہ اس کا تقاضا کرتا ہے ﴿إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ﴾ بے شک ہم (اے محبوب! آپ کے رب تعالیٰ کی رحمت کو بھیجنے والے ہیں) [یہ سابق ”إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ“ (الدخان: ۳) سے بدل واقع ہو رہا ہے]۔

۶- ﴿رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ﴾ آپ کے رب تعالیٰ کی رحمت [یہ مفعول لہ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک یہ قرآن ہم نے نازل کیا ہے کیونکہ ہماری شان اور ہماری عادت کریمہ یہ ہے کہ ہم اپنے بندوں کی طرف رسولوں کو کتابوں کے ساتھ بھیجتے ہیں اس کی وجہ اور سبب محض ان پر رحمت و مہربانی ہے یا یہ ارشاد باری تعالیٰ ”أَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا“ کی علت ہے اور ”رَحْمَةً“ مفعول بہ ہے اور رحمت کو ارسال (بھیجنے) کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جیسا کہ (درج ذیل) ارشاد میں رحمت کو ارسال کے ساتھ بیان کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا: ”وَمَا يُمْسِكُ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِن بَعْدِهِ“ (الفاطر: ۲) ”اور جب اللہ تعالیٰ رحمت کو روک دے تو اس کے بعد اسے کوئی بھیجنے والا نہیں“ اور اصل میں ”إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ رَحْمَةً مِنَّا“ ہے یعنی بے شک ہم اپنی طرف سے رحمت بھیجنے والے ہیں پھر اسم ظاہر ”مِن رَّبِّكَ“ کو ضمیر ”مِنَّا“ کی جگہ رکھ دیا گیا ہے یہ محض اس بات سے آگاہ کرنے کے لیے کیا گیا ہے کہ ربوبیت پلنے والوں پر رحمت کرنے کا تقاضا کرتی ہے [﴿إِنَّكَ هُوَ السَّمِيعُ﴾ بے شک وہ (اللہ تعالیٰ) ان کے تمام اقوال کو خوب سننے والا ہے ﴿الْعَلِيمُ﴾ ان کے تمام احوال کو خوب جاننے والا ہے۔

۷- ﴿رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ مُّوقِنِينَ﴾ آسمانوں اور زمین کا اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے سب کا مالک ہے اگر تم یقین رکھتے ہو [”رَبِّ“ اہل کوفہ کے نزدیک ”مِن رَّبِّكَ“ سے بدل ہونے کی بناء پر مجرور ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک (مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر) مرفوع ہے یعنی اصل میں ”هُوَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ“ ہے] اور شرط ”ان کنتم موقنین“ کا معنی یہ ہے کہ کفار مکہ اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ آسمانوں اور زمین کا مالک و خالق رب تعالیٰ ہے پس ان سے کہا گیا کہ بے شک رسولوں کا بھیجنا اور کتابوں کا نازل کرنا رب تعالیٰ کی طرف سے سراسر رحمت و مہربانی ہے پھر کہا گیا: بے شک یہ رب تعالیٰ وہی ہے جو سب کے اقوال کو خوب سننے اور ان کے احوال کو خوب جاننے والا ہے جس کا تم اقرار کرتے ہو اور تم یہ اعتراف کرتے ہو کہ بے شک وہی آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے کا مالک ہے اگر تمہارا اقرار و اعتراف علم و یقین پر مبنی ہے جیسے تم کہو کہ بے شک یہ زید کا وہ انعام ہے جسے تم محض

اس کے فضل و کرم کی بناء پر لوگوں سے سن رہے ہو اگر تمہیں اس کی خبر پہنچ چکی ہے اور اس کا قصہ تم سے بیان کیا جا چکا ہے۔
۸۔ ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ﴾ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی عطا کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے ﴿رَبُّكُمْ﴾ ”اُمّی ہُو رَبُّكُمْ“ یعنی وہی تمہارا مالک و خالق اور تمہارا پروردگار ہے ﴿وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأُولِينَ﴾ اور تمہارے پہلے باپ دادا کا پروردگار ہے [اور یہ ”رَبُّكُمْ“ پر معطوف ہے] پھر اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کے اس عقیدہ کی تردید کر دی کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے خالق و مالک اور معبود برحق ہونے کا یقین ہے چنانچہ ارشاد فرمایا:

۹۔ ﴿بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ يَلْعَبُونَ﴾ بلکہ وہ شک میں پڑے کھیل رہے ہیں اور بے شک ان کا اقرار علم اور یقین کی بناء پر نہیں ہے بلکہ ان کا قول و اقرار تمسخر کرنے اور مذاق اڑانے اور کھیل تماشے سے مخلوط و آلودہ ہے۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝۱۱ يَغشى النَّاسُ هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۱۱
رَبَّنَا اكشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ۝۱۲ أَلَمْ نَكُ فِي الْأَرْضِ مَحْسُوبًا ۝۱۲ أَلَمْ نَكُ مِنَ الْمُسَلَّمِينَ ۝۱۲
رَسُولٌ مُّبِينٌ ۝۱۳ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَجْنُونٌ ۝۱۳ إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا
إِن كُمْ عَائِدُونَ ۝۱۴ يَوْمَ نَبُطِشُ الْبَطِشَةَ الْكُبْرَىٰ إِنَّا مُنتَقِمُونَ ۝۱۴

سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان ایک ظاہر دھواں لائے گا وہ لوگوں کو ڈھانپ لے گا یہ دردناک عذاب ہو گا اے ہمارے پروردگار! ہم سے اس عذاب کو دور کر دے بے شک ہم ایمان لانے والے ہیں ان کے لیے نصیحت ماننا کہاں ہے حالانکہ ان کے پاس صاف بیان کرنے والا رسول تشریف لا چکا ہے پھر انہوں نے اس سے روگردانی کی اور انہوں نے کہا کہ سکھایا ہوا دیوانہ ہے بے شک ہم تھوڑی مدت کے لیے اس عذاب کو دور کر دیں گے پھر تم پلٹ جاؤ گے جس دن ہم سب سے بڑی سخت گرفت میں پکڑیں گے بے شک ہم ضرور بدلہ لیں گے

مشرکین مکہ کا عذاب کو دیکھ کر ایمان لانے کا وعدہ کرنا

۱۰۔ ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ﴾ سو (اے محبوب!) آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان دھواں لائے گا یعنی قیامت کے دن سے پہلے آسمان سے ایک دھواں برآمد ہو گا جو کفار کے کانوں میں داخل ہو جائے گا یہاں تک کہ ایک شخص کا سر اس طرح ہو جائے گا جس طرح آگ میں بھونا ہوا سر ہوتا ہے اور وہ دھواں مسلمان پر اس طرح ظاری ہو گا جس طرح زکام ہو جاتا ہے اور اس روز تمام زمین جل کر راکھ ہو جانے والے گھر کی طرح ویران ہو جائے گی اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ قریش مکہ نے جب رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی اور ایمان لانے سے انکار کر دیا تو آپ نے ان کے خلاف دعائے ضرر فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں عرض کیا: اے اللہ! قبیلہ مضر پر سخت قحط سالی کے ذریعے ان کی سخت گرفت فرما اور انہیں سخت قحط سالی میں اس طرح مبتلا فرما جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں (سات سال مسلسل) قحط سالی پڑی تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور قحط سالی نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا یہاں تک کہ انہوں نے مردار اور اونٹوں کے گوبر میں خون ملا کر آگ پر پکا کر کھانا شروع کر دیا تھا اور ہر آدمی کو بھوک کی وجہ سے آسمان و زمین کے درمیان دھواں نظر آتا تھا اور وہ لوگ ایک دوسرے سے گفتگو کرتے وقت ایک دوسرے کا کلام تو سنتے تھے

مگر دھویں کی وجہ سے ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے تھے ﴿قَبِیْن﴾ وہ دھواں بالکل کھلم کھلا عیاں نظر آئے گا اس کا حال بالکل ظاہر ہوگا اور اس کے دھواں ہونے میں کسی کو شک و شبہ نہیں ہوگا۔

۱۱- ﴿یَغْشَى النَّاسَ ط﴾ وہ لوگوں کو ڈھانپ لے گا (یعنی) وہ انہیں ہر طرف سے گھیر لے گا اور لباس کی طرح ہر طرف سے ان کا احاطہ کر لے گا ﴿هَذَا عَذَابٌ أَلِیْمٌ﴾ یہ تو دردناک عذاب ہے [”یغشی الناس“ محلاً مجرور ہے کیونکہ یہ ”دخان“ کی صفت ہے اور ”هَذَا عَذَابٌ أَلِیْمٌ“ فعل مضمَر کی وجہ سے محلاً منصوب ہے اور وہ فعل ”یَقُولُوْنَ“ ہے اور خود ”یَقُولُوْنَ“ حال ہونے کی بناء پر محلاً منصوب ہے ”ای قَائِلِیْنَ ذَٰلِکَ“ یعنی وہ لوگ دھویں کو دیکھ کر یہی کہیں گے کہ یہ بڑا دردناک عذاب ہے نیز وہ یہ کہیں گے کہ]

۱۲- ﴿رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ﴾ اے ہمارے پروردگار! ہم سے عذاب دور کر دیجئے بے شک ہم ضرور ایمان لے آئیں گے یعنی اگر تو ہم سے عذاب کم کر دے گا تو عنقریب ہم ضرور ایمان قبول کر لیں گے۔

۱۳- ﴿أَنی لَکُمُ الذِّکْرٰی﴾ ان کے لیے نصیحت کہاں (یعنی) وہ لوگ کیسے نصیحت حاصل کر سکتے ہیں اور وہ لوگ عذاب کے کھل جانے کی صورت میں ایمان لانے کا وعدہ کیسے پورا کر سکتے ہیں ﴿وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِیْنٌ﴾ حالانکہ ان کے پاس تو واضح اور صاف صاف بیان کرنے والا رسول تشریف لا چکا ہے۔

۱۴- ﴿ثُمَّ تَوَلَّوْا عُنُقًا وَقَالُوا مَعَلَمٌ مُّجْتَمِعُونَ﴾ پھر انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روگردانی کی اور انہوں نے آپ سے منہ پھیر لیا اور انہوں نے کہا کہ یہ سکھایا ہوا دیوانہ ہے یعنی بے شک نصیحت کے وجوب میں دھواں کھلنے سے بہت بڑھ کر اور زیادہ موثر دلائل ان کے پاس آچکے ہیں اور یہ وہ معجزات اور قرآنی آیات وغیرہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو عطا کیے گئے لیکن ان لوگوں نے ان سے نصیحت حاصل نہیں کی بلکہ انہوں نے آپ سے منہ پھیر لیا اور انہوں نے آپ پر یہ الزام لگایا کہ قبیلہ ثقیف کا ایک عجمی غلام جس کا نام عداس ہے وہ آپ کو سب کچھ سکھاتا ہے اور انہوں نے آپ کو مجنون اور دیوانہ قرار دیا۔

۱۵- ﴿إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِیْلًا﴾ بے شک ہم اس عذاب کو تھوڑے عرصے کے لیے یا تھوڑا سا کھول دیں گے ﴿إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِیْلًا﴾ بے شک تم دوبارہ اسی کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے جس میں تم پہلے سے مبتلا تھے یا تم پھر عذاب کی طرف پلٹ جانے والے ہو۔

۱۶- ﴿یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطِشَةَ الْكُبْرٰی﴾ جس دن ہم بہت بڑی گرفت میں انہیں گرفتار کریں گے یہ قیامت کے دن ہو گا یا پھر غزوہ بدر کے دن ہوگا ﴿إِنَّا مُنْتَقِمُونَ﴾ بے شک ہم ضرور انتقام لے کر رہیں گے یعنی ہم اس دن ان سے ضرور انتقام اور بدلہ لیں گے [”یَوْمَ نَبْطِشُ“ ”أَذْکُرُ“ محذوف کی طرف سے منصوب ہے یا اس فعل کی وجہ سے منصوب ہے جس پر ”إِنَّا مُنْتَقِمُونَ“ دلالت کرتا ہے اور وہ ”نَنْتَقِمُ“ ہے ”منتقمون“ نہیں کیونکہ ”ان“ کا ما بعد اپنے ما قبل میں عمل نہیں کرتا]۔

وَلَقَدْ قَاتَبْنَا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِیْمٌ ۝۱۷ اِنْ اَدُّوْا اِلَیَّ عِبَادَ

اللّٰهِ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُولٌ اَمِیْنٌ ۝۱۸ وَاَنْ لَا تَعْلُوْا عَلٰی اللّٰهِ اِنِّیْ اِنِّیْ اَتِیْتُكُمْ بِسُلْطٰنٍ

مُبِیْنٍ ۝۱۹ وَاِنِّیْ عُدْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجِعُوْنَ ۝۲۰ وَاِنْ لَّمْ تُوْمِنُوْا لِیْ

فَاعْتَرِفُوا ۞ فَدَعَا رَبَّهُ أَنْ هُوَ لَكُمْ قَوْمٌ مَّجْرُمُونَ ۞

اور بے شک ہم نے ان سے پہلے فرعون کی قوم کو آزمایا اور ان کے پاس ایک معزز رسول تشریف لایا O کہ تم اللہ تعالیٰ کے بندوں کو میرے حوالے کر دو بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں O اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ پر سرکشی نہ کرو بے شک میں تمہارے پاس واضح دلیل لایا ہوں O اور بے شک میں اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کرو O اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو تم مجھ سے الگ ہو جاؤ O سو اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ بے شک یہ لوگ مجرم و گناہ گار قوم ہیں O

حضرت موسیٰ کی آمد اور فرعون کی آزمائش

۱۷۔ ﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ﴾ اور بے شک ہم نے ان سے پہلے فرعون کی قوم کو آزمایا یعنی ان مشرکین مکہ سے پہلے ہم نے فرعون کی قوم کو آزمایا تھا یعنی ہم نے ان کے ساتھ اس طرح معاملہ کیا تھا جس طرح آزمانے کے لیے ممتحن معاملہ کرتا ہے تاکہ ان کے باطن میں جو کچھ ہے وہ ظاہر ہو جائے ﴿وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ﴾ اور ان کے پاس ایک ایسا رسول تشریف لایا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں اور اس کے ایمان دار بندوں کے ہاں بڑا معزز و محترم ہے یا وہ بذات خود حسب و نسب کے اعتبار سے سب سے مکرم و برگزیدہ تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس کو بھی نبی بنا کر بھیجا وہ اپنی قوم میں حسب و نسب کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ اور برگزیدہ ہوتا تھا۔

۱۸۔ ﴿أَنْ أَدُّوا إِلَيَّ عِبَادَ اللَّهِ﴾ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے بندوں کو میرے سپرد کر دو [یہ ”اَنْ“ مفسرہ ہے] کیونکہ ان لوگوں کی طرف رسول کی آمد جن کی طرف اسے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے قول کے معنی کو متضمن ہے اس لیے کہ رسول ان کو خوش خبری دینے اور ڈرسانے اور اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والا بن کر آتا ہے یا پھر یہ ثقیلہ سے خفیفہ بنایا گیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے: اور وہ ان کے پاس اس شان اور اس فرمان کے ساتھ تشریف لایا کہ تم اللہ تعالیٰ کے بندوں کو میرے سپرد کر دو اور اس صورت میں ”عباد اللہ“ مفعول بہ ہوگا اور اس سے بنی اسرائیل مراد ہیں گویا اس رسول نے قوم فرعون کے پاس آ کر فرمایا کہ تم بنی اسرائیل کو میرے سپرد کر دو اور انہیں میرے ساتھ بھیج دو جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا تَعْلِبْهُمْ﴾ (ط: ۷۷) ”سو تم بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دو اور انہیں عذاب نہ دو“ اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ان کے لیے نداء ہو اس معنی پر کہ ”أَدُّوا إِلَيَّ يَا عِبَادَ اللَّهِ“ اے اللہ تعالیٰ کے بندو! میرا وہ حق ادا کرو جو میرے لیے تم پر واجب و لازم ہے اور وہ یہ کہ تم مجھ پر ایمان لاؤ اور میری دعوت کو قبول کرو اور میری بتائی ہوئی راہ پر چلو پھر اس رسول نے اس کی علت اور اس کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ﴾ بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں یعنی میں اپنی رسالت کی ادائیگی پر امانت دار ہوں اور میں سچا رسول ہوں تمہمت یافتہ نہیں ہوں۔

۱۹۔ ﴿وَأَنْ لَا تَعْلُوا عَلَيَّ﴾ اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ پر سرکشی نہ کرو یعنی تم اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس کی وحی کی اہانت کر کے اس پر بڑائی نہ چاہو یا یہ معنی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر پر تکبر و بڑائی نہ چاہو اور اس پر تکبر و سرکشی نہ کرو [یہ حرف ”اَنْ“ پہلے ”اَنْ اَدُّوا إِلَيَّ“ میں موجود حرف ”اَنْ“ کی طرح ہے اس میں بھی وہی وجوہات ہیں جو پہلے ”اَنْ“ میں تھیں] ﴿إِنِّي أَنْتُمْ بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ﴾ بے شک میں تمہارے پاس ایسی واضح اور روشن دلیل و سند لایا ہوں جو اس بات پر دلالت و رہبری کرتی ہے کہ میں یقیناً نبی اور پیغمبر ہوں۔

۲۰۔ ﴿وَإِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ أَنْ تَزْحُمُون﴾ اور بے شک میں اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کرو (یعنی) یہ کہ تم مجھے سنگسار کر کے قتل کر ڈالو اور اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بات پر بھروسہ کر کے اپنے مالک و پروردگار سے پناہ چاہی کہ وہ اسے فرعونوں سے اور ان کے مکرو فریب سے ضرور بچالے گا سو وہ فرعونوں کی ان دھمکیوں سے بے نیاز و بے پرواہ ہو گئے جو وہ اسے سنگسار کرنے اور قتل کر دینے کی دھمکیاں دیتے تھے [ابو عمرو حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ذال کو "تا" میں مدغم کر کے "وَإِنِّي عُذْتُ" پڑھا گیا ہے]۔

۲۱۔ ﴿وَإِنْ لَكُمْ تُوْمُنُوْا لِي فَاَعْتَرِ لُون﴾ اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہو جاؤ یعنی اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو میرے اور ایمان نہ لانے والوں کے درمیان کوئی دوستی نہیں سو تم مجھ سے الگ ہو جاؤ یا یہ معنی ہے کہ تم مجھے اکیلا چھوڑ دو نہ میرے لیے کچھ کرو اور نہ میرے خلاف کچھ کرو اور تم مجھے اذیت و دکھ دینے اور میرے ساتھ بُرائی و شرارت کرنے کے لیے میرا پیچھا نہ کرو سو جس نے تمہیں ایمان کی دعوت ہے اس کا صلہ یہ نہیں اور اس کا نہ یہ حکم ہے کہ تم مجھے سنگسار کر دو [قاری یعقوب کی قراءت میں وصل اور وقف دونوں حالتوں میں یائے متکلم کے ساتھ "فَاَعْتَرِ لُونِي" پڑھا جاتا ہے]۔

۲۲۔ ﴿فَدَا عَادِيَةَ﴾ سو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم (فرعونوں) کی شکایت کرتے ہوئے اپنے پروردگار کو پکارا کہ ﴿أَنْ هُوَ لَكُمْ قَوْمٌ مَّجْرُمُونَ﴾ بے شک یہ مجرم و گناہ گار قوم ہے اصل میں "بَان هُوَ لَاء" ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ سے یہی دعا کی۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا یہ تھی کہ "اللهم عجل لهم ما يستحقونه باجرامهم" اے اللہ! ان پر وہ عذاب جلدی بھیج جس کے یہ لوگ اپنے جرائم کی وجہ سے مستحق ہو چکے ہیں اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ دعا سے حضرت موسیٰ کا یہ قول مراد ہے: "رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ" (یونس: ۸۵) "اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں ظالموں کی قوم کے لیے آزمائش نہ بنا" [ان ہُوَ لَاء" میں حرف "اِنْ" کے ہمزہ کو مکسور پڑھا گیا ہے، قول کے مضمحل (پوشیدہ قرار دینے) پر یعنی حضرت موسیٰ نے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کی اور کہا: بے شک یہ مجرم قوم ہے]۔

فَأَسْرِ بِعِبَادِي لَيْلًا إِنَّكُمْ مُّتَّبِعُونَ ﴿٢٣﴾ وَاتْرِكِ الْبَحْرَ هَٰوًّا إِنَّهُمْ جِنْدٌ مُّعْرِفُونَ ﴿٢٤﴾ كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنَّتٍ وَعَيْوُنٍ ﴿٢٥﴾ وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿٢٦﴾ وَنَعْمَةٍ كَانُوا فِيهَا فَاكِهِينَ ﴿٢٧﴾ كَذٰلِكَ وَأَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا آخِرِينَ ﴿٢٨﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنظَرِينَ ﴿٢٩﴾

(اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) سو تم میرے بندوں کو رات کے وقت لے کر چل پڑو بے شک تمہارا پیچھا کیا جائے گا اور تم دریا کو یوں ہی تھما ہوا چھوڑ دینا بے شک وہ لشکر ڈبو دیا جائے گا وہ لوگ کتنے باغات اور چشمے چھوڑ گئے اور کھیتیاں اور عمدہ مکانات اور نعمتیں جن میں وہ عیش کرتے تھے ایسا ہی ہوا اور ہم نے ایک دوسری قوم کو ان کا وارث بنا دیا سو ان پر آسمان و زمین نہیں روئے اور نہ انہیں مہلت دی گئی

۲۳۔ ﴿فَأَسْرِ﴾ [یہ "اسری" (باب افعال) سے ماخوذ ہے اور اہل حجاز کے ہاں وصل کی صورت میں "فاسر" ہوگا

اور یہ ”سری“ سے ماخوذ ہے اور ”فا“ کے بعد قول مضمربے [اصل میں ”فقال اسر“ ﴿بِعِبَادِي كَيْلًا﴾ ہے یعنی سوائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! تم میرے بندوں یعنی بنی اسرائیل کو راتوں رات لے کر چلے جاؤ ﴿إِنَّكُمْ مُتَّبِعُونَ﴾ بے شک تمہارا تعاقب اور پیچھا کیا جائے گا یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ منصوبہ تیار کیا کہ تم آگے آگے چلو اور فرعون اور اس کا لشکر تمہارا پیچھا کرے گا پھر اللہ تعالیٰ آگے آگے جانے والوں کو نجات دے دے گا اور پیچھے آنے والوں کو دریا میں غرق کر دے گا۔

۲۴- ﴿وَأَتْرِكُ الْبَحْرَ مَوْجًا﴾ اور آپ دریا کو تھما ہوا اور ساکن چھوڑ دیں۔ دراصل حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چاہا تھا کہ جب وہ بنی اسرائیل کو لے کر دریا عبور کر لیں گے تو اپنا عصا مبارک مار کر دریا کو جوڑ دیں گے لیکن انہیں حکم دیا گیا کہ آپ دریا کو اپنی اسی موجودہ حالت میں ساکن و تھما ہوا اور اپنے حال پر برقرار چھوڑ دیں اور پانی اپنی جگہ پر کھڑا رہے اور راستہ اپنی جگہ پر خشک و سوکھا ہوا پڑا رہے آپ اس کو جاری کرنے کے لیے اپنا عصا اس پر ہز گز نہ ماریں اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کریں تاکہ فرعون کی قوم قبلی اس کے اندر داخل ہو جائے پھر جب وہ اس میں آگے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر پانی کو باہم ملا دیا جس کی وجہ سے وہ غرق ہو گئے اور بعض نے کہا کہ ”دھو“ کا معنی ہے: کشادہ اور وسیع راستہ یعنی تم اسے اپنے حال پر کھلا ہوا کشادہ چھوڑ دو ﴿إِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُونَ﴾ بے شک تمہارے دریا سے نکلنے کے بعد اس لشکر کو ڈبو دیا جائے گا [اس کو فتح کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی ”لَا تَهْمُ“]۔

۲۵، ۲۶- ﴿كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنَّاتٍ وَعَيُْونٍ ۝ ذُرُوعًا وَمَقَامٍ كَرِيمٍ﴾ انہوں نے کتنے زیادہ باغات اور چشمے اور کھیتیاں اور عمدہ محفلیں عالی شان مکانات چھوڑے ”مقام کریم“ سے ان کے خوب صورت محلات اور بہترین کونٹھیاں مراد ہیں اور بعض نے کہا کہ ان کے منبر مراد ہیں [اور ”کرم“ کثرت کے معنی کے لیے آیا ہے اور ”ترکوا“ کی وجہ سے منصوب ہے]۔

۲۷- ﴿وَتَعْبَهُ كَانُوا فِيهَا فَاكِهِينَ﴾ اور بہت سی نعمتوں میں وہ مشغول ہو کر لطف اندوز اور لذت حاصل کرتے رہے (یعنی) وہ ناز و نعمتوں سے زندگیاں گزارتے ہیں۔

۲۸- ﴿كَذَلِكَ﴾ ”ای الامر كذلك“ یعنی معاملہ اسی طرح ہوا [سو کاف تشبیہ مبتدا مضمرب کی خبر ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے] ﴿وَأَوْرَثْنَا قَوْمًا آخِرِينَ﴾ اور ہم نے دوسری قوم کو ان کا وارث بنا دیا ان کا فرعونوں سے نہ کوئی نسبی رشتہ تھا اور نہ کوئی دینی رشتہ تھا اور نہ ان سے ان کا دوستی کا کوئی تعلق تھا اور وہ بنی اسرائیل تھے جنہیں فرعونوں کا وارث بنا دیا گیا۔

۲۹- ﴿فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ﴾ سوان پر نہ آسمان رویا تھا اور نہ زمین روئی تھی کیونکہ وہ لوگ کفر کی حالت میں مر گئے اور مؤمن جب بھی فوت ہوتا ہے تو اس پر آسمان بھی روتا ہے اور زمین بھی روتی ہے چنانچہ زمین کے وہ حصے مؤمن کی موت پر روتے ہیں جن مقامات اور جگہوں پر اس نے نماز پڑھی ہوتی ہے اور عبادت و ریاضت اور تسبیح وغیرہ کی ہوتی ہے اور آسمان کی وہ راہ روتی ہے جس سے اس کے اعمال اوپر چڑھتے تھے اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ مؤمن کی موت پر آسمان میں رہنے والے اور زمین پر رہنے والے روتے ہیں ﴿وَمَا كَانُوا مُنظَرِينَ﴾ اور ان کو مہلت نہیں دی گئی یعنی جب ان کی ہلاکت و تباہی کا وقت آن پہنچا تو پھر دوسرے وقت تک ان کی ہلاکت کو مؤخر نہیں کیا گیا اور نہ انہیں مزید مہلت دی گئی۔

وَلَقَدْ أَخَذْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْبُهَيْنِ ۚ مِنْ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ كَانَ

عَالِيًا مِّنَ السُّرِفِينَ ﴿٣١﴾ وَلَقَدْ اخْتَرْنَاكُمْ عَلَىٰ عَلِيٍّ عَلَى الْعَلِيِّينَ ﴿٣٢﴾ وَآتَيْنَاهُمْ

مِّنَ الْآيَاتِ مَا فِيهِ بَلَاءٌ مُّبِينٌ ﴿٣٣﴾ إِنَّ هَؤُلَاءِ لَيَقُولُونَ ﴿٣٤﴾ إِنَّ هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا

الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُنشَرِينَ ﴿٣٥﴾ فَاتُوا يَا بَنِي آدَمَ أَنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٦﴾ أَهْمُ خَيْرٌ

أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ أَهْلَكْنَاهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿٣٧﴾

اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت ناک عذاب سے نجات دی O فرعون سے بے شک وہ حد سے بڑھ جانے والا متکبر و سرکش تھا O اور بے شک ہم نے انہیں جان بوجھ کر جہان والوں پر برگزیدہ بنا لیا O اور ہم نے انہیں وہ نشانیاں عطا فرمائیں جن میں واضح آزمائش تھی O بے شک یہ لوگ کہتے ہیں O وہ تو نہیں مگر ہماری پہلی موت اور ہم نہیں اٹھائے جائیں گے O سو تم ہمارے باپ دادا کو لے آؤ اگر تم سچے ہو O کیا وہ بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور جو ان سے پہلے تھے ہم نے انہیں ہلاک کر دیا بے شک وہ گناہ گار لوگ تھے O

بنی اسرائیل کی نجات اور مشرکین کی مذمت کا بیان

۳۰۔ ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي إِسْرَائِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ﴾ اور بے شک ہم نے اولاد یعقوب علیہ السلام کو ذلت ناک عذاب سے نجات دی یعنی مشقت بھرے کاموں کے لیے خدمت گار بنانے اور غلام بنانے اور لڑکوں کو قتل کرنے کے ذلیل کن عذاب سے نجات عطا فرمائی۔

۳۱۔ ﴿مِنَ فِرْعَوْنَ﴾ فرعون سے [یہ حرف جار کے اعادہ کے ساتھ "العذاب المہین" سے بدل واقع ہو رہا ہے گویا وہ بذات خود ذلیل کرنے والا عذاب تھا کیونکہ فرعون ان کو حد سے بڑھ کر بہت زیادہ عذاب دیتا تھا اور بہت زیادہ ان کی توہین کرتا تھا یا پھر یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی اصل میں "ذالك من فرعون" تھا یعنی وہ ذلیل کن عذاب فرعون کی طرف سے تھا] ﴿إِنَّهُ كَانَ عَلِيًّا﴾ بے شک وہ متکبر و سرکش تھا ﴿مِنَ السُّرِفِينَ﴾ حد سے بڑھ جانے والوں میں سے تھا [یہ دوسری خبر ہے] یعنی فرعون متکبر بھی تھا اور حد سے بڑھ کر ظلم و زیادتی کرنے والا بھی تھا۔

۳۲۔ ﴿وَلَقَدْ اخْتَرْنَاكُمْ﴾ اور بے شک ہم نے ان کو منتخب کر لیا اور چن لیا یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو منتخب کر لیا ﴿عَلَىٰ عَلِيٍّ﴾ دانستہ طور پر [یہ ضمیر فاعل سے حال ہے] یعنی ہم انتخاب کے محل کو خوب جانتے ہیں اور یہ کہ بے شک وہی زیادہ حق دار ہیں کہ انہیں منتخب کیا جائے ﴿عَلَى الْعَلِيِّينَ﴾ تمام جہانوں پر یعنی ان کے زمانہ کے تمام جہان والوں پر انہیں انتخاب کی فضیلت سے نوازا گیا۔

۳۳۔ ﴿وَآتَيْنَاهُمْ مِنَ الْآيَاتِ﴾ اور ہم نے انہیں اپنی قدرت کی کچھ نشانیاں دیں جیسے دریا کا پھٹ جانا اور بادلوں کا سایا کرنا اور من و سلویٰ کا نازل کرنا اور ان کے علاوہ دیگر بڑی بڑی نشانیاں ﴿مَا فِيهِ بَلَاءٌ مُّبِينٌ﴾ وہ نشانیاں ہیں جن میں نہت ہونا ظاہر و عیاں ہے یا ان میں امتحان و آزمائش ہونا ظاہر اور واضح ہے تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

۳۴، ۳۵۔ ﴿إِنَّ هَؤُلَاءِ﴾ بے شک یہ لوگ یعنی قریش مکہ کے کفار ﴿لَيَقُولُونَ﴾ ﴿إِنَّ هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا الْأُولَىٰ﴾ البتہ وہ کہتے ہیں: یہ موت تو نہیں مگر ہماری پہلی موت اور یہاں ایک اشکال اور اعتراض وارد ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ کلام تو دوسری

زندگی کے بارے میں ہوا ہے (کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا) نہ کہ موت کے بارے میں پس ”اِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الْاُولٰٓئِي“ کیوں نہیں کہا گیا اور نیز ”اولی“ کے ذکر کرنے کا کیا مطلب ہے گویا ان سے دوسری موت کا وعدہ کیا گیا ہے جس کا انہوں نے انکار کر دیا ہے اور اپنی پہلی موت کو ثابت کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک ان سے یہ کہا گیا ہے کہ تم ضرور ایسی موت سے مرو گے جس کے بعد تمہیں زندہ کیا جائے گا (اور تمہارا حساب و کتاب ہوگا) جیسا کہ تمہاری پیدائش سے پہلے (عدم محض کی صورت میں) تم پر موت گزر چکی ہے جس کے بعد تمہیں (پیدا کر کے) زندگی دی گئی اور اس کی دلیل یہ (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَحْيِيكُمْ“ (البقرہ: ۲۸) ”اور تم مردہ تھے سو اللہ تعالیٰ نے تمہیں زندہ کیا پھر وہ تمہیں مارے گا پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا“ سو انہوں نے ”اِنْ هِيَ إِلَّا مَوْتُنَا الْاُولٰٓئِي“ جو کہا ہے تو اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ وہ موت جس کی شان یہ ہے کہ اس کے بعد زندگی عطا کی جائے گی وہ صرف پہلی موت ہے پس اس کے درمیان اور ”اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا“ (الجماعہ: ۲۴) کے درمیان معنی میں کوئی فرق نہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ درج ذیل ارشاد کا انکار ہو: ”رَبَّنَا اٰمَنَّا اٰتَيْنِ وَاٰحْيَيْتَنَا اٰتَيْنِ“ (الغافر: ۱۱) ”اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو دفعہ موت دی اور دو دفعہ تو نے ہمیں زندہ کیا“ ﴿وَمَا نَحْنُ بِمُنشَرِّينَ﴾ اور ہمیں دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھایا جائے گا اور جب اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا تو کہا جائے گا: ”انشر الله الموتی“ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زندہ فرمادیا۔

۳۶- ﴿فَاْتُوا بِآبَائِنَا﴾ سو تم ہمارے باپ دادا کو (دوبارہ زندہ کر کے اٹھا کر) لے آؤ۔ کفار کی طرف سے یہ خطاب ان لوگوں کے لیے ہے جو رسول اللہ ﷺ اور مسلمان (صحابہ کرام) ان سے مرنے کے بعد اٹھائے جانے کا وعدہ کرتے تھے ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر تم سچے ہو یعنی تم جو کچھ کہتے ہو اگر اس میں تم سچے ہو تو تم اپنے رب تعالیٰ سے درخواست کر کے ہمارے جو آباء و اجداد فوت ہو چکے ہیں انہیں جلدی سے زندہ کرنا کہ ہمارے پاس لے آؤ تاکہ یہ عمل اس بات کی دلیل بن جائے کہ تم قیامت کے قائم ہونے اور مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھائے جانے کا جو وعدہ کرتے ہو وہ حق اور سچ ہے۔

۳۷- ﴿اَهْلِكُمْ خَيْرًا﴾ کیا وہ (کفار مکہ) قوت و مدافعت میں زیادہ بہتر ہیں ﴿اَمْ قَوْمُ تُبَعِّ﴾ یا تبع کی قوم (بہتر ہے) یہ تبع حمیری ہے خود مومن لٹھا مگر اس کی قوم کے لوگ کافر تھے اور بعض اہل علم نے کہا کہ وہ نبی تھا اور حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم کہ تبع نبی تھا یا غیر نبی تھا (مگر نیک مسلمان ضرور تھا) ﴿وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ اور جو لوگ ان سے پہلے تھے [یہ قوم تبع پر معطوف ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے] ﴿اَهْلَكْتُمْ﴾

۱۔ امام ابو حاتم نے یزید قاشی سے روایت کی ہے کہ ابو کرب اسعد حمیری تابعہ (یعنی کے بادشاہوں) میں سے تھا اور یہ حضور نبی اکرم ﷺ پر آپ کے اعلان نبوت سے سات سو سال پہلے ایمان لے آیا تھا اور حضرت یزید قاشی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت کعب فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم تبع کی مذمت بیان کی ہے لیکن تبع کی مذمت بیان نہیں کی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں: ”لَا تَسُبُّوْا تَبَعًا فَاِنَّهٗ كَانَ رَجُلًا صٰلِحًا“ تم تبع کو برا نہ کہو کیونکہ وہ نیک آدمی تھا اور حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تبع ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے بیت اللہ شریف کو غلاب پہنایا نیز امام بغوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت سہل نے فرمایا: میں نے حضور رسول اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ ”لَا تَسُبُّوْا تَبَعًا فَاِنَّهٗ قَدْ اَسْلَمَ“ تم تبع کو برا نہ کہو کیونکہ بے شک ہو اسلام قبول کر چکا ہے۔ (ماخوذ از: تفسیر معالم التنزیل المعروف تفسیر بغوی ج ۴ ص ۱۵۳ شرح مسند امام اعظم للملا علی القاری ص ۵۶ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت دار الکتب العلمیہ بیروت)

إِنَّهُمْ كَانُوا يُجْرِبُونَ ﴿۳۸﴾ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا بے شک وہ مجرم لوگ تھے (یعنی) وہ کافر تھے اور مرنے کے بعد اٹھنے کے منکر تھے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِعَيْنٍ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقْنَاهَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَكِنْ

أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۹﴾ إِنَّ يَوْمَ الْفُصْلِ مِيقَاتُكُمْ أَجْعِبِينَ ﴿۴۰﴾ يَوْمَ لَا يَغْنَى

مَوْلَىٰ عَنْ مَوْلَىٰ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۴۱﴾ إِلَّا مَنْ رَحِمَ اللَّهُ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ

الرَّحِيمُ ﴿۴۲﴾

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان دونوں کے درمیان کی چیزوں کو کھیل تماشا کے طور پر پیدا نہیں کیا O اور ہم نے انہیں پیدا نہیں کیا مگر حق کے ساتھ اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے O بے شک فیصلہ کا دن ان سب کے لیے مقرر وقت ہے O اس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی O مگر جس پر اللہ تعالیٰ رحم کر دے بے شک وہ سب پر غالب (اور) بے حد مہربان ہے O

۳۸- ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِعَيْنٍ﴾ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور دونوں کے درمیان کی چیزوں کو کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا [یعنی دونوں جنسوں کے درمیان اور "لا عین" حال ہے] اور اگر حشر و نشر اور حساب و کتاب اور ثواب و عقاب نہ ہوتا تو مخلوقات کی تخلیق خاص فنا کے لیے ہوتی اور بس سواب ان کی تخلیق عبث و بے کار اور لہو و لعب اور کھیل تماشا ہو جاتی۔

۳۹- ﴿مَا خَلَقْنَاهَا إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ ہم نے ان دونوں کو حق کے ساتھ (یعنی) خوب تحقیق و اہتمام اور پوری سنجیدگی کے ساتھ پیدا فرمایا ہے "حق" "لعب" کی ضد ہے ﴿وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے کہ وہ کس لیے پیدا کیے گئے ہیں؟

۴۰- ﴿إِنَّ يَوْمَ الْفُصْلِ﴾ بے شک فیصلہ کا دن یعنی حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے کا دن اور وہ قیامت کا دن ہے ﴿مِيقَاتُكُمْ أَجْعِبِينَ﴾ ان سب کے وعدے کا وقت مقرر و معین ہے۔

۴۱- ﴿يَوْمَ لَا يَغْنَى مَوْلَىٰ عَنْ مَوْلَىٰ شَيْئًا﴾ اس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہیں آئے گا یعنی کوئی دوست کسی دوست کے اور کوئی رشتہ دار کسی رشتہ دار کے کچھ کام نہیں آئے گا "شیئا" قلت کے معنی میں ہے یعنی تھوڑا سا فائدہ نہیں ہوگا ﴿وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ﴾ اور ان کی مدد نہیں کی جائے گی [ضمیر مولى کی طرف لوثی ہے کیونکہ وہ کثیر کے معنی میں ہے تاکہ لفظ بطور عموم و اہتمام ہر مولى کو شامل ہو جائے]۔

۴۲- ﴿إِلَّا مَنْ رَحِمَ اللَّهُ﴾ مگر جس پر اللہ تعالیٰ رحم و کرم فرمادے یعنی عذاب سے کوئی نہیں بچا سکے گا مگر جس پر خود اللہ تعالیٰ رحم فرمادے [یہ کلام "ینصرون" کی واو سے بدل ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے] ﴿إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ﴾ بے شک وہی اپنے تمام دشمنوں پر غالب ہے ﴿الرَّحِيمُ﴾ اپنے دوستوں پر بے حد مہربان ہے۔

إِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّومِ ۝۳۳ طَعَامٌ الْأَثِيمِ ۝۳۴ كَالْهَلِیْلِ ۝۳۵ یَعْلَىٰ فِی الْبَطُونِ ۝۳۶ كَغَلِیِّ
 الْحَبِیْبِ ۝۳۷ خُدُوهُ فَاعْتَلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِیْمِ ۝۳۸ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ
 عَذَابِ الْحَبِیْمِ ۝۳۹ ذُقْ ۝۴۰ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ ۝۴۱ إِنَّ هَذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ
 تَسْتُرُونَ ۝۴۲ إِنَّ الْمَتَّقِیْنَ فِی مَقَامٍ أَمِیْنٍ ۝۴۳ فِی جَنَّتٍ وَعِیُونٍ ۝۴۴ یَلْبَسُونَ
 مِنْ سُدُسٍ ۝۴۵ وَاسْتَبْرَقٍ مُّتَقَبِلِیْنَ ۝۴۶ كَذٰلِكَ ۝۴۷ وَرَوْحًا مِّنْ حُورٍ عِیْنٍ ۝۴۸

بے شک تھوہر کا درخت ۰ بڑے گناہ گار کی خوراک ہوگا ۰ گھلے ہوئے تانبا کی طرح پیٹوں میں جوش مارے گا ۰ جیسے
 کھولتا ہوا پانی جوش مارتا ہے ۰ (حکم ہوگا:) اسے پکڑ لو اور اس کو زبردستی گھسیٹ کر دوزخ کے وسط میں لے جاؤ ۰ پھر اس
 کے سر پر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب انڈیل دو ۰ لے چکھ! بے شک تو بڑا معزز و مکرم بنتا تھا ۰ بے شک یہ وہی ہے جس میں
 تم شک کرتے تھے ۰ بے شک پرہیزگار امن و امان والے مقام میں رہیں گے ۰ باغوں اور چشموں میں ۰ وہ باریک اور
 دبیز ریشم کا لباس پہنے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے ۰ اسی طرح ہوگا اور ہم ان کو بڑی بڑی خوب صورت آنکھوں والی
 حوروں کے ساتھ بیاہ دیں گے ۰

کفار کے لیے عذابِ آخرت کی وعید

۴۳- ﴿إِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّومِ﴾ بے شک کڑوا، کسیلا خاردار درخت زقوم (بڑے بڑے گناہ گاروں کی خوراک ہوگا) یہ
 بہ ظاہر دنیا کے درخت کے مشابہ اور اس کے ہم شکل ہے لیکن یہ دوزخ کی آگ میں ہے اور زقوم سے اس کا میوہ اور پھل مراد
 ہے اور یہ سب سے زیادہ ثقیل اور ناگوار کھانا ہے۔

۴۴- ﴿طَعَامٌ الْأَثِيمِ﴾ بہت زیادہ گناہوں کے مرتکب فاسق و فاجر کا کھانا۔ حضرت ابو برداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
 منقول ہے کہ وہ ایک آدمی کو قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے اور وہ آدمی ”طعام الاثیم“ کی بجائے ”طعام الیتیم“ پڑھتا تھا
 تو آپ نے فرمایا کہ اے شخص! تو ”طعام الفاجر“ پڑھا کر اور اس سے بعض اہل علم نے یہ استدلال کیا ہے کہ قرآن مجید
 کے ایک کلمہ کو بوقت ضرورت دوسرے کلمہ سے تبدیل کرنا اس وقت جائز ہے جب وہ دوسرا کلمہ قرآن مجید کے کلمہ کے ہم معنی
 ہو۔

اور اسی وجہ سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک دفعہ فارسی زبان میں قراءت کرنے کی اس شرط کے ساتھ
 اجازت دی تھی کہ پڑھنے والا قاری عربی قراءت کے تمام معانی کو فارسی میں مکمل طور پر ادا کر سکتا ہو اور عربی قراءت کے
 مفہوم میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہو سکے۔ فقہائے کرام نے فرمایا کہ یہ شرط گواہی دیتی ہے کہ یہ اجازت عدم اجازت کی طرح
 ہے کیونکہ عرب کے کلام میں خصوصاً قرآن مجید جو اپنی فصاحت و بلاغت میں ایک معجزہ ہے اور اس کے نظم اور اسالیب کی
 غزابت میں لطیف و دقیق معانی ہیں جو فارسی وغیرہ کسی دوسری زبان میں مستقل ادا نہیں ہو سکتے۔

ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ) کے قول

کی طرف رجوع کر لیا تھا اور اسی پر اعتماد کیا گیا۔

۴۵- ﴿كَالْهَيْلِ﴾ پگھلے ہوئے تانبا کی طرح۔ یہ تیل کا پتھٹ کہلاتا ہے [اور کاف ایک خبر کے بعد دوسری خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے] ﴿يَغْلِي فِي الْبُطُونِ﴾ وہ پیٹوں میں جوش مارے گا [ابن کثیر کی اور حفص کی قراءت میں ”یا“ کے ساتھ ”یغلی“ پڑھا جاتا ہے اور اس صورت میں ضمیر ”طعام“ کے لیے ہوگی اور ”تا“ کی صورت ”تغلی“ میں ضمیر ”شجرة“ (درخت) کے لیے ہوگی]۔

۴۶- ﴿كَغَلِي الْحَبِيبِ﴾ کھولتے ہوئے پانی کی طرح یعنی وہ سخت گرم ترین پانی جس کا ابال اور کھولنا اور جوش مارنا انتہاء کو پہنچ چکا ہو اور اس کا معنی یہ ہے کہ زقوم کا پھل پیٹ میں پہنچ کر اس طرح جوش مارے گا جس طرح کھولتا ہوا پانی جوش مارتا ہے پھر زبانیہ (دوزخ کے فرشتوں) سے کہا جائے گا کہ

۴۷- ﴿خُذُوهُ﴾ اس کو پکڑ لو یعنی اس فاسق و فاجر گناہ گار کو ﴿قَاعِطَلُوهُ﴾ سو تم اس کو سختی کے ساتھ اور زبردستی گھسیٹ کر لے جاؤ [ابن کثیر کی نافع مدنی ابن عامر شامی سہل اور یعقوب کی قراءت میں ”تا“ مکسور کی بجائے ”قا“ مضموم کے ساتھ پڑھا جاتا ہے] ﴿إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ﴾ دوزخ کے وسط میں اور اس کے مرکز میں لے جاؤ۔

۴۸- ﴿شَحْرُ صُبُوًا قَوْقُ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَبِيبِ﴾ پھر اس کے سر پر کھولتے پانی کا عذاب انڈیل دو اور جو انڈیلا جائے گا وہ صرف کھولتا ہوا پانی ہوگا عذاب نہیں انڈیلا جائے گا (عذاب تو محض تکلیف کا احساس ہے جس کا کوئی جسم نہیں جبکہ انڈیلنا یا گرانا جسم کا ہوتا ہے) مگر جب اس پر کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا تو اس وقت کھولتے ہوئے گرم پانی کا عذاب اور اس کی سختی اس پر انڈیلی جائے گی اور عذاب کا انڈیلنا استعارہ ہے اور اس شخص سے کہا جائے گا:

۴۹- ﴿ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ﴾ چکھ بے شک تو بڑا عزت والا مکرم بنتا تھا اس کا مذاق اڑانے اور اس کے ساتھ تمسخر کرنے کے طور پر یہ کہا جائے گا [علی کسائی کی قراءت میں ”انک“ ہے یعنی اصل میں ”لانک“ ہے]۔

۵۰- ﴿إِنَّ هَذَا﴾ بے شک یہ عذاب یا یہ معاملہ وہ ہے ﴿مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ﴾ جس کے بارے میں تم شک کرتے تھے۔

پر ہیزگاروں کے لیے آخرت کے اجر و ثواب کی بشارت

۵۱- ﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ﴾ بے شک پر ہیزگار امن و سکون کے مکان میں ہوں گے [”مقام“ میم مفتوح کے ساتھ قیام گاہ کو کہا جاتا ہے اور اس سے مکان مراد ہے اور یہ خاص ہے جو عموم کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں میم مضموم کے ساتھ ”مَقَامٍ“ پڑھا جاتا ہے اور یہ اقامت کی جگہ مراد ہے۔ ”امین“ یہ ”امن الرجل امانة فهو امين“ سے ماخوذ ہے اس آدمی نے امانت کو دیانت کے ساتھ ادا کیا سو اس لیے وہ ”امین“ ہے اور یہ ”خائن“ کا متضاد ہے اور مکان کو اس کے ساتھ بطور استعارہ موصوف کیا گیا ہے کیونکہ خوف و ڈر کا مکان اپنے مالک کو خوف زدہ کر دیتا ہے کیونکہ اس میں تکالیف و مکارہ پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے]۔

۵۲- ﴿فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ﴾ باغات اور چشموں میں رہیں گے [یہ ”مقام امین“ سے بدل ہے]۔

۵۳- ﴿يَلْبَسُونَ مِنْ سُنْدُسٍ﴾ وہ ریشم سے تیار کردہ باریک لباس پہنیں گے ﴿وَرِشْمٍ﴾ اور ریشم سے تیار کردہ

نفس موٹا لباس (باریک لباس کے اوپر) پہنیں گے اور یہ معرب ہے ”استبر“ سے اور جب کسی عجمی لفظ کو معرب (عربی) بنایا جاتا ہے تو وہ عجمی ہونے سے نکل جاتا ہے اور خالص عربی کی طرح ہو جاتا ہے کیونکہ معرب کا معنی یہ ہے کہ عجمی لفظ میں

تصرف کر کے اور اس کو عجمیت کے رنگ ڈھنگ سے تبدیل کر کے عربی بنا دیا جائے اور اس پر وجوہ اعراب کو جاری کر دیا جائے اور اس صورت میں وہ عربی قرآن میں استعمال ہو سکتا ہے (کہ اب وہ نجی نہیں بلکہ عربی ہو چکا ہے) ﴿مُتَّقِلِينَ﴾ وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے اپنی اپنی نشست گاہ میں بیٹھے ہوں گے اور یہ انس و مجت کا سب سے زیادہ مکمل طریقہ ہے۔

۵۴- ﴿كَذَلِكَ﴾ اسی طرح ہوگا "ای الامر کذالک" یعنی یہ معاملہ اسی طرح ہوگا "کذالک" میں کاف مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے [﴿وَرَوْجُنَّاهُمْ مَحْجُورٌ﴾ اور ہم ان کو حوروں کے ساتھ بیاہ دیں گے یعنی ہم ان کو حوروں کے ساتھ ملا دیں گے (تاکہ وہ ان سے انس حاصل کر کے ان کے ساتھ خوشیاں منائیں لہذا عربی عقد نکاح نہیں ہو گا) "حور" "حوراء" کی جمع ہے ان کی آنکھیں بہت زیادہ سفید ہوتی ہیں اور پتلی بہت زیادہ سیاہ ہوتی ہے (جیسے ہرن کی آنکھیں ہوتی ہیں) ﴿عَيْنٍ﴾ بڑی بڑی آنکھوں والی۔ "عین" "عیناء" کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: بڑی اور کشادہ آنکھ۔

يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِينَ ﴿٥٥﴾ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ

الْأُولَىٰ وَوَقَّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿٥٦﴾ فَضَلَّامِن تَرَبُّكَ ﴿٥٧﴾ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٥٨﴾

فَاتِمَا يَسْرَتُهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٩﴾ فَارْتَقِبْ إِنَّكُمْ مُّرْتَقِبُونَ ﴿٥٩﴾

وہ اس میں امن و سکون کے ساتھ ہر قسم کے پھل اور میوے منگوا لیا کریں گے O وہ اس میں پہلی موت کے سوا کسی موت کا مزہ نہیں چکھیں گے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا لیا O محض آپ کے رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہی بہت بڑی کامیابی ہے O سو بے شک ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا تاکہ وہ نصیحت قبول کر لیں O سو آپ انتظار کیجئے بے شک وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں O

۵۵- ﴿يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ﴾ وہ اس میں (یعنی) جنت میں ہر قسم کا پھل طلب کریں گے ﴿آمِنِينَ﴾ وہ وہاں امن و سکون سے رہیں گے ان کو ان نعمتوں کے زائل ہونے یا ختم ہو جانے کا اور بیماریوں اور ضرر رساں تکلیفوں میں مبتلا ہونے کا کوئی خوف و اندیشہ نہیں ہوگا۔

۵۶- ﴿لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ﴾ وہ اس میں (یعنی) جنت میں موت کو ہرگز نہیں چکھیں گے ﴿إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ﴾ ماسوا پہلی موت کے یعنی ماسوا اس پہلی موت کے جس کو انہوں نے دنیا میں چکھا تھا اور بعض نے کہا کہ لیکن پہلی موت جسے انہوں نے دنیا میں چکھا تھا (مطلب یہ ہے کہ "إِلَّا" بہ معنی سوائے بھی آتا ہے اور بہ معنی "لٰكِنْ" بھی آتا ہے) ﴿وَوَقَّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ﴾ اور اللہ تعالیٰ انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے گا۔

۵۷- ﴿فَضَلَّامِن تَرَبُّكَ﴾ آپ کے رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے یعنی فضل کرنے کے لیے [سو یہ مفعول لہ ہے یا پھر یہ مصدر موز کذ ہے ماقبل کے لیے ہے کیونکہ "وَوَقَّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ" بہ معنی "تفضل منه لهم" ہے اس لیے کہ بندہ اللہ تعالیٰ پر کسی چیز کا مستحق نہیں] ﴿ذَلِكَ﴾ یہ یعنی عذاب کا پھیرنا اور جنت میں داخلہ عطا کرنا ﴿هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ وہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

۵۸- ﴿فَاتِمَا يَسْرَتُهُ بِلِسَانِكَ﴾ سو ہم نے اس کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا یعنی اس کتاب (قرآن مجید) کو اور

بلاشبہ اس سورت کے شروع میں اس کا ذکر گزر چکا ہے ﴿لَعَلَّكُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔
 ۵۹- ﴿فَارْتَقِبْ﴾ سو آپ اس کا انتظار کیجئے جو ان پر نازل ہوگا ﴿إِن كُنتُمْ مُرْتَقِبِينَ﴾ بلاشبہ وہ اس کا انتظار کر رہے ہیں جو آپ کو حاصل ہوگا حوادثِ زمانہ سے۔

الْأَيَاتُ الْبَارِئَاتُ
الْحَقُّ وَالْحَقُّ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورۃ الجاثیہ کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی سینتیس آیات چار رکوع ہیں

ح۱ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۱۰۰
 لِّلْمُؤْمِنِينَ ۱۰۱ وَفِي خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُتُّ مِنْ دَابَّةٍ آيَاتٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۱۰۲
 وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ رِزْقٍ فَأَحْيَا بِهِ
 الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيفِ الرِّيْحِ آيَاتٌ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۱۰۳

ح۱ ۰ اس کتاب کا اتارنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو بہت غالب بڑا حکمت والا ہے ۰ بے شک آسمانوں اور زمین میں مؤمنین کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں ۰ اور تمہاری پیدائش میں اور جن جانداروں کو وہ پھیلاتا ہے ان میں ایسی قوم کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو یقین رکھتے ہیں ۰ اور رات اور دن کے بدلنے میں اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے جو رزق کا سبب بارش ہے کونازل کیا پھر اس کے ذریعے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کر دیا اس میں اور ہواؤں کو چلانے میں ایسی قوم کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں ۰

قدرتِ الہی کی نشانیوں اور ان کے منکروں کی مذمت کا بیان

نوٹ: سورۃ جاثیہ کی ہے اور اس کی سینتیس (۳۷) آیتیں ہیں۔

۲۰۱- ﴿ح۱ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ﴾ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے [اگر ”ح۱“ کو اس سورت کا اسم قرار دیا جائے تو پھر یہ مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور ”تنزیل الكتاب“ اس کی خبر ہے اور ”من اللہ“ ”تنزیل“ کا صلہ ہے اور اگر اس کو حروف کے لیے گنتی قرار دیا جائے تو ”تنزیل الكتاب“ مبتدا ہوگی اور ظرف ”من اللہ“ خبر ہوگی [﴿الْعَزِيزِ﴾ وہ اپنے انتقام لینے میں سب پر بہت غالب ہے ﴿الْحَكِيمِ﴾ وہ اپنی تدبیر میں بہت بڑا حکمت والا اور زبردست دانا ہے۔

۳- ﴿إِنَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾ بے شک آسمانوں اور زمین میں مؤمنین کے لیے ضرور بہت سی نشانیاں ہیں (یعنی) اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ضرور بہت سی دلیلیں ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی یوں ہو: ”إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّلْمُؤْمِنِينَ“ بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں مؤمنین کے لیے ضرور بہت سی دلیلیں اور نشانیاں ہیں۔ اس کی دلیل درج ذیل آیت مبارکہ ہے۔

۴- ﴿وَفِي خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُتُّ مِنْ دَابَّةٍ آيَاتٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ اور تمہاری پیدائش میں اور جن جانداروں کو اللہ تعالیٰ

پھیلاتا ہے ان میں ان لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو یقین رکھتے ہیں [اور] وَمَا يَسْتُغْنِي مِنْ دَابَّةٍ، ”خلق“ پر معطوف ہے جس پر عطف کرنا قبیح ہے اور قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ”اَيَاتًا“ منصوب ہے اور ان دونوں کے علاوہ کے ہاں مرفوع ”اَيَاتٌ“ ہے جیسے تمہارا یہ کہنا ہے کہ ”اِنَّ زَيْدًا فِي الدَّارِ وَعَمْرًا فِي السُّوقِ“ یا ”وَعَمْرُو فِي السُّوقِ“ ہے۔

۵۔ ﴿وَإِخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ رِزْقٍ﴾ اور رات اور دن کے تبدیل ہونے میں اور جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے رزق یعنی بارش کو نازل کیا اور ”مطر“ (بارش) کو رزق اس لیے کہا گیا ہے کہ بارش رزق کا سبب ہے ﴿فَأَحْيَا بِهِ الْأَمْوَاتَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَنَقَرْنَا لَكُمْ إِلَيْنَا لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے اس (بارش) کے ذریعے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کر دیا اور ہواؤں کے چلانے میں ان لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

اور ایمان (مؤمنین) کو ایقان ”یوقنون“ پر مقدم کرنے میں اور ایقان کو درمیان میں ذکر کرنے میں اور ”يعقلون“ کو آخر میں لانے کا معنی یہ ہے کہ جو بندے ان صفات کے ساتھ متصف ہیں جب وہ آسمانوں اور زمین میں صحیح نظر سے غور و فکر کریں گے تو وہ جان لیں گے کہ بے شک یہ مصنوع اور مخلوق ہیں اور ان کے لیے صانع اور خالق ضرور ہے پس وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئیں گے پھر جب وہ اپنی پیدائش میں غور و فکر کریں گے اور اپنے بارے میں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف (بچپن سے جوانی، جوانی سے بڑھاپے کی طرف) منتقل ہونے کی کیفیت میں غور کریں گے اور زمین پر مختلف اقسام کے جانوروں کی پیدائش میں غور و فکر کریں گے تو ان کا ایمان اور زیادہ ہو جائے گا اور انہیں یقین کامل حاصل ہو جائے گا پھر جب وہ باقی حوادث میں غور کریں گے جو ہر وقت ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں جیسے رات و دن کا تبدیل ہونا اور بارش کا برسا اور زمین کا مردہ (بخمر) ہو جانے کے بعد زندہ ہونا اور ہواؤں کا جنوب و شمال اور مشرق و مغرب مختلف اطراف میں چلنا تو وہ سمجھ جائیں گے اور ان کا علم مستحکم و مضبوط ہو جائے گا اور ان کا یقین خالص ہو جائے گا [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ”الرياح“ کی بجائے ”الريح“ ہے نیز ان دونوں کی قراءت میں ”اَيَاتٌ“ منصوب ہے اور ان دونوں کے علاوہ دیگر قراءت کے نزدیک ”اَيَاتٌ“ مرفوع ہے اور یہ دو عالموں پر معطوف ہونے کے قبیل سے ہے خواہ منصوب ہو یا مرفوع ہو سو جب منصوب ہوگا تو اس وقت عامل ”اِنَّ“ اور حرف ”فِي“ ہوں گے اور واؤ کو ان دونوں کا قائم مقام قرار دیا جائے گا چنانچہ ”وَإِخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ“ میں اس نے جر کا عمل کیا اور ”اَيَاتٌ“ میں نصب کا عمل کیا اور جب مرفوع ہوگا تو عامل ابتداء اور حرف ”فِي“ ہوں گے اور واؤ ”اَيَاتٌ“ میں رفع کا عمل کرے گی اور ”وَإِخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ“ میں جر کا عمل کرے گی اور یہ انہماک کا مذہب ہے کیونکہ وہ دو عالموں پر عطف کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن سیبویہ اس کی اجازت نہیں دیتے اور ان کے نزدیک آیت کے شروع میں حرف ”فِي“ مضموم ہے اور اس آیت سے پہلے دو آیتوں کے شروع میں حرف ”فِي“ کے ذکر نے اس قول کو عمدہ بنا دیا اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت ”وَفِي إِخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ“ اسی قول کی تائید کرتی ہے اور مجرور کے اختتام کے بعد اپنے ماقبل پر معطوف ہونے کی وجہ سے اختصاص کی بناء پر ”اَيَاتٌ“ کا منصوب ہونا جائز ہے یا پہلی آیات کی تاکید کے لیے تکرار کے طور پر بھی منصوب ہونا جائز ہے گویا کہا گیا: ”اَيَاتٌ اَيَاتٌ“ اور ”ہی“ ضمیر کو مضموم (پوشیدہ) قرار دینے پر ”اَيَاتٌ“ کا مرفوع ہونا جائز ہے۔

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ اللَّهِ وَآيَاتِهِ
يُؤْمِنُونَ ﴿۷﴾ وَيَلِكُلُ لِكُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ﴿۸﴾ يَسْمَعُ آيَاتِ اللَّهِ تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ثُمَّ يَصُرُّ
مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِيرَةً لِّعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۹﴾ وَإِذَا عَلِمَ مِنْ آيَاتِنَا شَيْئًا
بَاتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۱۰﴾

یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں جن کو ہم آپ پر حق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے ○ ہر بہت جھوٹ بولنے والے گناہ گار کے لیے ہلاکت ہے ○ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جو اس پر تلاوت کی جاتی ہیں سنتا ہے پھر تکبر کے ساتھ (کفر پر) اصرار کرتا ہے گویا اس نے ان کو سنا ہی نہیں سو آپ اسے دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیں ○ اور جب وہ ہماری آیتوں میں سے کچھ جان لیتا ہے تو اس کو ہنسی مذاق بنا لیتا ہے انہیں لوگوں کے لیے رسوا کن عذاب ہے ○

۶- ﴿تِلْكَ﴾ یہ ان آیات قرآنی کی طرف اشارہ ہے جو اس سورت میں پہلے بیان کی جا چکی ہیں ”ای تلك الايات“ یعنی وہ آیات ﴿آیات اللہ﴾ اللہ تعالیٰ کی (تکوینی) آیات ہیں ﴿نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ﴾ ہم ان کو آپ پر حق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں [”نَتْلُوهَا“ محلاً حال واقع ہو رہا ہے اور ”عَلَيْكَ بِالْحَقِّ“ کا عامل اسم اشارہ کا معنی ہے جس پر ”تِلْكَ“ دلالت کر رہا ہے] ﴿فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ اللَّهِ وَآيَاتِهِ﴾ پھر اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں کے بعد کس بات پر ﴿يُؤْمِنُونَ﴾ وہ ایمان لائیں گے یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات کے بعد [جیسے ان کا قول ہے: ”اعجبنی زید و کرمہ“ اور وہ اس سے ”اعجبنی کرم زید“ مراد لیتے ہیں۔ اہل حجاز اور ابو عمر اور سہل اور حفص کی قراءت میں ”یا“ کے ساتھ ”یؤمنون“ ہے جب کہ ان کے علاوہ کے نزدیک ”قُلْ يَا مُحَمَّدٌ (ﷺ)“ کی تقدیر پر ”تا“ کے ساتھ ”تؤمنون“ ہے]۔

۷- ﴿وَيَلِكُلُ لِكُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ﴾ ہر جھوٹے گناہ گار کے لیے ہلاکت ہے ”أَفَّاكٍ“ بمعنی ”کذاب“ ہے یعنی بہت جھوٹ بولنے والا اور ”أَثِيمٍ“ کا معنی ہے کہ گناہوں کے ارتکاب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والا مطلب یہ ہے کہ بہت جھوٹ بولنے والے اور بہت گناہ کرنے والے کے لیے ہلاکت ہے۔

۸- ﴿يَسْمَعُ آيَاتِ اللَّهِ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو سنتا ہے [یہ محلاً مجرور ہے کیونکہ یہ ”أَفَّاكٍ“ کی دوسری صفت ہے] ﴿تُتْلَىٰ عَلَيْهِ﴾ جو اس کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں [یہ ”آیات اللہ“ سے حال ہے] ﴿ثُمَّ يَصُرُّ﴾ پھر وہ اصرار کرتا ہے اپنے کفر پر متوجہ رہتا ہے اور اس پر قائم و دائم رہتا ہے ﴿مُسْتَكْبِرًا﴾ اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان لانے اور وہ جو حق سچ بیان کرتی ہیں ان پر یقین کرنے سے تکبر و اعراض کرتا ہے اور اسے حقیر سمجھتا ہے اور اس کے اپنے پاس جو کچھ ہے اس پر خوش رہتا ہے۔

شان نزول: یہ آیت مبارکہ نصر بن حارث کے بارے میں اس کی مذمت بیان کرنے کے لیے نازل ہوئی تھی اور وہ عجم کے قصے کہانیاں خرید کر لاتا تھا اور لوگوں کو سنا تا تھا تا کہ لوگ قرآن مجید نہ سنیں بہر حال یہ آیت مبارکہ ہر اس شخص کے بارے میں عام ہے جو بھی اللہ تعالیٰ کے دین کو نقصان پہنچاتا ہے اور اسی لیے ”ثم“ لایا گیا ہے کیونکہ گمراہی پر اصرار کرنا اور قرآن مجید کی

آیات کی سماعت کے وقت ایمان سے تکبر کرنا عقل مندوں کی عقلوں سے بہت بعید ہے ﴿كَأَن لَّوِيسَتُمْهَا﴾ گویا اس نے انہیں سنا ہی نہیں [”كَأَن“ مخففہ ہے اور اصل میں ”كَأَنَّهُ لَمْ يَسْمَعْهَا“ تھا اور اس میں ضمیر شان کی ضمیر ہے اور یہ جملہ حال کی بناء پر محلاً منصوب ہے یعنی وہ نہ سننے والے کی طرح اصرار کرتا ہے] ﴿فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ سو آپ اسے دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیں (یعنی) آپ اسے دردناک عذاب کی محض خبر سنا دیں جس کا اثر اس کے چہرے سے عیاں اور ظاہر ہو جائے۔

۹۔ ﴿وَإِذَا عَلِمَ مِنْ آيَاتِنَا شَيْئًا﴾ اور جب وہ ہماری آیتوں میں سے کسی کو جان لیتا ہے (یعنی) اور جب اسے ہماری آیتوں میں سے کوئی پہنچتی ہے اور وہ جان لیتا ہے یہ انہیں آیات میں سے ہے تو ﴿يَاتخذَهَا هُزُوًا﴾ وہ انہیں یعنی وہ تمام آیات کو ہنسی مذاق بنا لیتا ہے ”اتخذہ“ نہیں فرمایا تا کہ اس بات پر تشبیہ کی جاسکے کہ جب وہ کلام میں کسی چیز کو محسوس کرتا ہے کہ یہ بھی جملہ آیات میں سے ہے تو وہ تمام آیات کے ساتھ مذاق اڑانے میں مشغول ہو جاتا ہے اور صرف اسی آیت کے ساتھ مذاق اڑانے پر اکتفاء نہیں کرتا جو اس کو پہنچتی ہے [اور یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر ”شئاً“ کی طرف لوٹی ہو کیونکہ ”شئاً“ بھی آیت کے معنی میں ہے جیسے ابو العتہیبہ کا قول (شعر) ہے:

نفسی بشیء من الدنيا معلقة اللہ والقائم المہدی یکفیہا

”میرا دل دنیا کی ایک چیز (عتبہ لونڈی) کے ساتھ معلق ہے اللہ تعالیٰ اور خلیفہ مہدی جو (اپنی اس لونڈی کا) نگران ہے اس کو کفایت کریں گے۔“

کیونکہ شاعر نے ”بشیء“ سے عتبہ نامی لڑکی کا ارادہ کیا ہے اس لیے ”یکفیہا“ میں اس کی طرف ضمیر مؤنث لوٹائی ہے [﴿أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ انہیں لوگوں کے لیے رسوا کن اور ذلیل کرنے والا عذاب ہے] ”أولئك“ سے ”كُلِّ أَفَّاكٍ أَلِيمٍ“ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ ”أَفَّاكِينَ“ پر مشتمل ہے۔

مِنْ ذُرَائِهِمْ جَهَنَّمَ وَلَا يُغْنِي عَنْهُمْ تَأْكِبُوا شَيْئًا وَلَا مَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ
اللَّهِ أَوْلِيَاءَ ۗ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ هَذَا هُدًى ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَإِيَّا رَبِّهِمْ لَكُمْ
عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ أَلِيمٍ ۝

ان کے آگے دوزخ ہے اور انہوں نے جو کچھ کمایا وہ انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا اور نہ وہ جن کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنا حمایتی بنا لیا اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے O یہ ہدایت ہے اور جن لوگوں نے اپنے رب تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا ہے ان کے لیے سخت قسم کا دردناک عذاب ہے O

۱۰۔ ﴿مِنْ ذُرَائِهِمْ﴾ ان کے آگے ”الوراء“ اس جہت اور اس سمت کا نام ہے جس کو آدمی چھپا لیتا ہے خواہ وہ پیچھے ہو یا آگے ہو (گویا ”وراء“ خلف وقدام دونوں کے لیے برابر استعمال ہوتا ہے) ﴿جَهَنَّمَ وَلَا يُغْنِي عَنْهُمْ تَأْكِبُوا شَيْئًا﴾ دوزخ ہے اور انہوں نے جس قدر مال و دولت کمایا ہے وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں چھڑا سکے گا اور وہ کچھ کام نہیں آئے گا ﴿وَلَا مَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ﴾ اور نہ وہ بت کام آئیں گے جن کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنا کارساز اور حمایتی بنا لیا تھا [حرف ”مسا“ دونوں جگہ مصدر یہ ہے یا موصولہ ہے] ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ اور ان کے لیے دوزخ

میں بہت بڑا عذاب ہوگا۔

۱۱۔ ﴿هَذَا هُدًى﴾ یہ سراسر ہدایت ہے۔ ”ہذا“ سے قرآن مجید کی طرف اشارہ ہے اس پر درج ذیل کلام دلالت و رہنمائی کر رہا ہے ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا لَنُرْسِلَنَّهُمْ﴾ اور جن لوگوں نے اپنے رب تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا ہے کیونکہ ان کے رب تعالیٰ کی آیات وہی قرآن ہی تو ہے یعنی یہ قرآن ہدایت دینے کے لیے کامل اور مکمل ہے (یعنی قرآن ہدایت کامل ہے) جیسے تم کہو: ”زید رجل“ یعنی زید کامل مرد ہے ﴿لَكُمْ عَذَابٌ مِّنْ رَّجْزٍ أَلِيمٌ﴾ ان کے لیے بہت سخت قسم کا دردناک عذاب ہے ”رجز“ کا معنی ”اشد العذاب“ سب سے زیادہ سخت عذاب ہے [ابن کثیر کی قاری یعقوب اور امام حفص کی قراءت میں ”الیم“ عذاب کی صفت ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک ”الیم“ ”رجز“ کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے]۔

اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لَتَجْرِيَ الْفُلُكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَ لَتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَ

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ إِنَّ

فِي ذَلِكَ لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۱۳﴾ قُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُ وَالَّذِينَ لَا يَرْجُونَ

أَيَّامَ اللَّهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۱۴﴾ مَن عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَ مَن أَسَاءَ

فَعَلِيهَا نَرْتَدِّقْ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تَرْجَعُونَ ﴿۱۵﴾

اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے دریا کو تمہارے تابع کر دیا تاکہ اس میں اس کے حکم سے کشتیاں چلتی رہیں اور تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو اور اس نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنی طرف سے تمہارے تابع کر دیا بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں ان لوگوں سے فرما دیجئے جو ایمان لا چکے ہیں کہ وہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ تعالیٰ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے تاکہ ایک قوم کو ان کاموں کا بدلہ دے جو کمایا کرتے تھے۔ جس نے نیک عمل کیے تو اپنے فائدے کے لیے کیے ہیں اور جس نے بُرے کام کیے تو ان کا وبال اسی پر ہوگا پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ کی تسخیر اور مسلمانوں کو درگزر کرنے کی تلقین کا بیان

۱۲۔ ﴿اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لَتَجْرِيَ الْفُلُكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ﴾ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہارے لیے دریا کو تابع کر دیا

تاکہ اس میں اس کے حکم سے اور اس کی اجازت سے کشتیاں چلتی رہیں ﴿وَلَتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ﴾ تاکہ تم اس کے فضل کو تلاش کرو تجارت کے ذریعے یا موتی اور مرجان اور تر و تازہ گوشت (مچھلی) نکالنے کے لیے غوطہ خوری کے ذریعے اس کے فضل کو تلاش کرو ﴿وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔

۱۳۔ ﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا [”جمیعاً“، ”ما فی السموات“ کی تاکید ہے اور یہ ”سخر“ کا مفعول ہے اور

بعض نے کہا کہ ”جمیعا“ حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے [﴿قِنَّهُ ط﴾] یہ حال ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو مسخر کر دیا اس حال میں کہ یہ اسی کی طرف ہونے والی ہیں اور اسی کے پاس سے حاصل ہونے والی ہیں یا پھر یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے ”ای هذه النعم کلها (منه)“ یعنی یہ تمام نعمتیں اسی کی طرف سے ہیں یا یہ مصدر کی صفت ہے ”ای تسخیراً (منه)“ یعنی تسخیر اسی کی طرف سے ہے [﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾] بے شک اس میں اس قوم کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔

۱۴۔ ﴿قُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا﴾ اے محبوب! ایمان والوں سے فرمادیجئے کہ وہ درگزر کر لیا کریں ”ای (قل) لهم اغفروا (یغفروا)“ یعنی اے محبوب! آپ ان سے فرمادیجئے کہ تم درگزر کرو اور معاف کر دو تا کہ وہ درگزر سے کام لیں اور معاف کر دیا کریں پھر مقولہ حذف کر دیا گیا ہے اس لیے کہ جواب اس پر دلالت کر رہا ہے اور ”یغفروا“ کا معنی ہے: ”یعفوا“ ویصفحوا“ یعنی وہ معاف کر دیں اور درگزر کر لیا کریں اور بعض نے کہا کہ یہ بلا مضممر مجزوم ہے اور اس کی تقدیر ”لیغفروا“ ہے تاکہ وہ معاف کر دیا کریں سو یہ مستقل فعل امر ہے اور اس سے لام کو حذف کرنا جائز ہے کیونکہ امر ”قل“ اس پر دلالت کرتا ہے ﴿لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ آيَاتُ اللَّهِ﴾ ان لوگوں کے لیے (درگزر سے کام لیں) جو اللہ تعالیٰ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے (یعنی) جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اپنے دشمنوں پر حوادث اور سختیاں نازل کرنے کی امید نہیں رکھتے یہ عرب کے قول کے مطابق ہے کہ وہ حوادث اور جنگوں کے دنوں کو ”ایام العرب“ کہتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ لوگ ان اوقات کی امید نہیں رکھتے جن کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اجر و ثواب کے لیے مقرر فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے ان اوقات میں کامیابی و کامرانی کا وعدہ فرمایا ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جب مشرکین میں سے قبیلہ بنی غفار کے ایک آدمی نے آپ کو گالیاں دیں تو آپ نے اسے پکڑ کر سزا دینے کا ارادہ کیا چنانچہ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں دشمنوں سے درگزر کرنے کی تلقین کی گئی ﴿لِيُجْزِيَ قَوْمًا﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ مسلمان قوم کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ یہ کلام عفو و درگزر کرنے کے حکم کی علت ہے یعنی اہل ایمان کو درگزر کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ان کو درگزر کرنے پر جزائے خیر عطا فرمائے اور ”قوماً“ کی تکمیل ان کی مدح و ثناء کے لیے ہے گویا فرمایا گیا ہے: تاکہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو خاص کر اس قوم کو جس نے اپنے دشمنوں کی اذی اور تکلیفوں پر صبر کیا اور درگزر سے کام لیا انہیں نیک بدلہ دے [ابن عامر شامی] قاری حمزہ کوئی اور علی کسائی کی قراءت میں ”لنجزی“ ہے جب کہ یزید کی قراءت میں ”لِجْزَى قوما“ (یا مضموم اور فعل مجہول ہے) ”أَي لِيُجْزِيَ الْخَيْرِ قوما“ یعنی تاکہ قوم کو جزائے خیر عطا کی جائے پھر ”الخير“ کو مضممر کر دیا گیا کیونکہ کلام اس پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ (درج ذیل) ارشاد ”حَتَّى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ O“ (ص: ۳۲) میں ”شمس“ کو مضممر کیا گیا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ”إِذْ عَرَضَ عَلَيْهِ بِالْعَشيِّ“ (ص: ۳۱) شمس (سورج) کے چھپ جانے پر دلیل ہے اور ”لِيُجْزِيَ الْجَزَاءَ قوما“ تقدیر عبارت جائز نہیں کیونکہ مصدر فاعل کا قائم مقام نہیں ہوتا اور ”معك“ مفعول صحیح ہے لیکن رہا دوسرے مفعول کو فاعل کے قائم مقام کرنا تو یہ جائز ہے اور تم کہتے ہو: ”جزاك الله خيراً“ ﴿بِئْسَ كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ وہ جس قدر نیک کام کرتے رہے تھے۔

۱۵۔ ﴿مَنْ عَمِلْ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا﴾ جس نے نیک عمل کیا تو اس کا فائدہ خود اسی کی ذات کو ہوگا اور جس نے برا کام کیا تو اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا یعنی اجر و ثواب بھی اسی پر ہوگا اور عذاب و عقاب بھی اسی پر ہوگا ﴿تَحْرَالِي رَبَّكَ تُزْجَعُونَ﴾ پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے یعنی اس کی جزاء کی طرف۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ
 وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۱۶﴾ وَآتَيْنَاهُمْ بَيِّنَاتٍ مِنَ الْأَمْرِ فَمَا اخْتَلَفُوا إِلَّا مِنْ
 بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا
 كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ
 أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۸﴾

اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکمت اور نبوت عطا فرمائی اور ہم نے انہیں پاک چیزوں میں سے رزق عطا فرمایا اور ہم نے انہیں ان کے زمانہ والوں پر فضیلت عطا فرمائی اور ہم نے انہیں اس دین کے بارے میں روشن دلیلیں عطا فرمادیں سو انہوں نے اختلاف نہیں کیا مگر ان کے پاس علم آ جانے کے بعد محض باہمی بغاوت و حسد کی وجہ سے بے شک آپ کا پروردگار ان کے درمیان قیامت کے دن ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے اور پھر ہم نے آپ کو اس دین کے عمدہ راستے پر لگا دیا سو آپ اسی کی پیروی کیجئے اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے جو کچھ نہیں جانتے

اللہ تعالیٰ کے انعامات پر بنی اسرائیل کی ناشکری کا بیان

۱۶۔ ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ﴾ اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب (یعنی) تورات عطا فرمائی ﴿وَالْحُكْمَ﴾ اور حکمت و دانائی اور دین کی سمجھ یا لوگوں کے درمیان مقدمات اور جھگڑوں کے فیصلہ کرنے کی قوت و صلاحیت کیونکہ ان میں بادشاہ بھی ہوئے ﴿وَالنُّبُوَّةَ﴾ اور نبوت بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر کیا ہے کہ ان میں انبیائے کرام علیہم السلام کثرت سے تشریف لائے تھے ﴿وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ﴾ اور ہم نے پاکیزہ چیزوں میں سے ان کو رزق عطا فرمایا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ان چیزوں کو حلال کیا جو رزقوں میں سے پاک تھیں ﴿وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ اور ہم نے انہیں تمام جہانوں پر فضیلت و بزرگی عطا فرمائی (یعنی) ان کے زمانہ کے جہان والوں پر انہیں فضیلت و برتری عطا کی گئی تھی۔

۱۷۔ ﴿وَآتَيْنَاهُمْ بَيِّنَاتٍ مِنَ الْأَمْرِ﴾ اور ہم نے ان کو دین کے معاملے میں روشن دلائل اور معجزات عطا کیے تھے ﴿فَمَا اخْتَلَفُوا﴾ سو انہوں نے اختلاف نہیں کیا (یعنی) سو ان کے درمیان دین کے بارے میں اختلاف واقع نہیں ہوا ﴿إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ﴾ مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آچکا محض باہمی بغاوت و سرکشی کی وجہ سے یعنی مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس وہ چیز آچکی تھی جو اختلاف کے زائل و ختم کرنے کا سبب اور موجب تھی اور وہ علم ہے اور بے شک انہوں نے صرف اس بغاوت و سرکشی کے سبب اختلاف کیا تھا جو ان کے درمیان آپس میں ایک دوسرے کے خلاف پیدا ہو گیا تھا یعنی عداوت و دشمنی اور حسد کی وجہ سے ﴿إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ بے شک آپ کا پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ فرما دے گا جن میں وہ لوگ اختلاف کرتے تھے بعض اہل علم نے

فرمایا کہ بنی اسرائیل کا حسد و بغض اور ریاست و چودھراہٹ کی طلب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے اوامر (احکام) اور نواہی (ممنوعات) میں اختلاف پیدا ہونا مراد ہے، جہالت بے علمی اور نادانی کی وجہ سے نہیں جس کے ساتھ انسان معذور سمجھا جاتا ہے۔ حضور ﷺ کے دین کی پیروی کرنے اور ظالموں کی مذمت کا بیان

۱۸۔ ﴿ثُمَّ يَجْعَلُكَ عَلَىٰ شَرِيحَةٍ مِّنَ الْأُمْرِ﴾ پھر (اے محبوب!) ہم نے آپ کو اس دین کے عمدہ راستے پر لگا دیا (یعنی) پھر اہل کتاب کے اختلاف کے بعد ہم نے آپ کو اس دین کے راستے اور طریقے پر گامزن کر دیا ﴿فَاتَّبِعْهَا﴾ سو آپ اپنی اس شریعت کی پیروی کیجئے جو دلائل و براہین سے ثابت ہے ﴿وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ اور آپ ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے جو بے علم و جاہل ہیں (یعنی) اور آپ جاہلوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے جن پر کوئی دلیل و حجت پیش نہیں کی جاسکتی اور نہ ان کے دین و مذہب کی پیروی کیجئے جو خواہش نفسانی اور بدعت پر مبنی ہے اور وہ قریش مکہ کے سردار مراد ہیں جنہوں نے ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا تھا کہ آپ اپنے آباء و اجداد کے دین کی طرف لوٹ جائیے۔

إِنَّهُمْ لَن يَغْنُؤُوا عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَإِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ ﴿١٩﴾ هَذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿٢٠﴾ أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمُ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٢١﴾

بے شک وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں آپ کے کچھ کام نہیں آئیں گے اور بے شک ظالم ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اللہ تعالیٰ پر ہیزگاروں کا دوست ہے۔ یہ لوگوں کے لیے روشن دلیلیں ہیں اور ان لوگوں کے لیے سراسر ہدایت اور رحمت ہے جو یقین رکھتے ہیں۔ کیا جن لوگوں نے گناہوں کا ارتکاب کیا ہے انہوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم ان کو ان جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے کہ ہم ان کی زندگی اور موت برابر کر دیں گے وہ بہت برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔

۱۹۔ ﴿إِنَّهُمْ﴾ بے شک وہ (یعنی) بے شک یہ کفار و مشرکین مکہ ﴿لَن يَغْنُؤُوا عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا﴾ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ ﴿اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں آپ کے کچھ کام نہیں آئیں گے اور بے شک ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست و حامی ہیں اور اللہ تعالیٰ پر ہیزگاروں کا دوست اور کار ساز و حامی ہے اور یہ پر ہیزگار اللہ تعالیٰ کے دوست اور محبوب ہیں اور دونوں دوستیوں کے درمیان فضیلت و برتری میں کتنا واضح فرق ہے۔

۲۰۔ ﴿هَذَا﴾ یہ قرآن مجید ﴿بَصَائِرُ لِلنَّاسِ﴾ لوگوں کے لیے بصیرت افروز دلائل ہیں۔ اس قرآن مجید میں دین اسلام کے اصول اور احکام کو دلوں میں روحانی بصیرتوں اور فراستوں کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے جس طرح اس (قرآن) کو روح اور حیات قرار دیا گیا ہے ﴿وَهُدًى﴾ اور یہ قرآن گمراہی سے ہدایت دینے والا ہے ﴿وَرَحْمَةٌ﴾ اور یہ عذاب سے نجات و رحمت ہے ﴿لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ اس قوم کے لیے جو یقین رکھتے ہیں (یعنی) ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور

مرنے کے بعد اٹھنے پر یقین رکھتے ہیں۔

۲۱۔ ﴿أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ﴾ کیا جن لوگوں نے گناہوں کا ارتکاب کیا انہوں نے گمان کر رکھا ہے (یعنی) جنہوں نے گناہوں اور کفر و شرک کا ارتکاب کیا ہے اور اسی سے ”جوارح“ ماخوذ ہے (کہ اعضاء بھی کاروبار اور کام وغیرہ کرتے ہیں) اور کہا جاتا ہے: ”فلان جارحة اہلہ“ یعنی ”کاسبوہم“ وہ سب کام کرنے والے ہیں (اس لیے ”اجترحوا السیئات“ کا معنی ہوا کہ انہوں نے گناہوں کو کمایا) [”ام“ منقطعہ ہے اور ہمزہ ”حسبان“ و گمان کے انکار کے لیے واقع ہوا] ﴿أَنْ يَجْعَلَهُمُ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ کہ ہم ان کو لوگوں کی طرح کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے [”ان نجعلہم“ بہ معنی ”ان نصیرہم“ کے ہے اور یہ اس ”جعل“ سے ماخوذ ہے جو دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے سوان دونوں میں سے پہلا مفعول ”ہم“ ضمیر ہے اور دوسرا مفعول ”كالذین امنوا و عملوا الصالحات“ میں کاف جار تشبیہ ہے] ﴿سَوَاءٌ فِئْیَاهُمْ وَمَمَاتِهِمْ﴾ ان کی زندگی اور ان کی موت برابر ہو جائیں گی اور اس کا معنی دونوں گروہوں کی زندگی اور موت کی مساوات کا انکار ہے یعنی بُروں اور نیکیوں کی نہ تو زندگی برابر ہوگی ہے اور نہ ان دونوں کی موت برابر ہوتی ہے اس لیے کہ ان کی زندگی کے احوال مختلف ہیں کیونکہ نیکیوں کی زندگی عبادات و اطاعات کو قائم رکھنے میں گزرتی ہے جب کہ بُروں کی زندگی گناہوں کے ارتکاب میں گزرتی ہے اور ان کی موت بھی مختلف طریقے پر ہوتی ہے کیونکہ نیکیوں کی موت رحمت و مغفرت اور عزت و کرامت کی خوش خبری پر مشتمل ہوتی ہے اور جب کہ بُروں کی موت رحمت سے مایوسی اور ندامت و حسرت پر ہوتی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ دونوں گروہ موت میں مساوی اور برابر نہیں ہوں گے جیسا کہ وہ زندگی میں رزق اور صحت کے اعتبار سے مساوی اور برابر نہیں ہیں۔

(۱) حضرت تمیم الداری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک رات مقام ابراہیم علیہ السلام کے پاس نماز پڑھ رہے تھے کہ جب دوران تلاوت اس آیت مبارکہ تک پہنچے تو اس کو پڑھ کر رونے لگ گئے اور صبح تک اس کو بار بار پڑھتے رہے اور روتے رہے (۲) اور حضرت خواجہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب اس آیت کریمہ تک پہنچے تو اس کو بار بار دہرا کر پڑھتے رہے اور روتے رہے اور اپنے آپ کو کہتے رہے: اے فضیل! کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ تو دونوں گروہوں میں سے کس گروہ سے ہے [اور یہ ”سواء محیاهم و مماتہم“ وہ جملہ ہے جو کاف تشبیہ سے بدل واقع ہو رہا ہے اس لیے کہ یہ جملہ دوسرا مفعول واقع ہو رہا ہے سو یہ مفرد کے حکم میں ہے اور ”سواء“ علی کسائی حمزہ کوئی اور امام حفص کی قراءت میں ”تجعلہم“ کی ضمیر سے حال ہونے پر منصوب ہے اور ”محیاهم و مماتہم سواء“ کے ساتھ مرفوع ہیں اور قاری اعمش نے ”ومماتہم“ کو منصوب پڑھا ہے۔ ”محیاهم و مماتہم“ دونوں کو مقدم الحاج کی طرح ظرف قرار دیا گیا ہے ”ای سواء فی محیاهم و فی مماتہم“ یعنی وہ اپنی زندگی میں اور اپنی موت میں برابر ہیں] ﴿سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾ بہت بُرا ہے جو وہ لوگ فیصلہ کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے گمان کر رکھا ہے کہ بے شک وہ مسلمانوں کی طرح ہیں سو جسے موافقت کی بساط پر بٹھایا گیا ہو وہ اس کی طرح نہیں ہو سکتا جسے مخالفت کے مقام میں بٹھایا گیا ہو بلکہ ہم ان کے درمیان فرق کریں گے سو ہم مسلمانوں کو کامیاب قرار دے کر سر بلند کر دیں گے اور ہم کافروں کو ذلیل و رسوا کریں گے۔

وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلَيُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ

لَا يُظْلَمُونَ ﴿۲۲﴾ أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ

عَلَى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِهِ غِشْوَةً ۖ فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ ۗ

أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿۲۲﴾ وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا

إِلَّا الدَّهْرُ ۗ وَمَا لَهُم بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿۲۳﴾

اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا اور تا کہ ہر جان کو اس کی کمائی پر بدلہ دیا جائے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ سو کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا اور اللہ تعالیٰ نے علم کے باوجود اس کو گمراہ کر دیا اور اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، سواب اللہ تعالیٰ کے بعد اس کو کون ہدایت دے گا، تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے اور انہوں نے کہا: وہ تو نہیں مگر ہماری دنیا کی زندگی ہم مرتے ہیں اور ہم جیتے ہیں اور ہمیں ہلاک نہیں کرتا مگر زمانہ اور ان کو اس کا کچھ علم نہیں، وہ صرف گمان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کفار کی گمراہیوں کا بیان

۲۲۔ ﴿وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا تا کہ یہ تخلیق اس کی قدرت پر دلالت و رہنمائی کرے ﴿وَلِيُجْزِيَ كُلَّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ﴾ اور تا کہ ہر جان کو اس پر بدلہ دیا جائے جو کچھ (نیک و بد) اس نے کمایا ہے [یہ اس معطل محذوف "لیدل علی قدرته" پر معطوف ہے] ﴿وَهُمْ لَا يَظُنُّونَ﴾ اور ان پر ظلم و ستم ہرگز نہیں کیا جائے گا۔

۲۳۔ ﴿أَفَلَا تَذَكَّرُونَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا یعنی وہ نفس کی خواہش کا مطیع و فرماں بردار بن چکا ہے وہ اس کی پیروی کرتا ہے جس کی اسے نفس دعوت دیتا ہے سو گویا وہ اس کی عبادت و پرستش کرتا ہے جس طرح ایک آدمی اپنے معبود کی عبادت کرتا ہے ﴿وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمِهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی بناء پر اس کو گمراہی پر ڈال دیا، اس لیے کہ اس شخص نے گمراہی کو اختیار کر لیا تھا یا اللہ تعالیٰ نے اس شخص میں گمراہی کا فعل پیدا کر دیا، اس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ یہ شخص اسی گمراہی کو اختیار کرے گا ﴿وَجَعَلَ عَلَىٰ سَمْعِهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس کے کانوں پر مہر لگا دی، سواب وہ وعظ و نصیحت کو قبول نہیں کرے گا ﴿وَقَلْبِهِ﴾ اور اس کے دل پر مہر لگا دی، سواب وہ حق کی تصدیق و تائید نہیں کرے گا ﴿وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشْوَةً﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، سواب وہ عبرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا [قاری حمزہ کوئی اور علی کسائی کی قراءت میں الف کے بغیر "غشوة" ہے] ﴿فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ﴾ سو اللہ تعالیٰ کے بعد اب اسے کون ہدایت دے گا (یعنی) اس کو اللہ تعالیٰ کے گمراہ کرنے کے بعد کون ہدایت دے گا ﴿أَفَلَا تَذَكَّرُونَ﴾ تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے، پس اصل بُرائی خواہش کی پیروی کرنا ہے اور ساری خیر و بھلائی اس کی مخالفت میں ہے سو کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

وكان اليها للخلاف طريق

هواك عدو والخلاف صدیق

إذا طلبتک النفس يوماً بشهوة

فدعها وخالف ما هويت فانما

جب کسی دن تجھ سے تیرا نفس شہوت طلب کرے اور اس کی مخالفت کے لیے کوئی راہ ہو تو اس کو چھوڑ دے اور تو اپنی خواہش نفسانی کی مخالفت کر، سو بے شک تیری خواہش تیری دشمن ہے اور اس کی مخالفت کی راہ تیری دوست ہے۔

[قاری حفص، حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک تشدید کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔]

۲۴۔ ﴿وَقَالُوا مَاهِيَ﴾ اور انہوں نے کہا: وہ تو نہیں یعنی اور کوئی زندگی نہیں ہے کیونکہ کفار عرب سے مرنے کے بعد دوسری زندگی کا وعدہ کیا گیا تھا اس لیے انہوں نے کہا کہ اور کوئی زندگی نہیں ہے ﴿إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا﴾ ماسوا ہماری دنیاوی زندگی کے جس میں ہم زندگی گزار رہے ہیں ﴿سَمُوتٌ وَنَحْيَا﴾ ہم مرتے ہیں اور ہم جیتے ہیں (یعنی) ہم تو مر جاتے ہیں اور ہماری اولاد زندہ رہتی ہے یا یہ کہ بعض لوگ مر جاتے ہیں اور بعض لوگ زندہ رہتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ ہم اپنے باپوں کی پشتوں میں نطفہ کی صورت میں مردہ ہوتے ہیں اور اس کے بعد (روح پڑنے پر) ہم زندہ ہو جاتے ہیں یا یہ کہ ہمیں دونوں چیزیں پہنچتی ہیں موت بھی اور حیات بھی ان کی مراد یہ تھی کہ دنیا میں حیات و زندگی ملتی ہے اور اس کے بعد موت ملتی ہے اور اس کے سوا اور کوئی زندگی نہیں ہے اور بعض اہل علم نے کہا کہ یہ کلام ان لوگوں کا ہے جو تاسخ کے قائل ہیں یعنی ایک آدمی مر جاتا ہے پھر اس کی روح کو کسی مردہ جسم میں داخل کر دیا جاتا ہے پس وہ مردہ جسم اس روح کے ساتھ زندہ ہو جاتا ہے ﴿وَمَا يَهْدِيكُمْ إِلَّا الدَّهْرُ﴾ اور ہمیں صرف زمانہ ہلاک کرتا ہے۔ قریش مکہ اور دیگر کفار یہ گمان کرتے تھے کہ دنوں اور راتوں کے گزرنے سے بننے والا زمانہ ہی نفوس میں موثر ہوتا ہے اور وہ لوگ ملک الموت کا انکار کرتے تھے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حکم سے ملک الموت کے ارواح کو قبضے میں کرنے کے منکر تھے اور وہ لوگ ہر نئے پیدا ہونے والے حادثے کو دھڑا اور زمانہ کی طرف منسوب کرتے تھے اور ان کے بہت سے اشعار زمانے کی شکایت پر ناطق و شاہد ہیں اور اسی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد ہے کہ ”لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الدَّهْرُ“ (بخاری رقم الحدیث: ۶۱۸۱، مسلم رقم الحدیث: ۲۲۳۶) تم زمانے کو گالیاں نہ دیا کرو سو بے شک اللہ تعالیٰ ہی (خالق) دھر ہے یعنی پس اللہ تعالیٰ ہی حوادث کو لانے والا ہے زمانہ نہیں ﴿وَمَا لَكُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ﴾ اور ان کو اس کا کچھ علم نہیں وہ تو نہیں مگر گمان کرتے ہیں (یعنی) اور وہ لوگ یہ بات علم اور یقین کی بناء پر نہیں کہتے بلکہ وہ ظن و گمان اور قیاس و اندازے سے کہتے ہیں۔

وَاذَاتُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ مَّا كَانَ مَجْتَهَمًا إِلَّا أَنْ قَالُوا اتُّوَابًا بَيْنَنَا

إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللَّهُ يُجِيبُكُمْ ثُمَّ يُمِيطُكُمْ ثُمَّ يُجْمَعُكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا

رَايَ فِيهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۶﴾

اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کی کوئی حجت و دلیل نہیں تھی مگر یہ کہ انہوں نے کہا کہ تم ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے لے کر آؤ اگر تم سچے ہو O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں زندگی عطا کرتا ہے پھر وہی تمہیں مارے گا پھر وہی تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O

۲۵۔ ﴿وَاذَاتُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ﴾ اور جب ان پر ہماری واضح اور روشن آیتیں پڑھی جاتیں یعنی قرآن مجید پڑھا

جاتا جس میں وہ آیتیں پڑھ کر انہیں سنائی جاتیں جن میں مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھانے کا ذکر ہوتا ہے ﴿مَّا كَانَ مَجْتَهَمًا﴾ تو ان کے پاس کوئی حجت و دلیل نہیں ہوتی تھی اور ان کے قول کو ”حجت“ کہا گیا ہے حالانکہ وہ حجت نہیں تھا اس

لیے کہ ان کے اپنے گمان میں ان کا قول حجت ہوتا تھا ﴿إِلَّا أَنْ قَالُوا اتَّبَعْنَا آبَاءَنَا﴾ مگر یہ کہ انہوں نے کہا: تم ہمارے باپ دادا کو لے آؤ یعنی ان کو زندہ کرو ﴿إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ اگر تم مرنے کے بعد دوبارہ زندگی ملنے کے دعویٰ میں سچے ہو [”حجتہم“، ”گمان“ کی خبر ہے اور اس کا اسم ”أَنْ قَالُوا“ ہے اور معنی یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی حجت نہیں تھی مگر ان کا صرف یہ کہنا تھا کہ ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے لے آؤ اور ”حجتہم“ کو اس بناء پر مرفوع بھی پڑھا گیا ہے کہ یہ ”گمان“ کا اسم اور ”أَنْ قَالُوا“ خبر ہے۔]

۲۶۔ ﴿قُلِ اللَّهُ يُحْيِيكُمْ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں تمہیں زندگی عطا کرتا ہے ﴿ثُمَّ يُمِيتُكُمْ﴾ پھر وہی اس دنیا میں تمہاری عمروں کے اختتام کے وقت تمہیں مارے گا ﴿ثُمَّ يُحْيِيكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ پھر وہ تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا یعنی وہ تم سب کو قیامت کے دن اٹھائے گا اور جو اس پر قادر ہے وہ تمہارے باپ دادا کو لانے پر بھی ضرور قادر ہے ﴿لَا سِيبَ فِيهِ﴾ اس میں یعنی قیامت کے دن سب کو جمع کرنے میں کوئی شک نہیں ﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ اور لیکن اکثر لوگ مردوں کو اٹھانے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کو نہیں جانتے کیونکہ دلائل میں غور و فکر کرنے سے اعراض و روگردانی کرتے ہیں۔

وَاللَّهُ مَلِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ط وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُحْسِرُ الْمَبْطُلُونَ ﴿۲۷﴾
 وَتَرَى كُلَّ أُمَّةٍ جَائِيَةً ط كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَى إِلَى كِتَابِهَا ط الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ
 تَعْمَلُونَ ﴿۲۸﴾ هَذَا كِتَابُنَا يُنطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ط إِنَّا كُنَّا نَسْتَنسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۲۹﴾
 فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِي رَحْمَتِهِ ط ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ
 الْمُبِينُ ﴿۳۰﴾

اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہی آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز اہل باطل نقصان اٹھائیں گے ○ اور آپ ہر گروہ کو زانوؤں کے بل گرنے والا دیکھیں گے ہر گروہ کو اس کے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا (اور کہا جائے گا کہ) آج تمہیں ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے رہے تھے ○ یہ ہمارا لکھا ہوا ہے جو تم پر حق بیان کرتا ہے بے شک ہم لکھتے رہتے تھے جو کچھ تم عمل کرتے تھے ○ سو لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کا پروردگار انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا یہی واضح کامیابی ہے ○

قیامت کے احوال اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کا بیان

۲۷۔ ﴿وَاللَّهُ مَلِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ط وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُحْسِرُ الْمَبْطُلُونَ﴾ اور تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن باطل پرست نقصان اٹھائیں گے [”يَوْمَ تَقُومُ“ میں نصب کا عامل ”يُحْسِرُ“ ہے اور ”يَوْمَ تَقُومُ“ سے بدل واقع ہو رہا ہے۔]

۲۸۔ ﴿وَتَرَى كُلَّ أُمَّةٍ جَائِيَةً﴾ اور آپ ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرنے والا دیکھیں گے (یعنی) گھٹنوں کے بل پر

بیٹھے والا چنانچہ ”جنا فلان یجثو“ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص اپنے دونوں زانوؤں پر بیٹھا ہو اور بعض کا قول ہے: ”جاثیة“ بہ معنی ”مجتمعة“ ہے ﴿كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَىٰ إِلَىٰ كِتَابِهَا﴾ ہر امت اپنی کتاب کی طرف بلائی جائے گی (یعنی) اپنے اعمال کے صحیفوں کی طرف بلائی جائے گی، سو اسم جنس پر اکتفاء کیا گیا ہے پھر ان سے کہا جائے گا کہ ﴿الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ آج تمہیں تمہارے ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم دنیا میں کرتے تھے [”كُلُّ أُمَّةٍ“ مبتداء ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور قاری یعقوب کی قراءت میں پہلے ”كُلُّ أُمَّةٍ“ سے بدل قرار دینے کی بناء پر مفتوح ہے]۔

۲۹- ﴿هَذَا كِتَابُنَا﴾ یہ (اعمال نامہ) ہمارا لکھا ہوا ہے ”الی کتابہا“ میں کتاب کی اضافت و نسبت امت کی طرف کی گئی ہے اس لیے کہ کتاب کا ان کے ساتھ تعلق ہے کیونکہ ان کے اعمال اس میں درج ہیں اور اس آیت کریمہ میں کتاب کی اضافت و نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا مالک ہے اور اپنے فرشتوں کو حکم دینے والا ہے کہ وہ اس کے بندوں کے اعمال اس میں لکھ لیا کریں ﴿يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ﴾ وہ تم پر بیان کرتی ہے کہ دنیا میں تم نے جو اعمال کیے ان کی تم پر گواہی دیتی ہے ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ بغیر کسی کمی بیشی کے ﴿إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ بے شک تم جو کچھ اعمال کرتے تھے ہم وہ سب کچھ لکھ لیا کرتے تھے (یعنی) ہم فرشتوں سے تمہارے اعمال لکھوا لیا کرتے اور بعض نے کہا کہ ”نسخت“ اور ”استنسخت“ کا ایک معنی ہے اور یہ کتاب سے نقل کر لینا نہیں ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم ثبت اور درج کر لیتے ہیں۔

۳۰- ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِي رَحْمَتِهِ﴾ سو لیکن جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کو ان کا پروردگار اپنی رحمت میں یعنی اپنی جنت میں داخل فرمائے گا ﴿ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ﴾ یہی بڑی واضح کامیابی ہے۔

وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا أَفَلَمْ تَكُنْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿۳۱﴾ وَإِذْ أَقِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيهَا قُلْتُمْ مَا نَدْرِي مَا السَّاعَةُ إِنَّ نَظْرِي إِلَّا ظَنٌّ وَمَآ نَحْنُ بِمُتَّبِعِينَ ﴿۳۲﴾ وَبَدَأَ لَهُمْ فِي سِيَآتِ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۳۳﴾

اور لیکن جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا (ان سے کہا جائے گا): تو کیا تم پر ہماری آیتیں نہیں پڑھی جاتی تھیں سو تم نے تکبر کیا اور تم مجرم قوم تھے ﴿۳۱﴾ اور جب (تم سے) کہا جاتا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں تو تم کہتے تھے: ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے ہم تو صرف گمان کرتے ہیں اور ہم یقین کرنے والے نہیں ﴿۳۲﴾ اور انہوں نے جو عمل کیے تھے ان کی برائیاں ان پر ظاہر ہو جائیں گی اور انہیں وہ (عذاب) گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے ﴿۳۳﴾

۳۱- ﴿وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اور لیکن جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا تو ان سے کہا جائے گا: ﴿أَفَلَمْ تَكُنْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ﴾ تو کیا تم پر میری آیتیں نہیں پڑھی جاتی تھیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ ”(أ) لَمْ يَأْتِكُمْ رَسُولٌ (فَلَمْ تَكُنْ آيَاتِي تُتْلَىٰ

علیکم) ”کیا تمہارے پاس میرے رسول تشریف نہیں لائے تھے؟ پس تم پر میری آیات نہیں پڑھی جاتی تھیں [پھر معطوف علیہ کو حذف کر دیا گیا] ﴿فَأَسْتَكْبِرْتُمْ﴾ پھر تم نے ان (آیات) پر ایمان لانے سے تکبر و غرور کیا ﴿وَكُنْتُمْ قَوْمًا فَجْرِينَ﴾ اور تم جرم و گناہ کرنے والی قوم تھے (یعنی) تم کفار تھے۔

۳۲- ﴿وَإِذْ أَقِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ﴾ اور جب (تم سے) کہا جاتا کہ بے شک جزاء اور سزا دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا اور برحق ہے ﴿وَالسَّاعَةُ لَأَرْيَبُ فِيهَا﴾ اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے [”الساعة“ رفع (پیش) کے ساتھ ”إِنَّ“ کے محل پر معطوف ہے اور اس کا اسم ہے اور قاری حمزہ کوئی کی قراءت میں ”والساعة“ فتح کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور ”وعد الله“ پر معطوف ہے] ﴿قُلْتُمْ مَا نَدْرِي مَا السَّاعَةُ﴾ تو تم کہتے تھے: ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے اور ”ما الساعة“ بمعنی ”أى شىء الساعة“ ہے کہ قیامت کیا چیز ہے ﴿إِنْ نُنظِرُ إِلَّا ظَنًّا﴾ ہم تو محض گمان کرتے ہیں۔ اس کی اصل ”نظن ظنًا“ ہے اور اس کا معنی ظن و گمان کا اثبات ہے اور بس (یعنی محض گمان کا ثبوت دینا مقصود ہے) [پھر حرف نفی اور حرف استثناء داخل کیا گیا تا کہ ظن و گمان کے ماسوا کی نفی کے ساتھ اس کے اثبات کا فائدہ حاصل کیا جائے اور ظن کے ماسوا کی نفی کی تاکید کے لیے (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ کا اضافہ کیا گیا ہے: ﴿وَمَا نَحْنُ بِبَيِّنِينَ﴾ اور ہم یقین کرنے والے نہیں ہیں۔

۳۳- ﴿وَبَدَأَ لَهُمْ سَيِّئَاتِ مَا عَمِلُوا﴾ اور ان کے لیے ان اعمال کی بُرائیاں ظاہر ہو جائیں گی جو انہوں نے کیے تھے (یعنی) ان کفار کے لیے ان کے اعمال کی بُرائیاں ظاہر ہو جائیں گی یا ان کفار کے بُرے اعمال کی سزائیں ان کے لیے ظاہر ہو جائیں گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا“ (الشوری: ۴۰) ”اور بُرائی کی سزا اسی کی مثل بُرائی ہے“ ﴿وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ﴾ اور انہیں وہ عذاب گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اور انہیں ان کے مذاق اڑانے کی سزا ضرور ملے گی۔

وَقِيلَ الْيَوْمَ نُنَسِّكُكُمْ كَمَا نَسَّيْتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا وَمَا وَكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ

مِنْ نَصِيرِينَ ﴿۳۳﴾ ذِكْرٌ بِأَنَّكُمْ أَخَذْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا وَغَدَرْتُمْ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا

فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُونَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿۳۴﴾ فِئْتِهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَوَاتِ

وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۵﴾ وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ

الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۳۶﴾

اور (ان سے) کہا جائے گا: آج ہم تمہیں اس طرح فراموش کر کے (عذاب میں) چھوڑ دیں گے جس طرح تم نے اپنے اس دن کی ملاقات کو فراموش کیے رکھا اور تمہارا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے اور تمہارے لیے کوئی مددگار نہیں ہے۔ یہ اس لیے کہ بے شک تم نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو مذاق بنا لیا تھا اور تمہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا تھا سو آج انہیں اس میں سے نہیں نکالا جائے گا اور ان سے رضا طلب نہیں کی جائے گی۔ سو تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام آسمانوں کا مالک ہے اور زمین کا مالک ہے اور تمام آسمانوں اور زمین میں اسی کی بڑائی ہے

اور وہ سب پر غالب ہے (اور) بہت بڑا حکمت والا ہے ۵

۳۴- ﴿وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنسُكُكُمْ كَمَا نَسَيْتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا﴾ اور (ان سے) کہا جائے گا کہ آج ہم تمہیں فراموش کر دیں گے جس طرح تم نے اپنے اس دن کے ملنے کو بھلا دیا تھا یعنی ہم تمہیں عذاب میں چھوڑ دیں گے جیسا کہ تم نے اپنے اس دن کے ملنے کی تیاری کو چھوڑ دیا تھا اور وہ تیاری اللہ تعالیٰ کی عبادت و ریاضت اور اطاعت و فرماں برداری کرنا ہے یعنی تم نے اس روز اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو اور اس کی طرف سے جزاء کے ملنے کو بھلا دیا تھا [لقاء "کی" یوم "کی طرف" اضافت اس طرح ہے جس طرح ذیل ارشاد میں "مکر" کی اضافت ہے: "بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ" (سبأ: ۳۳) "بلکہ یہ تمہاری رات اور دن کی سازشیں تھیں" ﴿وَمَا أُولَئِكَ إِلَّا كَفَّارٌ﴾ اور تمہارا ٹھکانا یعنی تمہاری منزل و رہائش گاہ دوزخ کی آگ ہے ﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ تَهْوِينٍ﴾ اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔

۳۵- ﴿ذَلِكُمْ بِأَنكُمُ اتَّخَذْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ هُذُوقًا وَغَضَبْتُمْ أَهْلَ الْدُنْيَا﴾ فالیوم ﴿لَا يُخْرِجُونَ مِنْهَا﴾ اس عذاب کا سبب یہ ہے کہ بے شک تم نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو مذاق بنا لیا تھا اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال دیا تھا سو آج انہیں اس میں سے نہیں نکالا جائے گا [قاری حمزہ کوئی اور علی کسالی کوئی کی قراءت میں "لَا يَخْرُجُونَ" (یا مفتوح اور راء اور جیم مضموم فعل مضارع معروف) ہے] ﴿وَلَا لَهُمْ يَسْتَعْتَبُونَ﴾ اور ان سے یہ طلب نہیں کیا جائے گا کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کو منالیں یعنی وہ اسے راضی کر لیں۔

۳۶- ﴿فَلِلَّهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ پس اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں تمام تعریفیں جو آسمانوں کا رب ہے اور زمین کا رب ہے تمام جہانوں کا رب ہے یعنی پس تم اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کی تعریف کرو جو تمہارا رب ہے اور آسمانوں اور زمین اور تمام جہانوں میں سے ہر چیز کا رب ہے سو اس طرح کی پرورش اور ربوبیت عامہ ہر پلنے والے پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کو واجب و لازم کرتی ہے۔

۳۷- ﴿وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ اور تمام آسمانوں اور زمین میں بڑائی صرف اسی کے لیے ہے ﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ﴾ اور وہ اپنے انتقام لینے میں سب پر غالب ہے ﴿الْحَكِيمُ﴾ اپنے احکام میں بہت بڑا حکمت والا ہے۔

ترجمہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحقاف

سورۃ الاحقاف کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۵ اس کی پینتیس آیات چار رکوع ہیں

حَمَّ ۱ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۲ مَا خَلَقْنَا
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى ۳ وَالَّذِينَ كَفَرُوا عَمَّا
أُنذِرُوا مَعْزُونَ ۴ قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا
خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَوَاتِ ۵ اِيْتُونِي بِكِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ هَذَا
أَوْ آثَرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۶

تم ۰ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے جو بہت غالب بڑا حکمت والا ہے ۰ ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان دونوں کے درمیان کی چیزوں کو پیدا نہیں کیا مگر حق کے ساتھ اور مقررہ مدت تک اور جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا ہے وہ اس چیز سے روگردانی کر رہے ہیں جس سے وہ ڈرائے گئے ہیں ۰ (اے محبوب!) فرمائیے کہ کیا تم نے ان کے بارے میں غور کیا جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین میں سے کیا پیدا کیا یا آسمانوں کی پیدائش میں ان کے لیے کوئی شرکت ہے تم اس سے پہلے کی کوئی کتاب یا علم کا بقیہ میرے پاس لے کر آؤ اگر تم سچے ہو ۰

اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت اور کفار اور ان کے بتوں کی مذمت کا بیان

۱ تا ۳ - ﴿حَمْدٌ تَنزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ مَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ یہ کتاب

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے جو سب پر غالب ہے (اور) بڑا حکمت والا ہے ۰ ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان دونوں کے درمیان کی چیزوں کو پیدا نہیں کیا مگر حق کے ساتھ اور حکمت پر مبنی پیدا کیا ﴿وَأَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ اور مقررہ مدت تک جس تک پہنچ کر تمام چیزیں فنا ہو جائیں گی اور وہ قیامت کا دن ہے ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا عَتَا أُنْدَادًا﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا انہیں جس دن کی ہولناکی سے ڈرایا گیا ہے (اس سے وہ روگردانی کرتے ہیں) یہ وہ دن ہے جس کی طرف پہنچ کر ہر مخلوق کی انتہاء ہو جاتی ہے ﴿مُعْرَضُونَ﴾ وہ (اس سے) منہ پھیر لیتے ہیں اس پر ایمان نہیں لاتے اور نہ اس کے لیے تیاری کا اہتمام کرتے ہیں [اور یہ بھی جائز ہے کہ "ما" مصدریہ ہو یعنی ان کو اس دن کے بارے میں ڈرانے سے]۔

۴ - ﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ﴾ اے محبوب! فرمائیے کہ کیا تم نے دیکھا ہے (یعنی) مجھے خبر دو اور بتاؤ کہ ﴿مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ

اللہ﴾ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کرتے ہو "ای تعبدونہ من الاصنام" یعنی بتوں میں سے جن کی تم عبادت کرتے ہو ﴿أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ﴾ انہوں نے زمین میں سے کیا چیز پیدا کی ہے یعنی اگر وہ بت معبود ہیں تو انہوں نے جو کچھ زمین میں ہے اس میں سے کون سی چیز پیدا کی ہے ﴿أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَوَاتِ﴾ یا ان کے لیے آسمانوں میں کوئی حصہ داری ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ کے ساتھ آسمانوں کی تخلیق میں ان کی کوئی شرکت ہے ﴿إِنِّي نَفِثْتُ مِنْ قَبْلِ هَذَا﴾ تم میرے پاس اس سے پہلے کی کوئی کتاب لاؤ یعنی اس کتاب سے پہلے اور وہ قرآن مجید ہے یعنی بے شک یہ کتاب یعنی قرآن مجید توحید کو بیان کرتا ہے اور شرک کی تردید کرتا ہے اور اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں سے کوئی کتاب نازل نہیں کی گئی مگر وہ بھی اسی طرح بیان کرتی تھی سو تم اس سے پہلے کی نازل شدہ کوئی ایک کتاب لاؤ تاکہ غیر اللہ کی عبادت کے جس طریقے پر تم قائم ہو وہ اس کے صحیح ہونے کی گواہی دے ﴿أَوْ آثَرَهُمْ مِنْ عَلَمٍ﴾ یا پہلے لوگوں کے علوم میں سے تمہارے پاس کوئی بچا کھچا علم رہ گیا ہے تو اسے لاؤ ﴿إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ اگر تم سچے ہو کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں بتوں کی عبادت کا حکم دیا ہے۔

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ

الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَفُلُونَ ۝ وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً

وَكَانُوا أَعْبَادَهُمْ كَفِرِينَ ۝

اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا اس سے دعا کرتا ہے جو قیامت کے دن تک اس کے لیے قبول نہیں کرے گا اور وہ تو ان کی دعا سے غافل و بے خبر ہیں اور جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور وہ ان کی عبادت سے منکر ہو جائیں گے۔

۵- ﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنِ دُعَائِهِمْ غَفُلُونَ﴾ اور ان سے بڑھ کر زیادہ گمراہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان سے دعا کرتے ہیں جو انہیں قیامت کے دن تک جواب نہیں دیں گے اور وہ تو ان کی دعا سے غافل و بے خبر ہیں یعنی ہمیشہ کے لیے۔

۶- ﴿وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً﴾ اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے یعنی بت اپنی عبادت کرنے والوں کے دشمن ہو جائیں گے ﴿وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كُفْرِينَ﴾ اور وہ ان کی عبادت سے انکار کرنے والے ہو جائیں گے یعنی بت اپنی عبادت کرنے والوں کی عبادت سے انکار کر دیں گے وہ کہیں گے کہ ہم نے ان کو اپنی عبادت کی طرف نہیں بلایا تھا اور ”مَنْ أَضَلُّ“ میں استفہام کا معنی انکار اور نفی ہے کہ بت پرستوں سے بڑھ کر اور کوئی زیادہ گمراہ نہیں ہے بلکہ بت پرست سب سے زیادہ اور سب سے بڑھ کر گمراہ ہیں کیونکہ انہوں نے ہر چیز پر قادر اور ہر ایک کی دعا سننے والے اور قبول کرنے والے خدا سے دعا کرنا چھوڑ دیا اور اس کے علاوہ بے جان بتوں سے دعا کرنے لگ گئے جو ہمیشہ رہتی دنیا تک اور قیامت کے قائم ہونے تک نہ ان کی دعا سنتے ہیں اور نہ ان میں سے کسی کی دعا قبول کرنے کی قدرت و طاقت رکھتے ہیں اور جب قیامت قائم ہوگی اور تمام لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے پس ان کے بت دونوں جہاں میں ان کے لیے صرف باعث ضرر و نقصان ثابت ہوں گے اور ان کے باطل معبود بتوں نے دنیا میں ان کی دعا نہیں اور فریادیں قبول نہ کر کے ان کی کوئی مدد نہیں کی اور آخرت میں وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور جب ان کی طرف استجابت و غفلت کی نسبت کی گئی جو کہ اہل علم کی طرف منسوب کی جاتی ہے تو ان کے لیے ”مَنْ“ اور ”هُمْ“ کہا گیا اور محض ان کا اور ان کی عبادت کا مذاق اڑانے کے لیے ان کو ترک استجابت اور غفلت کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے اور اسی کی مثل یہ ارشاد ہے کہ ”إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ“ (فاطر: ۱۷) ”اگر تم ان کو بلاؤ تو وہ تمہاری پکار نہیں سنیں گے اور اگر (بفرض محال) وہ سن لیں تو وہ تمہاری التجا قبول نہیں کر سکیں گے اور وہ قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے۔“

وَإِذَا تَنَزَّلَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاللَّحِقَ لِبَآئِنَا هُمْ هَذَا

سِحْرٌ مُّبِينٌ ۚ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ إِنْ افْتَرَيْتُمْ فَلَا تَكُونُوا لِي مِنَ اللَّهِ

شَيْئًا ۚ هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تُفِيضُونَ فِيهِ كَفَىٰ بِهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَهُوَ الْغَفُورُ

الرَّحِيمُ ۚ قُلْ مَا كُنْتُ بِدَاعٍ مِنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ۚ

إِنْ أَتَيْتُمُ الْآيَاتِ الْيُوحَىٰ إِلَىٰ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۚ

اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کافر حق کے متعلق کہتے ہیں جب وہ ان کے پاس آچکا کہ یہ کھلم کھلا جادو ہے O کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے اس (قرآن) کو خود گھڑ لیا ہے (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ اگر میں نے اس کو گھڑ لیا ہے تو تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتے وہ ان باتوں کو خوب جانتا ہے جن میں تم مشغول رہتے ہو میرے درمیان اور تمہارے درمیان وہی گواہی دینے کو کافی ہے اور وہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ میں رسولوں میں سے کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں اور میں از خود نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ یہ کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا اور میں تو پیروی نہیں کرتا مگر اسی کی جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اور میں تو نہیں ہوں مگر کھلم کھلا ڈرنانے والا O

قرآن مجید کی حقانیت اور کفار کی مذمت کا بیان

۷- ﴿وَإِذْ أَنْتَلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ﴾ اور جب ان پر ہماری واضح آیتیں تلاوت کی جاتیں۔ ”بَيِّنَاتٍ“، ”بَيِّنَةٌ“ کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: حجت و دلیل اور گواہ یا (حق و باطل اور حلال و حرام کو) واضح طور پر بیان کرنے والیں ﴿قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاللَّحِقُ﴾ تو جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا وہ حق کے بارے میں کہتے ہیں۔ یہاں ”حق“ سے آیات مراد ہیں اور ”الذین کفروا“ سے وہ لوگ مراد ہیں جن پر قرآن مجید کی آیات تلاوت کی جاتی تھیں پس دونوں ظاہر اسموں کو دو ضمیروں کی جگہ پر رکھا گیا ہے تاکہ منکرین پر کفر کی اور تلاوت کردہ آیات الہیہ پر حق ہونے کی مہر لگا دی جائے ﴿لَتَأْتِيَٰ هُمْ﴾ جب وہ (حق) ان کے پاس آیا یعنی جس وقت حق سچ پر مبنی قرآن مجید ان کے پاس آیا تو اس کے آتے ہی انہوں نے اس کا انکار کے ساتھ سامنا کیا اور پہلی دفعہ سنتے ہی انہوں نے بلا سوچے سمجھے اور بغیر غور و فکر کے انکار کر دیا ﴿هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ﴾ یہ کھلا جادو ہے جس کا جادو اور باطل ہونا بالکل ظاہر ہے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔

۸- ﴿أَمْ يَفْقَهُونَ افْتَرَاهُ﴾ کیا وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اس کو خود گھڑ لیا ہے۔ اس میں کفار کی طرف سے آیات قرآنی کو جادو کہنے کے ذکر سے ان کے اس قول کی طرف اعراض ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کو از خود بنا لیا یعنی اس کو خود گھڑ لیا پھر اس جھوٹ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کردی اور اس میں ضمیر ”حق“ کی طرف لوٹتی ہے اور حق سے قرآن مجید کی آیات مراد ہیں ﴿قُلْ إِنْ افْتَرَيْتُمْ فَلَا تَكُونُوا لِي مِنَ الَّذِينَ شَيْءٌ﴾ (اے محبوب!) فرمائیے کہ اگر میں نے اس کو خود گھڑ لیا ہے تو تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتے ہو یعنی اگر بفرض محال میں نے اس کو خود گھڑ لیا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی ذات پر بہتان تراشنے کی وجہ سے مجھے سزا دے تو تم مجھے سزا دینے سے اس کو روکنے اور میرا دفاع کرنے کی قدرت و اختیار نہیں رکھتے ہو اور نہ تم اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سے کچھ دور کر سکتے ہو سو میں اسے کیسے گھڑوں گا اور میں اس کے عذاب کے لیے اپنے آپ کو کیونکر پیش کروں گا ﴿هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تُفِيضُونَ فِيهِ﴾ وہ ان باتوں کو خوب جانتا ہے جن میں تم مشغول ہوتے ہو یعنی تمہاری ان باتوں کو خوب جانتا ہے جو وحی الہی میں جرح و قدح کرتے ہو اور اس کی آیات میں زبان طعن دراز کرتے ہو اور کبھی ان کو جادو اور کبھی ان کو جھوٹ و افتراء کہتے ہو ﴿كَفَىٰ بِهٖ شَرِيحًا بَيِّنًا وَبَيِّنَاتٍ﴾ میرے درمیان اور تمہارے درمیان گواہی دینے کو اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے وہی میری سچائی اور میری تبلیغ حق کی گواہی دے گا اور تمہارے جھوٹ اور انکار کی گواہی دے گا اور اللہ تعالیٰ کے علم اور گواہی کے ذکر کرنے کا مطلب حق کے خلاف زبان درازی میں ان کے مشغول ہونے پر عذاب و عقاب اور سزا کی وعید (دھمکی دینا) ہے ﴿وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ اور وہ بہت مغفرت و بخشش کرنے والا ہے بے حد مہربان ہے (یعنی) اگر کفار اپنے کفر و شرک سے توبہ کر لیں اور وہ ایمان لے آئیں تو ان کے لیے

مغفرت و رحمت کا وعدہ ہے۔

۹۔ ﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ میں رسولوں میں سے کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں یعنی میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں جس طرح ”خَفَّ“ بہ معنی ”خَفِيفٌ“ آتا ہے اسی طرح ”بَدْعًا“ بہ معنی ”بَدِيعًا“ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک میں کوئی پہلا رسول نہیں ہوں کہ تم میری نبوت کا انکار کر دو ﴿وَمَا أَدْرِى مَا يَفْعَلُ بِي وَكَأَيُّكُمْ﴾ اور میں از خود (اپنے آپ) نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ یہ کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا یعنی میں نہیں جانتا کہ آئندہ مستقبل کے زمانہ میں میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

حضرت امام کلبی تابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ جب صحابہ کرام علیہم الرضوان، مشرکین مکہ کے ظلم و ستم اور ان کی اذیتوں اور تکلیفوں سے تنگ آ گئے تو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم اس حال پر کب واضح رہے کہ اس آیت مبارکہ میں درایت کی نفی ہے علم کی نفی نہیں ہے اور درایت کا معنی ہے: کسی چیز کو انکل پچوسے اور حیلہ سے یا قیاس سے جاننا اسی لیے ہم نے اس کا معنی کیا ہے: میں از خود نہیں جانتا اور کتب لغت سے اس پر حسب ذیل شواہد ہیں:

دری: حیلہ سے جاننا۔ (المجدد اردو ص ۳۲۱)

دری: وہ معرفت جو کسی قسم کے حیلہ سے حاصل کی گئی ہو۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۲۳)

دری: کسی قسم کے حیلہ سے جاننا۔ (القاموس ص ۱۲۸۲)

کسی چیز کو قیاس سے اور حیلہ سے جاننا درایت ہے اور کسی چیز کو مطلقاً جاننا علم ہے۔ علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ سورہ لقمان: ۳۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: علم کی بجائے درایت کا لفظ اس لیے استعمال فرمایا کہ درایت میں کسی چیز کو حیلہ سے جاننے کا معنی ہے۔ (روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۶۵ دار الفکر بیروت ۱۳۱۷ھ)

اب ہمارے جواب کی تقریر اس طرح ہے کہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر از خود نہیں جانتے تھے کہ آپ کے ساتھ اور آپ کے تابعین کے ساتھ آخرت میں کیا کیا جائے گا اور کفار کے ساتھ آخرت میں کیا کیا جائے گا اس لیے اس آیت میں آپ سے درایت کی نفی کرائی ہے یعنی آپ کہہ دیجئے کہ میں از خود نہیں جانتا کہ میرے ساتھ آخرت میں کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ آخرت میں کیا کیا جائے گا اور اس آیت میں آپ سے علم کی نفی نہیں کرائی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی وحی سے آپ کو علم تھا کہ آپ آخرت میں مقام محمود پر فائز ہوں گے آپ کو شفاعت کبریٰ عطا کی جائے گی سب سے پہلے آپ جنت میں داخل ہوں گے اور آپ کی شفاعت سے ہم جیسے لاتعداد گناہ گار جنت میں داخل ہوں گے اور کفار میدان حشر میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے دیدار سے محروم ہوں گے ان کے چہرے سیاہ اور ان کا اعمال نامہ ان کے بائیں ہاتھ میں ہوگا اور بالآخر ان کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا لہذا اس آیت میں درایت کی نفی ہے یعنی آپ اپنا اور کفار کا آخرت میں انجام از خود نہیں جانتے تھے اگرچہ اللہ تعالیٰ کی وحی سے آپ قطعی طور پر جانتے تھے کہ آپ اور آپ کے تابعین جنتی ہیں اور کفار دوزخی ہیں اور آپ کا جو بھی علم تھا وہ اللہ تعالیٰ کی وحی سے تھا از خود نہیں تھا اور یہی جواب حضرت ام العلاء کی حدیث کا بھی ہے جس میں آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں از خود نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اس حدیث میں بھی آپ نے ”مَا أَدْرِى“ فرمایا ہے ”مَا أَعْلَمُ“ نہیں فرمایا اور آپ نے درایت کی نفی کی ہے علم کی نفی نہیں کی۔

اور اگر بالفرض اس آیت میں اور اس حدیث میں درایت سے مراد علم ہو تو پھر جواب یہ ہے کہ آپ نے درایت کی نفی سے آخرت سے تفصیلی علم کی نفی کی ہے علم اجمالی کی نفی نہیں کی یعنی آپ کو اجمالی طور پر معلوم تھا کہ آخرت میں آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا اور کفار کے ساتھ کیا کیا جائے گا، لیکن تفصیلی طور پر معلوم نہیں تھا کہ آخرت میں جنت میں آپ کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تک رہیں گے؟ سو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”مَا أَدْرِي مَا يَفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ“ میں از خود نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ یہ کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا آیا مجھے مکہ مکرمہ میں چھوڑ دیا جائے گا یا مجھے اس سرزمین کی طرف ہجرت کر کے چلے جانے کا حکم دیا جائے گا جسے اٹھا کر میرے سامنے کیا گیا اور میں نے اس کو دیکھا یعنی خواب میں کہ وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور آپ کے تبعین کے کیا مقامات ہوں گے اور کتنے درجات ہوں گے اور کفار آخرت میں دوزخ کے کون کون سے طبقات میں ہوں گے اور بعد میں آپ کو ان چیزوں کا تفصیلی علم دے دیا گیا جس پر قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیث شاہد ہیں علامہ محمد طاہر پٹی گجراتی متوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (حدیث ام العلاء میں) فرمایا: ”وَاللَّهِ مَا أَدْرِي وَأَنَا رَسُولُ اللَّهِ“ اس میں درایت تفصیلیہ کی نفی کی ہے ورنہ یہ معلوم ہے کہ آپ کے اگلے اور پچھلے تمام بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت ہو چکی ہے اور آپ کے وہ مقامات ہیں جو کسی اور کے نہیں ہیں (الی قولہ) یا یہ حدیث ”لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ“ سے منسوخ ہے۔

(مجمع بحار الانوار ج ۳ ص ۱۷۴-۱۷۵، مکتبہ دارالایمان مدینہ منورہ ۱۴۱۵ھ)

علامہ حسن بن محمد بن نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

حضور نبی کریم ﷺ کو اس وقت تفصیلی درایت حاصل نہیں تھی اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ آپ کو اس وقت تفصیلی درایت حاصل تھی تو آپ نے اس وقت اس درایت کی نفی کی تھی جو آپ کو از خود اپنی عقل سے حاصل ہو اور آپ نے اس درایت کی نفی نہیں کی تھی جو آپ کو وحی سے حاصل ہوئی ہو۔ (غرائب القرآن جز ۲۶ ص ۱۱۸، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

علامہ محمود بن عمر زختری متوفی ۵۳۸ھ نے لکھا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ”مَا أَدْرِي“ میں درایت مفصلہ کی نفی کی گئی ہو۔

(الکشاف ج ۳ ص ۳۰۲، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

جس چیز کو میں اختیار کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس آیت سے درایت کی نفی کرنا مراد ہے جو بغیر وحی کے ہو (میں از خود نہیں جانتا) عام ازیں کہ وہ درایت تفصیلی ہو یا اجمالی ہو اور خواہ اس کا تعلق دنیاوی امور سے ہو یا آخروی امور سے ہو اور میرا اعتقاد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اس وقت تک دنیا سے منتقل نہیں ہوئے یہاں تک کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات صفات اور تمام شانوں کا علم دے دیا گیا اور جن چیزوں کے علم کو کمال قرار دیا جاتا ہے ان تمام چیزوں کا علم آپ کو دے دیا گیا اور آپ کو اتنا علم دے دیا گیا ہے کہ تمام جہانوں میں کسی کو اتنا علم نہیں دیا گیا اور میرا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ دنیا کے بعض جزوی حوادث کا علم نہ ہونے کی وجہ سے آپ کے علم کا کمال نہیں رہے گا مثلاً یہ کہ زید آج اپنے گھر میں کیا کر رہا ہے اور کل کیا کرے گا اور میں کسی قائل کے اس قول کو اچھا نہیں جانتا کہ نبی کریم ﷺ غیب کو جانتے ہیں اس کو اس کے بجائے یہ کہنا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے غیب پر مطلع (آگاہ) فرما دیا ہے یا اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو غیب کا علم عطا فرما دیا ہے یا اس طرح کی کوئی اور بات کہنی چاہیے۔

(تفسیر روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۶-۱۷، دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

حضرت ام العلاء کی حدیث کا علامہ آلوسی نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ”مَا أَدْرِي مَا يَفْعَلُ بِي“ فرمانا

اس آیت کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے یعنی ”لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ“ (فتح: ۲)۔

(روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۶، دار الفکر بیروت)

علامہ حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں آپ کا ”مَا أَدْرِي“ فرمانا سورۃ الاحقاف: ۹ کے موافق ہے کیونکہ اس میں بھی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کھجوروں اور درختوں والی سرزمین ہے [اور "مَا يَفْعَلُ" میں لفظ "ما" ممکن ہے موصولہ منصوبہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ استفہامیہ مرفوعہ ہو اور "وَلَا بِنُكْمٍ" میں حرف "لا" باوجودیکہ "يَفْعَلُ" مثبت ہے منفی نہیں، صرف اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ "مَا أَدْرِي" میں حرف "ما" نفی کے معنی پر مشتمل ہے اور حرف "ما" اس کے حیز میں ہے] ﴿إِن آتَيْتُمُ الْيَهُودَ آلِيكُمْ وَالنَّسَارَىٰ آلِيكُمْ مَا بَدَأْتُمْ بِهِمْ وَمَا تَأْتِيكُمْ بِهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ الْكَلْبَاءِ﴾ اور میں پیروی نہیں کرتا مگر اسی کی جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اور میں نہیں ہوں مگر کھلم کھلا ڈر سنانے والا ہوں۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ مِثْلِهِ فَأَنْوَاسُ كُفْرًا وَإِسْكَرْتُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا الَّذِينَ آمَنُوا لَوْ كَانُوا خَيْرًا مَّا سَبَقُونَا إِلَيْهِ وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهِ فَيَسْئَلُونَ هَذَا أَفْكَ قَدِيمًا ۝

(اے محبوب!) فرمادیجئے کہ کیا تم نے غور سے دیکھا کہ اگر وہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور تم نے اس کا انکار کیا اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے اس پر گواہی دے دی ہے پس وہ ایمان لے آیا اور تم نے تکبر کیا، بے شک اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا اور کافروں نے مسلمانوں کے بارے میں کہا: اگر وہ (اسلام) بہتر ہوتا تو وہ اس کی طرف ہم سے سبقت نہ لے جاتے اور جب انہوں نے اس کی ہدایت نہیں پائی تو عنقریب وہ کہیں گے کہ یہ پرانا جھوٹ ہے۔

۱۰۔ ﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے: اگر یہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور تم نے اس کا انکار کیا اور بنی اسرائیل کے ایک گواہ نے گواہی دی وہ جمہور کے نزدیک حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ آیت مبارکہ مدنی ہے کیونکہ حضرت عبد اللہ ابن سلام کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ مدینہ منورہ میں پیش آیا تھا، چنانچہ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت عبد اللہ ابن سلام نے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر زیارت کی اور آپ کے چہرہ اقدس کو غور سے دیکھا تو جان لیا کہ ایسا چہرہ جھوٹے کا نہیں ہو سکتا، چنانچہ انہوں نے حضور سے عرض کیا کہ میں آپ سے تین سوال ایسے کرتا ہوں کہ جن کو صرف نبی جان سکتا ہے (۱) قیامت کے قائم ہونے کی نشانیوں میں سے پہلی نشانی کیا ہے (۲) اہل جنت جو سب سے پہلا کھانا کھائیں گے وہ کیا ہوگا (۳) اولاد شکل و صورت میں باپ کی طرف مائل ہوتی ہے یا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) "مَا أَدْرِي مَا يَفْعَلُ بِئِي" ہے اور یہ واقعہ "لِيَسْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ" (الفتح: ۲) سے پہلے کا ہے کیونکہ سورۃ الاحقاف کی ہے اور سورۃ الفتح بالاتفاق مدنی ہے اور یہ چیز ثابت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے میں جنت میں داخل ہوں گا اس کے علاوہ اور صریح احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اپنے اخروی احوال اور مقامات کا علم تھا سو جن احادیث میں آپ کے اخروی علم کا ثبوت ہے وہ آپ کے علم اجمالی پر محمول ہیں اور جن آیات اور احادیث میں آپ کے علم اخروی کی نفی ہے وہ علم محیط اور علم تفصیلی پر محمول ہیں۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۳۵۲، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۰ھ، ماخوذ باختصار از تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۵۱ تا ۵۳، فرید بک سٹال، لاہور)

ماں کی طرف سورسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے سب سے پہلی نشانی وہ آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف لے جائے گی اور لیکن رہا پہلا کھانا جسے اہل جنت کھائیں گے تو وہ مچھلی کا جگر ہوگا اور لیکن رہا اولاد کا معاملہ تو جماع کے وقت اگر مرد کا پانی غالب آجائے تو شکل و صورت میں باپ کی طرح ہوتی ہے اور اگر عورت کا پانی سبقت کر کے غالب آجائے تو پھر شکل و صورت میں ماں کی طرح ہوتی ہے چنانچہ حضرت عبداللہ ابن سلام نے یہ سن کر فوراً پڑھا: "أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ حَقًّا" میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے برحق اور سچے رسول ہیں ﴿عَلَىٰ مِثْلِهِ﴾ ضمیر قرآن مجید کی طرف لوٹتی ہے یعنی معنی میں قرآن مجید کی مثل پر اور یہ تو رات شریف کے وہ معانی مراد ہیں جو قرآن مجید کے معانی کے مطابق و موافق ہیں جیسے توحید و رسالت اور وعد اور وعید وغیرہ کا بیان اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور تم نے اس کا انکار کر دیا اور بنی اسرائیل کے ایک گواہ نے اس کی مثل پر گواہی دے دی ہے یعنی اس بات کی کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ﴿فَأَنبِئْ﴾ اور وہ گواہ اس پر ایمان لے آیا ﴿وَاسْتَكْبَرْتُمْ﴾ اور تم نے اس پر ایمان لانے سے تکبر کیا [شرط کا جواب محذوف ہے جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: " (ان كان) القرآن (من عند الله و كفرت به) الستم ظالمين " اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور تم نے اس کا انکار کیا تو کیا تم ظالم نہیں ٹھہرو گے اور اس محذوف پر (درج ذیل کلام) دلالت کرتا ہے] ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا [پہلی واؤ "كفرت به" کو فعل شرط پر عطف کرنے کے لیے ہے اور اسی طرح اخیری واؤ "شهد شاهد" پر "استكبرتم" کا عطف کرنے کے لیے ہے اور "وَشَهِدَ شَاهِدًا" میں جو واؤ ہے یہ "شَهِدَ شَاهِدًا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ مِثْلِهِ فَأَمَّنْ وَاسْتَكْبَرْتُمْ" جملے کا "كان من عند الله و كفرت به" کے جملے پر عطف ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ اے محبوب! ان کفار سے فرمادیتے کہ تم مجھے یہ بتاؤ کہ اگر قرآن مجید کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونا اس سے تمہارے کفر کے ساتھ جمع ہو گیا اور بنی اسرائیل کے بڑے عالم کی اس کی مثل کے نزول پر گواہی دینا اور اس پر اس کا ایمان لانا اس سے تمہارے تکبر کرنے اور اس پر ایمان لانے سے انکار کے ساتھ جمع ہو گیا تو کیا تم تمام لوگوں میں سب سے زیادہ بڑھ کر گمراہ اور ظالم نہیں ٹھہرو گے؟

۱۱- ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا﴾ اور کافروں نے مسلمانوں کے لیے کہا یعنی ان کی وجہ سے کہا اور وہ کفار مکہ ہیں جنہوں نے کہا تھا کہ عام لوگ جو (سید عالم حضرت) محمد (مصطفیٰ ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں وہ گھٹیا لوگ ہیں ان کی مراد فقیر و غریب مسلمان تھے جیسے حضرت عمار، حضرت صہیب رومی اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم ﴿لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُونَا إِلَيْهِ﴾ اگر وہ خیر و بھلائی ہوتی تو اس کی طرف وہ لوگ ہم سے سبقت نہ لے جاتے یعنی حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ جو قرآنی تعلیمات لے کر تشریف لائے ہیں اگر وہ خیر و بھلائی پر مبنی ہوتیں تو یہ لوگ (صحابہ کرام) ان کی طرف ہم سے سبقت نہ لے جاتے ﴿وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهِ﴾ ["اذ" میں عامل محذوف ہے کیونکہ اس پر کلام دلالت و رہنمائی کر رہا ہے اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: " (وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهِ) ظهروا عنادهم " اور جب انہوں نے اس سے ہدایت نہ پائی تو ان کا بغض و عناد ظاہر ہو گیا ﴿فَسَيَقُولُونَ هَذَا إِفْكٌ قَدِيمٌ﴾ سو عنقریب وہ کہیں گے کہ یہ پرانا جھوٹ ہے اور یہ قول مسبب عنہ ہے اور ان کا "افك قديم" یعنی پرانا جھوٹ کہنا اس طرح ہے جس طرح ان کا "اساطیر الاولین" (الانعام: ۲۵) کہنا ہے کہ یہ صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

وَمِنْ قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً ۖ وَهَذَا كِتَابٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانِ عَرَبِيًّا
 لِيُنذِرَ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ وَبُشْرَىٰ لِلْمُحْسِنِينَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ
 ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ
 خَالِدِينَ فِيهَا ۚ جَزَاءً لِّمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ

اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب رہنما اور رحمت تھی اور یہ کتاب تصدیق کرنے والی عربی زبان میں ہے تاکہ ظالموں کو ڈر سنائے اور نیکوں کے لیے بشارت ہو۔ بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ ثابت قدم رہے تو ان پر نہ کوئی خوف و ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہی جنت والے ہیں اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ ان اعمال کا انعام ہے جو وہ کیا کرتے تھے۔

تورات و قرآن اور ثابت قدم رہنے والوں کی شان

۱۲۔ ﴿وَمِنْ قَبْلِهِ﴾ اور اس سے پہلے یعنی قرآن مجید کے نزول سے پہلے ﴿كِتَابُ مُوسَىٰ إِمَامًا﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب رہبر و رہنما تھی امام کا معنی ہے: ایسا مقتدا اور پیشوا جس کی اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے احکام میں پیروی کی جائے جیسا کہ حاکم وقت کی پیروی کی جاتی ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب سے تورات شریف مراد ہے [”کِتَابُ مُوسَىٰ“ مبتدا ہے اور ”وَمِنْ قَبْلِهِ“ ظرف ہے جو کہ اس پر خبر مقدم واقع ہوئی ہے اور یہ ”إِمَامًا“ کا ناصب ہے اور ”إِمَامًا“ حال ہے جیسے ”فِي الدَّارِ زَيْدٌ قَائِمًا“ ہے] اور جو شخص اس پر ایمان لایا اور جو کچھ اس میں ہے اس پر عمل کیا اس کے لیے رحمت تھی ﴿وَهَذَا كِتَابٌ﴾ اور یہ کتاب یعنی قرآن مجید ﴿مُصَدِّقٌ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کی اور ان تمام کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے تھیں ﴿لِّسَانِ عَرَبِيًّا﴾ فصیح و بلیغ عربی زبان میں ہے [یہ ”مُصَدِّقٌ“ میں کتاب کی طرف لوٹنے والی ضمیر سے حال ہے اور اس میں عامل ”مُصَدِّقٌ“ ہے یا خود کتاب سے حال ہے کیونکہ یہ صفت کے ساتھ مخصوص ہے اور اس میں اشارہ کا معنی عمل کر رہا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ”مُصَدِّقٌ“ کا مفعول ہو ”أَيُّ يُصَدِّقُ ذَا لِسَانٍ عَرَبِيٍّ وَهُوَ الرَّسُولُ“ یعنی عربی زبان والا تصدیق کرتا ہے اور وہ رسول اکرم ﷺ ہیں] ﴿لِيُنذِرَ﴾ تاکہ وہ ڈر سنائے یعنی کتاب (قرآن) [ابن عامر شامی اور حجازی کی قراءت میں ”لینذر“ ہے] ﴿الَّذِينَ ظَلَمُوا﴾ جن لوگوں نے ظلم و ستم کیا (یعنی) جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ﴿وَبُشْرَىٰ لِلْمُحْسِنِينَ﴾ اور نیکوں کا روں کے لیے بشارت ہے (یعنی) فرماں بردار نیک مسلمانوں کے لیے بشارت ہے [”بُشْرَىٰ“ محلاً منصوب ہے اور یہ ”لینذر“ کے محل پر معطوف ہے کیونکہ یہ اس کا مفعول لہ ہے۔]

۱۳۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا﴾ بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ ثابت قدم رہے (یعنی) اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور اس کے نبی سرور عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شریعت پر قائم و دائم رہے ﴿فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ﴾ تو قیامت میں ان پر کوئی خوف و ڈر نہیں ہوگا ﴿وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ اور نہ وہ موت کے وقت غمگین و رنجیدہ ہوں گے۔

۱۴۔ ﴿أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا﴾ یہی لوگ جنت کے مالک ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے [خالدین، "اصحاب الجنة" سے حال ہے اور اس میں اشارہ کا معنی عامل ہے جس پر "اولئك" دلالت کرتا ہے] ﴿جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ یہ ان اعمال کا صلہ اور بدلہ ہے جو وہ کرتے تھے [جزاء "مصدر ہے جس پر کلام دلالت کرتا ہے: "ای جوڑو جزاء" یعنی انہیں خوب جزائے خیر دی جائے گی]۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَ
حَمَلُهُ وَفِصْلُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ اَشُدَّاهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً لَّ
قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ
أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْدِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ
الْمُسْلِمِينَ ﴿۱۵﴾

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی وصیت کی اس کی ماں نے اسے تکلیف سے پیٹ میں رکھا اور اسے تکلیف سے ہی جنا اور اسے پیٹ میں اٹھانا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینے ہے یہاں تک کہ جب وہ اپنی قوت کو پہنچا اور چالیس برس کو پہنچ گیا تو اس نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے الہام (توفیق) عطا فرما کہ میں تیری نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی اور یہ کہ میں نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو اور میرے لیے میری اولاد میں نیکی کو راسخ فرما بے شک میں نے تیری طرف رجوع کر لیا ہے اور بے شک میں فرماں برداروں میں سے ہوں O

والدین کی شان اور نیک اولاد کی اہمیت و فضیلت

۱۵۔ ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا﴾ اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک کرنے کی وصیت کی ہے یعنی ہم نے اس کو وصیت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے [کو فیوں کی قراءت میں "احسانا" ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں "حسنا" ہے یعنی ہم نے اس کو اپنے والدین کے ساتھ نیک والے معاملہ کی وصیت کی یا نیک معاملہ کی وصیت کی پس یہ "بوالدینہ" سے بدل کی جگہ واقع ہے اور یہ بدل الاشتمال ہے] ﴿حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا﴾ اس کی ماں نے اسے بڑی مشقت میں پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت سے اسے جنا [اہل حجاز اور ابو عمرو نے (دونوں میں) کاف کو مفتوح یعنی "کرہا" پڑھا ہے اور یہ (کاف مضموم اور مفتوح) دو لغتیں ہیں مشقت کے معنی میں ہیں اور یہ حال کی بناء پر منصوب ہیں یعنی مشقت اٹھانے والی یا یہ مصدر کی صفت ہے یعنی مشقت والا حمل] ﴿وَحَمَلُهُ وَفِصْلُهُ﴾ اور اس کو پیٹ میں اٹھانا اور اس کا دودھ چھڑانا (یعنی) اور اس کے حمل کی مدت اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت ﴿ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾ تیس مہینے ہیں اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ حمل کی کم از کم مدت چھ مہینے ہے کیونکہ رضاعت (دودھ پلانے) کی مدت جب دو سال ہے اس لیے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ (البقرہ: ۲۳۳) تو حمل کے لیے باقی چھ مہینے رہ گئے

اور یہی حضرت قاضی ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ حمل سے ہاتھوں میں اور گود میں بچے کو اٹھانا مراد ہے (کیونکہ اس مدت میں بچہ اپنے آپ کو سنبھال نہیں سکتا) [قاری یعقوب کی قراءت میں "وفصلہ" پڑھا گیا ہے اور "فصل" اور "فصال" وزن اور معنی میں "فطم" اور "فطام" کی طرح ہیں] ﴿حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ اَشُدَّاهُ﴾ یہاں تک کہ جب وہ اپنی قوت کو پہنچ گیا ["اَشُدَّ" جمع ہے اس کے لفظ سے اس کا واحد نہیں آتا اور سیبویہ کہتے تھے کہ اس کا واحد "شِدَّة" ہے] اور "بلوغ الاشد" یہ ہے کہ درمیانی عمر کو پہنچ جائے (یعنی ادھیڑ عمر کا ہو جائے) اور یہ عمر کا وہ سن ہے جس میں آدمی کی قوت اور عقل مستحکم و مضبوط اور پختہ ہو جاتی ہے اور یہ عمر اس وقت ہوتی ہے جب آدمی تیس سال سے بڑھ جاتا ہے اور چالیس سال کے قریب پہنچ جاتا ہے اور حضرت قتادہ سے منقول ہے کہ وہ تینتیس سال ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عقل و قوت کی تکمیل کا آغاز ہوتا ہے چالیس سال مکمل ہو جانے پر اس کی تکمیل کی انتہاء ہوتی ہے

۱۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک عورت پیش کی گئی جس نے شادی کے چھ ماہ بعد بچہ جنا تھا آپ نے اس کے متعلق صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس عورت پر کوئی رحم نہیں کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا" اس کے حمل اور فصال کی مدت تیس ماہ ہے پھر فصال کی مدت کے متعلق فرمایا: "وفصاله فی عامین" دودھ چھڑانے کی مدت دو سال ہے۔ اس کے بعد حمل کے لیے صرف چھ ماہ رہ جاتے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عورت کو چھوڑ دیا۔ (حاشیہ تفسیر مظہری)

قدیم اطباء کی بھی یہی تحقیق ہے۔ حکیم جالینوس سے منقول ہے کہ میں اس امر کی کھوج میں لگا رہا کہ حمل کی کم سے کم مدت کتنی ہے یہاں تک کہ میں نے ایک عورت دیکھی جس نے ۱۸۴ دنوں (چھ ماہ اور سولہ دن) میں بچہ جنا۔

جدید تحقیقات سے بھی یہی ثابت ہو چکا ہے کہ بچے کو کم از کم ۲۸ ہفتے یعنی ۱۹۶ دن رحم میں رہنا پڑتا ہے۔ یہ چھ ماہ اور سولہ دن بنتے ہیں۔ دنوں کا شمار اس وقت شروع ہوتا ہے جب عورت حیض سے فارغ ہوتی ہے اور اس طہر کا آغاز ہوتا ہے جس میں حمل قرار پاتا ہے۔ ضروری تو نہیں کہ طہر کے پہلے دنوں میں ہی حمل قرار پا جائے بلکہ جدید تحقیقات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آئندہ حیض سے ۱۴ دن پہلے دو چار روز کے عرصہ میں عمل تلیقح وقوع پذیر ہوتا ہے۔ اس طرح یہ سولہ دن کا فرق بھی نہیں رہتا۔ حمل کی زیادہ سے زیادہ کتنی مدت ہے قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ ابوعلی سینا نے اپنی مشہور کتاب "الشفاء" کے ننانویں مقالہ میں لکھا ہے کہ مجھے نہایت باوثوق ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ ایک عورت کے ہاں حمل کے چوتھے سال بچہ پیدا ہوا اس کے منہ میں دانت اُگ آئے تھے پھر وہ زندہ سلامت رہا۔ ارسطاطالیس نے کہا ہے کہ دیگر حیوانات کے لیے تو حمل کی مدت مقرر ہے لیکن انسان کے بارے میں یقینی تحدید مشکل ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ قرآن کریم نے دودھ پلانے کی تو زیادہ سے زیادہ مدت بیان کی اور حمل کی کم سے کم مدت؟ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: "ان المقصود من تقدير اقل الحمل ستة اشهر وتقدير اكثر الرضاع حولین کاملین السعی فی دفع الضآر والفواحش وانواع التهمة عن المرأة فسبحان من له تحت كل كلمة من هذا الكتاب اسرار عجيبة ونفائس لطيفة تعجز العقول عن الاحاطة بكمالها" (تفسیر کبیر) ترجمہ: یعنی اس میں حکمت یہ ہے تاکہ عورت سے ہر قسم کی تہمت کا سد باب کیا جاسکے ضرر رسائی اور فحاشی کا قلع قمع ہو سکے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اس کتاب کے ہر کلمہ میں ہزاروں حکمتیں اور لطیفے ودیعت فرمائے ہیں جن کے احاطے سے عقل عاجز ہے۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۸۵ تا ۸۶)

﴿وَبَلَّغْ أَدْبُعِينَ سَنَةً﴾ قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ ﴿ اور وہ چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا تو اس نے عرض کی: اے میرے پروردگار! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو آپ نے مجھ پر اور میرے والدین پر کی ہے ”اَوْزِعْنِي“ بہ معنی ”الْهَمْنِي“ ہے کہ مجھے الہام فرما اور یہاں نعمت سے توحید الہی اور دین اسلام کی نعمت مراد ہے اور بیٹے پر اور اس کے والدین پر نعمت و احسان کے شکر کو اس لیے جمع کیا گیا ہے کہ اس کے والدین پر احسان خود اسی پر احسان ہے ﴿وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ﴾ اور یہ کہ میں نیک کام کروں جس سے آپ راضی ہو جائیں۔ بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ عمل صالح سے بچگانہ نمازیں مراد ہیں ﴿وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي﴾ اور میرے لیے میری اولاد میں نیکی کرنے کا جذبہ و شوق راسخ فرما یعنی میری اولاد کو نیک کاموں کے وقوع پذیر ہونے کا مرکز اور نیکی کے گمان کی جگہ بنا دے ﴿إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَىٰكَ﴾ بے شک میں نے ہر گناہ سے توبہ کر کے تیری طرف رجوع کر لیا ہے ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾ اور بے شک میں فرماں برداروں میں سے ہوں (یعنی) مخلص لوگوں میں سے ہوں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَتَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ وَعَدَّ الصَّدُوقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿۱۶﴾

یہی لوگ جنت والوں میں ہیں جن کی نیکیاں ہم ان کی طرف سے قبول کر لیتے ہیں اور ہم ان کی برائیوں سے درگزر کر لیتے ہیں سچا وعدہ وہ ہے جو ان سے کیا جاتا تھا

۱۶۔ ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَتَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ﴾ یہی لوگ ہیں جن کے نیک اعمال ہم قبول کریں گے اور ان کی برائیوں سے درگزر کریں گے [امام حفص، حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں (نون جمع متکلم کے ساتھ) ”نَتَقَبَّلُ“ اور ”تَتَجَاوَزُ“ (فعل معروف جمع متکلم) ہے اور ”أَحْسَنَ“ منصوب ہے جب کہ ان کے علاوہ کے نزدیک ”يَا“ مضموم فعل مضارع مجہول کے ساتھ) ”يَتَقَبَّلُ“ اور ”تَتَجَاوَزُ“ ہے اور ”أَحْسَنَ“ مرفوع ہے] ﴿فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ﴾ وہ جنت والوں میں ہوں گے۔ یہ تمہارے اس قول کی طرح ہے کہ ”أَكْرَمَنِي الْأَمِيرُ فِي نَاسٍ مِنْ أَصْحَابِهِ“ یعنی مسلمانوں کے امیر نے اپنے ساتھیوں میں سے تمام لوگوں میں میری تعظیم و توقیر کی۔ اس سے تمہارا مقصد یہ ہو کہ اس نے تمام معززین میں میری تعظیم کی اور مجھے انہیں افراد میں شمار کیا [اور یہ حال کی بناء پر محلاً منصوب ہے] اس کا معنی یہ ہے کہ وہ جنت والوں میں ہونے والے ہیں اور ان کو انہیں میں شمار کیا جائے گا ﴿وَعَدَّ الصَّدُوقِ﴾ یہ سچا وعدہ ہے یہ مصدر مؤکد ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ (”نَتَقَبَّلُ“ اور ”تَتَجَاوَزُ“) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے نیک اعمال کی قبولیت اور ان کی برائیوں سے درگزر کر کے جنت والوں میں شامل کرنے کا پکا اور سچا وعدہ ہے۔

شان نزول: مفسرین کرام نے بیان فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے والد حضرت ابوقحافہ عثمان بن عامر بن عمرو اور ان کی والدہ ام الخیر سلمی بنت صخر اور ان کی اولاد (حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر اور ابو عتیق محمد بن عبدالرحمن بن ابی بکر) کے حق میں نازل ہوئی تھی اور حضرت ابوبکر صدیق کی دعا ان سب کے حق میں قبول کر لی گئی تھی چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس وقت ایمان لائے تھے اس وقت ان کی عمر اڑتیس (۸۸) سال تھی اور انہوں نے والدین کے ایمان لانے کی جب دعا کی اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی اور مہاجرین اور انصار میں سے تمام صحابہ کرام میں حضرت

ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماسوا کوئی صحابی ایسا نہیں ہوا جس نے خود اسلام قبول کیا ہو اور اس کے والدین نے اسلام قبول کیا ہو اور اس کے بیٹوں اور اس کی بیٹیوں نے اسلام قبول کیا ہو ﴿الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ﴾ جو انہیں دنیا میں وعدہ دیا جاتا تھا۔

وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَا أَتَعَدَانِي أَنْ أَخْرُجَ وَقَدْ خَلَّتِ الْقُرُونُ
مِنْ قَبْلِي وَهِيَ اسْتَعْيَبَتِنِ اللَّهُ وَيَلِكُ مِنْ قَبْلِ إِنْ وَعَدَا اللَّهُ حَقٌّ فَيَقُولُ
مَا هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۷﴾ أُولَئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي
أُمِّ قَدْ خَلَّتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ إِنَّهُمْ كَانُوا خَسِرِينَ ﴿۱۸﴾

اور وہ جس نے اپنے ماں باپ سے کہا: تم دونوں کے لیے اُف (نفرت) ہے کیا تم دونوں مجھے وعدہ دیتے ہو کہ میں (قبر سے) نکلا جاؤں گا اور بے شک مجھ سے پہلے بہت سی قومیں ایک دوسرے کے بعد گزر چکی ہیں اور وہ دونوں اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں تجھ پر افسوس تو ایمان لائے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے سو وہ کہتا ہے: یہ تو نہیں مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں ○ یہی وہ لوگ ہیں جن پر بات ثابت ہو چکی ہے ان تمام قوموں میں جو ان سے پہلے جنوں اور انسانوں میں سے گزر چکی ہیں بے شک وہ نقصان اٹھانے والے ہیں ○

نافرمان اور بد عقیدہ اولاد کی مذمت کا بیان

۱۷- ﴿وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ﴾ اور وہ جس نے اپنے والدین سے کہا [یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر "أُولَئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ" ہے اور "الَّذِي قَالَ" سے اسم جنس مراد ہے جو بھی یہ بات کہنے والا ہو اور اس لیے خبر کو جمع لایا گیا ہے]۔
شان نزول: اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ اپنے والدین کے نافرمان اور مرتے کے بعد زندہ کر کے اٹھائے جانے کو جھٹلانے والے کافر کے بارے میں نازل ہوئی تھی اور بعض کا قول ہے کہ یہ آیت مبارکہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی تھی جب کہ اس وقت وہ ایمان لا کر اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے، لیکن اس قول کے باطل اور غلط ہونے پر حضرت معاویہ کا مروان کی طرف لکھا گیا خط گواہ ہے جس میں (اس وقت کے گورنر مدینہ) مروان سے کہا گیا کہ وہ لوگوں کو یزید کی بیعت کا حکم دیں چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر نے ان سے فرمایا کہ تم ہر قتل بادشاہ قبیسر روم کے طریقے کو لا رہے ہو کیا تم اپنے بیٹوں کے لیے بیعت لیتے ہو؟ سو مروان نے کہا: اے لوگو! یہ وہ شخص ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَا" اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا: تم دونوں کے لیے اُف ہو، سو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ بات سنی تو سخت ناراض ہوئیں اور پردے کی اوٹ سے فرمایا: اللہ کی قسم اوہ شخص حضرت عبدالرحمن نہیں ہیں اور اگر میں چاہوں تو میں نام لے کر بتا سکتی ہوں کہ یہ آیت کس شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ پر اس وقت لعنت کی تھی جب تم اس کی پشت میں تھے سو تو اللہ تعالیٰ کی لعنت کی وجہ سے راہ راست سے بکٹا ہوا ہے۔

۱۸- حضرت زجاج نے کہا کہ جس نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت مبارکہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر کے بارے میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

﴿ اُقِّ لَكُمْ ﴾ تمہارے لیے اُقِّ ہو اُقِّ وہ آواز ہے کہ جب کوئی انسان اس سے آواز نکالتا ہے اور یہ کلمہ بولتا ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ ڈانٹ کر جھڑکیاں دے رہا ہے اور اپنی نفرت و ناگواری کا اظہار کر رہا ہے جیسا کہ جب کوئی شخص حس کہہ کر آہستہ دکھ بھری آواز نکالتا ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اسے درد لاحق ہے اور لام بیان کے لیے ہے یعنی یہ نفرت و ناگواری صرف تم دونوں کے لیے مخصوص ہے اور صرف تمہارے لیے ہے تمہارے سوا کسی کے لیے نہیں [امام حفص اور نافع مدنی کی قراءت میں "اُقِّ" کا "فا" مکسور تنوین کے ساتھ پڑھا جاتا ہے جب کہ ابن کثیر کی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "فا" مفتوح بغیر تنوین کے "اُقِّ" پڑھا جاتا ہے اور ان کے علاوہ باقی قراء کے نزدیک "فا" مکسور بغیر تنوین کے "اُقِّ" پڑھا جاتا ہے] ﴿ اَتَعْدَانِي اَنْ اُحَدِّثَ ﴾ کیا تم دونوں مجھے وعدہ دیتے ہو کہ میں مرنے کے بعد اٹھایا جاؤں گا اور زمین (یعنی اپنی قبر) سے نکالا جاؤں گا ﴿ وَقَدْ خَلَّتِ الْقُرُونُ مِنْ قَبْلِي ﴾ اور بے شک مجھ سے پہلے بہت سی قومیں اور امتیں گزر چکی ہیں اور ان میں سے کسی کو مرنے کے بعد زندہ کر کے نہیں اٹھایا گیا ﴿ وَهَلْ ﴾ اور وہ دونوں یعنی اس کے دونوں ماں باپ ﴿ يَسْتَعِينُ اللّٰهَ ﴾ وہ دونوں اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں (یعنی) وہ دونوں ماں باپ اپنے بیٹے سے کہتے ہیں کہ تجھ سے اور تیری بات سے ہم اللہ تعالیٰ کی فریاد چاہتے ہیں اور یہ طلب فریاد دراصل اس ناخلف بیٹے کی بات کو بہت بڑا جرم قرار دینا ہے اور وہ دونوں ماں باپ اس سے کہتے ہیں کہ ﴿ وَيْلَكَ ﴾ تجھ پر افسوس ہے۔ اصل میں تو یہ اس کے لیے ہلاکت و تباہی کی بددعا ہے لیکن اس سے مراد اس کو ایمان کی ترغیب دینا اور اسے اس پر برا بیچنے کرنا ہے حقیقی ہلاکت مراد نہیں ہے ﴿ اٰمِنٌ ﴾ تو اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور مرنے کے بعد اٹھنے پر ایمان لے آ ﴿ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ﴾ بے شک مرنے کے بعد اٹھانے جانے کا وعدہ سچا ہے ﴿ فَيَقُولُ ﴾ سو وہ اپنے دونوں ماں باپ سے کہتا ہے: ﴿ مَا هٰذَا اِلَّا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ یہ بات تو نہیں مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں۔

۱۸ - ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن پر بات ثابت ہو چکی ہے یعنی یہ بات "لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمَلْنَ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ" (الاعراف: ۱۸) "البتہ ان میں سے جو تیری پیروی کرے گا تو میں ضرور تم سب سے دوزخ کو بھر دوں گا" ﴿ فَاَمَّا وَقَدْ خَلَّتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالانسِ اٰتَمُّ كَانُوْا اَخْسِرِيْنَ ﴾ ان امتوں میں جو جنوں اور انسانوں میں سے ان سے پہلے گزر چکی ہیں بے شک وہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مِّنْهَا عَمَلُوْا وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۙ وَيَوْمَ يُعْرَضُ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلٰى النَّارِ اَذْهَبَتْهُمُ حَيَاتُهُمْ فِيْ حَيَاتِهِمُ الدُّنْيَا وَاسْتَعْتَمَرُوْا بِهَا

فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الرَّهْوٰنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ

وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ۙ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ان کے اسلام قبول کرنے سے پہلے نازل ہوئی تھی اس نے غلط کہا ہے اور اس کے اس قول کو (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ باطل کر دیتا ہے: "اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ" یہ وہ لوگ ہیں جن پر عذاب کا کلمہ ثابت ہو چکا ہے اور حضرت عبدالرحمن افاضل مؤمنین میں سے بزرگ ترین مؤمن ہیں سو آپ ان میں سے نہیں ہو سکتے جن پر عذاب کا کلمہ ثابت اور واجب ہو چکا ہے۔

(تفسیر لباب التاویل عرف خازن ج ۳ ص ۱۳۵، مطبوعہ مصر، معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۶۸، بیروت، مظہری ج ۸ ص ۷۰، مطبوعہ دہلی)

اور ہر ایک کے لیے ان اعمال کی وجہ سے درجے ہیں جو انہوں نے کیے ہیں اور تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا اور جس دن وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا آگ پر پیش کیے جائیں گے (تو ان سے کہا جائے گا کہ تم اپنی دنیا کی زندگی میں اپنی پاکیزہ چیزیں لے چکے ہو اور تم نے ان سے فائدہ حاصل کر لیا ہے سو آج تمہیں ذلت ناک عذاب کی سزا دی جائے گی اس لیے کہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور اس لیے کہ تم نافرمانیاں کرتے تھے

○

۱۹۔ ﴿وَلِكُلِّ دَرَجَاتٍ﴾ اور ہر ایک کے لیے (یعنی) مذکورہ دونوں جنسوں (جن و انس) میں سے نیکوں اور بُروں سب کے درجے ہیں یعنی مقامات اور مراتب ﴿فَمَا عَمِلُوا﴾ ان اعمال میں سے جو انہوں نے دنیا میں کیے (یعنی) ان کے نیک اور بد اعمال میں سے جو انہوں نے کیے ہیں یا ان اعمال کی وجہ سے جو ان دونوں (نیک و بد) میں سے جو انہوں نے کیے ہیں اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہاں درجات محض تغلیب کے طور پر فرمایا گیا ہے ورنہ دراصل جنت کے لیے درجات آتا ہے اور دوزخ کے لیے درجات آتا ہے ﴿وَلِيُوفِّيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ﴾ اور تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کا بدلہ اور صلہ پورا پورا عطا فرمائے [ابن کثیر مکی ابو عمر و اور امام عاصم کی قراءت میں "یا" کے ساتھ "لیوفیہم" ہے] ﴿وَهُمْ لَا يظلمُونَ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا یعنی انہیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان کے حقوق کے بارے میں ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا بلکہ ان کے اعمال کی مقدار پر ان کی جزاء مقرر کی گئی ہے سو ثواب کے لیے درجات اور عذاب کے لیے درجات کہا جاتا ہے [اور لام محذوف کے متعلق ہے]۔

۲۰۔ ﴿وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ﴾ اور جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے انہیں دوزخ کی آگ پر پیش کیا جائے گا۔ دوزخ کی آگ پر انہیں پیش کرنے کا مطلب ہے کہ انہیں دوزخ کی آگ میں عذاب دیا جائے گا یہ عرب کے اس قول سے ہے: "عرض بنو فلان علی السیف" یعنی فلاں کے بیٹوں کو تلوار پر پیش کیا گیا یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب انہیں تلوار سے قتل کیا جاتا ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ آیت کا مطلب ہے کہ آگ کو ان کافروں پر پیش کیا جائے گا۔ یہ عرب کے اس قول سے ہے: "عرضت الساقۃ علی الحوض" جب کہ حوض کو اونٹنی پر پیش کرنا مراد ہوتا ہے پھر انہیں الٹ کر دیا گیا ﴿أَذْهَبْتُمْ﴾ یعنی ان سے کہا جائے گا کہ تم نے لے لی ہیں ["اذہبتم" ظرف کا ناصب ہے] ﴿فَلْيَبْکُفْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا﴾ اپنی لذیذ و پاکیزہ چیزیں اپنی دنیا کی زندگی میں یعنی لذیذ و عمدہ اور پاکیزہ چیزوں میں سے جو کچھ تمہارے لیے لکھا گیا تھا وہ سب تم نے دنیا میں پالیا اور بلاشبہ اسے تم لے چکے ہو اور اسے تم حاصل کر چکے ہو سو اب ان میں سے تمہارے حصے کی کوئی چیز باقی نہیں رہی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر میں چاہتا تو میں تم سب سے عمدہ اور لذیذ کھانا کھا سکتا تھا اور میں تم سب سے اچھا اور قیمتی لباس پہن سکتا تھا، لیکن میں اپنے حصے کی عمدہ اور لذیذ و پاکیزہ چیزوں کو آنے والی زندگی کے لیے باقی رکھتا ہوں ﴿وَأَسْتَعْتَبْتُمْ﴾ اور تم نے ان سے (یعنی) پاکیزہ چیزوں سے فائدہ اٹھالیا ہے ﴿فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ﴾ سو آج تمہیں ذلت ناک عذاب دیا جائے گا یعنی حقارت و خواری اور ذلت و رسوائی والا عذاب اور "الہنوان" بھی پڑھا گیا ہے ﴿وَبِئْسَ مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ﴾ اس لیے کہ تم زمین میں ناحق تکبر و غرور کرتے تھے ﴿وَبِئْسَ مَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ﴾ اور اس سبب سے کہ نافرمانیاں کرتے تھے یعنی تمہیں تمہارے تکبر و غرور اور تمہارے فسق و فجور کے سبب ذلت ناک عذاب دیا جائے گا۔

وَإِذْ كُرِّهَ عَادٌ إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَّتِ النَّذْرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ
 وَمِنْ خَلْفِهِ إِلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۲۱﴾ قَالُوا
 اجْتَنَّا لِنَأْتِيَنَّا عَنْ إِيْمَتِنَا فَاتَّبِعْنَا مَا تَشَاءُ إِن كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۲۲﴾ قَالَ
 إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَرْسَلْتُ بِهِ وَلَكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ﴿۲۳﴾

اور (اے محبوب!) عاد کے قومی بھائی (حضرت ہود) کو یاد کیجئے، جب اس نے احقاف میں اپنی قوم کو ڈرایا اور بے شک
 اس سے پہلے اور اس کے بعد بہت سے ڈرانے والے گزر چکے کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو بے شک میں تم پر
 ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں O انہوں نے کہا: کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو تا کہ تم ہمیں ہمارے
 معبودوں سے پھیر دو سو تم ہم سے جس کا وعدہ کرتے ہو اسے ہم پر لے آؤ اگر تم سچے ہو O اس نے فرمایا: بے شک اس کا علم
 صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور میں تمہیں وہی چیز پہنچاتا ہوں جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے اور لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں
 کہ تم جاہل قوم ہو O

حضرت ہود علیہ السلام کی تبلیغ کے منکر قوم عاد کا انجام

۲۱۔ ﴿وَإِذْ كُرِّهَ عَادٌ﴾ اور (اے محبوب!) عاد کے قومی بھائی کو یاد کیجئے یعنی حضرت ہود علیہ السلام کو یاد کیجئے
 ﴿إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ﴾ جب اس نے احقاف کی سرزمین پر اپنی قوم کو ڈرایا۔ ”احقاف“، ”حقف“ کی جمع ہے اور یہ
 بلند و بالا اور طویل و لمبے بل کھاتے ہوئے منحنی اور قدرے ڈھلان کے ریتلے ٹیلے تھے جہاں قوم عاد کی بستیاں بنا کر آباد کی گئی
 تھیں اور یہ ”احقوقف الشیء“ سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی چیز ٹیڑھی ہو جائے۔ حضرت عبد اللہ ابن
 عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ احقاف ایک وادی ہے جو عمان اور مہرہ کے درمیان واقع ہے ﴿وَقَدْ خَلَّتِ النَّذْرُ﴾
 اور بے شک بہت سے ڈرانے والے گزر چکے ہیں۔ ”نذر“، ”نذیر“ کی جمع ہے اور یہ بمعنی ”منذر“ ڈرانے والا ہے یا
 یہ ”انذار“ کی جمع ہے ﴿مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ﴾ اس سے پہلے اور اس کے بعد یعنی حضرت ہود علیہ السلام سے پہلے اور
 حضرت ہود علیہ السلام سے پیچھے اور ارشاد باری تعالیٰ ”وَقَدْ خَلَّتِ النَّذْرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ“ جملہ معترضہ ہے جو انذر
 قومہ کے درمیان اور درج ذیل ارشاد کے درمیان واقع ہوا ہے ﴿إِلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾
 یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو بے شک میں تمہارے متعلق بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں اور اس کا
 مطلب یہ ہے کہ اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو کفر و شرک اور بہت بڑے عذاب
 سے ڈرایا تھا اور جو اس سے پہلے رسول گزر چکے تھے انہوں نے بھی اپنی قوموں کو ڈرایا تھا اور جو اس کے بعد آئے تھے انہوں
 نے بھی اسی طرح اپنی قوموں کو ڈرایا تھا۔

۲۲۔ ﴿قَالُوا﴾ انہوں نے کہا یعنی حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا: ﴿اجْتَنَّا لِنَأْتِيَنَّا﴾ کیا آپ ہمارے پاس
 اس لیے آئے تھے تا کہ آپ ہمیں پھیر دیں ﴿عَنْ إِيْمَتِنَا﴾ ہمارے معبودوں سے یعنی ان کی عبادت سے ”لتأفکنا“،
 ”أفک“ سے ماخوذ ہے اور ”أفک“ کا معنی ہے: پھیرنا جیسا کہ کہا جاتا ہے: ”أفکھ عن رأیہ“ اس شخص نے فلاں کو اس

کی رائے سے پھیر دیا ﴿فَأَتَيْنَا بِمَا كَفَرْنَا﴾ سو آپ ہم پر وہ عذاب لے آئے جس کا آپ ہم سے وعدہ کرتے ہیں (یعنی) کفر و شرک کرنے پر جس عذاب کے آنے کا آپ وعدہ کرتے ہیں اور آئے روز ہمیں ڈراتے رہتے ہیں وہ ہم پر لے آئیں ﴿إِنْ كُنْتُمْ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾ اگر آپ اپنے وعدہ میں ان لوگوں میں سے ہیں جو اپنا وعدہ سچا کر دکھاتے ہیں۔

۲۳۔ ﴿قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ﴾ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ عذاب کے آنے کے وقت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور مجھے ذاتی طور پر اس وقت کا علم نہیں ہے جس میں تم پر عذاب آئے گا ﴿وَأَبْلَغُكُمْ مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ﴾ اور میں تمہیں وہی چیز پہنچاتا ہوں جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں [ابو عمرو کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ (باب افعال سے) ”أَبْلَغُكُمْ“ ہے] یعنی میری شان یہ ہے کہ میں تمہیں ڈرانے اور خوف دلانے کی وہی چیز پہنچاتا ہوں جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں ﴿وَلَكِنِّي أُرَاكُمْ قَوْمًا يَجْهَلُونَ﴾ اور لیکن میں تمہیں ایسی قوم دیکھتا ہوں کہ تم جہالت سے کام لیتے ہو یعنی اور لیکن تم جاہل قوم ہو اور تم یہ نہیں جانتے کہ رسولوں کو صرف عذاب الہی سے ڈرانے کے لیے بھیجا جاتا ہے اور اس لیے نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے لوگوں کے لیے ایسے سوالات کریں جن کی انہیں اجازت نہیں۔

فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أُوْدِيِّهِمْ قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا بَلْ هُوَ
مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ رِيحٌ فِئْهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۳۴﴾ تَدْمِرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا
فَأَصْبَحُوا لَا يَرَوْنَ إِلَّا سَمُكًا كَذَلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ
فِي مَا أَنْزَلْنَا فِيهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَآبْصَارًا وَأَفْئِدَةً فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ
وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا أَفْئِدَتُهُمْ مِنْ شَيْءٍ إِذْ كَانُوا يَجْعَدُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَخَاقٍ
بِهِمْ مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۳۶﴾

پھر جب انہوں نے اپنی وادیوں کی طرف آتے ہوئے (عذاب کے) بادل کو دیکھا تو کہنے لگے: یہ ہم پر بارش برسانے والا ہے، بلکہ یہ وہ (عذاب) ہے جس کو تم نے جلدی طلب کر لیا، زبردست آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔ وہ اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے ہر چیز کو تباہ کر دے گی، سو وہ صبح کے وقت ایسے ہو گئے کہ ان کے مکانوں کے سوا کچھ نہیں دیکھا جاتا تھا، اسی طرح ہم مجرموں کو سزا دیتے ہیں اور بے شک ہم نے ان کو ان چیزوں میں قدرت عطا کی تھی جن میں ہم نے تمہیں قدرت نہیں دی اور ہم نے ان کے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے، سو ان کے کانوں نے انہیں فائدہ نہ دیا اور نہ ان کی آنکھوں نے اور نہ ان کے دلوں نے کوئی فائدہ دیا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور انہیں اس عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔

۲۴۔ ﴿فَلَمَّا رَأَوْهُ﴾ سو جب انہوں نے اس عذاب کو دیکھا [ضمیر ”منا تبعدنا“ کی طرف لوثی ہے یا پھر یہ ضمیر مبہم ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد سے وضاحت فرمادی] ﴿عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أُوْدِيِّهِمْ﴾ ان کی وادیوں کی طرف آنے والا ایک بادل اور عارض اس بادل کو کہا جاتا ہے جو آسمان کے چاروں اطراف میں پھیل جاتا ہے [”عارضاً“

تمیز واقع ہو رہی ہے یا پھر حال واقع ہو رہا ہے [﴿قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا﴾ انہوں نے کہا کہ یہ ہم پر بارش برسانے والا بادل ہے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ قوم عاد کے علاقہ میں بارش برسناڑک گئی تھی جس کی وجہ سے وہاں کے باشندوں کو بارش کی اشد ضرورت تھی چنانچہ جب انہوں نے اپنی وادیوں کی طرف بادل کو آتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ بادل ہم پر بارش برسائے گا اور انہوں نے اس بادل کی وجہ سے خوب خوشی کا اظہار کیا [”مستقبل“ اور ”ممطر“ کی اضافت مجازی اضافت ہے معرفہ کرنے والی نہیں ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ یہ دونوں کلمے معرفہ کی طرف مضاف ہونے کے باوجود نکرہ کی صفت ہیں] ﴿بَلْ هُوَ﴾ یعنی حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا: بلکہ یہ وہی عذاب ہے اور اس پر وہ قراءت دلیل ہے جس میں ”قال ہود بل هو“ ہے ﴿مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ﴾ وہ عذاب ہے جس کو تم نے جلدی طلب کر لیا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر و تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿رِيحٌ قَيْحٌ عَذَابٌ آلِيهِ﴾ سخت ترین آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔

۲۵- ﴿تَدَايَعُ كُلُّ فِئَةٍ﴾ وہ ہر چیز کو تباہ کر دے گی (یعنی) وہ آندھی قوم عاد کے افراد و نفوس اور اموال میں سے اکثر کو تباہ و برباد کر دے گی سو کثرت کو کلیت سے تعبیر کیا گیا ہے ﴿بِأَمْرِ رَبِّهَا﴾ اپنے پروردگار کے حکم سے (یعنی) ہوا کے رب تعالیٰ کے حکم سے ﴿فَأَصْبَحُوا آيَاتٍ إِلَّا لَكُم﴾ پس وہ صبح کے وقت ایسے ہو گئے کہ ان کے مکانوں کے سوا کچھ نہیں دیکھا جاتا تھا یعنی ان کی ہلاکت کے بعد صرف ان کے مکانات نظر آتے تھے باقی مکین سب ہلاک ہو گئے تھے [عاصم حمزہ اور خلف کی قراءت میں ”یسا“ کے ساتھ ”لا یرای“ ہے جب کہ ان کے علاوہ کے نزدیک تائے مخاطبہ کے ساتھ ”لا تری مساکنہم“ پڑھا گیا ہے اور خطاب ہر دیکھنے والے کے لیے ہے خواہ کوئی ہو] ﴿كَذَلِكَ بَعَثْنَا الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ﴾ جرم کرنے والی قوم کو ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں یعنی اسی کی مانند ہم ہر اس شخص کو سزا دیں گے جو انہیں لوگوں کی مانند جرم کرے گا اور یہ دراصل مشرکین عرب کے لیے وعید اور ڈراوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت ہود علیہ السلام نے آندھی کو دیکھا تو آپ اپنے مسلمان ساتھیوں سمیت ایک احاطہ میں پناہ گزیں ہو گئے جب ہوا ان کے پاس سے گزرتی تو ان کے نفوس اس سے لذت محسوس کرتے اور یہی آندھی قوم عاد کے پاس سے گزرتی تو ان کے خیموں اور پالانوں کو آسمان اور زمین کے درمیان فضا میں اڑاتی پھرتی اور وہ آندھی ان لوگوں کے سروں پر پتھروں کو گراتی جن کی وجہ سے ان کے بھیجے نکل پڑتے۔

۲۶- ﴿وَلَقَدْ مَكَنَّاكُمْ فِيمَا بَنَیْنَا لَكُمْ فِيهِ﴾ اور بے شک ہم نے ان کو ان چیزوں پر قدرت و قوت عطا کی تھی جن پر ہم نے تمہیں وہ قوت و طاقت اور قدرت عطا نہیں کی [”ان“ نافیہ ہے یعنی ”فِيمَا مَكَنَّاكُمْ فِيهِ“ ہے مگر ”ان“ نافیہ کو لانا لفظ میں بہت بہتر ہے کیونکہ ”مَا“ کا اپنے جیسے ”مَا“ کے ساتھ اجتماع بے مزہ تکرار ہے کیا تم دیکھتے نہیں کہ ”مَهْمَا“ اصل میں ”مَا مَا“ تھا لیکن صرف تکرار کی بد مزگی کی وجہ سے الف کو ”ہا“ سے تبدیل کر دیا گیا اور ”ان“ کو صلہ بھی قرار دیا گیا ہے اور ﴿إِنَّ لَكُمْ فِي مَا مَكَنَّاكُمْ فِيهِ﴾ کے ساتھ اس کی تاویل کی گئی ہے [یعنی بے شک ہم نے انہیں اسی طرح کی چیزوں میں قدرت و اختیار دیا تھا جس طرح ہم نے تمہیں ان چیزوں میں قدرت و اختیار دیا ہے اور پہلی وجہ زیادہ بہتر ہے (درج ذیل) ارشادات کی وجہ سے ”هُمْ أَحْسَنُ أَثَانًا وَرَاءُ يَا“ (مریم: ۷۳) ”وہ لوگ تو سامان اور دکھلاوے میں سب سے بڑھ چڑھ کر تھے“۔ ”كَانُوا أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَأَثَارًا“ (الغافر: ۸۲) ”وہ لوگ (تعداد میں) ان (کفار مکہ) سے زیادہ تھے اور قوت و طاقت اور عمارتیں بنانے میں بہت سخت تھے“ [اور ”فِيمَا“ میں ”مَا“ بہ معنی ”الذی“ ہے یا نکرہ موصوفہ

ہے [﴿وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَابْصَارًا وَاَفْئِدًا﴾ اور ہم نے ان کے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے یعنی جاننے اور سمجھنے کے آلات بنائے ﴿فَمَا اغْنَىٰ عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَا ابْصَارُهُمْ وَلَا اَفْئِدَتُهُمْ مِنْ شَيْءٍ﴾ سو انہیں نہ ان کے کان بچا سکے اور نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل کچھ کام آسکے یعنی کوئی فائدہ نہ ہوا اور اس سے مراد یہ ہے کہ ان چیزوں سے تھوڑا سا بھی فائدہ نہ ہوا ﴿اِذْ كَانُوا يَجْعَدُونَ يَاٰتِ اللّٰهِ﴾ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے [”اِذْ“، ”فَمَا اغْنَىٰ“ کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ علت کے قائم مقام ہے، تعلیل اور ظرف تمہارے اس قول کے معنی میں مساوی ہیں ”ضَرْبُتَهُ لِاَسَافَتِهِ“ میں نے اس کی بُرائی کی وجہ سے اسے مارا ”وَضَرْبُتَهُ اِذَا سَاءَ“ اور میں نے اس کو اس وقت مارا جب اس نے بُرائی کی کیونکہ جب تم نے اسے بُرائی کے وقت میں مارا تو گویا تم نے اسے وقت میں مارا کیونکہ بُرائی وقت میں موجود ہوتی ہے مگر ”اِذْ“ اور ”حَيْثُ“ اس میں باقی ظروف پر غالب ہیں] ﴿وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا يَهِيمُونَ﴾ اور ان کو اس عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے یعنی انہیں مذاق اڑانے کی سزا دی گئی اور ”حَاقَ“ کا معنی ”نَزَلَ“ ہے اور یہ کفار مکہ کے لیے وعید اور دھمکی ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی وعید اور دھمکانے کے لیے مزید ارشاد فرمایا (ذیل میں):

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِنَ الْقُرَىٰ وَصَرَفْنَا الْاٰلِيٰتِ لَعَلَّكُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَوْلَا

نَصْرُهُمُ الَّذِيْنَ اٰتَيْنَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبٰنًا اِلٰهِيًّا طَبْلٌ ضَلُّوْا عَنْهُمُ و

ذٰلِكَ اِفْكَهُمُ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَيْكَ نَفْرًا مِّنَ الْجِنِّ

يَسْتَبْعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلَىٰ قَوْمِهِمْ

مُنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾

اور بے شک ہم نے تمہارے ارد گرد کی بستیوں کو ہلاک کر دیا اور ہم نے آیتوں کو بار بار بیان کیا تا کہ وہ رجوع کریں ○ سو ان کی مدد کیوں نہیں کی جن کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا قرب حاصل کرنے کے لیے معبود بنا لیا، بلکہ وہ ان سے گم ہو گئے اور یہ بہتان ہے اور جو کچھ وہ افتراء کرتے تھے ○ اور جب ہم نے جنوں کے ایک گروہ کو آپ کی طرف پھیر دیا وہ کان لگا کر قرآن کو سنتے، سو جب وہ آپ کے پاس حاضر ہوئے تو کہنے لگے: خاموش رہو پھر جب پڑھنا پورا ہو چکا تو وہ ڈرانے والے بن کر اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے ○

گزشتہ قوموں کی ہلاکت اور جنوں کے ایمان لانے کا بیان

۲۷- ﴿وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِنَ الْقُرَىٰ﴾ اور اے اہل مکہ! بے شک ہم نے تمہارے ارد گرد کی بستیوں کو ہلاک کر دیا جیسے حجر کی بستی جس میں قوم ثمود آباد تھی اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں اور ”القریٰ“ سے اہل القریٰ مراد ہیں اور اس لیے فرمایا: ﴿وَصَرَفْنَا الْاٰلِيٰتِ لَعَلَّكُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ اور ہم نے آیات کو پھیر پھیر کر طرح طرح کے طریقوں سے بیان کیا یعنی ہم نے دلائل اور عبرتوں کے مختلف اقسام و انواع کو ان پر بار بار دہرا کر بیان کیا تا کہ وہ سرکشی و نافرمانی سے توبہ کر کے ایمان کی طرف رجوع کر لیں لیکن انہوں نے رجوع نہیں کیا تھا۔

۲۸۔ ﴿فَلَوْلَا نَصْرُ هُمُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ قُرْبَانًا آلِهَةً﴾ سوان کی مدد کیوں نہ کی جن کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا قرب حاصل کرنے کے لیے معبود بنا لیا تھا ”قربان“ ہر اس عمل کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے یعنی انہوں نے اپنے معبود بتوں کو اللہ تعالیٰ سے سفارش کرنے والے اور اس کی بارگاہ میں انہیں مقرب بنانے والے بنا لیا تھا کیونکہ انہوں نے کہا تھا: ”هُؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ“ (یونس: ۱۸) ”یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کرنے والے ہیں“ [”اتخذوا“ کے دو مفعولوں میں سے ایک مفعول جو ”الذین“ کی طرف لوٹتا ہے وہ محذوف ہے یعنی ”اتخذوہم“ اور دوسرا مفعول ”الہة“ ہے اور ”قرباناً“ حال ہے] ﴿بَلْ ضَلُّوا عَنْهُمْ﴾ بلکہ وہ ان سے گم ہو گئے (یعنی) وہ ان کی مدد کرنے سے غائب ہو گئے ﴿وَذَلِكَ إِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ﴾ اور یہ ان کا جھوٹ ہے اور وہ بہتان تراشی کرتے تھے۔ ”ذالك“ سے اشارہ کفار کے معبودوں کی جانب سے ان کی مدد نہ کرنے کی طرف ہے اور نیز کفار سے ان کے معبودوں کے گم ہو جانے کی طرف ہے یعنی یہ ان کے من گھڑت جھوٹ کا اثر ہے وہ یہ کہ انہوں نے بتوں کو اپنا معبود ٹھہرا لیا اور یہ ان کے کفر و شرک اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹا الزام تراشی کا نتیجہ ہے۔

۲۹۔ ﴿وَإِذْ صَرَّفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ﴾ اور جب ہم نے آپ کی طرف جنوں کے ایک گروہ کو پھیر دیا (یعنی) ہم نے ان کو آپ کی طرف مائل کیا اور ہم نے ان کو آپ کی طرف متوجہ کیا اور ”نفر“ دس سے کم افراد کو کہا جاتا ہے اور جنوں سے نصیبین کے جنات مراد ہیں ﴿يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ﴾ جب کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن مجید سنتے ہیں ﴿فَلَمَّا حَضَرُوهُ﴾ پھر جب وہ ان کے پاس یعنی رسول اکرم ﷺ کے پاس یا پھر قرآن مجید کے پاس حاضر ہوئے یعنی جب یہ جنات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن مجید سننے کے لیے آپ کے پاس حاضر ہوئے تو ﴿قَالُوا أَانصِتُوا﴾ انہوں نے کہا: خاموش ہو جاؤ یعنی انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ خاموش ہو کر قرآن مجید سنو۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اعلان نبوت سے پہلے جنات آسمان پر چڑھ کر چوری چھپے فرشتوں سے مستقبل میں رونما ہونے والے امور کے بارے میں سنتے (اور ان میں اپنی طرف سے کچھ اضافہ کر دیتے) پھر جب اعلان نبوت کے بعد آسمان پر چڑھنے سے انہیں روک دیا گیا اور آسمان کو محفوظ کر دیا گیا اور اوپر جانے پر ان کو آگ کے گولے مارے جاتے تھے اس لیے انہوں نے کہا کہ یہ کسی نئے حادثے کے رونما ہونے کی وجہ سے ہوا ہے چنانچہ نصیبین یا نینوی کے رہنے والے جنات کے سرداروں میں سے سات یا نو جنات کا ایک گروہ کھڑا ہوا اور ان میں سے زولبعہ بھی تھا اور وہ روانہ ہوئے یہاں تک کہ مکہ مکرمہ کی ایک وادی تہامہ میں پہنچے پھر وہاں سے نخلہ نامی وادی میں پہنچے سوانہوں نے آپ کو آدھی رات کے وقت نماز پڑھتے ہوئے قیام کی حالت میں پایا یا پھر فجر کی نماز میں پایا اور انہوں نے آپ سے قرآن مجید کی قراءت کو غور سے سنا۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے نہ جنوں کو از خود قرآن سنایا اور نہ آپ نے انہیں دیکھا بلکہ آپ تو نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے اور جنات وہاں سے گزرے تو قرآن مجید سننے کے لیے رگ گئے جب کہ آپ کو محسوس بھی نہ ہوا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی سماعت سے آپ کو آگاہ فرمایا اور بعض حضرات نے فرمایا: بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکرم و محترم رسول کو حکم دیا کہ آپ جنوں کو ڈرائیں اور ان کو قرآن پڑھ کر سنائیں سواں لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف جنوں کے ایک گروہ کو پھیر دیا چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ آج رات میں جنوں کو قرآن مجید سناؤں تو میرے ساتھ کون چلے گا؟ آپ نے تین دفعہ فرمایا تو حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیار ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ جنوں کی رات میرے سوا حضور کے ساتھ اور کوئی نہیں گیا چنانچہ ہم روانہ ہو گئے یہاں تک کہ جب ہم مکہ معظمہ کی بالائی

جانب چوں کی گھائی میں پہنچے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرے ارد گرد دائرہ کی صورت میں ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ تم اس دائرہ سے باہر نہ نکلنا یہاں تک کہ میں تمہارے پاس لوٹ آؤں پھر آپ نے قرآن پڑھنا شروع کر دیا اور میں نے سخت شور سنا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: کیا تم نے کچھ دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! میں نے سیاہ کالے مردوں کو دیکھا ہے تو آپ نے فرمایا: یہی نصیبین کے جن ہیں اور وہ بارہ افراد تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں جو سورت پڑھ کر سنائی وہ ”اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ“ تھی ﴿فَلْتَأْتِنِي﴾ پھر جب پڑھائی پوری ہو گئی یعنی حضور نبی کریم ﷺ قراءت سے فارغ ہو گئے ﴿وَلْتَوَالِي قَوْمِهِم مُّنْذِرِينَ﴾ تو وہ اپنی قوم کی طرف لوٹ آئے انہیں ڈر سنانے کے لیے۔

قَالُوا يٰقَوْمَنَا اِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا اُنزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ
يَدَيْهِ يَهْدِي اِلَى الْحَقِّ وَاِلَى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾ يٰقَوْمَنَا اَجِبُوْا دَاعِيَ
اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيَجْزِكُمْ مِّنْ عَذَابِ اِلٰهِ ﴿۳۱﴾ وَمَنْ
لَّا يَجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِى الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ رُجُوْمٌ ﴿۳۲﴾
اُولٰٓئِكَ فِى ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۳﴾

انہوں نے کہا: اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کی گئی ہے وہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے وہ حق کی طرف اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے ○ اے ہماری قوم! اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی بات مان لو اور اس پر ایمان لاؤ وہ تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور وہ تمہیں درناک عذاب سے بچالے گا ○ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے داعی کی بات نہیں مانے گا تو وہ (اللہ تعالیٰ کو) زمین میں عاجز کرنے والا نہیں اور اس کے لیے اس کے سوا کوئی مددگار نہیں یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں ○

۳۰- ﴿قَالُوا يٰقَوْمَنَا اِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا اُنزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوسٰى﴾ انہوں نے کہا: اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک ایسی کتاب سنی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کی گئی ہے اور انہوں نے صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اس لیے کہا کہ وہ یہود کے مذہب پر کاربند تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ جنات نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام نہیں سنا تھا نہ وہ انہیں جانتے تھے ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ وہ (قرآن مجید) پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے (اور) ﴿يَهْدِي اِلَى الْحَقِّ وَاِلَى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ وہ حق کی طرف یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

۳۱- ﴿يٰقَوْمَنَا اَجِبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ﴾ اے ہماری قوم! تم اللہ تعالیٰ کے داعی کی بات مان لو اور اس پر ایمان لاؤ یعنی (سرور عالم فخر آدم وبنی آدم) حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا فرمان عالی شان اور ان کی تعلیمات کو برحق تسلیم کر لو اور ان پر ایمان لے آؤ ﴿يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيَجْزِكُمْ مِّنْ عَذَابِ اِلٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا

اور تمہیں دردناک عذاب سے بچالے گا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوا کہ جنات کو ایمان لانے کی صورت میں صرف دوزخ کے عذاب سے نجات ملے گی اور کوئی اجر و ثواب (جنت میں داخلہ) نہیں ملے گا اور حضرت امام مالک امام ابن ابی لیلیٰ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جنات کو ایمان لانے پر دوزخ سے نجات کے ساتھ اجر و ثواب بھی ملے گا اور ایمان نہ لانے اور کفر اختیار کرنے پر عذاب بھی ہوگا اور حضرت ضحاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: جنات ایمان لانے پر جنت میں داخل ہوں گے اور اس کے میوہ جات وغیرہ کھائیں گے اور اس میں مشروبات پیئیں گے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "لَمْ يَطْمِئِنُّنَّ اِنَّسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ" (الرحمن: ۷۴) "انہیں (یعنی جنتی حوروں کو) ان سے پہلے نہ کسی انسان نے چھوا تھا اور نہ کسی جن نے"۔

۳۲۔ ﴿وَمَنْ لَا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَمْرِ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے داعی کی دعوت قبول نہیں کرے گا تو وہ (اللہ تعالیٰ کو) زمین میں عاجز نہیں کر سکے گا یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے بھاگ کر کہیں نہیں جاسکے گا ﴿وَلَيْسَ لَهُ مِنْ دُونِہٖ اَوْلِيَاءٌ اُولٰٓئِكَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے سوا اس کا کوئی حامی و مددگار نہیں ہوگا یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

اُولٰٓئِكَ اِنَّ اللّٰهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْزِبْ عَنْہُمْ بِقَدْرِہُمْ عَلٰۤی اَنْ یُّحٰی الْمَوْتِ بَلٰی اِنَّہٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۲﴾ وَاَلَمْ یَعْرِضْہُمْ لَیَوْمِہٖ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا عَلٰی النَّارِ اَلِیْسَ ہٰذَا بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰی وَرَبِّنَا ط قَالَ فَاذُقُوْا الْعَذٰبَ بِمَا کُنتُمْ تَکْفُرُوْنَ ﴿۳۳﴾

کیا انہوں نے غور سے نہیں دیکھا کہ بے شک جس اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کی پیدائش سے نہیں تھکا وہ مردوں کو زندہ کرنے پر ضرور قادر ہے کیوں نہیں! بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے اور جس روز کافروں کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جائے گا (تو ان سے کہا جائے گا): کیا یہ حق نہیں وہ کہیں گے: کیوں نہیں! ہمارے رب کی قسم! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: سوئم عذاب چکھو اس لیے کہ تم کفر کرتے تھے ۰

مردوں کو زندہ کرنے کی دلیل اور حضور ﷺ کو صبر کرنے کی تلقین کا بیان

۳۳۔ ﴿اُولٰٓئِكَ اِنَّ اللّٰهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْزِبْ عَنْہُمْ﴾ کیا انہوں نے غور سے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ جس نے تمام آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور وہ ان کی پیدائش سے نہیں تھکا (وہ مردوں کو زندہ کرنے پر ضرور قادر ہے) اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس (درج ذیل) ارشاد کی طرح ہے: "وَمَا مَسَّنَا مِنْ لَّغْوٍ ۰" (ق: ۳۸) "اور ہمیں (آسمانوں، زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کے پیدا کرنے پر) تھکاوٹ ہرگز نہیں پہنچی ۰" اور جب کسی معاملہ کی وجہ معلوم نہ ہو سکے تو کہا جاتا ہے: "عَيِّتٌ بِالْاَمْرِ" میں اس معاملے سے عاجز آ گیا ہوں ﴿يَقْدِرُ عَلٰۤی اَنْ یُّحٰی الْمَوْتِ﴾ وہ مردوں کے زندہ کرنے پر قادر ہے [بقادر "محلًا مرفوع ہے کیونکہ یہ "اِنَّ" کی خبر ہے جس کی دلیل حضرت عبداللہ ابن مسعود

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت ”قادر“ ہے اور اس پر حرف ”با“ اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ آیت مبارکہ کے شروع میں نفی ”أَنَّ“ اور اس کے مدخول پر مشتمل ہے [علامہ زجاج نے کہا: اگر تم کہہ دو کہ ”مَا ظَنَنْتُ أَنْ زَيْدًا بِقَائِمٍ“ میں نے گمان نہیں کیا کہ زید کھڑا ہے تو یہ جائز ہے گویا فرمایا گیا: ”أَلَيْسَ اللَّهُ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ“ کیا اللہ تعالیٰ مردوں کے زندہ کرنے پر قادر نہیں کیا تم ”بلی“ کے وقوع کی طرف نہیں دیکھتے جو حشر و نشر وغیرہ میں سے ہر چیز پر قدرت کی تقریر و تقویت کے لیے آیا ہے نہ کہ محض ان کے دیکھنے کے لیے آیا ہے ﴿بَلَىٰ﴾ یہ نفی کا جواب ہے ﴿إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۳۴- ﴿وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ﴾ اور جس روز کافروں کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جائے گا تو ان سے کہا جائے گا: ﴿أَلَيْسَ هَذَا بِالْحَقِّ﴾ کیا یہ حق نہیں ہے [ظرف کا ناصب مضمون ہے اور ”هَذَا“ سے عذاب کی طرف اشارہ ہے یعنی کیا یہ عذاب حق نہیں؟] ﴿قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ﴾ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! ہمارے رب کی قسم! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: سواب تم اس عذاب کو چکھو اس لیے کہ تم کفر کرتے تھے یعنی دنیا میں تمہارے کفر کرنے کے سبب۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ كَأَنْتُمْ يَوْمٌ يَرَوْنَ
مَا يُوعَدُونَ كَمَا يُبَدِّلُ الْأَسَاعِدَ مِنْ نَهَارٍ بَلِغٌ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ
الْفَاسِقُونَ ﴿۳۵﴾

سوائے محبوب! صبر کیجئے جس طرح اولو العزم رسولوں نے صبر کیا اور ان کے لیے جلدی نہ کیجئے، گویا وہ لوگ جس روز اس کو دیکھ لیں گے جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا ہے تو خیال کریں گے کہ وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے مگر دن کا ایک گھنٹہ یہ پیغام ہے سونا فرمانوں کے سوا کسی کو ہلاک نہیں کیا جائے گا O

۳۵- ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ سوائے محبوب! آپ صبر کیجئے جس طرح بڑی ہمت والے رسولوں نے صبر کیا یعنی جس طرح تبلیغ دین کے لیے خوب جدوجہد کرنے والوں اور خوب دین اسلام پر ثابت قدم رہنے والوں اور مشکلات و مصائب پر صبر کرنے والے رسولوں نے کیا [اور حرف ”مِنْ“ تبعیض (بعض) کے معنی میں ہے] اور ”أُولُو الْعَزْمِ“ سے وہ حضرات مراد ہیں جن کا ذکر سورۃ الاحزاب کی اس (درج ذیل) آیت مبارکہ میں کیا گیا ہے: ”وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ ابْنِ مَرْيَمَ“ (الاحزاب: ۷) ”اور اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب ہم نے تمام پیغمبروں سے ان کا عہد لیا اور آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم اور موسیٰ سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے“ اور حضرت یونس علیہ السلام ان میں سے نہیں ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ“ (القلم: ۴۸) ”اور آپ مچھلی کے پیٹ میں رہنے والے پیغمبر کی طرح نہ ہونا“ اور اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام بھی ان میں سے نہیں ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”فَنَسِيَ وَكُنَّا نَجدُّ لَهٗ عَزْمًا“ (طہ: ۱۱۵) ”سو آدم علیہ السلام بھول گئے اور ہم نے ان کا قصد و ارادہ نہیں پایا O“ [یا حرف ”مِنْ“ بیان کے لیے ہے] پس اس طرح سے ”أُولُو الْعَزْمِ“ تمام رسل کی صفت ہو جائے گی ﴿وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ﴾ اور آپ ان کے لیے عذاب کی طلب میں جلدی نہ کیجئے یعنی آپ

قریش مکہ کے کفار کے لیے دعائے ضرر کر کے ان کے لیے عذاب کی طلب میں جلدی نہ کیجئے کیونکہ یہ عذاب ان پر ہر حال میں ضرور نازل ہوگا اگرچہ تاخیر کے ساتھ ہوگا ﴿كَانَ يَوْمَ يَدْعُونَ مَا يَدْعُونَ لَا يَسْمَعُونَ وَالَّذِينَ لَا يَلْمِزُونَ أَلَا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ﴾ جس روز وہ لوگ اس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا ہے تو وہ خیال کریں گے کہ گویا وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے مگر دن کا ایک گھنٹہ یعنی وہ لوگ اس وقت دنیا میں اپنے ٹھہرنے کی (طویل و لمبی) مدت کو قلیل اور تھوڑا تصور کریں گے یہاں تک کہ وہ اسے دن کا ایک گھنٹہ گمان کریں گے ﴿بَلَّغْ﴾ اصل میں ”ہَذَا بَلَاغٌ“ ہے (مبتدا خبر ہیں) یعنی یہ (قرآنی) تبلیغ جس کے ساتھ تمہیں نصیحت کی گئی ہے عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لیے کافی ہے یا یہ اس (محترم و مکرم) رسول کی طرف سے تبلیغ ہے ﴿فَهَلْ يُفْلَكُ﴾ سو ہلاک نہیں کیا جاتا (یعنی) عذاب کی ہلاکت سے کسی کو ہلاک نہیں کیا جاتا اور اس کا مطلب اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کسی کو ہرگز ہلاک نہیں کیا جائے گا ﴿إِلَّا الْقَوْمَ الْفَاسِقُونَ﴾ مگر فاسق و نافرمان قوم کو یعنی مشرکین کو ہلاک کیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کے رسول کی نصیحت اور اس کے موجبات پر عمل کرنے سے خارج اور دور ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورہ محمد مدنی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی اڑتیس آیات چار رکوع ہیں

الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصْذَوْا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَيْنَا مِنْ حَقِّهِ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكْفُرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝ ذٰلِكَ بِأَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَأَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَبِّهِمْ ۝ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ لِلنَّاسِ أَمْثَالَهُمْ ۝

جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا اور انہوں نے (دوسروں کو) اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا ان کے اعمال کو اللہ تعالیٰ نے ضائع کر دیا ۰ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور وہ اس پر ایمان لائے جو محمد پر نازل کیا گیا اور وہ ان کے پروردگار کی طرف سے حق ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی برائیاں ان سے دور فرمادیں اور ان کے حال کو سنوار دیا ۰ یہ اس لیے کہ کفار نے باطل کی پیروی کی اور مسلمانوں نے اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے حق کی پیروی کی اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے ان کی مثالیں بیان کرتا ہے ۰

باطل کی پیروی کے نقصان اور حق کی پیروی کے انعام کا بیان

۱- ﴿الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصْذَوْا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ جن لوگوں نے کفر و شرک کو اختیار کر لیا اور انہوں نے (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا یعنی انہوں نے حق سے اعراض کیا اور دین اسلام کو قبول نہ کیا اور اسلام میں داخل ہونے سے رُکے رہے یا یہ کہ انہوں نے اپنے علاوہ دوسروں کو بھی دین اسلام میں داخل ہونے سے روکا۔ علامہ جوہری نے کہا کہ ”صَدَّ عَنْهُ“

يَصُدُّ صُدُوْدًا“ کا معنی ہے: ”اَعْرَضَ“ یعنی اس نے اعراض کیا اور اپنا منہ پھیر لیا اور ”صَدَّهٗ عَنِ الْاَمْرِ صُدًّا“ کا معنی ہے: ”مَنْعَهُ وَصَرْفَهُ عَنْهُ“ یعنی اسے روک دیا اور اسے اس سے پھیر دیا اور اس سے غزوہ بدر کے دن مسلمانوں سے لڑنے والے کفار کو کھانا کھلانے والے کفار مکہ مراد ہیں یا اس سے اہل کتاب مراد ہیں یا پھر یہ آیت مبارکہ عام ہے اور ہر اس شخص کو شامل ہے جس نے خود کفر و شرک کو اختیار کر لیا اور دوسروں کو بھی اسلام قبول کرنے سے روکا ﴿اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا یعنی تباہ و برباد کر دیا اور ان کو ضائع کر دیا اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو تباہ و برباد کر کے ضائع کر دیا اب نہ تو ان کو کوئی قبول کر سکتا ہے اور نہ ان پر کوئی ثواب دے سکتا ہے جس طرح اونٹنیوں میں سے گم ہونے والی اونٹنی اور ان (کفار) کے اعمال سے وہ نیکیاں مراد ہیں جو انہوں نے حالت کفر میں سرانجام دی تھیں جیسے صلہ رحمی ضرورت مندوں اور مہمانوں کو کھانا کھلانا اور مسجد حرام کی تعمیر کرنا یا پھر ان کے اعمال سے رسول اللہ ﷺ کے خلاف سازشیں تیار کرنا اور دوسرے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ (اسلام) سے روکنا مراد ہے۔

۲- ﴿وَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے۔ یہ لوگ قریش مکہ میں سے ہیں یا انصارِ مدینہ میں سے ہیں یا اہل کتاب میں سے ہیں یا پھر یہ آیت مبارکہ عام ہے (ہر مؤمن اور نیک عمل والے مہاجرین مکہ اور انصارِ مدینہ اور اہل کتاب کو شامل ہے) ﴿وَاٰمَنُوا بِمَا نَزَّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ﴾ اور وہ (حضور سرورِ عالم حضرت) محمد مصطفیٰ ﷺ پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان لائے اور وہ قرآن مجید ہے اور جن چیزوں پر ایمان لانا واجب و لازم ہے ان میں سے صرف رسول اللہ ﷺ پر نازل کردہ تعلیمات پر ایمان لانے کی تخصیص محض آپ کی شان کو بلند و بالا ظاہر کرنے اور اس کی تعظیم و تکریم کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو جملہ معترضہ کے ساتھ مؤکد و مستحکم کر دیا اور وہ (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ﴾ اور وہ یعنی قرآن مجید ان کے پروردگار کی طرف سے حق ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ بے شک دین محمدی ﷺ حق ہے کیونکہ اس پر نسخ وارد نہیں ہوتا اور یہ خود اپنے علاوہ دیگر ادیان کا نسخ ہے ﴿كُفِّرَتْ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان سے ان کی بُرائیاں دور کر دیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان اور ان کے نیک عمل کے سبب ان کے گزشتہ کفر و شرک اور دیگر گناہوں کی پردہ پوشی فرمادی کیونکہ انہوں نے ان چیزوں سے رجوع کر لیا اور انہوں نے سچی توبہ کر لی ﴿وَاَصْلَحَ بِاٰمَانِهِمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کو سنوار دیا یعنی اللہ تعالیٰ نے دین کے امور بجالانے کی توفیق کے ذریعے اور ان کو اپنی نصرت و مدد اور تائید عطا کر کے دنیا پر غلبہ کے ذریعے ان کے حال اور ان کی شان کو سنوار دیا۔

۳- ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ الدّٰنِيْنَ كَفَرُوْا وَاتَّبَعُوا الْبٰطِلَ وَاَنَّ الدّٰنِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَبِّهِمْ﴾ یہ اس لیے کہ کافروں نے باطل کی پیروی کی اور مسلمانوں نے اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے حق کی پیروی کی یعنی یہ معاملہ اس لیے ہوا اور وہ یہ کہ دونوں فریقوں میں سے ایک فریق (کفار) کے اعمال کا ضائع کرنا اور دوسرے فریق (مسلمانوں) کے گناہوں کو مٹا دینا اور ان کے حال کو سنوار دینا اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے (یعنی کفار نے) باطل کی پیروی کی اور وہ شیطان ہے اور انہوں نے (یعنی مسلمانوں نے) حق کی پیروی کی اور وہ قرآن مجید ہے [”ذٰلِكَ“ مبتدا ہے اور اس کے بعد کلام اس کی خبر ہے] ﴿كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے ان کی مثالیں بیان کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس عجیب مثال کی طرح لوگوں کے لیے ان کی مثالیں بیان کرتا ہے ”يَضْرِبُ اللّٰهُ“ بہ معنی ”يُسَبِّحُ اللّٰهُ“ ہے [”ہم“ ضمیر ”الناس“ کی طرف لوٹتی ہے یا مذکورہ بالا دونوں فریقوں کی طرف لوٹتی ہے] اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی خاطر ان کی مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ ان سے عبرت حاصل کریں چنانچہ باطل کی پیروی کو کافروں کے عمل کے لیے مثال قرار دیا گیا

اور حق کی پیروی کو مسلمانوں کے عمل کے لیے مثال قرار دیا گیا یا اعمال کے ضائع کرنے کو کفار کی رسوائی اور ناکامی کے لیے مثال قرار دیا گیا اور گناہوں کے مٹانے اور احوال کے سنوارنے کو نیکیوں (مسلمانوں) کی کامیابی کے لیے مثال قرار دیا گیا۔

فَاذَاقِيْتُمُ الدِّينَ كَفْرًا وَافْضَرِبَ الرِّقَابَ ط حَتَّىٰ اِذَا اَخْتَمْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَتَاقَ ۙ

فَاِمَّا مَنًّا بَعْدًا وَاِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ اُوزَارَهَا ۗ ذٰلِكَ ط وَكُوَيْشَاءُ اللّٰهُ

لَا تُنصِرُ مِنْهُمْ وَاٰلٰكِيْنُ لِيَبْلُوْا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ط وَالَّذِيْنَ قَتَلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

فَلَنْ يُضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۙ سَيُهَيِّدِيْهِمْ وَيُصَدِّقُهُم بِالْحَقِّ ۙ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۙ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللّٰهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ۙ

سو جب تمہارا کافروں سے سامنا ہو تو (ان کی) گردنیں مارو یہاں تک کہ جب تم انہیں کثرت سے قتل کر لو تو مضبوط باندھ لو پھر اس کے بعد یا احسان کرنا یا فدیہ لینا یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دئے معاملہ یہی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سے ضرور بدلہ لے لیتا تا کہ وہ تمہیں ایک دوسرے کے ذریعے آزمائے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے گئے تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا O عنقریب اللہ تعالیٰ ان کی رہنمائی فرمائے گا اور ان کے حال کو سنوار دے گا O اور وہ انہیں جنت میں داخل فرمائے گا اور وہ انہیں اس کی پہچان کرا دے گا O اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور وہ تمہیں ثابت قدم رکھے گا O

جہاد کے سبب مسلمانوں کے لیے انعام و اکرام اور کفار کے لیے ذلت و ہلاکت

۴- ﴿فَاذَاقِيْتُمُ الدِّينَ كَفْرًا﴾ پھر جب کافروں سے تمہاری ملاقات ہو جائے۔ یہاں ملاقات سے جنگ کرنا مراد ہے ﴿فَضْرِبَ الرِّقَابَ﴾ سو تم (ان کی) گردنیں مارو۔ اس کی اصل ”فاضرَبوا الرِقَابَ ضَرْبًا“ سو (ان کی) خوب گردنیں مارو (ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے) [پھر فعل امر کو حذف کر دیا گیا اور مصدر کو مقدم کیا گیا اور اس کو فعل امر محذوف کے قائم مقام کر کے مفعول کی طرف مضاف کر دیا گیا ہے اور اس میں تاکید معنی کے حصول کے ساتھ اختصار بھی ہے کیونکہ جب مصدر کا ذکر کیا جاتا ہے تو اپنے منصوب ہونے کی وجہ سے فعل پر رہنمائی کرتا ہے] اور ”ضَرْبَ الرِّقَابِ“ سے کفار کو قتل کرنا مراد ہے کیونکہ گردنوں کا مارنا مخصوص ہے اس کے علاوہ دیگر اعضاء نہیں اس لیے کہ انسان کا قتل اکثر و بیشتر اس کی گردن مارنے سے ہوتا ہے سو اس لیے گردنیں مارنے سے قتل کرنا مراد ہے اگرچہ گردن کے علاوہ دیگر اعضاء کو بھی مارا جاتا ہے ﴿حَتَّىٰ اِذَا اَخْتَمْتُمُوهُمْ﴾ یہاں تک کہ جب تم انہیں زیادہ سے زیادہ قتل کر لو ﴿فَشُدُّوا الْوَتَاقَ﴾ تو تم (انہیں) مضبوط باندھ لو (یعنی) پس تم انہیں قید کر لو اور ”وَتَاقَ“ داؤ پر زبر اور زیر کے ساتھ اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ کسی کو باندھا جائے اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم قیدیوں کو مضبوطی سے باندھ لو تا کہ وہ تم سے فرار نہ ہو جائیں ﴿فَاِمَّا مَنًّا بَعْدًا﴾ پھر اس کے بعد یا تو احسان کرنا یعنی کفار کو قیدی بنالینے کے بعد یا تو تم ان پر احسان کرنا ﴿وَاِمَّا فِدَاءً﴾ اور یا فدیہ (تاوان) لے لینا [یہ دونوں اپنے دونوں مضمحل (پوشیدہ) فعلوں کی وجہ سے منصوب ہیں] ”اٰی فَاِمَّا تَمْنُوْنَ مِّنَّا اَوْ تَعْدُوْنَ“

فِدَاءً“ یعنی پس تم یا تو احسان کرو یا ان سے فدیہ لے لو [اور اس کا مطلب یہ ہے کہ کفار کو قید کر لینے کے بعد دونوں معاملوں کے درمیان تمہیں اختیار دیا گیا ہے کہ تم چاہو تو ان پر احسان کر کے انہیں چھوڑ دو اور چاہو تو ان سے فدیہ لے لو اور ہمارے (احناف کے) نزدیک مشرکین قیدیوں کا حکم انہیں قتل کرنا ہے یا غلام بنانا ہے اور احسان کرنے یا فدیہ لینے کا جو اس آیت مبارکہ میں ذکر کیا گیا ہے یہ (درج ذیل) ارشاد سے منسوخ ہو چکا ہے: ”فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ“ (التوبہ: ۵) ”سو تم مشرکوں کو قتل کرو انہیں جہاں کہیں پاؤ“ کیونکہ سورہ براءۃ آخر میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے۔

اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آج نہ احسان ہے اور نہ فدیہ ہے بلکہ اب تو صرف اسلام قبول کرنا ہے یا گردنیں مارنا ہے یا پھر ”مَنْ“ سے یہ مراد ہے کہ ان پر یہ احسان کیا جائے کہ انہیں قتل نہ کیا جائے بلکہ انہیں صرف غلام بنا لیا جائے یا ان پر یہ احسان کیا جائے کہ ان کی طرف سے جزیہ قبول کر کے انہیں چھوڑ دیا جائے اور فدیہ سے مراد یہ ہے کہ مشرکین قیدیوں کے عوض میں مسلمان قیدیوں کو چھڑا لیا جائے چنانچہ امام طحاوی نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہی مذہب بیان کیا ہے اور صاحبین کا قول بھی یہی ہے جب کہ مشہور یہ ہے کہ امام صاحب مشرکوں سے فدیہ لینے کو جائز نہیں سمجھتے نہ مال کے بدلے میں اور نہ مسلمان قیدیوں کے بدلے میں تاکہ وہ دوبارہ ہم پر حملہ کر کے جنگ مسلط نہ کر سکیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک حاکم وقت کو ان چاروں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا حق حاصل ہے: (۱) قتل کر دینا (۲) غلام بنا لینا (۳) اور مسلمان قیدیوں کے عوض انہیں فدیہ بنانا (۴) اور ان پر احسان کرنا (جب کہ ہمارے نزدیک یہ آیت مبارکہ منسوخ ہے) ﴿حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ أَدْوَارَهَا﴾ یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے یعنی اپنا بوجھ ڈال دے اور وہ جنگی آلات رکھ دے جن کے ساتھ جنگ برپا کی جاتی ہے جیسے تلواریں اور دیگر جنگی اسلحہ وغیرہ اور جنگی اسلحہ لے جانے والے گھوڑے وغیرہ اور بعض حضرات نے کہا کہ ”اوزارھا“ بہ معنی ”آٹامھا“ ہے یعنی یہاں تک کہ اہل حرب یعنی مشرکین اپنا کفر و شرک ترک کر دیں اس طرح کہ وہ اسلام قبول کر لیں یا پھر حرف ”حَتَّى“ دو حال سے خالی نہیں یا ”ضَرْبٌ“ اور ”شَدٌّ“ کے ساتھ متعلق ہے یا ”مَنْ“ اور ”فِدَاءً“ کے ساتھ متعلق ہے بہر حال دونوں صورتوں میں امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک معنی یہ ہوگا کہ مسلمان ان کے ساتھ جنگ کرتے رہیں اور انہیں قتل کرتے رہیں اور ہمیشہ ان کی گردنیں مارتے رہیں یہاں تک کہ مشرکین کے ساتھ جنگ باقی نہ رہے اور یہ اس وقت ہوگا جب مشرکین کی شوکت و غلبہ باقی نہیں رہے گا اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ اس وقت ہوگا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نزول فرمائیں گے اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جب ”حَتَّى“ کو ”ضَرْبٌ“ اور ”شَدٌّ“ (گردنیں مارنے اور قیدیوں کو باندھنے) کے ساتھ متعلق کیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ بے شک مسلمان مجاہدین کفار کو قتل کرتے رہیں اور انہیں قیدی بناتے رہیں یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے اور یہ اس وقت ہوگا جب مشرکین کے لیے شوکت و دبدبہ اور ان کا غلبہ باقی نہ رہے اور ہر جگہ اسلام کا غلبہ ہو جائے اور جب اس کو ”مَنْ“ اور ”فِدَاءً“ کے ساتھ متعلق کیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ مسلمان مجاہدین کفار پر احسان کریں اور ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیں یہاں تک کہ جنگ بدر اپنے ہتھیار ڈال دے مگر یہ معنی اس وقت درست ہوگا جب وہ تاویل کی جائے جو ہم نے ذکر کر دی ہے ﴿ذَلِكَ﴾ ”أَيُّ الْأَمْرِ ذَلِكَ“ یعنی معاملہ ایسا ہی ہے [پس یہ مبتدا اور خبر ہیں یا ”افعلوا بهم ذلك“ ہے یعنی ان کے ساتھ یہی معاملہ کرو تو اس صورت میں ”ذَلِكَ“ محلاً منصوب ہوگا ﴿وَلَوْ كِشَفَ اللَّهُ لَانْتَصَرْتُمْ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سے ضرور انتقام لے لیتا (یعنی) اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو جنگ کے بغیر ہلاکت کے دیگر اسباب کے ذریعے ان سے انتقام لے لیتا جیسے انہیں زمین میں دھنسا دینا یا زلزلے کے ذریعے

ہلاک کر دینا یا اس کے علاوہ پتھر وغیرہ برسا کر ہلاک کر دینا ﴿وَلَكِنْ لِيَقُولُوا أْبَعُضَكُمْ بَعْضًا﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں جنگ کرنے کا حکم اس لیے دیا ہے تاکہ وہ تمہیں ایک دوسرے کے ذریعے آزمائے یعنی مسلمانوں کو کافروں کے ذریعے آزمائے کہ وہ مسلمانوں کو الگ اور ممتاز کر دے اور کافروں کو مٹادے ﴿وَالَّذِينَ قَاتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال ہرگز ضائع نہیں کرے گا [یہ امام حفص اور ابو عمرو بصری کی قراءت ہے جب کہ ان کے علاوہ کی قراءت میں ”قاتلوا“ ہے]۔

۵- ﴿سَيَهْدِيهِمْ﴾ عنقریب اللہ تعالیٰ جنت کی طرف ان کی رہنمائی فرمائے گا یا منکر نکیر کے سوالوں کے درست اور صحیح جوابات کے دینے کی ہدایت عطا فرمائے گا ﴿وَيُضِلُّهُمْ بِاللَّهِمْ﴾ اور ان کے حال کو سنوار دے گا (یعنی) اللہ تعالیٰ ان کے مخالفین کو راضی کر کے ان کے احوال کو سنوار دے گا اور ان کے اعمال کو قبول کر لے گا۔

۶- ﴿وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَآلَهُمْ﴾ اور وہ انہیں جنت میں داخل کرے گا اور وہ انہیں اس کی پہچان کرائے گا۔ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بہشت میں ان کی رہائش گاہوں کی پہچان کرا دے گا تاکہ وہ کسی سے سوال کرنے کے محتاج نہ رہیں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کی خاطر بہشت کو عمدہ اور خوشبودار بنا دے گا ”عَرَّفَ“، ”عَرَّفَ“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی خوشبو ہے۔

۷- ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَحْسَبُوا أَنَّكُمْ وَاللَّهِ﴾ اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ کی مدد کرو گے یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے دین کی مدد کرو گے تو ﴿يَنْصُرْكُمْ﴾ وہ تمہارے دشمن کے خلاف تمہاری مدد کرے گا اور وہ تمہیں فتح عطا فرمائے گا ﴿وَيُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ اور وہ جنگ کے مواقع پر یا حجت اسلام پر تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعَسَا لَهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا مَا أَنْزَلَ

اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ۝ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۖ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهَا ۝ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ

مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ ۝

اور جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا، سو ان کے لیے ذلت ناک ہلاکت ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے ۰ یہ اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل کیا ہے اسے انہوں نے ناپسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو برباد کر دیا ۰ تو کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا، پس وہ غور سے دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا، اللہ تعالیٰ نے ان پر تباہی کو ڈال دیا، اور کافروں کے لیے ہلاکت کی بہت سی مثالیں ہیں ۰ یہ اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا مددگار ہے اور کافروں کے لیے کوئی مددگار نہیں ۰

۸- ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعَسَا لَهُمْ﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا، سو ان کے لیے ہلاکت ہے [”وَالَّذِينَ كَفَرُوا“ مبتدا ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے اور ”فَتَعَسَا لَهُمْ“ اس کی خبر ہے] ﴿وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ﴾ اور وہ ان کے اعمال کو ضائع کر دے گا اور ”تَعَسَى“ کا معنی ہلاکت ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ اس سے دنیا میں کفار کا قتل ہونا

اور آخرت میں دوزخ کی آگ میں ہلاک ہونا مراد ہے [اور "أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ" اس فعل پر معطوف ہے جس نے "تَعَسًا" کو نصب دیا ہے کیونکہ اس کا معنی "فَقَالَ تَعَسًا لَهُمْ" ہے]۔

۹- ﴿ذَلِكَ﴾ وہ یعنی کفار کی ہلاکت اور ان کے اعمال کا ضائع ہونا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ اس لیے ہوا کہ بے شک انہوں نے اسے ناپسند کیا جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا یعنی انہوں نے قرآن مجید کو ناپسند کیا ﴿فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا۔

۱۰- ﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ﴾ سو کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا یعنی کیا آپ کی امت کے کفار نے زمین میں سفر نہیں کیا ﴿فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ پس وہ غور سے دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا اللہ تعالیٰ نے ان پر ہلاکت و تباہی ڈال دی کہ ان کو ہلاک و تباہ کر کے ان کی جڑ کاٹ دی ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اور کافروں کے لیے (یعنی) قریش مکہ کے مشرکین کے لیے ﴿أَمْثَلُهَا﴾ اس کی بہت سی مثالیں ہیں (یعنی) اس ہلاکت و تباہی کی بہت سی مثالیں ہیں اس لیے کہ ہلاکت و تباہی مثالوں پر دلالت کرتی ہے۔

۱۱- ﴿ذَلِكَ﴾ وہ یعنی مسلمانوں کی فتح و نصرت اور کفار کی ہلاکت و بربادی اور ان کے انجام کی ذلت و بُرائی ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اس لیے ہوئی کہ بے شک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مولیٰ ہے (یعنی) ان کا حامی و ناصر اور ان کا مددگار ہے ﴿وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَىٰ لَهُمْ﴾ اور بے شک کافروں کے لیے کوئی مولیٰ نہیں ہے یعنی ان کا کوئی حامی و مددگار نہیں ہے سو اللہ تعالیٰ تخلیق اور تصرف کا مالک ہونے کی حیثیت سے تمام بندوں کا مولیٰ ہے جب کہ کافروں کا صرف تخلیق اور ان میں تصرف کرنے کے اعتبار سے مولیٰ ہے اور مسلمانوں کا خاص فتح و نصرت کے اعتبار سے مولیٰ ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بَدَنًا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى
لَهُمْ ۖ وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجْنَاكَ
أَهْلَكْنَاهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۖ أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيْتِنَا مِنْ سِوَاهِ كَمَنْ زِينَ لَهُ سُوءُ
عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۖ

بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ فائدہ حاصل کرتے ہیں اور وہ کھاتے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں اور ان کا ٹھکانا آگ ہے اور کتنی بستیاں آپ کی اس بستی سے قوت و طاقت میں زیادہ مضبوط تھیں جس (کے باشندوں) نے آپ کو نکال دیا، ہم نے انہیں ہلاک کر دیا، سوان کے لیے کوئی مددگار نہ ہوا تو کیا جو شخص اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہو وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کے لیے اس کا بُرا عمل آراستہ کر دیا گیا ہے اور انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی اختیار کر لی ○

نیک مسلمانوں کی جزاء اور کفار کی سزا کا بیان

۱۲۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَسْتَمْتَعُونَ﴾
 بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے انہیں اللہ تعالیٰ جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا وہ دنیا کی زندگی کے ساز و سامان سے بہت کم اور چند روز عارضی فائدہ اٹھائیں گے ﴿وَيَأْكُلُونَ﴾ اور وہ غافل و بے خبر ہو کر آخرت کے بارے میں غور و فکر کیے بغیر اس طرح کھاتے ہیں ﴿كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ﴾ جس طرح جانور اپنی چارہ کی کھریوں اور اپنی چراگاہوں میں کھاتے ہیں کہ وہ اپنے انجام سے بے خبر و غافل ہو کر کھاتے ہیں اور انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ آج گھاس کھا رہے ہیں تو کل ان کی گردن پر چھری چلے گی اور انہیں ذبح کیا جائے گا ﴿وَالنَّارُ مَشْجُورَةٌ﴾ اور ان کا ٹھکانا (یعنی) ان کی منزل و رہائش گاہ اور ٹھہرنے کی جگہ دوزخ کی آگ میں ہوگی۔

۱۳۔ ﴿وَكَايِنٍ مِّنْ قَرْيَةٍ﴾ اور بہت سی بستیاں یعنی ”کسائن“ بہ معنی ”کم“ ہے اور وہ یہاں تکثیر (بہت اور زیادہ) کے معنی میں ہے اور بستیوں سے وہاں کے باشندے اور رہائشی لوگ مراد ہیں اور اس لیے فرمایا: ”أَهْلَكْنَاهُمْ“ کہ ہم نے وہاں کے باشندوں کو ہلاک کر ڈالا ﴿هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجْتِكَ﴾ وہ بستیاں آپ کی اس بستی سے قوت و طاقت میں زیادہ مضبوط تھیں جس (کے باشندوں) نے آپ کو وہاں سے نکال دیا یعنی ان بستیوں کے بہت سے باشندے آپ کی قوم سے زیادہ مضبوط و توانا تھے جس نے آپ کو مکہ مکرمہ سے نکال دیا یعنی وہ لوگ آپ کی ہجرت کا سبب بن گئے تھے ﴿أَهْلَكْتَهُمْ فَلَاحًا مَّرَكَمٌ﴾ ہم نے انہیں ہلاک کر ڈالا تو ان کا کوئی مددگار نہیں تھا یعنی پس ان کا کوئی ایسا مددگار نہیں تھا جو ان کی مدد کرتا اور انہیں عذاب سے چھڑا لیتا۔

۱۴۔ ﴿أَقَمْنِ كَانَ عَلَى بَيْتِنَا مِّنْ تَمَابِهٍ﴾ تو کیا وہ شخص جو اپنے پروردگار کی طرف سے مضبوط دلیل اور واضح برہان پر قائم ہو اور وہ برہان و دلیل قرآن مجید ہے جو سراسر معجزہ ہے اور دیگر تمام معجزات رسول خدا ﷺ ہیں یعنی وہ شخص رسول اللہ ﷺ ہیں (جو اپنے رب کریم کی روشن دلیل قرآن مجید کے حامل ہیں) ﴿كَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ﴾ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کا برا عمل اس کے لیے آراستہ بنا دیا گیا۔ اس سے اہل مکہ مراد ہیں جن کے لیے شیطان نے ان کے کفر و شرک اور اللہ تعالیٰ اور اس کے ساتھ عداوت و دشمنی کو آراستہ بنا دیا تھا اور اس لیے ”سوء عَمَلِهِ“ فرمایا ﴿وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ﴾ اور انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی اختیار کر لی [”اتبعوا“ فعل جمع کولفظ ”مَنْ“ اور اس کے معنی پر محمول کیا گیا]۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّنْ مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِلشَّرِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن سَيِّئِهِمْ ط كَبْنٌ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّهَ أَمْعَاءَهُمْ ﴿١٥﴾

اس جنت کی مثال جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے اس میں ایسے پانی کی نہریں ہیں جس کا مزہ نہیں بدلتا اور ایسے دودھ کی نہریں ہیں جس کا ذائقہ نہیں بدلتا اور ایسی شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لیے بہت لذیذ ہے اور صاف

سحرے شہد کی نہریں ہیں اور اس میں ان کے لیے ہر قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے پروردگار کی طرف سے بخشش ہوگی یہ اس شخص کی طرح ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ آگ میں رہنے والا ہے اور انہیں کھولتا ہوا گرم ترین پانی پلایا جائے گا پس وہ ان کی انتزیاں کاٹ دے گا O

پرہیزگاروں کے لیے جنت کی اقسام اور منافقین کے نفاق کا بیان

۱۵- ﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي دُعِيَ الْمُتَّقُونَ﴾ جس جنت کا وعدہ کفر و شرک سے پرہیز کرنے والوں سے کیا گیا ہے اس کی مثال اور صفت عجیب شان کی ہے ﴿فِيهَا أَنْهَارٌ﴾ اس میں نہریں ہیں [یہ کلام صلہ کے حکم میں داخل ہے جسے اس کے لیے مکرر ذکر کیا گیا ہے، کیا تم دیکھتے نہیں کہ تمہارا ”الَّتِي فِيهَا أَنْهَارٌ“ کہنا صحیح ہے یا پھر یہ حال واقع ہو رہا ہے ”أَيُّ مُسْتَقَرَّةٍ (فِيهَا أَنْهَارٌ)“ یعنی جب کہ اس میں نہریں برقرار اور قائم و دائم ہیں] ﴿مِنْ مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ﴾ ایسے پانی کی جو بدبودار نہیں نہ رنگ بدلا ہے نہ بو بدلی ہے اور نہ ذائقہ و مزہ بدلا ہے اور ”آسِنُ الْمَاءِ“ اس وقت بولا جاتا ہے جب پانی کا مزہ اور اس کی ہوا تبدیل ہو جاتی ہے [ابن کثیر کی قراءت میں بغیر مد کے ”آسِنٌ“ ہے] ﴿وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ﴾ اور دودھ کی ایسی نہریں ہیں جس کا ذائقہ اور مزہ نہیں بدلا جیسا کہ دنیا کے دودھ گھٹے اور گاڑھے وغیرہ ہو جاتے ہیں ﴿وَأَنْهَارٌ مِنْ حَمِيمٍ لَذِيذٍ لَشْرِبِينَ﴾ اور پینے والوں کے لیے لذیذ شراب کی نہریں ہیں ”لَذِيذٌ“ کی مؤنث ہے جس کا معنی ہے: لذیذ و مزہ دار چیز یعنی وہ شراب خالص لذیذ اور مزہ دار ہوگی نہ اس کے ساتھ عقل کے لیے مدہوشی ہوگی اور نہ وہ نشہ آور ہوگی اور نہ وہ سر میں درد کرے گی اور نہ اس میں دیگر شرابوں کی خرابیوں میں سے کوئی خرابی ہوگی ﴿وَأَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّى﴾ اور صاف و شفاف اور سحری شہد کی نہریں ہیں جو شہد کی مکھیوں کے پیٹوں سے نہیں نکلی، جس میں موم وغیرہ شامل ہوتی ہے ﴿وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ لِمَنْ تَرَاءَىٰ﴾ اور اس میں ان کے لیے ہر قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت و بخشش ہوگی ﴿كَأَنَّهُمْ خَالِدُونَ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّهٖ أَمْعَاءُهُمْ﴾ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہنے والا ہے اور انہیں کھولتا ہوا گرم ترین پانی پلایا جائے گا پس وہ ان کی انتزیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ ”حَمِيمًا“ کا معنی ہے: انتہائی گرم ترین پانی [اور ”مَثَلٌ“ مبتدا ہے اور یہ ارشاد اس کی خبر ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے:] ”أَمْثَلُ الْجَنَّةِ كَمَثَلِ جَزَاءٍ مِنْهُ خَالِدٌ فِي النَّارِ؟“ کیا جنت کی مثال اس شخص کی سزا کی طرح ہو سکتی ہے جو ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہنے والا ہے؟ [اور یہ کلام اثبات کی صورت میں ہے لیکن اس کا معنی نفی ہے کیونکہ یہ ایک ایسے کلام کے حکم کے تحت داخل ہے جو حرف انکار کے ساتھ شروع کیا گیا ہے اور یہ کلام بھی اسی کے محل میں داخل ہے اور وہ (درج ذیل) ارشاد ہے:] ”أَلَمْ يَكُنْ عَلَىٰ بَيْنِهِ مِنْ رَبِّهِ كَمَنْ زَيْنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ“ (محمد: ۱۳) ”سو کیا جو شخص اپنے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل پر قائم ہو وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کا بُرا عمل اس کے لیے خوش نما بنا دیا گیا ہے“ اور حرف انکار کے حذف کرنے کا فائدہ اس شخص کی عداوت و دشمنی اور مخالفت کی تصویر کو زیادہ سے زیادہ واضح کرنا ہے جو حق کی واضح دلیل پر قائم کے درمیان اور خواہش نفسانی کے پیروکار کے درمیان برابری کا دعویٰ کرتا ہے اور یہ شخص اس آدمی کے قائم مقام ہے جو جنت و دوزخ کے درمیان برابری کا قائل ہے حالانکہ جنت میں صاف پانی اور خالص دودھ اور خالص شہد اور پاکیزہ شراب کی نہریں بہتی ہیں جب کہ دوزخ میں جلانے والی آگ اور انتہائی گرم ترین کھولتا ہوا پانی ہے جو دوزخیوں کو پلایا جائے گا اور وہ ان کی انتزیوں کے ٹکڑے کر دے گا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا الَّذِينَ أُوْتُوا
 الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ أَنفَا ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا
 أَهْوَاءَهُمْ ۗ وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًىٰ وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ۗ فَهَلْ يَنْظُرُونَ
 إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُم بَغْتَةً ۖ فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا ۗ فَأَنَّىٰ لَهُمْ إِذَا جَاءَهُمُ الذِّكْرُ أَنَّهُمْ
 فَاعْلَمُوا أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرُ لِذَنبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۗ وَاللَّهُ
 يَعْلَمُ مُتَقَلِّبِكُمْ وَمُتَوَكِّفِكُمْ ۗ

اور ان میں سے کچھ لوگ آپ کی باتیں سنتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو اہل علم لوگوں سے کہتے ہیں کہ ابھی انہوں نے کیا کہا ہے یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے اور انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی اور جن لوگوں نے ہدایت پائی اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کو اور زیادہ کر دیا اور انہیں ان کا تقویٰ عطا فرمایا سو وہ انتظار نہیں کر رہے مگر قیامت کا کہ وہ ان پر اچانک آجائے سو بے شک اس کی نشانیاں آچکی ہیں پس جب وہ ان پر آجائے گی تو اس وقت ان کو نصیحت حاصل کرنا کہاں نصیب ہوگا سو آپ جان لیجئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپ گناہ سے معصوم رہنے کے لیے استغفار کیجئے اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لیے بخشش طلب کیجئے اور اللہ تعالیٰ تمہاری آمدورفت اور تمہاری رات کی آرام گاہ کو خوب جانتا ہے

۱۶۔ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا الَّذِينَ أُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ أَنفَا ۗ﴾ اور ان میں سے کچھ لوگ آپ کی باتیں سنتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ آپ کے پاس سے نکل کر جانے لگتے ہیں تو اہل علم سے پوچھتے ہیں کہ انہوں نے ابھی کیا کہا ہے۔

شان نزول: یہ آیت مبارکہ منافقین کے متعلق نازل ہوئی کیونکہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے اور وہ بہ ظاہر کان لگا کر آپ کا کلام سنتے لیکن نہ تو اسے ذہن نشین کرتے اور نہ اسے اپنے دلوں میں محفوظ کرتے بلکہ وہ کاہلی اور سستی کرتے تھے پھر جب مجلس سے نکلتے تو اہل علم صحابہ سے پوچھتے کہ انہوں نے ابھی کیا کہا ہے یہ صرف تمسخر کرنے اور مذاق اڑانے کے طور پر کہتے تھے ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے (ان کے نفاق کی وجہ سے) مہر لگا دی اور انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی۔

۱۷۔ ﴿وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا﴾ اور جن لوگوں نے ایمان لانے اور قرآن مجید کی تلاوت کو غور سے سننے کے سبب ہدایت حاصل کر لی ﴿زَادَهُمْ هُدًىٰ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کو مزید بڑھا دیا کہ انہیں علم و بصیرت عطا فرمائی یا (دین اسلام کے لیے) ان کے سینوں کو مزید کشادہ فرما دیا ﴿وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کا تقویٰ عطا فرمایا کہ تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنے پر ان کی مدد فرمائی یا تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنے پر انہیں جزائے خیر عطا فرمائے گا یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے وہ طریقے بیان کرتا ہے جن کو اپنا کر وہ پرہیزگار بن جاتے ہیں۔

۱۸۔ ﴿فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُم بَغْتَةً﴾ پس وہ لوگ انتظار نہیں کر رہے مگر قیامت کا کہ ان پر اچانک آ جائے یعنی قیامت کے اچانک آ جانے کا انتظار کر رہے ہیں [”يَنْظُرُونَ“ بہ معنی ”يَتَنظَّرُونَ“ ہے اور ”أَنْ تَأْتِيَهُم السَّاعَةُ“ سے بدل اشتمال ہے] ﴿فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا﴾ سو بے شک اس کی علامتیں اور نشانیاں آچکی ہیں اور وہ سرورِ انبیاء حبیب کبریاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبی اور رسول کی حیثیت سے تشریف آوری ہے چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا ہے اور دُھواں ہے اور بعض کا قول ہے کہ اس سے باہمی رشتے داریاں منقطع ہو جانا اور نیک لوگوں کی کمی اور کینوں اور بُروں کی کثرت مراد ہے ﴿فَأَنذِرْهُمْ إِذَا جَاءَهُمْ ذِكْرُهُمْ﴾ پھر جب ان پر قیامت آ جائے گی تو اس وقت انہیں نصیحت کہاں فائدہ دے گی۔ انخش نے کہا: تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ ”فَأَنذِرْهُمْ إِذَا جَاءَهُمْ ذِكْرُهُمْ“ پھر انہیں ان کی نصیحت کہاں فائدہ دے گی جب ان پر قیامت آچکے گی۔

۱۹۔ ﴿فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ﴾ سو آپ جان لیجئے کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپ اپنے آپ کو معصوم رکھنے کے لیے استغفار کرتے رہیے اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لیے مغفرت و بخشش طلب کیجئے اور معنی یہ ہے کہ اے محبوب! آپ کو اللہ تعالیٰ کی توحید کے متعلق جو یقینی علم حاصل ہے اس پر آپ ثابت قدم رہیں اور اس پر جمے رہیں اور تواضع و عاجزی اور کسر نفسی کے طور پر اپنی تقصیر پر اور اپنے دین پر چلنے والوں کے گناہوں پر استغفار کرتے رہیں۔

کتاب التاویلات کی شرح میں لکھا ہے کہ ممکن ہے آپ کا کوئی ”ذنب“ (قصور) ہو جس پر آپ کو استغفار کا حکم دیا گیا ہو لیکن ہم آپ کے بارے میں ایسی کوئی بات نہیں جانتے ماسوا اس بات کے کہ افضل و اعلیٰ عمل کا ترک انبیائے کرام علیہم السلام واضح ہو کہ تمام اہل اسلام اس پر متفق ہیں کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں اس لیے مفسرین کرام نے اس آیت مبارکہ کے تحت ”وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ“ کے کئی معانی بیان کیے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں: (۱) حقیقی استغفار مراد نہیں بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے تواضع اور کسر نفسی کے اظہار کے لیے آپ کو استغفار کا حکم دیا گیا ہے ورنہ آپ تو گناہوں سے معصوم ہیں (۲) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی طرف سے عطا کردہ بے شمار معجزات و کمالات کا کما حقہ شکر ادا نہ کر سکنے کی تقصیر پر آپ کو استغفار کا حکم دیا گیا ورنہ آپ تمام گناہوں سے معصوم ہیں (۳) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی مصلحت کی وجہ سے اولیٰ و اعلیٰ عمل کو ترک کر کے عزیمت کی بجائے رخصت پر عمل کرتے ہوئے کسی خلاف اولیٰ اور کم تر عمل کو اختیار کر لیتے جب کہ ”حَسَنَاتُ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقْرَبِينَ“ ”نیکیوں کی نیکیاں مقربین کے حق میں گناہ سمجھی جاتی ہیں“ کے مطابق آپ اس کو اپنی عظمت و شان کے مقابلے میں تقصیر خیال فرماتے اور اس پر استغفار کرتے اور ”وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ“ بھی اسی بناء پر فرمایا گیا ہے۔

(۴) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر لحظہ و ہر لمحہ مقامات رفیعہ عظیمہ کی طرف ترقی پذیر رہتے ہیں چنانچہ جب آپ مقام و مرتبہ سے اعلیٰ و ارفع کی طرف ترقی فرماتے ہیں تو پہلے والے ادنیٰ مقام و مرتبہ کو تقصیر خیال فرماتے ہوئے اس پر استغفار کرتے ہیں اس لیے یہاں بھی ”وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ“ فرمایا گیا ہے۔ (تفسیر روح المعانی ج ۲۶ ص ۵۵، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

(۵) اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معصوم و مغفور پیدا فرمانے کے باوجود استغفار کا حکم اس لیے دیا تاکہ آپ کی امت آپ کی اس سنت پر عمل کرتے ہوئے استغفار کرتی رہے۔ (تفسیر معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۸۲، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، تفسیر خازن ج ۴ ص ۱۳۸، مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ، مصر، تفسیر مظہری ج ۸ ص ۳۳۱، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی، تفسیر جلالین، مع حاشیہ تفسیر صادی ج ۴ ص ۸۵، مطبوعہ مصطفیٰ البابلی الکلید، مصر)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

الصلوة والسلام کے نزدیک گناہ کا درجہ رکھتا ہے (جس پر وہ استغفار کرتے ہیں) مگر خود برائی کا ارتکاب ان سے ہرگز نہیں ہو سکتا اور جب کہ ہمارے گناہ خود برائیوں کے ارتکاب سے آلودہ ہوتے ہیں خواہ وہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ ہوں [اور بعض حضرات کا قول ہے کہ ان آیات میں جس قدر "فا" ہیں وہ جملے کا جملے پر عطف کرنے کے لیے ہیں اس لیے ان کے درمیان اتصال ہے] ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَقَالِبِكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے معاشی اور تجارتی کاروبار کے لیے چلنے پھرنے اور آنے جانے کو خوب جانتا ہے ﴿وَمَثُوكُمْ﴾ اور تم اپنے گھروں میں جہاں ٹھہرتے ہو وہ اسے خوب جانتا ہے یا وہ تمہاری زندگی میں تمہارے چلنے پھرنے کو اور قبروں میں تمہارے ٹھہرنے کو یا تمہارے اعمال میں تمہارے چلنے پھرنے کو اور جنت و دوزخ میں سے تمہارے ٹھکانے کو خوب جانتا ہے اور ایسی علیم و خیر ذات اقدس اس بات کی حق دار ہے کہ اس کی نافرمانی سے پرہیز کیا جائے اور اس کے عذاب اور گرفت سے ڈرا جائے اور اپنے گناہوں پر اس سے مغفرت و بخشش طلب کی جائے اور حضرت سفیان بن عیینہ سے علم کی فضیلت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ" نہیں سنا؟ کیونکہ اس میں عمل کا حکم علم کے بعد دیا گیا ہے (جس سے معلوم ہوا علم عمل سے اہم ہے اور اسے عمل سے پہلے حاصل کرنا واجب ہے)۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نَزَّلَتْ سُورَةٌ فَإِنَّا أَنْزَلْنَا سُورَةَ الْحُكْمِ وَقَدَرْنَا

فِيهَا الْقِتَالَ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشَى

عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَأُولَئِكَ لَهُمْ طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ

فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا

فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ۗ

اور مسلمان کہتے ہیں: کوئی سورت کیوں نہیں اتاری گئی، سو جب کوئی مستحکم سورت اتاری جاتی اور اس میں جہاد کا حکم ذکر کیا جاتا تو آپ نے ان لوگوں کو دیکھا جن کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح وہ شخص دیکھتا ہے جس پر موت طاری ہو جاتی ہے، سو ان کے لیے ہلاکت بہت قریب ہے، اطاعت و فرماں برداری کرنا اور اچھی بات کہنا (ان کے حق میں بہتر تھا) پھر جب جہاد کا حکم فرض ہو گیا تو اگر وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے سچے رہتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا، سو کیا تم سے اسی توقع کا اندیشہ ہے کہ اگر تم حکمران بن جاؤ تو تم زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور تم اپنے باہمی رشتے ناتے توڑ دو گے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۶) اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام گناہوں سے معصوم پیدا فرمایا تو اس لیے اس نعمت عظمیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے آپ کو حکم دیا کہ آپ تمام گناہوں سے معصوم رہنے پر استغفار کیجئے۔ (تفسیر صاوی ج ۳ ص ۸۵، مطبوعہ مصر)

(۷) "ذنبك" سے اہل بیت کرام کی لغزشیں مراد ہیں اور معنی یہ ہے کہ آپ اپنے اہل بیت کرام اور مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے استغفار کیجئے۔ (تفسیر خازن ج ۳ ص ۱۳۸، مطبوعہ مصر، تفسیر صاوی ج ۳ ص ۸۵، مطبوعہ مصر، تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۲۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، لبنان)

مسلمانوں کی خواہش پر جہاد کی فرضیت سے منافقوں کی پریشانی کا بیان

۲۰۔ ﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ﴾ اور مسلمان کہتے ہیں: کوئی سورت کیوں نہیں اتاری جاتی جس میں جہاد کا حکم بیان کیا جائے ﴿فَإِذَا أَنْزَلْتُمْ سُورَةَ﴾ پھر جب کوئی سورت جہاد کے بیان میں نازل کی جاتی ہے ﴿مُحْكِمَةً﴾ مستحکم اور ایسی واضح کہ اس میں جہاد کی فرضیت کے علاوہ کسی اور معنی کا احتمال نہیں ہوتا اور حضرت قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ ہر وہ سورت جس میں جہاد کا ذکر کیا گیا ہے وہ محکم و قطعی اور یقینی ہے کیونکہ اس پر نسخ کسی طرف سے وارد نہیں ہو سکتا بے شک ابتدائے اسلام میں کفار کے ساتھ عفو و درگزر کرنے اور نرم رویہ رکھنے کی جو اجازت تھی اس کو جہاد سے منسوخ کر دیا ہے اور خود جہاد قیامت کے دن تک منسوخ نہیں ہوگا ﴿وَذَكِّرْ فِيهَا الْقِتَالَ﴾ اور اس میں جہاد اور جنگ کا ذکر کیا جاتا یعنی اس میں جہاد کا حکم دیا جاتا ﴿رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ﴾ تو آپ نے ان لوگوں کو دیکھا جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے یعنی کیا آپ نے منافقین کو دیکھا کہ ان کے درمیان کس طرح اضطراب برپا ہو گیا ہے کیونکہ وہ جہاد کے حکم کی وجہ سے پریشان و مضطرب ہو رہے ہیں ﴿يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظْرَ الْمَعْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ﴾ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح وہ شخص دیکھتا ہے جس پر موت کی غشی اور نیم بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے یعنی وہ لوگ بزدلی اور گھبراہٹ کی وجہ سے اپنی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہیں جیسے وہ شخص دیکھتا ہے جس پر موت کے وقت غشی اور نیم بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے ﴿فَأُولَٰئِكَ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ لَكُمْ قَوْلٌ مِّنْ لَّدُنِّي﴾ پس ان کے لیے ہلاکت قریب آچکی ہے۔ یہ ان منافقین کے لیے وعید اور دھمکی ہے اور یہ ”قَوْلٌ لَّهُمْ“ (سوان کے لیے ہلاکت ہے) کے معنی میں ہے اور یہ ”وَلِيٌّ“ سے اسم تفضیل ”أَفْعَلٌ“ کے وزن پر ہے اور اس کا معنی ہے: قریب و نزدیک اور اس کا مطلب ان لوگوں پر بدو عا ہے کہ امر مکروہ ان کے قریب ہو (یعنی انہیں دوزخ نصیب ہو)۔

۲۱۔ ﴿طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ﴾ اطاعت و فرماں برداری کرنا اور اچھی اور بھلائی کی بات کہنا ان کے لیے بہتر و مفید ہے [یہ ایک الگ مستقل کلام ہے] ﴿فَإِذَا عَزَمْتَ الْأَمْرَ﴾ پھر جہاد کا حکم محکم و پکا ہو گیا اور جہاد کرنا ان پر لازم ہو گیا ﴿فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ﴾ تو اگر وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لانے میں اور اطاعت میں سچے ہوتے ﴿لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ تو البتہ ان کا سچ جہاد کی ناگواری سے ان کے لیے بہتر ہوتا۔

۲۲۔ پھر اللہ تعالیٰ غائب سے خطاب کی طرف متوجہ ہوا اور ایک قسم کی ڈانٹ ڈپٹ اور دھمکی آمیز کلام کے ساتھ مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا: ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتَقَطَّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾ تو کیا تم سے اسی توقع کا اندیشہ ہے کہ اگر تم حکمران بن جاؤ تو تم زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور تم اپنے رشتے ناتے توڑ دو گے یعنی پس ممکن ہے کہ اگر تم رسول اللہ ﷺ کے دین اور ان کی سنت سے پھر جاؤ گے تو تم زمانہ جاہلیت کی اس بُری عادت کی طرف لوٹ جاؤ گے جس پر تم پہلے کار بند تھے کہ تم قتل و غارت اور لوٹ مار کے ذریعے زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور تم رشتہ داروں کے ساتھ ایک دوسرے سے لڑائی کر کے رشتے ناتے توڑ دو گے اور بیٹیوں کو زندہ درگور کر دو گے [”عَسَى“ کی خبر ”أَنْ تُفْسِدُوا“ ہے اور شرط اسم اور خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتَقَطَّعُوا أَرْحَامَكُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ﴾ تو کیا تم سے یہی توقع ہے کہ تم زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور اپنے رشتے ناتے توڑ دو گے اگر تم حکمران بن گے۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعَمَّى أَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾ أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ

الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾

یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے اور انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔ تو کیا وہ قرآن مجید میں غور و فکر نہیں کرتے بلکہ ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔

۲۳۔ ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت سے دور اور محروم کر دیا ہے اور ”أُولَئِكَ“ سے مذکورہ بالا مفسدین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ﴿فَأَصَمَّهُمْ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے ان کو وعظ و نصیحت سننے سے بہرا کر دیا ﴿وَأَعَمَّى أَبْصَارَهُمْ﴾ اور ہدایت کی راہ دیکھنے سے ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔

۲۴۔ ﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ﴾ تو کیا وہ قرآن مجید میں غور و فکر نہیں کرتے ورنہ وہ قرآن مجید میں مذکور وعظ و نصیحت اور گناہ گاروں اور نافرمانوں کے لیے ڈانٹ ڈپٹ اور دھمکیوں کو ضرور پہچان لیتے یہاں تک کہ وہ گناہوں کے ارتکاب کی جرات نہ کرتے ﴿أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾ بلکہ ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں اس آیت مبارکہ میں ”آم“، ”بَل“ کے معنی میں ہے اور شروع میں ہمزہ ان لوگوں پر اس بات کی مہر لگانے اور اس بات کی تقریر کے لیے آیا ہے کہ بے شک ان کے دل مقفل ہو چکے ہیں اس لیے ان کے دلوں میں نہ تو نصیحت پہنچتی ہے اور نہ اثر کرتی ہے اور ”قلوب“ کو نکرہ اس لیے لایا گیا ہے کہ سخت ترین دل مراد ہیں جن کا معاملہ اس سلسلے میں مبہم ہے (ان کی سختی کس قدر زیادہ ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا) اور مراد بعض قلوب ہیں اور وہ منافقین کے دل ہیں اور ”أَقْفَالُ“ کی اضافت ”قُلُوبِ“ کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ ان سے ایسے قفل (تالے) مراد ہیں جو انہیں دلوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور وہ کفر و نفاق کے تالے ہیں جن کی وجہ سے ان کے دل بند ہو گئے ہیں سواب وہ نہیں کھلیں گے جیسے شک و شبہ اور انکار و تردید اور مہر و چھاپ لگانے کے تالے۔

إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ ۗ الشَّيْطَانُ

سَوَّلَ لَهُمْ ۖ وَأَمَلَىٰ لَهُمْ ﴿۲۵﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ

سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾ فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ

الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ اتَّبَعُوا مَا آسَخَطَ اللَّهُ

وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ ۗ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾

بے شک جو لوگ (اسلام سے) پیٹھ موڑ کر پیچھے (کفر کی طرف) لوٹ گئے اس کے بعد کہ ان پر ہدایت واضح ہو چکی تھی شیطان نے ان کے لیے (کفر کو) خوش نما بنا دیا اور اس نے ان کو ایسی امیدیں دلائیں کہ یہ اس لیے ہوا کہ بے شک منافقوں

نے ان لوگوں سے کہا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے کلام کو ناپسند کیا تھا کہ ہم بعض معاملات میں تمہاری بات مانیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی پوشیدہ باتوں کو خوب جانتا ہے۔ پھر ان کا اس وقت کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روہیں قبض کریں گے تو ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر ماریں گے۔ یہ اس لیے کہ بے شک انہوں نے اس چیز کی پیروی کی جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو گیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کو ناپسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام اعمال ضائع کر دیئے۔

منافقوں کے ارتداد اور اس کے سبب و انجام کا بیان

۲۵ - ﴿إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ﴾ بے شک جو لوگ پیٹھ موڑ کر پیچھے (کفر کی طرف) لوٹ گئے یعنی منافقوں پر حق واضح ہو چکا تھا (اور انہوں نے زبانی کلمہ پڑھ کر اپنے ایمان اور اسلام کا اظہار بھی کر لیا تھا لیکن) اس کے بعد وہ لوگ خفیہ طور پر کفر کی طرف لوٹ گئے ﴿الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ﴾ شیطان نے فریب کاری سے ان کے لیے کفر کو خوش نما اور خوب صورت بنا کر پیش کیا۔ ”سَوَّلَ“ بہ معنی ”زَيَّنَ“ ہے [یہ جملہ مبتدا اور خبر سے مل کر ”إِنَّ“ کی خبر واقع ہو رہا ہے جیسے ”إِنَّ زَيْدًا عَمْرٌو مَرَّ بِهِ“ بے شک زید کہ عمر و اس کے پاس سے گزر گیا] ﴿وَأَمَلَىٰ لَهُمْ﴾ اور اس نے انہیں لمبی امیدیں دلائیں (یعنی) شیطان نے انہیں دنیا میں عرصہ دراز تک رہنے کی امیدیں اور تمنائیں اور آرزوئیں دلائیں [قاری ابو عمرو بصری کی قراءت میں ”أَمَلَىٰ“ (فعل ماضی مجہول) ہے] یعنی انہیں مہلت دی گئی اور ان کی عمریں دراز کر دی گئیں۔

۲۶ - ﴿ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَئِن لَّمْ يَآئِسْ كَرِهُوا مَأْنٰذِرَ اللّٰهِ﴾ یہ اس لیے ہوا کہ بے شک ان منافقوں نے ان لوگوں سے کہا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے کلام کو ناپسند کیا تھا یعنی منافقوں نے یہودیوں سے کہا: ﴿سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ﴾ ہم بعض معاملات میں تمہاری اطاعت کریں گے یعنی (حضور سید عالم حضرت) محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ عداوت و دشمنی رکھنے میں اور ان کی امداد کرنے کی بجائے پیچھے بیٹھے رہنے میں تمہاری بات مانیں گے ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ أَسْرَارَهُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کی پوشیدہ باتوں کو خوب جانتا ہے [امام حفص حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں (ہمزہ مکسور کے ساتھ) ”إِسْرَارٌ“، ”أَسْرٌ“ کا مصدر ہے]

۲۷ - ﴿فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ﴾ پھر اس وقت کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روہیں قبض کریں گے یعنی اس وقت وہ کیا کریں گے اور اس وقت وہ کون سا مکرو فریب اور حیلہ کریں گے؟ ﴿يَقْرِئُونَ وَيُجْوِّهُونَ وَآذِبَارَهُمْ﴾ وہ فرشتے ان کے چہروں اور ان کی پشتوں پر ماریں گے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ جو شخص بھی گناہ کی حالت میں فوت ہوتا ہے اس کا یہی حال ہوتا ہے کہ فرشتے اس کے چہرے اور اس کی پشت پر مارتے ہیں۔

۲۸ - ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ خوفناک موت۔ ”ذٰلِكَ“ سے مذکورہ بالا موصوفہ وفات کی طرف اشارہ ہے ﴿بِأَنَّهُمْ﴾ ایسی موت کا سبب یہ ہے کہ ان لوگوں نے ﴿اتَّبَعُوا مَا أَصْحَبَ اللّٰهُ﴾ اس چیز کی پیروی کی جس نے اللہ تعالیٰ کو ناراض و غضب ناک کر دیا اور وہ ہے کافروں کی مدد کرنا ﴿وَكَرِهُوا إِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور خوشنودی کو ناپسند کیا اور وہ یہ کہ انہوں نے مسلمانوں کی مدد نہیں کی۔

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ أَنْ لَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ أَضْغَانَهُمْ ۗ وَلَوْ نَشَاءُ
لَأَرَيْنَاكُمْ قُلُوبَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِينِهِمْ ۗ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ

أَعْمَالَكُمْ ۝۳۰ وَكَلْبُوا نَفْسَكُمْ حَتَّى تَعْلَمَ الْبُجُهْدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِيْنَ لَا تَبْلُؤُوا
أَخْبَارَكُمْ ۝۳۱ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ
مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحِطُّ أَعْمَالَهُمْ ۝۳۲

کیا جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے چھپے ہوئے کینے کو ہرگز نہیں نکالے گا اور اگر ہم چاہیں تو وہ لوگ آپ کو ضرور دکھادیں سو آپ تو انہیں ان کی علامت سے خوب پہچانتے ہیں اور آپ انہیں گفتگو کے لہجے سے ضرور پہچان لیں گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم تم میں سے مجاہدین اور صابریں کو ظاہر کر دیں گے اور ہم تمہاری خبروں کی جانچ پرکھ کریں گے بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور انہوں نے (دوسرے لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا اور اس رسول کی مخالفت کی اس کے بعد کہ ان پر ہدایت واضح ہو گئی وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو ضائع کر دے گا

منافقوں کے قلبی بغض اور ان کی پہچان و امتحان کا بیان

۲۹ - ﴿أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ أَنْ لَنْ يُخْرِجَهُ اللَّهُ أَضْعَافَهُمْ﴾ کیا جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بغض و عناد کو ہرگز ظاہر نہیں کرے گا اور اس کا معنی یہ ہے کہ کیا منافقوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے بارے میں ان کے بغض و عناد اور ان کی عداوت و دشمنی کو ظاہر نہیں فرمائے گا۔

۳۰ - ﴿وَلَوْ شَاءَ لَأَرْسَلْنَاكُمْ﴾ اور اگر ہم چاہیں تو آپ کو وہ لوگ ضرور دکھادیں (یعنی) ہم آپ کو ان کی پہچان ضرور کرادیں گے اور ہم ان پر آپ کی ضرور رہنمائی کریں گے ﴿فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيمَاهُمْ﴾ سو آپ انہیں ان کی علامت سے پہچان لیں گے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوئی علامت بنا دے گا جس سے انہیں پہچان لیا جائے گا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ اس آیت مبارکہ کے نزول کے بعد منافقین میں سے کوئی شخص رسول اللہ ﷺ پر مخفی اور پوشیدہ نہیں رہا، آپ انہیں ان کی علامت سے پہچان لیا کرتے تھے۔

﴿وَلَعَرَفْتَهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ﴾ اور آپ انہیں گفتگو کے انداز اور لہجے سے ضرور پہچان لیں گے (یعنی) آپ انہیں

۱۔ اس حدیث مبارکہ کو (۱) امام بغوی نے اسی آیت مبارکہ کے تحت تفسیر معالم التنزیل میں نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "مَا خَفِيَ عَلَيَّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ نَزْوِلِ هَذِهِ الْآيَةِ شَيْءٌ مِنَ الْمُنَافِقِينَ كَانَ يَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ" اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ پر منافقین میں سے کچھ مخفی نہیں رہا، آپ انہیں ان کے چہروں اور ان کے لیے مقرر کردہ علامتوں سے پہچان لیتے تھے۔ نیز اس کے چند سطور بعد لکھتے ہیں: "فَكَانَ بَعْدَ هَذَا لَا يَتَكَلَّمُ مُنَافِقٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا عَرَفَهُ بِقَوْلِهِ وَيَسْتَدِلُّ بِفَحْوَى كَلَامِهِ عَلَى فُسَادِ خُلُقِهِ وَعَقِيدَتِهِ" پس اس آیت مبارکہ کے نزول کے بعد کوئی منافق حضور نبی کریم ﷺ کے پاس گفتگو نہیں کرنا تھا مگر آپ اس کے نفاق کو اس کی باتوں سے پہچان لیتے تھے اور آپ اس کے کلام کے لب و لہجہ اور محاورے سے اس کی بدخلقی اور بدعقیدگی پر استدلال فرمالتے تھے۔

(تفسیر معالم التنزیل ج ۳ ص ۱۸۵، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ان کے کلام کے محاورے اور اچھے برے انداز گفتگو سے اور اسی طرح ان کے تعریض و طنز کے کلام سے پہچان لیں گے کیونکہ منافقین اپنے دلوں کی پوشیدہ باتوں کو چھپا نہیں سکتے تھے [فَلَعَرَفْتَهُمْ] میں لام ”لو“ کے جواب میں داخل کیا گیا جیسے ”لَا دَرِينَا كُهُمْ“ میں لام داخل کیا گیا ہے چنانچہ معطوف میں بھی مکرر داخل کیا گیا ہے اور لیکن ”وَلَعَرَفْتَهُمْ“ میں لام نون کے ساتھ مل کر محذوف قسم کے جواب میں واقع ہوا ہے [وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ] اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے سو وہ ان میں سے اچھے اعمال کو برے اعمال سے الگ کر دے گا (اور تمہاری نیتوں کے مطابق تمہیں ان کی جزاء عطا فرمائے گا)۔

۳۱- ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ﴾ اور ہم تمہیں لوگوں کی آگاہی کے لیے جنگ کے ذریعے آزمائیں گے اپنی آگاہی کے لیے یا ہم تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کریں گے جیسا معاملہ متحکم امتحان دینے والے کے ساتھ کرتا ہے تاکہ عدل و انصاف کے اظہار میں یہ زیادہ موثر ہو جائے ﴿حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجْهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ﴾ یہاں تک کہ ہم تم میں سے جہاد کرنے والوں اور جہاد پر صبر کرنے والوں کو ظاہر کر دیں یعنی ہم ہونے والا کام (لوگوں کو) معلوم کرادیں جو ہمیں (ازل سے) معلوم تھا کہ بے شک

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۲) قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں امام بغوی کے حوالے سے یہی حدیث بیان کی ہے ملاحظہ ہو:

(تفسیر مظہری ج ۸ ص ۷۳۳، مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی)

(۳) علاوہ ازیں علامہ خازن نے تفسیر خازن ج ۲ ص ۱۵۱، مطبوعہ مصر میں۔

(۴) علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی ج ۲۶ ص ۷۷، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور میں نقل کی ہے اور علامہ آلوسی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کے آخر میں مزید یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا: ہم ایک غزوہ (جنگ) میں تھے اور اس میں نو منافق بھی تھے لوگ ان کی شکایت کرتے تھے ایک رات وہ لوگ (حسب معمول) سو گئے اور جب صبح اٹھے تو ہر ایک کی پیشانی پر لکھا ہوا تھا: یہ منافق ہے۔

(۵) امام فخر الدین نے ”فِي لَحْنِ الْقَوْلِ“ کی تیسری وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ منافقین کی گفتگو کے لب و لہجہ سے ان کی منافقت کو سمجھ جاتے اور آپ کے علاوہ اسے کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا اور حضور نبی کریم ﷺ منافقین کو پہچانتے تھے لیکن آپ نے ان کے نفاق کو اس وقت تک ظاہر نہیں فرمایا جب تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے نفاق کے اظہار کی اجازت نہیں دی اور جب تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی نماز جنازہ پڑھنے اور ان کی قبروں پر کھڑا ہونے سے منع نہیں فرمایا۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۲۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

(۶) علامہ محمد اسماعیل حقی نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث بھی نقل کی اور علامہ امام فخر الدین رازی اور علامہ سید محمود آلوسی کی طرح اس غزوہ کا ذکر بھی کیا جس میں ایک رات سو کر صبح اٹھنے پر نو منافقین کی پیشانیوں پر لکھا ہوا تھا کہ یہ منافق ہیں نیز انہوں نے صوفیانہ تفسیر کے تحت لکھا ہے: ”الْمُؤْمِنُ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ الْفِرَاسَةِ وَالْعَارِفُ بِنُورِ التَّحْقِيقِ وَالنَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَنْظُرُ بِاللَّهِ فَلَا يَسْتَبْرُ عَلَيْهِ شَيْءٌ“ (تفسیر روح البیان ج ۲۶، مترجم ص ۱۶۷-۱۶۹، مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور، عربی ج ۹ ص ۵۷۱) ”مؤمن تو بے شک فراست کے نور سے دیکھتا ہے اور عارف تحقیق کے نور سے دیکھتا ہے اور نبی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے سو اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی“۔

(۷) علامہ ابن کثیر نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ مسند امام احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: تم میں بعض لوگ منافق ہیں پس جس کا میں نام لوں وہ کھڑا ہو جائے پھر آپ نے فرمایا: اے فلاں! کھڑا ہو جا اے فلاں! کھڑا ہو جا یہاں تک کہ چھتیس اشخاص کے نام لیے۔

(تفسیر ابن کثیر اردو ج ۵ ص ۳۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ کام عنقریب ہوگا ﴿وَنَبَلُّوْاْ اٰخِيَارَكُمْ﴾ اور ہم تمہاری خبروں کو آزمائیں گے (یعنی) ہم تمہارے حالات اور تمہاری نیتوں کو آزمائیں گے [ابوبکر کوفی کی قراءت میں "وَلَيَبْلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَعْلَمُوْا وَيَبْلُوْا" ہے] حضرت خواجہ فضیل رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق منقول ہے کہ جب آپ اس آیت مبارکہ کی تلاوت فرماتے تو روتے تھے اور عرض کرتے: اے میرے اللہ! تو ہمیں نہ آزما کیونکہ اگر تو ہمیں آزمائے گا تو ہم رسوا ہو جائیں گے اور ہمارے پردے چاک ہو جائیں گے اور ہم مصیبت و عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے۔

۳۲- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاصٰدًا وَاَعْنٰ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَاقُوْا الرَّسُوْلَ﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا اور انہوں نے (دوسروں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا اور انہوں نے اس رسول کی مخالفت کی اور اس سے دشمنی کی یعنی بدر کے دن لشکر کفار کو کھانا کھلانے والے کفار مراد ہیں اور اس کا بیان (سورۃ الانفال میں) گزر چکا ہے ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى﴾ اس کے بعد کہ ان پر ہدایت واضح ہو گئی (یعنی) اس کے بعد کہ ان کے لیے ظاہر ہو گیا کہ دین اسلام یقیناً حق ہے اور انہوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۸) عارف باللہ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی نے بھی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث مبارکہ نقل فرمائی ہے کہ آپ نے فرمایا: "خَطَبْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَتٰنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ مِنْكُمْ مِّنَافِقِيْنَ فَمَنْ سَمِيْتُهُ فَلْيَقُمْ ثُمَّ قَالَ قُمْ يَا فُلَانُ قُمْ يَا فُلَانُ حَتّٰى سَمِيْتُ سِتَّةً وَّثَلَاثِيْنَ" (تفسیر صاوی ج ۳ ص ۸۷، مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر) "رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان فرمائی پھر اس کے بعد فرمایا: بے شک تم میں سے بعض لوگ منافق ہیں سو میں جس کا نام لوں پس وہ کھڑا ہو جائے پھر آپ نے فرمایا: اے فلاں! کھڑا ہو جا! اے فلاں! کھڑا ہو جا! یہاں تک کہ آپ نے چھتیس اشخاص کے نام لیے۔ نیز اس حدیث کو سورۃ التوبہ: ۱۰۱ کے تحت تفسیر روح المعانی ج ۱۱ ص ۱۱، مکتبہ رشیدیہ لاہور، تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۹۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، تفسیر مظہری ج ۳ ص ۲۸۹، مطبوعہ دہلی، تفسیر صاوی ج ۱ ص ۱۵۲، مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلی، مصر، تفسیر لباب التاویل المعروف خازن ج ۲ ص ۲۷۶، مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ مصر، خزائن العرفان ص ۲۲۲، مطبوعہ مکتبہ ضیاء القرآن لاہور، تفسیر تبیان القرآن ج ۵ ص ۲۱، تفسیر عثمانی حاشیہ برقرآن ص ۲۶۲، مطبوعہ دارالتصنیف کراچی میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۹) علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی اس آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں: بعض احادیث سے ثابت ہے کہ حضور نے بہت سے منافقین کو نام بنام پکارا اور اپنی مجلس سے اٹھادیا، ممکن ہے کہ وہ شناخت "لحن القول" اور "سیما" وغیرہ سے حاصل ہوئی ہو یا آیہ ہذا کے بعد حق تعالیٰ نے آپ کو بعض منافقین کے اسماء پر تفصیل و تعیین کے ساتھ مطلع فرمادیا ہو۔ واللہ اعلم

(تفسیر عثمانی حاشیہ قرآن مجید ص ۶۶۱، مطبوعہ دارالتصنیف کراچی)

(۱۰) حضور سید عالم ﷺ کو منافقین سے متعلق کمال علم ہونا اس لیے بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے ارشاد فرمایا: "فَقُلْ لَنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلٰكِنْ تَقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا" (التوبہ: ۸۳) "سو اے محبوب! منافقوں سے (فرما دیجئے کہ تم میرے ساتھ (جہاد کے لیے) ہرگز کبھی نہیں نکلو گے اور تم میرے ساتھ مل کر دشمن سے ہرگز جنگ نہیں کرو گے"۔ نیز اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا: "وَلَا تَصَلِّ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّآتٍ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ" (التوبہ: ۸۴) "اور ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس کی نماز جنازہ کبھی نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں" چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان آیات پر تب عمل کر سکیں گے جب آپ کو منافقین کا کمال علم ہوگا تاکہ آپ صرف مسلمانوں کو جہاد میں لے جائیں اور انہیں کی نماز جنازہ پڑھائیں اور انہیں کی قبور پر کھڑے ہوں لیکن منافقین کو نہ جہاد میں لے جائیں اور نہ ان کی نماز جنازہ پڑھائیں اور نہ ان کی قبور پر کھڑے ہوں۔ غوثی مہاروی

نے رسول اکرم ﷺ کو پہچان لیا ﴿لَنْ يَضُرَّوَاللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحِطُّ أَعْمَالَهُمْ﴾ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے وہ تمام اعمال ضائع فرمادے گا جو انہوں نے رسول اکرم کی مخالفت میں کیے یعنی اللہ تعالیٰ ان کے تمام منصوبے ناکام و باطل کر دے گا سو وہ ان میں سے کسی منصوبہ کے ذریعے اپنے اغراض و مقاصد حاصل نہیں کر سکیں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ﴿٣٣﴾

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصْدُوعًا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَغْفِرَ

اللَّهُ لَهُمْ ﴿٣٤﴾ فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ ۗ وَاللَّهُ مَعَكُمْ

وَلَنْ يَتْرَكَ أَعْمَالَكُمْ ﴿٣٥﴾

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تم اپنے اعمال برباد نہ کرو۔ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور انہوں نے (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا پھر وہ اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر ہی تھے تو اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ سو تم سستی نہ کرو اور نہ انہیں صلح کی دعوت دو اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال میں تمہیں ہرگز نقصان نہیں پہنچائے گا۔

٣٣ - ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تم نفاق اور ریاکاری کے سبب اپنے اعمال برباد نہ کرو۔

٣٤ - ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصْدُوعًا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا اور انہوں نے دوسرے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا پھر وہ کفر کی حالت میں ہی مر گئے تو اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ سے بدر کے کنویں میں ڈالے جانے والے کفار مراد ہیں (جنہیں غزوہ بدر میں مسلمان مجاہدین نے قتل کیا تھا) اور نہ ظاہر یہ حکم عام ہے۔

٣٥ - ﴿فَلَا تَهِنُوا﴾ سو تم سستی نہ کرو اور نہ تم کمزوری دکھاؤ اور تم دشمن کے لیے عاجزی کا اظہار نہ کرو ﴿وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ﴾ اور تم صلح کی طرف نہ بلاؤ یعنی تم کفار کو صلح کی دعوت نہ دو [قاری حمزہ ابو بکر کوفی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں کسرہ کے ساتھ "السلم" ہے] ﴿وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ﴾ اور تم ہی غالب رہو گے یعنی "اعلون" بہ معنی "اغلبون" ہے اور "تَدْعُوا" نہی کے حکم کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے ﴿وَاللَّهُ مَعَكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ مدد کرنے کے لیے تمہارے ساتھ ہے یعنی تمہارا مددگار ہے ﴿وَلَنْ يَتْرَكَ أَعْمَالَكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو کم نہیں کرے گا (یعنی) اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کا اجر و ثواب تمہیں کم نہیں دے گا۔

إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ ۗ وَإِنْ تُوْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أُجُورَكُمْ وَلَا

يَسْئَلُكُمْ أَمْوَالَكُمْ ﴿٣٦﴾ إِنْ يَسْئَلُكُمْ هَا فَيُفِضْكُمْ بَخْلًا وَيُخْرِجْ أَمْوَالَكُمْ ﴿٣٧﴾ هَا أَنْتُمْ

هُوَ لَا يَدْعُونَ لِنُفُوقِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَمِنْكُمْ مَنْ يَخُلُوعٌ وَمَنْ يَخُلُوعٌ فَإِنَّمَا
 يَخُلُوعٌ عَنِ نَفْسِهِ وَاللَّهُ الْعَنِيُّ وَأَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا
 غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ۝

بے شک دنیا کی زندگی صرف کھیل اور تماشہ ہے اور اگر تم ایمان لے آؤ اور پرہیزگار بن جاؤ تو وہ تمہیں تمہارے اجر و
 ثواب عطا فرمائے گا اور تم سے تمہارے مال نہیں مانگے گا O اگر وہ تم سے انہیں مانگے اور وہ تم سے مانگنے میں اصرار کرے تو تم
 بخل کرو گے اور وہ تمہارے بغض و کینے نکال دے گا O خبردار! تم وہی لوگ ہو کہ تمہیں بلایا جاتا ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں
 خرچ کرو تو تم میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں اور جو شخص بخل کرتا ہے تو وہ صرف اپنی ذات سے بخل کرتا ہے اور
 اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور تم سب محتاج ہو اور اگر تم منہ پھیر لو گے تو وہ تمہارے سوا دوسری قوم تبدیل کر لے گا پھر وہ تمہاری
 طرح نہیں ہوں گے O

۳۶- ﴿إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ﴾ بے شک دنیا کی زندگی صرف کھیل اور تماشہ ہے بہت جلد اور تھوڑی مدت میں
 ختم ہو جاتی ہے اور فانی و ناپائیدار ہے ﴿وَإِنْ تَوَلَّوْا﴾ اور اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ ﴿وَتَشَقُّوا﴾
 اور تم کفر و شرک چھوڑ کر متقی اور پرہیزگار بن جاؤ ﴿يُؤْتِكُمْ أَجْرَكُمْ﴾ تو اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے ایمان لانے پر اور تقویٰ و
 پرہیزگاری اختیار کرنے پر اجر و ثواب عطا فرمائے گا ﴿وَلَا يَسْأَلُكُمْ أَمْوَالَكُمْ﴾ اور وہ تم سے تمہارے مال نہیں مانگے گا یعنی
 وہ تم سے تمہارا تمام مال طلب نہیں کرے گا بلکہ چالیسواں حصہ طلب کرے گا اور مال طلب کرنے والے سے اللہ تعالیٰ مراد
 ہے یا اس کا رسول مراد ہے اور حضرت سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ (شریعت میں) کثیر مال میں سے قلیل مال (چالیسواں
 حصہ) طلب کیا جاتا ہے۔

۳۷- ﴿إِنْ يَسْأَلْكُمْ فِي حَرْبٍ فَبِحَوْلِهِمْ يُجَاهِدُوا﴾ اگر وہ تم سے تمہارے مال طلب کرے اور وہ تم سے بہت اصرار کرے تو تم بخل
 کرو گے یعنی وہ مال کی طلب میں شدت سے مطالبہ کرے اور تم سے سارا مال طلب کر لے (تو تم بخل کرو) اور ”احفاء“ کا
 معنی ہے: مبالغہ کرنا اور ہر چیز میں اس کی انتہاء تک پہنچنا اور جب کوئی شخص سوال کرنے میں بہت زیادہ اصرار کرے تو کہا جاتا
 ہے: ”أَحْفَاهُ فِي الْمَسْأَلَةِ“ فلاں شخص نے اس سے سوال کرنے میں بہت اصرار کیا اور جب کوئی شخص اپنی مونچھیں جڑ سے
 کاٹ دے تو کہا جاتا ہے: ”أَحْفَى شَارِبَهُ“ فلاں آدمی نے اپنی مونچھیں جڑ سے کاٹ دیں ﴿وَمَنْ يُؤْتِكُمْ أَجْرَكُمْ﴾ اور وہ
 تمہارے کینے کو نکال دے گا یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے مال روکنے پر یا تمام مال کے سوال کے وقت تمہارے کینے کو نکال دے
 گا اور یا تمہارا بخل تمہارے مال روکنے پر یا تمام مال کے مطالبے کے وقت تمہارے کینے کو نکال دے گا کیونکہ مال کے مطالبے
 اور سوال پر عداوت و کینہ ظاہر ہو جاتا ہے۔

۳۸- ﴿هَاتَتْكُمْ﴾ اس میں ”ہا“ تنبیہ کے لیے ہے جس کا معنی ہے کہ تم آگاہ ہو جاؤ اور خبردار ہو جاؤ (اور ”أَنْتُمْ“
 مبتدا ہے) ﴿هُوَ لَا يَدْعُونَ﴾ [یہ موصول بہ معنی ”الَّذِينَ“ ہے اور اس کا صلہ ﴿تُدْعَوْنَ﴾ ہے (موصول اپنے صلہ سے مل کر
 ”أَنْتُمْ“ مبتدا کی خبر ہے)] یعنی تم وہی لوگ ہو کہ جب تمہیں بلایا جاتا ہے ﴿لِنُفُوقِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ
 میں خرچ کرو اور یہ جنگ کے لیے خرچ کرنا مراد ہے یا پھر زکوٰۃ ادا کر کے خرچ کرنا مراد ہے گویا کہا گیا ہے کہ اس بات پر

دلیل ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے مال طلب کرنے کے لیے تم سے مطالبہ میں اصرار کرے تو تم ضرور بخل کرو گے اور مال دینے کو ناپسند کرو گے یہ ہے کہ جب مال کے چالیسویں حصے کی ادائیگی کے لیے تمہیں بلایا جاتا ہے ﴿فَمِنْكُمْ مَّنْ يَبْخُلُ﴾ تو تم میں سے کچھ لوگ بخل کرتے ہیں (اور زکوٰۃ ادا نہیں کرتے) [یہ مرفوع ہے کیونکہ یہ "مَنْ" شرطیہ نہیں ہے] یعنی سو تم میں سے بعض لوگ اس کی ادائیگی میں بخل کرتے ہیں ﴿وَمِنْ يَبْخُلُ﴾ اور جو شخص صدقہ دینے میں اور فرض کی ادائیگی میں بخل کرتا ہے ﴿فَاِنَّمَا يَبْخُلُ عَنْ نَفْسِهِ﴾ تو بے شک وہ صرف اپنی ذات سے بخل کرتا ہے یعنی وہ اپنی ذات کی وجہ سے بخل کرتا ہے اپنے رب تعالیٰ کی وجہ سے نہیں اور بعض حضرات کا قول ہے کہ وہ اپنی ذات پر بخل کرتا ہے (کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا فائدہ اور ادا نہ کرنے کا نقصان خود اسی کی اپنی ذات پر وارد ہوگا) چنانچہ "بَخَلْتُ عَلَيْهِ وَعَنْهُ" دونوں طرح بولا جاتا ہے ﴿وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ﴾ اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور تم سب محتاج ہو یعنی اللہ تعالیٰ زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم اس لیے نہیں دیتا کہ اسے اس کی حاجت و ضرورت ہے کیونکہ وہ تو تمام حاجات سے بے نیاز ہے لیکن وہ تمہیں تمہاری حاجت کی وجہ سے حکم دیتا ہے اور تم اجر و ثواب کے محتاج ہو ﴿وَإِنْ تَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَسَلِّمْ عَلَيْكُمْ﴾ اور اے اہل عرب! اگر تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری اور اس کے رسول کی اطاعت و فرماں برداری سے اور اس کی راہ میں خرچ کرنے سے روگردانی کرو گے اور تم اپنے منہ پھیر لو گے تو [اور یہ "وَإِنْ تَوَكَّلْتُمْ عَلَى اللَّهِ فَسَلِّمْ عَلَيْكُمْ" پر معطوف ہے] ﴿يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ﴾ وہ تمہارے علاوہ کسی اور قوم کو تبدیل کر لے گا (یعنی اللہ تعالیٰ تم سے بہتر اور تم سے زیادہ فرماں بردار و اطاعت گزار قوم پیدا فرمائے گا اور وہ فارس کی قوم مراد ہے اور رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ وہ کون سی قوم ہے اور اس وقت آپ کے ایک طرف حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے چنانچہ آپ نے ان کی ران پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: یہ اور اس کی قوم مراد ہے اور قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! اگر ایمان ثریا (کہکشاں نامی ستاروں) سے معلق ہوتا تو فارس کے لوگ اسے ضرور حاصل کر لیتے ﴿لَقَدْ لَأَيُّكُمْ لَوْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ﴾ پھر وہ تمہاری طرح نہیں ہوں گے یعنی پھر وہ لوگ اطاعت و فرماں برداری میں تمہاری طرح نہیں ہوں گے بلکہ وہ لوگ تم سے بڑھ کر زیادہ اطاعت گزار اور زیادہ فرماں بردار ہوں گے۔

﴿وَمِنْ يَبْخُلُ﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الفتح مؤخر

سورۃ الفتح مدنی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی انتیس آیات چار رکوع ہیں

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ

وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝ وَيُبْصِرَكَ اللَّهُ نَصْرًا

عَزِيزًا ۝

بے شک ہم نے آپ کو ایک روشن اور واضح فتح عطا فرمادی ہے ۰ تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی عصمت کو ہر قسم کے گناہ سے آپ کی اگلی اور پچھلی زندگی میں محفوظ رکھے اور اپنی (ہر قسم کی) نعمت آپ پر پوری فرمادے اور آپ کو صراطِ مستقیم پر قائم و دائم رکھے ۰ اور اللہ تعالیٰ زبردست نصرت کے ساتھ آپ کی مدد فرمائے ۰

محبوب خدا کے لیے انعاماتِ خمسہ کا بیان

سورۃ الفتح مدنی ہے اور اس کی آیتیں آیتیں ہیں۔

۱۔ ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ بے شک ہم نے آپ کو روشن اور واضح فتح عطا فرمادی ہے۔ فتح کا مطلب ہے: کسی شہر پر غلبہ پا کر کامیابی حاصل کرنا یا صلح کے ذریعے کامیابی حاصل کرنا خواہ یہ صلح جنگ کے ساتھ ہو یا بغیر جنگ کے ہو کیونکہ جب تک شہر پر کامیابی اور فتح حاصل نہ ہو تو اس میں داخلہ بند ہوتا ہے لیکن جب اس پر فتح اور کامیابی حاصل ہو جاتی ہے تو اس میں داخلہ کھل جاتا ہے پھر بعض حضرات کا قول ہے کہ اس فتح سے فتح مکہ مراد ہے اور یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ صلح حدیبیہ کے ساتھ (۶ ہجری میں) مکہ مکرمہ سے واپس مدینہ منورہ تشریف لا رہے تھے۔ اس میں آپ سے فتح کا وعدہ فرمایا گیا اور اس فتح کو فعل ماضی کے لفظ کے ساتھ اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ اس کا تحقق اور وقوع پذیر ہونا یقینی طور پر ہونے والے کام کے قائم مقام ہے اور اس میں عظمت و بڑائی کا اظہار ہے اور خبر عنہ (فتح) کے عالی شان ہونے پر دلالت و رہنمائی ہے جو (کسی ذی عقل پر) مخفی نہیں ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس سے فتح حدیبیہ مراد ہے اور اس میں شدید قسم کی کوئی جنگ نہیں ہوئی تھی بلکہ قوم کے درمیان تیر اندازی اور پتھر بازی ہوئی تھی چنانچہ مسلمانوں نے دفاع کرتے ہوئے مشرکین پر تیر اندازی کی تھی یہاں تک کہ مشرکین کو ان کے گھروں میں جانے پر مجبور کر دیا اور انہیں ان کے گھروں میں دھکیل دیا اور انہوں نے (مرعوب ہو کر) صلح کی درخواست کر دی سو اس لیے یہ ”فتح مبین“ (روشن اور واضح فتح) قرار پائی اور علامہ زجاج نے کہا کہ فتح حدیبیہ میں بہت بڑا معجزہ رونما ہوا تھا اور وہ یہ کہ حدیبیہ نامی کنویں کا پانی حسب ضرورت نکالا جاتا رہا اور اس میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ رہا اور سارا پانی ختم ہو گیا پھر رسول اللہ ﷺ نے گھی کی اور اسے کنویں میں ڈال دیا چنانچہ کنویں کی گہرائی سے پانی جوش مارنے لگا اور وہ کنواں کناروں تک لہا لہا بھر گیا یہاں تک کہ تمام لوگوں نے پیا اور بعض حضرات نے فرمایا: اس سے فتح خیبر مراد ہے اور بعض نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اہل مکہ کے خلاف آپ کے لیے ایک واضح فیصلہ کیا ہے اور وہ یہ کہ آپ اور آپ کے صحابہ اگلے سال مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے تاکہ تم سب کے سب بیت اللہ شریف کا طواف کرو اور یہ ”فتاحۃ“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی فیصلہ کرنا ہے۔

۲۔ ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمادے۔ بعض نے فرمایا کہ فتح مغفرت کا سبب نہیں اور تقدیر عبارت یوں ہے: ”(إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا) فَاسْتَغْفِرْ (لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ)“ بے شک ہم نے آپ کو واضح فتح عطا فرمائی سو آپ (اظہارِ تشکر کے لیے) مغفرت طلب کیجئے تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے اور اس کی مثال (درج ذیل) ارشاد ہے: ”إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ“ (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ تک: ”فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْ“ (النصر: ۱-۳) ”جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی فتح آ جائے تو (اظہارِ تشکر کے لیے) آپ اپنے پروردگار کی حمد و ثناء کے ساتھ تسبیح بیان کیجئے اور اس سے مغفرت طلب کیجئے“ اور یہ بھی جائز ہے کہ فتح مکہ مراد ہو کیونکہ دشمنانِ دین سے جہاد کرنا مغفرت و بخشش کا سبب ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہ فتح اس لیے نہیں تھی کہ آپ کی مغفرت کی جائے بلکہ وہ تو زبردست مدد عطا فرمانے اور نعمت کی تکمیل کے لیے تھی لیکن جب اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمائی جانے والی اپنی نعمتوں کا شمار کیا تو ان کے ساتھ اس مغفرت و بخشش کی نعمت کو بھی شمار کر کے ان کے ساتھ ملا دیا کیونکہ یہ تمام نعمتوں میں سب سے بڑی عظیم الشان نعمت ہے گویا فرمایا گیا کہ ہم نے آپ کے لیے فتح مکہ کو اس لیے آسان فرمادیا تاکہ ہم دین و دنیا کی عزتیں اور دنیا و آخرت کے اغراض و مقاصد آپ کے لیے جمع فرمادیں ﴿مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكُمْ وَمَا تَأَخَّرَ﴾

جو اس سے پہلے اجتہادی اور امت کی تعلیم کے لیے خلاف اولیٰ امور میں تقصیر ہوئی اور جو اس کے بعد ہوئی "مِنْ ذَنْبِكَ"

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی پہلی تین آیات میں اپنے محترم و مکرم اور معظم محبوب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اپنے پانچ انعامات کی عطا کا ذکر فرمایا ہے: (۱) فتح مبین (۲) مغفرتِ ذنب (۳) اتمامِ نعمت (۴) صراطِ مستقیم کی ہدایت (۵) قوی ترین نصرت و مدد چنانچہ ان میں سے دوسرا انعام یعنی مغفرتِ ذنب (گناہوں کی بخشش) کی نسبت آپ کی طرف کرنے سے یہ شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا آپ کے گناہ تھے جن کی مغفرت کا اعلان کیا گیا ہے؟ حالانکہ تمام انبیائے کرام خصوصاً ہمارے آقا سید الانبیاء حضور نبی اکرم ﷺ تمام گناہوں سے معصوم اور پاک ہیں تو پھر مغفرتِ ذنب کا کیا مطلب ہے؟ مفسرین کرام نے اس شبہہ کے چند جوابات بیان کیے ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) مغفرت کا معنی عصمت ہے، یعنی "لِيَعِصَمَكَ اللَّهُ فِيمَا تَقَدَّمَ مِنْ عَمْرِكَ وَفِيمَا تَأَخَّرَ مِنْهُ" تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی اگلی اور پچھلی زندگی میں ہر قسم کے گناہ سے آپ کو معصوم رکھے، چنانچہ علامہ جلال الدین مہلکی تفسیر جلالین میں اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں: "وَهُوَ مَوْوَلٌ لِّعِصْمَةِ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِالذَّلِيلِ الْعُقَلْبِيِّ الْقَطْعِيِّ" یعنی اس کی تاویل کی جائے گی کیونکہ انبیائے کرام کی عصمت و پاک دامنی عقلی قطعی اور یقینی دلیل سے ثابت ہے۔ (تفسیر جلالین، مع حاشیہ تفسیر صاوی ج ۴ ص ۹۰، مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبي، مصر) امام فخر الدین رازی نے چار وجوہ بیان کی ہیں ان میں سے چوتھی توجیہ یہی ہے کہ مغفرت سے عصمت مراد ہے (تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر قسم کے گناہ سے معصوم و محفوظ رکھے)۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بعض محققین نے یہ کہا ہے کہ "لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ" کا معنی ہے: "لِيَعِصَمَكَ اللَّهُ فِيمَا تَقَدَّمَ مِنْ عَمْرِكَ وَفِيمَا تَأَخَّرَ مِنْهُ" یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی اگلی اور پچھلی زندگی میں گناہوں سے بچائے رکھے گا اور آپ کو عصمت پر قائم رکھے گا۔ اس آیت میں مغفرت، عصمت سے کنایہ ہے اور قرآن مجید میں بعض مقامات پر مغفرت سے عصمت کا کنایہ کیا گیا ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۲۰۸، مطبوعہ فرید بک سٹال، لاہور، بحوالہ مدارج النبوت ج ۱ ص ۷۲-۷۳، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

(۲) مغفرت کا معنی احالہ (عصمت کے پردے کا حائل ہونا مراد) ہے جب وہ بندے کے درمیان اور گناہوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے تو اس سے گناہ صادر نہیں ہوتے کیونکہ عُفْرَانُ مغفرت اور عُفْرَانُ لغوی معنی ستر (پردہ) ہے اور یہ ستر کبھی تو بندے کے درمیان اور گناہ کے درمیان حائل ہو جاتا ہے (جس کی وجہ سے بندہ گناہوں سے محفوظ اور بچ جاتا ہے) اور کبھی بندے کے درمیان اور اس کے عذاب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے (جس کی وجہ سے بندہ عذاب سے بچ جاتا ہے) بہر حال انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان کے لائق صرف پہلا معنی ہے (کہ انبیائے کرام کے حق میں مغفرت کا معنی ان کے درمیان اور گناہوں کے عصمت کے پردے کا حائل ہو جانا ہے) اور امتیوں کے لیے دوسرا معنی مراد ہوتا ہے۔ (تفسیر صاوی ج ۴ ص ۹۰-۹۱، مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبي، مصر)

(۳) "مِنْ ذَنْبِكَ" سے (کسی مصلحت کی بناء پر) افضل و اعلیٰ کام ترک کر کے خلاف اولیٰ کام کرنا مراد ہے، اگرچہ یہ جائز ہے لیکن "حَسَنَاتُ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقْرَبِينَ" (نیکیوں کی نیکیاں بعض اوقات مقربین کے نزدیک گناہ سمجھی جاتی ہیں) کے مطابق اسے آپ کے مقام و منصب کے اعتبار سے ذنب قرار دے کر اس کی مغفرت کا اعلان کیا گیا ہے۔

(۴) "مِنْ ذَنْبِكَ" سے حقیقی گناہ مراد نہیں بلکہ مباح فعل مراد ہے اور وہ مباح ہونے کی بناء پر اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہ تو گناہ ہے اور نہ وہ خلاف اولیٰ ہے لیکن حضور سید عالم ﷺ کی نگاہ عالی میں نہیں چلتا اور آپ کے بلند و بالا مرتبے اور شان کے مقابلے میں ادنیٰ و کم تر ہونے کی وجہ سے آپ کی نگاہ عالی میں وہ ذنب ہے اس لیے اس کی مغفرت کا اعلان کیا گیا۔

(تفسیر روح المعانی الجزء السادس والعشرون ص ۹۱، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے وہ تمام تفسیرات مراد ہیں جو آپ سے صادر ہو چکیں یا پھر ”مَا تَقَدَّمَ“ سے ام المؤمنین حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ مراد ہے (کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دل جوئی کے لیے حضرت ماریہ کو اپنے اوپر ممنوع قرار دے دیا تھا) اور ”مَا تَأَخَّرَ“ سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عورت کا واقعہ مراد ہے (کیونکہ حضور نے وحی کے ذریعے حضرت زید کی بیوی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کی خبر پا کر طلاق کے بعد ان سے نکاح کا پختہ ارادہ کر لیا تھا لیکن آپ کو لوگوں کے طعنوں کا خوف و ڈر تھا حالانکہ آپ کو صرف اللہ تعالیٰ کا خوف و ڈر ہونا چاہیے تھے) ﴿وَيُخَذِرُ نَجْمَتَكَ عَلَيْكَ﴾ اور اللہ تعالیٰ آپ کے دین کو غلبہ عطا فرما کر اور آپ کے ہاتھوں آپ کو شہروں کی فتح عطا فرما کر آپ پر اپنی نعمت کو مکمل کر دے گا ﴿وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ آپ کو صراطِ مستقیم کی ہدایت پر قائم و دائم فرمادے گا اور آپ کو پسندیدہ ترین دین پر ثابت قدم رکھے گا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۵) ”ذنب“ کا معنی عام طور پر گناہ کیا جاتا ہے۔ گناہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی کو لیکن اہل لغت لفظ ”ذنب“ کو الزام کے معنی میں بھی استعمال کرتے رہتے ہیں اور الزام میں یہ ضروری نہیں کہ وہ فعل اس شخص سے صادر بھی ہوا ہو بلکہ بسا اوقات بلا وجہ اس فعل کی نسبت اس شخص کی طرف کر دی جاتی ہے۔ اسی مادہ سے دو اور لفظ ہیں: ”ذَنْبٌ“ اور ”ذُنُوبٌ“۔ ”ذَنْبٌ“ کا معنی دم ہے جو جانور کے جسم کے آخر میں چمٹی ہوتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کے جسم کا حصہ نہیں بلکہ باہر سے اس کے ساتھ چمٹا دی گئی ہے اور پانی نکلنے والے ڈول کو ”ذَنْبُوبٌ“ کہتے ہیں جو رستی کے ایک سرے سے بندھا رہتا ہے۔ اسی مناسبت سے ”ذَنْبٌ“ کا اطلاق الزام پر بھی ہوسکتا ہے جو کسی شخص کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے خواہ اس نے اس کا ارتکاب نہ کیا ہو۔ قرآن کریم میں بھی ”ذنب“ کا لفظ الزام کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک اسرائیلی اور ایک قبطی کو باہم لڑتے دیکھا۔ قبطی اسرائیلی کو زد و کوب کر رہا تھا۔ اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو انہیں مدد کے لیے پکارا۔ آپ نے پہلے قبطی کو منع کیا کہ غریب اسرائیلی پر ظلم و زیادتی نہ کرے۔ جب وہ باز نہ آیا تو آپ نے اسے ایک مٹکا دے مارا جو اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔ اپنے زبردست مظلوم ساتھی کی مدد کرنا اس کے بچاؤ اور اپنے دفاع کے لیے حملہ آور کو مٹکا مارنا نہ شرعاً کوئی جرم ہے نہ عرب میں یہ فعل قبیح ہے لیکن فرعون چونکہ آپ کا دشمن تھا اور انہیں حکومت کا باغی تصور کرتا تھا اس لیے اس نے آپ پر قتل کا الزام لگا رکھا تھا اور اگر اس کا بس چلتا تو وہ آپ کو وہی سزا دیتا جو قتل عمد کی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون کے پاس جاؤ اور اسے دعوتِ حق دو تو آپ نے بارگاہِ الہی میں عرض کی:

”وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ“ (الشعراء: ۱۳) ”انہوں نے مجھ پر قتل کا الزام لگا رکھا ہے پس مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے“ اس آیت میں ”ذنب“ سے گناہ مراد نہیں بلکہ الزام ہے کیونکہ آپ نے اپنے اور اپنے ایک امتی کے بچاؤ کے لیے یہ قدم اٹھایا تھا۔ آپ کا ارادہ اس کو قتل کرنے کا ہرگز نہیں تھا اور نہ عام طور پر مٹکا لگنے سے موت واقع ہوتی ہے۔ ان آیات کے سیاق و سباق کو مد نظر رکھا جائے تو یہی معنی (الزام) یہاں موزوں اور مناسب معلوم ہوتا ہے ”غَفْرٌ“ کا معنی چھپا دینا اور کرنا ہے۔ ”مَا تَقَدَّمَ“ سے مراد ہجرت سے پہلے اور ”مَا تَأَخَّرَ“ سے ہجرت کے بعد۔

یعنی اے حبیب! جو الزامات کفار مکہ آپ پر ہجرت سے پہلے عائد کیا کرتے تھے اور جو الزامات ہجرت کے بعد اب تک وہ لگاتے رہے ہیں اس ”فتحِ مبین“ سے وہ سارے کے سارے نیست و نابود ہو جائیں گے اور ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔ ہجرت سے پہلے جو الزامات کفار کی طرف سے حضور سرورِ عالم ﷺ پر عائد کیے جاتے تھے وہ یہ ہیں کہ یہ کافرانہ ہے یہ شاعر ہے یہ مجنون ہے یہ ساحر ہے یہ اوروں سے سن سن کر افسانے بنا لیتا ہے اسے کوئی اور پڑھاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۳۔ ﴿وَيُنصركَ اللهُ نَصْرًا عَظِيمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ آپ کو زبردست نصرت و مدد عطا فرمائے گا (یعنی) ایسی جامع اور مانع مضبوط و مستحکم نصرت و امداد عطا فرمائے گا کہ اس کے بعد کبھی ذلت و رسوائی اور شکست نہیں ہوگی۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزِدُوا إِيمَانًا لَهُ

إِيمَانِهِمْ ۗ وَبِاللَّهِ جُنُودُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَكَانَ اللهُ عَلَيْهِمْ حَكِيمًا ۝

لِيَدْخُلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

فِيهَا وَيُكْفَرُ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۗ وَكَانَ ذَلِكَ عِنْدَ اللهِ فَوْزًا عَظِيمًا ۝ وَيُعَذِّبُ

الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّالِمِينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۗ

عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ ۗ وَعَصِبَ اللهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۗ وَسَاءَتْ

مَصِيدًا ۝

وہی ہے جس نے مؤمنوں کے دلوں میں اطمینان و سکون نازل فرمایا تاکہ وہ اپنے (پہلے) یقین کے ساتھ مزید یقین کا اضافہ کریں اور آسمانوں اور زمین کے تمام لشکر اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بہت بڑا حکمت والا ہے ۝ تاکہ اللہ تعالیٰ مؤمن مردوں اور مؤمنہ عورتوں کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ہجرت کے بعد الزامات کی فہرست کچھ یوں ہے:

وہ کہتے: یہ قوم میں اختلاف انتشار پیدا کرنے والا ہے اس نے جنگ کی آگ بھڑکا کر مکہ کو اجاڑ ڈالا ہے بھائی کو بھائی سے اولاد کو اپنے ماں باپ سے جدا کرنے والا ہے اس نے محفوظ تجارتی راستوں کو خطرناک بنا دیا ہے ہمارے قومی انتظامات کو درہم برہم کر دیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۵۳۲-۵۳۳)

(۶) ”مِنْ ذَلِكِ“ سے امت کے گناہ مراد ہیں اور آپ کی طرف نسبت اس لیے کی گئی ہے کہ آپ مقتداء ہیں۔ (تفسیر صاوی ج ۴ ص ۹۰ مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبي، مصر) امام فخر الدین رازی نے کہا کہ مؤمنوں کے گناہ مراد ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

(۷) علامہ سبکی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ ہر چند کہ نبی کریم ﷺ نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے شرف و بزرگی اور مرتبہ و شان کو ظاہر کرنے کے لیے یہ فرمایا: ہم نے آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب بخش دیے کیونکہ بادشاہوں کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ اپنے خواص اور مقربین کو نوازنے کے لیے کہتے ہیں کہ ہم نے تمہارے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیے اور تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا حالانکہ بادشاہ کو علم ہوتا ہے کہ اس شخص نے کوئی گناہ نہیں کیا نہ آئندہ کرے گا لیکن اس کلام سے اس شخص کی تعظیم و تکریم اور تشریف کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔

(تفسیر تبيان القرآن ج ۱۱ ص ۲۰۸، بحوالہ مدارج النبوة ج ۱ ص ۷۲-۷۳، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

ہمیشہ رہیں گے اور وہ ان کی بُرائیوں کو ان سے دور فرمادے اور یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی کامیابی ہے O اور تاکہ وہ منافق مردوں اور منافقہ عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرکہ عورتوں کو عذاب دے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بُرا گمان رکھتے ہیں ان ہی پر بُری گردش ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر غضب فرمایا اور ان پر لعنت فرمائی اور ان کے لیے دوزخ کو تیار کر رکھا ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے O

صحابہ کے لیے انعامات اور کفار و منافقین کے لیے عذاب کا بیان

۴۔ ﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيُذْذِرُوا الْإِيمَانَ أَتَمَّ إِنَّمَا فِيهِ﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں تسکین کو نازل فرمایا تاکہ ان کے (پہلے) یقین و ایمان کے ساتھ مزید ایمان و یقین مستحکم ہو جائے۔ ”سکینۃ“ سکون کے معنی کے لیے اس طرح استعمال ہوتا ہے جس طرح ”بہینۃ“ بہتان کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کے سبب ان کے دلوں میں سکون و طمانیت نازل فرمائی تاکہ ان کے (پہلے) یقین کے ساتھ اور یقین بڑھ جائے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ”سکینہ“ سے اللہ تعالیٰ کے حکم پر صبر کرنا اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر اعتماد و بھروسہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعظیم کرنا مراد ہے ﴿وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ حَكِيمًا﴾ اور آسمانوں اور زمین کے تمام لشکر اللہ تعالیٰ ہی کی ملک میں ہیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بہت بڑا حکمت والا ہے۔

۵۔ ﴿لِيَدْخُلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بَدَنٍ بَدْرِيٍّ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرُ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَكَانَ ذَلِكَ عِنْدَ اللَّهِ قَوْمًا عَظِيمًا﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ مؤمن مردوں اور مؤمنہ عورتوں کو باغات میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے ان کی بُرائیاں دور کر دے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی کامیابی ہے۔

۶۔ ﴿وَالْعَذَابُ الْمُنْفِقِينَ وَالْمُنْفِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ﴾ اور تاکہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافقہ عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرکہ عورتوں کو عذاب دے یعنی تمام آسمانوں اور زمین کے تمام لشکر اللہ تعالیٰ ہی کی ملک میں ہیں وہ ان میں سے بعض کو دوسرے بعض پر مسلط کر دیتا ہے جیسے اس کا علم اور اس کی حکمت تقاضا کرتی ہے اور اس کا فیصلہ یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کے دلوں کو سکون و اطمینان عطا فرمایا صلح حدیبیہ کے سبب اور ان سے وعدہ فرمایا کہ انہیں فتح و نصرت عطا فرمائے گا اور یہ فیصلہ صرف اس لیے فرمایا تاکہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی نعمت پہچان لیں اور اس پر شکر ادا کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو اجر و ثواب عطا فرمائے اور کافروں اور منافقوں کو عذاب دے کیونکہ وہ اس صلح سے غیظ و غضب میں جل گئے اور انہوں نے اسے ناپسند کیا ﴿الظَّالِمِينَ بِاللَّهِ ظَنُّ السُّوءِ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بہت بُرا گمان رکھنے والے ہیں۔ ”السُّوء“ کا مطلب ہے: کسی چیز کا مذموم و فاسد ہونا چنانچہ کہا جاتا ہے: ”فِعْلٌ سَوْءٌ أَيْ مَسْخُوطٌ فَاسِدٌ“ یعنی بُرا اور فاسد کام اور اس سے مراد یہ ہے کہ مشرکین اور منافقین یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نہ تو رسول کریم اور مسلمانوں کی مدد کرے گا اور نہ انہیں اس حال میں مکہ مکرمہ واپس لائے گا کہ وہ کامیاب و کامران اور فاتح و غالب بن کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے ﴿عَلَيْكُمْ دَائِرَةُ السُّوءِ﴾ انہیں پر بُری گردش ہے [ابن کثیر کی اور ابو عمرو کی قراءت میں ”السُّوء“ میں سین مضموم ہے] یعنی مشرکین و منافقین مسلمانوں کے بارے میں جس چیز کا گمان رکھتے ہیں اور وہ جس چیز کا انتظار کر رہے ہیں ہو وہی چیز خود انہیں گھیر لے گی اور وہ انہیں پر پڑے گی اور ”السُّوء“ (سین پر پیش) کا معنی ہے: ہلاکت و بربادی اور ”دَائِرَةُ السُّوءِ“ سین

پر زبر کے ساتھ کا معنی ہے کہ وہ لوگ جس چیز کو مذموم و برا خیال کرتے ہیں اور جس کو ناپسند کرتے ہیں وہی برائی ان پر پڑے گی (درج ذیل تمام مکرر الفاظ میں سے پہلے لفظ کے پہلے حرف پر زبر ہے اور دوسرے لفظ کے پہلے حرف پر پیش ہے) "السُّوءُ" اور "السُّوءُ" اور "كُرْهُ" اور "كُرْهُ" نیز "ضَعْفٌ" اور "ضَعْفٌ" ہم معنی ہیں مگر زبر والے اسم کی طرف اکثر ہر چیز میں سے وہ چیز مضاف ہوتی ہے جس کی مذمت مقصود ہوتی ہے لیکن "السُّوءُ" (پیش والا) سو یہ شر (برائی) کے قائم مقام ہوتا ہے جو خیر (بھلائی) کی نقیض اور ضد ہے ﴿وَعَصَبَ اللَّهِ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان پر غضب نازل فرمایا اور ان پر لعنت فرمائی اور ان کے لیے دوزخ تیار کر رکھی ہے اور وہ دوزخ بہت برا ٹھکانا ہے۔

وَاللَّهُ جُنُودُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝۱۰ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝۱۱ لَتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعَزَّزُوا وَتَتَّقُوا ۚ وَتُسَبِّحُوا بِحَمْدِ اللَّهِ تَكْرًا ۝۱۲ وَإِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ ۚ فَمَنْ تَنَكَّ فَإِنَّمَا يَنكُتْ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۚ وَمَنْ أُوْفِيَ بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ فَمِنَّا ۚ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝۱۳

اور آسمانوں اور زمین کے تمام لشکر اللہ تعالیٰ ہی کی ملک میں ہیں اور اللہ تعالیٰ بے حد غالب بہت حکمت والا ہے ۝۱۰ بے شک ہم نے آپ کو حاضر و ناظر اور خوش خبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے ۝۱۱ تاکہ تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھو اور تم رسول کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو اور تم صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو ۝۱۲ بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے سو جس نے بیعت کو توڑ دیا تو اس کے توڑنے کا وبال صرف اسی کی ذات پر ہوگا اور جس نے اس عہد کو پورا کیا جو اس نے اللہ تعالیٰ سے کیا تو اللہ تعالیٰ عنقریب اس کو بہت بڑا اجر و ثواب عطا فرمائے گا ۝۱۳

اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کی عظمت و شان کا بیان

۷- ﴿وَاللَّهُ جُنُودُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ اور آسمانوں اور زمین کے تمام لشکر اللہ تعالیٰ ہی کے ملک میں ہیں سو اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کا مکر و فریب دور کر دے گا جو اس کے محترم نبی کریم ﷺ سے اور مسلمانوں سے عداوت و دشمنی رکھتا ہے جس قدر وہ چاہے گا ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ بے حد غالب ہے سو اس کی پکڑ کو رد نہیں کیا جاسکتا ﴿حَكِيمًا﴾ وہ بہت بڑا حکمت والا ہے وہ جو تدبیر کرتا ہے اور جو منصوبہ بناتا ہے وہ اس کی حکمت کے عین مطابق ہوتا ہے۔

۸- ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا﴾ بے شک ہم نے آپ کو حاضر و ناظر بنا کر بھیجا ہے تاکہ آپ قیامت کے دن اپنی امت پر گواہی دے سکیں [اور "شاهدًا" حال مقدر واقع ہو رہا ہے] ﴿وَمُبَشِّرًا﴾ اور آپ ﷺ مومنوں کو جنت کی خوش خبری سنانے والے ہیں ﴿وَنَذِيرًا﴾ اور آپ ﷺ کافروں کو دوزخ کی آگ سے ڈرانے والے ہیں۔

۱ علامہ محمد اسماعیل حقی حنفی لفظ "شاهد" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "وَهُوَ الْمَحْبُوبُ الْأَصْلِيُّ" (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۹۔ ﴿لَتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ تاکہ تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھو۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے خطاب ہے ﴿وَتَعَزَّزُوا﴾ اور تم (لوگ) آپ کو نصرت و مدد کے ذریعے قوت دو ﴿وَتَوْقَرُوا﴾ اور تم آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر کرو ﴿وَتَسَبَّحُوا﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرو۔ یہ ”تسبیح“ سے ماخوذ ہے یا ”سبحہ“ سے ماخوذ ہے اور تمام ضمیریں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو تقویت دینے سے مراد اس کے دین کو اور اس کے رسول کو تقویت پہنچانا مقصود ہے اور جس نے ضمیروں میں تفریق کی اور پہلی دو ضمیروں کو نبی کریم ﷺ کے لیے قرار دیا اس نے غلط کیا ہے [ابن کثیر کی اور ابو عمرو کی قراءت میں ”لِؤْمِنُوا“ پڑھا جاتا ہے اور اس کی ضمیر ”الناس“ (لوگوں) کے لیے ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) وَمَا سِوَاهُ تَبَعٌ لَّهُ فَلِهَذَا أَرْسَلَهُ اللَّهُ شَاهِدًا فَإِنَّهُ لَمَّا كَانَ شَاهِدًا بِوَحْدَانِيَةِ الْحَقِّ وَرَبُوبِيَّتِهِ وَشَاهِدًا مِمَّا أُخْرِجَ مِنَ الْعَدَمِ إِلَى الْوُجُودِ مِنَ الْأَرْوَاحِ وَالنَّفُوسِ وَالْأَجْرَامِ وَالْأَرْكَانِ وَالْأَجْسَامِ وَالْأَجْسَادِ وَالْمَعَادِنِ وَالنَّبَاتِ وَالْحَيَوَانَ وَالْمَمْلُوكِ وَالْجِنِّ وَالشَّيَاطِينِ وَالْإِنْسَانَ وَغَيْرِ ذَلِكَ لِأَنَّ بَشُدَّ عَنْهُ مَا يُمْكِنُ لِلْمَخْلُوقِ دَرْكُهُ مِنْ أَسْرَارِ أَعْمَالِهِ وَعَجَائِبِ صُنْعِهِ وَغَرَائِبِ قُدْرَتِهِ بِحَيْثُ لَا يُشَارِكُهُ فِيهِ غَيْرُهُ“ اور وہ اصلی محبوب ہیں اور ان کے ماسواہر چیزان کے تابع اور ان کے طفیل ہے سو اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حاضر و ناظر بنا کر بھیجا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آپ کو پیدا فرمایا جب آپ اول مخلوق ہیں تو سب سے پہلے آپ ہی حق تعالیٰ کی توحید اور اس کی ربوبیت کے گواہ ہیں اور آپ تو ہر اس چیز کے گواہ ہیں جو عدم سے وجود میں آئی وہ ارواح ہوں نفوس ہوں ارکان ہوں اور اجسام و اجساد ہوں مخدنیات ہوں نباتات ہوں فرشتے ہوں جنات ہوں اور شیطان ہوں یا انسان وغیرہ ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ کے افعال کے اسرار اور اس کی صنعت و کاریگری کے عجائبات اور اس کی قدرت و اختیار کے غرائب آپ سے مخفی و پوشیدہ نہ رہیں جن کا حصول مخلوق کے لیے ناممکن ہے اور اس اعتبار سے اس میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے۔

(تفسیر روح البیان عربی ج ۹ ص ۱۸، مطبوعہ بیروت، مترجم پارہ: ۲۶ ص ۲۲۸، مطبوعہ اوسینہ رضویہ بہاولپور)

۱۔ (۱) علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مظہری لکھتے ہیں:

”وَقَالَ الْبَغَوِيُّ ضَمِيرٌ تَعَزَّزُوا وَتَوْقَرُوا رَاجِعَانِ إِلَى رَسُولِهِ وَضَمِيرٌ تَسَبَّحُوا إِلَى اللَّهِ تَعَالَى وَاسْتَبَعْدَهُ الزَّمْعُ حَشْرِيٌّ لِغَوِيهِ مُسْتَلْزِمًا لَا يُشَارِكُ الضَّمَانِ قُلْنَا لَا بَأْسَ بِهِ عِنْدَ قِيَامِ الْقَرِينَةِ وَعَدَمِ اللَّبْسِ“ (تفسیر مظہری ج ۹ ص ۵-۶، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی) اور امام بغوی نے فرمایا: ”تعزروہ و توقروہ“ کی ضمیریں رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹی ہیں اور ”تسبحوہ“ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹی ہے اور زحشری نے اس کو بعید سمجھا کیونکہ اس سے اشتراک ضائر لازم آئے گا ہم کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں جب کہ قرینہ موجود ہو اور التباس نہ ہو نیز علامہ بغوی نے فرمایا کہ ”وتوقروہ“ پر وقف ہے۔

(تفسیر معالم التنزیل عرف بغوی ج ۴ ص ۱۹۰، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

(۲) علامہ خازن نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ”ويعزروہ و يوقروہ“ میں مفعول کی دونوں ضمیریں رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹی ہیں اور ”ويوقروہ“ پر کلام تمام ہو جاتا ہے اور اس پر وقف تام ہے۔

(تفسیر لباب التأویل المعروف خازن ج ۴ ص ۱۵۷، مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ، مصر)

(۳) عارف باللہ علامہ شیخ احمد صاوی لکھتے ہیں:

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ جو صرف اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرے یا صرف رسول کی تعظیم کرے تو وہ مؤمن نہیں بلکہ مؤمن تو وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کے رسول کی تعظیم دونوں کا جامع ہو لیکن ہر ایک کی تعظیم اس کی شان کے لائق (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور آخری تینوں بھی ان کے نزدیک ”یا“ کے ساتھ ”وَيَعَزُّوهُ وَيُوقِّرُوهُ وَيَسْبِحُوهُ“ ہے [﴿بُكْرَةً﴾ نماز فجر میں ﴿وَأَصِيلًا﴾ اور چاروں نمازوں (ظہر، عصر، مغرب اور عشاء) میں۔

۱۰۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ﴾ بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ حقیقت میں یقیناً اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں یعنی بیعت رضوان اور جب اللہ تعالیٰ نے ”انما یبایعون اللہ“ فرمایا تو استعارہ تخیل کے طور پر اس کی مزید تاکید بیان کی اور فرمایا: ﴿يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ﴾ ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ جو مسلمانوں کے ہاتھوں کے اوپر ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے ورنہ اللہ تعالیٰ اعضاء اور اجسام کی صفت سے منزہ اور پاک ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ معاہدہ کرنا ایسا ہے جیسا اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاہدہ کرنا ہوتا ہے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ“ (النساء: ۸۰) ”جو رسول کی اطاعت کرتا ہے سو اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی“ [”إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ“ ”ان“ کی خبر ہے] ﴿حَتَّىٰ تَكْتُمُ﴾ پھر جس نے اس عہد کو توڑ دیا اور بیعت کو پورا نہیں کیا ﴿فَأَنَّمَا يُبَايِعُ عَلَىٰ نَفْسِهِ﴾ تو اس عہد کو توڑنے کا وبال اسی کی ذات پر ہوگا (یعنی) پس عہد بیعت توڑنے کا ضرر اور اس کا نقصان صرف اسی پر ہوگا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم نے درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ سے موت پر بیعت کی اور اس بات پر بیعت کی کہ ہم جنت سے راہ فرار اختیار نہیں کریں گے، چنانچہ ہم میں سے کسی نے بیعت کو نہیں توڑا سوائے جد بن قیس کے اور وہ منافق تھا، بیعت کے وقت وہ اپنے اونٹ کی بغل کے نیچے چھپ گیا تھا اور وہ اپنی قوم کے ساتھ بیعت کے لیے حاضر نہیں ہوا تھا ﴿وَمَنْ أُوْفِيَ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ فَيَسُؤْ بِتَيْبِهِ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ اور جس نے اس (بیعت) کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ہوگی، سو اللہ تعالیٰ کی تعظیم یہ ہے کہ اس کو تمام صفات حوادث سے پاک مانے اور اس کو کمالات کے اوصاف کے ساتھ متصف تسلیم کرے اور اس کے رسول کی تعظیم یہ ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے برحق اور سچے رسول ہیں اور آپ تمام مخلوق کے لیے خوش خبری دینے والے اور ڈر سنانے والے ہیں۔ علاوہ ازیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عظیم الشان اوصاف مبارکہ اور آپ کے محبوب و پسندیدہ شمائل و خصائل کو تسلیم کرے۔ (تفسیر صاوی ج ۳ ص ۹۲، مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبي، مصر) نیز اللہ تعالیٰ نے سورہ اعراف کی آیت مبارکہ: ۱۵۷ میں حضور سید عالم ﷺ کے اوصاف کمالیہ بیان کرتے ہوئے اس کے آخر میں فرمایا: ”فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ“ (الاعراف: ۱۵۷) ”سو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی تعظیم و توقیر کی اور اس کی مدد و حمایت کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے، یہی لوگ فلاں پانے والے ہیں“ سورہ اعراف کی یہ آیت مبارکہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہاں سورہ فتح میں ”وَتَعَزُّوهُ وَتُوقِّرُوهُ“ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی مراد ہیں نیز سورہ اعراف کی اس آیت مبارکہ سے دو مسئلے ثابت ہو گئے ہیں، ایک یہ کہ ایمان وہ معتبر و مفید ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم کے ساتھ ہو اور جس نے آپ کی تعظیم نہیں کی وہ مؤمن نہیں ہے اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ آپ کی تعظیم و توقیر کرنے کا حکم پہلے بیان کیا گیا ہے اور قرآن کریم کی اتباع کا حکم بعد میں بیان کیا گیا ہے، جس سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم کی اتباع تب مفید ہوگی جب پہلے دل میں تعظیم و تکریم مصطفیٰ موبزن ہوگی، جس کا ثبوت سورہ الحجرات کی پہلی پانچ آیات میں بیان کیا گیا ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

فقیر فقیر حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی غفرلہ

۱۔ رواہ احمد ج ۳ ص ۳۹۶، مسلم رقم الحدیث: ۶۸-۶۹، ۱۸۵۶، الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۹۱، النسائی ج ۷ ص ۳۱۴

پورا کیا جس پر اس نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا تو عنقریب اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑا اجر و ثواب عطا فرمائے گا (یعنی) جنت عطا فرمائے گا کہا جاتا ہے: ”وَقَيْتُ بِالْعَهْدِ وَأَوْقَيْتُ بِهِ“ میں نے عہد کو پورا کیا اور میں نے اسے پورا کیا اور (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ اسی سے ماخوذ ہے: ”أَوْفُوا بِالْعُقُودِ“ (المائدہ: ۱) ”تم عہدوں کو پورا کرو“۔ ”وَالْمُؤْفُونَ بِعَهْدِهِمْ“ (البقرہ: ۷۷) ”اور وہ اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہیں“ [امام حفص کی قراءت میں ”علیہ“ کی ضمیر ”ہا“ مضموم ہے اور ابن عامر شامی اور حجازی کی قراءت میں نون کے ساتھ ”فَسَنُوتِيهِ“ ہے]۔

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا

يَقُولُونَ يَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ طُغْيَانٌ فَلِمَ يَأْتِيكَ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا

إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا طِبُّكَ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝۱۱

عنقریب دیہاتی لوگوں میں سے پیچھے رہ جانے والے آپ سے کہیں گے کہ ہمیں اپنے مالوں اور اپنے گھر والوں کی دیکھ بھال نے مشغول کر لیا تھا سو ہمارے لیے مغفرت کی دعا کیجئے وہ اپنی زبانوں سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں آپ فرمادیتے کہ پھر کون تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ اختیار رکھتا ہے اگر وہ تمہیں کچھ نقصان پہنچانا چاہے یا وہ تمہیں نفع پہنچانا چاہے بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھنے والا ہے ۝

منافقین کی جھوٹی معذرت اور بدگمانی کا بیان

۱۱ - ﴿سَيَقُولُ لَكَ﴾ (اے محبوب!) جب آپ حدیبیہ کے مقام سے مدینہ منورہ کی طرف واپس لوٹیں گے تو عنقریب آپ سے (وہ لوگ) عرض کریں گے: ﴿الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ﴾ جو دیہاتیوں میں سے پیچھے رہ گئے تھے یہ وہ لوگ ہیں جو حدیبیہ سے پیچھے رہ گئے تھے اور وہ غفار، مزینہ، جہینہ، اسلم، اشجع اور دیگر قبائل کے دیہاتی لوگ ہیں اور یہ اس وقت ہوئے جس وقت حضور نبی کریم ﷺ نے حدیبیہ کے سال مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف عمرہ کرنے کے لیے جانے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے مدینہ منورہ کے گرد و نواح کے قبائل کے دیہاتیوں اور صحرائیوں کو بلایا تاکہ وہ لوگ آپ کے ساتھ چلیں قریش مکہ کے خوف سے کہ کہیں وہ جنگ کے ذریعے آپ کا معارضہ اور مقابلہ کریں یا وہ آپ کو بیت اللہ شریف کے طواف سے روک دیں اور آپ ﷺ نے احرام باندھا اور قربانی کا جانور اپنے ساتھ لیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے لیکن دیہاتیوں میں سے اکثر لوگوں نے سستی کی اور چلنے کی بجائے بوجھل ہو کر گھروں میں بیٹھے رہے اور کہنے لگے: آپ تو اس قوم کے پاس جا رہے ہیں جنہوں نے مدینہ منورہ میں آ کر آپ سے جنگ کی اور آپ کے صحابہ کو قتل کیا اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ آپ کو شہید کر دیا جائے گا اور آپ مدینہ شریف واپس نہیں لوٹیں گے ﴿شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا﴾ ہمیں ہمارے اپنے مالوں اور اپنے گھر والوں کی دیکھ بھال نے مشغول کر لیا۔ انہوں نے یہ عذر پیش کیا کہ ان کے گھر والوں اور ان کے مالوں نے انہیں مصروف رکھا جس کی وجہ سے وہ نہیں جاسکے اور ان کے مال اور ان کے اہل و عیال کا سنبھالنے والا کوئی نہیں تھا ﴿فَاسْتَغْفِرْ لَنَا﴾ سو آپ ہمارے لیے استغفار کیجئے تاکہ اللہ تعالیٰ آپ سے پیچھے رہ جانے کی ہماری خطا کو معاف فرمادے ﴿يَقُولُونَ يَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ طُغْيَانٌ﴾ وہ اپنی زبانوں سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے

دلوں میں نہیں ہیں یہ ان کی معذرت کی تکذیب و تردید ہے اور یہ کہ جس چیز نے انہیں جانے سے پیچھے روک رکھا وہ نہیں تھی جو وہ کہتے ہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک کرنا اور نفاق اختیار کرنا تھا اور ان کا استغفار طلب کرنا بھی حقیقت پر مبنی نہیں تھا ﴿قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا﴾ فرمادیتے تھے کہ کون تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ اختیار رکھتا ہے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے فیصلے سے کون بچا سکتا ہے ﴿إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضُرًّا﴾ اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے (یعنی) وہ تمہیں قتل اور شکست میں مبتلا کر کے نقصان دینا چاہے [قاری حمزہ کوئی اور علی کسائی کی قراءت میں ضاد مضموم کے ساتھ "ضراً" ہے] ﴿أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا﴾ یا وہ تمہیں مال غنیمت اور فتح و کامیابی کی صورت میں نفع پہنچانا چاہے ﴿بَلْ كَانِ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔

بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَتَمَرَيْنِ
ذَلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۗ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا ۝۱۲ وَمَنْ لَمْ يُؤْمِنْ
بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ۝۱۳ وَبِاللَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝۱۴

بلکہ تم نے گمان کر لیا تھا کہ یہ رسول اور مسلمان واپس اپنے گھروں کو ہرگز کبھی نہیں لوٹیں گے اور تمہارے دلوں میں یہ (گمان) آراستہ کر دیا گیا تھا اور تم نے بہت بُرا گمان کر لیا تھا اور تم ہلاک ہونے والے لوگ ہو اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لایا تو ہم نے تمام کافروں کے لیے دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہی وہ جس کو چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے ۝

۱۲ - ﴿بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَتَمَرَيْنِ ذَلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ﴾ بلکہ تم نے یہ گمان کر لیا تھا کہ رسول اکرم اور مسلمان اپنے گھروں کی طرف ہرگز کبھی نہیں لوٹیں گے اور یہ (بدگمانی) تمہارے دلوں میں آراستہ کر دی گئی جسے شیطان نے آراستہ اور خوش نما بنا دیا تھا ﴿وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ﴾ اور تم نے کفر کے غلبہ اور فساد کے ظہور کی وجہ سے بہت بُرا گمان کر لیا تھا ﴿وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا﴾ اور تم ہلاک ہونے والی قوم ہو [بور "بائر" کی جمع ہے جیسے "عوز" "عائز" کی جمع ہے اور یہ "بَارَ الشَّيْءَ" سے ماخوذ ہے کہ فلاں چیز ہلاک ہوگئی اور فاسد و تباہ ہوگئی] یعنی تم اپنی ذوات میں اور اپنے دلوں میں اور اپنی نیتوں میں فساد کی قوم تھے اور تمہارے اندر کوئی خیر نہیں یا یہ کہ ہلاک ہونے والے لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے غضب و ناراضگی اور اس کے عذاب کے مستحق ہوتے ہیں۔

۱۳ - ﴿وَمَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لایا تو بے شک ہم نے کافروں کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ اصل میں "لہم" ہے پھر اسم ظاہر "کافرین" کو اسم ضمیر "ہم" کے قائم مقام کر دیا گیا ہے محض اس بات پر تشبیہ کرنے کے لیے کہ جو شخص ان دونوں ایمانوں یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے رسول پر ایمان کا جامع نہیں ہوگا سو وہ کافر ہوگا اور "سَعِيرًا" کو نکرہ اس لیے لایا گیا ہے کہ

اس سے مخصوص آگ مراد ہے جیسا کہ ”نَارًا تَلْظِي“ (اللیل: ۱۴) ”بھڑکتی ہوئی آگ“۔

۱۴۔ ﴿وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے تمام آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی وہی ہر ایک کی اس طرح تدبیر و منصوبہ بندی کرتا ہے جس طرح ایک زبردست قدرت رکھنے والا بہت بڑا انا تدبیر کرتا ہے ﴿يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ﴾ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ اپنی مشیت اور اپنی حکمت کے عین مطابق بخشش بھی کرتا ہے اور عذاب بھی دیتا ہے اور اس کی حکمت مومنوں کی مغفرت و بخشش اور کافروں کے لیے عذاب کا تقاضا کرتی ہے ﴿وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت لے گئی ہے۔

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَى مَغَانِمٍ لِتَأْخُذُوا هَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ

يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلِمَ اللَّهِ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ

فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا بَلْ كَاؤَالَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝۱۵

جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ عنقریب کہیں گے جب تم غنیمتوں کے مال لینے چلو گے تاکہ تم انہیں لے لو کہ تم ہمیں اجازت دو ہم تمہارے پیچھے چلیں گے وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدلنا چاہتے ہیں آپ فرمادیجئے کہ تم ہمارے پیچھے ہرگز نہیں چلو گے اللہ تعالیٰ نے اسی طرح پہلے سے فرمادیا ہے سو وہ عنقریب کہیں گے: بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو بلکہ وہ نہیں سمجھتے تھے مگر بہت کم ۝

منافقین کے حرص اور کم عقلی کا بیان

۱۵۔ ﴿سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ﴾ جو لوگ حدیبیہ سے پیچھے رہ گئے وہ عنقریب کہیں گے ﴿إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَى مَغَانِمٍ لِتَأْخُذُوا هَا﴾ جب تم خیبر کی غنیمتیں لینے چلو گے تاکہ تم انہیں لے لو ﴿ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلِمَ اللَّهِ﴾ تم ہمیں اجازت دو ہم تمہارے پیچھے چلیں گے وہ دراصل اللہ تعالیٰ کے کلام کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں یعنی یہ منافقین چاہتے ہیں کہ حدیبیہ والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو تبدیل کر دیں اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اہل حدیبیہ سے وعدہ فرمایا کہ مکہ مکرمہ کے اموال غنیمت کے بدلے خیبر کے اموال غنیمت انہیں عطا کیے جائیں گے یہ وعدہ اس وقت کیا گیا تھا جب مسلمان حدیبیہ سے رخصت ہو کر مدینہ منورہ واپس روانہ ہوئے تھے اور انہوں نے مکہ والوں سے کچھ حاصل نہیں کیا تھا [قاری حمزہ کوئی اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ”کلام اللہ“ کی بجائے ”کَلِمَ اللّٰهِ“ پڑھا گیا ہے] ﴿قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا﴾ (اے محبوب! آپ منافقین سے) فرمادیجئے کہ تم خیبر کی طرف جانے کے لیے ہمارے پیچھے ہرگز نہیں چلو گے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر سنانا ہے کہ منافقین خیبر نہیں جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان تبدیل نہیں کیا جاسکتا ﴿كَذَلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ﴾ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح پہلے ہی فرمادیا تھا کہ مسلمان مدینہ منورہ واپس لوٹ آئیں گے اور خیبر کے اموال غنیمت صرف انہی لوگوں کے لیے ہوں گے جو عمرہ کی نیت سے حدیبیہ گئے تھے ان کے علاوہ کسی کے لیے نہیں ہوں گے ﴿فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا﴾ سو عنقریب منافقین مسلمانوں سے کہیں گے: بلکہ تم ہمارے ساتھ حسد کرتے ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کا حکم نہیں دیا بلکہ تم ہمارے ساتھ حسد کرتے ہو کہ ہم تمہارے ساتھ مال غنیمت میں شریک اور حصہ دار ہو جائیں گے ﴿بَلْ كَاؤَالَا يَفْقَهُونَ﴾

﴿الْأَقْيِلًا﴾ بلکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے کلام کو نہیں سمجھتے تھے مگر بہت کم اور بہت تھوڑا سا یعنی محض بات کی حد تک اور اس آیت مبارکہ میں لفظ ”بَلَّ“ دو مرتبہ استعمال ہوا ہے اور دونوں میں فرق ہے۔ پہلا ”بَلَّ“ منافقین کی طرف سے ایک تو اس بات کی تردید کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ منافقین (خیبر کا مال غنیمت لینے کے لیے) مسلمانوں کے پیچھے نہیں جائیں گے اور دوسرا مسلمانوں کا حسد ثابت کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے اور دوسرا ”بَلَّ“ منافقین کی طرف سے مسلمانوں کی طرف حسد کی نسبت کرنے کے وصف سے اعراض کر کے خود منافقوں کے اس وصف کو ثابت کرنا مقصود ہے جو حسد سے بدتر ہو اور وہ ہے دین اسلام سے منافقین کی جہالت و نادانی اور کم عقلی و کم فہمی۔

قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سُدُّعُونَ إِلَىٰ قَوْمِ أُولِي الْأَرْحَامِ لِيُقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَا تَأْتِيهِمْ
 قُوَّةٌ مِّنْ قَبْلِ يَوْمٍ لَّهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۶﴾ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ
 حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرْجٌ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي
 مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَنْ يَتَوَلَّ يَعدِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۷﴾

دیہاتیوں میں سے پیچھے بیٹھے رہ جانے والوں سے فرمادیتے کہ عنقریب تمہیں ایک سخت لڑائی کرنے والی قوم کی طرف بلایا جائے گا تم ان سے لڑو گے یا وہ اسلام قبول کر لیں گے پس اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں بہترین اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور اگر تم پھر جاؤ گے جیسے تم پہلے پھر چکے ہو تو وہ تمہیں دردناک عذاب دے گا O اندھے پر کوئی تنگی (یعنی کوئی گناہ) نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی تنگی ہے اور نہ بیمار پر کوئی تنگی ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور جو شخص پھر جائے گا اللہ تعالیٰ اسے دردناک عذاب دے گا O

دعوتِ جہاد کی اطاعت پر ثواب اور روگردانی کرنے پر عذاب کا بیان

۱۶۔ ﴿قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ﴾ اے محبوب! دیہاتیوں میں سے پیچھے رہ جانے والوں سے فرمائیے۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو حدیبیہ سے پیچھے رہ گئے تھے ﴿سُدُّعُونَ إِلَىٰ قَوْمِ أُولِي الْأَرْحَامِ﴾ عنقریب تمہیں سخت لڑائی لڑنے والی قوم کی طرف بلایا جائے گا یعنی تمہیں مسیلہ کذاب کی قوم بنو حنیفہ کی طرف اور ان مرتدین کی طرف بلایا جائے گا جن سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ کی تھی کیونکہ مشرکین عرب اور مرتدین ہی وہ لوگ ہیں جن سے اسلام لانے یا جنگ کے علاوہ کوئی اور چیز قبول نہیں کی جاتی اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے فارس کے لوگ مراد ہیں اور بے شک ان کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعوتِ اسلام دی تھی ﴿تُقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ تم ان سے جنگ کرو گے یا وہ اسلام قبول کر لیں گے یعنی دو کاموں میں سے ایک کام ہو گا یا تو جنگ ہوگی یا پھر اسلام قبول کرنا ہوگا اور اس تاویل پر (کہ فارس کے لوگ مراد ہیں) ”يُسَلِّمُونَ“ کا معنی ہوگا: وہ اطاعت گزار ہو جائیں گے اس لیے کہ اہل فارس مجوسی ہیں ان سے

جزیہ (تاوان) قبول کر لیا جائے گا اور یہ آیت مبارکہ شیخین (حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی خلافت کے صحیح اور برحق ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کی دعوت دینے والے کی اطاعت کرنے پر ان سے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿فَإِنْ تَطِيعُوا أَمْرًا مِّنْ اللَّهِ أَجْرًا حَسَنًا﴾ پھر اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں بہترین اجر و ثواب عطا فرمائے گا (یعنی) اگر تم نے اس شخص کی اطاعت اختیار کر لی جس نے تمہیں غیر مسلم قوم سے جنگ کرنے کی دعوت دی ہے تو تمہیں بہترین ثواب ملے گا پس ثابت ہوا کہ جہاد کی دعوت دینے والے کی اطاعت فرض ہے ﴿وَإِنْ تَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ﴾ اور اگر تم پھر گئے جیسا کہ تم اس سے پہلے یعنی حدیبیہ سے پہلے پھر چکے تھے ﴿يُعَذِّبُكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب دے گا (یعنی) آخرت میں۔

معذروں کی رخصت اور اللہ و رسول کی اطاعت پر انعام اور نافرمانی پر عذاب کا بیان

۱۷۔ ﴿لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْدَىٰ حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرْجٌ﴾ اندھے پر کوئی تنگی (یعنی کوئی گناہ) نہیں اور لنگڑے پر کوئی تنگی نہیں اور بیمار پر کوئی تنگی نہیں۔ یہاں جنگ سے پیچھے رہ جانے والوں میں سے صرف آفت زدہ لوگوں سے حرج و تنگی کی نفی کی گئی ہے ﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جہاد کرنے میں اور دیگر امور میں اطاعت اختیار کر لے گا ﴿يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت سے منہ پھیر لے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو دردناک عذاب دے گا [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "نُدْخِلْهُ وَنُعَذِّبْهُ" ہے]۔

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يَبَايَعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي

قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۝۱۸ وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً

يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝۱۹ وَعَدَاكُمْ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُوهَا

فَعَجَّلَ لَكُمْ هَذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ

صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝۲۰

بے شک اللہ تعالیٰ ان تمام مومنوں سے اسی وقت راضی ہو گیا جس وقت انہوں نے درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی سو اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دیا جو (صدق و اخلاص کا جذبہ) ان کے دلوں میں تھا پس اس نے ان کے دلوں پر اطمینان نازل فرما دیا اور ان کو عنقریب ملنے والی فتح کا انعام عطا فرمایا اور بہت سی غنیمتیں عطا فرمائیں جن کو وہ حاصل کریں گے اور اللہ تعالیٰ بہت غالب بے حد حکمت والا ہے اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا جن کو تم حاصل کرو گے سو اس نے تمہیں یہ نعمت بھی بہت جلد عطا فرمادی اور اس نے لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا اور تاکہ یہ مومنوں کے لیے ایک نشانی ہو جائے اور وہ تمہیں سیدھے راستے پر چلاتا ہے

بیعت رضوان اور دیگر انعامات کا بیان

۱۸- ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان اہل ایمان سے اسی وقت راضی ہو گیا جب انہوں نے ببول کے درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی یہ بیعت رضوان ہے اس آیت مبارکہ کی وجہ سے اسے بیعت رضوان کہا جاتا ہے اور اس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے اپنے چودہ صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ کی نیت سے مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر جب حدیبیہ کے مقام پر نزول اجلال فرمایا اور خراش بن امیہ خزاعی کو بطور قاصد مکہ مکرمہ بھیجا اور اہل مکہ نے اسے قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا اور تمام قبائل کے لوگوں نے مل کر اسے روک لیا لیکن پھر جب وہ واپس لوٹ آئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے پاس بلایا تاکہ انہیں اپنا سفیر بنا کر مکہ مکرمہ بھیج دیں، لیکن حضرت عمر نے عرض کیا کہ مجھے اپنے بارے میں ان سے قتل کا اندیشہ ہے کیونکہ ان کے ساتھ میری عداوت و دشمنی بہت مشہور ہو چکی ہے، چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا سفیر بنا کر اہل مکہ کے پاس بھیج دیا تاکہ یہ انہیں جا کر بتادیں کہ آپ بمع صحابہ کرام جنگ کرنے نہیں آئے بلکہ صرف بیت اللہ شریف کی زیارت کرنے آئے ہیں، سو انہوں نے حضرت عثمان غنی کا بڑا احترام کیا اور انہوں نے آپ کو بہت احترام کے ساتھ ٹھہرایا اور آپ ان کے پاس رک گئے تو ادھر حدیبیہ میں یہ افواہ اُڑادی گئی کہ مکہ والوں نے حضرت عثمان غنی کو قتل کر کے شہید کر دیا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابہ کرام میں ارشاد فرمایا کہ ہم اس قوم سے حضرت عثمان غنی کا قصاص (بدلہ) لیے بغیر یہاں سے واپس نہیں جائیں گے اور آپ نے تمام لوگوں کو بیعت جہاد کی دعوت دی تو تمام لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کی کہ وہ قریش مکہ سے جنگ کر کے حضرت عثمان غنی کا بدلہ لیں گے اور وہ راہ فرار اختیار نہیں کریں گے اور جس درخت کے نیچے بیعت کی گئی تھی وہ ببول کا درخت تھا اور بیعت کرنے والوں کی تعداد چودہ سو تھی۔ ﴿فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اسے ظاہر کر دیا (یعنی) ان کے دلوں میں مخفی سچ اور اخلاص کو ظاہر فرما دیا جس کی بناء پر انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ مبارک پر بیعت کی تھی ﴿فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر سکون کو نازل فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کے سبب ان کے دلوں پر امن و طمانیت اور تسکین کو نازل فرمایا ﴿وَأَكَابَهُمْ فَتَحَقَّقُوا فِيهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے بیعت رضوان کے بدلے ان کو بالکل قریب عظیم الشان فتح عطا فرمادی (کہ آپ بمع صحابہ کرام ذی الحج ۶ھ کو حدیبیہ سے واپس مدینہ شریف تشریف لائے اور پچیس دن بعد محرم الحرام ۷ھ میں خیبر فتح کر لیا) اور اس فتح سے خیبر کی فتح مراد ہے جو مکہ مکرمہ سے واپسی کے تھوڑے عرصہ بعد حاصل ہوئی تھی۔

بعض مفسرین نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی اتباع میں لکھا ہے کہ بیعت رضوان کے بعد حضرت عمر نے اس درخت کو کٹوا دیا تھا اور زیادہ تر مفسرین نے احادیث اور آثار کی اتباع میں یہ لکھا ہے کہ بیعت رضوان کے ایک سال بعد اس درخت کی شناخت لوگوں کے ذہنوں سے محو ہو گئی تھی اس لیے یہ روایت بے اصل ہے کہ اس درخت کے پاس لوگوں نے اس درخت کی تعظیم کے لیے وہاں نمازیں پڑھنا شروع کر دی تھیں اس لیے حضرت عمر نے اس درخت کو کٹوا دیا۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۲۵۵)

نوٹ: (نیز اس روایت کے ایک راوی عبد الوہاب بن عطاء ہیں جس کے متعلق محدثین نے لکھا ہے) کہ وہ قوی نہیں تھا وہ روایت میں خطا کرتا تھا، شدید وہمی تھا، ضعیف الحدیث اور مضطرب تھا، جھوٹ بولتا تھا اور متروک الحدیث تھا، اس کی روایت کس طرح صحیح ہو سکتی ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی روایت کو بے توجہی سے صحیح کہہ دیا اور علامہ عینی اور علامہ قسطلانی نے تحقیق کے بغیر ان کے کلام کو نقل کر دیا۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۲۵۳)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱۹۔ ﴿وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا﴾ اور بہت سی غنیمتیں عطا ہوں گی جن کو یہ مسلمان حاصل کریں گے اور یہ خیبر کی غنیمتیں مراد ہیں اور خیبر کی سرزمین بہت زرخیز اور عمدہ تھی وہاں سے بہت سے غنیمت کے اموال حاصل ہوئے تھے اور آپ نے ان اموال کو ان پر تقسیم فرمادیا ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت غالب و قوی اور بہت طاقتور ہے سو وہ کسی سے کبھی بھی مغلوب نہیں ہو سکتا ﴿حَكِيمًا﴾ وہ بہت بڑا حکمت والا ہے وہ اپنے تمام فیصلے عین حکمت کے مطابق کرتا ہے سو اس لیے اس کا معارضہ اور مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔

۲۰۔ ﴿وَعَدَاكُمْ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت زیادہ غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے جنہیں تم ضرور حاصل کرو گے۔ یہ غنیمتوں کے اموال وہ ہیں جو صحابہ کرام کو حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ حاصل ہوئے تھے اور وہ بھی جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد صحابہ کرام کو حاصل ہوئے اور قیامت تک مسلمانوں کو حاصل ہوتے رہیں گے ﴿فَجَلَّ لَكُمْ هَذِهِ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے یہ غنیمتیں تمہیں بہت جلد عطا فرمادیں یعنی خیبر کی غنیمتیں ﴿وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی دست درازی کو تم سے روک رکھا یعنی تمہیں خیبر کے باشندوں کی دست درازی سے محفوظ رکھا اور ان خیبر والوں کے حلیف و معاون بنو اسد اور بنو غطفان کے حملوں سے تمہیں محفوظ رکھا؛ جب وہ ان خیبر والوں کی مدد کرنے کے لیے آئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ ناکام واپس لوٹ گئے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کے ذریعے تمہیں اہل مکہ کے حملے اور ان کی دست درازی سے محفوظ رکھا ﴿وَلَتَكُونَنَّ آيَةً لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ اور یہ حفاظت اور اہل کفر کی دست درازی کو روکنا اہل ایمان کے لیے ایک نشانی اور عبرت و سبق بن جائے اور مسلمان اسے جان لیں کہ بے شک وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑے مقام و مرتبہ کے حامل ہیں اور یہ کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد کا ضامن و کفیل ہے اور انہیں فتح و کامیابی عطا فرمانے کا ذمہ دار ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ کام کز کے دکھا دیے ﴿وَيَهْدِيكُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہیں سیدھے راستے پر چلاتا ہے اور وہ تمہاری بصیرت تمہارے یقین اور اپنے فضل و کرم پر تمہارے اعتماد کو بڑھاتا رہتا ہے۔

وَأُخْرَى لَكُمْ تَقْدِيرٌ وَعَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

قَدِيرًا ﴿۲۲﴾ وَكَوَفَاتِكُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا وَالْوَلِيُّ الْأَدْبَارُ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وِلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿۲۳﴾

سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ يَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ﴿۲۴﴾

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نیز جن مفسرین نے مذکورہ بالا درخت کٹوانے کی روایت کو تسلیم نہیں کیا ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: (۱) امام محمد بن جعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ جامع البیان جز ۲۶ ص ۱۱۲ (۲) امام ابواسحاق ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ الکشف والبیان ج ۹ ص ۷۷ (۳) امام الحسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ معالم التنزیل ج ۴ ص ۲۲ (۴) علامہ علی بن محمد خازن متوفی ۲۵۷ھ لباب التاویل ج ۴ ص ۱۵۹ (۵) حافظ اسماعیل بن عمرو بن کثیر متوفی ۳۷۷ھ تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۰۸ (۶) علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳ھ روح البیان ج ۹ ص ۳۲-۳۳ (۷) علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۶۲ (۸) سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ تفہیم القرآن ج ۵ ص ۵۵ (۹) مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ معارف القرآن ج ۸ ص ۸۱۔

(ماخوذ از تفسیر بیان القرآن ج ۱۱ ص ۲۵۵)

نوٹ: اس کی مکمل بحث تفسیر بیان القرآن ج ۱۱ ص ۲۵۱ تا ۲۵۶ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اور دوسری غیبتیں جن پر تم قدرت نہیں رکھتے بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کا احاطہ فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اگر کافر لوگ تم سے جنگ کرتے تو وہ ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے پھر وہ نہ کوئی حمایتی پاتے اور نہ کوئی مدد کرنے والا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کے دستور میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔

۲۱- ﴿ذَٰخِرَىٰ﴾ [یہ ”ہذہ“ پر معطوف ہے] یعنی اللہ تعالیٰ یہ غیبتیں اور دوسری غیبتیں تمہیں جلد عطا فرمائے گا اور دوسری غیبتوں سے ہوازن اور غزوہ حنین کی غیبتیں مراد ہیں ﴿لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا﴾ جن پر تم قدرت وغلبہ نہیں رکھتے کیونکہ ان میں ہزیمت و شکست اور سخت ترین مقابلے اور دفاع کا سامنا ہو سکتا تھا ﴿قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان پر یقیناً قادر و غالب ہے اور وہ ان کے خلاف تمہاری مدد فرما کر تمہیں غالب کر دے گا اور یہ بھی جائز ہے کہ ”اخروی“ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہو اور ”قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا“ اس کی تفسیر کر رہا ہے اور اس کی تقدیر عبارت یوں ہوگی: ”وَقَضَى اللَّهُ أُخْرَىٰ قَدْ أَحَاطَ بِهَا“ اور اللہ تعالیٰ نے دوسری غیبتوں کا فیصلہ کر لیا وہ بلاشبہ ان پر قادر و غالب ہے اور البتہ ”لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا أُخْرَىٰ“ کی صفت ہے اور ”اخروی“ مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے کیونکہ یہ ”لَمْ تَقْدِرُوا“ کا موصوف ہے اور ”قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا“ مبتدا کی خبر ہے [﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قادر و غالب ہے۔

۲۲- ﴿ذَٰلِكُمْ الَّذِي كَفَرُوا بِالْآدْبَارِ﴾ اور اگر کفار تم سے جنگ کرتے تو وہ ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے یعنی اہل مکہ میں سے جو کفار تھے وہ اگر حدیبیہ کے موقع پر صلح نہ کرتے اور وہ تم سے جنگ کرتے یا اہل خیبر کے حلیف (تعاون و مدد کا معاہدہ کرنے والے) تم سے جنگ کرتے تو وہ ضرور مغلوب و مقہور ہو جاتے اور تم سے شکست کھاتے ﴿تَحْرُلَ الْجَدُونَ وَلِيًّا﴾ پھر وہ کسی کو حمایتی نہ پاتے جو ان کے جنگی معاملات میں ان کی حمایت کرتا ﴿وَلَا نَصِيرًا﴾ اور نہ وہ کسی کو مددگار پاتے جو ان کی مدد کرتا۔

۲۳- ﴿سُنَّةَ اللَّهِ﴾ [یہ مصدر مؤکد کے قائم مقام ہے] اصل میں ”سَنَّ اللَّهُ غَلْبَةَ أَنبِيَآئِهِ سَنَةً“ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے غلبہ کے لیے ایک زبردست دستور جاری فرمادیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”لَا غَلْبَانَ أَنَا وَرَسُولِي“ (الجادہ: ۲۱) ”بے شک میں اور میرے رسول ضرور غالب رہیں گے“ ﴿الَّتِي قَدْ خَلَّتْ مِنْ قَبْلُ﴾ اور لکن ﴿سُنَّةَ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾ جو اس سے پہلے بھی جاری و ساری رہا اور آپ اللہ تعالیٰ کے دستور میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی ہرگز نہیں پائیں گے کیونکہ وہ کبھی تغیر پذیر نہیں ہوگا۔

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ
 أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿٢٣﴾ هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ
 صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدَىٰ مَعَكُمُ فَإِنْ يَبْلُغْ فَجِدْ ۗ وَلَوْلَا رِجَالُ
 مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَبُوهُمْ أَنْ تَطَّوَّهُمْ قَتِيلًا ۗ مِنْهُمْ مَعْرَةٌ
 بَغِيدٍ عَلِيمٍ لِّبَدَاخِ اللَّهِ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ لَوْ تَزَيَّلُوا لَنَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا

مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۲۵﴾

اور وہی تو ہے جس نے مکہ کی وادی میں ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک دیا اس کے بعد کہ اس نے تمہیں (پہلے) ان پر کامیاب وغالب کر دیا اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے O یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر اختیار کر لیا اور تمہیں مسجد حرام سے روک دیا اور قربانی کے جانوروں کو اپنی جگہ پر پہنچنے سے روک دیا گیا اور اگر مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جنہیں تم نہیں جانتے کہ تم انہیں (لڑائی میں) روند ڈالو گے پھر ان کی طرف سے تمہیں بے خبری میں نقصان پہنچے گا (تو تمہیں کفار مکہ سے جنگ کی اجازت دے دی جاتی مگر ایسا نہیں کیا گیا) تاکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل فرمادے اگر وہ مسلمان الگ ہو جاتے تو ہم ان میں سے کافروں کو دردناک سزا دیتے O

۲۴ - ﴿وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ﴾ اور وہی تو ہے جس نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا یعنی اہل مکہ کے ہاتھوں کو روک دیا ﴿وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ﴾ اور تمہارے ہاتھوں کو ان اہل مکہ سے روک دیا یعنی اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کے دن تمہیں کفار مکہ پر فتح و کامیابی اور غلبہ عطا کرنے کے بعد تمہارے اور ان کے درمیان جنگ نہ کرنے کی رکاوٹ پیدا کر دی اور تمہارے اور ان کے درمیان ایک دوسرے سے دور رہنے کا فیصلہ کر لیا اور حضرت امام الائمہ سراج الامہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات پر استدلال کیا کہ مکہ مکرمہ کو بزور بازو اور قوت و غلبہ کے ساتھ فتح کیا گیا تھا صلح کے ساتھ نہیں اور بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ غزوہ حدیبیہ میں ہوا تھا کیونکہ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمر مکرمہ بن ابی جہل (اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے) پانچ سو مسلح افراد لے کر حملہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ سے نکلے تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی سرکوبی کے لیے مسلمانوں کا ایک دستہ بھیجا جس نے اسے شکست دے دی اور اسے مکہ مکرمہ میں دھکیل دیا اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ مسلمانوں (یعنی صحابہ کرام) نے ان پر سنگ باری کر کے غلبہ حاصل کر لیا تھا یہاں تک کہ انہیں ان کے گھروں میں دھکیل دیا تھا ﴿بِطْنِ مَكَّةَ﴾ مکہ مکرمہ کے وسط میں یعنی مکہ مکرمہ میں یا حدیبیہ میں کیونکہ حدیبیہ کا بعض حصہ حرم شریف کی طرف منسوب ہے ﴿مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ﴾ اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان پر فتح یاب کر دیا یعنی تمہیں ان پر غالب و قادر کر دیا تھا اور تمہیں ان پر مسلط کر دیا تھا ﴿وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے [ابو عمرو کی قراءت میں "یا" کے ساتھ "يعملون" ہے۔]

۲۵ - ﴿هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَهْدَى﴾ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجد حرام سے روک دیا اور قربانی کے جانوروں کو روک دیا "ہدی" قربانی کا وہ جانور ہے جسے کعبہ معظمہ کی طرف بھیجا جاتا ہے ["الْمَهْدَى" کو "صَدُّوكُمْ" میں "كُم" ضمیر پر معطوف کر کے منسوب پڑھا گیا ہے] "أَيَّ صَدُّوكُمْ وَصَدُّوا الْمَهْدَى" ﴿مَعَكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ﴾ یعنی انہوں نے تمہیں روکا اور قربانی کے جانوروں کو اپنی جگہ پہنچنے سے روکا اور حضور سید عالم ﷺ ستر اونٹ لے کر گئے تھے ["معكوفًا" حال ہے] ﴿حِلَّةٌ﴾ قربانی کا وہ مکان جس میں اسے ذبح کیا جاتا ہے یعنی جہاں اس کو ذبح کرنا واجب ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ "مَحْضَرٌ" (وہ شخص جسے حج یا عمرہ ادا کرنے سے روک دیا گیا ہو) کی قربانی کے جانور کی قربان گاہ حرم شریف ہے اور "محسل" سے مشہور و معروف جگہ مراد ہے اور وہ مٹی ہے ﴿وَلَوْلَا دِرْعَالُ﴾

۱۔ اخرج الطبرانی (حاشیۃ الکشاف ج ۴ ص ۳۲۱)

تُؤْتُونَ نِسَاءَ الْمُؤْمِنَاتِ لَمْ تَعْلَمُوهُنَّ ﴿ اور اگر مکہ مکرمہ میں ایسے مسلمان مرد اور ایسی مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جنہیں تم نہیں جانتے [لَمْ تَعْلَمُوهُنَّ، "رجال" اور "نساء" کی جامع صفت ہے] ﴿أَنْ تَطَّوَّهُنَّ﴾ کہ تم انہیں روند ڈالو گے [یہ ان سے بدلہ ایشمال ہے یا پھر "لَمْ تَعْلَمُوهُنَّ" کی منصوب ضمیر سے بدلہ ایشمال ہے] ﴿فَتَصِيبِكُمْ مِنْهُنَّ مَعْرَةٌ﴾ پھر تمہیں ان کی وجہ سے دکھ پہنچے گا (یعنی) گناہ اور سخت افسوس ہوگا [مَعْرَةٌ، "مَفْعَلَةٌ" کے وزن پر ہے اور یہ "عَرَاهُ" بمعنی "عَرَاهُ" سے ماخوذ ہے] یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی شخص کو ایسی تکلیف پہنچے جو اسے ناگوار ہو اور اس پر بھاری ہو اور وہ قتل خطا کی صورت میں کفارہ ادا کرنا ہے اور مشرکین کی تکلیف وہ اور بڑی باتیں ہیں جو وہ عار دلانے کے لیے کہتے تھے اس لیے کہ وہ لوگ اپنے دین داروں کے ساتھ اسی طرح کرتے تھے جس طرح وہ ہمارے ساتھ کرتے ہیں بغیر کسی تمیز کے اور گناہ اس وقت ہوگا جب کوتاہی برتی جائے گی ﴿يَغْيِرُ عَلَيَّ﴾ اُن جانے میں [یہ "أَنْ تَطَّوَّهُنَّ" کے متعلق ہے] یعنی تم ان کو اس لیے روند ڈالو گے کہ تمہیں ان کا علم نہیں ہوگا اور "وَطَاءٌ" کا مطلب ہے: روند ڈالنا اور چل دینا اور اس کا معنی یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں مسلمان مشرکوں کے ساتھ مل جل کر رہتے تھے ان سے الگ اور ممتاز ہو کر نہیں رہتے تھے سوا اس لیے فرمایا گیا کہ اگر یہ بات ناپسند نہ ہوتی کہ تم مشرکین کے سامنے مسلمانوں کو ہلاک کر دو گے اور تمہیں ان کا علم بھی نہیں ہو سکے گا پھر ان کی ہلاکت کی وجہ سے تمہیں افسوس اور دکھ ہوگا تو تمہارے ہاتھوں کو ان سے ہرگز نہ روکا جاتا ﴿لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنِ يَشَاءُ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کر دے۔ یہ ارشاد مبارک اس بیان کی علت ہے جس پر یہ آیت مبارکہ دلالت کرتی ہے اور جس کے لیے اسے بیان کیا گیا ہے وہ ہے اہل مکہ سے تمہارے ہاتھوں کو روکنا اور مسلمانوں کو بچانے کی خاطر کفار کے قتل سے تمہیں باز رکھنا، گویا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ مشرکین مکہ کو سزا دینے سے تمہیں روکنا اور باز رکھنا، اس لیے ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت میں یعنی اپنی توفیق میں داخل کر لے تاکہ وہاں کے مسلمانوں کی اطاعت و فرماں برداری اور نیکی میں اضافہ ہو جائے یا یہ معنی ہے کہ ان مشرکین میں سے جو لوگ اسلام میں رغبت و شوق رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اسلام میں داخل کر دے ﴿لَوْ تَزَيَّلُوا﴾ اگر مسلمان کافروں سے الگ اور ان سے جدا ہوتے ﴿لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ تو البتہ ہم ان میں سے (یعنی) اہل مکہ میں سے کافروں کو ضرور دردناک سزا دیتے [لَوْ لَا] کا جواب محذوف ہے جس سے "لَوْ" کے جواب نے بے نیاز کر دیا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ "لَوْ تَزَيَّلُوا" لَوْ لَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ کے لیے تکرار کی طرح ہو کیونکہ دونوں کا مرجع ایک ہے اور "لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا" اس کا جواب ہو جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہو: "وَلَوْ لَا أَنْ تَطَّوُّوا رِجَالًا مُّؤْمِنِينَ وَنِسَاءً مُّؤْمِنَاتٍ وَلَوْ كَانُوا مُمْتَرِينَ لَعَذَّبْنَا هُمْ بِالسَّيْفِ" اور اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم مسلمان مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو روند ڈالو گے اور اگر وہ الگ ہوتے تو ہم کفار مکہ کو جنگ کے ذریعے ضرور سزا دیتے۔

إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ الْحَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالزَّمَمَ كَلِمَةَ التَّقْوَى وَكَانُوا أَحْسَبَهَا وَأَهْلَهَا وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝

جب کافروں نے اپنے دلوں میں تعصب کو جگہ دی جو جاہلانہ تعصب تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور تمام مسلمانوں

پر اپنا امن و سکون نازل فرما دیا اور تقویٰ کے کلمہ کو ان پر لازم کر دیا اور وہ اس کے زیادہ حق دار اور اس کے اہل تھے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O

۲۶۔ ﴿إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَبِيَّةَ الْحَبِيَّةَ ابْنَاهُ لِيَكُنِيَ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾
 جب کافروں نے اپنے دلوں میں تعصب کو جگہ دی جیسے جہالت کا تعصب تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور تمام مسلمانوں پر اپنا امن و سکون نازل فرما دیا۔ کافروں سے قریش مکہ کے کفار مراد ہیں اور ان کی حمیت سے بے جا غیرت و عار اور ان کی انا مراد ہے (کیونکہ وہ لوگ رسالت کو تسلیم کرنا اور مسلمانوں کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے دینا، اپنی غیرت اور اپنی انا کی توہین خیال کرتے تھے) اور مسلمانوں کے سینہ سے وقار اور حلم مراد ہے۔ مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر نزول فرمایا تو قریش مکہ نے سہیل بن عمرو حویطب بن عبد العزیٰ اور مکرز بن حفص کو بھیجا کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے اپنا یہ منصوبہ پیش کریں کہ آپ اس شرط پر اس سال واپس مدینہ تشریف لے جائیں کہ اگلے سال قریش کی طرف سے مکہ مکرمہ میں آپ کو عمرہ کی قضاء کرنے کے لیے تین دن تک ٹھہرنے کی کھلی اجازت ہوگی، چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس شرط کو قبول فرمایا اور دونوں فریقوں کے درمیان معاہدہ لکھا جانے لگا تو حضور سید عالم ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: لکھو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ جس پر سہیل بن عمرو اور اس کے ساتھیوں نے کہا: ہم اس رحمن و رحیم کو نہیں جانتے، تم ”يَا سَمِيكَ اللّٰهُمَّ“ لکھو پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: لکھو کہ یہ وہ معاہدہ ہے جس کی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ سے صلح کر لی ہے اس پر انہوں نے کہا: اگر ہم یہ جانتے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو نہ تو بیت اللہ شریف کی زیارت سے روکتے اور نہ آپ سے جنگ کرتے، لیکن تم یوں لکھو کہ ”هٰذَا مَا صَالَحَ عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ اَهْلَ مَكَّةَ“ یعنی یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد بن عبد اللہ نے اہل مکہ سے صلح کر لی، چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی سے فرمایا کہ جو کچھ یہ چاہتے ہیں وہی لکھ لو سو میں گواہی دیتا ہوں کہ میں یقیناً اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور میں محمد بن عبد اللہ بھی ہوں سو مسلمانوں نے ارادہ کر لیا کہ وہ ایسے معاہدے سے انکار کر دیں اور اس سے نفرت کا اظہار کر کے اسے ٹھکرا دیں مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے محترم و مکرم رسول پر اور تمام مسلمانوں پر تسکین و اطمینان نازل فرما دیا جس کی برکت سے تمام مسلمان وقار و اطمینان اور حلم و حوصلہ سے مالا مال ہو گئے ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَبِيَّةَ الْحَبِيَّةَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں تقویٰ کا کلمہ لازم کر دیا۔ جمہور اس بات پر متفق ہیں کہ اس جگہ کلمہ سے کلمہ شہادت مراد ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ کلمہ سے ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ مراد ہے اور کلمہ کی تقویٰ کی طرف اضافت اس بناء پر ہے کہ کلمہ شہادت تقویٰ کا سبب اور اس کی بنیاد ہے (کیونکہ کلمہ شہادت پڑھ کر آدمی کفر و شرک سے پرہیز کرتا ہے) اور بعض حضرات کا قول ہے کہ کلمہ سے اہل تقویٰ مراد ہیں ﴿وَكَانُوا أَحْسَبُ﴾ اور وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں یعنی مسلمان دوسرے لوگوں سے زیادہ اس کلمہ کے مستحق ہیں اور سب سے زیادہ حق دار ہیں ﴿وَأَهْلَهَا﴾ اور وہی اس کے اہل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کا اہل بنایا ہے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے پس وہ تمام امور کو ان اشیاء کی مصلحتوں کے مطابق جاری و ساری کرتا ہے۔

۱۔ رواہ البخاری رقم الحدیث: ۲۷۳۱-۲۷۳۲، البیہقی فی دلائل النبوة ج ۳ ص ۱۰۵

۲۔ علامہ اسماعیل حنفی حنفی اس آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں:

کیونکہ نبی کریم علیہ السلام کائنات کا خلاصہ اور اس کی اصل ہیں اور یہ وہ حبیب ہیں جن کے طفیل تمام موجودات کو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ
 اللَّهُ آمِنِينَ مُخْلِقِينَ رِءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا
 فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا ۝۲۷ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَ
 دِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝۲۸

بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے خواب کو حق کے ساتھ سچا کر دکھایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تم مسجد حرام میں امن و عافیت کے ساتھ ضرور داخل ہو گے اپنے سروں کو منڈواتے ہوئے اور بالوں کو کترواتے ہوئے تم خوف نہیں کرو گے سو اللہ تعالیٰ جو کچھ جانتا ہے وہ تم نہیں جانتے پس اس نے اس سے پہلے ایک بالکل قریب نلنے والی فتح مقدر کر دی وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے اور اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے ۝

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خواب کی سچائی اور دین اسلام کے غلبہ کا بیان

۲۷- ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّءْيَا﴾ البتہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دکھایا یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے خواب کے بارے میں سچا ثابت کر دیا اور ان کو جھٹلایا نہیں۔ اللہ تعالیٰ جھوٹ سے پاک اور بہت بلند و بالا ہے [”صَدَقَ“ کے دوسرے مفعول سے حرف جار حذف کر دیا گیا ہے اصل میں ”فِي الرُّؤْيَا“ تھا اور فعل کو مفعول سے براہ راست ملا دیا گیا ہے] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ“ (الاحزاب: ۲۳) ”انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا تھا اسے سچا کر دکھایا۔“

شان نزول: مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کی طرف جانے سے پہلے خواب دیکھا کہ گویا آپ اور آپ کے صحابہ مکہ مکرمہ میں امن و امان کے ساتھ داخل ہو گئے ہیں اور انہوں نے سر منڈوا دیئے ہیں اور بالوں کو کتر وادیا ہے چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ کو یہ خواب بیان فرمایا تو وہ خوش ہو گئے اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ اسی سال مکہ مکرمہ میں امن و امان کے ساتھ داخل ہونے والے ہیں اور وہ کہنے لگے کہ بے شک رسول خدا کا خواب سچا ہوتا ہے پھر جب اس میں تاخیر ہو گئی تو رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی اور اس کے علاوہ دیگر منافقین نے کہا کہ اللہ کی قسم! نہ ہم نے سر منڈائے اور نہ ہم نے بالی ترشوائے اور نہ ہم نے مسجد حرام کی زیارت کی (گویا وہ صحابہ کرام کا مذاق اڑانے لگے) تو ان کی تردید میں یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) پیدا کیا گیا اور یہی کلمہ حبیب خدا کی صورت ہے اور آپ کی امت تمام امتوں سے زیادہ اس کلمہ کی حق دار ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں تاکہ محبت کو محبوب سے ملایا جائے اور وہی اس کے اہل ہیں کیونکہ اس کلمہ کے حامل مسلمان ہی اس کی ذات و صفات میں فنا ہیں اور اسی کے باقی رکھنے سے باقی ہیں بغیر کسی انانیت کے اور انہیں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ“ (آل عمران: ۱۱۰) یعنی ”تم اس لیے بہترین امت ہو کہ تمہیں لوگوں کو بھلائی کا حکم دینے اور بُرائی سے روکنے کے لیے پیدا کیا گیا۔“

(تفسیر روح البیان مترجم پارہ ۲۶، ص ۳۲، مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور، عربی ج ۹، ص ۵۱، مطبوعہ بیروت)

آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

﴿بِالْحَقِّ﴾ یہ ”صَدَقَ“ کے ساتھ متعلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کے خواب کو اس بناء پر سچا کر دکھایا کہ وہ خواب سچا ہونے میں حق کے ساتھ ملتبس و متصل ہے یعنی حکمت بالغہ پر مبنی ہے اور یہ اس لیے کہ اس میں آزمائش ہے اور مخلص مؤمن اور نفاق کے مرض میں مبتلا دل والے کے درمیان امتیاز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ”بالحق“ قسم ہو یا تو حق سے وہ مراد ہے جو باطل کی نقیض ہے یا حق سے وہ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے اور اس کا جواب (درج ذیل کلام) ہے: ﴿لَتَدَاخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ﴾ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے۔ اور حق کے پہلے معنی کی بناء پر یہ کلام مبارک محذوف قسم کا جواب ہے ”ان شاء اللہ“ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول کے قول کی حکایت ہے جو آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا تھا یا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تعلیم دی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس ادب کے ساتھ مؤدب ہو کر اپنے وعدوں میں اسی طرح ان شاء اللہ کہا کریں اور وہ اپنے نبی کی سنت پر عمل پیرا ہو کر ان شاء اللہ کہا کریں ﴿أَمِينٌ﴾ وہ امن کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے [یہ حال ہے اور شرط ”ان شاء اللہ“ جملہ معترضہ ہے] ﴿مُخَلِّقِينَ دَعُوسَكُمْ﴾ اپنے سروں کو منڈواتے ہوئے یعنی تمام بالوں کو منڈواتے ہوئے [”مخلقین“ حال ہے ”امین“ میں پوشیدہ ضمیر سے] ﴿وَمُقَصِّرِينَ﴾ یا بالوں کو کٹواتے ہوئے (یعنی) سر کے بعض بالوں کو ترشواتے ہوئے ﴿لَا تَخَافُونَ﴾ تمہیں (کسی کا کوئی) ڈر نہیں ہوگا [یہ تاکید کی حال ہے] ﴿فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا﴾ اگلے سال تک فتح مکہ کی تاخیر میں جو حکمت ہے اس کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم نہیں جانتے ﴿فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا﴾ سو اللہ تعالیٰ نے تو اس سے پہلے (تمہارے لیے) ایک عنقریب فتح مقدر و مقرر کر دی ہے یعنی فتح مکہ سے پہلے خیبر کی فتح تمہارے لیے مقدر کر دی ہے تاکہ مسلمانوں کے دلوں کو اس سے راحت و خوشی حاصل ہو جائے یہاں تک کہ وہ فتح جس کا وعدہ دیا گیا وہ آسان ہو جائے۔

۲۸- ﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى﴾ (اللہ تعالیٰ) وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت یعنی توحید کے ساتھ بھیجا ﴿وَدِينِ الْحَقِّ﴾ اور سچے دین یعنی اسلام کے ساتھ بھیجا ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ اس (دین اسلام) کو ہر دین پر غالب کر دے اور اسے بلند و بالا کر دے ”علی الدین“ میں لام جنس کا ہے یعنی اسلام کو تمام ادیان پر غالب کیا جائے گا اور اس سے کفار و مشرکین اور اہل کتاب کے مختلف ادیان مراد ہیں جو دین اسلام کی وجہ سے منسوخ ہو گئے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ سبحانہ نے اس بات کو ثابت کر دیا چنانچہ تم کسی مذہب و دین کو نہیں دیکھو گے مگر اس پر اسلام غالب ہے اور ہر ایک مذہب سے زیادہ معزز ہے (اگرچہ بدکرداریوں کی وجہ سے مسلمانوں کو حقیر و ذلیل خیال کیا جاتا ہے لیکن دشمنان دین اسلام کو احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس پر فتن دور میں غیر مسلم اقوام کے افراد گاہے بگاہے اسلام قبول کرتے رہتے ہیں) اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت دین اسلام تمام ادیان پر غالب آ جائے گا یہاں تک کہ اس وقت روئے زمین پر ایک کافر بھی باقی نہیں رہے گا سب مسلمان ہو جائیں گے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین اسلام دلائل و براہین کے اعتبار سے اب بھی تمام ادیان پر غالب ہے ﴿وَكُنْفِي بِإِذْنِ اللَّهِ شَهِيدًا﴾ اور اللہ تعالیٰ اس بات پر کافی گواہ ہے کہ اس نے جو وعدہ کیا ہے وہ ہر حال میں ضرور پورا ہوگا۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات پاک پر گواہ ہے کہ وہ بلاشبہ عنقریب دین اسلام کو غالب کر دے گا اور تقدیر عبارت یہ ہے کہ ”وَكُفَاهُ اللَّهُ شَهِيدًا“ اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے [”شہیداً“ تمیز ہے یا پھر حال ہے]۔

مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا
 سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ
 السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ ۗ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ ۗ كَزَيْبٍ أَخْرَجَ شَطَاةً
 فَازْرَأْ فَاسْتَعْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ
 وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝۲۹

(حضرت) محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور ان کا ساتھ دینے والے کفار پر بہت سخت ہیں آپس میں بڑے نرم دل ہیں آپ ان کو رکوع کرتے ہوئے سجدہ کرتے ہوئے دیکھیں گے وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور رضا چاہتے ہیں سجدوں کی تاثیر کی وجہ سے ان کی علامت (نورانیت) ان کے چہروں میں (ثابت) ہے ان کی یہ صفت تورات میں مذکور ہے انجیل میں ان کی صفت کھیتی کی مانند ہے جس نے اپنی باریک کونپل نکالی پھر اسے قوت و طاقت دی پھر وہ موٹی ہو گئی پھر وہ اپنے تئیں پر سیدھی کھڑی ہو گئی وہ کسانوں کو اچھی لگتی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے کفار (کے دلوں) کو جلانے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، بخشش کا اور بہت بڑے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے ۝

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام پاک کے فضائل و برکات اور صحابہ کرام کی شان کا بیان

۲۹- ﴿مُحَمَّدٌ﴾ [مبتدا محذوف کی خبر ہے "أَيُّ هُوَ مُحَمَّدٌ" یعنی وہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں جن کا ذکر (درج ذیل گزشتہ) ارشاد باری تعالیٰ میں گزر چکا ہے "هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ" وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے [یا پھر یہ مبتدا ہے اس کی خبر ﴿رَسُولُ اللَّهِ﴾ ہے قاری

۱۔ ضیاء الامت حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری اپنی کتاب ضیاء النبی ج ۲ ص ۶۱-۶۲ میں لکھتے ہیں کہ جب قریش مکہ نے دعوتِ عقیقہ کے موقع پر حضرت عبدالمطلب سے دریافت کیا کہ آپ نے اس فرزند کا نام کیا تجویز کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اس کا نام "محمد" تجویز کیا ہے۔ ازراہ حیرت وہ گویا ہوئے آپ نے اپنے اہل بیت میں سے کسی کے نام پر اس کا نام نہیں رکھا آپ نے فرمایا: "أَرَدْتُ أَنْ يَحْمَدَهُ اللَّهُ فِي السَّمَاءِ وَخَلَقَهُ فِي الْأَرْضِ" میں نے اس کا یہ نام اس لیے تجویز کیا ہے تاکہ آسمانوں میں اللہ تعالیٰ اور زمین میں اس کی مخلوق اس مولود مسعود کی حمد و ثناء کرے۔

کلمہ محمد کی تشریح

"قَالَ أَهْلُ اللَّفْظِ كُلُّ جَامِعٍ بِصِفَاتِ الْخَيْرِ يُسَمَّى مُحَمَّدًا" اہل لغت کہتے ہیں کہ جو ہستی تمام صفاتِ خیر کی جامع ہو اسے محمد کہتے ہیں۔ امام محمد ابو زہرہ اسم محمد کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: (ترجمہ) تفعیل کا صیغہ کسی فعل کے بار بار واقع ہونے اور لمحہ بہ لمحہ وقوع پذیر ہونے پر دلالت (درہنمائی) کرتا ہے اس میں استمرار و دوام پایا جاتا ہے یعنی ہر آن وہ نئی آن بان سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس تشریح کے مطابق محمد کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ ذات جس کی یہ صورت استمرار و دوام ہر لمحہ ہر گھڑی نوبہ نو تعریف و ثناء کی جاتی ہو۔

(خاتم النبیین ج ۱ ص ۱۱۵) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تفسیر نے اس پر وقف کیا ہے [اب اس کا معنی یہ ہوگا کہ (حضرت) محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ﴿وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ اور جو لوگ ان کا ساتھ دینے والے ہیں وہ کفار پر بہت سخت ہیں یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام کافروں پر بڑے سخت ہیں] ”وَالَّذِينَ مَعَهُ“ مبتدا ہے اور ”أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ“ خبر ہے یا پھر ”مُحَمَّدٌ“ مبتدا ہے اور ”رَسُولُ اللَّهِ“ عطف بیان ہے اور ”وَالَّذِينَ مَعَهُ“ مبتدا پر معطوف ہے اور ”أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ“ سب کی خبر ہے [یعنی حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سب کافروں پر بہت سخت ہیں اور ”أَشِدَّاءُ“ کا معنی ہے: ”غَلَاظٌ“ یعنی سخت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علامہ سہلی اس نام کی تشریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(ترجمہ) یعنی لغت میں محمد اس کو کہتے ہیں جس کی بار بار تعریف کی جائے کیونکہ مُفْتَلَن کے وزن میں اس فعل کا تکرار مقصود ہوتا

ہے، مضرب اور مدح ان کا وزن بھی مفعول ہے اور ان کے معنی میں بھی تکرار ہے۔ (الروض الانف ج ۱ ص ۱۸۲)

فقہ العصر علامہ مفتی محمد امین فیصل آبادی نے اپنی کتاب البرہان باب: ۸ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام پاک کے

برکات و کمالات بیان کیے ہیں، موضوع کی مناسبت سے یہاں چند روایات نقل کی جاتی ہیں:

(۱) جان دو عالم ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: جب چھ ماہ گزر گئے تو خواب میں کوئی آنے والا آیا اور

اس نے کہا: ”إِنَّكَ حَمَلْتِ بِخَيْرِ الْعَالَمِينَ فَإِذَا وَلَدْتِهِ فَسَمِيهِ مُحَمَّدًا“۔ (مواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۱۲۴)

یعنی اے آمنہ! تیرے شکم پاک میں وہ ہے جو سارے جہانوں سے افضل و اعلیٰ ہے اور جب اس کی ولادت ہو تو اس کا نام محمد رکھیں۔

(۲) حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ وُلِدَ لَهُ مَوْلُودٌ فَسَمَاهُ مُحَمَّدًا حَبًّا

لِي وَتَبَرُّكَ بِاسْمِي كَانَ هُوَ وَمَوْلُودُهُ فِي الْجَنَّةِ“ (زرقانی علی المواہب ج ۵ ص ۳۰۱، سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۷۹، احکام

شریعت ص ۳۸) یعنی جس کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور اس نے میری محبت کی وجہ سے اور میرے نام سے برکت حاصل کرنے کے لیے

اپنے بچہ کا نام محمد رکھا تو وہ دونوں باپ بیٹا جنت میں جائیں گے۔

(۳) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن دو بندے دربار الہی میں کھڑے کیے

جائیں گے ان میں سے ایک کا نام محمد اور دوسرے کا نام احمد ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا کہ ان دونوں کو جنت میں لے جاؤ

وہ دونوں بندے عرض کریں گے: یا اللہ! ہم کس عمل کی وجہ سے جنت کے حق دار ہوئے ہیں حالانکہ ہم نے تو کوئی عمل جنتیوں والا نہیں

کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ”أَدْخَلَا الْجَنَّةَ فَإِنِّي الْبَيْتُ عَلَى نَفْسِي أَنْ لَا يَدْخُلَ النَّارَ مَنْ اسْمُهُ أَحْمَدٌ أَوْ مُحَمَّدٌ“

(زرقانی علی المواہب ج ۵ ص ۳۰۱، احکام شریعت ص ۳۸) یعنی تم دونوں جنت میں داخل ہو جاؤ کیونکہ میں نے اپنی ذات پر قسم

کھائی ہے کہ جس کا نام محمد یا احمد ہوگا وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔

(۴) حضرت عبید صہابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے: ”وَعِزَّتِي وَجَلَالِي

لَا عَدِيَّتُ أَحَدًا تُسَمِّي بِاسْمِكَ فِي النَّارِ“۔

(زرقانی علی المواہب ج ۵ ص ۳۰۲، سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۷۹، احکام شریعت ص ۳۹)

(۵) سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں کہ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ وُلِدَ لَهُ ثَلَاثَةٌ أَوْلَادٍ فَلَمْ يَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ

مُحَمَّدًا فَقَدْ جَهَلَ“ (سیرت حلبیہ ص ۷۹، احکام شریعت ص ۳۹) جس کے تین لڑکے پیدا ہوئے اور اس نے کسی کا نام محمد نہ رکھا

وہ جاہل ہے۔

(۶) مولیٰ علی شیر خدارضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”إِذَا سَمَّيْتُمُ الْوَالِدَ“ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

﴿رُحْبَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ وہ آپس میں بڑے رحم دل اور نرم دل ہیں کیونکہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے ہیں [اور یہ دوسری خبر ہے اور یہ دونوں خبریں اکٹھی ہیں ایک (ان کا کفار پر) شدید و سخت ہونا اور دوسرا ان کا آپس میں رحیم و مہربان ہونا] اور اسی طرح (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ ہے: "أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ" (المائدہ: ۵۴) یعنی "صحابہ کرام مؤمنوں پر بڑے مہربان اور ان کے لیے بہت نرم ہیں جب کہ کافروں پر بہت سخت ہیں" اور صحابہ کرام کی کفار پر شدت و سختی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ وہ اپنے کپڑوں کو ان کے کپڑوں کے ساتھ لگنے اور ملنے سے بچاتے تھے اور اپنے جسموں کو ان کے جسموں کے ساتھ مس ہونے اور لگنے سے بچاتے تھے اور ان کی آپس میں باہمی رحم دلی اور مہربانی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مُحَمَّدًا فَكْرَمُوهُ وَأَوْسَعُوا لَهُ فِي الْمَجْلِسِ وَلَا تَقْبَحُوا لَهُ" (زرقاتی ج ۵ ص ۳۰۲ احکام شریعت ص ۴۰) یعنی جب تم بچے کا نام محمد رکھو تو پھر اس کی عزت کرو اور اس کے لیے مجلس میں جگہ فراخ کرو اور اس کی قباحت و بُرائی مت کرو۔

(۷) سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "مَا كَانَ فِي أَهْلِ بَيْتِ إِسْمِ مُحَمَّدٍ إِلَّا كَثُرَتْ بَرَكَتُهُ" (زرقاتی علی المواہب ج ۵ ص ۳۰۲ احکام شریعت ص ۴۰) یعنی جس گھر میں کوئی محمد نام والا ہو اس گھر میں بہت زیادہ برکت ہوتی ہے۔

(۸) حضور سید عالم ﷺ کے نام مبارک کی تعظیم کی خاطر جب اذان میں مؤذن "أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ" پڑھے تو مستحب ہے کہ آپ کا اسم گرامی سننے والا درود پاک پڑھے اور انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر لگائے ایسا کرنے والے شخص کو حبیب خدا ﷺ جنت میں لے جائیں گے چنانچہ علامہ شامی رد المحتار (فتاویٰ شامی) میں لکھتے ہیں: (ترجمہ) یعنی جب اذان میں مؤذن "أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ" کہے تو مستحب ہے کہ سننے والا کہے: "صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ" اور جب دوسری مرتبہ یہی کلمہ سنے تو کہے: "قُرَّةُ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اللَّهُمَّ مَتِّعْنِي بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ" اور انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگائے ایسا کرنے والے کو نبی کریم ﷺ جنت لے جائیں گے جیسا کہ یہ مسئلہ کنز العباد میں ہے اور ایسے ہی فتاویٰ صوفیہ میں ہے نیز علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے رد المحتار میں فرمایا:

(ترجمہ:) یعنی کتاب الفردوس میں یوں ہے کہ جس نے اذان میں "أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ" سنا اور انگوٹھوں کو بوسا دیا تو سرکارِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ میں ایسے شخص کا قائد ہوں گا اور اسے جنت کی صفوں میں داخل کروں گا۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۳۹۸ طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۵۶)

نوٹ: علامہ معین الدین کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسم گرامی کے فضائل و برکات میں چند روایات بیان کی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

حدیث اول: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ جب قیامت کے روز تمام اولین و آخرین مخلوق سے ان کے بُرے اعمال کا مواخذہ ہوگا تو دو بندوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا جب ان کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا تو حق سبحانہ و تعالیٰ متعلقہ فرشتوں کو فرمائے گا کہ میرے ان دونوں بندوں کو جنت میں لے جاؤ۔ وہ دونوں بندے انتہائی مسرت و خوشی سے جو دو سخا کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کے حضور مناجات کریں گے اور عرض کریں گے کہ خداوند اہم اپنی ذات میں جنت میں داخل ہونے کی کوئی صلاحیت اور استحقاق نہیں رکھتے اور ہمارے نامہ اعمال میں جنتیوں والا کوئی عمل نہیں اب ہم اپنے متعلق اس عزت و اکرام کا سبب معلوم کرنا چاہتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ کیونکہ میرے کرم سے یہ بات بعید ہے کہ احمد اور محمد جس کا نام ہو میں اسے دوزخ میں ڈال دوں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ وہ جب بھی ایک دوسرے کو دیکھ لیتے تو آپس میں گلے ملتے اور مصافحہ کرتے ﴿تَرْتَمُّمٌ رُّكْعًا سُّجْدًا﴾ آپ ان کو رکوع کرتے ہوئے (اور) سجدے کرتے ہوئے دیکھیں گے۔ ”رُّكْعًا“ بہ معنی ”رَاكِعِينَ“ ہے اور ”سُّجْدًا“ بہ معنی ”ساجدین“ ہے ﴿يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا﴾ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضا طلب کرتے ہیں [”یبتغون“ حال ہے جیسا کہ ”رُّكْعًا سُّجْدًا“ حال ہیں] ﴿سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ الشُّجُودِ﴾ سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں میں ان کی نشانی ہے یعنی وہ تاثیر جو ان کے چہروں میں سجدوں کی وجہ سے اثر انداز ہوئی ہے۔ حضرت عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان فرمایا کہ رات کے اوقات میں لمبی لمبی نمازیں پڑھنے کی وجہ سے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے چہرے مبارک منور و روشن تھے کیونکہ حضور سرور کائنات منبع فیوض و برکات ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ كَثُرَتْ صَلَاتُهُ بِاللَّيْلِ حَسُنَ وَجْهُهُ فِي النَّهَارِ“ (رواہ ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۳۳) جو شخص رات کو بہت زیادہ نماز پڑھتا ہے تو دن کو اس کا چہرہ نورانی اور روشن ہو جاتا ہے ﴿ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ﴾ یہ مذکورہ بالا ان کی صفت تو رات شریف میں بیان کی گئی ہے [اور یہاں پر وقف کرنا (ٹھہرنا) چاہیے] ﴿وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ﴾ اور ان کی صفت انجیل میں (بھی یہ) ہے ﴿كَذَمًا حَرَجَ شَطْرَهُ﴾ جیسے کھیتی ہے جس نے اپنی شاخیں اور ٹہنیاں نکالیں۔ ”أَشْطَا الزَّرْعُ“ اس وقت بولا جاتا ہے جب کھیتی اپنی شاخیں پتے اور ٹہنیاں نکالتی ہے [”مَثَلُهُمْ“ مبتدا ہے اور ”فِي الْإِنْجِيلِ“ اس کی خبر ہے] ﴿فَأَذْرَاكَ﴾ پھر اس نے اسے مضبوط کیا یعنی قوی اور طاقتور کیا [قاری ابن عامر شامی کی قراءت میں ”فَأَزْرَا“ ہے] ﴿فَأَسْتَعْلَظَا﴾ پھر وہ موٹی ہو گئی چنانچہ وہ باریکی سے موٹاپے کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حدیث دوم: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جس گھر میں ان تین ناموں احمد، محمد عبد اللہ میں سے کسی نام والا شخص ہو اس گھر میں فقر نہیں آتا۔

حدیث سوم: حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر وہ بندہ مومن جو اپنے فرزند کا نام میرے ساتھ محبت اور دوستی کی بناء پر میرے نام پر رکھتا ہے وہ اور اس کا فرزند میرے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے۔ حدیث چہارم: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی بندہ مومن اپنے بیٹے کا نام محمد رکھتا ہے اور جب وہ اپنے اس لڑکے کو پکارتا ہے اور کہتا ہے: یا محمد، تو تمام حاملین عرش ”لَبَّيْكَ يَا وَلِيَّ اللَّهِ“ کہہ کر جواب دیتے ہیں اور پھر وہ کہتے ہیں: اے اللہ کے ولی! تجھے بشارت ہو کہ تو ہماری مزدوری میں شریک ہے یعنی طاعات و عبادات میں ہمارے ساتھ شریک ہے اور اس کا اجر و ثواب تجھے عطا کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے روز حاملین عرش کا اجر و ثواب عنایت فرمائے گا۔

حدیث پنجم: جناب عبد الرحمن بن عمرو بن جہابہ رشده بن سعید سے روایت نقل کرتے ہیں اور رشده بنت سعید ام کلثوم بنت عتبہ سے اور وہ اپنی والدہ جلیلہ بنت عبد الجلیل سے روایت کرتی ہیں اس نے کہا کہ ایک روز میں نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ہاں لڑکا پیدا ہوتا ہے مگر بچپن میں ہی فوت ہو جاتا ہے مجھے آپ کیا حکم ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اس دفعہ جب تجھے حمل ہو جائے تو پختہ ارادہ کر لینا کہ تو اپنے فرزند کا نام محمد رکھے گی، مجھے امید ہے کہ وہ لڑکا لمبی عمر پائے گا اور اس کی نسل میں برکت ہوگی، وہ کہتی ہیں: میں نے ایسا ہی کیا، میرا وہ بچہ زندہ رہا اور بحرین کے علاقے میں اس کی اولاد سے زیادہ کسی قبیلہ کے افراد نہیں ہیں۔ واللہ العالی (معارج النبوت ج ۲ ص ۸۲-۸۳ مترجم، مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاہور)

حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب کوئی قوم مشورہ کرنے کے لیے جمع ہو اور محمد نام والا شخص ان کے مشورہ میں شامل نہ ہو تو ان لوگوں کو اس کام میں کوئی برکت حاصل نہیں ہوگی۔

(تفسیر روح البیان پارہ: ۲۶، ص ۳۳۳ مترجم، مطبوعہ مکتبہ اریبیہ رضویہ بہاولپور)

طرف منتقل ہوگی ﴿فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوْقِهِ﴾ پھر وہ اپنے تئیں پر سیدھی کھڑی ہوگی یعنی پھر وہ تن آ اور جڑ پر سیدھی کھڑی ہوگی "ساق" کی جمع "سوق" ہے ﴿يُعِيبُ الذُّرَّاءَ﴾ وہ کسان اور کاشت کار کو بہت بھلی لگتی ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ انجیل میں لکھا ہوا تھا کہ عنقریب ایک ایسی قوم پیدا ہوگی جو سرسبز و شاداب اُگنے والی کھیتی کی طرح اُگے گی (یعنی بہت جلد پھیل جائے گی) وہ لوگوں کو بھلائی اور نیکی کا حکم دے گی اور وہ بدی اور بُرائی سے روکے گی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ "أَخْرَجَ شَطَطَهُ" سے حضرت ابو بکر صدیق اور "فَازِدَةُ" سے حضرت عمر فاروق "فَاسْتَغْلَطَ" سے حضرت عثمان غنی اور "فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوْقِهِ" سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ابتدائی کام اور اس کی ترقی و عروج اور دن بہ دن بڑھنے کی یہ مثال بیان کی ہے یہاں تک کہ دین اسلام قوی اور مضبوط و مستحکم ہو گیا ہے کیونکہ نبی کریم رءوف رحیم ﷺ سب سے پہلے دین اسلام کی تبلیغ و تعلیم کے لیے اکیلے کھڑے ہوئے پھر اللہ تعالیٰ نے اس دین کو ان لوگوں کے ذریعے قوی اور مضبوط و مستحکم کیا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایمان لائے جیسے کھیتی پہلے کمزور ہوتی ہے پھر جب اس سے شاخیں اور ٹہنیاں پیدا ہو جاتی ہیں تو وہ اسے مضبوط و قوی بنا دیتی ہیں یہاں تک کہ وہ کاشت کار کو بہت بھلی اور خوش نما لگتی ہے ﴿لِيُعِيبَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ کافروں کو ان (صحابہ کرام) کے ذریعے جلائے اور انہیں غضب ناک کر دے۔ صحابہ کرام کو کھیتی کے ساتھ تشبیہ دینے اور قوت و اضافہ میں بڑھنے اور ترقی کرنے کی یہ علت ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ (درج ذیل) کلام کو اس کی علت قرار دیا گیا ہو کہ ﴿وَعَدَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے، بخشش اور بڑے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔ کیونکہ جب کفار ان انعامات کے بارے میں سنیں گے جو اللہ تعالیٰ نے نیک مسلمانوں کے لیے آخرت میں تیار کر رکھے ہیں نیز ان کے ساتھ ساتھ جو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں عزت و غلبہ عطا فرمائے گا تو ان سے کفار جلیں گے اور غصے کے مارے غضب ناک ہو جائیں گے [اور "مِنْهُمْ" میں حرف "مِنْ" بیان کے لیے ہے جیسا کہ اس (درج ذیل) ارشاد میں ہے: "فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ" (الحج: ۳۰) یعنی "پس تم اس نجاست و پلیدی سے بچو جو بذاتِ خود بت ہیں" اور جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ "أَنْفَقَ مِنَ الدَّرَاهِمِ" درہموں (سکے) میں سے خرچ کرو یعنی تم صرف اسی جنس کو اپنا خرچ مقرر کر لو] اور یہ آیت مبارکہ روافض (اہل تشیع) کے اس قول کی تردید کرتی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام نے مرتد ہو کر کفر اختیار کر لیا تھا (نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ) کیونکہ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام سے اس آیت مبارکہ میں مغفرت و بخشش اور بہت بڑے اجر و ثواب کا وعدہ فرما چکا ہے۔ یہ صرف اسی صورت میں ہوگا کہ صحابہ کرام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد انہیں تعلیمات پر اور اسی دین اسلام پر آخر دم تک ثابت قدم رہے ہوں جیسا کہ وہ آپ کی دنیاوی حیات مبارک میں ثابت قدم رہے۔

اٰیٰتِ اللّٰهِ
مُرْتَدًّا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَةُ الْحَجْرٰتِ
اٰیٰتِ ۱۷

سورة الحجرات مدنی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۵ اس کی اٹھارہ آیات دور کوع ہیں

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقَدْ مَوْاٰيِنَ يَدٰى اِلٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَاَتَقُوا اللّٰهَ اِنَّ

اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَابَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ

وَلَا يَجْهَرُوْا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا

تَشْرُؤُنَ ②

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا بے حد جاننے والا ہے ○ اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور تم ان کے سامنے اونچی آواز سے بات نہ کرو جیسے تم ایک دوسرے سے اونچی آواز میں بولتے ہو ورنہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے اور تمہیں خبر بھی نہیں ہوگی ○

مسلمانوں کے لیے آداب نبوی کا بیان

سورت حجرات مدنی ہے اور اس کی اٹھارہ آیات ہیں۔

۱- ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْفُوا﴾ اے ایمان والو! تم (اللہ رسول سے) آگے بالکل نہ پڑھو [”قَدَمَةٌ“ اور ”أَقْدَمَةٌ“ دونوں طرح پڑھنا منقول ہے (پہلے میں) حرف زائد کو مشدود (اور دوسرے میں) ہمزہ کا اضافہ کیا گیا ہے کیونکہ یہ دونوں ”قَدَمَةٌ“ سے ماخوذ ہیں ”قَدَمَةٌ“ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی کسی سے آگے چلا ہو جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“ (ہود: ۹۸) ”کہ فرعون قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے ہوگا“ اور یہاں مفعول کو محذوف رکھا گیا ہے [تاکہ ”لَا تَقْفُوا“ کی یہ ممانعت قول و فعل میں سے ہر اس چیز کو شامل ہو جائے جس میں آگے بڑھنے کا خیال عقل و دل میں آسکتا ہے۔

حق یہ ہے کہ یہ آیت مبارکہ تمام امور کو عام ہے (کیونکہ اگرچہ مورد خاص ہو لیکن اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے) خواہ اقوال ہوں یا افعال ہوں یہی وجہ ہے کہ اس کا مفعول محذوف ہے تاکہ قاری اور سامع کا ذہن اسے ہر مسئلہ پر منطبق کر سکے جہاں تک اس کے لیے ممکن ہے خواہ قول ہو یا فعل مثلاً جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں کوئی مسئلہ پیش ہو تو تم اپنی طرف سے جواب دینے میں سبقت نہ کرو۔ ایسے ہی جب حضور سرور عالم ﷺ کے حضور میں طعام پیش ہو تو تم کھانے میں سبقت نہ کرو۔ ایسے ہی جب تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ راستہ طے کر رہے ہو تو تم ان کے آگے نہ چلو ہاں! البتہ ضرورت و مصلحت کے تحت آگے چلنا پڑے تو جائز اور روا ہے ورنہ حضور نبی کریم ﷺ کے آگے چلنا یا کسی کام میں آپ سے سبقت کرنا جائز اور روا نہیں ہے۔

مسئلہ: تین مقامات کے علاوہ اصغر کا اکابر کے آگے چلنا جائز نہیں:

(۱) رات کے سفر میں (۲) لشکر کے مقابلے میں (۳) سیلاب یا گہرے پانی کی معلومات کرنے میں۔

مسئلہ: اس نبی میں یہ بھی داخل ہے کہ علمائے کرام اور مشائخ عظام کے آگے چلنا منع ہے کیونکہ یہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے وارث ہیں۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حدیث: حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے (حضرت) ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آگے چلنا دیکھ کر فرمایا: ”تَمَشِيْ اَمَامَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْكَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ مَا طَلَعَتْ شَمْسٌ وَلَا غَرَبَتْ عَلٰى اَحَدٍ بَعْدَ النَّبِيِّنَّ وَالْمُرْسَلِيْنَ خَيْرًا وَّافْضَلَ مِنْ اَبِيْ بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ“ (تفسیر روح البیان ج ۹ ص ۶۲، مطبوعہ بیروت) تو اس کے آگے چل رہا ہے جو دنیا میں اور آخرت میں تجھ سے بہتر ہے اور انبیاء و مرسلین کے بعد سورج کے طلوع ہونے کی جگہ سے لے کر اس کے غروب ہونے کی جگہ تک ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر کوئی بہتر اور افضل نہیں ہے۔

نوٹ: تفسیر روح البیان مترجم پارہ: ۲۶، ص ۶۸، مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور۔

اور یہ بھی جائز ہے کہ یہاں مفعول مقصود ہی نہ ہو (کہ کسی چیز میں آگے نہیں بڑھنا) بلکہ یہ بھی مطلق تقدم (آگے بڑھنے) کی طرف متوجہ ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ" (المؤمنون: ۸۰) "اور وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے" [یا پھر یہ "قَدَّمَ" (دال مشدوباب تفعیل) سے ماخوذ ہے اور "تَقَدَّمَ" کے معنی میں ہے جیسے "وَجَّهَ" بہ معنی "تَوَجَّهَ" ہے اور اسی سے "مُقَدَّمَةُ الْجَيْشِ" ہے اور یہ فوج کے اس دستہ کا نام ہے جو تمام فوجی لشکر سے آگے ہوتا ہے اور قاری یعقوب کی قراءت "لَا تَقْدَمُوا" (باب تفعیل) اس کی تائید کرتی ہے اس میں ایک "تَا" محذوف ہے اصل میں "لَا تَقْدَمُوا" ہے [بَيْنَ يَدَيْ اللَّهِ وَرَسُولِهِ] اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے آگے (نہ بڑھو) اہل عرب کے قول: "جَلَسْتُ بَيْنَ يَدَيْ فُلَانٍ" کہ تو فلاں آدمی کے سامنے بیٹھا، کا حقیقت میں یہ مطلب ہے کہ تو اس آدمی کے دائیں اور بائیں نزدیک ترین دونوں جہتوں اور دونوں سمتوں کے درمیان اس کے سامنے بیٹھا ہو، پھر دونوں جہتوں کا نام "یدین" اس لیے رکھا گیا کہ یہ دونوں جہتیں دونوں ہاتھوں کے نزدیک ترین سمتوں میں واقع ہیں جیسا کہ کسی چیز کا نام اس کے کسی ایسے غیر کے نام پر رکھا جاتا ہے جو اس کے نزدیک ترین اور اس کے پڑوس میں واقع ہوتا ہے اور اس آیت مبارکہ کی عبارت میں مجاز کی ایک قسم ہے جس کو تمثیل کا نام دیا جاتا ہے اور اس تمثیل میں بہت بڑا فائدہ ہے اور وہ یہ کہ جن امور میں آگے بڑھنے سے منع کیا گیا ان میں آگے بڑھنے کی برائی اور معیوبی کا اظہار کیا گیا ہے ورنہ کتاب و سنت کی مثالوں میں جسمانی تشبیہ مراد نہیں ہوتی اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ کلام تمہارے اس قول کے قائم مقام ہو کہ "سَرْنِي زَيْدٌ وَحَسَنٌ خَالِي" مجھے زید نے اور اس کی صورت کے حسن نے مسرور اور خوش کر دیا یعنی زید کی خوبصورتی نے مجھے خوش کر دیا، پس یہاں بھی "بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ" کا معنی اسی طرح ہے اور اس اسلوب و انداز کا ایک فائدہ اختصاص کی قوت پر دلالت و رہنمائی کرنا مقصود ہے اور جب رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے عظیم الشان مقام پر فائز ہیں جو کسی سے مخفی نہیں تو اس لیے یہ انداز اختیار کیا گیا اور اس میں اس عمل کے لیے تمہید ہے جو ان کی طرف سے بُرا لگائے ان کا اپنی آوازوں کو نبی کریم ﷺ کی آواز مبارک پر بلند کرنا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جس ہستی کو اس قدر فضیلت و بزرگی عطا کی ہے اور انہیں اس عظیم الشان خصوصیت کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے تو ان کے لیے جو کم از کم رعب و جلال واجب ہے وہ یہ ہے کہ آپ کے سامنے بلند لہجہ میں بات نہ کی جائے بلکہ اپنی آواز کو پست رکھا جائے اور آپ کے سامنے دھیمے انداز میں بات کی جائے۔

شان نزول: (۱) حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ کچھ لوگوں نے قربانی کے دن نماز عید سے پہلے قربانیاں کر لیں تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ دوبارہ دوسری قربانیاں کریں۔

(۲) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ یہ آیت مبارکہ شک کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت میں نازل ہوئی (یعنی تم اپنے نبی کے روزہ رکھنے سے پہلے روزہ نہ رکھو) ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو سو بلاشبہ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے عید قربان کے دن ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا: آج سب سے پہلے ہمارا کام یہ ہے کہ ہم نماز عید ادا کریں گے پھر ہم (اپنے گھروں کو) لوٹ جائیں گے اور قربانی کریں گے سو جو شخص ایسا کرے گا اس نے ہماری سنت کو پالیا اور جو نماز عید سے پہلے قربانی کرے گا سو اس نے بلاشبہ جلدی کی اور صرف اپنے گھر والوں کے لیے گوشت حاصل کیا (ثواب نہیں) اور اس کی قربانی قبول نہیں ہوگی۔ (تفسیر معالم التنزیل عرف بغوی ج ۴ ص ۲۰۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، تفسیر لباب التأویل عرف خازن ج ۴ ص ۱۷۵، مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ، مصر)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ جس آدمی نے اس دن میں روزہ رکھا جس میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے تقویٰ اختیار کر لو گے تو اللہ تعالیٰ کے رسول کے آگے بڑھنے سے تمہیں تمہارا تقویٰ روک دے گا ﴿إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری وہ تمام باتیں خوب سن لیتا ہے جو تم کہتے ہو ﴿عَلَيْكُمْ﴾ وہ تمام اعمال و افعال کو خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو اور ایسی ذات اقدس کا حق ہے کہ اس کی نافرمانی سے پرہیز کیا جائے۔

۲۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے ایمان والو! یہاں مسلمانوں کو دوبارہ نداء کے ساتھ مخاطب کیا گیا ہے کہ انہیں اس بات کی دعوت دی جائے کہ ہر آنے والے خطاب کے وقت نئے سرے سے غور سے دیکھیں اور کان لگا کر سنیں اور ان میں تحریک و جوش پیدا ہوتا کہ وہ غور و فکر کرنے سے غافل و بے خبر نہ ہو جائیں ﴿لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ تم اپنی آوازوں کو نبی کریم ﷺ کی آواز مبارک سے اونچا نہ کرو یعنی جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گفتگو فرما رہے ہوں اور تمہیں بھی بات چیت کرنی ہو تو اس باہمی گفتگو کے دوران تم پر لازم ہے کہ تمہاری آواز اس حد تک نہ پہنچے جس حد تک آپ کی آواز پہنچتی ہو بلکہ تم پر واجب ہے کہ تم اپنی آواز کو قدرے پست رکھو تا کہ آپ کا کلام مبارک تمہارے کلاموں سے بلند ہو اور آپ کی آواز تمہاری آواز پر غالب رہے یہاں تک کہ آپ کی فضیلت و عظمت تم پر عیاں ہو جائے اور آپ کی سبقت و اولیت واضح ہو جائے ﴿وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ﴾ اور تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اونچے لہجہ میں بات نہ کرو جیسے تم ایک دوسرے سے اونچی آواز میں بات چیت کرتے ہو یعنی جب تم حضور سے گفتگو کرنے لگو اور آپ خاموش سن رہے ہوں تو تم پر لازم ہے کہ تم اپنی آواز کو بلند کرنے سے پرہیز کرو جس سے تمہیں منع کیا گیا ہے بلکہ تم پر یہ بھی لازم ہے کہ تم آپس میں لوگوں کے ساتھ دوران گفتگو جس قدر بلند آواز میں باتیں کرتے ہو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اس حد تک بھی تمہاری آواز نہیں پہنچی چاہیے اور تم آپ کے ساتھ گفتگو کرنے میں پست لہجہ کے ساتھ نرم بات چیت کرنے کا پختہ عزم کر لو جو بلند آواز کے برعکس لہجہ ہو یا یہ مطلب ہے کہ تم حضور کو نام لے کر ”یا محمد“ اور ”یا احمد“ نہ پکارو بلکہ تم نبوت و رسالت کے القاب کے ساتھ ”یا نبی اللہ“ یا ”رسول اللہ“ کہہ کر پکارو نیز عظمت اور وقار کے لقب کے ساتھ آپ کو مخاطب کرو (جیسے ”یا حبیب اللہ“ یا خیر خلق اللہ“ وغیرہ) اور جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور نبی کریم ﷺ سے بہت پست اور نرم آواز میں بات چیت کرتے تھے جیسے کوئی سرگوشی سے بات کرتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (ماہ رمضان کے چاند کا) ہونا نہ ہونا مشکوک ہو تو اس آدمی نے ابو القاسم ﷺ کی نافرمانی کی۔ (تفسیر خازن مذکورہ بالا حوالہ: تفسیر مظہری ج ۹ ص ۳۰، مطبوعہ دہلی) نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو پھر اگر تم پر بادل چھا جائیں تو تم شعبان کی گنتی میں دن مکمل کرو۔ (تفسیر مظہری ج ۹ ص ۳۰، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی)

۱۔ کیونکہ اس آیت مبارکہ میں خصوصی طور پر انہیں حضرات کو تعلیم دی گئی تھی چنانچہ حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے حضرت ابو بکر نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان کو ان کی قوم پر عامل بنا دیجئے۔ حضرت عمر نے کہا: یا رسول اللہ! ان کو عامل نہ بنائیں پھر ان دونوں نے نبی کریم ﷺ کے سامنے بحث کی حتیٰ کہ ان کی آوازیں بلند ہو گئیں حضرت ابو بکر نے حضرت عمر سے کہا: تم صرف میری مخالفت کا ارادہ کرتے ہو حضرت عمر نے کہا: تم صرف میری مخالفت کا ارادہ کرتے ہو اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی کہ اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو اپنے نبی کی آواز پر بلند نہ کرو۔ اس کے بعد حضرت عمر بن الخطاب نبی کریم ﷺ کے سامنے بات کرتے تو ان کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی حتیٰ کہ ان سے سوال کیا جاتا کہ آپ نے کیا کہا۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱ ص ۲۷۵، حوالہ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۶۷-۲۳۰۲، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۶۶، مسند احمد ج ۳ ص ۴)

شان نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت مبارکہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ کانوں سے بہرے تھے اور بہت بلند اور بھاری آواز والے تھے اور جب بات کرتے تو ان کی آواز بہت بلند اور اونچی ہو جاتی اور بسا اوقات یہ حضور نبی کریم ﷺ سے بات کرتے تو ان کی آواز سے آپ کو اذیت پہنچتی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر بیٹھ گئے، حضور نبی پاک ﷺ نے ان کے نہ آنے کا سبب پوچھا تو آپ کو عرض کیا گیا کہ وہ اس آیت کے نزول کے بعد خوف کی وجہ سے گھر میں بیٹھ گئے ہیں۔ آپ نے انہیں بلوایا تو انہوں نے عرض کی: میں تو اسی خوف کی وجہ سے گھر بیٹھ گیا ہوں کہ شاید یہ آیت میرے لیے اتری ہے۔ آپ نے فرمایا: "لَسْتَ هُنَاكَ اِنَّكَ تَعْيشُ بِخَيْرٍ وَتَمُوتُ بِخَيْرٍ وَاِنَّكَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ" تو اس کا مصداق نہیں بلکہ تو خیر و بھلائی کی زندگی بسر کرے گا، پھر خیر و بھلائی کے ساتھ فوت ہوگا اور بے شک تو جنتی لوگوں میں سے ہے اس حدیث شریف کے راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا، کیونکہ حضرت ثابت بن قیس خیر و بھلائی کے ساتھ میلہ کذاب کی جنگ کے دن شہید ہو کر فوت ہوئے۔ جب حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے اس وقت آپ زرہ پہنے ہوئے تھے چنانچہ ان کی موت کے بعد انہیں کسی صحابی نے خواب میں دیکھا تو انہوں نے اس صحابی سے فرمایا: جان لو کہ فلاں مسلمان نے میری زرہ اتار کر لے لی ہے اور وہ لشکر کے فلاں حصے (کوٹے) میں ہے اور اس کے پاس گھوڑا بندھا ہوا ہے جو گھاس چر رہا ہے، اس آدمی نے میری زرہ ایک ہانڈی کے نیچے چھپا رکھی ہے، تم حضرت خالد بن ولید کے پاس جا کر ان سے کہو کہ وہ میری زرہ اس سے واپس لے لیں، اس کے بعد حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی خواب میں اسی صحابی کو فرمایا کہ تم حضرت ابو بکر خلیفہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر ان سے کہو کہ فلاں آدمی کا مجھ پر قرض ہے وہ ادا کر دیجئے اور میرے فلاں غلام کو آزاد کر دیجئے۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواب کی یہ وصیتیں سن کر اس صحابی نے اسی طرح کیا جیسے انہیں کہا گیا، چنانچہ روایت میں ہے کہ حضرت خالد نے حضرت ابو بکر کو خبر دی اور حضرت ابو بکر نے وصیت پوری کی، حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے ایسی کوئی وصیت یاد نہیں جسے کسی کی موت کے بعد پورا کیا گیا ہو، اس وصیت کے۔ (تفسیر روح البیان (عربی) ج ۹ ص ۶۵، مطبوعہ بیروت، مترجم پارہ: ۲۶، ص ۳۷۳-۳۷۵، مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور) علامہ فیض احمد اویسی صاحب اس مترجم تفسیر کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ یہ روایت علامہ ابن القیم نے کتاب الروح میں اور دیگر محدثین نے اپنی تصانیف میں بیان کی ہے۔ اس سے صراحتاً چند فوائد حاصل ہوئے (۱) صحابہ کرام، حضور نبی کریم ﷺ کی معمولی گستاخی کو کفر اور موجب جہنم سمجھتے تھے (۲) حضور نبی کریم ﷺ ہر امتی کے حالات سے باخبر ہیں، اسی لیے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے اجمالی حالات بتا دیئے (۳) صحابہ کرام کا یہ عقیدہ تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کی عطا سے علم غیب حاصل ہے کہ جیسے فرماتے ہیں وہ یقیناً ویسے ہوتا ہے (۴) انسان مرنے کے بعد بالکل مٹ نہیں جاتا بلکہ قلب مکانی کرتا ہے (۵) مرنے کے بعد انسان کے علم و شعور میں اضافہ ہو جاتا ہے (۶) مرنے والے کا مرنے کے بعد اہل دنیا سے تعلق وابستہ رہتا ہے (۷) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی عقیدہ تھا کہ مرنے والے بے خبر نہیں ہوتے، تبھی تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اطلاع پر چور سے ان کا سامان (زرہ وغیرہ) واپس کرایا۔ (تفسیر روح البیان کا حاشیہ پارہ: ۲۶، ص ۳۷۵، مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور)

بوقت ضرورت آپ کے سامنے بلند آواز سے بولنا اور آپ کی نعت پڑھنا جائز ہے

مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ جن مواقع پر بلند آواز سے بولنا مطلوب ہوتا ہے، وہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہے مثلاً میدان جہاد میں دشمن کو لکارنے ہوئے یا کسی معاند اور مخالف کو جواب دیتے ہوئے یا دشمن کو ڈراتے ہوئے ان تمام صورتوں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) میں نبی کریم ﷺ کے سامنے بھی بلند آواز سے بولنا جائز ہے کیونکہ ان صورتوں میں یہ متصور نہیں ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے ادب اور احترام کے خلاف ہے کیونکہ حدیث شریف میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

جب جنگ حنین میں مسلمانوں اور کفار کا مقابلہ ہوا تو مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگے رسول اللہ ﷺ اپنے خچر کو کفار کی جانب دوڑا رہے تھے حضرت عباس نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کے خچر کی لگام تھام کر اس کو تیز بھاگنے سے روک رہا تھا اور حضرت ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عباس! اصحابِ سرہ (کیکر کے درخت کے سایہ میں بیعت کرنے والوں) کو آواز دو حضرت عباس بلند آواز شخص تھے وہ کہتے ہیں: میں نے بلند آواز سے پکارا: اصحابِ سرہ کہاں ہیں؟ حضرت عباس نے کہا: بخدا! وہ یہ آواز سنتے ہی اس طرح واپس پلٹے جس طرح گائے اپنے بچوں کی طرف پلٹتی ہے چنانچہ وہ ”یا لَیْبِکَ یا لَیْبِکَ“ کہتے ہوئے دوڑتے ہوئے واپس آگئے۔ الحدیث (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۷۵) اسی طرح حدیث میں حضرت عثمان بن عمر کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو مدینہ کے تمام مرد اور عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور خادم راستوں میں بکھر گئے اور وہ زور زور سے پکار رہے تھے: ”یا محمد! یا رسول اللہ! یا محمد! یا رسول اللہ!“ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰۱۳)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے سامنے بلند آواز سے اذان کہی جاتی تھی اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی مدافعت میں بلند آواز سے اشعار پڑھتے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ سے گفتگو کرتے وقت آپ کی آواز سے آواز بلند نہ کی جائے اور اسی طرح جب کوئی شخص آپ کو اپنی بات سنا رہا ہو اور آپ خاموشی سے سن رہے ہوں تو آواز بلند نہ کی جائے یا آپ سے اس طرح بلند آواز سے بات نہ کی جائے جیسے لوگ ایک دوسرے سے عامیانه انداز میں باتیں کرتے ہیں۔ تقریباً یہ تمام امور حسب ذیل مفسرین نے اپنی اپنی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر) [اس میں کاف تشبیہ کا ہے اور محل کے اعتبار سے منصوب ہے] ”أَيُّ لَا تَجْهَرُوا لَهُ جَهْرًا مِثْلَ جَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ“ یعنی تم حضور سے اس طرح بلند آواز سے بات نہ کرو جس طرح ایک دوسرے سے بلند آواز سے بات کرتے ہو اور اس میں انہیں مطلقاً بلند آواز سے بات کرنے سے منع نہیں کیا گیا البتہ ان کے لیے (بغیر شرعی اجازت کے) بلند آواز سے بات کرنا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تصانیف میں بیان فرمائے ہیں:

علامہ محمود بن عمر زحشری متوفی ۵۳۸ھ (الکشاف ج ۲ ص ۳۵۳-۳۵۵) علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرظبی متوفی ۶۶۸ھ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۶ ص ۲۷۹-۲۸۰) علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ (روح المعانی ج ۲۶ ص ۲۰۴-۲۰۶) بعض مخالفین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ تم رسول اللہ ﷺ کو حاضر و ناظر بھی کہتے ہو اور مجالس میلاد میں بلند آواز سے صلوة و سلام بھی پڑھتے ہو جب کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بلند آواز سے بات کرنا جائز نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حاضر و ناظر کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ ہر جگہ ہر وقت موجود ہیں یہ صرف اللہ عزوجل کی شان ہے (کہ وہ اپنے علم و قدرت کے اعتبار سے ہر جگہ ہر وقت موجود ہے ورنہ اللہ تعالیٰ جگہ اور مکان سے پاک ہے) بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ اپنی قبر انور میں موجود ہیں اور کائنات آپ کے سامنے ہے اور آپ اس کو دیکھ رہے ہیں اور جب چاہیں جہاں چاہیں تشریف لے جاسکتے ہیں اس کی تائید ان احادیث میں ہے:

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے تمام روئے زمین کو میرے لیے لپیٹ دیا اور میں نے اس کے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۸۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۵۲، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۷۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۵۲) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جائز نہیں مگر یہ کہ وہ آپ سے آہستہ آواز سے نرمی کے ساتھ بات کریں اور بے شک انہیں صرف مخصوص بلند آواز سے منع کیا گیا ہے یعنی ایسی بلند آواز جو لوگوں کی آواز کے مشابہ ہو جنہیں لوگ بطور عادت عامیانه انداز میں باہمی گفتگو کے دوران بہت اونچا بولتے ہیں اور یہ طریقہ آداب نبوت کی رعایت اور اس کی شانِ جلالت کے خلاف ہے ﴿أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ﴾ یہ کہ تمہارے اعمال برباد اور ضائع ہو جائیں [یہ جملہ اس بناء پر محلاً منصوب ہے کہ یہ مفعول لہ ہے اور یہ معنوی نہیں کے متعلق ہے اور معنی یہ ہے: "إِنْتَهُوْا عَمَّا نَهَيْتُمْ عَنْهُ لِحُبُوْطِ أَعْمَالِكُمْ" تم اپنے اعمال کے برباد ہو جانے کی وجہ سے ان چیزوں سے رُک جاؤ جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے "أَيُّ لِحْشِيَةِ حُبُوْطِهَا" یعنی اپنے اعمال کے برباد ہو جانے کے خوف سے اس کی تقدیر مضاف محذوف ہے] ﴿وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ﴾ اور تمہیں علم بھی نہیں ہوگا۔

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۳﴾ إِنَّ الَّذِينَ ينادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۴﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۵﴾

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رسول کے پاس اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ (بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے میرے لیے تمام دنیا اٹھا کر میرے سامنے رکھ دی اور میں دنیا کو اور جو کچھ قیامت تک دنیا میں ہونے والا ہے اس کو دیکھ رہا ہوں جیسا کہ میں اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۰۱، حافظ ایشی نے کہا: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال کے ضعف کے باوجود توثیق کی گئی ہے۔ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۸۷، بیروت)

باقی رہا آپ کے سامنے بلند آواز سے صلوة و سلام پڑھنا، سوہم متعدد مفسرین کے حوالوں سے بیان کر چکے ہیں کہ آپ کے سامنے مطلقاً بلند آواز سے بولنا منع نہیں ہے، آپ کی تعظیم اور توقیر کے کلمات کو بلند آواز سے پڑھنا جائز ہے جیسا کہ ہجرت کے موقع پر انصار کے مرد عورتیں اور بچے آپ کا استقبال کرتے ہوئے بلند آواز سے نعرہ لگا رہے تھے: "یا محمد ایسا رسول اللہ ایسا محمد ایسا رسول اللہ" اور آپ کے سامنے اذان دی جاتی تھی اور حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی مدح میں بلند آواز کے ساتھ اشعار پڑھتے تھے۔ (ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۲۷۶-۲۷۸) علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں کہ علمائے اسلام نے اس آیت مبارکہ سے استدلال کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کے پاس آواز بلند کرنا منع ہے نیز آپ کی احادیث مبارکہ کی تدریس کے پاس آواز بلند کرنا منع ہے کیونکہ آپ کے انتقال کے بعد بھی آپ کا احترام اور آپ کی تعظیم و تکریم اسی طرح واجب و لازم ہے جس طرح آپ کی زندگی میں آپ کا احترام واجب اور لازم تھا اور علامہ ابو حیان نے ذکر کیا ہے کہ عالم دین کے سامنے بھی آواز بلند کرنا مکروہ ہے۔ (تفسیر روح المعانی ج ۲۶ ص ۱۳۷، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور، تفسیر روح البیان میں ہے کہ "لَا تَنْهَىٰ حَتَّىٰ فِي قَبْرِهِ" کیونکہ آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں عربی ج ۹ ص ۶۶، مترجم ج ۲۶ ص ۲۷۸، مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور، تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۵۸۰، تفسیر عثمانی حاشیہ قرآن ص ۶۶۹، مطبوعہ دارالتصنیف، کراچی)

نے تقویٰ کے لیے پرکھ لیا ہے انہیں کے لیے مغفرت و بخشش اور بہت بڑا اجر و ثواب ہے O بے شک جو لوگ حجروں سے باہر آپ کو پکارتے ہیں ان میں سے اکثر لوگ بے عقل ہیں O اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ خود ان کے پاس باہر تشریف لاتے تو البتہ یہ ان کے لیے بہت بہتر ہوتا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O

۳- ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَخُصُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ﴾ بے شک جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں [”إِنَّ“ کا اسم ”رَسُولِ اللَّهِ“ کے پاس مکمل ہو جاتا ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ اہل ایمان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں آپ کی تعظیم و تکریم کی خاطر اپنی آوازوں کو بولتے وقت پست اور دھیمار کھتے ہیں ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اور پرہیزگاری کے لیے پرکھ لیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لیے خالص کر لیا۔ یہ ان کے قول ”امْتَحَنَ الذَّهَبَ فِتْنَةً“ سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص سونے کو پگھلاتا ہے پھر اس کے اصل کو اس کے کھوٹ سے الگ کرتا ہے اور اس کے اصل کو خالص کر لیتا ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام کے ساتھ اس طرح معاملہ کیا ہے جس طرح آزمائش کرنے والا اور امتحان لینے والا امتحان کرتا ہے سو اللہ تعالیٰ نے آپ کے صحابہ کرام کو مخلص مؤمن پایا تو ان کے اخلاص اور تقویٰ کا ذکر کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے شہوات اور خواہشات نفسانی کو مٹا دیا اور ان کے دلوں کو برے اخلاق سے صاف کر کے مکارم اخلاق کے ساتھ آراستہ کر دیا [اور ”امتحان“ اختعال کے وزن پر ہے اور یہ ”مَحْنَةٌ“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے کہ بہت بڑی آزمائش اور انتہائی کوشش اور ”الذین“ کا صلہ ”لِلتَّقْوَىٰ“ پر پورا جاتا ہے اور ”أُولَٰئِكَ“ مبتدا اپنی خبر ”الذین امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ“ کے ساتھ مل کر ”إِنَّ“ کی خبر ہے] ﴿لَهُمْ مَغْفِرَةٌ كَثِيرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ ان کے لیے مغفرت و بخشش اور بہت بڑا ثواب ہے [یہ ایک الگ مستقل جملہ ہے]۔

شان نزول: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ شیخین (حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق) رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ یہ دونوں حضرات (”لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ“ کے نزول کے بعد) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں بہت آہستہ آواز سے گفتگو کرتے تھے [اور یہ آیت مبارکہ اپنی اس لطم کے ساتھ جس پر اپنی آوازوں کو پست رکھنے والوں کا وقوع مرتب ہوا ہے ”إِنَّ“ مؤکدہ کا اسم ہے اور دونوں معرفہ مبتداء و خبر سے مرکب جملے کو اس کی خبر قرار دیا گیا ہے اور جس جملے میں ان کے عمل پر جزاء کا وعدہ کیا گیا ہے اسے مستقل الگ جملہ قرار دیا گیا ہے اور اس میں جزاء کو کفرہ مبہم لانا اپنی آوازوں کو پست کرنے والوں کے فعل پر اللہ تعالیٰ کی رضا اور اعتماد پر دلالت و رہنمائی کرتا ہے] اور اس آیت کریمہ میں ان لوگوں پر جنہوں نے آپ کے سامنے اپنی آوازوں کو بلند کیا تھا، طعن و طنز ہے کہ انہوں نے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

۴- ﴿إِنَّ الَّذِينَ ينادونَكَ مِنْ دَرَائِجِ الْحِجَابِ﴾ بے شک جو لوگ حجروں سے باہر آپ کو بہ آواز بلند پکارتے ہیں (ان میں اکثر لوگ احمق ہیں)۔

شان نزول: یہ آیت مبارکہ بنو تمیم کے ایک وفد کے بارے میں نازل ہوئی تھی یہ وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس دوپہر کے وقت حاضر ہوا جب کہ آپ اس وقت قیلوالہ (دوپہر کی نیند) فرما رہے تھے اور اس وفد میں اقرع بن حابس (شاعر) اور عیینہ بن حصن بھی تھے اور انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کو آپ کے حجروں سے باہر کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکارا اور کہا:

”اُخْرِجِ الْيَنَابِياَ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مَدْحَنَا زَيْنٌ وَزَمْنَا شَيْنٌ“ اے محمد (ﷺ)! آپ ہمارے پاس باہر تشریف لائیں سو بے شک ہماری مدح و تعریف زیب و زینت ہے اور ہماری مذمت عیب ہے چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیدار ہو گئے اور باہر تشریف لے آئے۔ ”وراء“ اس جہت اور سمت کو کہا جاتا ہے جو حجرہ سے باہر کھڑے شخص کو اپنے سایا میں تم سے چھپالے خواہ وہ جہت اور سمت آگے ہو یا پیچھے ہو [”مِنْ“ ابتدائے غایت کے لیے ہے اور بلند آواز سے بولنا اور پکارنا اسی جگہ ہوا اور حجرہ زمین کے اس ٹکڑے کو کہتے ہیں جس کو چار دیواری کے ذریعے ہر طرف سے احاطہ کر کے روک لیا جائے اور یہ ”فُعْلَةٌ“ کے وزن پر بہ معنی مفعول ہے جیسے ”قَبْضَةٌ“ ہے اور ”حُجْرَةٌ“ کی جمع ”حُجْرَاتٌ“ ہے جس میں حا اور جیم مضموم ہیں اور یزید کی قراءت میں جیم مفتوح کے ساتھ ”حُجْرَاتٌ“ پڑھا گیا ہے] اور رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے حجرے مبارک مراد ہیں اور آپ کی ازواج پاک میں سے ہر ایک کے لیے ایک حجرہ ہوتا تھا اور انہیں کے باہر لوگ حضور کو بلا تے تھے اور شاید وہ لوگ آپ کی تلاش میں مختلف حجروں کے پاس منتشر ہو گئے ہوں یا انہوں نے آپ کو اس حجرہ مبارک سے باہر بلند آواز سے پکارا ہو جس میں آپ تشریف فرما تھے لیکن رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت و جلالت کے پیش نظر جمع کے ساتھ ”حجرات“ فرمایا گیا ہے اور پکارنے کے فعل کی نسبت اگرچہ ان سب کی طرف کی گئی ہے لیکن ممکن ہے کہ بعض لوگوں نے آپ کو بلند آواز سے پکارا ہو اور باقی اس فعل پر راضی ہوں اس لیے گویا سب نے یہ عمل کیا ﴿اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾ ان میں اکثر لوگ بے عقل ہیں۔ اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ اکثر کی نفی کر کے بعض لوگوں کے عقل مند ہونے کا استثناء مقصود ہو اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اکثر کہہ کر (عرب کے محاورے کے مطابق) عام نفی مراد ہو کہ سب کے سب بے عقل ہیں کیونکہ قلت نفی کے قائم مقام ہوتی ہے اور یہ آیت مبارکہ جس اسلوب اور طریقہ پر وارد کی گئی ہے اس کے ورود میں رسول خدا ﷺ کے مقام و مرتبہ کی جلالت و عظمت اور فضیلت کسی سے مخفی نہیں رہتی اس میں سے ایک یہ کہ چیخ کر بلند آواز سے بلانے والوں پر بے عقلی اور جہالت کی مہر لگادی ہے اور دوسرا یہ کہ ”حجرات“ کا لفظ لانے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی ایک زوجہ محترمہ کے پاس خلوت نشینی اور قیلولہ فرمایا کرتے تھے اور تیسرا یہ کہ اضافت کے بغیر ”الحجرات“ کو لام تعریف کے ساتھ معرفہ ذکر کیا گیا ہے اور اگر غور و فکر کرنے والا شخص اس سورت کے آغاز سے لے کر اس آیت کریمہ کے آخر تک غور و فکر کرے تو وہ اس کو اسی طرح پائے گا پھر غور کیجئے کہ وہ امور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف منسوب ہیں ان کو بغیر کسی قید کے دیگر تمام امور پر مقدم رکھنے کے وجوب کا آغاز کس طرح پیارے خطاب سے کیا گیا ہے پھر اس کے ساتھ تقدیم (کسی کام میں اللہ و رسول سے پہلے کرنے) کی جنس سے ہونے والے امور یعنی آپ کے سامنے آواز کو بلند کرنے اور چیخ کر اونچی آواز کے ساتھ بلانے سے منع کرنے کے لیے نبی کو لایا گیا گویا پہلی آیت دوسری آیت کی تمہید ہے پھر اپنی آوازوں کو پست کرنے والوں کی تعریف کی گئی تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام و مرتبہ کے عظیم الشان ہونے پر دلالت و رہنمائی کی جائے پھر اس کے بعد اس معاملہ کا ذکر کیا گیا جو ایک بہت بڑا سانحہ اور سب سے زیادہ معیوب عمل تھا اور وہ یہ کہ رسول اکرم ﷺ کو حالت خلوت میں دوپہر میں آرام کرنے کے وقت حجروں سے باہر چار دیواری سے پیچھے چیخ کر زور زور سے اس طرح بلانا جس طرح کم مرتبہ عام لوگوں کو چیخ کر زور سے بلایا جاتا ہے تاکہ اس عمل کی قباحت پر تنبیہ کی جائے جس پر بنو تمیم کے وفد نے جسارت کی تھی کیونکہ جس ہستی کی قدر و منزلت کو اللہ تعالیٰ نے اس بات سے بہت بلند کر دیا کہ اس کو اونچی آواز سے چیخ کر بلایا جائے تو پھر ان (اہل وفد) کی یہ جسارت اس بدترین برائی میں

۱ رواہ ابن اسحاق فی السیرة وابن مردودہ وابن المنذر و التعلی (حاشیة الکشاف ج ۲ ص ۳۵۸)

سے ہے جو فحاشی و بے حیائی میں اپنی انتہاء کو پہنچ چکی ہے۔

۵۔ ﴿وَكُونُوا لَهُمْ صَبْرًا﴾ اور اگر وہ لوگ صبر کر لیتے یعنی اگر ان کا صبر ثابت و قائم رہتا اور صبر کا معنی ہے کہ نفس کو اس خواہش سے روکنا جس کی طرف وہ کشش محسوس کرتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ“ (الکہف: ۲۸) ”اور آپ اپنے آپ کو صرف انہیں لوگوں کے ساتھ وابستہ رکھیں جو اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں“ اور اہل عرب کا قول ہے کہ ”صَبْرٌ عَنْ كَذَا“ یعنی صبر اس طرح سے ہے [یہاں مفعول محذوف ہے اور وہ نفس ہے اور بعض اہل علم کا قول ہے کہ ”الصَّبْرُ مَرٌّ لَا يَتَجَرَّعُهُ إِلَّا حَرٌّ“ یعنی صبر بہت کڑوا ہے اسے نہیں پی سکتا مگر آزاد مرد ”انہم صَبْرًا“ قائل ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے] ﴿حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ﴾ یہاں تک کہ آپ ان کے پاس باہر تشریف لے آتے۔ اس ارشاد سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام باہر تشریف لے آتے لیکن آپ کا باہر تشریف لانا ان لوگوں کی طرف نہ ہوتا اور نہ ان کی خاطر ہوتا تو پھر بھی ان لوگوں پر لازم تھا کہ وہ صبر کرتے یہاں تک کہ وہ یہ جان لیتے کہ آپ صرف انہیں کی طرف تشریف لائے ہیں ﴿لَكَانَ خَيْرًا لَّكُمْ﴾ البتہ یہ صبر کرنا ان کے مذہب میں بھی ان کے لیے بہت بہتر تھا ﴿وَاللَّهُ عَفْوٌ رَّحِيمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے حد مہربان ہے (یعنی) اس کی مغفرت و بخشش اور اس کی رحمت و مہربانی بہت وسیع و بلیغ ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں ہے سوا کہ یہ لوگ توبہ کر لیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیں تو اس کی مغفرت و رحمت ان لوگوں سے ہرگز تنگ نہیں ہوگی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِمِثْلِ

فَعَصَبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ﴿۶﴾

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تم خوب تحقیق کرو کہ کہیں تم بے خبری میں کسی قوم کو نقصان پہنچاؤ پھر تم نے جو کچھ کیا ہے اس پر نادم و پشیمان ہو جاؤ

فاسق کی خبر کی تحقیق کا حکم

۶۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ﴾ اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لائے (تو خوب تحقیق کر لو)۔

شان نزول: تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت مبارکہ ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی جس کو رسول اللہ ﷺ نے بنی مطلق سے صدقات و خیرات اور زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے ان کے پاس بھیجا اور ولید بن عقبہ اور ان لوگوں کے درمیان زمانہ جاہلیت میں کسی معاملہ میں عداوت و دشمنی اور بغض و کینہ قائم ہو گیا تھا (لیکن وہ دور جاہلیت کی بات تھی جو ختم ہو گئی) جب وہ ان کے گھروں کے قریب پہنچے تو وہ لوگ اپنی سوار یوں پر سوار ہو کر اس کا استقبال کرنے کے لیے اپنے گھروں سے باہر نکل آئے پس ولید بن عقبہ نے ان کے بارے میں یہ گمان کیا کہ وہ لوگ اس کو قتل کرنے کے لیے آ رہے ہیں چنانچہ یہ وہاں سے بھاگ کر واپس لوٹ آیا اور اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ وہ لوگ تو مرتد ہو گئے ہیں اور انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے اور وہ مجھے قتل کرنا چاہتے تھے پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (حضرت) خالد بن ولید کو (یہ ہدایت دے کر) ان کے پاس بھیجا (کہ اگر وہ ارکان اسلام اور دیگر شعائر اسلام ادا کر رہے ہوں تو ان سے زکوٰۃ کا

مطالبہ کرنا اور نہ ان سے جنگ کرنا چنانچہ جب حضرت خالد مغرب کے وقت وہاں پہنچے تو ان سے مغرب اور عشاء کی اذانیں سنیں اور ان کو دیکھا وہ باقاعدہ نمازیں ادا کر رہے ہیں اور انہوں نے بلاچون و چرا زکوٰۃ و صدقات کے اموال حضرت خالد کے سپرد کر دیئے اور حضرت خالد صدقات کے اموال لے کر واپس لوٹ آئے۔ (اور ساری حقیقت بیان کی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی) [اور "فَاسِقٌ" اور "نَبَأٌ" کو نکرہ ذکر کرنا "فساق" اور "انباء" میں مشہور و معروف اور عام شائع ہے] گویا ارشاد فرمایا کہ کوئی گناہ گار شخص کسی قسم کی کوئی خبر تمہارے پاس لے کر آئے ﴿فَتَبَيَّنُوا﴾ تو تم خوب تحقیق کرو اور اس میں اچھی طرح پہچان حاصل کرو اور اس خبر کے معاملے میں خوب تفتیش کرو اور حقیقت حال کی وضاحت کے لیے خبر کی صداقت تلاش کرو اور محض فاسق کی بات پر اعتماد نہ کرو کیونکہ جو شخص فسق و فجور سے نہیں بچتا وہ جھوٹ بولنے سے بھی پرہیز نہیں کرتا جو کہ فسق کی ایک نوع ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایک عادل و منصف آدمی کی خبر قابل قبول ہے کیونکہ اگر ہم ایسے آدمی کی خبر میں توقف کریں گے تو اس آدمی کے درمیان اور ایک فاسق و فاجر شخص کے درمیان برابری قائم کریں گے اور اس کی تخصیص فائدہ سے خالی ہوگی اور "فسوق" کا معنی ہے: کسی چیز سے باہر نکلنا چنانچہ کہا جاتا ہے کہ "فَسَقَتِ الرَّطْبَةُ عَنْ قَشْرِهَا" یعنی انڈے کی تری اس کے چھلکے سے باہر نکل آئی اور اس کا مقلوب (الٹ) "فَقَسَتِ الْبَيْضَةُ" اس وقت بولا جاتا ہے جب انڈا ٹوٹ جاتا ہے اور اس کے اندر کا تمام سیلانی مادہ باہر نکل جاتا ہے نیز اس کا مقلوب "فَقَسَتِ الشَّيْءُ" اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی چیز مالک کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے اور وہ چیز اس سے چھین لی جاتی ہے پھر اس کو بڑے بڑے گناہوں کے ارتکاب کے سبب راہ اعتدال سے نکل جانے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے [قاری حمزہ کو فی اور علی کسائی کی قراءت میں "فَتَبَيَّنُوا" پڑھا گیا ہے] اور "تَبَيَّنْتُ" اور "تَبَيَّنْتُ" قریب المعنی ہیں اور دونوں کا معنی ہے کہ خبر کے ثبوت اور بیان اور اس کی حقیقت کو جاننا اور پہچاننا ﴿أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ﴾ کہ کہیں تم نادانی میں کسی قوم کو نقصان نہ پہنچا دو [اصل میں "لِسَلًا تُصِيبُوا" ہے اور "بِجَهَالَةٍ" حال واقع ہو رہا ہے یعنی معاملے کی حقیقت حال اور واقعہ کی کنہ کے نہ جاننے اور اس سے ناواقف ہونے کی حالت میں تم کسی قوم کو نقصان پہنچا بیٹھو گے] ﴿فَتَصَبَّحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾ پھر تم نے جو کچھ کیا ہے اس پر نادم و پشیمان ہو جاؤ۔ ندامت غم ورنج کی ایک قسم ہے اور وہ یہ ہے کہ جو کوتاہی تم سے واقع ہو گئی ہے اس پر تم غمگین ہو جاؤ اور تم آرزو کرنے لگو کہ کاش! ایسا نہ ہوتا اور یہ ایسا غم ہے جو ہمیشہ زندگی بھر انسان کے ساتھ رہتا ہے۔

وَأَعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّشِدُونَ ۖ فَضَلَّ مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ
حَكِيمٌ ۝

اور تم جان لو بے شک تم میں اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اگر وہ بہت سی چیزوں میں تمہارا کہنا مان لیا کریں تو تم ضرور مشقت میں پڑ جاؤ گے لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ایمان کو محبوب بنا دیا اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا اور اس نے تمہارے لیے کفر اور فسق اور نافرمانی کو ناپسندیدہ بنا دیا یہی لوگ حق کی راہ پر چلنے والے ہیں O اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان کے سبب اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بہت بڑا حکمت والا ہے O

رسول خدا کی اہمیت اور صحابہ کرام کی شان کا بیان

۷- ﴿وَاعْلَمُوا أَن فِينَكُمُ رَسُولٌ مِّنْ رَبِّكُمْ﴾ اور جان لو بے شک اللہ تعالیٰ کے رسول تم میں موجود ہیں سو تم جھوٹ نہ بولا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر قسم کی خبر بتا دیتا ہے لیکن آپ جھوٹے شخص کی پردہ شکنی نہیں کرتے یا اس کا معنی یہ ہے کہ چونکہ رسول اللہ تمہارے درمیان موجود ہیں لہذا تم صرف انہیں کی طرف رجوع کیا کرو اور انہیں کی رائے طلب کیا کرو پھر اللہ تعالیٰ نے نئے سرے سے مستقل طور پر ارشاد فرمایا: ﴿كُوَيْبِطُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعْنَتُهُ﴾ اگر آپ تمہارے بہت سے معاملات میں تمہارا کہنا مان لیں تو تم ضرور مشقت و تکلیف میں پڑ جاؤ اور تم ضرور محنت و ہلاکت میں گر پڑو گے اور یہ کلام مبارک اس پر دلالت کر رہا ہے کہ بے شک بعض مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے بنی مصطلق پر حملہ کرنے کو پسند کیا اور ولید بن عقبہ کی بات کی تصدیق کی تھی اور بعض دیگر مسلمان اپنے آپ کو اس عیب سے بچاتے رہے اور وہ بنی مصطلق کے لوگوں کے تقویٰ و پرہیزگاری میں رغبت و محنت اور ان کی جدوجہد کے پیش نظر انہیں انکار زکوٰۃ کی جسارت سے بڑی اور بے قصور خیال کرتے رہے اور یہ وہی مسلمان ہیں جن کا استثناء کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبِيبٌ إِلَيْكُمْ الْإِيمَانُ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایمان کو محبوب و پیارا بنا دیا۔ اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ یہ وہی صحابہ کرام ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ و پرہیزگاری کے لیے پرکھ لیا اور جن لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایمان کو محبوب بنا دیا ہے جب ان کی صفت پہلے گروہ کی صفت کے مغائر ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کو بیان کرنے کے موقع پر ”لٰكِن“ کا ذکر کیا جو استدراک کے لیے آتا ہے اور استدراک یہ ہوتا ہے کہ اس کا مابعد اس کے ماقبل کا نفی اور اثبات میں مخالف ہوتا ہے ﴿وَرَبُّنَا فِي قُلُوبِكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس کو (یعنی ایمان کو) تمہارے دلوں میں مزین و آراستہ کر دیا اور اس نے اسے تمہارے دلوں میں سنوار دیا ﴿وَكَذَلِكَ يَلْتَمِسُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کفر کو اور فسق و فجور کو اور نافرمانی کو ناپسندیدہ اور ناگوار بنا دیا اور ”کفر“ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی بجائے ان سے چشم پوشی کر لینا اور انکار کر کے ان سے اعراض کر لینا اور منہ پھیر لینا اور ”فسوق“ یہ ہے کہ بڑے بڑے گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے ایمان کی حجت اور اس کے نور سے خارج ہو جانا (یعنی نور ایمان سے محروم ہو جانا) اور ”عصیان“ یہ ہے کہ شارع کے احکام کی اطاعت کو ترک کر دینا اور نافرمانی اختیار کر لینا (اور صحابہ کرام چونکہ ان تمام برائیوں سے پاک تھے اس لیے ان کے حق میں فرمایا) ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّشِدُونَ﴾ یہی لوگ راہ حق پر چلنے والے ہیں یعنی جن لوگوں کا ”لٰكِن“ کے ذریعے استثناء کیا گیا ہے وہی راہ حق پر چلنے والے ہیں مطلب یہ ہے کہ انہوں نے راہ حق کو پالیا ہے اور وہ راہ مستقیم سے نہیں پھرے اور ”رشد“ کا معنی ہے: راہ حق پر مضبوطی کے ساتھ قائم و دائم رہنا یہ ”رِشَادَةٌ“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی مضبوط چٹان ہے۔

۸- ﴿فَضْلًا مِّنْ رَبِّكَ وَنِعْمَةً مِّنْ رَبِّكَ﴾ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے احسان کے سبب [”الفضل“ بہ معنی ”افضال“ اور ”نعمة“ بہ معنی ”انعام“ ہے اور مفعول لہ کی بناء پر منصوب ہیں] یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور اپنے احسان کی وجہ سے تمہارے دلوں میں ایمان کو سنوار دیا اور کفر و فسق اور نافرمانی کو ناگوار و ناپسندیدہ بنا دیا ﴿وَاللَّهُ عَلِيمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ

مسلمانوں کے تمام احوال کو اور ان کے درمیان باہمی امتیاز اور فضیلت و برتری کو خوب جاننے والا ہے ﴿حَکِيمٌ﴾ وہ بہت بڑا حکمت والا ہے جب وہ اپنی توفیق سے صاحب فضیلت حضرات پر فضل و کرم اور احسان کرتا ہے۔

وَأِنْ طَافْتُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَاصْطَلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا

عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَاصْطَلِحُوا

بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿۹﴾ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ

فَاصْطَلِحُوا بَيْنَ أَخْوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۱۰﴾

اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو تم ان دونوں کے درمیان صلح کرادو پھر اگر ان دونوں میں سے ایک دوسری پر بغاوت کرے تو جو جماعت بغاوت کرتی ہے تم اس سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے پھر اگر وہ رجوع کر لے تو تم ان دونوں کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرادو اور تم انصاف سے کام لو بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ۰ بے شک تمام مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں سو تم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرادیا کرو اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے ۰

دو مسلمان گروہوں کے درمیان صلح کرانے کی اہمیت کا بیان

۹- ﴿وَأِنْ طَافْتُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَاصْطَلِحُوا بَيْنَهُمَا﴾ اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو تم ان کے درمیان صلح کرادو۔

شان نزول: رسول اللہ ﷺ اپنے دراز گوش پر سوار ہو کر گزرتے ہوئے انصاری کی ایک مجلس کے پاس ٹھہر گئے اور آپ کے دراز گوش نے وہیں پیشاب کر دیا تو عبد اللہ ابن ابی (منافق) نے اپنا ہاتھ اپنی ناک پر رکھ لیا اور اپنا منہ بند کر کے کہنے لگا: آپ اپنا دراز گوش یہاں سے لے جائیں کیونکہ اس کے پیشاب کی بدبو نے ہمیں بہت اذیت و تکلیف دی ہے اس پر حضرت عبد اللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! حضور کے دراز گوش کی بدبو تیری کستوری کی خوشبو سے بہت بہتر ہے اور حضور سید عالم رسول اکرم ﷺ تشریف لے گئے اور ان دونوں کے درمیان بحث و تکرار شروع ہو گیا یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کو گالیاں دینے لگے اور آپس میں جھگڑنے لگے اور دونوں قومیں آگئیں اور وہ اوس اور خزرج تھے اور انہوں نے ڈنڈوں سے لڑائی شروع کر دی اور بعض کا قول ہے کہ وہ ہاتھوں، مکوں اور جوتوں سے لڑنے لگے پھر اسی دوران رسول کریم ﷺ واپس تشریف لے آئے اور ان دونوں میں صلح کرادی اور اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی

۱۔ صحیح بخاری رقم الحدیث: ۲۶۹۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹۹

سوال: اس آیت مبارکہ میں ”مؤمنین“ کا لفظ صریح ہے اور عبد اللہ ابن ابی منافق تھا اس پر مؤمن کا اطلاق کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟
جواب: واقعی عبد اللہ ابن ابی منافق تھا لیکن اس کی قوم کے اکثر لوگ مسلمان اور مؤمن تھے اور اس آیت کریمہ میں ”طائفہ“ کا لفظ ہے جس سے وہی مؤمن مراد ہیں۔

جواب ۲: ”مؤمنین“ سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے ایمان ظاہر کیا۔ عبد اللہ ابن ابی منافق ہی سہی لیکن ایمان (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[”اقتلوا“ کو معنی پر محمول کر کے جمع ذکر کیا گیا ہے کیونکہ ”طَائِفَتَانِ قَوْمٍ“ اور ”نَاسٍ“ کے معنی میں ہے اور ”بَيْنَهُمَا“ میں لفظ کی طرف نظر کرتے ہوئے تشبیہ ذکر کیا گیا ہے] ﴿فَإِنْ بَعَثَ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْآخَرَى﴾ پھر اگر ان دونوں جماعتوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر بغاوت و سرکشی کرے۔ ”بَغَى“ کا معنی ہے: دوسرے پر زبردستی غلبہ حاصل کرنا اور ظلم و ستم کرنا اور صلح سے انکار کرنا ﴿فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَبْغِيَ﴾ تو تم اس جماعت سے لڑو جو بغاوت کرتی ہے یہاں تک کہ وہ (صلح کی طرف) رجوع کر لے یعنی لڑائی سے صلح کی طرف رجوع کر لے اور ”فَسَى“ کا معنی رجوع کرنا ہے اور ”ظَلَّ“ (سایا) اور غنیمت کو ”فَسَى“ اس لیے کہا جاتا ہے کہ ”ظَلَّ“ (یعنی سایا) سورج کے زوال کے بعد اپنی جگہ واپس لوٹ آتا ہے اور مال غنیمت کفار کے اموال میں سے نکل کر مسلمانوں کی طرف لوٹ جاتا ہے اور باغی گروہ کا حکم یہ ہے کہ جب تک وہ بغاوت کر کے لڑتا رہے گا اس وقت تک اس کے ساتھ لڑائی کرنا واجب و لازم ہے پھر جب وہ بغاوت سے باز آ جائے اور جنگ سے اپنے ہاتھ روک لے تو اس کے ساتھ لڑائی ترک کر دی جائے گی ﴿إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ﴾ (یہاں تک کہ باغی گروہ) اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے جو اس کی کتاب میں صلح کرانے اور باہمی بغض و کینہ کو ترک کرنے کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے ﴿فَإِنْ كَانَتْ﴾ پھر اگر وہ اپنی بغاوت سے رجوع کر کے اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے ﴿فَأَصْلِحْهُمَا بِالْعَدْلِ﴾ تو تم ان دونوں کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ صلح کرادو ﴿وَأَقْسِطُوا﴾ اور تم عدل و انصاف کیا کرو۔ اس سے پہلے دو گروہوں کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرانے کا حکم دیا گیا اب اس کے بعد ”قَسَطٌ“ کا لفظ استعمال کر کے عمومی طور پر (تمام لوگوں میں ہر قسم کے معاملہ میں) عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ”مُقْسِطِينَ“ بمعنی ”عَادِلِينَ“ ہے اور ”قَسَطٌ“ (قاف مفتوح) کا معنی ہے: ظلم و ستم کرنا اور حق سے تجاوز کرنا اور ”قَسِطٌ“ (قاف مکسور) کا معنی ہے: عدل و انصاف کرنا اور اسی سے ”أَقْسَطُ“ فعل ماخوذ ہے اور اس فعل میں ہمزہ سلب (نفی) کے لیے ہے یعنی فلاں آدمی نے ظلم کو دور کر دیا۔

۱۰۔ ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحْهُمَا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ﴾ بے شک تمام مؤمنین آپس میں بھائی بھائی ہیں سو تم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرادیا کرو۔ یہ اس حکم کی تقریر و تاکید ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر واجب اور لازم کر دیا جو مسلمانوں میں سے جھگڑنے والے دو گروہوں کے درمیان صلح کرانے کے ذمہ دار ہیں اور یہ بیان حقیقت پر مبنی ہے کہ بے شک ایمان نے اہل ایمان حضرات کے درمیان اسلامی دوستی اور دینی قرابت داری کو اس قدر مضبوط کر دیا ہے کہ اگر یہ اسلامی تعلق خاندانی اخوت و بھائی چارے سے بڑھ کر قرار نہ بھی دیا جائے تو اس سے کم بھی نہیں ہے پھر لوگوں میں یہ عادت جاری و ساری ہو چکی ہے کہ جب دو پیدائشی بھائیوں کے درمیان اس قسم کا جھگڑا برپا ہو جائے تو باقی لوگوں پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ ان دونوں بھائیوں کے درمیان صلح کے ذریعے اس جھگڑے کو ختم کرنے اور اسے مٹانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں تو دینی بھائی اس سے بڑھ کر صلح کے حق دار ہیں [قاری یعقوب کی قراءت میں ”قا“ کے ساتھ ”بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ“ پڑھا گیا ہے] ﴿وَاتَّقُوا﴾

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تو ظاہر کرتا تھا اور آیت کریمہ میں مطلق مؤمن مراد ہیں خواہ حقیقی مؤمن ہوں یا صرف ایمان کے دعوے دار مؤمن ہوں۔

فائدہ: بعض مفسرین نے اس کے علاوہ اور شان نزول بھی بیان کیے ہیں تو اس کے لیے یہی کہا جائے گا کہ ساری روایات اگرچہ صحیح سہی لیکن ممکن ہے کہ ان تمام واقعات کے بعد یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ہو۔

(تفسیر روح البیان مترجم پارہ: ۲۶، ص ۲۰۵، مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور)

اللہ لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ ﴿﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ یعنی تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کیونکہ یہی تقویٰ باہمی اتحاد و اتفاق اور بھائی چارے کی ترغیب دے گا اور تمہارے اس عمل اور فعل کے وقت تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی مہربانی کے پہنچنے کی امید کی جائے گی اور یہ آیت مبارکہ اس بات پر دلالت و رہنمائی کرتی ہے کہ بغاوت کرنے سے ایمان زائل نہیں ہوتا کیونکہ بغاوت و سرکشی کرنے کے باوجود بغاوت کرنے والوں کو مؤمنین کہا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ

مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ

بِئْسَ الْإِسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۱۱﴾

اے ایمان والو! مرد مردوں کا مذاق نہ اڑائیں ممکن ہے وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں ممکن ہے وہ ان سے بہتر ہوں اور تم اپنوں کو طعن نہ دو اور نہ تم ایک دوسرے کے بُرے نام رکھو ایمان کے بعد فاسق کہلانا بہت بُرا نام ہے اور جو توبہ نہ کریں تو وہی لوگ ظالم ہیں ○

معاشرتی بُرائیوں کی ممانعت کا بیان

۱۱- ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ﴾

۱ (۱) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے صرف رحم کرنے والوں پر رحم فرماتا ہے۔

(۲) حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرتا۔

(۳) حضرت سلم بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ اس پر نہ ظلم کرے اور نہ اسے گالی دے اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں مشغول رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان سے مصیبت کو دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے مصائب میں سے کوئی مصیبت دور کر دے گا اور جو شخص (دنیا میں) کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ اس پر نہ ظلم کرے اور نہ اسے زسوا کرے اور نہ اسے حقیر جانے۔ حضور نے اپنے سینہ مبارک کی طرف تین مرتبہ اشارہ کر کے فرمایا: تقویٰ یہاں پر ہے پھر ارشاد فرمایا کہ کسی آدمی کے بُرا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانتا ہو ہر مسلمان کی جان و مال اور اس کی عزت و آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۹ ص ۲۸-۲۹، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی)

۲ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ جن لوگوں نے آپ سے صفین اور جمل کی جنگیں لڑی ہیں کیا وہ مشرک ہو گئے؟ آپ نے فرمایا: ہرگز نہیں! وہ تو شرک سے بھاگ کر آئے تھے پھر عرض کیا گیا کہ کیا وہ منافق ہو گئے تھے؟ فرمایا: ہرگز نہیں! منافق تو اللہ تعالیٰ کا بہت کم ذکر کرتے ہیں (جب کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتے ہیں) پھر عرض کیا گیا کہ اگر وہ مشرک بھی نہیں اور منافق بھی نہیں تو ان کا کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ ہمارے مسلمان بھائی ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔

(تفسیر مظہری ج ۹ ص ۲۹، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی)

اے ایمان والو! مردوں میں سے کوئی مرد کسی دوسرے مرد کا مذاق نہ اڑایا کرے، ممکن ہے کہ جن کا مذاق اڑایا گیا ہو وہ مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑایا کریں، ممکن ہے وہ مذاق اڑانے والیوں سے بہتر ہوں۔ یہاں قوم سے صرف مرد حضرات مراد ہیں کیونکہ وہی عورتوں کے تمام معاملات کے نگران اور ذمہ دار ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ" (النساء: ۳۴) "مرد عورتوں پر نگران اور حاکم ہیں" [یہ اصل میں "قائم" کی جمع ہے جیسے "صائم" کی جمع "صوم" (واو مشد مفتوح ہے) اور "زائر" کی جمع "زور" (واو مشد مفتوح ہے)] اور اس آیت مبارکہ میں "قوم" کے لفظ کا مردوں کے ساتھ مخصوص ہونا صریح اور واضح ہے کیونکہ اگر عورتیں قوم میں داخل ہوتیں تو اللہ تعالیٰ "وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ" ارشاد نہ فرماتا اور زہیر نے (اپنے درج ذیل) شعر میں اس بات کو ثابت کر دیا ہے چنانچہ اس نے کہا:

وَمَا أَدْرِي وَكَلْتُ أَخَالَ أَدْرِي
أَقَوْمٌ أَلْ حِصْنِ أَمْ نِسَاءٌ؟

"اور میں نہیں جانتا اور نہ میں جاننے کا سوچتا ہوں آیا آل حصن مرد ہیں یا عورتیں ہیں؟"

اور باقی رہا اہل عرب کا قوم فرعون اور قوم عاد بولنا تو اس سے مرد اور عورتیں دونوں مراد ہوتے ہیں کیونکہ لفظ "قوم" دونوں فریقوں کے لیے بانجھ نہیں ہے بلکہ دونوں کو شامل ہوتا ہے لیکن یہاں مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں صرف مردوں کا ذکر مقصود ہے اور عورتوں کا ذکر متروک ہے اس لیے کہ عورتیں اپنے مردوں کے تابع ہوتی ہیں (نیز "وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ" میں عورتوں کا ذکر الگ بیان کر دیا گیا ہے اس لیے "قوم" سے صرف مرد مراد ہیں) اور "قوم" اور "نساء" دونوں کو نکرہ بیان کرنا دو معانی کا احتمال رکھتا ہے ایک یہ کہ اس سے مراد یہ ہے کہ بعض مؤمن مرد اور مؤمنہ عورتیں دوسرے بعض مؤمن مردوں اور مؤمنہ عورتوں کا مذاق نہ اڑایا کریں اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس عیب کی ممانعت کی نشر و اشاعت سے لوگوں کے افادے کا قصد کیا جائے اور وہ یہ کہ بنو نوع انسان کے تمام گروہوں کے لیے کسی کا مذاق اڑانا ممنوع ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں "لَا يَسْخَرُ رَجُلٌ مِّنْ رَّجُلٍ وَلَا امْرَأَةٌ مِّنْ امْرَأَةٍ" یعنی "کوئی مرد کسی مرد کا اور کوئی عورت کسی عورت کا مذاق نہ اڑائے" مفرد کلمات بیان نہیں فرمائے ایک تو اس لیے تاکہ یہ بتایا جائے کہ مردوں میں سے بہت سے مرد اور عورتوں میں سے بہت سی عورتیں ایک دوسرے کا مذاق اڑانے میں ملوث ہیں دوسرا جو لوگ اس جرم کے ارتکاب پر قائم ہیں ان کی اس حالت پر انہیں ذلت و رسوائی کا احساس دلایا جائے [اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ "عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ" الگ مستقل کلام ہے جو نبی کی علت دریافت کرنے والے کے لیے جواب کے قائم مقام ہے ورنہ اس کا حق یہ ہے کہ اسے حرف "فا" کے ذریعے مقابل سے ملا دیا جائے] اور معنی یہ ہے کہ ہر آدمی پر واجب ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ بے شک جس کا مذاق اڑایا جاتا ہے وہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ کے نزدیک مذاق اڑانے والے سے بہت بہتر ہوتا ہے کیونکہ لوگ صرف ظاہر سے آگاہ ہوتے ہیں اور انہیں کسی کے باطن کا علم نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک دلوں کا خلوص معتبر اور وزنی ہوتا ہے سو واجب ہے کہ کوئی شخص کسی آدمی کا محض اس بناء پر مذاق اڑانے کی جرات نہ کرے کہ اس کی دونوں یا ایک آنکھ اندر کودھنسی ہوئی ہے جس کی وجہ سے دیکھنے میں اس کی حالت گھٹیا لگتی ہے یا آفت زدہ شخص ہے جس کے بدن میں کوئی عیب وغیرہ پایا جاتا ہے یا اس کے بولنے میں روانی کے بجائے لکنت اور رکاوٹ پائی جاتی ہے (ایسے لوگوں کا خصوصاً مذاق اڑانا اور تمام لوگوں کا عموماً مذاق اڑانا ممنوع اور گناہ ہے) کیونکہ ممکن ہے وہ دل میں مخلص ہو اور ان سے زیادہ دل کا متقی اور پرہیزگار ہو جو اس کی صفت کے برعکس ہیں سو مذاق اڑانے والا ایسے شخص کی تحقیر کر کے اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے عزت و وقار عطا فرما دیا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مصیبت و بلا کا نزول گفتگو

کے سپرد کر دیا گیا ہے، سواگر میں کسی کتے کا مذاق اڑاؤں تو مجھے اندیشہ ہے کہ مجھے کتے کی اسی خصلت میں تبدیل کر دیا جائے جس پر میں نے اس کا مذاق اڑایا ﴿وَلَا تَكْلِمُنَّ وَلَا أَنفُسَكُمْ﴾ اور تم اپنوں پر الزام نہ لگاؤ مطلب یہ کہ تم اپنے اہل دین (یعنی اپنے مسلمان بھائیوں) پر الزام نہ لگاؤ اور ”لمن“ کا معنی ہے: طعن کرنا اور زبان سے طعنہ مارنا اور برا بھلا کہنا اور چونکہ تمام مسلمان ایک نفس اور ایک جان کی طرح ہیں اس لیے جب کوئی مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کا عیب بیان کرتا ہے تو وہ گویا اپنا عیب بیان کرتا ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم ایسا کام نہ کرنا جس کی وجہ سے تمہاری عیب گوئی کی جائے کیونکہ جو شخص ایسا کام کرتا ہے جس کی وجہ سے طعن و تشنیع اور عیب گوئی کا مستحق ٹھہرتا ہے تو وہ شخص یقیناً حقیقت میں اپنے آپ پر خود طعن کرتا ہے [قاری یعقوب اور سہیل کی قراءت میں ”وَلَا تُلْمِزُوا“ (باب تفعیل سے) ہے] ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا بِاللَّغَابِ﴾ اور تم ایک دوسرے کو بُرے ناموں سے نہ پکارو۔ ”تسابق باللقاب“ کا معنی ہے: اصل نام چھوڑ کر بُرے نام اور بُرے لقب سے کسی کو بلانا اور ”نسب“ کا معنی ہے: بُر القب نام تبدیل کر کے پکارنا وہی ممنوع اور منہی عنہ ہے جس کی وجہ سے بلائے گئے شخص کو یہ نام ناگوار اور ناپسند ہو اس لیے کہ اس نام سے اس کی شان میں کمی ہوتی ہے اور اس سے اس کی مذمت و بُرائی کا اظہار ہوتا ہے، لیکن جو تبدیل شدہ نام اسے پسند ہو اس کے ساتھ اسے بلانا منع نہیں ہے۔

شان نزول: (۱) ایک روایت میں ہے کہ قبیلہ بنو تمیم کے کچھ لوگوں نے حضرت بلال بن رباح، حضرت خباب بن ارت، حضرت عمار بن یاسر اور حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذاق اڑایا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

(۲) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مذاق اڑایا کرتی تھیں کیونکہ وہ چھوٹے قد کی تھیں۔

(۳) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کا چھوٹا قد ہونے کی وجہ سے عار دلایا کرتی تھیں۔

(۴) مروی ہے کہ یہ آیت مبارکہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ کانوں سے بہرے تھے، اس لیے لوگ حضور نبی اکرم رسول اعظم ﷺ کی مجلس مبارکہ میں ان کے لیے کشادہ جگہ چھوڑ دیتے تھے تاکہ وہ حضور کی بات غور سے سن سکیں، چنانچہ ایک دن وہ آئے تو کہنے لگے کہ لوگو! جگہ کشادہ کر دو یہاں تک کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے پاس پہنچ گئے اور ایک آدمی سے کہا: ایک طرف پیچھے ہٹ جا، سو اس نے ایسا نہ کیا اور وہیں بیٹھا رہا تو انہوں نے کہا کہ یہ شخص کون ہے؟ اس آدمی نے کہا: ”أَنَا فُلَانٌ“ میں فلاں آدمی ہوں تو انہوں نے سن کر اس سے کہا: بلکہ تو فلانی عورت کا بیٹا ہے۔ ان کا مقصد اس کی ماں کا نام لینا تھا کیونکہ زمانہ جاہلیت میں ماں کے نام سے بلا کر عار دلاتے اور شرمندہ کرتے تھے، چنانچہ وہ آدمی بھی شرمندہ ہو گیا تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور حضرت ثابت بن قیس نے فرمایا کہ اس کے بعد میں کبھی بھی کسی پر حسب و نسب میں فخر نہیں کروں گا۔

(غرضیکہ اس آیت میں تمام مذکورہ بالا مذاق اڑانے والوں کو مذاق اڑانے سے منع کر دیا گیا ہے) ﴿يَكْسُ الْإِسْمُ

الْقَسْوَىٰ بَعْدَ الْإِيمَانِ﴾ ایمان کے بعد فاسق کہلانا بہت بُرا نام ہے۔ یہاں اسم بہ معنی ذکر ہے یعنی ایمان کے بعد فاسق کے

۱۔ رواہ ابن ابی شیبہ فی الادب المفرد (حاشیہ الکشاف ج ۲ ص ۳۶۸)

۲۔ رواہ احمد ج ۳ ص ۱۳۵-۱۳۶، الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۹۳، التیہانی فی عشرة النساء رقم الحدیث: ۳۳۳

۳۔ ذکرہ شعلی ومن تبعہ عن ابن عباس بغیر سند (حاشیہ الکشاف ج ۲ ص ۳۷۰)

نام سے یاد کیا جانا بہت بُرا ہے جیسے عرب کا قول ہے: "طَارَ اسْمُهُ فِي النَّاسِ بِالْكَرَمِ أَوْ بِاللُّثُومِ" اس کا نام لوگوں میں سخاوت کے ساتھ یا بخل کے ساتھ مشہور ہو گیا ہے اور اس کا حقیقی معنی یہ ہے کہ اس کا ذکر بلند اور مشہور ہو گیا ہے اور لوگوں کے درمیان بہت بلند ہو گیا ہے، گویا فرمایا گیا ہے کہ ان (مذکورہ بالا) جرائم کے ارتکاب کے سبب مسلمانوں کے لیے ایسے ذکر کا بلند ہو جانا کہ انہیں فسق کے ساتھ یاد کیا جائے بہت بُرا ہے کیونکہ ایمان تو فسق سے روکتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: "بِشَسِّ الشَّانِ بَعْدَ الْكِبَرَةِ الصَّبُورَةُ" یعنی بڑھاپے کے بعد بچپن کا طاری ہو جانا بہت بُرا حال ہے۔

شانِ نزول: بعض حضرات نے فرمایا کہ یہود میں سے جو لوگ اسلام قبول کر کے مسلمان ہو جاتے کچھ لوگ انہیں ستانے کے لیے اے یہودی اور اے فاسق کہہ کر بلا تے اور ایسا بلانا ان کے ہاں گالی شمار ہوتا تھا اس لیے یہ آیت مبارکہ نازل کر کے ان لوگوں کو اس طرح بلانے سے منع کر دیا گیا اور انہیں کہا گیا کہ یہ بہت بُرا ذکر ہے کہ کسی آدمی کو ایمان لانے کے بعد یہودیت اور فسق کے ساتھ یاد کیا جائے ﴿وَمَنْ لَّعَنَ﴾ اور جن جرائم سے روکا گیا ہے ان سے توبہ کر کے جو شخص باز نہیں آئے گا ﴿فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ تو یہی لوگ ظالم ہوں گے [مَنْ کے لفظ کا اعتبار کر کے "لَمْ يَتَّبِعْ" کو واحد ذکر کیا گیا اور "مَنْ" کے معنی کا اعتبار کر کے "فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ" میں تمام اسماء کو جمع ذکر کیا گیا ہے]۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا

تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا

فَكَرِهْتُمُوهُ ط وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲﴾

اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو بے شک بعض گمان گناہ ہیں اور تم عیب تلاش نہ کرو اور نہ تم ایک دوسرے کی غیبت کرو کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے سو تم اسے ناپسند کرتے ہو اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا بے حد مہربان ہے O

۱۲۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ﴾ اے ایمان والو! بہت سے گمان سے بچو یعنی زیادہ گمان بازی سے دور رہو چنانچہ "جَنَبَ الشَّرَّ" اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص بُرائی کو اس سے دور کر دے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اسے ایک جانب اور ایک طرف کر دے [سو یہ فعل دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَاجْتَنِبِي وَبَنِيَّ أَنْ تَعْبُدَ الْأَصْنَامَ" (ابراہیم: ۳۵) اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی پرستش سے دور رکھ O اور "جَنَبَ الشَّرَّ" کا مطاوع "اجْتَنَبَ الشَّرَّ" ہے جس سے ایک مفعول کم ہو گیا اور یہاں بعض گمانوں سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے اور وہ بعض کثرت کے ساتھ متصف ہیں یہی وجہ ہے کہ آگے ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾ بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ علامہ زجاج نے کہا کہ نیک لوگوں کے بارے میں بُرا گمان کرنا گناہ ہے لیکن نافرمانوں اور گناہ گاروں کے بارے میں بُرا گمان کرنا ہمارے لیے جائز ہے جیسا کہ ان سے پہلے بھی گناہ صادر ہو چکے یا اس کا معنی ہے: "اجْتَنَابًا كَثِيرًا" بہت زیادہ بچنا یا یہ معنی ہے کہ تم بہت زیادہ گمانوں سے احتراز کرو تا کہ بعض گمانوں سے احتراز واقع ہو جائے اور "إِثْمٌ" کا معنی گناہ ہے جس کا کرنے والا عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے بدگمانی کرنے والے کی سزا کو "اثام" کہا گیا ہے (کیونکہ "اثام" کا معنی ہے: گناہ کی سزا) فعال کے وزن پر ہے جیسے "نکال" اور "عذاب" ہے ﴿وَلَا

تَجَسَّسُوا اور تم عیب تلاش نہ کرو یعنی تم مسلمانوں کے عیوب و نقائص تلاش نہ کرو چنانچہ ”تَجَسَّسُ الْأَمْرِ“ اس وقت بولا جائے گا جب تم اس کام کو تلاش کرنے لگو گے اور اسے ڈھونڈو گے اور ”تَجَسَّسُ“، ”تَفَعَّلُ“ کے وزن پر ہے اور ”جَسَّسُ“ سے ماخوذ ہے۔ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ جو کچھ ظاہر ہے اسے تم لے لو اور جس کو اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ رکھا ہے اسے چھوڑ دو اور حضرت سہل نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے جن عیبوں کو چھپا لیا ہے تم ان کی تلاش میں تحقیق نہ کرو ﴿وَلَا يَغْتَابُ بَعْضُكُمُ بَعْضًا﴾ اور تم میں سے کوئی شخص ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے۔ ”غیبة“ کا معنی ہے: کسی کی غیر موجودگی میں اس کا عیب بیان کرنا اور یہ ”اغتیاب“ سے ماخوذ ہے جیسے ”غيلة“، ”اغتيال“ سے ماخوذ ہے اور حدیث شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ غیبت یہ ہے کہ تم اپنے مسلمان بھائی کے کسی ایسے عیب کا ذکر کرو جو اس کو ناگوار گزرے اور وہ اسے ناپسند کرے پھر اگر وہ بُرائی اس میں موجود ہو تو وہ غیبت ہے اور اگر وہ بُرائی اس میں موجود نہ ہو تو پھر وہ بہتان ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ غیبت لوگوں میں کتوں کی غذا ہے ﴿أَيُّحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا﴾ کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے اور یہ غیبت کرنے والے کی طرف سے جو بدترین عیب گوئی اور فحش گوئی کی جاتی ہے اس کی تمثیل و تفصیل ہے جس کی تکلیف اس شخص کو پہنچتی ہے جس کی عیب گوئی کی جاتی ہے اور اس کلام مبارک میں بہت سی بلیغ ترین خوبیاں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کلام کو حرف استفہام (سوالیہ حرف) سے شروع کیا گیا ہے جس کا معنی کلام کو مستحکم اور مضبوط کرنا ہے اور ان میں سے دوسری خوبی یہ ہے کہ اس کلام میں جو مکروہ ترین عمل ہے اسے محبت کے ساتھ متصل کر دیا گیا ہے اور ان میں سے تیسری خوبی یہ ہے کہ اس میں فعل کا اسناد ”أَحَدُكُمْ“ کی طرف ہے اور یہ تنبیہ ہے کہ تمام لوگوں میں کوئی ایک شخص بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند نہیں کرے گا اور چوتھا یہ کہ غیبت کی تمثیل میں مطلق انسان کے گوشت کھانے پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ انسان کو بھائی قرار دیا گیا ہے پانچواں یہ کہ صرف بھائی کے گوشت پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ اسے مردہ قرار دیا گیا ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ جس طرح تم مردار کا گوشت کھانا پسند کرتے ہو اسی طرح تم اپنے زندہ بھائی کا گوشت کھانا بھی ناپسند کرو [اور ”مَيْتًا“ حال کی بناء پر ”لحم“ سے منصوب ہے یا ”أخيه“ سے حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے قاری نافع مدنی

۱۔ رواہ احمد ج ۲ ص ۳۸۴، مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۹، ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۷۴، الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۳۴

۲۔ غیبت کا کفارہ: (۱) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ تم اس کے لیے استغفار کرو جس کی غیبت کی ہے۔ (الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۶۸، اللآلی المصنوعہ ج ۲ ص ۳۰۳)

(۲) حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا: جب کوئی شخص کسی کی غیبت کرے تو اس کو نہ بتائے لیکن اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے۔ (الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۶۶)

(۳) امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ تم نے جس کی غیبت کی ہے اس کے لیے استغفار کرو۔

(الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۶۷)

غیبت کے جواز کی صورتیں: (۱) شعبہ نے فرمایا: شکایت کرنے کے لیے اور لوگوں کو ضرر سے بچانے کے لیے کسی کا عیب بیان کرنا غیبت

نہیں ہے۔ (الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۷۲) (۲) ابن عیینہ نے فرمایا: تین آدمیوں کا عیب بیان کرنا غیبت نہیں ہے:

(۱) ظالم حکمران (۲) جو شخص لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہو (۳) وہ بدعتی جو لوگوں کو اپنی بدعت کی دعوت دیتا ہو۔

(الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۷۴)

نوٹ: ماخوذ از تفسیر تبيان القرآن ج ۱۱ ص ۳۰۲-۳۰۳

کی قراءت میں ”میتاً“ (”یا“ مشدود کے ساتھ) ہے [اور جب اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر ثابت کر دیا کہ ان میں سے کوئی شخص اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند نہیں کرتا تو اس کے بعد ارشاد فرمایا: ﴿فَكَرِهْتُمُوهُ﴾ سو تم اسے ناپسند کرتے ہو یعنی پس جب عقل کی استقامت کے سبب تمہارا اس کو ناپسند کرنا متحقق و ثابت ہو گیا ہے تو دین کی استقامت کے سبب غیبت کو ناپسند کرنا بھی ضرور متحقق و ثابت ہو جائے گا ﴿وَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے حد مہربان ہے۔ ”تَوَّابٌ“ کا معنی ہے: بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور بے حد قبول کرنے والا اور ”اتَّقُوا اللَّهَ“ کا معنی ہے کہ جس چیز سے بچنے اور پرہیز کرنے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اس کو ترک کرنے اور چھوڑنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور تم میں جو شخص اس سے پرہیز کرنے اور بچنے کی بجائے اس کا ارتکاب کر لے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ڈر کر اس پر نادم و پشیمان اور شرمندہ ہو جائے سوا اگر تم بڑے کاموں سے پرہیز اختیار کر لو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول فرمائے گا اور تمہیں بطور انعام توبہ کرنے والے پرہیز گاروں کا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔

مروی ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کرام میں سے دو آدمیوں کی خدمت کرتے تھے اور ان دونوں کے لیے کھانا وغیرہ تیار کرتے تھے چنانچہ ایک دن حضرت سلمان سو گئے اور کھانا تیار نہ کر سکے تو ان دو صحابیوں نے ان کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا کہ وہ ان دونوں کے لیے کھانا طلب کر کے لے آئیں اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ ﷺ کو کھانا کھلانے پر مامور تھے سو انہوں نے کہا کہ میرے پاس کھانا وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے تو حضرت سلمان نے ان دونوں کو جا کر بتایا کہ کھانا نہیں ملا تو ان دونوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ اگر ہم سلمان کو سمجھ کے کنویں پر بھیجتے تو اس کے جانے پر اس کنویں کا پانی زمین کی گہری تہہ میں نیچے چلا جاتا پھر وہ دونوں شام کے وقت رسول خدا ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا کہ مجھے کیا ہوا کہ میں تمہارے مونہوں میں گوشت کی سرخی کو دیکھ رہا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا: ہم نے تو گوشت بالکل نہیں کھایا آپ نے فرمایا: بے شک تم دونوں نے (حضرت سلمان فارسی کی) غیبت کی ہے اور جس نے کسی مسلمان کی غیبت کی تو اس نے یقیناً اس کا گوشت کھایا پھر آپ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی اور بعض کا قول ہے کہ مخلوق کی غیبت حقیقت میں حق تعالیٰ کی غیبت ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا

إِن كَرَّمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۱۳﴾

اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تمہارے خاندان اور قبیلے بنا دیئے ہیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا سب کی خبر رکھنے والا ہے ۰

انسانی قبائل و خاندان اور تقویٰ کی اہمیت کا بیان

۱۳۔ ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ﴾ اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے (یعنی) حضرت آدم و حوا علیہما السلام سے یا تم میں سے ہر ایک کو ایک باپ اور ایک ماں سے پیدا کیا ہے سو تم میں کوئی

۱۔ ہکذا ذکرہ الثعلبی و ربیعہ بغیر سند (حاشیۃ الکشاف ج ۴ ص ۳۷۴)

شخص نہیں مگر وہ اسی طرح نسل آدم سے پیدا ہوا ہے جس طرح دوسرے اشخاص پیدا ہوئے ہیں برابر برابر پس نسب پر فخر کرنے اور برتری ظاہر کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے ﴿وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ﴾ اور ہم نے تمہیں خاندانوں اور قبیلوں میں پیدا کیا۔ ”شعب“ ان چھ طبقات میں سے پہلا طبقہ ہے جن پر عرب کا مدار ہے اور وہ چھ طبقات یہ ہیں: (۱) شعب (۲) قبیلہ (۳) عمارہ (۴) بطن (۵) فخذ (۶) فصیلہ ”شعب“ تو قبائل کا جامع ہے اور ”قبیلہ“ ”عمائر“ کا جامع ہے اور ”عمارہ“ ”بطون“ کا جامع ہے اور ”بطن“ ”افخاذ“ کا جامع ہے اور ”فخذ“ ”فصائل“ کا جامع ہے پھر خزیمہ ”شعب“ ہے اور کنانہ ”قبیلہ“ اور قریش ”عمارہ“ ہے اور قحطی ”بطن“ ہے اور ہاشم ”فخذ“ ہے اور عباس ”فصیلہ“ ہے اور ”شعوب“ اس لیے نام رکھا گیا ہے کہ بہت سے قبیلے اس میں سے پھوٹے اور نکلتے ہیں ﴿لِتَعَارَفُوا﴾ تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں خاندانوں، قوموں اور قبیلوں پر صرف اس لیے مرتب فرمایا تاکہ تم ایک دوسرے کے نسب کو پہچان سکو اور کوئی شخص اپنے آپ کو اپنے آباء و اجداد کے غیر کی طرف منسوب نہ کر سکے اور یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ تم اپنے آباء و اجداد کی وجہ سے ایک دوسرے پر فخر کرو اور اپنے اپنے نسبوں اور خاندانوں کی وجہ سے ایک دوسرے پر فضیلت کا دعویٰ کرو پھر اللہ تعالیٰ نے اس خصلت و صفت کو بیان کیا جس کی وجہ سے انسان اپنے غیر پر فضیلت حاصل کر لیتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرف و بزرگی اور عزت و وقار حاصل کر لیتا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتَقَىٰ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے۔

۱ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ (۱) صحیح بخاری شریف میں ہے: رسول اللہ ﷺ سے ماخذ کیا گیا کہ سب سے زیادہ فضیلت والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے لوگوں نے کہا: ہم یہ بات نہیں پوچھ رہے فرمایا: پھر سب سے زیادہ بزرگ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جو خود نبی تھے اور نبی زادے تھے اور ان کے دادا بھی نبی تھے پھر پردادا تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں انہوں نے کہا: ہم یہ بھی نہیں پوچھتے۔ فرمایا: پھر عرب کے بارے میں پوچھتے ہو تو سنو! جو لوگ جاہلیت کے زمانہ میں ممتاز و بزرگ تھے وہی اب اسلام میں بھی ممتاز و بزرگ اور معزز ہیں بشرطیکہ وہ علم دین میں خوب سمجھ حاصل کر لیں (۲) صحیح مسلم شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں اور دولت کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے (۳) مسند احمد میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: خیال رکھنا کہ تو کسی سرخ اور سیاہ پر کوئی فضیلت و امتیاز نہیں رکھتا ہاں! البتہ اگر تو تقویٰ اور پرہیزگاری میں بڑھ جائے تو پھر تو فضیلت و عظمت والا ہو جائے گا (۴) طبرانی شریف میں ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں لہذا کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں مگر تقویٰ و پرہیزگاری کے ساتھ (۵) مسند احمد میں ہے کہ تمہارے یہ نسب نامے کوئی کام دینے والے نہیں ہیں تم سب برابر برابر ہو اور تم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو۔ کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہاں! البتہ فضیلت و بزرگی اور عزت و احترام دین داری اور تقویٰ و پرہیزگاری سے حاصل ہوتی ہے۔ انسان کے لیے یہی بُرائی کافی ہے کہ وہ بدگو، بخیل اور فحش کلام ہو (۶) ابن جریر کی روایت میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے حسب و نسب کے بارے میں نہیں پوچھے گا سنو! تم میں سب سے زیادہ بزرگ و برتر اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو تم میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہیں (۷) مسند احمد میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر پر تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! سب سے بہتر کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جو سب سے زیادہ مہمان نواز سب سے زیادہ پرہیزگار سب سے زیادہ اچھی بات کا حکم دینے والا سب سے زیادہ بُری بات سے روکنے والا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۱) حدیث شریف میں ہے کہ جس کو یہ پسند ہو کہ وہ سب لوگوں سے زیادہ معزز ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور وہ تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرے۔

(۲) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ دنیا کی عزت مال و دولت ہے اور آخرت کی عزت تقویٰ و پرہیزگاری ہے۔

(۳) حدیث شریف میں یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضور نبی کریم رؤف رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فتح مکہ کے دن بیت اللہ شریف کا طواف کیا پھر (خطبہ دیا اور) اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی پھر فرمایا: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے زمانہ جاہلیت کی عیب جوئی اور اس کے تکبر و عصیبت کو تم سے دور کر دیا اے لوگو! بے شک انسان صرف دو قسم کے ہیں: (۱) مؤمن متقی اللہ تعالیٰ کے نزدیک محترم و مکرم (۲) اور فاسق و فاجر بد بخت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل و حقیر پھر آپ نے یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔

شان نزول: (۴) حضرت یزید بن شجرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ کے بازار میں تشریف لے گئے وہاں آپ نے ایک کالے سیاہ غلام کو دیکھا جو یہ کہہ رہا تھا کہ مجھے اس شرط پر کون خریدے گا کہ وہ مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے بچگانہ نمازیں پڑھنے سے نہیں روکے گا سوائے ایک شخص نے خرید لیا پھر وہ غلام بیمار ہو گیا تو رسول کریم ﷺ اس کی تیمارداری کو تشریف لے گئے پھر اس کی وفات ہو گئی تو حضور اس کے دفن میں شریک ہوئے تو اس پر لوگوں نے اس کے بارے میں حیرانگی کا اظہار کیا اور اس کے بارے میں کچھ باتیں کہیں جس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ﴿إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کے اخلاص اور ان کے تقویٰ کو خوب جاننے والا ہے ﴿خَبِيرٌ﴾ خواہشات میں نفوس کے ارادوں سے پورا پورا خبردار ہے۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ إِنَّا قُلٌّ لِّمُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قَوْلُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ

فِي قُلُوبِكُمْ وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ

عَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۴﴾ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَ

جَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿۱۵﴾

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والا ہو (۸) مسند احمد میں ہے کہ حضور کو دنیا کی کوئی چیز یا کوئی شخص اچھا نہیں لگتا تھا سوا اہل تقویٰ کے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں جانتا ہے اور تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔ جو ہدایت کے لائق ہیں انہیں راہ راست دکھاتا ہے اور جو اس لائق نہیں ہیں وہ بے راہ ہو رہے ہیں۔ رحم کرنا اور عذاب دینا اس کی مشیت پر موقوف ہے۔ فضیلت اس کے قبضے میں ہے جسے چاہے جس پر چاہے بزرگی عطا فرمائے یہ تمام امور اس کے علم میں ہیں وہ سب سے پوری طرح باخبر ہے۔

(ماخوذ از: تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۸۷، مترجم، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

۱۔ رواہ الحاکم والبیہقی وابویعلی واسحاق والطبرانی وابو نعیم فی المحلیہ (حاشیہ الکشاف ج ۳ ص ۳۷۵)

۲۔ رواہ احمد ج ۲ ص ۳۶۱ ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۱۶، الترمذی رقم الحدیث: ۳۹۵۰

۳۔ ذکرہ الواحدی فی اسباب النزول ص ۲۶۵

دیہاتیوں نے کہا: ہم ایمان لائے ہیں آپ فرمائیے کہ تم ایمان نہیں لائے لیکن تم یہ کہو کہ ہم نے اطاعت کی اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے حد مہربان ہے۔ بے شک مؤمن وہ لوگ ہیں جو (خلوص دل سے) اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے شک نہیں کیا اور انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا یہی سچے لوگ ہیں۔

قبیلہ بنو اسد کے دیہاتیوں کی مذمت اور مخلص مؤمنوں کی شان

۱۴۔ ﴿قَالَتِ الْأَعْرَابُ﴾ اعراب نے کہا یعنی بعض اعرابیوں اور دیہاتیوں نے کہا، کیونکہ ان دیہاتیوں میں سے بعض حضرات اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر خلوص دل سے ایمان رکھتے تھے اور یہ کہنے والے قبیلہ بنو اسد کے دیہاتی لوگ تھے جو قحط سالی اور خشک سالی کے سال مدینہ منورہ میں آئے اور کلمہ شہادت پڑھ کر اپنے ایمان کا اظہار و اعلان کیا، دراصل وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صدقہ کا مال لینا چاہتے تھے اور وہ آپ پر احسان جتلاتے کہ ﴿امَنَّا﴾ ہم تو ایمان دار ہیں یعنی ہم ظاہر و باطن میں ایمان لائے ہیں (چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں اپنے محبوب سے فرمایا: ﴿قُلْ﴾ اے محمد (ﷺ)! آپ ان سے فرمادیں کہ ﴿لَا تَتُومِنُوا﴾ تم ایمان نہیں لائے کیونکہ تم نے اپنے دلوں میں تصدیق نہیں کی (صرف مال کی خاطر زبانی کلامی ایمان کا اظہار کیا ہے) ﴿وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا﴾ اور لیکن تم یہ کہو کہ ہم امن و سلامتی میں آگئے، سو ایمان تو دل کی گہرائی سے تصدیق کرنا ہے اور اسلام سلامتی میں داخل ہونا اور توحید و رسالت کی گواہی کا اظہار کر کے مسلمانوں کے ہاتھوں جنگ سے محفوظ ہو جانا ہے۔ کیا تم نے (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ کی طرف نہیں دیکھا: ﴿وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ﴾ اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ سو تم جان رکھو کہ بے شک جو دل کی موافقت کے بغیر صرف زبان سے اقرار ہو تو وہ اسلام ہے اور جس میں دل زبان کے موافق ہو (کہ زبان سے اقرار ہو اور دل میں اس کی تصدیق ہو) تو وہ ایمان ہے اور یہ صرف لغت کے اعتبار سے ہے ورنہ شریعت میں ایمان اور اسلام ایک چیز ہے جیسا کہ مشہور و معروف ہے کہ دونوں کی ایک تعریف ہے اور حرف ”لَمَّا“ میں توقع اور امید کا معنی پایا جاتا ہے اور یہ اس بات پر دلیل ہے کہ بے شک یہ بعض حضرات بھی بعد میں سچے دل سے ایمان لے آئے تھے اور یہ آیت کریمہ کرامیہ کے مذہب کی نفی کرتی ہے ان کا مذہب یہ ہے کہ ایمان کا تعلق دل کے ساتھ نہیں ہے بلکہ صرف زبان سے اقرار کرنا ایمان ہے پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس کلام کے نظم (الفاظ) کا تقاضا یہ ہے کہ یوں کہا جاتا: ﴿قُلْ﴾ لَا تَقُولُوا أَمَنَّا ﴿وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا﴾ اَوْ ﴿قُلْ لَمَّ تُوْمِنُوا﴾ وَلَكِنْ أَسْلَمْتُمْ اے محبوب! فرمادیجئے: تم یہ نہ کہو کہ ہم ایمان لائے ہیں لیکن تم اس کلام میں داخل ہو چکے ہیں یا اے محبوب! فرمادیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے لیکن تم اسلام میں داخل ہو گئے ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کلام کے نظم نے ان کے دعویٰ کو پہلے جھوٹا ثابت کر دیا پھر حسن ادب کے ساتھ فرمایا گیا: ﴿قُلْ لَمَّ تُوْمِنُوا﴾ ان سے فرمائیے کہ تم ایمان نہیں لائے کیونکہ صراحت کے ساتھ ”كَلَّمْتُمْ“ نہیں فرمایا کہ تم نے جھوٹ بولا ہے بلکہ اس کی جگہ ”لَمَّ تُوْمِنُوا“ رکھا گیا ہے جس نے ان کے دعویٰ کے ثبوت کی نفی کر دی ہے اور ”لَمَّ تُوْمِنُوا“ کے ارشاد نے ”لَا تَقُولُوا أَمَنَّا“ کہنے سے بے نیاز کر دیا ہے کیونکہ ”ان“ کو ایسے لفظ کے ساتھ مخاطب کرنے کو قابل نفرت سمجھا گیا ہے جس کا مقصد ایمان کے قول سے نفی ہو (جیسے ”لَا تَقُولُوا أَمَنَّا“) اور اللہ تعالیٰ نے ”وَلَكِنْ أَسْلَمْتُمْ“ نہیں فرمایا (بلکہ ”وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا“ فرمایا) تاکہ ایمان کے دعویٰ اور گمان کو خارج کر دیا جائے جیسا کہ ان کا اپنا قول ”أَمَنَّا“ ہے اور اگر ”وَلَكِنْ أَسْلَمْتُمْ“ کہا جاتا تو ان کے دعویٰ کو

تسلیم کرنے اور ان کے غیر معتبر قول کو معتبر قرار دینے کے مشابہ ہو جاتا اور ”وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ“ کا ارشاد ”لَمْ تُوْمِنُوا“ کے معنی کا تکرار نہیں کیونکہ ”لَمْ تُوْمِنُوا“ فرمانے کا فائدہ ان کے دعوے کو جھوٹا قرار دینا ہے اور ”وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ“ اس مقصد کی تعین ہے جسے کہنے کا نہیں حکم دیا گیا ہے، گویا ان سے یہ فرمایا گیا ہے: ”وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا“ لیکن تم یہ کہو کہ ہم اسلام میں داخل ہو چکے ہیں، کیونکہ ابھی تک تمہاری زبانوں کے ساتھ تمہارے دلوں کی موافقت ثابت نہیں ہوئی [اس لیے کہ ”وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ الْخ“ ”قولوا“ کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے (یعنی) ظاہر کی بجائے نفاق ترک کر کے خلوص دل سے اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو ﴿لَا يُلَاقِكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا﴾ تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں ہوگا یعنی تمہاری نیکیوں میں سے ثواب کم کر کے تمہیں نہیں دیا جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے نیک اعمال کا اجر و ثواب پورا پورا عطا فرمائے گا [قاری ابو عمر بصری کی قراءت میں ”لَا يَأْتِكُمْ“ ہے۔ دراصل ”أَلَتْ يَأْتُ“ اور ”أَلَاتُ يَأْتُ“ اور ”لَاتُ يَأْتُ“ سب کا ایک معنی ہے اور وہ ہے: کم کرنا] ﴿إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ گناہوں کی پردہ پوشی کر کے بہت بخشنے والا ہے ﴿مَتَّعِيَةً﴾ وہ اپنے بندوں کو عیبوں سے توبہ کرنے کے لیے ہدایت عطا فرما کر بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

۱۵۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں مخلص مومنوں کا ایک عمدہ وصف بیان فرمایا چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا﴾ بے شک مومن تو وہ لوگ ہیں جو خلوص دل سے اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے کبھی شک نہیں کیا۔ ”إِرْتَابٌ“، ”رَابَةٌ“ کا مطاوع ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی کسی کو تہمت کے ساتھ شک میں ڈال دے اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک یہ لوگ ایمان لے آئے پھر جس پر وہ ایمان لائے اس کے بارے میں کبھی ان کے دلوں میں شک و شبہ واقع نہیں ہوا اور انہوں نے جس کی تصدیق کی ہے اس کے متعلق ان پر کبھی تہمت نہیں لگی اور جب یقین کامل اور شک کا زوال ایمان کی بنیاد ہیں تو اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے ایمان کا ذکر کرنے کے بعد عدم شک کا ذکر الگ کر کے ”ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا“ فرمایا اور تراخی کے کلمہ کے ساتھ اس کا ایمان پر عطف فرمایا تاکہ یہ بتایا جائے کہ عدم ارتباب یعنی زوال شک کے لیے ضروری نہیں ایمان لانے کے بعد ہو بلکہ زوال شک کا استحکام ایمان کے لانے کے عرصہ دراز بعد زمانہ متراخی میں بھی ہو سکتا ہے ﴿وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اور انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا اور ممکن ہے کہ جس سے جہاد کیا گیا ہے وہ نیت میں ہو اور وہ جنگ جو دشمن ہو خواہ شیطان ہو یا نفسانی خواہش ہو اور یہ کہ جہاد میں مبالغہ ہو اور ممکن ہے مجاہدہ بالنفس کی جنگ مراد ہو اور اس صورت میں یہ تمام عبادات کو شامل ہوگا اور ممکن ہے کہ مجاہدہ بالمال مراد ہو جیسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوہ تبوک میں اپنا بہت سا مال خرچ کیا اور اس صورت میں یہ زکوٰۃ کو اور تمام مالی عبادات کو شامل ہو جائے گا ﴿أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾ یہی سچے لوگ ہیں یعنی یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ”أَمَنَّا“ کہنے میں سچ بولا اور انہوں نے اس طرح جھوٹ نہیں بولا جس طرح بنو اسد کے دیہاتیوں نے جھوٹ بولا تھا یا یہ معنی ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کا ایمان سچا اور حق ہے [”المؤمنون“ مبتدا ہے اور ”الذین آمنوا باللہ ورسولہ“ اس کی صفت ہے اور ”اولئک ہم الصادقون“ جملہ اس مبتدا کی خبر ہے]۔

قُلْ أَتَعْلَمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٦﴾ يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُلْ لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٧﴾ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾

(اے محبوب!) فرمادیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنی دین داری بتاتے ہو اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے وہ لوگ آپ پر احسان جتلاتے ہیں کہ وہ اسلام لا چکے ہیں آپ فرمائیے کہ تم مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ رکھو بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر احسان کرتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان لانے کی ہدایت عطا کی اگر تم سچے ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا غیب جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے جو کچھ تم عمل کرتے ہو۔

شان نزول: جب مذکورہ بالا سابقہ آیت مبارکہ نازل ہوئی جس میں مخلص مومنوں کی شان بیان کی گئی تو بنو اسد کے وہی دیہاتی لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئے اور آ کر قسمیں کھانے لگے کہ وہ مخلص مسلمان ہیں تو ان کی تردید میں یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۱۶ - ﴿قُلْ أَتَعْلَمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنی دین داری بتاتے ہو؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے یعنی تم اپنے دلوں کی تصدیق کی خبر اللہ تعالیٰ کو بتا رہے ہو حالانکہ وہ زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو خوب جانتا ہے ﴿وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ نفاق اور اخلاص وغیرہ میں سے ہر ایک چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

۱۷ - ﴿يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا﴾ وہ لوگ آپ پر احسان جتلاتے ہیں کہ وہ اسلام لے آئے یعنی وہ اپنے اسلام کا احسان جتلاتے ہیں اور ”مَنْ“ کا معنی ہے: شکر ادا کرنے کی ترغیب دینے کی خاطر اپنی نعمتوں کا ذکر کرنا اور ہمیں اس سے منع کر دیا گیا ہے (یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے جائز ہے) ”أَنْ أَسْلَمُوا“ اصل میں ”بِأَنْ أَسْلَمُوا“ ہے ﴿قُلْ لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ تم مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ رکھو بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر احسان کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان ہے ﴿أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ﴾ کہ اس نے تمہیں ایمان لانے کی ہدایت عطا فرمائی۔ دراصل ”بِأَنْ هَدَاكُمْ“ ہے یا ”لِأَنَّ هَدَاكُمْ“ ہے ﴿إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ اگر تم سچے ہو (یعنی) اگر تمہارا گمان صحیح ہے اور تمہارا دعویٰ سچا ہے مگر تم جس چیز کا گمان رکھتے ہو اور دعویٰ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کے خلاف خوب جانتا ہے [اور شرط کا جواب محذوف ہے اس لیے کہ اس پر اس کا ما قبل دلالت کرتا ہے جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ”(ان كنتم صادقين) في ادعائكم الايمان فلله المنه عليكم“ اگر اپنے ایمان کے دعوے میں سچے ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کا تم پر بہت بڑا احسان ہے اور ایک قراءت میں ”إِنْ هَدَاكُمْ“ (”إِنْ“ شرطیہ کے ساتھ) پڑھا گیا ہے۔]

۱۸ - ﴿إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا

غیب جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔ اور یہ اس بات کا بیان ہے کہ وہ لوگ اپنے دعویٰ میں سچے نہیں ہیں یعنی بے شک اللہ تعالیٰ تمام جہان کی ہر پوشیدہ چیز اچھی طرح جانتا ہے اور وہ تمہارے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے خواہ پوشیدہ ہو یا ظاہر ہو۔ اس پر کسی کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں ہے تو بھلا تمہارے دلوں کے ارادے اور منصوبے اس پر کس طرح مخفی اور پوشیدہ رہ سکتے ہیں۔

السنن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورہ ق مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی پینتالیس آیات تین رکوع ہیں

ق وَالْقُرْآنِ الْحَمِيدِ ۱ بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُونَ

هٰذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ ۲ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۳ ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيدٌ ۴ قَدْ عَلِمْنَا مَا

تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِیْظٌ ۵ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ

فَمُمْ فِيْ اٰمْرِ مَّرِیْطٍ ۶

قاف عزت والے قرآن کی قسم ۰ بلکہ انہوں نے تعجب کیا کہ ان کے پاس ان ہی میں سے ایک (عذاب سے) ڈرانے والا آ گیا سو کافروں نے کہا: یہ عجیب بات ہے ۰ کیا جب ہم مرجائیں گے اور ہم مٹی ہو جائیں گے (تو پھر زندہ کر کے لوٹائے جائیں گے) یہ لوٹنا (عقل سے) بہت دور ہے ۰ بے شک ہم جانتے ہیں جو کچھ زمین ان (کے مردہ جسموں) میں سے کم کرتی ہے اور ہمارے پاس (ان کے اعمال کو) محفوظ رکھنے والی کتاب ہے ۰ بلکہ انہوں نے حق کو جھٹلایا جب وہ ان کے پاس آیا سو وہ مضطرب حالت میں (بتلا) ہیں ۰

بعثت نبوی اور حشر و نشر پر کفار کے تعجب کا بیان

تنبیہ: سورہ ق کی ابتدائی دو آیات پر اور سورہ ص کی ابتدائی دو آیات پر جو کلام مشتمل ہے وہ باہم ملتا جلتا اور ایک جیسا کلام ہے کیونکہ دونوں سورتوں کے یہ کلام مبارک انداز بیان میں متحد و متفق ہیں۔

۱۔ ﴿ق وَالْقُرْآنِ الْحَمِيدِ﴾ قسم ہے عزت والے قرآن کی اور ”مجید“ کا معنی ہے: ”ذوالجحد والشرف علی غیرہ من الکتب“ یعنی اپنے علاوہ دیگر تمام کتابوں پر فضیلت و بزرگی رکھنے والا اور جو شخص علم کے ذریعے قرآن مجید کے معانی کا احاطہ کر لیتا ہے اور اس میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس پر عمل کر لیتا ہے تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور لوگوں کے

۱۔ یہ حروف مقطعات میں سے ہے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ اس سورت کا نام ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ان اسمائے حسنیٰ کی کنجی ہے جن کی ابتداء میں ق ہے مثلاً ”القدیر“ القادر“ القهار“ وغیرہ (القیوم“ القاضی“ القابض“ القدوس“ القریب“ القاهر)۔

علامہ پانی پتی لکھتے ہیں: ”وَالْحَقُّ اَنَّهٗ رَمَزَ بَيْنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ ﷺ“ کہ حق یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے درمیان ایک رمز ہے جسے بعض راہنما فی العلم بھی جانتے ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نزدیک معزز و مکرم ہو جاتا ہے۔

۲- ﴿بَلْ عَجِبُوا﴾ بلکہ انہوں نے تعجب کیا یعنی کفار مکہ نے ﴿أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرَةٌ مِنْهُمْ﴾ کہ ان کے پاس ان ہی میں سے ایک ڈرانے والا یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ آ گیا، مطلب یہ ہے کہ کفار مکہ نے انکار کیا کیونکہ انہوں نے جس سے تعجب کیا ہے وہ تعجب نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ ان ہی میں سے ایک آدمی انہیں خوف ناک دن (مرنے کے بعد اٹھنے کا دن یعنی قیامت کے دن) سے ڈراتا ہے جس کی صداقت و عدالت اور امانت و دیانت داری کو وہ لوگ جانتے ہیں اور واضح بات ہے کہ ایسا آدمی تو صرف اپنی قوم کا خیر خواہ ہوگا اور وہ اس بات سے فکر مند ہوگا کہ کہیں اس کی قوم پر کوئی مصیبت نازل نہ ہو جائے اور جب یہ معلوم ہے کہ بے شک ڈرانے والا ان پر سایہ عاطفت کرنے والا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ انہیں بروقت ڈرائے تو بھلا یہ ڈرانے والا کیسا انتہائی ہمدرد ہے اور جب انہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے کے دن سے ڈرایا گیا تو ان کا اس پر تعجب کرنا انکار کے مترادف ہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی ہر چیز کی تخلیق پر قادر ہے اور ہر چیز کی ایجاد پر قادر ہے اور وہ اقرار کرتے تھے کہ ان تمام چیزوں کو پہلی دفعہ اسی نے پیدا کیا ہے نیز عقل سلیم گواہی دیتی ہے کہ جزاء و سزا کا ہونا بہت ضروری ہے پھر دو انکاروں (بعثت نبوی اور حشر و نشر) میں سے ایک پر بھروسا کر کے ارشاد فرمایا گیا: ﴿فَقَالَ الْكٰفِرُونَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ﴾ سو کافروں نے کہا: یہ عجیب چیز ہے۔ اور ”الکافرون“ کو ضمیر کی جگہ لانا اس بات پر گواہی ہے کہ ان کا یہ کہنا بہت بڑے کفر پر اقدام ہے اور ”ہذا“ سے دوبارہ لوٹنے کی طرف اشارہ ہے (کہ مرنے کے بعد زندہ کر کے لوٹنا یہ بہت عجیب چیز ہے)۔

۳- ﴿وَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا﴾ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے [”إِذَا“ مضمرفعل کی وجہ سے منصوب ہے جس کا معنی ہے کہ ”أَحْيَيْنَ نَمُوْتُ وَنَبْلِي نُرْجَعُ“ یعنی کیا جب ہم مرجائیں گے اور ہم بوسیدہ ہو جائیں گے تو ہمیں دوبارہ لوٹایا جائے گا۔ قاری نافع مدنی، قاری حمزہ کوفی، قاری علی کسائی اور قاری حفص کی قراءت میں ”مِتْنَا“ پڑھا گیا ہے [ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيدٌ] یہ لوٹنا عقل سے بہت دور ہے (یعنی یہ سمجھ سے بالاتر ہے عقل و خرد میں آنے والا نہیں جیسے کہا جاتا ہے: ”هٰذَا قَوْلٌ بَعِيدٌ“ یعنی یہ بات وہم و ادراک اور عادت سے بہت دور ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ”رَجْعٌ“ بہ معنی ”مَرْجُوعٌ“ ہو اور جواب ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہو اور مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھانے سے ڈرانے پر ان کے انکار کو بعید قرار دیا گیا ہو (یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس مرنے کے بعد لوٹنے کا انکار کرنا عقل و خرد سے بہت بعید اور دور ہے کیونکہ جو پہلی بار پیدا کر سکتا ہے وہ لوٹا بھی سکتا ہے) [اور اس معنی کی بناء پر ”تُرَابًا“ پر وقف کرنا بہت بہتر ہوگا اور جب ”رَجْعٌ“ بہ معنی مرجوع ہوگا تو اس وقت ظرف ”إِذَا“ کا ناصب ”مُنْذِرٌ“ بہ ہوگا جس پر ”مُنْذِرٌ“ یعنی ڈرانے والے نے رہنمائی کی ہے اور وہ مرنے کے بعد اٹھنا ہے]۔

۴- ﴿فَدَا عَلَيْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ﴾ بے شک ہمیں اچھی طرح معلوم ہے جو کچھ زمین ان کے مردہ جسموں میں سے کم کرتی ہے۔ کفار کی طرف سے لوٹنے کو بعید از عقل قرار دینے کی یہ تردید ہے کیونکہ جس کا علم اس قدر لطیف اور (بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں: ”قَالَ ابْنُ عَطَا أَقْسَمَ اللَّهُ بِقُوَّةِ قَلْبِ حَبِيبِهِ مُحَمَّدٍ ﷺ حَيْثُ تَحْمَلُ الْبُخْطَابَ وَالْمُشَاهِدَةَ وَلَمْ يُؤْتِرْ ذٰلِكَ فِيهِ لِعَلِيٍّ حَالِهِ“ (روح البیان) یعنی اللہ تعالیٰ نے محبوب مکرم کے دل کی قوت کی قسم کھائی ہے کہ عین حق کا مشاہدہ بھی کیا اور شرفِ تکلم بھی حاصل ہوا، لیکن کلیم کی طرح ایک تجلی صفت سے غش کھا کر گر نہیں پڑے۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۶۰۷)

وسیع ہو جو یہاں تک جانتا ہو کہ زمین مردوں کے گوشت اور ہڈیوں کو کھا کر ان کے جسموں کو گھٹاتی جا رہی ہے تو وہ ان کو زندہ کر کے دوبارہ اسی طرح اٹھانے اور اپنی بارگاہ میں پیش کرنے کے لیے لوٹانے پر بھی ضرور قادر ہے جس طرح وہ دنیا میں تھے ﴿وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيظٌ﴾ اور ہمارے پاس ایسی کتاب موجود ہے کہ جس میں جو کچھ بطور ودیعت و امانت لکھا گیا ہے وہ اس کی خوب حفاظت کرنے والی ہے اور وہ لوح محفوظ ہے۔

۵۔ ﴿بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ﴾ بلکہ انہوں نے حق کو جھٹلا دیا جب وہ ان کے پاس آیا۔ یہ پہلے اضراب کے بعد دوسرا اضراب ہے (پہلے کلام کے مضمون سے بڑھ کر دوسرے مضمون کی طرف حرف ”بَل“ کے ذریعے متوجہ ہونا اضراب کہلاتا ہے) جو یہاں اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ بے شک کفار مکہ کے پاس جو کچھ لایا گیا ہے اس پر ان کا بدترین تعجب یہی ہے کہ انہوں نے غور و فکر اور سوچے سمجھے بغیر پہلی دفعہ سنتے ہی حق کی تکذیب کر دی اور اسے جھٹلا دیا اور وہ ہے نبوت و رسالت محمدی ﷺ جو معجزات سے ثابت شدہ حقیقت ہے ﴿فَمَنْ فِي أُمِّهِمْ يَسْتَفْتِي﴾ سو وہ لوگ اضطرابی کیفیت میں مبتلا ہیں وہ مضطرب و پریشان ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے: ”مَرَجَ الْخِطَامُ فِيهِ أَصْبَعُهُ“ یعنی انگوٹھی کشادہ ہونے کی وجہ سے اس کی انگلی میں مضطرب و محرک رہتی ہے سو کفار مکہ بھی کبھی کہتے ہیں کہ آپ شاعر ہیں، کبھی کہتے ہیں: آپ ساحر و جادوگر ہیں اور کبھی کہتے ہیں: آپ کاہن ہیں وہ کسی ایک بات پر ثابت و قائم نہیں رہتے اور بعض کا قول ہے کہ ”حق“ سے قرآن مجید مراد ہے جب کہ دوسرے بعض کا قول ہے کہ ”حق“ سے مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھانا مراد ہے۔

أَقْلَمُ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ ⑥
وَالْأَرْضِ مَدَدُ نَهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رِوَايَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيمٍ ⑦
تَبْصِرَةً وَذِكْرَى لِكُلِّ عِبْدٍ مُنِيبٍ ⑧ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُبْرَكًا فَأَنْبَتْنَا بِهِ
جَنَّتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ ⑨ وَالنَّخْلَ بَسَقَتِ لَهَا طَلَّةٌ نَضِيدٌ ⑩ رِزْقًا لِلْعِبَادِ ⑪
أَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا كَذَلِكَ الْخُرُوجُ ⑫

تو کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا ہم نے اسے کس طرح بنایا اور ہم نے اسے کس طرح آراستہ کیا اور اس میں کوئی شکاف نہیں ہے ⑥ اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا اور ہم نے اس میں پہاڑوں کو گاڑ دیا اور ہم نے اس میں ہر قسم کے خوب صورت نباتات اُگادیں ⑧ جو ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے بصیرت اور نصیحت ہیں ⑩ اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی نازل کیا پھر ہم نے اس کے ذریعے باغات اور کالی جانے والی کھیتیوں کے اناج اُگائے ⑩ اور کھجور کے لیے درخت اُگائے جن کے گائے تہ بہ تہ پھل سے لدے ہوئے ہیں ⑩ بندوں کی روزی کے لیے اور ہم نے اس (پانی) کے ذریعے مردہ شہر کو زندہ کر دیا اسی طرح (قبروں سے) نکلنا ہوگا ⑫

زیادہ ہوتے ہیں یا کھجور پر بہت زیادہ پیدا ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ تہ بہ تہ ہوتے ہیں۔

۱۱۔ ﴿رَبَّنَا كَاَلْعِبَادِ﴾ بندوں کے لیے رزق یعنی ہم نے ان چیزوں کو اپنے بندوں کی روزی کے لیے اُگایا ہے کیونکہ یہاں ”انبات“ (اُگانا) رزق کے معنی میں ہے [”تَوْرِزْقًا“ فعل محذوف ”انبتنا“ کا غیر اللفظ سے مصدر ہے اور یہ اس کا مفعول لہ ہے] یعنی ہم نے ان پھل آور باغات وغیرہ کو اس لیے پیدا کیا تا کہ ہم اپنے بندوں کو روزی مہیا کریں ﴿وَاحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا﴾ اور ہم نے اس پانی کے ذریعے مردہ شہر کو زندہ کیا جس کے کھیت پودے درخت اور سبزہ جات وغیرہ خشک ہو گئے تھے ﴿كَذَلِكَ الْخُرُوجُ﴾ اسی طرح نکلنا ہوگا (یعنی) جس طرح اس مردہ شہر کو زندہ کیا گیا ہے اسی طرح تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے قبروں وغیرہ سے نکالا جائے گا کیونکہ ویران و بجز زمین کو زندہ کرنا مردوں کو زندہ کرنے کے مترادف ہے [”كذالك“ میں کاف تشبیہ کا مبتدا ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے]۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمَ نُوحٍ ۖ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ۙ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ

لُوطٍ ۙ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمٌ تُتَّبَعُ كُلُّ كَذَّبِ الرُّسُلِ فَحَقَّ وَعِيدُ ۙ أَفَعَيْنَا

بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ ۗ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ۙ

ان سے پہلے نوح کی قوم اور رس والوں اور ثمود نے جھٹلایا اور عاد اور فرعون اور لوط کی برادری والوں نے اور ایک والوں اور تبع کی قوم نے ان میں سے ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا سو میرے عذاب کا ڈراوا ثابت ہو گیا تو کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے ہیں بلکہ وہ نئے سرے سے (دوبارہ) پیدا ہونے کے متعلق شک میں ہیں

پہلی قوموں کی تکذیب اور ان کے انجام کا بیان

۱۲۔ ﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمَ نُوحٍ ۖ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ﴾ ان سے پہلے یعنی قریش مکہ سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم اور رس کے پاس رہنے والوں اور ثمود نے جھٹلایا۔ ”رس“ اس کنویں کو کہتے ہیں جس کے ارد گرد منڈیر نہ بنائی گئی ہو اور یہ (بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کریں گے اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو گاڑ دیا تو زمین ٹھہر گئی۔ بہت سے پہاڑ تم دیکھ رہے ہو اور بہت سے تمہاری نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ زمین کا پہاڑوں کے نصب کرنے کے بعد سکون حاصل کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا اونٹ کو زنج کرتے ہی اس کا گوشت تھرکتا رہتا ہے پھر کچھ دیر بعد ٹھہر جاتا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۱۳ مترجم پارہ: ۳۰ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر پہاڑوں کو اس لیے گاڑ دیا تا کہ زمین حرکت کرنے سے رُک جائے جیسا کہ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کر رہا ہے: ”وَالْقَسَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَّاسِي ۚ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ“ (النحل: ۱۵) یعنی ”اللہ تعالیٰ نے زمین پر پہاڑوں کو گاڑ دیا کہ وہ تمہیں لے کر نہ کانپے“۔ اور اس سے ظاہر ہوا کہ زمین حرکت نہیں کرتی اور بعض متقدمین اور موجودہ دور کے تمام فلاسفر اس کے مخالف ہیں اور بعض مغربی مسلمانوں نے بھی ان کی موافقت کی ہے ان سب کا گمان ہے کہ زمین حرکت کرتی ہے اور انہوں نے زمین کے ساکن ہونے اور حرکت نہ کرنے کے بارے میں متقدمین کے عقلی دلائل کی تردید کی ہے اور کیا زمین کی حرکت کا قائل کافر ہو جائے گا یا نہیں غالب گمان یہ ہے کہ وہ کافر نہیں ہوگا۔

(تفسیر روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۷۶ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

یمامہ کے رہنے والی قوم کا کنواں تھا اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ اصحابِ اخدود کا کنواں تھا۔

۱۳ - ﴿وَعَادٌ وَفِرْعَوْنٌ وَإِخْوَانُ لُوطٍ﴾ اور عاد اور فرعون اور لوط علیہ السلام کی برادری کے لوگوں نے (رسولوں کو

جھٹلایا) فرعون سے اس کی قوم مراد ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "فَمَا آمَنَ لِمُوسَى إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهِ عَلَى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ أَن يَفْتِنَهُمْ" (یونس: ۸۳) "سوموسیٰ علیہ السلام پر ان کی اپنی قوم کی نسل کے کچھ لوگوں کے ماسوا اور کوئی ایمان نہیں لایا محض اس خوف سے کہ فرعون اور اس کے درباری انہیں تکلیف دیں گے" [کیونکہ "قوم نوح" معطوف علیہ ہے اور اس پر جو معطوف ہیں وہ سب جماعت اور گروہ ہیں] اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ان کا بھائی اس لیے فرمایا گیا کہ آپ کے درمیان اوزان لوگوں کے درمیان قریبی خاندانی رشتہ تھا۔

۱۴ - ﴿وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمِ تُبُعٍ﴾ اور ایکہ کے رہنے والوں اور تبع کی قوم نے (رسولوں کو جھٹلایا)۔ تبع یمن کا

بادشاہ تھا جس نے اسلام قبول کر لیا تھا اور اس نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی تھی لیکن انہوں نے اسے جھٹلایا تھا اور اس بادشاہ کو تبع اس لیے کہا گیا کہ اس کے پیروکار بہت زیادہ تھے ﴿كُنَّا كَذَابًا نُّرْسِلُ﴾ ہر ایک نے یعنی مذکورہ بالا قوموں سے ہر ایک قوم نے رسولوں کو جھٹلایا تھا کیونکہ جس نے کسی ایک رسول کو جھٹلایا اس نے یقیناً تمام رسولوں کو جھٹلایا ﴿فَحَقَّ وَعِيدُ﴾ سو میرا ڈراوا واجب اور ثابت ہو گیا۔ اور اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کے لیے تسلی ہے اور کفار مکہ کے لیے ڈراوا اور دھمکی ہے۔

۱۵ - ﴿أَفَعَيَّبْنَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ﴾ تو کیا ہم پہلی بار پیدا کرنے پر تھک گئے ہیں۔ "أَعْيَا بِالْأَمْرِ" اس وقت بولا جاتا

ہے جب کوئی شخص اپنے کسی کام کی وجہ کی راہ نہ پاسکے اور عاجز آ جائے اور اس کے شروع میں ہمزہ سوالیہ انکار کے لیے ہے یعنی بے شک ہم پہلی بار پیدا کر کے عاجز نہیں ہو گئے اور نہ ہم تھک گئے ہیں تو بھلا ہم دوبارہ پیدا کرنے سے کیسے عاجز و بے بس ہو سکتے ہیں اور اس کا اعتراف و اقرار دوبارہ پیدا کرنے کا اعتراف و اقرار ہے ﴿بَلْ هُمْ فِي كَيْبٍ﴾ بلکہ وہ (کفار مکہ) شک و شبہ میں مبتلا ہو کر پریشان ہیں اور بے شک شیطان نے ان پر شک و شبہ ڈال دیا ہے اور ان کو حیران و پریشان کر دیا اور شیطان نے ان کے لیے یہ بات گھڑ دی ہے کہ مردوں کو زندہ کرنا عادت کے خلاف اور ناممکن کام ہے سو اس لیے انہوں نے صحیح استدلال کو چھوڑ دیا اور وہ یہ کہ جو ذات پہلی بار پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ پیدا کرنے پر اور ان کا اعادہ کرنے پر بہ طریق اولیٰ زیادہ قادر ہے ﴿مَنْ خَلَقَ جَدِيدًا﴾ مرنے کے بعد از سر نو پیدا کرنے کے متعلق "خلق جدید" کو کمرہ محض اس لیے ذکر کیا گیا تاکہ اس کی اہمیت و شان کی عظمت پر دلالت کی جائے [اور اس شخص کا فرض ہے جو اس کو سننے وہ مرنے کے بعد جی اٹھنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس کی تیاری کا اہتمام کرے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۗ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ

حَبْلِ الْوَرِيدِ ۙ إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّينَ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدًا ۗ مَا يَلْفِظُ

مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۗ

اور بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم وہ سب کچھ جانتے ہیں جو اس کا نفس اسے وسوسے ڈالتا ہے اور ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں ۰ جب دو حاصل کرنے والے (فرشتے) حاصل کر لیتے ہیں دائیں اور بائیں جانب

بیٹھنے والے O وہ کوئی بات منہ سے نہیں نکالتا مگر اس کے پاس ایک نگہبان تیار رہتا ہے O

انسان کی تخلیق، شانِ الہی اور دو محافظ فرشتوں کا بیان

۱۶۔ ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعَلَهُ مَاءً سَوْسًا بِمَنْفَعَةٍ﴾ اور بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم ان وسوسوں کو خوب جانتے ہیں جو اس کا نفس (عقل) اس کے دل میں ڈالتا ہے۔ وسوسہ کا معنی ہے: پوشیدہ اور آہستہ آواز اور نفس کے وسوسہ سے وہ خیال اور تصور مراد ہے جو انسان کے دل میں اندیشہ کی صورت میں پیدا ہوتا ہے اور نفسِ ناطقہ کی تحریک سے انسان کے دل میں وسوسہ اور اندیشہ پیدا ہوتا ہے [”بہ“ میں حرف ”با“ صلہ کی ہے جیسے ”صَوْتٌ بَغْدَا“ میں ہے] ﴿وَمَنْ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾ اور ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔ اور یہاں ”قرب“ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم اور قدرت کے اعتبار سے انسان کی رگ جان سے بڑھ کر اس کے زیادہ قریب ہے (ورنہ اللہ تعالیٰ جسمانی، مکانی اور زمانی قرب سے منزہ و پاک ہے) اور ”حبل الوريد“ کو سب سے زیادہ قریب ترین چیز کی تمثیل کے لیے بیان کیا جاتا ہے اور ”وَرِيدٌ“ گردن کی اندرونی رگ کو کہا جاتا ہے اور ”حَبْلٌ“ کا معنی بھی رگ ہے جیسے ”بَعِيرٌ سَائِيَةٌ“ (یا ”خَاتَمٌ فَضِيَّةٌ“) ہے۔ ”سائیة“ کا معنی ہے: رہٹ چلانے والا اونٹ اور ”بَعِيرٌ“ کا معنی ہے: اونٹ۔

۱۷۔ ﴿إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِينَ﴾ جب دو حاصل کرنے والے حاصل کرتے ہیں یعنی دو محافظ و نگران فرشتے (جو انسان کے تمام اعمال لکھنے پر مامور ہیں) ﴿عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدًا﴾ انسان کی دائیں اور بائیں جانب بیٹھے ہوئے ہیں ”تَلَقَّنٌ“ کا معنی ہے: یاد کرنا اور لکھ لینا اور ”قعيد“ بہ معنی ”مقاعد“ ہے جیسے ”جلیس“ بہ معنی ”مجالس“ ہوتا ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ”(عَنِ الْيَمِينِ) قَعِيدٌ (وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ) مِنَ الْمُتَلَقِّينَ“ یعنی حاصل کرنے والوں میں سے ایک دائیں جانب بیٹھا ہے اور ایک بائیں جانب بیٹھا ہے سو ان دو میں سے ایک کو ترک اس لیے کر دیا گیا ہے کہ بعض مفسرین نے فرمایا: انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور شیطان کے ورغلانے سے ان کے دل میں شجر ممنوع کی خواہش پیدا ہوئی تاہم انہوں نے معصیت کے قصد سے شجر ممنوع سے نہیں کھایا بلکہ اجتہادی خطا سے کھایا۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ ممانعت تنزیہ کے لیے ہے اور وہ یہ بھول گئے کہ یہ ممانعت تحریم کے لیے تھی پھر ان کی اولاد کے دل میں ممنوع کاموں کا شوق اور تحریک پیدا ہوئی اس کو حدیثِ نفس اور کلامِ خفی بھی کہتے ہیں۔

اور فرمایا: ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ ”وَرِيدٌ“ اس رگ کو کہتے ہیں جس کے کٹنے سے موت واقع ہو جاتی ہے یہ رگ حلق کے ایک کنارے سے کندھے تک ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کو ہماری ہر باطن اور ظاہر چیز کا علم ہے حتیٰ کہ اس کو ہمارے دل میں آنے والے خیالات کا بھی علم ہوتا ہے۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا: شہ رگ سے مراد رگ جان ہے جو دل کے ساتھ معلق ہوتی ہے اور اس قرب سے مراد قربِ مسافت نہیں ہے اللہ تعالیٰ انسان کے دل سے زیادہ اس کے قریب ہے یعنی دل میں کسی خیال کے آنے سے پہلے اسے اس خیال کا علم ہوتا ہے۔ حضرت مقاتل نے کہا: اس قرب سے مراد علم اور قدرت ہے انسان کے بعض اعضاء اس کے علم کے لیے حجاب بن جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے علم کے لیے کوئی چیز حجاب نہیں بنتی ہمیں معلوم نہیں کہ ہمارے خون میں کیا کیا کیمیاوی اجزاء ہیں کیا کیا بیماریاں ہیں ہمارے معدہ اور جگر میں قوت اور ضعف اور صحت اور سقم کی کیا کیفیات ہیں اور ہمارے جسم میں کتنے مسامات اور کتنے بال ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو ہمارے جسم کے ہر حال اور ہر کیفیت کا علم ہوتا ہے۔ (تفسیر تیسارے القرآن ج ۱۱ ص ۳۲۱، مطبوعہ فرید بک شال اردو بازار لاہور)

دوسرا اس پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ کسی شاعر کا قول ہے:

رَمَانِي بِأَمْرِ كُنْتُ مِنْهُ وَوَالِدِي
بَرِيئًا وَمِنْ أَجْلِ الطَّوِيِّ رَمَانِي

”اس شخص نے مجھ پر ایسا الزام لگایا جس سے میں اور میرے والد بڑی اور بے قصور ہیں اور (میری) نیک

نامی اور اچھی شہرت کی وجہ سے اس نے مجھ پر تہمت لگادی۔“

اصل میں ”بِأَمْرِ كُنْتُ مِنْهُ بَرِيئًا وَكَانَ وَالِدِي مِنْهُ بَرِيئًا“ ہے [”إِذْ“ منصوب ہے ”أَقْرَبُ“ کی وجہ سے کیونکہ اس میں ”يَقْرُبُ“ کا معنی موجود ہے] اور معنی یہ ہے کہ بے شک وہ بہت بڑا باریک بین ہے اس کا علم نفس کے تمام خطرات تک پہنچ جاتا ہے اور کوئی ایسی چیز نہیں جو اس سے مخفی اور پوشیدہ ہو اور وہ ہر قریب سے بڑھ کر انسان کے زیادہ قریب ہے جب دونوں محافظ فرشتے لے لیتے ہیں جو کچھ انسان بولتا ہے محض اس بات سے آگاہ کرنے کے لیے کہ دونوں فرشتوں کا محافظ ہونا ایک ایسا معاملہ ہے جس سے وہ غنی اور بے نیاز ہے اور وہ اس سے کیسے غنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتا حالانکہ وہ سب سے زیادہ پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے اور یہ معاملہ صرف حکمت پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ دونوں فرشتوں کا لکھنا اور یاد کرنا اور قیامت کے دن ان اعمال ناموں کو پیش کرنا بُرائیوں سے روکنے اور نیکیوں کی ترغیب دینے کے لیے بندوں پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا لطف و کرم ہے۔

۱۸۔ ﴿مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ﴾ انسان کوئی بات نہیں نکالتا مگر اس کے پاس ایک محفوظ ﴿عَتِيدًا﴾ حاضر و تیار رہتا ہے یعنی انسان جو کچھ بولتا ہے اور جو کچھ اپنے منہ سے نکالتا ہے اس کے پاس محافظ و حاضر فرشتے لکھ لیتے ہیں پھر بعض حضرات نے کہا کہ دو فرشتے ہر چیز لکھتے ہیں یہاں تک کہ اس کی بیماری کی آہ بھی لکھ لیتے ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ دونوں محافظ فرشتے صرف وہی اقوال و اعمال لکھتے ہیں جن میں اجر و ثواب ہوتا ہے یا گناہ ہوتا ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ دونوں فرشتے ہر حال میں انسان کے ساتھ رہتے ہیں ماسوا دو حالتوں کے (۱) بول و براز کے وقت (۲) جماع کے وقت۔

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدًا ۱۹ وَنُفِرَ فِي الصُّورِ ذَلِكَ

يَوْمَ الْوَعِيدِ ۲۰ وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَعَهَا سَائِقٌ وَنَهْيِدٌ ۲۱ لَقَدْ كُنْتَ فِي غَفْلَةٍ

مِّنْ هَذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ۲۲ وَقَالَ قَرِينُهُ هَذَا

مَا لَدَايَ عَتِيدٌ ۲۳ أَلْقِيَانِي فِي جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَتِيدٌ ۲۴ مَتَاعٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيبٌ ۲۵

اور موت کی سختی حق کے ساتھ آگئی یہ وہ چیز ہے جس سے تو بھاگتا تھا ○ اور صور پھونکا گیا یہ ہے عذاب کی وعید کا دن ○ اور ہر شخص اس حال میں حاضر ہوگا کہ اس کے ساتھ ایک چلانے والا اور ایک گواہ ہوگا ○ بے شک تو اس (دن) سے غفلت میں تھا سو ہم نے تجھ سے تیرا پردہ ہٹا دیا پس آج تیری نظر بہت تیز ہے ○ اور اس کا ساتھی (فرشتہ) کہے گا: یہ ہے (اس کا اعمال نامہ) جو میرے پاس حاضر ہے ○ تم ہر عناد رکھنے والے کافر کو دوزخ میں ڈال دو ○ نیکی سے بہت روکنے والا حد سے بڑھنے والا شک کرنے والا ○

موت کی سختی، قیامت کے وقوع اور کفار کی سزا کا بیان

۱۹۔ جب اللہ تعالیٰ نے کفار کی طرف سے حشر و نشر اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کے انکار کا ذکر کیا اور ان پر اپنی قدرت اور اپنے علم کے دلائل کے ذریعے حجت قائم کی تو اب اس آیت مبارکہ میں انہیں آگاہ کیا کہ جس کا انہوں نے انکار کیا ہے وہ عنقریب ان کی موت کے وقت اور قیامت کے قیام کے وقت انہیں ملے گی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے قریب ہونے پر تنبیہ فرمائی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی آمد کو ماضی کے فعل کے ساتھ تعبیر فرمایا اور وہ یہ ارشاد ہے: ﴿وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ﴾ اور موت کی سختی آن پہنچی یعنی اس کی سختی عقل و خرد کو زائل کر دینے والی ہے اور وہ ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ متصف ہے یعنی یہ موت اور اس کی سختی واقعی حقیقی امر ہے اور حقیقت پر مبنی ہے یا حکمت پر مبنی ہے ﴿ذَلِكَ مَا كُنْتُمْ مِنْهُ تَجِيدُونَ﴾ یہ وہ چیز ہے جس سے تو بھاگتا تھا اور تو کنارہ کشی کرتا تھا۔ ”ذَلِكَ“ سے موت کی طرف اشارہ ہے اور اس میں اس انسان کو التفات کے طریقے پر خطاب کیا گیا ہے جس کا ذکر (درج ذیل) اس ارشاد میں ہے: ”وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ“۔

۲۰۔ ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ﴾ اور صور میں پھونکا گیا یعنی مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھانے کے لیے صور پھونکا جائے گا ﴿ذَلِكَ يَوْمَ الْوَعْدِ﴾ یہ ہے عذاب سے ڈرنے کا دن [اصل میں ”وَقْتُ ذَلِكَ الْوَعْدِ“ (یہ ڈرنے کا وقت ہے) حذف مضاف کی بناء پر ہے اور اشارہ ”نُفِخَ“ کے مصدر کی طرف ہے]۔

۲۱۔ ﴿وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَعَهَا سَائِقٌ وَنَهَيْدٌ﴾ اور ہر شخص اس حال میں آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک اسے چلانے والا ہوگا اور ایک گواہ ہوگا یعنی ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے ہوں گے ان میں سے ایک اسے محشر کی طرف چلا کر لائے گا اور دوسرا اس پر اس کے عمل کی گواہی دے گا [”مَعَهَا سَائِقٌ“، ”كُلُّ“ سے حال کی بناء پر محلاً منصوب ہے تاکہ تم اس کی اضافت کو پہچانو جو اس اسم کی طرف ہے جو معرفہ کے حکم میں ہے]۔

۲۲۔ ﴿لَقَدْ كُنْتُمْ فِي غَفْلَةٍ مِنْ هَذَا﴾ یعنی اس جان سے کہا جائے گا کہ بے شک تو اس سے غفلت میں تھی جو آج تجھ پر نازل ہونے والی ہے ﴿فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ﴾ سو ہم نے تیری غفلت کا پردہ تجھ سے زائل کر دیا تاکہ تو اس کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرے ﴿فَبَصُرَكَ الْيَوْمَ حَدِيدًا﴾ سو آج تیری نظر تیز ہے۔ انسان کی غفلت کو گویا ایک ایسا پردہ قرار دیا گیا جس نے اس کے پورے جسم کو ڈھانپ دیا یا پھر ایسا پردہ جس نے اس کی دونوں آنکھوں کو ڈھانپ دیا پس وہ کچھ نہیں دیکھ سکتا لیکن جب قیامت کا دن ہوگا تو وہ بیدار ہو جائے گا اور اس سے غفلت اور اس کا پردہ سب دور ہو جائیں گے پھر وہ اس حق کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا جو اسے دنیا میں نظر نہیں آتا تھا اور اس کی غفلت کی وجہ سے اس کی آنکھوں کی کمزور بینائی تیز ہو کر واپس لوٹ آئے گی تاکہ وہ ہوشیار ہو جائے اور بیدار ہو کر متنبہ ہو جائے۔

۲۳۔ ﴿وَقَالَ كَرِيمٌ﴾ اور اس کا ساتھی کہے گا۔ جمہور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ بے شک یہ ساتھی اس کے اعمال لکھنے والا اور اس پر گواہی دینے والا فرشتہ ہی ہے ﴿هَذَا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ یہ وہ چیز ہے یعنی اس کے اعمال کا دیوان اور رجسٹر جو میرے پاس حاضر اور تیار ہے۔ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ ”قرین“ (ساتھی) سے اس کا وہ شیطان ساتھی مراد ہے جو اس پر مسلط کیا گیا تھا جیسا کہ ارشاد ہے: ”وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقِضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ“ (الزخرف: ۳۶) ”اور جو شخص رحمن کے ذکر سے اندھا ہو جاتا ہے تو ہم اس پر شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں سو وہی اس کا ساتھی ہو جاتا ہے“۔ اب اس کا معنی یہ ہوگا کہ یہ وہی شخص ہے جس پر مجھے مقرر کیا گیا تھا جو میرے پاس حاضر ہے [”هَذَا“ مبتدا اور

”مَا“ نکرہ ہے جو بہ معنی ”شئ“ ہے اور ظرف ”لَدَيَّ“ اس کی صفت ہے اور اسی طرح ”عَتِيدٌ“ صفت ہے اور ”مَا“ اپنی صفتوں سے مل کر ”هَذَا“ کی خبر ہے اس کی تقدیر عبارت یہ ہے: ”(هَذَا) شَيْءٌ ثَابِتٌ (لَدَيَّ عَتِيدٌ)“۔

۲۴۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: ﴿الْقِيَا فِي جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيدٍ﴾ تم دونوں ہر اس شخص کو دوزخ میں ڈال دو جو اپنے منعم اور اس کی نعمتوں کی بہت ناشکری کرنے والا عناد رکھنے والا ہے حق سے کنارہ کش اور اہل حق سے عداوت و دشمنی رکھنے والا ہے [اور ”الْقِيَا“ کا خطاب انسان کو چلانے والے فرشتے اور گواہی دینے والے فرشتے کو ہے یا ایک فرشتے کو خطاب ہے اور اصل میں ”الْقِيَا“ تھا پھر ”الْقِيَا“ کو ”الْقِيَا“ کا قائم مقام کیا گیا ہے کیونکہ فاعل فعل کے جز کی طرح ہوتا ہے سو فاعل کا تثنیہ ہونا تکرار فعل سے نایب ہے اور بعض نے کہا: اس کی اصل ”الْقِيَانُ“ ہے اور الف نون سے تبدیل شدہ ہے وصل کو وقف کی جگہ جاری کیا گیا ہے اس کی دلیل حضرت حسن کی ”الْقِيَانُ“ قراءت ہے۔]

۲۵۔ ﴿مَتَاعٍ لِّلْخَيْرِ﴾ مال کو حقوق کی ادائیگی سے بہت روکنے والا یا مستحقین تک جس مال کو پہنچنے سے بہت روکنے والا ﴿مُعْتَبًا﴾ حد سے بڑھنے والا ظالم اور حق سے تجاوز کرنے والا ﴿مُرِيْبٍ﴾ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اور اس کے دین کے بارے میں شک کرنے والا۔

الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ قَالِقِيَهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ۚ قَالَ قَرِينُهُ
رَبَّنَا مَا أَطْفَيْنَاهُ وَلَكِنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ۚ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوا لَدَائِي وَقَدْ
قَدَّمْتُ إِلَيْكُمْ بِالْوَعِيدِ ۚ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَائِي وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۚ
يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأَتْ وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَّزِيدٍ ۚ

جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو معبود قرار دیا، سو تم اس کو سخت عذاب میں ڈال دو O اس کا برا ساتھی کہے گا: اے ہمارے رب! میں نے اسے گمراہ نہیں کیا لیکن وہ خود دُور کی گمراہی میں جا پڑا تھا O اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم میرے پاس جھگڑانہ کرو اور بے شک میں پہلے ہی تمہیں عذاب کا ڈر سنا چکا ہوں O میرے پاس بات تبدیل نہیں کی جاتی اور میں بندوں پر ہرگز ظلم نہیں کروں گا O جس دن ہم جہنم سے فرمائیں گے: کیا تو پُر ہو گئی ہے؟ اور وہ کہے گی: کیا اور کچھ زیادہ ہے O

۲۶۔ ﴿الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ قَالِقِيَهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ﴾ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو معبود قرار دیا، سو تم اس کو سخت عذاب میں ڈال دو۔

۲۷۔ ﴿قَالَ قَرِينُهُ﴾ اس کا ساتھی کہے گا یعنی اس کا شیطان جسے اس کا ”قرین“ اور ساتھی بنایا گیا ہے اور یہ حضرت مجاہد رحمہ اللہ کے قول کی تائید کرتا ہے [اور اس جملے کو واو عاطفہ سے خالی بیان کیا گیا ہے جب کہ پہلی آیت کے جملے میں واو عاطفہ ذکر کی گئی کیونکہ پہلے جملے میں عطف کرنا واجب ہے اس لیے کہ وہ اپنے معنی پر اور اپنے ماقبل کے معنی پر یعنی دونوں کے جمع ہونے پر دلالت کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کا دو فرشتوں کے ساتھ آنا اور اس کے ساتھی کا اس کے بارے میں کہنا جو کچھ بھی کہے گا لیکن یہ جملہ الگ مستقل واقع ہوا ہے جیسا کہ دو شخصوں کے درمیان باہمی گفتگو کی حکایت کے متعلق الگ مستقل جملہ واقع ہوتا ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے مکالمے میں ہوا [گویا کافر کہے گا: اے میرے پروردگار!]

اسی نے مجھے گمراہ اور سرکش بنا دیا تھا تو اس کا شیطان ساتھی کہے گا: ﴿مَا بِنَا مَا أَطَفَيْتُهُ وَلَكِنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ﴾ اے ہمارے پروردگار! میں نے اسے گمراہ نہیں کیا اور نہ میں نے اسے سرکش بنایا بلکہ وہ خود دور کی گمراہی میں پڑا رہا تھا یعنی میں نے اس کو گمراہی اور سرکشی میں نہیں ڈالا تھا بلکہ وہ خود سرکش بن گیا تھا اور اس نے خود ہدایت کے بدلے گمراہی کو اختیار کر لیا تھا۔

۲۸- ﴿قَالَ لَا تَخْتَصِمُوا لَدَائِي﴾ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: تم میرے پاس جھگڑانہ کرو [”قال قرینہ“ کی طرح یہ جملہ بھی الگ مستقل جملہ ہے] گویا کسی کہنے والے نے کہا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا؟ تو اس کے جواب میں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم میرے پاس جھگڑانہ کرو ﴿وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُمْ بِالْوَعِيدِ﴾ اور بے شک میں تمہیں پہلے ہی عذاب کی وعید سنا چکا ہوں یعنی تم یہاں حساب کے میدان میں اور دارالجزاء میں میرے سامنے آ پس میں جھگڑانہ کرو کیونکہ تمہارے جھگڑنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور میں اپنے رسولوں کی زبانی اور اپنی کتابوں کے ذریعے تمہیں سرکشی اختیار کرنے پر اپنے عذاب سے پہلے ڈرا چکا ہوں سو میں نے تمہارے لیے اپنے ذمے کوئی حجت اور دلیل ترک نہیں کی [”بالوعد“ میں ”با“ زائدہ (محض تحسین کلام کے لیے ہے معنی مقصود نہیں) جیسے ”وَلَا تَلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ“ (البقرہ: ۱۹۵) یا پھر یہ ”با“ تعدیہ کی ہے محض اس بناء پر کہ ”قَدَّمْتُ“ بہ معنی ”تَقَدَّمْتُ“ ہے اور یہ مطاوع ہے]۔

۲۹- ﴿مَا يَبْدَأُ الْقَوْلَ لَدَائِي﴾ میرے پاس بات تبدیل نہیں کی جاتی یعنی تم یہ اُمید نہ رکھو کہ میں کفار کو دوزخ میں داخل کرنے کی وعید کو اور اپنی کسی بھی بات کو تبدیل کر دوں گا ﴿وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَالَمِينَ﴾ اور میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں سو میں کسی بندے کو بغیر کسی گناہ کے ہرگز عذاب نہیں دوں گا اور اللہ تعالیٰ کا بطور مبالغہ ”بظلام“ فرمانا عرب کے اس (درج ذیل) قول کی طرح ہے: ”هُوَ ظَالِمٌ لِّعِبْدِهِ وَظَلَّامٌ لِّعِبْدِهِ“ وہ اپنے بندے (غلام) پر ظلم کرنے والا ہے اور اپنے بندوں (غلاموں) پر بہت ظلم کرنے والا ہے۔

۳۰- ﴿يَوْمَ نَقُولُ لِيَجْهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ﴾ ہم اس روز دوزخ سے فرمائیں گے کہ کیا تو بھر چکی ہے اور وہ کہے گی کہ کیا کچھ اور زیادہ ہے؟ یعنی اللہ تعالیٰ دوزخ سے فرمائے گا کہ کیا تو پُر ہو چکی ہے تو وہ پُر ہونے کے باوجود عرض کرے گی: کیا کچھ اور زیادہ ہے؟ مطلب یہ کہ کیا میرے اندر کوئی جگہ باقی ہے جو نہیں بھری؟ یعنی بے شک میں پُر ہو چکی ہوں یا یہ مطلب ہے کہ وہ مزید کا مطالبہ کرے گی اور اس میں اور زیادہ کی جگہ باقی ہوگی اور اس تحقیق پر کہ دوزخ بولے گی اور یہ کوئی اجنبی بات نہیں ہے جیسے قیامت کے دن انسان کے اعضاء بولیں گے اور اللہ تعالیٰ کا دوزخ سے یہ سوال صرف کفار کو ڈرانے دھمکانے اور انہیں ڈانٹنے کے لیے ہوگا ورنہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوگا کہ دوزخ بھر چکی ہے یا نہیں [”یوم“ ”ظلام“ کی وجہ سے منصوب ہے یا پھر ”اذکر“ اور ”انذر“ جیسے فعل امر مضمرب کی وجہ سے منصوب ہے۔ قاری نافع مدنی اور ابو بکر کوفی کی قراءت میں ”یا“ کے ساتھ ”يَقُولُ“ پڑھا گیا ہے]۔

وَأَزَلَّتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ ۚ هَذَا مَا تُوْعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيظٍ ۝۳۱

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيبٍ ۝۳۲ إِذْ خُلُوهَا بِسَلَامٍ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ

الْخُلُودِ ۝۳۳ لَكُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ۝۳۴

اور جنت کو پرہیزگاروں کے نزدیک کر دیا جائے گا اور نہیں ہوگی O یہ وہی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا ہر ایسے آدمی کے لیے جو (اللہ تعالیٰ کی طرف) بہت رجوع کرنے والا (اور اس کی حدود کی) بہت حفاظت کرنے والا ہے O جو بن دیکھے رحمن سے ڈرتا رہا اور وہ (اللہ تعالیٰ کی طرف) رجوع کرنے والا دل لے کر حاضر ہوا O (اسے کہا جائے گا: تم سلامتی کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ یہ ہمیشہ رہنے کا دن ہے O ان کے لیے اس میں ہر وہ چیز موجود ہوگی جو کچھ وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس اس سے بھی زیادہ ہے O

پرہیزگاروں کے لیے جنت اور اس کے انعامات کا بیان

۳۱- ﴿وَأَزَلَّتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ﴾ اور جنت کو پرہیزگاروں کے لیے قریب کر دیا جائے گا وہ ان سے دور نہیں ہوگی اور ”غیر بعید“ صرف سابق کلام کے معنی کی تاکید کے لیے ہے جیسے کہتے ہیں: ”هُوَ قَرِيبٌ غَيْرَ بَعِيدٍ وَعَزِيزٌ غَيْرٌ ذَلِيلٌ“ یعنی وہ قریب ہے بعید نہیں ہے اور عزیز ہے ذلیل نہیں ہے [”غیر بعید“ طرف کی بناء پر منصوب ہے ”اى مَكَانًا غَيْرَ بَعِيدٍ“ یعنی ایسی جگہ ہے جو دور نہیں ہے یا پھر حال کی بناء پر منصوب ہے اور وہ مذکر ہے کیونکہ مصدر کے وزن پر ہے جیسے ”صَلِيلٌ“ ہے اور مصدر کے وصف میں مذکر مؤنث مساوی ہوتے ہیں یا پھر حذف موصوف کی وجہ سے منصوب ہے ”اى شَيْئًا غَيْرَ بَعِيدٍ“۔

۳۲- ﴿هَذَا مَا تُوَعَّدُونَ﴾ یہ وہی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا [”هَذَا“ مبتدا ہے اور یہ ثواب کی طرف اشارہ ہے یا ”ازلفت“ کے مصدر کی طرف اشارہ ہے ”مَا تُوَعَّدُونَ“ اس کی صفت ہے اور قاری ابن کثیر کی قراءت میں ”یا“ کے ساتھ ”یوعدون“ ہے] ﴿لِكُلِّ آذَانٍ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع کرنے والے ہر شخص کے لیے [یہ ”هَذَا“ مبتدا کی خبر ہے] ﴿حَفِيفٌ﴾ اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرنے والا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص دن کے شروع میں چار رکعت نماز کی حفاظت کرتا ہے وہ ”اَوَّابٌ حَفِيفٌ“ ہے یعنی وہ بہت رجوع کرنے والا اور حفاظت کرنے والا ہے۔

۳۳- ﴿مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ﴾ جو رحمن سے ڈر گئے۔ خشیت یہ ہے کہ گناہ کے یاد آ جانے پر دل کا اپنے لگے اور خشیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے نام رحمن کو ڈرنے والوں کی تعریف کے لیے ملایا گیا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت پر دلالت کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا جانتا ہے کہ بے شک وہ خوب وسیع رحمت والا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کی تعریف کی کہ وہ خوب ڈرنے والا ہے اس کے باوجود کہ جس ذات اقدس سے وہ ڈرتا ہے وہ اس کی نظروں سے غائب ہے ﴿بِالْغَيْبِ﴾ بن دیکھے ڈرتا ہے [یہ مفعول سے حال ہے] یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے بن دیکھے ڈرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کی نگاہوں سے غائب ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: بن دیکھے ڈرنا یہ ہے کہ جب دروازے بند ہوں اور پردے حائل ہوں اس وقت تنہائی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ﴿وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيبٍ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا دل لے کر آیا۔ بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر خوش اور راضی رہنے والا رازداں پاکیزہ کھرا اور صحیح عقیدہ رکھنے والا دل مراد ہے۔

۳۴- ﴿إِذْ خُلُوْهُمَا بِسَلَامٍ﴾ تم اس میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ یعنی تم جتنی نعمتوں کے زائل ہونے سے اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی کے نازل ہونے سے سالم و محفوظ ہو کر جنت میں داخل ہو جاؤ ﴿ذَلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ﴾ یہ ہمیشہ کا دن ہے یعنی جنت میں ہمیشہ رہنے کے لیے فیصلے کا یہی دن ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كَأِذْ خُلُوْهُمَا خَالِدِيْنَ﴾ (الزمر: ۷۳)

”سوئم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو کر داخل ہو جاؤ O“ یعنی ہیشگی مقدر کر دی گئی ہے۔

۳۵۔ ﴿لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ﴾ ان کے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ اس میں چاہیں گے اور ہمارے پاس ان کی چاہت کی ہر نعمت کے علاوہ اور زیادہ ہوگا اور جمہور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ وہاں مزید اللہ تعالیٰ کا بلا کیف دیدار کرنا نصیب ہوگا۔

وَكَمَا أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ هَلُ مِن

فَجِيصٍ ﴿۳۶﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِّمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ﴿۳۷﴾

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ۚ وَمَا مَسَّنَا مِنْ

لُغُوبٍ ﴿۳۸﴾

اور ہم نے ان (قریش مکہ) سے پہلے کتنی تو میں ہلاک کر دیں کہ وہ ان سے گرفت میں بہت زیادہ سخت طاقتور تھیں سو وہ شہروں میں (پناہ کی تلاش میں) گھومتے رہے کیا بھاگنے کی کوئی جگہ ملی O بے شک اس میں اس شخص کے لیے ضرور نصیحت ہے جو صاحب دل ہو یا وہ کان لگا کر غور سے سنے اور وہ پوری توجہ کے ساتھ حاضر ہو O اور بے شک ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں پہنچی O

کفارِ مکہ کے لیے انتباہ اور یہود کی تردید

۳۶۔ ﴿وَكَمَا أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ﴾ اور ہم نے ان سے پہلے یعنی آپ کی قوم قریش مکہ سے پہلے کتنی تو میں ہلاک کر دیں جن قوموں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا ﴿هُم أَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا﴾ وہ تو میں ان سے (یعنی) آپ کی قوم سے گرفت کرنے اور قوت و طاقت اور شوکت و دبدبہ میں زیادہ سخت تھیں ﴿فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ﴾ سو انہوں نے شہروں میں سرنگیں کھودیں اور تہ خانے بنائے اور وہ ان میں خوب گھومتے پھرتے رہے اور ”تنقیب“ کا معنی ہے: کسی کام کا کھوج لگانا بحث کرنا اور طلب کرنا اور اس میں ”فا“ (هُم أَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا) سے سبب کے لیے ہے یعنی سرنگیں وغیرہ کھودنے پر ان کی گرفت کے سخت ہونے کا سبب ان لوگوں کی قدرت و ہمت اور ان کی قوت و طاقت ہے اور ممکن ہے کہ اس سے مراد ہو کہ اہل مکہ اپنے سفروں اور اپنی سیر و سیاحت کے دوران ان قوموں کے شہروں میں بارہا گھومے پھرے ہیں تو کیا انہوں نے ان کے لیے وہاں کوئی بھاگنے کی جگہ دیکھی ہے تاکہ یہ بھی اسی طرح اپنے لیے سوچیں اور غور و فکر کریں اور اس پر اس قاری کی قراءت دلالت کرتی ہے جس نے پڑھا: ”(فَنَقَّبُوا) عَلَى الْأَمْرِ“ ﴿هَلْ مِنْ فَجِيصٍ﴾ کیا اللہ تعالیٰ سے یا موت سے بھاگنے کے لیے کوئی جگہ ہے؟ (ہرگز نہیں!)

۳۷۔ ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِّمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ﴾ بے شک اس میں (یعنی) مذکورہ بالا قوموں کے قصے میں ﴿لَذِكْرًا﴾ ضرور عبرت و نصیحت اور یاد دہانی ہے ﴿لِّمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ﴾ ہر اس شخص کے لیے جس کا دل یاد کرنے والا ہے کیونکہ جس کا دل کسی چیز کو یاد نہیں رکھتا تو گویا وہ دل ہی نہیں ہے ﴿أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ﴾ یا وہ کان لگا کر غور سے سنتا ہو اور وہ نصیحتوں کی باتوں کی طرف کان لگاتا ہو اور انہیں غور سے اور توجہ سے سنتا ہو ﴿وَهُوَ شَهِيدٌ﴾ اور وہ اپنی ذہانت و توجہ کے ساتھ حاضر ہو کیونکہ جو شخص اپنے ذہن اور

دماغ کو حاضر نہیں رکھتا تو وہ گویا غائب ہے۔

۳۸۔ ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ﴾ اور ہم نے آسمانوں اور

زمین کو اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں پہنچی۔

شان نزول: یہ آیت مبارکہ یہود علیہم اللعنة کے قول کی تکذیب و تردید میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پہلا دن اتوار کا تھا اور آخری دن جمعہ کا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے دن اپنی تھکاوٹ دور کرنے کے لیے آرام کیا اور عرش پر لیٹ گیا اور مفسرین نے فرمایا کہ اس امت میں تشبیہ کا قائل جو فرقہ مشبہ پیدا ہوا ہے وہ بھی انہی یہودیوں کی وجہ سے اور ان سے متاثر ہو کر تشبیہ کا قائل ہوا ہے اور یہود نے چارزانو ہو کر چوکنی بیٹھنا ممنوع قرار دیا ہے اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ ہفتہ کے دن اس طرح بیٹھا تھا۔ (نعوذ باللہ من ذالك)

فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ

الغروبِ ﴿۳۹﴾ وَفِي اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَدْبَارَ السُّجُودِ ﴿۴۰﴾ وَاسْمِعْ يَوْمَ يُنَادِي الْمُنَادِ مِنْ

تَكَانٍ قَرِيبٍ ﴿۴۱﴾ يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ﴿۴۲﴾ إِنَّا هُمْ نُحْيِي

وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ ﴿۴۳﴾ يَوْمَ نَشَقُّ الْأَرْضَ عَنْهُمْ سِرَاعًا ذَٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا

يَسِيرٌ ﴿۴۴﴾ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكَرْنَا بِالْقُرْآنِ مَنْ

يَخَافُ وَعَبِيدٌ ﴿۴۵﴾

سو (اے محبوب!) وہ جو کچھ (دل آزار باتیں) کہتے ہیں آپ ان پر صبر کیجئے اور آپ طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے اپنے پروردگار کی حمد و ثناء کے ساتھ تسبیح بیان کیجئے اور رات کے کچھ حصے میں بھی اس کی تسبیح کیجئے اور نمازوں کے بعد بھی اور غور سے سینے جس دن نداء دینے والا نزدیک جگہ سے نداء دے گا۔ جس دن سب لوگ ایک گرج دار چیخ حق کے ساتھ سنیں گے یہ (قبروں سے) نکلنے کا دن ہوگا بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور (سب نے) ہماری طرف ہی لوٹ آنا ہے۔ جس دن زمین ان سے پھٹ جائے گی تو وہ دوڑ پڑیں گے یہ (یعنی سب کو) جمع کرنا ہم پر آسان ہے ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں سو آپ ہر اس شخص کو قرآن کے ساتھ نصیحت کرتے رہیے جو میرے عذاب سے ڈرتا ہے۔

حضور ﷺ کو کفار کی دل آزار باتوں پر صبر کرنے اور تسبیح بیان کرنے کی تلقین

۳۹۔ ﴿فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ﴾ سو وہ لوگ جو دل آزار باتیں کہتے ہیں آپ ان پر صبر کیجئے یعنی یہود جو کفریہ باتیں

کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے تشبیہ کی باتیں کہتے ہیں آپ ان پر صبر کیجئے یا مشرکین مرنے کے بعد اٹھنے کے متعلق جو باطل باتیں کہتے ہیں آپ ان پر صبر کیجئے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ تمام کائنات کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو وہ لوگوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے اور ان سے انتقام لینے پر بھی پوری طرح بہ طریق اولیٰ قادر ہے ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ

وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ﴿ اور طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے آپ اپنے رب تعالیٰ کی حمد و ثناء کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کیجئے اور تسبیح سے یا تو اس کا ظاہری معنی مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ممکنات کے تمام عیوب سے منزہ و مبرا ہونا بیان کیجئے یا اس سے نماز مراد ہے پس طلوع آفتاب سے پہلے فجر کی نماز مراد ہے اور غروب آفتاب سے پہلے ظہر اور عصر کی نمازیں مراد ہیں۔

۴۰۔ ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ﴾ اور کچھ رات کے حصے میں بھی اس کی تسبیح بیان کیا کریں (یعنی) مغرب و عشاء کی نمازیں پڑھا کریں یا نماز تہجد پڑھا کریں ﴿وَأَذْبَارَ السُّجُودِ﴾ اور سجدہ کے بعد (یعنی) نمازوں کے اختتام کے بعد تسبیح بیان کیا کریں اور نماز کو سجود اور رکوع دونوں کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ فرض نمازوں کے بعد نوافل نمازیں پڑھنا مراد ہے یا نماز عشاء کے بعد وتر کی نماز پڑھنا مراد ہے [اور "أَذْبَارَ" "دبر" کی جمع ہے جب کہ اہل حجاز حمزہ کوئی اور خلف کی قراءت میں الف (ہمزہ) مکسور کے ساتھ "أَذْبَارَ" پڑھا جاتا ہے] "أَذْبَارَتِ الصَّلَاةِ" اس وقت بولا جاتا ہے جب نماز ختم ہو جائے اور تمام ہو جائے اور اس کا معنی یہ ہے کہ نمازوں کے ختم ہو جانے کے وقت تسبیح بیان کیا کریں جیسے عرب کا قول ہے: "إِيَّاكَ خَفُوقَ النَّجْمِ" میں تیرے پاس ستارہ کے غروب کے وقت آؤں گا۔

قیامت کے برپا ہونے اور مردوں کو زندہ کرنے کا بیان

۴۱۔ ﴿وَاسْمِعْ﴾ اور آپ اسے کان لگا کر غور سے سنئے جس کی وحی کے ذریعے آپ کو خبر دی گئی ہے اور وہ قیامت کے دن کا حال ہے اور اس کلام میں قیامت کی ہولناکی اور اس کی شان کے لیے عظمت کا اظہار بھی ہے [قاری یعقوب نے اس پر وقف کیا ہے] ﴿يَوْمَ يُنَادِي الْمُنَادُ﴾ جس دن پکارنے والا پکارے گا [اور "يَوْمَ" کو منصوب پڑھا گیا ہے کیونکہ اس پر "ذَلِكَ يَوْمَ الْخُرُوجِ" دلالت کرتا ہے] یعنی جس دن پکارنے والا پکارے گا اس دن سب لوگ قبروں سے باہر نکل آئیں گے اور بعض اہل علم حضرات نے کہا اس کی تقدیر عبارت یوں ہے: "وَاسْمِعْ" حَدِيثُ (يَوْمَ يُنَادِي الْمُنَادِي) "اور اس دن کی بات غور سے سنئے جس دن پکارنے والا پکارے گا" [المنادی "وقف اور وصل دونوں حالتوں میں ابن کثیر کی سہل اور یعقوب کی قراءت میں "يَا" کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور وصل کی حالت میں قاری نافع مدنی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں "يَا" کے ساتھ پڑھا جاتا ہے لیکن وقف کی حالت میں نہیں اور ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں دونوں حالتوں میں "يَا" کے بغیر "المناد" پڑھا جاتا ہے] "المنادی" سے حضرت اسرافیل علیہ السلام مراد ہیں وہی صور میں پھونکیں گے اور بہ آواز بلند پکاریں گے: اے بوسیدہ ہڈیو! اور جدا جدا جوڑو! اور ریزہ ریزہ شدہ گوشت کے ٹکڑو! اور متفرق بالو! بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ فیصلہ کے لیے جڑ جاؤ اور باہم مل جاؤ اور بعض حضرات کا یہ قول ہے کہ صور میں پھونک حضرت اسرافیل ماریں گے اور سب کو جمع کرنے کے لیے حضرت جبریل علیہ السلام پکاریں گے ﴿مِنْ قَعَابٍ قَرِيبٍ﴾ نزدیک جگہ سے (یعنی) بیت المقدس کے صحرا نامی پتھر پر کھڑے ہو کر پکاریں گے اور یہ حصہ تمام زمین سے بارہ میل زیادہ آسمان کے قریب ہے اور یہی جگہ تمام روئے زمین کا وسط اور مرکز ہے۔

۴۲۔ ﴿يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ﴾ جس دن وہ ہولناک چیخ سنیں گے۔ چیخ سے نوحہ ثانی مراد ہے (پہلی دفعہ صور پھونکنے پر تمام مخلوق فنا ہو جائے گی دوسری دفعہ صور پھونکنے پر تمام لوگ قبروں سے نکل کر میدان حساب میں جمع ہو جائیں گے) [یہ کلام مبارک "یوم ینادی" سے بدل ہے] ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ [یہ "صیحة" کے متعلق ہے] اور اس سے جزاء کے لیے قبروں سے زندہ ہو کر نکلنا اور حساب و کتاب کے لیے جمع ہونا مراد ہے ﴿ذَلِكَ يَوْمَ الْخُرُوجِ﴾ یہ نکلنے کا دن ہے (یعنی) یہ

قبروں سے نکلنے کا دن ہے۔

۴۳- ﴿إِنَّا خَلَقْنَا نَفْسَكَ﴾ بے شک ہم ہی مخلوق کو زندہ کرتے ہیں ﴿وَنَبِّئُكَ﴾ اور ہم ہی ماریں گے یعنی ہم ہی دنیا میں انہیں موت دیں گے ﴿وَالْيَنَّا الْبَصِيرُ﴾ اور ہماری طرف لوٹنا ہے یعنی ان سب لوگوں کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے۔

۴۴- ﴿يَوْمَ تَشَقُّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ﴾ جس دن زمین ان سے شق ہو جائے گی یعنی قیامت کے دن زمین پھٹ جائے گی اور اس کے پھٹ جانے کی وجہ سے مردے زمین سے باہر نکل آئیں گے [اہل کوفہ، ابو عمرو بصری اور دیگر قراء کی قراءت میں قاف اول مشدود پڑھا جاتا ہے] ﴿سِرَاعًا﴾ وہ لوگ جلدی میں فوراً دوڑ پڑیں گے [یہ ضمیر مجرور سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ذَلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ﴾ یہ حشر برپا کرنا ہمارے لیے بالکل آسان ہے [اور ظرف کی تقدیم اختصا ص پر دلالت کرتی ہے] یعنی اس طرح کا بہت دشوار کام سرانجام دینا آسان نہیں مگر اس ذات اقدس کے لیے آسان ہے جو مطلق قادر ہے جسے بڑی سے بڑی رکاوٹ کام سے نہیں روک سکتی۔

۴۵- ﴿نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ﴾ ہم وہ سب کچھ خوب جانتے ہیں جو مشرکین اور یہود وغیرہ آپ کے بارے میں اور ہمارے بارے میں کہتے رہتے ہیں۔ یہ کلام مبارک کفار کے لیے دھمکی اور رسول کریم ﷺ کے لیے تسلی ہے ﴿وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ﴾ اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: "كُنْتُ عَلَيْهِمْ بِمُصِطِرٍ" (الغاشیہ: ۲۲) "آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں" یعنی آپ ان پر مسلط نہیں کیے گئے بے شک آپ تو صرف حق کی دعوت و ترغیب دینے والے ہیں اور بعض نے کہا کہ "جبار" ماخوذ ہے "جبرۃ علی الامر" سے اور یہ "اجبرۃ" کے معنی میں ہے یعنی آپ ان کے نگران اور ذمہ دار نہیں ہیں کہ آپ انہیں ایمان پر مجبور کریں ﴿فَذَكَرْنَا الْقُرْآنَ فَتَنَّا بِتِلْكَ آيَاتِنَا﴾ سو آپ قرآن مجید کے ذریعے ہر اس شخص کو نصیحت کرتے رہے جو میرے عذاب سے ڈرتا ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: "إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ مَّن يَخْشَاهَا" (النازعات: ۲۵) "بے شک آپ صرف انہیں کو ڈرسانے والے ہیں جو قیامت سے ڈرتے ہیں" کیونکہ آپ کے ڈرانے سے صرف وہی لوگ فائدہ حاصل کرتے ہیں اور وہی نفع حاصل کرتے ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورۃ الذریت کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۵ اس کی ساٹھ آیات تین رکوع ہیں

وَالذَّرِيَّتِ ذُرْوًا ۱۱ فَالْحَمِيَّتِ وَقْرًا ۱۲ فَالْجَرِيَّتِ يَسْرًا ۱۳ فَالْمُقْسِمِتِ أَمْرًا ۱۴ إِنَّمَا تُوْعَدُونَ لِمَآدِقٍ ۱۵ وَإِنَّ الدِّينَ لَوَاقِعٌ ۱۶ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۱۷ إِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۱۸ يُؤَوِّفُكُمُ عَنْهُ مَن أُوِّفِكَ ۱۹ قِتْلَ الْخَرِصُونَ ۲۰ الَّذِينَ هُمْ فِي غَمْرَةٍ سَاهُونَ ۲۱ يَسْأَلُونَ أَيَّانَ يَوْمِ الدِّينِ ۲۲ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ ۲۳ ذُقُوا فِتْنَتَكُمْ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُسْتَعْجَلُونَ ۲۴

گردوغبار اڑانے والی ہواؤں کی قسم! O پھر پانی کا بوجھ اٹھانے والے بادلوں کی قسم! O پھر نرمی سے چلنے والی کشتیوں کی قسم! O پھر رزق تقسیم کرنے والے فرشتوں کی قسم! O بے شک جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور سچا ہے O اور بے شک جزاء ضرور ملنے والی ہے O حسین راستوں کے آسمان کی قسم! O بے شک تم مختلف باتوں میں مشغول ہو O اس سے اسی کا منہ پھیرا جاتا ہے جس کا (ازل میں) منہ پھیر دیا گیا تھا O من گھڑت باتیں بنانے والوں کا ستیاناس ہو جائے O جو جہالت کے نشے میں غافل ہو چکے ہیں O وہ پوچھتے ہیں کہ قیامت کا دن کب واقع ہوگا O جس دن وہ دوزخ کی آگ میں جلائے جائیں گے O اب تم اپنے عذاب کا مزہ چکھو! یہ وہی ہے جس کے مطالبے میں تم جلدی کرتے تھے O

قیامت کے وقوع کی قسمیں اور منکرین کے بُرے انجام کا بیان

سورت الذاریات کی ہے اور اس میں ساٹھ آیات ہیں۔

۱ تا ۴- ﴿وَالذَّرِيَّتِ ذَرُورًا﴾ بکھیر کر اڑانے والیوں کی قسم! اس سے تیز ہوائیں مراد ہیں کیونکہ وہ مٹی وغیرہ کو اڑاتی اور بکھیرتی ہیں [حمزہ کوئی اور ابو عمرو کی قراءت میں "تا" کو ذال میں مدغم کر کے پڑھا جاتا ہے اور "ذَرُورًا" مصدر ہے اور اس کا اسم فاعل "الذاریات" ہے] ﴿فَالْحَمَلِیَّتِ﴾ پھر اٹھانے والیوں کی قسم! اس سے بادل مراد ہیں کیونکہ بارش کے پانی کو اٹھاتے پھرتے ہیں ﴿وَقَدْرًا﴾ بوجھ [یہ "حاملات" کا مفعول ہے] ﴿فَالْجَرِیَّتِ﴾ پھر چلنے والی کشتیوں کی قسم! ﴿یُسْرًا﴾ نرمی کے ساتھ چلنا یعنی بڑی سہولت و آسانی کے ساتھ چلنا ﴿فَالْمَقْسِمَاتِ اَمْرًا﴾ پھر مختلف کاموں کے تقسیم کرنے والے فرشتوں کی قسم! اس سے فرشتے مراد ہیں کیونکہ وہی مختلف کاموں کو تقسیم کرتے ہیں جیسے بارشیں اور رزق وغیرہما کے کام یا یہ معنی ہے کہ وہ مختلف کاموں کی تقسیم پر مامور کیے گئے ہیں یا وہ انسانوں کے کاموں کی تقسیم کے متولی اور منتظم ہیں مثلاً حضرت جبریل علیہ السلام سخت گرفت کرنے اور عذاب لانے کے متولی و منتظم ہیں اور حضرت میکائیل علیہ السلام رحمت و مہربانی اور رزق پہنچانے کے منتظم و متولی ہیں اور ملک الموت (یعنی حضرت عزرائیل علیہ السلام) ارواح قبض کرنے پر متولی ہیں اور حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکنے کے منتظم ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان چاروں آیات میں صرف "ریساح" یعنی تیز ہوائیں مراد ہوں کیونکہ یہی تیز ہوائیں بادلوں کو اٹھاتی ہیں اور انہیں بلند و بالا اور کم و بیش کرتی ہیں اور حسب ضرورت ان میں تصرف کرتی ہیں اور انہیں فضاء کی بلندی میں نہایت نرمی کے ساتھ آہستہ آہستہ چلاتی ہیں اور بادلوں میں تصرف کر کے بارشوں کو حسب ضرورت تقسیم کرتی ہیں اور بہر حال پہلے مطلب کے مطابق "فا" کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تیز ہواؤں کی قسم یا فرمائی پھر ان بادلوں کی قسم فرمائی جنہیں ہوائیں چلاتی ہیں پھر کشتیوں کی قسم فرمائی جنہیں ہوائیں اپنی قوت و تیزی کے سبب چلاتی ہیں پھر فرشتوں کی قسم فرمائی جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بارشوں کے ذریعے روزیاں تقسیم کرتے ہیں اور بحری تجارتوں اور ان کے فوائد و منافع تقسیم کرتے ہیں اور جب کہ دوسرے مطلب کے مطابق یہ معنی ہوگا کہ ان ہواؤں کی قسم جو شروع میں ذرات کو اڑاتی ہیں پھر تیز ہو کر مٹی کو اور کنکروں کو اڑاتی پھرتی ہیں پھر وہ بادلوں کو اٹھالاتی ہیں اور انہیں فضاء میں پھیلا دیتی ہیں پھر بارش کو تقسیم کرتی ہیں۔

۵- ﴿اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ بے شک جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے [یہ قسم کا جواب ہے اور "مَا" موصولہ ہے یا پھر مصدر یہ ہے] اور جس کے وعدہ کے سچے ہونے کی قسم کھائی گئی ہے وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے کا یعنی حشر و نشر کا وعدہ ہے ﴿كَصَادِقٍ﴾ اصل میں "كَوَعْدٍ صَادِقٍ" ہے جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور سچا وعدہ ہے جیسے "عیشة راضیة" یعنی پسندیدہ زندگی۔

۶- ﴿وَالَّذِينَ الَّذِينَ﴾ اور بے شک جزاء (یعنی) دنیا کے اعمال پر جزاء و سزا ﴿لِكُلِّ قَوْمٍ﴾ ضرور واقع اور مرتب ہوگی (نیک اعمال پر جزائے خیر اور برے اعمال پر سزائے ملے گی)۔

۷- ﴿وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُوبِ﴾ خوب صورت راستوں والے آسمان کی قسم! جیسے تیز ہوا کے چلنے کی وجہ سے لہروں کے ساتھ پانی کے اوپر راستے ظاہر ہو جاتے ہیں (یوں ہی ریت کے ٹیلوں پر تیز ہوا کے سبب لہروں کی صورت میں راستے نظر آتے ہیں) اور اسی طرح ”حَبْكُ الشَّعْرِ“ کہا جاتا ہے کہ بال بڑے عمدہ اور خوب صورت ہیں اور یہ ان بالوں کے گھنگریالے ہونے اور ان کے مڑ کر ٹیڑھے ہو جانے کی علامات ہیں اور ”حَبْكُ“ جمع ہے اس کا واحد ”حَبِيكَةٌ“ ہے جیسے ”طَبْرِيقَةٌ“ واحد ہے اس کی جمع ”طَبْرِيقٌ“ ہے اور ایک قول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ بے شک آسمان کی تخلیق اسی طرح مختلف راستوں سے مزین و آراستہ ہے اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آسمان کی ”حَبْكُ“ (خوب صورتی) اس کے ستارے ہیں اور یہ ”حَبَاكُ“ کی جمع ہے اور یہ دوسری قسم ہے۔

۸- ﴿إِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّتَّبِعٍ﴾ بے شک تم مختلف باتوں میں پڑے ہوئے ہو یعنی کفار مکہ کے الزامات رسول اکرم ﷺ کے بارے میں مختلف تھے کچھ کہتے کہ آپ جادوگر ہیں اور کچھ کہتے: آپ شاعر ہیں اور کچھ کہتے: مجنون و دیوانہ ہیں (نعوذ باللہ من ذالک) اور یہ کفار قرآن مجید کے بارے میں بھی مختلف باتیں بناتے، کوئی کہتا: یہ شعر ہے اور کوئی کہتا: یہ جادو ہے اور کوئی کہتا: یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

۹- ﴿يُؤْتِكُمْ عَنْهُ مِنْ آيَاتِكُمْ﴾ اس سے اسی کو پھیرا جاتا ہے جس کو (ازل سے) پھیر دیا گیا۔ ”عَنْهُ“ کی ضمیر قرآن مجید کی طرف لوٹی ہے یا پھر رسول کریم ﷺ کی طرف لوٹی ہے یعنی اس سے اسی کو پھیرا جاتا ہے جس کو ایسا پھیرنا پھیرا گیا ہے کہ اس سے زیادہ سخت اور اس سے بڑھ کر نہیں پھیرا جاسکتا یا یہ معنی ہے کہ اس سے اسی کو پھیرا جاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے ہی پھیرا جا چکا ہے یعنی جس کو اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے کہ بے شک یہ شخص حق سے ایسا پھیر دیا گیا ہے کہ کبھی رجوع نہیں کرے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ”عَنْهُ“ کی ضمیر ”مَا تُوْعَدُونَ“ کی طرف یا ”الَّذِينَ“ کی طرف لوٹی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مٹی اور گرد و غبار اڑانے والی تیز ہواؤں کی اس بات پر قسم فرمائی کہ قیامت کی آمد برحق ہے پھر آسمان کی قسم اس بات پر فرمائی کہ کفار مکہ قیامت کے وقوع پذیر ہونے میں مختلف باتیں بناتے ہیں چنانچہ ان میں سے کوئی شک کرتا ہے اور کوئی انکار کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”يُؤْتِكُمْ“ قیامت کے وقوع کے اقرار سے اسی کو پھیرا جاتا ہے جس کو پھیرا جا چکا ہے۔

۱۰- ﴿قِيلَ الْخَبْرُ مَوْجُودٌ﴾ من گھڑت باتیں تراشنے والے تباہ و برباد ہو جائیں (یعنی) ان پر لعنت و پھٹکار ہو ”قِيلَ“ اصل میں ہلاکت کی بددعا کے لیے استعمال کیا جاتا ہے پھر اس کو ”لُعِنَ“ کے قائم مقام کر دیا گیا ہے مطلب یہ کہ بہت جھوٹ بولنے والے ظن و تخمینہ اور ذہنی اختراع سے ایسی من گھڑت باتیں تراشنے والے جو کبھی صحیح اور درست نہیں ہو سکتیں اور یہ وہی لوگ ہیں جو رسول اکرم اور قرآن مجید کے بارے میں مختلف الزامات گھڑتے رہے اور لام تعریف سے انہیں کی طرف اشارہ ہے گویا فرمایا گیا کہ یہ من گھڑت الزامات تراشنے والے ہلاک ہو جائیں۔

۱۱- ﴿الَّذِينَ هُمْ فِي عَمْرِهِمْ لَسَاهُونَ﴾ یہ وہی لوگ ہیں جو اپنی جہالت و نادانی کے نشے میں بدمست ہو کر بھول چکے ہیں اور اس چیز سے غافل ہو چکے ہیں جس کا انہیں حکم دیا گیا ہے۔

۱۲- ﴿يَسْتَكْبِرُونَ﴾ وہ پوچھتے ہیں سو وہ کہتے ہیں ﴿أَيَّانَ يَوْمَ الدِّينِ﴾ بدلے کا دن کب آئے گا یعنی روز جزاء کب اور کس وقت آئے گا [تقدیر عبارت اس طرح ہے: ”أَيَّانَ وَقَوْلُ يَوْمَ الدِّينِ“ کیونکہ اوقات رونما ہونے والے حوادث کے

لیے طرف ہوتے ہیں۔]

۱۳۔ ﴿يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ﴾ جس دن وہ آگ کے عذاب میں داخل کیے جائیں گے یعنی دوزخ کی آگ میں انہیں جلایا جائے گا۔ ”يُفْتَنُونَ“ بمعنی ”يُحْرَقُونَ“ ہے [”يَوْمَ“ فعل مضمر کے جواب میں منصوب ہے جس پر سوال ”يَسْتَلُونَ“ دلالت کرتا ہے ”أَيَّ يَقَعُ (يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ)“ یعنی روزِ جزاء اس دن واقع ہوگا جس دن انہیں دوزخ کی آگ میں جلایا جائے گا اور یہ ممکن ہے کہ یہ اسم غیر متمکن کی طرف اضافت کی وجہ سے مفتوح ہو اور وہ جملہ ہے اور محلاً فعل مضمر جو ”يَقَعُ“ ہے کی وجہ سے منصوب ہو یا پھر اس بناء پر مرفوع ہو کہ اصل میں ”هُوَ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ“ ہو۔]

۱۴۔ ﴿ذُو قُوَّةٍ فَنتكم﴾ تم اپنا عذاب چکھو یعنی دوزخ کے خازن اور داروغے فرشتے ان سے کہیں گے کہ تم اپنے عذاب اور دوزخ کی آگ میں اپنے جلنے کا مزہ چکھو ﴿هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ﴾ یہ وہی ہے جس کی جلدی آمد کا تم شور مچاتے تھے یعنی یہ وہی عذاب ہے جس کے جلدی آنے کا تم دنیا میں مطالبہ کرتے تھے اور تم کہتے تھے: ”فَاتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ“ (الاعراف: ۷۰) ”سو آپ وہ عذاب لے آئیں جس کا آپ ہم سے وعدہ کرتے ہیں اگر آپ بچوں میں سے ہیں“ [”هَذَا“ مبتدا ہے اور اس کی خبر ”الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ“ ہے۔]

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝۱۵ أَخْذِينَ مَا أَلَّهُمْ مِنْهُم مَّارِبَهُمْ ۝۱۶ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ
مُحْسِنِينَ ۝۱۷ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مِنَ الْبِلِّ مَا يَهْجَعُونَ ۝۱۸ وَإِلَّا سَاءَ مَا يَسْتَعْفِرُونَ ۝۱۹ وَفِي
أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلْسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۝۲۰ وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوقِنِينَ ۝۲۱ وَفِي أَنْفُسِكُمْ
أَفَلَا تَبْصُرُونَ ۝۲۲ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ۝۲۳ قُورِبِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ
لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا أَنْتُمْ تَنْطِقُونَ ۝۲۴

بے شک پرہیزگار بہشتوں اور چشموں کے مقامات میں ہوں گے وہ اسے لینے والے ہوں گے جو ان کا پروردگار انہیں عطا کرے گا بے شک وہ لوگ اس سے پہلے (دنیا میں) نیکی کرنے والے تھے وہ رات کے بہت قلیل حصہ میں سویا کرتے تھے اور وہ رات کے پچھلے پہر مغفرت و بخشش طلب کرتے تھے اور ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ثابت تھا اور زمین میں یقین رکھنے والوں کے لیے بے شمار نشانیاں ہیں اور خود تمہارے نفسوں میں بھی تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور وہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے پس آسمان و زمین کے پروردگار کی قسم! بے شک یہ اسی طرح حق ہے جس طرح تم بولتے ہو

پرہیزگاروں کے انعامات و اوصاف کا بیان

۱۵۔ کفارنا ننجار کے حال کا ذکر کرنے کے بعد پھر اب مومنوں کے حال کا ذکر کیا چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ﴾ بے شک پرہیزگار حضرات بہشتوں اور چشموں کے مقامات میں ہوں گے یعنی وہاں چشمے ہوں گے اور یہ

وہ بہتی ہوئی نہریں ہوں گی جنہیں جنتی حضرات دیکھتے ہوں گے اور ان کی نظریں اور نگاہیں ان پر پڑیں گی لیکن یہ مطلب نہیں ہے کہ جنتی خود ان چشموں کے اندر ہوں گے۔

۱۶۔ ﴿اِخْذِينَ مَا آتَاهُمْ مِنْهُمْ﴾ وہ اسے لینے والے ہوں گے جو انہیں ان کا پروردگار عطا کرے گا (یعنی) وہ ہر اس اجر و ثواب کو قبول کر لیں گے اور اس پر راضی ہو جائیں گے جو انہیں ان کا رب تعالیٰ عطا فرمائے گا [”اِخْذِينَ“ طرف کی ضمیر مستتر سے حال ہے اور وہ طرف جملہ بن کر ”اِنْ“ کی خبر ہے] ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ فَحٰشِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ اس سے پہلے (یعنی) جنت میں داخل ہونے سے پہلے دنیا میں بہت نیکیاں کرنے والے لوگ تھے بلاشبہ انہوں نے دنیا میں اپنے اعمال و کردار کو سنوارا اور نیک اعمال کو اپنایا اور ان کی نیکیوں کی تفسیر اور وضاحت اس کے بعد (درج ذیل آیات میں) آ رہی ہے۔

۱۷۔ ﴿كَانُوا قَلِيْلًا مِّنَ الْاَيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ﴾ وہ لوگ رات کا بہت کم حصہ سوتے تھے [”يَهْجَعُوْنَ“ بہ معنی ”يَنَامُوْنَ“ ہے اور تاکید کے لیے حرف ”مَا“ کا اضافہ کیا گیا ہے اور ”يَهْجَعُوْنَ“، ”كَانُوا“ کی خبر ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک وہ رات کے بہت تھوڑے سے حصے میں سوتے ہیں باقی تمام رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزار دیتے ہیں [یا پھر ”مَا“ مصدر یہ ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے کہ ”كَانُوا قَلِيْلًا مِّنَ اللَّيْلِ هُجُوْعُهُمْ“ یعنی ان کا سونا اور آرام کرنا رات کے تھوڑے سے حصے میں ہوا کرتا تھا۔ سو اس صورت میں ”هُجُوْعُهُمْ“ مرفوع ہوگا کیونکہ یہ ”كَانُوا“ کی واؤ سے بدل ہوگا ”قَلِيْلًا“ سے نہیں کیونکہ جب یہ ”مِنَ اللَّيْلِ“ کا موصوف ہو تو یہ شبہ فعل سے اور اس کے عمل سے مشابہت کے اعتبار سے خارج ہو گیا یعنی رات کے بہت تھوڑے سے حصہ میں ان کا سونا اور آرام کرنا ہوتا تھا اور یہ ہرگز جائز نہیں کہ حرف ”مَا“ نافیہ ہو محض اس بناء پر کہ بے شک وہ لوگ رات کے تھوڑے سے حصے میں بھی نہیں سوتے تھے بلکہ وہ پوری رات شب بیدار رہ کر عبادت میں مشغول رہتے تھے کیونکہ ”مَا“ نافیہ کا مابعد اس کے ماقبل میں عمل نہیں کرتا چنانچہ ”زَيْدًا مَّا ضَرَبْتُ“ نہیں کہہ سکتے۔]

۱۸۔ ﴿وَيَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ يَسْتَعْجِلُوْنَ﴾ اور وہ لوگ سحری کے اوقات میں یعنی رات کے آخری پہر میں مغفرت و بخشش طلب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں ان کا یہ وصف بیان کیا کہ وہ رات کے وقت شب بیداری کر کے نماز تہجد ادا کرتے ہیں اور وہ رات کو عبادت الہی میں بیدار رہ کر گزار دیتے ہیں بہت کم حصہ میں سوتے ہیں اب پھر اس آیت مبارکہ میں ان کا یہ وصف بیان کیا کہ جب وہ رات کے پچھلے پہر اٹھتے ہیں تو عبادت کے بعد اب اس وقت استغفار کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں اور وہ اپنی رات جرائم کی معافی میں گزار دیتے ہیں اور سحر رات کے آخری چھٹے حصے کو کہتے ہیں۔

۱۹۔ ﴿وَفِيۡۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ﴾ اور ان کے مالوں میں سائل کا حق ہے (یعنی) ان کے مالوں میں ہر اس شخص کا حق ہے جو اپنی حاجت و ضرورت پوری کرنے کے لیے ان سے دست سوال دراز کرتا ہے ﴿وَالْمَحْرُوْمِ﴾ اور محروم و نادار کا حق ہے یعنی محروم وہ شخص ہے جو ضرورت کے باوجود اغنیاء سے الگ رہتا ہے اور شرم و حیاء اور عزت نفس کی وجہ سے کسی سے سوال نہیں کرتا۔

۲۰۔ ﴿وَفِيۡۤ الْاَرْضِۤ اٰيٰتٌ﴾ اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں جو صنایع (بنانے والے) کے موجود ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور اس کی قدرت پر اور اس کی حکمت پر اور اس کی تدبیر پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ اس زمین کو فرش کی طرح اپنے اوپر چلنے والوں کے لیے بچھایا گیا ہے اور اس میں مختلف راستے ہیں جن میں مختلف ممالک میں پہنچنے کے لیے آنے جانے

والے سیاحوں اور مسافروں کے لیے آسانی ہے اور اس کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جن میں بعض ہموار میدانی علاقہ جات ہیں اور بعض پہاڑی علاقے ہیں اور بعض علاقے نرم اور عمدہ آب و ہوا کے علاقے ہیں جب کہ بعض علاقے اس کے برعکس نمکین اور شور والی زمین دلدلی کے ویران جنگلات ہوتے ہیں اور اس زمین میں چشمے نہریں اور دریا ہوتے ہیں اور عجیب و غریب مختلف کانیں ہوتی ہیں اور مختلف شکل و صورت رنگ و نسل کے جانور اور چوپائے ہوتے ہیں اور اس میں مختلف انگوریاں پودے اور درخت پیدا ہوتے ہیں اور شکل و صورت اور رنگ و مزہ میں مختلف اقسام کے بے شمار پھل، فروٹ پیدا ہوتے ہیں ﴿لَلْمُؤْمِنِينَ﴾ یقین رکھنے والوں کے لیے (یعنی) توحید کے ماننے والوں کے لیے جو ایسے برہانی اور مدلل سیدھے راستے پر رواں دواں ہیں جو انہیں معرفت الہی تک پہنچاتا ہے سو وہ لوگ اپنی آنکھوں کی بصارت سے اور اپنی عقول کی فہم و فراست سے ان نشانیوں کو غور و فکر سے دیکھتے ہیں چنانچہ وہ جب بھی کسی نشانی کو دیکھتے ہیں تو وہ اس کی وجہ اور غرض و غایت کو پہچان لیتے ہیں اور جب وہ اس میں غور و فکر کرتے ہیں تو ان کے پہلے یقین پر اور یقین بڑھ جاتا ہے اور ان کا ایمان مضبوط و مستحکم ہو جاتا ہے۔

۲۱- ﴿وَفِي أَنْفُسِكُمْ﴾ اور خود تمہارے نفوس و ذوات میں قدرت الہی کی بے شمار نشانیاں موجود ہیں چنانچہ ان کی ابتدائی حالت بچپن سے دوسرے احوال لڑکپن، جوانی اور بڑھاپے کی طرف ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونے میں اور ان کے باطن و ظاہر میں فطرت کے عجائبات اور تخلیق کے ایسے انوکھے اور نرالے کمالات و دلیعت کیے گئے ہیں جن میں عقول و اذہان حیران ہیں اور تمہیں یہی کافی ہے کہ ہر انسان کو دل عطا کیا گیا ہے اور اس میں عقل اور زبان اور بولنے کے لیے قوت گویائی اور حروف کو ان کے مخارج سے ادا کرنے کی صلاحیت اور ان کو مرکب کرنے اور انہیں ترتیب دینے کی قوت یہ سب ایسی روشن نشانیاں اور واضح دلیلیں ہیں جو اپنے صانع و خالق اور اپنے مدبر کی حکمت پر دلالت کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں کان آنکھیں اور دیگر تمام اعضاء کا مناسب و موزوں اور مساوی پیدا کیا جانا اور ان کو آسانی سے موڑنے اور دوہرا کرنے کے لیے جوڑوں کی تخلیق یہاں تک کہ جب ان میں سے کوئی عضو خشک ہو جائے تو انسان اس سے عاجز ہو جاتا ہے اور اگر کوئی عضو فاج وغیرہ سے بے کار ہو کر ڈھیلا ہو جائے تو انسان ذلت محسوس کرتا ہے سو اللہ تعالیٰ بڑا بابرکت ہے جو سب سے بہترین خالق ہے [اور یہ جو کہا گیا ہے کہ تقدیر عبارت "أَفَلَا تَبْصُرُونَ فِي أَنْفُسِكُمْ" تھی یہ ضعیف و کمزور قول ہے کیونکہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ جو استفہام کے چیز میں ہے وہ حرف استفہام سے مقدم کیا جائے] ﴿أَفَلَا تَبْصُرُونَ﴾ تو کیا تم عبرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔

۲۲- ﴿وَفِي السَّمَاءِ رِيشًا مَّكْرُومًا﴾ اور آسمان میں تمہارا رزق ہے (یعنی) بارش کیونکہ یہ بارش روزیوں کا سبب اور ذریعہ ہے اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب آپ بادلوں کو دیکھتے تو اپنے ساتھیوں سے فرماتے کہ اللہ کی قسم! ان بادلوں میں تمہارا رزق ہے لیکن تم اپنے گناہوں کے سبب اس سے محروم ہو جاتے ہو ﴿وَمَا تَوْعَدُونَ﴾ اور جس جنت کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ عرش کے نیچے اور ساتویں آسمان کی پشت کے اوپر واقع ہے یا یہ مراد ہے کہ بے شک تمہیں دنیا میں جو رزق عطا کیا جاتا ہے وہ اور آخرت میں ملنے والی جس نعمت کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ سب مقدر کر کے آسمان میں لکھ دیا گیا ہے۔

۲۳- ﴿فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ﴾ سو قسم ہے زمین و آسمان کے مالک کی! بے شک یہ ضرور حق ہے [ضمیر "رزق" کی طرف لوٹتی ہے یعنی بے شک یہ رزق ضرور حق ہے یا "مَا تَوْعَدُونَ" کی طرف لوٹتی ہے یعنی جس جنت کا تم

سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور حق ہے [مِثْلَ مَا أَنْتُمْ تَنْطِقُونَ] یہ اسی طرح حق ہے جس طرح تمہارا بولنا حق ہے [امام حفص کے علاوہ دیگر اہل کوفہ قراء کی قراءت میں "مِثْلَ" مرفوع ہے کہ یہ حق کی صفت ہے یعنی یہ تمہارے بولنے کی طرح حق ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں "مِثْلَ" منصوب ہے "أَيُّ إِنَّهُ لَحَقُّ حَقًّا مِثْلَ نَطْقِكُمْ" یعنی یہ اس طرح حق ہے جس طرح تمہارا بولنا حق ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ غیر متمکن اسم کی طرف مضاف ہونے کی بناء پر مفتوح ہو اور حرف "مَا" زائدہ ہو۔]

امام اصمعی فرماتے ہیں کہ ایک دن میں جامع مسجد بصرہ سے واپس آ رہا تھا کہ راستے میں بیٹھا ایک اعرابی ملا اور اس نے مجھے دیکھ کر کہا کہ آپ کون ہیں؟ میں نے کہا: میں بنی اصمعی سے ہوں اس نے کہا کہ آپ کہاں سے آرہے ہیں؟ میں نے کہا: میں اس گھر سے آ رہا ہوں جس میں خدائے رحمن کے کلام مبارک کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اس نے کہا: اچھا! تم مجھے قرآن مجید کی کچھ تلاوت سناؤ چنانچہ میں نے والذاریات کی تلاوت کی اور جب میں "وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ" تک پہنچا تو اس نے کہا: ٹھہریے! پھر وہ اٹھا اور ایک اونٹنی ذبح کی اور اس کا گوشت تمام آنے جانے والے لوگوں پر تقسیم کیا اور اس نے اپنی تلوار اور اپنا تیرکمان اٹھایا اور انہیں توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ جلدی چل پڑا پھر جب میں ہارون الرشید کے ساتھ حج کے لیے مکہ معظمہ میں حاضر ہوا اور میں طواف کر رہا تھا کہ اچانک ایک دھیمی آواز میرے کانوں میں پہنچی میں نے مڑ کر دیکھا تو وہی اعرابی تھا جس کا جسم نہایت کمزور اور رنگ زرد ہو گیا تھا اس نے مجھے سلام کیا اور کہا کہ مجھے وہی سورت سنائیے تو جب میں اسی آیت پر پہنچا تو وہ اسے سن کر چیخا اور کہا: بے شک ہمارے پروردگار نے جو ہمارے ساتھ وعدہ فرمایا ہے وہ حق ہے پھر فرمایا: کچھ اور سنائیے تو میں نے "فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقُّ" پڑھی سو وہ یہ آیت مبارک کہ سنتے ہی چیخا اور کہا: اے اللہ! تو ہر عیب سے پاک ہے وہ کون ہے جس نے رب جلیل کو غضب ناک کیا یہاں تک کہ اس نے قسم فرمائی پھر بھی انہوں نے اس کے قول کی تصدیق نہیں کی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ قسم فرمائی اس نے یہ تین دفعہ کہا اور اس کی روح اس کے جسم سے پرواز کر گئی اور وہ اللہ تعالیٰ کو پیارا ہو گیا۔

هَلْ أَمَّاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْبَكْرِيِّ ۚ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ

سَلَامٌ ۖ قَوْمٌ مُّشْكِرُونَ ۚ ۲۵ ۚ فَرَاغَ إِلَىٰ أَهْلِهِ فَأَجْعَلِ سَمِيْنٌ ۚ ۲۶ ۚ فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا

تَأْكُلُونَ ۚ ۲۷ ۚ فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۚ قَالُوا لَا تَنْخَفُطْ وَبَشِّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيْمٍ ۚ ۲۸ ۚ فَأَقْبَلَتْ

أَمْرَاتُهُ فِي مَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيْمٌ ۚ ۲۹ ۚ قَالُوا كَذَلِكَ قَالَ مَا يَتْلُ

إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۚ ۳۰ ۚ

کیا ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر آپ کے پاس پہنچ گئی ہے؟ جب وہ اس کے پاس داخل ہوئے تو انہوں نے سلام کہا ابراہیم نے (بھی جواب میں) سلام فرمایا کہ تم اجنبی لوگ ہو پھر وہ چپکے سے اپنے گھر والوں کی طرف گئے اور ایک موٹا تازہ پھٹرا پکوا کر لے آئے سو ان کے قریب کر کے فرمایا: کیا تم نہیں کھاتے؟ پھر اس نے ان سے خوف محسوس کیا تو انہوں نے کہا کہ خوف نہ کر اور انہوں نے اسے ایک بڑے علم والے لڑکے کی خوش خبری سنائی پھر ان کی بیوی چلاتی ہوئی

آگے آئی اور چہرے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگی: (میں تو) بوڑھی بانجھ ہوں O انہوں نے کہا کہ تمہارے پروردگار نے اسی طرح فرمایا ہے بے شک وہ بہت بڑا حکمت والا سب کچھ خوب جاننے والا ہے O

حضرت ابراہیم کو بیٹے کی ولادت سے پہلے بشارت

۲۴۔ ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثٌ ضَيْفٍ إِبْرَاهِيمَ﴾ (اے محبوب!) کیا آپ کے پاس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کی خبر پہنچ گئی۔ اس استفہام سے ایک تو اس واقعہ کی عظمت و شان کا اظہار مقصود ہے اور دوسرا اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کا علم از خود (یعنی ذاتی طور پر) نہیں ہوا بلکہ آپ نے اسے وحی کے ذریعے معلوم کیا اور اس کا اپنے ما قبل سے اس اعتبار سے ربط اور تعلق ہے کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ“ اور زمین میں بے شک نشانیاں ہیں۔ اور اس قصے کے آخر میں ارشاد فرمایا: ”وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً“ اور ہم نے اس میں ایک نشانی کو باقی رکھا۔ ”ضَيْفٌ“ واحد کے لیے اور پوری جماعت کے لیے بھی بولا جاتا ہے جیسے ”صَوْمٌ“ اور ”زُورٌ“ واحد اور جمع دونوں کے لیے بولے جاتے ہیں کیونکہ ”ضَيْفٌ“ اصل میں ”ضَافَةٌ“ کا مصدر ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنے والے مہمان فرشتے کل بارہ (۱۲) افراد تھے اور بعض کا قول ہے کہ وہ نو افراد تھے ان کے دسویں فرد حضرت جبریل علیہ السلام تھے اور ان کو مہمان اس لیے قرار دیا گیا تھا کہ وہ مہمانوں کی صورت میں آئے تھے اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پچھرا ذبح کر کے پکوا کر ان کی مہمان نوازی کی تھی یا اس لیے کہ حضرت ابراہیم کے خیال میں وہ اسی طرح تھے ﴿الْمُكْرَمِينَ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز و محترم تھے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ“ (الانبیاء: ۲۶) ”بلکہ فرشتے تو معزز بندے ہیں O“ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی بہ نفس نفیس خدمت کی تھی اور ان کی بیوی نے بھی ان کی خدمت کی تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لیے بہت جلدی کھانا پیش کر دیا تھا۔

۲۵۔ ﴿رَأَوْا كَلُوا عَلَيْهِ﴾ جب وہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے [”إِذْ“، ”المکرمین“ کے ساتھ منصوب ہے جب کہ یہ تفسیر کی جائے کہ آپ نے فرشتوں کی مہمان نوازی کی تھی ورنہ ”أَذْكَرٌ“ پوشیدہ کی وجہ سے ”إِذْ“ منصوب ہوگا] ﴿فَقَالُوا سَلَامًا﴾ سو انہوں نے سلام کہا [”سَلَامًا“ مصدر ہے اور یہ فعل کے قائم مقام ہے اس کے ہوتے ہوئے فعل کی ضرورت نہیں رہتی اور اس کی اصل ”نُسَلِمُ عَلَيْكُمْ سَلَامًا“ یعنی ہم تمہیں خوب سلام بھیجتے ہیں] ﴿قَالَ سَلَامٌ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں سلام فرمایا ”أَيُّ عَلَيْكُمْ سَلَامٌ“ یعنی تم پر بھی سلام ہو [”سلام“ مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور اس کی خبر محذوف ہے اور رفع کی طرف عدول ”سلام“ کے اثبات پر دلالت کے لیے ہے گویا حضرت ابراہیم نے ارادہ فرمایا کہ آپ فرشتوں کے سلام کے جواب میں ان کے سلام سے بہتر سلام کے ساتھ جواب دیں محض اللہ تعالیٰ کے ادب کی موافقت کرنے کے لیے اور یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے فرشتوں کے لیے بڑا اعزاز ہے حمزہ کوئی اور علی کہانی کی قراءت میں ”سَلِمٌ“ ہے اور ”سَلِمٌ“ اور ”سَلَامٌ“ ہم معنی ہیں] ﴿قَوْمٌ مُّشْكُرُونَ﴾ ”أَيُّ أَنْتُمْ مُنْكَرُونَ“

فَعَرَفُونِي مَنْ أَنْتُمْ“ یعنی تم اجنبی لوگ ہو سو تم مجھے تعارف کراؤ کہ تم کون ہو؟

۲۶۔ ﴿فَدَاغِبَا إِلَىٰ أَهْلِكُمَا﴾ سو حضرت ابراہیم علیہ السلام چپکے سے اپنے گھر والوں کے پاس چلے گئے (یعنی) آپ اپنے مہمانوں کے پاس سے اٹھ کر خاموشی کے ساتھ اپنے گھر والوں کے پاس چلے گئے کیونکہ میزبان کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ وہ اپنی مہمان نوازی کی تیاری کو مخفی رکھے اور مہمانوں کو کھانا پکانے کا علم نہ ہو سکے اس اندیشے سے کہ کہیں مہمان

تکلف کر کے کھانا پکانے سے منع نہ کر دیں اور اس زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس عام مال گائیں بیل ہوا کرتے تھے ﴿فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَمِينٍ﴾ سو اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے ان مہمانوں کے لیے بھنا ہوا موٹا تازہ پھنڑا لے کر آگے۔

۲۷، ۲۸- ﴿فَقَدَرْنَا لَيْلِيُمْ﴾ پس آپ نے اسے ان کے سامنے قریب رکھ دیا تاکہ وہ اس میں سے پیٹ بھر کر کھائیں مگر انہوں نے کچھ نہ کھایا ﴿قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ﴾ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے فرمایا: کیا تم کھانا نہیں کھاتے؟ گویا آپ نے ان کے کھانا نہ کھانے کو ناپسند کیا یا پھر آپ نے انہیں کھانا کھلانے کی ترغیب کے لیے یہ فرمایا ﴿فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً﴾ پھر آپ نے اپنے دل میں ان سے خوف و ڈر محسوس کیا کیونکہ جو تمہارا کھانا نہیں کھائے گا وہ تمہاری عزت نہیں کرے گا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں خیال آ گیا تھا کہ بے شک یہ فرشتے ہیں جو عذاب کے لیے بھیجے گئے ہیں ﴿قَالُوا لَا تَخَفْ﴾ انہوں نے کہا: آپ مت گھبرائیے بے شک ہم تو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور بعض مفسرین نے بیان فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس بھنے ہوئے پھنڑے پر اپنا دست مبارک پھیرا تو وہ زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا اور اپنی ماں کے ساتھ مل گیا ﴿وَبَشِّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ﴾ اور ان فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک علم والے لڑکے کی خوش خبری سنائی یعنی وہ لڑکا بالغ و جوان ہوگا اور عالم و فاضل ہوگا پھر جس لڑکے کی خوش خبری دی گئی ہے وہ جمہور علمائے اسلام کے نزدیک حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔

۲۹- ﴿فَاَقْبَلَتْ امْرَاَتُهُ فِي صَرَّةٍ﴾ سو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی چیختی چلاتی آگے بڑھ گئی۔ ”صرة“ کا معنی زوردار اور بلند آواز نکالنا یہ ”صر القلم والباب“ سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب چلتے وقت قلم سے آواز آنے لگے اور دروازے کے کھولتے اور بند کرتے وقت اس سے آواز نکلے اور علامہ زجاج نے کہا کہ ”صرة“ سے یہاں زوردار آواز نکالنا مراد ہے [اور یہ حال کی بناء پر محلاً منسوب ہے ”اَيُّ فَجَاءَتْ صَارَةً“ یعنی وہ چیختی اور چلاتی ہوئی آئی اور بعض اہل علم نے کہا کہ اس نے خوش خبری سن کر بلند آواز سے ”يَا وَيْلَتَا“ کہنا شروع کر دیا جس کا مطلب ہے: اے ہائے افسوس! اس بڑھاپے میں بچہ ہوگا اور ”صرة“ سے یہی ”يَا وَيْلَتَا“ کہنا مراد ہے] ﴿فَصَكَتَتْ وَجْهَهَا﴾ پھر اس نے اپنے چہرے پر اپنا ہاتھ مارا (یعنی) اس نے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی اپنے چہرہ پر ماری اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم کی بیوی نے صرف اپنے ہاتھ کی انگلیوں کے اطراف اور پورا اپنی پیشانی پر تعجب کرنے والے آدمی کی طرح مارے تھے اور یہ اظہار تعجب تھا ﴿وَقَالَتْ كَجُوِّزٍ عَقِيمٍ﴾ اور اس نے کہا: بوڑھی بانجھ ہوں یعنی میں تو بوڑھی ہوں اور بانجھ ہو چکی ہوں تو بھلا میں بچہ کیسے جنوں گی جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”ءَا اِلٰدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا“ (ہود: ۷۲) ”کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرا شوہر بوڑھا ہے۔“

۳۰- ﴿قَالُوا كَذٰلِكَ﴾ فرشتوں نے کہا: اسی طرح ہوگا جس طرح ہم نے کہا ہے اور جس طرح ہم نے اس کی خبر دی ہے ﴿قَالَ تَابَلٰٓئُ﴾ یہ تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے یعنی بے شک ہم تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں خبر سنا رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان تمام کاموں پر پوری طرح قادر ہے جن کو تم عقل سے بعید سمجھتے ہو ﴿اِنَّكَ هُوَ الْحَكِيْمُ﴾ بے شک وہ اپنے ہر فعل میں بڑا حکمت والا ہے ﴿الْعَلِيْمُ﴾ وہ سب کچھ خوب جاننے والا ہے سو اس سے کوئی چیز مخفی اور پوشیدہ نہیں رہ سکتی اور مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی نے اس بڑھاپے کی عمر میں بچہ کی ولادت کو بعید از قیاس خیال کیا تو

حضرت جبریل علیہ السلام نے اس سے کہا کہ تم اپنے گھر کی چھت کی طرف غور سے دیکھو جب اس نے چھت کی طرف دیکھا تو چھت کا تنا (شہتیر) اچانک ہرا بھرا پتوں والا پھل دار ہو گیا۔

الخصم

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿۳۱﴾ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ﴿۳۲﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِينٍ ﴿۳۳﴾ مُّسَوِّمَةً ۖ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ ﴿۳۴﴾ فَأَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۵﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۳۶﴾ وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً لِلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿۳۷﴾

ابراہیم نے فرمایا: اے فرشتو! تمہارا مقصد کیا ہے؟ انہوں نے کہا: بے شک ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ تاکہ ہم ان پر مٹی کے بنائے ہوئے پتھر برسائیں۔ جو آپ کے پروردگار کے پاس سے حد سے بڑھ جانے والوں کے لیے نشان زدہ ہیں۔ سو ہم نے اس بستی میں رہنے والے تمام مسلمانوں کو نکال لیا ہے۔ پس ہم نے اس بستی میں مسلمانوں کے ایک گھر کے سوا کوئی مسلمان گھر نہیں پایا۔ اور ہم نے اس بستی میں ان لوگوں کے لیے ایک نشانی باقی رکھی ہے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کی مجرم قوم کی ہلاکت اور مسلمانوں کی نجات کا بیان

۳۱۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ آنے والے مہمان فرشتے ہیں اور فرشتے آسمان سے زمین پر جب بھی نازل ہوتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بعض کاموں کے لیے بھیجے جاتے ہیں ﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ﴾ حضرت ابراہیم نے فرمایا: تمہارے آنے کا مقصد کیا ہے؟ یعنی تمہاری اہم ترین کیا مہم ہے اور تمہارا کیا مطلب ہے اور تمہیں کس اہم کام کے سلسلے میں بھیجا گیا ہے ﴿أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ﴾ اے بھیجے ہوئے فرشتو! تمہیں خاص خوش خبری دینے اور بشارت سنانے کے لیے بھیجا گیا ہے یا اس کے علاوہ کسی اور مقصد کے لیے بھیجا گیا ہے یا پھر دونوں مقاصد کے لیے بھیجا گیا ہے۔

۳۲۔ ﴿قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ﴾ انہوں نے کہا: بے شک ہمیں ایک مجرم قوم کی طرف بھیجا گیا ہے (یعنی) حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف۔

۳۳۔ ﴿لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِينٍ﴾ تاکہ ہم ان پر مٹی کے بنائے ہوئے پتھر برسادیں۔ کنکر مراد ہیں اور یہ آگ پر پکائے ہوئے کنکر ہوتے ہیں جیسا کہ اینٹوں کو آگ پر پکایا جاتا ہے یہاں تک کہ یہ کنکر پتھروں کی طرح سخت ہو جاتے ہیں۔

۳۴۔ ﴿مُّسَوِّمَةً﴾ نشان زدہ اور علامت کردہ۔ یہ ”مُّسَوِّمَةً“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی علامت اور نشانی ہے ہر کنکر پر سرخ یا سفید نشان ہوتا تھا اور جس شخص کو جس کنکر سے ہلاک کرنا ہوتا اس پر اس شخص کا نام لکھا ہوتا تھا ﴿عِنْدَ رَبِّكَ﴾ آپ کے پروردگار کے پاس (یعنی) اس کی بادشاہی اور اس کی سلطنت میں ﴿لِلْمُسْرِفِينَ﴾ حد سے بڑھ جانے والوں کے لیے۔

ان کو ”مُسْرِفِينَ“ کا نام اس طرح دیا گیا ہے جس طرح ان کو ”عَادِينَ“ (تجاوز کرنے والے) کا نام دیا گیا ہے کیونکہ یہ لوگ اپنے کام میں حد سے بڑھنے والے اور سرکشی کرنے والے تھے اس لیے کہ انہوں نے صرف اسی کام پر اکتفاء نہیں کیا جو

ان کے لیے مباح اور جائز قرار دیا گیا تھا۔

۳۵- ﴿فَاخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيهَا﴾ سوہم نے ان کو نکال لیا جو اس بستی میں تھے اور ان کا ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ سب کو معلوم تھے ﴿بِالْمُؤْمِنِينَ﴾ ایمان داروں میں سے یعنی حضرت نوح علیہ السلام اور جو افراد ان پر ایمان لے آئے تھے۔

۳۶- ﴿فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِنَ الْمَسْلُومِينَ﴾ تو ہم نے اس بستی میں مسلمانوں کے ایک گھر کے سوا کوئی مسلمان گھر نہیں پایا یعنی گھر والوں کے سوا اور اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ ایمان اور اسلام ایک چیز ہے کیونکہ فرشتوں نے اہل ایمان کو یہاں پر ”مؤمنین“ اور ”مسلمین“ فرمایا ہے۔

۳۷- ﴿وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً لِلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ﴾ اور ہم نے اس بستی میں ان لوگوں کے لیے ایک نشانی باقی رکھی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں (یعنی) ان ہلاک شدہ لوگوں کی تباہ شدہ بستیوں میں ایک علامت اور نشانی کو باقی رکھا گیا ہے تاکہ اس سے ڈرنے والے نرم دل لوگ عبرت و نصیحت حاصل کریں نہ کہ وہ لوگ جن کے دل سخت بد بخت ہو گئے، بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان کی ہلاکت کی ایک علامت اور نشانی وہاں کا سیاہ اور بد بودار پانی ہے جو تباہی کے وقت وہاں کی زمین میں سے باہر اہل پڑا تھا۔

وَفِي مُوسَى إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿۳۸﴾ فَتَوَلَّىٰ بِرُكْنِهِ وَ

قَالَ سِحْرٌ أَوْ جُنُودٌ ﴿۳۹﴾ فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿۴۰﴾ وَفِي

عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ﴿۴۱﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ عَلَيْهَا إِلَّا جَعَلَتْهُ

كَالزَّمِيرِ ﴿۴۲﴾

اور موسیٰ (کے واقعہ) میں (بھی ایک نشانی ہے) جب ہم نے اسے روشن سند کے ساتھ فرعون کے پاس بھیجا سو وہ اپنے طاقتور لشکر سمیت پھر گیا اور اس نے کہا: یہ جادو گر ہے یا دیوانہ ہے ○ تو ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ لیا اور ہم نے ان کو دریا میں پھینک دیا اور وہ ملامت والا ہو گیا ○ اور عاد (کی ہلاکت) میں (بھی ایک نشانی ہے) جب ہم نے ان پر ہلاکت خیز سخت آندھی بھیجی ○ وہ کسی چیز پر نہ گزرتی مگر وہ اسے گلی سڑی چیز کی طرح کر کے چھوڑتی ○

فرعون، عاد، ثمود اور قوم نوح کی ہلاکت کا بیان

۳۸- ﴿وَفِي مُوسَى﴾ یہ ”وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ“ پر یا پھر ”وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً“ پر معطوف ہے اور اس کا معنی یہ ہے: ”وَجَعَلْنَا فِي مُوسَى آيَةً“ اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ایک نشانی مقرر کر دی ہے جیسے شاعر کا قول ہے: ”عَلَفْتَهَا تَبْنَا وَمَاءٌ بَارِدًا“ میں نے اس کو چارہ میں گھاس پھوس دی اور ٹھنڈا پانی پلایا ﴿إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ﴾ جب ہم نے ان کو فرعون کے پاس ایک واضح اور روشن سند کے ساتھ بھیجا تھا (یعنی) بالکل ظاہر حجت کے ساتھ بھیجا اور وہ حجت و سند ہاتھ اور عصا کا معجزہ تھا۔

۳۹- ﴿فَتَوَلَّىٰ﴾ سو اس نے ایمان قبول کرنے سے منہ پھیر لیا اور اعراض کر لیا ﴿بِرُكْنِهِ﴾ اپنی اس قوت کے بل بوتے پر جس کے ذریعے وہ طاقتور بن چکا تھا اور وہ قوت اس کا لشکر و فوج اور اس کی حکومت تھی اور ”رُكْنٌ“ سے مراد وہ مال و دولت اور لشکر و فوج ہے جس کی طرف انسان جھک جاتا ہے ﴿وَقَالَ سِحْرٌ أَوْ جُنُودٌ﴾ اور فرعون نے کہا: یہ جادو گر ہے یا

دیوانہ ہے۔

۴۰۔ ﴿فَاخَذْنَاهُ وَجُودَهُ قَبَذًا نَّمِمْ فِي الْيَوْمِ بِهِ مَلِيًّا﴾ پھر ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ لیا اور ان کو دریا میں پھینک دیا اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرنے والا تھا یعنی فرعون ایسا کام کرنے والا تھا جس پر اسے ملامت کی جائے گی اور وہ اس کا کفر و عناد تھا اور حضرت یونس علیہ السلام کو بھی اس کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: "فَالْتَقَمَهُ الْحَوْتُ وَهُوَ مَلِيْمٌ" (الصافات: ۱۳۲) "سو اسے مچھلی نے نگل لیا اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرتا تھا" تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ملامت کے موجبات مختلف ہیں اور موجبات کے اختلاف کے اعتبار پر ملامت کی مقداریں مختلف ہوں گی چنانچہ کفر و شرک کے مرتکب کو اس کی مقدار پر ملامت کی جائے گی اور گناہ کبیرہ اور صغیرہ اور کسی اور لغزش کے مرتکب کو اس کی اپنی اپنی مقدار کے مطابق ملامت کی جائے گی ["وَهُوَ مَلِيْمٌ" جملہ واؤ کے ساتھ "فَاخَذْنَاهُ" کی ضمیر سے حال ہے]۔

۴۱۔ ﴿وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ﴾ اور عاد (کی ہلاکت) میں (بھی ایک نشانی ہے) جب ہم نے ان پر خیر و برکت سے خالی ہلاکت خیز آندھی بھیجی تھی۔ "الریح العقیم" اس سخت آندھی کو کہا جاتا ہے جس میں بارش پیدا کرنے اور درختوں پر پھل تیار کرنے کے لیے کسی قسم کی کوئی خیر و بھلائی نہیں ہوتی اور یہ تباہ و برباد اور ہلاک کرنے والی سخت آندھی ہوتی ہے اور اس آندھی میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ کس سمت سے چلتی ہے لیکن زیادہ ظاہر یہی ہے کہ یہ دُبور (مغرب سے مشرق کی طرف چلنے والی پھوئی ہوا) ہے کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاهْلِكْتُ عَادٌ بِالذُّبُورِ" بادِ صبا کے ذریعے میری مدد کی گئی ہے اور عاد کو دُبور کے ذریعے ہلاک کیا گیا ہے۔

۴۲۔ ﴿مَا تَكَدَّرُ مِنْ شَيْءٍ آتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ﴾ وہ کسی چیز کو نہیں چھوڑتی جس پر وہ گزرتی ہے مگر وہ اسے گلی سڑی چیز کی طرح کر دیتی ہے۔ "ریم" ہر گلی سڑی اور چورہ چورہ ہونے والی چیز کو کہا جاتا ہے یعنی بہت پرانی اور بوسیدہ چیز جو ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے خواہ ہڈی ہو یا کوئی کھیت اور پودے وغیرہ اور معنی یہ ہے کہ یہ آندھی کسی چیز کو نہیں چھوڑتی جس پر بھی گزر جاتی ہے اسے تباہ کر دیتی ہے وہ انسان ہوں اور ان کے جانور ہوں اور ان کے اموال ہوں وہ سب کو ہلاک کر دیتی ہے۔

وَفِي شَمُودَ إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوا حَتَّىٰ حِينٍ ﴿۳۳﴾ فَعْتُوا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَاخَذْنَا

الصَّيْقَةَ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ﴿۳۴﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوا مِنْ قِيَامٍ وَمَا كَانُوا مُنْتَصِرِينَ ﴿۳۵﴾

وَقَوْمٌ نُّوحٌ مِنْ قَبْلِ إِيَّاهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿۳۶﴾

اور شمود (کی ہلاکت) میں (بھی ایک نشانی ہے) جب ان سے فرمایا گیا کہ تم ایک مقرر وقت تک فائدہ حاصل کر لو سو انہوں نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی تو انہیں ایک گرج دار مہلک عذاب نے پکڑ لیا اور وہ دیکھتے رہ گئے پھر وہ نہ تو کھڑے ہو سکے اور نہ وہ بدلہ لے سکتے تھے اور قوم نوح (کی ہلاکت) میں (بھی ایک نشانی ہے) جو پہلے تھی بے شک وہ نافرمان قوم تھی

۴۳۔ ﴿وَفِي شَمُودَ﴾ اور شمود میں (یعنی) اس کی ہلاکت میں بھی ایک نشانی ہے ﴿إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوا حَتَّىٰ حِينٍ﴾

۱۔ زواہ احمد ج ۱ ص ۳۲۳ مسلم رقم الحدیث: ۹۰۰

جب ان سے فرمایا گیا کہ تم ایک مقرر وقت تک فائدہ اٹھاؤ جس کی تفسیر (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ میں ہے: "تَمَتُّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ" (سود: ٢٥) "تم اپنے گھروں میں تین دنوں تک فائدہ اٹھاؤ۔"

٤٤- ﴿فَعَتُوا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ﴾ سوانہوں نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور انہوں نے اس پر عمل کرنے سے تکبر کیا ﴿فَاخَذَتْهُمْ الصَّعِقَةُ﴾ تو انہیں کڑک دار عذاب نے پکڑ لیا اور ہر ہلاک کرنے والے عذاب کو "صَاعِقَةٌ" کہا جاتا ہے [قاری علی کسائی کی قراءت میں الف کے بغیر "الصَّعِقَةُ" ہے اور یہ "صَعَقْتَهُمُ الصَّاعِقَةُ" کا مصدر ہے جو نوع کے معنی میں ہے یعنی ایک مخصوص قسم کا سخت عذاب] ﴿وَهُوَ يُنظَرُونَ﴾ اور وہ اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھ رہے تھے کیونکہ یہ عذاب دن کو آیا تھا جس کا انہوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا۔

٤٥- ﴿فَمَا اسْتَطَاعُوا مِنْ قِيَامٍ﴾ پس وہ کھڑے نہ ہو سکے یعنی وہ لوگ عذاب کو دیکھ کر کہیں بھاگ کر نہ جاسکے یا وہ لوگ اس کا دفاع نہ کر سکے یہ ان کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ "مَا يَقُومُ بِهِ" یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص اس کے دفاع سے عاجز آ جائے ﴿وَمَا كَانُوا مُتَّبِعِينَ﴾ اور وہ عذاب سے بچنے والے نہیں تھے یا یہ معنی ہے کہ وہ لوگ عذاب سے بچنے کے لیے ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے کیونکہ "انتصار" کا معنی مقابلہ بھی آتا ہے۔

٤٦- ﴿وَقَوْمَ نُوحٍ﴾ "أَيُّ وَاهْلَكْنَا قَوْمَ نُوحٍ" یعنی ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کی نافرمان قوم کو ہلاک کر دیا تھا اس لیے کہ اس معنی پر سابق کلام دلالت کر رہا ہے یا پھر اصل میں "وَإِذْ كَرَّ قَوْمَ نُوحٍ" اور (اے میرے محبوب!) حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو یاد کیجئے [ابو عمر و بصری، علی کسائی اور حمزہ کوئی کی قراءت میں مجرور پڑھا جاتا ہے: "أَيُّ (وَ) فِي (قَوْمِ نُوحٍ) آيَةٌ" یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں بھی ایک نشانی ہے اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت "وَفِي قَوْمِ نُوحٍ" اس کی تائید کرتی ہے] ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ مذکورہ بالا ان قوموں کی ہلاکت سے پہلے اس قوم کو ہلاک کیا گیا تھا (کیونکہ) ﴿إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ﴾ بے شک وہ ایک نافرمان قوم تھی (یعنی) وہ کافر تھے۔

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا يَدَيَّا وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ ﴿٢٧﴾ وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا فَنِعْمَ الْمُهْدُونَ ﴿٢٨﴾

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٢٩﴾ فَفِرُّوْا إِلَى اللَّهِ إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿٣٠﴾ وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ

مُبِينٌ ﴿٣١﴾

مُبِينٌ ﴿٣١﴾

اور ہم نے آسمان کو اپنے دست قدرت سے بنایا اور بے شک ہم نے اسے ضرور بڑا وسیع و عریض بنایا اور ہم نے زمین کو فرش بنایا سو ہم بہت اچھا فرش بچھانے والے ہیں اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو سو تم اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑو بے شک میں اس کی طرف سے تمہیں کھلم کھلا ڈرسانے والا ہوں اور تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود نہ ٹھہراؤ بے شک میں تمہیں اس کی طرف سے واضح ڈرسانے والا ہوں

قدرتِ الہی تو حید کی دعوت اور رسولوں پر کفار کی الزام تراشی

۴۷- ﴿وَالسَّمَاءَ﴾ اور ہم نے آسمان کو بنایا ہے [”السَّمَاءَ“ ایک ایسے فعل کی وجہ سے منصوب ہے جس کی تفسیر اس کے بعد فعل ”بَنَيْنَا“ کر رہا ہے] ﴿بَنَيْنَاهَا بِأَيْدِي﴾ ہم نے اس (آسمان) کو اپنے ہاتھوں سے یعنی اپنی قوت و طاقت اور اپنی قدرت سے بنایا ہے۔ یہاں ”أَيْدٍ“ سے ہاتھ مراد نہیں بلکہ قوت اور قدرت مراد ہے ﴿وَإِنَّا لَبُؤْسِعُونَ﴾ اور بے شک ہم نے اس کو بڑا کشادہ بنایا ہے بے شک ہم بڑی قدرت والے ہیں۔ یہ ”وَسِعٌ“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: قوت اور ”الموسع“ کا معنی ”القوی علی الانفاق“ یعنی خرچ کرنے پر قدرت و اختیار رکھنے والا یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کے درمیان وسعت دینے والا ہے۔

۴۸- ﴿وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا﴾ اور ہم نے زمین کو فرش بنایا (یعنی) ہم نے زمین کو ہر چہار اطراف (مشرق و مغرب اور جنوب و شمال) میں پھیلا دیا اور اس کو بچھا دیا ہے [اور یہ پوشیدہ فعل کی وجہ سے منصوب ہے یعنی ”وَفَرَشْنَا الْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا“] ﴿فَنَعْمَ الْبَهْدُونَ﴾ سو ہم سب سے بہتر بچھانے والے ہیں۔

۴۹- ﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ﴾ اور ہر چیز میں سے (یعنی) ہر جاندار میں سے ہر ایک کے ﴿خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ﴾ ہم نے جوڑے پیدا کیے ہیں مذکر و مؤنث۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آسمان زمین اور رات دن اور سورج چاند اور صحرا دریا اور موت حیات پھر انہوں نے متعدد چیزیں گنیں اور فرمایا: ہر دو چیزیں ایک دوسرے کا جوڑا ہے اور اللہ تعالیٰ فرد ہے واحد ہے اور احد ہے اس کی کوئی مثل نہیں ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَذَكَّرُونَ﴾ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو یعنی یہ آسمان کی بناء اور زمین کا فرش اور تمام جوڑوں کی تخلیق سب کچھ ہم نے اس لیے کیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو اور تم اپنے خالق و مالک کو پہچانو اور تم صرف اسی کی عبادت کرو۔

۵۰- ﴿فَفِرُّوْا إِلَى اللَّهِ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو یعنی کفر و شرک سے بھاگ کر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی طرف دوڑو یا شیطان کی اطاعت و فرماں برداری سے دور ہو کر اللہ رحمن عزوجل کی اطاعت و فرماں برداری کی طرف بھاگو یا اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے اسی اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو ﴿إِنِّي لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ﴾ بے شک میں اس کی طرف سے تمہارے لیے کھلم کھلا ڈرسانے والا ہوں۔

۵۱- ﴿وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ﴾ اِنِّي لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ اور تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہراؤ بے شک میں اس کی طرف سے تمہارے لیے کھلم کھلا ڈرسانے والا ہوں۔ ”نذیر مبین“ کا تکرار ایک تو پیغام کی تاکید کے لیے ہے دوسرا کلام کی طوالت و عید (دھمکانے اور ڈرانے) میں زیادہ موثر ہوتی ہے۔

اس آیت میں ”اید“ کا لفظ ہے اس کا معنی قوت اور قدرت ہے یعنی ہم نے آسمان کو اپنی قوت اور قدرت سے بنایا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ”اید“، ”ید“ کی جمع ہو اور اس کا معنی ہو: ہم نے آسمان کو (اپنے) ہاتھوں سے بنایا اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھوں کے ثبوت میں دو مذہب ہیں ایک مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہیں اور وہ مخلوق کے ہاتھوں کی مثل نہیں ہیں اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے کہ اس کے ہاتھوں کی کیا کیفیت ہے یہ ائمہ اربعہ اور متقدمین کا مذہب ہے اور متاخرین نے جب دیکھا کہ ان الفاظ کی وجہ سے مخالفین اسلام دین اسلام پر اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے جسمانی اعضاء ہیں اور جسمانی اعضاء کے ثبوت سے اللہ تعالیٰ کا حادث ہونا لازم آتا ہے تو انہوں نے ان الفاظ کی تاویل کی اور کہا: ہاتھوں سے مراد اس کی قدرت اس کی قوت اور اس کا اقتدار ہے۔

(تفسیر تبیان القرآن ج ۱ ص ۳۸۵)

كَذَلِكَ مَا آتَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا قَالُوا سِحْرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿٥٢﴾

أَتَوَاصُوا بِهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿٥٣﴾ فَتَوَلَّى عَنْهُمْ فَمَا أَنْتَ بِمَلُومٍ ﴿٥٤﴾ وَذَكَرَ

فَإِنَّ الذِّكْرَى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٥﴾

اسی طرح ان (قریش مکہ) سے پہلے لوگوں کے پاس کوئی رسول نہیں آیا مگر انہوں نے کہہ دیا: یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ کیا انہوں نے ایک دوسرے کو اس کی وصیت کی تھی بلکہ وہ سرکش لوگ تھے۔ سو آپ ان سے منہ پھیر لیں، پس آپ پر کوئی ملامت نہیں اور آپ نصیحت کرتے رہیے، پس نصیحت مومنوں کو نفع دیتی ہے۔

۵۲- ﴿كَذَلِكَ﴾ معاملہ اسی طرح ہے اور یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جس طرح پہلی امتوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا اور ان کو کبھی جادوگر اور کبھی دیوانہ کہا، اسی طرح مشرکین عرب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کبھی جادوگر اور کبھی دیوانہ کہتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے اس اجمال کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿مَا آتَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولٍ﴾ ان سے پہلے یعنی آپ کی قوم (قریش) سے پہلے لوگوں کے پاس کوئی رسول نہیں آیا ﴿إِلَّا قَالُوا سِحْرٌ أَوْ مَجْنُونٌ﴾ مگر انہوں نے کہا: یہ رسول جادوگر ہے یا دیوانہ ہے اور انہوں نے محض اپنی جہالت کی وجہ سے جادوگر ہونے اور دیوانہ ہونے کا الزام لگایا تھا۔

۵۳- ﴿أَتَوَاصُوا بِهِ﴾ کیا انہوں نے اس کی ایک دوسرے کو وصیت کی تھی۔ ”بہ“ کی ضمیر قول کی طرف لوٹی ہے یعنی کیا پہلے لوگوں اور پچھلے لوگوں نے اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کی تھی یہاں تک کہ سب لوگوں نے متفق ہو کر یہی بات کہی ﴿بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ﴾ بلکہ وہ سرکش قوم ہے یعنی انہوں نے اس بات کی ایک دوسرے کو ہرگز وصیت نہیں کی کیونکہ وہ ایک زمانہ میں ایک دوسرے سے نہیں ملے بلکہ ان سب کا سبب ایک ہے اور وہ سرکشی ہے اور یہی سرکشی انہیں اس بات پر ابھارتی تھی۔

۵۴- ﴿فَتَوَلَّى عَنْهُمْ﴾ سوائے محبوب! آپ ان لوگوں سے منہ پھیر لیں جن کو آپ نے بار بار دعوت حق دی لیکن انہوں نے بغض و عناد کی وجہ سے جواب نہیں دیا اور دعوت حق کو قبول نہیں کیا ﴿فَمَا أَنْتَ بِمَلُومٍ﴾ سو آپ کو ملامت نہیں کیا جائے گا (یعنی) جب آپ نے رسالت کی تبلیغ کر دی اور حق کی دعوت دینے اور اسے لوگوں تک پہنچانے میں آپ نے اپنی مقدور بھر کوشش صرف کر دی تو اب اس کے بعد ان سے اعراض کرنے اور منہ پھیرنے پر آپ پر ملامت عائد نہیں ہوتی۔

۵۵- ﴿وَذَكَرَ﴾ اور آپ قرآن مجید کے ذریعے نصیحت کرتے رہیے ﴿فَإِنَّ الذِّكْرَى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ پس بے شک نصیحت مومنوں کو نفع دیتی ہے کیونکہ ان کے علم میں اضافہ ہو جائے گا۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾ مَا أُرِيدُ مِنْكُمْ مِنْ زِينَةٍ وَمَا

أُرِيدُ أَنْ يُلْطَمُونَ ﴿٥٧﴾ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ﴿٥٨﴾ فَإِنَّ لِلَّذِينَ

ظَلَمُوا ذُنُوبًا مِثْلَ ذُنُوبِ أَحْسِبُهُمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿٥٩﴾ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ

كَفَرُوا مِنْ يَوْمِهِمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿٦٠﴾

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں O میں ان سے نہ رزق چاہتا ہوں اور نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں O بے شک اللہ تعالیٰ ہی بہت رزق دینے والا بڑی مضبوط قوت والا ہے O سو بے شک ظالموں کے لیے عذاب کا حصہ ہے جیسے ان کے ساتھیوں کے لیے عذاب کا حصہ ہے سو وہ مجھ سے جلدی نہ مانگیں O سو کافروں کے لیے ان کے اسی دن سے عذاب ہوگا جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے O

جن وانس کی تخلیق کا مقصد اور کفار کی سزا کا بیان

۵۶- ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ اگر عبادت کو حقیقت پر محمول کیا جائے تو یہ آیت عام نہیں ہوگی کہ تمام جن وانس مراد ہوں بلکہ مخصوص ہوگی اور اس صورت میں جنوں اور انسانوں دونوں فریقوں میں سے صرف اہل ایمان مراد ہوں گے اس کی دلیل کلام کا سیاق و سباق ہے یعنی ”وَذِكْرُ فَإِنَّ الذِّكْرَى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ O“ اور اے محبوب! آپ نصیحت کرتے رہیے سو بے شک نصیحت کرنا مومنوں کو نفع دیتا ہے O اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت بھی اس کی تائید کرتی ہے چنانچہ آپ کی قراءت میں اس طرح ہے: ”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ“ اور میں نے مومنین میں سے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور یہ قراءت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ اللہ تعالیٰ جنوں اور انسانوں میں سے ان لوگوں کو بھی عبادت کے لیے پیدا کرے جن کے متعلق اسے خوب معلوم ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو عبادت کے لیے پیدا کیا اور ان سے عبادت کا ارادہ فرمایا تو اب ان کی طرف سے عبادت کا پایا جانا ضروری اور لازمی ہے لیکن جب وہ ایمان نہیں لائے تو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عبادت کے لیے نہیں بلکہ دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا: ”وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ“ (الاحراف: ۱۷۹) ”اور بے شک ہم نے جنوں اور انسانوں میں سے بہتوں کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے“ اور بعض حضرات کا قول ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے تاکہ میں انہیں عبادت کا حکم دوں اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی معنی منقول ہے اور بعض نے کہا کہ معنی یہ ہے کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ وہ صرف میرے بندے بن جائیں اور وہ یہ ہے کہ اگر عبادت کو توحید پر محمول کیا جائے تو یقیناً حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ قرآن مجید میں ہر وہ جگہ جہاں عبادت ذکر کیا گیا ہے اس سے توحید مراد ہے اور آخرت میں تمام جن وانس اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کر کے موحد بن جائیں گے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ آخرت میں تمام کفار مسلمان موحد بن جائیں گے جس کی دلیل (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِئْتَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبَّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ O“ (الانعام: ۲۳) ”پھر ان کا کفر و انکار نہیں ہوگا مگر یہ کہ وہ کہیں گے: ہمارے پروردگار اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم مشرک نہیں تھے O“ ہاں! البتہ جنوں اور انسانوں میں سے بعض نے یقیناً دنیا میں شرک کیا لیکن آخرت کی ابدی اور دائمی مدت کی بہ نسبت دنیا کی مدت ایک دن سے کم ہوگی اور جس شخص نے ایک غلام خریدا اور کہا کہ میں نے صرف کتابت کے لیے خریدا ہے تو وہ اپنے قول میں سچا ہوگا اگرچہ اس نے اپنی زندگی میں کسی ایک دن اسے کسی دوسرے کام میں استعمال کیا ہو۔

۵۷- ﴿مَا أَرِيْدُ مِنْكُمْ مِنْ دَرَسَاتٍ﴾ میں ان سے رزق نہیں چاہتا (یعنی) میں نے انہیں اس لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ اپنے لیے خود رزق پیدا کریں یا میرے بندوں میں سے کسی کے لیے رزق پیدا کریں (کیونکہ رزق میرے ذمے ہے) ﴿وَمَا﴾

اُرِيدَانُ يُطْعَمُونَ ﴿﴾ اور نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ ثعلب نے فرمایا: اس کا معنی ہے کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ میرے بندوں کو کھلائیں اور یہ تخصیص کی اضافت ہے جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دی ہے: "مَنْ أَكْرَمَ مُؤْمِنًا فَقَدْ أَكْرَمَنِي وَمَنْ أَذَى مُؤْمِنًا فَقَدْ أَذَانِي" جس نے کسی مسلمان کی تعظیم کی تو بے شک اس نے میری تعظیم کی اور جس نے کسی مسلمان کو اذیت و تکلیف دی تو اس نے یقیناً مجھے اذیت دی۔

۵۸۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّمَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت رزق دینے والا مضبوط قوت والا ہے "متین" کا معنی ہے: زبردست طاقتور [اور "المتین" "ذو" کی صفت واقع ہونے کی بناء پر مرفوع ہے جب کہ اعمش نے اسے "قوة" کی صفت قرار دے کر مجرور پڑھا ہے اس تاویل پر کہ "قوة" بہ معنی اقتدار ہے]۔

۵۹۔ ﴿فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا﴾ سو بے شک ان لوگوں کے لیے جنہوں نے ظلم کیا یعنی اہل مکہ میں سے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کو جھٹلایا ﴿ذُنُوبًا مِّثْلَ ذُنُوبِ أَصْحَابِهِمْ﴾ عذاب کا حصہ ہے جیسے ان کے ساتھیوں کے لیے عذاب کا حصہ ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سے مشرکین عرب کے لیے مقرر حصہ ہے، جس طرح گزشتہ ہلاک شدہ ان جیسی مشرک قوموں کے لیے عذاب کا حصہ ہے۔ علامہ زجاج نے کہا کہ لغت میں "ذنوب" کا معنی نصیب اور حصہ ہے ﴿فَلَا يَسْتَعْجِلُونَ﴾ سو تم مجھ سے نزول عذاب کو جلدی نہ مانگو اور یہ نظر بن حارث اور اس کے ساتھیوں کے لیے جواب ہے کیونکہ انہوں نے عذاب کی جلدی کا مطالبہ کیا تھا۔

۶۰۔ ﴿قَوْلٍ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ تَوْبِهِمُ الَّذِي يُوعَدُونَ﴾ پس کافروں کے لیے ان کے اس دن سے عذاب ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے یعنی قیامت کے دن سے اور بعض اہل علم نے کہا: غزوہ بدر کے دن سے [قاری یعقوب کی قراءت میں حالت وقف اور حالت وصل دونوں میں "یا" کے ساتھ "لِيَعْبُدُونِي" "أَنْ يُطْعَمُونِي" "فَلَا يَسْتَعْجِلُونِي" پڑھا جاتا ہے اور اہل نے وصل کی حالت میں یعقوب کی موافقت کی اور باقی قراءت نے "یا" کے بغیر پڑھا ہے]۔

الْبَيْتِ الْمَعْمُورِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة الطور

سورة الطور کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی انچاس آیات دو رکوع ہیں

وَالطُّورِ ۱ وَكِتَابٍ مَّسْطُورٍ ۲ فِي رَقٍّ مَّنشُورٍ ۳ وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ ۴ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوعِ ۵ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ ۶ إِنَّ عَذَابَ مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ لَوَاقِعٌ ۷ مَالَهُ مِنْ دَافِعٍ ۸ يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا ۹ وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۱۰ قَوْلٍ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكذِّبِينَ ۱۱ الَّذِينَ هُمْ فِي حَوْضٍ مُّلَعَبُونَ ۱۲ يَوْمَ يُدَاعُونَ إِلَى نَارِ جَهَنَّمَ دَعَاً ۱۳

طور (کے پہاڑ) کی قسم! ۰ اور لکھی ہوئی کتاب کی قسم! ۰ کھلے ہوئے باریک کھال کے ورق میں ۰ اور بیت معمور کی

۱ رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس رقم الحدیث: ۵۸۰۶، انظره فی فیض القدر رقم الحدیث: ۸۵۱۲، ومیزان الاعتدال للذہبی رقم الحدیث:

قسم! اور بلند چھت کی قسم! اور بھرے ہوئے سمندر کی قسم! بے شک آپ کے پروردگار کا عذاب ضرور واقع ہوگا! اس کو روکنے والا کوئی نہیں ہے! اس روز آسمان تھر تھرا کر گھوم رہا ہوگا! اور پہاڑ خوب تیزی سے چل رہے ہوں گے! سو اس دن جھلانے والوں کے لیے ہلاکت ہوگی! جو بے ہودہ مشغلوں میں کھیل رہے ہیں! اس دن انہیں دوزخ کی آگ کی طرف دھکے دے کر دھکیلا جائے گا!

قیامت برپا ہونے کی قسموں اور منکرین کے لیے عذاب کا بیان

(نوٹ) سورۃ الطور کی ہے اور اس کی کل آیات انچاس (۴۹) ہیں۔

۱- ﴿وَالطُّورِ﴾ قسم ہے طور پہاڑ کی! یہ وہ پہاڑ ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے براہ راست کلام کیا تھا اور یہ پہاڑ مدین کے علاقے میں ہے۔

۲- ﴿وَكِتَابٍ مُّسْتَوِيًّا﴾ اور لکھی ہوئی کتاب کی قسم! یہ قرآن مجید ہے اور اس کو معرفہ کی بجائے نکرہ اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ تمام دیگر کتب کے درمیان مخصوص و ممتاز اور معروف و مشہور کتاب ہے (اسے معرفہ لانے کی ضرورت نہیں) یا اس سے لوح محفوظ مراد ہے یا پھر تورات مراد ہے۔

۳- ﴿فِي رَقٍ﴾ باریک کھال کے ورق میں۔ ”رق“ کا معنی صحیفہ ہے یا ایسی کھال (جسے رگڑ رگڑ کر کاغذ کی طرح باریک و ملائم کر کے) اس میں لکھا جاتا ہو ﴿مَنْشُورٍ﴾ پھیلا ہوا اور کھلا ہوا خط جس پر مہر نہ لگی ہوئی ہو یا ظاہر و عیاں اور روشن کتاب۔

۴- ﴿وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ﴾ اور بیت معمور کی قسم! یعنی ”صُرَّاح“ (بلند و بالا گھر) اور یہ کعبہ معظمہ کے مقابل اوپر آسمان میں ایک گھر ہے (اور ”بیت معمور“ کا مطلب ہے: آباد گھر) اور اس کے آباد ہونے کا یہ معنی ہے کہ فرشتے اس کی بہت کثرت سے زیارت کرتے ہیں اور مروی ہے کہ ہر روز ستر ہزار فرشتے اس میں داخل ہوتے ہیں اور باہر نکل جاتے ہیں اور جو فرشتے ایک دفعہ داخل ہو کر زیارت کر لیتے ہیں پھر انہیں دوبارہ کبھی نہیں لوٹایا جائے گا! اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ”الْبَيْتِ الْمَعْمُورِ“ سے کعبہ معظمہ مراد ہے اور اسے حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں اور زیارت کی خاطر آنے جانے والوں سے آباد رکھا جاتا ہے۔

۵- ﴿وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوعِ﴾ اور بلند و بالا چھت کی قسم! یعنی آسمان کی یا عرش کی قسم!

۶- ﴿وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ﴾ اور پانی سے لبریز اور لبالب بھرے ہوئے سمندر کی قسم! یا بھڑکائے ہوئے موجزن سمندر کی قسم! [پہلی واو قسم کی ہے اور باقی تمام عطف کے لیے ہیں اور قسم کا جواب (درج ذیل آیت ہے:)]

”الْبَيْتِ الْمَعْمُورِ“ کا لفظی معنی ہے: آباد شدہ گھر! اس سے مراد کعبہ ہے کیونکہ لوگ اس کی زیارت کا قصد کرتے ہیں اور حج کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں نے اس کو آباد کیا ہے۔ قاضی بیضاوی نے سورہ توبہ میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ زمین میں میرے گھر مساجد ہیں اور ان کی زیارت کرنے والے ان کو آباد کرنے والے ہیں اور اس کو آباد کرنے سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اس کو قندیلوں اور فرش سے مزین کیا جائے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”الْبَيْتِ الْمَعْمُورِ“ ساتویں آسمان میں ہے۔ اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور جو فرشتہ ایک بار داخل ہوتا ہے وہ دوبارہ قیامت تک داخل نہیں ہوتا۔

(المستدرک ج ۲ ص ۴۶۸) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

٧- ﴿إِنَّ عَذَابَ مَا تَبْتَ﴾ بے شک آپ کے پروردگار کا عذاب یعنی جس عذاب سے کفار کو ڈرایا گیا ہے وہ ﴿لَوَاقِعٌ﴾ ضرور نازل ہوگا۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس قیدیوں کی رہائی کے بارے میں بات چیت کرنے کی غرض سے مدینہ منورہ حاضر ہوا سو میں نے آپ کو فجر کی نماز میں پایا، آپ اس وقت سورۃ الطور پڑھ رہے تھے چنانچہ جب آپ ”إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ“ پر پہنچے تو میں نے فوراً دل سے اسلام قبول کر لیا، محض اس خوف کی وجہ سے کہ کہیں مجھ پر عذاب الہی نازل نہ ہو جائے۔

٨- ﴿مَالِكٌ مِنْ دَافِعٍ﴾ اس کو کوئی روکنے والا نہیں روک سکتا نہ اسے کوئی منع کرنے والا منع کر سکتا ہے [اور یہ جملہ ”لَوَاقِعٌ“ کی صفت ہے] یعنی عذاب الہی ضرور واقع ہوگا اسے کسی صورت میں نہیں روکا جاسکتا۔

٩- ﴿يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مُمْرُورًا﴾ اس دن آسمان کانپتے ہوئے چمکی کی طرح گھوم رہا ہوگا [”یوم“ کا عامل ”لَوَاقِعٌ“ ہے یعنی اس روز عذاب الہی ضرور واقع ہوگا یا پھر ”اذکسر“ محذوف عامل ہے یعنی اس دن کو یاد کیجئے جس روز آسمان تھر تھرا کر گھومنے لگے گا]۔

١٠- ﴿وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا﴾ اور پہاڑ ہوا میں بادلوں کی طرح چلنے لگ جائیں گے کیونکہ قیامت کے دن پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر بکھرے ہوئے غبار کی طرح ہو جائیں گے۔

١١- ﴿فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ﴾ سو اس روز جھٹلانے والوں کے لیے عذاب الہی اور ہلاکت و تباہی ہوگی۔

١٢- ﴿الَّذِينَ هُمْ فِي حُوضٍ يَلْعَبُونَ﴾ یہ وہی لوگ ہیں جو بے ہودہ مشغلوں میں کھیلتے ہیں۔ ”حوض“ کا اکثر

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) امام حاکم نے کہا: یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا اور علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے اور یہ بات صحیح اور ثابت ہے کہ ہر آسمان میں زمین کے کعبہ معظمہ کے مقابل ایک بیت ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: ”البيت المعمور“ آسمان میں ہے اور اس کو ”الضواح“ (دور اور بلند) کہتے ہیں۔ یہ ”بیت الحرام“ کی مثل اور اس کی سیدھ میں ہے۔ اگر وہ اوپر سے گرے تو کعبہ کے اوپر گرے گا اس میں ہر روز ایسے ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جنہوں نے اس سے پہلے اس کو نہیں دیکھا اور اس کی آسمان میں ایسی حرمت ہے جیسی مکہ مکرمہ کی حرمت ہے۔ (المجم الکبیر رقم الحدیث: ١٢١٨٥ حافظ ابوشامی نے کہا: اس کی سند میں ایک راوی ہے: اسحاق بن بشر ابو حذیفہ، وہ متروک الحدیث ہے۔ مجمع الزوائد ج ٤ ص ١١٣ دارالکتب العربیہ بیروت ١٤٠٢ھ) قاضی بیضاوی نے آل عمران کی تفسیر میں کہا ہے کہ ”البيت المعمور“ کعبہ کی جگہ پر تھا اس کا نام ”الضواح“ تھا فرشتے اس کا طواف کرتے تھے جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تو ان کو حکم دیا گیا کہ اس کا حج کریں اور اس کا طواف کریں اور جب طوفان نوح آیا تو اس کو چوتھے آسمان پر اٹھالیا گیا اور وہاں فرشتے اس کا طواف کرتے تھے اور حدیث صحیح میں مذکور ہے کہ ”البيت المعمور“ ساتویں آسمان میں ہے یہ اس کے منافی ہے کیونکہ یہ ثابت ہے کہ ہر آسمان میں مکہ معظمہ کے مقابل ایک بیت ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں جو کعبہ کی جگہ ”البيت المعمور“ تھا اس کو حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد آسمان کی طرف اٹھالیا گیا اور وہ چوتھے آسمان میں ہے اسی طرح امام ازرقی نے تاریخ مکہ میں لکھا ہے لیکن یہ عبارت قاضی بیضاوی کی اس تحریر کے خلاف ہے کہ ”البيت المعمور“ کو طوفان نوح کے وقت چوتھے آسمان کی طرف اٹھالیا گیا تھا اور ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی اور روایت ہو نیز ”البيت المعمور“ بھی متعدد ہیں۔

(عنایۃ القاضی ج ٨ ص ٦٠٦ حاشیۃ القنوی علی البیضاوی ج ١٨ ص ٢٣٨ دارالکتب العلمیہ بیروت ١٤٢٢ھ) (ماخوذ از

تفسیر تبيان القرآن ج ١١ ص ٢٣٥-٢٣٦)

استعمال باطل و ناحق اور ناجائز و جھوٹی باتوں میں مشغول رہنے کے لیے ہوتا ہے اور اسی سے یہ ارشاد ہے کہ "وَكُنَّا نَحْوَصُّ مَعَ النَّجَائِظِينَ" (المدثر: ۳۵) "اور ہم نے ہودہ گوئی کرنے والوں کے ساتھ بے ہودہ گوئی کرتے تھے"۔

۱۳۔ ﴿يَوْمَ يُدَاعُونَ إِلَىٰ نَارِ جَهَنَّمَ دَعَا﴾ اور اس روز ان کو دھکے دے کر دوزخ کی آگ کی طرف دھکیلا جائے گا۔ "دَعَا" کا معنی ہے: سخت نفرت کے ساتھ زور سے دھکا دینا اور یہ اس لیے کہ قیامت کے روز دوزخ کے داروغے فرشتے کفار کے ہاتھوں کو ان کی گردنوں کے ساتھ باندھ دیں گے اور ان کی پیشانیوں کو ان کے قدموں کے ساتھ جوڑ دیا جائے گا اور ان کو چہروں اور گدیوں کے بل گھیٹ کر دوزخ کی آگ میں دھکے دے کر دھکیل دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا:

هٰذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكذِّبُونَ ﴿۱۳﴾ اَفَسِحْرٌ هٰذَا اَمْ اَنْتُمْ لَا تَبْصُرُونَ ﴿۱۴﴾

اَصْلُوها فَاَصْبِرُوا اَوْ لَا تَصْبِرُوا سِوَا سِوَا عَلَيْكُمْ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۵﴾

(اور انہیں کہا جائے گا: یہ ہے دوزخ کی وہ آگ جسے تم جھٹلایا کرتے تھے) تو کیا یہ جادو ہے یا تم اسے نہیں دیکھ رہے؟ تم اس کے اندر داخل ہو جاؤ سو تم اب صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لیے برابر ہے بے شک تمہیں صرف انہیں کاموں پر سزا دی جا رہی ہے جو تم (دنیا میں) کرتے تھے۔

۱۴۔ ﴿هٰذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكذِّبُونَ﴾ یہ دوزخ کی آگ کا وہ عذاب ہے جس کو دنیا میں تم جھٹلایا کرتے تھے۔

۱۵۔ ﴿اَفَسِحْرٌ هٰذَا﴾ تو کیا یہ جادو ہے یعنی تم قرآن مجید کے متعلق کہتے تھے کہ یہ جادو ہے تو تمہاری اس بکواس پر تمہیں جو عذاب دیا جا رہا ہے کیا یہ بھی جادو ہے؟ مطلب یہ ہے کہ کیا یہ مصداق (دوزخ کا عذاب) بھی جادو ہے؟ [اور اسی معنی کی بناء پر "فا" کو داخل کیا گیا ہے اور "ہذا" مبتدا ہے اور "اسحور" اس کی خبر ہے] ﴿اَمْ اَنْتُمْ لَا تَبْصُرُونَ﴾ یا تم نہیں دیکھتے جیسا کہ تم دنیا میں نہیں دیکھتے تھے یعنی کیا تم مخر عنہ (عذاب دوزخ) سے اندھے ہو جیسا کہ تم دنیا میں اس کی خبر سے اندھے بن گئے تھے اور یہ دراصل انہیں ڈانٹنا اور ان کا مذاق اڑانا ہے۔

۱۶۔ ﴿اَصْلُوها فَاَصْبِرُوا اَوْ لَا تَصْبِرُوا سِوَا سِوَا عَلَيْكُمْ﴾ تم اس میں داخل ہو جاؤ سو اب تم صبر کرو یا تم صبر نہ کرو تم پر برابر ہے تمہارا عذاب کسی صورت میں ختم نہیں ہوگا۔ "سواء" کی خبر محذوف ہے یعنی "سواء" علیکم الامر ان "تم پر دونوں عمل صبر کرنا یا چیخنا چلانا برابر ہیں اور بعض نے کہا کہ معاملہ برعکس ہے اور اللہ تعالیٰ نے صبر اور بے صبری کے برابر و یکساں ہونے کی علت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ بے شک تمہیں صرف انہیں کاموں کی سزا دی جا رہی ہے جو تم کرتے رہے تھے کیونکہ مصیبت پر صبر کرنا فضیلت ہے کہ آخرت میں اس کا نفع ہوگا کہ صابر کو جزائے خیر عطا کی جائے گی لیکن عذاب الہی پر صبر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ یہ تو خود سزا ہے اس لیے اس مصیبت پر صبر کرنا فضیلت نہیں۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَدَّتِ وَتَعِيْمٍ ﴿۱۷﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ يَبْغُوا لِيَوْمِهِمْ ﴿۱۸﴾ وَوَقَّعْتُمْ رِبُّهُمْ عَذَابِ

الْبَحِيْمِ ﴿۱۹﴾ كُلُّوا وَاشْرَبُوا هِنًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۲۰﴾ مُتَكِبِيْنَ عَلٰى سُرِيٍّ مَّصْفُوفَةٍ ﴿۲۱﴾

وَزَوْجِهِمْ بِحُورٍ عِيْنٍ ﴿۲۲﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ

ذَرِيَّتَهُمْ وَمَا آتَيْنَاهُمْ مِنْ عِنْدِنَا مِنْ شَيْءٍ ط كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾

اَمْدَادُهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ﴿۲۲﴾

بے شک پرہیزگار بہشتوں اور نعمتوں میں ہوں گے ○ وہ ان نعمتوں پر خوش ہوں گے جو انہیں ان کا پروردگار عطا فرمائے گا اور انہیں ان کا پروردگار دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا ○ (انہیں کہا جائے گا:) خوب مزے سے کھاؤ اور پیو یہ ان نیک اعمال کا صلہ ہے جو تم کرتے تھے ○ قطار در قطار بچھائے گئے پلنگوں پر وہ تکیے لگا کر بیٹھے ہوں گے اور ہم بڑی بڑی خوب صورت آنکھوں والی حوروں سے ان کا نکاح کر دیں گے ○ اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان لانے میں ان کی پیروی کی تو ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ہم ان کے عمل میں سے کچھ بھی کم نہیں کریں گے ہر شخص اسی کے ساتھ گروی ہے جو کچھ اس نے کمایا ○ اور ہم پھلوں اور گوشت سے ان کی مدد کریں گے جن کو وہ پسند کریں گے ○

پرہیزگار مسلمانوں کے لیے آخرت کے انعامات کا بیان

۱۷۔ ﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنَّتٍ رَّعِيْمٍ﴾ بے شک پرہیزگار حضرات بہشتوں میں آرام کریں گے اور وہ کس قدر عمدہ اور اعلیٰ ہوں گی اور وہ مختلف نعمتوں میں لذت و مزہ حاصل کریں گے اور وہ کس قدر لذیذ و مزہ دار ہوں گی یعنی وہ اپنی ہر صفت میں کامل ترین ہوں گی یا یہ معنی ہے کہ وہ ایسی بہشتوں اور ایسی نعمتوں میں ہوں گے جو صرف پرہیزگاروں کے ساتھ مخصوص ہوں گی اور خاص انہیں کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔

۱۸۔ ﴿فَلِكُلِّيْنِ مِمَّا آتَيْنَاهُمْ رِهْمًا﴾ وہ خوش ہو کر ان نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے جو انہیں ان کے پروردگار نے عطاء کی ہوں گی [”فابکھین“ ظرف کی ضمیر سے حال ہے اور ظرف خبر ہے] ﴿وَوَقَّعْنَاهُمْ فِيْ عَذَابِ الْجَحِيْمِ﴾ اور ان کے پروردگار نے ان کو دوزخ کے عذاب سے بچالیا [یہ ”فیس جَنَاتٍ“ پر معطوف ہے یعنی بے شک پرہیزگار باغوں میں اور نعمتوں میں ٹھہریں گے اور انہیں ان کے رب تعالیٰ نے دوزخ کے عذاب سے محفوظ کر دیا یا پھر یہ ”مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ“ پر معطوف ہے اس بناء پر کہ ”مَا“ مصدر یہ ہے اور معنی یہ ہے کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کی بخشش پر اور دوزخ سے محفوظ ہونے پر خوش ہوں گے یا پھر واو حال کے لیے ہے اور اس کے بعد ”قَدْ“ مضمرب ہے]۔

۱۹۔ ﴿كُلُوْا وَّاشْرَبُوْا هٰنِيْٓا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ ان (پرہیزگاروں) سے فرمایا جائے گا کہ تم خوب مزے سے کھاؤ اور پیو یہ ان نیک کاموں کا صلہ ہے جو تم دنیا میں کرتے تھے ”ہنیئا“ کا معنی ہے: ایسا خوشگوار ہاضمہ دار طعام اور مشروب کہ اس کے بعد بدہضمی نہ ہو [”ہنیئا“ اکلاً و شرباً“ کی صفت ہے اصل میں ”كُلُوْا وَّاشْرَبُوْا اَكْلًا وَّشْرَبًا هٰنِيْٓا اَوْ طَعَامًا وَّشْرَابًا هٰنِيْٓا“ ہے]۔

۲۰۔ ﴿مُتَّكِنِيْنَ عَلٰی سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ﴾ ایک دوسرے کے ساتھ بچھے ہوئے پلنگوں پر تکیے لگا کر وہ بیٹھے ہوں گے۔ ”مصفوفة“ کا معنی ہے: ایک دوسرے کے قریب صف بستہ ہوں گے [”مُتَّكِنِيْنَ“ ”كُلُوْا وَّاشْرَبُوْا“ کی ضمیر سے حال ہے اور ”سُرُرٍ“ ”سُرُوْرٍ“ کی جمع ہے] ﴿وَرَدَّوْا فِيْهَا بِحُوْرٍ مَّرِيْنٍ﴾ اور ہم نے بڑی بڑی خوب صورت آنکھوں والی حوروں کے ساتھ ان کا بیاہ کر دیا (یعنی) ہم نے پرہیزگاروں کو حوروں کے ساتھ ملا دیا۔ ”حور“ ”حوراء“ کی جمع ہے

”عین“ کا معنی ہے: بڑی بڑی حسین و جمیل آنکھیں۔

مسلمان والدین کی مسلمان اولاد کو جنت میں ان کے ساتھ رکھا جائے گا

۲۱۔ ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان لانے میں ان کی پیروی کی تو ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے یعنی ہم اولاد کو ایمان اور نیک اعمال کے سبب ان کے باپ دادوں کے درجات میں ان کے ساتھ ملا دیں گے اگرچہ اولاد کے اعمال ماں باپ کے اعمال سے کم تر ہوں گے اور بعض اہل علم حضرات کا قول ہے کہ بے شک اولاد اگرچہ استدلال کے ذریعے اپنے ماں باپ کے ایمان کے درجہ

اس آیت مبارکہ کے معنی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے چار روایات ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ مؤمن کی اولاد کو اس کے ساتھ جنت کے درجہ میں بلند فرمائے گا، خواہ مؤمن کی اولاد کا عمل اس سے کم ہو تا کہ اولاد کو اپنے ساتھ جنت میں دیکھ کر مؤمن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں پھر حضرت ابن عباس نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت کی۔

(۲) سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل مؤمن کی اولاد کو مؤمن کے ساتھ اس کے درجہ میں بلند فرمائے گا خواہ اس کی اولاد کا عمل اس کے برابر نہ ہو تا کہ اولاد کی وجہ سے مؤمن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۲۶۰، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۲۳۳۸، ۳۲۳۳۷، ۳۲۳۳۶، ۳۲۳۳۵)

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس آیت میں ایمان والوں سے مراد مہاجرین اور انصار ہیں اور ”ذریۃ“ سے مراد تابعین ہیں اور ان سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر آباء کا درجہ بلند ہوگا تو اللہ تعالیٰ ”ابناء“ کو آباء کے درجہ میں رکھ دے گا اور اگر ”ابناء“ کا درجہ بلند ہوگا تو اللہ تعالیٰ آباء کو ”ابناء“ کے درجہ میں رکھ دے گا پھر آباء ”ذریۃ“ کے لفظ میں داخل ہو جائیں جیسا کہ اس آیت میں آباء ”ذریۃ“ میں داخل ہیں: ”وَآيَةٌ لَهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلِّ الْمَشْحُونِ“ (یسین: ۴۱) ”اور ان کے لیے ایک نشانی یہ ہے کہ ہم نے ان کے آباء کو (یعنی نسل انسانی کے آباء کو) بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا“۔

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی کریم ﷺ سے مرفوع روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ان میں سے ایک شخص اپنے ماں باپ اپنی بیوی اور اپنی اولاد کے متعلق سوال کرے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ انہوں نے وہ درجہ نہیں پایا جو تمہیں حاصل ہے پس وہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے اپنے لیے بھی عمل کیا ہے اور ان کے لیے بھی عمل کیا ہے پھر یہ حکم دیا جائے گا کہ ان کو اس کے درجہ کے ساتھ ملا دیا جائے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۲۳۸، المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۶۳۰۰ حافظ ایشمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں محمد بن عبدالرحمان بن غزوان ضعیف راوی ہے)۔

(نوٹ) اس آیت میں فرمایا ہے کہ آباء کے ایمان کی وجہ سے ان کی اولاد کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور احادیث میں یہ بھی ہے

کہ نابالغ اولاد کی وجہ سے اس کے ماں باپ کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا:

(۱) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس مسلمان کے تین نابالغ بچے فوت ہو جائیں تو وہ اس مسلمان کو جنت میں داخل کر دیں گے یہ اللہ تعالیٰ کی ان بچوں پر شفقت و رحمت اور اس کا فضل ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۳۳۸، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۰۶۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۰۳)

(۲) حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خواتین نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ہمیں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تک نہ پہنچے بلکہ انہوں نے محض اپنے ماں باپ کی تقلید کر کے ایمان قبول کیا ہو تو پھر بھی انہیں اپنے ماں باپ کے ساتھ ملا دیا جائے گا [نافع مدنی کی قراءت میں پہلا مفرد مرفوع "ذَرِيَّتَهُمْ" اور دوسرا جمع "تَا" مکسور کے ساتھ "ذَرِيَاتِهِمْ" ہے اور ابن عامر شامی کی قراءت میں دونوں جگہ جمع پڑھا گیا ہے مگر پہلے میں "تَا" مرفوع "ذَرِيَاتَهُمْ" ہے اور دوسرے میں "تَا" مکسور "ذَرِيَاتِهِمْ" ہے (ابن کثیر کی اور کوفیوں کی قراءت میں دونوں جگہ مفرد ہے اور "تَا" مرفوع ہے) ﴿وَمَا أَلْتَمْتُمْ قَنَ عَلَيْكُمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ اور ہم مؤمنوں کے عمل میں سے کوئی کمی نہیں کریں گے یعنی ہم ان کے عمل کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کریں گے [ابن کثیر کی قراءت میں لام مکسور کے ساتھ "الْتَمْنَا" پڑھا گیا ہے کیونکہ "أَلْتٌ يَأْتِي" (باب "ضَرْبٌ يَضْرِبُ") اور "أَلْتٌ يَأْتِي" (باب "سَمِعَ يَسْمَعُ") دونوں لغتیں مستعمل ہیں نیز اس میں پہلا حرف "مِنْ" "الْتَمْنَا" کے متعلق ہے اور دوسرا حرف "مِنْ" زائدہ ہے (معنی سے خالی صرف تحسین کلام کے لیے ہے) ﴿كُلُّ أُمَّرٍ يُبَاكِبُ دَهِيْنٌ﴾ ہر شخص اس میں گروی ہے جو اس نے کمایا ہے۔ یہاں "رہین" بہ معنی مرہون ہے سو ہر مؤمن اپنے عمل کے ساتھ گروی ہے اور اسے اس کے عمل کے مطابق جزائے خیر عطا کی جائے گی۔

۲۲۔ ﴿وَأَمَّا ذُرِّيَّتَهُمْ فَمَا كُفِّرُوا وَلَا جُحُودٌ﴾ اور ہم ان کی پھلوں اور گوشت سے مدد کریں گے جن کو وہ پسند کریں گے (یعنی) اور ہم پھل فروٹ، میوہ جات اور گوشت ان کو وقتاً فوقتاً بڑھ چڑھ کر عطا کرتے رہیں گے جن کو وہ چاہیں گے اور پسند کریں گے اگرچہ وہ سوال نہیں کریں گے۔

يَتَنَازَعُونَ فِيهَا كَأْسًا لَا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْتِيهِمْ ۖ وَيُطَوَّفُ عَلَيْهِمْ غُلَمَانٌ لَهُمْ

كَأَنَّهُمْ لَوْلَا قُلُوبُهُمْ ۚ وَأَقْبَلُ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۗ قَالُوا إِنَّا كُنَّا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) وعظ کرنے کے لیے ایک دن مقرر کر دیجئے سو آپ نے ان کو وعظ کیا اور فرمایا: جس عورت کے بھی تین بچے فوت ہو گئے وہ اس کے لیے دوزخ سے حجاب ہو جائیں گے ایک عورت نے کہا: اگر دو ہوں تو؟ آپ نے فرمایا: دو بھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۴۹، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۸۹۷)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ بندے کا جنت میں مرتبہ بلند فرماتا ہے وہ بندہ عرض کرتا ہے: اے میرے رب! مجھے یہ مرتبہ کیسے مل گیا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تمہاری اولاد کے استغفار کرنے کی وجہ سے۔ حافظ ابن کثیر نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۶۶، دار الفکر بیروت) شیخ قنوجی نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (فتح البیان ج ۶ ص ۴۳۵) (مسند احمد ج ۲ ص ۵۰۹، طبع قدیم، مسند احمد ج ۱۶ ص ۳۵۶، رقم الحدیث: ۱۰۶۱۰، مؤسسة الرسالة، بیروت، ۱۴۲۰ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۳۹۶، ج ۳ ص ۳۸۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۶۰، مسند البزار رقم الحدیث: ۳۱۴۱، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۱۰۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۷۸-۷۹)

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب انسان مر جاتا ہے تو تین چیزوں کے سوا اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے: (۱) صدقہ جاریہ (۲) وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے (۳) اس کی نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۸۰، سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۶۵۱، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۷۱)

(نوٹ: ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۴۴۲-۴۴۳)

قُلْ فِي أَهْلِهَا مُشْفِقِينَ ﴿۲۷﴾ فَمَنْ اللَّهُ عَلَيْنَا وَقِنَا عَذَابَ السَّمُومِ ﴿۲۸﴾ إِنَّا كُنَّا مِنْ

قُلْ نَدْعُوهُ إِنَّهُ هُوَ الْبَدِيُّ الرَّحِيمُ ﴿۲۸﴾

وہ اس میں ایک دوسرے سے جام لیں گے اس میں نہ فضول گفتگو ہوگی اور نہ گناہ ہوگا O اور ان کے خدام ان کے ارد گرد خدمت کے لیے گھوم رہے ہوں گے گویا وہ (خوب صورتی میں) چھپا کر رکھے ہوئے موتی ہیں O اور وہ ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے احوال دریافت کریں گے O وہ کہیں گے: بے شک ہم اس سے پہلے اپنے گھروں میں خوفِ خدا رکھنے والے تھے O سو اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا اور اس نے ہمیں زہریلے عذاب سے بچالیا O بے شک ہم اس سے پہلے اسی کی عبادت کرتے رہے تھے بے شک وہ بہت احسان کرنے والا ہے حد مہربان ہے O

۲۳۔ ﴿يَتَنَادَوْنَ فِيهَا كَأَنَّ﴾ وہ ایک دوسرے سے اس میں جام لیں گے (یعنی) جنتی جنت میں ایک دوسرے سے جنتی پاکیزہ شراب سے بھرے ہوئے جام اور گلاس لیں گے۔ دراصل جنتی حضرات اپنے عزیز واقارب کے ساتھ بیٹھے ہوں گے اور محبت و پیار اور ہنسی خوشی میں ایک دوسرے کو شرابِ طہور کے جام بھر بھر کر پلائیں گے اور ہر جنتی اپنے دوست کے ہاتھ سے جنتی شراب کے جام لے گا یہ اس سے لے گا اور وہ اس سے لے گا ﴿لَا لَعْنُ فِيهَا﴾ اس شراب کے پینے میں کوئی بے ہودگی کی گفتگو نہیں ہوگی (جیسا کہ دنیا کی شراب پینے پر بے ہودہ بکواس کی جاتی ہے) ﴿وَلَا تَأْتِيهِمْ﴾ اور نہ کوئی گناہ کی بات ہوگی یعنی ان کے درمیان کوئی لغو اور باطل بات نہیں ہوگی اور نہ کوئی ایسا کام ہوگا جس میں گناہ ہو اگر اسے کرنے والا دنیا میں کرے جیسے جھوٹ بولنا اور گالیاں دینا وغیرہ وغیرہ جیسے دنیا کے شرابیوں کی عادت ہوتی ہے کیونکہ ان کی عقلیں صحیح سلامت اور ثابت و قائم رہیں گی چنانچہ جنتی حضرات شراب پینے کے باوجود حکمت بھری اور عمدہ اچھی گفتگو کریں گے [ابن کثیر کی اور ابو عمرو کی قراءت میں ”لا“ کے اسم دونوں جگہ بغیر تنوین مفتوح ”لَا لَعْنُ فِيهَا وَلَا تَأْتِيهِمْ“ پڑھے گئے ہیں]۔

۲۴۔ ﴿وَيُطَوَّفُ عَلَيْهِمْ غُلَامَانٌ﴾ اور نوجوان خدام شراب کے جام لے کر خدمت کے لیے ان کے ارد گرد گھوم رہے ہوں گے اور یہ جنتی نوجوان خدام ان کی ملکیت میں ہوں گے یعنی ان کے مملوک ہوں گے ﴿لَهُمْ﴾ وہ غلامان انہیں (جنتیوں) کے ساتھ مخصوص ہوں گے ﴿كَأَنَّهُمْ لَوْلَا قَوْلُكَ كُنْتُمْ﴾ وہ رنگ کی سفیدی اور جسم کی صفائی ستھرائی کی وجہ سے گویا سپی میں چھپائے ہوئے چمک دار موتی ہیں کیونکہ وہ تروتازہ ہونے کی وجہ سے حسین و جمیل اور پاکیزہ ترین ہوں گے یا وہ ذخیرہ کردہ خزانے ہیں جو بہت گراں قدر قیمتی اثاثہ ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جنتی کی شان یہ ہوگی کہ جب وہ اپنے خدام میں سے کسی خادم کو بلائے گا تو دروازے پر ایک ہزار خادم اسے جواب دیتے ہوئے کہے گا: ”لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ“ میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں۔

۲۵۔ ﴿وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ﴾ اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر آپس میں پوچھیں گے (یعنی) جنتی حضرات آپس میں ایک دوسرے سے اس کے احوال پوچھیں گے اور ایک دوسرے سے نیک اعمال کے بارے میں اور ان نعمتوں کے بارے میں پوچھیں گے جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پانے اور حاصل کرنے کے مستحق ہوئے۔

۲۶۔ ﴿قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِهَا مُشْفِقِينَ﴾ وہ ایک دوسرے سے کہیں گے کہ بے شک ہم اس سے پہلے دنیا میں

اپنے گھروالوں میں خوف زدہ رہتے تھے یعنی وہ دلوں کے نرم اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہوا کرتے تھے یا وہ ایمان کے چھن جانے اور امان الہی کے فوت ہونے سے خوف زدہ رہتے تھے یا وہ نیکیوں کے رڈ کیے جانے سے اور برائیوں پر گرفت سے ڈرتے رہتے تھے۔

۲۷- ﴿فَمَنْ اللَّهُ عَلَيْنَا﴾ سو اللہ تعالیٰ نے ہماری مغفرت و بخشش اور ہم پر رحمت و مہربانی فرما کر بہت بڑا احسان کیا ہے ﴿وَوَقْتَنَا عَذَابَ التَّمُومِ﴾ اور اس نے ہمیں زہریلی گرم ہوا کے عذاب سے بچالیا۔ ”سموم“ ایسی تیز گرم ہوا ہے جو جسم کے تمام مسامات میں داخل ہو جائے گی اور زہر کی طرح فوراً اثر کرے گی، سودوزخ کی آگ کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ وہ بھی اسی صفت کے ساتھ متصف ہے۔

۲۸- ﴿إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوكَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے پہلے اور اس کی طرف لوٹ کر آنے سے پہلے دنیا میں ہم صرف اسی کی عبادت کرتے تھے اس کے علاوہ کسی غیر کی عبادت نہیں کرتے تھے اور ہم دوزخ کے عذاب سے بچنے کی درخواست اسی سے کرتے تھے ﴿إِنَّهُ هُوَ الْبَدُّ﴾ بے شک وہی احسان کرنے والا ہے ﴿الذَّحِيمِ﴾ بڑا مہربان ہے جب اس کی عبادت کی جاتی ہے تو وہ ثواب عطا فرماتا ہے اور جب اس سے سوال کیا جائے تو وہ شرف قبولیت سے جواب عطا فرماتا ہے [نافع مدنی اور علی کسائی کی قراءت میں ہمزہ مفتوح کے ساتھ ”آئہ“ ہے یعنی اصل میں ”بائہ“ ہے یا ”لائہ“ ہے]۔

فَذَكِّرْ فَمَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا جُنُونٍ ﴿۲۹﴾ اَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ مَّتَرَبِّصٌ

بِهِ رَيْبٍ الْمُنُونِ ﴿۳۰﴾ قُلْ تَرَبِّصُوا فَإِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُتَرَبِّصِينَ ﴿۳۱﴾ اَمْ تَأْمُرُهُمْ

أَحْلَامُهُمْ بِهَذَا أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿۳۲﴾ اَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَكُمُ بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۳﴾

فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ ﴿۳۴﴾ اَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمْ

الْخَالِقُونَ ﴿۳۵﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بَلْ لَا يُؤْقِنُونَ ﴿۳۶﴾

سو آپ نصیحت کیجئے، پس آپ اپنے پروردگار کے فضل و کرم سے نہ تو کاہن ہیں اور نہ مجنون ہیں ○ کیا وہ کہتے ہیں کہ (آپ) شاعر ہیں ہم ان پر زمانہ کی مصیبت کا انتظار کر رہے ہیں ○ آپ فرما دیجئے کہ تم انتظار کرو سو بے شک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں ○ کیا ان کی عقلیں انہیں اسی بات کا حکم دیتی ہیں یا وہ سرکش ہیں ○ کیا وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے خود آپ قرآن کو گھڑ لیا ہے (ایسا نہیں) بلکہ وہ ایمان نہیں لاتے ○ سو وہ اس کی مثل کوئی ایک بات بنا کر لائیں اگر وہ سچے بنتے ہیں ○ کیا وہ کسی چیز کے بغیر پیدا کیے گئے ہیں یا وہ خود ہی پیدا کرنے والے ہیں ○ کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے (ہرگز نہیں!) بلکہ وہ یقین نہیں رکھتے ○

کفار کے فاسد نظریات اور ان کی الزام تراشیوں کی تردید

۲۹- ﴿فَذَكِّرْ﴾ سو (اے محبوب!) آپ نصیحت کرتے رہیں اور آپ لوگوں کو بھلائی کی خاطر وعظ و نصیحت جاری رکھیں ﴿فَمَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا جُنُونٍ﴾ پس آپ اپنے رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون و

دیوانہ ہیں (یعنی) آپ اپنے رب تعالیٰ کی رحمت و مہربانی کی بدولت اور آپ پر نبوت و رسالت اور وافر مقدار میں عقل و دانش کے انعام الہی کی بدولت نہ کاہن ہیں اور نہ دیوانہ ہیں جیسا کہ کفار نے گمان کر رکھا ہے [اور یہ محلاً حال واقع ہو رہا ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے: "لَسْتَ كَاهِنًا وَلَا مَجْنُونًا مُلْتَبِسًا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ"] آپ نہ کاہن ہیں اور نہ دیوانہ ہیں بلکہ آپ اپنے رب تعالیٰ کے فضل و کرم کے ساتھ متصف ہیں۔

۳۰۔ ﴿أَمْ يَقُولُونَ﴾ "هُوَ" ﴿شَاعِرٌ﴾ کیا کفار مکہ کہتے ہیں کہ وہ (یعنی آپ) شاعر ہیں ("شاعر" مبتدا محذوف "هُوَ" کی خبر ہے) ﴿تَدْرِيصٌ بِرَبِّ الْمُنُونِ﴾ ہم ان پر زمانہ کی گردش اور اس کے حوادث کا انتظار کر رہے ہیں یعنی ہم ان (حضور) پر زمانے کے مصائب و آلام کے نزول کا انتظار کر رہے ہیں تاکہ آپ ہلاک ہو جائیں جیسے ان سے پہلے کے شعراء زہیر اور نابغہ وغیرہ ہلاک ہو گئے [ان آیات کے شروع میں حرف "أَمْ" منقطعہ ہے اور وہ "بَل" اور ہمزہ کے معنی میں ہے]۔

۳۱۔ ﴿قُلْ تَرَىٰ أَهْلًا فَأَنِّي لَمَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَرِيصِينَ﴾ (اے محبوب!) فرمائیے کہ تم انتظار کرو سو میں بھی یقیناً انتظار کرنے والوں میں سے ہوں یعنی میں بھی تمہاری ہلاکت کا انتظار کر رہا ہوں جس طرح تم میری ہلاکت کا انتظار کر رہے ہو۔

۳۲۔ ﴿أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَخْلَامُهُمْ بِهَذَا﴾ کیا ان کی عقلیں انہیں اسی متضاد بات کا حکم دیتی ہیں کہ وہ آپ کو کبھی کاہن کہتے ہیں اور کبھی شاعر کہتے ہیں اور کبھی مجنون کہہ دیتے ہیں اور قریش مکہ اپنے آپ کو عقل مند اور دانش ور کہلاتے تھے۔ "اخلام" بمعنی "عقول" ہے ﴿أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَائِفُونَ﴾ یا وہ سرکش لوگ ہیں جو بغض و عناد میں حد سے بڑھ جانے والے ہیں اس کے باوجود کہ ان پر حق واضح اور ظاہر ہو چکا ہے [اور امر کا "اخلام" کی طرف اسناد مجازی ہے]۔

۳۳۔ ﴿أَمْ يَقُولُونَ تَقْوَاةٌ﴾ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے خود گھڑ لیا ہے (یعنی) کفار مکہ کہتے ہیں کہ (حضرت) محمد (ﷺ) نے اس قرآن مجید کو اپنی طرف سے خود گھڑ لیا ہے ﴿بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ بلکہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ "بَل" سے ان کے قول کی تردید کی گئی ہے یعنی یہ معاملہ اس طرح نہیں ہے جس طرح ان بدطینت کفار نے گمان کر لیا ہے بلکہ وہ اپنے کفر و عناد کی وجہ سے ایسے طعنوں کے ذریعے الزام تراشی کرتے ہیں یا وجود یہ کہ وہ اپنے قول کو باطل و جھوٹا جانتے ہیں اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس قرآن کریم کو خود نہیں گھڑ سکتے کیونکہ تمام عرب قرآن سے عاجز آچکے ہیں اور سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بھی عرب میں سے ایک فرد ہیں۔

۳۴۔ ﴿قَالِيَا تَوَاحِدِيَّتٍ مِّثْلَهُ إِنْ كَانُوا صِدِّيقِينَ﴾ سو انہیں چاہیے کہ وہ بھی اس قرآن مجید کی مثل کم از کم ایک بات گھڑ کر پیش کریں اگر وہ اپنے اس دعویٰ میں سچے بنتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اسے اپنی طرف سے گھڑ کر پیش کیا ہے کیونکہ یہ قرآن کریم ان کی زبان میں ہے اور وہ اپنے آپ کو فصحاء سمجھتے ہیں۔

۳۵۔ ﴿أَمْ خَلِقُوا﴾ کیا وہ خود بہ خود ایجاد کیے گئے ہیں اور کیا اس تقدیر اور انداز پر خود بہ خود پیدا کیے گئے جس پر ان کی فطرت ہے ﴿مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ﴾ بغیر کسی پیدا کرنے والے مدبر اور منصوبہ ساز کے ﴿أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ﴾ یا وہ خود پیدا کرنے والے ہیں (یعنی) یا انہوں نے اپنے آپ کو خود پیدا کیا ہے اس لیے وہ خالق کی عبادت نہیں کرتے اور بعض حضرات نے کہا کہ اس کا مطلب ہے کہ کیا وہ عبث اور بے مقصد پیدا کیے گئے ہیں نہ ان کے لیے جزاء و سزا ہوگی اور نہ ان کا حساب و کتاب ہوگا یا وہ خود خالق و پیدا کرنے والے ہیں پس اس لیے وہ اطاعت و فرماں برداری نہیں کرتے۔

۳۶۔ ﴿أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ﴾ کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ سو اس لیے وہ ان آسمانوں

اور زمین کے خالق و مالک کی عبادت نہیں کرتے ﴿بَلْ لَا يُؤْقِنُونَ﴾ بلکہ وہ تو یقین ہی نہیں رکھتے یعنی وہ لوگ آیات مبارکہ میں غور و فکر اور تدبر نہیں کرتے ورنہ یہ جان لیتے کہ خود ان کا خالق اور آسمانوں اور زمین کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ لَهُمُ الْمَصْيُورُونَ ﴿٣٧﴾ أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَسْمَعُونَ فِيهِ قَلِيَّاتٌ مُسْتَسْمِعَةٌ بِسُلْطَنٍ مُّبِينٍ ﴿٣٨﴾ أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ ﴿٣٩﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مُثْقَلُونَ ﴿٤٠﴾ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿٤١﴾

کیا آپ کے پروردگار کے خزانے انہی کے پاس ہیں یا وہی نگران ہیں O کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر (آسمانی خبریں) سن لیتے ہیں سوان کا سننے والا کوئی واضح دلیل پیش کرے O کیا اس (اللہ تعالیٰ) کے لیے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لیے بیٹے ہیں O کیا آپ ان سے کوئی اجرت طلب کرتے ہیں پس وہ اس تاوان کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں O یا ان کے پاس غیب ہے پس وہ لکھ لیتے ہیں O

۳۷- ﴿أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ﴾ کیا آپ کے پروردگار کے خزانے انہیں کے پاس ہیں جیسے نبوت و رسالت اور رزق وغیرہ پس وہ جتنا چاہیں جس کو چاہیں اس کے ساتھ مخصوص کر دیں ﴿أَمْ لَهُمُ الْمَصْيُورُونَ﴾ یا وہ غالب و زبردست ارباب و خدا ہیں یہاں تک کہ وہی ربوبیت کے معاملے کی تدبیر و منصوبہ بندی کریں گے اور وہی دیگر امور کی اپنی مشیت و ارادے کے مطابق وضاحت کریں گے [ابن کثیر کی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں سین کے ساتھ "المصيطرون" پڑھا جاتا ہے]۔

۳۸- ﴿أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ﴾ کیا ان کے لیے کوئی سیڑھی نصب کی گئی ہے جس کے ذریعے وہ آسمان کی طرف چڑھ جاتے ہیں ﴿يَسْمَعُونَ فِيهِ﴾ کہ وہ اس میں پہنچ کر فرشتوں کا کلام اور جو علم غیب میں سے ان کی طرف وحی کی جاتی ہے اس کو کان لگا کر غور سے سن لیتے ہیں یہاں تک کہ وہ معلوم کر لیتے ہیں کہ ان کی ہلاکت سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فوت ہو جائیں گے اور آخرت میں آپ نہیں صرف وہی لوگ کامیاب ہوں گے جیسا کہ وہ گمان کرتے ہیں۔ علامہ زجاج نے کہا کہ اس کلام میں "فِيهِ" بمعنی "عَلَيْهِ" ہے یعنی وہ آسمان پر چڑھ کر فرشتوں کا کلام سن لیتے ہیں ﴿قَلِيَّاتٌ مُسْتَسْمِعَةٌ بِسُلْطَنٍ مُّبِينٍ﴾ سو ان کا سننے والا ایک روشن دلیل اور واضح حجت پیش کرے جو ان کے سننے والے کی سماعت کی تصدیق کرے۔

۳۹- ﴿أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ﴾ کیا اس (اللہ تعالیٰ) کے لیے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لیے بیٹے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں کفار عرب کی عقلوں کی حماقت پر تنبیہ فرمائی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے ان چیزوں کو (یعنی بیٹیوں کو) پسند کیا جن کو خود اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو اپنے خیال میں بڑا دانا سمجھتے ہیں۔

۴۰- ﴿أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا﴾ کیا آپ اسلام کی تبلیغ پر اور عذاب الہی سے ڈرانے پر ان سے اجرت طلب کرتے ہیں؟ ﴿فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مُثْقَلُونَ﴾ پس وہ اس تاوان کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں۔ "مغرم" وہ تاوان جو کسی انسان پر لازم کر دیا جائے جو اس پر لازم نہ ہو یعنی ان پر ایسا بھاری بوجھ لازم کر دیا گیا جس نے انہیں بوجھ تلے دبا دیا سو اس لیے وہ آپ کی اتباع سے دور بھاگتے ہیں۔

۴۱- ﴿أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ﴾ یا ان کے پاس غیب ہے یعنی کیا لوح محفوظ انہیں کے پاس ہے ﴿فَهُمْ يَكْتُبُونَ﴾ پس وہ لکھ لیتے ہیں جو کچھ اس میں درج ہے یہاں تک کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم مرنے کے بعد نہیں اٹھائے جائیں گے اور اگر ہم مرنے کے

بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھائے بھی گئے تو ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔

أَمْ يَرِيدُونَ كَيْدًا ط قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هُمْ الْمَكِيدُونَ ط أَمْ لَكُمْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ ط
سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ط وَإِنْ يَرَوْا كِسْفًا مِنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا
سَحَابٌ مَّرْكُومٌ ط فَذَرَهُمْ حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ط

کیا وہ کوئی دھوکا دینا چاہتے ہیں سو کفار خود ہی دھوکے کا شکار ہو جائیں گے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے جسے وہ شریک کرتے ہیں اور اگر وہ آسمان سے کوئی ٹکڑا گرنا ہوا دیکھ لیں تو وہ کہیں گے: یہ تو اوپر تلے کیا ہوا بادل ہے سو آپ انہیں چھوڑ دیں یہاں تک کہ اپنے اس دن سے ملاقات کریں جس میں وہ بے ہوش کر دیے جائیں گے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفار کی فریب کاریوں پر صبر کرنے کا حکم

۴۲۔ ﴿أَمْ يَرِيدُونَ كَيْدًا ط﴾ کیا کفار مکہ فریب دینا چاہتے ہیں اور ان کی فریب کاری اور دھوکہ دہی یہ تھی کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے دارالندوہ میں میٹنگ بلائی جس میں قریش مکہ کے سرداروں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شہید کرنے یا قید کرنے یا ملک بدر کرنے کی سازش تیار کی تھی ﴿قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ سو جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا ہے۔ اس میں اشارہ تو کفار مکہ کی طرف ہے لیکن ان سے وہ تمام لوگ مراد ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور کی رسالت کا انکار کیا ﴿هُمُ الْمَكِيدُونَ﴾ وہی لوگ فریب و سازش اور دھوکہ دہی کا شکار ہو جائیں گے (یعنی) یہی وہ لوگ ہیں کہ ان کی سازش کا وبال خود انہیں لوگوں پر پڑے گا اور ان کی سازش ان کو گھیر لے گی اور یہ اس طرح ہوا کہ یہ لوگ غزوہ بدر کے دن قتل کیے گئے یا یہ معنی ہے کہ یہ کفار مکہ اپنی سازش میں مغلوب و ناکام ہو جائیں گے۔ یہ ”کَايَدْتُهُ“ ”فَكَدْتُهُ“ سے ماخوذ ہے یعنی میں نے فلاں کو دھوکہ دینا چاہا تو میں خود اس کا شکار ہو گیا۔

۴۳۔ ﴿أَمْ لَكُمْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ ط﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی اور خدا ہے جو ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچالے گا ﴿سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ اللہ تعالیٰ ان تمام شریکوں سے پاک ہے جن کو مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔
۴۴۔ ﴿وَإِنْ يَرَوْا كِسْفًا مِنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ﴾ اور اگر وہ آسمان سے اس کا کوئی ٹکڑا گرنا ہوا دیکھ لیں تو کہیں گے: یہ بادل ہے۔ ”کِسْفٌ“ کا معنی ہے: ٹکڑا۔ اور یہ ان کے اس (درج ذیل) قول کا جواب ہے: ”أَوْ تَسْقِطُ السَّمَاءُ كَمَا زَعَمْتُمْ عَلَيْنَا كِسْفًا“ (الاسراء: ۹۲) ”یا آپ ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں جیسا کہ آپ نے گمان کر رکھا ہے (کہ قیامت کے دن آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر جائے گا)“ مطلب یہ ہے کہ کفار مکہ اپنی سخت سرکشی اور انتہائی بغض و عناد کی وجہ سے اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دیں تو یہ لوگ اسے گرتا ہوا دیکھ کر یہی کہیں گے کہ یہ بادل ہے ﴿مَرْكُومٌ﴾ بے شک اسے تہ درتہ اکٹھا کر دیا گیا ہے یعنی اس کے بعض حصوں کو بعض حصوں پر جمع کر دیا گیا جو ابھی برسنے لگے گا اور وہ ہٹ دھرم تصدیق نہیں کریں گے کہ یہ گرنے والا ٹکڑا عذاب کے لیے ہے۔

۴۵۔ ﴿فَذَرَهُمْ حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ﴾ سوائے محبوب! آپ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں یہاں تک کہ وہ اپنا وہ دن پالیں جس میں انہیں بے ہوش کر دیا جائے گا [امام عاصم اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ”يَا“ مضموم

کے ساتھ ”يُصْعَقُونَ“ (فعل مضارع مجہول) ہے جب کہ باقیوں کے نزدیک ”یا“ مفتوح ہے [چنانچہ یوں کہا جاتا ہے: ”صَعَقَهُ“، فَصَعِقَ“ اس نے فلاں کو بے ہوش کر دیا تو وہ بے ہوش ہو گیا اور یہ پہلی دفعہ صورت پھونکنے پر ہوگا۔

يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٣٧﴾ وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا

عَذَابًا دُونَ ذَلِكَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾ وَأَصْدِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ

فَاتِّك بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٣٩﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَ

إِدْبَارَ النُّجُومِ ﴿٤٠﴾

جس دن ان کی دھوکے بازی ان کے کسی کام نہیں آئے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی اور بے شک ظالموں کے لیے اس کے علاوہ ایک عذاب ہے اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے اور آپ اپنے پروردگار کے حکم پر صبر کیجئے، سو بے شک آپ ہماری نگرانی میں ہیں اور آپ اپنے رب تعالیٰ کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کیجئے جب آپ کھڑے ہوں اور رات کے کچھ حصے میں اور ستاروں کے ٹھہرنے کے وقت (صبح) اس کی تسبیح بیان کیجئے۔

٤٦- ﴿يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ﴾ جس دن انہیں ان کا مکرو فریب کوئی فائدہ نہیں دے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

٤٧- ﴿وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذَلِكَ﴾ اور بے شک ان لوگوں کے لیے جنہوں نے ظلم کیا ہے اس کے علاوہ ایک عذاب ہے (یعنی) بے شک ان ظالموں کے لیے قیامت کے عذاب کے علاوہ اس سے پہلے ایک اور عذاب ہے اور وہ عذاب ایک تو بدر میں ان کا قتل کیا جانا اور دوسرا قحط کے سات سال اور تیسرا عذاب قبر مراد ہے ﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ اس کو نہیں جانتے۔

٤٨- پھر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفار مکہ کی ایذا رسانیوں پر اس وقت تک صبر کرنے کا حکم دیا ہے جب تک ان پر یہ عذاب نہیں آجاتا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَأَصْدِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ﴾ اور اے محبوب! آپ اپنے رب تعالیٰ کے حکم کی خاطر ان کو مہلت دینے پر اور اس دوران ان کی طرف سے جو مشقتیں اور تکلیفیں آپ کو پہنچیں گی ان پر صبر کیجئے ﴿فَاتِّك بِأَعْيُنِنَا﴾ سو بے شک آپ ہماری نگرانی میں ہیں یعنی چونکہ ہم آپ کو دیکھ رہے ہیں اور ہم آپ کی حفاظت کر رہے ہیں [اور ”عین“ کی جمع ”اعین“ کو اس لیے لایا گیا ہے کہ ضمیر متکلم جمع کی ہے، کیا تم اس ارشاد باری تعالیٰ کی طرف نہیں دیکھتے کہ ”وَلَتُصْنَعَنَّ عَلَيَّ عَيْنِي“ (طہ: ٣٩) (چونکہ اس میں ضمیر متکلم مفرد ہے تو لفظ ”عین“ بھی مفرد لایا گیا ہے)] ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ﴾ اور آپ اپنے رب تعالیٰ کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کیجئے جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوں اور یہ تسبیح مراد ہے جو تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھی جاتی ہے یعنی ”سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ“ یا یہ معنی ہے کہ آپ جس جگہ بھی کھڑے ہوں یا یہ کہ جب آپ نیند سے بیدار ہو کر کھڑے ہوں۔

٤٩- ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ﴾ اور آپ رات کے کچھ حصے میں اس کی تسبیح بیان کیجئے اور ستاروں

کے ڈوبنے کے وقت بھی اس کی تسبیح بیان کیجئے (یعنی) جب رات کے آخر میں ستارے پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں (اور صبح کا وقت ہو جاتا ہے)۔ زید کی قراءت میں الف مفتوح کے ساتھ ”اَدْبَار“ ہے یعنی ستاروں کے غروب ہو جانے کے بعد اور مطلب یہ ہے کہ ان اوقات میں ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ“ پڑھنے کا حکم ہے اور بعض کا قول ہے: اس سے نیند سے بیدار ہو کر کھڑے ہو کر نماز کی تسبیح (ثناء) مراد ہے اور ”وَمِنَ اللَّيْلِ“ سے مغرب اور عشاء کی نمازیں مراد ہیں اور ”اَدْبَارَ النُّجُومِ“ سے نماز فجر مراد ہے۔

اِنَّهَا تَعْبَدُونَ
رُكُوعًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
۝

سورۃ النجم کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۝ اس کی باسٹھ آیات تین رکوع ہیں

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی ۱ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰی ۲ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۳
اِنَّ هُوَ اِلَّا وُحٰی یُّوحٰی ۴ عَلَمٌ شَدِیْدٌ الْقُوٰی ۵ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوٰی ۶ وَهُوَ بِالْاُفُقِ
الْاَعْلٰی ۷ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلٰی ۸ فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۹ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا
اَوْحٰی ۱۰ مَا كَذٰبَ الْفُوٰادِ مَا رَاٰی ۱۱ اَفْتُرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی ۱۲

روشن ستارے محمد کی قسم کہ جب وہ نیچے اترے ۝ تمہارے آقا نہ گمراہ ہوئے اور نہ وہ بھکے ۝ اور وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے ۝ ان کا بولنا نہیں ہوتا مگر صرف وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے ۝ بہت سخت قوتوں والے نے آپ کے پاس علم پہنچایا ۝ حسین و جمیل منظر والے نے پھر وہ جلوہ گرہوا ۝ اور وہ اس وقت آسمان کے سب سے اونچے کنارے پر تھا ۝ پھر وہ قریب ہو گیا پھر اور زیادہ قریب ہو گیا ۝ سو وہ دو کمان کی مقدار قریب ہو گیا یا اس سے بھی زیادہ قریب ہو گیا ۝ سو اس نے اپنے مقدس بندے کی طرف وحی فرمائی جو کچھ بھی وحی فرمائی ۝ دل نے اسے نہیں جھٹلایا جو آنکھوں نے دیکھا ۝ تو کیا تم ان سے اس پر جھگڑا کرتے ہو جو وہ دیکھتے ہیں ۝

سورۃ النجم کی ابتدائی آیات کی تفسیر

(نوٹ) سورۃ النجم کی ہے اور اس کی باسٹھ (۶۲) آیات ہیں۔

۱- ﴿وَالنَّجْمِ﴾ قسم ہے روشن ستارے کی۔ اللہ تعالیٰ نے ثریا (کہکشاں) کی قسم فرمائی یا پھر ستاروں کی جنس کی قسم فرمائی۔ ﴿اِذَا هَوٰی﴾ جب وہ غروب ہو گیا یا جب وہ قیامت کے دن بکھر جائے گا اور اس قسم کا جواب (درج ذیل آیت مبارکہ ہے):

۲- ﴿مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ﴾ تمہارے آقا حق کی سیدھی راہ سے نہیں بھٹکے یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کبھی گمراہ نہیں ہوئے۔ یہ قریش کو خطاب ہے ﴿وَمَا غَوٰی﴾ اور آپ نے نہ سرکشی کی کیونکہ آپ نے کبھی باطل کی پیروی نہیں کی اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ ”ضلال“ (اقوال افعال اور اعتقاد تینوں میں راہ راست سے بھٹک جانا) ہدایت کا متضاد ہے۔ خیال میں رہے کہ یہاں مفسرین کرام نے ”النجم“ کے مختلف معانی بیان کیے ہیں: (۱) ثریا نامی ستاروں کی قسم (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور ”غی“ (صرف اعتقاد میں راہِ راست سے بھٹک جانا) ”رُشد“ کا متضاد ہے یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہدایت یافتہ صاحبِ رُشد ہیں اور آپ اس طرح ہرگز نہیں ہیں جس طرح تم گمان کرتے ہو کہ تم انہیں ”ضلال و غی“ (گمراہی و بداعتقادی) کی طرف منسوب کرتے ہو۔

۴،۳- ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ اور وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے ان کا بولنا نہیں ہوتا مگر وحی ہوتی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے اور وہ تمہیں قرآن مجید میں سے جو کچھ دیتے ہیں وہ ان کے اپنے بول نہیں ہوتے کہ وہ اپنی خواہش اور اپنی رائے سے بیان کرتے ہوں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتی ہے جو آپ کی طرف کی جاتی ہے اور جو لوگ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے اجتہاد کرنا جائز نہیں سمجھتے وہ اس آیت مبارکہ کو بطور حجت و دلیل پیش کرتے ہیں اور اس کا جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اجتہاد کو جائز قرار دے دیا ہے اور ان کو اجتہاد پر مقرر فرما دیا تو ان کا اجتہاد وحی کی طرح ہو گیا اور اپنی خواہش سے بولنا نہ ہوا۔

۵- ﴿عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ﴾ ان کو بڑی سخت قوتوں والے نے علم سکھایا (یعنی) حضرت محمد ﷺ کو ایک فرشتے نے علم پہنچایا جو بڑی سخت قوتوں کا مالک ہے [اور یہ اضافت غیر حقیقی ہے کیونکہ یہ صفت مشبہ کی اپنے فاعل کی طرف اضافت ہے] اور ”شدید القوی“ سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں، جمہور کے نزدیک اور اس کی قوت کا یہ عالم ہے کہ انہوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۲) مطلق ستاروں کی قسم (۳) قرآن مجید کی نازل شدہ آیات کی قسم (۴) علمائے دین کی قسم (۵) صحابہ کرام کی قسم (۶) زمین پر پھیلنے والی بیل بوٹیوں کی قسم (۷) سید عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی قسم۔ ان معانی میں سے یہاں آخری معنی سب سے زیادہ مناسب و موزوں ہے کیونکہ اس کے بعد جواب قسم میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت و فضیلت کا بیان ہے، چنانچہ علامہ بغوی نے تفسیر معالم التنزیل میں علامہ سید محمود آلوسی بغدادی نے تفسیر روح المعانی میں اور علامہ قاضی ثناء اللہ مظہری نے تفسیر مظہری میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ”والنجم“ میں حضور نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس کی قسم مراد ہے جب آپ شب معراج آسمان سے زمین پر نیچے تشریف لائے۔ (تفسیر معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۲۴-۲۲۵، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، تفسیر روح المعانی جزء ۲ ص ۲۵، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور، تفسیر مظہری ج ۹ ص ۱۰۳، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی) نیز علامہ خازن نے ایک قول یہی بیان کیا ہے۔

(تفسیر لباب التأویل المعروف خازن ج ۲ ص ۲۰۴، مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ بمصر)

ان کے علاوہ: علامہ ابو عبد اللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ علامہ محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۵۴۲ھ علامہ اسماعیل حنفی متوفی ۱۱۳ھ اور علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے ”النجم“ کی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے: امام جعفر صادق بن محمد باقر بن علی اوسط بن حسین بن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیان کرتے ہیں کہ ”النجم“ سے مراد سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی قسم ہے جب آپ شب معراج آسمان سے زمین پر نیچے تشریف لائے اور یہ اس لیے مناسب ہے کہ اس آیت کے بعد والی آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کے قرب ”دنا فتدلی“ اور اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھنے کا ذکر ہے جس کا تعلق شب معراج سے ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جزء ۱ ص ۷۸، البحر المحیط ج ۱ ص ۹، روح البیان ج ۹ ص ۲۳۹، روح المعانی جزء ۲ ص ۷۰، دار الفکر بیروت، ۱۳۱ھ) نیز علامہ آلوسی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بھی جائز ہے کہ ”اذا ہوی“ سے یہ مراد ہو کہ شب معراج نبی کریم ﷺ کا عروج لامکان تک ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی قسم کھا کر یہ بتایا کہ آپ راہِ راست سے گم ہونے اور راہِ راست کے بغیر چلنے کے شائبہ سے بھی مبرا، منزہ اور پاک ہیں۔ (تفسیر بیان القرآن ج ۱ ص ۷۷، ۷۸)

نے قوم لوط کی بستیوں کو زمین کی گہرائی میں سیاہ پانی کی جگہ سے اکھیڑا اور ان کو اپنے ایک پر کے اوپر اٹھالیا، پھر ان بستیوں کو اٹھا کر اوپر آسمان تک لے گیا (یہاں تک کہ آسمان والوں نے مرغوں کی بانگ اور کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں) پھر اس نے ان تمام بستیوں کو الٹ پلٹ کر کے پھینک دیا اور اس نے زوردار چیخ مار کر شموذ کی قوم کو ایسا پچھاڑا کہ وہ سب ہلاک ہو کر گھٹنوں کے بل پڑے تھے۔

۶۔ ﴿ذُورِ هَذِهِ﴾ بڑے خوب صورت حسین و جمیل شکل و صورت والے اور یہ معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے ﴿فَاسْتَوَى﴾ پھر وہ اپنی اصلی اور حقیقی صورت پر قائم ہو گیا، اس صورت کے ساتھ نہیں جس کے ساتھ متشکل ہو کر وحی لے کر نیچے اترتا تھا اور وہ حضرت وحیہ کلبی کی صورت میں نازل ہوتا تھا اور یہ اس لیے ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ آپ حضرت جبریل علیہ السلام کو اس صورت میں دیکھیں جس پر اسے پیدا کیا گیا ہے، پھر وہ آپ کے لیے سب سے بلند کناروں میں قائم ہو گیا اور وہ اس وقت سورج کے طلوع ہونے والے کناروں پر تھا، سو اس نے تمام کناروں کو بھر دیا اور بعض حضرات نے کہا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے سوا دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے کسی پیغمبر نے حضرت جبریل علیہ السلام کو اس کی حقیقی صورت میں نہیں دیکھا جب کہ حضور نے دو دفعہ دیکھا، ایک دفعہ زمین میں اور ایک دفعہ آسمان میں۔

۷۔ ﴿وَهُوَ﴾ اور وہ یعنی حضرت جبریل علیہ السلام ﴿بِالْأَفْقِ الْأَعْلَى﴾ سب سے بلند کناروں پر تھا (یعنی) سورج کے طلوع ہونے کی جگہ میں۔

۸۔ ﴿تَقْدَرْنَا﴾ پھر حضرت جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے قریب ہو گئے ﴿فَقَدَّاتِي﴾ پھر وہ نیچے اتر کر اور زیادہ قریب ہو گئے اور ”تدلی“ کا معنی ہے: کسی چیز کے قرب میں اترنا۔

۹۔ ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ﴾ سو حضرت جبریل دو کمانوں کی مقدار حضور کے قریب ہو گئے (یعنی) عربوں کی دو کمانوں کی مقدار مراد ہے کیونکہ عرب میں پیمائش کمان نیزہ، کوڑا، ہاتھ اور دونوں ہاتھوں کو پھیلانے کی مقدار سے کی جاتی تھی (اس لیے کہ عرب کے پاس پیمائش کا کوئی اور آلہ نہیں تھا) اور اسی سے یہ کلام ماخوذ ہے کہ ”لَا صَلْوَةَ إِلَىٰ أَنْ تَرْتَفَعَ الشَّمْسُ مِقْدَارَ رَمْحَيْنِ“ یعنی اس وقت تک نماز جائز نہیں یہاں تک کہ سورج دو نیزوں کے برابر بلند ہو جائے اور حدیث شریف میں ہے کہ ”لَقَابُ قَوْسٍ أَحَدِكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ وَمَوْضِعُ قَدِّهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا“۔ البتہ تم میں سے کسی کو جنت میں ایک کمان کی مقدار کے برابر اور ایک کوڑے کی مقدار کے برابر جگہ مل جانا تمام دنیا اور اس میں تمام ساز و سامان سے بھی بہت بہتر ہے۔ اور ”قد“ بہ معنی ”سوط“ (کوڑا) ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ”(فَكَانَ) مِقْدَارُ مَسَافَةِ قُرْبِهِ مِثْلَ (قَابِ قَوْسَيْنِ)“ پھر ان تمام مضافات کو حذف کر دیا گیا ہے (ترجمہ:) سو حضرت جبریل کے قرب کی مسافت کی مقدار دو کمانوں کی طرح تھی ﴿أَوْ أَدْنَى﴾ یا اس سے بھی زیادہ قریب ہو گئے یعنی تمہارے اندازے پر (کیونکہ اللہ تعالیٰ شک سے پاک ہے لہذا انسانوں کے اعتبار سے ”او“ کا لفظ استعمال فرمایا) جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَأَرْسَلْنَا إِلَىٰ مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ“ (الصافات: ۱۳) اور ہم نے اس کو (حضرت یونس علیہ السلام کو) سو ہزار (ایک لاکھ) یا اس سے زیادہ آدمیوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا“ اور یہ اس لیے کہ اہل عرب کو ان کی اپنی لغت اور زبان کے مطابق اور ان کی فہم و فراست کے مطابق مخاطب کیا گیا ہے اور جب کہ وہ کہتے ہیں: ”هَذَا قَدْرٌ رَمْحَيْنِ أَوْ أَنْقَصَ“ یعنی یہ دو نیزوں کے برابر

۱۔ رواہ البخاری رقم الحدیث: ۲۷۹۳، الترمذی فی کتاب صفة الجنة باب: ۲۳، احمد فی مسندہ ج ۳ ص ۷۶

ہے یا کچھ کم ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ لفظ ”او“ شک کے لیے نہیں بلکہ یہ ”بل“ کے معنی میں ہے یعنی ”فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ بَلْ اَدْنَى“ سو حضرت جبریل علیہ السلام حضور کے دو کمانوں کی مقدار قریب ہو گئے بلکہ اس سے زیادہ قریب ہو گئے۔

۱۰۔ ﴿فَاَوْحَىٰ اِلَىٰ عَبْدِهٖ﴾ پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے مقدس بندے کی طرف وحی بھیجی اور اگرچہ اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کا ذکر اس سے پہلے نہیں کیا گیا لیکن اس کی طرف ضمیر لوٹانے سے التباس نہیں ہوتا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَلَوْ يُوَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰی ظَهْرِهَا مِنْ دَاۤبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّنۡزِلُهَاۤسَ اِلَىٰ اَجَلٍ مُّسَمًّى“ (الفاطر: ۲۵) ”اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے کیے ہوئے کاموں پر ان کی گرفت کرتا تو زمین کی پشت پر چلنے والے کسی جاندار کو نہ چھوڑتا لیکن وہ ایک مقرر وقت تک انہیں ڈھیل دیتا ہے“ (”عَلٰی ظَهْرِهَا“ میں اضمار قبل الذکر ہے لیکن التباس نہیں) ﴿فَاَوْحَىٰ﴾ اس نے جو کچھ وحی بھیجی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کی گئی وحی کی عظمت و بڑائی کی خاطر اسے مخفی رکھا گیا ہے۔ بعض مفسرین نے بیان فرمایا کہ حضور کی طرف یہ وحی کی گئی کہ بے شک جنت دیگر تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر حرام کر دی گئی ہے یہاں تک کہ سب سے پہلے آپ اس میں داخل ہوں اور تمام امتوں پر حرام کر دی گئی ہے یہاں تک کہ پہلے آپ کی امت اس میں داخل ہوگی۔

۱۱۔ ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی﴾ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے قلب مبارک نے اسے نہیں جھٹلایا جو حضور نے اپنی آنکھوں سے حضرت جبریل علیہ السلام کو اصلی اور حقیقی صورت میں دیکھا یعنی جب حضور نے اسے دیکھا تو آپ کے دل مبارک نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے تجھے نہیں پہچانا اور اگر بفرض مجال وہ یہ کہہ دیتا تو وہ جھوٹا ہو جاتا کیونکہ اس نے پہچان لیا تھا یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جبریل علیہ السلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے دل اقدس سے اسے پہچانا اور آپ نے اس میں ہرگز شک نہیں کیا کہ آپ نے جو کچھ دیکھا وہ حق ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جسے دیکھا تھا وہ خود اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی تھے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کو اپنی سر کی آنکھوں سے دیکھا اور بعض حضرات کا قول ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا لیکن دل سے دیکھا تھا۔

۱۔ واضح ہو کہ سورۃ النجم کی ان آیات میں اس بات کی صراحت اور وضاحت نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تعلیم دینے والا اور قرب بخشنے والا اور وحی بھیجنے والا اور دیدار کرانے والا کون ہے؟ حضرت جبریل علیہ السلام ہیں یا خود اللہ تعالیٰ مراد ہے اس لیے مفسرین کرام میں اختلاف ہو گیا۔ بعض مفسرین نے کہا کہ حضرت جبریل مراد ہیں چنانچہ انہوں نے ”عَلَّمَهُ“ ”فَاسْتَوٰی“ اور ”دَنَا فَتَدَلّٰی“ اور ”فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی“ کا فاعل حضرت جبریل کو قرار دیا صاحب مدارک نے اسی قول کے مطابق ان آیات کی تفسیر بیان کی ہے جب کہ دوسرے مفسرین کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مراد ہے کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ”الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ“ (الرحمن: ۱-۲) ”رحمن نے حضور کو قرآن کی تعلیم دی“۔ اس آیت مبارکہ سے واضح ہو گیا کہ حضور کو تعلیم دینے والا اور آپ کا معلم اللہ تعالیٰ ہے اور اسی طرح حضور کو قرب ”دَنَا فَتَدَلّٰی“ بخشنے والا اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ متفق علیہ حدیث میں ہے: ”وَدَنَا الْجَبَّارُ رَبُّ الْعِزَّةِ فَتَدَلّٰی حَتّٰی كَانَ مِنْهُ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی“ اور جبار رب العزت آپ کے قریب ہوا یہاں تک کہ وہ آپ سے دو کمانوں کی مقدار قریب ہوا بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہوا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۲)

نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی کرنے والا اور وحی بھیجنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ سے وحی وصول کر کے حضور تک پہنچانے والے ہیں اور نلے جانے والے ہیں چنانچہ ارشاد فرمایا: ”اِنَّا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ كَمَا اَوْحَيْنَا اِلٰی نُوْحٍ وَالنَّبِيِّیْنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ“ (النساء: ۱۶۳) ”بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی جس طرح ہم نے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱۲۔ ﴿أَفْتَمْرُونَ عَلَى مَا يَبْرِى﴾ تو کیا تم (اے کفار مکہ!) آپ سے اس پر جھگڑا کرتے ہو جو آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ یہ ”أَفْتَجَادِلُونَهُ“ کے معنی میں اور یہ ”مراء“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: جھگڑنا اور بحث و تکرار کرنا، اور یہ ”مراء“ مَرَى النَّاقَةَ سے مشتق ہے کہ اونٹنی کا ظاہر کرنا، گویا جھگڑنے والے دونوں فریقوں میں سے ہر ایک اپنے مد مقابل فریق کی رائے کو ظاہر کر دیتا ہے [حمزہ کوئی، علی کسائی، خلف اور یعقوب کی قراءت میں ”أَفْتَمْرُونَ“ پڑھا جاتا ہے] یعنی کیا تم باہمی جھگڑے میں آپ پر غلبہ حاصل کرنا چاہتے ہو۔ یہ ”مَارِيْتَهُ فَمَرِيْتَهُ“ سے ماخوذ ہے کہ میں نے فلاں سے باہمی جھگڑا کیا تو میں اس پر غالب آ گیا اور چونکہ اس میں غلبہ کا معنی پایا جاتا ہے اس لیے ”عَلَى مَا يَبْرِى“ فرمایا پس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نوح علیہ السلام اور ان کے بعد تمام نبیوں کی طرف وحی بھیجی تھی، باقی رہا حضرت جبریل کو دیکھنا تو یہ اپنی جگہ صحیح ہے لیکن یہاں اللہ تعالیٰ مراد لینا زیادہ بہتر و مناسب ہے کیونکہ اس سورت کی ابتدائی آیات میں بھی معراج شریف کی طرف اشارہ ہے چنانچہ صدر الافاضل علامہ محمد نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں کہ سید عالم ﷺ کے قلب مبارک نے اس کی تصدیق کی جو چشم مبارک نے دیکھا، معنی یہ ہیں کہ آنکھ سے دیکھا دل سے پہچانا اور اس رویت و معرفت میں شک و تردد نہ جگہ نہیں پائی۔ اب یہ بات کہ کیا دیکھا، بعض مفسرین کا قول یہ ہے کہ حضرت جبریل کو دیکھا لیکن مذہب صحیح یہ ہے کہ سید عالم ﷺ نے اپنے رب تبارک و تعالیٰ کو دیکھا اور یہ دیکھنا کس طرح تھا۔ چشم سر (سر کی آنکھ) سے یا چشم دل سے اس میں مفسرین کے دونوں قول پائے جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ سید عالم ﷺ نے رب العزت کو اپنے قلب مبارک سے دوبار دیکھا۔ (رواہ مسلم) ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ نے رب عزوجل کو حقیقہ چشم مبارک سے دیکھا، یہ قول حضرت انس بن مالک، حضرت حسن اور حضرت عکرمہ کا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خلعت اور حضرت موسیٰ کو کلام اور سید عالم حضرت محمد مصطفیٰ کو اپنے دیدار سے امتیاز بخشا (صلوات اللہ تعالیٰ علیہم)۔ حضرت کعب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دوبار کلام فرمایا اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دو مرتبہ دیکھا۔ (ترمذی) لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیدار کا انکار کیا اور آیت کو حضرت جبریل کے دیدار پر محمول کیا اور فرمایا کہ جو کوئی یہ کہے کہ حضرت محمد (ﷺ) نے اپنے رب کو دیکھا ہے اس نے جھوٹ کہا اور سند میں ”لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ“ (الانعام: ۱۰۳) (آنکھیں اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتیں) تلاوت فرمائی۔ یہاں چند باتیں قابل لحاظ ہیں، ایک یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول نفی میں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول اثبات میں ہے اور مثبت ہی مقدم ہوتا ہے کیونکہ نانی کسی چیز کی نفی اس لیے کرتا ہے کہ اس نے نہیں سنا اور مثبت اثبات اس لیے کرتا ہے کہ اس نے سنا اور جانا ہے تو علم مثبت کے پاس ہے۔ علاوہ ازیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ کلام حضور سے نقل نہیں کیا بلکہ آیت سے اپنے استنباط (قیاس) پر اعتماد فرمایا اس لیے یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی (بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اپنی رائے ہے اور آیت میں ”ادراك“ یعنی احاطہ کی نفی ہے۔ رویت (دیدار) کی نفی نہیں ہے۔

مسئلہ صحیح یہ ہے کہ حضور ﷺ دیدار الہی سے مشرف فرمائے گئے ہیں۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث مرفوع سے بھی یہی ثابت ہے۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث ہے: ”رَأَيْتُ رَبِّي بِعَيْنِي وَبِقَلْبِي“ میں نے اپنے رب کو اپنی آنکھ اور اپنے دل سے دیکھا ہے۔ حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ قسم کھا کر فرماتے تھے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ نے شب معراج اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کا قائل ہوں، حضور نے اپنے رب کو دیکھا اور اس کو دیکھا اور اس کو دیکھا، امام صاحب یہ فرماتے ہی رہے یہاں تک کہ ان کا سانس ختم ہو گیا۔

(تفسیر خزائن العرفان ص ۹۳۸-۹۳۹، حاشیہ نمبر: ۱۴، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

”تمارونہ“ کو حرف ”علی“ کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے جیسے کہتے ہیں: ”غَلَبْتُهُ عَلَيَّ كَذَا“ میں نے اس پر اسی طرح غلبہ پالیا اور بعض نے فرمایا کہ ”اَفْتَمَرُوْنَهُ“ بہ معنی ”اَفْتَجَحَدُوْنَهُ“ ہے یعنی تو کیا تم ان سے جھگڑا کرتے ہو یا یہ معنی کہ کیا تم ان کی بات کا انکار کرتے ہو؟ چنانچہ کہا جاتا ہے: ”مَرِيْتُ حَقَّةً“ میں نے فلاں کے حق کا انکار کر دیا [اور اس کو حرف ”علی“ کے ساتھ متعدی کرنا صحیح نہیں مگر تفسیر کے مذہب پر]۔

وَلَقَدْ رَاَهُ نَزْلَةً أُخْرَى ۙ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى ۙ عِنْدَ هَا جَنَّةِ الْمَأْوَى ۙ إِذْ يَخْشَى

السِّدْرَةَ مَا يَخْشَى ۙ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى ۙ لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى ۙ

اور بے شک انہوں نے اسے دوبارہ دیکھا ○ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ○ اسی کے پاس جنت الماویٰ ہے ○ جب سدرہ پر چھارہا تھا جو کچھ چھارہا تھا ○ آنکھ نہ در ماندہ ہوئی اور نہ وہ حد سے بڑھی ○ اور بے شک آپ نے اپنے رب تعالیٰ کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں ○

۱۳- ﴿وَلَقَدْ رَاَهُ﴾ اور بے شک آپ نے اسے دیکھا یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا ﴿نَزْلَةً أُخْرَى﴾ دوسری دفعہ [”نَزْلَةً“ کو ظرف کی وجہ سے نصب دی گئی اور وہ ظرف ”مَرَّةً“ ہے کیونکہ ”فَعْلَةٌ“ کے وزن پر جو مصدر آتا ہے وہ فعل سے ”مَرَّةً“ کے معنی کے لیے آتا ہے سو وہ اس کے حکم میں ہوتا ہے] یعنی حضرت جبریل علیہ السلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دوبارہ اپنی اصلی صورت میں نازل ہوئے پس آپ نے اسے اصلی صورت پر دیکھا اور یہ دوبارہ اصلی صورت میں دیکھنا معراج کی رات ہوا تھا۔

۱۴- ﴿عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى﴾ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ جمہور علمائے اسلام اس پر متفق ہیں کہ یہ ایک بیری کا درخت ہے جو عرش کی دائیں جانب سے ساتویں آسمان میں اُگا ہوا ہے اور ”منتہی“ اسم مکان ہے معنی یہ ہے کہ انتہاء کی جگہ اور آخری مقام یا مصدر میسی ہے اس کا معنی ہے: انتہاء گویا یہ جنت کی انتہاء اور اس کے آخر میں ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس جگہ کو کوئی شخص عبور کر کے آگے نہیں جاسکتا اور فرشتوں وغیرہ کے علم کی یہاں انتہاء ہو جاتی ہے اور اس کے آگے جو کچھ ہے اسے کوئی نہیں جانتا اور بعض علمائے دین نے فرمایا کہ شہداء کی روہیں یہاں تک آ کر رک جاتی ہیں آگے نہیں جاسکتیں۔

۱۵- ﴿عِنْدَ هَا جَنَّةِ الْمَأْوَى﴾ اس کے پاس جنت ماویٰ ہے یعنی ایسی جنت جس میں متقین اور پرہیزگار حضرات واپس لوٹ کر آرام کریں گے گویا یہ جنت پرہیزگاروں کے لیے آرام گاہ ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ شہیدوں کی روہیں اس میں آرام کرنے کے لیے پناہ حاصل کرتی ہیں۔

۱۶- ﴿إِذْ يَخْشَى السِّدْرَةَ مَا يَخْشَى﴾ جب سدرہ کو ڈھانپ رکھا تھا جس نے ڈھانپ رکھا تھا یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اسے دیکھا تو اس وقت اس کو ڈھانپ رکھا تھا جس نے ڈھانپ رکھا تھا اور یہ ابہام ”سدرۃ المنتہیٰ“ کو ڈھانپنے والی چیزوں کی کثرت و عظمت کے بیان کے لیے ہے سو اس عبارت سے معلوم ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت پر رہنمائی کرنے والی مخلوقات میں سے جن اشیاء نے سدرۃ المنتہیٰ کو ڈھانپ رکھا ہے ان کی تعریف و توصیف کا احاطہ نہیں ہو سکتا چنانچہ بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ سدرہ کو فرشتوں کی ایک بہت بڑی جماعت نے گھیر رکھا ہے جو اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اسے سونے کے پتنگوں (یعنی پروانوں) نے

ڈھانپ رکھا تھا۔

۱۷- ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ﴾ آنکھ نہیں پھری (یعنی) رسول اللہ ﷺ کو جن عجائبات کے دیکھنے کا حکم دیا گیا تھا ان کو دیکھنے سے آپ کی آنکھوں نے عدول نہیں فرمایا اور ان کے دیکھنے سے نہیں پھریں اور آپ کی مبارک آنکھیں عجائبات الہی کو ادھر ادھر پھرے بغیر ثابت رہ کر اور جم کر دیکھتی رہیں ﴿وَمَا طَغَى﴾ اور نہ سرکشی کی اور جن کے دیکھنے کا حکم دیا گیا تھا ان سے تجاوز نہیں کیا۔

۱۸- ﴿لَقَدْ رَأَى﴾ ”وَاللَّهُ لَقَدْ رَأَى“ اللہ تعالیٰ کی قسم! بے شک آپ نے دیکھا ﴿مِنَ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى﴾ اپنے پروردگار کی بڑی نشانیوں کو ایسی نشانیاں جو بہت بڑی اور عظیم الشان تھیں یعنی جب آپ کو آسمانوں کی طرف اوپر لے جایا گیا تو آپ کو سلطنت الہی کے عجائبات دکھائے گئے۔

أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ۝۱۹ وَمَنْوَةَ الثَّالِثَةَ الْآخِرَىٰ ۝۲۰ أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ ۝۲۱

تِلْكَ إِذْ أَسْمَعُ صَيْدَىٰ ۝۲۲ إِن هِيَ إِلَّا أَسْمَاءُ سَبَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مِمَّا نَزَّلَ

اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۝۲۳ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ

مِّنْ رَبِّهِمُ الْهُدَىٰ ۝۲۴ أَمْ لِلْإِنسَانِ مَا تَمَنَّىٰ ۝۲۵ فِئْتِهِ الْأَخْرَجُ وَالْأُولَىٰ ۝۲۶

سو کیا تم نے لات اور عزیٰ کو غور سے دیکھا O اور تیسری منات کو دیکھا O کیا تمہارے لیے لڑکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے لڑکیاں ہیں O تب تو یہ بڑی ظالمانہ تقسیم ہے O یہ تو نہیں مگر محض نام جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کوئی سند نہیں اتاری وہ تو صرف گمان کی اور ان خواہشات کی پیروی کرتے ہیں جن کو ان کے نفس چاہتے ہیں اور بے شک ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے O کیا انسان کے لیے وہی ہوتا ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے O سو آخرت اور دنیا اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں O

بتوں کی مذمت اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و توحید کا بیان

۱۹، ۲۰- ﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ۝۱۹ وَمَنْوَةَ الثَّالِثَةَ الْآخِرَىٰ ۝۲۰﴾ پھر کیا تم نے لات اور عزیٰ O اور تیسرے منات کو غور سے دیکھا ہے یعنی تم مجھے ان اشیاء کے بارے میں بتاؤ جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو کیا ان کو قدرت و اختیار اور عظمت و شان اور بڑائی حاصل ہے جس کے ساتھ اللہ رب العزت کو موصوف کیا گیا ہے اور لات منات اور عزیٰ یہ سب کفار کے بت تھے اور یہ مادہ ہیں یعنی مؤنث ہیں چنانچہ لات قبیلہ ثقیف کا بت تھا جو طائف میں نصب تھا جہاں اس کی پرستش اور پوجا کی جاتی تھی اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ لات بت (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان) نخلہ کے مقام پر نصب تھا جس کی قریش عبادت کرتے تھے [اور یہ ”فَعَلَّةٌ“ (کے وزن پر ”لَوِيَّةٌ“ تھا پھر ”یا“ کو ساکن کر کے التقائے ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا گیا اور واو کو ما قبل مفتوح کی وجہ سے الف سے تبدیل کر دیا گیا اور ”لَاة“ ہو گیا جو) ”لَوِي“ سے ماخوذ ہے] کیونکہ مشرکین اس کے آگے جھکتے اور سجدے کرتے تھے اور اس کا طواف کرتے تھے اور اس کی عبادت کرنے کے لیے اس کے پاس دھرنادیتے اور معتکف رہتے اور عزیٰ قبیلہ غطفان کی دیوی کا بت تھا اور یہ ایک کیکر یا بول کا درخت تھا جس کی

پرستش کی جاتی تھی اور یہ اصل میں ”اعز“ کی تائید ہے اور اس کو حضرت خالد بن ولید نے (مصطفیٰ کریم کے حکم پر) کاٹ دیا تھا اور منات قبیلہ ہذیل اور خزاعہ کا بت تھا اور یہ پتھر کا بنا ہوا بت تھا اور بعض کا قول ہے کہ یہ بت بھی قبیلہ ثقیف کا بت تھا اور اس کا نام منات اس لیے رکھا گیا تھا کہ اس کے پاس قربانیوں کا خون بہایا جاتا تھا [ابن کثیر کی قراءت میں ”مناءة“ پڑھا جاتا ہے اور یہ ”مفعلة“ کے وزن پر ”نوء“ سے مشتق ہے] گویا وہ لوگ تبرک کے طور پر اس کے پاس آ کر خوش حالی اور ہریالی کے لیے بارش طلب کرنے کی دعا کرتے تھے ﴿الْأُخْرَى﴾ یہ صفت ذم ہے یعنی پچھلی گھٹیا قدر والی جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”قَالَتْ أَخْرَاهُمْ لَأَوْلَهُمْ“ (الاعراف: ۳۸) ”ان کی پچھلی جماعت نے ان کی پہلی جماعت سے کہا“ یعنی ان کے کمزوروں اور کمیوں نے اپنے رئیسوں اور اپنے سرداروں سے کہا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے نزدیک لات اور عزلی مرتبہ کے لحاظ سے اول اور مقدم ہوں۔

۲۲، ۲۱۔ مشرکین کہتے تھے کہ بے شک فرشتے اور یہ بت اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور وہ لوگ ان کی عبادت کرتے تھے اور گمان کرتے تھے کہ یہ بت اور فرشتے اللہ تعالیٰ کے پاس ان کی سفارش کریں گے جب کہ وہ لوگ اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے اور وہ لوگ ان بیٹیوں کو اپنے لیے ناپسند کرتے تھے اور ان سے نفرت کرتے تھے سو اس لیے ان سے فرمایا گیا ہے کہ ﴿الْكُذَّابَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَآتَيْنَهُمْ صِيزًا﴾ کیا تمہارے لیے لڑکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے لڑکیاں ہیں O یہ تب تو ظالمانہ تقسیم ہے یعنی ”ضیزی“ کا معنی ہے: ظلم کرنے والی ظالمانہ ”ضازہ“، ”یضیزہ“ سے ماخوذ ہے جب کوئی شخص کسی کو حقیر و ذلیل خیال کر کے اس پر ظلم کرتا ہے تو کہا جاتا ہے: ”ضازہ فلان“ [”ضیزی“، ”فعلی“ کے وزن پر ہے کیونکہ صفت میں ”فعلی“ نہیں آتا پس اس لیے ضاد کو ”یا“ کی مناسبت سے کسرہ دیا گیا ہے جیسا کہ ”ابيض“ کی جمع ”بیض“ ہے اور یہ بھی اصل میں ”بوض“ تھا جیسے ”احمر“ کی ”حمر“ اور ”اسود“ کی جمع ”سود“ ہے ابن کثیر کی قراءت میں ”ضیزی“ ہمزہ کے ساتھ ہے ”ضازہ“ سے ماخوذ ہے جیسے ”ضازہ“ ہے۔]

۲۳۔ ﴿إِنْ هِيَ﴾ وہ نہیں ہیں یعنی وہ بت نہیں ہیں ﴿إِلَّا أَسْمَاءُ﴾ مگر محض نام کیونکہ حقیقت میں ان ناموں کے تحت ان کے مسیات کچھ نہیں ہیں اس لیے کہ تم بتوں کے لیے الوہیت کا دعویٰ کرتے ہو حالانکہ یہ چیز ان سے بہت بعید ہے اور بہت سخت ان کے منانی ہے ﴿سَمِيْتُهُمْ هَآءَا أَنْتُمْ وَأَبَاؤُكُمْ﴾ تم نے اور تمہارے باپ دادا نے یہ نام رکھے ہوئے ہیں یعنی ”سمیتم بہا“ ہے جیسے کہا جاتا ہے: ”سَمِيْتُهُ زَيْدًا“ و ”سَمِيْتُهُ بَزِيدًا“ ﴿مَا أَتَىٰ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی سند اور دلیل نازل نہیں فرمائی ﴿إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ﴾ وہ مشرکین صرف ظن و گمان اور وہم کی پیروی کرتے ہیں کہ جس راہ پر وہ گامزن ہیں وہی حق ہے ﴿وَمَا تَهْوَىٰ الْأَنْفُسُ﴾ اور وہ ان خواہشات کی پیروی کرتے ہیں جو ان کے نفس چاہتے ہیں یعنی وہ نفسانی خواہشات کے اسیر ہیں ﴿وَلَقَدْ جَاءَهُمْ قُرْآنٌ مِّنْ رَبِّهِمْ الْهُدَىٰ﴾ اور بے شک ان کے پاس ان کے پروردگار کی طرف سے ہدایت آچکی ہے (یعنی) رسول اور کتاب لیکن انہوں نے اسے ترک کر دیا اور چھوڑ دیا اور اس پر عمل نہیں کیا۔

۲۴۔ ﴿أَمْ لِلْإِنْسَانِ مَا تَمَنَّى﴾ کیا انسان کے لیے وہی ہوتا ہے جو وہ تمنا کرتا ہے [”آم“ منقطعہ ہے اور اس میں ہمزہ انکار کے معنی میں ہے] یعنی کافر کی بتوں کی شفاعت کے بارے میں جو تمنا ہے وہ کبھی پوری نہیں ہوگی یا اس کا یہ کہنا کہ ”وَلٰكِنْ رَّبُّكُمْ عَلٰى رَبِّىۡنَا لَشَدِيۡدٌ“ (نصرت: ۵۰) ”اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹا یا گیا تو بے شک میرے لیے اس کے پاس ضرور بھلائی ہوگی O“ اور بعض کا قول ہے کہ مشرکین میں سے کسی کی یہ تمنا تھی کہ وہ نبی بن جائے۔

۲۵۔ ﴿قَدْ لَبِثْنَا الْأَرْضَ وَالْأُولَىٰ﴾ پس آخرت اور دنیا اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں یعنی ان دونوں کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور ان میں اسی کا حکم چلتا ہے اور وہی جس کو چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے اسے نبوت اور شفاعت عطا فرما دیتا ہے، لیکن یہ چیزیں تمنا اور آرزو سے حاصل نہیں ہوتیں۔

وَكَمْ قَبْلَكَ فِي السَّمَوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ
لِمَنْ يَشَاءُ وَيَرْضَىٰ ۚ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيَسْتَوُونَ الْمَلَائِكَةَ كَسْمِيَةِ
الْأُنثَىٰ ۚ وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ ۚ إِنَّ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ ۚ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ
الْحَقِّ شَيْئًا ۚ

اور آسمانوں میں کتنے فرشتے ہیں جن کی شفاعت کچھ فائدہ نہیں دے گی، مگر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد جس کے لیے اللہ تعالیٰ چاہے گا اور پسند کرے گا O بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ ضرور فرشتوں کے نام عورتوں کے نام پر رکھ لیتے ہیں O اور انہیں اس کا بالکل علم نہیں، وہ تو پیروی نہیں کرتے مگر محض گمان کی، اور بے شک گمان یقین کے مقابلہ میں کچھ فائدہ نہیں دیتا O

کفر و شرک کی نحوست و مذمت اور نیک و بد کے مختلف انجام کا بیان

۲۶۔ ﴿وَكَمْ قَبْلَكَ فِي السَّمَوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَرْضَىٰ﴾ اور آسمانوں میں کتنے فرشتے ہیں جن کی شفاعت کچھ فائدہ نہیں دے گی مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اجازت دے دے جس کے لیے وہ چاہے اور پسند کرے یعنی بے شک شفاعت کا معاملہ محدود و مشکل ہے، سو بے شک فرشتے اپنی قربت اور کثرت کے باوجود اگر سب مل کر کسی کافر و مشرک کی شفاعت کریں تو ان کی شفاعت اسے ہرگز کچھ فائدہ نہیں دے گی اور نہ کوئی نفع دے گی، مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کی اجازت ملنے کے بعد جب وہ شفاعت کریں گے تو وہ شفاعت ہر اس شخص کے لیے مفید ہوگی جس کے لیے اللہ تعالیٰ شفاعت چاہے گا اور اسے پسند کرے گا اور سمجھے گا کہ یہ شخص اس کا اہل ہے کہ اس کے لیے شفاعت کی جائے، سو بت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے بچاریوں کی شفاعت کیسے کر سکیں گے؟

۲۷۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيَسْتَوُونَ الْمَلَائِكَةَ كَسْمِيَةِ الْأُنثَىٰ﴾ بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے نام پر رکھ لیتے ہیں یعنی کفار میں سے ہر شخص فرشتوں کے نام عورتوں کے نام پر رکھ دیتا ہے کیونکہ جب انہوں نے فرشتوں کے بارے میں یہ کہہ دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں تو ان میں سے ہر ایک نے بیٹی نام رکھ دیا اور یہ عورت کا نام ہے۔

۲۸۔ ﴿وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ﴾ اور انہیں اس کے بارے میں کچھ علم نہیں یعنی وہ جو کچھ کہتے ہیں جہالت و بے علمی کی بناء پر کہتے ہیں اور ایک قرأت میں ”بہ“ کی بجائے ”بہا“ پڑھا گیا ہے یعنی فرشتوں کے بارے میں یا ان کے مؤنث نام رکھنے کے بارے میں انہیں بالکل علم نہیں ہے ﴿إِنَّ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ﴾ وہ پیروی نہیں کرتے مگر محض گمان کی اور وہ اپنے مشرک باب دادا کی تقلید ہے ﴿وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾ اور بے شک گمان حق سے بالکل بے نیاز اور مستغنی نہیں کر سکتا

یعنی بے شک صرف وہی حق پہچانا جاتا ہے جو کسی چیز کی حقیقت ہوتا ہے اور وہ صرف علم اور یقین کے ذریعے پہچانا جاتا ہے محض گمان اور وہم کی بناء پر نہیں۔

فَاعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّىٰ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۗ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ

مِنَ الْعِلْمِ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ۗ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ اهْتَدَىٰ ۗ

سو آپ اس شخص سے منہ پھیر لیجئے جس نے ہمارے ذکر سے منہ پھیر لیا ہے اور اس نے دنیا کی زندگی کے سوا اور کچھ نہیں چاہا۔ یہی ان کے علم کی رسائی ہے بے شک آپ کا پروردگار اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے بھٹک گیا ہے اور وہ اس شخص کو بھی جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہے۔

۲۹، ۳۰۔ ﴿فَاعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّىٰ عَنْ ذِكْرِنَا﴾ سو (اے محبوب!) آپ ہر اس شخص سے منہ پھیر لیجئے جس نے ہمارے ذکر اور ہماری یاد سے منہ پھیر لیا ہے (یعنی) اے محبوب! آپ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کے ذکر یعنی قرآن مجید سے منہ پھیرنے والا دیکھ لیں تو آپ بھی اس سے منہ پھیر لیجئے (اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دیجئے کیونکہ) ﴿وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا﴾ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ اور وہ دنیا کی زندگی کے سوا اور کچھ نہیں چاہتا۔ یہی ان کے علم کی رسائی ہے یعنی ان کا دنیا کو اختیار کر لینا اور اسی پر راضی رہنا ان کے علم کی انتہاء ہے ﴿إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ۗ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ اهْتَدَىٰ﴾ بے شک آپ کا پروردگار ہی اسے خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور وہی اس شخص کو خوب جانتا ہے جو ہدایت پا گیا یعنی وہی گمراہ اور ہدایت یافتہ کو خوب جانتا ہے اور وہی ان کو سزا اور جزاء عطا کرے گا۔

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَاءُوْا وَاِيْمًا عَمِلُوْا وَاِيْمًا

الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحَسَنٰتِ ۗ الَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كِبْرًا لِّاِثْمِ الْفَوَاحِشِ اِلَّا

اللَّيْمَ ۗ اِنَّ رَبَّكَ وَاِسِعُ الْمَغْضِرَةِ ۗ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذَا اَنْشَاكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ

وَاِذْ اَنْتُمْ اَجْنَثٌ فِىْ بُطُوْنِ اُمَّهَاتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ اَتَقٰى ۗ

اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے تاکہ وہ برائی کرنے والوں کو ان کے اعمال پر سزا دے اور وہ ان لوگوں کو جنہوں نے نیکیاں کی ہیں بہترین جزاء دے۔ جو لوگ بڑے گناہوں سے اور بے حیائیوں سے بچتے رہے سوائے چھوٹے گناہوں کے بے شک آپ کا رب تعالیٰ بڑا وسیع بخشنے والا ہے وہ تمہیں خوب جانتا ہے جب اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا اور اس وقت تم اپنے ماؤں کے پیٹوں میں نہایت چھوٹے سے بچے تھے سو تم اپنے آپ کو پاکیزہ قرار نہ دو وہ اسے خوب جانتا ہے جس نے تقویٰ اختیار کیا ہے۔

۳۱۔ ﴿وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَاءُوْا وَاِيْمًا عَمِلُوْا﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جنہوں نے برائیاں کیں ان اعمال پر سزا دے جو

انہوں نے کیے (یعنی) انہوں نے جو بُرے اعمال کیے ہیں ان پر انہیں سزا دے یا انہیں ان کے بُرے اعمال کے سبب سزا دے ﴿وَيَجْزِي الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى﴾ اور جنہوں نے اچھے عمل کیے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اچھی جزا دے (یعنی) اچھا ثواب عطا فرمائے اور وہ جنت ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے اچھے اور نیک اعمال کے سبب انہیں اچھی جزا عطا فرمائے اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ عزوجل نے تمام کائنات کو پیدا کیا اور اس بادشاہی کو درست فرمایا تاکہ مکلفین میں سے نیکوں کو نیک جزا عطا فرمائے اور ان میں سے بُروں کو سخت سزا دے کیونکہ بادشاہ اپنے دوستوں کی امداد کرنے اور دشمنوں کو مقہور و مغلوب کرنے کا حق رکھتا ہے۔

۳۲- ﴿الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْإِثْمِ﴾ جو لوگ بڑے بڑے گناہوں سے بچتے ہیں یعنی گناہوں میں سے بڑے گناہوں سے بچتے ہیں کیونکہ ”اِثْمٌ“ جنس ہے جو بڑے اور چھوٹے سب گناہوں پر مشتمل ہے اور ”کبائر“ ان گناہوں کو کہا جاتا ہے جن کی سزا بڑی اور سخت مقرر کی گئی ہے [”الذین“ ماقبل سے بدل ہے یا پھر مدح کی بناء پر محلاً مرفوع ہے اصل میں ”ہم الذین“ ہے اور قاری حمزہ کوئی اور علی کسائی کی قراءت میں ”کبیر الاثم“ پڑھا جاتا ہے یعنی گناہ کی بڑی قسم] ﴿وَالْفَوَاحِشُ﴾ اور وہ بے حیائیوں سے بچتے ہیں جو بڑے گناہوں میں سے بدتر اور حیا سوز کر توت ہیں گویا فرمایا کہ ان بڑے گناہوں میں سے خاص کر بے حیائی کے گناہوں سے بچتے ہیں۔ بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ بڑے گناہ وہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی آگ کی دھمکی دی اور ان کے ارتکاب پر دوزخ کے عذاب سے ڈرایا اور ”فواحش“ وہ حیا سوز گناہ ہیں جن پر شریعت میں حد مقرر کی گئی ہے ﴿إِلَّا اللَّيْمُ﴾ سوائے چھوٹے گناہوں کے۔ ”لیم“ کا معنی ہے: چھوٹے گناہ جنہیں عربی میں ”صغائر“ کہا جاتا ہے اور یہ استثناء منقطع ہے کیونکہ یہ صغیرہ گناہ نہ ”کبائر“ میں سے ہیں اور نہ ”فواحش“ میں سے ہیں اور یہ صغیرہ گناہ جیسے بڑی نظر سے دیکھنا، بوس و کنار، چھونا، ہاتھ لگانا اور آنکھوں سے بُرے اشارے کرنا ﴿إِنَّ مَائِكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ﴾ بے شک آپ کا پروردگار بہت بخشنے والا ہے پس وہ گناہوں میں سے جو چاہتا ہے بغیر توبہ کے بخش دیتا ہے ﴿هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ﴾ وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) تمہیں خوب جانتا ہے جب کہ اسی نے تمہیں یعنی تمہارے آباء و اجداد کو زمین سے پیدا فرمایا ﴿وَإِذْ أَنْتُمْ أَجِنَّةٌ﴾ اور اس وقت تم ابھی ”جنین“ یعنی ماں کے شکم میں پوشیدہ تھے منے بچے تھے ﴿فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ﴾ تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں تھے ﴿فَلَا تُزَكُّوْا أَنْفُسَكُمْ﴾ سو تم اپنے آپ کو پارسا قرار نہ دو چنانچہ تم اپنے آپ کو پاکیزہ اور نیک اعمال اور عبادات و طاعات اور بھلائی کے زیادہ سے زیادہ کاموں کی طرف منسوب نہ کرو یا تم اپنے آپ کو گناہوں سے پاک صاف ہونے کی طرف منسوب نہ کرو اور تم اپنے نیک اعمال پر اپنی تعریف نہ کرو اور تم اپنے نیک اعمال کو اور اپنے آپ کو کم تر خیال کرو اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے پیدا کرنے سے پہلے اور تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے پیدا کرنے سے پہلے تم میں سے ہر ایک پاک صاف اور مستقی و پرہیزگار کو خوب جانتا ہے۔

شان نزول: بعض مفسرین نے بیان کیا کہ بعض مسلمان نیک اعمال کرتے تھے پھر کہتے: ہماری نمازیں اور ہمارے روزے اور ہمارے حج ہیں، سو ان کے بارے میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور یہ اس وقت ہے جب یہ باتیں خود پسندی اور تکبر و غرور اور ریا اور دکھاوے کے لیے کہی جائیں ورنہ نعمت الہی کے اعتراف و اقرار کے طور پر کہی جائیں تو جائز ہیں کیونکہ عبادت پر مسرور و خوش ہونا بھی عبادت ہے اور اس کا ذکر کرنا شکر ہے ﴿هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَى﴾ وہ (اللہ تعالیٰ) اس کو خوب جانتا ہے جس نے تقویٰ اختیار کر لیا، سو پرہیزگاروں نے لوگوں کے علم سے منہ پھیر کر صرف اللہ تعالیٰ کے علم پر اکتفاء کیا اور لوگوں کی

تعریف سے منہ پھیر کر اللہ تعالیٰ کی جزاء پر اکتفاء کیا۔

أَفْرَعَيْتَ الَّذِي تَوَلَّى ۙ ﴿۳۳﴾ وَأَعْطَى قَلِيلًا ۙ وَأَكْذَى ۙ ﴿۳۴﴾ أَعِنْدَكَ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ
يُرَى ۙ ﴿۳۵﴾ أَمْ لَحْرِيْبَتَابِ مَاتِي صُحُفِ مُوسَى ۙ ﴿۳۶﴾ وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى ۙ ﴿۳۷﴾ أَلَا تَذَمَّرُ ۙ وَإِزْمَاةً
وَزُرْمًا أُخْرَى ۙ ﴿۳۸﴾ وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى ۙ ﴿۳۹﴾ وَأَنْ سَعِيَهُ سَوْفَ يُرَى ۙ ﴿۴۰﴾
ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءُ الْأَوْفَى ۙ ﴿۴۱﴾ وَأَنْ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنْتَهَى ۙ ﴿۴۲﴾

تو کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو (حق سے) پھر گیا اور اس نے تھوڑا سا مال دیا اور روک لیا اور کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے، پس وہ دیکھا رہا ہے اور کیا اسے اس چیز کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے اور ابراہیم کے صحیفوں میں ہے جس نے وفا کی اور یہ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی اور یہ کہ انسان کے لیے نہیں ہے مگر جو اس نے کوشش کی اور بے شک عنقریب اس کی کوشش کو دیکھا جائے گا اور پھر اسے پوری جزاء دی جائے گی اور بے شک آپ کے رب تعالیٰ ہی کی طرف (سب کے لوٹ جانے کی) انتہاء ہے اور

کفار کی مذمت اور کلیم و خلیل کی شریعت کے چند مسائل کا بیان

۳۳، ۳۴۔ ﴿أَفْرَعَيْتَ الَّذِي تَوَلَّى﴾ سو کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے (حق سے) منہ پھیر لیا اور ایمان سے اعراض کیا ﴿وَأَعْطَى قَلِيلًا ۙ وَأَكْذَى﴾ اور اس نے تھوڑا سا مال عطا کیا اور روک لیا (یعنی) اس نے اپنا عطیہ دینا ختم کر لیا اور مال دنیا روک لیا اور اس کی اصل ”اكداء الحافر“ ہے اور وہ یہ ہے کہ تم جانور کے کھر کا سخت حصہ کاٹ ڈالو جب کہ وہ پتھر کی طرح سخت ہو جائے اور پس وہ زور سے پاؤں مار کر گڑھے بنانے سے باز آ جائے۔

شان نزول: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیات اس شخص کے بارے میں نازل ہوئیں جس نے اسلام قبول کر لینے کے بعد پھر کفر اختیار کر لیا اور جب کہ بعض مفسرین نے بیان کیا کہ یہ آیات ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئیں اور بے شک اس نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا فیصلہ کر لیا تو بعض کفار نے اس کو عار دلائی اور اس کو ملامت کی اور اس سے کہا کہ کیا تو نے اپنے بزرگوں اور اپنے باپ دادا کا دین ترک کر دیا اور ان کے دین کو چھوڑ دیا ہے اور تو نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ سب دوزخ میں جائیں گے۔ ولید بن مغیرہ نے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر لگتا ہے پھر وہ شخص ولید کا اس شرط پر ضامن بن گیا کہ اگر ولید اس کو اس قدر اپنا مال دے دے اور حضور کی اتباع کا ارادہ ترک کر کے کفر و شرک کی طرف لوٹ آئے تو وہ شخص اس کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو خود برداشت کر لے گا چنانچہ ولید نے اس شرط کو منظور کر لیا اور اپنے ملامت کرنے والے ضامن کو اپنا کچھ مال بھی دے دیا پھر اس کے ساتھ بخل کیا اور اس کو اپنا باقی مال دینے سے روک لیا۔

۳۵۔ ﴿أَعِنْدَكَ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يُرَى﴾ کیا اس (ولید) کے پاس غیب کا علم ہے؟ پس وہ دیکھ رہا ہے اور وہ جانتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ضامن بنا ہے وہ حق ہے۔

۳۶۔ ﴿أَمْ لَحْرِيْبَتَابِ مَاتِي صُحُفِ مُوسَى﴾ کیا اس کو ان مسائل کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں ہیں

یعنی تورات میں۔

۳۷۔ ﴿وَلَا بُرْهَانٌ﴾ اور ابراہیم علیہ السلام یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں ﴿الَّذِي وَفَى﴾ جس نے وفا کی یعنی اس نے مکمل اور پورا کیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”فَاتَّمَّهِنَّ“ سو ابراہیم نے اپنے رب تعالیٰ کے کلمات کو پورا کیا اور مطلق اس لیے فرمایا گیا ہے تاکہ یہ ہر قسم کی وفا اور ہر عہد کو شامل ہو جائے اور اس کو تخفیف کے ساتھ ”وَفَى“ بھی پڑھا گیا ہے اور تشدید کے ساتھ ”وَفَى“ پڑھنا وفا میں مبالغہ کرنے کے لیے ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جس چیز کا حکم دیا، آپ نے اسے پورا کیا۔

اور حضرت عطاء بن سائب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عہد لیا تھا کہ مخلوق سے ہرگز سوال نہیں کریں گے چنانچہ جب آپ کو نارنمرد میں پھینکا گیا تو حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: ”أَلَيْكَ حَاجَةٌ“ کیا آپ کی کوئی حاجت ہے کہ میں پوری کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ”أَمَّا إِلَيْكَ فَلَا“ یعنی لیکن مجھے تجھ سے کوئی حاجت نہیں ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام روزانہ دن کے پہلے حصے میں چار رکعت نماز پڑھ کر اپنا عمل پوزا کرتے تھے اور وہ چاشت کی نماز ہوا کرتی تھی۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں یہ نہ بتا دوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کے لیے ”الَّذِي وَفَى“ کیوں فرمایا، دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام روزانہ صبح اور شام کو ”قَسْبَحَانَ اللّٰهِ حِينَ تَمْسُونَ وَحِينَ تَصْبِحُونَ“ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ“ (الروم: ۱۷-۱۸) پڑھا کرتے تھے۔ اور بعض مفسرین کرام نے بیان فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسلام کے تمام حصوں کو مکمل اور پورا ادا کیا تھا اور وہ کل تیس حصے ہیں، دس سورۃ التوبہ (آیت: ۱۱۲) میں ”الَّتَائِبُونَ“ (آخر آیت تک) اور دس سورۃ الاحزاب (آیت: ۳۵) میں ”إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ“ (آخر آیت تک) اور دس سورۃ المؤمنون (آیت: ۱۰ سے ۱۰ تک)۔

۳۸۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے صحیفوں میں جو مسائل تھے ان سے آگاہ کیا اور فرمایا: ﴿الَّذِي وَفَى﴾ بے شک کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی [”تَزِرُ“ اصل میں ”وَزَرَ يَزِرُ“ سے ماخوذ ہے، یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ ”وزر“ کا معنی گناہ ہے اور ”أَنَّ“ مخففہ ہے، پہلے ثقیلہ تھا اور معنی یہ ہے کہ ”أَنَّ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ الْخَطِيئَةَ“ اور اس میں ضمیر شان کی ہے اور ”أَنَّ“ اور اس کا مابعد ”مَا فِي صُحُفِ مُوسَى“ سے بدل ہونے کی بناء پر مرفوع ہے کہ اصل میں ”هُوَ أَنْ لَا تَزِرُ“ ہے [گویا کہا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم کے صحیفوں میں کیا ہے؟ تو جواب میں فرمایا گیا کہ ایک یہ ہے کہ کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی یعنی کوئی جان کسی دوسری جان کا گناہ نہیں اٹھائے گی۔

۳۹ تا ۴۲۔ ﴿وَأَنْ تَكُونَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى﴾ اور (دوسرا) یہ کہ انسان کے لیے نہیں ہے مگر وہی عمل جس کی اس نے کوشش کی (یعنی) مگر اس کی اپنی کوشش و محنت اور اپنا عمل مفید ہوگا اور یہ حکم بھی انہیں احکام میں سے ہے جو حضرت موسیٰ اور

۱۔ قال الحافظ: اخرجہ الطبرانی وابن ابی حاتم (حاشیۃ الکشاف ج ۳ ص ۲۲۷)

۲۔ رواہ احمد فی مسندہ ج ۳ ص ۳۳۹

حضرت ابراہیم علیہما السلام کے صحیفوں میں درج ہیں۔

اور لیکن جو صحیح احادیث میں وارد ہے کی میت کی طرف سے صدقہ و خیرات اور حج وغیرہ کیا جائے تو اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ (۱) غیر کی کوشش اور اس کا عمل اس وقت فائدہ اور نفع دیتا ہے جب وہ میت کے اپنے ذاتی عمل پر مبنی ہو اور اپنا ذاتی

مفسرین کرام نے اس آیت مبارکہ کے چند معانی بیان فرمائے ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

(۱) حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا اور وہ یہی ہے کہ اس آیت مبارکہ کا یہ حکم صرف حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما

السلام کی قوموں کے ساتھ مخصوص ہے اور لیکن رہی یہ امت محمدیہ تو اس میں مسلمان کو اپنے غیر کے عمل کا ثواب ملتا ہے اس کی دلیل

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے آپ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری والدہ فوت ہو گئی ہے اگر میں اس کی

طرف سے صدقہ اور خیرات کروں تو کیا اس کو اجر و ثواب ملے گا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں!

(۲) خراسان کے حاکم عبد اللہ بن طاہر نے علامہ حسین بن فضل سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا اور کہا کہ قرآن مجید میں ہے:

”وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ“ (البقرہ: ۲۶۱) اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے گا اس کے عمل پر کئی گنا اجر و ثواب بڑھا کر عطا

فرمائے گا حضرت حسین بن فضل نے فرمایا کہ بطور عدل تو انسان کو صرف اپنے ذاتی عمل کا ثواب ملے گا اور بطور فضل دوسرے انسان

کے عمل کا ثواب بھی ملے گا اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے گا اس کے عمل پر اسے دس گنا سے سات سو گنا تک اجر و ثواب بڑھا کر عطا

فرمائے گا۔

(۳) حضرت ربیع بن انس نے فرمایا کہ یہاں اس آیت مبارکہ میں انسان سے کافر مراد ہے (کہ اسے اپنے ذاتی نیک عمل کا فائدہ صرف دنیا

میں ملے گا لیکن آخرت میں نہ اپنا عمل اسے فائدہ دے گا نہ غیر کا عمل) لیکن مسلمان کو اپنے عمل کا اجر و ثواب بھی ملے گا اور دوسرے

کے عمل کا اجر و ثواب بھی ملے گا۔

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ منسوخ ہے اور اس کی ناسخ یہ آیت کریمہ ہے: ”وَالَّذِينَ آمَنُوا

وَاتَّبَعْتَهُمْ ذُرِّيَّتَهُمْ بِإِيمَانٍ الْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلْتَنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ“ (الطور: ۲۱) ”اور جو لوگ ایمان لائے

اور ان کی اولاد نے ایمان لانے میں ان کی پیروی کی تو ہم (جنت میں) ان کے ساتھ ان کی اولاد کو ملا دیں گے اور ہم ان کے عمل میں

سے کچھ بھی کم نہیں کریں گے۔ (تفسیر روح المعانی جز ۲، ص ۶۶، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور، تفسیر معالم التنزیل ج ۴ ص ۵۴،

مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت لبنان)

علامہ آلوسی نے مذکورہ بالا وضاحت سے پہلے ایصالِ ثواب پر تین احادیث بیان کی ہیں اور وہ یہ ہیں:

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہے کہ بے شک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میری ماں فوت ہو گئی ہے اور

میں اس کے بارے میں گمان رکھتا ہوں کہ اگر وہ بات چیت کرتی تو صدقہ کرنے کا کہتی ”فَهَلْ لَهَا أَجْرٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا“ تو کیا

اس کو اجر و ثواب ملے گا اگر میں اس کی طرف سے صدقہ و خیرات کروں آپ نے فرمایا: ہاں! (بخاری، مسلم، ابوداؤد نسائی)

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ایک آدمی حضور نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری ایک بہن نے

نذرمانی کہ وہ حج کرے گی اور اب وہ فوت ہو گئی ہے تو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اگر اس پر قرض ہوتا تو کیا تم اس

کو ادا کرتے۔ اس آدمی نے عرض کیا: جی ہاں آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنا زیادہ ضروری ہے۔ (بخاری، مسلم، نسائی)

(۳) حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ دادا سے بیان کرتے ہیں کہ (ایک کافر) عاص بن وائل نے زمانہ جاہلیت میں نذر

مانی تھی کہ وہ ایک سواونٹ قربان کرے گا (اور اس لے مرتے وقت اپنے دونوں بیٹوں کو سوغلام آزاد) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عمل یہ ہے کہ میت مسلمان اور مؤمن ہو تو اس صورت میں اس کے غیر کا عمل گویا اس کا اپنا ذاتی عمل ہے کیونکہ دوسرے کا عمل اس کے ذاتی عمل ایمان کے تابع اور اس کا قائم مقام ہوگا (۲) اور بے شک غیر کا عمل اس کو اس وقت نفع نہیں دے گا جب وہ اپنی ذات کے لیے عمل کرے لیکن جب دوسرا آدمی اپنے عمل میں میت کے لیے ایصالِ ثواب کی نیت کر لے گا تو پھر یہ دوسرا آدمی شریعت کے حکم میں میت کی طرف سے اس کا نائب اور وکیل اور اس کا قائم مقام ہو جائے گا اس لیے اس کے عمل کا ثواب میت کو پہنچے گا ﴿وَإِنْ سَعَيْتُمْ لِيُذِي﴾ اور بے شک اس کی کوشش اور اس کے عمل کو عنقریب دیکھا جائے گا یعنی قیامت کے دن انسان کے میزان میں اس کی محنت و کوشش اور اس کے عمل کو دیکھ لیا جائے گا ﴿تُخَيَّرُونَ﴾ پھر اسے (بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کرنے کی وصیت کی) پھر اس کے بیٹے ہشام (صحابی) نے اپنے حصے کے پچاس اونٹ قربان کیے (مشکوٰۃ کی روایت میں پچاس غلام لکھا ہے) اور حضرت عمر بن عاص (بڑے بیٹے) نے حضور نبی کریم ﷺ سے اس کے متعلق مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: اگر تیرا باپ مسلمان ہو جاتا، پھر تو اس کی طرف سے غلام آزاد کرتا اور روزے رکھتا اور صدقہ و خیرات کرتا یا حج کرتا تو ان چیزوں کا ثواب اور نفع اسے ضرور پہنچتا۔

(مسند احمد، نیز مشکوٰۃ بحوالہ ابو داؤد) (تفسیر روح المعانی جز ۲ ص ۶۶، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

نیز قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اس آیت مبارکہ کے تحت ایصالِ ثواب پر بہت سی احادیث مبارکہ بیان کی ہیں۔ یہاں قارئین کی سہولت کے لیے ان میں سے چند احادیث مبارکہ کا ترجمہ بیان کیا جا رہا ہے ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی مسلمان بندے کی روح قبض کرتا ہے تو (اعمال نامہ لکھنے والے) دونوں فرشتے آسمان کی طرف چڑھتے ہیں اور عرض کرتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہمیں اپنے مسلمان بندے پر مقرر کیا تھا، سو ہم اس کے اعمال لکھتے رہے اور اب آپ نے اس کی روح قبض فرمائی تو ہمیں اجازت دیجئے تاکہ ہم زمین پر رہا کریں، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میری زمین تو میری مخلوق سے بھری پڑی ہے جو میری تسبیح بیان کرتے ہیں، لیکن تم دونوں میرے اس بندے کی قبر پر کھڑے ہو جاؤ اور تم میری تسبیح "سُبْحَانَ اللَّهِ" اور میری جہلیل "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" اور میری تکبیر "اللَّهُ أَكْبَرُ" قیامت کے دن تک پڑھتے رہو اور تم اس کا ثواب میرے اس بندے کے لیے لکھتے جاؤ۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے سارے عمل ختم ہو جاتے ہیں ماسوا تین اعمال کے: (۱) صدقہ جاریہ (۲) ایسا علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں (۳) نیک بیٹا جو اس کے لیے دعا کرتا رہے۔ (مسلم، مسند احمد)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ جنت میں نیک بندے کا درجہ بلند کر دیتا ہے تو وہ بندہ عرض کرتا ہے: اے میرے پروردگار! یہ بلند درجہ مجھے کیسے حاصل ہوا؟ حوالہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے کہ تیرے لیے تیرے بیٹے کی دعائے مغفرت کے سبب۔ (رواہ الطبرانی نیز الادب المفرد للبخاری)

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میت قبر میں ڈوبنے والے فریادی کی طرح ہوتی ہے مرنے والا دعا کا منتظر ہوتا ہے جو اسے ماں باپ یا اولاد یا بھائی یا دوست کی طرف پہنچے، پھر جب دعا اس کو پہنچتی ہے تو وہ اسے دنیا اور دنیا کے تمام ساز و سامان سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اہل زمین کی دعا کو پہاڑوں کے برابر کر کے اہل قبول پر داخل فرماتا ہے: ﴿وَإِنَّ هَدْيَةَ الْآخِيَاءِ إِلَى الْأَمْوَآتِ الْإِسْتِغْفَارُ لَهُمْ﴾ بے شک مرجانے والوں کے لیے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جزاء اور صلہ دیا جائے گا (یعنی) پھر اس بندے کی کوشش و محنت اور اس کے عمل کا بدلہ اس کو دیا جائے گا [حرف جار مفعول پر ذکر کر کے "جزاءہ اللہ علی عملہ" بھی کہا جاتا ہے حرف جار حذف کر کے "جزاءہ اللہ عملہ" بھی کہا جاتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر جزء کے لیے ہو پھر اللہ تعالیٰ نے جزء کی وضاحت کی خاطر ارشاد فرمایا: ﴿الْجِزَاءُ الْأُولَى﴾ مکمل اور پورا پورا بدلہ ﴿وَإِنِّي إِلَىٰ سَائِرِ الْمُنْتَهَى﴾ اور بے شک سب کی انتہاء آپ کے پروردگار کی طرف ہے یعنی یہ تمام احکام پہلے صحیفوں میں تحریر شدہ ہیں اور "منتہی" مصدر میسی ہے اور یہ انتہاء کے معنی میں ہے یعنی تمام مخلوق کی انتہاء اسی کی طرف ہوگی اور سب اس کی طرف لوٹ جائیں گے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَأَلَىٰ اللَّهُ الْمَصِيرُ" (آل عمران: ٢٨) "اور سب نے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانا ہے"۔

وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَى ۝٣٣ وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ
وَالْأُنثَىٰ ۝٣٤ مِنْ نُّطْفَةٍ إِذَا تُمْنَىٰ ۝٣٥ وَأَنَّهُ هُوَ أَعْتَىٰ
وَأَقْبَىٰ ۝٣٦ وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشَّعْرَىٰ ۝٣٧ وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَىٰ ۝٣٨ وَثَمُودَ أَفْهَىٰ
أَبَىٰ ۝٣٩ وَقَوْمَ نُوحٍ مِّنْ قَبْلُ ۝٤٠ إِنَّهُمْ كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ ۝٤١ وَالْمُؤْتَفِكَةَ
أَهْوَىٰ ۝٤٢ فَغَشَّاهَا مَا عَشَىٰ ۝٤٣ فَيَأْتِي الرَّبَّ بِكَ تَسَارَىٰ ۝٤٤

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) زندوں کا تحفہ ان کے لیے مغفرت و بخشش کی دعا کرنا ہے۔ (رواہ البیہقی والدیلی)

(۵) حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میری امت مرحومہ گناہوں کے ساتھ قبروں میں داخل ہوگی اور بروز قیامت قبروں سے نکلے گی تو اس پر گناہ نہیں ہوں گے کیونکہ مسلمانوں کی طرف سے ان کے لیے دعائے مغفرت طلب کرنے کے سبب ان کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (الطبرانی)

(۶) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ جو شخص قبرستان کے پاس سے گزرے اور گیارہ دفعہ "قل هو اللہ احد" پوری سورت پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخش دے تو پڑھنے والے کو مردوں کی تعداد کے برابر ثواب ملے گا۔ (رواہ ابو محمد السمرقندی)

(۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص قبرستان میں داخل ہو اور وہ سورۃ الفاتحہ اور "قل هو اللہ احد" اور "أَلْهَكُمُ التَّكَاثُرُ" پڑھے پھر کہے: اے اللہ! بے شک میں نے تیرے کلام میں سے جو کچھ پڑھا ہے اس کا ثواب اس قبرستان کے تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو میں نے بخش دیا تو قیامت کے دن تمام مردے اس کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت کریں گے۔ (رواہ ابو القاسم سعد بن علی)

(۸) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص قبرستان میں داخل ہو اور سورت یسین پڑھ کر اہل قبور کو بخش دے تو اللہ تعالیٰ ان کے عذاب میں تخفیف کر دے گا اور پڑھنے والے کے لیے مردوں کی تعداد کے برابر نیکیاں لکھی جائیں گی۔

(۹) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مرفوع حدیث میں ہے کہ میت کو دفن کر کے قبر کے سرہانے سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرہ ابتدائی آیات اور پانچویں طرف سورۃ البقرہ کی آخری آیات تلاوت کی جائیں۔

(تفسیر مظہری ج ۹ ص ۱۲۷-۱۲۹، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی)

اور بے شک اسی نے رلایا اور ہنسایا O اور بے شک اسی نے مارا اور زندہ کیا O اور بے شک اس نے نر اور مادہ کے جوڑے پیدا کیے O نطفہ سے جب وہ رحم مادر میں ڈالا گیا O اور بے شک اسی کے ذمہ ہے دوبارہ زندہ کرنا O اور بے شک اسی نے غنی کیا اور مال دار بنایا O اور بے شک وہی شعری ستارے کا مالک ہے O اور بے شک اسی نے پہلے عاد کو ہلاک کیا O اور شمود (کی قوم کو ہلاک کیا) سو اس نے کسی کو باقی نہیں چھوڑا O اور ان سے پہلے نوح کی قوم کو (ہلاک کیا) بے شک وہ بہت بڑے ظالم اور سرکش تھے O اور اس نے (قوم لوط کی) بستیوں کو الٹا کر نیچے پھینک دیا O پھر اس کو ڈھانپ لیا جس نے ڈھانپ لیا O سو (اے انسان!) تو اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں میں شک کرے گا O

اللہ تعالیٰ کی قدرت و گرفت اور کفارِ مکہ کی حماقت کا بیان

۴۳- ﴿وَإِنَّكَ هُوَ أَضْحَكٌ وَإِنِّي﴾ اور بے شک اسی (اللہ تعالیٰ) نے ہنسایا اور رلایا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے ہنسنے اور رونے کو پیدا کیا اور بعض حضرات نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرحت و خوشی اور غم و رنج کو پیدا کیا اور بعض حضرات نے کہا کہ اللہ تعالیٰ مؤمن کو آخرت میں عطیات و انعامات کے ساتھ ہنسائے گا اور خوش کرے گا اور اسی نے دنیا میں مؤمن کو مصائب و آلام کے ذریعے رلایا اور آزما یا۔

۴۴- ﴿وَإِنَّكَ هُوَ أَمَاتٌ وَإِحْيَا﴾ اور بے شک اسی نے مارا اور زندہ کیا۔ بعض حضرات نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آباء و اجداد کو مارا اور ان کے بیٹوں کو زندہ کیا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کفر کے سبب مارا (مردہ دل کر دیا) اور ایمان کے ذریعے زندہ کیا یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ یہاں (دنیا میں) مارتا ہے اور وہاں (آخرت میں) زندہ کرے گا۔

۴۵، ۴۶- ﴿وَإِنَّكَ خَلَقَ الرَّجُلَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَى﴾ اور بے شک اسی نے نر اور مادہ کے جوڑے پیدا کیے نطفہ سے جب رحم میں ٹپکایا گیا چنانچہ ”منی“ اور ”امنی“ دونوں کا ایک معنی ہے کہ وہ منی لایا دونوں طرح بولا جاتا ہے۔

۴۷- ﴿وَإِنَّ عَلَيْكَ النَّشَاطَةَ الْآخِرَى﴾ اور بے شک دوبارہ اٹھانا اسی کے ذمہ ہے (یعنی) مرنے کے بعد زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔

۴۸- ﴿وَإِنَّكَ هُوَ أَغْنَىٰ وَأَقْنَىٰ﴾ اور بے شک اسی نے دولت مند اور مال دار بنایا اور اس نے ”قنیہ“ (”اقنی“ کا مجرد مصدر) عطاء کیا اور یہ وہ مال ہے جسے تم ذخیرہ کر کے رکھ لیتے ہو اور تم پختہ ارادہ کر لیتے ہو کہ اسے تم اپنے ہاتھ سے نہیں نکالو گے۔

۴۹- ﴿وَإِنَّكَ هُوَ رَبُّ الشُّعْرَى﴾ اور بے شک وہی شعری کا مالک ہے اور ”شعری“ ایک ستارہ ہے جو سخت گرمیوں میں جوزبانامی ستارہ کے بعد طلوع ہوتا ہے اور قبیلہ خزاعہ اس کی عبادت کرتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ ان کے اس معبود کا پروردگار اور مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

۵۰- ﴿وَإِنَّكَ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَىٰ﴾ اور بے شک اسی نے پہلے عاد کو ہلاک کیا اور دوسرا عاد ارم تھا [نافع مدنی اور ابو عمرو بصری ماسواہل کے ان کی قرأت میں ”عاد لولی“ پڑھا گیا ہے کیونکہ تنوین کو لام میں مدغم کر دیا گیا ہے اور ”اولی“ کے ہمزہ کو گرا دیا گیا اور اس کا ضمہ لام تعریف کو دے دیا گیا]۔

۵۱- ﴿وَتَمُودًا إِفْطَىٰ﴾ اور (اللہ تعالیٰ نے) شمود کی تمام قوم کو (ہلاک کیا) اور ان کو باقی نہیں چھوڑا [قاری حمزہ اور

امام عاصم کی قراءت میں تنوین کے بغیر پڑھا جاتا ہے جب کہ باقی قراء کی قراءت میں تنوین کے ساتھ ”وَتَمُودًا“ ہے اور یہ ”عَادًا“ پر معطوف ہے اور ”فَمَا أَبْقَى“ کی وجہ سے وہ منصوب نہیں ہے کیونکہ ”فا“ کا مابعد اپنے ماقبل میں عمل میں نہیں کرتا اس لیے تم ”زَيْدًا فَضْرَبْتُ“ نہیں کہہ سکتے اور اسی طرح نفی کا مابعد اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرتا اور معنی یہ ہے: ”وَأَهْلَكَ تَمُودًا فَمَا أَبْقَاهُمْ“ اور اللہ تعالیٰ نے ثمود کی تمام قوم کو ہلاک کر دیا سوان کو باقی نہیں چھوڑا۔

۵۲- ﴿وَقَوْمِ نُوحٍ﴾ ای: وَأَهْلَكَ قَوْمَ نُوحٍ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی نافرمان و سرکش اور کافر قوم کو ہلاک فرمایا ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ عاد اور ثمود کی قوموں کے ہلاک کرنے سے پہلے کیونکہ ﴿إِنَّكُمْ كَانُوا هُمْ أَظْلَمَ وَأَطْعَى﴾ بے شک وہ لوگ عاد اور ثمود کی قوموں سے بہت زیادہ ظالم اور سرکش تھے اس لیے کہ وہ ظالم لوگ حضرت نوح علیہ السلام کو اتنا زیادہ مارا کرتے تھے کہ آپ میں حس و حرکت ختم ہو جاتی اور آپ ان کی مار کی وجہ سے کتنی دیر تک بے حس اور بے حرکت بے ہوش رہتے اور یہ ظالم قوم لوگوں کو آپ سے متنفر کرتی یہاں تک کہ وہ اپنے بچوں کو ڈراتی تھی کہ کہیں وہ آپ کی آواز نہ سن لیں (اس کے باوجود آپ صابر و شاکر بن کر دین حق کی تبلیغ ساڑھے نو سو سال انہیں کرتے رہے)۔

۵۳- ﴿وَالْمُؤْتَفِكَةَ﴾ اور وہ بستیاں جن کو ان کے باشندوں سمیت الٹا دیا گیا تھا اور وہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم تھی جس کو اس کے ظالمانہ اور خبیث عمل کی وجہ سے ان کی بستیوں کو ان سمیت الٹا دیا گیا تھا چنانچہ ”أَفْكَةً“، فَاتْفَكَ“ بولا جاتا ہے دونوں ہم معنی ہیں ﴿أَهْوَى﴾ حضرت جبریل علیہ السلام نے ان بستیوں کو اپنے پروں پر اٹھا کر اوپر آسمان تک لے جا کر الٹا کر نیچے زمین پر پھینک دیا [”المؤتفکة“، ”اهوی“ کی وجہ سے منصوب ہے]۔

۵۴- ﴿فَنَحَّسَهَا مَا عَشْتَى﴾ سوان بستیوں کے باشندوں کو ڈھانپ لیا یعنی گھیر لیا جس نے بھی گھیر لیا۔ اس میں اس خطرناک عذاب سے ڈرایا اور دھمکایا گیا ہے اور اس عذاب کی سختی اور بڑائی بیان کی گئی جو ان لوگوں پر برسایا گیا تھا اور مسلسل قطار در قطار تہ بہ تہ پتھروں کی بارش ان لوگوں پر برسائی گئی تھی۔

۵۵- ﴿فِي آيَاتِنَا لَعْنَتٌ لِّمَن كَانَ يَكْفُرُ﴾ سوائے مخاطب! تم اپنے رب تعالیٰ کی کون کون سی نعمتوں میں شک کرو گے۔ کیا تم ان میں شک کرو گے جو اس نے اپنی بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں یا ان میں شک کرو گے جو اس نے ناراض ہو کر عذاب کی صورت میں تم نازل کیں یا پھر تم اپنے پروردگار کی کون سی نعمتوں میں شک کرو گے جو اس کی وحدانیت پر اور اس کی ربوبیت پر دلالت و رہنمائی کرتی ہیں۔

هَذَا نَذِيرٌ مِّنَ النَّذِيرِ الْأُولَىٰ ﴿٥٦﴾ أَزِفَتِ الْأَيَّامُ فَهٗ ﴿٥٥﴾ لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ

اللَّهِ كَاشِفَةٌ ﴿٥٨﴾ أَفَمِنَ هَذَا الْحَدِيثِ تَعَجَّبُونَ ﴿٥٩﴾ وَتَضْحَكُونَ وَلَا

تَبْكُونَ ﴿٦٠﴾ وَأَنْتُمْ سِلْبُونَ ﴿٦١﴾ فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ﴿٦٢﴾ ع البصائر

یہ (رسول عربی) پہلے ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والا ہے ○ نزدیک آنے والی نزدیک آگئی ○ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو کوئی کھولنے والا نہیں ○ تو کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو ○ اور تم ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو ○ اور تم غافل ہو ○ سو تم صرف اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو ○

۵۶- ﴿هَذَا نَذِيرٌ﴾ یعنی یہ (حضرت) محمد (ﷺ) عذاب الہی سے ڈرانے والے ہیں ﴿مِنَ النَّذِيرِ الْأُولَى﴾

سابق و پہلے ڈرانے والوں میں سے اور ”الاولیٰ“ جماعت کی تاویل پر فرمایا گیا ہے یا یہ معنی ہے کہ یہ قرآن مجید پہلی ڈرانے والی کتابوں کی جنس میں سے ایک ڈرانے والی کتاب ہے ان کتابوں کے ذریعے تم سے پہلے لوگوں کو ڈرایا گیا ہے۔

۵۷- ﴿أَزَقَّتِ الْأَبْهَامَةُ﴾ قریب آنے والی قریب آچکی ہے جس کو (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ میں قرب کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے: ”اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ“ (القمر: ۱) ”قیامت کی گھڑی قریب آگئی ہے“۔

۵۸- ﴿لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ﴾ اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کھولنے والا نہیں یعنی اس کو کوئی شخص کھولنے والا نہیں مطلب یہ ہے کہ اس کے بارے میں یہ بات کوئی بیان نہیں کر سکتا کہ قیامت کب قائم ہوگی جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ“ (الاعراف: ۱۸۷) ”قیامت کو اس کے وقت پر کوئی شخص ظاہر نہیں کر سکتا سوائے اللہ تعالیٰ کے“ یا یہ معنی ہے کہ اس کے کھولنے اور اس کے ظاہر کرنے پر کوئی شخص قادر نہیں ہے کہ وہ کب واقع ہوگی ماسوا اللہ تعالیٰ کے لیکن اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر نہیں فرماتا۔

۵۹- ﴿أَقِمْنَ هَذَا الْحَدِيثَ تَعَجُّبُونَ﴾ تو کیا تم اس بات پر یعنی قرآن مجید پر تعجب کرتے ہو اور تم اس کا انکار کرتے ہو۔

۶۰- ﴿وَتَضْحَكُونَ﴾ اور اس کا مذاق اڑانے کے لیے تم اس پر ہنستے ہو ﴿وَلَا تَبْكُونَ﴾ اور تم خوف و ڈر کی وجہ سے روتے نہیں ہو۔

۶۱- ﴿وَأَنْتُمْ سِينَادُونَ﴾ اور تم غافل و بے خبر ہو اور تم سرکش و نافرمان ہو اور تم کھیل تماشا کرنے والے اور لہو و لعب میں مشغول رہنے والے لوگ ہو اور جب کفار مکہ کو قرآن مجید پڑھ کر سنایا جاتا تو وہ لوگ زور زور سے گانا گاتا کر اس کا مقابلہ شروع کر دیتے تاکہ لوگ قرآن مجید نہ سن سکیں اور گانوں میں مشغول ہو جائیں۔

۶۲- ﴿فَاسْجُدْ وَاقْبُدْ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سجدہ کرو اور عبادت کرو یعنی پس تم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرو اور صرف اسی کی عبادت کرو اور تم باطل معبودوں کی عبادت ہرگز نہ کرو۔

ترجمہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة القمر

سورة القمر کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۵ اس کی پچپن آیات تین رکوع ہیں

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَالشَّقِ الْقَمَرُ ۱ وَإِنْ يَذُرْنَا آيَةً يُعْرِضُونَ وَيَقُولُوا سِحْرٌ

مُسْتَمِرٌّ ۲ وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ وَكُلُّ أُمَّرٍ مُسْتَقَرٌّ ۳ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ

الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُرْدَجَرٌ ۴ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ التُّذْرَةَ ۵ فَتَوَلَّوْا عَنْهُمْ يَوْمَ

يَدْعُ الدَّاعِ إِلَى شَيْءٍ نَكِيرٍ ۶ خُشْعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ

جِرَادٌ مُنْتَشِرٌ ۷ فَطُغِعِينَ إِلَى الدَّاعِ يَقُولُ الْكٰفِرُونَ هَذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۸

قیامت قریب آگئی ہے اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا ہے ۵ اور اگر (کفار مکہ) کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور

کہتے ہیں: یہ داگی جادو ہے O اور انہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشات کی پیروی کی اور ہر کام کا وقت مقرر ہے O اور بے شک ان کے پاس ایسی خبریں آچکی ہیں جن میں کافی روک ہے O انتہائی کامل حکمت ہے سوڈرانے نے کوئی فائدہ نہیں دیا O سو آپ ان سے منہ پھیر لیجئے جس دن بلانے والا ایک اجنبی چیز کی طرف بلائے گا O وہ عاجزی سے اپنی آنکھیں جھکا لیں گے قبروں سے نکل پڑیں گے گویا وہ ٹڈیاں ہیں پھیلی ہوئیں O وہ گردنیں اٹھا کر بلانے والے کی طرف دوڑ پڑیں گے کفار کہیں گے: یہ دن بڑا سخت ہے O

معجزہ شقِ قمر کے انکار پر کفار مکہ کی مذمت

(نوٹ) سورۃ القمر کی ہے اور اس کی پچپن (۵۵) آیات ہیں۔

۱- ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ﴾ قیامت قریب آگئی ہے ﴿وَانشَقَّ الْقَمَرُ﴾ اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور ”وَقَدْ اِنْشَقَّ الْقَمَرُ“ بھی پڑھا گیا ہے یعنی قیامت قریب آگئی ہے اور اس کے قریب آ جانے کی علامات میں سے ایک یہ علامت حاصل ہو چکی ہے کہ بلاشک و شبہ چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ ظاہر ہو چکا ہے جیسے اہل عرب کہتے ہیں: ”اَقْبَلَ الْاَمِيرُ وَقَدْ جَاءَ الْمُبَشِّرُ بِقُدُومِهِ“ امیر آ گیا ہے اور بے شک اس کے آنے کی خوش خبری دینے والا پہلے آچکا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حرانامی پہاڑ کو چاند کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا اور بعض حضرات نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن چاند دو ٹکڑے ہو جائے گا اور جمہور مسلمان علماء (یعنی مسلمانوں کی اکثریت) پہلے قول پر متفق ہیں کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو جانے کا معجزہ عہد نبوت میں ظاہر ہو چکا ہے اور یہی صحیحین میں مروی ہے اور یہ نہ کہا جائے کہ اگر چاند دو ٹکڑے ہو جاتا تو تمام اطراف کے لوگوں پر مخفی نہ رہتا اور اگر سب پر

شق القمر کے متعلق احادیث: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! تم گواہ ہو جاؤ۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۳۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۰۰، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۸۵، سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۵۳، مسند احمد ج ۱ ص ۷۷۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ ہمیں کوئی معجزہ دکھائیں تو پھر آپ نے ان کو چاند کا دو ٹکڑے ہونا دکھا دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۳۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۰۲)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے حتیٰ کہ ایک ٹکڑا پہاڑ کے ایک طرف تھا اور دوسرا ٹکڑا پہاڑ کی دوسری طرف تھا لوگوں نے کہا کہ (سیدنا) محمد (ﷺ) نے جادو کر دیا ہے پھر ان میں سے بعض نے کہا: اگر انہوں نے ہم پر جادو کیا ہے تو وہ سب لوگوں (یعنی مکہ سے باہر کے لوگوں) پر تو جادو نہیں کر سکتے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۸۹، مسند احمد ج ۳ ص ۸۱)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

شق القمر کا واقعہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ہجرت سے پانچ سال پہلے ہوا تھا، کیونکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور تفسیر ابن جریر میں ہے کہ اہل مکہ نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ آپ ہمیں کوئی معجزہ دکھائیں تو آپ نے ان کو دکھایا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا، حتیٰ کہ انہوں نے حراء پہاڑ کو ان دو ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔

امام ابوداؤد اور امام بیہقی نے روایت کیا کہ ہر طرف سے مکہ مکرمہ میں مسافرین آئے اور انہوں نے شہادت دے گواہی دی کہ چاند

دو ٹکڑے ہو گیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ظاہر ہو جاتا تو وہ لوگ اس کو تواتر کے ساتھ نقل کرتے کیونکہ عجیب و غریب معاملات کی تشہیر پر انسانی طبیعتیں پیدا کی گئی ہیں اس لیے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو بادل کے سبب ان سے مخفی کر دیا ہو۔

۲- ﴿وَإِنْ يَدْرَأْآئِنَّا يَعْزِبُوا﴾ اور اگر وہ لوگ کوئی معجزہ دیکھتے تو اس سے منہ پھیر لیتے یعنی اگر اہل مکہ کوئی ایسا معجزہ دیکھ لیتے جو سرور عالم حضرت محمد ﷺ کی صداقت پر دلالت و رہنمائی کرتا ہے تو وہ اس پر ایمان لانے سے اعراض کرتے اور اس سے منہ پھیر لیتے ﴿وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمَرٌّ﴾ اور وہ کہتے کہ یہ مضبوط جادو ہے (یعنی) محکم و قوی جادو ہے۔ یہ ”سِرَّة“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: قوت و طاقت اور مستحکم و مضبوط ہونا یا اس کا معنی ہے: ہمیشہ جاری و ساری رہنے والا جادو یا یہ معنی ہے کہ گزر جانے والا آنے جانے والا جو جلد زائل ہو جائے گا اور برقرار و باقی نہیں رہے گا۔

۳- ﴿وَكَذَّبُوا﴾ اور انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی تکذیب کی اور آپ کی نبوت و رسالت کو جھٹلایا ﴿وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ﴾ اور انہوں نے اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی اور شیطان نے حق سے دور کرنے کی غرض سے جو باطل شہوات و خواہشات ان کے لیے مزین و آراستہ کر دیں انہوں نے ان کی پیروی شروع کر دی اور حق کو ظاہر اور واضح ہونے کے بعد بھی چھوڑ دیا ﴿وَكُلَّ أَهْمٍ﴾ اور ہر ایسا کام جس کا اللہ تعالیٰ ان سے وعدہ کر چکا ہے ﴿فَسْتَقِيمُ﴾ وہ اپنے وقت میں ضرور ہونے والا ہے اور بعض کا قول ہے کہ ہر وہ کام جو تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے وہ ضرور واقع ہوگا اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ کفار کا ہر معاملہ واقع ہو کر رہے گا یعنی ثواب اور عذاب کے ظہور کے وقت ان کا انجام کار ثابت ہو جائے گا۔

۴- ﴿وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْآبَاءِ﴾ اور بے شک ان کے پاس کچھ خبریں آچکی ہیں (یعنی) بے شک اہل مکہ کے پاس گزشتہ قوموں کی وہ خبریں جو قرآن مجید میں ودیعت رکھی گئی ہیں آچکی ہیں یا پھر آخرت کی خبریں اور وہ خبریں جو کفار کے (بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) چاند کے دو ٹکڑے ہو جانے کے متعلق احادیث صحیحہ بہت زیادہ ہیں اور ان احادیث کے متواتر ہونے میں مختلف اقوال ہیں۔ شرح مواقف میں علامہ سید میر شریف نے لکھا ہے کہ یہ احادیث متواتر ہیں اسی طرح علامہ سبکی نے مختصر ابن حاجب کی شرح میں لکھا ہے: اور میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ چاند کا دو ٹکڑے ہونا متواتر ہے قرآن مجید میں اس کی تصریح ہے اور احادیث صحیحہ میں اس کا بہ کثرت ذکر ہے۔ چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا واقعہ چاند کی چودھویں شب میں واقع ہوا تھا مشہور یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی انگشت مبارکہ سے اشارہ کیا تو چاند دو ٹکڑے ہو گیا لیکن میں نے اس کا ذکر کسی صحیح حدیث میں نہیں دیکھا۔ (تفسیر روح المعانی جز ۲ ص ۱۱۳، ملخصاً دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

البتہ امام ابو نعیم اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ نے یہ حدیث ذکر کی ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا ہے کہ مشرکین رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہوئے ان میں ولید بن مغیرہ ابو جہل بن ہشام عاص بن وائل عاص بن ہشام اسود بن عبد یغوث اسود بن مطلب بن اسد بن عبد العزیٰ زمعہ بن اسود نصر بن حارث وغیرہم تھے پس انہوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا: اگر آپ سچے ہیں تو ہمارے لیے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائیں اس کا نصف ابو بقیس (مکہ کا ایک پہاڑ) پر ہو اور اس کا نصف قعیقعان (مکہ کا دوسرا پہاڑ) پر ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: اگر میں نے ایسا کر دیا تو تم اس پر ایمان لے آؤ گے؟ انہوں نے کہا: ہاں! اور وہ چاند کی چودھویں رات تھی پھر رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو چاند کے اسی طرح دو ٹکڑے ہو گئے ایک ٹکڑا ابو بقیس پر تھا اور دوسرا ٹکڑا قعیقعان پر تھا اور رسول اللہ ﷺ پکار کر فرما رہے تھے: اے ابو سلمہ بن عبد الاسد! اور اے ارقم بن ابی الارقم! تم گواہ ہو جاؤ۔ (دلائل النبوة ج ۱ ص ۲۸۰ رقم الحدیث: ۲۰۹، دار الفکر بیروت)

نوٹ: ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ۱ ص ۵۷۴-۵۷۵، مطبوعہ فرید بک شال ۱۳۸۸ اردو بازار لاہور

عذاب کے بارے میں بیان کی گئی ہیں ان کے پاس آچکی ہیں ﴿مَا فِيهِ مَزْجٌ﴾ وہ خبریں جن میں کفر و شرک سے ممانعت ہے کہتے ہیں: ”زَجْرَتُهُ“ وَاَزْدَ جَوْرَتُهُ اَي مَنَعْتُهُ“ یعنی میں نے اسے روکا [اور اصل میں ”اَزْتَجَرُ“ ہے لیکن ”تَا“ جب ”زَا“ ساکنہ کے بعد واقع ہو تو اس کو دال سے تبدیل کر دیا جاتا ہے کیونکہ ”تَا“ حرف مہوس ہے اور ”زَا“ حرف مجبور ہے سو اس لیے ”تَا“ کو حرف مجبور سے بدل دیا گیا اور وہ دال ہے تاکہ دونوں ایک دوسرے کے مناسب ہو جائیں اور یہ سیبویہ کی کتاب کے آخر میں درج ہے۔]

۵- ﴿حِكْمَةٌ بِاللِّغَةِ﴾ [یہ ”مَا“ سے بدل ہے یا خبر کی بناء پر مرفوع ہے اصل میں ”ہو حکمة بالغة“ ہے] یعنی وہ (قرآن) راہ راست دکھانے میں انتہائی کامل اور سراسر حکمت ہے یا یہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان اہل مکہ کی طرف پہنچنے والی انتہائی کامل حکمت ہے ﴿فَمَا تَعْنِي التُّذُّرُ﴾ سو ڈرانے نے انہیں کوئی فائدہ نہیں دیا۔ حرف ”مَا“ نافیہ ہے اور ”نذُر“ مصدر ہے اور بہ معنی ”انذار“ (ڈرانا) ہے۔

۶- ﴿قَوْلٌ عَنْهُمْ﴾ سو آپ ان سے منہ پھیر لیجئے کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ بے شک ڈرانا دھمکانا انہیں کوئی فائدہ نہیں دیتا ﴿يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ﴾ جس دن بلانے والا بلائے گا [”يَوْمَ“، ”يَخْرُجُونَ“ کے لیے ظرف ہونے کی بناء پر منصوب ہے یا پھر ”اَذْكُر“ مضممر کی وجہ سے منصوب ہے اور قاری سہل یعقوب اور ابن کثیر کی قراءت میں وصل اور وقف دونوں صورتوں میں ”الداعی“ (”یا“ کے ساتھ) پڑھا جاتا ہے اور نافع مدنی اور ابو عمرو نے وصل میں ان کی موافقت کی ہے اور جس نے ”یا“ کو گرا دیا اس نے صرف کسرہ پر اکتفاء کیا اور لکھنے میں ”يدع“ سے واو کو لفظ کی متابعت کے لیے حذف کر دیا گیا ہے اور ”الداعی“ سے حضرت اسرائیل علیہ السلام مراد ہیں [﴿إِلَىٰ شَيْءٍ يَّكْبُرُ﴾ اجنبی و ناگوار چیز کی طرف (کفار کو بلایا جائے گا) جس سے لوگ نفرت کرتے ہیں کیونکہ اس قسم کی چیز غیر معروف و غیر مانوس ہوتی ہے اور وہ قیامت کے دن کی ہولناکی اور گھبراہٹ ہے [ابن کثیر کی قراءت میں (کاف کو ساکن کر کے) تخفیف کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔]

۷- ﴿خُشَعًا أَبْصَارُهُمْ﴾ وہ عاجزی سے اپنی آنکھیں جھکالیں گے [امام عاصم کے علاوہ دیگر عراقی قراء کی قراءت میں ”خَاشِعًا أَبْصَارُهُمْ“ ہے اور یہ ”يَخْرُجُونَ“ سے حال واقع ہو رہا ہے اور وہ ”ابصارهم“ کا فعل ہے جیسے تم کہو: ”يَخْشَعُ أَبْصَارُهُمْ“ اور ان کے علاوہ کی قراءت میں ”خُشَعًا“ ہے ”يَخْشَعْنَ“ ”أَبْصَارُهُمْ“ کی بناء پر اور یہ ان کی لغت ہے جو (فعل اور فاعل دونوں جمع ذکر کرتے ہیں جیسے) کہتے ہیں: ”اَكْلُونِي الْبُرَاغِيثُ“ مجھے پسوؤں نے کھایا اور یہ بھی جائز ہے کہ ”خُشَعًا“ میں ”هم“ ضمیر ہو اور ”ابصارهم“ اس سے بدل واقع ہو رہا ہو [اور ”خُشوع الابصار“ (آنکھیں جھکانے) سے ذلت و رسوائی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ذلیل کی ذلت اور عزیز کی عزت ان کی دونوں کی آنکھوں سے ظاہر ہوگی ﴿يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ﴾ وہ (اس روز) اپنی قبروں سے باہر نکل پڑیں گے ﴿كَانَتْكُمْ جُرَادٌ مُنْتَشِرَةٌ﴾ گویا وہ لوگ اپنی کثرت میں اور ہر طرف متفرق ہونے میں پھیلی ہوئی ٹڈیاں ہیں اور کثرت اور موج در موج ہونے میں ”جراد“ کی مثال دی جاتی ہے چنانچہ بہت بڑے لشکر کے بارے میں جس کے افراد ایک دوسرے میں گھتے جا رہے ہوں کہا جاتا ہے کہ وہ ٹڈیوں کا لشکر آ گیا ہے۔

۸- ﴿مُطِيعِينَ إِلَى الدَّاعِ﴾ وہ لوگ اپنی گردنوں کو اوپر اٹھا کر بلانے والے کی طرف جلد از جلد دوڑیں گے ﴿يَقُولُ الْكٰفِرُونَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ﴾ کفار کہیں گے کہ یہ دن بڑا سخت اور مشکل ترین ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ ۝ فَدَعَا
 رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ ۝ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُنْهَبٍ ۝ وَفَجَرْنَا الْأَرْضَ
 عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَى أَمْرٍ قَدَرٍ ۝ وَحَصَلْنَاهُ عَلَى ذَاتِ الْأُجْحِدِ ۝ وَدُسِرَ ۝
 تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا جَزَاءً لِمَنْ كَانَ كُفِرًا ۝ وَلَقَدْ تَنَزَّلْنَا بِآيَةٍ فَهَلْ مِنْ مُدْرِكٍ ۝
 فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرٍ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدْرِكٍ ۝

ان سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نے جھٹلایا تھا، سو انہوں نے ہمارے ایک بندے کو جھٹلایا اور انہوں نے کہا: یہ تو دیوانہ ہے اور اسے جھڑکا گیا ہے۔ سو اس نے اپنے پروردگار سے دعا مانگی کہ بے شک میں مغلوب ہوں، سو تو میرا بدلہ لے۔ پس ہم نے آسمان کے دروازے موسلا دھار پانی کے ساتھ کھول دیئے اور ہم نے زمین سے چشمے جاری کر دیئے، سو دونوں پانی اس مقدار پر جمع ہو گئے جو (ان کے لیے) مقدر کی گئی تھی۔ اور ہم نے نوح علیہ السلام کو تختوں اور کیلوں والی کشتی پر سوار کر دیا۔ وہ ہماری نگاہوں کے سامنے چلتی رہی، اس کے لیے صلہ تھی جس کا انکار کیا گیا۔ اور بے شک ہم نے اسے ایک نشانی بنا کر چھوڑا تو کیا کوئی نصیحت قبول کرنے والا ہے۔ سو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا۔ اور بے شک ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت قبول کرنے والا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی نافرمان قوم کی ہلاکت کا بیان

۹۔ ﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ﴾ ان سے یعنی اہل مکہ سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا ﴿فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا﴾ پھر انہوں نے ہمارے مقدس بندے نوح علیہ السلام کو جھٹلایا اور تکذیب کے تکرار کا یہ معنی ہے کہ انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کو بار بار جھٹلایا کیونکہ جب ان میں سے ایک جماعت جھٹلانے والی گزر جاتی تو اس کے پیچھے دوسری جھٹلانے والی جماعت آ جاتی، یا یہ معنی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا تو انہوں نے ہمارے بندے کو بھی جھٹلایا یعنی جب انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور نبوت و رسالت کا بالکل انکار کر دیا تو انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھی جھٹلایا کیونکہ آپ بھی یقیناً جملہ رسولوں میں سے ایک رسول ہیں ﴿وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ﴾ اور انہوں نے کہا: ”ہُوَ مَجْنُونٌ“ وہ دیوانہ ہے اور اسے جھڑکا گیا ہے یعنی حضرت نوح علیہ السلام کو گالیاں دے کر رسالت کی ادا نیگی سے جھڑکا اور ڈانٹا گیا اور قتل کی دھمکیاں دی گئی ہیں یا یہ بھی ان کے مجموعہ اقوال میں سے ایک قول ہے، یعنی انہوں نے کہا کہ وہ دیوانہ ہے اور بے شک اسے شیطان نے جھڑکا اور اسے مجبوظ بنا دیا اور اس کی عقل زائل کر دی۔

۱۰۔ ﴿فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ﴾ پھر آپ نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ بے شک میں مغلوب ہوں (یعنی) میری قوم مجھ پر غالب آ چکی ہے اور انہوں نے میری کوئی بات نہیں سنی اور مجھے ان کی طرف سے دعوت قبول کرنے سے سخت مایوسی ہوئی ہے اور اب ان کی اجابت و دعوت قبول کرنے سے میری مایوسی اور ناامیدی بہت مستحکم اور پکی ہو گئی، اب ان سے کوئی امید باقی نہیں رہی ﴿فَانْتَصِرْ﴾ سو تو ہی میرا ان سے انتقام اور بدلہ لے کہ تو ان پر عذاب بھیج۔

۱۱۔ ﴿فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُنْهَمِرٍ﴾ سوہم نے ان پر موسلا دھار مسلسل زور سے برسنے والی بارش کے ساتھ آسمان کے دروازے کھول دیئے چنانچہ یہ بارش مسلسل چالیس روز تک بغیر کسی وقفہ کے برتی رہی۔ ”منہمر“ کا معنی ہے: بہت زیادہ کثرت سے لگاتار پانی بہانا [ابن عامر شامی یزید سہل اور یعقوب کی قراءت میں ”تا“ مشدّد مفتوح (باب تفعیل سے) ”فَفَتَحْنَا“ پڑھا جاتا ہے]۔

۱۲۔ ﴿وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا﴾ اور ہم نے زمین میں پانی کے چشمے جاری کر دیئے اور ہم نے تمام روئے زمین کو ایسا بنا دیا کہ گویا ہر جگہ پانی کے چشمے پھوٹ کر بہ رہے ہیں اور یہ کلام مبارک عرب کے قول ”وَفَجَّرْنَا عُيُونَ الْأَرْضِ“ سے بہت زیادہ بلیغ ہے ﴿فَالْتَقَى الْمَاءُ﴾ سو پانی مل گیا یعنی آسمان اور زمین دونوں کے پانی باہم مل گئے اور جمع ہو گئے اور ایک قراءت میں ”الْمَاءُ ان“ پڑھا گیا ہے یعنی سماوی اور ارضی پانی کی دونوں قسمیں باہم مل گئیں ﴿عَلَىٰ أَهْرَاقًا قَدَرًا﴾ ایسی مقدار پر جو مقدر کی گئی (یعنی) ایسے حال پر جو اللہ تعالیٰ نے اس کی مقدار مقرر کی جیسے اس نے چاہا یا ایسے امر پر جو لوح محفوظ میں مقدر کر دیا گیا کہ بے شک یہ ضرور ہوگا اور وہ حضرت نوح علیہ السلام کی نافرمان و کافر قوم کا طوفان کے ذریعے ہلاک کیا جانا مراد ہے۔

۱۳۔ ﴿وَصَلَّيْنَا عَلَىٰ ذَاتِ الْأَوَاجِرِ دُوسِرًا﴾ اور ہم نے (حضرت) نوح علیہ السلام کو تختوں والی اور میخوں والی (کشتی) میں سوار کر دیا۔ مراد کشتی ہے کیونکہ ”ذات الالواح“ اور ”دوسر“ کشتی کی صفات ہیں جن سے خود کشتی مراد ہے اور یہ اس لیے کہ یہ ان صفات میں سے ہیں جو اپنے موصوفات کے ساتھ قائم ہوتی ہیں اور یہ اپنے موصوفات کی جگہ پر استعمال ہوتی ہیں اور ان کا معنی و مفہوم ادا کرتی ہیں یہاں تک کہ ان کے درمیان اور ان کے موصوفات کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہوتا جیسے متنبی کے شعر کا یہ مصرع ہے: ”وَلَكِنَّ قَمِيصِي مَسْرُودَةٌ مِنْ حَدِيدٍ“ (ترجمہ:) اور لیکن میری قمیص لوہے سے تیار کی گئی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ میری قمیص میری زرہ ہے، کیا تم دیکھتے نہیں اگر سفینہ اور ان صفات کو جمع کیا جائے تو پھر یہ درست نہیں ہوگا اور یہ اس کلام مبارک کی فصاحت و بلاغت اور امتیازی شان ہے اور ”دوسر“، ”دسار“، ”بروزن“ ”فعال“ کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: کیل اور میخیں اور یہ ”دسرة“ سے ماخوذ ہے جس کا لغوی معنی دفع کرنا ہے کیونکہ کیلوں اور میخوں کے ذریعے تختوں کو باہم جوڑ کر ان کے سوراخ دفع اور بند کیے جاتے ہیں۔

۱۴۔ ﴿تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا﴾ وہ کشتی ہماری نگاہوں کے سامنے چلتی رہی یا وہ ہماری حفاظت میں محفوظ رواں دواں رہی [”بأعيننا“، ”تجری“ کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے یعنی وہ کشتی ہماری وجہ سے محفوظ چلتی رہی] ﴿بِحَزَائِنٍ لِّمَن كَانَ كُفْرًا﴾ یہ (کشتی کا بہ حفاظت چلنا) انعام اور صلہ تھا اس مقدس ذات کے لیے جس کا انکار کیا گیا اور اس کے ساتھ کفر کیا گیا اور وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ”مکفور“ قرار دیا ہے کیونکہ نبی اور رسول اللہ تعالیٰ کی نعمت اور رحمت ہوتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ“ (الانبیاء: ۱۰۷) ”اور اے محبوب! ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے پیکر رحمت بنا کر“ سو اس لیے حضرت نوح علیہ السلام نعمت مکفورہ ہیں۔

۱۵۔ ﴿وَلَقَدْ نَادَيْنَا آيَةً﴾ اور بے شک ہم نے اس کو یعنی کشتی کو اپنی قدرت کاملہ کی نشانی بنا کر چھوڑا یعنی ہم نے اس کو اپنی قدرت کاملہ کی سبق آموز نشانی بنا دیا تاکہ اسے دیکھ کر عبرت حاصل کی جائے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کشتی کو سرزمین جزیرہ میں باقی رکھا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کشتی کو جو دی پہاڑ پر طویل و دراز زمانہ تک باقی اور ثابت رکھا یہاں تک کہ اس امت کے اوائل کے لوگوں نے اس کشتی کو دیکھا اور اس کی

زیارت کی ﴿فَهَلْ مِنْ مُدَّاكِرٍ﴾ تو کیا کوئی عبرت و نصیحت حاصل کرنے والا ہے جو عبرت و نصیحت حاصل کرے [اور اصل میں ”مدتکرہا“ ہے ذال اور ”تا“ کے ساتھ پھر ”تا“ کو ذال سے بدل دیا اور ذال اور ذال ایک جگہ جمع ہو گئے تو ذال کو ذال میں مدغم کر دیا گیا تو ”مُدَّاكِرٌ“ ہو گیا۔]

۱۶۔ ﴿فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرِي﴾ سو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا؟ [اور ”نذر“، ”نذیر“ کی جمع ہے اور یہ ”انذار“ مصدر کے معنی میں ہے اور قاری یعقوب کی قراءت میں وصل اور وقف دونوں صورتوں میں یائے متکلم کے ساتھ ”وَنُذْرِي“ ہے اور قاری سہل نے وصل کی صورت میں اس کی موافقت کی ہے ان کے علاوہ کی قراءت میں ”یا“ کے بغیر پڑھا جاتا ہے اور اس کے بعد یہ کلمہ اس سورت میں تمام جگہ اسی اختلاف پر پڑھا جائے گا۔]

۱۷۔ ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ﴾ اور بے شک ہم نے قرآن مجید کو حفظ کرنے اور نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے وہ اس طرح کہ ہم نے اس کو شفاء بخش مواعظ سے پُر کر دیا اور ہم نے اس میں وعدوں اور وعیدوں (دھمکیوں) کو بار بار مختلف انداز سے بیان کیا ہے ﴿فَهَلْ مِنْ مُدَّاكِرٍ﴾ تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے جو نصیحت حاصل کرے۔

اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک ہم نے اس قرآن مجید کو حفظ کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے اور ہم ہر اس شخص کی حفظ قرآن پر مدد کرتے ہیں جو اس کو حفظ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے تو کیا کوئی اس کے حفظ کا طالب ہے تاکہ حفظ قرآن پر اس کی مدد کی جائے۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ تمام مذاہب کی کتابیں جیسے تورات، انجیل اور زبور وغیرہم ان کے ماننے والے ان کتابوں کو دیکھ کر پڑھتے ہیں اور ان کتابوں کو قرآن مجید کی طرح حفظ کر کے زبانی نہیں پڑھ سکتے۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرِي ۱۸ اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلِيْمًا رِّبِّعًا صِرًا فِي يَوْمٍ
نَحْسٍ مُّسْتَبْرَأٍ ۱۹ تَنْزِعُ النَّاسَ لَا كَاثِمًا اَجْحَا زُنْحُلٍ مُّنْقَعِرٍ ۲۰ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي
وَنُذْرِي ۲۱ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ ۲۲ مِنْ مُّدَّاكِرٍ ۲۳

عاد نے (پوری کافر قوم سمیت) تکذیب کی سو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا O بے شک ہم نے ان پر ایک دائمی منحوس دن میں سخت تند و تیز آندھی بھیجی O وہ لوگوں کو جگہ سے اکھاڑ کر پھینکتی، گویا وہ جڑ سے اکھڑنے والے کھجور کے درخت کے تنے ہیں O سو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا O اور بے شک ہم نے قرآن مجید کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے O

قوم عاد کی تکذیب و ہلاکت کا بیان

۱۸۔ ﴿كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرِي﴾ قوم عاد نے جھٹلایا سو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا یعنی میرا ان کو

عذاب کے نزول سے پہلے عذاب سے ڈرانا یا میرا نہیں عذاب دینے سے ان لوگوں کو ڈرانا جو ان کے بعد ہوئے۔

۱۹۔ ﴿اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلِيْمًا رِّبِّعًا صِرًا﴾ بے شک ہم نے ان پر سخت تند و تیز آندھی بھیجی جو انتہائی سخت سرد تھی یا سخت

زوردار آواز والی آندھی تھی ﴿فِي يَوْمٍ مَّحْسَبٍ﴾ منحوس و بد بخت دن میں۔

۲۰۔ ﴿تَنْزِعُ النَّاسَ﴾ وہ (آندھی) لوگوں کو ان کی جگہوں سے اکھیڑ کر اور اوپر لے جا کر زمین پر پھینک دیتی اور اس وقت انہوں نے ایک دوسرے کے ہاتھوں کو پکڑ کر صف بندی کر لی اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر غاروں میں داخل ہو گئے اور کئی لوگوں نے زمین دوز گڑھے کھودے اور ان میں چھپ گئے لیکن آندھی نے سب کو اکھیڑ دیا اور غاروں اور گڑھوں کو ان پر لٹا کر انہیں اندر ہلاک کر دیا اور ان کی گردنیں توڑ دیں ﴿كَانَتْهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مَّنْقَعَةٍ﴾ گویا وہ لوگ جڑ سے اکھیڑے ہوئے کھجور کے تنے ہیں ”اعجاز نخل“ کا معنی ہے: کھجور کا زمین سے نکلا ہوا بنیادی تناور ”منقعر“ کا معنی ہے: جڑ سے اکھڑنا، قوم عاد کے کفار کو کھجور کے جڑ سے اکھڑے ہوئے تنے سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ اس تند و تیز آندھی نے انہیں غاروں، خندقوں اور گڑھوں سے اکھیڑتے ہوئے ان کے سروں کو جسموں سے کاٹ دیا اور وہ لوگ بغیر سروں کے اپنے باقی جسموں کے ساتھ زمین پر گرے ہوئے پڑنے تھے اور وہ مرکز مردوں کی صورت میں زمین میں ایک دوسرے کے اوپر گرے پڑے تھے حالانکہ وہ بڑے طاقتور دراز قد اجسام والے لوگ تھے [”كَانَتْهُمْ“، ”النَّاسُ“ سے حال واقع ہو رہا ہے اور ”نَخْلٍ“ کی صفت کو اس کے لفظ پر محمول کر کے مذکر لایا گیا ہے اور اگر اس کی صفت کو معنی پر محمول کیا جاتا تو پھر صفت کو مذکر کے بجائے مؤنث ذکر کیا جاتا جیسا کہ ارشاد فرمایا: ”كَانَتْهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ نَّخَاوِيَةٍ“]۔

۲۱۔ ﴿فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرِي﴾ سو میرا عذاب اور میرا ڈر ادا کیا تھا۔

﴿مُتَسْتَبِينَ﴾ ہمیشہ کی برائی سوان کفار پر ہمیشہ نحوست و برائی جاری و ساری رہی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا اور یہ عذاب ان پر ماہ (شوال کے) آخر میں بدھ کے روز آیا تھا۔

بعض روایات میں ہے کہ بدھ کا دن ہمیشہ منحوس ہوتا ہے حضرت مسروق بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبریل آئے اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ ایک قسم اور ایک گواہ کے ساتھ فیصلہ کر دیں اور فرمایا: بدھ کا دن ہمیشہ منحوس ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے اس کی سند میں ابراہیم بن ابی حنیہ ہے امام دارقطنی نے کہا: یہ روایت متروک ہے۔ (کتاب الموضوعات ج ۲ ص ۷۳)

اور بر تقدیر تسلیم اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا محمل (مطلب) یہ ہے کہ بدھ کا دن کفار، فساق، فجار اور مفسدین پر منحوس ہوتا ہے جب کہ یہ دن مسلمانوں اور نیک لوگوں پر منحوس نہیں ہوتا کیونکہ جن ایام میں قوم عاد پر آندھی چل رہی تھی اور ان کو ہلاک کر رہی تھی ان ایام میں حضرت ہود علیہ السلام اور دیگر مؤمنین بھی موجود تھے اور ان کو ان ایام میں آندھی کے عذاب سے کوئی ضرر اور نقصان نہیں پہنچا تھا، پس اس سے واضح ہوا کہ یہ ایام صرف عاد کی نافرمان قوم کے حق میں منحوس تھے لیکن انبیائے کرام اور صالحین کے لیے منحوس نہیں تھے۔

نیز دوسری جگہ قرآن مجید میں ہے: ”فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِيْ اَيَّامٍ نَّحْسَاتٍ لِّنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا“ (حم السجدہ: ۱۶) ”سو ہم نے ان پر تند و تیز آندھی منحوس دنوں میں بھیج دی تاکہ ہم انہیں دنیا کی زندگی میں ذلت کا عذاب چکھادیں“۔

نیز عاد کے متعلق فرمایا: ”وَاَمَّا عَادُ فَاهْلَكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۗ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَتَمَّيْنَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَفَرَّى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَانَتْهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ نَّخَاوِيَةٍ ۗ“ (الحاقة: ۶-۷) ”اور لیکن عاد والوں کو خوف ناک آواز والی تند و تیز آندھی سے ہلاک کر دیا گیا ان پر اللہ تعالیٰ نے لگاتار سات راتوں اور آٹھ دنوں تک عذاب مسلط رکھا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)“

۲۲۔ ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُتَدَكِّرٍ﴾ اور بے شک ہم نے قرآن مجید کو یاد کرنے اور نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

كَذَّابَتْ شُمُودٌ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾ فَقَالُوا أَبَشْرًا مِمَّنَّا وَاحِدًا نَتَّبِعُهُ إِنَّا إِذًا لَفِي ضَلَالٍ

وَسُعْرٍ ﴿۲۴﴾ أَلَيْسَ الذِّكْرُ عَلَيْكُمْ مِنْ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ﴿۲۵﴾ سَيَعْلَمُونَ عَذَابًا

مِّنَ الْكُذَّابِ الْأَشْرِ ﴿۲۶﴾ إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةَ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾

شمود نے ڈرانے والے رسولوں کو جھٹلایا O سوانہوں نے کہا کہ کیا ہم اپنی جنس میں سے ایک بشر کی پیروی کریں؟ تب تو ہم یقیناً ضرور گمراہی اور جنون میں ہوں گے O کیا ہم میں سے صرف اسی پر وحی نازل کی گئی ہے؟ بلکہ وہ بڑا جھوٹا بہت متکبر ہے O وہ عنقریب کل ہی جان لیں گے کہ کون بڑا جھوٹا بہت زیادہ متکبر ہے O بے شک ہم ان کی آزمائش کے لیے ایک اونٹنی بھیجنے والے ہیں تو (اے صالح) آپ ان کا انتظار کیجئے اور صبر کیجئے O

قوم شمود کی تکذیب اور ان کی ہلاکت کا بیان

۲۳، ۲۴۔ ﴿كَذَّابَتْ شُمُودٌ بِالنُّذُرِ﴾ فَقَالُوا أَبَشْرًا مِمَّنَّا وَاحِدًا نَتَّبِعُهُ﴾ شمود کی قوم نے عذاب الہی سے ڈرانے والے

رسولوں کو جھٹلایا O سوانہوں نے کہا کہ کیا ہم اپنی جنس میں سے ایک انسان کی پیروی کریں [”بَشْرًا“ ایسے مضمرفعل کی وجہ سے منصوب ہے جس کی تفسیر اس کے بعد والا فعل یعنی ”نَتَّبِعُهُ“ کر رہا ہے] اصل میں ”اتَّبَعُ بَشْرًا مِمَّنَّا وَاحِدًا“ ہے یعنی کیا ہم اپنی جنس میں سے ایک آدمی کی پیروی شروع کر دیں؟ ﴿إِنَّا إِذًا لَفِي ضَلَالٍ وَسُعْرٍ﴾ بے شک تب تو ہم گمراہی اور جنون و دیوانگی میں ہوں گے۔ دراصل حضرت صالح علیہ السلام شمود کی قوم سے فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم نے میری اتباع اور پیروی نہیں کی تو تم راہ حق سے بھٹک کر گمراہی میں مبتلا ہو جاؤ گے اور آخر کار تم دوزخ کی آگ میں جا پڑو گے۔ ”سُعْرٌ“ ”سَعِيرٌ“ کی جمع ہے دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ چنانچہ ان بد بختوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو ان کی بات کا برعکس جواب دیا اور انہوں نے کہا کہ اگر ہم نے آپ کی پیروی اختیار کر لی تب تو ہم گمراہ ہو جائیں گے جیسے آپ فرماتے ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ ”ضلال“ کا معنی ہے: خطا اور غلطی کرنا اور حق کی راہ سے دور ہو جانا اور ”سعر“ کا معنی ہے: جنون یعنی دیوانہ ہو جانا اور ان کا ”بَشْرًا“ کہنا جنسیت میں اپنے جیسے آدمی کی پیروی کرنے سے انکار کرنا ہے اور یہ مطالبہ کرنا ہے کہ نبی اور رسول فرشتوں میں سے کوئی فرشتہ ہونا چاہیے اور انہوں نے ”مِنَّا“ اس لیے کہا کہ جب نبی اور رسول انہیں میں سے ہوگا تو مماثلت اور ہم جنسیت زیادہ قوی اور زیادہ مضبوط ہوگی اور انہوں نے ”وَاحِدًا“ اس بات کا انکار کرنے کے لیے کہا کہ پوری امت صرف ایک آدمی کی پیروی کرے یا ان کی مراد ”وَاحِدًا“ کہنے سے یہ ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سو تم دیکھتے ہو کہ یہ لوگ زمین پر اس طرح گر گئے جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں O۔

ان پر بدھ سے عذاب شروع ہوا اور اگلے بدھ تک جاری رہا اور ہفتہ کے تمام دنوں میں ان پر عذاب جاری رہا اور حم السجدہ: ۱۶ میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام دنوں کو منحوس فرمایا پس صرف بدھ کے دن کو منحوس قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں رہی کیونکہ ان کفار کے حق میں تو ہفتہ کے ساتوں دن منحوس و بے برکت تھے۔ اور تمام دنوں کے منحوس ہونے کا تو کوئی بھی قائل نہیں ہے پس واضح ہو گیا کہ یہ ایام صرف کفار کے حق میں منحوس تھے نہ کہ دنیا کے تمام لوگوں کے لیے۔ (ماخوذ از: تفسیر تہیان القرآن ج ۱۱ ص ۵۸۶-۵۸۷)

ان کے خاندان اور ان کی قوم کے ایک فرد ہیں ان سے افضل و اعلیٰ اور ان سے برتر نہیں ہیں اور اس پر (درج ذیل) آیت مبارکہ دلالت و رہنمائی کرتی ہے۔

۲۵- ﴿ءَالِقَى الذِّكْرِ عَلَيْهٖ مِنْ بَيْنِنَا﴾ کیا ہم میں سے صرف اسی پر ذکر نازل کیا گیا ہے یعنی کیا ہم میں سے صرف اسی پر وحی نازل کی جاتی ہے حالانکہ ہم میں وہ لوگ بھی ہیں جو نبوت کے لیے انتخاب کا حق اس سے زیادہ رکھتے ہیں ﴿بَلْ هُوَ كَذَابٌ أَشْرٌ﴾ بلکہ وہ تو بڑا جھوٹا بہت متکبر ہے (یعنی) بہت اترانے والا متکبر ہے۔ دراصل اس کا اترانا اور ہم پر بڑائی چاہنا نبوت کے دعویٰ کرنے کا داعی اور سبب ہے یہی خواہش اس میں ادعائے نبوت پر تحریک پیدا کرتی ہے۔

۲۶- ﴿سَيَعْلَمُونَ عَذَابًا﴾ وہ عنقریب کل ہی جان لیں گے جب ان پر عذاب نازل ہو گا یا عنقریب قیامت کے دن انہیں معلوم ہو جائے گا ﴿مَنْ الْكَذَّابُ الْاَكْثَرُ﴾ کون بہت بڑا جھوٹا متکبر ہے آیا حضرت صالح علیہ السلام یا وہ لوگ جنہوں نے اس کی تکذیب کی اور اسے جھوٹا قرار دیا۔ ابن عامر شامی اور حمزہ کوفی کی قراءت میں ”سَتَعْلَمُونَ“ ہے اس بناء پر کہ حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو جواب دیتے ہوئے ان سے یہ کلام بیان فرمایا پھر التفات و خطاب کے طریقہ پر یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

۲۷- ﴿اِنَّمَا مَرَّسَلُوا النَّاقَةَ﴾ بے شک ہم اونٹنی کو بھیجنے والے ہیں اور ہم اسے بہت بڑے پہاڑ سے نکلنے والے ہیں جیسا کہ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے صحیح اور سالم اونٹنی پہاڑ سے نکلنے کا مطالبہ اور سوال کیا تھا ﴿فَتَنَّتْهُمُ﴾ ان کا امتحان لینے اور ان کی آزمائش کرنے کے لیے [اور یہ ”مرسلوا“ کا مفعول لہ ہے یا حال واقع ہو رہا ہے] ﴿فَارْتَقِبْهُمْ﴾ سو (اے صالح!) آپ ان کا انتظار کیجئے اور دیکھتے رہیے کہ وہ کیا کرنے والے ہیں ﴿وَاصْطَبِرْ﴾ اور آپ ان کی تکلیفوں پر صبر کیجئے اور جلدی نہ کیجئے یہاں تک کہ آپ کے پاس میرا حکم پہنچ جائے۔

وَنَبِيَّهُمْ اَنَّ الْمَاءَ قَسِيَةً بَيْنَهُمْ كُلُّ شَرِبٍ مَّحْضَرٌ ﴿۲۸﴾ فَتَادُوا صَاحِبَهُمْ

فَتَعَاظَى فَعَقَرٌ ﴿۲۹﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنَذِيرٌ ﴿۳۰﴾ اِنَّا ارْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً

فَكَانُوا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّاكِرٍ ﴿۳۲﴾

اور آپ انہیں بتا دیجئے کہ بے شک پانی ان کے (اور اونٹنی کے) درمیان تقسیم کر دیا گیا ہے پانی پینے کی ہر باری پر باری والے کو حاضر کیا جائے گا O سو انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو پکارا تو اس نے (اونٹنی کو) پکڑنے کی جرات کی پھر اس کی کوچپیں کاٹ دیں O سو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا O بے شک ہم نے ان پر ایک ہولناک چنگھاڑ بھیجی پس وہ پاڑ بنانے والے کی روندی ہوئی گھاس کی مانند چورا چورا ہو گئے O اور بے شک ہم نے اس قرآن مجید کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے O

۲۸- ﴿وَنَبِيَّهُمْ اَنَّ الْمَاءَ قَسِيَةً بَيْنَهُمْ﴾ اور آپ انہیں بتا دیجئے کہ بے شک ان کے (اور اونٹنی کے) درمیان پانی تقسیم کر دیا گیا ہے ایک دن پانی پینے کی باری اونٹنی کے لیے ہوگی اور ایک دن پانی پینے کی باری قوم ثمود کے لیے ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے عقلاء کو غالب قرار دے کر (”ہم“ ضمیر مذکر کے ساتھ) ”يَسَّرْنَا“ فرمایا ﴿كُلُّ شَرِبٍ مَّحْضَرٌ﴾ پانی پینے کی ہر باری پر باری والے کو حاضر کیا جائے گا ایک دن پانی پینے کے لیے قوم ثمود حاضر ہوگی اور ایک دن اونٹنی پانی پینے کے لیے

حاضر ہوگی۔

۲۹۔ ﴿فَتَادُوا صَاحِبَهُمْ﴾ سوانہوں نے اپنے ایک ساتھی کو پکارا جس کا نام قدار بن سالف تھا اور اس کی حقارت کی بناء پر اس کا لقب اجیر شمود تھا ﴿فَتَعَاطَى﴾ پس اس نے بڑی ہولناک چیز کو پکڑنے کی جرات کی اور اپنے انجام کی پرواہ نہیں کی ﴿فَعَقَّرَ﴾ تو اس نے اونٹنی کی کوچیں کاٹ ڈالیں یا یہ معنی ہے کہ قدار نے بڑی مشکل سے اونٹنی کو پکڑا اور اس کی کوچیں کاٹ دیں یا یہ کہ اس نے تلوار کو ہاتھ میں پکڑا اور اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت کریمہ میں جمع کے ساتھ ارشاد فرمایا: ﴿فَعَقَرُوا النَّاقَةَ﴾ (الاعراف: ۷۷) ”سوانہوں نے اونٹنی کی کوچیں کاٹ ڈالیں“ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ اونٹنی کو صرف قدار بن سالف نے قتل کیا تھا لیکن وہ سب لوگ اس پر راضی تھے یا اس لیے کہ قدار نے ان کی مدد سے اونٹنی کو ہلاک کیا تھا۔

۳۰۔ ﴿فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي زَنْدَارٍ﴾ سو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا۔

۳۱۔ ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً﴾ بے شک ہم نے ان پر ایک ہولناک چیخ اور ایک زبردست چنگھاڑ بھیجی اس ہولناک چیخ سے حضرت جبریل علیہ السلام کی پرہیت اور ہولناک چنگھاڑ مراد ہے جو انہوں نے اونٹنی کی کوچیں کاٹنے اور ہلاک کرنے کے چوتھے روز قوم شمود کے پاس جا کر ماری تھی جس کی وجہ سے ﴿فَكَانُوا كَهَشِيِّو الْمُحْتَظِرِ﴾ وہ لوگ باڑ بنانے والے کی روندی ہوئی گھاس کی مانند ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اور ”هَشِيمٌ“ کا معنی ہے: خشک گھاس اور سوکھی جھاڑیاں اور ”مَتَهَشَمٌ“ کا معنی ہے: ٹوٹی ہوئی اور روندی ہوئی چیز اور ”محتظر“ وہ شخص ہے جو باڑ تیار کرتا ہے اور وہ جس کے ساتھ باڑ تیار کرتا ہے وہ عرصہ دراز کے بعد خشک ہو جاتا ہے اور اسے جانور روند ڈالتے ہیں پس وہ ریزہ ریزہ اور چورا چورا ہو جاتا ہے اور حضرت حسن نے اس میں ”ظا“ کو مفتوح پڑھا ہے اور وہ باڑ بنانے کی جگہ ہے یعنی باڑہ۔

۳۲۔ ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ﴾ اور بے شک ہم نے قرآن مجید کو یاد کرنے اور نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی حفظ قرآن کا طالب اور نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

كَذَّابَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالذُّرِّ ۝۳۳ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ نَجَّيْنَاهُمْ

بِسِحْرِ ۝۳۴ نَعِيَ ۝۳۵ مِّنْ عِنْدِنَا كَذَّابِكُ نَجْرِي ۝۳۶ مِّنْ شُكْرِ ۝۳۷ وَلَقَدْ أَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا

فَتَمَارَوْا بِالذُّرِّ ۝۳۸ وَلَقَدْ أَرَادُوا أَنَّ ضَيِّفَهُ فَطَسْنَا أَعْيُنَهُمْ فَذُوقُوا عَذَابِي

وَنذُرٍ ۝۳۹ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ۝۴۰ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنذُرٍ ۝۴۱

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ۝۴۲

لوٹ کی قوم نے ڈرسانے والے رسولوں کو جھٹلایا O بے شک ہم نے ان پر پتھروں کی بارش بھیج دی ماسوا لوط علیہ السلام کی آل کے ہم نے ان کو سحری کے وقت بچالیا O یہ ہماری طرف سے ایک احسان تھا ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں اس شخص کو جو شکر ادا کرتا ہے O اور بے شک اس نے انہیں ہماری گرفت سے ڈرایا سوانہوں نے ڈراوے میں شک کیا O اور بے شک انہوں نے اس سے اس کے مہمانوں کو طلب کیا تو ہم نے ان کی آنکھوں کو مٹا دیا سوئم میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ

چکھو O اور بے شک صبح سویرے ان کو ٹھہرنے والے عذاب نے ہلاک کر ڈالا O سواب تم میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھو O اور بے شک ہم نے قرآن مجید کو یاد کرنے اور نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے O

قوم لوط کی تکذیب اور ان کی ہلاکت کا بیان

۳۳- ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالَّذِي﴾ حضرت لوط علیہ السلام کی نافرمان قوم نے عذاب الہی سے ڈرانے والے رسولوں کو جھٹلایا۔

۳۴- ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا﴾ بے شک ہم نے ان پر پتھراؤ بھیجا (یعنی) بے شک ہم نے ان پر ایسی شدید تیز ترین آندھی بھیجی جو پتھروں اور کنکروں کو اڑا کر ان پر مارتی تھی یعنی ان پر پتھر لے کر پھینکتی تھی ﴿إِلَّا آلَ لُوطٍ﴾ سوائے حضرت لوط علیہ السلام کی آل کے یعنی ان کی بیٹیاں اور وہ مسلمان جو آپ پر ایمان لائے تھے ﴿يَحْتَبِئُهُمْ بِسَحْرِ﴾ ہم نے ان کو سحری کے وقت بچا لیا (یعنی) رات کے آخری اوقات میں سے کسی آخری وقت میں اور اسی وجہ سے ”بِسَحْرِ“ کو منصرف لایا گیا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے: ”لَقَيْتُهُ بِسَحْرِ“ میں نے اس سے سحری کے وقت ملاقات کی۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تم نے اس روز صبح سویرے اس سے ملاقات کی ہو اور بعض حضرات نے کہا کہ سحر دو ہیں ایک اعلیٰ سحر جو فجر کے نمودار ہونے سے پہلے ہوتی ہے اور دوسری سحر جو فجر کے نمودار ہونے کے بعد ہوتی ہے۔

۳۵- ﴿تَعْمَأَمِنَنَّ مِنْ عِندِنَا﴾ یہ ہماری طرف سے نعمت ہے یعنی یہ ہمارا انعام ہے [”نِعْمَةٌ“، ”نَجِيْنَا“ کا مفعول لہ ہے] ﴿كَذَلِكَ نَجْزِي مَنْ شَكَرَ﴾ ہم اسی طرح ہر اس آدمی کو بدلہ اور صلہ عطاء کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر اور اس کی عبادت و اطاعت اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرتا ہے۔

۳۶- ﴿وَلَقَدْ أَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا﴾ اور بے شک حضرت لوط علیہ السلام نے ان لوگوں کو عذاب کے ذریعے ہمارے گرفت کرنے سے ڈرایا ﴿فَتَمَارَوْا بِالَّذِي﴾ سو انہوں نے ڈرانے والے رسولوں کے ڈراوے میں شک کیا تو انہوں نے اسی شک کی بناء پر ڈرانے والوں کو اور ان کے ڈراوے کو جھٹلایا۔

۳۷- ﴿وَلَقَدْ آوَدُوهُ عَنْ ضَيْفِهِ﴾ اور بے شک ان لوگوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے ان کے مہمانوں کو طلب کیا اور انہوں نے آپ کے مہمانوں (فرشتوں) کے ساتھ بے حیائی کے کام کا مطالبہ کیا ﴿فَطَمَسْنَا أَعْيُنَهُمْ﴾ پس ہم نے ان کی آنکھوں کو مٹا ڈالا (یعنی) ہم نے ان کو اندھا اور نابینا کر دیا اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان کی آنکھوں کو بالکل مٹا دیا اور آنکھوں کی جگہ کو باقی چہرے کی طرح برابر کر دیا یہاں تک کہ ان کے چہروں میں چشم خانے نظر نہیں آتے تھے۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ لوگ حضرت لوط علیہ السلام کے دروازے پر پہنچے تا کہ گھر کے اندر گھس جائیں تو فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ آپ دروازہ کھول دیں اور اندر داخل ہونے دیں کیونکہ ہم بلاشبہ آپ کے رب تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں یہ لوگ آپ تک ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام نے انہیں اپنا ایک پر مارا تو سب اندھوں کی طرح ادھر ادھر پھرنے لگے مگر انہیں دروازہ کی راہ دکھائی نہیں دیتی تھی یہاں تک کہ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو نکال دیا ﴿فَدَاوُوا أَعْيُنَآئِنِ وَنَذَرْنَا﴾ سو تم میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھو (یعنی) میں نے ان سے فرشتوں کی زبانی کہا کہ اب تم میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھو۔

۳۸۔ ﴿وَلَقَدْ صَبَّحَهُمُ بَكْرَةٌ عَذَابٌ مُسْتَقِرٌّ﴾ اور بے شک صبح سویرے یعنی دن کے آغاز میں ان لوگوں کو قائم و ثابت عذاب نے ہلاک کر ڈالا (یعنی) وہ عذاب ان لوگوں پر برقرار رہے گا کبھی ختم نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ عذاب دنیا نہیں آخرت کے عذاب تک پہنچا دے گا۔

۳۹، ۴۰۔ ﴿فَذُوقُوا عَذَابِي وَنَذِيرِي﴾ وَلَقَدْ يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُتَذَكِّرٍ ﴿ سواب تم میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھو اور بے شک ہم نے قرآن مجید کو نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے اور ان آیات کے تکرار کا فائدہ یہ ہے کہ قریش مکہ پہلے لوگوں کی خبروں میں سے ہر خبر کی سماعت کے وقت نئے سرے سے نصیحت و موعظت حاصل کریں اور جب وہ نصیحت حاصل کرنے کی ترغیب و تحریک سنیں گے تو وہ نئے سرے سے تنبیہ اور آگاہی حاصل کریں گے اور سورۃ رحمن میں ہر نعمت کی گنتی کے وقت آیت کریمہ ”فَبِأَيِّ آيَةٍ رَبِّكُمْ تَكْفُرُونَ“ کے تکرار اور سورۃ المرسلات میں ہر آیت مبارکہ کے ورود کے وقت ”وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ“ کے تکرار کا بھی یہی حکم ہے اور اسی طرح قصوں اور خبروں کے تکرار کا یہی حکم ہے تاکہ یہ عبرت دلوں میں حاضر رہے اور ذہنوں میں نقش ہو جائے اور تمام اوقات میں یاد رہے کبھی بھولنے نہ پائے۔

وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النَّذِيرُ ﴿۳۸﴾ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كَذَّبَتْهُمُ أَخْدَعِيذٌ
مُقْتَدِرٌ ﴿۳۹﴾ أَكْفَارُكُمْ خَيْرٌ مِنْ أَوْلِيكُمْ أَمْ لَكُمْ بَرَاءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۴۰﴾ أَمْ يَقُولُونَ
نَحْنُ جَمِيعٌ مُنتَصِرُونَ ﴿۴۱﴾ سِيَهْرَمُ الْجَمْعُ وَيُولُونَ الدُّبُرَ ﴿۴۲﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ
وَالسَّاعَةُ أَدهَى وَأَمْرٌ ﴿۴۳﴾ إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ﴿۴۴﴾ يَوْمَ يُسْحَبُونَ
فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ وَظُفُوفِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۵﴾ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۶﴾

اور بے شک فرعونوں کے پاس عذاب الہی سے ڈرانے والے رسول آئے ○ انہوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو ایک غالب اقتدار رکھنے والے کی پکڑ کی طرح پکڑ لیا ○ (اے کفار مکہ!) کیا تمہارے کفار ان لوگوں سے زیادہ بہتر ہیں یا آسمانی کتابوں میں تمہارے لیے نجات لکھ دی گئی ہے ○ یا وہ کہتے ہیں کہ ہم سب مل کر بدلہ لینے والے ہیں ○ عنقریب اس جماعت کو شکست دی جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے ○ بلکہ قیامت ان کی وعدہ گاہ ہے اور قیامت بڑی ہولناک اور بہت ہی تلخ ہے ○ بے شک مجرم لوگ گمراہی میں ہیں اور دوزخ میں ہوں گے ○ جس دن وہ اپنے مونہوں کے بل اوندھے کر کے دوزخ کی آگ میں گھسیٹے جائیں گے (اور انہیں کہا جائے گا: دوزخ کا عذاب چکھو ○ بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے کے ساتھ پیدا کیا ہے ○

فرعونوں کی تکذیب و ہلاکت اور کفار مکہ کی مذمت

۴۱۔ ﴿وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النَّذِيرُ﴾ اور بے شک فرعون والوں کے پاس عذاب الہی کا ڈر سنانے والے رسول آئے (یعنی) حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام اور ان دونوں کے علاوہ دیگر انبیائے کرام میں سے یا یہ ”فلذیر“ کی

جمع ہے اور وہ ”انذار“ کے معنی میں ہے۔

۴۲- ﴿كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذِبًا﴾ انہوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلایا اور اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نو (۹) معجزات مراد ہیں ﴿فَأَخَذْنَا لَهُمْ أَخِذًا عَزِيزًا﴾ سو ہم نے ان کو اس طرح پکڑ لیا جس طرح ایک بہت ہی غالب کی پکڑ ہوتی ہے جو کبھی کسی سے مغلوب نہیں ہوتا ﴿مُقْتَدِرًا﴾ بہت بڑی قدرت والا جسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔

۴۳- ﴿الْكَفَّارُكُمْ خَيْرٌ﴾ (یعنی) اے اہل مکہ! کیا تمہارے کفار زیادہ بہتر ہیں ﴿مِنْ أَوْلِيَّكُمْ﴾ ان کفار سے جن کا اس سے پہلے گنتی کے ساتھ ذکر ہو چکا جیسے قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح، قوم لوط اور آل فرعون یعنی کیا وہ قوت و طاقت آلات اور دنیاوی مرتبہ کے لحاظ سے تم سے زیادہ بہتر ہیں یا وہ کفر و شرک اور عناد و بغض میں کم ہیں یعنی بے شک تمہارے کافر انہیں سابق کافروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بدترین ہیں ﴿أَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الدُّبُرِ﴾ یا تمہارے لیے کتابوں میں نجات لکھی ہوئی ہے (یعنی) اے اہل مکہ! کیا پہلی کتابوں میں لکھا ہوا نجات نامہ تم پر نازل کر دیا گیا ہے کہ تم میں سے جو کفر و شرک کرتا ہے اور رسولوں کو جھٹلاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ و مامون رہے گا اور کیا تم لوگ اس نجات نامے کی وجہ سے پرامن اور بے خوف ہو چکے ہو؟

۴۴- ﴿أَمْ يَقُولُونَ سُخَّرُونا مِنْ جَبِيَّةٍ مُنْتَهَرٍ﴾ یا وہ (اپنی جہالت کی وجہ سے یا پھر اپنی طاقت کے گھمنڈ میں) کہتے ہیں: ہم بہت بڑی جماعت ہیں ہمارا ہر کام مجتمع و متفق اور مضبوط ہوتا ہے، ہم سب پر غالب و منتقم ہیں اور ہمیں نہ مغلوب کیا جاسکتا ہے اور نہ ہمیں دبایا جاسکتا ہے۔

۴۵- ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ﴾ عنقریب اس جماعت کو شکست دی جائے گی (یعنی) اہل مکہ کی جماعت کفار عنقریب (بدر کی جنگ میں) شکست کھائے گی ﴿وَيُؤَلَّوْنَ الدُّبُرَ﴾ اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے یعنی ”الادبار“ ہے جیسا کہ شاعر نے کہا: ”كُلُّوْا فِي بَعْضِ بَطْنِكُمْ تَعَفُّوْا“ تم اپنے پیٹوں کے بعض حصے میں کھانا کھاؤ تم خیر و عافیت میں رہو گے (اصل میں ”فِي بَعْضِ بَطْنِكُمْ“ ہے) مطلب یہ ہے کہ کفار مکہ شکست کھا کر بھاگ جائیں گے یعنی غزوہ بدر کے دن اور یہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت کی علامات میں سے ایک عالی شان علامت و نشانی ہے (کہ آپ برحق اور سچے نبی ہیں)۔

۱ صحیح بخاری شریف میں ہے جسے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ اپنے خیمہ میں تشریف فرما تھے اور آپ یہ دعا کر رہے تھے کہ اے اللہ! میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کی قسم دیتا ہوں اگر تو یہی چاہتا ہے کہ روئے زمین پر آج کے بعد تیری عبادت کبھی نہ کی جائے، بس اتنا ہی فرمایا تھا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کا ہاتھ مبارک پکڑ لیا اور کہا: یا رسول اللہ! بس کیجئے! آپ کے لیے اتنی دعا کافی ہے، آپ نے اپنے رب تعالیٰ سے بہت زیادہ دعا کی ہے اور اس وقت آپ زرہ پہنے ہوئے تھے پھر آپ یہ دونوں آیتیں تلاوت کرتے ہوئے اپنے خیمہ سے باہر تشریف لائے: ”سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُؤَلَّوْنَ الدُّبُرَ“ بِلِ السَّاعَةِ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَذْهَى وَأَمْرٌ“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت مبارک نازل ہوئی تو میں نہیں جانتا تھا کہ کافروں کی کون سی جماعت شکست کھائے گی، لیکن جب بدر والے دن میں نے حضور کو دیکھا کہ آپ زرہ پہنے ہوئے اپنے خیمہ سے باہر تشریف لائے اور اس وقت آپ یہی آیت مبارک ”سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ الخ“ تلاوت کر رہے تھے تو اس دن اس کی تفسیر میری سمجھ میں آگئی۔ (تفسیر معالم التنزیل عرف تفسیر بغوی ج ۲ ص ۲۶۴، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت لبنان، تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۴۴، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۴۶- ﴿بَلِ السَّاعَةِ مَوْعِدُهُمْ﴾ بلکہ قیامت ان کی وعدہ گاہ ہے یعنی دنیا میں میدان بدر میں شکست کے عذاب کے بعد آخرت میں ان کے عذاب کی وعدہ گاہ قیامت ہے ﴿وَالسَّاعَةِ أَذًى﴾ اور قیامت بدر کی شکست سے زیادہ سخت ہولناک ہے ”الداهية“ کا معنی ہے: وہ ہولناک امر جس سے نجات پانے کی کوئی راہ دکھائی نہ دے ﴿وَأَمَّا﴾ اور قیامت کے عذاب کا مزہ عذاب دنیا کے مزہ سے زیادہ کڑوا ہے یا زیادہ سخت ہے اگر اسے ”مِرَّةٌ“ (میم مکسور) سے ماخوذ مانا جائے۔

۴۷- ﴿إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ﴾ بے شک مجرم لوگ دنیا میں حق کی راہ سے دور گمراہی میں مبتلا تھے ﴿وَسُعْرٍ﴾ اور آخرت میں دوزخ کی آگ میں ہوں گے یا وہ دوزخ کی آگ میں اور ہلاکت و تباہی میں ہوں گے۔

۴۸- ﴿يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ﴾ جس دن انہیں چہروں کے بل اوندھا کر کے دوزخ کی آگ میں کھیٹا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا: ﴿ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ﴾ تم دوزخ کی تکلیف کا مزہ چکھو جیسے یہ کہنا کہ ”وَجَدَ مَسَّ الْحُمَّى“ فلاں آدمی نے بخار کی حرارت و گرمی کی تکلیف کو محسوس کیا اور مار کا ذائقہ چکھا اس لیے کہ دوزخ کی آگ جب انہیں پہنچے گی تو گویا وہ آگ ان کو اپنی حرارت و گرمی اور درد و الم کے ساتھ چھوئے گی ﴿سَقَرَ﴾ اپنی تپش سے جھلسانے والی دوزخ [یہ غیر منصرف ہے اس میں دو سبب تانیث اور معرفہ ہونا پائے جاتے ہیں کیونکہ یہ جہنم کا علم ہے ”سَقَرَتُهُ النَّارُ“ اس کو آگ نے جھلسا دیا یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب آگ جلا کر آدمی کا رنگ و روپ تبدیل کر دے]۔

۴۹- ﴿إِنَّا كُنَّا شَيْءٌ مِّنْ عِلْمِنَا بِقَدْرِ﴾ بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک معین و مقرر اندازے کے ساتھ پیدا کیا۔ ”قَدْرُ“ (دال ساکن) اور ”قَدْرُ“ (دال مفتوح) دونوں کا معنی معروف تقدیر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کے مطابق ہر چیز نے دنیا میں آ کر جو کچھ کرنا تھا اس کو ہر چیز کی پیدائش سے پہلے لوح محفوظ میں لکھ لینا تقدیر ہے یا یہ معنی ہے کہ بے شک ہم نے ہر چیز کو ایسے طریقہ پر محکم و مرتب مقدر کر کے پیدا فرمایا جس کا حکمت تقاضا کرتی تھی یا یہ معنی ہے کہ بے شک ہم نے ہر چیز کو تقدیر کے مطابق لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے اس لیے وہ اپنے ہونے سے پہلے ہمیں معلوم ہے کیونکہ ہم اس کے ہر حال اور اس کے تمام زمانوں کو لوح محفوظ میں تحریر کرنے سے پہلے جان چکے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت علامہ اسماعیل حقی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی حضور سرور عالم ﷺ کے معجزات میں سے ہے ”لَآئِنَّهُ أَخْبَرَ عَنْ غَيْبٍ فَكَانَ كَمَا أَخْبَرَ“ اس لیے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے غیب کی خبر دی تو ویسے ہوا جیسے آپ نے خبر دی۔
فائدہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ کے نزول کے درمیان اور غزوہ بدر کے درمیان سات سال گزرے کیونکہ غزوہ بدر سات سال بعد واقع ہوا اس لیے یہ آیت بھی مکہ ہے۔ (تفسیر روح البیان اردو ج ۲ ص ۳۳۴)

۱- قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اس آیت مبارکہ کے تحت تقدیر کے بارے میں درج ذیل احادیث مبارکہ بیان کی ہیں ملاحظہ فرمائیں:
(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے تمام مخلوقات کی تقدیروں کو لکھ لیا تھا اور اس وقت اس کا عرش پانی کے اوپر تھا۔ (رواہ مسلم)

(۲) حضرت طاؤس بن مسلم یمانی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے میں نے بہت سے صحابہ کو پایا جو یہ کہتے تھے کہ ہر چیز تقدیر کے مطابق ہے یہاں تک کہ عجز اور عقل مندی۔ (رواہ البخاری بسندہ)

(۳) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بندہ مؤمن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ وہ چار چیزوں پر ایمان لے آئے: (۱) وہ گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی اکیلا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

شان نزول: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ مشرکین قریش حضور نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور تقدیر کے بارے میں آپ سے بحث کرنے اور جھگڑنے لگے تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھا کر فرمایا کرتے تھے کہ یہ آیت مبارکہ یقیناً قدریہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے [”کُلُّ“ اپنے سے پہلے فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے جس کی تفسیر اس کے بعد فعل ظاہر کر رہا ہے اور اس کو خلاف قانون مرفوع بھی پڑھا گیا ہے لیکن نصب ہی بہتر ہے کیونکہ اگر اسے مرفوع قرار دیا جائے تو اس میں دو احتمال پیدا ہو جاتے ہیں: (۱) ایک یہ کہ ممکن ہے کہ ”خَلَقْنَاهُ“ محلاً مجرور ہو اور ”شَيْءٍ“ کی صفت ہو اور ”بِقَدْرِ“ خبر ہو اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: ”إِنَّا كَلَّلُ شَيْءٍ مِّنْ خُلُوقٍ لَّنَا كَأَنَّ بِقَدْرِ“ بے شک ہماری ہر مخلوق ایک اندازے کے ساتھ ہوتی ہے (۲) اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ”خَلَقْنَاهُ“ خبر ہو اور اس کی تقدیر عبارت یہ ہوگی: ”إِنَّا كَلَّلُ شَيْءٍ مِّنْ خُلُوقٍ لَّنَا بِقَدْرِ“ بے شک ہر چیز ہماری مخلوق ہے جو ایک اندازے کے ساتھ ہے پھر جب ”کُلُّ“ کا معاملہ رفع کی صورت میں دو احتمالات میں متردد ہو گیا تو نصب کی طرف رجوع کیا گیا اور اب نصب کی صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی: [”إِنَّا خَلَقْنَا كُلَّ شَيْءٍ بِقَدْرِ“ بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے سے پیدا کیا ہے سوا تخلیق (پیدا کرنا) ہر چیز کو شامل ہو جائے گی اور یہی اس آیت مبارکہ سے مراد ہے] اور اب نصب کی صورت میں یہ جائز نہیں کہ ”خَلَقْنَاهُ“، ”شَيْءٍ“ کی صفت ہو کیونکہ ”خَلَقْنَاهُ“ فعل ناصب مقدر کی تفسیر ہے اور صفت اپنے موصوف میں عمل نہیں کرتی۔]

وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ۝۵۰ وَلَقَدْ أَهَلَكْنَا شَيْئًا عَمَّ فَهَلْ مِنْ مُّذَكِّرٍ ۝۵۱
وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ۝۵۲ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌّ ۝۵۳ إِنَّ السُّفَّيْنَ
فِي جَنَّتٍ وَنَهْرٍ ۝۵۴ فِي مَقْعَدِ صَدِيقٍ عِنْدَ مَلِكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝۵۵

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) معبود برحق ہے (۲) وہ گواہی دے کہ بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے (۳) اور وہ مرنے کے بعد جی اٹھنے پر ایمان لائے (۴) اور وہ تقدیر پر ایمان لائے۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)
(۴) حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرمانے لگے کہ میری امت میں بھی زمین میں دھنسا اور شکلوں کا بگڑنا پایا جائے گا اور یہ تقدیر کو جھٹلانے والوں کے لیے ہوگا۔ (رواہ ابوداؤد ورواہ الترمذی بخوف)
(۵) اور یہ روایت بھی انہیں سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قدریہ فرقہ اس امت کے مجوس ہیں اگر وہ پہلے ہو جائیں تو تم ان کی عیادت و پیمار پرسی نہ کرو اور اگر وہ مرجائیں تو تم ان کی نماز جنازہ پڑھنے نہ جاؤ۔ (رواہ ابوداؤد و احمد)
(۶) حضرت ابو خزیمہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ ہم جو تعویذ گنڈا اور دم وغیرہ کرتے ہیں اور ہم جو دعا اور علاج کرتے ہیں اور ہم پرہیز استعمال کرتے ہیں تو کیا یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو بدل دیتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ چیزیں خود اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہیں۔ (رواہ احمد و الترمذی و ابن ماجہ)
اور اس کے بارے میں بہت زیادہ احادیث مروی ہیں اور اسی پر تمام صحابہ اور ان کے بعد تمام اہل سنت و جماعت کا اجماع ہو چکا ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۹ ص ۱۳۳ مطبوعہ دہلی)

۱۔ مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۶، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۵۷-۳۲۹۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۳

اور ہمارا حکم نہیں ہوتا مگر ایک کلمہ کن آنکھ جھپکنے کی طرح O اور بے شک ہم نے تمہاری طرح کفر کرنے والی بہت سی جماعتوں کو ہلاک کر دیا تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے O اور ہر چیز جو انہوں نے کی ہے کتابوں میں درج ہے O اور ہر چھوٹا اور بڑا عمل لکھا ہوا ہے O بے شک پرہیزگار لوگ جنتوں اور نہروں میں ہوں گے O سچ کے مقام میں بڑی قدرت والے بادشاہ کے پاس O

۵۰۔ ﴿وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ﴾ اور ہمارا حکم نہیں ہوتا مگر ایک کلمہ یعنی جب ہم کسی چیز کی تکوین اور تخلیق کرنا چاہتے ہیں تو اس چیز کے لیے ہمارا حکم نہیں ہوتا مگر یہی کہ ہم اس سے کہہ دیتے ہیں: ”کن“ ہو جا ”فیکون“ تو وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے ﴿كَلِمَةٍ بِالْبَصْرِ﴾ آنکھ کے جھپکنے کی طرح (یعنی) جتنی دیر میں تم اپنی آنکھ جھپکاتے ہو اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ”اَمْرُنَا“ سے قیامت مراد ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلِمَةٍ بَالْبَصْرِ“ (نحل: ۷۷) اور قیامت کا معاملہ نہیں ہوگا مگر آنکھ جھپکنے کی مانند۔

۵۱۔ ﴿وَلَقَدْ أَهَلَكْنَا شَيْئًا عَظِيمًا﴾ اور بے شک پہلی امتوں میں سے تمہاری طرح کفر میں مبتلا بہت سے گروہوں کو ہم نے ہلاک کر دیا ﴿فَهَلْ مِنْ مُدَّاكِرٍ﴾ تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

۵۲۔ ﴿وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الذُّبُرِ﴾ اور ہر چیز جس کو انہوں نے کیا ہے کتابوں میں ہے یعنی ان کفار نے جو کچھ کیا ہے ان کا ہر عمل محافظ فرشتوں کے صحیفوں میں ثابت و موجود (لکھا ہوا) ہے [”كُلُّ شَيْءٍ“ مفعول ہے اور ”فَعَلُوهُ“ محلاً مجرور ”شَيْءٍ“ کی صفت ہے اور ”فِي الذُّبُرِ“ ”كل“ کی خبر ہے۔]

۵۳۔ ﴿وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ﴾ اور اعمال میں سے ہر چھوٹا اور بڑا عمل اور ہر وہ چیز جو قیوم پذیر ہونے والی ہے اس میں سے ہر چھوٹی اور بڑی چیز ﴿مُسْتَظَرٌّ﴾ لوح محفوظ میں تحریر ہو چکی ہے۔

۵۴۔ ﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ﴾ بے شک پرہیزگار حضرات بہشتوں میں اور نہروں میں ہوں گے۔ مراد انہار ہے لیکن اسم جنس پر اکتفاء کیا گیا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا: ”نہر“ سے وسعت و کشادگی اور روشنی مراد ہے اور اسی سے ”نہار“ (دن اجالا) ماخوذ ہے۔

۵۵۔ ﴿فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ﴾ سچ کے مقام میں (یعنی) اپنی پسند کے مکان میں ہوں گے ﴿عِنْدًا مَلِيكٍ﴾ بہت بڑے بادشاہ (اللہ تعالیٰ) کے قریب اور پاس ہوں گے۔ ”عِنْدًا“ (نزدیک و قریب) سے منزلت و مرتبت اور عزت و کرامت کا قرب مراد ہے لیکن مکان و مسافت اور چھونے اور ساتھ ملنے کا قرب مراد نہیں ہے ﴿مُقْتَدِرٍ﴾ زبردست قدرت رکھنے والے قادر مطلق کے پاس ہوں گے اور ان دونوں اسم صفات کو نکرہ لانے کا فائدہ یہ ہے کہ تمام لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت و اختیار میں اور اس کی ملکیت و سلطنت میں داخل ہے۔

۵۵
آیات تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۵۵
سورۃ الرحمن مدنی ہے

سورۃ الرحمن مدنی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے O اس کی اٹھتر آیات تین رکوع ہیں

الرَّحْمٰنُ ۱ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۲ خَلَقَ الْإِنْسَانَ ۳ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۴ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ
بِحُسْبَانٍ ۵ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۶ وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۷ أَلَّا

تَطْعَوَانِي الْمِيزَانَ ⑤ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ⑥ وَالْأَرْضَ

وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ⑦ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ⑧ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ ⑨

الرَّيْحَانُ ⑩ فَبِأَيِّ آيَاتِنَا تُكذِّبِينَ ⑪

رحمن نے (اپنے محبوب کو) قرآن سکھایا انسان (کامل) کو پیدا فرمایا اسے بیان سکھایا سورج اور چاند مقرر حساب سے (گردش کرتے) ہیں بلیں اور درخت سجدہ کرتے ہیں اور اس نے آسمان کو بلند کیا اور میزان (عدل) کو زمین پر رکھا تاکہ تم میزان کے بارے میں سرکشی نہ کرو اور تم وزن کو انصاف کے ساتھ قائم رکھو اور وزن کرنے میں کمی نہ کرو اور اس نے زمین کو لوگوں کے لیے نیچے رکھا اس میں پھل اور غلاف والی کھجوریں ہیں اور بھوسے والا اناج اور خوشبودار پھول ہیں سوائے جن وانس! تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے

”عَلَّمَ الْقُرْآنَ“ اور ”عَلَّمَهُ الْبَيَانَ“ کی تشریح

نوٹ: اس سورت کی اٹھتر آیات ہیں۔

۱ تا ۴۔ ﴿الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ﴾ الرحمن نے قرآن سکھایا اسی نے انسان کو پیدا کیا یعنی جنس مراد ہے (مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو پیدا کیا) یا حضرت آدم یا حضرت محمد مصطفیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں ﴿عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾ اللہ تعالیٰ نے اسے بیان کی تعلیم دی۔ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اپنی نعمتوں کو شمار کیا۔

۱۔ رحمن نے قرآن سکھایا، لیکن کس کو سکھایا اس کا ذکر آیت مبارکہ میں نہیں ہے اس لیے مفسرین نے کم و بیش تین اقوال بیان کیے ہیں: (۱) انسان مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو قرآن کی تعلیم دی (۲) جبریل علیہ السلام مراد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو قرآن کی تعلیم دی (۳) سید عالم فخر آدم و بنی آدم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مراد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن سکھایا اور اس کی تعلیم دی، لیکن ان میں صحیح ترین آخری قول ہے کیونکہ اگرچہ تمام کمالات انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کی عطاء سے ملتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ تمام کمالات رسول کے واسطے سے عطاء کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی تعلیم بھی رسول عربی کے واسطے سے انسانوں کو عطاء کی ہے پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ براہ راست رسول عربی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا معلم قرآن ہے اور رسول عربی تمام انسانوں کے لیے معلم قرآن ہیں اس لیے پہلا قول درست نہیں ہے کیونکہ خود قرآن مجید نے متعدد مقامات پر حضور کو معلم انسانیت قرار دیا ہے چنانچہ سورۃ البقرہ: ۱۲۹ میں حضرت ابراہیم کی دعا میں قرآن و سنت کی تعلیم کے لیے بنو اسماعیل کا معلم قرار دیا گیا اور اسی سورت کی آیت: ۱۵۱ میں تمام امت کا معلم قرار دیا گیا اور سورۃ آل عمران: ۱۶۴ میں حضور کو تمام مسلمانوں کا معلم قرار دیا گیا اور سورۃ الجمعہ: ۲ میں حضور کو تمام عرب کا معلم قرار دیا گیا بلکہ ”وَ الْاٰخِرِيْنَ مِنْهُمْ“ (الجمعہ: ۳) فرما کر قیامت تک آنے والے انسانوں کا معلم قرار دیا گیا اور حضور نے خود ارشاد فرمایا کہ ”اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا“ بے شک مجھے معلم و استاذ بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اور رہا دوسرا قول تو اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کو قرآن سکھایا حالانکہ حضرت جبریل کا کام صرف وحی کے ذریعے حضور تک قرآن پہنچانا تھا۔ قرآن کی تعلیم اور اس کے الفاظ معانی احکام و مسائل وغیرہ کا سیکھنا صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کام تھا جنہوں نے آگے اپنی امت کو تعلیم دینی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سینہ اقدس میں قرآن مجید کو محفوظ و جمع کرنا اور پڑھانا سکھانا نیز اس کے معانی احکام و مسائل اسرار و رموز کا بیان اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فرمایا سو اس نے چاہا کہ اپنے تمام انعامات و احسانات کی تمام اقسام میں سے سب سے پہلے اس انعام اور احسان کا ذکر کر کے جو سب سے مقدم ہو اور وہ دین کی نعمت ہے جو سب سے مقدم انعام ہے اور دین کی نعمت میں سے سب سے مقدم وہ انعام ہے جو تمام دینی نعمتوں میں سب سے بلند مرتبہ اور سب سے انتہائی اعلیٰ درجہ پر فائز ہے اور اللہ تعالیٰ کا وہ انعام قرآن مجید ہے اور اس کو نازل کرنا اور اس کی تعلیم دینا اس لیے کہ یہ قرآن مجید مرتبہ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی اور عظیم الشان وحی ہے اور منزلت کے اعتبار سے سب سے بلند وحی ہے اور یہ دین کے ابواب میں تاثیر کے اعتبار سے سب سے زیادہ عمدہ اور بہترین ہے اور یہ قرآن مجید تمام آسمانی کتب کی کوہان ہے اور ان کی سچائی کی گواہ ہے اور ان کی محافظ و نگران ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا ذکر قرآن مجید کے ذکر سے موخر کیا ہے پھر انسانی خلقت کا ذکر قرآن مجید کے ذکر کے بعد اس کے ساتھ کیا ہے تاکہ انسان یہ بات اچھی طرح جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دین کے لیے پیدا کیا ہے اور تاکہ وہ اپنے خداداد علم کی بدولت وحی الہی اور اس کی کتب میں مہارت حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ نے پہلے قرآن مجید کی تقدیم کا اور اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) لے لیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "لَا تُحَرِّكُ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۚ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۚ فَإِذَا قَرَأَهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۚ إِنَّهُ ۙ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيِّنَاتَهُ ۚ" (القیامۃ: ۱۶-۱۹) "آپ اس (قرآن کی تلاوت) کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں تاکہ آپ اس کو جلدی یاد کر لیں ۚ بے شک اس کو (آپ کے سینہ مبارک میں) جمع کرنا اور اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ کرم پر ہے ۚ سو جب ہم اسے پڑھادیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں ۚ پھر اس کو کھول کر بیان کرنا ہمارے ذمہ کرم پر ہے ۚ پس ان آیات مبارکہ سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معلم قرآن ہے نیز ارشاد ہے کہ "وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ۝" (النساء: ۱۱۳) "اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ سب کچھ سکھلادیا جو آپ (اس سے پہلے) نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے ۝" اس آیت مبارکہ سے بھی ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ خود حضور کا معلم قرآن ہے نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا معلم محمد مصطفیٰ ﷺ ہونا اور پہلے سے تمام نامعلوم علوم کی آپ کو تعلیم دینا آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل و کرم ہے۔ لہذا "الرَّحْمَنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۚ" کا معنی یہی بہتر و مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے محبوب کو قرآن سکھایا ہے۔ (۱) چنانچہ علامہ بغوی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ امام کلینی نے فرمایا: رحمٰن نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو قرآن سکھایا۔ (تفسیر معالم التنزیل عرف بغوی ج ۳ ص ۲۶۶، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت لبنان) (۲) علامہ خازن لکھتے ہیں کہ جب اہل مکہ نے اعتراض کیا اور کہا کہ "إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ" (النحل: ۱۰۳) "بے شک آپ کو کوئی آدمی سکھاتا ہے" تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ کو نازل فرما کر ان کو جواب دیا: "الرَّحْمَنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۚ" یعنی "عَلَّمَ مُحَمَّدًا الْقُرْآنَ" رحمٰن نے قرآن سکھایا یعنی رحمٰن نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو قرآن سکھایا ہے۔ (لباب التأویل عرف خازن ج ۳ ص ۲۲۳، مطبوعہ دارالکتب العربیۃ الکبریٰ، مصر، تفسیر مظہری میں بھی قاضی صاحب نے علامہ خازن والی روایت بیان کی ہے ملاحظہ فرمائیں: تفسیر مظہری ج ۹ ص ۱۳۵، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی)

(۱) علامہ بغوی "خَلَقَ الْإِنْسَانَ ۙ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۚ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ابن کیسان نے فرمایا: "خَلَقَ الْإِنْسَانَ يَعْنِي مُحَمَّدًا ﷺ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ يَعْنِي بَيَانَ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ لِأَنَّهُ كَانَ يَبِينُ عَنِ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ وَعَنْ يَوْمِ الدِّينِ" اللہ تعالیٰ نے انسان کا دل یعنی محمد عربی ﷺ کو پیدا فرمایا اور انہیں بیان سکھایا یعنی "مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ" (جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا) کا بیان سکھایا، کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پہلے لوگوں کے احوال اور بعد میں آنے والے لوگوں کے احوال اور قیامت کے دن کے احوال بیان کرتے تھے۔ (تفسیر معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۶۷، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت لبنان) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے بعد انسان کی تخلیق کا ذکر کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس بیان کا ذکر کیا جس کی بدولت انسان دیگر حیوانات سے ممتاز ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان نہایت فصیح و بلیغ اور عمدہ صاف الفاظ میں اپنی زبان سے اپنے دل کی بات کا اظہار کر لیتا ہے [اور ”الرحمن“ مبتدا ہے اور یہ افعال اپنی ضمیروں سمیت مترادف خبریں ہیں اور ان کو حروفِ عاطفہ سے اس لیے خالی رکھا گیا ہے کہ ان کو گنتی کرنے اور شمار کرنے کے طریقے پر لایا گیا ہے جیسے کہتے ہیں: زید نے غربت کے بعد تمہیں دولت مند بنا دیا، ذلت کے بعد تمہیں معزز بنا دیا، قلت کے بعد تمہیں بڑھا دیا، اس نے تمہارے ساتھ ایسی نیکی کی جو کسی نے کسی کے ساتھ نہیں کی، سو تم اس کے احسان پر ناشکری کر کے انکار نہ کرو]۔

چاند و سورج، نباتات، زمین و آسمان اور میزانِ عدل کے فوائد کا بیان

۵- ﴿الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ﴾ سورج اور چاند مقرر حساب کے مطابق (گردش کرتے) ہیں (یعنی) سورج اور چاند معلوم و مقرر حساب اور مقرر کردہ اندازہ کے ساتھ اپنے برجوں اور منزلوں میں رواں دواں چلتے رہتے ہیں اور ان کی گردش میں لوگوں کے لیے بہت سے منافع و فوائد وابستہ ہیں ان میں سے (دن رات ہفتوں، مہینوں اور) سالوں کا حساب اور علم حاصل ہو جاتا ہے۔

۶- ﴿وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ﴾ بلیں اور درخت سجدہ ریز رہتے ہیں۔ ”نجم“ سے وہ بلیں مراد ہیں جو زمین سے اُگتی ہیں اور نمودار ہو کر زمین پر پھیل جاتی ہیں ان کی پنڈلی یعنی تانہیں ہوتا جیسے سبزیاں اور ترکاریاں (مثلاً کدو، کربیلے، گھیا، توری، ٹنڈے، انگور، تربوز اور خر بوزے وغیرہ) اور ”شجر“ سے وہ پودے اور درخت مراد ہیں جن کے چھوٹے بڑے تنے اور پنڈلیاں ہوتی ہیں جن پر وہ قائم ہوتے ہیں اور بعض کا قول ہے کہ ”نجم“ سے آسمان کے ستارے مراد ہیں اور ”یسجدان“ سے اطاعت و فرماں برداری مراد ہے کہ تمام جمادات و نباتات اللہ تعالیٰ کے ان احکام کی تعمیل کر رہے ہیں جن کے لیے انہیں پیدا کیا گیا ہے، انہیں مکلفین میں سے سجدہ ریزیاں کرنے والوں کے ساتھ اطاعت و فرماں برداری میں تشبیہ دی گئی ہے اور یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۲) علامہ سید محمود آلوسی بغدادی لکھتے ہیں کہ ابن کسان نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کا ل حضرت محمد ﷺ

کو پیدا فرمایا اور ”بیان“ سے مراد یہ ہے کہ حضور قرآن کی وضاحت فرماتے ہیں، جیسا کہ ارشاد فرمایا: ”وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ“ (النحل: ۴۴) ”اور ہم نے آپ کی طرف یہ ذکر (یعنی قرآن مجید) نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں

کے لیے اسے واضح بیان کر دیں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔“ (تفسیر روح المعانی ج ۷ ص ۲ ص ۹۹، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

(۳) علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں: ”جَزَاءً أَنْ يُقَالَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ يَعْنِي مُحَمَّدًا ﷺ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ يَعْنِي الْقُرْآنَ فِيهِ بَيَانٌ

مَا كَانَ وَيَكُونُ مِنَ الْأَوَّلِ إِلَى الْأَبَدِ“ یعنی یہ کہنا بالکل جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کا ل یعنی محمد ﷺ کو پیدا فرمایا اور آپ

کو بیان سکھایا یعنی قرآن مجید سکھایا جس میں ازل سے ابد تک جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا سب کا بیان ہے۔

(تفسیر مظہری ج ۹ ص ۱۳۵، مطبوعہ مدوۃ المصنفین، دہلی)

(۴) علامہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی صوفی لکھتے ہیں کہ ”خلق الانسان“ میں انسان سے حضرت محمد ﷺ مراد ہیں اور

”عَلَّمَهُ الْبَيَانَ“ سے ”مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ“ کا بیان مراد ہے کیونکہ حضور ﷺ اولین و آخرین اور قیامت کے احوال بیان

فرماتے تھے۔ (تفسیر لباب التاویل المعروف خازن ج ۴ ص ۲۲۳، مطبوعہ دارالکتب العربیۃ الکبریٰ، مصر)

(۵) علامہ عارف باللہ صوفی احمد بن محمد صاوی مالکی نے مذکورہ بالا بیان کے مطابق لکھا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

(تفسیر صاوی حاشیہ بر تفسیر جلالین ج ۴ ص ۱۳۵، مطبوعہ شرکتہ مکتبہ و مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلی، مصر)

دونوں جملے معنوی اعتبار سے رحمن کے ساتھ متصل و متعلق ہیں کیونکہ یہ معلوم ہے کہ ”حسبان“ اور سجدہ اسی (اللہ تعالیٰ) کے لیے ہیں کسی غیر کے لیے نہیں گویا فرمایا گیا ہے کہ سورج اور چاند اسی کے حساب کے مطابق گردش کرتے ہیں اور آسمان کے ستارے نباتات و جمادات اور درخت اسی کے لیے سجدہ کرتے ہیں اور پہلے جملوں میں حرف عطف کا ذکر نہیں کیا گیا پھر بعد والے جملوں میں حرف عطف کو ذکر کیا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انعامات الہی کے منکرین کو جھڑکنے اور ڈانٹنے کے لیے پہلے جملوں کو گنتی اور شمار کے طور پر وارد کیا گیا ہے جیسا کہ لوگوں میں سے اپنے محسن و منعم کی نعمتوں کے منکر کو ان کی گنتی سے مذکور مثال میں ڈانٹا اور دھمکایا جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے جھڑکنے اور ڈانٹنے کے بعد کلام کو اس کے اصل طریقے کی طرف لوٹا دیا اور جن کو باہم ملانا واجب ہے ان کو حرف عطف کے ذریعے تناسب اور تقارب کے لیے ملا دیا اور تناسب کا بیان یہ ہے کہ سورج اور چاند دونوں آسمانی نعمتیں ہیں جب کہ نباتات اور درخت زمینی نعمتیں ہیں سو ان دونوں قبیلوں کے درمیان تقابلی مناسبت ہے اور آسمان اور زمین کا ہمیشہ اکٹھے ذکر کیا جاتا رہے گا اور سورج اور چاند کا ایک مقرر حساب کے مطابق گردش کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم اطاعت کی جنس سے ہے پس اس لیے وہ نباتات اور درختوں کے سجدہ ریز ہونے کے لیے مناسب ہے۔

۷- ﴿وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا﴾ اور آسمان کو بلند کیا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بلند و بالا چھت کی طرح پیدا فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے احکام اور اپنے فیصلوں کا مرکز و منبع بنایا اور اپنے ان فرشتوں کے لیے مسکن و آرام گاہ بنایا جو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر وحی لے کر اترتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے اپنی شان کی کبریائی اور اپنی بادشاہت اور اپنی سلطنت کی عظمت پر آگاہ فرمایا ﴿وَوَضَعَ الْمِيزَانَ﴾ اور اس نے میزان عدل رکھا یعنی ہر وہ چیز جس سے اشیاء کا وزن کیا جائے اور ان کی مقدار کو پہچانا جائے جیسے وزن کے لیے میزان اور ترازو اور ناپ کر دینے کے آلات وغیرہ یعنی اللہ تعالیٰ نے میزان عدل کو پیدا کر کے زمین پر رکھ دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ اپنے بندوں کے بہت سے احکام کو وابستہ کر دیا جیسے باہمی لین دین میں عدل و انصاف اور برابری کو قائم رکھنا اور ناپ تول میں کمی بیشی نہ کرنا بلکہ دیتے وقت بھی اور لیتے وقت بھی برابری اور انصاف قائم رکھنا۔

۸- ﴿الَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ﴾ وزن کرنے میں سرکشی نہ کرو [اصل میں ”لِعَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ“ ہے یعنی تاکہ تم تولنے میں حد سے نہ بڑھو یا پھر اصل میں ہے: ”اِنَّ لَا تَطْغَوْا“ ہے اور اس میں ”اِنَّ“ مفسرہ ہے۔]

۹- ﴿وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ﴾ اور تم انصاف کے ساتھ وزن کو قائم رکھو (یعنی) تم صحیح تول کرو اور انصاف کے ساتھ وزن پوری طرح قائم رکھا کرو ﴿وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ﴾ اور تم تولنے اور وزن کرنے میں کمی نہ کرو اور تم کم تول کر نہ دو۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ناپ تول میں برابر سے لینے دینے کا اور انصاف کرنے کا حکم دیا اور ناپ تول میں سرکشی اختیار کرنے اور حد سے بڑھنے سے منع کیا کیونکہ یہ حق سے تجاوز و زیادتی اور ظلم ہے اور اس آیت میں ”خسران“ یعنی کمی کرنے اور نقصان کرنے سے منع کیا اور لفظ ”میزان“ کو مکرر ذکر کیا گیا ہے ایک تو ناپ تول کی وصیت کی تاکید و تشدید کے لیے اور دوسرا وزن میں عدل و انصاف کے حکم کی تقویت کے لیے اور تیسرا ناپ تول میں انصاف کرنے پر ابھارنے اور رغبت دینے کے لیے۔

۱۰- ﴿وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو نیچے رکھا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے زمین کو پانی کے اوپر (آسمان سے) نیچے بچھایا ﴿لِلْأَنْعَامِ﴾ لوگوں کے لیے یعنی مخلوقات کے لیے اور اس سے وہ تمام جاندار مراد ہیں جو زمین کی سطح پر رہتے ہیں

اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس سے جن اور انسان مراد ہیں پس زمین ان کے لیے فرش اور پھونے کی طرح ہے جس کے اوپر جن اور انسان اپنا تصرف و اختیار استعمال کرتے ہیں۔

۱۱- ﴿فِيهَا قَاكِهَةٌ﴾ اس میں مختلف اقسام کے بے شمار میوہ جات اور پھل پائے جاتے ہیں جن سے لذت حاصل کی جاتی ہے ﴿وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ﴾ اور اس (زمین) میں غلاف والی کھجوریں ہیں اور یہ غلاف پھل اور میوے کے ظرف اور برتن ہوتے ہیں جن کے اندر کھجور کے پھل یعنی کھانے والی کھجوریں ہوتی ہیں اور ”اکمام“ کا واحد ”کَم“ کاف کے نیچے کسرہ ہے یا ہر وہ چیز مراد ہے جو نظروں سے چھپی ہوتی ہے جیسے چھال شاخیں اور شگوفے کے غلاف وغیرہ اور ان سب سے فائدہ اور نفع حاصل کیا جاتا ہے جیسا کہ کھجور کے مخفی اور پوشیدہ پھل اور اس کی گرمی اور اس کے تنے سے فائدہ اور نفع حاصل کیا جاتا ہے۔

۱۲- ﴿وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ﴾ اور بھوسے والا اناج ہے۔ ”عصف“ سے زراعت کے پتے یا بھوسہ مراد ہے ﴿وَالرَّيْحَانُ﴾ اور رزق اور وہ خالص غذا ہے مطلب یہ ہے کہ زمین کی پیداوار میں بعض وہ چیزیں ہیں جن کو غذا کے لیے نہیں بلکہ صرف لذت حاصل کرنے کے لیے کھایا جاتا ہے جیسے پھل وغیرہ اور بعض چیزیں غذا اور لذت دونوں کی جامع ہوتی ہیں جیسے کھجوروں کا پھل یہ بھوک مٹانے کے لیے بطور غذا بھی کھایا جاتا ہے اور بطور لذت بھی کھایا جاتا ہے اور بعض چیزیں صرف غذا کے لیے کھائی جاتی ہیں جیسے اناج خواہ وہ ”حب“ دانے ہوں یا ”ریحان“ (خالص غذا) اور بعض حضرات نے کہا کہ ”الریحان“ کا معنی ہے: خوشبودار پھول جسے سونگھا جاتا ہے [قاری حمزہ کوئی اور علی کسائی کی قراءت میں ”الرَّيْحَانُ“ مجرور پڑھا جاتا ہے یعنی بھوسہ مویشیوں کا چارہ ہے اور ”ریحان“ انسانوں کی خوراک ہے اور مرفوع ہونے کی صورت میں ”وَذُو الرَّيْحَانِ“ ہے پھر مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا ہے اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ”وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ“ منصوب پڑھا جاتا ہے اور ان کا عامل ”خَلَقَ“ یا ”أَخَصَّ“ فعل ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے بھوسے والے دانے اور ”ریحان“ کو پیدا فرمایا یا انہیں مخصوص فرمایا۔

۱۳- ﴿فِي آيَاتِنَا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ سوئم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے یعنی ان نعمتوں کو جن کو اس سورت کے آغاز سے اب تک شمار کیا گیا ہے [اور ”الاء“ جمع ہے اس کا واحد ”السى“ (ہمزہ مفتوح) اور ”السى“ (ہمزہ مکسور) ہے] یہ خطاب جنوں اور انسانوں دونوں کو ہے کیونکہ ان دونوں پر لفظ ”انام“ دلالت و رہنمائی کر رہا ہے۔

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝۱۳ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِنْ تَارٍ ۝۱۴
فِي آيَاتِنَا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝۱۵ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝۱۶ فِي آيَاتِنَا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ
تَتَّقُونَ ۝۱۷ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيانِ ۝۱۸ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيانِ ۝۱۹ فِي آيَاتِنَا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ
رَبِّكُمْ تَتَّقُونَ ۝۲۰ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝۲۱ فِي آيَاتِنَا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝۲۲
وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۝۲۳ فِي آيَاتِنَا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝۲۴

اس نے انسان کو ٹھیکری کی طرح بجنے والی مٹی سے پیدا کیا اور جن کو خالص آگ کے شعلے سے پیدا کیا سوئے

جن وانس! تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O وہی دونوں مشرقوں کا پروردگار ہے اور دونوں مغربوں کا پروردگار ہے O سوائے جن وانس! تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O اس نے دودریا جاری کر دیے جو دیکھنے میں آپس میں ملے ہوئے ہیں O جب کہ دونوں کے درمیان آڑ ہے جس سے وہ دونوں تجاوز نہیں کرتے O اور اے جن وانس! تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O ان دونوں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں O سوائے جن وانس! تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O اور دریاؤں میں پہاڑوں کی طرح بلند و بالا کشتیاں اسی کی ملکیت ہیں O سوائے جن وانس! تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

جن وانس کی تخلیق اور سمندروں اور دریاؤں کے فوائد کا بیان

۱۴- ﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ﴾ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو خشک بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔ ”صلصال“ ایسی خشک مٹی جس کو ہاتھ لگانے سے آواز نکلے ﴿كَالْفَخَّارِ﴾ ٹھیکرے کی طرح یعنی ایسی مٹی جسے آگ میں پکایا گیا ہو اور اسے ٹھیکرا کہتے ہیں اور یاد رکھو کہ اس میں اور ارشاد ”مِنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ O“ (الحجر: ۲۶) اور ”مِنْ طِينٍ لَّازِبٍ O“ (الصافات: ۱۱) اور ”مِنْ تُرَابٍ“ (آل عمران: ۵۹) میں کوئی اختلاف نہیں اس لیے کہ ان سب کا معنی متفق ہے کیونکہ یہ افادہ کرتا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے انسان (کے باپ) کو مٹی سے پیدا کیا اس کا گارا بنایا پھر اسے سڑی ہوئی سیاہ مٹی بنایا پھر اسے بچنے والی مٹی بنایا۔

۱۵- ﴿وَخَلَقَ الْجَانَّ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے جنوں کو پیدا کیا (یعنی) جنوں کے باپ کو پیدا کیا۔ بعض حضرات نے کہا کہ ابلیس کو پیدا کیا ﴿مِنْ مَّارِجٍ﴾ آگ کے شعلے سے یہ وہ شعلہ مراد ہے جو دھوئیں کی آمیزش سے صاف ستھرا ہو جس میں دھواں بالکل نہ ہو اور بعض کا قول ہے کہ ایسا شعلہ جو آگ کی سیاہی سے مخلوط ہو۔ یہ ”مَرْجِ الشَّيْءِ“ جب کوئی چیز متحرک اور مخلوط ہو جائے ﴿مِنْ تَابِهَا﴾ آگ سے۔ یہ ”مارج“ کا بیان ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ جنوں کو آگ کے صاف شفاف شعلے سے یا آگ سے مخلوط شعلے سے پیدا کیا اور ”مِنْ نَّارٍ“ سے مخصوص آگ مراد ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”فَأَنْزَلْنَاهُ نَارًا تَلْقَى O“ (اللیل: ۱۳) ”سو میں نے تمہیں ایسی آگ سے ڈرایا ہے جو بھڑکتی رہتی ہے O“۔

۱۶- ﴿فِي آيَاتِنَا لَعْنَةُ الْآلِ مَا تَكْفُرُونَ﴾ سوئم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۱۷، ۱۸- ﴿رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ﴾ اللہ تعالیٰ دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا مالک ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ گرمی کے مشرق اور سردی کے مشرق دونوں کا رب تعالیٰ ہے اور اسی طرح گرمی کے مغرب اور سردی کے مغرب دونوں کا رب تعالیٰ اور مالک ہے ﴿فِي آيَاتِنَا لَعْنَةُ الْآلِ مَا تَكْفُرُونَ﴾ سوئم (اے جن وانس!) اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۱۹- ﴿مَدْرَجَاتُ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ﴾ اللہ تعالیٰ نے دودریا جاری کر دیے جو باہم ملے ہوئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے ایک نمکین پانی کا دریا بہایا اور ایک میٹھے پانی کا دریا بہایا دونوں باہم متصل مل کر چلتے ہیں دیکھنے میں دونوں پانیوں کے درمیان کوئی فاصلہ نظر نہیں آتا بلکہ یوں نظر آتا ہے کہ نمکین اور میٹھا دونوں پانی باہم متصل اور ملے ہوئے ہیں۔

۲۰، ۲۱- ﴿بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ﴾ ان دونوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ایک آڑ اور ایک پردہ حائل ہے۔

۱۔ قدرت خداوندی کے ایک اور حیران کن کرشمے کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے کہ پانی دو قسم کے ہیں: میٹھا، خوش ذائقہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

﴿لَا يَبْغِينَ﴾ وہ دونوں پانی اپنی اپنی حدوں سے آگے نہیں بڑھتے اور ان دونوں میں سے کوئی ایک مخلوط ہونے اور مل جانے کے لیے دوسرے پر نہیں چڑھتا ﴿فِي آيَةِ الْآلَاءِ مَا تَكْتُمُونَ﴾ سو تم (اے جن وانس!) اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۲۲، ۲۳- ﴿يَخْرُجُ مِنْهُمَا الدُّوَانُ﴾ ان دونوں میں سے موتی نکلتے ہیں اور یہ بڑے بڑے موتی ہوتے ہیں ﴿وَالْمَرْجَانُ﴾ اور مرجان نکلتے ہیں یہ ان سے چھوٹے موتی ہوتے ہیں اور ”مِنْ هُمَا“ فرمایا حالانکہ وہ دونوں نمکین پانی سے نکلتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کھارا اور بیٹھا دونوں پانی باہم آپس میں ملتے ہیں تو ایک چیز کی طرح ہو جاتے ہیں اس لیے جائز ہے کہ کہا جائے کہ چھوٹے بڑے موتی ان دونوں میں سے نکلتے ہیں جیسے یہ کہا جاتا ہے کہ وہ موتی اور مونگے سمندر سے نکلتے ہیں لیکن تمام سمندر سے نہیں نکلتے بلکہ اس کے بعض میں سے نکلتے ہیں جیسے تم کہتے ہو: میں شہر میں سے نکلا ہوں حالانکہ تم تو اس کے محلوں میں سے کسی ایک محلہ سے نکلے ہو اور بعض حضرات نے کہا کہ موتی وغیرہ صرف نمکین اور بیٹھے پانی کے آپس میں ملنے کے وقت نکلتے ہیں ﴿فِي آيَةِ الْآلَاءِ مَا تَكْتُمُونَ﴾ سو (اے جن وانس!) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۲۴، ۲۵- ﴿وَالْجَوَارِ﴾ اور اس کے لیے (یعنی) اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں ﴿الْجَوَارِ﴾ رواں دواں کشتیاں (اور بحری جہاز) [”الجواری“، ”جاریہ“ کی جمع ہے علامہ زجاج نے کہا: اس پر ”یا“ کے ساتھ وقف ہوگا اور وقف کی بجائے وصل کے ساتھ پڑھنا بہتر ہے اور اگر کوئی وقف کرنے والا اس پر بغیر ”یا“ کے وقف کر دے تو بعید از قیاس ہونے کے باوجود جائز ہے لیکن ”رَا“ کے کسرہ پر وقف بالروم (موقوف علیہ کی حرکت کا ایک تہائی حصہ پڑھنا جس کو قریب والا سن سکے) کیا جائے گا] ﴿الْمُنْشِئَاتِ﴾ بلند و بالا کشتیاں [قاری حمزہ کوئی اور یحییٰ کی قراءت میں شین مکسور کے ساتھ ”الْمُنْشِئَاتِ“

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور تخ و نمکین، لیکن ہر پانی اپنی اپنی جگہ پر قائم ہے۔ ان کو الگ الگ رکھنے کے لیے قدرت نے رکاوٹیں قائم کر دی ہیں تاکہ یہ باہم مل نہ سکیں۔ بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ ایک جگہ نکلا گیا تو پانی بیٹھا نکلا پھر چند فٹ کے فاصلہ پر دوسرا نکلا لگایا گیا تو پانی کھارا نکلا بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دیوار کے اندر والا پانی بیٹھا اور باہر والا کھاری۔ اس سے بھی زیادہ حیران کن یہ بات ہے کہ سمندر میں جب مد ہوتا ہے تو سمندر کا آب شور دور تک خشکی کے دریاؤں، ندی نالوں میں داخل ہو جاتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ ان کے بیٹھے پانی کے ساتھ مخلوط نہیں ہوتا اور جذر کے وقت وہی آب شور واپس ہو جاتا ہے اور ان دریاؤں کا بیٹھا پانی حسب سابق رواں رہتا ہے اور اس کے ذائقہ میں بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دریا ئے نیل جب بحر روم میں جا گرتا ہے تو کئی میلوں تک اس کا پانی جوں کا توں چلا جاتا ہے نہ اس کی رنگت بدلتی ہے اور نہ اس کا ذائقہ تبدیل ہوتا ہے اور اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز یہ امر ہے کہ کھارے کڑوے سمندر کے وسط میں پانی کے ایسے ذخیرے دریافت ہوئے ہیں جن کا پانی بالکل بیٹھا ہوتا ہے۔ حضرت قبلہ پیر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے آخر میں لکھتے ہیں: اس آیت کا یہ مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ بیٹھے پانی سے مراد حق ہے اور کڑوے کھاری پانی سے مراد باطل ہے۔ باطل اپنی ساری کثرت اور شوکت کے باوجود حق کو مٹا نہیں سکتا۔ گمراہی کے گھپ اندھیروں میں بھی ہدایت کے چراغ ضرور فروزاں رہیں گے۔ ان طوفانوں اور اندھیروں کے باوجود حق کا علم لہر اتار رہے گا۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۳۶۹-۳۷۰)

یہ دو سمندر ایک بحر روم ہے اور دوسرا بحر فارس ہے اور ایک قول یہ ہے کہ دوسرا بحر ہند ہے اور ان کے درمیان جو آڑ ہے وہ جزیرہ عرب ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان دو سمندروں کو مخلوق کی منفعت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔

(تفسیر تبيان القرآن ج ۱۱ ص ۶۱۵، فرید بک مثال، اردو بازار لاہور)

پڑھا جاتا ہے جس کا معنی اونچی اور اٹھی ہوئی کشتیاں یا وہ کشتیاں جو سمندر میں چلتے ہوئے موجوں کو اوپر اٹھاتی ہیں ﴿فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ﴾ سمندر میں پہاڑوں کی طرح۔ ”اعلام“ ”علم“ کی جمع ہے جس کا معنی ہے: بڑے اونچے لمبے پہاڑ ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ﴾ سو (اے جن وانس!) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهِ يَأْتِي ۚ وَيَبْقَىٰ وَجْهٌ مَّا بَكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۚ فَبِأَيِّ

الْآءِ مَّا بَكَ تَكْذِبِينَ ۚ يَسْأَلُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي

شَأْنٍ ۚ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۚ سَنَفْرُغُ لَكُمْ أَيُّهَ الثَّقَلَيْنِ ۚ فَبِأَيِّ

الْآءِ مَّا بَكَ تَكْذِبِينَ ۚ

زمین پر رہنے والا ہر کوئی فنا ہونے والا ہے اور آپ کے پروردگار کی ذات باقی رہے گی جو عظمت و بزرگی والی ہے سو تم دونوں (جن وانس!) اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ اسی سے مانگتے ہیں وہ ہر لمحہ نئی شان میں ہوتا ہے سو تم دونوں (اے جن وانس!) اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے اے جن وانس کے دو گروہو! ہم عنقریب تمہارے (حساب کے) لیے قصد فرمائیں گے سو تم دونوں (اے جن وانس!) اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے

تمام مخلوق کے فنا اور محتاج ہونے کا بیان

۲۶، ۲۷۔ ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهِ يَأْتِي ۚ وَيَبْقَىٰ وَجْهٌ مَّا بَكَ﴾ جو بھی اس پر (یعنی) زمین پر ہے وہ ہر کوئی فنا ہونے والا ہے ﴿وَيَبْقَىٰ وَجْهٌ مَّا بَكَ﴾ اور آپ کے پروردگار کی ذات باقی رہے گی۔ یہاں ”وَجْهٌ“ کا معنی ذات مراد ہے ﴿ذُو الْجَلَالِ﴾ عظمت و بڑائی اور سلطنت و بادشاہت والا ہے اور یہ ”وَجْهٌ“ کی صفت ہے ﴿وَالْإِكْرَامِ﴾ حسن سلوک اور عفو و درگزر کر کے فضل و کرم فرمانے والا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین صفات میں سے ایک عظیم الشان صفت ہے اور حدیث شریف میں ہے: تم (اپنی دعاؤں میں) ہمیشہ ”يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ“ پکارا کرو۔

ایک اور روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ ایک شخص کے پاس سے گزرے اور وہ اس وقت نماز ادا کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا: ”يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ“ تو آپ نے فرمایا: بے شک تیری دعا قبول ہو گئی۔

۲۸۔ ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے اور فنا اس اعتبار سے نعمت ہے کہ بے شک مومنین اس کے ذریعے دائمی نعمت اور آرام میں پہنچیں گے اور حضرت یحییٰ بن معاذ نے فرمایا: موت بہت اچھی ہے کیونکہ یہی تو دوست کو دوست کے قریب لے جاتی ہے۔

۲۹، ۳۰۔ ﴿يَسْأَلُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾ جو بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہیں وہ سب اسی (اللہ تعالیٰ) سے سوال کرتے ہیں اور اسی سے مانگتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تمام آسمانوں والے اور تمام زمین والے اللہ تعالیٰ کے محتاج

۱۔ رواہ الترمذی فی کتاب الدعوات باب: ۹۱، رقم الحدیث: ۳۵۲۵

۲۔ رواہ احمد ج ۵ ص ۲۳۶، الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۲

اور اس کے منگتے ہیں چنانچہ تمام آسمانوں میں رہنے والے اپنے دین سے متعلق مسائل کے بارے میں اسی سے سوال کرتے ہیں اور تمام زمین میں رہنے والے اپنے دین اور دنیا سے متعلق مسائل کے بارے میں اسی سے سوال کرتے ہیں [قاری نافع مدنی کی قراءت میں اس جگہ پر وقف کیا جاتا ہے] ﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾ وہ ہر لمحہ نئی شان میں ہوتا ہے یعنی وہ ہر وقت اور ہر آن مختلف اور بہت سی چیزیں پیدا کرتا ہے اور نئے حالات پیدا کرتا ہے جیسا کہ مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے جب اس آیت کو تلاوت کیا تو آپ سے عرض کی گئی کہ وہ شان کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ گناہوں کو بخش دیتا ہے اور مصیبتوں اور تکلیفوں کو کھولتا اور دُور کرتا ہے اور وہ کسی قوم کو سر بلند کر دیتا ہے اور عزت و غلبہ عطا کرتا ہے اور کسی قوم کو پست اور ذلیل و خوار کر دیتا ہے اور امام ابن عیینہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دھر (زمانہ) صرف دو دن ہے ان دونوں میں سے ایک آج کا دن جو دنیا کی پوری مدت ہے (یعنی دنیا کی ابتداء سے لے کر اس کے آخر تک ایک دن ہے) اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ اس میں امر و نہی بھیجتا ہے اور زندگی اور موت دیتا ہے اور کسی کو عطا کرتا اور کسی سے روکتا ہے اور دوسرا دن آخرت کا دن ہے سو اس میں اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ اس دن جزاء و سزا، ثواب و عقاب اور حساب و کتاب ہوگا۔

شان نزول: بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب یہود نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ ہفتے کے روز کسی کا کوئی فیصلہ نہیں کرتا تو ان کی تردید میں یہ آیت مبارکہ نازل کی گئی اور کسی بادشاہ نے اپنے ایک وزیر سے اس آیت مبارکہ کے بارے میں سوال کیا تو اس وزیر نے بادشاہ سے ایک دن کی مہلت طلب کی اور پریشان و غمگین ہو کر اپنے گھر چلا گیا اور گھر میں جا کر اس آیت کریمہ کے بارے میں غور و فکر کرنے لگا اس کے ایک حبشی غلام نے اسے غمگین و فکر مند دیکھ کر کہا: اے میرے مالک! آپ اپنی مشکل مجھے بتائیے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ہاتھوں آپ کی مشکل کو آسان کر دے وزیر نے اسے ساری بات بتائی تو غلام نے کہا: اس آیت مبارکہ کی تفسیر بادشاہ کے سامنے میں خود بیان کروں گا چنانچہ وزیر اپنے غلام کو لے کر بادشاہ کی خدمت میں پہنچا اور ساری صورت حال بیان کی اور غلام کو پیش کیا تو غلام نے کہا: اے بادشاہ! اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ جاندار کو مردہ سے پیدا کرتا ہے اور مردہ کو جاندار سے پیدا کرتا ہے اور وہ بیمار کو شفاء دیتا ہے اور صحیح سلامت کو بیمار کر دیتا ہے اور وہ خیر و عافیت والے کو مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے اور مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے اور وہ فقیر کو غنی کر دیتا ہے اور غنی کو فقیر بنا دیتا ہے چنانچہ بادشاہ نے یہ سب تفسیر سن کر کہا کہ تم نے بہت اچھی تشریح کی ہے اور اس کو وزیر بنا دیا اور اپنے وزیر سے کہا کہ فوراً اسے وزارت کا لباس پہنا دو۔ اس پر حبشی غلام نے کہا: اے میرے آقا! یہ بھی اللہ تعالیٰ کی شان ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ تقادیر کو مقررہ اوقات تک لے جانا مراد ہے اور بعض حضرات کا بیان ہے کہ خراسان کے بادشاہ عبداللہ بن طاہر نے اپنے وقت کے ایک عالم دین حضرت حسین بن مفضل کو اپنے پاس بلایا اور اس سے کہا کہ تین آیات کے سبب مجھ پر تین اشکال وارد ہوئے ہیں جن کی وجہ سے میں نے آپ کو بلایا ہے تاکہ آپ ان کی وضاحت کر دیں: (۱) ارشاد باری تعالیٰ ہے: "فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ" (المائدہ: ۳۱) "پس قابیل ہابیل کو قتل کر کے نادم ہو گیا" اور یہ بات یقیناً صحیح اور ثابت ہے کہ گناہ پر نادم و پشیمان ہونا توبہ ہے (تو پھر قابیل کو عذاب کیوں ہوگا؟) (۲) اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: "كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ" (الرحمن: ۲۹) "وہ ہر آن نئی شان میں ہوتا ہے" اور بے شک یہ بات صحیح ہے کہ قیامت تک جو کچھ ہونے والا

ہے اسے قلم تقدیر لکھ کر خشک ہو چکا ہے (۳) اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَإِنَّ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ" (النجم: ۳۹) "اور انسان کو صرف اسی عمل پر اجر ملے گا جو اس نے خود کیا" تو ہر نیک عمل پر دس گنا سے سات سو گنا تک اجر و ثواب کا وعدہ کیوں؟ چنانچہ حضرت حسین بن مفضل نے فرمایا: ممکن ہے کہ اس امت میں ندامت و شرمندگی تو بہ نہ ہوتی ہو اور اس امت میں ندامت و شرمندگی تو بہ ہوتی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ قاتیل جناب ہانبل کے قتل پر نادم و شرمندہ نہیں ہوا تھا بلکہ وہ تو جناب ہانبل کو دفن کرنے کے لیے اپنے کندھے پر اٹھا کر پھرتے رہنے پر نادم و شرمندہ ہوا تھا اور "وَإِنَّ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ" کے بارے میں بھی یہی بات ہے کہ یہ قانون حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی قوموں کے ساتھ مخصوص تھا (اور اس امت کے لیے نہیں) اور لیکن باقی رہا "كُلُّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ" تو یہ وہ شائیں ہیں (جو ازل میں طے شدہ ہیں اور) اللہ تعالیٰ ان کے طے شدہ فیصلوں کا اظہار کرتا ہے اور ان کو نافذ کرتا ہے یہ وہ شائیں نہیں ہیں جن کو از سر نو پیدا کرتا ہے چنانچہ عبد اللہ بن طاہر یہ جوابات سن کر کھڑا ہو گیا اور اس نے اس عالم دین کا سرچوم لیا اور اس کو بڑے انعام و اکرام سے نوازا ["کل یوم" ظرف کی بناء پر منصوب ہے] ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ﴾ (سو اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

عبرت آموز خطاب الہی اور جن وانس کی بے بسی کا بیان

۳۱، ۳۲- ﴿سَنَفْرُغُ لَكُمْ﴾ ہم عنقریب تمہارے حساب و کتاب کے لیے متوجہ ہوں گے۔ دراصل جب عرب کا کوئی آدمی کسی شخص کو ڈراتا دھمکاتا ہے تو وہ اس سے کہتا ہے: "سَأَفْرُغُ لَكَ" میں عنقریب تیرے لیے فارغ ہو جاؤں گا۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں تجھے کسی ایسی مصیبت اور سزا میں مبتلا کر دوں گا کہ تو ہر شغل کو بھول جائے گا اور اس سے دشمن کو مغلوب کر کے اس پر غلبہ حاصل کرنا اور اس سے انتقام لینا مراد ہوتا ہے اور یہ کلام مبارک بھی اسی مقولہ سے مستعار ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ عنقریب یہ دنیا اپنی انتہاء اور اپنے آخری انجام کو پہنچ جائے گی اور اس وقت مخلوق کے وہ تمام امور اپنی انتہاء کو پہنچ کر اختتام پذیر ہو جائیں گے جن امور کا اللہ تعالیٰ اپنے ارشاد "كُلُّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ" سے ارادہ فرما چکا ہے پس اس وقت ایک شان کے علاوہ اور کوئی شان باقی نہیں رہے گی اور وہ ایک شان تمہارے اعمال پر تمہیں بدلہ دینا ہے اور اسی کو بطور تمثیل ان کے لیے فراغت قرار دیا گیا ہے [قاری حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں نون کی بجائے "یا" کے ساتھ "سَيَفْرُغُ" پڑھا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے لیے متوجہ ہوگا] ﴿آيَةُ الثَّقَلَيْنِ﴾ اے جن وانس کی دو بھاری جماعتو! یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ ان دونوں نے زمین کو (اپنی نافرمانیوں کی وجہ سے) بوجھل اور بھاری کر دیا ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ﴾ (سو اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

يَعْتَصِرَ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَن تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَاوَاتِ

وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿٣٣﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٣٤﴾

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّن نَّارٍ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ ﴿٣٥﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا

تُكَذِّبِينَ ﴿٣٦﴾

اے جن وانس کے گروہو! اگر تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ تم (اس کی سلطنت سے) نہیں نکل سکتے مگر قوت و غلبہ کے ساتھ O سو تم دونوں (اے جن وانس!) اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O (اے جن وانس!) تم دونوں پر آگ کا خالص شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا پس تم روک نہیں سکو گے O سو تم دونوں (اے جن وانس!) اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

۳۳، ۳۴- ﴿يَمَعَشَرِ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ﴾ اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! یہ ارشاد باری تعالیٰ "آيَةُ الثَّقَلَانِ" کے ترجمہ کی مانند ہے ﴿إِنْ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا﴾ اگر تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ یعنی اگر تم یہ قدرت و طاقت رکھتے ہو کہ تم میرے فیصلے سے بھاگ کر آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ گے تو نکل جاؤ پھر اللہ تعالیٰ نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ ﴿لَا تَنْفُذُونَ﴾ تم نہیں نکل سکو گے یعنی تم بھاگ کر نکل جانے کی قدرت و طاقت نہیں رکھتے ﴿إِلَّا بِسُلْطَانٍ﴾ مگر قوت و طاقت اور زبردست غلبہ کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں یہ چیزیں تمہیں کہاں حاصل ہو سکتی ہیں اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آج اس دنیا میں اس کے اطراف سے جن وانس کے نکل جانے کی عاجزی و بے بسی پر اور کل قیامت کے دن حساب کے لیے ان کے عجز پر دلالت و رہنمائی بیان فرمائی اور بعض دیگر حضرات نے فرمایا کہ یہ انہیں قیامت کے دن کہا جائے گا جب فرشتے انہیں گھیر لیں گے چنانچہ جب جنات اور انسان فرشتوں کو دیکھیں گے تو بھاگیں گے مگر وہ جس طرف بھی جائیں گے وہاں فرشتوں کو ہر طرف سے گھیرا ڈالے ہوئے پائیں گے ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۳۵، ۳۶- ﴿يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شَوْاظٌ مِّنْ نَّارٍ﴾ تم پر آگ کا شعلہ چھوڑا جائے گا (یعنی) دھوئیں کے بغیر خالص شعلہ [ابن کثیر کی قراءت میں شین مکسور کے ساتھ "شِوَاظٌ" پڑھا جاتا ہے جب کہ باقی قراءت میں شین کو مضموم پڑھا جاتا ہے اور یہ دونوں نعمتیں مستعمل ہیں] ﴿وَنُحَاسٌ﴾ اور دھواں (تم پر چھوڑا جائے گا) یہاں "نحاس" بہ معنی "دخان" ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب تم اپنی قبروں سے نکلو گے تو تم پر آگ کا خالص شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا تاکہ یہ تمہیں میدان محشر میں ہانک کر لے جائیں [ابن کثیر کی اور ابو عمرو کی قراءت میں "نحاس" کو "نار" پر عطف کر کے مجرور پڑھا جاتا ہے جب کہ مرفوع ہونے کی حالت میں "شِوَاظٌ" پر معطوف ہوگا] ﴿فَلَا تَنْفُذُونَ﴾ سو تم ان دونوں کو روک نہیں سکو گے ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿٣٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٣٥﴾
 فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌ ﴿٣٦﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٣٧﴾
 يُعْرِفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ﴿٣٨﴾ فَبِأَيِّ
 آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٣٩﴾ هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿٤٠﴾ يَطُوفُونَ
 بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ إِنَّا ﴿٤١﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٤٢﴾

پھر جب آسمان پھٹ جائے گا تو سرخ چمڑے کی طرح سرخ ہو جائے گا O سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O سو اس دن کسی انسان سے اس کے گناہ کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا اور نہ جن سے O سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O جرم کرنے والوں کو ان کی مخصوص نشانیوں سے پہچان لیا جائے گا اور انہیں پیشانیوں اور قدموں سے پکڑ لیا جائے گا O سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O یہ ہے وہ جہنم جسے مجرم لوگ جھٹلایا کرتے تھے O وہ (اس دن دوزخ میں جا کر) اس کے درمیان اور کھولتے ہوئے گرم ترین پانی کے درمیان دوڑتے پھریں گے O سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

قیامت کی ہولناکی اور گناہ گاروں کی ذلت کا بیان

۳۷، ۳۸ - ﴿فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ﴾ پھر جب قیامت کے وقوع کے وقت آسمان پھٹ جائے گا اور ٹکڑے ہو جائے گا اور بکھر جائے گا ﴿فَكَانَتْ وَرْدَةً﴾ تو وہ سرخ ہو جائے گا (یعنی) سرخ گلاب کے رنگ کی طرح ہو جائے گا اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اصل میں آسمان کا رنگ سرخ ہے لیکن اس تبدیلی کے بعد گہرا سرخ ہو کر نیلا نظر آئے گا ﴿كَالِدِهَانِ﴾ جیسے زیتوں کا تیل جیسا کہ ارشاد فرمایا: ”كَالْمُهْلِ“ (الکہف: ۲۹) ”گھلے ہوئے تانبے کی طرح“ اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ ”الدھان“ کا معنی ہے: رنگا ہوا سرخ چمڑا (ترجمہ اسی کے مطابق کیا ہے) ﴿فَيَأْتِي الْأَرْضَ مَرْتًا تُكَذِّبُهَا﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۳۹، ۴۰ - ﴿فَيَوْمَئِذٍ﴾ پس اس دن یعنی جس دن آسمان پھٹ جائے گا ﴿لَا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌ﴾ کسی انسان سے اس کے گناہ کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا اور نہ جن سے یعنی ”جان“ سے جنات مراد ہیں پس جان لو کہ تمام جنوں کا باپ ہے جسے ”ابو الجن“ کہتے ہیں اس کو جن کی جگہ اس طرح رکھا گیا ہے جس طرح ہاشم کہا جاتا ہے اور مراد اس کی اولاد ہوتی ہے اور تقدیر عبارت یہ ہوگی: ”لَا يُسْئَلُ إِنْسٌ وَلَا جَانٌ عَنْ ذَنْبِهِ“ اس آیت مبارکہ میں تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن کسی انسان اور کسی جن سے اس کے گناہ کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا جب کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”قَو رَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ O“ (الحجر: ۹۲) ”سو (اے محبوب!) آپ کے پروردگار کی قسم! ہم ان سب سے ضرور ضرور سوال کریں گے O“ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَقِفُّوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ O“ (الصافات: ۲۳) ”اور (اے فرشتو!) تم انہیں ٹھہراؤ بے شک ان سے سوال کیے جائیں گے O“۔ ان آیات میں موافقت اور مطابقت اس طرح ہے کہ قیامت کا دن بڑا طویل اور دراز ہوگا اور اس میں مختلف جگہیں ہوں گی چنانچہ بعض جگہ ان سے سوال کیا جائے گا اور بعض دوسری جگہ میں ان سے سوال نہیں کیا جائے گا اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ پہلے ان سے سوال کیا جائے گا پھر تمام لوگوں کے مونہوں پر مہر لگادی جائے گی اور وہ جو کچھ کرتے رہے تھے اس کے بارے میں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں بول کر گواہی دیں گے اور بعض حضرات نے کہا کہ ان سے سوال اس لیے نہیں کیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ خود ان کے کرتوتوں کو خوب جانتا ہے لیکن انہیں ڈانٹنے اور دھمکانے کے لیے ان سے سوال کیا جائے گا ﴿فَيَأْتِي الْأَرْضَ مَرْتًا تُكَذِّبُهَا﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۴۱، ۴۲ - ﴿يُعْرِفُ الْمُجْرِمُونَ سِينَهُمْ﴾ گناہ گاروں کو ان کی پیشانیوں سے پہچان لیا جائے گا (یعنی) ان کے

کالے سیاہ چہروں اور ان کی نیلی آنکھوں کی وجہ سے انہیں پہچان لیا جائے گا ﴿فِيَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الْأَقْدَامَ﴾ پھر انہیں پیشانیوں اور قدموں سے پکڑ لیا جائے گا یعنی کبھی تو ان کو پیشانیوں کے بالوں سے پکڑ کر (دوزخ میں ڈالنے کے لیے) لے جایا جائے گا اور کبھی قدموں سے پکڑ کر (مونہوں کے بل کھینچ کر) لے جایا جائے گا ﴿فِي آيَةِ الْآلَاءِ مَا تَكْتُمُونَ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

٤٤، ٣٤ - ﴿هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ﴾ ٥٠ ﴿يَطُوفُونَ فِيهَا بَيْنَ أُبُيْنٍ مِّمَّيْنِ﴾ یہ وہ ہے جہنم جس کو مجرم و گناہ گار لوگ جھٹلایا کرتے تھے ٥ وہ لوگ اس کے درمیان اور کھولتے ہوئے گرم ترین پانی کے درمیان پھرتے ہوں گے جس کا پانی گرم ترین ہوگا اور اس کی حرارت و گرمی اپنی انتہاء کو پہنچ چکی ہوگی یعنی ان کو دوزخ کی آگ سے جلانے اور گرم ترین پانی پلانے کی سزا دی جائے گی۔

٤٥ - ﴿فِي آيَةِ الْآلَاءِ مَا تَكْتُمُونَ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے اور اس میں نعمت یہ ہے کہ دوزخ کے عذاب سے نجات پانے والے کی نجات اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی رحمت و مہربانی سے ہوگی اور اس آیت مبارکہ کے ذریعے ڈرانے میں تنبیہ ہے۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٍ ﴿٣٧﴾ فِي آيَةِ الْآلَاءِ مَا تَكْتُمُونَ ﴿٣٤﴾ ذَوَاتًا
أَفْنَانٍ ﴿٣٨﴾ فِي آيَةِ الْآلَاءِ مَا تَكْتُمُونَ ﴿٣٩﴾ فِيهَا عَيْنٌ مُّجْرِيَةٌ ﴿٤٥﴾ فِي آيَةِ الْآلَاءِ
رَبِّكُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٤١﴾ فِيهَا مِنْ كُلِّ قَاقِلَةٍ زَوْجِينَ ﴿٤٦﴾ فِي آيَةِ الْآلَاءِ مَا تَكْتُمُونَ ﴿٤٣﴾

اور جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اس کے لیے دو جنتیں ہیں ٥ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ٥ خوب سبز شاخوں والیاں ٥ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ٥ ان دونوں (جنتوں) میں دو چشمے بہتے ہوں گے ٥ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ٥ ان دونوں میں ہر پھل دو دو قسم کے ہوں گے ٥ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ٥

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے انعامات کا بیان

٤٦، ٤٧ - ﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ﴾ ”مقام“ سے وہ موقف مراد ہے جس میں قیامت کے دن حساب کے لیے تمام بندے کھڑے ہوں گے اور معنی یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو اپنے رب تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور وہ تمام گناہوں سے کنارہ کش ہو گیا یا وہ تمام فرائض ادا کرتا رہا تو اس کے لیے دو جنتیں ہیں ٥ اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس آیت مبارکہ میں لفظ ”مقام“ (صرف تحسین کلام کے لیے) زائد داخل کیا گیا ہے (اصل میں ”وَلِمَنْ خَافَ رَبَّهُ“ ہے یعنی جو شخص اپنے رب سے ڈر گیا اس کے لیے دو جنتیں ہیں) اور جیسے عرب کے شاعر کا قول ہے: ”وَنَفَيْتُ عَنْهُ مَقَامَ الذَّنْبِ“ (لفظ ”مقام“ زائد ہے) ”أَيُّ وَنَفَيْتُ عَنْهُ الذَّنْبُ“ یعنی اور میں نے فلاں آدمی سے بھیڑیا کو دور کر دیا ﴿جَنَّاتٍ﴾ دو

حضرت ضحاک نے کہا کہ یہ آیت مبارکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے ایک دن انہوں نے سخت پیاس میں دودھ پیا جو ان کو بہت اچھا لگا انہوں نے اس کے متعلق سوال کیا تو معلوم ہوا کہ وہ دودھ حلال نہیں تھا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جنتیں ہیں ایک جنت انسانوں کے لیے ہے اور ایک جنت جنوں کے لیے ہے کیونکہ خطاب دونوں جماعتوں کے لیے ہے (بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تو پھر انہوں نے اس دودھ کی تے کر دی۔ رسول اللہ ﷺ ان کو دیکھ رہے تھے آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے! تمہارے متعلق یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ہے پھر آپ نے یہی آیت کرایمہ پڑھی۔ (تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۶۲۸ بحوالہ التکت والعیون ج ۵ ص ۲۳۷ دارالکتب العلمیہ بیروت الجامع لاحکام القرآن جز ۲ ص ۱۶۱ دارالفکر بیروت) نیز روح البیان میں بھی یہی روایت بیان کی گئی ہے۔ (روح البیان مترجم جز ۲ ص ۳۸۵-۳۸۶ مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور)

نوٹ: یہ آیت مبارکہ اگرچہ مورد اور شان نزول کے اعتبار سے مخصوص ہے لیکن حکم کے اعتبار سے یہ عام ہے چنانچہ علامہ اسماعیل حقی حنفی نے یہ شان نزول بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اب یہ آیت عام ہے کہ جو کوئی برائی کا ارادہ کرے لیکن اللہ تعالیٰ کے خوف سے اسے چھوڑ دے تو اس کو بھی یہی انعام نصیب ہوگا جو اس آیت میں مذکور ہے نیز علامہ ابن کثیر نے ایک شان نزول یہی بیان کیا اس کے بعد لکھا کہ یہ آیت عام ہے۔ حضرت ابن عباس وغیرہ کا قول بھی یہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص قیامت کے دن اپنے رب تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے کا ڈر اپنے دل میں رکھتا ہے اور اپنے آپ کو نفسانی خواہشوں سے بچاتا ہے اور سرکشی نہیں کرتا دنیا کی زندگی کے پیچھے پڑ کر آخرت سے غفلت نہیں کرتا بلکہ آخرت کی فکر زیادہ کرتا ہے اور اسے بہتر اور پائیدار سمجھتا ہے فرائض بجالاتا ہے محرمات سے رکتا ہے تو قیامت کے دن اسے ایک کی بجائے دو دو جنتیں ملیں گی۔ صحیح بخاری میں ہے: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ دو جنتیں چاندی کی ہوں گی اور ان کا تمام سامان بھی چاندی ہی کا ہوگا اور دو جنتیں سونے کی ہوں گی ان کے برتن اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب سونے کا ہوگا ان میں رہنے والے جنتیوں کے درمیان اور دیدار باری تعالیٰ کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہوگی ماسوا عظمت و کبریائی کے پردے کے جو اللہ تعالیٰ کے چہرے پر ہے یہ جنت عدن میں ہوں گے۔ حدیث سنن ابوداؤد کے علاوہ صحاح کی دیگر تمام کتابوں میں بھی ہے۔ راوی حدیث حضرت حماد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مرفوع ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ”وَلَمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ“ اور ”وَمَنْ ذُوْنَهُمَا جَنَّاتٍ“ کی تفسیر ہے۔ سونے کی دو جنتیں مقررین کے لیے چاندی کی دو جنتیں اصحاب یمین کے لیے ہوں گی۔ (تفسیر ابن کثیر مترجم جز ۲ ص ۵۷-۵۸ ناشر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی لکھتے ہیں کہ خوف خدا رکھنے والوں کو دو جنتیں اس طرح ملیں گی:

- (۱) دو جنتوں میں سے ایک میں اس کے بیوی بچوں اور خدام کے لیے رہائشی محل ہوگا دوسری میں خود اس کے لیے رہائشی محل ہوگا جہاں دوست و احباب کی زیارت و ملاقات کے لیے محافل نشاط و سرور منعقد ہوا کریں گی۔
- (۲) جنت میں دو باغ ہوں گے ایک باغ اس کے محل کے اندر ہوگا اور دوسرا باغ محل کے باہر ہوگا۔
- (۳) جنت میں دو دو منزلیں ہوں گی جب وہ چاہیں ایک منزل سے دوسری منزل میں منتقل ہو جائیں تاکہ اس کی لذت و سرور کے اسباب میں اضافہ ہو اور اس کی عزت و کرامت کے پھل کا اظہار ہو۔

(۴) ایک جنت عقیدہ صحیحہ کے انعام میں اور دوسری اعمال صالحہ کے انعام میں۔

(۵) ایک جنت طاعات و عبادات کرنے پر اور دوسری جنت گناہوں کے ترک کرنے پر۔

(۶) ایک جنت اعمال صالحہ کے ثواب میں اور دوسری اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے۔

(۷) ایک جنت روحانی (جس میں دیدار الہی حمد الہی کے نعمات کی سماعت سے لطف اندوزی اور اہل اللہ کی زیارت و ملاقات سے شرف یابی) دوسری جنت جسمانی ہوگی (جس میں جنتی مشروبات اور جنتی ماکولات وغیرہ سے تواضع ہوگی)۔

(۸) حضرت مقاتل بن سلیمان نے فرمایا: ایک جنت عدن اور دوسری جنت نعیم ملیں گی۔

(تفسیر روح المعانی جز ۲ ص ۱۱۶ مکتبہ رشیدیہ لاہور تفسیر روح البیان مترجم جز ۲ ص ۳۸۶ مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور)

گویا فرمایا گیا ہے کہ تم دونوں میں سے ہر ڈرنے والے کے لیے دو جنتیں ہیں ایک جنت انسانوں میں سے ڈرنے والے کے لیے ہے اور ایک جنت جنوں میں سے ڈرنے والے کے لیے ہے ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ﴾ سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۴۸، ۴۹- ﴿ذَوَاتَا أَفْنَانٍ﴾ جو پھل دار سبز شاخوں والی دو جنتیں ہیں۔ ”افنان“ کا معنی ہے: ”اغصان“ یعنی ہری بھری سبز شاخیں۔ یہ یا تو ”فَنَنْ“ کی جمع ہے جس کا معنی ہے: دراز اور لمبی سرسبز پھل دار شاخیں اور ٹہنیاں اور یہ اس لیے کہ ان جنتوں کے درخت دراز شاخوں اور لمبی ڈالیوں والے ہوں گے جن پر سبز پتے اور پھل بہ کثرت ہوں گے چنانچہ ان میں سے بعض درختوں کے سائے بڑے دراز اور طویل ہوں گے اور ان میں سے بعض درخت زیادہ پھل آور ہوں گے یا پھر یہ ”فَنَنْ“ کی جمع ہے جس کا معنی ہے: مختلف انواع و اقسام کی پھل دار شاخیں یعنی خوفِ خدا رکھنے والے کے لیے ان دونوں جنتوں میں تمام اقسام کے پھل ہوں گے اس کا جو جی چاہے گا اور جس پر اس کی آنکھیں خوش ہوں گی وہی اسے ملے گا۔ عرب کے شاعر نے کہا:۔

وَمِنْ كُلِّ أَفْنَانٍ اللَّذَّادَةُ وَالصَّبَا
لَهْوَةٌ بِهِ وَالْعَيْسُ أَخْضَرُ نَاضِرٌ

”اور ہر قسم کے لذیذ اور پسندیدہ پھل دار لمبی شاخوں والے درختوں میں، میں اس کے ساتھ مشغول رہتا ہوں اور زندگی بڑی تروتازہ، خوب پر رونق ہے۔“

﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ﴾ سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔
۵۰، ۵۱- ﴿فِيهِمَا﴾ ان دونوں میں یعنی ان دونوں جنتوں میں ﴿عَيْنَيْنِ تَجْوِينِ﴾ دو چشمے بہتے رہتے ہیں جہاں جنتی حضرات چاہیں گے وہیں وہ چشمے بہنا شروع کر دیں گے بالائی منزلوں میں چاہیں گے تو وہ بالائی منزلوں میں پانی سمیت اوپر جا کر بہنا شروع کر دیں گے اور اگر وہ زیریں منزلوں میں چاہیں تو وہ چشمے نیچے بہنا شروع کر دیں گے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ یہ صاف ستھرے میٹھے پانی کے چشمے ہوں گے (جن کا پانی حلق سے آسانی کے ساتھ اتر جائے گا) ان میں سے ایک کا نام آبِ تسنیم کا چشمہ ہے اور دوسرے کا نام آبِ سلسبیل کا چشمہ ہے ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ﴾ سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۵۲، ۵۳- ﴿فِيهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجِينَ﴾ ان دونوں جنتوں میں ہر قسم کے پھل دو دو قسم کے ہوں گے ایک معروف و مشہور قسم ہوگی اور دوسری قسم عجیب و غریب اور نرالی ہوگی ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ﴾ سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

مُتَّكِنِينَ عَلَى فُرُشٍ بَطَائِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ وَجَنَّاتٍ ذَاتِ زَوَارِعٍ ﴿٥٤﴾ فَبِأَيِّ

الْآلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٥٥﴾

وہ ایسے بستروں پر تکیہ لگانے والے ہوں گے جن کے استر عمدہ ترین گاڑھے ریشم کے ہوں گے اور دونوں جنتوں کے پھل (جھک کر) نزدیک ہوں گے ○ سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○

۵۴، ۵۵- ﴿مُتَّكِنِينَ﴾ متقین ان جنتوں میں بادشاہوں کی طرح تکیے لگا کر سہارا لیے بڑے آرام سے بیٹھے ہوں

کے [”متکین“، ”خائفین“ کے لیے مدح کی بناء پر یا ان سے حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے کیونکہ ”مَنْ خَافَ“ جمع کے معنی میں ہے] ﴿عَلَىٰ قُرْشٍ﴾ بستروں اور پچھونوں پر یہ ”فراش“ کی جمع ہے جس کا معنی ہے: پلنگوں پر یا زمین پر بیٹھنے کے لیے بچھائی جانے والی ڈبل چادریں اور بستر ﴿بَطَائِنُهَا مِنْ اسْتَبْرَقٍ﴾ ان کا استر نفیس ترین موٹے ریشم کا ہوگا۔ ”بَطَائِنُ“، ”بَطَانَةٌ“ کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: کپڑے کے اندر کا حصہ جسے استر کہا جاتا ہے اور ”استبرق“ کا معنی ہے: خوب صورت موٹا ریشم اور یہ معرب ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ان بستروں کا بیرونی حصہ سندس یعنی نفیس اور باریک کپڑے کا ہوگا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ﴿وَجَنَّاتٍ جَنَّاتٍ دَانٍ﴾ اور دونوں جنتوں کے پھل جھک کر قریب آچکے ہوں گے اور ان کے پھل اس قدر قریب ہوں گے کہ کھڑا ہوا بیٹھا ہوا اور لیٹا ہوا اسے حاصل کر لے گا ﴿فِي آيَةِ الْآءِ مَا تَكْتُمُونَ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

فِيهِنَّ قِصْرُ الظَّرْفِ لَمْ يَطْبِئِهِنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ﴿٥٧﴾ فَيَا أَيُّهَا الْآءِ

رَايِكُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٥٨﴾ كَانَهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٥٩﴾ فَيَا أَيُّهَا الْآءِ رَايِكُمْ

تَكْتُمُونَ ﴿٥٩﴾ هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿٦٠﴾ فَيَا أَيُّهَا الْآءِ رَايِكُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٦١﴾

ان میں نظریں نیچے رکھنے والی عورتیں (حوریں) ہوں گی جن کو ان سے پہلے نہ تو کسی انسان نے چھوا اور نہ کسی جن نے (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے (گو یا وہ (حوریں صاف و شفاف) یاقوت اور سفید چمک دار موتی ہیں (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے (نیکی کا بدلہ نہیں مگر نیکی (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے (

۵۷، ۵۶- ﴿فِيهِنَّ﴾ ان دو جنتوں میں۔ ضمیر جمع اس لیے ہے کہ یہ دونوں جنتیں بہت سے مکانات اور محلات اور بہت سی مجالس پر مشتمل ہیں یا پھر اس لیے کہ ان دونوں جنتوں میں بہت سی نعمتوں کو شمار کیا گیا ہے مثلاً بلند و بالا شاخوں والے پھل دار درختوں کے باغات، دو چشمے بہنے والے اور ہر قسم کے میوہ جات و پھلوں کی کثرت اور ان پھلوں کا جھک کر ہر جنتی کے قریب آنا ﴿قِصْرُ الظَّرْفِ﴾ شرم و حیا کے سبب اپنی نگاہیں نیچے جھکا کر رکھنے والیاں یعنی ان جنتوں میں ایسی باحیاء عورتیں ہوں گی جو اپنی نگاہیں صرف اپنے شوہروں تک محدود رکھیں گی اور وہ اپنے خاوندوں کے علاوہ کسی غیر کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھیں گی ﴿لَمْ يَطْبِئِهِنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ﴾ انہیں ان سے پہلے کسی انسان نے نہیں چھوا۔ ”طمث“ کا لغوی معنی ہے: جماع کے ذریعے باکرہ کو خون آلود کرنا (مطلب صرف جماع کرنا ہے) [ابو عمرو دوری کی قراءت میں میم مکسور ہے جب کہ علی کسائی کی قراءت میں میم مضموم ہے] ﴿وَلَا جَانٌّ﴾ اور نہ کسی جن نے انہیں ہاتھ لگایا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جن بھی اسی طرح جماع کرتے ہیں جس طرح انسان جماع کرتے ہیں ﴿فِي آيَةِ الْآءِ مَا تَكْتُمُونَ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۵۸، ۵۹- ﴿كَانَهُنَّ الْيَاقُوتُ﴾ گو یا وہ صفائی میں یاقوت (یعنی جس طرح یاقوت صاف ستھرا ہوتا ہے اسی طرح حوروں کے بدن صاف شفاف ہوں گے) ﴿وَالْمَرْجَانُ﴾ اور سفید موٹے اور یہ موتیوں سے زیادہ سفید ہوتے ہیں ﴿فِي آيَةِ الْآءِ مَا تَكْتُمُونَ﴾ سو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

٦٠، ٦١۔ ﴿هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾ نیکی کا بدلہ صرف نیکی ہے (یعنی) عمل میں نیکی کا بدلہ اجر و ثواب میں نیکی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا مطلب ہے: ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کے اقرار کرنے کے عمل کا بدلہ صرف جنت ہے اور حضرت ابراہیم الخواص سے اس کے متعلق یہ منقول ہے کہ اسلام قبول کرنے کا بدلہ دارالسلام (بہشت) ہے ﴿قِيَامِي الْآءِ مَرَبِكُمْ تَكْذِبِينَ﴾ سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

وَمِنْ دُونِهِمَا جَنَّتَيْنِ ﴿٢٢﴾ قِيَامِي الْآءِ مَرَبِكُمْ تَكْذِبِينَ ﴿٢٣﴾ مَدَاهَا مَتْنِ ﴿٢٤﴾ قِيَامِي الْآءِ

رَبِكُمْ تَكْذِبِينَ ﴿٢٥﴾ فِيهِمَا عَيْنَانِ نَضَّاخَتَيْنِ ﴿٢٦﴾ قِيَامِي الْآءِ مَرَبِكُمْ تَكْذِبِينَ ﴿٢٧﴾ فِيهِمَا

فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ ﴿٢٨﴾ قِيَامِي الْآءِ مَرَبِكُمْ تَكْذِبِينَ ﴿٢٩﴾ فِيهِنَّ خَيْرٌ حِسَانٌ ﴿٣٠﴾ قِيَامِي

الْآءِ مَرَبِكُمْ تَكْذِبِينَ ﴿٤١﴾ حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿٤٢﴾ قِيَامِي الْآءِ مَرَبِكُمْ تَكْذِبِينَ ﴿٤٣﴾

اور ان دونوں کے علاوہ دو جنتیں اور ہیں ○ سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ وہ دونوں خوب گہرے سبز رنگ کی ہیں ○ سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ ان دونوں جنتوں میں دو جوش مارنے والے چشمے ہیں ○ سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ ان دونوں میں پھل اور کھجوریں اور انار ہیں ○ سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ ان میں نیک سیرت خوب صورت عورتیں ہیں ○ سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ پردہ نشین حوریں خیموں میں ہیں ○ سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○

٦٢، ٦٣۔ ﴿وَمِنْ دُونِهِمَا جَنَّتَيْنِ﴾ اور ان دو کے علاوہ دو جنتیں اور ہیں (یعنی) مذکورہ بالا آیات میں مقررین کے لیے جن دو جنتوں کا وعدہ کیا گیا ہے ان دونوں کے علاوہ دو جنتیں اور ہیں جو اصحابِ یمن میں سے ان لوگوں کے لیے ہیں جو ان مقررین کے علاوہ ہیں ﴿قِيَامِي الْآءِ مَرَبِكُمْ تَكْذِبِينَ﴾ سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

٦٤، ٦٥۔ ﴿مَدَاهَا مَتْنِ﴾ وہ دونوں جنتیں خوب سرسبز و شاداب ہیں یہاں تک کہ وہاں پھولوں اور درختوں کے سبز رنگ کی شدت و کثرت کے سبب وہ دونوں جنتیں سیاہی مائل گہری سبز رنگ دکھائی دیتی ہیں۔ علامہ خلیل نے فرمایا کہ ”ذَهْمَةٌ“ کا معنی ہے: سیاہی ﴿قِيَامِي الْآءِ مَرَبِكُمْ تَكْذِبِينَ﴾ سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

٦٦، ٦٧۔ ﴿فِيهِمَا عَيْنَانِ نَضَّاخَتَيْنِ﴾ ان دونوں جنتوں میں جوش مار کر اُبلتے ہوئے دو چشمے ہیں جن سے پانی چھلکتا رہتا ہے، کبھی ختم نہیں ہوں گے اور نہ کبھی رکیں گے بلکہ ہمیشہ جاری رہیں گے ﴿قِيَامِي الْآءِ مَرَبِكُمْ تَكْذِبِينَ﴾ سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

٦٨، ٦٩۔ ﴿فِيهِمَا فَاكِهَةٌ﴾ ان دونوں جنتوں میں مختلف رنگوں اور مختلف قسموں کے پھل ہوں گے ﴿وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ﴾

اور کھجوریں اور انار ہوں گے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک انار اور کھجوریں پھلوں میں سے نہیں ہیں کیونکہ ان دونوں کا ”فَاكِهَةٌ“ (پھل) پر عطف ہے اور اس لیے بھی کہ کھجوروں کو صرف بہ طور پھل نہیں کھایا جاتا بلکہ اس کو بطور خوراک بھی کھایا جاتا ہے اور انار پھل بھی ہے اور دوا بھی ہے لہذا کھجور اور انار خالص پھل کے لیے نہیں ہیں اور امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”نَخْلٌ“ اور ”رُمَّانٌ“ کا ”فَاكِهَةٌ“ پر عطف مغاڑت کے لیے نہیں بلکہ ان دونوں کی فضیلت کی وجہ سے ہے گویا یہ دونوں دوسری جنس ہیں کیونکہ انہیں فضیلت و اہمیت حاصل ہے جیسا کہ فرشتوں پر حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام کی فضیلت کی بناء پر عطف کر کے ارشاد ہوا: ”وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ“ (البقرہ: ۹۸)

﴿فِي آيَاتِنَا لَعْنَةُ الْكَاذِبِينَ﴾ (سو اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۷۱، ۷۰۔ ﴿فِيهِنَّ خَيْرٌ حَسَانٌ﴾ ان جنتوں میں نیک سیرت نیک عادات والی خوب صورت و حسین چہروں والی ہیں۔ اصل میں ”خَيْرَاتٌ“ ہے پھر تخفیف کر دی گئی اور اس کو اصل کی بناء پر ”خَيْرَاتٌ“ بھی پڑھا گیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ یہ حوریں اچھے اخلاق والی نیک سیرت ہیں اور ”حَسَانٌ“ کا معنی ہے: خوب صورت اور حسین چہروں والی حوریں ﴿فِي آيَاتِنَا لَعْنَةُ الْكَاذِبِينَ﴾ (سو اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۷۳، ۷۲۔ ﴿حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ﴾ حوریں خیموں میں بند ہیں یعنی پردہ نشین ہیں جیسے کہا جاتا ہے: ”امْرَأَةٌ قَصِيْرَةٌ وَمَقْصُورَةٌ“ یعنی عورت پردہ نشین ہے اور ”خِيَامٌ“ کا مطلب ہے کہ گنبد کی طرح گول چھتیں اندر سے خالی موتیوں کے بڑے بڑے گھر ہوں گے جن میں حوریں پردہ نشین ہوں گی ﴿فِي آيَاتِنَا لَعْنَةُ الْكَاذِبِينَ﴾ (سو اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

لَمْ يَطْبُئُهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌ ﴿فِي آيَاتِنَا لَعْنَةُ الْكَاذِبِينَ﴾ مُتَكِيْنَ عَلٰى رَفْدٍ

خَضِرٍ وَعَبْقَرِيٍّ حَسَانٍ ﴿فِي آيَاتِنَا لَعْنَةُ الْكَاذِبِينَ﴾ تَبْرِكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلْلِ

وَالْاِكْرَامِ ﴿٧٤﴾

انہیں ان سے پہلے کسی انسان نے ہاتھ نہیں لگایا اور نہ جن نے O (سو اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O وہ سبز قالینوں اور خوب صورت قیمتی بستروں پر تکیے لگانے والے ہوں گے O (سو اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O آپ کے پروردگار کا نام بہت مبارک ہے جو بہت عظمت و بزرگی والا ہے O

۷۵، ۷۴۔ ﴿لَمْ يَطْبُئُهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌ﴾ انہیں ان سے پہلے کسی انسان نے ہاتھ نہیں لگایا اور نہ کسی جن نے یعنی جنتیوں سے پہلے کسی نے انہیں ہاتھ تک نہیں لگایا نہ انسانوں نے نہ جنوں نے اور اس کی دلیل ”جَنَّتَيْنِ“ کا ذکر ہے ﴿فِي آيَاتِنَا لَعْنَةُ الْكَاذِبِينَ﴾ (سو اے جن وانس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

۷۷، ۷۶۔ ﴿مُتَكِيْنَ عَلٰى رَفْدٍ خَضِرٍ﴾ جنتی حضرات سبز رنگ کے قالینوں پر تکیے لگا کر شاہانہ انداز میں بیٹھے ہوں گے۔ ”رَفْدٌ“ ہر موٹے کپڑے کو کہا جاتا ہے اور بعض کا قول ہے کہ ”رَفْدٌ“ سے تکیے مراد ہیں جن پر جنتی حضرات ٹیک لگا کر بیٹھیں گے [”مُتَكِيْنَ“ اختصاص کی بناء پر منصوب ہے] ﴿وَعَبْقَرِيٍّ﴾ اور قیمتی بچھونے جو ریشمی ہوں گے یا قیمتی ریشمی

چادریں ﴿حِصَانٍ﴾ حسین و جمیل اور خوب صورت ﴿قِيَامِي الْآلَاءِ رَبِّكُمْ تَكْذِبِينَ﴾ سو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے اور ان دو جنتوں کی صفات پہلی دو جنتوں کی صفات کے مقابلے میں کم تر بیان کی گئی ہیں یہاں تک کہ فرمایا گیا کہ ”وَمِنْ دُونِهِمَا جَنَّتَانِ“ (جس کا ایک ترجمہ یہ ہے:) اور ان دو جنتوں سے کم تر دو جنتیں اور ہیں کیونکہ ”مَدَّهَامَتَانِ“، ”ذَوَاتَا أَفْنَانٍ“ سے کم تر ہیں اور ”نَضَّاحَتَانِ“، ”تَجْرِيَانِ“ سے کم تر ہیں اور ”فَاكِهَةٌ“، ”مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ“ سے کم تر ہے اور اسی طرح ”حور“ اور ”متکا“ کا حال ہے۔

۷۸- ﴿تَبْرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ﴾ آپ کے پروردگار کا نام بڑا بابرکت ہے جو بڑی عظمت والا ہے [ابن عامر شامی کی قراءت میں ”ذوالجلال“ پڑھا جاتا ہے اور یہ اس صورت میں اسم کی صفت ہوگا] ﴿وَالْاَكْرَامِ﴾ اور اپنے اولیاء (دوستوں) کو انعام کے ذریعہ عزت دینے والا ہے۔

سورۃ رحمن کی فضیلت

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کے سامنے سورۃ رحمن کی تلاوت فرمائی پھر فرمایا کہ مجھے کیا ہوا کہ میں تمہیں خاموش دیکھ رہا ہوں۔ سنو! میری تلاوت پر جنوں کا رد عمل تم سے بہت بہتر تھا کیونکہ میں جب بھی تلاوت کرتے ہوئے ”قِيَامِي الْآلَاءِ رَبِّكُمْ تَكْذِبِينَ“ پر پہنچتا تو جنات کہتے تھے: اے ہمارے پروردگار! ہم تیری نعمتوں میں سے کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے پس تمام تعریفیں صرف تیرے لیے ہیں اور تیری ہر نعمت پر شکر واجب ہے۔
نوٹ: اس آیت مبارکہ کو اس سورت میں اکتیس (۳۱) مرتبہ دہرایا گیا ہے جن میں سے آٹھ مرتبہ ایسی آیات کے بعد ذکر کیا گیا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اس کی صنعت کے عجائب و غرائب کو شمار کیا گیا ہے اور نیز ان میں مخلوق کی ابتداء اور اس کے انجام کو شمار کیا گیا ہے پھر ان میں سے سات مرتبہ ایسی آیات کے بعد ذکر کیا گیا ہے جن میں جہنم کے دروازوں کی تعداد کے برابر دوزخ کی آگ اور اس کی سختیوں کا ذکر کیا گیا ہے اور ان سات کے بعد جنت کے دروازوں کی تعداد کے برابر آٹھ مرتبہ دو جنتوں اور ان میں جانے والوں کے اوصاف کے بیان کے دوران ذکر کیا گیا اور ان کے بعد اس آیت مبارکہ کو پھر آٹھ مرتبہ ان دو جنتوں کے لیے ذکر کیا گیا جو پہلی دو جنتوں کے علاوہ بیان کی گئیں سو جس نے پہلی آٹھ پر اعتقاد کر لیا اور ان کے موجب پر عمل کر لیا تو اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیئے گئے اور دوزخ کے دروازے اس پر بند ہو گئے۔

۱۰ آیات
۱۰ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱۰ آیات
۱۰ رکوع

سورۃ الواقعة کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی چھیا نوے آیات تین رکوع ہیں

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۱ لَيْسَ لَوْقَعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۲ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۳ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رُجًا ۴ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۵ فَكَانَتْ هَبَاءً مُّثْبَتًا ۶ وَكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ۷ فَاَصْحَابُ الْيَمِينِ ۸ مَا اَصْحَابُ الْمَشْأَمِ ۹ اَصْحَابُ الْمَشْأَمِ ۱۰ وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ ۱۱ اُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ۱۲ فِي جَنَّتِ النَّعِيمِ ۱۳

۱ رواہ الحاکم فی المستدرک ج ۲ ص ۲۳

جب واقع ہو جانے والی (قیامت) واقع ہو جائے گی اس کے وقوع کے بارے میں کوئی جھوٹ بولنے والا نہیں ہو گا وہ (کسی کو) پست کرنے والی (اور کسی کو) بلند کرنے والی ہوگی جب زمین تھر تھرا کر کانپنے لگے گی اور پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا سو وہ پھیلے ہوئے غبار ہو جائیں گے اور تم تین قسمیں ہو جاؤ گے سو دائیں طرف والے کتنے اچھے ہیں دائیں طرف والے اور بائیں طرف والے کتنے بُرے ہیں بائیں طرف والے اور سبقت کرنے والے ہی سبقت لے جانے والے ہیں یہی اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہیں وہ نعمتوں والی جنتوں میں ہوں گے

قیامت کے وقوع اور انسان کی تقسیم کا بیان

نوٹ: سورۃ الواقعة کی ہے اس کی آیات چھیا نوے (۹۶) اور تین رکوع ہیں۔

۱- ﴿إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ﴾ جب واقع ہو جانے والی واقع ہو جائے گی (یعنی) جب قیامت قائم ہوگی اور بعض کا قول ہے: اس کو وقوع کے ساتھ اس لیے موصوف کیا گیا ہے کہ اس کا وقوع پذیر اور قائم ہونا ہر حال میں لازمی ہے تو گویا فرمایا گیا ہے کہ جب قیامت واقع ہو جائے گی جس کا وقوع لازمی ہے اور کسی امر کے وقوع کا مطلب ہے اس کا نازل ہونا جیسے کہا جاتا ہے کہ وہ کام واقع ہو گیا ہے جس کی تمہیں توقع تھی یعنی وہ کام نازل ہو گیا ہے جس کے نزول کا تم انتظار کرتے تھے [”إِذَا“ پوشیدہ فعل امر ”اَذْکُر“ کی وجہ سے منصوب ہے یعنی اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب قیامت قائم ہوگی]۔

۲- ﴿لَيْسَ لَوْقَعَتِهَا كَاذِبَةٌ﴾ اس کے وقوع کے متعلق کوئی جھوٹ بولنے والا نہیں ہوگا یعنی جب قیامت قائم ہو جائے گی تو اس وقت کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہیں بولے گا اور نہ اس غیبی خبر کے جھٹلانے کے بارے میں جھوٹ بولے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دن ہر شخص تصدیق کرنے والا سچا پکا مؤمن بن جائے گا حالانکہ آج اس دنیا میں بہت سے لوگ جھوٹ بولنے والے بہت سے دینی امور کو جھٹلانے والے موجود ہیں [”لَوْقَعَتِهَا“ میں لام تعلیل کا ہے] یعنی قیامت کے وقوع ہو جانے کی وجہ سے اس کے متعلق کوئی شخص جھوٹ بولنے والا نہیں ہوگا اور اس کی مثال (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ میں ہے: ”يَا لَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي“ (الفجر: ۲۴) ”کاش! میں نے اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا“۔

۳- ﴿خَافِضَةٌ رَافِعَةٌ﴾ تہ و بالا کر دینے والی ”اُمّیٰ ہٰی خَافِضَةٌ رَافِعَةٌ“ یعنی وہ (قیامت) پست و بلند کرنے والی ہے کیونکہ یہ قیامت بعض قوموں کو اس دن بلند کر دے گی اور بعض دوسری قوموں کو پست و ذلیل کر دے گی۔

۴- ﴿إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًا﴾ جب زمین تھر تھرا کر کانپنے لگے گی (یعنی) جب زمین سخت ترین جھٹکے کھانے لگے گی اور زلزلے سے جھولنے لگ جائے گی یہاں تک کہ ہر چیز خواہ پہاڑ ہوں یا مکانات و محلات اور دیگر تمام تعمیرات اوپر سے نیچے گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے [اور یہ ”إِذَا وَقَعَتْ“ سے بدل ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اسے ”خَافِضَةٌ رَافِعَةٌ“ کی وجہ سے منصوب قرار دیا جائے] یعنی زمین کے متزلزل ہو جانے اور پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہو جانے کے وقت قیامت ہر چیز کو تہ و بالا کر دے گی۔

۵- ﴿وَنُصِبَتِ الْجِبَالُ بَسًا﴾ اور پہاڑوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا اور ان کو چورہ چورہ بنا دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ ستوؤں کی طرح ہو جائیں گے یا یہ معنی ہے کہ پہاڑوں کو چلایا جائے گا یہ ”بَسَّ الْغَنَمِ“ سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب بکریاں ریوڑ سے چراگاہ کی طرف چل پڑتی ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَسِيرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا“ (النبا: ۲۰) ”اور پہاڑوں کو چلایا جائے گا پس وہ چمکتی ہوئی ریت ہو جائیں گے“۔

۶- ﴿فَكَانَتْ هَبَاءً مُّتَّبِعًا﴾ سو وہ غبار بن کر بکھر جائیں گے اور ریت کے ذروں کی طرح منتشر ہو جائیں گے۔

۷- ﴿وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا﴾ اور (اس دن) تم چند قسمیں ہو جاؤ گے۔ یہاں ”أَزْوَاجًا“ بہ معنی ”أَصْنَافًا“ ہے اور ”اصناف“ ان قسموں کو کہا جاتا ہے جو ایک دوسرے کی جنس سے ہوں یا ان کا ایک دوسرے کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہو ﴿ثَلَاثَةٌ﴾ تین قسمیں ہو جاؤ گے جن میں سے دو قسمیں جنت میں جائیں گی اور ایک قسم دوزخ کی آگ میں جائے گی پھر اللہ تعالیٰ نے ”ازواج“ کی خود تفسیر بیان فرمائی چنانچہ ارشاد فرمایا:

۸- ﴿قَاصِبَاتٍ الَّتِي هُنَّ﴾ سودائیں طرف والے [یہ مبتدا ہے] اور یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے اعمال نامے اور صحیفے ان کے دائیں ہاتھوں میں دیئے جائیں گے ﴿مَّا أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ﴾ کس قدر اچھے ہیں دائیں طرف والے اور یہ ان کی سعادت مندی اور کامیابی و کامرانی کی وجہ سے ان کے نیک بخت حال پر تعجب کا اظہار ہے اور ان کی شان کے لیے تعظیم و تکریم کا اظہار ہے گویا (سامعین و حاضرین کے تعجب کے لیے) فرمایا گیا ہے کہ وہ کون ہیں اور ان کا کیا حال ہے؟ [یہ مبتدا خبر ہیں اور یہ دونوں مبتدا اور خبر باہم مل کر پہلے مبتدا ”اصحاب المیمنة“ کی خبر ہیں]۔

۹- ﴿وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ﴾ اور بائیں طرف والے یعنی وہ لوگ جن کے اعمال نامے اور صحیفے ان کے بائیں ہاتھوں میں دیئے جائیں گے یا یہ معنی ہے کہ دائیں طرف والے عالی شان اور بہترین مرتبہ میں ہوں گے اور بائیں طرف والے خسیس ترین اور بدترین حال میں ہوں گے جیسے تم کہتے ہو: ”فَلَانٌ مِّنِّي بِالْيَمِينِ وَفَلَانٌ مِّنِّي بِالشِّمَالِ“ فلاں آدمی میرے نزدیک بلند مرتبہ والا ہے اور فلاں آدمی میرے نزدیک کم ترین ہے۔ یہ اس وقت صحیح ہو گا جب تم ان دونوں صفات میں سے ایک صفت یمن کو اپنے نزدیک رفعت و بلندی کے لیے استعمال کرو اور دوسری صفت شمال کو ذلت و پستی کے لیے استعمال کرو (ترجمہ اسی معنی میں کیا گیا ہے) اور یہ اس لیے کہ نیک لوگ اپنے نیک اعمال کے ثمن و برکت کی وجہ سے بابرکت ہوں گے اور بُرے لوگ اپنی بُرائیوں کی وجہ سے محروم و منحوس ہو جائیں گے اور بعض حضرات نے کہا کہ اہل جنت کے لیے دائیں طرف والوں کو اور اہل دوزخ کے لیے بائیں طرف والوں کو لیا جائے گا ﴿مَّا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ﴾ بائیں طرف والے کتنے بُرے لوگ ہیں یعنی ان کا کیا حال ہے اور یہ ان کی شقاوت و بدبختی کی وجہ سے ان کے حال پر تعجب کا اظہار ہے۔

۱۰، ۱۱- ﴿وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ﴾ اور سبقت کرنے والے ہی سبقت لے جانے والے ہیں ○ اور سبقت کرنے والے ہی سبقت لے جانے والے ہیں ○ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہیں [پہلا ”السَّابِقُونَ“ مبتدا ہے اور دوسرا ”السَّابِقُونَ“ اس کی خبر ہے] اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ”السَّابِقُونَ إِلَى الْخَيْرَاتِ السَّابِقُونَ إِلَى الْجَنَّاتِ“ نیکیوں اور بھلائیوں کی طرف سبقت کرنے والے جنتوں اور بہشتوں کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں [اور بعض حضرات نے فرمایا کہ دوسرا پہلے کی تاکید ہے اور ”أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ“ خبر ہے لیکن پہلی توجیہ زیادہ بہتر ہے]۔

۱۲- ﴿فِي جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ یعنی وہ لوگ نعمتوں والی پر امن جنتوں میں رہیں گے۔

ثَلَاثَةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ ۱۳ وَقَلِيلٌ مِنَ الْآخِرِينَ ۱۴ عَلَى سُرُرٍ مَوْضُونَةٍ ۱۵ مُتَّكِنِينَ
عَلَيْهَا مُتَّقِدِينَ ۱۶ يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُخَلَّدُونَ ۱۷ بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيقَ ۱۸ وَكَأْسٍ مِّنْ مَّعِينٍ ۱۹ لَا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنْزَفُونَ ۲۰ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ ۲۱
وَلَحُوحٍ طَيِّبٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ۲۲ وَحُورٍ عِينٍ ۲۳ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ۲۴

جَزَاءً إِيْمَاكَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۲۳﴾ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْتِيَمًا ﴿۲۴﴾

پہلے لوگوں میں سے بہت بڑا گروہ ہوگا O اور پچھلے لوگوں میں سے تھوڑا سا ہوگا O سونے سے مرصع تختوں پر ہوں گے O وہ ان پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے شاہانہ انداز میں تکیے لگائے ہوئے ہوں گے O ان کے ارد گرد ہمیشہ رہنے والے لڑکے گھوم رہے ہوں گے O بڑے پیالوں اور آب خوروں اور آنکھوں کے سامنے بہتی شراب سے بھرے ہوئے جام کے ساتھ O نہ تو اس سے انہیں سر درد ہوگا اور نہ وہ بے ہوش ہوں گے O اور پھل ہوں گے جنہیں وہ پسند کریں گے O اور پرندوں کا گوشت ہوگا جس کی وہ خواہش کریں گے O اور بڑی خوب صورت آنکھوں والی حوریں ہوں گی O جیسے چھپا کر رکھے گئے موتی O یہ ان (نیک) اعمال کا بدلہ ہے جو وہ کرتے تھے O وہ اس میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ کوئی گناہ کی بات O

سبقت لے جانے والوں کا تعارف اور ان کے لیے انعامات کا بیان

۱۳، ۱۴ - ﴿ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ O وَكَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ﴾ پہلے لوگوں میں سے بہت بڑا گروہ ہوگا O اور پچھلے لوگوں میں سے تھوڑے ہوں گے۔ اصل میں ”ہُمْ ثَلَاثَةٌ“ ہے اور ”ثَلَاثَةٌ“ کا معنی ہے: لوگوں کا بہت بڑا گروہ اور معنی یہ ہے کہ بے شک نیکیوں میں سبقت کرنے والے پہلے لوگوں میں سے بہت زیادہ ہوں گے اور ”أَوَّلِينَ“ سے وہ تمام امتیں مراد ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد تک گزر چکی ہیں اور ”كَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ“ سے امت محمد ﷺ مراد ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ”أَوَّلِينَ“ سے اس امت کے متقدمین مراد ہیں اور ”آخِرِينَ“ سے اس امت کے متاخرین مراد ہیں اور حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ دونوں گروہ میری امت میں سے ہوں گے نیا

۱۵ - ﴿عَلَىٰ سُرُرٍ مَّوْضُونَةٍ﴾ وہ ایسے تختوں اور پلنگوں پر تشریف فرما ہوں گے جو سونے سے مرصع ہوں گے نیز ان پر موتیوں اور یاقوتوں کی کڑھائی کی گئی ہوگی [”سُرُرٌ“ جمع ہے اس کا واحد ”سُرِيرٌ“ ہے جیسے ”كُتُبٌ“ جمع ہے اور ”كُتَيْبٌ“ واحد ہے]۔

۱۶ - ﴿مُتَّكِنِينَ عَلَيْهَا﴾ وہ ان پلنگوں پر تکیے لگا کر بیٹھے ہوں گے [یہ ”عَلَىٰ سُرُرٍ“ کے متعلق کی ضمیر سے حال ہے اور وہی اس میں عامل ہے ”أَيُّ اسْتَقَرُّوا عَلَيْهَا“ یعنی وہ مقربین ان پر براجمان ہوں گے] ﴿مُتَّكِنِينَ﴾ وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں گے اور ایک دوسرے کے چہروں کا دیدار کریں گے مگر وہ ایک دوسرے کی پشتوں کو نہیں دیکھیں گے اور یہ ان کی حسن معاشرت اور مہذب اخلاق اور صاف و پاکیزہ دوستی کے ساتھ توصیف کی گئی ہے [یہ بھی اسی سے حال واقع ہو رہا ہے]۔

۱۷ - ﴿يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ﴾ ان کی خدمت کرنے کے لیے نوخیز لڑکے ان کے گرد پھرتے رہیں گے۔ ”وِلْدَانٌ“ ”ولید“ کی جمع ہے ﴿مُخَلَّدُونَ﴾ وہ لڑکے ہمیشہ نوخیز لڑکوں کی شکل و صورت پر قائم و باقی رہیں گے اور اس حال سے (پکی عمر اور بڑھاپے کی طرف) نہیں پھریں گے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ وہ ”مُقَرَّطُونَ“ یعنی زیورات سے آراستہ ہوں گے اور ”مُخَلَّدُونَ“ بہ معنی کنگن اور بالیاں آیا ہے۔ بعض دیگر حضرات نے فرمایا کہ وہ دنیا والوں کی اولاد ہوگی۔ ان کے پاس نہ

ل رواہ الطبرانی وابن عدی (حاشیۃ الکشاف ج ۳ ص ۴۵۸)

تو نیکیاں ہوں گی کہ ان پر ان کو اجر و ثواب عطا کیا جائے اور نہ ان کی بُرائیاں ہوں گی جن پر انہیں سزا دی جائے اور حدیث شریف میں ہے کہ کفار کی اولاد اہل جنت کے خدام ہوں گے۔

۱۸- ﴿يَا كُوَيْبُ﴾ کوزہ یہ ”کُوْبُ“ کی جمع ہے اور یہ ایک ایسا برتن ہے جس کا نہ تو پکڑنے کے لیے دستہ بنا ہوتا ہے اور نہ پانی پینے کے لیے مخصوص ٹوٹی بنی ہوتی ہے بلکہ ایک بڑا پیالہ، گلاس یا لوٹا نما برتن ہے (ہاتھوں میں لے کر جہاں سے چاہیں پانی پی لیں) ﴿وَأَبَا دَيْبٍ﴾ آفتابے یہ ”ابریق“ کی جمع ہے اور یہ وہ برتن ہے جس کا پانی پینے کے لیے زائد حصہ (ٹوٹی) بنا ہوا ہوتا ہے اور پکڑنے کے لیے دستہ بھی بنا ہوا ہوتا ہے جسے آفتابہ کہتے ہیں ﴿وَكَايِسٍ﴾ اور ایسا پیالہ جس میں شراب ہو (جسے جام شراب کہتے ہیں) اور اگر اس میں شراب نہ ہو تو وہ ”کساس“ نہیں کہلائے گا (بلکہ اسے ”قدح“ کہتے ہیں) ﴿مِنْ مَّعِينٍ﴾ شراب کا چشمہ۔ جنت میں شراب طہور چشموں سے بہتی ہوگی۔

۱۹- ﴿لَا يَصْدَعُونَ عَنْهَا﴾ انہیں اس سے سرکا درد نہیں ہوگا یعنی اس شراب کے سبب انہیں سر درد نہیں ہوگا اور جنتی شراب کی حقیقت یہی ہے کہ اس کی وجہ سے انہیں سرکا درد شروع ہی نہیں ہوگا یا اس کی وجہ سے ان میں افتراق و انتشار پیدا نہیں ہوگا (جیسے دنیا کی شراب کی مستی میں لڑائی جھگڑوں کی وجہ سے انتشار پیدا ہو جاتا ہے) ﴿وَلَا يَنْزِفُونَ﴾ اور نہ وہ بے ہوش ہوں گے۔ جب شراب پینے کی وجہ سے کسی آدمی کی عقل چلی جائے تو اس وقت کہا جاتا ہے: ”نُزِفَ الرَّجُلُ“ فلاں آدمی کی عقل زائل ہوگئی [کوئی قراءت میں ”لَا يَنْزِفُونَ“ زامکسور (باب افعال سے) پڑھا جاتا ہے] یعنی اہل جنت کی شراب کبھی ختم نہیں ہوگی۔ جب کسی قوم کی شراب ختم ہو جاتی ہے تو کہا جاتا ہے: ”أَنْزَفَ الْقَوْمُ“۔

۲۰- ﴿وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَخْتِرونَ﴾ اور پھل ہوں گے جنہیں وہ پسند کریں گے اور وہ اس سے بہترین اور اچھا پھل لے لیا کریں گے۔

۲۱- ﴿وَلَحُوطٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ﴾ اور پرندوں کا گوشت ہوگا جس کی وہ خواہش اور تمنا کریں گے۔

۲۲- ﴿وَحُورٍ عِينٍ﴾ اور بڑی بڑی آنکھوں والی خوب صورت حوریں ہوں گی یعنی ان بہشتوں میں بڑی آنکھوں والی خوب صورت حوریں ہوں گی یا یہ معنی ہے کہ ان جنتیوں کے لیے بڑی بڑی آنکھوں والی حسین حوریں ہوں گی [”حور“ ”حوراء“ کی جمع ہے اور ”عین“ ”عیناء“ کی جمع ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ”ولدان“ پر معطوف ہو اور ”جنات النعیم“ پر عطف کر کے یزید حمزہ کوئی اور علی کسائی کی قراءت میں ”حُورٍ“ (”رَا“ مکسور) پڑھا جاتا ہے] گویا فرمایا کہ وہ حضرات جنتوں، پھلوں، پرندوں کے گوشت اور حوروں میں ہوں گے۔

۲۳- ﴿كَأَمْثَالِ الذُّلُوِّ الْمَكْتُونِ﴾ وہ حوریں صفائی اور ستھرائی میں محفوظ و چھپا کر رکھے گئے موتیوں کی طرح ہیں۔ علامہ زجاج نے کہا کہ وہ پیسی سے تازہ بہ تازہ نکلے ہوئے صاف شفاف موتیوں کی طرح ہیں جنہیں ابھی نہ زمانہ نے متغیرو تبدیل کیا اور نہ استعمال کے احوال نے انہیں مختلف کیا۔

۲۴- ﴿جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ یہ صلہ ہے ان کے اعمال کا جو وہ (دنیا میں) کرتے تھے [”جزآء“ مفعول لہ ہے] یعنی ان کے ساتھ یہ تمام کرم نوازیاں ان کے اعمال کے بدلے میں کی جائیں گی [یا ”جزآء“ مصدر ہے ”أَيُّ يُجْزَوْنَ جَزَاءً“] یعنی انہیں خوب جزائے خیر عنایت کی جائے گی۔

۲۵- ﴿لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْتِيهَا﴾ وہ لوگ ان جنتوں میں نہ بے ہودہ اور باطل و ناجائز بات سنیں گے اور نہ وہ

معصیت و گناہ کی اور بخش و بے حیائی کی کوئی بکواس نہیں گے۔

إِلَّا قِيْلًا سَلَامًا سَلَامًا ﴿٢٧﴾ وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ ﴿٢٨﴾ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ ﴿٢٩﴾ فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ﴿٣٠﴾ وَطَلْحٍ مَّنْضُودٍ ﴿٣١﴾ وَفَاكِهِةٍ كَثِيرَةٍ ﴿٣٢﴾ لَا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ ﴿٣٣﴾ وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ ﴿٣٤﴾ إِنَّا أَنشَأْنَهُنَّ إِنشَاءً ﴿٣٥﴾ فَجَعَلْنَهُنَّ أَبْكَارًا ﴿٣٦﴾ عُرُبًا أَتْرَابًا ﴿٣٧﴾ لِأَصْحَابِ الْيَمِينِ ﴿٣٨﴾ ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٩﴾ وَثَلَاثَةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ﴿٤٠﴾

سوائے سلام سلام کہنے کے ○ اور دائیں طرف والے کتنے اچھے ہیں دائیں طرف والے ○ وہ بغیر کانٹوں کے جھکی ہوئی بیڑیوں میں ہوں گے ○ اور تہ بہ تہ کیلوں میں ○ پھیلے ہوئے لمبے سائے میں ○ ہمیشہ جاری پانی میں ○ اور بہ کثرت پھلوں میں ○ جو نہ کبھی ختم ہوں گے اور نہ روکا جائے گا ○ اور بلند پھونوں پر ○ بے شک ہم نے ان حوروں کو بہترین پروان چڑھایا ○ سو ہم نے ان کو کنواریاں بنایا ○ شوہروں کی پیاریاں ایک عمر والیاں ○ دائیں طرف والوں کے لیے ○ پہلے لوگوں میں سے بھی ایک بڑا گروہ ہوگا ○ اور پچھلے لوگوں میں سے بھی ایک بڑا گروہ ہوگا ○

۲۶۔ ﴿إِلَّا قِيْلًا سَلَامًا سَلَامًا﴾ ماسوا سلام سلام کہنے کے (یعنی) صرف سلامتی والی بات سنیں گے [یہ استثناء منقطع ہے اور "سَلَامًا" "قِيْلًا" سے بدل ہے یا پھر "قِيْلًا" کا مفعول لہ ہے] یعنی وہ لوگ جنتوں میں نہیں سنیں گے مگر یہ کہ وہ کہیں گے: سلام سلام اور معنی یہ ہے کہ بے شک وہ آپس میں سلام کو پھیلائیں گے اور بار بار ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔
اصحابِ یمن کے لیے انعامات کا بیان

۲۷، ۲۸۔ ﴿وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ﴾ اور دائیں طرف والے کس قدر اچھے ہیں دائیں طرف والے ○ جو بغیر کانٹوں کے جھکی ہوئی بیڑیوں میں ہوں گے۔ "السِّدْر" کا معنی ہے: بیری کا درخت اور "مخضود" کا معنی ہے: بے خار درخت جس میں کانٹے نہیں ہوتے گویا اس کے کانٹے کاٹ کر ختم کر دیئے گئے۔
۲۹۔ ﴿وَطَلْحٍ مَّنْضُودٍ﴾ اور کیلوں کے تہ بہ تہ جھکے ہوئے گچھے۔ "طلح" کا معنی ہے: کیلے کے درخت۔ "منضود" کا معنی ہے: کیلے کے گچھے جن میں پھل نیچے سے اوپر تک ایک دوسرے کے اوپر تہ بہ تہ چڑھے ہوئے ہوتے ہیں سو اس لیے اس کی ٹہنی ظاہر نہیں ہوتی۔

۳۰۔ ﴿وَطَلْحٍ مَّنْضُودٍ﴾ اور ہمیشہ رہنے والا دراز سایا (یعنی بہشتوں میں دھوپ و گرمی نہیں ہوگی بلکہ) ہمیشہ رہنے والا لمبا ہر طرف پھیلا سایا ہوگا جیسے فجر کے طلوع ہونے اور سورج کے طلوع کے درمیان سایا ہوتا ہے۔

۳۱۔ ﴿وَفَاكِهِةٍ كَثِيرَةٍ﴾ اور بہتا ہوا پانی جس کی حد بندی نہیں ہوگی نہ اس کے لیے کھالوں اور نالیوں کی پابندی ہوگی یعنی زمین کی سطح پر بغیر کھالوں اور بغیر وادیوں کے مسلسل صاف شفاف پانی جاری رہے گا۔

۳۲، ۳۳۔ ﴿وَفَاكِهِةٍ كَثِيرَةٍ﴾ اور پھل بہت ہوں گے یعنی بہت سی اجناس و اقسام کے گونا گوں بہ کثرت پھل ہوں گے

﴿لَا مَقْطُوعَةَ﴾ نہ ختم ہونے والے (یعنی) جنتی پھل کبھی ختم نہیں ہوں گے جیسا کہ دنیا کے پھل بعض اوقات ختم ہو جاتے ہیں بلکہ جنتی پھل ہمیشہ باقی رہیں گے ﴿وَلَا مَمْنُوعَةَ﴾ اور نہ روکے ہوئے (یعنی) کسی جنتی کو کسی وجہ سے کسی وقت ان پھلوں کو حاصل کرنے، استعمال کرنے اور کھانے سے نہیں روکا جائے گا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ان دونوں کا مطلب یہ ہے کہ جنتی پھل تمام اوقات میں سے کسی وقت میں ختم نہیں ہوں گے اور نہ قیمت کی وجہ سے کسی کو روکا جائے گا۔

۳۴- ﴿وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ﴾ اور بلند و بالا بچھونے (یعنی) شان والے بچھونے یا پھر چادروں اور بچھونوں کو تہ بہ تہ کرتے ہوئے ایک دوسرے کے اوپر چڑھا کر رکھا جائے گا یہاں تک کہ وہ اونچے اور بلند ہو جائیں گے یا وہ بچھونے تختوں پر بلند ہوں گے اور بعض کا قول ہے کہ ”فرش“ سے عورتیں مراد ہیں کیونکہ عورتوں کو بطور کنایہ ”فرش“ سے مراد لیا جاتا ہے اور ”مرفوعة“ کا مطلب ہے کہ وہ پلنگوں پر ہوں گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلَالٍ عَلَى الْأَرَائِكِ مُتَكِنُونَ“ (یسین: ۵۶) ”وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں پلنگوں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے“ اور اس معنی پر (درج ذیل) آیت دلیل ہے۔

۳۵- ﴿إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً﴾ بے شک ہم نے ان کو بہترین پروان چڑھایا (یعنی) بے شک ہم نے ان کی ابتداء نئی تخلیق سے کی کہ ان کو بغیر ولادت کے از سر نو پیدا کیا، سواب یا وہ عورتیں مراد ہیں جن کو ہم نے ابتداء میں نئی تخلیق میں یعنی بغیر ولادت کے پیدا کیا یا پھر وہ عورتیں مراد ہیں جن کو دوبارہ پروان چڑھا کر دوشیزہ پیدا کیا جائے گا اور اس تاویل کے علاوہ کی صورت میں ”هُنَّ“ کے لیے اضماع قبل الذکر لازم آئے گا کیونکہ ”فرش“ سے تو بستر اور بچھونے مراد ہیں جب کہ جنتی عورتیں مراد لینے پر (درج ذیل) آیت بھی دلیل ہے۔

۳۶، ۳۷- ﴿فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا﴾ سو ہم نے ان کو کنواریاں بنایا، چنانچہ ان کے شوہران کے پاس جب بھی آئیں گے انہیں کنواریاں پائیں گے ﴿عُرُبًا﴾ اپنے شوہروں کی پیاریاں خوب صورت اور اپنے شوہروں کی فرماں بردار اور ان کی خدمت گزار ہوں گی [قاری حمزہ کوئی خلف، یحییٰ اور حماد کی قراءت میں ”عُرُبًا“ (”رَا“ مضموم ہے) پڑھا جاتا ہے اور یہ ”عروب“ کی جمع ہے (جیسے ”رُسُل“، ”رَسُول“ کی جمع ہے)] ﴿أَتْرَابًا﴾ ایک عمر والیاں کیونکہ جنتی تمام عورتیں سن اور عمر میں مساوی اور برابر ہوں گی سب تینتیس (۳۳) سال کی ہوں گی اور ان کے شوہروں کی عمریں بھی اسی طرح ہوں گی۔

۳۸- ﴿لِلْأَصْحَابِ الْيَمِينِ﴾ دائیں طرف والوں کے لیے ہوں گی [لام جا را اپنے مجرور سے مل کر ”انشاناف“ کے متعلق ہے]۔

۳۹، ۴۰- ﴿ثَلَاثَةٌ﴾ یعنی دائیں طرف والوں کا ایک بہت بڑا گروہ ﴿مِنَ الْأُولَىٰ ۖ وَمِنَ الْآخِرِينَ﴾ پہلے لوگوں میں سے ہوگا اور ایک بہت بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا، پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے ”وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ“ کس طرح فرمایا، پھر یہاں ”وَتِلْكَ مِنَ الْآخِرِينَ“ فرمادیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ پہلے سابقین کے بارے میں فرمایا تھا اور اب اس آیت میں ”اصحاب یمین“ کے بارے میں فرمایا ہے اور بے شک ”اصحاب یمین“ یعنی دائیں طرف والے پہلے لوگوں میں سے بھی بہت ہوں گے اور پچھلے لوگوں میں سے بھی بہت ہوں گے۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ پہلی تمام امتوں کے سابقین ہماری امت کے سابقین سے بہت زیادہ ہوں گے اور پہلی امتوں کے تابعین اس امت کے تابعین کے برابر ہوں گے۔

وَأَصْحَابُ الشَّمَالِ ۗ مَا أَصْحَابُ الشَّمَالِ ۖ فِي سَمُومٍ وَحَيْبٍ ۖ وَظِلٍّ مِّنْ يَحْمُومٍ ۖ
 لَا بَارِدٍ وَلَا كَرِيمٍ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مُتْرَفِينَ ۖ وَكَانُوا يُصِرُّونَ عَلَى
 الْحِنثِ الْعَظِيمِ ۖ وَكَانُوا يَقُولُونَ ۖ إِذَا امْتَنَّا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا ۖ إِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ۖ
 أَوْ آيَاؤُنَا الْأُولُونَ ۖ قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ۖ لَمَجْمُوعُونَ ۖ إِلَىٰ مِيقَاتِ
 يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۖ

اور بائیں طرف والے کیسے بدترین ہیں بائیں طرف والے ۰ زہریلی گرم ہوا اور کھولتے ہوئے گرم پانی میں ہوں گے ۰ اور سیاہ دھوئیں کے سایا میں ہوں گے ۰ نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ راحت دے گا ۰ بے شک وہ اس سے پہلے (دنیا میں) نعمتوں والے تھے ۰ اور وہ بڑے گناہ پر اصرار کرتے تھے ۰ اور وہ کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم ضرور اٹھائے جائیں گے ۰ اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا بھی ۰ (اے محبوب!) فرمادیتے کہ بے شک پہلے لوگ اور پچھلے لوگ ۰ ضرور جمع کیے جائیں گے ایک مقرر دن کے وقت ۰

توحید و قیامت کے انکار کی وجہ سے ”اصحاب شمال“ کی سزاؤں کا بیان

۴۱- ﴿وَأَصْحَابُ الشَّمَالِ ۗ مَا أَصْحَابُ الشَّمَالِ﴾ اور بائیں طرف والے کیسے بُرے لوگ ہیں بائیں طرف والے۔ ”الشمال“ اور ”المشامة“ ایک چیز ہیں (اس سورت کی آیت: ۸، ۹ کی تفسیر میں ”اصحاب یمن“ اور ”اصحاب شمال“ کی وضاحت کر دی گئی ہے)۔

۴۲- ﴿فِي سَمُومٍ﴾ دوزخ کی آگ کی زہریلی گرم ہوا میں ہوں گے جو مساماتِ بدن میں داخل ہو جائے گی (جو اندرون اجسام کو بھی جلانے لگی) ﴿وَحَيْبٍ﴾ اور کھولتے ہوئے پانی میں ہوں گے اور یہ گرم ترین پانی ہوگا جو حرارت و گرمائش کی انتہاء تک پہنچ چکا ہوگا۔

۴۳- ﴿وَبِلْغٍ مِّنْ يَّحْمُومٍ﴾ اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ہوں گے۔ ”ظل“ کا معنی سایا اور ”يَحْمُومٌ“ بہ معنی ”دُخَانٌ أَسْوَدٌ“ یعنی سیاہ دھواں۔

۴۴- ﴿لَا بَارِدٍ وَلَا كَرِيمٍ﴾ نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ راحت و سکون دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سایا کی دونوں صفات کی اس سے نفی کر دی ہے، مطلب یہ کہ بے شک وہ سایا ہے لیکن دیگر سایوں کی طرح نہیں ہے۔ اس کا نام تو سایا رکھ لیا لیکن پھر اس سے سایا کی ٹھنڈا اور اس کی راحت اور اس کے نفع کی نفی کر دی، جو شخص گرمی کی تپش کی تکلیف سے اس سایا کی پناہ میں آئے اور اسی طرح اس سایا کا کرم ہے تاکہ سایا کے مفہوم میں جو راحت وغیرہ کا تصور ہوتا ہے اسے بالکل مٹا دیا جائے اور اس کا معنی اور مطلب یہ ہوا کہ بے شک وہ سایا گرم ترین انتہائی نقصان دہ ہے۔

۴۵- ﴿إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مُتْرَفِينَ﴾ بے شک وہ لوگ اس سے پہلے یعنی دنیا میں نعمتوں والے دولت مند اور خوش حال تھے سو یہ چیز تھی جس نے انہیں سرکشی و نافرمانی سے باز آ جانے سے روک دیا اور عبرت حاصل کرنے سے انہیں دُور کر

دیا۔

۴۶- ﴿وَكَانُوا يُهْتَرُونَ عَلَى الْحِنْتِ الْعَظِيمِ﴾ اور وہ بڑے گناہ پر اصرار کرتے تھے یعنی وہ لوگ بہت بڑے گناہ پر یا کفر و شرک پر ہمیشہ قائم رہے کیونکہ انہوں نے میثاق کے دن کا عہد توڑ دیا تھا اور ”حنث“ کا معنی ہے: قسم کے ذریعے پختہ کیا ہوا عہد توڑ دینا یا مرنے کے بعد قبروں سے زندہ کر کے اٹھائے جانے سے کفر کرنا مراد ہے جس کی ذیل یہ (درج ذیل) ارشاد ہے: ”وَاقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَن يَمُوتُ“ (النحل: ۳۸) ”اور انہوں نے اپنی پکی اور پختہ قسموں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی کہ اللہ تعالیٰ مرنے والوں کو دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھائے گا“۔

۴۷- ﴿وَكَانُوا يَقُولُونَ: أَيُّكُمْ وَكَأَنَّ آبَاءَنَا لَمُبْعُوثُونَ﴾ اور وہ کہتے تھے کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم ضرور اٹھائے جائیں گے [تقدیر عبارت اس طرح ہے: ”أَنْبَعَثُ إِذَا مِتْنَا“ جب ہم مرجائیں گے تو کیا ہمیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ ظرف میں یہی ”نُبْعَثُ“ عامل ہے اور اس کا حذف کرنا جائز ہے کیونکہ ”مَبْعُوثُونَ“ اس پر دلالت و رہنمائی کرتا ہے لیکن ”مَبْعُوثُونَ“ اس میں عمل نہیں کر سکتا اس لیے کہ حرف ”إِنْ“ اور حرف استفہام اپنے مابعد کو اپنے ماقبل میں عمل کرنے سے روک دیتے ہیں]۔

۴۸- ﴿أَوْ آبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ﴾ اور کیا ہمارے باپ دادا کو بھی دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا [ہمزہ استفہام کو حرف عطف پر داخل کیا گیا ہے جب کہ ”لَمَبْعُوثُونَ“ میں مضمّر پر ”نَحْنُ“ کی تاکید کے بغیر عطف کرنا اچھا ہوتا فاصل کے آجانے کی وجہ سے اور وہ شروع میں ہمزہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ”مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا“ (الانعام: ۱۳۹) میں نفی کی تاکید کے لیے حرف ”لَا“ کے فصل کی وجہ سے عطف اچھا ہے اور نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں (واو ساکن کے ساتھ) ”أَوْ آبَاؤُنَا“ پڑھا جاتا ہے]۔

۴۹، ۵۰- ﴿قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ لَمَجْمُوعُونَ إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک پہلے اور پچھلے سب لوگ ایک مقرر دن کے وقت ضرور جمع کیے جائیں گے (یعنی) ایک مقرر دن کے اس وقت سب لوگ جمع کیے جائیں گے جس کی آمد تک دنیا کی اختتامی مدت معین کر دی گئی [”مِيقَاتِ“ کی ”یوم معلوم“ کی طرف اضافت بہ معنی ”مِنْ“ ہے جیسے ”خَاتَمُ فِضَّةٍ“ میں ہے اور ”مِيقَاتِ“ اس کو کہتے ہیں جس کے ساتھ کسی چیز کو مقرر کیا جائے یعنی یہ ایک حد ہوتی ہے اور اسی سے ”مواقیت احرام“ ہیں اور یہ وہ حدود ہیں جن کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے والا بغیر احرام کے عبور نہیں کر سکتا اور ان حدود سے شرعاً آگے نہیں جاسکتا]۔

ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيُّهَا الضَّالُّونَ الْمُكَذِّبُونَ ۗ لَا تَكُونُونَ مِنْ شَجَرٍ مِنْ زُقُومٍ ۗ^{۵۱}
فَمَا تَكُونُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ۗ فَشَرِبُونَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيمِ ۗ فَشَرِبُونَ شُرْبًا ۗ^{۵۲}
الْهِيمِ ۗ هَذَا نَزَّلْنَاهُمْ يَوْمَ الدِّينِ ۗ^{۵۳}

پھر بے شک اے گمراہو جھٹلانے والو! تم ضرور تھوہر کے درخت میں سے کھانے والے ہو ۗ سو اسی سے پیو گے
بھرنے والے ہو ۗ پھر اس پر کھولتا ہوا پانی پینے والے ہو ۗ پس تم سخت پیاسے اونٹ کی طرح پینے والے ہو ۗ قیامت کے
دن یہی ان کی مہمانی ہوگی ۗ

۵۱۔ ﴿ثُمَّ لَكُمْ أَتَاهَا الصَّالُونَ﴾ پھر بے شک اے راہ ہدایت سے بھٹکنے والو! ﴿الْمُكذِبُونَ﴾ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کو جھٹلانے والو! اور یہ مکہ معظمہ میں رہنے والے کفار مراد ہیں اور نیز وہ لوگ مراد ہیں جن کا حال انہیں جیسا ہے۔

۵۵۲۔ ﴿لَا كَلُونَ مِنْ شَجَرٍ مِنْ زَقُومٍ﴾ تھوہر کے درخت میں سے کھانے والے ہو! ﴿مِنْ شَجَرٍ﴾ میں حرف ”مِنْ“ ابتدائے غایت کے لیے ہے اور ”مِنْ زَقُومٍ“ میں حرف ”مِنْ“ ”شجر“ کے بیان کے لیے ہے [﴿فَمَا لَتَوْنَ مِنْهَا الْبَطُونَ﴾ فشریبون علیہ من الحویہ] پس تم اس سے اپنے پیٹوں کو بھرنے والے ہو۔ پھر اس پر کھولتا ہوا پانی پینے والے ہو! ﴿مِنْهَا﴾ میں ”شجر“ کی طرف لوٹنے والی ضمیر کو معنی کے اعتبار پر مؤنث لایا گیا ہے اور ”عَلَيْهِ“ میں شجر کی طرف لوٹنے والی ضمیر کو لفظ کے اعتبار پر مذکر لایا گیا ہے [﴿فَشَرِبُونَ شُرْبَ الْهَيْمِ﴾ پھر تم سخت پیاسے اونٹ کی طرح پینے والے ہو۔ ”الہیم“ کا معنی ہے: سخت پیاسا اونٹ جو کبھی سیراب نہیں ہوتا اور ان آیات کا معنی یہ ہے کہ ان کفار پر اس قدر سخت بھوک مسلط کر دی جائے گی کہ وہ تھوہر کا بدترین کڑوا جہنمی درخت کھانے پر مجبور ہو جائیں گے۔ یہ درخت زہریلی پیپ اور پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا پھر جب اس سے ان کے پیٹ بھر جائیں گے تو ان پر اس قدرت سخت پیاس مسلط کر دی جائے گی کہ وہ کھولتا ہوا گرم ترین پانی پینے پر مجبور ہو جائیں گے یہ پانی ان کی انتڑیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا لیکن سخت پیاس کی وجہ سے یہ لوگ اسے سخت پیاسے اونٹ کی طرح پیتے جائیں گے اور ”شاربون“ کا ”شاربون“ پر عطف اس لیے صحیح ہے کہ یہ دونوں مختلف اوصاف متفقہ اشخاص کے لیے ہیں کیونکہ انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے والے انتہائی گرم ترین کھولتے ہوئے پانی کو پینا امر عجیب ہے اور پھر اس کے باوجود ان کا سخت پیاسے اونٹ کی طرح یہ پانی پینا بھی امر عجیب ہے سو یہ دونوں مختلف وصف ہیں [امام عاصم نافع مدنی حمزہ کوفی اور سہل کی قراءت میں ”شُرْب“ شین مضموم کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور باقیوں کے نزدیک شین مفتوح ہے اور یہ دونوں مصدر ہیں اور ”الہیم“ جمع ہے اس کا واحد ”اہیم“ اور ”ہیماء“ ہے۔]

۵۶۔ ﴿هَذَا نَزْلُكُمْ﴾ یہ ہے ان کی مہمانی ”نَزْلُ“ وہ کھانا ہوتا ہے جو آنے والے مہمان کی تعظیم و تکریم کے لیے تیار کیا جاتا ہے ﴿يَوْمَ الدِّينِ﴾ بدلے کا دن۔

مَنْ خَلَقَكُمْ فَلَوْلَا تَصَدِّقُونَ ﴿۵۷﴾ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تُمْنُونَ ﴿۵۸﴾ ءَأَنْتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ﴿۵۹﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمُسْبِقِينَ ﴿۶۰﴾ عَلَىٰ أَنْ يُبَدَّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنشَأُ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿۶۲﴾ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ﴿۶۳﴾ ءَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الذَّرَّاعُونَ ﴿۶۴﴾ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطًا مَّا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ﴿۶۵﴾ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ ﴿۶۶﴾

ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے تو تم تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ پھر کیا تم نے غور سے دیکھا کہ جو منی تم (رحم میں) گراتے ہو؟ کیا تم اس سے انسان پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں؟ ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقدر کر دیا ہے اور

ہم عاجز نہیں ہیں O کہ ہم تمہارے جیسوں کو تبدیل کر کے اور پیدا کر دیں اور ہم تمہیں ایسی شکل و صورت میں پیدا کر دیں جسے تم نہیں جانتے O اور بے شک تم نے پہلی پیدائش کو خوب جان لیا ہے سو تم نصیحت حاصل کیوں نہیں کرتے O پھر کیا تم نے غور سے دیکھا جو تم کاشت کرتے ہو O کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں O اگر ہم چاہیں تو ضرور اسے ریزہ ریزہ کر دیں پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ O بے شک ہم پر تاوان ڈال دیا گیا O

انسان کھیتی بارش اور آگ کی تخلیق کے ذریعے تصدیق حق کی دعوت

٥٧- ﴿مَنْ خَلَقَكُمْ فَلَوْلَا تَصَدِّقُونَ﴾ ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے تو تم تصدیق کیوں نہیں کرتے۔ یہاں سے یا تو حق کی تصدیق کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اس لیے کہ بے شک وہ لوگ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کی تصدیق کرتے تھے مگر جب تصدیق الہی کے تقاضے ان کے مذہب کے خلاف ہوتے تو گویا وہ اس کی تکذیب کرتے تھے یا پھر مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھائے جانے کی تصدیق کی ترغیب دی گئی کیونکہ جس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا ممتنع اور ناممکن نہیں ہے۔

٥٨- ﴿أَفَرَأَيْتُمْ قَائِمُونَ﴾ سو کیا تم نے غور سے دیکھا کہ تم جو مٹی گراتے ہو یعنی جس نطفہ کو تم عورتوں کے رحموں میں ڈالتے ہو۔

٥٩- ﴿ءَأَنْتُمْ تَخْلُقُونَهُ﴾ کیا تم اسے پیدا کرتے ہو (یعنی) کیا تم اسے ایک مخصوص اندازے کے ساتھ پیدا کرتے ہو اور اس کی شکل و صورت تم بناتے ہو اور اسے ایک مکمل انسان تم بناتے ہو ﴿أَمْ مَخْنُ الْخَالِقُونَ﴾ یا ہم اسے پیدا کرنے والے ہیں۔

٦٠، ٦١- ﴿مَنْ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ﴾ ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقدر کر دیا ہے اور ہم نے اس کو تم پر اس طرح تقسیم کر دیا ہے جس طرح رزق مختلف طریقہ پر اور فرق کے ساتھ کم و بیش تقسیم کیا جاتا ہے جیسا ہماری مشیت اس کا تقاضا کرتی ہے سو اس لیے تمہاری عمریں مختلف ہوتی ہیں چھوٹی عمریں اور لمبی عمریں اور درمیانی عمریں [ابن کثیر کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ (یعنی بغیر شد کے) "قَدَّرْنَا" پڑھا جاتا ہے جب تم کسی آدمی سے کسی چیز میں سبقت کر جاؤ اور اس آدمی کو اس چیز سے عاجز کر دو اور تم اس پر غالب آ جاؤ تو تم کہو گے: "قَدَّرْنَا" ہم غالب آ گئے ہیں] ﴿وَمَا مَخْنُ بِسَبُوقَيْنِ﴾ O عَلَىٰ أَنْ يُبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ﴾ اور ہم عاجز نہیں ہیں O کہ ہم تمہارے جیسوں کو تبدیل کر کے اور پیدا کر دیں۔ اس ارشاد باری تعالیٰ کا معنی یہ ہے کہ بے شک ہم اس پر مکمل طور پر قادر ہیں تم اس پر ہمیں مغلوب نہیں کر سکتے اور "امثال" "مثل" کی جمع ہے یعنی یہ کہ ہم تمہیں تبدیل کر دیں اور تمہاری جگہ پر تمہارے جیسی اور مخلوق پیدا کر دیں ﴿وَنُنشِئُكُمْ فِي مَآلٍ تَعْلَمُونَ﴾ اور ہم تمہیں ایسی صورت میں پیدا کر دیں جسے تم نہیں جانتے (یعنی) اور ہم تمہیں ایسی مخلوق میں پیدا کر دیں جس کو تم نہیں جانتے ہو اور اس جیسی مخلوق تم میں معبود و معروف نہ ہو یعنی ہم بہ یک وقت دونوں کاموں پر قادر ہیں ہم چاہیں تو تمہاری مماثل مخلوق پیدا کر دیں اور اگر چاہیں تو تمہارے غیر مماثل مخلوق پیدا کر دیں تو بھلا ہم تمہیں مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھانے اور تمہارا اعادہ کرنے سے کس طرح عاجز ہو سکتے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ "امثال" "مثل" کی جمع ہو یعنی یہ کہ ہم تمہاری ان صفات کو تبدیل کر دیں جن پر تم تخلیق اور اخلاق و اطوار کے اعتبار سے قائم ہو اور ہم تمہیں ایسی صفات میں پیدا کر دیں جن کو تم نہیں جانتے۔

۶۲- ﴿وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَى﴾ اور بے شک تم نے پہلی تخلیق کو معلوم کر لیا [ابن کثیر اور ابو عمرو کی قراءت میں "النشأة" ہے] ﴿فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ﴾ تو کیا تم نصیحت اور عبرت حاصل نہیں کرتے کہ بے شک جو ایک مرتبہ کسی چیز کی تخلیق پر قادر ہو تو اس کے لیے دوبارہ اس پر قادر ہونا ممنوع و ناممکن نہیں ہے اور اس میں قیاس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے کیونکہ پہلی تخلیق پر دوسری تخلیق کے قیاس کو ترک کر دینے کی وجہ سے انہیں جاہل قرار دیا گیا ہے۔

۶۳- ﴿أَفَرَأَيْتُمْ مَا كَحَّرْتُونَ﴾ سو کیا تم نے غور سے دیکھا کہ جو تم کاشت کرتے ہو اور تم خوراک سے متعلقہ جو کھیتی باڑی کرتے ہو یعنی تم زمین میں ہل وغیرہ چلا کر اسے تیار کرتے ہو اور اس میں بیج بوتے ہو۔

۶۴- ﴿ءَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَ﴾ کیا تم اسے اگاتے ہو تم اسے پروان چڑھاتے ہو اور تم اسے انگوری میں تبدیل کرتے ہو ﴿أَمْ لَكُمْ الزَّرْعُونَ﴾ یا ہم اگانے والے ہیں۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ "لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ زَرَعْتُ وَلِيَقُلْ حَدَّثْتُ" تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں نے کھیتی اگائی ہے اور اسے چاہیے کہ یہ کہے: میں نے کھیتی بولی ہے۔

۶۵- ﴿لَوْ نَشَاءُ لَجْعَلْنَاهُ حُطَامًا﴾ اگر ہم چاہیں تو اسے کاشت کار کے حاصل کرنے سے پہلے چورا چورا کر دیں اور اسے توڑ پھوڑ کر بھوسہ بنا دیں ﴿فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ﴾ تو تم باتیں بناتے رہ جاؤ گے اور تم تعجب کرتے رہ جاؤ گے اور تم کھیتی باڑی میں اپنی محنت مشقت اٹھانے پر اور اس پر رقم خرچ کرنے پر نادم و پشیمان ہو جاؤ گے یا تم ان گناہوں پر نادم ہو جاؤ گے جن کا تم نے ارتکاب کیا تھا اور جن کی وجہ سے تمہیں یہ تکلیف پہنچی۔

۶۶- ﴿إِنَّا﴾ "أَيُّ تَقُولُونَ" ﴿إِنَّا لَمَغْرُمُونَ﴾ بے شک ہم یعنی تم کہو گے: بے شک ہم پر تاوان ڈال دیا گیا ہے ہم نے کاشت کاری پر جو خرچ کیا ہے اس کی چٹی ہم پر لازم کر دی گئی ہے یا یہ کہو گے کہ ہم اپنی روزی کی تباہی کی وجہ سے ہلاک و برباد ہو گئے ہیں۔ یہ "غرام" سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے: ہلاکت [ابو بکر کوفی کی قراءت میں "إِنَّا" کی بجائے "إِنَّا" پڑھا جاتا ہے]۔

بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٧٦﴾ أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ﴿٧٧﴾ ءَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ
مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ ﴿٧٨﴾ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ جَاءً قَالًا لَّا تَشْكُرُونَ ﴿٧٩﴾
أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ﴿٨٠﴾ ءَأَنْتُمْ أَنْشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِئُونَ ﴿٨١﴾
نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذَكُّرًا وَرَمَاءً لِلْمُقْبِلِينَ ﴿٨٢﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٨٣﴾

بلکہ ہم تو محروم ہو گئے ۰ سو کیا تم نے اس پانی کو غور سے دیکھا ہے جسے تم پیتے ہو ۰ کیا تم نے اسے بادل سے نازل کیا ہے یا ہم نازل کرنے والے ہیں ۰ اگر ہم چاہیں تو اسے نمکین بنا دیں سو تم شکر ادا کیوں نہیں کرتے ۰ پھر کیا تم نے اس آگ کو غور سے دیکھا ہے جسے تم سلگاتے ہو ۰ کیا تم نے اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں ۰ ہم نے اس کو (دو زخ کی آگ کے لیے) یادگار بنا دیا اور مسافروں کے لیے مفید بنایا ۰ پس آپ اپنے عظمت والے پروردگار کے نام

رواہ ابن حبان فی صحیحہ رقم الحدیث: ۵۷۲۳، والنز آرکمانی کشف الاستار رقم الحدیث: ۱۲۸۹، و البیہقی ج ۶ ص ۱۳۸، و ابو نعیم فی الحلیۃ

کی تسبیح کرتے رہیں ۰

۶۷۔ ﴿بَلْ نَحْنُ مُخْرَجُونَ﴾ بلکہ ہم بے نصیب قوم ہیں، ہم سے ہماری روزی چھین لی گئی ہے، ہمیں روزی سے محدود و ممنوع کر دیا گیا ہے، ہماری مالی عظمت نہیں رہی نہ ہمارا حصہ اور نصیب رہا اور نہ ہمارا بخت رہا اور اگر ہم خوش نصیب ہوتے تو ہم پر یہ آفت نہ آتی۔

۶۸، ۶۹۔ ﴿أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ﴾ پھر کیا تم نے اس پانی میں غور کیا اور نگاہ عبرت سے اسے دیکھا جسے تم پیتے ہو اور نوش جاں کرتے ہو یعنی پینے کے لیے صحیح سلامت و کارآمد اور آلودگی سے صاف شفاف شیریں پانی ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَشْرَبُوا مِنْ الْمُنْتَنِ﴾ کیا اسے بادلوں سے تم نے نازل کیا ہے۔ ”من“ کا معنی ہے: سفید بادل اور اس کا پانی سب سے زیادہ شیریں اور ہاضمہ دار ہوتا ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَشْرَبُوا﴾ یا ہم اپنی قدرتِ کاملہ کے ذریعے نازل کرنے والے ہیں۔

۷۰۔ ﴿لَوْ تَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا﴾ اگر ہم چاہیں تو اس کو نمکین و کھاری یا کڑوا بنا دیں جسے پیا نہ جاسکے ﴿فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ﴾ تو تم شکر ادا کیوں نہیں کرتے۔ ”لَوْلَا“ بہ معنی ”هَلَّا فَهَلَّا تَشْكُرُونَ“ سو تم شکر ادا کیوں نہیں کرتے [اور ارشاد باری تعالیٰ ”لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا“ میں لام تاکید داخل کیا گیا ہے اور یہاں ”جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا“ میں لام کو ہٹا دیا گیا ہے اس لیے کہ حرف ”لَوْ“ جب ایسے دو جملوں پر داخل ہو جائے جن میں سے دوسرا پہلے کے ساتھ اس طرح معلق ہو جس طرح جزاء شرط کے ساتھ معلق ہوتی ہے اور وہ خالص شرط کے لیے نہیں ہوتا جیسے حرف ”إِنْ“ شرط کے لیے ہوتا ہے اور نہ اس کی مثل عامل ہوتا ہے بلکہ اس میں شرط کا معنی اتفاقاً پایا جاتا ہے چنانچہ حرف ”لَوْ“ اپنے دونوں جملوں کے مضمون میں یہ فائدہ دیتا ہے کہ پہلے جملے کے امتناع کی وجہ سے دوسرا جملہ ممتنع ہو جاتا ہے (جیسے شرط کے امتناع سے جزاء کا وقوع ممتنع ہو جاتا ہے) اس لیے وہ اپنے جواب میں ایسی علامت کی طرف محتاج ہوتا ہے جو اس تعلق پر دلالت و رہنمائی کرے سو اس لام کو زیادہ کیا گیا تاکہ یہ اس تعلق پر دلالت کرے لیکن لام کا موقع اور محل مشہور و معروف ہو تو لفظ سے اسے گرا دیا جاتا ہے کیونکہ ہر شخص اسے خوب جانتا ہے اور اس کو گرانے اور ثابت رکھنے کی دونوں حالتیں مساوی اور برابر ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی ہے کہ اس آیت سے پہلے اس لام کا ذکر گزر چکا ہے اور فاصلہ بھی کم ہے جس نے اس کو دوبارہ ذکر کرنے سے بے نیاز کر دیا اور اس لیے بھی کہ یہ لام لامحالہ تاکید کے معنی کا فائدہ دیتا ہے سو اس کو صرف خوراک اور رزق کی آیت میں داخل کیا گیا ہے، مشروب کی آیت میں نہیں تاکہ یہ اس امر پر دلالت کرے کہ خوراک و رزق کا امر مشروب کے امر سے مقدم ہے اور بے شک اس کے فقدان پر وعید زیادہ سخت اور زیادہ مشکل ہوتی ہے نیز بے شک مشروب اور پانی پینے کی ضرورت و احتیاج کھانے اور خوراک کے تابع ہوتی ہے اس لیے کھانے اور رزق کی آیت کو پانی پینے کی آیت پر مقدم کیا گیا ہے۔]

۷۱۔ ﴿أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُؤَدُّونَ﴾ کیا تم نے غور سے اس آگ کو دیکھا جس کو تم جلاتے ہو تم اسے روشن کرتے ہو اور تم اسے زندہ سے نکالتے ہو کیونکہ اہل عرب دو لکڑیوں سے آگ روشن کرتے ہیں کہ ایک لکڑی کو دوسری لکڑی پر رگڑتے ہیں جس سے آگ نکلتی ہے اور وہ اوپر والی لکڑی کو ”زندہ“ کہتے ہیں اور نیچے والی لکڑی کو ”زندہ“ کہتے ہیں وہ ان دونوں کو زندہ اور مادہ کے ساتھ یا میاں بیوی کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔

۷۲۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَشْرَبُوا شَجَرًا﴾ کیا اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے جس میں سے ایک زندہ درخت ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَشْرَبُوا﴾ یا ہم ہی اس کو ابتداء سے پیدا کرنے والے ہیں۔

۷۳۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَشْرَبُوا﴾ ہم نے اس آگ کو جہنم کی آگ کے لیے یادگار بنا دیا ہے کیونکہ ہم نے زندگی گزارنے

کے اسباب کو اس کے ساتھ معلق کر دیا ہے اور ہم نے اس کو سب کی ضرورت بنا دیا اور اس کی حاجت و ضرورت کو عام کر دیا ہے تاکہ لوگ جب بھی اس کو دیکھیں تو ان کے ذہنوں میں دوزخ کی آگ کی یاد تازہ ہو جائے اور وہ دوزخ کی وعیدوں کو یاد رکھیں ﴿وَمَتَاعًا لِلْمُقْوِينَ﴾ جنگلوں اور میدانوں میں اترنے والے مسافروں کے لیے مفید و نافع ہے یا ان لوگوں کے لیے یہ آگ مفید ہے جن کے پیٹ خالی ہیں اور آگ پر کھانا بنانا ہے یا زور راہ کے لیے کھانا تیار کرنے والوں کے لیے مفید ہے۔ یہ اہل عرب کے قول ”أَقْوَاتِ الدَّارِ“ سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب گھر اپنے ساکنین سے خالی ہو جاتا ہے۔ واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں پہلے انسان کی تخلیق کا ذکر فرمایا چنانچہ ارشاد فرمایا: ”أَفْرَاءَ يَتَمَّ مَا تَمْنُونَ“ کیا تم نے دیکھا تم عورتوں کے رحموں میں جو مٹی گراتے ہو کیونکہ یہ نعمت تمام نعمتوں سے مقدم ہے پھر اس نعمت کا ذکر کیا جس کے ساتھ انسان کی قوت و طاقت اور زندگی قائم ہے اور وہ خوراک ہے اور دانے ہیں چنانچہ ارشاد فرمایا: ”أَفْرَاءَ يَتَمَّ مَا تَحْرَثُونَ“ کیا تم نے دیکھا تم جو کھیتی باڑی اور کاشت کاری کرتے ہو پھر اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کا ذکر کیا جس کے ساتھ آٹا گوندھا جاتا ہے اور اسے پیا جاتا ہے اور وہ پانی ہے پھر اس کا ذکر فرمایا جس کے ساتھ روٹیاں پکائی جاتی ہیں (ہانڈی تیار کی جاتی ہے) اور وہ آگ ہے سو کھانے کا حصول ان تین (اناج، پانی، آگ) کے مجموعہ پر موقوف ہے اور انسانی جسم جب تک زندہ ہے وہ ان تینوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

۷۴۔ ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ﴾ سو (اے محبوب!) آپ اپنے پروردگار کے نام مبارک کی تسبیح بیان کیجئے جو بڑی عظمت والا ہے (یعنی) اے استدلال کے ساتھ سننے والے انسان! تو اپنے رب تعالیٰ کی ہر اس عیب اور نقص سے پاکی بیان کر جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے یا پھر اسم سے ذکر مراد ہے یعنی اپنے عظمت والے رب تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ تسبیح بیان کیجئے اور بعض حضرات نے فرمایا: کہو ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ“ اور مرفوع حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم اسے اپنے رکوع میں شامل کر لو۔

فَلَا أُقِيمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ۝ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّوَتَّعَلَمُونَ عَظِيمٌ ۝ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ تَنْزِيلٌ مِّنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أَفَبِهَذَا الْحَدِيثِ أَنْتُمْ مُدْهِنُونَ ۝ وَتَجْعَلُونَ رِشْقَكُمْ أُنْكَارًا ۝ فَكَذِبُونَ ۝

سو مجھے ستاروں کے غروب ہونے کی جگہوں کی قسم ۝ اور بے شک یہ ضرور بہت بڑی قسم ہے اگر تم جانتے ہو ۝ بے شک یہ قرآن ضرور بہت بڑی عزت والا ہے ۝ محفوظ کتاب میں ہے ۝ اس کتاب کو ہاتھ نہ لگائیں مگر پاک لوگ ۝ تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی ہے ۝ تو کیا تم اس کلام میں سستی کرتے ہو ۝ اور تم اپنا حصہ یہی بناتے ہو کہ تم یقیناً (اس کتاب کو) جھٹلاتے ہو ۝

ستاروں کے غروب ہونے کے وقت کی عظمت اور قرآن مجید کی فضیلت کا بیان

۷۵ تا ۷۷- ﴿فَلَا أُقْسِمُ﴾ سو مجھے قسم ہے [اصل میں "فَأُقْسِمُ" ہے حرف "لا" تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا ہے اس کی مثال (درج ذیل) ارشاد میں ہے چنانچہ فرمایا: "لَسَلَّا يَعْلَمُ أَهْلُ الْكِتَابِ" (الحمدید: ۲۹) "تاکہ اہل کتاب جان لیں" اور ایک قراءت میں "فَلَا أُقْسِمُ" پڑھا گیا ہے پس میں ضرور قسم کھاتا ہوں اور اس کا معنی ہے: "فَلَا نَأُقْسِمُ" پس میں ضرور قسم کھاتا ہوں اور یہ لام ابتداء کا لام ہے جو مبتدا اور خبر کے جملہ پر داخل کیا گیا ہے اور وہ "أَنَا أُقْسِمُ" ہے پھر مبتدا "أَنَا" کو حذف کر دیا گیا ہے اور یہ صحیح نہیں ہے کہ یہ لام قسم کا لام ہو کیونکہ لام قسم نون تاکید کے ساتھ مقترن و متصل ہوتا ہے [﴿بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ﴾ ستاروں کے گرنے اور ڈوبنے کی جگہیں۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ ممکن ہے رات کے آخری حصے میں جب ستارے مغرب کی طرف گرتے (اور بارگاہِ الہی میں سجدہ ریز ہوتے) ہیں اس وقت اللہ تعالیٰ کے لیے عظیم الشان مخصوص افعال کریمانہ ہوتے ہیں یا اس وقت فرشتوں کے لیے عبادات مخصوصہ کا وقت ہوتا ہے یا اس لیے کہ بے شک وہ تہجد گزاروں کا وقت ہوتا ہے اور ان پر اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت کے نزول کا وقت ہوتا ہے سو اس لیے تو اللہ تعالیٰ نے ستاروں کے ڈوبنے کی جگہوں کی قسم فرمائی اور اس کی عظمت کے اظہار کے لیے ارشاد فرمایا [قاری حمزہ کو فی اور علی کسائی کی قراءت میں "بمواقع النجوم" پڑھا جاتا ہے] ﴿وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّتَوْعَلَمُونَ عَظِيمٌ﴾ بے شک یہ بہت بڑی قسم ہے اگر تم سمجھو [یہ جملہ معترضہ ہے جو قسم اور مقسم علیہ کے درمیان بطور جملہ معترضہ آ گیا ہے اور وہ (درج ذیل) ارشاد ہے: ﴿إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ﴾ بے شک یہ بہت بڑی عزت و عظمت والا قرآن ہے یہ بہترین و پسندیدہ کلام ہے یا یہ معنی ہے کہ اکثر لوگوں کو بہت بڑے منافع اور فوائد پہنچانے والا ہے یا یہ کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا محترم و مکرم ہے ﴿لَوْ تَعَلَمُونَ﴾ موصوف اور صفت کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

۷۸- ﴿فِي كِتَابٍ﴾ یعنی لوح محفوظ میں ﴿تَلَكُنُونَ﴾ جو اس سے محفوظ ہے کہ اس میں باطل شامل ہو سکے یا یہ کہ لوح محفوظ مقربین کے علاوہ دیگر فرشتوں سے محفوظ ہے اس پر مقربین کے سوا کوئی فرشتہ مطلع اور آگاہ نہیں ہو سکتا۔

۱ واضح رہے کہ قرآن مجید کو اس آیت مبارکہ میں "کَرِيمٌ" فرمایا گیا ہے جس کی درج ذیل وجوہات بیان کی گئی ہیں:

- (۱) قرآن مجید کو "کَرِيمٌ" اس لیے فرمایا ہے کہ یہ بہت زیادہ پڑھا جاتا ہے اور جس چیز کو بار بار پڑھا جاتا ہے اس سے دل اکتا جاتا ہے اور طبیعت مکرر ہو جاتی ہے لیکن قرآن کریم میں ایسی حلاوت اور تاثیر ہے کہ اس کو بار بار پڑھنے کے باوجود دل اکتاتا ہے نہ طبیعت مکرر ہوتی ہے بلکہ روحانی لذت حاصل ہوتی ہے اس لیے اس کو "کَرِيمٌ" فرمایا۔
- (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کو پڑھنے کا بہت زیادہ ثواب ہوتا ہے حتیٰ کہ ایک حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں جو اس کے "کَرِيمٌ" ہونے کی واضح دلیل ہے۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید سے جو چیز طلب کی جائے وہ مل جاتی ہے چنانچہ فقیہ اس سے احکام شرعیہ نکالتا ہے، حکیم و دانشور اس سے حکمت کے موتی نکالتا ہے، ادیب اس سے ادب حاصل کرتا ہے، عارف اس سے معارف حاصل کرتا ہے، مورخ اس سے تاریخ حاصل کرتا ہے، متکلم اس سے عقائد پر دلائل حاصل کرتا ہے، صوفی اس سے تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس کے رموز حاصل کرتا ہے اور رشد و ہدایت کا طالب اس سے رشد و ہدایت حاصل کرتا ہے اس سے دوزخ سے نجات کا طریقہ ملتا ہے اور جنت کے حصول کا راستہ ملتا ہے۔

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس سے جسمانی اور روحانی بیماریوں سے شفا ملتی ہے۔

(۵) پانچویں وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت فرمائے گا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۷۹- ﴿لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ﴾ اس (قرآن) کو نہ چھوئیں مگر پاک حضرات جو تمام نجاستوں سے پاک ہوں گناہوں کی نجاستوں سے بھی اور ان کے علاوہ (عقائد و نظریات کی نجاستوں سے بھی) یہ اس صورت میں ہوگا جب اس جملہ کو ”کتاب مکتون“ کی صفت قرار دیا جائے جس سے لوح محفوظ مراد ہے (اور اس صورت میں ”مُطَهَّرُونَ“ فرشتے ہیں گے) اور اگر اس کو قرآن کی صفت قرار دیا جائے تو پھر معنی یہ ہوگا کہ کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس قرآن کو ہاتھ لگائے مگر جب ظاہر اور پاک صاف ہو اور چھونے سے مکتوب منہ مراد ہے۔

۸۰- ﴿تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ﴾ یہ قرآن تمام جہانوں کے پالنے والے خدا کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ یہ قرآن مجید کی چوتھی صفت ہے اور ”تنزیل“ بہ معنی ”مَنْزُولٌ“ ہے یعنی نازل کیا گیا ہے یا ”تنزیل“ مصدر کے ساتھ قرآن کو موصوف کیا گیا ہے کیونکہ قرآن دیگر تمام کتب الہیہ کے درمیان تھوڑا تھوڑا کر کے حسب حاجت و ضرورت نازل کیا گیا ہے تو گویا قرآن مجید بذاتہ عین ”تنزیل“ ہے اور اس لیے ”تنزیل“ کو قرآن کے بعض اسماء کے قائم مقام کیا گیا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے: ”جَاءَ فِي التَّنْزِيلِ كَذَا“ قرآن میں اس طرح آیا ہے: ”وَنَطَقَ بِهِ التَّنْزِيلُ“ اور قرآن نے یہی کہا ہے یا مبتدا محذوف ہے اصل میں ”هُوَ تَنْزِيلٌ“ ہے۔

۸۱- ﴿أَقْبِلْ هَذَا الْحَدِيثَ أَنْتُمْ مُقَدِّهُونَ﴾ سو کیا تم اس کلام یعنی قرآن مجید کے ساتھ سستی کرتے ہو (اور تم اس کی تحقیر کرتے ہو اور اے اہل مکہ! تم اس کو اہمیت کیوں نہیں دیتے سستی کیوں کرتے ہو) جیسے بعض کاموں میں سستی کی جاتی ہے یعنی نرم گوشہ اختیار کیا جاتا ہے اور سستی کی وجہ سے اس میں سخت مضبوطی اختیار نہیں کی جاتی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۶) چھٹی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے عامل حفاظ کو دس دوزخیوں کی شفاعت کر کے دوزخ سے جنت لے جانے کا اذن عطاء کیا جائے گا۔

(۷) ساتویں وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے پڑھنے والوں سے عذابِ قبر دور ہوتا ہے۔

(۸) آٹھویں وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کی برکت سے شہادت کی فضیلت حاصل ہوتی ہے۔

(۹) نویں وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی محبت و عزت سے جنت ملے گی۔

(۱۰) دسویں وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کی برکت سے جنت کے درجات میں ترقی ہوتی رہے گی۔

(۱۱) گیارہویں وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کو حفظ کرنے والے کی میدانِ محشر میں عزت افزائی ہوگی اور اس کے والدین کو عزت و کرامت کا نورانی تاج پہنایا جائے گا۔

نوٹ: ان وجوہات کی تفصیل اور ان کے دلائل پڑھنے کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (تفسیر تبيان القرآن ج ۱۱ ص ۶۸۳-۶۸۶)

”لَا يَمَسُّهُ“ میں اگرچہ ”لا“ نافیہ ہے لیکن نہی کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ اس عزت والی کتاب کو طہارت کی حالت میں ہی چھونا چاہیے۔ فقہ کا مسئلہ یہ ہے کہ جنسی حائضہ اور نفاس والی عورت نہ اسے چھو سکتی ہے اور نہ اسے پڑھ سکتی ہے اور کوئی شخص بے وضو ہو تو زبانی تو پڑھ سکتا ہے لیکن قرآن کو ہاتھ نہیں لگا سکتا البتہ اگر اس کے اوپر کوئی غلاف ہے تو پھر ہاتھ لگا سکتا ہے۔ نابالغ بچے جو قرآن کی تعلیم حاصل کرتے ہیں ان کے لیے با وضو ہونا فرض اور ضروری نہیں البتہ بہتر ہے۔

اس کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ اس کے لطائف و معارف اسرار و رموز اور باطنی معانی تک رسائی کی سعادت ہر کس و ناکس کو نہیں بخشی جاتی بلکہ یہ صرف ان نفوسِ قدسیہ کا حصہ ہے جن کا ظاہر و باطن جن کا دل اور ذہن ہر قسم کی آلائشوں سے پاک صاف ہے۔ اس

صورت میں ”لا“ نفی کا ہوگا۔ (ماخوذ از: تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۱۰۰)

۸۲- ﴿وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ﴾ اور تم اپنا حصہ یہی بناتے ہو کہ تم (قرآن مجید کو) جھٹلاتے ہو یعنی تم اپنے رزق (نعمت قرآن) کے شکر کو تکذیب بناتے ہو مطلب یہ ہے کہ تم نے شکر ادا کرنے کی بجائے تکذیب اور جھٹلانے کو اختیار کر لیا ہے (قرآن پر ایمان لا کر شکر ادا کرنے کی بجائے اس کو من گھڑت اور انسانی کلام قرار دے کر جھٹلا دیا) اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت میں ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی قراءت ہے کہ ”وَتَجْعَلُونَ شُكْرَكُمْ أَنْكُمْ تُكَذِّبُونَ“ اور تم اپنے شکر کو یہ بناتے ہو کہ تم جھٹلاتے ہو یعنی تم قرآن کی نعمت پر شکر ادا کرنے کی بجائے اسے جھوٹا قرار دیتے ہو۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ ”انواء“ (ستاروں) کے بارے میں اور کفار کے ان کی طرف بارش کے نزول کو منسوب کرنے کے بارے میں نازل ہوئی تھی اور رزق سے بارش مراد لیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں جو بارشیں عطاء کرتا ہے ان پر اس کا شکر ادا کرنے کی بجائے تم جھٹلاتے ہو کہ تم ان بارشوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کی بجائے ستاروں کی طرف منسوب کرتے ہو۔

فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ ﴿۸۳﴾ وَأَنْتُمْ حِينِيذٍ تَنْظُرُونَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ

مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُونَهَا إِنْ

كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۸۷﴾ فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّتُ

نَعِيمٍ ﴿۸۹﴾ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ﴿۹۰﴾ فَسَلَامٌ لَكَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ﴿۹۱﴾

پھر ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ جب روح گلے تک پہنچ جاتی ہے اور تم اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو اور ہم اس کی طرف تم سے زیادہ نزدیک ہوتے ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے اور اگر تم کسی کے تابع حکم نہیں ہو تو تم اس (روح) کو واپس لوٹا دیا کرو اگر تم سچے ہو پھر اگر وہ (مرنے والا) مقرب بندوں میں سے ہو گا تو (اس کے لیے) راحت اور بہترین رزق اور دائمی نعمتوں والی جنت ہوگی اور اگر وہ دائیں طرف والوں میں سے ہو گا تو (اسے کہا جائے گا: تجھ پر دائیں طرف والوں کی طرف سے سلام ہو)

جان کنی کے وقت کفار کی بے بسی کا بیان

۸۳، ۸۴- ﴿فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ﴾ پھر ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ جب جان گلے تک پہنچ جاتی ہے یعنی جب موت

کے وقت روح کھانے پینے کے گزرنے کی جگہ (زخری) تک پہنچ جاتی ہے ﴿وَأَنْتُمْ حِينِيذٍ تَنْظُرُونَ﴾ اور تم اس وقت دیکھتے رہتے ہو۔ یہ اس وقت مرنے والے کے پاس حاضرین کے لیے خطاب ہے۔

۸۵- ﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ﴾ اور ہم اس کی طرف تم سے زیادہ نزدیک ہوتے ہیں (یعنی) اس شخص کی طرف

جس کے پاس موت کے فرشتے جان کنی کے لیے حاضر ہوتے ہیں ﴿وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ﴾ اور لیکن تم نہیں دیکھتے (یعنی) تم نہیں سمجھتے ہو اور نہ تم جانتے ہو۔

۸۶، ۸۷- ﴿فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ﴾ سو اگر تم اللہ تعالیٰ کے پرورش کردہ اور اس کے مملوک و بندے نہیں ہو۔

یہ ”دَانَ السُّلْطَانِ الرَّعِيَّةِ“ سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب بادشاہ رعایا کو غلام بنا لیتا ہے اور ان پر اپنی سیاست

چمکاتا ہے ﴿تَرْجِعُونَهَا﴾ تم اس جان کو واپس لوٹا دو اور اس سے روح کے گلے تک پہنچ جانے کے بعد اسے جسم کی طرف واپس لوٹانا مراد ہے ﴿إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ تم کسی کے پروردہ اور کسی کے مملوک و مغلوب اور کسی کے محکوم نہیں ہو۔ ”فَلَوْلَا“ دونوں آیتوں میں مخصوص فعل کی طلب کی ترغیب دینے کے لیے ہے اور وہ فعل ”ترجعونها“ ہے اور اس کو ایک مرتبہ ذکر کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے اور آیت کی ترتیب یوں ہے: ”(فَلَوْلَا) تَرْجِعُونَهَا (إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ) إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ“ سو تم روح کو واپس جسم میں کیوں نہیں لوٹا دیتے جب وہ گلے تک پہنچ جاتی ہے اگر تم کسی کے مملوک و محکوم نہیں ہو اور دوسرا ”فَلَوْلَا“ محض تاکید کے لیے دوبارہ لایا گیا ہے اور ”وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ“ کا معنی یہ ہے کہ اے مرنے والے کے عزیزو! تم سب ہماری قدرت و اختیار میں اور ہمارے علم میں ہو اور ہم تم سے زیادہ مرنے والے کے نزدیک ہوتے ہیں یا موت کے فرشتے تم سے زیادہ مرنے والے کے نزدیک ہوتے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ تم ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کر دیتے ہو اگر تم پر سزا کا معجزہ کتاب نازل کی جائے تو تم کہتے ہو: یہ جادو اور جھوٹ ہے اور اگر تمہاری طرف سچا رسول بھیج دیا جائے تو تم کہتے ہو: یہ جادو گر اور جھوٹا ہے اور اگر تمہیں بارشیں عطاء کی جائیں تو تم کہتے ہو: فلاں ستارے کی وجہ سے یہ بارشیں ہوتی ہیں اہل تعطیل کے مذہب کی طرح پھر روح کے گلے تک پہنچ جانے کے بعد تم اسے جسم کی طرف واپس کیوں نہیں لوٹا دیتے، اگر تمہارے خیال میں وہاں کوئی روح قبض کرنے والا نہیں ہے۔ اگر تم اہل تعطیل کی طرح اللہ تعالیٰ کو معطل ماننے میں اور زندگی اور موت دینے والے اور پیدا کرنے والے اور دوبارہ اٹھانے والے کے ساتھ کفر و انکار کرنے میں سچے ہو۔

نیکیوں کے لیے انعام اور گمراہوں کے لیے سزا کا بیان

۸۸، ۸۹۔ ﴿وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ﴾ پھر اگر وفات پانے والا اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں میں سے ہوگا (یعنی) اس سورت کے شروع میں جن تین اقسام کے بندوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے اگر پہلی قسم کے سابقین میں سے ہوگا ﴿فَرَوْحٌ وَرِيحَانٌ ۖ وَجُدَّتْ نَعِيمٌ﴾ تو اس کے لیے راحت و سکون اور پھل و رزق اور دائمی نعمتوں والی جنت ہوگی۔

۹۰، ۹۱۔ ﴿وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ أَصْحَابِ الْيَمِينِ﴾ اور اگر وفات پانے والا دائیں طرف والوں میں سے ہوگا تو اسے کہا جائے گا کہ تجھ پر دائیں طرف والوں کی جانب سے سلام ہو یعنی اے دائیں طرف والے! تجھے تیرے دائیں طرف والے مسلمان بھائیوں کی جانب سے سلام ہو یعنی وہ تجھ پر سلام بھیجتے ہیں جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”إِلَّا قِيْلًا سَلَامًا سَلَامًا“ (الواقعة: ۲۶) یعنی ”مگر جنت میں صرف سلام سلام کہا جائے گا“۔

وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ الضَّالِّينَ ﴿۹۲﴾ فَتُرْزَلُ مِنْ حَبِيبٍ ﴿۹۳﴾ وَتَصْلِيَةٌ جَحِيمٍ ﴿۹۴﴾

إِنَّ هَذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِينِ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿۹۶﴾

اور اگر وہ جھٹلانے والوں، گمراہوں میں سے ہوگا تو اس کی مہمانی کھولتے ہوئے پانی سے ہوگی اور دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جلنا ہوگا بے شک ضرور یہی اعلیٰ ترین یقینی حقیقت ہے سو (اے محبوب!) آپ اپنے عظمت والے پروردگار کے نام کی تسبیح بیان کیجئے

۹۲۔ ﴿وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ الضَّالِّينَ﴾ اور اگر وفات پانے والا جھٹلانے والوں (اور) گمراہوں میں سے ہو

گا۔ یہ تین اقسام میں سے تیسری قسم ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اس سورت میں ان سے کہا گیا ہے کہ ”نَمَّ
إِنَّكُمْ أَيُّهَا الضَّالُّونَ الْمَكِدُّونَ“ پھر بے شک تم اے جھٹلانے والو گمراہو!

۹۳، ۹۴۔ ﴿قَدْ زُلَّ قَوْمٌ هَبِطُوا خِيبًا ۝ وَتَصْلِيَةٌ سَاجِدَةٍ﴾ پس اس کی مہمانی کھولتے ہوئے گرم ترین پانی سے کی جائے گی O
اور دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جلنا ہوگا یعنی اس میں اسے داخل کیا جائے گا اور ان آیات میں اس بات کی طرف اشارہ
ہے کہ تمام کفر ایک ملت ہے اور بے شک بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرنے والے مسلمان دائیں طرف والوں میں سے
ہوں گے کیونکہ وہ ضروریات دین میں سے کسی چیز کو جھٹلانے والے نہیں ہیں۔

۹۵، ۹۶۔ ﴿إِنَّ هَذَا﴾ بے شک یہ جو اس سورت میں نازل کیا گیا ہے ﴿لَهُوَ حَقُّ الْيَقِينِ﴾ البتہ وہ یقینی حق ہے
یعنی ایسا حق ہے جو یقین سے ثابت ہے ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ﴾ سو آپ اپنے عظمت والے پروردگار کے نام کی تسبیح
بیان کیجئے۔

مروی ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرض موت کے
وقت عیادت کے لیے ان کے ہاں تشریف لے گئے اور ان سے دریافت فرمایا کہ آپ کو کیا تکلیف ہے؟ تو انہوں نے کہا:
مجھے صرف گناہوں کی تکلیف ہے تو آپ نے فرمایا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ حضرت ابن مسعود نے عرض کیا: میں اپنے رب
کی رحمت چاہتا ہوں حضرت عثمان نے فرمایا: تو کیا ہم طبیب کو بلا لیں تاکہ آپ کا علاج کرے؟ حضرت عبداللہ نے کہا کہ
طبیب نے تو مجھے بیمار کیا ہے حضرت عثمان نے فرمایا: تو کیا ہم آپ کی مدد کرنے کے لیے دراہم و دنانیر کی بخشش کا حکم دے
دیں؟ حضرت عبداللہ نے کہا کہ مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں حضرت عثمان نے فرمایا: تو پھر ہم آپ کی بیٹیوں کو دے دیں؟
کہا: انہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ میں نے انہیں حکم دے رکھا ہے کہ وہ روزانہ سورۃ واقعہ پڑھا کریں اس لیے کہ میں
نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ نے فرمایا: جو شخص روزانہ رات کے وقت سورۃ واقعہ پڑھے گا اسے کبھی فاقہ نہیں پہنچے
گا اور ان تینوں سورتوں (القمر، الرحمن، الواقعہ) میں اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام (اللہ تعالیٰ) کا ذکر نہیں کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ
رؤفہ رحیم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ تعالیٰ
رؤفہ رحیم

سورۃ الحديد مدنی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے O اس کی انتالیس آیات چار رکوع ہیں

سَبِّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ
وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں سب نے اللہ تعالیٰ ہی کی تسبیح بیان کی ہے اور وہ بہت غالب بڑا حکمت والا ہے O
آسمانوں اور زمین میں اسی کی بادشاہی ہے وہی زندگی عطاء کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے O وہی اول اور
آخر ہے اور ظاہر ہے اور باطن ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O

لے رواہ الضریس فی فضائل القرآن رقم الحدیث: ۲۲۶ الحارث بن ابی اسامہ کما فی المطالب العالیہ ج ۳ ص ۳۸۳

اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت و اختیار کا بیان

نوٹ: سورۃ الحدید کی ہے اور اس کی آیات اتیس ہیں۔

۱۔ ﴿سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ آسمانوں اور زمین میں رہنے والی ہر چیز نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی ہے [یاد رہے کہ بعض سورتوں کا آغاز ”سَبَّحَ“ فعل ماضی کے لفظ سے ہوا۔ اور بعض میں فعل مضارع کے لفظ سے آغاز ہوا اور سورۃ بنی اسرائیل میں مصدر کے لفظ سے اور سورۃ الاعلیٰ میں فعل امر کے لفظ سے آغاز ہوا تاکہ اس کلمہ کا تمام جہات سے احاطہ ہو جائے اور وہ چار جہات ہیں: (۱) مصدر (۲) ماضی (۳) مضارع (۴) امر۔ اور یہ فعل کبھی لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے اور کبھی براہ راست متعدی ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: ”وَتَسْبِحُوْهُ“ اور اس کی اصل بغیر کسی حرف کے واسطے کے براہ راست (یعنی بعینہ) متعدی ہونا ہے کیونکہ ”سَبَّحْتَهُ“ کا معنی ہے: ”بَعَدْتَهُ عَنِ السُّوْءِ“ میں نے اس کو بُرائی سے دور کر دیا۔ اور یہ فعل مجرد ”سَبَّحَ“ سے منقول ہے جب کوئی چلا جائے اور دور ہو جائے۔ پھر اس میں لام یا تو (زائد ہے) جیسے ”نَصَّحْتَهُ وَنَصَّحْتُ لَهٗ“ [میں ہے اور یا (یہ لام تعلیلیہ ہے اور) ”سَبَّحَ لِلَّهِ“ سے مراد یہ ہے کہ ہر چیز نے خالص اللہ تعالیٰ کی خاطر اور اس کی رضا کی خاطر تسبیح بیان کی ہے اور ”مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ“ آسمانوں اور زمین کی ہر ایک چیز کی طرف سے جو تسبیح حاصل ہوتی ہے اور جو صحیح طریقے سے حاصل ہو سکتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر ہے] ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ﴾

تسبیح کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کو تمام ایسی چیزوں سے منزہ و مبرا اور پاک سمجھنا جو اس کی شایان شان نہیں۔ انسان کا اعتقاد بھی یہی ہو وہ اپنے قول سے بھی اس کا اقرار کرے اور اس کا عمل بھی اس کی گواہی دے رہا ہو: ”التَّسْبِيْحُ عَلَى الْمَشْهُوْرِ تَنْزِيْهُ اللّٰهِ تَعَالٰى اِعْتِقَادًا وَقَوْلًا وَفِعْلًا عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِجَنَابِهِ سُبْحٰنَهُ“ (روح المعانی) آسمانوں اور زمین کی ہر چیز گواہی دے رہی ہے کہ ان کا خالق اور مالک ہر نقص اور ہر عیب سے پاک ہے ان میں سے ذوی العقول کی شہادت و گواہی تو قولاً ہے فرشتے انسان اور جنات سب کہہ رہے ہیں: ”سُبْحَانَ اللّٰهِ“ ”سُبْحَانَ اللّٰهِ“ البتہ غیر ذوی العقول اپنی زبان حال سے اپنے پیدا کرنے والے کی عظمت و کبریائی بیان کر رہے ہیں لیکن زجاج کا قول یہ ہے کہ ہر چیز اپنی زبان سے قولاً اس کی تسبیح بیان کر رہی ہے ورنہ اس آیت کا کیا معنی ہوگا: ”وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلٰكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ“ (الاسراء: ۴۴) یعنی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کر رہی ہے لیکن تم اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ اگر زبان حال سے تسبیح کرنا مراد ہو تو پھر اس کے ادراک نہ کرنے کا کوئی مطلب نہیں۔ اسی طرح قرآن کریم میں حضرت داؤد علیہ السلام کی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید میں زمزمہ سنج ہوا کرتے تھے تو پہاڑوں کے پتھر اور سنگ ریزے بھی ان کے ساتھ مل کر اپنے رب تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے تھے۔ یہ خصوصیت تب ہی پائی جا سکتی ہے جب وہ زبان حال سے تسبیح کریں۔

علامہ آلوسی اسی رائے کو پسند کرتے ہیں فرماتے ہیں:

نفس ناطقہ اور ادراک انسان کی ہی خصوصیت نہیں بلکہ حیوانات اور جمادات کو بھی ان کے حسب حال یہ نعمتیں بخشی گئی ہیں ”وَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى ثُبُوْتِ النُّفُوْسِ النَّاطِقَةِ وَالْاِدْرَاكِ بِسَاتِرِ الْحَيٰوٰنَاتِ وَالْجَمَادَاتِ عَلَى مَا يَلِيْقُ لِكُلِّ“ (روح المعانی) صوفیائے کرام کا مسلک بھی یہی ہے۔ یہاں سورۃ حدید نیز سورۃ الحشر اور القف کی ابتداء ”سَبَّحَ“ صیغہ ماضی سے کی گئی ہے لیکن سورۃ جمعہ اور تغابن کا افتتاح ”يُسَبِّحُ“ مضارع سے کیا گیا ہے تاکہ پتا چل جائے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کسی زمانے کے ساتھ مختص نہیں بلکہ پہلے بھی ہر چیز اس کی تسبیح بیان کرتی رہی ہے اب بھی ایسا ہی ہو رہا ہے اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوتا رہے گا یہ سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۱۰۷)

اور وہ (اللہ تعالیٰ) ہر اس مکلف شخص سے زبردست انتقام لینے والا ہے جو عناد اور دشمنی کی وجہ سے اس کی تسبیح اور پاکی بیان نہیں کرتا ﴿الْحَكِيمُ﴾ وہ ہر اس شخص کو بدلہ اور جزائے خیر عطاء کرنے میں بڑا حکمت والا ہے جو اطاعت و فرماں برداری اور عاجزی کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرتا ہے۔

۲- ﴿لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اسی (اللہ تعالیٰ) کے لیے ہے اس کے علاوہ کسی اور کے لیے نہیں ہے ﴿يُحْيِي وَيُمِيتُ﴾ وہی زندگی اور موت عطاء کرتا ہے یعنی وہی (قیامت کے دن) مردوں کو زندہ کرے گا اور وہی زندوں کو مارتا ہے [”يُحْيِي“ محلاً مرفوع ہے یا منصوب ہے ”أَيُّ (لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ) مُحْيِيًا وَمُمِيتًا“ یعنی آسمانوں اور زمین کی حکومت و سلطنت صرف اسی کے لیے ہے دراصل حالیکہ وہ زندگی عطاء کرنے والا اور موت دینے والا ہے] ﴿وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ اور وہ ہر چیز پر مکمل قادر ہے۔

۳- ﴿هُوَ الْأَوَّلُ﴾ وہی اول ہے (یعنی) وہ قدیم ہے جو ہر چیز سے پہلے ہے ﴿وَالْآخِرُ﴾ آخر ہے جو ہر چیز کے ہلاک اور فنا ہو جانے کے بعد بھی باقی رہے گا ﴿وَالظَّاهِرُ﴾ اور وہ ایسے دلائل کی وجہ سے ظاہر و عیاں ہے جو اس کے ظہور پر

۱۔ یہ کلمات اعجاز (”اول و آخر“ ظاہر و باطن“ اور ”علیم“ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء پر بھی مشتمل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کتاب مجید میں اپنی عظمت و کبریائی کا خطبہ ان کلمات میں ارشاد فرمایا اور حضور سید عالم ﷺ کی نعت اور توصیف کا مضمون بھی اس میں شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء و صفات کے ساتھ حضور کی توصیف بیان فرمائی ہے اور یہ اسماء بھی اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے وحی متلو (قرآن مجید) اور وحی غیر متلو (احادیث مبارکہ) میں اپنے محبوب ﷺ کو ان اسماء مبارکہ کے ساتھ موسوم فرما کر آپ کے حلیہ مبارک، حسن و جمال اور کمالات و فضائل اور خصائل کو ظاہر فرمایا، نیز اگرچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے تمام اسمائے حسنیٰ کے ساتھ متخلق اور متصف ہیں لیکن ان میں سے بعض اسماء خصوصی طور پر آپ کے ساتھ نامزد اور مشہور ہو چکے ہیں جیسے ”نور“ ”حق“ ”علیم“ ”حکیم“ ”مومن“ ”مہیمن“ ”ولی“ ”ہادی“ ”رؤوف“ ”رحیم“ وغیرہم اور یہ چاروں اسم ”اول“ ”آخر“ ”ظاہر“ ”باطن“ بھی اسی قبیل سے ہیں۔

آپ کے ”اول“ ہونے کی وجوہات کا بیان

(۱) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ”اول“ اس لیے ہیں کہ عالم وجود میں سب سے پہلے آپ کی تخلیق ہوئی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ”أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي“ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا (۲) وصف نبوت کے ساتھ متصف ہونے میں آپ سب سے اول ہیں چنانچہ آپ نے فرمایا: ”كُنْتُ نَبِيًّا وَإِنَّ أَدَمَ لَمُنْجِدِلٌ فِي طِينَتِهِ“ میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام ابھی اپنے خیر میں تھے (۳) اور اقرار ربوبیت میں بھی آپ سب سے اول ہیں کیونکہ عالم ارواح میں بیثاق کے روز جب اللہ تعالیٰ نے تمام بنی آدم سے سوال کیا کہ ”أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ“ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو اس وقت سب سے پہلے آپ نے ”بَلَى“ کہا تھا کہ کیوں نہیں! تو ہمارا رب ہے (۴) اور ایمان لانے میں بھی سب سے اول آپ ہیں کیونکہ آپ نے خود فرمایا: ”وَأَوَّلُ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَبَدَأَ لَكَ أُمْرَتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ“ اور سب سے پہلے میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا ہوں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا تھا اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں (۵) روز محشر قبر مبارک سے باہر تشریف لانے میں آپ سب سے اول ہیں۔ کیونکہ آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے میری قبر مبارک شق ہوگی اور سب سے پہلے میں برآمد ہوں گا پھر دوسرے لوگ نکلیں گے (۶) بارگاہ الہی میں سب سے پہلے سجدہ کرنے اور شفاعت کرنے والے آپ ہی ہوں گے چنانچہ آپ نے فرمایا کہ قیامت کے روز سب سے پہلے سجدہ کرنے کی اجازت مجھے ہوگی اور سب سے پہلے شفاعت کرنے کا دروازہ مجھ پر کھلے گا (۷) جنت میں سب سے پہلے آپ داخل ہوں گے اس لیے کہ آپ نے فرمایا: سب سے پہلے میں جنت میں داخل ہوں گا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دلالت و رہنمائی کرتے ہیں ﴿وَالْبَاطِنُ﴾ اور وہ باطن ہے کیونکہ حواس کے ذریعہ اس کا ادراک نہیں کیا جاسکتا اگرچہ وہ سب پر عیاں ہے اور پہلی واؤ کا معنی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اولیت اور آخریت دونوں صفات کا جامع ہے اور تیسری واؤ اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ صفت ظہور اور صفت خفا دونوں کا جامع ہے اور درمیانی (دوسری) واؤ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلی دونوں صفات کے مجموعہ اور آخری دونوں صفات کے مجموعہ کا جامع ہے سو اس لیے وہ تمام گزشتہ اور آئندہ اوقات میں ہمیشہ موجود ہے اور وہ تمام اوقات اور تمام زمانوں میں ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ”الظاہر“ کا معنی ہے کہ تمام چیزوں سے بلند و بالا اور وہ تمام چیزوں پر غالب و حاوی ہے۔ یہ ”ظہر علیہ“ سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی پر غالب و حاوی ہو جائے اور اس سے بلند ہو جائے اور ”الباطن“ جو ہر پوشیدہ چیز کو جانتا ہو یعنی وہ جو ہر چیز کے باطن کو بھی جانتا ہے ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ط
يَعْلَمُ مَا يَلْمِ فِي الْأَرْضِ وَمَا يُخْرِجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ط

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آپ کی شانِ آخری و جوبات

(۱) وصف نبوت و رسالت کے ساتھ متصف ہونے میں اول و سابق ہونے کے باوجود نبوت و رسالت کے ساتھ مبعوث ہونے میں آپ سب انبیائے کرام علیہم السلام سے آخر اور خاتم ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَلَكِنَّ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ“ (الاحزاب: ۴۰) ”اور لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور سب نبیوں میں آخری نبی ہیں“ (۲) آپ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید سب سے آخری کتاب ہے (۳) آپ کا دین تمام دینوں میں آخری دین ہے چنانچہ آپ نے فرمایا: ”نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ“ یعنی درجات میں سبقتوں کے باوجود ہم آخر میں آنے والے ہیں۔ اور حقیقت میں بعثت کے اعتبار سے اولیت و سابقیت کی بہ نسبت آخریت و خاتمیت میں فضیلت ہے کیونکہ آپ تمام کتب اور ادیان کے ناسخ اور ماحی ہیں اور سب پر غالب اور قوی ہیں۔

آپ کے ظاہر و باطن ہونے کا بیان

آپ تمام کائنات پر ظاہر و عیاں ہیں کیونکہ آپ کے انوار نے تمام عالم کو گھیرا ہوا ہے اور تمام عالم کو روشن کر دیا ہے (نیز آپ کی نبوت و رسالت معجزات و کمالات اور سیرت و اخلاق سب پر عیاں ہیں) اس لیے آپ کے ظہور کی مثل کسی کا ظہور نہیں اور آپ کے نور کی مثل کسی کا نور نہیں البتہ آپ کے اسرار و رموز باطن ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شخص آپ کے باطنی احوال کو نہیں جانتا (نیز آپ کی کنہ اور حقیقت سب سے مخفی اور باطن ہے جسے کوئی شخص نہیں جانتا) اور دور و نزدیک کی ہر چیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بے حد و بے شمار کمالات اور حسن و جمال کے نظارہ اور مشاہدہ میں حیران و متحیر ہے۔

آپ کے علیم ہونے کی شان کا بیان

”وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ“ اور آپ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام شیوناتِ الہی تمام احکام صفات حق تمام اسماء و افعال اور آثار اور تمام علوم ظاہر و باطن اول و آخر جانتے ہیں اور آپ ان پر محیط ہیں اور آپ اس آیت مبارکہ کے مصداق ہیں ”فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ“ (یوسف: ۷۶) ”ہر علم والے سے بڑھ کر زیادہ علم والا ہوتا ہے“۔

(ماخوذ از: مدارج النبوت ج ۱، آغاز خطبہ)

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۶۵﴾ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۶۶﴾ يُوَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَهُوَ عَلَيْكُمْ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۶۷﴾

وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا، پھر وہ عرش پر اپنی شان کے لائق مستوی ہوا، وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے جو کچھ تم عمل کرتے ہو۔ آسمانوں اور زمین میں صرف اسی کی بادشاہی ہے اور تمام امور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہی سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔

۴- ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ ان دنوں سے دنیا کے دن مراد ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ آنکھ جھپکنے میں تمام آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنا چاہتا تو ضرور کر لیتا لیکن اس نے چھ دنوں کو بنیاد بنایا تا کہ تمام کاموں کا اس پر مدار ہو جائے (کہ جلد بازی کی بجائے حسن تدبیر کے ساتھ تدریج کو اصول بنایا جائے، یہی سنت الہی ہے) ﴿تَمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ﴾ پھر وہ اپنی شان کے لائق عرش پر مستوی ہوا ﴿يَعْلَمُ مَا يَكُونُ فِي الْأَرْضِ﴾ وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے (یعنی) بچ وغیرہ اور بارش کے قطرات وغیرہ اور دن کیے گئے خزانے اور مردے وغیرہ جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے ﴿وَمَا يَعْزُبُ عَنْهَا﴾ اور جو کچھ اس میں سے نکلتا ہے جیسے کھیتیاں پھلوں وغیرہ کے باغات (پانی کے چشمے وغیرہ نیز زمین دوز سونے چاندی، تانبے وغیرہ کی کانیں اور پٹرول، گیس وغیرہ) ﴿وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ﴾ اور جو کچھ آسمان میں سے اترتا ہے (یعنی) فرشتے، بارشیں (کتب سماوی جو اتر چکیں اور فیصلہ جات رزق، توبہ کرنے والوں پر رحمت و مغفرت کا نزول) ﴿وَمَا يَعْزُبُ عَنْهَا﴾ اور جو کچھ آسمانوں میں چڑھتا ہے (یعنی) اعمال، دعائیں (اعمال نامے لکھنے والے فرشتے، نیک ارواح اور بخارات، دھوئیں وغیرہ) ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔ وہ عمومی طور پر اپنے علم اور قدرت کے ساتھ اور خصوصی طور پر اپنے فضل و کرم اور رحمت و مہربانی کے ساتھ تمہارے قریب ہے ﴿وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے، سو وہ تمہارے اعمال کے مطابق تمہیں بدلہ دے گا۔

۶۵- ﴿لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ﴾ اور زمین اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اسی کے لیے ہے اور تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اس طرح داخل کرتا ہے کہ رات کے کچھ اوقات کو (موسم گرما میں) کم کر دیتا ہے اور دن کے اوقات میں اضافہ کر دیتا ہے ﴿وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَهُوَ عَلَيْكُمْ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ اور وہ دن کو رات میں داخل کرتا ہے (کہ موسم سرما میں دن کے اوقات کم کر کے رات کے اوقات میں اضافہ کر دیتا ہے) اور وہ دنوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔

امِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَأَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلِفِينَ فِيهِ ط قَالَ الَّذِينَ
امِنُوا مِنْكُمْ وَأَنْفِقُوا لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ۝ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالرَّسُولِ
يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ هُوَ
الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ط
وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝

تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تم اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں پہلے لوگوں کا جانشین بنایا ہے سو تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے (نیک کاموں میں) خرچ کیا ان کے لیے بڑا اجر و ثواب ہے ۝ اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ یہ رسول تمہیں بلا رہے ہیں تاکہ تم اپنے پروردگار پر ایمان لے آؤ اور بے شک اللہ تعالیٰ تم سے پختہ عہد لے چکا ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو ۝ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو اپنے خاص بندے پر روشن آیتیں نازل فرماتا ہے تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے اور بے شک اللہ تعالیٰ تم پر بہت شفقت فرمانے والا ہے حد مہربان ہے ۝

کفار مکہ کو ایمان لانے اور اس کی راہ میں خرچ کرنے کی دعوت و ترغیب

۷۔ ﴿امِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَأَنْفِقُوا﴾ تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی راہ میں خرچ کرو۔ ”انفقوا“ زکوٰۃ کا احتمال بھی رکھتا ہے (کہ مسلمان ہو کر زکوٰۃ ادا کرو) اور زکوٰۃ کے علاوہ نفلی صدقات و خیرات اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم بھی ہو سکتا ہے ﴿مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلِفِينَ فِيهِ ط﴾ اس مال میں سے (خرچ کرو) جس میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں پہلے لوگوں کا جانشین بنایا ہے یعنی بے شک وہ اموال جو تمہارے ہاتھوں میں ہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کے اموال ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرمایا ہے اور اسی نے انہیں پروان چڑھا کر ان اموال میں اضافہ فرمایا اور بے شک صرف اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان اموال کا مالک بنایا تاکہ تم ان سے فائدہ حاصل کرو اور ان میں تصرف کرنے کے لیے تمہیں اپنا نائب بنایا اس لیے حقیقت میں وہ تمہارے اموال نہیں ہیں اور تم ان مالوں میں وکیل اور نائب کے قائم مقام ہو پس تم ان مالوں میں سے اللہ تعالیٰ کے حقوق میں خرچ کرو اور تم پر ان مالوں میں سے خرچ کرنا سہل اور آسان ہونا چاہیے جیسا کہ آدمی دوسروں کا مال آسانی سے خرچ کرتا ہے جب اسے اس مال میں سے خرچ کرنے کی اجازت مل جائے یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان لوگوں کا جانشین بنا دیا ہے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور تمہیں ان کے اموال کا وارث بنا دیا اور عنقریب یہ مال تم سے تمہارے بعد آنے والوں کو منتقل ہو جائے گا پس ان کے حال سے عبرت حاصل کرو اور مال کے خرچ کرنے میں بخل سے کام نہ لو ﴿قَالَتِ ابْنِ امِنُوا مِنْكُمْ وَأَنْفِقُوا لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا﴾ سو جو لوگ تم میں سے ایمان لا چکے ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مال خرچ کیے (جیسے حضرت عثمان غنی وغیرہ) تو ان کے لیے بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔

۸۔ ﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ﴾ اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے یعنی تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر و شرک کرتے ہو اور اس پر ایمان نہیں لاتے [”لَا تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ“ پہلا حال ہے جو ”مَا لَكُمْ“ میں فعل کے معنی سے حال واقع ہو رہا ہے جیسے کہا جاتا ہے: ”مَا لَكَ قَائِمًا“ بہ معنی ”مَا تَصْنَعُ قَائِمًا“] ﴿وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ﴾ حالانکہ یہ رسول کریم تمہیں ایمان لانے کی دعوت دے رہے ہیں تاکہ تم اپنے رب تعالیٰ پر ایمان لے آؤ [اس میں واؤ حال کے معنی میں ہے اور یہ دوسرا حال ہے پس یہ دونوں حال متداخل ہیں] اور معنی یہ ہے کہ ایمان کو ترک کرنے میں تمہارے لیے کون سا معقول عذر ہے حالانکہ رسول مکرم تمہیں ایمان کی دعوت دے رہے ہیں ﴿وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ﴾ اور بے شک اس سے پہلے اللہ تعالیٰ اپنے ارشاد ”أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ“ (الاعراف: ١٤٢) کے ساتھ تم سے پختہ عہد لے چکا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عقلیں عطاء کی ہیں اور دلائل میں غور و فکر کرنے کی تمہیں قوت و قدرت بخشی ہے پھر جب عقلی دلائل اور رسول مکرم کی تنبیہ کے بعد تمہارے لیے کوئی علت باقی نہیں رہی تو اب تم کو کیا ہو گیا ہے کہ تم ایمان نہیں لاتے ﴿إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ اگر تم کسی سبب کی وجہ سے ایمان لانے والے ہو تو یہ سبب ایسا ہے جس پر اضافہ کی ضرورت نہیں رہی [ابو عمرو کی قراءت میں ”أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ“ (فعل ماضی مجہول کے ساتھ) پڑھا گیا ہے]۔

۹- ﴿هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو اپنے خاص بندے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر روشن آیتیں نازل کرتا ہے یعنی قرآن مجید نازل کرتا ہے ﴿لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ یا حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہیں کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر ایمان کی روشنی کی طرف لے جائیں ﴿وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَكَرِيمٌ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ تم پر بہت شفقت فرمانے والا ہے [حجازی ابن عامر شامی اور امام حفص کی قراءت میں ”لرؤوف“ مد اور ہمزہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے] ﴿رَحِيمٌ﴾ بے حد رحم فرمانے والا ”رأفت“ کا معنی ہے: بہت زیادہ شفقت و رحمت کرنا۔

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاتُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا يَسْتَوِي
مِنْكُمْ مَّنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَتْلَ أَوْلِيكَ أَعْظَمَ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ
أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدِ وَقَاتَلُوا ۗ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ
خَبِيرٌ ۝١٠

اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو اور آسمانوں اور زمین کی وراثت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے تم میں سے جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور (کفار سے) جنگ کی یہی لوگ بہت بڑے درجے والے ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے اس کے بعد خرچ کیا اور (کفار سے) جنگ کی اور اللہ تعالیٰ ان سب سے جنت کا وعدہ فرما چکا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی خوب خبر رکھنے والا ہے ۝

۱۰- ﴿وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔ اصل میں ”فِي“ اَنْ لَا تُنْفِقُوا“ ہے ﴿وَاللَّهُ مِيرَاتُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ اور آسمانوں اور زمین کی وراثت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے وہی ان دونوں میں ہونے والی ہر چیز کا وارث ہے۔ مال وغیرہ میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جو کسی کے لیے باقی ہو یعنی تمہاری

کون سی غرض ہے جس کی وجہ سے تم نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کو ترک کر دیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کرنے والا ہے پھر وہی تمہارے اموال کا وارث ہوگا اور یہ انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں ترغیب کے لیے سب سے زیادہ بلیغ کلام ہے پھر اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل کلام کے ذریعے) مسلمانوں میں سے خرچ کرنے والوں کے درمیان فرق کو بیان کیا چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿لَا يَسْتَوِيٰ فِئْتَكُمْ تَمَنُّ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَتْلًا﴾ تم میں سے جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور کفار سے قتال کیا یعنی اسلام کے غالب آنے اور اہل اسلام کے قوت حاصل کرنے اور اللہ تعالیٰ کے دین میں لوگوں کے گروہ درگروہ داخل ہونے سے پہلے اور فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا اور کفار سے قتال کیا ”وَمَنْ اَنْفَقَ مِنْ بَعْدِ الْفَتْحِ“ اور جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا وہ برابر نہیں ہیں پھر ”وَمَنْ اَنْفَقَ مِنْ بَعْدِ الْفَتْحِ“ کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ”مَنْ اَلَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدِ“ اس پر دلالت کر رہا ہے ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ یہی لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جو مہاجرین اور انصار میں سے سب سے پہلے سبقت کرنے والے (التوبہ: ۱۰۰) اور جن کے متعلق حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”لَوْ اَنْفَقَ اَحَدُكُمْ مِثْلَ اَحَدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مَدًّا اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَةً“ اگر تم میں سے کوئی شخص (فی سبیل اللہ) احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دے تو صحابہ کرام میں سے کسی ایک صحابی کے فی سبیل اللہ خرچ کیے ہوئے ایک کلو جو کے برابر نہیں اور نہ ان کے آدھا کلو جو کے برابر ہے ﴿اَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدِ وَقَاتَلُوْا﴾ وہ درجے میں بہت بڑھ کر ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور کفار سے قتال کیا ﴿وَكُلًّا﴾ اور سب یعنی صحابہ کرام کے دونوں فریقوں میں سے ہر ایک فریق سے ﴿وَعَدَا اللّٰهُ الْحَسَنِيَّ﴾ اللہ تعالیٰ بھلائی کا وعدہ فرما چکا ہے یعنی بہترین ثواب کا وعدہ اور وہ جنت ہے اگرچہ ان کے درجوں میں فرق ہوگا ”كُلًّا“ ”وَعَدَا“ کا پہلا مفعول ہے اور ”الْحَسَنِيَّ“ دوسرا مفعول ہے اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ”كُلُّ“ مرفوع ہے۔

شان نزول: بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل کی گئی ہے کیونکہ وہ سب سے پہلے ایمان لائے اور اسلام قبول کیا اور انہوں نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کیا اور اس میں آپ کی فضیلت اور تقدم پر دلیل ہے۔

﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے سو وہ تمہیں تمہارے اعمال کی مقدار کے مطابق بدلہ دے گا۔

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضِعِفَهُ لَهٗ وَلَهٗ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿١١﴾
يَوْمَ تَدْرِي الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعٰ نُورُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ
بَشْرِكُمْ الْيَوْمَ جَنَّتْ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ
الْعَظِيْمُ ﴿١٢﴾

کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دے، سو اللہ تعالیٰ اس کے قرض کو اس کے لیے کئی گنا بڑھا کر عطاء کرے گا اور اس

رواہ البخاری رقم الحدیث: ۳۶۷۳، مسلم رقم الحدیث: ۲۵۳۰

کے لیے محترم ثواب ہوگا O اس روز آپ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا (انہیں کہا جائے گا): آج تمہیں ان جنتوں کی خوش خبری ہو جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں تم ان میں ہمیشہ رہو گے یہی بہت بڑی کامیابی ہے O

قرضِ حسنہ کے انعام کا بیان

۱۱۔ ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دے (یعنی) خوش دلی سے دے۔ بہترین قرض سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا مراد ہے اور قرضِ حسنہ کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے تاکہ یہ اجر و ثواب کے لازماً ملنے پر دلالت کرے ﴿فِي ضِعْفٍ لَّاهٍ﴾ سو اللہ تعالیٰ اس کے قرضِ حسنہ کو اس کے لیے کئی گنا بڑھا دے گا یعنی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے قرضِ حسنہ دینے والے آدمی کو اس کے خرچ کرنے پر کئی گنا بڑھا چڑھا کر اجر و ثواب عطاء فرمائے گا ﴿وَلَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ﴾ اور اس کے لیے عزت کا اجر و ثواب ہوگا یعنی وہ اجر و ثواب جس کے ساتھ کئی گنا ثواب بلایا جائے گا وہ بذاتِ خود عزت والا ہوگا [ابن کثیر کی قراءت میں "فِي ضِعْفٍ لَّاهٍ" (باب تفعیل "فا" مرفوع) پڑھا جاتا ہے جب کہ ابن عامر شامی کی قراءت میں (باب تفعیل) "فا" منصوب پڑھا جاتا ہے اور امام عاصم اور سہل کی قراءت میں "فِي ضِعْفٍ لَّاهٍ" (باب مفاعلہ "فا" منصوب پڑھا جاتا ہے) ہے ان کے علاوہ کے نزدیک (باب مفاعلہ) "فا" مرفوع ہے پس نصب تو استفہام کے جواب پر مبنی ہے اور رفع "يقرض" پر عطف کی وجہ سے ہے یا رفع اس لیے ہے کہ اصل میں "فَهُوَ يُضَاعَفُ" ہے۔]

مؤمنوں کے انعام اور منافقوں کی محرومی کا بیان

۱۲۔ ﴿يَوْمَ تَكْرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ﴾ جس دن آپ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو دیکھیں گے [یہ ارشاد باری تعالیٰ "وَلَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ" کے لیے طرف ہے یا پھر "أَذْكُرُ" (فعل امر) مضمرب کی وجہ سے منصوب ہے یہ فعل کا ضمیر اس دن کی تعظیم کے لیے ہے] ﴿يَسْمَعُ نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ﴾ ان کا نور یعنی ان کی توحید و عبادات کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا مطلب یہ کہ ان کے ساتھ چلتا ہوگا اور بے شک اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر صرف "بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ" اس لیے فرمایا کہ قیامت کے دن نیک بختوں کو ان کے اعمال کے صحیفے ان ہی دو طرفوں سے عطاء کیے جائیں گے جیسا کہ بد بختوں کو ان کے بائیں ہاتھوں میں اور ان کے پیچھے دیئے جائیں گے سو اس لیے ان کے نور کو انہیں دو جہتوں میں ان کی نیک بختی کی علامت اور نشانی قرار دیا جائے گا کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی نیکیوں کی وجہ سے کامیاب و کامران اور نیک بخت قرار پائے اور اپنے سفید اور روشن صحیفوں کی وجہ سے فلاح حاصل کی چنانچہ جب ان کو جنت کی طرف لے جایا جائے گا اور وہ پل صراط پر گزرنے لگیں گے تو دوڑ پڑیں گے اور ان کا نور بھی ان کے ساتھ دوڑ رہا ہوگا اور فرشتے ان سے کہیں گے: ﴿بَشِّرْكُمْ الْيَوْمَ بِجَنَّتِكُمْ﴾ آج تمہیں جنتوں کی بشارت و خوش خبری ہو یعنی جنتوں میں داخل ہونے کی بشارت ہو کیونکہ بشارت دوبارہ زندہ کیے گئے آدمیوں کے لیے ہوگی مردہ لاشوں کے لیے نہیں ﴿بَشِّرْهُمْ مِنْ قَبْلِهَا﴾ الْآلَةُ خَلِيدِينَ فِيهَا ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی تم ان میں ہمیشہ رہو گے یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

يَوْمَ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُورِكُمْ

قِيلَ ارْجِعُوا رَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُورٍ لَهُ بَابٌ بَاطِنَةٌ

فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرَةٌ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾

اس روز منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے: تم ہم پر نظر کرم کرو کہ ہم تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کریں انہیں کہا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر (وہاں) نور تلاش کرو پس ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی اس میں ایک دروازہ ہوگا اس کے اندر کی طرف رحمت ہوگی اور اس کے باہر کی طرف عذاب ہوگا O

۱۳ - ﴿يَوْمَ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُونَا﴾ اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے: تم انتظار کرو کیونکہ مسلمانوں کو جنت کی طرف تیز بجلی کی طرح بہت جلدی لے جایا جائے گا [”انظرونا“ بہ معنی ”انظرونا“ ہے جب کہ قاری حزرہ کوئی کی قراءت میں ”انظرونا“ (”ظا“ مکسور باب افعال سے) ہے اور یہ ”نظرة“ سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی مہلت دینا ہے منافقین ست رفتاری کی وجہ سے مسلمانوں سے مہلت مانگیں تاکہ ان کے ساتھ مل جائیں] ﴿نَقِيسٌ مِنْ نُورِكُمْ﴾ ہم تمہارے نور سے روشنی حاصل کر لیں اور اس نور سے کچھ حصہ ہم بھی پالیں یہ اس بناء پر کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل جائیں اور ان سے نور حاصل کر لیں ﴿قِيلَ ارْجِعُوا رَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا﴾ منافقین کو دھتکارنے اور ان کا مذاق اڑانے کے لیے ان سے کہا جائے گا: تم واپس اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر وہاں روشنی حاصل کرو یعنی فرشتے ان سے کہیں گے یا مؤمنین کہیں گے کہ تم واپس موقف میں چلے جاؤ جہاں سے ہمیں نور عطاء کیا گیا سو تم وہاں جا کر نور تلاش کرو پس اس سبب سے نور حاصل کیا جاسکتا ہے یا یہ معنی ہے کہ انہیں کہا جائے گا: تم واپس دنیا میں لوٹ جاؤ اور نور حاصل کرنے کے سبب کو تلاش کرو اور وہ خالص ایمان ہے ﴿فَضْرِبَ بَيْنَهُمْ﴾ پھر ان کے درمیان کھڑی کر دی جائے گی یعنی مومنوں اور منافقوں کے درمیان ﴿بِسُورٍ﴾ ایک دیوار جو جنت اور دوزخ کی آگ کے درمیان حائل ہو جائے گی۔ بعض کا قول ہے: وہ اعراف ہے ﴿لَهُ بَابٌ﴾ اس دیوار میں اہل جنت کے لیے ایک دروازہ ہے جس سے اہل جنت جنت میں داخل ہوں گے ﴿بَاطِنَةٌ﴾ اس دیوار کا یا دروازے کا اندرون اور یہ وہ جانب ہے جو جنت سے متصل ہے ﴿فِيهِ الرَّحْمَةُ﴾ اس میں رحمت ہے یعنی نور ہے یا جنت ہے ﴿وَظَاهِرَةٌ﴾ اور اس کے باہر جو دوزخوں کے لیے ظاہر ہے ﴿مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ﴾ اس کے پاس یا اس طرف سے عذاب ہے یعنی اندھیرا ہے یا آگ ہے۔

يُنَادُوهُمْ أَمْ تَكُنْ تَعْمُ قَالُوا بَلَىٰ وَلَكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ أَنْفُسَكُمْ وَتَرْتَبِصُمْ وَا رَبَّتُمْ

وَعَزَّيْتُمْ الْأَمَانِي حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ وَعَزَّكُمْ بِاللَّهِ الْغُرُورُ ﴿۱۴﴾ قَالِيَوْمَ لَا

يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَمْ أُولَئِكَ التَّارُطِي هِيَ مَوْلَاكُمْ وَبِئْسَ

الْبَصِيرُ ﴿۱۵﴾

منافق مسلمانوں کو پکار کر کہیں گے: کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے وہ کہیں گے: کیوں نہیں! لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنہ میں ڈال دیا تھا اور تم (مسلمانوں کی ہلاکت کا) انتظار کرتے تھے اور تم شک کرتے تھے اور جھوٹی آرزوؤں نے تمہیں دھوکا دیا

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آپہنچا اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں دھوکا دینے والے (شیطان) نے دھوکا دیا۔ سو آج تم سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا اور نہ ان لوگوں کی طرف سے جنہوں نے کفر کیا، تمہارا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے وہی تمہاری رفیق ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

۱۴۔ ﴿يُنَادُوا وَهُمْ﴾ وہ انہیں پکاریں گے یعنی منافقین مومنوں کو پکار کر کہیں گے کہ ﴿الْحَرَّ لَكُنْ نَعْلَكُمْ﴾ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہوگا کہ دنیا میں بہ ظاہر وہ مسلمانوں کے رفیق اور ساتھی بنے رہے تھے ﴿قَالُوا بَلَى﴾ یعنی جنتی مسلمان ان سے کہیں گے: کیوں نہیں! ﴿وَلَيْكُنْكُمْ فَتَنَّا أَنْتُمْ﴾ اور لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنے میں ڈال دیا یعنی منافقت کر کے تم نے اپنے آپ کو محنت و مشقت میں ڈال دیا اور تم نے اپنے آپ کو ہلاک کر لیا ﴿وَدَتْرَيْصُمْ﴾ اور تم مسلمانوں پر مصائب کا انتظار کرتے رہے ﴿وَأَتَيْتُمْ﴾ اور تم توحید میں شک کرتے رہے ﴿وَعَزَّزْتُكُمْ الْأَمَانِي﴾ اور تمہیں لمبی لمبی آرزوؤں اور بڑی بڑی عمروں کے طمع نے فریب میں ڈالے رکھا ﴿حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ﴾ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آپہنچا یعنی موت آپہنچی ﴿وَعَزَّزْتُكُمْ بِاللَّهِ الْغُرُورِ﴾ اور شیطان نے تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں دھوکا دیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا بڑا مہربان ہے جو چاہو کرو وہ تمہیں عذاب نہیں دے گا یا یہ کہ مرنے کے بعد دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا اور نہ حساب و کتاب ہوگا۔

۱۵۔ ﴿فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ﴾ سوائے منافقوں! آج تم سے کوئی فدیہ نہیں لیا جائے گا۔ ”فدیہ“ وہ تاوان ہے جو کسی شخص کی رہائی کے عوض ادا کیا جائے ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اور نہ ان لوگوں سے فدیہ لیا جائے گا جنہوں نے کفر کیا ﴿مَأْوَانَكُمْ﴾ تمہارا ٹھکانا اور تمہاری واپس لوٹ کر جانے کی جگہ ﴿النَّارُ﴾ دوزخ کی آگ ہے ﴿هِيَ مَوْلَانَكُمْ﴾ وہی تمہارے لائق ہے۔ ”مولا کم“ کا معنی ہے: تمہارا وہ مکان جس کے بارے میں کہا جائے: ”هِيَ أَوْلَىٰ بِكُمْ“ یہی تمہارے لائق ہے جیسے ”هُوَ مِثْنَةٌ لِلْكَرِيمِ“ کہا جاتا ہے یعنی کرم کی جگہ یہ ”إِنَّهُ كَرِيمٌ“ کے جواب میں بولا جاتا ہے ﴿وَيُنَسِّسُ الْمَصِيرُ﴾ اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے اور وہ دوزخ کی آگ ہے۔

الْمَيَّانِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ
وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ
قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿١٧﴾ اَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا
قَدْ آيْنَاكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١٨﴾

کیا ایمان والوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے اور اس حق کے لیے جھک جائیں جو نازل ہو چکا ہے اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے کتاب دی گئی، سو ان پر زمانہ دراز ہو گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے بہت سے لوگ فاسق ہیں۔ جان رکھو! بے شک اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے بے شک ہم نے واضح کر کے نشانیاں بیان کر دیں تاکہ تم سمجھ لو۔

کاہل مسلمانوں کے لیے انتباہ

۱۶۔ ﴿الْحَيَّانِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ﴾ کیا ابھی تک ایمان والوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل نرم پڑ جائیں اور خشوع و خضوع کے ساتھ جھک جائیں۔

شان نزول: بعض مفسرین نے فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں مسلمان بہت تنگ تھے اور تنگ دستی اور غربت کی وجہ سے پریشان رہتے تھے پھر جب یہ مسلمان ہجرت کر کے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ میں آ گئے تو انہوں نے یہاں آ کر رزق اور مال و دولت کو خوب کمایا اور خوش حال ہو گئے تو ان میں پہلے جیسا خشوع و خضوع نہ رہا، عبادات میں پہلے جیسی چستی اور اہتمام نہ رہا اور ان میں کاہلی اور سستی آ گئی (لیکن فرائض میں کمی نہیں آئی تھی بلکہ صرف نقلی عبادات اور تلاوت قرآن میں کمی آ گئی تھی) تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے اسلام لانے اور اس آیت مبارکہ کے ذریعے ہمیں عتاب کیے جانے کے درمیان چار سال گزرے تھے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایک روز ان کے سامنے یہ آیت مبارکہ پڑھی گئی اور اس وقت ان کے پاس اہل یمانہ کی ایک قوم موجود تھی، سو وہ لوگ یہ آیت سن کر بہت روئے تو حضرت ابو بکر نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ پہلے ہم بھی اسی طرح تھے پھر لوگوں کے دل سخت ہو گئے۔ ”يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اَلَيْسَ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنْكُمْ اَنْ يَكُوْنُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اَلَيْسَ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنْكُمْ اَنْ يَكُوْنُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اَلَيْسَ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنْكُمْ اَنْ يَكُوْنُوْا“ سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی کام کا وقت آ جائے ”اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا“ یعنی کام کا وقت آ گیا ﴿لِيَذْكُرُوا اللّٰهَ وَمَا نَزَّلَ مِنَ الْحَقِّ﴾ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس حق کے لیے جو نازل ہو چکا ہے۔ ذکر اور حق سے قرآن مجید مراد ہے کیونکہ یہ دونوں کا جامع ہے ذکر کا بھی اور وعظ و نصیحت کا بھی اور بے شک یہ وہ حق ہے جو آسمان سے نازل ہوا ہے [نافع مدنی اور حفص کی قراءت میں ”نَزَلَ“ تخفیف کے ساتھ ہے اور باقی قراءت میں ”نَزَلَ“ (تشدید کے ساتھ) ہے لفظ ”مَا“ بہ معنی ”الَّذِي“ ہے] ﴿وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ﴾ اور مسلمان ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور یہ بھی جائز ہے کہ مسلمانوں کو ملامت کرنے اور تنبیہ کرنے کے بعد دلوں کے سخت ہونے میں اہل کتاب کے ساتھ مماثلت سے انہیں منع کیا گیا ہو اور یہ اس لیے کہ بے شک بنی اسرائیل کے درمیان اور ان کی خواہشاتِ نفسانی کے درمیان حق حائل ہو گیا اور جب انہوں نے تورات اور انجیل کو سنا تو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے جھک گئے اور ان کے دل نرم پڑ گئے پھر جب ان پر زمانہ طویل اور دراز ہو گیا تو ان پر بے وفائی اور سخت دلی غالب آ گئی اور انہوں نے ایک دوسرے سے اختلاف شروع کر دیا اور انہوں نے تحریف وغیرہ کر کے اپنی طرف سے مسائل گھڑ لیے اور نئے نئے مسائل کا اضافہ کر لیا ﴿فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَلُ﴾ سو ان پر مدت یا زمانہ طویل اور دراز ہو گیا ﴿فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ﴾ تو شہوات اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے کی وجہ سے ان کے دل سخت ہو گئے ﴿وَكَيْفَ يُرْمٰهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ اور ان میں سے بہت سے فاسق ہیں جو اپنے دین سے خارج ہو چکے ہیں اور انہوں نے جو کچھ کتابوں میں تھا اس کو ترک کر دیا یعنی ان میں سے بہت تھوڑے سے ایمان دار رہ گئے ہیں۔

۱۷۔ ﴿اَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَحْيِي الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا قَدْ بَيَّنَّا لَكُمْ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ یاد رکھو بے شک اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مرجانے کے بعد زندہ کرتا ہے بے شک ہم نے اپنی توحید اور قدرت پر دلالت کرنے والی نشانیوں کو خوب واضح کر کے بیان کر دیا ہے تاکہ تم سمجھ لو۔ بے شک دلوں میں ذکر الہی کی تاثیر کے لیے یہ مثال ہے اور یہ کہ بے شک اللہ تعالیٰ غافل و مردہ دلوں کو اس طرح زندہ کرتا ہے جس طرح بارش بجز زمین کو زندہ (سرسبز و شاداب) کر دیتی ہے۔

إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَعْفُ
لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ۝۱۸ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝۱۹
وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا
أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝۱۹

بے شک صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرض حسنا دیا ان کو کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا اور ان کے لیے عزت کا اجر و ثواب ہوگا اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہی اپنے پروردگار کے نزدیک صدیقوں اور شہیدوں کے قائم مقام ہیں ان کا اجر و ثواب اور ان کا نور صرف انہیں کے لیے ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا یہی لوگ دوزخ والے ہیں

صدقہ دینے والوں اور ایمان لانے والوں کے انعام اور کفار کی سزا کا بیان

۱۸ - ﴿إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَدِّقَاتِ﴾ بے شک صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں [ابن کثیر کی اور ابو عمرو کی قراءت میں صرف دال مشدہ ہے اور "صَدَّقَ يُصَدِّقُ تَصَدِّقًا" سے اسم فاعل ہیں] اور اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ بے شک تصدیق کرنے والے مرد اور تصدیق کرنے والی عورتیں یعنی مؤمنین اور اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لے آئے [اور دیگر قراءت میں دال اور شین دونوں مشدہ ہیں اور یہ "تَصَدَّقُ يَتَصَدَّقُ تَصَدَّقًا" سے اسم فاعل ہیں پھر تا کو صداد میں مدغم کر دیا گیا ہے اور ان کو اپنی اصل پر "إِنَّ الْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ" بھی پڑھا گیا ہے] اور اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ بے شک صدقہ خیرات دینے والے مرد اور صدقہ خیرات دینے والی عورتیں ﴿وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَعْفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ﴾ اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرض حسنا دیا ان کے لیے ان کے اجر و ثواب کو کئی گنا بڑھا چڑھا کر عطاء کیا جائے گا اور ان کے لیے عزت کا اجر و ثواب ہوگا یعنی جنت ملے گی اور قرض حسن یہ ہے کہ پاکیزہ مال میں سے خوش دلی کے ساتھ اور صحیح نیت کے ساتھ مستحق کو صدقہ دیا جائے ["أَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا" الْمُصَدِّقِينَ میں فعل کے معنی پر معطوف ہے کیونکہ اس میں لام موصول کا ہے اور "الَّذِينَ" کے معنی میں ہے اور اسم فاعل فعل کے معنی میں ہے اور وہ "إِصْدَقُوا" ہے گویا فرمایا گیا: "إِنَّ الَّذِينَ إِصْدَقُوا وَأَقْرَضُوا" بے شک جن لوگوں نے صدقہ دیا اور قرض دیا۔

۱۹ - ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے یہی لوگ صدیقوں اور شہیدوں کی طرح ہیں اپنے رب تعالیٰ کے نزدیک۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے والے تمام مؤمنین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صدیقوں اور شہیدوں کے قائم مقام ہیں اور یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے سب سے پہلے تصدیق کی اور کفار سے لڑتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو گئے ﴿لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ﴾ ان کا اجر اور ان کا نور انہیں کے لیے ہوگا یعنی ان کا اجر اور ان کا نور صدیقوں اور شہیدوں کے اجر اور ان کے نور کی طرح ہوگا [اور یہ بھی جائز ہے کہ "وَالشُّهَدَاءُ" مبتدا ہو اور "لَهُمْ أَجْرُهُمْ" اس کی خبر ہو]

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾ اور جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی جہنم کی ہوئی دوزخ والے ہیں۔

إِعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُمْ زِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي
الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيَهِ فَتْرَةٌ
مُّصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ
اللَّهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَمَتَاعٌ الْخُرُورِ ﴿۲۰﴾

تم جان لو! بے شک دنیوی زندگی صرف کھیل اور تماشا اور زیب و زینت اور تمہارا آپس میں فخر و غرور کرنا اور مال و اولاد میں اضافہ کے لیے ایک دوسرے سے سبقت کرنا ہے جیسے بارش جس کی پیداوار کافروں کو عجیب لگی پھر وہ خشک ہو گئی تو (اے انسان!) تم اسے زرد دیکھتے ہو پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش و رضامندی ہے اور دنیوی زندگی تو نہیں مگر دھوکے کا سامان O

دنیا کے حقیر کاموں اور مغفرت و جنت کی ترغیب کا بیان

۲۰۔ ﴿إِعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ﴾ تم جان رکھو! بے شک دنیوی زندگی کھیل ہے جیسے بچوں کا کھیل ہوتا ہے ﴿وَلَهُمْ﴾ اور تماشا ہے جیسے نوجوان کے تماشے اور بے ہودہ مشغلے ہوتے ہیں ﴿وَزِينَةٌ﴾ جیسے عورتوں کے سنگھار ﴿وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ﴾ اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا جیسے اپنے بد مقابل اور ہم سر پر باہمی فخر کرنا اور ہم عمر ہم زمانہ لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا ﴿وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ﴾ اور مال و اولاد میں ایک دوسرے پر اضافہ چاہنا جیسے چودھریوں سرداروں اور رئیسوں کا آپس میں ایک دوسرے پر مال اور اولاد میں کثرت و اضافہ کی حرص و طلب کرنا یعنی ان میں ایک دوسرے پر فخر و مباہات کرنا۔ اور ”تکاثر“ کا معنی ہے: زیادہ سے زیادہ مال اور اولاد طلب کرنا ﴿كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيَهِ فَتْرَةٌ مُّصْفَرًّا﴾ جیسے بارش جس کا سبزہ کفار کو عجیب لگا پھر وہ خشک ہو گیا پس تم اسے زرد دیکھتے ہو حالانکہ اس سے پہلے وہ ہرا بھرا سبز و شاداب تھا ﴿ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا﴾ پھر وہ چورا چورا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اس آیت میں دنیا اور اس کے عارضی ہونے جلد ختم ہونے اور بہت کم مفید ہونے کے حال کو ایسے سبزہ جات کے ساتھ تشبیہ دی گئی جسے بارش نے اُگایا پھر برابر ہو گیا اور لہلہانے لگا اور مضبوط ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرنے والے کافروں کو بہت عجیب لگا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے بارش اور ہرا بھرا سبزہ عطاء فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر آفت بھیج دی سو وہ خشک ہو گیا اور وہ زرد و پیلا ہو گیا اور پھر چورا چورا ہو گیا یہ صرف کافروں کو ان کے انکار پر سزا دینے کے لیے ہوا جس طرح اہل جنت کے ساتھ کیا گیا (جس کا ذکر جنتیوں کے انعام کے بیان میں سورۃ واقعہ میں گزر چکا ہے) بعض حضرات نے فرمایا کہ کفار سے کاشت کار مراد ہیں (کیونکہ کفر کا معنی ہے: چھپانا تو جس طرح کافر حق کو باطل کے پردے میں چھپاتا ہے اسی طرح کاشت کار بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے) ﴿وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ﴾ اور آخرت میں کافروں کے لیے سخت ترین عذاب ہوگا ﴿وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ﴾ اور مومنوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور

خوشنودی اور رضامندی ہوگی یعنی دنیا کے یہ سارے کام حقیر ہیں (۱) ”لعب“ یعنی کھیل تماشے (۲) ”لہو“ یعنی بے ہودہ اور باطل مشغلے (۳) ”زینة“ یعنی ہار سنگھار زیب و زینت اور زیبائش و آرائش (۴) ”تفاخر“ آپس میں ایک دوسرے پر حسب و نسب میں فخر و غرور کرنا (۵) ”تکاثر“ یعنی مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر سبقت و کثرت طلب کرنا اور آخرت کے یہ تمام کام عظیم ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) کافروں کے لیے سخت ترین عذاب (۲) حمد و ثناء کے لائق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنوں کے لیے مغفرت و بخشش (۳) اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی [”کمثل غيث“ میں کاف محلاً مرفوع ہے اس بناء پر کہ یہ خبر کے بعد خبر ہے] یعنی یہ دنیا بارش کی طرح عارضی ہے ﴿وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ﴾ اور دنیا کی زندگی صرف دھوکے کا سامان ہے ہر اس شخص کے لیے جو اس کی طرف مائل ہوا اور اس پر اعتماد کیا۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مریدوں سے فرمایا: اے مریدین کی جماعت! تم دنیا کو طلب نہ کرو اور اگر ضرورت کے تحت اسے طلب کرنا ہو تو اس سے محبت نہ کرو کیونکہ دنیا سے آخرت کے لیے زاد راہ لینا ہے اور آرام کرنے کی جگہ اس کے علاوہ میں ہے۔

سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا عَرْضُ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ
أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ط ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ
ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۳۱﴾

تم اپنے پروردگار کی بخشش اور جنت کی طرف آگے بڑھو جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی کی مثل ہے وہ ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے وہ جسے چاہتا ہے اسے عطا فرمادیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے O

۲۱۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے دنیا کو حقیر اور اس کے کام کو ذلیل قرار دیا اور آخرت کے کام کو عظیم اور بہت بڑا قرار دیا تو اپنے بندوں کو اس چیز کو حاصل کرنے کے لیے جلدی کرنے پر ابھارا جس کا اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے اور وہ سخت ترین عذاب سے نجات دینے والی مغفرت و بخشش ہے اور جنت میں داخل ہونے کی کامیابی ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ﴾ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم دنیا کا غم نہ کرو کیونکہ یہ دنیا چند عارضی اور حقیر چیزوں کا نام ہے اور وہ یہ ہیں: (۱) مطعومات (کھانے کی چیزیں) (۲) مشروبات (۳) ملبوسات (۴) مشومات (سوگھنے کی چیزیں) (۵) مراکب (سواریاں) (۶) منکوحات (بیویاں) خوردنی چیزوں میں سب سے اہم اور خوش ذائقہ شہد ہے جو ایک مکھی کا لعاب ہے اور سب سے زیادہ پینے والی چیز پانی ہے جس میں انسان اور تمام حیوان مشترک اور برابر ہیں اور ملبوسات میں سب سے اہم لباس ریشم کا ہے اور وہ ریشم کے کیڑے کے تھوک سے بنتا ہے اور سب سے عمدہ خوشبو مشک ہے اور وہ ہرن کی ناف کا جما ہوا خون ہے اور سب سے اچھی سواری گھوڑا ہے جس پر سوار ہو کر انسانوں کو قتل کیا جاتا ہے (اس زمانہ میں گھوڑے پر سوار ہو کر جنگ کی جاتی تھی) اور نکاح کی اہم چیز عورت ہے جس میں دو پیشاب گاہوں کا ملاپ ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے: آپ نے فرمایا کہ مجھے دنیا سے کیا غرض میری اور دنیا کی مثال اس سوار جیسی ہے جو گرمی کے موسم میں سایا دار درخت کے نیچے آرام کرنے اور گرمی دور کرنے کے لیے چند لحات ٹھہر کر چل پڑے اور درخت کو چھوڑ دے۔

(ماخوذ از: تفسیر روح البیان مترجم جزء ۲ ص ۵۵۸ مکتبہ اوسیہ رضویہ بہاولپور)

مِنْ تَابِكُمْ) تم نیک اعمال کے ذریعے اپنے پروردگار کی مغفرت و بخشش کی طرف آگے بڑھو اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم مغفرت و بخشش حاصل کرنے کے لیے اس طرح جلدی کرو جس طرح مقابلے کے میدان میں جیتنے کے لیے اپنے ساتھیوں سے سبقت کرنے والے جلدی کرتے ہیں ﴿وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾ اور اس جنت کی طرف بڑھو جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی کی مثل ہے۔ امام سندی نے فرمایا کہ جنت کی چوڑائی ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کی چوڑائی کی مثل ہے اور لمبائی کو چھوڑ کر صرف چوڑائی کے ذکر کی وجہ یہ ہے کہ لمبائی کے مقابلے میں چوڑائی کم ہوتی ہے جب جنت کی چوڑائی اتنی فراخ ہے تو معلوم ہوا کہ اس کی لمبائی بہت زیادہ فراخ ہوگی یا چوڑائی سے وسعت و فراخی مراد ہے اور یہ اس شخص کے قول کی نفی کرتی ہے جو کہتا ہے: جنت چوتھے آسمان میں ہے کیونکہ جو آسمانوں میں سے ایک آسمان کے اندر ہے وہ سات آسمانوں اور سات زمینوں کے برابر کیسے ہو سکتی ہے ﴿أَعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ وہ ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور یہ اس پر دلیل ہے کہ جنت پیدا ہو چکی ہے ﴿ذَلِكَ﴾ یہ مغفرت و جنت جس کا وعدہ کیا گیا ہے ﴿فَضَّلَ اللَّهُ يَوْمَئِذٍ مَن يَشَاءُ﴾ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے اسے عطاء کرتا ہے اور وہ مومنین ہیں اور یہ دلیل ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوگا ﴿وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ
 أَنْ تَبْرَأَهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٢٢﴾ تَكِيلًا تَأْسُوا عَلَى مَا فَا تَكْمُ وَلَا تَفْرَحُوا
 بِمَا آتَاكُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿٢٣﴾ الَّذِينَ يَجْلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ
 بِالْبُخْلِ وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٤﴾

کوئی مصیبت زمین میں نہیں پہنچتی اور نہ تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے اس سے پہلے کہ ہم اسے پیدا کریں بے شک یہ اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے ۰ تاکہ تم اس پر افسوس نہ کرو جو تم سے جاتا رہا اور نہ تم اس پر اتراؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کیا اور اللہ تعالیٰ ہر اترا نے والے تکبر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا ۰ وہ جو خود بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں اور جو شخص روگردانی کرتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز قابل تعریف ہے ۰

قضاء و قدر کی حکمت کا بیان

۲۲۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کے فیصلے کے تحت ہوتا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ﴾ کوئی مصیبت زمین میں نہیں پہنچتی اور نہ تمہاری جانوں میں مگر وہ کتاب میں لکھی ہوئی ہوتی ہے اور زمین کی مصیبت سے مراد خشک سالی و قحط سالی اور کھیتوں اور پھلوں میں نازل ہونے والی آفات و بیماریاں اور نفوس اور جانوں کی مصیبت بیماریاں جسمانی تکلیفیں اور دردی اور اولاد میں موت آجانا [فِي الْأَرْضِ] محلاً مجرور ہے "أَيُّ مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ ثَابِتَةٍ فِي الْأَرْضِ" یعنی کوئی مصیبت زمین میں ثابت نہیں ہوتی مگر لوح محفوظ میں لکھی جا چکی ہوتی ہے۔ "إِلَّا فِي كِتَابٍ" محلاً حال ہے "أَيُّ إِلَّا مَكْتُوبًا فِي كِتَابٍ" یعنی مگر کتاب میں لکھا ہوا ہے [

یہاں ”کتاب“ سے لوح محفوظ مراد ہے ﴿مَنْ قَبْلَ أَنْ تَبْرَأَهَا﴾ اس سے پہلے کہ ہم جانوں کو پیدا کریں ﴿إِنْ ذَلِكَ﴾ بے شک اس کی تقدیر اور اس کا کتاب میں اثبات ﴿عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ﴾ اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے اگرچہ بندوں پر مشکل ہے۔

۲۳۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی علت و سبب اور اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿يَكِيلًا تَأْسُوا عَلَى مَا قَاتَلْتُمْ﴾ تاکہ تم اس پر غم نہ کرو جو تم سے جاتا رہے (یعنی دنیا اور اس کی وسعت و خوش حالی یا امن و عافیت اور صحت و تندرستی کے چھن جانے اور ختم ہو جانے پر اس قدر غم نہ کھاؤ کہ وہ تمہیں بغاوت و سرکشی پر اُکسانے لگے ﴿وَلَا تَقْنُ حَوًّا﴾ اور تم اس طرح (اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر) نہ اتر آؤ جس طرح تکبر کرنے والے اور فخر و غرور کرنے والے اترتے ہیں ﴿بِمَا آتَاكُمْ﴾ ان نعمتوں پر جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کی ہیں۔ یہ ”ایتاء“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: دینا اور عطاء کرنا جب کہ ابو عمر کی قراءت میں ”آتَاكُمْ“ ہے اور ”اتیان“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: آنا، تو ”بِمَا آتَاكُمْ“ کا معنی ہوا: جو کچھ تمہارے پاس آیا اور تمہیں ملا یعنی جب تم نے یہ جان لیا کہ بے شک ہر چیز اللہ تعالیٰ کے پاس مقدر کر کے لکھ دی گئی ہے تو تمہیں کسی نعمت کے فوت ہونے پر غم و رنج کم ہوگا اور کسی نعمت کے ملنے پر بے جا خوشی کم ملے گی اور تکبر پیدا نہیں ہوگا کیونکہ جس کو معلوم ہو گیا کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ لامحالہ ایک دن ختم ہو جائے گا تو کسی نعمت کے ختم ہو جانے پر اس کا جزع فزع اور گھبراہٹ و پریشانی اس پر غالب و حاوی نہیں ہوگی اس لیے کہ اس کا نفس اس پر آمادہ رہے گا اور اسی طرح جس کو معلوم ہو گیا کہ کچھ خیر و بھلائی اسے ضرور ملے گی اور اس کا حاصل ہونا کسی حال میں اس سے فوت نہیں ہوگا تو اس خیر و بھلائی کے ملنے پر اس کی خوشی اس قدر نہیں بڑھے گی کہ وہ تکبر کرنے والے اور ہر آدمی کو ملنے والی منفعت پر خوش ہوتا ہے یہ اس کا فطری تقاضا ہے اور اسی طرح نازل ہونے والی مصیبت پر غمگین ہو جاتا ہے اور یہ بھی اس کا فطری تقاضا ہے لیکن مناسب یہ ہے کہ خوشی شکر کی صورت میں ظاہر کی جائے اور رنج و غم پر صبر کا مظاہرہ کیا جائے گا اور بے شک رنج و غم پر صبر کے منافی جزع فزع اور گھبراہٹ و پریشانی کا مظاہرہ کرنا مذموم اور بُرا ہے اور خوشی ملنے پر شکر ادا کرنے کی بجائے تکبر و غرور اور سرکشی کرنا اور لہو و لعب اور کھیل تماشے کرنا مذموم اور بُرا ہے ﴿وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر اترانے والے فخر و غرور کرنے والے کو پسند نہیں کرتا کیونکہ جو شخص دنیا سے ملنے والے نصیب پر خوش ہو جاتا ہے اور اپنے دل میں اپنے آپ کو بڑا آدمی خیال کر لیتا ہے تو وہ اتراتا ہے اور دنیا کے ملنے والے نصیب کے ساتھ فخر کرتا اور لوگوں پر تکبر کرتا ہے۔

۲۴۔ ﴿إِلَّا الَّذِينَ يَبْخُلُونَ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جو بخل کرتے ہیں [یہ مبتدا محذوف کا خبر ہے یا ”كُلُّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ“ سے بدل ہے] گویا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو بخل کرتے ہیں۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہیں جب دنیا میں سے وافر نصیب اور مال و رزق عطاء کیا جاتا ہے تو اس پر اترتے ہیں اور سرکشوں اور اترانے والوں کی طرح تکبر کرتے ہیں اور سرکشی پر اتر آتے ہیں اور وہ مال و دولت کی محبت میں اور اس کو اپنے ہاں عزت کا معیار سمجھ کر حقوق اللہ ادا کرنے سے اس کو روک لیتے ہیں اور اس کے ساتھ بخل کرتے ہیں ﴿وَيَا مَعْزُونَ النَّاسِ يَا بَخِيلٌ﴾ اور وہ دوسرے لوگوں کو بھی بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں اور ان کو بخل کرنے پر اُکساتے ہیں اور ان کو مال روکنے اور ذخیرہ کر کے رکھنے کی ترغیب دیتے ہیں ﴿وَمَنْ يَتَّقِ﴾ اور جو شخص روگردانی کرتا ہے اور راہِ خدا میں خرچ کرنے سے منہ پھیر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی سے اعراض کرتا ہے اور وہ اس سے باز نہیں آتا جس سے منع کیا گیا ہے جیسے کسی نعمت کے فوت ہونے پر صبر کرنا اور کسی نعمت کے ملنے پر بے جا خوشی نہ کرنا اور تکبر و غرور نہ کرنا ﴿فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ﴾ سو بے شک اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے تو اس روگردان

سے بھلا کیونکر بے نیاز نہیں ﴿الْحَبِیْطُ﴾ وہ اپنے تمام افعال میں سراہا گیا ہے اور تعریف کیا گیا ہے [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ”هُوَ“ کو ترک کر کے ”فَإِنَّ اللَّهَ الْغَنِيُّ“ پڑھا جاتا ہے]۔

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ

وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ

بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿۲۵﴾

بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو روشن دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے لوہا نازل کیا جس میں سخت قوت ہے اور لوگوں کے لیے بہت سے فائدے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کر دے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے مدد کرتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ بہت قوت والا بڑا غالب ہے

نزول وحی کی اہمیت اور لوہے کے فوائد کا بیان

۲۵- ﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا﴾ بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا یعنی ہم نے فرشتوں کو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف بھیجا ﴿بِالْبَيِّنَاتِ﴾ واضح دلائل اور معجزات کے ساتھ ﴿وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ﴾ اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب نازل کی یعنی وحی نازل کی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ”رسل“ سے انبیائے کرام مراد ہیں اور پہلا زیادہ بہتر ہے کیونکہ ”معہم“ فرمایا جب کہ انبیائے کرام پر کتابیں نازل ہوتی ہیں ساتھ نہیں ﴿وَالْمِيزَانَ﴾ اور ہم نے میزان نازل کیا۔ مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام میزان لے کر نازل ہوئے اور حضرت نوح علیہ السلام کے سپرد کر دی اور کہا کہ آپ اپنی قوم کو حکم دیں کہ وہ اس کے ساتھ وزن کیا کریں ﴿لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ تاکہ لوگ انصاف کے ساتھ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ معاملات کیا کریں پورا تول کر دیں اور پورا تول کر لیں اور کوئی شخص کسی پر ظلم نہ کیا کرے ﴿وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ﴾ اور ہم نے لوہے کو نازل کیا۔ مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب جنت سے زمین پر اترے تو ان کے ساتھ لوہے کی پانچ چیزیں نازل ہوئی تھیں: (۱) اہرن (۲) چمٹا (۳) ہتھوڑا (۴) چابک (۵) سوئی اور یہ بھی مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ مذکورہ بالا چیزوں کے علاوہ بیچہ اور درانتی بھی تھی اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس کا معنی ہے کہ ہم نے لوہے کو پیدا کیا ﴿فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ﴾ اس میں بڑی سخت قوت ہے اور اس سے مراد لوہے کے آلات حرب کے ساتھ جنگ کرنا ہے ﴿وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ اور لوگوں کے لیے بہت سے فائدے ہیں (یعنی) ان کے مصالح اور ان کے معاش کا قیام اور حرفت کی مصنوعات میں ان کے لیے فوائد ہیں، غرض یہ کہ ہر صنعت میں لوہا آلہ کار بنتا ہے یا پھر لوہے کے ساتھ ہر کام وابستہ ہوتا ہے ﴿وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ﴾ اور تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ظاہر کر دے جو تلواروں، نیزوں، بھالوں اور دیگر اسلحہ جات کو دشمنان دین کے ساتھ جہاد میں استعمال کر کے اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں۔ علامہ زجاج نے کہا: اس کا معنی یہ ہے: تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ظاہر کر دے جو اس کے رسول کے ساتھ مل کر اس کی راہ میں قتال کرتے ہیں ﴿بِالْغَيْبِ﴾ بن دیکھے کیونکہ وہ ان سے غائب ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بڑی قدرت والا ہے وہ اپنی قوت کے ذریعے اس شخص کی قوت کو دفع کر دیتا ہے جو اس کی ملت سے روگردانی کرتا ہے ﴿عَزِيزٌ﴾ بہت

غالب ہے وہ اپنی عزت سے اس شخص کی شجاعت و بہادری کو مضبوط و مستحکم کرتا ہے جو اس کے دین کی مدد کے درپے رہتا ہے اور ان تین چیزوں میں مناسبت یہ ہے کہ کتاب شریعت کا قانون اور احکام و حدود دینیہ کا دستور ہے یہ کتاب رشد و ہدایت اور معاہدوں کی راہ بیان کرتی ہے اور تمام احکام و حدود کی جامع کتاب ہے اور یہ عدل و انصاف اور احسان کا حکم دیتی ہے اور بغاوت و سرکشی سے منع کرتی ہے اور عدل کے استعمال اور ظلم سے اجتناب کا حکم دیتی ہے اور یہ کتاب ایک ایسے آلہ (ترازو) کے ساتھ نازل ہوئی ہے جس کے ذریعے باہمی معاملات طے ہوتے ہیں اور اس کے ذریعے آپس کے لین دین میں برابری اور باہمی عدل قائم ہو جاتا ہے اور وہ میزان ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ کتاب اوامر الہیہ کی جامع ہے اور وزن کا آلہ برابری کے ساتھ معاملات طے کرنے کے لیے تخلیق کیا گیا ہے اور بے شک عامۃ الناس کو ان دونوں کی اتباع کرنے پر ایسی تلوار کے ذریعے ترغیب دی جاتی ہے جو ہر اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے جو حق کا انکار کرتا ہے اور دین سے عناد رکھتا ہے اور اس نے جماعت سے ہاتھ کھینچ رکھا ہے اور وہ لوہا ہے جس کا وصف ”بأس شدید“ بیان کیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ فَمِنْهُمْ مُهْتَدٍ وَ
 كَثِيرٌ مِنْهُمْ فٰسِقُونَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِمُوسَىٰ وَهَارُونَ وَجَعَلْنَا قُلُوبَ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَاقَةً وَرَحْمَةً وَرَهْبَانِيَّةً
 ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا
 فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَسِقُونَ ﴿۲۷﴾

اور بے شک ہم نے نوح اور ابراہیم کو بھیجا اور ہم نے ان دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی سو ان میں سے کچھ ہدایت یافتہ ہوئے اور ان میں سے بہت سے لوگ فاسق ہوئے۔ پھر ہم نے ان کے پیچھے انہیں کے طریقے پر اپنے رسولوں کو لگاتار بھیجا اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور ہم نے ان کو انجیل عطاء فرمائی اور ہم نے ان کے پیروکاروں کے دلوں میں شفقت و رحمت رکھ دی اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کیا ہم نے اس کو ان پر فرض نہیں کیا تھا مگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کیا پھر انہوں نے اس کی حفاظت نہیں کی جیسا اس کی حفاظت کا حق تھا سو ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو ان کا اجر دے دیا اور ان میں سے بہت سے لوگ نافرمان ہیں۔

حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد کا تذکرہ

۲۶۔ ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ﴾ اور بے شک ہم نے نوح اور ابراہیم علیہما السلام کو بھیجا تھا اور انہیں دونوں کو ذکر کے ساتھ اس لیے مخصوص کیا گیا کہ یہ دونوں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے باپ ہیں ﴿وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ﴾ اور ہم نے ان دونوں کی اولاد میں نبوت و کتاب یعنی وحی رکھ دی۔ کتاب سے وحی مراد ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: کتاب سے قلم کے ساتھ لکھنا مراد ہے جیسے کہا جاتا ہے: ”كُتِبَ كِتَابًا وَكِتَابَةٌ“ ﴿فَمِنْهُمْ مُهْتَدٍ﴾ سو ان میں سے کچھ ہدایت یافتہ ہوئے یعنی اولاد میں سے کچھ لوگ یا پھر ان قوموں میں سے کچھ لوگ ہدایت یافتہ ہوئے جن کی

طرف رسولوں کو بھیجا گیا تھا اور اس کی دلیل ارسال اور رسولوں کا ذکر ہے ﴿وَكَيْدٌ تَكْتُمُونَ﴾ اور ان میں سے اکثر لوگ فاسق و نافرمان ہوئے۔ یہ ان کے حال کی تفصیل ہے یعنی پس ان میں سے بعض لوگوں نے رسولوں کی اتباع اختیار کر کے ہدایت پالی اور ان میں سے بعض لوگوں نے نافرمانی کی یعنی اطاعت سے خارج ہو گئے اور غالب اکثریت فاسقوں کی تھی۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے تبعین کا تذکرہ

۲۷۔ ﴿ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِرُسُلِنَا﴾ پھر ہم نے ان کے بعد انہیں کے طریقے پر بہت سے رسولوں کو بھیجا یعنی حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام اور انبیائے کرام میں سے جو گزر چکے ﴿وَقَفَّيْنَا بِعِيسَىٰ ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ وَجَعَلْنَا قُلُوبَ الَّذِينَ آتَبَعُوا رَافِقَةً﴾ اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور ہم نے ان کو انجیل عطاء کی اور ہم نے ان کے پیروکاروں کے دلوں میں شفقت یعنی محبت و پیار اور نرم دلی رکھ دی ﴿وَرَحْمَةً﴾ اور رحمت یعنی اپنے بھائیوں پر مہربان ہونا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ کے اصحاب کے بارے میں فرمایا: "رَحْمَاءُ بَيْنَهُمْ" (الف: ۲۹) یعنی صحابہ کرام علیہم الرضوان آپس میں ایک دوسرے پر بڑے مہربان تھے ﴿وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوا﴾ اور انہوں نے رہبانیت (ترک دنیا) کو خود ایجاد کیا۔ رہبانیت یہ ہے کہ انہوں نے دین کو فتنہ سے بچانے کے لیے پہاڑوں میں جا کر پناہ لی اور وہیں اپنے آپ کو عبادت کے لیے خالص کر لیا [اور یہ وہ فعل ہے جو "رہبان" کی طرف منسوب ہے اور اس کا معنی ہے: ڈرنے والا "فَعْلَان" کے وزن پر ہے اور "رَهَبٌ" سے ماخوذ ہے جیسے "خَشِيَان" ہے یہ "خَشِيَ" سے ماخوذ ہے اور یہ مضمرفعل کی وجہ سے منسوب ہے جس کی تفسیر اس کے بعد ظاہر فعل کر رہا ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے: "وَابْتَدَعُوا رَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوا" [یعنی انہوں نے یہ عمل خود ایجاد کیا اور اس کو اپنے اوپر لازم کر لیا ﴿مَا كُنْتُمْ عَلَيْكُمْ﴾ ہم نے اس کو ان پر نہیں لکھا (یعنی) ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا ﴿إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے کے لیے یعنی لیکن انہوں نے اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی طرف سے ایجاد کیا تھا [یہ استثناء منقطع ہے] ﴿فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا﴾ پھر انہوں نے اس کی کما حقہ رعایت نہیں کی جیسا کہ منت ماننے والے پر اپنی منت کی رعایت

۱۔ علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:

اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی کہ مطلقاً بدعت مذمومہ اور بُری ہے بلکہ یہ آیت بہ ظاہر اس بات کی دلیل ہے کہ ان لوگوں کا ایک بدعت کو اختیار کر کے اور اپنے اوپر لازم کر کے پھر اس کی رعایت نہ کرنا اور اس کو نہ بھانا مذمومہ اور بُرا ہے اور امام محی الدین نووی نے شرح صحیح مسلم میں بدعت کے بارے میں تفصیلی کلام ذکر کیا ہے کہ علمائے اسلام نے فرمایا: بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: (۱) واجبہ (۲) مستحبہ (۳) محرمہ (۴) مکروہہ (۵) مباحہ سو بدعت واجبہ جیسے طہودوں اور بدعتوں کی تردید کرنے کے لیے متکلمین کے دلائل سیکھنا اور بدعت مستحبہ جیسے علم کی کتابوں کی تصنیف اور مدارس کی تعمیر اور سرائیں وغیرہ بنانا اور بدعت مباحہ جیسے طرح طرح کے کھانے تیار کرنے کی وسعت و گنجائش وغیرہ اور بدعت حرام اور مکروہہ ظاہر ہیں پھر اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضور کا ارشاد "كُلُّ بَدْعَةٍ ضَالَّةٌ" عام نہیں خاص ہے کہ صرف بدعت سیدہ گمراہی ہے بدعت حسنہ نہیں اور صاحب جامع الاصول (علامہ ابن اثیر جزیری) نے فرمایا: مخلوق کی بدعت اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کے خلاف ہو تو مذمومہ ذمیری اور قابل انکار ہے اور اگر ان احکام کے تحت داخل ہو جن کو اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول نے مستحب قرار دیا ہے تو وہ بدعت مستحبہ ہے اگرچہ اس کی مثال موجود نہ بھی ہو جیسے جو دو سخا اور نیک کام اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تراویح کی نماز کے بارے میں یہ قول ہمارے اس بیان کی تائید کرتا ہے: "نِعَمَتِ الْبِدْعَةِ هَذِهِ" یہ بہترین اور اچھی بدعت ہے۔ (تفسیر روح المعانی ج ۷ ص ۱۹۲-۱۹۳)

کرنا واجب ہوتی ہے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد کیا ہوتا ہے اس کو توڑنا جائز نہیں ہوتا ﴿قَاتِنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرُهُمْ﴾ سو ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو ان کا اجر و ثواب عطاء کیا یعنی شفقت و مہربانی کرنے والے حضرات جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کی اور جو لوگ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لائے ﴿وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ﴾ اور ان میں سے اکثر لوگ فاسق و نافرمان ہیں یعنی کافر ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ
وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْلًا يَعْلَمُ
أَهْلُ الْكِتَابِ أَلَّا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ
اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۲۹﴾

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے تمہیں دو حصے عطاء فرمائے گا اور تمہارے لیے نور مقرر کر دے گا جس میں تم چلو گے اور وہ تمہیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے ۰ تاکہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل میں کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے اور بے شک فضل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ (اختیار) میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے اسے عطاء فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل و کرم والا ہے ۰

اہل کتاب کو دعوتِ اسلام قبول کرنے پر خوش خبری

۲۸- ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ یہ خطاب اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے لیے ہے (یعنی) اے سابق انبیائے کرام پر ایمان رکھنے والو! ﴿اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ﴾ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کے رسول (سرور انبیاء) حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لاؤ ﴿يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ﴾ اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے تمہیں ثواب کے دو حصے عطاء فرمائے گا ایک سید عالم حضور محمد عربی ﷺ پر ایمان لانے کی وجہ سے اور دوسرا آپ سے پہلے پیغمبروں پر ایمان لانے کی وجہ سے ﴿وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا﴾ اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہارے لیے نور مقرر کر دے گا ﴿تَمْشُونَ بِهِ﴾ جس کے ساتھ تم چلو گے اور یہ وہ نور ہے جس کے بارے میں ارشاد ہے: "يَسْعَى نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ" (الحديد: ۱۲) "مؤمنوں کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا" ﴿وَيَغْفِرْ لَكُمْ﴾ اور وہ تمہیں بخش دے گا یعنی تمہارے گناہوں کو بخش دے گا ﴿وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے۔

۲۹- ﴿لَيْلًا يَعْلَمُ أَهْلُ الْكِتَابِ﴾ تاکہ وہ اہل کتاب جان لیں جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا [اصل میں "لَيَعْلَمُ" ہے "لا" تحسین کلام کے لیے زیادہ کیا گیا] ﴿أَلَّا يَقْدِرُونَ﴾ [اس میں "أَنَّ" ثقیلہ سے مخففہ ہے اس کی اصل "أَنَّ" (لَا يَقْدِرُونَ) ہے] یعنی بے شک شان یہ ہے کہ وہ قدرت نہیں رکھتے ﴿عَلَى شَيْءٍ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے فضل میں سے کسی چیز پر یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل سے جن دو حصوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ اس میں سے کچھ حاصل نہیں کریں گے اور وہ نور اور مغفرت و بخشش ہے کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لائے سو اس لیے آپ سے پہلے ان کا ایمان انہیں نفع اور فائدہ نہیں دے گا اور ان کو اللہ تعالیٰ کا فضل بالکل حاصل نہیں ہوگا ﴿وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ﴾ اور بے شک فضل اللہ تعالیٰ

کے ہاتھ میں ہے یعنی اس کی ملکیت میں اور اس کے اختیار و تصرف میں ہے [”أَنَّ الْفَضْلَ“، ”أَنْ لَا يَقْدِرُونَ“ پر معطوف ہے] ﴿يُؤْتِيهِ مِنْ يَشَاءُ﴾ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے عطاء فرمادیتا ہے ﴿وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل و کرم والا ہے۔

﴿يُؤْتِيهِ مِنْ يَشَاءُ﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة المجادلہ مدنی ہے

سورة المجادلہ مدنی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۵ اس کی بائیس آیات تین رکوع ہیں

قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْكِي إِلَى

اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۗ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ۝ الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْكُمْ مِمَّن

نِسَائِهِمْ مَا هُنَّ أُمَّهَاتِهِمْ ۖ إِنَّ أُمَّهَاتِهِمْ إِلَّا الِئْتِي وَوَلَدَهُمْ وَرَأْسَهُمْ لَيَقُولُونَ كَذِبًا ۖ إِنَّ

الْقَوْلَ وَزُورًا ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَفُوفٌ غَوْرٌ ۝

بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی ہے جو اپنے شوہر کے بارے میں آپ سے بحث کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے ۵ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں ہیں ان کی مائیں صرف وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنم دیا ہے اور بے شک وہ ضرور بڑی بات اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ ضرور بہت معاف فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے ۵

ظہار کے احکام

نوٹ: سورة المجادلہ مدنی ہے اور اس کی بائیس (۲۲) آیات ہیں۔

۱۔ ﴿قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے

شوہر کے بارے میں اور اس کی شان میں آپ سے بحث کرتی ہے۔

شان نزول: اور یہ عورت حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھی اور حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی حضرت

اوس بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی تھی ایک دفعہ وہ نماز پڑھ رہی تھی کہ حضرت اوس نے اسے دیکھا اور وہ بہت حسین

و جمیل جسم والی عورت تھی پھر جب اس نے سلام پھیرا تو حضرت اوس نے اپنی نفسانی خواہش پوری کرنے کے لیے اسے

راغب کرنا چاہا تو اس نے انکار کر دیا جس کی وجہ سے ان کے شوہر ناراض ہو گئے اور اس سے ظہار کر لیا (یعنی اس نے کہا: تم

مجھ پر اس طرح (حرام) ہو جس طرح میری ماں کی پشت مجھ پر (حرام) ہے) اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت

اقدم میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ اوس بن صامت نے مجھ سے شادی کی جب کہ اس وقت میں نو جوان خوب صورت

مرغوب عورت تھی پھر اب جب میری عمر زیادہ ہو گئی ہے اور میرا پیٹ بڑھ کر پھیل گیا ہے یعنی میری اولاد بہت زیادہ ہو گئی ہے

تو اب اس نے مجھے اپنے اوپر اپنی ماں کی طرح (حرام) قرار دے دیا ہے۔

مروی ہے کہ حضرت خولہ نے عرض کیا: میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اگر میں ان کو شوہر کے سپرد کر دوں تو وہ ضائع ہو جائیں گے اور اگر میں ان کو اپنے ساتھ رکھتی ہوں تو بھوکے رہیں گے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرے پاس ابھی تیرے معاملے میں کوئی حکم نہیں ہے۔

مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (اس وقت کے دستور کے مطابق) حضرت خولہ سے فرمایا: تو اس پر حرام ہوگئی ہے اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس نے طلاق کا ذکر نہیں کیا بے شک وہ میرے بچوں کا باپ ہے اور مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے تو آپ نے فرمایا: تو اس پر حرام ہوگئی ہے اس نے عرض کیا: اب میں اپنے فقر و فاقہ اور اپنی پریشانی کی شکایت اللہ تعالیٰ سے کرتی ہوں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو اس پر حرام ہوگئی ہے تو وہ چلائی اور اللہ تعالیٰ سے شکایت کی تو اس وقت یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ﴿وَشَكَيَ إِلَى اللَّهِ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی ہے اور اسے جو ناگواری اور کراہت و تکلیف پہنچی ہے وہ اس کا اظہار کرتی ہے ﴿وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا﴾ اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے (یعنی) تم دونوں کے تبادلہ کلام کو سن رہا ہے یہ ”حار“ سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کلام کو ایک دوسرے کی طرف لوٹایا جاتا ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر مجبور اور ہر مظلوم کی شکایت کو خوب سننے والا ہے ﴿بَصِيرٌ﴾ اس کے حال کو خوب دیکھنے والا ہے۔

۲۔ ﴿الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنكُم مِّن نِّسَائِهِمْ مَا هُنَّ أُمَّهَاتِهِمْ إِلَّا اللَّائِي وَلَدًا لَهُمْ﴾ تم میں سے جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں (کہ اپنی بیویوں کو ماں کی طرح کہہ دیتے ہیں) وہ ان کی مائیں نہیں ہیں ان کی مائیں تو صرف وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے اور ”نساء“ سے بیویاں مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ حقیقت میں مائیں صرف ”والدات“ (جن سے پیدا ہوئے) ہیں اور ”مرضعات“ (جن عورتوں کا دودھ پیا ہے وہ) بھی رضاعت کے واسطے سے مائیں ہیں اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات حرمت نکاح اور تعظیم و تکریم کی زیادہ مستحق ہونے کی بناء پر امت کی مائیں ہیں لیکن بیویاں تو مائیں ہونے سے بہت دور ہیں چنانچہ اس لیے فرمایا: ﴿وَأَن تَقُولُوا لِنَا نُنَاقِرُ﴾ اور بے شک وہ ضرور بُری بات کہتے ہیں یعنی جس بات کا حقیقت اور احکام شریعت انکار کرتے ہیں ﴿وَدُرِّدُوا﴾ اور جھوٹ بولتے ہیں اور جھوٹی باطل اور حق سے انحراف کی بات کہتے ہیں اور اس آیت مبارکہ میں اہل عرب کو ڈانٹنے اور ملامت کرنے کے لیے ”مِنْكُمْ“ فرمایا گیا ہے کیونکہ ظہار کو طلاق شمار کرنا زمانہ جاہلیت میں صرف اہل عرب کا عقیدہ تھا دیگر امتوں کا نہیں ﴿وَأَنَّ اللَّهَ لَعَافٌ عَلِيمٌ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ظہار کرنے والوں کی گزشتہ کوتاہیوں کو بہت معاف کرنے والا بہت بخشنے والا ہے [امام عاصم کی قراءت میں (”یا“ مضموم اور ”ظا“ مخفف بعد میں الف اور ”ہا“ مکسور باب مفاعلہ سے) ”يُظَاهِرُونَ“ ہے اور ابو عمرو اور حجازی کی قراءت میں (”یسا“ مفتوح اور ”ظا“ مشدود بغیر الف کے ”ہا“ مفتوح کے ساتھ باب تفعّل سے) ”يُظَاهِرُونَ“ ہے اور ان کے علاوہ (ابن عامر شامی، حمزہ کوئی اور علی کسائی) کی قراءت میں (”یا“ مفتوح اور ”ظا“ مشدود بعد میں الف ”ہا“ مفتوح کے ساتھ باب تفاعل سے) ”يُظَاهِرُونَ“ ہے۔]

وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِن نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ
أَنْ يَتَنَاسَآطَ ذَلِكُمْ تَوْعَظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامٌ

شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَا ۖ فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَاطْعَامُ سِتِّينَ
مِسْكِينًا ۖ ذَلِكَ لِمَنْؤَابِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَتِلْكَ حُدُودُاللَّهِ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ
أَلِيمٌ ﴿۲۷﴾

اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر لیں پھر وہ اس سے رجوع کرنا چاہیں جو وہ سخت بُری بات کہہ چکے ہیں تو ایک غلام آزاد کرنا ہے اس سے پہلے کہ وہ میاں بیوی ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں یہ ہے وہ چیز جس کی تمہیں نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے پوری طرح باخبر ہے ۰ سو جو شخص غلام کو نہ پائے تو دو مہینے مسلسل روزے رکھنا ہیں اس سے پہلے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں پھر جو شخص روزے نہ رکھ سکتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یہ (حکم) اس لیے ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان قائم رکھو اور یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے ۰

۳- ﴿وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ﴾ اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر لیں۔ اس سے پہلی آیت مبارکہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ (ظہار) کہنے والے کی بُری بات اور جھوٹی بات ہے اور اس دوسری آیت مبارکہ میں ظہار کا حکم بیان کیا گیا ہے ﴿ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا﴾ پھر وہ اس بُری بات سے رجوع کرنا چاہیں جو وہ کہہ چکے ہیں۔ ”عود“ کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ کسی چیز کا ابتداء اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹنا دوسرا معنی ہے کہ کسی چیز کا دوبارہ کسی حالت کی طرف لوٹنا سو پہلے معنی کی مثال یہ ارشاد ہے کہ ”حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ۝“ (یسین: ۳۹) ”یہاں تک کہ چاند (آخری تاریخوں میں) کھجور کی پرانی شاخ کی طرح پہلی حالت کی طرف لوٹ جاتا ہے ۰“ اور دوسرے معنی کی مثال یہ ہے: ”وَإِنْ عُدْتُمْ عَدْنَا“ (الاسراء: ۸) ”اور اگر تم دوبارہ فساد برپا کرو گے تو ہم تمہیں سزا دیں گے“ [اور یہ براہ راست بھی متعدی ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: ”عُدْتُمْ“ میں واپس اس کی طرف لوٹ آیا ہوں اور حرف جر ”إِلَىٰ“ ”عَلَىٰ“ ”فِي“ اور لام کے ساتھ بھی متعدی ہوتا ہے جیسے ارشاد ہے: ”وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ“ (الانعام: ۲۸) ”اور اگر مشرکین کو واپس دنیا میں بھیج دیا جائے تو جس کفر و شرک سے انہیں منع کیا گیا ہے اسی کی طرف دوبارہ لوٹ جائیں گے“ اور اسی سے یہ ارشاد ”ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا“ ہے [یعنی وہ اپنی کہی ہوئی بُری بات کو ختم کرنے کے لیے رجوع کرنا چاہیں یا اس کے تدارک کے لیے رجوع کرنا چاہیں] یہ حذف مضاف کی بناء پر ہے [اور ثعلب نے کہا کہ ”يَعُودُونَ لِتَحْلِيلِ مَا حَرَّمُوا“ جس کو انہوں نے حرام کر لیا ہے اسے حلال کرنے کے لیے رجوع کرنا چاہیں] یہ بھی حذف مضاف کی بناء پر ہے [مگر یہ کہ ”مَا قَالُوا“ سے یہ مراد ہو کہ ”مَا حَرَّمُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ بِلَفْظِ الظَّهَارِ“ یعنی انہوں نے جس کو اپنے آپ پر ظہار کے لفظ سے حرام کر لیا ہے اس سے رجوع کرنا چاہیں اور اس صورت میں ”قَالُوا“ میں قول مقول فیہ کے قائم مقام ہوگا جیسے ارشاد ہے: ”وَنَسِئَةٌ مَّا يَقُولُونَ“ (مریم: ۸۰) اس میں مقول فیہ مراد ہے اور وہ مال اور اولاد ہے پھر اس میں اختلاف ہے کہ ظہار کے خلاف رجوع کرنا کس چیز سے حاصل ہوگا سو ہمارے (احناف کے) نزدیک بیوی کے ساتھ جماع کے عزم سے حاصل ہوگا اور حضرت ابن عباس حضرت حسن اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی قول ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک محض امساک سے ثابت ہو جائے گا اور وہ یہ ہے کہ خاندان ظہار کے بعد بیوی کو طلاق نہ دے ﴿فَتَحْرِيرُ مَا حَبَسَ﴾ تو غلام آزاد کرنا ہے (یعنی) ظہار کرنے والے

خاوند پر غلام آزاد کرنا واجب ہے، خواہ مؤمن ہو یا کافر، اور مدبر اور ام ولد اور وہ مکاتب جس نے کتابت کی رقم ادا کر دی ہو وہ جائز نہیں ﴿وَمَنْ قَبْلُ أَنْ يَتَمَنَّاهُ﴾ اس سے پہلے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں [اس میں ”ہما“ ضمیر ”مظاہر“ (ظہار کرنے والا خاوند) اور ”مُظَاهِرٌ مِنْهَا“ (بیوی جس سے ظہار کیا گیا) کی طرف لڑتی ہے جس پر کلام دلالت کرتا ہے] اور چھونے اور ہاتھ لگانے سے مراد بیوی سے فائدہ اٹھانا ہے خواہ جماع کے ساتھ ہو خواہ نفسانی خواہش سے چھونا، بوس و کنار کرنا ہو یا شہوت و نفسانی خواہش کے تحت بیوی کی شرم گاہ کی طرف دیکھنا ہو ﴿ذَلِكَ﴾ یہ ہے وہ حکم ﴿تَوْعُّظُونَ بِهَا﴾ جس کی تمہیں نصیحت کی جاتی ہے کیونکہ کفارہ کا حکم گناہ کے ارتکاب کی دلیل ہے، پس واجب ہے کہ اس حکم کی تمہیں نصیحت کی جائے تاکہ تم دوبارہ ظہار کی طرف نہ لوٹو اور تم اس پر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہو ﴿وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔

ظہار کی تعریف: اور ظہار یہ ہے کہ خاوند اپنی بیوی سے کہے: ”أَنْتِ عَلَيَّ كَظْهَرِ أُمِّي“ تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے اور جب ”أَنْتِ“ کی جگہ شوہر اپنی بیوی کے کسی عضو کو استعمال کرے جس کے ساتھ اس کے وجود کو تعبیر کیا جاسکتا ہے تو ظہار ہو جائے گا (جیسے تیرا سر یا شرم گاہ یا چہرہ یا گردن یا بدن یا تیرا جسم میری ماں کی پشت کی طرح ہے) یا ماں کی پشت کی بجائے اس کے کسی ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دے جس کی طرف دیکھنا حرام ہو، جیسے خاوند بیوی سے کہے: تو مجھ پر میری ماں کے پیٹ کی طرح یا میری ماں کی ران کی طرح ہے تو ظہار ہو گا یا پھر ماں کی جگہ کسی ایسی رشتہ دار عورت کے کسی عضو سے تشبیہ دے جو نسب کی وجہ سے یا رضاعت کی وجہ سے یا سسرالی رشتہ کی وجہ سے یا جماع کی وجہ سے حرام ہو جیسے خاوند اپنی بیوی سے کہے: تو مجھ پر میری رضاعی بہن کی پشت یا نسبی پھوپھی یا میرے بیٹے کی بیوی یا میرے باپ کی بیوی یا میری بیوی کی ماں یا اس کی بیٹی کی پشت کی طرح ہے تو ان تمام صورتوں میں شوہر ”مظاہر“ (ظہار کرنے والا) ہو جائے گا۔

اور جب ”مظاہر“ کفارہ ادا نہ کرے تو عورت کے لیے جائز ہے کہ عدالت سے رجوع کرے اور قاضی پر لازم ہے کہ وہ ”مظاہر“ کو کفارہ ادا کرنے پر مجبور کرے اور اسے قید کر دے اور دیگر کفارات میں سے کسی کفارہ کے ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، البتہ اگر ظہار کا کفارہ ادا نہ کرے تو اس پر اسے قید کیا جائے گا کیونکہ کفارہ ادا نہ کرنے کی صورت میں عورت کا نقصان ہے اور ظہار عورت سے مخصوص فائدہ حاصل کرنے میں رکاوٹ ہے، پھر اگر خاوند کفارہ ادا کرنے سے پہلے بیوی سے بوس و کنار یا جماع کر لے تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے، معافی مانگے اور دوبارہ ایسا نہ کرے یہاں تک کہ پہلے کفارہ ادا کرے اور اگر شوہر نے آدھا غلام آزاد کیا، پھر اپنی بیوی سے بوس و کنار یا جماع کر لیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک لے جن الفاظ سے ظہار ثابت ہوتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں: صریح اور کنایہ۔ صریح تو یہ ہے کہ اپنی بیوی کو اپنی ماں کی پشت یا کسی ایسے عضو سے تشبیہ دے جس کا دیکھنا اس کے لیے حلال نہیں تو یہ صراحۃً ظہار ہے۔ اسی طرح اپنی بیوی کو ان عورتوں کی پشت یا ان کے ایسے اعضاء سے تشبیہ دے جن کا دیکھنا حلال نہیں جو ابتداءً یا بعد میں کسی وجہ سے مؤبداً حرام ہیں تو یہ بھی صراحۃً ظہار ہے اس میں اس کی نیت کا اعتبار نہیں۔ وہ ہزار بار کہے کہ میرا مقصد ظہار کا نہیں تھا، قابل تسلیم نہیں ہوگا۔

اور اگر وہ بیوی کے متعلق یہ کہے کہ یہ مجھ پر اس طرح ہے جس طرح یہ عورتیں جو مذکور ہوئیں اور ان کے کسی عضو کا نام نہ لے تو اس صورت میں یہ کنایہ ہوگا۔ اس کا معنی متعین کرنے میں اس کی نیت کو دخل ہوگا، اگر وہ کہے کہ میں نے عزت و تکریم کے لیے یہ لفظ استعمال کیا ہے تو مان لیا جائے گا اور اگر ظہار کی نیت سے کہا ہوگا تو ظہار ہوگا، اور اگر اس نے اس لفظ سے طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق ہو جائے گی۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۱۳۸)

اس پر دوبارہ پورا غلام آزاد کرنا واجب ہے۔

۴۔ ﴿فَمَنْ لَمْ يَجِدْ﴾ ”الرَّقَبَةَ“ سو جو شخص غلام کو نہ پائے ﴿فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّ﴾
تو اس پر لگاتار دو ماہ روزے رکھنا لازم ہیں اس سے پہلے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں ﴿فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ﴾
”الصِّيَامَ“ سو جو شخص روزوں کی طاقت نہیں رکھتا ﴿فَإِطْعَامُ﴾ ”فَعَلَيْهِ إِطْعَامٌ“ تو اس پر کھانا کھلانا واجب ہے
﴿سِتِّينَ مِسْكِينًا﴾ ساٹھ مسکینوں کو۔ ہر مسکین کے لیے گندم نصف صاع (تقریباً دو کلو پچاس گرام) یا ایک صاع اس کے
علاوہ کے لیے اور شوہر کا اپنی بیوی کے پاس ہم بستر ہونے سے پہلے یہ کفارہ ادا کرنا واجب ہے، لیکن اگر خاوند نے کھانا
کھلانے کے دوران اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو از سر نو کھانا کھلانے کی ضرورت نہیں ﴿ذَلِكَ﴾ یہ بیان اور احکام کی تعلیم اس
لیے کی گئی ہے ﴿لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ تاکہ ان مسائل پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تصدیق کرو
جو اللہ تعالیٰ نے ظہار وغیرہ کی صورت میں مشروع قرار دیئے ہیں اور ان عادات کو ترک کر دو جن پر تم زمانہ جاہلیت میں قائم
تھے ﴿وَتِلْكَ﴾ اور وہ یعنی وہ احکام جو ہم نے ظہار اور کفارہ کی صورت میں بیان کیے ہیں ﴿حُدُودُ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی حدیں
ہیں جن سے تجاوز کرنا کسی صورت میں جائز نہیں ﴿وَاللَّكْفِيرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے جو
حدود اللہ کی اتباع نہیں کرتے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُجَادُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كَبِتُوا كَمَا كَبَتِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ

أَنْزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝ يَوْمَ يُبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا

فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا أَحْصَاهُ اللَّهُ وَنَسُوهُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝

بے شک جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے عداوت و مخالفت کرتے ہیں انہیں ذلیل کیا گیا، جیسے ان سے پہلے لوگ
ذلیل کیے گئے اور بے شک ہم نے واضح آیتیں نازل کیں اور کافروں کے لیے ذلت ناک عذاب ہے ۝ جس دن اللہ تعالیٰ
ان سب کو اٹھائے گا تو انہیں وہ سب کرتوت بتا دے گا جن کا انہوں نے ارتکاب کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو شمار کر رکھا ہے اور وہ
خود ان کو بھول چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے ۝

دشمنانِ خدا و رسول کی مذمت اور اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت

۵۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُجَادُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كَبِتُوا﴾ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے دشمنی کرتے
ہیں (یعنی) عداوت و دشمنی اور مخالفت کرتے ہیں انہیں ذلیل و رسوا کیا گیا اور انہیں ہلاک کر دیا گیا ﴿كَمَا كَبَتِ الَّذِينَ مِنْ
قَبْلِهِمْ﴾ جیسا کہ ان سے پہلے دشمنانِ رسل کو ذلیل و خوار اور ہلاک کر دیا گیا تھا ﴿وَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ﴾ اور بے شک
ہم نے واضح آیتیں نازل کیں ہیں جو رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی صداقت اور وہ جو تعلیمات لے کر تشریف لائے، ان کی
صحت پر دلالت و رہنمائی کرتی ہیں ﴿وَاللَّكْفِيرِينَ﴾ اور ان آیات کے ساتھ کفر کرنے والے کافروں کے لیے ﴿عَذَابٌ
مُهِينٌ﴾ ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب ہے جو ان کی جھوٹی عزت و بڑائی اور تکبر و غرور کو ختم کر دے گا۔

۶۔ ﴿يَوْمَ﴾ [یہ ”مہین“ کی وجہ سے منصوب ہے یا پھر اس دن کی تعظیم کی خاطر ”أَذْكَرُ“ مضر ہے جس کی وجہ سے
یہ منصوب ہے] یعنی اس بڑے دن کو یاد کرو جس دن ﴿يُبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا﴾ اللہ تعالیٰ ان سب کو زندہ کر کے دوبارہ اٹھائے

کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے بغیر نہیں چھوڑے گا بلکہ سب کو اٹھائے گا یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو ایک حالت میں جمع کر کے اٹھائے گا ﴿فِي يَوْمٍ يُسَاءَلُونَ﴾ پھر اللہ تعالیٰ ان کو شرمندہ کرنے اور ڈانٹنے اور ان کے حال کی تشہیر کرنے کے لیے ان کے تمام کرتوت بتا دے گا جو انہوں نے دنیا میں کیے تھے اور جب انہیں سرعام سب لوگوں کے سامنے ذلت و رسوائی لاحق ہوگی اس وقت وہ تمنا اور آرزو کریں گے کہ کاش! انہیں دوزخ کی آگ کی طرف بہت جلد لے جایا جائے (تاکہ مزید ذلت و رسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑے) ﴿أَخْطِئْتُ اللَّهَ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان اعمال کو محفوظ کر رکھا ہے اور شمار کر کے ان کا احاطہ کر رکھا ہے، کوئی چیز اس میں سے فوت یا ضائع نہیں ہوئی ﴿وَنَسُوكَ﴾ اور وہ خود انہیں بھلا چکے ہیں کیونکہ جب انہوں نے ان اعمال کا ارتکاب کیا تو انہیں حقیر و صغیر خیال کیا حالانکہ بڑے بڑے معاملات کو یاد رکھا جاتا ہے ﴿وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ (اپنے بے حد علم و قدرت کے اعتبار سے) ہر چیز پر حاضر و ناظر ہے کوئی چیز اس سے پوشیدہ اور مخفی نہیں ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى

ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُمْ أَوْ سَادِسَةٌ إِلَّا الْآهُونَ سَادِسُهُمْ وَلَا آدْنَى مِنْ

ذَلِكَ وَلَا أَكْثَرُ إِلَّا هُمْ مَعَهُمْ أَيَّنَ مَا كَانُوا تَعْرِيضُهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

(اے انسان!) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، تین شخصوں میں کوئی سرگوشی نہیں ہوتی مگر ان کا چوتھا اللہ تعالیٰ موجود ہوتا ہے اور نہ پانچ میں کوئی سرگوشی ہوتی ہے مگر ان کا چھٹا اللہ تعالیٰ موجود ہوتا ہے اور نہ اس سے کم ہوتے ہیں اور نہ اس سے زیادہ مگر اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ موجود ہوتا ہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں، پھر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انہیں وہ سب کچھ بتا دے گا جو کچھ انہوں نے کیا، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O

۷- ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ کیا تم نے غور سے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ خوب

جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ﴿مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُمْ أَوْ سَادِسَةٌ﴾ تین شخصوں کی کوئی سرگوشی نہیں ہوتی مگر وہ یعنی اللہ تعالیٰ ان کا چوتھا ان کے ساتھ موجود ہوتا ہے [”يَكُونُ كَانَ“ تمام سے ہے اور ”نجوى“ بہ معنی ”تساجی“ ہے یعنی ایک دوسرے سے ہرگوشی کرنا اور ”نجوى“ کو ”ثلاثة“ کی طرف مضاف کیا گیا ہے ”أَيُّ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ نَفَرٍ“ یعنی تین افراد کی باہمی سرگوشی] ﴿وَلَا خَسِيسَةٌ إِلَّا هُمْ سَادِسُهُمْ وَلَا آدْنَى مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْثَرُ إِلَّا هُمْ مَعَهُمْ﴾ اور نہ پانچ شخصوں کی کوئی سرگوشی ہوتی ہے مگر وہ ان کا چھٹا موجود ہوتا ہے اور نہ اس سے کم ہوتے ہیں اور نہ زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے ﴿أَيَّنَ مَا كَانُوا﴾ وہ جہاں کہیں بھی ہوں۔ وہ آپس میں جس قدر سرگوشیاں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سب کو خوب جانتا ہے اور وہ لوگ جن کاموں میں مشغول ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے مخفی اور پوشیدہ نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ مکان سے بہت بلند و بالا اور پاک ہے۔ ”آدنی“ بہ معنی ”اقل“ ہے اور تین اور پانچ کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ یہ

آیت مبارکہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور وہ مسلمانوں کو بھڑکانے، غصہ دلانے اور انہیں جلانے کے لیے اسی تعداد میں حلقے بنا کر مسلمانوں کے خلاف آپس میں سرگوشیاں کرتے تھے سو اس لیے فرمایا گیا کہ ان میں سے تین افراد کوئی سرگوشی نہیں کرتے اور نہ پانچ افراد اور نہ اس تعداد سے کم اور نہ زیادہ مگر اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ موجود ہوتا ہے وہ لوگ جو کچھ سرگوشی میں کہتے ہیں وہ خوب جانتا ہے اور اس لیے بھی کہ عام طور پر عادت یہ ہے کہ سرگوشیاں کرنے والے تجربہ کار اہل رائے ایک گروہ پر مشتمل ہوتے ہیں اور ان کی پہلی تعداد دو ہوتی ہے پھر بڑھ کر پانچ یا چھ تک پہنچ جاتی ہے جیسے حالات اس کا تقاضا کرتے ہیں چنانچہ اللہ عزوجل نے تین اور پانچ کا ذکر فرمایا اور یہ بھی فرمایا: "وَلَا أَدْنَىٰ مِنْ ذَٰلِكَ" اور نہ اس سے کم سو یہ فرمان تین سے کم دو پر اور پانچ سے کم چار پر دلالت کرتا ہے اور یہ فرمایا: "وَلَا أَكْثَرَ" اور نہ اس سے زیادہ سو یہ فرمان اس عدد کے قریب پر دلالت کرتا ہے ﴿تَعْرَبْتُمْ بِمَا عَمِلْتُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ پھر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انہیں وہ سب کچھ بتا دے گا جو انہوں نے اعمال کیے تھے پس انہیں اعمال پر ان کو سزا دے گا ﴿إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

الْحَرَّتْ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوَى ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَيَتَنَبَّهُونَ
بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ وَإِذَا جَاءُوكَ حَيَّوكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ
اللَّهُ وَيَقُولُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ حَسْبُكُمْ جَهَنَّمُ
يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْبَصِيرَةُ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا
بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا
اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ①

(اے محبوب!) کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہیں بڑی سرگوشی سے منع کیا گیا، پھر وہ اسی کی طرف لوٹتے ہیں جس سے انہیں منع کیا گیا ہے اور وہ گناہ اور ظلم و سرکشی اور رسول کریم کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں اور جب وہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو ایسے الفاظ کے ساتھ آپ کو سلام کرتے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام نہیں کرتا، اور وہ اپنے دلوں میں کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں پر عذاب کیوں نہیں دیتا جو ہم کہتے ہیں، ان کو دوزخ کافی ہے جس میں وہ داخل ہوں گے سو وہ بہت برا ٹھکانا ہے، اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے سرگوشی کرنے لگو تو تم گناہ اور ظلم و زیادتی اور رسول اکرم کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کرو اور تم آپس میں نیکی اور تقویٰ کی سرگوشی کرو اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے۔

مجرمانہ سرگوشی کی ممانعت اور مجلس میں کشادگی کا حکم

۸۔ ﴿الْحَرَّتْ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوَى ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَيَتَنَبَّهُونَ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ﴾

(اے محبوب!) کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہیں بڑی سرگوشی کرنے سے منع کیا گیا ہے پھر انہیں جس سے منع کیا گیا ہے اسی کی طرف وہ لوٹتے ہیں اور وہ گناہ اور ظلم و زیادتی اور رسول اکرم کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں۔ دراصل یہود اور منافقین آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ سرگوشیاں کرتے تھے اور جب مسلمان انہیں دیکھتے تو وہ لوگ اپنی آنکھوں سے اشارے کرتے اور وہ مسلمانوں کو غصہ دلانے اور انہیں جلانا چاہتے اور وہ مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ ڈالنا چاہتے تھے کہ ان کی سرگوشیاں اور ان کی آنکھوں کے اشارے مسلمانوں کے خلاف ہیں اور یہ کہ مسلمان مجاہدین جنگوں میں مغلوب ہو جائیں گے اور ان کے عزیز و اقارب قتل کر دیئے جائیں گے۔ سو رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا لیکن وہ دوبارہ اسی طرح کرنے لگے اور ان کی سرگوشیاں گناہ اور مسلمانوں پر ظلم و ستم کرنے اور رسول اکرم کی نافرمانی اور مخالفت کرنے کی وصیت پر مشتمل ہوتی تھیں [حمزہ کوئی کی قراءت میں (الف کے بغیر جیم مشد کے ساتھ) "يَتَنَجَّوْنَ" ہے اور یہ پہلے کے ہم معنی ہے]

﴿وَإِذَا جَاءُوكَ حَتَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللَّهُ﴾ اور جب وہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے ہیں تو وہ آپ کو ایسے الفاظ کے ساتھ سلام کرتے ہیں جن الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام نہیں کرتا یعنی وہ آپ کو سلام کرنے کے لیے "السَّامُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدٌ" کہتے ہیں (ﷺ) اور "السَّامُ" کا معنی موت ہے اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى" (انمل: ۵۹) اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو اور فرمایا: "يَا أَيُّهَا الرَّسُوْلُ" (المائدہ: ۴۱) اور فرمایا: "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ" (الاحزاب: ۵۹) ﴿وَيَقُولُوْنَ فِيْ اَنْفُسِهِمْ كَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ﴾ اور وہ اپنے دلوں میں کہتے ہیں: جو کچھ ہم کہتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا یعنی یہود و منافقین آپس میں ایک دوسرے سے کہتے: اگر یہ نبی ہوتے تو ہم جو کچھ ان کے خلاف کہتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ ہمیں ضرور عذاب دیتا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: ﴿حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ﴾ ان کو عذاب دینے کے لیے دوزخ کافی ہے ﴿يَصَلُّوْنَهَا﴾ وہ اس میں داخل ہوں گے [یہ حال واقع ہو رہا ہے] ﴿فِيْئْسَ النَّصِيْرُ﴾ سو وہ بہت برا ٹھکانا ہے (یعنی) دنیا سے لوٹ کر جانے کی جگہ اور وہ جہنم ہے۔

۹- ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے زبانی کلامی ایمان لانے والو! اور یہ منافقین کے لیے خطاب ہے اور ظاہر یہی ہے کہ یہ مومنوں کے لیے خطاب ہے ﴿إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَكُنَّ جَوَابًا لِّشُرِّ الْعَدُوِّ اِنِّ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُوْلِ﴾ جب تم آپس میں سرگوشی کرو تو گناہ اور ظلم و زیادتی اور رسول اکرم کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کیا کرو یعنی جب تم آپس میں سرگوشی کرو تو یہود اور منافقین کی مشابہت اختیار نہ کرو کیونکہ وہ آپس میں مجرمانہ اور بڑی سرگوشیاں کرتے ہیں ﴿وَتَنَاجُوا بِالْبَيْتِ﴾ اور تم آپس میں نیکی کی سرگوشی کرو یعنی فرائض کو ادا کرنے اور عبادات بجالانے اور اطاعت و فرماں برداری کرنے کی سرگوشیاں کیا کرو ﴿وَالْتَقَوْا﴾ اور گناہوں کو ترک کرنے اور پرہیزگاری اختیار کرنے کی سرگوشیاں کیا کرو ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس کی طرف تمہیں حساب کے لیے جمع کیا جائے گا پھر وہ تمہیں نیک یا بُری جیسی سرگوشیاں تم نے کی ہوں گی ان پر بدلہ عطاء فرمائے گا۔

إِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزَنَ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَلَيْسَ بِضَارٍ هُمْ شَيْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَعَلٰى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِى الْمَجْلِسِ فَانْفِسُوْا اَيْفَسِرِ اللّٰهُ لَكُمْ وَاِذَا قِيْلَ اُنشُرُوْا فَانشُرُوْا

يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

خَبِيرٌ ۝

بے شک بڑی سرگوشی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے تاکہ وہ ایمان والوں کو رنجیدہ کرے اور وہ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ رکھنا چاہیے۔ اے ایمان والو! جب تمہیں کہا جائے کہ تم مجلس میں وسعت و کشادگی کرو تو تم کشادہ ہو جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کشادگی کر دے گا اور جب تم سے کہا جائے کہ کھڑے ہو جائے تو تم کھڑے ہو جایا کرو اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں اور علم والوں کے درجات بلند فرمادے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بہت خبردار ہے۔

۱۰۔ ﴿إِنَّمَا التَّجْوَى﴾ بے شک گناہ کی اور ظلم و زیادتی اور سرکشی کی سرگوشی ﴿مِنَ الشَّيْطَانِ﴾ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے اور اس کی طرف سے ایسی بڑی سرگوشی کو سنوارنے اور مزین و آراستہ کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے ﴿لِيَحْزَنَ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ تاکہ وہ یعنی شیطان اہل ایمان کو غمگین و رنجیدہ کر دے [نافع مدنی کی قراءت میں ”یا“ مضموم (اور ”زا“ مکسور) کے ساتھ ”لِيَحْزَنَ“ ہے] ﴿وَكَيْسَ بِضَاغِهِمْ شَيْئًا إِلَّا يَدِينُ اللَّهُ﴾ اور وہ یعنی شیطان یا وہ رنج و غم مسلمانوں کو کچھ نقصان نہیں پہنچائیں گے مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے علم اور اس کے فیصلے اور اس کے مقدر کرنے سے ﴿وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ رکھنا چاہیے یعنی وہ اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں اور وہ شیطان مردود سے بچنے کے لیے صرف اسی کی پناہ طلب کریں۔

۱۱۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ﴾ اے ایمان والو! جب تمہیں کہا جائے کہ تم مجلس میں کشادگی کرو اور مجلس میں وسعت کرو اور امام عاصم کی قراءت میں جمع کے ساتھ ”فِي الْمَجَالِسِ“ ہے لیکن اس سے رسول اللہ ﷺ کی مجلس مراد ہے۔ دراصل صحابہ کرام علیہم الرضوان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قریب بیٹھنے کی خواہش و تمنا اور آپ کا کلام مبارک سننے کی حرص کی وجہ سے آپ کے قریب ایک دوسرے کے ساتھ بالکل مل کر بیٹھتے تھے اس لیے آپ کی مجلس میں انہیں کشادہ ہونے کا حکم دیا گیا اور بعض حضرات نے فرمایا: اس سے لڑائی اور جنگ کرنے کی مجالس مراد ہیں اور وہ جنگ کے مراکز اور مورچے ہیں جیسے ارشاد ہے: ”مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ“ (آل عمران: ۱۲۱) یعنی ”جنگ کے مورچے“۔ حضرت مقاتل نے فرمایا: اس سے نماز جمعہ کی مجلس مراد ہے ﴿فَاتَّسَّحُوا﴾ مجلس میں جگہ کشادہ کرو ﴿يُفَسِّحُ اللَّهُ لَكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کشادگی پیدا کر دے گا۔ یہ مطلق ہے ہر وہ چیز جس کی لوگ وسعت و کشادگی چاہتے ہیں مراد ہے جیسے مکان رزق اولاد سینہ اور قبر وغیرہ میں کشادگی چاہنا ﴿وَإِذَا قِيلَ انشُرُوا﴾ اور جب (تمہیں) کہا جائے کہ تم کھڑے ہو جاؤ اور آنے والوں کے لیے جگہ میں کشادگی پیدا کرو ﴿فَانشُرُوا﴾ تو تم کھڑے ہو جاؤ یا جب تمہیں رسول اللہ ﷺ کی مجلس سے کھڑا ہونے کا حکم دیا جائے تو تم کھڑے ہو جاؤ یا نماز اور جہاد اور دیگر اعمال خیر کی طرف کھڑے ہو جاؤ [امام عاصم نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں دونوں فعل امر میں شین مضموم (باب ”نَصَرَ يَنْصُرُ“) سے ”انشرُوا“ ہے جب کہ حماد وغیرہ کی قراءت میں شین مکسور (باب ”صَرَبَ يَصْرِبُ“) سے ”انشرُوا“ ہے] ﴿يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾ اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں اور علم والوں کے درجات بلند فرمادے گا یعنی تم میں سے ان مسلمانوں

کے درجات بلند فرمادے گا جو اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے رسول اکرم کے احکام کو بجالائے اور ان میں سے خاص علمائے دین کے درجات کو بلند فرمائے گا اور درجات میں دو قول ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ ان کے مرتبہ و شان اور شرف و بزرگی کو بڑھادے گا اور دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں ان کے درجات و مراتب کو بلند فرمادے گا۔

علمائے دین کی فضیلت

- (۱) حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب یہ آیت مبارکہ تلاوت فرماتے تو فرماتے: اے لوگو! اس آیت مبارکہ کو سمجھو اور علم دین میں رغبت پیدا کرو۔
 - (۲) حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: عالم عابد پر اس طرح فضیلت رکھتا ہے جس طرح چودھویں کا چاند تمام ستاروں پر فضیلت رکھتا ہے۔
 - (۳) حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: عالم کی ایک دن کی عبادت عابد کی چالیس سال کی عبادت کے برابر ہے۔
 - (۴) حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے: (۱) انبیائے کرام علیہم السلام (۲) پھر علمائے دین (رحمہم اللہ) (۳) پھر شہدائے اسلام (رحمہم اللہ)۔ سو علمائے دین کا بہت بڑا مرتبہ ہے کیونکہ یہ حضرات نبوت اور شہادت کے درمیان واسطہ ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے گواہی دی ہے۔
 - (۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم اور مال و دولت اور بادشاہت میں سے کسی ایک کو اختیار کر لینے کا اختیار دیا گیا تو آپ نے علم کو اختیار فرمایا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ مال و دولت اور بادشاہت بھی عطاء فرمادی۔
 - (۶) حضور سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے ابراہیم! بے شک میں خود علیم ہوں اور میں ہر علیم (علم والے عالم) سے محبت کرتا ہوں۔
 - (۷) بعض حکماء نے کہا: جس شخص سے علم فوت ہو گیا تو اس نے کچھ نہیں پایا اور جس نے علم حاصل کر لیا اس نے سب کچھ پالیا۔
 - (۸) علامہ زبیری نے فرمایا: علم نر ہے سوا سے نر آدمی ہی پسند کرتے ہیں اور علوم کی کئی اقسام ہیں ان میں سے افضل و اعلیٰ علم وہ ہے جس کا معلوم افضل و اعلیٰ ہو (اور وہ دین کا علم ہے جس سے معرفت الہی اور احکام دین حاصل ہوتے ہیں)۔
- ﴿وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بہت خبردار ہے۔

۱۔ رواہ احمد ج ۵ ص ۱۹۶، ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۱، الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۳، ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۳

۲۔ رواہ ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۳

۳۔ رواہ ابن عبد البر فی العلم (حاشیہ الکشاف ج ۳ ص ۴۹۳)

۴۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مرحوم نے اس آیت مبارکہ کے تحت چند احادیث نقل کی ہیں ان میں سے جو صاحب مدارک نے نقل نہیں کیں وہ یہاں حاشیہ میں قارئین کرام کے لیے پیش کی جاتی ہیں:

- (۱) حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: بے شک علماء دین انبیائے کرام کے وارث ہیں اور انبیائے کرام نے دنیا و دوزخ ہم (مال و دولت) کا وارث نہیں بنایا بلکہ انہوں نے علم دین کا وارث بنایا ہے سو جس نے اسے حاصل کر لیا اس نے عیقہ بختی کا دوا فر حصہ حاصل کر لیا۔
- (۲) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: عالم عابد پر اس طرح فضیلت رکھتا ہے جس طرح تم میں سے ادنیٰ آدمی پر میری فضیلت ہے۔
- (۳) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں دو مجلسوں کے پاس (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةٌ
 ذَلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرٌ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٢﴾ ءَأَشْفَقْتُمْ أَنْ
 تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَاتٍ فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَأَقِيمُوا
 الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٣﴾

اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی کی بات کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ کر لیا کرو یہ تمہارے لیے بہت بہتر اور زیادہ پاکیزہ ہے پھر اگر تم کچھ نہ پاؤ تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے ۰ کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ تم اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ دے دیا کرو پس جب تم نے (صدقہ) نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی تو نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کیا کرو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے پوری طرح باخبر ہے ۰

حضور ﷺ سے سرگوشی کی بات کرنے سے پہلے صدقہ دینے کا حکم

۱۲ - ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ﴾ اے ایمان والو! جب تم رسول اکرم سے سرگوشی کرو (یعنی) جب تم آپ سے سرگوشی کرنا چاہو ﴿فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةٌ﴾ تو تم اپنی سرگوشی کی بات کرنے سے پہلے صدقہ دو۔ اور یہ اس سے استعارہ ہے جس کے دو ہاتھ ہوں جیسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ اہل عرب کو جو افضل نعمت عطاء کی گئی ہے وہ شعر کہنا ہے جس کو آدمی اپنی ضرورت سے پہلے کریم دخی کے سامنے پیش کرتا ہے تو کریم اس پر دولت (بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سے گزرے تو فرمایا: یہ دونوں بھلائی پر ہیں مگر ان میں سے ایک دوسری سے افضل ہے لیکن یہ لوگ تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اور اس کو رغبت کے ساتھ یاد کرتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو عطاء فرمادے اور اگر چاہے تو روک لے لیکن یہ علم والے توفیق اور علم حاصل کرتے ہیں اور جاہلوں کو تعلیم دیتے ہیں سو اس لیے یہ افضل ہیں ”وَإِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا“ اور بے شک میں استاذ بنا کر بھیجا گیا ہوں پھر اس کے پاس بیٹھ گئے۔ (تفسیر مظہری ج ۹ ص ۱۲۳-۱۲۵)

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:

(۱) حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو طالب علم دین اسلام کی نشر و اشاعت اور اس کی تبلیغ کے لیے علم دین حاصل کر رہا ہو اور اس دوران اس کو موت آ جائے تو اس کے درمیان اور نبیوں کے درمیان صرف ایک درجہ کافرق ہوگا۔

(۲) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: عالم دین اور عابد کے درمیان سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان اس قدر فاصلہ ہے کہ تیز رفتار گھوڑا ستر سال میں طے کرتا ہے۔

(۳) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ علمائے دین کو جمع فرمائے گا اور ارشاد فرمائے گا: بے شک میں نے اپنی حکمت (علم دین) کو تمہارے دلوں میں صرف اس لیے رکھا ہے کہ میں تمہارے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہوں سو میں نے تمہاری تمام خطائیں بخش دی ہیں لہذا تم جنت میں چلے جاؤ۔

(تفسیر روح المعانی جز ۲۸ ص ۲۹، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

کی بارش برساتا ہے اور اس سے بخیل کے بخل کا اظہار بھی ہو جاتا ہے مراد یہ ہے کہ شاعر اپنی حاجت سے پہلے اشعار پیش کرتا ہے ﴿ذَلِكَ﴾ پہلے صدقہ دینا یہ ﴿خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ تمہارے لیے تمہارے دین میں سب سے بہتر ہے ﴿وَاطْفَرُ﴾ اور زیادہ پاکیزہ ہے کیونکہ صدقہ پاک کرنے والا ہے ﴿فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا﴾ پھر اگر تم کوئی ایسی چیز نہ پاؤ جس کے ساتھ تم صدقہ کرو ﴿فَإِنَّ اللَّهَ عَفْوٌ رَّحِيمٌ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے بغیر صدقہ کے سرگوشی کی اجازت دینے میں۔ بعض کا قول ہے کہ یہ حکم صرف دس راتیں قائم رہا پھر منسوخ ہو گیا جب کہ ایک قول یہ ہے کہ یہ حکم دن کا صرف ایک گھنٹہ قائم رہا پھر منسوخ ہو گیا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کتاب اللہ (یعنی قرآن مجید) کی یہ ایک ایسی آیت مبارکہ ہے جس پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل نہیں کیا اور نہ میرے بعد اس پر کسی نے عمل کیا۔ میرے پاس ایک دینار تھا جسے میں نے فروخت کر کے دس درہم خرید لیے پھر میں جب آپ سے سرگوشی کرنا چاہتا تو پہلے ایک درہم صدقہ کرتا اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے دس مسائل دریافت کیے جن کے آپ نے مجھے جوابات عطاء فرمائے چنانچہ میں نے عرض کیا: (۱) وفا کیا ہے آپ نے فرمایا: توحید کا اقرار اور ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی گواہی دینا (۲) میں نے عرض کیا: فساد کیا ہے آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر و شرک کرنا (۳) میں نے عرض کیا: حق کیا ہے آپ نے فرمایا: اسلام اور قرآن اور ولایت جب تجھے ملے (۴) میں نے عرض کیا: حیلہ کیا ہے فرمایا: ترک حیلہ (۵) میں نے عرض کیا: مجھ پر کیا لازم ہے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت (۶) میں نے عرض کیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کیسے مانگوں فرمایا: صدق و یقین کے ساتھ (۷) میں نے عرض کیا: اور میں اللہ تعالیٰ سے کیا مانگوں فرمایا: عافیت (۸) میں نے عرض کیا: میں اپنی نجات کے لیے کیا کروں فرمایا: حلال کھاؤ اور سچ بولو (۹) میں نے عرض کیا: سرور کیا ہے فرمایا: جنت (۱۰) میں نے عرض کیا: راحت کیا ہے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا دیدار سوجب میں فارغ ہوا تو اس (کے وجوب) کا نسخ نازل ہو گیا۔

۱۳ - ﴿ءَأَشْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْكُمْ صَدَقَاتٍ﴾ کیا تم اس سے ڈر گئے کہ تم اپنی سرگوشی کرنے سے پہلے صدقات دیا کرو (یعنی) تم صدقات کی تقدیم سے اس لیے ڈر گئے ہو کہ اس میں رقم خرچ کرنی پڑتی ہے جسے تم ناپسند کرتے ہو ﴿فَإِذَا لَمْ تَفْعَلُوا﴾ پھر جس کا تمہیں حکم دیا گیا تھا جب اسے تم نے نہیں کیا اور وہ حکم تم پر دشوار ہو گیا ﴿وَتَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر آسانی کر دی اور مناجات سے پہلے صدقہ نہ دینے پر تم سے مواخذہ اور گرفت کو ختم کر دیا جس طرح گناہ سے توبہ کرنے والے کا مواخذہ ختم کر دیا ﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَدِيمِ الَّذِي أَنشَأَ اللَّهُ لِنَفْسِكَ﴾ سو تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو یعنی پس تم نماز میں اور زکوٰۃ میں اور باقی عبادات میں کوتاہی نہ کرو ﴿وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمام اعمال سے خوب خبردار ہے۔ اور یہ (اطاعت گزاروں کے لیے) وعدہ ہے اور (نافرمانوں کے لیے) وعید ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مَاهُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَلَا

يُحِلُّونَ عَلَى الْكُذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۴﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا إِنَّهُمْ

سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۵﴾ اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَلَهُمْ

عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿۱۶﴾

(اے محبوب!) کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہوں نے ان لوگوں سے دوستی کر لی ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا وہ تم میں سے نہیں اور نہ ان میں سے ہیں اور وہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور وہ جانتے ہیں O اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے بے شک وہ بہت ہی بُرے کام کرتے تھے O انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا سو انہوں نے (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا پس ان کے لیے ذلت ناک عذاب ہے O

منافقین کی مذمت اور رسوا کن انجام کا بیان

۱۴- ﴿الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہوں نے اس قوم سے دوستی کر لی ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا۔ منافقین یہود سے دوستی رکھتے تھے حالانکہ یہ وہ بد نصیب لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”مَنْ لَبَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ“ (المائدہ: ۶۰) ”یہ وہ قوم ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی اور اس پر غضب فرمایا“ اور یہ منافقین مسلمانوں کے راز یہود کی طرف منتقل کرتے تھے ﴿مَا هُمْ بِمُسْلِمِينَ﴾ اے مسلمانو! وہ تم میں سے نہیں ہیں ﴿وَلَا مِنْهُمْ﴾ اور نہ وہ یہود میں سے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”مُذَبَّذِينَ بَيْنَ ذَٰلِكَ لَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ“ (النساء: ۱۳۳) ”وہ اس کے درمیان سرگرداں ہیں نہ ادھر ہیں اور نہ ادھر ہیں“ ﴿وَيُحْلِفُونَ عَلَى الْكِبَٰبِ﴾ اور وہ جھوٹ پر قسمیں اٹھاتے ہیں یعنی وہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! بے شک ہم مسلمان ہیں منافق نہیں ہیں ﴿وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ اور وہ جانتے ہیں کہ بے شک وہ جھوٹے بھی ہیں اور منافق بھی ہیں۔

۱۵- ﴿أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے یہ رسوا کن ذلت ناک عذاب کی ایک قسم ہے ﴿إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ بے شک وہ بہت ہی بُرے کام کرتے تھے یعنی وہ ماضی کے زمانہ (دنیا) میں بُرے کاموں پر اصرار کرتے تھے اور یہ حکایت ہے جو آخرت میں ان کے متعلق کہا جائے گا۔

۱۶- ﴿إِخْتَدُوا أَيَّمَانَهُمْ مُّجْتَهًّٰ﴾ انہوں نے اپنی جھوٹی قسموں کو اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے بچاؤ کے لیے ڈھال بنا رکھا ہے ﴿فَصَدَّقُوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ سو انہوں نے اپنے امن و سلامتی کے دوران لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اس کی عبادت و اطاعت کرنے سے روکا ﴿قَلَّمَهُمْ عَذَابَ مُّهِينٍ﴾ پس ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے (یعنی) ان کے کفر و نفاق اور لوگوں کو اسلام سے روکنے کے سبب ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے ذلت ناک رسوا کن عذاب کا وعدہ کیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَا لَهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ“ (النحل: ۸۸) ”جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسرے لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے رہے ہم عذاب پر عذاب بڑھا کر ان کو دو گنی سزا دیں گے۔“

لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّٰرِ هُمْ
فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۷﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَ
يَجْسِبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ ط إِلَّا أَنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُونَ ﴿۱۸﴾ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ
فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ط الْآرِئَانِ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ هُمْ الْخٰسِرُونَ ﴿۱۹﴾

إِنَّ الَّذِينَ يُكَادُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ۝ كَتَبَ اللَّهُ لِأَخْلَبِينَ أَنَا وَرَسُولِي إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝

ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے عذاب سے انہیں ہرگز نہیں بچا سکیں گے یہی لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۝ جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ اس کے سامنے بھی اسی طرح قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور وہ گمان کرتے ہیں کہ بے شک وہ کسی چیز پر ہیں سن لو! بے شک وہی جھوٹے ہیں ۝ ان پر شیطان غالب آچکا ہے سو اس نے انہیں اللہ تعالیٰ کی یاد بھلا دی یہی لوگ شیطان کا گروہ ہیں سن لو! بے شک شیطان کا گروہ ہی نقصان اٹھانے والا ہے ۝ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ عداوت و مخالفت کرتے ہیں یہی لوگ سب سے زیادہ ذلیل ہیں ۝ اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا کہ ضرور میں غالب آؤں گا اور میرے رسول بے شک اللہ تعالیٰ زبردست طاقتور بہت غالب ہے ۝

۱۷ - ﴿لَنْ نَعْفِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا أَوْلَادَهُمْ مِنَ اللَّهِ﴾ ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ان کی ہرگز کفایت نہیں کریں گے نہ انہیں عذاب الہی سے بچا سکیں گے ﴿شَيْئًا﴾ بہت تھوڑی سی کفایت کرنا ﴿أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ یہی لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

۱۸ - ﴿يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ﴾ جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ اس کے لیے قسمیں کھائیں گے۔ یعنی وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے حضور قسمیں کھائیں گے کہ بے شک وہ دنیا میں مخلص و سچے مسلمان تھے وہ ہرگز منافق نہیں تھے ﴿كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ﴾ جس طرح وہ دنیا میں تمہارے سامنے اس پر قسمیں کھاتے ہیں ﴿وَيَحْسِبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ﴾ اور وہ گمان کرتے ہیں کہ بے شک وہ دنیا میں نافع اور مفید چیز پر قائم ہیں یا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ وہاں آخرت میں بھی اپنی جھوٹی قسموں سے کچھ نفع اور کچھ فائدہ حاصل کر لیں گے جس طرح وہ یہاں (دنیا میں) نفع اور فائدہ حاصل کرتے رہے ﴿الَّذِينَ هُمْ أَكْذِبُونَ﴾ خبردار ہو جاؤ! بے شک وہی جھوٹے ہیں کیونکہ جھوٹ بولنے میں ان کا حال دنیا اور آخرت میں برابر ہے۔

۱۹ - ﴿اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ﴾ ان پر شیطان غالب آچکا ہے (اور) شیطان ان پر مسلط ہو چکا ہے ﴿فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ﴾ سو اس نے انہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر بھلا دیا۔ حضرت شاہ کرمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: کسی بندے پر شیطان کے غلبے اور مسلط ہونے کی نشانی یہ ہے کہ وہ بندے کو اس کے ظاہری کھانے پینے اور لباس و رہائش وغیرہ کی چیزوں کی تعمیر و ترقی میں مشغول کر دیتا ہے اور اس کا دل اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور و فکر کرنے اور ان نعمتوں پر شکر ادا کرنے سے غافل ہو جاتا ہے اور اس کی زبان اپنے رب تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو کر جھوٹ بولنے اور غیبت کرنے اور بہتان تراشی میں مشغول ہو جاتی ہے اور اس کا دل غور و فکر اور مراقبہ کی بجائے دنیا بنانے اور اس کو جمع کرنے کی تدبیر و منصوبہ بندی میں مشغول ہو جاتا ہے ﴿أُولَئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ﴾ یہی لوگ شیطان کے گروہ ہیں ﴿الَّذِينَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَسِرُونَ﴾ خبردار! بے شک شیطان کا گروہ ہی نقصان اٹھانے والا ہے۔

۲۰ - ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُكَادُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ﴾ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے

عداوت و مخالفت کرتے ہیں وہی لوگ ذلیل ترین ہیں (یعنی) اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ ذلیل ترین گروہ میں ہوں گے ان سے زیادہ ذلیل و خوار تم کسی کو نہیں دیکھو گے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے غلبہ کا اعلان

۲۱۔ ﴿ كَتَبَ اللَّهُ ﴾ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے ﴿ لَا غَلِبَنَّ أَنَا وَرَسُولِي ﴾ بے شک میں ضرور غالب آؤں گا اور میرے رسول غالب آئیں گے حجت و دلیل اور تلوار کے ساتھ یا ان دونوں میں سے ایک کے ساتھ ﴿ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بڑی قوت والا ہے وہ جو چاہتا ہے اسے کوئی نہیں روک سکتا ﴿ عَزِيزٌ ﴾ بہت بڑا غالب ہے کبھی مغلوب نہیں ہوتا۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ
الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ
فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ
الْمُفْلِحُونَ ﴿۳۷﴾

آپ ایسی قوم ہرگز نہیں پائیں گے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان و یقین رکھتے ہوں کہ وہ ان لوگوں سے محبت و دوستی کریں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس رسول سے عداوت و مخالفت کی اور اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے قبیلے والے ہوں یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو لکھ دیا ہے اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی اور ان کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو چکا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو چکے ہیں یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہیں سن لو! بے شک اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی فلاح پانے والی ہے ۰

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی نہ کرنے والوں کی شان

۲۲۔ ﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ﴾ آپ ایسی قوم کو ہرگز نہیں پائیں گے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہوں کہ وہ ان لوگوں سے محبت اور دوستی کرتے ہوں جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ عداوت و دشمنی کی اور ان کی مخالفت کی یعنی یہ ممتنع اور محال ہے کہ آپ ایمان دار قوم کو پائیں کہ وہ مشرکین وغیرہ سے دلی دوستی کرتے ہوں اور مقصد یہ ہے کہ ایسا کرنا ہرگز مناسب نہیں اور اس کا حق تو یہ ہے کہ دشمنانِ خدا و رسول سے دوستی ممتنع اور محال ہو اور کسی صورت میں ان سے محبت و دوستی ہرگز نہ پائی جائے اور آیت میں کفار سے دوستی اور میل جول رکھنے سے ممانعت اور ڈانٹ ڈپٹ اور جھڑکنے میں مبالغہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے مقابلہ میں اپنے عقیدہ کو مضبوط رکھنے اور سخت رویہ اختیار کرنے اور ان سے دور رہنے اور ان کے ساتھ میل جول اور تعلق رکھنے سے احتراز کی وصیت

کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے مزید ارشاد فرمایا: ﴿وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ﴾ اور اگرچہ وہ (خدا اور رسول کے دشمن) باپ ہوں یا ان کے بیٹے ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے رشتہ دار ہوں اور نیز ارشاد فرمایا: ﴿أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان کو لکھ دیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان کو مثبت اور نقش فرما دیا۔ اور منافقین کے متعلق ارشاد ہوا: ﴿أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ﴾ یہی لوگ شیطان کا گروہ ہیں۔ اور اس کے مقابلے میں مؤمنین کے بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ﴾ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہیں ﴿وَآيَاتُهُمْ يُرَدُّنَّهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی یعنی اپنی کتاب (قرآن مجید) کے ساتھ (ان کی مدد فرمائی) جسے اللہ تعالیٰ نے خود نازل فرمایا جس میں مسلمانوں کے لیے حیات ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ”مِنَهُ“ کی ضمیر ایمان کے لیے ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی ایمان کی روح سے مدد فرمائی اس بناء پر ایمان بذات خود دلوں کی حیات کے لیے روح ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بعض مفسرین فقہاء کرام فرماتے ہیں: یہ آیت مبارکہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بادشاہوں کی صحبت کے حریص ہیں۔ حضرت عبدالعزیز بن رواد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے (دوران طواف عباسی خلیفہ) منصور کی ملاقات ہو گئی جب آپ نے اسے پہچان لیا تو اس سے بہت دُور نکل گئے اور آپ نے یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔

یاد رہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے نہ صرف اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم کے دشمنوں اور مخالفوں سے تعلق توڑا بلکہ رشتہ داری کے باوجود انہیں قتل بھی کیا تا کہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لیے ایسے لوگوں کو قتل کرنا صحابہ کرام کی سنت ہو جائے چنانچہ حضرت ابو عبیدہ عامر بن عبد اللہ بن الجراح نے غزوہ بدر میں اپنے باپ عبد اللہ بن الجراح کو قتل کیا اور حضرت ابو بکر صدیق نے غزوہ بدر میں اپنے بیٹے (حضرت عبدالرحمن جو اس وقت مسلمان نہیں تھے) کو مقابلہ کے لیے لکارا اور حضور سے اجازت مانگی کہ مجھے جانے دیجئے تا کہ مجاہدین کی پہلی صف میں شامل ہو جاؤں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے ابو بکر! ہمیں اپنی ذات سے فائدہ اٹھانے دو تم نہیں جانتے کہ بے شک تم میرے نزدیک میرے کانوں اور میری آنکھوں کی جگہ ہو اور حضرت مصعب بن عمیر نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو غزوہ احد کے دن قتل کیا اور حضرت عمر فاروق نے اپنے ناموں عاص بن ہشام کو بدر کے دن قتل کیا اور حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت امیر حمزہ اور حضرت عبیدہ بن حارث نے اپنے رشتہ داروں ربیعہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ اور ولید بن عتبہ کو بدر کے دن قتل کیا۔ تفسیر صاوی میں مزید یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہ (صحابی) نے اپنے منافق باپ عبد اللہ بن ابی بن سلول کو قتل کرنا چاہا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اجازت طلب کی مگر آپ نے منع فرما دیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حضرت ابو قحافہ نے (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) حضور کے بارے میں کوئی گستاخی کی تو حضرت ابو بکر نے انہیں ایک زوردار طمانچہ مارا جس کی وجہ سے وہ زمین پر گر پڑے اور اسی آیت مبارکہ کے تحت تفسیر مظہری روح المعانی اور روح البیان میں مزید یہ بھی لکھا ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا: اے ابو بکر! کیا تم نے ایسا کیا ہے تو انہوں نے عرض کیا: ہاں! آپ نے فرمایا: آئندہ ایسا نہ کرنا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: ﴿وَاللَّهِ لَوْ كَانَ السَّيْفُ قَرِيْبًا مِنِّي لَقَتَلْتُهُ﴾ اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر اس وقت میرے پاس تلوار ہوتی تو میں اس کی گردن مار کر قتل کر دیتا۔ (تفسیر روح المعانی ج ۲۸ ص ۳۶-۳۷) مکتبہ رشیدیہ لاہور، تفسیر مظہری ج ۹ ص ۲۲۸، ندوۃ المصنفین، دہلی، تفسیر روح البیان ج ۹ ص ۹۳، مترجم ج ۲۸ ص ۷۲-۷۶، تفسیر معالم التنزیل عرف بغوی ج ۴ ص ۳۱۲، مکتبہ دار المعرفۃ بیروت، لبنان، تفسیر لباب التاویل عرف خازن ج ۴ ص ۲۶۱، مکتبہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ مصر، تفسیر صاوی ج ۴ ص ۱۷۶، شرکت مکتبہ و مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلی و اولادہ مصر

(۱) حضرت اہل بن عبد اللہ تبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: جس نے اپنے ایمان کو درست اور صحیح کیا اور توحید کو خالص کیا تو کسی بدعتی (بد مذہب) سے مانوس نہیں ہوگا اور نہ اس کے پاس بیٹھے گا اور وہ اپنی طرف سے اس کے ساتھ عداوت و بغض کا اظہار کرے گا۔

(۲) جو شخص کسی بدعتی کے ساتھ دین میں نرمی اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے سنن کی حلاوت و لذت سلب کر لے گا۔

(۳) جو شخص دنیا کی عزت اور مال و دولت کی طلب میں کسی بدعتی کو خوش کرے گا اللہ تعالیٰ اس شخص کو اس عزت کی بجائے ذلیل کرے گا اور اس دولت کی بجائے اس کو فقیر کر دے گا۔

(۴) جو شخص کسی بدعتی کو خندہ پیشانی کے ساتھ ہنس کر ملے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل سے نور ایمان چھین لے گا اور جو شخص ان باتوں کی تصدیق نہیں کرتا وہ تجربہ کر کے دیکھ لے۔

﴿وَيَذِخُّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ ان کی خالص توحید اور عبادت و اطاعت کے سبب ان سے راضی ہو گیا ہے ﴿وَرَضُوا عَنْهُ﴾ اور وہ (مؤمنین) آخرت میں اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے اجر و ثواب عنایت کرنے پر اور دنیا میں ان کے بارے میں جو کچھ فیصلہ کیا گیا اس پر اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے ﴿أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ﴾ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہیں اس کے حق کے مددگار اور اس کی مخلوق کی رعایت کرنے والے ہیں ﴿الْآرِنَ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ خبردار ہو جاؤ! بے شک اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی فلاح پانے والی ہے اور وہ دائمی نعمتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ہر مرغوب و محبوب چیز کے پانے میں کامیاب و کامران اور ہر خوف و ڈر سے محفوظ و مامون ہوں گے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورۃ الحشر مدنی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی چوبیس آیات در کوع ہیں

سَبِّحْ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ① هُوَ الَّذِي اَخْرَجَ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ ط مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ

يَخْرُجُوْا وَظَنُّوْا اَنْهُمْ مَّا نَعْتَهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنْ اِلٰهِ فَاَنْتَهُمْ اِلٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ

يَحْتَسِبُوْا ۗ وَقَدَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بِيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي

الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِيَ الْاَبْصٰرِ ②

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی اور وہ بہت غالب بڑا حکمت والا ہے ① وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافروں کو پہلے حشر کے وقت جلا وطن کر کے ان کے گھروں سے نکال دیا تم نے کبھی گمان نہیں کیا کہ وہ نکل جائیں گے اور انہوں نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ان کے قلعے ان کو اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے بچا لیں گے سو ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب ایسی جگہ سے آیا جہاں سے انہوں نے گمان بھی نہیں کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں

میں رعب ڈال دیا وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو ویران کرنے لگے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے سوائے آنکھوں والوں! عبرت حاصل کرو

غزوة بنو نضیر اور ان کی جلاوطنی کا بیان

۱- ﴿سَبِّحْ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی اور وہ بہت غالب اور بڑا حکمت والا ہے۔

شان نزول: مروی ہے کہ یہ پوری سورت بنو نضیر کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ اس طرح ہوا کہ جب حضور نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو بنو نضیر نے آپ سے اس شرط پر صلح کر لی کہ نہ وہ آپ کے خلاف جنگ کریں گے اور نہ آپ ان کے خلاف جنگ کریں گے پھر جب غزوة بدر کے دن مسلمان کفار مکہ پر غالب آگئے تو انہوں نے کہا: یہ وہی نبی ہیں جن کی نعت اور صفت تو رات شریف میں بیان کی گئی ہے، لیکن جب مسلمان اُحد کی جنگ میں تھوڑی سی شکست کھا گئے تو یہ لوگ شک میں پڑ گئے اور انہوں نے معاہدہ توڑ دیا اور کعب بن اشرف چالیس سو اوروں کے ساتھ مکہ مکرمہ چلا گیا اور کعبہ معظمہ کے پاس مسلمانوں کے خلاف ابوسفیان سے معاہدہ کر لیا تو حضور سید عالم ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے کعب بن اشرف کو دھوکے سے قتل کر دیا (تاکہ سردار کے قتل سے یہود کے حوصلے پست ہو جائیں اور ان کی قوت کمزور ہو جائے) پھر حضور سرور عالم ﷺ اپنا ایک لشکر ان کی طرف لے گئے اور اکیس روز تک ان کا محاصرہ جاری رکھا اور ان کے کھجوروں کے باغ کو کاٹنے کا حکم دیا اور ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے رعب اور دبدبہ ڈال دیا تو انہوں نے مجبور ہو کر صلح کا مطالبہ کیا لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انکار کر دیا اور فرمایا: اب تو تمہیں صرف جلاوطن ہونا پڑے گا البتہ ہر تین گھروں میں سے ایک اونٹ کا بوجھ اٹھا کر جو چاہو اپنے سامان میں سے لے جاؤ پھر انہیں شام کے ملک میں اریحاء اور اذرعات کے علاقوں کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔

۲- ﴿هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ﴾ وہی ہے اللہ تعالیٰ جس نے اہل کتاب میں سے ان لوگوں کو ان کے گھروں سے نکال دیا جنہوں نے کفر اختیار کر لیا تھا یعنی بنو نضیر کے یہود کو مدینہ منورہ سے نکال دیا ﴿لِأَوَّلِ الْحَشْرِ﴾ پہلے حشر کے لیے [اس کلام "اخرج" کے متعلق ہے اور یہی لام اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد میں ہے: ﴿يَأْتِيَنِي قَدْ مَتَّ لِحَيَاتِي﴾ (العنکبوت: ۲۴) "اے کاش! میں نے اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا" اور عرب کا قول ہے: "جِنَّتُهُ لَوْ قَتَبْتُ كَذَا" میں اس کے پاس فلاں وقت آؤں گا "أَيُّ الْيَوْمِ كَفَرُوا عِنْدَ أَوَّلِ الْحَشْرِ" یعنی اللہ تعالیٰ نے کافروں کو پہلے حشر کے وقت نکالا۔ اور "أَوَّلِ الْحَشْرِ" کا معنی یہ ہے: یہ پہلا موقع ہے جب ان کو جمع کر کے شام کی طرف جلاوطن کر دیا گیا اور یہ بنی اسرائیل کی اولاد میں سے تھے ان کو کبھی جلاوطنی نہیں پہنچی تھی اور وہ پہلی جماعت تھی کہ اہل کتاب میں سے ان کو جزیرہ عرب سے ملک شام کی طرف جلاوطن کر کے نکال دیا گیا یا یہ ان کا پہلا حشر تھا اور ان کا دوسرا حشر اس وقت ہوا جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو خیبر سے شام کی طرف جلاوطن کیا تھا یا یہ کہ یہ ان کا پہلا حشر تھا اور ان کا دوسرا حشر قیامت کے دن ہوگا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جس کو شک ہو کہ محشر ملک شام میں قائم ہو گا تو وہ یہ آیت مبارکہ تلاوت کر لے پس یہ پہلا حشر ہے اور باقی لوگ دوسرا حشر ہوں گے اور جب وہ لوگ مدینہ منورہ سے نکلنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: تم چلے جاؤ سو بے شک تم پہلا حشر ہو اور ہم تمہارے بعد (محشر کے دن شام میں) آئیں

گے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا: جب قرب قیامت آخِر زمانہ میں ہوگا اس وقت ایک آگ مشرق کی طرف سے آئے گی اور وہ تمام لوگوں کو سر زمین شام کی طرف جمع کر کے لے جائے گی اور وہیں ان پر قیامت قائم ہوگی ﴿مَا كُنْتُمْ أَنْ يَخْرُجُوا﴾ تم نے کبھی یہ گمان نہیں کیا تھا کہ وہ نکل جائیں گے کیونکہ ان کی طاقت اور دفاع سخت تھا اور ان کے قلعے بہت مضبوط تھے اور ان کی تعداد اور ان کی تیاری بہت زیادہ تھی ﴿وَكُنْتُمْ أَنْ تَخْرُجُوا﴾ اور انہوں نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ بے شک ان کے قلعے انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچالیں گے یعنی انہوں نے یہ گمان کیا ہوا تھا کہ ان کے مضبوط قلعے انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی سخت پکڑ سے روک لیں گے [یہود کے کلام یعنی "أَنَّ حُصُونَهُمْ تَمْنَعُهُمْ مِنْ بَأْسِ اللَّهِ" کے درمیان اور کلام الہی کے درمیان جس کو اللہ تعالیٰ ان کے لیے لایا ہے ان میں فرق یہ ہے کہ کلام الہی میں خبر کا مبتدا پر مقدم ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں اپنے قلعوں پر بڑا اعتماد تھا کہ ان کے قلعے ان کو بچالیں گے اور ("انہم" میں) ضمیر "ہم" کو "ان" کا اسم اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ اس کی طرف جملے کا اسناد ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں اپنے دلوں میں اعتماد و یقین تھا کہ وہ غالب اور محفوظ رہیں گے اور انہیں ان قلعوں کے ساتھ کسی اور کی پرواہ نہیں کہ وہ ان کا پیچھا کرے گا یا اپنے غلبہ کی امید تھی اور تمہاری اس بات میں وہ وزن نہیں یعنی "وَكُنْتُمْ أَنْ حُصُونَهُمْ تَمْنَعُهُمْ" میں اور انہوں نے گمان کر لیا کہ ان کے قلعے انہیں بچالیں گے [﴿فَأْتَاهُمُ اللَّهُ﴾ پھر ان پر اللہ تعالیٰ کا (عذاب) آ گیا یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کا عذاب آ گیا اور بہت شاذ قراءت میں "فَأْتَاهُمُ اللَّهُ" ہے یعنی پس ان پر اللہ تعالیٰ ہلاکت لے آیا ﴿مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا﴾ جہاں سے انہیں گمان بھی نہیں تھا (یعنی) جہاں سے انہوں نے نہ کبھی گمان کیا تھا اور نہ ان کے دل میں خیال آیا تھا اور وہ ہے ان کے سردار کعب بن اشرف کا تلوار کے ساتھ اپنے رضاعی بھائی کے ہاتھوں سے قتل ہو جانا ﴿وَقَدَّافٍ فِي قُلُوبِهِمُ الرَّعْبُ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب یعنی خوف ڈال دیا ﴿يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ﴾ وہ لوگ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے ویران و برباد کرنے لگے [ابو عمرو کی قراءت میں ("را" مشدود باب تفعیل سے) "يُخْرِبُونَ" پڑھا جاتا ہے] اور "تخریب" اور "إخراب" دونوں کا معنی کسی چیز کو توڑ کر اور گرا کر تباہ و برباد کرنا اور "خربة" کا معنی فساد و ویران اور برباد کرنا چنانچہ یہود اپنے گھروں کو اندر سے ویران کر رہے تھے اور مسلمان باہر سے انہیں تباہ کر رہے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جڑ سے کاٹ دینے کا ارادہ کر لیا اور یہ کہ مدینہ منورہ میں ان کے لیے ایک گھر بھی صحیح سلامت اور باقی نہ رہے اور نہ ان کی طرف سے گھروں کو باقی رکھا گیا اور جس چیز نے انہیں اپنے گھروں کو برباد کرنے کی دعوت دی وہ لکڑیوں اور پتھروں کی طرف ان کی حاجت و ضرورت تھی تاکہ وہ اپنی گلیوں کو چون اور بازاروں کے منہ لکڑیوں اور پتھروں سے بند کر دیں اور یہ کہ ان کے جلاوطن ہو جانے کے بعد مکانوں کے باقی رہنے اور مسلمانوں کی رہائش کے کام آنے پر انہیں حسرت و افسوس نہ ہو اور یہ کہ وہ اپنے مکانوں کی نئی اور عمدہ قسم کی لکڑیوں کو اپنے ساتھ لے کر یہاں سے منتقل ہو جائیں اور رہے مسلمان تو ان کے لیے یہود کے گھروں کو ویران کرنے کا داعیہ اور سبب یہ تھا کہ ان کے قلعوں میں پناہ گزیں ہونے کو ختم کیا جائے اور جنگ کے لیے میدان کشادہ کیا جائے اور ان کا اپنے گھروں کو مسلمانوں کے ہاتھوں ویران کرنے کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے معاہدہ توڑ کر مسلمانوں کو مشتعل کیا اور وہ خود اس بربادی کا سبب بنے اس لیے گویا انہوں نے خود مسلمانوں کو اپنے گھر برباد کرنے کا حکم دیا اور ان کو اس کا مکلف و

رواہ البیرونی عن ابیہی کما فی الدر المنثور ج ۸ ص ۸۹

پابند بنایا ﴿فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ﴾ سوائے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو یعنی تم ان کی بربادی میں غور کرو اور سوچو جو ان لوگوں پر مصیبت نازل ہوگئی اور تم اس سبب میں غور کرو جس کی وجہ سے وہ لوگ اس بربادی اور جلا وطنی کے مستحق ٹھہرے سو تم ڈرو اور بچو کہ تم بھی کہیں انہیں کی طرح کام کرنے لگو پھر تمہیں بھی ایسی سزا دی جائے جیسی ان کو سزا دی گئی ہے اور یہ قیاس کے جائز ہونے کی زبردست دلیل ہے۔

وَلَوْلَا أَنْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاءَ لَعَذَّبْنَا فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ

النَّارِ ﴿۳﴾ ذَلِكُمْ بِأَنْتُمْ شَأَقُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ

شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۴﴾ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا

فِي آذِنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ ﴿۵﴾

اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان پر جلا وطنی کو نہ لکھ دیا ہوتا تو دنیا میں انہیں ضرور عذاب دیتا اور ان کے لیے آخرت میں دوزخ کی آگ کا عذاب ہے ﴿۳﴾ یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے ﴿۴﴾ کھجوروں کے جو درخت تم نے کاٹ دیے یا جن کو تم نے ان کی جڑوں پر کھڑا چھوڑ دیا سو وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوا اور تاکہ وہ فاسقوں کو ذلیل کرے ﴿۵﴾

۳- ﴿وَلَوْلَا أَنْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاءَ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان پر جلا وطنی (یعنی) اہل و عیال سمیت وطن سے نکلنا نہ لکھ دیا ہوتا تو ﴿لَعَذَّبْنَا فِي الدُّنْيَا﴾ انہیں دنیا میں قتل و غارت اور قید و بند کے ذریعے عذاب ضرور دیتا جیسا کہ بنو قریظہ کے ساتھ کیا گیا ﴿وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ﴾ اور انہیں جلا وطن کیا جائے خواہ انہیں قتل کیا جائے بہر حال ان کے لیے آخرت میں دوزخ کی آگ کا عذاب ہے جس سے زیادہ سخت کوئی عذاب نہیں۔

۴- ﴿ذَلِكُمْ بِأَنْتُمْ شَأَقُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ یہ اس لیے ہوا کہ بے شک انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی یعنی یہود کو یہ جلا وطنی اس لیے پہنچی اور اس کا سبب یہ ہوا کہ بے شک انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ اسے سخت عذاب دینے والا ہے۔

۵- ﴿مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِآذِنِ اللَّهِ﴾ تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ دیے یا ان کو اپنی جڑوں پر کھڑا چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہوا یعنی ان درختوں میں سے بعض کا کاٹنا جانا اور بعض کو چھوڑ دینا سب اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی اجازت سے ہوا۔ ”لینة“ کا معنی ہے: پھل دار کھجوریں [اور یہ ”لونة“ ہے اس کی جمع ”الوان“ ہے اس کی واو ما قبل مسور کی وجہ سے ”یا“ سے تبدیل کر دی گئی ہے اور ”مِنْ لِّينَةٍ“، ”مَا قَطَعْتُمْ“ کا بیان ہے اور لفظ ”مَا“، ”قَطَعْتُمْ“ کی وجہ سے منصوب ہے اور ”تَرَكْتُمُوهَا“ میں ”مَا“ کی طرف لٹنے والی ضمیر مؤنث اس لیے لائی گئی ہے کہ وہ ”لینة“ کے معنی میں ہے [اور بعض حضرات نے کہا کہ ”لینة“ عمدہ کھجوروں کو کہا جاتا ہے گویا انہوں نے ”لینة“ کو ”لین“ سے مشتق کیا ہے ﴿وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ﴾ اور تاکہ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ذلیل کر دے (یعنی) تاکہ اللہ

تعالیٰ یہود کو ذلیل و خوار کرے اور ان کی کھجوریں کٹوانے کی اجازت دے کر ان کو جلانے۔

وَمَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَى رَسُولٍ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَ

لَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ مَا آفَاءَ

اللَّهُ عَلَى رَسُولٍ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَالرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ

وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كُنِيَ لَا يَكُونُ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ وَمَا آتَاكُمُ

الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

دینی لازم

اور جو مال اللہ تعالیٰ نے ان سے لے کر اپنے رسول پر لوٹا دیئے، سو تم نے ان کے حصول کے لیے نہ گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ اور لیکن اللہ تعالیٰ جن پر چاہتا ہے اپنے رسول کو مسلط کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ۝ اللہ تعالیٰ نے جو مال بستیوں والوں سے لے کر اپنے رسول پر لوٹا دیئے، سو وہ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہیں، تاکہ وہ تم میں سے صرف دولت مندوں کے درمیان گردش نہ کرتے رہیں اور رسول تمہیں جو کچھ دے دیں تو تم وہ لے لو اور وہ جس چیز سے تمہیں منع کر دیں تو تم اس سے رُک جاؤ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے ۝

مال فئے کا بیان

۶۔ ﴿وَمَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَى رَسُولٍ﴾ اور جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر لوٹا دیئے۔ اس آیت مبارکہ میں یہود کے مال کو خصوصی طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے مال فئے (واپس لوٹایا ہوا مال) قرار دیا ﴿مِنْهُمْ﴾ ان سے یعنی بنو نضیر سے ﴿فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ﴾ سو (انے اصحاب رسول!) تم نے اس مال کے حصول کے لیے نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ (بلکہ بنو نضیر خود مرعوب و مجبور ہو کر بغیر جنگ کے اپنا مال چھوڑ گئے) پس یہ مال تمہارے گھوڑے اور اونٹ دوڑانے سے حاصل نہیں ہوا اور ”رکاب“ کا معنی اونٹ ہے اور معنی یہ ہے کہ تم نے اس مال کی تحصیل اور اس کو غنیمت کا مال بنانے کے لیے نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ اور نہ تم نے اس مال کے حصول کے لیے جنگ کر کے کوئی مشقت و

تاکہ لوگوں پر واضح ہو جائے کہ یہ مال ناحق یہود کے قبضہ میں تھا اور حقیقت میں یہ مال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہیں جو آپ کو واپس لوٹا دیئے گئے کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے حبیب و نائب اور خلیفہ اعظم ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے خزانوں کے مالک ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكُوْثَرَ ۝“ (الکوثر: ۱) ”بے شک ہم نے آپ کو بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں ۝“ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فضائل کثیرہ غیر محدودہ عنایت کر کے تمام خلق پر افضل و اعلیٰ بنایا، حسن ظاہر بھی دیا، حسن باطن بھی دیا، نسب عالی بھی، نبوت و رسالت بھی، کتاب بھی، حکمت بھی، علم بھی، شفاعت بھی، حوض کوثر بھی، مقام محمود بھی، کثرت امت بھی اعدائے دین پر غلبہ بھی، کثرت فتوحات بھی اور بے شمار نعمتیں اور فضیلتیں جن کی نہایت نہیں۔ (خزان العرفان فی تفسیر القرآن)

حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: ”إِنِّي قَدْ أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ“ بے شک مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کی گئیں۔ (متفق علیہ مشکوٰۃ شریف ص ۷۵۲، مطبوعہ واضح المطابع دہلی)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تکلیف اٹھائی بلکہ تم تو صرف اس مال کو لینے کے لیے پیدل چل کر گئے کیونکہ بنو نضیر کی بستی مدینہ منورہ سے صرف دو میل کے فاصلے پر واقع تھی، البتہ حضور نبی کریم ﷺ دراز گوش پر سوار ہو کر تشریف لے گئے اور بس ﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جن پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے بنو نضیر کے اموال میں سے جو کچھ اپنے رسول کو عطا فرمایا ہے اس کو تم نے جنگ کر کے اور غلبہ پا کر حاصل نہیں کیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر اور ان کے ان اموال پر مسلط کر دیا جو ان کے قبضے میں تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو ان کے دشمنوں پر مسلط کرتا ہے، پس ان کے اموال میں معاملہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد کر دیا گیا ہے، آپ جس طرح چاہیں استعمال کریں اور آپ ان اموال کو غنیمت کے اموال کی طرح تقسیم نہیں کریں گے، جن کو جنگ میں کفار پر فتح و غلبہ پا کر لوٹایا جاتا ہے اور ان سے زبردستی لیا جاتا ہے، چنانچہ آپ نے یہ سارا مال مہاجرین میں تقسیم کر دیا اور انصار میں سے صرف تین آدمیوں کو ان کے فقر کی وجہ سے عطا فرمایا ﴿وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

۷ - ﴿مَا آفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِلَّذِينَ آمَنُوا وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ﴾ اللہ تعالیٰ نے بستیوں والوں کی طرف سے جو اموال اپنے رسول کو واپس لے کر عطا فرمائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اور رسول اکرم کے لیے اور آپ کے رشتہ داروں کے لیے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہیں [اس کلام مبارک کے شروع میں حرف عطف صرف اس لیے داخل نہیں کیا گیا کہ یہ پہلی آیت مبارکہ کے لیے بیان ہے، پس یہ آیت مبارکہ اسی میں سے ہے، اس سے الگ اور اجنبی نہیں ہے] اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کے لیے بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اموال آپ کو عطا فرمائے ہیں، وہ آپ کس طرح خرچ کریں گے اور اللہ تعالیٰ نے اس میں آپ کو حکم دیا کہ آپ اس کو اس طرح استعمال کریں، جس طرح غنیمتوں کے مال میں سے پانچویں حصے کو پانچ قسم کے افراد پر تقسیم کیا جاتا ہے اور بعض مفسرین کرام نے اس قول کو ضعیف و کمزور قرار دیا ہے اور فرمایا کہ اس سے پہلی آیت مبارکہ یہود کے قبیلہ بنو نضیر کے اموال کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان اموال کو اپنے محترم و مکرم رسول کے لیے مخصوص قرار دیا اور یہ آیت مبارکہ ہر بستی کی ان غنیمتوں کے اموال کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو کفار سے جنگ میں فتح و غلبہ حاصل کر کے لوٹایا جاتا ہے اور اس میں انہیں اموال کے پانچویں حصہ کے مصارف کا بیان ہے، لہذا یہ آیت مبارکہ پہلی آیت کریمہ سے الگ مشروع کی گئی ہے، اس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے ﴿كُلٌّ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِن بَيْنِ الْأُغْيَابِ مِنْكُمْ﴾ تاکہ یہ مال تم میں سے صرف دولت مندوں میں نہ گردش کرتا رہے (یعنی) تاکہ یہ مال فتنے جس کا حق یہ ہے کہ اسے فقراء میں تقسیم کیا جائے تاکہ یہ مال ان کی روزمرہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علامہ اسماعیل حقی حنفی اس آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں:

اس میں اشارہ ہے کہ یہ مال حقیقت میں رسول اللہ ﷺ کا تھا، جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف واپس لوٹا دیا، یہود کا قبضہ تو ناجح تھا، حق تو یہ ہے اب حق دار کو حق پہنچا اور اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ اس کی عبادت کریں اور باقی تمام اشیاء انہیں کے لیے پیدا کی ہیں تاکہ وہ عبادت و اطاعت گزاری میں ان اشیاء کو وسیلہ اور معاون و مدد بنائیں، اس لیے تمام کفار کے تمام اموال کے مالک اس کی توحید کا اقرار کرنے والے نیک و عبادت گزار مسلمان ہیں اور ان سب کے رئیس اور سردار حضور سرور عالم ﷺ ہیں، اس لیے یہ تمام اموال درحقیقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ملک ہیں کیونکہ آپ جیسا مطیع الہی نہ کوئی ہوا، نہ ہوگا (باقی انبیاء و اولیاء اور مؤمنین آپ کے طفیل مالک ہیں)۔ علامہ سید محمود آلوسی نے بھی اسی طرح لکھا ہے، ملاحظہ ہو: تفسیر روح البیان، عربی، ج ۹ ص ۲۲۳، مترجم جز ۲۸ ص ۱۰۵، مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور، تفسیر روح المعانی جز ۲۸ ص ۲۲، مکتبہ رشیدیہ لاہور۔

زندگی کے گزارنے کا ذریعہ بن جائے جس کے ذریعے وہ اپنی زندگی آرام سے گزار سکیں اور صرف دولت مندوں کے درمیان نہ گھومتا رہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ مال دار ہوتے جائیں [قاری یزید کی قراءت میں "تَكُونُ دَوْلَةً" ("یا" کے بجائے "تا" کے ساتھ "تَكُونُ" اور منصوب کی بجائے "دَوْلَةً" کو مرفوع پڑھا جاتا) ہے اس بناء پر کہ "كَانَ" تامہ ہے] ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ﴾ اور رسول تمہیں جو کچھ عطا فرمائیں یعنی حضور تمہیں جو کچھ عطا فرمائیں خواہ مال غنیمت کا حصہ دیں یا مال فئے کا حصہ دیں ﴿فَتَأْخُذُوا﴾ سو تم اسے لے لو اور اس کو قبول کر لو ﴿وَمَا فَخَمَكُمُ عَنْهُ﴾ اور وہ جس چیز سے تمہیں روک دیں (یعنی) جس چیز کو لینے سے روک دیں ﴿فَأَنْتَهُمْ أُولُو﴾ تو تم اس سے رُک جاؤ اور اس کو طلب نہ کرو ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ اور تم آپ کی مخالفت کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور تم حضور کے اوامر و نواہی میں سستی نہ کرو (بلکہ تم آپ کے احکام پر عمل کرو اور آپ کی نواہی سے بچو) ﴿إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو سخت عذاب دینے والا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتا ہے اور سب سے بہتر یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ کو عام رکھا جائے کہ ہر وہ چیز جو رسول اللہ ﷺ عطا فرمادیں (خواہ اس کا تعلق عقائد سے ہو خواہ اعمال سے ہو اور خواہ اس کا تعلق امور شرعیہ سے یا امور تکوینیہ سے ہو) اسے لے لیا جائے اور ہر وہ چیز جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منع فرمادیں اس سے پرہیز کیا جائے (خواہ اس کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے ہو) اور مال فئے اس کے عموم میں داخل ہے۔

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ

اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَتَّخِذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أَوْلِيَاءَ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ

وَإِلِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً

مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْتِدُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٩﴾

(یہ فئے کا مال) ضرورت مند مہاجرین کے لیے ہے جنہیں ان کے اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکال دیا گیا وہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل اور رضا طلب کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ (کے دین) کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی سچے لوگ ہیں ○ اور (یہ مال) ان لوگوں کا ہے جو ان سے پہلے دارِ ہجرت (مدینہ منورہ) میں مقیم ہیں اور ایمان پر قائم ہیں وہ ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے چلا جاتا ہے اور وہ اپنے دلوں میں اس مال کی حاجت نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دے دیا گیا اور وہ انہیں اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں خود شدید ضرورت ہوتی ہے اور جو شخص اپنے نفس کے لالچ سے بچا لیا گیا تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ○

مال فئے مہاجرین و انصار اور ان کے بعد آنے والے مسلمانوں کے لیے ہے

۸۔ ﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ﴾ (مال فئے) نادار و محتاج مہاجرین کے لیے ہے [یہ ذی القربی اور اس کے معطوفات سے بدل ہے اور اس کو "لِللَّهِ وَلِلرَّسُولِ" سے بدل بنانا ممنوع ہے اگر رسول اللہ ﷺ کے لیے یہ معنی ہو کہ بے شک اللہ

تعالیٰ نے اپنے رسول کو فقراء سے اس ارشاد میں نکال دیا ہے: ”وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ“ اور وہ فقراء اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ رسول اللہ کو فقیر کے نام سے بہت بلند و بالا قرار دیتا ہے اور لفظ کے ظاہر سے بدل بنا نا اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تکریم کے خلاف ہے جب کہ تعظیم الہی واجب ہے [الَّذِينَ أَخْرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ] جن کو مکہ مکرمہ میں ان کے گھروں اور جائیدادوں اور مالوں سے نکال دیا گیا ہے اور یہ کلام الہی اس بات کی دلیل ہے کہ کفار غلبہ پانے اور قبضہ کرنے کے بعد مسلمانوں کے اموال کے مالک بن جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین مکہ کو اس آیت میں فقراء قرار دیا ہے اس کے باوجود کہ ان کے گھر بھی تھے اور ان کے مال و جائیدادیں بھی تھیں ﴿يَتَّقُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا﴾ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور رضا طلب کرتے ہیں یعنی وہ جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرتے ہیں [یہ جملہ ”اخرجوا“ سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یعنی مہاجرین مکہ اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرتے ہیں اور وہ اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں ﴿أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾ یہی لوگ اپنے ایمان میں اور اپنے جہاد میں سچے ہیں۔

۹- ﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ﴾ اور (یہ مال فئے) ان لوگوں کا حق ہے جو دار ہجرت مدینہ منورہ کو اپنا وطن اور ٹھکانا بنا چکے ہیں [یہ جملہ ”المہاجرین“ پر معطوف ہے] اور اس آیت سے انصار مدینہ مراد ہیں ﴿وَالْإِيمَانَ﴾ اور انہوں نے ایمان کو خالص کر لیا، جیسے کسی قائل کا قول ہے کہ ”عَلَفْتُهَا تَبْنًا وَمَاءً بَارِدًا“ میں نے اس کو چارے میں گھاس کھلائی اور ٹھنڈا پانی پلایا (”سَقَيْتُهَا“ محذوف ہے) یا یہ کہ انہوں نے ایمان کو قرار گاہ اور سکونت گاہ بنا لیا کیونکہ وہ اپنے ایمان پر مضبوطی کے ساتھ جمے ہوئے اور اس پر ثابت و قائم ہیں، جس طرح انہوں نے مدینہ منورہ کو اپنی قرار گاہ بنا لیا ہے [یا ”دار الہجرۃ“ اور ”دار الایمان“ مراد ہے اور ”الدار“ میں لام تعریف کو مضاف الیہ کا قائم مقام قرار دیا گیا ہے اور ”دار الایمان“ میں مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کی جگہ پر رکھا گیا ہے] ﴿مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ان سے پہلے (یعنی) مہاجرین سے پہلے کیونکہ انصار مدینہ مہاجرین مکہ سے پہلے دار ہجرت (مدینہ شریف) کو اپنا وطن بنا چکے تھے اور ان سے پہلے کھلم کھلا اپنے ایمان کا اعلان اور اظہار کر چکے تھے (جب کہ مہاجرین ایمان میں مقدم ہونے کے باوجود اپنے ایمان کو مخفی رکھتے تھے) اور بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ انصار مدینہ مہاجرین کی ہجرت سے پہلے مدینہ شریف کو اپنا وطن بنا چکے تھے ایمان بھی لا چکے تھے ﴿يُجِبُونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ﴾ وہ ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے آگئے یہاں تک کہ انہوں نے اپنے نصف مال مہاجرین کو دے دیئے اور انہیں اپنے مکانوں میں ٹھہرایا اور جس انصاری مسلمان کے پاس دو بیویاں تھیں اس نے ایک کو طلاق دے کر آزاد کر دیا تاکہ مہاجرین میں سے بے نکاح آدمی اس سے شادی کر لے ﴿وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا﴾ اور وہ اپنے سینوں اور اپنے دلوں میں اس مال کی حاجت و ضرورت نہیں پاتے جو مہاجرین کو دیا گیا (یعنی) وہ ضرورت و احتیاج کے باوجود اپنے دلوں میں مال فئے وغیرہ کی طلب اور خواہش محسوس نہیں کرتے اور محتاج الیہ مال کو ”حَاجَةً“ نام دیا گیا ہے کیونکہ انصار کے دل اس مال کا پیچھا نہیں کرتے تھے جو مہاجرین کو دے دیا گیا اور نہ وہ اس مال میں لالچ کرتے تھے، جس کی انہیں خود احتیاج ہوتی تھی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ”حَاجَةً“ کا معنی ”حَسَدًا“ ہے یعنی مہاجرین کو دیئے گئے مال فئے پر وہ حسد نہیں کرتے تھے کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے مال فئے کو مہاجرین کے ساتھ مخصوص فرمایا تھا اور بعض کا قول ہے کہ اصل میں ”(لَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ) مَسَّ (حَاجَةً مِنْ) فَقَدِ (مَا أُوتُوا)“ ہے یعنی وہ اپنے دلوں میں مہاجرین کو دیئے گئے مال فئے کے نہ ملنے پر حاجت کے باوجود طلب محسوس نہیں کرتے [پھر ”مَسَّ“ اور

”فَقَدْ“ دونوں مضافوں کو حذف کر دیا گیا ہے [﴿وَيُؤْتُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ اور وہ اپنے آپ پر (مہاجرین کو) ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ انہیں خود اشد ضرورت و احتیاج ہوتی ہے ”خصاصة“ کا معنی ہے: فقر و احتیاج اور اس کی اصل ”خصاصة البیت“ ہے، گھر کا روشن دان اور یہ جملہ محلاً حال وافع ہو رہا ہے یعنی سخت حاجت و ضرورت۔

مروی ہے کہ صحابہ کرام میں سے ایک صحابی کے پاس ایک مہمان آ کر ٹھہرا لیکن گھر میں بہت تھوڑا سا کھانا تھا تو میزبان نے اپنے بچوں کو کھانا کھلائے بغیر بہلا کر سلا دیا اور کھانا اٹھا کر مہمان کے سامنے پیش کر دیا اور چراغ درست کرنے کے بہانے اس کے قریب جا کر بجھا دیا تاکہ مہمان پیٹ بھر کر کھانا کھالے اور خود کچھ نہیں کھایا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ صحابہ کرام میں سے کسی ایک صحابی کے گھر بکری کی بھنی ہوئی سری بطور ہدیہ بھیجی گئی اور وہ خود ضرورت مند بھی تھے لیکن اپنے ایک نادار ہمسایہ کے گھر وہ سری بھیج دی اور اس نے بھی اپنے ایک ضرورت مند پڑوسی کے گھر وہ سری بھیج دی یہاں تک کہ اس طرح بکرے کی وہ سری نو (۹) گھروں میں گھومتی پھرتی پہلے گھر میں واپس آ گئی۔

حضرت ابو زید نے بیان فرمایا کہ ایک دن بلخ کے رہنے والے ایک نوجوان دوست نے مجھ سے دریافت کیا کہ تمہارے ہاں زہد (ترک دنیا) کیا ہے؟ میں نے بتایا کہ جب ہمیں کھانا وغیرہ کچھ مل جاتا ہے تو ہم کھا لیتے ہیں اور جب ہم کچھ نہیں پاتے تو صبر کر لیتے ہیں، سو اس نوجوان نے سن کر کہا کہ ہمارے ہاں بلخ کے کتے اس طرح کرتے ہیں جب کہ ہم لوگ اس طرح کرتے ہیں کہ جب ہم کچھ نہیں پاتے تو صبر کر لیتے ہیں اور جب ہم کھانا وغیرہ کچھ پالیتے ہیں تو خود کھانے کی بجائے دوسرے ضرورت مندوں کو ترجیح دیتے ہیں اور ہم ایثار کرتے ہیں ﴿وَمَنْ يُؤْتِ شَيْئًا فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ اور جو حضرات اپنے نفس کے بخل سے بچا لے گئے سو وہی فلاح پانے والے کامیاب و کامران ہیں اور اپنی مرادوں میں کامیابی پانے والے ہیں اور ”شُح“ کا معنی لوم ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی کا نفس خود پر بھی خرچ نہ کرے اور دوسرے پر خرچ کرنے سے منع کرنے پر بہت سخت حریص ہو اور لیکن بخل تو وہ یہ ہے: اپنے آپ کو دوسروں پر خرچ کرنے سے منع کرے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ”الشح“ کا مطلب ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کا مال زبردستی چھین کر کھا جانا اور بخل یہ ہے کہ اپنے مال کو روک رکھنا۔

امام کسری نے فرمایا: ”الشح“ فقر سے بڑھ کر نقصان دہ ہے کیونکہ فقیر جب مال حاصل کر لیتا ہے تو خوش حالی کا اظہار کر لیتا ہے بخلاف ”الشحیح“ (بخیل کے)۔

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا
بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۰﴾

اور (یہ مال) ان لوگوں کا ہے جو ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے کینہ نہ رہنے دے اے ہمارے پروردگار! بے شک تو بہت شفقت فرمانے والا ہے حد مہربان ہے ۰

۱۰۔ ﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ﴾ اور جو لوگ ان کے بعد آئے [یہ بھی ”المہاجرین“ پر معطوف ہے] اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بعد میں ہجرت کی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مہاجرین و انصار کی نیکی اور اخلاص کے ساتھ پیروی

کرنے والے تابعین مراد ہیں اور بعض اہل علم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مہاجرین و انصار کے بعد قیامت تک آنے والے مسلمان مراد ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس مالِ فتنے میں قیامت کے دن تک پیدا ہونے والے اہل اسلام داخل ہیں [ان دونوں آیات میں واو عطف کے لیے ہے اور دونوں جگہ "للذین" بھی پڑھا گیا ہے] ﴿يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ﴾ وہ کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ گزر چکے ہیں۔ بعض علمائے اسلام نے فرمایا: ان سے مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ مراد ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ صحابہ کرام کی مغفرت و بخشش کی دعا کریں مگر کئی اسلام کے دعوے دار انہیں گالیاں دیتے ہیں ﴿وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا﴾ اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے متعلق کینہ اور کھوٹ نہ رکھنا یعنی صحابہ کرام کے بارے میں ہمارے دلوں میں کینہ اور کھوٹ نہ رہنے دینا۔ "غلا" بمعنی "حقدًا" یعنی کینہ اور بغض رکھنا ہے ﴿رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾ ہمارے پروردگار! بے شک تو بہت شفقت فرمانے والا نہایت مہربان ہے۔ حضرت سعید بن مسیب سے کہا گیا کہ آپ حضرت عثمان غنی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں کیا فرماتے ہیں: آپ نے فرمایا: میں وہی کہتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا اور انہوں نے یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔

الَّذِينَ نَاقَرُوا يَقُولُونَ لِيخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ
لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نَطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنصُرَنَّكُمْ
وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ ۝ وَلَئِنْ قُوتِلُوا لَا
يَنْصُرُوهُمْ ۝ وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ لَيُؤْتِنَّ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَنْصُرُونَ ۝

کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو منافق ہو چکے ہیں وہ اہل کتاب میں سے اپنے کافر بھائیوں سے کہتے ہیں کہ اگر تمہیں نکال دیا گیا تو ہم تمہارے ساتھ ضرور نکل جائیں گے اور ہم تمہارے معاملہ میں کبھی کسی کی بات نہیں مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں O البتہ اگر انہیں نکال دیا گیا تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر انہوں نے ان کی مدد کی تو یہ ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی O

منافقین کی منافقانہ چالوں کا بیان

۱۱۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے محترم نبی کو تعجب دلایا اور فرمایا: ﴿الَّذِينَ نَاقَرُوا﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو منافق ہو چکے ہیں یعنی اے محمد (ﷺ)! کیا آپ نے عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کی طرف نہیں دیکھا ﴿يَقُولُونَ لِيخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ﴾ وہ اہل کتاب میں سے اپنے ان بھائیوں سے کہتے ہیں جنہوں نے کفر اختیار کر لیا یعنی بنو نضیر سے کہتے ہیں "اخسوان" سے مراد یہ ہے کہ بنو نضیر کفر میں منافقین کے بھائی ہیں (نسب بھائی

مراد نہیں) ﴿لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ﴾ "مِنْ دِيَارِكُمْ" اگر تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیا گیا ﴿لَتُخْرِجَنَّ مَعَكُمْ﴾ تو ہم بھی تمہارے ساتھ ضرور نکلیں گے۔ مروی ہے کہ جب حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنو نضیر کا محاصرہ کر لیا تو عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے ایک سازش کے ساتھ بنو نضیر سے خفیہ ملاقات کی اور ان سے کہا کہ تم اپنے قلعہ سے ہرگز نہ نکلؤ سوا اگر مسلمان تم سے جنگ کریں گے تو ہم تمہارے ساتھ ہوں گے اور ہم تمہیں ذلیل نہیں ہونے دیں گے اور اگر تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ ضرور نکلیں گے ﴿وَلَا نَطِيعُ فِئْتِكُمْ أَحَدًا أَبَدًا﴾ اور ہم تمہارے بارے میں کسی کی بات نہیں مانیں گے (یعنی) اگر تمہارے ساتھ جنگ کرنے پر ہمیں اُکسایا گیا یا تمہیں ذلیل و رسوا کر کے نکالنے پر ہمیں اُکسایا گیا یا ہم نے تم سے جو مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے اس کے خلاف کرنے پر ہمیں اُکسایا گیا تو ہم کسی کی بات نہیں مانیں گے نہ رسول اللہ کی اور نہ مسلمانوں کی ﴿وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ﴾ اور اگر تمہارے ساتھ لڑائی (یعنی جنگ) کی گئی تو ہم تمہاری ضرور مدد کریں گے اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہ اپنے تمام وعدوں میں جھوٹے ہیں اور یہ آیت مبارکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی صحت کی عمدہ ترین دلیل ہے کیونکہ اس میں غیب کی خبریں بیان کی گئی ہیں۔

۱۲۔ ﴿لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوتِلُوا لَا يَنْصُرُوهُمْ وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ لَيُؤْتُوا الْأَذْيَانَ ثُمَّ لَا يَنْصُرُونَ﴾ البتہ اگر انہیں نکال دیا گیا تو یہ منافقین ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور البتہ اگر ان کے ساتھ جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر انہوں نے ان کی مدد کی تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ کا منافقین کے بارے میں یہ خبر دینے کے بعد کہ وہ یہود کے قبیلہ بنو نضیر کی مدد نہیں کریں گے پھر اس کے بعد یہ ارشاد (وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ) صرف بطور فرض اور تقدیر کے ہے (یعنی بہ فرض محال اور بر تقدیر تسلیم اگر منافقین بنو نضیر کی مدد کریں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے) جیسے یہ ارشاد ہے: "لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ" (الزمر: ۶۵) "بہ فرض محال اگر آپ بھی شرک کر لیتے تو ضرور آپ کے عمل ضائع ہو جاتے" اور جس طرح اللہ تعالیٰ یہ جانتا ہے کہ وہ کام ہو جائے گا اسی طرح یہ بھی جانتا ہے کہ فلاں کام نہیں ہوگا اگر ہوگا تو کس طرح ہوگا اور معنی یہ ہے کہ اگر بہ فرض محال منافقین نے یہود کی مدد کی تو منافقین شکست کھا کر بھاگ جائیں گے پھر اس کے بعد ان کی مدد نہیں کی جائے گی یعنی اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے گا اور ان کے کفر کے ظہور کے بعد ان کا نفاق ان کو نفع اور فائدہ نہیں دے گا یا یہ کہ یہود ضرور شکست اٹھائیں گے پھر انہیں منافقین کی مدد نفع نہیں دے گی۔

لَا أَنْتُمْ أَشْدَّاهُ فِي صُدُورِهِمْ مِنَ اللَّهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿۱۳﴾ لَا

يُقَاتِلُونَكُمْ جَبِيحًا إِلَّا فِي قَرْيٍ مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ دَرَاءٍ جَدَارٍ بِأَسْهُمٍ بَيْنَهُمْ شَدِيدًا تَحْسِبُهُمْ

جَبِيحًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۴﴾ كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

قَرِيبًا ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۵﴾ كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ

اِكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِنْكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۶﴾ فَكَانَ

عَاقِبَتَهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ جَزَاُ الظَّالِمِينَ ﴿۱۷﴾

البتہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ تمہارا ڈر ہے یہ اس لیے کہ بے شک وہ ناسمجھ قوم ہیں O وہ سب مل کر بھی تم سے نہیں لڑیں گے مگر قلعہ بند بستیوں میں یا دیواروں کے پیچھے سے ان کی آپس میں بڑی سخت لڑائی ہوتی رہتی ہے آپ انہیں متحد خیال کرتے ہیں حالانکہ ان کے دل متفرق ہیں یہ اس لیے کہ بے شک وہ ناسمجھ قوم ہیں O ان کی مثال ان لوگوں جیسی ہے جو ان سے پہلے قریب زمانہ میں اپنے کیے کا وبال چکھ چکے ہیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے O ان کی مثال شیطان کی طرح ہے جب اس نے انسان سے کہا کہ کفر اختیار کر پھر جب اس نے کفر اختیار کر لیا تو شیطان نے کہا: بے شک میں تجھ سے بیزار ہوں بے شک میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا مالک ہے O سو ان دونوں کا انجام یہ ہوا کہ بے شک وہ دونوں دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی ظالموں کی سزا ہے O

۱۳- ﴿لَا أَنْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِنَ اللَّهِ﴾ بے شک ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ تمہارا خوف ہے۔ ”فِي صُدُورِهِمْ“ ان کے نفاق پر دلالت کر رہا ہے یعنی تمہارے سامنے علانیہ تو وہ اللہ تعالیٰ کا خوف ظاہر کرتے ہیں جب کہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ تمہارا خوف ہوتا ہے [”رہبۃ“، ”رہب“ کا مصدر ہے اور یہ بنی للمفعول ہے یعنی ”أَشَدُّ مَرَّ هَوِيَّةً“] ﴿ذَلِكَ بِأَنَّكُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ﴾ یہ اس لیے کہ بے شک وہ ایک ایسی بدنصیب قوم ہے جو نہیں سمجھتے (یعنی) وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کو اور اس کی عظمت و رفعت کو نہیں جانتے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرتے جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

۱۴- ﴿لَا يَفْقَهُونَ كَيْفَ يَأْتِيهِمْ﴾ وہ تم سے اکٹھے ہو کر بھی نہیں لڑیں گے یعنی یہود اور منافقین دونوں مل کر بھی تم سے لڑنے اور جنگ کرنے کی قدرت و طاقت نہیں رکھتے ﴿إِلَّا فِي قَرْيٍ مَّحَصَّنَةٍ﴾ مگر بستیوں میں قلعہ بند ہو کر خندقوں غاروں اور کشادہ گلیوں کی اوٹ میں چھپ کر لڑیں گے ﴿أَوْ مِنْ دَرَاءٍ جُدَّا﴾ یا دیواروں کے پیچھے چھپ چھپا کر [ابن کثیر کی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں ”جدار“ ہے] ﴿بِأَنَّكُمْ بَيْنَكُمْ شِدَائِدٌ﴾ ان کی آپس میں ایک دوسرے کے خلاف جنگ اور لڑائی بہت سخت ہوتی ہے یعنی سخت جنگ جس کے ساتھ ان کو موصوف کیا جاتا ہے وہ صرف ان کی آپس میں باہمی جنگ اور لڑائی ہوتی ہے جب وہ ایک دوسرے کے خلاف لڑتے ہیں اور اگر وہ لوگ تمہارے ساتھ جنگ اور لڑائی کریں گے تو ان کے لیے وہ جنگ اور سختی باقی نہیں رہے گی کیونکہ بڑے سے بڑے بہادر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کے وقت بزدل ڈرپوک اور کمزور ہو جاتے ہیں ﴿تَسَبَّوْكُمْ جَمِيعًا﴾ آپ ان کو اکٹھا خیال کریں گے یعنی آپ یہود اور منافقین کو مجتمع اور متفق و متحد خیال فرمائیں گے ﴿وَقَلُّوْهُمْ شَيْئًا﴾ اور ان کے دل متفرق ہیں ان کے درمیان کوئی اتفاق و اتحاد اور الفت و پیار نہیں ہے یعنی بے شک ان کے درمیان باہمی دشمنیاں اور عداوتیں ہیں پس وہ ایک دوسرے کی اس طرح مدد نہیں کرتے جس طرح ایک دوسرے کی مدد کا حق ہوتا ہے اور اس کلام کے ذریعے مسلمانوں کو ان کے خلاف لڑنے اور جنگ کرنے پر جرأت دلانا اور ان کے دلوں کو دلیر کرنا مقصود ہے ﴿ذَلِكَ﴾ وہ (یعنی) ان کے دلوں کا متفرق و مختلف اور جدا ہونا ﴿بِأَنَّكُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ﴾ اس لیے ہوا کہ بے شک وہ ایسے لوگ ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے (یعنی) بے شک دلوں کا متفرق و مختلف اور جدا جدا ہونا ان چیزوں میں سے ہے جو ان کے قوی کو ضعیف و کمزور کر دیتا ہے اور ان کی ارواح کو مجروح کر دیتا ہے۔

۱۵- ﴿كَيْفَ يَأْتِيهِمْ﴾ ان لوگوں کی طرح جو ان سے پہلے ہوئے یعنی ان (منافقین) کی مثال مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے والے اہل بدر (کفار مکہ) کی طرح ہے [پھر ”مُتَّهِمٌ“ مبتدا کو حذف کر دیا گیا ہے] ﴿قَرِيْبًا﴾ نزدیک یعنی ان سے پہلے قریب زمانہ میں وہ (کفار مکہ) بدر میں آ کر ٹھہرے تھے ﴿ذَاتُوا دِيَارٍ أَمْرِهِمْ﴾ انہوں نے اپنے کیے کا

وہاں چکھ لیا (یعنی) اپنے کفر کے بُرے انجام اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عداوت کے وہاں کا مزہ انہوں نے چکھ لیا۔ وہاں عرب کے اس قول سے ہے: ”كَأَلَاءٍ وَبَيْلٍ وَخَيْمٍ نَسِيئِ الْعَاقِبَةِ“ فلاں سبزہ مضر و نقصان دہ ہے انجام کار بُرا ہے یعنی انہوں نے دنیا میں قتل کے عذاب کا مزہ چکھا ﴿وَلَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے یعنی اس کے باوجود آخرت میں ان کے لیے دوزخ کی آگ کا عذاب ہے۔

۱۶۔ ﴿كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلنَّاسِ الْكُفْرَ فَلَمَّا كَفَرُوا قَالَ إِنِّي بَدِئْتُ بِكُمْ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ﴾ یعنی جنگ کرنے پر یہود کو اُکسانے اور ان کی مدد کرنے کے وعدہ میں منافقین کی مثال شیطان جیسی ہے جب اس نے انسان سے کہا کہ تو کفر اختیار کر پھر جب اس نے کفر اختیار کر لیا تو شیطان نے کہا: بے شک میں تجھ سے بیزار ہوں بے شک میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے پھر منافقین کا یہود سے متارکت اختیار کرنا اور ان کے خلاف چلنا شیطان کی طرح ہے جب وہ انسان کو اپنے مکر و فریب کے ذریعے اغوا کر لیتا ہے تو پھر وہ آخر میں اس سے بیزار ہو جاتا ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس سے مراد ایک تو شیطان کا بدر کے دن قریش کو اغوا کرنا اور دوسرا ان سے یہ کہنا ہے: ”لَا غَالِبَ لَكُمْ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ“ (الانفال: ۴۸) ”آج لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور بے شک میں تمہارا مددگار ہوں“ پھر اس نے آخر میں یہاں تک کہہ دیا کہ ”إِنِّي بَدِئْتُ بِكُمْ“ (الانفال: ۴۸) ”بے شک میں تم سے بیزار ہوں“۔

۱۷۔ ﴿فَكَانَ عَاقِبَتُهُمَا﴾ سو ان دونوں کا انجام یہ ہوا (یعنی) کافر انسان اور شیطان کا انجام یہ ہوا ﴿أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيهَا﴾ بے شک وہ دونوں دوزخ کی آگ میں جائیں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے [”عَاقِبَتُهُمَا“ ”كَانَ“ کی خبر مقدم ہے اور ”أَنَّ“ اپنے اسم اور اپنی خبر سمیت یعنی ”فِي النَّارِ“ سمیت اسم ”كَانَ“ کی بناء پر محلاً مرفوع ہے اور ”خَالِدَيْنِ“ حال ہے] ﴿وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ﴾ اور یہی ظالموں کی سزا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّامَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللَّهَ
 إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۸﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ
 أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۱۹﴾ لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابُ
 الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۲۰﴾ لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا
 مُّتَصِدًّا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لَضُرِبَ بِهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۱﴾

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص غور کرے کہ اس نے آنے والے کل (قیامت) کے لیے آگے کیا بھیجا ہے اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے ۰ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا آپ بھلا دیا یہی لوگ نافرمان ہیں ۰ دوزخ والے اور جنت والے برابر نہیں ہیں جنت والے ہی کامیاب ہیں ۰ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کر دیتے تو تم اسے جھکتا ہوا (اور) اللہ تعالیٰ کے خوف سے پھٹتا ہوا دیکھتے اور یہ وہ مثالیں ہیں جن کو ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں ۰

خوفِ خدا، فکرِ آخرت اور عظمتِ قرآن کا بیان

۱۸۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ﴾ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے اوامر اور اس کے احکام کے بارے میں اس سے ڈرتے رہو سو تم ان کے مخالف نہ چلو ﴿وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ﴾ اور چاہیے کہ ہر جان غور کرے [”نفس“ کو نکرہ لایا گیا ہے] کیونکہ بہت کم نفوس ہیں جو ان چیزوں میں غور و فکر کرنے والے ہیں جنہیں آخرت کے لیے آگے بھیجا ہے ﴿مَا قَدَّامَتْ لِعَذَابٍ﴾ جو اس نے آنے والے نکل کے لیے آگے بھیجا یعنی قیامت کے دن کے لیے۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت کا نام وہ دن (غد) رکھا جو تمہارے دن کے تقریباً متصل آئے گا یا آخرت کو ”غد“ کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے کہ گویا دنیا اور آخرت صرف دو دن ہیں آج اور کل اور قیامت کے معاملے کی عظمت کی وجہ سے ”غد“ کو نکرہ ذکر کیا گیا یعنی آنے والا ایسا کل (غد) جس کی عظمت کی وجہ سے اس کی حقیقت کو کوئی نہیں جان سکتا اور حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ نے فرمایا: جنت کے دروازہ پر لکھا ہوا ہے کہ ہم نے جو کچھ عمل کیا اس کو ہم نے پالیا اور ہم نے جو آگے بھیجا اس کا نفع حاصل کر لیا اور ہم جو کچھ اپنے پیچھے (دنیا میں) چھوڑ آئے اس کا خسارہ اور نقصان ہم نے دیکھ لیا ﴿وَ اتَّقُوا اللَّهَ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ تقویٰ کے حکم کو دوبارہ تاکید کے لیے ذکر کیا گیا ہے یا پھر یہ معنی ہے کہ تم واجبات کو ادا کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ عمل کا ذکر کیا ہے یا یہ معنی ہے کہ تم گناہوں کو چھوڑنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ وعید (ڈراوے) کے قائم مقام کا ذکر کیا ہے اور وہ یہ (درج ذیل) ارشاد ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے پوری طرح خبردار ہے۔ اور اس میں خوفِ خدا رکھنے پر ترغیب ہے کیونکہ جو شخص یہ جانتا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان تمام گناہوں سے آگاہ ہوتا ہے جن کا انسان ارتکاب کرتا ہے تو پھر وہ ان سے رُک جاتا ہے۔

۱۹۔ ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ﴾ اور مسلمانو! تم ان لوگوں (یہود و منافقین اور دیگر کفار) کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا اور انہوں نے اللہ عزوجل کے ذکر کو اور انہیں جن چیزوں کے کرنے اور نہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا سب کو ترک کر دیا ﴿فَانْسَهُمْ أَنْفُسَهُمْ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا آپ بھلا دیا (تو انہوں نے اپنے فائدے اور بھلائی کے اعمال چھوڑ کر نقصان دہ برے اعمال اختیار کر لیے) پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و توفیق کے ساتھ ان پر توجہ کرنا ترک کر دیا ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ﴾ یہی لوگ فاسق و فاجر اور نافرمان ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت سے نکل جانے والے ہیں۔

۲۰۔ ﴿لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ﴾ دوزخ کی آگ والے اور جنت والے برابر نہیں ہیں جنت والے ہی کامیاب و کامران ہیں۔ یہ لوگوں کے لیے ایک امتیاز اور خبردار کرنا ہے کہ بے شک وہ غفلت کی کثرت اور آخرت کے بارے میں غور و فکر کی قلت و کمی اور دنیا کی آخرت پر ترجیح اور شہوات و خواہشات نفسانی کی پیروی کی وجہ سے گویا وہ جنت اور دوزخ کے درمیان فرق کو نہیں پہچانتے حالانکہ جنت والوں اور دوزخ والوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے اور بے شک بہت بڑی کامیابی جنت والوں کے ساتھ ہے اور دوزخ والوں کے ساتھ ہے سو ان کا فرض ہے کہ وہ اس کو جانیں اور اس فرق سے آگاہ رہیں جیسے اپنے باپ کی نافرمانی کرنے والے سے کہا جاتا ہے: ”هُوَ أَبُوكَ“ وہ تو تیرا باپ ہے۔ اس وقت اس نافرمان بیٹے کو اس شخص کے قائم مقام کر دیا جاتا ہے جو اپنے باپ کے حق کو نہیں پہچانتا سو اسی وجہ سے اس کو باپ کے اس حق پر تنبیہ کی جاتی ہے جو باپ کے ساتھ نیکی اور رحمت و شفقت کا تقاضا کرتا ہے اور

شافعی مسلک کے پیروکار اس آیت مبارکہ سے دلیل پیش کرتے ہیں کہ مسلمان کو کافر کے قصاص (بدلے) میں قتل نہیں کیا جائے گا اور کافر (مسلمان کو ملک بدر کر کے یا جنگ میں فتح اور) غلبہ پا کر مسلمان کے مال کا مالک نہیں بن سکتا اور ہم نے اس کا جواب اصول فقہ اور الکافی میں دے دیا ہے۔

۲۱۔ ﴿لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ﴾ اگر ہم اس قرآن مجید کو کسی پہاڑ پر نازل کر دیتے تو تم اسے اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے جھکتا ہوا (اور) پھٹتا ہوا دیکھتے۔ یعنی قرآن مجید کی شان اور اس کی عظمت کے پیش نظر پہاڑ گر کر پھٹ جاتا (مطلب یہ ہے کہ) بے شک اگر پہاڑ میں عقل و تمیز رکھ دی جاتی اور پھر اس پر قرآن مجید نازل کر دیا جاتا تو البتہ وہ گر جاتا یعنی جھک جاتا اور سر کے بل نیچے گر جاتا اور پھٹ جاتا یعنی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا اللہ تعالیٰ کے خوف و ڈر اور اس کی ہیبت کی وجہ سے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ تمثیل ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ﴾ (الاحزاب: ۷۲) اور اس پر (درج ذیل) ارشاد دلالت کرتا ہے: ﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لِنَصْرِ بِهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں۔ اور یہ (تِلْكَ) اس مثال کی طرف اور دیگر ان مثالوں کی طرف اشارہ ہے جو قرآن مجید میں مختلف مقامات پر بیان کی گئی ہیں اور اس سے مراد انسان کو ڈرانا دھمکانا اور ڈانٹنا ہے کہ اس کا دل بہت سخت ہو گیا ہے اور قرآن مجید کی تلاوت کے وقت خشوع و خضوع اور عاجزی و انکساری کی قلت ہے اور قرآن مجید کی ڈرانے دھمکانے اور ڈانٹنے کی آیات میں غور و فکر اور تدبر نہ ہونے کے برابر ہے۔

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ

اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ أَلَمْ يَكُنْ الْقُدُّوسَ السَّلَامَ الْمُؤْمِنَ الْمُهَيْمِنَ الْعَزِيزَ

الْجَبَّارَ الْمُتَكَبِّرَ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ

لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ

الْحَكِيمُ ﴿۲۴﴾

وہی اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ ہر نہاں اور عیاں کو جاننے والا ہے وہ بہت مہربان بے حد رحم فرمانے والا ہے O وہی اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ بادشاہ ہے بہت پاک ہے سلامتی والا ہے امان دینے والا ہے حفاظت فرمانے والا ہے بہت غالب ہے بہت عظمت والا ہے سب سے بڑا ہے اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے پاک ہے جن کو مشرکین شریک قرار دیتے ہیں O وہی اللہ تعالیٰ ہے جو (سب کو) پیدا فرمانے والا ہے ایجاد کرنے والا ہے یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ دوزخ والوں کا جنت والوں کے برابر نہ ہونا آخرت کا معاملہ ہے جب کہ مسلمان کو کافر کے قصاص میں قتل کرنا اور کافر کا (مسلمان کو ملک بدر کر کے یا جنگ میں فتح اور) غلبہ پا کر مسلمان کے مال کا مالک بن جانا دنیا کا معاملہ ہے اس لیے یہ قیاس فاسد ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (الزمر: ۹) ”کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں (ہرگز نہیں)“ تو کیا کسی علم والے کو بے علم شخص کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا؟ یہ کیسا انصاف ہوگا؟

صورتیں بنانے والا ہے اس کے تمام نام اچھے ہیں جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور وہی بہت غالب ہے بڑا حکمت والا ہے O

شرک کی تردید اور چند صفاتی ناموں کا بیان

۲۲۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید بیان فرمائی جو شرک کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کے مماثل و مشابہ قرار دیتے ہیں چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ الْغَيْبُ وَالشَّهَادَاتُ﴾ وہی اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ نہاں اور عیاں کو خوب جاننے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر پوشیدہ اور علانیہ چیز کو جاننے والا ہے یا یہ کہ وہ دنیا اور آخرت کی ہر چیز کو جاننے والا ہے یا یہ کہ وہ ہر معدوم اور ہر موجود کو جاننے والا ہے ﴿هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ﴾ وہ سب پر بہت مہربان ہے نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

۲۳۔ ﴿هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْبَلَدُ﴾ وہی اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ بادشاہ ہے جس کی بادشاہی کبھی زائل اور ختم نہیں ہوگی ﴿الْقُدُّوسُ﴾ پاک ہے تمام قباحتوں اور عیبوں سے منزہ اور پاک ہے اور فرشتوں کی تسبیح میں ہے: ”سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ“ وہ تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے اور ہر قسم کے تغیر و تبدل سے منزہ اور مبرا ہے وہ تمام فرشتوں اور خاص کر روح الامین حضرت جبریل علیہم السلام کا پروردگار ہے ﴿السَّلَامُ﴾ بہ ذات خود سلامتی والا ہے اور دوسروں کو سلامتی عطا فرمانے والا ہے۔ علامہ زجاج سے منقول ہے کہ ”السلام“ وہ ذات اقدس ہے جس نے مخلوق کو اپنی طرف کے ظلم سے سلامت و محفوظ رکھا ہوا ہے ﴿الْمُؤْمِنُ﴾ امن و امان بخشنے والا اور علامہ زجاج سے منقول ہے: ”المؤمن“ وہ ہستی ہے جس نے اپنی طرف کے ظلم سے تمام مخلوق کو امن و امان عطا فرمایا یا یہ کہ ”المؤمن“ وہ ذات مقدس ہے جو ہر اس شخص کو اپنے عذاب سے امن عطا فرمانے والا ہے جو اس کی اطاعت و فرماں برداری کرتا ہے ﴿الْمُهَيَّبُ﴾ ہر چیز کی نگہبانی کرنے والا اور ہر چیز کی حفاظت کرنے والا ہے [یہ ”مُفْعَلٌ“ کے وزن پر ”امن“ سے ماخوذ ہے مگر اس کا ہمزہ ”ہا“ سے تبدیل کر دیا گیا ہے] ﴿الْعَزِيزُ﴾ وہ سب پر بہت غالب ہے کبھی کسی سے مغلوب نہیں ہوتا ﴿الْجَبَّارُ﴾ وہ زبردست بلند و بالا ہے اس کے سوا ہر چیز اس کے سامنے عاجز و کمزور ہے یا یہ کہ وہ قدرت و سلطنت میں عظیم الشان ہے یا یہ معنی ہے کہ وہ زبردست غالب ہے اور بہت بڑی قدرت والا ہے ﴿الْمُتَكَبِّرُ﴾ وہ بہت عظمت و بڑائی والا سب سے بڑا ہے ﴿سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ ان تمام شریکوں سے پاک ہے جن کو مشرکین شریک ٹھہراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس جملہ میں اپنی ذات اقدس کو ان تمام عیبوں سے منزہ و مبرا قرار دیا جن کے ساتھ مشرکین اللہ تعالیٰ کو متصف قرار دیتے ہیں۔

۲۴۔ ﴿هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ﴾ وہی اللہ تعالیٰ ہے جو تمام کائنات کا پیدا کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ ان تمام اشیاء کو مقدر کرنے والا ہے جن کو تخلیق کرتا ہے ﴿الْبَارِئُ﴾ وہ تمام کائنات کا ایجاد کرنے والا ہے ﴿الْمُصَوِّرُ﴾ وہ ماؤں کے رحموں میں مختلف صورتیں بنانے والا ہے ﴿لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ﴾ اس کے تمام مبارک نام اچھے ہیں جو اس کی عالی شان صفات پر دلالت و رہنمائی کرتے ہیں ﴿يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کی تسبیح بیان کرتا ہے اور وہ سب پر غالب اور بہت بڑا حکمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس مضمون کے ساتھ

اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ کے فضائل و خصوصیات اور اس کی برکات و وظائف اور اسم اعظم کی تحقیق کے لیے فقیر کی کتاب ”خصائص الاسماء الحسنى“ مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور کا مطالعہ فرمائیں۔

سورت کا آغاز کیا اسی مضمون پر سورت کا اختتام فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے حبیب رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے متعلق سوال کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: تم سورۃ الحشر کی آخری آیات کی تلاوت کو اپنے اوپر لازم کر لو سو میں ان تین آخری آیات کو بہت زیادہ پڑھتا ہوں پھر میں نے دوبارہ آپ پر یہی سوال دہرایا تو آپ نے دوبارہ بھی یہی جواب دیا پھر میں نے دوبارہ یہی سوال دہرایا تو آپ نے پھر وہی جواب مجھ پر دہرایا۔

الذی یستجاب
لرؤفہ عاتقہا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اللّٰهُمَّ صَلِّ
وَبَارِكْ وَسَلِّمْ
عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ
وَعَلٰی اٰلِہٖ
وَاٰلِہٖ
سَلَامًا

سورۃ المنتحنہ مدنی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۝ اس کی تیرہ آیات دو رکوع ہیں

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوْكُمْ اَوْلِيَاۗءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ

بِالْمُؤَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ

اَنْ تُوْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ حَرَجْتُمْ جِهَادًا فِىْ سَبِيْلِىْ وَاِبْتِغَاءَ مَرْضَاتِىْ

تُسْرُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمُؤَدَّةِ ۗ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَا اَخْفَيْتُمْ وَمَا اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ

مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيْلِ ۝

اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم ان کی طرف دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ بے شک انہوں نے اس حق کے ساتھ کفر کیا جو تمہارے پاس آچکا ہے وہ رسول اکرم کو اور تمہیں اس لیے نکالتے ہیں کہ تم اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے اور میری رضا حاصل کرنے کے لیے نکلے ہو (تو کفار سے دوستی نہ کرو) تم ان کی طرف محبت کے خفیہ پیغام بھیجتے ہو اور میں وہ سب کچھ خوب جانتا ہوں جسے تم نے چھپایا اور جسے تم نے ظاہر کیا اور تم میں سے جو شخص یہ کام کرے گا تو وہ یقیناً سیدھی راہ سے بھٹک گیا ہے ۝

کفار سے دوستی اور خفیہ پیغام رسانی کی ممانعت کا بیان

شان نزول: مروی ہے کہ (۸ ہجری میں) عمرو بن صفی بن ہاشم کی لونڈی جسے سارہ کہا جاتا تھا وہ مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور اس وقت آپ مکہ مکرمہ کو فتح کرنے کی تیاری کر رہے تھے تو آپ نے اس سے فرمایا: کیا تو مسلمان ہو کر آئی ہے؟ اس نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: تو کیا ہجرت کر کے آئی؟ اس نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: پھر تو کس ضرورت کے تحت آئی؟ اس نے کہا: میں بہت تنگ دست و غریب ہوں اور فقر و فاقہ سے تنگ ہو کر آپ کے پاس مالی امداد کے لیے حاضر ہوئی ہوں چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنو عبدالمطلب کو اس عورت کی مالی امداد کرنے کی بہت ترغیب دی اور بہت تاکید کی تو انہوں نے اس عورت کی خوب مدد کی اسے کپڑے دیے اور ایک سواری دی اور زاد راہ کے لیے کھانے پینے کا سامان دیا۔ اس دوران حضرت حاطب بن ابی بلتعہ بدری صحابی اس عورت سے ملے اور اسے دس دینار

۱۔ رواہ العسلی کمانی حاشیہ الکشاف ج ۴ ص ۵۱۰

(سونے کے سکے) دیئے اور ایک قیمتی چادر پیش کی اور اس کی معرفت اہل مکہ کے لیے ایک خط لکھ کر بھیجا، جس کی تحریر یہ تھی کہ یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے اہل مکہ کی جانب اے اہل مکہ! یاد رکھو اور جان لو کہ رسول اللہ ﷺ تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں سو تم اپنے بچاؤ کے لیے تیار ہو جاؤ، چنانچہ سارہ یہ خط لے کر مکہ مکرمہ روانہ ہو گئی اور حضرت جبریل علیہ السلام یہ خبر لے کر آپ کے پاس نازل ہوئے تو آپ نے حضرت علی مرتضیٰ، حضرت عمار، حضرت عمر، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت مقداد اور حضرت ابو مرثد کو اس عورت کے تعاقب میں بھیجا اور یہ حضرات جب سوار ہو کر جانے لگے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم جاؤ! یہاں تک کہ جب تم روضہ خاخ کے مقام پر پہنچو گے تو وہاں تمہیں یہ مسافر عورت ملے گی، جس کے پاس حاطب کی جانب سے اہل مکہ کو لکھا گیا خط ہے، سو تم اس سے وہ خط لے لو اور اس کو چھوڑ دو اور اگر وہ انکار کرے تو اس کی گردن مار دینا، چنانچہ حضور کے ارشاد کے مطابق ان حضرات نے وہیں جا کر اس عورت کو پکڑ لیا اور خط مانگا تو اس نے انکار کر دیا اور اس نے قسم کھالی کہ اس کے پاس خط نہیں ہے، چنانچہ یہ صحابہ کرام واپس جانا ہی چاہتے تھے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم سے جھوٹ نہیں بولا گیا، بلکہ ہمیں جو پیغام دیا گیا وہ سچا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ صادق و امین ہیں، آپ کو جھوٹا قرار نہیں دیا جاسکتا، پھر آپ نے اپنی تلوار نیام سے نکالی اور اس عورت سے فرمایا کہ تو خط نکال کر ہمیں دے دے یا پھر اپنا سر جھکا لے میں تیری گردن مار دوں گا، تو اس نے خوف زدہ ہو کر اپنے بالوں کی چوٹی سے وہ خط نکال کر دے دیا۔

ایک اور روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اکرم نبی اعظم ﷺ نے فتح مکہ کے دن تمام لوگوں کو امان دے دی ماسوا چار افراد کے۔ ان میں سے ایک یہ عورت تھی، پھر جب یہ صحابہ کرام خط لے کر واپس آ گئے اور حضور کو پیش کر دیا تو آپ نے حضرت حاطب کو حاضر ہونے کا حکم دیا تو وہ فوراً حاضر ہو گئے، اور آپ نے ان سے فرمایا کہ تم نے یہ پیغام رسائی کا کام کس وجہ سے کیا ہے، تو حضرت حاطب نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے کبھی کفر نہیں کیا اور جب سے میں نے خیر خواہی شروع کی ہے کبھی آپ سے کھوٹ نہیں کیا اور نہ آپ کو دھوکا دیا ہے اور جب سے میں نے کفار کو چھوڑ کر ہجرت کی ہے کبھی ان سے دوستی نہیں کی اور میں قریش سے منسلک ضرور رہا ہوں لیکن میں ان کے خاندان میں سے نہیں ہوں (میں نے غیر ملکی ہونے کے باوجود مکہ میں قریش کے ساتھ سکونت اختیار کر لی) اور آپ کے ساتھ رہنے والے تمام مہاجرین کی اہل مکہ کے ساتھ رشتہ داریاں ہیں، جس کی وجہ سے اہل مکہ ان مہاجرین کے اہل و عیال اور ان کے مالوں اور جائیدادوں کی حفاظت کرتے ہیں ماسوا میرے (کیونکہ میرا وہاں کوئی رشتہ دار نہیں) سو اس لیے میں اپنے گھر والوں کے بارے میں خوف زدہ رہتا ہوں، بہر حال میں نے صرف یہ چاہا کہ میں ان پر کوئی احسان کروں تاکہ میرے بیوی بچے محفوظ ہو جائیں لیکن میں پورے یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان پر ضرور اپنا عذاب نازل کرے گا اور میرا خط انہیں عذاب الہی سے ہرگز نہیں بچا سکے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حاطب کی تمام باتوں کی تصدیق فرمائی اور ان کی معذرت قبول فرمائی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن مار دوں، اس پر حضور سید عالم فخر آدم و بنی آدم ﷺ نے فرمایا: اے عمر! کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمام اہل بدر کے حالات کو خوب جانتا ہے اور خود اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: "رَاعَمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَلَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ" تم جو چاہو عمل کرو سو میں نے تمہیں یقیناً بخش دیا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تو اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں:

۱۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ﴾ اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی روشن اور واضح دلیل ہے کہ کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے ایمان سلب نہیں ہو جاتا بلکہ پہلے کی طرح برقرار رہتا ہے (کیونکہ حضور اور صحابہ کے جنگی تیاری کے راز افشاں کرنے کے باوجود حضرت خاطب کو مؤمن صادق قرار دیا گیا) [تَتَّخِذُوا] فعل کو دو مفعولوں کی طرف متعدی کیا گیا ہے اور وہ دونوں ”عدوی“ اور ”اولیاء“ ہیں اور ”عَدُوٌّ“ فاعل کے وزن پر ”عَدَا“ سے ماخوذ ہے جیسے ”عَفُوٌّ“، ”عَفَا“ سے ماخوذ ہے لیکن یہ مصدر کے وزن پر جس طرح جمع کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اسی طرح واحد کے معنی پر بھی واقع ہوتا رہتا ہے ﴿تُلَقُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ﴾ تم ان کی طرف محبت کے پیغام پہنچاتے ہو [یہ جملہ ”لَا تَتَّخِذُوا“ میں ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے] اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ”لَا تَتَّخِذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ مُلْقِينَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ“ تم ان کو دوست نہ بناؤ حالانکہ تم تو ان کی طرف محبت کے پیغام پہنچاتے ہو [یاد دہکانے ڈرانے کی بناء پر وقف کے بعد یہ ایک نیا مستقل جملہ ہے] اور ”اللقاء“ کا معنی ہے: محبت کا پیغام پہنچانا اور محبت کا پیغام ان کی طرف لے جانا [”بِالْمَوَدَّةِ“ میں بازائدہ ہے تعدیہ کی تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا] جیسے یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ”عَلَيْكُمْ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ“ (البقرہ: ۱۹۵) یا پھر یہ ”بَا“ ثابتہ ہے زائدہ نہیں ہے اس بناء پر کہ ”تُلَقُّونَ“ کا مفعول محذوف ہے [اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کی خبریں ان کی طرف اس محبت کے سبب پہنچاتے ہو جو کبھی تمہارے درمیان اور ان کے درمیان قائم تھی ﴿وَقَدْ كَفَرَوا وَإِيسَاءَ كُفْرِهِنَّ الْحَقِيقُ﴾ حالانکہ انہوں نے بلاشبہ اس حق کے ساتھ کفر اختیار کر لیا ہے جو تمہارے پاس آچکا ہے یعنی انہوں نے دین اسلام اور قرآن مجید کے ساتھ کفر کیا] یہ جملہ بھی ”لَا تَتَّخِذُوا“ کی ضمیر سے یا پھر ”تُلَقُّونَ“ کی ضمیر سے حال ہے [یعنی تم ان کو دوست نہ بناؤ] یا یہ کہ تم ان سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہو حالانکہ ان کا حال تو یہ ہے کہ انہوں نے تمہارے دین اسلام اور قرآن مجید کا انکار کر دیا ہے ﴿يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِنَّا لَكُمُ أَنْ تُوْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ﴾ وہ تو رسول اکرم اور تمہیں اس لیے نکالتے ہیں کہ تم اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو [یہ حصہ بھی الگ مستقل مستانہ کلام ہے اور ان کے کفر اور سرکشی کی تفسیر و توضیح کی طرح بیان کیا گیا ہے یا یہ ”كُفْرُوا“ سے حال ہے اور ”أَنْ تُوْمِنُوا يُخْرِجُونَ“ کی تعلیل ہے [یعنی اے مسلمانو! وہ تمہیں مکہ مکرمہ سے محض اس لیے نکالتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھتے ہو ﴿إِنْ كُنْتُمْ حَوَاجَّةُمْ﴾ اگر تم (میری راہ میں) نکلے ہو] یہ ”لَا تَتَّخِذُوا“ کے متعلق ہے [یعنی تم میرے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ اگر تم میرے دوست ہو] اور نحو یوں کا اس قسم کے بارے میں یہ قول ہے کہ یہ شرط ہے اور اس کا جواب محذوف ہے کیونکہ اس کا ما قبل اس پر دلالت کر رہا ہے [﴿جِهَادًا فِي سَبِيلِي﴾ میری راہ میں جہاد کرنے کے لیے] ”جِهَادًا“ مصدر حال کی جگہ پر واقع ہے [یعنی اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے والے ہو کر نکلے ہو ﴿وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي﴾ اور میری رضا طلب کرنے والے ہو کر نکلے ہو ﴿تُسْرُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ﴾ تم ان کی طرف خفیہ پیغام بھیجتے ہو یعنی تم ان کی طرف پوشیدہ طور پر محبت کے پیغام پہنچاتے ہو یا یہ معنی ہے کہ تم پرانی محبت کے سبب رسول اللہ ﷺ کے خفیہ راز ان کی طرف پہنچاتے ہو [یہ جملہ بھی الگ مستقل کلام ہے] ﴿وَإِنَّا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ﴾ اور اسے بھی خوب جانتا ہوں جسے تم نے چھپا لیا اور جسے تم نے ظاہر کیا اور معنی یہ ہے کہ تمہیں اپنے رازوں کے افشاں کرنے میں کون سا فائدہ حاصل ہوتا ہے حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ اخفاء اور اظہار میرے علم میں برابر ہیں اور تم جو کچھ چھپاتے ہو میں اس پر اپنے رسول کو آگاہ کر دیتا ہوں ﴿وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنكُمْ﴾ اور تم میں سے جو شخص ایسا کام کرے گا یعنی کفار سے دوستی کرنے کے لیے خفیہ پیغام رسائی کے ذریعے مسلمانوں کے راز بتائے گا ﴿فَقَدْ

صَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿﴾ تو بے شک وہ شخص سیدھی راہ سے بھٹک گیا اور بے شک اس نے حق سچ کے راستے کو چھوڑ کر بہت بڑی غلطی کی۔

إِنْ يَتَّقُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتَهُمُ
بِالسُّوءِ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ ﴿۲﴾ لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ يَفْضَلُ بَيْنَكُمْ ﴿۳﴾ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۴﴾

اگر وہ تم پر قابو پالیں تو وہ تمہارے دشمن ہو جائیں گے اور وہ بڑی تکلیف دینے کے لیے تم پر دست درازی اور زبان درازی کریں گے اور وہ تمنا کرتے ہیں کہ کاش! تم کافر ہو جاؤ ﴿۲﴾ قیامت کے دن تمہاری رشتہ داریاں تمہیں ہرگز نفع نہیں دیں گی اور نہ تمہاری اولاد وہ تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے ﴿۴﴾

۲- ﴿إِنْ يَتَّقُوكُمْ﴾ اگر وہ تم کو پالیں (یعنی) اگر وہ تم پر کامیاب ہو جائیں اور تم پر فتح یاب ہو جائیں اور تمہیں قابو کر لیں تو ﴿يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً﴾ وہ تمہارے کھلم کھلا دشمن ہو جائیں گے خالص دشمنی ظاہر کر دیں گے اور وہ کبھی تمہارے دوست نہیں بنیں گے جس طرح تم دوست بن جاتے ہو ﴿وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتَهُمُ بِالْسُّوءِ﴾ اور وہ تم پر بہت بڑی تکلیف کے ساتھ دست درازی اور زبان درازی کریں گے یعنی قتل اور لڑائی کے ساتھ اور گالیوں کے ساتھ ﴿وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ﴾ اور وہ چاہتے ہیں کاش! تم کافر ہو جاؤ (یعنی) وہ تمنا کرتے ہیں کہ کاش! تم اپنے دین سے پھر جاؤ پس اس وقت ثابت ہو گیا کہ تم میں سے کسی شخص کا ان جیسے لوگوں سے دوستی کرنا بہت بڑی غلطی ہے [اور فعل باضی (جیسے "وَدُّوا") اگر شرط کے باب میں آجائے تو وہ فعل مضارع کے قائم مقام ہوتی ہے] سو اس میں نکتہ یہ ہے کہ گویا فرمایا کہ کفار مکہ ہر چیز سے پہلے تمہارا کافر ہو جانا اور تمہارا مرتد ہو جانا چاہتے ہیں یعنی وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں دین اور دنیا دونوں کا نقصان پہنچے جائیں بھی قتل ہو جائیں اور عزتیں بھی داغ دار ہو جائیں اور تم کفر کی طرف بھی لوٹ جاؤ یا یہ کہ ان کے نزدیک سب سے اہم اور سب سے پہلا نقصان تمہارا کفر کی طرف لوٹ جانا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ دین اسلام تمہارے نزدیک تمہاری جانوں سے زیادہ عزیز ہے کیونکہ تم اس کی خاطر اپنی جانیں بھی قربان کر دیتے ہو اور عداوت یہی ہوتی ہے کہ دشمن کے نزدیک سب سے اہم چیز یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے مد مقابل کی سب سے اہم چیز کو برباد کرنا چاہتا ہے۔

۳- ﴿لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ﴾ تمہاری قرابت داریاں اور رشتہ داریاں تمہیں ہرگز نفع نہیں دیں گی ﴿وَلَا أَوْلَادُكُمْ﴾ اور تمہاری اولاد تمہیں نفع نہیں دے گی جن کی خاطر تم کفار سے دوستی کرتے ہو اور جن کی حفاظت و حمایت کی خاطر تم ان کا قرب چاہتے ہو پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَفْضَلُ بَيْنَكُمْ﴾ وہ قیامت کے دن تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا یعنی تمہارے رشتے داروں اور تمہاری اولاد کے درمیان جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: "يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ" (بہس: ۳۶-۳۷) "جس دن آدمی بھاگتا پھرے گا اپنے بھائی سے اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے" سو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اس کے حق کی رعایت کے لیے اللہ تعالیٰ کے حق کو توڑتے ہو جو کل قیامت کے دن تم سے بھاگ جائے گا [امام عاصم کی قراءت میں ("یا" مفتوح اور "فا"

ساکن اور ”صاد“ مکسور کے ساتھ) ”يَفْصِلُ“ ہے جب کہ حمزہ کوئی اور علی کسائی کی قراءت میں (”یا“ مضموم اور ”فا“ مفتوح اور ”ضاد“ مکسور مشدود کے ساتھ) ”يَفْصِلُ“ (باب تفعیل سے) ہے اور اس کا قائل اللہ عزوجل ہے اور ابن ذکوان کی قراءت میں (فعل مضارع مجہول باب تفعیل سے) ”يَقْصِلُ“ ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں (فعل مضارع مجہول باب ”ضرب يضرب“ سے) ”يَفْصِلُ“ ہے [وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ] اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے سو وہ تمہیں تمہارے اعمال پر ضرور جزا دے گا۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَاءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدَاهُ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَا أُسْتَغْفِرُ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنبَأْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَوَاعِظٌ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

بے شک ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا: بے شک ہم تم سے اور ان سے جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہو بیزار ہیں ہم تمہارے منکر ہیں اور ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت اور بغض ظاہر ہو گیا ہے یہاں تک کہ تم ایک اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ مگر ابراہیم کا اپنے باپ (چچا ابو) کے لیے یہ کہنا کہ میں تیرے لیے ضرور معفرت چاہوں گا اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیرے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتا اے ہمارے پروردگار! ہم نے تجھ پر بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف ہم نے رجوع کیا ہوا ہے اور تیری ہی طرف لوٹ آنا ہے اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں کافروں کی آزمائش میں نہ ڈال دینا اور اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں بخش دے بے شک تو سب پر بہت غالب بڑا حکمت والا ہے ۝

کفار سے دوستی کی ممانعت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بہترین نمونہ

۴- ﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ بے شک مشرک قوم سے بیزاری کے اعلان میں تمہارے لیے بہترین نمونہ موجود ہے ﴿وَفِي إِبْرَاهِيمَ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں یعنی ان کے اقوال و ارشادات میں اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے اقوال میں سے ایک قول کا (إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ) فرما کر استثناء کر دیا ﴿وَالَّذِينَ مَعَهُ﴾ اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں یعنی مؤمنین اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جن ساتھیوں کی زندگی اور ان کے اقوال بہترین نمونہ ہیں اس سے انبیائے کرام علیہم السلام مراد ہیں ﴿إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَاءُ مِنْكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدَاهُ﴾ جب انہوں نے فرمایا: بے شک ہم تم سے بیزار ہیں [”برءاً“، ”برئاً“، ”برئاً“ کی جمع ہے جیسے ”ظرفاء“، ”ظریف“ کی اور ”شسرفاء“،

”شریف“ کی جمع ہے ﴿وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ﴾ اور ہم ان سے بھی بیزار ہیں جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہو، ہم تمہارے منکر ہیں اور ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان افعال و اعمال کے سبب عداوت و دشمنی ظاہر ہو گئی ہے ﴿وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا﴾ اور دلوں میں باہمی بغض و کینہ ہمیشہ کے لیے عیاں ہو گیا ہے ﴿حَتَّى تُوْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدَاكَا﴾ یہاں تک کہ تم ایک اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ تو اس صورت میں ہم تمہاری عداوت و دشمنی کو ترک کر دیں گے ﴿إِلَّا قَوْلَ ابْنِ هِجِرَةَ لَا يَبِيهَ لَا سْتَغْفِرَنَّ لَكَ﴾ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ سے یہ کہنا کہ میں ضرور تیرے لیے مغفرت کی دعا کروں گا اور یہ ”مَوْعِدَةٌ وَعَدَهَا آيَاهُ“ (التوبہ: ۱۱۴) ”ایک وعدہ پورا کرنے کے لیے تھا جو حضرت ابراہیم نے اس سے کیا ہوا تھا“ یعنی تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اقوال میں ان کی پیروی کرو لیکن اپنے کافر باپ کی مغفرت طلب کرنے میں ان کو نمونہ نہ بناؤ اور نہ اس میں ان کی پیروی کرو ﴿وَمَا أَمَلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ اور میں تیرے لیے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کچھ اختیار نہیں رکھتا یعنی رشد و ہدایت اور مغفرت و بخشش اور توفیق عطا کرنے کا اختیار نہیں رکھتا اور یہ جملہ استثناء کے مناسب نہیں کیا (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ کی طرف نہیں دیکھا: ”قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا“ (الفتح: ۱۱) ”اے محبوب! فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے لیے کون کچھ اختیار رکھتا ہے؟“ لیکن استثناء سے مراد صرف ”قَوْلَ ابْنِ هِجِرَةَ لَا يَبِيهَ“ ہے اور اس کے لیے مغفرت کے وعدہ کا قصد اور جو اس کے بعد ہے وہ اس کے تابع ہے، گویا فرمایا: میں تیرے لیے مغفرت کی دعا کروں گا اور میرے اختیار و قوت میں صرف مغفرت طلب کرنا ہے ﴿رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا﴾ اے ہمارے پروردگار! ہم نے تجھی پر بھروسہ کیا ہوا ہے یہ استثناء کے ماقبل کے ساتھ متصل و مرتبط ہے اور یہ بھی اسوۂ حسنہ کے مجموعہ میں سے ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس کا معنی یوں ہے: ”قُولُوا رَبَّنَا الْخ“ تم کہو: اے ہمارے رب! ہم نے تجھی پر بھروسہ کیا ہوا ہے سو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے حکم کی ابتداء ہے کہ وہ یہ کہا کریں ﴿وَالَيْكَ آبَيْنَا﴾ اور ہم نے تیری ہی طرف رجوع کر لیا ہے اور ہم تیری ہی طرف متوجہ رہتے ہیں ﴿وَالَيْكَ الْبَصِيرُ﴾ اور صرف تیری طرف واپس آنا ہے (یعنی) تیری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

۵۔ ﴿رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اے ہمارے مالک! تو ہمیں ان لوگوں کے لیے آزمائش نہ بنانا جنہوں نے کفر کا بازار گرم کر رکھا ہے یعنی تو ان کو ہم پر مسلط نہ کرنا کہ وہ ہمیں عذاب میں مبتلا کر دیں گے ﴿وَاعْقِرْنَا مَشَاقِقَ﴾ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ اور اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں بخش دے بے شک تو بہت عزت والا بڑا حکمت والا ہے یعنی غالب حاکم ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَمَن

يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝

بے شک ان میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے خصوصاً ان کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن کی ملاقات کی امید رکھتے ہیں اور جو شخص منہ پھیر لے گا تو بے شک اللہ تعالیٰ سب سے بے نیاز (اور) تمام خوبیوں میں تعریف کے لائق ہے ۵

۶۔ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ﴾ البتہ بے شک تمہارے لیے ان میں بہترین

نمونہ ہے خصوصاً ان لوگوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے ملنے کی امید رکھتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ

السلام اور ان کی مسلمان قوم کی پیروی کی ترغیب دینے اور مسلمانوں کو تاکید کرنے کے لیے دوبارہ اس کو دہرایا اور اس لیے قسم کے ساتھ آغاز کیا کیونکہ اس میں انتہائی تاکید ہوتی ہے اور اس آیت میں ”لکم“ کے بدلے ”لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ الْخَالِقَ“ فرمایا یعنی جو اللہ تعالیٰ کے ثواب کی امید رکھتا ہے یا یہ کہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور اس کے بعد ارشاد فرمایا: ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّ﴾ اور جو شخص ہمارے حکم سے منہ پھیر لے گا اور کفار سے دوستی کر لے گا ﴿فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَنِيُّ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ تمام مخلوق سے بے نیاز ہے ﴿الْحَمِيدُ﴾ وہی حمد و ثناء کا مستحق ہے سو اس نے تاکید کی کوئی قسم ترک نہیں کی مگر ہر قسم کی تاکید بیان فرمادی۔

عَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا عَادِيَةً مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۗ وَاللَّهُ قَدِيرٌ
 وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ لَا يَنْهَىٰ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ
 يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝
 إِنَّمَا يَنْهَىٰ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ
 ظَاهِرًا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝

عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان دوستی کرادے گا جن سے تمہاری دشمنی ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے حد مہربان ہے ۝ اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان کے ساتھ احسان کرو اور تم ان کے ساتھ انصاف کرو بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ۝ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ان لوگوں سے منع کرتا ہے جنہوں نے دین کے بارے میں تم سے جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیا اور تمہارے نکالنے میں مدد کی کہ تم ان سے دوستی کرو اور جو لوگ ان سے دوستی کریں گے سو وہی لوگ ظالم ہوں گے ۝

برہان القرآن میں ہے: بیکر اس لیے ہے کہ پہلے اسوۂ حسنہ میں اقوال کی طرف اور دوسرے میں افعال کی طرف اشارہ ہے اور فتح الرحمن میں ہے کہ پہلے اسوۂ حسنہ میں عداوت کفار کی طرف اور دوسرے میں خوف و خشیت الہی کی اقتداء کی طرف اشارہ ہے اور کشف الاسرار میں ہے کہ پہلے اسوۂ حسنہ میں کفار سے بیزاری کی طرف اور دوسرے میں حضرت ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کی پیروی کی طرف اشارہ ہے تاکہ مسلمانوں کو وہی اجر و ثواب حاصل ہو جو انہیں نصیب ہوا اور مسلمانوں کو آخرت کی طرف اسی طرح باعزت جانا نصیب ہو جس طرح انہیں نصیب ہوا۔ (تفسیر روحان البیان مترجم، ج ۲۸ ص ۲۴۲)

دوبارہ اسوۂ حسنہ کے ذکر میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس پاکیزہ اور بہترین نمونہ سے وہی استفادہ کر سکتا ہے جو یہ تسلیم کرتا ہے کہ قیامت کا دن ضرور آئے گا اور اسے اس کی قبر سے اٹھا کر ”عالم الغیب والشہادۃ“ کی بارگاہ میں پیش کر دیا جائے گا جہاں اس سے گزشتہ زندگی کے بارے میں باز پرس کی جائے گی وہی ایسے نمونوں کی قدر کرتا ہے وہی ان پاک بازوں کے نقش قدم کو خضر راہ بناتا ہے۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۱۹۸)

کفار سے مشروط دوستی کی اجازت

۷۔ اور جب گزشتہ آیات نازل ہوئیں اور مسلمانوں نے اپنے مشرک باپوں اور بیٹوں اور تمام رشتہ داروں کی عداوت و دشمنی میں سختی شروع کر دی تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں مسلمانوں کی عداوت و دشمنی کو محبت و پیار میں تبدیل کرنے کی امید دلائی، چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿عَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مَوَدَّةً﴾ امید ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان محبت پیدا کر دے گا، ان میں سے جن لوگوں سے تم نے عداوت و دشمنی کی ہے، یعنی تم نے اہل مکہ میں سے جن اپنے قرابت داروں سے دشمنی کی، ان کی محبت پیدا کر دے گا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ایمان کی توفیق عطا فرمادے گا، پھر جب فتح مکہ میسر ہو تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی آرزوؤں کو پورا کیا اور ان کی قوم نے اسلام قبول کر لیا اور ان کے درمیان باہمی محبت و الفت مکمل ہو گئی اور بادشاہوں کی عادات کے مطابق ”عَسَىٰ“ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ کے لیے ہے، صرف امید کے لیے نہیں جیسے بادشاہ بعض حوائج میں ”عَسَىٰ“ یا ”لَعَلَّ“ کہہ دیتے ہیں، لیکن محتاج و ضرورت مند کو اس کے پورا ہونے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا، بلکہ یقین ہوتا ہے ایسے ہی ”عَسَىٰ“ کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے یقین کے معنی میں ہوتا ہے، یا اس کے ساتھ مؤمنوں کو امید دلانا مراد ہے ﴿وَاللَّهُ قَدِيرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ دلوں کے بدلنے پر اور احوال کو تبدیل کرنے پر اور محبت و مودت کے اسباب کو آسان کرنے پر بہت قادر ہے ﴿وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو جس نے مشرکین میں سے اسلام قبول کر لیا، بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے۔

۸۔ ﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الدِّينِ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اِنْ تَبَرُّوْهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جنہوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ایسے لوگوں کے ساتھ نیکی کرو اور ان پر احسان کرو اور تم ان کی عزت کرو خواہ زبان سے ہو یا فعل سے [اور ”اَنْ تَبَرُّوْهُمْ“، ”الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ“ سے بدل ہونے کی بناء پر محلاً مجرور ہے اور یہ بدل اشتمال ہے اور تقدیر یہ ہے: ”عَنْ بَرِّ الدِّينِ“] ﴿وَتَقْسَطُوا لِيَوْمٍ﴾ اور تم ان کے ساتھ انصاف کرو اور تم ان کا انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو اور ان پر ظلم نہ کرو اور جب اللہ تعالیٰ نے مشرک کے حق میں ظلم کرنے سے منع کیا تو مسلمان کے حق میں انصاف کرنے کی کیسی تاکید ہوگی؟ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

۹۔ ﴿اَتَيْنٰكُمْ اللّٰهُ عَنِ الدِّينِ فَتَلُوْكُمْ فِي الدِّينِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلٰى اِخْرَاجِكُمْ اِنْ تَوَلَّوْهُمْ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ان لوگوں سے منع کرتا ہے جنہوں نے دین کے بارے میں تم سے جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیا اور تمہارے نکالنے پر مدد کی کہ تم ایسے لوگوں سے دوستی کرنے لگو [”اَنْ تَوَلَّوْهُمْ“، ”الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ“ سے بدل ہے] اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ نیکی کرنے سے تمہیں منع نہیں کرتا جنہوں نے تم سے نہ جنگ کی اور نہ تمہیں گھروں سے نکالا اور اللہ تعالیٰ تو تمہیں صرف ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیا ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ﴾ اور جو لوگ ان سے دوستی کریں گے تو وہی ظالم ہوں گے، کیونکہ انہوں نے دوستی کو اس کی اصل جگہ کی بجائے غیر مناسب جگہ پر رکھا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا جَاَءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مُهٰجِرَاتٍ فَاِمْتَحِنُوْهُنَّ ۗ اِنَّ اللّٰهَ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۗ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفٰرِ ۗ

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لِهِنَّ وَأَتُوهُنَّ مَا أَنْفَقُوا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ
 أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ
 وَسَأَلُوا مَا أَنْفَقْتُمْ وَلَيْسَ لَكُمْ أَنْفَقُوا ذَلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ
 عَلِيمٌ حَكِيمٌ ⑩

اے ایمان والو! جب ہجرت کرنے والی مسلمان عورتیں تمہارے پاس آجائیں تو تم ان کی جانچ پڑتال کر لو اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کا حال سب سے بہتر جانتا ہے پھر اگر تمہیں ان کا ایمان دار ہونا معلوم ہو جائے تو تم ان کو کفار کی طرف واپس نہ بھیجو نہ مسلمان عورتیں ان کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ کفار ان (مسلمان عورتوں) کے لیے حلال ہیں اور تم ان کو (حق مہر کا) وہ مال دے دو جو انہوں نے خرچ کیا اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان (مسلمان عورتوں) سے نکاح کر لو جب کہ تم ان کے مہر ادا کر دو اور تم (بھی) کافرہ عورتوں کو اپنے نکاحوں میں نہ روکے رکھو اور تم نے جو کچھ خرچ کیا ہے وہ (کافروں سے) مانگ لو اور انہوں نے جو خرچ کیا ہے وہ (تم سے) مانگ لیں اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بہت بڑا حکمت والا ہے ۰

کفرستان سے ہجرت کر کے آنے والی عورتوں اور ان کے شوہروں کے مسائل

۱۰۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ﴾ اے ایمان والو! جب ہجرت کرنے والی مومنہ عورتیں تمہارے پاس آجائیں۔ ان کو ”مؤمنات“ اس لیے فرمایا گیا کہ انہوں نے کلمہ شہادت پڑھا تھا یا اس لیے کہ امتحان میں ایمان پر ثابت قدم رہنے کی وجہ سے ایمان کے شرف سے مشرف ہو گئیں [”مہاجرات“ حال واقع ہونے کی بناء پر منصوب ہے] ﴿فَأَمَّا حُجُوبُهُنَّ﴾ سو تم ان کے ایمان کا امتحان لو اور ان کی جانچ پڑتال کرو اور تم ایمان کی علامات میں نظر اور غور و فکر کر کے ان کو آزماؤ تاکہ تمہارے گمانوں پر ان کے ایمان کا سچ غالب آجائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا: ان کا امتحان یہ ہے کہ وہ کہیں: ”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ“ ﴿اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِنَهُنَّ﴾ اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کو تم سے بہتر اور زیادہ خوب جانتا ہے سو تم اگرچہ ان کے احوال کو آزماؤ گے لیکن تم ایمان کی حقیقت نہیں جان سکتے اور البتہ اللہ تعالیٰ کے پاس اس کی حقیقت کا علم ہے ﴿فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ﴾ سو اگر تم ان کو مسلمان معلوم کر لو۔ علم یہ ہے کہ جس چیز کے جاننے میں تمہاری طاقت صرف ہو اور وہ غالب گمان ہے جو علامات کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے اور ظن (گمان) کو علم کا نام دینا اس بات کی دلیل ہے کہ ظن غالب اور جو قیاس ظن غالب کے مساوی ہو وہ علم کے قائم مقام ہوتا ہے اس لیے قیاس کرنے والا (درج ذیل) ارشاد میں داخل نہیں: ”وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ“ (الاسراء: ۳۶) ”اور جس چیز کا تمہیں علم نہ ہو اس کے درپے نہ ہو“ ﴿فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ﴾ تو تم انہیں کافروں کی طرف واپس نہ لو تاؤ اور تم انہیں ان کے مشرک شوہروں کے پاس واپس نہ لو تاؤ ﴿لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لِهِنَّ﴾ نہ وہ (مومنہ عورتیں) ان کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ (مشرک شوہر) ان کے لیے حلال ہیں یعنی مسلمان عورت اور مشرک مرد کے درمیان نکاح حلال نہیں کیونکہ جب عورت مسلمان ہو کر خاوند کے گھر سے نکلی تو ان دونوں میاں بیوی کے درمیان تفریق و

جدائی واقع ہوگی ﴿وَأَتَوْهُم مَّا أَنْفَقُوا﴾ اور تم ان کو وہ مال دے دو جو انہوں نے خرچ کیا ہے (یعنی تم ہجرت کر کے آنے والی مسلمان عورتوں کے مشرک شوہروں کو اتنا مال دے دو جتنا انہوں نے مہروں کی صورت میں اپنی بیویوں کو دیا تھا۔

شان نزول: یہ آیت مبارکہ صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی تھی کیونکہ صلح حدیبیہ میں یہ طے پایا تھا کہ مکہ والوں میں سے جو مسلمان مرد مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آئے گا اسے اہل مکہ کے پاس واپس کر دیا جائے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ کو یہ بیان کرنے کے لیے نازل فرمایا کہ صلح حدیبیہ کی یہ شرط صرف مسلمان مردوں کے بارے میں تھی، عورتوں کے بارے میں نہیں تھی کیونکہ مسلمان عورت کسی کافر کے لیے حلال نہیں اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ نے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا ہے ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوا هُنَّ﴾ اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان سے نکاح کر لو پھر اللہ تعالیٰ نے ان مہاجرہ عورتوں کے ساتھ شادی کرنے کے بارے میں مسلمانوں سے گناہ کی نفی فرمادی ﴿إِذَا أَتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ﴾ جب تم ان (عورتوں) کے مہر ادا کر دو۔ ”اجور“ سے عورتوں کے مہر مراد ہیں کیونکہ مہر ملک بضع کی اجرت ہوتا ہے اور اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سے استدلال کیا کہ مہاجرہ عورت پر کوئی عدت نہیں ﴿وَلَا تُمْسِكُوا بِعَصَمِ الْكُوفِرِ﴾ اور تم کافر عورتوں کو عقد نکاح میں نہ روکے رکھو۔ ”عصمة“ کا معنی ہے: وہ عقد یا سبب جسے مضبوط کیا جائے اور ”کوافر“، ”کافرة“ کی جمع ہے اور یہ وہ غیر مسلمہ عورت ہے جو دارالہرب (کفرستان) میں کفر پر ثابت و قائم رہے یا وہ عورت جو مرتدہ ہو کر (دین اسلام سے پھر جانے والی) دارالہرب میں چلی جائے یعنی تمہارے درمیان اور ان کے درمیان کوئی عقد نہیں رہا اور نہ میاں بیوی کا تعلق رہا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: جس مسلمان (مدنی) کی کافر بیوی مکہ مکرمہ میں رہ رہی ہو تو اس کو اس (مدنی) مسلمان خاوند کی عورتوں میں سے شمار نہیں کیا جائے گا کیونکہ اختلاف ”ذاریں“ (کہ بیوی دارالکفر میں اور خاوند دارالاسلام میں) ہونے کی وجہ سے اس کی بیوی کا نکاح مدنی مسلمان خاوند سے ٹوٹ گیا ﴿وَاسْأَلُوا مَّا أَنْفَقْتُمْ﴾ اور تم وہ مال طلب کرو جو تم نے خرچ کیا ہے (یعنی جن عورتوں سے تم نے نکاح کر کے مہر کی رقم ادا کر دی، پھر وہ کفار میں جا کر شامل ہو گئیں تو تم اپنی ان بیویوں کی مہر کی رقم ان عورتوں کے سربراہ کفار سے طلب کر لو ﴿وَلَيْسَ لَكُمْ مَّا أَنْفَقُوا﴾ اور وہ (کفار) اپنا وہ مال مانگ لیں جو انہوں نے خرچ کیا (یعنی کفار ہجرت کرنے والی اپنی بیویوں کے مہروں کی رقم ان کے خاوندوں سے مانگ لیں ﴿ذَلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے یعنی اس آیت مبارکہ میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ﴾ وہی تمہارے درمیان حکم جاری کرتا ہے [یہ مستانہ کلام ہے یا ”حکم اللہ“ سے حذف ضمیر کی بناء پر حال ہے ”أَيُّ يَحْكُمُهُ اللَّهُ“ یعنی اس کا حکم اللہ تعالیٰ جاری کرتا ہے یا پھر حکم کو بطور مبالغہ حاکم قرار دیا گیا ہے] اور یہ حکم اب منسوخ ہو گیا ہے سواب مہر کی رقم واپس لینے کا سوال باقی نہیں رہا نہ ہماری طرف سے اور نہ ان کی طرف سے ﴿وَاللَّهُ عَلَيْهِمْ حَكِيمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت علم والا بڑا حکمت والا ہے۔

وَأِنْ قَاتَلْتُمْ شَيْءًا مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعاقِبْتُمْ فَاتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ

أَمْوَالُهُمْ قَاتِلًا مَّا أَنْفَقُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ①

اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی عورت کفار کی طرف چلی جائے پھر تم تعاقب کر کے انہیں حاصل کر لو تو جن کی بیویاں چلی گئی تھیں تم ان کو اتنا مال دے دو جتنا انہوں نے خرچ کیا ہے اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے

ہو

۱۱۔ ﴿وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ﴾ اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی بیوی کافروں کی طرف چلی جائے (یعنی) اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی عورت اچانک چپکے سے کفار کی طرف نکل جائے اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت میں ”وَإِنْ فَاتَكُمْ أَحَدٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ“ ہے ﴿فَعَاقِبْتُمْ﴾ پھر تم نے ان (کفار) کو جنگ میں سزا کے طور پر پکڑ لیا یہاں تک کہ تم نے انہیں غنیمت میں شامل کر لیا، علامہ زجاج سے یہی منقول ہے ﴿فَاتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَمْوَالُهُمْ وَأَجْهُرُ مَثَلِ مَا أَنْفَقُوا﴾ تو جن لوگوں کی بیویاں کفار کی طرف چلی گئیں ان کو تم اتنا مال دے دو جتنا انہوں نے خرچ کیا ہے (یعنی) تم اس مال غنیمت میں سے ان مسلمانوں کو جن کی بیویاں مرتد ہو گئیں اور دارالحرب میں جا کر کفار سے مل گئیں ان کی مرتدہ بیویوں کے مہروں کی رقم ادا کر دو ﴿وَآتَقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو اور بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا
وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِهْتَانٍ يَفْتَرِيْنَ
بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيَنَّ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعُهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ
اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۱﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ
اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَبِالْوَالِدَاتِ وَالْأَوْلَادِ الْمَوْلَاتِ وَالْأَخْوَاطِ
وَالْأَخَوَاتِ وَالْحَمَلَ وَالْمَمْلُوكَاتِ وَالْحَمَلَ وَالْمَمْلُوكَاتِ وَالْحَمَلَ وَالْمَمْلُوكَاتِ

القول

اے عالی شان پیغمبر! جب آپ کے پاس مسلمان عورتیں حاضر ہوں کہ وہ آپ سے ان (شرائط) پر بیعت کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی اور وہ چوری نہیں کریں گی اور وہ زنا کاری نہیں کریں گی اور نہ وہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ وہ اپنے ہاتھوں اور اپنے پاؤں کے درمیان کوئی بہتان گھڑ کر لائیں گی اور وہ کسی نیکی میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی تو آپ ان کو بیعت کر لیں اور آپ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے ۱۱۔ اے ایمان والو! تم اس قوم سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا بے شک وہ آخرت سے اس طرح مایوس ہو چکے ہیں جس طرح کفار قبروں والوں سے مایوس ہیں ۱۱۔

عورتوں سے بیعت لینے کا جواز اور اس کی شرائط کا بیان

۱۲۔ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ﴾ اے غیب کی خبریں دینے والے عالی شان پیغمبر! (”نبی“ ”نساء“ سے ہو تو غیب کی خبریں دینا اور ”نبو“ سے ہو تو بلند شان معنی ہوتا ہے) جب آپ کے پاس مسلمان عورتیں حاضر ہوں کہ وہ آپ سے بیعت ہونا چاہتی ہوں [”يُبَايِعْنَكَ“، ”الْمُؤْمِنَاتُ“ سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿عَلَىٰ أَنْ لَا يُشْرِكْنَ﴾

علامہ سید محمود آلوسی نے عورتوں سے بیعت لینے کے تین طریقے لکھے ہیں:

(۱) امام احمد نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی وغیرہم نے اس روایت کو بیان کیا اور امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا کہ حضرت امیمہ بنت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں دیگر عورتوں کے ساتھ حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقَنَّ وَلَا يَزْنِ وَلَا يَقْتُلَنَّ أَوْلَادَهُنَّ ﴿۱﴾ (ان شرائط) پر کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی اور نہ وہ چوری کریں گی اور نہ زنا کاری کریں گی اور نہ وہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی۔ اولاد کو قتل کرنے سے مراد بیٹیوں کو زندہ دفن کر دینا ہے (کیونکہ عرب میں اسلام سے قبل بچیوں کو زندہ دفن کرنا عزت و افتخار کا باعث تھا) ﴿۱﴾ وَلَا يَأْتِيَنَّ بَيْهَاتَانِ يَفْتَرَيْنِ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَآخِرِهِنَّ ﴿۲﴾ اور وہ اپنے ہاتھوں اور اپنے پاؤں کے درمیان کوئی بہتان گھڑ کر نہیں لائیں گی۔ بہتان یہ ہے کہ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عورت کسی کا نومولود بچہ اٹھالیتی تھی اور اپنے خاوند سے کہہ دیتی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) میں حاضر ہوئی تاکہ ہم آپ سے بیعت ہوں تو آپ نے قرآن مجید میں ان مذکورہ شرائط پر ہم سے زبانی بیعت لی اور جب آپ نے ”وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرُوفٍ“ تلاوت فرمائی تو فرمایا: تم اس کے ساتھ یہ بھی کہو کہ ہم اپنی استطاعت و طاقت سے جہاں تک ممکن ہوگا نیکی میں نافرمانی نہیں کریں گی، ہم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا محترم رسول ہم پر ہماری جانوں سے زیادہ مہربان ہیں اور ہم نے یہ عرض بھی کیا کہ ”يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَا تُصَافِحُنَا“ اے اللہ کے رسول! کیا آپ ہمارے ساتھ مصافحہ (ہاتھوں سے ہاتھوں کو باہم ملانا) نہیں کریں گے؟ ”قَالَ إِنِّي لَا أَصَافِحُ النِّسَاءَ“ فرمایا: بے شک میں عورتوں کے ساتھ مصافحہ نہیں کرتا، میرا ایک عورت سے کہہ دینا سو عورتوں کی بیعت کے لیے کافی ہے۔

(۲) حضرت سعید بن منصور اور حضرت ابن سعد نے امام شعبی سے روایت نقل کی، انہوں نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ عورتوں سے بیعت لیتے تو آپ کے ہاتھ مبارک پر کپڑا ہوتا جب کہ بعض روایات میں ہے کہ آپ کے ہاتھوں کے اور عورتوں کے ہاتھوں کے درمیان قطوی بڑی چادر ہوتی تھی، جس کا ایک کونہ حضور کے ہاتھوں پر ہوتا اور دوسرا کونہ عورتوں کے ہاتھوں پر ہوتا تھا۔

(۳) حضرت ابن سعد اور ابن مردویہ نے حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کی اور انہوں نے اپنے باپ دادا سے بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب عورتوں سے بیعت لیتے تو پانی سے بھرا پیالہ منگاتے اور اس میں اپنا ہاتھ مبارک ڈال دیتے، پھر آپ کے ہاتھ مبارک نکالنے کے بعد عورتیں اپنے اپنے ہاتھ اس میں ڈبو دیتیں، گویا یہ مصافحہ کا بدلہ ہے۔

(تفسیر روح المعانی جز ۲۸ ص ۸۱، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

علامہ شیخ اسماعیل حنفی بیعت خواتین کے طریقے بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

حضور نبی کریم ﷺ بیعت لیتے وقت مردوں کے ہاتھوں میں ہاتھ ملاتے لیکن عورتوں سے ہاتھ نہیں ملاتے تھے، اس لیے کہ شارع علیہ السلام کے مقام و منصب کا تقاضا احتیاط کرنا اور امت کو تعلیم دینا ہے (ورنہ آپ تو عورتوں کے معنوی باپ تھے، آپ کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں تھا لیکن آپ نے احتیاط کی تاکہ پیرانِ عظام عورتوں سے بیعت لیتے وقت بھی اور اس کے علاوہ بھی اجنبی عورتوں کو اپنے قریب نہ آنے دیں) خلاصہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں سے بیعت لینے کو جائز اور مشروع فرمایا تو اس میں بھی اللہ تعالیٰ کا حکم تھا اور آپ کے عمل کی وجہ سے یہ فعل سنت قرار پایا اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ بہت اچھا طریقہ ہے کہ عوام کو بیعت کے وقت توبہ کراتے ہیں اور برائیوں کو ترک کرنے اور نیک کاموں کے کرنے کی تاکید کرتے ہیں اور ایمان پر ثابت قدمی کی تلقین کرتے ہیں اور ایمان اور ایقان کی تنویر کے لیے کلمہ پڑھا کر تجدید ایمان کراتے ہیں۔

(ماخوذ از تفسیر روح البیان جز ۲۸ ص ۲۸۴، مترجم، مکتبہ رضویہ اویسیہ بہاولپور)

حضرت علامہ پیر ضیاء الامت علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور دھڑا دھڑا لوگ حضور ﷺ کی بیعت کر کے مشرف بہ اسلام ہونے لگے تو مکہ کی عورتیں بھی بیعت کے لیے حاضر ہوئیں۔ حضور ﷺ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو عورتوں کی بیعت لینے پر مقرر فرمایا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کہ یہ میرا بچہ تجھ سے ہوا ہے اور عورت کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کے درمیان بہتان گھڑنے سے اس بچے کی طرف اشارہ ہے جس کو عورت کہیں سے اٹھا کر اور جھوٹ بول کر اپنے خاوند کا قرار دے دیتی تھی کیونکہ عورت کا پیٹ جس میں وہ بچے کو اٹھاتی ہے وہ دونوں ہاتھوں اور اس کی شرم گاہ کے درمیان ہوتا ہے اور وہ عورت اپنے پیٹ سے بچے کو دونوں پاؤں کے درمیان جنم دیتی ہے ﴿وَلَا يَعْصِيَنَّكَ قِيٌّ مَعْرُوفٍ﴾ اور وہ کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی (یعنی) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرماں برداری میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی ﴿فَبِأَيِّ عَمَلٍ وَاسْتَعْتَفَرْتُمْ لَهْفَ اللَّهِ﴾ سو آپ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور جن باتوں کا اس آیت میں ذکر ہے ان پر عمل کرنے کا ان سے پختہ وعدہ لیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں سے کئی بار بیعت لی لیکن کسی عورت کے ساتھ بیعت لیتے وقت مصافحہ نہ کیا، کبھی تو زبانی ان امور کی پابندی کا وعدہ لیا، کبھی پانی سے بھرے ہوئے پیالہ میں اپنا دست مبارک ڈالا اور اس کے بعد بیعت کرنے والی عورتوں کو اپنا ہاتھ ڈبونے کا حکم دیا۔ کبھی کپڑا دست مبارک میں لے کر عورتوں سے بیعت لی جن امور پر بیعت لی گئی ان میں ہر فرست یہ ہے کہ وہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرائیں گی، دوسری بات یہ ہے کہ وہ چوری نہیں کریں گی، تیسری بات یہ ہے کہ وہ بدکاری نہیں کریں گی، چوتھی بات یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی کیونکہ عرب معاشرہ میں اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دینا وجہ عزت و افتخار تھا، نیز کئی لوگ بھوک سے تنگ آ کر بھی اپنی اولاد کو مار ڈالا کرتے تھے، اسی میں اسقاط حمل بھی داخل ہے جب اس میں جان پڑ چکی ہو جائز اور ناجائز دونوں حملوں کے اسقاط کا ایک ہی حکم ہے۔ شریعت اسلامیہ میں اس کو قتل شمار کیا جاتا ہے، پانچویں چیز جس سے منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ عورتیں اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے آگے کوئی الزام اور بہتان تراشی نہ کریں، اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں، کسی کے نوزائیدہ بچے کو اچک کر اپنی گود میں ڈال لینا اور پھر یہ دعویٰ کرنا کہ یہ میرا بچہ ہے، اسی طرح بدکاری سے جو حمل قرار پائے، اسے اپنے خاوند کی طرف منسوب کر دینا، نیز کسی دوسری عورت پر بد فعلی کا الزام لگانا، یہ تمام صورتیں اس آیت میں داخل ہیں، اسلام نے ان تمام مذموم حرکتوں سے باز رہنے کا تاکید حکم فرمایا ہے۔ چھٹی بات یہ ہے جس کی پابندی کا ان سے وعدہ لیا گیا ہے کہ ہر نیک کام جس کا حضور ﷺ حکم دیں گے وہ اس کی نافرمانی نہیں کریں گی۔ فقہائے اسلام نے ”فی مَعْرُوفٍ“ کی قید سے یہ قانون اخذ کیا ہے کہ حاکم وقت کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ شریعت اسلامیہ کے کسی قانون کے خلاف کوئی حکم صادر کرے۔ اسی طرح کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی حاکم کی فرماں برداری میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا مرتکب ہو۔ وہ فرماتے ہیں کہ ”فی مَعْرُوفٍ“ کی قید یہاں اس لیے ذکر نہیں کی گئی کہ حضور ﷺ غیر معروف کا بھی حکم دے سکتے تھے، حضور ﷺ کا تو جو ارشاد بھی ہو گا وہ حق ہو گا وہ سچ ہو گا، اللہ تعالیٰ کی مشیت کے عین مطابق ہو گا، یہ ممکن ہی نہیں کہ حضور ﷺ کسی غیر معروف کا حکم دیں، یہ قید محض اس لیے ذکر کی گئی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی اطاعت کے لیے معروف شرط ہے، جہاں غیر معروف کا احتمال ہی نہیں تو اور کون ہے جس کو یہ حق پہنچے کہ وہ شریعت اسلامیہ کے خلاف غیر معروف قانون سازی کرے اور اس پر عمل کرنے کا لوگوں کو حکم دے۔ امام ابو بکر جصاص لکھتے ہیں: (ترجمہ) یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس کا نبی مکرم معروف کے بغیر کسی اور چیز کا حکم نہیں دیتا لیکن یہاں معروف کی شرط اس لیے لگائی تاکہ کوئی شخص بادشاہوں کے ان احکام کی اطاعت کا جواز بھی نہ نکال لے جن میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پائی جاتی ہے۔ جب افضل البشر ﷺ کی اطاعت کے لیے معروف کی شرط ہے تو اور کون اس سے مستثنیٰ ہو سکتا ہے، نیز اس سے یہ بھی آشکارا ہو جاتا ہے کہ اسلامی مملکت میں قانون کی بالادستی ہوگی، ہر چھوٹے اور بڑے کو قانون کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہوگا، کسی بڑے سے بڑے حاکم کو بھی اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ دھاندلیاں کرتا رہے اور پھر قانون سازی سے ان کے لیے وجہ جواز مہیا کرتا رہے۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۲۰۳-۲۰۵)

ان کو بیعت کر لیں اور آپ ان کی گزشتہ زندگی کے لیے مغفرت و بخشش کی دعا کریں ﴿إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ گزشتہ گناہوں کو مٹانے کے لیے بہت بخشنے والا ہے ﴿تَمَحِيلٌ﴾ (گزشتہ کفر و شرک کی زندگی کے برعکس) آئندہ ایمان و توحید کی زندگی کو نئے سرے سے گزارنے کے لیے توفیق عطا فرمانے میں بے حد مہربان ہے۔

مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے تو آپ نے عورتوں کو بیعت کرنا شروع کیا اور اس وقت آپ صفا (پہاڑ) کے اوپر تشریف فرما تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ سے نیچے بیٹھے ہوئے تھے اور حضور کے حکم پر آپ کی طرف سے عورتوں سے بیعت لے رہے تھے اور آپ کی طرف سے بیعت کی باتیں سن کر ان کو پہنچا رہے تھے اور ہند بنت عتبہ حضرت ابوسفیان کی بیوی نقاب اوڑھے ہوئے اجنبی بن کر حاضر ہوئیں اس خوف سے کہ کہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کو پہچان نہ لیں کیونکہ اس نے آپ کے محبوب چچا جان حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غزوہ احد کے دن (ان کے شہید ہونے کے بعد اعضاء کاٹ کر) مثلہ کیا تھا چنانچہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: میں تم سے اس شرط پر بیعت لیتا ہوں کہ تم آئندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراؤ گی اور حضرت عمر نے عورتوں سے اس شرط پر بیعت لی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اور نہ وہ چوری کریں گی تو اس بات پر ہند بنت عتبہ نے کہا کہ ابوسفیان کم خرچ آدمی ہے اور میں اس کے مال میں سے کچھ لے لیا کرتی تھی اس پر حضرت ابوسفیان نے کہا کہ اب تک تم نے جو کچھ لیا ہے وہ سب تمہارے لیے حلال ہے اس پر رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے اور ہندہ کو پہچان لیا اور اس سے فرمایا: بے شک تم تو ہندہ ہو اس نے کہا: جی ہاں! اے اللہ تعالیٰ کے نبی! جو اس سے پہلے غلطیاں ہو چکیں وہ سب آپ معاف فرمادیں اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے پھر حضور نے فرمایا: اور وہ زنا کاری نہیں کریں گی اس نے اس پر حیران ہو کر کہا کہ کیا ایک آزاد اور شریف عورت زنا کاری کر سکتی ہے؟ پھر حضور نے فرمایا: اور وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی اس پر ہندہ نے کہا: ہم نے بچپن میں اولاد کی پرورش کی جب وہ بڑے ہو کر جوان ہو گئے تو آپ نے انہیں بڑا ہونے کے بعد قتل کر دیا سوا ب تم اور وہ خوب جانتے ہیں دراصل ہندہ کا ایک بیٹا حنظلہ جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بات سن کر بہت ہنسے یہاں تک کہ لوٹ پوٹ گئے اور رسول اللہ ﷺ صرف مسکرائے پھر فرمایا: اور وہ بہتان تراش کر نہیں لائیں گی اس پر ہندہ نے کہا: اللہ کی قسم! بہتان تراشی بہت بُرا کام ہے اور آپ تو ہمیں صرف رشد و ہدایت اور اچھے اخلاق اور نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں پھر آپ نے ارشاد فرمایا: اور وہ کسی نیک کام میں میری نافرمانی نہیں کریں گی اس پر اس نے کہا: اللہ کی قسم! ہم آپ کی اس مجلس میں بیٹھی ہیں اور ہمارے دل میں بالکل یہ خیال نہیں کہ ہم آپ کے کسی حکم کی نافرمانی کریں گی اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حکمرانوں کی اطاعت بُرے کاموں میں ہرگز جائز نہیں ہے۔

۱۳۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ﴾ اے ایمان والو! تم ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ

جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کا اختتام اسی ممانعت پر فرمایا جس سے اس سورت کا آغاز فرمایا (یعنی کفار سے دوستی کی ممانعت) بعض حضرات کا قول ہے کہ قوم سے مشرکین مکہ مراد ہیں ﴿وَقَدْ يَكْسِبُونَ مِنَ الْأَخْذِ﴾ بے شک وہ آخرت سے مایوس ہو چکے ہیں یعنی وہ آخرت کے اجر و ثواب سے مایوس ہو چکے ہیں کیونکہ وہ مرنے کے بعد کی

۱۔ رواہ احمد ج ۶ ص ۳۹۔ ج ۵ ص ۲۰۶ ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۳۲ نسائی ج ۸ ص ۲۳۶، وفی اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۶۲ الاصابہ ج ۴

ص ۴۰۹ الطبقات ج ۸ ص ۲۳۶

زندگی کے منکر ہیں ﴿كَمَا يَكْفُرُ﴾ جیسے کفار مایوس ہیں [اصل میں "كَمَا يَسُؤُوا" ہے مگر اسم ظاہر (الكفار) کو ضمیر کی جگہ پر رکھا گیا ہے] ﴿مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ﴾ قبروں میں رہنے والوں سے کہ یہ قبروں والے ان کی طرف واپس لوٹ کر نہیں آئیں گے یا یہ معنی ہے کہ جیسے ان کے بڑے جو قبروں میں ہیں آخرت سے مایوس ہیں یعنی یہ کفار بھی اپنے بڑوں کی طرح آخرت کے اجر و ثواب سے مایوس ہو چکے ہیں اور بعض نے کہا کہ قوم سے یہود مراد ہیں یعنی اے مسلمانو! تم یہود کی قوم کو دوست مت بناؤ بے شک وہ تو اس سے مایوس ہو چکے ہیں کہ انہیں آخرت میں اجر و ثواب سے کچھ حصہ نصیب ہوگا کیونکہ وہ تو رسول اللہ ﷺ سے بغض و عناد رکھتے ہیں حالانکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ یہ وہی رسول ہیں جن کی تورات میں تعریف کی گئی ہے جیسا کہ کفار اپنے مردوں کے زندہ ہو کر قبروں سے اٹھنے اور واپس لوٹ آنے سے مایوس ہیں اور بعض کا قول ہے کہ "مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ" کفار کا بیان ہے یعنی جس طرح قبروں والے کفار آخرت کی بھلائی سے مایوس ہیں کیونکہ ان کے سامنے ان کی بد حالی اور آخرت میں ان کے بُرے ٹھکانے کا بیان کر دیا گیا ہے ۵

الذکر العظیم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الصف

سورۃ الصف مدنی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۵ اس کی چودہ آیات دو رکوع ہیں

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۱ يَآٰئِهَآ الَّذِيْنَ

اٰمَنُوْا لَعَلَّكُمْ تَفْعَلُوْنَ ۲ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۳

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهِ صَفًا كَاَنَّهُمْ بَنِيَانٌ مَّرْصُوْسٌ ۴

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب نے اللہ تعالیٰ کے لیے تسبیح بیان کی اور وہ سب پر غالب بہت حکمت والا ہے ۵ اے ایمان والو! تم وہ باتیں کیوں کہتے ہو جن پر تم عمل نہیں کرتے ۵ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت سخت ناپسند ہے کہ تم وہ باتیں کہو جن پر تم خود عمل نہیں کرتے ہو ۵ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں ۵

مسلمانوں کو قول و فعل کے تضاد سے روکنے اور جہاد کرنے کی ترغیب کا بیان

۱- ﴿سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب نے اللہ تعالیٰ کے لیے تسبیح بیان کی اور وہ سب پر غالب بہت حکمت والا ہے۔

۲- ﴿يَآٰئِهَآ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَعَلَّكُمْ تَفْعَلُوْنَ﴾ اے ایمان والو! تم وہ باتیں کیوں کہتے ہو جو تم خود نہیں کرتے۔ شان نزول: مروی ہے کہ جہاد کا حکم ملنے سے پہلے مسلمانوں نے کہا کہ اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام اعمال میں سے فلاں عمل پسندیدہ اور محبوب ترین ہے تو اس پر ہم ضرور عمل کریں گے چنانچہ ان کی خواہش پر اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے کی آیت مبارکہ نازل فرمادی جس میں مسلمانوں کو کفار سے جنگ کرنے کی تاکید کی گئی پھر اس کے بعد کچھ مسلمانوں نے سستی اور تاخیر کا مظاہرہ کیا تو یہ آیت مبارکہ نازل کی گئی جس میں مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی کہ تم وہ باتیں کیوں کہتے ہو جن پر تم خود عمل نہیں کرتے [”لِمَ“ میں لام حرف جارہ حرف استفہام ”مَا“ پر بڑھایا گیا ہے جیسا کہ اس کے علاوہ اس پر دیگر حروف

جارہ داخل کیے جاتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے: ”بِسْمِ رَبِّمَ“ اور ”مِمَّ“ اور ”عَمَّ“ اور ”الَامَّ“ اور ”عَلَامَّ“ اور بے شک اس کا الف حذف کر دیا جاتا ہے کیونکہ ”ما“ اور ”لام“ یا اس کے علاوہ ایک چیز کی طرح ہیں نیز استفہامیہ کلام میں کثرت استعمال کی وجہ سے اس کا الف حذف کر دیا جاتا ہے اور اس کا اصل استعمال بہت کم آتا ہے جیسے شاعر نے کہا: ”عَلَى مَا قَامَ يَشْتَمُنِي جَرِيْرٌ“ جریر کس بناء پر مجھے گالی دینے کھڑا ہوا ہے؟ اور وقف کرتے وقت اس پر ہائے سکتے زیادہ کی جاتی ہے یا اسکان کیا جاتا ہے اور جس نے وصل کی صورت میں ساکن کیا تو وہ وقف کے قائم مقام ہونے کی بناء پر کیا۔

۳- ﴿كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ رویہ بہت سخت ناپسندیدہ اور غضب خدا کا سخت باعث ہے کہ تم وہ باتیں کہو جن پر تم خود عمل نہیں کرتے ہو۔ ”کَبُرَ“ میں تعجب کے معنی کا قصد کیا گیا ہے اگرچہ یہ تعجب کا لفظ نہیں ہے اس لیے اس کو تعجب من غیر لفظہ کہا جاتا ہے اور تعجب کا معنی یہ ہے کہ سامعین کے دلوں میں تعجب والی چیز کی عظمت و بڑائی کا اظہار کیا جائے کیونکہ کسی چیز پر تعجب اس وقت ہوتا ہے جب وہ چیز اپنے نظائر و امثال اور ہم پایہ چیزوں سے خارج ہو جاتی ہے [اور یہ ”كَبُرَ“ کی طرف مسند ہے اور ”مَقْتًا“ کی نصب تمیز کی بناء پر ہے] اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ لوگوں کا ایسی باتیں کہنا جن پر خود عمل پیرا نہ ہوں سخت قابل نفرت اور ناپسندیدہ معاملہ ہے جس میں کوئی ملاوٹ و مبالغہ نہیں اور معنی یہ ہے کہ تمہارا ایسی باتیں کہنا جن پر تمہارا خود عمل نہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سخت قابل نفرت اور شدید ناراضگی کا باعث ہیں اور لفظ ”مَقْتٌ“ اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ یہ انتہائی سخت بغض و نفرت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

مردی ہے کہ ایک برگزیدہ بزرگ سے عرض کیا گیا کہ آپ ہمیں کوئی نصیحت کی بات بیان کیجئے تو اس بزرگ نے فرمایا: کیا تم لوگ مجھے حکم دیتے ہو کہ میں تمہیں کوئی ایسی بات کہہ دوں جس پر میں خود عمل نہ کرتا ہوں تو میں بہت جلد اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ہو جاؤں۔

۴- پھر اللہ تعالیٰ نے اس (درج ذیل) آیت مبارکہ میں لوگوں کو اس عمل سے آگاہ فرمایا جس کو وہ خود پسند کرتا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے اور ان سے پیار کرتا ہے اور انہیں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں (یعنی اسلام کی تقویت و اشاعت میں) صف بستہ ہو کر کفار سے لڑتے ہیں یعنی وہ مجاہدین ترتیب اور نظم و ضبط قائم رکھتے ہوئے اپنے آپ کو صف اور قطار میں کھڑا کرنے والے ہیں [”صَفًّا“ مصدر ہے اور حال کی جگہ واقع ہے] ﴿كَأَنَّهُمْ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ حَائِضٌ﴾ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں یا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں جس کی اینٹیں ایک دوسرے کو قوی اور مضبوط کرتی ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دشمنان دین کے ساتھ جنگ کرنے میں سب کی نیتیں اور ارادے اسلام کی سر بلندی اور رضائے الہی میں مساوی اور برابر ہیں یہاں تک کہ وہ سب کے سب ایک کلمہ توحید میں مجتمع و متفق ہیں جیسے ایک عمارت یا دیوار ہوتی ہے جس کے بعض حصے بعض کو مضبوط رکھتے ہیں [یہ بھی حال ہے]۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ لِمَنْ تَعْبُدُونَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ

إِلَيْكُمْ فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿٥٠﴾ وَإِذْ

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ بِنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدٌ
فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿۶﴾

اور (اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا: اے میری قوم! تم مجھے کیوں ستاتے ہو حالانکہ تم یقیناً جانتے ہو کہ بے شک میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں پھر جب انہوں نے کج روی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا اور اللہ تعالیٰ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا اور (اس وقت کو یاد کیجئے) جب عیسیٰ ابن مریم نے فرمایا: اے بنی اسرائیل! بے شک میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں میں اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میں ایک ایسے عظیم الشان رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لائے گا اس کا نام احمد ہے پھر جب ان کے پاس وہ رسول روشن دلائل کے ساتھ آگئے تو انہوں نے کہا: یہ کھلا جادو ہے ○

یہود و نصاریٰ اور کفار مکہ کی مذمت اور حضور کی آمد کا اعلان

۵- ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ لِقَوْمٍ لِّعْتَابٍ﴾ اور (اے محبوب!) اس وقت کو یاد کیجئے جب (حضرت) موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اے میری قوم! تم مجھے اذیت اور دکھ کیوں پہنچاتے ہو (یعنی) آیات کا انکار کر کے اور مجھ پر ایسے عیبوں کو الزام و بہتان لگا کر جو مجھ میں نہیں ہیں مجھے اذیت اور تکلیف و دکھ کیوں پہنچاتے ہو [”إِذْ“، ”أذْكَرُ“] محذوف کی وجہ سے منصوب ہے اصل میں ”وَإِذْكَرُ إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ“ اور اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا ﴿وَقَدْ تَعْلَمُونَ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ﴾ اور بے شک تم جانتے ہو کہ میں یقیناً تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول مقرر کر کے بھیجا گیا ہوں جس کا تقاضا یہ ہے کہ اس منصب کو جان لینے کے بعد تم میری تعظیم و توقیر کرو میرا ادب و احترام اور اطاعت و فرماں برداری کرو نہ یہ کہ تم مجھے اذیت اور دکھ پہنچاؤ [”يَلْمَ تَسْؤُذُونَنِي“ سے محلاً حال ہے] یعنی تم مجھے اذیت و دکھ کیوں پہنچاتے ہو حالانکہ تم یقیناً یقینی علم کے ساتھ مجھے اللہ تعالیٰ کا رسول جانتے ہو ﴿فَلَمَّا ذَاغُوا أَزْغَاءَ اللَّهِ قَلْبَهُمْ﴾ پھر جب انہوں نے کج روی اختیار کی اور انہوں نے حق سے روگردانی کی اور وہ دین حق سے پھر گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا (یعنی) ہدایت سے پھیر دیا یا یہ کہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو ترک کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے ایمان کے نور کو چھین لیا نیز جب انہوں نے کج روی کا رویہ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو کج بنا دیا یعنی انہیں ذلیل و رسوا اور حق کی اتباع کی توفیق سے محروم کر دیا ﴿وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الضَّالِّينَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نافرمانوں اور فاسقوں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت عطا نہیں فرماتا جن کے بارے میں اسے ازل سے معلوم ہے کہ وہ فاسق و فاجر اور نافرمان ہوں گے۔

۶- ﴿وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ بِنِي إِسْرَائِيلَ﴾ اور (اے محبوب!) اس وقت کو یاد کیجئے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام جناب مریم کے بیٹے نے فرمایا: اے اولاد یعقوب! یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ”یا قوم“ نہیں فرمایا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے اس لیے آپ کا بنی اسرائیل سے کسی تعلق نہیں تھا اور نہ وہ لوگ آپ کی قوم ہوئے ﴿إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا

بِرَسُولٍ يَأْتِيهِ مِنَ بَعْدِي اسْمًا أَحْمَدًا ﴿﴾ بے شک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، میں اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میں ایک ایسے عظیم الشان رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لائے گا، جس کا نام احمد ہے یعنی مجھے تمہاری طرف اس حال میں بھیجا گیا ہے کہ میں اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں

علامہ علاؤ الدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی لکھتے ہیں:

(۱) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چند صحابہ کرام کو نجاشی کے پاس بھیجا اور حضرت ابو موسیٰ نے پورا واقعہ ذکر کیا، جس میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے خود سنا کہ نجاشی نے کلمہ شریف پڑھتے ہوئے کہا: ”أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَآتَهُ الَّذِي بَشَّرَ بِهِ عِيسَى“ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور بے شک آپ وہی رسول ہیں جس کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی۔ نیز نجاشی نے کہا: اگر امور سلطنت کی پابندی نہ ہوتی اور عوام کی ذمہ داریاں نہ ہوتیں تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر نفلین برداری کی خدمت بجالاتا۔ (ابوداؤد)

(۲) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ تورات میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نعت و صفت بیان کی گئی اور اس میں آپ کی صفات لکھی ہوئی ہیں اور اس میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے ساتھ مدفون ہوں گے، چنانچہ حضرت ابوداؤد ندنی نے فرمایا کہ حضور کے روضہ اقدس میں ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔ (ترمذی)

(۳) حضرت کعب اخبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا: اے روح اللہ! کیا ہمارے بعد بھی کوئی اور امت ہے؟ فرمایا: ہاں! تمہارے بعد ایک امت آئے گی جس میں بڑے بڑے حکماء علماء ابرار اور اتقیاء ہوں گے، گویا وہ فقہ (دستور اسلامی) میں انبیائے کرام علیہم السلام کے نائب ہوں گے، وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے تھوڑے رزق پر راضی رہیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے تھوڑے عمل پر راضی ہو جائے گا۔

(۴) حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پانچ نام ہیں، میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں ماجی ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری وجہ سے کفر کو مٹا دے گا اور میں حاضر ہوں کہ قیامت کے دن لوگ میرے نقش قدم پر جمع ہوں گے اور میں عاقب ہوں کہ میرے بعد کوئی اور نبی پیدا نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے (قرآن مجید میں) آپ کا نام رؤف اور رحیم بھی رکھا ہے اور احمد کے معنی میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ یہ اسم فاعل حامد سے مبالغہ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام اللہ عزوجل کی حمد و ثناء اور تعریف بیان کرنے والے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور تعریف بیان کرنے والے ہیں اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ اسم مفعول محمود سے مبالغہ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی ان کے خصائل حمیدہ پر تعریف بیان کی گئی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل و محاسن اور اخلاق حمیدہ سب سے زیادہ ہیں، اس لیے سب سے زیادہ اور سب سے بڑھ کر آپ کی تعریف بیان کی جاتی ہے۔ (تفسیر لباب التذیل فی معانی التذیل المعروف تفسیر خازن ج ۲ ص ۲۸۲، مطبوعہ دارالکتب العربیۃ الکبریٰ، مصر)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

(۵) ایک مرتبہ صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ حضور! آپ ہمیں اپنے بارے میں کوئی خبر سنائیے، آپ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا جب کہ حضرت آدم اپنی مٹی میں گوندھے ہوئے تھے، میں تمہیں اپنی ابتداء بیان کر رہا ہوں، میں تو اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰ کی بشارت ہوں اور میں اپنی ماں کا وہ نظارہ ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا کہ ان میں سے ایک نور نکلا ہے جس سے شام کے شہر بصری کے محلات روشن ہو گئے اور چمک اٹھے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۵۸ مترجم، مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین عن عریاض بن ساریہ ص ۵۱۳، مطبوعہ صحیح المطابع، دہلی)

اور مجھے اس حال میں تمہاری طرف بھیجا گیا ہے کہ میں ایک ایسے عظیم الشان رسول کی خوش خبری دینے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لائے گا یعنی بے شک اللہ تعالیٰ کی پہلی کتابوں اور آخری کتاب اور اس کے پہلے انبیائے کرام اور آخری نبی مکرم کی تصدیق کرنا میرا فرض ہے [حجازی ابو عمرو اور ابو بکر کوفی کی قراءت میں "یا" (مفتوح کے ساتھ) "بَعْدِي" پڑھا جاتا ہے اور خلیل اور سیبویہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور "مُصَدِّقًا" اور "مُبَشِّرًا" دونوں رسول کی وجہ سے منصوب ہیں کیونکہ اس میں ارسال کا معنی ہے] ﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ﴾ پھر جب ان کے پاس حضرت عیسیٰ اور سید عالم حضرت محمد مصطفیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام روشن معجزات لے کر تشریف لائے تو ﴿قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ﴾ انہوں نے کہا: یہ کھلم کھلا جادو ہے [حمزہ کوفی اور علی کسائی کی قراءت میں "سَاحِرٌ" پڑھا جاتا ہے]۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَهُوَ يُدْعَىٰ إِلَى الْإِسْلَامِ وَاللَّهُ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۷﴾ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ

مِتِّمُ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿۸﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ

الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿۹﴾

اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھے حالانکہ اسے اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والی قوم کو ہدایت نہیں دیتا O وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنے مونہوں سے (پھونکیں مار کر) بجھا دیں اور اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے اور اگرچہ کفار ناپسند کریں O وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے اپنے رسول کو دین حق اور ہدایت کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے اور اگرچہ مشرکین ناپسند کریں O

۷ - ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَهُوَ يُدْعَىٰ إِلَى الْإِسْلَامِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھا حالانکہ اسے اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والی قوم کو ہدایت نہیں دیتا یعنی لوگوں میں اس سے بڑھ کر زیادہ ظالم کون ہے جس کو اس کا پروردگار اپنے نبی کی زبانی اسلام کی طرف دعوت دیتا ہے جس میں اس کے لیے دنیا و آخرت دونوں جہانوں کی بھلائی اور سعادت ہے لیکن اس ظالم نے اس دعوت کو قبول کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگا دیا اور اس کے مقدس کلام کے بارے میں کہا: یہ کھلم کھلا جادو ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام اس کے بندوں کو حق کی طرف دعوت دینے والا ہے۔ "سحر" کا معنی جھوٹ بولنا اور دھوکا دینا ہے۔

۸ - ﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ﴾ وہ لوگ اپنے مونہوں سے (پھونکیں مار کر) اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھانا

چاہتے ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں اسلام کو مٹانے کے ارادہ سے قرآن مجید میں (هَذَا سِحْرٌ) کہنے پر ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے نیز ان کے اس حال کو اس شخص کے حال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو اپنے منہ سے پھونکیں مار کر سورج کے نور کو بجھانا چاہتا ہو [مفعول محذوف ہے اور لام تغلیل کے لیے ہے] اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: "يُرِيدُونَ الْكُذِبَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ" وہ جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں تاکہ وہ اپنے مونہوں سے اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھا دیں یعنی وہ اپنے جھوٹے کلام

کے ساتھ نور الہی کو بھانا چاہتے ہیں ﴿وَاللّٰهُ مُتَعَدُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے اگرچہ کفار برائے منائیں [ابن کثیر مکی حمزہ کوئی علی کسائی اور امام حفص کی قراءت میں "مُتَعَدُّ نُورِهِ" اضافت کے ساتھ پڑھا جاتا ہے جب کہ ان کے علاوہ دیگر حضرات کی قراءت میں "مُتِمُّ" تنوین کے ساتھ اور "نُورُهُ" کو نصب کے ساتھ پڑھا جاتا ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نور کو پورا کرنے والا اور اس کو اس کی انتہاء تک پہنچانے والا ہے۔

۹۔ ﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین یعنی ملت حنیفیہ کے ساتھ بھیجا ہے ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ تمام مخالف دینوں پر اسلام کو غالب کر دے یعنی اسلام کو سب پر بلند کر دے اور مجھے اپنی زندگی کی قسم! کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کر کے دکھا دیا چنانچہ عہد نبوی و صحابہ میں تمام دینوں میں کوئی دین باقی نہیں رہا مگر وہ دین اسلام کے سامنے مغلوب و مقہور ہو گئے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پر نزول فرمائیں گے تو اس وقت تمام روئے زمین پر صرف دین اسلام باقی رہ جائے گا ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾ اور اگرچہ مشرکین برائے منائیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابِ إِلِيمٍ ۝
 تُوْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ
 ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ يَغْفِرُ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلُكُمْ جَنَّاتٍ
 تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسْكِنٍ طَيِّبَةٍ فِي جَدْتِ عَدْنٍ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ
 الْعَظِيمُ ۝

اے ایمان والو! کیا میں تمہاری ایسی تجارت پر رہنمائی کر دوں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے دے؟ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھو اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرتے رہو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم جانتے ہو وہ تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور وہ تمہیں ایسی بہشتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ تمہیں دائمی جنتوں میں پاکیزہ مکانات عطا فرمائے گا یہی بڑی کامیابی ہے

جہاد کی اہمیت و فضیلت اور دین حق کی مدد کرنے کا بیان

۱۰۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابِ إِلِيمٍ﴾ اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتا دوں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے دے [ابن عامر شامی کی قراءت میں (انوں مفتوح اور جیم مشدود مکسور باب تفعیل سے) "تُنْجِيكُمْ" ہے]۔

۱۱۔ ﴿تُوْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ﴾ تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھو اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔ یہ ایک الگ مستقل کلام (جملہ

مستأنف) ہے گویا مسلمانوں نے دریافت کرتے ہوئے عرض کیا کہ ہم کیسے عمل کریں؟ تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا: "تُؤْمِنُونَ النِّخ" اور یہ فعل سیبویہ کے نزدیک بہ معنی امر "امِنُوا" ہے (ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے) اور اس لیے اس کا جواب (بِغْفِرْ لَكُمْ) کے ارشاد کے ساتھ دیا گیا ہے اور اس معنی کی دلیل حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ قراءت ہے کہ "امِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ" تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھو اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔ اور یہاں امر کی بجائے خبر کے لفظ سے فعل اس لیے لایا گیا ہے تاکہ یہ بتایا جائے کہ اس کی تعمیل واجب و ضروری ہے گویا صحابہ کرام اس پر عمل پیرا ہو چکے ہیں اب تو اللہ تعالیٰ ان میں موجود ایمان اور جہاد کی صرف خبر سن رہا ہے ﴿ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے یعنی جس ایمان اور جہاد کا ذکر کیا گیا ہے یہ تمہارے مالوں سے اور تمہاری جانوں سے تمہارے لیے بہت بہتر ہے ﴿إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ اگر تم جانتے ہو کہ بے شک یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے تو پھر اس وقت یہ تمہارے لیے بہت بہترین ثابت ہو گیا کیونکہ جب تم اس پر عمل کرو گے اور اس کی سچائی پر اعتقاد رکھو گے تو تم اپنے مالوں اور اپنی جانوں کی محبت سے بڑھ کر ایمان اور جہاد سے محبت کرو گے تو پھر مخلص بن جاؤ اور تم کامیاب و کامران ہو جاؤ۔

۱۲ - ﴿يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسْكِنٍ طَيِّبَةٍ فِي جَدْتِ عَدْنٍ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور دائمی جنتوں میں پاکیزہ محلات عطا فرمائے گا یعنی ہمیشہ قائم و دائم اور ثابت و باقی رہنے والی جنتوں میں چنانچہ جب کوئی آدمی کسی مکان میں مستقل قیام پذیر اور رہائش پذیر ہو جائے تو کہا جاتا ہے: "عَدْنٌ بِالسَّمْكَانِ" کہ فلاں آدمی اس مکان میں مستقل ہمیشہ کے لیے قیام پذیر ہو گیا اسی طرح کہا گیا ہے: ﴿ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

وَأُخْرَى تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِيرٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۳﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ

لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْخَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ

اللَّهِ فَاَمَدَتْ طَايِفَةٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَفَرَتْ طَايِفَةٌ فَأَيَّدْنَا

الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ فَاصْبِحُوا ظَاهِرِينَ ﴿۱۴﴾

اور ایک دوسری نعمت عطا فرمائے گا جسے تم پسند کرتے ہو (یعنی) اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اور فتح عنقریب حاصل ہونے والی ہے اور آپ مسلمانوں کو خوش خبری سنادیں O اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے (دین کے) مددگار بن جاؤ جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ (کے دین) کی طرف میرے مددگار کون ہیں حواریوں نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ کے (دین کے) مددگار ہیں سو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ایمان لے آیا اور ایک گروہ نے انکار کر دیا پھر ہم نے ایمان والوں کی ان کے دشمن کے خلاف مدد فرمائی پس وہ غالب ہو گئے O

۱۳ - ﴿وَآخِرَىٰ نَجِبُونَهَا﴾ اور ایک دوسری نعمت (تمہیں عطا کی جانے والی ہے) جسے تم بہت چاہتے ہو (یعنی) آخرت میں اجر و ثواب اور مغفرت و بخشش کی ملنے والی مذکورہ بالا نعمت کے ساتھ ایک اور نعمت اس دنیا میں تمہیں عطا کی جانے والی ہے جو تمہیں بہت محبوب و پسند ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر و توضیح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت و مدد اور فتح و کامیابی عنقریب ملنے والی ہے یعنی بہت جلد ملنے والی ہے اور وہ فتح مکہ اور قریش مکہ کے خلاف نصرت و مدد مراد ہے یا پھر فارس اور روم کی فتح مراد ہے اور ”تَجِبُونَهَا“ میں دنیوی نعمت کی محبت پر کچھ زجر و توبخ اور ڈانٹنا بھی ہے اور صاحب کشف نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ میں تمہیں ایسی تجارت بتا دوں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے اور کیا میں تمہیں دوسری تجارت بتا دوں جس کو تم بہت چاہتے اور پسند کرتے ہو پھر فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اور فتح ہے ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ اور (اے محبوب!) آپ مومنوں کو خوش خبری سنا دیں [یہ ”تُؤْمِنُونَ“ پر معطوف ہے کیونکہ یہ بھی فعل امر کے معنی میں ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ تم ایمان لاؤ اور جہاد کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور تمہاری مدد فرمائے گا اور اے اللہ کے رسول! آپ مومنوں کو اس کی خوش خبری سنا دیں [اور بعض علماء کا قول ہے کہ یہ ”قُلْ“ پر معطوف ہے جو ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ“ سے پہلے مراد ہے۔]

۱۴ - ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارًا لِلَّهِ﴾ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے مددگار بن جاؤ یعنی اس کے دین کے مددگار بن جاؤ [ابو عمرو اور حجازی کی قراءت میں ”أَنْصَارًا لِلَّهِ“ پڑھا جاتا ہے] ﴿كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِّلْحَوَارِيِّينَ مَن أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ﴾ جیسا کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم نے اپنے حواریوں سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف میرے مددگار کون ہیں؟ ظاہر یہ تشبیہ اس بات میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ”مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ“ کہنے پر حواری ان کے مددگار بن گئے، لیکن یہ تشبیہ معنی پر محمول ہے یعنی اے مسلمانو! تم اللہ تعالیٰ کے دین کے اس طرح مددگار بن جاؤ، جس طرح حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مددگار بن گئے، جب انہوں نے ان سے فرمایا: ”مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ“ اور اس کا معنی یہ ہے کہ میرے لشکر میں سے کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی مدد کی طرف متوجہ ہوتا کہ یہ حواریوں کے جواب کے مطابق ہو جائے اور وہ یہ ہے: ﴿قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ﴾ حواریوں نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار ہیں یعنی ہم وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کریں گے اور ”مَنْ أَنْصَارِي“ کا معنی ہے کہ وہ کون سے مددگار ہیں جو میرے ساتھ مخصوص ہو جائیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرنے میں میرے ساتھ شامل ہو جائیں اور حواریوں سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص و برگزیدہ ساتھی ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو سب سے پہلے آپ پر ایمان لائے تھے اور یہ کل بارہ (۱۲) آدمی تھے اور کسی آدمی کا حواری وہ ہوتا ہے جو خالص و مخلص ساتھی ہو اور یہ ”حسور“ سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: خالص سفید اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ لوگ دھوبی تھے جو کپڑوں کو دھو کر صاف ستھرا اور سفید و چمک دار کر دیتے تھے ﴿فَأَمَدَتْ ظَلِيفَةً مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ پھر بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا ﴿وَكَفَرَتْ ظَلِيفَةٌ﴾ اور ایک گروہ نے ان کے ساتھ کفر کیا ﴿فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ﴾ سو ہم نے ایمان والوں کی ان کے دشمن کے خلاف مدد کی اور ہم نے ان میں سے مسلمانوں کو کفار پر تقویت پہنچا کر غالب کر دیا ﴿فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ﴾ پس وہ مسلمان ان کفار پر غالب ہو گئے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ
رَبِّ الْعَالَمِينَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ
رَبِّ الْعَالَمِينَ

سورۃ الجمعہ مدنی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی گیارہ آیات دو رکوع ہیں

يُسَبِّحُ رَبَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ①

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأَقْبَانِ رَسُولًا قَدْ خَلَقْنَاكُمْ وَإِيَّاهُ وَيُزَكِّيهِمْ وَ

يَعْلَمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ② وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ③ وَأَخْرَجْنَا

مِنْهُمْ كَلِمًا يَلْكُوهَا إِيَّامًا ④ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ⑤ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ

يَشَاءُ ⑥ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ⑦

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کی تسبیح بیان کرتا ہے جو بڑا بادشاہ ہر عیب سے پاک سب پر غالب بہت حکمت والا ہے ۰ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک عظیم الشان رسول بھیج دیا وہ ان پر اس کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب و سنت کی تعلیم دیتے ہیں اور بے شک وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے ۰ اور وہ ان میں سے اوروں کو پاک کرتے اور تعلیم دیتے ہیں جو ابھی تک ان پہلے لوگوں سے نہیں ملے اور وہ سب پر غالب بہت حکمت والا ہے ۰ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے وہ جس کو چاہتا ہے اسے عطا فرمادیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل و کرم والا ہے ۰

اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کا بیان

۱۔ ﴿يُسَبِّحُ رَبَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ﴾ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور پاکی بیان کرتی ہے جو سب کا بادشاہ ہے ہر عیب سے پاک ہے بہت غالب ہے بڑا حکمت والا ہے۔ اس تسبیح سے یا خلقی تسبیح مراد ہے یعنی جب تم ہر چیز کو غور سے دیکھو تو اس کی خلقت اور اس کی پیدائش اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر اور اس کے ہر عیب سے پاک ہونے پر دلالت اور رہنمائی کرتی ہے یا معرفت کی تسبیح مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز میں ایک ایسی قوت و ذہانت اور استعداد و صلاحیت اپنے فضل و کرم اور اپنی مہربانی سے پیدا کر دیتا ہے جس کی وجہ سے ہر چیز اللہ تعالیٰ کو پہچانتی ہے اور اسے ہر عیب سے منزہ اور پاک قرار دیتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ" (الاسراء: ۴۳) اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے "یا یہ ضرورہ" کی تسبیح ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر جوہر پر تسبیح کو جاری کر دیتا ہے اسے اس کی معرفت عطا کیے بغیر۔

۲۔ ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأَقْبَانِ رَسُولًا قَدْ خَلَقْنَاكُمْ وَإِيَّاهُ وَيُزَكِّيهِمْ وَ﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں ایک عظیم الشان رسول انہیں میں سے بھیجا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پڑھ قوم میں ایک ایسے با عظمت آدمی کو مبعوث فرمایا جو بے پڑھے علوم و وحی کا رازدان ہے۔ اور بعض علماء کا قول ہے کہ "مِنْهُمْ" ارشاد باری تعالیٰ "مِنْ أَنْفُسِكُمْ" (التوبہ: ۱۲۸) کی طرح ہے کہ آپ بنی

علامہ سید محمود آلوسی تحریر فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کو آدمی مبعوث کرنے میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی طرف (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نوع انسان میں سے ہیں کیونکہ وہ لوگ آپ کے حسب و نسب کو جانتے ہیں اور آپ کے احوال سے بہ خوبی واقف ہیں اور آپ کا لقب امی اس لیے ہے کہ آپ اُمۃ العرب کی طرف منسوب ہیں کیونکہ وہ لوگ نہ لکھتے تھے اور نہ وہ پڑھتے تھے اور بعض اہل علم حضرات نے کہا کہ کتابت (لکھنا) طائف میں شروع ہوا تھا اور وہاں کے لوگ حیرہ والوں سے لکھنا سیکھتے تھے اور حیرہ والے انبار والوں سے سیکھتے تھے ﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ لَيْلًا﴾ آپ ان پر اس کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں (یعنی) انہیں قرآن مجید پڑھ کر سنانے ہیں ﴿وَيُزَكِّيهِمْ﴾ اور آپ ان کو کفر و شرک اور جاہلیت کی دیگر خباثوں اور گناہوں کی گندگیوں سے پاک کرتے ہیں ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ﴾ اور آپ ان کو کتاب کی تعلیم دیتے ہیں یعنی قرآن مجید کی تعلیم دیتے ہیں ﴿وَالْحِكْمَةَ﴾ اور آپ حکمت یعنی سنت یا دین میں فقہ کی تعلیم دیتے ہیں ﴿وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ اور بے شک حضرت محمد مصطفیٰ سرور انبیاء علیہ التحیۃ والثناء کی بعثت سے پہلے وہ لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے (یعنی) کفر و شرک اور جہالت کی تاریکی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اشارہ ہے کہ جب وہ کسی کے سینے کو علوم و معارف سے لبریز کر دیتا ہے تو اسے تحصیل علم کے مردوہ طریقوں کی ضرورت نہیں رہتی۔ "اِشَارَةٌ اِلَى عَظِيمٍ قُدْرَتِهِ عَزَّ وَجَلَّ وَ اِنَّ اِفَاضَةَ الْعُلُومِ لَا تَتَوَقَّفُ عَلَى الْاَسْبَابِ الْعَادِيَةِ" اسی کے ضمن میں وہ لکھتے ہیں: امی ولی بھی ہو سکتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اس کی روح ہر قسم کی آلائشوں سے پاک ہو جاتی ہے تو اس کے دل پر انوار الہیہ کا القاء کیا جاتا ہے اور انہیں انوار سے وہ علوم ربانیہ اور معارف لدنیہ کا ادراک کر سکتا ہے: "وَمَنْ انْقَطَعَ اِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَ خَلَصَتْ رُوْحُهُ اَفِيضَ اِلَى قَلْبِهِ اَنْوَارُ الْهَيْئَةِ تَهَيَّاتُ بِهَا يَدْرَاكُ الْعُلُومَ الرَّبَّانِيَّةَ وَ الْمَعَارِفَ اللَّدْنِيَّةَ" علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خوب لکھا ہے: "كَمْ يَحْتَجُّ اِلَيْهِ مَنْ كَانَ الْقَلَمُ الْاَعْلَى يَخْدُمُهُ وَ اللُّوْحُ الْمَحْفُوظُ مَصْحَفُهُ وَ مَنْظَرُهُ وَ عَدَمُ كِتَابَتِهِ مَعِ عِلْمِهِ بِهَا مُعْجَزَةٌ بَاهِرَةٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ" یعنی قلم اعلیٰ جس کا خادم ہو اور لوح محفوظ جس کی نگاہوں میں ہو اس کو لکھنے اور پڑھنے کی کیا ضرورت ہے اور جاننے کے باوجود نہ لکھنا یہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واضح اور روشن معجزہ ہے۔ کسی عارف نے لکھا ہے:

فیض ام الكتاب پرورش لقب امی ازاں خدا کر دیش

ترجمہ: ام الكتاب (قرآن شریف) کے فیض نے کیونکہ آپ کی پرورش کی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کا لقب امی رکھا ہے۔

لوح تعلیم نا گرفتہ بہ بر ہمہ زاسرا لوح دادہ خبر

اگرچہ آپ نے علم سیکھنے کی سختی اپنی بغل میں نہیں پکڑی لیکن لوح محفوظ کے تمام رازوں کی خبر دی ہے۔

برخط ادست انس و جاں راسر کہ نہ خواند بہت خط ازاں چہ حذر

انس و جن نے حضور کے خط پر اپنے سر رکھ دیئے ہیں اگر ظاہری خط نہ پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حضور ﷺ کو امی مبعوث کرنے میں یہ بھی حکمت ہے کہ کوئی شخص حضور پر یہ الزام نہ لگا سکے کہ جو حکیمانہ کلمات اور پاکیزہ تعلیمات آپ سکھا رہے ہیں وہ حکماء کی کتابوں کے طویل اور عمیق مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ جب اہل نظر یہ دیکھیں گے کہ اس ہستی نے کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا، کبھی نہ کچھ لکھا اور نہ کچھ پڑھا، پھر جو حکیمانہ کلام آپ سنانے ہیں یہ آپ کا اپنا کلام نہیں بلکہ رب العالمین کا کلام ہے۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۲۳۱-۲۳۰)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو امی کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ امتیہ میں مبعوث ہوئے دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کی ام القریٰ یعنی مکہ مکرمہ میں بعثت ہوئی تھی اور تیسری وجہ یہ ہے کہ کثرت امت کی وجہ سے آپ کو امی کہا جاتا ہے یہ اصل میں امتی ہے پھر "تا" کو گرا دیا گیا جیسے مکی اور مدنی سے "تا" کو گرا دیا گیا ہے۔ (تفسیر معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۰۵)

میں مبتلا تھے یعنی وہ لوگ اتنی بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے کہ تم اس سے بڑھ کر کوئی گمراہی کبھی نہیں دیکھو گے ["ان" ثقیلہ (نون مشدود) سے خفیفہ (نون ساکن) ہے اور اس کی دلیل لام ہے جو "ان" نافیہ اور مخففہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔]

۳- ﴿وَالْآخِرِينَ مِنْهُمْ لَنَعْلَمَنَّ أَعْمَارَهُمْ﴾ اور حضور ان میں سے دوسروں کو تعلیم دیتے اور پاک کرتے ہیں ["اخیرین" کا "الامین" پر عطف ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو امتین میں بھیجا جو آپ کے زمانہ میں موجود ہیں اور دوسروں میں مبعوث فرمایا جو ابھی ان سے لاحق نہیں ہوئے یعنی وہ دوسرے لوگ ابھی تک ان سے نہیں ملے اور عنقریب وہ ان سے ملیں گے اور یہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد تابعین ہیں یا پھر صحابہ کرام کے بعد قیامت کے دن تک آنے والے مسلمان مراد ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ عجم کے لوگ مراد ہیں [یا یہ "يَعْلَمُهُمْ" کی ضمیر مفعول منصوب پر معطوف ہے] یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اہل مکہ کو تعلیم دیتے ہیں اور دوسروں کو بھی تعلیم دیتے ہیں اس لیے کہ جب آپ کی تعلیم مسلسل ترتیب سے آخر زمان تک جاری رہے گی تو تمام کی تعلیم اول ہی کی طرف منسوب ہوگی تو گویا آپ سب کے متولی ہیں ﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ اور وہ سب پر غالب بڑا حکمت والا ہے جس نے اپنی حکمت کاملہ کے تحت اس عظیم تبلیغی کام کے لیے ایک امی مرد کو مقرر فرما دیا اور اس کو تمام انسانوں میں سے منتخب کر لیا ہے اور کتاب و سنت کی تعلیم دینے کے لیے اپنے حبیب کی تائید فرمادی۔

۴- ﴿ذَلِكَ﴾ یہ فضل و کرم جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو عطا فرمایا کہ آپ اپنے زمانہ میں تمام انسانوں وغیرہم کے نبی ہیں اور قیامت تک مستقبل میں تمام انسانوں وغیرہم کے بھی آپ ہی نبی ہیں سو یہ ﴿فَضْلٌ اَللّٰهُ يُؤْتِيْهِ مَن يَّشَاءُ﴾ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے اسے عطا فرمادیتا ہے جس کے لیے اس کی حکمت تقاضا کرتی ہے ﴿وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِلُوا الثَّوْرَاتِ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ط

بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ٥

قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلّٰهِ مِن دُونِ النَّاسِ فَتَمَتَّعُوا الْمَوْتَ

إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ٦ وَلَا يَتَمَتَّعُوْنَ اَبَدًا اِبٰقَدَمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ٧

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهُ مُلَقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلَى عَلَمِ الْغَيْبِ

وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ٨

ان لوگوں کی مثال جن کو تورات (پر عمل پیرا ہونے) کا حامل بنایا گیا پھر انہوں نے اس (پر عمل پیرا ہونے) کا بوجھ نہ اٹھایا اس گدھے کی طرح ہے جس نے بھاری کتابوں کا بوجھ اٹھا رکھا ہو ان لوگوں کی مثال بہت زیادہ بڑی ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والی قوم کو ہدایت نہیں دیتا O (اے محبوب!) فرمادیتے کہ اے یہودیو! اگر تمہیں یہ گمان ہے کہ تمام لوگوں کو چھوڑ کر صرف تم اللہ تعالیٰ کے دوست ہو تو تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے

ہو اور وہ لوگ اس کی کبھی تمنا نہیں کریں گے ان اعمال کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے (اے محبوب!) فرمادیتے: بے شک وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ تمہیں ضرور ملنے والی ہے پھر تمہیں ہر مخفی اور ظاہر چیزوں کو خوب جاننے والے (اللہ تعالیٰ) کی طرف واپس پھیرا جائے گا سو وہ تمہیں سب بتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے ○

یہودیوں کی بد عقیدگی اور بد عملی پر مذمت

۵- ﴿مَثَلُ الَّذِينَ حُمِلُوا التَّوْرَةَ﴾ ان لوگوں کی مثال جن کو تورات کا حامل بنایا گیا (یعنی) جن کو تورات کا علم حاصل کرنا اور اس کے احکام اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کا مکلف و ذمہ دار بنایا گیا ﴿ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا﴾ پھر انہوں نے اس کو نہیں اٹھایا (یعنی) پھر انہوں نے اس کی تعلیمات و احکام پر عمل نہیں کیا تو گویا انہوں نے اسے نہیں اٹھایا ﴿كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَادًا﴾ اس گدھے کی طرح ہے جس نے کتابوں کا بھاری بوجھ اٹھا رکھا ہو [”أسفار“، ”سفر“ کی جمع ہے اور اس سے بڑی بڑی کتابیں اٹھانا مراد ہیں اور ”يَحْمِلُ“ حال کی بناء پر محلاً منصوب ہے یا صفت کی بناء پر مجرور ہے کیونکہ ”الحمار“ ”اللثیم“ کی طرح موصوف ہے جیسے شاعر کا قول ہے: ”وَلَقَدْ أَمَرْتُ عَلَى اللَّيْمِ يَسِينِي“ اور بے شک میں ایک ایسے بخیل و ذلیل شخص کے پاس سے گزرتا ہوں جو مجھے گالیاں دیتا ہے] یہودیوں کو تورات کا حامل بنایا گیا اور اس کو پڑھنے اور اس کے احکام یاد کرنے اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا گیا جس پر انہوں نے نہ تو عمل کیا اور نہ انہوں نے اس کی آیات سے فائدہ اٹھایا اور یہ اس لیے کہ اس تورات میں رسول اکرم نبی محترم ﷺ کی نعت اور آپ کی آمد کی بشارت مذکور تھی، لیکن وہ اس پر ایمان نہیں لائے تو ان کو گدھے کے ساتھ تشبیہ دی گئی جس پر علم کی کتب میں سے بڑی بڑی وزنی اور بھاری کتابوں کا بوجھ ڈال دیا گیا پس وہ اس بوجھ کو اٹھا کر چلتا پھرتا ہے، لیکن اسے ان کتابوں میں سے کچھ معلوم نہیں، ماسوا اس کے کہ وہ اپنی پشت اور اپنے پہلوں پر بوجھ اٹھانے کے سبب مشقت و تکلیف برداشت کرتا ہوا چلتا رہتا ہے اور ہر وہ آدمی جس نے علم حاصل کیا اور اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کیا تو وہ بھی گدھے کی طرح ہے ﴿بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ﴾ بہت زیادہ بُری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا ”أَيُّ بئسَ مَثَلًا مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ“ یعنی سب سے زیادہ بُری مثال ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا یا یہ معنی ہے کہ بہت زیادہ بُری مثال ان لوگوں کی ہے جو ان ہی کی طرح جھٹلانے والے ہیں اور وہ یہودی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ان آیات کو جھٹلایا جو سرور انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت و رسالت کی صحت پر دلالت و رہنمائی کرتی تھیں ﴿وَاللَّهُ لَإِيْهِدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والی قوم کو ہدایت نہیں دیتا یعنی جس وقت لوگ ظلم و ستم اختیار کر لیتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ اس وقت ان کو ظلم کی بناء پر ہدایت عطا نہیں کرتا یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جن کے بارے میں پہلے سے (ازل میں) اس کے علم میں ہے کہ یہ ظالم ہوں گے۔

۶- ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا﴾ (اے محبوب!) فرمادیتے کہ اے وہ لوگو! جو یہودی ہو گئے ہو۔ یہ ”ہاد یہود“

سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی یہودی ہو جاتا ہے ﴿إِنْ زَعَمْتُمْ أَنكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوْا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ اگر تمہیں یہ گمان ہے کہ دیگر لوگوں کے سوا صرف تم اللہ تعالیٰ کے دوست ہو تو موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو کیونکہ وہ کہتے تھے: ”لَحْنُ أَبْنَاءِ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ“ (المائدہ: ۱۸) ”ہم تو اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں“ یعنی اگر تمہارا یہ کہنا سچ ہے اور تم یقین و اعتماد پر قائم ہو تو تم اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی تمنا اور آرزو پیش کرو کہ وہ تمہیں

موت دے دے اور بہت جلد تمہیں اپنی عزت و کرامت کے گھر میں منتقل کر دے جس کو اس نے اپنے دوستوں اور پیاروں کے لیے تیار کر رکھا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَا يَتَمَنَّوْنَ اَبَدًا اِمَّا كَذَّبَتْ اَيُّدِيَهُمْ﴾ اور وہ اس کی کبھی تمنا نہیں کریں گے اس وجہ سے کہ جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا یعنی کفر و شرک کے سبب جو انہوں نے آگے بھیجا [اور حرف "لا" اور حرف "کن" کے درمیان اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک مستقبل کی نفی کے لیے آتا ہے مگر حرف "کن" میں تاکید اور مبالغہ ہوتا ہے جب کہ حرف "لا" میں یہ چیز نہیں ہوتی چنانچہ کبھی اس کو لفظ تاکید کے ساتھ لایا جاتا ہے جیسے "وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ" (البقرہ: ۹۵) اور کبھی لفظ تاکید کے بغیر لایا جاتا ہے جیسے "وَلَا يَتَمَنَّوْنَ" ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔ یہ جملہ ظالموں کے لیے وعید اور دھمکی ہے۔

۸۔ ﴿قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّوْنَ مِنْهُ﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ بے شک جس موت سے تم بھاگ رہے ہو اور تم اس کی تمنا کرنے کی جرات نہیں کرتے ہو محض اس خوف و ڈر سے کہ کہیں تمہیں تمہارے کفر کے وبال کی بناء پر پکڑ لیا جائے ﴿فَاِنَّهٗ مُلْقِيْكُمْ﴾ تو وہ تمہیں ضرور ملنے والی ہے [اور یہ جملہ "اِنَّ" کی خبر ہے اور اس پر حرف "فا" اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ "الَّذِي" شرط کے معنی کو متضمن ہے] ﴿ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلَىٰ عَلِيِّ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ پھر تمہیں باطن و ظاہر ہر چیز کے جاننے والے اللہ تعالیٰ کی طرف پھیرا جائے گا سو وہ تمہیں سب ایسے اعمال بتا دے گا جو تم (دنیا میں) کرتے تھے اور وہ تمہیں سزا دے گا جس کے تم اہل ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ
وَذَرُوا الْبَيْعَ ۗ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۖ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي
الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۗ وَإِذَا رَأَوْا
تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۗ قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنْ
اللَّهِوِّ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۗ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۗ

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو تم اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور تم خرید و فروخت کو چھوڑ دو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم جانتے ہو پھر جب نماز جمعہ ادا کر لی جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل (رزق) تلاش کرو اور تم اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کیا کرو تا کہ تم فلاح حاصل کرو اور جب انہوں نے کسی تجارت یا کھیل کو دیکھا تو اس کی طرف دوڑ پڑے اور انہوں نے آپ کو کھڑا چھوڑ دیا (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ کھیل اور تجارت سے بہت بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے ۝

نماز جمعہ المبارک کی فرضیت و اہمیت کا بیان

۹۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ﴾ اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لیے اذان دی جائے (تو فوراً حاضر ہو جاؤ)۔ "النداء" سے اذان مراد ہے اور "مِن" کا حرف "إِذَا" کا بیان اور اس کی تفسیر ہے اور

جمعة المبارک کا دن تمام دنوں کا سردار ہے۔

اور حدیث شریف میں ہے: ”مَنْ مَاتَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ كَتَبَ اللَّهُ لَهُ أَجْرَ شَهِيدٍ وَوَقِيَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ“ جو شخص جمعہ

لے زمانہ جہالت میں اس دن کو عروبہ کہا جاتا تھا، بعض روایات میں یہ ہے کہ حضور کے جد امجد حضرت کعب بن لؤی اس روز قریش کو جمع کر کے خطبہ دیا کرتے تھے اور انہیں حضور سرور عالم ﷺ کی بعثت و آمد کی خوش خبری سنا تے اور انہیں تاکید کرتے کہ وہ حضور پر ایمان لائیں اور ان کی اتباع کریں اور حضور کی نصرت و مدد میں غفلت سے کام نہ لیں، ان کا ایک شعر بھی مشہور ہے:۔

يَا لَيْتَنِي شَاهِدًا نَجَوَى دَعْوَتِهِ
إِذَا قُرَيْشٌ تَبَتَّعَ الْحَقَّ خُذْلَانًا

کاش! میں حضور کی دعوت کے وقت حاضر ہوتا جب قریش حق کو بنا کام بنانے کی کوشش کریں گے۔

حضرت کعب نے ہی اس دن کا نام ”يَوْمَ الْجُمُعَةِ“ رکھا لیکن اس نام کو شہرت حاصل نہ ہوئی، اہل عرب اسے ”يَوْمَ الْعُرُوبَةِ“ ہی کہتے رہے۔ حضرت کعب بن لؤی اور حضور ﷺ کی بعثت کے درمیان پانچ سو ساٹھ سال کا فاصلہ ہے۔ حضور سید عالم ﷺ نے اپنی تشریف آوری سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تبلیغ کے لیے مدینہ منورہ روانہ کیا تھا۔ ان کی مساعی جلیلہ سے مدینہ منورہ کے کافی لوگوں نے اسلام قبول کر لیا، ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ہفتہ میں یہودی ایک دن (”يوم السبت“ یعنی سنیچر) میں مل کر عبادت کرتے ہیں، اسی طرح نصاریٰ اٹوار کو اجتماع کرتے ہیں، ہمیں بھی چاہیے کہ ہفتہ میں کوئی دن مقرر کر لیں، اس دن چھوٹے بڑے سب مل کر اور جمع ہو کر اللہ کا ذکر اور اس کی عبادت کریں، نماز پڑھیں اور اس کا شکر ادا کریں، انہوں نے اس اجتماع کے لیے عروبہ کا دن منتخب کیا، چنانچہ اس روز مدینہ منورہ کے سارے مسلمان جمع ہوئے اور حضرت اسعد بن زرارہ نے خطبہ دیا اور نماز پڑھائی، یہ پہلا جمعہ تھا جو ادا کیا گیا۔ حضرت کعب بن مالک جب جمعہ کی اذان سنتے تو دعا مانگتے کہ اے اللہ! ہم سب پر اپنی رحمتیں نازل فرما، چنانچہ ان مسلمانوں کی ایمانی بصیرت نے دو چیزوں کی طرف رہنمائی کی، ایک یہ کہ انہیں ہفتہ میں ایک روز عبادت ذکر اور شکر ادا کرنے کے لیے مخصوص کرنا چاہیے، دوسری چیز یہ کہ وہ دن ہفتہ اور اتوار نہیں ہونا چاہیے بلکہ ان کے علاوہ کوئی اور دن مقرر کرنا چاہیے تاکہ ہماری ملی انفرادیت برقرار اور نمایاں رہے، یہ فیصلہ انہوں نے از روئے اجتہاد کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اجتہاد پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور اس وقت سے اس دن کا نام عروبہ سے ”يوم الجمعة“ ہو گیا اور اسی نام کو پھر مقبولیت عام اور شہرت دوام حاصل ہو گئی، پھر رحمت عالم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے تشریف لائے تو چند روز مدینہ منورہ کی نواحی بستی قبا میں قیام فرمایا اور مسجد قبا کی بنیاد رکھی۔ پیر، منگل، بدھ، جمعرات قبا میں ہی ٹھہرے اور جمعہ کے روز وہاں سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے، جب بنی سالم بن عوف کی وادی میں پہنچے تو نماز جمعہ کا وقت ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہیں توقف فرمایا اور خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اور نماز جمعہ پڑھائی، یہ پہلا جمعہ ہے جو حضور رحمت دو عالم ﷺ نے ادا فرمایا۔ (ماخوذ از تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۲۳۵) (نوٹ: تفسیر مظہری ج ۹ ص ۲۷۸، مطبوعہ دہلی، معالم التزیل ج ۳ ص ۳۴۱، تفسیر روح المعانی جز ۲۸ ص ۹۹-۱۰۰، مکتبہ رشیدیہ لاہور) علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: ”جُمُعَةٌ“ کا لفظ ”جَمَعٌ“ سے مشتق ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دن مسلمان بڑی بڑی مساجد میں خدا کی عبادت کے لیے جمع ہوتے ہیں اور یہ وجہ بھی ہے کہ اس دن تمام مخلوق کامل ہوئی، چھ دن میں ساری کائنات بنائی گئی ہے، چھٹا دن جمعہ کا تھا، اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے، اسی دن جنت میں بسائے گئے اور اسی دن وہاں سے نکالے گئے، اسی دن قیامت قائم ہوگی اور اسی دن میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اس وقت مؤمن بندہ اللہ تعالیٰ سے جو طلب کرے اللہ تعالیٰ اسے عنایت فرماتا ہے۔ چند سطور بعد لکھتے ہیں: اس دن کو پہلے ”يوم العروبہ“ کہا جاتا تھا، پہلی امتوں کو بھی ہر سات دن میں ایک دن عطا کیا گیا تھا لیکن جمعہ کے دن کی ہدایت کسی کو نہیں دی گئی، یہودیوں نے ہفتہ کا دن پسند کیا جس میں مخلوق کی پیدائش (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے دن فوت ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک شہید کا اجر و ثواب لکھ دیتا ہے اور اسے قبر کے فتنے سے محفوظ رکھتا ہے۔ ﴿قَامِعُوا﴾ سوتم (جمعہ کی اذان سنتے ہی) فوراً چل پڑو۔ اور ایک قراءت میں ”قَامِعُوا“ کی بجائے ”قَامِعُوا“ پڑھا گیا ہے اور (علم نحو کے امام) قرآن نے کہا کہ ”سَعَى“ اور ”مَضَى“ اور ”ذَهَابٌ“ سب کا ایک معنی ہے: جانا تو ”قَامِعُوا“ کا معنی ہے: پس تم چلے جاؤ۔ یہاں سعی سے دوڑ کر یا بہت جلد بازی سے جانا مراد نہیں (بلکہ پہلی اذان ہوتے ہی فوراً بغیر کسی تاخیر کے مسجد کی طرف چلے جانا چاہیے) ﴿إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف (چل پڑو) یعنی جمعۃ المبارک کے خطبہ کی طرف جاؤ اور جمہور کے نزدیک یہی مراد ہے اور حضرت امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی سے یہ استدلال کیا کہ خطیب اپنے خطبہ میں جب صرف ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ پڑھنے پر اکتفاء کر لے تو یہ جائز ہے (کیونکہ اتنے کلام سے ذکر اللہ ادا ہو جاتا ہے) ﴿وَذَرُوا النَّبِيَةَ﴾ اور تم خرید و فروخت چھوڑ دو۔ امر سے مراد دنیا کے مشاغل میں سے ہر وہ شغل جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کر دے اُسے ترک کرنا اور چھوڑنا لازم اور واجب ہے اور دنیا کے دیگر معاملات میں سے صرف بیچ (یعنی خرید و فروخت) کو اس لیے مخصوص کیا گیا ہے کہ جمعۃ المبارک کے دن میں زوال کے وقت خرید و فروخت کثرت سے ہوتی ہے سو اس لیے ان سے فرمایا گیا کہ تم آخرت کی تجارت میں جلدی کرو اور دنیا کی تجارت اس وقت چھوڑ دو اور تم اللہ تعالیٰ کے اس ذکر کی طرف جلدی سے جاؤ جس سے زیادہ مفید اور زیادہ نفع بخش کوئی چیز نہیں ہے اور تم اس خرید و فروخت کو چھوڑ دو جس کا نفع بہت کم ہے ﴿ذَلِكَ﴾ یہ یعنی اذان سنتے ہی فوراً اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف چلے جانا ﴿خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ تمہارے لیے خرید و فروخت سے بہت بہتر ہے ﴿إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ اگر تم جانتے ہو۔

۱۰۔ ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ﴾ پھر جب نماز جمعہ ادا کر لی جائے تو تم (حصولِ رزق کے لیے) زمین میں پھیل جاؤ۔ یہ حکم اباحت و اجازت کے لیے ہے (کہ کاروبار کی ممانعت پہلی اذان سے نماز جمعہ کی ادائیگی تک تھی) ﴿وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کا فضل یعنی رزق تلاش کرو یا علم کی طلب میں نکلو یا بیمار کی عیادت یا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کسی مسلمان بھائی کی زیارت کرنے نکلو ﴿وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَبِيرًا﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کیا کرو اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں نماز جمعہ کے ادا کرنے کے لیے جو توفیق عطا فرمائی ہے اس پر تم اس کا شکر ادا کرو ﴿لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ﴾ تاکہ تم فلاح اور نجات حاصل کرو۔

۱۱۔ ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبُطْحَانِ﴾ اور جب انہوں نے کسی تجارت کو یا کھیل تماشا کو دیکھا تو وہ اس (بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) شروع بھی نہیں ہوئی تھی نصاریٰ نے اتوار کو اختیار کیا جس میں مخلوق کی پیدائش کی ابتداء ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے جمعۃ المبارک کو منتخب اور پسند فرمایا جس میں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پورا کیا تھا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۶۶ مترجم ناشر: نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

عارف باللہ علامہ شیخ احمد بن محمد صادی مالکی لکھتے ہیں:

اس روز کو جمعۃ المبارک اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں نماز جمعہ کے لیے مساجد میں لوگوں کے اجتماعات ہوتے ہیں۔ اہل عرب نے پہلے اس کو ”یوم العروبة“ کا نام دے رکھا تھا اور یاد رکھو کہ تمام راتوں میں افضل میلاد النبی ﷺ کی رات ہے پھر شب قدر پھر شب معراج پھر شب عرفہ پھر شب جمعہ پھر شب براءت نصف شعبان کی رات پھر شب عید۔

(تفسیر صادی ج ۳ ص ۱۹۶، مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبي، مصر)

رواہ ابو یعلیٰ فی مسندہ رقم الحدیث: ۳۱۱۳، ابو نعیم فی حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۵۵

کی طرف دوڑ پڑے (یعنی) وہ آپ کو چھوڑ کر اس کی طرف منتشر ہو گئے [اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: "وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَنْفَضُوا إِلَيْهَا (أَوْ لَهَا) أَنْفَضُوا إِلَيْهِ" پھر ان دونوں میں سے ایک حذف کر دیا گیا کیونکہ مذکور فعل امر محذوف پر دلالت و رہنمائی کر رہا ہے اور تجارت کو اس لیے مخصوص کیا گیا کہ یہ ان لوگوں کے نزدیک بہت زیادہ اہم تھی۔ مروی ہے کہ مدینہ والوں کو ایک دفعہ قحط سالی خشک سالی اور فقر و فاقہ اور مہنگائی نے گھیر لیا، اسی دوران جمعہ کے روز وحید بن خلیفہ کلبی ملک شام سے تجارت کر کے زیتون کا تیل وغیرہ لایا اور اس وقت حضور نبی کریم ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے (جب اعلان ہوا) تو خطبہ سننے والے مسلمان اس کی طرف چلے گئے ماسوا آٹھ یا بارہ آدمیوں کے باقی سب مسجد سے باہر نکل گئے۔ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ و قدرت میں (حضرت) محمد (ﷺ) کی جان ہے! اگر تمام لوگ باہر نکل جاتے تو ان پر اللہ تعالیٰ آگ برساتا، جس سے مدینہ کی ساری وادی بھر جاتی اور اصل جب کوئی سامان تجارت کا قافلہ آتا تو لوگ رسم و رواج کے مطابق ڈھول بجا کر اور تالیاں بجا کر اس کا استقبال کرتے تھے اور اس آیت مبارکہ میں "لَهُ" سے یہی مراد ہے ﴿وَتَرَكُوكَ قَائِمًا﴾ اور وہ لوگ آپ کو منبر پر کھڑا چھوڑ جاتے جب کہ آپ خطبہ سن رہے ہوتے تھے اور یہ کلام مبارک اس بات کی دلیل ہے کہ خطیب کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ کھڑے ہو کر خطبہ سنائے ﴿قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهِوَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ﴾ (اے محبوب!) فرمادیتے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو اجر و ثواب ہے وہ کھیل تماشے اور سامان تجارت سے بہت بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ تمام رزق دینے والوں سے بہت بہتر رزق دینے والا ہے یعنی جمعہ کے وقت خرید و فروخت ترک کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا رزق ان لوگوں سے ختم اور ضائع نہیں ہوتا کیونکہ وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

الْبَيْتُ الْمَقْدِسُ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة المنفقون
المنفقون

سورة المنفقون مدنی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی گیارہ آیات دو رکوع ہیں

إِذَا جَاءَكَ الْمُنْفِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ ط

وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنْفِقِينَ لَكَاذِبُونَ ۱ اِئْتِنَّا وَإِيْمَانُكُمْ جُنَّةٌ فَصَدُّوا عَن سَبِيلِ

اللَّهِ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۲ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ

فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ۳ وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُجَبِّكُ أَجْسَامَهُمْ وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمِعُ لِقَوْلِهِمْ كَأَنَّهُمْ

خَشَبٌ مُسْتَدَاعٌ يُحْسَبُونَ كُلَّ صَبِيحَةٍ عَلَيْهِمْ ط هُمُ الْعَادُوْنَ فَاحْذَرَهُمْ ط قَتَلَهُمُ اللَّهُ

أَنِّي يُؤْفَكُونَ ۴

(اے محبوب!) جب منافقین آپ کے پاس حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: بے شک آپ ضرور اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں

اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ بے شک آپ ضرور اس کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافقین ضرور جھوٹے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا ہے، سو انہوں نے (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا، بے شک وہ بہت بُرے کام کر رہے ہیں۔ یہ اس لیے کہ بے شک وہ زبان سے ایمان لائے پھر دل سے کفر کیا، سو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی، پس وہ نہیں سمجھتے۔ اور جب آپ انہیں دیکھیں گے تو ان کے جسم آپ کو اچھے لگیں گے اور اگر وہ بات کریں تو آپ ان کی بات سنیں گے، گویا وہ بے کار لکڑیاں ہیں جو دیوار کے ساتھ لگا دی گئیں، وہ ہر بلند آواز کو اپنے اوپر گمان کرتے ہیں، وہ تو دشمن ہیں، سو آپ ان سے ہوشیار رہیں، اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرنے کہاں بہکے جا رہے ہیں۔

منافقوں کی منافقانہ چالوں اور ان کی دشمنی کا بیان

۱- ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنْفِقُونَ قَالُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ لَرَسُولُ اللَّهِ﴾ جب منافقین آپ کے پاس حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں (یعنی) ان کی مراد گواہی دینا ہے حالانکہ اس میں ان کے دل ان کی زبانوں کے خلاف اور ان سے دور ہیں ﴿وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ بے شک آپ ضرور اس کے رسول ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ بے شک بات ایسی ہی ہے جس طرح ان کا یہ قول اس پر دلالت کر رہا ہے کہ ”إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ“ بے شک آپ ضرور اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ﴿وَاللَّهُ يَشْهَدُ أَنَّ الْمُنْفِقِينَ لَكَاذِبُونَ﴾ اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافق لوگ اپنے اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں کہ ان کے دل ان کی زبانوں کے موافق ہیں یا یہ کہ بے شک وہ گواہی میں جھوٹے ہیں کیونکہ جب گواہی دل اور زبان کی مطابقت سے خالی ہو تو وہ حقیقت میں گواہی نہیں ہوتی، پس وہ زبانی اقرار کو گواہی کا نام دینے میں جھوٹے ہیں یا یہ کہ بے شک وہ اپنے دلوں میں بھی جھوٹے ہیں کیونکہ وہ یہی اعتقاد رکھتے تھے کہ ان کا ”إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ“ کہنا جھوٹ ہے اور خبر اس کے خلاف ہے جس پر مخر عنہ کا حال ہے۔

۲- ﴿اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنُودًا﴾ انہوں نے قید و بند اور قتل و غارت سے بچنے کے لیے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ”أَشْهَدُ“ کہنا قسم ہے ﴿فَصَدُّوا﴾ ”الناس“ ﴿عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ ”عَنْ الْإِسْلَامِ بِالتَّفْقِيرِ وَالْقَاءِ الشَّبَه“ سو انہوں نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے (یعنی) دین اسلام سے نفرت دلا کر اور شکوک و شبہات ڈال کر روک دیا ﴿إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ بے شک وہ لوگ اپنے نفاق اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین سے روکنے کے ذریعے بہت بُرے عمل کر رہے ہیں اور ”سَاءَ“ میں تعجب کا معنی ہے، جس سے مقصود سامعین کے نزدیک ان کے معاملہ کو بڑا خطرناک ہونا ثابت کرنا ہے۔

۳- ﴿ذَلِكَ﴾ ”يَهْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ“ میں مذکور ان کے بُرے اعمال کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ گواہی والی بات خود ان کے خلاف ہے کیونکہ تمام لوگوں میں ان کے اعمال سب سے زیادہ بدترین ہیں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ﴾ اس کا سبب یہ ہے کہ پہلے وہ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے یا ”ذَلِكَ“ سے ان کے اوصاف بد کی طرف اشارہ ہے جو نفاق، جھوٹ اور ایمان کو چھپانے کی صورت میں بیان کیے گئے ہیں یعنی یہ سب کچھ اس سبب سے ہوا کہ وہ پہلے ایمان لائے یعنی انہوں نے کلمہ شہادت پڑھ کر زبانی ایمان کا اظہار کیا اور انہوں نے تمام اعمال اسلامی اسی طرح ادا کیے جس طرح اسلام میں داخل ایک مسلمان کرتا ہے پھر انہوں نے کفر کیا کہ اس کے بعد ان کا کفر اس بات سے ظاہر ہو گیا کہ انہوں نے کہا: اگر جو کچھ (سید عالم حضرت) محمد (ﷺ) کہتے ہیں وہ سچ ہے تو ہم گدھے ہیں اور اسی طرح کی دوسری باتیں یا وہ مسلمانوں کے پاس ایمان کی باتیں کرتے، پھر اپنے شیاطین (سرداروں) کے پاس اسلام کا مذاق اڑانے کے لیے کفر کی باتیں کرتے، جیسے ارشاد

باری تعالیٰ ہے: ”وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا“ (البقرہ: ۱۴) ”اور جب منافقین مسلمانوں سے ملتے تو کہتے: ہم مسلمان ہیں“ اور جب اپنے شیاطین (سرداروں) سے ملتے تو کہتے: ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم صرف مذاق اڑانے کے لیے مسلمانوں کے سامنے اقرار کرتے ہیں ﴿فَطَبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ﴾ پھر ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی یہاں تک کہ اب ان کی منافقت کی سزا یہ ہے کہ ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوگا ﴿فَهُمْ لَا يَتَّقُونَ﴾ پس وہ نہیں سمجھتے اور نہ وہ غور و فکر کرتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ وہ ایمان کی صحت اور اس سچائی کو نہیں پہچانتے۔

۴- ﴿وَإِذَا رَأَوْهُ تَتَّخِبُكَ أَجْسَامُهُمْ﴾ اور جب آپ ان کو دیکھیں گے تو ان کے اجسام آپ کو بھلے معلوم ہوں گے اور اس آیت مبارکہ میں خطاب رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے یا پھر ہر انسان کے لیے عام خطاب ہے ﴿وَإِنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا لِقَوْلِهِمْ﴾ اور اگر وہ باتیں کریں تو آپ ان کی باتیں سنیں گے۔ دراصل رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی بن سلول جسیم و حکیم موٹا تازہ اور روشن چہرہ چمک دار بال، فصیح و بلیغ، چرب زبان شخص تھا اور منافقین کی قوم چرب زبانی میں اسی کی مثل تھی چنانچہ یہ لوگ جب حضور نبی کریم ﷺ کی مجلس مبارک میں حاضر ہوتے تو اس محفل میں دیواروں کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے تھے اور یہ لوگ بلند آواز خوش شکل اور چرب زبان تھے چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ اور آپ کے حاضرین ساتھی ان کی شکل و شبہت کو دیکھ کر تعجب کرتے اور حیران ہو جاتے اور ان کے کلام کو بڑے غور سے سنتے ﴿كَانَتْهُمْ حُشْبَةً﴾ گویا وہ لوگ جامد و خشک اور بے کار شہتیر ہیں [یہ محلاً مرفوع (مبتدا محذوف کی خبر) ہے اصل میں ”ہم“، ”كَانَتْهُمْ“ ہے یا پھر یہ متانف کلام (الگ مستقل کلام) ہے اس کے اعراب کا کوئی محل نہیں] ﴿فَسَدَّكَ﴾ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی کی گئی۔ اس میں منافقین کو خشک اور بے کار لکڑیوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور یہ لوگ ایمان اور خیر و بھلائی سے خالی اجسام ہیں جس طرح یہ خشک و بے کار لکڑیاں جو دیوار کے سہارے کھڑی کر دی گئیں کیونکہ جب لکڑیوں سے نفع حاصل کرنا ہوتا ہے تو انہیں چھت میں یا دیوار وغیرہ میں استعمال کیا جاتا ہے جہاں نفع کا گمان ہوتا ہے اور جب ان سے نفع حاصل نہیں کیا جاسکتا تو انہیں دیوار کی طرف ٹیک لگا کر چھوڑ دیا جاتا ہے یا اس لیے کہ منافقین بغیر ارواح کے لاشے ہیں اور بغیر عقول کے اجسام ہیں [ابو عمرو کی قراءت میں عباس اور علی کسائی کے علاوہ ”حُشْبَةٌ“ (شین ساکن) ہے اور یہ ”حُشْبَةٌ“ کی جمع ہے جیسے ”بَدْنَةٌ“ کی جمع ”بَدَنٌ“ ہے اور ”حُشْبٌ“ (بضم تین) ”حُشْبَةٌ“ کی جمع ہے جیسے ”نَمْرَةٌ“ کی جمع ”نَمْرٌ“ ہے] ﴿يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ﴾ وہ ہر بلند آواز کو اپنے اوپر پڑتی گمان کرتے ہیں یعنی منافقین ہر بلند آواز کو اپنے اوپر پڑنے والی گمان کرتے ہیں اور اسے اپنے لیے ضرر رساں اور نقصان دہ گمان کرتے ہیں اپنی بزدلی و کمزوری اور خوف و ڈر کی وجہ سے یعنی جب کوئی پکارنے والا شخص لشکر میں بلند آواز سے پکارتا ہے یا کوئی جانور بھاگ جاتا ہے یا کوئی جانور گم ہو جاتا ہے تو وہ اس کے متعلق یہی گمان کرتے ہیں کہ یہ انہیں پر پڑنے والا ہے [”کل صیحة“ پہلا مفعول ہے اور ”عليهم“ دوسرا مفعول ہے اور اس پر کلام تام ہو جاتا ہے] پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿هُمُ الْعَدَاؤُ﴾ وہ تو دشمن ہیں یعنی وہ لوگ عداوت و دشمنی میں پکے اور پورے دشمن ہیں کیونکہ سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو نقصان پہنچانے اور تیری کمزوری کرنے اور ذلیل و خوار کرنے اور نیچا دکھانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے ﴿فَأَحْذَرُكُمْ﴾ سو آپ ان سے ہوشیار رہیے اور ان کے ظاہر سے دھوکا نہ کھائیے ﴿فَتَكْفُرُوا بِاللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے۔ یہ ان کے خلاف دعائے ضرر ہے یا یہ مسلمانوں کے لیے تعلیم ہے کہ وہ ان کے خلاف اس جملہ کے ساتھ بددعا کریں ﴿أَلَيْسَ يُؤْفَكُونَ﴾ وہ کدھر پھرے جا رہے ہیں (یعنی) وہ لوگ حق سے کیسے پھرے جا رہے ہیں یہ ان کی جہالت اور گمراہی پر تعجب کیا گیا ہے۔

وَإِذْ أَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّادٌ وَسَمٌ وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَ
وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ۝ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ أَسْتَغْفِرْتُمْ لَكُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَغْفِرَ
اللَّهُ لَهُمْ ۝ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝

اور جب ان سے کہا جاتا: آؤ! رسول اللہ تمہارے لیے معافی کی دعا کریں تو وہ اپنے سروں کو گھماتے ہیں اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ منہ پھیر لیتے ہیں اور وہ تکبر کرنے والے ہیں ۝ ان پر برابر ہے آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں یا آپ ان کے لیے مغفرت طلب نہ کریں اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا بے شک اللہ تعالیٰ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا ۝

عبداللہ بن ابی کا توبہ سے انکار اور حضور ﷺ کی شان میں گستاخی

۵۔ ﴿وَإِذْ أَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّادٌ وَسَمٌ﴾ اور جب ان سے کہا جاتا کہ آؤ! تمہارے لیے رسول اللہ معافی طلب کریں تو وہ اپنے سروں کو گھماتے ہیں وہ معافی مانگنے سے روگردانی کرنے اور تکبر کرنے کے لیے اپنے سروں کو ہلاتے اور انہیں مٹکاتے ہیں [نافع مدنی کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ "لَوَّادٌ" پڑھا جاتا ہے] ﴿وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَ﴾ اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ روگردانی کرتے ہیں (یعنی) وہ منہ پھیر لیتے ہیں [”يَصُدُّونَ“ بہ معنی ”يَعْرِضُونَ“ ہے] ﴿وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ﴾ اور وہ معذرت کرنے اور معافی مانگنے سے تکبر کرنے والے ہیں۔

شان نزول: حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پانی کے ایک چشمہ مرسیع نامی کے پاس قبیلہ بنی مطلق سے جنگ کی اور ان کو شکست دی اور ان کو قتل کیا، پھر بعد ازاں اس چشمہ کے پانی لینے پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ملازم ججہ اور عبداللہ بن ابی کے ساتھی سنان جہنی کے درمیان جھگڑا ہو گیا اور دونوں آپس میں لڑ پڑے اور ججہ نے جج کر مہاجرین کو مدد کے لیے پکارا جب کہ سنان جہنی نے انصار کو پکارا چنانچہ فقراء مہاجرین میں سے جعال ججہ کی مدد کو پہنچ گئے اور سنان کو ایک تھپڑ مار دیا جس پر عبداللہ بن ابی نے آکر جعال سے کہا کہ تم غریب و فقیر ہو کر بھی ہمارے آدمی کو مارنے لگے ہو اور پھر بکواس کرتے ہوئے کہا: ہم نے (مرور عالم حضرت) محمد (ﷺ) کی صحبت و سنگت اس لیے اختیار نہیں کی کہ ہمیں طمانچہ اور تھپڑ رسید کیے جائیں اللہ تعالیٰ کی قسم! ہماری اور ان مسلمانوں کی مثال تو اس طرح ہے جس طرح کسی نے کہا ہے کہ تم اپنے کتے کو کھلا پلا کر خوب موٹا کر لو وہ تمہیں کو کاٹے گا پھر اس نے ساتھیوں سے کہا: اللہ کی قسم! اگر ہم مدینہ واپس لوٹ گئے تو زیادہ عزت دار زیادہ ذلیل کو وہاں سے ضرور نکال دے گا اور زیادہ عزت دار سے اپنے آپ کو مراد لیا اور زیادہ ذلیل (نعوذ باللہ من ذالک) سے رسول اللہ ﷺ کو مراد لیا پھر اس نے قوم سے کہا: اگر تم جعال اور اس کے ساتھیوں پر اپنا بچا ہوا کھانا دینا بند کر دو تو وہ تمہاری گردنوں پر سوار نہ ہوں سو تم آئندہ ان لوگوں پر اپنا خرچ بند کر دو اور ان پر کچھ خرچ نہ کرو یہاں تک کہ یہ لوگ (حضور) محمد (ﷺ) کے ارد گرد سے منتشر ہو جائیں اور اس کی یہ ساری بکواس حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سن لی اور یہ اس وقت جو شیلے نوجوان تھے تو انہوں نے کہا: اے عبداللہ بن ابی! اللہ تعالیٰ کی قسم! تو ذلیل بھی ہے اور قلیل و کمتر بھی ہے تو اپنی قوم میں بغض و کینہ ڈالنے والا ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اپنے رحمن و رحیم خدا کی طرف سے معزز ترین ہیں اور مسلمانوں کی طرف سے بھی آپ کو قوت و عزت حاصل ہے۔ اس پر

عبداللہ بن ابی نے حضرت زید سے کہا: خاموش ہو جاؤ! اور چپ رہو سو میں تو صرف دل لگی کر رہا تھا، چنانچہ حضرت زید بن ارقم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ساری حقیقت حال بیان کی، جس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن مار دوں، مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: پھر تو شرب (مدینہ) میں بہت سے ناک رگڑے جائیں گے، حضرت عمر نے عرض کیا: اگر آپ اس کو کسی مہاجر سے قتل کرانا ناپسند کرتے ہیں تو آپ کسی انصاری کو حکم دیجئے، آپ نے فرمایا: یہ کیسے! تب تو لوگ باتیں بنا کر کہیں گے کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں، پھر حضور نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو بلا کر فرمایا کہ تو نے وہ باتیں کہی ہیں جو تیرے متعلق مجھے پہنچی ہیں، اس نے کہا: اللہ کی قسم! جس نے آپ پر اپنی کتاب قرآن مجید کو نازل فرمایا، میں نے ان باتوں میں سے کوئی بات نہیں کہی اور بے شک زید جھوٹا ہے اور ”اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً“ سے اس کی یہی قسم والی بات مراد ہے، چنانچہ اس کے تمام ساتھی حاضرین نے کہا: عبداللہ ہمارے بزرگ اور ہمارے بڑے اور عمر رسیدہ ہیں، ان کے خلاف ایک نوجوان کی بات کی تصدیق نہ کیجئے، ممکن ہے اسے وہم ہوا ہو اور غلطی لگی ہو، پھر جب یہ آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید سے فرمایا: اے نوجوان! بے شک اللہ تعالیٰ نے تیری تصدیق کی ہے اور منافقین کی تکذیب کی ہے، جب عبداللہ بن ابی کا جھوٹ ظاہر ہو گیا تو اس سے کہا گیا کہ تیرے خلاف سخت آیات نازل ہو چکی ہیں، لہذا تو رسول اکرم نور مجسم نبی مکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں جا، تاکہ آپ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت و بخشش کی دعا کریں تو اس نے تکبر سے اپنا سر گھمایا اور انکار کر دیا تو یہ آیت مبارکہ ”وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ“ نازل ہوئی اور اس کے بعد وہ چند روز زندہ رہا یہاں تک کہ بیمار ہو گیا اور مر گیا۔

۶۔ ﴿سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ﴾ ان پر برابر ہے آپ ان کے لیے استغفار کریں یا آپ ان کے لیے استغفار نہ کریں، اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا یعنی جب تک وہ لوگ اپنی منافقت پر قائم رہیں گے، ان کی بخشش نہیں ہوگی اور معنی یہ ہے کہ استغفار کرنا نہ کرنا ان کے حق میں برابر ہے کیونکہ وہ اس کی طرف توجہ نہیں دیتے اور اپنے کفر کی وجہ سے اس کو معتبر نہیں سمجھتے یا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں نہیں بخشے گا، ”اسْتَغْفَرْتَ“ بھی پڑھا گیا، ہمزہ مفتوح استفہام کو حذف کر کے ہمزہ وصل مکسور کے ساتھ کیونکہ ”ام“ معادلہ ہے جس پر درج ذیل دلالت کرتا ہے [یعنی ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ فاسق و فاجر اور نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلَيَّ مِنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَنْفَضُوا ۗ وَبِاللَّهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالأَرْضِ وَلَكِنَّ الْمُنٰفِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ ۗ يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ اِلَآئِهَا الْاَذَلَّ ۗ وَبِاللَّهِ الْعِزَّةِ وَلِرَسُولِهِ وَلِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ

یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ تم ان لوگوں پر خرچ نہ کرو جو رسول اللہ کے ساتھ ہیں یہاں تک کہ وہ منتشر ہو جائیں اور

۱۔ رواہ الواحدی فی اسباب النزول ص ۲۸۷ واصل القصۃ فی المصمبین

تمام آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں اور لیکن منافقین نہیں سمجھتے O وہ کہتے ہیں: اگر ہم مدینہ واپس لوٹ گئے تو جو زیادہ عزت دار ہے وہ زیادہ ذلیل کو وہاں سے ضرور نکال دے گا اور عزت تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مومنوں ہی کے لیے ہے لیکن منافقین نہیں جانتے O

۷- ﴿هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلَىٰ نَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَنْفَضُوا﴾ یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ تم ان لوگوں پر خرچ نہ کرو جو رسول اللہ کے پاس رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ منتشر ہو جائیں اور متفرق ہو کر یہاں سے چلے جائیں ﴿وَلِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ اور تمام آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں یعنی رزق عطا کرنے اور تقسیم کرنے کے تمام اختیارات اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں پس وہی اپنے خزانے میں سے ان کو رزق عطا کرے گا اگرچہ اہل مدینہ ان پر خرچ کرنے سے انکار کرتے ہیں ﴿وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ﴾ اور لیکن منافقین نہیں سمجھتے (یعنی) عبد اللہ ابن ابی اور اس کے ساتھی جاہل ہیں وہ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے پس وہ وہی کچھ بکتے ہیں جو کچھ شیطان ان کے لیے آراستہ کر دیتا ہے۔

۸- ﴿يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزِمُهَا الْأَذَلَّ﴾ وہ کہتے ہیں: اگر ہم غزوہ بنی مطلق سے واپس مدینہ لوٹ گئے تو زیادہ عزت دار زیادہ ذلت والے کو یہاں سے نکال دے گا ﴿وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ﴾ اور عزت یعنی غلبہ اور قوت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ﴿وَلِلرَّسُولِ وَاللِّمُؤْمِنِينَ﴾ اور اس کے رسول کے لیے اور مسلمانوں کے لیے ہے اور جسے اللہ تعالیٰ عزت عطا فرمائے اور اسے قوت و تائید عطا فرمائے اور وہ اس کے رسول اور مسلمان ہیں اور وہی اس کے ساتھ مخصوص ہیں جیسا کہ ذلت و رسوائی اور اہانت شیطان کے لیے ہے اور اس کے ساتھی کفار و منافقین کے لیے ہے۔

ایک نیک اور بزرگ خاتون سے منقول ہے کہ کسی نے اسے معمولی حالت میں اور سادہ اور پرانے لباس میں دیکھا تو کہا: کیا آپ مسلمان نہیں ہیں اور عزت وہی ہے جس کے ساتھ ذلت نہ ہو اور غناء وہی ہے جس کے ساتھ فقر و فاقہ نہ ہو۔ حضرت حسن ابن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ ایک آدمی نے ان سے کہا کہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ آپ میں تکبر و غرور ہے (آپ قیمتی لباس زیب تن فرماتے ہیں) فرمایا: یہ تکبر و غرور کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عزت اور وقار ہے اور انہوں نے یہی آیت تلاوت فرمائی ﴿وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ اور لیکن منافقین نہیں جانتے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْلُغُوا أَمْوَالَكُمْ وَلَا أَوْلَادَكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ

ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ۝ وَأَنْفِقُوا مِنْ مَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ

الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ لَّفَاصِدًا ۖ وَكُنَّ مِنَ الصَّٰلِحِينَ ۝

وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

اے ایمان والو! تمہیں تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں اور جو لوگ یہ کریں گے تو وہی نقصان اٹھانے والے ہوں گے O اور ہم نے جو کچھ رزق تمہیں عطا کیا ہے تم اس میں سے کچھ (خدا کی راہ میں) خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے پھر وہ کہنے لگے: اے میرے پروردگار! آپ نے مجھے تھوڑی سی مدت اور کیوں نہیں دی! پس میں صدقہ خیرات کر لیتا اور میں نیک لوگوں میں سے ہو جاتا O اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کو ہرگز مہلت نہیں

دے گا جب اس کی اجل (موت کا وقت) آجائے گی اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے خوب خبردار ہے ۵
ذکر الہی سے غفلت کی ممانعت اور موت سے پہلے صدقہ خیرات کرنے کا حکم

۹- ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ﴾ اے ایمان والو! تمہارے اموال تمہیں (اللہ تعالیٰ کے ذکر سے) غافل نہ کر دیں، نہ تمہیں مشغول کر دیں کہ اس میں تصرف کرنے اور اس کے امور کی تدبیر میں کوشاں رہنے اور اس کی ترقی و اضافے اور منافع کمانے میں مشغول ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جاؤ ﴿وَلَا أَوْلَادُكُمْ﴾ اور نہ تمہاری اولاد اور تم ان کے ساتھ مشغول و سرور ہونے اور ان پر شفقت و مہربانی کرنے اور ان کی خوراک کے انتظام کرنے میں مصروف ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جاؤ ﴿عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے یعنی بھگانہ نمازوں سے یا قرآن مجید سے (غافل نہ ہو جاؤ) ﴿وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ﴾ اور جو یہ کام کریں گے اس سے مراد دین سے غافل ہو کر دنیا میں مشغول ہو جانا ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ اس سے ہر وہ شخص مراد ہے جو اپنی اولاد کی اخروی اصلاح سے غافل ہو کر اپنے اموال کے بڑھانے میں اور اس کے احوال کی تدبیر کرنے میں اور اپنی اولاد کی خوشنودی میں مشغول ہو جائے ﴿فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ﴾ سو یہی لوگ اپنی تجارت میں نقصان اٹھانے والے ہیں کیونکہ انہوں نے فانی کے عوض میں باقی کو فروخت کر دیا۔

۱۰- ﴿وَالْفُقُوٰۤاۤءُ مِنَ قَادِرَتِمْۙ اٰنَۙ﴾ اور ہم نے تمہیں جو کچھ رزق عطا کیا ہے تم اس میں سے کچھ خرچ کرو [حرف "مِنْ" تبعیض کے لیے ہے] خرچ سے واجب و لازمی صدقہ مراد ہے ﴿فَإِنْ قَبِلْ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے یعنی موت کے دلائل اور علامات دیکھنے سے پہلے اور اس مہلت کا مشاہدہ کرنے سے پہلے جس کے ساتھ مایوسی آجاتی ہے اور مرنے والے پر خرچ کرنا مشکل ہو جاتا ہے ﴿فَيَقُولُ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي﴾ پھر وہ کہنے لگے: اے میرے پروردگار! آپ نے مجھے مہلت کیوں نہیں دی (یعنی) آپ نے میری موت کو موخر کیوں نہیں کیا ﴿إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ﴾ نزدیک مدت تک یعنی قلیل زمانہ تک اور تھوڑے عرصہ کے لیے ﴿فَأَصَّدَّقَ﴾ تو میں صدقہ خیرات کر لیتا [یہ اصل میں "فَأَصَّدَّقَ" ہے اور یہ "لَوْلَا" کا جواب ہے] ﴿وَأَكُنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ اور میں نیک لوگوں میں سے ہو جاتا یعنی میں مؤمنین و مسلمین میں سے ہو جاتا کیونکہ یہ آیات مؤمنوں کے حق میں ہیں اور بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ آیات منافقین کے بارے میں نازل ہوئیں [ابو عمرو کی قراءت میں لفظ پر عطف کر کے منصوب "أَكُونُ" پڑھا جاتا ہے اور "فَأَصَّدَّقَ" کے محل پر عطف کر کے جزم کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے گویا کہا گیا: "إِنْ أَخَّرْتَنِي أَصَّدَّقُ وَأَكُنَّ"۔]

۱۱- ﴿وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ کسی جان کو موت سے ہرگز مہلت نہیں دے گا جب اس کا مقرر وقت آجائے گا جو لوح محفوظ میں لکھا گیا ہے ﴿وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے پوری طرح خبردار ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب تمہیں معلوم ہو گیا ہے کہ موت کا اپنے وقت سے موخر ہونا ناممکن ہے اس کے لیے کوئی راہ ممکن نہیں یہ لازماً آتی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے سو وہ ان پر ضرور بدلہ دے گا و اجبات وغیرہ ترک کرنے پر تو اب واجبات سے عہدہ برا ہونے اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات و زیارت کے لیے جلد از جلد تیاری کرنی ضروری ہے [حماد اور یحییٰ کی قراءت میں "يَعْمَلُونَ" ہے]۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورۃ التغابن مدنی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی اٹھارہ آیات دو رکوع ہیں

يَسْبِقُ اللَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ

شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فِيكُمْ كَافِرًا وَمِنْكُمْ مُّؤْمِنًا وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

بَصِيرٌ ۝ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُورَكُمْ وَإِلَيْهِ

الرُّجُوعُ ۝ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسْرُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ وَاللَّهُ

عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کی تسبیح کرتے ہیں اسی کے لیے بادشاہت ہے اور اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں اور وہی ہر چیز پر قادر ہے ۰ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے تمہیں پیدا کیا سو تم میں سے کچھ کافر ہیں اور تم میں سے کچھ مسلمان ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے ۰ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں تو بہت حسین صورتیں بنائیں اور اسی کی طرف لوٹتا ہے ۰ وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ دلوں کی باتیں خوب جاننے والا ہے ۰

اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تخیق اور وسعت علم کا بیان

نوٹ: اس سورت کے کئی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔

۱۔ ﴿يَسْبِقُ اللَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں اور سلطنت اسی کی ہے اور تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں اور وہ ہر چیز پر زبردست قادر ہے۔ دونوں ظرفوں کو مقدم کیا گیا ہے تاکہ ان کی تقدیم اللہ عزوجل کے ساتھ سلطنت و بادشاہت اور تمام اقسام کے محامد کی تخصیص پر دلالت و رہنمائی کرے اور یہ اس لیے کہ سلطنت و بادشاہت درحقیقت اسی کی ہے کیونکہ وہی ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی سب کو قائم و باقی رکھنے والا ہے اور اسی طرح حمد و ثناء کا حال ہے اس لیے کہ تمام بڑی اور چھوٹی نعمتیں اور اسی طرح نعمتوں کے تمام اصول اور فروع اسی کی طرف سے عنایت ہوتے ہیں اور لیکن اللہ تعالیٰ کے علاوہ کی بادشاہت تو وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور اسی طرح غیر کی حمد و ثناء اس اعتبار پر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اس کے ہاتھ پر جاری و ساری ہو گئی ہے۔

۲۔ ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فِيكُمْ كَافِرًا وَمِنْكُمْ مُّؤْمِنًا﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے سو تم میں سے بعض کافر ہیں اور تم میں سے بعض مؤمن ہیں یعنی پس تم میں سے بعض کفر لانے والے ہیں اور اسی کو اختیار کرنے والے اور

اسی کے لیے سب کچھ کرنے والے ہیں اور تم میں سے بعض ایمان لانے والے ہیں اور اسی کے لیے سب کچھ کرنے والے ہیں جس پر (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ دلالت و رہنمائی کر رہا ہے ﴿وَاللَّهُ يَهْتَكُمُونَ بَصِيرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے کفر اور تمہارے ایمان کو خوب دیکھنے والا اور خوب جاننے والا ہے جو تمہارے اعمال میں سے دو عمل ہیں اور معنی یہ ہے: ”هُوَ الَّذِي“ وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے اپنی بنیادی نعمتوں کے ذریعے تم پر احسان فرمایا اور اس نے عدم و نیست اور نہ ہونے سے تمہیں پیدا کر کے اور ایجاد کر کے وجود اور ہستی بخشی لہذا تم پر واجب و لازم ہے کہ تم سب مل کر شکر ادا کرو سو تمہیں کیا ہوا کہ تم مختلف امتوں اور مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے چنانچہ تم میں سے بعض کافر ہیں اور تم میں سے بعض مؤمن ہیں اور اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے کفر کا ذکر پہلے اس لیے کیا ہے کہ انسانوں پر کفر غالب ہے اور ان میں اکثر و بیشتر کافر ہوتے ہیں اور اس آیت مبارکہ سے ان لوگوں کے قول کی تردید ہو گئی جو کہتے ہیں کہ ان دو درجوں (کافر اور مؤمن) کے درمیان ایک اور درجہ بھی ہے (کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ کافر اور نہ مؤمن حالانکہ یہ غلط ہے) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی تمہیں پیدا کیا ہے پھر تم میں سے بعض نے اپنے خالق کی تخلیق کے ساتھ کفر کیا اور وہ لوگ دہریہ ہیں اور تم میں سے بعض اپنے خالق کی تخلیق پر ایمان لے آئے۔

۳۔ ﴿خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ﴾ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا (یعنی) زبردست حکمت و دانائی کے ساتھ پیدا فرمایا اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام مکلفین (فرشتوں، انسانوں اور جنوں) کے لیے قرار گاہ، پناہ گاہ اور مسکن و رہائش گاہ بنا دیا تاکہ یہ تمام مکلفین ان میں رہ کر عمل کریں پھر اللہ تعالیٰ ان کے اعمال خیر و شر کے مطابق جزا اور سزا دے ﴿وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری صورتیں بنائیں تو بہت بہترین صورتیں بنائیں یعنی تمہیں تمام جان داروں میں حسین و جمیل اور بہترین و خوب صورت بنایا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ کوئی عقل مند انسان کبھی یہ تمنا اور آرزو نہیں کرتا کہ اپنی موجودہ صورت کے برعکس دیگر جان داروں میں سے کسی کی صورت پر ہوتا اور انسان کے حسن صورت میں سے ایک حسن یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کا سیدھا قد، مناسب اعضاء اور معتدل جسم بنایا، جھکا ہوا، ٹیڑھا اور کبڑا نہیں بنایا اور باقی جس قدر جان دار ہیں ان کی صورتیں مختلف بنائیں (جیسے اونٹ، گھوڑا، بیل، بھیڑ، بکری اور دیگر جانور و حشرات الارض) اور انسان کی بہ نسبت دیگر جانوروں کو قبیح اور بد صورت بنایا، البتہ انسان میں قباحت نہیں رکھی لیکن انسان کے حسن و جمال کے مختلف طبقات ہیں سو اس لیے کم درجہ کا حسن رکھنے والا زیادہ حسین و جمیل کے مقابلہ میں خوب صورت نہیں لگتا، لیکن وہ حسن و جمال کی حد سے بالکل خارج نہیں ہوتا اور حکماء اور دانشوروں نے کہا ہے کہ دو چیزیں ایسی ہیں جن کی کوئی انتہا نہیں، ایک حسن ہے دوسرا بیان ہے ﴿وَالْيَهُ الْبَصِيرُ﴾ اور سب نے اسی کی طرف واپس لوٹ جانا ہے سو تم اپنے باطنوں اور اندرونی حالات کو اور اپنی نیتوں اور اپنی سوچوں کو درست کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں خوب صورت اور درست پیدا فرمایا۔

۴۔ ﴿يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسْرُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ وہ سب کچھ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ وہ زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو جانتا ہے پھر اپنے تمام بندوں کے تمام ظاہر و باطن کے اعمال و اسرار کو خوب جانتا ہے پھر وہ دلوں کے تمام پوشیدہ ارادوں کو خوب جانتا ہے۔ بے شک تمام کلیات اور تمام جزئیات میں سے کوئی چیز اس سے مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے پس یہ اسی کا حق ہے کہ اس سے ڈرا

جائے اور اس کی گرفت سے بچا جائے اور اس کی مرضی اور اس کی منشاء کے خلاف جرأت نہ کی جائے اور علم کا تکرار و عید و دھمکی کے تکرار کے معنی میں ہے اور ارشاد ”فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ“ کے بعد جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ کفر پر وعید کے معنی میں ہے اور خالق کی معصیت و نافرمانی اور اس کی نعمتوں پر شکر ادا نہ کرنے کی ممانعت پر مشتمل ہے۔

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُؤُا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَدْ أَقْوَامًا لَمْ يَأْتِهِمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۵﴾

ذَلِكَ بِأَنَّهُ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالُوا أَبَشْرٌ يَهْدُونَنَا فَكَفَرُوا

وَتَوَلَّوْا وَاسْتَعْنَى اللَّهُ وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿۶﴾ زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا

قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّيُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۗ وَذَلِكَ عَلَىٰ اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿۷﴾ فَأَمِنُوا

بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنَا ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۸﴾

کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جنہوں نے (تم سے) پہلے کفر کیا، سو انہوں نے اپنے کفر کی سزا (دنیا میں بھی) چکھ لی اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہ اس لیے کہ بے شک ان کے پاس ان کے رسول واضح معجزات لے کر آیا کرتے تھے تو وہ کہہ دیتے کہ کیا بشر ہمیں ہدایت دیں گے، سو انہوں نے کفر کیا اور انہوں نے منہ پھیر لیے اور اللہ تعالیٰ بے نیاز رہا، اور اللہ تعالیٰ بڑا بے نیاز بہت تعریف کیا ہوا ہے۔ کافروں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ مرنے کے بعد انہیں ہرگز نہیں اٹھایا جائے گا، آپ فرمائیے کہ کیوں نہیں! میرے پروردگار کی قسم! تمہیں ضرور بہ ضرور اٹھایا جائے گا، پھر تمہیں ضرور بہ ضرور وہ سب کچھ بتا دیا جائے گا جو کچھ تم نے کیا، اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے۔ پس تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اس نور پر ایمان لے آؤ جو ہم نے نازل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خوب خبردار ہے۔

کفار مکہ کو تنبیہ کے ساتھ ایمان کی دعوت اور حشر برپا کرنے کی حکمت کا بیان

۵۔ ﴿أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُؤُا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ﴾ کیا تمہارے پاس پہلے کافروں کی خبر نہیں آئی۔ یہ کفار مکہ کے لیے خطاب ہے یعنی اے کفار مکہ! کیا تمہارے پاس حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح اور حضرت لوط علیہم السلام کی نافرمانی تو مسوں کی خبر نہیں آئی ﴿قَدْ أَقْوَامًا لَمْ يَأْتِهِمْ﴾ سو انہوں نے اپنے کام کی سزا کو چکھ لیا یعنی انہوں نے دنیا میں اپنے کفر کے وبال کا مزہ چکھ لیا ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ اور ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہوگا۔

۶۔ ﴿ذَلِكَ﴾ یہ اس مذکورہ بالا وبال کی طرف اشارہ ہے جو انہوں نے دنیا میں چکھا اور اس عذاب کی طرف اشارہ ہے جو ان کو آخرت میں دینے کے لیے تیار کیا گیا ہے ﴿بِأَنَّهُ﴾ اس لیے کہ بے شک شان اور بات یہ ہے کہ ﴿كَانَتْ تَأْتِيهِمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ﴾ ان کے پاس ان کے رسول واضح معجزات لے کر آتے رہے ﴿فَقَالُوا أَبَشْرٌ يَهْدُونَنَا﴾ سو انہوں نے کہا کہ کیا بشر ہمیں ہدایت دیں گے، انہوں نے بشر کے لیے رسالت کا انکار کیا لیکن پھر ان کے لیے عبادت کا انکار نہیں کیا ﴿فَكَفَرُوا وَتَوَلَّوْا﴾ پس انہوں نے رسولوں کا انکار کر دیا اور ایمان سے منہ پھیر لیا ﴿وَاسْتَعْنَى اللَّهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ اس میں تخصیص نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ کس چیز میں بے پرواہ ہے بلکہ مطلق ذکر فرمایا تاکہ یہ کلام مقدس

تمام چیزوں کو شامل ہو جائے اور واضح ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں سے بے نیاز ہے اور ان تمام چیزوں میں کفار کے ایمان و عبادت اور ان کی اطاعت سے بے نیاز ہونا بھی شامل ہے ﴿وَاللَّهُ غَنِيٌّ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق سے بے نیاز و بے پرواہ ہے ﴿حَبِيدٌ﴾ اللہ تعالیٰ کی مصنوعات پر اس کی تعریف کی گئی۔

۷- ﴿زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ کافروں نے گمان کیا یعنی اہل مکہ کا گمان ہے اور ”زعم“ کا معنی ہے: علم کا دعویٰ کرنا [اور یہ اس طرح متعدی ہوتا ہے جس طرح علم متعدی ہوتا ہے] ﴿أَنْ لَنْ يَّبْعَثُوا﴾ کہ انہیں ہرگز نہیں اٹھایا جائے گا [”أَنْ“ (جو اصل میں ”أَنَّ“ ثقیلہ سے مخففہ ہے) اس کے ساتھ جو اس کے چیز میں ہے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ”أَنَّهُمْ لَنْ يَّبْعَثُوا“ ہے] ﴿قُلْ بَلَىٰ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ کیوں نہیں اس میں ”بلی“ حرف ”لَنْ“ کے بعد کے لیے اثبات ہے اور وہ ہے: مرنے کے بعد اٹھایا جانا ﴿وَمَا بَىٰ لَتُبْعَثُنَّ﴾ اور میرے رب تعالیٰ کی قسم! تمہیں ضرور بہ ضرور مرنے کے بعد اٹھایا جائے گا۔ اس خبر کو قسم کے ساتھ پختہ کیا گیا ہے اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس چیز پر قسم کھانے کا کیا فائدہ جس کا انہوں نے انکار کر دیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ مؤکد چیز سے ڈرانا دل میں زیادہ تاثیر پیدا کرتا ہے تو گویا ان سے فرمایا گیا کہ تم اس چیز کا کیوں انکار کرتے ہو جس نے ہر حال میں ہونا ہوتا ہے ﴿ثُمَّ لَتُنْبِتُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذَلِكَ﴾ پھر تمہیں ضرور بہ ضرور آگاہ کر دیا جائے گا جو کچھ تم عمل کرتے رہے تھے اور یہ یعنی مرنے کے بعد اٹھانا ﴿عَلَىٰ اللَّهِ كَيْدٌ﴾ اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے۔

۸- ﴿قَامُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ سوئم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لے آؤ ﴿وَاللَّوْمِيَّةَ﴾ اور اس نور پر ایمان لے آؤ جو ہم نے نازل کیا ہے یعنی قرآن مجید پر کیونکہ یہ ہر چیز کی حقیقت کو کھول کر بیان کرتا ہے سو اس سے اس طرح ہدایت حاصل ہوتی ہے جس طرح نور سے ہدایت حاصل ہوتی ہے ﴿وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے سو تم اپنے معاملات کو درست رکھو۔

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذَلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ وَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا
يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا
ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ خَالِدِينَ
فِيهَا ۝ وَبِئْسَ الْبَصِيرَةُ ۝

جس دن وہ تمہیں جمع ہونے کے دن اکٹھا کرے گا وہ (کفار کے لیے) ہار کا دن ہوگا اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے ان کی بُرائیاں منادے گا اور انہیں جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہی بہت بڑی کامیابی ہے ۝ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو یہی لوگ دوزخ کی آگ والے ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے ۝

۹- ﴿يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ﴾ جس دن اللہ تعالیٰ تمہیں جمع فرمائے گا [ظرف ”لَتُنْبِتُنَّ“ کی وجہ سے منصوب ہے یا ”اذْكَرُ“ مضر کی وجہ سے منصوب ہے] ﴿لِيَوْمِ الْجَمْعِ﴾ جمع ہونے کے دن جس میں اگلے اور پچھلے سب لوگ جمع کیے جائیں گے

﴿ذَلِكَ يَوْمَ التَّغَابُنِ﴾ یہ کفار کی شکست کا دن ہوگا اور یہ ”تَغَابُنُ الْقَوْمِ فِي التِّجَارَةِ“ (کہ قوم نے تجارت میں نقصان اٹھایا) سے مستعار ہے اور وہ یہ کہ ایک دوسرے کو نقصان دینا (اور کفار کا نقصان اور ہاریہ ہوگی کہ) کفار بد بختوں کے وہ تمام جنتی مکانات نیک بخت جنتیوں کو دے دیئے جائیں گے جن میں کفار رہتے اگر وہ نیک بخت ہوتے اور نیک بختوں کے وہ تمام دوزخی مکانات بد بخت کفار کو دیئے جائیں گے جن میں نیک بخت رہتے اگر وہ دنیا میں بد بخت بن جاتے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے اور ”یوم التغابن“ کا معنی جب کہ لوگ اس دن کے علاوہ دنیا میں ایک دوسرے سے غبن کرتے ہیں صرف یہ ہے کہ ”یوم التغابن“ کی اہمیت اور اس کی عظمت و بڑائی بیان کرنے کے لیے یہ کہا گیا ہے نیز یہ بتانے کے لیے کہ حقیقی اور اصلی غبن تو قیامت کے دن کا غبن ہے نہ کہ دنیا کے امور میں غبن کرنا ﴿وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكْفِرْ عَنَّا سَيِّئَاتِهِ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے گا اور وہ نیک عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے اس کی تمام برائیاں مٹا دے گا [”صَالِحًا“ مصدر کی صفت ہے اصل میں ”عَمَلًا صَالِحًا“ ہے] ﴿وَيَدْخُلْهُ جَنَّتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ اور اللہ تعالیٰ اس کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہی بہت بڑی کامیابی ہے [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں دونوں فعلوں میں نون کے ساتھ ”نُكْفِرُ“ اور ”نُدْخِلْهُ“ پڑھا جاتا ہے]۔

۱۰۔ ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا وَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو وہی لوگ دوزخ کی آگ والے ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ بہت بدترین ٹھکانا ہے۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ اللَّهُ قَلْبَهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ

شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝۱۱ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا

الْبَلَّغُ الْمُبِينُ ۝۱۲ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَعَلَىٰ اللَّهِ قَلْبُ كُلِّ الْمُؤْمِنُونَ ۝۱۳

کوئی مصیبت نہیں پہنچتی مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ۝ اور تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کریم کی اطاعت کرو سوا اگر تم پھر گئے تو ہمارے رسول کے ذمے صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے ۝ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور مسلمانوں کو صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنا چاہیے ۝

مصیبت پر مومن کی مدد اور اطاعت و توکل کا حکم

۱۱۔ ﴿مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ﴾ کوئی مصیبت کسی کو نہیں پہنچتی جیسے تنگ دستی و سختی اور پریشانی اور بیماری اور بیوی بچوں میں سے کسی کی موت یا کسی ایسی چیز کا ضائع ہو جانا جو غم اور پریشانی کو لاحق کر دے ان میں سے کوئی تکلیف کسی شخص کو نہیں پہنچتی ﴿إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم اس کے علم اور اس کی تقدیر اور اس کے ارادے سے پہنچتی ہے گویا اللہ تعالیٰ مصیبت کو حکم دیتا ہے کہ فلاں کو پہنچے (تو تب وہ پہنچتی ہے) ﴿وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ اللَّهُ قَلْبَهُ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو مصیبت کے وقت اپنی طرف رجوع کرنے کی ہدایت و رہنمائی عطا کرتا ہے یہاں تک کہ

مؤمن کہتا ہے: ”إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“ (البقرہ: ۱۵۶) ”بے شک ہم اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف واپس لوٹ جانے والے ہیں“ یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ مصیبت کے وقت مؤمن کے دل کو پہلے سے زیادہ عبادت و اطاعت اور بھلائی کے کاموں کے لیے کھول دیتا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ مؤمن کے دل کی رہنمائی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ کامل یقین کے ساتھ جان لیتا ہے کہ اسے جو مصیبت پہنچ چکی ہے وہ کبھی اس سے ٹل نہیں سکتی تھی اور جس مصیبت سے اسے بچایا گیا ہے وہ کبھی اسے نہیں پہنچ سکتی۔ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مؤمن کی شان یہ ہے کہ اگر وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو صبر کرے اور اگر اسے کوئی نعمت عطا کی جائے تو اس پر شکر ادا کرے اور اگر اس پر ظلم کیا جائے تو وہ مُعَاف کر دے اور بخش دے ﴿وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

۱۲۔ ﴿وَاطِيعُوا لِلّٰهِ وَاطِيعُوا الرَّسُوْلَۙ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْۙ فَاِنَّمَا عَلٰۤى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول اکرم کی اطاعت کرو سو اگر تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری اور اس کے رسول کی اطاعت و فرماں برداری کرنے سے پھر گئے تو ہمارے رسول کے ذمے صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے یعنی آپ پر صرف احکام کی تبلیغ فرض ہے اور آپ نے اسے پورا کر دیا ہے۔

۱۳۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَۙ وَعَلٰى اللّٰهِ قَلْبُكُمۡۗ كَلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور مسلمانوں کو صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنا چاہیے۔ اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کو اور دیگر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ پر توکل و بھروسا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی ان کے خلاف مدد فرمائے جو آپ کو جھٹلاتے ہیں اور آپ سے روگردانی کرتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنِّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدَاؤُكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ وَإِن تَعَفَّوْا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللّٰهُ عِنْدَآءٍ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

اے ایمان والو! بے شک تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں سو تم ان سے ہوشیار رہو اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے۔ بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد صرف آزمائش ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑا ثواب ہے۔

بیوی بچوں کی دشمنی سے ہوشیار رہنے اور اولاد کی آزمائش میں پورا اترنے کا بیان

۱۴۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنِّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدَاؤُكُمْ﴾ اے ایمان والو! بے شک تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں یعنی بے شک تمہاری بیویوں میں سے بعض بیویاں اپنے شوہروں سے عداوت و دشمنی کرتی ہیں اور ان سے جھگڑتی اور لڑتی ہیں، کہنا نہیں مانتیں اور اسی طرح اولاد میں سے بعض اولاد اپنے ماں باپ سے عداوت و دشمنی رکھتی ہے اور ان کی نافرمانی کرتی ہے ﴿فَاحْذَرُوهُمْ﴾ سو تم ان سے ہوشیار رہو۔ [اس کی ”ہم“ ضمیر ”عدو“ کی طرف لوٹی ہے یعنی تم اپنے دشمنوں سے ہوشیار رہو یا یہ ضمیر ازواج اور اولاد سب کی طرف لوٹی ہے] یعنی تم اپنی بعض دشمن بیویوں اور اپنی بعض دشمن اولاد سے ہوشیار رہو۔ مطلب یہ ہے کہ جب تمہیں معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ عداوت و دشمنی

سے خالی نہیں ہیں تو تم ان سے بچو اور ان سے محتاط رہو اور ان کی دشمنی اور ان کی شرارت سے بے خوف نہ ہو جاؤ ﴿وَإِنْ تَعَفُّوا﴾ اور اگر تم ان کو معاف کر دو جب تم ان کی عداوت و دشمنی سے آگاہ ہو جاؤ اور تم ان کی طرح دشمن بن کر ان کا مقابلہ نہ کرو ﴿وَتَصْفَحُوا﴾ اور تم درگزر کرو ان کو ڈانٹنے اور ڈرانے دھمکانے سے اعراض کر لو ﴿وَتَعْفُوا﴾ اور تم ان کے گناہوں اور غلطیوں کی پردہ پوشی کرتے ہوئے انہیں بخش دو ﴿فَإِنَّ اللَّهَ عَفُودٌ تَرَحُّمٌ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے وہ تمہیں بخش دے گا اور تمہاری برائیاں مٹا دے گا۔

بعض مفسرین کا قول ہے کہ جب بعض مکی مسلمانوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کی بیویوں اور ان کی اولاد نے انہیں روک لیا اور کہا: تم چلے جاؤ گے اور ہمیں ضائع کر دو گے جس کی وجہ سے ان کے دل بیوی بچوں کے لیے نرم ہو گئے اور وہ ہجرت سے رُک گئے پھر جب کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور مدینہ منورہ میں پہنچے اور انہوں نے ان لوگوں کو دیکھا جو ان سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ میں پہنچ کر دین میں مہارت حاصل کر چکے ہیں تو انہیں پہلی دفعہ ہجرت نہ کرنے پر افسوس ہوا اور انہوں نے ارادہ کر لیا کہ وہ اپنی بیویوں اور اپنے بچوں کو سزا دیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں عفو و درگزر کرنے اور معاف کر دینے کو مزین و آراستہ کر دیا۔

۱۵- ﴿إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں (یعنی) امتحان و آزمائش اور جانچ ہیں کیونکہ یہ اموال اور اولاد آدمی کو گناہوں میں ڈال دیتے ہیں (ان کی خوش حالی کے لیے رشوت سود اور دیگر بے ایمانیاں کی جاتی ہیں) اور انہیں کی وجہ سے آدمی سزائیں اور مصیبتیں جھیلتا ہے اور ان سے بڑھ کر کوئی آزمائش نہیں ﴿وَاللَّهُ عِنْدَكَ أَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑا اجر و ثواب ہے یعنی آخرت میں اور یہ تمہارے اموال اور اولاد سے بہت بڑا منافع ہے اور یہاں حرف ”مِنْ“ داخل نہیں کیا گیا جیسا کہ عداوت میں داخل کیا گیا کیونکہ تمام مال اور تمام اولاد آزمائش اور امتحان ہیں اس سے کوئی مال اور بچہ خالی نہیں ہے انہیں کی وجہ سے دل دنیا میں مشغول رہتا ہے لیکن بعض بیویاں اور بعض اولاد عداوت سے خالی اور بری ہوتی ہیں ان میں کوئی عداوت و دشمنی نہیں ہوتی بلکہ محبت ہوتی ہے۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَأَسْبِعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنْفِقُوا خَيْرًا لِأَنْفُسِكُمْ وَمَنْ

يُؤْتِكُمْ شَيْئًا فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٦﴾ إِنَّ تَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضِعِفْهُ

لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٧﴾ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٨﴾

سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جہاں تک تم سے ہو سکے اور غور سے سنو اور اطاعت کرو اور (نیک کاموں میں) خرچ کرو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اور جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچا لیا گیا تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں O اگر اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دو گے تو وہ اسے تمہارے لیے کئی گنا بڑھا دے گا اور وہ تمہیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت قدر دان بے حد علم والا ہے O وہ تمام پوشیدہ اور ظاہر کا خوب جاننے والا سب پر غالب بہت بڑا حکمت والا ہے O

خوف و اطاعت کا حکم اور راہِ خدا میں خرچ کرنے اور قرض حسنہ دینے کی ترغیب

۱۶- ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جہاں تک تم سے ہو سکے۔ تم اپنی پوری جدوجہد اور

محنت و وسعت خوفِ خدا میں صرف کر دو۔ بعض حضرات نے کہا: یہ ”حَقُّ تَقَاتِبِهِ“ کی تفسیر ہے ﴿وَأَسْبِعُوا﴾ اور تمہیں جو

نصیحت کی جائے اسے غور سے سنو اور اس پر عمل کرو ﴿وَاطِيعُوا﴾ اور تم اطاعت کیا کرو (یعنی) جس کا تمہیں حکم دیا جائے اسے بجالاؤ اور اس پر عمل کرو اور جس سے تمہیں منع کیا جائے اس سے تم رُک جاؤ اور اس سے باز آ جاؤ ﴿وَأَنْفِقُوا﴾ اور تم اپنا مال ان جگہوں میں خرچ کرو جہاں خرچ کرنا تم پر واجب ہے ﴿خَيْرًا لِّأَنْفُسِكُمْ﴾ ”أَيُّ انْفَاقًا خَيْرًا لِّأَنْفُسِكُمْ“ یعنی یہ خرچ کرنا تمہارے لیے بہت بہتر ہے اور امام کسائی نے کہا: ”يَكُنِ الْإِنْفَاقُ خَيْرًا لِّأَنْفُسِكُمْ“ ہے یعنی راہِ خدا میں خرچ کرنا تمہارے لیے بہت بہتر ثابت ہوگا اور زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس کی مقدر عبارت یہ ہے: ”إِثْمُوا خَيْرًا لِّأَنْفُسِكُمْ“ تم اپنی بھلائی کے لیے راہِ خدا میں دو اور تم وہ کام کرو جو تمہارے لیے بہتر ہو یہ احکامِ الہی پر عمل پیرا ہونے کے لیے ترغیب دینے کی تاکید ہے کیونکہ یہ اوامر و احکام تمہارے لیے تمہارے اموال اور تمہاری اولاد سے بہت بہتر ہیں اور تم جس دنیا کی خوب صورتیوں اور شہوتوں اور نفسانی خواہشوں کی محبت و چاہت پر قائم ہو ان سے یہ اوامر بہتر ہیں ﴿وَمَنْ يُؤَقِّمِ نَفْسَهُ﴾ اور جس شخص کو اس کے نفس کے بخل سے بچالیا گیا ہے یعنی صدقات واجبہ اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے بخل سے بچالیا گیا ﴿فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ تو یہی لوگ فلاح اور کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔

۱۷- ﴿إِنْ تَقْرَضُوا مِنَ اللَّهِ قَرْضًا حَسَنًا﴾ اگر تم اللہ تعالیٰ کو صحیح نیت اور اخلاص کے ساتھ قرضِ حسنہ دو گے اور قرض کا ذکر دعوتِ خیر دینے میں محض محبت و پیار اور لطف و کرم کے لیے ہے ﴿يُضْعَفْ لَكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ اس کو تمہارے لیے کئی گنا بڑھا کر عنایت فرمائے گا (یعنی) تمہارے لیے کسی ایک چیز کے خرچ کرنے پر دس نیکیاں لکھی جائیں گی یا سات سو نیکیاں لکھی جائیں گی، آگے جہاں تک اللہ تعالیٰ مزید دینا چاہے گا ﴿وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ شَكُورٌ﴾ اور وہ تمہیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت قدر دان ہے وہ تھوڑا عمل بھی قبول فرمالیتا ہے اور وہ اجر و ثواب بہت عطا فرماتا ہے ﴿حَلِيمٌ﴾ بڑا حلم والا برو بار ہے وہ بخیل کے بڑے گناہ کو بھی معاف فرمادیتا ہے یا یہ معنی ہے کہ صدقہ دینے والے کے صدقہ کو کئی گنا بڑھا کر ثواب عطا فرماتا ہے اور صدقہ خیرات نہ دینے والے کو جلدی سزا نہیں دیتا۔

۱۸- ﴿عَلِيمُ الْغَيْبِ﴾ وہ غیب دان ہے یعنی وہ دلوں کے پوشیدہ رازوں کو بھی جانتا ہے ﴿وَالشَّهَادَةِ﴾ اور ظاہر کا جاننے والا ہے یعنی حالات و واقعات کے ظواہر جو ہر طرف منتشر ہیں سب کو جانتا ہے ﴿الْعَزِيزُ﴾ سب پر غالب و عزت دار ہے اور وہ مال و دولت دینے والوں کی عطا میں اور بخششیں ظاہر فرما کر انہیں عزت دینے والا ہے ﴿الْحَكِيمُ﴾ اور وہ بہت بڑا حکمت والا ہے۔

﴿وَإِنْفِقُوا﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ الطلاق

سورۃ الطلاق مدنی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی بارہ آیات دو رکوع ہیں

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ

وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَا تَخْرُجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ

بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ

لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا ①

اے نبی! (اور اے مسلمانو!) جب تم عورتوں کو طلاق دینا چاہو تو انہیں ان کی عدت کے وقت طلاق دو اور عدت کو شمار کرو اور تم اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تم (عدت کے دوران) انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود باہر نکلیں ماسوا اس کے کہ وہ کھلم کھلا بے حیائی کا کام کریں اور یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی حدوں سے تجاوز کرتا ہے تو بے شک وہ اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے تمہیں معلوم نہیں ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی نیا حکم جاری کر دے O

طلاق رجعی اور تقویٰ کی فضیلت کا بیان

۱- ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ﴾ اے نبی! اور مسلمانو! جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دینے لگو۔ اس آیت مبارکہ میں نداء کے ساتھ حضور نبی کریم ﷺ کو مختص کیا گیا ہے اور خطاب تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے کیونکہ نبی اپنی امت کا امام اور اس کا پیشوا ہوتا ہے جیسا کہ قوم کے سردار سے کہا جاتا ہے: ”يَا فُلَانُ افْعَلُوا كَذَا“ اے فلاں! تم اس طرح کرو آپ کے تقدم و اولیت کے اظہار کے لیے اور آپ کی سیادت کے اعتبار کے لیے آپ کو نداء کے ساتھ مخصوص کیا گیا اور بے شک آپ اپنی قوم کے رہبر و رہنما اور قائد ہیں سو اس لیے آپ اکیلے تمام مسلمین کے حکم میں ہیں اور سب کے قائم مقام ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ تقدیر عبارت اس طرح ہے: ”(يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ) وَالْمُؤْمِنُونَ“ اور ”إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ“ کا معنی ہے: ”إِذَا أَرَدْتُمْ تَطْلِيْقَهُنَّ“ جب ان کو طلاق دینا چاہو۔ یہ عنقریب کام کرنے والے کو اس میں شروع کرنے والے کے قائم مقام قرار دیا جاتا ہے جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ”مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلْبُهُ“ لے جو مجاہد کسی مقتول (عنقریب قتل ہو کر مقتول ہونے والے) کو قتل کرے گا تو اس کا سلب شدہ مال و اسباب اسی مجاہد کے لیے ہوگا اور اسی سے یہ حدیث ہے کہ نماز کی طرف چل کر جانے والا اور اس کا انتظار کرنے والا نماز پڑھنے والے کے حکم میں ہے ﴿فَطَلَّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ﴾ سو تم ان کو عدت کے وقت طلاق دو (یعنی) پس تم انہیں عدت شروع ہونے سے پہلے طلاق دو (کیونکہ عدت تین حیض ہوتی ہے اور جب حیض سے پہلے طہر میں طلاق دی جائے گی تو حیض سے عدت شروع ہوگی) اور رسول اللہ ﷺ کی ایک قراءت میں ”فِي قَبْلِ عِدَّتِهِنَّ“ ہے اور جب عورت کو اس کے تین حیضوں میں سے اول حیض سے پہلے طہر میں طلاق دی جائے تو بلاشبہ اسے عدت سے پہلے طلاق دے دی گئی اور مقصد یہ ہے کہ حیض کے ساتھ عدت گزارنے والی مذخولہ خواتین کو ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں ان سے جماع نہ کیا گیا ہو پھر انہیں چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ ان کی عدت ختم ہو جائے اور یہ احسن طلاق ہے یعنی سب سے بہترین طلاق ہے ﴿وَاحْصُوا الْعِدَّةَ﴾ اور تم عدت کو شمار کرو اس کو اچھی طرح یاد رکھو اور تم اس کے لیے طلاق کے بعد آنے والے کامل تین حیض مکمل کرو ان میں ذرہ بھر کمی نہ ہو اور عورتوں کی غفلت کی وجہ سے مردوں کو مخاطب کیا گیا ہے ﴿وَاقْبُوا لِلَّهِ مَا بَكَّوْا لِأَنْتُمْ جَاهِلُونَ﴾ اور تم اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ان کو باہر نہ نکالو یہاں تک کہ وہ اپنی عدت ختم کر لیں ﴿مِنْ بَيِّنَاتِهِنَّ﴾ ان کے گھروں اور ان کی رہائش گاہوں سے جن میں وہ عدت سے پہلے رہائش پذیر تھیں اور وہ ان کے شوہروں کے گھر مراد ہیں اور ان گھروں کو ان عورتوں کی طرف اس لیے منسوب کیا گیا ہے کہ رہائش کے اعتبار سے وہ مکانات انہیں کے ساتھ مختص ہیں اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ عدت گزارنے کے لیے عورتوں کو گھر میں رہائش دینا خاوند پر واجب ہے چنانچہ جب کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ فلاں آدمی کے گھر میں داخل نہیں ہوگا پھر وہ اس آدمی کے ایسے گھر میں داخل ہو جائے جس میں وہ آدمی صرف رہائش پذیر ہو اور اس کا مالک نہ ہو تو اس شخص کی قسم ٹوٹ جائے گی (اور اسے کفارہ دینا پڑے گا کیونکہ اعتبار ملکیت کا نہیں صرف سکونت کا ہے) اور گھر سے

باہر نکالنے کا معنی یہ ہے کہ شوہر اس سے ناراض ہو کر اور اسے اپنے گھر میں ٹھہرانے کو ناپسند و ناگوار قرار دے کر یا اپنی کسی حاجت کی بناء پر اپنے گھر سے دوسری رہائش گاہوں کی طرف منتقل کرنے کے لیے نہ نکالے، محض یہ بتانے کے لیے طلاق کے بعد اب شوہر کی اجازت کسی ممانعت کے ختم کرنے میں موثر نہیں رہی ﴿وَلَا يَخْرُجْنَ﴾ اور وہ مطلقہ عورتیں خود بھی ان گھروں سے باہر نہ نکلیں اگرچہ وہ نکلنا چاہتی ہوں ﴿إِلَّا أَنْ يَتَّيَّنَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيَّنَةٍ﴾ مگر یہ کہ وہ کوئی کھلم کھلا برائی کر لیں۔ بعض اہل علم نے فرمایا کہ وہ زنا کاری کریں یعنی مگر یہ کہ وہ زنا کاری کا ارتکاب کر لیں تو ان پر حد قائم کرنے کے لیے انہیں گھروں سے نکالا جائے گا اور بعض حضرات کا یہ قول ہے کہ عدت ختم ہونے سے پہلے عورت کا اپنے گھر سے باہر نکلنا بذات خود بے حیائی اور گناہ ہے ﴿وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ﴾ اور یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں یعنی مذکورہ بالا احکام حدود الہیہ ہیں ﴿وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی حدوں سے آگے بڑھتا ہے تو بے شک وہ اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے ﴿لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا﴾ اے مخاطب! تم نہیں جانتے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی نئی صورت پیدا کر دے وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ شوہر کے دل کو اپنی مطلقہ بیوی سے بغض رکھنے کے بعد اس کی محبت میں تبدیل کر دے اور اس کی نفرت کو محبت و رغبت میں تبدیل کر دے اور طلاق کے ارادے کی بجائے اس پر ندامت و شرمندگی پیدا کر دے سو وہ اپنی مطلقہ بیوی سے رجوع کر لے اور تمہیں اپنی عورتوں کو عدت کے قریب طلاق دینے اور ان کی عدت شمار کرنے اور ان کو گھروں سے نہ نکالنے کے احکام دینے کا معنی اور مطلب یہ ہے کہ تا کہ تم اپنے فعل پر نادم و شرمندہ ہو جاؤ اور اپنی مطلقہ بیویوں سے دوبارہ رجوع کر لو۔

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا
ذَوِي عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ذَلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ يُؤْمِنُ
بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۖ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ
لَا يَحْتَسِبُ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ
اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝

پھر جب وہ اپنی عدت کے قریب پہنچ جائیں تو تم انہیں بھلائی کے ساتھ روک لو یا ان کو بھلائی کے ساتھ الگ کر دو اور تم انہوں میں سے دو عادل آدمیوں کو گواہ بنا لو اور تم گواہی کو اللہ تعالیٰ کے لیے قائم کرو یہ نصیحت اسے کی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو وہ اس کے لیے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے اور وہ اسے ایسی جگہ سے رزق عطا کرتا ہے جہاں سے وہ گمان بھی نہیں کرتا اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے تو وہی اسے کافی ہے بے شک اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرنے والا ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے تقدیر مقرر فرمادی ہے ۝

۳۰۲- ﴿فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ﴾ پھر جب وہ اپنی عدت کو پہنچنے لگیں یعنی وہ اپنی عدت کے آخر کے قریب پہنچ جائیں ﴿فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ﴾ تو تم ان کو بھلائی کے ساتھ روک لو یا ان کو بھلائی کے ساتھ الگ کر دو

یعنی تمہیں اختیار ہے اگر چاہو تو رجوع کر لو اور بھلائی اور نیکی کے جذبے کے تحت انہیں اپنے پاس رکھ لو اور اگر چاہو تو رجوع ترک کر دو اور انہیں چھوڑ دو اور تم انہیں ضرر اور نقصان پہنچانے سے پرہیز کرو اور وہ یہ ہے کہ خاوند عدت کے آخر میں اپنی مطلقہ بیوی سے رجوع کرنے کے لیے پھر اس کی عدت کو طویل اور دراز کرنے کے لیے اور اسے تکلیف پہنچانے کے لیے طلاق دے دے ﴿وَأَشْهِدُوا﴾ اور تم گواہ بنا لو یعنی اپنی مطلقہ بیوی سے رجوع کرنے اور الگ کرنے کے دونوں وقتوں میں گواہ بنا لو تاکہ بعد ازاں میاں بیوی کے درمیان باہمی جھگڑا کھڑا نہ ہو جائے اور مرد کے لیے گواہ بنا لینا مستحب عمل ہے ﴿ذَوِي عَدَالٍ مِّنكُمْ﴾ اپنوں میں سے دو عادل گواہ یعنی مسلمانوں میں سے دو عادل گواہ ہونے چاہئیں ﴿وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کے لیے گواہی قائم کرو (یعنی) خالص اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے گواہی دو اور وہ یہ ہے کہ گواہی دینے والے گواہی کو نہ اس شخص کے لیے ادا کریں جس کے لیے دی جائے گی اور نہ اس شخص کے لیے جس کے خلاف گواہی دی جائے گی اور نہ دیگر اغراض میں سے کسی غرض کے لیے ادا کریں بلکہ محض حق کو قائم کرنے اور ظلم کو دفع کرنے کی نیت سے گواہی ادا کریں ﴿ذٰلِكُمْ﴾ یہ (یعنی) انصاف قائم کرنے اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے گواہی کو قائم کرنے کی ترغیب دینا ﴿يُوعِظُ بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ اس کی نصیحت ان لوگوں کو کی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں یعنی اس نصیحت سے صرف یہی لوگ فائدہ اٹھائیں گے ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًا﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے [یہ جملہ معترضہ ہے جو سنت طلاق کے اجراء کا معاملہ گزر چکا ہے اس کی تاکید کے لیے بیان کیا گیا ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا خوف اور ڈر رکھتا ہے وہ سنت کے مطابق طلاق دے اور عدت گزارنے والی عورت کو تکلیف اور نقصان نہ پہنچائے اور نہ اس کو اس کی رہائش گاہ سے نکالے اور احتیاط کرے پھر رجوع یا فرقت کے وقت گواہ مقرر کر لے ﴿يَجْعَلُ لَهُ مَخْرَجًا﴾ تو اللہ تعالیٰ شوہروں کے متعلق آنے والے غموں اور مشکلات اور تنگیوں میں مبتلا ہونے سے بچنے کے لیے نجات کی کوئی راہ نکال دے گا اور وہ اس سے غموں اور تکلیفوں کو دور کر دے گا اور اسے نجات و خلاصی عطا فرمائے گا ﴿وَيَزِدْ لَهُ مِّنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ اور اللہ تعالیٰ اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا فرمائے گا جہاں سے اس کے دل میں کبھی خیال پیدا نہیں ہوگا اور نہ کبھی اس نے گمان کیا ہوگا اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کو ارشاد باری تعالیٰ ﴿ذٰلِكُمْ يُوعِظُ بِهِ﴾ کے ذکر کے ساتھ شامل کیا جائے یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا اور آخرت کے غموں سے خلاصی اور نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے اس آیت کو تلاوت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ متقین کو دنیا کے شکوک و شبہات سے نجات دیتا ہے اور موت کی سکرات سے اور قیامت کے دن کی سختیوں سے نجات عطا فرمائے گا۔ اور حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں ایک آیت کریمہ کو جانتا ہوں اگر لوگ اسے لے لیں تو وہی ان کو کافی ہو جائے اور وہ آیت ”وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ“ مَخْرَجًا“ پھر آپ اس کو مسلسل پڑھتے رہے اور اس کو بار بار دہراتے رہے اور مروی ہے کہ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک بیٹے کو مشرکین مکہ نے قید کر لیا تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے بیٹے کو قید کر لیا گیا ہے اور آپ کی خدمت میں فقر و فاقہ کی شکایت بھی کی تو آپ نے فرمایا کہ شام کے وقت سے آل محمد (ﷺ) کے پاس صرف سوا سیر طعام ہے سو تم اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور صبر کرو اور ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“

۱۔ رواہ التعلیٰ والواحدی (حاشیۃ الکشاف ج ۴ ص ۵۵۶)

۲۔ رواہ ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۲۰

الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ“ کو کثرت سے پڑھا کرو چنانچہ وہ اپنے گھر واپس لوٹ آئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اور تجھے ان کلمات کو کثرت سے پڑھنے کا حکم دیا، تو اس نے کہا: حضور نے بہت اچھی چیز کا ہمیں حکم دیا ہے، سو وہ دونوں میاں بیوی ان کلمات کو پڑھنے لگ گئے، ایک دن وہ اپنے گھر میں بیٹھے تھے کہ اچانک ان کے بیٹے نے دوازہ کھٹکھٹایا، حضرت عوف دروازے پر آئے تو دیکھا کہ ان کا بیٹا ایک سواونٹ اور بہت سی بکریاں لے کر پہنچ چکا ہے دریافت کرنے پر بتایا کہ دشمن غافل ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے موقع سے فائدہ اٹھا کر ان کے اونٹ اور بکریاں لے کر وہاں سے بھاگ آیا ہوں ﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرتا ہے اور غیر سے طمع رکھنے کی بجائے اپنا ہر معاملہ اور اپنی ہر تدبیر اسی کے سپرد کر دیتا ہے تو وہ اسے دونوں جہانوں میں کافی ہو جاتا ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ بِأَلْمِ أَمْرَةٍ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرنے والا ہے یعنی وہ اپنا حکم نافذ و جاری کرنے والا ہے [یہ امام حفص کی قراءت ہے جب کہ ان کے علاوہ کے ہاں ”بَالِغِ أَمْرَةٍ“ ہے] یعنی اللہ تعالیٰ اپنا جو کام چاہتا ہے پورا کر دیتا ہے اور اس کا کوئی کام ضائع نہیں جاتا اور نہ وہ اپنے کسی مطلوب میں عاجز ہوتا ہے ﴿قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے (یعنی) تقدیر اور توقیت کے اعتبار سے اور یہ اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنے اور اپنا ہر معاملہ اس کے سپرد کرنے کے وجوب کا بیان ہے کیونکہ جب معلوم ہو گیا کہ رزق وغیرہ میں سے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی توقیت کے ساتھ وابستہ ہے تو تقدیر کو تسلیم کرنے اور توکل اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہا۔

وَالَّتِي يَبْسُنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنْ رُبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ
وَالَّتِي لَمْ يَحِضْ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَمَنْ
يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ۝ ذَلِكُمْ أَمْرُ اللَّهِ أَنْزَلَهُ إِلَيْكُمْ وَمَنْ يَتَّقِ
اللَّهَ يُكْفِرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا ۝

اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے نا اُمید ہو چکی ہیں ان کے حکم میں اگر تمہیں شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہیں اور جن عورتوں کو حیض نہیں آیا (ان کی عدت بھی تین ماہ ہے) اور حمل والیوں کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جن لیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کے کام کو آسان کر دیتا ہے ۰ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اس کی بُرائیاں مٹا دیتا ہے اور اس کو بہت بڑا ثواب عطا کرتا ہے ۰

غیر حیض والی اور حاملہ خواتین کی عدت کا بیان

۴- ﴿وَالَّتِي يَبْسُنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ﴾ اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے نا اُمید ہو چکی ہیں۔
شان نزول: مروی ہے کہ کچھ مسلمانوں نے کہا کہ ہم نے حیض والی عورتوں کی عدت کو پہچان لیا ہے، سو جن عورتوں کو حیض نہیں آتا ان کی عدت کیا ہے؟ تو اس پر ﴿إِنْ رُبْتُمْ﴾ نازل ہوئی کہ اگر تم پر ان کا حکم مشکل و مشتبہ ہو گیا ہے اور تمہیں معلوم

لے رواہ البیہقی عمہ (حاشیہ الکشاف ج ۲ ص ۵۵۶)

نہیں کہ وہ عورتیں کیسے عدت گزاریں گی؟ ﴿فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ﴾ تو ان کی عدت تین ماہ ہے یعنی پس یہ ان کا حکم ہے۔ بعض اہل علم نے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تمہیں نا اُمیدی کی عمر کو پہنچنے والی عورتوں کے خون کے بارے میں شک و شبہ ہو اور نا اُمیدی کی عمر پچپن (۵۵) سال سے ساٹھ تک ہے کہ آیا وہ حیض کا خون ہے یا استحاضہ کا؟ ﴿فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ﴾ تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور جب یہ حکم ان عورتوں کے بارے میں ہے جن کے خون میں شک و شبہ ہو تو جن عورتوں کے خون کے متعلق شک نہیں ہے ان کی عدت تین ماہ بہ طریق اولیٰ ثابت ہوگی ﴿وَأَلَّیٰ لَٰحِیْحَضُنَّ﴾ اور جن کو حیض نہیں آتا اور یہ وہ لڑکیاں ہیں جو سن بلوغت کو نہیں پہنچیں اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ”(وَأَلَّیٰ لَٰحِیْحَضُنَّ) فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ“ اور جن کو حیض نہیں آتا ان کی عدت بھی تین مہینے ہیں [پھر اس جملہ کو حذف کر دیا گیا کیونکہ مذکورہ بالا جملہ اس محذوف پر دلالت و رہنمائی کرتا ہے] ﴿وَأُولَاتِ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ اور حاملہ عورتوں کی مدت (یعنی) ان کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل (بچہ) جن لیں اور یہ کلام پاک ان حاملہ خواتین کو بھی شامل ہے جن کو دورانِ حمل طلاق دے دی گئی اور ان حاملہ خواتین کو بھی شامل ہے جن کے خاوند فوت ہو گئے ہوں اور حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا: بیوہ حاملہ عورت کی عدت دونوں مقررہ عدتوں میں سے جو بعید ہوگی وہ اس کی عدت ہوگی (یعنی چار ماہ دس دن اور وضع حمل میں سے جو بعید ہوگی وہ بیوہ حاملہ کی عدت ہوگی) ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِّنْ أَمْرِهِ يُسْرًا﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کے کام میں آسانی پیدا کر دیتا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ اس کے تقویٰ کے سبب اس کے کام کو آسان کر دیتا ہے اور اس کی گرہ کھول دیتا ہے۔

۵- ﴿ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے یعنی ان عدت والی عورتوں کا جو حکم معلوم ہو چکا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ﴾ جس کو اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ سے تمہاری طرف نازل فرمایا ہے ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لِّهٖ سُبُوٰتٍ وَّيُعْظِمْ لَهٗ اَجْرًا﴾ اور جو شخص ان احکام پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے جن کو اس نے نازل فرمایا اور جو حقوق اس پر واجب ہیں ان کی وہ حفاظت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اس کی برائیاں مٹا دے گا اور اس کو بہت بڑا ثواب عطا فرمائے گا۔

اَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجُوٰكُمْ وَاَتَضَارُوهُنَّ لِتَضَيَّقُوا عَلَيْهِنَّ وَاِنْ

كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ

فَاتُوهُنَّ اَجْرَهُنَّ وَاتَّبِعُوا بَيْنَكُمْ بَعْرُوْفٍ وَاِنْ تَعَاَسَرْتُمْ فَسُدُّوْا لَهَا

اُخْرٰى ۙ لِيُنْفِقَ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا اٰتٰهٗ

اللّٰهُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَا اٰتٰهَا ۗ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ۝

تم اپنی وسعت کے مطابق ان عورتوں کو وہاں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو اور تم ان کو تکلیف نہ دو تا کہ تم ان پر تنگی کرو اگر وہ عورتیں حاملہ ہوں تو تم ان پر خرچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ اپنا حمل جن لیں پھر اگر وہ تمہارے لیے بچے کو دودھ پلائیں تو تم ان کو ان کی اجرت دو اور تم آپس میں حسن سلوک کے ساتھ باہمی مشورہ کر لو اور اگر تم ایک دوسرے سے دشواری محسوس کرو تو عنقریب اس کو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی O وسعت والے کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیے اور جس پر اس

کا رزق تنگ کر دیا گیا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے جس قدر اسے مال و دولت دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرے اللہ تعالیٰ کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی قدر جس قدر اسے دیا ہے، عنقریب اللہ تعالیٰ تنگ دستی کے بعد آسانی پیدا کر دے گا۔

مطلقہ عورتوں کے مسکن و نفقہ اور رضاعت کے مسائل کا بیان

۶۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد ”وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ“ میں تقویٰ کو بیان فرمایا تو گویا کہا گیا کہ ہم تقویٰ کے اعتبار سے عدت گزارنے والی عورتوں کے بارے میں کیسے عمل کریں؟ تو جواب میں ارشاد فرمایا گیا کہ ﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ مَكَّنْتُمْ﴾ تم ان کو اس طرح اور اس طرح ٹھہراؤ جس طرح تم خود ٹھہرتے ہو [حرف ”مِنْ“ تبصیہ ہے اور اس کا بعض محذوف ہے یعنی ”مَكَانًا“] یعنی تم ان کو اسی مکان میں ٹھہراؤ جس میں تم خود ٹھہرتے ہو یعنی تم اپنے رہائشی مکان کے بعض حصہ میں (کسی ایک کمرے میں) ٹھہراؤ ﴿مِنْ وَجْدِكُمْ﴾ اپنی وسعت و طاقت کے مطابق۔ گویا کہا گیا ہے کہ تم اپنی رہائش گاہ میں سے کسی مکان میں انہیں ٹھہراؤ جس کی تم طاقت رکھتے ہو اور ”وَجْدٌ“ کا معنی وسعت و گنجائش اور طاقت و قدرت ہے [یہ ”مِنْ حَيْثُ مَكَّنْتُمْ“ کا عطف بیان اور اس کی تفسیر ہے اور واؤ پر تینوں حرکات (زبر، زیر، پیش) کے ساتھ پڑھا گیا اور اس کو ضمہ (پیش) کے ساتھ پڑھنا مشہور ہے] اور نان نفقہ اور مکان ہر مطلقہ عورت کے لیے اس کے شوہر پر واجب ہے اور حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث کی بناء پر مطلقہ مغلظہ (جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں) کے لیے نان نفقہ نہیں ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ ان کے خاوند نے ان کو طلاق مغلظہ دے دی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے فاطمہ بنت قیس! اب تیرے لیے نہ نفقہ اور نہ مکان ہے! حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم ایک عورت کے کہنے پر اپنے رب تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید اور اپنے پیغمبر کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتے، ممکن ہے وہ بھول گئی ہو یا اسے شک و شبہ پڑ گیا ہو کیونکہ میں نے خود حضور نبی کریم ﷺ سے سنا ہے آپ نے فرمایا: ایسی عورت کے لیے مکان بھی ہے اور نفقہ بھی ہے ﴿وَلَا تَضَارُّوهُنَّ﴾ اور تم ان کو ضرر و تکلیف نہ دو اور نہ تم ان کے ساتھ ضرر رساں اور

۱۔ رواہ الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۸۰ ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۳۶

۲۔ رواہ احمد ج ۶ ص ۴۱۲، مسلم رقم الحدیث: ۱۳۸۰۔ ۴۳۲، ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۸۸۔ جو عورتیں عدت گزار رہی ہوتی ہیں ان کے احوال مختلف ہوتے ہیں۔ خاوند نے اسے طلاق رجعی دی ہے اور وہ حاملہ نہیں ہے، خاوند نے اسے طلاق رجعی دی ہے اور وہ حاملہ بھی ہے، خاوند نے اسے طلاق مغلظہ دی ہے اور وہ حاملہ نہیں، خاوند نے اسے طلاق مغلظہ دی ہے اور وہ حاملہ بھی ہے۔ اس میں سب ائمہ دین متفق ہیں کہ اگر عورت طلاق رجعی کی عدت گزار رہی ہے تو نفقہ اور سکنا دونوں خاوند کے ذمہ ہوں گے خواہ وہ حاملہ ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح جو عورت طلاق مغلظہ کی عدت گزار رہی ہے اور وہ حاملہ بھی ہے تو اس کا نفقہ اور سکنا بھی مرد کے ذمہ ہوگا۔ البتہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ وہ عورت غیر حاملہ ہے اور طلاق مغلظہ کی عدت گزار رہی ہے، کیا اس صورت میں نفقہ اور سکنا دونوں خاوند کے ذمہ ہوں گے یا صرف سکنا خاوند کے ذمہ ہوگا یا خاوند نفقہ اور سکنا دونوں سے بری الذمہ ہوگا؟ حضرات سیدنا عمر ابن مسعود، امام زین العابدین، قاضی شریح اور ابراہیم نخعی کا قول یہ ہے کہ اس عورت کے نفقہ اور سکنا دونوں کی ذمہ داری خاوند پر ہوگی اور احناف کا بھی یہی مسلک ہے۔ حضرات سعید بن مسیب، سلیمان بن یسار، امام مالک، امام شافعی کا قول یہ ہے کہ اس عورت کا سکنا تو خاوند کے ذمہ ہے لیکن نفقہ اس کے ذمہ نہیں۔

تیسرا گروہ جس کے سرخیل امام حسن بصری اور حضرت جہاد ہیں ان کے نزدیک ایسی عورت کا نفقہ اور سکنا مرد کے ذمہ نہیں۔ احادیث صحیحہ سے پہلے مسلک کی ہی تائید ہوتی ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نقصان وہ معاملہ کرو ﴿لَتَضَيَّقُوا عَلَيْهِنَّ﴾ تاکہ تم ان پر مشقت و تنگی کرو کہ تم ان کی رہائش گاہ میں بعض اسباب کے ذریعے ایسی مداخلت کرو جو ان کے موافق نہ ہو (مثلاً ان کے رہائشی مکان میں ایسے افراد کو ٹھہرا لینا جو ان کے موافق نہ ہوں) یا ان کے مکان میں کوئی تصرف کرنا (جیسے غیر ضروری سامان سے ان کے مکان کو بھر دینا) یا اس کے علاوہ کوئی اور کام کرنا یہاں تک کہ تم انہیں گھر سے نکلنے پر مجبور کر دو ﴿وَإِنْ كُنَّ أَوْلَادٍ حَمْلٌ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ اور اگر وہ یعنی طلاق یافتہ عورتیں حاملہ ہوں تو تم ان پر خرچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ اپنا حمل (بچہ) جن لیں اور حمل کی شرط کا فائدہ یہ ہے کہ حمل کی مدت بعض اوقات طویل اور لمبی ہو جاتی ہے تو کوئی گمان کرنے والا یہ گمان کر سکتا ہے کہ نفقہ اس وقت ساقط ہو جائے گا جب حاملہ کی عدت کی مقدار گزر جائے گی (تین ماہ) تو اس وہم و گمان کی نفی کر دی گئی ہے ﴿فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ﴾ پھر اگر وہ تمہارے لیے دودھ پلائیں یعنی اگر یہ طلاق یافتہ عورتیں زوجیت (بیوی ہونے) کے تعلق کے ختم ہو جانے کے بعد تمہارے بچے کو دودھ پلائیں خواہ وہ بچہ انہیں کا اپنا ہو یا ان کے علاوہ تمہاری کسی دوسری بیوی کا بچہ ہو ﴿فَأَتَوْهُنَّ أَجُورَهُنَّ﴾ تو تم ان کو ان کی اجرت ادا کرو کیونکہ اب اس مسئلہ میں ان کا حکم دایم کے حکم کی طرح ہے اور کسی عورت کو اجرت پر طلب کرنا جائز نہیں جب کہ بچہ انہیں طلاق یافتہ عورتوں میں سے کسی نے جنا ہو جب تک وہ ماں اپنے بچہ کو دودھ پلانے سے انکار نہ کرے جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے خلاف ہیں ﴿وَأَتِيَهُنَّ أَيْتُكُنَّ﴾ اور تم آپس میں مشورہ کر لو یعنی رضاعت کی اجرت مقرر کرنے میں باہمی رضامندی کے لیے آپس میں مشورہ کر لو یا تم ایک دوسرے سے باہم مشورہ کر لیا کرو اور یہ خطاب باپوں اور ماؤں دونوں کو ہے ﴿بِمَعْرُوفٍ﴾ مشورہ بھلائی کے ساتھ ہو جو سنت نبوی کے مناسب و موافق ہو اور مروت میں بہت اچھا ہو سونہ باپ اجرت دینے میں بخل سے کام لے اور نہ ماں اجرت لینے میں تنگی کرے کیونکہ بچہ ان دونوں کا ہے اور وہ دونوں بچہ میں مشترک ہیں اور اس پر شفقت کرنا دونوں ماں باپ پر واجب ہے ﴿وَإِنْ تَعَاَسَرْتَہُمْ﴾ اور اگر تم ایک دوسرے پر دشواری محسوس کرو (یعنی) اگر تم میاں بیوی دونوں ایک دوسرے پر تنگی کرو کہ ماں دودھ پلانے کے لیے اس اجرت پر راضی نہ ہو جس پر اجنبی عورت راضی ہے اور باپ اجرت میں اضافہ نہ کرتا ہو ﴿فَسَتَرْضَعُهُنَّ﴾ تو عنقریب اس کے لیے دوسری عورت دودھ پلا دے گی، سو عنقریب دوسری عورت مل جائے گی اور ماں کے علاوہ دوسری عورت پر سختی نہیں کی جائے گی کہ وہ ضرور بچہ کو دودھ پلائے اور اس میں ماں کے لیے کچھ عتاب ہے تنگی اور دشواری پیدا کرنے پر اور ”لہ“ کی ضمیر باپ کی طرف لوٹی ہے یعنی باپ عنقریب تنگ نہ کرنے والی عورت کو پالے گا جو اس کے لیے اس کے بیٹے کو دودھ پلا دیا کرے گی، اگر بچے کی ماں اس کے باپ کو تنگ کرے گی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ”الْمُطَلَّقَةُ ثَلَاثًا لَهَا السُّكْنَىٰ وَالنَّفَقَةُ“ (دار قطنی) جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں عدت کے دوران اس کا نان نفقہ اور سکنی مرد کے ذمہ ہوگا۔ اس سے بھی زیادہ صحیح اور اقویٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ ارشاد ہے جو حضرت فاروق اعظم سے مروی ہے: ”سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ لَهَا السُّكْنَىٰ وَالنَّفَقَةُ“ حضرت عمر فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایسی عورت کو سکنی اور نفقہ مہیا کیا جائے گا۔ حضرت ابو بکر صاص حنفی لکھتے ہیں کہ ہمیں غور کرنا چاہیے کہ جن عورتوں کو عدت میں نفقہ دیا جاتا ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ کیا اس لیے کہ وہ حاملہ ہیں؟ ایسا تو نہیں، کیونکہ مطلقہ رجعیہ غیر حاملہ کو سب کے نزدیک نفقہ دیا جاتا ہے کیا اس لیے کہ بعض مصلحتوں کے پیش نظر وہ عورتیں اپنے سابق خاوندوں کے گھروں میں رہنے پر مجبور ہیں اس لیے ان کا نفقہ خاوند پر لازم ہے، تو یہ علت مطلقہ مغالطہ میں بھی پائی جاتی ہے اس لیے جب نفقہ کی علت موجود ہے تو نفقہ خاوند کو ادا کرنا پڑے گا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۲۸۲-۲۸۳)

۷- ﴿لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ﴾ چاہیے کہ وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جس شخص پر اس کا رزق تنگ کر دیا گیا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اس میں سے خرچ کرے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اسے دیا ہے یعنی خوش حال اور تنگ دست میں ہر ایک کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت و ہمت کے مطابق خرچ کرے اور مقصد اور مراد یہ ہے کہ خاوندوں کو طلاق یافتہ بیویوں اور دودھ پلانے والیوں پر خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ”قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ“ کا معنی یہ ہے کہ اس کا رزق تنگ کر دیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو صرف روزمرہ کی خوراک کے برابر رزق عطا کیا ہے ﴿لَا يَكِلُفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا﴾ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتا مگر جس قدر اس کو دیا ہے (یعنی) جتنا اس کو رزق عطا فرمایا ہے ﴿سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا﴾ عنقریب اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد آسانی پیدا کر دے گا (یعنی) معیشت میں تنگ دستی کے بعد وسعت و خوش حالی عطا فرمائے گا اور یہ تنگ دست کے لیے خوش حالی کا وعدہ ہے۔

وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرَأْسِهَا حَسَابًا شَدِيدًا
وَعَذَابُهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝۸ فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ۝۹
اللَّهُ لَكُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ آمَنُوا قَدْ أَنزَلَ
اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝۱۰

اور کتنی بستیاں تھیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے حکم اور اس کے رسولوں سے سرکشی کی سوہم نے ان سے بہت سخت حساب لیا اور ہم نے ان کو بہت بُرا عذاب دیا ۸ سو انہوں نے اپنے کیے کا وبال چکھ لیا اور ان کے کیے کا انجام نقصان ہی ہوا ۹ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بہت سخت عذاب تیار کر رکھا ہے سوائے ایمان دار عقل والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ایک نصیحت کو نازل فرمایا ۱۰

کفار کا بُرا انجام نیک مسلمانوں کا نیک انجام اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق و قدرت کا بیان

۸- ﴿وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ﴾ اور بہت بستیاں (یعنی) بہت سی بستیوں والے ایسے ہوئے ہیں کہ ﴿عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرَأْسِهَا﴾ انہوں نے اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے اور اس کے رسولوں سے سرکشی کی (یعنی) انہوں نے تکبر و سرکشی اور بغض و عناد کی وجہ سے روگردانی کی اور منہ پھیر لیا ﴿فَحَسِبْتُمْ أَنبِئَانَا حَسَابًا شَدِيدًا﴾ پس ہم نے سختی و تنگی اور دشواری کے ساتھ ان سے بہت سخت حساب لیا (کہ خشک سالی و قحط سالی اور امراض و وبا میں قتل و ہلاکت بھیجیں) ﴿وَعَذَابُهَا عَذَابًا نُّكْرًا﴾ اور ہم نے ان کو بہت بُرا عذاب دیا [نافع مدنی اور ابو بکر کوفی کی قراءت میں نون اور کاف دونوں مضموم ہیں باقیوں کے ہاں کاف ساکن ہے یعنی بہت بُرا عذاب]۔

۹- ﴿فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا﴾ سو انہوں نے اپنے کیے کا وبال چکھ لیا اور ان کے کیے کا انجام نقصان ہی ہوا یعنی ہلاکت و بربادی اور نقصان و گھاٹا اور اس سے مراد آخرت کا سخت ترین حساب اور بدترین عذاب ہے اور نیز اس میں وہ لوگ اپنی سرکشیوں اور نافرمانیوں کے وبال کا جو مزہ چکھیں گے اور جو نقصان و گھاٹا پائیں گے وہ مراد ہے اور اس کو فعل ماضی کے ساتھ اس لیے لایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور وعید کا منتظر حقیقت میں اسے ضرور پانے والا ہے اور جو

کچھ ہونے والا ہے وہ گویا ہو چکا ہے کیونکہ اس کا نقصان و وبال یقینی ہے۔

۱۰۔ ﴿أَعَدَّ اللَّهُ لَكُمْ عَذَابًا شَدِيدًا﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اس میں وعید (دھمکی) کا تکرار ہے اور اس بات کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پوری پوری نگرانی کر رہا ہے ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ سوائے ایمان لانے والے عقل مندو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو سوائے مومنین عقل مندو! تمہارے لیے یہی وصف ہونا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ میں اور اس کے عذاب سے بچنے کے لیے تم پر لطف و کرم کیا جائے اور یہ ممکن ہے کہ عذاب شدید سے کفار کی برائیوں کا شمار رکھنا اور دنیا میں ان پر سختی کرنا اور ان کی برائیوں اور گناہوں کو محافظ فرشتوں کے صحیفوں میں ثابت رکھنا اور دنیا ہی میں ان کو قتل و عارت اور ہلاکت و بربادی کا عذاب پہنچانا مراد ہو [”عَسَتْ“ اور جو اس پر معطوف ہیں وہ ”قَرِيْبَةٌ“ کی صفت ہیں اور ”أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ“، ”كَآئِنٌ“ کا جواب ہے] ﴿قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ایک نصیحت کو نازل فرمایا یعنی قرآن مجید کو نازل فرمایا۔

رَسُولًا يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مَبِينَاتٍ لِيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ رِزْقًا ۝۱۱ اللَّهُ

الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ

لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۚ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ

عِلْمًا ۝۱۲

(دوسرا) رسول کو بھیجا جو تم پر اللہ تعالیٰ کی روشن آیات تلاوت کرتے ہیں تاکہ وہ ان لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائیں جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بہت بہترین رزق تیار کر رکھا ہے ۝ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمانوں کو پیدا کیا اور انہیں کے برابر زمینیں پیدا کیں ان کے درمیان حکم الہی نازل ہوتا رہتا ہے تاکہ تم جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر بہت قادر ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ذریعے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے ۝

۱۱۔ ﴿رَسُولًا﴾ رسول کو بھیجا [یہ فعل مضمہر کی وجہ سے منصوب ہے اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ”أَرْسَلَ رَسُولًا“

یابہ ”ذِكْرًا“ سے بدل ہے گویا حضور بذات خود بعینہ مزا پا ذکر اور نصیحت ہیں یا پھر یہ تقدیر حذف مضاف پر منصوب ہے [”أَيُّ قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذَا ذِكْرٍ رَسُولًا“ یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف نصیحت و خیر خواہی کرنے والے رسول کو نازل فرمایا اور ذکر سے شرف و عظمت اور بزرگی مراد ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَأَنَّهُ لَذِكْرُكَ لَكَ وَلِقَوْمِكَ“ (الزخرف: ۴۴) ”اور بے شک یہ قرآن مجید آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے باعث عظمت و فضیلت ہے“ یعنی یہ رسول

اللہ کے نزدیک بڑی عظمت و فضیلت والا ہے اور رسول سے حضرت جبریل یا سرور عالم حضرت محمد مصطفیٰ علیہا السلام مراد ہیں ﴿يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ﴾ وہ تم پر اللہ تعالیٰ کی روشن اور واضح آیتیں تلاوت کر کے سنا تے ہیں یعنی رسول اکرم یا اللہ عزوجل قرآنی آیات پڑھ کر تمہیں سناتے ہیں ﴿لِيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ تاکہ وہ یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو نکال لے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے یعنی تاکہ انہیں وہ ایمان اور عمل صالح حاصل ہو جائے جس پر وہ اب تک قائم ہیں یا یہ معنی ہے: تاکہ اللہ تعالیٰ ازل سے جن کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ ایمان لے آئیں گے انہیں ﴿مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ کفر و شرک اور جہالت کے اندھیروں سے نکال کر ایمان اور علم کی روشنی کی طرف لے جائے ﴿وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا﴾ اور جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "يُدْخِلْهُ" کی بجائے "نُون" کے ساتھ "نُدْخِلْهُ" ہے اور "مَنْ" کے لفظ پر محمول کر کے واحد ذکر کیے گئے اور اس کے معنی پر محمول کر کے جمع ذکر کیے گئے ہیں] ﴿قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَكَ مِزَاجًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بہترین رزق (یعنی اجر و ثواب) تیار کر رکھا ہے۔ اس جملہ میں مومنوں کو جو اجر و ثواب عطا کیا جائے گا اس کی تعظیم و تکریم اور تعجب کا معنی پایا جاتا ہے۔

۱۲۔ ﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ﴾ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے سات آسمانوں کو پیدا کیا۔ اس پر تمام مفسرین متفق ہیں کہ سات آسمان ہیں [اسم جلالہ مبتدأ ہے باقی خبر ہے] ﴿وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾ اور ان کے برابر زمینیں پیدا کیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ قرآن مجید میں اس آیت مبارکہ کے علاوہ کوئی آیت ایسی نہیں ہے جو اس بات پر دلالت و رہنمائی کرے کہ زمینیں سات ہیں اور ہر دو آسمانوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت کا فاصلہ ہے اور اسی طرح ہر آسمان کی موٹائی اور چوڑائی ہے اور زمینیں بھی آسمانوں کی طرح ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ زمین صرف ایک ہے البتہ اس کے اقلیم اور براعظم سات ہیں ﴿يَتَنَزَّلُ الْأَمْزِيقَاتُ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کا حکم ان کے درمیان نازل ہوتا رہتا ہے اور جاری و ساری رہتا ہے اور اس کی سلطنت و بادشاہت ان میں نافذ و جاری ہے ﴿لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ تاکہ تم جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر بہت قادر ہے [لِتَعْلَمُوا "کلام" "خَلَقَ" کے ساتھ متعلق ہے] ﴿وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ذریعے تمام چیزوں کا احاطہ کر رکھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے [عِلْمًا "تمیز ہے یا غیر لفظ سے مصدر ہے]۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ

سورة التحريم مدنی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی بارہ آیات دو رکوع ہیں

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَرْوَاحِكَ وَاللَّهُ

عَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ قَدْ قَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِيَّةَ إِيمَانِكُمْ وَاللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ

الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝ وَإِذَا سَأَرَ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَرْوَاحِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ

وَأَظْهَرَ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ

مَنْ أَنْبَأَكَ هَذَا قَالَ نَبَّأَنِي الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ﴿۱۳﴾

اے پیارے نبی! آپ اس چیز کو کیوں ترک کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال قرار دیا ہے؟ آپ اپنی بیویوں کی رضا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کا کھولنا مقرر کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے اور سب کچھ جاننے والا بہت بڑا حکمت والا ہے O اور جب نبی کریم نے اپنی ایک بیوی کو راز کی بات بتائی پھر جب اس نے اس راز کی خبر دے دی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے نبی پر ظاہر فرمادیا تو نبی کریم نے اس کا کچھ حصہ بتا دیا اور کچھ سے چشم پوشی فرمائی پھر جب آپ نے اسے یہ خبر سنائی تو اس نے کہا کہ آپ کو یہ خبر کس نے دی ہے؟ آپ نے فرمایا: مجھے علیم وخبیر خدا نے خبر دی ہے O

شہد نہ کھانے کی قسم کا کفارہ ادا کرنے اور بعض ازواج کو تنبیہ کرنے کا بیان

۱- ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا تَحَرَّيْتُمْ مِمَّا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ﴾ اے پیارے نبی! آپ اس چیز سے کیوں رکتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال قرار دیا ہے!

۱- عارف باللہ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی لکھتے ہیں:

”هَذَا الْخِطَابُ مُشْعِرٌ بَأَنَّهُ ﷺ عَلَى غَايَةِ مِنَ التَّفْحِيمِ وَالتَّعْظِيمِ حَيْثُ عَاتَبَهُ عَلَى اتِّعَابِ نَفْسِهِ وَالتَّضْيِيقِ عَلَيْهَا مِنْ أَجْلِ مَرَضَاتِهِ أَرْوَاجِهِ كَانَ اللَّهُ تَعَالَى يَقُولُ لَهُ لَا تَتَّبِعْ نَفْسَكَ فِي مَرَضَاتِهِ أَرْوَاجِكَ بَلْ أَرِحْ نَفْسَكَ وَلَا تَتَّبِعْهَا وَأَرْوَاجِكَ يَسْعَيْنَ فِي مَرَضَاتِكَ فَإِنْ يَسْعَيْنَ فِي مَرَضَاتِكَ سَعْدَنَ وَإِلَّا فَلَا“ (ترجمہ) ”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ“ کا یہ پیارا خطاب اس بات سے آگاہ کرتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تعظیم و تکریم اور فضیلت و عظمت کے انتہائی اعلیٰ مقام پر فائز ہیں (کیونکہ ایک اہم ترین مسئلہ پر تنبیہ کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے شرفِ نداء سے سرفراز فرما کر اپنی طرف متوجہ فرمایا کہ اے محبوب و محترم نبی! جو چیز میں نے آپ کے لیے محبوب و مرغوب اور پسندیدہ بنا دی ہے آپ اس کے استعمال سے کیوں رکتے ہیں) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ عتاب و انتباہ اس لیے فرمایا کہ آپ نے اپنی ازواجِ مطہرات کی رضا اور خوشنودی کی خاطر اپنے آپ کو مشقت و سگی میں ڈال دیا، گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب! آپ اپنی ازواج کی رضا کے لیے اپنی ذات کو مشقت میں کیوں ڈالتے ہیں بلکہ آپ اپنی جان کو آرام و راحت پہنچائیے اور آپ مشقت میں ہرگز نہ پڑیں اور آپ کی ازواجِ مطہرات خود آپ کی رضا مندی اور خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کیا کریں کیونکہ اگر وہ آپ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کریں گی تو وہ نیک بخت و سعادت مند ہو جائیں گی ورنہ نہیں۔ (تفسیر صاوی حاشیہ علی الجلالین ج ۳ ص ۲۰۸، مکتبہ مصطفیٰ البابی الخلیفی، مصر، ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء)

حضرت ضیاء الامت لکھتے ہیں:

علامہ ابو حیان اندلسی اپنی تفسیر ”البحر المحیط“ میں تحریر فرماتے ہیں: ”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ نِدَاءُ إِقْبَالٍ وَتَشْرِيفٍ“ یعنی اللہ تعالیٰ نے ”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ“ سے خطاب فرما کر اپنے حبیب ﷺ کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے اور شرفِ نداء سے سرفراز فرمایا ہے: ”لِمَ تُحَرِّمُ سُؤَالَ تَلَطُّفٍ“ یعنی ازراہِ لطف و محبت دریافت کیا ہے کہ اے حبیب! آپ نے ایسا کیوں کیا اس کا قرینہ یہ ہے کہ پہلے بڑے احترام سے خطاب فرمایا پھر سوال کیا جس طرح ”عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذْنَتْ لَهُمْ“ میں ہے پھر فرماتے ہیں: تحریم سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۱) مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری کے دن حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے خلوت فرمائی اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کا علم ہو گیا تو حضور نے ان سے فرمایا کہ تم نے اس کو مخفی رکھنا ہے (حضور پر باری مقرر کرنا واجب نہیں تھا بلکہ آپ کو اختیار تھا جس بیوی سے چاہیں خلوت فرمائیں لیکن آپ نے تعلیم امت اور اپنی ازواج مطہرات کی دل جوئی کے لیے باریاں مقرر کر دی تھیں) اور بے شک میں نے ماریہ کو اپنے آپ پر ممنوع فرما دیا اور میں تمہیں خوش خبری سناتا ہوں کہ میرے وصال کے بعد میری امت کے امور مملکت کے والی ابو بکر اور عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ہوں گے، لیکن حضرت حفصہ نے یہ خبر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سنا دی کیونکہ یہ دونوں آپس میں سہیلیاں تھیں۔

(۲) اور بعض مفسرین نے بیان فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری کے دن حضرت ماریہ سے خلوت فرمائی تھی (کیونکہ اس روز حضرت حفصہ حضور سے اجازت لے کر اپنے والدین سے ملنے میسے چلی گئی (بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مراد تحریم شرعی نہیں یعنی جس طرح وحی الہی سے کسی چیز کو جو پہلے حلال تھی حرام کر دیا جاتا ہے اور اس کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ یہ حرام ہے بلکہ یہاں تحریم سے مراد امتناع ہے یعنی کسی چیز کے استعمال سے رُک جانا جیسے کوئی شخص کسی حلال اور مباح چیز کے استعمال کرنے سے اپنے آپ کو باز رکھ لیتا ہے اور کبھی یہ امتناع کسی کی دل جوئی کے لیے ہوتا ہے جس کی خوشنودی مطلوب ہوتی ہے۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۲۹۳-۲۹۵)

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی لکھتے ہیں:

”وَفِي نِدَائِهِ ﷺ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ فِي مَفْتَحِ الْعِتَابِ مِنْ حُسْنِ التَّلَطُّفِ بِهِ وَالتَّوْبَةِ بِشَانِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَا لَا يَخْفَى وَنَظِيرُ ذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى (عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذْنَتْ لَهُمْ) وَالْمُرَادُ بِالتَّحْرِيمِ الْأَمْتِنَاعُ وَبِمَا أَحَلَّ اللَّهُ الْعَسَلُ عَلَيَّ مَا صَحَّحَهُ النَّوَوِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى“ (ترجمہ) اور عتاب سے پہلے حضور نبی کریم ﷺ کو ”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ“ کے خطاب کے ساتھ نداء کے شرف سے مشرف فرما کر آپ کے ساتھ بہت حسین و جمیل لطف و کرم اور شفقت و محبت اور نرمی و مہربانی کا برتاؤ کیا گیا ہے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان کے بلند و بالا اور اعلیٰ و ارفع ہونے کا اظہار کیا گیا ہے جو کسی پر مخفی نہیں اور اس کی مثال یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذْنَتْ لَهُمْ“ (التوبہ: ۴۳) اور تحریم سے امتناع مراد ہے اور ”مَا أَحَلَّ اللَّهُ“ سے شہد مراد ہے اسی کو امام نووی نے صحیح قرار دیا ہے۔

علامہ آلوسی اس کے چند سطور بعد لکھتے ہیں:

”فِيهِ تَعْظِيمٌ شَانِهِ ﷺ بِأَنَّ تَرَكَ الْأَوْلَى بِالنِّسْبَةِ إِلَى مَقَامِهِ السَّامِيِّ الْكَرِيمِ يَعْدُو كَالذَّنْبِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي نَفْسِهِ كَذَلِكَ“ (ترجمہ) اس آیت مبارکہ میں تو حضور سید عالم ﷺ کی شان مبارک کی رفعت و عظمت اور فضیلت و بزرگی کا اظہار ہے کیونکہ آپ کے عالی شان بلند و بالا اور کریم و عظیم مقام کی نسبت سے ایک اولیٰ کام کا ترک گناہ کی طرح شمار کیا جاتا ہے اگرچہ وہ بہ ذات خود گناہ نہیں ہوتا۔ (تفسیر روح المعانی جز ۲۸ ص ۱۳۷، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

اس آیت مبارکہ کے شان نزول میں تین روایات ذکر کی گئی ہیں لیکن زیادہ صحیح اور معتبر روایت یہ ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ٹھہر کر شہد پینے سے روک لیا تھا چنانچہ علامہ قرطبی، علامہ ابن کثیر، علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ شہاب الدین خفاجی، علامہ قاضی عیاض مالکی، علامہ محمد بن خلیفہ ابی مالکی اور علامہ سید محمود آلوسی کی یہی تحقیق ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: تفسیر بیان القرآن ج ۱۲ ص ۱۰۲-۱۰۶۔

تھیں) پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حفصہ کو اس پر راضی کر لیا تھا اور اس بات کو مخفی رکھنے کا حکم دیا لیکن انہوں نے اس کو مخفی نہ رکھا اور بتا دیا تو حضور نے انہیں ایک طلاق دے دی اور اپنی ازواج مطہرات سے الگ ہو کر صرف حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں رہائش اختیار کر لی اور اس گھر میں آپ نے اسی (۲۹) راتیں قیام فرمایا پھر حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور حکم خداوند سناتے ہوئے عرض کیا: حضور! آپ حضرت حفصہ سے رجوع فرمائیے کیونکہ وہ یقیناً روزہ دارِ شب بیدار عورت ہے نیز بے شک وہ آپ کی جنتی خواتین میں سے ہے۔

(۳) اور ایک روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں شہد پیا تھا جس پر حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں (غیر طبعی کی وجہ سے) متفق ہو گئیں اور دونوں نے حضور سے عرض کیا کہ ہم آپ سے مغفیر (ایک قسم کی گوند جس کی بو حضور کو ناپسند تھی) کی بو محسوس کر رہی ہیں اور رسول اکرم نور مجسم ﷺ کو بہت ناپسند کرتے تھے چنانچہ آپ نے شہد پینا ترک فرمادیا سو آپ اس سے کیوں رکتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کر رکھا ہے (یعنی) لونڈی سے تمتع یا شہد سے لطف اندوز ہونا ﴿تَبْتَغِي مَرْضَاتِكَ أَذْوَاجًا﴾ آپ تو اپنی بیویوں کی رضا اور خوشنودی چاہتے ہیں اور یہ آپ کی لغزش تھی کیونکہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی ایسی چیز کو ممنوع قرار دے دے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے ﴿وَاللَّهُ عَفْوٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے بے شک اس نے آپ کی اس لغزش کو بخش دیا ہے ﴿رَحِيمٌ﴾ بے حد مہربان ہے بے شک اس نے آپ پر رحم و کرم فرمایا سو اس نے اس پر آپ کا مواخذہ نہیں فرمایا۔

۲- ﴿قَدْ فَحَصَ اللَّهُ لَكُمْ تَحَلُّةَ آيَاتِكُمْ﴾ (اے مسلمانو!) بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر کر دیا ہے (یعنی) بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایک ایسا طریقہ مقرر کر دیا ہے جس کے ذریعہ تم اپنی قسموں سے بری ہو جاؤ گے اور وہ کفارہ ادا کرنا ہے یا یہ معنی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے قسموں سے بری ہونے کے لیے تمہارے لیے کفارہ کو مشروع فرمادیا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں میں استثناء (”إِنْ شَاءَ اللَّهُ“ کہنے) کو مشروع فرمادیا ہے جیسے کہا جاتا ہے: ”حَلَّلَ فُلَانٌ فِي يَمِينِهِ إِذَا اسْتَشْنَى فِيهَا“ فلاں آدمی اپنی قسم سے بری ہو گیا جب اس نے اپنی قسم میں استثناء کہا اور استثناء یہ ہے کہ آدمی قسم کے بعد متصل ”إِنْ شَاءَ اللَّهُ“ کہہ دے تاکہ قسم نہ ٹوٹے اور کسی حلال چیز کو اپنے اوپر ممنوع قرار دینا ہمارے (احناف) کے نزدیک قسم ہے۔

حضرت مقاتل سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ماریہ قبطیہ کے پاس نہ جانے کی قسم میں ایک غلام آزاد کیا تھا۔

۱۔ رواہ البخاری رقم الحدیث: ۵۲۶۷، مسلم رقم الحدیث: ۱۳۷۴

یہ علامہ نسفی کا تسامح ہے کیونکہ حضور پر شہد پینا نہ فرض تھا اور نہ واجب بلکہ مباح اور جائز تھا اور کسی مباح چیز کو استعمال کرنا اور نہ کرنا دونوں جائز ہیں تو لغزش کیسی؟ نیز بیویوں کی دل جوئی کرنا نہ حرام ہے اور نہ مکروہ ہے بلکہ امت کے لیے مستحب ہے دراصل اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حمایت و ہمدردی کی کہ اے محبوب! آپ اپنی ازواج کی رضا کی خاطر اپنی پسندیدہ چیز کو کیوں ترک فرماتے ہیں اور اسے اپنے آپ پر کیوں ممنوع قرار دیتے ہیں؟ آپ جب چاہیں جتنا چاہیں اپنی پسندیدہ چیزوں کو استعمال کریں، آپ مخلوق میں سے کسی کی رضا جوئی کی فکر نہ کریں بلکہ تمام جن و انس کا فرض ہے کہ وہ آپ کی رضا اور خوشنودی حاصل کریں لہذا آپ کی ازواج مطہرات کا بھی فرض ہے کہ وہ آپ کی رضا اور خوشنودی حاصل کریں۔ غوثی ۱۲

حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے کفارہ ادا نہیں کیا تھا کیونکہ آپ مغفور ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام خلاف اولیٰ امور کو بخش دیا ہے خواہ وہ پہلے کے ہوں یا بعد کے ہوں اور آپ کا غلام آزاد کرنا صرف مسلمانوں کی تعلیم کے لیے تھا (تا کہ مسلمان قسم توڑنے پر کفارہ ادا کریں) ﴿وَاللّٰهُ مَوْلَاكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارا آقا اور تمہارے تمام معاملات کا متولی اور منتظم ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری جانوں سے زیادہ تمہارا مالک ہے پس اپنے آپ کے لیے تمہاری نصیحت و خیر خواہی سے اللہ تعالیٰ کی نصیحت و خیر خواہی تمہارے لیے زیادہ مفید ہے ﴿وَهُوَ الْعَلِيمُ﴾ اور وہ تمہاری مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور وہ تمہارے لیے مناسب احکام مشروع فرماتا ہے ﴿الْحَكِيمُ﴾ وہ اپنے اوامر و نواہی میں بے شمار حکمتیں رکھتا ہے جن کو وہ حلال قرار دیتا ہے اور جن کو وہ حرام قرار دیتا ہے۔

۳- ﴿وَإِذَا سَأَرَ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَرْوَاحِهِ حَدِيثًا﴾ اور جب نبی کریم نے اپنی ایک بیوی کو راز کی بات بتائی (یعنی) حضرت ماریہ کے پاس نہ جانے کی بات اور حضرات شیخین (حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی خلافت و امامت کی بات ﴿فَلَمَّا بَيَّنَّاتُ بِهِ﴾ پھر جب اس (بیوی حضرت حفصہ) نے وہ راز کی بات بتادی (یعنی) اس نے وہ راز کی بات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے افشاء کر دی ﴿وَإِظْهَرَ اللَّهُ عَلَيْهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے وہ خبر آپ پر ظاہر کر دی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کی زبانی حضور نبی کریم ﷺ کو مطلع اور آگاہ فرمادیا کہ حضرت حفصہ نے آپ کی راز کی بات افشاء کر دی ہے ﴿عَرَفَتْ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ﴾ آپ نے بات کا بعض حصہ بتا دیا اور بعض حصہ کے بتانے سے اعراض فرمایا یعنی آپ نے بات کا بعض حصہ محض درگزر اور شرافت کے تحت نہ بتایا۔ حضرت امام سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چشم پوشی کرنا اور درگزر سے کام لینا ہمیشہ شرفاء کا عمل رہا ہے [بخاری علی کسائی کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ "عَرَفَتْ" ہے یعنی درگزر فرمایا جیسے تم کسی بُرائی کرنے والے سے کہو: "لَا عَرِفْنَا لَكَ ذَلِكَ" میں تیرے لیے اس کو خوب جانتا ہوں] اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جو بات ظاہر کر دی گئی تھی وہ خلافت و امامت کی بات تھی اور جس بات سے اعراض کیا گیا اور نہیں بتائی گئی وہ حضرت ماریہ کے متعلق بات تھی اور ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ اس بات کو چھپائے رکھنا ظاہر نہ کرنا؟ حضرت حفصہ نے عرض کیا: مجھے قسم ہے اس ذات اقدس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں اس کرامت و بزرگی کے باعث خوشی کے مارنے اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے باپ کو مخصوص فرمایا۔ (تفسیر کشاف ج ۴ ص ۵۶۶) ﴿فَلَمَّا بَيَّنَّاتُ بِهِ﴾ پھر جب آپ نے اس کو یہ بات بتائی (یعنی) حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت حفصہ کو وہ بات بتادی جو اس نے راز کی بات چپکے سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر ظاہر کر دی تھی ﴿وَسَأَلَتْ﴾ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور نبی کریم ﷺ سے دریافت کرتے ہوئے عرض کیا: ﴿مَنْ أَنْبَأَكَ هَذَا قَالَ نَبَأَنِي الْعَلِيمُ﴾ آپ کو یہ بات کس نے بتادی؟ حضور نے فرمایا: مجھے رازوں کے جاننے والے خدا نے بتا دیا ہے ﴿الْعَلِيمُ﴾ وہ دلوں کے بھیدوں سے پوری طرح خبردار ہے۔

إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ

وَجِبْرِيلُ وَمَالِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ ۝ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ

كَلَّفَكُنَّ أَنْ يُبَدِّلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ مُسَلِّتٍ مُؤْمِنَةٍ قِنْتِ تَبِيَّتِ عِبَادَاتٍ

سَلِّتِ تَبِيَّتِ وَأَبْكَارًا ۝

اگر تم دونوں اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کر لو (تو بہت بہتر ہے) سو تم دونوں کے دل راہ اعتدال سے منحرف ہو گئے ہیں اور اگر تم دونوں ان (نبی) کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرتی رہیں تو بے شک اللہ تعالیٰ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد فرشتے مددگار ہیں O اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں تو عنقریب ان کا رب تعالیٰ ان کو تمہارے بدلے میں تم سے بہتر بیویاں عطا فرمادے گا مسلمان ایمان دار فرماں بردار توبہ کرنے والیاں عبادت گزار روزہ دار شوہر دیدہ اور کنواریاں O

۴- ﴿إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ﴾ اگر تم دونوں توبہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔ یہ خطاب حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لیے التفات کے طریقہ پر اس لیے کیا گیا ہے تاکہ ان دونوں کے عتاب کے لیے زیادہ موثر ہو [اور اس شرط کا جواب محذوف ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے: ﴿إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ﴾ فَهُوَ الْوَاجِبُ“ اور اس پر درج ذیل کلام دلالت کرتا ہے] ﴿فَقَدْ صَعَّتْ قُلُوبُكُمَا﴾ سو بے شک تم دونوں کے دل رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو خلوص تم پر واجب تھا اس سے منحرف ہو گئے ہیں اور وہ یہ کہ تم اس سے محبت رکھتیں جس سے حضور محبت کرتے ہوں اور تم اسے ناپسند کرتیں جسے حضور ناپسند کرتے ہوں ﴿وَإِنْ تَطَهَّرَا عَلَيْهِ﴾ اور اگر تم دونوں حضور کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرتی رہیں (یعنی) اگر حضور کے راز کو افشاء کر کے اور غیرت میں حد سے بڑھ کر تم دونوں آپ کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرتی رہیں جس سے حضور کو تکلیف پہنچے ﴿فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ قَوْلُهُ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کا حامی و ناصر اور مددگار ہے اور لفظ ”هُوَ“ کے اضافہ کا مطلب اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ حضور کا متولی و محافظ خود اللہ تعالیٰ ہے ﴿وَجِبْرِي﴾ اور حضرت جبریل علیہ السلام بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حامی اور مددگار ہیں ﴿وَصَالِحِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ اور نیک مسلمان آپ کے حامی و مددگار ہیں یعنی وہ تمام لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ہر وہ شخص مراد ہے جو نفاق سے بڑی اور پاک ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا: اس سے صحابہ کرام مراد ہیں [اور اگرچہ لفظ ”صالح“ واحد ہے مگر اس سے جمع مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کی اصل ”صَالِحُوا الْمُؤْمِنِينَ“ ہے پھر لفظ کی موافقت کے لیے واؤ کو خط اور کتابت سے حذف کر دیا گیا ہے] ﴿وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ﴾ اور اس کے بعد تمام فرشتے مددگار ہیں (یعنی) اور تمام فرشتے اپنی عددی کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور حضرت جبریل اور نیک مسلمانوں کی مدد کے بعد حضور کے معاون و مددگار ہیں پس دو عورتوں کی باہمی مدد اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتی جس کے یہ سارے مددگار ہوں اور جب فرشتوں کی مدد اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی امداد و تعاون کی تعظیم کے لیے ”بَعْدَ ذَلِكَ“ ارشاد فرمایا۔

۵- ﴿عَلَى رَأْيِهِ أَنْ يَبَدِّلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ﴾ اگر حضور تمہیں طلاق دے دیں تو عنقریب ان کا پروردگار تم سے بہتر تمہارے بدلے میں عطا فرمادے گا، سو اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جو خواتین ازواج مطہرات کے بدلے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح میں دی جائیں گی وہ ان سے بہتر کس طرح ہو سکتی ہیں حالانکہ روئے زمین پر امہات المؤمنین سے بہتر خواتین نہیں ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ جب حضور سرور کائنات رسول خدا ﷺ اپنی ازواج مطہرات کو

اس بناء پر طلاق دے دیں گے کہ وہ آپ کو ایذا اور دکھ پہنچاتی ہیں تو پھر وہ اس ”خیر نساء“ کی صفت پر باقی نہیں رہیں گی اور ان کے علاوہ وہ خواتین جو حضور کے نکاح میں آکر اس صفت ”خیر نساء“ سے متصف و موصوف ہو کر ان سے بہتر ہو جائیں گی ﴿مُسْلِمَاتٌ مُّؤْمِنَاتٌ﴾ اسلام کا اقرار و اعتراف کرنے والیاں ایمان دار اخلاص والیاں ﴿قِنْتَاتٌ﴾ اطاعت و فرماں برداری کرنے والیاں ”سو قنوت“ کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کے لیے کھڑا ہونا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کی صحت و قبولیت اس کے رسول کریم ﷺ کی اطاعت و غلامی کے ساتھ مشروط ہے ﴿تَيِّبَاتٌ﴾ گناہوں سے توبہ کرنے والیاں یا اللہ تعالیٰ اور اس کے مکرم و معظم رسول کے حکم کی طرف رجوع کرنے والیاں ﴿عَبِيدَاتٌ﴾ محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے لیے اسی کی عبادت کرنے والیاں ﴿مَلِيحَاتٌ﴾ ہجرت کرنے والیاں یا روزے رکھنے والیاں کیونکہ روزہ دار کو ”سائح“ کہا جاتا ہے کیونکہ سیر و سیاحت کرنے والے کے پاس بھی سامانِ خرچ نہیں ہوتا پس وہ دورانِ سفر زکا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ کوئی کھانا وغیرہ پالے جسے کھا سکے سو اس لیے اس کے ساتھ روزے دار کو کھانے سے رُکے رہنے میں تشبیہ دی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کے افطار کا وقت آجائے ﴿تَيِّبَاتٌ وَآبْكَارًا﴾ شوہر دیدہ و بیاہی ہوئیں اور کنواریاں [اور صرف ”تَيِّبَاتٌ“ اور ”آبْكَارًا“ کے درمیان حرفِ عطف اس لیے لایا گیا ہے کہ یہ دونوں صفات ایک دوسرے کے متنافی و متضاد ہیں جب کہ باقی صفات نہیں۔]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا

مَلَائِكَةٌ غِلَظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿٦﴾ يَا أَيُّهَا

الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٧﴾

اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں جس پر سخت دل بہت طاقتور فرشتے مقرر ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہ وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے ○ اے کافرو! آج تم کوئی عذر پیش نہ کرو بے شک تمہیں صرف ان کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو کرتوت تم کرتے تھے ○

مسلمانوں کو اپنے اہل و عیال سمیت اپنے آپ کو دوزخ سے بچانے کا حکم

۶- ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ اے ایمان والو! تم گناہوں کو چھوڑ کر اور عبادت و طاعات کر کے اپنے آپ کو (دوزخ سے) بچاؤ ﴿وَأَهْلِيكُمْ﴾ اور تم اپنے گھر والوں کو انہیں چیزوں کے ذریعے بچاؤ جن کے ذریعے تم اپنے آپ کو بچاتے ہو ﴿نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ ایسی آگ سے جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے یعنی آگ کی اس قسم سے بچو جو نہیں جلتی مگر انسانوں اور پتھروں کے ذریعے جیسا کہ اس قسم کے علاوہ دیگر آگیں لکڑیوں سے جلیں گی ﴿عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ﴾ اس پر فرشتے مقرر ہیں جو اس کے تمام امور کے متولی اور منتظم ہیں اور اس میں داخل ہونے والوں کو عذاب دینے پر مامور ہیں یعنی زبانِ فرشتے جن کی تعداد انیس (۱۹) ہے اور ان کے معاون و رفقاءے کار فرشتے بھی ہیں ﴿غِلَظٌ شِدَادٌ﴾ وہ اپنے اجسام میں سخت مضبوط و مستحکم اور قوی و طاقتور ہیں یا وہ گفتگو اور بات چیت میں سخت گیر اور کاموں میں بڑے طاقتور ہیں ﴿لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے جس کا انہیں اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ انہیں جو حکم دیتا

ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے ”ای امرہ“ یعنی اس کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے جیسے ارشاد ہے: ”أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي“ (طہ: ۹۳) ”تو کیا تم نے میرے حکم کی نافرمانی کی ہے“ یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جو کچھ حکم دیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے [”لَا يَعْصُونَ اللَّهَ“ صفت ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے اور ”مَا أَمَرَهُمْ“ اسم جلال سے بدل ہونے کی بناء پر محلاً منصوب ہے] ﴿وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ اور انہیں جو حکم دیا جاتا ہے وہ اسے ادا کرتے ہیں اور یہ دونوں جملے ایک معنی میں نہیں ہیں کیونکہ پہلے جملے کا معنی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کو قبول کرتے ہیں اور انہیں ضرور حاصل کر لیتے ہیں اور دوسرے جملے کا معنی ہے کہ انہیں جن احکام کا حکم دیا جاتا ہے وہ انہیں فوراً ادا کرتے ہیں اور وہ ان احکام سے نہ تو غفلت کرتے ہیں اور نہ وہ ان میں سستی کرتے ہیں۔

۷- ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ إِنَّهَا تَجْزُونَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ اے کافرو! آج تم کوئی عذر پیش نہ کرو بے شک تمہیں صرف انہیں کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو کام تم دنیا میں کرتے تھے یعنی انہیں دوزخ کی آگ میں داخل ہوتے وقت یہ کہا جائے گا کہ آج تم عذر پیش نہ کرو کیونکہ آج تمہارا کوئی عذر قابل قبول نہیں یا یہ کہ آج تمہارا کوئی عذر تمہیں نفع اور فائدہ نہیں دے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا ۗ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ
عَنكُم سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۗ يَوْمَ لَا
يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۗ نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ
وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّهُم لَنَا نُورٌ وَرَنَا نَارٌ ۗ وَاعْفُ رَنَا ۗ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۸

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کی طرف خالص و سچی توبہ کرو، عنقریب تمہارا پروردگار تم سے تمہاری برائیاں مٹا دے گا اور وہ تمہیں ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اس دن اللہ تعالیٰ نبی کریم کو اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رسوا نہیں کرے گا، ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! آپ ہمارے لیے ہمارے نور کو کامل کر دیں اور ہمیں بخش دیں، بے شک آپ ہر چیز پر بہت قادر ہیں۔

مسلمانوں کو توبہ کرنے کا حکم اور اس کے فوائد کا بیان

۸- ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا ۗ﴾ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے حضور میں سچی توبہ کرو۔ امام انفس رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ ”توبہ نصوح“ کا معنی ہے: سچی توبہ یعنی ”نصوح“ بہ معنی ”صَادِقَةٌ“ ہے اور بعض حضرات نے فرمایا: ”نصوح“ کا معنی ہے: خالص یعنی خالص توبہ چنانچہ جب شہد کو موم سے الگ کر لیا جائے تو پھر کہا جاتا ہے: ”عَسَلُ نَاصِحٌ“ شہد خالص ہے اور بعض کا قول ہے: یہ ”نصاحۃ الثوب“ سے ماخوذ ہے کہ کپڑے کی پھٹن

کو رفو کرنا یعنی تم اپنے دین میں نافرمانی کے پھٹن کو سچی اور خالص توبہ سے پر کرو اور نافرمانی کے خلل کو مکمل کرو اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے ایسی توبہ مراد ہو جو لوگوں کے لیے نصیحت بن جائے یعنی توبہ کرنے والے میں توبہ اس قدر تاثیر پیدا کر دے کہ اب وہ دوسرے لوگوں کو اپنی طرح توبہ کرنے کی دعوت دے اور ان کو سچی اور خالص توبہ کی نصیحت کرتا پھرے اور خود توبہ کے تقاضوں پر عمل کرنے میں خوب جدوجہد کرے۔

(۱) مرفوع حدیث میں ہے کہ ”توبۃ نصح“ یہ ہے کہ توبہ کرنے کے بعد پھر گناہ کی طرف ہرگز نہ لوٹے یہاں تک کہ دودھ تھنوں میں لوٹ جائے۔ (تفسیر درمنثور ج ۸ ص ۲۲۷)

(۲) حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کسی آدمی کے برا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے کے بعد پھر اس میں مبتلا ہو جائے۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ توبہ کہ تین شرطیں ہیں: (الف) زبان سے استغفار کرتا رہے (ب) دل میں نادم ہو (ج) اور اعضاء سے گناہ نہ کرے۔

﴿عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ عنقریب تمہارا پروردگار تم سے تمہاری برائیاں مٹا دے گا۔ یہ ”عسی“ کا استعمال بادشاہوں کی عادت کے مطابق جاری ہوا ہے کیونکہ بادشاہان وقت اپنی رعایا کو انعامات سے نوازنے کے لیے ”عسی“ اور ”لعل“ کے ساتھ جواب دیتے ہیں اور ان کی طرف سے ان الفاظ کا استعمال قطعی اور یقینی معنی کی جگہ ہوتا ہے ﴿وَيَذِخْكَهُ جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ اور وہ تمہیں ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ﴿يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ﴾ اس دن اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رسوا نہیں کرے گا اس میں کفار پر طعن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ذلیل و رسوا اور خوار کرے گا [”یوم“ کا نصب ”يَذِخْكَم“ کی وجہ سے ہے] ﴿لَوْ رَأَوْهُ يُسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ﴾ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہو گا [”سورہم“ مبتدا ہے اور باقی خبر ہے] ﴿يَقُولُونَ رَبَّنَا أَنْتُمْ لَنَا نُورٌ مَنَّا﴾ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہمارے نور کو مکمل کر دیجئے۔ مسلمان یہ بات اس وقت عرض کریں گے جس وقت منافقین کا نور بجھ جائے گا ﴿وَاعْقِبْنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ اور ہمیں بخش دیجئے بے شک تو ہر چیز پر بہت قادر ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَا أُوْمِرُكُمْ جِهَتُهُمْ
وَبِئْسَ الْبَصِيرُ ۝ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَتَ نُوحٍ وَامْرَأَتَ لُوطٍ

سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ایک اعرابی سے سنا وہ کہہ رہا تھا: ”اللَّهُمَّ اسْتَغْفِرْكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ“ اے میرے اللہ! میں تجھ سے معافی چاہتا ہوں اور میں تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں آپ نے فرمایا: صرف زبان سے توبہ و استغفار کرنا جھوٹوں کا کام ہے اس نے عرض کی: تو پھر میں حقیقی توبہ کس طرح کروں؟ آپ نے فرمایا: حقیقی توبہ کی چھ شرائط ہیں: (۱) گذشتہ گناہوں پر عداوت ہو (۲) فرائض کا اعادہ کرے اگر وہ قضا ہو گئے ہوں مثلاً نماز روزہ، زکوٰۃ ادا کرنا (۳) پختہ ارادہ کرنا کہ آئندہ پھر وہ گناہ ہرگز نہیں کروں گا (۴) گذشتہ تمام مظالم کا لوٹانا (۵) حقوق العباد کی ادائیگی یعنی جس کے حق میں غلطی ہوئی اسے راضی کرنا (۶) اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت میں لگا دینا کہ لوح بھر مہلت نہ ملے جیسے اسے کسی غلطی پر سزا دی جا رہی ہے اور اسے عبادت و اطاعت کا مزہ چکھانا جیسے اس نے گناہوں کے مزے لوٹے تھے۔ (تفسیر روح البیان مترجم بہاد پور، تفسیر مظہری ج ۹ ص ۳۲۵، مطبوعہ دہلی)

كَانَتْ عِبَادِنَا صَالِحِينَ فَخَانَتْهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ

اللَّهِ شَيْئًا وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّٰخِلِينَ ﴿۱۰﴾

اے غیب کی خبریں سنانے والے پیغمبر! کفار سے اور منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے ۱۰ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان کی ہے وہ دونوں ہمارے نیک بندوں کے نکاح میں تھیں سو انہوں نے ان دونوں سے خیانت کی تو وہ دونوں ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کچھ نہ بچا سکے اور فرما دیا گیا کہ تم دونوں عورتیں داخل ہونے والوں کے ساتھ دوزخ کی آگ میں داخل ہو جاؤ ۱۰

کفار و منافقین سے جہاد اور دو عبرت آموز مثالوں کا بیان

۹۔ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ﴾ اے عالی شان پیغمبر! کفار سے تلوار وغیرہ (یعنی جنگی ہتھیاروں) کے ساتھ جہاد کیجئے ﴿وَالْمُنَافِقِينَ﴾ اور منافقین سے وعید اور دھمکانے والی اور سخت ڈرانے والی بات چیت کے ساتھ اور موثر وعظ و نصیحت کے ساتھ جہاد کیجئے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ان پر اسلامی حدود نافذ و قائم کر کے ان سے جہاد کیجئے ﴿وَاعْلُظْ عَلَيْهِمْ﴾ اور جنگ و لڑائی اور زبان سے حجت و دلیل کے ذریعے جہاد کر کے ان دونوں فریقوں پر سختی کیجئے ﴿وَمَا أُوْمِمُ جَهَنَّمَ﴾ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

۱۰۔ ﴿ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَالْمَرَّاتِ نُوحٍ وَامْرَأَاتِ لُوطٍ﴾ کانتا تحت عبدين من عبادنا صالحين فخانتهم فلم يغنيا عنهما من الله شيئا وقيل ادخلا النار مع الداخلين ﴿اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے حضرت نوح کی بیوی اور حضرت لوط کی بیوی کی مثال بیان کی ہے وہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں پھر انہوں نے ان دونوں کے ساتھ خیانت کی تو وہ دونوں نیک بندے انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کچھ نہیں بچا سکے اور ان سے فرما دیا گیا کہ تم دونوں عورتیں داخل ہونے والوں کے ساتھ دوزخ کی آگ میں داخل ہو جاؤ۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ عزوجل نے کفار کے حال کی ایک مثال بیان فرمائی کہ کفار کو اپنے کفر و شرک کرنے پر اور مسلمانوں کے ساتھ عداوت و دشمنی کرنے پر سخت سزا دی جائے گی اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی عداوت و دشمنی کی وجہ سے ان کے درمیان اور مسلمانوں کے درمیان خاندانی اور سسرالی قرابت و رشتہ داری انہیں کوئی نفع اور فائدہ نہیں دے گی اور اگر چہ وہ مؤمن جس کے ساتھ کافر کا رشتہ جڑا ہوا ہے وہ نبی بھی ہو تو کافر کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا جیسا کہ حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں کا حال ہوا جب انہوں نے منافقت کی اور ان دونوں کی بیویوں نے دونوں رسولوں کے راز کفار کے سامنے افشاء کر کے ان سے خیانت کی تو انہیں رسولان گرامی بھی نہ بچا سکے یعنی ان دو عورتوں اور دونوں رسولوں کے درمیان زوجیت کا رشتہ تھا اس کے باوجود وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکے اور ان دونوں عورتوں کو ان کی موت کے وقت یا پھر قیامت کے دن فرمایا جائے گا کہ تم دونوں دیگران داخل ہونے والوں کے ساتھ دوزخ کی آگ میں داخل ہو جاؤ جن کے درمیان اور انبیائے کرام کے درمیان کوئی رشتہ موجود نہیں یا انہیں فرمایا جائے گا کہ تم دونوں حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی قوموں میں سے اپنے کافر بھائیوں کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَاتٍ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي
عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ
الظَّالِمِينَ ۝ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَتُ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ
رُوحِنَا وَصَدَّقْتَ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتِبَ عَلَيْهَا مِنَ الْقِتَابِ ۝

اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کی ہے، جب اس نے کہا: اے میرے پروردگار! جنت میں اپنے پاس میرے لیے ایک گھر بنا دیجئے اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دیجئے اور مجھے ظالموں کی قوم سے نجات دیجئے اور اللہ تعالیٰ نے عمران کی بیٹی مریم کی مثال بیان کی ہے جس نے اپنی پارسائی کی حفاظت کی سوہم نے اس میں اپنی طرف کی روح پھونک دی اور اس نے اپنے پروردگار کی باتوں کی اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرماں برداروں میں سے تھی ۝

۱۱- ﴿وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَاتٍ فِرْعَوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے فرعون کی بیوی کی ایک مثال بیان کی ہے۔ یہ عورت حضرت آسیہ بنت مزاحم تھیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی تھیں، جس پر فرعون ظالم نے دھوپ میں گرم ترین ریت پر لٹا کر حضرت آسیہ کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں میں میخیں اور کیل ٹھونکوا کر انہیں عذاب دیا تھا ﴿إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ﴾ جب حضرت آسیہ کو فرعون کی طرف سے عذاب دیا جا رہا تھا اس وقت حضرت آسیہ نے یہ دعا کی کہ اے میرے پروردگار! میرے لیے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا دیجئے تو گویا حضرت آسیہ نے عالی اور بلند درجہ طلب کرنا چاہا کیونکہ اللہ تعالیٰ مکان سے منزہ اور پاک ہے جب کہ حضرت آسیہ نے عالی شان بلند و بالا درجہ کو اپنی دعا میں ”عِنْدَكَ“ سے تعبیر کیا ہے ﴿وَنَجِّنِي مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ﴾ اور مجھے فرعون سے اور اس کے عمل سے نجات عطا فرما یعنی مجھے فرعون کے عمل سے نجات عطا فرما یا یہ معنی ہے کہ مجھے فرعون کی خبیث و ناپاک ذات سے اور خاص کر اس کے عمل سے نجات دے دے اور اس کا عمل کفر و ظلم کرنا اور بغیر کسی جرم کے سزا دینا ہے ﴿وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ اور مجھے ظالموں کی قوم سے نجات عطا فرما، تمام قبلی قوم سے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ مصائب و آلام اور مشقتوں اور تکلیفوں کے نزول کے وقت اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہنا اور اس کی بارگاہ میں التجاء و عاجزی کرنا اور نجات و خلاصی کی دعا کرنا نیک و پاک باز لوگوں کی عادات میں سے ایک عادت ہے۔

۱۲- ﴿وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَتُ فَرْجَهَا﴾ اور (اللہ تعالیٰ نے) حضرت عمران کی بیٹی حضرت مریم کی (ایک مثال بیان کی ہے) جس نے مردوں سے اپنی شرم گاہ کو محفوظ رکھا ﴿فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا﴾ سوہم نے اس میں اپنی طرف کی روح پھونکی (یعنی) ہمارے حکم سے حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کی شرم گاہ میں ہماری پیدا کردہ روح پھونکی تھی ﴿وَصَدَّقْتَ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا﴾ اور اس نے اپنے رب تعالیٰ کے کلمات کی تصدیق کی یعنی اس نے ان الہامی آسمانی صحیفوں کی تصدیق کی جو حضرت ادریس علیہ السلام اور ان کے دیگر پیغمبروں پر نازل کیے گئے تھے ﴿وَكَتَبَ﴾ اور اس نے اللہ تعالیٰ کی کتابوں کی تصدیق کی یعنی چاروں کتابوں (تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید) کی تصدیق کی تھی [امام حفص اور ابو عمرو

بصری کی قراءت میں جمع کے ساتھ ”کُتِبَہ“ پڑھا جاتا ہے (جب کہ دیگر قراءت کی قراءت میں واحد کے ساتھ ”کِتَابَہ“ پڑھا جاتا ہے) ﴿وَكَانَتْ مِنَ الْقَاتِلِينَ﴾ اور وہ فرماں برداروں میں سے تھیں۔ جب ”قنوت“ ایک ایسی صفت ہے (جو مذکورہ مونت) دونوں صنفوں کے فرماں برداروں کو شامل ہے تو مذکور کی صنف کو مونت پر غالب قرار دے دیا گیا اور حرف ”مِنْ“ تبعیض کے لیے ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ابتدائے غایت کے لیے ہو اس بناء پر کہ حضرت مریم ابتداء سے فرماں برداروں میں پیدا ہوئیں کیونکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھیں اور یہاں مسلمانوں کے حال کی مثال بیان کی گئی کہ انہیں کافروں کی رشتہ داری اور تعلق کوئی نقصان نہیں دے گا اور ان کے اجر و ثواب اور اللہ تعالیٰ کے قرب میں سے کسی میں کوئی کمی نہیں ہوگی جیسا کہ فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کا حال ہے کہ ان کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا درجہ تھا حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں میں سے ایک دشمن کی بیوی تھی اور حضرت مریم بنت عمران کا حال ہے کہ ان کو دنیا اور آخرت دونوں جہانوں کی کرامت و عزت عطا کی گئی اور اپنے زمانہ میں تمام خواتین پر فضیلت و شان عطا کی گئی اس کے باوجود کہ ان کی قوم کافر تھی۔

اور ان دو مثالوں کے بیان میں ان دو امہات المؤمنین کے لیے تشبیہ ہے جن کا اس سورت کے شروع میں ذکر کیا گیا ہے اور جن دونوں کی طرف سے رسول اکرم ﷺ کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرنے کی وجہ سے کوتاہی ہو گئی تھی جسے حضور نے سخت ناپسند کیا تھا اور ان دونوں کو سخت انداز میں ڈرایا گیا ہے اور یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ ان دونوں بیبیوں کا فرض تھا کہ وہ اخلاص میں ان دو مؤمنہ عورتوں کی طرح ہوتیں اور وہ دونوں اس بات پر بھروسہ اور تکیہ نہ کرتیں کہ وہ تو رسول اللہ ﷺ کی بیویاں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ الملك کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی تیس آیات دو رکوع ہیں

تَبْرَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۱ الَّذِي
 خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيْكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝۲ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُوْرُ ۝۳
 الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوٰتٍ طِبَاقًا ۝۴ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفْوِطٍ ۝۵
 فَاَرْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝۶ ثُمَّ اَرْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ
 الْبَصَرُ حَاسِدًا ۝۷ وَهُوَ حَسِيْدٌ ۝۸ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمٰوٰتِ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحٍ وَجَعَلْنٰهَا
 رُجُوْمًا لِلشَّيْطٰنِ ۝۹ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ۝۱۰

بڑی برکت والا ہے وہ جس کے دست قدرت میں ساری بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر بہت قادر ہے ۰ جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تاکہ وہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کس کے عمل زیادہ اچھے ہیں اور وہ بہت غالب بے حد بخشنے والا

ہے O جس نے ایک دوسرے کے اوپر سات آسمان پیدا کیے، تم رحمن کی تخلیق میں کوئی خلل نہیں دیکھو گے، سو تم دوبارہ نظر اٹھا کر دیکھو، کیا تمہیں کوئی شکاف نظر آتا ہے O پھر تم بار بار نظر اٹھا کر دیکھو تو نظر عاجز ہو کر تمہاری طرف واپس لوٹ آئے گی اور وہ تھکی ہاری ہوگی O اور بے شک ہم نے دنیا کے آسمان کو چراغوں سے مزین کر دیا ہے اور ہم نے ان کو شیطانوں کے لیے مار بھگانے والا بنایا ہے اور ہم نے ان کے لیے بھڑکتی ہوئی دوزخ کا عذاب تیار کر رکھا ہے O

اللہ تعالیٰ کی قدرت، موت و حیات کی حکمت اور شیاطین کی ذلت کا بیان

نوٹ: سورۃ الملک مکی ہے اور اس کی تیس (۳۰) آیات ہیں۔

(۱) اور اس سورت کا نام ”واقیہ“ اور ”منجیہ“ بھی ہے کیونکہ یہ سورت اپنے پڑھنے والے کو عذابِ قبر سے بچائے گی اور اس کو نجات دلائے گی (۲) جس نے اس سورت کو رات میں پڑھا، بے شک اس نے خیر کثیر حاصل کیا اور اس نے سب سے عمدہ نیکی کی۔ (تفسیر درمنثور ج ۸ ص ۲۳۲)

۱- ﴿تَبْرُكٌ﴾ بڑی برکت والا بہت بلند و بالا ہے اور مخلوق کی صفات سے بہت اونچا اور ارفع و اعلیٰ ہے ﴿الَّذِي يَبْدِئُ الْمَلِكُ﴾ جس کے دست قدرت میں ساری بادشاہی ہے یعنی تمام سلطنت اس کے تصرف اور قبضہ میں ہے اور وہ ہر موجود پر غالب و قابض ہے اور وہی ساری بادشاہی کا مالک و مختار ہے، جس کو چاہتا ہے اسے عطا کر دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے ﴿وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ اور وہ تمام مقدرات میں سے ہر چیز پر بہت قادر ہے یا یہ معنی ہے کہ وہ انعام دینے اور انتقام لینے میں ہر ایک پر بہت قادر ہے (یعنی) وہ ہر کمال پر قادر ہے۔

۲- ﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ﴾ جس نے موت کو پیدا کیا [یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یا اس سے پہلے جو ”الَّذِي“ ہے یہ اس سے بدل ہے] ﴿وَالْحَيٰوةَ﴾ اور حیات کو پیدا فرمایا، یعنی جس کے وجود کا احساس (چلنا پھرنا، دیکھنا سننا اور بولنا وغیرہ) صحیح اور سلامت ہو اور موت اس کے برعکس ہے اور ”خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ“ کا مطلب ہے اس ”مُصَحِّح“ (صحیح سلامت وجود) کو ایجاد کرنا اور اس کو معدوم کرنا اور اس کا معنی یہ ہے کہ اے مکلفین! تمہاری موت کو اور تمہاری حیات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے ﴿لِيَبْلُوَكُمْ﴾ تاکہ وہ تمہاری آزمائش کرے نیز تاکہ وہ اپنے ہر امر اور ہر نبی کے ذریعے تمہارا امتحان لے، اس موت کے درمیان جو حاکم و محکوم اور امیر و اسیر کے لیے عام ہے اور اس حیات کے درمیان جو نہ کسی بیمار کی وجہ سے اور نہ کسی طیب کی وجہ سے پوری ہوتی ہے، پھر تم سے وہی ظاہر ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے کہ بے شک تم سے وہی ہوگا پھر وہ قیامت کے دن تمہارے اعمال پر جزاء دے گا، اپنے علم پر نہیں جو اسے تمہارے بارے میں ازل سے تھا ﴿اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ تم میں سے کس کے عمل زیادہ اچھے ہیں [”اَيُّكُمْ“ مبتدا ہے اور ”اَحْسَنُ عَمَلًا“ اس کی خبر ہے] یعنی تم میں سے کس کے عمل زیادہ خالص اور زیادہ درست و بہتر ہیں، سو خالص عمل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے ہو اور صواب و درست اور بہتر و اچھا عمل وہ ہے جو سنت نبوی کے مطابق ہو اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں زندگی عطا فرمائی جس کے ذریعے تم عمل پر قادر ہوتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے تم پر موت کو مسلط کیا جو تمہارے عمل کی بجائے نیک اور اچھے عمل کو اختیار کرنے کے لیے تمہیں دعوت دینے والی ہے اور موت کے بعد اور کچھ نہیں ہوگا ماسوا حشر کے اور جزاء کے جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں اور موت کو حیات پر اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ تمام لوگوں میں سے سب سے زیادہ عمل کی طرف دعوت دینے والا قوی وہ شخص ہے جو اپنی موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے حاضر رکھتا ہے، پس موت کو اس لیے مقدم کیا گیا کہ جس مقصد کے لیے آیت مبارکہ بیان کی گئی ہے، اس مقصد کی طرف لے جانے والی اہم ترین موت ہے اور پھر جب موت کو جو

صفتِ قہر کا اثر ہے اس حیات پر مقدم کیا گیا جو صفتِ لطف و کرم کا اثر ہے تو (درج ذیل) ارشاد میں صفتِ قہر کو صفتِ لطف پر مقدم کیا گیا ہے ﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ﴾ اور وہ سب پر غالب ہے یعنی وہ ایسا غالب ہے کہ اسے کوئی آدمی ہرگز عاجز نہیں کر سکتا جس نے بُرے عمل کر لیے ہیں ﴿الْعَفُوْرُ﴾ وہ بہت بخشنے والا ہے بہت پردہ پوشی فرمانے والا ہے جس سے بدترین گناہ گار بھی مایوس نہیں ہوتے۔

۳- ﴿الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا﴾ جس نے ایک دوسرے کے اوپر برابر سات آسمانوں کو پیدا کیا ہر زیریں آسمان بالائی آسمان کے برابر ہے یہ ”طَبَقِ النَّعْلِ“ سے ماخوذ ہے جب موچی جوتے کے دوپٹوں میں سے ایک پتے کو دوسرے پتے پر برابر رکھ کر بیٹا ہے [اور یہ مصدر ”سبع“ کی صفت ہے یا ”ذَاتِ طَبَاقٍ“ ہے یا پھر ”طوبقت طباقا“ ہے اور بعض کا قول ہے کہ ”طَبَاقٌ“، ”طَبَقٌ“ کی جمع ہے جیسے ”جَمَلٌ“ کی جمع ”جَمَالٌ“ ہے] ﴿مَا تَرَى فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ﴾ تم رحمن کی تخلیق میں خلل اور فرق نہیں دیکھو گے۔ یہ خطاب رسول اکرم کے لیے ہے یا پھر ہر مخاطب کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزوں میں کوئی اختلاف و فرق اور خلل نہیں پاؤ گے اور امام سدی نے فرمایا کہ ”تفاوت“ کا عیب ہے کہ تم تخلیق الہی میں کوئی عیب نہیں دیکھو گے اور حقیقت میں ”تفاوت“ کا معنی عدم تناسب ہے گویا چیز کا ایک حصہ دوسرے حصہ کے موافق اور اس کے مناسب نہ ہو اور اس کی اصل ”مَا تَرَى فِيهِنَّ مِنْ تَفَاوُتٍ“ ہے یعنی تم ان (آسمانوں) میں کوئی فرق نہیں پاؤ گے پھر ضمیر ”فیہن“ کی جگہ ”خلق الرحمن“ کو رکھا گیا ہے تاکہ آسمانوں کی تخلیق کے لیے عظمت کا اظہار ہو اور خلل اور فرق سے آسمانوں کے سلامت رہنے کے سبب پر تشبیہ ہو جائے اور وہ یہ کہ انہیں رحمن نے پیدا کیا ہے اور وہ زبردست قدرت والا ہے وہی اس قسم کی تناسب و موزوں مخلوق کو پیدا کرتا ہے [قاری حمزہ کوئی اور علی کسائی کی قراءت میں ”تَفَاوُتٌ“ کی بجائے ”تَفَوُّتٌ“ ہے دونوں کلموں کا ایک معنی ہے جیسے ”تَعَاهُدٌ“ اور ”تَعَهَّدٌ“ ہے اور یہ جملہ ”طَبَاقًا“ کی صفت ہے] ﴿فَازْجِعِ الْبَصَرَ﴾ سو تم نظر لوٹا کر دیکھو (یعنی) تم اپنی نظر آسمان کی طرف لوٹا کر دیکھو یہاں تک کہ جس کی تمہیں خبر دی گئی ہے وہ تمہارے نزدیک معائنہ سے صحیح ثابت ہو جائے اور اس کے بارے میں تمہارے ساتھ کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے ﴿هَلْ تَرَى مِنْ فُطُوْرٍ﴾ کیا تمہیں کوئی پھٹن اور کوئی شکاف نظر آتا ہے اور ”فطور“، ”فطر“ کی جمع ہے اور وہ شکاف ہوتا ہے۔

۴- ﴿ثُمَّ اَرْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ﴾ پھر تم دوبارہ نگاہ آسمان کی طرف لوٹا کر دیکھو نظر کو دوبارہ پھیر کر دیکھو یعنی پہلی مرتبہ کے ساتھ دوسری مرتبہ آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھو اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ پہلی دفعہ کے علاوہ سو اس طرح تین دفعہ ہو جائے گا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ دو دفعہ پر اکتفاء کرنا مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ کثرت کے ساتھ بار بار دیکھنا یعنی تم اپنی نگاہ کو بہت زیادہ بار بار آسمان کی طرف اٹھا کر دیکھو اور اسے غور سے باریک بینی سے دیکھو کیا تمہیں کوئی خلل یا کوئی عیب نظر آتا ہے اور اس امر کا جواب یہ (درج ذیل) ہے: ﴿يَنْقَلِبُ اِلَيْكَ الْبَصَرُ حَاسِئًا﴾ تمہاری نگاہ عاجز اور تمہارے مقصد سے بہت دور ہو کر تمہاری طرف واپس لوٹ آئے گی [”حَاسِئًا“، ”الْبَصَرُ“ سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿وَهُوَ حَسِيْدٌ﴾ اور وہ تھکی ہاری کمزور و بے بس اور تم اس میں کوئی خلل نہیں پاؤ گے۔

۵- ﴿وَلَقَدْ اَرٰنَا السَّمٰوٰتِ الدُّنْيَا﴾ اور بے شک ہم نے نزدیک ترین دنیا کے آسمان کو مزین و آراستہ کر دیا ہے یعنی جو آسمان تمہارے نزدیک ہے ﴿يَمْصَابِيْحٌ﴾ روشن کرنے والے چراغوں (ستاروں) کے ساتھ جیسے صبح آتے ہی اجالا کر دیتی ہے ”مصابیح“، ”مصباح“ کی جمع ہے اس کا معنی ہے: چراغ عربی میں ”مصباح“ کو ”سراج“ بھی کہا جاتا

ہے سو ”مصباح“ کے ساتھ ستاروں کے نام رکھے گئے ہیں اور لوگ اپنی مسجدوں اور اپنے گھروں کو چراغوں کو روشن کر کے آراستہ کرتے ہیں (جیسے شبِ قدر شبِ میلاد اور شبِ معراج کے موقع پر) چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ہم نے فلاں گھر کی چھت کو چراغوں سے آراستہ اور مزین کر دیا ہے جس میں تمہارا اجتماع ہونا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ایسے چراغوں سے آسمان دنیا کو (میلاد کی خوشی میں پہلے سے) مزین و آراستہ کر دیا ہے جن کا مقابلہ تمہارے چراغوں کی روشنی نہیں کر سکتی ﴿وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيْطَانِ﴾ اور ہم نے ان (ستاروں) کو شیطانوں کے لیے مار بھگانے والا بنایا ہے یعنی تمہارے دشمنوں کے لیے جو تمہیں نورِ ایمان سے نکال کر کفر و شرک کے اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو تین مقاصد کے لیے پیدا فرمایا ہے: (۱) آسمان کے لیے زینت (۲) شیطانوں کے لیے شعلہ زن ہو کر مار بھگانے والے (۳) رہبری کی علامات و نشانیاں جن کے ذریعہ رات کو (مسافروں اور رات کو کام کرنے والوں کے لیے) رہنمائی حاصل کی جاتی ہے سو جس نے اس کے علاوہ غور و فکر کیا اس نے ایسا تکلف کیا جس کا اسے خود علم نہیں اور ”رُجُومٌ“، ”رُجْمٌ“ کی جمع ہے اور ”رُجْمٌ“ مصدر ہے اور یہ نام اسے دیا جاتا ہے جس کے ذریعے سنگ باری کی جاتی ہے اور ستاروں کا شیاطین کے لیے ”رُجُومٌ“ ہونے کا معنی یہ ہے کہ ان سے شعلے نکلتے ہیں جیسے آگ سے شعلے نکلتے ہیں پھر وہ ستاروں سے نکلے ہوئے شعلے جنوں کو ہلاک کر ڈالتے ہیں یا انہیں لنگڑا کر دیتے ہیں لیکن یہ مطلب نہیں کہ ستارے اپنی جگہوں سے منتقل ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ آسمان میں اپنے اصل حال پر گڑے ہوئے ہیں ﴿وَأَعْتَدْنَا لَهُمُ عَذَابَ السَّعِيرِ﴾ اور ہم نے ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے (یعنی) ہم نے دنیا میں شیطانوں کو ستاروں کے شعلوں کے ذریعے جلائے کے بعد آخرت میں ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَيَسُّ الْمُبْسِطِينَ ۖ إِذَا الْقَوُافِيهَا
 سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورٌ ۖ تَكَادُ تَمَيِّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ
 سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۖ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا
 مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ ۖ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ۖ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ
 أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۖ فَاعْتَرَفُوا بِذَنبِهِمْ ۖ فَسُحِقًا لِأَصْحَابِ
 السَّعِيرِ ۖ إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۖ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۖ

اور جن لوگوں نے اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا ان کے لیے دوزخ کا عذاب ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے ۰ جب انہیں دوزخ میں ڈالا جائے گا تو وہ اس کی خوف ناک بلند چیخ سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی ۰ قریب ہے کہ وہ غضب لے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”لَوْلَاكَ لَمَّا خَلَقْتُ الدُّنْيَا“ اگر آپ نہ ہوتے تو میں مخلوقات کو پیدا نہ کرتا تو گویا زمین و آسمان چاند سورج اور ستارے سب حضور کی وجہ سے تخلیق کیے گئے ہیں۔ (الانوار الحمدیہ من الموابہ بالبدیع ص ۱۵، مطبوعہ حکمتہ الحقوق فی بیروت حجتہ اللہ علی العالمین ص ۲۹، مطبوعہ المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ لاہور)

سے پھٹ جائے گی جب اس میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ فرشتے ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! بلکہ ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا سو ہم نے جھٹلا دیا اور ہم نے کہا: اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز نازل نہیں کی تم نہیں ہو مگر بڑی گمراہی میں O اور وہ کہیں گے: کاش! ہم غور سے سنتے یا ہم عقل سے کام لیتے تو (آج) ہم دوزخ والوں میں نہ ہوتے O سو انہوں نے اپنے گناہ کا اعتراف کر لیا پس دوزخ والوں کے لیے لعنت ہے O بے شک جو لوگ بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے لیے بخشش ہے اور بہت بڑا اجر و ثواب ہے O

کفار کے کفر پر سزا اور مسلمانوں کے لیے خوفِ خدا پر انعام کا بیان

۶- ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا ابْذَرْتُمُ﴾ اور ان لوگوں کے لیے جنہوں نے اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا (یعنی) ہر اس شخص کے لیے جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا خواہ وہ شیطانوں میں سے ہو یا ان کے علاوہ انسانوں میں سے ہو اس کے لیے ﴿عَذَابُ جَهَنَّمَ﴾ دوزخ کا عذاب ہے۔ اس عذابِ دوزخ کے ساتھ صرف وہی شیاطین مخصوص نہیں ہیں جنہیں ستاروں کے شعلوں کے ذریعے مار بھگایا جائے گا ﴿وَيُسَّسُ الْمَصِيدُ﴾ اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے (یعنی) دوزخ واپس لوٹ کر ٹھہرنے کا بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

۷- ﴿إِذَا الْقَوَافِئُهُ﴾ جب ان کو اس میں ڈالا جائے گا (یعنی) جب کافر جنوں اور کافر انسانوں کو جہنم میں پھینکا جائے گا جس طرح بہت بڑی آگ میں لکڑیوں کو پھینکا جاتا ہے ﴿سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا﴾ وہ دوزخ سے ایک مکروہ آواز سنیں گے جیسے گدھے کی مکروہ آواز ہوتی ہے۔ دوزخ کی مکروہ اور قبیح و بدترین آواز کو گدھے کی آواز سے تشبیہ دی گئی ہے ﴿وَرَهَى نَقُورٌ﴾ اور وہ کافروں پر جوش مار رہی ہوگی جیسے ہانڈی کے اندر کی چیز جوش مارتی ہے۔

۸- ﴿تَكَادُ تَمَيِّزُ﴾ قریب ہے کہ وہ پھٹ جائے گی۔ اصل میں ”تَمَيِّزُ“ ہے یعنی پھٹ جائے گی اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی ﴿مِنَ الْغَيْظِ﴾ کفار پر غضب کی وجہ سے پھر دوزخ کو کفار پر غضب ناک قرار دینے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دوزخ کی آگ ان کو جلانے کے لیے بہت سخت جوش مار رہی ہوگی ﴿كَلِمًا أَلْفِي فِيهَا قَوْجٌ﴾ جب کبھی اس میں کسی گروہ کو ڈالا جائے گا (یعنی) جب کفار کی کسی جماعت کو دوزخ میں پھینکا جائے گا تو ﴿سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا﴾ اس کے محافظ فرشتے ان سے پوچھیں گے (یعنی) مالک فرشتہ اور زبانہ فرشتوں میں سے اس کے معاونین فرشتے کفار کو ڈرانے دھمکانے اور ڈانٹنے کے لیے ان سے پوچھیں گے: ﴿الْحَيَاتُكُمْ تَذِيرٌ﴾ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرسانے والا رسول نہیں آیا جو تمہیں اس عذاب سے ڈراتا۔

۹- ﴿قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ﴾ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! بے شک ہمارے پاس ڈرسانے والا آیا تھا۔ یہ ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کے لیے اعتراف ہے اور اس بات کا اقرار ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس رسولوں کو بھیج کر اور جس کفر و شرک اور گناہوں میں وہ مبتلا تھے ان سے انہیں ڈرا کر ان کے دلائل اور بہانوں کو دور کر دیا ﴿كَذَّبْنَا﴾ سو ہم نے جھٹلا دیا یعنی ہم نے ان رسولوں کو جھٹلا دیا تھا ﴿وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ﴾ اور ہم نے کہا: وہ رسول جو کچھ وعدے اور وعید وغیرہ کے بارے میں کہتے ہیں ان میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں کی ﴿إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ﴾ تم نہیں ہو مگر بہت بڑی گمراہی میں یعنی کفار نے ڈرانے والے رسولوں سے کہہ دیا: تم بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہو پس ”نذیر“ یہ معنی ”انذار“ ہے پھر اس کے ساتھ ”مُنذِرُونَ“ کو متصف کیا گیا تاکہ ”انذار“ (ڈرانے) میں مبالغہ کیا جائے گویا وہ پیغمبرانِ خدا صرف ڈرانے والے نہیں بلکہ وہ سراپا ”انذار“ تھے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ کلام کفار

کے لیے دوزخ کے فرشتوں نے کہا ہو یعنی دوزخ کے محافظ فرشتوں نے کافروں کے لیے کہا ہو کہ تم صرف بڑی گمراہی میں مبتلا ہو چکے ہو اور ”ضلال“ سے ہلاکت مراد ہے یا پھر ”ضلال“ کی جزاء کو ”ضلال“ کا نام دیا گیا ہے جیسا کہ برائی اور ظلم کی جزاء کو برائی اور ظلم کا نام دیا جاتا ہے اور علم البیان میں اسے مشاکلت کہا جاتا ہے یا یہ کہ یہ کلام کفار کے لیے رسولوں نے فرمایا ہو کہ تم بہت بڑی گمراہی میں ہو جیسے کفار نے بطور حکایت محافظ فرشتے کے لیے بیان کیا ہو یعنی انہوں نے ہمارے لیے یہ فرمایا تھا جسے ہم نے قبول نہیں کیا۔

۱۰۔ ﴿وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ﴾ اور وہ (کفار) کہیں گے: کاش! ہم نے ڈرانے کی باتوں کو اس طرح غور سے سنا ہوتا جس طرح حق کا طالب غور سے سنتا ہے ﴿أَوْ نَعْقِلُ﴾ یا ہم نے عقل سے کام لیا ہوتا یعنی کاش! ہم اس کو اس طرح سمجھتے جس طرح غور و فکر اور سوچ بچار کرنے والا سمجھتا ہے تو ﴿مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾ ہم دوزخ والوں میں نہ ہوتے (یعنی) دوزخیوں کی جماعت میں اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ تکلیف (مکلف ہونے) کا مدار شرعی دلائل اور عقل سلیم ہے اور بے شک یہ دونوں لازمی محبتیں ہیں۔

۱۱۔ ﴿فَاعْتَرَفُوا بِذَنبِهِمْ﴾ پھر وہ اپنے گناہ یعنی رسولوں کو جھٹلانے کے متعلق اپنے کفر کا اعتراف کر لیں گے ﴿فَسُحِقًا﴾ لَأَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾ پس دوزخ والوں کے لیے لعنت ہے [قاری یزید اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ”حَا“ ساکن کی بجائے مضموم ہے یعنی ”فَسُحِقًا“ ہے] اور اس کا معنی یہ ہے: پس ان دوزخ والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی عزت و کرامت سے دوری ہو خواہ وہ اعتراف کریں یا انکار کر دیں کیونکہ یہ اعتراف جرم بھی انہیں کوئی نفع نہیں دے گا اور ”فَسُحِقًا“ کا نصب اس کے مصدر ہونے کی بناء پر ہے کیونکہ یہ دعائے ضرر کے موقع پر واقع ہے۔

۱۲۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ﴾ بے شک جو لوگ بن دیکھے یعنی عذاب کے معائنہ اور مشاہدہ کرنے سے پہلے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ﴿لَهُمْ مَغْفِرَةٌ﴾ ان کے لیے ان کے گناہوں کی مغفرت و بخشش ہے ﴿وَأَجْرٌ كَبِيرٌ﴾ اور ان کے لیے بہت بڑا اجر و ثواب ہوگا یعنی جنت میں جائیں گے۔

وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ وَأَجْهَرُوا بِهِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١٣﴾ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ

وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿١٤﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ ذُلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا

وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ﴿١٥﴾ أَمْ مِنْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْفَىٰ بِكُمْ

الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ ﴿١٦﴾ أَمْ مِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا

فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ تَذِيرُ ﴿١٧﴾

اور تم اپنی بات آہستہ کہو یا اسے بلند آواز سے کہو بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے ○ کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا ہے حالانکہ وہ بہت باریک بین ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے ○ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے نرم بنایا پس تم اس کے راستوں میں چلو پھرو اور اس کے رزق میں سے کھاؤ اور اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے ○ کیا تم اس

سے بے خوف ہو گئے ہو جس کی حکومت آسمان میں (بھی) ہے کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے پس وہ اچانک لرزنے لگے ۰ کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو جس کی حکومت آسمان میں (بھی) ہے کہ وہ تم پر پتھروں کی بارش برسا دے سو عنقریب تم جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے ۰

اللہ تعالیٰ کے لیے علم اور قدرت کی وسعت اور کفار کی مذمت کا بیان

۱۳- ﴿وَأَسْرُدُّوا قَوْلَكُمْ وَأَجْهَرُوا بِهٖ﴾ اور تم اپنی بات آہستہ کہو یا اسے بلند آواز سے کہو۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں امروں میں سے کسی ایک کا حکم ہے آہستہ بولنا اور بہ آواز بلند بولنا اور اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارا آپس میں آہستہ بولنا اور بلند آواز میں بولنا اللہ تعالیٰ کے ہاں برابر ہے کیونکہ وہ دونوں حالتوں کو خوب جانتا ہے۔

شان نزول: مروی ہے کہ مشرکین مکہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف ناگوار باتیں کہتے تھے تو حضرت جبریل علیہ السلام حضور نبی کریم ﷺ کو وہ سب کچھ بتا دیتے جو کچھ انہوں نے آپ کے بارے میں بکواس کی ہوتی تھی سو اس لیے انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا: تم آہستہ بات کہا کرو تا کہ (سید عالم حضرت) محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا خدا سن نہ لے تو اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی پھر اس کی وجہ بیان فرمائی کہ ﴿إِنَّهٗ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ بے شک وہ دلوں کی باتیں خوب جاننے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ دلوں کے اسرار اور اس میں مخفی رازوں کو خوب جانتا ہے اس سے پہلے کہ زبانیں ان کی ترجمانی کریں تو بھلا وہ ان باتوں کو کیسے نہیں جانتا جن کو بولا جاتا ہے؟

۱۴- ﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ﴾ کیا وہ نہیں جانتا جس نے (تمام مخلوق کو) پیدا کیا [کلمہ ”مَنْ“ اس بناء پر محلاً مرفوع ہے کہ یہ ”يَعْلَمُ“ کا فاعل ہے] ﴿وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ اور وہ بہت باریک بین سب کی خبر رکھنے والا ہے اور اس آیت مبارکہ میں اس بات سے انکار کیا گیا ہے کہ جس نے تمام کائنات کو پیدا کیا ہے اس خالق و مالک کا علم دلوں کے رازوں اور مخفی باتوں اور اعلانیہ باتوں کو محیط نہ ہو حالانکہ اس کی شان یہ ہے کہ وہ بہت باریک بین ہے یعنی تمام اشیاء کی باریکیوں کو خوب جاننے والا ہے اور وہ بہت خبردار ہے کہ وہ تمام اشیاء کی حقیقتوں کو خوب جاننے والا ہے اور اس آیت مبارکہ سے اقوال کے مخلوق ہونے کا اثبات ہو گیا سو ”خَلَقَ“ اقوال کا مسئلہ بندوں کے افعال کے ”خَلَقَ“ ہونے پر دلیل ہو جائے گا [اور ابو بکر بن اصرم اور جعفر بن حرب نے کلمہ ”مَنْ“ کو مفعول قرار دیا ہے اور ”يَعْلَمُ“ کے فاعل کو مضمّر قرار دیا اور وہ اللہ تعالیٰ ہے پھر انہوں نے اس طریقہ سے یہ حیلہ کیا کہ بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ نہیں ہیں]۔

۱۵- ﴿هُوَ﴾ وہ اللہ تعالیٰ ہے ﴿الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ ذَلُولًا﴾ جس نے تمہارے فائدے کے لیے زمین کو نرم و آسان اور مسخر و تابع بنایا جس پر چلنا پھرنا دشوار و مشکل نہیں رہا ﴿فَأَمْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا﴾ پس تم اس کے جوانب و اطراف میں فوائد کے حصول اور رزق کی طلب میں چلو پھرو یا یہ معنی ہے کہ تم اس کے پہاڑوں پر چلو پھرو یا یہ کہ تم اس کے راستوں میں چلو پھرو ﴿وَكُلُوا مِنْ رِزْقِہٖ﴾ اور تم اس کے رزق میں سے کھاؤ یعنی تم زمین میں اللہ تعالیٰ کے رزق میں سے کھاؤ ﴿وَالْيَوْمِ النَّشُورِ﴾ اور اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے یعنی تم سب نے اٹھ کر اسی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے سو وہ تم سے ان نعمتوں پر شکر ادا کرنے کے متعلق سوال کرے گا اور پوچھے گا جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائی تھیں۔

۱۶- ﴿عَايَنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ﴾ کیا تم اس ذات سے بے خوف اور نڈر ہو گئے ہو جو آسمان میں ہے: ”أَيُّ مَنْ مَلَكَوْنَهُ فِي السَّمَاءِ“ یعنی وہ ذات پاک جس کی حکمرانی آسمان میں بھی ہے کیونکہ آسمان تو اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کا مسکن

ہے اور اسی آسمان سے اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور اس کی کتابیں اور اس کے اوامر اور نواہی نازل ہوتے ہیں تو گویا فرمایا کہ کیا تم آسمان کے خالق اور اس کے بادشاہ سے بے خوف ہو گئے ہو اور اس لیے بھی کہ کفار مکہ تشبیہ کا عقیدہ رکھتے تھے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے اور بے شک رحمت اور عذاب دونوں آسمان سے نازل ہوتے ہیں سوان کے اعتقاد کے مطابق ان سے کہا گیا کہ کیا اس ذات پاک سے بے خوف ہو گئے ہو جس کے متعلق تمہارا گمان ہے کہ وہ آسمان میں ہے حالانکہ وہ تو مکان میں رہنے سے بہت بلند و بالا اور پاک ہے ﴿أَنْ يَخْشِفَ بِكُمْ الْأَرْضُ﴾ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں زمین میں دھنسا دے جیسا کہ قارون کو دھنسا دیا تھا ﴿فَإِذَا هِيَ تَمُورُ﴾ پس اچانک وہ لرزنے لگے، ملنے لگے اور کانپنے لگے۔

۱۷- ﴿أَمْ أَمِنْتُمْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا﴾ کیا تم اس ذات اقدس سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان کا خالق و مالک ہے کہ وہ تم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا دے۔ ”حَاصِبًا“ بمعنی ”حجارة“ ہے یعنی پتھر [”أَنْ يُرْسِلَ“ بدل اشمال میں سے بدل واقع ہو رہا ہے اور اسی طرح ”أَنْ يَخْشِفَ“ ہے] ﴿فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرٍ﴾ سو عنقریب تم جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا رہا یعنی جب تم وہ عذاب دیکھ لو گے جس سے تمہیں ڈرایا گیا ہے تو اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا مگر اس وقت جان لینے سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿۱۸﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ

صَفِيٍّ وَيَقِظُنَّ مِنْهُ مَا يَمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَنُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ ﴿۱۹﴾

أَمَنْ هَذَا الَّذِي هُوَ جُنْدٌ لَكُمْ يَنْصَرُّكُمْ مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ إِنَّ الْكُفْرَ وَنَ إِلَّا

فِي غُرُوبٍ ﴿۲۰﴾ أَمَنْ هَذَا الَّذِي يَرْتُقِكُمْ إِنْ أَسْكَبْتُمْ أَهْلًا لَكُمْ لِيُجَاوِيَ عُنُقَ وَ

نُقُورٍ ﴿۲۱﴾ أَمَنْ يَمْشِي مُكِبًّا عَلَى وَجْهِهِ أَهْدَى أَمَنْ يَمْشِي سَوِيًّا عَلَى

صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۲۲﴾

اور بے شک ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا، سو میرا انکار کیسا رہا اور کیا انہوں نے اپنے اوپر پر پھیلانے ہوئے پرندوں کو نہیں دیکھا اور (کبھی) وہ سمیٹ لیتے ہیں انہیں ماسوا رحمن کے کوئی نہیں روک سکتا، بے شک وہ ہر چیز کو خوب دیکھ رہا ہے، کیا تمہارے پاس کوئی ایسا لشکر ہے جو رحمن کے علاوہ تمہاری مدد کر سکے، کفار صرف دھوکے میں بہتلا ہیں، کیا کوئی ایسا ہے جو تمہیں رزق پہنچا سکے اگر اللہ تعالیٰ اپنا رزق روک لے، بلکہ وہ سرکشی اور نفرت میں ڈٹے ہوئے ہیں، تو کیا جو شخص اپنے منہ کے بل اوندھا چلتا ہے زیادہ ہدایت یافتہ ہے یا وہ جو سیدھا ہو کر سیدھے راستے پر چلتا ہے؟

۱۸- ﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ اور بے شک ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا (یعنی) آپ کی قوم قریش مکہ سے پہلے جو لوگ گزر چکے ہیں انہوں نے بھی اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا ﴿فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ﴾ سو میرا عذاب کیسا رہا یعنی ان پر میرا عذاب کیسا سخت تھا، جب میں نے ان (منکرین) کو ہلاک کر دیا تھا۔

۱۹- زمین میں دھنسانے اور آسمان سے پتھروں کی بارش برسانے کی قدرت کے ذکر کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی

مزید قدرت پر تشبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿أَوْ كَمَا يُرَدُّ إِلَى الْكَبِيرِ قَوْمَهُمْ صَفِيًّا﴾ اور کیا انہوں نے اپنے اوپر پرندوں کو پھیلانے ہوئے نہیں دیکھا (یعنی) کیا کفار مکہ نے اپنے اوپر ہوا میں پرندوں کو نہیں دیکھا جب وہ اڑتے وقت فضا میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے اپنے پروں کو پھیلاتے ہوئے اڑتے ہیں [”طیر“، ”طائر“ کی جمع ہے] ﴿وَيَقْبِضَنَّ﴾ اور وہ کبھی سمیٹ لیتے ہیں (یعنی) وہ پرندے کبھی اپنے پروں کو سمیٹ لیتے ہیں جب وہ پروں کو پہلوؤں پر مارتے ہیں [اور ”يَقْبِضَنَّ“ کو اسم فاعل ”صَاقَاتٍ“ کے معنی پر محمول کر کے معطوف کیا گیا ہے یعنی ”يَصْفَفْنَ وَيَقْبِضَنَّ“ یا پھر ”صَاقَاتٍ وَقَابِضَاتٍ“ ہے اور یہ ترکیب اس لیے اختیار کی گئی ہے کہ اڑنے کی اصل پروں کو پھیلانا ہے] کیونکہ ہوا میں اڑنا پانی میں تیرنے کی طرح ہے اور ہوا اڑنے والے کے لیے اس طرح ہوتی ہے جس طرح تیرے والے کے لیے پانی ہوتا ہے اور تیرنے میں اصل بازوؤں اور ہاتھوں کو دراز کرنا اور پھیلانا ہوتا ہے لیکن ہاتھوں کو پھیلانے کے بعد کبھی سمیٹنا کبھی کھولنا حرکت کے اظہار کے لیے ہوتا ہے اسی طرح ہوا میں اڑنے کے لیے اصل تو پروں کو پھیلانا ہوتا ہے لیکن حرکت کے اظہار کے لیے کبھی سمیٹنا اور کبھی کھولنا ہوتا ہے اس لیے فعل کا کلمہ لایا گیا ہے ﴿مَا يَمْسِكُهُنَّ﴾ ان کو پروں کے سمیٹتے وقت اور پھیلاتے وقت گرنے سے کوئی نہیں روک سکتا ﴿إِلَّا الرَّحْمَنُ﴾ ماسوا رحمن کے جو اپنی قدرت کاملہ سے انہیں روکے رکھتا ہے ورنہ ثقیل اور بوجھ والی چیز طبعی طور پر زمین کی طرف نیچے گر جاتی ہے اوپر بلندی کی طرف اپنے آپ نہیں جاتی اور اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت و نگہبانی اور اس کی تدبیر و منصوبہ بندی جہان سے رُک جائے تو تمام آسمان گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں [اور ”مَا يَمْسِكُهُنَّ“ جملہ مستاتفہ ہے اور اگر اس کو ”يَقْبِضَنَّ“ کی ضمیر ”هُنَّ“ سے حال بنایا جائے تو یہ بھی جائز ہے] ﴿إِنَّهُ يُمْسِكُ﴾ بے شک وہ ہر چیز کو خوب دیکھ رہا ہے وہ جانتا ہے کہ وہ کیسے پیدا کرتا ہے اور کیسے عجائبات کی تدبیر کرتا ہے۔

۲۰- ﴿أَمَّنْ هَذَا الَّذِي هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُونِ الرَّحْمَنِ﴾ کیا یہ کون ہے جو تمہارے لیے ایسا لشکر ثابت ہو کہ وہ رحمن کے علاوہ تمہاری مدد کرے [”أَمَّنْ“ مبتدا ہے ”هَذَا“ اس کی خبر ہے ”هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ“ اپنے سے پہلے ”هَذَا“ سے بدل ہے جب کہ اپنے نابعد کے لیے موصوف ہے اور ”يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُونِ الرَّحْمَنِ“ محلاً مرفوع ”هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ“ کی صفت ہے اور واحد لفظ پر محمول کرنے کی وجہ سے ہے اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ مدد کرنے کے لیے وہ کون ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے] ﴿إِنَّ الْكُفْرَانَ إِلَّا فِي غُرُوبٍ﴾ کفار صرف دھوکا میں پڑے ہوئے ہیں [حرف ”إِنَّ“ نافیہ ہے ”أَيُّ مَا هُمْ إِلَّا فِي غُرُوبٍ“ یعنی وہ نہیں مگر دھوکا میں]۔

۲۱- ﴿أَمَّنْ هَذَا الَّذِي يَنْزِلُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِشْقَهُ﴾ کیا یہ کون ہے جو تمہیں رزق پہنچائے اگر وہ اپنا رزق روک لے [”أَمَّنْ“، ”مَنْ“، ”مُشَارًا إِلَيْهِ“ ہے اور کہا جائے گا کہ کیا یہ ہے وہ جو تمہیں رزق دیا کرے گا اگر اللہ تعالیٰ اپنا رزق بند کر دے؟ اور یہ اس تقدیر پر ہے] اور یہ بھی جائز ہے کہ اشارہ تمام بتوں کی طرف ہو رہا ہو کیونکہ کفار کا یہ اعتقاد تھا کہ بے شک مصائب و آلام سے ان کی حفاظت اور ان کا رزق انہیں ان کے معبودوں کی برکت سے دیا جاتا ہے پس گویا بت ان کے مددگار اور ان کے رازق ہیں پھر جب انہوں نے کوئی نصیحت قبول نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے اعراض کر کے ارشاد فرمایا: ﴿بَلْ لَّجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ﴾ بلکہ وہ سرکشی اور نفرت میں ہٹ دھرم اور ضدی ہو چکے ہیں (یعنی) وہ لوگ حق سے تکبر کر کے اور اس سے دور بھاگ کر حد سے بڑھ چکے ہیں کیونکہ حق ان پر ثقیل اور بوجھ بن چکا ہے سو اس لیے انہوں نے اس کی پیروی نہیں کی۔

۲۲- پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مسلمانوں کے لیے ایک مثال بیان کی چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿أَمَّنْ يَنْشِئُ مَكْتَبًا عَلٰی

وَجِهَةٌ ﴿﴾ تو کیا وہ شخص جو اپنے منہ کے بل جھک کر چلتا ہے یعنی وہ ہر لمحہ منہ کے بل اوندھا گر پڑتا ہے اور چلتے وقت راہ سے بھٹک جاتا ہے ﴿﴾ (اَهْدَى) وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہے اور وہ زیادہ سیدھی راہ پر ہے؟ [”فَاَكْبْتُ“، ”كَبَيْتُهُ“ کا مطاوع ہے چنانچہ کہا جاتا ہے: ”كَبَيْتُهُ فَاَكْبْتُ“ میں نے اسے الٹایا تو وہ الٹ گیا اور ”مَنْ“ مبتدا ہے اور اس کی خبر ”اَهْدَى“ ہے] ﴿﴾ (اَمِنْ يَمِيْنِي سُوِيًا) ﴿﴾ یا وہ (زیادہ ہدایت یافتہ ہے) جو سیدھا ہو کر چلتا ہے جو بالکل برابر سیدھا چلتا ہے نہ گرتا ہے اور نہ منہ کے بل جھکتا ہے ﴿﴾ (عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ) ﴿﴾ سیدھے راستے پر اور حضرت (محمد بن سائب) کلبی سے مروی ہے کہ ”مُكِبُّ“ سے ابو جہل مراد ہے اور ”سُوِيًا“ سے حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم مراد ہیں [”مَنْ“ کی خبر محذوف ہے جس پر اس سے سابق ”اَهْدَى“ دلالت کر رہا ہے]۔

قُلْ هُوَ الَّذِي اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمْ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ط قَلِيْلًا مَّا

تَشْكُرُوْنَ ﴿٢٣﴾ قُلْ هُوَ الَّذِي ذَرَاكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَيَقُولُوْنَ

مَتٰى هٰذَا الْوَعْدٰنِ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٥﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَا اَنَا

نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٢٦﴾ فَلَمَّا رَاُوْهُ زُلْفَةً سِيءَتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِي

كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿٢٧﴾

(اے محبوب!) فرمادیجئے: وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور اس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے، تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو O (اے محبوب!) فرمادیجئے: وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا اور تم اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے O اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو O (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ بے شک اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور بے شک میں تو صرف کھلم کھلا ڈر سنانے والا ہوں O پھر جب وہ اس کو قریب دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے اور انہیں فرمادیا جائے گا: یہ ہے وہ جس کو تم بار بار مانگا کرتے تھے O

٢٣- ﴿﴾ قُلْ هُوَ الَّذِي اَنْشَاَكُمْ ﴿﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے تمہیں ابتداء میں حسین و جمیل صورت میں پیدا کیا ﴿﴾ (وَجَعَلَ لَكُمْ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ط) ﴿﴾ اور اس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تین اعضاء کا خصوصیت سے اس لیے ذکر فرمایا کہ یہی اعضاء علم کے آلات ہیں ﴿﴾ (قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ) ﴿﴾ تم ان نعمتوں پر بہت کم شکر ادا کرتے ہو کیونکہ (اے کفار مکہ) تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہو اور اس کی خالص عبادت نہیں کرتے اور معنی یہ ہے کہ تم بہت تھوڑا سا شکر کرتے ہو اور حرف ”مَا“ زائدہ ہے (یعنی تحسین کلام کے لیے زیادہ کیا گیا ہے) اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ قلت سے عدم مراد ہے ”الْقَلِيْلُ كَالْمَعْدُوْمِ“ یعنی تم بالکل شکر نہیں کرتے۔

٢٤- ﴿﴾ قُلْ هُوَ الَّذِي ذَرَاكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے تمہیں پیدا کر کے زمین میں پھیلا دیا اور تم سب حساب و کتاب اور جزاء کے لیے اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔

٢٥- ﴿﴾ وَيَقُولُوْنَ ﴿﴾ اور وہ کہتے ہیں: یعنی کفار مکہ مسلمانوں سے مذاق اڑانے کے لیے کہتے: ﴿﴾ (مَتٰى هٰذَا الْوَعْدٰنِ) ﴿﴾

یہ وعدہ جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو کب پورا ہوگا یعنی عذاب کے آنے کا وعدہ ﴿إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ اگر اس وعدہ کے پورا ہونے میں تم سچے ہو تو تم ہمیں اس کا وقت بتا دو۔

۲۶- ﴿قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ بے شک یہ علم یعنی عذاب کے وقت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ﴿وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ﴾ اور بے شک میں صرف ڈرسانے والا ہوں ﴿مُبِينٌ﴾ (اور) اسلامی قوانین اور شرعی احکام و تعلیمات بیان کرنے والا ہوں (لہذا میں اپنا فرض منصبی ادا کر رہا ہوں لیکن عذاب کے وقت کا تعین نہ میرے منصب و فرض میں شامل ہے نہ میرے ذمہ لازم ہے)۔

۲۷- ﴿فَلَمَّا دَاوُودَ زُلْفَةً سَيِّئَةٌ وُجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ پھر جب وہ لوگ اسے اپنے قریب دیکھیں گے یعنی جب وہ اس وعدہ کو یا اس عذاب کو جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا اپنے قریب دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے یعنی وعدہ کو دیکھتے ہی ان کے چہرے بگڑ جائیں گے کہ ان پر غم ورنج چڑھ جائے گا اور ان پر سیاہی چھا جائے گی اور ان کے چہرے کالے سیاہ عملگین ہو جائیں گے [”زُلْفَةً“ حال کی بناء پر منصوب ہے] ﴿وَقِيلَ لَهَا لَوْلَا اَنْتِ كُنْتِمْ بِهٖ تَدْعُوْنَ﴾ اور انہیں کہا جائے گا: یہی وہ وعدہ ہے جس کا تم مطالبہ کرتے تھے اور بار بار مانگا کرتے تھے۔ ”تَدْعُوْنَ“ دعا سے ماخوذ ہے یعنی جس کے جلد آنے کی تم درخواست کرتے تھے یا پھر یہ ”دعویٰ“ سے ماخوذ ہے یعنی جس کے سبب تم دعویٰ کرتے تھے کہ تمہیں مرنے کے بعد بالکل نہیں اٹھایا جائے گا [قاری یعقوب کی قراءت میں ”تَدْعُوْنَ“ پڑھا جاتا ہے]۔

قُلْ اَرَعَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكْنِي اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمْنَا فَمِنْ يُّجِبِرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ

عَذَابِ اَلَيْهِمْ ۙ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اَمْتَابِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ

فِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ قُلْ اَرَعَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَا وُكُوْرًا فَمِنْ يَّاتِيْكُمْ بِمَآءٍ

مَعِيْنٍ ۙ

(اے محبوب!) فرمادیجئے: کیا تم نے غور کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک کر دے یا رحم و کرم فرما دے تو پھر کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا؟ (اے محبوب!) فرمادیجئے: وہی رحمن ہے جس پر ہم ایمان لائے اور ہم نے اسی پر بھروسہ کیا، سو عنقریب تم جان لو گے کہ کون کھلی گراہی میں ہے؟ (اے محبوب!) فرمادیجئے: کیا تم نے غور سے دیکھا اگر تمہارا پانی زمین میں جذب ہو کر نیچے اتر جائے تو پھر کون تمہارے لیے جاری پانی لائے گا؟

۲۸- ﴿قُلْ اَرَعَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكْنِي اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے یعنی ہمیں موت دے دے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ”اِنْ اَمْرُوْا هَلٰكٌ“ (النساء: ۱۷۶) میں ”هَلٰكٌ“ بہ معنی ”مات“ ہے آیت کا ترجمہ یہ ہے: اگر کوئی آدمی مر جائے ﴿اَوْ رَحِمْنَا﴾ یا وہ ہم پر رحم و کرم کر دے کہ ہماری مدت حیات کو بڑھا دے اور موت کو مؤخر کر دے ﴿فَمِنْ يُّجِبِرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابِ اَلَيْهِمْ﴾ تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا۔ دراصل کفار مکہ رسول اکرم نبی معظم ﷺ کے خلاف اور مسلمانوں کے خلاف ہلاکت کی بددعا کرتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ان سے فرمادیں: ہم مسلمان دو خوبیوں میں سے ایک خوبی کا انتظار کر رہے ہیں یا

تو ہم فوت ہو جائیں گے جیسا کہ تمہاری تمنا اور آرزو ہے پھر تو ہم اس دنیا سے جنت میں منتقل ہو جائیں گے یا اللہ تعالیٰ ہم پر مہربانی فرمائے گا کہ تمہارے خلاف ہماری مدد کر کے غالب و فتح یاب کر دے گا جیسا کہ ہم اُمید رکھتے ہیں سو تم کیا کرو گے؟ تمہیں عذاب دوزخ سے کون بچائے گا؟ حالانکہ تم تو کافر ہو تمہارے لیے دوزخ کا عذاب لازمی اور ضروری ہے [اور ”یَجِیْرُ“ بمعنی ”یُنَجِّیْ“ ہے]۔

۲۹۔ ﴿قُلْ هُوَ الرَّحْمَنُ﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے: وہی رحمن ہے یعنی جس ذات پاک کی طرف میں تمہیں بلاتا ہوں وہ رحمن ہے ﴿اَمَّا يَئِيْهِ﴾ ہم اسی پر ایمان لائے ہیں ہم نے اسی کی تصدیق کی ہے اور ہم نے اس کے ساتھ کفر نہیں کیا جس طرح تم نے کفر کیا ﴿وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا﴾ اور ہم نے صرف اسی پر بھروسہ کر رکھا ہے اور ہم نے اپنے تمام معاملات اسی کے سپرد کر دیئے ہیں ﴿فَسَتَعْلَمُوْنَ﴾ پس عنقریب جب تم پر عذاب نازل ہوگا تو تم جان لو گے کہ ﴿مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ کون کھلی گمراہی میں ہے ہم یا تم [قاری علی کسائی کی قراءت میں ”یا“ کے ساتھ ”فَسَيَعْلَمُوْنَ“ ہے]۔

۳۰۔ ﴿قُلْ اَرٰءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَا وُكُوْهُ غَوْرًا﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے: کیا تم نے غور و فکر سے دیکھا اگر تمہارا پانی زمین کے نیچے گہرائی میں چلا جائے جس کو آلات بھی نہ پہنچ سکیں۔ ”غَوْرًا“ بمعنی ”غَائِرًا“ ہے کسی چیز کا گہرائی میں چلا جانا اور اس کو مبالغہ کے لیے مصدر لایا گیا ہے جیسے ”عدل“ بمعنی ”عادل“ آتا ہے ﴿فَمِنْ يَّاتِيْكُمْ بِمَاءٍ مَّعِيْنٍ﴾ تو تمہارے پاس جاری پانی کو کون لائے گا یعنی بہتا ہو پانی جو چاہے اس تک پہنچ جائے اور کسی ملحد و زندیق کے پاس یہ آیت مبارکہ تلاوت کی گئی تو اس نے کہا کہ کدال اور مزدور لاؤ زمین سے پانی نکال لیں گے چنانچہ اسی رات اس کی دونوں آنکھوں کا پانی خشک ہو گیا اور وہ اندھا ہو گیا اور بعض حضرات نے کہا: وہ محمد بن زکریا مستطیب تھا۔ اللہ تعالیٰ ہماری بصارت میں اضافہ فرمائے! آمین ثم آمین!

اللہ تعالیٰ ہماری بصارت میں اضافہ فرمائے!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ القلم مؤکدہ

سورۃ القلم کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی باون آیات دو رکوع ہیں

ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۱ مَا اَنْتَ بِبَعِيْبَةٍ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۲ وَاِنْ لَكَ لَاجْرًا

غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۳ وَاِنَّكَ لَعَلٰی خَلْقٍ عَظِيْمٍ ۴ فَسْتَبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۵ بِاٰيٰتِكُمُ

الْمُفْتُوْنَ ۶ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهِ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۷

فَلَا تُطِيعِ الْمُكٰذِبِيْنَ ۸ وَذُو الْوُدُوْدِ ۹ فَيُدٰهِنُوْنَ ۱۰

نون اور قسم ہے قلم کی اور اس کی جو کچھ وہ لکھتے ہیں ۰ آپ اپنے پروردگار کے فضل و کرم سے مجنون نہیں ہیں ۰ اور بے شک آپ کے لیے بے شمار اجر و ثواب ہے ۰ اور بے شک آپ بہت بڑے خلق پر فائز ہیں ۰ سو آپ عنقریب دیکھ لیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے ۰ کہ تم میں سے کون مجنون ہے ۰ بے شک آپ کا پروردگار اسے خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک چکا ہے اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو خوب جانتا ہے ۰ سو آپ جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیں ۰ وہ تو چاہتے ہیں کہ اگر آپ نرمی کریں تو وہ بھی نرم ہو جائیں ۰

حضور ﷺ سے جنون کی نفی اور کفار کی مذمت

۱- ﴿ن﴾ ظاہر یہ ہے کہ اس سے حروف مجمہ میں سے حرف تہجی مراد ہے اور لیکن حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ اس سے دوآت مراد ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مچھلی مراد ہے جس کی پشت پر زمین قائم ہے اور اس مچھلی کا نام بہوت ہے لیکن یہ مشکل ہے کیونکہ اس کے لیے اعراب (زبر زیر اور پیش) ضروری ہے خواہ یہ اسم جنس ہو یا اسم علم ہو البتہ سکون اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حروف تہجی میں سے ہے ﴿وَالْقَلْبِ﴾ قسم ہے قلم کی یعنی اس قلم کی قسم جس کے ساتھ لوح محفوظ میں لکھا گیا یا پھر فرشتوں کے قلم کی قسم یا ہر اس قلم کی قسم جس کے ساتھ بھلائی کی تحریریں لکھی جاتی ہیں ایسے قلم کی قسم اس لیے کھائی گئی کہ اس میں بے شمار منافع اور فوائد ہیں جن کا تعریف و توصیف احاطہ نہیں کر سکتی ﴿وَمَا يَسْطُرُونَ﴾ اور اس کی قسم جو کچھ وہ لکھتے ہیں یعنی جو کچھ محافظ فرشتے لکھتے ہیں یا کتابوں میں جو کچھ خیر و بھلائی لکھی جاتی ہے [اور اس میں "مَا" موصولہ ہے یا مصدر یہ ہے اور قسم کا جواب (درج ذیل آیت میں) ہے]۔

۲- ﴿مَا أَنْتَ بِبِعَمَةٍ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ﴾ آپ اپنے رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجنون و دیوانہ نہیں ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ پر نبوت وغیرہ کی صورت میں جو انعام فرمایا ہے اس کی برکت سے آپ مجنون اور دیوانہ نہیں ہیں [”أَنْتَ“ حرف ”مَا“ کا اسم ہے اور اس کی خبر ”بِمَجْنُونٍ“ ہے اور ”بِعَمَةٍ رَبِّكَ“ اسم اور خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور ”بِعَمَةٍ“ میں حرف ”بَا“ محذوف کے متعلق ہے اور یہ حال کی بناء پر محلاً منصوب ہے اور اس کا عامل ”بِمَجْنُونٍ“ ہے اور اس کی تقدیر عبارت یہ ہے: ”مَا أَنْتَ بِمَجْنُونٍ مِّنْ عَمَّا عَلَيْكَ بِذَلِكَ“ اور حرف ”بَا“، ”مَجْنُونٍ“ کو اپنے ما قبل میں عمل کرنے سے نہیں روکتا کیونکہ یہ نفی کی تاکید کے لیے زائد لایا گیا ہے [اور یہ آیت مبارکہ کفار کے (درج ذیل) قول کا جواب ہے: ”وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نَزَّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ“ (الحجر: ۶) اور انہوں نے کہا: اے وہ شخص جس پر ذکر (قرآن) نازل کیا گیا بے شک تم مجنون ہو۔“

۳- ﴿وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ﴾ اور بے شک آپ کے لیے بے انتہاء اجر و ثواب ہے (یعنی) بے شک اس بہتان تراشی کے برداشت کرنے اور اس پر صبر کرنے کی بناء پر آپ کے لیے نہ ختم ہونے والا دائمی اجر و ثواب ہے یا یہ کہ آپ پر احسان جتلائے بغیر بے شمار دائمی اجر و ثواب ہے۔

۴- ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ اور بے شک آپ بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا: اس سے وہ خوبیاں مراد ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس (درج ذیل) آیت مبارکہ میں حکم دیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ“ (الاعراف: ۱۹۹) ”(اے محبوب!) درگزر کیجئے اور نیکی کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے منہ پھیر لیجئے“ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: ”كُنَّ خُلُقَهُ الْقُرْآنُ“ حضور سید عالم ﷺ کا خلق مبارک قرآن مجید ہے۔ یعنی قرآن مجید میں جن آداب اور اچھے اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے وہ سب کے سب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بہ طریق اتم و اکمل موجود تھے اور بے شک آپ کے خلق کو صرف اس لیے عظیم الشان اور بڑا عالی شان قرار دیا گیا ہے کہ آپ نے ہمیشہ دونوں جہانوں میں سخاوت و بخشش اور عمدہ آداب و اخلاق کا مظاہر کیا اور آپ نے پوری زندگی کونین کے خالق و مالک پر بھروسہ رکھا۔

۱۔ رواہ مسلم کتاب الصلوٰۃ باب: ۱۸ رقم الحدیث: ۷۳۶

۲۔ (۱) حضور سید عالم رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر جتنا مجھے ستایا گیا ہے اتنا کسی کو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۵- ﴿فَسْتَجِزُوا بِبَصُرُون﴾ سو عنقریب آپ دیکھ لیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے یعنی عنقریب آپ دیکھ لیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے اور یہ آیت مبارکہ آپ کے لیے تو وعدہ ہے (اس دنیا میں غلبہ دین فتح و نصرت کا اور آخرت میں کامیابی و کامرانی اور حسن ثواب کا) اور جب کہ کفار کے لیے وعید اور دھمکی ہے (دنیا میں ذلت و شکست کی اور آخرت میں ناکامی و شرمندگی اور عذاب جہنم کی)۔

۶- ﴿يَا أَيُّهَا الْمَفْتُون﴾ تم میں سے کون مجنون و دیوانہ ہے۔ ”مفتون“ بہ معنی مجنون ہے کیونکہ دیوانہ شخص جنون کے فتنے میں مبتلا ہوتا ہے یعنی جنون کی آزمائش میں مبتلا ہوتا ہے [اور اس میں ”با“ زائدہ ہے یا ”مفتون“ مصدر ہے بہ معنی جنون جیسے ”معقول“ مصدر بہ معنی عقل استعمال ہوتا ہے ”أَيُّ أَيُّكُمْ الْجُنُونُ“ یعنی تم میں سے کس کو جنون لاحق ہے۔ علامہ زجاج نے کہا: حرف ”با“ بہ معنی ”فی“ ہے جیسے کہا جاتا ہے: ”كُنْتُ بِلَدِّ كَذَا أَيْ فِي بِلَدِّ كَذَا“ یعنی میں فلاں شہر میں رہتا ہوں اور اس کی تقدیر عبارت یہ ہے: ”فِي أَيُّكُمْ الْمَفْتُونُ“ [یعنی تمہارے دونوں گروہوں میں سے کون سا گروہ مجنون ہے، مسلمانوں کا گروہ یا کفار کا گروہ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نہیں ستایا گیا۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ مشرکین کے خلاف دعائے ضرر فرمائیں تو آپ نے فرمایا: ”إِنِّي مَا أُبْعَثُ لَعَانًا وَإِنَّمَا أُبْعَثُ رَحْمَةً“ (صحیح مسلم) بے شک میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں اور بے شک میں تو صرف پیکر رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

(۳) حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک سب سے زیادہ حسین تھا اور آپ کا خلق مبارک سب سے عمدہ اور بہترین تھا، آپ نہ تو بہت زیادہ دراز قد تھے اور نہ بالکل پست قامت تھے۔

(۴) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے مسلسل دس سال حضور کی خدمت کی ہے، آپ نے مجھے کبھی اُفت نہیں کہا اور میں نے جو کام کیا اس کے متعلق آپ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا اور جو کام نہیں کیا اس کے متعلق کبھی نہیں پوچھا کہ تو نے یہ کام کیوں نہیں کیا اور آپ سب سے زیادہ عمدہ اور حسین اخلاق کے مالک تھے اور میں نے کسی اطلس اور ریشم اور کسی دوسری چیز کو حضور کی ہتھیلیوں سے زیادہ نرم نہیں پایا اور میں نے رسول خدا ﷺ کے پسینے سے زیادہ خوشبودار کوئی مشک اور کوئی عطر نہیں سونگھا۔ (متفق علیہ)

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”إِنَّمَا أُبْعَثُ لَأَتِمَّ حُسْنَ الْخَلْقِ“ بے شک مجھے اس لیے بھیجا گیا ہے تاکہ میں حسن خلق کو مکمل کر دوں۔

(۶) حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: قیامت کے دن مؤمن کے میزان میں حسن خلق سے زیادہ وزنی اور بھاری اور کوئی چیز نہیں ہوگی اور بے شک اللہ تعالیٰ بخش کلام کرنے والے بد زبان سے بغض و نفرت رکھتا ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

(۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام سے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ سب سے زیادہ کس عمل کی وجہ سے لوگ جنت میں جائیں گے، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، حضور نے فرمایا: سب سے زیادہ جس عمل کی وجہ سے لوگ جنت میں جائیں گے وہ اللہ تعالیٰ کا خوف و تقویٰ اور حسن خلق ہے۔

(ماخوذ مع انتخاب و اختصار از: تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۳۳-۳۱)

۷۔ ﴿إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ﴾ بے شک آپ کا رب تعالیٰ بہت زیادہ خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے، یعنی وہی اللہ تعالیٰ حقیقت میں مجنونوں اور دیوانوں کو خوب جانتا ہے اور یہ وہی لوگ ہیں جو اس کی راہ (دین حق) سے بھٹک چکے ہیں ﴿وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ اور وہی ہدایت یافتہ لوگوں کو خوب جانتا ہے یعنی وہی عقل مندوں کو خوب جانتا ہے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

۸۔ ﴿فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِبِينَ﴾ سو آپ جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیں اور ان کی اطاعت ہرگز نہ کریں اور اس آیت مبارکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی نافرمانیوں اور سرکشوں پر مضبوط موقف اور سخت رویہ اختیار کرنے کی تاکید اور ترغیب دی گئی ہے کیونکہ کفار مکہ نے ارادہ کر لیا تھا کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ عرضہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کریں اور کچھ عرضہ ان کے معبودوں کی عبادت کیا کریں تو وہ آپ سے شرارتیں کرنا اور آپ کو تکلیفیں دینا بند کر دیں گے۔

۹۔ ﴿وَذُوَا الْوُدَّاهِنُ فَيَذَهُنَّ﴾ وہ چاہتے ہیں کہ اگر آپ ان کے لیے نرمی کریں تو وہ آپ کے لیے نرم پڑ جائیں گے [”يَذَهُنَّ“، ”أَنَّ“ مضموم کی وجہ سے منصوب نہیں ہے اور یہ ”تمنی“ کا جواب ہے کیونکہ اس کو دوسرے طریقے کی طرف پھیرا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اسے مبتدا محذوف کی خبر قرار دیا گیا ہے: ”أَيُّ فَهَمَّ يَذَهُنَّ“ یعنی پس وہ اس وقت نرم پڑ جائیں گے کیونکہ وہ آپ کی نرمی کے متمنی ہیں]۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ هَتَّاءِ مَشَاءٍ بِنِيْمٍ ۝ مَّنَاعٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ ۝
 أَتِيْعٍ ۝ عَتَلٍ بَعْدَ ذَلِكَ زَنِيْعٍ ۝ أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِيْنٍ ۝ إِذَا تَتَلَّى عَلَيْهِ ۝
 اِيْتِنَا قَالِ اسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ سَنَسِيْبُهُ عَلَي الْخُرُطُوْمِ ۝

اور (اے محبوب!) آپ ہر اس شخص کی بات نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا انتہائی ذلیل ہے ۝ بہت طعنے دینے والا چلتا پھرتا چغل خور ہے ۝ بھلائی سے بہت روکنے والا حد سے بڑھنے والا بہت گناہ گار ہے ۝ سخت مزاج بعد ازاں وہ حرام زادہ ہے ۝ اس لیے کہ وہ بڑا مال دار اور بہت بیٹوں والا ہے ۝ جب اس پر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتا ہے: یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ۝ ہم عنقریب اس کی ناک پر داغ لگا دیں گے ۝

ولید بن مغیرہ وغیرہ کی مذمت کا بیان

۱۰۔ ﴿وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ﴾ اور آپ بہت قسمیں کھانے والے ہر شخص کی بات نہ مانیں (یعنی) حق اور باطل میں بہت زیادہ قسمیں کھانے والا اور قسمیں کھانے کے عادی شخص کی زجر و توبخ اور اسے ڈانٹنے کے لیے یہی آیت کافی ہے ﴿مَّهِيْنٍ﴾ حقیر رائے والا گھٹیا تدبیر والا ذلیل شخص اور بدتمیز شخص۔ یہ ”مہانہ“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی قلت و حقارت ہے یا اس سے ”کذاب“ یعنی بہت جھوٹ بولنے والا شخص مراد ہے کیونکہ ایسا شخص جھوٹ کی وجہ سے لوگوں کے نزدیک حقیر اور غیر معتبر ہوتا ہے۔

۱۱۔ ﴿هَتَّاءٍ﴾ بہت عیب بیان کرنے والا بہت طعنے دینے والا نیز لوگوں کی پیٹھ پیچھے بہت غیبت کرنے والا شخص ﴿مَشَاءٍ﴾ چلتا پھرتا چغل خور (یعنی) لڑائی جھگڑا اور فساد برپا کرنے اور چغل خوری کرنے کے لیے ایک قوم کی باتیں دوسری قوم کو بتانے والا یعنی دو قوموں کے درمیان فساد ڈالنے کے لیے ایک دوسرے کے خلاف چغل خوری کرنے والا اور

”نمیم“ اور ”نمیمہ“ کا معنی چغل خوری کرنا ہے۔

۱۲- ﴿مَتَاعٍ لِّلْخَيْرِ﴾ بھلائی کو بہت روکنے والا یعنی بخیل آدمی اور ”خیسر“ سے مال مراد ہے یا یہ کہ اپنے اہل و عیال کو خیر سے بہت روکنے والا اور وہ اسلام ہے اور جمہور اہل اسلام کے نزدیک اس سے ولید بن مغیرہ مراد ہے کیونکہ اس کے دس بیٹے تھے اور وہ ان تمام بیٹوں کو کہتا تھا کہ تم میں سے جس نے اسلام قبول کر لیا میں اس کی امداد روک لوں گا اور اسے اپنے مال سے عاق کر دوں گا ﴿مُعْتَدًا﴾ ظلم و ستم کرنے میں اس کی حد سے تجاوز کرنے والا اور حد سے بڑھ کر ظالم شخص ﴿أَتَيْتُ﴾ گناہوں کا بہت زیادہ ارتکاب کرنے والا اور بہت بڑا گناہ گار شخص۔

۱۳- ﴿عُتِّلَ﴾ بد خو بد مزاج، سخت طبیعت، سخت دل اور خشک مزاج ﴿بَعْدَ ذَلِكَ﴾ ان عیبوں کے بعد جن کو مذکورہ بالا آیات میں شمار کیا گیا ہے ﴿زَنِيهِ﴾ حرام زاوہ ولد الزنا، حرام کا نطفہ، جس کا باپ مشکوک ہو اور وہ غیر قوم کی طرف منسوب ہو اور ولید بن مغیرہ قریش کی طرف منسوب کیا جاتا تھا لیکن ان کے نسب و خاندان اور ان کی اصل میں سے نہیں تھا چنانچہ اس کے باپ نے اس کی پیدائش کے اٹھارہ سال بعد اس کے لیے اپنے بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ولید بن مغیرہ کی ماں نے زنا کاری اور حرام کاری کی، جس کا کسی کو علم نہیں تھا یہاں تک کہ یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور جب نطفہ خبیث ہوتا ہے تو اس سے پیدا ہونے والا عموماً خبیث ہوتا ہے۔

مروی ہے کہ جب یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں تو ولید بن مغیرہ اپنی ماں کے پاس آیا اور کہنے لگا: بے شک (سید عالم حضرت) محمد (ﷺ) نے میرے دس عیب بیان فرمائے ہیں جن میں سے نو (۹) عیب مجھ میں پائے جاتے ہیں میں انہیں جانتا ہوں لیکن ولد الزنا والا عیب میں نہیں جانتا، سو اگر تو مجھے حقیقت حال سے آگاہ کر دے اور مجھے سچ بتا دے تو ٹھیک ورنہ میں تیری گردن مار دوں گا چنانچہ اس نے بتایا کہ تیرا باپ نامرد تھا اور مجھے اندیشہ لاحق ہوا کہ جب وہ مر جائے گا تو اس کا مال غیر لے جائیں گے تو اس لیے میں نے ایک چرواہے کو بلایا اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیا، لہذا تو اسی چرواہے کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے۔

۱۴- ﴿أَنَّ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَيْنَيْنَ﴾ اس لیے کہ وہ مال دار اور بیٹوں والا ہے [یہ ارشاد باری تعالیٰ ”وَلَا تُطْع“ کے متعلق ہے] یعنی ان عیبوں کے باوجود اس کی بات محض اس لیے نہ مان لیں کہ وہ مال دار اور اولاد والا ہے یعنی اس کے خوش حال ہونے اور دنیا دار ہونے کی وجہ سے [اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ اپنے مابعد کے متعلق ہو یعنی اس لیے کہ وہ مال دار اور بہت اولاد والا ہے] اس نے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا جس پر (درج ذیل آیت) دلالت کرتی ہے۔

۱۵- ﴿إِذَا تَتَلَّىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا﴾ جب اس کے سامنے ہماری آیتیں یعنی قرآن مجید تلاوت کیا جاتا ہے ﴿قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾ تو کہتا ہے: یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں [اور ”أَنَّ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَيْنَيْنَ“ میں ”قَالَ“ عمل نہیں کر سکتا کیونکہ شرط کا مابعد اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرتا اور قاری حمزہ کوئی اور ابو بکر کوئی کی قراءت میں ”أَنَّ“ ہے یعنی کیا محض اس لیے کہ وہ مال دار ہے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا، جب کہ ابن عامر شامی اور یزید اور یعقوب اور سہیل کی قراءت میں الف مدہ کے ساتھ ”آن“ ہے] مفسرین کرام نے بیان فرمایا کہ جب ولید بن مغیرہ گستاخ نے حضور نبی کریم ﷺ پر ایک جھوٹا عیب لگایا اور وہ آپ کو مجنون کہنا مراد ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے دس سچے عیوب بیان فرمادیئے، پھر جب اللہ تعالیٰ کا عدل و انصاف یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف اور دکھ پہنچانے والے شخص کو دس گنازا بند سزا دیتا ہے تو اس کا فضل و کرم بھی یہ ہے کہ جو شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمتیں نازل فرماتا ہے۔

۱۶۔ ﴿سَنَسِئُهُ عَلَى الْخُرُطُومِ﴾ عقرب ہم اس کو ذلیل و رسوا کرنے کے لیے اس کی ناک پر داغ کا نشان لگا دیں گے تاکہ اس کو اس داغ کے نشان سے پہچانا جائے اور صرف ناک کے ذکر کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ اس پر داغ کا نشان بہت بڑا لگتا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ غزوہ بدر کے دن ولید بن مغیرہ کی ناک پر تلوار کا زخم لگا تھا جس کا نشان اس کی ناک پر اس کے مرتے دم تک باقی رہا۔

إِنَّا بَلَوْنَهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِفُنَّهَا فَلَمَّا فُصِّحِينَ ﴿۱۶﴾ وَلَا يَسْتَتِنُونَ ﴿۱۷﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿۱۹﴾ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ﴿۲۰﴾ فَتَنَادَ وَمُصْبِحِينَ ﴿۲۱﴾ أَنْ ائْتُوا عَلَيَّ خَرْتُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۲﴾ فَانطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَفَتُونَ ﴿۲۳﴾ أَنْ لَّا يَدْخُلَهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مَسْكِينٌ ﴿۲۴﴾ وَغَدَاوَا عَلَى حَرْدٍ قَادِرِينَ ﴿۲۵﴾ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَضَالُونَ ﴿۲۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿۲۷﴾

بے شک ہم نے انہیں آزمایا جیسا کہ باغ والوں کو آزمایا تھا جب انہوں نے قسم کھائی کہ وہ ضرور صبح ہوتے ہی اس کے پھل کاٹ لیں گے اور وہ ان شاء اللہ نہ کہہ سکے سو آپ کے پروردگار کی طرف سے اس باغ پر گردش کرنے والا گردش کر گیا اور وہ اس وقت سو رہے تھے پس وہ باغ کٹے ہوئے کھیت کی طرح ہو گیا پھر انہوں نے صبح ہوتے ہی ایک دوسرے کو پکارا کہ تم اپنے کھیت کی طرف صبح سویرے ہی چل پڑو اگر تم اس کے پھل کاٹنا چاہتے ہو پھر وہ چل پڑے اور وہ ایک دوسرے کو آہستہ آہستہ کہنے لگے کہ آج کوئی مسکین تمہارے پاس باغ میں داخل نہ ہو سکے اور وہ صبح سویرے اپنے ارادہ پر اپنے آپ کو قادر سمجھ کر چل پڑے پھر جب انہوں نے اپنے باغ کو (دیران) دیکھا تو کہنے لگے: بے شک ہم ضرور راستہ بھول گئے ہیں بلکہ ہم تو محروم ہو گئے ہیں

ضروران کے باغ والوں کا عبرت ناک قصہ

۱۷، ۱۸۔ ﴿إِنَّا بَلَوْنَهُمْ﴾ بے شک ہم نے ان کو آزمایا (یعنی) بے شک ہم نے اہل مکہ کا قحط سالی و خشک سالی اور فقر و فاقہ اور بھوک میں مبتلا کر کے امتحان لیا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ان کے خلاف دعائے ضرر فرمائی کہ اے اللہ! قبیلہ مضر کی سخت گرفت فرما اور ان پر سات سال قحط سالی و خشک سالی کے نازل فرما جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے عہد میں اہل مصر پر سات سال قحط سالی کے مسلط فرمائے تھے ﴿كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ﴾ جیسا کہ ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا یہ پرہیزگار نمازی مسلمان تھے یہ باغ ان کے باپ کا تھا جو ایک گاؤں میں تھا جس کو ضروران کہا جاتا تھا اور یہ گاؤں ملک یمن کے شہر صنعاء سے دو فرسخ (چند کلومیٹر) کے فاصلے پر واقع تھا اور ان کا باپ اپنے لیے سال بھر کی روزی اس باغ سے حاصل کر کے باقی فقیروں محتاجوں اور ضرورت مندوں پر صدقہ کر دیتا تھا پھر جب ان کا باپ فوت ہو گیا تو اس کے (قیوں) بیٹوں نے کہا: اگر ہم نے اسی طرح صدقہ و خیرات کا سلسلہ جاری رکھا جس طرح ہمارا باپ کیا کرتا تھا تو ہم

۱۔ رواہ البخاری رقم الحدیث: ۸۰۳۳، مسلم رقم الحدیث: ۶۷۵-۲۹۳

لوگ تنگ دست ہو جائیں گے کیونکہ ہم تو عیال دار ہیں سو انہوں نے قسم کھائی کہ وہ صبح سویرے تاریکی میں مسکینوں اور ناداروں سے چھپ چھپا کر اپنے باغ کے پھل کاٹ لیں گے اور انہوں نے اپنی قسم اٹھاتے وقت ان شاء اللہ نہیں کہا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے باغ کو جلا دیا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ وہ لوگ کافر تھے جب کہ جمہور اہل اسلام پہلے قول پر متفق ہیں کہ وہ نمازی مسلمان تھے ﴿إِذَا قَسَمُوا لِيَوْمِئِذٍ﴾ جب انہوں نے قسم کھالی کہ وہ فقراء و مساکین کے منتشر ہونے سے پہلے صبح سویرے اپنے باغ کے پھل توڑ لیں گے [”مُصْبِحِينَ“، ”يَصْرِمْتَهَا“ کے قائل سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿وَلَا يَسْتَتِنُونَ﴾ اور انہوں نے ان شاء اللہ نہ کہا [اور اس کو استثناء کہا گیا ہے حالانکہ یہ ظاہر یہ شرط ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان شاء اللہ بھی استثناء کا معنی ادا کرتا ہے جیسے ”لَا تَخْرُجَنَّ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ“ اور ”لَا تَخْرُجُ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ“ دونوں کا ایک معنی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو میں باہر جاؤں گا]۔

۱۹، ۲۰۔ ﴿فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ﴾ سو آپ کے پروردگار کی طرف سے اس باغ پر گردش کرنے والا گردش کر گیا کہ اس باغ پر ایک بلا اور مصیبت نازل ہو گئی اور بعض مفسرین نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس باغ پر آسمانی آگ نازل فرمائی جس نے تمام باغ کو جلا ڈالا ﴿وَهُمْ نَائِمُونَ﴾ حالانکہ وہ لوگ سو رہے تھے یعنی رات کے وقت ان کے سونے کی حالت میں یہ واقعہ پیش آیا ﴿فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ﴾ پس وہ باغ تاریک رات کی طرح ہو گیا یعنی وہ جل گیا اور سیاہ ہو گیا یا یہ کہ وہ صبح کی طرح ہو گیا یعنی باغ کی جگہ بغیر درختوں کے چٹیل میدان کی طرح سفید زمین باقی رہ گئی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ باغ کٹے ہوئے کھیت کی طرح ہو گیا یعنی اس باغ کے پھل تباہ و برباد ہو جانے کے بعد گویا وہ کٹی ہوئی کھیتی کی طرح ہو گیا۔

۲۱، ۲۲۔ ﴿فَتَنَادُوا مُصْبِحِينَ﴾ سو انہوں نے صبح سویرے پکارا یعنی انہوں نے صبح ہوتے وقت ایک دوسرے کو پکارا ﴿أَنْ اعْبُدُوا عَلٰی حُرَّتِكُمْ﴾ کہ تم اپنے کھیت کی طرف صبح تڑکے تڑکے نکل پڑو اور ”إِلٰی حُرَّتِكُمْ“ نہیں فرمایا کیونکہ صبح سویرے باغ کی طرف پھل توڑنے کے لیے جانا باغ پر ہی جانا ہوا یا پھر ”عُدُو“، ”اقبال“ کے معنی پر مشتمل ہے یعنی صبح تڑکے تڑکے اپنے باغ پر توجہ دو ﴿إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ اگر تم کاٹنے والے ہو (یعنی) اگر تم پھل توڑنے کا ارادہ رکھتے ہو۔

۲۳، ۲۴۔ ﴿فَانظُرُوا وَهُمْ يَتَخَفَتُونَ﴾ پھر وہ چل پڑے اور وہ آپس میں ایک دوسرے سے آہستہ آہستہ کہنے لگے تاکہ ان کی آواز مسکینوں، ناداروں اور محتاجوں کو نہ پہنچ جائے ﴿أَنْ لَا يَدْخُلَنَهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مَسْكِينٌ﴾ کہ آج تمہارے پاس باغ میں کوئی مسکین داخل نہ ہونے پائے اور مسکینوں کے دخول کی نہی دراصل اختیار و قدرت دینے کی نہی ہے یعنی تم مسکینوں کو داخل ہونے کا اختیار اور اجازت نہ دو اور حرف ”أَنْ“ تفسیر یہ ہے نیز قول کے اضمار کے ساتھ اس کو ترک کر کے پڑھا گیا ہے: ”أَيُّ يَتَخَفَتُونَ يَقُولُونَ لَا يَدْخُلْنَهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مَسْكِينٌ“ یعنی وہ لوگ آہستہ اور چپکے سے کہتے: آج باغ میں تمہارے پاس کوئی مسکین داخل نہ ہو سکے۔

۲۵۔ ﴿وَعَدَا عَلٰی حُرْدٍ قَدِيرِينَ﴾ اور وہ صبح سویرے اپنے ارادے پر قادر ہونے کا خیال کر کے روانہ ہو گئے اور ”حُرْد“ کا معنی ہے: کسی کوختی کے ساتھ روکنا کیونکہ وہ لوگ اپنے آپ کوختی سے روکنے پر پوری طرح قادر و با اختیار خیال کر کے روانہ ہوئے تھے۔ لفظ یہ سے اسی طرح منقول ہے ”حُرْد“ کا معنی ہے: قصد اور سرعت یعنی وہ لوگ صبح سویرے اپنے باغ کا قصد و ارادہ کر کے جلد از جلد روانہ ہو گئے جب کہ وہ اپنے دل میں یہ خیال کرتے تھے کہ وہ اپنے باغ کے پھل توڑنے پر اور اس کی منفعت سے مسکینوں کو روکنے پر پوری طرح قادر ہیں یا ”حُرْد“ باغ کا نام ہے یعنی وہ صبح سویرے اپنے باغ کی

طرف چل پڑے اپنے دلوں میں یہ خیال کر کے کہ وہ اس باغ کے پھل توڑنے پر پوری طرح قادر ہیں۔
 ۲۶، ۲۷۔ ﴿فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَضَالُونَ﴾ پھر جب انہوں نے اسے دیکھا تو کہنے لگے: بے شک ہم راہ بھول گئے ہیں یعنی جب انہوں نے اپنا باغ جلا ہوا دیکھا تو انہوں نے فوراً بغیر سوچ بچار کے کہہ دیا کہ ہم یقیناً اپنے باغ کو جانے والا راستہ بھول گئے ہیں اور یہ وہ باغ نہیں کیونکہ انہوں نے اسے جلا ہوا دیکھا (حالانکہ ان کا باغ تو پہلے صحیح سلامت تھا) پھر جب انہوں نے غور کیا اور ارد گرد کے ماحول کا جائزہ لیا تو پہچان لیا کہ یہ وہی باغ ہے چنانچہ انہوں نے باغ کو پہچان کر کہا: ﴿بَلْ نَحْنُ مُجْرِمُونَ﴾ بلکہ ہم تو اپنے باغ کی خیر و برکت اور اس کے منافع و فوائد سے بالکل محروم ہو گئے اور یہ سب کچھ ہماری اپنی کوتاہی کی وجہ سے ہوا۔

قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ﴿۲۸﴾ قَالُوا سُبْحٰنَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا
 ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَلَٰوَمُونَ ﴿۳۰﴾ قَالُوا يٰوَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا
 ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ عَسَىٰ رَبِّنَا أَنْ يُّبَدِلَنَا خَيْرًا مِنَّا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا رٰغِبُونَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ
 الْعَذَابُ وَالْعَذَابُ الْآخِرَةُ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۳۳﴾

تفسیر الازہر
 ۲۸-۲۹-۳۰-۳۱-۳۲-۳۳

ان میں سے ایک اچھے آدمی نے کہا: کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کہتے؟ انہوں نے کہا: ہمارا پروردگار پاک ہے بے شک ہم ظالم تھے۔ پھر وہ ایک دوسرے کو آپس میں ملامت کرنے لگے۔ وہ کہنے لگے: ہائے ہماری خرابی! بے شک ہم سرکش ہو گئے تھے۔ عنقریب ہمارا پروردگار ہمیں اس کے بدلے میں اس سے بہتر عطا فرمائے گا۔ بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔ عذاب اسی طرح ہوتا ہے اور البتہ آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے۔ کاش! یہ لوگ جان لیتے۔

۲۸، ۲۹۔ ﴿قَالَ أَوْسَطُهُمْ﴾ ان کے متوسط آدمی نے کہا (یعنی) اپنے بھائیوں میں زیادہ انصاف کرنے والے اور ان سے زیادہ اچھے اور نیک آدمی نے کہا کہ ﴿أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ﴾ کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے (یعنی) تم ان شاء اللہ تعالیٰ کیوں نہیں کہتے کیونکہ یہ بھی تسبیح ہے اس لیے کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے معنی پر متفق ہیں کیونکہ ان شاء اللہ میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جاتا ہے اور تسبیح میں اللہ تعالیٰ کو اپنے معاملہ کے لیے ہر عیب و کمزوری سے پاک قرار دیا جاتا ہے اور تقویٰ اور تیزی میں سے ہر ایک میں تعظیم ہے یا یہ معنی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کیوں نہیں کرتے اور اپنی بُری نیت سے اس کی بارگاہ میں توبہ کیوں نہیں کرتے گویا ان میں سے ایک عادل اور اچھے آدمی نے ان سے یہ اس وقت کہا جب انہوں نے یہ بُری نیت کی تھی (کہ وہ اپنے باغ میں سے عشر وغیرہ نہیں نکالیں گے) کہ تم اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اور مجرموں سے اس کے انتقام کو یاد کرو اور اس بُری نیت سے توبہ کرو لیکن انہوں نے اس کی نافرمانی کی تو باغ کے تباہ ہونے کے بعد اب اس عادل آدمی نے ان کو عار دلانی اور شرمندہ کیا تو اس لیے ﴿قَالُوا سُبْحٰنَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴾ انہوں نے کہا: ہمارا پروردگار پاک ہے بے شک ہم ہی ظالم تھے۔ بہر حال انہوں نے یہ تسبیح اور اعتراف جزم باغ کے خراب ہونے کے بعد کیا کیونکہ انہیں پہلے عادل اور اچھے آدمی نے تسبیح کرنے اور توبہ کرنے کا کہہ دیا تھا اور انہوں نے نیکی کے روکنے اور

ان شاء اللہ نہ کہنے اور تسبیح نہ پڑھنے کی وجہ سے اپنی جانوں پر ظلم کرنے کا اقرار کر لیا اور انہوں نے تسبیح کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو ظالم ہونے سے پاک قرار دیا۔

۳۰، ۳۱۔ ﴿فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَلَذَّذُونَ﴾ پھر وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر آپس میں ملامت کرنے لگے اور وہ مساکین سے دور بھاگنے اور ان سے صدقہ و خیرات روکنے کے فعل پر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کو ملامت کرتے ہوئے یہاں بنا نے لگا پھر سب نے متفق ہو کر اعتراف کیا کہ بے شک انہوں نے حد سے تجاوز کیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَالُوا لَوْ لَوَيْدْنَا إِنَّا لَنِظَافِعِينَ﴾ انہوں نے کہا: بے شک ہم نے فقراء کا حق روک کر اور ان شاء اللہ نہ کہہ کر اور تسبیح ترک کر کے بہت بڑی سرکشی کی تھی۔

۳۲۔ ﴿عَلَىٰ رَبِّنَا أَنْ يَتَّخِذَ مِنَّا مِثَالًا﴾ عنقریب ہمارا پروردگار اس کے بدلے میں اس باغ سے بہتر ہمیں عطا فرمائے گا [نافع مدنی اور ابو عمر و بصری کی قراءت میں تشدید کے ساتھ ”يَسْبِدْنَا“ پڑھا جاتا ہے] ﴿إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا رَاغِبُونَ﴾ بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف رغبت کرنے والے ہیں اسی سے خیر طلب کرنے والے ہیں اور اسی سے عفو و درگزر کی امید رکھتے ہیں۔ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ان لوگوں نے توبہ کر لی تو انہیں اس تباہ شدہ باغ سے بہتر باغ بدلے میں عطا کیا گیا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ مجھے ان کے بارے میں یہ خبر پہنچی ہے کہ انہوں نے خالص اور سچی توبہ کر لی تھی اور مخلص بن گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے باغ کے بدلے میں انہیں اس سے بہتر باغ عطا فرمایا جو ”الْحَيَوَانُ“ کے نام سے مشہور و معروف ہو گیا اس میں بہترین قسم کے انگور تھے اس کا ایک گچھا اس قدر روزنی ہوتا تھا جس قدر خچر وزن اور بوجھ اٹھاتا ہے۔

۳۳۔ ﴿كَذَٰلِكَ الْعَذَابُ﴾ دنیا کے عذاب میں سے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے اسی طرح کا عذاب ہر اس شخص پر ہو گا جو ان باغ والوں کی راہ پر چل کر سرکشی کرے گا ﴿وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ﴾ اور آخرت کا عذاب ضرور اس سے بہت بڑا ہو گا ﴿لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ کاش! وہ لوگ اس کو جان لیں جو ایسے کام کرتے ہیں جو انہیں اس عذاب کی طرف لے جاتے ہیں۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَدَّتِ النَّعِيمِ ﴿٣٣﴾ أَفَجَعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ﴿٣٥﴾
مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿٣٦﴾ أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ﴿٣٧﴾ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا
تَخَيَّرُونَ ﴿٣٨﴾ أَمْ لَكُمْ آيَاتٌ عَلَيْنَا بِالْغَةِ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ﴿٣٩﴾ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ ﴿٣٩﴾
سَلْمًا آيُهُمْ بِذَلِكَ زَعِيمٌ ﴿٤٠﴾ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ فُلْيَا تُوَ شُرَكَاءِهِمْ إِنْ كَانُوا
صَادِقِينَ ﴿٤١﴾

بے شک پرہیزگاروں کے لیے ان کے پروردگار کے پاس نعمتوں والی جنتیں ہیں ○ تو کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں جیسا کر دیں گے ○ تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسے فیصلے کرتے ہو ○ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم یہ پڑھتے ہو ○

کہ بے شک اس میں تمہارے لیے وہی ہے جو تم پسند کرتے ہو O کیا تمہارے لیے ہمارے ذمہ قسموں سے مؤکد کوئی معاہدہ ہے جو قیامت تک جاری رہے گا کہ بے شک تمہارے لیے وہی کچھ ہوگا جو تم فیصلہ کرو گے O آپ ان سے پوچھئے کہ ان میں سے کون اس کا ضامن ہے O کیا ان کے لیے کچھ شریک ہیں تو وہ اپنے شریکوں کو لے کر آئیں اگر وہ سچے ہیں O

نیک مسلمانوں کے انعام اور کفار کے خیالات کی تردید اور ان کی آخری ذلت کا بیان

۳۴- پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں ان نعمتوں کا ذکر کیا جو اس کی طرف سے مؤمنوں کو حاصل ہوں گی چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَدَّتِ النَّعِيمِ﴾ بے شک پرہیزگاروں کے لیے ان کے پروردگار کے پاس نعمتوں والی جنتیں ہیں یعنی بے شک کفر و شرک سے بچنے اور پرہیز کرنے والوں کے لیے آخرت میں ان کے پروردگار کے ہاں ایسی نعمتوں والی جنتیں ہیں جن میں صرف خالص نعمتیں ہوں گی بہ خلاف دنیا کے باغات کے۔

۳۵، ۳۶- ﴿أَفَجَعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ﴾ تو کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں جیسا کر دیں گے۔ یہ استفہام و سوال ان کے اس قول کے انکار کے لیے ہے کہ اگر جو کچھ (سرور عالم حضرت) محمد (ﷺ) کہتے ہیں وہ سچ ہے تو ہمیں آخرت میں اس سے بہتر عطا کیا جائے گا جو کچھ انہیں اور ان پر ایمان لانے والوں کو عطا کیا جائے گا جیسا کہ اس دنیا میں ہمیں ان سے بہتر خوش حالی دی گئی ہے پس ان کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ کیا فیصلہ کرنے میں ہم ظلم کریں گے کہ ہم مسلمانوں کو کافروں جیسا کر دیں گے؟ پھر ان سے التفات اور خطاب کے طریقہ پر فرمایا گیا ہے کہ ﴿مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ﴾ تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسا فیصلہ کر رہے ہو کیونکہ تمہارا یہ فیصلہ غلط ہے اور وہ ہے فرماں بردار اور نافرمان کو برابر قرار دینا۔ گویا جزاء کا معاملہ تمہارے سپرد کر دیا گیا ہے یہاں تک کہ تم جو چاہو اس میں فیصلہ کرو۔

۳۷، ۳۸- ﴿أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ﴾ کیا تمہارے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے کہ تم اس کتاب میں پڑھتے ہو ﴿إِنْ لَكُمْ فِيهِ لَمَّا تَخَيَّرُونَ﴾ کہ بے شک اس میں تمہارے لیے لکھا ہوا ہے کہ تمہارے لیے وہی کچھ ہوگا جو تم چاہو گے یعنی بے شک تم جو چاہو گے اور تم جس چیز کی خواہش کرو گے وہی تمہیں مل جائے گا [اور اصل میں "أَنْ" (کے ہمزہ) مفتوح کے ساتھ "تَدْرُسُونَ أَنْ لَكُمْ مَا تَخَيَّرُونَ" ہے کیونکہ "درس" "مدروس" پر واقع ہوتا ہے اور آیت میں "إِنْ" کو (ہمزہ) مکسور کے ساتھ لام کے آنے کی وجہ سے لایا گیا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ "مدروس" کی حکایت ہو جیسا کہ وہ ہے جس طرح (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ O سَلَامٌ عَلَى نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ O" (الصافات: ۷۸-۷۹) اور "تَخَيَّرَ الشَّيْءُ" کا معنی ہے: کسی چیز کو پسند کرنا اور اس میں سے بہتر کو لے لینا۔

۳۹، ۴۰- ﴿أَمْ لَكُمْ أَيْمَانٌ عَلَيْنَا بِاللَّغَةِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ کیا تمہارے پاس ہمارے ذمے قسموں سے مؤکد و مضبوط کوئی معاہدہ ہے جو قیامت تک جاری رہے گا [بِالْغَةِ "بِالْغَةِ" "أَيْمَانٌ" کی صفت ہے اور "إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ" "بِالْغَةِ" کے ساتھ متعلق ہے] یعنی وہ معاہدہ قیامت تک پہنچے گا اور اس دن تک جا کر پورا ہوگا اور کوئی قسم نہیں ٹوٹے گی یہاں تک کہ وہ فیصلہ جس پر قسم کھا کر عہد ہوا وہ حاصل ہو جائے [یا پھر وہ طرف میں مقدر کے ساتھ متعلق ہے "أَيُّ هِيَ ثَابِتَةٌ (إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ)"] یعنی وہ عہد قیامت کے دن تک ثابت رہے گا اور ہم اپنے عہد سے بری الذمہ نہیں ہوں گے مگر جب ہم تمہارے حق میں فیصلہ کر دیں اور ہم تمہیں وہ سب کچھ عطا کر دیں جو تم خود فیصلے کرتے ہو ﴿إِنْ لَكُمْ لَمَّا تَحْكُمُونَ﴾ بے شک تمہارے لیے ضرور وہی ہوگا جس کا تم اپنے حق میں فیصلہ کرتے ہو اور یہ قسم کا جواب ہے اس لیے کہ اس کا معنی یہ ہے: کیا تمہارے پاس ہمارے ذمے قسموں سے کوئی مضبوط عہد ہو چکا ہے یا ہم نے تاکید میں انتہاء کو پہنچی ہوئی مضبوط قسم کھا رکھی

ہے کہ تم جو اپنے حق میں فیصلہ کرو گے وہی ہوگا ﴿سَلِّمُوا إِلَيْهِمْ﴾ ان سے پوچھئے کہ ان میں سے کوئی اس کا ذمہ دار ہے یعنی (اے محبوب!) آپ مشرکین مکہ سے پوچھئے کہ ان میں سے اس فیصلہ کا کفیل کون ہے کہ بے شک یہی ہوگا۔

۴۱- ﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ﴾ کیا ان کے شریک ہیں یعنی کیا بہت سے لوگ اس قول میں ان کے ساتھ شریک ہیں؟ اور وہ اس قول میں ان کے مذہب پر چلتے ہیں؟ ﴿فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ﴾ سو وہ اپنے شرکاء کو ضرور لے کر آئیں، اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں یعنی کوئی شخص ان کی اس بات کو تسلیم نہیں کرے گا اور نہ کوئی شخص اس بات پر ان کا مددگار بن سکے گا جیسا کہ ان کے پاس کوئی کتاب نہیں جو یہ بات بیان کرے اور نہ اللہ تعالیٰ کے پاس اس کے متعلق ان کے لیے کوئی معاہدہ ہے اور نہ ان کا کوئی کفیل ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کے لیے اس بات کی ضمانت دے سکے۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿۲۲﴾ خَاشِعَةً

أَبْصَارُهُمْ تَرَاهُمْ ذَلَّةً ۖ وَقَدَّ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَلِيمُونَ ﴿۲۳﴾

فَدَارُنِي وَمَنْ يُكْذِبُ بِهَذَا الْحَدِيثِ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا

يَعْلَمُونَ ﴿۲۴﴾ وَأَمْ لِي لَهُمْ ۖ إِنْ كِيدَإِي مَتِينٌ ﴿۲۵﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِّنْ

مَغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ ﴿۲۶﴾ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُمُونَ ﴿۲۷﴾

جس دن پنڈلی کھولی جائے گی (یعنی جس دن معاملہ سخت ہو جائے گا) اور انہیں سجدے کی طرف بلایا جائے تو وہ سجدہ نہیں کر سکیں گے ○ ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی اور بے شک ان کو (دنیا میں) سجدے کی طرف بلایا جاتا تھا اور وہ اس وقت صحیح سالم ہوتے تھے ○ اور جو اس کلام کو جھٹلاتا ہے پس آپ اسے مجھ پر چھوڑ دیں، عنقریب ہم آہستہ آہستہ ان کو (عذاب کے) قریب کر دیں گے جہاں انہیں علم بھی نہیں ہوگا ○ اور میں ان کو مہلت دے رہا ہوں بے شک میری خفیہ تدبیر بہت مضبوط ہے ○ کیا آپ ان سے کوئی اجرت مانگتے ہیں کہ پس وہ تاوان کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں ○ یا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے پس وہ لکھ رہے ہیں ○

۴۲- ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ﴾ جس دن پنڈلی کھولی جائے گی اور جمہور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ پنڈلی کے کھلنے سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے روز حساب و کتاب کے حوالے سے معاملہ بہت سنگین ہوگا اور حالات بڑے سخت ہوں گے پس اس کا معنی یہ ہے کہ قیامت کا معاملہ بہت سخت و شدید اور بڑا مشکل ہوگا اور نہ وہاں کھلنا ہوگا اور نہ پنڈلی ہوگی لیکن اس کلام سے شدت قیامت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جب لوگوں کو کسی سختی (جنگ وغیرہ) میں مبتلا کیا جاتا ہے تو وہ لوگ اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اوپر چڑھا کر سختی سے نمٹنے کے لیے دوڑ دھوپ شروع کر دیتے ہیں اور یہ اس طرح ہے جس طرح تم کسی سختی بخیل کے بارے میں کہو: ”يَدُّهُ مَغْلُوبَةً“ اس کا ہاتھ زنجیر سے بندھا ہوا ہے حالانکہ نہ وہاں ہاتھ ہوتا ہے اور نہ زنجیر ہوتی ہے اور یہ تو بخل سے کنایہ ہوتا ہے کہ یہ شخص بہت بخیل ہے لیکن اسے تشبیہ کا عقیدہ اور نظریہ رکھنے والے تو یہ علم البیان میں ان کی عقل و خرد کی تنگ دامانی اور غور و فکر کی کمی کی وجہ سے ہے اور اگر معاملہ اس طرح ہوتا جس طرح تشبیہ والوں نے گمان کیا ہے تو

”ساق“ کا حق تھا کہ اسے معرفہ ذکر کیا جاتا کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ معین و معبود ہوگی [اسم ظرف ”یوم“ کا ناصب ”فلیاتوا“ ہے یا پھر اس سے پہلے ”اذکر“ مضمرو پوشیدہ ہے] ﴿وَيَدْعُونَ إِلَى السُّجُودِ﴾ اور ان کو یعنی کفار و مشرکین کو وہاں بروز قیامت سجدے کی طرف بلایا جائے گا۔ یہ حکم سجدہ تکلفی اور تعبدی نہیں ہوگا بلکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہ کرنے پر انہیں ڈرانا دھمکانا اور ڈانٹنا ہوگا ﴿فَلَا يَسْتَطِيعُونَ﴾ سو وہ لوگ یہ سجدہ نہیں کر سکیں گے کیونکہ ان کی پشتیں بیل کے سینگوں کی طرح سخت ہو جائیں گی جھکنے اور اٹھنے کے لیے ڈہری نہیں ہو سکیں گی۔

۴۳- ﴿خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهُهُمْ ذَلَّةٌ﴾ رسوائی کے مارے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی ان پر ذلت و خواری چڑھی ہوئی ہوگی [”خَاشِعَةً“، ”يَدْعُونَ“ میں ضمیر فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی کفار کو جس وقت سجدے کی طرف بلایا جائے گا اس وقت ان کی آنکھیں ذلت و رسوائی کے مارے جھکی ہوئی ہوں گی ﴿وَقَدْ كَانُوا يَدْعُونَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَلِيمُونَ﴾ اور بے شک دنیا میں ان کو رسولوں کی زبانی سجدے کی طرف بلایا جاتا رہا حالانکہ اس وقت وہ سلامت تھے یعنی حالانکہ اس وقت وہ تندرست اور صحیح تھے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہیں کرتے تھے سو اسی طرح وہاں آخرت میں ان کو سجدے سے روک دیا گیا۔

۴۴- ﴿قَدْ نَرَىٰ تَوَلَّىٰ وَاخْتَارَ﴾ سو آپ مجھے اور اسے چھوڑ دیجئے جو اس کلام یعنی قرآن کو جھٹلاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ مجھے اور اسے چھوڑ دیجئے یعنی اسے میرے سپرد کر دیجئے میں تمہاری مدد کے لیے کافی ہوں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ہر معاملہ میرے سپرد کر دیں اس کے درمیان اور میرے درمیان نہ آئیں سو میں خوب جانتا ہوں کہ ان میں کون کس کام (عذاب) کے لائق ہے اور کون اس کی طاقت رکھتا ہے اور آپ اپنے دل مبارک کو اس کے بارے میں مشغول نہ کریں اور اس سے انتقام لینے میں مجھ پر بھروسہ کیجئے اور یہ رسول اللہ ﷺ کے لیے تسلی ہے اور جھٹلانے والوں کے لیے وعید و تہدید اور دھمکی ہے ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ﴾ عنقریب ہم ان کو مہلت و ڈھیل دیں گے کہا جاتا ہے: ”اِسْتَدْرِجَهُ إِلَى كَذَا“ اس کو وقفہ وقفہ سے تھوڑی تھوڑی مہلت دے گا یہاں تک کہ اس کو عذاب دے کر عقوبت و سزا میں مبتلا کر دے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کافروں اور نافرمانوں کو مہلت و ڈھیل دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو تندرستی اور احسان و نعمت اور مال و دولت عطا کرتا ہے پھر وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے رزق کو گناہوں اور نافرمانیوں میں اضافہ کا ذریعہ بنا لیتے ہیں ﴿مَنْ حَيَّتْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ جہاں سے انہیں معلوم بھی نہیں ہوگا ایسی جہت سے جہاں سے وہ سمجھ نہیں سکیں گے کہ یہ ان کے لیے ڈھیل ہے۔ بعض حضرات نے کہا: جب کفار و نافرمان لوگ کوئی نیا گناہ کرتے ہیں تو ہم ان کو نئی نعمت عطا فرما دیتے ہیں اور ہم اس نعمت پر شکر ادا کرنے کے عمل کو ان سے بھلا دیتے ہیں جس کی بناء پر وہ شکر ادا نہیں کرتے۔

حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے پر احسان و انعام کر رہا ہے اور وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ پر قائم ہے تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ اس کو ڈھیل دے رہا ہے اور آپ نے یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔

۴۵- ﴿وَأَمَلِي كَهَمِّ طِرْنٍ كَيْدِي مَتِينٍ﴾ اور میں انہیں ڈھیل دے رہا ہوں بے شک میرا خفیہ منصوبہ بہت مضبوط اور بہت سخت ہے سو اللہ تعالیٰ کے احسان کو اور ڈھیل دینے اور ان کو اختیار و قوت دینے کو ”کیند“ کا نام اس لیے دیا گیا کہ یہ ”کیند“ کی صورت میں ہے جیسا کہ اس کا نام استدراج رکھا گیا کیونکہ یہی ان کی ہلاکت کا سبب ہے اور اصل میں ”کیند“ کا معنی مکر و فریب ہے اور استدراج کا معنی ہے: امن و سکون کی جہت سے کسی چیز کی گرفت کرنا اور اللہ تعالیٰ کو ”کائند“ اور

”ماکر“ اور ”مستدرج“ کہنا جائز نہیں ہے۔

۴۶۔ ﴿أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مُثْقَلُونَ﴾ کیا آپ ان سے تبلیغ رسالت پر اجرت مانگتے ہیں کہ وہ تاوان کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں سواں لیے وہ ایمان نہیں لاتے۔ یہ استفہام نفی کے معنی میں ہے یعنی آپ تو تبلیغ وحی پر ان سے اجرت کی تمنا نہیں رکھتے تاکہ یہ بات ان پر بوجھ بن جاتی اور وہ ایمان سے رُک جاتے۔

۴۷۔ ﴿أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ﴾ کیا ان کے پاس غیب ہے۔ جمہور اہل اسلام کے نزدیک غیب سے لوح محفوظ مراد ہے یعنی کیا ان کے پاس لوح محفوظ ہے ﴿فَهُمْ يَكْتُوبُونَ﴾ کہ وہ اس میں لکھ لیتے ہیں پھر جو کچھ لکھ لیتے ہیں اس کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ۗ ط ۙ لَوْ
لَا أَنْ تَدَارِكُهُ نِعْمَةٌ ۙ مِنْ رَبِّهِ لَنُبِّدَ بِالْعُرَاءِ ۙ وَهُوَ مَذْمُومٌ ۙ فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ
فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ۗ وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ
لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ۗ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۗ ع ۙ

سو آپ اپنے پروردگار کے حکم کا انتظار کیجئے اور مچھلی والے (حضرت یونس علیہ السلام) کی طرح نہ ہو جائیے جب انہوں نے (اپنے رب تعالیٰ کو) پکارا اور وہ بہت غمگین تھے O اگر ان کے پروردگار کی نعمت و رحمت انہیں نہ پہنچی ہوتی تو انہیں ضرور چٹیل میدان میں ڈال دیا جاتا اور وہ (لوگوں کی طرف سے) قابل ملامت ٹھہرائے جاتے O سوان کے پروردگار نے ان کو معزز و برگزیدہ بنا لیا اور انہیں نیک بندوں میں سے کر لیا O اور بے شک قریب ہے کہ جو لوگ کافر ہو چکے ہیں وہ اپنی بُری نظروں سے آپ کو گرا دیں جب وہ قرآن سنتے ہیں اور وہ کہتے ہیں: بے شک وہ دیوانہ ہیں O اور وہ تو نہیں ہیں مگر تمام جہانوں کے لیے سرایا نصیحت O

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت یونس علیہ السلام کی طرح جلد بازی نہ کرنے کا حکم اور کفار کی مذمت

۴۸۔ ﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ﴾ سو (اے محبوب!) آپ اپنے رب تعالیٰ کے فیصلہ پر صبر کیجئے اور وہ کفار کو مہلت دینے اور ان کے خلاف آپ کی مدد کرنے کی تاخیر کا فیصلہ ہے اور یہ اس لیے کہ اگرچہ ان کو (اتمام حجت کے لیے) مہلت دے دی گئی لیکن انہیں بغیر گرفت کے چھوڑا نہیں جائے گا ﴿وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ﴾ اور آپ جلد بازی میں اور اپنی قوم پر غضب ناک ہونے میں مچھلی کے پیٹ میں رہنے والے حضرت یونس علیہ السلام کی طرح نہ ہو جائیے تاکہ آپ کو بھی کسی آزمائش میں مبتلا نہ کیا جائے جس طرح ان کے ساتھ ہوا [”الحوت“ پر وقف لازم ہے کیونکہ ”اذ“ اپنے سے مقدم یا قبل کا ظرف نہیں ہو سکتا اس لیے کہ نداء اطاعت ہے جس سے منع نہیں کیا جاتا بلکہ مفعول محذوف ہے] ”أَيُّ أَذْكَرٌ“ ﴿إِذْ نَادَىٰ﴾ یعنی اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جس وقت حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں اپنے پروردگار کو پکارا: ”أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ“ (الانبیاء: ۸۳) ”کہ آپ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں آپ ہر عیب سے پاک ہیں بے شک میں حد سے بڑھ جانے والوں میں سے ہو گیا ہوں“ ﴿وَهُوَ مَكْظُومٌ﴾ اور وہ غم و غیظ سے بھرا ہوا

تھا اور یہ ”كُتِبَ السَّاءُ“ سے ماخوذ ہے کیونکہ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب مشک کو بھر کر منہ باندھ دیا جاتا ہے۔
 ۴۹۔ ﴿لَوْلَا أَنْ تَدَارَكُ نِعْمَتَهُ قَبْلَ أَنْ تَنْبَغِ﴾ اگر انہیں ان کے پروردگار کی نعمت (یعنی) اللہ تعالیٰ کی رحمت و مہربانی نہ پہنچی ہوتی یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرما کر اور ان کی معذرت قبول فرما کر ان پر احسان نہ فرمایا ہوتا ﴿كَذِبْنَا بِالْعَدَاءِ﴾ تو البتہ انہیں مچھلی کے پیٹ سے نکال کر چٹیل میدان میں ڈال دیا جاتا ﴿وَهُوَ مَذْمُومٌ﴾ اور بے اذن الہی قوم سے ناراض ہو کر چلے جانے کی کوتاہی پر ان کو عتاب کیا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم و کرم فرمایا اور انہیں بغیر مذمت و ملامت اور بغیر کسی عتاب کے مچھلی کے پیٹ سے نکال لیا۔

۵۰۔ ﴿فَاجْتَبَيْتُمُ رِبِّيَّةً﴾ پس ان کے پروردگار نے ان کی دعا اور ان کی معذرت کرنے پر انہیں معزز و برگزیدہ بنا لیا ﴿فَجَعَلَكُمْ مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو نیکوں میں سے کر لیا (یعنی) نیک صفات کی تکمیل کرنے والوں میں سے کر لیا اور ان کی کوئی کوتاہی باقی نہیں رہی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں انبیائے کرام میں سے بنا لیا اور بعض دیگر حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مرسلین میں سے بنا لیا لیکن پہلی وجہ صحیح ہے کیونکہ حضرت یونس علیہ السلام اس سے پہلے بھی رسول اور نبی تھے اس لیے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلِّ الْمَشْحُونِ ۝“ (الصافات: ۱۳۹-۱۴۰) ”اور بے شک یونس (علیہ السلام) ضرور رسولوں میں سے تھے ۝ جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف جلدی نکل گئے ۝“

۵۱، ۵۲۔ ﴿وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا أَلْيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ﴾ اور بے شک قریب ہے کہ جو لوگ کافر ہو چکے ہیں وہ اپنی بُری نظروں سے آپ کو ہلاک کر دیں [نافع مدنی کی قراءت میں ”یا“ مفتوح کے ساتھ ”لَيُزْلِقُونَكَ“ پڑھا جاتا ہے اور ”إِنْ“ ثقیلہ (مشدد نون کے ساتھ ”إِنْ“) سے مخففہ (نون ساکن ”إِنْ“) ہے اور اس کی دلیل لام تاکید ہے] ”زَلَقَهُ“ اور ”أَزْلَقَهُ“ کا معنی ہے: اسے اس کی جگہ سے ہٹا دیا یعنی قریب ہے کہ کفار اپنی شدید دشمنی کی وجہ سے غضب ناک ہو کر سخت تیز نگاہوں اور ترچھی نگاہوں سے نیز آپ کو نظر بد سے دیکھتے ہیں تاکہ وہ اپنی بدنظروں سے آپ کو اپنی جگہ گرا دیں یا آپ پر سخت ناراض ہونے کی وجہ سے قریب ہے کہ آپ کو ہلاک کر دیں اور قبیلہ بنو اسد میں بدنظری مشہور تھی چنانچہ ان میں سے جب کوئی آدم تین دن بھوکا رہتا پھر وہ جس چیز کے پاس سے گزرتا اور تیز نگاہ سے اُسے دیکھتا اور اس کے بارے میں کہتا کہ میں نے آج اس جیسی کوئی چیز نہیں دیکھی تو وہ چیز فوراً ہلاک ہو جاتی پھر کفار مکہ نے ایک بدنظر شخص کو بلایا تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بھی اس طرح کی بات کہے چنانچہ اس بدنظر شخص نے آپ کو نظر بد سے دیکھ کر کہا کہ میں نے آج ان جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی نظر بد سے محفوظ رکھا اور حدیث شریف میں ہے کہ نظر کا لگنا برحق ہے اور بے شک نظر بد اونٹ کو ہانڈی میں اور آدمی کو قبر میں داخل کر دیتی ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جس شخص کو نظر بد لگ جائے اس پر اس آیت مبارکہ کو پڑھ کر دم کیا جائے تو ان شاء اللہ العزیز اس کا اثر زائل ہو جائے گا ﴿لَتَمَسَّ بِعَوَالِدِكُمْ﴾ جب وہ ذکر کو سنتے یعنی قرآن کو سنتے ﴿وَيَقُولُونَ﴾ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت و رسالت کے ملنے پر حسد و بغض کی وجہ سے وہ کہتے ہیں: ﴿إِنَّكُمْ كُنْتُمْ جُنُونَ﴾ بے شک وہ مجنون و دیوانہ ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے معاملہ میں حیرت زدہ ہونے اور آپ سے نفرت کرنے کی وجہ سے وہ کہتے ہیں کہ بے شک (سید عالم حضرت) محمد (ﷺ) مجنون ہیں ﴿وَمَا هُوَ إِلَّا كَذْرٌ لِّلْعَالَمِينَ﴾ اور وہ نہیں مگر تمام جہانوں

۱۔ مسند فردوس لدیلی رقم الحدیث: ۴۲۱۳، فیض القدر رقم الحدیث: ۵۷۲۸، تذکرۃ الموضوعات ص ۲۰۷

کے لیے نصیحت ہے یعنی قرآن مجید تمام جنوں اور انسانوں کے لیے سراسر نصیحت ہے، مطلب یہ ہے کہ کفار مکہ نے آپ کو قرآن مجید کی وجہ سے مجنون کہا حالانکہ قرآن مجید تو تمام جہانوں کے لیے سراسر نصیحت ہے تو بھلا جو ہستی اس جیسی کتاب لے کر تشریف لائے تو وہ مجنون کیسے ہو سکتے ہیں اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ”لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ“ میں ذکر سے حضور نبی کریم ﷺ مراد ہیں یعنی جب وہ لوگ آپ کا ذکر مبارک سنتے تو غضب ناک ہو کر تیز نگاہوں سے آپ کو نظر لگاتے اور ”وَمَا هُوَ“ میں ”هُوَ“ ضمیر کا مرجع حضور ہیں یعنی حضرت محمد عربی ﷺ تو تمام جہانوں کے لیے باعث عزت و شرف اور سراپا نصیحت ہیں، بھلا ان کی طرف جنوں و دیوانگی کو کیسے منسوب کیا جاسکتا ہے۔

الْحَاقَّةُ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ الحاقۃ مکی ۱۹ آیات

سورۃ الحاقۃ مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۵ اس کی باون آیات دو رکوع ہیں

الْحَاقَّةُ ۱ مَا الْحَاقَّةُ ۲ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحَاقَّةُ ۳ كَذَّبَتْ ثَمُودُ

عَادُ بِالْقَارِعَةِ ۴ فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ ۵ وَأَمَّا عَادُ فَأُهْلِكُوا

بِريحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۶ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ۷ وَسَوْمًا

فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَى ۸ كَأَنَّهُمْ أَحْجَازٌ تَخَلٍ ۹ خَاوِيَةٍ ۱۰ فَهَلْ تَرَى لَهُمُ

مِّنْ بَاقِيَةٍ ۱۱ وَجَاءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكَةُ ۱۲ بِالْغَاطِقَةِ ۱۳

ضرور واقع ہونے والی ہے ۵ ضرور واقع ہونے والی کیا چیز ہے ۵ اور تمہیں کیا معلوم ضرور واقع ہونے والی کیا چیز ہے ۵ ثمود اور عاد نے کھڑکھڑانے والی (قیامت) کو جھٹلایا ۵ سورہے ثمود تو انہیں ایک خوف ناک چنگھاڑ سے ہلاک کر دیا گیا ۵ اور رہے عاد تو انہیں بہت سخت گرجتی ہوئی تیز آندھی سے ہلاک کر دیا گیا ۵ اللہ تعالیٰ نے اس کو ان پر سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل مسلط رکھا، سو تم ان لوگوں کو اس میں گرا ہوا دیکھتے گویا وہ کھجور کے کھوکھلے گرنے ہوئے تھے ہیں ۵ تو کیا تم ان میں سے کسی کو باقی دیکھتے ہو ۵ اور فرعون اور جو لوگ اس سے پہلے تھے اور جن لوگوں کی بستیاں الٹا دی گئی تھیں ان سب نے گناہ کیے ۵

قیامت کے ہولناک منظر اور منکرین کے انجامِ بد کا بیان

۱- ﴿الْحَاقَّةُ﴾ یہ ایسی قیامت ہے جس کا وقوع واجب اور ضروری ہے جس کا آنا ثابت ہو چکا ہے یہی وہ نشانی ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے [یہ ”حَقٌّ، يَحِقُّ“ بکسر الجاء سے ماخوذ ہے] ”أَيُّ وَجِبَ“ یعنی قیامت کا وقوع واجب و لازم اور ضروری ہے۔

۲- ﴿مَا الْحَاقَّةُ﴾ ضرور واقع ہونے والی کیا چیز ہے [یہ مبتدا خبر ہیں اور یہ دونوں مل کر ”الْحَاقَّةُ“ کی خبر ہیں اور اصل میں ”الْحَاقَّةُ (مَا هِيَ أَيُّ شَيْءٍ هِيَ)“ ضرور واقع ہونے والی وہ کیا ہے یعنی وہ کیا چیز ہے۔ یہ سوال اس کی شان کی بلندی اور اس کی ہولناکی کی عظمت و بڑائی کے اظہار کے لیے کیا گیا ہے یعنی قیامت اس بات کی حق دار ہے اور اس لائق

ہے کہ اس کی عظمت و بڑائی کی وجہ سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے اور اس کے متعلق پوچھا جائے پھر ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھا گیا ہے تاکہ اس کی ہولناکی کی تاکید ہو جائے۔

۳- ﴿وَمَا آذْرَاكَ﴾ اور کیا تمہیں معلوم ہے؟ اور تمہیں کس نے سکھایا ہے کہ قیامت ضرور واقع ہونے والی ہے یعنی تمہیں اس کی کنہ اور اس کی حقیقت کا علم نہیں ہے اور نہ اس کی بڑائی کی غایت کا تمہیں علم ہے کیونکہ قیامت اتنی بڑی ہولناک اور سخت ہے کہ مخلوق کی عقل و خرد کی وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی [اور "مَا" مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور "آذْرَاكَ" خبر ہے اور اس کے بعد جملہ محلاً منصوب ہے کیونکہ وہ "آذْرَى" کا دوسرا مفعول ہے]۔

۴- ﴿كَذَّابَتِ تَمُودُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ﴾ قوم ثمود اور قوم عاد نے "قارعة" (کھڑکھڑانے والی) کو جھٹلایا یعنی "الحاقہ" کو جھٹلایا پھر "القارعة" کو "الحاقہ" کی جگہ اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ یہ دونوں قیامت کے ناموں میں سے دو نام ہیں اور قیامت کا نام "قارعة" اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ مختلف انواع کی گھبراہٹوں اور ہولناکیوں کے ذریعے انسانوں کے کانوں کو کھٹکھٹائے گی۔

۶۵- اور جب اللہ تعالیٰ نے قیامت کا اور اس کی بہت بڑی ہولناکی کا ذکر کیا تو اس کے بعد قیامت کے جھٹلانے والوں اور تکذیب کے سبب ان پر نازل ہونے والے عذاب کا ذکر فرمایا تاکہ مکہ والوں کو عبرت و نصیحت حاصل ہو اور ان کو جھٹلانے کے سبب جھٹلانے والوں کے انجام سے خوف و ڈر حاصل ہو ﴿فَأَمَّا تَمُودُ فَأَهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ﴾ سو لیکن ثمود تو ان کو ایک سخت بلند ترین چنگھاڑ سے ہلاک کر دیا گیا۔ "طاغیة" کا معنی ہے کہ شدت و سختی میں حد سے بڑھ کر تیز آواز اور ایسی سخت بلند چیخ جس سے زمین کانپ اٹھے اور اس میں اختلاف کیا گیا ہے چنانچہ بعض حضرات نے فرمایا: اس سے زلزلہ مراد ہے اور بعض نے فرمایا: اس سے چیخ مراد ہے اور بعض نے فرمایا کہ اس سے چنگھاڑ مراد ہے۔ "طاغیة" مصدر ہے جیسے "عافیة" ہے یعنی ان کی سرکشی کے سبب انہیں ہلاک کیا گیا لیکن یہ (درج ذیل) ارشاد کے مطابق نہیں ﴿وَأَمَّا عَادُ فَأَهْلِكُوا وَالطَّاغِيَةُ﴾ اور لیکن عاد کی قوم تو انہیں سخت آندھی سے ہلاک کیا گیا یعنی پچھوائی ہو اسے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: "نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاهْلِكْتُ عَادُ بِالذُّبُورِ" میری بادِ صبا (مشرقی ہوا) سے مدد کی گئی ہے اور قوم عادِ ذُبُور (مغربی یا پچھوائی ہوا) سے ہلاک کی گئی ہے ﴿صَدَّحِمًا﴾ سخت گرجتی ہوئی ہوا اگر "صِرَّة" (فتح الصاد) سے ماخوذ ہو تو اس کا معنی ہوگا: بہت سخت اونچی چیخ اور اگر "صِرَّة" (بکسر الصاد) ہو تو معنی ہوگا: سخت ٹھنڈ اور شدت کی سردی گویا ایسی آندھی جس میں بار بار سردی اور ٹھنڈ ہوتی رہے اور بہت زیادہ سردی بڑھ جائے یہاں تک کہ سردی اور ٹھنڈ کی شدت کے سبب جلانے لگے ﴿عَاتِيَةً﴾ سخت آندھی جو اپنے مرکز سے بے قابو ہو کر نکلے جسے کفار اللہ تعالیٰ کے حکم کے سبب روک نہ سکیں اور نہ اس سے بچ سکیں یہ آندھی اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر غضب بن کر آئی۔

۷- ﴿سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَتَلْخِيبَةً آيَاتٍ﴾ اللہ تعالیٰ نے اس آندھی کو ان پر سات راتیں اور آٹھ دن مسلط رکھا۔ "سَخَّرَهَا" یہ معنی "سَلَطَهَا" ہے اور اس عذاب کی ابتداء مہینے کے آخر میں بدھ کے دن سے ہوئی اور دوسرے بدھ تک مسلسل عذاب ہوتا رہا ﴿حُصُونًا﴾ متواتر اور لگاتار ہوا جو منقطع نہ ہوتی تھی [یہ "حاسم" کی جمع ہے جیسے "شہود" "شاہد" کی جمع ہے] یہ تسلسل اور تواتر کی تمثیل ہے جیسے داغنے والا بیمار جانور کی بیماری کی جگہ پر بار بار داغنا رہتا ہے یہاں تک کہ داغنا مکمل ہو جائے [اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ مصدر ہو] ﴿فَقَرَّبَى﴾ پس اے مخاطب! (یعنی اے انسان!) تم دیکھتے

کہ ﴿الْقَوْمَ فِيهَا صَرَغِي﴾ یہ قوم ان تیز آندھی کے چلنے کی جگہوں میں یا ان راتوں اور دنوں میں زمین پر پچھاڑے ہوئے گرے پڑے ہیں ﴿كَانَتْهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴾ گویا وہ لوگ (بڑے بڑے اجسام کی وجہ سے) کھجوروں کے گرے پڑے کھوکھلے تھے ہیں [”صَرَغِي“ ”صَبْرِيْع“ کی جمع ہے اور ”الْقَوْم“ سے پہلا حال ہے اور ”كَانَتْهُمْ“ اس کا دوسرا حال ہے ”نَخْل“ ”نَخْلَةٌ“ کی جمع ہے [اور ”أَعْجَازُ“ کا معنی ہے: درختوں کے تھے اور جڑیں اور ”خَاوِيَةٍ“ کا معنی ہے: گری پڑی ہوئی چیز یا بہت پرانی چیز۔

۸- ﴿فَهَلْ تَدْرِي لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ﴾ تو کیا تم ان میں سے کسی شخص کو سلامت اور باقی بچا ہوا دیکھتے ہو (ہرگز نہیں!) [”بَاقِيَةٍ“ صفت ہے جس کا موصوف محذوف ہے یعنی ”مِنْ نَفْسٍ بَاقِيَةٍ“ ہے یا یہ ”بَقَاءٌ“ سے ماخوذ ہے اور مصدر کے معنی میں ہے جیسے ”طَاعِيَةٌ“ بہ معنی طغیان ہے یعنی کیا تم ان میں سے کسی شخص کے لیے بقا دیکھتے ہو؟]۔

۹- ﴿وَجَاءَ قَرَعُونَ وَمَنْ قَبْلَهُ﴾ اور فرعون اور وہ قومیں جو اس سے پہلے گزر چکیں (جیسے عاد و ثمود وغیرہ) [ابو عمر و بصری اور علی کسائی کی قراءت میں ”وَمَنْ قَبْلَهُ“ (بکسر القاف و فتح الباء) پڑھا جاتا ہے] یعنی فرعون اور جو اس کے پاس اس کے پیروکار تھے وہ سب کفر و شرک کے گناہ کرتے رہے ﴿وَالْمُؤْتَفِكَةُ﴾ اور وہ لوگ جن کی بستیاں الٹا دی گئیں اور وہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں مراد ہیں سوائے ان کو الٹا دیا گیا تھا یعنی ان بستیوں کو اٹھا کر ان کے باشندوں پر الٹا دیا گیا تھا (تاکہ تمام نافرمان و سرکش لوگ نیچے دب کر ہلاک ہو جائیں) ﴿بِالْخَاطِئَةِ﴾ گناہ یا گناہ کا کام یا بہت بڑے گناہ (کفر و شرک) والے افعال۔

فَعَصُوا رَسُولَ رَبِّهِمْ فَاخَذَهُمْ أَخْذَةً رَابِيَةً ۝۱۰ إِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَاءُ حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝۱۱ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَتَعِيَهَا أذُنٌ وَأَعْيَةٌ ۝۱۲ فَاذْأَنْفَخَ فِي الصُّورِ نَفْحَةً وَوَاحِدَةً ۝۱۳ وَحَمَلْنَا الْأَرْضَ وَالْجِبَالَ فَذُكَّتَا دَكَّةً وَوَاحِدَةً ۝۱۴ فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝۱۵ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ ۝۱۶ وَالْمَلَكُ عَلَى أَرْجَائِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَلَاثِينَ ۝۱۷

سوانہوں نے اپنے پروردگار کے رسول کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں سخت گرفت میں پکڑ لیا ۝ بے شک جب پانی نے طغیانی کی تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کر دیا ۝ تاکہ ہم اسے تمہارے لیے نصیحت و عبرت بنادیں اور اسے محفوظ کرنے والے کان محفوظ کر لیں ۝ پھر جب صور میں ایک پھونکنی پھونکی جائے گی ۝ اور زمین اور پہاڑ اٹھالیے جائیں گے اور ایک دفعہ باہم ٹکرا کر ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے ۝ پس اس دن واقع ہونے والی واقع ہو جائے گی ۝ اور آسمان پھٹ جائے گا سو وہ اس دن بالکل کمزور ہوگا ۝ اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے اور اس دن آٹھ فرشتے تمہارے پروردگار کے عرش کو اٹھائیں گے ۝

۱۰۔ ﴿فَعَصُوا رَسُولَ رَبِّهِمْ﴾ سوانہوں نے اپنے پروردگار کے رسول کی نافرمانی کی یعنی قوم لوط نے حضرت لوط علیہ السلام کی نافرمانی کی تھی ﴿فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ تَذَابًا لِّمَا كَانُوا فَعَسَاؤًا مِّن قَبْلِهِ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سخت ترین گرفت میں پکڑ لیا جس طرح ان کے گناہ قباحت و بے حیائی میں سب سے بڑھ کر فحش اور بدترین تھے اسی طرح ان کی پکڑ بھی سخت ترین تھی اور ”ذَابِيَّةٌ“ کا معنی ہے: شدید ترین و سخت ترین پکڑ۔

۱۱، ۱۲۔ ﴿إِنَّا لَنَنظُرُكَ فِي الْبَارِيَةِ﴾ بے شک جب پانی طغیانی میں آ گیا تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کر دیا یعنی جب طوفان کے وقت پانی دنیا کے بلند ترین پہاڑوں سے پندرہ (۱۵) ہاتھ اونچا اور بلند ہو گیا تو اس وقت ہم نے تمہارے آباء و اجداد کو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار کر دیا تھا ﴿لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذَكُّرًا﴾ تاکہ ہم اسے یعنی کافروں کو غرق کرنے اور مسلمانوں کو نجات دینے کے کام کو تمہارے لیے نصیحت و عبرت بنا دیں ﴿وَتَعْبَهُمْ أَذُنًا وَّاعِيَةً﴾ اور تاکہ اسے یاد رکھنے والے کان یاد رکھیں جب وہ یہ واقعہ سنیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ وہ کان ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی تعلیم کو عقل و خرد سے کام لے کر سمجھتے ہیں اور پھر جو کچھ سنتے ہیں اس سے نفع اور فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

۱۳ تا ۱۵۔ ﴿فَإِذَا نَفَخْنَا فِي السُّمُورِ نَفْخَةً وَّاحِدَةً﴾ پھر جب صور میں ایک پھونکنی پھونکی جائے گی اسے نفع اولیٰ کہتے ہیں اور اس پہلے صور پھونکنے کے وقت تمام لوگ مرجائیں گے پھر جب دوبارہ دوسرا صور پھونکا جائے گا تو اس وقت تمام لوگ زندہ ہو کر اٹھ جائیں گے ﴿وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ﴾ اور زمین اور پہاڑ اپنی جگہوں سے اوپر بلندی کی طرف اٹھائے جائیں گے ﴿فَذُكِّرْتُمَا دَكَّةً وَّاحِدَةً﴾ پھر وہ ایک ضرب سے ریزہ ریزہ ہو جائیں گے یعنی آپس میں ایک دوسرے سے ٹکرا کر ٹوٹ جائیں گے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے یہاں تک کہ وہ چورا چورا ہو جائیں گے اور ریت کے باریک ٹیلوں میں تبدیل ہو جائیں گے اور پھیلے ہوئے غبار بن جائیں گے ﴿فَيَوْمَ مِينًا وَقَعْتِ الْوَاقِعَةُ﴾ پس اس دن اور اس وقت واقع ہونے والی (قیامت) واقع ہو جائے گی اور نازل ہونے والی نازل ہو جائے گی اور وہ قیامت ہے [”إِذَا“ کا جواب ”وَقَعْتِ“ ہے اور ”يَوْمَ مِينًا“، ”إِذَا“ سے بدل ہے]۔

۱۶، ۱۷۔ ﴿وَأَنشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَ مِينًا وَّاهِيَةٌ﴾ اور آسمان پھٹ جائے گا سو وہ اس روز ڈھیلا پڑ جائے گا اس کے دروازے کھل جائیں گے قوت و استحکام ختم ہو جائے گا جب کہ اس سے پہلے بہت مضبوط و مستحکم تھا ﴿وَالْمَلِكُ عَلَىٰ سَمًا جَابِهَاط﴾ اور فرشتے آسمان کے کناروں پر ہوں گے کیونکہ یہ فرشتوں کا مسکن و قیام گاہ ہے لہذا جب یہ پھٹ جائے گا تو فرشتے اس کے کناروں کی طرف پناہ حاصل کریں گے [”الملك“ اسم جنس ہے جمع کے معنی میں ہے اور ”مَلَائِكَةٌ“ سے عام ہے یعنی تمام فرشتے اور ”أَرْجَاءُ“ جمع ہے اس کا واحد ”رَجَا“ ہے الف مقصورہ کے ساتھ ہے] ﴿وَيَجِئُ عَرْشُ رَبِّيكَ خَوْقَهُمْ يَوْمَ مِينًا تَنْبِيَةً﴾ اور جو فرشتے آسمان کے کناروں پر ہوں گے ان میں سے آٹھ فرشتے تمہارے پروردگار کے عرش کو ان فرشتوں کے اوپر اٹھا کر رہیں گے اور آج تو صرف چار فرشتے اسے اٹھائے ہوئے ہیں لیکن قیامت کے دن چار مزید بڑھا دیئے جائیں گے اور حضرت ضحاک نے فرمایا کہ فرشتوں کی آٹھ صفیں ہوں گی اور بعض حضرات کا قول ہے: فرشتوں کی آٹھ انواع و اقسام ہوں گی۔

يَوْمَ مِينًا تَعْرِضُونَ لَا تُخْفِي مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿١٨﴾ فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ

بِیْمِینِهِ فَيَقُولُ هَذَا مَا قَرَعْتُ وَإِكْتَبِيهِ ۚ ۱۹ اِنِّي ظَنَنْتُ اَنِّي مُلِقٌ حِسَابِيهِ ۚ ۲۰

فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۚ ۲۱ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۚ ۲۲ قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ ۚ ۲۳ كُلُوا

وَشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا اسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۚ ۲۴ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ

كِتَابَهُ بِشِمالِهِ ۚ فَيَقُولُ يَلِيْتَنِي لِمَ اُوْتِيَ كِتَابِيهِ ۚ ۲۵ وَلَمْ اَدْرِ مَا

حِسَابِيهِ ۚ ۲۶

اس دن تمہیں پیش کیا جائے گا تم میں سے کوئی چھپنے والی جان نہیں چھپ سکے گی ۰ پھر لیکن جس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا: آؤ! میرا اعمال نامہ پڑھو ۰ بے شک مجھے معلوم تھا کہ میں حساب سے ضرور ملنے والا ہوں ۰ پس وہ پسندیدہ زندگی میں رہے گا ۰ بلند و بالا جنت میں ۰ جس کے پھل قریب ہوں گے ۰ تم خوب مزے سے کھاؤ اور پیو ان نیک اعمال کے صلہ میں جو تم نے گزشتہ دنوں میں آگے بھیجے تھے ۰ اور لیکن جس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا: اے کاش! میرا اعمال نامہ مجھے نہ دیا جاتا ۰ اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے ۰

حساب و کتاب کے لیے حاضری اور جنت اور دوزخ والوں کے انجام کا بیان

۱۸- ﴿يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ﴾ اس دن تمہیں حساب و کتاب اور سوال و جواب کے لیے بارگاہ الہی میں پیش کیا جائے گا یہاں روز قیامت کی حاضری کو بادشاہ کے سامنے لشکر کی حاضری کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تاکہ اس کے احوال سے آگاہی حاصل ہو جائے ﴿لَا تَخْفَى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ﴾ تم میں سے کوئی شخص اپنا راز اور بھید اور اپنا حال نہیں چھپا سکے گا جسے وہ دنیا میں چھپایا کرتا تھا اور حدیث شریف میں ہے کہ لوگوں کو قیامت کے دن تین بار پیش کیا جائے گا ایک بار سوال و جواب اور باز پرس کرنے کے لیے اور دوسری بار معذرت و عذر پیش کرنے کے لیے اور تیسری بار ان کے صحائف کھولے جائیں گے کامیاب ہونے والوں کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھوں میں پکڑائے جائیں گے اور ہلاک ہونے والوں کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھوں میں پکڑائے جائیں گے۔

۱۹- ﴿فَأَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتَابَهُ بِبِیْمِینِهِ فَيَقُولُ﴾ یہاں سے بارگاہ الہی میں لوگوں کی حاضری کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: پھر لیکن جس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ خوش ہو جائے گا جب اس میں نیکیاں پائے گا اور اپنی جماعت سے خطاب کر کے کہے گا: ﴿هَذَا وَمَا لَوْ اُوتِيَ﴾ اور پکڑو۔ یہ اسم فعل ہے ”اِیُّ خُذُوا“ یعنی لو اور پکڑو ﴿اِقْرَءُوا كِتَابِيهِ﴾ میرے اعمال نامہ کو پڑھو اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ”(هَسَاؤُم) كِتَابِي (اِقْرَءُوا كِتَابِيهِ)“ میرا نامہ اعمال پڑھو [پھر پہلے کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ دوسرا اس پر دلالت کر رہا ہے اور بصریوں کے نزدیک ”كِتَابِيهِ“ میں ”اِقْرَءُوا“ عامل ہے کیونکہ وہ اقرب کو عامل قرار دیتے ہیں اور ”كِتَابِيهِ“ اور ”حِسَابِيهِ“ اور ”عَالِيَةٍ“ اور ”سُلْطَانِيَةٍ“ میں ”هَسَا“ سکتہ کی ہے اور اس کا حق یہ ہے کہ اسے حالت وقف میں ثابت

۱۔ رواہ احمد ج ۳ ص ۳۱۳ والترذی رقم الحدیث: ۲۳۲۵ ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۷۲

رکھا جائے اور حالت وصل میں گرا دیا جائے اور وقف کو ترجیح دینا مستحب ہے اس کے ثبات کو قائم رکھنے کے لیے کیونکہ یہ ”ہا“ مصحف عثمانی میں ثابت ہے۔

۲۰۔ ﴿إِنِّي كُنْتُ﴾ بے شک مجھے غالب گمان تھا (یعنی) مجھے معلوم تھا میں یقیناً جانتا تھا اور ظن کو علم کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے اس لیے کہ ظن غالب احکام میں اور عادات و اطوار میں علم کے قائم مقام ہوتا ہے اور اس لیے جو مسائل و احکام اجتہاد کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں وہ توہمات اور وسوسوں سے بہت کم خالی ہوتے ہیں اور یہ چیزیں ظن کی طرف لے جاتی ہیں سو اس لیے ”ظن“ کے لفظ کا اطلاق اجتہاد پر جائز ہے کیونکہ اجتہاد ظن سے خالی نہیں ہوتا ﴿أَتَى فُلَيْقٍ حِسَابِيَّةً﴾ بے شک میں حساب سے ملنے والا ہوں یعنی میں اپنے حساب کا ضرور معائنہ اور مشاہدہ کرنے والا ہوں۔

۲۱۔ ﴿فَهُوَ فِي عَيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ﴾ سو وہ پسندیدہ زندگی میں ہوں گے یعنی مسرت و خوشی والی جس پر زندگی والا خوش اور سرور ہوگا۔

۲۲۔ ﴿فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ﴾ بلند ترین جنت میں ہوں گے جس کے مکان بلند ہوں گے یا بلند درجات والی جنت میں ہوں گے یا بلند ترین عمارتوں اور اونچے اونچے محلات والی جنت میں ہوں گے [اور یہ خبر کے بعد خبر ہے]۔

۲۳۔ ﴿قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ﴾ جنتی درختوں کے پھل پک کر اس قدر نیچے قریب آ جائیں گے کہ جو چاہے گا انہیں حاصل کر لے گا چنانچہ بیٹھا ہوا شخص بھی کھڑے ہوئے شخص کی طرح پھل حاصل کر لیا کرے گا۔

۲۴۔ ﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا﴾ ان (جنتیوں) سے کہا جائے گا کہ تم جنت کے ماکولات و مشروبات خوب مزے سے کھاؤ اور پیو (یعنی) جنتی کھانے پینے کی چیزیں عمدہ خوش گوار دل پسند مزے دار ہوں گی ان میں کسی قسم کی کوئی کراہت و ناخوش گواری نہیں ہوگی اور نہ ان کے کھانے پینے سے تکلیف ہوگی یا مصدر کی بناء پر ”هَنِيئًا“ ہے ﴿يَسْمَأَسْلَفْتُمْ﴾ ان اعمال صالحہ کے سبب جن کو تم نے آگے بھیجا ہے ﴿فِي الْآيَاتِ الْخَالِيَةِ﴾ دنیا کے دنوں میں سے گذشتہ دنوں میں۔

شان نزول: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے آپ نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ روزے رکھنے والوں کی شان میں نازل ہوئی یعنی بروز قیامت روزہ داروں کو کہا جائے گا کہ تم اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے روزے رکھ کر کھانے اور پینے سے دنیا میں رُکے رہتے تھے اب تم ان روزوں کے صلے میں جنتی کھانے کھاؤ اور جنتی مشروبات پیو اور خوب مزے لو۔

۲۵۔ ﴿وَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ لِيَلَيْتَنِي لَمْ أُؤْتِ كِتَابِيَةَ﴾ اور لیکن جس کو اس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ اس میں رسوا کن برائیاں دیکھ کر غم کے مارے حسرت کے ساتھ کہے گا: اے کاش! مجھے میرا اعمال نامہ نہ دیا جاتا۔

۲۶۔ ﴿وَلَكُمْ آدْرِمًا حِسَابِيَّةً﴾ اور میں نہیں جانتا کہ میرا حساب کیا ہے یعنی اے کاش کہ میں یہ نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔

يَلَيْتَهَا كَانَتْ الْقَاضِيَةَ ۚ مَا أَغْنَى عَنِّي مَالِيَهُ ۚ هَلْكَ عَنِّي
سُلْطَانِيَهُ ۚ خُدُوهُ فَعُلُوهُ ۚ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلْوَهُ ۚ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ

ذُرْعَهَا سَبْعُونَ ذِمًّا عَافَا سُلْكُوهُ ۳۲ إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ
الْعَظِيمِ ۳۳ وَلَا يَحْضُ عَلَى طَعَامِ الْمَسْكِينِ ۳۴ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَهُنَا
حَبِيمٌ ۳۵ وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غَسِيلٍ ۳۶ لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ ۳۷

اے کاش! وہ (موت) میرا کام تمام کر دیتی O میرے مال نے میری کوئی کفایت نہیں کی O میرا تسلط مجھ سے جاتا رہا O (پھر حکم ہو گا:) اس کو پکڑ لو اور اسے طوق پہنا دو O پھر اسے دوزخ میں داخل کرو O پھر ایسی زنجیروں میں جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہو اسے جکڑ دو O بے شک وہ بڑے عظمت والے اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتا تھا O اور نہ وہ کسی مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا O سو آج یہاں اس کا کوئی سرگرم دوست نہیں ہے O اور (اس کے لیے) کوئی کھانا نہیں ہو گا ماسوا دوزخیوں کی پیپ کے O اس کو گناہ گاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا O

۲۷- ﴿يَلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ﴾ اے کاش! میری وہ موت جس کے سبب میں مر کر دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا گیا ہوں، میرا فیصلہ کر دیتی یعنی میری زندگی کا معاملہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیتی تاکہ میں اس موت کے بعد کبھی نہ اٹھایا جاتا اور میں وہ سب کچھ نہ پاتا جو کچھ میں نے اعمال نامہ میں پایا ہے۔

۲۸- ﴿مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِي﴾ میرے مال نے میری کفایت نہیں کی یعنی میں دنیا میں جو کچھ مال و دولت جمع کرتا رہا، اس نے مجھے کوئی نفع اور کوئی فائدہ نہیں دیا [”مَا“ نافیہ ہے اور ”أَغْنَىٰ“ کا مفعول محذوف ہے یعنی ”شَيْئًا“]۔

۲۹- ﴿هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَّةٌ﴾ میری سلطنت مجھ سے ختم ہو گئی (یعنی) میرا ملک اور لوگوں پر تسلط و غلبہ جاتا رہا اور اب میں فقیر و بے نوا اور ذلیل و خوار ہو گیا ہوں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے بیان فرمایا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کافر کہے گا: میری حجت گم ہو گئی ہے یعنی میری وہ حجت ختم ہو گئی ہے جس کے ذریعے میں لوگوں پر حجت بازی کرتا اور جس کے ذریعے میں لوگوں پر اپنی چودھراہٹ قائم کرتا تھا۔

۳۰ تا ۳۲- پھر اللہ تعالیٰ دوزخ کے محافظ دربان فرشتوں سے فرمائے گا: ﴿خُذُوا وَهَبُوا فَعَلَوْهُ﴾ اس (کافر) کو پکڑ لو اور اس کو طوق پہنا دو یعنی اس کے دونوں ہاتھوں کو اس کی گردن کے ساتھ بلا کر بیڑیوں اور زنجیروں سے گس کر باندھ دو ﴿ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلْوَةً﴾ پھر تم اسے دوزخ میں داخل کر دو یعنی پھر تم اس کو دوزخ ہی میں ڈال دو اس کے علاوہ کسی اور جگہ نہیں اور وہ بہت بڑی سخت ترین جلانے والی آگ ہے [”الجحیم“ کی نصب ایک ایسے فعل کی وجہ سے ہے جس کی تفسیر ”صلوہ“ کر رہا ہے] ﴿ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذُرْعًا سَبْعُونَ ذِمًّا عَافَا سُلْكُوهُ﴾ پھر اسے ایسی زنجیروں میں جکڑ دو جن کی لمبائی ستر (۷۰) ہاتھ ہے۔ حضرت ابن جریج سے منقول ہے کہ اس ہاتھ سے فرشتہ کا ہاتھ مراد ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس ہاتھ کی مقدار کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا [”فِي سِلْسِلَةٍ“ کو ”فَاسْلُكُوهُ“ سے اس طرح مقدم کیا گیا ہے جس طرح ”ثُمَّ الْجَحِيمَ“ کو ”صَلْوَةً“ پر مقدم کیا گیا ہے (یعنی تخصیص کے لیے)]۔

۳۳، ۳۴- ﴿إِنَّهُ﴾ یہ تعلیل کے لیے ہے گویا کہا گیا ہے کہ اس کافر کو اس قدر شدید اور سخت ترین عذاب کیوں دیا جائے گا تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ کیونکہ بے شک وہ شخص ﴿كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ﴾ وَلَا يَحْضُ عَلَى طَعَامِ الْمَسْكِينِ ﴿

عظمت و بزرگی والے اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتا اور نہ وہ مسکین و نادار کو کھانا دینے کی ترغیب دیتا (یعنی) مسکین کے لیے کھانا خرچ کرنے پر ترغیب نہیں دیتا اور اس آیت مبارکہ میں اشارہ ہے کہ وہ حشر نشر اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر ایمان نہیں رکھتا کیونکہ لوگ مسکینوں کو جو کچھ کھانا کھلاتے ہیں ان سے جزاء کے طلب گار نہیں ہوتے بلکہ لوگ تو اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت میں اجر و ثواب حاصل کرنے کے لیے انہیں کھانا کھلاتے ہیں پھر جب وہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا تو مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب کیوں کر دے گا یعنی بے شک وہ اپنے کفر کے ساتھ ساتھ محتاجوں کو کھانا کھلانے کی لوگوں کو ترغیب نہیں دیتا اور اس میں بہت قوی اور پختہ دلیل ہے کہ مسکینوں کو محروم رکھنا بہت بڑا جرم ہے کیونکہ اس کو کفر پر عطف کر کے ذکر کیا اور اس کو کفر کی دلیل قرار دیا اور اس کا قرینہ بنا دیا اور اس لیے بھی کہ ترغیب نہ دینے کا ذکر کیا لیکن کھانے نہ دینے کے عمل کا ذکر نہیں کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ جب ترغیب کا تارک اس قدر برا ہے تو عمل کا تارک زیادہ برا ہوگا۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ترغیب دیا کرتے تھے کہ جب وہ گوشت کا سالن تیار کرنے لگیں تو شور بہ زیادہ تیار کر لیا کریں تا کہ اس میں سے مسکینوں کو کھلایا جاسکے اور فرمایا کرتے کہ ہم اس سورت میں بیان کی گئی زنجیر کے آدھے حصے کو ایمان کی قوت سے اتار پھینکیں گے اور آدھے حصے کو صدقہ خیرات اور مسکینوں کو کھانے کھلانے کے ذریعے اتار پھینکیں گے اور یہ آیات مبارکہ اس بات کی دلیل ہیں کہ تمام مومنوں پر رحم و کرم کیا جائے گا اور کافروں پر بالکل رحم نہیں کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی دو قسمیں بیان کی ہیں ان میں سے ایک دائیں ہاتھ والوں کی قسم ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کے وصف کے ساتھ متصف فرمایا اور یہ ارشاد ان کے لیے کافی ہے: ”إِنِّي ظَنَنْتُ أَنِّي مُسْلِقٌ حِسَابِيَّةٌ“ بے شک مجھے یقین تھا کہ میں حساب سے ضرور ملنے والا ہوں اور ان میں سے دوسری قسم بائیں ہاتھ والوں کی ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے کفر کے ساتھ متصف فرمایا جیسا کہ ارشاد ہے: ”إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ“ بے شک وہ عظمت والے اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتا تھا اور یہ بھی جائز ہے کہ مسلمانوں میں سے جن کو سزا دی جائے گی وہ اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دینے سے پہلے سزا دی جائے گی۔

۳۵۔ ﴿فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَهُنًا حَبِيبٌ﴾ سو آج یہاں اس کا کوئی گہرا دوست نہیں جو اس سے عذاب کو دور کر سکے اور اس کی خاطر اپنے دل کو مغموم کرے اور اپنے دل کو اس کی خاطر جلانے لگے۔

۳۶۔ ﴿وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غَسِيلِينَ﴾ اور نہ کچھ کھانا ہوگا مگر دوزخیوں کی پیپ۔ ”غَسِيلِينَ“ ”فَعِيلِينَ“ کے وزن پر ہے ”غَسِلَ“ سے ماخوذ ہے، نون زائد ہے اور یہاں اس سے وہ خون اور پیپ مراد ہے جو آگ کی حرارت اور تپش کی وجہ سے دوزخیوں کے جسموں سے بہے گی۔

۳۷۔ ﴿لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ﴾ اس کو نہیں کھائیں گے مگر گناہ گار کفار اور ”خَطِيْءَ الرَّجُلِ“ اس وقت بولا جاتا ہے جب آدمی جان بوجھ کر قصد و ارادہ کے ساتھ کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔

فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تَبْصِرُونَ ﴿۳۹﴾ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ
كَرِيمٍ ﴿۴۰﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُوْمِنُونَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ
كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَدَّكَّرُونَ ﴿۴۲﴾ تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ

تَقُولَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ ﴿۳۳﴾ لَا خَذَانًا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ

لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ﴿۳۵﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ﴿۳۶﴾

سو میں ان چیزوں کی قسم اٹھاتا ہوں جن کو تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کی جنہیں تم نہیں دیکھتے۔ بے شک یہ قرآن عزت والے رسول کا قول ہے اور وہ کسی شاعر کا قول نہیں، تم بہت کم ایمان لاتے ہو اور نہ کسی کاہن کا قول ہے، تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔ یہ تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اگر وہ خود بعض باتیں بنا کر ہم پر بہتان لاتا تو ہم پوری قوت کے ساتھ اس سے ضرور انتقام لے لیتے۔ پھر ہم ضرور اس کی شہرگ کاٹ دیتے۔ پھر تم میں سے کوئی اسے بچانے والا نہ ہوتا۔

قرآن و رسول ﷺ کی عظمت اور کفار کی مذمت کا بیان

۳۸، ۳۹۔ ﴿فَلَا أَقْسِرُ بِمَا تُبْصِرُونَ﴾ سو مجھے قسم ہے ان چیزوں کی جن کو تم دیکھتے ہو جیسے تمام اجسام اور زمین اور آسمان ﴿وَمَا لَا تُبْصِرُونَ﴾ اور ان چیزوں کی جن کو تم نہیں دیکھتے جیسے تمام فرشتے اور ارواح، پس خلاصہ یہ ہے کہ مجھے تمام اشیاء کی قسم۔

۴۰۔ ﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ﴾ بے شک وہ عزت والے رسول کا قول ہے یعنی بے شک یہ قرآن مجید محترم و مکرم رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا یا حضرت جبریل علیہ السلام کا بولا ہوا کلام ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قرآن مجید کو رسالت و پیغام رسانی کے طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت جبریل علیہ السلام بول کر سناتے ہیں اور اس کے ساتھ کلام فرماتے ہیں۔

۴۱، ۴۲۔ ﴿وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ﴾ اور وہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے جیسا کہ تم دعویٰ کرتے ہو ﴿قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ﴾ تم بہت کم ایمان لاتے ہو ﴿وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ﴾ اور نہ کسی کاہن کا قول ہے جیسا کہ تم دعویٰ کرتے ہو ﴿قَلِيلًا مَّا تَدَّكَّرُونَ﴾ تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو اور ”قَلِيلٌ“، ”قَلَّةٌ“ سے ماخوذ ہے اور ”قَلَّةٌ“ کا معنی عدم ہے جیسے کہا جاتا ہے: ”هَلِدِهِ أَرْضٌ فَلَمَّا تَنَبَّتْ“ یہ زمین بہت کم سبزہ اُگاتی ہے ”أَيُّ لَا تَنَبَّتْ أَصْلًا“ یعنی بالکل نہیں اُگاتی اور آیات کا معنی یہ ہے کہ تم بالکل ایمان نہیں لاتے اور تم بالکل نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

۴۳۔ ﴿تَنْزِيلٌ مِّنْ سَمَاتٍ الْعَلَمِينَ﴾ یہ (قرآن) تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ یہ آیت مبارکہ دونوں مذکورہ بالا آیات کا بیان ہے کیونکہ رسول کریم کا قول وہی کلام ہے جو پروردگار عالم کی طرف سے ان پر نازل کیا گیا ہے [”تَنْزِيلٌ“ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی ”هُوَ تَنْزِيلٌ“ الخ]۔

۴۴ تا ۴۶۔ ﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ﴾ اور اگر وہ خود بعض باتیں بنا کر ہم پر افتراء کرتا (یعنی) اگر وہ ہم پر کسی چیز کا دعویٰ کرتا جسے ہم نے ان کی طرف منتقل نہیں فرمایا ﴿لَا خَذَانًا مِنْهُ بِالْيَمِينِ﴾ تو ہم پوری قوت کے ساتھ اس سے انتقام لے لیتے (یعنی) ہم اسے اپنی گرفت اور اپنی قید میں پکڑ کر ضرور ہلاک کر دیتے جیسا کہ بعض بادشاہ ان لوگوں کو سخت مار مارنے اور ان سے سخت انتقام لینے کے لیے کرتے ہیں جو ان پر جھوٹا افتراء اور بہتان لگاتے ہیں چنانچہ مجرم کو گرفتار اور قید کر کے ہاتھ باندھ کر تلوار سے قتل کرنا زیادہ ہولناک ہوتا ہے اور ”یَمِينٌ“ کے ساتھ تخصیص اس لیے کی گئی ہے

کہ جب قاتل مجرم یا مخالف کو قتل کرنا چاہتا ہے تو اگر اس کی گردن کی کچھلی جانب گدی پر تلوار چلاتا ہوتا ہے تو قاتل اپنی تلوار اپنے بائیں ہاتھ میں لے کر پیچھے سے آکر مخالف کی گردن پر چلاتا ہے اور اگر وہ اس کی اگلی جانب ذبح کی جگہ گردن مارنا چاہتا ہے تو تلوار اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر مخالف کے سامنے سے آتا ہے اور یہ صورت قتل ہونے والے قیدی کے لیے بہت شدید اور سخت ہوتی ہے کیونکہ قاتل دائیں ہاتھ میں تلوار لے کر سامنے سے آتا ہوا نظر آتا ہے جس سے دہشت و خوف بڑھ جاتا ہے اور ”لَا أَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ“ کا معنی یہی ہے کہ ہم اسے پوری قوت و سختی کے ساتھ ہلاک کر دیتے اور اسی طرح اس (ورج ذیل) آیت کا معنی ہے: ﴿ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ﴾ پھر ہم اس کی شرگ ضرور کاٹ دیتے اور یہ دل کی رگ ہوتی ہے جب اسے کاٹ دیا جائے تو آدمی کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

۴۷۔ ﴿فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ﴾ پھر تم میں سے کوئی شخص اس سے دفاع کرنے والا نہیں ہوتا (یعنی) اے لوگو! یا اے مسلمانو! تم حضور سید عالم حضرت محمد عربی ﷺ کا دفاع کرنے والے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچانے والے نہیں ہو سکتے تھے [”منکم“ میں تمام لوگوں کو یا صرف مسلمانوں کو خطاب ہے اور ”مِنْ أَحَدٍ“ میں ”مِنْ“ زائد ہے اور ”عَنْهُ“ میں ضمیر کا مرجع حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور ”حَاجِزِينَ“ اگرچہ ”أَحَدٍ“ کا وصف ہے لیکن اس کو جمع اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ ”أَحَدٍ“ جماعت کے معنی میں ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”لَا نَفْرَقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ“ (البقرہ: ۱۸۵) ”ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں کوئی فرق نہیں کرتے“۔

وَإِنَّهُ لَتَذْكُرَةٌ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۳۸﴾ وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنْكُمْ مُكَذِّبِينَ ﴿۳۹﴾
 إِنَّهُ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِينَ ﴿۵۰﴾ وَإِنَّهُ لَحَقُّ الْيَقِينِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿۵۲﴾

اور بے شک یہ قرآن پر ہیزگاروں کے لیے ضرور سراسر نصیحت ہے O اور بے شک ہم ضرور جانتے ہیں کہ تم میں بعض ضرور جھٹلانے والے ہیں O اور بے شک یہ قرآن کافروں کے لیے باعث حسرت ہے O اور بے شک یہ یقینی حق ہے O سو آپ اپنے عظمت والے پروردگار کے نام کی تسبیح بیان کیجئے O

۴۸، ۴۹۔ ﴿وَإِنَّهُ لَتَذْكُرَةٌ لِلْمُتَّقِينَ﴾ O وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنْكُمْ مُكَذِّبِينَ ﴿۳۹﴾ اور بے شک وہ یعنی قرآن مجید پر ہیزگاروں کے لیے ضرور سراسر نصیحت و خیر خواہی ہے O اور بے شک ہم خوب جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض لوگ ضرور جھٹلانے والے ہیں۔

۵۰۔ ﴿وَإِنَّهُ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِينَ﴾ اور بے شک وہ یعنی قرآن مجید جھٹلانے والے اور انکار کرنے والے کافروں کے لیے اس وقت باعث حسرت و فسوس ہوگا جب وہ تصدیق کرنے والے ایمان داروں کے اجر و ثواب کو دیکھیں گے۔

۵۱۔ ﴿وَإِنَّهُ لَحَقُّ الْيَقِينِ﴾ اور بے شک وہ (یعنی) بے شک قرآن مجید یقینی اور قطعی حق ہے (یعنی) عین یقین اور محض یقین ہے۔

۵۲۔ ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ﴾ سو آپ اپنے عظمت و بزرگی والے پروردگار کے نام کی تسبیح بیان کیجئے (یعنی)

پس آپ اللہ تعالیٰ کے عظمت و بزرگی والے نام کے ذکر کے ساتھ اس کی تسبیح و پاکی بیان کرتے رہے اور وہ اس کا قول ”سُبْحَانَ اللَّهِ“ ہے۔

المغارج
سورة المغارج

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة المغارج کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی چوالیس آیات دو رکوع ہیں

سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ ۱ لِّلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ ۲ مِّنَ اللَّهِ
ذِي الْمَعَارِجِ ۳ تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ
خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ۴ فَأَصْبَرَ صَبْرًا جَبِيلًا ۵ إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ۶
وَنَرَاهُ قَرِيبًا ۷ يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالرُّهْلِ ۸ وَتَكُونُ الْجِبَالُ
كَالْعِهْنِ ۹ وَلَا يَسْأَلُ حَبِيبًا ۱۰

ایک سائل نے ایسے عذاب کا سوال کیا جو ضرور واقع ہونے والا ہے ۰ کافروں کے لیے جس کو کوئی دور کرنے والا نہیں ہے ۰ بلندیوں والے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا ۰ فرشتے اور روح الامین اس کی طرف چڑھتے ہیں (وہ عذاب) اس دن میں ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے ۰ سو آپ خوب صبر جمیل کیجئے ۰ بے شک وہ اسے دور خیال کرتے ہیں ۰ اور ہم اسے نزدیک دیکھ رہے ہیں ۰ جس دن آسمان پگھلی ہوئی چاندی کی طرح ہو جائے گا ۰ اور پہاڑ رنگ برنگی اُون کی طرح ہو جائیں گے ۰ اور کوئی دوست کسی دوست کی بات نہ پوچھے گا ۰

قیامت کا منظر کفار کی تمنا اور ان کی حالت زار کا بیان

۱- ﴿سَأَلَ سَائِلٌ﴾ ایک سوال کرنے والے نے سوال کیا۔ یہ نضر بن حارث کافر تھا جس نے مطالبہ کرتے ہوئے کہا تھا: ”إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ أَوْ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۰“ (الانفال: ۳۲) ”اگر یہ (نبی قرآن اور دین) ہی تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا دے یا ہمیں دردناک عذاب دے دے ۰“ یا پھر سائل سے خود حضور نبی کریم ﷺ مراد ہیں کہ آپ نے کفار کے تقاضے پر قحط سالی کے عذاب کے نزول کی دعائے ضرر فرمائی تھی اور چونکہ ”سَأَلَ“ ”دَعَا“ کے معنی کو متضمن ہے اس لیے اس کو متعدی کیا گیا ہے گویا کہا گیا: ”دَعَا دَاعٍ“ یعنی دعا مانگنے والے نے دعا مانگی ﴿بِعَذَابٍ وَاقِعٍ﴾ واقع ہونے والا عذاب جیسے تمہارا یہ قول ہے: ”دَعَا بَگَدَا“ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی سے دعا مانگتا ہے اور اس سے کچھ طلب کرتا ہے اور اسی سے یہ ارشاد ہے: ”يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ“ (الدخان: ۵۵) ”وہ جنت میں ہر پھل مانگیں گے“ [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ہمزہ کے بغیر ”سَأَلَ“ پڑھا جاتا ہے اور یہ بھی ”سؤال“ سے ماخوذ ہے مگر اس میں نرمی کے لیے تخفیف کی گئی ہے اور ”سَائِلٌ“ ہمیشہ متفقہ طور پر مہموز پڑھا جاتا ہے۔]

۲، ۳- ﴿لِّلْكَافِرِينَ﴾ یہ عذاب کی صفت ہے یعنی وہ عذاب کافروں کے لیے واقع ہونے والا ہے ﴿لَيْسَ لَهُ﴾

دَافِعٌ ﴿﴾ اس عذاب کو کوئی دفع کرنے والا یعنی اسے روک کرنے والا اور دور کرنے والا نہیں ہوگا ﴿مَنْ اِنَّهُ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ”وَأَقِيع“ کے ساتھ متصل ہے یعنی وہ عذاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے واقع ہوگا یا پھر یہ ”دَافِعٌ“ کے ساتھ متصل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس عذاب کو کوئی دفع کرنے والا نہیں ہوگا جب اس کی آمد کا وقت آجائے گا ﴿ذِي الْمَعَارِجِ﴾ بلند درجوں والے یعنی فرشتوں کے چڑھنے کے لیے آسمان کی طرف جانے والے ترتیب وار بلند درجے (سیڑھیاں) [”مَعَارِجُ“، ”مَعْرَجُ“ کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: اوپر کی طرف چڑھنے کی جگہیں]۔

۴۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سیڑھیوں اور چڑھنے کے درجوں کو بلندی اور اونچائی میں پھیلانے کے بعد ان کا وصف بیان کیا چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ﴾ فرشتے اور روح الامین یعنی حضرت جبریل علیہ السلام اوپر چڑھتے ہیں عمومی ذکر کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام کا خصوصی طور پر ذکر محض ان کی فضیلت و بزرگی کی بناء پر کیا گیا ہے یا ان فرشتوں سے ایسی مخلوق مراد ہے جو دوسرے فرشتوں پر محافظ و نگران ہیں جیسا کہ فرشتوں کی ایک جماعت ہمارے اوپر محافظ و نگران ہوتی ہے یا ان سے وہ فرشتے مراد ہیں جو موت کے وقت مومنوں کی ارواح اوپر لے جاتے ہیں ﴿إِلَيْهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف (یعنی) اللہ تعالیٰ کے عرش اعظم کی طرف اور اس مہبط و مرکز کی طرف جہاں سے اللہ تعالیٰ کے اوامر و احکام کا نزول ہوتا ہے ﴿فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ﴾ اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ ”فِي يَوْمٍ“ کا تعلق ”تَعْرُجُ“ کے ساتھ ہے یعنی جس دن میں فرشتے اوپر چڑھتے ہیں اس کی مقدار دنیا کے سالوں میں سے پچاس ہزار سال کے برابر ہے اگر اس میں فرشتوں کے علاوہ کوئی اور اوپر چڑھنا چاہے یا پھر ”فِي يَوْمٍ“ کا تعلق ”وَأَقِيع“ کے ساتھ ہے یعنی کافروں کے لیے عذاب اس دن واقع ہوگا جس کی مقدار لمبائی میں تمہارے (دنیاوی) سالوں میں سے پچاس ہزار سال کے برابر ہے اور وہ قیامت کا دن ہے سو اس دن کی لمبائی کفار پر شدت و سختی کی وجہ سے ہوگی یا حقیقت میں اسی طرح ہوگا پھر قیامت کے دن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس دن پچاس موقوف ہوں گے اور ہر موقوف ایک ہزار سال کا ہوگا اور لیکن مومنوں پر اس دن کی مقدار صرف ظہر سے عصر تک کے برابر ہوگی۔

۵۔ ﴿فَاصْبِرْ﴾ سو (اے محبوب!) آپ صبر کیجئے۔ اس کا تعلق ”سَأَلْ سَائِلٌ“ کے ساتھ ہے کیونکہ نصر بن حارث کا عذاب کے لیے جلدی مطالبہ کرنا صرف رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑانے اور وحی الہی کو جھٹلانے کی بناء پر تھا اور اس رویہ سے حضور نبی اکرم رسول محترم و معظم ﷺ کو دکھ اور ایذا پہنچاتا تھا سو اس لیے حضور کو اس پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ﴿صَبْرًا جَمِيلًا﴾ عمدہ اور بہترین صبر اختیار کیجئے جس میں نہ جزع فزع اور واویلا ہو اور نہ اس میں کسی قسم کا شکوہ شکایت ہو۔

۶۔ ﴿إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا﴾ بے شک وہ لوگ اس کو دور دیکھتے ہیں یعنی کفار و مشرکین اس عذاب کو یا قیامت کے دن کو بہت دور اور محال و ناممکن خیال کرتے ہیں ﴿وَأَنزَلْنَاهُ قَرِيبًا﴾ اور ہم اس کو لامحالہ اور ضرور نزدیک ہونے والا دیکھ رہے ہیں پس بعید سے امکان سے بعید ہونا اور قریب سے امکان سے قریب ہونا مراد ہے۔

۸۔ ﴿يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ﴾ اس دن آسمان زیتون کے گاڑھے تیل کی طرح یا پھر پگھلی ہوئی چاندی کی طرح سفید رنگ کا ہو جائے گا [”یوم“، ”قَرِيبًا“ کے ساتھ متعلق ہونے کی بناء پر نصب دیا گیا ہے یعنی اس دن اس کا امکان ظاہر ہو جائے گا متعذر و مشکل نہیں رہے گا یا پھر یہ اس ”فِي يَوْمٍ“ سے بدل ہے جو ”وَأَقِيع“ کے ساتھ متعلق ہے]۔

۹۔ ﴿وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ﴾ اور پہاڑ رنگ برنگی اُون کی طرح ہو جائیں گے کیونکہ پہاڑوں کے حصے اور ٹکڑے مختلف ہوتے ہیں بعض پہاڑ سفید ہوتے ہیں اور بعض پہاڑ سرخ ہوتے ہیں اور بعض پہاڑوں کے رنگ مختلف ہوتے

ہیں اور بعض پہاڑ کالے سیاہ ہوتے ہیں جیسا کہ سورہ فاطر: ۲۷ میں بیان کیا گیا ہے: پھر جب یہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور ہوا کے ذریعے فضا میں اڑنے لگیں گے تو دھنکی ہوئی رنگ برنگی رنگین اُون کی طرح ہو جائیں گے۔

۱۰۔ ﴿وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا﴾ اور کوئی دوست کسی دوست کی بابت نہیں پوچھے گا اور نہ کوئی قرابت دار کسی قرابت دار کی بابت پوچھے گا کیونکہ ہر کوئی اپنے آپ میں مشغول ہوگا۔ البری اور البرجی سے ”یا“ مضموم کے ساتھ منقول ہے ”أَيُّ (لَا يَسْأَلُ) قَرِيبٌ عَنْ قَرِيبٍ“ یعنی کسی رشتہ دار سے کسی رشتہ دار کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا یعنی اس کے متعلق مطالبہ نہیں کیا جائے گا اور اس کے گناہ کے بارے میں کسی دوسرے رشتہ دار کو نہیں پکڑا جائے گا۔

يُبْصِرُونَ نَهْمٌ يَوْمَئِذٍ الْمَجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابٍ يَوْمَئِذٍ بِبَنِيهِ ۝۱۱

وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ۝۱۲ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤَيِّدُهَا ۝۱۳ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۝۱۴

ثُمَّ يَنْجِيهِ ۝۱۵ كَلَّا إِنَّهَا لَأَطْلَىٰ ۝۱۶ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۝۱۷ تَدَّعَوْا مَنْ أَدْبَرَ تَوَلَّىٰ ۝۱۸

وَجَمْعًا قَاوَعِي ۝۱۹

وہ انہیں دکھا دیئے جائیں گے مجرم آرزو کرے گا کہ کاش! اس دن کے عذاب سے نجات کے بدلے میں اپنے بیٹے دے دے اور اپنی بیوی اور اپنا بھائی اور اپنا کنبہ جو اس کو (دنیا میں) پناہ دیتا اور تمام روئے زمین کے لوگ پھر وہ (فدیہ) اسے نجات دے دے ہرگز نہیں! بے شک وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے وہ سراپا کھال کو ادھیڑنے والی ہے وہ اس کو بلائے گی جس نے (حق سے) پیٹھ پھیر لی اور منہ موڑ لیا اور اس نے مال جمع کیا اور جوڑ کر برتن میں بند رکھا

۱۱ تا ۱۴۔ ﴿يُبْصِرُونَ نَهْمٌ﴾ وہ ایک دوسرے کو دکھائے جائیں گے۔ یہ ”حَمِيمًا“ کی صفت ہے یعنی دوست احباب اور عزیز واقارب ایک دوسرے کو دکھائے جائیں گے اور ان کا باہمی تعارف کرایا جائے گا یا یہ صفت کی بجائے جملہ مستانفہ (الگ مستقل نیا جملہ) ہے گویا جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا“ تو عرض کیا گیا کہ شاید دوست ایک دوسرے کو نہیں دیکھیں گے اس لیے کوئی دوست کسی دوست کی بات نہیں پوچھے گا سوا اس کے جو اب میں فرمایا گیا کہ ایسا کچھ نہیں ہوگا بلکہ وہ ایک دوسرے کو دکھائے جائیں گے لیکن اپنے آپ میں مشغول ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے سوال جواب اور بات چیت نہیں کر سکیں گے [”يُبْصِرُونَ نَهْمٌ“ میں واو ”حَمِيمٌ“ اول کے لیے ضمیر ہے اور ”نَهْمٌ“ ”حَمِيمٌ“ ثانی کے لیے ضمیر ہے یعنی دوست احباب ایک دوسرے کو دیکھیں گے سو وہ ایک دوسرے سے پوشیدہ نہیں رہیں گے اور دونوں ضمیروں کو جمع کر کے لایا گیا ہے حالانکہ وہ دونوں صرف دو ”حَمِيمٌ“ کے لیے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ”حَمِيمٌ“ بروزن فعیل ہے اور فعیل کے وزن پر اسم جمع کی جگہ استعمال ہوتا ہے] ﴿يَوْمَئِذٍ الْمَجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابٍ يَوْمَئِذٍ بِبَنِيهِ ۝۱۱ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ۝۱۲ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤَيِّدُهَا ۝۱۳ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۝۱۴﴾ مجرم یعنی کافر و مشرک تمنا اور آرزو کرے گا کہ کاش! وہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنے بیٹوں اور اپنی بیوی اور اپنے بھائیوں اور اپنا خاندان جو اسے پناہ دیتا ہے اور روئے زمین کے تمام لوگوں کو فدیہ (بدلے) میں دے دے پھر وہ فدیہ اسے نجات دلا دے [”يَوْمَئِذٍ الْمَجْرِمُ“ جملہ مستانفہ ہے یا پھر ”يُبْصِرُونَ نَهْمٌ“ کی ضمیر مرفوع یا اس کی ضمیر منصوب سے حال واقع ہو رہا ہے

اور ”یومئذ“ میں نافع مدنی اور علی کسائی کی قراءت میں میم مفتوح ہے کیونکہ یہ اسم غیر متمکن کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے مبنی بر فتح ہے اور یزید کی قراءت میں ہمزہ کے بغیر ”تویدہ“ ہے اور ”ثم ینجیہ“ ”یفتدی“ پر معطوف ہے۔

۱۵- ﴿کَلَّا﴾ ہرگز نہیں! ”کَلَّا“ کے لفظ سے مجرم کو آرزو سے روکا گیا ہے اور اس بات پر تشبیہ کی گئی ہے کہ فدیہ اسے کوئی فائدہ نہیں دے گا اور نہ وہ اسے عذاب سے نجات دے گا ﴿إِنَّمَا﴾ بے شک وہ یعنی دوزخ کی آگ اور عذاب کا ذکر اس پر دلیل ہے [یا یہ مبہم ضمیر ہے جس کی وضاحت اس کی خبر کر رہی ہے یا یہ ضمیر قصہ ہے] ﴿لَطَى﴾ جھڑکتی ہوئی آگ۔ یہ ”نار“ (آگ) کا علم اور نام ہے۔

۱۶- ﴿نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰی﴾ وہ آگ کھال کھینچنے والی ہے یعنی انسان کے اعضاء اُدھیڑنے والی ہے جیسے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کو جلا کر ان کی کھال اُتارنے والی ہے یا یہ ”شواة“ کی جمع ہے جس کا معنی ہے: سرکا چمڑا جسے آگ اُتار لے گی پس وہ ان تمام اعضاء کو الگ الگ کر دے گی پھر وہ بکھرنے کے بعد اپنی اصلی حالت میں لوٹ آئیں گے یوں ہی یہ سلسلہ چلتا رہے گا [امام حفص اور مفضل کی قراءت میں حال موكده ہونے کی بناء پر یا ڈرانے دھمکانے کے لیے اختصاص کی بناء پر ”نَزَّاعَةً“ منصوب پڑھا جاتا ہے اور ان دونوں کے علاوہ دیگر قراءت کی قراءت میں مرفوع (پیش کے ساتھ) ”نَزَّاعَةً“ پڑھا جاتا ہے۔]

۱۷، ۱۸- ﴿تَدْعُوًا﴾ وہ (آگ) ان کے نام لے کر پکارے گی کہ اے کافر! اے منافق! میری طرف آؤ میری طرف آؤ یا ”تدعوا“ کا یہ معنی ہے کہ وہ تباہ و برباد اور ہلاک کر دے گی۔ یہ معنی اہل عرب کے اس قول سے ماخوذ ہے: ”دَعَاكَ اللّٰهُ اٰی اَهْلَكَ“ یعنی تجھے اللہ تعالیٰ ہلاک کر دے یا یہ کہ جب ہر کافر و منافق کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے اور اسے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے تو دوزخ کی آگ کو ”داعی“ قرار دیا گیا، گویا وہ آگ ہر اس شخص کو اپنی طرف بلائے گی ﴿مَنْ اَدْبَرَ﴾ جس نے حق سے پیٹھ پھیر لی ﴿وَتَوَلٰی﴾ اور اس نے اطاعت و فرمان برداری اختیار کرنے سے اور عبادت کرنے سے منہ پھیر لیا ﴿وَجَبَّ قَاؤُنِی﴾ اور وہ مال و دولت جمع کرنے میں لگ گیا اور اس کو خزانے میں بند کر کے محفوظ کرتا رہا اور اس میں سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہیں کرتا رہا۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوًا ۙ ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۙ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ

مَنُوًّا ۙ ﴿۲۱﴾ اِلَّا الْمُسْلِمِيْنَ ۙ ﴿۲۲﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَاعِمُوْنَ ۙ ﴿۲۳﴾ وَالَّذِيْنَ

فِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۙ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۙ ﴿۲۵﴾ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ

بِیَوْمِ الدِّيْنِ ۙ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۙ ﴿۲۷﴾ اِنَّ عَذَابَ

رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُوْمٍ ۙ ﴿۲۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِقَدُوْسِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰی

اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ غَيْرِ مَلُوْمِيْنَ ۙ ﴿۳۰﴾

بے شک انسان سخت حریص پیدا کیا گیا ہے ۰ جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ سخت گھبرانے والا ہو جاتا ہے ۰ اور

جب اسے بھلائی پہنچتی ہے تو بہت روکنے والا بن جاتا ہے O ماسوا نمازیوں کے O جو اپنی نمازوں کو پابندی کے ساتھ ہمیشہ ادا کرتے ہیں O اور وہ لوگ جن کے مالوں میں مقرر حق ہے O مانگنے والوں اور نہ مانگنے والے محتاجوں کے لیے ہے O اور جو لوگ قیامت کے دن کی تصدیق کرتے ہیں O اور وہ لوگ جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں O بے شک ان کے پروردگار کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں O اور وہ لوگ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں O ماسوا اپنی بیویوں کے یا اپنی مملوکہ لونڈیوں کے بے شک اس میں ان کو ملامت نہیں کیا جائے گا O

انسان کے تخلیقی و طبعی نقص اور معیاری نمازیوں کی پہچان کا بیان

۱۹ تا ۲۱ - ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلُقًا هَلُوعًا﴾ بے شک انسان سخت حریص اور جلد باز پیدا کیا گیا ہے۔ انسان سے جنس انسان اور مطلق انسان مراد ہے تاکہ نمازیوں کا اس سے استثناء صحیح ہو جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ ”هَلُوعًا“ کی تفسیر و توضیح اس کے بعد آنے والی دو آیات سے ہو جاتی ہے ﴿إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۖ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا﴾ جب اس کو تکلیف و مصیبت پہنچتی ہے تو گھبرا جاتا ہے O اور جب اس کو بھلائی و دولت پہنچتی ہے تو بخیل ہو جاتا ہے اور ”هلع“ کا معنی ہے: تکلیف کے ملنے پر بہت جلد گھبرا جانا اور مال و دولت کے ملنے پر اسے اپنے پاس روک لینا۔ مروی ہے کہ محمد بن عبد اللہ بن طاہر نے جناب ثعلب سے ”هلع“ کے معنی دریافت کیے تو انہوں نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر بیان فرمادی ہے اور اللہ تعالیٰ کی تفسیر سے زیادہ واضح تفسیر کسی کی نہیں ہو سکتی اور وہ تفسیر یہ ہے کہ جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بہت سخت گھبراہٹ کا اظہار کرتا ہے اور جب اس کو مال و دولت کی صورت میں بھلائی و خوش حالی مل جاتی ہے تو وہ اس میں بخل سے کام لیتا ہے اور لوگوں سے روک لیتا ہے اور یہ اس کی طبعی حالت ہے اور جب کہ اسے اپنی طبع کی مخالفت پر مامور کیا گیا ہے اور شریعت اسلامی کی موافقت کرنے پر مامور کیا گیا ہے اور ”الکشر“ سے مراد نقصان و

ان تین آیات کو دوبارہ پڑھے ان میں بتایا گیا ہے کہ انسان کی سرشت میں تین عیب ہیں: ایک تو وہ حریص اور کم ظرف ہے ایسی چیزوں کو بھی ہڑپ کرنے کے لیے بے تاب رہتا ہے جو اس کے لیے حلال نہیں ہوتیں اس کی کوششیں ہر قیمت پر دولت سمیٹنے کے لیے وقف رہتی ہیں خواہ دولت رشوت سے ملے، لوٹ کھسوٹ سے ملے، چوری و ہزنی سے ملے، قوم کی غذائی اجناس کو سمگل کر کے ملے یا قوم و وطن سے غداری کر کے ملے وہ باز نہیں آتا۔ ایسے خود غرض اور لالچی انسان کو عربی میں ”هَلُوع“ کہا جاتا ہے۔ دوسرا نقص اس میں یہ ہے کہ وہ ”جَزُوع“ ہے بہت گھبرا جانے والا جب مصائب کی گھٹا اس کی زندگی کے اُفق پر نمودار ہوتی ہے تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں اور سان خطا ہو جاتے ہیں امید کی کوئی کرن اس کو نظر نہیں آتی۔ تیسرا نقص یہ ہے کہ وہ سخت کنجوس اور سخت بخیل ہے کسی ملتی یا قومی مقصد کے لیے کسی نادار اور فقیر کی امداد کے لیے ایک دمڑی بھی خرچ نہیں کرتا۔

اب خود سوچئے کہ جس شخص میں حرص اتنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہو کہ وہ حلال و حرام کی تمیز سے بھی قاصر ہو جو مصیبت کے وقت اپنے اوسان خطا کر بیٹھے اور مایوس ہو کر اپنے آپ کو حالات کے رحم و کرم پر ڈال دے یا جب وہ دولت مند اور مال دار ہو تو کنجوس کبھی چوس بن جائے تو کیا ایسے شخص کا وجود اپنے ملک و ملت کے لیے باعث ننگ و عار نہیں ہوتا۔ اس سے اس کی بستی والے نفرت کرتے ہیں اس کے گھر والے بھی اس سے بیزار ہوتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے لیے بھی وبال بن جاتا ہے۔

ایسی فطری کمزوریوں کا پیکر جب اسلام کی تعلیمات کو اپنا لیتا ہے جب اس کے ارشادات پر عمل پیرا ہو جاتا ہے جب اپنی زندگی کے روز و شب کو قرآن کریم کے پیش کیے ہوئے اس قالب میں ڈھال لیتا ہے تو اس کی کاپیا پلٹ جاتی ہے وہ حریص نہیں رہتا وہ غنی ہو جاتا ہے اس کا دل غنی ہو جاتا ہے اس کی آنکھیں سیر ہو جاتی ہیں مصائب کے تند و تیز طوفان جب اس سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تکلیف اور فقر و فاقہ اور غربت و محتاجی ہے اور ”الْخَيْرُ“ سے وسعت و خوش حالی اور دولت و غناء مراد ہے یا ”شَرُّ“ سے بیماری اور ”خَيْرٌ“ سے صحت و تندرستی مراد ہے۔

۲۳، ۲۲ - ﴿إِلَّا الْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ﴾ ماسوا ان نمازیوں کے جو اپنی نمازوں یعنی اپنی پنجگانہ نمازوں کو ہمیشہ پابندی سے ادا کرتے ہیں یعنی وہ اپنی نمازوں کو ان کے اصل اوقات میں ادا کرنے کی حفاظت و پابندی کرتے ہیں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی طرح منقول ہے۔

۲۵، ۲۴ - ﴿وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ﴾ اور وہ لوگ جن کے مالوں میں ایک حق (حصہ) مقرر ہے یعنی زکوٰۃ کیونکہ یہ مقرر و معلوم ہے یا عام نقلی صدقہ و خیرات کرنا مراد ہے جس کو آدمی اپنی ذات کے لیے وظیفہ بنا لیتا ہے اور اسے مقررہ اوقات میں ادا کرتا ہے (جیسے آج کل ہر ماہ ختم گیارہویں ختم خواجگان اور محافل میلاد پر خرچ کرنا) ﴿لِلسَّائِلِ﴾ مانگنے والے کے لیے جو لوگوں سے مانگتا پھرتا ہے ﴿وَالْمَحْرُورِ﴾ اور نہ مانگنے والے کے لیے جو شرم و حیاء کی وجہ سے لوگوں سے سوال نہیں کرتا اور لوگوں سے مانگنے سے بچتا رہتا ہے سو لوگ اسے غنی گمان کرتے ہیں اس لیے وہ ضرورت کے باوجود صدقات و خیرات سے محروم رہتا ہے۔

۲۶ - ﴿وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ﴾ اور جو لوگ روزِ جزاء کی تصدیق کرتے ہیں یعنی جزاء اور حساب کے دن کی تصدیق کرتے ہیں اور وہ قیامت کا دن ہے۔

۲۸، ۲۷ - ﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ عَذَابٍ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ﴾ اور وہ لوگ جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے اور خوف رکھنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جملہ معترضہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّ عَذَابَ مَا تَبْهَىٰ غَيْرِ الْمُؤْمِنِ﴾ بے شک ان کے پروردگار کا عذاب امن و امان کی چیز نہیں ہے یعنی کسی آدمی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہو جائے اگرچہ وہ عبادت و اطاعت اور اجتہاد میں خوب مبالغہ کرتا ہو بلکہ واجب ہے کہ ہر انسان خوف و ڈر اور اُمید کے درمیان رہے [”مُؤْمِنٌ“ کو ہمزہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے ماسوا ابو عمرو کے کہ ان کی قراءت میں ہمزہ کے بغیر ”مُؤْمِنٌ“ پڑھا جاتا ہے]۔

۳۰، ۲۹ - ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِأَعْيُنِنَا حَفِظُونَ﴾ اور وہ لوگ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کے دائیں ہاتھوں کی ملکیت میں آچکی ہیں یعنی اپنی منکوحہ بیویوں اور اپنی لونڈیوں سے جماع جائز ہے ﴿فَأَنَّهُمْ غَيْرِ مُلْمَعِينَ﴾ سوان دو قسم کی خواتین کے ساتھ حفاظت ترک کرنے اور ان دونوں قسموں سے جماع کرنے میں انہیں ملامت نہیں کی جائے گی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آکر کراتے ہیں تو اسے فولاد کی چٹان کی مانند مضبوط پاتے ہیں ان حالات میں اس کی امید کا چراغ اور زیادہ ضیا بار ہوتا ہے سبیلِ حوادث سے وہ نہیں گھبراتا بلکہ اس وقت اس کی خفتہ تو انانیایاں انگڑائیاں لینے لگتی ہیں وہ ان سے فرار اختیار نہیں کرتا بلکہ شیروں کی طرح ان پر چھپتا ہے اور جب اس پر خوش حالی کا دور آتا ہے تو وہ محتاجوں اور مسکینوں کو ڈھونڈ کر ان کی امداد کرتا ہے وہ کسی کو پریشان نہیں دیکھ سکتا جب تک وہ کسی کی تکلیف کو دور نہ کر دے اسے چین نہیں آتا۔ یہ وہ تبدیلی ہے جو اسلام کے پیش کیے ہوئے نظامِ عبادت پر عمل کرنے سے انسان میں رونما ہوتی ہے۔ ہماری شومی قسمت ملاحظہ ہو کہ آج کا مسلمان اس بابرکت پروگرام کو اپنے لیے ایک ناقابلِ برداشت بوجھ ایک ناروا پابندی اور ایک غیر دلچسپ مصروفیت گردانتا ہے اسی وجہ سے وہ فطری کمزوریاں عود کر آتی ہیں اور پوری قوت سے انہوں نے ہمارے قلب و نظر پر اپنا قبضہ جمالیایا ہے۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۶۳-۶۵)

فَمِنْ ابْتِغَىٰ وَرَاءَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝۳۱ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِآمٰنِيْهِمْ

وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝۳۲ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهَادٰتِهِمْ قٰآِيْمُوْنَ ۝۳۳ وَالَّذِيْنَ هُمْ

عَلٰى صَلٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝۳۴ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنٰتٍ مُّكْرَمٰتٍ ۝۳۵ ط

سو جو شخص اس کے سوا طلب کرتا ہے تو وہی حد سے بڑھنے والے ہیں اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرنے والے ہیں اور وہ لوگ جو اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں اور وہی لوگ جنتوں میں عزت یافتہ ہوں گے اور

۳۱- ﴿فَمِنْ ابْتِغَىٰ وَرَاءَ ذٰلِكَ﴾ پھر جو شخص اس کے علاوہ سے جماع طلب کرے یعنی بیویوں اور باندیوں کے علاوہ سے ﴿فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ﴾ سو یہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں (یعنی) حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والے ہیں اور یہ آیت مبارکہ دلیل ہے کہ متعہ حرام ہے اور لڑکوں، مردوں اور جانوروں اور ہاتھ سے جماع اور منی نکالنا بھی حرام ہے (کیونکہ اس آیت میں اپنی منکوحہ بیویوں اور اپنی لونڈیوں کے سوا سے جماع کی طلب کو ”عدوان“ اور ظلم قرار دیا گیا ہے اور ظلم حرام ہے)۔

۳۲- ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِآمٰنِيْهِمْ﴾ اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں کی حفاظت کرتے ہیں اور یہ شریعت کی تمام امانتوں اور بندوں کی تمام امانتوں کو شامل ہیں [ابن کثیر کی قراءت میں ”لِآمٰنِيْهِمْ“ مفرد پڑھا جاتا ہے] ﴿وَعَهْدِهِمْ﴾ اور وہ اپنے وعدہ کی پابندی کرتے ہیں ”اَيُّ عَهْدِهِمْ“ یعنی وہ اپنے وعدوں کی پابندی کرتے ہیں اور اس میں مخلوق کے وعدے اور منتوں اور نذروں کے وعدے اور قسموں کے وعدے سب داخل ہیں ﴿رٰعُوْنَ﴾ رعایت کرنے والے ہیں (یعنی) وہ اپنی امانتوں اور وعدوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، خیانت کرنے والے نہیں ہیں اور نہ اپنے عہدوں کو توڑنے والے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ امانتیں وہ ہیں جن پر عقلیں دلالت و رہنمائی کرتی ہوں اور عہد وہ ہیں جنہیں رسول لے کر تشریف لائے۔

۳۳- ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهَادٰتِهِمْ قٰآِيْمُوْنَ﴾ اور وہ لوگ جو اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں کہ وہ حکام کے پاس عدل و انصاف کے ساتھ صحیح طریقہ پر گواہیاں ادا کرتے ہیں اور غیر رشتہ کے مقابلے میں رشتہ دار کی طرف اور رذیل کے مقابلے میں شریف کی طرف نہیں جھکتے اور نہ وہ کسی قوی اور طاقتور شخص کو ضعیف و کمزور پر ترجیح دیتے ہیں اور وہ گواہی دیتے وقت مسلمانوں کے حقوق کو زندہ کرنے میں راغب رہتے ہیں جس سے ان کی دین اسلام میں صلابت و مضبوطی کا اظہار ہوتا ہے [حضرت حفص اور یعقوب کی قراءت میں الف کے ساتھ (جمع کی بناء پر) ”بِشَهَادٰتِهِمْ“ پڑھا جاتا ہے جب کہ باقیوں کی قراءت میں (مفرد کی بناء پر) الف کے بغیر ”بِشَهَادٰتِهِمْ“ ہے]۔

۳۴- ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ﴾ اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ نماز کا ذکر دوبارہ یہ بیان کرنے کے لیے کیا گیا ہے کہ نماز تمام عبادات میں اہم ترین عبادت ہے یا اس لیے دوبارہ ذکر کیا گیا ہے کہ ان میں سے ایک دفعہ فرض نمازوں کے لیے ذکر کیا گیا ہے اور دوسری دفعہ نقلی نمازوں کے لیے ذکر کیا گیا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ نمازوں میں دوام یہ ہے کہ نمازیں کثرت کے ساتھ پڑھی جائیں (نماز ہجگانہ کے علاوہ تہجد اشراق چاشت اور

اذا بین کی نمازیں بھی پڑھی جائیں) اور نمازوں کی حفاظت یہ ہے کہ انہیں اپنے اوقات سے ضائع نہ کیا جائے بلکہ بروقت ادا کیا جائے یا نمازوں میں دوام یہ ہے کہ ان کو اپنے اوقات میں ہمیشہ ادا کیا جائے اور نمازوں میں محافظت یہ ہے کہ ان کے ارکان واجبات سنن اور آداب کی حفاظت کی جائے۔

۳۵- ﴿أُولَٰئِكَ فِي جَنَّةٍ مُّكْرَمُونَ﴾ یہی لوگ جو ان مذکورہ بالا صفات کے حامل ہیں جنتوں میں عزت یافتہ ہوں گے [یہ دونوں خبریں ہیں]۔

فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قِبَلَكَ مُهْطِعِينَ ۝۳۶ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ
عِزِينَ ۝۳۷ أَيُطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ أَنْ يُدْخَلَ جَنَّةً نَّعِيمٍ ۝۳۸ كَلَّا
إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِمَّا يَعْلَمُونَ ۝۳۹ فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغْرِبِ
إِنَّا لَلْقَادِرُونَ ۝۴۰ عَلَىٰ أَنْ نُبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۝۴۱ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ۝۴۲

سوان کافروں کو کیا ہوا کہ آپ کی طرف تیز دوڑے آرہے ہیں O دائیں اور بائیں سے گروہ درگروہ O کیا ان میں سے ہر شخص یہ طمع رکھتا ہے کہ وہ نعمتوں والی جنت میں داخل کیا جائے گا O ہرگز نہیں! بے شک ہم نے ان کو اس چیز سے پیدا کیا ہے جسے وہ جانتے ہیں O سو مجھے تمام مشرقوں اور تمام مغربوں کے پروردگار کی قسم ہے کہ بے شک ہم ضرور قادر ہیں O اس پر کہ ہم ان کے بدلے میں ان سے بہتر لوگ لائیں اور ہم عاجز نہیں ہیں O

کفار کے باطل گمان کی تردید اور حشر کے دن ان کی ذلت کا بیان

۳۶، ۳۷- ﴿فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قِبَلَكَ مُهْطِعِينَ ۝۳۶ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِينَ﴾ سوان کافروں کو کیا ہوا کہ وہ (آپ کا کلام مبارک سننے اور اس کا مذاق اڑانے کے لیے) آپ کی دائیں طرف سے اور آپ کی بائیں طرف سے گروہ درگروہ بڑی جلدی بھاگ کر آپ کی طرف آجاتے ہیں۔ ”مہطعین“ کا معنی ”مُسْرِعِينَ“ ہے یعنی بہت جلد بھاگنے والے اور ”عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ“ کا معنی ہے: حضور نبی کریم ﷺ کی دائیں جانب اور آپ کی بائیں جانب اور ”عِزِينَ“ کا معنی ہے: مختلف گروہ گویا ہر گروہ جس قبیلہ کی طرف منسوب ہوتا ہے وہ دوسرے گروہ کے منسوب الیہ قبیلے سے مختلف اور اس سے الگ ہوتا ہے سو اس لیے وہ تمام گروہ ایک دوسرے سے جدا اور مختلف ہوتے ہیں [”فَمَالِ“ میں لام جارہ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصحف شریف کی اتباع میں جدا لکھا گیا ہے اور ”مُهْطِعِينَ“، ”الَّذِينَ كَفَرُوا“ سے حال واقع ہو رہا ہے اور ”عِزِينَ“ بھی حال ہے اور یہ ”عِزَّة“ کی جمع ہے اور اس کی اصل ”عِزَّة“ ہے جس کا معنی مختلف گروہ کے ہیں]۔

شان نزول: مشرکین مکہ حضور نبی کریم ﷺ کے پاس گروہ درگروہ ہو کر آتے اور آپ کے ارگرد حلقہ بنا کر آپ کو گھیر لیتے اور آپ کا کلام مبارک سننے اور آپ کے کلام کا مذاق اڑاتے اور کہتے: اگر یہ مسلمان جنت میں جائیں گے جیسا کہ (سرور عالم حضرت) محمد (ﷺ) کہتے ہیں تو پھر ہم ان سے پہلے ضرور جنت میں جائیں گے چنانچہ ان کی تردید میں یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۳۸- ﴿أَيُّظْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمُ أَنْ يُدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيمٍ﴾ کیا ان میں سے ہر شخص یہ توقع اور امید رکھتا ہے کہ وہ مومنوں کی طرح نعمتوں والی جنت میں داخل ہوگا [مفضل کے علاوہ کی قرأت میں ”یا“ مضموم اور ”خا“ مفتوح کے ساتھ ”أَنْ يُدْخَلَ“ پڑھا جاتا ہے]۔

۳۹- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! ”كَلَّا“ کے لفظ سے انہیں جنت میں جانے کی امید سے منع کر دیا گیا ہے ﴿إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُونَ﴾ بے شک ہم نے ان کو جس چیز سے پیدا کیا ہے وہ اسے اچھی طرح جانتے ہیں یعنی نطفہ کے چند قطروں سے پیدا کیے گئے ہیں اور اس لیے اس کو محکم رکھا گیا ہے یہ بتانے کے لیے کہ وہ ایسی حقیر چیز ہے کہ اس کے ذکر سے شرم آتی ہے تو بھلا یہ لوگ کیسے بزرگ و معزز ہو گئے اور وہ تقدم کا دعویٰ کیسے کرتے ہیں اور کیسے کہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں سے پہلے جنت میں ضرور جائیں گے؟ یا اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک ہم نے ان کو نطفہ سے پیدا کیا جیسا کہ ہم نے تمام بنی آدم کو پیدا کیا اور ہمارا حکم یہ ہے کہ جنت میں بغیر ایمان کے کوئی شخص نہیں جائے گا تو بھلا وہ شخص جنت میں جانے کی امید کیوں رکھتا ہے جس کے پاس ایمان نہیں ہے۔

۴۰، ۴۱- ﴿فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغْرِبِ﴾ سو مجھے قسم ہے تمام مشرقوں اور تمام مغربوں کے پروردگار کی (یعنی) سورج کے طلوع ہونے کی تمام جگہیں اور سورج کے غروب ہونے کی تمام جگہیں ﴿إِنَّا لَقَادِرُونَ﴾ بے شک ہم ضرور قادر ہیں ﴿عَلَىٰ أَنْ تُبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمُ﴾ اس پر کہ ہم ان کے بدلے میں ان سے بہتر لوگ لے آئیں جو ان سے بہتر ہوں اور اللہ تعالیٰ کے بہت زیادہ اطاعت گزار ہوں ﴿وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ﴾ اور نہ ہم عاجز ہیں۔

فَدَارَهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوْعَدُونَ ﴿٢٧﴾

يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَانَتْهُمْ إِلَىٰ نُصْبٍ يُؤْفَضُونَ ﴿٢٨﴾

خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۚ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿٢٩﴾

سو آپ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں کہ وہ بے ہودہ باتوں اور کھیل تماشوں میں مشغول رہیں یہاں تک کہ وہ اپنے لے اس سورۃ المعارج: ۴۰ میں ”مشارق“ اور ”مغارب“ کا ذکر ہے قرآن مجید میں مشرق اور مغرب واحد کے صیغے کے ساتھ بھی ذکر ہے اور تشنیہ کے ساتھ بھی ذکر ہے اور جمع کے صیغہ کے ساتھ بھی ذکر ہے۔

واحد کے صیغہ کے ساتھ اس آیت میں ذکر ہے: ”وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ“ (البقرہ: ۱۱۵)

تشنیہ کے صیغہ کے ساتھ اس آیت میں ذکر ہے: ”رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ“ (الرحمن: ۱۷)

جمع کے صیغہ کے ساتھ اس آیت میں ذکر ہے: ”كَانُوا يُسْتَعْظَمُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا“ (الاعراف: ۱۳)

سال میں ۳۶۵ دن ہوتے ہیں اور سورج کے طلوع اور غروب ہونے کے بھی اتنے ہی مقام ہیں گویا ہر روز کا ایک الگ مشرق اور ایک الگ مغرب ہوتا ہے اس اعتبار سے جمع کے صیغہ کے ساتھ مشارق اور مغارب فرمایا اور سردی اور گرمی میں نمایاں فرق کے ساتھ دو مشرق اور دو مغرب ہوتے ہیں ایک انتہائی آخری مشرق اور مغرب اور دوسرا ابتدائی قریب ترین مشرق اور مغرب اس لحاظ سے ”مشرقین“ اور ”مغربین“ فرمایا اور ایک مطلق طلوع اور غروب کے مقام جن میں اس تفصیل سے قطع نظر ہو اس اعتبار سے مشرق اور مغرب فرمایا۔ (تفسیر تبيان القرآن ج ۱۲ ص ۲۳۹)

اس دن سے ملیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے O اس دن وہ قبروں سے بڑی تیزی کے ساتھ نکلیں گے گویا وہ بتوں کی طرف دوڑے جا رہے ہیں O ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی ان پر ذلت و رسوائی چڑھی ہوئی ہوگی یہی وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا O

٤٣، ٤٢ - ﴿فَذَرَهُمْ يَخْوَضُونَ وَيَلْعَبُونَ﴾ سو آپ ان کو یعنی جھٹلانے والوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں وہ اپنی باطل اور بے ہودہ باتوں میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ دنیا کے دھندوں میں کھیل رہے ہیں ﴿حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يَوعَدُونَ﴾ یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن سے ملیں جس میں ان سے عذاب کا وعدہ کیا جاتا ہے ﴿يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلَىٰ نُصُبٍ يُوفِضُونَ﴾ اس دن وہ لوگ قبروں سے بڑی جلدی نکلیں گے گویا وہ بتوں کی طرف بھاگ رہے ہیں [”يَوْمَ“ اپنے سے پہلے ”يَوْمَهُمْ“ سے حال ہے اور اعشیٰ کے علاوہ کی قراءت میں ”يَا“ مفتوح اور ”رَا“ مضموم کے ساتھ ”يَخْرُجُونَ“ (باب ”نَصْرٌ يَنْصُرُ“ سے) پڑھا جاتا ہے اور ”اجداث“ بہ معنی قبور ہے اور ”سِرَاعًا“ ”سَرِيعٌ“ کی جمع ہے اور یہ حال ہے اور ”كَأَنَّهُمْ“ بھی حال ہے اور ابن عامر شامی امام حفص اور اہل کی قراءت میں نون اور صاد مضموم کے ساتھ ”نُصْبٍ“ ہے جب کہ مفضل کی قراءت میں صاد ساکن کے ساتھ ”نُصْبٍ“ اور ان کے علاوہ کی قراءت میں نون مفتوح اور صاد ساکن کے ساتھ ”نُصْبٍ“ ہے [”نُصْبٍ“ کا معنی ہے: ہر وہ چیز جس کو زمین میں نصب کر کے اللہ تعالیٰ کی بجائے اس کی عبادت کی جائے اور ”يُوفِضُونَ“ بہ معنی ”يُسْرِعُونَ“ جلدی چلنا اور بھاگنا ہے۔

٤٤ - ﴿خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ﴾ ان کی آنکھیں ذلت سے جھکی ہوئی ہوں گی یعنی وہ لوگ اپنی ذلت و رسوائی کی وجہ سے اپنی آنکھیں اوپر نہیں اٹھائیں گے [”خَاشِعَةً“، ”يَخْرُجُونَ“ کی ضمیر سے حال ہے یعنی پست و ذلیل] ﴿تَرَهَقْتُهُمْ ذِلَّةٌ ط﴾ ان پر بہت سخت ذلت و خواری چڑھی ہوگی ﴿ذَلِكَ الْيَوْمِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ﴾ یہ وہی دن ہے جس کا ان سے دنیا میں وعدہ کیا جاتا تھا اور وہ اسے جھٹلا دیتے تھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ نوح کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے O اس کی اٹھائیس آیات دو رکوع ہیں

إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُمْ

عَذَابٌ أَلِيمٌ ١ قَالَ يَقَوْمِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ٢ أَنْ اِعْبُدُوا اللَّهَ

وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُوا ٣ يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُخِرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ

مُسْتَسَيِّ ٤ إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ٥ قَالَ

رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ٦ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا

فِرَارًا ٧

بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کہ آپ اپنی قوم کو ڈرائیں اس سے پہلے کہ ان پر دردناک عذاب آجائے O اس نے فرمایا: اے میری قوم! بے شک میں تمہارے لیے کھلم کھلا ڈر سنانے والا ہوں O کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرو O وہ تمہارے لیے تمہارے بعض گناہوں کو بخش دے گا اور وہ تمہیں ایک مقرر مدت تک مہلت دے دے گا بے شک اللہ تعالیٰ کی مدت جب آجائے گی تو اس کو موخر نہیں کیا جائے گا کاش! تم جانتے ہوتے O اس نے فرمایا: اے میرے پروردگار! بے شک میں نے اپنی قوم کو رات اور دن دعوت دی O سو میری دعوت سے ان کے بھاگنے میں ہی اضافہ ہوا O

حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت و تبلیغ پر قوم کی سرکشی کا بیان

۱- ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ﴾ بے شک ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ سریانی زبان میں نوح کا معنی ساکن ہے (کیونکہ آپ کو ذکر الہی سے سکون ملتا) ﴿أَنْ أَنْذِرَ قَوْمَكَ﴾ یہ کہ آپ اپنی قوم کو ڈرائیں اور انہیں خوف الہی دلائیں [اس کی اصل ”بَانْ أَنْذِرَ“ ہے پھر حرف جار کو حذف کر دیا گیا اور ”أَنْ“ کو نفل کے ساتھ ملا دیا گیا اور امام خلیل کے نزدیک یہ محلاً مجرور ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک منصوب ہے یا ”أَنْ“ مفسرہ بہ معنی ”آئی“ ہے کیونکہ ارسال میں قول کا معنی پایا جاتا ہے] ﴿مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ اس سے پہلے کہ ان پر دردناک عذاب آن پہنچے یعنی طوفان یا آخرت کا عذاب۔

۲- ﴿قَالَ يٰقَوْمِ﴾ فرمایا: اے میری قوم! حضرت نوح علیہ السلام نے ان پر اپنی شفقت کا اظہار کرنے کے لیے اپنی قوم فرما کر ان کو اپنی طرف منسوب کیا ﴿إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ﴾ بے شک میں تمہارے لیے کھلم کھلا ڈر سنانے والا اور خوف دلانے والا ہوں کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغام تمہارے لیے ایسی زبان میں بیان کرتا ہوں جسے تم خود بھی جانتے اور پہچانتے ہو۔

۳- ﴿إِنِ اعْبُدُوا اللَّهَ﴾ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو (یعنی) تم اس کو واحد لا شریک تسلیم کرو اور عقیدہ توحید اختیار کرو (پھر اس کی عبادت کرو) [اور یہ ”أَنْ“ بھی دو وجہوں میں ”أَنْ أَنْذِرَ“ کی طرح ہے] ﴿وَأَتَّقُوا﴾ اور تم اس سے ڈرو اور اس کی نافرمانی سے بچو ﴿وَأَطِيعُوا﴾ اور تم میری ان تمام امور میں اطاعت و فرماں برداری کرو جن کا میں تمہیں حکم دوں اور جن امور سے میں تمہیں منع کروں اور حضرت نوح علیہ السلام نے اطاعت کو اپنی طرف اس لیے منسوب کیا کہ اطاعت اللہ تعالیٰ کے غیر کے لیے جائز ہے لیکن عبادت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔

۴- ﴿يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تمہارے بعض گناہوں کو بخش دے گا [یہ امر کا جواب ہے اور اس میں حرف ”مِنْ“ بیان کے لیے ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ“ (الحج: ۳۰) ”سو تم بتوں کی نجاست سے بچو“ یا پھر یہ حرف ”مِنْ“ تبعیض کے لیے ہے] کیونکہ اللہ تعالیٰ کے درمیان اور مخلوق کے درمیان کسی نافرمانی پر اسلام قبول کرنے کے بعد بھی بندوں کا مواخذہ کیا جاسکتا ہے جیسے قصاص وغیرہ (یعنی حد زنا، حد شراب، حد قذف) شرح التاویلات میں اسی طرح ہے ﴿وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَدَّدٍ﴾ اور وہ تمہیں ایک مقرر مدت تک مہلت دے گا اور وہ تمہاری موت کا وقت ہے ﴿إِنِ آجَلَ اللَّهُ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کی اجل (یعنی) موت جب آجائے گی تو موخر نہیں کی جائے گی کاش! تم جان لیتے یعنی اگر تم اس ندامت و پشیمانی اور شرمندگی کو جان لیتے جو تمہاری اجل کے ختم ہونے کے وقت تمہیں پہنچے گی تو تم ضرور ایمان لے آتے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ

تعالیٰ نے مثلاً فیصلہ کیا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اگر ایمان قبول کر لے گی تو ایک ہزار سال تک ان کی عمر بڑھادی جائے گی اور اگر وہ ایمان نہیں لائے گی تو انہیں نو سو سال کے آخر پر ہلاک کر دیا جائے گا پھر ان سے کہا گیا کہ تم ایمان لے آؤ تو تمہیں ایک مقرر مدت تک مہلت دے دی جائے گی یعنی تمہاری عمر ایک ہزار سال تک دراز کر دی جائے گی پھر یہ خبر دی گئی کہ جب ایک ہزار سال پورے ہو جائیں گے تو پھر مہلت نہیں دی جائے گی جیسا کہ ایمان لانے کے وقت تمہیں مہلت دی جائے گی اور بعض کا یہ قول ہے کہ ان لوگوں کو اپنے بارے میں یہ خوف تھا کہ اگر وہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت قبول کر لیں اور ایمان لے آئیں تو ایسا نہ ہو کہ انہیں ہلاک کر دیا جائے تو گویا حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو اس خوف سے امن دلایا اور ان سے وعدہ کیا کہ ایمان لانے پر انہیں اس مدت تک باقی رکھا جائے گا جو ان کے لیے مقرر کی گئی ہے یعنی بے شک اگر تم نے اسلام قبول کر لیا تو تمہیں تمہارے دشمن سے مقررہ مدت تک امن کے ساتھ محفوظ رکھا جائے گا اور تمہیں صحیح سلامت باقی رکھا جائے گا۔

۶۵۔ ﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا﴾ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! بے شک میں نے رات اور دن اپنی قوم کو دعوت دی ہے (یعنی) میں رات دن مسلسل بغیر کسی وقفہ کے انہیں دعوت دیتا رہا ہوں ﴿فَكَرِهَ يَذَّهَبُ دُعَاؤِي إِلَّا خِرَاءًا﴾ سو میری دعوت نے ان میں کسی اور چیز کا اضافہ نہیں کیا سوائے فرار کی راہ اختیار کرنے اور بھاگ جانے کے یعنی تیری اطاعت سے اور حضرت نوح علیہ السلام نے اس فرار کو اپنی دعوت کی طرف منسوب کیا کیونکہ یہ فرار دعوت دینے کے وقت حاصل ہوتا تھا اگرچہ دعوت حق دینا حقیقت میں فرار کا سبب نہیں ہے اور یہ اس ارشاد کی طرح ہے: ”وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا“ (التوبہ: ۱۲۵) ”اور لیکن وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے تو (قرآن نے) ان کی نجاست و پلیدی کو بڑھا دیا“ حالانکہ قرآن مجید تو پلیدی کے اضافہ کا سبب نہیں ہے اور ایک آدمی اپنے بیٹے کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاتا تھا تو فرماتے: تم اس بچے سے ہوشیار رہنا کہ کہیں تمہیں دھوکا میں نہ ڈال دے کیونکہ میرا باپ مجھے یہی وصیت کرتا تھا۔

وَإِنِّي كَلِمَاتٌ عَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَعْشَوْا
شِيَابَهُمْ وَأَصْرًا وَاسْتَكْبَرُوا وَاسْتَكْبَارًا ۝ ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جَهَارًا ۝
ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ۝ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ
إِنَّهُ كَانَ عَفَّارًا ۝ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا ۝ وَيُبَدِّدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ
وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَرًا ۝ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ۝ وَقَدْ
خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ۝

اور بے شک میں نے جب بھی انہیں دعوت حق دی تاکہ آپ انہیں بخش دیں تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور انہوں نے اپنے اوپر اپنے کپڑے لپیٹ لیے اور اپنی ضد پر اصرار کیا اور انہوں نے بہت بڑا تکبر کیا ۵

پھر میں نے ان کو سب کے سامنے بہ آواز بلند دعوت دی O پھر میں نے انہیں اعلانیہ بلایا اور میں نے انہیں آہستہ اور خفیہ بھی بلایا O سو میں نے کہا کہ تم اپنے پروردگار سے بخشش طلب کرو بے شک وہ بہت بڑا بخشنے والا ہے O وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا O اور وہ مالوں اور بیٹوں کے ذریعہ تمہاری امداد فرمائے گا اور تمہارے لیے باغات پیدا کر دے گا اور تمہارے لیے نہریں جاری کر دے گا O تمہیں کیا ہوا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال سے نہیں ڈرتے O حالانکہ بے شک اس نے تمہیں بار بار مختلف مراحل میں پیدا کیا ہے O

٧- ﴿وَإِنِّي كُنْتُ مَدْعُوهُمْ﴾ "إِلَى الْإِيمَانِ بِكَ" اور بے شک میں نے جب بھی انہیں تجھ پر ایمان لانے کی دعوت دی ﴿لِتَغْفِرَ لَهُمْ﴾ تاکہ آپ انہیں بخش دیں "أَيُّ يَوْمِنَا فَتَغْفِرَ لَهُمْ" یعنی تاکہ وہ ایمان لائیں تو آپ انہیں بخش دیں (چونکہ ایمان مغفرت کا سبب ہے) سو اس لیے یہاں سبب کے ذکر کی بجائے صرف سبب کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے ﴿جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ﴾ تو انہوں نے اپنے کانوں میں اپنی انگلیاں داخل کر لیں اور اپنی سماعت کی جگہیں بند کر لیں تاکہ میرا کلام انہیں سنائی نہ دے ﴿وَاسْتَعْشَوْا ثِيَابَهُمْ﴾ اور انہوں نے اپنے اوپر اپنے کپڑوں کو اوڑھ لیا اور خود اپنے کپڑوں کے اندر چھپ گئے تاکہ وہ مجھے دیکھ نہ سکیں کیونکہ وہ لوگ ایسی ہستی کا چہرہ دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے جو انہیں اللہ تعالیٰ کے دین کی نصیحت کرے ﴿وَأَصْرُوا﴾ اور ضد اور ہٹ دھرمی پر اصرار جاری رکھا اور اپنے کفر و شرک پر ڈٹے رہے اور باطل پر قائم رہے ﴿وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا﴾ اور انہوں نے بہت بڑا تکبر کیا اور میری دعوت قبول کرنے کی بجائے سرکشی کی اور غرور کیا اور یہاں فعل کے بعد مصدر کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے بہت زیادہ تکبر کیا۔

٨- ﴿ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جِهَادًا﴾ پھر میں نے ان کو کھلم کھلا دعوت دی۔ "جِهَادًا" مصدر ہے اور حال کی جگہ پر واقع ہے یعنی اعلانیہ دعوت دینا یا یہ "دَعَوْتُهُمْ" کا مصدر ہے جیسے "قَعَدَ الْقَرْفَصَاءُ" فلاں آدمی اکڑوں بیٹھا کیونکہ "جِهَاد" بھی دعوت کی دو قسموں میں سے ایک قسم ہے یعنی میں نے محافل و مجالس میں جا کر سب کے سامنے کھلم کھلا انہیں دعوت دی۔

٩- ﴿ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا﴾ پھر میں نے ان کو اعلانیہ دعوت دی اور میں نے ان کو آہستہ اور مخفی بھی دعوت دی یعنی میں نے ان کی اعلانیہ دعوت کو سری اور مخفی دعوت کے ساتھ ملا کر نصیحت کی پس خلاصہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ان کورات دن سری اور آہستہ دعوت دیتے رہے پھر آپ نے ان کو کھلم کھلا دعوت دینا شروع کیا پھر کچھ عرصہ بعد آپ نے ان کو مخفی اور اعلانیہ دونوں طرح دعوت دینا شروع کی اور نیکی کا حکم دینے والا اسی طرح کرتا ہے کہ پہلے آسان اور نرم طریقہ اختیار کرتا ہے پھر سخت طریقہ اختیار کرتا ہے اس کے بعد پھر سخت ترین طریقہ اختیار کر لیتا ہے چنانچہ آپ نے بھی پہلے سری اور مخفی دعوت کا آغاز کیا لیکن جب انہوں نے اسے قبول نہ کیا تو آپ نے دوبارہ ان کو کھلم کھلا دعوت دی جب پھر بھی وہ لوگ متاثر نہ ہوئے تو آپ نے تیسری بار مخفی اور اعلانیہ دعوت کو جمع کر کے ان کو نصیحت کی اور لفظ "ثُمَّ" احوال کے مختلف ہونے پر دلالت و رہنمائی کرتا ہے کیونکہ مخفی دعوت و تبلیغ سے اعلانیہ دعوت دینا اور تبلیغ کرنا زیادہ سخت اور زیادہ مشکل ہے پھر ان دونوں میں سے ایک کی بجائے دونوں کو ملا کر دعوت دینا اور تبلیغ کرنا سب سے زیادہ سخت اور مشکل ہے۔

١٠- ﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا مِنِّي يَا رَبِّ﴾ سو میں نے (انہیں) کہا کہ تم کفر و شرک کرنے پر اپنے پروردگار سے معافی اور مغفرت و بخشش طلب کرو کیونکہ "استغفار" کا معنی ہے: مغفرت و بخشش طلب کرنا سو اگر استغفار کرنے والا کافر ہوگا تو وہ اپنے کفر کرنے پر مغفرت و معافی طلب کرے گا اور اگر استغفار کرنے والا گناہ گار مسلمان ہوگا تو وہ اپنے گناہوں کی مغفرت و معافی طلب کرے گا ﴿إِنَّهُ كَانَ عَفُورًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بڑا بخشنے والا ہے وہ ہمیشہ ہر اس شخص کے گناہوں کو بخش

دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔

۱۲، ۱۱۔ ﴿يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا﴾ اللہ تعالیٰ تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا۔ ”مدراراً“ کا معنی ہے: بہت زیادہ برسنے والی بارش [یہ مفعال کے وزن پر ہے اس میں مذکر اور مؤنث مساوی و برابر ہوتے ہیں] ﴿وَيُمِدُّكُمْ بِأَمْوَالٍ ذَبِيحًا﴾ اور وہ مالوں اور بیٹوں کے ساتھ تمہاری مدد کرنے کا (یعنی) اللہ تعالیٰ تمہارے مالوں میں اور تمہارے بیٹوں میں اضافہ فرمادے گا ﴿وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّةً وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا﴾ وہ تمہارے لیے باغات پیدا کرے گا اور تمہارے کھیتوں اور تمہارے باغوں کو سیراب کرنے کے لیے نہریں جاری کر دے گا اور وہ لوگ مال و دولت اور اولاد سے بہت محبت کرتے تھے سو اس لیے ان دونوں چیزوں کے ذریعہ ان کو ایمان لانے کی ترغیب دی گئی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جب عرصہ دراز تک بار بار دعوت دینے کے بعد بھی ان لوگوں نے حضرت نوح علیہ السلام کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش کو روک دیا اور ان کی عورتوں کے رحموں کو چالیس سال یا ستر سال تک بانجھ کر دیا پھر حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے وعدہ فرمایا کہ اگر وہ ایمان لے آئیں تو اللہ تعالیٰ ان کی خشک سالی کو ختم کر کے انہیں خوش حالی عطا فرمادے گا اور جس بانجھ پن کی مصیبت میں وہ لوگ مبتلا ہیں وہ ان سے دُور فرمادے گا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ نمازِ استسقاء پڑھانے نکلے اور آپ نماز کے بعد صرف استغفار کرتے رہے اس سے زیادہ کوئی دعا وغیرہ نہ مانگی تو لوگوں نے کہا کہ ہم نے آپ کو بارش طلب کرنے کے لیے دعا مانگتے نہیں دیکھا تو آپ نے فرمایا: میں نے ایسے ذریعہ سے بارش طلب کی ہے جس کے سبب آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اس کے ذریعہ بارش برسنا شروع ہو جاتی ہے۔ حضرت عمر فاروق نے استغفار کو خالص اور سچے عطیات کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو کبھی خطا نہیں جاتے اور آپ نے یہی آیات تلاوت کیں۔

حضرت ربیع بن صبیح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان فرمایا کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے قحط سالی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو پھر دوسرا شخص آیا اور اس نے فقر و فاقہ کی شکایت کی پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے اولاد کی کمی کی شکایت کی ایک اور شخص آیا اور اس نے اپنی زمین کی پیداوار کی کمی کی شکایت کی حضرت حسن بصری نے سب کو یہی حکم دیا کہ تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو حضرت ربیع نے ان سے کہا کہ آپ کے پاس مختلف لوگوں نے مختلف شکایات بیان کیں مگر آپ نے سب کو استغفار کا حکم دے دیا تو آپ نے بھی یہی آیات تلاوت کر کے سنائیں۔

۱۴، ۱۳۔ ﴿مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا﴾ تمہیں کیا ہوا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کا خیال نہیں کرتے (یعنی) تم اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت سے کیوں نہیں ڈرتے اور امامِ حنفی سے منقول ہے کہ یہاں ”رجاء“ خوف کے معنی میں ہے کیونکہ ”رجاء“ میں ایک طرف خوف و ناامیدی ہوتی ہے اور دوسری طرف اُمید و بھروسہ ہوتا ہے اور ”وقار“ کا معنی عظمت ہے یا یہ معنی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی توقیر یعنی اس کی تعظیم میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے اور معنی یہ ہے کہ تمہیں کیا ہوا کہ تم ایسے حال پر نہیں ہوتے جس میں تم دارالثواب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے متعلق سوچو ﴿وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں کئی مراحل میں پیدا کیا یعنی بار بار اور کئی مرتبہ طرح طرح سے پیدا کیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تمہیں نطفہ سے پیدا کیا پھر جمے ہوئے خون سے پھر گوشت سے پھر گوشت اور ہڈیوں کی صورت میں پیدا کیا یعنی تمہیں کیا ہوا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ تمہارا حال تو یہی ہے جو بیان ہوا اور یہ حال تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا موجب ہے کیونکہ

اس نے تمہیں مختلف مراحل میں بہ درج پیدا فرمایا ہے [”اطواراً“ حال کی جگہ پر واقع ہے]۔

الْمُتَرَدُّوا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا ۝۱۵ وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ
نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا ۝۱۶ وَاللَّهُ أَنْبَتَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا ۝۱۷ ثُمَّ
يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا ۝۱۸ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ بِسَاطًا ۝۱۹
لِتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝۲۰

کیا تم نے غور سے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو کس طرح اوپر نیچے پیدا کیا اور چاند کو ان میں روشن کیا اور سورج کو چراغ بنایا اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے خوب اُگایا اور پھر وہ تمہیں اسی میں لوٹا دے گا اور وہ تمہیں (دوبارہ) نکال کر باہر لائے گا اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا تاکہ تم اس کے کشادہ راستوں میں چلو پھرو

۱۵۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے (مذکورہ بالا آیات میں) کفار کو اپنے نفوس کے بارے میں غور و فکر کرنے پر تنبیہ فرمائی کیونکہ وہ قریب ہیں پھر (اب درج ذیل آیات میں) کائنات کے بارے میں اور صالح و خالق کی ذات پر دلالت کرنے والے جو عجائبات پیدا کیے ہیں ان میں غور و فکر کرنے پر تنبیہ فرمائی چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿الْمُتَرَدُّوا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا﴾ کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو کس طرح تہ بہ تہ پیدا کیا (یعنی) بعض کو بعض کے اوپر پیدا کیا۔

۱۶۔ ﴿وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے چاند کو ان میں یعنی آسمانوں میں روشن کر دیا اور وہ صرف آسمان دنیا ہے کیونکہ آسمانوں کے درمیان تعلق و ربط ہے اس لیے کہ یہ ایک دوسرے پر منطبق ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ کہا جائے کہ چاند کی روشنی اسی طرح تمام آسمانوں میں ہوتی ہے اگرچہ خود چاند تمام آسمانوں میں نہیں ہوتا جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی مدینہ میں ہے حالانکہ وہ تو اس کی کسی ایک طرف میں رہتا ہے (پورے مدینہ میں نہیں)۔

حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ سورج اور چاند کے چہرے آسمانوں کی طرف ہیں اور ان دونوں کی پشتیں زمین کی طرف ہیں (ورنہ ان کی حرارت سے زمین کی ہر چیز سڑ جائے) چنانچہ چاند کا نور تمام آسمانوں کو محیط ہے کیونکہ نور لطیف ہوتا ہے اس کے لیے کوئی حجاب نہیں ہوتا (جب کہ تمام آسمان آئینہ کی طرح شفاف ہیں) ﴿وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے سورج کو چراغ بنایا کہ تمام دنیا والے اس کی روشنی میں تمام چیزیں دیکھ لیتے ہیں جیسے گھر والے چراغ کی روشنی میں گھر کے اندر کی ہر اس چیز کو دیکھتے ہیں جس کے دیکھنے کی انہیں احتیاج و ضرورت ہوتی ہے اور البتہ سورج کی روشنی چاند کی روشنی سے زیادہ قوی ہوتی ہے اور تمام اہل علم متفق ہیں کہ سورج چوتھے آسمان میں ہے۔

۱۷، ۱۸۔ ﴿وَاللَّهُ أَنْبَتَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین میں سے اُگایا (یعنی) تمہیں زمین میں سے (مٹی سے) پیدا کیا۔ ”انبات“ (اُگانا) کو ”انشاء“ (پیدا کرنا) کے لیے بطور استعارہ استعمال کیا گیا ہے ﴿نَبَاتًا﴾ سو تم اُگ گئے ﴿ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا﴾ پھر اللہ تعالیٰ تمہارے مرنے کے بعد تمہیں اسی زمین میں واپس لوٹا دے گا

﴿وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا﴾ اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہیں زمین سے مکمل طور پر نکال کر باہر لائے گا [”يُخْرِجُ“ فعل کو مصدر ”إِخْرَاجًا“ کے ساتھ مؤکد و مستحکم کیا گیا ہے یعنی مکمل اور کامل طور پر نکالا جائے گا]۔

۲۰، ۱۹۔ ﴿وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ بِسَاطًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لیے فرش بنا دیا (یعنی نرم بچھونے کی طرح بنایا) ﴿لِتَسْلُكُوا مِنْهَا﴾ تاکہ اس پر اس طرح چلو پھرو جس طرح تم گھر میں بچھے ہوئے قالین وغیرہ پر چلتے ہو ﴿سُبُلًا فِجَاغًا﴾ کشادہ اور وسیع مختلف راستوں پر چلتے پھرتے رہو۔ ”سُبُل“ کا معنی راستے اور ”فجاج“ کا معنی کشادہ وسیع اور مختلف جدا جدا۔

قَالَ نُوحٌ رَبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْكَ مَالَهُ وَوَلَدًا إِلَّا خَسَارًا ﴿٢١﴾ وَمَكَرُوا مَكْرًا كَبِيرًا ﴿٢٢﴾ وَقَالُوا لَا تَنْزِلُنَا وَلَا تَنْزِلُنَا وَلَا سَوَاعَا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴿٢٣﴾ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ﴿٢٤﴾ مَتَا خَطِئْتَهُمْ أُعْرِقُوا فَأُدْخِلُونَا إِنَّا رَاهٍ فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ أَنْصَارًا ﴿٢٥﴾

نوح (علیہ السلام) نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! بے شک انہوں نے میری نافرمانی کی اور ان کی پیروی اختیار کر لی جن کے مال اور اولاد نے ان میں سوائے نقصان کے کچھ نہیں بڑھایا اور انہوں نے بہت بڑی سازش کی اور انہوں نے کہا کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑو اور نہ تم وڈ کو چھوڑو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر کو اور بے شک انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا اور (اے میرے رب!) ظالموں کو نہ بڑھانا مگر ہلاکت میں اور اپنے گناہوں کی وجہ سے غرق کر دیئے گئے پھر وہ دوزخ کی آگ میں داخل کر دیئے گئے سو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اپنے لیے مددگار نہ پائے۔

قوم کی سرکشی پر حضرت نوح علیہ السلام کی شکایت دعائے ضرر اور مومنوں کے لیے دعائے مغفرت

۲۱۔ ﴿قَالَ نُوحٌ رَبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي﴾ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! بے شک انہوں نے (یعنی میری قوم نے) میری نافرمانی کی ہے کہ میں نے ان کو ایمان لانے اور استغفار کرنے کا جو حکم دیا تھا اس میں انہوں نے میری مخالفت کی (نہ ایمان لائے اور نہ استغفار کیا) ﴿وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْكَ مَالَهُ وَوَلَدًا إِلَّا خَسَارًا﴾ اور انہوں نے ان کی پیروی شروع کر دی جن کے مال و اولاد نے ان میں سوائے نقصان کے کچھ نہیں بڑھایا یعنی قوم کے کم عقل و بے وقوف اور فقیر و غریب لوگوں نے اپنی قوم کے ان سرداروں اور صاحب اولاد مال داروں کی پیروی شروع کر دی جن کے مال و اولاد نے آخرت میں ان کے صرف نقصان ہی میں اضافہ کیا [ابن کثیر کی اور امام عاصم کے علاوہ دیگر عراقیوں کی قراءت میں لام کے سکون کے ساتھ ”وَوَلَدًا“ پڑھا جاتا ہے اور یہ ”وَلَدًا“ کی جمع ہے جیسے ”أَسَدًا“، ”أَسَدًا“ کی جمع ہے]۔

۲۲۔ ﴿وَمَكَرُوا مَكْرًا كَبِيرًا﴾ اور انہوں نے بہت بڑی سازش کی اور سازش کرنے والے وہی ان کے سردار تھے اور

ان کی سازش یہ تھی کہ لوگوں کو دین حق سے روکا جائے اور حضرت نوح علیہ السلام کو اذیت و نقصان پہنچانے اور ان کی طرف رغبت رکھنے والوں کو ان کے پاس آنے سے روکنے کے لیے لوگوں کو متحرک و تیار کیا جائے۔ ”مَکْرٌ“ کا معنی ہے: فریب و سازش کرنا اور ”کُبَّارٌ“ کا معنی ہے: بہت بڑا اور یہ ”کُبَّارٌ“ سے بڑھ کر ہے اور یہ ”کِبَّارٌ“ ”کَبِيرٌ“ سے بڑھ کر ہے [اور ایک قراءت میں ”کُبَّارٌ“ (مشدد) کی بجائے (مخفف) ”کِبَّارٌ“ بھی پڑھا گیا ہے اور ”وَمَكْرُوا لَمْ يَزِدْهُ“ پر معطوف ہے اور اس جمع کی ضمیر ”مَنْ“ کی طرف لوثی ہے کیونکہ ”مَنْ“ لفظ کے اعتبار سے واحد ہے اور معنی کے اعتبار سے جمع ہے]۔

۲۳- ﴿وَقَالُوا﴾ اور انہوں نے کہا یعنی سرداروں نے اپنے کم عقل پیروکاروں سے کہا: ﴿لَا تَدْرُونَ إِلَهَتَكُمْ﴾ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا یعنی ان کی عبادت کرنا کبھی نہ چھوڑنا۔ یہ عام ہے سب بتوں کو شامل ہے ﴿وَلَا تَدْرُونَ وِدًّا﴾ اور نہ تم وڈ کو چھوڑنا [”وَدًّا“ کو داؤ مفتوح اور مضموم کے ساتھ دونوں طرح پڑھا جاتا ہے اور یہ حضرت نافع مدنی کی قراءت ہے اور یہ دونوں لغتیں مستعمل ہیں] اور یہ بت ایک آدمی کی صورت پر تیار کیا گیا تھا ﴿وَلَا سَوَاعِثَ﴾ اور نہ سواع کو چھوڑنا۔ یہ بت ایک عورت کی صورت پر بنایا گیا تھا ﴿وَلَا يَغُوثَ﴾ اور نہ یغوث کو چھوڑنا۔ یہ بت شیر کی صورت پر بنایا گیا تھا ﴿وَيَعُوقَ﴾ اور نہ یعوق کو چھوڑنا۔ یہ بت گھوڑے کی صورت پر بنایا گیا تھا اور یہ دونوں ”يَغُوثٌ“ اور ”يَعُوقٌ“ منصرف نہیں ہیں معرفہ اور وزن فعل ہونے کی وجہ سے اگر انہیں عربی قرار دیا جائے اور معرفہ اور عجم ہونے کی وجہ سے اگر انہیں عجمہ قرار دیا جائے ﴿وَتَمِيمًا﴾ اور نہ تميم کو چھوڑنا اور یہ بت گدھ کی صورت پر بنایا گیا تھا یعنی ان بتوں کی عبادت خصوصی طور پر بالکل ترک نہ کرنا گویا یہ بت ان کے نزدیک ان کے بتوں میں سب سے بڑے اور سب سے عظیم بت تھے، عمومی حکم کے بعد ان کو مخصوص کر لیا گیا اور یہ بت قوم نوح علیہ السلام سے عرب میں منتقل کیے گئے تھے چنانچہ وڈ بنو کلب کا بت تھا اور سواع ہمدان کا اور یغوث مذحج کا اور یعوق مراد کا اور نسر حمیر کا بت تھا اور بعض حضرات نے کہا: یہ نیک آدمیوں کے نام ہیں جو حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیانی زمانہ میں گزر چکے ہیں لوگ اس زمانہ میں ان کی پیروی کرتے تھے پھر جب یہ نیک حضرات فوت ہو گئے تو انہوں نے ان کی تصویریں اور مجسمے بنا لیے تاکہ ان یادگار تصویروں اور مجسموں کی وجہ سے ان لوگوں میں عبادت الہی کرنے کا ذوق و شوق زیادہ بڑھ جائے پھر جب زمانہ دراز ہو گیا اور ان کے عقیدت مند موجد بھی فوت ہو گئے تو بعد ازاں نسل در نسل گزرنے پر شیطان ان کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ ان کے آباء و اجداد ان مجسموں کی عبادت کرتے تھے تو اس وقت سے ان کی پوجا پاٹ شروع ہو گئی اور لوگ خدا کو چھوڑ کر ان کی عبادت میں مصروف ہو گئے۔

۲۴- ﴿وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا﴾ اور بے شک انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا یعنی ان کے بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”إِنَّهُمْ أَضَلُّنَا كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ“ (ابراہیم: ۳۶) ”بے شک انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے“ یا یہ کہ ان کے سرداروں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ﴿وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ﴾ (اے میرے رب تعالیٰ!) ظالموں کو نہ بڑھانا [یہ ”رَبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي“ پر معطوف ہے اس بناء پر کہ یہ حضرت نوح علیہ السلام کے کلام کی حکایت ہے ”قَالَ“ کے بعد اور اس داؤ کے بعد جو اس کی نائب ہے] اور اس کا معنی ہے: ”قَالَ نُوحٌ رَبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي (و) قَالَ (لَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ)“ حضرت نوح علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! بے شک انہوں نے میری نافرمانی کی اور کہا کہ (اے میرے رب!) ظالموں کو نہ بڑھانا یعنی یہ دونوں کلام حضرت نوح علیہ السلام کے ہیں [اور یہ دونوں محلاً منصوب ہیں کیونکہ یہ دونوں ”قَالَ“ کے مفعول ہیں] ﴿وَالْأَضْلَلًا﴾ مگر ہلاکت و گمراہی میں جیسا کہ ارشاد ہے:

”وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا“ اور ظالموں کو نہ بڑھانا مگر ہلاکت و تباہی میں۔

۲۵۔ ﴿مِمَّا خَطَبْتَهُمْ﴾ ابو عمر و بصری کی قراءت میں ”خطبایاہم“ ہے یعنی ان کے گناہوں کی وجہ سے ﴿أُغْرِقُوا﴾ ان کو طوفان میں غرق کر دیا گیا ﴿فَأَدْخَلُوا نَارًا﴾ پھر ان کو بہت بڑی آگ میں داخل کیا گیا اور ”مِمَّا خَطَبْتَهُمْ“ کی تقدیم یہ بیان کرنے کے لیے ہے کہ ان کو طوفان میں غرق کرنا اور انہیں آگ کے عذاب میں داخل کرنا صرف ان کے گناہوں کی وجہ سے ہوا اور اس معنی کو ”مما“ کے اضافہ کے ساتھ مؤکد کیا گیا اور گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے یہی دھمکی کافی ہے کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے گناہوں میں سے ایک گناہ ان کا کفر بھی تھا اور وہ سب سے بڑا گناہ تھا اور ”فَأَدْخَلُوا“ میں حرف ”فا“ یہ تشبیہ کرنے کے لیے ہے کہ انہیں طوفان میں غرق کیے جانے کے بعد آگ میں جلانے کا عذاب دیا گیا جو عذاب قبر کے اثبات پر روشن دلیل ہے ﴿فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْصَادًا﴾ سو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اپنے لیے مددگار نہ پائے۔

وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا تَذَرْنِي عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ﴿٣٦﴾ إِنَّكَ

إِنْ تَذَرْنَاهُمْ يَضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا أَفْجَارًا كَقَارِئِ ﴿٣٧﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِي

وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِي مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلَا تَزِدِ

الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا ﴿٣٨﴾

نوح
الظالمين

اور نوح (علیہ السلام) نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! روئے زمین پر کافروں میں سے کسی بسنے والے کو نہ چھوڑنا O بے شک اگر آپ نے ان کو چھوڑ دیا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور وہ نہیں جنیں گے مگر بدکار کفار O اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے ماں باپ کو اور جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں داخل ہو اور تمام مسلمان مردوں اور تمام مسلمان عورتوں کو بخش دے اور ظالموں کو نہ بڑھانا مگر تباہی میں O

۲۶۔ ﴿وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا تَذَرْنِي عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا﴾ اور حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے پروردگار! روئے زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ یعنی کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑ جو زمین پر چلتا پھرتا آتا جاتا ہے [اور] دیار ”قیعال“ کے وزن پر ہے اور ”دور“ سے ماخوذ ہے اور یہ ان اسماء میں سے ہے جو عام نفی میں استعمال کیے جاتے ہیں۔

۲۷۔ ﴿إِنَّكَ إِنْ تَذَرْنَاهُمْ يَضِلُّوا عِبَادَكَ﴾ بے شک اگر آپ نے ان کو چھوڑ دیا اور ان کو ہلاک نہ کیا تو وہ تیرے

بندوں کو گمراہ کر دیں گے وہ لوگوں کو گمراہی کی طرف بلائیں گے ﴿وَلَا يَلِدُوا إِلَّا أَفْجَارًا﴾ اور وہ نہیں جنیں گے مگر بدکار کفار کو (یعنی) مگر جب وہ بالغ ہوں گے تو فسق و فجور شروع کر دیں گے اور کفر و شرک کریں گے اور حضرت نوح علیہ السلام نے یہ بات صرف اس لیے فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے باخبر کر دیا تھا چنانچہ ارشاد ہے: ”لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ“ (عور: ۳۶) ”آپ کی قوم میں سے آئندہ کوئی شخص ہرگز ایمان نہیں لائے گا ماسوا ان کے جو پہلے ایمان لائے ہیں“

۲۸۔ ﴿ذَبِّ اَعْفَانِي وَاِلْوَالِدَاتِي﴾ اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے والدین کو بخش دے اور آپ کے والدین موحّد و مسلمان تھے اور آپ کے باپ کا نام لہک تھا اور آپ کی ماں کا نام شمخا تھا اور بعض کا قول ہے: وہ دونوں حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام مراد ہیں اور ایک قراءت میں ”لَوْلَدِي“ یعنی میری اولاد کو بخش دے اس سے آپ کے بیٹے سام اور حام مراد ہیں ﴿وَلَمَنْ دَخَلَ بَيْتِي﴾ اور اس کو بخش دے جو میرے گھر میں داخل ہوا یا میری مسجد میں یا میری کشتی میں داخل ہوا ﴿مُؤْمِنًا﴾ ایمان دار کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ جو مؤمن آپ کے گھر میں داخل ہوا ہے وہ کفر کی طرف نہیں لوٹے گا ﴿وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ﴾ قیامت کے دن تک تمام مسلمان مردوں اور تمام مسلمان عورتوں کو بخش دے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی دعا میں پہلے ان کو خاص کیا جو آپ کے ساتھ قرابت میں متصل تھے کیونکہ وہ آپ کی دعا کے زیادہ مستحق تھے پھر عام مسلمان مردوں اور عورتوں کا ذکر کیا ﴿وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ الاّ تَبَادُرًا﴾ اور ظالموں یعنی کافروں کو نہ بڑھانا مگر تباہی اور ہلاکت میں چنانچہ تمام کافروں کو ہلاک کر دیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے دو دعائیں کیں ان میں سے ایک مؤمنوں کی مغفرت و بخشش کی دعا اور دوسری کافروں کی ہلاکت کی دعا اور کفار کی ہلاکت کی دعا یقیناً قبول ہوگئی تو اب یہ محال ہے کہ مؤمنوں کے حق میں آپ کی دعا قبول نہ کی جائے اور جب کفار کو طوفان میں غرق کر دیا گیا تو ان کے بچوں کے بارے میں اختلاف ہوا بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عورتوں کے رحموں کو طوفان کے آنے سے چالیس سال پہلے بانجھ کر دیا تھا سو اس لیے جب انہیں غرق کیا گیا تو اس وقت کوئی بچہ نہیں تھا اور بعض نے کہا: اللہ تعالیٰ ان بچوں کی بے گناہی کو خوب جانتا ہے سو انہیں بغیر عذاب کے ہلاک کیا گیا۔

اِنَّهَا تَعْبُدُوْنَ
مَعَكُمْ شَيْئًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَةُ
الْجَنِّ

سورة الجن کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی اٹھائیس آیات دو رکوع ہیں

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اِنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ
يَهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاَمَّا نَابِهٖ ط ۙ وَكُنْ تُشْرِكُ بَرِيۡنًا اَحَدًا ۙ ۙ وَاِنَّهُ تَعَالٰى
جَدًّا سَابِقًا مَّا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَاوِلَدًا ۙ ۙ وَاِنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيۡهُنَا عَلٰى
اللّٰهِ سَهۡطًا ۙ ۙ وَاِنَّا ظَنَنَّا اَنْ لَّنْ نَّقُوْلَ الْاِنۡسُ وَالْجِنُّ عَلٰى اللّٰهِ كِبٰٓرًا ۙ
وَاِنَّهُ كَانَ رِجَالًا مِّنَ الْاِنۡسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ
رَهَقًا ۙ ۙ وَاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۙ

(اے محبوب!) فرمادیجئے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بے شک جنوں کی ایک جماعت نے قرآن سنا اور انہوں نے کہا: بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے ۰ وہ نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے سو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو ہرگز شریک نہیں بنائیں گے ۰ اور بے شک ہمارے پروردگار کی شان بہت بلند ہے اور نہ اس

نے کوئی بیوی بنائی اور نہ بیٹا بنایا O اور بے شک ہمارے قوف شخص اللہ تعالیٰ کے بارے میں ناحق بات کہتا تھا O اور بے شک ہم نے گمان کیا تھا کہ انسان اور جن اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہرگز جھوٹ نہیں بولیں گے O اور بے شک انسانوں میں کچھ آدمی جنوں میں سے کچھ مردوں کی پناہ طلب کرتے تھے سوانہوں نے ان (جنوں) کی سرکشی بڑھادی O اور بے شک انہوں نے گمان کیا جیسا کہ تم نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد کسی کو نہیں اٹھائے گا O

جنات کے ایمان لانے کا بیان

۱۔ ﴿قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ﴾ اے محمد (ﷺ)! آپ اپنی امت سے فرمادیں کہ میری طرف وحی کی گئی کہ بے شک شان یہ ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن مجید سنا ہے۔ تین افراد سے لے کر دس افراد تک کی جماعت کو عربی میں ”نَفَرٌ“ کہتے ہیں اور یہاں جنوں کی جماعت سے نصیبین کے جنات مراد ہیں [”انہ“ میں ضمیر شان کی ہے اور تمام اہل علم اس پر متفق ہیں کہ ”انہ“ کا ہمزہ مفتوح ہے کیونکہ یہ ”اَوْحِيَ“ کا (نائب) فاعل ہے اور ”أَنَّ لَوْ اسْتَقَامُوا“ (الجن: ۱۶) اور ”أَنَّ الْمَسَاجِدَ“ (الجن: ۲۸) میں ”انہ استمع“ پر معطوف ہونے کی وجہ سے ہمزہ مفتوح ہے

۲۔ کتب احادیث میں جنات کی حاضری کے بارے میں متعدد روایات ہیں۔ محدثین کی تحقیق یہ ہے کہ جنات چھ مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک کا تذکرہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا ہے فرماتے ہیں: ایک روز حضور نبی کریم ﷺ نے عشاء کی نماز ادا کی مسجد سے باہر تشریف لے آئے پھر میرا ہاتھ پکڑا اور چل پڑے یہاں تک کہ ہم ایک مقام (الجون) پر پہنچے تو حضور نے مجھے ایک جگہ پر بٹھایا اور میرے ارد گرد ایک خط کھینچ دیا اور فرمایا کہ تم اس سے باہر ہرگز نہ نکلنا چنانچہ میں وہاں بیٹھ گیا۔ کئی لوگ میرے پاس سے گزرتے رہے حضور سحری کے وقت تک واپس تشریف نہ لائے پھر مجھے طرح طرح کی آوازیں سنائی دینے لگیں یہاں تک کہ حضور پہنچ گئے میں نے عرض کیا: میرے آقا! رات بھر آپ کہاں تشریف فرما رہے فرمایا: مجھے آج جنات کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے بھیجا گیا تھا میں نے دریافت کیا: یہ آوازیں کیسی تھیں؟ فرمایا: یہ ان جنوں کی آوازیں تھیں وہ مجھے الوداع کہہ رہے تھے اور سلام عرض کر رہے تھے۔

جنات کی کیفیت: جن جمع ہے اور اس کا واحد ”جِنِّي“ ہے جس طرح روم کا واحد رومی ہے اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: ”أَصْلُ الْجِنِّ سَتْرُ الشَّيْءِ عَنِ الْحَاسَةِ“ (کسی چیز کے حواس سے پوشیدہ ہونے کو جن کہتے ہیں) انہوں نے اس مادہ سے کئی مشتقات کا بھی ذکر کیا ہے ان سب میں یہ معنی موجود ہے ماں کے شکم میں جو حمل ہوتا ہے اس کو جنین کہتے ہیں دل کو جنان کہتے ہیں جو سینے میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ ”مَجْنُونٌ“ ڈھال کو کہتے ہیں جو انسان کو دشمن کے وار سے چھپا لیتی ہے۔ اس لفظ کی لغوی تحقیق کے بعد علامہ مذکور لکھتے ہیں کہ روحانی مخلوق کی تین قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جو سراپا خیر ہی خیر ہیں وہ فرشتے ہیں دوسری قسم ان کی ہے جو سراپا شر ہی شر ہیں وہ شیاطین ہیں تیسری قسم وہ ہے جس میں کچھ نیک ہیں اور کچھ شریر ہیں وہ جن ہیں۔ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے جنات کی حقیقت کے بارے میں اہل سنت کی تحقیقات کا خلاصہ ان الفاظ میں رقم فرمایا ہے (ترجمہ) جن اجسام ہیں جن میں ارواح ہوتی ہیں جس طرح حیوان۔ یہ انسان کی طرح عقل مند ہوتے ہیں لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں اسی لیے انہیں جن کہا جاتا ہے ان کی تخلیق آگ سے کی گئی ہے جیسے حضرت آدم کی مٹی سے ان میں نرمادہ بھی ہیں ان کی اولاد بھی پیدا ہوتی ہے لیکن فرشتے نرمادہ نہیں ہوتے۔ جنات شیاطین اور ملائکہ کا وجود شریعت سے ثابت ہے لیکن فلاسفہ ان کا انکار کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں جنات کا ذکر ایک بار نہیں بار بار آیا ہے ان مقامات کا آپ مطالعہ فرمائیں حقیقت خود بخود کھل کر سامنے آ جائے گی۔ سب سے پہلے سورۃ الرحمن کی یہ آیتیں پڑھئے: ”خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ“ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور ”اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا“ (الجن: ٢٨) میں ”اَنْ“ ثقیلہ سے مخففہ ہے تاکہ ”لِيَعْلَمَ“ کو اس طرف متعدی کیا جاسکے اور ”فا“ جزائیہ اور قول کے بعد ہمزہ مکسور ہوتا ہے جیسے ”فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ“ (الجن: ٢٣) اور ”قَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا“ کیونکہ یہ مبتدا ہوتا ہے جس کو قول کے بعد بیان کیا جاتا ہے اور ”اِنَّهٗ تَعَالٰی جَدُّ رَبِّنَا“ سے لے کر ”وَ اِنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ“ (الجن: ٣-١٣) تک ہمزہ کے مفتوح اور مکسور ہونے میں اختلاف ہے چنانچہ ابن عامر شامی اور ابو بکر کوفی کے علاوہ دیگر اہل کوفہ ہمزہ کو مفتوح پڑھتے ہیں کیونکہ یہ ”اِنَّهٗ اسْتَمَعَ“ پر عطف کرتے ہیں یا پھر ”فَاَمَّا بِهٖ“ (الجن: ٢) میں جار مجرور کے محل پر عطف کیا ہے اور ان کے علاوہ دیگر قراء نے ”اِنَّا سَمِعْنَا“ پر عطف کر کے ہمزہ کو مکسور پڑھا ہے اور وہ آیات کے آخر میں وقف کرتے ہیں [

﴿فَقَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا﴾ سو انہوں نے کہا: بے شک ہم نے عجیب قرآن سنا ہے یعنی جب جنات حضور نبی ﷺ کی نماز فجر میں تلاوت قرآن سن کر اپنی قوم کی طرف واپس لوٹ آئے تو اس وقت انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بے شک ہم نے عجیب و غریب اور بے مثال قرآن سنا ہے جو اپنے معانی کی صحت اور نظم کے حسن و جمال کے اعتبار سے باقی تمام کتابوں سے ممتاز اور انوکھا ہے۔ اور ”عجب“ کا معنی ہے: ایسی نرالی اور انوکھی چیز جو اپنی ہم جنس وہم شکل چیزوں کی عادات و اطوار سے خارج اور ماوراء ہو اور یہ ”عَجَبًا“ مصدر ہے جو عجب کی جگہ پر استعمال کیا گیا ہے۔

٢- ﴿يَهْدِيْٓ اِلَى النَّشِيْدِ﴾ وہ قرآن نیکی بھلائی اور صراطِ مستقیم کی طرف یا توحید و ایمان کی طرف رہنمائی کرتا ہے ﴿فَاَمَّا تَابَهُ﴾ سو ہم اس قرآن پر ایمان لے آئے ہیں اور چونکہ قرآن پر ایمان لانا اللہ تعالیٰ پر اور اس کی وحدانیت پر ایمان لانا ہے اور کفر و شرک سے بیزاری کا اعلان کرنا ہے اس لیے انہوں نے کہا: ﴿وَكُنْ نُّشْرِكًا بِرَبِّنَا اَحَدًا﴾ اور ہم (بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مَارِجٍ مِّنْ نَّارٍ O (ترجمہ) ”اللہ تعالیٰ نے انسان کو ٹھیکری کی طرح بجنے والی مٹی سے پیدا کیا O اور جنوں کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا O“۔

اگر جن نوع انسانی کے بعض افراد ہی ہوتے (جیسا کہ بعض مغرب زدہ جدت پسندوں کا خیال ہے) تو ان کی تخلیق بھی مٹی سے ہوئی ہوتی، حالانکہ قرآن بتا رہا ہے کہ جنات کی پیدائش آگ کے شعلے سے ہوئی۔ جب دونوں کا مادہ تخلیق جدا جدا ہے تو پھر جنات کو نوع انسانی کے افراد کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ اس چیز کو قرآن کریم میں متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ جن وانس کی تخلیق کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ“ اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اگر جن انسانوں کے ہی کسی مخصوص گروہ کا نام ہوتا تو پھر ان کو یہاں الگ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ آیات قرآنی سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ جنات کی تخلیق انسان سے بہت پہلے ہوئی تھی۔ شیطان جنوں کا ہی ایک فرد تھا جو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت موجود تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کے باعث راندہ درگاہ بن گیا تھا اس کے بارے میں ارشاد ہے: ”كَانَ مِنَ الْجِنَّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ“ شیطان جنوں میں سے تھا پھر اس نے اپنے رب تعالیٰ کی نافرمانی اختیار کر لی تو جن جو نوع انسانی کے باپ آدم علیہ السلام سے پہلے موجود تھے انہیں ان کی اولاد کیسے شمار کیا جاسکتا ہے؟ جنات کی ایک اور خصوصیت بیان کی گئی ہے جو انسانوں میں نہیں پائی جاتی۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ جنات نوع انسانی کے افراد نہیں بلکہ جدا مخلوق ہیں چنانچہ ارشاد ہے: ”اِنَّهٗ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ“ (الاعراف: ٢٧) (ترجمہ) ”بے شک شیطان اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھتا ہے لیکن تم انہیں نہیں دیکھ سکتے“۔ کثیر التعداد آیات میں سے صرف چند آیات پیش کی گئی ہیں۔ اگر آپ غیر جانب داری سے ان کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ انسانوں کی طرح جنات بھی ایک علیحدہ مخلوق ہیں۔

(ماخوذ از تفسیر ضیاء القرآن ج ٥ ص ٣٨٢-٣٨٦)

اپنے پروردگار کے ساتھ اس کی مخلوق میں سے کسی کو ہرگز شریک نہیں بنائیں گے اور یہ بھی جائز ہے کہ ”بسہ“ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹی ہو یعنی ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے ہیں کیونکہ ”بِوَبْنَا“ ارشاد اس کی تفسیر کر رہا ہے۔

۳- ﴿وَأَنَّ تَعَالَىٰ جَدُّ سَمِيئًا﴾ اور بے شک ہمارے پروردگار کی شان یعنی اس کی عظمت و بزرگی بہت بلند ہے جیسے کہا جاتا ہے: ”جَدُّ فُلَانٍ فِي عَيْنِي أَيْ عَظْمٌ“ فلاں آدمی میری نگاہ میں بہت بزرگ ہے یعنی بہت بڑی عظمت والا ہے اور اسی سے حضرت عمر فاروق یا حضرت انس کا قول ہے کہ ”كَمَا أَنَّ الرَّجُلَ إِذَا قَرَأَ الْبَقْرَةَ وَآلَ عِمْرَانَ جَدًّا فِينَا أَيْ عَظْمٌ فِي عَيْنُونَا“ جب کوئی آدمی سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران پڑھتا رہتا تو وہ ہمارے ہاں بزرگ ہو جاتا یعنی وہ ہماری نظروں میں بہت بڑی عظمت و شان والا ہو جاتا ﴿مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے کوئی بیوی نہیں بنائی۔ ”صَاحِبَةٌ“ بہ معنی ”زَوْجَةٌ“ ہے اور نہ اس نے اپنے لیے کوئی بیٹا بنایا جیسا کہ جنوں اور انسانوں کے کفار کہتے ہیں۔

۴- ﴿وَأَنَّكَ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُمًا﴾ اور بے شک ہمارا بے وقوف کہتا تھا (یعنی) ہمارا جاہل آدمی یا ابلیس کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی احمق و بے وقوف نہیں ﴿عَلَىٰ اللَّهِ شَطَطًا﴾ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ناحق بات کہتا تھا (یعنی) کفر بکتا تھا کیونکہ کفر حق سے نیکی سے اور صراطِ مستقیم سے دور ہوتا ہے اور ”شَطَطٌ“ کا معنی بہت دور ہونا ہے (اور جو بات حق سے بہت دور ہو اسے ”قَوْلٌ شَطَطٌ“ کہتے ہیں) اور یہ ”شَطَبَ الدَّارُ“ سے ماخوذ ہے یعنی گھر بہت دور ہے یا ایسی بات کہنا جو حق سے تجاوز کر جائے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف بیوی اور بیٹے کو منسوب کرنا لہذا اس صورت میں ”شَطَطٌ“ کا معنی ہوگا: ظلم وغیرہ میں حد سے تجاوز کرنا اور حد سے بڑھ جانا۔

۵- ﴿وَأَنَّا ظَنَنَّا أَنْ لَنْ نَقُولَ الْإِنشُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ اللَّهِ كَذِبًا﴾ اور بے شک ہم نے گمان کیا کہ انسان اور جن اللہ تعالیٰ پر ہرگز جھوٹ نہیں بولیں گے یعنی ہمارے خیال میں یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بیوی اور بیٹے کی نسبت کر کے اس پر کوئی شخص جھوٹ نہیں بولے گا اور ہم ان کی ان تمام باتوں میں تصدیق کرتے تھے جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے یہاں تک کہ قرآن مجید نے ہمارے لیے ان کے جھوٹ کو کھول کر بیان کر دیا [”كَذِبًا“ قول کی صفت مؤکدہ ہے اصل میں ”قَوْلًا كَذِبًا“ ہے یا ”مَكْذُوبًا“ (مبنی للمفعول) ہے یا مصدر کی بناء پر منصوب ہے کیونکہ ”كذب“ قول کی ایک قسم ہے]۔

۶- عرب میں ایک شخص تھا جب وہ دورانِ سفر کسی خوف ناک سرزمین پر اترتا تو کہتا: ”أَعُوذُ بِسَيِّدِ هَذَا الْوَادِي مِنْ سَفَهَاءِ قَوْمِهِ“ میں اس وادی کے سردار جن کی پناہ طلب کرتا ہوں اس کی قوم کے احمقوں کی شرارت سے اس کی مراد سب سے بڑا جن ہوتا سو اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَأَنَّكَ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنشِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا﴾ اور بے شک انسانوں میں سے کچھ آدمی جنوں کے کچھ مردوں کی پناہ طلب کرتے تھے سو انہوں نے ان کی سرکشی کو بڑھا دیا یعنی انسانوں نے جنات کی پناہ طلب کر کے ان کی سرکشی اور حماقت اور تکبر کو بڑھا دیا یہی وجہ ہے کہ ان

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنات پہلے مشرک تھے مشرک قوموں کی طرح انہوں نے بھی کسی کو اللہ تعالیٰ کی جوڑ اور کسی کو اس کا بیٹا بنا رکھا تھا۔ قرآن مجید سننے سے جب نورِ ایمان ان کے دلوں میں چکا تو انہوں نے ان تمام خرافات کو پرے پھینک دیا۔ سورۃ الاحقاف میں جن جنات کا ذکر ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروکار تھے اور اہل کتاب تھے اس لیے وہ واقعہ اس واقعہ سے جدا ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جنات میں بعض مؤمن ہوتے ہیں اور بعض کافر اور انسانوں کی طرح یہ بھی مکلف ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور اپنے نبی کی اطاعت کریں اور اس کے لائے ہوئے دین کی پوری پوری اطاعت کریں نیز یہ کہ ان میں سے نبی اور رسول مبعوث نہیں کیے جاتے بلکہ وہ انسانوں کے نبیوں اور رسولوں کے ہی پیروکار ہوتے ہیں۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۳۸۸)

جنوں نے کہا: ہم جنوں اور انسانوں سب کے سردار بن گئے یا یہ معنی ہے کہ جنوں نے انسانوں کو سرکش اور گناہ گار بنا دیا اس بناء پر کہ انسانوں نے ان کی پناہ طلب کی اور ”رہق“ کا اصل معنی کسی ممنوع چیز کا ارتکاب کرنا ہے۔

۲- ﴿وَأَنَّهُمْ ظَنُّوا كَمَا كُنْتُمْ﴾ اور بے شک ان جنوں نے اسی طرح گمان کر رکھا تھا جس طرح اے اہل مکہ! تم نے گمان کر لیا ﴿أَنْ لَنْ يَّبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا﴾ کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مرنے کے بعد دوبارہ ہرگز نہیں اٹھائے گا یعنی جنات بھی تمہاری طرح مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرتے تھے اور وہ بھی تمہاری طرح حشر و نشر کو نہیں مانتے تھے پھر جب انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن مجید سنا تو ہدایت حاصل کر لی اور حشر و نشر اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کا اقرار کر لیا سو جس طرح جنوں نے اقرار کر لیا تم نے اقرار کیوں نہیں کیا؟

وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَا فِيهَا مَلَائِكًا حَرَسًا شَدِيدًا وَشُهَبًا ۝۸

نَقَعْدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَسْمَعِ الْآنَ يَجِدَالَهُ شَهَابًا زَمْدًا ۝۹

لَا نَدْرِي أَشَرٌّ أُرِيدُ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝۱۰

وَأَنَّا مِمَّا الصَّالِحِينَ وَمِنَّا دُونَ ذَلِكَ كُنَّا طَرَائِقَ قَدَدًا ۝۱۱

ظَنَنَّا أَنْ لَنْ نُعْجِزَ اللَّهَ فِي الْأَرْضِ وَلَنْ نُعْجِزَهُ هَرَبًا ۝۱۲

اور بے شک ہم آسمان پر پہنچے تو ہم نے اس کو سخت محافظوں اور آگ کے شعلوں والے ستاروں سے بھرا ہوا پایا اور بے شک ہم (پہلے) فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے اس میں بیٹھنے کی جگہوں میں بیٹھا کرتے تھے سو اب جو سننے کی کوشش کرتا ہے وہ اپنے لیے آگ کے شعلے برسانے والے محافظوں کو تیار پاتا ہے اور بے شک ہم نہیں جانتے آیا زمین کے مینوں کے ساتھ کسی بُرائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے پروردگار نے ان کے ساتھ ہدایت کا ارادہ فرمایا ہے اور بے شک ہم میں سے بعض نیک ہیں اور ہم میں سے بعض اس کے خلاف ہیں ہم مختلف فرقوں میں تقسیم ہو چکے ہیں اور بے شک ہم نے گمان کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو زمین میں ہرگز عاجز نہیں کر سکیں گے اور نہ ہم بھاگ کر اسے عاجز کر سکتے ہیں اور

جنات کے آسمان پر جانے کی ممانعت اور ان کے مختلف فرقوں کا بیان

۸- ﴿وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ﴾ اور بے شک ہم نے آسمان پر پہنچنا چاہا تا کہ وہاں کے رہنے والے فرشتوں کا کلام سن سکیں اور ”لَمَسٌ“ اور ”مَسٌ“ سے بطور استعارہ طلب مراد ہے کیونکہ چھونے والا اس چیز کا طالب اور اس کا حال معلوم کرنے والا ہوتا ہے جس کو وہ چھوتا ہے اور ہاتھ لگاتا ہے ﴿فَوَجَدْنَا فِيهَا مَلَائِكًا حَرَسًا شَدِيدًا﴾ سو ہم نے اس کو سخت محافظوں سے بھرا ہوا پایا (یعنی) ہم نے فرشتوں میں سے ایک قوی اور سخت طاقتور جماعت کو پایا جو حفاظت کرتے ہیں [”حَرَسًا“، ”حَارِسٌ“ کی جمع ہے اور تمیز کی بناء پر منصوب ہے اور بعض کا قول ہے کہ ”حَرَسٌ“ اسم مفرد ہے اور ”حَرَسٌ“ کے معنی میں ہے جیسے ”خَدَمٌ“، ”خَدَامٌ“ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اس کو ”شَدِيدًا“ کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے اور اگر اس کے معنی میں نظر کی جاتی تو ”شَدَادٌ“ کہا جاتا [”وَشُهَبًا“] ”شہاب“ کی جمع ہے یعنی

شعلے مارنے والے اور روشنی بکھیرنے والے ستارے۔

۹۔ ﴿وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدًا لِلسَّمْعِ﴾ اور بے شک ہم اس سے پہلے آسمان میں انتظار گاہوں میں بیٹھا کرتے تھے تاکہ ہم آسمان کی خبریں سن لیا کریں یعنی ہم بعثت نبوی سے پہلے آسمان کی بعض جگہیں محافظوں اور آگ کے شعلے برسانے والے فرشتوں سے خالی پایا کرتے تھے ﴿فَمَنْ يَسْمَعُ الْآنَ يَجِدَالَهُ شَهَابًا نَّاصِدًا﴾ سو جو شخص اب حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی بعثت و آمد کے بعد فرشتوں کا کلام سنا چاہے گا وہ اپنے لیے آگ کے گولے برسانے والے محافظوں کو پائے گا [”رَصْدًا“، ”شَهَابًا“ کی صفت ہے اور یہ بہ معنی ”راصد“ (نگران) ہے یعنی وہ اپنے لیے اور اپنی وجہ سے آگ کے گولے برسانے والے نگران پائے گا یا یہ اسم جمع ہے ”راصد“ کا بہ معنی ”ذوی شہابٍ راصدین بالرجم“ یعنی آگ کے گولے پھینکنے والے نگران اور وہ فرشتے ہیں جو آسمان پر جانے والے سرکش جنات کو آگ کے گولے مارتے ہیں اور ان کو آسمانی خبریں سننے سے روک دیتے ہیں اور جمہور اہل اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ یہ کارروائی حضور سید عالم حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت و آمد سے پہلے نہیں تھی اور بعض اہل اسلام نے کہا کہ زمانہ جاہلیت میں ستاروں کا ٹوٹنا اور آگ کا برسنا موجود تھا لیکن شیاطین بعض اوقات چوری چھپے آسمانی خبریں سن لیتے تھے پھر حضور نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بعد ان کو چوری چھپے جانے سے بھی ہر طرح بالکل روک دیا گیا۔

۱۰۔ ﴿وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَفَنَرِيكَ أَرْضًا أَمْ أَرْضًا بِيْهَا مَعَابِدٌ لِّغَيْرِكُمْ إِنْ أَنتُمْ شَائِدِينَ﴾ اور بے شک ہم نہیں جانتے کہ آسمانی خبریں چوری چھپے سننے کی ممانعت کے بعد زمین کے مکینوں کے ساتھ آیا کسی بُرائی یعنی عذاب دینے کا ارادہ کیا گیا ہے یا پھر ان کے رب تعالیٰ نے ان کے ساتھ خیر و بھلائی اور رحمت کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔

۱۱۔ ﴿وَأَنَّا مَتَّاعُونَ الصَّالِحِينَ﴾ اور بے شک ہم میں سے کچھ لوگ نیک اور پرہیزگار ہیں ﴿وَمِتَّادُونَ ذَٰلِكَ﴾ اور ہم میں سے یعنی ہماری قوم میں سے کچھ لوگ اس کے علاوہ ہیں سو موصوف حذف کر دیا گیا ہے اور اس سے وہ جنات مراد ہیں جو نیک ہونے میں کم درجہ والے ہیں پہلوں کی طرح کامل نیک نہیں ہیں یا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بالکل نیک نہیں بلکہ شریرو بدکار ہیں ﴿كُنَّا ظُرَاقًا يَّقْدُدُونَ﴾ ہم جدا جدا فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ یہ مذکورہ بالا (نیک و بدگروہ) کی تقسیم کا بیان ہے یعنی ہم مختلف مذاہب اور مختلف مسالک والے ہیں [”اور“ ”قَدَدٌ“، ”قَدَّة“ کی جمع ہے جس کا معنی ہے: ٹکڑا اور یہ ”قَدَدَاتُ السَّيْرِ“ یعنی میں نے سفر کو طے کیا اور قطع کیا سے ماخوذ ہے]۔

۱۲۔ ﴿وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّنَّ نُعْجِزَ اللَّهَ﴾ اور بے شک ہم نے گمان کر لیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ہرگز عاجز نہیں کر سکتے (یعنی) بے شک ہم نے یقین کر لیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ہرگز کسی صورت میں نہیں ہرا سکتے ﴿فِي الْآدْخَانِ﴾ یہ حال ہے یعنی ہم اللہ تعالیٰ کو ہرگز عاجز و بے بس نہیں کر سکتے، درآں حالیکہ ہم زمین کے تمام اطراف و اکناف میں سے کسی سمت یا کسی کونہ

۱۔ امام سدی نے کہا کہ جنات میں بھی انسانوں کی طرح مختلف عقائد کے حاملین ہیں ان میں مرحہ قدریہ روافض اور خوارج ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۱۷۱) حضرت ضحاک نے کہا کہ ان میں مؤمن متقی بھی ہیں اور مؤمن فاسق بھی ہیں۔ حضرت مسیب نے کہا کہ ان میں یہود نصاریٰ، مجوس بھی ہیں اور مسلمان بھی ہیں اور ان میں وہ جنات بھی ہیں جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان لائے تھے اور وہ بھی ہیں جو رحمت عالمیاں حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لائے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۹ ص ۱۵)

اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان میں سنی بھی ہوں اور یونہی بھی ہوں اور وہابی بھی ہوں۔

(ماخوذ از: تفسیر تبيان القرآن ج ۱۲ ص ۲۸۲)

ہیں۔ ”حطب“ بہ معنی ”وَقُود“ (یعنی ایندھن) ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ کافر جنوں کو دوزخ کی آگ میں عذاب دیا جائے گا اور ان کے ثواب کی کیفیت میں توقف کیا گیا ہے۔

۱۶۔ ﴿وَإِنْ لَوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ﴾ اور بے شک اگر وہ سیدھی راہ پر قائم رہتے [اور ”أَنْ“ ثقیلہ سے مخففہ ہے یعنی اصل میں ”وَأَنْتَ“ تھا اور یہ بھی وحی کیے گئے کلام کے مجموعہ میں سے ہے] یعنی میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بے شک شان یہ ہے کہ اگر وہ لوگ یعنی ظالم لوگ اسلام کی راہ پر قائم رہتے تو ﴿لَأَسْقِيَنَّهُمْ مَاءً غَدًّا﴾ ہم ان کو ضرور کثیر اور بہت زیادہ پانی سے سیراب کرتے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہم ان پر رزق کو وسیع اور کشادہ کر دیتے اور کثیر زیادہ پانی اس لیے ذکر کیا گیا کیونکہ یہ رزق کی وسعت کا سبب ہے۔

۱۷۔ ﴿لَتَنفَعَنَّهُمْ فِيهِ﴾ تاکہ ہم ان کو آزمائیں اور ان کا امتحان لیں کہ اس وافر پانی کی وجہ سے خوش حال و دولت مند ہو جانے پر وہ کس طرح شکر ادا کرتے ہیں ﴿وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ﴾ اور جو شخص اپنے رب تعالیٰ کے ذکر (یعنی) قرآن مجید سے یا اس کی توحید سے یا اس کی عبادت سے منہ پھیر لے گا تو ﴿يَسْأَلُهُ عَذَابًا صَعَدًا﴾ اللہ تعالیٰ اس کو سخت عذاب میں داخل کرنے گا۔ ”صَعَدًا“ کا معنی ہے: شاق و سخت [یہ ”صَعَدًا“ کا مصدر ہے جیسے کہا جاتا ہے: ”صَعَدَ صَعَدًا“ وَصَعُودًا“] لغوی معنی اوپر چڑھنا ہے لیکن عذاب کو اس کے ساتھ اس لیے موصوف کیا گیا ہے کہ عذاب بھی ”مُعَذِّبٌ“ (جس کو عذاب دیا جاتا ہے) کے اوپر چڑھ جاتا ہے یعنی اسے ہر طرف سے گھیر لیتا ہے اور اس پر غالب آجاتا ہے پس وہ شخص اس کو اپنے آپ سے دور نہیں کر سکتا اور اسی سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے: ”مَا تَصَعَّدَنِي شَيْءٌ مَا تَصَعَّدَتْنِي خِطْبَةُ النَّكَاحِ“ مجھ پر کوئی چیز اس قدر دشوار نہیں ہوتی جس قدر مجھ پر نکاح کا پیغام دینا دشوار ہوتا ہے۔

وَإِنَّ الْمَسْجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ۝ ۱۸ ۚ وَإِنَّ لَهُ لَمَنَاقِمَ عِبَادِ اللَّهِ
يَدْعُوهُ كَادُوا يُكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۝ ۱۹ طع

اور تمام مسجدیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں سو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو اور بے شک جب اللہ تعالیٰ کا خاص بندہ کھڑے ہو کر اس کی عبادت کرنے لگا تو قریب تھا کہ جنات گروہ درگروہ جمع ہو کر ان کو گھیر لیتے ۝

۱۸۔ ﴿وَإِنَّ الْمَسْجِدَ لِلَّهِ﴾ اور بے شک تمام مسجدیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ یہ وحی کیے گئے کلام کے مجموعہ میں سے ہے یعنی میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بے شک مساجد یعنی وہ گھر جو نماز پڑھنے اور دیگر عبادت کرنے کے لیے تعمیر کیے گئے وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور بعض کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے: ”وَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا“ اس بناء پر کہ لام ”لَا تَدْعُوا“ کے متعلق ہے یعنی ﴿فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾ سو تم مسجدوں میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو کیونکہ یہ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کی عبادت کے لیے ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ مساجد سے اعضائے سجدہ مراد ہیں (جن پر سجدہ کرنے کا حکم ہے) اور وہ پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں ہیں (ثناک پیشانی میں شمار ہوتی ہے)۔

۱۹۔ ﴿وَإِنَّ لَهُ لَمَنَاقِمَ عِبَادِ اللَّهِ﴾ اور بے شک جب اللہ تعالیٰ کا عبد خاص حضرت محمد ﷺ نماز کے لیے کھڑا ہوا۔ اور اس کی تقدیر عبارت یوں ہے: ”فَأَوْحَىٰ إِلَيَّ أَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ“ سو مجھے وحی کی گئی ہے کہ بے شک جب اللہ تعالیٰ کا

عبدِ خاص کھڑا ہوا ﴿يَدْعُوهُ﴾ ”يَعْبُدُهُ وَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ“ (یعنی) وہ عبدِ خاص اس لیے کھڑا ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور قرآن مجید کی تلاوت کرے۔ علامہ نسفی نے ”يَدْعُوهُ“ کا معنی ”يَعْبُدُهُ“ کیا ہے اور یہاں اللہ تعالیٰ نے ”نَبِيُّ اللَّهِ“ یا ”رَسُولُ اللَّهِ“ نہیں فرمایا بلکہ ”عبدِ اللہ“ فرمایا کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ کو تمام ناموں میں سے ”عبد“ بہت پسند ہے اور اس لیے بھی کہ جب یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلامِ مبارک میں آپ کی طرف سے واقع ہوا ہے تو اسم ”عبد“ کو لایا گیا جس کا تواضع تقاضا کرتی ہے یا پھر اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے کی عبادت عقل و دانش سے بعید نہیں ہے یہاں تک کہ جناتِ گروہ درگروہ آ کر آپ کے پاس جمع ہو جاتے ﴿كَأَذْدَانِ يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا﴾ قریب تھا کہ جناتِ گروہ درگروہ جماعت در جماعت جمع ہو کر آپ کی عبادت اور آپ کے پیچھے صحابہ کرام کی اقتداء اور قرآن مجید کی تلاوت پر تعجب کرنے کے لیے آپ کو گھیر لیتے کیونکہ انہوں نے عبادتِ الہی کا ایسا حسین و جمیل اور انوکھا منظر دیکھ لیا تھا جو اس سے پہلے کبھی بھی نہیں دیکھا تھا۔

قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوا رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ

ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾ قُلْ إِنِّي لَنْ يُجِيرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِنْ

دُونِهِ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ إِلَّا يُلَاقِيَ مِنْ اللَّهِ دَرَسَاتٍ وَمَنْ يُعِصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

فَإِنَّ لَهُ نَاصِرًا جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا أَبَدًا ﴿۲۳﴾ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ

فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ أَضْعَفُ نَاصِرًا وَأَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾

(اے محبوب!) فرمادیجئے: بے شک میں صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں اور میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا O (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ بے شک میں (اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر) نہ تمہیں نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ نفع کا O (اے محبوب!) فرمادیجئے: بے شک مجھے اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے ہرگز کوئی نہیں بچا سکتا اور میں اس کے سوا ہرگز کوئی پناہ گاہ نہیں پاسکتا O مگر (اس صورت میں کہ میں) اللہ تعالیٰ کے احکامات اور اس کے پیغامات پہنچا دوں اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے O یہاں تک کہ جب وہ اس چیز کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو وہ بہت جلد جان لیں گے کہ کس کے مددگار بہت کمزور ہیں اور کس کی تعداد بہت کم ہے O

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مقابلہ میں حضور کا اظہارِ عجز اور علمِ غیب کا بیان

۲۰۔ ﴿قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوا رَبِّي﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ بے شک میں صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں جو واحد و یکتا ہے (اس کا کوئی شریک نہیں) [امام عاصم اور حمزہ کوفی کے علاوہ کی قراءت میں ”قُلْ“ کی بجائے ”قَالَ“ پڑھا جاتا ہے] ﴿وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا﴾ اور میں اس کے ساتھ کسی کو عبادت میں شریک نہیں کرتا سو تم تعجب کیوں کرتے ہو اور تم مجھ پر مشکلات اور دشواریاں کیوں کرتے ہو؟

۲۱۔ ﴿قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ (اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر) میں تمہارے لیے کسی ضرور و نقصان کا مالک نہیں ہوں اور نہ نفع کا۔ ”رَشَدًا“ بہ معنی ”نَفْعًا“ ہے یا پھر ”ضَرًّا“ سے ”غَيًّا“ (گمراہی) مراد ہے یعنی میں از خود نہ تمہاری گمراہی کا مالک ہوں اور نہ ہدایت کا مالک ہوں، مطلب یہ ہے کہ میں نہ تو تمہیں نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتا ہوں اور نہ میں تمہیں نفع دینے کی طاقت رکھتا ہوں کیونکہ حقیقت میں نقصان اور نفع دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور ”ضَرًّا“ بہ معنی ”غَيًّا“ کی دلیل حضرت ابی بن کعب کی یہ قراءت ہے: ”إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ غَيًّا وَلَا نَفْعًا“۔

۲۲۔ ﴿قُلْ إِنِّي لَنْ يُخَيِّرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدًا﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ بے شک مجھے اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے ہرگز کوئی نہیں بچا سکتا (یعنی) اگر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں گا تو مجھے اس کے عذاب سے ہرگز کوئی نہیں بچا سکے گا جیسا کہ حضرت صالح علیہ السلام کا ارشاد ہے: ”فَمَنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ عَصَيْتُهُ“ (ہود: ۶۳) ”سوال اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں میری کون مدد کرے گا اگر میں اس کی نافرمانی کروں“ ﴿وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا﴾ اور میں اس کے سوا ہرگز کوئی پناہ گاہ نہیں پاؤں گا۔ ”مُلْتَحَدًا“ بہ معنی ”مُلْتَجَا“ (پناہ گاہ) ہے۔

۲۳۔ ﴿إِلَّا بَلَاغًا مِنَ اللَّهِ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کی تبلیغ کرنا [یہ ”لَا أَمْلِكُ“ سے استثناء ہے] یعنی میں تمہارے لیے کسی نقصان اور نفع کا مالک نہیں ہوں، مگر اللہ تعالیٰ کے احکامات پہنچانے کی صورت میں [اور ”قُلْ إِنِّي لَنْ يُخَيِّرَنِي“ جملہ معترضہ ہے جو حضور سے استطاعت کی نفی کی تاکید اور آپ کے عجز کے بیان کے لیے لایا گیا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ”بَلَاغًا مُلْتَحَدًا“ سے بدل ہے] یعنی میں اس کے سوا ہرگز کوئی نجات دہندہ نہیں پاؤں گا مگر یہ کہ میں اس کی طرف سے وہ احکام لوگوں تک پہنچا دوں جن کے ساتھ اس نے مجھے بھیجا ہے یعنی مجھے نجات نہیں دے گی مگر یہ بات کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان احکام کو لوگوں تک پہنچا دوں جن کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے، پس یہ عمل مجھے نجات دلائے گا [اور فرما نے کہا: یہ شرط اور جزاء ہے اور استثناء نہیں ہے اور ”إِنْ“ شرطیہ ”لَا“ نافیہ سے منفصل ہے اور اس کی تقدیر اس طرح ہے: ”إِنْ لَا أَبْلِغَ بَلَاغًا“ یعنی اگر میں احکام اسلامی کی تبلیغ نہ کرتا تو میں اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی کو پناہ گاہ نہ پاتا اور نہ اپنے لیے کسی کو بچانے والا پاتا جیسے کہا جاتا ہے: ”إِنْ لَا قِيَامًا فَفُجُودًا“ اگر قیام نہ ہوتا تو قعود ہوتا اور ان تمام وجوہ میں ”بلاغ“ بہ معنی تبلیغ ہے] ﴿وَمَا سَلِّتُهُ﴾ [یہ ”بَلَاغًا“ پر معطوف ہے] گویا کہا گیا ہے کہ میں تمہارے لیے مالک نہیں ہوں مگر تبلیغ کرنے کا اور اس کے پیغامات پہنچانے کا یعنی مگر یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تبلیغ کروں اور یہ کہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے، اپنے قول کو اس کی طرف منسوب کر کے اور یہ کہ میں اس کا وہ پیغام پہنچا دوں جس کے ساتھ مجھے اس نے بھیجا ہے بغیر کسی کمی اور زیادتی کے [حرف ”مِنْ“ تبلیغ کا صلہ نہیں ہے کیونکہ ”بَلِّغْ عَنْهُ“ بھی کہا جاتا ہے بلکہ یہ ”بِرَآءَةٍ مِنَ اللَّهِ“ (التوبہ: ۱) میں جو حرف ”مِنْ“ ہے اس کے قائم مقام ہے یعنی ”(بَلَاغًا) كَائِنًا (مِنَ اللَّهِ)“] ﴿وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا کہ وہ ان تعلیمات کے قبول کرنے کو ترک کر دے گا جو رسول خدا پر نازل کی گئی ہیں کیونکہ اس کو تبلیغ رسالت کے بعد ذکر کیا گیا ہے ﴿فَإِنَّ لَهُ نَارًا جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا أَبَدًا﴾ پس اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے [”مَنْ“ کے لفظ کا اعتبار کر کے ”لَهُ“ میں ضمیر کو واحد ذکر کیا گیا ہے اور ”مَنْ“ کے معنی کا اعتبار کر کے ”خَالِدًا“ کو جمع کیا گیا ہے]۔

۲۴۔ ﴿حَتَّى﴾ یہ محذوف کے متعلق ہے جس پر حال دلالت کر رہا ہے، گویا کہا گیا ہے کہ کفار اپنی روش پر ہمیشہ

قائم رہیں گے یہاں تک کہ ﴿إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ﴾ جب وہ اس عذاب کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے ﴿فَسَيَعْلَمُونَ﴾ تو وہ بہت جلد جان لیں گے جب ان پر عذاب نازل ہوگا کہ ﴿مَنْ أضعفُ ناصراً إِذْ أَقْلُ عَدَا﴾ کس کے مددگار بہت کمزور ہیں اور کس کی گنتی کم ہے آیا وہ مشرکین یا مسلمان یعنی اس دن کافر کا کوئی مددگار نہیں ہوگا اور مسلمان کی اللہ تعالیٰ خود مدد فرمائے گا اور اس کے فرشتے اور اس کے انبیائے کرام علیہم السلام مدد کریں گے۔

قُلْ إِنْ أَدْرِي أَقْرِبُ مَا تُوعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَهُ رَبِّي أَمَدًا ﴿٢٥﴾

عَلَيْهِ الْغَيْبُ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا ﴿٢٦﴾ إِلَّا مَنِ ارْتَضَى

مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ﴿٢٧﴾

لِيَعْلَمَ أَنْ قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ

وَأَحْصَى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿٢٨﴾

(اے محبوب!) فرمادیجئے کہ میں اپنے آپ نہیں جانتا کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آیا وہ نزدیک ہے یا میرا رب تعالیٰ اس کی مدت کو دراز کر دے گا O وہ ہر غیب کا جاننے والا ہے سو وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا O ماسوا اپنے پسندیدہ رسولوں کے پس وہ اس کے آگے اور اس کے پیچھے نگران مقرر کر دیتا ہے O تاکہ وہ ظاہر کر دے کہ بے شک انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں اور ان کے پاس جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا احاطہ کر لیا ہے اور اس نے ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے O

٢٥- ﴿قُلْ إِنْ أَدْرِي أَقْرِبُ مَا تُوعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَهُ رَبِّي أَمَدًا﴾ (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ میں از خود نہیں جانتا کہ آیا وہ عذاب قریب آچکا ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے یا میرا پروردگار اس کی مدت کو لمبا کر دے گا یعنی یہ بات تو یقینی ہے کہ بے شک تمہیں عذاب ضرور دیا جائے گا لیکن میں از خود یہ نہیں جانتا کہ آیا وہ عذاب ابھی حال میں آنے والا ہے یا اس کو مؤخر کر دیا گیا ہے [ابو عمرو بصری اور اہل حجاز نے ”رَبِّي“ میں ”يَا“ کو مفتوح ”رَبِّي“ پڑھا ہے جب کہ باقی قراء نے ”يَا“ کو ساکن کر کے ”رَبِّي“ پڑھا ہے اور ”أَمَدًا“ کا معنی ہے: بہت دور]۔

٢٦، ٢٧- ﴿عَلَيْهِ الْغَيْبُ﴾ اللہ تعالیٰ ہر غیب کا جاننے والا ہے [یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اصل میں ”هُوَ عَلِيمُ الْغَيْبِ“ ہے] یعنی وہ (اللہ تعالیٰ) ہر غیب کا جاننے والا ہے ﴿فَلَا يُظْهِرُ﴾ ”فَلَا يُظْهِرُ“ ﴿عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا﴾ ”مِنْ خَلْقِهِ“ سو وہ اپنے غیب پر اپنی مخلوق میں سے کسی کو مطلع نہیں کرتا ﴿إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ﴾ مگر جس کو اس نے پسند کر لیا جو اس کے رسول ہیں (یعنی) مگر اس نے رسول کو بعض علم غیب کے لیے پسند کر لیا تاکہ رسول کے لیے غیب کی خبر دینا معجزہ بن جائے سو اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو اپنے غیب پر جس قدر چاہتا ہے مطلع فرمادیتا ہے [اور ”مِنْ رَسُولٍ“ میں حرف ”مِنْ“ بیان ہے ”مَنِ ارْتَضَى“ کا] اور جب اللہ تعالیٰ کا ولی کسی چیز کی خبر دیتا ہے اور وہ ظہور پذیر ہو لے واضح رہے کہ علامہ نسفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو بعض علم غیب کی بات فرمائی ہے اس سے اللہ تعالیٰ کے غیر متناہی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جاتی ہے تو ولی اس پر یقین کامل نہیں رکھتا (کیونکہ وہ ظنی ہوتی ہے) لیکن وہ اپنے خواب یا اپنی دینی فراست و بصیرت کی بناء پر (بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علوم غیبیہ کے اعتبار سے بعض علوم غیبیہ مراد ہیں جو مخلوق کے کلی اور جزئی دونوں کو شامل ہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے علم ”ما کان وما یکون“ اور علوم کلی احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں جیسا کہ ذیل میں ثبوت پیش کیا جا رہا ہے۔ یہاں دو باتیں ذہن نشین رکھنا ضروری ہیں: ایک یہ کہ یہ علوم کلی متناہی اور حادث ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ کے علوم غیر متناہی اور قدیم ہیں اس لیے حضور کے لیے علوم کلی ماننے سے مساوات و شرک لازم نہیں آتا دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے تمام علوم تمام اوقات میں دیگر صفات کی طرح ہمیشہ ثابت و قائم اور حاضر رہتے ہیں کسی وقت ذہول و انقطاع نہیں ہوتا جب کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے بعض اوقات بعض حکمتوں کی بناء پر عدم توجہ اور عدم التفات اور انقطاع ہوتا رہا ہے جس کی وجہ سے بعض مواقع پر علوم غیبیہ وغیرہ کی نفی ثابت ہوتی ہے تو وہ عدم علم کی وجہ سے نہیں بلکہ عدم توجہ اور عدم التفات کی بناء پر ہوتی ہے۔

(۱) حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ ایک مقام پر تشریف فرما ہوئے آپ نے وہاں اپنے بیان میں قیامت تک ہونے والی کسی ایک چیز کو بھی نہیں چھوڑا مگر آپ نے سب کچھ بیان کر دیا اسے یاد رہا جس نے اسے یاد رکھا اور اسے بھول گیا جس نے اسے بھلا دیا بے شک میرے یہ سارے ساتھی اس کو جانتے ہیں اور بے شک ان چیزوں میں سے جب کوئی چیز وقوع پذیر ہوتی ہے جس کو میں یقیناً بھول چکا ہوں تو جب میں اسے دیکھتا ہوں تو وہ مجھے یاد آ جاتی ہے جس طرح آدمی کسی واقف کار آدمی کے چہرے کو دیکھتے ہی پہچان لیتا ہے اور وہ اسے یاد آ جاتا ہے جو کافی عرصہ اس سے غائب رہا ہو۔

(۲) حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے قیامت تک رونما ہونے والی ہر چیز بتادی سو میں نے آپ سے ہر سوال کیا جس کا آپ نے جواب دیا مگر میں نے آپ سے یہ سوال نہیں کیا کہ اہل مدینہ کو مدینہ منورہ سے کیا چیز نکالے گی۔

(۳) حضرت ابو زید عمرو بن اخطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک روز رسول خدا ﷺ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا سو آپ منبر سے نیچے اترے اور ظہر کی نماز پڑھائی پھر آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا پھر آپ منبر سے اترے اور عصر کی نماز پڑھائی پھر آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا ”فَأَخْبَرَنَا بِمَا كَانَ وَبِمَا هُوَ كَائِنٌ“ سو آپ نے ہمیں وہ تمام چیزیں بیان کر دیں جو ہو چکی تھیں اور جو آئندہ ہونے والی تھیں (یعنی ”ما کان وما یکون“ کی خبریں بیان کر دیں) سو ہم میں زیادہ عالم وہ تھا جو زیادہ حافظہ رکھنے والا تھا۔ (یہ تینوں احادیث مبارکہ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹۰، مطبوعہ نور محمد صحیح المطابع ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء کراچی میں ملاحظہ فرمائیں)

(۴) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک روز رسول خدا ﷺ ایک مقام پر تشریف فرما ہوئے اور آپ نے تخلیق کائنات کی ابتداء سے لے کر اہل جنت کے اپنی منازل میں اور اہل دوزخ کے اپنی منازل میں داخل ہونے تک تمام حالات ہمیں بیان فرما دیئے جس نے اسے یاد رکھا اسے یاد رہا اور جس نے اسے بھلا دیا اسے بھول گیا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۵۳، مطبوعہ نور محمد صحیح المطابع، کراچی ۱۳۳۱ھ/۱۹۶۱ء)

(۵) حضرت عبدالرحمن بن عائش سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے رب تعالیٰ کو بہترین صورت میں دیکھا رب کریم نے پوچھا کہ مقرب فرشتے کس چیز میں جھگڑتے ہیں میں نے عرض کیا: آپ ہی خوب جانتے ہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دونوں کندھوں کے درمیان اپنا دست قدرت رکھا تو میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں پائی ”فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ“ سو میں نے وہ سب کچھ جان لیا جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے۔ (دارمی ترمذی، مشکوٰۃ ص ۷۰، مطبوعہ دہلی)

(۶) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ایک دن رسول خدا ﷺ نے صبح کی نماز میں تاخیر کر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

خبر دیتا ہے، نیز وہ اس بناء پر خبر سناتا ہے کہ ولی کی ہر کرامت نبی اور رسول کا معجزہ ہوتی ہے اور کتاب التاویلات میں ذکر کیا گیا ہے کہ بعض حضرات نے کہا کہ یہ آیت مبارکہ نجومیوں کی تکذیب پر دلالت کرتی ہے حالانکہ اس طرح نہیں ہے کیونکہ نجومیوں میں بعض لوگوں کی خبریں سچی ثابت ہو جاتی ہیں اور اسی طرح طبیبوں اور حکیموں کا حال ہے کہ وہ جڑی بوٹیوں کے خواص کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) دی، قریب تھا کہ ہم سورج دیکھ لیں، پھر آپ جلدی تشریف لائے تو نماز کی اقامت کہی گئی اور آپ نے نماز پڑھائی اور نماز مختصر پڑھائی، جب سلام پھیر لیا تو آپ نے بلند آواز سے پکار کر ہمیں فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر بیٹھے رہو جیسے ہو پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میں ابھی تمہیں بتاتا ہوں کہ صبح کس چیز نے مجھے روک لیا تھا، بے شک میں رات کو اٹھا اور وضو کیا، جس قدر مقدر میں تھا، میں نے نماز پڑھی، سو مجھے نماز میں اونگھ آگئی یہاں تک کہ نیند مجھ پر غالب آگئی، پس اچانک میں نے اپنے پروردگار کو بہترین صورت میں دیکھا، فرمایا: اے محمد (ﷺ)! میں نے عرض کیا: میں حاضر ہوں اے میرے مالک! فرمایا: مقرب فرشتے کس چیز میں جھگڑتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ میں تو از خود نہیں جانتا، یہ تین بار فرمایا، آپ فرماتے ہیں: پھر میں نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا کہ اس نے اپنا دست رحمت میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا، یہاں تک کہ میں نے اس کے پوروں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں پائی، ”فَتَجَلَّى لِي كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ“ تو میرے لیے ہر چیز ظاہر ہو گئی اور میں نے سب جان لیا۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: یہ حدیث صحیح ہے۔

(مشکوٰۃ ص ۷۲-۷۱، مطبوعہ اصح المطابع، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی)

(۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک بھیڑیا بکریوں کے چرواہے کے پاس گیا اور ان بکریوں میں سے ایک پکڑ لی اور چرواہے نے اس کا پیچھا کیا یہاں تک کہ بکری کو اس سے چھین لیا، چرواہانے کہا کہ وہ بھیڑیا ٹیلہ پر چڑھ گیا اور وہاں بیٹھ گیا اور دم دبالی، پھر اس بھیڑیانے کہا: میں نے اس رزق کا ارادہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا، میں نے اسے پکڑ لیا، پھر تو نے اسے مجھ سے چھین لیا، (بھیڑیے کا بولنا سن کر) پھر اس چرواہے نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے آج جیسا واقعہ کبھی نہیں دیکھا، آج تو بھیڑیا بھی باتیں کر رہا ہے، اس پر بھیڑیے نے کہا: اس سے زیادہ عجیب ترین بات یہ ہے کہ ان دو پہاڑوں کے درمیان (یعنی مدینہ منورہ میں) کھجوروں کے باغ میں ایک آدمی ہیں (یعنی حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء) ”يُنْخَبِرُكُمْ بِمَا مَضَىٰ وَمَا هُوَ كَاثِرٌ بَعْدَكُمْ“ وہ تمہیں جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ تمہارے بعد ہونے والا ہے سب بتا دیتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا: وہ چرواہا یہودی تھا، چنانچہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ کو سارا واقعہ بیان کیا اور مسلمان ہو گیا اور حضور نے اس کی بات کی تصدیق کی، پھر آپ نے فرمایا کہ یہ قیامت سے پہلے رونما ہونے والی علامات میں سے ایک علامت ہے۔

(مشکوٰۃ ص ۵۳۱، مطبوعہ اصح المطابع، دہلی، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی)

دیوبندیوں کے مستند عالم علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

بہر حال اس آیت میں کھول کر بتلادیا گیا ہے کہ اختیار مستقل یا علم محیط نبوت کے لوازم میں سے نہیں، ہاں! شریعات کا علم جو انبیاء علیہم السلام کے منصب سے متعلق ہے کامل ہونا چاہیے اور تگوینیات کا علم خدا تعالیٰ جس قدر مناسب جانے عطا فرماتا ہے، اس نوع میں ہمارے حضور ﷺ تمام اولین و آخرین سے فائق ہیں، آپ کو اتنے بے شمار علوم و معارف حق تعالیٰ نے مرحمت فرمائے ہیں جن کا احصاء (شمار) کسی مخلوق کی طاقت میں نہیں۔

اسی حاشیہ کے شروع میں لکھا: سید الانبیاء ﷺ علوم اولین و آخرین کے حامل اور خزان ارضی کی کنجیوں کے امین بنائے گئے تھے۔

(تفسیر عثمانی حاشیہ قرآن ص ۲۲۶، مطبوعہ دارالتصنیف، کراچی)

پہچانتے ہیں اور یہ خبریں صرف غور و فکر سے نہیں پہچانی جاتیں سو اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ بعض علوم غیبیہ پر رسول کی جہت اور وساطت سے آگاہ ہوتے ہیں جس کا نشان منقطع ہو چکا ہے لیکن اس کا علم مخلوق میں باقی ہے ﴿فَاتَّاتُكَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا﴾ سو اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے آگے اور اس کے پیچھے فرشتوں میں سے محافظ مقرر کر دیتا ہے جو شیطانوں کی شرارتوں سے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور وہ فرشتے رسول کو شیطانوں کے وسوسوں اور ان کے میل جول سے بچاتے ہیں یہاں تک کہ وحی رسول تک پہنچادی جاتی ہے۔

۲۸- ﴿لِيَعْلَمَ أَتَّخَذُوا رَسُولًا بِهْتُمْ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ ظاہر فرمادے کہ بے شک اس کے رسولوں نے اپنے رب تعالیٰ کے پیغامات مکمل طور پر بغیر کسی زیادتی اور کمی کے لوگوں تک پہنچادیئے ہیں یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ اس کو وجود میں آنے سے پہلے جانتا تھا کہ وہ آئندہ موجود ہوگا [مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ "میں" من" کے لفظ کا اعتبار کر کے ضمیر کو مفرد ذکر کیا گیا ہے اور "مَنْ" کے معنی کا اعتبار کر کے "ابْلغُوا" میں ضمیر کو جمع ذکر کیا گیا ہے] ﴿وَاحَاطَ بِمَا لَدَائِهِمْ﴾ اور رسولوں کے پاس جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے ﴿وَاحْطَى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے خواہ وہ بارش کے قطرے ہوں یا ریت کے ذرے ہوں درختوں کے پتے ہوں اور دریاؤں اور سمندروں کی جھاگ ہوں تو بھلا وہ اس وحی اور کلام کا احاطہ کیوں نہیں کر سکتا جو رسولوں کے پاس ہے [اور "عَدَدًا" حال ہے] یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو گنتی کر رہا اور شمار کر رہا سمیت جانتا ہے [یا مصدر ہے شمار کرنے کے معنی میں ہے]۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ المزمّل کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی بیس آیات دو رکوع ہیں

يَا أَيُّهَا الْمَرْمَلُ ۝ قُمْ إِلَى الْبَيْتِ ۝ الْبَيْتِ الْأَقْلِيلِ ۝ نِصْفَةَ ۝ أَوْ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۝ أَوْ
 نَادُ عَلَيْهِ وَرَأَيْتَ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝ إِنَّا سُلِقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۝ إِنَّ نَاشِئَةَ
 الْبَيْتِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا ۝ إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۝
 وَادْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا
 إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ۝

اے چادر اوڑھ کر آرام کرنے والے محبوب! ۰ رات کو قیام کیجئے مگر تھوڑا ۰ آدھی رات یا اس سے تھوڑا کم کر لیجئے ۰ یا اس پر اضافہ کر لیجئے اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھئے ۰ بے شک ہم عنقریب آپ پر بھاری کلام نازل کریں گے ۰ بے شک رات کا قیام (نفس پر) سخت دشوار ہوتا ہے اور کلام کو خوب درست رکھنے والا ہوتا ہے ۰ بے شک دن میں آپ کے لیے بہت سی مصروفیات ہوتی ہیں ۰ اور آپ اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کیجئے اور سب سے الگ ہو کر اسی کے ہو جائیے ۰ وہ مشرق اور مغرب کا مالک ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں سو آپ اسی کو اپنا کارساز بنا لیں ۰

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رات کے وقت عبادت کرنے کا حکم اور اس کی حکمت کا بیان

۱ تا ۴۔ ﴿يَا أَيُّهَا الْمَرْقُلُ﴾ اے چادر اوڑھنے والے محبوب! یعنی ”مزمّل“ اور یہ وہ شخص ہوتا ہے جو اپنے کپڑوں میں چھپ جاتا ہے یعنی وہ کپڑوں میں لپٹ جاتا ہے۔ ”مزمّل“ میں ”تا“ کو ”زا“ میں مدغم کر کے ”مزمّل“ پڑھا جاتا ہے اور حضور نبی کریم ﷺ رات کو چادر لپیٹ کر اپنے کپڑوں میں چھپ کر سو جاتے تھے سو اس لیے اسی کیفیت کے ساتھ نماز کے لیے قیام کا حکم دیا گیا ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَوَالْبَلِّ إِلَّا قَلِيلًا نِّصْفَةً﴾ رات کو نماز کے لیے قیام کیجئے مگر تھوڑا آدھی رات [”نصفه“، ”اللیل“ سے بدل ہے اور ”إِلَّا قَلِيلًا“، ”نصفه“ سے استثناء ہے] اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ”قُمْ نِصْفَ اللَّيْلِ إِلَّا قَلِيلًا مِنْ نِصْفِ اللَّيْلِ“ آدھی رات قیام کیجئے مگر آدھی رات سے کچھ کم ﴿أَوْ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا﴾ یا اس سے تھوڑا سا کم (یعنی) نصف رات سے کم ایک تہائی رات تک ﴿أَوْ مِنْ دُعَايِكَ﴾ یا اس پر زیادہ کیجئے (یعنی) نصف رات پر اضافہ کر کے دو تہائی رات عبادت کیجئے اور اس سے مراد دو چیزوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا یعنی نصف رات سے کچھ کم قیام کرنا قطعی اور یقینی ہے اور دو چیزوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا اور وہ دو یہ ہیں: نصف رات سے کم اور نصف رات سے زیادہ اور اگر ”نصفه“ کو ”قلیلًا“ سے بدل قرار دیا جائے تو پھر تین چیزوں کے درمیان اختیار ہوگا (۱) پوری نصف رات قیام کرنا (۲) نصف رات سے کچھ کم قیام کرنا (۳) نصف رات سے زیادہ قیام کرنا (قیام سے نماز تہجد مراد ہے) اور نصف کو قلیل کے ساتھ کل کے اعتبار سے موصوف کیا گیا ہے کیونکہ لفظ قلیل کا اطلاق نصف سے کم پر ہوتا ہے اور اس لیے ہم نے کہا کہ اگر کسی شخص نے یہ اقرار کیا: ”أَنَّ لِفُلَانٍ عَلَيْهِ أَلْفٌ دِرْهَمٌ إِلَّا قَلِيلًا“ بے شک فلاں آدمی کے لیے اس پر ایک ہزار درہم (چاندی کا سکہ) واجب الادا ہیں مگر تھوڑے سے کم تو اس پر نصف ہزار سے زیادہ واجب الادا ہوں گے [امام عاصم اور حمزہ کوئی کے علاوہ کی قراءت میں واو مضموم کے ساتھ ”أَوْ انْقُصْ مِنْهُ“ پڑھا جاتا ہے] ﴿وَمَا تِلْكَ الْقُرْآنُ﴾ اور آپ قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریں (یعنی) حروف کو ظاہر کر کے اور واضح کر کے پڑھا کریں یا یہ معنی ہے کہ حروف کو واضح ادا کر کے پڑھیں اور وقوف کا خیال رکھیں اور قوانین کے مطابق حرکات کو پڑھ کر کے پڑھا کریں ﴿بِتَرْتِيبًا﴾ خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا۔ یہ امر کے وجوب کی تاکید ہے اور دوسرا یہ کہ قرآن مجید پڑھنے والے کے لیے تصحیح حروف کے ساتھ پڑھنا واجب و لازم ہے۔

۵۔ ﴿إِنَّا سُلِقِي عَلَيْكَ﴾ بے شک ہم عنقریب آپ پر ڈالیں گے (یعنی) ہم عنقریب آپ پر نازل کریں گے ﴿قَوْلًا ثَقِيلًا﴾ بھاری کلام یعنی قرآن مجید کیونکہ اس میں اوامر (احکام) اور نواہی (منوعات) کا بیان ہے جو مکلفین (مسلمانوں) پر سخت دشوار اور بھاری تکالیف کا باعث ہیں یا یہ معنی ہے کہ قرآن مجید منافقین پر بھاری ہے (کیونکہ ان کے سینے ایمان سے خالی ہیں) یا یہ کہ قرآن مجید معانی اور اسرار اور رموز اور اجرو ثواب اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بڑا وزنی اور رائج کلام ہے کوئی ہلکا رڈی اور ناکارہ کلام نہیں ہے۔

۶۔ ﴿إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ﴾ بے شک رات کو عبادت کے لیے اٹھنا (نفس پر بھاری ہوتا ہے) اس سے نماز تہجد کے لیے رات کو اٹھنا مراد ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی مروی ہے لیا وہ عبادت مراد ہے جو رات میں ادا کی جائے۔ نماز تہجد کے فضائل و کیفیت کا بیان: (۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہمارا پروردگار ہر رات آسمان دنیا پر اس وقت نزول فرماتا ہے جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے فرماتا ہے: کون ہے جو مجھ سے دعا مانگے تاکہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تاکہ میں اسے عطا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جاتی ہے یعنی جو عبادت رات میں وقوع پذیر ہوتی ہے (یعنی مغرب و عشاء کی نمازیں) یا رات کے اوقات مراد ہیں کیونکہ ان میں بھی لمحہ بہ لمحہ قیام کیا جاتا ہے چنانچہ امام زین العابدین حضرت علی اوسط رضی اللہ تعالیٰ عنہ مغرب اور عشاء کے درمیان نماز (اڈابین) پڑھتے تھے اور فرماتے: یہی رات کی نماز ہے [قاری و رش کے علاوہ باقی قراء کی قراءت میں "نَاشِئَةُ" ہمزہ کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مغفرت و بخشش طلب کرے تاکہ میں اسے بخش دوں۔ (بخاری و مسلم)

(۲) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے حضور فرماتے ہیں کہ رات میں ایک وقت ایسا ہوتا ہے جس میں کوئی مسلمان آدمی دنیا اور آخرت کی بھلائی کے کام کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ بھلائی ضرور عطا فرمادیتا ہے۔ (مسلم)

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ روزے حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام نصف رات سوتے تھے اور ایک تہائی رات عبادت کرتے تھے اور پھر چھٹا حصہ رات کا سو جاتے تھے اور ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ (متفق علیہ)

(۴) حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم رات کو اٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اپنے اوپر لازم کر لو کیونکہ رات کی عبادت (۱) تم سے پہلے نیک لوگوں کا طریقہ ہے (۲) اور یہ تمہارے لیے تمہارے پروردگار کے قرب کا ذریعہ ہے (۳) اور بڑائیوں کو مٹانے والی ہے (۴) اور گناہوں سے روکنے والی ہے۔ (سنن ترمذی)

(۵) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین عمل ایسے ہیں جن کے کرنے پر اللہ تعالیٰ (اپنی شان کے مطابق) مسکراتا ہے (۱) جب کوئی آدمی رات کو نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے (۲) جب کوئی قوم نماز باجماعت کے لیے صف بندی کرتی ہے (۳) جب مجاہدین دشمنان اسلام سے جنگ کرنے کے لیے صف بندی کرتے ہیں۔ (رواہ البغوی فی شرح السنۃ)

(۶) حضرت عمرو بن عیینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رات کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ بندے کے بہت زیادہ قریب ہوتا ہے لہذا اگر اس حصے میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں میں سے ہو جانا تم سے ہو سکے تو تم ضرور ہو جاؤ۔ (رواہ الترمذی وقال حسن صحیح)

(۷) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت میں معزز ترین قرآن مجید کے حاملین اور رات کو نماز تہجد پڑھنے والے ہیں۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(۸) حضرت مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: آپ رات کو سات رکعات بھی پڑھتے تھے اور گیارہ رکعات بھی پڑھتے تھے اور فجر کی دو رکعات سنت اس کے علاوہ ہوتی تھیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۳۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۳۲۰، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹، سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۶۹، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۹۳)

(۹) حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا: رسول اللہ ﷺ کی رات میں کس طرح نماز پڑھا کرتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رمضان ہو یا غیر رمضان (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ساتھ پڑھا جاتا ہے اور یہ مصدر ہے ”فَاعِلَةٌ“ کے وزن پر جیسے ”عَافِيَةٌ“ ہے اور یہ ”نَشَأٌ“ سے مشتق ہے ”نَشَأٌ“ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کھڑا ہوتا ہے اور اٹھ جاتا ہے [﴿هِيَ أَشَدُّ وَطْأً﴾] یہ رات کی عبادت (نفس پر) دشوار ہوتی ہے [ابن عامر شامی اور ابو عمرو کی قراءت میں ”وِطْأً“ پڑھا جاتا ہے جس کا معنی موافقت ہے] یعنی رات کی عبادت میں عبادت گزار کا دل اس کی زبان کے موافق رہتا ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رات کی عبادت مخفی اور علانیہ عبادت کے درمیان زبردست موافقت پیدا کرنے والی ہے کیونکہ یہ مخلوقات کے دکھاوے سے مبرا ہے [مذکورہ بالا قاریوں کے علاوہ باقی قراءت میں ”وِطْأً“ پڑھا جاتا ہے] یعنی رات کی عبادت دن کی عبادت کے مقابلے میں نمازی پر سخت دشوار اور بھاری ہوتی ہے کیونکہ رات کے وقت نیند غالب ہوتی ہے چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ”اللَّهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَيَّ مَضْرًا“ اے اللہ! قبیلہ مضر کو سخت پکڑ میں گرفتار فرما [﴿وَأَقْوَمُ قِيْلًا﴾] اور (رات کو اٹھ کر عبادت کرنا) کلام کو بہت درست رکھنے والا اور قراءت کو خوب ثابت رکھنے والا ہوتا ہے کیونکہ اس وقت آوازیں بند ہوتی ہیں اور لوگوں کی آمد و رفت چلنا پھرنا اور حرکات وغیرہ موقوف ہو جاتی ہیں۔

۷- ﴿إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْعًا وَثِيْلًا﴾ بے شک آپ کے لیے دن میں بہت سے کام ہوتے ہیں مطلب یہ ہے کہ دن کے وقت آپ کو اپنی زندگی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے آنا جانا ہوتا ہے اور اپنے مشاغل کے لیے آپ کو مصروف رہنا پڑتا ہے سو اس لیے آپ اپنے آپ کو اپنے پروردگار کی عبادت کے لیے رات کو فارغ کر لیجئے یا یہ معنی ہے کہ دن کے وقت آپ کو سونے اور آرام کرنے کے لیے لمبی فراغت ہوتی ہے۔

۸- ﴿وَأَذْكُرُ اسْمَكَ﴾ اور آپ اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کیجئے اور رات اور دن میں اس کے ذکر پر ہمیشہ قائم و ثابت رہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر ”سُبْحَانَ اللَّهِ“ اور ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، اللَّهُ أَكْبَرُ“ نماز تلاوت قرآن اور علم دین کی تعلیم کو شامل ہے ﴿وَتَبْتَئِلُ إِلَيْهِ﴾ اور آپ اسی کی طرف متوجہ رہیے اور ہر چیز سے الگ ہو کر اسی (اللہ تعالیٰ) کی عبادت میں مشغول ہو جائیے اور ”تَبْتَئِلُ“ کا معنی ہے: اور سب سے تعلق توڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لینا، اسی سے خیر و بھلائی کی امید رکھنا، اس کے غیر سے امید نہ رکھنا، اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ ”تَبْتَئِلُ“ کا معنی ہے: دنیا اور دنیا کے مال و متاع سے تعلق توڑ لینا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اس کا طلب گار رہنا ﴿تَبْتَئِلُ﴾ سب سے الگ رہنا [فعل سے مختلف مصدر لانے میں تاکید میں اضافہ کرنا مقصود ہوتا ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی عبادت و محبت کے لیے سب سے الگ کر لیا ہے، سو آپ بھی صرف اسی کے ہو کر رہیے یا اس کو اس لیے لایا گیا ہے کہ آیات کے فواصل کے حق کی رعایت ہو جائے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آپ نے رات میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھیں، آپ چار رکعات پڑھتے، ان کے حسن اور طول کے متعلق نہ پوچھو، آپ پھر چار رکعات پڑھتے، ان کے حسن اور طول کے متعلق نہ پوچھو، پھر آپ تین رکعات وتر پڑھتے، حضرت عائشہ نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۴۱، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۴۱)

سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۴۱، السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۳۹۳ (ماخوذ از: تفسیر تبيان القرآن ج ۱۲ ص ۳۳۹)

۱۔ رواہ البخاری رقم الحدیث: ۶۳۹۳، مسلم رقم الحدیث: ۶۷۵

۹۔ ﴿رَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ﴾ وہ مشرق اور مغرب کا مالک و پروردگار ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں [مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اصل میں "هُوَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ" ہے (ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے) یا پھر یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر "لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ" ہے اور ابن عامر شامی اور حضرت حفص کے علاوہ دیگر اہل کوفہ قراء کی قراءت میں "رَبِّكَ" سے بدل واقع ہونے کی بناء پر مجرور ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا: حرف قسم کے مضمحل کے ساتھ قسم کی بناء پر مجرور ہے (یعنی اصل میں "رَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ" ہے) اور اس قسم کا جواب "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" ہے جیسے کہا جاتا ہے: "وَاللَّهِ لَا أَحَدَ فِي الدَّارِ إِلَّا زَيْدٌ" ﴿فَاتَّخَذَهُ وَكِيلًا﴾ سو آپ اسی (اللہ تعالیٰ) کو اپنا کارساز بنائے رکھیں اور آپ کے ساتھ نصرت و مدد کا جو وعدہ کیا گیا ہے اس پر آپ اپنے پروردگار کو مددگار اور کفیل و ضامن بنائے رکھیں یا یہ معنی ہے کہ جب آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ بے شک مشرق و مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے تو آپ اپنے تمام امور و معاملات میں اسی کو کافی قرار دیں اور حرف "فا" کو لانے کا فائدہ یہ ہے کہ اب اس حقیقت کو پہچان لینے کے بعد تمام امور و معاملات واحد و قہار کے سپرد کرنے میں تاخیر نہ کیجئے کیونکہ اقرار کے بعد انتظار کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا۔

وَأصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَبِيلًا ۝۱۰ وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ
أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهَلْهُمُ قَلِيلًا ۝۱۱ إِنَّ لَدَيْنَا أَنكَالًا وَجَحِيمًا ۝۱۲ وَطَعَامًا
ذَا عَصَةِ وَعَذَابًا أَلِيمًا ۝۱۳ يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ
كَثِيبًا مَّهِيلًا ۝۱۴ إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ
فِرْعَوْنَ رَسُولًا ۝۱۵ فَعَصَىٰ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِئْسَ لِلطَّغْيَةِ

اور آپ ان باتوں پر صبر کیجئے جو کفار کہتے ہیں اور آپ انہیں خوش اسلوبی سے چھوڑ دیں ۱۰ اور آپ مجھ پر جھٹلانے والے مال داروں کو چھوڑ دیں (میں خود ان سے انتقام لے لوں گا) اور ان کو تھوڑی سی مہلت دے دیں ۱۱ بے شک ہمارے پاس بھاری بیڑیاں اور جلانے والی آگ ہے ۱۲ اور حلق میں پھنسنے والا کھانا ہے اور دردناک عذاب ہے ۱۳ جس دن زمین اور پہاڑ تھرتھرا کر کانپیں گے اور پہاڑ ریت کے پتے ہوئے ٹیلے ہو جائیں گے ۱۴ بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک ایسا رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہی دینے والا ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا ۱۵ سو فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے سخت گرفت میں پکڑ لیا ۱۶

حضور ﷺ کو کفار مکہ کی تکالیف پر صبر کی تلقین اور کفار کے لیے تنبیہات

۱۰۔ ﴿وَأصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ﴾ اور آپ ان باتوں پر صبر کریں جو کفار میرے بارے میں بیوی اور بیٹوں کے ہونے کی اور آپ کے بارے میں جادوگر اور شاعر ہونے کی باتیں کہتے ہیں ﴿وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَبِيلًا﴾ اور آپ ان کو خوش اسلوبی کے ساتھ چھوڑ دیں اور آپ ان کو اپنے دل سے دور کر دیں اور مخالفت کا بہتر طریقہ کار اختیار کر کے اور ان کے

ساتھ انتقام کی کارروائی چھوڑ کر ان کی مخالفت کریں اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ آیت مبارکہ جہاد اور قتال کی آیت مبارکہ کی وجہ سے منسوخ ہو چکی ہے۔

۱۱۔ ﴿وَدَّرْنٰی﴾ اور آپ مجھ پر چھوڑ دیں یعنی آپ ان کفار کو میرے سپرد کر دیں سو میں انتقام لینے کے لیے ان کو کافی ہوں ﴿وَالْمُكِنِّيْنَ﴾ اور جھٹلانے والے قریش مکہ کے سرداروں کو مجھ پر چھوڑ دیں [یہ مفعول معہ ہے یا پھر ”ذَرْنِي“ پر معطوف ہے] یعنی مجھے اور ان کو چھوڑ دیں میں خود ان سے نیٹ لوں گا ﴿اُولٰٓئِیْنَ نَعْمَتُوْنَ﴾ نعمتوں والے مال داروں کو (یعنی) ناز و نعم میں پلنے والے خوش حال لوگ [نون مکسور کے ساتھ ہو تو معنی ہوگا: انعام دینا اور نون مضموم کے ساتھ ہو تو معنی ہوگا: لطف و سرور اور پر آسائش زندگی گزارنا] ﴿وَمَهْلَهُمْ قَلِيْلًا﴾ اور آپ ان کو تھوڑی مہلت دے دیں بدر کے دن تک یا قیامت کے دن تک [”قلیلا“ صفت ہے اس کا موصوف محذوف ہے اصل میں ”اِمَهَالًا قَلِيْلًا“ ہے]۔

۱۲۔ ﴿اِنَّ لَدَيْنَاۤ اَنْكَالًا﴾ بے شک ہمارے پاس آخرت میں کافروں کے لیے بھاری بیڑیاں ہیں ”انکال“ ”نِکْل“ کی جمع ہے ﴿وَجَحِيْنًا﴾ اور بھڑکتی ہوئی جلانے والی آگ ہے۔

۱۳۔ ﴿وَقَطَعَاۤ مَا ذَا غَصْنَةٍ﴾ اور گلے میں اٹک کر رہ جانے والا کھانا یعنی وہ کھانا جو حلق میں پھنس جائے پس وہ نہ نکلا جائے اور نہ ہضم ہو سکے یعنی ”ضریع“ (خاردار جھاڑیاں) اور ”زقوم“ (تھوہر کا مہلک وزہریلا درخت) ﴿وَعَذَابًا اَلِيْمًا﴾ اور دردناک عذاب جس کا درد ظاہر جسم کے ساتھ ساتھ جسم کے اندر دل تک پہنچ جائے گا اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب حضور نبی کریم ﷺ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی تو آپ بے ہوش ہو گئے اور حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے شام تک روزہ رکھا اور افطاری کے وقت کھانا پیش کیا گیا تو اس وقت آپ کے سامنے یہی آیت مبارکہ تلاوت کی گئی تو آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور فرمایا کہ یہ کھانا اٹھالو اور دوسرے روز شام کے وقت افطار کے لیے کھانا پیش کیا گیا تو یہی آیت کریمہ آپ کے سامنے تلاوت کی گئی تو آپ رونے لگے اور فرمایا: کھانا اٹھالو اور اسی طرح تیسرے روز ہوا تو حضرت ثابت بنانی اور اس کے دیگر ساتھی خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو کھانا کھانے کے لیے مجبور کرتے رہے یہاں تک کہ آپ نے کھانا کھانے کی بجائے چند گھونٹ سٹو کے شربت کے پی لیے اور بس!

۱۴۔ ﴿یَوْمَ﴾ [”لَدَيْنَا“ میں فعل کا معنی پایا جاتا ہے جس سے ”یَوْمَ“ منصوب ہے اور وہ ”اِسْتَقَرَّ“ ہے] یعنی کفار کے لیے ہمارے پاس ایک اس طرح کا سخت و اہم ناک دن مقرر ہو چکا ہے جس دن ﴿تَرْجِفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ﴾ زمین اور پہاڑ بہت لرزنے لگیں گے یعنی بہت سخت متحرک و متزلزل ہو جائیں گے ﴿وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَغِيْبًا﴾ اور اس دن تمام پہاڑ جمع شدہ ریت کے ٹیلے بن جائیں گے۔ ”کثیب“ اصل میں ”كَيْسِبُ الشَّيْءِ“ سے ماخوذ ہے جب کسی چیز کو جمع کیا جائے گا [گویا یہ فعلیل کے وزن پر یہ معنی مفعول ہے] ﴿قَهِيْلًا﴾ جمع ہو جانے کے بعد کسی چیز کا بننے لگ جانا (جیسے قیامت کے دن پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر باریک ریت کے ٹیلوں کی طرح ہوا میں اڑتے ہوئے بہتے سمندر کی طرح نظر آئیں گے)۔

۱۵، ۱۶۔ ﴿اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا﴾ اے اہل مکہ! بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک عظیم الشان رسول بھیجا ہے یعنی (سید عالم) حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ﴿شَاهِدًا عَلَيْكُمْ﴾ تم پر گواہی دینے والے ہیں جو قیامت کے دن تم پر تمہارے کفر و شرک اور تمہاری تکذیب و جھٹلانے کی گواہی دیں گے ﴿كَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا﴾ جس طرح

ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا تھا ﴿فَعَصَى فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ﴾ سو فرعون نے رسول یعنی اس رسول کی نافرمانی کی، کیونکہ نگرہ کو جب دوبارہ معرفہ کر کے لوٹایا جائے تو دوسرا بعینہ پہلا ہوتا ہے ﴿فَأَخَذْنَا لَهُ أَخْذًا قَرِيبًا﴾ پھر ہم نے اس کو اپنی بہت سخت ترین گرفت میں لے لیا اور یہاں صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون علیہ اللعنة کو اس لیے مخصوص کیا گیا کہ ان دونوں کا واقعہ اور ان کی خبر مکہ والوں کے درمیان مشہور و معروف ہو کر پھیل چکی تھی کیونکہ اہل مکہ یہودیوں کے پڑوسی تھے۔

فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا ۝۱۷ السَّمَاءُ
مُنْقَطِرَةٌ ۝۱۸ وَوَعْدُهُ مُفْعُولًا ۝۱۹ إِنَّ هَذِهِ تَذْكِرَةٌ ۝۲۰ فَمَنْ شَاءَ
اتَّخِذْ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۝۲۱

سوا اگر تم کفر کرو گے تو اس دن (کے عذاب سے) کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا ۝۱۷ آسمان اس (کی شدت) کے سبب پھٹ جائے گا، اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا ۝۱۸ بے شک یہ ایک نصیحت ہے سو جو شخص چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کر لے ۝

۱۷۔ ﴿فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا﴾ سوا اگر تم نے کفر کر لیا تو اس دن تم کس طرح بچو گے [”یَوْمًا“، ”تَتَّقُونَ“ کا مفعول ہے] یعنی تم اس دن کے عذاب سے کس طرح بچو گے اگر تم نے یہاں کفر اختیار کر لیا [یا اسم طرف ہے] یعنی قیامت کے دن میں تمہارے لیے کس طرح بچاؤ ممکن ہو سکے گا اگر تم نے دنیا میں کفر اختیار کر لیا [یا ”کفرتم“ کی وجہ سے منصوب ہے اس بناء پر ”كفرتم“ بہ معنی ”جحدتم“ ہے] یعنی تمہارے لیے کس طرح ہوگا کہ تم اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کر لو اور اس کے عذاب سے ڈرنے لگ جاؤ اگر تم نے قیامت کے دن کا اور جزاء و سزا کا انکار کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ سے اس کے عذاب کا خوف لاحق ہوتا ہے ﴿يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا﴾ وہ دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا یعنی اپنی سختی اور ہولناکی کی وجہ سے بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور یہ اس وقت ہوگا جب حضرت آدم علیہ السلام کو کہا جائے گا کہ تم اٹھو اور اپنی اولاد میں سے دوزخیوں کی جماعت کو الگ نکال دو [”يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ“ صفت ہے ”یَوْمًا“ کی اور ”یوم“ کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے یعنی ”فِيهِ“ اور ”شِيبًا“، ”اشيب“ کی جمع ہے] اور بعض کا قول ہے کہ یہ صرف ڈرانے کے لیے بطور تمثیل کہا گیا ہے اور شدید ترین دن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ فلاں دن اتنا سخت ہے کہ وہ بچوں کی پیشانیوں کو سفید کر دے گا۔

۱۸۔ ﴿السَّمَاءُ مُنْقَطِرَةٌ﴾ آسمان اس دن کی وجہ سے پھٹ جائے گا۔ اس آیت مبارکہ میں بھی قیامت کے دن کی شدت کا وصف بیان کیا گیا ہے یعنی آسمان اپنی عظمت و بڑائی اور اپنی وسعت اور اپنی مضبوطی کے باوجود اس دن پھٹ جائے گا یعنی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا تو اس کے علاوہ دیگر مخلوقات کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے [اور خبر کا مذکر ہونا اس بناء پر ہے کہ ”السَّمَاءُ“ بہ معنی ”السقف“ ہے (چھت) یا اصل میں ”السَّمَاءُ شَيْءٌ مُنْقَطِرٌ“ اور ارشاد ”(بہ) ای بیوم القيامة“ [یعنی قیامت کے دن کے سبب مطلب یہ ہے کہ آسمان اس دن کی شدت اور اس کی ہولناکی کی وجہ سے پھٹ

جائے گا جیسا کہ کوئی چیز اس سے پھٹ جاتی ہے جس سے اس کو کاٹا جاتا ہے ﴿كَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا﴾ اس کا وعدہ ہو کر رہتا ہے۔ ”مَفْعُولًا“ بہ معنی ”کائِنًا“ ہے ضرور ہونے والا [”وعد“ مصدر ہے اور اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے اور وہ ”اليوم“ ہے یا فاعل کی طرف مضاف ہے اور وہ اللہ تعالیٰ عزوجل ہے]۔

۱۹- ﴿إِنَّ هَذِهِ﴾ بے شک یہ آیات جو وعید (دھمکی) کو بیان کرنے والی ہیں یہ ﴿تَذَكُّرًا﴾ ہر اس نصیحت ہیں ﴿فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا﴾ سو جو چاہے وہ اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کر لے یعنی جو شخص چاہے ان آیات سے نصیحت حاصل کر لے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف تقویٰ اور خشیت کے ساتھ راستہ اختیار کر لے۔

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ ثُلُثِي اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ
وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۗ وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۗ عَلِمَ أَنْ
لَنْ تُحْصِيَهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۗ عَلِمَ أَنْ
سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَّرْضَىٰ ۖ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ
فَضْلِ اللَّهِ ۖ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ
مِنْهُ ۖ وَاقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَقَرْضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ۗ وَمَا
تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ ۖ وَأَعْظَمَ
أَجْرًا ۗ وَاسْتَغْفِرُوا لِلَّذِينَ تَابُوا عَنِ اللَّهِ غَافِرًا ۖ وَسِعَ

بے شک آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے کہ بے شک آپ رات کی دو تہائی سے کم قیام کرتے ہیں اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) ایک تہائی رات اور آپ کے ساتھیوں میں سے ایک جماعت قیام کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ رات اور دن کا اندازہ فرماتا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ تم اس کو ہرگز شمار نہیں کر سکو گے تو اس نے اپنی مہربانی سے تم پر رجوع فرمایا سو تم قرآن میں سے اتنا پڑھا کرو جتنا آسانی سے پڑھ سکو وہ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ بیمار ہوں گے اور کچھ دوسرے لوگ اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنے زمین میں سفر کریں گے اور کچھ دوسرے لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑیں گے سو تم اس میں سے اتنا پڑھ لیا کرو جتنا آسانی سے پڑھ سکو اور تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ تعالیٰ کو بہترین قرض دو اور تم اپنے لیے نیکی میں سے جو آگے بھیجو گے اسے اللہ تعالیٰ کے پاس بہتر اور اجر و ثواب میں زیادہ پاؤ گے اور تم اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کیا کرو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے ۝

نماز تہجد کی فرضیت کے منسوخ ہونے کا بیان

۲۰- ﴿إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ ثُلُثِي اللَّيْلِ﴾ بے شک آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے کہ بے

شک آپ رات کی دو تہائی سے کم قیام (عبادت) کرتے ہیں۔ ”ادنیٰ“ کا معنی اقرب یعنی قریب ترین ہوتا ہے لیکن یہاں بطور استعارہ ”اقل“ کے معنی میں ہے کیونکہ جب دو چیزوں کے درمیان مسافت قریب ہو جاتی ہے تو فاصلہ کم ہو جاتا ہے اور جب دو چیزوں کے درمیان مسافت دور ہوتی ہے تو فاصلہ زیادہ ہوتا ہے [قاری ہشام کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں ”ثُلث“ میں لام مضموم پڑھا جاتا ہے] ﴿وَفَصْفَةٌ وَتِلْكَ﴾ اور آپ آدھی رات اور کبھی ایک تہائی رات میں عبادت و قیام کرتے ہیں [ابن کثیر کی اور کوئی قراءت کے مطابق یہ دونوں کلمے ”ادنیٰ“ پر معطوف ہونے کی بناء پر منصوب ہیں اور جس نے ان دونوں کو مجرور پڑھا ہے اس نے ”ثُلثی“ پر عطف کیا ہے] ﴿وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ﴾ اور آپ کے ساتھیوں میں سے ایک جماعت یعنی آپ کے صحابہ کرام میں سے ایک جماعت اتنی مقدار قیام کرتی ہے [اور ”طَائِفَةٌ“ ”تَقْوَمُ“ میں ضمیر پر معطوف ہے اور فاصلہ کے پائے جانے کی وجہ سے بغیر تاکید کے عطف جائز ہے] ﴿وَاللَّهُ يُقَدِّمُ الْيَلَّ وَالنَّهَارَ﴾ اور اللہ تعالیٰ رات اور دن کا اندازہ فرماتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ واحد لا شریک کے علاوہ کوئی شخص نہ تو رات اور دن کے اندازہ کرنے پر قدرت و اختیار رکھتا ہے اور نہ ان دونوں کے اوقات و لمحات کی مقداروں کا بالکل صحیح اندازہ لگا سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کی تقدیم کے ساتھ آغاز اس بناء پر ہے کہ ”يُقَدِّرُ“ اس پر موقوف ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ تقدیر و اندازہ کے لیے صرف اللہ تعالیٰ مخصوص ہے پھر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے صحابہ کرام اتنی مقدار میں قیام و عبادت کرتے تو ان کے پاؤں سوج جایا کرتے تھے تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ﴿عَلِمَ أَنْ لَنْ تُحْصَوْا﴾ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم اس مقدار کو شمار نہیں کر سکو گے (یعنی) تم اتنی بڑی مقدار میں قیام کی طاقت ہرگز نہیں رکھ سکتے مگر بہت بڑی شدت و مشقت کے ساتھ اور اس میں تو بہت بڑا حرج اور تنگی ہے ﴿فَتَابَ عَلَيْكُمْ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنی مہربانی کے ساتھ رجوع فرمایا اور تم پر تخفیف فرمادی اور تم سے رات کے قیام کا فرض ساقط کر دیا ﴿فَأَقْرَهُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ سو اب تم قرآن مجید میں سے اتنا پڑھ لیا کرو جتنا تم آسانی سے پڑھ سکتے ہو اور نماز میں قرآن مجید پڑھنا واجب ہے اور نماز کے علاوہ باقی اوقات میں قرآن مجید کی تلاوت کرنا مستحب ہے۔ حضرت امام اعظم امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان فرمائی کہ آپ نے فرمایا: جو شخص رات میں ایک سو آیات پڑھ لے گا وہ غافلوں میں سے نہیں لکھا جائے گا اور جو شخص دو سو آیات پڑھے گا وہ عبادت گزاروں میں سے لکھا جائے گا اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہاں قرآن سے نماز مراد ہے کیونکہ قراءت قرآن نماز کے ارکان میں سے ایک رکن ہے یعنی جس قدر آسانی سے تم پڑھ سکتے ہو اسی قدر نماز پڑھ لیا کرو اور رات کی نماز میں مشقت و تکلیف نہ اٹھاؤ اور یہ آیت مبارکہ پہلے حکم کے لیے ناسخ ہے پھر یہ حکم بھی بجز گناہ نمازوں کی آمد پر منسوخ ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے نسخ کی حکمت بیان فرمائی اور وہ حکمت یہ ہے: (۱) بیماروں کے لیے رات کو اٹھ کر نماز تہجد کے لیے قیام کرنا مشکل و متعذر اور باعث تکلیف ہے (۲) اور مسافروں کے لیے دن بھر سفر کرنے کے بعد رات کو آرام کرنے کی بجائے عبادت کے لیے اٹھنا باعث مشقت ہو جاتا ہے (۳) اور مجاہدین کے لیے دن بھر جہاد کی مصروفیت کے سبب رات کو اٹھنا بھی مشقت و تکلیف کا باعث ہو جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضَى﴾ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ عنقریب تم میں سے کچھ لوگ بیمار ہوں گے جن پر رات کو قیام کرنا دشوار ہو جائے گا [”أَنَّ“ اصل میں ”أَنَّ“ تھا پھر ثقیلہ سے مخفف بنا دیا گیا اور تخفیف کے عوض سین کو ”يَكُونُ“ پر داخل کیا گیا اور اسم حذف کر دیا گیا] ﴿وَإِخْرُؤُنْ يَضُرِّيْوْنَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ﴾ اور کچھ دوسرے لوگ اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرتے ہوئے زمین میں سفر کریں گے ”فضل اللہ“ سے تجارت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا رزق

تلاش کرنا یا علم کی طلب کے لیے سفر کرنا مراد ہے ﴿وَأَخْرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اور کچھ دوسرے لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کریں گے اور کفار سے لڑیں گے اور جہاد کرنے والے مجاہدوں اور رزق کمانے والوں کو برابر بیان کیا گیا ہے کیونکہ رزق حلال کمانا بھی جہاد ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص کوئی سامان لے کر مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر میں جائے سفر میں مشقت اٹھانے پر صبر کرے اور اس پر ثواب کی نیت کرے اور اپنا سامان اسی روز کے بھاؤ فروخت کر دے تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہیدوں میں شمار ہوگا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہونے کے بعد مجھے کوئی موت اس سے زیادہ پسند نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے رزق کی طلب میں دوران سفر مر جاؤں ﴿فَأَقْذِرْهُ وَأَمَّا تيسَّرَ مِنْهُ﴾ سو تم اس میں سے جس قدر آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھو۔ تیسیر و آسانی کے حکم کا تکرار ان کی احتیاط شدید کے لیے کیا گیا ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾ اور تم بخگانہ فرض نمازیں قائم کرو اور زکوٰۃ واجبہ ادا کرو ﴿وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ اور تم نقلی صدقات و خیرات کی صورت میں اللہ تعالیٰ کو بہترین اور سب سے اچھا قرض یعنی رزق حلال میں سے خلوص دل کے ساتھ دو اور قرض کا لغوی معنی کاٹنا ہے سو قرض دینے والا رقم وغیرہ کی مقرر مقدار اپنے مال میں سے کاٹ لیتا ہے اور اپنے غیر کو دے دیتا ہے اور اسی طرح صدقہ و خیرات کرنے والا صدقہ کی مقدار اپنے مال میں سے علیحدہ کر لیتا ہے پھر اسے اللہ تعالیٰ کے لیے خیرات کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف منسوب فرمایا تاکہ کوئی مخیر آدمی فقیر کو صدقہ دیتے وقت اس پر احسان نہ جتائے اور یہ اس لیے کہ فقیر تو اس قربت و عبادت میں مال دار کا معاون ہے پس مال دار کا فقیر پر کوئی احسان نہیں بلکہ فقیر کا مال دار پر احسان ہے ﴿وَمَا تَقْدِرُوا إِلَّا أَنْفُسَكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوا وَكَعِنْدَا اللَّهِ﴾ اور تم نیکی میں سے جو کچھ اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے تم اللہ تعالیٰ کے پاس ضرور پاؤ گے یعنی اس نیکی کا ثواب ضرور پاؤ گے اور یہ شرط کی جزاء ہے ﴿هُوَ خَيْرٌ﴾ وہ ثواب اس سے بہت بہتر ہوگا جو مال و دولت تم نے اپنے پیچھے چھوڑا ہے [اور "تجدوہ" کا دوسرا مفعول "خیراً" ہے اور "هو" ضمیر فاعل ہے اور یہ جائز ہے اگرچہ دو معرفوں کے درمیان واقع نہیں ہوئی کیونکہ فعل معرفہ کے مشابہ ہے اس لیے کہ اس پر حرف تعریف داخل کرنا ممنوع ہے] ﴿وَأَعْظَمَ أَجْرًا﴾ اور اجر بہت بڑا ہوگا یعنی ثواب بہت زیادہ ملے گا ﴿وَأَسْتَغْفِرُوا اللَّهَ﴾ اور تم برائیوں پر اور نیکیوں میں کوتاہی پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت و بخشش طلب کرو ﴿إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے وہ گناہ گار اور کوتاہی کرنے والے کی پردہ پوشی فرما لیتا ہے ﴿سَاجِدٌ﴾ بے حد مہربان ہے جو جدوجہد کرنے والوں اور تو قیر والوں سے تخفیف فرماتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

سورة المدثر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة المدثر

سورة المدثر مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی چھین آیات دو رکوع ہیں

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبِّكَ فَكْبِيرٌ ۝ وَثِيَابُكَ فَطَهِّرْ ۝

وَالرُّجُفَ فَاهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْبِرُ ۝ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝ فَإِذَا أَنْقَرْنَا

التَّافُورُ ﴿۱۰﴾ فَذَلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ﴿۹﴾ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ﴿۱۱﴾

اے چادر اوڑھنے والے محبوب! O اٹھو اور ڈر سناؤ O اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کرو O اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو O اور بتوں سے دور رہو O اور زیادہ لینے کے لیے احسان نہ کرو O اور اپنے پروردگار کے لیے صبر کرو O پھر جب صور میں پھونکا جائے گا O سو وہ دن بہت سخت دن ہوگا O کافروں پر آسان نہیں ہوگا O

حضور ﷺ کو چند ہدایات کا حکم اور قیامت کے دن کی شدت کا بیان

۲۱- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں کوہِ حراء پر تھا، پس مجھے پکارا گیا: "يَا مُحَمَّدُ إِنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ" اے محمد (ﷺ)! بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، چنانچہ میں نے اپنی دائیں جانب اور اپنی بائیں جانب دیکھا، لیکن میں نے کچھ نہ پایا، پھر میں نے اپنے اوپر دیکھا کہ ایک شخص آسمان اور زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے یعنی وہی فرشتہ جس نے آپ کو پکارا، سو مجھ پر رعب طاری ہو گیا اور میں واپس حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس لوٹ آیا اور میں نے کہا: "دَثِرْنِي دَثِرْنِي" مجھے چادر اڑھاؤ! مجھے چادر اڑھاؤ! چنانچہ حضرت خدیجہ نے آپ کو چادر اڑھا دی، پھر حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور یہ پڑھا: ﴿يَا أَيُّهَا الْمَدَّثِرُ﴾ اے چادر اوڑھنے والے محبوب! یعنی کپڑوں میں لپٹنے والا یہ "دثار" سے ماخوذ ہے اور "دثار" ہر اس کپڑے کو کہا جاتا ہے جو شعار کے اوپر پہنا جاتا ہے اور شعار وہ کپڑا ہوتا ہے جو جسم کے ساتھ لگا ہوتا ہے ["مدثر" اصل میں "متدثر" تھا، پھر "تا" کو ال میں مدغم کر دیا گیا] ﴿فَقَدْ﴾ آپ اپنے بستر سے اٹھ جائے یا یہ معنی ہے کہ آپ عزم مصمم اور مضبوط ارادے کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوں ﴿فَأَنْذَارُ﴾ سو آپ اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں اگر وہ ایمان نہیں لاتے یا یہ کہ آپ کسی فرد اور قوم کی تخصیص کے بغیر ڈر سنانے کا عمل جاری رکھیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حضور نے قریش مکہ کی طرف سے کوئی ایسی بات سن لی جو آپ کو ناگوار گزری اور آپ غمگین ہو گئے اور آپ نے فکر مند ہو کر چادر لپیٹ لی جیسا کہ مغموم آدمی کرتا ہے، سو آپ کو فرمایا گیا: اے اپنے آپ سے کفار کی اذیت کو چادر کے ذریعے دور کرنے والے محبوب! اٹھئے اور ڈر سنانے کے ساتھ مصروف ہو جائیے، اگرچہ سرکش اور نافرمان لوگ آپ کو اذیت و تکلیف پہنچائیں۔

۳- ﴿وَمَا بَكَ فَكَيْتُرٌ﴾ اور آپ اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کرتے رہیں اور آپ اپنے پروردگار کو بڑائی کے ساتھ مختص کر دیں اور تکبر و بڑائی سے مراد اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تکریم ہے یعنی آپ کی نگاہ میں کسی غیر اللہ کی بڑائی اور عظمت نہیں ہونی چاہیے اور آپ کا کسی غیر اللہ سے آسا منا ہونا تو اس وقت آپ فرمادیں: "اللَّهُ أَكْبَرُ" اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللَّهُ أَكْبَرُ" پھر یہ سن کر حضرت خدیجہ نے کہا: "اللَّهُ أَكْبَرُ" اور خوش ہو گئیں اور انہیں یقین ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی الہی نازل ہوئی ہے اور اس کو نماز کی تکبیر (تحریمہ) پر محمول کیا جاتا ہے اور "تکبیر" پر "فا" شرط کے معنی کی وجہ سے داخل کی گئی ہے گویا فرمایا گیا کہ اور جو کچھ ہو جائے لیکن آپ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی نہ چھوڑیں۔

۴- ﴿وَتِيَابِكَ فَطَهِّرُ﴾ اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو یعنی تم اپنے کپڑوں کو پانی کے ذریعے نجاست سے پاک رکھو کیونکہ نماز بغیر طہارت صحیح نہیں ہوتی اور یہ طہارت نماز کے علاوہ بھی بہت بہتر ہے یا (یہ معنی ہے کہ) آپ عرب کی مخالفت

کرتے ہوئے اپنے کپڑے چھوٹے رکھیں کیونکہ عرب کی طرح لمبے کپڑے پہننے اور کپڑوں کے نچلے کنارے زمین پر لگنے کی وجہ سے نجاست آلود ہونے سے محفوظ نہیں رہ سکتے یا (یہ معنی ہے کہ) آپ اپنی ذات کو گندے افعال سے پاک رکھیں چنانچہ جب لوگ کسی آدمی کو عیبوں سے پاک بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ فلاں آدمی پاک دامن ہے اور خیانت کرنے والے کو کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی پاک دامن نہیں اور اس لیے کہ جو آدمی اپنے باطن کو پاک کر لے گا اس کا ظاہر بھی پاک ہوگا۔

۵- ﴿وَالرَّجْزَ فَاهُجْرًا﴾ اور آپ بتوں سے دور رہیں یعنی آپ بتوں سے ترک تعلق پر پہلے کی طرح آئندہ بھی ثابت وقائم رہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بتوں سے بیزار اور دور رہتے تھے اور ”رَجْزٌ“ کا ایک معنی عذاب بھی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ ایسے اعمال سے بچتے رہو جو عذاب تک پہنچادیں [حضرات حفص، یعقوب اور سہل کی قراءت میں ”راء“ مضموم پڑھا جاتا ہے اور ان کے علاوہ باقیوں کے نزدیک ”راء“ مکسور ہے]۔

۶- ﴿وَلَا تَمَنَّٰنٌ تَسْتَكْثِرُ﴾ اور آپ زیادہ لینے کے لیے کسی پر احسان نہ کریں یعنی آپ اس نیت سے کسی کو کوئی عطیہ نہ دیں کہ آپ اس سے زیادہ لیں گے یا یہ کہ آپ نے جو کچھ عطیہ عنایت کیا ہے اس سے زیادہ کی طلب نہ رکھیں کیونکہ آپ کو عظیم الشان اور بڑے جلیل القدر اخلاق عالیہ اور بہترین اور اعلیٰ ترین آداب کے ساتھ مامور کیا گیا ہے اور یہ ”تَمَنَّٰنٌ“ ”مَنْ عَلَيْهِ“ سے ناخوذ ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی پر کوئی انعام و احسان کرتا ہے [”تَسْتَكْثِرُ“ مرفوع ہے اور یہ حال کی بناء پر محلاً منصوب ہے اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سکون کے ساتھ ”تَسْتَكْثِرُ“ پڑھا ہے اور یہ اس صورت میں نہیں کا جواب ہوگا]۔

۷- ﴿وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ﴾ اور آپ اپنے پروردگار کے لیے صبر کیجئے یعنی اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی (فرائض اور ممنوعات) پر اور ہر وہ عمل جس پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ہر وہ عمل جس سے رکنے پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان سب پر محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی خاطر صبر پر عمل کیجئے۔

۸ تا ۱۰- ﴿فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ﴾ پھر جب صور میں پھونکا جائے گا اور اس سے پہلا نغمہ مراد ہے جس کے پھونکنے پر تمام مخلوقات فنا ہو جائے گی اور بعض حضرات کا قول ہے کہ دوسرا نغمہ مراد ہے جس کے پھونکنے پر سب لوگ زندہ ہو جائیں گے ﴿فَذٰلِكَ يَوْمًا يَوْمًا عَسِيرًا عَلٰى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرٌ يَّسِيْرٌ﴾ پس وہ دن بہت سخت دن ہوگا O کافروں پر آسان نہیں ہوگا۔ ”فَذٰلِكَ“ سے صور پھونکنے کے وقت کی طرف اشارہ ہے گویا کہا گیا ہے کہ صور پھونکنے کا دن بڑا سخت دن ہوگا گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ فرمایا گیا ہے کہ اے محبوب! آپ ان کفار کی ایذاؤں اور تکلیفوں پر صبر کریں کیونکہ ان کے آگے ایک سخت ترین دن آنے والا ہے جس میں وہ لوگ اپنی ایذاؤں اور تکلیفوں کا انجام بد پائیں گے اور آپ ان پر صبر کرنے کا انجام خیر پائیں گے یہ دن کافروں پر سخت ہوگا آسان نہیں ہوگا اس لیے فرمایا تا کہ یہ بتایا جائے کہ یہ دن مسلمانوں پر سخت نہیں ہوگا دوسرا یہ کہ اس دن کے آسان ہو جانے کی امید نہیں کی جاسکتی جیسا کہ دنیا کے معاملات میں سے بعض سخت معاملات کے آسان ہو جانے کی امید کی جاسکتی ہے [”ذٰلِكَ“ اسم اشارہ مبتدا ہے اور ”يَوْمًا يَوْمًا“ محلاً مرفوع ”ذٰلِكَ“ کا بدل ہے اور ”يَوْمًا عَسِيْرًا“ خبر ہے اور ”فَإِذَا“ میں ”فَا“ سبب کا ہے اور ”فَذٰلِكَ“ میں ”فَا“ جزاء کا ہے اور ”عَسِيْرًا“ تاکیدی ہے ”عَلٰى الْكٰفِرِيْنَ“ کی اور ”فَإِذَا“ میں عامل وہ ہے جس پر جزاء دلالت کرتی ہے یعنی ”فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ عَسِيْرًا الْأَمْرُ“]۔

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ۙ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَمْدُودًا ۙ وَبَيْنَيْنِ
 شُهُودًا ۙ وَمَهَّدْتُ لَهُ تَهَيِّدًا ۙ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ۙ كَلَّا إِنَّهُ كَانَ
 لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ۙ سَأَرْهِقُهُ مَعُودًا ۙ إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَارًا ۙ فَعُقِلَ كَيْفَ
 قَدَارًا ۙ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَارًا ۙ ثُمَّ نَظَرَ ۙ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۙ ثُمَّ
 أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۙ

(اے محبوب!) آپ سے مجھ پر چھوڑ دیں جس کو میں نے اکیلا پیدا کیا ہے O اور میں نے اس کے لیے بہت زیادہ مال
 مہیا کیا O اور سامنے حاضر رہنے والے بیٹے دیئے O اور میں نے اس کے لیے ہر قسم کا سامان تیار کیا O پھر بھی وہ یہ طمع کرتا ہے
 کہ میں اور زیادہ دوں O ہرگز نہیں! بے شک وہ ہماری آیتوں کا دشمن ہے O عنقریب میں اس کو آگ کے پہاڑ پر چڑھاؤں
 گا O بے شک اس نے سوچا اور ایک بات کا فیصلہ کر لیا O سو اس پر لعنت کی جائے اس نے کیا فیصلہ کر لیا O پھر اس پر لعنت کی
 جائے اس نے کیا فیصلہ کر لیا O پھر اس نے غور سے دیکھا O پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑا O پھر اس نے پیٹھ پھیری اور تکبر
 کیا O

ولید بن مغیرہ کی مذمت اور دوزخ کی سختی کا بیان

۱۱ تا ۱۴۔ ﴿ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا﴾ آپ مجھے اس کے ساتھ چھوڑ دیں جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ہے یعنی
 اس کو میرے سپرد کر دیں اور اس سے ولید بن مغیرہ مراد ہے اور اس کی قوم میں اسے وحید کے لقب سے پکارا جاتا [”وَمَنْ
 خَلَقْتُ“ معطوف ہے یا مفعول معہ ہے اور ”وَحِيدًا“ یا تو ”ذَرْنِي“ کی ”یا“ سے حال ہے اس صورت میں اس کا معنی یہ
 ہے: [یعنی اس کے ساتھ مجھے اکیلا چھوڑ دیں کیونکہ آپ کا انتقام لینے کے لیے میں اسے کافی ہوں] یا پھر ”وَحِيدًا“،
 ”خَلَقْتُ“ کی ”تا“ ضمیر متکلم سے حال ہے [یعنی میں نے اکیلے اس کو پیدا کیا ہے اس کی تخلیق میں میرے ساتھ کوئی
 شریک نہیں تھا] یا ”ہا“ محذوفہ سے یا ”مَنْ“ سے حال ہے [یعنی میں نے اس کو بغیر اہل و عیال اور بغیر مال و دولت کے تنہا
 پیدا کیا ہے پھر بعد ازاں میں نے اس پر احسان اور انعام فرمایا ﴿وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَمْدُودًا﴾ اور میں نے اس کو وسیع و
 کشادہ اور ہر طرف بہت زیادہ پھیلا ہوا مال عطا کیا یا یہ کہ میں نے اس کے مال کو ترقی دے کر اور بڑھا کر بہت زیادہ وسیع کر
 دیا اور پھیلا دیا چنانچہ اس کی کھیتیاں بہت تھیں اور دودھ دینے والے جانور اس کے پاس بہت زیادہ اور تجارت کا کاروبار
 بہت وسیع تھا اور حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ولید بن مغیرہ کے پاس ایک لاکھ دینار (سونے کے
 سکے) تھے اور انہیں سے مروی ہے کہ طائف میں ولید کی اتنی زرخیز زمین تھی جس کا پھل ختم نہیں ہوتا تھا ﴿وَبَيْنَيْنِ شُهُودًا﴾
 اور میں نے اس کو بیٹے دیئے جو اس کے سامنے حاضر رہتے (یعنی) ولید کے بیٹے بلکہ مکرمہ میں اس کے ساتھ نظروں کے
 سامنے رہتے تھے کیونکہ وہ کاروباری سلسلے میں سفر سے بے نیاز تھے اور ولید بن مغیرہ کے دس بیٹے تھے ان میں سے تین بیٹے
 حضرت خالد بن ولید، حضرت ہشام بن ولید اور حضرت عمارہ بن ولید مسلمان ہو گئے تھے ﴿وَمَهَّدْتُ لَهُ تَهَيِّدًا﴾ اور میں

نے اس کو بہت زیادہ سامان مہیا کیا اور میں نے اس کو علاقہ بھر میں جاہ و جلال، عزت و وقار اور قریش میں ریاست و سرداری اور چودھراہٹ مہیا کی سو میں نے جاہ و جلال اور مال و دولت اس کو دے کر اپنی نعمت تمام اور مکمل کر دی اور دنیا داروں کے نزدیک کسی شخص کے پاس ان دونوں کا اجتماع کمال شمار ہوتا ہے۔

۱۵، ۱۶- ﴿تَحَرَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ﴾ پھر وہ طمع رکھتا ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں اور اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد اس کا طمع اور حرص و لالچ کا انکار کرنے اور اسے عقل و خرد سے بعید قرار دینے کے لیے بیان فرمایا ہے یعنی ولید بن مغیرہ یہ امید رکھتا ہے کہ اس کے شکر ادا کیے بغیر میں اس کے مال میں اور اس کی اولاد میں اور اضافہ کر دوں جیسا کہ اس نے کہا تھا: "لَا وَتَيْنَ مَالًا وَوَلَدًا" (مریم: ۷۷) "مجھے (بروز قیامت) مال اور اولاد ضرور دیا جائے گا" ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ سے اسے جھڑکا گیا ہے اور اس کی طمع کو ختم کیا گیا ہے یعنی آج کے بعد اس کے کفر و شرک کے ساتھ مزید نعمتیں جمع نہیں ہو سکتیں چنانچہ اس آیت مبارکہ کے بعد مسلسل اور ہمیشہ اس کے مال و دولت میں اور اس کے جاہ و جلال میں نقصان ہی ہوتا رہا یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو گیا ﴿إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا﴾ بے شک وہ ہماری آیتوں یعنی قرآن مجید سے عناد و بغض رکھنے والا اور اس کا منکر ہے اور یہ مستقل نئے کلام کے طور پر اسے جھڑکنے اور ڈانٹنے کے لیے علت ہے گویا کسی کہنے والے نے کہا کہ اسے مزید کیوں نہیں دیا جائے گا؟ تو جواب میں کہا گیا کہ اس لیے کہ اس نے اپنے منعم اور اپنے محسن کی آیات کا انکار کر دیا ہے اور اس نے اس انکار کی وجہ سے اس کی نعمتوں کے ساتھ کفر کیا ہے اور کافر مزید کا مستحق نہیں ہوتا۔

۱۷- ﴿سَاءَ زُهْقًا﴾ عنقریب میں اس کو اپنے قبر سے ڈھانپ لوں گا ﴿صَعُودًا﴾ دشوار گزار گھائی سے آگ کے بلند ترین اور مشکل ترین صعود پہاڑ پر چڑھاؤں گا اور حدیث شریف میں ہے کہ دوزخ میں آگ کا ایک بلند ترین پہاڑ ہے جس کا نام صعود ہے اس کی چوٹی تک پہنچنے کے لیے ستر سال کی مسافت ہے پھر نیچے آنے کی مسافت بھی ستر سال کی ہے اس پہاڑ پر ولید کو زنجیروں میں جکڑ کر چڑھایا جائے گا پھر اس کو اس میں نیچے گرایا جائے گا ہمیشہ یوں ہی ہوتا رہے گا۔

۱۸ تا ۲۰- ﴿إِنَّهُ فَكَّرَ﴾ بے شک اس نے سوچا۔ یہ آیت مبارکہ وعید (ڈرانے دھمکانے) کے لیے علت ہے گویا اللہ تعالیٰ نے ولید بن مغیرہ کے بغض و عناد اور اس کی اسلام دشمنی کی وجہ سے اسے عزت و دولت کے بعد بہت جلد ذلت و رسوائی اور فقر و فاقہ میں مبتلا کر دیا اور اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کو شدید ترین عذاب کی سزا دے گا کیونکہ وہ بغض و عناد میں انتہاء تک پہنچ چکا تھا اور اس نے قرآن مجید کا نام جادو رکھا ہوا تھا یعنی اس نے سوچا اور غور و فکر کیا کہ وہ قرآن مجید کے بارے میں کیا کہے ﴿وَقَدَّارٌ﴾ اور اس نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ قرآن مجید کو جادو کہے گا اور وہ تیار ہو گیا ﴿فَقَتِلَ﴾ سو وہ مارا جائے اور اس پر لعنت ہو "فُقِيلَ" بہ معنی "لُعِنَ" ہے ﴿كَيْفَ قَدَّارٌ﴾ کیسا فیصلہ کیا۔ اس کے فیصلہ پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے ﴿ثُمَّ قَتِلَ كَيْفَ قَدَّارًا﴾ پھر اس پر لعنت ہو اس نے کیسا فیصلہ کر لیا۔ دوبارہ تاکید کے لیے بیان کیا گیا ہے اور حرف "ثُمَّ" آگاہ کر رہا ہے کہ دوسری دعائے ضرر پہلی سے زیادہ بلیغ ہے۔

۲۱ تا ۲۳- ﴿ثُمَّ نَظَرَ﴾ پھر اس نے لوگوں کے چہروں میں دیکھا یا اس نے اپنے فیصلے میں غور کیا ﴿ثُمَّ عَيَسَ﴾ پھر اس نے تیوری چڑھائی اور ماتھے پہ شکن ڈال کر ترش روئی کا اظہار کیا ﴿وَبَسَّرَ﴾ اور اس نے اپنا منہ بگاڑا (یعنی اس نے منہ چڑھانے اور تیوری چڑھانے میں اضافہ کیا) ﴿ثُمَّ أَدْبَرَ﴾ پھر اس نے حق سے پیٹھ پھیر لی اور حق کو پس پشت ڈال دیا ﴿وَاسْتَكْبَرَ﴾ اور اس نے حق سے تکبر و غرور کیا یا اس کے مقام و مرتبہ سے تکبر و غرور کیا اور حق بات کہنے میں تکبر کیا اور

”نَمَّ نَظَرَ“، ”فَكَرَّ وَقَدَّرَ“ پر معطوف ہے اور ان دونوں کے درمیان دعائے ضرر معترضہ ہے اور ”نَمَّ“ کو تمام معطوفات میں یہ بیان کرنے کے لیے لایا گیا کہ افعال معطوفہ کے درمیان تراخی ہے۔

فَقَالَ إِنَّ هَذَا إِسْحَرِيٌّ وَتَوَدَّرُ (۲۴) إِنَّ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ (۲۵) سَأَصْلِيهِ
سَقَرًا (۲۶) وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرٌ (۲۷) لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ (۲۸) لَوَّاحَةٌ لِلْبَشَرِ (۲۹)
عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ (۳۰)

پھر اس نے کہا: یہ نہیں ہے مگر محض جادو جو پہلوں سے منقول چلا آ رہا ہے۔ یہ نہیں مگر ایک انسان کا کلام۔ عنقریب میں اس کو دوزخ کی آگ میں داخل کروں گا۔ اور تمہیں کیا معلوم دوزخ کی آگ کیا ہے۔ وہ نہ باقی رکھتی ہے اور نہ وہ چھوڑتی ہے۔ وہ آدمیوں کی کھال جلا دیتی ہے۔ اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں۔

۲۴، ۲۵۔ ﴿فَقَالَ إِنَّ هَذَا إِسْحَرِيٌّ وَتَوَدَّرُ﴾ پھر اس نے کہا: یہ قرآن مجید نہیں ہے مگر جادو جو پہلے لوگوں سے منقول چلا آ رہا ہے اس کو جادو گروں سے نقل کیا جاتا ہے۔

مروی ہے کہ ولید نے قبیلہ بنو مخزوم سے کہا: اللہ کی قسم! میں نے (حضرت) محمد (ﷺ) سے ابھی ایسا کلام سنا ہے جو نہ انسانوں کے کلام میں سے ہے اور نہ جنوں کے کلام میں سے ہے بے شک اس میں حلاوت و مٹھاس ہے اور وہ بڑا حسین و جمیل کلام ہے اور اس کا ظاہر پھل دار فصیح و بلیغ اور اس کا باطن پرکشش شیریں کلام ہے اور بے شک یہ غالب رہے گا اور مغلوب نہیں ہوگا چنانچہ قریش مکہ نے سن کر کہا: اللہ کی قسم! ولید بے دین ہو گیا ہے تو ابو جہل جو ولید کا بھتیجا تھا اس نے کہا: تم سب کے مقابلے میں اکیلا میں اسے کافی ہوں پھر وہ رنجیدہ اور غمگین بن کر ولید کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور اس سے گفتگو کی اور اسے قومی غیرت و حمیت یاد دلانی اور اسلام سے نفرت دلانی چنانچہ ولید قریش کے پاس آیا اور کہا: تم گمان کرتے ہو کہ (حضور سید عالم حضرت) محمد (ﷺ) مجنون و دیوانہ ہیں تو کیا تم نے ان کو دیوار نہ وار باتیں کرتے ہوئے سانس پھولتے ہوئے اپنا یا کسی کا گلا دباتے ہوئے دیکھا ہے؟ اور تم کہتے ہو: وہ کاہن ہیں تو کیا تم نے ان کو کہانت کی باتیں کرتے ہوئے محض عقل و قیاس اور گمان کی بناء پر ٹوٹے بیان کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ اور تم یہ بھی گمان کرتے ہو کہ وہ شاعر ہیں تو کیا تم نے ان کو شعر بناتے ہوئے اور شاعرانہ منظوم کلام کہتے ہوئے دیکھا ہے؟ اور تم گمان کرتے ہو کہ وہ جھوٹے ہیں (نعوذ باللہ من کل ذالک) تو کیا تم نے ان پر جھوٹ کا تجربہ کیا ہے؟ چنانچہ سب لوگوں نے کہا کہ ان تمام عیبوں میں سے کوئی عیب آپ میں نہیں ہے پھر ان لوگوں نے ولید سے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ تو ولید نے غور و فکر کیا اور سوچ و بچار کیا پھر کہا: وہ جادو گر ہیں کیا تم نے دیکھا نہیں کہ وہ میان بیوی ماں باپ اور اولاد میں اور دوست و احباب میں جدائی ڈلوادیتے ہیں اور وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ سب جادو ہے جو مسیلمہ اور بابل والوں کی طرف سے منتقل کیا جاتا ہے سو یہ سن کر اہل مجلس خوشی سے جھوم اٹھے اور ولید کی اس بات پر تعجب کرتے ہوئے منتشر ہو گئے [”فَقَالَ“ میں حرف ”فا“ کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ جب یہ بات اس کے دل میں پیدا ہوئی تو اس نے بغیر کسی سوچ کے فوراً کہہ دی] ﴿إِنَّ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ﴾ یہ تو نہیں مگر ایک انسان کا کلام [ان دو جملوں کے درمیان حرف عطف کو ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ دوسرا جملہ پہلے جملہ کی تاکید کے قائم مقام ہے۔]

۲۶، ۲۷۔ ﴿سَأَصْلِيهِ سَقَرًا﴾ عنقریب میں اس کو دوزخ کی آگ میں داخل کروں گا [یہ ”سَأَرْهَقُهُ صَعُودًا“

سے بدل ہے اور ”سَقَر“ جہنم کے لیے اسم علم ہے اور معرفہ اور تائید کی وجہ سے منصرف نہیں پڑھا جاتا ﴿وَمَا آذُنُكَ مَأْسُقٌ﴾ اور تمہیں کیا معلوم کہ دوزخ کی آگ کس قدر خطرناک ہے اور یہ کلام دوزخ کے پرخطر اور ہولناک حال سے ڈرانے کے لیے بیان کیا گیا ہے ﴿لَا تَبْقَى وَلَا تَذَرُ﴾ وہ نہ باقی رہنے دے گی اور نہ وہ ہڈی کو چھوڑے گی یا یہ معنی ہے کہ وہ کسی چیز کو باقی نہیں رہنے دے گی جو چیز بھی اس میں ڈالی جائے گی مگر وہ اسے ہلاک کر دے گی اور اس کو ہلاک کر کے نہیں چھوڑے گی بلکہ ہلاک ہونے والا اصل حال میں لوٹ آئے گا جیسا وہ تھا۔

۲۹- ﴿لَوْ أَحَاطَ لِلْبَشْرِ﴾ وہ جسم کی کھال کو جھلسانے والی ہے۔ ”بَشْرٌ“، ”بَشْرَةٌ“ کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: جسم انسانی کے چمڑے کا ظاہری حصہ یعنی دوزخ کی آگ انسانوں کے چمڑوں کو کالا سیاہ کر دے گی یا انہیں جلا دے گی [”لَوْ أَحَاطَ“ مبتدا محذوف کی خبر ہے اصل میں ”هِيَ لَوْ أَحَاطَ“ ہے]۔

۳۰- ﴿عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشْرًا﴾ اس پر انیس ہیں یعنی دوزخ پر انیس فرشتے مقرر ہیں جو اس کے امور کے منتظم اور اس کے متولی ہیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک اس آیت مبارکہ کے مطابق انیس فرشتے مقرر ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ فرشتوں کی انیس قسمیں مراد ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ فرشتوں کی انیس صفیں مراد ہیں اور بعض نے فرمایا: انیس محافظ مراد ہیں۔

وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً ۖ وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً
لِّلَّذِينَ كَفَرُوا ۗ لِيَسْتَيَقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا
وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ ۗ وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمُ
مَّرَضٌ ۖ وَالْكَافِرُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا ۗ كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَن
يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ ۗ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ۗ وَمَا هِيَ إِلَّا
ذِكْرٌ لِّلْبَشَرِ ۗ

اور ہم نے دوزخ کے محافظ نہیں بنائے مگر فرشتے اور ہم نے فرشتوں کی تعداد نہیں بنائی مگر کافروں کے لیے آزمائش تاکہ اہل کتاب یقین کر لیں اور ایمان والوں کا ایمان مزید بڑھ جائے اور اہل کتاب اور مسلمان شک نہ کریں اور تاکہ جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے وہ اور کفار کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس عجیب بات سے کیا ارادہ فرمایا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور تمہارے پروردگار کے لشکروں کو ماسوا اس (اللہ تعالیٰ) کے کوئی نہیں جانتا اور وہ تو نہیں مگر انسانوں کے لیے نصیحت ہے ۝

دوزخ پر انیس فرشتوں کے تقرر کی حکمتوں کا بیان

۳۱- ﴿وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً﴾ اور ہم نے دوزخ کا محافظ و منتظم صرف فرشتوں کو بنایا ہے۔ ”أَصْحَابَ النَّارِ“ سے دوزخ کے محافظ و منتظم اور متولی فرشتے مراد ہیں جو دوزخیوں کو عذاب دینے کے لیے مقرر کیے گئے

ہیں (یعنی ”اصحاب الجنة“ کا مقابلہ مراد نہیں ہے) اور دوزخ پر فرشتوں کے تقرر کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ یہ ”مُعَذِّبِينَ“ (جنوں اور انسانوں میں سے جن کو عذاب دیا جائے گا) کی جنس سے نہیں ہیں بلکہ مخالف جنس سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے دوزخیوں کو عذاب دیتے وقت ان کو ان پر رحم ترس اور رقت و نرمی نہیں آئے گی کیونکہ تمام مخلوقات میں فرشتے سب سے زیادہ قوی طاقتور اور توانا ہوتے ہیں اور سب سے زیادہ گرفت کرنے والے ہوتے ہیں چنانچہ فرشتوں میں سے ایک فرشتے کے پاس تمام انسانوں اور تمام جنوں کی قوت کے برابر قوت و طاقت ہوتی ہے ﴿وَمَا جَعَلْنَا عِدَّةَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اور ہم نے ان کی گنتی کو نہیں بنایا مگر کافروں کے لیے آزمائش یعنی دوزخ پر انہیں محافظ و منتظم فرشتوں کے تقرر کی تعداد کو ہم نے صرف کافروں کے لیے آزمائش اور امتحان بنایا ہے یہاں تک کہ جب آیت کریمہ ”عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ“ نازل ہوئی تو ابو جہل نے کفار مکہ سے کہا: کیا تم میں سے دس آدمیوں کا ہر گروہ ان فرشتوں میں سے ایک فرشتے کو نہیں پکڑ سکے گا حالانکہ تم بہت بڑی تعداد ہو سو یہ بات سن کر ابو الاشد نے کہا: اور یہ بڑا طاقتور اور سخت و مضبوط گرفت رکھنے والا پہلوان تھا کہ میں اکیلا سترہ فرشتوں کو کافی ہوں اور دو کو تم قابو کر لینا اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی کہ ہم نے دوزخ کے محافظ فرشتے بنائے ہیں یعنی ہم نے فرشتوں کو تمہاری جنس کے مردوں میں سے نہیں بنایا کہ وہ تمہاری طرح طاقت رکھتے ہوں اور مفسرین نے فرمایا: پہلی بات تو یہ ہے کہ اعداد (گنتی) کے بارے میں علت اور سبب کا مطالبہ نہیں کیا جاتا اس کے باوجود دوزخ کی حفاظت کے لیے انہیں فرشتوں کی تعداد کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ ان میں چھ فرشتے کفار کے آگے چلتے ہوئے انہیں دوزخ کی آگ کی طرف لے جائیں گے اور چھ فرشتے کفار کو پیچھے سے ہانکیں گے اور چھ فرشتے لوہے کے گرزوں کے ساتھ انہیں لے جاتے وقت مارتے جائیں گے اور ایک فرشتہ دوزخ کا متولی ہو گا جو سب سے بڑا فرشتہ ہے جس کا نام مالک ہے اس طرح کل انہیں فرشتے ہوئے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ دوزخ میں انہیں درجے ہوں گے اور ہر درجہ پر ایک فرشتہ مقرر ہو گا اور بعض حضرات کا قول ہے کہ دوزخ میں انہیں اقسام کے عذاب ہوں گے اور ہر قسم پر ایک فرشتہ مقرر ہو گا اور بعض نے کہا کہ دوزخ کی حفاظت انہیں فرشتوں سے اس طرح کی جاتی ہے جس طرح زمین کی حفاظت پہاڑوں کے ذریعے کی جاتی ہے اور وہ انہیں ہیں اور اگرچہ ان کی اصل تعداد ایک سو تو ہے مگر انہیں کے علاوہ باقی پہاڑ انہیں سے متفرق ہوتے ہیں ﴿لِيَسْتَيَقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ﴾ تاکہ اہل کتاب یقین کر لیں کیونکہ ان کی دونوں کتابیں تورات و انجیل میں دوزخ کے محافظ فرشتوں کی تعداد انہیں تھی پھر جب وہ قرآن مجید میں اس طرح سنیں گے تو انہیں یقین آ جائے گا کہ بے شک یہ قرآن مجید واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے ﴿وَيَذَرُ الَّذِينَ آمَنُوا آيَاتِنَا﴾ اور جو لوگ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لائے ہیں ان کا ایمان اور بڑھ جائے گا کیونکہ وہ اس کی تصدیق کریں گے جس طرح انہوں نے باقی نازل کردہ کلام کی تصدیق کی ہے یا اس لیے کہ ان اہل ایمان کا یقین زیادہ ہو جائے گا کہ ان کی کتاب (قرآن مجید) ان کی کتابوں کے موافق ہو جائے گی [یہ کلام ”لِيَسْتَيَقِنَ“ پر معطوف ہے] ﴿وَلَا يَزِيدُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ﴾ اور اہل کتاب اور مسلمان شک و شبہ نہیں کریں گے اور اس میں یقین کے حصول اور ایمان کے اضافے کی تاکید ہے کیونکہ یقین کا حصول اور ایمان کا زیادہ ہو جانا شک و شبہ کی نفی کی دلیل ہے [یہ بھی ”لِيَسْتَيَقِنَ“ پر معطوف ہے نیز درج ذیل کلام بھی اسی پر معطوف ہے] ﴿وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْكَافِرُونَ﴾ اور تاکہ وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے اور کفار و مشرکین کہیں پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نفاق تو مدینہ منورہ میں ظاہر ہوا اور یہ سورت مکہ سے ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس کلام کا معنی یہ ہے کہ وہ منافقین جن کا نفاق ہجرت کے بعد مدینہ منورہ کی سرزمین پر مستقبل میں ظاہر ہو گا اور مکہ مکرمہ کے کفار و

مشرکین کہیں گے: ﴿مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا﴾ اللہ تعالیٰ نے اس مثال سے کیا ارادہ فرمایا ہے اور یہ دیگر غیبی خبروں کی طرح عنقریب ظہور پذیر ہونے والی غیبی خبر ہے اور یہ اس سورت کے مکی ہونے کے خلاف نہیں ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ”مَوْضُوعٌ“ سے شک و شبہ مراد ہے کیونکہ اکثر اہل مکہ شک کرنے والے تھے [”مَثَلًا“، ”هَذَا“ کی تمیز ہے یا پھر اس سے حال واقع ہو رہا ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”هَذِهِ نَاقَةٌ لِلَّهِ لَكُمْ آيَةٌ“ (الاعراف: ۷۳) ”یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے ایک نشانی ہے“] اور جب اس عدد کا ذکر نہایت عجیب و غریب ہے اور اس طرح کے عدد کو مثال کہنا مناسب و موزوں ہے کیونکہ مسافر سوار حضرات اس قسم کے عجیب و غریب عدد کو خوب لوگوں میں مشہور کر دیتے ہیں جیسا کہ وہ دیگر مثالوں کو مشہور و معروف کر دیتے ہیں اور معنی یہ ہے کہ وہ کون سی چیز ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس عجیب و غریب عدد کا ارادہ فرمایا اور کس معنی کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بیس عدد کی بجائے انیس عدد مقرر فرمایا اور ان کی غرض اس تعداد کا بالکل انکار کرنا ہے اور یہ کہ بے شک یہ عدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے اور اگر یہ عدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا تو اس ناقص عدد کے ساتھ نہ آتا ﴿كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ﴾ یوں ہی اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہی پر ڈال دیتا ہے [”كَذَلِكَ“ میں کاف منصوب ہے اور ”ذَلِكَ“ سے اس کے ماقبل میں گمراہ کرنے اور ہدایت دینے کی طرف اشارہ ہے] یعنی مذکورہ بالا گمراہ کرنے اور ہدایت دینے کی طرح اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین اور مشرکین کو گمراہ کر دیا یہاں تک کہ انہوں نے وہی کچھ کہا جو کچھ انہوں نے کہنا تھا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس کی تصدیق کی ہدایت عنایت کی اور اس گنتی کی حکمت سمجھا دی اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے صرف انہیں کو گمراہ کرتا ہے جن کے بارے میں اسے ازل سے علم ہے کہ یہ گمراہی کو اختیار کریں گے ﴿وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اسے ہدایت عطا فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں کو ہدایت عطا کرتا ہے جن کے بارے میں ازل سے جانتا ہے کہ وہ ہدایت کو اختیار کریں گے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمام افعال کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور گمراہی کے ساتھ انہیں متصف فرمایا اور جب ابو جہل نے کہا کہ کیا محمد (سرور عالم ﷺ) کے رب تعالیٰ کے لیے صرف انیس معاون و مددگار ہیں تو یہ (درج ذیل) کلام مبارک نازل ہوا: ﴿وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ﴾ اور (اے محبوب!) آپ کے پروردگار کے لشکروں کو ان کی بہت زیادہ کثرت کی وجہ سے کوئی نہیں جانتا ﴿إِلَّا هُوَ﴾ مگر وہ خوب جانتا ہے لہذا بیس محافظوں کی تکمیل اس پر کوئی دشوار نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے اس خاص عدد میں حکمت ہے جسے تم نہیں

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی لکھتے ہیں:

بعض احادیث مبارکہ میں ہے کہ خشکی کی مخلوقات سمندری مخلوقات کا دسواں حصہ ہے اور ان (دونوں) کا مجموعہ فضائی مخلوقات کا دسواں حصہ ہے اور ان سب کا مجموعہ آسمان دنیا کے فرشتوں کا دسواں حصہ ہے اور اس کا مجموعہ دوسرے آسمان کے فرشتوں کا دسواں حصہ ہے اسی طرح ساتویں آسمان تک کے فرشتوں کی تعداد ہے اور ان سب کا مجموعہ کرسی کے فرشتوں کی تعداد کا دسواں حصہ ہے اور اس کا مجموعہ حالیین عرش کے فرشتوں کی تعداد کا دسواں حصہ ہے اور ان سب کا مجموعہ اللہ تعالیٰ کی معلومات کے مقابلہ میں بہت ہی قلیل ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ماسوا کتنی مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ یہ آیت مبارکہ اور اس کی مثل دیگر آیات اور احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اجسام علویہ اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے لشکر ہیں اور ان کے حقائق اور احوال کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اللہ تعالیٰ کی سلطنت کے دائرہ کا کلام احاطہ نہیں کر سکتا اور نہ اس کے مرکز کی طرف ظاہر فکر کی پرواز پہنچ سکتی ہے۔

(تفسیر روح المعانی ج ۲۹ ص ۱۲۸، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

جاتے ﴿وَقَاهِيَ إِلَّا ذِكْرًا لِلْبَشَرِ﴾ اور وہ تو نہیں مگر انسانوں کے لیے نصیحت [یہ "سفر" کے وصف کے ساتھ متصل ہے اور "ہی" ضمیر اسی کی طرف لوٹی ہے یعنی یہ دوزخ اور اس کی صفت نہیں مگر انسانوں کے لیے نصیحت ہے یا پھر "ہی" ضمیر ان آیات کی طرف لوٹی ہے جن کا اس سورت میں ذکر کیا گیا ہے]۔

كَلَّا وَالْقَمَرَ ۗ وَاللَّيْلِ إِذَا دَبَّرَ ۗ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ۗ إِنَّهَا لِحْدَى
الْكَبِيرِ ۗ نَذِيرًا لِلْبَشَرِ ۗ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ۗ
كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ۗ إِلَّا أَصْحَابَ الْعِيقِ ۗ فِي جَنَّتِ ۗ
يَتَسَاءَلُونَ ۗ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ۗ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ ۗ قَالُوا لَمُنْكَ
مِنَ الْمَصَلِينَ ۗ وَلَمُنْكَ نُطْعَمُ الْمُسْكِينِ ۗ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ
الْخَائِضِينَ ۗ

ہرگز نہیں! چاند کی قسم! اور رات کی جب وہ پیچھے جانے لگے اور صبح کی جب وہ روشن ہو جائے بے شک وہ (دوزخ) بہت بڑی چیزوں میں سے ایک ہے انسانوں کو ڈرانے والی ہے تم میں سے ہر اس شخص کے لیے جو (نیکی) میں آگے بڑھ جائے یا وہ پیچھے رہ جائے ہر شخص جو کچھ کما چکا ہے اس کے بدلے میں گروی ہے ماسوا دائیں طرف والوں کے وہ جنتوں میں ایک دوسرے سے سوال کریں گے مجرموں کے بارے میں تمہیں کس جرم نے دوزخ میں داخل کیا وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے اور نہ ہم مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے اور ہم بے ہودہ گفتگو کرنے والوں کے ساتھ بے ہودہ گفتگو کرتے تھے

دوزخ کی اہمیت اور کفار کے اعمال بد کا بیان

۳۲ تا ۳۷- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! دوزخ کو نصیحت قرار دینے کے بعد اس بات سے انکار ہے کہ یہ دوزخ کفار کے لیے بھی نصیحت بن جائے گی کیونکہ کفار تو اس سے نصیحت حاصل نہیں کرتے ﴿وَالْقَمَرَ﴾ چاند کی قسم! اللہ تعالیٰ نے چاند کی قسم اس لیے فرمائی کہ اس کے منافع اور فوائد بہت بڑے ہیں ﴿وَاللَّيْلِ إِذَا دَبَّرَ﴾ اور رات کی (قسم) جب وہ پیچھے جانے لگے [نافع مدنی، حفص، حمزہ، یعقوب اور خلف کی قراءت میں "ادبر" ہے جب کہ ان کے علاوہ کی قراءت میں "دبر" ہے] اور "دبر" یہ معنی "ادبر" ہے اور ان دونوں کا معنی ہے: "وَلَيْ وَمَضَى" یعنی پیٹھ پیچھے پھرا اور چلا گیا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ "ادبر" کا معنی ہے کہ پیٹھ پیچھے پھرا اور چلا گیا اور "دبر" کا معنی ہے: دن کے بعد یا ﴿وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ﴾ اور صبح کی (قسم) جب وہ روشن ہو جائے اور اجالا ہو جائے اور قسم کا جواب (درج ذیل آیت ہے) ﴿إِنَّهَا لِحْدَى الْكَبِيرِ﴾ بے شک وہ یعنی دوزخ بہت بڑی چیزوں میں سے ایک ہے۔ یہ "کبیر" کی جمع ہے یعنی بڑی بلاؤں یا بڑی مصیبتوں میں سے ایک بہت بڑی بلا اور مصیبت یہ دوزخ ہے اور اس کے ایک ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ بڑی بلاؤں میں ان بڑی بلاؤں میں سے ایک ہے جس کی کوئی چیز مثال نہیں جیسے "هُوَ أَحَدُ الرِّجَالِ" وہ مردوں میں سے ایک مرد ہے اور "هِيَ أَحَدُ النِّسَاءِ" وہ

عورتوں میں سے ایک عورت ہے ﴿نَذِيرًا لِلْبَشَرِ﴾ انسانوں کو ڈرانے والی ہے یعنی بے شک دوزخ ڈرانے کے اعتبار سے بڑی ہولناک چیزوں میں سے ایک بہت بڑی ہولناک چیز ہے جیسے تم کہو: ”هِيَ اِحْدَى النِّسَاءِ عَفَافًا“ وہ عفت و پاک دامنی کے لحاظ سے عورتوں میں سے ایک بڑی عفت مآب عورت ہے [”نَذِيرًا“، ”اِحْدَى“ سے تمیز ہے] ﴿لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاخَّرَ﴾ (دوزخ ڈرانے والی ہے) تم میں سے ہر اس شخص کے لیے جو نیکی کی طرف بڑھنا چاہتا ہے یا اس سے پیچھے رہنا چاہتا ہے۔ علامہ زجاج نے کہا: جو شخص نامورات کی طرف بڑھنا چاہتا ہے اور منہیات سے رُکنا چاہتا ہے [اور ”لِمَنْ شَاءَ“ میں ”مَنْ“ کو ”بَشَر“ سے بدل بنایا جاتا ہے]۔

۳۸۔ ﴿كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ﴾ ہر شخص اس کے عوض گروی ہے جو کچھ اس نے کمایا [یہ ”رَهِيْنَةٌ“، ”رَهِيْنٌ“ کی تائید نہیں ہے کیونکہ ”نَفْس“ مؤنث ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”كُلُّ اَمْرٍ اِذَا كَسَبَتْ رَهِيْنٌ“ (الطور: ۲۱) اس لیے کہ اگر اس کو صفت قرار دیا جاتا تو ”رَهِيْنٌ“ کہا جاتا کیونکہ فعلیل بہ معنی مفعول آتا ہے اس میں مذکر اور مؤنث مساوی ہوتے ہیں اور یہ اسم ہے اور بہ معنی ”رَهِيْنٌ“ ہے (اس لیے اس کی ”تَا“ اسمیت کی ہے یا مبالغہ کی ہے) جیسے ”شَتِيْمَةٌ“ بہ معنی ”شتم“ ہے گویا کہا گیا: ”(كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ) رَهِيْنٌ“ اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہر نفس اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے اعمال میں گروی ہے اس سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا]۔

۳۹۔ ﴿اِلَّا اَصْحَابَ الْيَمِيْنِ﴾ دائیں طرف والوں کے سوا یعنی مسلمانوں کے نابالغ بچوں کے سوا کیونکہ ان کے اعمال ہی نہیں جن کے بدلے میں وہ گروی ہوتے یا یہ کہ ماسوا مسلمانوں کے کیونکہ یہ اپنی عبادات و طاعات کے ذریعے اپنی گردنیں چھڑالیں گے جیسا کہ راہن (گروی دینے والا) اپنی گروی کو حق ادا کر کے چھڑا لیتا ہے۔

۴۰ تا ۴۲۔ ﴿فِي جَدَّتِ﴾ یعنی وہ دائیں طرف والے ایسی جنتوں میں ٹھہریں گے جن کی کنہ اور حقیقت اور ان کی وسعت کو بیان نہیں کیا جاسکتا ﴿يَتَسَاءَلُوْنَ﴾ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿وہ مجرموں کے متعلق ایک دوسرے سے سوال کریں گے (یعنی) وہ آپس میں مجرموں کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھیں گے یا یہ کہ وہ اپنے علاوہ اوروں سے مجرموں کے بارے میں پوچھیں گے ﴿مَا سَأَلَكُمْ فِي سَقَرٍ﴾ تمہیں کس جرم نے دوزخ میں داخل کیا ہے اور یہ نہ کہا جائے کہ ”مَا سَأَلَكُمْ فِي سَقَرٍ“ کا ارشاد جس میں مجرموں کے لیے سوال کیا گیا ہے ”يَتَسَاءَلُوْنَ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ“ کے ارشاد کے مطابق نہیں جس میں مجرموں کے متعلق سوال ہے اور یہ صرف اس صورت میں اس کے مطابق ہوگا کہ اگر یہ کہا جاتا: ”يَتَسَاءَلُوْنَ الْمُجْرِمِيْنَ مَا سَأَلَكُمْ“ جنتی حضرات مجرموں سے پوچھیں گے کہ تمہیں کس جرم نے دوزخ میں داخل کیا کیونکہ ”مَا سَأَلَكُمْ“ مجرموں کے بارے میں باہمی سوال کا بیان نہیں بلکہ یہ تو مجرموں کے بارے میں جن سے سوال کیا جائے گا ان کے قول کا بیان ہے کیونکہ مسؤلین سائلین کو وہی بات بتائیں گے جو ان کے درمیان اور مجرموں کے درمیان جاری ہوگی چنانچہ وہ کہیں گے: ہم نے مجرموں سے پوچھا ہے کہ تمہیں کس جرم نے دوزخ میں داخل کیا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے مگر اسے مختصر کر کے بیان کیا گیا ہے جیسا کہ قرآن مجید کا انداز بیان ہے اور بعض حضرات نے فرمایا: ”عَنْ“ حرف زائد ہے (یعنی ”يَتَسَاءَلُوْنَ الْمُجْرِمِيْنَ“ ہے)۔

۴۳ تا ۴۵۔ ﴿قَالُوا لَكَ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ﴾ وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے یعنی ہم نماز کے فرض ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے ﴿وَلَكَ نَفْثٌ مِّنَ الْمَسْكِيْنِ﴾ اور نہ ہم مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے جیسا کہ مسلمان مسکینوں کو کھانا کھلاتے ہیں ﴿وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْفٰصِقِيْنَ﴾ اور ہم لغو اور بے ہودہ گفتگو کرنے والوں کے ساتھ باطل

وے ہودہ گفتگو کرتے تھے۔ ”خوض“ کا معنی ہے باطل و ناجائز اور لغو کام میں مشغول ہو جانا یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی آیات کے متعلق باطل اور جھوٹ بولا کرتے تھے۔

وَكُنَّا نَكْذِبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿٣٧﴾ حَتَّىٰ آتَيْنَا الْيَقِينَ ﴿٣٨﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ

شَفَاعَةُ الشَّفِيعِينَ ﴿٣٩﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكَرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿٤٠﴾ كَانَتْهُمْ

حُرْمَةُ مُسْتَنْفَرَةٍ ﴿٤١﴾ فَزَيَّنَّا مِنْ قِيسِ مِثْلٍ لِّمَنْ يَرِيدُ كُلُّ امْرِيٍّ

مِنْهُمْ أَن يُوْتَىٰ صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿٤٢﴾ كَلَّا بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ﴿٤٣﴾

كَلَّا إِنَّهُ تَذَكُّرَةٌ ﴿٤٤﴾ فَمِنْ شَاءِ ذَكَرَهُ ﴿٤٥﴾ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَن

يَشَاءَ اللَّهُ ﴿٤٦﴾ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿٤٧﴾

اور ہم قیامت کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے ○ یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی ○ سو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت انہیں کوئی نفع نہیں دے گی ○ سوائے انہیں کیا ہوا ہے کہ وہ نصیحت سے روگردانی کرنے والے ہیں ○ گویا وہ بد کے ہوئے گدھے ہیں ○ جو شیر سے بھاگے ہیں ○ بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ کھلے ہوئے صحیفے اسے دے دیئے جائیں ○ ہرگز نہیں! بلکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے ○ ہرگز نہیں! بے شک وہ تو ایک نصیحت ہے ○ پس جو شخص چاہے اسے یاد رکھے ○ اور وہ یاد نہیں رکھ سکتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے وہی اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی اس لائق ہے کہ اس سے مغفرت طلب کی جائے ○

۴۸ تا ۴۶ - ﴿وَكُنَّا نَكْذِبُ بِيَوْمِ الدِّينِ﴾ اور ہم قیامت کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے یعنی ہم حساب و کتاب اور جزاء و سزا کے دن کا انکار کرتے تھے ﴿حَتَّىٰ آتَيْنَا الْيَقِينَ﴾ یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی ”یقین“ سے موت مراد ہے ﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّفِيعِينَ﴾ سوائے ان کی شفاعت کرنے والوں کی شفاعت نفع نہیں دے گی (یعنی) فرشتوں اور نبیوں اور نیکوں میں سے کسی کی شفاعت ان کو فائدہ نہیں دے گی کیونکہ ان حضرات کی شفاعت صرف مسلمانوں کو نفع اور فائدہ دے گی لیکن کافروں کو کوئی فائدہ نہیں دے گی اور یہ آیت مبارکہ مسلمانوں کے لیے شفاعت کے ثبوت کی دلیل ہے۔ حدیث شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: بے شک میرے ایک امی کی شفاعت کی برکت سے قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ مضر سے زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے! (مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۲)

۱۔ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ کے تحت لکھا ہے کہ مسلمانوں کے لیے شفاعت کے جواز پر اجماع منعقد ہو چکا ہے نیز احادیث مبارکہ تو اتر معنوی تک پہنچ چکی ہیں پھر قاضی صاحب نے بہت سی احادیث نقل کی ہیں جن میں سے چند احادیث یہاں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں بروز قیامت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

٤٩- ﴿فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذِكْرِ كَرِهًا مُّعْرِضِينَ﴾ سوائے انہیں کیا ہوا کہ وہ نصیحت سے روگردانی کرنے والے ہیں۔
 ”تذکرہ“ سے ”تذکیر“ مراد ہے اور ”تذکیر“ کا معنی ہے: نصیحت یعنی وہ لوگ قرآن مجید سے منہ پھیرنے والے ہیں جو اس نصیحت ہے [”مُعْرِضِينَ“، ”هُمْ“، ضمیر سے حال ہے جیسے ”مَالِكٌ قَائِمًا؟“]۔

٥٠- ٥١- ﴿كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ﴾ گویا وہ گدھے ہیں یعنی وحشی گدھے ہیں [یہ ”مُعْرِضِينَ“ کی ضمیر سے حال ہے] [مُسْتَنْفِرَةٌ] سخت بدکنے والے اور بہت جلد بھڑک اٹھنے والے گویا وہ اپنے نفوس سے بدکننا اور بھڑکننا طلب کرتے ہیں [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ”فا“ مفتوح (اسم مفعول) ہے یعنی ان کو ان کے غیر نے بھڑکا دیا اور مشتعل کر دیا ہے] [فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ] شیر سے بھاگ گئے۔ ”قَسْوَرَةٌ“ کا معنی ہے: تیر انداز (تیر پھینکنے والے) اور شیر۔ یہ ”فَعْوَلَةٌ“ کے وزن پر ”قَسْرٌ“ سے ماخوذ ہے اور ”قَسْرٌ“ کا لغوی معنی ہے: قہر اور غلبہ شیر بھی تمام درندوں پر غالب و زبردست ہوتا ہے۔ کفار کو قرآن مجید سے اعراض کرنے میں اور نصیحت نہ سننے میں گدھوں سے تشبیہ دی گئی ہے جو بدکنے اور بھڑکنے میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اپنی امت کی شفاعت کروں گا یہاں تک کہ میرا رب تعالیٰ مجھے پکار کر فرمائے گا: اے محمد! کیا آپ راضی ہیں تو میں عرض کروں گا: اے میرے پروردگار! میں راضی ہوں۔ (مسند بزار، طبرانی، ابونعیم)

(۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ نے روایت بیان فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”شَفَاعَتِي لَأَهْلِ الْكِبَائِرِ مِنْ أُمَّتِي“ میری شفاعت میری امت میں سے بڑے بڑے گناہ گاروں کے لیے ہوگی۔ (ترمذی، ابوداؤد، حاکم، ابن حبان، احمد)

(۳) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک عالم دین کو اور ایک صالح اور نیک آدمی کو جنت کے پاس لایا جائے گا پھر صرف نیک آدمی سے کہا جائے گا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ اور عالم دین سے کہا جائے گا: تم ٹھہرو یہاں تک کہ تم اپنوں کی شفاعت کر لو۔ (رواہ الاصبہانی)

(۴) اور انہی سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن میری امت کے بڑے لوگ بھی خوش نصیب ہوں گے آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا: لیکن رہے میری امت کے بڑے لوگ تو اللہ تعالیٰ انہیں میری شفاعت کے ذریعے جنت میں داخل فرمادے گا اور لیکن رہے ان کے نیک لوگ تو انہیں اللہ تعالیٰ ان کے اعمال صالحہ کے سبب جنت میں داخل فرمادے گا۔ (رواہ الطبرانی و ابونعیم)

(۵) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما موقوف روایت بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن عالم دین سے کہا جائے گا کہ تم اپنے تلامذہ کے بارے میں سفارش کرو اگرچہ ان کی تعداد آسمان کے ستاروں کے برابر ہی ہو۔ (رواہ الدیلمی)

(۶) حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوع روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ شہید اپنے اہل خانہ کے ستر افراد کی شفاعت کرے گا۔ (رواہ ابوداؤد)

(۷) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں کی بہت سی صفیں ہوں گی، پھر ایک نیک و پرہیزگار جنتی آدمی ایک بدکار دوزخی شخص کے پاس سے گزرے گا تو وہ دوزخی جنتی آدمی سے کہے گا: کیا آپ کو فلاں دن یاد ہے جس میں آپ نے مجھ سے پانی طلب کیا تھا تو میں نے آپ کو پانی پلایا تھا تو وہ جنتی آدمی اس کی شفاعت کرے گا، پھر ایک اور آدمی کسی دوزخی کے پاس سے گزرے گا تو دوزخی کہے گا: کیا آپ کو یاد ہے فلاں دن ایک حاجت کے لیے آپ میرے پاس چل کر آئے تھے تو میں نے آپ کی حاجت پوری کر دی تھی تو یہ جنتی آدمی بھی اس کی شفاعت کرے گا۔

(تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۱۳۳، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۳۸۲ھ)

بہت جدوجہد کرتے ہیں۔

۵۲- ﴿بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمُ أَنْ يُؤْتَىٰ صُحُفًا مِّنْ سَمَاءٍ﴾ بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ انہیں کھلے ہوئے صحیفے دیے جائیں (یعنی) ایسے کاغذات جو کھولے جائیں اور پڑھے جائیں اور یہ اس لیے کہ کفار مکہ نے ایک دفعہ رسول اکرم نبی اعظم ﷺ سے کہا تھا کہ ہم آپ کی اتباع ہرگز نہیں کریں گے یہاں تک کہ آپ آسمان سے ہم میں سے ہر ایک کے پاس ایک کتاب لا کر پیش کریں جس میں یہ لکھا ہو کہ یہ رب العالمین کی طرف سے فلاں بن فلاں کی طرف ہے ہم تمہیں اس کتاب میں حکم دیتے ہیں کہ تم میرے اس رسول کی پیروی کرو اور اس کی مثال یہ آیت مبارکہ ہے: ”وَلَكِن نُّؤْمِنُ لِرُوحِكَ حَتَّىٰ تَنْزِلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرُؤُهُ“ (الاسراء: ۹۳) ”اور ہم آپ کے چڑھ جانے پر بھی ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ آپ ہم پر ایک کتاب اتار کر لے آئیں جسے ہم پڑھ لیں“ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ کفار مکہ نے کہا تھا: اگر محمد (ﷺ) سچے ہیں تو پھر ہم میں سے ہر ایک شخص کے سر ہانے کے پاس صبح سویرے ایک ایک صحیفہ اترنا چاہیے جس میں لکھا ہو کہ یہ شخص دوزخ کی آگ سے بری اور محفوظ و مامون ہے۔

۵۳- ﴿كَلَّا ط﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ کے ذریعے اس ارادے سے باز کرنے اور آیات الہیہ (یعنی قرآن مجید) سے روگردانی کرنے پر انہیں ڈانٹا اور ڈرایا دھمکایا گیا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ﴾ بلکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے اس لیے انہوں نے نصیحت سے اعراض و روگردانی کر لی صحیفے نہ دینے کی وجہ سے نہیں۔

۵۴- ﴿كَلَّا إِنَّكَ تَدَّكِرُهَا﴾ ہرگز نہیں! بے شک یہ یعنی انہیں نصیحت سے اعراض کرنے اور اس سے منہ موڑنے سے روکنا اور ڈانٹنا بھی نصیحت کرنا ہے اور اس لیے فرمایا: بے شک یہ قرآن مجید انتہائی زبردست کفایت کرنے والا سراسر نصیحت ہے۔

۵۵- ﴿فَمَنْ شَاءَ ذَكَرْهَا﴾ سو جو شخص چاہے اسے یاد رکھے یعنی جو شخص اس کو یاد رکھنا چاہتا ہے اور اس کو بھلانا نہیں چاہتا تو وہ اس کو ضرور یاد رکھے کیونکہ اس کا نفع اور فائدہ اسی کو ملے گا۔

۵۶- ﴿وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ط﴾ اور وہ اسے یاد نہیں رکھ سکتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے (یعنی) مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے وقت یا یہ کہ مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ [نافع مدنی اور یعقوب کی قراءت میں ”یا“ کی بجائے ”تا“ کے ساتھ ”وَمَا تَذْكُرُونَ“ پڑھا جاتا ہے] ﴿هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْضَبَةِ﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) خوف و تقویٰ کے لائق ہے اور مغفرت و بخشش کرنے کے لائق ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ وہی اللہ تعالیٰ اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی اس لائق ہے کہ وہ ہر اس شخص کو بخش دے جو اس سے ڈرتا رہتا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورۃ القیامۃ کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۵ اس کی چالیس آیات دو رکوع ہیں

لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ ۝ وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝ أَيْحَسِبُ

الْإِنْسَانَ أَنْ نَجْعَلَ عِظَامَهُ ۝ بَلَىٰ قَدِيرِينَ ۝ عَلَىٰ أَنْ تَسْوَىٰ بَنَانَهُ ۝

رواہ الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۲۸ ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۹۹

بَلْ يُرِيدُ الْإِنْسَانَ لِفُجْرٍ آمَامَهُ ۝ يَسْأَلُ أَيَّانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۖ فَإِذَا
بَرَقَ الْبَصَرُ ۚ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۗ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۗ يَقُولُ
الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ الْمَفْرُجُ ۝

میں قیامت کے دن کی قسم اٹھاتا ہوں ۝ اور میں ملامت کرنے والی جان کی قسم اٹھاتا ہوں ۝ کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہیں کریں گے ۝ کیوں نہیں! ہم اس پر قادر ہیں کہ ہم اس کے پوروں کو اپنی جگہ پر درست کر دیں ۝ بلکہ انسان چاہتا ہے کہ وہ اپنے آگے بڑے کام کرتا رہے ۝ وہ پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب قائم ہوگا ۝ سو جب آنکھیں چندھیا جائیں گی ۝ اور چاند کو گھن لگ جائے گا ۝ اور سورج اور چاند کو جمع کر دیا جائے گا ۝ اس دن انسان کہے گا کہ جائے فرار کہاں ہے؟ ۝

قیامت کے دن کی اہمیت اور کافر کی مذمت کا بیان

۱- ﴿لَا أَقْسِرُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ میں قیامت کے دن کی قسم یاد فرماتا ہوں ”أَيُّ أَقْسِمُ“ یعنی میں قسم اٹھاتا ہوں [حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حرف ”لا“ نفی کے لیے نہیں بلکہ تاکید قسم کے لیے زیادہ کیا گیا ہے اور یہ ”لا“ صلہ ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”لَيْلًا يَعْلَمُ“ (الحجید: ۲۹) ”تا کہ اہل کتاب جان لیں“ اور شاعر کا قول ہے:

تَدَّكَّرْتُ لَيْلِي فَأَعْتَرْتَنِي صَبَابَةٌ
وَكَأَدَ ضَمِيرُ الْقَلْبِ لَا يَتَقَطَعُ

”میں نے اپنی رات کو یاد کر رکھا ہے جس میں مجھے عشق لاحق ہوا تھا اور قریب تھا کہ میرے دل کا ٹکڑا کٹ جاتا۔“

اور جمہور اس بات پر متفق ہیں البتہ علامہ فراء نے کہا کہ مشرکین مکہ نے حشر و نشر اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کا انکار کیا تھا ان کی تردید کے لیے یہ حرف ”لا“ نفی لایا گیا ہے گویا کہا گیا ہے کہ (اے مشرکین مکہ!) جس طرح تم نے گمان کر رکھا ہے اس طرح معاملہ نہیں ہے پھر فرمایا گیا: ”أَقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ“ میں قیامت کے دن کی قسم یاد فرماتا ہوں اور بعض حضرات نے کہا: اس کی اصل ”لَا أَقْسِمُ“ ہے جیسا کہ ابن کثیر کی قراءت ہے یہ اس بناء پر کہ لام ابتداء کے لیے ہے اور ”أَقْسِمُ“ مبتدا مخذوف کی خبر ہے یعنی ”لَا نَا أَقْسِمُ“ میں ضرور قسم کھا کر کہتا ہوں (تمہیں ضرور اٹھایا جائے گا) اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ مصحف امام میں بغیر الف کے تھا پھر اس کو اشباع کے ساتھ پڑھا گیا تو اشباع کی وجہ سے الف ظاہر ہو گیا اور اکثر اس لام کے ساتھ نون تاکید بھی آتا ہے اور کبھی اس سے جدا کیا جاتا ہے۔

۲- ﴿وَلَا أَقْسِرُ بِالنَّفْسِ الْوَأَمَّةِ﴾ اور مجھے ملامت کرنے والے نفس کی قسم ہے جمہور اس بات پر متفق ہیں کہ یہ دوسری قسم ہے اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف قیامت کے دن کی قسم فرمائی ہے اور ملامت کرنے والے نفس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

- (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: قیامت کے دن ہر نفس اپنے آپ کو ملامت کرے گا خواہ وہ نیک ہو یا بد ہو۔ نیک نفس اپنے آپ کو اس لیے ملامت کرے گا کہ اگر وہ اور زیادہ نیکیاں کر لیتا تو اس کو جنت میں اور زیادہ درجات ملتے اور بد نفس اپنے اوپر اس لیے ملامت کرے گا کہ وہ کیوں نہ گناہوں سے باز آیا اور وہ کیوں نہ نیک کاموں میں مشغول رہا؟
- (۲) نفس الوأمة سے مراد نفوس متقیہ ہیں یعنی متقی اور پرہیزگار لوگ وہ قیامت کے دن نافرمانی کرنے والوں کو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ملامت کرنے والے نفس کی قسم نہیں فرمائی [سو اس صورت میں یہ صفت ذم ہوگی جب کہ قسم کے معنی کی صورت میں یہ صفت مدح ہوگی] یعنی نفس متقیہ وہ ہے جو تقویٰ و پرہیزگاری میں کوتاہی کرنے پر ملامت کرے گا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ نفس آدم علیہ السلام ہے جو جنت سے نکالے جانے پر اپنے آپ کو ہمیشہ ملامت کرتا رہتا ہے اور قسم کا جواب محذوف ہے ”آیَ لَتَبْعُنَّ“ یعنی تمہیں قیامت کے دن ضرور زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور اس کی دلیل (درج ذیل) ہے ﴿أَيَّ حَسْبِ الْإِنْسَانِ﴾ کیا انسان یہ گمان کرتا ہے یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے کا انکار کرنے والا کافر انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ﴿أَلَنْ نَجْمَعَ عِظَامَهُ﴾ کیا ہم اس کی ہڈیوں کو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر متفرق و منتشر ہو جانے اور چورا چورا ہو جانے اور مٹی میں مل جانے کے بعد ہرگز جمع نہیں کریں گے۔

۴۔ ﴿بَلَى﴾ کیوں نہیں! ”بلی“ نفی کے بعد ثبوت کے لیے آتا ہے یعنی کیوں نہیں! بلکہ ہم انسانوں کو ہڈیوں سمیت ضرور جمع کریں گے ﴿قَدِيرِينَ﴾ یہ ”نَجْمَعُ“ کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے یعنی ہم اس کو ضرور جمع کریں گے کیونکہ ہم اس کے جمع کرنے اور دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے پر پوری طرح قدرت رکھتے ہیں جیسا کہ وہ دنیا میں تھا یا یہ کہ ہم پوری طرح

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ملامت کریں گے کہ تم لوگوں نے گناہوں کو کیوں ترک نہیں کیا اور تقویٰ اور پرہیزگاری کو کیوں اختیار نہیں کیا؟ (۳) نفس لؤامہ سے مراد نفوس شریفہ ہیں جو اپنے آپ کو ہر وقت ملامت کرتے رہتے ہیں خواہ وہ نیک کاموں میں مصروف ہوں۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا: تم مؤمن کو دیکھو گے کہ وہ ہر حال میں خود کو ملامت کرتا رہتا ہے اور جاہل آدمی بڑے کاموں میں مشغول ہو تو پھر بھی وہ اپنے آپ سے راضی رہتا ہے۔

(۴) نفس لؤامہ سے مراد بد فطرت نفوس ہیں جب وہ قیامت کے ہولناک اور دہشت ناک احوال دیکھیں گے تو وہ اپنے آپ کو ملامت کریں گے کہ وہ کیوں گناہوں میں بہتا رہے جیسے قرآن مجید میں ہے:

”أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يَا حَسْرَتِي عَلَىٰ مَا فَرَّطْتُ فِي جَنْبِ اللَّهِ“ (الزمر: ۵۶) ”انسوس! میں نے اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کوتاہی برتی“۔ (تفسیر تبيان القرآن ج ۱۲ ص ۳۰۳، مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)

عارف باللہ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

صوفیائے کرام نے نفس کی سات اقسام بیان کی ہیں:

(۱) نفس اتارہ جو برائی کا حکم دیتا ہے اور یہ کفار کے نفوس ہیں۔

(۲) نفس لؤامہ جو بڑے کاموں پر اور نیکیوں میں کوتاہی کرنے پر انسان کو ملامت کرتا ہے۔

(۳) نفس ملہمہ جو انسانوں کو نیکی اور برائی دونوں کا الہام والقاء کرتا ہے۔

(۴) نفس مطمئنہ جو تعلیمات اسلام پر مطمئن اور پرسکون ہوتا ہے اور شکوک و شبہات سے دور اور پاک ہوتا ہے اور صفات محمودہ سے متصف ہوتا ہے۔

(۵) نفس راضیہ جو تمام احوال میں اللہ تعالیٰ سے راضی رہے۔

(۶) نفس مرضیہ جو نیک اعمال کرنے اور بڑے اعمال سے بچنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور محبوب ہو اور اللہ تعالیٰ از خود اس کی رضا پر راضی ہو۔

(۷) نفس کامل جو آخری تینوں نفوس کی صفات کا جامع ہو اور انتہائی اعلیٰ درجات پر فائز ہو۔

(ماخوذ از: تفسیر صاوی حاشیہ علی تفسیر الجلالین الجزء الرابع ص ۳۵۵، مطبوعہ مصطفیٰ الربانی لکھنؤ، مصر، ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء)

قادر ہیں کہ ﴿عَلَىٰ أَنْ تُسَوِّيَ بَنَاتِكَ﴾ ہم اس کی انگلیوں کے پوروں کو اپنی جگہ درست کر دیں (یعنی) اس کے باوجود کہ انسان کی انگلیاں اور اس کے پورے چھوٹے چھوٹے ہیں لیکن ہم بغیر کسی فرق کے اور بغیر کسی کمی و بیشی کے اس کی انگلیوں کے پوروں کو اپنی جگہ درست کرنے پر پوری طرح قادر ہیں تو بھلا بڑی بڑی چیزوں کے پیدا کرنے اور دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے پر ہم کیوں کر قادر نہیں ہو سکتے۔

۵- ﴿بَلْ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ﴾ بلکہ انسان تو یہ چاہتا ہے کہ وہ ہمیشہ حال اور مستقبل میں برے اعمال کرتا رہے [یہ "ایحسب" پر معطوف ہے سو اس لیے یہ بھی جائز ہے کہ اس کی طرح استفہام ہو]۔

۶- ﴿يَسْأَلُ أَيَّانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ وہ سوال کرتا ہے کہ قیامت کا دن کب قائم ہوگا۔ دراصل کفار یہ سوال قیامت کے قیام کو ناممکن و بعید قرار دینے کے لیے کرتے تھے۔

۷، ۸- ﴿فَإِذَا بَرِقَ الْبَصُرُ﴾ سو جب آنکھیں چندھیا جائیں گی اور قیامت کی ہولناکیوں سے گھبرا کر حیران و مضطرب اور پریشان ہو کر ادھر ادھر گھومتی پھریں گی [نافع مدنی کی قراءت میں "را" پر فتح پڑھا جاتا ہے یعنی اس وقت کافروں کی آنکھیں پریشانی کی وجہ سے کھلی رہ جائیں گی] ﴿وَحَسَفَ الْقَمَرُ﴾ اور چاند کو گرہن لگ جائے گا اور اس کی روشنی چلی جائے گی یا اس کی روشنی غائب ہو جائے گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "فَحَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ" (القصص: ۸۱) "سو ہم نے قارون کو زمین میں دھنسا کر غائب کر دیا" [ابو حیاة نے "حسا" پر ضمہ پڑھا ہے]۔

۹، ۱۰- ﴿وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾ اور سورج اور چاند کو اکٹھا کر دیا جائے گا یعنی مغرب سے طلوع ہونے میں نہیں اکٹھا کر دیا جائے گا یا روشنی کے چلے جانے میں اور بے نور ہونے میں دونوں کو جمع کر دیا جائے گا یا یہ کہ ان دونوں کو پہلے جمع کیا جائے گا پھر انہیں سمندر میں پھینک دیا جائے گا پھر وہ سمندر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی آگ بن جائے گا ﴿يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفْرُغُ﴾ انسان یعنی کافر کہے گا: آج فرار ہونا کہاں ہوگا۔ یہ مصدر ہے یعنی دوزخ کی آگ سے فرار کہاں ہوگا یا قیامت کے دن کے خوف اور دہشت کی وجہ سے مسلمان بھی یہی کہے گا [اور حضرت حسن بصری نے "فا" کو مکسور پڑھا ہے اور اس صورت میں یہ ظرف مکان اور مصدر میثی دونوں کا احتمال رکھتا ہے]۔

كَلَّا لَا تَتَرَىٰ ۙ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ۙ ۙ يَنْبُتُوا ۙ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ

بِمَقَادِمٍ وَآخِرًا ۙ ۙ بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ۙ ۙ وَلَوْ أَلْفَىٰ

مَعَاذِيرًا ۙ ۙ

ہرگز نہیں! کوئی پناہ گاہ نہیں ملے گی ○ اس دن آپ کے پروردگار کی طرف ہی ٹھہرنے کی جگہ ہوگی ○ اس دن انسان کو بتا دیا جائے گا کہ جو کچھ اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا ○ بلکہ انسان اپنے آپ پر خود بصیرت کی نگاہ رکھنے والا ہے ○ اور اگرچہ وہ اپنے تمام عذر پیش کر لے ○

۱۱، ۱۲- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ کے ذریعے فرار کی طلب سے روکا گیا ہے (یعنی قیامت کے دن کوئی شخص ہرگز فرار نہیں ہو سکے گا) ﴿لَا تَتَرَىٰ﴾ کوئی پناہ گاہ نہیں ملے گی ﴿إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ﴾ صرف آپ کے پروردگار کی طرف ٹھہرنے کی جگہ ہوگی (یعنی) بندوں کے ٹھہرنے کی جگہ یا ان کا ٹھکانا جنت میں یا دوزخ میں ہوگا یہ اسی کی

مشیت کی طرف سپرد کر دیا گیا ہے جس کو وہ چاہے گا جنت میں داخل کر دے گا اور جس کو چاہے گا دوزخ کی آگ میں داخل کر دے گا۔

۱۳۔ ﴿يُنْتَبِؤا الْاِنْسَانَ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ﴾ اس دن انسان کو ہر وہ عمل بتا دیا جائے گا جو اس نے کر کے آگے بھیجا ﴿وَاَخَّرَ﴾ اور جس کو پیچھے چھوڑ دیا اور اس عمل کو نہیں کیا۔

۱۴۔ ﴿بَلِ الْاِنْسَانِ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ﴾ بلکہ انسان اپنے آپ پر پوری نگاہ رکھنے والا ہے (یعنی) گواہ ہے [بصیرۃ میں "ہا" مبالغہ کے لیے جیسے "عَلَامَةٌ" میں ہے یا اس کو مؤنث اس لیے لایا گیا ہے کہ اس سے انسان کے اعضاء مراد ہیں کیونکہ انسان کے اعضاء اس کے خلاف گواہی دیں گے یا پھر خود انسان اپنے آپ پر حجت ہے اور "بصیرۃ" کا معنی حجت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "قَدْ جَاءَكُمْ بِصَائِرٍ مِّنْ رَبِّكُمْ" (الانعام: ۱۰۴) "بے شک تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس روشن دلیلیں آچکیں" اور تم اپنے غیر سے کہہ سکتے ہو کہ "اَنْتَ حُجَّةٌ عَلٰی نَفْسِكَ" تم اپنے آپ پر حجت ہو "بصیرۃ" مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور اس کی خبر اس سے مقدم "عَلٰی نَفْسِهٖ" ہے اور یہ مبتدا اور خبر مل کر جملہ ہو کر "الانسان" کی خبر ہے [جیسے کہا جاتا ہے: "زَيْدٌ عَلٰی رَاسِهٖ عِمَامَةٌ" اور اس صورت میں یہ جائز ہے کہ "بصیرۃ" سے وہ فرشتہ مراد ہو جو انسان پر مقرر کیا گیا ہے۔

۱۵۔ ﴿وَلَوْ اَلْفَىٰ مَعَاذِيْرَكَ﴾ اور اگر چہ وہ اپنی معذرتیں اور بہانے پیش کرے (یعنی) اور اگر چہ وہ اپنے گناہوں پر پردے ڈالے۔ "معاذیر" "معذار" کی جمع ہے اور "معذار" کا معنی پردہ ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اگر چہ وہ ہر قسم کے تمام بہانے پیش کرے تو بھی اس کے بہانے اور معذرتیں قبول نہیں کی جائیں گی بلکہ اس کے جھوٹے عذر کا وبال بھی اسی پر ہوگا [اور "معاذیر" "مَعْدِرَةٌ" کی جمع نہیں ہے کیونکہ اس کی جمع "معاذر" آتی ہے بلکہ یہ تو اس کا اسم جمع ہے اور اس کی مثال "المناکیر" ہے جو "منکر" کی اسم جمع ہے۔]

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۱۶ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْاٰنَهٗ ۱۷ فَاِذَا
 قَرَأْتَهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۱۸ ثُمَّ اِنَّا عَلَيْنَا بَيٰاٰنَهٗ ۱۹ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ
 الْعٰجِلَةَ ۲۰ وَتَذٰرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۲۱ وَجُوْءَ يَوْمِئِذٍ نَّٰضِرَةٌ ۲۲ اِلٰى
 رَٰبِّهَا نَٰظِرَةٌ ۲۳ وَجُوْءَ يَوْمِئِذٍ بَاسِرَةٌ ۲۴ تَطَّٰنُ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَآ فَاِقْرَةٌ ۲۵

(اے محبوب!) آپ قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں تاکہ آپ اس کو جلد یاد کر لیں ۰ بے شک اس کو محفوظ کرنا اور اس کو پڑھنا ہمارے ذمہ ہے ۰ سو جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں ۰ پھر بے شک اس کو بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے ۰ ہرگز نہیں! بلکہ تم جلد ملنے والی (دنیا) سے محبت کرتے ہو ۰ اور تم آخرت کو چھوڑ دیتے ہو ۰ بہت سے چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے ۰ اپنے پروردگار کی طرف دیکھنے والے ہوں گے ۰ اور بہت سے چہرے اس دن ترش و سیاہ ہوں گے ۰ وہ گمان کریں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والی سختی کی جائے گی ۰

قرآن کو محفوظ کرنے اور نیک و بد کی پہچان اور موت کی سختی کا بیان

۱۶، ۱۷۔ ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ﴾ (اے محبوب!) آپ اپنی زبان مبارک کو اس کے ساتھ (یعنی) قرآن مجید کے ساتھ حرکت نہ دیں تاکہ آپ اس کو (یعنی) قرآن مجید کو جلدی وصول کر لیں۔ دراصل حضور نبی کریم ﷺ حضرت جبریل علیہ السلام کے فارغ ہونے سے پہلے اس کی قراءت کے دوران وحی کی قراءت شروع کر دیتے، محض اس اندیشے کی بناء پر کہ کہیں قرآن مجید کا کوئی کلمہ رہ نہ جائے، سو اس لیے آپ سے کہا گیا ہے کہ آپ وحی کی قراءت کے دوران اپنی زبان کو حرکت نہ دیں جب تک حضرت جبریل پڑھتے رہیں تاکہ آپ اس کو جلدی سے یاد کر کے حاصل کر لیں اور تاکہ اس کا کوئی حرف یا لفظ رہ نہ جائے، پھر اللہ تعالیٰ نے جلدی سے روکنے کی علت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ﴾ بے شک اس قرآن مجید کو آپ کے سینہ مبارک میں جمع کرنا اور محفوظ کرنا ہماری ذمہ داری ہے ﴿وَقُرْآنَهُ﴾ اور اس قرآن مجید کی قراءت کو آپ کی زبان مبارک میں ثابت و قائم رکھنا ہمارے ذمہ ہے اور قرآن سے قراءت کرنا مراد ہے اور اس کی مثال یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ ہے: ”وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ“ (طہ: ۱۱۴) ”اور آپ پڑھنے میں جلدی نہ کریں اس سے پہلے کہ اس کی وحی آپ پر پوری نازل کر دی جائے۔“

۱۸، ۱۹۔ ﴿فَإِذَا قَرَأْتَهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾ سو جب ہم اس کو پڑھ لیں تو پھر آپ اس کی اتباع کریں یعنی جب حضرت جبریل علیہ السلام آپ پر ہماری وحی پڑھ کر فارغ ہو جائیں تو پھر اس کی اتباع کریں یعنی اس کے پڑھے ہوئے کلام کو جو اس نے آپ پر پڑھا ہے پڑھیں یاد کریں اور اس پر عمل کریں، سو اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے پڑھنے کو اپنا پڑھنا قرار دیا ہے ﴿ثُمَّ إِنْ عَلَيْنَا لِيَاثَاتُهُ﴾ پھر اس کو بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے (یعنی) جب قرآن مجید کے معانی میں سے کوئی معنی آپ پر مشکل و دشوار ہو جائے گا تو اس کو واضح کر کے بیان کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔

۲۰، ۲۱۔ ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ کے ذریعہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے سے انکار کرنے پر کفار کا رد کیا گیا ہے یا پھر رسول اللہ ﷺ کو قرآن مجید کو بہ وقت نزول پڑھنے میں جلد بازی سے منع کیا گیا ہے اور جلدی پڑھنے سے آپ کو روکا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشاد سے اس کو موکد کیا گیا ہے ﴿بَلْ تُحِثُّونَ الْعَاجِلَةَ﴾ بلکہ تم جلد بازی کو پسند کرتے ہو، گویا فرمایا گیا کہ اے بنی آدم! بلکہ تم لوگ جلد بازی کو پسند کرتے ہو کیونکہ تم جلد باز پیدا کیے گئے ہو اور تمہاری طبیعتوں میں جلد بازی سماجکی ہے، اس لیے تم ہر چیز میں جلدی کرتے ہو اور اسی وجہ سے تم ”عاجلہ“ (یعنی) دنیا اور اس کی شہوات کو پسند کرتے ہو ﴿وَتَذُدُّونَ الْآخِرَةَ﴾ اور تم آخرت کو چھوڑ دیتے ہو (یعنی) تم دارِ آخرت اور اس کی نعمتوں کو چھوڑ دیتے ہو، سو تم اس کے لیے نیک اعمال نہیں کرتے ہو [نافع مدنی اور کوئی قراءت کی قراءت میں ”تسا“ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے]۔

۲۲، ۲۳۔ ﴿وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّضْرَةٌ﴾ اس دن بہت سے چہرے خوب صورت، حسین و جمیل اور خوش و خرم اور تروتازہ ہوں گے اور یہ مؤمنوں کے چہرے ہوں گے ﴿رَالِي سَابِقَاتٍ لِّطِرَّةٍ﴾ مسافت کے ثبوت کے بغیر اور جہت و سمت کے بغیر اور کیفیت کے بغیر اپنے پروردگار کی طرف دیکھنے والے اور دیدار کرنے والے ہوں گے اور یہاں نظر کو اپنے علامہ ابن کثیر اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱) اس دن بہت سے لوگ وہ ہوں گے جن کے چہرے ہشاش بشاش، تروتازہ اور خوش و خرم ہوں گے اور اپنے رب تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہو رہے ہوں گے جیسا کہ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ عنقریب تم اپنے رب تعالیٰ کو کھلم کھلا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پروردگار کے حکم کے لیے یا اس سے ثواب کے حصول کے لیے انتظار کرنے پر مجبور کرنا صحیح نہیں کیونکہ (حرف ”فی“ کے ساتھ) کہا جاتا ہے: ”نَظَرْتُ فِيهِ“ یعنی میں نے اس میں غور و فکر کیا اور (بغیر کسی ”فی“ کے براہ راست متعدی کر کے کہا جاتا ہے) ”نَظَرْتُهُ“ میں نے اس کا انتظار کیا لیکن جب یہ حرف ”الی“ کے ساتھ متعدی ہوتا ہے تو اس وقت صرف رویت اور دیدار کرنے کا معنی مراد ہوتا ہے (جیسے یہاں ہے) نیز ”دار القرار“ یعنی جنت میں ”نَظَرَةٌ“ کا معنی انتظار غیر مناسب ہے کیونکہ وہاں بغیر انتظار کے ہر نعمت حسب خواہش حاصل ہو جائے گی۔

۲۵، ۲۴ - ﴿وَوَجُوهٌ يُّوْفِيهِمُ الْبَاسِرَةُ﴾ اور بہت چہرے اس دن بگڑے ہوئے تیوری چڑھائے سخت ترش رو ہوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) صاف صاف اپنے سامنے عیاں دیکھو گے۔ بہت سی صحیح حدیثوں سے متواتر سندوں سے جو ائمہ حدیث نے اپنی کتابوں میں وارد کی ہیں ثابت ہو چکا ہے کہ ایمان والے اپنے رب تعالیٰ کے دیدار سے قیامت کے دن مشرف ہوں گے ان حدیثوں کو نہ تو کوئی جھٹلا سکے گا اور نہ کوئی ان کا انکار کر سکے گا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا ہم اپنے رب تعالیٰ کو قیامت کے دن دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا: جب آسمان بالکل صاف ہو اور اس میں کسی قسم کا کوئی بادل وغیرہ نہ ہو تو سورج اور چاند کو دیکھنے میں کوئی چیز مزاحمت ہوتی ہے صحابہ کرام نے عرض کیا: نہیں! آپ نے فرمایا کہ اسی طرح تم اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے۔

(۲) صحیحین میں ہی حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا اور فرمایا کہ تم اسی طرح اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے جس طرح تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو سو اگر تم سے ہو سکے تو تم سورج نکلنے سے پہلے کی نماز (نماز فجر) اور سورج ڈوبنے سے پہلے کی نماز (یعنی نماز عصر) میں کسی طرح بھی سستی نہ کرو۔

(۳) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہی دونوں معتبر و متبرک کتابوں میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو جنتیں سونے کی ہیں جن کے برتن اور بھاٹے وغیرہ اور اس کی ہر چیز سونے کی ہے اور دو جنتیں چاندی کی ہیں جن کے برتن اور بھاٹے وغیرہ اور ہر چیز چاندی کی ہے ان جنتوں اور اللہ تعالیٰ کے دیدار کے درمیان سوائے کبریائی کی چادروں کے اور کوئی چیز آڑ نہیں ہوگی اور یہ جنت عدن کا ذکر ہے۔

(۴) صحیح مسلم شریف کی حدیث مبارکہ میں ہے کہ جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرمائے گا کہ کچھ اور چاہتے ہوتا کہ میں اور زیادہ دوں؟ وہ کہیں گے: اے اللہ! آپ نے ہمارے چہرے سفید اور نورانی کر دیئے، ہمیں جنت میں پہنچا دیا، جہنم سے بچالیا، اب ہمیں کس چیز کی ضرورت ہے؟ اسی وقت حجایات ہٹا دیئے جائیں گے اور ان جنتیوں کی نگاہیں جمال باری تعالیٰ سے منور ہوں گی اس میں انہیں جو سرور و لذت حاصل ہوگی وہ کسی اور چیز میں حاصل نہ ہوگی سب سے زیادہ محبوب انہیں دیدار باری تعالیٰ ہوگا اسی نعمت کو اس آیت میں لفظ ”زِيَادَةٌ“ سے تعبیر کیا گیا ہے پھر آپ نے یہ آیت مبارکہ پڑھی: ”لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ“ (یونس: ۲۶) یعنی احسان کرنے والوں کو جنت بھی ملے گی اور دیدار خدا بھی ملے گا۔

(۵) صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں پر قیامت کے میدان میں مسکراتا ہوا تجلی فرمائے گا پس اس سے معلوم ہوا کہ ایمان دار قیامت کے عرصات میں اور جنتوں میں دیدار خدا سے مشرف کیے جائیں گے۔

(۶) مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: سب سے ہلکے درجے کا جنتی جنت میں اپنی ملکیت کو دو ہزار سال دیکھتا رہے گا، دور کی اور نزدیک کی چیزیں یکساں نگاہ میں ہوں گی ہر طرف اور ہر جگہ اسی کی بیویاں اور خدام نظر آئیں گے اور اعلیٰ درجے کے جنتی ایک ایک دن میں دو دو مرتبہ (صبح و شام) اللہ تعالیٰ کے مبارک و بزرگ تر چہرے کا دیدار کریں گے۔ ترمذی شریف میں بھی یہ حدیث موجود ہے نیز یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی مرفوعاً مروی ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

گے اور یہ کفار کے چہرے ہوں گے ﴿تَتَّظَّنُّ أَنْ يَفْعَلَ بِهَا فَاقْتَدَةً﴾ ہر کافر خیال کرے گا کہ اس کے ساتھ کمر توڑ دینے والا سخت ترین معاملہ کیا جائے گا (یعنی) اسے ایسی سخت سزا دی جائے گی جو اس کی پشت کے مہرے کو توڑ دے گی۔

كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۖ وَقِيلَ مَنْ رَاقٍ ۖ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ۖ

وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۖ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ۖ

ہرگز نہیں! جب روح ہنسی کی ہڈیوں تک پہنچ جائے گی اور کہا جائے گا: کوئی دم کرنے والا ہے اور وہ خیال کرے گا کہ بے شک یہ جدائی کا وقت ہے اور پنڈلی پنڈلی سے لپٹ جائے گی اور دن آپ کے رب تعالیٰ کی طرف سب نے جانا ہوگا

۲۶- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ کے ذریعہ آخرت پر دنیا کو ترجیح دینے سے منع کیا گیا ہے اور آخرت کے مقابلے میں دنیا کو اختیار کرنے سے روکا گیا ہے، گویا فرمایا گیا ہے کہ تم اس عمل سے باز آ جاؤ اور تم آخرت کی بجائے دنیا کو اختیار کرنے سے رُک جاؤ اور تم اپنے آگے آنے والی موت کو یاد کرو جس کے آجانے کے بعد تم سے یہ دنیا چھوٹ جائے گی اور تم سے الگ ہو جائے گی اور تم آخرت کی طرف منتقل ہو جاؤ گے جس میں تم ہمیشہ باقی رہو گے ﴿إِذَا بَلَغَتِ﴾ یعنی جب روح پہنچ جائے گی اور یہاں روح مراد لینا جائز ہے اگرچہ اس سے پہلے اس کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ اس پر یہ آیت مبارکہ دلالت و رہنمائی کر رہی ہے ﴿التَّرَاقِيَ﴾ ہنسی کی وہ ہڈیاں جو سینے کے ارد گرد دائیں بائیں محیط ہوتی ہیں اور سینے کے راستے گلے تک پہنچ جاتی ہیں۔ ”ترافی“ ”ترقوة“ کی جمع ہے جس کا معنی ہے: ہنسی کی ہڈی۔

۲۷- ﴿وَقِيلَ مَنْ رَاقٍ﴾ اور کہا جائے گا کہ کیا کوئی دم کرنے والا اور جھاڑ پھونک کرنے والا ہے؟ [امام عاصم کے شاگرد حضرت حفص کی قراءت میں ”مَنْ“ پر ہلکا سا وقف (یعنی سکتہ) کیا جاتا ہے یعنی مرنے والے کے پاس حاضرین ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ تم میں سے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے جو اس پر دم کر دے ”رَاقٍ“ ”رَقِيَّةٌ“ سے ماخوذ ہے اور یہ باب ”ضَرْبٌ يَضْرِبُ“ سے ہے [یہ ان فرشتوں کا کلام ہے جو روح نکالنے والے وہاں موجود ہوتے ہیں وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور بہت سی صحیح اور حسن اور مسند حدیثیں سنن کی کتابوں میں مروی ہیں جن میں سے اکثر ہماری اس تفسیر میں متفرق مقامات میں آچکی ہیں خدا کا شکر ہے کہ اس مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تابعین اور سلف امت کا اتفاق اور اجماع ہے تمام ائمہ اسلام اور ہدایۃ امت سب اس پر متفق ہیں۔ جو لوگ اس کی تاویل کر کے کہتے ہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھنا مراد ہے ان کا قول حق سے دور اور سراسر تکلف سے معمور ہے ان کے پاس اس آیت کا کیا جواب ہے جس میں بدکاروں کے بارے میں فرمایا گیا ہے: ”كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ“ (المطففين: ۱۵) ”یعنی ہرگز نہیں! بے شک فاسق و فاجر لوگ قیامت کے دن اپنے پروردگار سے پردے میں کر دیئے جائیں گے“۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فاجروں کے دیدار الہی سے محروم رہنے کا صاف مطلب یہی ہے کہ ابرار یعنی نیک اور پرہیزگار لوگ دیدار الہی سے سیراب کیے جائیں گے اور یہ متواتر حدیثوں سے ثابت ہو چکا ہے اور اسی پر اس آیت مبارکہ کے الفاظ کی روانی صاف اور واضح دلالت کر رہی ہے کہ ایمان دار حضرات دیدار باری تعالیٰ سے محظوظ ہوں گے۔

(ماخوذ از: تفسیر ابن کثیر مترجم ج ۵ ص ۸۰-۸۱ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

کہیں گے کہ تم میں سے کون سے فرشتے اس کی روح کو اوپر لے جائیں گے آیا رحمت کے فرشتے یا عذاب کے فرشتے [اس صورت میں ”رَاقٍ“، ”رَقِيٍّ“ سے ماخوذ ہوگا اور باب ”عَلِمَ يَعْلَمُ“ سے ہوگا۔]

۲۸۔ ﴿وَوَظَنَ أَنَّهُ الْفِرَاقُ﴾ اور مرنے والا یقین کر لیتا ہے کہ یہ جدائی کا وقت ہے (یعنی) بے شک یہ موت جو اس پر نازل ہوگئی ہے اس کا آنا محبوب و پسندیدہ دنیا سے جدا ہونے اور کوچ کرنے کا پیش خیمہ ہے۔ ”ظَنَ“ بہ معنی ”اَيَّقَنَ“ ہے۔

۲۹۔ ﴿وَالْتَقَتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ﴾ اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی (یعنی) مرنے والے کی دونوں پنڈلیاں موت کے وقت آپس میں باہم مل جائیں گی۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میت کی دونوں پنڈلیاں مراد ہیں جب میت کو کفن پہنایا جاتا ہے تو اس کی دونوں پنڈلیوں کو آپس میں ملایا جاتا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے دو سختیاں مراد ہیں ایک دنیا کے فراق و جدائی کی شدت و سختی مراد ہے اور دوسری آخرت کے آنے کی شدت و سختی مراد ہے یہ دونوں سختیاں موت کے وقت میت سے مل جاتی ہیں یہ معنی کی اس بناء پر ہے کہ ”ساق“ کا لفظ شدت و سختی کے معانی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے دو غم مراد ہیں: ایک دنیا اور اولاد کی جدائی کا غم اور دوسرا واحد بے نیاز خدا کی بارگاہ میں (جو اب وہی کے خوف سے) حاضری کا غم ورنج۔

۳۰۔ ﴿إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ﴾ آپ کے پروردگار کی طرف اس دن سب کو جانا ہوگا۔ یہ ”سَاقُهُ“ کا مصدر ہے یعنی قیامت کے دن بندوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف یا جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف جانا ہوگا۔

فَلَا صَدَقَ وَلَا صَدَّقَ ۗ ﴿٣١﴾ وَلَكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۗ ﴿٣٢﴾ ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ
يَتَمَطَّىٰ ۗ ﴿٣٣﴾ أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ ۗ ﴿٣٤﴾ ثُمَّ أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ ۗ ﴿٣٥﴾ أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ
أَنْ يُتْرَكَ سُدًىٰ ۗ ﴿٣٦﴾ أَلَمْ يَكُنْ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُمْنَىٰ ۗ ﴿٣٧﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً ۗ
فَخَلَقَ فَسَوَّىٰ ۗ ﴿٣٨﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ۗ ﴿٣٩﴾ أَلَيْسَ
ذَٰلِكَ بِفِتْنَةٍ عَالِي ۗ ﴿٤٠﴾ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ ۗ ﴿٤١﴾

سو اس نے نہ تصدیق کی اور نہ اس نے نماز پڑھی ۰ لیکن اس نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیا ۰ پھر وہ اپنے گھر والوں کی طرف اکڑتا ہوا چلا گیا ۰ تیرے لیے خرابی ہو، سو تیرے لیے خرابی ہو، پھر تیرے لیے خرابی ہو، سو تیرے لیے خرابی ہو ۰ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اسے آزاد چھوڑ دیا جائے گا ۰ کیا وہ منیٰ کی ایک حقیر سی بوند نہیں تھا جسے (رحم میں) گرایا جاتا ہے ۰ پھر وہ جسے ہوئے خون کا لوتھڑا ہو گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا، پھر اس کو درست بنایا ۰ پھر اس سے دو جوڑے مرد اور عورت کو بنایا ۰ کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو زندہ کر دے ۰

انسان کی تکذیب و ہلاکت اور تخلیق کے بعد حشر کا بیان

۳۲، ۳۱- ﴿فَلَا صَدَقَ وَلَا صَلَّى﴾ سو اس نے رسول اکرم اور قرآن مجید کی تصدیق نہیں کی اور نہ اس نے نماز پڑھی اور یہاں تصدیق نہ کرنے اور نماز نہ پڑھنے والے شخص سے کافر انسان مراد ہے جس کا ذکر اس آیت مبارکہ میں گزر چکا ہے ارشاد فرمایا: "أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ لَنْ نَجْمَعَ عِظَامَهُ" کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو ہرگز جمع نہیں کریں گے ﴿وَلَكِنْ كَذَّابٌ وَتَوَلَّى﴾ اور لیکن اس نے رسول کریم اور قرآن مجید کو جھٹلایا اور ان پر ایمان لانے کی بجائے منہ پھیر لیا اور اعراض کر لیا یا یہ معنی ہے کہ اس نے اپنے مال میں سے صدقہ نہیں دیا یعنی زکوٰۃ ادا نہیں کی اور نہ نماز پڑھی لیکن اس نے زکوٰۃ اور نماز کو جھٹلایا اور ان کی ادائیگی سے منہ پھیر لیا اور اعراض کر لیا۔

۳۳- ﴿ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَمْتَطِي﴾ پھر وہ اپنے گھر والوں کی طرف اڑتا ہوا چلا گیا (یعنی) تکبر و غرور کی چال چلتا ہوا چلا گیا [یہ اصل میں "يَمْتَطِي" تھا] "أَيُّ يَتَمَدَّدُ" یعنی ہاتھ پاؤں کو دراز کر کے فخر و ناز سے ملتا ہوا چلا گیا کیونکہ تکبر سے اڑ کر چلنے والا اپنے پاؤں کو کھینچ کر اور ہاتھوں کو آگے پیچھے مڑکا کر چلتا ہے [پھر آخری "ظا" کو "یا" سے تبدیل کر دیا گیا کیونکہ تین حروف متماثل و متجانس جمع ہو گئے]۔

۳۴، ۳۵- ﴿أَوَّلَىٰ لَكَ﴾ تیرے لیے خرابی ہو۔ یہ بہ معنی "وَيْسُ لَكَ" ہے یعنی تیرے لیے ہلاکت و تباہی ہو اور یہ کافر انسان پر دعائے ضرر ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ خرابی اس کے نزدیک کر دے جو اسے ناپسند و ناگوار ہو ﴿فَأَوْلَىٰ لَكَ﴾ سو خرابی ہی ہو ○ پھر تیرے لیے خرابی ہو سو خرابی ہی ہو۔ تاکید کے لیے مکرر ذکر کیا گیا ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ تیرے لیے خرابی ہو پس خرابی ہی ہو پھر تیرے لیے خرابی ہو پس خرابی ہی ہو اور بعض حضرات نے فرمایا کہ تیرے لیے موت کے دن خرابی ہو اور تیرے لیے قبر میں خرابی ہو اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کے وقت تیرے لیے خرابی ہو اور دوزخ کی آگ میں تیرے لیے خرابی ہو۔

۳۶- ﴿أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى﴾ کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اسے بے کار چھوڑ دیا جائے گا (یعنی) کیا کافر یہ گمان کرتا ہے کہ اس کو آزاد چھوڑ دیا جائے گا نہ اسے کسی کام کا حکم دیا جائے گا اور نہ اسے کسی کام سے منع کیا جائے گا اور نہ اسے مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور نہ اسے جزاء اور سزا دی جائے گی؟

۳۷- ﴿أَلَمْ يَكُنْ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُمْنَىٰ﴾ کیا وہ منی کا ایک حقیر سا قطرہ نہیں تھا جسے پٹکا یا جاتا ہے [ابن عامر شامی اور حضرت حفص کی قراءت میں "یا" کے ساتھ "يُمْنَىٰ" پڑھا جاتا ہے] یعنی منی کو عورت کے رحم میں گرایا اور بہایا جاتا ہے [اور دیگر قراءت نے "نا" کے ساتھ "تُمْنَىٰ" پڑھا ہے اس صورت میں ضمیر "نطفة" کی طرف لوٹے گی]۔

۳۸- ﴿ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً﴾ پھر وہ خون کا توہڑا بن گیا یعنی چالیس دن کے بعد وہ منی جیسے ہوئے خون کا ایک ٹکڑا بن جاتی ہے ﴿فَخَلَقَ فَسَوَّىٰ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور درست بنایا (یعنی) پھر اللہ تعالیٰ نے اس حقیر و بدبودار منی سے مکمل اور درست انسان بنایا۔

۳۹- ﴿فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے نر اور مادہ (مرد و زن) دو جوڑے بنائے یعنی دونوں صنفیں اور دونوں قسمیں اسی منی سے بنائیں۔

۴۰- ﴿أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقَدِيرًا عَلَيَّ أَنْ يَحْيِيَ الْمَوْتَىٰ﴾ کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ وہ مردوں کو زندہ کر دے؟ (یعنی) کیا ان تمام چیزوں کو پیدا کرنے والا ان کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ اور حضور سید عالم ﷺ جب یہ

آیت مبارکہ تلاوت فرماتے تو ارشاد فرماتے: ”سُبْحَانَكَ بَلِي“ اے اللہ! آپ ہر عیب سے پاک ہیں کیوں نہیں! آپ ضرور قادر ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ الذہر کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی اکتیس آیات دو رکوع ہیں

هَلْ اَتَىٰ عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنَ مِّنَ الدّٰهِرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكَوْرًا ۝۱

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيْعًا

بَصِيْرًا ۝۲ اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيْلَ ۖ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ۝۳ اِنَّا اَعْتَدْنَا

لِلْكَافِرِيْنَ سَلَاسِلًا وَّ اَغْلًا وَّ سَعِيْرًا ۝۴

بے شک زمانہ میں سے ایک ایسا وقت انسان پر آچکا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھا ۰ بے شک ہم نے انسان کو (مردوزن کے) ملے جلے نطفہ سے پیدا کیا کہ ہم اسے آزمائیں سو ہم نے اس کو سننے والا (اور) دیکھنے والا بنایا ۰ بے شک ہم نے اس کو راستہ دکھا دیا خواہ وہ شکر کرنے والا ہو یا وہ ناشکر ہو ۰ بے شک ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوقیں اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے ۰

انسان کی تخلیق اور ہدایت کا راستہ دیکھنے کے بعد مومن و کافر ہونے کا بیان

۱- ﴿هَلْ اَتَى﴾ ”قَدْ مَضَى“ بے شک گزر چکا ہے [”هَل“، ”قَدْ“ کے معنی میں ہے اور ”اَتَى“، ”مَضَى“ کے معنی میں ہے] ﴿عَلَى الْاِنْسَانِ﴾ انسان پر (یعنی) حضرت آدم علیہ السلام پر ﴿حِيْنَ مِّنَ الدّٰهِرِ﴾ زمانے میں سے کچھ وقت (یعنی) حضرت آدم علیہ السلام میں روح پھونکنے سے پہلے کا عرصہ اور وقت کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام چالیس سال تک صرف مجسمہ کی شکل میں بغیر روح کے رہے پھر ان میں روح پھونکی گئی تھی ﴿لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكَوْرًا﴾ قابل ذکر چیز نہیں تھے کیونکہ نہ ان کے اسم مبارک کا ذکر تھا اور نہ یہ معلوم تھا کہ ان سے کیا مراد ہے اور کیا مقصود ہے کیونکہ اس وقت صرف مٹی کا مجسمہ تھے جس پر اتنا عرصہ بیت گیا اور اگر اس وقت موجود نہ ہوتے تو ان کی یہ صفت بیان نہ کی جاتی کہ ان پر زمانہ میں سے ایک عرصہ گزر چکا ہے [اور ”لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكَوْرًا“ محلاً منصوب ہے کیونکہ ”الْاِنْسَانُ“ سے حال واقع ہو رہا ہے یعنی انسان پر کچھ عرصہ ایسا گزرا ہے جس میں یہ مذکور نہیں تھا]۔

۲- ﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ﴾ بے شک ہم نے انسان کو (مخلوط نطفہ سے) پیدا کیا یعنی اولادِ آدم علیہ السلام اور بعض حضرات کا قول ہے: پہلے انسان سے بھی اولادِ آدم مراد ہے اور ”حِيْنَ مِّنَ الدّٰهِرِ“ کا مطلب اس قول کی بناء پر یہ ہے کہ انسان اپنی ماں کے پیٹ میں جب تک رہا اس وقت تک غیر مذکور چیز تھا یہاں تک کہ ولادت کے بعد وہ لوگوں کے درمیان قابل ذکر چیز قرار پایا (کہ اس کا نام رکھا گیا جس سے پکارا جانے اور پہچانا جانے لگا) ﴿مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ﴾ (ہم

۱۔ رواہ ابوداؤد رحمہ اللہ حدیث: ۸۸۷

نے انسان کو) نر اور مادہ کے مخلوط نطفہ سے (پیدا کیا ہے) یعنی ہم نے اولاد آدم کو ایسے نطفہ سے پیدا کیا جس میں (مرد و زن کے) دو پانیوں کی آمیزش کی گئی ہے اور "مشج" اور "مزج" دونوں کا ایک معنی (ملانا) ہے [یہ "نطفہ" کی نعت ہے یا اس سے بدل ہے اور یہ "نطفة امشاج" اس طرح ہے جس طرح "برمة اعشار" "سویں ہانڈی" ہے سو یہ "امشاج" مفرد لفظ ہے جمع نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ مفرد "نطفة" کی صفت واقع ہو رہا ہے] ﴿قَبْلَ تَلْکَیْہِ﴾ ہم اس کو آزما تے ہیں [یہ "خلقنا" کی ضمیر فاعل سے حال ہے] معنی یہ ہے کہ ہم نے اس کو پیدا کیا اس حال میں کہ ہم اس کو آزمانے والے ہیں یعنی ہم اس کو امر (حکم) اور نہی (ممانعت) کے ذریعے آزمانا چاہتے ہیں ﴿فَجَعَلْنَاهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا﴾ سو ہم نے اس کو سننے والا دیکھنے والا بنا دیا ہے (یعنی) ہم نے اس کو کانوں سے سننے والا اور آنکھوں سے دیکھنے والا بنا دیا ہے۔

۳- ﴿اِنَّا هَدٰیْنٰہُ السَّبِیْلَ﴾ بے شک ہم نے اس کو راستہ دکھا دیا ہے (یعنی) ہم نے عقلی اور سمعی دلائل کے ذریعے اس کے لیے ہدایت کا راستہ واضح طور پر بیان کر دیا ہے ﴿اِنَّمَا شَکَرًا﴾ خواہ وہ مسلمان ہو کر شکر ادا کرنے والا بن جائے ﴿وَاِنَّمَا کُفْرًا﴾ اور یا وہ کفر اختیار کر کے کافر و ناشکر بن جائے [یہ دونوں "ہدینا" کی ضمیر مفعول سے حال ہیں] یعنی اگر وہ چاہے تو شکر ادا کرے (اور مسلمان ہو جائے) یا وہ چاہے تو کفر اختیار کر لے بے شک ہم نے اپنی طرف سے دونوں حالتوں میں اسے ہدایت کا راستہ دکھا دیا (اختیار کرنا اور نہ کرنا اس کی اپنی مرضی ہے) [یا یہ دونوں "السبیل" سے حال ہے] یعنی ہم نے اس کو راستے کی پہچان کرا دی ہے خواہ وہ سبیل شا کر اختیار کرے اور خواہ وہ سبیل کفور اختیار کرے [اور "سبیل" کو شکر اور کفر کے ساتھ موصوف کرنا مجاز ہے]۔

۴- اور جب اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے دو گروہوں کا ذکر کیا تو ان دونوں کے ذکر کے بعد اب ان کے اس انجام کا ذکر فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے لیے تیار کر رکھا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّا اَعْتَدْنَا لَالْکٰفِرِیْنَ سَلْسِلًا وَاَغْلٰلًا وَّسَعِیْرًا﴾ بے شک ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوقین اور بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے ["سلاسل" "سلسلہ" کی جمع ہے اور اس کو حضرت حفص ابن کثیر کی ابو عمر و اور حمزہ کوفی نے بغیر تنوین کے پڑھا ہے اور ان کے علاوہ دیگر قراء (یعنی نافع مدنی، علی کسائی، ابو بکر کوفی اور ہشام) نے تنوین کے ساتھ پڑھا ہے تاکہ یہ "اغلالا" اور "سعیروا" کے مناسب ہو جائے کیونکہ غیر منصرف کو مناسبت کی خاطر منصرف پڑھنا جائز ہے اور "اغلال" "غل" کی جمع ہے اور "سعیروا" کا معنی بھڑکتی ہوئی اور شعلہ مارنے والی آگ ہے]۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ کَاۤیْسٍ کَانَ مِزَاجُهَا کَافُوْرًا ۗ عِیْنًا
یَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰہِ یُفَجِّرُوْنَہَا تَفْجِیْرًا ۙ یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَ
یَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّکُمْ مُسْتَطِیْرًا ۙ وَیُطْعَمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حَبِیْہِ
مُسْکِیْنًا وَیَتَّیْمًا وَّ اَسِیْرًا ۙ اِنَّمَا نَطْعِمُکُمْ لِوَجْہِ اللّٰہِ لَا نُرِیْدُ
مِنْکُمْ جَزَاءً وَّلَا شُکُوْرًا ۙ

بے شک نیک لوگ ایسے مشروب کے جام پیئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی O وہ ایک چشمہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے بندے پیئیں گے وہ اسے جہاں چاہیں گے لے جائیں گے O وہ اپنی نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی پھیلی ہوئی ہے O اور وہ اس کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں O (اور وہ کہتے ہیں: بے شک ہم تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں ہم تم سے نہ بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکر یہ O

نیک لوگوں کے اوصاف و انعامات کا بیان

۶۵- ﴿رَأَى الْكِبْرَاءَ شَرِبُونَ مِنْ كَأْسٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک نیک لوگ پاکیزہ شراب کے جام بھر کر پیئیں گے [ابرار، "بر" کی یا "بَار" کی جمع ہے جیسے "رب" کی جمع "ارباب" اور "شہاد" کی جمع "اشہاد" ہے] اور یہ نیک لوگ وہی ہیں جو اپنے ایمان میں مخلص اور سچے ہیں یا وہ لوگ مراد ہیں جو مخلوق خدا کو ایذا اور تکلیف نہیں پہنچاتے اور نہ وہ اپنے دلوں میں کھوٹ اور برائی کو چھپا کر رکھتے ہیں۔ "کَأْس" کا معنی ہے: شیشے کا پیالہ یا گلاس لیکن یہاں اس سے خود شراب مراد ہے جو پیالوں اور گلاسوں میں بھر کر پلائی جائے گی "سُوْ خَمْر" کو "کَأْس" کا نام دیا گیا ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ "کَأْس" سے وہ بلوری گلاس مراد ہے جس میں شراب انڈیل کر پلائی جاتی ہے ﴿كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا﴾ اس شراب طہور میں کافور کا پانی ملا یا جائے گا اور کافور جنت میں ایک چشمے کا نام ہے جس کا پانی کافور کی طرح سفید اور اس کی خوشبو کافور کی خوشبو کی طرح اور اس کا پانی کافور کی طرح سرد اور ٹھنڈا ہوگا ﴿عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ﴾ وہ ایک چشمہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے پانی پی کر سیراب ہوں گے [حرف "با" "مِنْ" کے معنی میں ہے یعنی "مِنْهَا" ہے یا یہ "با" زائدہ ہے یا پھر یہ معنی پر محمول ہے یعنی جنتی لوگ اس کے ذریعے لذت حاصل کریں گے یا اس کے ذریعے سیراب ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے پہلے ("مِنْ كَأْسٍ" میں) حرف "مِنْ" اور دوسرے میں حرف "با" اس لیے فرمایا کہ ان کے مشروب کے پینے کی ابتداء "کَأْس" (جام) سے ہوگی اور اس کی پہلی غرض ہوگی اور لیکن رہا چشمہ تو اس میں ان کی شراب کو کس کیا جائے گا تو گویا فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے بندے اس چشمہ سے شراب پیئیں گے ﴿يَفْجَرُونَ فِيهَا﴾ وہ اس چشمہ کو اپنی منازل میں سے جس منزل میں لے جانا چاہیں گے لے جائیں گے ﴿تَفْجِيرًا﴾ سہولت و آسانی کے ساتھ لے جائیں گے ان پر کوئی ممانعت اور رکاوٹ نہیں ہوگی۔

۷- ﴿يُوقُونَ بِاللَّذَّةِ﴾ وہ اپنی منتیں پوری کرتے ہیں جن کو انہوں نے اپنے اوپر واجب و لازم کیا ہے۔ یہ اس سائل کے لیے جواب ہے جو ممکن ہے کہ سوال کرتے ہوئے کہے کہ انہیں یہ بلند مرتبہ کیونکر عطا کیا جاتا ہے اور واجبات کو زیادہ سے زیادہ خوب ادا کرنے کی وجہ سے ان کو نذر اور منت پوری کرنے کے ساتھ متصف کر کے ان کے وصف و فائے نذر میں مبالغہ کیا گیا ہے کیونکہ جو شخص اپنی اس نذر کو جسے اس نے اپنے آپ پر واجب و لازم کر لیا، اسے محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے پورا کرتا ہے تو وہ شخص اس نذر کو جسے اللہ تعالیٰ نے اس پر واجب و لازم فرمایا بطریق اولیٰ اور زیادہ بڑھ چڑھ کر پورا کرتا ہے ﴿وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَتْ شَرُّكَ مُسْتَطِيرًا﴾ اور وہ لوگ اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی ہولناکی پھیلی ہوئی ہے (یعنی) اس دن کے شدائد اور سختیاں اور ہولناکیاں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ "مستطير" "استطار الفجر" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے کہ فجر تمام اطراف میں پھیل گئی۔

۸- ﴿وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں یعنی وہ کھانے کی محبت اور اس کی خواہش و حاجت رکھنے کے باوجود کھانا کھلاتے ہیں یا وہ اللہ تعالیٰ

کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں۔ مسکین سے مراد وہ فقیر و محتاج ہے جو محنت مزدوری کرنے اور کمانے سے عاجز ہو اور یتیم سے وہ نابالغ بچہ مراد ہے جس کا باپ نہ ہو اور اسیر سے قیدی مراد ہے خواہ غلام ہو یا غلام نہ ہو۔

۹۔ پھر انہوں نے کھانا کھلانے کی علت اور سبب بیان کیا چنانچہ انہوں نے کہا: ﴿إِنَّمَا نَطْعِمُكُمْ لِرُؤْفَةِ اللَّهِ﴾ بے شک ہم تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کھانا کھلاتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ سے ثواب حاصل کرنے کے لیے یا ان کے دلوں میں پوشیدہ نیتوں اور ارادوں کا اظہار ہے جو خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے ارادوں اور نیتوں کو خوب جانتا ہے اس لیے تو ان کے اس عمل پر تعریف بیان فرمائی ہے اگرچہ انہوں نے زبان سے کچھ نہیں کہا ﴿لَا تَرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً﴾ ہم تم سے کوئی صلہ اور بدلہ نہیں چاہتے نہ اس صدقہ پر تم سے کوئی ہدیہ چاہتے ہیں ﴿وَلَا شُكُورًا﴾ اور نہ شکر گزاری چاہتے ہیں (یعنی) ہم اپنی تعریف نہیں چاہتے اور یہ شکر کی طرح مصدر ہے۔

إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ۝۱۰ فَوْقَهُمْ اللَّهُ شَرُّ

ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّهُمْ نَصْرَةً وَسُرُورًا ۝۱۱ وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا

جَنَّةً وَحَرِيرًا ۝۱۲ مُتَّكِنِينَ فِيهَا عَلَى الْأَمْرَائِكِ لَا يَرُونَ فِيهَا

شُمُسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا ۝۱۳ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلُّهَا وَذُلَّتْ قُطُوفُهَا

تَدْلِيلًا ۝۱۳

بے شک ہم اپنے پروردگار سے ایک ایسے دن کا خوف رکھتے ہیں جس میں بد نصیب بہت ترش رو بگڑے ہوئے چہرے والے ہو جائیں گے ۝ سو اللہ تعالیٰ ان (نیک لوگوں) کو اس دن کی سختی سے بچالے گا اور ان کو تر و تازگی اور فرحت و شادمانی عطا فرمائے گا ۝ اور انہوں نے جو صبر کیا اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ ان کو جنت اور ریشمی لباس عطا فرمائے گا ۝ وہ اس میں مسندوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے وہ اس میں نہ دھوپ دیکھیں گے اور نہ سخت سردی ۝ اور اس کے درختوں کے سائے ان پر جھک کر قریب آ جائیں گے اور اس کے پھل مسخر کر کے نیچے جھکا دیئے جائیں گے ۝

۱۰۔ ﴿إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا﴾ بے شک ہم اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں یعنی بے شک ہم تم سے صرف اس لیے بدلہ اور صلہ کا مطالبہ نہیں کرتے کہ ہم صدقہ کا عوض اور بدلہ طلب کرنے پر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ بے شک ہم اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں سو اس لیے ہم اس کی خوشنودی اور رضا طلب کرنے کے لیے صدقہ و خیرات کرتے ہیں تاکہ ہم اس خوف و ڈر سے مامون و محفوظ ہو جائیں ﴿يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا﴾ سخت ترین اور بہت ترش رو دن۔ دراصل بد بخت لوگ تیوری چڑھا کر ترش روئی کا اظہار کرتے ہیں لیکن ان کی اس صفت کے ساتھ دن ”یوم“ کو متصف کیا گیا جیسے ”نَهَارُكَ صَائِمٌ“ تیرا دن روزہ دار ہے اور ”قَمْطَرِيرٌ“ کا معنی ہے: ترش رو ہونا اور یہ وہ تیوری ہے جو کسی ناگواری پر دونوں آنکھوں کے درمیان جمع ہو جاتی ہے۔

۱۱۔ ﴿فَوْقَهُمْ اللَّهُ شَرُّ ذَلِكَ الْيَوْمِ﴾ سو اللہ تعالیٰ ان کو اس دن کی سختی سے بچالے گا (یعنی) اللہ تعالیٰ ان کو اس دن کی سختیوں سے محفوظ رکھے گا ﴿وَلَقَّهُمْ نَصْرَةً وَسُرُورًا﴾ اور اللہ تعالیٰ فساق و فجار اور بد بختوں کی ترش روئی اور

تیوری کے بدلے ان نیک مسلمانوں کو چہروں میں حسن و خوبصورتی اور ثروت و تازگی اور ان کے دلوں میں فرحت و خوشی عطا فرمائے گا۔
۱۲۔ ﴿وَجَذِبْنَاهُمْ بِمَا صَلَبُوا﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کو ایثار و قربانی کرنے پر صبر کرنے کی وجہ سے بہترین جزائے خیر عطا فرمائے گا۔

شان نزول: یہ آیات مبارکہ حضرت علی مرتضیٰ حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء اور ان کی لونڈی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں نازل ہوئیں، کیونکہ جب حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیمار ہوئے تو انہوں نے تین دن روزہ رکھنے کی نذر (منت) مانی (تا کہ دونوں شہزادے شفاء یاب ہو جائیں) پھر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک یہودی سے تین صاع جو بطور قرض ادھار لیے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہر روز ایک صاع جو پیستیں اور آٹا گوندھ کر روٹیاں پکاتیں پھر یہ حضرات مسکین اور یتیم اور قیدی کو ترجیح دے کر کھانا انہیں پیش کر دیتے رہے اور خود پانی پی کر روزہ افطار کر لیتے تھے ﴿جَنَّةٌ حَرِيرًا﴾ اللہ تعالیٰ ان کو ایسی جنت یعنی باغ عطا فرمائے گا جس میں اللہ تعالیٰ ہر قسم کے بہترین ہضم ہو جانے والے من پسند خوب کھانے عطا فرمائے گا۔

۱۳۔ ﴿مُتَّكِنِينَ فِيهَا عَلَى الْأَمَائِكِ﴾ وہ اس جنت میں پلنگوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے [”مُتَّكِنِينَ“ (جَزَاهُمْ) میں ”ہم“ ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے نیز ”أَرَائِكِ“ ”أَرِيكَ“ کی جمع ہے] ﴿لَا يَذُوقُونَ فِيهَا شَمْسًا

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ان حضرات کو خود حضور سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم منت مانو تو صاحب زادے شفاء یاب ہو جائیں گے چنانچہ ان حضرات نے ان کے صحت یاب ہو جانے پر تین روزوں کی نذر مانی اور اللہ تعالیٰ نے شہزادگان کو صحت عطا فرمادی اور نذر کی وفا کا وقت آیا تو ان حضرات نے اللہ تعالیٰ کے تقرب اور اس کی رضا جوئی اور صاحب زادوں کی صحت کے شکرانے میں تین روزے رکھے چنانچہ پہلے روز جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک صاع جو پیس کر کھانا پکایا اور افطار کا وقت آیا اور روٹیاں سب کے سامنے رکھیں تو ایک سائل آیا اور عرض کیا: اے حضرت محمد ﷺ کے گھرانے والو! میں ایک مسکین مسلمان ہوں اور بھوکا ہوں تم مجھے اللہ تعالیٰ کے نام پر کھانا کھلا دو اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کے دسترخوان عطا فرمائے اور چونکہ خاتون جنت نے پانچ روٹیاں پکا کر ہر ایک کے سامنے ایک ایک روٹی رکھ دی تھی اس لیے سب نے اپنا اپنا حصہ اٹھا کر مسکین کو دے دیا پھر دوسرے روز ایک سائل نے آ کر عرض کیا کہ اے حضرت محمد ﷺ کے گھرانے والو! میں مہاجرین کا ایک یتیم ہوں میرا باپ عقبہ کے دن شہید ہو گیا تھا برائے کرم تم مجھے کھانا کھلا دو اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کے دسترخوان عطا فرمائے چنانچہ تمام صاحبان نے جو کھانا سامنے رکھا ہوا تھا اٹھا کر یتیم کو دے دیا اور خود پانی پی کر بھوکے سو گئے پھر تیسرے روز حضرت خاتون جنت نے جو پیس کر کھانا تیار کیا اور شام کو تمام حضرات جمع ہوئے کھانا سامنے رکھا ابھی افطار کرنے والے ہی تھی کہ باہر سے آواز آئی کہ اے اہل بیت نبوت! میں قیدی ہوں تم مجھے کھانا کھلا دو اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کے دسترخوان سے کھلائے چنانچہ سب نے کھانا اٹھا کر قیدی کو دے دیا اور حضرت جبریل علیہ السلام یہ سورت لے کر نازل ہوئے اور عرض کیا: اے خدا کے حبیب! اللہ تعالیٰ آپ کو اہل بیت کے بارے میں خوش گوار رکھے یہ آیات مبارکہ لیجئے اور ان کو پڑھ کر سنا دیجئے۔ (ماخوذ از تفسیر روح البیان مترجم)

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مظہری لکھتے ہیں کہ حکیم ترمذی اور ابن جوزی نے اس روایت کو (بغیر کسی دلیل کے) موضوع قرار دیا ہے اور علامہ سیوطی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ سورت مکی ہے (جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی) جب کہ حضرت علی مرتضیٰ کا حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہجرت کے دو سال بعد ہوا تھا میں اس کے جواب میں یہ کہتا ہوں کہ یہ اعتراض تو حضرت مقاتل کی روایت پر بھی وارد ہوتا ہے جس میں منقول ہے کہ یہ آیات ایک انصاری مرد کے حق میں نازل ہوئیں کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

﴿لَا زَمَهْرِيْرًا﴾ وہ اس جنت میں نہ دھوپ دیکھیں گے اور نہ سردی اور ٹھنڈ دیکھیں گے، کیونکہ اس میں سورج نہیں ہوگا اور نہ اس میں ٹھنڈ ہوگی بلکہ اس کا اپنا سایہ ہمیشہ رہے گا اور اس کی آب و ہوا معتدل ہوگی نہ سورج کی تپش ہوگی جو گرما سکے اور نہ سخت سردی ہوگی جو ایذا پہنچا سکے اور حدیث شریف میں ہے کہ جنت کی آب و ہوا معتدل ہوگی نہ تو سخت گرمی ہوگی اور نہ سخت سردی ہوگی پس ”زمہریر“ کا معنی ہے: سخت سردی اور بعض حضرات نے ”قمر“ پڑھا ہے یعنی جنت از خود روشن ہوگی اس میں نہ سورج کی ضرورت ہوگی اور نہ چاند کی ضرورت ہوگی۔

۱۴- ﴿وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلُّهَا﴾ اور ان پر اس کے سائے نزدیک ہوں گے یعنی جنت کے درختوں کے سائے ان کے قریب ہوں گے [”وَدَانِيَةً“ کو ”جَنَّةٌ“ پر معطوف کیا گیا ہے] یعنی ایک اور دوسری جنت ہوگی جس کے درختوں کے سائے ان کے نزدیک ترین ہوں گے گویا ان نیک بندوں سے دو جنتوں کا وعدہ کیا گیا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ”إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا“ میں ان حضرات کو خوف الہی کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہے: ”وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٌ ۝“ (الرحمن: ۴۶) ”اور جو شخص اپنے پروردگار کے حضور کھڑا ہونے سے ڈر گیا اس کے لیے دو جنتیں ہیں ۝“ ﴿وَذَلَّلْتُ﴾ اور اس کے پھلوں کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے کے لیے مسخر کر دیا جائے گا [اور یہ ”دَانِيَةً“ سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی جنت کے درختوں کے سائے اس حال میں ان کے نزدیک ہوں گے کہ اس کے پھل ان پر جھکے ہوئے ہوں گے [یابہ ”دَانِيَةً“ پر معطوف ہے] ”أَيُّ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلُّهَا وَمُدَلَّلَةٌ“ ﴿قَطُوفُهَا تَذَلُّلًا﴾ یعنی ان پر جنت کے سائے نزدیک ترین ہوں گے اور اس کے پھل مسخر و تابع ہو کر ان پر جھکے ہوئے ہوں گے [اور ”قَطُوفُ“، ”قِطْفُ“ کی جمع ہے اور ”قِطْفُ“ کا معنی ہے: پھل]۔

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِانِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرًا ﴿١٥﴾ قَوَارِيرًا
مِنْ فِضَّةٍ قَدَرُوهَا تَقْدِيرًا ﴿١٦﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَتْ مِرْجَاهَا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس نے ایک دن میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلایا تھا حالانکہ اس روایت کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ آیات مدنی ہوں اور اسی طرح حضرت مجاہد اور حضرت عطاء کی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت پر یہی اعتراض وارد ہوگا کیونکہ اس میں منقول ہے کہ حضرت علی نے یہودی سے جو لیے تھے کیونکہ یہودی صرف مدینہ منورہ میں متصور ہو سکتا ہے کیونکہ یہود مکہ میں نہیں تھے بلکہ ان آیات کا تقاضا یہ ہے کہ یہ مدنی ہوں کیونکہ قیدی صرف مدینہ شریف میں ہوتے تھے مکہ مکرمہ میں نہیں کیونکہ مکہ میں نہ جہاد تھا نہ قیدی ہوتے تھے سو اس سے ظاہر ہو گیا کہ اس سورت کا بعض حصہ مدنی ہے (جو ہجرت کے بعد نازل ہوا) اور اگرچہ اس کا بعض حصہ مکی بھی ہے اور اگر اس پوری سورت کو صرف مکی قرار دیا جائے تو پھر ان آیات میں ہجرت کے بعد اہل بیت نبوت اور دیگر نیک مسلمانوں کے جو دو سخا کے حال کی قبل از وقت غیب کی خبر بیان کی گئی ہے۔

(تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۱۵۵، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی)

ان آیات کے اولین مصداق خاندان نبوت کے یہی حضرات ہیں جن لوگوں نے ان نفوس قدسیہ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا ہے ان پر مخفی نہیں کہ خاندان نبوت نے ساری زندگی اپنی ضروریات پر دوسروں کو فوقیت دی، خود تکلیف برداشت کی لیکن دوسروں کو خوش و خرم رکھا، اگر یہ واقعہ نہ بھی ہو تب بھی ان آیات کے اولین مصداق یہی حضرات ہیں۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۵۴۵)

زَنْجَبِيلًا ۱۶ عَيْنًا فِيهَا تَسْبِي سَلْسِيلًا ۱۸ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ

مُخَلَّدُونَ ۱۹ إِذَا مَا أَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْشُورًا ۱۹

اور ان پر چاندی کے برتنوں اور کوزوں کو گردش میں لایا جائے گا وہ شیشے کی مانند شفاف ہوں گے ۱۸ یہ شیشے چاندی کے ہوں گے ساقیوں نے انہیں مناسب و صحیح اندازہ پر رکھا ہوگا ۱۹ اور ان کو ایسے جام پلائے جائیں گے جن میں ادراک کی ملاوٹ ہوگی ۱۹ یہ جنت میں ایک چشمہ ہے جس کا نام سلسبیل رکھا جاتا ہے ۱۹ اور ہمیشہ رہنے والے لڑکے ان پر چکر لگاتے رہیں گے اور جب تم انہیں دیکھو گے تو تم انہیں بکھرے ہوئے موتی گمان کرو گے ۱۹

۱۶، ۱۵ ﴿وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ بَأْنِيَّةٍ مِّنْ فِضَّةٍ﴾ اور ان پر چاندی کے برتنوں کو بار بار گھمایا جائے گا یعنی جنت کے خدام نوجوان لڑکے شراب کے جام بھر کر جنتیوں کو پلانے کے لیے بار بار ان کا طواف کریں گے اور ”انیۃ“، ”انساء“ کی جمع ہے اور یہ پانی کا ایک برتن ہے ﴿وَأَكْوَابٍ﴾ اور کوزے اور آنخورے یعنی چاندی کے بڑے پیالے اور یہ ”کوب“ کی جمع ہے اور اس کا معنی وہ لوٹا بھی ہوتا ہے جس کا دستہ نہیں ہوتا اور اسے چھاگل بھی کہتے ہیں ﴿كَانَتْ قَوَارِيرًا﴾ وہ برتن اور کوزے شیشے کی طرح شفاف ہوں گے [یہ ”گمان“ نامہ ہے یعنی جنت کے تمام برتن اللہ تعالیٰ کی تکوین و تخلیق سے شیشے کی طرح صاف و شفاف چمک دار ہوں گے ”قواریرا“، ”کانت“ کی ضمیر فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿قَوَارِيرًا مِّنْ فِضَّةٍ﴾ وہ شیشے چاندی کے ہوں گے یعنی وہ چاندی سے تیار کیے ہوئے ہوں گے سو اس لیے وہ تمام برتن چاندی اور شیشے کی خوبیوں کے جامع ہوں گے چنانچہ وہ چاندی کی طرح سفید و نرم اور حسین و چمک دار بھی ہوں گے اور شیشے کی طرح صاف و شفاف بھی ہوں گے یہاں تک کہ اس کے اندر کی شراب کو اس کے باہر سے دیکھا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہرزین کا شیشہ اس کی مٹی اور ریت سے تیار کیا جاتا ہے لیکن جنت کی سرزمین کا شیشہ چاندی سے تیار کردہ ہوگا [نافع مدنی، علی کسائی اور امام عاصم نے اور ایک روایت کے مطابق ابو بکر کوفی نے بھی دونوں کو تنوین کے ساتھ ”قَوَارِيرًا“ پڑھا ہے جب کہ حمزہ کوفی، ابن عامر شامی، ابو عمر و بصری اور حضرت حفص نے دونوں کو بغیر تنوین کے ”قَوَارِيرًا“ پڑھا ہے اور ابن کثیر کی نے پہلے کو تنوین کے ساتھ پڑھا ہے سو پہلے ”قواریرا“ میں تنوین سابق و لاحق آیات کی مناسبت کی وجہ سے پڑھی گئی ہے اور دوسرے ”قواریرا“ پر وقف کرنے کے لیے بھی کہا گیا ہے لیکن یہ قول قابل وثوق نہیں کیونکہ دوسرا پہلے سے بدل واقع ہو رہا ہے] ﴿قَدَّارًا نَّعِيدًا﴾ وہ ان کو ٹھیک ٹھیک مخصوص اندازے پر رکھیں گے [یہ ”قواریر“، ”من فضة“ کی صفت ہے] یعنی جنت والے ان برتنوں کو مخصوص شکلوں اور مخصوص مقداروں پر اور ٹھیک اندازوں پر رکھیں گے پھر وہ نیک لوگوں کی تعظیم و تکریم کے لیے اسی طرح پیش کیے جائیں گے جس طرح مخصوص مقداروں اور اندازوں پر رکھے گئے یا یہ معنی ہے کہ شراب پلانے والے خدام ان برتنوں کو پینے والے جنتی حضرات کی حسب خواہش ان ہی کے اندازوں پر رکھیں گے پس وہ اس طرح ان کے لیے لذیذ و مزے دار اور ان پر زیادہ آسان ہوگی اور حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ وہ پاکیزہ شراب پینے والے جنتیوں کی حسب خواہش ان کی پیاس بجھانے اور سیر ہو کر پینے کے اندازے کے مطابق ہوگی نہ اس سے زائد ہوگی اور نہ اس سے کم ہوگی۔

۱۸، ۱۷ ﴿وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا﴾ اور انہیں اس میں پیالے بھر کر پلائے جائیں گے یعنی نیک لوگوں کو جنت

میں پاکیزہ شراب کے جام بھر بھر کر پلائے جائیں گے ﴿كَانَ مِنْهَا زَنْجَبِيلًا﴾ اس (شراب) میں ادرك کی آمیزش ہوگی ﴿عَيْنًا فِيهَا تُسَبَّى سَلْسَبِيلًا﴾ جنت میں یہ ایک چشمہ ہے جس کا نام سلسبیل رکھا جاتا ہے اس چشمہ کا نام ”زنجبیل“ اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں ادرك کا ذائقہ ہوگا اور عرب کے لوگ اس مشروب کو لذیذ و مزے دار اور عمدہ قرار دیتے ہیں جس میں ادرك ملا یا جائے اور اس چشمہ کا نام ”سلسبیل“ اس لیے رکھا گیا ہے کہ ادرك کی آمیزش والا مشروب حلق میں جلد اتر جاتا ہے اور بڑی سہولت کے ساتھ پیا جاتا ہے۔ حضرت ابو عبیدہ نے فرمایا کہ ”مَاءٌ سَلْسَبِيلٌ“ یعنی شیریں و میٹھا اور عمدہ و پاکیزہ ترین پانی۔

۱۹۔ ﴿وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ﴾ اور نوخیز لڑکے ان کے لیے گردش کرتے رہیں گے (یعنی) ایسے نوخیز لڑکے جنہیں اللہ تعالیٰ نیک مسلمانوں کی خدمت کے لیے پیدا کرے گا وہ ان کی خدمت کے لیے متحرک و چست ہو کر ان کے پاس آتے جاتے رہیں گے یا یہ کہ کفار کے لڑکے جنہیں اللہ تعالیٰ جنتیوں کی خدمت کرنے کے لیے مقرر فرمائے گا وہ ان کے پاس خدمت کے لیے پھرتے رہیں گے ﴿مُخَلَّدُونَ﴾ وہ لڑکے ہمیشہ اہل جنت کی خدمت کرتے رہیں گے انہیں جنت میں موت نہیں آئے گی ﴿إِذَا مَا أُنزِلَتْ حَسْبُهُمْ لَوْلَا أَمْتُهُمْ﴾ (اے مخاطب!) جب تم ان کے حسن و جمال کو اور ان کے رنگ و روپ کی صفائی اور شفاف پن کو اور اہل جنت کی مجلس میں ان کی خدمت کرنے کے لیے ان کو چستی اور تیز رفتاری کے ساتھ متحرک آتا جاتا دیکھو گے تو تم ان کو بکھرے ہوئے موتی خیال کرو گے اور بکھرنے کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ منظوم کی بجائے ”منثور“ (بکھرے ہوئے) موتی زیادہ خوب صورت نظر آتے ہیں۔

وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمْرًا رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمَنْكًا كَبِيرًا ﴿۲۰﴾ عَلَيْهِمْ ثِيَابٌ

سُنْدُسٍ خُضْرٍ وَإِسْتَبْرَقٍ وَحُلُّوْا أَسَاوِرًا مِنْ فِضَّةٍ وَسَقَمُ

رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ﴿۲۱﴾ إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيَكُمْ مَشْكُورًا ﴿۲۲﴾

اور جب تم وہاں دیکھو گے تو تم بے شمار نعمتیں اور بہت بڑی سلطنت دیکھو گے ○ ان پر باریک سبز ریشم اور موٹے ریشم کے لباس ہوں گے اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور انہیں ان کا پروردگار پاکیزہ شراب پلائے گا ○ بے شک یہ تمہارے لیے صلہ ہے اور تمہاری محنت و کوشش مقبول ہوگئی ہے ○

۲۰۔ ﴿وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمْرًا رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمَنْكًا كَبِيرًا﴾ اور جب تم وہاں (جنت میں) نظر اٹھا کر دیکھو گے تو تم کثیر نعمتیں اور بہت بڑی سلطنت دیکھو گے [”رَأَيْتَ“ کا نہ ظاہری کوئی مفعول ہے اور نہ کوئی مقدر مفعول ہے اور ”ثَمْرًا“ پرنر ہے زیر نہیں ہے اسم ظرف ہے اس سے جنت مراد ہے اور مفعول کو اس لیے مخصوص نہیں کیا گیا تاکہ ”رَأَيْتَ“ ہر دکھائی دینے والی چیز کے لیے عام ہو جائے] یعنی جب تم جنت میں اس کی نعمتیں دیکھنے کے لیے جدھر نظر اٹھا کر دیکھو گے تو تمہیں ہر طرف حدنگاہ تک بے شمار نعمتیں نظر آئیں گی اور بہت بڑی سلطنت دیکھو گے۔

مروی ہے کہ ادنیٰ جنتی کا مرتبہ یہ ہوگا کہ وہ اپنی سلطنت میں ایک ہزار سال کی مسافت تک دیکھے گا اور وہ سب سے زیادہ دور دور جگہ کو بھی ایسے دیکھے گا جیسے اپنے قریب ترین جگہ کو دیکھتا ہوگا۔ اور بعض حضرات کا قول ہے کہ جنتیوں کو ایسی

مملکت ملے گی جس کے بعد کبھی ہلاکت و فنا نہیں ہوگی یا یہ کہ جنت میں انہیں وہ سب کچھ ملے گا جس کی وہ خواہش کریں گے یا یہ بھی ہوگا کہ فرشتے ان سے اجازت لے کر ان کے پاس آئیں گے اور ان پر سلام بھیجیں گے۔

۲۱۔ ﴿عَلَيْهِمْ ثِيَابٌ سُنْدُسٌ﴾ ان کے جسموں پر باریک ریشم کا لباس ہوگا یعنی اہل جنت کا جسمانی لباس باریک ریشم کا ہوگا اور ”سندس“ کا معنی ہے: ریشم کا باریک کپڑا [”يَطُوفُ“، ”عَلَيْهِمْ“ کی ضمیر سے حال ہونے کی بناء پر ”عَالِيَهُمْ“ منصوب ہے یعنی اہل جنت حضرات کے پاس نوخیز لڑکے گردش کرتے ہوں گے جب کہ ان جنتیوں کے جسموں پر جن پر خدام لڑکے طواف کریں گے بالائی لباس باریک ریشم کا ہوگا اور نافع مدنی اور حمزہ کوئی کی قراءت میں سکون کے ساتھ ”عَالِيَهُمْ“ پڑھا جاتا ہے اس بناء پر کہ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ”ثِيَابٌ سُنْدُسٌ“ ہے یعنی ان کے بدن پر بالائی لباس باریک ریشم کا ہوگا [”خَضْرَاءُ“ سبز رنگ کا لباس ہوگا [”خَضْرَاءُ“، ”خَضْرَاءُ“ کی جمع ہے] جس کا معنی سبز رنگ ہے ﴿وَأَسْتَبْرَقٌ﴾ اور موٹے ریشم کا لباس [امام حفص اور قاری نافع مدنی کی قراءت میں ان دونوں (”خَضْرَاءُ“ اور ”أَسْتَبْرَقٌ“) کو ”ثِيَابٌ“ پر محمول کر کے مرفوع پڑھا جاتا ہے اور حمزہ کوئی اور علی کسائی کی قراءت میں ان دونوں کو ”سُنْدُسٌ“ پر محمول کر کے مجرور پڑھا جاتا ہے جب کہ ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں پہلے کو مرفوع اور دوسرے کو مجرور یا اس کے برعکس پڑھا جاتا ہے] ﴿وَحَلَلُوا آسَافًا مِّنْ فَضَّةٍ﴾ اور ان (جنتیوں) کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور سورہ ملائکہ میں ارشاد ہے: ”يَحَلِّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا“ (فاطر: ۳۳) ”ان کو جنت میں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے“ حضرت ابن مسیب نے فرمایا کہ اہل جنت میں سے ہر ایک جنتی کے ہاتھ میں تین کنگن ہوں گے ایک چاندی کا کنگن اور دوسرا سونے کا کنگن اور تیسرا موتی کا کنگن ہوگا ﴿وَسَقَمُومٌ رَّبَّيْهُمُ شَرَابًا طَهُورًا﴾ اور ان کو ان کا پروردگار پاکیزہ شراب پلائے گا اور شراب طہور کی نسبت و اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف محض تخصیص و تعظیم کے لیے ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب جنتیوں کو فرشتے شراب پیش کریں گے تو وہ ان سے شراب قبول کرنے سے انکار کر دیں گے اور وہ کہیں گے: واسطوں سے لینا بہت طویل ہو گیا ہے تو اچانک غیب سے بغیر کسی بندے کے ہاتھوں کے ان کے مونہوں سے پاکیزہ شراب کے بھرے ہوئے جام لگا دیئے جائیں گے جنت کی شراب پاک صاف ہوگی دنیا کی شراب کی طرح نجس و ناپاک نہیں ہوگی کیونکہ دنیا کی شراب شریعت کی بناء پر نجس و پلید ہے عقل کے اعتبار سے نہیں اور مکلف ہونے کی ذمہ داری بھی نہیں ہوگی یا وہ اس لیے پاک و طاہر ہوگی کہ اسے نچوڑا نہیں جائے گا نہ اسے ہاتھوں کی میل کچیل لگے گی اور نہ پاؤں کی گندگی پہنچے گی۔

۲۲۔ ﴿إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيَكُمْ مَشْكُورًا﴾ بے شک یہ تمہارا صلہ ہے اور تمہاری کوشش و محنت مقبول ہوگئی ہے۔ جب جنتی حضرات جنت میں داخل ہوں گے اور نعمتوں کا مشاہدہ کریں گے تو اس وقت ان سے کہا جائے گا: بے شک یہ تمام نعمتیں تمہارے لیے ہیں اور یہ تمام نعمتیں تمہارے اعمالِ حسنہ کا صلہ اور بدلہ ہیں اور تمہاری محنت و کوشش ہمارے ہاں قابل ستائش اور مقبول و پسندیدہ قرار پائی ہے کیونکہ تم نے مسکین و نادار اور یتیم اور قیدی سے کہا تھا کہ ہم صدقہ و خیرات دینے پر تم سے نہ بدلہ وصلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا ﴿۲۳﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَطِعْ
مِنْهُمْ إِنَّمَا أَوْكْفُورًا ﴿۲۴﴾ وَادْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿۲۵﴾ وَمِنْ

الْبَلِّ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ﴿۳۶﴾ إِنَّ هُوَ لَرِجْبُونَ الْعَاجِلَةَ
وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا ﴿۳۷﴾

بے شک ہم نے آپ پر تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن نازل کیا ہے۔ سو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر صبر کیجئے اور آپ ان (کفار) میں سے کسی گناہ گار یا ناشکرے کی اطاعت نہ کیجئے۔ اور آپ اپنے پروردگار کے نام کا ذکر صبح و شام کیجئے۔ اور رات کے بعض حصہ میں اس کے لیے سجدہ کیجئے اور رات کے طویل حصہ تک اس کی تسبیح بیان کیجئے۔ بے شک یہ لوگ جلد ملنے والی چیز (دنیا) کو پسند کرتے ہیں اور بھاری دن کو اپنے پس پشت ڈال دیتے ہیں۔

نزول قرآن اور کفار کی اطاعت نہ کرنے اور ذکر الہی کرنے کی تاکید

۲۳، ۲۴ - ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا﴾ بے شک ہم نے آپ پر تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن مجید نازل فرمایا ہے۔ واضح ہو کہ ضمیر متکلم کو ”إِنَّا“ کا اسم واقع کرنے کے بعد مکرر اس لیے لایا گیا ہے تاکہ اس کا تکرار قرآن مجید کے نزول کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص کرنے کے معنی کی تاکید و رد تاکید پر دلالت کرتا رہے نیز تاکہ یہ بات حضور نبی کریم ﷺ کے قلب مبارک میں مستحکم و مضبوط ہو جائے کہ جب اس قرآن مجید کا نازل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے تو اس کا بہ تدریج حسب ضرورت نازل کیا جانا ضرور کسی حکمت و مصلحت پر مبنی ہے اور ایک حکمت صبر کرنے کا حکم دینا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ﴾ (سو اے محبوب!) توحید و رسالت کی تبلیغ پر اور کفار کی اذیتوں کو برداشت کرنے پر نیز اہل مکہ میں سے اپنے دشمنوں کے خلاف مدد کی تاخیر پر آپ اپنے پروردگار کے حکم پر صبر کیجئے ﴿وَلَا تَطِعْ مِنْهُمْ﴾ اور آپ ان میں سے کسی کی اطاعت نہ کیجئے (یعنی) فتح و نصرت اور کامیابی و کامرانی کی تاخیر کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عملین و بے چین ہو جانے پر کفار میں سے کسی گناہ گار اور ناشکرے کی اطاعت سے منع کر دیا گیا ہے ﴿إِثْمًا﴾ گناہ گار جو ایسے کام کا مرتکب ہو جو بہ ذات خود گناہ ہو اور وہ آپ کو اس گناہ کی طرف بلانے والا ہو ﴿أَوْ كَفُورًا﴾ یا ناشکر جو ایسے کام کرنے والا ہو جو موجب کفر ہوں اور آپ کو اس کفر کی طرف بلانے والا ہو اس لیے کہ کفار یا تو آپ کو اپنی مدد کے لیے ایسے فعل کی طرف بلاتے جو گناہ یا پھر کفر ہوتا یا وہ فعل نہ تو گناہ ہوتا اور نہ وہ کفر ہوتا، سو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہلے دو کاموں سے روکا گیا ہے تیسرے سے نہیں اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ ”إِثْمًا“ (گناہ گار) سے عتبہ مراد ہے کیونکہ یہ شخص گناہ اور فسق و فجور کا ارتکاب کرتا تھا اور ”کفور“ (ناشکرے) سے ولید مراد ہے کیونکہ وہ کفر و انکار کرنے میں بہت غلو اور اصرار کرتا تھا اور ظاہر بات یہ ہے کہ اس سے ہر گناہ گار و بد کردار اور ہر کافر و منکر اور ناشکر مراد ہے یعنی اے محبوب! آپ ان دونوں قسم کے افراد میں سے کسی کی اطاعت نہ کیجئے اور جب ان دونوں میں سے کسی ایک غیر معین شخص کی اطاعت سے عمومی طور پر منع کیا گیا ہے تو ان دونوں کی اکٹھے اطاعت کرنے سے اور ان دونوں کی الگ الگ اطاعت کرنے سے یقیناً منع کیا گیا ہے اور اگر ”أَوْ“ کی بجائے واو کے ساتھ ”إِثْمًا وَ كَفُورًا“ ہوتا تو ان دونوں میں سے کسی ایک کی اطاعت جائز ہو جاتی کیونکہ واو مطلق جمع کے لیے آتی ہے تو اس صورت میں ان دونوں کی اطاعت ممنوع ہوتی لیکن کسی ایک کی اطاعت ممنوع نہ ہوتی اور بعض کا قول ہے کہ ”أَوْ“ بہ معنی ”وَلَا“ ہے ”أَمْی وَ لَا تَطِعْ إِثْمًا وَ لَا كَفُورًا“ یعنی آپ نہ تو گناہ گار کی اطاعت کریں اور نہ ناشکرے کی۔

۲۵۔ ﴿وَإِذْ كُنَّا نَسُومُ مَتَكَّ﴾ اور آپ اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرتے رہیں (یعنی) آپ اپنے رب تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس کے لیے نماز قائم کرتے رہیں ﴿بِكُرَّةٍ وَأَصِيلًا﴾ صبح و شام یعنی فجر کی نماز اور ظہر و عصر کی نمازیں قائم کریں۔

۲۶۔ ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ﴾ اور آپ رات کے بعض حصہ میں اس کے لیے سجدہ کرتے رہیں (یعنی) اور رات کے بعض حصہ میں آپ اپنے رب تعالیٰ کے لیے مغرب اور عشاء کی نمازیں باقاعدگی کے ساتھ ادا کرتے رہیں ﴿وَسَبِّحْهُ كَيْلًا طَوِيلًا﴾ اور آپ اس (اللہ تعالیٰ) کی رات کے طویل حصہ تک تسبیح بیان کیجئے (یعنی) آپ اس کے لیے رات کے طویل حصہ تک نماز تہجد ادا کرتے رہئے رات کے دو تہائی حصہ یا رات کے نصف حصہ یا رات کے ایک تہائی حصہ میں نماز تہجد ادا کیجئے۔

۲۷۔ ﴿إِنَّ هَؤُلَاءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ﴾ بے شک یہ لوگ جلد ملنے والی چیز (یعنی دنیا) کو پسند کرتے ہیں یعنی کفار مکہ آخرت پر دنیا کو ترجیح دیتے ہیں اور آخرت کی بجائے دنیا کو اختیار کرتے ہیں ﴿وَيَذَرُونَ مَا نَنبِئُهُمْ بِأَنَّهَا آسَافٌ مُّهِينَةٌ﴾ اور وہ ایک سخت بھاری دن کو اپنے سامنے چھوڑ دیتے ہیں یا وہ لوگ اس کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور اس کی کوئی پروا نہیں کرتے اور وہ قیامت کا دن ہے کیونکہ اس کی سختیاں کفار پر بہت سخت بھاری ہوں گی۔

نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا أَمْثَلَهُمْ تَبْدِيلًا ﴿٢٨﴾
 إِنَّ هَذِهِ تَذَكُّرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿٢٩﴾ وَمَا تَشَاءُونَ
 إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٣٠﴾ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ
 وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٣١﴾

ہم نے ان کو پیدا کیا اور ہم نے ان کی تخلیق کو مضبوط بنایا اور جب ہم چاہیں گے تو ہم ان کے بدلے ان جیسے اور لوگ لے آئیں گے ○ بے شک یہ نصیحت ہے سو جو شخص چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کر لے ○ اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا (اور) بہت بڑا حکمت والا ہے ○ وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور اس نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ○

۲۸۔ ﴿نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ﴾ ہم نے ان کو پیدا کیا اور ہم نے ان کی خلقت کو مضبوط بنایا۔ "شَدَدْنَا" بمعنی "أَحْكَمْنَا" ہے اور "أَسْرَهُمْ" بمعنی "خَلَقْنَاهُمْ" ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور فرما سے یہی مروی ہے ﴿وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا أَمْثَلَهُمْ تَبْدِيلًا﴾ اور جب ہم چاہیں گے تو ہم ان کے بدلے انہیں جیسے اور لے آئیں گے یعنی جب ہم ان کو ہلاک کرنا چاہیں گے تو ہم ان کو ہلاک کر دیں گے اور ہم ان کے بدلے خلقت میں انہیں جیسے اور لوگ لے آئیں گے جو طاعت و فرماں برداری اختیار کریں گے۔

۲۹۔ ﴿فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا﴾ بے شک یہ سورت سراسر نصیحت ہے ﴿فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا﴾ سو جو شخص اپنے پروردگار کا تقرب حاصل کرنا چاہتا ہے وہ اس کی عبادت اور اس کے رسول کی اتباع کرتے ہوئے اس کی راہ

اختیار کر لے۔

۳۰۔ ﴿وَمَا يَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ﴾ اور تم نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے یعنی تم اللہ تعالیٰ کی راہ کو اپنانا نہیں چاہ سکتے مگر جب اللہ تعالیٰ چاہے اور اللہ تعالیٰ اسی کو چاہتا ہے جس کے بارے میں وہ ازل سے جانتا ہے کہ وہ اس کی راہ کو اختیار کر لے گا اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں عموم ہے وہ اطاعت و نافرمانی اور کفر و ایمان سب کو شامل ہے سو یہ آیت مبارکہ معتزلہ (مگر اہ فرقہ) کے خلاف ہمارے لیے مضبوط دلیل ہے کہ خیر و شر سب افعال اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں [ابن کثیر مکی ابن عامر شامی اور ابو عمرو کی قراءت میں ”یا“ کے ساتھ ”وَمَا يَشَاءُونَ“ پڑھا جاتا ہے اور ”إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ“ ظرف کی بناء پر محلاً منصوب ہے] ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے تمام احوال کو خوب جاننے والا ہے جو ان سے رونما ہوتے ہیں ﴿حَكِيمًا﴾ وہ بہت بڑا حکمت و مصلحت والا ہے وہ اپنے تمام اقوال اور تمام افعال میں مصیب و درست اور صحیح ہے اس کا ہر قول و فعل حکمت و دانائی اور مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔

۳۱۔ ﴿يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ﴾ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنی رحمت میں داخل کر دے گا (یعنی) اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنی جنت میں داخل فرمائے گا کیونکہ جنت محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی رحمت سے حاصل ہوگی (نیک اعمال حصول رحمت کا سبب ہیں) اور یہ کلام مبارک معتزلہ کے خلاف حجت ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں کو جنت میں داخل کرنا چاہا ہے کیونکہ اس نے سب کا ایمان چاہا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں خبر دے دی ہے کہ وہ جسے چاہے گا اسے جنت میں داخل فرمائے گا اور یہ وہی ہوگا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے کہ وہ ہدایت کو اختیار کرے گا ﴿وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ظالموں کے لیے یعنی کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اور جس طرح اس نے وعدہ فرمایا ہے اسی طرح پورا فرمائے گا کیونکہ کافروں نے اللہ تعالیٰ کی بجائے بتوں وغیرہ کی عبادت اختیار کر کے عبادت کو غیر موزوں جگہ میں استعمال کیا [”وَالظَّالِمِينَ“ اپنے ماقبل فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے جس کی تفسیر مابعد فعل ”أَعَدَّ“ کر رہا ہے]۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورۃ المرسلت مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی پچاس آیات دو رکوع ہیں

وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا ۱ فَالْعَصْفِ عَصْفًا ۲ وَالنَّشْرِ نَشْرًا ۳ فَالْفُرْقَاتِ ۴ فَالْمُلْقَاتِ ۵ ذِكْرًا ۶ عَذَابًا أَوْ نَذَارًا ۷ إِنَّمَا تُوْعَدُونَ لَوَاقِعًا ۸ فَاذَ النَّجْمِ كُھِبَسَتْ ۹ وَإِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ ۱۰ وَإِذَا الْجِبَالُ سُفَّتْ ۱۱ وَإِذَا الرَّسُلُ أُنقِذَتْ ۱۲ لِأَيِّ يَوْمٍ أُجِّلَتْ ۱۳ لِيَوْمِ الْفُصْلِ ۱۴ وَمَا أَدْمَاكَ ۱۵ مَا يَوْمِ الْفُصْلِ ۱۶ وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ لِلْكَاذِبِينَ ۱۷

نیکی (کے احکام) کے ساتھ بھیجے گئے فرشتوں کی قسم ۱۰ پھر آندھی کی طرح تیزی سے آنے جانے والے فرشتوں کی

قسم! O اور (وحی کے ساتھ) پروں کو پھیلا کر اترنے والے فرشتوں کی قسم! O پھر حق اور باطل میں فرق کرنے والے فرشتوں کی قسم! O پھر (نبیوں پر) ذکر القاء کرنے والے فرشتوں کی قسم! O حجت قائم کرنے کے لیے یا ڈرانے کے لیے O بے شک جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور واقع ہوگی O سو جب ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے O اور جب آسمان جگہ جگہ سے پھٹ جائے گا O اور جب پہاڑ ریزہ ریزہ کر کے اڑا دیئے جائیں گے O اور جب رسولوں کو مقررہ وقت پر جمع کیا جائے گا O کس دن کے لیے تاخیر کی گئی O فیصلے کے دن کے لیے O اور تمہیں کیا معلوم کہ فیصلہ کا دن کیا ہے O اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے O

فرشتوں کی قسمیں اٹھا کر قیامت کے ہولناک منظر اور مجرموں کی ہلاکت کا بیان

۱ تا ۷ - ﴿وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا﴾ ﴿فَالْعِصْفَاتِ عَصْفًا﴾ ﴿وَالنَّشْرَاتِ نَشْرًا﴾ ﴿فَالْفِرْقَاتِ فِرْقًا﴾ ﴿فَالْمَلَقَاتِ ذِكْرًا﴾
 عُدًّا اَوْ نَذْرًا﴾ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے مختلف گروہوں کی قسمیں اٹھائیں جن کو اس نے اپنے احکام دے کر روانہ فرمایا سو وہ بجا آوری کے لیے تیز آندھی کی طرح چلتے تھے اور ان میں سے کچھ ایسے گروہوں کی قسمیں فرمائیں جو وحی لے کر اترتے وقت فضاء میں اپنے پروں کو پھیلا دیتے تھے یا وہ زمین پر خدائی احکام نشر کرتے ہیں یا وہ کفر و جہالت کی وجہ سے مردہ دلوں کو وحی کے ذریعے متحرک و زندہ کرتے ہیں اور وہ حق کو باطل سے جدا کرتے ہیں سو انہوں نے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف ذکر الہی القاء کیا، اہل حق کے لیے حجت کو پورا کرنے اور اہل باطل کو ڈرانے کے لیے یا پھر اللہ تعالیٰ نے ایک تو عذاب کی ہواؤں کی قسم فرمائی جنہیں اس نے کفار کی ہلاکت کی طرف بھیجا اور وہ تیز آندھی بن کر ان پر برس پڑیں اور دوسرا رحمت کی ہواؤں کی قسم فرمائی جو فضاء میں بادلوں کو پھیلا دیتی ہیں اور انہیں مختلف ٹکڑیوں میں جدا کر دیتی ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَيَجْعَلُهُ كِسْفًا“ (الروم: ۴۸) ”اور اللہ تعالیٰ اس بادل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے“ چنانچہ وہ ہوائیں ذکر کا القاء کرتی ہیں یا تو ان لوگوں کے لیے حجت پوری کرنے کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ اور استغفار کر کے معذرت پیش کرتے ہیں جب وہ بارش میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا مشاہدہ کرتے ہیں اور وہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں یا پھر یہ ان لوگوں کو ڈرانے کے لیے جو شکر ادا نہیں کرتے اور وہ اس کو ستاروں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ہواؤں کو ذکر القاء کرنے والیاں صرف سبب کے اعتبار سے قرار دیا گیا ہے [”عُرْفًا“ حال ہے] یعنی فرشتے ایک دوسرے کے پیچھے متصل اور ساتھ ساتھ بھیجے جاتے ہیں جیسے گھوڑے کی گردن پر بال ہوتے ہیں [یا ”عُرْفًا“ مفعول لہ ہے] یعنی وہ فرشتے نیکی اور بھلائی بتانے کے لیے لگاتار بھیجے جاتے ہیں [اور ”عِصْفًا“ اور ”نَشْرًا“ دونوں مصدر ہیں اور ”عُدْرًا“ اَوْ نَذْرًا“ بھی دونوں مصدر ہیں اور ابو عمر و اور کوئی قراء ماسوا ابو بکر کوئی کے اور حماد کی قراءت میں ذال ساکن ہے اور ”عُدْرًا“ ”عُدْرًا“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی بُرائی کو مٹانا ہے اور ”نَذْرًا“ ”انذَر“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی خوف دلانا اور ڈرانا ہے یہ دونوں ”فَعْل“ کے وزن پر ہیں جیسے ”كُفْرًا“ اور ”شُكْرًا“ ہے اور ”ذِكْرًا“ سے بدل ہونے کی بناء پر منصوب ہیں یا پھر دونوں مفعول لہ ہیں [”اِنَّمَا تُوَعَّدُونَ“] بے شک تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (یعنی) بے شک جس قیامت کے دن کے آنے کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے ﴿لَوَاقِعٌ﴾ وہ ضرور واقع ہوگی اس کے وقوع پذیر ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے [اور یہ قسم کا جواب ہے اور یہاں وقف کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ جواب قسم کے ساتھ متصل ہے]۔

۸ - ﴿فِيَا ذَا النُّجُومِ طِبَسْتُ﴾ سو جب ستارے مٹا دیئے جائیں گے یا ان کا نور ختم کر دیا جائے گا (تو قیامت کا دن

واقع ہو جائے گا) اور ”فَإِذَا“ کا جواب محذوف ہے اور اس کا عامل اس کا جواب ہے اور وہ فیصلے کے دن کا واقع ہونا مراد ہے اور اسی طرح ”الْجُؤْمُ“ ایسے فعل کا فاعل مراد ہے جو خود محذوف ہے اور اس کی ”طُمِسَتْ“ مذکور فعل تفسیر کر رہا ہے۔

۹- ﴿وَإِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ﴾ اور جب آسمان میں شگاف ہو جائیں گے اور آسمان پھٹ جانے کی وجہ سے کھل جائے گا اور اس میں جگہ جگہ دروازے بن جائیں گے۔

۱۰- ﴿وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ﴾ اور جب پہاڑوں کو اپنی اصل جگہوں سے اکھیڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا اور انہیں غبار کی طرح فضا میں بکھیر دیا جائے گا۔

۱۱- ﴿وَإِذَا الرُّسُلُ أُقْتَتَتْ﴾ اور جب رسولوں کو مقررہ وقت پر جمع کیا جائے گا [یعنی اصل میں ”وَقِيَّتْ“ ہے جیسا کہ ابو عمر و بصری کی قراءت میں ہے پھر واؤ کو ہمزہ سے تبدیل کر دیا گیا ہے] اور ”توقیتِ رسل“ کا مطلب یہ ہے کہ ان کا وہ مقررہ وقت ظاہر ہو جائے گا جس میں انہیں اپنی امتوں کے بارے میں گواہی دینے کے لیے حاضر کیا جائے گا۔

۱۲- ﴿لَا يَوْمٍ أُجِّلَتْ﴾ کس دن کے لیے تاخیر کی گئی اور کس دن کے لیے مہلت دی گئی اور اس آیت مبارکہ میں قیامت کے دن کی عظمت و بڑائی بیان کی گئی ہے اور اس دن کے ہولناک ہلاکت خیز اور خطرناک ہونے پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے اور ”تَاجِيلٌ“، ”أَجَلٌ“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: مہلت دینا اور تاخیر کرنا جیسے ”تَوَقَّيْتُ“، ”وَقْتُ“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: معین وقت۔

۱۳- ﴿لِيَوْمِ الْفُصْلِ﴾ فیصلے کے دن کے لیے۔ یہ روزِ قیامت کی تاخیر کا بیان ہے کہ یہ وہ دن ہے جس میں تمام مخلوقات کے درمیان فیصلہ ہوگا۔

۱۴- ﴿وَمَا آذَنَّاكَ مَا يَوْمِ الْفُصْلِ﴾ اور اے انسان! تمہیں کیا معلوم کہ فیصلہ کا دن کیا ہے اور یہ دوسرا تعجب ہے اور اس دن کے معاملے کی عظمت و بڑائی کا اظہار ہے کیونکہ قیامت کا دن بڑا ہولناک و خطرناک اور سخت دہشت ناک ہوگا اور اس دن بہت زیادہ خوف و ڈر اور گھبراہٹ و پریشانی ہوگی۔

۱۵- ﴿وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت و تباہی ہوگی (یعنی) اس روز (قیامت) کے جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہوگی [”وَيْلٌ“ مبتدا ہے اور اگرچہ یہ نکرہ ہے کیونکہ یہ اصل میں مصدر منصوب ہے جو اپنے فعل کے قائم مقام ہے لیکن اس کو نصب سے رفع کی طرف معدول (پھیرا) کیا گیا ہے تاکہ یہ جھٹلانے والوں کی ہلاکت کے ثبات و دوام کے معنی پر دلالت و رہنمائی کرے اور اس کی مثال یہ ارشاد ہے: ”سَلَامٌ عَلَيْكُمْ“ (القصص: ۵۵) اور ”يَوْمَئِذٍ“ اس کا ظرف ہے اور ”لِلْمُكَذِّبِينَ“ اس کی خبر ہے۔]

أَلَمْ نُهْلِكِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٧﴾ ثُمَّ نَتَّبِعُهُمُ الْآخِرِينَ ﴿١٨﴾ كَذَلِكَ نَفْعَلُ

بِالْمُجْرِمِينَ ﴿١٩﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٢٠﴾

کیا ہم نے پہلی قوموں کو ہلاک نہیں کیا ○ پھر ہم ان کے بعد آنے والے لوگوں کو ان کے پیچھے بھیجیں گے ○ ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں ○ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے ○

۱۶- ﴿أَلَمْ نُهْلِكِ الْأَوَّلِينَ﴾ کیا ہم نے پہلے لوگوں کو ہلاک نہیں کیا (یعنی) جھٹلانے والی گزشتہ قوموں کو (ہم)

نے ہلاک کر دیا تھا۔

۱۷۔ ﴿تَتَّبِعُهُمُ الْآخِرِينَ﴾ پھر ہم ان کے بعد آنے والے لوگوں (کفار مکہ) کو ان کے پیچھے لگا دیں گے اور یہ ارشاد اہل مکہ کے لیے وعید (دھمکی) ہے یعنی پھر ہم بعد میں آنے والے پچھلے لوگوں میں سے انہیں کی طرح روئیہ اختیار کرنے والوں کے ساتھ وہی معاملہ کریں گے جس طرح ہم نے پہلے لوگوں کے ساتھ معاملہ کیا تھا کیونکہ کفار مکہ نے بھی اسی طرح جھٹلایا جس طرح پہلی قوموں نے جھٹلایا تھا [یہ آیت مبارکہ وقف کے بعد الگ مستقل جملہ مستانفہ ہے]۔

۱۸۔ ﴿كَذَلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ﴾ ہم مجرموں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں (یعنی) ہم اس ہلاکت خیز گرفت کی طرح ہر اس شخص کی گرفت کرتے ہیں جو جرم و گناہ کرتا ہے۔

۱۹۔ ﴿وَيَلَّيْ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ جھٹلانے والوں کے لیے اس دن ہلاکت ہوگی کیونکہ ہم نے انہیں ڈر

نادیا۔

أَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ۚ فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ۙ إِلَىٰ
 قَدَارٍ مَّعْلُومٍ ۙ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَادِرُونَ ۙ وَيَلَّيْ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۙ ۲۰
 أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا ۙ أَحْيَاءَ وَأَمْوَاتًا ۙ وَجَعَلْنَا فِيهَا
 رِوَادٍ وَسَيْبًا ۙ وَأَنْجَبْنَا لَكُمْ مِنْهَا مَاءً سَافًۢمًا ۙ وَيَلَّيْ يَوْمَئِذٍ
 لِلْمُكَذِّبِينَ ۙ ۲۱
 إِن طَلِقُوا إِلَىٰ مَا كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ۙ إِن طَلِقُوا
 إِلَىٰ ظِلٍّ ذِي ثَلَاثِ شُعَبٍ ۙ لَا ظَلِيلٍ وَلَا يُغْنِي مِنَ النَّارِ ۙ ۲۲

کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟ پھر ہم نے اسے ایک محفوظ جگہ میں رکھا؟ ایک معلوم اندازے تک؟ پھر ہم نے اندازہ فرمایا سو ہم بہت اچھا اندازہ فرمانے والے ہیں؟ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے؟ کیا ہم نے زمین کو جمع کرنے والا نہیں بنایا؟ مردوں اور زندوں کو؟ اور ہم نے اس میں بلند و بالا پہاڑوں کو قائم فرمایا اور ہم نے تمہیں بیٹھا پانی پلایا؟ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے؟ (کفار سے کہا جائے گا: تم اس (دوزخ کی آگ) کی طرف چلو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے؟ تم تین شاخوں والے سایہ کی طرف چلو؟ نہ وہ سایہ دینے والا ہوگا اور نہ وہ آگ کی لپٹ سے بچائے گا؟)

انسان کی تخلیق زمین کے فوائد اور قیامت کی تکذیب کے انجام کا بیان

۲۰۔ ﴿أَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ﴾ کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟ اور وہ نطفہ ہے۔

۲۱۔ ﴿فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَكِينٍ﴾ پھر ہم نے اس کو ایک محفوظ قرار گاہ میں رکھا یعنی ہم نے اس حقیر پانی کو ایک ایسی جگہ میں رکھ دیا جس میں وہ محفوظ ہو گیا اور وہ جگہ بچہ دانی ہے جو ماں کے پیٹ میں ہوتی ہے۔

۲۲۔ ﴿إِن طَلِقُوا إِلَىٰ مَا كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ﴾ ایک معلوم و معین اندازے تک یعنی اس کو وقت کی ایک معلوم و مقرر مقدار تک مؤخر کیا گیا

ہے جس کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور اسی نے یہ فیصلہ کیا ہے اور وہ نو مہینے ہیں یا کچھ زیادہ یا کچھ کم۔

۲۳- ﴿فَقَدَرْنَا﴾ سوہم نے اسی مقررہ مدت تک اس کی تخلیق کو مقدر فرما دیا ﴿فَنَعَمَ الْقَدَرُونَ﴾ سوہم اس کے لیے سب سے اچھی تقدیر مقرر کرنے والے ہیں یا یہ معنی ہے کہ سوہم نے اس معلوم و معین اور مقرر مدت پر اس کی تخلیق کا اندازہ مقرر فرما دیا ہے پس ہم اس کا سب سے بہتر اندازہ مقدر فرمانے والے ہیں [پہلا معنی حضرت نافع مدنی کی قراءت کے مطابق ہے جب کہ قاری علی کسائی نے اس کو تشدید کے ساتھ پڑھا ہے جیسا کہ اس (درج ذیل) ارشاد میں ہے: ”مِن نُّطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَرَهُ“ (ص: ۱۹)۔]

۲۴- ﴿وَيَلِّئُ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ فطرت و تخلیق کی نعمت کو جھٹلانے والوں کے لیے اس دن بڑی ہلاکت و تباہی

۲۵، ۲۶- ﴿أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا أَحْيَاءً وَأَمْوَاتًا﴾ کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کو جمع کرنے والا نہیں بنایا۔ یہ ”كَفَّتُ الشَّيْءُ“ سے ماخوذ ہے جب کسی چیز کو ملایا جائے اور جمع کیا جائے تو اس وقت یہ بولا جاتا ہے اور یہ جمع کردہ چیز کا نام ہے جیسے ”ضمام“ اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کو جمع کیا جائے [اور اسی کی وجہ سے ”أَحْيَاءٌ وَأَمْوَاتًا“ منصوب ہیں گویا کہا گیا کہ زمین زندوں اور مردوں کو جمع کر کے رکھنے والی ہے یا پھر یہ مضمحل فعل کی وجہ سے منصوب ہیں جس پر ”كِفَاتًا“ دلالت و رہنمائی کر رہا ہے اور وہ فعل ”كَفَّتُ“ ہے [یعنی یہ زمین زندوں کو اپنی پشت پر اور مردوں کو اپنے پیٹ میں جمع کر کے رکھتی ہے [اور ان دونوں کو نکرہ صرف ان کی تعظیم و بڑائی کے لیے لایا گیا ہے [یعنی یہ زمین اپنی پشت پر اتنے زیادہ زندوں کو جمع رکھتی ہے جن کو شمار نہیں کیا جاسکتا اور اپنے پیٹ میں اتنے زیادہ مردوں کو جمع رکھتی ہے جن کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔

۲۷، ۲۸- ﴿وَجَعَلْنَا فِيهَا نَمًا وَاسِیًا﴾ اور ہم نے اس میں ثابت و جامد پہاڑوں کو قائم کر دیا ہے۔ ”رواسی“ بہ معنی ”جبالاً ثوابتاً“ ہے یعنی ایک جگہ پر جم کر کھڑے رہنے والے پہاڑ ﴿شِیْخَاتٍ﴾ ”عَالِيَاتٍ“ یعنی بہت اونچے اور بلند و بالا پہاڑ ﴿وَأَسْقَيْنَكُم مَّاءً فَدَارَاتَا﴾ اور ہم نے تمہیں میٹھا پانی پلایا۔ ”فَارَاتَا“ کا معنی ہے: میٹھا اور شیریں پانی (یعنی نمکین و کھارا پانی نہیں) ﴿وَيَلِّئُ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ ان نعمتوں کے جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت و تباہی

۲۹- ﴿إِنظِلُّوْا إِلَى مَا كُنْتُمْ بِهِ تُكْفِرُونَ﴾ تم اس چیز کی طرف چلو جس کو تم جھٹلاتے تھے یعنی قیامت کے دن کافروں کو کہا جائے گا کہ تم اس آگ کی طرف چلو جس کو تم جھٹلاتے تھے۔

۳۰- ﴿إِنظِلُّوْا إِلَى ظِلِّ﴾ تم سائے کی طرف چلو یعنی دوزخ کی آگ کے سائے کی طرف چلو [اور ”إِنظِلُّوْا“ کا تکرار تاکید کے لیے ہے] ﴿ذِی ثَلَاثِ شُعَبٍ﴾ تین شاخوں والے دراصل دھواں بہت زیادہ بڑا ہونے کی بناء پر تین شاخوں میں تقسیم ہو جائے گا اور اسی طرح بہت بڑا دھواں ہمیشہ تین حصوں میں الگ الگ ہو کر (پہاڑوں کی طرح) اٹھتا ہوا نظر آتا ہے۔

۳۱- ﴿لَا ظِلُّیْلِ﴾ وہ سایا نہیں دے گا یعنی دوزخ کی آگ کی حرارت و گرمی اور اس دن کی گرمی سے بچاؤ کے لیے وہ دھواں سایا کا کام نہیں دے گا ﴿وَلَا یُعْنِی مِنَ النَّهَبِ﴾ اور نہ وہ آگ کی لپٹ (شعلے) سے بچائے گا یعنی وہ سائبان نما دھواں دوزخیوں کو دوزخ کی آگ کے شعلوں اور لپٹوں سے بچاؤ کے لیے کچھ فائدہ نہیں دے گا [یہ محلاً مجرور ہے]۔

إِنهَاترْمِي بِشَرِيًّا كَالْقَصْرِ ۚ ۳۲ ۚ كَانَتْ صِفْرًا ۚ ۳۳ ۚ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۚ ۳۴ ۚ هَذَا يَوْمٌ لَا يَنْطِقُونَ ۚ ۳۵ ۚ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ ۚ ۳۶ ۚ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۚ ۳۷ ۚ هَذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنَاكُمْ وَالْأُولَىٰ ۚ ۳۸ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيدُوا ۚ ۳۹ ۚ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۚ ۴۰ ۚ

بے شک وہ (آگ) بلند و بالا محل کی طرح بڑی بڑی چنگاریاں پھیلتی ہوگی O گویا وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں O اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے O یہ وہ دن ہے جس میں وہ بول نہیں سکیں گے O اور نہ انہیں اجازت دی جائے گی کہ وہ عذر پیش کر سکیں O اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے O یہ فیصلے کا دن ہے جس میں ہم نے تمہیں اور پہلے لوگوں کو جمع کیا ہے O پھر اگر تمہارے پاس کوئی چال ہے تو تم اسے میرے خلاف چلا لو O اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے O

۳۲ تا ۳۴ - ﴿إِنهَاترْمِي بِشَرِيًّا﴾ بے شک وہ یعنی بے شک وہ آگ چنگاریاں پھیلتی رہے گی۔ ”شور“ کا معنی ہے: وہ چنگاریاں جو ستاروں کی طرح چمکتی ہوئی آگ سے نکل کر ادھر ادھر اوپر نیچے ہر طرف اڑتی پھرتی ہیں ﴿كَالْقَصْرِ﴾ وہ چنگاریاں بلندی اور بڑائی میں اونچے محل کی طرح ہوں گی اور بعض حضرات نے کہا: ”الْقَصْر“ سے درختوں کی موٹی موٹی اور بڑی بڑی لکڑیاں مراد ہیں (جن کو تین تین ہاتھ یا کم و بیش کاٹ کر سردیوں میں آگ جلانے کے لیے دھوپ میں رکھ دیتے ہیں پھر بوقت ضرورت باریک چیر کر یا کاٹ کر آگ میں جلاتے ہیں یا پھر بالے بنا کر چھتوں میں استعمال کرتے ہیں) اور اس کا واحد ”قَصْرَةٌ“ ہے ﴿كَانَتْ صِفْرًا﴾ گویا وہ اونٹ ہیں [ابو بکر کوفی کے علاوہ باقی اہل کوفہ قراء کی قراءت میں ”جَمَالَةٌ“ پڑھا جاتا ہے اور یہ ”جَمَلٌ“ کی جمع ہے جب کہ ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں ”جَمَالَاتٌ“ پڑھا جاتا ہے اور یہ جمع الجمع ہے] ﴿صَفْرًا﴾ [یہ ”أَصْفَرٌ“ کی جمع ہے] یعنی زردی مائل سیاہ اونٹ یا در ہے کہ چنگاریوں کو بڑا ہونے میں اور بلند و بالا ہونے میں اونچے محلات کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور رنگ میں اور لمبائی میں نیز بڑا ہونے میں اونٹوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے ﴿وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ دوزخ کی آگ کی اس صفت کو جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت و تباہی ہے۔

۳۵ - ﴿هَذَا يَوْمٌ لَا يَنْطِقُونَ﴾ یہ وہ دن ہے جس میں وہ لوگ بول نہیں سکیں گے [اور ”يَوْمٌ“ کو منصوب بھی پڑھا گیا ہے] [”أَيُّ هَذَا الَّذِي قُصَّ عَلَيْكُمْ وَاقِعٌ يَوْمَئِذٍ“ یعنی یہ جو کچھ تم پر بیان کیا گیا ہے اس دن وقوع پذیر ہوگا اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس آیت مبارکہ اور درج ذیل آیت مبارکہ ”ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ“ (الزمر: ۳۱) ”بے شک قیامت کے دن تم اپنے پروردگار کے پاس جھگڑا کرو گے“ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس دن مختلف مواقع و مواقع ہوں گے، بعض جگہ وہ لوگ جھگڑا کریں گے اور بعض جگہ وہ نہیں بول سکیں گے یا پھر یہ معنی ہے کہ وہ لوگ اس دن مفید اور نفع بخش بات نہیں کر سکیں گے، سو اس لیے ان کے بولنے کو نہ بولنے کی طرح قرار دیا گیا ہے۔

۳۶، ۳۷- ﴿وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ﴾ اور ان کو معذرت کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی ﴿فَيَعْتَذِرُوا﴾ کہ وہ معذرت پیش کر سکیں [اور اس کا "يُؤْذَنُ" پر عطف ہے اور یہ بھی نفی کے تحت داخل ہے] یعنی نہ ان کو اجازت ملے گی اور نہ اس کے بعد معذرت ہوگی ﴿وَيُلْئِيَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ اس دن اس روز قیامت کے جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت و تباہی ہے۔

۳۸ تا ۴۰- ﴿هَذَا يَوْمُ الْفَصْلِ﴾ یہ جزاء کے اعتبار سے حق پرستوں اور باطل پرستوں اور نیکوں اور بدوں کے درمیان فیصلہ کا دن ہے ﴿جَمَعْنَاكُمْ وَالْأَوَّلِينَ﴾ اے (سید عالم حضرت) محمد عربی ﷺ کے جھٹلانے والو! ہم نے تمہیں اور تم سے پہلے جھٹلانے والوں کو جمع کر لیا ہے ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ﴾ سو اگر تمہارے پاس عذابِ آخرت کو دور کرنے کے لیے کوئی چال ہے ﴿فَكِيدُوا﴾ تو تم اپنے آپ کو اس عذاب سے چھڑانے کے لیے وہ چال میرے خلاف چلا لو [”كَيْدٌ“ متعدی ہے جیسے کہا جاتا ہے: ”كِدْتُ فُلَانًا“ میں نے فلاں کے خلاف سازش کی یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی کے خلاف سازش کی جاتی ہے] ﴿وَيُلْئِيَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ اس دن حشر و نشر کے جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت و تباہی ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلِّ وَعُيُونٍ ۚ ﴿٣١﴾ وَخَوَاكِهِ مِمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٣٢﴾ كَلُوا
وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٣٣﴾ إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٤﴾
وَيُلْئِيَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٥﴾ كَلُوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا إِنَّكُمْ مَجْرُمُونَ ﴿٣٦﴾
وَيُلْئِيَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٧﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ ﴿٣٨﴾ وَيُلْئِيَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٩﴾ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَآ يَوْمِئِذٍ مُنُونَ ﴿٤٠﴾

بے شک پرہیزگار حضرات سایوں میں اور چشموں میں ہوں گے ○ اور ایسے لذیذ پھلوں میں ہوں گے جن کو وہ چاہیں گے ○ (انہیں کہا جائے گا) کہ تم خوب خوش ہو کر کھاؤ اور پیو اپنے ان اعمال کے صلے میں جن کو تم (دنیا میں) کرتے تھے ○ بے شک ہم نیکوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ○ جھٹلانے والوں کے لیے اس دن ہلاکت و تباہی ہے ○ تم (دنیا میں) تھوڑے عرصہ تک کھاؤ اور پیو بے شک تم مجرم ہو ○ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے ○ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم جھک جاؤ تو وہ نہیں جھکتے ○ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے ○ پھر اس (قرآن) کے بعد وہ کس چیز پر ایمان لائیں گے ○

نیکوکاروں کے نیک اور بدکاروں کے برے انجام کا بیان

۴۱، ۴۲- ﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلِّ وَعُيُونٍ ۚ وَخَوَاكِهِ مِمَّا يَشْتَهُونَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنے والے اور اس کے عذاب سے بچنے والے حضرات جنت میں جاری و ساری اور بہتے ہوئے چشموں اور گھنے سایا دار درختوں کے سایوں میں ایسے پھلوں سے لطف اندوز ہوں گے جن کو وہ خود چاہیں گے یعنی لذیذ و مزے دار اور دل پسند چھیتے

من بھاتے پھلوں سے مخطوط ہوں گے [”ظلال“، ”ظُلّ“ کی جمع ہے]۔

۴۳- ﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا﴾ تم خوب پیٹ بھر کر ہاضمہ دار خوشگوار کھاؤ اور پیو [یہ کلام طرف ”فی ظلال“ میں متقین کی طرف لوٹنے والی ضمیر سے محلاً حال واقع ہو رہا ہے ”أَيُّ هُمْ مُسْتَقِرُّونَ (فِي ظِلَالٍ) مَقُولًا لَهُمْ ذَلِكَ“ [یعنی وہ لوگ (پرہیزگار) سایوں میں جب ٹھہرائے جائیں گے تو اس وقت ان سے یہ کہا جائے گا کہ تم خوب خوشگواری کے ساتھ کھاؤ اور پیو ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ ان اعمال کے صلہ اور عوض میں جو تم دنیا میں بجالاتے تھے۔

۴۴- ﴿إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ بے شک ہم نیکیاں کرنے والوں کو اسی طرح جزائے خیر عطا فرماتے ہیں سو تم نیکیاں بجالاؤ تو تمہیں یہی جزائے خیر عطا کی جائے گی۔

۴۵- ﴿وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ اس دن جنت اور اس کی نعمتوں کو جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔

۴۶- ﴿كُلُوا وَاتَّمَعُوا﴾ تم کھاپی لو اور دنیا کے مال و متاع سے خوب فائدہ اٹھا لو [یہ ایک مستقل الگ کلام ہے جس کے ذریعہ دنیا میں ڈرانے کے لیے جھٹلانے والوں کو خطاب کیا گیا ہے] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”إِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ“ (نفلت: ۴۰) ”تم جو چاہو عمل کرو بے شک وہ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے“ ﴿قَلِيلًا﴾ تھوڑا سا کیونکہ دنیا کا تمام ساز و سامان (آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں) بہت تھوڑا ہے ﴿إِنَّكُمْ مُجْرِمُونَ﴾ بے شک تم مجرم و گناہ گار اور تم کافر و مشرک ہو یعنی بے شک ہر مجرم و نافرمان دنیا میں کچھ عرصہ تک کھاتا پیتا اور دنیا کے مال و دولت سے فائدہ اٹھاتا ہے پھر دائمی ہلاکت و تباہی میں باقی رہتا ہے اور ہمیشہ کے لیے سزا میں مبتلا رہتا ہے۔

۴۷- ﴿وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ تمام نعمتیں عطا فرمانے والے اپنے محسن اور منعم کو جھٹلانے والوں کے لیے اس دن

ہلاکت ہے۔

۴۸- ﴿وَإِذْ أَقِيلَ لَهُمُ الذُّكُورَ﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم رکوع کرو یعنی تم اللہ تعالیٰ کے لیے خشوع و خضوع اختیار کرو اور اس کے سامنے جھک جاؤ اور تم اللہ تعالیٰ کی وحی کو قبول کر کے اور اس کے دین اسلام کی اتباع و پیروی اختیار کر کے اس کے لیے تواضع اور عاجزی اختیار کر لو اور اس تکبر و غرور اور انکار کی روش کو ترک کر دو ﴿لَا يَرْكَعُونَ﴾ تو وہ لوگ نہ خشوع و خضوع اختیار کرتے ہیں اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین و پیغام کو قبول کرتے ہیں بلکہ وہ اپنے تکبر و غرور پر اصرار کرتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم نماز پڑھو تو وہ لوگ نماز نہیں پڑھتے اور اپنی ضد پر قائم رہتے ہیں۔

۴۹- ﴿وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی (یعنی احکام و ممنوعات) کو جھٹلانے والوں کے لیے اس

دن ہلاکت و بربادی ہے۔

۵۰- ﴿قِيَامِي حِدَائِيثٍ بَعْدَكَ أَيُّ مَثُونٍ﴾ سو وہ اس قرآن مجید کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے؟ یعنی اگر کفار

مکہ قرآن مجید پر ایمان نہیں لاتے باوجودیکہ یہ یقیناً آنکھیں کھول دینے والا معجزہ ہے اور تمام آسمانی کتابوں کے درمیان واضح اور روشن معجزہ ہے تو بھلا وہ اس کے بعد کس کتاب پر ایمان لائیں گے؟

سورة النبا
الجزء ۳۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجزء ۳۰

سورة النبا کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی چالیس آیات دو رکوع ہیں

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ۱ عَنِ النَّبِيِّ الْعَظِيمِ ۲ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۳
كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ۴ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ۵ أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهْدًا ۶ وَالْجِبَالَ
أَوْتَادًا ۷ وَخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجًا ۸ وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۹ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ۱۰
وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۱۱ وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۱۲ وَجَعَلْنَا سِرَاجًا
وَهَاجًا ۱۳ وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا ۱۴ لِنُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا ۱۵
وَجَدَّتْ أَلْفَاظًا ۱۶

وہ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں ۰ بہت بڑی خبر کے بارے میں ۰ جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں ۰ ہرگز نہیں! عنقریب وہ جان لیں گے ۰ پھر ہرگز نہیں! عنقریب وہ جان لیں گے ۰ کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا ۰ اور پہاڑوں کو میخیں ۰ اور ہم نے تمہیں جوڑا (جوڑا) پیدا کیا ۰ اور ہم نے تمہاری نیند کو راحت بنایا ۰ اور ہم نے رات کو پردہ پوش بنایا ۰ اور ہم نے دن کو روزی کمانے کا وقت بنایا ۰ اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے ۰ اور ہم نے ایک روشن چراغ بنایا ۰ اور ہم نے خوب برسنے والے بادلوں سے زوردار بارش نازل کی ۰ تاکہ ہم اس کے ذریعے دانے اور سبزہ اُگائیں ۰ اور گھنے باغات ۰

قیامت کے متعلق شکوک کی تردید اور تکوینی دلائل کا بیان

۱- ﴿عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ﴾ وہ لوگ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں (یعنی) کفار مکہ آپس میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں یا پھر یہ لوگ اپنے علاوہ مسلمانوں سے قیامت کے بارے میں استہزاء اور مذاق اڑانے کے طور پر سوال کرتے ہیں کیونکہ ”يَتَسَاءَلُونَ“ میں ”هَمْ“ ضمیر اہل مکہ کی طرف لوٹتی ہے اور اس کا مطلب یہی ہے کہ اہل مکہ آپس میں ایک دوسرے سے مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنے اور قیامت برپا ہونے کے بارے میں سوال کرتے رہتے تھے اور وہ قیامت کا مذاق اڑانے کے لیے مسلمانوں سے بھی اس کے بارے میں سوال کرتے تھے۔

۲- ﴿عَنِ النَّبِيِّ الْعَظِيمِ﴾ ایک بہت بڑی خبر کے بارے میں یعنی مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنے اور قیامت برپا ہونے کے بارے میں اور یہ مسئول عنہ (جس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے) کی عظمت و بڑائی کا بیان ہے اور اس کی تقدیر عبادت اس طرح ہے: ”عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ (عَنِ النَّبِيِّ الْعَظِيمِ)“ وہ لوگ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں؟ وہ ایک بہت بڑی خبر کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں۔

۳- ﴿الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ﴾ جس کے بارے میں وہ لوگ اختلاف کرتے ہیں چنانچہ ان میں سے بعض

لوگ یقین کے ساتھ اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں سے بعض لوگ اس وقوع کے بارے میں شک کرتے ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ”يَتَسَاءَلُونَ“ میں ضمیر مسلمانوں اور کافروں دونوں کی طرف لوٹی ہے اور وہ سب لوگ ایک دوسرے سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے تھے سو مسلمان تو اس لیے ایک دوسرے سے سوال کرتے تھے تاکہ قیامت کا خوف و ڈران کے دلوں میں بڑھ جائے اور ایمان و یقین مزید مضبوط و پختہ ہو جائے اور کفار محض قیامت کے وقوع کا مذاق اڑانے کے لیے سوال کرتے تھے۔

۵۴- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ سے کفار کو باہمی اختلاف کرنے پر اور قیامت کے وقوع کا مذاق اڑانے کے لیے ایک دوسرے سے سوال کرنے پر زبرد تو بیخ کرنا اور انہیں ڈانٹنا مقصود ہے ﴿سَيَعْلَمُونَ﴾ عنقریب وہ جان لیں گے۔ اس میں کفار کے لیے وعید (اور دھمکی) ہے کہ وہ عنقریب اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر کے قیامت کے وقوع کو اور مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھنے کو یقینی طور پر جان لیں گے کہ بے شک وہ لوگ جس کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال کرتے تھے وہ حق اور سچ ہے ﴿تَنْتَهَىٰ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ﴾ پھر ہرگز نہیں! عنقریب وہ جان لیں گے۔ زبرد تو بیخ کا تکرار مبالغہ میں تشدید و تاکید کے لیے ہے اور حرف ”نم“ اس بات کی علامت ہے کہ دوسرا جملہ پہلے سے زیادہ بلوغ اور زیادہ شدید ہے۔

۷۶- ﴿الَّذِي جَعَلَ الْأَرْضَ﴾ کیا ہم نے زمین کو نہیں بنایا؟ جب کفار مکہ نے مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنے اور قیامت کے وقوع پذیر ہونے کا انکار کیا تو (ان آیات میں) ان سے کہا گیا ہے کہ کیا ان عجیب و غریب مخلوقات کو اسی خالق و مالک نے پیدا نہیں کیا جس کی طرف مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھانے اور قیامت برپا کرنے کی نسبت کی گئی ہے سو تم مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھانے اور قیامت برپا کرنے پر اس خالق و مالک کی قدرت کا انکار کیوں کرتے ہو حالانکہ یہ بھی اسی کی ایک ایجاد ہے جس طرح یہ تمام مخلوقات اس کی ایجادات ہیں یا ان سے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس تمام کائنات کو کیوں پیدا کیا ہے؟ حالانکہ حکیم و داناکوئی کام عبث و بے کار اور بے فائدہ نہیں کرتا جب کہ حشر و نشر اور قیامت کا انکار تو اس طرف لے جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو عبث اور بے کار و بے فائدہ پیدا کیا ہے؟ ﴿مَهْدًا﴾ فرش اور بچھونا (یعنی) ہم نے زمین کو تمہارے لیے فرش اور بچھونا بنا دیا ہے تاکہ تم اطمینان اور سکون کے ساتھ اس پر رہ سکو ﴿وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا﴾ اور ہم نے پہاڑوں کو زمین کے لیے میخیں بنا دیا تاکہ زمین تمہارے ساتھ متزلزل اور متحرک نہ ہو اور لرزنے اور کانپنے نہ لگ جائے (بلکہ ساکن و جامد رہے)۔

۹۸- ﴿وَوَجَعَلْنَا لَكُمْ أَرْوَاحًا﴾ اور ہم نے تمہیں جوڑا (جوڑا) پیدا کیا اور مادہ (یعنی مرد اور عورت بنایا) ﴿وَجَعَلْنَا لَكُمْ سُبَاتًا﴾ اور ہم نے تمہاری نیند کو راحت بنایا (یعنی) نیند کو تمہارے (دن بھر کے) اعمال کے لیے ختم کرنے والا اور تمہارے بدنوں اور جسموں کے لیے راحت بنایا اور ”سبت“ کا معنی ہے: قطع کرنا، کاٹنا اور ختم کرنا۔

۱۰- ﴿وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا﴾ اور ہم نے رات کو لباس یعنی پردہ بنایا جو تمہیں لوگوں کی آنکھوں سے چھپا دیتی ہے جب تم ایسی چیزوں کو چھپانا چاہو جن کا لوگوں کے سامنے اظہار تم پسند نہیں کرتے ہو۔

۱۱- ﴿وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا﴾ اور ہم نے دن کو روزی کمانے کے لیے وقت مقرر کر دیا تاکہ تم اپنی حاجات و ضروریات اور اپنی کمائیوں کے لیے دن میں مختلف جگہوں میں حسب ضرورت چلتے پھرتے اور آتے جاتے رہو۔

۱۲- ﴿وَبَيْنَاكُمْ فَوْقَكُمْ سَبْعًا﴾ اور ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے ﴿شِدَادًا﴾ ”شَدِيدَةً“ کی جمع ہے یعنی مضبوط و قوی اور مستحکم بنائے تاکہ مختلف زمانوں کا بار بار گزرنا ان میں اثر انداز نہ ہو سکے یا اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے

تمہارے اوپر بہت موٹے سات آسمان بنا دیئے ہیں جن میں سے ہر آسمان کی موٹائی اور چوڑائی پانچ سو سال کی مسافت کے برابر ہے۔

۱۳- ﴿وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَاجًا﴾ اور ہم نے ایک انتہائی گرم اور روشن ترین چراغ بنایا یعنی وہ روشنی اور حرارت و گرمی کا جامع ہے اور اس روشن ترین چراغ سے سورج مراد ہے۔

۱۴ تا ۱۶- ﴿وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا﴾ اور ہم نے خوب برسنے والے بادلوں سے بہت زیادہ موسلا دھار بارش برسائی یعنی ایسے بادل جب انہیں نچوڑا جائے یعنی قریب ہے کہ تیز ہوائیں انہیں نچوڑیں تو وہ بارش برسا دیں اور اسی سے یہ مقولہ ماخوذ ہے: ”أُعْصِرَتِ الْجَارِيَةُ“ نوخیز لڑکی (خون حیض کی وجہ سے) نچوڑ دی جائے گی یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب نوخیز لڑکی کے ایام ماہواری قریب آچکے ہوں یا پھر ”الْمُعْصِرَاتِ“ سے ”رِيَّاحٌ“ (یعنی ہوائیں) مراد ہیں کیونکہ یہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں اور مختلف سمتوں کی طرف انہیں لے جاتی ہیں سو اس لیے یہ درست ہے کہ ہواؤں کو بارشوں کے نزول کا مبداء قرار دیا جائے اور بے شک حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بھیجتا ہے اور وہ آسمان سے پانی اٹھا کر بادلوں کی طرف لے جاتی ہیں اور ”مَاءً ثَجَّاجًا“ کا معنی ہے: بہت زیادہ کثرت سے برسنے والا پانی ﴿لِنُخْرِجَ بِهِ حَبًّا﴾ تاکہ ہم اس کے ذریعے دانے نکالیں (یعنی) تاکہ ہم بارش کے پانی کے سبب گندم اور جو وغیرہ دانے دار اناج اُگائیں ﴿وَنَبَاتًا﴾ اور گھاس اور چارہ وغیرہ ﴿وَجَنَّتِ الْأَفْئَاقُ﴾ اور گھنے باغات (یعنی) ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے درخت [”الْفَافُ“ کا واحد ”لَفٌّ“ ہے جیسے ”أَجْدَاعٌ“ کا واحد ”جَدْعٌ“ ہے یا اس کا واحد ”لَفِيفٌ“ ہے جیسے ”شَرِيفٌ“ اور ”أَشْرَافٌ“ ہے یا پھر اس کا کوئی واحد نہیں ہے جسے ”أَوْزَاعٌ“ ہے یا یہ جمع الجمع ہے یعنی ”لَفٌّ“ کی جمع ”لَفَاءٌ“ ہے اور ”لَفَاءٌ“ کی جمع ”الْفَافُ“ ہے جس کا مطلب ہے: گھنے اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے درختوں کے باغ اور ”الْمُ نَجْعَلُ“ سے ”الْفَافُ“ تک وقف نہیں ہے البتہ ”أَوْتَادًا“ اور ”مَعَاشًا“ پر وقف ضروری ہے۔]

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ۝۱۸ يَوْمَ يَنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ۝
وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ۝۱۹ وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝۲۰ إِنَّ
جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝۲۱ لِلطَّغْيِينِ مَابًا ۝۲۲ لِبِثْنٍ فِيهَا أَحْقَابًا ۝۲۳ لَا
يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ۝۲۴ إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا ۝۲۵ جَزَاءً وِفَاقًا ۝۲۶
إِنَّهُمْ كَانُوا إِلَّا يَرْجُونَ حِسَابًا ۝۲۷ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَابًا ۝۲۸ وَكُلَّ
شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ۝۲۹ فَذُوقُوا فَلَنْ نَزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ۝۳۰

بے شک فیصلہ کے دن کا وقت مقرر ہو چکا ہے ۰ جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو تم فوج در فوج ہو کر آؤ گے ۰ اور آسمان کو کھول دیا جائے گا تو اس میں دروازے بن جائیں گے ۰ اور پہاڑوں کو چلا دیا جائے گا تو وہ پانی کا دھوکا دیتے ہوئے چمکیلے ریت کی طرح ہو جائیں گے ۰ بے شک دوزخ گھات کی جگہ ہے ۰ سرکشوں کے لیے وہ ٹھہرنے کی جگہ ہے ۰ جس

میں وہ ہمیشہ رہیں گے O وہ اس میں نہ ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ کسی پینے والی چیز کا O مگر کھولتا ہوا پانی اور بہتی ہوئی پیپ O یہ (ان کے اعمال کے) موافق بدلہ ہے O بے شک وہ حساب کی اُمید نہیں رکھتے تھے O اور انہوں نے ہماری آیتوں کو بھرپور جھٹلایا O اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر شمار کر رکھا ہے O پس اب تم (اپنی سزا کا مزہ) چکھو سو ہم تمہارے لیے عذاب کے ماسوا کچھ نہیں بڑھائیں گے O

قیامت کے ہولناک منظر اور کفار کی سزاؤں کا بیان

۱۷- ﴿إِنَّ يَوْمَ الْفُصْلِ كَانَ مِيقَاتًا﴾ بے شک نیکیوں اور بُروں اور حق پرستوں اور باطل پرستوں کے درمیان فیصلہ کا دن ہے اور اس کا وقت معین و محدود ہے اور انسانوں کو ان کے اعمال پر جزاء و سزا دینے کے لیے اس دن کی انتہاء معلوم و مقرر ہے یا یہ معنی ہے کہ بے شک فیصلہ کا دن نیک اعمال پر اجر و ثواب اور بُرے اعمال پر عقاب و عذاب دینے کے لیے مقرر و معین کردہ وعدہ ہے۔

۱۸- ﴿يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَهْوَابًا﴾ جس دن صور میں (یعنی) پھونک مارنے کے آلہ نورانی سینگ میں پھونکا جائے گا تو تم گروہ درگروہ بن کر مختلف جماعتوں یا مختلف امتوں یا ہر امت اپنے اپنے پینمبر کے ساتھ چلے آؤ گے [”يَوْمَ يُنْفَخُ“ یا تو ”يَوْمَ الْفُصْلِ“ سے بدل واقع ہو رہا ہے یا پھر اس کا عطف بیان ہے]۔

۱۹- ﴿وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ﴾ اور اس روز فرشتوں کے اُترنے کے لیے آسمان کو کھول دیا جائے گا (یعنی) شگافوں کے ساتھ پھٹ جائے گا ﴿فَكَانَتْ آيَاتًا﴾ سو اس میں بہت سے دروازے اور راستے اور شگاف بن جائیں گے حالانکہ آج اس میں کسی قسم کے شگاف نہیں ہیں۔

۲۰- ﴿وَسُيِّدَتِ الْجِبَالُ﴾ اور پہاڑوں کو زمین کی سطح سے بلند کر کے فضاء میں اُڑا کر چلا دیا جائے گا ﴿فَكَانَتْ سَرَابًا﴾ سو وہ دور سے پانی کا دھوکا دیتے ہوئے چمکتے ریتے کی طرح ہو جائیں گے۔

۲۱- ﴿إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا﴾ بے شک دوزخ گھات کی جگہ ہے (یعنی) یہ ایک ایسا راستہ ہے جس کے اوپر تمام مخلوق نے گزر کر جانا ہے سو مسلمان تو صرف اس کے اوپر سے گزر کر چلے جائیں گے اور کفار اس میں داخل کیے جائیں گے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ ”مِرْصَاد“ وہ حد ہے جس میں انتظار ہوتا ہے یعنی وہ سرکشوں کی حد ہے جس میں عذاب دینے کے لیے کفار کا انتظار کیا جاتا ہے اور یہی جہنم ان کا ٹھکانا ہے یا یہ کہ یہ جہنم اہل جنت کے لیے بھی انتظار گاہ ہے کیونکہ اس کے پاس فرشتے اہل جنت کا استقبال کرنے کے لیے ان کا انتظار کرتے ہوں گے اس لیے کہ بے شک جنتیوں نے دوزخ کے اوپر قائم پل صراط سے گزرنا ہے۔

۲۲- ﴿لِلظَّالِمِينَ مَا يَأْتِي﴾ سرکشوں کے لیے ٹھکانا ہے (یعنی) کافروں کے لیے (دنیا سے) واپس لوٹ کر جانے کا ٹھکانا ہے۔

۲۳- ﴿لِيَبَيِّنَ فِيهَا أَحْقَابًا﴾ وہ لوگ اس دوزخ میں غیر متناہی زمانوں تک ٹھہریں گے۔ ”أَحْقَاب“، ”حَقَب“ کی جمع ظرف ہے جس کا معنی زمانہ اور دہر ہے اور اس سے محدود و معین زمانہ مراد نہیں ہوتا بلکہ دوام و استمرار اور ہمیشہ کا زمانہ مراد ہوتا ہے چنانچہ جب بھی ایک زمانہ گزرتا ہے تو اس کے متصل دوسرا زمانہ شروع ہو جاتا ہے اور یہ سلسلہ بغیر کسی انتہاء کے مسلسل جاری رہتا ہے اور ”حَقَب“ اور ”حَقْبَةُ“ جب بھی استعمال ہوتے ہیں تو مسلسل و لگاتار زمانے مراد ہوتے ہیں اور بعض علماء نے فرمایا کہ ”حَقَب“ کا معنی اسی سال ہے اور بعض علمائے کرام سے اس آیت مبارکہ کے بارے میں سوال کیا

گیا تو انہوں نے بیس سال کے بعد جواب دیا: ”لَابِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا“ کہ کفار دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

۲۴- ﴿لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا﴾ وہ لوگ اس (دوزخ) میں نہ ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ کسی پینے کی چیز کا مزہ چکھیں گے یعنی کسی چیز کا مزہ نہیں چکھیں گے [یہ ”لَابِثِينَ“ کی ضمیر سے حال ہے] پھر جب یہ ”احقاب“ یعنی مدت ہائے دراز پر مشتمل یہ زمانے ختم ہوں گے جن میں کافروں کو ٹھنڈک اور ہر قسم کے مشروبات کے مزے چکھنے سے محروم رکھا گیا تو ان کو دوسرے زمانوں میں دیگر غذاؤں میں مبتلا کر دیا جائے گا اور یہ زمانے در زمانے غذاؤں کے ساتھ بدلتے رہیں گے کبھی ختم نہ ہوں گے اور بعض حضرات نے فرمایا: یہ ”احقاب“ ماخوذ ہے ”حَقَبَ عَامَنَا“ سے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اس سال بارش کم برسی ہو اور اس سال خیر و برکت کم ہوگئی ہو نیز یہ ”حَقَبَ فُلَانًا“ سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ شخص رزق سے محروم ہو جاتا ہے [پس یہ ”حَقَبَ“ ہے اور اس کی جمع ”أَحْقَابٌ“ ہے اور اس کی نصب حال واقع ہونے کی بناء پر ہے یعنی ”لَابِثِينَ فِيهَا حَقَبِينَ“ ہے اور ”لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا“ اس کی تفسیر ہے۔]

۲۵- ﴿إِلَّا حَيْبَاتًا وَعَسَاقًا﴾ مگر گرم ترین کھولتا ہوا پانی اور دوزخیوں کی پیپ پیس کے یعنی سرکش کفار دوزخ میں یا غیر متناہی زمانوں میں نہ ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے نہ آرام پائیں گے۔ ”بَرْدًا“ (ٹھنڈک) سے ایسا آرام مراد ہے جس کی وجہ سے دوزخ کی آگ کی حرارت و گرمی کفار سے دور ہو جائے یا اس سے نیند مراد ہے جس کی وجہ سے سونے والے کو آرام و سکون نصیب ہوتا ہے اور اسی سے ”منع البرد“ ماخوذ ہے یعنی آرام و سکون ختم ہو گیا اور نہ کفار دوزخ میں کسی قسم کے مشروب کا مزہ چکھیں گے جس کی وجہ سے انہیں پیاس سے تسکین حاصل ہو سکے بلکہ وہ دوزخ میں گرم ترین کھولتا ہوا پانی پییں گے جو جن اعضاء سے گزرتا جائے گا انہیں جلاتا جائے گا اور وہ دوزخیوں کے جسموں سے بہتی ہوئی پیپ پیس کے [یہ استثناء منقطع ہے اور ابو بکر کوفی کے علاوہ دیگر کوفی قراء کی قراءت میں ”عَسَاقًا“ کی سین مشدد پڑھی جاتی ہے۔]

۲۶، ۲۷- ﴿جَزَاءً وَفِاقًا﴾ پورا پورا بدلہ دیا جائے گا (یعنی) کفار کو ان کے اعمال کے موافق و مطابق پورا بدلہ دیا جائے گا۔ ”وَفِاقًا“ مصدر ہے اور صفت کے معنی میں ہے یا پھر ”ذَا وَفَاقٍ“ ہے پھر اللہ تعالیٰ نے علت بیان کرتے ہوئے الگ مستقل جملہ استعمال کیا اور ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا﴾ بے شک وہ حساب کی امید نہیں رکھتے تھے (یعنی) کفار اس بات سے نہیں ڈرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کے اعمال پر محاسبہ کرے گا یا یہ معنی ہے کہ وہ حشر و نشر اور مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنے پر ایمان نہیں لائے تاکہ وہ حساب و کتاب کی امید رکھیں۔

۲۸- ﴿وَكَذَّبُوا بِالْآيَاتِ الَّتِي كُنَّا آتِينَهَا﴾ اور انہوں نے ہماری آیتوں کو پورا پورا جھٹلایا [”كَذَّبًا“، ”تَكْذِيبٌ“ کے معنی میں ہے اور ”فِعَالٌ“ کا استعمال باب تفعیل میں عام شائع ہے۔]

۲۹، ۳۰- ﴿وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا﴾ اور ہم نے ہر چیز کو شمار کرنے کے لکھ رکھا ہے [”كُلُّ شَيْءٍ“ فعل مضمَر کی وجہ سے منصوب ہے اور ”أَحْصَيْنَاهُ“ اس مضمَر فعل کی تفسیر کر رہا ہے اور ”كِتَابًا“، ”مَكْتُوبٌ“ کے معنی میں ہے یعنی ہر چیز لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے یہ حال واقع ہو رہا ہے یا پھر یہ مصدر ہے اور ”أَحْصَاءُ“ کی جگہ میں استعمال ہوا ہے یا ”أَحْصَيْنَا“ بہ معنی ”كْتَبْنَا“ ہے اس لیے کہ ”أَحْصَاءُ“، ”كُتِبَتْ“ کے معنی میں عموماً استعمال ہوتا رہتا ہے اور یہ جملہ معترضہ ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ﴿فَذُوقُوا﴾ کفار کے اس کفر کا مسبب ہے جو حساب و کتاب اور حشر و نشر اور آیات الہیہ کے جھٹلانے کے سبب ان سے صادر ہوا [یعنی پس تم اپنے کفریہ اعمال کی سزا کا مزہ چکھو اور غائب سے خطاب کی طرف عدول غضب خدا کی

شدت کی دلیل ہے ﴿فَلَنْ نَّزِيدَكَ كُدًّا إِلَّا عَذَابًا﴾ سو ہم تو صرف تمہارا عذاب ہی بڑھائیں گے۔ حدیث شریف میں ہے کہ قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ دوزخیوں پر سب سے زیادہ شدید و سخت ہے۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ۝۳۱ حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا ۝۳۲ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ۝۳۳ وَكَاسًا
دِهَاقًا ۝۳۴ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِدًّا ۝۳۵ جَزَاءً مِّنْ رَبِّكَ عَطَاءً
حِسَابًا ۝۳۶ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمَنِ لَا يَمْلِكُونَ
مِنْهُ خِطَابًا ۝۳۷

بے شک نجات و کامیابی صرف پرہیزگاروں کے لیے ہے ۝ باغات اور انگور ہیں ۝ اور نو جوان ہم عمر لڑکیاں ہیں ۝ اور بھر پور چھلکتے ہوئے جام ہیں ۝ وہ اس میں نہ بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ ایک دوسرے کو جھٹلانے کی بات (سنیں گے) ۝ یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے کامل جزاء (اور) کافی عطا ہے ۝ جو آسمانوں اور زمین کا اور ان دونوں کے درمیان تمام چیزوں کا مالک ہے بے حد مہربان ہے وہ اس سے بات کرنے کا اختیار نہ رکھیں گے ۝

پرہیزگاروں کے انعام رب تعالیٰ کی شان اور کافروں کی حسرت کا بیان

۳۱- ﴿إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا﴾ بے شک پرہیزگاروں کے لیے ہی نجات و کامیابی ہے۔ ”مَفَازًا“، ”مَفْعَلٌ“ کے وزن پر مصدر میسی کی بھی صلاحیت رکھتا ہے یعنی پرہیزگاروں کے لیے تمام مکروہ و ناپسندیدہ چیزوں سے نجات اور تمام محبوب و مطلوب اور پسندیدہ چیزوں کے ساتھ کامیابی ہے اور ”مَفَازًا“ طرف مکان کی بھی صلاحیت رکھتا ہے اور وہ جنت ہے۔

۳۲- ﴿حَدَائِقَ﴾ باغات ہیں (یعنی) اس جنت میں مختلف انواع و اقسام کے پھل دار درختوں کے باغات ہیں [”حدائق“، ”حَدِيقَةٌ“ کی جمع ہے اور یہ ”مَفَازًا“ سے بدل البعض ہے] ﴿وَأَعْنَابًا﴾ اور انگور ہیں [اور یہ ”حدائق“ پر معطوف ہے]۔

۳۳- ﴿وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا﴾ اور نو جوان ہم عمر لڑکیاں۔ ”كَوَاعِبَ“ کا معنی ہے: ابھرتے ہوئے دائرہ دار پستانوں والی اٹھتے جو بن والی کنواری لڑکیاں اور ”أَتْرَابًا“ کا معنی ہے: ہم عمر و ہم سن اور ہم جولی لڑکیاں جو ولادت و پیدائش اور نشوونما میں برابر ہوں۔

۳۴- ﴿وَكَاسًا دِهَاقًا﴾ اور چھلکتے ہوئے جام۔ ”كَاسٌ“ کا معنی ہے: گلاس جام اور پیالہ اور ”دِهَاقًا“ کا معنی ہے: بھرا ہوا چھلکتا ہوا (یعنی جنت میں پاکیزہ شراب کے پر چھلکتے جام پیش کیے جائیں گے)۔

۳۵- ﴿لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا﴾ وہ جنت میں کوئی لغو اور باطل و بے ہودہ بات نہیں سنیں گے ﴿وَلَا كِدًّا﴾ اور نہ وہ بہت جھوٹی بات سنیں گے یعنی وہ ایک دوسرے سے جھوٹ نہیں سنیں گے یا یہ کہ وہ ایک دوسرے کو نہیں جھٹلائیں گے [قاری علی کسایی کی قرابت میں تخفیف کے ساتھ پڑھا جاتا ہے جس کا معنی ہے: جھٹلانا اور یہ پورا جملہ ”إِنَّ“ کی خبر کی ضمیر سے حال

۱ رواہ ابن ابی حاتم و العسلی (حاشیۃ الکشاف ج ۳ ص ۶۹۰)

واقع ہو رہا ہے۔]

۳۶- ﴿جَزَاءً مِّن تَرَبِّكَ﴾ مصدر ہے ”اٰی جَزَاهُمْ جَزَاءً مِّن تَرَبِّكَ“ یعنی آپ کے پروردگار کی طرف سے انہیں پورا پورا بدلہ اور معاوضہ دیا جائے گا ﴿عَطَاءً حِسَابًا﴾ نہایت کافی انعام و بخشش یا یہ کہ انہیں ان کے اعمال پر کافی اور وافر اجر و ثواب عطا کیا جائے گا [”عَطَاءً“ مصدر ہے یا ”جَزَاءً“ سے بدل ہے اور ”حِسَابًا“ اس کی صفت ہے۔]

۳۷- ﴿رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ﴾ وہ تمام آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا مالک ہے وہ بے حد مہربان ہے [ابن عامر شامی اور عاصم کوئی کی قراءت میں ”رَبِّكَ“ سے بدل ہونے کی بناء پر مجرور پڑھا جاتا ہے اور جن قراءت کے نزدیک مرفوع پڑھا گیا ہے ان کے نزدیک ”رَبُّ“ مبتدا محذوف کی خبر ہے یا یہ خود مبتدا ہے اور ”رَحْمٰنُ“ اس کی خبر ہے یا اس کی صفت ہے اور ﴿لَا يَمْلِكُونَ﴾ اس کی خبر ہے یا پھر یہ دونوں خبریں ہیں اور ”لَا يَمْلِكُونَ“ میں ضمیر ”أَهْلُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ“ کی طرف لوٹی ہے اور ﴿مِنْتَهُ خِطَابًا﴾ میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹی ہے [یعنی تمام آسمانوں اور زمین کے باشندے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے عذاب سے نجات کے لیے کسی کی شفاعت کی بات نہیں کر سکیں گے مگر اس کی اجازت کے بعد یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خوف و ڈر کی وجہ سے کوئی شخص اس سے مخاطب ہونے کی قدرت و اختیار نہیں رکھے گا۔]

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلِكَةُ صَفًا ۗ لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ

الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۗ ﴿۳۸﴾ ذَلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۗ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ

رَبِّهِ مَابًا ۗ ﴿۳۹﴾ إِنَّا أَنْذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا ۗ يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ

يَدَاهُ وَيَقُولُ الْكٰفِرُ يَلَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا ۗ ﴿۴۰﴾

جس دن روح الامین (حضرت جبریل) اور فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں گے وہ بات نہیں کریں گے مگر وہی (بات کرے گا) جس کو رحمن اجازت دے گا اور وہ صحیح بات کہے گا وہ دن برحق ہے سو جو شخص چاہے وہ اپنے پروردگار کی طرف ٹھکانا بنا لے ۰ بے شک ہم نے تمہیں عنقریب آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے جس دن آدمی وہ سب کچھ دیکھ لے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور کافر کہے گا: ہائے افسوس! کاش! میں مٹی ہو جاتا ۰

۳۸- ﴿يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلِكَةُ صَفًا﴾ جس دن روح الامین اور تمام فرشتے صفیں باندھے کھڑے ہوں گے۔ جمہور اہل اسلام کے نزدیک ”الروح“ سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ ”الروح“ سے سب سے بڑا فرشتہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش اعظم کے بعد کوئی مخلوق اس فرشتے سے بڑی پیدا نہیں فرمائی [اگر ”يَوْمَ يَقُومُ“ کو ”لَا يَمْلِكُونَ“ کا ظرف قرار دیا جائے تو پھر ”خِطَابًا“ پر وقف نہیں کیا جائے گا اور اگر اسے ”لَا يَتَكَلَّمُونَ“ کا ظرف قرار دیا جائے تو پھر ”خِطَابًا“ پر وقف کیا جائے گا اور ”صَفًا“ حال واقع ہو رہا ہے] ﴿لَا يَتَكَلَّمُونَ﴾ وہ لوگ بات نہیں کر سکیں گے یعنی تمام خلائق اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے وہاں بات نہیں کر سکیں گے ﴿إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ﴾ مگر جس کو اللہ تعالیٰ رحمن و رحیم بات کرنے کی یا شفاعت کرنے کی اجازت عطا فرمادے گا (تو وہی بات اور

شفاعت کرے گا) ﴿وَقَالَ صَوَابًا﴾ اور اس نے حق اور سچ کہا ہو اور وہ اس طرح کہ جس کی شفاعت کرنی ہے اس نے دنیا میں ”لا اِلهَ اِلاَّ اللهُ“ کا اقرار و اعتراف کیا ہو یا یہ معنی ہے کہ شفاعت کی اجازت صرف اسی کو دی جائے گی جو شفاعت کے معاملہ میں صحیح اور سچی بات کرے گا۔

۳۹- ﴿ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ﴾ وہ دن برحق ہے اس کا وقوع پذیر ہونا متحقق و ثابت اور واجب و لازم ہے ﴿خَمِنَ﴾ شَاءَ اتَّخَذَ اِلٰى مَا يَبْتَغٰى مَا بَابًا ﴿سو جو شخص چاہے وہ نیک اعمال کے ذریعے اپنے پروردگار کی طرف واپس لوٹ کر ٹھہرنے کا ٹھکانا بنا لے۔

۴۰- ﴿اِنَّا اَنْذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا﴾ اے کافرو! بے شک ہم نے عنقریب آخرت میں آنے والے عذاب سے تمہیں ڈرنا دیا ہے کیونکہ جو یقیناً آنے والا ہے وہ قریب ہے ﴿يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ﴾ اس دن آدمی دیکھے گا یعنی کافر دیکھے گا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اِنَّا اَنْذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا“ بے شک ہم نے تمہیں عنقریب آنے والے عذاب سے ڈرایا ہے ﴿مَا قَدَّاتْ يَدَاكَ﴾ ہر وہ بُرا کام جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”ذُوْقُوا عَذَابَ النَّحْرِيقِ“ ﴿ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتْ اِيْدِيْكُمْ﴾ (آل عمران: ۱۸۱-۱۸۲) ”تم جلانے والے عذاب کا مزہ چکھو“ یہ ان بُرے اعمال کی وجہ سے ہے جن کو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور ہاتھوں کی تخصیص اس لیے ہے کہ اکثر و بیشتر اعمال انہیں ہاتھوں سے وقوع پذیر ہوتے ہیں اگرچہ یہ احتمال بھی ہے کہ جن گناہوں کا ارتکاب کیا گیا ہے ان میں ہاتھوں کا دخل نہ ہو ﴿وَيَقُوْلُ الْكَافِرُ﴾ اور کافر کہے گا (کاش! میں مٹی ہو جاتا) [اسم ظاہر ”الکافر“ کو اسم مضمَر کی جگہ اس لیے رکھا گیا ہے تاکہ کافروں کی مذمت میں اضافہ ہو جائے یا ”الْمَرْءُ“ عام ہے (جو مسلم و کافر دونوں کو شامل ہے) اور اس میں سے ”الْكَافِرُ“ کو خاص کر لیا گیا ہے اور ”مَا قَدَّمْتْ يَدَاكَ“ سے ہر عمل مراد ہے خواہ نیک ہو خواہ بُرا ہو یا پھر ”الْمَرْءُ“ سے مؤمن مراد ہے کیونکہ اس کے بعد ”الْكَافِرُ“ کا ذکر ہے اور ”مَا قَدَّمْتْ“ سے نیک عمل مراد ہے اور حرف ”مَا“ استفہامیہ ہے جو ”قَدَّمْتْ“ کی وجہ سے منصوب ہے یعنی مؤمن دیکھے گا کہ اس کے ہاتھوں نے کون سے نیک عمل آگے بھیجے ہیں یا پھر ”مَا“ اسم موصول ہے جو ”يَنْظُرُ“ کی وجہ سے منصوب ہے جیسے ”نَظَرْتَهُ“ کہا جاتا ہے یعنی میں نے اس کی طرف دیکھا اور لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے اصل میں ”قَدَّمْتَهُ“ ہے [﴿يَلِيْتَنِيْ كُنْتُ تُرِيًّا﴾ اے کاش! میں دنیا میں ہی مٹی ہو جاتا اور مجھے پیدا نہ کیا جاتا اور نہ مجھے مکلف بنایا جاتا یا یہ معنی ہے کہ کاش! میں آج اس دن مٹی ہو جاتا اور مجھے زندہ کر کے نہ اٹھایا جاتا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ غیر مکلف حیوانات کو قیامت کے دن جمع فرمائے گا یہاں تک کہ بے سینگ (مظلوم) جانور کے لیے سینگ والے (ظالم) جانور سے قصاص اور بدلہ لیا جائے گا پھر اس کو واپس مٹی میں ملا دیا جائے گا چنانچہ کافر اس کا یہ حال دیکھ کر اپنے لیے یہی آرزو کرے گا اور بعض دیگر حضرات نے فرمایا کہ یہاں ”الْكَافِرُ“ سے ابلیس مراد ہے وہ تمنا کرے گا کہ کاش! وہ بھی حضرت آدم علیہ السلام کی طرح مٹی سے پیدا کیا جاتا تاکہ اس کی مؤمن اولاد کو بھی اجر و ثواب عطا کیا جاتا۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ
بِمَا تُرْسِلُوْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ
بِمَا تُرْسِلُوْنَ

سورۃ التزعت کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی چھیالیس آیات دو رکوع ہیں

وَالتّٰزِعَاتِ عَرْقًا ۱ وَالنّٰشِطَاتِ نَشْطًا ۲ وَالسّٰبِغَاتِ سَبْغًا ۳ فَالسّٰبِقَاتِ
سَبْقًا ۴ فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا ۵ یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۶ تَتَّبِعُهَا الرَّادِفَةُ ۷
قُلُوبٌ یُّومِئِدًا وَّاجِفَةً ۸ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۹ یَقُولُونَ ؕ اِنَّا لَمَرْدُودُونَ
فِی الْحَافِرَةِ ۱۰ ؕ اِذَا كُنَّا عِظَامًا نّٰخِرَةً ۱۱ قَالُوْا تِلْكَ اِذَا كَرَّهَتْ حَاسِرَةٌ ۱۲
فَإِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۱۳ ؕ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۱۴

(کافر کی) روح سختی سے کھینچنے والے فرشتوں کی قسم! ۰ اور (مومن کی) جان نہایت نرمی سے قبض کرنے والے فرشتوں کی قسم! ۰ اور (روح کو) تیزی سے لے جاتے ہوئے تیرنے والے فرشتوں کی قسم! ۰ پھر خوب آگے بڑھنے والے فرشتوں کی قسم! ۰ پھر کام کی تدبیر کرنے والے فرشتوں کی قسم! (تمہیں مرنے کے بعد ضرور اٹھایا جائے گا) ۰ جس روز تھر تھرائے گی تھر تھرانے والی ۰ اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی ۰ اس دن بہت سے دل دھڑکتے ہوں گے ۰ ان کی آنکھیں (خوف کے مارے) جھکی ہوئی ہوں گی ۰ وہ کہتے ہیں: کیا ہم اٹھے پاؤں پلٹائے جائیں گے ۰ کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے ۰ وہ کہتے ہیں: پھر تو یہ بڑے نقصان کی واپسی ہوگی ۰ سو بے شک وہ تو فقط ایک جھڑک ہوگی ۰ پھر وہ اچانک ایک کھلے میدان میں (جمع) ہوں گے ۰

مختلف تاکیدی قسموں کے ساتھ روز محشر کا بیان

۱ تا ۵ - ﴿وَالتّٰزِعَاتِ عَرْقًا ۱ وَالنّٰشِطَاتِ نَشْطًا ۲ وَالسّٰبِغَاتِ سَبْغًا ۳ فَالسّٰبِقَاتِ سَبْقًا ۴ فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا ۵﴾
بہت سختی سے جان کھینچنے والے فرشتوں کی قسم! ۰ اور بہت نرمی سے جان نکالنے والے فرشتوں کی قسم! ۰ اور (روح کو) تیزی سے لے جاتے ہوئے تیرنے والے فرشتوں کی قسم! ۰ پھر بہت جلد آگے بڑھ جانے والے فرشتوں کی قسم! ۰ پھر کام کی تدبیر کرنے والے فرشتوں کی قسم! ۰ یاد رہے کہ یہاں تک ہر آیت پر وقف نہیں کیا جائے گا بلکہ یہاں آخر میں ”اَمْرًا“ پر وقف کرنا لازم اور واجب ہے کیونکہ اگر وقف کی بجائے وصل کیا جائے تو ”یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ“ کا ظرف بن جائے گا حالانکہ اس روز تو فرشتوں کی تدبیر ختم ہو جائے گی۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان آیات میں فرشتوں کے ان تمام گروہوں کی قسمیں فرمائیں جو بہت سختی کے ساتھ کھینچنے میں ڈوب کر کفار کی ارواح ان کے اجسام سے سختی کے ساتھ کھینچتے ہیں یعنی بڑی سختی سے جسموں کے تمام اعضاء اور تمام جوڑوں سے روحوں کو کھینچ لیتے ہیں یہاں تک کہ ان کے ہاتھوں پاؤں اور ان کی انگلیوں اور ان کے ناخنوں سے بھی کھینچ لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ان گروہوں کی قسم اٹھائی جو مومنوں کے اجسام کے تمام بند نہایت نرمی اور آسانی کے ساتھ

کھول دیتے ہیں یعنی ان کی ارواح کو نہایت نرمی و آسانی سے ان کے اجسام سے نکالتے ہیں اور ”ناشطات“، ”نشيط“ الدلو من البئر“ سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کنویں سے ڈول نکالا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ان گروہوں کی قسم اٹھائی جو مرنے والوں کی ارواح کو لے کر تیرتے ہوئے گزرتے ہیں یعنی بہت تیزی کے ساتھ لے جاتے ہیں پھر انہیں لے کر وہاں تک بڑھ جاتے ہیں جہاں تک انہیں حکم دیا جاتا ہے پھر وہ فرشتے بندوں کی بھلائی کے لیے ان کے دینی اور دنیاوی امور کی اسی طرح تدبیر کرتے ہیں جس طرح انہیں حکم کیا جاتا ہے یا اللہ تعالیٰ نے مجاہدین اور غازیوں کے جہادی گھوڑوں کی قسمیں کھائی ہیں جو بہت زور آور ہوتے ہیں جن کی لگا میں خوب زور لگا کر کھینچی جاتی ہیں چونکہ وہ عربی نسل گھوڑے ہوتے ہیں اس لیے ان کی گردنیں طویل اور دراز ہوتی ہیں اور ان کی لگا میں خوب زور سے کھینچی جاتی ہیں اور ان گھوڑوں کی قسمیں اٹھائی گئی ہیں جو دارالاسلام سے دارالحرب کی طرف نکلتے ہیں یعنی جو اسلامی مملکت سے کفرستان کی طرف میدان جنگ میں لڑنے کے لیے روانہ کیے جاتے ہیں جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ ”ثور ناشط“ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی بیل ایک شہر یا ملک سے دوسرے شہر یا ملک کی طرف نکلتا ہے اور روانہ ہوتا ہے اور جو اپنی رفتار میں تیرتے ہوئے بھاگتے ہیں پھر اپنی منزل مقصود کی طرف تیزی سے آگے بڑھ جاتے ہیں پھر دشمنان دین پر فتح و کامیابی حاصل کرنے اور غلبہ پانے کی تدبیر کرتے ہیں اور تدبیر کی نسبت ان کی طرف محض اس لیے کی گئی ہے کہ وہ اس کے اسباب میں سے ہیں یا پھر اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کی قسمیں اٹھائی ہیں جنہیں مشرق سے مغرب کی طرف کھینچا جاتا ہے اور ان کے کھینچنے میں خوب زور لگایا جاتا ہے اس لیے وہ تمام آسمان کو قطع کرتے ہوئے عبور کر لیتے ہیں یہاں تک کہ وہ مغرب کے انتہاء میں غروب ہو جاتے ہیں اور وہ ستارے جو ایک برج سے نکل کر دوسرے برج کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں اور وہ سیارے جو آسمان میں تیرتے رہتے ہیں پھر وہ آگے بڑھ جاتے ہیں پھر علم حساب کے مطابق دینی اور دنیاوی امور کی تدبیر کی جاتی ہے اور ان قسموں کا جواب محذوف و مخفی ہے اور وہ ہے ”لتبعن“ کہ تمہیں مرنے کے بعد ضرور اٹھایا جائے گا کیونکہ اس کے بعد قیامت کے دن کا تذکرہ اس پر دلالت و رہنمائی کر رہا ہے۔

۶- ﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ﴾ جس دن تھر تھرائے گی تھر تھرانے والی اور سخت متحرک و متزلزل ہوگی اور ”رَجْفٌ“ کا معنی ہے: شدید و سخت ترین حرکت و زلزلہ اور ”الرَّاجِفَةُ“ سے نچھ اول (پہلا صورت پھونکنا) مراد ہے اور اس کو ایسے وصف کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ جس کے حدوث سے ہر چیز حادث ہو جائے گی کیونکہ اسی نچھ کی وجہ سے پوری روئے زمین تھر تھرائے گی اور لرزنے لگ جائے گی یہاں تک کہ زمین کے تمام باشندے ہلاک و فنا ہو جائیں گے اور سب کے سب موت کی آغوش میں چلے جائیں گے۔

۷- ﴿تَتَّبِعُهَا الرَّادِفَةُ﴾ اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی اس سے نچھ ثانی (دوبارہ صورت پھونکنا) مراد ہے کیونکہ یہ پہلے کے بعد آئے گا اور ان دونوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا اور پہلی مرتبہ صورت میں پھونکنے سے تمام مخلوق موت کی آغوش میں چلی جائے گی اور سب کچھ فنا ہو جائے گا اور چالیس سال کے بعد دوسری مرتبہ صورت میں پھونکنے سے تمام مخلوق زندہ ہو جائے گی۔

۸- ﴿قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ﴾ اس روز قیامت کے منکروں کے دل مضطرب و لرزتے اور دھڑکتے ہوں گے۔ ”وَاجِفَةٌ“، ”وَاجِفٌ“ سے لیا گیا ہے اور یہ ”واجب“ کے ہم معنی ہے یعنی خوف و پریشانی کی وجہ سے دل کا گھبرانا اور مضطرب و بے قرار ہونا۔ ”يَوْمَ تَرْجُفُ“ کا منصوب ہونا اس فعل کی وجہ سے ہے جس پر ”قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ“

دلالت کرتا ہے یعنی جس دن دل تھر تھرائیں گے اور لرزیں گے اور ”قُلُوبٌ“ مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور ”وَاجِفَةٌ“ اس کی صفت ہے اور (درج ذیل آیت یعنی) ”أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ“ اس کی خبر ہے۔

۹۔ ﴿أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ﴾ ان کی آنکھیں یعنی قیامت کے منکروں کی آنکھیں قیامت کے دن کا ہولناک منظر دیکھ کر عاجز و ذلیل ہو کر نیچے جھکی ہوئی ہوں گی۔

۱۰، ۱۱۔ ﴿يَقُولُونَ﴾ وہ کہتے ہیں یعنی مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنے کا انکار کرنے والے کفار حشر و نشر کا مذاق اڑانے اور انکار کرنے کے لیے دنیا میں کہتے ہیں کہ ﴿عَرَانَا الْمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ﴾ کیا ہم یقیناً اُلٹے پاؤں پلٹائے جائیں گے۔ یہ استفہام و سوال انکار کے معنی میں ہے یعنی کیا ہم مرنے کے بعد پہلی حالت کی طرف پلٹائے جائیں گے چنانچہ ہم اسی طرح زندہ ہو کر لوٹیں گے جس طرح ہم دنیا میں تھے اور ”حَافِرَةٌ“ کا معنی ہے: پہلی حالت جب کوئی شخص کسی کام میں مشغول ہو اور اس سے نکل جائے پھر وہ اسی کام کی طرف لوٹ آئے تو کہا جاتا ہے: ”رَجَعَ إِلَى حَافِرَتِهِ“ یعنی وہ شخص اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹ آیا اور کہا جاتا ہے کہ ”الْقَدُّ عِنْدَ الْحَافِرَةِ“ یعنی نقد پہلی حالت کے وقت ہوتا ہے اور وہ سودا طے کرنے کا وقت ہے بہر حال کفار نے مرنے کے بعد جی اٹھنے کا انکار کیا پھر انہوں نے اس کو بہت زیادہ بعید اور محال قرار دیا اور انہوں نے کہا کہ ﴿عَرَا إِذَا كُنَّا عِظَامًا تَخِرَّةً﴾ کیا جب ہم پرانی اور بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے؟ [امام حفص کے علاوہ دیگر کوئی قراء کی قراءت میں ”نَاخِرَةٌ“ پڑھا جاتا ہے جب کہ ”فَعِلٌ“، ”فَاعِلٌ“ سے زیادہ بلیغ ہے اور ”إِذَا“ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے اور وہ ”نُبُعْتُ“ ہے] اور اس آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ کیا ہم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جائیں گے جب کہ ہم اس وقت پرانی اور بوسیدہ ہڈیاں ہو چکے ہوں گے۔

۱۲۔ ﴿قَالُوا﴾ انہوں نے یعنی حشر و نشر کے منکروں نے کہا: ﴿تِلْكَ﴾ یہ ہمارا لوٹ کر جانا ﴿إِذَا كُنَّا خَاسِرَةً﴾ تب تو نقصان وہ پلٹنا ہوگا (یعنی) گھائے والا رجوع ہوگا یا لوٹنے والا نقصان و خسارہ پانے والے ہوں گے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اگر یہ صحیح ہے اور ہمیں ہر حال میں مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنا ہے تو پھر ہم خسارے میں ہیں کیونکہ ہم نے اس کو جھٹلایا ہے اور یہ لوگ یہ مقولہ بھی مذاق اڑانے کے لیے کہتے تھے۔

۱۳۔ ﴿فَأَنبَأَهُمْ رَبُّكَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ﴾ سو بے شک وہ تو صرف ایک جھڑک ہوگی [یہ محذوف کے متعلق ہے] یعنی تم اس دوبارہ زندہ کر کے لوٹانے کو اللہ تعالیٰ کے لیے مشکل نہ سمجھو بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں بہت آسان ہے سو یہ تو نہیں ہوگی مگر ایک زوردار چیخ اس سے توجہ ثانی (دوسری مرتبہ صورت میں پھونکنا) مراد ہے اور یہ ”زَجَرَ الْبَعِيرِ“ سے ماخوذ ہے جب کوئی شخص اونٹ کو جھڑک اور ڈانٹ دے۔

۱۴۔ ﴿فَإِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ﴾ پس اچانک وہ ایک کھلے میدان میں ہوں گے (یعنی) پس وہ لوگ زندہ ہو کر زمین کی بالائی سطح کے اوپر آ جائیں گے حالانکہ وہ اس سے پہلے زمین کے پیٹ میں مردہ تھے اور بعض حضرات نے کہا کہ بیت المقدس کے ایک جانب شام کے علاقہ میں ایک پتھر زمین ہے جہاں حشر برپا ہوگا یا خود بیت المقدس مراد ہے یا پھر سر زمین مکہ مکرمہ مراد ہے یا دوزخ مراد ہے۔

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى ۱۵ إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۱۶
إِذْ هَبَّ إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى ۱۷ فَقُلْ هَلْ لَكَ إِلَى أَنْ تَزَكَّى ۱۸ وَأَهْدِيكَ

إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخَشَىٰ ﴿١٩﴾ فَأَرَاهُ الْآيَةَ الْكُبْرَىٰ ﴿٢٠﴾ فَكَذَّبَ وَعَصَىٰ ﴿٢١﴾ ثُمَّ
 أَدْبَرَ يَسْعَىٰ ﴿٢٢﴾ فَحَشَرَ فَنَادَىٰ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ ﴿٢٤﴾ فَأَخَذَهُ
 اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَىٰ ﴿٢٥﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ ﴿٢٦﴾

کیا آپ کے پاس موسیٰ کی خبر پہنچی؟ O جب انہیں ان کے پروردگار نے طویٰ کی پاک وادی میں پکارا O کہ فرعون کے پاس جائیں بے شک وہ سرکش ہو چکا ہے O سو آپ اس سے کہیں کہ کیا تجھے پاک ہونے کی طرف رغبت ہے؟ O اور میں تجھے تیرے پروردگار کی طرف رہنمائی کروں سو تو ڈرے O پھر موسیٰ (علیہ السلام) نے اس کو بہت بڑی نشانی دکھائی O سو اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی O پھر اس نے پیٹھ پھیر لی (اور مخالف) کوشش کرنے لگا O سو اس نے لوگوں کو جمع کر لیا، پھر پکارا O اور کہنے لگا: میں تمہارا سب سے بڑا خدا ہوں O پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت اور دنیا دونوں کے عذاب میں پکڑ لیا O بے شک اس میں ہر اس شخص کے لیے بڑی عبرت ہے جو خوفِ خدا رکھتا ہے O

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ اور فرعون کی سرکشی و انجام کا بیان

۱۵۔ ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ﴾ (اے محبوب!) کیا آپ کے پاس موسیٰ علیہ السلام کی خبر پہنچ چکی ہے؟ یہ استفہام ایک تشبیہ پر مشتمل ہے اور وہ یہ کہ یہ خبر ان چیزوں میں سے ہے جن کا شائع کرنا اور سنانا واجب ہے (تا کہ کفار مکہ عبرت حاصل کریں اور تکذیب و انکار سے باز آجائیں) اور اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی عظمت و بڑائی کا اظہار ہے۔

۱۶۔ ﴿إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ﴾ جب (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو ان کے پروردگار نے مبارک اور پاک وادی میں پکارا ﴿طَوًى﴾ جس کا نام طویٰ ہے۔

۱۷۔ ﴿إِذْ هَبَّ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ﴾ آپ فرعون کے پاس جائیں یہاں قول محذوف مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اے موسیٰ!) آپ فرعون کے پاس جائیں ﴿إِنَّهُ ظَلَمَ﴾ بے شک وہ سرکش ہو چکا ہے اور اس نے کفر و انکار اور فتنہ و فساد میں حد سے تجاوز کر لیا ہے۔

۱۸۔ ﴿فَقُلْ هَلْ لَكَ إِلَٰهٌ إِلَّا أَن تَزْكَىٰ﴾ سو آپ اسے کہیں کہ کیا تجھے اس طرف رغبت ہے کہ تو ایمان و اطاعت اختیار کر کے کفر و شرک اور نافرمانی و گناہوں سے پاک ہو جائے [حجازی قراء کی قراءت میں کاف کے ساتھ "زا" کو بھی مشدود "تَزْكَىٰ" پڑھا جاتا ہے]۔

۱۹۔ ﴿وَأَهْدِيكَ إِلَىٰ رَبِّكَ﴾ اور میں تیرے پروردگار کی طرف تیری رہنمائی کروں اور میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر کر کے اس کی معرفت و پہچان کی طرف تیری رہنمائی کروں تاکہ تو اسے اچھی طرح پہچان لے ﴿فَتَخَشَىٰ﴾ اور تو اس سے ڈر جائے کیونکہ خشیت معرفت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ" (فاطر: ۲۸) "بے شک اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے صرف علماء ڈرتے ہیں" یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم اور معرفت رکھنے والے اس سے ڈرتے ہیں اور بعض حکماء سے منقول ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر دو

جس آدمی نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا وہ لمحہ بھر بھی اس کی نافرمانی نہیں کر سکے گا، پس خشیت اور خوفِ الہی ہر کام کی بنیاد ہے چنانچہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے گا وہ ہر بھلائی کو اپنائے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے بے خوف ہو جائے گا وہ ہر برائی کے ارتکاب پر جرات کرتا رہے گا اور اسی وجہ سے حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص ڈرتا ہے وہ شروع رات کو سفر پر روانہ ہو جاتا ہے اور جو شخص شروع رات میں سفر کرتا ہے وہی منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو استفہام کے ساتھ خطاب کے آغاز کا حکم دیا، جس کا معنی عرض کرنا اور گزارش کرنا ہے جیسا کہ نئی آدمی اپنے مہمان سے کہتا ہے: ”هَلْ لَكَ أَنْ تَنْزِلَ بِنَا؟“ کیا تم ہمارے پاس ٹھہرو گے؟ اور اس گزارش کے بعد نرم گفتگو کرتا ہے تاکہ مہمان نرم و ملائم گفتگو کی وجہ سے اس کی دعوت قبول کر لے اور نفرت و انکار کی بجائے محبت و شفقت کے ساتھ ٹھہر جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں اسی کا حکم دیا ہے: ”فَقَوْلًا لَهُ قَوْلًا لَيْنًا“ (طہ: ۴۳) ”سو تم دونوں اس (فرعون) سے نرم و ملائم بات کہو۔“

۲۰۔ ﴿فَأَرَاهُ الْآيَةَ الْكُبْرَى﴾ سو (حضرت) موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو بہت بڑی نشانی دکھائی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس گئے اور اس کو اپنا عصا یا پھر عصا اور روشن ہاتھ کا معجزہ دکھایا کیونکہ یہ دونوں معجزے ایک نشانی کے حکم میں ہیں۔

۲۱۔ ﴿فَكَذَّبَ﴾ پس اس نے جھٹلایا (یعنی) فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور بڑی نشانی کو جھٹلایا اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادو گر اور اس نشانی کو جادو قرار دیا ﴿وَعَصَى﴾ اور اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔

۲۲۔ ﴿ثُمَّ أَدْبَرَ﴾ پھر فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پیٹھ پھیر لی ﴿يَسْتَعْجِلُ﴾ (اور) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف اپنی فریب کاریوں میں مشغول ہو گیا اور آپ کی مخالفت کی کوشش شروع کر دی یا جب فرعون نے عصا کو اڑدھا بنا ہوا دیکھا تو اس نے خوف زدہ ہو کر پیٹھ پھیر لی اور بھاگ پڑا جب کہ فرعون غصہ کا تیز عقل کا کمزور اوجھے پن والا تھا۔

۲۳، ۲۴۔ ﴿فَحَشَرَ فَنَادَى﴾ پھر فرعون نے تمام جادو گروں اور اپنے تمام لشکر کو ایک میدان میں جمع کیا اور اس مقام میں سب کو جمع کر کے بہ آواز بلند پکار کر اعلان کیا: ﴿فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَى﴾ اور کہا کہ میں تم سب کا سب سے بڑا خدا ہوں، مجھ سے بڑھ کر تمہارا کوئی خدا نہیں جب کہ فرعونوں کے پاس بتوں کی بھرمار تھی جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔

۲۵۔ ﴿فَاتَّخَذَ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت کے عذاب میں پکڑ لیا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت کی سزا دی اور ”نکال“ بہ معنی ”تنکیل“ ہے جیسے سلام بہ معنی تسلیم آتا ہے اور اس کی نصب (زبر) مصدر کی بناء پر ہے کیونکہ ”أَخَذَ“ بہ معنی ”نَحَلَ“ ہے گویا کہا گیا ہے کہ ”نَحَلَ اللَّهُ بِهِ (نَكَالَ الْآخِرَةِ) أَيِ الْآخِرَةِ“ اللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت کی سزا دی یعنی دوزخ کی آگ میں جلایا ﴿وَالْأُولَى﴾ اور دنیا میں سمندر میں غرق کرنے کی سزا دی یا یہ کہ فرعون کو اس کے دو کلمات کہنے پر سزا دی گئی اور اس کا پہلا کلمہ (یعنی پہلا دعویٰ) یہ تھا: ”مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِي“ (القصص: ۳۸) ”میں اپنے ماسوا تمہارے لیے کوئی اور معبود نہیں جانتا“ اور فرعون کا دوسرا کلمہ (یعنی دوسرا دعویٰ) یہ تھا: ”أَنَا رَبُّكُمْ الْأَعْلَى“ میں تمہارا سب سے بڑا خدا ہوں اور ان دونوں کے درمیان چالیس سال یا تیس سال یا پھر بیس سال کا فاصلہ تھا۔

۲۶۔ ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِمَنْ يَتَخَشَى﴾ بے شک مذکورہ بالا واقعہ میں ہر اس شخص کے لیے عبرت ہے جو اللہ تعالیٰ کا خوف و ڈر رکھتا ہے۔

وَأَنْتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءِ طَبَّهَا ۚ رَفَعْنَا سَمَكَهَا فَسَوَّيْنَاهَا ۚ وَأَغْطَشْنَا
 لَيْلَهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا ضُحَاهَا ۚ وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا ۚ أَخْرَجْنَا مِنْهَا
 مَاءَهَا وَمَرْعَاهَا ۚ وَالْجِبَالَ أَدْسَهَا ۚ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ۚ
 فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرَىٰ ۚ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ مَا سَعَىٰ ۚ وَ
 بُرِّئَاتٍ الْجَحِيمِ لِمَنْ يَرَىٰ ۚ فَأَمَّا مَنْ طَغَىٰ ۚ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۚ
 فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ۚ

کیا تمہیں پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا آسمان کا اللہ تعالیٰ نے اس کو بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی چھت کو بلند کیا پھر
 اس کو ہموار بنایا اور اس کی راتوں کو تاریک بنایا اور اس کے دن کو روشن بنایا اور اس کے بعد زمین کو پھیلا یا اس میں سے
 اس کا پانی اور اس کا چارہ نکالا اور پہاڑوں کو اس میں نصب کیا تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے فائدے کے لیے اور پھر
 جب سب سے بڑی غالب مصیبت آجائے گی اور دن انسان اسے یاد کرے گا جو کچھ اس نے کوشش کی ہوگی اور دوزخ
 ہر اس شخص کے لیے ظاہر کر دی جائے گی جو دیکھتا ہوگا سو جس شخص نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تو بلاشبہ
 دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہے

قدرت الہی نیک و بد کا انجام اور قیامت کا تذکرہ

۲۷، ۲۸ ﴿وَأَنْتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءِ ط﴾ اے مرنے کے بعد جی اٹھنے کے اور حشر و نشر کے منکر و کیا تمہیں پیدا
 کرنا اور پروان چڑھانا زیادہ مشکل ہے یا آسمان کا [السَّمَاءُ] مبتدا ہے اس کی خبر محذوف ہے اصل میں ”أَمِ السَّمَاءُ
 أَشَدُّ خَلْقًا“ ہے [یعنی یا آسمان کا پیدا کرنا زیادہ سخت مشکل ہے پھر اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ اس نے آسمان کو کیسے پیدا فرمایا
 چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿يَبْنَاهَا﴾ ”أَيُّ اللَّهِ“ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو بنایا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تعمیر کو بیان فرمایا چنانچہ
 ارشاد فرمایا: ﴿رَفَعْنَا سَمَكَهَا﴾ اللہ تعالیٰ نے اس کی چھت کو بلند و بالا کیا اور بعض اہل علم کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بلندی کی
 طرف آسمان تک پہنچنے کی مقدار کو پانچ سو سال کی مسافت کے برابر بلند پیدا کیا ہے ﴿فَسَوَّيْنَاهَا﴾ سو اللہ تعالیٰ نے اس کو
 ہموار اور برابر بنایا ہے اس میں نہ کوئی شکاف ہے اور نہ کوئی رخنہ اور شکن ہے۔

۲۹ ﴿وَأَغْطَشْنَا لَيْلَهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس کی رات کو تاریک بنایا۔ ”أَغْطَشْنَا“ بہ معنی ”أَظْلَمْنَا“ ہے جس کا معنی
 ہے: اس نے تاریک بنایا ﴿وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا ضُحَاهَا﴾ اور اس کی روشنی کو نکالا (یعنی) اس کے سورج کی روشنی کو ظاہر فرمایا اور رات
 اور سورج کی اضافت و نسبت آسمان کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ رات آسمان کا سایا ہے اور سورج اس کا چراغ ہے۔

۳۰، ۳۱ ﴿وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا﴾ اور اس کے بعد زمین کو پھیلا یا اور زمین پہلے پیدا کی جا چکی تھی لیکن
 اسے تمام اطراف میں پھیلا یا اور بچھایا نہیں گیا پھر آسمان کی پیدائش کے دو ہزار سال بعد مکہ مکرمہ کی جگہ سے (ہر طرف شرقاً
 غرباً جنوباً شمالاً) پھیلا یا گیا پھر اللہ تعالیٰ نے زمین کے پھیلانے کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿أَخْرَجْنَا مِنْهَا مَاءَهَا﴾

اللہ تعالیٰ نے اس (زمین) میں سے اس کا پانی نکالا (یعنی) اس میں سے پانی کے چشمے جاری فرمادیے ﴿وَمَرَعَهَا﴾ اور اس میں سے اس کا چارہ اور گھاس پیدا کیا [اور اس لیے "أَخْرَجَ" پر حرف عطف داخل نہیں کیا، یا پھر "أَخْرَجَ" پوشیدہ اور مضمّر "قَدْ" کے ساتھ حال واقع ہو رہا ہے]۔

۳۲، ۳۳- ﴿وَالْجِبَالِ أَدْسُهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو زمین میں نصب اور ثابت و قائم کر دیا ﴿مَتَاعًا لَّكُمْ وَلَا تَعْمَلُكُمْ﴾ یہ سب کچھ تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے فائدے کے لیے کیا ہے ["شريطة التفسير" کی بناء پر "الْأَرْضَ"، "دَحَا"، مضمّر کی وجہ سے اور "الْجِبَالِ"، "أَرْضِي"، مضمّر کی وجہ سے منصوب ہیں]۔

۳۴- ﴿فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرَى﴾ پھر جب بڑی آفت آجائے گی اور ایسی بڑی عام مصیبت جو تمام مصیبتوں پر حاوی ہو جائے گی یعنی سب پر غالب و محیط ہو جائے گی اور وہ نوحہ ثانی مراد ہے یا اس سے وہ وقت مراد ہے جس میں اہل جنت کو جنت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں لے جایا جائے گا۔

۳۵- ﴿يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ مَا سَعَى﴾ اس دن انسان وہ یاد کرے گا جو اس نے کوشش کی تھی یعنی جب انسان اپنے اعمال کو اپنی نامہ اعمال کی کتاب میں لکھا ہوا دیکھے گا تو انہیں یاد کرے گا حالانکہ وہ انہیں بھول چکا ہوگا [یہ "إِذَا جَاءَتْ" سے بدل ہے اور "مَا سَعَى" میں لفظ "مَا" مصدریہ ہے یعنی انسان کی کوشش یا پھر موصولہ ہے]۔

۳۶- ﴿وَبِزْنَاتٍ الْجَبِيحِ لِمَنْ يَرَى﴾ اور دوزخ ہر دیکھنے والے کے لیے ظاہر کر دی جائے گی اور اس کا ظہور مکمل و تام اور واضح ہو جائے گا۔

۳۷ تا ۳۹- ﴿فَأَمَّا مَنْ طَغَى﴾ سو لیکن جس شخص نے سرکشی کی (یعنی) حد سے تجاوز کیا اور کفر اختیار کر لیا ﴿وَأَنذَرْتَهُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا﴾ اور اس نے خواہشات و شہوات کی پیروی اختیار کر کے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی اور دنیا کی زندگی اپنا کر آخرت کو پس پشت ڈال دیا ﴿فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَى﴾ تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہی ہے ["فَأَمَّا" "فَإِذَا" کا جواب ہے یعنی جب بڑی عام مصیبت آئے گی تو معاملہ اسی طرح ہو جائے گا اور "الْمَأْوَى" اصل میں "مَأْوَاهُ" ہے اور الف لام اضافت کے بدلے میں لایا گیا ہے اور یہ کوفیوں کے نزدیک ہے جب کہ سیبویہ اور بصریوں کے نزدیک "هِيَ الْمَأْوَى" لہ ہے]۔

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ۗ ﴿٣٧﴾ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى ۗ ﴿٣٨﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۗ ﴿٣٩﴾ فِيمَا أَنْتَ مِنْ ذِكْرِهَا ۗ ﴿٤٠﴾ إِلَىٰ رَبِّكَ مُنْتَهَاهَا ۗ ﴿٤١﴾ إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ مَّن يَخْشَاهَا ۗ ﴿٤٢﴾ كَانَتْهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبِثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا ۗ ﴿٤٣﴾

اور لیکن جو شخص اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو خواہش سے روکا O تو بلاشبہ جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے O وہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا O اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق O اس کی انتہاء آپ کے پروردگار کی طرف ہے O بے شک آپ تو صرف اسے ڈرانے والے ہیں جو

اس سے ڈرتا ہے ۰ گویا جس دن وہ اسے دیکھیں گے (تو خیال کریں گے کہ) وہ دنیا میں نہیں ٹھہرے مگر ایک شام یا اس کی ایک صبح ۰

۴۰۔ ﴿وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ﴾ اور لیکن جو شخص اپنے پروردگار کے حضور کھڑا ہونے سے ڈر گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن اپنے رب تعالیٰ کے حضور حساب کے لیے ہر انسان کے لیے ایک مقام متعین ہے جہاں وہ اللہ تعالیٰ کو حساب دے گا ﴿وَذَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى﴾ اور اس نے بُرائی کا حکم دینے والے نفس (نفسِ امارہ) کو مہلک خواہشات سے روکا یعنی اس نے نفسِ امارہ کو شہوات کی اتباع اور پیروی کرنے سے ڈانٹ کر روک رکھا اور بعض نے فرمایا کہ اس سے وہ آدمی مراد ہے جو گناہ کا ارادہ کرتا ہے پھر اسے حساب کے لیے اپنا مقام یاد آ جاتا ہے تو وہ گناہ کو ترک کر دیتا ہے اور ”ہوئی“ کا معنی ہے: نفس کا اپنی شہوات و خواہشات کی طرف راغب ہونا اور ان کی طرف مائل ہونا۔

۴۱۔ ﴿فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى﴾ پس یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے یعنی لوٹ کر جانے کی جگہ۔

۴۲۔ ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسُهَا﴾ وہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا اور وہ کب قائم ہوگی؟ یعنی اللہ تعالیٰ اسے کب قائم کرے گا اور اسے کب ثابت و برپا کرے گا؟

۴۳۔ ﴿فَإِنَّكَ مِنَ الَّذِينَ اسْتَأْذَنُوا﴾ آپ کا اس کے ذکر سے کیا تعلق ہے؟ مطلب یہ ہے کہ آپ کا بھلا اس سے کیا تعلق ہے کہ آپ کفار مکہ کے لیے قیامت کے وقت کا ذکر کریں اور انہیں قیامت کے وقوع کا وقت بتائیں یعنی آپ کا اس سے کوئی تعلق اور ذمہ داری نہیں ہے کہ آپ کفار کے لیے قیامت کے وقت کا ذکر کریں اور اس کا معین و مقرر وقت بیان کریں جیسے کہا جاتا ہے: ”لَيْسَ فُلَانٌ مِنَ الْعِلْمِ فِي شَيْءٍ“ کہ فلاں کا علم سے کچھ تعلق نہیں ہے اور دراصل رسول اللہ ﷺ ہمیشہ قیامت کا تذکرہ کرتے رہتے تھے اور آپ سے اس کے متعلق سوال کیا جاتا تھا یہاں تک کہ یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی پس اس بناء پر اس آیت مبارکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے قیامت کا کثرت کے ساتھ ذکر کرنے پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے یعنی بے شک کفار مکہ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں اور آپ ان کے جواب دینے کے بہت زیادہ خواہش مند ہونے کی وجہ سے قیامت کا بہت زیادہ ذکر کرتے رہتے ہیں اور اس لیے آپ سے اس کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے بھلا آپ کے مشن سے اس کا کیا تعلق ہے (آپ کا منصب توحید و رسالت اور ضروریات دین کی تبلیغ کرنا ہے قیامت کی تاریخ اور وقت بتانا نہیں)۔

۴۴۔ ﴿إِلَىٰ سَائِكَ مُنْتَهَاهَا﴾ اس قیامت کے وقوع کے علم کی انتہاء آپ کے پروردگار کی طرف ہے وہی جانتا ہے کہ قیامت کب واقع ہوگی اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

۱۔ حضور نبی کریم ﷺ نے قیامت کی علامات بتائیں کہ قرب قیامت میں امام مہدی کا ظہور ہوگا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۹۰) اور فرمایا: قیامت سے پہلے دھواں لکھے گا دجال کا خروج ہوگا دابۃ الارض کا ظہور ہوگا سورج مغرب سے طلوع ہوگا حضرت عیسیٰ کا نزول ہوگا یا جوج ماجوج کا ظہور ہوگا ایک بار مشرق کی زمین دھنسنے گی ایک بار مغرب کی زمین دھنسنے گی اور ایک بار جزیرۃ العرب کی زمین دھنسنے گی اور آخر میں یمن سے ایک آگ لکھے گی جو لوگوں کو ہانک کر محشر کی طرف لے جائے گی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۰۱) اور آپ نے فرمایا کہ محرم کی دس تاریخ کو قیامت واقع ہوگی۔ (فضائل الاوقات للبیہقی ص ۴۳۱) اور یہ بھی فرمایا کہ جمعہ کے دن قیامت آئے گی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۴) اور یہ بھی بتا دیا کہ جمعہ کے دن عصر اور مغرب کے درمیان قیامت آئے گی۔

(الاسماء والصفات للبیہقی ص ۳۸۳) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یا پھر قیامت کے بارے میں کفار کے سوال کرنے کا انکار ہے یعنی یہ سوال کیوں اور کس لیے کیا جاتا ہے؟ پھر فرمایا: "أَنْتَ مِنْ ذِكْرَاهَا" حالانکہ آپ تو اس کی یاد دہانیوں میں سے ایک یاد دہانی گزار رہے ہیں یعنی آپ کا نبوت و رسالت کے منصب پر فائز ہو کر مبعوث کیا جانا اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے آخر میں تشریف لانا قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے، پس قیامت کے متعلق کفار مکہ کا سوال کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا اور یہ بھی بعید نہیں کہ اس معنی کی بناء پر "فِيمَ" پر وقف کیا جائے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ "فِيمَ أَنْتَ مِنْ ذِكْرَاهَا" سوال سے متصل ہے یعنی کفار مکہ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ کب قائم ہوگی اور وہ کہتے ہیں کہ آپ کا اس کے ذکر سے کیا تعلق ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے الگ مستقل کلام بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "إِلَىٰ رَبِّكَ مُنْتَهَاهَا" اس کے علم کی انتہاء آپ کے رب تعالیٰ کی طرف ہے۔

۴۵- ﴿إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ مَّن يَخْشَاهَا﴾ بے شک آپ صرف اسے ڈرانے والے ہیں جو قیامت کا ڈر رکھتا ہے یعنی آپ کو اس لیے نہیں بھیجا گیا کہ آپ لوگوں کو قیامت کا وقت بتائیں بلکہ آپ کو اس لیے بھیجا گیا کہ آپ ہر اس شخص کو قیامت کی ہولنا کیوں اور اس کی سختیوں سے ڈرائیں جو اس کی سختیوں سے ڈرتا ہے [یزید اور عیاش کی قراءت میں "مُنذِرٌ" تنوین کے ساتھ پڑھا جاتا ہے]۔

۴۶- ﴿كَانَ هُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا﴾ گویا جس دن کفار مکہ اس کو یعنی قیامت کو دیکھیں گے (تو وہ خیال کریں گے کہ) ﴿لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ صُحْحًا﴾ وہ دنیا میں نہیں ٹھہرے تھے مگر صرف ایک شام یا اس کی ایک صبح یعنی اسی شام کی ایک (بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آپ نے قیامت کے وقت کے بارے میں سب کچھ بتا دیا صرف سن نہیں بتایا کیونکہ اگر آپ سن بھی بتا دیتے تو ہمیں آج معلوم ہوتا کہ قیامت کے آنے میں اتنے سال رہ گئے ہیں اور قیامت کا آنا اچانک نہ رہتا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً" (الاعراف: ۱۸۷) "قیامت تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی"۔

"فَيَأْتِيهِمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ" (الشعراء: ۲۰۲) "ان کے سروں پر قیامت اچانک آ جائے گی اور ان کو اس کا شعور بھی نہیں ہوگا"۔

اگر حضور نبی کریم ﷺ قیامت کا سن بھی بتا دیتے تو قیامت کا آنا اچانک نہ رہتا اور قرآن جھوٹا ہو جاتا اور نبی کریم ﷺ قرآن مجید کے مُصدق (تصدیق کرنے والے) بن کر آئے تھے اس کے مُکذّب (مکذیب کرنے والے) بن کر نہیں آئے تھے سو آپ نے قرآن مجید کی تصدیق کے لیے قیامت کا سن نہیں بتایا اور اپنے علم کے اظہار کے لیے وقوع قیامت کی تمام نشانیاں، مہینہ تاریخ، دن اور دن کا مخصوص وقت سب کچھ بتا دیا۔ (تفسیر تبيان القرآن ج ۹ ص ۲۹۰) واضح رہے کہ ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو قیامت کے وقوع کی خبر نہیں دی تھی، پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے وقوع کا علم عطا فرمایا اور اس آیت کا معنی ہے کہ قیامت کے وقوع کے علم ذاتی کی انتہاء اللہ تعالیٰ پر ہے۔ (تفسیر تبيان القرآن ج ۱۲ ص ۵۶۵)

عارف باللہ علامہ احمد بن محمد مالکی صاوی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "وَهَذَا قَبْلَ إِعْلَامِهِ بِوَقْتِهَا فَلَا يُنَافِي أَنَّهُ ﷺ لَمْ يَخْرُجْ مِنَ الدُّنْيَا حَتَّىٰ أَعْلَمَهُ اللَّهُ بِجَمِيعِ مُغِيبَاتِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَكِنْ أَمَرَ بِكُتْمِ أَسْيَاءِ مِنْهَا" اور یہ آیت مبارکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قیامت کے وقوع کا وقت بتانے اور اس کی خبر دینے سے پہلے کی ہے۔ سو یہ اس بات کے منافی نہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا اور آخرت کے تمام غیبوں سے آگاہ کر دیا لیکن آپ کو ان میں سے بہت سی چیزوں کے مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا۔

(تفسیر صاوی بر حاشیہ تفسیر جلالین ج ۳ ص ۲۷۵، مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبي، مصر، ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء)

صبح۔ دراصل جب کفار قیامت کی ہولناکی اور اس کی سختی کو دیکھیں گے تو وہ دنیا میں اپنے ٹھہرنے کی مدت کو بہت قلیل اور تھوڑا خیال کریں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَن لَّمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ" (یونس: ۴۵) اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو جمع فرمائے گا (تو وہ خیال کریں گے کہ) گویا وہ نہیں ٹھہرے مگر دن کی صرف ایک گھڑی اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: "قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ" (الکہف: ۱۹) انہوں نے کہا: ہم ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ ٹھہرے رہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے ٹھہرنے کی مدت ایک کامل دن کو بھی نہیں پہنچتی بلکہ دن کی دونوں طرفوں میں سے صرف ایک طرف ہے دن کی شام یا اسی دن کی صبح۔

ابن عباس
مرکوعاً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عَبَسَ
وَاتَّوَلَّى

سورہ عبس کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی بیالیس آیات ایک رکوع ہے

عَبَسَ وَتَوَلَّى ۱ اِنْ جَاءَهُ الْاَعْلَى ۲ وَمَا يَدْرِيكَ لَعَلَّهٗ يَزْكٰى ۳ اَوْ

يَذْكُرْ فَتَنَّفَعَهُ الذِّكْرٰى ۴ اَمَّا مِّنْ اِسْتَعْنٰى ۵ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدَّقٰى ۶ وَمَا عَلَيْكَ

اَلَا يَذْكُرْ ۷ وَاَمَّا مِّنْ جَاۤءَكَ يَسْعٰى ۸ وَهُوَ يَخْشٰى ۹ فَاَنْتَ عَنْهٗ تَكْفٰى ۱۰ كَلَّا

اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۱۱ فَمِنْ شَاۤءٍ ذَكَرْهُ ۱۲ فِىٓ صُحُفٍ مُّكْرَمَةٍ ۱۳ مَرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۱۴

بِاَيْدِى سَفَرَةٍ ۱۵ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۱۶

تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا ۰ (اس بناء پر) کہ ان کے پاس ایک نابینا حاضر ہوا ۰ اور آپ کو کیا معلوم کہ شاید وہ پاکیزہ تر ہو جاتا ۰ یا وہ نصیحت حاصل کرتا تو اسے یہ نصیحت نفع دیتی ۰ لیکن جس نے پرواہ نہیں کی ۰ تو آپ اس کی طرف توجہ کرتے ہیں ۰ اور آپ پر کوئی ضرر نہیں کہ وہ پاک نہیں ہوتا ۰ اور لیکن جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا ۰ اور وہ (اللہ تعالیٰ سے) ڈرتا ہے ۰ تو آپ اس سے منہ پھیر کر اور طرف مشغول ہو جاتے ہیں ۰ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے بے شک یہ (قرآن) نصیحت ہے ۰ سو جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے ۰ (یہ) عزت والے صحیفوں میں ہے ۰ عالی قدر پاکیزہ تر ہیں ۰ ایسے کتابوں کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے ہیں ۰ جو بزرگ ترین لوگ لکھتے ہیں ۰

تفسیر و نابینا صحابی کی فضیلت اور کافر مال دار کی مذمت

۲۶۱۔ ﴿عَبَسَ﴾ تیوری چڑھائی یعنی حضور نبی کریم ﷺ نے ناگواری کی وجہ سے اپنی جمین سعادت پر شکن ڈالی ﴿وَتَوَلَّى﴾ اور آپ نے منہ پھیر لیا اور اعراض فرمالیا ﴿اِنْ جَاءَهُ الْاَعْلَى﴾ اس بناء پر کہ آپ کی خدمت میں ایک نابینا حاضر ہوا اور یہ نابینا شخص حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم تھے اور ان کی دادی کا نام ام مکتوم تھا (جس کی طرف منسوب کر کے انہیں ابن ام مکتوم کہا جاتا ہے) اور ان کے باپ کا نام شریح بن مالک ہے۔

شان نزول: ایک روز حضور نبی کریم ﷺ قریش مکہ کے سرداروں کو اسلام کی طرف دعوت دے رہے تھے اور ان سے محو گفتگو تھے کہ اس دوران حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم حاضر ہوئے اور قطع کلامی کرتے ہوئے عرض کیا: "يَا رَسُولَ اللّٰهِ

عَلِمَنِي مِمَّا عَلَّمَكَ اللَّهُ“ اے اللہ کے رسول! جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا ہے اس میں سے آپ مجھے بھی سکھائیں اور انہوں نے اس کو بار بار دہرایا کیونکہ انہیں معلوم نہیں تھا کہ آپ اپنی قوم کو دعوتِ اسلام دے رہے ہیں چنانچہ حضرت ابن ام مکتوم کی قطع کلامی رسول اکرم ﷺ کو سخت ناگوار گزری اور آپ کے چہرہ انور پر جلال کے آثار نمودار ہو گئے اور آپ کی جبین سعادت پر شکن پڑ گئی اور آپ نے اپنا رخ زیبان سے پھیر لیا اور ان سے اعراض فرمایا تو یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں چنانچہ اس واقعہ کے بعد رسول اللہ ﷺ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کی بہت عزت و احترام کرتے تھے اور ان کی آمد پر فرماتے تھے: ”مَرْحَبًا بِمَنْ عَاتَبَنِي فِيهِ رَبِّي“ خوش آمدید! اے وہ شخص جس کے بارے میں میرے رب نے مجھے محبوبانہ عتاب فرمایا ہے۔ اور آپ نے ان کو مدینہ منورہ میں دو دفعہ اپنا خلیفہ اور نائب مقرر فرمایا [”أَنْ جَاءَهُ“ اصل میں ”لِأَنَّ جَاءَهُ“

۱ واضح ہو کہ عتاب کا معنی ہر شخص کے لیے اس کے مرتبہ اور منصب کے اعتبار سے کیا جائے گا عام لوگوں کے حق میں عتاب کا معنی ہوگا: ان کے غلط یا برے کام پر ان کو ملامت کرنا اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام (چونکہ معصوم ہوتے ہیں اس لیے ان) کے حق میں عتاب کا معنی ہوگا: ان کے کسی خلاف اولیٰ اور ترکِ افضل کام پر لطف و کرم اور محبت و پیار سے ان کو متنبہ فرمانا، گویا یوں کہنا: آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے یہ کام آپ کے شایانِ شان نہیں ہے جیسا اس آیت مبارکہ میں ہے:

”عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذْنَبْتَ لَهُمْ“ (التوبہ: ۴۳) ”اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے آپ نے منافقین کو (ان کے صدق کے ظہور سے پہلے) کیوں اجازت دے دی؟“ کسی صحیح یا مستند حدیث میں مذکور نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ پر عتاب کیا گیا، البتہ علامہ قرطبی نے ثوری کے حوالے سے یہ ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت ابن ام مکتوم کو دیکھ کر چادر بچھا دیتے اور فرماتے: مرحبا ہو جس شخص کے لیے میرے رب نے مجھ پر عتاب فرمایا۔ اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس کا یہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تیوری چڑھانے پر لطف و کرم اور محبت و پیار کے ساتھ تشبیہ فرمائی تاکہ مخالفین اسلام کو یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ پیغمبر اسلام امیر کافروں کو غریب مسلمانوں پر ترجیح دیتے تھے۔ (تفسیر تبيان القرآن ج ۱۲ ص ۵۷۶، مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)

پھر اس محبوبانہ عتاب میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے لطف و کرم اور محبت و پیار کے جلوے دمک رہے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اجلال و اکرام کو قائم رکھتے ہوئے ”عَبَسَ وَتَوَلَّى“ فرما کر غائب کے صیغے استعمال فرمائے اور براہِ راست ”عَبَسْتَ وَتَوَلَّيْتَ“ فرما کر آپ کو خطاب کے صیغے سے مخاطب نہیں فرمایا بلکہ غیب کے پردے میں عتاب کیا گیا ہے کیونکہ روبرو عتاب حضور کے خاطر عاظر پر بہت گراں گزرتا، البتہ بعد ازاں ”وَمَا يُنذِرُكَ لَعَلَّاهُ يَنْزُلُ“ میں آپ کو براہِ راست خطاب کے صیغے سے مخاطب فرمایا گیا کیونکہ اس میں غائبانہ اعراض کے بعد اقبال و التفات اور عتاب کی وحشت و گھبراہٹ کے بعد انس و الفت اور محبت و پیار کا اظہار ہے کہ اے محبوب! کیا آپ کو معلوم ہے کہ شاید وہ ناپینا غلام آپ کی تعلیم سے مزید پاکیزہ ہو جاتا، نیز حضرت عبداللہ کو ناپینا فرمانے میں معذرت پیش کی جا رہی ہے یعنی وہ ناپینا معذور تھا نہ محفل کو دیکھ سکا نہ حاضرین کو پہچان سکا اور نہ اسے پتا چلا کہ آپ کس قدر ایک اہم ترین کام میں مصروف ہیں لہذا آپ کا ان سے اعراض فرمانا آپ کے شایانِ شان نہیں۔

(ماخوذ از: تفسیر روح الغالی جز ۳۰ ص ۳۹، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور، تفسیر صاوی ج ۲ ص ۲۵، مطبوعہ مکتبہ مصطفیٰ البابی السخوی، مصر، ۱۹۴۰ھ، تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۴۹۲)

عثمانی لکھتے ہیں: اور محققین کہتے ہیں کہ یہ غایت نکر و استحیاء متکلم کا اور غایت کرامت مخاطب کی ہے کہ عتاب کے وقت بھی رو در رو اس امر کی نسبت آپ ﷺ کی طرف نہیں فرمائی اور آگے خطاب کا صیغہ بطور التفات کے اس لیے اختیار فرمایا کہ شبہہ اعراض کا نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی حاشیہ بر قرآن ص ۷۱، مطبوعہ دارالتصنیف کراچی)

ہے اور یہ محلاً منصوب ہے کیونکہ یہ مفعول نہ ہے اور دونوں مذہبوں کے اختلاف کی بناء پر اس میں عامل ”عبس“ ہے یا ”تولی“ ہے۔
 ۳، ۴۔ ﴿وَمَا يُدْرِيكَ﴾ اور (اے محبوب!) آپ کو کیا معلوم ہے اور آپ کو اس نابینا شخص کا حال کس نے بتایا اور آپ کو اس کا حال کس طرح معلوم ہوا ﴿لَعَلَّهٗ يَذَّكَّرُ﴾ شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا (یعنی) شاید یہ نابینا آدمی آپ سے جو کچھ سنتا اس کے سبب جہالت کی میل کچیل سے پاک ہو جاتا ﴿أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرُ﴾ یا وہ نصیحت حاصل کرتا تو اس کو یہ نصیحت فائدہ دیتی یعنی آپ کا وعظ و نصیحت اسے فائدہ دیتا مطلب یہ ہے کہ آپ کو معلوم نہیں کہ اس سے کیا حاصل ہوتا؟ پاکیزگی یا نصیحت اور اگر آپ کو معلوم ہوتا تو آپ سے یہ کوتاہی ہرگز نہ ہوتی [اور ”یذَّكَّرُ“ اصل میں ”يَتَزَكَّى“ تھا پھر ”تا“ کو ”زا“ میں مدغم کر دیا گیا اور اسی طرح ”يَذَّكَّرُ“ ہے (کہ اصل میں ”يَتَذَكَّرُ“ تھا پھر ”تا“ کو ذال میں مدغم کر دیا گیا) اور ”فَتَنْفَعَهُ“ امام عاصم کی قراءت میں ”لَعَلَّ“ کا جواب ہونے کی بناء پر منصوب پڑھا جاتا ہے اور ان کے علاوہ نے اس کو ”يَذَّكَّرُ“ پر معطوف قرار دے کے مرفوع پڑھا ہے۔]

۵، ۶۔ ﴿أَقَامِينَ اسْتَعْتَنِي﴾ لیکن جو شخص بے پرواہ رہا یعنی جو شخص مال و دولت کی وجہ سے بے پرواہ ہو گیا ﴿فَأَنْتَ لَكَ تَصَدَّى﴾ تو آپ اس کی طرف متوجہ ہو کر اس کے درپے ہوتے ہیں محض اس کے ایمان لانے کی خواہش اور حرص کی بناء پر [”تَصَدَّى“ میں ”تا“ کو صاد میں مدغم کیا گیا ہے اہل حجاز کے نزدیک]۔

۷۔ ﴿وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَذَّكَّرُ﴾ اور آپ کا اس میں کوئی نقصان نہیں کہ وہ پاک نہ ہو (یعنی) آپ کو اس میں کوئی ضرر اور نقصان نہیں پہنچے گا اگر وہ اسلام کے ذریعے (کفر و شرک سے) پاک نہیں ہوتا کیونکہ آپ کی ذمہ داری صرف تبلیغ کرنا ہے اور بس!
 ۸ تا ۱۰۔ ﴿وَأَقَامِينَ جَاءَكَ يَسْعَى﴾ اور لیکن جو شخص خیر و بھلائی طلب کرنے کے لیے آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا ﴿وَهُوَ يَخْشَى﴾ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے یا کفار سے ڈرتا ہے یا وہ آپ کے پاس آتے ہوئے راستے کے نشیب و فراز میں گر پڑنے سے ڈرتا ہے جیسا کہ نابینوں اور اندھوں کی عادت ہوتی ہے ﴿فَأَنْتَ عَنْهُ تَلَهَّى﴾ تو آپ اس سے منہ پھیر کر اور طرف مشغول ہو جاتے ہیں اور ایک روایت میں مذکور ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضور سید عالم ﷺ نے کسی غریب و فقیر کے سامنے تیوری نہیں چڑھائی اور نہ کسی مال دار کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ کی مجلس شوری (مشاورتی کمیٹی) میں فقراء بھی مشیر ہوا کرتے تھے [”تَلَهَّى“ اصل میں ”تَلَهَّى“ تھا (پھر تخفیف کی وجہ سے ایک ”تا“ کو گرا دیا گیا)]۔

۱۱۔ ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! یہ کلمہ روکنے اور باز کرنے کا ہے یعنی ایسی حرکت دوبارہ نہیں ہونی چاہیے ﴿إِنَّمَا﴾ وہ سورت یا آیات ﴿تَذَكَّرُ﴾ نصیحت ہے جس سے نصیحت حاصل کرنا واجب ہے اور اس کے موجب پر عمل کرنا لازم ہے۔
 ۱۲۔ ﴿فَمَنْ شَاءَ ذَكَّرْهُ﴾ سو جو چاہے اسے یاد کرے اور اس سے نصیحت پائے (یا یہ معنی ہے کہ) سو جو اللہ تعالیٰ کو چاہے وہ اسے یاد کرے اور اس کا ذکر کرے [یا مذکر کی ضمیر اس لیے استعمال کی گئی ہے کہ ”تَذَكَّرُ“ سے ذکر اور وعظ مراد ہیں] اور معنی یہ ہے کہ سو جو شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں اپنے ذکر کی توفیق الہام فرمادیتا ہے اور جو شخص نصیحت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں نصیحت قبول کرنے کی توفیق الہام فرمادیتا ہے۔

۱۳ تا ۱۶۔ ﴿فِي صُحُفٍ﴾ [یہ ”تَذَكَّرُ“ کی صفت ہے] یعنی بے شک یہ نصیحت ایسے صحیفوں اور کتابوں میں ثابت و قائم ہے جنہیں لوح محفوظ سے لکھا گیا ہے [یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے ”أَيُّ هِيَ فِي صُحُفٍ“] ﴿مُكَرَّمَةٍ﴾ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے محترم اور قابل عزت ہیں ﴿مَرْفُوعَةٍ﴾ آسمان میں بلند ہیں یا یہ کہ یہ صحیفے قدر و منزلت اور شان و مرتبہ میں

بہت بلند ہیں ﴿مَطْفَرَةٌ﴾ فرشتوں کے ماسوا چھونے سے پاک ہیں یا کلام الہی کے ماسوا سے پاک ہیں ﴿بِأَيِّ سَفَرَةٍ﴾ لکھنے والے ہاتھوں سے یعنی یہ صحیفے ان فرشتوں کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے ہیں جو اپنے ہاتھوں سے کتابوں کو لوح محفوظ سے لکھتے ہیں [”سَفَرَةٌ“، ”كُتِبَتْ“ کے ہم معنی ہے اور ”سافر“ کی جمع ہے] ﴿كِدَامٍ﴾ وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے مکرم و معزز اور بزرگ ہیں یا وہ گناہوں سے پاک ہیں ﴿بَرَدَةٍ﴾ بڑے نیک ہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے پرہیزگار ہیں [یہ ”بَارٌ“ کی جمع ہے]۔

قَتَلَ الْإِنْسَانَ مَا أَكْفَرَ أَ ۗ مِنْ أَبِي شَيْءٍ ۖ خَلَقَهُ ۗ ۱۸ ۗ مِنْ نُّطْفَةٍ ۖ خَلَقَهُ ۗ

فَقَدَّارَةً ۗ ۱۹ ۗ ثُمَّ السَّبِيلَ يَسْرَةً ۗ ۲۰ ۗ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ۗ ۲۱ ۗ ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنشَرَهُ ۗ ۲۲ ۗ

كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ ۗ ۲۳ ۗ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِ ۗ ۲۴ ۗ أَتَا صَبَبْنَا الْمَاءَ

صَبًّا ۗ ۲۵ ۗ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ۗ ۲۶ ۗ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ۗ ۲۷ ۗ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ۗ ۲۸ ۗ

وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ۗ ۲۹ ۗ وَحَدَائِقَ غُلَبًا ۗ ۳۰ ۗ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ۗ ۳۱ ۗ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ۗ ۳۲ ۗ

انسان ہلاک کیا جائے وہ کیسا ناشکرا ہے ۰ (اللہ تعالیٰ نے) اسے کس چیز سے پیدا کیا ۰ اسے پانی کی بوند سے پیدا کیا پھر اسے مناسب اندازوں پر رکھا ۰ پھر اس کے لیے راستہ آسان کر دیا ۰ پھر اس کو موت دے دی اور اس کو قبر میں رکھوایا ۰ پھر جب چاہے گا اس کو زندہ کر کے باہر نکالے گا ۰ ہرگز نہیں! اس نے وہ حکم پورا نہیں کیا جو اس کو اللہ تعالیٰ نے دیا ۰ سو انسان کو چاہیے وہ اپنے کھانے کو غور سے دیکھے ۰ بے شک ہم نے اوپر سے خوب پانی برسایا جیسا کہ یہاں کا حق ہے ۰ پھر ہم نے زمین کو چیر کر پھاڑا ۰ سو ہم نے اس میں سے دانے اُگائے ۰ اور انگور اور سبزہ ۰ اور زیتون اور کھجوریں ۰ اور گھنے باغات ۰ اور میوے اور چارہ ۰ تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے فائدے کے لیے ۰

انسان کی ناشکری و تخلیق اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کا بیان

۱۷- ﴿قَتَلَ الْإِنْسَانَ﴾ انسان ہلاک کیا جائے (یعنی) کافر انسان پر لعنت و پھٹکار کی جائے یا امیہ بن خلف پر لعنت کی جائے یا عتبہ بن ابی لہب پر لعنت کی جائے ﴿مَا أَكْفَرَ أَ﴾ وہ کس قدر ناشکرا ہے [استفہام کا حرف ”مَا“ زجر و توبیح کرنے اور ڈانٹنے کے لیے ہے] یعنی وہ کون سی چیز ہے جس نے اسے کفر اختیار کرنے پر برا بیچنے کیا [یا یہ تعجب کے لیے ہے] یعنی اس کا کفر کس قدر شدید و سخت ترین ہے۔

۱۸، ۱۹- ﴿مِنْ أَبِي شَيْءٍ﴾ اسے کس چیز سے پیدا فرمایا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے اسے کیسی حقیر چیز سے پیدا فرمایا [اور یہ استفہام ہے اور اس کا معنی تقریر ہے] (یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ نے اسے حقیر چیز سے پیدا فرمایا) پھر اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو وضاحت سے بیان فرمایا چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿مِنْ نُّطْفَةٍ﴾ اللہ تعالیٰ نے اسے حقیر و ناپاک پانی کی ایک بوند سے پیدا فرمایا ﴿فَقَدَّارَةً﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تخلیق کو جیسا چاہا مختلف اندازوں پر بنایا (گورا، کالا، سانولا، دراز قد، کوتاہ قد، حسین و جمیل اور قبیح و بد صورت، مناسب و مناسب و مساوی یا غیر مناسب اعضاء بنائے)۔

۲۰۔ ﴿تَوَسَّلَ السَّبِيلَ يَسْرَةً﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے راستہ آسان کر دیا یعنی پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اپنی ماں کے پیٹ سے نکلنے کا راستہ آسان کر دیا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے خیر و شریکی اور بدی کے راستے کو واضح کر کے بیان فرمادیا [”السَّبِيلُ“ مضمون مخفی فعل ”يَسْرَةً“ کی وجہ سے منصوب ہے]۔

۲۱۔ ﴿تَوَسَّلَ أُمَّتَهُ فَأَقْبَرَهَا﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے موت دی اور اسے قبر میں رکھوایا (یعنی) اس کو قبر میں دفن کرا کے قبر والا بنایا یہ محض اس کی عزت و کرامت کی خاطر کرایا تا کہ اسے قبر میں دفن کر کے چھپا دیا جائے اسے چوپایوں کی طرح زمین پر بے پردہ نہیں چھوڑ دیا اور ”قَبْرَ الْمَيِّتِ“ کے معنی ہیں: میت کو قبر میں دفن کر دیا اور ”أَقْبَرَهَا“ کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قبر میں دفن کرنے کا حکم دیا اور اس کو دفنانے کی قدرت و توفیق عطا کی۔

۲۲۔ ﴿تَوَسَّلَ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهَا﴾ پھر جب وہ چاہے گا اسے اٹھالے گا (یعنی) جب اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اسے مرنے کے بعد زندہ کر دے گا۔

۲۳۔ ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ کے ذریعے انسان کو کفر اختیار کرنے پر جھڑکا گیا ہے اور کفر سے باز رکھنے کے لیے ڈانٹا گیا ہے ﴿لَمَّا يَفْقُضْ مَا أَمَرَكَ﴾ اللہ تعالیٰ نے اسے جو حکم دیا اس نے اس کو پورا نہیں کیا (یعنی) اس کافر نے اس حکم پر عمل نہیں کیا جو اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے کا اسے حکم دیا۔

۲۴۔ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش سے لے کر اس کی موت تک پہلے ان نعمتوں کو شمار کیا جو انسان کی ذات سے متعلق ہیں تو اب ان کے بعد (درج ذیل آیات میں) ان نعمتوں کا ذکر کیا جن کی طرف انسان زندگی بھر محتاج رہتا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِ﴾ سو انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے کھانے کی طرف غور سے دیکھے جسے وہ کھاتا ہے اور جس کے ساتھ وہ زندہ رہتا ہے کہ ہم نے اس کے کھانے پینے کے کام کی کس طرح تدبیر کی ہے۔

۲۵۔ ﴿أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا﴾ بے شک ہم نے اوپر سے خوب پانی بہایا جیسا کہ اس کے بہانے کا حق ہے یعنی ہم نے بادلوں سے بارش برسائی [کو فیوں کی قراءت میں ”أَنَّا“ کو طعام سے بدل اشتمال ہونے کی بناء پر مفتوح پڑھا جاتا ہے جب کہ دوسرے قراءت میں استیناف کی بناء پر مکسور پڑھا جاتا ہے]۔

۲۶۔ ﴿ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا﴾ پھر ہم نے زمین سے اُگنے والی نباتات کے لیے زمین کو خوب چیر دیا۔

۲۷۔ ﴿فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا﴾ پھر ہم نے اس میں اناج اُگایا جیسے گندم اور جو کے دانے وغیرہ نیز وہ تمام اناج وغلہ جات جن کو بطور غذا استعمال کیا جاتا ہے۔

۲۸۔ ﴿وَعَبْثًا﴾ اور انگوروں کو اُگایا۔ انگوروں کے پھل یعنی طعام اور پھل (کیونکہ انگوروں کو بطور غذا بھی کھایا جاتا ہے اور میوہ کے طور پر لذت حاصل کرنے کے لیے بھی اسے کھایا جاتا ہے) ﴿وَقَضْبًا﴾ اور (ہم نے) تروتازہ گھاس اور چارہ اُگایا [یہ مصدر ہے جسے گھاس وغیرہ کے لیے علم (نام) قرار دیا گیا ہے] یعنی اس کو کاٹنا کیونکہ گھاس اور چارہ کو بار بار کاٹا جاتا ہے (پھر اسے بار بار چبایا جاتا ہے)۔

۲۹، ۳۰۔ ﴿وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا وَحَدَائِقَ غَلْبًا﴾ اور زیتون اور کھجوریں O اور گھنے اور گنجان باغات (ہم نے اُگائے)۔ ”غَلْبًا“ کا معنی ہے: ”غلاظ الاشجار“ یعنی گنجان اور گھنے درختوں کا باغ اس کی جمع ”غلباء“ ہے۔

۳۱، ۳۲۔ ﴿وَفَاكِهَةً وَأَبًّا﴾ اور تمہارے لیے پھل اور تمہارے جانوروں کے لیے چارہ کی چراگاہ اُگائی ﴿مَتَاعًا﴾ لگھوڑوں اور تمہارے چوپایوں کے فائدے کے لیے ہے [”مَتَاعًا“ مصدر ہے اس کا معنی ہے: منفعت]۔

فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاحَّةُ ۝۳۳ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝۳۴ وَأُمِّهِ وَأَبْنَيْهِ ۝۳۵
 وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۝۳۶ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۝۳۷ وَجُودُهُ ۝۳۸
 يَوْمَئِذٍ مُّسْفَرَةٌ ۝۳۹ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝۴۰ وَجُودُهُ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا
 غَبْرَةٌ ۝۴۱ تَرَهَقَهَا قَتْرَةٌ ۝۴۲ أُولَئِكَ هُمُ الْكٰفِرَةُ الْفٰجِرَةُ ۝۴۳

پھر جب کانوں کو بہرا کر دینے والی چیخ دار آواز آئے گی ۝ اس دن ہر آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا ۝ اور اپنی ماں اور اپنے باپ ۝ اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے (بھاگے گا) ۝ اس دن ان میں سے ہر آدمی کے لیے ایسی حالت ہوگی جو اسے (دوسروں سے) بے پرواہ کر دے گی ۝ اس دن کئی چہرے روشن ہوں گے ۝ مسکراتے ہوئے مسرور و خوش ہوں گے ۝ اور اس دن کئی چہرے غبار آلود ہوں گے ۝ ان پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی ۝ یہی لوگ کفار (اور) بدکار ہیں ۝

قیامت کے دن کفار کی ذلت اور نیک مسلمانوں کی عزت کا بیان

۳۳- ﴿فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاحَّةُ﴾ پھر جب قیامت کی چیخ آئے گی کیونکہ یہ کانوں کو توڑ دے گی یعنی قیامت کی چیخ کانوں کو بہرا کر دے گی اور اس کا جواب محذوف ہے اس لیے کہ یہ بالکل واضح اور ظاہر ہے۔
 ۳۴ تا ۳۶- ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝ وَأُمِّهِ وَأَبْنَيْهِ﴾ اس دن ہر آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے بھاگے گا کیونکہ اس آدمی کے درمیان اور ان کے درمیان ایک دوسرے پر حقوق و تاوان ہوں گے یا پھر اس لیے کہ اسے اپنی فکر پڑی ہوگی اور وہ اپنی ذات کی فکر و پریشانی میں مشغول ہوگا ﴿وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ﴾ اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا۔ پہلے بھائی، پھر ماں باپ کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہی حضرات آدمی کے زیادہ قریبی رشتہ دار ہوتے ہیں پھر بیوی اور بیٹوں کا اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ حضرات آدمی کو سب سے زیادہ پیارے ہوتے ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے اپنے بھائی (قابیل) سے ہائیل اور اپنے ماں باپ (چچی امی اور چچا ابو آزر) سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اپنی بیوی سے حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام اور اپنے بیٹے سے حضرت نوح علیہ السلام بھاگیں گے (یعنی بیزار اور دور ہوں گے)۔

۳۷- ﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ﴾ اس دن ان میں سے ہر آدمی کے لیے اپنی ذات کے بارے میں ایسی حالت ہوگی جو اسے دوسروں سے بے پرواہ کر دے گی (یعنی) اسے اپنے بارے میں ایک ایسی ہولناک اور پریشان کن حالت لاحق ہو جائے گی جس کے اہتمام میں وہ پھنسا ہوگا اور وہی اسے کافی ہو جائے گی اور اس کی وجہ سے وہ اپنے علاوہ ہر ایک سے بے نیاز ہوگا اور اپنے آپ میں مشغول ہوگا۔

۳۸، ۳۹- ﴿وَجُودُهُ يَوْمَئِذٍ مُّسْفَرَةٌ﴾ اس دن بہت سے چہرے روشن و چمک دار ہوں گے رات بھر عبادت کی وجہ سے یا وضو کے آثار سے ﴿ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ﴾ مسکراتے ہوئے خوش و خرم ہوں گے یعنی یہ روشن چہرے والے حضرات مسکراتے ہوں گے اور مسرور و شادمان اور خوش ہوں گے اور یہ مؤمن حضرات ہوں گے۔

۴۰، ۴۱- ﴿وَجُودُهُ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبْرَةٌ﴾ اور کئی چہرے اس دن ایسے ہوں گے جن پر گرد و غبار پڑی ہوگی

﴿تَرْهَقُهُمْ ذُكْرًا﴾ ان کے چہروں پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی غبار پر سیاہی غالب ہوگی دھوئیں کی طرح اور چہرے میں اس جیسی سیاہی اور گرد و غبار کے اجتماع کی وجہ سے کوئی اور قبیح ترین چہرہ نہ دیکھا جائے گا۔

۴۲۔ ﴿أُولَئِكَ هُمُ الْكَفَرَاءُ الْفَجْرَاءُ﴾ یہی لوگ کافر و فاجر ہیں (یعنی) اس بدترین و قبیح ترین حال والے یہی لوگ ہیں جو حقوق اللہ میں کافر ہیں اور حقوق العباد میں فاسق و فاجر اور بدکار و نافرمان ہیں یا یہ کہ جب انہوں نے فسق و فجور کفر و شرک کے ساتھ جمع کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے چہروں کی سیاہی کے ساتھ گرد و غبار کو جمع فرمادیا۔

الذکر الذکر
الذکر الذکر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ التکویر کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی انتیس آیات ایک رکوع ہے

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۱ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ۲ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۳

وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۴ وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ۵ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۶

وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۷ وَإِذَا الْمَوْءِدَةُ سُيِّلَتْ ۸ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۹

وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۱۰ وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ۱۱ وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ۱۲

وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ۱۳ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ۱۴

جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا ۰ اور جب ستارے جھڑ جائیں گے ۰ اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے ۰ اور جب حاملہ اونٹنیاں بے کار چھوڑ دی جائیں گی ۰ اور جب وحشی جانور اکٹھے کیے جائیں گے ۰ اور جب دریا بھڑکا دیئے جائیں گے ۰ اور جب جانوروں کے جوڑے ملائے جائیں گے ۰ اور جب زندہ دفن کی گئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا ۰ وہ کس گناہ میں قتل کی گئی ۰ اور جب اعمال نامے کھول دیئے جائیں گے ۰ اور جب آسمان کھینچ لیا جائے گا ۰ اور جب دوزخ کو بھڑکایا جائے گا ۰ اور جب جنت کو نزدیک کر دیا جائے گا ۰ ہر جان جان لے گی جو کچھ اس نے آگے پیش کیا ۰

قیامت کے دن ہر انسان اپنا اچھا یا بُرا عمل دیکھ لے گا

۱۔ ﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا اور اس کی روشنی زائل ہو جائے گی۔ یہ ”کُوِّرَتْ الْعَمَامَةُ“ سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تم نے اپنے سر پر عمامہ لپیٹ لیا ہو یعنی قیامت کے روز اس کی روشنی کو لپیٹ دیا جائے گا چنانچہ آفاق و اطراف میں اس کا انتشار و پھیلاؤ ختم ہو جائے گا اور اس کی وسعت ختم ہو جائے گی [”الشمس“ فاعل ہونے کی بنا پر مرفوع ہے اور اس کو رفع دینے والا عامل اس سے پہلے فعل مضمون مخفی ہے اس کے بعد والا فعل ”کُوِّرَتْ“ اس کی تفسیر کر رہا ہے اس لیے کہ ”إِذَا“ فعل کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ اس میں شرط کا معنی ہوتا ہے۔]

۲۔ ﴿وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ﴾ اور جب ستارے جھڑ جائیں گے (یعنی) آسمان سے گر پڑیں گے اور بکھر جائیں گے۔

۳- ﴿وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ﴾ اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے، زمین کی سطح سے چلائے جائیں گے اور روئے زمین سے دور کر دیئے جائیں گے یا انہیں فضاء میں اس طرح چلایا جائے گا جس طرح بادلوں کو چلایا جاتا ہے۔

۴- ﴿وَإِذَا الْعِشَاءُ عُطِّلَتْ﴾ اور جب گاہن اونٹنیاں بے کار چھوڑ دی جائیں گی ان کے مالک انہیں چھوڑ دیں گے کیونکہ وہ اپنی فکر میں مشغول ہو جائیں گے، حالانکہ وہ لوگ ان اونٹنیوں کو اس حالت میں گھر میں روک لیا کرتے تھے کیونکہ جب وہ دس ماہ کی حاملہ ہو جاتی تو ان کی اہمیت ان کے مالکوں کے ہاں بڑھ جاتی تھی اور وہ لوگ ان دس ماہ کی حاملہ اونٹنیوں کے علاوہ دوسری اونٹنیوں کو چرنے پھرنے کے لیے جنگل میں اکیلا چھوڑ دیتے تھے [”عِشَاءُ“ جمع ہے ”عِشْرَاءُ“ کی اور یہ وہ اونٹنی ہوتی ہے جس کے حمل کے دس ماہ پورے ہو چکے ہوں پھر اس کو اسی نام سے پکارا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ سال تمام ہونے پر بچے کو جنم دے دے نیز ”عُطِّلَتْ“ کو بغیر شد کے تخفیف کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے یزیدی سے یہی منقول ہے]۔

۵- ﴿وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ﴾ اور جب وحشی جانوروں کو جمع کیا جائے گا (یعنی) وحشی جانوروں کو ہر طرف سے جمع کیا جائے گا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ہر چیز کو قصاص اور بدلہ دلوانے کے لیے جمع کیا جائے گا یہاں تک کہ مکھیوں کو بھی جمع کیا جائے گا پھر جب ان کے درمیان فیصلہ ہو جائے گا تو دوبارہ انہیں مٹی میں لوٹا دیا جائے گا پس ان میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہے گی ماسوا اس کے جس میں انسانوں کو سرور حاصل ہو گا جیسے مور وغیرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ جانوروں کا حشر ان کی موت ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب لوگوں کو اور ان کے مالوں کو قحط سالی ہلاک و برباد کر دے گی تو ان کا حشر وہی قحط سالی ہوگی۔

۶- ﴿وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ﴾ اور جب دریا اور سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے۔ یہ ”سُجِّرَتْ“ سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تنور کو لکڑیوں سے بھردیا جاتا ہے یعنی جب دریا اور سمندر آگ سے بھردیئے جائیں گے اور ایک دوسرے کی طرف جاری کیے جائیں گے یہاں تک کہ روئے زمین کے تمام دریا اور تمام سمندر ایک سمندر میں ہو جائیں گے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ دوزخیوں کو عذاب دینے کے لیے تمام دریا اور سمندر آگ سے بھر دیئے جائیں گے [ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں بغیر شد کے تخفیف کے ساتھ ”سُجِّرَتْ“ پڑھا جاتا ہے]۔

۷- ﴿وَإِذَا النَّفُوسُ زُوِّجَتْ﴾ اور جب جانیں ملائی جائیں گی چنانچہ ہر جان اپنی ہم شکل سے ملائی جائے گی کہ نیک جان کو نیک جان کے ساتھ جنت میں ملایا جائے گا اور بُری جان کو بُری جان کے ساتھ دوزخ میں ملا دیا جائے گا یا یہ معنی ہے کہ روحوں کو اپنے جسموں کے ساتھ ملایا جائے گا یا یہ کہ ہر شخص کو اس کی اپنی کتاب اور اپنے اعمال نامہ کے ساتھ ملایا جائے گا یا یہ کہ مؤمنوں کی جانوں کو حور عین کے ساتھ اور کافروں کی جانوں کو شیطانوں کے ساتھ ملایا جائے گا۔

۸، ۹- اور عرب کے لوگ بھوک و تنگ اور لونڈی بننے کے خوف و ڈر سے اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے اس لیے یہاں فرمایا گیا ہے کہ ﴿وَإِذَا الْمَوْءِدَةُ سُبِّلَتْ﴾ اور جب زندہ دفن کی گئی لڑکی سے نہایت لطف و کرم اور بڑی نرمی کے ساتھ سوال کیا جائے گا تا کہ وہ یہ بتا سکے کہ اسے بغیر کسی جرم و گناہ کے قتل کیا گیا ہے یا تا کہ اپنے قاتل کے بارے میں رہنمائی کر سکے اور یہ لڑکی کے قاتل کے لیے زجر و توبخ اور ڈانٹ ڈپٹ ہے کہ اس سے خطاب پھیر لیا گیا ہے (حالانکہ لڑکی کے قاتل سے خطاب کر کے پوچھا جاتا کہ تو نے بے گناہ لڑکی کو کیوں قتل کیا) جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمَّيَ الْهَيْنَ مِنْ دُونِ اللَّهِ“ (الباقہ: ۱۱۶) ”اور جب اللہ تعالیٰ (بروز قیامت) فرمائے گا: اے عیسیٰ مریم کے بیٹے! کیا آپ نے لوگوں سے کہا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو دو معبود بنا

لو“ (حالانکہ یہ سوال عیسائیوں سے کیا جاتا ہے کہ کیا تم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور ان کی والدہ کو میرے سوا معبود بنا لیا تھا، مگر انہیں خطاب کا اہل نہیں سمجھا گیا) ﴿يَأْتِي ذَنْبٌ قَتَلَتْ﴾ کہ اسے کس گناہ میں قتل کیا گیا، اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مشرکین کے بچوں کو عذاب نہیں دیا جائے گا اور یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ بغیر کسی جرم و گناہ کے کسی کو عذاب نہیں دیا جائے گا [یزید کی قراءت میں تشدید کے ساتھ ”قَتَلَتْ“ (باب تفعیل سے) پڑھا جاتا ہے]۔

۱۰۔ ﴿وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ﴾ اور جب اعمال نامے کے صحیفے اور کتابیں کھولی جائیں گی اور صحیفوں سے اعمال نامے کے رجسٹر مراد ہیں جن کو انسان کی موت کے وقت لپیٹ دیا جاتا ہے پھر انہیں اس وقت کھولا جائے گا جب انسان کا حساب لیا جائے گا اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ صحیفوں کو اعمال نامے والے لوگوں کے درمیان کھولا جائے گا یعنی ان کے درمیان انہیں تقسیم کر دیا جائے گا [نافع مدنی، ابن عامر شامی، امام عاصم کوفی، سہل اور یعقوب کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ ”نُشِرَتْ“ پڑھا جاتا ہے]۔

۱۱۔ ﴿وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ﴾ اور جب آسمان کو کھینچ لیا جائے گا۔ علامہ زجاج نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے کہ آسمان کو اپنی جگہ سے اس طرح اکھیر لیا جائے گا جس طرح چھت کو اکھاڑا جاتا ہے۔

۱۲۔ ﴿وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِرَتْ﴾ اور جب دوزخ کو بھڑکایا جائے گا (یعنی) قیامت کے روز دوزخ کو بہت زیادہ سخت جلایا اور بھڑکایا جائے گا [ابن عامر شامی، نافع مدنی، امام عاصم کوفی کی قراءت میں حماد اور یحییٰ کے علاوہ مبالغہ کے لیے عین کو تشدید کے ساتھ (باب تفعیل سے) ”سُعِرَتْ“ پڑھا جاتا ہے]۔

۱۳۔ ﴿وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ﴾ اور جب جنت کو پرہیزگاروں کے نزدیک کر دیا جائے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَازْلِفَتْ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ“ (ق: ۳۱) ”اور جنت کو پرہیزگاروں کے نزدیک کر دیا جائے گا دور نہیں رکھا جائے گا“ سو یہ بارہ علامات قیامت ہیں جن میں سے چھ علامات دنیا میں رونما ہوں گی اور باقی آخرت میں وقوع پذیر ہوں گی [شروع سورت سے لے کر ”مَا أَحْضَرْتَ“ تک کسی آیت پر مطلق وقف نہیں ہے کیونکہ ”إِذَا الشَّمْسُ“ اور اس پر معطوفات کا جواب ”عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرْتَ“ ہے البتہ سانس ختم ہونے پر ضرورت کے تحت ہر آیت پر وقف جائز ہے]۔

۱۴۔ ﴿عَلِمَتْ نَفْسٌ﴾ ”أَيُّ كُلِّ نَفْسٍ“ یعنی ہر شخص جان لے گا ﴿مَّا أَحْضَرْتَ﴾ جو نیک و بد عمل اس نے

حاضر و پیش کیا۔

فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنُوسِ ۝۱۵ الْجَوَارِ الْكُنُوسِ ۝۱۶ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ۝۱۷ وَالصُّبْحِ

إِذَا تَنَفَّسَ ۝۱۸ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝۱۹ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ

مَكِينٍ ۝۲۰ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ۝۲۱ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِبَجُنُونٍ ۝۲۲ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأَفْقِ

۱۔ جب کہ ابو عمرو و ابن کثیر کی حمزہ کوفی، علی کسائی، یحییٰ، اعمش اور خلف کی قراءت میں شین کو تشدید کے ساتھ (باب تفعیل سے) ”نُشِرَتْ“ پڑھا جاتا ہے۔ (مجموع القراءات القرآنیہ ج ۸ ص ۸۳)

۲۔ ابن کثیر کی ابو عمرو و ابن عامر شامی وغیرہم کی قراءت میں عین کو تخفیف کے ساتھ ”سُعِرَتْ“ پڑھا جاتا ہے۔ (مجموع القراءات القرآنیہ ج ۸ ص ۸۳)

الْمُبِينِ ﴿۲۳﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ﴿۲۴﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَجِيبٍ ﴿۲۵﴾

فَإِنَّ تَذَاهِبُونَ ﴿۲۶﴾ إِنَّ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿۲۷﴾ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ

يَسْتَقِيمَ ﴿۲۸﴾ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۹﴾

سو مجھے قسم ہے واپس پیچھے لوٹنے والے ستاروں کی O چلنے پھرنے والے چھپ جانے والوں کی O اور رات کی جب وہ جانے لگے O اور صبح کی جب وہ روشن ہونے لگے O بے شک یہ (قرآن) ضرور عزت والے رسول کا (لایا ہوا) کلام ہے O بہت بڑی قوت والا ہے مالک عرش کے نزدیک بہت بلند شان والا ہے O وہاں (آسمانوں میں اس کی) اطاعت کی جاتی ہے (نیز وہ) امانت دار ہے O اور تمہارے صاحب مجنون نہیں O اور بے شک انہوں نے اسے روشن کنارے پر دیکھا O اور وہ (نبی) غیب بتانے پر بخیل نہیں ہیں O اور وہ (قرآن) شیطان مردود کا قول نہیں ہے O سو تم کہاں (بہکے) جا رہے ہو O وہ تو نہیں مگر تمام جہانوں کے لیے نصیحت O اس شخص کے لیے جو تم میں سے سیدھا چلنا چاہتا ہے O اور تم نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے جو تمام جہانوں کا مالک ہے O

قسموں سے مؤکد قرآن مجید اور حامل قرآن مجید کی عظمت و شان کا بیان

۱۶، ۱۵- ﴿فَلَا أَقْسِمُ بِالْخُنُوسِ﴾ سو مجھے قسم ہے پیچھے ہٹ جانے والے ستاروں کی! (یعنی) واپس اپنے پہلے مدار میں لوٹنے والے۔ تم دیکھو گے کہ ستارہ آخر برج میں پہنچ کر اسی وقت پھر اپنے پہلے برج کی طرف واپس پیچھے لوٹنے لگتا ہے ﴿الْجَوَادِ﴾ گردش کرنے والے اور چلنے پھرنے والے ستارے ﴿الْكُنُوسِ﴾ چھپ جانے والے۔ یہ ”كُنُوسَ الْوَحْشِ“ سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب ہرن اپنی پناہ گاہ میں داخل ہوتا ہے۔ بعض علماء کرام نے فرمایا کہ یہ گردش کرنے والے پانچ ستارے مراد ہیں جن کے نام یہ ہیں: بہرام (مرخ) زحل، عطارد، زہرہ اور مشتری، یہ سورج اور چاند کے ساتھ چلتے ہیں اور واپس پیچھے لوٹ آتے ہیں یہاں تک کہ سورج کی روشنی میں چھپ جاتے ہیں، سوان کا ”خنوس“ ان کا واپس لوٹنا ہے اور ان کا ”کنوس“ ان کا سورج کی روشنی میں چھپ جانا ہے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس سے تمام ستارے مراد ہیں۔

۱۷- ﴿وَالنَّيْلِ إِذَا عَسَسَ﴾ اور رات کی قسم! جب وہ جانے لگے (یعنی) جب رات اپنی تاریکی کے ساتھ آگے آنے لگے یا پیچھے جانے لگے۔ ”عَسَسَ“ لغت الاضداد میں سے ہے جس کے دو متضاد معنی ہوتے ہیں۔

۱۸- ﴿وَالصَّبْرِ إِذَا تَنَفَّسَ﴾ اور صبح کی قسم جب وہ روشن ہو جائے! (یعنی) جب اس کی روشنی ہر طرف پھیل جائے اور چونکہ جب صبح کی آمد ہوتی ہے تو دلوں کو اس کے اجالے سے راحت و خوشی حاصل ہوتی ہے اس کا نام نفس رکھا گیا ہے اور ان تمام قسموں کا جواب (درج ذیل) آیت مبارکہ ہے۔

۱۹ تا ۲۱- ﴿إِنَّكَ لَقَوْلٌ رَسُولٍ﴾ بے شک یہ (قرآن) ضرور رسول کا کلام ہے یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کا کلام ہے اور قرآن مجید کی نسبت حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ اس قرآن مجید کو لوح محفوظ سے حضرت جبریل علیہ السلام لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوا کرتے تھے ﴿کَرِيْمٍ﴾ حضرت جبریل اپنے

پروردگار کے ہاں بڑے معزز و محترم ہیں ﴿ذِي قُوَّةٍ﴾ بڑی قوت والے ہیں جن احکام کے بجالانے کا انہیں مکلف بنایا جاتا ہے وہ ان کے بجالانے پر پوری قدرت و طاقت رکھتے ہیں نہ ان سے عاجز ہوتے ہیں اور نہ کمزور ہوتے ہیں ﴿عِنْدَا ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ﴾ عرش کے مالک اللہ تعالیٰ کے پاس بڑے مرتبے اور شان والے ہیں اور چونکہ مرتبہ اور شان کا حال مرتبہ اور شان بخشنے والے کے حال کے مطابق ہے اس لیے ”عِنْدَا ذِي الْعَرْشِ“ فرمایا تاکہ حضرت جبریل علیہ السلام کے بلند مرتبے اور بڑی شان کی عظمت و فضیلت کا اظہار ہو جائے ﴿مُطَاعٍ ثَمَّ﴾ وہاں ان کی اطاعت کی جاتی ہے یعنی آسمانوں میں وہاں کے باشندے حضرت جبریل علیہ السلام کی اطاعت و فرماں برداری کرتے ہیں یا عرش کے مالک یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی اطاعت کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے حضرت جبریل علیہ السلام کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کے ہر حکم کو بجالاتے ہیں اور اس کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں اور اسی کی رائے کی طرف رجوع کرتے ہیں ﴿أَمِينٍ﴾ حضرت جبریل وحی الہی پر بڑے امانت دار ہیں کسی قسم کی کمی و بیشی نہیں کرتے۔

۲۲- ﴿وَمَا صَاحِبُكُمْ بِبَجُنُونٍ﴾ اور تمہارے صاحب یعنی حضور سید عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مجنون و دیوانہ نہیں ہیں جیسا کہ کفار گمان کرتے ہیں اور یہ جواب قسم پر معطوف ہے (اس لیے یہ بھی قسم کا جواب ہے)۔

۲۳- ﴿وَلَقَدْ رَاَهُ بِالْأَفْقِ الْمُبِينِ﴾ اور بے شک آپ نے اسے روشن کنارے میں دیکھا یعنی خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں آسمان کے مشرقی کنارے سورج کے طلوع ہونے کی جگہ میں دیکھا ہے۔

۲۴- ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ﴾ اور وہ غیب بتانے پر بخیل نہیں ہیں (یعنی) سید عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ وحی بتانے پر بخیل نہیں ہیں۔ ”ضَنِينٌ“ بہ معنی بخیل ہے اور یہ ”ضَنٌ“ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے: بخل کرنا یعنی حضرت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم وحی الہی کے بتانے میں بخل سے کام نہیں لیتے جیسا کہ کاہن نذرانے اور معاوضے کے لالچ اور شوق میں غیب کے بتانے میں بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ آپ تو وحی اور غیب کی باتیں اسی طرح بے غم بتا دیتے ہیں جس طرح آپ کو سکھایا اور بتایا جاتا ہے اور آپ کو جو کچھ سکھایا جاتا ہے آپ اس میں سے کچھ نہیں چھپاتے [ابن کثیر مکی ابو عمرو اور علی کسائی کی قراءت میں ”بظنین“ پڑھا جاتا ہے] یعنی آپ پر غیب کے بتانے میں تہمت نہیں لگائی گئی کہ آپ وحی الہی میں سے کچھ کم کرتے ہیں یا اس میں اضافہ کرتے ہیں یہ ”ظَنَّةٌ“ سے بنا ہے اور اس کا معنی ہے: تہمت اور الزام لگانا۔

۲۵- ﴿وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَجِيزٍ﴾ اور وہ (یعنی) قرآن مجید شیطان مردود کا کلام نہیں ہے۔ ”رجیم“ کا معنی ہے: پھینکا ہوا رڈ کیا ہوا اور مردود اور یہ (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے: ”وَمَا تَنْزَلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ“ (الشعراء: ۲۱۰) ”اور اس کو شیطان لے کر نہیں اترتے“ یعنی یہ قرآن چوری چھپے سن کر اپنے کاہن دوستوں کی طرف القاء کرنے والا شیطانوں کا کلام نہیں ہے۔

۲۶- ﴿فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ﴾ سو تم کہاں جا رہے ہو؟ اس آیت مبارکہ میں کفار مکہ کی گمراہی کا بیان ہے کہ تم برحق کتاب قرآن مجید کو چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو جیسا کہ سیدھے راستے کو ترک کرنے اور بڑے اور واضح راستے کی بجائے تنگ اور چھوٹے راستوں پر چلنے والے شخص کو اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ چنانچہ ان لوگوں کے حال کو حق کے ترک کرنے اور اس سے روگردانی کر کے باطل کی راہ پر چلنے کی وجہ سے ایسے شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور علامہ زجاج نے کہا کہ اس ارشاد باری تعالیٰ کا معنی یہ ہے کہ جو راستہ میں نے تمہارے لیے بیان کیا ہے اس سے

زیادہ واضح راستہ کون سا ہے جس پر تم چل رہے ہو؟ اور حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم ہم سے بھاگ کر کہاں جاؤ گے اور کوئی ایسی چیز نہیں مگر وہ ہمارے پاس ہے (یعنی ہر چیز ہمارے پاس ہے)۔

۲۷، ۲۸- ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ﴾ وہ تو نہیں مگر تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے (یعنی) قرآن مجید تمام مخلوق کے لیے نصیحت ہے ﴿لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ﴾ ہر اس شخص کے لیے جو تم میں سے سیدھے راستے پر چلنا چاہتا ہے یعنی قرآن مجید ہر اس شخص کے لیے نصیحت ہے جو استقامت چاہتا ہے، مطلب یہ ہے کہ بے شک جو لوگ اسلام میں داخل ہو کر استقامت چاہتے ہیں وہی اس نصیحت (قرآن) سے فائدہ حاصل کریں گے تو گویا ان کے علاوہ اس سے کوئی نصیحت حاصل نہیں کر سکتا اگرچہ انہیں نصیحت کی جائے [”لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ“، ”الْعَالَمِينَ“ سے بدل ہے]۔

۲۹- ﴿وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ تَبَّ الْعَالَمِينَ﴾ اور تم استقامت کامل نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے (یعنی) وہ تمام مخلوق کا مالک ہے۔

الانفطار

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة الانفطار

سورة الانفطار کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی انیس آیات ایک رکوع ہے

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ ۝ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝ وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝ وَإِذَا الْقُبُورُ بُعِثَتْ ۝ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ ۝ يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّبَكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۝ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ۝ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ۝ كَلَّا بَلْ تُكذِّبُونَ بِالذِّينِ ۝ وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِينَ ۝ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝

جب آسمان پھٹ جائے گا ۰ اور جب ستارے جھڑ جائیں گے ۰ اور جب سمندر بہا دیئے جائیں گے ۰ اور جب قبروں کو زیر و زبر کر کے مردوں کو نکالا جائے گا ۰ تو ہر جان جان لے گی جو کچھ اس نے آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا ۰ اے انسان! تجھے تیرے مہربان پروردگار کے بارے میں کس نے دھوکا دیا ۰ جس نے تجھے پیدا کیا پھر اس نے تجھے درست کیا اور تجھے مناسب بنایا ۰ جس صورت میں اس نے چاہا تجھے ترکیب دیا ۰ ہرگز نہیں! بلکہ تم جزاء و سزا کو جھٹلاتے ہو ۰ اور بے شک تم پر محافظ مقرر ہیں ۰ معزز لکھنے والے ۰ وہ جانتے ہیں تم جو کچھ کرتے ہو ۰ بے شک نیک لوگ ضرور (جنت کی) نعمتوں میں ہوں گے ۰

قیامت کی علامات اور انسان کی ناشکری نیز نیک و بد کے انجام کا بیان

۱ تا ۵- ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ﴾ جب آسمان کھل جائے گا (یعنی) پھٹ جائے گا۔ ”انْفَطَرَتْ“ بمعنی ”انْشَقَّتْ“ ہے ﴿وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ﴾ اور جب ستارے جھڑ جائیں گے (یعنی) گر پڑیں گے ﴿وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ﴾ اور جب دریا اور سمندر بہا دیئے جائیں گے اور ایک دوسرے کی طرف کھول دیئے جائیں گے اور تمام سمندر ایک سمندر ہو جائیں گے

﴿وَإِذَا الْقُبُورُ بُعِثَتْ﴾ اور جب قبروں کو الٹ پلٹ کیا جائے گا (یعنی) جب قبروں کو کریدا اور شق کیا جائے گا اور ان کے اندر سے مردوں کو نکالا جائے گا اور ”اِذَا“ کا جواب (درج ذیل آیت مبارکہ ہے): ﴿عَلِمَتْ نَفْسٌ﴾ جان کو معلوم ہو جائے گا یعنی ہر نیک و بد جان جان لے گی ﴿مَّا قَدَّمَتْ﴾ عبادت میں سے جو کچھ آگے بھیجا ﴿وَأَخَّرَتْ﴾ اور جو کچھ چھوڑ دیا اور عمل نہ کیا یا یہ معنی ہے کہ اس نے صدقات و خیرات میں سے جو کچھ آگے بھیجا اور میراث میں سے جو کچھ پیچھے چھوڑا۔

۷۶- ﴿يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ﴾ اے انسان! بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہ خطاب حشر و نشر اور قیامت کے منکرین کے لیے ہے یعنی اے قیامت کے منکر! ﴿مَا عَزَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ الَّذِي خَلَقَكَ﴾ تیرے کرم فرمانے والے پروردگار کے متعلق تجھے کس چیز نے فریب دھوکا دیا یعنی کس چیز نے تجھے دھوکا دیا ہے یہاں تک کہ تم نے اپنے کریم و رحیم پروردگار کے ان تمام احکام و فرائض کو ضائع کر دیا جن کی ادائیگی تجھ پر واجب و لازم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تجھے پیدا کر کے اور تمام اعضاء ہموار و برابر بنا کر اور معتدل و مناسب انسان بنا کر تجھ پر بہت بڑے احسانات فرمادیئے ہیں: (۱) حضور نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ جب آپ اس آیت مبارکہ کی تلاوت کرتے تو ارشاد فرماتے کہ انسان کو اس کی جہالت نے دھوکا میں ڈال دیا ہے (۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انسان کو اس کی نادانی اور حماقت نے دھوکا میں ڈال دیا ہے (۳) اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ انسان کو اس کے شیطان نے دھوکے میں ڈال دیا ہے (۴) اور حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اگر مجھے یہ خطاب کیا گیا تو میں عرض کروں گا کہ اے میرے کریم پروردگار! مجھے تیرے فضل و کرم کے لٹکے ہوئے پردوں نے مغرور کر دیا (۵) اور حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ مجھ سے میرے رب تعالیٰ نے یہ فرمایا تو میں عرض کروں گا کہ اے میرے کریم و رحیم خدا! مجھ پر تیرے گزشتہ اور موجودہ احسانات نے مجھے فریب میں ڈال دیا ﴿فَسَوِّدَكَ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے تجھے ٹھیک ٹھاک بنایا اور تجھے تخلیق میں مساوی و برابر اور سالم اعضاء والا بنایا ﴿فَعَدَّلَكَ﴾ سو اس نے تجھے ہموار بنایا اور پیدائش میں تجھے مناسب و معتدل بنایا اس میں کسی قسم کا تفاوت و فرق نہیں رکھا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نہ تو دونوں ہاتھوں میں سے کسی ایک کو زیادہ طویل و لمبا بنایا اور نہ دونوں آنکھوں میں سے کسی ایک آنکھ کو زیادہ بڑا اور زیادہ کشادہ بنایا اور نہ بعض اعضاء کو بہت سفید اور بعض کو بہت کالا سیاہ بنایا (بلکہ سب میں توازن قائم رکھا) یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے تخلیق میں مناسب و موزوں اور معتدل بنایا کہ تم کھڑے ہو کر سیدھے چلتے ہو چو پاپیوں کی طرح مخنی نہیں بنایا [کوئی قراء کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ ”عَدَلٌ“ پڑھا گیا ہے] اور یہ بھی مشدد کے معنی میں ہے یعنی اے انسان! اللہ تعالیٰ نے تیرے بعض اعضاء کو بعض کے ساتھ یکساں اور مساوی بنایا یہاں تک کہ تو معتدل انسان بن گیا اور خلقت میں مناسب و معتدل اور موزوں آدمی بن گیا۔

۸- ﴿فِي آيَةِ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ﴾ جس صورت میں اللہ تعالیٰ نے چاہا تمہیں بنا دیا۔ لفظ ”مَا“ تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا ہے یعنی خوب صورتی و بد صورتی اور لمبا اور چھوٹا قد ہونے کے اعتبار سے مختلف صورتوں میں سے جس صورت میں اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ نے تقاضا کیا اسی صورت میں تمہیں بنا دیا [اس جملہ کا اس کے مقابل پر عطف نہیں کیا گیا کیونکہ یہ جملہ ”عَدَّلَكَ“ کے لیے بیان ہے اور حرف جار ”رَكَّبَكَ“ کے متعلق ہے اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بعض صورتوں میں بنایا اور اس میں ثابت و متمکن فرمایا یا پھر یہ حرف جار محذوف کے متعلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تجھے اس حال میں بنایا کہ ان

۱۔ جب کہ ابو عمر و ابن عامر شامی، ابن کثیر کی نافع مدنی اور جعفر و غیر ہم کی قراءت میں دال کو مشدد (باب تفعیل سے) ”فَعَدَّلَكَ“ پڑھا گیا

ہے۔ (مجموع القراءات القرآنیہ ج ۸ ص ۸۹)

مختلف صورتوں میں سے بعض صورتیں تجھے حاصل ہو گئیں۔]

۹- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ تہدید کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے غفلت برتنے پر جھڑکا اور ڈانٹا گیا ہے ﴿بَلْ تَكَذِّبُونَ بِالذِّينِ﴾ بلکہ تم اصل میں انصاف کو جھٹلاتے ہو اور وہ ہے اعمال پر جزاء دینا یا تم دین اسلام کو جھٹلاتے ہو سو تم نہ ثواب کی تصدیق کرتے ہو اور نہ عذاب کی۔

۱۰ تا ۱۲- ﴿وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ﴾ اور بے شک فرشتوں میں سے بعض فرشتے تمہارے اعمال اور اقوال کی حفاظت پر محافظ و نگہبان مقرر ہیں ﴿كِرَامًا كَاتِبِينَ﴾ معزز لکھنے والے یعنی بے شک تم تو جزاء کو جھٹلاتے ہو حالانکہ لکھنے والے فرشتے تم پر تمہارے اعمال کو لکھ رہے ہیں تاکہ تمہیں تمہارے اعمال پر جزاء عطا کی جائے ﴿يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ﴾ وہ خوب جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو اور تمہارے اعمال میں سے کوئی چیز ان سے مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے اور لکھنے والے فرشتوں کی تعریف و توصیف میں ان کی عظمت کے ساتھ اعمال پر ملنے والے معاوضے کی عظمت کا اظہار بھی ہے اور یہ کہ بے شک اعمال پر ملنے والا معاوضہ اور جزاء اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا اور اہم ترین امور میں سے ہے اور اس میں مجرموں کے لیے ڈھکی اور ڈراوا ہے اور پرہیزگاروں کے لیے لطف و کرم ہے اور حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ جب اس آیت مبارکہ کی تلاوت کرتے تو فرمایا کرتے کہ ”غافلین“ کے لیے اس آیت سے بڑھ کر کوئی اتنی سخت نہیں جتنی یہ آیت مبارکہ سخت ہے۔

۱۳- ﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نِعِيمٍ﴾ بے شک نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے (یعنی) اور بے شک مؤمنین ضرور جنت کی نعمتوں میں چین سے رہیں گے۔

وَإِنَّ الْفَجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ﴿۱۳﴾ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿۱۵﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ﴿۱۷﴾
وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿۱۸﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ
نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ يَوْمَ لِلَّهِ ﴿۱۹﴾

اور بے شک بدکار لوگ دوزخ میں ہوں گے ○ وہ اس میں قیامت کے دن داخل ہوں گے ○ اور وہ اس سے کبھی غائب نہیں ہو سکیں گے ○ اور کیا تمہیں معلوم ہے کہ روز جزاء کیا ہے ○ پھر کیا تمہیں معلوم ہے کہ روز جزاء کیا ہے ○ جس دن کوئی شخص کسی شخص کے لیے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھے گا اور اس دن حکم اللہ تعالیٰ کا ہوگا ○

۱۴ تا ۱۶- ﴿وَإِنَّ الْفَجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ﴾ اور بے شک بدکار لوگ دوزخ میں ہوں گے (یعنی) اور بے شک کفار دوزخ کی آگ میں جلتے رہیں گے ﴿يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ﴾ وہ اس میں جزاء اور معاوضہ کے دن داخل ہوں گے ﴿وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ﴾ اور وہ لوگ اس سے غائب نہیں ہوں گے یعنی ان کو اس دوزخ میں سے نکالا نہیں جائے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَمَا هُمْ بِغَائِبِينَ مِنْهَا“ (المائدہ: ۷۳) ”اور وہ لوگ اس میں سے باہر نہیں نکالے جائیں گے“۔

۱۷ تا ۱۹- پھر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی شان و مرتبہ کی عظمت و اہمیت بیان کی اور فرمایا: ﴿وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ﴾ ○ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿۱۸﴾ اور (اے انسان!) کیا تم جانتے ہو کہ روز جزاء کیا ہے ○ پھر کیا تم جانتے ہو کہ روز جزاء کیا ہے ○ سو اللہ تعالیٰ نے تاکید اور قیامت کی ہولناکی و سختی کے اظہار کے لیے مکرر فرمایا اور اپنے (درج ذیل) ارشاد

میں روز جزاء کی وضاحت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا﴾ اس روز کوئی جان کسی جان کا کچھ اختیار نہیں رکھے گی یعنی کوئی جان کسی جان کا دفاع نہیں کر سکے گی اور نہ کسی کو کوئی نفع پہنچا سکے گی اور بے شک وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے شفاعت کر سکے گی [ابن کثیر کی اور ابو عمر و بصری کی قراءت میں "يَوْمَ" مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع پڑھا جاتا ہے "أَيُّ هُوَ يَوْمٌ" یا یہ "يوم الدين" سے بدل واقع ہو رہا ہے اور جن کی قراءت میں منصوب ہے وہ "أَذْكُرُ" مخفی و مضمک کی وجہ سے یا "يَذْكُرُونَ" مضمک کی وجہ سے ہے کیونکہ لفظ "دين" اس پر رہنمائی کرتا ہے] ﴿وَالْآخِرُ يَوْمِيذٍ يُذَكَّرُ﴾ اور اس دن حکم اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگا یعنی اس دن حکم صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگا اور اس دن صرف وہی فیصلہ کرے گا اس کے علاوہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکے گا۔

﴿يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ المطففين

سورۃ المطففين کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی چھتیس آیات ایک رکوع ہے

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝۱ الَّذِينَ إِذَا أَكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝۲ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝۳ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ ۝۴ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۝۵ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝۶ كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَارِ لَفِي سِجِّينٍ ۝۷ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سِجِّينٌ ۝۸ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ ۝۹ وَيَلَّيْ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ۝۱۰ الَّذِينَ يُكْذِبُونَ بِبُيُوتِ الدِّينِ ۝۱۱

کم تولنے والوں کے لیے ہلاکت ہے ۰ وہ جب لوگوں سے ماپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں ۰ اور جب وہ لوگوں کو ماپ کر دیتے ہیں یا ان کو وزن کر کے دیتے ہیں تو کم کر کے دیتے ہیں ۰ کیا وہ گمان نہیں کرتے کہ بے شک انہیں مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھایا جائے گا ۰ ایک بہت بڑے دن کے لیے ۰ جس دن تمام لوگ سارے جہانوں کے مالک و پروردگار کے حضور کھڑے ہوں گے ۰ کیوں نہیں! بے شک بدکاروں (یعنی کافروں) کا اعمال نامہ ضرور سجین میں ہے ۰ اور تمہیں کیا معلوم کہ سجین کیا چیز ہے؟ ۰ وہ جلی حروف سے لکھی ہوئی مہر شدہ ایک کتاب ہے ۰ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے ۰ جو روز جزاء کو جھٹلاتے ہیں ۰

ناپ تول کرنے اور قیامت کو جھٹلانے والوں کی مذمت اور برے انجام کا بیان

نوٹ: سورۃ المطففين میں اختلاف ہے کہ یہ کیسی ہے یا مدنی ہے۔

۱۔ ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ﴾ ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے (یعنی ان لوگوں کے لیے ہلاکت ہے جو ناپ تول میں دوسرے لوگوں کے حقوق کو گھٹا دیتے ہیں) [”وَيْلٌ“ مبتدا ہے ”لِّلْمُطَفِّفِينَ“ اس کی خبر ہے]۔
۲۔ ﴿الَّذِينَ إِذَا أَكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ﴾ وہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں یعنی جب وہ

لوگوں سے خریداری کرتے وقت کوئی چیز لیتے ہیں تو اپنے حقوق مکمل اور پورے لے لیتے ہیں اور چونکہ جب یہ لوگوں سے ناپ تول کرتے ہیں تو انہیں نقصان پہنچاتے ہیں اور وہ اس معاملہ میں ان پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں اس لیے ”عَلَى النَّاسِ“ میں ”مِنْ“ کی بجائے ”عَلَى“ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ یہ ضرر کے معنی پر دلالت کرتا ہے [اور یہ بھی جائز ہے کہ ”عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ“ کے متعلق ہو اور مفعول کو فعل پر مقدم کیا گیا ہو تاکہ اختصاص کا افادہ حاصل ہو] یعنی وہ صرف چیزیں لیتے وقت لوگوں سے پوری لیتے ہیں (لیکن دیتے وقت پوری نہیں کم کر کے دیتے ہیں) [اور فرما نے کہا کہ حرف ”مِنْ“ اور ”عَلَى“ اس جگہ ایک دوسرے کے پیچھے استعمال ہوتے ہیں] چنانچہ جب کوئی شخص کہتا ہے: ”اِكْتَلْتُ عَلَيْكَ“ تو گویا وہ کہتا ہے: ”اَخَذْتُ مَا عَلَيْكَ“ جو تیرے ذمہ بنتا ہے وہ میں نے لے لیا ہے اور جب وہ کہتا ہے: ”اِكْتَلْتُ مِنْكَ“ تو گویا وہ کہتا ہے: ”اِسْتَوْفَيْتُ مِنْكَ“ میں نے تجھ سے اپنا حق پورا لے لیا ہے ﴿وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوَّوْنَا نُوهُهُمْ﴾ اور جب وہ ماپ کر یا تول کر دیتے ہیں (تو کم کر کے دیتے ہیں) [اور اس میں ضمیر منصوب ”هُمْ“، ”النَّاسِ“ کی طرف لوثی ہے اصل میں ”كَالُوا لَهُمْ أَوْ وَزَنُوا لَهُمْ“ ہے پھر حرف جار کو حذف کر دیا گیا ہے اور فعل کو اپنے معمول تک براہ راست پہنچا دیا گیا ہے] اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ وہ لوگ ان چیزوں کو صرف ناپ کے آلات سے لیتے تھے جن کو ناپ کر بھی اور تول کر بھی لین دین میں دیا جاتا تھا تاکہ یہ لوگ ناپ کر کے لیتے وقت اپنا حق پورا پورا لینے کے ساتھ ساتھ چرا بھی لیں کیونکہ وہ ماپنے کے آلہ کو حرکت دیتے اور بھرتے وقت اسے ہلایا کرتے اور اناج وغیرہ بھرنے میں حیلہ سازی سے کام لیتے تھے اور جب وہ لوگوں کو دیتے تو ماپ کر دیتے یا تول کر دیتے تاکہ دونوں صورتوں میں نقصان سے محفوظ رہیں ﴿يُخْسِرُونَ﴾ وہ گھٹا کر دیتے اور کم کر کے دیتے تھے کہا جاتا ہے: ”خَسِرَ الْمِيزَانَ وَأَخْسَرَهُ“ اس نے ترازو کو کم کیا اور اسے گھٹایا۔

۶ تا ۴ - ﴿الْأَيْظُنُّ أَوْلِيكَ أَتَهُم مَّبْعُوثُونَ﴾ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿﴾ کیا وہ یہ گمان نہیں کرتے کہ بے شک انہیں ایک بڑے دن کے لیے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا یعنی قیامت کے دن کے لیے [ہمزہ استفہام کا ”لا“ نافیہ پر محض لوگوں کو دھمکانے اور ڈرانے کے لیے داخل کیا گیا ہے اور یہ ”الَّا“ تنبیہ کے لیے نہیں ہے] اور دراصل اس میں ناپ تول میں کمی کرنے کی جرأت پر ان لوگوں کے حال پر بہت بڑے تعجب اور انکار کا اظہار کیا گیا ہے کہ یہ بڑی عجیب و غریب حرکت نہیں کرنی چاہیے (کیونکہ اس سے اعتماد اور عزت وقار ختم ہو جاتا ہے) گویا وہ اپنے دلوں میں اس حرکت سے نہیں ڈرتے اور نہ وہ اپنی عقل سے کام لے کر یہ گمان کرتے ہیں کہ انہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور ایک ایک ذرے کا ان سے حساب لیا جائے گا اور اگر وہ یہ گمان کر لیتے کہ انہیں مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھایا جائے گا تو وہ ناپ تول میں کمی نہ کرتے۔

روایت: اور عبد الملک بن مروان کے بارے میں منقول ہے کہ ایک اعرابی نے اس سے کہا: بے شک تم نے وہ کلام سن لیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے بارے میں فرمایا ہے تو اب تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے کہ تم مسلمانوں کے مال بغیر ناپ تول کے لے لیتے ہو۔ اس سے اعرابی کا مقصد عبد الملک بن مروان کو ڈرانا اور خوف خدا دلانا تھا کیونکہ ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے سخت ترین عذاب کی وعید ہے (تو جو مسلمانوں کا سارا مال ناحق لے گا اسے کس قدر عذاب ہوگا) ﴿يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ جس دن تمام لوگ سارے جہانوں کے مالک کے حضور اس کے حکم پر جزاء و سزا کے لیے کھڑے ہوں گے اور حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے اس سورت کو پڑھا جب اس آیت مبارکہ پر پہنچے تو اسے پڑھ کر بہت روئے اور اس قدر زیادہ روئے کہ

اس کے بعد آگے پڑھنے سے عاجز آگئے اور پڑھ نہ سکے اور رک گئے [”یَوْمَ“ کا نصب ”مبعوثون“ کی وجہ سے ہے]۔
 ۹۷- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! کیوں نہیں! اس کلمہ کے ذریعہ ڈرایا دھمکایا اور متنبہ و خبردار کیا گیا ہے یعنی ان لوگوں کو
 مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے اور حساب و کتاب سے غفلت برتنے پر اور ناپ تول میں کمی کرنے پر ڈرایا اور دھمکایا گیا
 ہے اور انہیں اس پر تنبیہ کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کیا ہے کہ ان پر واجب و لازم ہے کہ وہ اس گناہ و گناہ سے
 توبہ کریں اور اس پر نادم و پشیمان ہوں پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے فوراً بعد عمومی طور پر فاجروں، فاسقوں اور نافرمانوں کے لیے
 اپنی وعید و ڈراوے کا ذکر کیا چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَنَفِيٍّ سَجِّينٍ﴾ بے شک بدکاروں کے اعمال کے صحیفے
 ضرور سجين میں ہیں ﴿وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَجِّينٌ ۚ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ﴾ اور تمہیں کیا معلوم کہ سجين کیا چیز ہے O وہ ایک خوش
 خط مہر شدہ کتاب ہے پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فجار و بدکاروں کی کتاب کے بارے میں خبر دی ہے کہ وہ
 سجين میں ہے اور سجين کی تفسیر اور وضاحت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وہ کتاب مرقوم ہے تو گویا فرمایا گیا ہے کہ فجار کی کتاب
 مرقوم کتاب میں ہے سو اس کا کیا معنی ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سجين ایک جامع کتاب ہے وہ برائی کا بہت بڑا رجسٹر ہے
 جس میں اللہ تعالیٰ نے شیطانوں اور انسانوں اور جنوں میں سے کافروں کے اعمال درج کر دیئے ہیں اور یہ ایک مہر شدہ لکھی
 ہوئی کتاب ہے جس کی کتابت خوب واضح اور خوش خط کی گئی ہے یا وہ ایک ایسی علامت والی کتاب ہے کہ اسے جو شخص دیکھتا
 ہے وہ جان لیتا ہے کہ اس میں کوئی خیر و بھلائی نہیں ہے۔ یہ ”رَقْمُ الشَّيَابِ“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: کپڑوں کی
 علامت و نشانی اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک فجار و بدکاروں کے اعمال میں سے جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس دیوان اور رجسٹر
 میں موجود و ثابت ہے اور اس کا سجين نام رکھا گیا ہے اور سجين فعل کے وزن پر ”سَجِّنٌ“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے:
 محبوس رکھنا اور قید میں روکے رکھنا اور تنگی و سختی کرنا کیونکہ یہ کتاب فجار کے لیے دوزخ میں سختی و تنگی اور قید کا سبب بنے گی یا اس
 لیے کہ اسے ساتوں زمینوں کے نیچے ایک ایسے مکان میں پھینکا جائے گا جو ڈراؤنا اور سیاہ تاریک ہوگا اور یہ ابلیس اور اس کی
 اولاد کا مسکن و ٹھکانا ہے [اور یہ اسم علم ہے جو وصف سے منقول ہے جیسے حاتم ہے اور یہ منصرف ہے کیونکہ اس میں صرف ایک
 سبب ہے اور وہ فقط علمیت ہے]۔

۱۰-۱۱ ﴿وَبِئْسَ يَوْمِئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہوگی جس دن ان کا اعمال نامہ
 نکال کر انہیں دیا جائے گا ﴿الَّذِينَ يَكْتُمُونَ بَيِّنَاتٍ مِنَ الْبَيِّنَاتِ﴾ جو بدلے کے دن کو جھٹلاتے ہیں (یعنی) جزاء اور حساب
 کے دن کو جھٹلاتے ہیں۔

وَمَا يَكْذِبُ بِهِ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ أَتِيهِ ۙ إِذْ اتُّتِلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ
 الْأَوَّلِينَ ۙ ﴿۱۳﴾ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۱۴﴾ كَلَّا
 إِنَّهُمْ عَنْ تَأْيِيدِ يَوْمِيذِهِمْ لَجَبُونَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُو الْجَحِيمِ ﴿۱۶﴾
 ثُمَّ يُقَالُ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿۱۷﴾

اور اسے نہیں جھٹلاتا مگر ہر سرکش و گناہ گار شخص O جب اس پر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ کہہ دیتا ہے کہ یہ

پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں O ہرگز نہیں! بلکہ ان کے دلوں پر ان کے بُرے کاموں نے زنگ چڑھا دیا ہے جن کو وہ کمایا کرتے تھے O یقیناً بلاشبہ وہ لوگ اس دن اپنے پروردگار (کے دیدار) سے محروم رہیں گے O پھر بے شک وہ دوزخ میں ضرور داخل ہوں گے O پھر (انہیں) کہا جائے گا: یہ ہے وہ (عذاب) جسے تم جھٹلاتے تھے O

۱۲، ۱۳- ﴿وَمَا يَكْتُمُ بِهَا إِلَّا كَلِمٌ مُّعْتَدٍ﴾ اور اس دن کو نہیں جھٹلاتا مگر ہر سرکش اور حد سے بڑھنے والا ﴿أَتَيْهِ﴾ گناہ گار (یعنی) گناہ کمانے والا ﴿إِذَا تَتَلَّىٰ عَلَيْهِ آيَاتِنَا﴾ جب اس پر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں یعنی جب اس کے سامنے قرآن مجید پڑھا جاتا ہے ﴿قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾ وہ کہہ دیتا ہے کہ یہ انگوں کی کہانیاں ہیں یعنی یہ پہلے لوگوں کی باتیں ہیں اور علامہ زجاج نے کہا: ”اساطیر“ بہ معنی ”اباطیل“ ہے جس کا مطلب ہے: جھوٹی اور غلط باتیں۔ اس کا واحد ”اسطورة“ جیسے ”احدوثة“ اور ”احادیث“ ہے۔

۱۴- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! اس کے ذریعے حد سے تجاوز کرنے والے گناہ گار کو اس باطل قول سے اور آیات کی تکذیب سے روکنا مقصود ہے ﴿بَلْ كَفَرُوا﴾ کفار نے قیامت کے دن اور قرآن مجید کے بارے میں جو کہا یہ اس کی نفی کے لیے ہے اور امام حفص اس پر تھوڑا سا وقف کرتے ہیں (اور اس کا معنی ہے بلکہ) ﴿رَأَىٰ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ ان کے دلوں پر ان کے کاموں نے زنگ چڑھا دیا ہے جنہیں وہ کمایا کرتے تھے (یعنی) ان کی کمائی نے ان کے دلوں پر پردہ ڈال دیا ہے یعنی ان کے کمائے ہوئے گناہ ان کے دلوں پر غالب آگئے یہاں تک کہ ان کو ڈھانپ دیا۔

(۱) حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ گناہ پر گناہ کا ارتکاب کرتے رہنے سے دل سیاہ ہو جاتا ہے۔

(۲) حضرت ضحاک نے فرمایا کہ گناہوں کا زنگ دل کی موت ہے۔

(۳) حضرت ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ گناہوں کے زنگ اور دل کی سختی غفلت کی لگام ہیں اور ان دونوں کا علاج مسلسل اور ہمیشہ روزے رکھنا ہے پھر اگر اس کے بعد بھی دل میں سختی محسوس کرے تو سالن کھانا چھوڑ دے۔

۱۵- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! دل پر زنگ چڑھانے والے کاموں سے روکنا اور ڈرانا دھمکانا مقصود ہے ﴿إِنَّهُمْ عَنْ تَرَاتِبِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمْ يَحْجُبُونَ﴾ بے شک وہ اپنے پروردگار سے یعنی اس کے دیدار سے اس دن ممنوع و محروم رہیں گے۔ ”محجوب“ بہ معنی ممنوع ہے اور ”حجب“ کا معنی ہے: منع کرنا۔ علامہ زجاج نے کہا کہ یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ نیک مسلمان اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کریں گے ورنہ تخصیص مفید نہیں رہے گی۔

(۱) علامہ حسین بن الفضل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جس طرح کفار دنیا میں اللہ تعالیٰ کی توحید سے محروم رہے اسی طرح وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محروم رہیں گے۔

(۲) حضرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کے دشمن اس کے دیدار سے محروم رہیں گے اور وہ اس کا دیدار نہیں کریں گے تو وہ اپنے دوستوں پر ضرور جلوہ فرمائے گا یہاں تک کہ وہ اس کا دیدار کر لیں گے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ کفار اپنے رب تعالیٰ کی عزت و کرامت سے محروم رہیں گے کیونکہ انہوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا تو آخرت میں اس کی کرامت سے محروم رہیں گے، لیکن پہلا معنی زیادہ صحیح ہے اس لیے کہ دیدار تمام کرامات و اعزازات سے زیادہ قوی اعزاز و کرامت ہے پس دیدار سے محروم ہونا عزت و کرامت سے محروم ہونے کی دلیل ہے۔

۱۶۔ ﴿ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ﴾ پھر بے شک وہ دوزخ میں داخل ہوں گے (یعنی) وہ لوگ اپنے رب تعالیٰ کے دیدار سے محروم ہو جانے کے بعد دوزخ کی آگ میں داخل ہوں گے۔

۱۷۔ ﴿ثُمَّ يُقَالُ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ﴾ پھر ان سے کہا جائے گا: یہ وہی ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے یعنی یہ عذاب وہی ہے جس کو تم دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے اور جس کے وقوع پذیر ہونے کا انکار کرتے تھے۔

كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ ﴿١٨﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا عِلِّيُّونَ ﴿١٩﴾ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ ﴿٢٠﴾ يُشْهَدُهَا الْمُقَرَّبُونَ ﴿٢١﴾ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿٢٢﴾ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ ﴿٢٣﴾ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ﴿٢٤﴾ يُسْقَوْنَ مِنْ رَحِيقٍ مَخْتُومٍ ﴿٢٥﴾ خِتْمُهُ مِسْكَ ﴿٢٦﴾ وَفِي ذَلِكَ فَلْيَتَنَفَّسْ الْمُتَنَفِّسُونَ ﴿٢٧﴾ وَمِزَاجُهُ مِنَ تَسْنِينٍ ﴿٢٨﴾ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ﴿٢٩﴾

کیوں نہیں! بے شک نیک لوگوں کا نامہ اعمال ضرور علیین میں ہے اور تمہیں کیا معلوم کہ علیین کیا چیز ہے وہ لکھی ہوئی مہر شدہ ایک کتاب ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے حاضر ہوتے ہیں بے شک نیک لوگ (جنت کی) نعمتوں میں رہیں گے مسندوں پر بیٹھے دیکھتے ہوں گے آپ ان کے چہروں میں نعمتوں کی تروتازگی پہچان لیں گے انہیں سر بہر شفاف و خالص شراب پلائی جائے گی اس کی مہر مشک ہوگی اور اس میں رغبت کرنے والوں کو رغبت کرنی چاہیے اور اس میں آب تسنیم کی ملاوٹ ہوگی وہ ایک چشمہ ہے جس میں سے مقربین پئیں گے

نیک مسلمانوں کے لیے انعامات اور ان کا مذاق اڑانے پر کفار کی سزا کا بیان

۱۸۔ ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ سے کفار کو روز جزاء اور عذاب آخرت کے جھٹلانے پر زجر و توبیح کرنا اور ڈانٹنا مقصود ہے ﴿إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ﴾ بے شک نیک لوگوں کی کتاب جس میں ان کے اعمال لکھے گئے ہیں اور نیک لوگ وہ اطاعت گزار فرماں بردار مسلمان ہیں جو ناپ تول میں کمی نہیں کرتے اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے اور حشر و نشر پر ایمان رکھتے ہیں یہ اس لیے کہ ان کا ذکر فجار و بدکاروں کے مقابلہ میں کیا گیا ہے اور فجار کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ قیامت کے دن کو جھٹلاتے ہیں اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نیک وہ شخص ہے جو مخلوق خدا کو ایذا اور تکلیف نہیں پہنچاتا ﴿لَفِي عِلِّيِّينَ﴾ ضرور علیین میں ہے اور یہ نیک اعمال کے رجسٹر اور دفتر کا علم اور نام ہے اس میں وہ تمام اعمال خیر لکھ دیئے گئے ہیں جن کو فرشتے اور جن و انس میں سے نیکو کار حضرات بجالائے اور یہ ”فِعِيلٌ“ کے وزن پر ”عِلِّيٌّ“ کی جمع سے منقول ہے اور ”عِلِّيٌّ“ سے ماخوذ ہے اور یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ جنت میں عالی شان بلند و بالا درجوں تک بلندی کا سبب ہے یا اس لیے کہ یہ ساتویں آسمان میں ہے اس کی بلندی کی وجہ سے اس کا یہ نام ہے اس کی تعظیم و تکریم کی خاطر اس میں کروڑہین رہتے ہیں۔

۱۹۔ ﴿وَمَا أَدْرَاكَ مَا عِلِّيُّونَ﴾ اور اے محمد (ﷺ)! آپ کو کس نے سکھلایا کہ علیین کیا

چیز ہے؟ وہ سر بہر لکھی ہوئی ایک کتاب ہے۔

۲۱- ﴿يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ﴾ اس پر اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے حاضری دیتے ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر آسمان کے مقرب فرشتے نیک لوگوں کے ہر اس عمل کی زیارت کرتے ہیں جسے اوپر بلندی پر لے جایا جاتا ہے۔

۲۲- ﴿إِنَّ الْأَبْدَانَ لِنِعْمِ اللَّهِ غَفِيرٌ﴾ بے شک نیک لوگ ضرور نعمتوں میں ہوں گے (یعنی) وہ جنت میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔

۲۳- ﴿عَلَى الْأَرْيَافِ﴾ وہ جنت میں دہن کے کمرے کی طرح آراستہ اور خوب صورت تختوں اور مسندوں پر بیٹھے ہوں گے ﴿يَنْظُرُونَ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عزت و کرامت اور اس کی نعمتوں کی طرف اور اپنے دشمنوں کی طرف دیکھتے ہوں گے کہ انہیں کس طرح عذاب دیا جا رہا ہے۔

۲۴- ﴿تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ﴾ آپ ان کے چہروں میں جنتی نعمتوں کی رونق و خوشی اور ان کی تروتازگی پہچان لیں گے۔

۲۵، ۲۶- ﴿يُسْقَوْنَ مِنْ رَحِيقٍ مَخْتُومٍ﴾ انہیں سر بہر شفاف و خالص شراب پلائی جائے گی ﴿خِتَامُهُ مِسْكٌ﴾ اس کی مہر مشک ہوگی دنیا میں جس گوندھی ہوئی مٹی کے ساتھ شراب کے برتنوں پر مہر لگائی جاتی تھی اس کے بدلے جنت میں شراب کے برتنوں پر مشک کی مہر لگائی جائے گی جنتی شراب پینے والوں کی تعظیم و تکریم کی خاطر شراب پر مشک کی مہر لگانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے یا ”خِتَامُهُ مِسْكٌ“ کا معنی یہ ہے کہ شراب پینے کے اختتام پر مشک کی خوشبو ہوگی یعنی شراب پینے کے خاتمہ پر مشک کی خوشبو محسوس کی جائے گی [قاری علی کسالی کوئی کی قراءت میں ”خِتَامُهُ“ پڑھا جاتا ہے] ﴿وَفِي ذَلِكَ﴾ اور اس میں (یعنی) خالص و شفاف شراب میں یا جنتی نعمتوں میں ﴿كَلَيْتَاتٍ لِّلْمُتَنَفِّسِينَ﴾ پس رغبت کرنے والے ضرور رغبت کریں اور یہ رغبت نیکیوں کو جلد از جلد اپنانے اور برائیوں سے رکنے کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔

۲۷- ﴿وَمِزَاجُهُ﴾ اور اس کی ملاوٹ و آمیزش (یعنی) شراب کی آمیزش ﴿مِّن تَنْبِيْهِ﴾ تنبیم کے پانی سے ہوگی اور یہ ایک جاری چشمہ کا علم اور نام ہے اور اس کو مصدر کے نام سے اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: بلند و بالا کیونکہ یہ شراب جنت میں بلند قدر ہوگی یا اس لیے کہ یہ شراب ان پر اوپر سے آئے گی اور ان کے برتنوں میں بہائی جائے گی۔

۲۸- ﴿عَيْنًا﴾ وہ ایک چشمہ ہے [یہ حال واقع ہو رہا ہے یا پھر یہ مدح کی بناء پر منصوب ہے] ﴿يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ﴾ ”آئی منہا“ یعنی شراب کے اس چشمہ میں سے (نیکیوں کے ذریعے قرب پانے والے) اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے پیئیں گے۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ اس کو صرف مقربین پیئیں گے اور یہ شراب دائیں جانب والوں کو دی جائے گی۔

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ﴿٢٩﴾ وَإِذَا مَرُّوا
بِهِمْ يَتَعَامَرُونَ ﴿٣٠﴾ وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذَا
رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ﴿٣٢﴾ وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ ﴿٣٣﴾ فَالْيَوْمَ

الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَصْحَكُونَ ﴿۳۲﴾ عَلَىٰ الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ ﴿۳۵﴾ هَلْ

تُوبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۳۶﴾

بے شک مجرم لوگ مسلمانوں پر ہنستے تھے O اور جب وہ ان کے پاس سے گزرتے تو وہ ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارت کرتے O اور جب وہ اپنے گھر لوٹتے تو خوش ہوتے ہوئے لوٹتے O اور جب وہ ان کو دیکھتے تو کہتے: بے شک یہ گمراہ لوگ ہیں O حالانکہ وہ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجے گئے O سو آج مسلمان کافروں پر نہیں گے O مسندوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے O کیا کافروں کو ان کاموں کا بدلہ مل گیا جو وہ کرتے تھے O

۲۹- ﴿إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا﴾ بے شک جن لوگوں نے جرم کیا ہے (یعنی) جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے ﴿كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَصْحَكُونَ﴾ وہ دنیا میں مسلمانوں کا مذاق اڑانے کے لیے ان پر ہنستے تھے۔

۳۰- ﴿وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ﴾ اور جب وہ مسلمانوں کے پاس سے گزرتے تو ان پر طعن و طنز کرنے اور ان کی عیب جوئی کرنے کے لیے ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارے کرتے۔

شان نزول: بعض مفسرین نے بیان کیا کہ ایک دن حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے چند مسلمان ساتھیوں کے ساتھ منافقین کے پاس سے گزرے تو منافقوں نے ان کا مذاق اڑایا اور ان پر خوب ہنسے اور آپس میں ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارے کیے اور کہا: کیا تم اس گمنگے کو دیکھ رہے ہو؟ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حضرت علی مرتضیٰ کے پہنچنے سے پہلے یہ آیت مبارکہ آپ پر نازل ہو گئی۔

۳۱- ﴿وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ﴾ اور جب وہ اپنے گھر کی طرف لوٹتے یعنی جب کفار اپنے گھروں کی طرف لوٹ کر جاتے ﴿انْقَلَبُوا فَكِهِينَ﴾ تو وہ ہنستے اور خوش ہوتے ہوئے لوٹتے (یعنی) وہ مسلمانوں کا مذاق اڑا کر اور ان کا تحقیر کے ساتھ ذکر کر کے لذت و خوشی محسوس کرتے اور امام حفص نے ”فاکھین“ پڑھا ہے جس کا معنی ہے: خوش ہونے والے یعنی وہ خوش ہوتے ہوئے لوٹتے۔

۳۲- ﴿وَإِذَا رَأَوْهُمْ﴾ اور جب وہ ان کو دیکھتے یعنی جب کفار مسلمانوں کو دیکھتے ﴿قَالُوا إِنَّ هَؤُلَاءِ لَضَالُّونَ﴾ کہتے: بے شک یہ ضرور گمراہ لوگ ہیں (سید عالم حضرت) محمد (ﷺ) نے ان کو دھوکے میں ڈال دیا ہے سو یہ لوگ گمراہ ہو گئے ہیں اور انہوں نے دنیا کی لذتوں کو ترک کر دیا ہے کیونکہ وہ آخرت میں اعزازات کی امید رکھتے ہیں اور بلاشبہ انہوں نے خیالی باتوں کے بدلے حقیقت کو ترک کر دیا ہے اور یہ بعینہ گمراہی ہے۔

۳۳- ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَفِظِينَ﴾ اور انہیں ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا گیا (یعنی) کفار کو مسلمانوں پر محافظ و نگہبان بنا کر نہیں بھیجا گیا کہ وہ ان پر ان کے احوال کی حفاظت و نگہبانی کریں اور ان کے اعمال کی نگرانی کریں بلکہ انہیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے آپ کی اور اپنی اصلاح کی اصلاح کریں (اور کفر و شرک ترک کر کے موحد و مسلمان اور نیک و پرہیزگار بن جائیں) کیونکہ ان کا اپنی اصلاح میں مشغول رہنا ان کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنے علاوہ مسلمانوں کے پیچھے پڑے رہیں اور ان کی عقل مندوں پر حماقت و بے وقوفی کے فتوے لگائیں۔

۳۴- ﴿فَالْيَوْمَ﴾ سو آج یعنی قیامت کے دن ﴿الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَصْحَكُونَ﴾ مسلمان کفار پر نہیں گے

جیسا کہ کفار دنیا میں مسلمانوں پر ہتے تھے۔

۳۵۔ ﴿عَلَىٰ الْأَرْبَابِ يَنْظُرُونَ﴾ بہترین مسندوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے [یہ ”یضحکون“ سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی مسلمان کافروں کو ذلت و رسوائی میں مبتلا دیکھ کر ان پر اور ان کے اس حال پر ہنسیں گے کہ یہ بد نصیب لوگ دنیا میں عزت و وقار اور تکبر و غرور کے بعد آج کس قدر ذلیل و رسوا ہو رہے ہیں اور اس وقت مسلمان امن و سکون کے ساتھ خوب صورت و آراستہ تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ کفار کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھول دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا: تم جنت کی طرف چلو پھر جب وہ جنت کے پاس پہنچیں گے تو ان کے سامنے جنت کا دروازہ بند کر دیا جائے گا اور مسلمان ان کی یہ ذلت و رسوائی دیکھ کر ان پر ہنسیں گے۔

۳۶۔ ﴿هَلْ ثَوَابٌ الْكُفَّارِ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ کیا کفار کو ان کے ان کاموں پر بدلہ دے دیا گیا ہے جو وہ کرتے تھے۔ جب کفار کے ساتھ وہ رسوا کن عمل کیا جائے گا جس کا ذکر (جنت کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کا) ہو چکا ہے تو اس وقت کہا جائے گا کہ کیا کفار کو دنیا میں مسلمانوں کے مذاق اڑانے کا بدلہ دے دیا گیا ہے؟

﴿وَإِنَّا لَنَرَاهُمْ فِي جَهَنَّمَ مُرْتَجِفِينَ﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿سُورَةُ الْاِنْشِقَاقِ﴾

سورۃ الانشقاق مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی پچیس آیات ایک رکوع ہے

اِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ ۱ وَاذِنْتَ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۲ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۳

اَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ ۴ وَاذِنْتَ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۵ يَا أَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ

كَادِحٌ اِلَىٰ رَبِّكَ كَدًا فَلَئِقِیْهِ ۶ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبًا بَیِّنٰتِهٖ ۷ فَسَوْفَ

یُحَاسَبُ حِسَابًا یَسِیْرًا ۸ وَیُنْقَلَبُ اِلٰی اَهْلِیْهِ مَسْرُوْرًا ۹

جب آسمان پھٹ جائے گا ۰ اور وہ اپنے پروردگار کا حکم قبول کر لے گا اور اس کا یہی حق ہے ۰ اور جب زمین پھیلا دی جائے گی ۰ اور جو کچھ اس کے اندر ہے وہ باہر ڈال دے گی اور خالی ہو جائے گی ۰ اور وہ اپنے پروردگار کا حکم قبول کر لے گی اور اس کا یہی حق ہے ۰ اے انسان! تو اپنے پروردگار کی طرف پہنچنے کی بہت کوشش کرنے والا ہے سو تو اس سے ملاقات کرنے والا ہے ۰ سو لیکن جس شخص کو اس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا ۰ تو عنقریب اس سے بہت آسان حساب لیا جائے گا ۰ اور وہ اپنے اہل کی طرف خوش و خرم ہوتا ہوا لوٹے گا ۰

زمین و آسمان کے فنا و مطیع ہونے اور مسلم و کافر کے حساب و انجام کا بیان

۲۶۱۔ ﴿اِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ﴾ جب آسمان پھٹ جائے گا اور پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا ﴿وَاذِنْتَ لِرَبِّهَا﴾

اور وہ اپنے پروردگار کا حکم قبول کر لے گا کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کا حکم سنے گا اور اسے قبول کر لے گا اور اطاعت کرتے ہوئے پھٹ جائے گا اور انکار نہیں کرے گا اور نہ پھٹنے سے رُکے گا ﴿وَحُقَّتْ﴾ اور اس کا یہی حق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم سنے اور اسے قبول کرے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا ہی پیدا کردہ اور پروردہ ہے۔

۵۳- ﴿وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ﴾ اور جب زمین کو دراز کر کے وسیع و کشادہ کیا جائے گا اور اسے ہر طرف پھیلا دیا جائے گا اور زمین کے پہاڑوں اور اس میں موجود اونچے ٹیلوں اور مکانون کو ہموار کر کے زمین کو برابر کر دیا جائے گا ﴿وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا﴾ اور جو کچھ اس میں ہوگا وہ اسے باہر ڈال دے گی (یعنی) خزانوں اور مردوں میں سے جو کچھ زمین کے اندر مدفون و مخفی ہوگا وہ اسے باہر پھینک دے گی ﴿وَتَحَدَّتْ﴾ اور وہ بالکل خالی ہو جائے گی یہاں تک کہ اس کے اندر کچھ باقی نہیں بچے گا گویا زمین نے اپنی انتہائی کوشش کر کے اپنے اندر کو خالی کرنے کی مشقت اٹھائی ﴿وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا﴾ اور زمین اپنے اندر کی ہر چیز کو باہر پھینکنے اور اپنے آپ کو خالی کرنے میں اپنے پروردگار کا حکم سن کو قبول کر لے گی ﴿وَوَحَّيْتُ﴾ اور وہ اسی لائق ہے کہ وہ رب تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرے اور نافرمانی نہ کرے اور بجا آوری سے نہ ڈرے اور ”اِذَا“ کا جواب صرف اس پر اکتفاء کرنے کے لیے حذف کیا گیا ہے کہ اس طرح کا جواب سورت انفطار اور سورت تکویر میں معلوم ہو چکا ہے یا اس کا جواب وہ ہے جس پر ”فَمَا لِقِيهِ“ دلالت و رہنمائی کر رہا ہے یعنی جب آسمان پھٹ جائے گا تو انسان اپنی محنت و کوشش کو پالے گا۔

۶- ﴿يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ﴾ جس انسان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے انسان! ﴿إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا﴾ بے شک تو اپنے پروردگار کی طرف (یعنی) اپنے پروردگار کی ملاقات کی طرف خوب جدوجہد اور کوشش کرنے والا ہے اور وہ موت ہے اور اس کے بعد جو ہے وہ ملاقات کے لیے حالِ مثلہ ہے ﴿فَمَا لِقِيهِ﴾ سو وہ اس سے ملنے والا ہے اس کی ضمیر ”کدح“ کی طرف لوٹی ہے اور وہ ہے انسان کا عمل میں کوشش کرنا اور اس میں محنت و مشقت اٹھانا یہاں تک کہ وہ اس میں مؤثر ہو جائے اور ”کدح“ سے اس کی جزاء مراد ہے پھر اگر کدح و محنت اور کوشش نیک عمل کے لیے ہوگی تو جزاء نیک اور خیر و بھلائی ہوگی اور اگر محنت و کوشش بُرے عمل کے لیے ہوگی تو اس کی جزاء بھی بُری ہوگی اور بعض حضرات نے فرمایا: ”لقائے کدح“ سے کتاب مراد ہے جس میں ”کدح“ بھی شامل ہے جس پر یہ (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ دلالت و رہنمائی کرتا ہے۔

۷- ﴿فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ﴾ سو لیکن جس شخص کو اس کی کتاب اس کے دائیں ہاتھ میں دی جائے گی یعنی اس کے عمل کی کتاب ﴿فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا﴾ سو عنقریب اس کا حساب آسان لیا جائے گا سہولت و نرمی کے ساتھ اور وہ یہ ہے کہ اسے نیکیوں پر بہترین جزاء اور صلہ عطا کیا جائے گا اور بُرائیوں سے درگزر کیا جائے گا اور حدیث شریف میں ہے: جس شخص کا حساب لیا جائے گا اسے عذاب دیا جائے گا سو اس پر یہ اعتراض وارد کیا گیا ہے کہ پھر اس آیت مذکورہ کا کیا معنی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا مطلب ہے: اعمال اس کے سامنے پیش کرنا (پھر نیکیوں پر نیک جزاء جب کہ بُرائیوں سے درگزر) اور حدیث کا مطلب ہے کہ جس شخص پر حساب لینے میں سختی کی جائے گی تو اسے عذاب دیا جائے گا۔

۹- ﴿وَيُنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا﴾ اور وہ اپنے اہل کی طرف خوش خوش لوٹے گا (یعنی) وہ اپنے خاندان کی طرف لوٹے گا اگر وہ نیک مسلمان ہوں گے یا مومنوں کی جماعت کی طرف لوٹے گا یا جنت میں حور عین کی طرف لوٹے گا۔

وَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ۖ فَسَوْفَ يَدْعُوا ثُبُورًا ۖ وَيَصْلِي سَعِيرًا ۗ إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۗ إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ لَنْ يَحُورَ ۗ بَلَىٰ ۗ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ۗ

۱۔ رواہ البخاری رقم الحدیث: ۱۰۳، مسلم رقم الحدیث: ۸۰-۲۸۷۶

اور لیکن جس شخص کو اس کا نامہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا تو عنقریب وہ موت کی دعا کرے گا اور وہ دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا بے شک وہ اپنے گھروالوں میں خوش رہا کرتا تھا بے شک اس کا گمان تھا کہ وہ (اللہ تعالیٰ کی طرف) ہرگز نہیں لوٹے گا کیوں نہیں! بے شک اس کا پروردگار اسے خوب دیکھنے والا ہے۔

۱۰ تا ۱۲۔ ﴿وَأَقَامَنَّ أُودِي كِتَابَهُ دَرَاءَ ظَهْرِهِ﴾ اور لیکن جس شخص کو اس کی کتاب اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دی جائے گی۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا دایاں ہاتھ اس کی گردن کی طرف باندھ دیا جائے گا اور اس کے بائیں ہاتھ کو اس کی پیٹھ کے پیچھے کر دیا جائے گا اور اس کی کتاب اس کی پشت کی طرف سے اس کے بائیں ہاتھ میں دے دی جائے گی ﴿فَسَوْفَ يَدْعُوا ثُبُورًا﴾ پس وہ عنقریب موت کی دعا مانگے گا اور کہے گا: ”وا ثبوراه“ ہائے موت! اور ”ثبور“ کا معنی ہے: ہلاکت ﴿وَيَصْلِي سَعِيرًا﴾ اور وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا یعنی وہ جہنم میں داخل ہوگا [قاری علی کسائی کے علاوہ عراقیوں کی قراءت میں ”يَصْلِي“ پڑھا جاتا ہے]۔

۱۳۔ ﴿إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا﴾ بے شک وہ دنیا میں اپنے گھروالوں کے ساتھ کفر و شرک پر بڑا مسرور و خوش رہتا تھا اور ان پر ہنسا کرتا تھا جو حشر و نشر پر ایمان لاتے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ وہ اپنے نفس کا پیروکار تھا اور اپنی خواہشات کو آسودہ رکھنے میں مشغول رہتا تھا۔

۱۴۔ ﴿إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ لَنْ يَحُورَ﴾ بے شک اس کا گمان تھا کہ وہ ہرگز نہیں لوٹے گا (یعنی) مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے اور قیامت برپا ہونے کی تکذیب کی وجہ سے اس نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کے حضور میں ہرگز نہیں لوٹے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں ”یحور“ کی تفسیر نہیں جانتا تھا یہاں تک کہ میں نے ایک اعرابی (دیہاتی) عورت سے سنا جو اپنی بیٹی سے کہنے لگی: ”حوری“ یعنی تو واپس لوٹ کر آ جا!

۱۵۔ ﴿بَلَىٰ﴾ کیوں نہیں! یہ ”لَنْ يَحُورَ“ میں نفی کے مابعد کے لیے اثبات ہے یعنی کیوں نہیں! وہ ضرور لوٹے گا ﴿إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا﴾ اس کا پروردگار اسے اور اس کے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے اس سے کوئی چیز مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے پس وہ ضرور اسے لوٹائے گا اور اسے اس کے (شرکانہ) اعمال پر سزا دے گا۔

فَلَا أُقِيمُ بِالسَّفَقِ ۝۱۶ وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۝۱۷ وَالْقَبْرِ إِذَا اتَّسَقَ ۝۱۸ لَتَرْكَبُنَّ

طَبَقًا عَن كَبِيٍّ ۝۱۹ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝۲۰ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ

لَا يَسْجُدُونَ ۝۲۱ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يَكْذِبُونَ ۝۲۲ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ ۝۲۳

فَيَشْرَهُمْ بِعَذَابٍ إِلَيْهِ ۝۲۴ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ

غَيْرَ مَمْنُونٍ ۝۲۵

سو مجھے شام کے اُجالے کی قسم! اور رات کی قسم! اور جن کو وہ سمیٹے ہوئے ہے! اور چاند کی قسم جب وہ پورا ہو جائے! تم ضرور منزل بہ منزل چڑھو گے! سو انہیں کیا ہوا کہ وہ ایمان نہیں لاتے! اور جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو

وہ سجدہ نہیں کرتے O بلکہ جو لوگ کافر ہو چکے ہیں وہ جھٹلاتے ہیں O اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ اپنے دلوں میں رکھتے ہیں O سو (اے محبوب!) آپ ان کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیں O ماسوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے ایسا اجر و ثواب ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا O

۱۶۔ ﴿فَلَا أُقِيمُ بِالشَّفَقِ﴾ سو مجھے شام کے اُجالے کی قسم! (یعنی) مغرب کے وقت سرخی کے بعد پھیلنے والی سفیدی اور روشنی کی قسم! یا پھر خود سرخی کی قسم! (جو آسمان کے کناروں پر ہوتی ہے تازہ غروب آفتاب کی وجہ سے اُجالا اور روشنی موجود ہوتی ہے پھر بعد از مغرب عشاء کے آتے ہی رات کی تاریکی چھا جاتی ہے)۔

۱۷۔ ﴿وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ﴾ اور رات کی قسم! اور ان چیزوں کی قسم جن کو وہ اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے! جمع کر لیتی ہے اور ملا لیتی ہے اور ان چیزوں سے ظلمت و تاریکی اور ستارے مراد ہیں جن کو رات اپنے اندر جمع کر لیتی ہے یا پھر نماز عشاء تہجد تلاوت قرآن ذکر و فکر اور تسبیحات وغیرہ عبادات و اعمال مراد ہیں جو رات میں ادا کیے جاتے ہیں۔

۱۸۔ ﴿وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ﴾ اور چاند کی قسم جب وہ پورا ہو جائے! مجتمع اور کامل ہو جائے جیسے چودھویں رات کا چاند [”اتَّسَقَ“ باب افتعال بروزن ”اِفْتَعَلَ“، ”وَسَقَ“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: جمع کرنا]۔

۱۹۔ ﴿لَتَرْكَبُنَّ﴾ اے انسان! تم ضرور سوار ہو گے۔ یہاں انسان سے اس کی جنس مراد ہے (عام انسان مراد ہے مسلم ہو یا کافر، مطیع ہو یا عاصی) ﴿طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ﴾ درجہ بہ درجہ منزل بہ منزل یعنی ایک حال کے بعد دوسرے حال پر چڑھو گے ہر حال شدت و سختی میں اپنے دوسرے حال کے مطابق و موافق ہوگا پس ”طبق“ وہ ہے جو اپنے غیر کے مطابق ہو چنانچہ کہا جاتا ہے: ”مَا هَذَا بِطَبَقٍ هَذَا“ یعنی یہ اس کے مطابق نہیں اور اسی وجہ سے پردے کو ”طبق“ کہا گیا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ”طَبَقَةٌ“ کی جمع ہو جس کا معنی ہے: مرتبہ جیسے عرب کا قول ہے: ”هُوَ عَلَى طَبَقَاتٍ“ وہ بڑے مراتب پر فائز ہے یعنی تم احوال کے بعد دوسرے احوال پر چڑھو گے اور یہ طبقات و احوال شدت و سختی میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہوں گے اور یہ احوال موت اور موت کے بعد قیامت کے موطن و مقامات اور اس کے ہولناک مناظر ہیں [”عَنْ طَبَقٍ“ محلاً منصوب ہے اس بناء پر کہ یہ ”طَبَقًا“ کی صفت ہے یعنی ہر طبق دوسرے طبق سے بڑھ کر ہوگا یا یہ ”لَتَرْكَبُنَّ“ میں ضمیر سے حال ہے یعنی تم ایک دوسرے سے بڑھ کر احوال پر چڑھو گے] حضرت مکحول رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تم ہر بیس سال کے بعد ایسے نئے امور ایجاد کرو گے جن پر تم پہلے نہیں تھے [ابن کثیر کی علی کسائی اور حمزہ کونی کی قراءت میں ”لَتَرْكَبُنَّ“ میں ”با“ مفتوح ہے اور فعل واحد مخاطب ہے] اور اس قراءت کے مطابق خطاب حضور سید عالم ﷺ کے لیے ہے یعنی اے محبوب! آپ شب معراج میں تمام آسمانوں کے تمام طبقات پر چڑھیں گے (اور تمام مقامات طے کرتے ہوئے بارگاہِ قدس میں پہنچیں گے)۔

۲۰، ۲۱۔ ﴿فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ اصل میں ”فَمَا لَهُمْ إِلَّا يُؤْمِنُونَ“ ہے پس انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے ﴿وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ﴾ اور جب ان پر قرآن مجید پڑھا جاتا ہے تو وہ سجدہ نہیں کرتے (یعنی) وہ عاجزی اختیار نہیں کرتے۔

۲۲، ۲۳۔ ﴿بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يَكْتُمُونَ﴾ بلکہ جو لوگ کافر ہو چکے ہیں وہ حشر و نشر اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے اور قرآن مجید کو جھٹلاتے ہیں ﴿وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ اپنے دلوں میں محفوظ

رکتے ہیں (یعنی) وہ لوگ جو کچھ اپنے سینوں میں (کفر و شرک اور بغض و حسد اور بغاوت و سرکشی) جمع کرتے ہیں اور وہ دلوں میں کفر اور حضور نبی کریم ﷺ کی تکذیب کو چھپاتے ہیں یا وہ بڑے اعمال میں سے جو کچھ اپنے صحیفوں میں جمع کرتے ہیں اور وہ اپنے آپ کے لیے مختلف اقسام و انواع کے عذابوں کا ذخیرہ کر رہے ہیں۔

۲۴، ۲۵۔ ﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ سو آپ ان کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیں (یعنی) آپ انہیں ایسے دردناک عذاب کی خبر سنا دیں جس کا اثر ان کے اجسام کے ظاہری حصے (چمڑے) پر ظاہر و نمودار ہو جائے ﴿إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ ماسوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے [یہ استثناء منقطع ہے] ﴿لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ﴾ ان کا اجر و ثواب کبھی ختم نہ ہونے والا ہے یا ان کا اجر و ثواب کبھی کم نہیں ہوگا۔

الْبُرُوجِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ الْبُرُوجِ

سورۃ البروج کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی بائیس آیات ایک رکوع ہے

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ۱ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ ۲ وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ ۳ قِيلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ ۴ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ ۵ إِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُودٌ ۶ وَهُمْ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ ۷ وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِإِلَهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۸

برجوں والے آسمان کی قسم! ۰ اور اس دن کی (قسم) جس کا وعدہ کیا گیا ہے! ۰ اور حاضر (کی قسم) اور جس کو حاضر کیا جائے گا! ۰ خندقوں والے لوگ ہلاک کیے جائیں ۰ بھڑکتی ہوئی آگ والے ۰ جب وہ اس کے کناروں پر بیٹھے تھے ۰ اور وہ مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کر رہے تھے اس پر وہ خود گواہ ہیں ۰ اور مسلمانوں کی طرف سے انہیں کوئی بات بڑی نہیں لگی مگر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں جو سب پر غالب ہر طرح قابل حمد و ستائش ہے ۰

اصحاب اخدود کی مذمت و سزا اور نیک مسلمانوں کی کامیابی کا بیان

۱۔ ﴿وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ﴾ برجوں والے آسمان کی قسم! یہ بروج بارہ ہیں (جو یہ ہیں: (۱) حمل (۲) ثور (۳) جوزا (۴) سرطان (۵) اسد (۶) سنبلہ (۷) میزان (۸) عقرب (۹) قوس (۱۰) جدی (۱۱) دلو (۱۲) حوت) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ”بروج“ سے ستارے مراد ہیں یا بڑے ستارے مراد ہیں۔

۲۔ ﴿وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ﴾ اور اس دن کی قسم جس کا وعدہ کیا گیا ہے، اور وہ قیامت کا دن ہے۔

۳۔ ﴿وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ﴾ اور اس دن (یعنی قیامت کے روز) میں حاضر ہونے والے کی قسم! اور جس کو اس دن میں حاضر کیا جائے گا اور ”شاهد“ سے وہ تمام مخلوق مراد ہے جو اس دن میں حاضر ہوگی اور ”مشہود“ سے وہ تمام عجائب و غرائب مراد ہیں جو اس دن میں حاضر کیے جائیں گے اور ان دونوں کو نکرہ (عام) لانے کا طریقہ یا تو وہی ہے جو ارشاد باری تعالیٰ ”عَلِمْتَ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرْتَ“ (الکوثر: ۱۳) میں بیان ہوا، گویا فرمایا گیا ہے کہ ”شاهد و مشہود“

کس قدر کثرت کے ساتھ بہت زیادہ ہوں گے اور یا پھر ان کے وصف کو مبہم رکھنے کے لیے ایسا کیا گیا ہے، گویا فرمایا گیا ہے کہ ”شاہد و مشہود“ ایسی دو چیزیں ہیں جن کی کنہ اور حقیقت کو بیان نہیں کیا جاسکتا اور ان دونوں کے بارے میں مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ (۱) ”شاہد“ سے حضور سید عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مراد ہیں اور ”مشہود“ سے قیامت کا دن مراد ہے (۲) ”شاہد“ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ”مشہود“ سے آپ کی امت مراد ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ“ (المائدہ: ۱۱۷) ”اور میں ان پر اس وقت تک نگہبان رہا جب تک میں ان میں رہا“ (۳) ”شاہد“ سے امت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہے اور ”مشہود“ سے باقی تمام امتیں مراد ہیں (۴) ”شاہد“ سے حجر اسود مراد ہے اور ”مشہود“ سے تمام حجاج کرام مراد ہیں (۵) ”شاہد“ سے دن اور راتیں مراد ہیں اور ”مشہود“ سے تمام بنو آدم مراد ہیں کیونکہ حدیث شریف میں ہے: کوئی ایسا دن نہیں آتا مگر وہ اعلان کرتا ہے: میں نیادن ہوں اور میرے اندر جو کچھ کیا جائے گا میں اس کی گواہی دوں گا سو تم مجھے غنیمت سمجھو (۶) ”شاہد“ سے محافظ فرشتے مراد ہیں اور ”مشہود“ سے تمام بنو آدم مراد ہیں (۷) ”شاہد“ سے اللہ تعالیٰ مراد ہے اور ”مشہود“ سے مخلوق مراد ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا“ (الف: ۲۸) ”اور اللہ تعالیٰ کافی نگہبان ہے“ (۸) ”شاہد“ سے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں (جو اپنے اپنے زمانے میں حضور کی نبوت و رسالت کی گواہی دیتے رہے) اور ”مشہود“ سے حضور سید عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مراد ہیں اور قسم کا جواب محذوف ہے جس پر (درج ذیل آیت مبارکہ) دلالت و رہنمائی کرتی ہے۔

۴- ﴿قَتَلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُوْدِ﴾ خندقوں والے ہلاک ہو جائیں یعنی ان پر لعنت و پھٹکار ہو گویا فرمایا گیا ہے کہ میں ان تمام چیزوں کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ بے شک یہ لوگ لعنتی اور ملعون ہیں یعنی قریش مکہ کے کفار جیسا کہ خندقوں والوں پر لعنت و پھٹکار کی گئی ہے اور ”أُخْدُوْدٌ“، ”خَدٌّ“ کی جمع ہے اور ”خَدٌّ“ کا معنی ہے: زمین میں بہت بڑا شکاف و گڑھا۔

حضور نبی کریم ﷺ سے ایک روایت منقول ہے کہ ایک بت پرست قوم کا خدائی کا دعوے دار بادشاہ تھا جس کے پاس ایک جادوگر تھا جس کے جادو پر حکومت کا دار و مدار تھا جب وہ بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا: ایک لڑکا میرے سپرد کر دیں تاکہ میں اسے جادو سکھا دوں اور میرے مرنے کے بعد تیرے کام آئے چنانچہ بادشاہ نے ایک ذہین و ہوشیار لڑکا اس کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اس لڑکے کو جادو سکھا دے اور لڑکے کے راستے میں ایک راہب (دین دار بزرگ) تھا جس کے پاس یہ لڑکا بیٹھ جاتا اور اس سے دین کی باتیں سنتا یہاں تک کہ ایک دن اس نے اپنے راستے میں ایک خونخوار جانور (سانپ وغیرہ) دیکھا جس نے لوگوں کا راستہ روک رکھا تھا اس نے ایک پتھر اٹھایا اور کہا کہ اے میرے اللہ! اگر یہ راہب تجھے جادوگر سے بڑھ کر زیادہ محبوب ہے تو جانور کو ہلاک کر دے اور اس کا خاتمہ فرما اور یہ کہہ کر اس نے زور سے وہ پتھر اس جانور کو مارا جس سے وہ جانور مر گیا اور اس کا خاتمہ ہو گیا پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہی لڑکا مادر زاد نابینوں کو شفاء یاب کرنے لگا اور برص کے داغ والے کوڑھیوں کو تندرست کرنے لگا اور بادشاہ کا ایک ہم نشین مصاحب بھی نابینا تھا اسے پتا چلا تو وہ بھی اس کے پاس پہنچ گیا اور اس لڑکے نے اسے بھی شفاء یاب کر کے تندرست کر دیا اور وہ اٹھیا رہا ہو گیا جب بادشاہ نے اسے دیکھا تو اس سے پوچھا کہ تیری بینائی تجھے کس نے لوٹا دی ہے؟ اس نے کہا: میرے اللہ تعالیٰ نے جو میرا پروردگار ہے یہ بات سنتے ہی بادشاہ غضب ناک ہو گیا اور اسے سخت ترین سزا دی تو اس نے لڑکے کے متعلق سب کچھ بتا دیا

اور بادشاہ نے اس لڑکے کو بلا کر سخت سزا دی تو اس نے راہب کا پتا بتا دیا، چنانچہ اسے بلایا گیا اور اس نے اپنے دین سے پھرنے سے انکار کر دیا اور اپنے دین پر ڈٹ گیا تو بادشاہ نے آ رہ منگوا کر اس کے سر پر رکھا اور اسے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا اور لڑکے نے بھی اپنا دین چھوڑنے سے انکار کر دیا، چنانچہ بادشاہ کے حکم پر اسے ایک بلند ترین پہاڑ پر لے جایا گیا تاکہ اسے پہاڑ کی چوٹی سے نیچے گرا کر ہلاک کر دیا جائے، سو لڑکے نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو پہاڑ میں زلزلہ آ گیا اور لے جانے والے سارے لوگ ہلاک ہو گئے اور وہ لڑکا صحیح سلامت نجات پا کر واپس آ گیا، پھر بادشاہ کے حکم پر اسے کشتی کی طرف لے جایا گیا، چنانچہ لوگوں نے دریا کے پاس لے جا کر کشتی میں سوار کیا تاکہ وہ اسے دریا میں غرق کر دیں تو لڑکے نے پھر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی، چنانچہ کشتی الٹ گئی اور لے جانے والے سارے ڈوب گئے اور لڑکا صحیح سلامت واپس آ گیا اور بادشاہ سے کہا کہ تم مجھے اس طرح ہرگز قتل نہیں کر سکتے، یہاں تک کہ تم تمام لوگوں کو ایک بڑے میدان میں جمع کر لو اور مجھے کھجور کے تنے کے ساتھ سولی پر لٹکا دو اور میرے ترکش میں سے ایک تیر نکال لو اور کہو: "بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِ" اللہ تعالیٰ کے نام سے جو اس لڑکے کا پروردگار ہے، پھر تم مجھے وہ تیر مارو، چنانچہ بادشاہ نے اس طرح اسے تیر مارا تو وہ اس کی کپٹی پر جا لگا اور لڑکے نے اپنا ہاتھ اس پر رکھا اور فوت ہو گیا تو لوگوں نے یہ دیکھ کر بہ یک آواز کہا: "اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِ" ہم سب اس لڑکے کے رب تعالیٰ پر ایمان لائے، چنانچہ بادشاہ سے کہا گیا کہ جس بات سے تم ڈرتے تھے وہی ہو گیا کہ سب لوگ مسلمان ہو گئے، تو بادشاہ نے زمین میں گہری اور چوڑی خندقیں کھدوائیں اور لکڑیاں ڈلو کر انہیں آگ سے بھر دیا اور جو شخص اپنے دین سے نہ پھرتا، بادشاہ اسے اسی آگ میں پھینکوا دیتا یہاں تک کہ ایک عورت اپنے بچے کے ساتھ آئی اور وہ اپنے بچے کی وجہ سے اس آگ کی خندق میں گرنے سے گھبرا گئی تو اس کے بچے نے کہا: اے اماں جان! صبر کیجئے بے شک آپ حق پر ہیں، چنانچہ بچے کو اس کی ماں سمیت آگ میں ڈال دیا گیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۰۰۵)

۵- ﴿النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ﴾ بھڑکتی ہوئی آگ۔ بے شک یہ ایک بہت بڑی آگ تھی کیونکہ لوگوں کے بدنوں، جسموں اور لکڑیوں کی کثرت کے باعث اس آگ کے بھڑکنے کی وجہ سے اس کے شعلے جوش مارتے ہوئے بہت بلندی تک جاتے تھے [النار، "الاحدود" کا بدلہ الاشتمال ہے اور "ذات الوقود" اس کی صفت ہے]۔

۶- ﴿رِاذٍ﴾ [یہ "قُتِلَ" کا ظرف ہے] یعنی ان پر اس وقت لعنت کی گئی جب انہوں نے مسلمانوں کو آگ میں جلایا جب کہ خود اس کے ارد گرد بیٹھے تھے ﴿هُوَ عَلَيْهِمْ قَعُودٌ﴾ وہ لوگ اس پر بیٹھے تھے یعنی کفار خندقوں کے کناروں پر آگ کے نزدیک کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

۷- ﴿وَهُمْ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ﴾ اور وہ مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ کر رہے تھے اس پر وہ خود گواہ ہیں یعنی کفار مسلمانوں کو آگ میں جلانے کا جو کام کر رہے تھے اس پر وہ بادشاہ کے پاس ایک دوسرے کے لیے گواہی دیتے کہ ان میں سے کسی نے بھی کوئی کوتاہی نہیں کی جو اسے حکم دیا گیا تھا اور جو سزا دینے کا کام اس کے سپرد کیا گیا تھا اس نے پورا کیا ہے اور اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو صبر کرنے کی اور اہل مکہ کی اذیتوں اور تکلیفوں کو برداشت کرنے کی ترغیب دی ہے اور انہیں اس پر برا بیچتہ کیا ہے۔

۸- ﴿وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ اِلَّا اَنْ يُؤْمِنُوا﴾ اور انہیں مسلمانوں کی طرف سے کوئی چیز ناگوار نہیں لگی مگر یہ کہ وہ ایمان رکھتے ہیں یعنی مسلمانوں کے ایمان کے سوا انہیں کوئی چیز بڑی نہیں لگی جیسا کہ شاعر کا قول ہے:

وَلَا عَيْبَ فِيهِمْ غَيْرُ اَنْ سَيَّرُوهُمْ
فَلَوْلَ مِنْ قُرَاعِ الْكُتَابِ

”اور ان میں اور کوئی عیب نہیں سوائے اس کے کہ ان کی تلواریں لشکروں کے ٹکرانے سے گند ہو چکی ہیں۔“
اور ایک شاعر کا قول ہے:

مَا نَقَمُوا مِنْ بَنِي أُمِيَّةَ
إِلَّا أَنَّهُمْ يَحْلِمُونَ إِنْ غَضِبُوا

”انہیں بنو امیہ میں کوئی عیب نظر نہیں آیا سوا اس کے کہ جب انہیں غضب ناک کیا جاتا ہے تو وہ بڑے حوصلے اور
بروباری سے کام لیتے ہیں۔“

[قاف کے کسرہ کے ساتھ ”نَقَمُوا“ بھی پڑھا جاتا ہے جب کہ فتح (زبر) فصیح ہے] ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا مَالَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ﴾ اللہ
تعالیٰ پر جو غالب و قابل ستائش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تین اوصاف کا ذکر کیا جن کے باعث وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس پر
ایمان لایا جائے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کا زبردست غالب و قادر ہونا جس کے عذاب سے ڈرنا چاہیے اور حمید و محمود، منعم و محسن
ہونا اس کی نعمت و احسان پر اس کی حمد و ثناء واجب و لازم ہے اور اس بناء پر اس سے ثواب کی امید رکھنی چاہیے۔

الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۙ إِنَّ

الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ كَفَرُوا فَلَهُمْ عَذَابٌ جَهَنَّمَ

وَلَهُمْ عَذَابٌ الْحَرِيقِ ۗ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۗ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ۗ

جس کے لیے آسمانوں اور زمین میں حکومت و سلطنت ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے ۰ بے شک جن لوگوں نے
مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو تکلیف دہ آزمائش میں مبتلا کیا پھر انہوں نے توبہ نہیں کی تو ان کے لیے دوزخ کا عذاب
ہے اور ان کے لیے آگ میں جلنے کا عذاب ہے ۰ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کے لیے
ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں یہی بہت بڑی کامیابی ہے ۰

۹- ﴿الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ وہی ایک ذات ہے جس کی آسمانوں میں اور زمین میں حکومت و سلطنت
ہے سوائے کی عبادت ہر اس ہستی پر واجب و لازم ہے جو ان دونوں کے درمیان موجود ہے نیز اس کا عاجز و محتاج بندہ بننا بھی
لازم ہے کیونکہ مسلمانوں کی جو چیز کافروں کو بُری اور ناگوار لگی وہ حق تھا جس کو بُرا نہیں سمجھتے مگر باطل پرست کافر اور بُرا منانے
والے اس کے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں بہت بڑے عذاب میں مبتلا کر کے مسلمانوں کی طرف سے انتقام لے ﴿وَاللَّهُ
عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے۔ یہ کفار کے لیے وعید و دھمکی ہے یعنی وہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں
اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے وہ انہیں اس پر ضرور مزادے گا۔

۱۰- ﴿إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ﴾ بے شک جن لوگوں نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو فتنہ
میں ڈال دیا اور یہ ممکن ہے کہ فتنہ میں ڈالنے والوں سے صرف خندقوں والے لوگ مراد ہوں اور مسلمانوں سے صرف وہی اہل
ایمان مراد ہوں جنہیں آگ کی خندقوں میں پھینکا گیا تھا اور انہیں فتنے میں ڈالنے کا معنی یہ ہے کہ انہیں آگ کا عذاب دیا گیا اور
انہیں آگ میں جلایا گیا ﴿ثُمَّ كَفَرُوا﴾ پھر انہوں نے توبہ کر کے کفر و شرک سے رجوع نہیں کیا ﴿فَلَهُمْ عَذَابٌ جَهَنَّمَ﴾

تو ان کے لیے آخرت میں دوزخ کا عذاب ہے ﴿وَلَكُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ﴾ اور ان کے لیے دنیا میں آگ میں جلانے کا عذاب ہوا، کیونکہ ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ وہی خندقوں والی آگ ان لوگوں پر بھی پلٹ گئی تھی اور انہیں جلا دیا تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ فتنہ میں ڈالنے والوں یعنی اذیتیں اور تکلیفیں دینے والوں سے عمومی طور پر تمام کفار مراد ہوں اور مسلمانوں سے وہ تمام اہل ایمان مراد ہوں جنہیں ایمان لانے پر اذیتیں اور تکلیفیں پہنچائی گئیں اور دردناک اذیتوں کے فتنے میں مبتلا کرنے والوں کو آخرت میں دو عذاب دیئے جائیں گے ایک عذاب ان کے کفر و شرک کرنے پر اور دوسرا عذاب مسلمانوں کو اذیتیں اور تکلیفیں پہنچانے پر۔

۱۱۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهِنَّ جَنَّةٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں یہی بہت بڑی کامیابی ہے یعنی وہ مسلمان جنہوں نے خندقوں کے عذاب پر صبر کیا تھا یا یہ عام ہے۔

إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ﴿۱۲﴾ إِنَّهُ هُوَ يَبْدِئُ وَيُعِيدُ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ﴿۱۴﴾

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ﴿۱۵﴾ فَعَالٌ لِمَا يَرِيدُ ﴿۱۶﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ﴿۱۷﴾

فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ ﴿۱۸﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ﴿۱۹﴾ وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ

مُحِيطٌ ﴿۲۰﴾ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ ﴿۲۱﴾ فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ ﴿۲۲﴾

بے شک آپ کے پروردگار کی گرفت بہت سخت ہے ○ بے شک پہلی مرتبہ وہی ایجاد کرتا ہے اور دوبارہ وہی لوٹائے گا ○ اور وہی بہت بخشنے والا بہت محبت کرنے والا ہے ○ عرش والا بڑی عظمت و بزرگی والا ہے ○ وہ جسے چاہتا ہے اسے خوب ایجاد کرتا ہے ○ کیا لشکروں کی خبر آپ کے پاس آچکی ہے ○ فرعون اور ثمود کی ○ بلکہ کفار جھٹلانے میں ہیں ○ اور اللہ تعالیٰ ان کے پیچھے احاطہ کرنے والا ہے ○ بلکہ وہ عظمت و بزرگی والا قرآن ہے ○ لوح محفوظ میں ○

اللہ تعالیٰ کی قدرت و گرفت اور قرآن مجید کی عظمت کا بیان

۱۲۔ ﴿إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ﴾ بے شک آپ کے پروردگار کی پکڑ بہت سخت ہے۔ ”بَطْشٌ“ کا معنی ہے: سختی

کے ساتھ پکڑنا، پھر جب اس کو شدت کے ساتھ متصف کیا گیا تو اس کے معنی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا، اس سے مراد یہ ہے کہ جس طرح جابر و ظالم لوگ سزا دینے اور انتقام لینے کے لیے بہت زیادہ سختی سے پکڑتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کفار مکہ کو بہت سختی کے ساتھ پکڑے گا۔

۱۳۔ ﴿إِنَّهُ هُوَ يَبْدِئُ وَيُعِيدُ﴾ بے شک پہلی بار وہی پیدا کرتا ہے اور دوبارہ بھی وہی پیدا کر کے اٹھائے گا یعنی

وہی ابتداء مخلوق کو پیدا کرتا ہے، پھر وہی ان کو مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ پیدا کرے گا اور اللہ تعالیٰ کا پہلی بار پیدا کرنا اور مرنے کے بعد پھر دوبارہ اعادہ کر کے اٹھانے پر قادر و غالب ہونا، اس کی سخت ترین گرفت پر دلالت و رہنمائی کرتا ہے یا پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ڈرایا اور دھمکایا کہ وہ انہیں یقیناً مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کر کے اٹھائے گا جیسا کہ انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا تا کہ سخت ترین گرفت و پکڑ میں لے کر سخت عذاب دے کیونکہ انہوں نے پہلی بار پیدا ہونے کی نعمت کا شکر ادا نہیں

کیا اور دوبارہ پیدا ہونے کو جھٹلا دیا۔

۱۴۔ ﴿وَهُوَ الْعَفْوَورُ﴾ اور وہ عیبوں کو بہت چھپانے والا اور گناہوں کو بہت بخشنے والا ہے ﴿الْوَدُّودُ﴾ اپنے دوستوں سے بہت محبت کرنے والا ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ اطاعت گزاروں کے ساتھ وہی کرے گا جو محبت کرنے والا اپنے پیاروں کے ساتھ کرتا ہے کہ وہ جو چاہتا ہے عطا فرمادیتا ہے۔

۱۵۔ ﴿ذُو الْعَرْشِ﴾ عرش والا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ عرش کا خالق و مالک ہے ﴿الْمَجِيدُ﴾ بڑی بزرگی والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بزرگی سے اس کی عظمت و کبریائی مراد ہے اور عرش کی بزرگی سے اس کی عظمت و بلندی مراد ہے [”مجید“ قاری حمزہ کوئی اور علی کسائی کی قراءت میں ”عرش“ کی صفت ہونے کی بناء پر مجرور پڑھا جاتا ہے]۔

۱۶۔ ﴿فَعَالٌ﴾ [یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے] ”ای هُوَ فَعَالٌ“ ﴿لَمَّا يُرِيدُ﴾ ”تَكْوِينُهُ“ یعنی وہ جس چیز کی تکوین و ایجاد چاہتا ہے اسے بہت اچھی طرح پیدا کرتا ہے پس یہ آیت مبارکہ اس بات کی روشن اور واضح دلیل ہے کہ تمام بندوں کے تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

۱۷، ۱۸۔ ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ﴾ کیا آپ کے پاس لشکروں کی خبر آچکی ہے (یعنی) گزشتہ امتوں میں سرکشی و نافرمانی کرنے والی جماعتوں کی خبر آپ کے پاس پہنچ چکی ہے ﴿فَذَعُونَ وَتَمُودُ﴾ یعنی فرعون اور ثمود وغیرہ قوموں کی خبر [یہ ”الجنود“ سے بدل ہے] فرعون سے وہ خود اور اس کی قوم مراد ہے اور اس کا معنی اور مطلب یہ ہے کہ (اے محبوب!) آپ تو گزشتہ رسولوں اور ان کے جھٹلانے والے لشکروں (یعنی قوموں) کو اور ان لشکروں اور قوموں کے جھٹلانے کی وجہ سے ان پر نازل ہونے والے عذابوں کو بھی جانتے اور پہچانتے ہیں۔

۱۹۔ ﴿يَلِ الدِّينَ كَفْرًا وَا﴾ بلکہ آپ کی قوم میں جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے وہ ﴿فِي تَكْنِيْبٍ﴾ جھٹلانے میں اور اپنے اوپر عذاب واجب کرنے میں مشغول ہیں اور وہ گزشتہ امتوں کے سرکش و نافرمان لشکروں اور قوموں سے عبرت و سبق حاصل نہیں کرتے۔ ان پر گزشتہ سرکش و نافرمان لشکروں کا حال مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے لیکن وہ آپ کو عناد و بغض کی وجہ سے جھٹلاتے ہیں۔

۲۰۔ ﴿وَاللَّهُ مِنْ ذَمِّ آيِهِمْ حَبِيْطٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کے پیچھے سے احاطہ کرنے والا ہے ان کے احوال کو خوب جاننے والا ہے اور ان پر قادر و غالب ہے جب کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور ان کا پیچھے سے احاطہ کرنا بطور مثال اور بطور محاورہ بولا گیا کیونکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے بچ نہیں سکتے جیسا کہ احاطہ کرنے والے سے کوئی چیز بچ کر نہیں نکل سکتی۔

۲۱، ۲۲۔ ﴿بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ﴾ بلکہ یہ جسے انہوں نے جھٹلایا ہے عظمت و بزرگی والا قرآن ہے جو تمام کتابوں میں عالی مرتبت ہے اور اپنے نظم و اعجاز میں بے مثال ہے جس طرح کفار مکہ گمان کرتے ہیں کہ یہ من گھڑت اور پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ایسا ہرگز نہیں ہے ﴿فِي لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ﴾ یہ لوح محفوظ میں شیطانوں کے وصول سے محفوظ ہے [قاری نافع مدنی کی قراءت میں قرآن کی صفت ہونے کی بناء پر ”مَحْفُوْظٌ“ مرفوع پڑھا جاتا ہے] یعنی تغیر و تبدل اور تحریف سے محفوظ ہے اور حضرت حسن بصری کے نزدیک ”لوح“ ایک ایسی چیز ہے جو فرشتوں کے لیے روشن اور ظاہر ہوتی ہے تو وہ اسے پڑھتے ہیں اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ”لوح“ ایک سفید موتی ہے جس کی لمبائی زمین و آسمان کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے اور اس کی چوڑائی مشرق و مغرب کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے اور اس کا قلم نور کا ہے اور اس میں ہر چیز لکھی ہوئی ہے۔ حضرت مقاتل نے فرمایا کہ یہ عرش کے دائیں جانب پر ہے اور اس کا بالائی حصہ عرش کے ساتھ

بندھا ہوا ہے اور اس کا زیریں حصہ ایک معزز فرشتہ کی گود میں ہے۔

﴿الْباقية﴾
﴿الْباقية﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

﴿الطارق﴾
﴿الطارق﴾

سورۃ الطارق کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی سترہ آیات ایک رکوع ہے

وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ ۝ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝ إِنَّ

كُلَّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝ فليَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ جُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ

دَافِقٍ ۝ يُخْرَجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ۝ إِنَّهُ عَلَى رَجْعِهِ لَقَادِرٌ ۝

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ ۝ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ ۝ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝

وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۝ إِنَّهُ لَقَوْلُ فَصْلٍ ۝ وَمَهُوَ بِالْهَزْلِ ۝ إِنَّهُمْ

يَكِيدُونَ كَيْدًا ۝ وَأَكِيدُ كَيْدًا ۝ فَمَهْلِكُ الْكَافِرِينَ أَهْلَهُمُ سُرُودًا ۝

قسم ہے آسمان کی اور رات کو طلوع ہونے والے کی! ۰ اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ رات کو طلوع ہونے والا کیا ہے ۰ (وہ) خوب چمکنے والا ستارہ ہے ۰ کوئی جان ایسی نہیں مگر اس پر محافظ مقرر ہوتا ہے ۰ سو انسان کو غور سے دیکھنا چاہیے کہ وہ کس سے پیدا کیا گیا ہے ۰ وہ اُچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے ۰ وہ (مرد کی) پیٹھ اور (عورت کے) سینہ کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے ۰ بے شک اللہ تعالیٰ اس کے واپس اعادہ کرنے پر ضرور قادر ہے ۰ جس دن دلوں کے پوشیدہ بھید ظاہر کر دیئے جائیں گے ۰ سو اس وقت اس کے پاس نہ کوئی طاقت ہوگی اور نہ کوئی مددگار ہوگا ۰ بارش برسانے والے آسمان کی قسم! ۰ اور پھٹنے والی زمین کی قسم! ۰ بے شک وہ (قرآن حق و باطل میں) فیصلہ کرنے والا کلام ہے ۰ اور وہ لغو نہیں ہے ۰ بے شک وہ (کفار) بہت خفیہ سازش کرتے ہیں ۰ اور میں خوب خفیہ تدبیر کرتا ہوں ۰ سو آپ کافروں کو چھوڑ دیں (اور) انہیں تھوڑی سی مہلت دے دیں ۰

مؤکد بہ قسم انسان کی حفاظت و تخلیق اور قرآن کی عظمت اور کفار کی سازش کا بیان

۱- ۳۳ ﴿وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ ۝ النَّجْمُ الثَّاقِبُ﴾ آسمان کی اور رات کو طلوع ہونے والے ستارہ کی قسم! اور آپ کو کیا معلوم کہ رات کو طلوع ہونے والا کیا ہے ۰ وہ خوب چمکنے والا ستارہ ہے۔ مخلوق کی نگاہوں میں آسمان کی قدر و شان کو بڑھایا گیا ہے کیونکہ وہ مخلوق کے رزق کا معدن و منبع ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کا مسکن و ٹھکانا ہے اور اس میں جنت کو پیدا کیا گیا ہے سو اللہ تعالیٰ نے اس کی اور ”طارق“ کی قسم اٹھائی ہے اور ”طارق“ سے تمام ستارے مراد ہیں کوئی مخصوص ستارہ نہیں کیونکہ ”طارق“ سے ”نجوم“ کی جنس مراد ہے (یعنی ہر چمکنے والے ستارے کی قسم!) یا جنس ”شہب“ مراد ہے (یعنی) ہر وہ ستارہ جس کے ساتھ شیاطین کو مار کر بھگایا جاتا ہے کیونکہ اس میں بھی بہت بڑی منفعت ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ”طارق“ کی ”نجم ثاقب“ کے ساتھ تفسیر و توضیح فرمائی یعنی چمکنے والا اور خوب روشن ستارہ گویا

وہ تاریکی میں سوراخ کر دیتا ہے اور اس میں گھس جاتا ہے اور اس کو ”طارق“ کے ساتھ اس لیے موصوف کیا گیا کہ یہ ستارہ رات کے وقت طلوع ہوتا ہے اور رات کو نمودار ہوتا ہے چنانچہ رات کے وقت آنے والے کو طارق کہا جاتا ہے۔

۴- ﴿إِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ﴾ ہر جان پر محافظ مقرر ہے جو اس کی آفات و بلیات سے حفاظت کرتا ہے یا وہ اس کے عمل اور اس کے رزق اور اس کی زندگی کی حفاظت کرتا ہے پھر جب اس کی یہ چیزیں پوری ہو جاتی ہیں تو وہ شخص فوت ہو جاتا ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس محافظ سے اعمال لکھنے والا فرشتہ مراد ہے [اور یہ قسم کا جواب ہے کیونکہ ”لَمَّا“ اگر مشدوبہ معنی ”إِلَّا“ ہو جیسا کہ امام عاصم کوئی قاری حمزہ کوئی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ہے تو پھر ”إِنْ“ نافیہ ہوگا یعنی کوئی جان نہیں ہے مگر اس پر محافظ مقرر ہے اور اگر ”لَمَّا“ مشدوبہ بجائے مخفف ”لَمَّا“ ہو جیسا کہ ان کے علاوہ کی قراءت میں ہے تو پھر ”إِنْ“ ثقیلہ سے مخفف ہوگا یعنی بے شک ہر جان پر محافظ ضرور ہوتا ہے اس صورت میں حرف ”مَا“ زائدہ ہوگا اور لام ”إِنْ“ نافیہ اور ”إِنْ“ خفیفہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے ہوگا اور ”حَافِظٌ“ مبتدا مؤخر ہے اور ”عَلَيْهَا“ خبر مقدم ہوگی اور مبتدا اور خبر مل کر جملہ ہو کر ”كُلُّ“ کی خبر ہوگی اور ان دو صورتوں میں جو بھی صورت ہو قسم کا جواب یہی ہوگا۔

۶۵- ﴿فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ﴾ سو انسان کو غور سے دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر کیا کہ ہر انسان پر محافظ ہوتا ہے تو اسے اس آیت مبارکہ میں حکم دیا کہ وہ اپنی پہلی حالت کو غور سے دیکھے تاکہ وہ یہ جان لے کہ بے شک جس نے اسے پیدا کیا ہے وہ اس کو اس کے مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے پر اور اس کے اعمال پر جزاء و سزا دینے پر بھی قادر ہے پس روز جزاء کے لیے عمل کرے اور وہ اپنے محافظ سے صرف ایسے اعمال لکھوائے جو اسے آخرت میں خوش و خرم اور کامیاب و کامران کر دیں [اور ”مِمَّ خُلِقَ“ استفہام (سوالیہ کلام) ہے یعنی اسے کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے اور اس سوال کا جواب (درج ذیل ارشاد) ہے: ﴿خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ﴾ وہ اُچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ ”دَفِقَ“ کا معنی ہے: تیزی سے دفعہ گرنا اور یک دم بہنا اور ٹپکنا اور حقیقت میں یہ صفت پانی گرانے والے انسان کی ہے اور یہاں ”مَاءَ“ کی طرف اس کی نسبت مجازی ہے اور بعض اہل لغت سے منقول ہے: ”دَفَعْتُ الْمَاءَ“ کا معنی ہے: میں نے پانی کو بہا دیا اور ”دَفِقَ الْمَاءُ بِنَفْسِهِ“ پانی خود بخود بہ گیا اور اللہ تعالیٰ نے ”مِنْ مَّاءٍ يَنْ“ رو پانی نہیں فرمایا کیونکہ مرد اور عورت کے پانی رحم میں جا کر متصل ہو جاتے ہیں مل جاتے ہیں اور کس ہو جاتے ہیں اور دونوں کے متحد ہونے سے بچہ کی پیدائش کی ابتداء ہوتی ہے۔

۷- ﴿يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ﴾ وہ پیٹھ اور چھاتیوں کے درمیان سے نکلتا ہے (یعنی) مرد کی پیٹھ اور عورت کی چھاتیوں کے درمیان سے نکلتا ہے اور وہ سینے کی ہڈیاں ہیں جہاں ہار ٹھہرتا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ہڈیاں اور پیٹھے مرد کی منی سے پیدا ہوتے ہیں اور گوشت اور خون عورت کی منی سے پیدا ہوتا ہے۔

۸- ﴿إِنَّهُ عَلَى رَجْعِهِ لَقَادِرٌ﴾ بے شک وہ اسے دوبارہ مرنے کے بعد پیدا کر کے لوٹانے پر ضرور قادر ہے [”إِنَّهُ“ کی ضمیر خالق کی طرف لوٹی ہے کیونکہ اس پر ”خُلِقَ“ دلالت و رہنمائی کر رہا ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک جس نے انسان کو ابتداء میں نطفہ سے پیدا کیا ہے وہ خصوصاً اس کو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھانے پر قادر ہے جس کی قدرت واضح اور ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہرگز عاجز نہیں ہے جیسا کہ یہ قول ہے: ”إِنِّي لَفَقِيرٌ“ بے شک میں فقیر و محتاج ہوں یعنی یہ فقر واضح اور ظاہر ہے۔

۹- ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ بُيُوتُنَا فِي سُبْحَانَ﴾ جس دن دلوں میں چھپے عقائد و نیات اور ارادے اور مخفی اعمال ظاہر ہو جائیں گے [”يَوْمَ“

کی نصب ”رَجَعَهُ“ کی وجہ سے ہے یا پھر فعل مضمَر کی وجہ سے ہے جس پر ”رَجَعَهُ“ دلالت و رہنمائی کر رہا ہے ”آیَ يِعْتَهُ“۔

۱۰۔ ﴿فَمَالَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ﴾ سو اس کے لیے نہ طاقت ہوگی اور نہ کوئی مددگار ہوگا (یعنی) انسان کے پاس نہ ذاتی قوت و طاقت ہوگی جس کے سبب اپنے اوپر نازل ہونے والی مصیبت و عذاب کا دفاع کر سکے اور نہ کوئی مددگار ہوگا جو اس کی مدد کر سکے اور اس سے عذاب کو دور کر سکے۔

۱۱۔ ﴿وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ﴾ رجوع کرنے والے آسمان کی قسم! یعنی بارش والے آسمان کی قسم! اور اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ بارش بار بار گاہے بہ گاہے لوٹ کر برسی رہتی ہے۔

۱۲۔ ﴿وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدَاجِ﴾ اور پھٹنے والی زمین کی قسم! جو نباتات و سبزہ جات کے اُگنے کی وجہ سے کھل جاتی ہے اور اُگنے والی نباتات زمین کو چیر کر باہر ظاہر ہو جاتی ہیں۔

۱۳، ۱۴۔ ﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ فَصْلٍ﴾ بے شک یہ فیصلہ کرنے والا کلام ہے (یعنی) بے شک یہ قرآن حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والا کلام ہے جیسا کہ اسے ”فرقان“ کہا گیا ہے ﴿وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ﴾ اور وہ لغو بات نہیں ہے (یعنی) قرآن مجید لہو و لعب، کھیل تماشا اور باطل کلام نہیں ہے، مطلب یہ کہ قرآن مجید سارے کا سارا عمدہ برحق اور سچا اور کھرا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا یہی وصف بیان کیا ہے اور اس کا یہی حق ہے کہ سینوں میں اس کا خوف و دبدبہ اور رعب ہو اور دلوں میں اس کی عظمت و رفعت ہو اور جب اس کا پڑھنے والا یا سننے والا پڑھتے وقت یا سنتے وقت اس کا مذاق اُڑاتا ہے یا اس کے مذاق اُڑانے پر خوش ہوتا ہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔

۱۵۔ ﴿إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا﴾ بے شک وہ لوگ یعنی مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو باطل قرار دینے اور حق کے نور کو بجھانے کے لیے بہت سی سازشیں کرتے ہیں۔

۱۶۔ ﴿وَأَكِيدُ كَيْدًا﴾ اور میں بھی خفیہ تدبیر کرتا ہوں اور میں ان کے مکر و فریب اور سازش کے بدلے میں انہیں مہلت دے کر ایسی سزا دوں گا کہ انہیں معلوم بھی نہیں ہو سکے گا ”سو“ کید“ (مکر و فریب) کے بدلے کو کہا گیا ہے جیسا کہ زیادتی کے بدلے کو زیادتی اور بُرائی کے بدلے کو بُرائی کہا گیا ہے اگرچہ بدلہ لینا زیادتی اور بُرائی نہیں ہے اور اس وصف کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز نہیں مگر جزاء اور انتقام و بدلہ لینے کے معنی میں جیسا کہ ارشاد ہے: ”نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيهِمْ“ (التوبہ: ۱۵) ”انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بھولنے کی سزا دی“۔ ”يَخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ“ (النساء: ۱۴۲) ”وہ اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں دھوکہ کی سزا دے گا“۔ ”أَلَلَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ“ (البقرہ: ۱۵) ”اللہ تعالیٰ انہیں استہزاء (مذاق اُڑانے) کی سزا دے گا۔“

۱۷۔ ﴿فَسَبِّحْ لِلْكَاثِرِينَ﴾ پس آپ کافروں کو چھوڑ دیں یعنی آپ ان کی ہلاکت کی دعائے کریں اور نہ اس کی جلدی کریں ﴿أَفِهَلْهُمْ﴾ آپ انہیں مہلت دے دیں یہاں امر کو مکرر ذکر کیا لیکن دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں تاکہ دونوں کے تکرار سے صبر و تسکین کا اضافہ کیا جائے ﴿سَمَوَاتٍ﴾ تھوڑی سی مہلت اور اس کو فقط تصغیر کے کلمہ کے ساتھ بولا جاتا ہے اور یہ ”رَادَتْ الرِّيحُ قَرُودًا رَوْدًا“ سے ماخوذ ہے ہوا بہت آہستہ اور کمزور چلی یعنی تھوڑی چلی۔

وَالَّذِي
قَدَّرَ فَهَدَىٰ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالَّذِي
قَدَّرَ فَهَدَىٰ

سورۃ الاعلیٰ کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی انیس آیات ایک رکوع ہے

سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ ۱ الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ ۲ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ ۳

وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَىٰ ۴ فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَىٰ ۵ سَنُقَرِّبُكَ فَلَا تَنسَىٰ ۶ إِلَّا

مَا شَاءَ اللَّهُ ۷ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَىٰ ۸ وَنُبَيِّنُكَ لِيَسْرَىٰ ۹ فَذَكِّرْ ۱۰

تَفَعَّلَ الدَّكْرِىٰ ۱۱ سَيَذَكِّرْكَ مَنْ يُخَشَىٰ ۱۲ وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَىٰ ۱۳

آپ اپنے پروردگار کی تسبیح بیان کیجئے جو سب سے بلند و برتر ہے ۰ جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا، پھر درست بنایا ۰ اور جس نے مقدر بنایا، پھر (اس کی) ہدایت دی ۰ اور جس نے چارہ اگایا ۰ پھر اسے خشک سیاہ بنا کر ریزہ ریزہ کر دیا ۰ عنقریب ہم آپ کو پڑھائیں گے، سو آپ ہرگز نہیں بھولیں گے ۰ مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے گا، بے شک وہ ظاہر کو جانتا ہے اور اسے بھی جو پوشیدہ ہے ۰ اور ہم آپ کے لیے آسان کر دیں گے ۰ سو آپ نصیحت کیجئے اگر نصیحت فائدہ دے ۰ عنقریب وہ شخص نصیحت قبول کر لے گا جو (اللہ تعالیٰ سے) ڈرتا ہے ۰ اور اس سے بدترین بد بخت دور رہے گا ۰

حضور کے لیے تسبیح پڑھنے، قرآن نہ بھولنے اور نصیحت کرنے کا بیان

۱۔ ﴿سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ﴾ (اے محبوب!) آپ اپنے پروردگار کے نام کی تسبیح بیان کیجئے جو سب سے بلند ہے (یعنی) آپ اللہ تعالیٰ کی ذات کو ان تمام چیزوں سے پاک بیان کیجئے جو اس کی ذات اقدس کے لائق نہیں ہیں اور ”اسم“ صلہ ہے اور یہ اس بناء پر کہ ”اعلیٰ“ کی تفسیر علوم مرتبی کے ساتھ کی جائے، جس کا معنی غلبہ اور اقتدار ہے، یعنی اے محبوب! آپ اپنے پروردگار کی تسبیح بیان کیجئے جو سب پر غالب و قادر ہے، اس کی علوم کانی کے ساتھ تفسیر نہ کی جائے، جس کا معنی ہے کہ وہ مکان اور جگہ کے اعتبار سے سب سے بلند ہے اور بعض اہل علم حضرات کا قول ہے کہ اس آیت مبارکہ کا معنی ہے کہ اے محبوب! آپ ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَىٰ“ پڑھا کریں اور حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم اسے اپنے سجدوں میں پڑھا کرو۔

۲۔ ﴿وَالَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ﴾ جس نے پیدا کیا، پھر درست اور ٹھیک بنایا یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اس کی تخلیق کو یکساں اور برابر درست اور ٹھیک بنایا اور نہ تو کم و بیش بنایا اور نہ متفرق و جدا جدا بنایا بلکہ مضبوط و مستحکم اور مربوط و منتظم اور اس بات پر دلالت و رہنمائی کرنے والا بنایا کہ وہ ایک عالم و حکیم کی تخلیق کا نمونہ ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طرح درست و ٹھیک پیدا فرمایا جس میں اس کی منفعت اور مصلحت تھی۔

۳۔ ﴿وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ﴾ اور جس نے مقدر بنایا اور ہدایت دی یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر جان دار کے لیے وہی مقدر کیا جس کی وہ صلاحیت رکھتا ہے، پھر اسی کی طرف اس کو ہدایت عطا کی اور اس سے نفع حاصل کرنے کا طریقہ اس کو سکھایا، بتلایا

۱۔ رواہ ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۶۹ ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۸۷ الدارمی ج ۱ ص ۲۹۹

اور اس کی پہچان کرادی یا یہ معنی ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو ہدایت کا راستہ اور گمراہی کا راستہ بتلایا لیکن ”فہدیٰ“ پر اکتفاء کرتے ہوئے ”وَأَضَلُّ“ کو حذف کر دیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ“ (اعل: ۹۳) ”اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہی پہ ڈال دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اسے ہدایت عطا فرمادیتا ہے“ [قاری علی کسائی کی قراءت میں بغیر شد کے ”قَدَرَ“ پڑھا جاتا ہے]۔

۴- ﴿وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَى﴾ اور جس نے چارہ اُگایا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے وہ سب کچھ اُگایا جو جانور چرتے ہیں۔
۵- ﴿فَجَعَلَهُ غُثَاءً﴾ پھر اسے خشک کر کے ریزہ ریزہ کر دیا ﴿أَحْوَى﴾ سیاہ کر دیا [سو ”أَحْوَى“، ”غُثَاءً“ کی صفت ہے]۔

۶، ۷- ﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَى﴾ عنقریب ہم آپ کو پڑھائیں گے پس آپ ہرگز نہیں بھولیں گے (یعنی) ہم عنقریب آپ کو قرآن مجید سکھائیں گے یہاں تک کہ آپ اسے ہرگز نہیں بھولیں گے ﴿إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ﴾ مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے کہ اسے منسوخ کر دے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی کریم ﷺ کے لیے خوش خبری ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ پر وحی کو محفوظ رکھے گا یہاں تک کہ آپ کو کوئی چیز نہیں بھولے گی مگر جس کو اللہ تعالیٰ منسوخ کرنا چاہے گا تو اس کا حکم اور تلاوت اٹھا لے گا اور اسے آپ کے حفظ سے لے جائے گا اور ابن کیسان نحوی نے حضرت جنید سے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ”فَلَا تَنْسَى“ کا معنی ہے کہ آپ اس پر عمل کرنے کو نہیں بھولیں گے پھر فرمایا کہ تمہارے جیسے آدمی سے ترک عمل صادر ہو جاتا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ”فَلَا تَنْسَى“ فعل نہیں ہے اور اس کے آخر میں فاصلہ کے لیے الف زائدہ ہے جیسے ارشاد ہے: ”السَّبِيلَا“ (الاحزاب: ۶۷) یعنی پس آپ اس کے پڑھنے سے اور اس کے دہرانے سے غافل نہ ہونا ورنہ بھول جائیں گے اور ”إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ“ کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی تلاوت اٹھا کر اس کو آپ کے حفظ سے بھلا دے گا ﴿إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَى﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ظاہر کو جانتا ہے اور جو کچھ پوشیدہ ہے وہ اسے بھی جانتا ہے یعنی بے شک آپ بھول جانے کے خوف سے حضرت جبریل علیہ السلام کے پڑھنے کے ساتھ قرآن مجید کو بلند آواز سے پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ حضرت جبریل کے ساتھ آپ کے بلند آواز سے پڑھنے کو بھی خوب جانتا ہے اور آپ کے دل کی اس کیفیت کو بھی خوب جانتا ہے جو آپ کو بلند آواز سے پڑھنے کی طرف دعوت دیتی ہے یا یہ کہ آپ بھول جانے کے خوف کی وجہ سے جو کچھ اپنے دل میں پڑھتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے یا یہ معنی ہے کہ (اے بنی نوع انسان!) تم اپنے اقوال اور افعال میں سے جو پوشیدہ کرتے ہو انہیں بھی اور جو تم اعلانیہ کرتے ہو انہیں بھی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے نیز وہ تمہارے ظاہری احوال کو بھی جانتا ہے اور وہ تمہارے باطن کے احوال کو بھی جانتا ہے۔

۸- ﴿وَلْيَشْرِكْ لِلنَّسْرِ﴾ اور ہم آپ کے لیے آسانی مہیا کر دیں گے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہم آپ کو ایسے طریقہ کی توفیق عطا کریں گے جو سب سے زیادہ سہل اور آسان ترین ہوگا یعنی وحی کو حفظ کرنے کا طریقہ اور بعض اہل علم کا قول ہے کہ ہم آپ کو شریعت مبارکہ کے لیے توفیق عطا کریں گے جو تمام شریعتوں میں سے آسان ترین شریعت ہے یا ہم آپ کو جنت کے اعمال کی توفیق عطا کریں گے [یہ ”سَنُقْرِئُكَ“ پر معطوف ہے اور یہ ارشاد کہ ”إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَى“ جملہ معترضہ ہے]۔

۹- ﴿فَلَا كِبْرُ﴾ سو آپ قرآن کریم کے ذریعے نصیحت کرتے رہیں ﴿إِنْ تَفَعَّلْتَ الْإِكْرَامِ﴾ اگر وعظ و نصیحت نفع دے۔ بعض حضرات نے فرمایا: یہ بظاہر شرط ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ کفار میں وعظ و نصیحت کا اثر کرنا بہت بعید اور ناممکن ہے۔
۱۰- فضیلۃ الشیخ علامہ اسماعیل حقی حنفی اس آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں: وعظ و نصیحت کو نفع کے ساتھ مقید کرنا اس لیے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے اور بعض حضرات کا ارشاد ہے کہ وعظ و نصیحت کا یہ امر مطلق ہے، نفع دینے کے ساتھ مشروط و مقید نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "فَذِكْرُ اِنَّمَا اَنْتَ مَذْكُوْرٌ" (الغاشیہ: ۲۱) "سو آپ نصیحت کیجئے بے شک آپ صرف نصیحت کرنے والے ہیں"۔

۱۰۔ ﴿سَيَذَكَّرُ﴾ عنقریب نصیحت حاصل کر لے گا اور نصیحت قبول کر لے گا ﴿مَنْ يَخْشَى﴾ جو اللہ تعالیٰ سے اور برے انجام سے اور عذابِ آخرت سے ڈرتا ہے۔

۱۱۔ ﴿وَيَتَجَبَّبُهَا﴾ اور اس سے کنارہ کشی کرتا ہے (یعنی) وعظ و نصیحت سے دور رہتا ہے اور اسے قبول نہیں کرتا ﴿الْاَشَقَى﴾ سب سے زیادہ بد بخت و کافر یا وہ شخص جو کفر میں سب سے زیادہ بد بخت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عداوت و دشمنی رکھنے میں غلو کرتا ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ ولید بن مغیرہ اور عتبہ بن ربیعہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

الَّذِي يَصُلِّي النَّارَ الْكُبْرَى ﴿١٢﴾ ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَى ﴿١٣﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ

تَزَكَّى ﴿١٤﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى ﴿١٥﴾ بَلْ تُؤَثِّرُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿١٦﴾ وَالْآخِرَةَ

خَيْرًا اَبْقَى ﴿١٧﴾ اِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُولَى ﴿١٨﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿١٩﴾

جو بہت بڑی آگ میں داخل ہوگا پھر وہ اس میں نہ مرے گا اور نہ جئے گا بے شک وہ شخص کامیاب ہو گیا جس نے تزکیہ کیا اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو اور آخرت سب سے بہتر ہے اور سب سے زیادہ باقی رہنے والی ہے بے شک یہ پہلے صحیفوں میں (مذکور) ہے اور ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں

۱۲۔ ﴿الَّذِي يَصُلِّي النَّارَ الْكُبْرَى﴾ جو بڑی آگ میں داخل ہوگا (یعنی) وہ دوزخ کی آگ میں داخل ہوگا کیونکہ دنیا کی آگ چھوٹی (صغریٰ) ہے۔

۱۳۔ ﴿ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا﴾ پھر وہ اس (دوزخ کی آگ) میں کبھی نہیں مرے گا کہ وہ عذاب سے راحت و آرام پا سکے ﴿وَلَا يَحْيَى﴾ اور نہ وہ جئے گا (یعنی) ایسی زندگی کے ساتھ نہیں جئے گا جس کے ساتھ عذاب و تکلیف کی بجائے لذت و آرام اور نفع حاصل کر سکے اور "ثُمَّ" اس لیے فرمایا گیا ہے کہ موت و حیات کے درمیان تردد و دوزخ میں داخل ہونے سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ہے کہ رسول اللہ ﷺ بہت زیادہ وعظ و نصیحت فرماتے یہاں تک کہ آپ اپنی تمام جدوجہد اس پر صرف کر دیتے محض اس خواہش میں کہ کفار مسلمان ہو جائیں لیکن اس سے نفع کی بجائے بعض کفار کے کفر و عناد میں اضافہ ہو جاتا اس لیے اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ وعظ و نصیحت اسے فرمائیں جس سے نفع کی امید ہو یعنی جسے نصیحت کی جائے اس سے کئی یا جزوی طور پر اسے فائدہ کی امید ہو تو وعظ و نصیحت کرو ورنہ خود کو تکلیف و مشقت میں نہ ڈالو بالخصوص اس کے بارے میں جو کفر و سرکشی اور لذت دنیا میں حد سے بڑھ چکا ہو کہ جس کے دل پر مہر لگ چکی ہے جیسے قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: "فَذِكْرٌ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعَبِيدٌ" (ق: ۳۵) "سو آپ قرآن مجید کے ساتھ اس کو نصیحت کیجئے جو میری وعید (ڈراوے) سے ڈرتا ہے" حرف "اِنَّ" شرط ہے جو شک کا فائدہ دیتا ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہے اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں۔

(تفسیر روح البیان جز ۳۰ ص ۲۹۳ مترجم)

زیادہ برا ہے پس یہ تراخی شدت کے مراتب کے اعتبار سے ہے۔
کامیابی کے اوصاف کا بیان

۱۴- ﴿قَدْ أَفْلَحَ﴾ بے شک کامیابی حاصل کر لی ﴿مَنْ تَزَكَّى﴾ جس نے اپنے آپ کو کفر و شرک سے پاک کر لیا یا اپنے آپ کو نماز کے لیے پاک کر لیا یا جس نے زکوٰۃ ادا کی۔ ”تَزَكَّى“ بروزن ”تَفَعَّلَ“، ”زَكُوۡةٌ“ سے ماخوذ ہے جیسے ”تَصَدَّقَ“، ”صَدَقَةٌ“ سے ماخوذ ہے۔

۱۵- ﴿وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ﴾ اور اس نے اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کیا اور نماز کے افتتاح کے لیے تکبیر پڑھتے ہوئے ”اللَّهُ أَكْبَرُ“ کہا ﴿فَصَلَّى﴾ اور نماز پنجگانہ ادا کرتا رہا اور اس آیت مبارکہ سے تکبیر افتتاح اور تکبیر تحریمہ کے وجوب پر استدلال کیا جاتا ہے اور اس بات پر استدلال کیا جاتا ہے کہ یہ تکبیر نماز کے ارکان میں سے نہیں ہے (بلکہ نماز کی شرائط میں سے ہے) کیونکہ ”صَلُوۡةٌ (فَصَلَّى)“ کا اس پر عطف کیا گیا ہے جو مغائرت کا تقاضا کرتا ہے اور نیز اس بات پر استدلال کیا جاتا ہے کہ اللہ عزوجل کے ناموں میں سے کسی نام کے ساتھ نماز کا آغاز کرنا جائز ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اس نے اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑے ہونے کو اور اپنی آخرت کو یاد رکھا اور اللہ تعالیٰ کے لیے نماز پڑھی اور حضرت ضحاک سے مروی ہے کہ اس نے عید کے روز عید گاہ میں جانے کے لیے راستے میں تکبیریں پڑھیں اور وہاں پہنچ کر نماز عید ادا کی۔

۱۶- ﴿بَلْ تُؤْتِرُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ بلکہ تم آخرت پر دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو (جب کہ کامیابی کے لیے دنیا کی زندگی پر آخرت کو ترجیح دینا واجب ہے) سو تم وہ کام نہیں کرتے جن کے ساتھ تم کامیابی حاصل کر لو اور اس کے مخاطب کفار ہیں اس کی دلیل ابو عمرو کی قراءت ”يُؤْتِرُونَ“، ”يَا“ کے ساتھ ہے۔

۱۷- ﴿وَالْآخِرَةُ خَيْرٌۭا۟ لَّكَ﴾ اور آخرت سب سے بہتر اور سب سے زیادہ باقی رہنے والی ہے اور وہ بذات خود افضل و اعلیٰ اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔

۱۸- ﴿اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُولٰٓئِ﴾ بے شک یہ پہلے صحیفوں میں مذکور ہے اور ”هٰذَا“، ”قَدْ أَفْلَحَ“ سے لے کر ”اَبْقَى“ تک کی طرف اشارہ ہے یعنی بے شک اس کلام کا معنی پہلے صحیفوں میں وارد ہو چکا ہے یا ”هٰذَا“ کا اشارہ اس تمام کلام کی طرف ہے جو اس سورت میں ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نماز میں قرآن مجید کی قراءت فارسی زبان کے ساتھ جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو پہلے صحیفوں میں مذکور قرار دیا ہے حالانکہ ان صحیفوں میں ان الفاظ کے ساتھ اور اس عربی زبان میں مذکور نہیں تھا۔

۱۹- ﴿صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰنٰسِ﴾ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں مذکور ہے [اور یہ ”الصُّحُفِ الْاُولٰٓئِ“ سے بدل ہے] اور ایک روایت کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں یہ نصیحت بھی درج ہے کہ عقل مند آدمی کے لیے واجب ہے کہ وہ اپنی زبان کی حفاظت و نگرانی کرتا رہے اور وہ اپنے زمانہ کا عارف ہو اور وہ اپنے حال اور شان کے سنوارنے پر متوجہ رہے۔

۱۰ آیات کی تعداد
۱۰ آیات کی تعداد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۸۸ الغاشية
۱۰ آیات کی تعداد

سورۃ الغاشیہ کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی چھبیس آیات ایک رکوع ہے

هَلْ اَتٰتَكَ حٰدِیْثُ الْغٰشِیَةِ ۱ وَجُوْهُ یَوْمَیْنِ خٰشِیَةٍ ۲ عٰمِلَةٌ تٰصِیْبَةٌ ۳

تَصَلٰی نَارًا حٰمِیَةً ۴ تُسْفٰی مِنْ عَیْنِ اٰنِیَّةٍ ۵ لَیْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ

ضَرِیْعٍ ۶ لَا یُسْمِنُ وَلَا یَغْنٰی مِنْ جُوْعٍ ۷ وَجُوْهُ یَوْمَیْنِ تٰعٰبَةٍ ۸ لَیْسَ بِهَا

رٰضِیَةٌ ۹ فِی جَنَّةٍ عٰلِیَةٍ ۱۰ لَا تَسْمَعُ فِیْهَا لٰغِیَةً ۱۱ فِیْهَا عَیْنٌ جَارِیَةٌ ۱۲

فِیْهَا سُرٌّ مَّرْفُوْعَةٌ ۱۳ وَاَكْوَابٌ مَّرْضُوْعَةٌ ۱۴ وَنَبٰرٌ مَّصْفُوْرَةٌ ۱۵

وَنٰرٌ اٰتٰی مَبْتُوْنَةٌ ۱۶

کیا آپ کے پاس چھا جانے والی ہولناک چیز کی خبر پہنچ چکی ہے ۰ اس دن بہت سے چہرے ذلیل ہوں گے ۰ کام کرنے والے مشقت اٹھانے والے ۰ وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے ۰ انہیں کھولتے ہوئے چشمہ کا پانی پلایا جائے گا ۰ ان کے لیے کوئی کھانا نہیں ہوگا مگر کانٹے دار زہریلی جھاڑی ۰ وہ نہ فریبہ کرے گا اور نہ وہ بھوک سے بے نیاز کرے گا ۰ اس دن بہت سے چہرے خوش و خرم ہوں گے ۰ اپنی کوشش پر راضی ہوں گے ۰ عالی شان جنت میں ہوں گے ۰ وہ اس میں کوئی بے ہودہ بات نہیں سنیں گے ۰ اس میں بہت سے بہتے ہوئے چشمے ہوں گے ۰ اس میں اونچے اونچے تخت ہوں گے ۰ ترتیب سے رکھے ہوئے پیالے ہوں گے ۰ اور ایک دوسرے کے پہلو میں برابر برابر رکھے ہوئے گاؤتکے ہوں گے ۰ اور بہترین چھنی ہوئی چاندنیاں ہوں گی ۰

آخرت میں کافروں کے لیے سزاؤں اور نیک مسلمانوں کے لیے انعامات کا بیان

۱- ﴿هَلْ اَتٰتَكَ حٰدِیْثُ الْغٰشِیَةِ﴾ ”ہل“ ”بہ معنی“ ”قَدْ“ ہے یعنی بے شک آپ کے پاس چھا جانے والی ہولناک چیز کی خبر پہنچ چکی ہے (یعنی) دہشت ناک چیز جو لوگوں کو اپنے شدائد و مصائب کے ساتھ ڈھانپ لے گی اور اس کی ہولناکیاں لوگوں کو گھیر لیں گی اس سے قیامت مراد ہے اور بعض نے فرمایا: اس سے دوزخ کی آگ مراد ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَتَعٰشٰی وَجُوْهُهُمْ النَّارُ“ (ابراہیم: ۵۰) ”اور ان کے چہروں پر آگ چھا جائے گی“۔

۲- ﴿وَجُوْهُ یَوْمَیْنِ خٰشِیَةٍ﴾ بہت سے چہرے اس دن ذلیل و عاجز ہوں گے یعنی جس دن قیامت چھا جائے گی اس دن کفار کے چہرے ذلیل ہو کر جھکے ہوئے ہوں گے کیونکہ ان کے چہروں پر ذلت و رسوائی اور حقارت و خجالت چھائی ہوئی ہوگی اور چہروں کو اس لیے خاص کیا گیا ہے کہ غم و رنج اور مسرت و خوشی جب آدمی میں مستحکم ہو جاتی ہیں تو ان کا اثر چہروں میں ظاہر ہو جاتا ہے۔

۳- ﴿عٰمِلَةٌ تٰصِیْبَةٌ﴾ کام کرنے والے مشقت و محنت برداشت کرنے والے۔ وہ لوگ دوزخ کی آگ میں ایسے

کام کریں گے جن کی وجہ سے اس میں تھک جائیں گے اور وہ کام پاؤں میں ڈالی گئی زنجیروں، بیڑیوں اور گلے میں ڈالے گئے طوقوں کو کھینچنا اور دوزخ کی آگ میں غوطے لگانا ہے جیسے اونٹ کیچڑ میں لوٹ پوٹ ہوتا ہے اور آگ کے اونچے اونچے ٹیلوں پر چڑھنا اور اس کے گہرے گڑھوں میں اترنا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ کفار دنیا میں بُرے اعمال کرتے تھے اور ان پر خوش ہوتے اور محفوظ ہوتے، پس آخرت میں ان کے بدلے میں یہ مشقتیں اٹھائیں گے اور بعض حضرات کا فرمانا ہے کہ ان سے بد مذہب و بد عقیدہ، گرجوں، مندروں اور کلیساؤں وغیرہ میں مشقتیں اٹھانے والے لوگ مراد ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی اختیار کرتے اور ریاضتیں کرتے اور وہ اپنے اعمال میں روزوں کی مشقتیں اٹھاتے اور ہمیشہ تہجد کی تکلیفیں برداشت کرتے تھے۔

۴- ﴿تَصَلَّىٰ نَارًا حَامِيَةً﴾ وہ بھڑکتی ہوئی دوزخ کی آگ میں داخل ہوں گے (یعنی) وہ ایسی آگ میں داخل ہوں گے جس کو عرصہ دراز تک جلایا اور بھڑکایا جائے گا یہاں تک کہ اس کی حرارت و تپش اور گرمی کے برابر کوئی حرارت و گرمی نہیں ہوگی [ابو بکر کوفی اور ابو عمرو کی قراءت میں "قا" مضموم کے ساتھ (فعل مضارع مجہول) "تُصَلَّى" پڑھا جاتا ہے]۔

۵- ﴿تُسْقَىٰ مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ﴾ انہیں کھولتے ہوئے چشمے کا پانی پلایا جائے گا (یعنی) ایسے چشمے سے پانی پلایا جائے گا جس کے پانی کی حرارت و تپش اور گرمی اپنی انتہاء کو پہنچ چکی ہوگی [اور ان صفات اور افعال میں تانیث "وَجْوَةٌ" (چہروں) کی طرف لوٹتی ہے اور ان کے اصحاب (چہروں والے) مراد ہیں جس کی دلیل درج ذیل آیت مبارکہ ہے]۔

۶- ﴿لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ﴾ ان کے لیے کوئی کھانا نہیں ہوگا مگر زہریلی خاردار جھاڑیاں۔ "ضریع" خود رو پودا، جھاڑی اور بوٹی ہوتی ہے اور جب ہری بھری اور تر و تازہ ہوتی ہے تو اسے "شبرق" کہا جاتا ہے پھر جب یہ خشک ہو جاتی ہے تو اسے "ضریع" کہا جاتا ہے اور یہ بڑی زہر قاتل ہوتی ہے اور آخرت میں مختلف عذاب ہوں گے اور عذاب پانے والے بھی مختلف طبقات میں ہوں گے چنانچہ ان میں سے بعض "زقوم" کھانے والے ہوں گے اور ان میں سے بعض "غسلین" کھانے والے ہوں گے اور ان میں سے بعض "ضریع" کھانے والے ہوں گے اور اس آیت مبارکہ میں اور درج ذیل ارشاد میں کوئی تناقض و تضاد نہیں ہے: "وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غَسْلِيْنٍ ۝" (الحاقة: ۳۶) "اور دوزخیوں کا کھانا صرف غسلین ہوگا"۔

۷- ﴿لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوْعٍ﴾ نہ وہ موٹا کرے گا اور نہ وہ بھوک مٹائے گا یعنی غذا کے ذوقوں، فائدے اس سے منٹھی ہوں گے اور وہ یہ ہیں: بھوک کا مٹانا اور بدن کا توانائی کے ساتھ موٹا پانا ہونا [لَا يُسْمِنُ] محلاً مجرور ہے کیونکہ یہ "ضریع" کا وصف ہے]۔

۸- ﴿وَجُوْدًا يَوْمَئِذٍ تَابِعَةً﴾ اس دن بہت سے چہرے تر و تازہ خوش و خرم ہوں گے، نرم و ملائم، عیش و عشرت میں خوش اور ہشاش بشاش رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے چہروں کی ذلت و رسوائی بیان کرنے کے بعد اب پھر اس آیت مبارکہ میں مؤمنوں کے چہروں کا وصف بیان فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے "وَجُوْدًا" نہیں فرمایا کیونکہ پہلا کلام بہت طویل و دراز اور منقطع ہو چکا ہے۔

۹- ﴿لَسَعِيْفًا رَاضِيَةً﴾ اپنی کوشش پر راضی ہوں گے (یعنی) جب وہ آخرت میں عزت و کرامت اور اجر و ثواب کو دیکھیں گے جو انہیں اللہ تعالیٰ ان کے نیک عمل اور عبادت کے صلہ میں عطا فرمائے گا تو اس پر راضی اور خوش ہو جائیں گے۔

۱۰- ﴿فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ﴾ عالی شان جنت میں۔ یہ جنت مکان کی وجہ سے یا مقدار کی وجہ سے بلند و بالا اور عالی

شان ہوگی۔

۱۱۔ ﴿لَا تَسْمَعُ فِيهَا﴾ اے مخاطب! یا اے جنتی چہرے والو! تم اس میں ہرگز نہیں سنو گے ﴿لَا غِيَةَ﴾ یعنی کوئی لغو بات یا لغو بات والا کوئی کلمہ یا تم خود کوئی لغو اور بے ہودہ بات نہیں کرو گے کیونکہ جنتی حضرات صرف حکمت و دانائی کی بات کریں گے یا جو دائمی انعامات اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے ہوں گے ان پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کریں گے [ابن کثیر کی اور ابو عمرو کی قراءت میں "لَا يُسْمَعُ فِيهَا لَا غِيَةَ" اور نافع مدنی کی قراءت میں "لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَا غِيَةَ" (فعل مضارع مجہول اور "لا غیة" نائب فاعل مرفوع) پڑھا جاتا ہے]۔

۱۲۔ ﴿فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ﴾ اس میں بہنے والے چشمے ہوں گے یعنی بہت زیادہ چشمے بہتے ہوں گے جیسا کہ ارشاد ہے: "عَلِمَتْ نَفْسٌ" (التکویر: ۱۳)۔

۱۳۔ ﴿فِيهَا سُرٌّ مَرْفُوعَةٌ﴾ اس میں بلند تخت اور پلنگ ہوں گے۔ یہ تخت اور پلنگ مسافت اور مرتبہ و شان دونوں لحاظ سے بلند ہوں گے یا یہ نضاء میں بلند ہوں گے (لفظ سُرٌّ کی طرح جب جنتی بیٹھنا چاہیں گے تو وہ نیچے آ جائیں گے جب وہ بیٹھ جائیں گے تو یہ بلند ہو جائیں گے) تاکہ ان پر مومنین بیٹھ کر وہ تمام نعمتیں اور سلطنت دیکھ لیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی ہوں گی۔ "سُرٌّ" "سُرٌّ" کی جمع ہے۔

۱۴۔ ﴿وَأَكْوَابٌ﴾ اور خوب صورت پیالے ہوں گے۔ "أَكْوَابٌ" "كُؤَبٌ" کی جمع ہے اور "كُؤَبٌ" بہ معنی "قدح" ہے یعنی پیالہ اور بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ ایسے برتن ہوں گے جن کے دستے نہیں ہوں گے (ان میں جنتی شراب پیش کی جائے گی) ﴿مَوْضُوعَةٌ﴾ جنتیوں کے ہاتھوں کے آگے رکھے ہوئے ہوں گے تاکہ جنتی حضرات انہیں دیکھ کر لذت پائیں یا شراب پلانے کے لیے تیار کر کے انہیں چشموں کے کناروں پر رکھا جائے گا۔

۱۵۔ ﴿وَتَسَامِيْرٌ مَّصْفُوفَةٌ﴾ اور قالینوں کو بچھا کر گاؤ تکیے پہلو بہ پہلو ترتیب وار برابر رکھے ہوئے ہوں گے جنتی حضرات جہاں بیٹھنا چاہیں گے وہاں تکیے کے اوپر بیٹھ کر دوسرے گاؤ تکیے پر ٹیک لگائیں گے۔

۱۶۔ ﴿وَتَنَادِيَاتٌ﴾ اور قیمتی چاندنیاں اور خوب صورت چادریں۔ "زُرِّيَّةٌ" کی جمع ہے ﴿مَبْنُوتَةٌ﴾ تختوں اور پلنگوں پر بچھائی جائیں گی یا خوب صورتی کے لیے ان پر (پلنگ پوشوں کی طرح) بکھیر دی جائیں گی۔

أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۚ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۗ وَإِلَى
الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۗ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۗ فَذَكَرْهُمْ إِنَّمَا أَنْتَ
مُذَكِّرٌ ۗ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ ۗ إِلَّا مَنْ تَوَلَّى وَكَفَرَ ۗ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ
الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ۗ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ۗ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۗ

سو کیا وہ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ اسے کس طرح پیدا کیا گیا ہے ۚ اور آسمان کی طرف کہ اسے کس طرح بلند و بالا بنایا گیا ہے ۚ اور پہاڑوں کی طرف کہ انہیں کس طرح قائم کیا گیا ہے ۚ اور زمین کی طرف کہ اسے کس طرح پھیلا یا گیا ہے ۚ سو آپ نصیحت کیجئے بے شک آپ ہی نصیحت کرنے والے ہیں ۚ آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں ۚ مگر جس

نے منہ پھیر لیا اور کفر اختیار کر لیا O سو اللہ تعالیٰ اس کو بہت بڑا عذاب دے گا O بے شک ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے O پھر بے شک ان کا حساب لینا ہماری ہی ذمہ داری ہے O

قدرتِ الہی کے عجائبات اور نصیحت کے لیے منکرین کے عذاب و حساب کا بیان

شانِ نزول: جب اللہ تعالیٰ نے جنت کی توصیف و تعریف میں یہ مذکورہ بالا آیات نازل فرمائیں اور حضور نبی کریم ﷺ نے جنت کے تختوں کی بلندی کی تفسیر و توضیح ایک سو فرسخ (تین سو میل ہاشمی) بیان فرمائی اور بتایا کہ جنت میں اس قدر زیادہ پیالے رکھے گئے ہیں کہ ان کی کثرت تعداد مخلوق کے حساب میں نہیں آسکتی اور نیز اس طرح گاؤں تکیوں کی طوالت و درازی اور اس طرح تختوں اور پلنگوں پر بچھائی گئی قیمتی چاندنیوں اور خوب صورت چادروں کی چوڑائی بیان فرمائی تو کفار نے انکار کیا اور انہوں نے کہا: اتنے بلند ترین تختوں پر کس طرح چڑھا جائے گا اور اس بیان کردہ کثرت کے ساتھ پیالوں کی اتنی زیادہ تعداد کس طرح ہو سکتی ہے اور اس قدر زیادہ گاؤں تکیوں کی طوالت و درازی اور قیمتی چاندنیوں کی اس قدر زیادہ چوڑائی کس طرح ہو سکتی ہے اور ہم نے ایسی چیزیں دنیا میں نہیں دیکھیں تو اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو دعوتِ غور و فکر دیتے ہوئے (درج ذیل آیات نازل کر کے) ارشاد فرمایا:

۱۷- ﴿أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ﴾ سو کیا وہ لوگ اونٹ کی طرف غور سے نہیں دیکھتے کہ اسے کس طرح طویل و لمبا اور دراز قد پیدا کیا گیا ہے اس کے باوجود پھر وہ زمین پر بیٹھ جاتا ہے یہاں تک کہ اس پر سواری کی جاتی ہے اور اس پر بھاری سامان لادا (رکھا) جاتا ہے پھر وہ اپنی پوری ہمت کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے سو اسی طرح جنتی بلند و بالا تختِ مؤمن کے لیے نیچے جھک جائے گا جس طرح اونٹ دراز قد ہونے کے باوجود نیچے زمین پر بیٹھ جاتا ہے۔

۱۸- ﴿وَالِى السَّمَاءِ كَيْفَ دُفِعَتْ﴾ اور کیا وہ آسمان کی طرف غور سے نہیں دیکھتے کہ اسے کس طرح بلند اور اونچا بنایا گیا ہے اور اسے بغیر ستونوں کے بہت دور فاصلے تک بلند بنایا گیا ہے پھر اس میں اتنی زیادہ تعداد میں ستارے روشن کیے گئے کہ ان کی کثرت مخلوق کے شمار و حساب میں نہیں آسکتی سو اسی طرح پیالوں کا حال ہے۔

۱۹- ﴿وَالِى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ﴾ اور کیا وہ پہاڑوں کی طرف غور سے نہیں دیکھتے کہ انہیں زمین میں جما کر کس طرح قائم کیا گیا ہے سو وہ اس قدر مضبوط و مستحکم ہیں کہ وہ طویل و دراز ہونے کے باوجود کسی طرف نہیں جھکتے بلکہ سیدھے اور اونچے کھڑے رہتے ہیں پس جنتی گاؤں تکیوں کا یہی حال ہے۔

۲۰- ﴿وَالِى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ﴾ اور کیا وہ زمین کی طرف نہیں دیکھتے کہ اسے کس طرح بچھایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو بچھونے اور بستر کی چادر کی طرح ہر طرف برابر و ہموار اور نرم بنا کر بچھایا تو گویا پوری روئے زمین ایک بچھونا ہے جو ایک افق سے دوسرے افق تک ہر طرف بچھادی گئی سو اسی طرح جنت میں تختوں اور پلنگوں پر بے شمار چاندنیاں بچھائی جائیں گی اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ معنی ہو کہ کیا کفار مکہ ان مخلوقات کی طرف نہیں دیکھتے جو خالق کائنات کی قدرت پر دلالت و رہنمائی کرتی ہیں یہاں تک کہ وہ مرنے کے بعد اٹھانے پر اس کی قدرت کا انکار نہ کریں اور رسول اکرم ﷺ کے ڈراوے کو غور سے سنیں اور اس پر ایمان لائیں اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی تیاری کریں اور ان چادروں کی تخصیص اس اعتبار سے کی گئی ہے کہ یہ خطاب اہل عرب کے لیے ہے اور ان کو استدلال کرنے کی ترغیب و تحریک دینا ہے اور ہر آدمی اسی چیز سے استدلال کرتا ہے جس کا وہ کثرت سے مشاہدہ کرتا ہے اور عرب کے لوگ صحراؤں، جنگلوں اور دیہاتوں، گاؤں اور خیمہ بستوں میں رہتے تھے اور ان کا ان علاقوں میں آسمان، زمین، پہاڑوں اور اونٹوں کا مشاہدہ کرنا عام اور کثرت سے ہوتا تھا جب کہ اونٹ تو

ان کے بالوں میں سے اہم ترین مال تھا اور عرب کے لوگ دیگر جانوروں میں سے زیادہ اونٹ سے کام لیتے ہیں کیونکہ یہ جانوروں کے تمام مطلوبہ فوائد و نافع کا جامع جانور ہے چنانچہ بعض جانور دودھ دیتے ہیں، بعض بوجھ اٹھاتے ہیں، بعض سواری کے کام آتے ہیں اور بعض کا گوشت کھایا جاتا ہے اور یہ اونٹ نسل بھی بڑھاتا ہے دودھ بھی دیتا ہے بوجھ بھی اٹھاتا ہے سواری کے کام بھی آتا ہے اور ذبح کر کے اس کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے اور اس کے چمڑے اور بالوں سے بھی فائدہ اٹھایا جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ایسا مسخر کیا ہے کہ یہ ہر اس شخص کے حکم کی تعمیل کرتا ہے جو اس کی نیکیل پکڑ کر لے چلتا ہے نہ کمزور پر سختی کرتا ہے اور نہ بچے سے سرکشی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو کبھی گردن والا پیدا کیا تا کہ وہ بھاری بوجھ اٹھا سکے اور سواری اور سامان اٹھانے والے دوسرے جانور کھڑے رہتے ہیں بیٹھتے نہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے اونٹ اس طرح بنایا ہے کہ یہ بیٹھ جاتا ہے یہاں تک کہ اس پر سخت اور نرم بوجھ لا دیا جاتا ہے پھر یہ بوجھ کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے اور اسے اٹھا کر دور دراز شہروں اور ملکوں تک لے جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اونٹ کو پیاس برداشت کرنے کا ایسا صبر عطا کیا ہے کہ یہ پانی پئے بغیر دس دن تک سامان اٹھا کر سفر کر سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا بنایا ہے کہ یہ جنگلوں میں اگنے والی ہر قسم کی جڑی بوٹیاں کھا کر اپنا پیٹ بھر لیتا ہے جن کو دوسرے جانور نہیں کھاتے۔

۲۱۔ ﴿فَذَكِّرْ﴾ (سو اے محبوب!) آپ انہیں دلائل کے ساتھ وعظ و نصیحت کیجئے تاکہ وہ لوگ اس میں غور و فکر کریں اور سوچیں ﴿إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ﴾ بے شک آپ ہی نصیحت کرنے والے ہیں اور آپ کے ذمہ صرف تبلیغ کرنا اور حق بات پہنچانا ہے اور بس!

۲۲۔ ﴿كُنتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾ آپ ان پر جبر کرنے کے لیے مسلط نہیں کیے گئے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ“ (ق: ۳۵) ”اور آپ ان پر جبر اور زبردستی کرنے والے نہیں ہیں“ [نافع مدنی ابو عمر و بصری امام عاصم کوئی اور علی کسائی کی قراءت میں صاد کے ساتھ ”بِمُصَيْطِرٍ“ پڑھا جاتا ہے]۔

۲۳، ۲۴۔ ﴿إِلَّا مَنْ تَوَلَّىٰ وَكُفِرَ ۚ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ﴾ مگر جس نے منہ پھیر لیا اور کفر اختیار کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کو بہت بڑا عذاب دے گا [یہ استثناء منقطع ہے] یعنی ان کے خلاف آپ سے سوال نہیں کیا جائے گا لیکن ان میں سے جس نے منہ پھیر لیا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا تو اللہ تعالیٰ کو اس پر پورا اختیار اور غلبہ حاصل ہے سو وہ اسے بہت بڑا عذاب دے گا اور وہ دوزخ کا عذاب ہے [اور بعض کا قول ہے کہ یہ ”فَذَكِّرْ“ سے استثناء ہے] یعنی آپ انہیں وعظ و نصیحت کیجئے مگر جس کے ایمان لانے کی امید ختم ہو جائے اور وہ منہ پھیر لے تو وہ بہت بڑے عذاب کا مستحق ہے [اور ان دونوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے]۔

۲۵۔ ﴿إِنَّ إِلَيْنَا أِيَابَهُمْ﴾ بے شک انہیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور ظرف کی تقدیم کا فائدہ ان کے ڈرانے اور دھمکانے میں شدت و سختی کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ انہیں انتقام کی پوری قدرت رکھنے والے جابر و غالب خدا کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

۲۶۔ ﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ﴾ پھر بے شک ان سے حساب لینا ہمارے ہی ذمہ پر ہے پس ان کے اعمال پر ان سے ضرور حساب لیا جائے گا اور ان کے اعمال پر ان جیسے لوگوں کی سزا کی طرح انہیں سزا دی جائے گی اور حرف ”عَلَىٰ“ وجوب کے لیے نہیں ہے بلکہ وعید و ڈراوے کی تاکید کرنے کے لیے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب و لازم نہیں ہے۔

۸۹ الفجر
۱۰/۱۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱۰/۱۱

سورۃ الفجر کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی تیس آیات ایک رکوع ہے

وَالْفَجْرِ ۱ وَكَيْالٍ عَشْرِ ۲ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۳ وَاللَّيْلِ إِذَا يَسِرُّ ۴ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ

قَسَمٌ لِّذٰى حِجْرِ ۵ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۶ اِرْمٰ ذٰتِ الْعِمَادِ ۷

الَّتِي لَمْ يَخْلُقْ مِثْلَهَا فِي الْبِلَادِ ۸ وَتَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۹

وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ۱۰ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۱۱ فَاكْتَرُوْا فِيْهَا الْفِسَادَ ۱۲

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۱۳ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْبُرْصَادِ ۱۴

فجر کی قسم! ۰ اور دس راتوں کی! ۰ اور جفت کی اور طاق کی! ۰ اور رات کی جب وہ گزر جائے! ۰ بے شک اس میں عقل مند کے لیے بہت بڑی قسم ہے ۰ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا معاملہ کیا ۰ وہ ارم کے باشندے اونچے ستونوں والے ۰ جس کی مثل شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا ۰ اور تمود جنہوں نے وادی میں (گھر بنانے کے لیے) پتھروں کو تراشا ۰ اور میخوں والا فرعون ۰ جنہوں نے شہروں میں بغاوت و سرکشی کی ۰ پھر انہوں نے ان میں بہت زیادہ فساد پھیلا یا ۰ سو آپ کے پروردگار نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا ۰ بے شک آپ کا پروردگار ضرور (ان کی) گھات میں ہے ۰

قسموں کے ساتھ موکد عاد و تمود اور فرعونوں کی سرکشی و ہلاکت کا بیان

۱۔ ﴿ وَالْفَجْرِ ﴾ فجر کی قسم! اللہ تعالیٰ نے فجر کی قسم اٹھائی ہے اور اس سے صبح کا وقت مراد ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَالصُّبْحِ اِذَا اسْفَرُوْا" (المدثر: ۳۳) "صبح کی قسم جب وہ روشن ہو جائے! ۰" یا پھر نماز فجر کی قسم مراد ہے۔

۲۔ ﴿ وَكَيْالٍ عَشْرِ ﴾ اور دس راتوں کی قسم! ان راتوں سے ذی الحج کے پہلے دس دن کی راتیں مراد ہیں یا محرم الحرام کے پہلے دس دن کی راتیں مراد ہیں یا ماہ رمضان المبارک کی آخری دس راتیں مراد ہیں اور ان کو نکرہ اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ ان کی فضیلت میں اضافہ ہو۔

۳۔ ﴿ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴾ اور جفت اور طاق کی قسم! تمام چیزوں کے جفت اور ان کے طاق کی قسم مراد ہے یا ان راتوں کے جفت (دو چار چھ آٹھ اور دس راتیں) اور ان راتوں کے طاق (ایک تین پانچ سات اور نو راتیں) کی قسم یا جفت نمازوں (فجر، ظہر، عصر اور عشاء) کی قسم اور طاق نمازوں (نماز مغرب اور عشاء کی نماز وتر) کی قسم یا قربانی کے دن کی قسم کیونکہ یہ دسواں دن ہے اور عرفہ کے دن کی قسم کیونکہ یہ نواں دن ہے یا جفت سے مخلوق (نرمادہ) اور طاق سے خالق مراد ہے [حمزہ کوئی، علی کسائی کی قراءت میں "وَالْوَتْرِ" (واؤ مکسور کے ساتھ) پڑھا جاتا ہے اور ان دونوں کے علاوہ کی قراءت میں واؤ مفتوح کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور یہ دو لغتیں ہیں چنانچہ واؤ مفتوح کے ساتھ حجازی لغت ہے اور واؤ مکسور کے ساتھ تہمی لغت ہے۔]

۴۔ اللہ تعالیٰ نے مخصوص راتوں کی قسم کے ذکر کے بعد عمومی طور پر رات کی قسم فرمائی، چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿وَاللَّيْلِ﴾ رات کی قسم! اور بعض علماء نے فرمایا کہ اس رات سے شب قدر مراد ہے ﴿وَإِذَا يَسِرُّ﴾ جب گزر جائے [”یسر“ کی آخری ”یا“ ما قبل کے کسرہ پر اکتفاء کر کے لکھنے میں حذف کر دی گئی ہے] اور کسی ایک شخص نے انفخس سے اس ”یا“ کے سقوط کے بارے میں سوال کیا تو کہنے لگے: جب تک تم میری ایک سال تک خدمت نہیں کرو گے میں اس کا جواب نہیں بتاؤں گا، چنانچہ اس شخص نے ایک سال تک خدمت کرنے کے بعد یہی سوال دہرایا تو انفخس نے جواب دیا کہ ”الَّيْلُ لَا يَسْرِي، إِنَّمَا يَسْرِي فِيهِ“ رات نہیں چلتی بلکہ رات میں چلا جاتا ہے، سو جب اس کے معنی سے عدول کیا گیا تو اس کی موافقت میں اس کے لفظ سے بھی عدول کیا گیا اور بعض کا قول ہے کہ ”يَسْرِي“ کا معنی ہے: ”يَسْرِي فِيهِ“ کہ اس میں سفر کیا جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: ”لَيْلٌ نَائِمٌ أَيْ يَنَامُ فِيهِ“ کہ رات سونے والی ہے یعنی رات میں سویا جاتا ہے۔

۵۔ ﴿هَلْ فِي ذَلِكَ قَسَمٌ لِذِي حِجْرٍ﴾ کیا اس میں عقل مند کے لیے قسم ہے؟ یعنی مذکورہ بالا چیزیں جن کی قسم کھائی گئی وہ یقیناً عقل مند کے لیے لائق قسم ہیں۔ ”حجرو“ کا معنی عقل ہے اور عقل کا نام ”حجرو“ اس لیے رکھا گیا ہے کہ عقل انسان کو بے کار و لایعنی کام میں مشغول ہونے سے روکتی ہے جیسا کہ اس کا نام عقل اور ”نہیہ“ رکھا گیا ہے کیونکہ یہ روکتی اور منع کرتی ہے، مقصد یہ ہے کہ کیا عقل مند کے نزدیک یہ حق ہے کہ ان قسموں کو عظیم الشان قرار دیا جائے؟ یا یہ کہ کیا یہ ایسی بڑی اہم ترین قسمیں ہیں کہ ان جیسی قسموں کے ساتھ مقسم علیہ کو مؤکد و مضبوط اور مستحکم کیا جائے؟ یا یہ کہ کیا ان چیزوں کی قسم عقل و خرد رکھنے والے انسان کے لیے کفایت کرنے والی قسم ہے؟ اور مقسم علیہ محذوف ہے اور وہ ”لِغَدَابِنَ“ ہے یعنی ان تمام چیزوں کی قسم! کفار کو ضرور عذاب دیا جائے گا اور اس کی دلیل ارشاد باری تعالیٰ ”الْمُ تَوَّ“ سے لے کر ”قَصَبٌ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوِّطٌ عَذَابٍ“ تک ہے۔

۶، ۷۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان امتوں کو عذاب دینے کا ذکر کیا ہے جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور ان کی رسالتوں کا انکار کیا، چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۖ إِذْ مَدَّ ذَاتَ الْعِمَادِ﴾ (اے محبوب!) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے پروردگار نے لمبے ستونوں والے ارم کے رہنے والے عادی قوم کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے؟ یعنی اے محمد (ﷺ)! کیا آپ ایسا علم نہیں جانتے جو یقین میں مشاہدہ اور معائنہ کے مساوی اور برابر ہوتا ہے اور یہ استفہام تقریری ہے یعنی آپ ضرور یقینی طور پر جانتے ہیں۔ عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کی نسل کو عاد کہا گیا ہے جیسا کہ بنو ہاشم کو ہاشم اور بنو تمیم کو تمیم کہا جاتا ہے، پھر ان میں سے پہلے لوگوں کو عاد اولیٰ کہا جاتا ہے اور ان کے ایک بزرگ ارم نامی شخص کے نام پر ان کو ارم کہا جاتا ہے اور ان کے بعد آنے والوں کو عاد اخیرہ کہا جاتا ہے، پس ارم عاد کا عطف بیان ہے اور اس نام کے ذریعے یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ عاد اولیٰ قدیم ہیں اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ارم ان کے شہر اور ان کے علاقے کا نام ہے جس میں وہ رہتے تھے اور اس پر حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اضافت کے ساتھ ”بَعَادِ اِرْمَ“ کی قراءت دلالت و رہنمائی کرتی ہے اور اس کی تقدیر عبارت ”بَعَادِ اَهْلِ اِرْمَ“ ہے یعنی ارم کی رہنے والی عادی قوم جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَسُئِلَ النَّسْرِيَّةُ“ (یوسف: ۸۲) اور ارم قبیلہ ہو یا شہر ہو بہر حال یہ تائید اور معرفہ کی بناء پر غیر منصرف ہے اور ”ذَاتِ الْعِمَادِ“ جب قبیلہ کی صفت ہو تو پھر معنی یہ ہوگا کہ بے شک وہ بدوی (جنگلی) لوگ ستونوں والے تھے (کہ جہاں پانی کا چشمہ ملتا وہیں ستونوں پر خیمے لگا کر بستیاں بنا لیتے) یا وہ دراز اور لمبے جسموں والے لوگ تھے جس کی بناء پر ان کے قدوں کو ستونوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور اگر یہ بلد (شہر) کی صفت ہو تو پھر معنی یہ ہوگا کہ بے شک وہ لوگ صاحب

اساطین (کھبوں والے) تھے۔

مروی ہے کہ عاد کے دو بیٹے تھے ایک کا نام شداد تھا اور دوسرے کا نام شمدید تھا چنانچہ یہ دونوں بادشاہ بنے اور انہوں نے لوگوں پر بڑا ظلم و جبر کیا پھر شمدید تو مر گیا اور حکومت و بادشاہت صرف شداد کے ساتھ مخصوص ہو گئی پھر اس نے کافی دنیا پر حکومت و بادشاہی قائم کر لی اور وہاں کے بادشاہ اور حکمران اس کے ماتحت زیر فرمان ہو کر اطاعت گزار بن گئے اور جب اس نے جنت کا ذکر سنا تو اس نے کہا کہ اس کی مثل تم ایک شہر آباد کرو چنانچہ ارم نامی یہ شہر عدن کے کسی ایک جنگل میں تین سو سال کے عرصہ میں تعمیر کیا گیا اور شداد کی عمر نو سو سال تھی اور یہ بہت بڑا شہر تھا اس کے محلات سونے اور چاندی کے تھے اور اس کے ستون زبرجد اور یاقوت کے تھے اور جب اس شہر کی تعمیر مکمل ہو گئی تو شداد اپنی مملکت کے اراکین کے ساتھ اس کی طرف روانہ ہوا پھر جب وہ اس شہر سے ایک دن اور ایک رات کی مسافت پر پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سب پر آسمان سے ایک گرج دار آندھی بھیجی جس کی گرج و چیخ کی وجہ سے سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

مروی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور حکومت میں ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن قلابہ عدن کے صحرا میں اپنے گم شدہ اونٹ کو تلاش کرتے ہوئے اس شہر میں پہنچے اور وہاں سے جس قدر سونے اور چاندی کی اینٹیں اور جواہرات موتی وغیرہ اٹھا کر لاسکتے تھے لائے اور ان کی یہ خبر حضرت امیر معاویہ کو پہنچی تو انہوں نے ان کو بلوایا اور انہوں نے حضرت امیر معاویہ کو سارا قصہ سنایا اور امیر معاویہ نے ایک آدمی بھیج کر حضرت کعب احبار کو بلوایا اور آپ نے ان سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ ارم ذات العماد ہے اور عنقریب آپ کے زمانہ میں مسلمانوں میں سے ایک آدمی سرخ رنگ کا کوتاہ قد جس کے ابرو پر تل کا نشان ہوگا اور اس کے عقب میں بھی تل کا نشان ہوگا وہ اس شہر میں داخل ہوگا اور وہ اپنے اونٹ کو تلاش کرنے کے لیے نکلے گا پھر جب حضرت کعب احبار نے حضرت عبداللہ بن قلابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو دیکھا تو کہنے لگے: اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ وہی آدمی ہے۔

۸- ﴿الَّتِي لَمْ يَخْلُقْ مِثْلَهَا فِي الْبِلَادِ﴾ جس کی مثل شہروں میں پیدا نہیں ہوا یعنی عاد کی مثل کیونکہ قوت و طاقت میں اور قد و قامت میں عاد کی قوم جیسی کوئی قوم پیدا نہیں ہوئی چنانچہ ان میں سے ایک آدمی کا قد چار سو ہاتھ ہوتا تھا یا یہ معنی ہے کہ دنیا کے تمام شہروں میں شداد کے شہر جیسا پیدا نہیں ہوا۔

۹- ﴿وَتَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَةَ﴾ اور تمود (کے ساتھ آپ کے رب تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا) جنہوں نے (گھر بنانے کے لیے) پتھروں کو تراشا انہوں نے پہاڑوں میں پتھروں کو کاٹا اور ان میں گھر بنائے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ سب سے پہلے جس نے پہاڑوں اور پتھروں کو تراشا وہ تمود تھا اور انہوں نے ایک ہزار سات سو شہروں کو تعمیر کیا جو سب کے سب پتھروں کے تھے ﴿يَا لَوَادِ﴾ وادی قری (جو مدینہ منورہ کے قریب ملک شام کی جانب تھی)۔

۱۰- ﴿وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ﴾ اور فرعون (کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا) یعنی بہت زیادہ لشکروں والے فرعون اور فرعونوں کے پاس کثیر تعداد میں ہتھوڑے ہوتے جن کے ساتھ وہ لوگوں کو مارا کرتے تھے اور بعض نے کہا کہ فرعون کے پاس بہت زیادہ میخیں تھیں جن کے ساتھ لوگوں کو سزائیں دی جاتی تھیں جیسا کہ حضرت آسیہ کے ساتھ کیا گیا تھا۔

۱۱- ﴿الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ﴾ جنہوں نے شہروں میں سرکشی کی اور انہوں نے حد سے تجاوز کیا ﴿الَّذِينَ﴾ مخصوص بالذم ہونے کی بناء پر محلاً منصوب ہے یا خبر کی بناء پر مرفوع ہے اصل میں ”هَمُّ الَّذِينَ“ ہے یا پھر مذکور عاد اور تمود اور

فرعون کی صفت ہونے کی بناء پر مجرور ہے۔]

۱۲۔ ﴿فَاكْتَرُوا فِيهَا الْفُسَادَ﴾ سو انہوں نے ان شہروں میں کفر و شرک اور قتل و غارت اور ظلم و ستم کے ساتھ

بہت فساد پھیلایا۔

۱۳۔ ﴿فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ﴾ سو آپ کے رب تعالیٰ نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ دراصل یہ

ان کو عذاب پہنچانے سے مجاز ہے اور یہ سب سے زیادہ بلیغ و فصیح طریقہ ہے کیونکہ ”صَبَّ“ (بہانا) دوام و ہمیشگی کی نشاندہی کرتا ہے اور ”سَوْطُ“ (کوڑا) تکلیف و درد پہنچانے کے اضافہ پر دلالت کرتا ہے یعنی ان کو ہمیشہ سخت ترین دردناک عذاب دیا جائے گا۔

۱۴۔ ﴿إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْبُرْصَادِ﴾ بے شک آپ کا پروردگار گھات میں ہے۔ ”مرصدا“ وہ جگہ ہوتی ہے جس میں بیٹھ

کر انتظار کیا جائے یعنی جس میں کسی کی نگرانی کرنے کے لیے انتظار کیا جائے اور یہ مفعول کے وزن پر ”رَصَدَهُ“ سے ماخوذ ہے۔ اللہ تعالیٰ جو بندوں کی نگرانی کر رہا ہے اس کے لیے یہ مثال ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ کے بندے اس سے بھاگ کر یا نکل کر بچ نہیں سکتے اور نہ اس سے غائب ہو سکتے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ان تمام اعمال کو خوب جانتا ہے جو ان سے صادر ہوتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا خوب محافظ ہے سو وہ انہیں ان کے اعمال پر ضرور جزا دے گا اگر نیک اعمال ہوں گے تو انہیں نیک جزا عطا فرمائے گا اور اگر بُرے اعمال ہوں گے تو انہیں بدترین سزا دے گا۔

فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ ۖ فَيَقُولُ رَبِّي

أَكْرَمَنِي ۖ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ ۖ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ۖ

كَلَّابٌ ۖ لَا تَكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ۖ وَلَا تَحْضُونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمَسْكِينِ ۖ

وَتَأْكُلُونَ الثَّرَاتِ ۖ أَكْلًا لَّمًّا ۖ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۖ

سو لیکن انسان کو جب اس کا پروردگار آزما تا ہے اور اسے عزت و نعمت عطا کرتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے عزت دی ہے اور لیکن جب اللہ تعالیٰ اس کو آزما تا ہے اور اس کا رزق اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے ذلیل کر دیا ہے ہرگز نہیں! بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور تم آپس میں ایک دوسرے کو مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے اور تم میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور تم مال سے بہت شہید محبت کرتے ہو

مال و دولت عزت کا معیار نہیں

۱۵، ۱۶۔ ﴿فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ ۖ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِي ۖ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ

فَقَدَرَ مَا عَلَيْهِ رِزْقَهُ﴾ سو لیکن انسان کو جب اس کا پروردگار آزما تا ہے اور اس کو عزت اور نعمت عطا کرتا ہے تو وہ کہتا ہے: میرے پروردگار نے مجھے عزت دی ہے اور لیکن جب اللہ تعالیٰ اس کو آزما تا ہے تو اس پر اس کے رزق کو تنگ کر دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کا رزق کم کر دیتا ہے اور اس کو صرف اس قدر رزق عطا کرتا ہے جو اس کی ضرورت کو پورا کر دے [ابن عامر شامی اور یزید کی قراءت میں دال مشدود کے ساتھ ”فَقَدَرُ“ پڑھا جاتا ہے] ﴿فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ﴾ تو وہ کہتا ہے: میرے

پروردگار نے مجھے ذلیل کر دیا ہے یعنی جس شخص کا خالق و مالک اور پروردگار اس کے اعمال کی نگرانی کر رہا ہو اس پر تو واجب ہے کہ وہ اپنی عاقبت و آخرت سنوارنے کی کوشش کرے اور وہ دنیا کے غم و فکر میں نہ رہے لیکن اس نے اس کا برعکس کر دیا (کہ آخرت کی بجائے دنیا میں مشغول ہو گیا) چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نعمت و وسعت (مال و دولت اور خوش حالی) عطا کر کے اس کو آزما تا ہے تاکہ وہ شکر ادا کرے تو وہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے عزت دی ہے یعنی مجھے مال و دولت عطا فرما کر مجھے دوسروں پر فضیلت و برتری دے دی ہے پس وہ دنیاوی نصیب کی وسعت و کثرت کو عزت خیال کرتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اس کو فقر و غربت کے ذریعے آزما تا ہے اور اس پر اس کا رزق تنگ کر دیتا ہے تاکہ وہ صبر کرے تو وہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے ذلیل کر دیا ہے پس وہ دنیاوی نصیب کی کمی کو ذلت خیال کرتا ہے کیونکہ دنیا اور دنیا کی لذتیں اور اس کی نعمتیں اسے فکر مند رکھتی ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے گمان کی تردید کرتے ہوئے (درج ذیل آیت مبارکہ میں) ارشاد فرمایا:

۱۷- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! یعنی عزت مال و دولت کی کثرت میں اور ذلت و رسوائی مال و دولت کی کمی میں ہرگز نہیں ہے بلکہ عزت نیکی کی توفیق میں ہے اور ذلت و اہانت نیکی سے محرومی میں ہے [”فَيَقُولُ“ خبر ہے اور اس کا مبتدا ”الْإِنْسَانُ“ ہے اور ”فَا“ کا دخول اس لیے ہے کہ ”أَمَّا“ شرط کے معنی میں ہے اور مبتدا اور خبر کے درمیان ظرف متوسط تاخیر کی تقدیر پر ہے گویا یوں کہا گیا: ”فَأَمَّا الْإِنْسَانُ فَقَائِلُ رَبِّيَ أَكْرَمَنِ وَقَتَ الْإِبْتِلَاءِ“ اور اسی طرح دوسرا ”فَيَقُولُ“ بھی مبتدا کی خبر ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ”وَأَمَّا هُوَ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ“ اور رزق کی وسعت اور رزق کی تنگی دونوں چیزوں کو ابتلاء اور آزمائش کہا گیا ہے کیونکہ ان دونوں میں ہر ایک چیز انسان کے لیے امتحان ہے چنانچہ جب اللہ تعالیٰ انسان کو خوش حالی اور مالی وسعت عطا کرتا ہے تو اس کے حال کو آزما تا ہے کہ آیا وہ شکر ادا کرتا ہے یا ناشکری کرتا ہے اور جب اس کا رزق تنگ کر دیتا ہے تو اس کو اس حال میں بھی آزما تا ہے کہ آیا وہ صبر و استقامت سے کام لیتا ہے یا وہ جزع و فزع کر کے بے صبری کا مظاہرہ کرتا ہے اور اس کی مثل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَنَسَبُلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً“ (الانبیاء: ۳۵) ”اور ہم تمہیں امتحان کی غرض سے سختی اور بھلائی کے ساتھ آزما تے ہیں“ اور اللہ تعالیٰ نے انسان کے قول ”رَبِّيَ أَكْرَمَنِ“ کا انکار کر دیا جب کہ خود اپنے ارشاد ”فَاكْرَمَهُ“ کو ثابت رکھا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان نے اس کے برعکس قصد کیا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے صحیح قرار دیا اور اسے ثابت رکھا اور وہ یہ ہے کہ انسان نے یہ قصد کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی عزت کے لیے جو کچھ مال و دولت اسے عطا کیا ہے وہ محض اس کے استحقاق کی بناء پر اسے عطا کیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”قَالَ إِنَّمَا أُوتِيْتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي“ (القصص: ۷۸) ”قارون نے کہا کہ مجھے جس قدر مال و دولت دیا گیا ہے وہ صرف میرے علم کی بناء پر دیا گیا ہے“ اور بے شک اللہ تعالیٰ انسان کو جو مال و دولت عطا کرتا ہے وہ محض آزمائش کے لیے اس کے استحقاق کے بغیر اسے عطا کرتا ہے ﴿بَلْ لَا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ وَلَا تَهَاطُونَ عَلَىٰ كَعَابِ الْمَسْكِينِ﴾ بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور نہ تم آپس میں ایک دوسرے کو مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو یعنی بلکہ یہاں تو انسان کا عمل اس کے قول سے بدتر ہے اور وہ یہ کہ بے شک اللہ تعالیٰ تو مال و دولت اور غنا کے ساتھ انہیں عزت عطا کرتا ہے لیکن وہ ان حقوق کو ادا نہیں کرتے جو ان پر لازم ہیں کہ وہ یتیم کے ساتھ نیکی کر کے اس کی عزت کریں اور اپنے گھر والوں کو مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے رہیں۔

۱۸- ﴿وَتَأْكُلُونَ الثَّمَرَاتِ أَكْلًا لَيْتًا﴾ اور میراث کا مال سمیٹ کر کھاتے ہو۔ ”لَيْتًا“ کا معنی ہے: جمع کرنا، اصل میں ”ذَالِمٌ“ ہے اور اس کا مطلب ہے: حلال اور حرام کو جمع کرنا اور عرب کے لوگ عورتوں اور بچوں کو میراث میں سے ان کا

حق وراثت نہیں دیتے تھے بلکہ ان کی وراثت کو اپنی وراثت کے ساتھ ملا کر کھا جاتے تھے۔

۲۰۔ ﴿وَتَجِبُونَ الْمَالَ﴾ اور تم مال سے محبت کرتے ہو۔ ”حَبَّہ“ اور ”أَحَبَّہ“ دونوں ہم معنی ہیں ﴿حُبًّا جَمًّا﴾ ایسی زیادہ سخت محبت جس میں حرص و لالچ اور لوگوں کے حقوق کو روک لینا ہو [ابو عمر و اور اہل حجاز کی قراءت میں ”یا“ مفتوح کے ساتھ ”رَبِّي“ پڑھا جاتا ہے جب کہ ابو عمر و بصری کی قراءت میں ”یا“ کے ساتھ ”(لَا يُكْرِمُونَ) (وَلَا يَحَاضُونَ) (وَيَا كَلُونَ) (وَيُحِبُّونَ)“ پڑھا جاتا ہے]۔

كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝۲۱ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝۲۲

وَجَاءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ ۝ يَوْمَئِذٍ تَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَأَنَّى لَهُ الذِّكْرَى ۝۲۳

يَقُولُ يَلَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي ۝۲۴

ہرگز نہیں! جب زمین توڑ پھوڑ کر ریزہ ریزہ کر دی جائے گی O اور آپ کے پروردگار کا حکم آ جائے گا اور فرشتے صف بہ صف حاضر ہوں گے O اور اس دن دوزخ کو لایا جائے گا اس دن انسان نصیحت حاصل کرے گا اور اس کے لیے نصیحت کا فائدہ کہاں O وہ کہے گا: اے کاش! میں نے اپنی زندگی کے لیے آگے بھیجا ہوتا O

قیامت کا منظر اور کفار کے لیے سخت ترین عذاب کا بیان

۲۱۔ ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! قریش مکہ کو اس عمل سے روکا گیا ہے اور ان کے اس فعلِ بد سے انکار کیا گیا ہے پھر اس کے بعد اس آیت مبارکہ میں وعید (ڈرانے دھمکانے) کو لایا گیا اور ان کی حسرت و افسوس کا ذکر کیا گیا ہے جو وہ اپنی کوتاہیوں پر اس وقت کریں گے جب ان کی حسرت انہیں نفع نہیں دے گی چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ﴾ جب زمین کو توڑ پھوڑ دیا جائے گا (یعنی) جب زلزلے کے ذریعے زمین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا ﴿دَكًّا دَكًّا﴾ توڑنے کے بعد توڑنا یعنی اسے بار بار توڑنا یہاں تک کہ ریزہ ریزہ ہو کر اڑتے ہوئے غبار کی طرح ہو جائے گی۔

۲۲۔ ﴿وَجَاءَ رَبُّكَ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کے اقتدار کی علامات کے ظہور کے لیے اور اس کی حکومت و سلطنت اور اس کے قہر و غلبہ کے آثار کے ظہور کے لیے تمثیل ہے کیونکہ بادشاہوں میں سے جب کوئی بادشاہ بنفس نفیس تشریف لاتا ہے تو اس کے خود آنے کی وجہ سے رعب و دبدبہ اور ہیبت کے جو آثار ظاہر ہوتے ہیں وہ اس کی افواج اور اس کے خواص کے حاضر ہونے سے ظاہر نہیں ہوتے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کا فیصلہ مراد ہے اور معنی یہ ہے کہ آپ کے پروردگار کا حکم اور اس کا فیصلہ آ جائے گا ﴿وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا﴾ اور فرشتے صف بہ صف قطار در قطار حاضر ہوں گے یعنی ہر آسمان کے فرشتے نازل ہوں گے اور تمام فرشتے ایک دوسرے کے پیچھے صف بستہ قطار در قطار آئیں گے اور انسانوں اور جنوں کو چاروں اطراف سے گھیر لیں گے۔

۲۳۔ ﴿وَجَاءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ﴾ اور اس دن جہنم کو لایا جائے گا۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ بے شک دوزخیوں کے لیے دوزخ کو ظاہر کر دیا جائے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ﴾ (اشعراء: ۹۱) ”اور دوزخ گراہوں کے لیے ظاہر کر دی جائے گی“ O اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہ اپنی حقیقت پر جاری و ساری ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جہنم کو اس دن اس حال میں لایا جائے گا کہ اس کے لیے ستر ہزار لگا میں ہوں گی اور ہر لگام

کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو ان ستر ہزار لگاموں کے ساتھ اسے کھینچ کر لائیں گے ﴿يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ﴾ اس دن انسان یاد کرے گا یعنی نصیحت کو یاد کر کے تسلیم کر لے گا ﴿وَأَن لَّهُ الذِّكْرَى﴾ اور اس کے لیے نصیحت کی یاد کس کام کی کیونکہ اس دن نصیحت یاد کرنے کا کوئی فائدہ اور کوئی نفع نہیں ہوگا۔

۲۴۔ ﴿يَقُولُ يَلَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي﴾ وہ کہے گا: اے کاش! میں نے اس زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا اور یہ آخرت کی زندگی ہے یعنی اے کاش! میں نے فانی زندگی (دنیا) میں نیک اعمال کر کے باقی رہنے والی زندگی کے لیے آگے بھیجے ہوتے۔

فَيَوْمَئِذٍ لَا يُعَذِّبُ عَذَابَهُ أَحَدٌ ۖ وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ ۖ يَا أَيُّهَا
النَّفْسُ الطُّيْبَةُ ۖ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۖ فَادْخُلِي فِي
عِبْدِي ۖ وَأَدْخُلِي جَنَّتِي ۖ

سو اس دن اللہ تعالیٰ کے عذاب جیسا کوئی عذاب نہیں دے گا اور نہ کوئی اس کے جکڑنے کی طرح جکڑ سکے گا اور اطمینان والی جان! تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ آ کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی ہے پھر تو میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا

۲۵۔ ﴿فَيَوْمَئِذٍ لَا يُعَذِّبُ عَذَابَهُ أَحَدٌ﴾ سو اس دن اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرح کوئی عذاب نہیں دے سکے گا یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب کا کوئی شخص متولی اور منتظم و مختار نہیں ہوگا (تو وہ کسی کو عذاب کیسے دے گا) کیونکہ اس دن حکم اور فیصلہ صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کا نافذ ہوگا۔

۲۶۔ ﴿وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ﴾ اور زنجیروں اور طوقوں میں اللہ تعالیٰ کے جکڑنے کی طرح کوئی نہیں جکڑ سکے گا۔ تفسیر کشاف کے مصنف نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرح عذاب نہیں دے سکے گا اور نہ کوئی شخص کسی کو اللہ تعالیٰ کے جکڑنے کی طرح جکڑ سکے گا [قاری علی کسائی کی قراءت میں فعل مضارع مجہول کے ساتھ "وَلَا يُعَذِّبُ" اور "وَلَا يُوثِقُ" پڑھا جاتا ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی قراءت ہے اور ابو عمر نے اپنی آخری عمر میں اسی قراءت کی طرف رجوع کر لیا تھا اور ضمیر انسان موصوف کی طرف لوٹی ہے] اور اس سے کافر مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا: اس سے ابی بن خلف مراد ہے جس طرح ابی بن خلف کو سخت ترین اور بدترین عذاب دیا جائے گا اس طرح کسی کو عذاب نہیں دیا جائے گا اور جس طرح زنجیروں اور طوقوں میں اس بے ایمان اور بد بخت کو جکڑا جائے گا اس طرح کسی کو نہیں جکڑا جائے گا کیونکہ یہ شخص انتہائی بدترین کافر اور انتہائی بدترین عناد و بغض رکھنے والا شخص تھا۔

مؤمن کی شان آخرت کا بیان

۲۷۔ پھر اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے لیے ارشاد فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الطُّيْبَةُ﴾ اے اطمینان والی جان! انداء کے ساتھ براہ راست خطاب و کلام اس کی تعظیم و تکریم کے لیے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے براہ راست کلام فرمایا تھا یا پھر فرشتے کی زبان پر خطاب و کلام فرمایا اور "مطمئنة" کا معنی ہے: امن والی جو نہ خوف و ڈر سے

گھبراتی ہے اور نہ غم ورنج سے مضطرب ہوتی ہے اور اس سے نفس مؤمنہ مراد ہے یا حق تعالیٰ کی طرف اطمینان پانے والی جان مراد ہے یہ وہ جان ہے جس میں یقین نہایت راسخ ہو چکا ہے پس اب اس میں شک و شبہہ داخل نہیں ہو سکتا اور حضرت ابی بن کعب کی قراءت پہلی تفسیر کی گواہی دیتی ہے وہ یہ ہے: ”يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْأَمِينَةُ الْمُطْمَئِنَّةُ“ اے ایمان و اطمینان والی جان! اور بلاشبہ یہ اسے موت کے وقت کہا جائے گا یا مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھائے جانے کے وقت کہا جائے گا یا جنت میں داخل ہونے کے وقت یہ کہا جائے گا۔

۲۸- ﴿ادْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكَ﴾ تو اپنے رب تعالیٰ کے وعدہ کی طرف لوٹ جا یا اپنے رب تعالیٰ کے اجر و ثواب کی طرف لوٹ جا ﴿رَاضِيَةً﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ نعمتیں تجھے دی گئی ہیں ان پر تو اللہ تعالیٰ سے راضی اور خوش ہے ﴿مَرْضِيَةً﴾ جس قدر تو نے نیک اعمال کیے ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی اور خوش ہے اور تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔

۲۹- ﴿فَادْخُلِي فِي عِبَادِي﴾ سو تو میرے بندوں میں داخل ہو جا (یعنی) تو میرے نیک اور مخلص بندوں کی جماعت میں داخل ہو جا اور میرے ان مخصوص بندوں میں شامل ہو جا اور ان کے سلسلہ سے وابستہ ہو جا۔

۳۰- ﴿وَادْخُلِي جَنَّتِي﴾ اور تو ان جگہ ساتھ میری جنت میں داخل ہو جا۔ حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یعنی میرے بندوں کے ساتھ اور میرے بندوں کے درمیان یعنی میرے خواص کے ساتھ جنت میں داخل ہو جا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَادْخُلِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ“ (اہل: ۱۹) ”(حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی: اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما)“ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ نفس سے روح مراد ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اے روح! پس میرے بندوں کے جسموں میں داخل ہو جا جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت ہے: ”فَادْخُلِي فِي جَسَدِ عَبْدِي“ سوائے روح! تو میرے بندے کے جسم میں داخل ہو جا اور جب حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما طائف میں فوت ہوئے تو ایک پرندہ آیا جب کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر کبھی کوئی پرندہ نہیں دیکھا گیا چنانچہ وہ پرندہ آپ کی نعش مبارک میں داخل ہو گیا پھر جب آپ کو قبر میں دفن کیا گیا تو آپ کی قبر کے کنارے پر یہی آیت مبارکہ تلاوت کی گئی اور جس نے آپ کی قبر پر یہ آیت مبارکہ تلاوت کی اس کا علم نہیں ہو سکا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ سید الشہداء حضرت امیر حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی تھی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی تھی جن کو اہل مکہ نے سولی پر لٹکایا تھا اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ تمام مؤمنوں کے لیے عام ہے کیونکہ عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے خصوص سب کا اعتبار نہیں ہوتا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورۃ البلد کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی بیس آیات ایک رکوع ہے

لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ ۚ وَأَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ ۚ وَالْيَوْمَ مَا وَلَدَكَ لَقَدْ

خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ ۚ أَيَحْسَبُ أَنْ لَنْ يَقْدَرَعَلَيْهِ أَحَدًا ۚ يَقُولُ أَهْلَكْتُ

وقف لازم

مَا لَا بُدَّ ۙ أَيَحْسَبُ أَنْ لَمْ يُرَخَّصْ أَحَدًا ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ ۙ وَ لِسَانًا
 وَ شَفَتَيْنِ ۙ وَ هَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ۙ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۙ وَمَا أَدْرَاكَ مَا
 الْعَقَبَةُ ۙ فَكُنْ رَقَبَةً ۙ أَوْ اطْعَمْ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ۙ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۙ
 أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۙ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آفَنُوا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ
 تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَةِ ۙ

مجھے اس شہر کی قسم! O اور آپ اس شہر میں رہائش پذیر ہیں O اور والد کی قسم اور اس کی اولاد کی (قسم)! O بے شک ہم نے انسان کو مشقت میں (رہنے والا) پیدا کیا O کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس پر ہرگز کوئی غالب نہیں ہو سکتا O وہ کہتا ہے: میں نے بہت زیادہ مال (خرچ کر کے) ختم کر دیا ہے O کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا O کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں نہیں بنائیں O اور ایک زبان اور دو ہونٹ O اور ہم نے اسے (خیر و شر کے) دونوں راستے دکھا دیے O پھر وہ گھائی میں داخل نہیں ہوا O اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ گھائی کیا ہے O گردن آزاد کرانا ہے O یا بھوک کے دن کھانا کھلانا ہے O کسی رشتہ دار یتیم کو O یا کسی خاک نشین مسکین کو O پھر وہ ان لوگوں میں سے ہو جاتا جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی اور ایک دوسرے کو رحم و کرم کرنے کی وصیت کی O

قسموں کے ساتھ مؤکد نیک بختی اور بد بختی کے اسباب کا بیان

۲۱۔ ﴿لَا أَقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ﴾ مجھے قسم ہے اس شہر کی! اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حرمت والے شہر مکہ معظمہ کی اور اس کے مابعد کی قسم فرمائی ہے اور یہ اس بات کی تاکید ہے کہ انسان کو تکالیف و شدائد اور مصائب و آلام کے برداشت کرنے میں مقہور و مغلوب پیدا کیا گیا ہے ﴿وَ أَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ﴾ حالانکہ آپ اس شہر میں مقیم ہیں اور یہ کلام مبارک قسم اور مقسم علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے یعنی تکلیف وہ بات یہ ہے کہ آپ کی حرمت و عزت کی عظمت کے باوجود آپ جیسی عظیم الشان محترم و مکرم ہستی (کے قتل) کو اس شہر یعنی مکہ معظمہ میں حلال سمجھا جاتا ہے جیسا کہ حرم کے باہر شکار حلال سمجھا جاتا ہے۔ شریحیل سے منقول ہے کہ قریش مکہ اس شہر میں شکار کے قتل کو حرام قرار دیتے تھے اور حضور نبی کریم ﷺ کے نکالنے اور آپ کے قتل کو حلال سمجھتے تھے اور اس میں رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے ثابت و قائم رہنے پر اور اہل مکہ کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف کے برداشت کرنے پر تلقین و تحریک اور برا بیچھتہ کرنا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ عداوت و دشمنی رکھنے کی وجہ سے قریش مکہ کے حال پر تعجب کا اظہار ہے یا پھر اللہ تعالیٰ نے اس شہر کی قسم اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کو اس بات پر تسلی دی کہ بے شک کوئی انسان شدائد و تکالیف اور مصائب و آلام کی آزمائش سے خالی نہیں ہے اور اس معنی پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم رسول معظم ﷺ سے مکہ مکرمہ کی فتح کا وعدہ فرمایا ہے جو تکالیف و شدائد کے غموں سے نجات و رہائی حاصل کرنے اور تسلی و تشفی کے لیے تکمیل ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: ”وَ أَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ“ یعنی اے محبوب! آپ مستقبل میں اس شہر مکہ مکرمہ میں فاتح کی حیثیت سے نزول اجلال فرمانے والے اور تشریف فرما ہونے

والے ہیں اور آپ اس شہر میں کفار مکہ کو قتل کرنے اور قیدی بنانے کے لیے جو چاہیں گے کر سکیں گے اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں پر مکہ مکرمہ فتح فرمایا اور آپ کے لیے اس کو حلال قرار دے دیا حالانکہ آپ سے پہلے کسی کے ہاتھ مکہ مکرمہ فتح نہیں ہوا اور آپ کے علاوہ کسی کے لیے مکہ مکرمہ کو حلال قرار نہیں دیا گیا مگر آپ نے جو چاہا حلال قرار دیا اور جو چاہا حرام قرار دیا اور آپ نے ابن نطل کو قتل کر دیا حالانکہ وہ کعبہ معظمہ سے لپٹا ہوا تھا اور مقیس بن صبابہ وغیرہما کو قتل کرایا تھا اور ابوسفیان کے گھر کو حرم قرار دے دیا تھا اور ”وَ اَنْتَ حِلٌّ“ کا یہ معنی کہ آپ مستقبل میں مکہ معظمہ میں تشریف فرما ہوں گے کی نظیر اور مثال یہ (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاَنْهُمْ مَّيِّتُونَ“ (الزمر: ۳۰) ”بے شک آپ وفات پانے والے ہیں اور بے شک وہ بھی مرنے والے ہیں“ اور اس آیت مبارکہ کے معنی استقبال کے لیے ہونے پر تمہیں یہی دلیل کافی ہے کہ یہ سورت مبارکہ کی ہے جس پر سب کا اتفاق ہے اور اس سورت کے نزول کے وقت نہ ہجرت تھی اور نہ مکہ مکرمہ فتح ہوا تھا۔

۳- ﴿وَوَالِدًا وَّمَا وُلَدًا﴾ اور والد کی قسم اور اس کی اولاد کی قسم! یاد رہے کہ والد سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں اور ”مَا وُلَدًا“ سے ان کی (نیک) اولاد مراد ہے یا اس سے ہر والد اور اس کی اولاد مراد ہے یا پھر والد سے حضرت ابراہیم علیہ السلام مراد ہیں اور ”مَا وُلَدًا“ سے ان کی (نیک) اولاد مراد ہے۔ اور لفظ ”مَا“ بہ معنی ”مَنْ“ ہے یا بہ معنی ”الَّذِي“ ہے۔

۴- ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ الْاَكْوَانِ﴾ بے شک ہم نے انسان کو مشقت میں رہنے والا پیدا کیا ہے کہ وہ دنیا کے مصائب اور آخرت کے شدائد کی مشقت اٹھاتا ہے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے آپ نے فرمایا کہ انسان ہمیشہ قضاء کی رسی میں بندھا ہوا اور مروہی کا پابند کیا ہوا ہے [یہ آیت مبارکہ قسم کا جواب ہے]۔

۶۵- ﴿اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدًا﴾ کیا وہ (انسان) یہ گمان کرتا ہے کہ اس پر ہرگز کوئی قادر نہیں ہے۔ ”يَحْسَبُ“ کی ضمیر قریش مکہ کے سرداروں میں سے کسی ایک سردار کی طرف لوٹی ہے کیونکہ قریش مکہ کے سردار رسول اللہ ﷺ کو تکلیفیں اور مشقتیں پہنچایا کرتے تھے جو تکالیف اور مشقتیں پہنچا سکتے تھے پھر بعض علمائے اسلام کا قول ہے کہ حضور کو تکلیفیں اور مشقتیں پہنچانے والے سے ابوالاشد مراد ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ولید بن مغیرہ مخزومی مراد ہے اور معنی یہ ہے کہ کیا اپنی قوم کا یہ طاقتور سردار مسلمانوں کو کمزور سمجھنے والا یہ خیال کرتا ہے کہ قیامت ہرگز قائم نہیں ہوگی اور اس سے انتقام لینے کی ہرگز کوئی قدرت نہیں رکھتا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی وہ بات ذکر کی جو وہ اس دن کہے گا اور وہ یہ ہے: بے شک ﴿يَقُولُ اَهْلَكْتُ مَا لَا لُبَدًا﴾ وہ کہے گا: میں نے بہت زیادہ مال خرچ کر کے ختم کر دیا ہے یعنی کثیر مال خرچ کر دیا۔ ”لُبَدًا“، ”لُبْدَةٌ“ کی جمع ہے جس کا معنی ہے: زیادہ اور بہت سا مال یعنی ڈھیروں مال جمع ہو گیا، وہ سردار اس سے یہ کہنا

۱- علامہ سید محمود آلوسی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ علامہ طبری اور علامہ ماوردی نے فرمایا کہ والد سے حضور نبی کریم ﷺ مراد ہیں اور ”مَا وُلَدًا“ سے آپ کی امت مرحومہ مراد ہے کیونکہ حضور نے فرمایا کہ میں تمہارے لیے والد کی طرح ہوں اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کی قرأت میں ہے: ”وَاَزْوَاجُهُ اُمَّهَاتُهُمْ وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ“ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں اور آپ ان کے باپ ہیں کیونکہ اس آیت مبارکہ سے پہلے بھی حضور ہی کا ذکر ہوا ہے اور علامہ شیخ اسماعیل حقی نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں ایک دلیل یہ بھی پیش کی ہے کہ قرآن مجید کی رُو سے حضور کی ازواج مطہرات کا مسلمانوں کی مائیں ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ حضور مسلمانوں کے باپ ہیں۔ (تفسیر روح المعانی جز ۳، ص ۱۳۵، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور، تفسیر روح البیان جز ۳، ص ۳۵۸-۳۵۷، مترجم، مکتبہ اوسیبیہ، بہاولپور)

چاہے گا کہ وہ زمانہ جاہلیت میں بہت زیادہ مال خرچ کرتا رہا تھا کیونکہ عرب کے لوگ زیادہ سے زیادہ مال خرچ کرنے کو مکارم و معالی (اچھی عادات اور بلند ہمتی) خیال کرتے تھے۔

۷- ﴿أَيَحْسَبُ أَنْ لَمْ يَدْرِكْ أَحَدًا﴾ کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا جب وہ اپنا مال خرچ کرتا تھا تو وہ ریا اور دکھاوے کے لیے اور فخر و غرور اور تکبر کے ساتھ خرچ کرتا تھا یعنی بے شک اللہ تعالیٰ اسے ضرور دیکھ رہا تھا اور وہ اس پر محافظ و نگہبان تھا۔

۸ تا ۱۰- پھر اللہ تعالیٰ نے ان آیات مبارکہ میں ان نعمتوں کا ذکر فرمایا جو اسے عطا کیں چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿الَّذِينَ جَعَلْنَا لَهُ عَيْتِينَ﴾ کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں نہیں بنائیں جن کے ذریعے وہ دکھائی دینے والی تمام چیزوں کو دیکھتا ہے ﴿وَلِسَانًا﴾ اور ایک زبان بنائی جس کے ذریعے وہ اپنے دل کی تمام باتیں بیان کرتا ہے ﴿وَشَفَّتَيْنِ﴾ اور دو ہونٹ بنائے جن کے ذریعے وہ اپنے منہ کو چھپاتا ہے اور ان دونوں کی مدد سے بولتا اور کھاتا اور پیتا ہے اور ان کی مدد سے پھونکتا ہے ﴿وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ﴾ اور ہم نے اسے دونوں راستے دکھادیئے ہیں (یعنی) خیر و شر کے دونوں راستے دکھادیئے ہیں خیر و بھلائی کا راستہ اسے جنت کی طرف لے جانے والا ہے اور شر و برائی کا راستہ اسے دوزخ کی آگ کی طرف لے جانے والا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ”نجدین“ سے دونوں پستان مراد ہے۔

۱۱ تا ۱۷- ﴿فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿فَكَرَّ رِجْلَهُ﴾ وَأَوَّاعًا لِّمَنْ فِيهَا ﴿أَوْ اطَّعِمَ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْجَبَةٍ﴾ ﴿يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ﴾ ﴿أَوْ مَسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ﴾ ﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ پھر وہ گھائی میں داخل نہیں ہوا اور آپ کو کیا معلوم کہ گھائی کیا چیز ہے وہ گردن چھڑانا ہے یا بھوک کے دن کھانا کھلانا رشتہ دار یتیم کو یا خاک نشین مسکین کو پھر وہ ایمان والوں میں سے ہو جاتا یعنی وہ ان نعمتوں کا نیک اعمال کے ذریعے شکر ادا نہیں کرتا جیسے گردن چھڑانا یا یتیموں اور مسکینوں کو کھانا کھلانا پھر ایمان لانا جو ہر عبادت کی اصل ہے اور ہر نیکی کی بنیاد ہے بلکہ وہ نعمتوں پر ناشکری کرتا ہے اور انعام عطا فرمانے والے اپنے منعم اور محسن کے ساتھ کفر کرتا ہے اور معنی یہ ہے کہ اس طریقہ پر خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اور مفید و نافع عمل ہے نہ یہ کہ اپنا مال حد سے بڑھ کر بہت زیادہ ریا دکھاوے اور فخر و غرور کے لیے خرچ کر کے ہلاک کر دے اور حرف ”لا“ فعل ماضی کے ساتھ بہت کم استعمال ہوتا ہے اور جب استعمال ہوتا ہے تو مکرر استعمال ہوتا ہے اور یہاں فصیح ترین کلام میں اس لیے مکرر استعمال نہیں ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے گھائی میں داخل ہونے کی تفسیر و توضیح تین چیزوں کے ساتھ فرمادی تو گویا حرف ”لا“ کا تین مرتبہ اعادہ کر دیا اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: ”فَلَا فَكَّرَ رِجْلَهُ وَلَا أَطْعَمَ مَسْكِينًا وَلَا آمَنَ“ سو اس نے نہ گردن چھڑائی اور نہ اس نے مسکین کو کھانا کھلایا اور نہ وہ ایمان لایا اور ”اقتحام“ کا معنی ہے کہ شدت و سختی اور مشقت کے ساتھ داخل ہونا اور گزر جانا اور ”فُحْمَةٌ“ کا معنی شدت ہے سو اللہ تعالیٰ نے نیکی کو گھائی قرار دے دیا اور اس کے عمل کو اس میں داخل ہونا قرار دے دیا کیونکہ اس میں مشقت کا معنی پایا جاتا ہے اور نفس کا مجاہدہ پایا جاتا ہے اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم شدید ترین گھائی انسان کا اپنے نفس اور اپنی خواہشات اور اپنے بدترین دشمن شیطان کے خلاف جہاد کرنا ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ”مَا الْعَقَبَةُ“ سے یہ مراد ہے کہ اس گھائی میں داخل ہونا کس قدر مشکل ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ نفس پر اس کی شدت و مشقت کی حقیقت کو تم نہیں جانتے اور نہ تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے اجر و ثواب کی حقیقت کو جانتے ہو اور ”فَكَرَّ رِجْلَهُ“ کا معنی ہے: غلام کو آزاد کرانا یا مکاتبت کے مال میں اعانت و امداد کرنا [ابن کثیر کی ابو عمرو اور علی کسائی کی قراءت میں (فعل ماضی کے ساتھ) ”فَكَرَّ رِجْلَهُ أَوْ أَطْعَمَ“

پڑھا جاتا ہے یہ اس بناء پر کہ یہ "اِقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ" سے بدل ہے اور ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں "فَكَ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعَامٍ" پڑھا جاتا ہے اس بناء پر کہ "اِقْتَحَامُ الْعَقَبَةِ فَكَ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعَامٍ" ہے یعنی گھائی میں داخل ہونا گردن چھڑانا اور کھانا کھلانا ہے [اور "مَسْغَبَةٌ" کا معنی بھوک ہے اور "مَقْرَبَةٌ" کا معنی قرابت و رشتہ داری ہے اور "مَتْرَبَةٌ" کا معنی فقر و محتاجی ہے یہ سب "مَفْعَلَةٌ" کے وزن پر ہیں اور "مَسْغَبَةٌ" "سَغَبٌ" سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص بھوکا ہو اور "مَقْرَبَةٌ" "قَرَبٌ فِي النَّسَبِ" سے ماخوذ ہے یعنی وہ نسب میں قریب ہو، چنانچہ کہا جاتا ہے: "فُلَانٌ ذُو قَرَابَتِي" و "ذُو مَقْرَبَتِي" کہ فلاں آدمی میرا قرابت دار اور رشتہ دار ہے اور "مَتْرَبَةٌ" "تَرَبٌ" سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی محتاج و نادار ہو جاتا ہے اور اس کا معنی ہے کہ وہ مٹی سے چپک گیا پس اس کا ٹھکانا کوڑا کرکٹ ہے اور "یوم" کو "ذِي مَسْغَبَةٍ" کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے جیسا کہ اہل عرب کا قول "هَمَّ نَاصِبٌ" یعنی وہ حصہ والے اور "ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوا" کا معنی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ایمان پر قائم رہتا ہے اور بعض حضرات کا قول ہے: "ثُمَّ" بہ معنی داؤ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ "ثُمَّ" اس لیے آیا ہے کہ ایمان فضیلت اور رتبہ میں غلام آزاد کرانے اور صدقہ و خیرات کرنے سے بہت دور اور پیچھے ہے وقت میں نہیں کیونکہ ایمان تمام اعمال سے پہلے ہے اور کوئی نیک عمل ایمان کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا ﴿وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ اور وہ گناہوں سے بچنے اور عبادات بجالانے اور مشقتوں کو برداشت کرنے کی ایک دوسرے کو تلقین اور وصیت و تاکید کرتے رہے ایسی مشقتیں جن کے ساتھ مومنوں کو آزمایا جاتا ہے ﴿وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ﴾ اور وہ ایک دوسرے کو آپس میں باہمی رحم و کرم اور مہربانی کرنے کی وصیت و تاکید کرتے رہے۔

اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ﴿١٨﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَاٰیٰتِنَا هُمْ اَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ﴿١٩﴾ عَلَيْهِمْ

نَارٌ مُّوَصَّدَةٌ ﴿٢٠﴾

یہی لوگ دائیں طرف والے ہیں ○ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا وہی بائیں طرف والے ہیں ○ ان پر ہر طرف سے بند کی ہوئی آگ ہوگی ○

۱۸۔ ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ﴾ یہی لوگ دائیں طرف والے ہیں یعنی جو ان مذکورہ بالا صفات کے ساتھ متصف ہیں وہ دائیں طرف والے ہیں۔

۱۹، ۲۰۔ ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَاٰیٰتِنَا هُمْ اَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا (یعنی) قرآن مجید کے ساتھ یا ہمارے دلائل کے ساتھ کفر کیا ﴿اَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ﴾ وہی بائیں طرف والے ہیں اور "المیمنة" کا معنی "الیمین" دائیں طرف ہے اور "المشئمة" کا معنی "الشمال" یعنی بائیں طرف ہے یا "مِیْمَنَةٌ" بہ معنی "یَمَنٌ" خیر و برکت ہے اور "مَشْأَمَةٌ" بہ معنی "شُؤْمٌ" نحوست ہے یعنی دائیں طرف والے اپنی جانوں کے لیے خیر و برکت پانے والے ہیں اور بائیں طرف والے اپنی جانوں پر نحوست ڈالنے والے ہیں ﴿عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّوَصَّدَةٌ﴾ ان پر آگ بند کی گئی ہے یعنی انہیں آگ میں ڈال کر ان پر ہر طرف سے آگ بند کر دی گئی [ابو عمرو حمزہ کوئی اور امام حفص کی قراءت میں ہمزہ کے ساتھ "مُوصَّدَةٌ" پڑھا جاتا ہے اور یہ "اَوْصَدْتُ الْبَابَ" و "اَصْدَقْتُ" (میں نے دروازہ بند کر دیا) یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب دروازہ بند کر دیا جائے]۔

سورۃ الشمس
۱۰۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ الشمس کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اس کی پندرہ آیات ایک رکوع ہے

وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا ① وَالْقَمَرِ إِذَا اتَلَّهَا ② وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّهَا ③ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغُشَّهَا ④

وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنَاهَا ⑤ وَالْأَرْضِ وَمَا طَرَاهَا ⑥ وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا ⑦

قَالَهُهَا فَجَوْرَهَا وَتَقْوَاهَا ⑧ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ⑨ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا ⑩

سورج اور اس کی روشنی کی قسم! اور چاند کی (قسم) جب وہ اس کے پیچھے آئے اور دن کی (قسم) جب وہ اسے روشن کر دے! اور رات کی (قسم) جب وہ اسے ڈھانپ لے! اور آسمان کی (قسم) اور جس نے اسے بنایا! اور زمین کی (قسم) اور جس نے اسے پھیلا یا! اور جان کی (قسم) اور جس نے اسے درست بنایا! پھر اس نے اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری اس کے دل میں الہام فرمادی! اور بے شک وہ شخص کامیاب ہو گیا جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا! اور بے شک وہ شخص ناکام ہو گیا جس نے اپنے نفس کو گناہوں میں ڈبو دیا!

قسموں کے ذریعے انسان کے لیے ترغیب و ترہیب کا بیان

۱- ﴿وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا﴾ سورج کی اور اس کی روشنی کی قسم! جب وہ طلوع ہو کر پوری طرح روشن ہو جائے اور اس کا اقتدار قائم ہو جائے۔

۲- ﴿وَالْقَمَرِ إِذَا اتَلَّهَا﴾ اور چاند کی قسم! جب وہ روشنی اور نور میں اس (سورج) کے پیچھے آتا ہے اور یہ ہر مہینے کے پہلے نصف میں ہوتا ہے کہ چاند روشنی میں سورج کے پیچھے آتا ہے۔

۳- ﴿وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّهَا﴾ اور دن کی قسم جب وہ اسے روشن کر دیتا ہے! (یعنی) جب سورج کو روشن کر دیتا ہے اور اسے دیکھنے والوں کے لیے ظاہر کر دے اور یہ دن کے کھلنے اور اس کے پھیلنے کے وقت ہوتا ہے کیونکہ اس وقت سورج پوری طرح روشن ہو جاتا ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ ”جَلَّهَا“ میں ضمیر مؤنث ظلمت کی طرف لوٹتی ہے کہ دن کے اُجالے کے سبب جب تاریکی روشنی میں تبدیل ہو جاتی ہے یا یہ ضمیر دنیا کی طرف لوٹتی ہے یعنی اور دن کی قسم جب وہ دنیا کو روشن کر دیتا ہے! یا یہ ضمیر ”أَرْضِ“ (زمین) کی طرف لوٹتی ہے یعنی دن کی قسم جب وہ زمین کو روشن کر دیتا ہے! اگرچہ اس سے پہلے زمین کا ذکر نہیں ہوا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَلَوْ يُوَاحِدُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَى ظَهِرِهَا مِنْ دَابَّةٍ“ (فاطر: ۴۵) ”اور اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کو ان کے کرتوتوں پر پکڑ لیتا تو وہ زمین کی پشت پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا۔“

۴- ﴿وَاللَّيْلِ إِذَا يَغُشَّهَا﴾ اور رات کی قسم جب وہ اسے ڈھانپ لے! (یعنی) جب رات سورج کو چھپالے اور تمام آفاق و اکناف کو تاریک کر دے! اور اس طرح کی جگہ میں متفقہ طور پر پہلی واؤ قسم کے لیے ہوتی ہے اور اسی طرح دوسری واؤ بھی بعض کے نزدیک قسم کے لیے ہوتی ہے اور علامہ خلیل کے نزدیک دوسری واؤ عطف کے لیے ہوتی ہے اس لیے کہ پہلی کے تمام ہونے سے پہلے قسم پر قسم داخل کرنا جائز نہیں، کیا تم دیکھتے نہیں کہ اگر اس کی جگہ پر ”ہا“ یا ”نم“ کا کلمہ داخل کیا جاتا تو پھر بھی معنی اپنے حال پر رہتا حالانکہ وہ دونوں حروف عطف ہیں، پس واؤ بھی اسی طرح ہے اور جس نے کہا کہ بے شک یہ

قسم کے لیے ہے اس نے یہ دلیل پیش کی کہ اگر یہ واؤ عطف کے لیے ہو تو دو عاملوں پر عطف لازم آئے گا کیونکہ ارشاد ”وَاللَّيْلِ“ مثلاً واؤ قسم کی وجہ سے مجرور ہے اور ”إِذَا يَغْشَى“ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے جو ”أَقْسِمُ“ ہے پس اگر ”وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى“ میں واؤ عطف کے لیے ہو تو ”النَّهَارِ“ ”الَّيْلِ“ پر معطوف ہونے کی بناء پر مجرور ہوگا اور ”إِذَا تَجَلَّى“ ”إِذَا يَغْشَى“ پر معطوف ہونے کی بناء پر منصوب ہوگا پس یہ تمہارے اس (درج ذیل) قول کی طرح ہو جائے گا: ”إِنَّ فِي الدَّارِ زَيْدًا وَالْحُجْرَةِ عَمْرًا“ اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ بے شک قسم کی واؤ حرف ”بَا“ اور فعل کے قائم مقام ہوتی ہے یہاں تک کہ اس کے ساتھ فعل کا اظہار جائز نہیں ہوتا سو گویا وہ نصب اور جر دونوں میں عامل ہوتی ہے اور وہ ایسے ایک عامل کی طرح ہو جاتی ہے جس کے دو عمل ہوتے ہیں اور ہر ایسا عامل جس کے دو عمل ہوں تو متفقہ طور پر اس میں جائز ہوتا ہے کہ اس کے دو معمولوں پر ایک عطف کے ساتھ معطوف کیا جائے جیسے ”ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا وَبَكَرٌ خَالِدًا“ سو ”بَكَرٌ“ واؤ کی وجہ سے مرفوع ہے اور ”خَالِدًا“ منصوب ہے کیونکہ یہ واؤ ”ضَرَبَ“ کے قائم مقام ہے جو اس کا عامل ہے پس یہاں بھی اسی طرح ہے۔

۵ تا ۸ ﴿وَالسَّمَاءِ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ وَالْأَرْضِ وَمَا عَلَيْهَا ﴿وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا﴾ آسمان کی قسم اور جس نے اسے بنایا! O اور زمین کی قسم اور جس نے اسے پھیلا یا! O اور جان کی قسم اور جس نے اسے درست کیا! بعض اہل علم حضرات کے نزدیک ان آیات مبارکہ میں لفظ ”مَا“ مصدریہ ہے یعنی آسمان اور اس کے بنانے کی قسم! اور زمین کی اور اس کے بچھانے اور ہر طرف پھیلانے کی قسم! اور جان کی اور بہترین صورت میں اس کی تخلیق کے درست کرنے کی قسم! اور اس صورت میں ارشاد باری تعالیٰ ”فَالْتَمَمَهَا“ کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ اس میں لطم کا فساد لازم آتا ہے اور اس میں یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ لفظ ”مَا“ موصولہ ہو اور بے شک کلمہ ”مَنْ“ پر ”مَا“ کو اس لیے اختیار کیا گیا کہ اس میں وصفیت کے معنی کا ارادہ کیا گیا ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ آسمان کی قسم اور اس عظیم الشان قادر کی قسم! جس نے اس کو بنایا ہے اور جان کی قسم اور زبردست غالب حکمت والے حکیم کی قسم! جس نے اس کو حسین ترین صورت میں درست و ٹھیک بنایا اور نفس کو نکرہ اس لیے لایا گیا کہ تمام نفوس میں سے ایک مخصوص اور معروف نفس مراد ہے اور وہ ہے حضرت آدم علیہ السلام کا نفس، گویا فرمایا گیا ہے کہ تمام نفوس میں سے ایک نفس و جان کی قسم یا پھر اس سے ہر نفس مراد ہے اور نکرہ کثرت کے لیے لایا گیا ہے جیسے ”عَلِمْتُ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرْتُ O“ (الکھویر: ۱۳) ”ہر جان جان لے گی جو کچھ اس نے آگے بھیجا ہے O“ ﴿فَالْتَمَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا﴾ سو اس نے اس کا فسق و فجور اور اس کا تقویٰ اسے الہام فرمایا (یعنی) پس اللہ تعالیٰ نے ہر جان کو اس کی عبادت و اطاعت اور اس کی معصیت و نافرمانی اور گناہ کا طریقہ سکھا دیا یعنی اسے سمجھا دیا کہ بے شک ان دونوں (اطاعت و معصیت) میں سے ایک اچھا ہے اور دوسرا بُرا ہے۔

۹- ﴿قَدْ أَفْلَحَ﴾ بے شک کامیاب ہو گیا! یہ قسم کا جواب ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ”لَقَدْ أَفْلَحَ“ زجاج نے کہا کہ کلام کی طوالت لام کے عوض میں ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ قسم کا جواب محذوف ہے اور یہی زیادہ ظاہر ہے اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ”لَيَنْدَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ“ [مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ ان پر ضرور تباہی ڈالے گا یعنی اہل مکہ پر کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی اور آپ کو جھٹلایا جس طرح اللہ تعالیٰ نے قوم شموذ پر تباہی ڈالی تھی کیونکہ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا اور لیکن رہا ”قَدْ أَفْلَحَ“ تو یہ ارشاد باری تعالیٰ ”فَالْتَمَمَهَا فُجُورَهَا“

۱- دراصل یہ سورۃ واللیل کی پہلی دو آیات کی محوی بحث ہے جو یہاں بیان کی گئی ہے۔

وَتَقْوَاهَا“ کے تابع کلام ہے اور اس کا قسم کے جواب سے کوئی تعلق نہیں ہے [مَنْ ذَكَّهَا] جس نے اسے سٹھرا کیا (یعنی) وہی شخص کامیاب ہے جس کے نفس کو اللہ تعالیٰ نے پاک کیا اور اس کو سنوارا اور اس کو پاکیزہ بنایا۔

۱۰۔ ﴿وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّهَا﴾ اور بے شک وہ شخص ناکام ہو گیا جس کے نفس کو گناہوں میں ڈبو دیا (یعنی) جسے اللہ تعالیٰ نے گمراہی پر ڈال دیا۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ وہ شخص کامیاب ہو گیا جس کو اللہ تعالیٰ نے پاک بنایا اور وہ شخص ناکام ہو گیا جس کو اللہ تعالیٰ نے گمراہی پر ڈال دیا اور یہ بھی جائز ہے کہ نفس کو گناہوں سے آلودہ کرنا اور اسے پاک کرنا بندے کا فعل ہو اور ”تَدْسِيَّةٌ“ کا معنی ہے: نقص اور گناہوں میں چھپانا اور ”دَسِي“ اصل میں ”دَسَسَ“ تھا اور حرف ”یا“ مکررہ سین سے تبدیل ہوا۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَيْهَا ۖ إِذِ انبَعَثَ أَشْقَاهَا ۖ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ

اللَّهِ وَسُقْيَاهَا ۖ فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهُا ۖ فَذَمَّ اللَّهُ كُفْرَهُمْ وَعَذَابَهُ ۖ فَمَدَامَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ يَدَانِهِمْ

فَسَوْبَاهَا ۖ وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا ۖ

ثمود (کی قوم) نے اپنی سرکشی کے سبب جھٹلایا O جب اس کا سب سے زیادہ بد بخت اٹھ کھڑا ہوا O سو اللہ تعالیٰ کے رسول نے ان سے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی باری (کی مخالفت) سے بچو O پس انہوں نے اسے جھٹلایا اور اس (اونٹنی) کی کوچیں کاٹ ڈالیں تو ان کے پروردگار نے ان کے گناہوں کے سبب ان پر ہلاکت ڈال دی پھر ان کی بستی کو برابر کر دیا O اور وہ اس کے انجام سے نہیں ڈرتا O

قوم ثمود کی تکذیب و سرکشی اور ہلاکت کا بیان

۱۱۔ ﴿كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَيْهَا﴾ ثمود (کی قوم) نے اپنی سرکشی کے سبب جھٹلایا کیونکہ تکذیب و جھٹلانے پر ان کو ابھارنے والی چیز خود ان کی اپنی سرکشی تھی۔

۱۲۔ ﴿إِذِ انبَعَثَ﴾ جب اونٹنی کی کوچیں کاٹنے کے لیے کھڑا ہوا ﴿أَشْقَاهَا﴾ ثمود کی قوم میں سب سے زیادہ بد بخت شخص قدار بن سالف تھا اور یہ بد بخت رنگ کا سرخ نیلی آنکھوں والا چھوٹے قد والا تھا [”كَذَّبَتْ“ کی وجہ سے یا ”بِطَغْوَى“ کی وجہ سے ”إِذِ“ منصوب ہے]۔

۱۳۔ ﴿فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ﴾ سو اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ﴿نَاقَةَ اللَّهِ﴾ یہ تحذیر کی بناء پر منصوب ہے یعنی اس اونٹنی کی کوچیں کاٹنے سے بچو ﴿وَسُقْيَاهَا﴾ اور اس کی پانی پینے کی باری کی مخالفت سے بچو اور یہ ایسے ہے جیسے ”الاسد الاسد“ ہے۔

۱۴۔ ﴿فَكَذَّبُوهُ﴾ سو انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو ان تمام باتوں میں جھٹلا دیا جن سے اس نے ان کو ڈرایا دھمکایا کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان پر عذاب نازل ہو جائے گا ﴿فَعَقَرُوهُا﴾ پس انہوں نے اس کی یعنی اونٹنی کی کوچیں کاٹ ڈالیں۔ فعل کی نسبت ان سب کی طرف کی گئی اگرچہ اونٹنی کی ٹانگیں کاٹنے والا ایک شخص تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”فَنَادُوا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَى فَعَقَرُوهُ“ (القر: ۲۹) ”سو انہوں نے اپنے ساتھی کو پکارا پس اس نے دست درازی کر کے پکڑا اور اس کی کوچیں کاٹ ڈالیں O“ کیونکہ وہ سب لوگ اس کے اس فعل پر راضی تھے ﴿فَمَدَامَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ﴾

پھر ان کے پروردگار نے ان پر تباہی ڈال دی کہ انہیں جڑ سے اکھیڑ کر ہلاک کر دیا ﴿يَذَابِقُهُمْ﴾ ان کے گناہ کے سبب اور وہ گناہ ان کا رسول کو جھٹلانا اور انٹی کی کونچیں کاٹنا تھا ﴿فَسَوَّيْتَهُمَا﴾ پس ان پر ہلاکت و تباہی کو پوری طرح برابر کر دیا اور اس سے نہ ان کا کوئی چھوٹا بچا اور نہ ان کا کوئی بڑا بچا سب ہلاک ہو گئے۔

۱۵- ﴿وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا﴾ اور وہ اس کے انجام سے نہیں ڈرتا (یعنی) اور اللہ تعالیٰ اس ہلاکت و تباہی کے فعل کے انجام سے نہیں ڈرتا یعنی اللہ تعالیٰ نے جب یہ کام کیا تو اسے کسی کا خوف اور ڈر نہیں تھا کہ اس کا کوئی پیچھا کرے گا جیسا کہ ایک بادشاہ کو دوسرے بادشاہ کے تعاقب و انتقام لینے کا خوف و اندیشہ ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مملوکات اور اپنی مملکت و بادشاہت میں جو کچھ کیا اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ" (الانبیاء: ۲۳) "اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے اس کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا جائے گا اور ان لوگوں سے ان کے کاموں کے بارے میں پوچھا جائے گا" [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "فا" کے ساتھ "فَلَا يَخَافُ" پڑھا جاتا ہے]۔

الانبیاء: ۲۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ الیل کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی اکیس آیات ایک رکوع ہے

وَالْیَلِ اِذَا یَغْشٰی ۱ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی ۲ وَمَا خَلَقَ الذَّکَرِ وَالْاُنْثٰی ۳ اِنَّ

سَعِیْکُمْ لَشَتٰی ۴ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۵ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۶ فَسَنِیِّرْہٗ

لِلْیَسْرِی ۷ وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی ۸ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ۹ فَسَنِیِّرْہٗ لِّلْعُسْرِی ۱۰

وَمَا یَغْنِیْ عَنْہٗ مَالُهٗ اِذَا تَرَدّٰی ۱۱ اِنَّ عَلَیْنَا لَلْہُدٰی ۱۲ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَۃَ

وَالْاٰوَّلٰی ۱۳

رات کی قسم جب وہ چھا جائے! ۰ اور دن کی (قسم) جب وہ روشن ہو جائے! ۰ اور اس ذات کی (قسم) جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا! ۰ بے شک تمہاری کوشش ضرور مختلف ہے ۰ سو لیکن جس نے (راہ خدا میں) عطا کیا اور وہ پرہیزگار ہو گیا ۰ اور اس نے اچھی باتوں کی تصدیق کی ۰ تو عنقریب ہم اس کے لیے آسانی کا سامان مہیا کر دیں گے ۰ اور لیکن جس نے بخل کیا اور بے پرواہ بن گیا ۰ اور اس نے اچھی باتوں کو جھٹلایا ۰ تو عنقریب ہم اس کے لیے سختی کا سامان مہیا کر دیں گے ۰ اور اس کا مال اس کے کچھ کام نہیں آئے گا جب وہ ہلاکت کے گڑھے میں گرے گا ۰ بے شک البتہ ہدایت دینا ہمارے ذمہ کرم پر ہے ۰ اور بے شک آخرت اور دنیا ضرور ہماری ملکیت ہیں ۰

قسموں کے ساتھ مولا کلدانسانوں کے مختلف اعمال کی بناء پر مختلف انجاموں کا بیان

۱- ﴿وَالْیَلِ اِذَا یَغْشٰی﴾ رات کی قسم جب وہ ڈھانپ لے! رات یا تو سورج کو ڈھانپ لینے والی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَالْیَلِ اِذَا یَغْشٰیہَا" (الشمس: ۴) "اور رات کی (قسم) جب وہ سورج کو ڈھانپ لے! ۰" یا پھر

وہ دن کو ڈھانپنے والی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ" (الاعراف: ۵۳) "اللہ تعالیٰ دن رات کو ایک دوسرے سے ڈھانپ لیتا ہے" یا ہر وہ چیز جس کو رات اپنی تاریکی میں چھپا لیتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "إِذَا وَقَبُوهَا" (العلق: ۳) "جب رات چھا جائے"۔

۲- ﴿وَالنَّهَارَ إِذَا تَجَلَّىٰ﴾ اور دن کی (قسم) جب وہ روشن ہو جائے! رات کے اندھیرے اور اس کی تاریکی کے زائل ہونے کی وجہ سے خوب ظاہر ہو جائے۔

۳- ﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ﴾ اور اس ذات کی (قسم) جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا! اور عظیم الشان قدرت والے قادر کی قسم! جو ایک پانی سے نر اور مادہ کے پیدا کرنے پر پوری طرح قدرت و اختیار رکھتا ہے۔

۴- ﴿إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّىٰ﴾ بے شک تمہاری کوشش مختلف ہے اور اختلاف کا بیان اسی میں ہے جس میں اختلاف کی حدیث پر تفصیل کی گئی ہے۔

۵ تا ۷- ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ﴾ سو لیکن جس نے اپنے مال کے حقوق ادا کیے ﴿وَأَتَّقَىٰ﴾ اور وہ اپنے پروردگار سے ڈر گیا اور اس کے محارم سے پرہیز کیا ﴿وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ﴾ اور اس نے اچھی بات کی تصدیق کی (یعنی) اچھے مذہب کی تصدیق کی اور وہ مذہب اسلام ہے یا اچھے ثواب کی تصدیق کی اور وہ جنت ہے یا اچھے کلمہ کی تصدیق کی اور وہ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ" ہے ﴿فَسَيَسْأَلُهُ لِلْيُسْرَىٰ﴾ تو ہم عنقریب اس کو آسان خصلت مہیا کریں گے اور وہ ایسے اعمال بجا لانا ہے جن پر اس کا پروردگار راضی ہو جائے۔

۸ تا ۱۰- ﴿وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ﴾ اور لیکن جس نے اپنے مال میں بخل کیا اور راہ خدا میں خرچ نہ کیا ﴿وَأَسْتَغْنَىٰ﴾ اور وہ اپنے پروردگار سے بے پروا ہو گیا اور اس سے نہ ڈرا یا وہ دنیا کی خواہشات و شہوات میں مشغول ہو کر آخرت کی نعمتوں سے بے پروا ہو گیا ﴿وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ﴾ اور اس نے اچھی چیز (یعنی) اسلام کو یا جنت کو جھٹلا دیا ﴿فَسَيَسْأَلُهُ لِلْعُسْرَىٰ﴾ سو عنقریب ہم اس کے لیے سختی کا سامان مہیا کر دیں گے (یعنی) ہم اسے ایسی خصلت و عادت پہ ڈال دیں گے جو اسے دوزخ کی آگ میں پہنچا دے گی چنانچہ عبادت و ریاضت اور اطاعت و فرماں برداری اس پر سب سے زیادہ مشکل ترین اور سب سے زیادہ سخت ترین ہو جائے گی یا نیکی اور بھلائی کے راستے کو "یُسْرَىٰ" کا نام دیا گیا ہے کیونکہ اس کا انجام آسان ہے اور بُرائی کے راستے کو "عُسْرَىٰ" کا نام دیا گیا ہے کیونکہ اس کا انجام سخت مشکل ہے اور ان دونوں سے جنت کا راستہ اور دوزخ کا راستہ مراد ہیں۔

۱۱- ﴿وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّىٰ﴾ اور اس کو اس کا مال اس وقت کوئی فائدہ نہیں دے گا جس وقت وہ ہلاکت کے گڑھے میں گر پڑے گا (یعنی) جب وہ ہلاک ہوگا اس وقت اس کا مال اسے کوئی نفع نہیں دے گا اور "تَرَدَّىٰ" (تَرَدَّىٰ) "تَفَعَّلَ" کے وزن پر ہے اور "رَدَّىٰ" سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: ہلاک ہونا یا اس کا معنی ہے کہ جب وہ قبر میں یا دوزخ کے گڑھے میں داخل ہوگا یعنی گرے گا۔

۱۲، ۱۳- ﴿إِنَّ عَلَيْكَ لَلْهُدَىٰ﴾ بے شک شریعت کے احکام بیان کر کے اور دلائل قائم کر کے حق کی طرف رہنمائی و رہبری کرنا ہماری ذمہ داری ہے ﴿وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ﴾ اور بے شک آخرت اور دنیا دونوں ہماری ملکیت میں ہیں پس کسی گمراہ کی گمراہی ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی اور کسی ہدایت یافتہ کی ہدایت ہمیں کوئی نفع نہیں دے گی یا یہ معنی ہے کہ بے شک آخرت اور دنیا دونوں ہمارے پاس ہیں پس جس شخص نے ان دونوں کو ہمارے غیر سے طلب کیا تو بلاشبہ وہ راستہ بھول گیا۔

فَأَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّى ﴿١٤﴾ لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ﴿١٥﴾ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّى ﴿١٦﴾
 وَسَيَجْزِيهَا الْآتِقَى ﴿١٧﴾ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ﴿١٨﴾ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ
 مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى ﴿١٩﴾ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ﴿٢٠﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضَى ﴿٢١﴾

سو میں تمہیں اس آگ سے ڈرا چکا ہوں جو بھڑک رہی ہے ○ اس میں داخل نہیں ہوگا مگر سب سے بڑا بد بخت ○ جس نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیا ○ اور عنقریب اس سے سب سے بڑا پرہیزگار دور رکھا جائے گا ○ جو اپنا مال (اس لیے خدا کی راہ میں) کھڑتا ہے تاکہ وہ پاک ہو جائے ○ اور اس پر کسی کا احسان نہیں ہے جس کا بدلہ دیا جائے ○ مگر اپنے بلند و برتر پروردگار کی رضا جوئی کے لیے ○ اور عنقریب وہ ضرور راضی ہو جائے گا ○

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت اور ابو جہل کی مذمت کا بیان

۱۴ تا ۱۶۔ ﴿فَأَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّى﴾ سو میں تمہیں ایسی آگ سے ڈرا چکا ہوں اور خوف دلا چکا ہوں جو بھڑک رہی ہے اور بلند شعلے مار رہی ہے ﴿لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى﴾ اس میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل نہیں ہوگا مگر بڑا بد بخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیا (یعنی) اس میں کافر داخل ہوگا جس نے رسول خدا ﷺ کو جھٹلایا اور ایمان لانے سے منہ پھیر لیا۔

۱۷، ۱۸۔ ﴿وَسَيَجْزِيهَا الْآتِقَى﴾ اور عنقریب اس سے بڑا پرہیزگار دور رکھا جائے گا (یعنی) مؤمن دوزخ کی آگ سے بہت دور رکھا جائے گا ﴿الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى﴾ جو اپنا مال فقیروں، غریبوں کو عطا کرتا ہے تاکہ وہ پاک ہو جائے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پاک ہونا چاہتا ہے اس لیے وہ اس مال سے نہ تو ریا اور دکھاوا چاہتا ہے اور نہ وہ شہرت و ناموری چاہتا ہے [يَتَزَكَّى "بروزن" يَتَفَعَّلُ "زکوٰۃ" سے ماخوذ ہے اور اگر اس کو "يُؤْتِي" سے بدل قرار دیا

۱۔ نشان نزول: جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت گراں قیمت پر خرید کر آزاد کر دیا تو کفار کو بہت حیرت ہوئی اور انہوں نے کہا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا کیوں کیا شاید بلال کا ان پر کوئی احسان ہوگا جس کا بدلہ چکانے کے لیے انہوں نے اتنی بڑی قیمت دے کر خرید اور آزاد کر دیا۔ اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور اس میں واضح طور پر ظاہر فرما دیا گیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ عمل محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہے کسی کے احسان کا بدلہ اتارنے کے لیے نہیں اور نہ ان پر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی احسان ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سے لوگوں کو ان کے اسلام کے سبب خرید کر آزاد فرما دیا، چنانچہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ مندرجہ ذیل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی خرید کر آزاد فرما دیا تھا، جن کے نام یہ ہیں: (۱) عامر بن فہیرہ (۲) ان کا بھائی (۳) عبید (۴) حضرت زبیرہ بی بی (۵) ان کی بیٹی ام عمیس (۶) بنی المومل کی کنیز (۷) ان کی بیٹی نحد یہ۔

مشرکین مکہ ان مذکورہ بالا حضرات کو از بیتیں اور سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے تاکہ یہ دین اسلام سے پھر جائیں جس کی بناء پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں خرید کر نبی اکرم ﷺ کو آزاد کر دیا۔ کشف الاسرار میں مذکور ہے کہ یہ سورت مبارکہ دو شخصوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے: (۱) سب سے بڑے متقی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو تمام صدیقوں کے سردار اور امام ہیں (۲) سب سے بڑا شقی و بد بخت ابو جہل ہے جو تمام زندیقوں اور بے دینوں کا سردار ہے۔ (ماخوذ از: تفسیر روح البیان جز ۳ ص ۳۹۶-۳۹۷ مترجم، مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور)

جائے تو اس کے اعراب کے لیے کوئی محل نہیں کیونکہ یہ صلہ کے حکم میں داخل ہے اور صلوں کے لیے کوئی محل نہیں اور اگر اس کو "یوتی" کی ضمیر سے حال قرار دیا جائے تو اس کا محل نصب ہے۔

حضرت ابو عبیدہ نے فرمایا کہ "أَشْقَى" بہ معنی شقی ہے اور وہ کافر ہے جو بد بخت ہے اور "أَتَقَى" بہ معنی تقی ہے اور وہ مؤمن ہے جو پرہیزگار و نیک بخت ہے کیونکہ دوزخ کی آگ میں داخل ہونے کے ساتھ صرف سب سے بڑا بد بخت مخصوص نہیں ہے اور نہ نجات کے ساتھ سب سے بڑا متقی اور پرہیزگار مخصوص ہے اور اگر یہ گمان کیا جائے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے "نار" کو نکرہ ذکر فرمایا ہے اس لیے اس سے "أَشْقَى" (سب سے بڑا بد بخت) کے لیے مخصوص نار (آگ) مراد ہے تو پھر "وَسَيَجْزِيهَا الْأَتَقَى" کا معنی کیا کیا جائے گا کیونکہ ہر متقی کو اس مخصوص آگ سے دور رکھا جائے گا نہ یہ کہ ان میں سے صرف "أَتَقَى" (سب سے بڑے متقی) کو اس سے دور رکھا جائے گا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ مشرکین کی بڑی بُری حالت کے درمیان اور نیک مسلمانوں کی بڑی اچھی حالت کے درمیان موازنہ کرنے کے لیے وارد کی گئی ہے سو اس لیے ان دونوں فریقوں کی صفات میں مبالغہ کیا گیا ہے چنانچہ مشرکین کے لیے شقی کی بجائے "أَشْقَى" کہا گیا اور اس کو دوزخ میں داخلہ کے ساتھ مخصوص کیا گیا گویا دوزخ کی آگ صرف اسی کے لیے مخصوص کی گئی ہے اور نیک مسلمان کے لیے تقی کی بجائے "أَتَقَى" فرمایا گیا ہے اور اس کو نجات کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے گویا جنت صرف اسی کے لیے پیدا کی گئی ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ "أَشْقَى" (سب سے بڑے بد بخت) سے ابو جہل مراد ہے اور "أَتَقَى" (سب سے بڑے متقی) سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں اور اس آیت مبارکہ میں مرجہ فرقہ کے عقیدہ کو باطل قرار دیا گیا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ میں صرف کافر جائیں گے۔

۲۰، ۱۹ ﴿وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَكَ مِنْ تَعْمَةٍ تُجْزَىٰ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ﴾ اور اس کے پاس کسی کا کوئی احسان نہیں

ہے جس کا بدلہ دیا جائے ۰ سوائے اپنے پروردگار کی رضا کی طلب کے یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس کسی کا کوئی احسان نہیں جس پر اسے بدلہ دیا جائے مگر یہ کہ وہ کوئی ایسا عمل کرے جس سے وہ اپنے پروردگار کی رضا اور خوشنودی چاہتا ہو تو ایسے عمل پر اسے جزائے خیر اور اچھا صلہ عطا کیا جائے ﴿الْأَعْلَى﴾ وہ اپنی سلطنت و بادشاہت میں بلند و برتر ہے وہ اپنی شان اور اپنی برہان میں خوب قوت و شوکت والا ہے اور یاد رہے کہ مکان کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی رفعت و بلندی مراد نہیں ہے کیونکہ یہ تو حدوث کی علامت ہے۔

۲۱ ﴿وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ﴾ اور عنقریب وہ ضرور راضی ہو جائے گا (یعنی) ثواب کے وعدہ پر جو اسے راضی اور خوش کر

دے گا اور اس کی آنکھیں ٹھنڈی کر دے گا اور یہ اس طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے مکرم و معظم نبی ﷺ کے لیے ارشاد فرمایا: "وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝" (الضحیٰ: ۵) "اور عنقریب آپ کا پروردگار آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں ۰"

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾

سورۃ الضحیٰ کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی گیارہ آیات ایک رکوع ہے

وَالضُّحَىٰ ۝۱ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ۝۲ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ ۝۳ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ

لَكَ مِنَ الْأُولَىٰ ۝۴ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝۵ أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا

فَاوَىٰ ۙ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۙ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ ۗ فَأَمَّا الْيَتِيمَ
فَلَا تَقْهَرْ ۗ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۗ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۗ

ع
۱۸

چاشت کے وقت کی قسم! O اور رات کی (قسم) جب وہ (ہر سو پھیل کر) ٹھہر جائے! O آپ کے پروردگار نے آپ کو نہ تو چھوڑ دیا ہے اور نہ وہ ناراض ہوا ہے O اور بے شک آپ کے لیے آنے والی ہر گھڑی پہلی سے بہت بہتر ہے O اور البتہ عنقریب آپ کا پروردگار آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے O کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر اس نے (آپ کو) ٹھہرنے کے لیے پناہ دے دی O اور اس نے آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو منزل مقصود (مقام بقاء) تک پہنچا دیا O اور اس نے آپ کو حاجت مند پایا تو غنی کر دیا O سورہ یتیم تو آپ (اس پر) سختی نہ کیجئے O اور رہا سوال کرنے والا تو آپ (اس کو) مت جھڑکیے O اور رہی آپ کے پروردگار کی نعمت تو (اسے) خوب بیان کیجئے O

سورۃ الضحیٰ میں حضور سید عالم پر اللہ تعالیٰ کے احسانات کا بیان

۱ تا ۳- ﴿ وَالضُّحٰی ﴾ چاشت کے وقت کی قسم! واضح رہے کہ ”ضحیٰ“ سے چاشت کا وقت مراد ہے اور یہ دن کے شروع کا وقت ہے جب سورج بلند ہو جاتا ہے اور قسم کے ساتھ وقت چاشت کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اسی چاشت کے وقت واضح ہو کہ مفسرین کرام نے ”ضحیٰ“ اور ”لیل“ کے بہت سے معانی بیان کیے ہیں ان میں سے چند معانی یہاں ذکر کیے جاتے ہیں: (۱) حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ”ضحیٰ“ سے مراد وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور رات سے مراد شب معراج ہے۔ (تفسیر قرطبی)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر عزیزی کی چند سطور اہل شوق و محبت کے مطالعہ کے لیے نقل کر رہا ہوں:

”بعضے از مفسرین چنین گفته اند کہ مراد از ضحیٰ روز ولادت پیغمبر است ﷺ و مراد از لیل شب معراج است و بعضے گویند کہ مراد از ضحیٰ روئے پیغمبر است ﷺ و از لیل موئے او کہ در سیاہی ہمچو شب است اور بعضے گویند کہ مراد از ضحیٰ نور علم است کہ آنجناب رادادہ بود و بسبب آن پردہ نشینان عالم غیب منجلی و منکشف گشتند و مراد از شب خلق عفو اوست کہ عیوب امت را پوشید و بعضے گویند کہ مراد از روز علانیہ آنحضرت ﷺ است یعنی احوال ظاہرہ آنجناب است کہ خلق براں مطلع شد و مراد از شب سر آنجناب یعنی احوال باطن او کہ غیر از علام الغیوب کسی براں مطلع نیست“

(ترجمہ) بعض مفسرین نے کہا ہے کہ (۲) ”ضحیٰ“ سے مراد حضور کی ولادت باسعادت کا دن ہے اور ”لیل“ سے شب معراج مراد ہے (۳) اور بعض فرماتے ہیں کہ ”ضحیٰ“ سے مراد حضور کا رخ انور ہے اور ”لیل“ سے آپ کی زلف عنبریں مراد ہیں جو سیاہی میں رات کی طرح ہیں (۴) اور بعض نے فرمایا کہ ”ضحیٰ“ سے مراد نور علم ہے جو آنجناب کو دیا گیا تھا جس کے سبب عالم غیب کے مخفی اسرار بے نقاب اور منکشف ہوئے اور ”لیل“ سے مراد حضور کا عفو و درگزر کا خلق ہے جس نے امت کے عیبوں کو ڈھانپ دیا (۵) اور بعض علماء کا ارشاد ہے کہ دن سے مراد حضور ﷺ کے ظاہری احوال ہیں جن سے مخلوق آگاہ ہے اور رات سے مراد حضور کے احوال باطن ہیں جن کو علام الغیوب کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۵۸۶) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا اور اسی چاشت کے وقت فرعونی جادوگر مسلمان ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ شکر ادا کرنے کے لیے گر گئے تھے یا پھر پورے دن کی قسم ہے کیونکہ اس کے مقابلہ میں پوری رات کی قسم فرمائی گئی ہے اور وہ یہ ارشاد ہے: ﴿وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ﴾ اور رات کی قسم جب وہ ہر چیز پر پھیل کر ٹھہر جائے یعنی ”سجی“ بہ معنی ”سگن“ ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ لوگ اور ان کی آوازیں ساکن ہو گئیں اور قسم کا جواب (درج ذیل آیت مبارکہ ہے): ﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَالَىٰ﴾ آپ کے پروردگار نے آپ کو نہ چھوڑ دیا ہے اور نہ وہ ناراض ہوا ہے یعنی جب سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیار فرمایا اور آپ کو پسند و منتخب کر لیا تب سے اس نے آپ کو کبھی نہیں چھوڑا اور جب سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا محبوب و پیارا بنا لیا تب سے وہ آپ پر کبھی ناراض نہیں ہوا اور ”تودیع“ (باب تفعیل سے) ”ودع“ میں مبالغہ ہے کیونکہ جس نے جدائی اختیار کر کے تمہیں چھوڑ دیا اس نے تمہارے لیے ترک و جدائی میں بہت مبالغہ کیا اور ”قلی“ کی ضمیر مفعول مخاطب اس طرح حذف کر دی گئی ہے جس طرح (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علامہ سید محمود آلوسی حنفی اور امام فخر الدین رازی نے مزید معانی بھی بیان کیے ہیں اور وہ یہ ہیں: (۶) ”ضحیٰ“

سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہل بیت کے مرد ہیں اور ”لیل“ سے آپ کے اہل بیت کی خواہشیں مراد ہیں (۷) ”ضحیٰ“ سے حضور سید عالم ﷺ کی رسالت مراد ہے اور ”لیل“ سے وحی کی بندش کا زمانہ مراد ہے کیونکہ نزول وحی کی حالت میں انس و رغبت حاصل ہوتی ہے جب کہ وحی کے وقفہ کی حالت میں وحشت و گھبراہٹ حاصل ہوتی ہے (۸) ”ضحیٰ“ سے اسلام کا ظہور اور غلبہ مراد ہے اور ”لیل“ سے قرب قیامت میں اسلام کا لوگوں میں مخفی و متروک اور غریب و اجنبی ہو جانا مراد ہے (۹) ”ضحیٰ“ سے اللہ تعالیٰ کا نور علم مراد ہے جس کے سبب مخفی غیوب متعارف و منکشف ہوتے ہیں اور ”لیل“ سے اللہ تعالیٰ کا غفور و درگزر مراد ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ لوگوں کے عیبوں کی پردہ پوشی فرماتا ہے (۱۰) ”ضحیٰ“ سے کمال عقل مراد ہے اور ”لیل“ سے حالت موت مراد ہے (۱۱) ”ضحیٰ“ سے دن کی ایک ساعت (یعنی ایک حصہ وقت چاشت) مراد ہے اور رات سے اس کی تمام ساعات (یعنی تمام اوقات) مراد ہیں اس کے بارے میں اہل علم کی طرف سے کہا گیا ہے کہ اس تفریق میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت و عظمت کی طرف اشارہ ہے کہ بے شک جس طرح دن کی ایک ساعت رات کی تمام ساعتوں کے مساوی و برابر ہے اسی طرح اکیلے حضور کے کمالات و معجزات تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کمالات و معجزات کے (نہ صرف) مساوی و برابر ہیں (بلکہ ان سے افضل و اعلیٰ اور زیادہ ہیں)۔

(۱۲) نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

علامہ طبری قدس سرہ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ان دو وقتوں کی قسم اس لیے فرمائی ہے کہ ان میں دو نمازیں ہیں جو صرف آپ کے ساتھ مخصوص ہیں جو آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور آپ کے قرب و انس کے اضافہ کا سبب قرار دی گئی ہیں ایک نماز چاشت ہے جس کے بارے میں امام دارقطنی نے الجتبیٰ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوع روایت بیان کی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ مجھ پر قربانی فرض کر دی گئی ہے جب کہ تم پر فرض نہیں کی گئی اور مجھے نماز چاشت پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور تمہیں اس کا حکم نہیں دیا گیا اور دوسری رات کی نماز تہجد ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ“ (بنی اسرائیل: ۷۹) ”اور آپ رات کے کچھ حصہ میں نماز تہجد پڑھا کریں یہ آپ کے

لیے زائد عبادت ہے۔ (تفسیر روح المعانی ج ۳۰ ص ۱۵۲-۱۵۵، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور، تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۲۰، مطبوعہ دار الفکر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بیروت ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء)

”وَالذَّاكِرِينَ النَّسَةَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ“ (الاحزاب: ۳۵) میں ”الذاکرات“ سے حذف کی گئی ہے کیونکہ اصل میں ”الذاکراتہ“ مراد ہے اور اسی طرح ”قاوی“ اور ”فہدی“ اور ”فاغنی“ میں ضمیر مفعول مخاطب محذوف ہے اور یہ لفظی اختصار ہے کیونکہ محذوف کا حذف ظاہر و عیاں ہے۔]

شان نزول: مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی کے نزول میں چند دنوں تک تاخیر ہو گئی تو اس پر مشرکین نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ (سرور عالم حضرت) محمد ﷺ کے رب تعالیٰ نے انہیں چھوڑ دیا ہے اور ان سے ناراض ہو گیا ہے تو ان کے رد میں یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں۔

۴- ﴿وَلَا خَيْرَ لَكَ مِنَ الْأُولَى﴾ اور آنے والی ہر گھڑی آپ کے لیے پہلی سے بہتر ہوگی یعنی اللہ تعالیٰ نے آخرت میں آپ کے لیے جو بے شمار عظمتیں اور نعمتیں تیار کر رکھی ہیں مثلاً مقام محمود پر فائز ہونا اور حوض کوثر پر ورود اور دیگر جن بھلائیوں کا وعدہ کیا گیا ہے وہ سب ان چیزوں سے بہتر ہیں جو دنیا میں آپ کو تعجب میں ڈالتی ہیں اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس آیت مبارکہ کے اپنے ماقبل کے ساتھ ربط اور تعلق کی وجہ یہ ہے کہ جب ”تودیع و قلی“ (چھوڑنے اور ناراض ہونے) کی نفی کے ضمن میں یہ ثابت ہو گیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ آپ کی طرف وحی پہنچاتا رہے گا اور بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں اور اس سے بڑھ کر اور کوئی عزت و کرامت نہیں تو اب اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر سنائی ہے کہ آخرت میں آپ کا حال اس سے بھی زیادہ بڑھ کر ہوگا کیونکہ وہاں آپ تمام انبیائے کرام کے پیشوا اور سب کے قائد ہوں گے اور وہ سب آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور آپ کی امت سابقہ تمام امتوں پر گواہ ہوگی اور اس کے علاوہ بھی بہت سے اعزازات آپ کو حاصل ہوں گے۔

۵- ﴿وَكَسِوفٌ يُعْطِيكَ سَبْكَ فَتَرْضَى﴾ اور البتہ آپ کا رب تعالیٰ آپ کو آخرت میں اجر و ثواب اور مقام شفاعت اور اس کے علاوہ دیگر اس قدر اعزازات و انعامات عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے اور جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس وقت تک ہرگز راضی نہیں ہوں گا جب تک میرا ایک امتی بھی دوزخ کی آگ میں ہوگا۔ [اور ”سوف“ پر داخل ہونے والا لام ابتداء کلام ہے جو مضمون جملہ کی تاکید کے لیے ہے (بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علامہ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

ایک روایت میں مذکور ہے کہ جو خزانے آپ کی امت کو ملنے والے تھے وہ ایک ایک کر کے آپ پر ظاہر کر دیئے گئے جس پر آپ بہت خوش ہوئے تو اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۷۲، مترجم، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

انام بیہقی نے دلائل النبوة میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ حدیث روایت کی کہ حضرت ابن عباس نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد میری امت کو جو فتوحات حاصل ہوں گی وہ سب مجھ پر پیش کی گئیں جن کو دیکھ کر میں بہت مسرور و خوش ہو گیا تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ”وَلَا خَيْرَ لَكَ مِنَ الْأُولَى“ نازل فرمائی یعنی ہماری نوازشات انہی فتوحات پر ہی منحصر نہیں بلکہ آپ کی ہر آنے والی شان پہلی شان سے اعلیٰ و بہتر ہوگی۔

(تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۱۵۸، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

حضرت صدر الافاضل مراد آبادی نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں کیا خوب لکھا ہے فرماتے ہیں:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور مبتدا محذوف ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ”وَلَا نَتَّ سَوْفَ يُعْطِيكَ“ اور جس نے ”لَا قَسِيمٌ“ پڑھا ہے وہ بھی اسی طرح ہے کیونکہ اس کا معنی ہے: ”لَا نَا اُقْسِمُ“ اور یہ اس لیے کہ جب لام قسم ہوتا ہے تو اس وقت یہ لام فعل مضارع پر داخل نہیں ہوتا مگر نون تاکید کے ساتھ سو اس لیے متعین ہو گیا کہ یہ لام ابتداء ہے اور یہ لام داخل نہیں ہوتا مگر مبتداء و خبر پر پس مبتدا اور خبر کو مقدر ماننا ضروری اور لازمی ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے صاحب کشاف نے اس کو اسی طرح

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اللہ تعالیٰ کا اپنے حبیب ﷺ سے یہ وعدہ کریمہ ان تمام نعمتوں کو بھی شامل ہے جو آپ کو دنیا میں عطا فرمائیں، کمال نفس اور علوم اولین و آخرین اور ظہور امر اور اعلائے دین اور وہ فتوحات جو آپ کے عہد مبارک میں ہوئیں اور جو عہد صحابہ کرام میں ہوئیں اور جو تاقیامت مسلمانوں کو حاصل ہوتی رہیں گی اور آپ کی دعوت کا تمام مخلوق کے لیے عام ہونا اور اسلام کا تمام مشارق و مغارب میں پھیل جانا اور آپ کی امت کا تمام اُم سے بہترین و برتر ہونا اور آپ کے وہ کرامات و کمالات جن کا اللہ تعالیٰ ہی عالم ہے اور آخرت کی عزت و تکریم کو بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفاعت عامہ و خاصہ اور مقام محمود و حوض مورود و خیر موعود اور تمام انبیاء و رسل پر تقدم و غیرہ عظیم و جلیل نعمتیں عطا فرمائیں۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے: نبی کریم ﷺ نے دونوں دست مبارک اٹھا کر امت کے حق میں رو کر دعا فرمائی اور عرض کیا: ”اللَّهُمَّ اُمَّتِي، اللَّهُمَّ اُمَّتِي“ اللہ تعالیٰ نے جبریل کو حکم دیا کہ محمد (مصطفیٰ ﷺ) کی خدمت میں جا کر دریافت کرو کہ رونے کا سبب کیا ہے باوجودیکہ اللہ تعالیٰ علیم و خیر اور دانائے حضرت جبریل نے حسب حکم حاضر ہو کر دریافت کیا تو حضور سید عالم ﷺ نے انہیں تمام حال بتایا اور اپنی امت کے غم کا اظہار فرمایا۔ حضرت جبریل امین نے بارگاہ الہی میں عرض کیا کہ تیرے حبیب یہ فرماتے ہیں باوجودیکہ وہ خوب جاننے والا ہے اللہ تعالیٰ نے جبریل کو حکم دیا کہ تم جاؤ اور میرے حبیب (ﷺ) سے کہو کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں عنقریب راضی کریں گے اور آپ کو گراں خاطر نہ ہونے دیں گے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو سید عالم ﷺ نے فرمایا: جب تک میرا ایک اُمّتی بھی دوزخ میں رہے میں راضی نہ ہوں گا۔ یہ آیت کریمہ صاف دلالت (رہنمائی) کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ وہی کرے گا جس میں رسول اکرم راضی ہوں اور احادیث شفاعت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی رضا اسی میں ہے کہ سب گناہ گاران امت بخش دیئے جائیں تو آیت مبارکہ و احادیث طیبہ سے قطعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضور کی شفاعت مقبول اور حسب مرضی مبارک گناہ گاران امت بخشے جائیں گے۔

سبحان اللہ کیا رتبہ علیا ہے کہ جس پروردگار کو راضی کرنے کے لیے تمام مقربین تکلیفیں برداشت کرتے اور محنتیں اٹھاتے ہیں وہ اس حبیب اکرم ﷺ کو راضی کرنے کے لیے عطاے عام کرتا ہے۔

(تفسیر خزائن العرفان ص ۱۰۹، ۱۰۷، ۱۰۵، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور۔ کراچی)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں خوب لکھا ہے وہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا یہ کریمانہ وعدہ ان تمام نعمتوں کو بھی شامل ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا میں عطا فرمائیں یعنی کمال نفس، علوم اولین و آخرین اور دین کا غلبہ اسلام کی سر بلندی اور وہ فتوحات جو آپ کے عہد مبارک میں ہوئیں اور آپ کے خلفائے راشدین کے عہد خلافت میں ہوئیں اور ان کے علاوہ دیگر اسلامی بادشاہوں کے دور میں ہوئیں اور آپ کی دعوت کا عام ہونا اور اسلام کا تمام مشارق و مغارب میں پھیل جانا اور یہ وعدہ ان کرامات و اعزازات کو بھی شامل ہے جو اللہ تعالیٰ جل و علا نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے آخرت میں ذخیرہ کر رکھا ہے جن کو اللہ تعالیٰ جل جلالہ و عم نوالہ کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔

(۱) حضرت حسن بصری اور بعض اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے: عطا سے شفاعت مراد ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ذکر کیا ہے اور صاحب کشف نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یہ لام قسم ہے اور یہ نون تاکید سے مستغنی ہے کیونکہ نون تاکید تو اس لیے داخل کیا جاتا ہے تاکہ یہ بتایا جائے کہ یہ لام لام قسم ہے لام ابتداء نہیں ہے حالانکہ یہ معلوم ہے کہ یہ لام ابتداء نہیں ہے کیونکہ یہ لام ”سَوْفَ“ پر داخل ہوا ہے اور لام ابتداء ”سَوْفَ“ پر داخل نہیں ہوتا اور اس نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اس کلام مبارک کا حرف تاکید اور حرف تاخیر کے ساتھ جمع ہونا اس بات سے آگاہ کرتا ہے کہ بے شک عطا ہر حال میں ضرور حاصل ہوگی اگرچہ یہ عطا تاخیر میں حاصل ہوگی۔

۶۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نعمتوں کو شمار فرمایا جو وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بچپن سے اب تک عطا فرماتا رہا تاکہ اللہ تعالیٰ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۲) ابن المنذر ابن مردویہ اور ابو نعیم نے حرب بن شریح سے نقل کیا کہ حرب بن شریح نے کہا: میں نے حضرت ابو جعفر محمد باقر بن زین العابدین علی اوسط بن امام حسین علی جدہم وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ اہل عراق جس شفاعت کا ذکر کرتے ہیں کیا یہ حق ہے؟ حضرت محمد باقر نے فرمایا: ہاں! اللہ کی قسم! یہ حق ہے مجھے حضرت محمد بن حنفیہ نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی طرف سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”أَشْفَعُ لَأُمَّتِي حَتَّىٰ يُنَادِيَ رَبِّي أَرْضِيَّتَ يَا مُحَمَّدًا فَأَقُولُ نَعَمْ يَا رَبِّ رَضِيَّتَ“ میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا یہاں تک کہ میرا رب تعالیٰ مجھے پکار کر فرمائے گا: اے محمد! کیا آپ راضی ہیں تو میں عرض کروں گا: ہاں! اے میرے رب! میں راضی ہوں پھر حضرت محمد باقر نے مجھ سے فرمایا: اے اہل عراق! تم کہتے ہو کہ قرآن مجید کی سب سے زیادہ امید افزا آیت ”يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا“ (الزمر: ۵۳) ہے میں نے عرض کیا کہ ہم تو یہی کہتے ہیں آپ نے فرمایا کہ ہم سب اہل بیت یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی سب سے زیادہ امید افزا آیت مبارک ”وَلَسَوْفَ يَعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ“ ہے اور فرمایا: یہ آیت شفاعت ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ آیت مبارک شفاعت وغیرہ تمام نعمتوں کے لیے عام ہے چنانچہ علامہ ابو حیان نے فرمایا: سب سے اولیٰ و بہتر یہ ہے کہ یہ آیت مبارک دنیا اور آخرت کے تمام انعامات و عنایات کے لیے عام ہے۔

(۳) علامہ ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس آیت مبارک کے بارے میں یہ روایت بیان کی ہے کہ رضائے محمد ﷺ یہ ہے کہ آپ کے اہل بیت میں سے کوئی ایک آدمی بھی دوزخ میں نہ جائے۔

(۴) امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ روایت نقل کی کہ آپ نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضایہ ہے کہ آپ کی تمام امت جنت میں جائے۔

(۵) خطیب بغدادی نے ایک اور روایت بیان کی ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس پر راضی نہیں ہوں گے کہ آپ کا کوئی امتی دوزخ میں رہے۔

(۶) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا: ”كَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي“ (ابراہیم: ۳۶) ”سو جس نے میری پیروی کی تو بے شک وہ میری جماعت میں سے ہے“ پھر یہ آیت مبارک تلاوت کی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: ”إِن تَعَذَّبْتَهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ“ (المائدہ: ۱۱۸)

”اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں“ پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور عرض کی: اے اللہ! میری امت اے اللہ! میری امت پھر آپ زار و قطار رونے لگ گئے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کو حکم فرمایا کہ تم فوراً حضرت محمد

مصطفیٰ ﷺ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ ”إِنَّا نَسْرُضِيكَ فِي أُمَّتِكَ وَلَا نَسُوءُكَ“ بے شک ہم آپ کو آپ کی امت کے حق

میں راضی کر دیں گے اور ہم آپ کو رسوا نہیں کریں گے۔ (تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۱۶۰-۱۶۱، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

کے فضل و کرم پر نگاہ رکھنے والے یہ محبوب اندازہ کر سکیں کہ اللہ تعالیٰ نے ماضی میں آپ کی ابتدائی حالت سے لے کر اب تک آپ پر کس قدر فضل و کرم کیا تا کہ آپ آئندہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سے زیادہ خیر و بھلائی کی توقع اور امید رکھیں اور آپ کا سینہ مبارک تنگ نہ ہو اور آپ کا صبر کم نہ ہو چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿الْحَيِّجِدْكَ يَتِيمًا﴾ کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا۔ ”يَجِدُ“، ”وجود“ سے ماخوذ ہے جو بہ معنی علم ہے [اور دونوں منصوب اس کے مفعول ہیں] اور معنی یہ ہے کہ جب آپ کے دونوں ماں باپ انتقال کر گئے تو کیا اس وقت آپ یتیم نہیں تھے ﴿فَأَوَّيْتُ﴾ تو اس نے آپ کو پناہ دی یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے چچا جناب ابوطالب کے پاس پناہ دی اور آپ کو اس کے ساتھ ملا دیا یہاں تک کہ اس نے آپ کی کفالت کی اور آپ کی تربیت کی۔

۷- ﴿وَوَجَدَكَ ضَالًّا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی محبت میں سرشار پایا یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کی علامات اور شریعت کے احکام اور اس کے معروف راستے سے نادانف پایا ﴿فَهَدَى﴾ تو آپ کو احکام شریعت اور قرآن مجید سکھا دیا

۱ حضور سید عالم ﷺ ابھی اپنی والدہ ماجدہ کے بطن میں تھے دو ماہ کا حمل تھا کہ آپ کے والد ماجد نے مدینہ شریفہ میں وفات پائی اور نہ کچھ مال چھوڑا اور نہ کوئی جگہ چھوڑی اور آپ کی خدمت کے کفیل آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب ہوئے جب آپ کی عمر شریف چھ سال کی ہوئی تو والدہ صاحبہ نے بھی وفات پائی پھر جب آپ کی عمر شریف آٹھ سال کی ہوئی تو آپ کے دادا جان نے بھی وفات پائی انہوں نے وفات سے پہلے اپنے فرزند ابوطالب کو جو آپ کے حقیقی چچا تھے آپ کی نگرانی اور خدمت کی وصیت فرمائی جناب ابوطالب آپ کی خدمت میں سرگرم رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلان نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے ایک معنی یہ بیان کیا ہے کہ یتیم کا معنی یکتا و بے نظیر ہے جیسے کہا جاتا ہے: ”ذُرَّةٌ يَتِيمَةٌ“ (خالص و بے مثل موتی) اس تقدیر پر آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق میں آپ کو عز و شرف کے اعتبار سے یکتا و منفرد اور بے مثل و بے نظیر پایا اور آپ کو مقام قرب میں جگہ دی اور آپ کے دشمنوں کے اندر اپنی حفاظت میں آپ کی پرورش فرمائی اور آپ کو نبوت و رسالت اور اصطفاء (برگزیدہ ہونے) کے ساتھ مشرف فرمایا۔ (تفسیر خزائن العرفان ص ۱۰۹ بحوالہ تفسیر خازن، جمل روح البیان)

۲ ضیاء الامت حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں:

اس آیت کے ترجمہ میں بڑے بڑے مدعیان علم نے بڑی طرح ٹھوک رکھائی ہے اس لیے اس کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش فرمائیے۔

”ضَالًّا“ ضلالت سے اسم فاعل ہے عام طور پر ضلالت کا یہی مفہوم سمجھا جاتا ہے: راہ راست سے بھٹک جانا، گمراہ ہونا، عقیدہ و عمل میں غلط راستہ اختیار کرنا۔ علمائے اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضور سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام اعلان نبوت سے پہلے بھی اور بعد بھی عقیدہ اور عمل کی ہر کجی سے معصوم تھے۔ حضور نے اس مشرکانہ ماحول میں عمر بسر کی لیکن ایک لمحہ کے لیے بھی شرک نہیں کیا۔ زمانہ جاہلیت کی لغویات سے حضور کا دامن ہمیشہ محفوظ رہا۔ تاریخ شاہد ہے کہ عرب معاشرہ جس قسم کی فکری اور عملی گمراہیوں میں مبتلا تھا، حضور علیہ السلام ان سے ہمیشہ بالکل منزہ اور مبرا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی سابقہ زندگی کو آپ کی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے: ”فَلَقَدْ نَبَّأْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ“ (یونس: ۱۶) ”میں نے اپنی عمر اس سے پہلے تمہارے درمیان گزاری ہے کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے“۔ سورۃ النجم کی اس آیت میں ”مَّا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَى“ بھی حضور سے عقیدہ اور عمل کی گمراہی کی نفی کی گئی ہے ان آیات کی موجودگی میں تاریخ کی اہل شہادت کے باوجود یہاں ”ضَالًّا“ کا معنی گمراہ یا بھٹکا ہوا کرنا خود بڑی ضلالت ہے العیاذ باللہ۔ علمائے تفسیر نے اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے بہت سے اقوال بیان کیے ہیں ان میں سے چند آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور ان کی آپ کو پہچان کرادی اور بعض حضرات کا قول ہے کہ جب ابوطالب تجارت کی غرض سے آپ کو لے کر ملک شام روانہ ہوئے تو آپ راستے میں گم ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو قافلہ کی طرف لوٹا دیا اور یہ ہرگز جائز نہیں کہ اس سے یہ سمجھا جائے کہ آپ حق سے پھر گئے اور گمراہی میں مبتلا ہو گئے (نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ) کیونکہ آپ اپنی زندگی کے آغاز

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۱) ضلالت کا لفظ غفلت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے: "لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنسِي" (طہ: ۵۲) "ای لَا يَغْفِلُ" میرا رب تعالیٰ نہ کسی چیز سے غافل ہوتا ہے اور نہ کسی چیز کو فراموش کرتا ہے۔ مذکورہ آیت میں "ضَالًّا" بہ معنی غافل مستعمل ہوا ہے یعنی آپ قرآن اور احکام شرعیہ کو پہلے نہیں جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کا علم بھی بخشا اور احکام شرعیہ کی تفصیلات سے بھی آگاہ فرمایا۔ "أَيُّ لَمْ تَكُنْ تَدْرِي الْقُرْآنَ وَالشَّرَائِعَ فَهَذَا كَلِمَةُ اللَّهِ إِلَى الْقُرْآنِ وَشَرَائِعِ الْإِسْلَامِ" ضحاک شہر بن حوشب وغیرہا سے یہ قول منقول ہے۔ (تفسیر قرطبی)

(۲) جب پانی دودھ میں ملا دیا جائے اور پانی پر دودھ کی رنگت وغیرہ غالب آجائے تو عرب کہتے ہیں: "ضَلَّ الْمَاءُ فِي اللَّبَنِ" کہ پانی دودھ میں غائب ہو گیا اس استعمال کے مطابق آیت کا معنی ہوگا: "كُنْتَ مَغْمُورًا بَيْنَ الْكُفَّارِ بِمَكَّةَ فَقَوَّكَ اللَّهُ تَعَالَى حَتَّى أَظْهَرْتَ دِينَهُ" (تفسیر کبیر) "یعنی آپ مکہ مکرمہ میں کفار کے درمیان گھرے ہوئے تھے پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوت عطا فرمائی اور آپ نے اس کے دین کو غالب کر دیا۔"

(۳) ایسا درخت جو کسی وسیع صحرا میں تنہا کھڑا ہو اور مسافر اس کے ذریعے اپنی منزل کا سراغ لگائیں اس کو بھی عربی میں "الضَّالُّ" کہتے ہیں: "الْعَرَبُ تُسَمِّي الشَّجَرَةَ الْقَرِيذَةَ فِي الْفَلَاةِ ضَالَّةً" اس مفہوم کے اعتبار سے آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جزیرہ عرب ایک سنسان ریگستان تھا جس میں کوئی ایسا درخت نہ تھا جس پر ایمان اور عرفان کا پھل لگا ہوا ہو۔ صرف آپ کی ذات جہالت کے اس صحرا میں ایک پھل دار درخت کی مانند تھی پس ہم نے آپ کے ذریعے سے مخلوق کو ہدایت بخشی۔ (تفسیر کبیر)

"كَانَتْ شَجَرَةً قَرِيذَةً فِي مَعَارَةِ الْجَهْلِ فَوَجَدْتُكَ ضَالًّا فَهَدَيْتُ بِكَ الْخَلْقَ"

(۴) کبھی قوم کے سردار کو خطاب کیا جاتا ہے لیکن اصلی مخاطب قوم ہوتی ہے یہاں بھی یہی معنی ہے: "أَيُّ وَجَدَ قَوْمَكَ ضَالًّا فَهَدَاهُمْ بِكَ" یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کو گمراہ پایا اور آپ کے ذریعے سے ان کو ہدایت بخشی۔ علامہ ابو حیان اندلسی اپنی تفسیر میں اس مقام پر لکھتے ہیں کہ ایک رات خواب میں میں اس آیت کی ترکیب پر غور کر رہا تھا کہ فوراً میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہاں مضاف محذوف ہے اصل میں عبارت یوں ہے: "وَجَدَ رَهْطَكَ ضَالًّا فَهَدَا بِكَ" پھر میں نے کہا کہ جس طرح "وَأَسْأَلُوا الْقَرْيَةَ" اصل میں "وَأَسْأَلُوا أَهْلَ الْقَرْيَةِ" ہے اور "اہل" جو مضاف ہے محذوف ہے اسی طرح یہاں بھی "رَهْط" (قوم) مضاف محذوف ہے۔ (البحر المحیط)

(۵) حضرت جنید بغدادی قدس سرہ سے منقول ہے کہ "ضَالًّا" کا معنی "مَتَحَيِّرًا" ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کریم کے بیان میں حیران پایا تو اس کے بیان کی تعلیم فرمادی۔

(۶) امام رازی کہتے ہیں کہ "الضَّلَالُ بِمَعْنَى الْمَحَبَّةِ كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ" یعنی یہاں "ضلال" سے مراد محبت ہے جس طرح سورہ یوسف کی اس آیت میں ہے۔ مذکورہ آیت کا معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی محبت میں وارفتہ پایا تو ایسی شریعت سے بہرہ ور فرمایا جس کے ذریعہ آپ اپنے محبوب حقیقی کا تقرب حاصل کر سکیں۔ علامہ پانی پتی نے اس قول کو ان الفاظ میں بیان فرمایا: "قَالَ بَعْضُ الصُّوفِيَةِ مَعْنَاهُ وَجَدَكَ مُحِبًّا عَاشِقًا مَفْرُطًا فِي الْحُبِّ وَالْعَشْقِ..... فَهَذَا كَلِمَةُ... إِلَى وَضَلٍ مَحْبُوبِكَ حَتَّى كُنْتَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى" یعنی بعض صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے لے کر وحی کے نزول تک ہمیشہ بتوں کی عبادت اور فاسقوں، فاجروں اور نافرمانوں کی نجاستوں اور ناپاکیوں سے معصوم و محفوظ اور پاک صاف رہے ہیں۔

۸۔ ﴿وَوَجَدَكَ عَائِلًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو فقیر و محتاج اور ضرورت مند پایا ﴿فَاغْنَى﴾ تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مال کے ذریعے آپ کو غنی و مال دار کر دیا یا پھر غنیمتوں کے اموال عطا فرما کر آپ کو غنی کر دیا۔

۹۔ ﴿فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَمَ﴾ سوز ہائیتیم تو آپ اس پر ہرگز سختی نہ کریں اور اس کی کمزوری کی وجہ سے اس کے حق اور اس کے مال پر غلبہ پا کر ہرگز قبضہ نہ کر لیں۔

۱۰۔ ﴿وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَمَ﴾ اور رہا مانگنے والا تو آپ اس کو ہرگز نہ جھڑکیں اور نہ اس کو ڈانٹیں بلکہ تھوڑا بہت اس پر خرچ کر دیں یا عمدہ طریقے سے حسن سلوک کے ساتھ جواب دے دیں۔ اور امام سدی سے منقول ہے کہ ”سائل“ سے علم کا متلاشی مراد ہے یعنی جب آپ کے پاس کوئی طالب علم آجائے تو آپ اس کو ہرگز نہ جھڑکیں (بلکہ آپ اسے خدا داد علوم سے مالا مال فرمادیں)۔

۱۱۔ ﴿وَأَقْبَلِ الْعَمَلَةَ رِيًّا فَكَلَّمَهَا﴾ اور رہی آپ کے پروردگار کی نعمت تو آپ اسے بیان کر کے اس کا خوب چرچا کریں یعنی آپ اپنی نبوت و رسالت کو جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے خوب بیان کریں اور یہ عظیم ترین نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ان تمام نعمتوں کو شامل ہے اور ان سب کے لیے عام ہے جو اس نے اپنے محبوب کو عطا کی ہیں اور اس کے تحت قرآن مجید کی تعلیم اور شریعت کے احکام بھی داخل ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی محبت اور اپنے عشق میں حد سے بڑھا ہوا پایا تو آپ کو اپنے محبوب کے وصال کی طرف رہنمائی کی یہاں تک کہ آپ ”قاب قوسین او ادنیٰ“ کے مقام پر فائز ہوئے۔ علامہ آلوسی نے اس آیت کے ضمن میں یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ ایک بار حضور عہد طفولیت میں اپنے دادا جان سے الگ ہو کر مکہ کی گھاٹیوں میں چلے گئے۔ حضرت عبدالمطلب نے بہت تلاش کیا لیکن آپ نہ ملے جس کی وجہ سے آپ کی بے چینی بہت بڑھ گئی اور غلاف کعبہ کو پکڑ کر بارگاہ الہی میں فریاد کرنی شروع کر دی۔ حضور کسی گھاٹی میں گھوم رہے تھے کہ اسی اثناء میں ابو جہل اپنی اونٹنی پر سوار اپنے ریوڑ کو ہانک کر لارہا تھا۔ اس نے جب حضور کو دیکھا تو اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور اتر کر حضور کو جالیا اور اپنے پیچھے بٹھالیا اور خود آگے بیٹھ گیا اور اونٹنی کو اٹھنے کا اشارہ کیا لیکن اونٹنی اٹھنے کا نام ہی نہ لیتی جب بڑی کوشش کے باوجود اس نے جنبش نہ کی تو ابو جہل حیران رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اونٹنی کو قوت گویائی بخشی اور اس نے کہا: ”يَا أَحْمَقُ هُوَ الْإِمَامُ وَكَيْفَ يَكُونُ خَلْفَ الْمُقْتَدِي“ اے بیوقوف! یہ امام ہیں اور امام مقتدی کے پیچھے کھڑا نہیں ہوا کرتا۔ اس نے ناچار آپ کو اٹھا کر آگے بٹھایا تو اونٹنی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے ذریعے اپنی والدہ تک پہنچایا تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس امت کے فرعون ابو جہل کے ذریعے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے جد امجد تک پہنچایا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۵۸۹-۵۹۰)

جب اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت پر شکر ادا کرنا واجب ہے اور حضور سید عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کی نعمت کبریٰ اور نعمت عظمیٰ ہیں تو آپ کی ولادت باسعادت کے موقع پر فضول رسوں سے بچتے ہوئے شرعی حدود میں رہ کر محافل میلاد منعقد کر کے آپ کے فضائل و کمالات بیان کرنا اللہ تعالیٰ کی شکرگزاری ہے اس لیے ایسی محافل کو کم از کم مستحسن و محمود قرار دینا واجب و ضروری ہے کیونکہ نعمت الہی کا چرچا کرنا اور اسے خوب بیان کرنا تحدیث نعمت ہے جو اس آیت مبارکہ سے روز روشن کی طرح ثابت ہے اور درجیل احادیث مبارکہ سے اسی کی تائید و توثیق ہوتی ہے:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ الم نشرح کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی آٹھ آیات ایک رکوع ہے

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۙ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ۙ الَّذِيْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۙ

وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۙ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۙ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۙ فَاِذَا

فَرَغْتَ فَاَنْصَبْ ۙ وَاِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۙ

کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کیا ۰ اور ہم نے آپ سے آپ کا بوجھ اتار دیا ۰ جس نے آپ کی پشت کو بوجھل کر دیا تھا ۰ اور ہم نے آپ کے ذکر کو آپ کی خاطر بلند کر دیا ۰ بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے ۰ بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے ۰ سو جب آپ نماز سے فارغ ہو جائیں تو دعائیں مشغول ہو جائیں ۰ اور صرف اپنے پروردگار کی طرف راغب ہو جائیں ۰

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۱) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس پر کوئی احسان کیا جائے تو اسے چاہیے کہ اگر ہو سکے تو بدلہ اتار دے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو اس نعمت پر محسن کی حمد و ثناء اور تعریف بیان کرے سو جس نے ثناء اور تعریف بیان کی تو وہ یقیناً شکر گزار ہوا اور جس نے اس نعمت کو چھپایا اور اس کا اظہار نہ کیا تو اس نے بے شک کفرانِ نعمت کیا اور ناشکری کی۔

(۲) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے برسبر رسول اللہ ﷺ سے یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے تھوڑی اور کم نعمت پر شکر ادا نہیں کیا، اس نے زیادہ پر بھی شکر ادا نہیں کیا، جس نے لوگوں کا شکر نہیں کیا اس نے اللہ تعالیٰ کا بھی شکر نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کا چرچا کرنا اور اسے خوب بیان کرنا شکر گزاری ہے اور اس کو بیان نہ کرنا ناشکری ہے اور جماعت کا ساتھ دینا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور فرقہ بازی خدا کا عذاب ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۲۸۷، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی، تفسیر معالم التنزیل المعروف بغوی ج ۴ ص ۵۰۰، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، لبنان، تفسیر خازن ج ۴ ص ۴۱۶، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، مصر، تفسیر ابن کثیر مترجم ج ۵ ص ۵۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

(۳) علامہ ابن کثیر نے اس جگہ ایک اور حدیث نقل کی ہے کہ جس شخص کو کوئی نعمت ملی اور اس نے اسے بیان کیا تو وہ شکر گزار ہے اور جس نے اسے چھپایا اس نے ناشکری کی۔ اس کو ابوداؤد نے روایت کیا۔

(۴) علامہ شیخ اسماعیل حقی نے اس آیت مبارکہ کے تحت ایک حدیث نقل کی ہے کہ "التَّحَدُّثُ بِالنِّعَمِ شُكْرٌ وَتَرْكُهُ كُفْرٌ" یعنی نعمتوں کو خوب بیان کرنا شکر گزاری ہے اور اسے ترک کر دینا اور بیان نہ کرنا ناشکری ہے۔

(تفسیر روح البیان مترجم جز ۳۰ ص ۴۲۱، مطبوعہ مکتبہ اوسبہ رضویہ بہاولپور)

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:

"الشُّكْرُ عَلَىٰ كُلِّ نِعْمَةٍ دِيْنِيَّةٌ كَانَتْ أَوْ دُنْيَوِيَّةٌ وَاجِبٌ" یعنی ہر نعمت پر شکر ادا کرنا واجب و لازم ہے خواہ دینی نعمت ہو یا دنیوی

نعمت ہو۔ (تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۲۸۸، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی)

حضور سید عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مزید احسانات الہیہ کا بیان

۱- ﴿الْحَمْدُ لَكَ صَدْرَكَ﴾ کیا ہم نے آپ کا سینہ مبارک آپ کے لیے کھول نہیں دیا۔ اس آیت مبارکہ میں شرح صدر کی نفی کو انکار کے طریقہ پر سوالیہ بیان کیا گیا ہے، سو اس لیے اس نے شرح صدر کے اثبات کا فائدہ دیا ہے، گویا یوں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ مبارک کشادہ اور وسیع کر دیا ہے اور اس لیے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے ”وَضَعْنَا“ کا اس پر عطف کیا گیا ہے یعنی ہم نے آپ کے سینہ انور کو اس لیے کشادہ کر دیا ہے تاکہ ہم اس میں علوم و معارف اور حکمتوں اور بصیرتوں کو ودیعت فرمادیں یہاں تک کہ وہ ثقلین (جن و انس) کی دعوت و تبلیغ اور فرائض نبوت کی بجا آوری میں آنے والی مشکلات پر غموں کو برداشت کر سکے اور ہم نے آپ کے سینہ اقدس سے وہ تنگی اور حرج دور کر دیا ہے جو جاہلوں کی جہالت اور گمراہوں کی گمراہی کے ساتھ پیش آئے گا اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سینہ مبارک علم و حکمت سے بھر دیا گیا۔

۲- ﴿وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ﴾ اور ہم نے آپ سے آپ کا بوجھ اتار دیا اور ہم نے نبوت اور اس کے فرائض کی ادائیگی میں درپیش مشکلات و مشقتوں کو آپ سے کم کر دیا اور ان میں تخفیف کر دی اور بعض حضرات کا قول ہے کہ ”وِزْرٌ“ سے قصور و کوتاہی مراد ہے جس کو ہم بعینہ نہیں جانتے اور وہ افضل و اعلیٰ اور بہترین عمل کو کسی حکمت کی بناء پر ترک کر کے جائز عمل کو اپنالینا ہے اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اس طرح کے معاملہ میں بھی عتاب و انتباہ کیا جاتا ہے اور آپ سے اس بوجھ کو اتارنے کا مطلب آپ کی مغفرت و بخشش ہے اور ”وِزْرٌ“ کا معنی ہے: بھاری بوجھ برداشت کرنا۔

۳- ﴿الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ﴾ جس نے آپ کی پشت مبارک کو بھل کر دیا تھا (یعنی) اس نے آپ کی پشت مبارک کو ثقیل و بھاری اور وزنی بنا دیا یہاں تک کہ اس کی نقیض سنی گئی اور وہ انتقاض کی آواز مراد ہے (جو زیادہ بوجھ کی وجہ سے کجاوے سے کڑکڑ کی آواز نکلتی ہے یہ ایک تمثیل ہے)۔

۴- ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ اور ہم نے آپ کا ذکر آپ کی خاطر بلند کر دیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر

یعنی ہم نے آپ کے سینہ کو ہدایت و معرفت اور نبوت و رسالت اور منوعظت و نصیحت اور علم و حکمت کے لیے کشادہ اور وسیع کر دیا ہے یہاں تک کہ غیب و شہادت کے دونوں جہاں اس کی وسعت میں سما گئے اور افادہ اور استفادہ کی دونوں ملکیتیں جمع ہو گئیں اور علائق جسمانیہ سے تعلق انوار روحانیہ کے لیے مانع نہ ہو سکا اور خلق کی اصلاح کے ساتھ آپ کا تعلق معرفت الہی میں استغراق سے رکاوٹ نہ ہو سکا اور علوم لدنیہ و حکم الہیہ اور معارف ربانیہ اور حقائق رحمانیہ آپ کے سینہ اقدس میں جلوہ نماہ گئے۔ (ماخوذ از: تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۱۶۶، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور، تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۲۹۰، مطبوعہ دارالمصنفین، دہلی، تفسیر خزائن العرفان ص ۱۰۹، مطبوعہ ضیاء القرآن لاہور)

اور ظاہری شرح صدر بھی بار بار ہوا، ابتدائے عمر شریف میں اور ابتدائے نزول وحی کے وقت اور شب معراج میں جیسا کہ احادیث مبارکہ میں آیا ہے اس کی شکل یہ تھی کہ حضرت جبریل امین نے سینہ پاک کو چاک کر کے قلب مبارک کو نکالا اور زریں طشت میں آپ زمزم سے غسل دیا اور نور و حکمت سے بھر کر اس کو اس کی جگہ رکھ دیا۔ (تفسیر خزائن العرفان ص ۱۰۹، مطبوعہ ضیاء القرآن لاہور)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے اس آیت مبارکہ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”إِذَا ذُكِرْتُ بِكَ مَعِي“ یعنی جب میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ آپ کا ذکر بھی کیا جائے گا اور حضرت حسن بصری سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے مراد اذان اقامت، تشہد اور منبروں پر خطبوں میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مبارک کو یوں بلند کیا گیا ہے کہ کلمہ شہادت میں اذان میں اقامت میں خطبوں میں اور تشہد میں اور قرآن مجید کے بہت سے مقامات میں اللہ تعالیٰ کے ذکر پاک کے ساتھ آپ کا ذکر ملا کر بیان کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ" (المائدہ: ۹۲) "تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول اکرم کی اطاعت کرو"۔ "وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يَدْخُلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ" (النساء: ۱۳) "اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو بہشتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے"۔ "وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضَوْهُ" (التوبہ: ۶۲) "اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ وہ (منافقین) انہیں راضی کریں"۔ اور آپ کا نام "رَسُولُ اللَّهِ" اور "نَبِيُّ اللَّهِ" رکھنے میں بھی اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ حضور کا نام ملا ہوا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر مبارک کی رفعت و بلندی میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپ کا ذکر تمام پہلی آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں بیان کیا گیا ہے اور "لَكَ" کے اضافہ میں وہی فائدہ ہے جو ابہام اور ایضاح کے طریقہ میں معروف و مشہور ہے کیونکہ "أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ" فرمانے سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ بے شک وہاں کسی کی شرح اور کشائش ہوئی ہے (مگر اس میں ابہام ہے اس لیے) پھر "صَدْرَكَ" فرمانے میں اس کی وضاحت ہوگی جو پہلے مبہم معلوم ہوئی تھی اور اسی طرح "لَكَ ذِكْرَكَ" اور "عَنْكَ وَذِكْرَكَ" میں ہے۔

۶۵۔ ﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ پس بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے O بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے یعنی بے شک ہر ایسی سختی و مشقت جس میں آپ مشرکین کی طرف سے دکھ، تکلیف اور اذیت برداشت کرتے ہیں، کے ساتھ آسانی ہوتی ہے کہ میں آپ کو ان پر غلبہ کی قوت دے دیتا ہوں یہاں تک کہ آپ ان پر غالب آجاتے ہیں۔

اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ مشرکین مکہ رسول اللہ ﷺ کو اور مسلمانوں کو فقر و فاقہ اور غربت و ناداری پر عار دلاتے اور طعنہ زنی کرتے یہاں تک کہ بسا اوقات حضور کے دل میں یہ خیال سبقت کر جاتا کہ اہل اسلام کے فقر و غربت کی وجہ سے ممکن (بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ملایا گیا ہے چنانچہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو اور دین اسلام کی ہر ضروری بات کی تصدیق کرتا ہو لیکن وہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا رسول تسلیم نہ کرتا ہو تو اسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا اور وہ کافر ہی رہے گا اور حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر پاک دنیا میں بھی بلند کر دیا اور آخرت میں بھی بلند کر دے گا چنانچہ ہر خطیب اپنے خطبہ میں اور ہر کلمہ شہادت پڑھنے والا کلمہ شہادت میں اور ہر نمازی اپنی نماز (کے تشہد) میں "أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کے ساتھ "وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ" پڑھتا ہے اور حضرت ضحاک نے فرمایا کہ کوئی نماز اور کوئی خطبہ اس کے بغیر قبول نہیں ہوتا۔ (تفسیر معالم التنزیل ج ۲ ص ۵۰۲، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، تفسیر خازن ج ۳ ص ۳۱۷، مطبوعہ دار الکتب العربیہ الکبریٰ، مصر)

علامہ سید محمود آلوسی نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھا ہے: اور اس سے بڑھ کر آپ کے ذکر کی رفعت و بلندی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ شہادت میں اپنے نام کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام ملا دیا اور حضور کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا اور فرشتوں کے ساتھ آپ پر درود بھیجا اور مومنوں کو درود و سلام پڑھنے کا حکم دیا اور آپ کو معزز و محترم القاب کے ساتھ مخاطب فرمایا جیسے "يَا أَيُّهَا الْمَدْيُنِيُّ" "يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلِيُّ" "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ" "يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ" اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے پہلی تمام آسمانی کتابوں میں آپ کا ذکر خیر فرمایا ہے اور تمام انبیائے کرام اور ان کی امتوں سے یہ وعدہ لیا کہ وہ حضور سید عالم ﷺ پر ضرور ایمان لائیں۔ (تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۱۶۹، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

ہے بعض لوگ اسلام سے پھر جائیں سو اللہ تعالیٰ نے یہاں آپ کو وہ جلیل القدر نعمتیں یاد دلائیں جو آپ پر انعام فرمائیں پھر فرمایا: "إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا" بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ضرور ہوتی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب! ہم نے آپ کو نعمتیں عطا فرمائیں جس قدر بھی ہم نے آپ کو نعمتیں عطا فرمائیں سو آپ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہرگز مایوس نہ ہوں کیونکہ جس مشکل میں آپ اور صحابہ کرام مبتلا ہیں اس کے ساتھ بھی آسانی ضرور آئے گی اور یہاں "عسر" کے ساتھ لفظ "مع" اس لیے لایا گیا ہے کہ مشکل و تنگی کے ساتھ آسانی کے انتہائی قرب کا اظہار ہو جائے تاکہ آپ اور مسلمانوں کو تسلی حاصل ہو جائے اور ان کے دلوں کو تقویت و استحکام حاصل ہو جائے چنانچہ اس کے نزول کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اب کبھی کوئی مشکل دو آسانیوں پر ہرگز غالب نہیں آسکے گی کیونکہ "العسر" کو معرفہ کر کے دوبارہ لوٹا دیا گیا ہے اس لیے عسر و تنگی ایک ہے اس لیے کہ معرفہ کو جب دوبارہ دہرایا جائے تو دوسرا پہلے کا عین ہوتا ہے (یعنی دوسرے سے بعینہ پہلا مراد ہوتا ہے) اور "یسر" کو نکرہ کر کے دہرایا گیا ہے اور نکرہ کو جب دوبارہ نکرہ کر کے دہرایا جائے تو دوسرا پہلے کا غیر ہوتا ہے پس اب معنی یہ ہوگا کہ بے شک ہر ایک مشکل و تنگی کے ساتھ دو آسانیاں ہوتی ہیں اور جناب ابو معاذ نے کہا کہ جب "إِنَّ مَعَ الْأَمِيرِ غُلَامًا إِنَّ مَعَ الْأَمِيرِ غُلَامًا" کہا جاتا ہے تو اس وقت ایک امیر اور دو غلام ہوتے ہیں اور جب "إِنَّ مَعَ الْأَمِيرِ الْغُلَامُ إِنَّ مَعَ الْأَمِيرِ الْغُلَامُ" تو ایک امیر اور ایک غلام ہوگا اور جب "إِنَّ مَعَ الْأَمِيرِ غُلَامًا إِنَّ مَعَ الْأَمِيرِ غُلَامًا" کہا جائے گا تو دو امیر اور دو غلام ہوں گے شرح التاویلات میں اسی طرح ذکر کیا گیا ہے۔

۷- ﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ﴾ سو جب آپ فارغ ہو جائیں تو محنت و کوشش کیجئے، یعنی جب آپ مخلوق کو دعوت حق دینے سے فارغ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جدوجہد اور محنت و کوشش کیجئے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ جب آپ اپنی نماز سے فارغ ہو جائیں تو دعا میں جدوجہد اور کوشش کیجئے اور اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ دعا سلام سے پہلے نماز کے اندر مانگنی ہے یا پھر نماز پڑھ کر سلام پھیرنے کے بعد یہ دعا مانگنے کا حکم ہے اور اس کے ماقبل کے ساتھ تعلق کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور پر سابقہ نعمتوں کو شمار کیا اور آئندہ نعمتوں کے عطا کرنے کا آپ سے وعدہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں آپ کو شکر ادا کرنے اور عبادت میں کوشش کرنے کی ترغیب دی اور بعض کو بعض کے ساتھ بلانے کا حکم دیا اور یہ کہ آپ کے اوقات میں سے کوئی وقت عبادت سے خالی نہ گزرے پس جب آپ ایک عبادت سے فارغ ہو جائیں تو اس کے بعد فوراً دوسری عبادت میں مشغول ہو جائیں۔

۸- ﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ﴾ اور آپ اپنے رب تعالیٰ کی طرف رغبت کیجئے اور آپ خصوصی طور پر صرف اسی طرف اپنی رغبت کر دیجئے اور کسی سے کچھ نہ مانگئے، صرف اسی سے اس کا فضل و کرم مانگئے اور اسی پر بھروسہ کیجئے۔

الْبَلَدِ الْمَكِّيَّةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة التين

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۵ اس کی آٹھ آیات ایک رکوع ہے

سورة التين کی ہے

وَالَّتَيْنِ وَالرَّيُّونِ ۝ وَطُورِ سِينِينَ ۝ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ ۝ لَقَدْ خَلَقْنَا

الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ

أَمْنُوا وَعَبَلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿۲﴾ فَمَا يَكُذِّبُكَ بَعْدُ
بِالدِّينِ ﴿۳﴾ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمَ الْحَاكِمِينَ ﴿۴﴾

انجیر اور زیتون کی قسم! اور طور سینا کی (قسم)! اور اس امن والے شہر کی (قسم)! بے شک ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا اور پھر ہم نے اس کو سب سے پست حالت میں لوٹا دیا اور اس کو لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے پس ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر و ثواب ہے اور اس کے بعد قیامت کے بارے میں آپ کو کون جھٹلائے گا! کیا اللہ تعالیٰ تمام حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے!

اہم قسموں کے ساتھ انسان کی حسین تخلیق اور اس کے اشرف و افضل ہونے کا بیان

۱۔ ﴿وَالَّتَيْنِ وَالزَّيْتُونِ﴾ انجیر اور زیتون کی قسم! اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی قسم اس لیے فرمائی کہ یہ پھل دار درختوں میں سے عجیب ترین پھل ہیں!

مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں انجیر سے بھری ہوئی ایک پلیٹ پیش کی گئی، چنانچہ آپ نے بھی اس میں سے کچھ کھایا اور اپنے صحابہ سے بھی فرمایا کہ تم اسے کھاؤ، سواگر میں یہ کہوں کہ جنت سے پھل نازل کیا گیا ہے تو میں ”تین“ کا معنی انجیر ہے، انجیر اور زیتون دو مشہور پھل ہیں، انجیر عمدہ اور لذیذ پھل ہے اس میں فضلہ اور قالتو مادہ نہیں ہوتا، اس میں لطیف غذائیت ہوتی ہے، یہ زود ہضم ہے، نفع آور دوا ہے، طبیعت کو نرم کرتا ہے، بلغم کو تحلیل کرتا ہے، گردوں کو صاف کرتا ہے، مثانہ کی پتھری توڑتا ہے، جگر اور تلی کے سدوں کو کھولتا ہے اور بدن کو فریبہ اور مضبوط کرتا ہے۔ انجیر یونان، ترکی، اسپین اور جنوبی فرانس میں پیدا ہوتا ہے اور وہیں سے درآمد کیا جاتا ہے، انجیر قبض کشا ہے، انجیر کا دودھ بوا سیری مسوں کا علاج ہے، اس کا دودھ مسوں پر لگانے سے معمولی ورم آتا ہے لیکن خود بخود دور ہو جاتا ہے اور مستحضر جاتا ہے، بلغم کو پکا کر خارج کر دیتا ہے، اس کو کھانے سے پیشاب کھل کر آتا ہے، پسینہ آور ہے، اس سے تلی کا ورم اور جگر کی سختی دور ہو جاتی ہے۔

زیتون مشہور پھل ہے، یہ زیادہ تر بحیرہ روم کے ساحلی ملکوں میں پیدا ہوتا ہے، مثلاً یونان، فلسطین اور اسپین وغیرہ میں، اس کا پھل قدرے کیلا ہوتا ہے، اس سے تیل نکالا جاتا ہے جس کو روغن زیتون کہتے ہیں۔ روغن زیتون جوڑوں کے درد میں مفید ہے، اس میں کو لیسٹرول نہیں ہوتا، اس سے پیٹ کے کیڑے اور پتے کی پتھری خارج ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں زیتون کے درخت کا ذکر فرمایا ہے:

”وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ تَنْبُتُ بِالذَّهْنِ وَصَبْغٍ لِّلْأَكْلِينَ“ (المؤمنون: ۲۰) ”اور وہ درخت جو طور سینا پہاڑ سے نکلتا ہے وہ تیل نکالتا ہے اور کھانے والوں کے لیے سالن ہے“۔

زیتون کا تیل سالن کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور طور سیناء اور اس کے قرب و جوار کے علاقہ میں عمدہ قسم کا زیتون پیدا ہوتا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: زیتون کھاؤ اور اس کا تیل استعمال کرو کیونکہ یہ مبارک درخت سے پیدا ہوتا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۵۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۲۰)

ملک شام کے اکثر لوگ زیتون کے تیل کے ساتھ روٹی کھاتے ہیں اور اسی سے سالن پکاتے ہیں اور پیٹ کے امراض میں اس کو استعمال کرتے ہیں۔ (تفسیر بیان القرآن ج ۱۲ ص ۸۶۹-۸۷۱، مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)

کہوں گا: یہ وہ پھل ہے جو جنت سے اتارا گیا ہے کیونکہ جنت کا پھل (انجیر کی طرح) بغیر گٹھلی کے ہوتا ہے سو تم اسے کھایا کرو کیونکہ یہ بوا سیر کو ختم کرتا ہے اور گیٹھیا کے درد میں فائدہ پہنچاتا ہے اور فرمایا کہ بہترین مسواک زیتون کے مبارک درخت کی ہوتی ہے جو منہ کو پاک اور خوشبودار صاف کرتی ہے اور بدبو کو ختم کر دیتی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ زیتون میری مسواک ہے اور مجھ سے پہلے انبیائے کرام کی مسواک ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ تمہارا انجیر یہی ہے اور تمہارا زیتون یہی ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ دونوں شام کے دو پہاڑ ہیں جہاں انجیر اور زیتون کے درخت اُگتے ہیں۔

۲- ﴿وَطُورِ سَيْنِينَ﴾ اور سینین کے پہاڑ طور کی قسم! طور کا معنی پہاڑ ہے اور ”سینین“ کا معنی ہے: جگہ [”طور“ کو ”سینین“ کی طرف مضاف کیا گیا ہے اور واو اور ”یا“ کے ساتھ اعراب کے جواز میں ”سینون“ بیرون کی طرح ہے اور اعراب بالحرکت کی صورت میں ”یا“ برقرار رہے گی اور نون کو متحرک بحركات ثلاثہ پڑھا جائے گا (اور آخری نون کو آیات کی موافقت میں بڑھایا گیا ہے جیسے ”سَلَامٌ عَلٰی الْيٰسِيْنَ O“ (الصف: ۱۲۳) میں بڑھایا گیا ہے)۔

۳- ﴿وَهَذَا الْبَلَدِ الْاَمِينِ﴾ اور اس شہر یعنی مکہ مکرمہ کی قسم جو امن والا ہے اور ”امین“ ”اَمِنَ الرَّجُلُ اَمَانَةً فَهُوَ اَمِينٌ“ سے ماخوذ ہے یعنی آدمی نے امانت کی حفاظت کی پس وہ ”امین“ ہے اور اس شہر مکہ کی امانت داری یہ ہے کہ یہ شہر ہر اس شخص کی حفاظت کرتا ہے جو اس میں داخل ہو جاتا ہے جس طرح امین اپنے پاس رکھی گئی امانت کی حفاظت کرتا ہے اور ان چیزوں کی قسم کا مطلب مبارک و مقدس جگہ کی فضیلت و عظمت کا اظہار کرنا ہے اور انبیائے کرام اور اولیائے کرام کے رہائش پذیر ہونے کی وجہ سے اس جگہ میں جو خیر و برکت کا ظہور ہوا ہے اس کی فضیلت و عظمت کا اظہار کرنا ہے سو انجیر اور زیتون کی پیداوار کا علاقہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت گاہ ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت گاہ اور تربیت و پرورش گاہ بھی ہے اور طور وہ جگہ ہے جہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کے لیے پکارا گیا اور مکہ اس محترم گھر کی جگہ ہے جو تمام جہانوں کے لیے ہدایت ہے اور ہمارے محترم و مکرم نبی کی ولادت گاہ بھی ہے اور اعلان نبوت کا مقام بھی ہے یا پہلے دو (انجیر و زیتون) میں اس جگہ کی قسم فرمائی گئی ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی تھی اور تیسری طور سینا کی قسم اس لیے فرمائی گئی ہے کہ اس جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی تھی اور چوتھی جگہ مکہ مکرمہ کی قسم اس لیے فرمائی گئی ہے کہ اس جگہ حضور نبی کریم حضرت محمد عربی ﷺ پر وحی کے نزول کا آغاز ہوا تھا۔

۴- ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ بے شک ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے (یعنی) انسان کی شکل و صورت حسین و جمیل اور معتدل و مناسب ہے اور اس کے تمام اعضاء مساوی و برابر اور مکمل ہیں [یہ آیت مبارکہ جو اب قسم ہے اور ”الانسان“ سے جنس انسان (مطلق انسان) مراد ہے]۔

۵- ﴿لَقَدْ رَدَدْنٰهٗٓ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ﴾ پھر ہم نے اس کو سب سے زیادہ پگھلی حالت میں لوٹا دیا ہے یعنی جب انسان نے

انسان کی بہترین ساخت سے مراد یہ ہے کہ انسان کو معتدل اور سیدھی قامت میں پیدا کیا ہے کیونکہ دوسرے حیوان جھکے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کا چہرہ بھی جھکا ہوا ہوتا ہے اس کے برعکس انسان کی قامت سیدھی ہوتی ہے وہ اپنے ہاتھوں سے کھانے کی چیز پکڑ کر منہ میں لے جاتا ہے منہ کو کھانے کی چیز کی طرف نہیں جھکاتا۔ تاضی ابو بکر ابن العربی نے کہا: اللہ تعالیٰ کی کوئی مخلوق انسان سے زیادہ حسین نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے انسان میں علم قدرت ارادہ کرنے باقی کرنے سننے دیکھنے تدبیر کرنے اور حکمت کی صلاحیت رکھی ہے اور یہ تمام رب تبارک و تعالیٰ کی صفات ہیں گویا انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہے۔ حدیث شریف میں ہے: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اپنی معتدل و مناسب اور برابر و یکساں اور سیدھی قامت اور حسین و جمیل خلقت کی نعمت پر شکر ادا نہیں کیا تو پھر ہم نے آخر کار اس کا انجام یہ کیا کہ اس کو تخلیق و ترکیب کے اعتبار سے سب سے نچلی حالت میں لوٹا دیا یعنی قبیح و بدترین صورت میں لوٹا دیا اور اس سے دوزخی لوگ (یعنی کفار) مراد ہیں یا یہ کہ ہم نے اس کو سب سے نچلے طبقہ میں کر دیا یا یہ معنی ہے کہ پھر ہم نے حسین و جمیل شکل و صورت اور بہترین ساخت کے بعد اس کو شکل و صورت اور خلقت و ساخت میں سب سے نچلی حالت میں لوٹا دیا یہاں تک کہ ہم نے اس کو خلقت میں برعکس و الٹ کر دیا چنانچہ معتدل و سیدھی قامت ہونے کے بعد اس کی پشت جھک گئی اور اس کے بال سیاہ ہونے کے بعد سفید ہو گئے اور اس کی جلد خشک ہو گئی اور اس کی قوت سماعت اور اس کی قوت بصارت کمزور ہو گئی اور اس کی ہر چیز متغیر و تبدیل ہو گئی اور اس کے چلنے کی رفتار کم ہو گئی کہ وہ چھوٹے چھوٹے قدم چلنے لگا اور اس کی آواز پست و ہلکی ہو گئی اور اس کی قوت کمزور ہو گئی اور اس کے حواس معطل ہو گئے اور اس کی قوت عقل فاسد ہو گئی۔

۶۔ ﴿إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ﴾ مگر جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر و ثواب ہے [اور یہاں ("فَلَهُمْ" میں) حرف "فا" داخل کیا گیا ہے لیکن سورۃ الانشقاق میں داخل نہیں کیا گیا اس لیے کہ دونوں لغتوں کو جمع کیا گیا ہے اور پہلی صورت میں استثناء متصل ہے اور دوسری صورت میں استثناء منقطع ہے] یعنی لیکن جو لوگ بڑھاپے کی عمر تک ایمان پر اور نیک اعمال کرتے رہنے پر قائم رہے تو ان کے لیے نہ ختم ہونے والا ثواب ہے یہ ان کی اطاعت و فرماں برداری اور عبادت و ریاضت کرتے رہنے اور صبر کرتے رہنے پر عطا کیا جائے گا کیونکہ وہ بڑھاپے اور بہت بڑی عمر میں مبتلا ہو جانے کے باوجود مشقتوں کے برداشت کرنے پر صبر کرنے اور عبادت کرنے پر قائم رہے۔

۷۔ ﴿فَمَا يَكْفُرُكَ بَعْدَ الْإِيمَانِ﴾ سواب اس کے بعد قیامت کے بارے میں آپ کو کون جھٹلائے گا۔ اس آیت مبارکہ میں التفات کے طور پر یا تو انسان کو خطاب کیا گیا ہے یعنی (اے انسان!) اس یقینی اور قطعی بیان کے بعد اور جزاء کی روشن دلیل کے بعد تیرے جھٹلانے کا سبب کیا ہے تو قیامت کو کیوں جھٹلاتا ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک انسان کو نطفہ سے پیدا کیا گیا ہے اور ایک مکمل انسان کی شکل و صورت دی گئی ہے اور اس کو تدریجی مراحل میں بڑھایا گیا ہے یہاں تک کہ وہ ایک مکمل و یکساں انسان بن گیا پھر اس کو الٹ کر دیا گیا یہاں تک کہ بڑھاپے کی آخری عمر کو پہنچ گیا (اے انسان!) تم خالق و مالک کی قدرت پر اس سے زیادہ واضح دلیل نہیں دیکھو گے اور بے شک جو ان تمام مراحل کے ساتھ انسان کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو وہ انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کر کے زندہ لوٹانے پر بھی قادر ہے سواب روز جزاء کو جھٹلانے کے لیے کیا سبب ہے؟ یا یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے یعنی اس قدر واضح اور روشن دلیل کے بعد اب آپ کو قیامت کے بارے میں کون جھٹلائے گا اور کون آپ کی طرف کذب و جھوٹ کو منسوب کرے گا؟ [سو یہاں ("فَمَا" میں) "مَا" بہ معنی "مَنْ" ہے]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ" بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۶۲۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۱) علمائے اسلام نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث میں صورت بہ معنی صفت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ صورت کے معروف معنی سے پاک ہے اور کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی مثل نہیں ہے انسان عالم صغیر ہے اور عالم کبیر کی ہر نشانی اس عالم صغیر میں موجود ہے۔

(تفسیر تبيان القرآن ج ۱۲ ص ۸۷۲)

۸۔ ﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمَ الْحَاكِمِينَ﴾ کیا اللہ تعالیٰ تمام حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں (یقیناً اللہ تعالیٰ سب سے بڑا حاکم ہے) یہ کفار کے لیے سخت وعید (دھمکی) ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کے خلاف وہی فیصلہ فرمائے گا جس کے وہ اہل اور مستحق ہیں اور یہ ”حکم“ سے بنا ہے جس کا معنی ہے: فیصلہ۔

<p>﴿إِنَّا نَحْنُ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ﴾</p>	<p>بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ</p>	<p>سورة العلق مؤذنة</p>
---	--	-------------------------

سورة العلق کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی انیس آیات ایک رکوع ہے

<p>اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اقْرَأْ وَرَبُّكَ</p>
<p>الْأَكْرَمُ ۝۳ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۵ كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ</p>
<p>لَيَطْغَىٰ ۝۶ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰ ۝۷ إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ ۝۸ أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ۝۹</p>
<p>عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ ۝۱۰ أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَى الْهُدَىٰ ۝۱۱ أَوْ أَمَرَ بِالْتَّقْوَىٰ ۝۱۲ أَرَأَيْتَ</p>
<p>إِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۝۱۳ أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ۝۱۴</p>

(اے محبوب!) اپنے پروردگار کے نام سے پڑھے جس نے پیدا کیا ۰ اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ۰ پڑھے اور آپ کا پروردگار سب سے زیادہ کریم ہے ۰ جس نے قلم کے ذریعے (لکھنا) سکھایا ۰ اس نے انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا ۰ ہاں ہاں! بے شک انسان ضرور سرکشی کرتا ہے ۰ اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتا ہے ۰ بے شک (تجھے) اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جانا ہے ۰ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو منع کرتا ہے ۰ ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے ۰ کیا آپ نے دیکھا اگر وہ ہدایت پر ہوتا ۰ یا وہ پرہیزگاری کا حکم دیتا ۰ کیا آپ نے دیکھا اگر اس نے جھٹلایا اور منہ پھریا ۰ کیا وہ نہیں جانتا کہ بے شک اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے ۰

انسان کی تخلیق و تعلیم اور ابو جہل کی مذمت کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت جو حضور سید عالم ﷺ پر نازل ہوئی تھی وہ یہی سورة العلق ہے اور جمہور اس پر متفق ہیں کہ سب سے پہلے سورة الفاتحہ نازل ہوئی پھر سورة القلم نازل ہوئی۔

۱۔ امام بغوی نے تفسیر معالم التنزیل میں اور عارف باللہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں لکھا ہے:

مفسرین کی اکثریت اس پر متفق ہے کہ قرآن مجید کی سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت یہی سورة العلق ہے اور سب سے پہلے نازل ہونے والی آیات سورة العلق کی ایک سے پانچ آیات ”اقْرَأْ“ سے ”مَا لَمْ يَعْلَمْ“ تک ہیں۔

(تفسیر معالم التنزیل ج ۲ ص ۵۰۶، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، تفسیر مظہری ج ۱ ص ۳۰۰، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی)

حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

مفسرین کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ سب سے پہلے اسی سورت کی پہلی آیات نازل ہوئیں۔ اس سلسلہ میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱۔ ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ (اے محبوب!) آپ اپنے پروردگار کے نام سے پڑھے [بِسْمِ رَبِّكَ] حال واقع ہونے کی بناء پر محلاً منصوب ہے [اَيِّ اِقْرَأَ مُفْتَبِحًا بِاسْمِ رَبِّكَ] یعنی آپ اپنے پروردگار کے نام سے ابتداء کرتے ہوئے پڑھے، گویا فرمایا گیا کہ پہلے ”بِسْمِ اللّٰهِ“ کہو پھر پڑھو ﴿الَّذِي خَلَقَ﴾ جس نے (تمام مخلوق کو) پیدا کیا [یہاں ”خَلَقَ“ کا مفعول ”الْخَلْقُ“ کو ذکر نہیں کیا گیا] اس لیے اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ذات جس سے تمام مخلوق کی تخلیق حاصل ہوئی ہے اور تخلیق خلق کے ساتھ صرف وہی مختص ہے اس کے سوا کوئی خالق کائنات نہیں ہے یا اس کی تقدیر عبارت یہ ہے کہ ”خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ“ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پس ”خَلَقَ“ تمام مخلوق کو شامل ہے کیونکہ یہ مطلق ہے اور ”بَعْضُ“

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سب سے صحیح روایت وہ ہے جس کی راویہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں جسے امام

بخاری اور امام مسلم نے صحیحین میں روایت کیا ہے۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۶۱۱)

حضرت صدر الافاضل فخر الامثل لکھتے ہیں:

اکثر مفسرین کے نزدیک یہ سورت سب سے پہلے نازل ہوئی اور اس کی پہلی پانچ آیتیں ”مَا لَمْ يَعْلَمْ“ تک غار حرا میں نازل ہوئیں فرشتے نے آ کر حضرت سید عالم ﷺ سے عرض کیا: ”اِقْرَأْ“ یعنی پڑھے فرمایا: ہم پڑھے نہیں اس نے سینہ سے لگا کر بہت زور سے دبایا پھر چھوڑ کر ”اِقْرَأْ“ کہا آپ نے وہی جواب دیا ”تین مرتبہ ایسا ہی ہوا پھر اس نے ”اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ“ کہا اور ”مَا لَمْ يَعْلَمْ“ تک پڑھ دیا تو آپ نے اس کے ساتھ ساتھ ”مَا لَمْ يَعْلَمْ“ تک پڑھا۔

(تفسیر خزائن العرفان ص ۱۰۷۶، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

عمدۃ المحققین حضرت استاذی المکرم علامہ غلام رسول سعیدی صاحب دامت برکاتہم العالیہ لکھتے ہیں:

اگر یہ سوال کیا جائے کہ آپ نے تین بار ”مَا اَنَا بِقَارِئٍ“ کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی بار کا معنی یہ ہے کہ میں پڑھ نہیں سکتا، دوسری بار کا معنی یہ ہے کہ میں پڑھتا نہیں ہوں اور تیسری بار کا معنی یہ ہے کہ میں کیا پڑھوں؟ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ابوالاسود نے مغازی میں حضرت عروہ سے روایت کیا ہے: ”كَيْفَ اَقْرَأَ“ میں کیسے پڑھوں اور سیرت ابن اسحاق میں حضرت عبید بن عمیر سے روایت ہے: ”مَا اَقْرَأَ“ میں کیا پڑھوں؟ اور دلائل بیہقی میں امام زہری سے مرسل روایت میں ہے: ”كَيْفَ اَقْرَأَ“ میں کیسے پڑھوں؟ اور ان تمام روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ ”مَا“ استفہامیہ (سوالیہ) ہے۔

(تبیان القرآن بحوالہ فتح الباری ج ۱ ص ۲۴-۲۳، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

آپ نے فرمایا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں اس لیے مجھ سے پڑھا نہیں جاسکتا۔ ہو سکتا ہے کہ اچانک فرشتے کو دیکھنے سے آپ کو دہشت و رعب اور خوب لاحق ہوا ہو اور اس خوف و دہشت کی وجہ سے آپ نے فرمایا ہو: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں اور اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ آپ نے اسی ہونے کی وجہ سے یہ فرمایا کیونکہ جو شخص پڑھا ہوا نہ ہو وہ دوسرے کے پڑھانے سے پڑھ سکتا ہے اور کسی کی تعلیم سے پڑھنا امتیت کے منافی نہیں ہے۔ خصوصاً جب کہ حضور نبی کریم ﷺ غایت درجہ کے فصیح و بلیغ تھے ہاں کسی کی لکھی ہوئی چیز کو دیکھ کر پڑھنا امتیت کے منافی ہے۔ قاموس میں لکھا ہے کہ اسی اس شخص کو کہتے ہیں جو لکھنا نہ جانتا ہو اور لکھی ہوئی چیز کو نہ پڑھ سکتا ہو اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت جبرائیل جو اہر سے آراستہ ایک ریشم کا صحیفہ لائے تھے انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کے ہاتھ میں وہ صحیفہ رکھ کر کہا: پڑھے! حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں تو اس نامہ اور نوشتہ میں لکھی ہوئی چیز کو کیسے

پڑھوں؟ یہ معنی زیادہ مناسب اور زیادہ ظاہر ہے۔ (تبیان القرآن اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۵۰۶-۵۰۷)

الْمَخْلُوقَاتِ "مقدر ماننا بہتر نہیں ہے۔"

۲۔ ﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ﴾ اس نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ تمام مخلوقات میں سے صرف انسان کے ذکر کی تخصیص کی وجہ اس کی فضیلت و شرف ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور اس لیے بھی کہ کتب سماوی اور وحی کا نزول انسان کی طرف ہوتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ "الَّذِي خَلَقَ" میں انسان مراد ہو، مگر پہلے ہم ذکر کیا گیا ہے پھر اس آیت مبارکہ میں انسانی تخلیق کی تعظیم و تکریم کی بناء پر اس کی تفسیر بیان کی گئی اور اس کی عجیب و غریب فطرت پر دلالت کرنے کی بناء پر اس کی تفسیر کی گئی ﴿مِنْ عَلَقٍ﴾ جسے ہوئے خون سے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے "عَلَقٍ" جمع ذکر کیا ہے اور واحد "عَلَقَةٌ" نہیں فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جمع کے معنی میں مذکور ہے۔

۳ تا ۵۔ ﴿إِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ﴾ (اے محبوب!) پڑھے اور آپ کا پروردگار سب سے بڑا کریم ہے اسے یہ کمال حاصل ہے کہ وہ ہر کریم سے زیادہ کریم ہے وہ اپنے بندوں کو بے شمار نعمتیں عطا فرماتا ہے اور ان سے حلم کے ساتھ پیش آتا ہے اور ان کے ساتھ بردباری سے پیش آتا اور ان کے کفر و شرک اور نعمتوں کے انکار کرنے کے باوجود ان کو سزا و عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ انہیں راہ راست پر آنے کی مہلت دیتا ہے اور گویا علمی فوائد کے افادہ کے تکریم سے بڑھ کر کوئی تکریم نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿الَّذِي عَلَّمَ﴾ "الکتابۃ" ﴿بِالْقَلَمِ﴾ جس نے قلم کے ذریعے لکھنا سکھایا ﴿عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ اس نے انسان کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا سلمیہ آیت مبارکہ اللہ تعالیٰ کے کمال کرم اور کثرت کرم پر واضح دلیل ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو وہ نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جہالت کی تاریکی سے نکال کر علم کے نور کی طرف منتقل کر دیا اور کتابت کے علم کی فضیلت و اہمیت سے آگاہ فرمایا کیونکہ اس میں عظیم منافع اور کثیر فوائد ہیں اور صرف کتابت کے ذریعہ علوم کو مدون کیا گیا اور حکمتوں کو مقید کیا گیا اور پہلے لوگوں کی خبروں اور واقعات کو ضبط تحریر میں لایا گیا اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آسمانی کتب کو محفوظ

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:

اس آیت مبارکہ میں "الانسان" سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مراد لینا بھی جائز ہے پھر آگے لکھتے ہیں: سوا اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کے تین بار سینے سے لگا کر بھیجنے سے اپنے محترم و مکرم نبی ﷺ کو اولین و آخرین کے تمام علوم سکھا دیئے پھر اللہ تعالیٰ نے یہ انعام عطا فرما کر اسے آپ کے لیے شمار کیا اور فرمایا: "عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ" یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کا کل حضرت محمد عربی ﷺ کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو کچھ آپ اس سے پہلے نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: "عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا" (النساء: ۱۱۳) "اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ تمام علوم سکھا دیئے جو اس سے پہلے آپ نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے"۔ (تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۳۰۵، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی، تفسیر معالم التنزیل ج ۴ ص ۵۰۷، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، تفسیر خازن ج ۴ ص ۴۲۲، مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ، مصر، تفسیر صاوی ج ۴ ص ۳۱۷، مطبوعہ شرکت مکتبہ و مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلی، مصر)

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:

اس آیت مبارکہ میں یہ بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اتنے علوم عطا فرمائے گا جن کا عقول احاطہ نہیں کر سکیں گی اور اس قدر علوم عطا فرمائے گا کہ آپ سے کوئی چیز مخفی اور پوشیدہ نہیں رہے گی۔

(تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۱۸۰، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

کیا گیا اور اگر یہ کتابت و لکھائی نہ ہوتی تو دین و دنیا کے معاملات و احکام قائم نہ رہتے اور اگر اللہ تعالیٰ کی لطیف و باریک حکمت پر قلم اور خط و کتابت کے سوا کوئی دلیل نہ ہوتی تو یہی قلم کی کتابت دلیل کے لیے کافی ہو جاتی۔

۶۔ ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ کے ذریعے ہر اس شخص کو ڈرایا اور دھمکایا گیا ہے جس نے اپنی سرکشی کی وجہ سے اپنے اوپر کی گئی اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کیا اور اس کے ساتھ کفر کا رویہ اختیار کیا ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُفٌ﴾ بے شک انسان ضرور سرکشی کرتا ہے۔ اس آیت مبارکہ سے لے کر آخرت سورت تک یہ تمام آیات شریفہ ابو جہل کی مذمت میں نازل ہوئی ہیں۔

۷۔ ﴿أَنْ ذَاكَ اسْتَعْتَنِي﴾ اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتا ہے [افعال قلوب میں "رَأَيْتُنِي وَعَلِمْتُنِي" کہا جاتا ہے اور یہاں "رُؤْيَةٌ" کا معنی علم ہے اور اگر وہ دکھانے کے معنی میں ہوتا تو اس کے فعل میں دو ضمیریں جمع کرنا ممنوع ہوتا اور "اسْتَعْنَى" دوسرا مفعول ہے اور یہ مفعول لہ ہے۔]

۸۔ ﴿إِنِّي إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعِيُّ﴾ بے شک (تجھے) اپنے رب تعالیٰ کی طرف لوٹ جانا ہے۔ یہاں التفات کے طریقہ پر سرکشی کے انجام سے انسان کو اللہ تعالیٰ سے ڈرایا دھمکایا گیا ہے اور "الرُّجْعِيُّ" مصدر ہے اس کا معنی ہے: رجوع کرنا اور لوٹ جانا یعنی اے انسان! تجھے اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرنا اور اس کے پاس لوٹ کر جانا ہے سو وہ تجھے تیری سرکشی اختیار کرنے پر سخت سزا دے گا۔

۹ تا ۱۴۔ ﴿أَدْعَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ﴾ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو ایک بندے کو منع کرتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے یعنی کیا آپ نے ابو جہل کو دیکھا ہے کہ وہ (سید عالم فخر آدم و بنی آدم حضرت) محمد (ﷺ) کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے ﴿أَدْعَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَىٰ الْهُدَىٰ﴾ کیا آپ نے دیکھا ہے اگر وہ ہدایت پر ہوتا یعنی اگر یہ روکنے والا اور منع کرنے والا صحیح اور سیدھے راستہ پر ہوتا جس میں وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منع کرتا ہے ﴿أَوْ أَهْدَىٰ لِلتَّقْوَىٰ﴾ یا وہ نیکی اور پرہیزگاری کا حکم دینے والا ہوتا جس میں وہ نیکی اور تقویٰ کی بجائے بتوں کی عبادت کا حکم دیتا ہے جیسا کہ وہ اعتقاد رکھتا ہے ﴿أَدْعَيْتَ إِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ﴾ کیا آپ نے دیکھا اگر وہ تکذیب کرتا ہے اور روگردانی کرتا ہے (یعنی) کیا آپ نے دیکھا اگر یہ منع کرنے والا (ابو جہل) حق کو جھٹلاتا ہے اور اس سے منہ پھیر لیتا ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں ﴿أَلَمْ يَعْلَمْ بِإِنَّ اللَّهَ يَرَىٰ﴾ تو کیا وہ یہ نہیں جانتا کہ بے شک اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے اور وہ اس کے تمام احوال سے اس کی ہدایت اور اس کی گمراہی سے پوری طرح آگاہ ہے سو وہ اسے اس کے حسب حال بدلہ دے گا اور یہ وعید (یعنی دھمکی) ہے [الذی ينهى]

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا: ابو جہل نے ایک روز اپنے بتوں لات اور عزیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ اگر اس نے حضور کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو (العیاذ باللہ) وہ حضور کی گردن روند دے گا اور آپ کے منہ مبارک کو خاک آلود کر دے گا چنانچہ ایک دن اس نے حضور کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آگے بڑھتا کہ وہ اپنا کام کرے جب وہ اس بڑی نیت سے ڈگ بھرتے ہوئے آپ کے نزدیک پہنچا تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ پیچھے ہٹ رہا ہے اور اپنے ہاتھوں سے کسی چیز کو پرے ہٹانے کی کوشش کر رہا ہے لوگوں نے اس سے پوچھا: یہ کیا ہوا تم پیچھے کیوں ہٹ آئے؟ کہنے لگا: جب میں ان کے نزدیک پہنچا تو مجھے ان کے درمیان اور اپنے درمیان آگ سے بھری ہوئی ایک خندق دکھائی دی جس میں آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں۔ حضور سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اگر وہ میرے نزدیک آنے کی جرأت کرنا تو فرشتے اس کے اعضاء کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔

(تفسیر روح المعانی ج ۳۰ ص ۱۸۳، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور، تفسیر معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۰۸، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

تفسیر لباب التأویل عرف خازن ج ۳ ص ۳۲۲، مطبوعہ دارالکتب العربیۃ الکبریٰ)

جملہ شرطیہ سمیت ”ارء یت“ کا مفعول ہے اور جواب شرط محذوف ہے اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ”اِنْ كَانَ عَلَي الْهُدٰى اَوْ اَمْرًا بِالتَّقْوٰى، اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى“ اور اس کو صرف اس لیے حذف کیا گیا ہے کہ شرط ثانی کے جواب میں اس کا ذکر اس کے حذف پر دلالت کر رہا ہے اور یہ تمہارے اس قول کی طرح ہے کہ ”اِنْ اَكْرَمْتِكَ اَتَكْرَمْنِي“ اگر میں تیری عزت کروں تو کیا تم میری عزت کرو گے اور دوسرا ”ارء یت“ تاکید کے لیے دوبارہ زیادہ کیا گیا ہے [

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهُ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۝۱۵ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝۱۶ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۝۱۷
سَدَّعُ الزَّبَانِيَةَ ۝۱۸ كَلَّا لَا تَطْعُهُ وَاَسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝۱۹

ہاں ہاں! اگر وہ باز نہ آیا تو ہم ضرور پیشانی کے بالوں کو پکڑ کر گھسیٹیں گے ۝ ایسی پیشانی جو جھوٹی (اور) خطا کار ہے ۝ پس اسے چاہیے کہ وہ اپنی مجلس والوں کو پکارے ۝ عنقریب ہم جہنم کے فرشتوں کو بلا لیں گے ۝ ہرگز نہیں! آپ اس کی اطاعت نہ کیجئے اور آپ (اپنے رب تعالیٰ کو) سجدہ کیجئے اور (اس کا) قرب حاصل کیجئے ۝

۱۵- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ کے ذریعے ابو جہل کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روکنے اور بتوں کی عبادت کا حکم دینے پر ڈرایا دھمکایا اور ڈانٹا گیا ہے پھر ارشاد فرمایا: ﴿لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهُ﴾ اگر وہ (ابو جہل) اس حرکت سے باز نہ آیا جس میں وہ مشغول ہے تو ﴿لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ﴾ ہم ضرور (اس کی) پیشانی کے بالوں کو پکڑ کر زور سے کھینچیں گے (یعنی) ہم ضرور اس کی پیشانی کے بالوں کو پکڑیں گے اور ہم ضرور اسے کھینچتے ہوئے گھسیٹ کر دوزخ کی آگ میں ڈال دیں گے۔ ”سفع“ کا معنی ہے: کسی چیز پر قبضہ کرنا اور زور سے کھینچنا [”لَنَسْفَعًا“ کے آخر میں مصحف عثمانی میں وقف کے حکم کی بناء پر الف لکھا جاتا ہے اور ”بِالنَّاصِيَةِ“ میں اضافت کے عوض میں لام عہد پر اکتفاء کیا گیا کیونکہ یہ معلوم ہے کہ یہ مذکور شخص کی پیشانی ہے]۔

۱۶- ﴿نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ﴾ جھوٹی گناہ گار پیشانی [یہ ”الناصیة“ سے بدل ہے کیونکہ یہ ”كُذِبَتْ خَاطِئَةٍ“ کے ساتھ موصوف ہے اور ”كُذِبَتْ خَاطِئَةٍ“ میں مجاز اسنادی ہے کیونکہ یہ دونوں حقیقت میں ”كَاذِبٌ وَخَاطِئٌ“ کی صفات ہیں (جب کہ ”نَاصِيَةٍ“ کی مجازی صفات ہیں) اور اس میں جو حسن ہے وہ تمہارے قول ”نَاصِيَةٍ كَاذِبٍ خَاطِئَةٍ“ میں نہیں ہے]۔

۱۷، ۱۸- ﴿فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۝۱۷ سَدَّعُ الزَّبَانِيَةَ ۝۱۸﴾ سوا سے چاہیے کہ وہ اپنی مجلس کے لوگوں کو بلا لے ۝ عنقریب ہم فرشتوں کی سپاہ بلا لیں گے۔ ”نادی“ مجلس کو کہا جاتا ہے جس میں ساری قوم جمع ہوتی ہے اور مراد اہل مجلس ہیں۔ شان نزول: مروی ہے کہ ایک دن ابو جہل حضور نبی کریم ﷺ کے پاس سے گزرا آپ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے تو ابو جہل نے کہا کہ کیا میں نے آپ کو خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا؟ آپ نے اس کو سخت جواب دیا تو کہنے لگا:

مروی ہے کہ جب سورۃ الرحمن نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قریش کے سرداروں کے سامنے اس سورت کو کون پڑھ کر سناے گا؟ تو حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے عرض کی: یا رسول اللہ! میں سناؤں گا، مگر حضور نے انہیں اجازت نہ دی کیونکہ حضرت ابن مسعود بلے پتلے، کمزور بدن اور چھوٹی عمر کے تھے یہاں تک کہ حضور نے تین بار یہ اعلان فرمایا اور تینوں مرتبہ حضرت ابن مسعود عرض کرتے رہے کہ یا رسول اللہ! میں سناؤں گا، آخر کار حضور نے انہیں اجازت دے دی اور وہ قریش کے سرداروں کے ہاں پہنچے جب کہ وہ لوگ کعبہ معظمہ کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے چنانچہ حضرت ابن مسعود نے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آپ مجھے ڈانتے ہیں حالانکہ میں اس مکہ کی وادی میں سب سے زیادہ مجلس والا ہوں (یعنی میرے معاون و مددگار بہت ہیں) تو اس موقع پر یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں۔ لغت میں ”زَبَانِيَّةٌ“ کا معنی ہے: سپاہیوں کا گروہ اور اس کا واحد ”زَبَانِيَّةٌ“ ہے یہ ”زَبْنٌ“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: دفع کرنا اور ”زَبَانِيَّةٌ“ سے عذاب کے فرشتے مراد ہیں حضور سرور کائنات ﷺ سے منقول ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: اگر ابو جہل اپنی مجلس والوں کو مدد کے لیے بلاتا تو عذاب کے فرشتے اسے سب کے سامنے پکڑ لیتے۔

۱۹- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ کے ذریعے ابو جہل کو زجر و توبیخ کی گئی ہے ﴿لَا تُطِئُهُ﴾ آپ اس کی اطاعت ہرگز نہ کیجئے یعنی ابو جہل کی نافرمانی سے دور رہ کر آپ اسی حال پر ثابت قدم رہیں جس پر آپ پہلے قائم ہیں جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿فَلَا تُطِيعُ الْمُكَذِّبِينَ ۝﴾ (القلم: ۸) ”سو آپ جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیں“ ﴿وَأَسْجُدْ﴾ اور سجدہ کیجئے (یعنی) اور آپ اپنے سجدہ پر قائم و دائم رہیے اور سجدہ سے نماز پڑھنا مراد ہے یعنی ہمیشہ نماز پڑھتے رہیے ﴿وَاقْتَرِبْ﴾ اور قریب ہو جائیے (یعنی) سجدہ کے ذریعے اپنے پروردگار کا قرب حاصل کیجئے بے شک بندہ اپنے رب تعالیٰ کے سب سے زیادہ اس وقت قریب ہو جاتا ہے جب وہ اپنے پروردگار کو سجدہ کرتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بڑی سریلی آواز میں سورۃ الرحمن کی تلاوت شروع کر دی ابو جہل اٹھا اور حضرت ابن مسعود کو زوردار طمانچہ رسید کر دیا اور ان کا کان چیر دیا اور لہو لہان کر دیا وہ روتے اور آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے آپ کے پاس حاضر ہوئے اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام مسکراتے ہوئے نازل ہوئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سلسلے میں حضرت جبریل علیہ السلام سے بات کی اور مسکرانے کا سبب پوچھا تو حضرت جبریل نے عرض کیا کہ عنقریب آپ کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا چنانچہ غزوہ بدر کے دن حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا: اے میرے صحابہ! مقتولوں میں جا کر ابو جہل کو تلاش کرو۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان بدر میں گئے تو دیکھا کہ ابو جہل زخموں سے چور ہے اور آخری سانس لے رہا ہے آپ فوراً اس کے سینہ پر چڑھ گئے ابو جہل نے کراہتے ہوئے اپنی آنکھیں کھولیں اور آپ کو پہچان لیا تو یہ لعین کہنے لگا: اے بکریاں چرانے والے لڑکے! تو ایک اونچے اور سخت پہاڑ پر چڑھ بیٹھا ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ اسلام ہمیشہ غالب رہتا ہے اور اس پر کوئی غلبہ حاصل نہیں کر سکتا پھر آپ اس کا سر کاٹنے لگے تو اس لعین نے کہا: ٹھہر جا! اور میری تلوار سے کاٹ کیونکہ میری تلوار تیزی سے کاٹنے والی ہے چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو جہل کا سر قلم کر دیا اور کمزوری کی وجہ سے اس کا سر نہ اٹھا سکے تو اس کا کان چیر کر اس میں مضبوط دھاگا ڈالا اور اسے گھسیٹتے ہوئے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں لے آئے اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام مسکراتے ہوئے نازل ہوئے اور عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! کان کے بدلے کان رہا اور سر کاٹنا اور کھینچ کر لانا مزید ہوا۔ (تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۱۸۷، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور، تفسیر روح البیان مترجم جز ۳۰ ص ۳۶۳-۳۶۵، مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور)

۱۔ روہ الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۲۹

۲۔ رواہ احمد ج ۲ ص ۳۷۰، مسلم رقم الحدیث: ۲۷۹۷

۳۔ رواہ مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲

سورة القدر
مكية
۱۵ آيات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الانعام

سورة القدر کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی پانچ آیات ایک رکوع ہے

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝۱ وَمَا اَدْرٰكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝۲ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ

مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝۳ تَنْزِْلُ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ فِيْهَا يٰۤاٰذِنٌ مَّرِيْمٌ ۝۴ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝۵

سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝۶

بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ۰ اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ شب قدر کیا ہے ۰ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے ۰ اس میں فرشتے اور روح الامین اپنے پروردگار کے حکم سے ہر کام کے لیے اترتے ہیں ۰ وہ سلامتی ہی ہے فجر کے طلوع ہونے تک ۰

شب قدر کی اہمیت و فضیلت کا بیان

نوٹ: سورة القدر کی ہے اور ایک قول میں مدنی ہے۔

۱۔ ﴿اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کرنا شروع کیا۔ اس آیت مبارکہ میں قرآن کریم کی عظمت و شرف اور اس کی فضیلت و بزرگی کو بیان کیا گیا ہے کیونکہ اس کے نازل کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اس کے علاوہ کسی غیر کی طرف نہیں کی گئی اور قرآن مجید کو اسم ظاہر کے ساتھ ذکر کرنے کی بجائے اس کی طرف ضمیر لوٹائی گئی ہے تاکہ یہ بتایا جائے کہ قرآن مجید اس قدر عظمت و رفعت رکھتا ہے کہ وہ اس سے بے نیاز ہے کہ اس پر اسم ظاہر کے ساتھ تشبیہ کی جائے اور یہ بتایا جائے کہ جس وقت میں قرآن مجید نازل کیا گیا ہے اس وقت کی قدر و عظمت بہت بلند ہے۔

مردی ہے کہ قرآن مجید کو لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف (بیت العزیز میں رکھنے کے لیے) بے یک وقت شب قدر میں نازل کیا گیا پھر حضرت جبریل علیہ السلام تیس سال کے عرصہ میں رسول اللہ ﷺ پر تھوڑا تھوڑا کر کے حسب ضرورت نازل کرتے رہے اور ”لَيْلَةُ الْقَدْرِ“ کا معنی ہے: تمام طے پانے والے کاموں کی تقدیر اور ان کے فیصلے کی رات اور ”قدر“ بہ معنی تقدیر ہے یا اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ رات باقی تمام راتوں پر شرف و عظمت اور فضیلت و بزرگی رکھتی ہے اور یہ ماہ رمضان المبارک کی ستائیسویں رات ہے اور جمہور اہل اسلام اس پر متفق ہیں اور اس رات کے منجی اور پوشیدہ رکھنے کا سبب یہ ہے کہ جو شخص شب قدر میں عبادت کرنا چاہتا ہے وہ اس کو طلب کرنے اور اس کو حاصل کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ راتوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت و ریاضت کرتا رہے اور یہ اس طرح ہے جس طرح منجگانہ نمازوں میں نماز وسطی (یعنی

حضرت ابی بن کعب، امام احمد بن حنبل اور جمہور علمائے اسلام کا یہ نظریہ ہے کہ لیلۃ القدر ماہ رمضان کی ستائیسویں شب ہے اور امام ابوحنیفہ اور بعض شافعیہ سے بھی یہی روایت ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ان شاء اللہ کہے بغیر قسم اٹھا کر کہتے تھے کہ یہ ماہ رمضان کی ستائیسویں شب ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ عدد طاق ہے اور طاق اعداد میں سات کا عدد زیادہ پسندیدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سات زمیں اور سات آسمان بنائے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

درمیانی نماز) کو اور اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کو اور جمعۃ المبارک میں مقبول ساعت کو اور عبادات میں اس کی رضا کو اور گناہوں میں اس کے غضب کو (مومنوں میں ولی کو اور موت کو نیز قیامت کے دن کو) مخفی اور پوشیدہ رکھا گیا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اس رات کو پالے وہ یہ دعا مانگے: "اللَّهُمَّ إِنَّكَ عَفْوٌ تَحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي" اے اللہ! بے شک تو عفو و درگزر کرنے والا (اور) عفو و درگزر کو تو پسند کرتا ہے پس تو مجھ سے عفو و درگزر فرما۔

۳۰۲۔ ﴿وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ﴾ ۱؎ اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ شب قدر کیا ہے؟ یعنی اس رات کی فضیلت و بزرگی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سات اعضاء پر سجدہ شروع فرمایا طواف کعبہ کے سات پھرے مقرر کیے اور ہفتہ کے سات دن بنائے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ سات کا عدد سب سے زیادہ پسندیدہ ہے تو پھر یہ رات ماہ رمضان کے آخری عشرے کی ساتویں رات ہونی چاہیے۔ حافظ ابن حجر اور امام رازی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ استدلال بھی نقل کیا ہے کہ لیلۃ القدر کے حروف نو ہیں اور یہ لفظ قرآن مجید میں تین بار ذکر کیا گیا ہے جن کا حاصل ضرب ستائیس ہے اس لیے یہ ستائیسویں رات ہونی چاہیے۔ امام رازی نے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ قرآن مجید کی اس سورت مبارکہ میں "هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ" (القدر: ۵) میں "هِيَ" ضمیر لیلۃ القدر کی طرف لوٹ رہی ہے اور یہ اس سورت کا ستائیسواں کلمہ ہے اس اشارے سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کی ستائیسویں شب ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۸۹۳)

۱۔ رواہ ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۵۰

۲۔ واضح ہو کہ سرور عالم ﷺ کو شب قدر اور اس کی تعیین کا علم تھا لیکن دو مسلمانوں کے باہمی اختلاف کی وجہ سے اس کی تعیین کا علم مسلمانوں کو بتانے سے اٹھالیا گیا اور اسے مخفی رکھا گیا تاکہ مسلمان اس کی تلاش میں زیادہ سے زیادہ عبادت کر سکیں یہاں اس سلسلہ میں چند احادیث مبارکہ پیش کی جا رہی ہیں:

(۱) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ماہ رمضان کے پہلے دس دن اعتکاف کیا اور ہم بھی آپ کے ساتھ اعتکاف میں بیٹھے پھر آپ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ آپ جسے تلاش کرتے ہیں وہ آگے ہے پھر آپ نے دس سے بیس رمضان تک اعتکاف کیا ہم بھی آپ کے ساتھ تھے پھر حضرت جبریل آئے اور عرض کیا: جسے آپ تلاش کرتے ہیں یعنی لیلۃ القدر وہ آگے (آخری دس دنوں میں) ہے چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ماہ رمضان کی بیسیوں کی صبح کو کھڑے ہو کر ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا کہ میرے ساتھ اعتکاف کرنے والے دوبارہ اعتکاف بیٹھ جائیں کیونکہ مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی ہے لیکن میں اسے بھول گیا ہوں سواب تم لیلۃ القدر کو ماہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو اور میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں گویا مٹی اور پانی یعنی کچھڑ میں سجدہ کر رہا ہوں حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کی چھت صرف کچھوروں کے پتوں کی تھی اور اس وقت آسمان پر بادل وغیرہ کچھ بھی نہیں تھا پھر اچانک بادل آیا اور بارش شروع ہو گئی اور حضور نبی کریم ﷺ کا خواب سچا ہو گیا اور میں نے خود دیکھا کہ نماز کے بعد آپ کی پیشانی مبارک پر تر مٹی لگی ہوئی تھی اسی روایت کے ایک طریق میں ہے کہ یہ اکیسویں رات کا واقعہ ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری صحیح مسلم دونوں میں مذکور ہے۔

(۲) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے تاکہ آپ ہمیں شب قدر کے بارے میں بتلائیں کہ وہ کون سی رات ہے لیکن دو مسلمان آپس میں جھگڑ پڑے تو آپ نے فرمایا: میں تمہیں شب قدر کی خبر دینے آیا لیکن فلاں فلاں کے جھگڑے کی وجہ سے اس کی تعیین اٹھالی گئی ہے ممکن ہے یہ تمہارے حق میں بہتر ہو سواب تم اسے انتہیں ستائیس اور پچیس کی رات میں تلاش کرو۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی انتہا تک آپ کی فہم و فراست اور عقل و خرد نہیں پہنچتی پھر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے اس کی وضاحت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ﴾ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے جن میں شب قدر نہیں اور اس قدر اس رات کی فضیلت و بزرگی کی بلندی کا سبب یہ ہے کہ اس رات میں رحمت کے فرشتے اور حضرت روح الامین اترتے ہیں اور اس رات میں ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے اور اس مدت کی تخصیص کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ایک دفعہ بنی اسرائیل کے ایک عبادت گزار مجاہد آدمی کا ذکر فرمایا کہ وہ ایک ہزار مہینے تک روزانہ دن کو مسلح ہو کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں کفار سے جہاد کرتا اور رات کو عبادت کرتا رہا پس یہ بات سن کر صحابہ کرام کو اس پر بہت تعجب ہوا اور انہیں اپنے اعمال اس شخص کے اعمال کے مقابلے میں کم نظر آئے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے اپنے محبوب کو یہ رات عطا فرمائی جو اس غازی کی مدت عبادت سے بہتر ہے۔

۴۔ ﴿تَنْزِيلُ الْمَلَائِكَةِ﴾ فرشتے آسمان دنیا کی طرف یا زمین کی طرف اترتے ہیں ﴿وَالرُّوحُ﴾ روح الامین حضرت جبریل علیہ السلام اترتے ہیں یا فرشتوں کا ایک خاص گروہ صرف اس رات میں اترتا ہے جنہیں دیگر فرشتے بھی اس رات کے علاوہ نہیں دیکھتے یا اس رات میں رحمت خدا سرشام سے شروع ہو کر صبح تک اترتی ہے ﴿فِيهَا يَأْتِيَنَّكَ رَبُّكَ﴾ اپنے پروردگار کے حکم سے ہر کام کے لیے اس قدر والی رات میں یعنی فرشتے اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے اس قدر والی رات میں ہر اس کام کے لیے اترتے ہیں جس کے نفاذ کا اللہ تعالیٰ اس سال سے لے کر آئندہ سال تک فیصلہ فرما چکا ہے [اس پر وقف کرنا چاہیے]۔

۵۔ ﴿سَلَامٌ﴾ یہ رات فجر کے طلوع ہونے تک سلامتی والی ہے (یعنی) اس رات میں صرف سلامتی ہی سلامتی ہوتی ہے [”سَلَامٌ“ خبر مقدم ہے ”ہی“ مبتدا مؤخر ہے] یعنی اللہ تعالیٰ اس قدر و مرتبہ والی رات میں صرف سلامتی اور خیر و بھلائی مقدر فرماتا ہے اور اس رات کے علاوہ دیگر راتوں میں مصیبت اور سلامتی دونوں کا فیصلہ فرماتا ہے یا یہ معنی ہے کہ اس رات میں صرف سلام ہی ہوتا ہے کیونکہ اس رات کثیر تعداد میں فرشتے عبادت کرنے والوں کو سلام (بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۳) حضرت مسروق ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب ماہ رمضان کا آخری عشرہ داخل ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کمر کس لیتے (یعنی عبادت میں خوب کوشش کرتے) اور رات کو بیدار رہ کر عبادت کرتے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگادیتے تھے۔

(۴) ابو سہیل اپنے باپ کے واسطے سے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم ماہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں شب قدر کو تلاش کرو۔

(۵) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ کے چند صحابہ کرام علیہم الرضوان نے ماہ رمضان کے آخری ہفتہ میں شب قدر کو خواب دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب ماہ رمضان کے آخری ہفتہ میں متفق ہیں سو تم شب قدر کو ماہ رمضان کے آخری ہفتہ میں تلاش کرو۔ (تفسیر معالم التنزیل ج ۴ ص ۵۱۰-۵۱۱ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۸۵-۸۷ مترجم مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

فائدہ: شارحین نے (حضرت عبادہ بن صامت کی حدیث کی تشریح میں) کہا ہے کہ صرف اس سال نبی کریم ﷺ سے لیلۃ القدر کی تعیین کا علم اٹھایا گیا تھا اور دوسرے سال آپ کو پھر اس کا علم عطا کر دیا گیا۔

(تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۸۹۲، بحوالہ فتح الباری ج ۴ ص ۷۷۸، عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۹۷، فیض الباری ج ۳ ص ۱۸۳)

کرتے ہیں، بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس رات میں فرشتے جس مسلمان مرد و عورت سے ملاقات کرتے ہیں اسے سلام کرتے ہیں اور یہ سلسلہ فجر کے طلوع ہونے تک رات بھر جاری رہتا ہے مگر کفار و مشرکین اس رات کی خیر و بھلائی اور سلامتی سے محروم رہتے ہیں [قاری علی کسائی اور قاری خلف کی قراءت میں لام مکسور کے ساتھ ”مطلع“ پڑھا جاتا ہے]۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ البینة مدنی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی آٹھ آیات ایک رکوع ہے

لَمْ یَكُنِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِیْنَ مُنْفَكِّیْنَ حَتّٰی تَاْتِیَهُمُ

الْبِیِّنَةُ ۱ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۲ فِیْهَا كُتِبَ قِیَمَةٌ ۳ وَمَا

تَفَرَّقَ الَّذِیْنَ اٰتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبِیِّنَةُ ۴ وَمَا اٰمُرُوْا اِلَّا

لِیَعْبُدُوْا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُوْتُوْا الزَّكٰوةَ

وَذٰلِكَ دِیْنُ الْقِیَمَةِ ۵ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِیْنَ فِی

نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۶ اُولٰٓئِكَ هُمُ الشَّرُّ الْبَرِیَّةِ ۷

اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کیا اور مشرکین (اپنے دین کو) چھوڑنے والے نہیں یہاں تک کہ ان کے پاس روشن دلیل آجائے ۰ (یعنی) اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول جو پاک صحیفے تلاوت کرتے ہیں ۰ ان میں برحق پختہ احکام لکھے ہوئے ہیں ۰ اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی وہ فرقوں میں نہیں بٹے تھے مگر ان کے پاس روشن دلیل آجانے کے بعد ۰ اور انہیں حکم نہیں دیا گیا مگر یہی کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اسی کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے عقیدہ توحید پر قائم رہیں اور وہ نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور یہی سیدھا دین ہے ۰ بے شک اہل کتاب میں سے جو لوگ کافر ہو گئے اور مشرکین دوزخ کی آگ میں ہوں گے اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہی لوگ تمام مخلوق میں بدترین ہیں ۰

اہل کتاب و مشرکین کے عناد و ہٹ دھرمی اور برے انجام کا بیان

نوٹ: سورۃ البینة کے کئی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔

۱۔ ﴿لَمْ یَكُنِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِیْنَ مُنْفَكِّیْنَ﴾ اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا اور مشرکین (اپنے باطل دین کو) چھوڑنے والے نہیں یعنی یہود و نصاریٰ میں سے جن لوگوں نے (سرور عالم حضرت) محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ کفر کیا اور بتوں کی عبادت و پوجا کرنے والے کفر کو چھوڑنے اور اس سے جدا ہونے والے نہیں سو ”اہل الرجل“ کہنے سے ”رجل“ یعنی آدمی اہل کی وجہ سے لوگوں میں خاص ہو جاتا ہے اور اہل اسلام کہنے سے مسلمان اہل کی وجہ سے دیگر مذاہب والوں سے خاص ہو جاتا ہے [”مُنْفَكِّیْنَ“ کے بعد ”عَنِ الْكُفْرِ“ محذوف ہے کیونکہ ”الذین“ کا صلہ اس پر دلالت کرتا ہے] ﴿حَتّٰی تَاْتِیَهُمُ الْبِیِّنَةُ﴾ یہاں تک کہ ان کے پاس روشن دلیل اور واضح حجت آجائے اور اس

سے مراد حضور سید عالم فخر آدم و بنی آدم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تشریف آوری ہے۔ اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین اس وقت تک اپنے کفر کو نہیں چھوڑیں گے جب تک سرور کونین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو نبوت و رسالت کے ساتھ ان کے پاس نہیں بھیجا جاتا، پھر جب آپ کو نبی و رسول بنا کر بھیجا گیا تو بعض لوگ ایمان لا کر مسلمان ہو گئے اور بعض لوگ اپنے کفر پر قائم رہے۔

۲- ﴿رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم الشان رسول (ان کے پاس تشریف لائے) یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لائے [اور یہ ”البینة“ سے بدل واقع ہو رہا ہے] ﴿يَتْلُوا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً﴾ وہ رسول ان کو باطل سے پاک اوراق میں لکھے ہوئے صحیفے (قرآن مجید جو تمام صحیفوں کے علوم و اسرار کا جامع ہے) پڑھ کر سنائے۔

۳- ﴿فِيهَا كُتِبَ قِيَمَةٌ﴾ ان میں سیدھی باتیں لکھی ہوئی ہیں (یعنی) ان صحیفوں میں (یعنی قرآن مجید میں) مضبوط و مستحکم اور سیدھے احکام لکھے ہوئے ہیں جو حق سچ اور عدل و انصاف بولتے ہیں۔

۴- ﴿وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ الْأَمِينَ بَعْدَ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَةُ﴾ اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی (یعنی یہود و نصاریٰ) وہ فرقوں میں نہیں بٹے تھے مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح دلیل آ چکی تھی چنانچہ ان میں سے بعض لوگوں نے بغض و حسد اور بغاوت و سرکشی کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت کا انکار کر دیا اور ان میں سے بعض لوگ آپ پر ایمان لے آئے اور مسلمان ہو گئے اور یہاں صرف اہل کتاب کا الگ ذکر کیا گیا ہے جب کہ اس سے پہلے اہل کتاب اور مشرکین دونوں کو جمع کر کے بیان کیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل کتاب اہل علم تھے اور مشرکین جاہل و آن پڑھ لوگ تھے اور اہل کتاب کی کتابوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کا ذکر موجود تھا، لیکن جب یہ اہل علم ہونے کے باوجود فرقوں میں تقسیم ہو گئے تو بھلا جن کے پاس کتاب کا علم نہیں تھا، ان کا کئی گروہوں میں بٹ جانا اس قدر معیوب اور قبیح نہیں، جس قدر اہل علم کا گروہوں میں بٹ جانا معیوب و قبیح ہے۔

۵- ﴿وَمَا أَمْذُوا﴾ اور ان اہل کتاب کو حکم نہیں دیا گیا یعنی تورات اور انجیل میں ﴿إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ مگر یہی کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے جب کہ وہ کفر و شرک اور نفاق کے بغیر اپنی بندگی کو اسی کے لیے خالص کرنے والے ہوں گے ﴿حُنَفَاءَ﴾ جب کہ وہ تمام باطل دینوں سے منہ پھرنے والے بغیر کسی تفریق کے تمام رسولوں پر ایمان لانے والے ہوں گے ﴿وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقِيَمَةِ﴾ اور وہ نماز کو قائم رکھیں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور یہی دین و ملت ہمیشہ قائم رہنے والی اور مضبوط و مستحکم اور ہر اعتبار سے درست ہے۔

۶- ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالشَّارِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَلِدِينَ فِيهَا أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ﴾ بے شک اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا اور مشرکین سب دوزخ کی آگ میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے یہی لوگ تمام مخلوق میں بدترین ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ﴿٤٠﴾ جَزَاءُ لَهُمْ
عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَيْدًا
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ﴿٤١﴾ ذَلِكَ لِمَنْ حَسِبَ رَبَّهُ ﴿٤٢﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے یہی لوگ تمام مخلوق میں بہترین ہیں ○ ان کی جزاء ان کے پروردگار کے پاس ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو چکا اور وہ اس سے راضی ہو چکے یہ اس شخص کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا رہا ○

نیک اہل ایمان کی فضیلت و برتری اور اچھے انجام کا بیان

۷- ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے یہی لوگ تمام مخلوق میں بہترین ہیں [قاری نافع مدنی نے ان دونوں کو ہمزہ کے ساتھ ”الْبَرِيَّةِ“ پڑھا ہے اور دیگر قراء نے (بغیر ہمزہ کے) تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور ”نَبِيٌّ“ اور ”بَرِيَّةٌ“ ان کلمات میں سے ہیں جن کو ہمیشہ تخفیف کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے اور ان میں اصل کو ترک کر دیا گیا ہے۔]

۸- ﴿جَزَاءُ وَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا﴾ ان کی جزاء ان کے پروردگار کے پاس ہمیشہ قائم رہنے والی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ”عدن“ بہ معنی اقامت و دوام ہے ﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال قبول فرما کر ان سے راضی اور خوش ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب پا کر اس سے راضی اور خوش ہو گئے ﴿ذَٰلِكَ لِمَنْ حَٰشَىٰ رَبَّهُ﴾ یہ باہمی رضا اور خوشنودی ہر اس شخص کے لیے ہے جو دنیا میں اپنے پروردگار سے ڈرتا رہا اور ارشاد باری تعالیٰ ”خَيْرُ الْبَرِيَّةِ“ اس بات پر دلالت و رہنمائی کرتا ہے کہ انسانوں میں سے نیک مسلمان عام فرشتوں پر فضیلت رکھتے ہیں کیونکہ ”بَرِيَّةٌ“ کا معنی ہے: خلق اور یہ ”بِرًّا لِلَّهِ الْخَلْقُ“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلق کو پیدا کیا اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ ”بُرِّيٌّ“ سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: مٹی اور اگر یہ اسی طرح ہوتا تو عرب کے لوگ اور قراء اس کو ہمزہ کے ساتھ ”بَرِيَّةٌ“ نہ پڑھتے۔ علامہ زجاج نے بھی اس کے بارے میں اسی طرح کہا ہے۔

الْبَرِيَّةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة الزلزال

سورة الزلزال مدنی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی آٹھ آیات ایک رکوع ہے

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ۝ وَقَالَ الْإِنْسَانُ

مَا لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۝ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ

النَّاسُ أَشْتَاتًا ۝ لِيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ۝ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا

يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝

جب پوری زمین شدید زلزلہ کی وجہ سے تھر تھرائی جائے گی جیسا کہ اس کا تھر تھرانا ٹھہرا ہے ○ اور زمین اپنے سارے بوجھ باہر نکال دے گی ○ اور انسان کہے گا کہ اسے کیا ہو گیا ہے ○ اس دن وہ اپنی خبریں بیان کرے گی ○ اس لیے کہ بے شک آپ کے پروردگار نے اسے حکم دیا ہے ○ اس دن لوگ جدا جدا ہو کر (اپنی قبروں سے) نکلیں گے تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھائے

جائیں O پس جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا O اور جو شخص ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا O

قیامت کے زلزلہ اور حشر برپا کر کے جزاء و سزا کا بیان

نوٹ: سورۃ الزلزال کے کئی ومدنی ہونے میں اختلاف ہے۔

۱- ﴿إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا﴾ جب پوری زمین شدت کے ساتھ تھر تھرائی جائے گی جیسا کہ اس کا تھر تھرانا ٹھہرا ہے یعنی شدید زلزلہ کی وجہ سے پوری زمین جھٹکوں سے ہلا دی جائے گی جس کے بعد پھر زلزلہ نہیں آئے گا [”زا“ پر فتح کے ساتھ ”زُلْزَالَهَا“ بھی پڑھا گیا ہے پس ”زا“ کسور کی صورت میں یہ مصدر ہے اور مفتوح کی صورت میں یہ اسم ہے]۔

۲- ﴿وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا﴾ اور زمین سارے بوجھ باہر نکال دے گی (یعنی) قیامت آنے پر زمین اپنے اندر تمام پوشیدہ خزانے اور مردے باہر نکال دے گی اور ”أَثْقَالَ“ کی جمع ہے اور یہ گھر کے سامان پر بولا جاتا ہے اور گھر کے اندر جو کچھ دفن کیا جاتا ہے ان دفائن کو گھر کا ”اثقال“ یعنی سامان کہا جاتا ہے۔

۳- ﴿وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا﴾ اور انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہو گیا (یعنی) شدید ترین زلزلے کی وجہ سے زمین تھر تھر کانپنے لگے گی اور سخت ترین جھٹکے کھانے لگ جائے گی اور اپنے اندر تمام پوشیدہ چیزوں کو باہر پھینک دے گی اور یہ سب کچھ تھرتھرتانی کے وقت ہوگا جب شدت کے ساتھ زلزلہ آئے گا اور زمین تمام مردوں کو زندہ باہر پھینک دے گی سو اس وقت انسان کہیں گے کہ اسے کیا ہوا ہے؟ کیونکہ اس وقت خوف ناک اور دہشت ناک حالات ان کے سامنے ظاہر ہوں گے جیسا کہ وہ یہ بھی کہیں گے: ”مَنْ بَعَثْنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا“ (یسین: ۵۲) ”کس نے ہمیں ہماری قبروں سے اٹھا دیا“۔ اور بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ بات کافر انسان کہے گا کیونکہ وہ حشر و نشر پر ایمان نہیں رکھتا تھا لیکن رہا مسلمان تو وہ یہ کہے گا: ”هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ“ (یسین: ۵۲) ”یہ وہی ہے جس کا رحمن نے وعدہ فرمایا اور رسولوں نے حق فرمایا O“۔

۴- ﴿يَوْمَ يَبِيضُ نَضْحَاتُ أَخْيَارِهَا﴾ اس دن وہ اپنی تمام خبریں بیان کرے گی یعنی مخلوق اپنی خبریں بیان کرے گی کیونکہ اس کے بیان سے مقصود خبروں کا ذکر ہے نہ کہ مخلوق کا ذکر۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس دن زمین کو قوت گویائی عطا فرمائے گا اور وہ اپنے اوپر کیے گئے نیک و بد عمل کے بارے میں بتائے گی اور حدیث شریف میں ہے کہ زمین ہر ایک آدمی کے بارے میں گواہی دے گی جو کچھ اس نے اس کی پشت پر کیا ہوگا [”يَوْمَ يَبِيضُ“، ”إِذَا“ سے بدل ہے اور ان دونوں کا ناصب ”نَضْحَاتُ“ ہے]۔

قیامت کے دن جب پہلی بار حضرت اسرائیل علیہ السلام صور میں پھونکیں گے تو اس وقت شدید زلزلہ آئے گا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر) جس سے زمین کی ہر چیز فنا ہو جائے گی اور ہر چیز تہس نہس ہو جائے گی لے لے درخت اور اونچے اونچے پہاڑ اور ٹیلے زمین دوز ہو جائیں گے اور تمام روئے زمین ہموار چٹیل میدان بن جائے گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا O لَا تَرَى فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا“ (طہ: ۱۰۶-۱۰۷) ”سو وہ زمین کو بالکل ہموار صاف میدان بنا دے گا O تم اس میں نہ کوئی کجی دیکھو گے اور نہ اونچ نیچ O“۔

پھر چالیس سال بعد دوبارہ حضرت اسرائیل علیہ السلام صور میں پھونکیں گے تو شدید ترین زلزلہ آئے گا جس سے پوری زمین تھر تھر کانپنے لگی اور تمام دینوں اور مردوں کو باہر پھینک دے گی اسی کو تھرتھرائی کہا جاتا ہے۔ غوثی

۲ رواہ احمد ج ۲۔ رقم الحدیث: ۳۷۴۳، الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۵۳، الخاکم ج ۲۔ رقم الحدیث: ۵۳۲، ابن حبان فی صحیحہ رقم الحدیث:

۵۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اس لیے کہ آپ کا پروردگار اس کو حکم دے گا یعنی زمین اس بناء پر اپنی خبریں بیان کرے گی کہ آپ کا رب تعالیٰ اس کی طرف الہام کرے گا اور اسے خبریں بیان کرنے کا حکم دے گا۔

۶۔ ﴿يَوْمَئِذٍ يُصْعَقُونَ فِيهَا﴾ اس دن تمام لوگ اپنی قبروں سے نکل کر حساب و کتاب کے موقف کی طرف لوٹ جائیں گے ﴿أَشْتَاتًا﴾ جدا جدا اور متفرق ہو کر بہت سے چہرے سفید اور روشن ہوں گے وہ امن و سکون میں ہوں گے اور بہت سے چہرے سیاہ کالے ہوں گے وہ پریشان و مغموم اور گھبرائے ہوئے ہوں گے یا یہ معنی ہے کہ لوگ موقف سے مختلف گرد ہوں میں متفرق ہو کر جنتی لوگ جنت کے راستے پر روانہ ہو کر جنت کی طرف اور دوزخی دوزخ کے راستے پر روانہ ہو کر دوزخ کی طرف لوٹ جائیں گے ﴿لِيَذُرَ آخِرًا﴾ تاکہ ان کے اعمال دکھائے جائیں یعنی تاکہ انہیں ان کے اعمال پر جزائے خیر یا جزائے شر دکھائی جائے۔

۷۔ ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ﴾ سو جو شخص ذرہ برابر (یعنی) چھوٹی چھوٹی کے برابر بھی کوئی نیک عمل کرے گا تو اسے دیکھ لے گا یعنی اس نیک عمل کی جزائے خیر دیکھ لے گا [”خَيْرًا“ تمیز ہے]۔

۸۔ ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾ اور جو شخص ذرہ برابر کوئی بُرا عمل کرے گا تو وہ اسے دیکھ لے گا۔ بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور پہلی آیت مبارکہ مومنوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

حکایت: اور بیان کیا گیا ہے کہ ایک اعرابی نے تلاوت کرتے ہوئے ”شَرًّا يَرَهُ“ کو پہلے اور ”خَيْرًا يَرَهُ“ کو اس کے بعد مؤخر کر دیا (یعنی ایک دوسرے کی جگہ پڑھ دیا) تو اس سے کہا گیا کہ تم نے اس کلام کو آگے پیچھے کر دیا ہے سو اس نے جواب دیتے ہوئے کہا: ”حُدَا بَطْنِ هَرَشِي أَوْ قَفَاهَا فَإِنَّهُ كَلَا جَانِبِي هَرَشِي لَهْنٌ طَرِيقٌ“ ہرشی نامی وادی کے نشیب سے چلویا اس کے بالائی عقب سے سو وہ یقیناً ہرشی کی دو سمتیں ہیں ان کے لیے یہی راستہ ہے۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ فرزدق کے دادا حضور سرورِ عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تاکہ وہ آپ سے قرآن مجید میں سے کچھ کلام پاک کی تلاوت سنیں تو آپ نے ان کو یہ دونوں آیات پڑھ کر سنائیں تو وہ سن کر کہنے لگے: ”حَسْبِي حَسْبِي“ مجھے کافی ہے! مجھے کافی ہے! (تفسیر درمنثور ج ۸ ص ۵۹۶) اور یہ سب سے زیادہ محکم ہیں اور ان کا جامعہ نام رکھا گیا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة العاديات مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی گیارہ آیات ایک رکوع ہے

وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا ۱ فَالْمُورِيَاتِ قَدْحًا ۲ فَالْمُغِيرَاتِ صُبْحًا ۳ فَأَثَرْنَ بِهِ نَقْعًا ۴ فَوَسَطْنَ بِهِ جَمْعًا ۵ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ ۶ وَإِنَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَشَهِيدٌ ۷ وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ۸ أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ ۹ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۱۰ إِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ

لَخَبِيرٌ ۱۱

قسم ہے تیز دوڑنے والے ہانپتے ہوئے گھوڑوں کی! O پھر پتھر پر سم مار کر چنگاریاں اڑانے والوں کی! O پھر صبح کے وقت حملہ آور ہونے والوں کی! O سو وہ اس وقت غبار اڑاتے ہیں O اور وہ اس وقت دشمن کی جماعت کے درمیان گھس جاتے ہیں O بے شک انسان اپنے پروردگار کا ضرور بہت بڑا ناشکر ہے O اور بے شک وہ اس پر ضرور گواہ ہے O اور بے شک وہ مال کی محبت میں ضرور سخت (حریص) ہے O تو کیا وہ نہیں جانتا کہ جب اٹھالیے جائیں گے جو بھی قبروں میں ہیں O اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہے ظاہر کر دیا جائے گا O بے شک ان کا پروردگار اس دن (بھی) ضرور خبر رکھنے والا ہے O

جہادی گھوڑوں کی قسم کے ساتھ انسان کی ناشکری اور مال سے محبت کا بیان

نوٹ: سورۃ العادیات کے کئی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔

۱- ﴿وَالْعُدِيَّتِ ضَبْحًا﴾ تیز دوڑنے والے ہانپتے ہوئے گھوڑوں کی قسم! ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کی جنگ میں کفار سے جنگ کرنے والے مجاہدین کے گھوڑوں کی قسم فرمائی ہے کہ جب وہ تیز دوڑتے ہیں تو ہانپتے ہیں اور ”ضَبْحٌ“ کا معنی ہے: گھوڑوں کے سانسوں کی آواز جو ان کے دوڑنے کے وقت ان کے سینوں سے برآمد ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ آپ نے اس آواز کو اپنے الفاظ میں بیان کیا چنانچہ فرمایا: ”أَخَّ أَحَّ“ [”ضَبْحًا“ محذوف فعل سے مفعول مطلق ہونے کی بناء پر منصوب ہے اصل میں ”يَضْبَحُنَّ ضَبْحًا“ ہے]۔

۲- ﴿قَالُمُورِيَّتِ﴾ اور آگ نکالنے والے گھوڑوں کی قسم! (یعنی) جیسے صاحب نامی (بخیل) شخص کے گھر میں کمزور اور ہلکی آگ کا نکلنا (کہ کہیں زیادہ آگ کے ظاہر ہونے کی صورت میں مہمان نہ آجائے) اور یہ وہ آگ ہے جو گھوڑوں کے پتھریلی زمین پر سم مارنے کی وجہ سے پتھروں سے نکلتی ہے ﴿قَدْحًا﴾ اصل میں ”قَادِحَاتٍ“ کے معنی میں ہے کہ اپنے سم پتھروں پر مارنے والے گھوڑے اور ”قَدْحٌ“ کا معنی ہے: کھریا سم پتھر پر مارنا اور ”ایراء“ کا معنی ہے: آگ کا نکلنا جیسے کہا جاتا ہے: ”قَدْحٌ فَأَوْرِي“ چقماق رگڑا تو اس نے آگ نکالی اور ”قَدْحٌ فَأَصْلَدَ“ اس نے چقماق رگڑا تو چقماق نے آگ نکالے بغیر آواز نکالی [”قَدْحًا“ بھی ”ضَبْحًا“ کی طرح فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے]۔

۳- ﴿قَالُمُعِيَّتِ ضَبْحًا﴾ اور صبح کے وقت حملہ کرنے والے گھوڑوں کی قسم! (یعنی) صبح کے وقت دشمن پر حملہ کرنے والے گھوڑوں پر سوار مجاہدین کے گھوڑوں کی قسم!

۴، ۵- ﴿فَأَثَرُنَ بِهٖ نَقْعًا﴾ سو وہ غبار اڑاتے ہیں (یعنی) پس اس صبح کے وقت دشمن پر حملہ آور ہونے کے لیے دوڑتے ہوئے غبار اڑاتے ہیں ﴿فَوَسْطُنَ بِهٖ جَمْعًا﴾ پھر وہ اس وقت دشمنوں کی جماعتوں میں سے مد مقابل آ کر لڑنے والی جماعت کے درمیان گھس جاتے ہیں۔ ”وسط“ بہ معنی درمیان ہے [اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ”بہ“ کی ضمیر غارت گری کی جگہ کی طرف لوٹتی ہے یعنی اسلامی فوج دشمن کے لشکر سے لڑنے کے لیے میدان جنگ کے درمیان گھس جاتے ہیں یا پھر دشمن کی طرف لوٹتی ہے جس پر ”وَالْعَادِيَاتِ“ دلالت و رہنمائی کرتا ہے اور ”فَأَثَرُنَ“ کو اس فعل پر معطوف کیا گیا ہے جس کی جگہ پر اسم فاعل رکھا گیا ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے: ”وَاللَّاتِي عِنْدُونَ فَأَوْرِيْنَ فَأَعْوَنَ فَأَثَرُنَ“ قسم ہے ان گھوڑوں کی جو تیز دوڑتے ہیں! اور سم مار کر چنگاریاں اڑاتے ہیں! پھر حملہ کرتے ہیں اور غبار اڑاتے ہیں اور قسم کا جواب (درج ذیل) یہ آیت مبارکہ ہے: [

۶- ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ﴾ بے شک انسان اپنے پروردگار کا ضرور بڑا ناشکرا ہے یعنی بے شک انسان خصوصی طور پر اپنے رب تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر شکر ادا کرنے کی بجائے بہت سخت ناشکرا ہے۔ ”کنود“ بمعنی ”کفور“ ہے یعنی بہت ناشکرا۔

۷- ﴿وَرَاتِكُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ لَشَيْدًا﴾ اور بے شک وہ اس پر ضرور گواہ ہے یعنی بے شک وہ انسان اپنی اس ناشکری پر خود گواہ ہے کہ وہ اپنے خلاف گواہی دے گا یا یہ معنی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس کی ناشکری پر گواہ ہے۔ یہ کلام مبارک انسان کی وعید (ڈرانے دھمکانے) کے لیے ہے۔

۸- ﴿وَإِنَّكُمْ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدًا﴾ اور بے شک وہ مال کی محبت میں بہت سخت ہے (یعنی) بے شک انسان مال کی محبت کی وجہ سے سخت بخیل ہے اپنے مال و دولت کو روک کر ذخیرہ کرنے والا اور کنجوس ہے یا یہ معنی ہے کہ بے شک انسان مال و دولت کی محبت میں بہت قوی اور طاقتور ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی محبت میں نہایت کمزور ہے۔

۹، ۱۰- ﴿أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ ۖ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۖ﴾ تو کیا وہ نہیں جانتا کہ جب باہر نکالا جائے گا جو کچھ قبروں میں ہے اور جو کچھ سینوں میں ہے وہ سب ظاہر کر دیا جائے گا یعنی کیا انسان یہ نہیں جانتا کہ بروز قیامت جب قبروں میں سے تمام مردوں کو زندہ کر کے (حساب و کتاب کے لیے) باہر نکالا جائے گا اور لوگوں کے دلوں اور سینوں میں جو کچھ نیکی اور برائی ہوگی اسے الگ الگ کر کے ظاہر کر دیا جائے گا اور ایک دوسرے سے ممتاز کر دیا جائے گا اور یہاں ”مَا“ بمعنی ”مَنْ“ استعمال ہوا ہے۔

۱۱- ﴿إِنَّ سَاءَ لَهُمْ يَوْمَئِذٍ فَخِيرٌ﴾ بے شک ان کا پروردگار اس دن بھی ان سے پوری طرح باخبر ہوگا اور وہ انہیں ان کے نیک اعمال پر جزائے خیر اور بُرے اعمال پر سزا دے گا اور یہاں ”يَوْمَئِذٍ“ کو خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ تو تمام زمانوں میں تمام انسانوں کے اعمال و احوال کو خوب جاننے والا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے نیک و بد اعمال پر جزاء و سزا اس (قیامت کے) دن واقع ہوگی۔

اللَّهُ تَعَالَىٰ
رَبُّ الْعَالَمِينَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ الْقَارِعَةِ
الْقَارِعَةُ

سورۃ القارعہ کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی گیارہ آیات ایک رکوع ہے

الْقَارِعَةُ ۙ ۱ مَا الْقَارِعَةُ ۙ ۲ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ ۙ ۳ يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ

كَالْفَرَّاشِ الْمَبْتُوثِ ۙ ۴ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ۙ ۵ فَأَمَّا

مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ۙ ۶ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاغِبَةٍ ۙ ۷ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ

مَوَازِينُهُ ۙ ۸ فَأَمَّهُ هَاوِيَةٌ ۙ ۹ وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَةٌ ۙ ۱۰ نَارُ حَامِيَةٍ ۙ ۱۱

کھڑکھڑانے والی ۰ کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟ ۰ اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟ ۰ جس دن لوگ بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح ہو جائیں گے ۰ اور پہاڑ دھکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے ۰ سو لیکن جس شخص (کی نیکیوں) کے پلڑے بھاری ہو جائیں گے ۰ تو وہ پسندیدہ زندگی میں مسرور ہوگا ۰ اور لیکن جس شخص (کی نیکیوں)

کے پلڑے ہلکے ہوں گے O تو اس کا ٹھکانا ہادیہ ہوگا O اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ کیا ہے؟ O وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے O

قیامت کے خوف ناک منظر اور جزاء و سزا کا بیان

۲۱- ﴿الْقَارِعَةُ ۗ مَا الْقَارِعَةُ﴾ کھڑکھڑانے والی O کیا ہے کھڑکھڑانے والی؟ [”الْقَارِعَةُ“ پہلا مبتدا ہے اور ”مَا“ دوسرا مبتدا ہے اور ”الْقَارِعَةُ“ دوسرے مبتدا کی خبر ہے اور یہ جملہ پہلے مبتدا کی خبر ہے اور اس کا حق یہ تھا کہ یہ ”مَا الْقَارِعَةُ“ کی بجائے ”مَا هِيَ“ ہوتا لیکن ”الْقَارِعَةُ“ کو دوبارہ صرف اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ قیامت کے حال کی بڑائی بیان کی جائے۔]

۳- ﴿وَمَا أَذْرَبُكَ مَا الْقَارِعَةُ﴾ اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟ یعنی آپ کو کس نے خبر دی ہے کہ وہ کیا ہے؟ اور آپ نے اس کو کہاں سے معلوم کر لیا ہے؟

۴- ﴿يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ﴾ اس دن لوگ بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح ہو جائیں گے۔ لوگوں کی کثرت و زیادہ ہونے میں اور منتشر و بکھرنے اور ضعف و کمزوری اور ذلت و حقارت میں اور ہر طرف سے بلانے والے کے پاس بہت جلد پہنچنے میں پتنگوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس طرح پتنگے آگ کے پاس بہت جلد اڑ کر پہنچ جاتے ہیں اور پتنگوں کو ”فراش“ کے نام سے اس لیے یاد کیا گیا ہے کہ وہ اڑتے ہیں اور بکھر جاتے ہیں [”يَوْمَ“ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے جس پر ”الْقَارِعَةُ“ دلالت و رہنمائی کر رہا ہے یعنی ”تَقْرَعُ“]۔

۵- ﴿وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ﴾ اور (اس دن) پہاڑ دھکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے یہاں پہاڑوں کو ”عِهْنُ“ کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور ”عِهْنُ“ کا معنی ہے: مختلف رنگوں کی رنگین اون کیونکہ پہاڑوں کے رنگ بھی مختلف ہوتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيْضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ“ (فاطر: ۲۷) اور پہاڑوں کے مختلف حصے ہیں سفید اور سرخ ان کے رنگ جدا جدا ہیں اور بہت سے پہاڑ گہرے کالے سیاہ ہوتے ہیں O۔ ”منفوش“ اس لیے فرمایا گیا ہے کہ جس طرح دھکی ہوئی روئی کے اجزاء بکھر جاتے ہیں اسی طرح قیامت کے روز پہاڑ بھی مختلف اجزاء اور مختلف ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر بکھر جائیں گے۔

۶- ﴿فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ﴾ سو لیکن جس شخص (کی نیکیوں) کے پلڑے بھاری ہو جائیں گے یعنی حق کی اتباع اور پیروی کرنے کی وجہ سے جن کی نیکیوں کے پلڑے بھاری ہو جائیں گے۔ ”موازن“ کی جمع ہے اور اس سے وہ عمل مراد ہے جس کا اللہ تعالیٰ کے پاس وزن و قدر و منزلت ہوگی یا یہ میزان کی جمع ہے اور اس کے ثقیل و بھاری ہونے سے اس کا راجح اور زیادہ وزنی ہونا مراد ہے۔

۷- ﴿فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ﴾ پس وہ دل پسند زندگی میں ہوگا جس میں زندگی گزارنے والا خوش اور راضی رہے گا یا بذات خود زندگی پسندیدہ خوش و خرم ہوگی۔

۸- ﴿وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ﴾ اور جن لوگوں کے پلڑے باطل کی اتباع کی وجہ سے ہلکے ہوں گے ﴿فَأَمَّا هَٰؤُلَاءِ﴾ تو اس کا ٹھکانا ہادیہ ہوگی پس اس کا مسکن اور پناہ گاہ دوزخ کی آگ ہوگی اور ”ماوی“ کو تشبیہ کے طور پر ”ام“ کہا گیا ہے کیونکہ ”ام“ (یعنی ماں) بچے کے لیے جائے سکون اور جائے پناہ ہوتی ہے۔

۱۰- ﴿وَمَا أَذْرَبُكَ مَا هِيَ﴾ اور آپ کو کیا معلوم ہے کہ وہ کیا ہے [”ہی“ کی ضمیر ”ہاویہ“ کی طرف لوتی ہے اور سکتہ (ہلکا وقف) کی صورت میں آخر میں ”ہا“ پڑھا جاتا ہے] پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر و توضیح بیان کی چنانچہ ارشاد

فرمایا: ﴿نَارُ حَامِيَةٍ﴾ بھڑکتی ہوئی آگ جس کی حرارت و گرمی اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہو۔

سورة التكاثر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آیات مبارکہ

سورة التکاثر کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی آٹھ آیات ایک رکوع ہے

الْهٰکُمُ التَّکٰثُرُ ۱ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۲ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۳ ثُمَّ

کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۴ کَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ ۵ لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ ۶

ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَیْنِ الْیَقِیْنِ ۷ ثُمَّ لَسُسَلْنَیْ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ ۸

ع

تمہیں مال و دولت کی کثرت نے غافل کر دیا ۰ یہاں تک کہ تم نے قبروں کی زیارت کی ۰ ہرگز نہیں! عنقریب تم جان لو گے ۰ پھر ہرگز نہیں! عنقریب تم جان لو گے ۰ ہرگز نہیں! اگر تم یقینی علم کے ساتھ جان لیتے (تو غافل نہ رہتے) ۰ بے شک تم دوزخ کو ضرور دیکھو گے ۰ پھر البتہ تم یقین کی آنکھ کے ساتھ اس کو ضرور دیکھو گے ۰ پھر البتہ اس دن نعمتوں کے بارے میں تم سے ضرور پوچھا جائے گا ۰

دین کو چھوڑ کر دنیا میں مشغول ہوتے پر انسان کی مذمت

۱۔ ﴿الْهٰکُمُ التَّکٰثُرُ﴾ تمہیں مال و دولت کی کثرت نے غافل کر رکھا ہے (یعنی) مال و دولت کی کثرت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی حرص نے اور اموال و اولاد کی کثرت پر فخر و مباہات کی خواہش نے تمہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے غافل کر دیا۔

۱۔ یہ آیت مبارکہ ان تمام لوگوں کو شامل ہے جو زیادہ سے زیادہ مال و دولت جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں اور اس فکر میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت سے غافل ہو جاتے ہیں۔ مطرف اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اس وقت آپ ”الْهٰکُمُ التَّکٰثُرُ“ کی تلاوت فرما رہے تھے آپ نے فرمایا کہ ابن آدم کہتا ہے: میرا مال میرا مال اے ابن آدم! تیرا مال تو صرف وہی ہے جس کو تو نے کھا لیا اور جس کو فنا کر دیا یا جس کو تو نے پہن کر استعمال کر لیا، پھر اس کو بوسیدہ کر دیا یا تو نے اس کو صدقہ کر دیا اور اس کو اپنے لیے آگے بھیج دیا (تاکہ قیامت کے دن کام آئے)۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵۸، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۲) ترمذی کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اس کے سوا جو بھی مال ہے اس کو تم لوگوں کے لیے چھوڑ کر (دنیا سے) جانے والے ہو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر ابن آدم کے پاس سونے کی ایک وادی ہو تو وہ چاہے گا کہ اس کے پاس سونے کی دو وادیاں ہوں اور اس کا منہ مٹی کے سوا ہرگز نہیں بھرے گا اور جو آدمی توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۳۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۸، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۷) ترمذی میں یہ الفاظ ہیں: اگر ابن آدم کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کو طلب کرے گا۔

اس آیت مبارکہ میں کثرت کو طلب کرنے کی مذمت فرمائی ہے لیکن مطلق کثرت کو طلب کرنا مذموم نہیں ہے بلکہ اطاعت عبادات اور محاسن اخلاق میں کثرت کو طلب کرنا مطلوب ہے اور مال میں کثرت طلب کرنا اگر فسق و فجور کے لیے ہو تو مذموم ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے مطلوب ہو تو یہ مستحسن و بہتر ہے حدیث شریف میں ہے: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۲- ﴿حَتَّىٰ ذُرُّهُمَا مَقَابِرَ﴾ یہاں تک کہ تم نے قبروں کی زیارت کی (یعنی) یہاں تک کہ اس غفلت و دنیا داری کے حال میں موت نے تمہیں گھیر لیا یا یہ معنی ہے کہ یہاں تک کہ تم نے قبروں کو دیکھا اور قبروں میں دفن ہونے والے مردوں کو تم نے گن گن کر دفن کیا۔

۳- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! اس میں انسان کو کثرتِ اموال و اولاد کے خیال سے روکنا اور اس پر ڈانٹنا اور ناراضگی کا اظہار کرنا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے اور اس بات پر تنبیہ ہے کہ اپنے آپ پر نظر رکھنے والے عقل مند آدمی کے لیے جائز نہیں کہ اس کا تمام کا تمام مقصد حیات صرف دنیا ہو اور وہ اپنے دین کا اہتمام نہ کرے اور نہ اس کی تیاری کرے ﴿سَوْفَ تَعْلَمُونَ﴾ تم عنقریب قبر میں پہنچ کر جان لو گے یا تم عنقریب موت کے وقت جس حال پر تم دنیا میں رہے اس کے بڑے انجام کو جان لو گے۔

۴- ﴿ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ﴾ پھر ہرگز نہیں! عنقریب تم جان لو گے۔

۵- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! لفظ ”كَلَّا“ کا دوبارہ تکرار محض انسان کو ڈرانے دھمکانے اور اسے خوف زدہ کرنے کے لیے کیا گیا ہے ﴿لَوْ تَعْلَمُونَ﴾ اگر تم جان لیتے [”لو“ کا جواب محذوف ہے] یعنی جو کچھ تمہارے سامنے ہو رہا ہے اس کو تم اگر جان لیتے ﴿عِلْمَ الْيَقِينِ﴾ یقینی علم کے ساتھ یعنی جیسے دوسرے امور کو یقینی طور پر جانتے ہو تو تمہیں مال و دولت کی کثرت غافل نہ کرتی یا یہ معنی ہے کہ اگر تم یقینی علم کے ساتھ جان لیتے تو تم ایسے عمدہ کام کرتے جن کا کما حقہ وصف بیان نہیں کیا جاسکتا لیکن تم تو جہالت کے سبب گمراہی میں مبتلا ہو چکے ہو۔

۶- ﴿لَتَرُونَ الْجَحِيمَ﴾ البتہ تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے [یہ محذوف قسم کا جواب ہے اور یہ قسم محض وعید (ڈرانے دھمکانے) کی تاکید کے لیے ہے ابن عامر شامی اور علی کسائی کوفی کی قراءت میں ”تَا“ مضموم کے ساتھ ”لَتَرُونَ“ پڑھا جاتا ہے]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: صرف دو آدمیوں پر رشک کرنا مستحسن ہے ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ اس کو حق کے راستے میں خرچ کرے اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا کیا ہو اور وہ اس علم کے مطابق فیصلہ کرے اور وہ لوگوں کو تعلیم دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱۶، مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۵)

اسی طرح اولاد میں کثرت اگر صرف اپنی نسل بڑھانے کے لیے ہو تو یہ مستحسن نہیں ہے اور اگر رسول اللہ ﷺ کی امت میں اضافہ کے لیے ہو تو یہ مستحسن ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: مجھے ایک ایسی عورت ملی ہے جس کا جاندان بھی اچھا ہے اور وہ بہت خوب صورت بھی ہے لیکن اس کی اولاد نہیں ہوتی، کیا میں اس سے نکاح کر لوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں اوہ پھر دوسری بار آیا آپ نے پھر منع فرمایا وہ پھر تیسری بار آیا تو آپ نے فرمایا: اس عورت سے شادی کرو جو محبت کرنے والی ہو اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہو کیونکہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۲۷)

اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً جو ”تکائر“ مذموم و بُرا ہے وہ یہ ہے کہ فسق و فجور کے لیے مال و دولت میں کثرت کو طلب کیا جائے اور علم میں زیادتی اور اطاعت اور عبادت میں کثرت اور اخلاقی حمیدہ میں اضافہ محمود و مستحسن اور بہتر ہے۔ (تفسیر تبيان القرآن ج ۱۲ ص ۹۵۸)

۷۔ ﴿تَكَرَّرَتْ رَوْتَهَا عَيْنَ الْيَقِينِ﴾ پھر تم اسے البتہ ضرور یقین کی آنکھ سے دیکھو گے یعنی ایسا مشاہدہ جو یقین کا عین ہے (یعنی یقین ہے) اور وہ خالص یقین ہے اور ڈرانے دھمکانے میں سختی کرنے اور خوف دلانے اور ہولناک کرنے میں اضافہ کرنے کے لیے ”تَكَرَّرَتْ رَوْتَهَا“ کو ”تَمَّ“ کے ساتھ معطوف کر کے دوبارہ لایا گیا ہے اور پہلے کا تعلق دل کے ساتھ ہے اور اس دوسرے کا تعلق آنکھ اور مشاہدہ کے ساتھ ہے۔

۸۔ ﴿ثُمَّ لَتَسْتَلْقَىٰ يَوْمَئِذٍ عَنِ التَّعْيِيرِ﴾ پھر اس دن تم سے نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گا (یعنی) امن و سکون اور صحت و تندرستی کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ تم نے ان نعمتوں کو کیسے خرچ کر کے فنا کیا، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی مروی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ تم سے ان نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گا جن کی لذتوں نے تمہیں دین اسلام اور اس کی خاطر تکالیف برداشت کرنے سے غافل کر دیا تھا اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ماسوا اس رہائش کے مکان کے جس میں وہ سردی اور گرمی سے بچنے کے لیے پناہ لیتا ہے اور ماسوا اس لباس کے جس کو جسم ڈھانپنے کے لیے پہنتا ہے اور ماسوا روٹی کے ان ٹکڑوں کے جن سے (عبادت کے لیے) قوت حاصل کرتا ہے (اور ماسوا پانی کے جو بقدر ضرورت استعمال کرتا ہے) باقی سب نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا اور یہ روایت مرفوع بھی بیان کی گئی ہے۔

اللَّهِ تَعَالَىٰ
رَبُّ الْعَالَمِينَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ الْعَصْرِ
مُؤْتَمَّرَةٌ

سورۃ العصر کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی تین آیات ایک رکوع ہے

وَالْعَصْرِ ۱ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۲ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

وَتَوَّأَصُوا بِالْحَقِّ ۳ وَتَوَّأَصُوا بِالصَّبْرِ ۴

زمانہ نبوی کی قسم! ۰ بے شک انسان ضرور نقصان میں ہے ۰ ماسوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور انہوں نے ایک دوسرے کو حق کی تاکید کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی ۰

انسان کی کامیابی کے لیے چار اہم ترین خوبیوں کا بیان

نوٹ: سورۃ العصر کی ہے یادنی ہے۔

۱۔ ﴿وَالْعَصْرِ﴾ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں نماز عصر کی قسم فرمائی ہے کیونکہ یہ نماز عصر دیگر نمازوں پر فضیلت و برتری رکھتی ہے جیسا کہ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مصحف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَالصَّلَاةُ الْوَسْطَى صَلَاةُ الْعَصْرِ“ اور درمیانی نماز (یعنی) نماز عصر کی حفاظت کرو اور اس لیے بھی اس کی زیادہ فضیلت ہے کہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں علامہ سید محمود آلوسی بغدادی لکھتے ہیں: بعض مفسرین کے نزدیک ”العصر“ سے زمانہ نبوت مراد ہے کیونکہ جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بذات خود تمام مخلوقات سے افضل و اعلیٰ ہیں اسی طرح آپ کا زمانہ نبوت بھی تمام زمانوں سے افضل و اعلیٰ ہے اور بعض دیگر اہل علم حضرات کا قول ہے کہ ”العصر“ سے حضور سید عالم ﷺ کی حیات مبارکہ کے زمانہ سے لے کر قیامت تک کا سارا زمانہ مراد ہے کیونکہ آپ کی حیات مبارکہ سے قیامت تک کا پورا زمانہ گزشتہ تمام زمانوں کے مقابلے میں اس طرح ہے جس طرح عصر سے مغرب تک کا زمانہ پورے دن کے مقابلے میں ہے اور اس کی تصدیق و تائید (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے ادا کرنے میں زیادہ مشقت و تکلیف اٹھانی پڑتی ہے کیونکہ لوگ دن کے آخر میں اپنی اپنی تجارت اور کاروبار میں بہت (بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس حدیث مبارکہ سے ہو جاتی ہے جس کو امام بخاری نے حضرت سالم بن عبد اللہ کے ذریعے ان کے والد سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا کہ (اے مسلمانو!) بے شک تمہاری زندگی پہلی امتوں کے مقابلے میں اس طرح ہے جس طرح پورے دن کے مقابلے میں عصر سے مغرب تک کا زمانہ ہے اور اس کی عظمت و فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضور نبی کریم ﷺ کا زمانہ مبارک ہے اور آپ کی امت کا زمانہ ہے جو تمام امتوں سے افضل و بہتر ہے۔

اور امام فخر الدین رازی نے ایک دوسری حدیث شریف کی تصدیق و تائید سے یہ قول اسی طرح بیان کیا ہے اور اس کے آخر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں آپ کے زمانہ مبارک کی قسم فرمائی اور ”لَا اَقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ“ (البلد: ۱-۲) میں آپ کے مکان و مسکن اور شہر کی قسم فرمائی اور ان دو آیات کا ترجمہ یہ ہے کہ ”میں اس شہر مکہ مکرمہ کی قسم اٹھاتا ہوں O اس لیے کہ آپ اس شہر میں مقیم ہیں O“ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی جان اقدس اور حیات مبارکہ کی قسم اٹھا کر ارشاد فرمایا: ”لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ“ (الحجر: ۷۲) ”(اے محبوب!) آپ کی جان کی قسم! بے شک وہ اپنے نشے میں بھٹک رہے ہیں O“ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب! آپ کے زمانہ مبارک کی قسم! اور آپ کے شہر اقدس کی قسم! اور آپ کی معظّم و مکرم جان کی قسم! علامہ علاؤ الدین علی صوفی بغدادی نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ایک قول کے مطابق ”العصر“ سے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ مبارک مراد ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے زمانہ مبارک کی اس طرح قسم فرمائی ہے جس طرح ”لَا اَقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ“ O وَأَنْتَ حَلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ“ میں آپ کے پیدائشی اور اقامتی شہر مکہ مکرمہ کی قسم فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے ذریعہ اس بات پر تشبیہ فرمائی ہے کہ آپ کا زمانہ اقدس دیگر تمام زمانوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔

عارف باللہ علامہ صاوی مالکی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”العصر“ سے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ اقدس مراد ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے زمانہ مبارک کی قسم فرمائی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ”لَا اَقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ“ میں آپ کے مکان و مسکن اور آپ کے شہر کی قسم فرمائی ہے اور ”لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ“ (الحجر: ۷۲) میں آپ کی مقدس زندگی کی قسم فرمائی پس اس میں تشبیہ ہے کہ آپ کا زمانہ مبارک تمام زمانوں سے افضل ہے اور آپ کا شہر تمام شہروں سے افضل ہے اور آپ کی حیات طیبہ تمام زندگیوں سے افضل و برتر ہے اور بعض حضرات کا یہ موقف ہے کہ ”العصر“ سے آپ کا اور آپ کی امت کا زمانہ مراد ہے کیونکہ یہ زمانوں کا خاتم اور آخری زمانہ ہے اور یہی سب زمانوں سے افضل و برتر ہے اور اسی کے آخر میں قیامت اور اس کے عجائبات کا ظہور ہوگا۔ (تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۲۸ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور، تفسیر کبیر ج ۸ ص ۷۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، تفسیر لباب التأویل عرف خازن ج ۲ ص ۳۳۵، مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ، مصر، تفسیر صاوی حاشیہ تفسیر جلالین ج ۲ ص ۳۳۱، مطبوعہ شرکت مکتبہ و مطبعہ مصطفیٰ البابی الحنفی، مصر) حضرت صدر الافاضل قدس سرہ لکھتے ہیں:

اور سب سے لذیذ و راجح تفسیر وہی ہے جو حضرت مترجم قدس سرہ نے اختیار فرمائی کہ زمانہ سے مخصوص زمانہ سید عالم ﷺ کا مراد ہے جو بڑی خیر و برکت کا زمانہ ہے اور تمام زمانوں میں سب سے زیادہ فضیلت و شرف والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے زمانہ مبارک کی قسم یاد فرمائی جیسا کہ ”لَا اَقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ“ میں حضور ﷺ کے مسکن و مکان کی قسم یاد فرمائی اور جیسا کہ ”لَعَمْرُكَ“ میں آپ کی عمر شریف کی قسم یاد فرمائی اور اس میں شان محبوبیت کا اظہار ہے۔

(تفسیر خزائن العرفان ص ۱۰۸۲، مطبوعہ ضیاء القرآن لاہور) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

زیادہ مصروف ہوتے ہیں اور اپنے اپنے معاش میں مشغول ہوتے ہیں یا اللہ تعالیٰ نے شام (عصر سے مغرب تک) کی قسم فرمائی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ”وَالضُّحٰی“ میں فجر کی قسم فرمائی کیونکہ اس میں قدرت کے دلائل ہیں یا اللہ تعالیٰ نے مطلق زمانہ کی قسم فرمائی کیونکہ اس کے گزرنے میں مختلف اقسام کے عجائبات کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔

۲۔ ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِٖ لَكَنُفٍ﴾ بے شک انسان نقصان میں ہے یعنی جس انسان اپنی تجارت میں سراسر نقصان و خسارے میں ہے [یہ آیت مبارکہ قسم کا جواب ہے]۔

۳۔ ﴿إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ ماسوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے کیونکہ انہوں نے دنیا کے عوض میں آخرت کو خرید لیا، سو انہوں نے اپنی تجارت میں نفع حاصل کر لیا اور وہ کامیاب و کامران اور نیک بخت و سعادت مند ہو گئے ﴿وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ﴾ اور وہ ایک دوسرے کو حق بات کی وصیت و تاکید کرتے رہے (یعنی) ایسے کام کی تاکید کرتے رہے جو ثابت و برحق اور مبنی بر صداقت ہے جس کا انکار جائز نہیں اور وہ سراسر تمام کا تمام خیر و بھلائی پر مشتمل ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی عبادت و اطاعت اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کی اتباع و پیروی ﴿وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ اور وہ ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہے (یعنی) وہ لوگوں کو گناہوں سے بچنے اور عبادات و اطاعت پر قائم رہنے اور ان مصیبتوں پر صبر کرنے کی تلقین کرتے رہے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا رہتا ہے [”وَتَوَاصَوْا“ دونوں جگہ فعل ماضی ہونے کی بناء پر اپنے سے پہلے ”وَعَمِلُوا“ فعل ماضی پر معطوف ہے]۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ الہمزہ کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی نو آیات ایک رکوع ہے

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۱ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۲ يَحْسَبُ أَنَّ مَا لَهُ أَخْلَدًا ۳ كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۴ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ۵ ط

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ ”وَالْعَصْرِ“ سے مراد وہ عہد ہمایوں ہے جب یہ جہاں حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود سے منور ہوا۔ ویسے تو ہر زمانہ اس سورت میں بیان کردہ مضامین کی حقانیت کا گواہ ہے لیکن جیسی اہل ناقابل تردید شہادت عہد مصطفوی نے دی ہے اس کی کہیں نظیر نہیں مل سکتی جن لوگوں نے دعوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول نہ کیا وہ اپنی امارتوں، ریاستوں اور گونا گوں دیگر خصوصیتوں کے باوجود دنیا سے مٹ گئے نیست و نابود ہو گئے انسانیت نے ان کو فراموش کر دیا اور جن کی کچھ یاد باقی ہے ان کا نام گالی کے طور پر ہی استعمال ہوتا ہے، لیکن جن خوش نصیبوں نے اس ہادی برحق کی دعوت کو قبول کر لیا اور اس کی غلامی کی سعادت سے بہرہ ور ہونے کے باعث ان چار خوبیوں سے اپنی زندگی کا دامن بھر لیا وہ انسانیت کی آبرو بن گئے، چشم گیتی کا نور، گلشن ہستی کی بہار اور فخر روزگار بن گئے ان کا نام زبان پر آتا ہے تو پاک بازی اور نفع رسانی کی دنیا میں نور پھیل جاتا ہے۔ ان کے ذکر سے طاغوتی طاقتوں پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے ایک لاکھ چوبیس ہزار قدسیوں کا یہ گروہ اور ان کے نقوش پا کو خضر راہ بنانے والے کاروان انسانیت کی قیادت کا فریضہ ادا کرتے رہے ہیں انہوں نے اپنی اللہیت اور خلوص عمل سے انسان کے سرفنکار کو بلند کر دیا ہے اس لیے اگر ”وَالْعَصْرِ“

سے عہد رسالت مراد لیا جائے تو نہایت موزوں ہوگا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۶۵۳-۶۵۴)

نَارُ اللَّهِ الْمَوْقَدَةُ ۖ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْإِفْدَةِ ۖ إِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّوَصَّدَةٌ ۗ^۱
 فِي عَمَدٍ مُّمدَّدةٍ ۗ^۲

ہر طعنہ زنی کرنے والے چغل خور کے لیے ہلاکت ہے۔ جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ بے شک اس کا مال اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا۔ ہرگز نہیں! وہ ضرور توڑ کر ریزہ ریزہ کرنے والی (آگ) میں پھینکا جائے گا۔ اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ توڑ پھوڑ کر کے ریزہ ریزہ کرنے والی کیا چیز ہے؟ وہ اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔ جو دلوں پر چڑھ جائے گی۔ بے شک وہ (آگ) ان پر بند کر دی جائے گی۔ لے لے ستونوں میں۔

طعنہ دینے والے چغل خوروں اور ذخیرہ اندوزی کرنے والوں کی مذمت

۱- ﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ﴾ ہر زبان طعن دراز کرنے والے کے لیے ہلاکت و تباہی ہے یعنی جو شخص لوگوں کے پیچھے ان کی غیر موجودگی میں ان کے عیب بیان کرتا ہے ﴿لَمَزَةٍ﴾ عیب جوئی کرنے والا ہے یعنی جو شخص لوگوں کے سامنے ان کی عیب جوئی کرتا ہے اور یہ ”فُعَلَةٌ“ کے وزن پر ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ عیب جوئی کرنا اس بد بخت کی عادت ہے [”وَيْلٌ“ مبتدا ہے جب کہ ”لِكُلِّ هُمَزَةٍ لَمَزَةٍ“ اس کی خبر ہے]۔

شان نزول: بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیات مبارکہ اخص بن شریق کے بارے میں نازل ہوئیں اور بعض حضرات نے یہ کہا کہ یہ آیات مبارکہ امیہ بن خلف کے بارے میں نازل ہوئیں اور بعض حضرات نے یہ کہا کہ یہ آیات مبارکہ ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئیں اور یہ ممکن و جائز ہے کہ ان آیات مبارکہ کے نزول کا سبب خاص ہو اور ان کی وعید و صہمکی عام ہو تاکہ یہ آیات مبارکہ ہر اس شخص کو شامل ہوں جو اس فتنہ و بدترین بُرائی میں مبتلا ہو۔

۲- ﴿إِلَّا الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ﴾ جس نے مال کو جمع کیا اور اسے گن گن کر ذخیرہ کر رکھا یعنی وہ اپنا مال گن گن کر جمع کرتا رہتا کہ اس کا یہ مال زمانہ کے مصائب و آلام اور حوادث میں کام آسکے [”الَّذِي“ ”كُلٌّ“ سے بدل ہے یا پھر ذم کی بناء پر منصوب ہے اور قاری ابن عامر شامی حمزہ کوئی اور علی کسائی کی قراءت میں مبالغہ کے لیے (میم مشدّد کے ساتھ باب تفعیل سے) ”جَمَعَ“ پڑھا جاتا ہے اور یہ اس صورت میں ارشاد باری تعالیٰ ”عَدَّدَهُ“ کے مطابق ہے]۔

۳- ﴿يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ﴾ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ بے شک اس کا مال اسے ہمیشہ رکھے گا یعنی وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اسے دنیا میں ہمیشہ زندہ و جاوذاں رکھے گا وہ کبھی نہیں مرے گا یا پھر یہ کلام مبارک نیک اعمال اپنانے کے لیے

کفار مکہ یوں تو سب کے سب حضور سرور عالم ﷺ سے بغض و عناد رکھتے تھے لیکن ان میں چند ایسے گستاخ و بد باطن بھی تھے جو جھوٹے الزامات لگانے اور بہتان تراشی میں پیش پیش تھے۔ ان کی کیفیت بھی یکساں نہ تھی، کچھ ایسے تھے جو پس پشت تو غیبت و عیب جوئی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے لیکن روبرو کوئی ناروا بات کہنے کی وہ جسارت نہ کرتے۔ بعض بد بخت اور بے حیاء ایسے بھی تھے جو منہ پر بھی طعن و تشنیع سے باز نہ آتے۔ یہ آیات مبارکہ انہیں کفار کے بارے میں نازل ہوئیں جو حضور سید عالم ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام پر زبان طعن کھولتے تھے اور ان حضرات کی غیبت و عیب جوئی کرتے تھے جیسے اخص بن شریق، امیہ بن خلف اور ولید بن مغیرہ وغیرہم اور اخص بن شریق ان کا سر غنہ تھا اور یہ حکم ہر غیبت کرنے والے کے لیے عام ہے۔

(ماخوذ از: تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۶۵۶، تفسیر خزائن العرفان ص ۱۰۸۲، مطبوعہ ضیاء القرآن لاہور)

تعریف ہے کہ اسے مال جمع کرنے کی بجائے نیک اعمال کرنے چاہئیں اور بے شک یہ نیک اعمال ہی ہیں جو اپنے ساتھی کو دائمی نعمتوں میں ہمیشہ زندہ رکھیں گے لیکن رہا مال تو یہ کسی کو ہمیشہ زندہ نہیں رکھ سکتا۔

۴- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! اس کلمہ کے ذریعے اسے گمان باطل اور خیال فاسد سے روکا گیا ہے ﴿لَيُبَدِّلَنَّهُ﴾ البتہ اسے ضرور پھینکا جائے گا جس نے مال جمع کیا اور گن گن کر ذخیرہ کرتا رہا ﴿فِي الْحُطْمَةِ﴾ توڑ پھوڑ کر چورہ چورہ کرنے والی آگ میں جس کی شان یہ ہے کہ وہ ہر اس چیز کو توڑ پھوڑ کر ریزہ ریزہ کر دیتی ہے جو اس میں ڈال دی جائے۔

۵- ﴿وَمَا آذُنَاكَ مَا الْحُطْمَةُ﴾ اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ چورہ چورہ کر دینے والی کیا چیز ہے؟ اس کلام مبارک سے دوزخ کی آگ پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے اور اس آگ کی سخت ترین بڑائی کا اظہار کیا گیا ہے۔

۶، ۷- ﴿نَارُ اللَّهِ الْمَوْقِدَةُ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے [”نَارُ اللَّهِ“ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی اصل میں ”هِيَ نَارُ اللَّهِ“ ہے ”الْمَوْقِدَةُ“ اس کی صفت ہے] ﴿الَّتِي تَطْلِمُ عَلَى الْأَخْيَادِ﴾ وہ دلوں پر چڑھ جائے گی یعنی بے شک یہ آگ ان کے پیٹوں میں داخل ہو جائے گی یہاں تک کہ وہ ان کے سینوں میں پہنچ جائے گی اور ان کے دلوں کے درمیان میں پہنچ کر ان پر چھا جائے گی۔ ”أَفِيدَةُ“، ”فُؤَادُ“ کی جمع ہے اور ”فُؤَادُ“ روح کے متصل دل کے وسط اور درمیان میں ہوتا ہے اور انسان کے بدن میں ”فُؤَادُ“ سے زیادہ لطیف اور کوئی چیز نہیں ہے اور انسان کے جسم میں ادنیٰ سی اذیت پہنچنے پر یہ سب سے زیادہ تکلیف محسوس کرتا ہے پھر بھلا جب اس پر دوزخ کی آگ چڑھ جائے گی اور اس پر غالب آ جائے گی اور ہر طرف سے گھیر لے گی تو اس وقت اس کی کیا حالت ہوگی! اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ دلوں کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ یہی دل کفر و شرک اور عقائد باطلہ اور فاسدہ کا مرکز و منبع ہوتے ہیں اور ان پر آگ کے چڑھ جانے کا مطلب یہ ہے کہ آگ انہیں ہر طرف سے گھیر لے گی اور ان پر چھا جائے گی۔

۱- یعنی یہ وہ آگ ہے جو کبھی سرد نہیں ہوتی، یہ دنیا کی جلائی ہوئی آگ کی طرح نہیں ہے جو آخر کار بجھ جاتی ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے جلایا گیا ہے حدیث شریف میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہاری آگ جہنم کی آگ کا ستر واں حصہ ہے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ آگ بھی کافی تھی آپ نے فرمایا: جہنم کی آگ تمہاری آگ پر بہتر درجہ زیادہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۶۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۳۳، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:

۳۳۱۸، مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۳، سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۸۳۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایک ہزار سال تک دوزخ کی آگ کو بھڑکانا اور تیز کیا گیا یہاں تک کہ وہ سرخ ہوگئی پھر اس کو ایک ہزار سال تک بھڑکانا گیا یہاں تک کہ وہ سفید ہوگئی پھر اس کو ایک ہزار سال بھڑکانا گیا یہاں تک کہ وہ سیاہ ہوگئی پس وہ سیاہ اندھیری ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۹۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۲۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دوزخ میں صرف شتی و بد بخت داخل ہوگا پوچھا گیا: یا رسول اللہ! شتی (بد بخت) کون ہے؟ فرمایا: جو اللہ تعالیٰ (کی رضا) کے لیے کوئی عبادت و طاعت نہ کرے اور اللہ تعالیٰ (کے خوف سے) کوئی گناہ ترک نہ کرے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۹۸، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۹)

(ماخوذ از: تفسیر تبيان القرآن ج ۱۲ ص ۹۷۷)

۸۔ ﴿إِنهَا عَلَيْهِمْ مُّوَصَّدَةٌ﴾ یعنی بے شک ان لوگوں پر دوزخ کی آگ یا ہلمہ بند کی جائے گی (نہ نکل سکیں گے نہ نجات حاصل کر سکیں گے بلکہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)۔

۹۔ ﴿فِي عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ﴾ لے لے ستونوں میں ہوں گے یعنی ان پر دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور دروازوں پر لے لے مضبوط و پختہ ستون ہوں گے۔

حدیث شریف میں ہے کہ مؤمن عقل مند ہوشیار ذہین و سمجھ دار خوب آگاہی رکھنے والا صائب رائے رکھنے والا بردبار ہوتا ہے وہ جلد بازی نہیں کرتا وہ علم والا پرہیزگار ہوتا ہے اور منافق زبان طعن دراز کرنے والا چغل خور عیب جوئی کرنے والا لوگوں کو لڑانے والا فسادی ہوتا ہے وہ کلام میں رطب و یابس ملانے والے شخص کی طرح ہر سنی سنائی باتوں کے ذریعے لگائی بجھائی میں لگا رہتا ہے وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ اس نے کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا [امام حفص کی قراءت میں "فِي عَمَدٍ" میں عین اور میم کو مفتوح پڑھا جاتا ہے جب کہ ان کے علاوہ دیگر کوفیوں کی قراءت میں عین اور میم کو مضموم کے ساتھ "فِي عَمَدٍ" پڑھا جاتا ہے اور یہ دونوں لغتیں مستعمل ہیں اور یہ "عَمَاد" کی جمع ہے جیسے "اَهَاب" اور "اَهَب" اور "حِمَار" اور "حَمَر" ہے]۔

رَبِّكَ تَعَالَى
حَرُوفًا تَعَالَى

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الفیل
مذکورہ

سورۃ الفیل کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی پانچ آیات ایک رکوع ہے

الْحُرَّتْ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ۱
الَّذِي جَعَلَ كَيْدَهُمْ
فِي تَضْلِيلٍ ۲
وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ۳
تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ
مِّن سِجِّيلٍ ۴
فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ۵

(اے محبوب!) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ ۰ کیا اس نے ان کے مکرو فریب کو تباہی میں نہیں ڈال دیا؟ ۰ اور اس نے ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے ۰ وہ ان پر پتھر کی کنکریاں پھینکتے تھے ۰ سو اس نے انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا ۰

کعبہ شریف کی عظمت اور حملہ آور ہاتھی والوں کی ہلاکت کا بیان

۱۔ ﴿الْحُرَّتْ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ﴾ (اے محبوب!) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ اور "الْم تَر" میں استفہام (سوالیہ کلام) کے ذریعے تعجب دلایا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محترم و مکرم نبی کریم ﷺ کو عرب کے کفر پر تعجب دلایا ہے (کہ عرب کے لوگ اس واقعہ کے مشاہدہ کرنے کے بعد بھی ابھی تک کفر پر قائم ہیں) حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے اس عظیم ترین نشانی کا مشاہدہ کر چکے ہیں اور معنی یہ ہے کہ بے شک حبشہ والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پکڑ اور گرفت کے آثار آپ دیکھ چکے ہیں اور اس کے متعلق آپ متواتر خبریں سن چکے ہیں سو یہ واقعہ آپ کے لیے مشاہدہ کے قائم مقام ہو چکا ہے۔

۲۔ واضح ہو کہ پرندوں کے کنکریاں مارنے کا واقعہ اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی قدرت پر دلیل ہے اور اس میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مروی ہے کہ حبشہ (جسے ایتھوپیا کہا جاتا ہے) کے بادشاہ اصحمہ نجاشی کی طرف سے یمن کے گورنر ابرہہ بن صباح نے یمن کے دار الحکومت صنعاء میں ایک بہت بڑا قیمتی گرجا تعمیر کیا اور اس کا نام قلیس رکھا اور اس نے چاہا کہ حج کرنے والے لوگ بجائے کعبہ شریف میں جانے کے صنعاء میں آکر اس گرجے کا طواف کیا کریں (جب یہ خبر عرب کو پہنچی) تو قبیلہ بنو کنانہ کا ایک آدمی گھر سے روانہ ہو کر صنعاء میں پہنچا اور رات کو گرجا میں ٹھہرا اور اس میں بول و براز کر دیا، پھر اسے آگ لگا دی جس کی وجہ سے ابرہہ غضب ناک ہو گیا، ایک اور روایت میں یہ کہا گیا ہے کہ عرب کے چند نوجوانوں نے گرجا میں جا کر آگ جلائی اور ہوا بہت تیز تھی جس کی وجہ سے آگ زبردست بھڑک اٹھی اور سارے گرجے کو جلا دیا، سوا ابرہہ نے قسم کھالی کہ وہ کعبہ معظمہ کو ضرور گرا دے گا، پھر وہ ایک بھاری لشکر لے کر حبشہ سے روانہ ہوا اور اس کے ساتھ ایک ہاتھی تھا جس کا نام محمود تھا اور یہ ہاتھی بہت قوی و طاقتور اور بہت بڑا تھا اور اس کے علاوہ ابرہہ کے ساتھ مزید بارہ ہاتھی بھی تھے، چنانچہ جب ابرہہ (مکہ مکرمہ سے دو میل کے فاصلے پر) منعمس کے مقام پر پہنچا تو اس کے پاس حضرت عبدالمطلب تشریف لائے اور وادی ہبامہ کے اموال میں سے ایک تہائی مال دینے کی اسے پیش کش فرمائی تا کہ ابرہہ کعبہ معظمہ کو گرائے بغیر واپس لوٹ جائے، سو اس نے انکار کر دیا اور اپنے لشکر کو پیش قدمی کی تیاری کا حکم دے دیا اور محمود نامی ہاتھی کو سب سے آگے رکھا، چنانچہ جب وہ لوگ اس ہاتھی کا منہ حرم شریف کی طرف کرتے تو وہ بیٹھ جاتا اور کوشش کے باوجود نہ اٹھتا اور جب اس کا منہ یمن کی طرف کرتے تو وہ دوڑ پڑتا، پھر اللہ تعالیٰ نے ابابیل نامی پرندوں کو بھیج دیا، ہر پرندہ کے ساتھ تین کنکریاں ہوتی تھیں، ایک اس کی چونچ میں اور دو کنکریاں اس کے دونوں پنجوں میں ہوتی تھیں اور یہ کنکریاں مقدار میں مسور کے دانے سے بڑی اور چنے سے قدرے چھوٹی ہوتی تھیں (لیکن زخمی کرنے اور کاٹنے میں ایٹم بم کی طرح تیز تھیں) چنانچہ جس شخص کے سر پر کنکری گرتی تو وہ پورے جسم کو چیرتے ہوئے اس کی مقعد (پاخانہ کی جگہ) سے پار نکل جاتی اور پتھر کی ہر کنکری پر اس شخص کا نام درج ہوتا جس پر وہ کنکری گری، سو تمام لوگ ابابیل کو حملہ آور دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے، لیکن ان پرندوں کے حملوں کی زد میں آکر سب کے سب ہلاک ہو گئے اور ابرہہ تو وہ نہ مرا یہاں تک کہ اس کا سینہ اس کے دل کی جانب سے پھٹ گیا جس کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو گئی اور ابرہہ کا وزیر ابو یسوم چپکے سے بھاگ نکلا، لیکن ایک پرندہ اس کے سر کے اوپر اس کے ارد گرد حلقہ کی صورت میں اڑتا رہا یہاں تک کہ وہ نجاشی کے پاس پہنچ گیا اور اسے سارا قصہ بیان کیا اور جب وہ یہ قصہ پورا بیان کر چکا تو

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضور نبی کریم ﷺ کے شرف و عظمت کا ظہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بعثت سے پہلے آپ کے لیے ایک خلاف عادت اور خلاف معمول امر (معجزہ) ظاہر فرمایا اور نبی کی بعثت سے پہلے بھی معجزہ کا ظہور جائز ہے اور اس کو اصطلاح میں اراہص کہتے ہیں اور یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ اس کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس میں کوئی شعبہ یا کوئی حیلہ ہے اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ احادیث ضعیفہ کی طرح ہے کیونکہ جس سال ہاتھیوں والا واقعہ ہوا تھا، اسی سال ہمارے محترم و مکرم نبی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تھی اور اس کے چالیس سال بعد آپ نے نبوت کا اعلان فرمایا اور اس کے کچھ دنوں بعد مکہ مکرمہ میں یہ سورت نازل ہوئی، اگر بالفرض یہ واقعہ نہ ہوا ہوتا تو مکہ میں آپ کے بہت مخالفین تھے وہ سب آسمان سر پر اٹھا لیتے کہ ایسا کچھ نہیں ہوا تھا، نہ ابرہہ ہاتھیوں کے ساتھ فوج لے کر آیا تھا نہ اس کی فوج کے اوپر پرندوں نے کنکریاں ماری تھیں، ایسا کچھ نہیں ہوا تھا اور جب کسی نے اس سورت کے نازل ہونے کے بعد اس کی تکذیب نہیں کی اور اس کو نہیں جھٹلایا تو معلوم ہو گیا کہ یہ واقعہ سب کے نزدیک تسلیم شدہ اور مشہور و معروف تھا، لہذا یہ واقعہ حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت پر زبردست دلیل ہے اور یہ وہ معجزہ ہے جو آپ

کے اعلان نبوت سے پہلے ظاہر ہوا۔ (ماخوذ از: تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۹۸۱-۹۸۲)

پرنڈے نے اس کے سر پر کنکری گرا دی جس کے سبب وہ نجاشی بادشاہ کے سامنے مر کر گر پڑا۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ابرہہ نے حضرت عبدالمطلب کے دو سواونٹ پکڑ لیے تھے اور حضرت عبدالمطلب اپنے اونٹ لینے اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی نظر اور دل میں آپ کی ہیبت و عظمت موجزن ہو گئی کیونکہ آپ گورے چنے، سڈول اور مضبوط قوی والے نہایت حسین و جمیل اور بارعب انسان تھے اور ابرہہ کو بتایا گیا کہ یہ قریش کے سردار ہیں اور مکہ مکرمہ میں آنے والے قافلوں کے منتظم ہیں جو میدان میں لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر پرنڈوں کو کھانا کھلاتے ہیں پھر آپ نے اس کے سامنے اپنی حاجت کا ذکر کیا تو ابرہہ نے کہا کہ آپ کے محترم و معزز ہونے کے باوجود اب میری نظر میں آپ کی وقعت گر گئی ہے کیونکہ میں تو اس گھر کو مٹانے اور گرانے آیا ہوں جو آپ کا اور آپ کے آباء و اجداد کا دین و مذہب ہے اور زمانہ قدیم سے تمہاری عظمت و فضیلت کا سبب ہے لیکن آپ کو چند اونٹوں نے اس گھر سے غافل کر دیا ہے جن کو میں نے پکڑ لیا ہے، حضرت عبدالمطلب نے فرمایا کہ میں اونٹوں کا مالک ہوں اور اس مقدس گھر کا مالک اللہ تعالیٰ ہے وہ عنقریب اس کی ضرور حفاظت فرمائے گا اور اس کو ضرور بچائے گا۔

۲- ﴿الْحَمُّ يَجْعَلُ كَيْدًا هَرَفِي تَضْلِيلٍ﴾ کیا اللہ تعالیٰ نے ان کے مکر و فریب کو تباہی میں نہیں ڈال دیا (یعنی) ان کے مکر و فریب کو ضائع اور نیست و نابود کر دیا، چنانچہ جب کوئی شخص کسی کے مکر و فریب کو ضائع اور باطل کر دے تو کہا جاتا ہے: "ضَلَّلَ كَيْدَهُ" اور امراء القیس کے لیے "الْمَلِكُ الضَّلِيلُ" کہا گیا کیونکہ اس نے اپنے باپ کی بادشاہی کو ضائع کر دیا تھا یعنی حبشہ والوں نے پہلے قلیس نامی عظیم الشان قبیلے کو جو تعمیر کر کے بیت اللہ شریف کے خلاف مکر و فریب کیا تا کہ حج کرنے والوں کو بیت اللہ شریف کی بجائے گرجا کی طرف متوجہ کیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں آگ بھڑکا کر اسے جلا دیا اور ان کے مکر و فریب کو ضائع اور نیست و نابود کر دیا، پھر بعد ازاں انہوں نے بیت اللہ شریف کو گرانے اور اسے مٹانے کا ارادہ کر کے دوسری بار اس کے ساتھ مکر و فریب کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ابابیل پرنڈوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج کر ان کے مکر و فریب کو ضائع اور باطل کر دیا۔

۳- ﴿وَ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ابابیل پرنڈے بھیج دیے۔ "ابابیل" کا معنی ہے: مختلف و متفرق جماعتیں، گروہ در گروہ اور جھنڈ کے جھنڈ، اس کا واحد "ابابئ" ہے علامہ زجاج نے کہا کہ ادھر سے ادھر سے (چاروں اطراف سے) پرنڈوں کے جھنڈ کے جھنڈ اور گروہ در گروہ ایک دوسرے کے پیچھے لگا تار آنے والے۔

۴- ﴿تَدْرِمِيهِمْ بِجِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ﴾ وہ (پرنڈے) ان پر پتھر لے کر مارتے تھے [حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت میں "يَرْمِيهِمْ" پڑھا گیا ہے اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان پر پتھر کے کنکر مارتا تھا، یا اس کا فاعل "طَيْرًا" ہے یعنی پرنڈے ان پر پتھر لے کر پھینکتے تھے کیونکہ "طَيْرًا" اسم جمع مذکر ہے اور یہ صرف معنی کی تاویل پر مؤنث ہے اور "سِجِّيلٍ" سنگ گل سے معرب ہے اور جمہور مفسرین اسی پر متفق ہیں یعنی پکی اینٹ]۔

۵- ﴿فَجَعَلَهُمْ كَعَصِفٍ مَّا كُوِلٍ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا (یعنی) ایسی کھیتی کی طرح جس کو کیڑے کھا جائیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ قریش کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی چار آیات ایک رکوع ہے

لَا يُلْفِ قُرَيْشٌ ۱۱ الْفِهْمُ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ۲ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ

هَذَا الْبَيْتِ ۳ الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّنْ جُوعٍ ۴ وَأَمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ ۵

قریش کو مانوس کرنے کے لیے ۰ ان کو سردی اور گرمی کے (تجارتی) سفر کی الفت عطا کی گئی ۰ سوا نہیں چاہیے کہ وہ اس گھر (کعبہ) کے مالک کی عبادت کیا کریں ۰ جس نے انہیں بھوک میں کھانا کھلایا اور ان کو خوف سے امن عطا کیا ۰

قریش کی فضیلت اور عظیم ترین احسان کے سبب انہیں عبادت کا حکم

۱- ﴿لَا يُلْفِ قُرَيْشٌ﴾ قریش کو راغب و مانوس کرنے کے لیے۔ اس کا ”فَلْيَعْبُدُوا“ سے تعلق ہے (یعنی) دو تجارتی سفروں کے لیے قریش کو راغب و مانوس کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وہ صرف اسی کی عبادت کیا کریں [”فَلْيَعْبُدُوا“ میں حرف ”فا“ اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ اس کلام میں شرط کا معنی پایا جاتا ہے] یعنی بے شک ان پر اللہ تعالیٰ کی اس قدر بے حساب نعمتیں ہیں کہ ان کو شمار نہیں کیا جاسکتا، سوا گروہ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں پر اس کی عبادت نہیں کر سکتے تو انہیں چاہیے کہ وہ اس ایک عظیم الشان نعمت (یعنی تجارتی سفر کی رغبت دلانے) پر صرف اسی کی عبادت کریں یہ نعمت ظاہر و عیاں ہے [یا ”لَا يُلْفِ قُرَيْشٌ“ کا تعلق ماقبل سے ہے یعنی ”فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّا كُوْلُ“ (الفیل: ۵) سے تعلق ہے] (ترجمہ:) سو اللہ تعالیٰ نے قریش کو راغب و مانوس کرنے کے لیے ہاتھی والوں کو ہلاک کر کے کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا یعنی وہ ہلاکت قریش کو رغبت و انس دلانے کے لیے تھی اور یہ اس طرح ہے جس طرح شعر میں تضمین ہوتی ہے اور وہ یہ کہ بیت اللہ شریف جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے کے معنی کا صحیح تعلق اس کے بغیر ہو نہیں سکتا اور ان دونوں سورتوں کو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصحف میں بغیر کسی فاصلہ کے ایک سورت قرار دیا گیا ہے اور قاری علی کسائی سے ان دونوں سورتوں کے درمیان بسم اللہ شریف کو ترک کر کے متصل پڑھنا روایت کیا جاتا ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اہل حبشہ کو ہلاک کر دیا جنہوں نے قریش کو رسوا کرنے کا قصد و ارادہ کر لیا تھا تا کہ لوگ (ہلاکت کی) یہ

۱۔ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کی دو قسمیں ہیں: (۱) ضرر کو دور کرنا (۲) نفع عطا فرمانا اللہ تعالیٰ نے قریش پر دونوں قسم کے انعامات فرمائے اور چونکہ دفع ضرر حصول نفع پر مقدم ہے اس لیے سورۃ الفیل میں ان کے دشمن ابرہہ کے لشکر کو ہلاک کرنے کا ذکر فرمایا جو بیت اللہ شریف کو گرانے کے لیے آیا تھا جس کی وجہ سے پوری عرب دنیا میں ان کی عزت اور وقار تھا اور سورۃ القریش میں ان کو تجارتی سفر کے لیے راغب کرنے کی نعمت کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ انعام فرمایا کہ ان میں تجارت کرنے کی رغبت پیدا کی اور موسم گرما میں اور موسم سرما میں ان کو دوسرے شہروں میں تجارت کے لیے سفر کرنے پر تیار کیا جس کی وجہ سے وہ خوش حال ہو گئے، گرمیوں میں وہ ملک شام کی طرف سفر کرتے تھے اور سردیوں میں وہ یمن کی طرف سفر کرتے تھے اور چونکہ ہر نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا واجب و لازم ہوتا ہے اس لیے فرمایا: چونکہ ہم نے قریش کو یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں اس لیے ان پر واجب ہے کہ وہ اس کا شکر ادا کرنے کے لیے بیت اللہ شریف کے رب تعالیٰ کی عبادت کیا کریں۔

(ماخوذ مبع تقدیم و تاخیر از: تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۹۸۹-۹۸۷ مطبوعہ فرید بک پبلشرز اردو بازار لاہور)

خبر سنیں تو وہ قریش کا اس طرح احترام کریں جس طرح صاحب فضیلت بزرگ کا احترام کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کے لیے ان کے دونوں سفروں میں امن و سکون کا انتظام فرمادیا، چنانچہ کوئی شخص ان پر حملہ کرنے اور لوٹ مار کرنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا (جب کہ دیگر قافلوں کو دوران سفر لوٹ لیا جاتا تھا) اور بعض حضرات کا فرمان ہے کہ معنی یہ ہے کہ انہوں نے قریش کی تجارتی سفر کے لیے ترغیب و تحریک پر تعجب کیا اور جب کہ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ”الْفَتْةُ الْفَاءُ وَالْآفَاءُ“ (فعل لازم سے) بولا اور پڑھا جاتا ہے اور قریش حضرت نصر بن کنانہ کی اولاد کو کہا جاتا ہے۔

۱۔ قریش عرب کا ایک مشہور اور معزز ترین قبیلہ ہے اس کا اطلاق نصر کی اولاد پر ہوتا ہے جس کا نسب نامہ یہ ہے: نصر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر۔ بعض علماء کے نزدیک نصر کے پوتے فہر بن مالک کی اولاد کو قریش کہا جاتا ہے لیکن پہلا قول صحیح ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات سے بھی اسی قول کی تصدیق ہوتی ہے ارشاد ہے:

ہم نصر بن کنانہ کی اولاد ہیں نہ ہم اپنی ماؤں پر تہمت لگاتے ہیں اور نہ ہم اپنے باپوں سے اپنے نسب کی نفی کرتے ہیں یعنی ہمیں اپنی ماؤں کی عفت و پاک دامنی اور اپنے باپوں کی شرافت و بزرگی پر ناز ہے۔

دوسرا ارشاد ہے: بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل کی اولاد کو اور حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو اور بنو کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو منتخب فرمایا۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ کنانہ کے بیٹے نصر کی اولاد قریش کہلائی۔ کنانہ کے دوسرے بیٹوں کی اولاد کا شمار (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر) قریش میں نہیں ہوتا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۶۷۱)

قریش کے فضائل: (۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک لوگ دین میں قریش کے تابع ہیں، مسلمان مسلمان کے تابع ہیں اور کافر کافر کے تابع ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۹۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۱۸، مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۱)

(۲) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگ خیر اور شر (یعنی نیکی اور بدی) میں قریش کے تابع ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۱۹، مسند احمد ج ۱ ص ۷۹)

(۳) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دین اسلام بارہ خلفاء تک مسلسل غالب رہے گا وہ تمام خلفاء قریش میں سے ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۲۲۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱۲۱، مسند احمد ج ۵ ص ۱۰۱)

(۳) حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے قریش کو ذلیل کرنے کا ارادہ کیا، اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کر دے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۹۰۵، مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۱)

(۴) حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سات وجوہ سے قریش کو فضیلت دی ہے: (۱) میں قریش میں ہوں (۲) نبوت ان میں ہے (۳) حجابت ان میں ہے (۴) زمزم سے پانی پلانے کا منصب ان میں ہے (۵) اصحاب اخیال (ہاتھی والوں) کے خلاف اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی (۶) انہوں نے دس سال اللہ سبحانہ کی عبادت کی اس وقت ان کے علاوہ اور کوئی عبادت نہیں کرتا تھا (۷) اللہ سبحانہ نے ان کے متعلق قرآن مجید کی ایک سورت نازل فرمائی پھر آپ نے سورہ قریش کی تلاوت فرمائی۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۳۶ طبع قدیم، المستدرک رقم الحدیث: ۳۹۷۵، المکتبۃ العصریہ، کنز العمال ج ۱۲ ص ۲۷)

(نوٹ: ماخوذ از تفسیر بیان القرآن ج ۱۲ ص ۹۸۷، نیز تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۳۴۷، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی)

(۱) اور اہل عرب نے ان کا یہ نام قریش سے تصغیر کی بناء پر رکھا ہے اور قریش سمندری جانوروں میں سب سے بڑا اور طاقتور جانور ہے (جو مقابلہ میں ہمیشہ غالب رہتا ہے، مغلوب نہیں ہوتا) اور وہ کشتیوں کے ساتھ کھیلتا ہے اور انہیں لٹا دیتا ہے اور اسے صرف آگ کے ذریعے پکڑا جاسکتا ہے اور یہ تصغیر تعظیم کے لیے ہے اور اہل عرب نے اس قبیلہ کا قریش نام اس لیے رکھا ہے کہ یہ قبیلہ بڑا طاقتور اور مخالفین کی گرفت کرنے میں بہت سخت تھا اور اپنی حفاظت و دفاع میں بہت ہوشیار تھا اس لیے اسے سمندری طاقتور اور غالب رہنے والے قریش نامی جانور کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے (۲) بعض حضرات نے کہا ہے کہ قریش بہ معنی کسب (یعنی کمانا) ہے کیونکہ قریش کے لوگ اپنی تجارت اور مختلف ممالک کے سفر کے ذریعہ خوب کماتے تھے اس لیے انہیں قریش کہا جاتا ہے۔

۲۔ ﴿الْفِجْءُ رِحْلَةُ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ﴾ ان کو سردیوں میں اور گرمیوں میں تجارتی سفر کے لیے راغب کیا گیا ہے [پہلے "ایلاف" مطلق بیان کیا گیا، پھر دو سفروں کے ساتھ مقید "ایلاف" کو اس سے بدل بنایا گیا تاکہ "ایلاف" کے عمل کے لیے تعظیم کا اظہار ہو جائے اور اس میں عظیم الشان نعمت کی یاد دہانی ہو جائے اور "رِحْلَةُ" کا نصب "إِسْلَافِهِمْ" کے مفعول بہ ہونے کی بناء پر ہے اور اس سے "رِحْلَتِي الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ" مراد ہے اور التباس و اشتباہ سے امن ہونے کی بناء پر مفرد ذکر کیا گیا ہے] اور قریش کے لیے دو تجارتی سفر تھے کیونکہ سردیوں میں وہ یمن کی طرف تجارت کے لیے سفر کرتے تھے اور گرمیوں میں شام کی طرف سفر کرتے تھے سو اس لیے وہ سفر کے لیے بہت آمدورفت رکھتے تھے اور وہ تجارت کا کاروبار کرتے تھے اور ان کے سفروں میں امن ہوتا تھا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حرم شریف کے پڑوس میں رہنے والے اور اس کے متولی تھے اس لیے ان کا تعاقب نہیں کیا جاتا تھا اور جب کہ ان کے علاوہ دوسرے قافلوں پر حملہ کر کے انہیں لوٹ لیا جاتا تھا۔

۳، ۴۔ ﴿فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ ۚ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ ۖ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ﴾ سو انہیں چاہیے کہ وہ اس گھر کے مالک کی عبادت کریں ۰ جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور انہیں خوف سے امن و سکون بخشا یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں دونوں تجارتی سفروں کے ذریعے سخت بھوک و افلاس میں مبتلا رہتے تھے اور انہیں ایک بہت بڑے خوف سے امن و سکون عطا فرمایا اور وہ سفروں سے پہلے وہ سخت بھوک و افلاس میں مبتلا رہتے تھے اور انہیں ایک بہت بڑے خوف سے امن و سکون عطا فرمایا اور وہ اصحاب فیل (یعنی ہاتھی والوں) کا خوف تھا یا انہیں شہروں میں اغوا ہونے کے خوف سے اور دوران سفر لوٹ مار کے خوف سے امن عطا فرمایا اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ایک دفعہ قریش مکہ کو سخت قحط سالی اور خشک سالی کا شکار ہونا پڑا تھا یہاں تک کہ انہوں نے مردار کھایا اور ہڈیاں جلا کر کھائیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جذام کی بیماری کے خوف سے امن بخشا، سو اس لیے جذام کا مرض ان کے شہر میں نہیں پہنچا تھا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ سب سہولتیں اور نعمتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت سے حاصل ہوئی تھیں۔

﴿الْبَاعُونَ﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿الْبَاعُونَ﴾

سورۃ الماعون کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی سات آیات ایک رکوع ہے

أَدْعِيَتِ الدِّينِ يُكذِّبُ بِالدِّينِ ۚ فَذٰلِكَ الَّذِي يَدْعُ الْيَتِيْمَ ۗ وَلَا
يَحْضُ عَلَىٰ طَعَامِ الْمُسْكِيْنِ ۚ فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّيْنَ ۗ الَّذِينَ هُمْ عَنْ

صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝

(اے محبوب!) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو روزِ جزاء کو جھٹلاتا ہے ۝ سو یہ وہی شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے ۝ اور وہ مسکین کو کھانے کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا ۝ سو ان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے ۝ جو اپنی نمازوں کو بھولنے والے ہیں ۝ وہ جو دکھاوا کرتے ہیں ۝ اور عام برتنے والی چیزیں مانگنے پر نہیں دیتے ۝

کافروں اور منافقوں کی مذمت کا بیان

نوٹ: سورۃ الماعون کے کئی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔

۱ تا ۳- ﴿أَدْعَيْتَ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ بِآيَاتِنَا﴾ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو روزِ جزاء کو جھٹلاتا ہے یعنی کیا آپ نے اس شخص کو پہچان لیا ہے جو جزاء کو جھٹلاتا ہے وہ کون ہے؟ اگر آپ نے اس کو نہیں پہچانا ﴿فَذَلِك﴾ تو وہ جو جزاء کو جھٹلاتا ہے وہی ہے ﴿الَّذِينَ يَدْعُوا إِلَيْتُمْ﴾ جو یتیم کو دھکے دیتا ہے یعنی وہ یتیم کو سختی کے ساتھ اور اذیت دے کر بہت زور سے دھکے دیتا ہے اور وہ اسے بدسلوکی کے ساتھ ڈانٹ کر بہت بُرے طریقے سے واپس لوٹا دیتا ہے ﴿وَلَا يَحْضُرُونَ عَلَى طَعَامِ الْمَسْكِينِ﴾ اور وہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا (یعنی) وہ اپنے گھر والوں کو مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔ جزاء کے جھٹلانے کے علم کو نیکی سے روکنا اور کمزور کو اذیت دینے کا اقدام قرار دیا گیا ہے یعنی اگر وہ جزاء پر ایمان لاتا اور عذاب پر یقین رکھتا تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ سے اور اس کے عذاب سے ڈرتا اور یتیم کو دھکے دینے اور مسکین کو کھانا نہ کھلانے کے عمل پر جرات نہ کرتا لیکن جب یہ اقدام کر لیا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ یقیناً جزاء کو جھٹلانے والا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ متصل منافقین کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

۴ تا ۷- ﴿فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ﴾

سوان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے ۝ جو اپنی نمازوں سے غافل رہتے ہیں ۝ وہ جو ریا کاری اور دکھاوا کرتے ہیں ۝ اور عام استعمال کی چیزیں مانگنے پر نہیں دیتے یعنی ان منافقوں کے لیے ہلاکت ہے جو تنہائی میں اور پوشیدہ طور پر نمازیں نہیں پڑھتے کیونکہ وہ نمازوں کو فرض اعتقاد نہیں کرتے اور وہ اعلانیہ اور لوگوں کے سامنے ریا کاری اور دکھاوے کے

شانِ نزول: علامہ اسماعیل حقی حنفی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس سے ابو جہل مراد ہے جو ایک یتیم بچے کا وصی اور سربراہ مقرر کیا گیا چنانچہ ایک دفعہ وہی یتیم بچہ ابو جہل کے پاس کپڑوں سے عاری اور برہنہ آیا اور ابو جہل سے نئے کپڑوں کا سوال کیا تو ابو جہل نے اسے ڈانٹا اور دھکے دے کر مایوس کر دیا قریش کے سرداروں نے بچے سے کہا کہ ابو جہل کے پاس (حضرت) محمد (مصطفیٰ ﷺ) کو سفارش کے لیے لے جا۔ اس سے ان کا مقصد استہزاء اور مذاق اڑانا تھا کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ کسی سائل کو محروم نہیں لوٹاتے تھے اس لیے آپ اس یتیم کے کہنے پر اس کے ساتھ سفارش کے لیے ابو جہل کے پاس تشریف لے گئے ابو جہل حضور سرور عالم ﷺ کو دیکھ کر (مجبوراً تعظیم کے لیے) کھڑا ہو گیا اور آپ کے سفارش کرنے پر یتیم کو بہت سامان دے دیا۔ قریش کے سرداروں نے ابو جہل کو شرم و عار دلائی اور کہا کہ تو صابی (بے دین) ہو گیا ہے ابو جہل نے کہا: بخدا میں صابی نہیں ہوا دراصل بات یہ ہوئی کہ میں نے ان کے (یعنی رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام) ساتھ ان کے ارد گرد نیزے ہی نیزے بردار دیکھے اگر میں ان کی بات نہ مانتا تو وہ نیزے بردار مجھ پر نیزوں سے حملہ کر دیتے۔

(ماخوذ از: تفسیر روح البیان مترجم جز ۳۰ ص ۵۷۹، مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور)

لیے نمازیں پڑھ لیتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان منافقوں کے لیے ہلاکت ہے جو اپنے آپ کو صورت اور ظاہر کے اعتبار سے نمازیوں کی جماعت میں داخل کرتے ہیں اور ان میں شامل ہو کر اپنے آپ کو نمازی ظاہر کرتے ہیں حالانکہ وہ اپنی نمازوں سے غافل ہوتے ہیں اور وہ ان نمازوں کے ساتھ اپنے پروردگار کے قرب و رضا کا ارادہ نہیں کرتے اور نہ وہ فرض کی ادائیگی کا اعتقاد رکھتے ہیں سو وہ یوں ہی اٹھتے بیٹھتے اور جھکتے اور سیدھے ہوتے رہتے ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ وہ کیا کرتے ہیں اور وہ لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ فرائض ادا کر رہے ہیں اور وہ زکوٰۃ اور اس کی منفعت کو روکتے ہیں۔

حضرت انس اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے ”عَنْ صَلَاتِهِمْ“ فرمایا اور ”فِي صَلَاتِهِمْ“ نہیں فرمایا کیونکہ ”عَنْ“ کا معنی ہے کہ وہ نمازوں سے غافل ہو چکے ہیں اس غفلت کی وجہ سے انہوں نے نمازوں کو ترک کر دیا ہے اور ان کی توجہ نمازوں کی طرف کم ہو گئی ہے اور یہ پکی اور سخت غفلت منافقوں کا فعل ہے جب کہ ”فِي“ کا معنی یہ ہے کہ شیطان کے وسوسہ سے یا نفس امارہ کے اکسانے کی وجہ سے ان پر غفلت عارضی طور پر طاری ہو جاتی ہے اور اس غفلت سے کوئی مسلمان خالی نہیں اور رسول اللہ ﷺ کو کسی حکمت و مصلحت کی بناء پر نماز میں عارضی طور پر کبھی سہو لاحق ہو جاتا تھا تو بھلا دوسرے لوگ اس سے کیسے خالی رہ سکتے۔

اور ”يُرَاءُ وَنَ“ باب مفاعلة ”مُرَاءَاةً“ سے ماخوذ ہے اور یہ ”إِدَاءَةٌ“ سے ماخوذ ہے کیونکہ ”مُرَائِي“ (دکھاوا کرنے والا) لوگوں کو اپنا عمل دکھاتا ہے جس پر لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں اور اس کے عمل پر تعجب کرتے ہیں اور فرائض کو ظاہر کر کے ادا کرنے والا ریاکار نہیں ہوتا کیونکہ فرائض کا حق ہے کہ انہیں اعلانیہ ادا کیا جائے اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ”وَلَا عُمَّةَ فِي فَرَائِضِ اللَّهِ“ اور اللہ تعالیٰ کے فرضوں میں انخفاء نہیں اور انخفاء نوافل میں بہتر ہوتا ہے پھر اگر کوئی شخص نفلی عبادت کو اس لیے اعلانیہ ادا کرے تاکہ اس کی پیروی کی جائے تو یہ بھی بہتر ہے اور ”مَاعُونَ“ سے زکوٰۃ مراد ہے اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ”مَاعُونَ“ سے ہر وہ چیز مراد ہے جو لوگوں کے عرف و عادت میں ایک دوسرے سے استعمال کے لیے مانگ کر لی جاتی ہے مثلاً ہانڈی، ڈول، بالٹی، چمچ، کف، گیز، نمک، مریج، جگ، گلاس وغیرہ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ”مَاعُونَ“ سے پانی، آگ، نمک وغیرہ مراد ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ الکواثر کی ہے

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی تین آیات ایک رکوع ہے

إِنَّا أَعْطَيْنَكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَأَنْحَرِ ۝ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ

الْأَبْتَرُ ۝

بے شک ہم نے آپ کو بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں ۰ سو آپ اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھتے رہیں اور قربانی کرتے رہیں ۰ بے شک آپ کا دشمن ہی ہر قسم کی خیر و بھلائی سے محروم ہے ۰

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت و فضیلت اور آپ کے دشمن کی مذمت کا بیان

۱۔ ﴿إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ﴾ (اے محبوب!) بے شک ہم نے آپ کو بے شمار خوبیاں عطا فرمادی ہیں۔ ”کوثر“، ”قوعل“ کے وزن پر ”کثرة“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: بے حد زیادہ اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ کوثر سے جنت میں ایک عظیم الشان نہر مراد ہے جو شہد سے زیادہ میٹھی ہے اور دودھ سے زیادہ سفید ہے اور برف سے زیادہ ٹھنڈی ہے اور مکھن سے زیادہ نرم ہے اس کے کنارے زبرد کے ہیں اور اس کے برتن چاندی کے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ کوثر سے خیر کثیر (بہت زیادہ خیر و بھلائی) مراد ہے سوان سے کہا گیا کہ بے شک لوگ تو کہتے ہیں کہ کوثر جنت میں ایک نہر ہے تو آپ نے فرمایا: جنت کی وہ نہر بھی خیر کثیر میں سے ہے۔

۱۔ واضح رہے کہ کوثر کے متعلق بہت سے اقوال بیان کیے گئے ہیں اور درحقیقت ان اقوال میں جو کمالات اور انعامات ذکر کیے گئے ہیں وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ نے حضور سرور عالم ﷺ کو عطا فرمادیئے ہیں اس لیے مفسرین کرام نے یہ اقوال ذکر کیے ہیں۔ قارئین کرام کے ذوق و شوق کے لیے انہیں یہاں ذکر کیا جا رہا ہے:

(۱) جنت میں ایک نہر ہے جس کو کوثر کا نام دیا گیا جو آپ کو عطا فرمائی گئی ہے چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ میں (شب معراج) جنت میں داخل ہوا تو میں نے اچانک ایک نہر دیکھی جو شہد سے زیادہ میٹھی ہے جس کے دونوں کناروں پر بے شمار موتیوں کے خیمے نصب تھے سو میں نے پانی کے بہنے کی جگہ پر اپنا ہاتھ مارا تو اس سے مشک کی خوشبو مہکنے لگی میں نے کہا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: یہ نہر کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔

(۲) حوض کوثر مراد ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرا حوض ایک ماہ کی مسافت کے برابر ہے اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور اس کی خوشبو مشک سے زیادہ پاکیزہ ہے اور اس کے برتن آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں جو شخص ایک دفعہ اس کا پانی پی لے گا تو کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔

(۳) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ کوثر سے خیر کثیر مراد ہے اور جنتی نہر اور حوض کوثر اسی میں شامل ہیں۔

(۴) آپ کی اولاد یعنی اہل بیت اطہار مراد ہیں کیونکہ یہ سورت ان لوگوں کے رذ میں نازل ہوئی جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبزادگان کے وصال کے بعد آپ کو بے اولاد ہونے کا طعنہ دیا تھا چنانچہ آپ کے شاہزادگان حسین کریمین اور ان کی اولاد و اقارب کو بے دریغ شہید کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج پوری دنیا سادات کرام سے بھری پڑی ہے مگر بنو امیہ کا کوئی نام و نشان نہیں رہا نیز اہل بیت پاک میں اکابر علماء پیدا ہوئے جیسے حضرت امام محمد باقر، حضرت امام جعفر صادق، حضرت امام موسیٰ کاظم اور حضرت امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

(۵) حضور کی امت کے علمائے اسلام مراد ہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ”عُلَمَاءُ أُمَّتِي كَأَنْبِيَاءِ بَنِي إِسْرَائِيلَ“ میری امت کے علمائے دین (منصب تبلیغ میں) بنی اسرائیل کے انبیاء کرام کی طرح ہیں کہ دین اسلام کے احکام کی نشر و اشاعت اور ان کی تبلیغ کرتے ہیں اور ذکر رسول سے محبت کرتے ہیں۔

(۶) حضور سید عالم ﷺ کی نبوت و رسالت مراد ہے کیونکہ آپ کی نبوت و رسالت کائنات کے ہر فرد کو شامل ہے اور یہ قول حضرت مکرّمہ کا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۲۔ ﴿قَصَلٍ لِرَبِّكَ﴾ سو (اے محبوب!) آپ اپنے پروردگار کی رضا کے لیے نماز پڑھتے رہیے (یعنی) پس آپ اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہیے جس نے آپ کو یہ کوثر (بے شمار خوبیاں) عطا فرما کر عزت و شرافت بخشی اور سب پر فضیلت و بزرگ عنایت فرمائی اور آپ کو مخلوق کے احسانات سے محفوظ رکھا اور آپ کی اس قوم کو ذلیل و پست کر دیا جو غیر خدا کی عبادت و پرستش کرتے ہیں ﴿وَإِنْ حَسُرْ﴾ اور آپ اسی کی رضا کے لیے اور اسی کا نام مبارک لے کر قربانی کرتے رہیے اور آپ جب بھی قربانی دینے لگیں تو بت پرستوں کی طرح جانوروں پر بوقت ذبح بتوں کا نام لینے کے بجائے ان کی مخالفت کرتے ہوئے ان کے برعکس آپ صرف اللہ تعالیٰ کا مبارک نام لے کر قربانی کیا کریں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۷) حضرت حسن بصری نے فرمایا: کوثر سے قرآن مجید مراد ہے جو تمام جہان والوں کے لیے سرچشمہ رشد و ہدایت ہے۔

(۸) حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کوثر سے قلب مصطفیٰ ﷺ کا نور مراد ہے۔

(۹) کوثر سے حضور فخر عالم ﷺ کے فضائل کثیرہ مراد ہیں جن کے ساتھ آپ کو متصف کر کے بھیجا گیا ہے۔

(۱۰) کوثر سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تبعین کی کثرت مراد ہے۔

(۱۱) کوثر سے علم و حکمت مراد ہے کیونکہ سورۃ النساء میں آپ کے علم کو فضل عظیم فرمایا گیا ہے اور حکمت کو خیر کثیر فرمایا گیا ہے۔

(۱۲) کوثر سے اسلام مراد ہے کیونکہ یہ اقتصادیات، معاشیات، اخلاقیات، معاملات، عبادات، عقائد و نظریات اور حقوق و فرائض غرضیکہ دنیا اور آخرت کی تمام بھلائوں کا جامع دین ہے۔

(۱۳) حضرت الحسین بن الفضل نے فرمایا: کوثر سے قرآن مجید کو آسان کرنا اور احکام شریعت میں تخفیف کرنا مراد ہے۔

(۱۴) مقام محمود مراد ہے جہاں آپ حمد الہی بجالانے کے بعد شفاعت فرمائیں گے۔

(۱۵) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حسن خلق مراد ہے۔

(۱۶) ابن کیمان نے کہا: کوثر سے ایثار و قربانی مراد ہے۔

(۱۷) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر مبارک کی رفعت و بلندی مراد ہے۔

(۱۸) حلال بن سیاف نے کہا کہ کوثر سے کلمہ توحید و رسالت ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“ مراد ہے۔

(۱۹) کوثر سے تمام دنیوی اور اخروی نعمتیں مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا میں عطا فرمادیں اور آخرت میں عطا فرمائے گا۔

(۲۰) امام نقاشی نے کہا: کوثر سے آپ کے معجزات مراد ہیں جن سے آپ کی امت کو ہدایت حاصل ہوئی۔

(۲۱) دین کی فہم و فراست اور اس کی بصیرت مراد ہے۔

(۲۲) پانچ فرض نمازیں مراد ہیں۔ (ماخوذ از: تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۲۲-۲۲۵، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور، تفسیر کبیر ج ۸

ص ۳۹۸-۵۰۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۹۷۸ء، تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۱۰۰۱-۱۰۰۵، مطبوعہ فرید بک شال لاہور)

حضرت صدرالاقاضی مراد آبادی لکھتے ہیں:

اور (اللہ تعالیٰ نے حضور کو) فضائل کثیرہ عنایت کر کے تمام خلق پر افضل کیا، حسن ظاہر بھی دیا، حسن باطن بھی، نسب عالی بھی، نبوت و

رسالت بھی، کتاب بھی، حکمت بھی، علم بھی، شفاعت بھی، حوض کوثر بھی، مقام محمود بھی، کثرت امت بھی، اعدائے دین پر غلبہ بھی،

کثرت فتوح بھی اور بے شمار نعمتیں اور فضیلتیں عطا فرمائیں جن کی نہایت نہیں۔

(تفسیر خزائن القرآن ص ۱۰۸۴، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور۔ کراچی)

۳- ﴿إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ﴾ بے شک آپ کا دشمن ہی بے نسل اور خیر و بھلائی سے محروم ہے (یعنی) بے شک آپ کی قوم میں سے جس نے آپ سے محض اس بناء پر بغض و عناد اور کینہ رکھا کہ آپ ان کے مشرکانہ عقائد و نظریات کی مخالفت کرتے ہیں تو بلاشبہ وہی ہر قسم کی خیر و بھلائی سے محروم ہے اور آپ نہیں کیونکہ قیامت تک مسلمانوں میں جس قدر مسلمان اولاد پیدا ہوتی رہے گی وہ سب آپ کی اولاد ہیں اور آپ کے (تبلیغی مشن میں) جانشین ہیں اور قیامت تک آپ کا ذکر مبارک منبروں پر اور ہر عالم دین کی زبان پر جاری و ساری اور بلند سے بلند ہوتا رہے گا اور ہر عالم و ذرا کی قیامت تک جب اللہ تعالیٰ کا ذکر شروع کرے گا تو اس کے بعد متصل آپ کا ذکر اور آپ کی ثناء و تعریف کرتا رہے گا اور آخرت میں آپ کو اس قدر بے شمار ثنائیں، عظمتیں، فضیلتیں اور نعمتیں ملیں گی جو وصف و بیان میں نہیں آسکتیں پس آپ جیسے عظیم الشان پیغمبر کو ”ابتور“ نہیں کہا جاسکتا اور نہ کہا جائے گا کیونکہ ”ابتور“ تو صرف آپ کا دشمن ہے جسے دنیا اور آخرت میں بھلا دیا جائے گا اور اس کا نام و نشان بھی مٹ جائے گا۔

شان نزول: بعض اہل علم حضرات نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت مبارکہ عاص بن وائل کی مذمت بیان کرنے کے لیے نازل ہوئی کیونکہ (جب آپ کے صاحبزادگان ایک ایک کر کے انتقال کر گئے تو) عاص بن وائل نے آپ کو ”ابتور“ کہا کہ آپ کا سلسلہ نسل ختم ہو گیا تو اس موقع پر یہ سورت مبارکہ نازل ہوئی (جس کی پہلی آیت میں حضور کی فضیلت و عظمت بیان کی گئی اور دوسری آیت میں آپ کو نماز پڑھنے اور قربانی کرنے کا حکم دیا گیا اور اس آخری آیت میں عاص بن وائل کی مذمت بیان کی گئی) اور ”ابتور“ اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے انتقال کے بعد سلسلہ نسل باقی نہ رہے (جسے پنجابی میں اوتر کہا جاتا ہے) [”الابتور“، ”ان“ کی خبر ہے اور ”هو“ ضمیر فصل ہے۔]

﴿إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة الكفرون

سورة الكفرون کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی چھ آیات ایک رکوع ہے

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲ وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَا

اَعْبُدُ ۝۳ وَلَا اَنَا عٰبِدُ مَا عٰبَدْتُمْ ۝۴ وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ ۝۵ لَكُمْ

دِيْنَكُمْ وَاِلٰى دِيْنِ ۝۶

(اے محبوب!) فرمادیتے کہ اے کافرو! ۰ میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو ۰ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں ۰ اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو ۰ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں ۰ تمہارا دین تمہارے لیے ہے اور میرا دین میرے لیے ہے ۰

کافروں اور ان کے معبودان باطلہ سے بیزاری کا اعلان

۱- ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ (اے محبوب!) فرمادیتے کہ اے کافرو! اس آیت مبارکہ میں مخصوص کافروں کو خطاب کیا گیا ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔

شان نزول: ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ قریش مکہ کے ایک گروہ نے حضور سے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ ہمارے دین کی پیروی اختیار کر لیں اور ہم آپ کے دین کی پیروی اختیار کر لیتے ہیں، ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کرتے رہیں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کرتے رہیں گے، سو حضور سید عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے غیر کو شریک ٹھہراؤں، انہوں نے کہا: پس آپ ہمارے بعض معبودوں پر اپنا ہاتھ مبارک مس فرمائیں تو ہم آپ کی تصدیق کریں گے اور ہم آپ کے معبود کی عبادت شروع کر دیں گے، سو اس موقع پر یہ سورت مبارکہ نازل ہوئی، چنانچہ آپ صبح سویرے مسجد حرام میں تشریف لے گئے اور اس میں قریش کے سردار موجود تھے تو آپ نے یہ سورت ان کو پڑھ کر سنائی اور وہ مایوس ہو گئے۔

۲۔ ﴿لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ﴾ میں ان (بتوں) کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو یعنی میں موجودہ زمانہ حال میں ان کی عبادت کرنے والا نہیں ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو۔

۳۔ ﴿وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ﴾ اور نہ تم اس وقت (زمانہ حال میں) اس کی عبادت کرنے والے ہو ﴿مَا أَعْبُدُ﴾ جس کی میں عبادت کرتا ہوں یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ و عز برہانہ۔

۴۔ ﴿وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُمْ﴾ اور نہ میں آئندہ (زمانہ مستقبل میں) ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم عبادت کرتے رہتے ہو۔

۵۔ ﴿وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ﴾ اور نہ تم آئندہ (زمانہ مستقبل میں) اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور لفظ ”مَا“ اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ اس سے صفت مراد ہے یعنی میں باطل کی کبھی عبادت نہیں کروں گا اور تم حق کی عبادت نہیں کرو گے یا لفظ ”مَا“ ذکر کیا گیا ہے تاکہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کے مقابل ہو جائیں اور پہلے کلام (یعنی ”لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ“) میں لفظ ”مَا“ کی بجائے لفظ ”مَنْ“ کو لانا صحیح نہیں اور دوسرے کلام (یعنی ”وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ“) میں لفظ ”مَا“ ہے اور لفظ ”مَا“ بہ معنی ”الَّذِي“ ہے۔

۶۔ ﴿لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ﴾ تمہارا دین تمہارے لیے اور میرا دین میرے لیے ہے (یعنی) تمہارا کفر و شرک تمہارے لیے ہے اور میرا عقیدہ تو حید میرے لیے ہے [امام حفص اور نافع مدنی کی قراءت میں ”یا“ مفتوح کے ساتھ ”وَلِيَ“ پڑھا جاتا ہے]۔

مروی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد حرام میں داخل ہوئے اور اس وقت حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا: اے ابن مسعود! تھوڑا سا قرآن مجید سناؤ تو حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ”قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ“ پڑھ کر سنائی، پھر آپ نے دوبارہ ان سے فرمایا کہ تم دوسری رکعت میں سورت اخلاص پڑھ کر سناؤ تو حضرت ابن مسعود نے ”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ“ پڑھ کر سنائی، پھر جب ابن مسعود نے سلام پھیرا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے ابن مسعود! اب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تمہارا سوال قبول کر لیا جائے گا واللہ اعلم

۱۔ جب کہ قاری ابو عمر و ابن عامر شامی اور حمزہ کوئی وغیرہم کی قراءت میں ”یا“ ساکن کے ساتھ ”وَلِيَ“ پڑھا جاتا ہے۔

(مجموع القراءات القرآنیہ ج ۸ ص ۲۵۷)

الْبَاقِيَاتُ
الْحَسَنَاتُ
رُكُوعًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

التَّوْبَةُ
الْمُؤْمِنِينَ

سورۃ النصر مدنی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی تین آیات ایک رکوع ہے

اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝۱ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ
اَفْوَاجًا ۝۲ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ ۝۳ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝۴

جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آ جائے ۰ اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ گروہ درگروہ اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں ۰ تو آپ اپنے پروردگار کی حمد و ثناء کے ساتھ (اس کی) تسبیح بیان کیجئے اور اس سے مغفرت طلب کیجئے بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے ۰

دین اسلام کے غلبہ کی بشارت

۱- ﴿اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ﴾ جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آ جائے۔ ”نصر“ سے امداد و اعانت اور دشمنوں پر غلبہ پانا مراد ہے اور ”فتح“ سے شہروں اور ملکوں کو فتح کرنا مراد ہے اور اس کا (ایک) معنی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عرب پر قریش پر مدد کی گئی اور مکہ مکرمہ فتح ہو گیا یا (دوسرا) یہ معنی ہے کہ مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی جنس نصرت اور مطلق فتح مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ پورے عرب میں کفر و شرک کے تمام شہروں اور ملکوں کو فتح کرنے کے لیے مسلمانوں کو نصرت و مدد عطا فرمائے گا۔ شان نزول: ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ سورت مبارکہ حجۃ الوداع کے موقع پر ایام تشریق میں منیٰ کے مقام پر نازل ہوئی [”اِذَا“ کا عامل ”سَبَّح“ ہے جس کی وجہ سے ”اِذَا“ منصوب ہے اور یہ مستقبل کے معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور قبل از وقت اس کے ساتھ فتح و نصرت کی اطلاع دینا نبوت کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے]۔

۲- ﴿وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا﴾ اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں یعنی جب آپ کو آپ کے دشمنوں پر اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت مل جائے اور شہر اور ملک فتح ہو جائیں اور یمن والوں کو دیکھیں کہ وہ بڑے بڑے گروہوں کی صورت میں ملت اسلام میں داخل ہو رہے ہیں جب کہ اس سے پہلے لوگ دین اسلام میں ایک ایک اور دو دو کر کے داخل ہوتے رہے [”يَدْخُلُوْنَ“، ”النَّاسُ“ سے حال واقع ہو رہا ہے اس بناء پر کہ ”رَأَيْتَ“ بہ معنی ”اَبْصَرْتُ“ ہے یا بہ معنی ”عَرَفْتُ“ ہے یا پھر ”يَدْخُلُوْنَ“، ”رَأَيْتَ“ کا دوسرا مفعول ہے اس بناء پر کہ ”رَأَيْتَ“ بہ معنی ”عَلِمْتُ“ ہے اور ”اَفْوَاجًا“، ”يَدْخُلُوْنَ“ کے فاعل سے حال ہے اور ”اِذَا“ کا جواب ”فَسَبِّحْ“ ہے]۔

۳- ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾ سو آپ اپنے پروردگار کی حمد و ثناء کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کیجئے (یعنی) آپ ”سُبْحَانَ اللّٰهِ حَمْدًا لِّهٖ“ کہا کریں کہ اللہ تعالیٰ تمام عیبوں سے پاک ہے میں اسی کی حمد و ثناء کرنے والا ہوں یا آپ اس کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے نماز پڑھا کریں ﴿وَاسْتَغْفِرْ لَهُ﴾ اور آپ تواضع و عاجزی اور کسر نفسی کے لیے اس سے مغفرت و بخشش طلب کیجئے یا آپ استغفار کرنے پر ہمیشہ قائم رہیں ﴿اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا﴾ بے شک وہ (اللہ تعالیٰ) ہمیشہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے اور یہاں لفظ ”كَانَ“ بہ معنی ”لَمْ يَزَلْ“ ہے یعنی ہمیشہ۔

۱۔ واضح رہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تمام گناہوں سے معصوم اور پاک ہوتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے سرور انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو استغفار کا حکم کیوں دیا؟ سو اس کے متعلق علامہ سید محمود آلوسی نے اس آیت مبارکہ کی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اللہ تعالیٰ کے
رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ تعالیٰ کے
رکوع

سورۃ اللہب کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی پانچ آیات ایک رکوع ہے

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۝۱ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ۝۲

سَيَصْلَىٰ نَارًا إِذَا تَلَهَّى ۝۳ وَأُمْرَأَةٌ حَمَلَةٌ ۝۴ فِي

جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ ۝۵

ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے ۰ نہ اس کے مال نے اسے کوئی فائدہ دیا اور نہ اس کی کمائی نے کوئی فائدہ پہنچایا ۰ عنقریب وہ سخت شعلے مارنے والی آگ میں داخل ہوگا ۰ اور اس کی بیوی بھی لکڑیوں کا گٹھا اٹھانے والی ۰ اس کے گلے میں کھجور کی چھال کا رستا ہوگا ۰

ابولہب اور اس کی بیوی کی مذمت کا بیان

۱۔ ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ﴾ ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ ”تباب“ کا معنی ہلاکت ہے اور اسی سے عرب کا یہ قول ہے کہ ”أَشَابَةُ أُمَّ تَابَةَ“ کیا وہ نوجوان ہے یا بوڑھا ہے؟ یعنی بڑھاپے کی وجہ سے ہلاک ہونے والا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو جائیں کیونکہ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ابولہب سرور انبیاء رسول خدا ﷺ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تفسیر میں درج ذیل چند حکمتیں بیان کی ہیں:

(۱) حضور نبی کریم ﷺ ہمیشہ مراتب میں ترقی کرتے رہتے ہیں چنانچہ جب آپ ترقی کر کے پہلے سے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوتے ہیں تو پہلے مرتبہ پر استغفار کرتے ہیں۔

(۲) آپ اس کام پر استغفار کرتے جو آپ کے عالی شان منصب و مرتبہ کے اعتبار سے آپ کی نظر مبارک میں خلاف اولیٰ ہوتا۔

(۳) آپ اس کام پر استغفار کرتے جو آپ سے سہو صادر ہوا ہوتا اگرچہ وہ اعلان نبوت سے پہلے کا ہوتا۔

(۴) آپ اپنی امت کی تعلیم کے لیے استغفار کرتے تاکہ آپ کی امت آپ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے استغفار کیا کرے۔

(۵) آپ اپنے لیے نہیں بلکہ اپنی امت کے لیے مغفرت و بخشش طلب کرتے: ”أَيُّ وَاسْتَغْفِرُهَا لِأُمَّتِكَ“ یعنی آپ اپنی امت کے

لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کیجئے۔

(۶) آپ کی عبادت اگرچہ تمام عابدین کی عبادتوں سے بلند و برتر ہوتی تھی لیکن آپ اپنی عبادت کو کما حقہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و شان اور

اس کی جلالت و کبریائی کے لائق نہیں سمجھتے تھے لہذا آپ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت اور اس کی کبریائی کے سامنے اپنی عبادت کو کم تر

خیال فرما کر شرم و حیا محسوس کرتے ہوئے استغفار کرتے رہتے چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام روزانہ ستر مرتبہ

سے زیادہ استغفار کرتے تھے۔ (تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۵۸، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسی سورت مبارکہ کی تلاوت کو سنا تو رونے لگ گئے اور فرمایا کہ کمال زوال کی دلیل ہے

اور رسول اللہ ﷺ اس سورت مبارکہ کے نزول کے بعد دو سال تک ظاہری حیات مبارکہ کے ساتھ زندہ رہے اس کے بعد آپ

وصال فرما گئے۔

کو پتھر مارنے کے لیے اپنے دونوں ہاتھوں میں دو پتھر اٹھا کر مارنے لگا (کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دونوں ہاتھوں کو روک دیا) ﴿وَوْتَبْت﴾ اور وہ ہلاک ہو جائے (یعنی) وہ تمام کا تمام ہلاک ہو جائے تباہ و برباد ہو جائے یا اس کے دونوں ہاتھوں کو ہلاک ہو جانے والا قرار دیا گیا ہے اور اس سے اس کے پورے وجود کا ہلاک ہو جانا مراد ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”ذَالِكَ بِمَا قَدَّمْت يَدَاكَ“ (الحج: ۱۰) ”یہ ان اعمال کا بدلہ ہے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجے تھے“ اور ”وَوْتَبْت“ کا معنی ہے: اور وہ ہلاک ہو گیا جیسا کہ شاعر کا قول ہے:

جَزَانِي جَزَاءَ اللَّهِ شَرًّا جَزَائِهِ
جَزَاءَ الْكِلَابِ الْعَاوِيَاتِ وَقَدْ فَعَلْ

اس نے مجھ سے بدلہ لیا اللہ تعالیٰ اس کے بُرے بدلہ کا بدلہ لے جیسے بھونکنے والے کتوں سے بدلہ لیا جاتا ہے اور بے شک وہ کر چکا ہے۔ اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت اس پر قوی دلیل ہے جس میں ”وَقَدْ تَبْت“ پڑھا گیا ہے۔

مروی ہے کہ جب ”وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ“ (الشعراء: ۲۲۳) اور (اے محبوب!) آپ اپنے سب سے زیادہ قریبی قبیلہ والوں کو ڈر سنا لیں“ نازل ہوئی تو حضور سید عالم ﷺ صفا نامی پہاڑ پر چڑھ گئے اور آپ نے بہ آواز بلند اپنے قبیلے کے لوگوں کو پکارا تو ہر طرف سے آ کر لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا: اے بنی عبدالمطلب! اے بنی فہر! اگر میں تمہیں یہ خبر سناؤں کہ بے شک اس پہاڑ کے پیچھے گھڑ سواروں کا بہت بڑا حملہ آور لشکر آ رہا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے ایک زبان ہو کر کہا: ہاں! ہم ضرور تصدیق کریں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تو سنو! بے شک میں تمہیں قیامت آنے سے پہلے عذاب الہی سے ڈرانے والا ہوں (کہ اگر تم نے کفر و شرک ترک نہ کیا تو تم خدا کے شدید عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے) چنانچہ ابولہب نے یہ بات سن کر کہا کہ تو ہلاک ہو جائے کیا تو نے ہمیں اس لیے بلایا تھا؟ تو اس موقع پر یہ سورت نازل ہوئی تھی!

اللہ تعالیٰ نے نام کی بجائے ابولہب کہہ کر کنیت کے ساتھ ذکر فرمایا حالانکہ کنیت میں تعظیم و تکریم ہوتی ہے تو اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ابولہب اپنے نام کی بجائے کنیت کے ساتھ بہت مشہور و معروف تھا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے نام سے کراہت کی اور اسے ناپسند کرنے کی بناء پر نام کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ اس کا نام عبدالعزیٰ تھا (یعنی عزیٰ بت کا بندہ) اور تیسری وجہ یہ ہے کہ ابولہب کا انجام بھڑکتی شعلے مارنے والی آگ تھا اس لیے کہ لہب کا معنی آگ کا شعلہ ہے تو اس طرح اس کی کنیت اس کے حال کی ترجمان ہو گئی [ابن کثیر کی قراءت میں ”ہا“ ساکن کے ساتھ ”أَبِي لَهَبٍ“ ہے]۔

۲- ﴿مَا أَخَذِي عِنْدَهُ مَالَهُ وَمَا كَسَبَ﴾ نہ اس کے مال نے اس کو فائدہ دیا اور نہ اس کی کمائی نے اسے کوئی فائدہ پہنچایا [پہلا حرف ”مَا“ نافیہ ہے اور دوسرا ”مَا“ موصولہ مرفوع ہے یعنی اس کا مکسوب (کمایا ہوا مال) یا ”مَا“ مصدر یہ مرفوع ہے] یعنی اس کا کسب (کمانا) یعنی جو مال اسے اس کے باپ کی طرف سے وراثت میں ملا اس نے اسے کوئی نفع نہیں پہنچایا اور جو مال اس نے بذات خود کمایا اس نے بھی اسے کوئی فائدہ نہیں دیا یا یہ معنی ہے کہ نہ اسے اس کے پرانے موروثی مال نے فائدہ دیا اور نہ اس کے اپنے حاصل کردہ نئے مال نے اسے کوئی فائدہ دیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: ”مَا كَسَبَ“ سے ابولہب کی اولاد مراد ہے مروی ہے کہ ابولہب کہا کرتا تھا کہ اگر میرا بھتیجا (حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ) جو کچھ کہتا ہے وہ سچ اور حق ہے تو میں اپنی جان چھڑانے کے لیے اپنا مال اور اپنی

اولاد بطور فدیہ دے دوں گا۔

۳۔ ﴿سَيَصْلَىٰ نَارًا إِذَا تَلَهَّبَ﴾ لعنقرب وہ شعلے مارنے والی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا اور سین و عمید (یعنی ڈرانے دھمکانے کے لیے) ہے یا یہ معنی ہے کہ یہ ضرور ہوگا اور ہر حال میں ابولہب بھڑکتی ہوئی آگ میں ضرور داخل ہو گا اگرچہ اس کا وقت مؤخر ہے [ابوبکر کوفی کی روایت سے البرجمی نے "سَيَصْلَىٰ" (فعل مضارع مجہول یعنی "یا" مضموم کے ساتھ) پڑھا ہے]۔

حضرت ابورافع بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے بعد ابولہب سات دن زندہ رہا، حضرت ام الفضل نے خیمہ کی چوب اس کے سر پر مار کر اس کا سر پھاڑ دیا، اس کے بعد وہ عدسہ کی بیماری میں مبتلا ہوا، اس بیماری میں طاعون کی طرح گلٹی سی نکلتی ہے اور یہ ایک قسم کا پھوڑا ہوتا ہے، اسی بیماری میں وہ مر گیا، اس کے جسم سے سخت بدبو آ رہی تھی، تین دن تک اس کی لاش بے گور و کفن پڑی رہی، لوگ اس بیماری سے طاعون کی طرح بھاگتے تھے حتیٰ کہ قریش کے ایک شخص نے اس کے بیٹوں سے کہا: تم کو شرم و حیا نہیں آتی، تمہارے گھر میں تمہارے باپ کی لاش سے بدبو پھیل رہی ہے اور تم اس کو دفن نہیں کرتے، انہوں نے کہا: ہم ڈرتے ہیں کہ اس کو ہاتھ لگانے سے کہیں ہمیں بھی یہ بیماری نہ لگ جائے، اس نے کہا: تم اس کو دفن کرو، میں بھی تمہاری مدد کروں گا۔ حضرت ابورافع نے کہا: پس اللہ تعالیٰ کی قسم! انہوں نے اس کو غسل نہیں دیا اور مکہ کی ایک بلند جگہ سے اس کو ایک دیوار کے ساتھ پھینک دیا اور اس کے اوپر پتھر ڈال دیئے۔ نعوذ باللہ منہ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۱۰۳۰ بحوالہ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۷۷، دار الفکر بیروت ۱۳۱۹ھ، تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۵۲-۳۵۳)

گستاخ رسول کی سخت مذمت: جب کسی شریف اور مہذب انسان کو کوئی شخص برا کہے یا گالی دے تو وہ صبر کرتے ہوئے برداشت کر لیتا ہے لیکن اگر اس کے عزیز دوست یا اس کے محبوب کو کوئی برا کہے تو پھر وہ ضبط نہیں کرتا اور ایک کی دس سنا تا ہے، چنانچہ جب ولید بن مغیرہ نے رسول اللہ ﷺ کو مجنون کہا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس محبوب کا دفاع کیا اور فرمایا: اے محبوب! آپ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجنون نہیں ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت میں اس کے دس عیوب بیان فرمائے اور آخری عیب یہ بیان فرمایا کہ وہ بداصل ہے یعنی ولد المحرام ہے۔

اسی طرح کسی معزز شخص کے محبوب کو کوئی برا کہے تو وہ اس کی بھی مذمت کرتا ہے اور اس کے متعلقین کی بھی مذمت کرتا ہے کہ تم ایسے ہو اور تمہاری اولاد ایسی ہے اور تمہاری بیوی ایسی ہے۔ اسی طریقے پر جب ابولہب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق کہا کہ آپ کا ہاتھ ٹوٹ جائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ خود ہلاک ہو گیا اور اس کا ایک بیٹا بھی ہلاک ہو گیا اور آخرت میں وہ دونوں دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے اور اس کی بیوی بھی دوزخ میں لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے جائے گی اور اس کے گلے میں رسی پڑی ہوگی۔

اس سورت سے ہمیں یہ تعلیم ملتی ہے کہ اگر ہمیں برا کہا جائے تو ہم اس پر صبر کر لیں لیکن اگر کوئی بد بخت حضور نبی کریم ﷺ کو برا کہے تو ہم اس پر بالکل صبر نہ کریں اور برا کہنے والے کو ایک کی دس سنا لیں، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے جن لوگوں کی کتابوں میں حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں توہین آمیز عبارات تھیں ان پر صبر نہیں کیا اور ایک کی بجائے دس سنا لیں، ان کی زبردست تکفیر کی اور ان کے خلاف "الکوہبۃ الشہابیۃ" تمہید ایمان اور ختام الخرمین وغیرہ لکھیں، اللہ تعالیٰ ان کو اجر جزیل عطا فرمائے اور ہمیں ان کے موقف پر قائم رکھے۔ آمین ثم آمین!

(تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۱۰۳۳، مطبوعہ فرید بک سٹال، لاہور)

۴- ﴿وَأَمْرًا تُنَظِّطُ﴾ اور اس کی بیوی (بھی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگی) وہ اُم جمیل بنت حرب ہے اور ابوسفیان کی بہن ہے ﴿حَمَالَةَ الْحَطَبِ﴾ لکڑیوں کا گٹھا اٹھانے والی۔ مروی ہے کہ اُم جمیل (اس کا نام اردوی تھا) خاردار پودوں اور خاردار لکڑیوں کا گٹھا جنگل سے اٹھا کر لاتی اور پھر رات کے وقت رسول اللہ ﷺ کے راستے میں اس خاردار گٹھے کو پھیلا کر بچھا دیتی تاکہ آپ کو ایذا اور تکلیف پہنچے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ لوگوں کی غیبت اور چغل خوری میں لگی رہتی تھی اور لوگوں میں عداوت و دشمنی کی آگ بھڑکاتی رہتی تھی اور جس شخص نے اُم جمیل کی مذمت کو پسند کیا، اس نے بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں بہترین وسیلہ پیش کیا [اور اسی بناء پر "امراتہ" پر وقف کرنا جائز ہے کیونکہ یہ "سیصلی" میں ضمیر فاعل پر معطوف ہے: "أَي سَيَدْخُلُ هُوَ وَامْرَأَتُهُ" یعنی عنقریب وہ خود اور اس کی بیوی نار دوزخ میں داخل ہوں گے اور تقدیر عبارت یوں ہے: "أَعْنَى حَمَالَةَ الْحَطَبِ" میری مراد گٹھا اٹھانے والی ہے اس کا سبب و شتم اور مذمت کے طور پر منصوب ہونا امام عاصم کی قراءت میں ہے جب کہ ان کے علاوہ کی قراءت میں رفع (پیش) کے ساتھ "حَمَالَةَ الْحَطَبِ" پڑھا جاتا ہے اور یہ اس بناء پر مرفوع ہے کہ یہ "وَأَمْرًا تُنَظِّطُ" کی خبر ہے یا پھر "هِيَ حَمَالَةُ الْحَطَبِ" ہے۔]

۵- ﴿فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ﴾ اس کے گلے میں کھجور کے چھال سے بٹ دے کر بنی ہوئی رتی ہے اور "مسد" اس رتی کو کہا جاتا ہے جو سخت طریقے سے بنی گئی ہو خواہ وہ رتی کھجور کی چھال سے بنی گئی ہو خواہ چمڑے سے یا ان دونوں کے علاوہ کسی اور چیز سے بنی گئی ہو اور معنی یہ ہے کہ اس کے گلے میں رتی ہے جو کھجور کی چھال سے تیار کی گئی ہے اور اُم جمیل خاردار لکڑیوں کا گٹھا تیار کر کے اٹھاتی اور اپنے گلے میں باندھ لیتی جیسا کہ لکڑیاں اٹھانے والے مزدور کرتے ہیں۔ یہ بیان اس کی تحقیر کرنے کے لیے کیا گیا ہے اور بعض لکڑیاں اٹھانے والوں کی صورت میں اس کا ہتک آمیز نقشہ بیان کیا گیا ہے تاکہ وہ خود اس عار والے کام سے ڈرے اور گھبرا جائے اور اس کا خاوند ابولہب بھی عار و شرم محسوس کر کے گھبرا جائے اور ڈر جائے کیونکہ وہ دونوں عزت دار اور مال دار گھرانے سے وابستہ تھے اور بڑے دولت مند اور خوش حال تھے۔

﴿وَأَمْرًا تُنَظِّطُ﴾
﴿حَمَالَةَ الْحَطَبِ﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

﴿سُورَةُ الْاِخْلَاصِ﴾
﴿سُورَةُ الْاِخْلَاصِ﴾

سورۃ الاخلاص کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی چار آیات ایک رکوع ہے

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۱ اللَّهُ الصَّمَدُ ۲ لَمْ يَلِدْهُ ۳ وَلَمْ يُولَدْ ۴ ۵ وَلَمْ يَكُن لَّهُ

كُفْرًا أَحَدٌ ۶

- (اے محبوب!) فرمادیتے: وہ اللہ تعالیٰ ایک ہے ۰ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے ۰ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے ۰ اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے ۰

اللہ تعالیٰ کی خالص توحید کا بیان

نوٹ: سورۃ الاخلاص جمہور کے نزدیک مکی ہے بعض کے قول کے مطابق اہل بصرہ کے نزدیک مدنی ہے۔

۱- ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ (اے محبوب!) فرمادیتے: وہ اللہ تعالیٰ ہے وہ ایک ہے۔

شانِ نزول: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ ایک دفعہ قریش مکہ نے کہا: اے محمد (ﷺ)! آپ ہمارے لیے اپنے رب تعالیٰ کا نسب بیان کیجئے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے اور دعوت دیتے ہیں تو اس موقع پر یہ سورت مبارکہ نازل ہوئی یعنی تم نے جس ذاتِ اقدس کے نسب کے متعلق مجھ سے سوال کیا ہے ”هُوَ اللَّهُ“ وہ اللہ تعالیٰ ہے اور [اس بناء پر ”أَحَدٌ“ مبتدا محذوف کی خبر ہے اصل میں ”هُوَ (أَحَدٌ)“ ہے] یعنی وہ ایک ہے اب اس آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اے محبوب! فرمادیجئے: وہ اللہ تعالیٰ ہے وہ ایک ہے اور ”أَحَدٌ“ بہ معنی واحد ہے اور اس کی اصل ”وَاحِدٌ“ ہے پھر واؤ کو ہمزہ سے تبدیل کر دیا گیا ہے کیونکہ واؤ ایک طرف واقع ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے واحد لا شریک ہونے اور اس کے ایک اور یکتا ہونے کی ایک عقلی دلیل یہ ہے (کہ دو معبودوں کے فرض کرنے کی صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے) کہ ایک معبود یا تو تمام عالم کی تدبیر میں اور اس کی تخلیق میں کافی ہوگا یا کافی نہیں ہوگا پھر اگر ایک معبود تمام عالم کی تدبیر و تخلیق میں اکیلا کافی ہے تو دوسرا معبود بے کار اور فضول ہوگا اور اس کی ضرورت نہیں رہے گی اور یہ دوسرے معبود کے لیے نقص و عیب ہے اور ناقص و عیب دار معبود نہیں ہو سکتا (تو دو معبودوں کا ہونا باطل ہو گیا اور ایک معبود کا ہونا ثابت ہو گیا) اور اگر ایک معبود تمام عالم (جہاں) کی تدبیر و تخلیق میں اکیلا کافی نہ ہو تو پھر یہ ناقص ہوگا کیونکہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ مفعول و مصنوع ایک فاعل اور ایک صانع کی طرف محتاج ہو اور ایک فاعل ہی کافی ہو اور ایک کے علاوہ باقی اعداد میں کوئی عدد کسی سے قابل ترجیح اور بہتر و اولیٰ نہیں ہے سب عدد یکساں ہیں (تو دو معبودوں کی صورت میں دوسرا عدد قابل ترجیح ہو جائے گا ورنہ تیسرا اور چوتھا پانچواں چھٹا وغیرہ وغیرہ اعداد معبود کیوں نہیں ہوئے دوسرا کیوں ہوا ہے) سو یہ بات تو اعداد غیر متناہی کے وجود کی طرف لے جاتی ہے اور یہ محال اور ناممکن ہے پس دو معبودوں کا قول باطل اور محال ہو گیا اور اس لیے بھی کہ دو معبودوں میں سے ایک معبود یا تو اپنے افعال میں سے کسی فعل کو دوسرے معبود سے چھپانے پر قادر ہوگا یا قادر نہیں ہوگا سوا کہ وہ قادر ہے تو دوسرا معبود جس سے کسی فعل کو چھپایا گیا ہے اس کا جاہل ہونا لازم آئے گا اور اگر وہ قادر نہ ہو تو اس کا عاجز ہونا لازم آئے گا اور اس لیے کہ اگر ہم کسی معدوم (غیر موجود) کو ممکن الوجود فرض کر لیں پھر اگر ان دونوں معبودوں میں سے کوئی بھی اس کے ایجاد کرنے پر قادر نہ ہو تو ان میں سے ہر ایک عاجز ہوگا اور عاجز معبود نہیں ہوتا اور اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک قادر ہو اور دوسرا قادر نہ ہو تو دوسرا عاجز ہونے کی بناء پر معبود نہیں ہوگا اور اگر وہ دونوں معبودوں میں سے ہر ایک عاجز ہو تو پھر اگر وہ معدوم دونوں معبودوں کی باہمی امداد سے موجود و مخلوق ہوا تو ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کی امداد کا محتاج ہوگا سوا اس طرح ان میں سے ہر ایک عاجز ہوگا اور اگر ان دونوں معبودوں میں سے ہر معبود مستقل اس معدوم کے ایجاد کرنے پر قادر ہو تو پھر جب ان میں سے ایک نے اسے ایجاد کر لیا تو دوسرے معبود کی قدرت اگر باقی ہے تو وہ محال ہے (کیونکہ محل قدرت باقی نہیں رہا) اور اگر اس کی قدرت باقی نہیں رہی تو پھر لازم آئے گا کہ پہلے معبود نے دوسرے معبود کی قدرت زائل کر دی پس وہ عاجز و مغلوب ہو کر پہلے کی قدرت کے زیر ہو جائے گا سوا کہ وہ معبود نہیں رہے گا پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب ایک معبود نے بذات خود کسی مقدور کو ایجاد کر لیا تو اس کی قدرت زائل ہو گئی تو لازم آئے گا کہ اس ایک نے بھی اپنے آپ کو عاجز کر لیا ہے۔

سوا اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جب ایک معبود نے کسی مقدور کو بذات خود ایجاد کر لیا تو بلاشبہ اس کی قدرت نافذ ہو گئی اور جس کی قدرت نافذ ہو جائے وہ عاجز نہیں ہوتا اور لیکن رہا شریک معبود تو اس کی قدرت نافذ نہیں ہوتی بلکہ اس کی قدرت تو غیر کی قدرت کے سبب زائل ہو گئی جس کی وجہ سے وہ عاجز ہو گیا تو ایک معبود صاحب قدرت باقی رہ گیا اور عقیدہ توحید ثابت

ہو گیا ["قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ" میں "هُوَ" ضمیر شان ہے اور "اللَّهُ أَحَدٌ" کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے یہ شان ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے: "هُوَ زَيْدٌ مُنْطَلِقٌ" گویا فرمایا گیا کہ شان یہ ہے اور وہ یہ کہ بے شک اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی ثانی نہیں اور "هُوَ" مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور "اللَّهُ أَحَدٌ" جملہ اس کی خبر ہے اور یہ ضمیر عائد کی طرف محتاج نہیں ہے کیونکہ یہ تمہارے قول "زَيْدٌ غُلَامُكَ" کی طرح مفرد کے حکم میں ہے اس بات میں کہ معنی کے اعتبار سے یہ مبتدا ہے اور یہ اس لیے کہ ارشاد باری تعالیٰ "اللَّهُ أَحَدٌ" یہ "هُوَ" ضمیر شان کی شان ہے تو گویا یہ بعینہ ضمیر شان ہے اور "زَيْدٌ أَبُوهُ مُنْطَلِقٌ" اس طرح نہیں ہے کیونکہ "زَيْدٌ" اور "أَبُوهُ مُنْطَلِقٌ" کا جملہ دو مختلف معنوں پر دلالت و رہنمائی کرتے ہیں سو اس لیے ان دونوں کے درمیان رابطہ کے لیے ضمیر عائد ضروری ہے]۔

۲- ﴿اللَّهُ الصَّمَدُ﴾ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ یہ "فَعْلٌ" کے وزن پر بہ معنی "مَفْعُولٌ" ہے اور ("صَمَدٌ إِلَيْهِ" باب "نَصَرَ يَنْصُرُ") سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص اس کا ارادہ کرتا ہے اور "الصَّمَدُ" کا معنی ہے: "هُوَ السَّيِّدُ الْمَصْمُودُ إِلَيْهِ فِي الْحَوَائِجِ" وہ آقا جس کی طرف حاجات کے وقت قصد اور ارادہ کیا جائے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کو تم پہچانتے ہو اور تم یہ اقرار کرتے ہو کہ بے شک وہی آسمانوں اور زمینوں کا خالق اور پیدا کرنے والا ہے اور وہی تمہارا خالق اور پیدا کرنے والا ہے اور وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور وہی تو ہے جس کی طرف تمام مخلوق رجوع اور قصد کرتی ہے اور تمام مخلوق اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتی جب کہ وہ ان سے مستغنی اور ان سے بے

۱- ہم دیکھتے ہیں کہ تمام دنیا میں پیدائش اور موت اور تغیر و تبدل ایک ہی نظام پر چل رہا ہے چنانچہ سورج ہمیشہ ایک مخصوص جانب سے طلوع ہوتا ہے اور ایک مخصوص جانب میں غروب ہوتا ہے اسی طرح چاند اور ستارے بھی ایک ہی نظام کے موافق طلوع اور غروب ہو رہے ہیں نیز زرعی پیداوار اور انسانوں اور حیوانوں کی پیدائش اور موت ایک نظام کے تحت ہو رہی ہے سو اگر یہاں متعدد خدا ہوتے تو کائنات کے نظام بھی متعدد ہوتے ہر خدا اپنا اپنا نظام جاری کرتا اور اس کائنات میں ایک مربوط نظام ہوتا اس پر دلیل ہے کہ اس کا منتظم اور خالق اور موجد بھی واحد لا شریک ہے۔

(۲) اس کائنات میں ہر کثرت کسی وحدت کے تابع ہوتی ہے تب ہی نظام صحیح رہتا ہے ورنہ نظام فاسد ہو جاتا ہے اسکول میں ماسٹر متعدد ہوں تو ہیڈ ماسٹر واحد ہوتا ہے صوبہ میں وزراء متعدد ہوں تو وزیر اعلیٰ ایک ہوتا ہے وفاقی وزراء متعدد ہوں تو وزیر اعظم ایک ہوتا ہے اور جس ملک میں صدارتی نظام ہو وہاں صدر ایک ہوتا ہے تو جب ایک ملک کے دو صدر نہیں ہو سکتے تو اس کائنات کے دو خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ اس کائنات کا واحد خالق اور مالک ہے اور اس کے ثبوت میں اس نے نبیوں رسولوں کو بھیجا اور آسمانی کتابوں کو نازل کیا سو اگر اس کے علاوہ بھی اس کائنات کا کوئی خالق ہوتا تو اس پر لازم ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے دعویٰ کو باطل کرنے کے لیے نبی اور رسول بھیجتا جو آ کر یہ بتاتا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی اس کائنات کا کوئی خالق اور مالک ہے اور وہ اس کائنات کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کا شریک ہے لیکن جب ایسا کوئی نبی نہیں آیا اور ایسی کوئی آسمانی کتاب نہیں آئی تو یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے واحد لا شریک ہونے کا دعویٰ مبنی برحق اور سچا ہے اور ہم پر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی عبادت لازم و واجب نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ واحد لا شریک ہے تو مجوسیوں کا یہ کہنا باطل ہے کہ دو خدا ہیں: ایک خیر و بھلائی کا خالق ہے وہ یزدان ہے اور دوسرا شر و برائی کا خالق ہے وہ اہرمن ہے اور عیسائیوں کا یہ کہنا باطل ہے کہ تین خدا ہیں: اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم اور مشرکین کا بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک اور مستحق عبادت ماننا بھی باطل ہو گیا۔ (تفسیر بیان القرآن ج ۱۲ ص ۱۰۳)

نیاز ہے۔

۳- ﴿لَمْ يَلِدْ﴾ اس نے کسی کو نہیں جنا اور اس کی کوئی اولاد نہیں ہے اس لیے کہ وہ کسی کا ہم جنس نہیں ہے تاکہ اس کے لیے اس کی جنس سے کوئی بیوی ہو اور وہ (میاں بیوی) بچے جنیں اور اس معنی پر یہ (درج ذیل) ارشاد دلیل ہے: ”أَنْسَى يَكُونُ لَكَ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُنْ لَكَ صَاحِبَةً“ (الانعام: ۱۰۱) ”اس کی اولاد کہاں ہوگی حالانکہ اس کی بیوی نہیں ہے“ ﴿وَلَمْ يُولَدْ﴾ اور نہ وہ بنا گیا ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے کیونکہ ہر مولود حادث اور جسم والا ہوتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے وہی سب سے پہلے موجود ہے اس سے پہلے کوئی موجود نہیں کیونکہ اگر وہ قدیم نہ ہوتا تو وہ ضرور حادث ہوتا ورنہ باپ بیٹے کے درمیان واسطہ نہیں رہتا اور اگر وہ حادث ہوتا تو وہ محدث کا محتاج ہوتا اور وہ دوسرے محدث کا محتاج ہوتا اور دوسرا تیسرے کا اور یہ طریقہ تسلسل کی طرف لے جائے گا اور تسلسل باطل ہے اور اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے کیونکہ جسم کئی اجزاء سے مرکب کا نام ہے سو اگر اللہ تعالیٰ جسم والا ہو تو پھر وہ مرکب ہوگا اور اس صورت میں دو حال سے خالی نہیں ہوگا یا اس کا ہر جز صفت کمال سے متصف ہوگا تو پھر ہر جز معبود ہو جائے گا اور یہ قول فاسد و غلط ہے جیسا کہ دو معبودوں کا قول باطل ہے یا اس کا ہر جز صفت کمال سے متصف نہیں ہوگا بلکہ اس کے خلاف کے ساتھ متصف ہوگا اور وہ حدوث کی علامات میں سے ہے اور وہ بھی محال و ناممکن ہے۔

۴- ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَكَ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ اور اس کا کوئی ہم سر نہیں ہے اور کوئی اس کے برابر نہیں ہے یعنی کوئی اس کے مشابہ اور مماثل نہیں بلکہ وہ بے مثل و بے مثال ہے۔

ایک دفعہ قریش میں سے کفار نے حضور سید عالم ﷺ سے اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیج کر یہ سورت نازل فرمائی جو اللہ تعالیٰ کی صفات پر مشتمل ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ”هُوَ اللَّهُ“ اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کا خالق ہے اور ان کا پیدا کرنے والا ہے اور اس کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کا یہ وصف بھی شامل ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور ہر چیز کا عالم ہے کیونکہ کسی چیز کی تخلیق خالق کے علم و قدرت کا تقاضا کرتی ہے اس لیے کہ ہر چیز کی تخلیق نہایت محکم و مضبوط اور مربوط و منظم طریقہ پر واقع ہوئی ہے اور اس کے ضمن میں یہ وصف بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ ”حَسْبُ“ (یعنی ہمیشہ کے لیے از خود زندہ ہے) کیونکہ قدرت و علم کے ساتھ متصف ہونے کے لیے لازمی اور ضروری ہے کہ وہ ”حَسْبُ“ یعنی وہ ہمیشہ ہمیشہ از خود زندہ ہو اور اس کے ضمن میں یہ وصف بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ ”بصیر“ مرید اور متکلم وغیرہ تمام صفات کمال کے ساتھ متصف ہو کیونکہ اگر وہ ان صفات کمال کے ساتھ موصوف نہیں ہوگا تو ان کی اضداد (برعکس صفات) کے ساتھ موصوف ہوگا اور وہ ناقص ہیں اور یہ حدوث کی علامات ہیں پس ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا موصوف ہونا محال اور ناممکن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے اور قدیم کا حدوث کے ساتھ موصوف ہونا محال ہے اور ناممکن ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ”أَحَدٌ“ میں اللہ تعالیٰ کے لیے وحدانیت کے ساتھ انصاف اور شرک کی نفی بیان کی گئی ہے اور اس بات کا بیان ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمام معدومات کے ایجاد و تخلیق کرنے میں منفرد و یکتا ہے اور وہ تمام مخفیات (پوشیدہ چیزوں) کے علم کے ساتھ متوحد اور اکیلا متصف ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ”الْصَّمَدُ“ میں یہ وصف بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ”مستغنی“ اور بے نیاز ہے اور کائنات میں کوئی ایسی چیز نہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے اور جب کائنات کی ہر چیز اس کی محتاج ہے تو وہ غنی اور بے نیاز ہوا سو اس لیے وہ کسی کا محتاج نہیں اور ہر چیز اس کی محتاج ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ”لَمْ يَلِدْ“ میں مشابہت اور مجانست کی نفی کی گئی ہے کہ کائنات میں کوئی اللہ تعالیٰ کا ہم شکل اور ہم جنس نہیں ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ”وَلَمْ يُولَدْ“ میں

اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی چیز مماثل و مشابہ نہیں اور جس شخص نے یہ گمان کیا کہ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے مماثل و مشابہ کی نفی زمانہ ماضی میں کی گئی ہے جو زمانہ حال میں اللہ تعالیٰ کے مماثل و مشابہ کی نفی پر دلالت نہیں کرتی اور کفار عرب زمانہ حال میں اللہ تعالیٰ کے مماثل و مشابہ کا دعویٰ کرتے ہیں تو بے شک وہ اپنی سرکشی میں گمراہ ہو گیا ہے اس لیے کہ جب زمانہ ماضی میں اللہ تعالیٰ کے مماثل و مشابہ اور اس کے مساوی وہم پہلہ کوئی نہیں ہوا تو واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ زمانہ حال میں بھی بطریق اولیٰ اس کی مثل اور مساوی کوئی نہیں ہے کیونکہ حادث کسی زمانہ میں قدیم کے مماثل اور مساوی نہیں ہو سکتا اور کفار کے کلام کا حاصل اشراک و تشبیہ اور تعطیل کی طرف لوٹتا ہے اور یہ سورت مبارکہ ان تمام باتوں کا رد کرتی ہے جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں۔

۱۔ سورۃ الاخلاص میں اللہ تعالیٰ نے توحید کا ذکر فرمایا اور شرک کا رد کیا ہے اس مناسبت سے ہم چاہتے ہیں کہ توحید پر دلائل دینے کے بعد شرک کی وضاحت کریں۔ اللہ تعالیٰ واجب الوجود اور قدیم ہے اور اس کی ہر صفت مستقل بالذات ہے اور وہ مستحق عبادت ہے لہذا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو واجب اور قدیم ماننا اور اس کی کسی صفت کو مستقل بالذات ماننا اور اسے مستحق عبادت ماننا شرک ہے اس کے علاوہ کوئی چیز شرک نہیں ہے۔ اہل سنت و جماعت صالحین اور اولیاء اللہ کے مزارات پر جا کر ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں یا اسناد مجازی کے طور پر ان سے کہتے ہیں کہ آپ ہمیں فلاں چیز عطا فرمائیں جیسے حضرت ہاجرہ نے صفا اور مروہ کے گرد سات چکر لگانے کے بعد جب حضرت جبریل کی آواز سنی تو کہا: ”اَعِثْ اِنْ كَانَ عِنْدَكَ خَيْرٌ“ اگر تمہارے پاس کوئی خیر ہے تو مدد کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۶۵، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۷۱۰، مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۳)

یا جیسے حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم سے کہا: ”اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلٌ رَبِّكَ لَا هَبْ لَكَ عَلٰمًا زَكِيًّا“ (مریم: ۱۹) ”بے شک میں آپ کے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ میں آپ کو پاکیزہ بیٹا دوں“۔

جب حضرت جبریل بیٹا دینے کی نسبت اپنی طرف کر سکتے ہیں تو مسلمان بھی بیٹا دینے کی نسبت اولیاء اللہ اور صالحین کی طرف کر سکتے ہیں اور یہ اسناد مجازی ہے اور ان میں سے کوئی چیز شرک نہیں ہے ورنہ حضرت ہاجرہ اور حضرت جبریل کو بھی مشرک قرار دینا ہوگا۔ العیاذ باللہ! مخالفین اس قسم کی استمداد کو شرک کہتے ہیں اور اہل سنت و جماعت کو قبر پرست اور مشرک کہتے ہیں نیز کہتے ہیں کہ اہل مکہ کا شرک یہی تھا کہ وہ صالحین سے مدد طلب کرتے تھے۔

ہم کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں یہ کہاں ہے کہ اہل مکہ قبر والوں سے یا صالحین سے مدد طلب کرتے یا ان کی عبادت کرتے تھے بلکہ قرآن مجید نے یہ بتایا ہے کہ اہل مکہ ملائکہ (یعنی فرشتوں) کی جنات کی ستاروں کی اور بتوں کی عبادت کرتے تھے اور ان میں سے کسی کی عبادت اس کی صالحیت کی بناء پر نہیں کرتے تھے مشرکین فرشتوں کی عبادت ان کی صالحیت کی بناء پر نہیں کرتے تھے بلکہ وہ ان کی عبادت اس وجہ سے کرتے تھے کہ ان کا اعتقاد تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں قرآن مجید میں ہے:

”وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا اَشْهَدُوْا خَلَقَهُمْ سَكَنًا مِّنْ مَّا يَخْرُصُوْنَ“ (الزخرف: ۱۹-۲۰) ”اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمان کی عبادت کرنے والے ہیں عورتیں قرار دیا“ کیا وہ فرشتوں کی پیدائش کے وقت موجود تھے عنقریب ان کی یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے اس کے متعلق باز پرس کی جائے گی اور انہوں نے کہا: اگر رحمن چاہتا تو ہم فرشتوں کی عبادت نہ کرتے“ انہیں اس کا کوئی علم نہیں وہ صرف اندازے سے بات کرتے ہیں“۔

اور مشرکین جنات کی عبادت کرتے تھے اور ان کی عبادت بھی وہ ان کی صالحیت کی وجہ سے نہیں کرتے تھے بلکہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[سیبویہ نے اس آیت مبارکہ میں ظرف ”لہ“ کی تقدیم کو مستحسن قرار دیا ہے جب یہ ظرف مستقر ہو یعنی خبر واقع ہو رہی ہو کیونکہ جب اس کی ضرورت ہوئی تو اسے مقدم کیا گیا تاکہ پہلی مرتبہ معلوم ہو جائے کہ یہ کلام میں خبر واقع ہو رہی ہے کوئی زائد اور اضافی معمول نہیں ہے اور اس ظرف کی تاخیر کو مستحسن قرار دیا جب یہ ظرف لغو ہو یعنی زائد معمول ہو (منصوبات میں سے ہو) کیونکہ تاخیر کے مستحق فضلات (زوائد معمولات) ہوتے ہیں اور رہا یہ کہ فصیح ترین کلام پاک میں ظرف کو مقدم کیا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کلام پاک ذات باری تعالیٰ سے مشابہت و مماثلت کی نفی کرنے کے لیے چلایا گیا ہے اور اس معنی کا منبع و مرکز یہی ظرف ہے اور ابو عمرو ”أَحَدٌ“ پر وقف کو پسند کرتے تھے اور وصل کو پسند نہیں کرتے تھے اور عبدالوارث نے کہا کہ ہم نے قراء کو اسی طریقہ پر پایا ہے اور جب اسے وصل کے ساتھ پڑھا جائے گا تو اس وقت اس پر تنوین کی بجائے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) انہوں نے جنات کو اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور بیٹیاں قرار دے دیا تھا قرآن مجید میں ہے:

”وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ سُبْحَانَہُ وَتَعَالَى عَمَّا

يَصِفُونَ ۝“ (الانعام: ۱۰۰) ”اور انہوں نے جنات کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا لیا حالانکہ اسی نے ان کو پیدا کیا ہے اور انہوں نے بغیر

علم کے ان کو اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور بیٹیاں بنا لیا اللہ تعالیٰ ان کی بیان کی ہوئی صفات سے پاک اور بہت بلند ہے ۝“

”وَجَعَلُوا آيَاتِنَا وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا“ (الصافات: ۱۵۸) ”اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اور جنات کے درمیان نسب گھڑ لیا“

مشرکین ستاروں کی عبادت کرتے تھے اور بتوں کی عبادت کرتے تھے ان میں سے کوئی چیز صالح انسان نہیں ہے قرآن مجید میں یہ کہیں مذکور نہیں ہے کہ مشرکین کسی صالح انسان کی عبادت کرتے تھے یا کسی قبر کی عبادت کرتے تھے۔

مشرکین بتوں کی نذر مانتے تھے ان کی نذر کو ایصالِ ثواب پر چسپاں کرنا بھی باطل ہے ہمارے نزدیک نذر اللہ تعالیٰ کی مانی جاتی ہے کہ اے اللہ! اگر فلاں بیمار کو تو نے شفاء دے دی تو میں تیری رضا کے لیے اتنا طعام صدقہ کروں گا پھر اس طعام کو صدقہ کر کے اس کا ثواب کسی بزرگ کو پہنچا دیا جاتا ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۱۰۳۹-۱۰۴۱)

(۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک آدمی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اس سورت ”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ“ سے محبت کرتا ہوں آپ نے فرمایا: اس سے تیری محبت تجھے جنت میں داخل کرے گی۔ (رواہ الترمذی)

(۳) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور نے فرمایا: جو شخص اپنے بستر پر سونا چاہتا ہو تو وہ اپنی دائیں طرف سو جائے اور سورت ”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ“ پڑھ لے تو جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے میرے بندے! تو اپنی دائیں طرف سے جنت میں داخل ہو جا۔ (رواہ الترمذی)

(۴) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جو شخص روزانہ ایک سو (خازن میں ہے کہ دو سو) مرتبہ ”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ“ (پوری سورت) پڑھتا رہے گا تو اس شخص کے پچاس سال کے تمام گناہ مٹا دیئے جائیں گے ماسوا قرض کے۔ (رواہ الترمذی) (ماخوذ: تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۳۷۳، تفسیر خازن ج ۳ ص ۳۵۷)

(۵) حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرسل روایت میں ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے ”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ“ (پوری سورت) کو دس مرتبہ پڑھا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک محل بنا دے گا اور جس نے بیس مرتبہ پڑھا تو اس کے لیے جنت میں دو محل اور جس نے تیس مرتبہ پڑھا اس کے لیے اللہ تعالیٰ جنت میں تین محلات بنا دے گا سو حضرت عمر بن خطاب

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! قسم اللہ تعالیٰ کی! پھر تو ہمارے محلات بہت زیادہ ہوں گے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ دینے والا ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۳۷۳)

اس کے نیچے نون مکسور پڑھا جائے گا ("قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ" اور "وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ بِسْمِ اللَّهِ الْخ" پڑھا جائے گا) یا پھر تنوین کو حذف کر دیا جائے گا جیسے "عَزِيزٌ نَابِنُ اللَّهِ" (التوبہ: ۳۰) کی قراءت ہے اور حمزہ کوئی اور خلف کی قراءت میں "فا" ساکن اور واو کی بجائے ہمزہ کے ساتھ "كُفُوًا" پڑھا جاتا ہے اور امام حفص کی قراءت میں ہمزہ کی بجائے واو اور "فا" متحرک کے ساتھ "كُفُوًا" پڑھا جائے گا اور باقی قراءت میں "فا" متحرک مہوز پڑھا جائے گا۔

سورة الاخلاص کی تلاوت کے فضائل

(۱) اور حدیث شریف میں ہے کہ جس نے صرف سورة الاخلاص کو پڑھ لیا تو بے شک اس نے قرآن مجید کا ایک تہائی (یعنی تیسرا حصہ) پڑھ لیا۔ کیونکہ قرآن مجید تین مضامین پر مشتمل ہے: (۱) اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات (۲) اوامر اور نواہی (۳) قصص اور مواعظ اور یہ سورت صرف اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات پر مشتمل ہے سو اس لیے یہ قرآن مجید کی ایک تہائی کو متضمن ہے اور اس حدیث شریف میں علم توحید کی فضیلت پر دلیل ہے اور اس طرح کیسے نہیں ہو سکتا حالانکہ علم معلوم کی فضیلت کے مطابق فضیلت رکھتا ہے اور اس علم کا معلوم اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس اور اس کی صفات مبارکہ ہیں اور جو اس پر جائز ہیں اور جو اس پر جائز نہیں ہے سو اس علم کے محل کی جلالت و عظمت اور اس کے مرتبہ و شان کی فضیلت کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے اے اللہ تعالیٰ! آپ ہمیں ان لوگوں کے گروہ میں اٹھانا جو تیری معرفت رکھنے والے اور تیری رضا کے لیے عمل کرنے والے اور تیرے ثواب کی امید رکھنے والے اور تیرے عذاب سے ڈرنے والے تیرے دیدار کے ساتھ معزز و محترم ہونے والے ہیں۔

(۲) ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو "قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ" شریف پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا: بے شک واجب ہوگئی چنانچہ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! کیا واجب ہوگئی؟ آپ نے فرمایا: اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة الفلق

سورة الفلق کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی پانچ آیات ایک رکوع ہے

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝۱ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝۲ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ۝۳

وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ ۝۴ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ۝۵

(اے محبوب!) فرمائیے کہ میں صبح کے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں ۰ اس کی تمام مخلوق کے شر سے ۰ اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ چھا جائے ۰ اور گرہوں میں پھونکیں مارنے والیوں کے شر سے ۰ اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے ۰

سرکشوں کی شرارت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا

نوٹ: سورة الفلق کے کئی یا دنی ہونے میں اختلاف ہے۔

۱ رواہ النسائی فی عمل الیوم واللیلۃ رقم الحدیث: ۱۱۸

۲ رواہ الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۹۷

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

- ۱۔ ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ (اے محبوب!) فرمائیے کہ میں صبح کے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں، یعنی ”فَلَق“ سے مراد صبح ہے یا خلق مراد ہے یا یہ جہنم میں ایک وادی کا نام ہے یا جہنم میں ایک کنویں کا نام ہے۔
- ۲۔ ﴿مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ﴾ مخلوق کے شر سے (میں اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتا ہوں) یعنی دوزخ کی آگ سے یا شیطان کے شر سے بچنے کے لیے میں اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتا ہوں [اور ”مَا“ موصولہ ہے اور ضمیر عائد مجذوف ہے یا یہ ”مَا“ مصدر یہ ہے اور ”خلق“ بہ معنی مخلوق ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”مِنْ شَرِّ“ تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اور اس قراءت کی بناء پر ”مَا“ اپنے فعل سمیت مصدر کی تاویل میں ہو کر محلاً مجرور ہوگا اور ”مِنْ شَرِّ“ سے بدل ہوگا یعنی اس کی مخلوق کے شر سے یا شریر مخلوق سے یا ”مَا“ زائدہ ہے۔]

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت ابن مسعود پر انکار معوذتین کے الزام کی تحقیق

بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ معوذتین (یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) کو قرآن مجید میں شمار نہیں کرتے تھے جو مصحف انہوں نے مرتب کیا تھا، اس میں بھی یہ سورتیں موجود نہیں تھیں، لہذا علمائے اسلام نے اس کے چند جوابات ذکر کیے ہیں:

(۱) یہ حضرت ابن مسعود پر جھوٹا الزام ہے۔

شیخ علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:

وہ قرآن جو اس وقت شرفاً غرماً تمام مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے، اس میں سورۃ فاتحہ سے لے کر معوذتین تک جو مصاحف میں بیان کیا گیا ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ عزوجل کا کلام اور اس کی وحی ہے جو اس نے سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے قلب مبارک پر نازل فرمایا ہے، جس شخص نے اس میں سے ایک حرف کا بھی انکار کیا وہ کافر ہے، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو مروی ہے کہ ان کے مصحف میں سورۃ فاتحہ اور معوذتین نہیں تھیں سو وہ جھوٹ ہے، موضوع (من گھڑت روایت) ہے صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ حضرت زہر بن حبیش، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ ان کے مصحف میں سورۃ الفاتحہ اور معوذتین موجود تھیں۔ (المحلی بالآثار ج ۱ ص ۳۲، مسئلہ: ۲۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

صحیح مسلم کی حدیث: ۸۱۴ میں واضح دلیل ہے کہ معوذتین قرآن مجید میں سے ہیں اور جس نے حضرت ابن مسعود کی طرف اس کے خلاف منسوب کیا ہے اس کا قول مردود ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۳ ص ۱۸۲، دارالوفاء بیروت، ۱۴۱۹ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

کتب قدیمہ میں یہ منقول ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سورۃ فاتحہ اور معوذتین کے قرآن ہونے کا انکار کرتے تھے اور اس مسئلہ میں بہت قوی اشکال ہے کیونکہ اگر ہم یہ کہیں کہ صحابہ کے زمانہ میں سورۃ فاتحہ اور معوذتین کے قرآن ہونے پر نقل متواتر حاصل تھی اور حضرت ابن مسعود کو اس کا علم تھا اور پھر انہوں نے اس کے قرآن ہونے کا انکار کیا تو یہ انکار ان کے کفر کو یا ان کی عقل کی کمی کو واجب کرے گا اور اگر ہم یہ کہیں کہ اس زمانہ میں ان کے قرآن ہونے پر نقل متواتر نہیں تھی تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ اصل میں قرآن مجید نقل متواتر سے ثابت نہیں ہے، اس سے قرآن مجید یقینی حجت اور مستحکم دلیل نہیں رہے گا، اس لیے ظن غالب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو یہ مذہب منقول ہے یہ نقل کاذب (جھوٹی) ہے اور باطل ہے اور اسی بات سے اس اشکال کا حل نکل سکتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۹۰، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۳- ﴿وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ﴾ اور رات کے شر سے جب اس کا اندھیرا ہر طرف چھا جائے۔ ”غاسق“ کا معنی ہے: رات جب اس کا اندھیرا اور تاریکی بہت سخت ہو جائے اور ”وقب“ کا معنی ہے کہ اس کا اندھیرا ہر چیز میں داخل ہو جائے اور کوئی چیز رات کے اندھیرے سے خالی نہ رہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے ہاتھوں کو پکڑا اور چاند کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ تو اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کر سو بے شک یہ اندھیرا لانے والا ہے جب یہ ڈوبے اور اس کا ”وقوب“ یعنی ڈوبنا گہن میں داخل ہونا اور اس کا سیاہ ہونا ہے۔

۴- ﴿وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ﴾ اور گرہوں میں پھونکیں مارنے والیوں کے شر سے۔ ”نفثات“ (مونت اس لیے ہے کہ اس سے عورتیں مراد ہیں یا نفوس (اشخاص) مراد ہیں یا پھر جادو کرنے والی عورتوں کی جماعتیں مراد ہیں جو دھاگوں میں گرہ لگاتی ہیں اور وہ ان پر پھونکیں مارتی ہیں اور وہ منتر وغیرہ پڑھتی ہیں۔ ”نفث“ کا معنی ہے: لعاب کی آمیزش کے ساتھ پھونک مارنا اور یہ آیت مبارکہ واضح دلیل ہے کہ جادو کے تحقق اور اس کے اثر کے ظہور کا انکار کرنے والے معتزلہ کا قول باطل اور غلط ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

صحیح مسلم شریف کی حدیث: ۸۱۴ میں اس پر واضح دلیل ہے کہ معوذتین قرآن ہیں اور حضرت ابن مسعود سے جو اس کے خلاف منقول ہیں وہ مردود ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النوادی ج ۲ ص ۲۳۲۲، مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

المعوذتان قرآن مجید سے ہیں اور جس شخص نے حضرت ابن مسعود کی طرف اس کے خلاف منسوب کیا، اس کا قول مردود ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۳ ص ۶۰، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ شیخ اسماعیل حقی لکھتے ہیں:

ان کی طرف یہ نسبت غلط ہے، صرف ان کے مصحف میں نہ ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ ان دو سورتوں کے جزو ہونے کے قائل نہیں یہ غلط ہے اس لیے کہ انہوں نے اپنے مصحف میں وہ سورتیں درج کیں جن کے لیے اذہان سے بھول جانے کا خطرہ تھا اور ان دونوں سورتوں کے اذہان سے اترنے اور بھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو بچہ بچہ کو یاد تھیں اور ان کی زبان پر ہر وقت جاری رہتی تھیں۔ (تفسیر روح البیان مترجم جز ۳۰ ص ۶۳۸، مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور)

(۲) علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:

اور شرح الموافق میں مذکور ہے کہ قرآن مجید کی بعض سورتوں کے بارے میں بعض صحابہ کرام کا اختلاف اخبار احاد سے مروی ہے جو صرف ظن و گمان کا فائدہ دیتی ہیں اور مکمل قرآن مجید اور احادیث متواترہ سے منقول ہے جو یقین اور قطعیت کا فائدہ دیتی ہیں اور یقین کے مقابلہ میں ظن و گمان ختم ہو جاتا ہے اور کالعدم ہوتا ہے اور غیر معتبر ہوتا ہے، سو اس لیے ان اخبار احاد کو غیر معتبر و کالعدم قرار دے کر ان کی طرف کوئی توجہ اور التفات نہیں کی جائے گی۔ (تفسیر روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۷۹، مکتبہ رشیدیہ لاہور)

(۳) اس میں تو کلام نہیں کہ یہ سب اخبار احاد ہیں، علماء اصول حدیث نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ اخبار احاد کی صحت کے لیے صرف راویوں کی عدالت اور قوت حافظہ ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اخبار احاد کا درایت کے معیار پر پورا اترنا بھی لازمی ہے اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ بدہمت عقل کے خلاف نہ ہوں، اگر اس قاعدہ کو پیش نظر رکھا جائے تو ان روایات کو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۵۔ ﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدًا﴾ اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے یعنی جب اس کے حسد کا ظہور ہو اور وہ اس کے مقتضا پر عمل کرے کیونکہ جب تک حسد ظاہر نہیں ہوگا تو اس کا ضرر اور نقصان حاسد کی طرف سے اس شخص پر وارد نہیں ہوگا جس پر حسد کیا گیا بلکہ وہ اپنے آپ کو نقصان دے گا اس لیے کہ حاسد اپنے غیر کی مسرت و خوشی پر غمگین ہو جائے گا اور اپنے غیر کے پاس خیر و بھلائی پر افسوس کرے گا اور تمام مخلوق کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنے کے بعد اس کے علاوہ دیگر چیزوں کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا اس بات کی علامت اور دلیل ہے کہ ان دیگر چیزوں کا شر بہت زیادہ سخت ہے اور اس سورت مبارکہ کو حسد پر اس لیے ختم کیا گیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ حسد بھی شر ہے اور یہ پہلا گناہ ہے جس کی وجہ سے آسمان میں ابلیس کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی گئی اور زمین میں قابیل کی طرف سے اسی حسد کی بناء پر نافرمانی کی گئی اور بے شک جن چیزوں کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے ان میں سے بعض کو معرفہ ذکر کیا گیا ہے اور بعض کو نکرہ ذکر کیا گیا ہے چونکہ ہر جادو بُرا ہے سو اس لیے ”النفقات“ کو معرفہ ذکر کیا گیا ہے اور ”غاسق“ اور ”حاسد“ کو نکرہ ذکر کیا گیا ہے کیونکہ ہر ”غاسق“ میں بُرائی نہیں ہوتی بلکہ بعض میں شر اور بُرائی ہوتی ہے اور بعض میں نہیں ہوتی اور اسی طرح ہر حاسد مضر اور نقصان دہ نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات حسد محمود اور پسندیدہ ہوتا ہے جیسے نیکی اور خیر و بھلائی کے کاموں کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بنیاد بنا کر انکار کی عمارت استوار کرنا قرین دانش مندی نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت عالیہ میں حاضر باش رہا کرتے تھے آپ کا شمار اصحاب صفہ میں تھا جو آٹھوں پہر مسجد نبوی میں پڑے رہتے۔ حضور کی زیارت خدمت میں حاضری ارشادات رسالت کو سننا ان کو یاد رکھنا اور قرآن مجید کی جو آیتیں نازل ہوتیں ان کو حفظ کرنا ان کی زندگی کی ساری سرگرمیاں انہیں چند باتوں میں سمٹ کر رہ گئی تھیں۔ وہ تقریباً ہر نماز حضور نبی کریم ﷺ کی اقتداء میں ادا کیا کرتے تھے اور حضور رحمت عالم ﷺ نے بار بار ان سورتوں کو نماز میں تلاوت فرمایا۔ صدہا صحابہ کرام نے اپنے کانوں سے اسے سنا یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے ہمہ وقت حاضر باش ہر نماز حضور کی اقتداء میں پڑھنے والے کو یہ معلوم نہ ہو کہ یہ قرآن کریم کی سورتیں ہیں یا نہیں؟ بڑی تعجب خیز بات ہے۔ علامہ سیوطی نے طبرانی سے ایک حدیث بیان کی ہے: (ترجمہ) طبرانی نے اوسط میں حسن سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود سے یہ ارشاد رسالت نقل کیا ہے کہ حضور نے فرمایا کہ مجھ پر ایسی آیات نازل ہوئی ہیں جن کی مثل مجھ پر نازل نہیں ہوئیں اور وہ معوذتین ہیں۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابن مسعود کو ان آیات کے نزول کے بارے میں آگاہ فرمادیا۔

(۴) ہو سکتا ہے کہ پہلے آپ کا یہی خیال ہو کہ یہ (دونوں سورتیں) محض جھاڑ پھونک کے لیے چند جملے نازل ہوئے ہیں اور قرآن کا جزو نہیں ہیں لیکن حضور کا یہ ارشاد سننے کے بعد اگر ان کے بارے میں انہیں کوئی شک تھا تو وہ بھی دور ہو گیا اور آپ نے اپنے پہلے قول سے رجوع کر لیا۔ (ماخوذ از: تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۲۲۰-۲۲۱)

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:

اور تمہیں خوب معلوم ہے کہ معوذتین کے قرآن ہونے پر اجماع ہو چکا ہے اور فقہائے اسلام نے کہا ہے کہ اب معوذتین کے قرآن ہونے کا انکار کرنا کفر ہے اور شاید کہ حضرت ابن مسعود نے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا۔

(تفسیر روح المعانی ج ۳۰ ص ۳۹۹-۴۰۰۔ مکتبہ رشیدیہ لاہور دار الفکر بیروت ۱۴۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن مسعود کے رجوع کے قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام طبرانی نے خود حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے ان دونوں سورتوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: مجھ سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اپنانے میں سبقت کرنے کے لیے جسد (یعنی رشک) کرنا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ الناس کی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۰ اس کی چھ آیات ایک رکوع ہے

قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۱ مَلِكِ النَّاسِ ۲ اِلٰهِ النَّاسِ ۳ مِنْ شَرِّ

الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۴ الَّذِي يُّوسْوِسُ فِي صُدُوْرِ النَّاسِ ۵ مِنْ الْجِنَّةِ

وَالنَّاسِ ۶

(اے محبوب!) فرمائیے کہ میں تمام انسانوں کے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں ۰ تمام انسانوں کے بادشاہ کی ۰ تمام انسانوں کے معبود کی ۰ وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ کر دیک جانے والے کے شر سے ۰ جو انسانوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے ۰ جنوں اور انسانوں میں سے ۰

سرکشوں کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا

نوٹ: سورۃ الناس کے کئی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ان سورتوں کو پڑھنے کے لیے کہا گیا تو میں نے ان کو پڑھا سو تم بھی ان کو اسی طرح پڑھو جس طرح میں نے پڑھا ہے۔ (ماخوذ از: تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۱۰۴۵ بحوالہ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۵۱۵) علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

(تنبیہ دوم) معوذتین کے قرآن ہونے پر تمام صحابہ کا اجماع ہے اور ان کے عہد سے آج تک بتواتر ثابت ہے۔ صرف ابن مسعود سے نقل کرتے ہیں کہ وہ ان دو سورتوں کو اپنے مصحف میں نہیں لکھتے تھے، لیکن واضح رہے کہ ان کو بھی ان سورتوں کے کلام اللہ ہونے میں شبہ نہ تھا، وہ مانتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور لاریب آسمان سے اترا ہے، مگر ان کے نازل کرنے کا مقصد رقیہ (یعنی ان کو پڑھ کر دم کرنا) اور علاج تھا، معلوم نہیں کہ تلاوت کی غرض سے اتاری گئی ہیں یا نہیں، اس لیے ان کو مصحف میں درج کرنا اور اس قرآن میں شامل کرنا جس کی تلاوت نماز وغیرہ میں مطلوب ہے، خلاف احتیاط ہے اور بہت ممکن ہے کہ جب بتواتر سے ان کو ثابت ہو گیا ہو کہ یہ بھی قرآن مملو ہے تو اپنی رائے پر قائم نہ رہے ہوں (بلکہ رجوع کر لیا ہو) اس کے علاوہ ان کی یہ انفرادی رائے بھی محض خبر واحد سے معلوم ہوئی ہے جو بتواتر قرآنی کے مقابلہ میں قابل سماعت نہیں ہو سکتی۔

(ماخوذ از: تفسیر عثمانی حاشیہ قرآن ص ۸۰۴، مطبوعہ دارالتصنیف، کراچی)

اس بات پر سب متفق ہیں کہ یہ دونوں سورتیں (العلق اور الناس) ایک ساتھ نازل ہوئیں لیکن کہاں نازل ہوئیں؟ اس میں دو قول ہیں۔ حضرت حسن بصری، عطاء، عکرمہ اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پیدائش ہے کہ ان کا نزول مکہ میں ہوا، حضرت ابن عباس کے ایک قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، لیکن حضرت قتادہ، ابوصالح اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نیز ان کے علاوہ علمائے اسلام کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں مدنی ہیں۔ بعض مفسرین نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے لیکن احادیث مرفوعہ دوسرے قول کی تائید کرتی ہیں اس لیے مرفوع احادیث کے مقابلہ میں کسی کے قول کو ترجیح دینا بہت مشکل ہے، ایک مرفوع حدیث (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱۔ ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ (اے محبوب!) فرمائیے کہ میں تمام انسانوں کے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں یعنی میں ان کے مربی اور ان کے مصلح کی پناہ لیتا ہوں جو ان کی تربیت فرمانے اور ان کی اصلاح کرنے والا ہے۔

۲۔ ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ تمام انسانوں کے مالک کی (میں پناہ لیتا ہوں) جو ان سب کا مالک و خالق ہے اور ان کے تمام معاملات کی تدبیر فرمانے والا ہے۔

۳۔ ﴿إِلٰهِ النَّاسِ﴾ تمام انسانوں کے معبود کی (میں پناہ لیتا ہوں) جو ان کا اصل اور برحق معبود ہے اور اللہ تعالیٰ نے مضاف الیہ ”الناس“ کے اظہار کے لیے ایک دفعہ ذکر کرنے پر اکتفاء نہیں فرمایا (بلکہ تین دفعہ ذکر فرمایا اس کا اظہار فرمایا ہے) کیونکہ ”مَلِكِ النَّاسِ“ اور ”إِلٰهِ النَّاسِ“ کا ارشاد باری تعالیٰ ”رَبِّ النَّاسِ“ کا عطف بیان ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کو (مجازی طور پر) ”رَبِّ النَّاسِ“ اور ”مَلِكِ النَّاسِ“ کہا جاتا ہے، لیکن رہا ”إِلٰهِ النَّاسِ“ تو یہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ بہر حال بیان کے لیے عطف بیان گویا اظہار کا تقاضا کرتا ہے نہ کہ اضمحار کا اور اگرچہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا رب ہے، لیکن رب کی اضافت و نسبت خاص کر ”الناس“ کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ انسان کی فضیلت و شرف کا اظہار کیا جائے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جسے مسلم ترمذی، نسائی اور احمد بن حنبل علیہم الرحمۃ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں روایت کیا ہے کہ حضرت عقبہ فرماتے ہیں: ایک روز رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ”أَلَمْ تَرَ آيَاتِ أَنْزَلَتْ اللَّيْلَةَ لَمْ يَوْ مِثْلَهُنَّ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ“ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ” یعنی کیا تمہیں خبر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آج رات مجھ پر ایسی آیتیں نازل فرمائی ہیں جن کی مثال پہلے نظر نہیں آتی، وہ ”اعوذ برب الفلق“ اور ”اعوذ برب الناس“ ہیں۔

حضرت عقبہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ ان کو حضور کا یہ ارشاد کہ آج رات مجھ پر ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں جن کی مثال پہلے نظر نہیں آتی، یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ ان سورتوں کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا۔ دوسری حدیث مبارکہ جو اس قول کی تائید کرتی ہے وہ ہے جس میں ان کے شان نزول کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اس حدیث کو ائمہ کبار بغوی، نسفی، بیہقی اور ابن سعد نے روایت کیا ہے۔ ان کے علاوہ شرح حدیث میں سے حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدر الدین عینی نے اپنے اسفار جلیلہ (یعنی کتب عظیمہ) میں لکھا ہے کہ سات ہجری میں جب ایک یہودی لبید بن اعصم نے جادو کیا اس وقت جادو کے اثرات کو کاہل عدم کرنے کے لیے یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں۔ ان ائمہ حدیث کی تحقیق کے بعد اور حضرت عقبہ بن عامر کی مرفوع روایت کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۱۹)

اس سورت کی پہلی آیت مبارکہ میں انسانوں کے رب تعالیٰ کی پناہ لینے کا حکم ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا رب ہے اور سب کا مالک، مربی اور مصلح ہے اس میں تشبیہ کرنا ہے کہ تمام مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو مخلوق سب سے افضل ہے وہ انسان ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رب ہونے کی نسبت انسان کی طرف کی ہے پھر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے بادشاہ اور انسانوں کے معبود برحق کا ذکر فرمایا۔ اس میں یہ تشبیہ ہے کہ انسانوں کے بادشاہ بھی ہوتے ہیں لیکن تمام انسانوں کا بادشاہ صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بعض انسان ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی عبادت کی جاتی ہے لیکن حقیقت میں وہ عبادت کے مستحق نہیں ہیں عبادت کا مستحق وہ ہے جو تمام انسانوں کا معبود ہے۔

جو شخص بادشاہ ہوتا ہے اور ملک کا سربراہ ہوتا ہے وہی پورے ملک پر حاکم ہوتا ہے وہی ملک کے باشندوں کے لیے قانون بنا تا ہے پورے ملک میں اسی کی فرماں روائی ہوتی ہے اور اسی کا حکم چلتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”مَلِكِ النَّاسِ“ (الناس: ۲) یعنی وہی دنیا کے تمام لوگوں کا بادشاہ اور حاکم مطلق ہے اسی کی تمام جہانوں میں حکومت اور فرماں روائی ہے اس نے ارشاد (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور اس لیے کہ انسانوں کے دلوں میں وسوسے ڈالنے والے کے شر سے پناہ طلب کرنا واقع ہوا، سو گویا کہا گیا ہے کہ میں انسانوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے ان کے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں جو ان پر ان کے تمام امور و معاملات کا مالک و منتظم ہے اور وہی ان کا ”إِلٰه“ اور معبود برحق ہے اور بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ پہلی آیت مبارکہ میں ”الناس“ سے اطفال (یعنی بچے) مراد ہیں اور اس پر ربوبیت کا معنی (پرورش کرنا) دلالت و رہنمائی کر رہا ہے اور دوسری آیت مبارکہ میں ”الناس“ سے شباب (یعنی نوجوان) مراد ہیں ”مَلِک“ سیاست (یعنی ملکی تدبیر و انتظام) سے آگاہ کرنے والا اس پر دلالت و رہنمائی کر رہا ہے اور تیسری آیت مبارکہ میں ”الناس“ سے شیوخ (یعنی عمر رسیدہ بزرگ) مراد ہیں اور لفظ ”إِلٰه“ عبادت و بندگی کی خبر دینے والا اس پر دلالت و رہنمائی کر رہا ہے اور پانچویں آیت مبارکہ میں ”الناس“ سے صالحین مراد ہیں کیونکہ شیطان اپنے اغوا و دھوکا اور وسوسہ کے ذریعے انہیں راہِ حق سے روکتا ہے اور چھٹی آیت مبارکہ میں ”الناس“ سے فساد پھیلانے والے لوگ مراد ہیں کیونکہ اس کا عطف معوذمنہ پر ہے۔

۴- ﴿مِن شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَاسِ﴾ وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے (میں اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتا ہوں) یہ اسم بہ معنی وسوسہ ہے جیسے ”زلزال“ بہ معنی زلزلہ ہے لیکن مصدر کی صورت میں پہلی واؤ مکسور کے ساتھ ”وَسْوَاسٍ“ پڑھا جائے گا جیسے ”زَلْزَالَ“ ہے اور اس سے شیطان مراد ہے اس کو مصدر کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ گویا شیطان بذاتِ خود وسوسہ ہے کیونکہ انسانوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالنا اس کا شغل ہے جس پر وہ ہمیشہ جھکا رہتا ہے یا پھر اس سے ”ذُو الْوَسْوَاسِ“ مراد ہے جس کا معنی ہے: وسوسہ ڈالنے والا اور وسوسہ کا معنی ہے: پوشیدہ آواز ﴿الْخَنَّاسِ﴾ پیچھے ہٹ کر چھپ جانے والا۔ یہ شیطان کی عادت ہے کہ وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ یہ ”خَنَسُوس“ کی طرف منسوب ہے اور اس کا معنی ہے: پیچھے ہٹ جانا، جیسے ”عَوَّاجٌ“ (ہاتھی دانت بیچنے والا) اور ”بَنَاتٌ“ (موٹا کپڑا بیچنے والا) ہے اس لیے کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور پیٹھ پھیر کر مڑ جاتا ہے اور جب انسان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے تو پھر شیطان واپس لوٹ آتا ہے اور اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔

۵- ﴿الَّذِي يُوسِّسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ﴾ جو انسانوں کے سینوں میں اور ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے [یہ اسم موصول ”خَنَّاسِ“ کی صفت ہونے کی بناء پر محلاً مجرور ہے یا پھر ذم و شتم کی بناء پر مرفوع یا منصوب ہے اور ان دونوں صورتوں میں ”الْخَنَّاسِ“ پر وقف کرنا بہتر ہے]۔

۶- ﴿مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾ جنوں اور انسانوں میں سے۔ یہ آیت مبارکہ ”الَّذِي يُوسِّسُ“ کا بیان ہے یہ اس بناء پر کہ شیطان دو قسم کے ہیں: (۱) جن (۲) انسان جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا“ (الانعام: ۱۱۲) ”اور اسی طرح ہم نے انسانوں اور جنوں کے شیطانوں کو ہر نبی کا دشمن بنا دیا کہ وہ دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کی طرف جھوٹی اور بناوٹی باتیں ڈالتے ہیں“۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے ایک آدمی سے فرمایا کہ کیا تم نے انسانی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) فرمایا: ”إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ“ (الانعام: ۵۷) ”حکم دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے“۔

جب سب انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور اسی نے ان کی تربیت اور پرورش کی ہے تو تمام انسانوں کی معیشت اور معاشرت میں حکم دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے نیز فرمایا: ”إِلٰهَ النَّاسِ“ یعنی وہی سب لوگوں کا معبود ہے خواہ انسان کسی کی عبادت کرے تمام لوگوں کی عبادت کا مستحق صرف وہی واحد لا شریک ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۱۰۵۳-۱۰۵۴)

شیطان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کر لی؟

شان نزول: ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ بے شک حضور نبی کریم ﷺ پر جادو کیا گیا تو آپ بیمار ہو گئے اور آپ کے پاس دو فرشتے (بعض روایات کے مطابق حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام) حاضر ہوئے اور آپ اس وقت نیند کی حالت میں آرام فرما رہے تھے ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ ان کو کیا تکلیف ہے؟ تو دوسرے نے جواب دیا کہ ان پر جادو کر دیا گیا ہے۔ پہلے نے پوچھا: ان پر کس نے جادو کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا کہ لیبید بن اعصم یہودی نے کیا ہے پوچھا کہ اس نے آپ پر کس چیز کے ساتھ جادو کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ آپ کی کنگھی اور آپ کے چند بال لے کر کھجور کے خوشہ کے غلاف میں لپیٹ کر ذی اروان کے کنویں میں ایک پتھر کے نیچے دبا کر رکھ دیئے گئے ہیں چنانچہ جب حضور نبی کریم ﷺ بیدار ہوئے تو آپ نے حضرت زبیر، حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ذی اروان کے کنویں کی طرف بھیجا، سو انہوں نے وہاں کنویں کا پانی نکالا اور انہوں نے غلاف نکالا تو دیکھا کہ اس میں آپ کے سر مبارک کے چند بال شریف اور آپ کی کنگھی مبارک کے چند دندانے لپٹے ہوئے تھے اور اس میں چمڑے کا تانت نما ایک دھاگا تھا جس میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں اور ہر گرہ میں سوئی چھوٹی ہوئی تھی، سو اس موقع پر یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام ایک ایک آیت پڑھتے گئے اور ہر آیت پر ایک ایک گرہ کھلتی گئی اور سوئیاں بھی نکلتی گئیں یہاں تک کہ دونوں سورتوں کی تلاوت کے اختتام پر آخری گرہ کھلتی ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صحیح سلامت ہو کر کھڑے ہو گئے اور آپ ہشاش بشاش ہو گئے اور جادو کا اثر زائل ہو گیا (اور کفار کا منصوبہ ناکام ہو گیا)۔

حدیث شریف: ایک روایت مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دم

۱۔ اس جادو سے حضور نبی کریم ﷺ کو کس قسم کی تکلیف ہوتی تھی اس کے بارے میں تصریحات موجود ہیں۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں: (ترجمہ) یعنی حضور کی طبیعت گھٹنے لگی، نقاہت بڑھنے لگی اور کمزوری محسوس ہونے لگی، لیکن یہ ظاہر اس کی کوئی وجہ معلوم نہ ہوتی تھی۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: (ترجمہ) یعنی ایسا کام جو نہ کیا ہوتا اس کے بارے میں حضور کو خیال ہوتا کہ کر لیا گیا ہے۔

کتب حدیث میں اس جادو کے اثرات کے بارے میں جتنی روایات ملتی ہیں ان کا یہی نچوڑ ہے کہ جسمانی طور پر نقاہت و کمزوری محسوس ہوتی لیکن ایسی کوئی ضعیف سے ضعیف روایت بھی موجود نہیں جس سے یہ پتا چلتا ہو کہ فرائض نبوت کی ادائیگی میں کبھی بال برابر فرق آیا ہو۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ نماز کے ارکان میں تقدیم و تاخیر سرزد ہوئی ہو یا تلاوت قرآن مجید کے وقت نسیان طاری ہو گیا ہو یا مملکت اسلامیہ کی توسیع اور استحکام یا اسلام کی تبلیغ میں کوئی معمولی سا رخنہ بھی پیدا ہوا ہو (ہرگز نہیں) لیکن معتزلہ اور عقل کے جدید و قدیم پرستار جادو کی تمام روایات کو ساقط الاعتبار اور ناقابل اعتبار قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ان روایات کو صحیح تسلیم کیا جائے تو اس سے منصب نبوت کی توہین ہوتی ہے بلکہ ہر قسم کی وحی اور شریعت کے جملہ ارکان پر سے وثوق و اعتماد اٹھ جاتا ہے کیونکہ اگر ان روایات کے مطابق مان لیا جائے کہ حضور پر جادو کا اثر ہو گیا تھا تو پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے اثر سے کوئی آیت ذہن سے اتر گئی ہو قرآنی آیت کے بجائے کسی خود ساختہ جملہ کو آیت قرآنی فرض کر لیا گیا ہو نیز یہ روایات اس آیت کے بھی منافی ہیں: "وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ" کہ لوگوں کی شرانگیزیوں سے اللہ تعالیٰ آپ کا محافظ ہے جب عصمت نبوت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لے لی ہے تو پھر یہ کیسے مان لیا جائے کہ یہودیوں کے سحر کا حضور پر اثر ہو گیا ہو۔

ان اعتراضات اور شکوک کے بارے میں اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو حیثیتیں تھیں: ایک حیثیت نبوت اور دوسری حیثیت بشریت۔ عوارض بشری کا ورود ذات اقدس پر ہوتا رہتا تھا بخار و دردِ چوٹ لگنا و دندان مبارک کا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کرتے ہوئے یہ پڑھا کرتے تھے: ”بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ وَاللّٰهُ يَشْفِيْكَ مِنْ كُلِّ دَاۤءٍ يُّوْذِيْكَ“ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۵۷۶۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۸۹) ”اللہ تعالیٰ کا نام لے کر میں آپ پر دم کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ آپ کو ہر بیماری سے شفاء عطا فرمائے جو آپ کو اذیت و تکلیف دیتی ہے“ اور اسی لیے علمائے اسلام نے کلام اللہ یعنی قرآن مجید اور کلام رسول اللہ یعنی احادیث مبارکہ سے دم کرنا، تعویذ لکھ کر دینا اور جھاڑ پھونک کرنا جائز قرار دیا ہے اور سریانی، عبرانی اور ہندی وغیرہ کلام سے دم وغیرہ کرنا جائز نہیں ہے (جب کہ اس کا معنی اور مفہوم معلوم نہ ہو یا وہ شریک کلمات ہوں) کیونکہ ایسے کلام پر اعتقاد جائز نہیں اور نہ اس پر اعتقاد جائز ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) شہید ہونا، طائف میں پنڈلیوں کا لہولہان ہونا اور اُحد میں جبین سعادت کا زخمی ہونا، یہ سب واقعات تاریخ کے صفحات کی زینت ہیں۔ یہ لوگ بھی ان سے انکار کی جرأت نہیں کر سکتے اور ان عوارض سے حضور ﷺ کی شان رسالت اور حیثیت نبوت پر قطعاً کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یہاں بھی جادو کا اثر حضور کی جسمانی صحت تک محدود تھا۔ شان رسالت کا کوئی پہلو قطعاً اس سے متاثر نہ تھا بلکہ آپ کی شان رسالت و نبوت معصوم و محفوظ تھی کیونکہ اگر ایسا ہوتا کہ اس جادو سے حضور کوئی آیت بھول جاتے یا الفاظ میں تقدیم و تاخیر کر دیتے، یا قرآن مجید میں اپنی طرف سے کوئی جملہ بڑھا دیتے، یا نماز کے ارکان میں رد و بدل ہو جاتا تو اسلام کے بدخواہ اتنا شور و غل مچاتے کہ الامان والحفیظ! بطلان رسالت کے لیے انہیں ایک ایسا مہلک ہتھیار دستیاب ہو جاتا کہ اس کے بعد انہیں دعوت اسلامی کو ناکام کرنے کے لیے مزید کسی ہتھیار کی ضرورت نہ رہتی، لیکن اس قسم کا کوئی واقعہ کسی حدیث یا تاریخ کی کتاب میں موجود نہیں ہے۔ دشمنان اسلام نے آج تک جتنی کتابیں پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں لکھی ہیں ان میں بھی اس قسم کا کوئی واقعہ درج نہیں۔ معلوم ہوا کہ لبید یہودی کے جادو کا اثر فقط اس حد تک ہوا کہ حضور کی صرف صحت گرامی متاثر ہوئی جس طرح علامہ سیوطی رحمہ اللہ اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ کے حوالے نقل کیے جا چکے ہیں۔

(ماخوذ مع الانتخاب از: تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۷۲۳-۷۲۵)

واضح ہو کہ جادو کے کلمات پڑھ کر گرہوں میں پھونک مارنا باطل اور حرام ہے لیکن اللہ تعالیٰ (اور اس کے رسول) کا کلام پڑھ کر کسی بیمار پر پھونک مارنا مستحب ہے اور اس کے استحباب میں حسب ذیل احادیث مبارکہ ہیں:

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ بستر پر لیٹتے تو آپ اپنی ہتھیلیوں پر ”قل هو اللہ احد“ اور معوذتین پڑھ کر پھونک مارتے، پھر ان ہتھیلیوں کو اپنے چہرے مبارک پر ملتے اور ان ہتھیلیوں کو جہاں تک آپ کے ہاتھ مبارک پہنچتے وہاں تک اپنے جسم پر ملتے، حضرت عائشہ نے فرمایا کہ جب حضور بیمار ہو گئے تو آپ مجھے اس طرح پھونک مار کر اپنی ہتھیلیوں کو ملنے کا حکم دیتے۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۵۷۳۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۹۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۲۹)

(۲) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ایک سفر میں گئے اور عرب کے کسی قبیلہ میں پہنچے، انہوں نے قبیلہ والوں سے کہا: ہماری مہمانی کرو (یعنی ہمیں کھانا کھلاؤ) قبیلہ والوں نے ان کو مہمان بنانے سے انکار کیا، اس قبیلہ کے سردار کو پھونک مارا ہوا تھا، انہوں نے اس کے علاج کے بہت جتن کیے لیکن کسی چیز سے فائدہ نہیں ہوا، ان میں سے کسی نے کہا: یہ لوگ جو تمہاری بستی میں آئے ہیں ہو سکتا ہے ان کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جس سے اس کو شفا ہو جائے، سو ان لوگوں نے صحابہ کرام سے کہا: اے نوواردوں کی جماعت! ہمارے سردار کو پھونک مارا ہے، ہم نے اس کے علاج کی پوری کوشش کر لی لیکن اس کو فائدہ نہیں ہوا، کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ صحابہ میں سے ایک شخص نے کہا: ہاں ہے، اللہ کی قسم! (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور ہم اپنے نفوس کی شرارتوں سے اور اپنے اعمال و اقوال کی برائیوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں اور ہم نے جو کام کیے ان کے شر سے بھی اور جو کام نہیں کیے ان کے شر سے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک حضرت محمد ﷺ اس کے خاص بندے اور اس کے آخری رسول اور اس کے آخری نبی اور اس کے برگزیدہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین ناخوش ہوں۔ (التوبہ: ۳۳) اور اللہ تعالیٰ ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) پر کامل ترین درود و رحمت نازل فرمائے اور آپ کی آل پر جو لوگوں کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بے شک میں ضرور دم کرتا ہوں، لیکن اللہ کی قسم! ہم نے مہمانی طلب کی تھی تم نے ہماری مہمانی نہیں کی، لہذا اب میں تمہیں دم کرنے والا نہیں ہوں یہاں تک کہ تم ہمیں معاوضہ دو، پس انہوں نے بکریوں کے ایک ریوڑ پر صلح کر لی (وہ تیس بکریاں تھیں)۔ (ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۲) پھر وہ صحابی گئے اور سورت فاتحہ پڑھ کر اس سردار پر لعاب آمیز پھونک ماری حتیٰ کہ وہ ایسے ہو گیا جیسے رستی سے (بندھا ہوا) کھل گیا ہو اور وہ اس طرح چلنے لگا گویا اس کو کوئی تکلیف ہی نہ تھی، پھر قبیلہ والوں نے ان کو بکریوں کا ریوڑ دے دیا۔ بعض صحابہ نے کہا: ان بکریوں کو آپس میں تقسیم کر لو، دم کرنے والے صحابی نے کہا: نہیں! حتیٰ کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق معلوم کر لیں، ہم آپ کے سامنے یہ واقعہ بیان کریں گے، پھر دیکھتے ہیں کہ آپ کیا حکم فرماتے ہیں، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور آپ سے اس واقعہ کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ دم ہے، بہر حال تم نے درست کیا، ان بکریوں کو تقسیم کر لو اور ان میں سے میرا حصہ بھی نکالو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۴۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۲، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۶۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۰۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۵۶) بعض روایات میں دم کرنے کی ممانعت ہے، اس سے مراد شریک کلمات پڑھ کر دم کرنا ہے۔ (تفسیر تبيان القرآن ج ۱۲ ص ۱۰۵۰)

(۳) نیز امام بخاری، امام احمد ترمذی، ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت سیدنا امام حسن اور سیدنا امام حسین کو یہ پڑھ کر دم فرمایا کرتے: "أَعِيذُكُمْ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ غِيْنٍ لَّامَّةٍ"۔

(۴) حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی نے ایک روز عرض کیا: یا رسول اللہ! جب سے میں مسلمان ہوا ہوں مجھے شدید درد ہوتا ہے، یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ درد جان لیوا ثابت ہوگا۔ حضور نے فرمایا: درد کی جگہ پر اپنا دایاں ہاتھ رکھو، پھر تین بار بسم اللہ اور سات مرتبہ یہ پڑھتے ہوئے درد کی جگہ پر ہاتھ رکھو: "أَعُوذُ بِاللَّهِ وَقَدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ"۔

(۵) مسند امام احمد اور طحاوی میں طلق بن علی کی روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ کی موجودگی میں بچھونے ڈنگ مارا، حضور نے مجھے دم فرمایا اور دست مبارک پھیرا۔

(۶) مسند امام احمد میں حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک روز نبی کریم ﷺ میرے حجرہ میں رونق افروز ہوئے، میرے پاس شفاء نامی ایک خاتون بیٹھی تھی جو نملہ (ذباب) کا دم کیا کرتی تھی، حضور نے فرمایا: شفاء تم یہ دم حفصہ کو بھی سکھا دو۔ خود شفاء بنت عبد اللہ کہتی ہیں کہ مجھے حضور نے فرمایا کہ تم نے حفصہ کو جس طرح لکھنا، پڑھنا سکھایا ہے، نملہ کا دم بھی سکھا دو۔

(مسند امام احمد ابوداؤد نسائی)

(۷) صحیح مسلم میں حضرت عوف بن مالک اشجعی کی یہ روایت مذکور ہے کہ ہم نے حضور کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم جاہلیت میں جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے اب اس کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ حضور نے فرمایا: جو پڑھ کر تم دم کیا کرتے تھے وہ مجھے سناؤ، جھاڑ پھونک میں کوئی مضائقہ نہیں جب تک اس میں شرک نہ ہو۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لیے چراغ ہدایت ہیں اور آپ کے اصحاب پر جو دارالسلام (جنت) کی چابیاں ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۸) حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جھاڑ پھونک سے منع فرمادیا پھر حضرت عمرو ابن حزم کے خاندان کے لوگ آئے اور عرض کیا کہ ہمارے پاس ایک عمل تھا جس سے ہم بچھو سانپ کے کانے کو دم کیا کرتے تھے مگر حضور نے ان کاموں سے منع فرمادیا ہے پھر انہوں نے وہ دم پڑھ کر سنایا حضور نے فرمایا: اس میں تو میں کوئی مضائقہ نہیں پاتا تم میں سے جو شخص اپنے کسی بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہو وہ ضرور پہنچائے۔ (مسند احمد صحیح مسلم ابن ماجہ) (ماخوذ از: تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۲۶-۲۷)

ختم قرآن کے وقت مستحب اعمال کا بیان

(۱) حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی مسلمان بندہ قرآن مجید ختم کرتا ہے تو قرآن کے ختم کے وقت

اس پر ستر ہزار فرشتے نزول رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۲۲۵۵، بحوالہ مسند الفردوس للذہبی)

(۲) حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو مسلمان شخص دن کے آغاز میں قرآن مجید ختم کرتا ہے تو شام تک سارا دن

فرشتے اس پر نزول رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور جو شخص دن کے آخر میں قرآن مجید ختم کرتا ہے تو ساری رات صبح ہونے تک

فرشتے اس پر نزول رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۱۶، بحوالہ حلیۃ الاولیاء لابن نعیم)

(۳) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ختم قرآن کے وقت تلاوت کرنے والے آدمی کی دعا قبول ہوتی ہے

اور اس کے لیے جنت میں ایک درخت عطا کیا جاتا ہے جس کی شان یہ ہے کہ اگر کوئی پرندہ اس کی جڑ سے اس کی بلندی کی طرف اڑتا

رہے تو اس کی شاخوں تک نہیں پہنچ سکے گا یہاں تک کہ وہ بوڑھا ہو جائے گا۔

(کنز العمال رقم الحدیث: ۲۲۷۷، بحوالہ کتاب التاریخ للخطیب البغدادی)

(۴) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک قرآن مجید پڑھنے والے کی دعا قبول ہوتی ہے سوا گروہ چاہے تو اسے

دنیا میں مانگ لے اور اگر چاہے تو اسے آخرت تک مؤخر کر دے۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۲۲۷۸)

(۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید کے ہر ختم پر دعا قبول کی جاتی ہے۔

(کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۱۱، بحوالہ شعب الایمان للذہبی)

(۶) حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص قرآن مجید کی محفل کے آغاز میں حاضر ہوا تو وہ گویا

مسلمانوں کی فتح میں حاضر ہوا اور جو شخص ختم قرآن کی محفل میں حاضر ہوا تو وہ گویا غنیمتوں کے احوال میں حاضر ہوا جب انہیں تقسیم کیا

جاتا ہے۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۲۸)

(۷) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب قرآن مجید ختم کرتے تو اپنے گھر والوں کو جمع کر کے دعا کرتے، بعض احادیث صحیحہ

میں ہے کہ ختم قرآن کے وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور ختم قرآن کے وقت دعا کرنا مستحب ہے اس وقت اپنے اہم کاموں

اور مسلمانوں کی فلاح کے لیے دعا کرنی چاہیے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱ ص ۵۸-۵۹) نیز ابن ابی داؤد نے دو صحیح سندوں کے ساتھ

حضرت قتادہ سے روایت بیان کی کہ حضرت قتادہ نے فرمایا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب قرآن مجید ختم کرتے تو اپنے

گھر والوں کو جمع کرتے اور (اجتماعی) دعا کرتے۔ (اعلاء السنن رقم الحدیث: ۱۱۵۲-ج ۲ ص ۱۲۲۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

(۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ جب "قُلْ

اعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ" کی تلاوت فرمالتے تو (دوبارہ) "الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ" سے پڑھنا شروع کر دیتے (پوری سورت

پڑھ کر) پھر آپ سورۃ البقرہ کے شروع سے لے کر "هُمُ الْمُفْلِحُونَ" تک پڑھتے پھر آپ ختم قرآن (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اللہ تعالیٰ ہی حق و صواب کو خوب جاننے والا ہے اور وہی سب کی پناہ گاہ اور رجوع گاہ ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کی دعا کرتے پھر آپ کھڑے ہوتے۔ (اعلاء السنن رقم الحدیث: ۱۱۵۱۔ ج ۳ ص ۱۲۲۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت) (۹) حضرت داؤد بن قیس تابعی نے مرسل روایت بیان فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ ختم قرآن کے وقت یہ دعا پڑھتے: "اللَّهُمَّ ارْحَمْنِي بِالْقُرْآنِ الْعَظِيمِ، وَاجْعَلْهُ لِي إِمَامًا وَنُورًا وَهُدًى وَرَحْمَةً. اللَّهُمَّ ذَكِّرْنِي مِنْهُ مَا نَسِيتُ وَعَلِّمْنِي مِنْهُ مَا جَهِلْتُ، وَارْزُقْنِي تِلَاوَتَهُ آتَاءَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَاجْعَلْهُ لِي حُجَّةً يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ" (ترجمہ) اے اللہ! قرآن عظیم کی برکت سے مجھ پر رحم فرما اور اس کو میرے لیے پیشوا اور نور اور ہدایت اور رحمت بنا، اے اللہ! اس میں سے جو میں بھول گیا ہوں وہ مجھے یاد کرادے اور میں جس سے بے خبر رہا ہوں وہ مجھے سکھادے اور رات اور دن کے تمام اوقات میں اس کی تلاوت کی مجھے توفیق عطا فرما اور اے تمام جہانوں کے پروردگار! تو اسے میرے لیے حجت و دلیل بنا۔ (اعلاء السنن رقم الحدیث: ۱۱۵۲۔ ج ۳ ص ۱۲۲۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، تفسیر روح البیان ج ۱۰ ص ۵۵۲، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوسٹہ)

(۱۰) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سورہ بقرہ کو تمام حقائق و دقائق اور تمام اسرار و رموز کے ساتھ پورے بارہ سال تک پڑھتے رہے اور جس روز اسے مکمل پڑھ کر فارغ ہوئے تو ختم کے روز ایک اونٹ ذبح کر کے کھانا تیار کیا اور تمام اصحاب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھانا کھلایا۔

(تفسیر فتح العزیز ج ۱ ص ۶۶، مطبوعہ افغانی دارالکتب لال کنواں، دہلی، بحوالہ شعب الایمان للبیہقی)

فائدہ: حفظ و ناظرہ اور تفسیر و تجوید قرآن کے اختتام پر اور تراویح میں اختتام قرآن پر اور جشن نزول قرآن پر مسلمانان عالم جو اہتمام اور تبرکات تقسیم کرتے ہیں ان سب معمولات کی اصل دیگر روایات کے علاوہ ایک یہ روایت بھی ہے۔

(۱۱) قاری ابن کثیر کی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب قرآن مجید پڑھتے ہوئے آخر میں "قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ" پڑھ کر قرآن ختم کرتے تو اس کے ساتھ ہی سورہ "الْحَمْدُ رَبِّ الْعَالَمِينَ" پڑھ کر سورہ بقرہ کی پہلی پانچ آیات "هُمُ الْمُفْلِحُونَ" تک پڑھ کر آئندہ کے لیے تلاوت قرآن کا آغاز کر دیتے تاکہ شیطان مردود ذلیل و رسوا ہو کر مایوس ہو جائے اور اسی عمل کو حدیث شریف میں "حَالِ الْمَرْتَحِلِ" کہا گیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ تلاوت کرنے والا اپنی تلاوت میں قرآن کو آخر تک ختم کر کے پھر شروع قرآن سے آغاز کرتے ہوئے دوسرے ختم کی طرف کوچ کرنے والا (یہ طریقہ کار مسنون ہونے کی بناء پر مستحب و پسندیدہ اور پیارا عمل ہے) اور تمام اسلامی ممالک میں ابن کثیر کی کے معمول کے مطابق عمل ہوتا ہے اور امام احمد بن حنبل کے ایک قول کے مطابق یہ مستحب عمل ہے۔ (۱۲) عراق کے مشائخ نے ختم قرآن کے وقت سورہ اخلاص کو تین مرتبہ پڑھنا مستحسن قرار دیا ہے البتہ فرض نماز میں قرآن مجید کا ختم ہو تو پھر سورہ اخلاص کو نہیں دہرایا جائے گا۔

(۱۳) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہر ختم قرآن کے وقت دعا قبول کی جاتی ہے اور جب آدمی قرآن مجید ختم کرتا ہے تو فرشتہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیتا ہے اور جو شخص ختم کے وقت اپنی بخشش میں شک کرتا ہے اس کی بخشش نہیں ہوتی۔

(۱۴) حضرت امام احمد بن حنبل اور اسی طرح سلف صالحین کی ایک بڑی جماعت نے ختم قرآن کے وقت دعائے مانگنے کو مستحب قرار دیا ہے سو جو چاہے دعائے خیر کرنے تلاوت کرنے والا قبلہ کی طرف منہ کر کے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر نہایت خشوع و خضوع اور عاجزی کے ساتھ دعا کی قبولیت پر مکمل یقین کرتے ہوئے دعا کرے اور دعا میں تکلف نہ کرے بلکہ اس سے اجتناب کرے اور دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کی تعریف بیان کرے پھر اس کے بعد حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود و سلام پڑھے اور دعا سے فارغ ہونے کے بعد اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے چہر پر مل لے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نوٹ: اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے محبوب مکرم کے توسل سے آج بروز جمعہ المبارک ۴ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ/۱۱ اپریل ۲۰۰۸ء میں قرآن مجید اور تفسیر مدارک التنزیل کا ترجمہ اور اس پر حواشی مکمل ہوئے۔ فالحمد علی ذالک بندہ ناچیز نے ۲۳ مئی ۲۰۰۱ء میں تفسیر مدارک التنزیل اور قرآن مجید کا ترجمہ اور حسب ضرورت حواشی کا آغاز کیا تھا الحمد للہ! آج بروز جمعہ المبارک ۱۱ اپریل ۲۰۰۸ء کو مکمل ہوا ہے، تقریباً سات سال صرف ہوئے ہیں اس کی ایک وجہ تدریسی مصروفیت دوسری وجہ دمہ کی بیماری اور گھٹنوں کی تکلیف ہے اور سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ بندہ ناچیز پر تقصیر علوم عربیہ کی مہارت میں تہی دست ہے، البتہ کچھ نہ کرنے سے کچھ کرنا ہی بہتر ہے، اسی جذبہ کے تحت خدمت دین اور اپنی مغفرت کی نیت سے یہ کام شروع کیا تھا، اللہ تعالیٰ کا کروڑہا شکر ہے کہ اس کی عطا کردہ زندگی میں یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔ اب اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ وہ صحت و تندرستی اور مزید زندگی عطا فرمائے تاکہ احادیث مبارکہ کی خدمت کر سکوں۔ آمین ثم آمین! میں اپنے محترم جناب سید محسن اعجاز شاہ صاحب کا شکر گزار ہوں، جنہوں نے قرآن مجید اور تفسیر مدارک التنزیل کا ترجمہ کرنے کی پیش کش کر کے مجھے اس کام کی طرف راغب کیا اور اس کی طباعت کی ذمہ داری قبول فرمائی۔ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قبلہ شاہ صاحب کو دین و دنیا میں دن گنی رات چگنی مزید ترقی و خوش حالی عطا فرمائے اور جس طرح وہ تفاسیر و احادیث اور دیگر اسلامی کتب کی طباعت میں انتہائی گہری دلچسپی لے کر بہت محنت جاں فشانی اور باریک بینی کے ساتھ حسن طباعت میں امتیازی شان سے خدمت دین کا کام کر رہے ہیں، آئندہ بھی اسی لگن کے ساتھ کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے ادارہ کو خوب ترقی عطا فرمائے۔

آخر میں اپنے عزیز القدر فاضل جلیل حضرت علامہ قاری فدا حسین صاحب کا بھی ممنون ہوں، جو علمی تعاون کے ذریعہ میرا حوصلہ بڑھاتے رہے، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

طالب دعا: حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی

سابق مدرس دارالعلوم جامعہ نعیمیہ، گڑھی شاہو ہلاہور

موبائل: 0322-4042114

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۱۵) سید الانام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے کہ آپ نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ختم قرآن کے وقت یہ (درج ذیل) دعا مانگنے کا حکم فرمایا: "اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ اِخْبَاتِ الْمُخْتَبِیْنَ وَ اِخْلَاصَ الْمُؤَقِّیْنَ وَ مَرَافَقَةَ الْاَبْرَارِ وَ اَسْتَحْقِاقَ حَقَّالِی الْاِیْمَانِ وَ الْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بَرٍّ وَ السَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ وَ رَجُوْبَ رَحْمَتِكَ وَ عَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَ الْفَوْزَ بِالْجَنَّةِ وَ الْاِخْلَاصَ مِنَ النَّارِ" (ترجمہ) اے اللہ! بے شک میں تجھ سے عجز و انکساری کے ساتھ عبادت کرنے والوں کی عبادت جیسی عجز و تواضع والی عبادت اور یقین رکھنے والوں کے اخلاص اور نیکیوں کی رفاقت اور ایمان کے حقائق کے استحقاق اور ہر نیکی سے حصہ پانے اور ہر گناہ سے بچنے اور تیری بہت بڑی رحمت اور تیری مستحکم و یقینی مغفرت و بخشش اور جنت کی کامیابی اور دوزخ کی آگ سے نجات کا سوال کرتا ہوں۔

(۱۶) ابن المصنف کی کتاب شرح الجزری میں ہے کہ بہتر یہ ہے کہ انسان آہ و زاری اور عاجزی کے ساتھ دعا کرے اور وہ تمام اہم کاموں کے لیے جامع الفاظ کے ساتھ دعا کرے اور جملہ امور آخرت اور مسلمانوں کے معاملات کی دعا کرے اور اسلامی بادشاہوں اور دیگر حکام بالا کی اصلاح کی دعا کرے اور ان کے لیے عبادت کے بجالانے اور اسلام کی مخالفتوں سے بچنے اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرنے اور حق پر قائم رہنے کی توفیق کی دعا کرے اور دشمنان دین اور دیگر مخالفین پر ان کے لیے غلبہ کی دعا کرے۔

(ماخوذ از: تفسیر روح البیان ج ۱۰ ص ۵۵۱-۵۵۲، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ، ۱۳۰۲ھ/۱۹۹۲ء)

